جدید فقہی مباحث

شیئرز اور کمپنی

ترتیب

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی مدظلہ

اس کتاب میں اسٹاک ایکسچینج کے کاروبار، شیئرز کی شرعی حیثیت، اور شیئرز کی خرید وفروخت، شیئرز وحصص کے شرعی احکام، اور کمپنی کے حصص میں سرمایہ کاری کے تعارف اور طریقۂ کار نیز شیئرز کی خرید وفروخت سے حاصل شدہ منافع کی شرعی حیثیت جیسے نازک مسائل پر اہم تحقیقات شامل ہیں۔ آخر میں عربی اور انگریزی زبان میں مروج جدید معاشی اصطلاحات کی اردو میں تشریح پیش کی گئی ہے۔

تاثرات
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی
مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی
شیخ الاسلام حضرت مولانا جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

جلد۔ ۱۶

ناشر:

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

گلشن اقبال کراچی فون: 34965877

مجمع الفقہ الاسلامی (الہند)	Islamic Fiqh Academy (India)

اجازت نامہ سلسلہ مطبوعات اسلامی فقہ اکیڈمی

محترمی نعیم اشرف نور، فہیم اشرف نور سلمہم اللہ تعالیٰ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعائے عافیت دارین۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی دینی وعلمی خدمات کو قبول فرمائے اور دینی ودنیاوی ترقیات سے نوازیں، آمین۔ اسلامی فقہ اکیڈمی کی جملہ مطبوعات کی پاکستان میں اشاعت وطباعت وتقسیم کے لیے آپ کے ادارے ''ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ'' کو اجازت دی جاتی ہے، اور پاکستان میں یہ حق صرف آپ کے ادارے کو حاصل رہے گا۔ تمام پرسان احوال کو میرا اسلام پہنچادیں۔

والسلام مجاہد الاسلام قاسمی

صدر اسلامی فقہ اکیڈمی

باہتمام ……………………………… نعیم اشرف نور

ناشر ……………………………… ادارۃ القرآن گلشن اقبال

کراچی، فون: 021-34965877

اشاعت ……………………………… ۲۰۰۹ء

ڈسٹری بیوٹرز

☆مکتبۃ القرآن، بنوری ٹاؤن کراچی 021-34856701

مرکز القرآن اردو بازار کراچی 021-32624608

ملنے کے پتے

☆دارالاشاعت اردو بازار کراچی 021-32631861

☆بیت القرآن اردو بازار کراچی 021-32630744

☆ادارۃ المعارف دارالعلوم کورنگی 021-35032020

☆مکتبہ معارف القرآن دارالعلوم 021-35031565-6

☆ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور 042-37353255

☆بیت العلوم نابھہ روڈ پرانی انارکلی لاہور 042-37352483

☆مکتبہ رحمانیہ لاہور 042-37334228

☆مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ 2668657

☆ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ H-8/1 اسلام آباد

چند تاثرات برائے اسلامی فقہ اکیڈمی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

''اسلامک فقہ اکیڈمی ہند'' ایک ایسا ادارہ اور تنظیم ہے جس پر ہندوستانی مسلمانوں ...... بالخصوص علماء اور دینی غیرت وفکر رکھنے والے ہندوستانی مسلمانوں کو فخر اور فخر سے زیادہ خدا کا شکر کرنے کا حق حاصل ہے، یہ ایک خالص تعمیری وفکری، علمی اور فقہی تنظیم اور اجتماعیت ہے جس میں ملک کے ممتاز، صحیح العقیدہ وصحیح الفکر اور وسیع العلم علماء اور کارکن شامل ہیں''۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی

صدر دارالعلوم کراچی

''مجھے بے انتہا مسرت بھی ہے اور کسی قدر حسرت بھی، مسرت اس بات کی کہ ہندوستان کے علماء کرام نے وہ عظیم الشان کام شروع کیا ہے جس کی پورے عالم کو اور اقلیت والے ملکوں کو شدید ضرورت ہے۔ اور حسرت یہ ہے کہ ہم پاکستان میں ہونے کے باوجود منظم اور بڑے پیمانہ پر یہ کام شروع نہیں کر سکے...... فقہ اکیڈمی نے بڑا اہم قدم اٹھایا ہے، مدت سے اس کا انتظار تھا''۔

چند تاثرات

شیخ الاسلام جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

نائب رئیس مجمع الفقہ الاسلامی جدہ

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی دامت برکاتہم سے میرا غائبانہ تعارف ایک طویل مدت سے ہے۔ لیکن میں ان کو ایک فقیہ ایک عالم کی حیثیت سے جانتا تھا، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالی نے ان کے اندر ایک مخفی جوہر، مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا بھی ودیعت کر رکھا ہے۔ آج اس محفل میں شرکت کرنے کے بعد ہندوستان کے علماء اور علم وفضل کے پیکر حضرات سے ملاقات کرکے اس بات کا اندازہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے اس اکیڈمی کو قائم کرکے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے ان کے اس کارنامے کو قبول فرمائے اور اس کے اغراض ومقاصد کو اپنی رضا کے مطابق پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس موقع پر اس اکیڈمی کے اغراض ومقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اس اکیڈمی کا قیام جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کی تعمیل ہے۔ وہ ارشاد معجم طبرانی میں ایک روایت ہے جسے علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ!

"اذا جاء نا امر ليس فيه امر و لا نهى فما ذا تأمر نا فيه"

یارسول اللہ! اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا سوال آجائے، ایسا قضیہ سامنے آجائے جس کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کوئی صریح حکم موجود نہ ہو تو اس صورت حال میں آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں ایسے موقع پر مجھے کیا کرنا چاہئے۔ حضرت نبی کریم سرور عالم نے ارشاد فرمایا:

"شاوروا الفقهاء العابدين ولا تمضوا فيه براى خاص"

کہ ایسے موقع پر فقہاء عابدین سے مشورہ کرو، اور اس میں انفرادی رائے کو نافذ نہ کرو، محض انفرادی فتوی کو، محض انفرادی رائے کو لوگوں پر مسلط کرنے کی بجائے فقہاء عابدین سے مشورہ کرو، اور اس مشورہ کے نتیجہ میں جس مقام پر پہنچو اس کو اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سمجھو، یہ ہے وہ ارشاد جس کے ذریعہ نبی کریم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام قیامت تک پیدا ہونے والے تمام نت نئے مسائل کا حل ہمارے لئے تجویز فرمایا اور وہ یہ کہ آخری وقت میں جب کہ اجتہاد مطلق کا تصور تقریباً مفقود ہو گیا ہے اس دور میں نئے مسائل کو حل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ فقہاء عابدین کو جمع کیا ہے۔ مگر اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو صفتیں بیان فرمائی۔ ایک یہ کہ جن لوگوں کو جمع کیا جائے وہ تفقہ فی الدین رکھنے والے ہوں۔ دین کی صحیح سمجھ رکھنے والے ہوں۔ دین کے مزاج و مذاق کو اچھی طرح محفوظ کرنے والے ہوں، اور دوسری قید یہ لگا دی کہ وہ فقہاء محض فلسفی قسم کے نہ ہوں، جو نظریاتی طور پر فقیہ ہوں، نظریاتی طور پر اسلام کے احکام کو جانتے ہوں، جو محض علم رکھتے ہوں، لیکن اس علم پر خود عمل پیرا نہ ہوں۔ اس علم کو اپنی زندگی میں اپنائے ہوئے نہ ہوں، اور اس علم کو اپنی زندگی کا منجانب مقصود نہ بنایا ہو، تو ایسے فقہاء سے مشورہ کرنے کا کوئی حاصل نہیں، اس لئے کہ دین، یہ محض ایک نظریہ اور فلسفہ نہیں کہ ایک شخص محض فلسفہ کے طور پر اس کو اپنا لے، اس کے حکم بیان کردے اور پھر بھی اس کا ماہر کہلائے۔ بلکہ یہ ایک عمل ہے۔ ایک پیغام ہے، ایک دعوت ہے۔ جب تک اس پر عمل صحیح طور پر نہیں ہوگا، اس وقت تک دین کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہو سکتی۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جو اقتصادی جدوجہد، تجارتی و صنعتی ترقی، خرید و فروخت کے معیارات اور طریقے متوازن و عادلانہ نہ معاشی نظام اور مستحکم اصولوں کی روشنی میں پیش کرتا ہے۔

اسلام سرمایہ، سرمایہ کاری، اخراجات، پیسہ کی بچت، مالیاتی لین دین، مال بیچنے اور بھیجنے، سرمایہ محفوظ کرنے اور خرچ کرنے، منافع کم لینے یا زیادہ لینے، قیمت کے اتار چڑھاؤ، صنعت و حرفت نیز مہارت و حقوق کی فروخت، اجرت و محنت جیسے تمام امور کی ضابطہ بندی کرتے ہوئے انسانوں کی واضح رہنمائی پیش کرتا ہے۔

آج کی دنیا صنعتی انقلاب کے بعد فنی اور تکنیکی اعتبار سے بہت آگے بڑھ گئی ہے چنانچہ خرید و فروخت، تجارت اور سرمایہ کاری کی اتنی متنوع شکلیں پیدا ہو چکی ہیں جن کی ماضی میں کوئی نظیر نہیں ملتی، مثلاً بینکاری کا نظام، کرنسی کا نظام، مارکٹنگ کا نظام، قبضہ سے پہلے فروخت اور نفع کے حصول کا سریع الحرکت نظام، حصص کے خرید و فروخت کا نظام، بین الاقوامی تجارتی نظام، کرنسی کے مساوی کارڈ کا نظام، اور ان ساری سرگرمیوں کو چلانے اور کنٹرول کرنے کے لئے مختلف النوع اداروں اور کمپنیوں کا نظام یہ سب اپنی جگہ آج کے عہد میں ایسی ضرورت بن چکے ہیں، جن سے بے شمار مسائل و سوالات جڑے ہوئے ہیں۔

اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ موجودہ رائج معاشی نظام اصلاً سود پر مبنی ہے، جس میں زیادہ تر سرمایہ داروں کا معاشی و مفاداتی تحفظ ہوتا ہے، اور غریبوں کا لہو، ان کی شب و روز محنت اور سستی اجرت سے نچوڑا جاتا ہے۔

اسلام دراصل اقتصادی محاذ پر ظلم و استحصال کا خاتمہ، معاشی عدل کا قیام اور سود کے شائبہ سے پاک نظام کا نفاذ و احیاء اور بقا چاہتا ہے، اسی لئے اسلامی شریعت اپنے جامع و پائیدار اصولوں کے ذریعہ انسانی سماج کو ہر عہد، ہر دور اور ہر خطہ میں فلاحی و دنیوی ترقی اور معاشی خوشحالی سے ہمکنار کرنا چاہتی ہے۔

ہندوستان میں قائم معاشی نظام کی اساس سود پر مبنی ہے، اس لئے کروڑوں ہندوستانی مسلمانوں کی قرآنی حکم اور اسلامی شریعت پر عمل کرنے کے لئے غیر سودی معاشی نظام، غیر سودی بنکاری اور اسلامی مالیاتی ادارے قائم کرنے اور دستوری و آئینی طور پر موجود گنجائشوں اور امکانات و حدود میں رہتے ہوئے مثبت و تعمیری کوششیں کرنے کی فکر بجا اور لائق تحسین ہے، واضح رہے کہ ہندوستان میں تجارت کے جو مختلف اصول جاری و ساری ہیں، جن کے ذریعہ سرمایہ کاری بھی ہوتی ہے اور بینک میں پیسے جمع کرنے والوں کو جائز منافع بھی تقسیم کیا جاتا ہے، ان پر اکیڈمی نے بہت پہلے کام شروع کیا، اور خوشی کی بات یہ ہے کہ بینکنگ اور موجودہ قانون کے بڑے ماہرین، جو اسلامی شریعت کی ہدایات کی پابندی کرتے ہوئے اپنے فن کے بارے میں بہتر رائے دینے کی پوزیشن میں ہیں، کا تعاون بھی اکیڈمی کو

حاصل رہا۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے۔

اس سلسلہ میں اقتصادی ماہرین پر مشتمل تشکیل شدہ طاقتور کمیٹی کی کئی نشستیں ہوئیں، جن میں علماء بھی شریک رہے، ماہرین میں پروفیسر کے بی منشی صاحب جو معاشیات بالخصوص اسلامی معاشیات پر اچھا خاصا کام کر چکے ہیں، ہمارے عزیز دوست جناب کمال فاروقی صاحب جو Chartered Accountant ہیں، جناب رحمن خاں صاحب جو الامین اسلامک بینک کے مؤسس و بانی ہیں، جو سرمایہ کاری بھی کرتا ہے، فائنانس بھی کرتا ہے، اور جس کو شریعت کے مطابق چلانے کا عزم انہوں نے کر رکھا ہے، ایک کامیاب ادارے کی حیثیت سے وہ کام بھی کر رہا ہے، اور بھی بعض بہت ہی مفید کام اللہ ان سے لے رہا ہے۔ جناب سید امین الحسن رضوی صاحب جو ماشاء اللہ شریعت پر بھی نظر رکھتے ہیں اور جدید قانون پر بھی، بہت محنت اور بڑی جانفشانی سے مطالعہ کرتے رہتے ہیں، ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی صاحب جو اسلامی معاشیات کے معروف ونمایاں اسکالر ہیں، جناب احسان الحق صاحب جو مالیاتی اداروں اور بینکوں کے انتظامی امور سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں اور اسلامی اقتصادیات سے بھی بخوبی واقف ہیں، عبدالوہاب دیلوی صاحب جو بینکنگ کا خاص تجربہ رکھتے ہیں، اور سب سے منفرد صلاحیت اور تجربات کے حامل ڈاکٹر عبدالحسیب صاحب اس کمیٹی میں روز اول سے ہی شریک رہے، ان سب کے علاوہ اور بھی متعدد ماہرین کمیٹی کے ساتھ علمی تعاون کرتے رہے، مولانا شمس پیرزادہ صاحب جن کو اقتصادی موضوعات سے خصوصی دلچسپی بھی ہے، اور شرعی معاملات میں کوئی مصالحت بھی کرنے کا مزاج ان کا نہیں ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ سب لوگ ان نشستوں میں شریک رہے، چونکہ بات بہت پرانی ہوگئی ہے اس لئے تھوڑی سی کہانی بھی سنا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

پہلا فیصلہ تمام قانونی تجزیہ کے بعد یہ ہوا کہ اصطلاح میں جس کو بینک کہا جاتا ہے اور جو International Banking Law یا Indian Banking Law کے تحت Govern ہوتا ہے، ایسے کسی بینک کو ہندوستان میں چلانا ہمارے لئے شریعت کی روشنی میں ممکن نہیں ہے، علماء اور ماہرین کی کمیٹی قطعی طور پر اس نتیجہ تک پہنچ چکی ہے، بنیادی بات یہ ہے کہ شریعت کا اصول کتاب اللہ نے واضح کر دیا ہے: "احلّ اللّه البیع و حرّم الربا" اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور ربا کو حرام کیا، لیکن Banking کے رائج قوانین کی شکل "احلّوا الربا و حرّموا البیع" ابھرتی ہے یعنی کوئی بھی بینک براہ راست Commercial Activities نہیں کر سکتا ہے، کوئی تجارتی نشاط اس کے اندر نہیں ہو سکتا، البتہ وہ سود پر قرض دیتا ہے، اور لینے والے اس سے تجارت کرتے ہیں، گویا بالواسطہ تجارت میں شرکت ہے، اس طرح کہ بینک کا سرمایہ ہر طرح محفوظ اور Secure رہتا ہے اور اس کا منافع بھی Secure اور محفوظ رہتا ہے، وہ کوئی Risk نہیں لیتا، یہ ایک بنیادی فرق ہے کہ بینک اپنی جدید اصطلاح کے اعتبار سے ایک ایسا سودی کاروبار ہے جس کے ساتھ وہ اپنے سرمایہ کو کبھی بھی Risk میں نہیں ڈالتا، منافع ضرور حاصل کرتا ہے، ظاہر ہے کہ جب شریعت آئے گی تو وہ پہلے کہے گی کہ بیع اور تجارت حلال ہے، Commercial Activities حلال ہیں اور جملہ ربوی معاملات حرام ہیں۔

اگر ایسا کوئی قانون کبھی بن جائے تو ہمارے لئے سہولت یہ ہوسکتی ہے کہ ہم جو بینک قائم کریں وہ اپنا سرمایہ ممکن حد تک قابل اعتماد طریقہ پر تجارت میں لگا کر منافع حاصل کرے، اور بینک کے یہ منافع جہاں اس کے اخراجات کو Maintain کرے گا، Depositers کو بھی جائز منافع دینے کی پوزیشن میں ہوگا۔

فی الحال بعض نئے رجحانات ضرور پیدا ہوئے ہیں جیسے Mutual Fund وغیرہ کی بعض صورتیں رائج کی گئی ہیں، ان کے بارے میں ایک بات یہ ہے کہ Mutual Fund میں تجارت کرنے کے مواقع ہیں اور قانونا اس کی اجازت ملتی ہے، کیسی تجارت ہو، کیا ہو، یہ بعد کا مسئلہ ہے، لیکن یہ بینکنگ کی بنیادی روح سے الگ ہے۔

یہ بات بھی سامنے آئی کہ بینکنگ کے اغراض ومقاصد میں دو ایک چیزیں بنیادی ہیں، ایک تو اعتماد اور بھروسہ اور ساکھ کی خصوصیت ہے، اور غالباً انگریزی زبان کے اس لفظ کے مفہوم میں بھی اس بات کی رعایت موجود ہے، (Banking Upon) یعنی کسی پر بھروسہ کرتے ہیں، یہ بھروسہ والی کیفیت کہ جب میں سرمایہ لگاؤں یا بینک کے حوالہ کروں تو مجھے اطمینان ہو کہ یہ سرمایہ مجھے لوٹے گا اور منافع بھی مجھے ملے گا، اعتماد کی یہ خصوصیت بینکنگ میں ہوتی ہے، بینکنگ کے ادارے کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ سرمایہ بجائے جامد ہونے کے متحرک رہے، کسی ایک جگہ دولت کے منجمد ہوجانے کو شریعت اسلامی بھی پسند نہیں کرتی، اسی لئے "اکتناز ذهب وفضة" اور "كي لايكون دولة بين الأغنياء"، اور خود شریعت کے دیگر احکام کی روح سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ کو حرکت میں رہنا چاہئے، اور حرکت پذیر سرمایہ کا مقصد پیسے سے پیسہ کمانا نہیں ہونا چاہئے، پیسہ وسیلہ ہے، اس کے ذریعہ Production ہو، پیداوار ہو، کسی ملک کی یا سوسائٹی کی صنعتی ترقی ہو، جس سے انسانوں کو راحت ملے، اور جو سرمایہ کاری کرتے ہیں ان کو بھی اس کا واجب نفع ملے، سرمایہ کو سوسائٹی کی فلاح کے لئے استعمال کرنا چاہئے، بجائے اس کے کہ اس کو جام کردیا جائے، یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہ ہر انسان میں تجارت کی صلاحیت نہیں ہوتی، نہ تجارت کا ہنر ہوتا ہے، اور ہر ہنر مند کے پاس ضروری نہیں کہ سرمایہ بھی ہو، کسی شخص کے اندر تجارت کی اور صنعت کی صلاحیتیں موجود ہیں، اس میں Skill بھی ہے، ہنر بھی ہے، وقت بھی ہے، افراد بھی ہیں، Human Resources انسان کی دماغی صلاحیتیں بھی اس کے پاس موجود ہیں، لیکن سرمایہ نہیں ہے، اور جن کے پاس سرمایہ ہے وہ ان چیزوں سے محروم ہیں، اسی لئے شریعت نے اصول مضاربت کو تجارت کے ضروری اصولوں میں سے تسلیم کیا ہے، اور مضاربت کے ذریعہ ایک طرف ماہرین کی فنی مہارت، افراد کی وہ قوت جس سے تجارت کرسکیں صنعت قائم کرسکیں اور چلاسکیں، اور دوسری طرف جس کے پاس سرمایہ ہے اور یہ صلاحیتیں نہیں ہیں ان سب کو جوڑ کر شریعت نے سوسائٹی کو بھی فائدہ پہونچانے کی کوشش کی ہے اور سرمایہ کو بھی صحیح رخ پر لگا کر صاحب سرمایہ کو بھی فائدہ پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ یہ شریعت کے ان اعمال کی روح ہے جو تجارت کے اصولوں میں ہیں، اسی طرح شرکت ہے کہ دو شریکوں میں سے دونوں کا سرمایہ ہے، لیکن ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک ان میں سے شریک عامل بھی ہو، شریک عامل ہونا بھی ضروری نہیں ہے، جس طرح آج کی اصطلاح میں Silent Partner اور Working

Partner ہوتے ہیں۔ اس طرح شریعت نے بھی اس کی گنجائش دی ہے کہ دو شرکاء میں سے ایک کام کی ذمہ داری سنبھال رہا ہے، اور ایک Silent ہے، وہ عملی طور پر حصہ نہیں لے پاتا ہے، ان تمام چیزوں کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ کا انجماد غلط ہے، اور سرمایہ جب جمتا ہے تو پھر غلط قسم کی راہوں میں بھی لگتا ہے اور سوسائٹی کے لئے اس کی افادیت بھی مجروح اور متاثر ہوتی ہے، اور دوسری طرف پیسے سے پیسہ کمانا اور پیسے کو Production کے ذریعہ، Development کے ذریعہ، ترقیات کے ذریعہ سماج کے منافع کے لئے استعمال نہ کرنا بھی شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے، اس وقت ہندوستان میں ہی نہیں، بلکہ دنیا کے جن ملکوں میں آپ جائیں گے چاہے وہ اپنے کو اسلامی ملک کہتے ہوں ایک دشواری موجود ہے، حالانکہ ان اسلامی ممالک کے پاس مواقع ہیں، وہ قوانین میں تبدیلیاں لاسکتے ہیں، اور اپنے پورے مالیاتی نظام کو اسلام کی اساس پر قائم کر سکتے ہیں، لیکن یا تو شاید اسلام کے اوپر اعتماد کی کمی ہوگئی ہے، یا یہ احساس پیدا ہو گیا ہے کہ موجودہ دور میں اسلامی نظام ایک طرح کا العیاذ باللہ فرسودہ نظام ہے، اور حقیقتاً میرے خیال میں اس کے پیچھے ذہنی مرعوبیت ہے، کہ جو یورپ اور امریکہ سے آتا ہے وہی خیر ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ چلنے والا نہیں ہے، اور:

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد　　پر طبیعت ادھر نہیں آتی

والا مضمون پیدا ہوتا ہے، چنانچہ نتیجہ یہ ہے کہ سعودی عرب ہو، چاہے عرب امارات ہو، چاہے دنیا کا کوئی بھی ملک ہو ان میں یہی مغربی نظام معاشیات جاری ہے، البتہ حالیہ دنوں میں کچھ تبدیلیاں آئی ہیں، اور ایران اور سوڈان میں اسلامی نظام معاشیات کو عملی طور پر نافذ کرنے کے لئے بلاشبہ کچھ مثبت فیصلے کئے گئے ہیں، بہر حال یہ تو ان ممالک کے مسائل ہیں، وہ زیادہ مکلّف ہیں، استطاعت کے باوجود اگر نہیں کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جوابدہ ہوں گے۔

ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اتنی استطاعت نہیں ہے، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ فکر مندی ضرور ہے، اور یہ بڑی مبارک ہے، اگر اللہ کی شریعت کے مطابق معاشیات کو درست کرنے کی اپنے مشکل اور نازک حالات میں بھی فکر مندی موجود ہے تو یہ بڑی مبارک اور بڑی مسعود ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ کوئی دوسرے راستے نکالے، اس لئے کہ ہمارا اس پر یقین ہے کہ جس حد تک ہم کسی کام کے کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں، اگر ہم نے موجودہ استطاعت کے مطابق شریعت کے نفاذ کی کوشش کی، تو اللہ تعالیٰ وہ دن لا سکتا ہے کہ جب ہم پورے دین کی تنفیذ و تطبیق کے اہل ہو جائیں، لیکن اگر ہم نے اپنی موجودہ استطاعت کے مطابق کوئی اقدام نہیں کرنا چاہا کہ کل نہیں مل سکتا اس لئے جز بھی نہ لو، "مالا یدرک کلہ لا یترک جزءہ" والی صورت ہم نے اختیار کی اور جمود کا شکار رہے اور کچھ کرنا نہیں چاہا، کاہلی کے ساتھ بیٹھے رہے اور جو ہو رہا ہے اس پر راضی ہو گئے تو ظاہر ہے کہ یہ بات ہمیں نہ صرف یہ کہ آگے کی استطاعت سے محروم رکھے گی بلکہ جو آج استطاعت ہے وہ بھی ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔

بدقسمتی سے یہ صورتحال Central Asia میں پیدا ہوئی، روسی واشترا کی اقتدار کے بعد ایک جانب ان کا آپسی انتشار بڑھا، دوسری جانب مذہب کا رشتہ زندگی سے منقطع کر دیا گیا۔ سب سے پہلا مرحلہ کسی امت کے مٹنے

کا یہ ہوتا ہے کہ مذہب کا رشتہ زندگی سے منقطع ہوجائے، یہاں بھی یہی ہوا، مذہب زندگی سے کٹا اور مسجدوں میں گیا، خانقاہوں میں گیا، اور آہستہ آہستہ یہ صورت حال ہوگئی کہ ابھی ایک سفر میں تھوڑا بہت کہیں کہیں قرآن شریف پڑھنے والے بچے ملے تو وہاں یہی بہت بڑی معراج مجھے محسوس ہوئی، میں نے پوچھا کہ تم نے قرآن کہاں سے محفوظ رکھا، تو انہوں نے کہا "فی الحجرة والسرداب" یعنی مکانات کے تہہ خانوں کے ذریعہ دین کا اتنا چھوٹا سا سرمایہ محفوظ رہ سکا ورنہ وہ بھی شاید محفوظ نہ رہتا، پس مذہب زندگی کے میدانوں سے ہٹا، تجارت کے مرکزوں سے ہٹا، اور ایوان حکومت واقتدار سے ہٹا، اور عدالتوں سے ہٹا، اور زندگی کے روزمرہ معاملات یہاں تک کہ شادی بیاہ اور احوال شخصیہ سے ہٹا، مسجدوں میں آیا، خانقاہوں میں آیا، زاویوں میں آیا، اور وہاں سے گھس کر اب زمین کے تہہ خانوں میں چھپ کر اسلام ستر برس تک وہاں رہا، کیا ہم بھی اس پوزیشن کو اختیار کرنے کو تیار ہیں؟ مجھے یقین ہے کہ ہمارے لوگ اس پر انشاء اللہ کبھی صلح نہیں کریں گے، مشکلات سے گزریں گے، لیکن اللہ کی شریعت کا رشتہ زندگی سے نہیں کٹنے دیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے تمام ماہرین وعلماء اس نتیجہ پر پہنچے کہ یقیناً بینکنگ موجودہ اصطلاح میں، ہندوستان میں اسلامی اساس پر قائم کرنے کے امکانات قانونی دشواریوں کی وجہ سے نہیں ہیں، اس کے متبادل کی تلاش میں یہ حضرات اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہم اسلامی مالیاتی کمپنی قائم کرسکتے ہیں، بینک اپنی موجودہ Terminology میں ہم قائم نہیں کرسکتے، لیکن اسلامی مالیاتی کمپنی ہم لوگ قائم کرسکتے ہیں، ہندستان کے کمپنی لاء (Indian Companies Act) میں گنجائش ہے کہ ہم اپنے سرمایہ کو تجارت میں مشغول کرسکتے ہیں، اس لئے بنیادی طور پر اس کا امکان پیدا ہوتا ہے کہ بینکنگ کا ایک متبادل اسلامی مالیاتی کمپنی کی راہ سے قائم کیا جاسکے، علماء کرام کے سامنے حیدرآباد کے فقہی سمینار میں ایک پروجیکٹ تیار کیا گیا، بیرون ہند سے تشریف لانے والے علماء، اور ماہرین اقتصادیات ڈاکٹر انس زرقاء، اور ڈاکٹر علی جمعہ وغیرہ، سبھی لوگوں نے اس پروجیکٹ کو بہت زیادہ غیر معمولی نظر استحسان سے دیکھا اور اس کی تعریف کی، لیکن اس پروجیکٹ کی حیثیت ایک خاکہ کی ہے، جب اس میں رنگ بھرنے کا وقت آتا ہے تو دشواریاں بہت بڑھ جاتی ہیں، چنانچہ اب اس پروجیکٹ کو ایک عملی پروجیکٹ بنانے کی کوشش میں پچھلے دنوں بہت سے سوالات پیدا ہوئے، بار بار ماہرین کی نشستیں ہوئیں، اس میں کئی دشوار کن سوالات ہیں جن کا حل علماء کو پیش کرنا ہے، شریعت کی روشنی میں علماء کرام اثبات یا نفی میں جواب دیں گے، اگر وہ ہاں کہتے ہیں تو ٹھیک ہے، اگر ناں کہتے ہیں تو پھر یہ ماہرین اس کا کوئی متبادل تلاش کرنے کی بھی کوشش کریں گے کہ شریعت نے جس کو حرام کیا اگر اسی کو ہم حلال کرلیں تو فائدہ کیا ہوگا، اس لئے جو سوالات ہیں ان میں دراصل ان ماہرین کو رہنمائی علماء کرام دیں گے کہ اس کی روشنی میں کس طرح کام کو آگے بڑھایا جائے؟

بینکس میں ایک تو سیدھا سیدھا سودی کاروبار ہوتا ہے، Money Lending کا، یعنی روپیہ قرض پر لگا کر اس پر سود کمانے کا کاروبار ہوتا ہے، جو کبھی پرانا مہاجن کرتا تھا، آج فنی تنظیم کے ساتھ وہ بینک کرتے ہیں، کچھ ایسے کام ہیں جن کو Non Banking Services کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ بینک جہاں سود پر قرض

دینے والا مالی ادارہ ہوتا ہے وہیں ساتھ ہی کمپنی دوسرے قسم کے کام میں وہ بحیثیت اجیر ہوتا ہے، پہلی صورت میں مقرض اور مستقرض کا رشتہ پیدا ہوتا ہے، اور دوسری صورت میں اجارہ کا رشتہ قائم ہوتا ہے، آج کے بینکس بہت سارے ایسے کام کر رہے ہیں جن کا تعلق Money Lending اور اقراض سے نہیں ہے، بلکہ ان کا تعلق مختلف قسم کی Services سے ہے، جو لوگ اقراض کا کام کرتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ کچھ Services بھی کرتے ہیں، مثلاً مجھے کچھ پیسہ یہاں سے دہلی بھیجنا ہے، میں بینک جاتا ہوں، ان کو دس ہزار روپئے دیتا ہوں کہ مجھے اپنے دوست کو دہلی میں یہ دس ہزار روپئے پہنچانے ہیں، وہ ایک ڈرافٹ ایشو کر دیتا ہے، اور ہم وہ بینک ڈرافٹ اپنے دوست کے پاس دہلی بھیج دیتے ہیں، وہ وہاں جاکر بینک سے لے لیتا ہے، بینک نے قابل اعتماد طریقہ پر روپئے پہنچانے کی خدمت انجام دی، اس کے لئے وہ کچھ اجرت لیتے ہیں، جس کو کمیشن یا فیس یا کچھ اور نام دیا جا سکتا ہے، یہ ایک خدمت ہے، قرض لینے اور قرض دینے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، اسی طرح مال کی بلٹی چھوڑوانا ہے، اس میں بنک ضامن بن کر اعتماد پیدا کرتا ہے، اسی طرح بینک کچھ ٹیکنیکل خدمتیں بھی انجام دیتا ہے، مثلاً ایک تجارتی ادارہ قائم کرتا ہے، بینک کے پاس ایسی فنی صلاحیتیں موجود ہیں کہ وہ اس قائم کئے جانے والے ادارہ کا ایک عملی خاکہ، پروجیکٹ اور اسکیم بنا کر دے سکتا ہے، اسکیم بنانے میں اس کا وقت لگتا ہے یا محنت لگتی ہے، اس کی بنیاد پر وہ اجرت لیتے ہیں، اس طرح کے دسیوں ایسے کام ہیں جو آج کے بینکس علاوہ قرض دینے کے انجام دیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ہمارا اسلامی مالیاتی ادارہ اجارہ کے اصول پر ایسی خدمات پیش کر سکتا ہے اور اجرت پر خدمت حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں شاید کسی کو کوئی اشکال نہ ہو کہ بینک خدمات کے عوض اجرت لے سکتا ہے، لیکن تفصیلات میں جاکر کچھ اہم سوالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ کیا ہر خدمت وہ انجام دے سکتا ہے، یا کچھ ایسی خدمتیں ہیں جن کا انجام دینا اس کے لئے مناسب نہیں۔ مثلاً کوئی بھی ادارہ یا کمپنی یا کارخانہ کسی شخص کو بنانا ہے، وہ کسی فنی ماہر سے اس کی اسکیم بنوانا چاہتا ہے، اب اسکیم میں پہلا سوال یہ ہوگا کہ سرمایہ کہاں سے آئے گا، دوسرا سوال یہ ہوگا کہ یہ سرمایہ کہاں اور کیسے کیسے خرچ ہوگا، سرمایہ کے ذرائع یہ ہیں کہ کمپنی کے دس ہزار شیئرز بنا لئے جائیں، شیئر ہولڈرس پیسہ دیں گے، اور کمپنی کے منافع ان پر تقسیم کر دئے جائیں گے، یہاں تک بھی کوئی مسئلہ نہیں، لیکن پھر بھی دشواریاں ہیں، سارا ہی سرمایہ شیئر ہولڈرس سے نہیں مل پاتا ہے یا نہیں مل پائے گا، اس لئے کمپنی کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے سرمایہ میں اضافہ کرنے کے لئے قرض بھی لے، اس نے قرض لیا، اس حد تک بھی کوئی حرج کی بات نہیں، لیکن قرض پر اس کو سود دینا پڑتا ہے، یہاں یہ مشکل پیدا ہوتی ہے جو ماہر فن کمپنی کی اسکیم بنائے گا وہ یہ لکھے گا کہ کمپنی کو اتنا روپیہ قرض سے حاصل کرنا پڑے گا، اور اس قرض پر بینک کو اتنا انٹریسٹ بھی ادا کرنا پڑے گا، اس لئے اس کے آمد و خرچ اور اس کے حساب کو دیکھ کر منافع، اس کی نافعیت، افادیت وغیرہ طے کی جائے گی، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی فنی خدمت جس میں اس اسکیم و پروجیکٹ میں سود کا بھی ذکر ہو، آیا اسلامی مالیاتی ادارے کے لئے ایسی سروس (خدمت) انجام دینا جائز ہوگا یا نہیں؟

دوسری شکل یہ ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ کو اپنا سرمایہ جائز نفع بخش اسکیموں میں لگاتا ہے، بلکہ ایک اور لفظ

بڑھادیجئے، قابل اعتماد اسکیموں میں سرمایہ لگاتا ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کہاں لگائیں، ایں خانہ ہمہ آفتاب است، کسی کمپنی کا شیئر ہم خریدتے ہیں، اور آج کل سرمایہ کاری کا سب سے زیادہ قابل اعتماد طریقہ یہ ہے کہ شیئرز لے لئے جائیں، اور کمپنی کے شیئرز سے حاصل ہونے والے نفع کو Depositors میں تقسیم کریں، یا خرچ چلائیں، تو ہم کسی کمپنی کا شیئر لیتے ہیں، اب کمپنیاں تین قسم کی ہیں: ایک کمپنی وہ ہے جو خالص غیر سودی کاروبار کرتی ہے، دوسری کمپنی وہ ہے جو خالص سودی کاروبار کرتی ہے، مثلاً بینکس ہیں، بینکس کے بھی شیئرز فروخت ہوتے ہیں۔ لیکن بینکس کی بنیادی اساس انٹرسٹ یعنی سود پر ہے، تو کیا اسلامی مالیاتی کمپنی کو اس کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ بینکس یا اس طرح کی وہ کمپنیاں جو سو فیصد خالصتاً سود پر مبنی تجارت کرتی ہیں ان کے حصص خریدے، بظاہر یہ ہے کہ اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کمپنی خالص غیر سودی کاروبار کرتی ہے، ظاہر ہے کہ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، مگر اشکال یہاں پیدا ہوتا ہے کہ اس کمپنی کا بنیادی مقصد تو غیر سودی ہے، بنیادی طور پر اس کمپنی کا کام، اس کی Activities، اس کے مقاصد، Objects قطعاً غیر سودی ہیں، لیکن موجودہ قانون وحالات میں اس کو کئی ایسے مبادلات کرنے پڑتے ہیں جن کا تعلق سود سے ہے، تو جس کمپنی کا بنیادی مقصد جائز وحلال ہو لیکن فی الجملہ سودی معاملات میں اس کو ملوث ہونا پڑتا ہے، اور اس طرح ضمنی تلوث سودی کاروبار میں پیدا ہوتا ہے، کیا ایسی کمپنیز کے شیئرز ہماری اسلامی مالیاتی کمپنی حاصل کرسکتی ہے یا نہیں؟ یہ ہے وہ اصل اور ٹیڑھا سوال جو جواب کا متقاضی ہے، اور مجمع الفقہ الاسلامی جدہ میں بھی یہ سوال آچکا ہے، لیکن ابھی وہاں بھی کوئی فیصلہ اس پر نہیں ہوسکا ہے، باربار تحقیق ہورہی ہے، اس طرح کی اور بھی کئی صورتیں پیدا ہوسکتی ہیں۔

بہرحال اس رخ پر جاری کوششیں انشاء اللہ مسلسل جاری رہیں گی اور علماء اور ماہرین اقتصادیات کے گرانقدر علمی وعملی تعاون سے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے لئے عصر حاضر کے نئے اقتصادی مسائل کا فقہ اسلامی کی روشنی میں واضح حل پیش کیا جانا ممکن ہوسکے گا۔

زیر نظر کتاب کا ابتدائی حصہ شیئرز کے موضوع پر ہے، یہ موضوع اکیڈمی کے نویں فقہی سمینار منعقدہ جے پور (راجستھان) میں زیر بحث آیا اور اس بابت تفصیلی فیصلے طے پائے، کتاب کا دوسرا حصہ کمپنی وحصص کمپنی کے موضوع سے تعلق رکھتا ہے، اکیڈمی نے اپنے چھٹے فقہی سمینار منعقدہ عمرآباد (تمل ناڈو) میں حصص کمپنی اور بینکنگ کے موضوعات سے تعلق رکھنے والے متعدد سوالات پر غور وخوض کیا جن میں سے بعض پر فیصلے بھی طے پائے، مرابحہ سے متعلق ایک مخصوص سوال کے جوابات بھی اس کے آخر میں شامل ہیں، موضوع کی یکسانیت کی وجہ سے یہ تمام مسائل یکجا کردیئے گئے ہیں۔

دعا ہے کہ یہ علمی وفقہی مباحث امت کے لئے زیادہ سے زیادہ نافع ومفید ثابت ہوں۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

۱۷ر جنوری ۲۰۰۰ء

۹ر شوال المکرم ۱۴۲۰ھ

پہلا موضوع:

شیئرز

سوالنامہ:

شیئرز کی شرعی حیثیت

۱۔ کیا کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا یہ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے۔

بعض حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ شیئرز سرٹیفکیٹ محض کمپنی کو دیئے ہوئے پیسے کی دستاویز ہے، کمپنی کے اثاثوں اور اس کی املاک میں حسب تناسب حصہ دار ہونے کی دلیل نہیں ہے، احکام شرع کی تفصیل میں شیئرز کی حیثیت کے تعین کو بڑا دخل ہے، اگر شیئرز کو اثاثوں اور املاک کا ایک حصہ تسلیم کرلیا جائے تو شیئرز کی حقیقت یہ قرار پاتی ہے کہ وہ نقد اور اثاثوں کا مجموعہ ہے، اس لئے کہ کسی بھی کمپنی میں اس کی جامد املاک، اراضی اور تعمیرات کے علاوہ مشینیں، تیار شدہ مال، خام مال، جمع رقوم، دوسروں پر اس کی واجب الادا رقمیں وغیرہ بھی شامل ہوتی ہیں، اس طرح یہ تمام چیزیں شیئرز کے ذیل میں آجاتی ہیں، اب شیئرز کی خرید وفروخت نقد کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت نہیں بلکہ نقود واملاک کے مجموعہ کو نقود کے ذریعہ فروخت کرنا ہے۔

اور اگر شیئرز کو محض اس کمپنی میں لگائی گئی نقد رقم کی دستاویز تسلیم کیا جائے تو اس کی بیع وشراء نقد کی نقد کے ساتھ بیع وشراء ہوگی، ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس پر بیع صرف کے احکام وارد ہوں گے، جو لوگ اسے محض قرض کی دستاویز مانتے ہیں وہ اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں جب موجودہ قانون کے مطابق اس کی املاک ضبط کر کے اس کے قرضے ادا کئے جاتے ہیں اس وقت اس کے حصہ کے تناسب سے کمپنی کے اثاثے قرق نہیں کئے جاسکتے۔

دوسرا نقطۂ نظر رکھنے والے اپنے موقف کی تائید میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ اگر کمپنی باہمی قرارداد سے تحلیل ہو جائے تو ہر شیئر ہولڈر کو اس کے شیئرز کے تناسب سے اس کے اثاثوں میں حصہ ملتا ہے، اور نفع ہو تو اس کے لگائے ہوئے سرمایہ سے زائد رقم ملتی ہے اور اگر خسارہ ہو تو اسے نقصان بھی برداشت کرنا ہوتا ہے، برخلاف بانڈ وغیرہ قرض کی دستاویزوں کے کہ صرف لگی ہوئی رقم مع سود ملتی ہے، اثاثوں میں کوئی حصہ نہیں ملتا ہے، بہرحال یہ ضروری ہے کہ کمپنی کے اندر شیئرز کی حیثیت کا تعین کر کے احکام شرعی اس پر مرتب کئے جائیں۔

۲۔ بعض اوقات کمپنی قائم کرتے وقت شیئرز کا اعلان کیا جاتا ہے، اور اس وقت اس کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتی ہیں، اس وقت اگر کمپنی کے خرید کردہ شیئر کی بیع کی جائے تو اس صورت میں نقد نقد کے مقابل ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہوگا؟

۳۔ کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد اس کا اثاثہ مخلوط ہوتا ہے (یعنی نقد اور املاک کا مجموعہ) اس صورت میں

جبکہ مجموعہ مال ربوی وغیر ربوی دونوں پر مشتمل ہے، شیئرز کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت کا کیا حکم ہوگا؟

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے، جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت اور ایکسپورٹ، یا بینکس اور سودی اسکیموں میں روپیہ لگانا، ایسی کمپنیز کے شیئرز کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہوگا؟

۵۔ ایسی کمپنیز جن کا کاروبار حلال ہے، مثلاً انجینیرنگ کے سامان تیار کرنا، عام استعمال کی مصرفی چیزیں تیار کرنا وغیرہ، پھر ان کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہونے کے باوجود انہیں بعض اوقات انکم ٹیکس وغیرہ کی زد سے بچنے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے، کیا ایسی کمپنیز کا شیئر خریدنا جائز ہے؟

۶۔ اسی طرح حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کو بھی قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے، یا سیکورٹی بانڈز خریدنے پڑتے ہیں، جن کی وجہ سے انہیں سود بھی ملتا ہے، کیا ایسی کمپنیز کا شیئرز خریدنا ناجائز ہوگا؟

۷۔ سودی قرضہ لینے کی صورت میں اس قرض سے حاصل ہونے والے منافع کی شرعی حیثیت کیا ہوگی، آیا وہ قرض مفید ملک ہے یا نہیں، اوراس کے ذریعہ حاصل ہونے والی آمدنی حلال شمار کی جائے گی یا نہیں؟

۸۔ کیا کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے اوراس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا؟

۹۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس میں کوئی فیصلہ کثرت رائے سے ہوتا ہے ، کیااس کمیٹی میں کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اپنے اختلاف کا اعلان کر دینا وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے اسے بری الذمہ کردے گا؟

۱۰۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو، اوراس کی مقدار معلوم ہو تو کیا شیئر ہولڈر کے لئے منافع سے اس کے بقدر نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا؟

۱۱۔ اور اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا ہے اتنا فیصد ملنے والے منافع سے نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا؟

۱۲۔ شیئرز کی تجارت کرنا کیسا ہے، یعنی کوئی شخص کچھ شیئرز خریدے کہ قیمت بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ فروخت کردوں گا، خلاصہ یہ کہ شیئرز کی بیع وشراء کو ایک تجارت کی طرح کرنے کا حکم کیا ہوگا، جبکہ اس میں ایک طرح کی قیاس آرائی کو دخل ہوتا ہے کہ بازار کی صورت حال کو دیکھ کر زیادہ منافع دینے والے شیئرز خرید لئے جاتے ہیں، اور کیا ہر تخمین وقیاس آرائی ممنوع ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

۱۳۔ شیئر مارکیٹ میں ایک سودا جسے فیوچر سیل (بیاعات مستقبلیات) کہتے ہیں مروج ہے، اس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان کو برابر کر لینا مقصود ہوتا ہے، مثلاً زید نے سو شیئرز کا سودا بہ حساب سو روپے فی شیئر کیا، اور ادائیگی اور وصولی کی تاریخ ۳۰ / مارچ مقرر کی، اب جب ۳۰ / مارچ آئی تو اس شیئر کی قیمت ڈیڑھ سو روپے ہوگئی تو وہ پانچ ہزار روپے منافع کے طور پر لے لیگا، اور اگر ۳۰ مارچ کو اس شیئر کی قیمت گھٹ کر

پچاس روپے ہوگئی تو وہ پانچ ہزار روپے ادا کرے گا، اصل سودا محض کاغذی کارروائی ہے، نہ مشتری ثمن دیتا ہے، نہ بائع مال دیتا ہے، البتہ مقررہ تاریخ پر بڑھتے ہوئے دام کی صورت میں منافع یا گھٹتے ہوئے دام کی صورت میں خسارہ ادا کیا جاتا ہے، شریعت میں مذکورہ فیوچر سیل کا کیا حکم ہے؟

۱۴۔ غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، جائز ہوگی یا نہیں؟

۱۵۔ شیئرز کے نقد سودے میں بھی بعض انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے سرٹیفیکٹ پر قبضہ ایک سے تین ہفتوں تک تاخیر سے ہوتا ہے، اس ذیل میں اصل سوال یہ ہے کہ شیئر پر قبضہ کا مطلب کیا ہوگا، اگر بوقت بیع وشراء ہی کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں شیئر ہولڈر کی ملکیت آ جاتی ہے، اور وہ اس کی ضمان میں آ جاتا ہے، اور حقوق وذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں، اگر چہ ابھی شیئرز سرٹیفیکٹ نہ ملا ہو تو اس کو شیئر پر قبضہ معنوی حاصل ہوگا یا نہیں، کیا شرع میں ہر شئی پر اس کی خاص نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوگی جس کی بناء عرف وعادت پر ہوگی، یا ہر صورت میں قبضہ حسی ہی ضروری ہوگا؟

۱۶۔ اس طرح خرید کردہ شیئر کو (جس کی موجودہ قیمت خریدار نے ادا کردی ہے) اگر خریدار سرٹیفیکٹ حاصل کرنے سے قبل اگلے دن یا دو چار دن میں کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو اس کا کیا حکم ہوگا، اور اس طرح دوسرے کے خریدنے کے بعد تیسرے و چوتھے کے ہاتھ فروخت کرنا درست ہوگا؟ بالخصوص جبکہ شیئر کا ضمان ومنافع خریدنے کا معاملہ کرنے کے ساتھ ہی خریدار کی طرف منتقل ہو جاتا ہو۔

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج بازار میں خرید وفروخت کے لئے واسطہ بننے والے کو "بروکر" کہتے ہیں (جو موجودہ وقت میں شیئرز کی خرید وفروخت اور قیمتوں سے واقفیت رکھتا ہے اور رہتا ہے، اور خرید وفروخت کی کاروائی کا اندراج کرتا ہے) یعنی اس کی حیثیت ایجنٹ کی ہے، اس کا کیا حکم ہوگا؟ یعنی کیا بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے؟

فیصلے:

شیئرز کی شرعی حیثیت

تمام مقالات کے بعض شقوں میں نقطہائے نظر مختلف تھے چنانچہ شرکائے سمینار کے درمیان بحث و مباحثہ کے بعد جو متفقہ طور پر فیصلے کئے گئے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ کسی کمپنی کا خرید کردہ ایکویٹی شیئر (Equity Share) کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، وہ محض اس بات کی دستاویز نہیں ہے کہ اس نے کمپنی کو اتنی رقم دی ہے۔

۲۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی ابتدائی خریداری جو ابھی سرمایہ اکٹھا کرنے کے مرحلے سے گذر رہی ہیں، شرعاً خریداری نہیں بلکہ اس کمپنی میں شرکت ہے۔

۳۔ عام طور پر کمپنیوں کی دوسری املاک نقد سرمایہ سے زیادہ ہوتی ہیں، اس لئے کمپنیز کے شیئرز کی خریداری درست ہے، لیکن اگر معلوم ہو جائے کہ ادا کردہ نقد اس مقدار نقد کے برابر یا اس سے کم ہے جس کی شیئر نمائندگی کرتا ہے تو ایسی صورت میں شیئرز کی خریداری اس کی مقررہ قیمت سے کم یا زیادہ پر درست نہ ہوگی۔

۴۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہے، مثلاً شراب وخنزیر کے گوشت کی تجارت یا سودی قرضے دینا وغیرہ، ان کے شیئرز کی خرید وفروخت ناجائز ہے۔

۵۔ شرکاء سمینار کا احساس ہے کہ ہندوستان میں ایسی کمپنیز کا قیام قابل عمل ہے جو خالص اسلامی اصول تجارت کے اعتبار سے کاروبار کریں، سمینار مسلم تجار اور ماہرین معاشیات کو اس طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ وہ اپنی دینی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے ایسی کمپنیز کے قیام کی جدوجہد کریں جو کامل طور پر اسلامی احکام پر کاربند ہوں۔

لیکن چونکہ فی الحال ایسی کمپنیاں ہندوستان میں موجود نہیں ہیں یا بہت کم ہیں جو خالص اسلامی بنیادوں پر کاروبار کرتی ہوں، اس لئے جن مسلمانوں کے پاس نقد سرمایہ ہو اور اپنے مخصوص حالات کی بنا پر ان کے لئے جائز تجارت میں اس سرمایہ کو لگانا قابل عمل نہ ہو، ان کے لئے ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنے کی گنجائش ہے جن کا بنیادی کاروبار حلال ہو (مثلاً: انجینیرنگ کے سامان یا عام استعمال کی مصرفی چیزیں تیار کرنا) اگر چہ انہیں بعض قانونی مجبوریوں کی وجہ سے سودی معاملات میں ملوث ہونا پڑتا ہو۔

۶۔ جن مسلمانوں نے ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدے ہیں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن وہ کمپنیز ضمنی طور پر

بعض ناجائز تصرفات میں بھی ملوث ہوتی ہیں، ان مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ شیئر ہولڈرس کی سالانہ میٹنگ میں کمپنی کو آئندہ ایسے ناجائز تصرفات سے روکنے کی کوشش کریں اور دوسرے شیئر ہولڈرس کو افہام وتفہیم کے ذریعہ اس بات پر آمادہ کرنے کی سعی کریں کہ وہ بھی ان کے نقطۂ نظر سے اتفاق کرتے ہوئے میٹنگ میں ان کی تائید کریں۔

۷۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے منافع میں سے اس کے بقدر بلانیت ثواب صدقہ کردینا ضروری ہے۔

۸۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا ہے اسی تناسب سے ملنے والے منافع سے نکال کر بلانیت ثواب اپنی ملک سے نکال دینا ضروری ہے۔

(نوٹ: دفعہ ۷ اور ۸ میں مولانا رئیس الاحرار ندوی کے نزدیک سود کی رقم غیر مسلم ہی کو دی جائے)۔

۹۔ کمپنی کی اپنی قانونی شخصیت ہے جو شیئر ہولڈرس کی اجتماعی حیثیت کی نمائندگی کرتی ہے، بورڈ آف ڈائرکٹرس کمپنی کے منتخب کردہ افراد کا مجموعہ ہے کمپنی کی طرف سے تصرفات کرتا ہے اور اس طرح شیئر ہولڈر کے مجموعہ کا وکیل ہے، لہذا بورڈ آف ڈائرکٹرس کے تصرفات جو کمپنی کے مقرر کردہ اصول وضوابط کی حدود میں ہوں، کی بالواسطہ ذمہ داری بھی شیئر ہولڈرس پر آتی ہے۔

۱۰۔ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی تجارت کرنا درست ہے۔

۱۱۔ فیوچر سیل (Future Sale) جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان برابر کرلینا مقصود ہوتا ہے، اسلامی شریعت کی نگاہ میں ناجائز ہے کیونکہ یہ کھلا ہوا جوا ہے۔

۱۲۔ غائب سودا (Forward Sale) جس میں بیع تو ہو جاتی ہے لیکن اس کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، بیع نہیں وعدۂ بیع ہے، مقررہ تاریخ آنے پر ایجاب وقبول ہونے کے بعد ہی بیع وجود میں آئے گی۔

۱۳۔ حاضر سودے (Cash Sale - Spot Sale) میں شیئر سرٹیفکیٹ پر قبضہ سے پہلے خرید کردہ شیئرز کو فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۱۴۔ شیئر سرٹیفکیٹ (Share Certificate) حاصل ہونے کے بعد خریدار کا اس پر قبضہ متحقق ہو جاتا ہے، اگرچہ بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے کمپنی میں اس کے نام کا اندراج نہ ہو سکا ہے، لہذا اس شیئر کو خریدار فروخت کرسکتا ہے۔

۱۵۔ جن شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے ان کی خرید وفروخت میں بروکر (Broker) کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے، ناجائز اور حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت میں بحیثیت بروکر کام کرنا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆☆

تلخیص مقالات شیئرز

ا۔ شیئرز کی شرعی حیثیت:

سبھی مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، اسی وجہ سے اگر کمپنی باہمی قرارداد سے تحلیل ہوجائے تو ہر شیئر ہولڈر کو اس کے شیئرز کے تناسب سے اس کے اثاثوں میں حصہ ملتا ہے، اور نفع ہو تو اس کے لگائے ہوئے سرمایہ سے زائد رقم ملتی ہے اور اگر خسارہ ہو تو نقصان بھی برداشت کرنا ہوتا ہے، برخلاف بانڈز وغیرہ قرض کی دستاویزوں کے کہ صرف لگی ہوئی رقم مع سود ملتی ہے، اثاثوں میں کوئی حصہ نہیں ملتا ہے۔ ان حضرات نے مخالفین کی اس دلیل کو ''کہ قانونی طور پر کمپنی کے اثاثوں کو قرق نہیں کیا جاتا ہے'' بالکل رد کردیا ہے۔

۲۔ شیئرز کی خرید وفروخت:

شیئرز کی خرید وفروخت جب کہ کمپنی کے پاس کچھ بھی اثاثہ نہ ہو۔

اس مسئلہ میں مقالہ نگار حضرات کی آراء مختلف ہیں جو درج ذیل ہیں:

الف۔ یہ سوال ہی صحیح نہیں، کیونکہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ کمپنی کا وجود ہو اور کچھ بھی اثاثہ نہ ہو، کیونکہ کمپنی کا رجسٹریشن ہوتا ہے، اور رجسٹریشن کے لئے کچھ نہ کچھ اثاثے کا ہونا ضروری ہے، تب کمپنی رجسٹرڈ ہوتی ہے، لہذا یہ سوال درست نہیں۔

مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، حکیم ظل الرحمٰن۔

ب۔ شیئرز کو نوٹوں کے بدلے خریدنا بیع صرف نہیں، بلکہ یہ عقد بیع ہی نہیں عقد شرکت ہے (مفتی شکیل احمد)۔

ج۔ اس میں غیر مملوک کی بیع لازم آتی ہے اور یہ ناجائز ہے، کیونکہ شیئرز کی بیع دراصل اثاثوں اور املاک کی بیع ہوتی ہے اور ابھی کمپنی کی ملکیت میں اثاثے ہی نہیں لہذا ناجائز ہے (مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا ابوبکر قاسمی)۔

نوٹ: مولانا ابوبکر صاحب نے آگے چل کر اس کو بیع صرف کہا ہے۔

د۔ یہ بیع جائز ہے باوجودیکہ تقابض طرفین سے نہیں ہے، **قیاسا علی جواز بیع الحظوظ و بیع الحقوق الموجودة قبل القبض دون المعدومة**، اس میں معدوم یا غیر مملوک کی بیع لازم نہیں آتی۔

نوٹ: موصوف نے برابری کی بھی کوئی شرط نہیں لگائی، البتہ اتنا کہا ہے کہ اس میں نقد

نقد کے مقابل ہوتا ہے (مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی محمد زید)۔

ھ۔ اس پر عقد صرف صادق نہیں آتا، کیونکہ یہ عقد صرف اثمان خلقیہ میں ہی ہوگا، اور شیئرز ثمن خلقی نہیں بلکہ من وجہ ثمن خلقی سے مشابہ ہیں اور من وجہ آخر فلوس نافقہ کے مشابہ ہیں، لہذا ثمن خلقی کی مشابہت کی وجہ سے تفاضل جائز نہ ہوگا۔

اور فلوس نافقہ کی مشابہت کی وجہ سے عقد میں بدلین پر قبضہ کی شرط نہ ہوگی۔ حیث جاء فی رد المحتار للشامی باع فضة بفلوس فإنه يشترط قبض أحد البدلين قبل الافتراق لا قبضهما كما في البحر عن الذخيرة (ردالمحتار ۴/۲۶۲)۔

مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری۔

و۔ یہ بیع النقد بالنقد ہے، لہذا تفاضل تو جائز نہ ہوگا البتہ برابر رقم کے ساتھ درست ہے۔

مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا شمشاد احمد نادر القاسمی، مولانا زبیر احمد سیتامڑھی، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا ظفر الاسلام صاحب، مولانا قمر عالم سبیلی، مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا ابراہیم صاحب، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، مولانا محمد ابرار خان ندوی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا ابوبکر شکر پور۔

نوٹ: انہوں نے اس معاملہ کو غیر مملوک کی بیع بھی کہا ہے۔

ز۔ یہ بیع صرف ہے، اگر برابر رقم کے بدلے میں تبادلہ ہو تو جائز ہے۔

ان حضرات نے تقابض یا یداً بید کی شرط نظر انداز کر دی ہے۔

مولانا ابوالحسن علی گجرات، مفتی عبیداللہ الاسعدی، مولانا مجاہد الاسلام حیدرآباد، مولانا محمد قمر الزماں، مولانا محمد نور القاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا نعیم رشیدی، مفتی عبدالرحیم، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا نعیم اختر قاسمی۔

ح۔ یہ معاملہ بالکل درست نہیں ہے، چاہے برابر رقم کے ساتھ تبادلہ ہو، کیونکہ یہ بیع صرف ہے اور بیع صرف میں تقابض وتساوی دونوں ضروری ہیں، تفاضل اور ادھار جائز نہ ہوگا۔

اس صورت میں دوسری شرط مفقود ہے کہ طرفین سے نقد ادائیگی نہیں پائی جاتی، ایک طرف روپیہ ہے اور دوسری طرف روپیوں کی دستاویز نہ کہ روپے، لہذا یہ عقد درست نہ ہوگا۔

مولانا محمد رضوان قاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا طاہر مظاہری، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا نسیم احمد قاسمی۔

نوٹ: بعض حضرات نے اس مسئلہ کا کوئی جواب نہیں دیا۔

(مولانا احمد دیولوی، مفتی نظام الدین صاحب دارالعلوم دیوبند، جناب حفظ الرب صاحب الہ آباد)

۳۔ نقد واملاک کے مجموعہ کا حکم:

اس مسئلہ میں بھی بہت سی آراء ہیں جن کو ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ زیادہ تر مقالہ نگار حضرات نے یہ رائے دی ہے کہ اس کا حکم چاندی یا سونا چڑھی ہوئی تلوار کا سا ہے، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک یہ صورت جائز ہوگی بشرطیکہ شیئر کی قیمت اثاثے میں لگے ہوئے نقد کے مقابلہ میں زائد ہو، ورنہ (یعنی اگر شیئر کی قیمت اثاثے میں لگے ہوئے نقد سے کم یا برابر ہے تو) درست نہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا محمد حنیف صاحب، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا نسیم احمد قاسمی، مولانا ابوبکر شکر پوری، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا نسیم الدین صاحب قاسمی، مولانا طاہر مظاہری، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا نعیم رشیدی، مولانا عبیداللہ الاسعدی، مولانا شمشاد احمد نادر قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا ابراہیم، مولانا ابرار خاں، مولانا مجاہد الاسلام حیدرآباد، مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا نور القاسمی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مفتی عبد الرحیم صاحب، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا محمد شاہد القاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا انور علی الاعظمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں، مولانا ظفر الاسلام، مولانا عبدالجلیل القاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا ابوالحسن علی بھروچ، مولانا سمیع اللہ قاسمی۔

مگر مولانا محمد قمر الزماں نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں سامان کا جائزہ لینا ضروری نہیں ہے۔ اور مولانا سمیع الحق صاحب و مفتی زید صاحب نے مزید ایک شرط کا اضافہ کیا ہے کہ ید ابید ہو، ادھار نہ ہو۔ اور اخلاق احمد القاسمی صاحب نے مزید دو شرطوں کا اضافہ کیا ہے: ۱۔ سودی کاروبار کے خلاف آواز اٹھاتا رہے۔ ۲۔ ربوی مال کا صدقہ کرے۔

موخر الذکر حضرات (ابوالحسن علی، ظفر الاسلام، زبیر احمد قاسمی) نے ایک دوسری عبارت سے استدلال کیا ہے:

"ولو قال أعطني نصف درهم فلوسا و نصفا إلا حبة جاز لأنه قابل الدرهم بما يباع من الفلوس بنصف درهم و بنصف درهم إلا حبة بمثله وما وراءه بازاء الفلوس (ہدایہ کتاب الصرف ۳/۱۱۱)۔

۲۔ یہ معاملہ درست ہے درج ذیل شرائط کے ساتھ:

الف۔ سودی کاروبار کے خلاف آواز اٹھائی جاتی رہے۔

ب۔ مال ربوی کا صدقہ کرے۔ (مولانا منظور احمد قاسمی)

۳۔ اگر کمپنی کے اثاثے نقد کے مقابلہ میں نمایاں طور پر غالب ہیں تو شیئر خریدنا درست ہے، چنانچہ فقہ میں مشہور مقولہ ہے: "للأكثر حكم الكل" (مفتی محبوب علی وجیہی صاحب)۔

۴۔ جائز ہے کیونکہ سودی عنصر پورے کاروبار میں ضمنی حیثیت رکھتا ہے۔ (مولانا شمس پیرزادہ)

۵۔ مطلقاً جائز ہے۔ (مفتی محمد جعفر، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا احمد دیولوی)۔

مزید مولانا تنویر احمد اور احمد دیولوی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اختلاط الحلال بالحرام میں ہم حلال کو ترجیح دیں گے، مگر مولانا احمد دیولوی نے کہا ہے کہ چونکہ اس میں سود کی آمیزش ہے اس لئے مناسب نہیں۔

۶۔ مطلقاً جواز ہونا چاہئے (یہاں تک مولانا سلطان احمد اصلاحی اور مولانا عبدالعظیم اصلاحی متفق ہیں) مگر دونوں حضرات نے مختلف وجوہ کی بنا پر جواز کا مطالبہ کیا ہے۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی صاحب کا موقف ہے کہ چونکہ کمپنی کے مخلوط اثاثہ میں نقد کی مقدار ہمیشہ بدلتی رہتی ہے ایک ہی نہیں رہتی، اس لئے اس کی تعیین پُر مشقت ہی نہیں، عام شرکاء کے لئے تقریباً ناممکن ہے، اس لئے اس مخلوط اثاثہ کے مجموعہ کو جس کی نمائندگی کمپنی کرتی ہے نقد سے مختلف چیز سمجھا جائے، اور اس اجتہادی مسئلہ میں کمپنی کے سرٹیفکیٹ (شیئر) کا نقد سے تبادلہ مطلقاً جائز ہونا چاہئے۔

جبکہ مولانا سلطان احمد صاحب فرماتے ہیں کہ ہندوستان دار الحرب ہے، اگر اس کو من کل الوجوہ دار الحرب نہ مانا جائے تو کم از کم معاملات ربویہ میں تو اس کا لحاظ ضرور کرنا چاہئے۔

نوٹ: لیکن موصوف نے دوسرے سوال کے جواب میں کہا ہے کہ نقد کا معاملہ نقد کے ساتھ کی صورت میں برابری کے ساتھ ہی درست ہوگا، کمی زیادتی کے ساتھ درست نہ ہوگا، کیونکہ یہ بیع صرف ہے۔

۷۔ شیئر کی تجارت جو کہ نقد و اعراض کا مجموعہ ہے اس کو بطور جزء مشاع کے بدلے خریدنا درست ہے۔ (مفتی نظام الدین صاحب دار العلوم دیوبند)۔

۸۔ یہ کاروبار ٹھیک نہیں ہے اور اس سے حتی المقدور بچا جائے (مفتی عزیز الرحمٰن صاحب)۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے:

اس مسئلہ میں جملہ مقالہ نگار حضرات عدم جواز پر متفق ہیں بجز مولانا احمد دیولوی صاحب کے، کہ ان کی رائے جواز کی ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا مناسب نہیں، ان کا کہنا ہے کہ عقود عاقد کی طرف لوٹتے ہیں اور یہاں پر عاقد کمپنی ہے جو کہ وکیل کی حیثیت رکھتی ہے، لہذا یہ معاملہ کمپنی کی طرف ہی راجع ہوگا نہ کہ موکل (خریداران شیئرز) کی جانب، اس لئے جائز ہے، لیکن سود کی آمیزش کی وجہ سے مناسب نہیں۔ جبکہ مولانا احمد دیولوی کے علاوہ جملہ مقالہ نگار ایسی کمپنی کے بارے میں جو حرام کاروبار کرتی ہو اس کے عدم جواز پر متفق ہیں۔

نوٹ: مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔

درج ذیل حضرات اس مسئلہ میں عدم جواز کے قائل ہیں:

مولانا محمد حنیف، مولانا سید محمد ایوب، مولانا شمس پیرزادہ، جناب حفظ الرب، مولانا محمد طاہر، مولانا بدر احمد مجیبی، مفتی محمد زید، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ظفر الاسلام، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا مفتی نظام الدین صاحب دار

العلوم دیوبند، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا ابوالحسن گجراتی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا محمد رضوان قاسمی، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا شمشاد احمد نادر قاسمی، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولوی مجاہد الاسلام، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا نور القاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا ابراہیم محمد صاحب، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا قمر عالم سبیلی، مفتی نسیم احمد قاسمی، مفتی عبدالرحیم بھوپال، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا محبوب علی، مولانا ابوبکر شکرپور دربھنگہ۔

۵۔ ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنا جس کا کاروبار حلال ہو مگر اس کو سودی قرض لینے پڑتے ہوں:

اس مسئلہ میں جملہ مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ ایسی کمپنی کی آمدنی حلال وجائز ہوگی۔ مگر اس کے شیئرز خریدنے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۱۔ اکثر حضرات کی رائے ہے کہ یہ معاملہ بامر مجبوری جائز ہے، پھر بعض حضرات نے اس کو ایک شرط کے ساتھ مقید کیا ہے کہ سودی کاروبار کے خلاف آواز اٹھاتا رہے۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:

مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا عبدالرحیم، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا محمد حنیف، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا محمد جعفر، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا عبداللطیف گجرات، مفتی نظام الدین صاحب، مولانا مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبدالقیوم پالنپوری۔

مفتی نظام الدین صاحب کا کہنا ہے کہ کمپنی سے تحریری یا زبانی طور پر معاہدہ کیا جائے کہ ہمارے پیسے سے سود نہ دیا جائے، اور بعض حضرات نے کوئی شرط ذکر کئے بغیر بامر مجبوری جائز قرار دیا ہے، ان کے اسماء درج ذیل ہیں:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا محمد زید، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا سید محمد ایوب، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا احمد دیولوی، مولانا نسیم احمد قاسمی، جناب حفظ الرب، مولانا ظفر الاسلام، مولانا تنویر احمد قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا بدر احمد، مولانا محمد رضوان قاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی۔

۲۔ دوسرا قول عدم جواز کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنے کا مطلب کمپنی کو سودی کاروبار کرنے کا وکیل بنانا ہے جو حرام ہے چاہے ضمنی طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ (مولانا ابوبکر شکرپور، مفتی عزیز الرحمٰن)

نوٹ: بعض حضرات نے کوئی جواب نہیں دیا، مثلاً منظور احمد قاسمی۔

محمد نور القاسمی صاحب نے دونوں قول (جواز وعدم جواز) ذکر کئے ہیں مگر اپنی کوئی رائے نہیں لکھی۔

۶۔ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کو ریزروبینک میں کچھ سرمایہ رکھنا پڑتا ہے یا سیکورٹی بانڈز خریدنے پڑتے ہیں پھر اس سے سود ملتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

اس مسئلہ میں سبھی حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ حاصل شدہ سود سے نفع اٹھائے بغیر ایسی کمپنیز کے شیئرز بامر مجبوری خریدنا جائز ہے اور سود والی رقم صدقہ کردی جائے۔ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا قمر عالم سہیلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا شکیل احمد، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا جعفر ملی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا عزیز الرحمٰن، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا مفتی نظام الدین دارالعلوم دیوبند، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا عبدالرحیم بھوپال، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا احمد نادر قاسمی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا ابرار خاں، مولانا ابراہیم محمد، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا ابوبکر شکرپور، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا محمد نورالقاسمی، مولانا محمد حنیف، مولانا اقبال احمد قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا سید طاہر مظاہری، مولانا اختر امام عادل، مولانا مفتی محمد زید، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا احمد دیولوی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا عبدالقیوم پالنپوری۔

لیکن ان حضرات میں سے بعض کا کہنا ہے کہ یہ تصدق واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا محمد نورالقاسمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا اعجاز احمد قاسمی۔

نوٹ: (الف) مفتی نظام الدین صاحب کہتے ہیں کہ کمپنی سے اس بات کا معاہدہ کیا جائے خواہ تحریری ہو یا زبانی، کہ ہمارے حصے میں سود کا پیسہ نہ ملایا جائے۔

(ب) حکیم ظل الرحمٰن کا کہنا ہے کہ یہ سوال بھی غلط فہمی پر مبنی ہے کیونکہ کسی بھی کمپنی کو اپنے سرمایہ کا کوئی حصہ کسی بینک میں جمع نہیں کرنا ہوتا بلکہ منافع کی غیر تقسیم شدہ رقم کو کسی سرکاری سیکورٹی میں جمع رکھنا ہوتا ہے۔

(ج) بعض نے اس کا کوئی جواب تحریر نہیں کیا ہے۔(مولانا منظور احمد قاسمی، جناب حفظ الرب)

۷۔ سودی قرض اور اس کے منافع کی حیثیت:

اس مسئلہ میں چند آراء ہیں جو درج ذیل ہیں:

مقالہ نگار حضرات میں اکثریت کی رائے ہے کہ:

۱۔ایسا سودی قرضہ جو بضرورت لیا گیا ہو مفید ملک ہوگا، کیونکہ سودی قرض لینے میں حرمت لغیرہ ہے لذاتہ نہیں۔

مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا سید محمد ایوب، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا محمد قمر الزماں

ندوی، مولانا محمد حنیف، مولانا مجاہدالاسلام، مولانا ابوبکر شکر پور، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا شاہد قاسمی، مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا بدر احمد مجیبی، مفتی نسیم احمد قاسمی، مولانا عبدالرحیم، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اختر امام عادل، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا نورالقاسمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا مفتی محمد زید۔

۲۔ مفید ملک ہوگا مگر ذمہ داران کمپنی کے حق میں حلال نہ ہوگا، عام آدمی کے حق میں درست ہے۔(اقبال احمد قاسمی)

۳۔ اگر ساری رقم سودی قرض کی ہے تو اس سے حاصل شدہ منافع بھی سود ہوں گے اور یہ سودی قرض مفید ملک نہ ہوگا۔(مولانا ظفر الاسلام، مفتی محبوب علی وجیہی)

۴۔ اس کی آمدنی کا اندازہ کر کے رفاہ کے کاموں میں لگادیا جائے۔(ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی)

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے؟

اس مسئلہ کے بارے میں جملہ مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل متصور ہوگا۔

اس میں بھی سبھی حضرات متفق ہیں کہ بورڈ کا عمل شیئر ہولڈر کا عمل شمار کیا جائے گا بجز مولانا ابوبکر شکر پوری کے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ بورڈ کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل شمار کیا جائے۔

پھر اکثر حضرات نے اس معاملہ کو شرکت عنان کہا ہے جب کہ بعض حضرات نے اس کو عقد مضاربت سے تعبیر کیا ہے جن میں مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، اور مفتی عبیداللہ صاحب ہیں۔

نوٹ: بعض حضرات نے اس سوال کا جواب دینے کی زحمت نہیں فرمائی جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں: مولانا ظفر الاسلام، مفتی عزیزالرحمٰن۔

۹۔ بورڈ آف ڈائریکٹرس کے سودی قرض لینے کے فیصلے سے اختلاف اور پھر اس اختلاف کے اعلان سے وہ بری الذمہ ہوجائے گا؟

اس مسئلہ کے بارے میں مقالہ نگار حضرات کی آراء مختلف ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ بورڈ آف ڈائریکٹرس کے سودی قرض لینے کے فیصلے سے اختلاف کرنا اور پھر اس اختلاف کا اعلان کردینا، یہ اس کی براءت کے لئے کافی ہے۔ یہ قول درج ذیل حضرات کا ہے:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اختر امام عادل، مفتی نظام الدین دارالعلوم دیوبند، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا ابراہیم، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مفتی محمد زید، مفتی

انور علی اعظمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا ابوبکر شکر پور، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا عبدالرحیم، مولانا محمد جعفر ملی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا محمد حنیف، مولانا ابرار احمد قاسمی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا نسیم احمد قاسمی، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری۔

۲۔ اختلاف کرنا اور اس کا اعلان کرنا براءت کے لئے کافی نہ ہوگا، ہاں معذور کا حکم اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ یہ جانتے ہوئے کہ میری بات مسترد کردی جائے گی ایسی کمپنی میں شرکت کرنا ضمناً رضامندی ہے۔ شرکت امر اختیاری ہے، اگر اس کی بات نہیں سنی جاتی تو وہ کمپنی سے علیحدہ ہوجائے، الا یہ کہ اس کے حالات ایسے ہوں کہ وہ پیسہ دوسری جگہ نہیں لگا سکتا، تو پھر بدرجہ مجبوری ایسے شخص کو اجازت ہوگی۔ اس قول کے قائل درج ذیل حضرات ہیں:

مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا احمد القاسمی، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مفتی عبید اللہ الاسعدی، مولانا مجاہد الاسلام حیدرآباد، مولانا شاہد القاسمی، مولانا ابوالحسن علی گجراتی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی۔

۳۔ مولانا شمس پیرزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ شیئر ہولڈر کے لئے براءت کا اظہار کرنا ضروری نہیں کیونکہ وہ ناقابل عمل ہے، عبث ہے۔

۴۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ بینک سے جب سودی قرض لینے کی نوعیت ہی محل نظر ہے تو پھر اس سے اختلاف کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

۵۔ بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے، لہذا اس سوال کے جواب کی ضرورت ہی نہیں (حفظ الرب)۔

نوٹ: بعض حضرات نے جواب ہی تحریر نہیں فرمایا۔ (نعیم اختر قاسمی، مفتی عزیز الرحمٰن، مفتی شکیل احمد، مولانا احمد دیولوی)

۱۰۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود کی مقدار معلوم ہو تو اس کے بقدر صدقہ کردینا کافی ہوگا؟

بھی مقالہ نگار اس مسئلہ میں اس باب پر متفق ہیں کہ سودی رقم کا صدقہ کرنا ضروری ہے، اور سودی منافع کے بقدر صدقہ کردینا کافی ہوگا، بجز مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب کے کہ ان کے نزدیک صدقہ کرنا ضروری نہیں۔

مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ظفر الاسلام، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا اختر امام عادل، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مفتی محمد زید، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا ابراہیم محمد، مولانا محمد شاہد القاسمی، مولانا نعیم رشیدی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا ابوبکر شکر پور، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد حنیف، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا عبدالرحیم بھوپال، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا محمد ایوب سبیلی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا نسیم

احمد قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا قمر عالم سبیلی۔

نوٹ: جواب واضح طور پر مذکور نہیں۔

مفتی شکیل احمد سیتا پوری، مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا احمد دیولوی، مفتی نظام الدین صاحب، دار العلوم دیوبند۔ صدقہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں یہ اس کی جائز آمدنی ہے اسے وہ بے کھٹک زیر استعمال لاسکتا ہے (مولانا سلطان احمد اصلاحی)۔

۱۱۔ سودی آمدنی کے منافع کا حکم:

اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر اس سے نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا ہے کیا اتنا فیصد صدقہ کر دینا کافی ہوگا؟

اس مسئلہ میں تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اگر سود کی مقدار معلوم ہو یا ہو سکتی ہو تو اس کا تصدق واجب ہے ورنہ واجب نہیں، کیونکہ مخلوط الحلال بالحرام کا حکم حلت کا ہے۔

نوٹ: بعض حضرات نے اس کا کوئی جواب تحریر نہیں کیا۔

مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا احمد دیولوی، مولانا شکیل احمد، مولانا محمد رضوان القاسمی، مفتی نظام الدین صاحب دار العلوم دیوبند۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت:

۱۔ شیئرز کی تجارت جائز ہے، بشرطیکہ اصل کاروبار حلال ہو اور کچھ اثاثے وجود میں آچکے ہوں، تخمین مطلقاً ناجائز نہیں بلکہ ایسی تخمین ممنوع ہے جس میں خطر وغرر ہو، ورنہ کچھ نہ کچھ تخمین تو ہر تجارت میں ہوتی ہے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا شمس پیرزادہ، مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا انور علی، مولانا ابوبکر شکر پور، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا محمد حنیف، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا طاہر مظاہری، مولانا نظام الدین صاحب دار العلوم دیوبند، مولانا محمد شاہد القاسمی، مولانا رضوان القاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا ابراہیم محمد، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا مفتی محمد زید، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا احمد دیولوی، مفتی محمد جعفر، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا عبدالرحیم، مولانا تنویر احمد، مولانا اخلاق الرحمٰن، مفتی محبوب علی، مولانا اختر امام عادل، مولانا عتیق احمد، مولانا نسیم احمد قاسمی۔

۲۔ ناجائز ہے، یہ جوئے کی ایک قانونی شکل ہے، ہاں اگر شیئرز کا اندراج کراکے پھر فروخت کرے تو جائز

ہوگا، ورنہ بالا بالا کی فروخت بغیر اندراج ملکیت کی کوئی حیثیت نہیں (مفتی شکیل احمد)۔

۳۔ شیئر کی تجارت کی نہ تو گنجائش ہے اور نہ ضرورت ۔عوام کواس سے دور رہنے کا حکم دیا جائے اس سے وسائل ثروت سمٹ کر سرمایہ داروں کے ہاتھ میں پہونچ جاتے ہیں (حفظ الرب)۔

۴۔ شیئر زنہ ثمن ہیں اور نہ مبیع ،لہذا ان کی تجارت درست نہیں کیونکہ راس المال یا ثمن وہ زرمبادلہ ہے جو شیئر ہولڈر ادا کرتا ہے، اور مبیع وہ سامان ہے جو فیکٹری میں تیار ہوگا۔شیئر دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔(مفتی شکیل احمد سیتاپوری)

۱۳۔ فیوچر سیل(Future Sale):

جملہ مقالہ نگار حضرات اس مسئلہ کے بارے میں اس بات پر متفق ہیں کہ یہ معاملہ ناجائز ہے کیونکہ یہ دونوں طرف سے ادھار ہے اور پھر اس میں قمار بھی ہے، اور قمار کی حرمت پر بہت سی نصوص موجود ہیں۔

مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا مفتی محمد زید، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ابوبکر شکر پور، مولانا ابوالحسن علی، مولانا عبد اللطیف گجرات، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد حنیف، مولانا ابراہیم محمد، مفتی عبد القیوم پالنپوری، مولانا مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا محمد ایوب سنبھلی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مفتی عبد الرحیم، مولانا احمد القاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا قمر عالم سنبھلی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا عبد الرحمن پالنپوری، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا احمد دیولوی، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی شکیل احمد سیتاپوری، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا نسیم احمد قاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا محمد جعفر ملی، مولانا اعجاز احمد قاسمی۔

نوٹ: بعض حضرات نے جواب نہیں لکھا۔

مفتی عزیز الرحمن، مفتی نظام الدین دار العلوم دیوبند، جناب حفظ الرب، مولانا تنویر احمد قاسمی۔

۱۴۔ غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے:

اس مسئلہ کے بارے میں مقالہ نگار حضرات کی آراء مختلف ہیں، دراصل یہ اختلاف آراء سوال کے واضح نہ ہونے کی وجہ سے ہوا ہے، چنانچہ ہر شخص نے جیسا سمجھا اسی کے مطابق جواب تحریر کیا ہے۔اسی وجہ سے بعض حضرات نے لکھا بھی ہے کہ "سوال واضح نہیں ہے"۔جن حضرات نے جواب دیئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔زیادہ تر مقالہ نگار حضرات کی رائے میں یہ غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے ناجائز ہے، اس کی حیثیت محض ایک وعدہ کی ہے۔

مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا عبد الرحمن پالنپوری، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا انور

علی اعظمی، مفتی محمد جعفر، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا محمد زید، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا عبدالرحیم، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا اختر امام عادل، مولانا نسیم الدین قاسمی، مفتی نسیم احمد قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، مولانا محمد رضوان قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا محمد طاہر مظاہری۔

۲۔ درست ہے، بشرطیکہ خریدار دیکھنے کے بعد اس کا آخری فیصلہ کرے۔ یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

مولانا ابراہیم، مولانا محمد ظفر الاسلام، مولانا سمیع اللہ قاسمی۔

۳۔ یہ بیع سلم ہے، بیع سلم کے احکام جاری ہوں گے۔

مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی اور مفتی محبوب علی وجیہی۔

۴۔ یہ بیع لا آجل بلا آجل ہے۔ نهى رسول الله ﷺ عن بيع الكالي بالكالي (مولانا محمد حنیف)۔

۵۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ سوال واضح نہیں ہے۔ وضاحت کے بعد جواب دیا جائے گا۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا عبیداللہ الاسعدی، مولانا احمد دیولوی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا عبدالجلیل صاحب۔

نوٹ: بعض حضرات نے اس کا جواب ہی نہیں لکھا۔

مفتی نظام الدین صاحب دیوبند، مولانا منظور احمد قاسمی، مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، جناب حفظ الرب۔

۱۵۔ شیئرز کی خرید وفروخت کے ساتھ ہی سرٹیفکیٹ ملنے سے قبل شیئرز پر قبضہ تسلیم کیا جائے گا یا نہیں؟

اس مسئلہ کے بارے میں بھی مقالہ نگار حضرات کی آراء مختلف ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ محض شیئرز کی بیع وشراء سے ہی کمپنی کے اثاثے واملاک شیئرز ہولڈر کی ملکیت میں آجاتے ہیں: لأن التخليه قبض حكما (درمختار ۴؍۷۴) سرٹیفکیٹ محض اس کا ایک تحریری ثبوت ہے۔

یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

مولانا عبیداللہ الاسعدی، مولانا محمد ایوب سبیلی، مفتی عبدالرحیم، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا جعفر ملی رحمانی، مولانا ابراہیم، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا احمد دیولوی، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا طاہر مظاہری، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا محمد شاہد، مولانا محمد حنیف، مولانا زبیر احمد قاسمی۔

۲۔ معنوی قبضہ تو شیئرز خریدتے ہی ہوجائے گا مگر بہتر ہے کہ سرٹیفکیٹ کے حصول کے بعد ہی شیئرز

فروخت کئے جائیں۔

مولانا عبداللطیف، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا ارشد قاسمی، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا اختر امام عادل۔

۳۔ سرٹیفیکٹ ملنے سے قبل شیئرز فروخت کرنا درست نہیں، اس لئے کہ عرف میں سرٹیفیکٹ کے بغیر قبضہ تصور نہیں کیا جاتا جیسا کہ ارشاد باری ہے: وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ.

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا نسیم احمد قاسمی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا نور احمد قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا بدر احمد مجیبی۔

۴۔ ضمان وقبضہ دونوں علیحدہ علیحدہ شئی ہیں، محض کسی چیز کے ضمان میں آجانے سے قبضہ کا تحقق نہیں ہوتا جب تک کہ قبضہ حقیقی یا معنوی نہ ہو۔ یہاں پر قبضہ معنوی سرٹیفیکٹ کے حصول تک مکمل نہیں ہوتا۔ (مفتی محمد زید مظاہری ندوی)

۵۔ کمپنی کے حصص پر ملکیت اور قبضہ سرٹیفیکٹ پر نئے خریدار کے نام کے اندراج کے بعد ہی مانا جاتا ہے۔ لیکن ۹۸ فیصد خریداری ایسی ہی سرٹیفیکٹ پر اندراج نام کے بغیر ہو رہی ہے، اس اعتبار سے اسے معنوی قبضہ تسلیم کر لینا ہی مناسب ہے (حکیم ظل الرحمٰن)۔

نوٹ: اس سوال کا جواب نہیں دیا۔

مفتی نظام الدین دارالعلوم دیوبند، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولانا عزیز الرحمٰن، جناب حفظ الرب۔

۱۶۔ شیئرز سرٹیفیکٹ ملنے سے قبل شیئرز کی خرید وفروخت:

اس مسئلہ کے بارے میں مقالہ نگار حضرات کی تین آراء ہیں۔

۱۔ خریدار سرٹیفیکٹ کے حصول کے بغیر کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت نہیں کر سکتا، چونکہ عرف میں قبضہ سرٹیفیکٹ کے حصول کے بعد ہی مانا جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ.

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا ظفر الاسلام، مفتی محمد زید، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا نسیم احمد قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا ابوبکر قاسمی۔

۲۔ سرٹیفیکٹ کے حصول تک قبضہ مشتبہ ہے، اس لئے اس کی خرید وفروخت احتیاط کے خلاف ہے، مزید یہ کہ اس سے سٹہ بازی کی حوصلہ افزائی بھی ہو سکتی ہے۔

مولانا عبداللطیف، مولانا عبدالقیوم، مولانا عبدالرحمٰن، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا ابو الحسن علی، مولانا محمد ارشد قاسمی۔

۱۔ خریدار سرٹیفیکٹ ... کر لینے بھی

مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا نور القاسمی، مولانا عبد الرحیم، مفتی محمد جعفر ملی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا ابراہیم محمد، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا احمد دیولوی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا سید محمد ایوب، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا حنیف، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا نعیم رشیدی، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا محمد ابرار خاں، مولانا شاہد القاسمی۔

نوٹ: بعض حضرات نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔

مفتی نظام الدین دار العلوم دیوبند، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولانا عزیز الرحمٰن۔

۱۷۔ بروکری کا حکم:

اس مسئلہ میں جملہ مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اس کا حکم دلالی کا ہے، اور دلالی باتفاق جائز ہے۔ لہذا جن شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے ان کی خرید وفروخت میں بروکر اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا بھی درست ہے۔ (درمختار ۲۹/۵۔۳۹، شامی ۴۴/۵)

نوٹ: بعض حضرات نے جواب نہیں دیا۔

مفتی نظام الدین صاحب دار العلوم دیوبند، مولانا عزیز الرحمٰن، مفتی انور علی اعظمی۔

عرض مسئلہ:

عارضین:

۱۔ مولانا عبدالقیوم پالنپوری صاحب

۲۔ مولانا عبدالجلیل قاسمی صاحب

۳۔ مولانا اختر امام عادل صاحب

۴۔ مولانا عتیق احمد بستوی صاحب

عرض مسئلہ:

شیئرز کی شرعی حیثیت

سوال نمبر ۱۔۲۔۳

از.........مولانا عبدالقیوم پالنپوری

سوال نمبر ۱۔ کیا کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا یہ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے؟

بندہ کو شیئرز کے مسائل سے متعلق کل اکتالیس (۴۱) مقالات اور جوابات موصول ہوئے تھے اور سب ہی مقالہ نگار اور جواب دینے والے حضرات علماء کرام اس بات سے متفق ہیں کہ جس کمپنی کے کچھ اثاثے وجود میں آچکے ہیں، اس کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، محض اس بات کی دستاویز نہیں ہے کہ اس نے کمپنی کو اتنی رقم دی ہے، اکثر حضرات نے سوالنامہ میں اس موقف کی دلیل موجود ہونے کی وجہ سے مختصر جواب پر اکتفا کیا ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب، مولانا اختر امام عادل صاحب، مولانا عبدالجلیل قاسمی صاحب اور مولانا شمس پیرزادہ صاحب نے لکھا ہے کہ شیئر ہولڈر کا کمپنی کے نفع ونقصان میں شریک رہنا اور کمپنی کے تحلیل ہوجانے کی صورت میں شیئر ہولڈر کو اس کے شیئرز کے تناسب سے کمپنی کے اثاثوں میں حصہ ملنا یہ واضح ثبوت اور دلیل ہے کہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔

اب رہا یہ قانون کہ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں موجودہ قانون کے مطابق جب اس کی املاک ضبط کر کے اس کے قرضے ادا کئے جاتے ہیں، اس وقت اس کے حصے (شیئرز) کے تناسب سے کمپنی کے اثاثے قرق نہیں کئے جاسکتے، تو اس قانون سے شیئرز کی حقیقت پر کچھ اثر نہیں پڑے گا اور اس کے باوجود شیئر ہولڈر کی کمپنی میں ملکیت وشرکت باقی رہے گی۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے لکھا ہے کہ شیئر سرٹیفکیٹ پر جو رقم کا ذکر ہوتا ہے، وہ محض اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ اثاثہ اپنی ابتدائی صورت میں اسی قدر وقیمت وقت خرید کا حامل تھا، اور قانونی طور پر کمپنی کے اثاثوں کو قرق نہ کیا جانا شرعی اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ شیئر قانون کی نگاہ میں اثاثہ کا درجہ نہ رکھتا ہو، کیونکہ ممکن ہے کہ شیئرز پر مبنی اثاثہ میں اشتراک وشیوع کی وجہ سے اس طرح کا قانون بنایا گیا ہو۔ اور مولانا عبدالجلیل قاسمی صاحب پٹنہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مفلس ہو تو صاحبین کے نزدیک اس کی غیر منقولہ اشیاء اراضی وغیرہ بھی فروخت کر کے اس کے قرضہ کی ادائیگی کی جائے گی، لیکن اس کا رہائشی مکان فروخت کر کے قرضہ ادا نہیں کیا جائے گا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ یہ مفلس مکان کا مالک نہیں ہے، اسی طرح اگر حکومت نے کسی مصلحت سے یہ قانون بنایا ہے کہ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں اس کے حصہ تناسب سے کمپنی کے

اثاثے فرق نہ کئے جائیں گے، تو یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ اثاثوں کا مالک نہیں ہے۔ حکیم ظل الرحمٰن اور ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب نے لکھا ہے کہ فرق نہ کئے جانے کے قانون کے باوجود یہ ممکن ہے کہ اس شیئر ہولڈر کے پاس پائے جانے والے شیئرز پر قبضہ کر کے قرض خواہ کے نام منتقل کردئے جائیں، جس سے کمپنی میں اس کے بجائے قرض خواہ کی ملکیت وشرکت ہو جائے گی اور کمپنی کے اثاثے کے فرق کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ سب ہی مقالہ نگار اور جواب دینے والے حضرات اس بات کو درست مانتے ہیں کہ جس کمپنی کا کچھ اثاثہ وجود میں آچکا ہو اس کے خرید کردہ ایکویٹی شیئرز شیئر ہولڈر کی کمپنی میں ملکیت کی نمائندگی کرتے ہیں، کمپنی کو قرض دینے کی دستاویز نہیں ہے۔ ان مقالہ نگاروں کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا مفتی نظام الدین دیوبند، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری، مولانا ابوالحسن علی، مولانا مفتی احمد دیولوی بھروچ، مولانا عبدالجلیل قاسمی پٹنہ، مولانا جعفر ملی رحمانی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا ابراہیم بزوودی، مولانا مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبداللطیف مظاہری پالنپوری، مولانا سمیع اللہ قاسمی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مفتی شکیل احمد سیتاپوری، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا عبدالرحیم بھوپال، مولانا ظفر الاسلام مئو، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی انور علی، عبدالقیوم پالنپوری، مولانا نعیم رشیدی، مولانا شمشاد احمد نادر قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا شاہد قاسمی، مولانا ارشد قاسمی، مولانا طاہر مظاہری، مولانا سید ایوب سبیلی، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا محمد نور القاسمی۔

سوال نمبر ۲۔ بعض اوقات کمپنی قائم کرتے وقت شیئرز کا اعلان کیا جاتا ہے، اور اس وقت اس کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتی ہیں، اس وقت اگر کمپنی کے خرید کردہ شیئر کی بیع کی جائے تو ایسی صورت میں نقد نقد کے مقابل ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

اس کا جواب ۳۷ حضرات علماء کرام نے دیا ہے، اس سوال کے متعلق مولانا شمس پیرزادہ صاحب نے لکھا ہے کہ ہر کمپنی کو ابتداءً قانون حکومت کی بنا پر کچھ سرمایہ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں لگانا پڑتا ہے، جس کے بعد ہی اسے شیئرز کا اعلان کرنے کی اجازت مل سکتی ہے، اس لئے یہ خیال صحیح نہیں کہ کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتی اور وہ شیئرز کا اعلان کردیتی ہے، لہذا شیئرز کی بیع اس صورت میں بھی جائز ہوگی جبکہ کمپنی پوری طرح قائم نہ ہوئی ہو۔ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اگر اس قانون کے مطابق کمپنیوں کا عمل بھی ہے تو اس سوال کی ضرورت نہیں، لیکن ہندوستان جیسے ممالک میں یہ ممکن ہے کہ کمپنی اپنے اثاثے وجود میں لانے سے پہلے ہی خلاف قانون متعلقہ افسران سے رشوت وغیرہ کے ذریعہ اجازت حاصل کر کے شیئرز کا اجراء کردے، لہذا اس سوال کی ضرورت باقی رہے گی۔

اور ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب نے لکھا ہے کہ کمپنی نئے وجود میں آنے سے پہلے اس کا پروجیکٹ اور

خاکہ تیار کیا جاتا ہے اور اس پر کافی وقت اور روپیہ صرف ہوتا ہے، لہذا یہ پروجیکٹ بھی کسی مصنف کے مسودے کی طرف اہم اور قیمتی ہے، اور چونکہ نقد کا مقابلہ نقد سے نہیں، لہذا شیئرز کی خرید وفروخت درست ہے۔

اس بارے میں عرض ہے کہ اگر پروجیکٹ یا پلان مال تسلیم کرلیں تو یہ بات درست ہے، لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی مال نہیں ہے۔

اور مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب نے اس صورت کو حوالہ کا معاملہ قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس میں کمی و بیشی درست نہیں ہے۔ لیکن اس کو حوالہ کا معاملہ کہنا درست معلوم نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ حوالہ میں دَین محیل سے محتال علیہ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، اور محتال علیہ سے محتال لہ دَین وصول کرتا ہے، اور سوال کی صورت میں کمپنی محتال علیہ ہوگی اور اس سے شیئرز واپس کرکے دَین وصول کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے، لہذا یہ بیع کا معاملہ ہے نہ کہ حوالہ کا۔

باقی حضرات کے مقالات وجوابات سے دو نقطۂ نظر سامنے آئے ہیں: ایک یہ کہ اس صورت میں شیئرز کی خرید وفروخت نہ کمی وبیشی اور نہ اس کی قیمت اسمیہ (متعینہ) سے جائز ہے، اس لئے کہ یہ نقد کی بیع نقد سے ہے جو بیع صرف ہے، اور بیع صرف میں تقابض علی البدلین اور تساوی دونوں ضروری ہیں، اور اس صورت میں کمی وبیشی سے بیع کرنے میں دونوں نہیں پائے جاتے ہیں، اور شیئرز کے برابر قیمت سے بیع میں تقابض علی البدلین نہیں پایا جارہا ہے۔ لہذا اس صورت میں نہ کمی بیشی کے ساتھ اور نہ برابر قیمت کے ساتھ شیئرز کی خرید وفروخت درست ہے، یہ رائے حسب ذیل حضرات علماء کرام کی ہے:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا شاہد قاسمی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا طاہر مظاہری، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا ارشد قاسمی، مولانا سید ایوب سبیلی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابرار خاں ندوی۔

مولانا جعفر علی رحمانی صاحب نے عدم جواز کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ابھی کمپنی کے پاس اثاثہ نہیں ہے لہذا یہ غیر مملوک (یعنی بعد میں وجود میں آنے والے اثاثے) کی بیع ہے جو شرعاً درست نہیں ہے۔

لیکن اسے بیع غیر مملوک قرار دینا صحیح نہیں، اس لئے کہ دونوں جانب نقد موجود ہے تو نقد کی بیع نقد سے ہی قرار دی جائے گی۔ اسی طرح اس صورت کو بیع صرف قرار دینا بھی درست نہیں معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ بیع صرف میں عوضین کا خلقی ثمن ہونا ضروری ہے جیسا کہ بیع صرف کی تعریف میں ہے:

وهو ... شرعاً بيع الثمن بالثمن أي ما خلق للثمنية ... جنساً بجنس أو بغير جنس كذهب بفضة (الدر المختار مع الشامی ۴/۲۳۵)۔

اور موجودہ نقد یعنی نوٹ ثمن خلقی نہیں بلکہ ثمن عرفی یا اصطلاحی ہے، لہذا یہ بیع صرف نہیں ہے، لیکن ایک ہی ملک کی کرنسی کا باہم تبادلہ یا خرید وفروخت ہو تو جنس ایک ہونے کی وجہ سے تقابض علی البدلین ضروری ہے، یا تقابض علی احد العوضین صحت بیع کے لئے کافی ہے، تو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اور اس صورت میں یہی مسئلہ ہے، اور اکثر حضرات کی

رائے میں ان علماء کی بات درست معلوم ہوتی ہے جو احد البدلین پر قبضہ شرط مانتے ہیں۔

جو حضرات سوال دوم کی صورت میں شیئر کی مطلقاً خرید وفروخت کے عدم جواز کے قائل ہیں، ان کی یہ رائے اس بات کی متقضی ہے کہ سوال سوم میں مذکور صورت میں۔ کہ جس میں نقد کا تقابلہ نقد و مال سے ہے۔ جتنے حصہ میں نقد کا تقابل نقد سے ہے بیع ناجائز ہو، حالانکہ ان میں سے اکثر حضرات تیسرے سوال میں مذکور صورت میں شیئرز کی خرید وفروخت جائز قرار دیتے ہیں۔

دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس صورت میں خرید کردہ شیئر کی بیع اس کی قیمت اسمیہ سے کم وبیش کے ساتھ سود ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، اور شیئر پر لکھی ہوئی قیمت کے برابر سے بیچنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ بیع صرف نہیں ہے، اور موجودہ نقد ونوٹ چونکہ فلوس کے مانند ہے، لہذا جس طرح فلوس کی بیع فلوس کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں امام محمدؒ کے قول کے مطابق، اسی طرح روپیہ کی بیع روپے سے کمی بیشی کے ساتھ درست نہیں، سداً الباب الربوا۔ اور امام کرخیؒ کے قول کے مطابق فلوس کی بیع فلوس سے ہو تو تقابض علی احد البدلین شرط ہے۔ اسی طرح روپیہ کی بیع میں ان کے قول کو اختیار کرتے ہوئے دو عوضوں میں سے ایک پر قبضہ شرط رہے گا نہ کہ دونوں پر۔ اور زیر بحث صورت میں بھی نقد کا تقابل نقد سے ہے لہذا کمی بیشی جائز نہ ہوگی، اور برابر قیمت کے ساتھ شیئر بیچا جائے تو درست ہوگا، اس لئے کہ احد البدلین پر مجلس عقد میں قبضہ ہو جاتا ہے۔ ملک العلماء علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

تبايعا فلسا بعينه بفلس بعينه فالفلسان لا يتعينان وإن عينا، إلا أن القبض في المجلس شرط، حتى يبطل بترك التقابض في المجلس، لكونه افتراقا عن دين بدين، ولو قبض أحد البدلين في المجلس فافترقا قبل قبض الآخر، ذكر الكرخي: أنه لا يبطل العقد، لأن اشتراط القبض من الجانبين من خصائص الصرف، وهذا ليس بصرف، فيكتفى فيه بالقبض من أحد الجانبين لأن به يخرج عن كونه افتراقا عن دين بدين، و ذكر في بعض شروح مختصر الطحاوی أنه يبطل لا لكونه صرفا بل لتمكن ربا النَّساء فيه لوجود أحد وصفي علة ربا الفضل وهو الجنس (بدائع ۵/۲۳۷۔ نقلاً عن احسن الفتاوی ۷/۸۷)۔

اور بحر العلوم مولانا فتح محمد صاحب تائب" تحریر فرماتے ہیں: نوٹ، نوٹ یا روپے سے جب بدلا جاوے تو مساوات... شرط ہے اور تقابض لازم نہیں..... پس جائز ہے نقد بیچیں یا قرض (عطر الہدایہ/ص ۲۷)۔

اور حضرت مولانا تقی صاحب عثمانی تحریر فرماتے ہیں: تمام معاملات میں کرنسی نوٹوں کا حکم بعینہ سکوں کی طرح ہے، جس طرح سکوں کا آپس میں تبادلہ برابر سرابر کر کے جائز ہے، اسی طرح ایک ہی ملک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ برابر سرابر کر کے بالاتفاق جائز ہے، بشرطیکہ مجلس عقد میں فریقین میں سے کوئی ایک بدلین میں سے ایک پر قبضہ کر لے (فقہی مقالات جلد اول/ص ۳۱)۔

حاصل بحث یہ ہے کہ اس صورت میں درحقیقت نوٹ کی بیع کرنسی نوٹ سے ہے اور یہ حوالہ یا بیع غیر مملوک

یا بیع صرف نہیں ہے، لہذا ایسے شیئر کی خرید وفروخت کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے اور اس کی برابر قیمت کے ساتھ جائز ہے، اور مجلس عقد میں احدالبدلین پر قبضہ صحت بیع کے لئے کافی ہے۔ یہ رائے حسب ذیل حضرات کی ہے:

مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا ظفر الاسلام مئو، مولانا ابوالحسن علی، مولانا عبدالرحیم بھوپال، مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی انور علی، مولانا عبدالرحمن پالنپوری، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا سلطان احمد اصلاحی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابراہیم بڑودوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، عبدالقیوم پالنپوری، مولانا شمشاد احمد نادر قاسمی، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا نعیم رشیدی، مولانا قمر عالم سبیلی۔

سوال نمبر۳۔ کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد اس کا اثاثہ مخلوط ہوتا ہے (یعنی نقد اور املاک کا مجموعہ) اس صورت میں جبکہ مجموعہ مال ربوی وغیر ربوی دونوں پر مشتمل ہے شیئرز کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت کا کیا حکم ہوگا؟

اس کا جواب ۳۸ حضرات علماء کرام نے دیا ہے، لیکن ان میں سے سات حضرات مولانا احمد دیولوی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا تنویر احمد قاسمی، حکیم ظل الرحمن، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا مفتی محبوب علی وجیہی، اور مولانا منظور احمد قاسمی سے سوال سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے، انہوں نے سوال کا یہ معنی سمجھا ہے کہ جب شیئرز میں مجموعہ مخلوط ہے حلال مال اور سود سے، تو ایسے شیئرز کی بیع نقد سے جائز ہے یا نہیں؟ اور انہوں نے اس اخذ کردہ مفہوم کے مطابق اپنے اپنے الفاظ میں جواب دیئے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جب مجموعہ میں غلبہ حلال مال کا ہے اور سودی لین دین قانونی ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے لہذا غالب کا اعتبار کرتے ہوئے ایسے شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے۔

اور مولانا اقبال احمد قاسمی نے لکھا ہے کہ یہ صورت بیع صرف ہے، اور مجلس عقد میں تقابض علی البدلین ضروری ہے، لہذا بغیر حیلہ کے ان شیئرز کی خرید وفروخت درست نہیں ہے، لیکن ان کا اس کو بیع صرف کہنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہاں نقد ثمن خلقی نہیں ہے، اور اس میں کچھ نقد کا تقابل نقد سے ہے اور اس کی صحت کے لئے احدالبدلین پر قبضہ شرط ہے جو اس صورت میں پایا جاتا ہے، لہذا بیع جائز ہے۔

اور باقی تیس حضرات علماء کرام نے لکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مال ربوی یعنی نقد وديون اور مال غیر ربوی یعنی اثاثہ کی بیع نقد کے ساتھ جائز ہے بشرطیکہ نقد مجموعہ میں مخلوط نقد سے زائد ہو، تاکہ نقد نقد کے مقابل ہو جائے اور زائد نقد اثاثہ کے مقابلہ میں ہوگا، مثلاً دس روپے کے شیئر میں آٹھ روپے اگر نقد وديون کے مقابل ہیں اور دو روپے جامد اثاثوں کے مقابل تو شیئر کی بیع آٹھ روپے یا اس سے کم میں جائز نہ ہوگی، البتہ نو روپے یا اس سے زائد میں جائز ہوگی۔ عالمگیریہ میں ہے:

لو اشترى سيفا محلّى بالفضة أو لجاما مفضضا بالفضة الخالصة، و وزنها أكثر جاز، وإن كان وزنها أقل من الحلية أو مثلها أو لا يدرى لا يجوز (ہندیہ ۱۸۷/۳)۔

یہ رائے حسب ذیل مقالہ نگاروں کی ہے:

مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی انور علی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابوالحسن علی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا ابراہیم بڑودوی، مولانا ظفر الاسلام مئو، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا عبدالرحیم بھوپالی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا جعفر ملی رحمانی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا طاہر مظاہری، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا ایوب سبیلی، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا نعیم رشیدی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا نور قاسمی، مولانا ارشد قاسمی، مولانا شاہد قاسمی، مولانا محمد رضوان القاسمی۔

حاصل بحث یہ ہے کہ اس صورت میں شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے، بشرطیکہ نقد اثاثہ میں مخلوط نقد سے زائد ہو۔

☆☆☆☆☆

عرض مسئلہ:

سوال نمبر۴۔۵۔۶

از۔۔۔۔۔ مولانا عبدالجلیل قاسمی

امارت شرعیہ، پٹنہ

حضرات علماء کرام! مجھے شیئرز کے بارے میں سوال نمبر۴، ۵، اور ۶ سے متعلق عرض مسئلہ کی ذمہ داری دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں اکیڈمی کی طرف سے اکتالیس (۴۱) مقالات موصول ہوئے۔ ایک مقالہ پھلواری شریف میں ملا۔

مقالہ نگار حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دیوبند، مفتی عزیز الرحمن بجنوری، جناب شمس پیرزادہ، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا احمد دیولوی، مولانا ابراہیم بڑودوی، مولانا ابوالحسن علی، مفتی عبدالرحیم بھوپال، مولانا اختر امام عادل، مولانا ظفر الاسلام مئو، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولانا اخلاق الرحمن، مولانا مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا عبداللطیف، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا مفتی عبدالرحمن پالنپوری، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا ارشد قاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا مفتی جعفر علی رحمانی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مفتی نسیم احمد قاسمی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا مجاہد الاسلام حیدرآباد، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، راقم الحروف عبدالجلیل قاسمی، حکیم ظل الرحمن۔

سوال نمبر۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت اور اکسپورٹ، یا بینک اور سودی اسکیموں میں روپے لگانا، ایسی کمپنیز کے شیئرز کی خرید و فروخت کا کیا حکم ہوگا؟

اس کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات اس پر متفق ہیں کہ جس کمپنی کا بنیادی کاروبار حرام ہو اس میں شرکت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنا تعاون علی الاثم ہے جو بنص قرآنی حرام ہے: "ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان" (الآیۃ)۔

نیز حرام اشیاء مسلمان کی مملوک نہیں ہوتیں اور غیر مملوک کی بیع جائز نہیں، اس لئے حرام اشیاء کی خرید و فروخت مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔ اور جس کام کا کرنا جائز نہ ہو اس کے کرنے کا امر کرنا اور اس کے کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنانا بھی جائز نہ ہوگا...... ما حرم فعله حرم طلبه.

ولأن ما ثبت للوكيل ينتقل إلى موكل فصار كأنه باشره بنفسه ولو باشر بنفسه لم يجز فكذا التوكيل به...... (عنایہ مع فتح القدیر ۶/۴۴۰)۔

سوال نمبر ۵۔ ایسی کمپنیز جن کا کاروبار حلال ہے مثلاً انجینیرنگ کے سامان تیار کرنا، عام استعمال کی مصرفی چیزیں تیار کرنا وغیرہ، پھر ان کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہونے کے باوجود انہیں بعض اوقات انکم ٹیکس وغیرہ کی زد سے بچنے کے لئے بینکس سے سودی قرض لینا پڑتا ہے، تو کیا ایسی کمپنیز کے شیئرز کا خریدنا جائز ہے؟

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری نے سوال نمبر ۵ اور ۶ پر بحث کرتے ہوئے اس وجہ سے اس کو ناجائز قرار دیا ہے کہ اس میں سود لینا دینا پڑتا ہے اور یہ دونوں حرام ہیں، اور مسلمان اس کا مکلف ہے کہ وہ منہی عنہ کو مٹائے ، اس سے صرف اظہار بیزاری یا اظہار ناپسندیدگی کافی نہیں ہے۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی صاحب نے بکراہت جائز لکھا ہے۔

باقی دوسرے مقالہ نگار حضرات نے اس صورت میں شیئرز کی خریداری کو جائز قرار دیا ہے۔ سودی قرض لینے کی صورت میں چونکہ سود دینا ہوتا ہے اس لئے مال اور اس سے حاصل ہونے والے منافع میں کوئی خبث موجود نہیں ہے، اس لئے اس کے منافع کے حلال ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔

البتہ چونکہ سود دینا ہوتا ہے اور وہ بھی حرام ہے۔ اس کا حل بعض حضرات نے یہ پیش کیا ہے کہ شیئر ہولڈر کمپنی کی میٹنگ میں سودی قرض کے حاصل کرنے پر اپنی ناپسندیدگی ظاہر کردے یا خط ہی کے ذریعہ اظہار بیزاری کر دے، اس کے بعد کمپنی کے عملہ کے کام کی ذمہ داری شیئر ہولڈر پر نہیں ہوگی۔

جبکہ دوسرے حضرات نے یہ لکھا ہے کہ چونکہ یہ قرض سرکار کے انکم ٹیکس کے ظالمانہ قانون کی زد سے بچنے کے لئے لیا جاتا ہے اس لئے یہ قرض لینا مجبوری کی وجہ سے ہے، اور مجبوری میں سودی قرض لینے کی اجازت ہے۔ فقہ کا مشہور جزئیہ ہے: يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح.

مولانا ابوالحسن علی گجرات نے سوال نمبر ۵ اور ۶ پر بحث کرنے کے بعد آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ اس سے بچنا افضل ہے۔

ظاہر بات ہے کہ جن محظورات کی اجازت مجبوری کی حالت میں دی جاتی ہے عام حالات میں اس کی اجازت نہیں رہتی ہے۔ جو لوگ کسی کمپنی کے مالک ہیں یا جن کے پاس آمدنی کے دوسرے ذرائع موجود نہیں ہیں اور وہ ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنے پر مجبور ہیں، ان کو تو اجازت دی جائے گی، مگر جن لوگوں کے پاس دوسرے وسائل اور آمدنی کے اسباب و ذرائع موجود ہیں، ان کو محض اپنے مال میں اضافہ کے لئے ایسی کمپنی کے شیئرز نہیں خریدنا چاہئے۔ میں نے بھی اپنے مقالہ میں بچنے کو ہی افضل لکھا ہے۔

سوال نمبر ۶۔ ایسی حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کو بھی قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے، یا سیکورٹی بانڈس خریدنے پڑتے ہیں ، جن کی وجہ سے انہیں سود بھی ملتا ہے۔ کیا ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنا جائز ہوگا؟

حضرت مولانا زبیر احمد قاسمی نے سوال نمبر ۵ اور ۶ کا جواب ایک ساتھ ہی لکھا ہے، اور انہوں نے مجبوری

میں سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے۔ آخر میں لکھا ہے کہ اگر کمپنی سود لیتی ہے تو ناجائز ہے۔

ہمارے اکابر نے عرصہ قبل مال کی حفاظت کی خاطر روپیہ بینک میں رکھنے کی اجازت دی ہے، اور اس روپئے پر ملنے والے سود کو بلا نیت ثواب فقراء، و مساکین پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔

جب اپنی رضامندی سے حفاظت کی خاطر بینک میں روپئے رکھنے کی اجازت دی گئی ہے تو حکومت کے قانون کے جبر کی وجہ سے بینک میں روپئے رکھنے کو مولانا ناجائز فرمادیں گے مجھے امید نہیں ہے۔

اس لئے مجھ کو محسوس ہوتا ہے کہ عام حالات میں جبر کے بغیر اگر کمپنی نے آمدنی میں اضافہ کی غرض سے سود حاصل کرلیا ہے تو اس کو مولانا ناجائز فرمارہے ہیں۔ اور ظاہر ہے اس کے حرام ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی دوسرا مقصود ہے تو مولانا خود ہی اس کی وضاحت فرمادیں گے۔

مولانا محمد ارشد قاسمی نے لکھا ہے کہ اگر معلوم ہو کہ منافع میں سود بھی ہے تو شیئرز خریدنا ناجائز ہوگا ورنہ جائز ہوگا۔ حالانکہ اس کا علم تو اس وقت ہوگا جب کمپنی حساب دے گی کہ منافع میں سود کی آمیزش ہے یا نہیں، اگر ہے تو اس کی مقدار کیا ہے۔

باقی دوسرے مقالہ نگار حضرات نے اس صورت میں بھی شیئرز کی خریداری کو جائز قرار دیا ہے، مگر اس صورت میں چونکہ سود لینا ہے، اس لئے سود لینے کے عمل کے ساتھ مال میں سود کی آمیزش بھی ہے، اس طرح مال میں خبث بھی ہے۔ اس کا حل انہوں نے یہ تجویز کیا ہے کہ کمپنی کی میٹنگ میں سودی کاروبار کے خلاف آواز اٹھائے یا خط کے ذریعہ اظہار بیزاری کردے، اور سود کی جتنی مقدار اس کے منافع میں شامل ہے اس کو بلا نیت ثواب صدقہ کردے۔

میں نے اپنے مقالہ میں ایک تجویز پیش کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرات کے سامنے بھی پیش کردوں۔

سوال نمبر ۵ اور ۶ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف سرکاری قانون کے جبر کی وجہ سے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے یا بانڈس خریدنے پڑتے ہیں، اور اس پر بینک کی طرف سے سود ملتا ہے۔ دوسری طرف انکم ٹیکس کے ظالمانہ قانون کی زد سے بچنے کے لئے اپنے کو مقروض دکھانا پڑتا ہے، اور اس کے لئے بینک سے قرض کی شکل میں رقم لینی پڑتی ہے، اور اس پر سود دینا ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں میری رائے ہے کہ اگر کمپنی مسلمانوں کی ہو یا اس پر مسلمانوں کا اثر ہو تو یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ روپئے ریزرو بینک میں جمع کرنے کی صورت میں جس قدر سود ملتا ہے اتنا روپیہ بطور سود لوٹانے کے لئے جتنا روپیہ بینک سے قرض لینا ہو لیا جائے۔

اس صورت میں جتنی رقم سود کے نام پر لی گئی ہے وہ پوری کی پوری سود ہی کے نام پر بینک کو لوٹا دی جائے گی، اور درحقیقت نہ سود کا لینا ہوگا اور نہ سود کا دینا ہوگا۔ اور ان حضرات کو بھی شیئرز کی خریداری کی اجازت دینے میں کوئی اختلاف نہیں رہ جائے گا جو سود کے لین دین کی وجہ سے شیئرز کی خریداری کی اجازت نہیں دیتے۔

☆☆☆☆☆

عرض مسئلہ :

سوال نمبر ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱

از........ مولانا اختر امام عادل

جامعہ رحمانی، سمستی پور

شیئرز کے سوال نمبر ۷ تا ۱۱ کا عرض مسئلہ مجھ سے متعلق ہے۔ سوال نمبر ۷ سے ۱۱ تک یوں تو پانچ سوالات ہیں مگر ان کو سمیٹا جائے تو بنیادی طور پر صرف تین باتیں ہمارے لئے موضوع بحث بنتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ سودی قرض مفید ملک ہے یا نہیں؟ اور اس سے حاصل ہونے والے منافع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۲۔ کیا کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے؟ اور اس کا عمل شیئرز ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا ؟ اگر کوئی شیئرز ہولڈر بورڈ کے کسی عمل سے اپنے اختلاف کا اظہار کردے تو اس عمل کی ذمہ داری سے وہ بری ہوگا یا نہیں؟

۳۔ اگر کمپنی کے منافع میں سودی آمدنی بھی شامل ہو جس کی مقدار معلوم ہو تو کیا شیئر ہولڈر کے لئے منافع سے اس کے بقدر نکال کر صدقہ کر دینا کافی ہوگا؟

شیئرز کے موضوع پر اکیڈمی کو کل مقالات موصول ہوئے، جن میں ۳۷ مقالہ نگاروں نے مذکورہ تین باتوں پر صراحۃً یا دلالۃً اپنی رائے ظاہر کی ہے، جبکہ تین حضرات نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

ان ۳۷ حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا ابوالحسن علی، شمس پیرزادہ، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا جعفر ملی رحمانی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مفتی عبدالرحیم بھوپال، مفتی انور علی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ابراہیم محمد بزودوی، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا عبداللطیف، مولانا محمد رضوان القاسمی، مفتی نظام الدین صاحب دیوبند، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا محمد مجاہد الاسلام حیدرآباد، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا محمد قمر عالم سبیلی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا ایوب سبیلی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا شاہد القاسمی، حکیم ظل الرحمٰن، اور خود راقم الحروف۔

سوال نمبر ۷۔ سودی قرض اور اس سے حاصل شدہ منافع کا مسئلہ:

مذکورہ مسائل میں سب سے پہلا مسئلہ (جو سوالنامہ کی ترتیب سے ساتویں نمبر پر ہے) سودی قرض کے مفید ملک ہونے یا نہ ہونے اور اس سے حاصل شدہ منافع کی شرعی حیثیت کا ہے۔ تمام مقالات کے پڑھنے سے اس پر

بنیادی طور پر تین رائیں سامنے آئی ہیں:

ا۔ایک رائے جس کو صرف تین حضرات مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی اور مولانا ظفر الاسلام نے اختیار کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ سودی قرض خواہ بضرورت ہو یا بلاضرورت مفید ملک نہیں ہے، اور نہ اس سے حاصل ہونے والے منافع حلال ہیں۔ اس نقطۂ نظر کی بنیاد یہ ہے کہ کمپنی بینکوں سے جو سودی قرضہ لیتی ہے وہ مجبوری میں لیتی ہے خوشی سے نہیں، اس لئے اس حد تک اس کو اجازت دی جاسکتی ہے۔ رہا اس قرض سے انتفاع کا معاملہ تو یہ اگلا مرحلہ ہے جو جبری نہیں اختیاری ہے، اور اختیاری صورت میں مال حرام سے استفادہ کی اجازت نہیں دی جاسکتی، مگر یہ استدلال انتہائی کمزور ہے۔

(الف) اس لئے کہ اگر قرض سے انتفاع درست نہ ہو تو پھر قرض لینے کی ضرورت کیا ہوگی؟ اور سودی قرضہ لینے کی اجازت کیوں دی جائے گی؟ فقہاء نے بلاقید یہ قاعدہ بیان کیا ہے:

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر)۔

ضرورت مند کے لئے سودی قرض لینا جائز ہے۔

اس میں کوئی پابندی نہیں لگائی گئی کہ یہ قرض تو لے لو مگر اس سے انتفاع نہ کرنا، اس لئے کہ پھر تو اجازت کا یہ قاعدہ ہی بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

(ب) دوسری بات جس کی طرف ان حضرات کی نگاہ نہیں گئی، وہ یہ ہے کہ مسلمہ فقہی اصول ہے:

حرمة العقد لا يستلزم حرمة المال.

معاملہ کی حرمت سے مال کی حرمت لازم نہیں آتی۔

سودی قرض لینا اگر بدرجہ مجبوری نہ بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ اس عمل کو غیر درست قرار دیا جائے گا، مگر اس عمل کے نتیجہ میں جو مال آیا ہے اس میں خباثت نہیں آئے گی، اس لئے کہ اس میں سود کی رقم شامل نہیں ہے، سود دیا گیا ہے لیا نہیں گیا ہے۔ حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی (۳؍۱۷۰) میں اسی طرز استدلال سے سودی قرض اور اس سے حاصل شدہ منافع کی حلت کا فتوی دیا ہے۔

۲۔ دوسری رائے جس کو تنہا مولانا شاہد القاسمی نے پیش کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر سودی قرض بضرورت لیا گیا ہو تو وہ اور اس کے منافع حلال وطیب ہیں، اور اگر بلاضرورت لیا گیا ہو تو وہ اور اس سے حاصل شدہ منافع دونوں حلال نہیں، دونوں قابل تصدق ہیں۔

انہوں نے اس مسئلہ کو بیع فاسد پر قیاس کیا ہے کہ کسی شخص نے کوئی چیز بیع فاسد کے طور پر خریدی تو اس عقد کو توڑنا ضروری ہے، لیکن اگر مشتری اس کو توڑنے کے بجائے کسی تیسرے کے ہاتھ وہ چیز فروخت کردے تو اس سے مشتری اول کو جو منافع حاصل ہوں گے ان کا صدقہ کرنا ضروری (رد المحتار)۔

مگر اس استدلال میں کئی نقائص ہیں:

(الف) پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں استقراض کے مسئلہ کو بیع کے مسئلہ پر قیاس کیا گیا ہے جب کہ دونوں معاملات کی جنس اور احکام جداگانہ ہیں، اس لئے ایک کے کسی جزئیہ کو دوسرے کے لئے نظیر نہیں بنایا جاسکتا۔

(ب) دوسری بات یہ ہے کہ قیاس پوری طرح قرض والے مسئلہ پر منطبق بھی نہیں ہے، اس لئے کہ قرض والے مسئلہ میں مولانا موصوف نے ضرورت اور عدم ضرورت کی تفصیل کی ہے، جب کہ بیع فاسد کے مذکورہ جزئیہ میں اس طرح کی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

(ج) اور اصل بات یہ ہے کہ بیع فاسد کے مسئلہ کی بنیاد اس پر ہے کہ خبث کہاں مؤثر ہوتا ہے، مال متعین میں یا غیر متعین میں؟ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر خبث فساد ملک کی بنا پر آیا ہو تو صرف مال متعین میں اثر انداز ہوگا غیر متعین میں نہیں، اور اگر عدم ملک کی بنیاد پر آیا ہو تو دونوں صورتوں میں اثر انداز ہوگا۔

بیع فاسد میں ملکیت حاصل ہوتی ہے مگر فساد کے ساتھ، اس بنا پر اگر مال مبیع متعین مثلاً باندی یا جانور وغیرہ ہو تو اس کے فروخت سے جو منافع ہوں گے وہ خبث سے خالی نہیں ہوں گے، اس بنا پر قابل تصدق ہوں گے۔ مگر وہیں اس کی صراحت بھی فقہاء کے یہاں ملتی ہے کہ بائع اول اس شئی کے ثمن (درہم و دینار یا کرنسی) سے جو منافع حاصل کرے گا وہ اس کے لئے طیب ہوں گے اس لئے کہ رقوم اور نقد متعین نہیں ہوتے (ہدایہ ۶۶/۳، رد المحتار ۱۳۵/۴)۔

کتب فقہ میں اس طرح کی کئی نظیریں ملتی ہیں کہ غیر متعین چیزوں پر فساد عقد یا فساد ملک کا اثر نہیں پڑتا، سودی قرض کا معاملہ بھی وہی ہے، سود دیکر قرض کے طور پر جو رقم حاصل ہوتی ہے، وہ بھی غیر متعین ہوتی ہے اس لئے فساد عقد کا اثر بھی بیع فاسد کے اسی مذکورہ جزئیہ کی روشنی میں سودی رقم اور اس سے ہونے والی آمدنی پر نہیں پڑے گا، اس طرح یہ جزئیہ ان کی موافقت میں نہیں بلکہ ان کے خلاف میں جاتا ہے۔

۳۔ تیسری رائے جس کو باقی تمام مقالہ نگاروں نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ بلاضرورت سودی قرضہ لینے کا عمل درست نہیں، صرف ضرورت کے وقت اس کی اجازت ہے۔ لیکن دونوں ہی صورتوں میں اگر سود پر قرض لیا گیا تو یہ قرض مفید ملک ہوگا اور اس سے حاصل شدہ منافع شرعی طور پر حلال ہوں گے۔ البتہ ضرورت نہ ہونے کی صورت میں وہ اپنے عمل کی بنا پر گناہگار ہوگا، مگر اس کے عمل کی حرمت مال پر اثر انداز نہ ہوگی، یہی نقطۂ نظر زیادہ قوی اور راجح معلوم ہوتا ہے، اور اس کی کئی وجوہ واسباب ہیں:

(الف) فقہاء نے خود سود کے بارے میں لکھا ہے کہ قبضہ کے بعد اس پر ملکیت حاصل ہوجاتی ہے۔

و ظاهر ما في جمع العلوم و غيره ان المشترى يملك الدرهم الزائد إذا قبضه في ما إذا اشترى درهمين بدرهم فإنهم جعلوه من قبيل الفاسد وهكذا صرح به الأصوليون في بحث النهي (البحر الرائق ۱۲۵/۶)۔

کہ اگر کوئی شخص دو درہم کو ایک درہم کے بدلہ خریدے تو قبضہ کے بعد وہ زائد درہم کا (جو اس نے بطور سود کے لیا ہے) مالک ہوجائے گا۔ فقہاء نے اس کو عقد فاسد کے قبیل سے شمار کیا ہے۔

توجب خود سود قبضہ کے بعد ملکیت میں آجاتا ہے تو اس کی بناپر جو قرض حاصل ہوگا وہ بدرجہ اولی ملکیت میں داخل ہوگا۔ جامع الرموز میں بھی اس کی صراحت ملتی ہے:

الثانی کل عقد فیہ فضل والقبض فیہ مفید للملک (جامع الرموز ۳/۲۷)۔

یعنی ہر وہ معاملہ جس میں سود ہو قبضہ کے بعد مفید ملک بنتا ہے۔

(ب) مشہور فقہی اصول ہے:

ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر) کہ ضرورت مند کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت ہے۔

اس سے بھی سودی قرض کے مفید ملک اور اس کی آمدنی کے حلال ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

(ج) سودی قرض لینے کا عمل فی نفسہ کتنا ہی غیر درست سہی، مگر اس عقد کے نتیجہ میں جو مال آئے گا وہ خبث سے پاک ہوگا، اس لئے کہ سود کا عنصر اس میں شامل نہیں۔ اور مشہور مسلمہ اصول ہے:

حرمة العقد لا یستلزم حرمة المال (الاشباہ والنظائر) عقد کی حرمت مال کی حرمت کو مستلزم نہیں۔

خصوصاً جب ضرورت کے وقت سودی قرض لیا جائے تو عمل بھی جائز ہوجاتا ہے۔

(د) اور اگر ہم مخصوص ہندوستانی کمپنیوں کے تناظر میں دیکھیں تو یہاں یہ سارے معاملات براہ راست شیئر ہولڈرس نہیں کرتے بلکہ کمپنیاں کرتی ہیں اور وہی سودی قرض لے کر نفع حاصل کرتی ہیں، اور پھر ان کے توسط سے شیئرز ہولڈرس کو منافع میں حصہ ملتا ہے۔ اس صورت میں یہاں امام ابوحنیفہؒ کا وہ مشہور فقہی قاعدہ بھی جاری ہوسکتا ہے کہ بیع وشراء میں حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں مؤکل کی طرف نہیں، اسی طرح دوسرا ضابطہ کہ تبدل ملک سے فساد رفع ہوجاتا ہے۔

وفی صورة ارباء الوکیل کان البیع فاسدا لایضرنا فإن الوکیل بالبیع کالعاقد لنفسه وفساد البیع فی حق الذمی لا یستلزم حرمة الربح علی المسلم فإن تبدل الملک یدفع خبث الفساد وأما علی قول من جوز الربوا بین المسلم والکافر فی دار الحرب فالأمر أوسع (امداد الفتاوی ۳/۴۹، وکذا فی نظام الفتاوی ۱/۲۰۰)۔

اس لحاظ سے مسلم حاملین حصص پر سودی قرض کے عمل کی ذمہ داری نہیں آئے گی، اور منافع تبدل ملک کی وجہ سے حلال قرار پائیں گے۔

ان دلائل کی روشنی میں اکثر مقالہ نگاروں نے جو موقف اختیار کیا ہے وہی مضبوط معلوم ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۸، ۹۔ کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس اور شیئرز ہولڈرس کا باہمی رشتہ:

دوسرا مسئلہ (جو سوالنامہ میں آٹھواں اور نواں سوال ہے) یہ ہے کہ کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس اور شیئرز ہولڈرس کے مابین تعلق کی نوعیت کیا ہے۔ (۱) یعنی کیا بورڈ آف ڈائرکٹرس تمام شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے؟ اگر ہے تو کیا بورڈ کے ہر عمل کی نسبت شیئرز ہولڈرس کی طرف بھی کی جائے گی؟ (۲) اگر کوئی شیئرز ہولڈر بورڈ کے کسی فیصلہ سے

اختلاف کرے، یہ اختلاف خواہ بورڈ کے اکثریتی فیصلہ پر اثر انداز ہو یا نہ ہو، لیکن کیا فی نفسہ اس شیئرز ہولڈر کو بورڈ کے اس عمل کی ذمہ داری سے بری کردے گا۔

اس سوال میں مسئلہ کے دو پہلو میں سے ایک پہلو پر تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے اور بورڈ کا عمل شیئرز ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا، اس لئے کہ شیئرز کی خرید کو اگر شرکت عنان سے قریب تر قرار دیا جائے جیسا کہ حضرت تھانویؒ اور بہت سے علماء کا خیال ہے تو فقہاء کی تصریح کے مطابق شرکت عنان کی بنیاد وکالت پر ہوتی ہے۔

وأما شركة العنان فتنعقد على الوكالة دون الكفالة (ہدایہ مع فتح القدیر ۶/۱۷۶)۔

اور اگر اس کو مضاربت مانا جائے جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے، تو مضاربت کو بھی فقہاء نے توکیل ہی قرار دیا ہے۔

المضاربة توكيل بالعمل لتصرّفه بأمره (درمختار ۴/۴۸۴)۔

اور اگر اسے شرکت کی ایک نئی قسم قرار دی جائے تو بھی چونکہ تمام شیئرز ہولڈرس نے بورڈ کو انتظامی امور کے لئے اپنا وکیل اور نمائندہ منتخب کیا ہے، اس لئے بورڈ بہر حال تمام شیئرز ہولڈرس کا وکیل رہے گا، اور اس کا عمل شیئرز ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا۔ البتہ مولانا ابوالحسن علی کے یہاں اس کی کچھ تفصیل ملتی ہے۔ وہ یہ کہ جو چیز حصہ خریدنے کے بعد خریدی جائے گی اس میں تو وہ کارکنان حصہ دار کے وکیل ہوں گے، اور جو پہلے سے موجود ہے اس میں وہ کارکنان خود بائع اور حصہ دار مشتری ہوگا، اور یہ بیع تعاطی ہے جس میں بائع ثمن پر بلاواسطہ قابض ہوگیا اور مشتری مبیع پر بواسطہ بائع کے کہ وہ اس کا وکیل بھی ہے، قابض ہوگیا (بحوالہ امداد الفتاوی ۳/۴۹۰)۔

البتہ مسئلہ کا دوسرا پہلو اختلافی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شیئرز ہولڈر بورڈ کے کسی فیصلہ سے اختلاف ظاہر کرے تو کیا اس فیصلہ کی ذمہ داری سے وہ بری قرار پائے گا؟ اس مسئلہ میں بنیادی طور پر دو طرح کے خیالات ملتے ہیں: ایک خیال یہ ہے کہ اختلاف رائے ظاہر کردینے سے شیئرز ہولڈر بری ہوجائے گا۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ بری نہیں ہوگا۔ یہی دو مرکزی خیال ہیں۔ ان کے علاوہ ذیلی طور پر دو رائیں اور بھی ملتی ہیں:

(الف) جناب شمس پیرزادہ صاحب کا خیال یہ ہے کہ چونکہ شیئرز ہولڈر کا اختلاف اکثریت کے فیصلہ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا اس لئے اختلاف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، مجبوری میں بورڈ کے فیصلہ کو مان لینے کی اجازت ہے۔

(ب) دوسرا خیال مولانا سلطان احمد اصلاحی نے پیش کیا ہے، وہ یہ کہ اگر کمپنی بینک سے سودی رقم حاصل کرتی ہے تو اس سے اختلاف کرنے کی ضرورت ہی نہیں، اس لئے کہ بینک کا سود درحقیقت سود نہیں ہے بلکہ وہ نفع اور انٹرسٹ ہے جو جائز ہے۔

مگر یہ دونوں خیالات ہماری بحث سے خارج ہیں، اس لئے کہ گذشتہ سیمناروں میں یہ طے ہوچکا ہے کہ

بینک کا سود حرام ہے، خواہ اسے نفع، انٹرسٹ یا کوئی بھی نام دے دیا جائے۔

اسی طرح پیرزادہ صاحب کا یہ خیال کہ چونکہ اختلاف مؤثر نہیں اس لئے اختلاف کرنے کی ضرورت نہیں، یہ بھی خارج از بحث ہے، اس لئے کہ بحث اس سے نہیں کہ اس کا اختلاف اکثریت کے فیصلہ پر اثر انداز ہوگا یا نہیں؟ بلکہ بحث اس سے ہے کہ کیا اس اختلاف سے شیئرز ہولڈر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش قرار پائے گا یا نہیں؟

۳۵ مقالہ نگاروں نے اس کے متعلق اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ جن میں پانچ حضرات کا خیال یہ ہے کہ اختلاف کرنے کے بعد شیئرز ہولڈر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوگا، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مفتی عزیز الرحمن بجنوری، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا شاہد القاسمی۔

ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ جب کمپنی ایک نظام کے تحت چل رہی ہے، اور یہ معلوم ہے کہ وہ کوئی ناجائز عمل کر رہی ہے یا کسی سودی معاملہ میں ملوث ہے اس کے باوجود اس کے شیئرز خریدنا اور اس کی وکالت قائم رکھتے ہوئے اختلاف کا اظہار کرنا ایک بے معنی سی بات ہے۔ امداد الفتاوی میں حضرت تھانویؒ کا ایک فتوی بھی اسی مضمون کا موجود ہے (دیکھئے: ۱۳۰/۳)۔

مگر یہ استدلال محل نظر ہے، کیوں کہ اس میں یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ وکیل کبھی مؤکل کی مرضی کے خلاف کر ہی نہیں سکتا، حالانکہ یہ صحیح نہیں، جب کوئی فرد یا ادارہ کسی شخص کی طرف سے کسی پھیلے ہوئے کام کا وکیل بنتا ہے تو اس میں بعض ایسی جزئیات کا آجانا بعید از امکان نہیں جو مؤکل کی مرضی کے مطابق نہ ہوں، ایسے موقعہ پر طریق کار یہ نہیں اختیار کیا جاتا کہ وکیل کی وکالت ختم کردی جائے بلکہ یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ خلاف مرضی چیزوں کی ذمہ داری (جب کہ وکیل کو خلاف مرضی ہونا معلوم ہو) مؤکل پر نہیں آتی، اور وہ اس حد تک خود ذمہ دار ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب نے اپنے مقالہ میں اس کی صراحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ فقہ کی کتاب الوکالۃ میں اس کی تصریح ہے کہ جب مؤکل کسی کام کے کرنے سے منع کردے تو وکیل کا معاملہ مؤکل کی جانب منسوب نہیں ہوگا محض وکیل تک محدود رہے گا۔

مثلاً: الأصل أن الموكل إذا قيد على وكيله فإن كان مقيدا اعتبر مطلقا وإلا لا. (الاشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ)

(ہکذا فی قواعد الفقہ ص ۱۱۷، ناقلاً عن السرخسی۔ وہکذا المستفاد من الہندیۃ ایضاً ۵۶۷/۳ کتاب الوکالۃ)۔

اور رہا حضرت تھانویؒ کا فتوی، تو خود امداد الفتاوی میں اس کے خلاف بھی ایک فتوی موجود ہے جس میں حضرتؒ نے تجویز پیش کی ہے کہ شیئر ہولڈر اپنی براءت کا اعلان کردے تو کافی ہے، اور غالب گمان یہ ہے کہ یہ دوسرا فتوی بعد کا ہے جو حضرت کا راجح نقطۂ نظر تھا۔

مذکورہ چھ اصحاب قلم کے علاوہ بقیہ تمام مقالہ نگاروں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ بورڈ کے سودی عمل

سے شیئرز ہولڈر اپنی براءت کا اعلان کردے تو وہ اس عمل کی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔ اس موقف کے کچھ دلائل ماقبل میں گذر چکے ہیں اور کچھ نئے دلائل جن سے اس موقف کی ترجیح وتقویت ہوتی ہے یہ ہیں:

(الف) شیئرز ہولڈر نے کمپنی کو تجارت کے باب میں وکیل بنایا ہے نہ کہ سودی قرض لینے کے معاملہ میں، اور اگر اس معاملہ میں وکالت ہو بھی تو یہ دلالۃً ہوگی، لیکن جب صراحت کے ساتھ وہ اختلاف کردے تو صراحت دلالت پر مقدم ہوگی۔

(ب) فقہاء نے تصریح کی ہے کہ وکیل کی وکالت انہی امور تک محدود رہے گی جو مؤکل کی مرضی کے مطابق ہوں، بقیہ چیزوں میں خود وکیل ذمہ دار ہوگا مؤکل اس سے بری الذمہ ہوگا، اوران اختلافی امور کی حد تک وکیل معزول سمجھا جائے گا، جیسا کہ درمختار کی اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے:

فلو اشتراه بغير النقود أو بخلاف ماسمي المؤكل له من الثمن وقع الشراء للوكيل لمخالفته أمره وينعزل في ضمن المخالفة (درمختار علی ردالمحتار ۴؍۴۵۰)۔

(ج) خصوصاً جب وکیل غیر مسلم ہو اور معاملہ شرکت یا مضاربت کا ہو تو فقہاء کی تصریح کے مطابق خلاف شرع امور کی ذمہ داری (جو مؤکل کی مرضی کے خلاف ہوں) خود وکیل پر آتی ہے، اس لئے کہ بیع وشراء میں حقوق عقد عاقد کی طرف لوٹتے ہیں اور تبدل ملک سے خبث دور ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ عالمگیری کے اس جزئیہ سے سمجھ میں آتا ہے جو امداد الفتاوی میں نقل کیا گیا ہے:

إذا دفع المسلم إلى النصراني مالا مضاربة بالنصف فهو جائز إلا أنه مكروه فإن اتجر في الخمر والخنزير فربح جاز على المضاربة في قول أبي حنيفة وينبغي للمسلم أن يتصدق بحصته من الربح (عالمگیری بحوالہ امداد الفتاوی ۳؍۴۹۷)۔

ان دلائل کی بنیاد پر اکثر مقالہ نگاروں نے جو خیال پیش کیا ہے وہی زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۱۰، ۱۱۔ سود اور اس سے حاصل شدہ منافع کے تصدق کا مسئلہ:

یہاں دو مسئلے زیر بحث ہیں:

(۱) ایک یہ کہ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو کیا شیئرز ہولڈرس کے لئے منافع سے اس کے بقدر نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا؟

(۲) دوسرا مسئلہ سود سے حاصل شدہ آمدنی کا ہے کہ اگر کمپنی سود کی رقم کو کاروبار میں لگا کر اس سے نفع اٹھاتی ہے تو اس نفع کا کیا حکم ہے؟ کیا منافع میں سے سود اور اس سے حاصل شدہ نفع دونوں صدقہ کرنا ہوگا یا صرف سود کے بقدر نکال کر صدقہ کرنا کافی ہوگا؟

پہلے مسئلہ میں مولانا سلطان احمد اصلاحی کے علاوہ (جن کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ بینک کا سود جائز ہے اس لئے اس کے تصدق کا مسئلہ نہیں آتا) باقی تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ منافع میں سے سود کے بقدر نکال دینا کافی ہوگا۔

..............(اصل مقالہ سے پورا ایک صفحہ غائب ہے)..............

اس لئے کہ کئی فقہی نظائر سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر مال حلال کے ساتھ مال حرام مل جائے اس طور پر کہ دونوں کے درمیان امتیاز مشکل ہو اور مال حلال کی مقدار غالب ہو تو غیر معین طور پر اس میں سے کچھ نکال دینا پورے مال کی تطہیر کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ گیہوں گاہتے وقت اگر جانور اس پر پیشاب کر دے اور یہ معلوم نہ ہو کہ ناپاک گیہوں کون سا ہے، تو اگر مشترک ہو تو تقسیم کر دینے سے اور غیر مشترک ہو تو لاعلی التعیین اس میں سے کچھ نکال دینے سے پورا گیہوں پاک ہو جاتا ہے، اسی طرح وکیل اگر کئی لوگوں کے مال سے تجارت کرے اور اس میں ایک دوسرے کے دراہم کو خلط ملط کر دے یا سودی رقم اس میں شامل کر دے تو تقسیم کے بعد ہر ایک کا حصہ پاک قرار پاتا ہے (امداد الفتاوی ۳/۴۹۷)۔

ہدیہ کے بارے میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ایسے شخص کا ہدیہ قبول کیا جا سکتا ہے جس کے پاس حلال و حرام دونوں طرح کے مال ہوں، بشرطیکہ مال حلال غالب ہو (فتاوی خانیہ علی الہندیہ ۳/۴۰۰)۔

علامہ ابن قیمؒ کی درج ذیل عبارت سے یہی حکم بہ صراحت ثابت ہوتا ہے:

إذا خالطه درهم حرام أو أكثر أخرج مقدار الحرام وحل له الباقي بلا كراهة سواء كان المخرج عين الحرام أو نظيره لأن التحريم لم يتعلق بذات الدرهم و جوهره وأما تعلق بجهة الكسب فيه فإذا خرج نظيره من كل وجه لم يبق لتحريم ماعداه معنى (بدائع الفوائد لابن قیم ۳/۱۵۷)۔

اس عبارت کا حاصل یہی ہے کہ رقوم چونکہ متعین نہیں ہوتیں اس لئے اگر ان میں حرام مقدار تھوڑی سی شامل ہو جائے تو اسی کے بقدر رقم نکال دی جائے اس سے بقیہ پوری رقم حلال ہو جائے گی، خواہ بعینہ حرام والی رقم نکالی گئی ہو یا اس جیسی کوئی اور، اس لئے کہ فی نفسہ کسی معین درہم میں حرمت نہیں ہے، حرمت عمل وکسب کی جہت سے آئی ہے۔

ماقبل میں نصرانی کو مضاربت یا شرکت کے لئے وکیل بنانے کا جزئیہ مذکور ہوا ہے، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی وکیل (خصوصاً غیر مسلم ہو تو کیا کہنا) منافع میں سود لیتا ہے اور جائز رقم میں اس کو خلط کر دیتا ہے تو تقسیم کے بعد جو حصہ رب المال کو ملے گا وہ پاک قرار دیا جائے گا، اگر چہ مسلمان کے لئے احتیاط یہ ہے کہ اتنے منافع سے سود کے بقدر صدقہ کر دے (عالمگیری) اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے اصول کے مطابق خلط دلیل استہلاک ہے، اور تقسیم یا اس میں سے کچھ اخراج مطہر ہے (امداد الفتاوی ۳/۴۹۷)۔

اس طرح کی متعدد نظیریں کتب فقہ میں ملتی ہیں۔ یہ تمام نظائر ہمارے یہ سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ کمپنی نے منافع میں سود کی رقم جو شامل کر دی ہے اس سے ہمارا پورا نفع ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ ایک تو تقسیم کے بعد ہمیں اپنا جو حصہ ملے گا یہ تطہیر کے لئے خود کافی ہے، اس پر بھی اگر سود کے بقدر صدقہ کر دیا جائے تو اس کی طہارت میں کیا شبہ باقی رہ جائے گا۔

رہا یہ کہ یہ صدقہ کرنا لازم ہے یا غیر لازم؟ تو اس کی وضاحت عام طور پر لوگوں نے نہیں کی ہے، زیادہ تر مقالہ نگاروں نے صرف اس قدر پر اکتفا کیا ہے کہ صدقہ کرنا کافی ہوگا، البتہ مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا ابوالحسن علی، اور

مولانا احمد دیولوی نے اس کی وضاحت کی ہے کہ صدقہ کرنا لازم نہیں ہے ، یہ صرف احتیاط اور تقوی کا تقاضا ہے۔ جبکہ دوسری طرف مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا تنویر احمد قاسمی اور مولانا قمر عالم سبیلی نے اس کو لازم قرار دیا ہے۔

غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ احتیاط وتقوی والی بات ہی زیادہ درست ہے۔

اس لئے کہ ابھی جن دلائل ونظائر کا تذکرہ کیا گیا ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ غیر معینہ اموال میں حرام مغلوب کا حلال غالب کے ساتھ ایسا اختلاط جس میں امتیاز باقی نہ رہے، باعث استہلاک ہوتا ہے، اور مال مشترک ہونے کی صورت میں اس کی تقسیم اور غیر مشترک ہونے کی صورت میں حرام کے بقدر نکال دینا باعث تطہیر ہو جاتا ہے۔ یہاں کمپنی کی صورت حال بھی یہی ہے کہ کمپنی کا سرمایہ اور منافع مشترک ہیں، اس لئے تقسیم کے بعد حصہ دار کو جو منافع ملے گا وہ طیب وطاہر ہوگا، اس لئے صدقہ کرنا اب لازم نہیں رہا، صرف احتیاط یہ ہے کہ سود کی مقدار اگر معلوم ہو تو صدقہ کر دیا جائے۔

اسی طرح مضاربت کے سلسلہ میں غیر مسلم وکیل کی بحث میں گذر چکا ہے کہ سودی معاملات میں اس کا فعل مؤکل کی طرف منسوب نہ ہوگا، اور جب تک کہ خالص حرام تجارت مثلاً شراب وخنزیر کی نہ کرے اس وقت تک اس پر اپنے ملے ہوئے حصہ سے صدقہ کرنا لازم نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی نے عالمگیری کا مذکورہ جزئیہ نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ "تصدق کا حکم ورع وتقوی پر محمول ہے جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے، اور اگر وجوب پر محمول کیا جاوے تو یہ اس وقت ہے جب کہ شراب اور خنزیر کی بیع ہوا اور اس کے علاوہ کی نہ ہو (یعنی صرف حرام ہی حرام ہوا اختلاط حلال وحرام نہ ہو) (امداد الفتاوی ۳؍۴۹۷)۔

جناب شمس پیرزادہ صاحب اور حکیم ظل الرحمن صاحب کا کہنا یہ ہے کہ کمپنیوں کو بینک سے جتنا سود ملتا ہے اس سے کہیں زیادہ دینا پڑتا ہے۔ اس لئے جتنا سود ملے اس کو دینے میں محسوب کر دینا چاہئے، سود حصہ داروں میں تقسیم کرنے اور اس سے منافع حاصل کرنے کی بات محض فرضی ہے، جس کا واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔

سوال نمبر ۱۱۔

دوسرا مسئلہ سود سے حاصل شدہ منافع کا ہے، ان منافع کی حلت وحرمت اور ان کے قابل تصدق ہونے کے متعلق بنیادی طور پر مقالات میں دو طرح کے خیالات پائے جاتے ہیں:

۱۔ ایک خیال جس کو مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی عبدالرحمن پالنپوری، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا تنویر احمد قاسمی اور مولانا قمر عالم سبیلی نے اختیار کیا ہے، یہ ہے کہ سود اور اس سے حاصل شدہ تمام منافع حرام ہیں ان کا صدقہ کرنا لازم ہے، ان حضرات نے درج ذیل جزئیات سے استدلال کیا ہے:

(الف) شامی میں ہے: الحرمة تتعدی (۹۸/۵) اس کا تقاضہ ہے کہ حرام سے جو منافع حاصل ہوں گے وہ بھی حرام ہوں گے۔

(ب) خبث کے متعدی ہونے کا ثبوت شامی کی ایک اور عبارت سے ملتا ہے:

الخبث لفساد الملک إنما یعمل فیما یتعین لا فیما لا یتعین وأما الخبث لعدم الملک کالغصب فیعمل فیهما کما بسطه خسرو وابن کمال (شامی ۵/۹۷)۔

کہ فساد ملک کی بنا پر جو خبث ہوتا ہے وہ متعین میں اثر کرتا ہے غیر متعین میں نہیں، اور جو خبث عدم ملک کی بنا پر پیدا ہوتا ہے وہ متعین وغیر متعین دونوں قسم کے اموال میں اثر انداز ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خبث اپنی حد تک محدود نہیں رہتا وہ متعدی ہوتا ہے۔

(ج) ایک استدلال غصب کے اس مسئلہ سے بھی کیا جاتا ہے جو ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ کسی شخص نے ایک ہزار روپے غصب کر کے اس سے ایک باندی خریدی اور پھر اس کو فروخت کر کے ایک ہزار کا نفع حاصل کیا، پھر دو ہزار میں دوسری باندی خریدی اور اس کو تین ہزار میں بیچا تو یہ نفع جو اس نے حاصل کیا ہے اس کے لئے حلال ہوگا یا نہیں؟ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک حلال نہیں ہوگا، اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حلال ہوگا۔ صاحب ہدایہؒ نے طرفینؒ کے قول کو مختار قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ہمارے مشائخ کے نزدیک کسی بھی حال میں یہ نفع حلال نہیں ہے (ہدایہ ۳/۴۵۶)۔

مگر ان دلائل میں سے کوئی دلیل کمپنی کے مسئلہ پر منطبق نہیں آتی۔

اس لئے کہ مذکورہ تمام صورتوں میں خبث یا حرمت کے متعدی ہونے کی بات جو کہی گئی ہے وہ اموال متعینہ میں ہے غیر متعینہ میں نہیں، جبکہ کمپنی سے حاصل شدہ منافع رقم کی شکل میں ملتے ہیں یا جس سود سے منافع حاصل کئے جاتے ہیں وہ بھی رقم کی شکل میں ہوتا ہے، اور فقہاء کے مطابق رقوم اور دراہم ودنانیر متعین نہیں ہوتے۔

البتہ عدم ملک کی بنا پر جو خبث پیدا ہوگا وہ غیر متعینہ میں بھی متعدی ہوگا، مگر فقہاء کی تصریح کے مطابق سودی عقد، عقد فاسد ہے، اور عقد فاسد مفید ملک ہوتا ہے (البحر الرائق ۶/۱۲۵)۔ زیادہ سے زیادہ اس میں فساد ملک ہوتا ہے اور فساد ملک کی بنا پر جو خبث آتا ہے وہ صرف اموال متعینہ میں اثر انداز ہوتا ہے غیر معینہ میں نہیں، جب کہ کمپنی کے لئے اموال غیر متعین ہوتے ہیں اس لئے ان میں اثر انداز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲۔ دوسرا نقطۂ نظر جس کو بقیہ تمام علماء نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ سود سے حاصل شدہ منافع کا تصدق لازم نہیں، مگر احتیاط یہی ہے کہ سود کے ساتھ ان کو بھی صدقہ کر دیا جائے، اس لئے کہ:

(الف) اولاً خود سود پر بھی قبضہ کے بعد ملکیت ثابت ہو جاتی ہے تو اس سے جو منافع حاصل ہوگا ان پر بدرجہ اولی ملکیت ثابت ہوگی، اور خبث ان تک اس لئے متعدی نہیں ہوگا کہ یہ غیر متعین ہیں اور فساد ملک کی بنا پر جو خبث آتا ہے وہ غیر متعین میں اثر انداز نہیں ہوتا۔

(ب) علامہ شامی کی درج ذیل عبارت بھی اس سلسلہ میں کافی چشم کشا ہے:

رجل اکتسب مالا من حرام ثم اشتری فهذا علی خمسة أوجه إما ان دفع تلک

الدراهم إلى البائع أولا ثم اشترى منه بها أو اشترى قبل الدفع بها و دفعها أو اشترى قبل الدفع بها و دفع غيرها أو اشترى مطلقا و دفع تلك الدراهم أو اشترى بدراهم أخر و دفع تلك الدراهم. قال الكرخيؒ في الوجه الأول والثاني: لايطيب وفي الثلاث الأخيرة يطيب، وقال أبو بكرؒ: لا يطيب في الكل، لكن الفتوى على قول الكرخيؒ دفعا للحرج عن الناس (ردالمحتار ۴/۲۴۴)۔

یعنی کسی شخص نے مال حرام کمایا پھر اس نے خرید کیا تو اس کی پانچ صورتیں ہیں:

(۱) یا تو پہلے بائع کو دراہم دیئے پھر اس سے اس کے بدلے کچھ خرید کیا (۲) یا انہیں دراہم کے بدلہ پہلے خرید کیا پھر دراہم دیئے (۳) یا انہیں دراہم سے خرید کیا اور بعد کو اس کے بجائے دوسرا درہم دے دیا (۴) یا مطلقاً کسی خاص درہم کی تعیین کے بغیر خرید کیا اور عوض میں وہی دراہم ادا کر دیئے (۵) یا دوسرے دراہم متعین کئے اور ان کے بجائے یہ درہم دیے دیئے۔ امام کرخی نے کہا کہ پہلی اور دوسری صورت میں خرید کی ہوئی چیز اس کے لئے طیب نہیں، باقی تینوں صورتوں میں طیب ہیں، اور علامہ ابوبکرؒ نے کہا کہ کسی صورت میں طیب نہیں، لیکن لوگوں سے حرج دور کرنے کے لئے امام کرخی کے قول پر فتوی ہے۔

اس عبارت میں مذکورہ پانچ قسموں میں سے پہلی دو قسموں میں دراہم قبضہ اور بعینہ ادائیگی کی بنا پر چونکہ متعین ہیں اس لئے خبث کو متعدی مانا گیا اور نفع کو طیب نہیں کہا گیا، لیکن بقیہ تین صورتوں میں تعیین نہیں ہے، اس لئے مفتی بہ قول کے مطابق نفع کو طیب قرار دیا گیا اگرچہ احتیاط اپنی جگہ درست ہے۔

(ج) اسی طرح ماقبل میں گذر چکا ہے کہ خلط دلیل استہلاک ہے اور تقسیم مطہر ہے، اس لحاظ سے کمپنی سودی آمدنی کو کاروبار میں شامل کر کے جو نفع اٹھاتی ہے تقسیم کے بعد شیئرز ہولڈرس کو اس میں جو حصہ ملے گا طاہر قرار پائے گا۔ احتیاطاً صدقہ کرنا الگ سی بات ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ کی اس عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

وإن كان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام ولا يعلم أربابه ولا شيئا منه بعينه حل له حكما والأحسن ديانة التنزه عنه (ردالمحتار ۵/۲۳۵)۔

کہ اگر حلال وحرام مل جائے اور حرام کے مالک کا پتہ نہ ہو تو حکماً اس کے لئے پورا مال حلال رہے گا (بشرطیکہ حلال غالب رہا ہو) اگرچہ ایسے مال سے بچنے ہی میں احتیاط ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر عامۃ العلماء اور اکثر مقالہ نگاروں نے جو نقطۂ نظر اختیار کیا ہے وہی زیادہ مضبوط اور راجح معلوم ہوتا۔

☆☆☆☆☆

عرض مسئلہ:

سوال نمبر۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷

از........مولانا عتیق احمد بستوی

ندوۃ العلماء، لکھنو

شیئرز کے سوال نمبر۱۲ تا ۱۷ کے جوابات کا عرض مسئلہ مجھ سے متعلق کیا گیا ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے شیئرز کے موضوع پر جو مقالات اور جوابات میرے پاس بھیجے گئے ان کی تعداد ۴۲ ہے، گیارہ مقالات ہمارے ان نوجوان اور ہونہار فضلاء مدارس کے ہیں جو دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد یا دار العلوم حیدرآباد کے شعبۂ تخصص فی الفقہ والافتاء میں زیر تربیت ہیں۔ ۲۹ مقالات و جوابات معزز علماء اور اصحاب افتاء کے ہیں، ایک جواب نامہ جناب حکیم ظل الرحمٰن صاحب کا ہے۔

اصحاب مقالات و جوابات علماء و اصحاب افتاء کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دیوبند، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابوالحسن علی گجرات، مولانا احمد دیولوی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مولانا مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی شکیل احمد سیتاپوری، مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا مفتی انور علی اعظمی، مفتی عبد الرحمٰن پالنپوری، مولانا عبد اللطیف، مولانا عبد الرحیم، مولانا ابراہیم بڑودوی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا محمد جعفر ملی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا عتیق احمد قاسمی۔

دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد اور دار العلوم حیدرآباد میں زیر تربیت جن ہونہار فضلاء مدارس نے سوالنامہ بابت شیئرز کے جوابات لکھے ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

مولانا نعیم احمد رشیدی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا محمد عالم سبیلی۔

سوال نمبر۱۲۔

شیئرز کی تجارت کرنا کیسا ہے؟ یعنی کوئی شخص کچھ شیئرز خریدے کہ قیمت بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ فروخت کردوں گا، خلاصہ یہ کہ شیئرز کی بیع وشراء کرا یک تجارت کی طرح کرنے کا کیا حکم ہوگا جب کہ اس میں ایک

طرح کی قیاس آرائی کو دخل ہوتا ہے کہ بازار کی صورت حال کو دیکھ کر زیادہ منافع دینے والے شیئرز خرید لئے جاتے ہیں، اور کیا ہر تخمین وقیاس آرائی ممنوع ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دار العلوم دیو بند اور جناب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری کے جواب ناموں میں سوال نمبر ۱۲ تا ۱۷ کے جوابات تحریر نہیں ہیں۔ جناب مفتی شکیل احمد سیتا پوری صاحب کے علاوہ باقی تمام حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ شیئرز کی تجارت کرنا جائز ہے، کیونکہ جب یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ شیئرز قابل بیع وشراء ہیں، شیئرز کی بیع دراصل کمپنی کے اثاثوں میں متناسب حصے کی بیع ہے تو خرید وفروخت جائز ہوگی خواہ کسی بھی نیت سے ہو، کسی چیز کو قابل بیع وشراء ماننے کے بعد محض نیت کی بنیاد پر جواز وعدم جواز کی تفریق درست نہیں خصوصاجب کہ نیت بھی کسی ناجائز چیز کی نہ ہو، تجارت کی نیت ایک جائز امر کی نیت ہے، تخمین وقیاس آرائی بذات خود حرام نہیں ہے، تجارت میں تو تخمین وقیاس آرائی ایک مضبوط عامل ہے، تجارت کے اکثر مراحل میں اس کی ضرورت پیش آتی ہے، لہذا تخمین وقیاس آرائی کا عنصر شامل ہونے کی وجہ سے شیئرز کی تجارت کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔

تنہا مولانا مفتی شکیل احمد صاحب نے شیئرز کی تجارت کو نادرست لکھا ہے، موصوف تحریر فرماتے ہیں: شیئرز جب نہ ثمن ہیں اور نہ مبیع، تو ان کی تجارت کیسے درست ہو سکتی ہے، راس المال یا ثمن وہ زر مبادلہ ہے جو شیئر ہولڈر ادا کرتا ہے، اور مبیع وہ سامان ہے جو فیکٹری میں تیار ہوگا، شیئر ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے لہذا اس کی بیع وشراء درست نہیں ہے، نیز جب شیئر کا معاملہ عقد شرکت ہے تو شریک کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ اپنا حصہ دوسرے کو فروخت کردے۔

جناب مفتی شکیل احمد صاحب کی رائے اور استدلال پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ انہوں نے اپنے مضمون کی تمہید میں یہ بات واضح کر دی ہے کہ کمپنی اور شیئرز کی حقیقت ان پر پورے طور پر منکشف نہیں ہو سکی ہے، انہوں نے شیئرز کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے مزید مواد کی ضرورت محسوس کی ہے، لکھتے ہیں:

''شیئرز کی ماہیت اور اس کی تعریف کیا ہے؟ اس سلسلہ میں اگر کسی معتبر کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس کا شائع کردہ مواد ترجمہ کر کے سوالنامہ کے ساتھ منسلک کیا جاتا تو شیئرز کا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہوتی، غالبا یہ بھی ایک طرح کا نظام ہے جس طرح بینکنگ ایک نظام ہے، اس لئے نظام چلانے والے ادارے اپنے نظام کے تعارف کیلئے جو مواد شائع کرتے ہیں اسی سے اس کی ماہیت سمجھ میں آتی ہے، ماہیت سمجھنے کے بعد ہی کوئی حکم لگانے کا مرحلہ آتا ہے''۔

ماہیت سمجھنے سے پہلے حکم لگانے میں غلطی ہونا تعجب نہیں بلکہ غلطی نہ ہو تو تعجب ہے، اگر مفتی صاحب کی یہ بات درست ہو کہ ''عقد شرکت میں شریک کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ اپنا حصہ دوسرے کو فروخت کردے'' تو شیئرز کی خرید وفروخت کا قضیہ ہی ختم ہو جائے، لیکن تمام مسالک کے فقہاء کی تصریحات اس کے خلاف ہیں، تمام فقہاء شرکت عنان کے شرکاء کے لئے اپنے حصہ کی فروختگی درست قرار دیتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۳۔

شیئر مارکیٹ میں ایک سودا جسے فیوچر سیل (بیاعات مستقبلیات) کہتے ہیں مروج ہے، اس کا مقصد شیئرز

خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان کو برابر کرلینا مقصود ہوتا ہے، مثلاً زید نے سو شیئرز کا سودا بہ حساب سو روپے فی شیئر کیا، اور ادائیگی اور وصولی کی تاریخ ۳۰ / مارچ مقرر کی، اب جب ۳۰ / مارچ آئی تو اس شیئر کی قیمت ڈیڑھ سو روپے ہوگئی تو وہ پانچ ہزار روپے منافع کے طور پر لے لے گا، اور اگر ۳۰ / مارچ کو اس شیئر کی قیمت گھٹ کر پچاس روپے ہوگئی تو وہ پانچ ہزار روپے ادا کرے گا، اصل سودا محض کاغذی کارروائی ہے، نہ مشتری ثمن دیتا ہے، نہ بائع مال دیتا ہے، البتہ مقررتاریخ پر بڑھتے ہوئے دام کی صورت میں منافع یا گھٹتے ہوئے دام کی صورت میں خسارہ ادا کیا جاتا ہے، شریعت میں مذکورہ فیوچر سیل کا کیا حکم ہے؟

اس سوال کے جواب میں تمام حضرات متفق ہیں کہ فیوچر سیل ناجائز ہے، کیونکہ یہ قمار (جوئے) کی واضح شکل ہے۔

سوال نمبر ۱۴۔

غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے جائز ہوگی یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں اکثر حضرات نے لکھا ہے کہ چونکہ اس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے اس لئے یہ بیع منعقد اور لازم نہیں ہوئی، اسے بیع نہیں صرف وعدۂ بیع کہا جاسکتا ہے۔

متعدد حضرات نے اس سوال کو مبہم اور غیر واضح قرار دے کر جواب دینے سے گریز کیا ہے یا مختلف شقیں قائم کرکے جواب دیا ہے اور سوال کی مزید وضاحت چاہی ہے، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا احمد دیولوی، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا ابوالحسن علی، مفتی محبوب علی وجیہی رامپور اور مولانا تنویر احمد قاسمی سیتامڑھی نے صورت مسئولہ کو بیع سلم پر محمول کرتے ہوئے بیع سلم کی شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے، مولانا ابراہیم بڑودوی نے لکھا ہے کہ جائز اور درست ہے بشرطیکہ خریدار دیکھنے کے بعد اس کا آخری فیصلہ کرے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ سوال نمبر ۱۴ میں کافی اجمال ہے، اسی لئے صورت مسئلہ بہت سے حضرات پر واضح نہ ہو سکی اور بعض حضرات نے اسے بیع سلم پر محمول کیا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیئرز کے غائب سودے کی تھوڑی وضاحت کردی جائے۔

مولانا محمد تقی عثمانی شیئرز کے حاضر اور غائب سودے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شیئرز کے سودے دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک کو حاضر سودا (Spot Sale) کہتے ہیں اور دوسرے کو غائب سودا (Forward Sale) کہتے ہیں۔

حاضر سودے میں شیئرز کی بیع ابھی ہو جاتی ہے اور حقوق کی منتقلی بھی ابھی ہو جاتی ہے، خریدار ابھی سے شیئرز لینے کا حقدار ہوتا ہے مگر بعض انتظامی مجبوریوں کی بنا پر شیئرز کے سرٹیفکیٹ کی ادائیگی (ڈیلیوری) میں تاخیر ہوتی ہے..........غائب سودے میں بیع تو ابھی ہو جاتی ہے مگر مستقبل کی طرف مضاف ہوتی ہے، جیسے ابھی شیئرز کی بیع ہو چکی، مگر قبضے وغیرہ کے حقوق فلاں تاریخ سے متعلق ہوں گے..........(اسلام اور جدید معیشت وتجارت ر ۷۳، ۷۴)۔

غائب سودے میں صورت حال یہ نہیں ہوتی ہے کہ ایجاب وقبول کے لئے مستقبل کا صیغہ استعمال کیا جائے ،یعنی بیچنے والا یہ کہے کہ میں فلاں تاریخ کو تمہارے ہاتھ اتنے شیئرز اس قیمت میں بیچوں گا اور خریدار کہے کہ میں فلاں تاریخ میں اتنے شیئرز اس قیمت میں خریدوں گا بلکہ صیغہ ماضی ہی کا استعمال ہوتا ہے، لیکن مبیع اور ثمن کی حوالگی کے لئے آئندہ کی کوئی تاریخ طے ہوتی ہے، اس تاریخ سے پہلے حقوق ایک دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتے، نہ اس تاریخ سے قبل شیئرز بیچنے والا خریدار سے قیمت کا مطالبہ کرسکتا ہے نہ خریدار بائع سے شیئرز پر قبضہ دینے کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

اس صورت معاملہ کو بیع سلم کے زمرہ میں اس لئے شامل نہیں کیا جاسکتا ہے کہ بیع سلم میں ثمن کی حوالگی نقد ضروری ہے اور شیئرز کے غائب سودے میں ثمن کی حوالگی بھی متعین تاریخ پر موقوف رہتی ہے، دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ کیا کمپنی کے شیئرز کو ان اموال میں شمار کیا جاسکتا ہے جن میں بیع سلم درست ہے۔

سوال نمبر ۱۵ اور ۱۶ گہرے طور پر باہم مربوط ہیں اس لئے دونوں کا عرض بھی ایک ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر ۱۵۔

شیئرز کے نقد سودے میں بھی بعض انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے سرٹیفکیٹ پر قبضہ ایک سے تین ہفتوں تک تاخیر سے ہوتا ہے، اس ذیل میں اصل سوال یہ ہے کہ شیئر پر قبضہ کا مطلب کیا ہوگا، اگر بوقت بیع وشراء ہی کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں شیئر ہولڈر کی ملکیت آجاتی ہے، اور وہ اس کی ضمان میں آجاتا ہے، اور حقوق وذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں اگرچہ ابھی شیئرز سرٹیفکیٹ نہ ملا ہو، تو اس کو شیئر پر قبضہ معنوی حاصل ہوگا یا نہیں، کیا شرع میں ہر شئی پر اس کی خاص نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوگی جس کی بناء عرف وعادت پر ہوگی، یا ہر صورت میں قبضہ حسی ہی ضروری ہوگا؟

سوال نمبر ۱۶۔

اس طرح خرید کردہ شیئر کو (جس کی موجودہ قیمت خریدار نے ادا کردی ہے) اگر خریدار سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے قبل اگلے دن یا دو چار دن میں کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے تو اس کا کیا حکم ہوگا، اور اس طرح دوسرے کے خریدنے کے بعد تیسرے وچوتھے کے ہاتھ فروخت کرنا درست ہوگا، بالخصوص جبکہ شیئر کا ضمان ومنافع خریدنے کا معاملہ کرنے کے ساتھ ہی خریدار کی طرف منتقل ہوجاتا ہو؟

سوال نمبر ۱۵ کے ذیل میں اٹھائے گئے اس اصولی سوال "کیا شرع میں ہر شئے پر اس کی خاص نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوگی جس کی بنا عرف وعادت پر ہوگی، یا ہر صورت میں قبضہ حسی ہی ضروری ہوگا؟" کے جواب میں جن حضرات نے بھی اظہار رائے کیا ہے انہوں نے اثبات ہی میں جواب دیا ہے، اور اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ ہر صورت میں قبضہ حسی ہی ضروری نہیں بلکہ قبضہ کا مدار بڑی حد تک عرف وعادت پر ہے، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس سوال کا جواب ہم نے بیع قبل القبض کے سوالنامہ کے جواب میں دیا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اس سوال پر تفصیلی گفتگو کا مناسب موضوع "بیع قبل القبض" ہے۔

سوال نمبر۱۵میں شیئرز کے حاضر سودے کے تعلق سے قبضہ کی جو بحث اٹھائی گئی ہے اس کا منشا یہ نہیں ہے کہ حاضر سودے کی بیع کی صحت قبضہ پر موقوف ہے یا نہیں؟ کمپنی اگر نقد رقوم اور دیون کے علاوہ جامد اثاثوں اور دوسری املاک پر بھی مشتمل ہے اور حاضر سودا طے کرنے کے بعد قیمت کی ادائیگی کر دی گئی تو شیئر پر اس مجلس میں قبضہ نہ کرنے سے بیع کی صحت متاثر نہیں ہوتی، ہاں اگر کمپنی نقود اور دیون سے عبارت ہو تو شیئرز پر قبضہ مجلس عقد ہی میں ضروری قرار پائے گا اور قبضہ کا مسئلہ بیع کی صحت سے بھی جڑ جائے گا۔

سوال نمبر۱۵اور۱۶میں بنیادی مسئلہ یہ اٹھایا گیا ہے کہ حاضر سودے میں جب بیع وشراء مکمل ہوتے ہی کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں خریدار کی ملکیت آجاتی ہے اور فروخت شدہ شیئرز خریدار کے ضمان میں آجاتے ہیں، حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں تو کیا حاضر سودے میں نفس خریداری کو شیئرز پر قبضہ تصور کیا جائے گا اور خریدار کے لئے شیئرز سرٹیفکیٹ ملنے سے پہلے ان شیئرز کی دوسروں کے ہاتھ بیع درست ہوگی، یا شیئرز سرٹیفکیٹ ملنے کے بعد ہی شیئرز پر قبضہ تصور کیا جائے گا اور اس سے پہلے خریدار کے لئے ان شیئرز کا کسی دوسرے کے ہاتھ بیچنا جائز نہ ہوگا؟ اس مرکزی سوال کے بارے میں علمائے کرام اور اصحاب افتاء کی تین آراء ہمارے سامنے ہیں۔

اکثر حضرات نے سوال میں ذکر کردہ صورت مسئلہ کو بنیاد بنا کر شیئرز کے حاضر سودے میں نفس بیع وشراء کو معنوی قبضہ تصور کرایا ہے، کیونکہ حاضر سودے میں بیع وشراء کا معاملہ طے ہوتے ہی شیئرز کی ملکیت خریدار کی طرف منتقل ہو گئی، شیئرز اس کے ضمان اور اختیار میں چلے گئے، شیئرز سرٹیفکیٹ ملنے اور کمپنی کے کاغذات میں بحیثیت شیئر ہولڈر اندراج پر قبضہ موقوف نہیں، اور جب نفس خرید وفروخت کو قبضہ مان لیا گیا تو شیئرز سرٹیفکیٹ ملنے سے پہلے ان شیئرز کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت بھی کیا جا سکتا ہے، اسی طرح دوسرا خریدار خریدنے کے فوراً بعد تیسرے کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے، یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

مولانا عبیداللہ اسعدی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محبوب علی وجیہی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا جعفر ملی، مولانا ابراہیم بڑودوی، مولانا احمد دیولوی، مولانا عبدالرحیم، مولانا اقبال احمد قاسمی۔

دوسری رائے یہ ہے کہ محض بیع وشراء ہو جانا قبضہ تصور نہیں کیا جائے گا بلکہ شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل ہونا قبضہ مانا جائے گا، لہذا حاضر سودے میں جو شیئرز خریدے گئے ہیں ان کی فروختگی شیئرز سرٹیفکیٹ ملنے سے پہلے جائز نہیں کیونکہ یہ بیع قبل القبض ہے، اس نقطۂ نظر کا اظہار درج ذیل حضرات نے کیا ہے:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا تنویر عالم قاسمی۔

اس نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب سوال نمبر۱۵اور۱۶کے جواب میں آگے یہ رقمطراز ہیں: اصل میں یہ مسئلہ انتقال حصص کے قانون سرکاری اور شیئر مارکیٹ کے عرف پر موقوف ہے، لیکن بظاہر ایسا

محسوس ہوتا ہے کہ شیئر سرٹیفیکٹ شیئر کا علامتی وجود ہے یا حقیقی شیئر کی کلید کے درجہ میں ہے، لہذا جیسے فقہاء نے مکان کی بیع میں کنجی حوالہ کر دینے کو قبضہ قرار دیا ہے، اسی طرح شیئر سرٹیفیکٹ پر نام کی منتقلی کو قبضہ تصور کیا جانا چاہئے، ورنہ اگر صرف ایجاب وقبول ہی کو قبضہ مان لیا جائے تو قبضہ کا حکم بے معنی ہو جائے گا، اس لئے سرٹیفیکٹ حاصل ہونے سے پہلے خرید،فروخت درست نظر نہیں آتی۔

جناب شمس پیرزادہ صاحب لکھتے ہیں: شیئرز فروخت کرنے کے بعد کمپنی کو نام کی تبدیلی کے لئے بھیجے جاتے ہیں، اگر بائع کے دستخط صحیح نہ ہوئے تو کمپنی شیئرز بائع کو واپس بھیج دیتی ہے، ایسی صورت میں نام کی تبدیلی کا کام التواء میں پڑ جاتا ہے، اس لئے شیئرز پر حقیقی قبضہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ شیئر سرٹیفیکٹ تبدیلی شدہ نام کے ساتھ مل جائیں، اس سے پہلے اگر مشتری شیئرز کسی تیسرے شخص کو فروخت کرتا ہے تو یہ فروخت حقیقی قبضہ سے پہلے ہوگی اور اس میں نزاعات کا بھی اندیشہ ہے اس لئے اس کی اجازت دینا صحیح نہ ہوگا۔

تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سوالنامہ میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق چونکہ شیئرز کے حاضر سودے میں فروختگی مکمل ہوتے ہی شیئرز خریدار کے ضمان میں آجاتے ہیں، شیئرز کا نفع نقصان خریدار کی طرف لوٹتا ہے خواہ شیئرز سرٹیفیکٹ پر ابھی اس کا نام نہ چڑھا ہو، اس لئے حاضر سودے میں خرید وفروخت طے ہوتے ہی شیئرز پر قبضہ تصور کرلیا جائے گا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ شیئر سرٹیفیکٹ پر قبضہ سے پہلے ہی اس کی بیع کسی دوسرے کے ہاتھ جائز ہو لیکن مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہر چیز کے قبضہ کا طریقہ عرف سے متعین ہوتا ہے اور عرف میں شیئرز پر قبضہ اسی وقت سمجھا جاتا ہے جب سرٹیفیکٹ ہاتھ میں آجائے تو پھر عدم جواز کا حکم ہونا چاہئے، بالخصوص جب کہ اس طرح سٹے کے کاروبار کی حوصلہ افزائی بھی ہوسکتی ہے، لہذا ان متعارض جہات کی موجودگی میں احتیاط یہی ہے کہ سرٹیفیکٹ پر قبضہ کئے بغیر آگے بیع نہ کی جائے۔

اس نقطۂ نظر کے حاملین یہ ہیں:

مفتی انور علی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا عبدالرحمن پالنپوری، مولانا اختر امام عادل، مولانا عبداللطیف گجرات۔

میرے خیال میں سوال نمبر ۱۵ اور ۱۶ کے جواب میں جو اختلاف رائے پایا جاتا ہے اس کی زیادہ تر بنیاد صورتحال کی تحقیق میں اختلاف پر ہے، سوالنامہ میں جو صورت درج کی گئی ہے وہ بھی "اگر" کی شرط کے ساتھ تحریر ہے جس سے عدم تعین جھلکتا ہے، اس سلسلے میں آخری رائے قائم کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کمپنیز اور اسٹاک ایکسچینج (بازار حصص) کے ماہرین سے چند امور کی وضاحت کرالی جائے تاکہ بر بنائے بصیرت ایک متفقہ رائے تک ہماری رسائی ہوسکے۔

(۱) شیئرز کے حاضر سودے میں قانونی صورت حال کیا ہے، کیا واقعی سودا ہو جانے کے فوراً بعد شیئرز سرٹیفیکٹ پر قبضہ سے پہلے فروخت شدہ شیئرز کا ضمان، رسک (Risk) خریدار کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، شیئرز کا حاضر سودا ہو جانے کے بعد کمپنی کے کاغذات میں خریدار کا نام چڑھنے سے پہلے اگر کمپنی تباہ ہو جائے تو قانون کی نگاہ

میں نقصان شیئرز بیچنے والے کا ہوا یا شیئرز خریدنے والے کا، کیا اس صورت میں خریدار بیچنے والے سے قانوناً وہ قیمت وصول کرسکتا ہے جو اس نے بیچنے والے کو دی تھی، خریداری کے بعد شیئر سرٹیفکیٹ پر خریدار کا نام چڑھنے سے پہلے اگر کمپنی شیئرز کے منافع تقسیم کرتی ہے تو یہ منافع کس کو دیئے جاتے ہیں، شیئرز بیچنے والے کو یا شیئر خریدنے والے کو، کمپنی نے اگر منافع شیئرز بیچنے والے کو دے دیئے تو کیا خریدار یہ منافع کمپنیز اور اسٹاک ایکسچینج کے قوانین کے اعتبار سے بیچنے والے سے واپس لے سکتا ہے۔

(۲) شیئر مارکیٹ اور بازار حصص کے عرف میں شیئرز کے حاضر سودے کی صورت میں شیئرز پر قبضہ کب تصور کیا جاتا ہے، سودا ہونے کے فوراً بعد یا شیئر سرٹیفکیٹ پر خریدار کا نام چڑھنے کے بعد۔

اگر اوپر درج سوالات کے جواب میں ماہرین متفق الرائے ہوں تو شاید علماء اور اصحاب افتاء کی رائے بھی متفق ہوسکے۔

سوال نمبر ۱۷۔

اسٹاک ایکسچینج بازار میں خرید و فروخت کے لئے واسطہ بننے والے کو "بروکر" کہتے ہیں (جو موجودہ وقت میں شیئرز کی خرید و فروخت اور قیمتوں سے واقفیت رکھتا ہے، اور خرید و فروخت کی کارروائی کا اندراج کرتا ہے) یعنی اس کی حیثیت ایجنٹ کی ہے، اس کا کیا حکم ہوگا؟ یعنی کیا بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے؟

اس سوال کا جواب بعض حضرات کی تحریر میں متعین طور پر نہیں دیا گیا ہے، باقی تمام لوگوں نے لکھا ہے کہ جن شیئرز کی خرید و فروخت جائز ہے ان کی خرید و فروخت میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے۔ ناجائز اور حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید و فروخت میں بحیثیت "بروکر" کام کرنا جائز نہیں۔

تمہیدی مقالات

۱۔ ڈاکٹر علی محی الدین قرہ داغی، قطر

۲۔ جناب ارشاد باقوی صاحب، بنگلور

شیئرز، کمپنی اور سرمایہ کاری

بنیادیں - شکلیں

از.......... ڈاکٹر علی محی الدین القرہ داغی

قطر یونیورسٹی، قطر

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على المبعوث رحمة للعالمين وعلى آله وصحبه ومن تبع هداه إلى يوم الدين۔

یہ حقیقت ہے کہ دور حاضر کی اقتصادیات میں جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں (Joint stock companies) کا اہم رول ہے، اسی طرح یہ بھی واقعہ ہے کہ ان کمپنیوں کے اہم اثاثے اور ذرائع شیئرز ہیں، یہ شیئرز ہی ہیں جن کے ذریعہ امکانی حد تک مال کی ایک بڑی مقدار کو جمع کرنے کا عمل انجام پاتا ہے، کیونکہ اصل سرمایہ کو چھوٹے چھوٹے حصص میں تقسیم کردینے کی وجہ سے تمام لوگوں کو اس میں شراکت کا موقعہ حاصل ہوتا ہے، اور اس مجموعی شراکت کے نتیجہ میں اصل سرمائے کی ایک بڑی رقم جمع ہو جاتی ہے، اور اس کے ذریعہ کمپنیاں بڑے بڑے پروجیکٹس شروع کرسکتی ہے۔

آج کے دور میں شیئرز کا کاروبار صرف کمپنی کے بانی شراکت داروں پر منحصر نہیں ہے، بلکہ آج کے دور میں شیئرز کی حیثیت ان سیکورٹیز کی ہوگئی ہے جو وسیع پیمانہ پر لوگوں میں اور خصوصاً انٹرنیشنل اسٹاک ایکسچینج میں متداول ہیں۔

اس موقعہ پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عمومی طور پر شیئرز کے کاروبار کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اسی طرح شیئرز کی سرمایہ کاری، خصوصاً ان شیئرز کی سرمایہ کاری کی شرعی حیثیت کیا ہے جو عالمی کمپنیوں یا عالم اسلام کے اندرون کی مقامی کمپنیوں کی زیر ملکیت ہیں اور جن کے معاملات ربا کے شائبہ سے خالی نہیں۔

سب سے سنگین چیز جس سے ہمارا سماج دوچار ہے، غیر اسلامی (سرمایہ دارانہ یا اشتراکی) نظام کی موجودگی ہے، جس کے زیر سایہ ہی عالم اسلام میں کمپنیوں کی تشکیل عمل میں آئی ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ ان میں سے بیشتر کمپنیاں صحیح اسلامی طریقہ کی پابندی نہیں کرتیں، چنانچہ بینکوں سے سودی قرض کے لین دین کا معاملہ کرتی ہیں۔

آج کے بیشتر مسلمان تذبذب اور گوناگو کی کیفیت سے دوچار ہیں کہ کیا وہ ان کمپنیوں کو ترک کردیں، ان کا بائیکاٹ کردیں اور ان میں شراکت اختیار نہ کریں، دوسرے الفاظ میں فساق اور ضعیف الایمان لوگوں کو ان کمپنیوں کا نظم ونسق سنبھالنے کے لئے چھوڑ دیں جو اقتصادی زندگی کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں، ایسا اس لئے کہ یہ کمپنیاں قائم ہیں اور مخلص وغیرت مند افراد کے بائیکاٹ سے ان کمپنیوں کی رفتار کار پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، یا یہ کہ وہ اصلاح اور تبدیلی کے مقصد سے ان میں شراکت اختیار کریں؟

عام مسلمانوں کے اس تذبذب کے بالمقابل معاصرین کے درمیان اختلافات بھی پائے جاتے ہیں، بعض

معاصرین نے مقاصد شریعت، کمپنیوں کے بائیکاٹ اوران میں عدم مشارکت سے مرتب ہونے والے مفاسد پر غور کر کے چند شروط وضوابط کے ساتھ ان میں شراکت اختیار کرنے کی اجازت دی ہے، جب کہ دوسرے بعض معاصرین اس معاملہ میں حرام کے شائبہ کے پیش نظر اسے مطلقاً رد کرتے ہیں۔

اس تحریر میں ہم نے پوری امانت داری اوراخلاص کے ساتھ اس مسئلہ کا جائزہ لیا ہے، ہمیں اللہ تعالی سے امید ہے کہ وہ ہمارے قدموں کو صحیح رخ عطا کرے گا، درست بات ہمارے دل میں ڈالے گا اور عقیدہ اور قول وعمل کی غلطی سے ہماری حفاظت فرمائے گا۔

استثمار (Investment) کا لغوی واصطلاحی مفہوم:

لغت میں استثمار کا معنی:

لغۃً لفظ استثمار، استثمر، یستثمر کا مصدر ہے جس کا مفہوم ہے: طلب ثمر یعنی پھل طلب کرنا، اس کا مادہ ثمر ہے جس کے متعدد مفاہیم ہیں، اس کا ایک مفہوم درخت کا پھل اوراس کی پیداوار ہے، اس کا ایک معنی اولاد بھی ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: الولد ثمرة القلب، اس کا ایک مفہوم مال کی انواع واقسام بھی ہے۔

ثمر کی میم کے فتحہ کے ساتھ کہتے ہیں: ثمر الشجر ثمورا یعنی درخت کا پھل ظاہر ہوا، اسی طرح کہا جاتا ہے: ثمر ماله یعنی اس کا مال زیادہ ہوگیا، اور أثمر الشيء کا مفہوم ہے: اس چیز کا نتیجہ ظاہر ہوگیا، اور أثمر ماله۔ لام کے ضمہ کے ساتھ۔ کا مفہوم ہے: اس کے مال کی کثرت ہوگئی۔

اسی طرح کہا جاتا ہے: استثمر المال وثمّره (میم کی تشدید کے ساتھ) اس کا مطلب ہوا: اس نے مال کو پیداواری عمل میں لگایا، رہ گیا لفظ ثمرہ تو وہ ثمر کا واحد ہے، جب اس کی اضافت شجر (درخت) کی طرف کردی جاتی ہے تو اس کا مفہوم ہوتا ہے: درخت کا پھل، اور جب اس کی اضافت کسی شئے کی طرف کردی جاتی ہے تو اس کا مفہوم ہوتا ہے اس شئے کا فائدہ، اور قلب کی طرف اس کی اضافت ہو تو اس کا مفہوم ہوتا ہے قلب کی محبت، ثمرة کی جمع ثمر، ثمار اور أثمار بھی آتی ہے(۱)۔

استثمار کا اصطلاحی مفہوم:

لفظ "تثمیر" فقہاء کے عرف میں اس مقام پر ذکر کیا گیا ہے جہاں انہوں نے سفیہ اور رشید کے سلسلے میں گفتگو کی ہے، چنانچہ فقہاء کہتے ہیں کہ رشید وہ ہے جو اپنے مال کی تثمیر اور اصلاح پر قادر ہو، اور سفیہ جو ایسا نہ ہو، امام مالک فرماتے ہیں:

"الرشد تثمير المال و إصلاحه فقط" یعنی رشد (Maturity) مال کی صرف تثمیر اور اس کی اصلاح ہے(۲)۔

فقہاء نے تثمیر سے وہی مراد لیا ہے جو آج ہم استثمار سے مراد لیتے ہیں(۳)۔

جہاں تک لفظ استثمار کا تعلق ہے تو وہ آج کے اقتصادی مفہوم میں مذکور نہیں ہے، اسی لئے معجم الوسیط میں ہے:

"الاستثمار: استخدام الأموال في الإنتاج، إما مباشرة بشراء الآلات والمواد الأولية، و إما بطريق غير مباشر كشراء الأسهم والسندات" یعنی استثمار کا مفہوم ہے: سرمایے کو پیداوری عمل میں لگانا، خواہ وہ براہ راست ہو جیسے مشینوں اور خام مال کی خرید کے ذریعہ، یا بالواسطہ ہو جیسے شیئرز اور بانڈز کی خرید۔ المعجم الوسیط میں اس تعریف کے بعد "مج" کا رمز دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مفہوم "مجمع اللغة" کا وضع کردہ ہے (۴)۔

استثمار (سرمایہ کاری) کا حکم:

شرعی نصوص اور شریعت کے عمومی مقاصد سے واضح ہوتا ہے کہ سرمایہ کاری مجموعی طور پر واجب ہے، یعنی امت کے لئے جائز نہیں کہ سرمایہ کاری کو ترک کرے۔

کیونکہ فرد اور امت کی زندگی میں مال کی اہمیت نصوص سے ثابت ہے، بیشتر آیات میں مال کو نفس پر مقدم رکھا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے مال کا بطور امتنان ذکر فرمایا ہے، اور مجاہدین اور حصول رزق کے لئے کوشاں لوگوں کو برابر قرار دیا گیا ہے جیسا کہ سورۂ مزمل کے آخر میں ہے، اور بیشتر احادیث میں کام کرنے والے اور تاجر کو مجاہد فی سبیل اللہ قرار دیا گیا ہے۔ ان تمام باتوں سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مال پر توجہ دینا، اس کی سرمایہ کاری اور اس کو مستحکم کرنے کی کوشش کرنا واجب ہے، تا کہ امت جہاد، تعمیر، علم، ترقی، سعادت و خوشحالی، بیداری اور تمدن پر قادر ہو سکے، کیوں کہ یہ سارے امور مال ہی سے تکمیل کو پہونچ سکتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولاتؤتوا السفهاء أموالكم التي جعل الله لكم قياماً وارزقوهم فيها" (۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال کو اسلامی معاشرہ کا ستون (سہارا) قرار دیا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ معاشرہ مال ہی کے ذریعہ قائم اور حرکت پذیر ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ اسے فروغ حاصل ہو سکتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "وارزقوهم فيها" میں ہے، یہاں "منہا" کے بجائے "فیہا" کہا گیا ہے، اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ استثمار (سرمایہ کاری) واجب ہے، تا کہ استثمار سے حاصل ہونے والے منافع سے مجورین (under guardianship) (یعنی بچے اور ذہنی طور پر معذور افراد) کے اخراجات پورے کئے جائیں، نہ کہ اصل سرمایہ سے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

...... یہاں "فیہا" کہا گیا ہے "منہا" نہیں کہا گیا ہے، تا کہ یہ اس بات کا حکم نہ ہو کہ لوگ اپنے مال کے کچھ حصے کو اپنے لئے ذریعۂ رزق بنالیں، بلکہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے مال کو ذریعہ رزق اس طرح بنائیں کہ اس میں تجارت کریں اور سرمایہ کاری کریں اور منافع سے اپنے رزق کا کام لیں نہ کہ اصل سرمایہ سے..........(۶)۔

اور یہ مسلم ہے کہ مال میں زکاۃ کے وجوب کی وجہ سے لوگ تجارت پر آمادہ ہوں گے، کیونکہ اگر وہ اس میں تجارت نہیں کریں گے تو صدقہ اور اخراجات سے وہ ختم ہو جائیں گے، موجودہ اقتصادی نقطۂ نظر بھی اس کی تائید کرتا ہے، چنانچہ وہ مال والوں پر مختلف قسم کے ٹیکس عائد کرتا ہے، تا کہ وہ اسے جمع نہ کر سکیں، بلکہ چند احادیث جو مجموعی حیثیت سے صحیح یا حسن کے درجہ کی ہیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ صغار (یتیم وغیرہ) اور مجورین (کم عقل، مجنون اور ناقص

اہلیت والے) کے مال میں تجارت واجب ہے، چنانچہ امام شافعی نے یوسف بن ماہک سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یتیم کے مال میں (یا یتامی کے اموال میں) ذریعہ آمدنی تلاش کرو۔ تاکہ اسے صدقہ ختم یا صرف نہ کر ڈالے"۔ امام نووی اور بیہقی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے، لیکن مرسل ہے، جس کی تائید دوسرے نصوص اور یتیم کے مال میں زکاۃ کے وجوب سے متعلق صحابہ سے مروی صحیح روایات سے ہوتی ہے (۷)۔

شیخ قرضاوی فرماتے ہیں: احادیث وآثار اوصیاء (guardians) کو اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ یتیموں کے مال کی سرمایہ کاری کرنا واجب ہے، تاکہ زکاۃ اسے ہضم نہ کر لے.... لہذا یتیموں کے سرپرستوں پر ان کے اموال کو بڑھانا اسی طرح واجب ہے جس طرح ان کے ذمہ یتیموں کے مال کی زکاۃ نکالنا واجب ہے، ہاں ان دونوں حدیثوں (عمرو بن شعیب کی مرفوع حدیث اور یوسف بن ماہک کی حدیث) میں سند یا اتصال کے اعتبار سے ضعف ہے، لیکن چند امور سے وہ دونوں قوی کے درجہ کو پہنچ جاتے ہیں، شیخ نے ان میں سے ایک کا ذکر اس طرح فرمایا ہے: "یہ روایت اسلام کے عمومی اقتصادی نظام کے مطابق ہے جو سرمایہ کاری کے وجوب اور دولت کے ارتکاز کی حرمت پر مبنی ہے" (۸)۔

دولت کی سرمایہ کاری کے وجوب پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے: "کی لایکون دولة بین الأغنیاء منکم" (۹) کیوں کہ مال کے متداول ہونے کی صورت یہی ہے کہ صدقات تقسیم کیے جائیں، اور ایسی سرمایہ کاری کی جائے جس کے نتیجہ میں مزدور، کاریگر، تاجر اور اسی طرح دوسرے تمام لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "و أعدوا لهم ما استطعتم من قوة" (۱۰) اور بلاشبہ قوت میں مال کی قوت بھی شامل ہے، بلکہ بیشتر آیات میں اسے نفس پر مقدم کیا گیا ہے، لہذا اگر جسم اور ہتھیار کی قوت مطلوب ہے تو مال کی قوت اشد اور وجوبی طور پر مطلوب ہے۔

پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ شریعت اسلامی کا ایک مقصد مال کی حفاظت ہے، اور یہ مقصد مال کی سرمایہ کاری کر کے اور اسے فروغ دے کر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح شریعت کا ایک مقصد خدائی نظام کی روشنی میں کائنات کی تعمیر بھی ہے: "هو انشاکم من الأرض واستعمركم فيها" (۱۱) اس آیت کے ذیل میں مفسرین فرماتے ہیں: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے (اللہ تعالیٰ نے) تمہیں روئے زمین پر اپنی ضروریات زندگی کی تعمیر کا حکم دیا جیسے مکانات کی تعمیر اور شجرکاری" (۱۲) اسی طرح شریعت کا ایک مقصد استخلاف (جانشیں وخلیفہ بنانا) بھی ہے، جس کا تقاضا ہے کہ زمین کے امور انجام دیے جائیں، اس کا نظم ونسق سنبھالا جائے، اس سے خلق کو فائدہ پہنچایا جائے اور اسے آباد کیا جائے، یہ تمام مقاصد مکمل طور پر سرمایہ کاری کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔

خلاصہ:

یہ کہ عمومی طور پر سرمایہ کاری واجب کفایہ ہے، لہذا امت پر واجب ہے کہ سرمایہ کاری کے امور انجام دے تاکہ مال میں وسعت ہو، افراد برسر روزگار ہوں اور اگرچہ مالداری کی حد تک نہیں لیکن بقدر کفایت تمام لوگوں کو (مال)

ملے، اور اس سلسلے میں فقہی قاعدہ ہے کہ جس چیز پر واجب کے تحقق کا دارومدار ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس زائد از ضرورت مال ہو تو کیا اس پر سرمایہ کاری واجب ہے؟ تو منہج اسلامی اس کے تعلق سے کہ بلا شبہ مال اللہ کا مال ہے اور اس پر انسان کی ملکیت مطلق نہیں مقید ہے، جس کا تقاضہ کرتا ہے وہ یہ کہ اس پر شرعی طریقوں سے مال کی سرمایہ کاری واجب ہے، خواہ یہ سرمایہ کاری وہ خود سے کرے یا شرکت و مضاربت جیسے طریقوں سے یہ سرمایہ کاری کی جائے، اور اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے سرمایہ کاری کے قابل مال کو یونہی چھوڑ دے، اور سرکولیشن کے میدان میں اپنا رول ادا کرنے اور اس کے اقتصادی دائرے میں اضافہ کو جو سوسائٹی کے لئے منفعت عامہ کا باعث ہے معطل کردے۔

اسی طرح یہ بھی واقعہ ہے کہ سماج اور امت کی قوت کا دارومدار سماج اور امت کے افراد پر ہے خصوصاً اسلام کے اقتصادی نظام کی روشنی میں جو کہ انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے اور اس بات کا قائل ہے کہ حکومت کی ملکیت محدود ہوتی ہے، چنانچہ امت کے افراد پر ایک بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ سرمایہ کاری کے ذریعہ مال کی زیادتی اور اس کی ترقی و تقویت کے لئے جدوجہد کریں۔

شیخ محمد شلتوت فرماتے ہیں: ''جب عقل و دین کا تقاضا ہے کہ جس چیز کے ذریعہ واجب کا تحقق ہوتا ہو وہ بھی واجب ہے، اور اسلامی جماعت کا غلبہ اہل اسلام کی اولین ذمہ داری ہے، اور اس کا دارومدار تین ستونوں پر ہے یعنی زراعت، صنعت اور تجارت، تو یہ تینوں ستون واجب قرار پائے اور ان کی ایسی باہمی ترتیب و تنسیق کہ جس سے امت خیر و فلاح سے ہمکنار ہو واجب ٹھہری.....'' (۱۳)

سرمایہ کاری سے متعلق اسلامی نظام کے بنیادی خطوط:

اس مقالہ میں اس موضوع کی تفصیلات کا احاطہ مشکل ہے، لہذا ہم مختصراً اس موضوع کے اہم خطوط کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔ یہ خطوط مندرجہ ذیل ہیں:

اول: اسلام میں جو سرمایہ کاری کا منہج ہے اس سے اسلامی فکر و عقیدہ الگ نہیں ہے، جس طرح سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ دارانہ نظریہ ہی سرمایہ کاری کے امور انجام دیتا ہے، اور جس طرح کمیونسٹ نظریہ سابقہ سوویت یونین اور دوسرے اشتراکی ممالک میں اپنے مخصوص وسائل کے ذریعہ اپنے فلسفیانہ حدود اور اپنے مقاصد کے تحت ہی سرمایہ کاری کا عمل انجام دیتا ہے۔ اسی طرح اسلامی عقیدہ بھی اسلام کے اقتصادی نظریہ، سرمایہ کاری کے طریق کار، ذرائع، اسباب اور وسائل میں کلیدی حیثیت کا حامل ہے، چنانچہ ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ مال اللہ کی ملکیت ہے اور وہ اس سلسلہ میں قائم مقام اور جانشین کی حیثیت رکھتا ہے، اسی بنا پر اس کے لئے لازم ہے کہ وہ سرمایہ کاری وغیرہ کے معاملہ میں منہج الٰہی کے تحت ہی کام کرے، اور خدائی شریعت کو پس پشت نہ ڈال دے، اسی طرح اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ کائنات کو عدل اور حق سے معمور کرے اور دوسروں پر شاہد بنے۔

اس عقیدہ کی بنیاد پر مومن کے اعمال کافر سے مختلف ہوتے ہیں، چونکہ ایک مسلمان کمانے، خرچ کرنے

اور سرمایہ کاری میں رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھتا ہے جب کہ ایک کافر سب سے پہلے تمام قدروں پر اپنے شخصی مفادات کو فوقیت دیتا ہے پھر اپنی قوم کے مفادات کو، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان دونوں کے علاوہ دوسری قدریں اس کے پیش نظر نہیں ہوتیں، مومنین کی صفت بیان کرتے ہوئے قرآن یہ کہتا ہے:"ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیماً واسیراً إنما نطعمکم لوجه الله لانرید منکم جزاءً ولا شکوراً" (٣٦) جبکہ کافر کے بارے میں یہ کہتا ہے: کہ اسے یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں اس کو اپنا کوئی دنیوی مفاد نظر نہیں آتا، اگر وہ کسی کو کھلاتا بھی ہے تو اس سے اس کا مفاد وابستہ ہوتا ہے، جیسے جاہ ومنصب کے حامل افراد (کہ ان کو کھانا کھلانے کا مقصد حصول مفاد ہے) چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" أرأیت الذی یکذب بالدین، فذلک الذی یدعّ الیتیم ولا یحضّ علی طعام المسکین" (١٥) اسی عقیدہ کی بنا پر مسلمان یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ سود مالوں کو مٹانے اور اس کو کم کرنے کا باعث ہے، اور صدقات وخیرات کرنے سے اس میں اضافہ ہوتا ہے، یقیناً یہ تصور کافر کے تصور کے بالکل برعکس ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"یمحق الله الربا ویربی الصدقات" (١٦)۔

اسی عقیدہ کی بنا پر وہ محرمات سے پرہیز کرتا ہے اور طاعات کی طرف لپکتا ہے، وہ سرمایہ کاری، تجارت اور محنت کر کے یہ سمجھتا ہے کہ اس نے حکم الٰہی کی تعمیل کی اور اس عمل پر وہ اپنے کو اجر وثواب کا مستحق سمجھتا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ وہ انجام کار کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نقصان کی صورت میں وہ رنجیدہ اور غمزدہ نہیں ہوتا، نہ آسودگی، خوشحالی اور نفع کی صورت میں اتراتا اور سرکشی کرتا ہے:" لکیلا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم" (١٧)۔ چنانچہ وہ ہمیشہ دو میں سے ایک یا دونوں مقامات میں ہوتا ہے: یعنی حمد وشکر کے مقام میں، اور صبر ورضا کے مقام میں۔

اسی طرح اس عقیدہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی تعمیل میں تیزی آجاتی ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ذکر کو اپنے اوامر ونواہی پر مقدم فرمایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"یا أیها الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارة عن تراض منکم" (١٨)۔ اسی طرح ارشاد باری ہے: "یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله وذروا مابقی من الربا إن کنتم مؤمنین" (١٩)۔

دوسری طرف اگر مسلمان سرگرم عمل ہوتا ہے اور سرمایہ کاری کرتا ہے تو اس کا یہ عمل اس عقیدہ کے پیش نظر ہوتا ہے کہ الٰہی نظام کے مطابق کائنات کی تعمیر کرنا اور سارے جہاں میں خیر ورحمت کو عام کرنا اس کا فرض ہے۔

دوم: سرمایہ کاری کے سلسلہ میں اسلامی نظام کی بنیاد اور اہم صفت یہ ہے کہ وہ اقدار، اخلاق اور اصولوں کا نگہبان ہوتا ہے، اسی لئے اسلام نے حیلے، فریب، استحصال اور فراڈ (Fraud) کو حرام قرار دیا ہے، چنانچہ صحیح احادیث میں ہے کہ " من غشّنا فلیس منا" (جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں) (٢٠) اسی طرح تدلیس کی حرمت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، خواہ وہ قول کے ذریعہ سے ہو جیسے نجش (٢١) کی صورت میں، یا فعل کے ذریعہ ہو جیسے تصریہ (٢٢) وغیرہ کی شکل میں۔ اس کے بالمقابل اسلام نے لازم قرار دیا ہے کہ سرمایہ کاری عدل کی بنیاد

پر اور بیع وشراء اور تقاضے میں رواداری کی بنیاد پر کی جائے، اور مبیع میں جیسے کچھ بھی عیوب ونقائص ہوں ان کو بغیر جھوٹ، قسم اور جعلسازی کے صاف صاف بیان کردیا جائے (۲۳)۔

سوم: اسلامی نظام سرمایہ کاری کا ایک بنیادی امتیاز یہ ہے کہ وہ شریفانہ اور صالح مارکیٹ کمپٹیشن کی نگرانی کرتا ہے اور حکومت کی کسی قسم کی مداخلت کے بغیر تمام لوگوں کو مواقع فراہم کرتا ہے، حکومت صرف اسی صورت میں مداخلت کرسکتی ہے جب شرعی ضوابط اور کمزوروں کے حقوق کا تحفظ مقصود ہو، اسی وجہ سے مارکیٹ کی دیکھ ریکھ کی ذمہ داری پبلک اتھارٹی پر ہوتی ہے جو شخصی وقومی تحفظ اور احتسابی نظام کی شکل میں سامنے آتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول نے کمزور عقل والے کو حق خیار عطا فرمایا ہے، جیسا کہ حضرت ابن عمر کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ خرید وفروخت میں وہ دھوکہ کھا جاتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "إذا بایعت فقل: لا خلابة"۔ امام احمد اور اصحاب سنن نے ان الفاظ سے روایت کیا ہے: ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خرید وفروخت کرتا تھا، اس کی عقل کچھ کمزور تھی، اس کے گھر والے آپ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول: فلاں پر پابندی عائد کردیجئے، وہ خرید وفروخت کرتا ہے جب کہ وہ کمزور عقل والا ہے، تو آپ ﷺ نے اسے بلایا اور منع فرمایا، تو اس نے کہا کہ میں تو بیع سے صبر نہیں کرسکتا، تب آپ ﷺ نے فرمایا: "إن كنت غير تارك للبيع فقل هاء وها، ولا خلابة" (۲۴)۔ یہ حدیث اس امر کی رہنمائی کے لئے اچھی بنیاد ہے کہ کمزور عقل والوں کو اور دوسروں کے زیر سایہ رہنے والے ان لوگوں کو جنہیں کاروبار اور معاملات کا تجربہ نہ ہو اس کا زیادہ موقع دیا جانا چاہئے کہ وہ اپنے لئے خیار کی شرط لگائیں، بلکہ یہ حق انھیں اس وقت تک دیا جانا چاہئے جب تک ان کے غبن میں پڑنے کا اندیشہ برقرار رہے اگرچہ وہ خیار کی شرط نہ لگائیں (۲۵)۔

چہارم: (اسلامی نظام سرمایہ کاری کے اہم اوصاف میں سے ایک) ظلم وربا، لوگوں کے مال ناجائز طور سے کھانے اور قمار بازی کو حرام قرار دینا ہے، اور اس کے علاوہ دوسرے وہ افعال بھی جن کو اسلام نے حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔

شیئرز

اسہم جمع ہے سہم کی۔ لغت میں اس کے متعدد معنی ہیں: اس کا ایک معنی حصہ ہے جس کی جمع ہے "سھمان" سین کے ضمہ کے ساتھ۔ اس کا ایک مفہوم وہ لکڑی ہے جس کے ایک سرے پر کمان سے پھینکا جانے والا پھل ہوتا ہے اسکی جمع سہام ہے۔ اس کا ایک معنی وہ تیر ہے جس سے قرعہ اندازی کی جاتی ہے یا جس سے جوا کھیلا جاتا ہے، اسی سے کہتے ہیں: **أسهم بينهم** یعنی اس نے اس کے درمیان قرعہ اندازی کی، اسی طرح کہتے ہیں: ساھمہ یعنی اس نے کھیل میں **مقابلہ کیا** اور دوسرے پر غالب آیا، اور کہتے ہیں: ساھمہ یعنی اس نے اس کے ساتھ شراکت اختیار کی اور ایک حصہ حاصل کیا، المعجم الوسیط میں ہے: ومنه شركة المساهمة (۲۶) (اسی سے جوائنٹ اسٹاک کمپنی

ہے)،قرآن کریم میں ہے: "فساهم فكان من المدحضين" (سورہ الصافات ر۱۴۱) ای قارع بالسهم فكان من المغلوبين (۲۷)۔ ماہرین معاشیات "سہم" کا اطلاق کبھی دستاویز پر کرتے ہیں اور کبھی حصص پر، دونوں کا مفہوم ایک ہے، پہلے مفہوم کے اعتبار سے ان کا خیال ہے کہ سہم سے مراد وہ دستاویز ہے جو کمپنی کے اصل سرمایہ کے ایک حصہ کی نمائندگی کرتی ہے، یہ حصہ کمپنی کے سرکولیشن کے حساب سے گھٹتا بڑھتا ہے۔

دوسرے مفہوم کے اعتبار سے ماہرین معاشیات کا خیال ہے کہ سہم سے مراد کسی سرمایہ دار کمپنی میں شیئرز ہولڈر کا حصہ ہے، یا وہ حصہ ہے جس کی قیمت کے مطابق کمپنی کا وہ مجموعی سرمایہ منقسم ہوتا ہے جو قدر عرفی والے دستاویز میں مذکور ہوتا ہے، کیونکہ شیئرز مجموعی طور پر کمپنی کے اصل سرمایہ کی نمائندگی کرتے اور یکساں قیمت کے حامل ہوتے ہیں (۲۸)۔

شیئرز کا خاصہ یہ ہے کہ وہ یکساں قیمت کے حامل ہوتے ہیں، ایک شیئر منقسم نہیں ہوتا، خواہ وہ عام ہو یا خاص، اصولی طور پر حقوق والتزام میں یکسانیت اور مساوات پر مبنی ہوتا ہے اور متداول ہوتا ہے، لیکن بعض قوانین نے (جیسے سعودی نظام نے) بانیوں کے زیر ملکیت حصص کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، چونکہ عام قاعدہ کے مطابق دو مکمل مالی سال کے بعد اور میزانیہ (بجٹ) کے عام ہونے سے پہلے اس کا اجراء درست ہوگا۔ اسی طرح انتظامیہ کی سیکورٹی کے لئے انتظامی کونسل کے ممبر کی طرف سے پیش کئے گئے سیکورٹی شیئرز کا اجراء دوران ممبری درست نہیں ہے، اور اس وقت تک درست نہیں ہے جب تک کہ جواب دہی کے دعوی کی سماعت کے لئے مقررہ مدت ختم نہ ہو جائے (۲۹)۔

کمپنی کے اصل سرمایہ کی تقسیم کا حکم:

قابل لحاظ امر یہ ہے کہ اصل سرمایہ کی مختلف حصص واجزاء میں تقسیم اور سابقہ شرائط کا عائد کیا جانا اسلامی شریعت کے عام اصولوں اور کمپنی سے متعلق عام فقہی قواعد سے متعارض نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں کمپنی کے معاملہ کے تقاضے سے متصادم ہونے والی کوئی چیز نہیں، بلکہ اس میں تنظیم، تیسیر (آسانی پیدا کرنا) اور رفع حرج ہے جو اس شریعت کا ایک نمایاں وصف ہے اور ایفائے عقود کے ضمن میں داخل ہے" يا أيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود......" (المائدہ ر۱) اور رسول اللہ ﷺ کا قول ہے: "المسلمون عند شروطهم" (۳۰) اور ایک روایت میں ہے: "........ والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما" (۳۱)، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے (۳۲)

یہ اور اس طرح کے دوسرے نصوص اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ہر قسم کی مصالحت اور شرط جائز ہے، سوائے اس شرط اور مصالحت کے جس کی حرمت پر دلیل قائم ہو جائے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صلح وشرط میں اصل اباحت ہے، اور ممانعت ایک خاص دلیل کی بنا پر ثابت ہوتی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "کتاب و سنت اسی مفہوم کی شہادت دیتے ہیں......" (۳۳) مزید فرماتے ہیں: "شروط میں اصل صحت اور لزوم ہے سوائے ان کے جن کے خلاف دلیل قائم ہو جائے..... کیونکہ کتاب وسنت عقود وعہود کے ایفاء پر دلالت کرتے ہیں اور غدر و بد عہدی کی مذمت کرتے ہیں..... اور یہاں مقصود اصول ونصوص کا یہ مقتضی ہے کہ شرط کو لازم قرار دیا جائے مگر یہ کہ وہ

کتاب اللہ کے مخالف نہ ہو......'' (۳۴)۔

یہ امر مخفی نہیں کہ سابقہ قواعد کے نتیجہ میں فقہ اسلامی ہر ایسے عقد، یا تصرف یا مالی یا انتظامی تنظیم کو قبول کرتی ہے جب تک کہ وہ کتاب وسنت کے نصوص سے متعارض نہ ہو اور اس کے عمومی قواعد سے متصادم نہ ہو، اور یہ کہ شریعت غراء ہر نفع بخش حکمت کو مومن کی متاع گم شدہ قرار دیتی ہے بالا لحاظ اس کے کہ اس کا سر چشمہ اور نام کیا ہے، اصل واساس تو اس کا مفہوم ، اس کے مشمولات، اس کے وسائل ومقاصد اور اس سے پیدا شدہ مصالح ومنافع یا مضرتیں اور مفاسد ہیں۔

شیئرز کی خصوصیات اور حقوق:

شیئرز کی چند خصوصیات ہیں جن میں سے کچھ اہم یہ ہیں:

قانون کے طے کردہ ضابطہ کے مطابق شیئر کی قیمت میں برابری، اور اس کے حقوق میں برابری ہوتی ہے، اور ہر شیئر ہولڈر کی ذمہ داری اس کے حصص کی قیمت، اس کے تداول کی صلاحیت، اور شیئرز کی تجزی کی عدم صلاحیت کے مطابق ہوتی ہے۔ شیئرز کے حقوق کا جہاں تک تعلق ہے تو اس سے مراد ہے کمپنی میں شیئر ہولڈر کا حق بقاء، عمومی اجلاس میں رائے دہندگی کا حق، حق سرپرستی، منتظمین کے خلاف دعوی مسئولیت دائر کرنے کا حق، منافع میں حصہ کا حق، احتیاطات (Reserves) اور شیئرز سے دست کش ہونے اور اس میں تصرف کا حق، اندراج میں ترجیح کا حق، اور کمپنی کے تحلیل ہونے کے وقت کمپنی کے اثاثہ جات کی تقسیم کا حق (۳۵)۔

اجراء اور دائرۂ کار کی حیثیت سے شیئرز کا حکم:

ہم نے ذکر کیا ہے کہ کمپنی کے اصل سرمایہ کی مساوی حصص میں تقسیم جنہیں شیئرز کہتے ہیں، درست ہے، اس میں اسلام کے اصول ومبادی سے کسی قسم کا تعارض نہیں پایا جاتا۔ یہاں پر ہم عمومی شکل میں ان شیئرز کے متداول ہونے اور خرید وفروخت وغیرہ کے ذریعہ ان میں عام طور پر تصرف کرنے کا حکم بیان کریں گے، پھر ہم ہر قسم کے شیئر کو بیان کرتے وقت اللہ کی توفیق سے اس کا خاص حکم بھی بیان کریں گے۔

قابل غور امر یہ ہے کہ بعض محققین نے شیئرز سے متعلق معاصر علماء کے اختلاف کو مطلقاً نقل کیا ہے بغیر کسی تفصیل کے کہ اس سلسلہ میں ان کی طرف سے کوئی صراحت موجود ہے یا نہیں بلکہ عمومی طور پر کمپنیوں کے بارے میں ظاہر کردہ ان کی آراء سے سمجھے گئے مفاہیم پر اعتماد کر لیا گیا ہے (۳۶)۔

اس اطلاق پر اعتماد نہیں کیا جانا چاہئے، کیونکہ طے شدہ اصول ہے: "لازم المذهب ليس بمذهب"۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہے کہ ان علماء کے تمام مباحث ان کمپنیوں کے سلسلے میں ہیں جو مسلم ممالک میں قائم کی گئی ہیں، اور ان مباحثوں کا ان کمپنیوں سے کوئی تعلق نہیں جنہوں نے متعینہ طور پر اپنا دائرہ کار خنزیر اور شراب جیسے محرمات کو بنایا ہے......(۳۷)۔

اسی وجہ سے ہم شیئرز کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں:

ایک قسم وہ ہے جو واضح طور پر حرام ہے، اور دوسری قسم وہ ہے، جس میں بحث، تفصیل اور اختلاف کی گنجائش ہے۔

پہلی قسم وہ شیئرز ہیں جن کا دائرہ کار خنزیر، شراب، نشہ آور اشیاء، جوا اور دیگر محرمات ہیں، اسی طرح وہ کمپنیاں بھی اس میں شامل ہیں جن کا کاروبار سود پر منحصر ہو، جیسے سودی بینک۔

اس قسم کے تمام شیئرز کا اجراء اور اس میں شراکت اختیار کرنا درست نہیں اور نہ خرید وفروخت کے ذریعہ یا ان جیسے دوسرے امور کے ذریعہ ان میں تصرف جائز ہے۔ ابن القیم بعض اشیاء کی بیع کی حرمت سے متعلق احادیث کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ جامع کلمات تین اجناس کی تحریم پر مشتمل ہیں: عقل کو خراب کرنے والے مشروبات جیسے خمر، ایسے کھانے جو طبیعت کو مکدر بنانے والے اور ناپاک غذا دینے والے ہوں جیسے مردار کا گوشت اور خنزیر، اور اعیان جیسے بت جو ادیان کو خراب کرنے اور فتنہ اور شرک کا باعث بنتے ہیں، اس طرح شارع نے پہلی قسم کو حرام قرار دے کر عقول کو زائل کرنے اور خراب کرنے والے اسباب سے ان کی حفاظت فرمائی، دوسری قسم کو حرام قرار دے کر قلوب کو مفسدات یعنی غذاء خبیث کو ان تک پہونچنے سے بچایا....، اور تیسری قسم کو حرام قرار دیکر ادیان کو ان امور سے محفوظ فرمادیا جو ان کے بگاڑ کے لئے وضع کئے گئے ہیں (۳۸)۔

یہی وہ اصول ہے، جس سے تجاوز کرنا درست نہیں اور نہ اس میں توقف کیا جانا مناسب ہے، حرام شیئرز کی اس قسم کے علاوہ بھی دو قسمیں ہیں:

قسم اول:

ان کمپنیوں کے شیئرز جو اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق قائم ہیں، اور جن کا راس المال حلال ہے، وہ حلال کاروبار بھی کرتی ہیں، اور ان کا بنیادی معاہدہ اس بات کی صراحت بھی کرتا ہے کہ وہ حلال کے حدود میں کاروبار کرتی ہیں، اور سودی قرض کا لین دین نہیں کرتیں، نہ ہی بعض کے مقابلہ میں بعض کے لئے مخصوص رعایت یا مالی ضمانت کی ذمہ داری لیتی ہیں۔ کمپنیوں کے اس قسم کے شیئرز خواہ وہ کمپنیاں تجارتی ہوں، صنعتی ہوں یا زرعی، ان کے حلال ہونے اور ان میں ہر قسم کے شرعی تصرفات کے درست ہونے کے بارے میں فقہاء کا قول طے شدہ ہے، کیونکہ مالی معاملات وتصرفات میں اصل اباحت ہے، اور ان شیئرز میں کوئی حرام شئی شامل نہیں ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ ان شیئرز کی وجہ سے کمپنی کے سرمائے کو جدید اقتصادی اصولوں کے تقاضے کے مطابق اور کسی اسلامی اصول سے تصادم کے بغیر منظم کیا گیا ہے۔

اسی کے ساتھ اس کے متعلق دو امور سامنے آئے:

امر اول: جسے ایک مؤلف نے اٹھایا وہ یہ کہ یہ شیئرز اس سرمایہ دارانہ نظام کا ایک جزو ہیں جو اجمالاً یا تفصیلاً کسی بھی طرح اسلام سے ہم آہنگ نہیں ہے، بلکہ جدید کمپنیاں اور خصوصاً فائنانس کمپنیاں حرام اور شرعاً ناجائز ہیں، کیونکہ یہ سرمایہ دارانہ نظام کے نقطۂ نظر کی نمائندگی کرتی ہیں، لہذا نہ ان کا اختیار کرنا درست ہے اور نہ انہیں فقہ اسلامی میں موجود کمپنیوں کے اصول وضوابط کے تابع کرنا درست ہے (۳۹)۔

یہ عام حکم قابل التفات نہیں اور نہ اسے قبول کیا جائے گا، کیونکہ اسلام کسی چیز کو صرف اس وجہ سے رد نہیں

کرتا کہ وہ فلاں نظام سے ماخوذ ہے، یا اس میں موجود ہے، اسلام میں حکم موضوعی اور اس بنیاد پر مبنی ہوتا ہے کہ وہ قواعد شرعیہ سے کس حد تک ہم آہنگ یا متصادم ہے، کیونکہ "الحکمة ضالة المؤمن فهو أحق بها أنیٰ وجدها" (حکمت تو مومن کا گم شدہ سرمایہ ہے، اسے جہاں کہیں پالے وہی اس کا زیادہ حقدار ہے) اور چونکہ حلال پر مبنی شیئرز کسی مانع شرعی پر مشتمل نہیں ہیں اس لئے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا، ان کو حرام قرار دینا درست نہیں۔

اسی طرح یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ شیئرز کمپنی کے اثاثے کی قیمت سے متعلق دستاویزات کے مقابلہ میں ہیں، یہ کمپنی کے تخمینہ کے وقت کمپنی کے ثمن کی نمائندگی کرتے ہیں، یہ کمپنی کے غیر منفک اجزاء نہیں ہیں، اور نہ کمپنی کے قیام کے وقت اس کے راس المال کی نمائندگی کرتے ہیں (۴۰) یہ الگ بات ہے کہ شیئرز کا یہ حکم اور تصور حقیقت سے بعید ہے، معاصر کمپنیاں جس حقیقت پر مبنی ہیں وہ یہ ہے کہ شیئرز دستاویزات نہیں ہیں، یہ تو کمپنی کے حصص ہیں، اور ہر شیئر کمپنی کے ڈھانچہ کے ایک غیر منفک جز کے بالمقابل ہے، اور شیئرز کا مجموعہ ہی کمپنی کا اصل سرمایہ ہے (۴۱)

جیسا کہ انہوں نے شیئرز کو کرنسی نوٹوں پر قیاس کیا ہے، جن کی قیمت بدلتی اور تبدیل ہوتی رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ کمپنی کے آغاز کے بعد شیئر کی راس المال والی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ ان سیکورٹیز کی صورت اختیار کر لیتا ہے جن کی ایک متعین قیمت ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیئرز کی یہ فقہی تطبیق دقت نظر پر مبنی نہیں ہے اور انہیں کرنسی نوٹوں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ شیئرز دراصل کمپنی کے وہ حصص اور اجزاء ہیں جو کمپنی کے راس المال اور اس کے اثاثے کے مقابلے میں ہوتے ہیں، یہ اگر چہ تحریری دستاویزات ہوتے ہیں لیکن ان سے مقصود وہی ہوتا ہے جو ان کے مقابلے میں ہے۔

جہاں تک اتار چڑھاؤ کا مسئلہ ہے تو اس کے اسباب شیئرز میں مختلف ہوتے ہیں اور نقود میں مختلف ہوتے ہیں، چنانچہ شیئرز کی قیمت میں تغیر خود کمپنی کی فعالیت کا نتیجہ ہوتا ہے، لہذا جب اس کے منافع بڑھ جاتے ہیں، یا اس کے ساتھ اس کے اثاثوں کا اضافہ ہو جاتا ہے اور اس پر لوگوں کا اعتماد بڑھ جاتا ہے تو ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور خسارہ کی صورت میں ان کی قیمت گھٹ جاتی ہے، اس کی مثال اس شخص یا شرکاء کی ہے جن کے پاس متعین سامان ہوں اور انہوں نے ان کو اچھے منافع پر فروخت کیا ہو، تو اس صورت میں نفع کے بقدر ان میں سے ہر ایک کے مال کا تناسب بڑھ جاتا ہے، اسی طرح ان میں سے بعض کے مفقود ہو جانے یا ہلاک ہو جانے، یا سامان کو خسارہ کے ساتھ فروخت کئے جانے کی صورت میں ان میں سے ہر ایک کے مال کا تناسب گھٹ جاتا ہے۔ پس یہ کمپنیوں کے شیئرز کا ایک مختصر سا نمونہ ہے۔

جہاں تک کرنسی نوٹوں کا تعلق ہے تو ان کے گھٹنے کا سبب افراط زر اور اس سے متعلق بین الاقوامی نظام اور مزید کرنسی نوٹ جاری کرنے کی ملکی پالیسی ہوتی ہے جس کا حقیقی بدل نہیں پایا جاتا، ان کے علاوہ اور دوسرے اقتصادی عوامل اس کا سبب بنتے ہیں، جبکہ کمپنی کا جز بننے والے رقم کی نمائندگی کرنے والا شیئر کمپنی کے سرمائے اور اثاثے میں نمائندگی کرتا ہے۔

امر دوم: جو اس قسم کے شیئرز کے متعلق زیر بحث لایا گیا ہے اس کا تعلق ان کی خرید و فروخت سے

ہے، اور اس سلسلہ میں تین باتیں (ملاحظات) قابل غور ہیں جنہیں ہم جواب کے ساتھ بیان کرتے ہیں (۴۲):

اول: جہالت، کیونکہ مشتری کو شیئرز کی معنویت کا تفصیلی علم نہیں ہے۔

اس کے جواب میں ہم کہیں گے: کہ جہالت صحت عقد کے لئے اس صورت میں مانع ہوتی ہے جب نزاع کا سبب ہو یا فقہاء کی اصطلاح میں جب ''جہالت فاحشہ ہو'' (۴۳)۔

امام قرافی فرماتے ہیں:

غرر اور جہالت کی تین اقسام ہیں: کثیر جو بالا جماع ممنوع ہے، جیسے ہوا میں پرندوں کی بیع۔ قلیل جو بالا جماع جائز ہے، جیسے گھر کی بنیاد...... اور متوسط جو مختلف فیہ ہے (۴۴)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ مغیبات جیسے گاجر، شلجم اور اروی کی بیع کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

پہلا یعنی ان کی بیع کی صحت کا قول جو امام مالک کا مسلک اور امام احمد کا ایک قول ہے، زیادہ صحیح ہے.... اس لئے کہ تجربہ کار افراد جب ان سے ظاہر ہونے والے پتے وغیرہ کو دیکھتے ہیں تو بقیہ چیزوں کو بھی اسی پر قیاس کرتے ہیں، دوسری بات یہ کہ لوگوں کو ان بیاعات کی ضرورت ہے، اور کسی ایک نوع کے غرر کی وجہ سے شارع نے ایسے بیوع کو حرام نہیں کیا ہے جن کی لوگوں کو ضرورت پیش آتی ہو، بلکہ شارع تو ایسی چیزوں کو جائز قرار دیتا ہے جن کی اس سلسلے میں ضرورت پڑتی ہے، جیسا کہ شارع نے بدو صلاح سے پہلے پھل کی بیع کو جائز قرار دیا ہے........ اگر چہ مبیع کا کچھ حصہ ابھی تک پیدا نہ ہوا ہو.....، اور بیع عرایا کو اندازہ سے جائز قرار دیا ہے، چنانچہ ضرورت کے وقت تخمین بالخرص کو تخمین بالکیل کے قائم مقام قرار دیا ہے باوجودیکہ یہ اس ربا کے ذیل میں آتا ہے جو بیع غرر سے بھی زیادہ شدید ہے، اور یہ ایک شرعی قاعدہ ہے کہ دو مصلحتوں میں سے ادنیٰ کو چھوڑ کر بڑی (اعلیٰ) مصلحت کو روبہ عمل لایا جائے گا، اور دو فسادوں میں سے ادنیٰ کو اپنا کر (بروئے کار لا کر) بڑے فساد کو رفع کیا جائے گا (۴۵)۔

استاد صدیق الضریر فرماتے ہیں: غرر جو صحت عقد میں مؤثر ہوتا ہے وہ ہے جو مبیع میں اصالۃً پایا جائے، جہاں تک تابع میں غرر کا تعلق ہے.....تو وہ عقد میں مؤثر نہیں ہوتا (۴۶)۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ بجٹ کی اشاعت، کمپنی کی فعالیت اور اس طرح کے دوسرے امور کے توسط سے خریدار شیئر کی قیمت اور شیئرز کے بالمقابل اثاثوں سے متعلق اجمالی اور مناسب معلومات حاصل کر لیتا ہے، اور یہ علم صحت بیع کے لئے کافی ہے، اسی کے ساتھ یہ واضح رہے کہ ہر چیز کا علم اسی کے بقدر ہوتا ہے۔

پھر یہ بھی واضح رہے کہ مشترک حصص کی بیع بالاتفاق درست ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: مشترک شئی کی بیع باتفاق مسلمین جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہے....(۴۷)۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں: اگر کوئی شریک اپنے شریک کا حصہ خرید لے تو درست ہے، کیونکہ وہ اپنے علاوہ کی ملکیت خرید رہا ہے، یہی حکم اس صورت میں بھی ہوگا جب اسے کسی اجنبی سے فروخت کر دے۔ یہی حکم ان کے علاوہ دوسرے علماء کے نزدیک بھی ہے (۴۸)۔

دوم: شیئرز کی بیع کا مطلب سرمایئے اور نقود کے ایک حصہ کی بیع ہے، اس مفہوم کا تقاضا ہے کہ اس میں بیع صرف کا قاعدہ یعنی جنس واحد کے درمیان مثل بالمثل اور مجلس میں ہی قبضہ، اور اختلاف جنس کے وقت صرف مجلس میں قبضہ کو ملحوظ رکھا جائے، کیونکہ شیئر عام طور پر کمپنی کے اثاثے کو اس کے نقود سے برابر کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شیئرز میں نقود کا پایا جانا تبعاً اور غیر مقصود ہے، کیونکہ ان میں اصل و اساس جامد اثاثے ہیں، اسی بنا پر ہمارا کہنا ہے کہ کمپنی کے کاروبار کے آغاز سے پہلے اور عمارتوں وغیرہ کی خریداری سے قبل شیئرز کی بیع اسی صورت میں درست ہوگی جب بیع صرف کے قواعد ملحوظ رکھے جائیں۔

شیئر سے مراد کمپنی کا یہ عام جزء ہوتا ہے قطع نظر اس سے کہ اس کی تفصیلات کیا ہیں، لہذا جب تک کمپنی کے اثاثے میں سے شیئرز کا کوئی مقابل موجود رہے گا اس وقت تک اس کے ساتھ نقد کا معاملہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ اثاثے کا ایک حصہ نقد ہے، اور فقہی اصول کا تقاضا ہے کہ تابع میں اس چیز کی ضرورت پڑ جاتی ہے جس کی غیر تابع میں نہیں پڑتی، اور یہ کہ ضمناً کسی چیز میں ایسی ضرورت پیش آ جاتی ہے جو قصداً اس میں پیش نہیں آتی۔ امام سیوطی لکھتے ہیں: "بیع کی فروع میں سے ہے..... کہ ہری کھیتی کی بیع کٹائی کی شرط کے ساتھ ہی درست ہے، تو اگر اس نے زمین کے ساتھ اس کو بھی فروخت کر دیا تو تبعاً جائز ہے...(۴۹) بلکہ اس مسئلہ کی اصل تو حدیث شریف میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے غلام کو خریدنے کی اجازت دی ہے جس کے ساتھ مال ہو، خواہ وہ نقد ہی کیوں نہ ہو، لہذا مشتری کے شرط لگا دینے کی صورت میں اس غلام کا مال تبعاً مشتری کا ہو جائے گا قطع نظر اس کے کہ بیع صرف کے اصول وضوابط کیا ہیں، چنانچہ بخاری، مسلم اور ان کے علاوہ دوسرے ائمہ حدیث نے حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے: "ومن ابتاع عبداً وله مال فماله للذی باعه إلا أن یشترط المبتاع" (جس نے کوئی ایسا غلام خریدا جس کے لئے مال ہے، تو اس کا مال بائع کے لئے ہے الا یہ کہ مشتری اس کی شرط لگا دے)۔(۵۰)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"اس کے مفہوم سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جس نے کسی ایسے غلام کو بیچا جس کے پاس مال ہو اور مشتری اس کی شرط لگا دے تو بیع صحیح ہے"۔ اس کے بعد انہوں نے اموال ربویہ کے سلسلہ میں علماء کے اختلاف کا تذکرہ کیا ہے کہ امام مالک کا خیال ہے کہ ایسا عقد درست ہے اگر چہ وہ مال جو اس غلام کے ساتھ ہے ربوی ہو، کیونکہ حدیث مطلق ہے، اور اس لئے بھی کہ عقد تو بالخصوص غلام پر واقع ہوا ہے اور جو مال اس کے ساتھ ہے اس کا عقد میں کوئی دخل نہیں ہے (۵۱) امام مالک فرماتے ہیں: "ہمارے یہاں اس پر اتفاق ہے کہ اگر مشتری نے غلام کے مال کی شرط لگا دی تو وہ اسی کا ہوگا، خواہ وہ مال نقد ہو، دین ہو یا سامان ہو، معلوم ہو یا مجہول ہو" (۵۲)۔

سوم: شیئر کا جز کمپنی میں دین کی نمائندگی کرتا ہے، لہذا ثمن مؤجل کے عوض اس کی بیع درست نہیں ہوگی، کیونکہ اس صورت میں دین کی بیع دین سے ہوگی، جو کہ ممنوع ہے، چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے بیع الکالی

بالکالی (یعنی دَین کی دَین سے بیع) سے منع فرمایا ہے (۵۳)۔

اس کے متعدد جواب دیئے جا سکتے ہیں:

۱۔ یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ نامی راوی ہیں جو ضعیف ہیں (۵۴)۔ لہذا یہ قابل استدلال نہیں ہے، نیز اس حدیث کی متعدد تشریحات کی گئی ہیں، جن میں بیشتر سے ہمارے موضوع کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲۔ اس بیع پر بیع الدَین بالدَین کا انطباق نہیں ہوتا ہے، کیونکہ کمپنی کے قرضہ جات کا یہ حصہ شیئرز میں تبعاً شامل ہے، ایسی صورت میں دوسرے ملاحظہ کے ذیل میں دیا گیا جواب اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ اس اشکال کا بھی جواب ہو جائے گا۔

۳۔ سابق حکم یعنی شیئر کے جز کا دَین ہونا یہ عام نہیں ہے، چونکہ جب کمپنی میں قرضے نہیں ہوتے تو اس وقت وہ نقد معاملہ کرتی ہے، اور اگر کمپنی کے دیون کا وجود تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ کمپنی کے اثاثے کے ایک قلیل تناسب کی نمائندگی کرتے ہیں، جبکہ فقہی قاعدہ کا تقاضا ہے کہ اعتبار اکثر کا کیا جائے (۵۵)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شیئرز حلال پر مبنی ہیں اور جن کا تعلق ایسی کمپنیوں سے ہے جو کسی حرام کاروبار کرنے سے احتراز کرتی ہیں، اور جن کا روبار میں کمپنی کے اصول منطبق ہوتے ہوں یعنی ذمہ داریوں اور نقصانات کے برداشت کرنے میں شرکت پائی جاتی ہو، اور یہ شیئرز دوسرے کے مقابلہ میں کسی مالی خصوصیت کے حامل نہ ہوں تو یہ ان وجوہ کی بنا پر جن کا ذکر ہم ماسبق میں کر آئے ہیں حلال ہیں، ان کا اجراء اور ان میں تصرف کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ صورت بھی ان جائز تصرفات کے حدود میں داخل ہے جن کی اجازت شارع نے مالک کو اپنی زیر ملکیت چیز کے سلسلے میں دے رکھی ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تعمیل میں: "..... وأحل الله البيع ....." (اور اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا) (سورہ بقرہ/۲۷۵) اور ان دوسرے دلائل کی بنا پر جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں۔

قسم دوم: ایسے شیئرز جن میں سابقہ شرائط کا تحقق نہ ہو:

اس سے مراد وہ شیئرز ہیں جن کا تعلق (پہلے نوع کی طرح) حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں سے نہ ہو، اور نہ ان کمپنیوں سے جو حلال پر مبنی ہوں قسم اول کی طرح، بلکہ ان سے مراد ان کمپنیوں کے شیئرز ہیں جو بعض اوقات بینکوں میں سود پر اپنے پیسے جمع کرتی ہیں، یا بینکوں سے سود پر قرضے لیتی ہیں، یا ان کے معاملات کا ایک مختصر تناسب عقود فاسدہ کے ذریعہ انجام پاتا ہے جیسے کہ مسلم ممالک کی بیشتر کمپنیاں یا غیر مسلم ممالک میں وہ کمپنیاں جن کا دائرۂ کار مباح ہوتا ہے جیسے زراعت، صنعت اور تجارت (یعنی نوع اول میں ذکر کئے گئے سابقہ محرمات کے علاوہ)۔

اس قسم کے شیئرز کا حکم بیان کرنے سے پہلے میں اس سلسلے میں شرعی اصولوں کی بالاجمال وضاحت کرنا چاہتا ہوں:

اول: مسلمانوں سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ حلال وطیب مال جس میں کوئی شبہ نہ ہو، فراہم کریں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "يا أيها الناس كلوا مما في الأرض حلالا طيبا" (سورہ بقرہ/۱۶۸)۔

ترجمہ: اے لوگوں زمین میں جو کچھ ہے ان میں سے حلال اور طیب رزق کھاؤ۔

اور ایک مقام پر ارشاد ہے:" فکلوا مما رزقکم الله حلالا طیبا واشکروا نعمة الله" (سورۃ النحل/۱۱۴) (جو کچھ اللہ نے تم کو عطا کیا ہے ان میں سے حلال وطیب کو کھاؤ اور اللہ کی نعمت پر شکر ادا کرو)۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:"الحلال بیّن والحرام بیّن وبینهما مشتبهات لا یعلمها کثیر من الناس، فمن اتقی الشبهات فقد استبرا لدینه و عرضه..." (حلال صریح ہے اور حرام بھی صریح ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ امور ہیں جن کو بیشتر لوگ نہیں جانتے، تو جس نے شبہات سے احتراز کیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالیا) (۵٦)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: شبہات کے حکم میں اختلاف ہے، چنانچہ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد تحریم ہے، لیکن یہ بات قابل رد ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کراہت ہے، ایک قول توقف کا ہے۔ مزید فرماتے ہیں: چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مباح ہے، اور اس قول کے قائل کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اسے ہر وجہ کے دونوں پہلوؤں کے مساوی ہونے پر محمول کرے، البتہ وہ اسے خلاف اولی کی قسم پر محمول کرسکتا ہے...... ابن منیر نے اپنے شیخ قباری کے مناقب میں ان سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے:

مکروہ، بندے اور حرام کے درمیان ایک رکاوٹ ہے، تو جو مکروہ کا زیادہ ارتکاب کرنے لگے وہ حرام تک جا پہونچے گا.... یہ ایک اچھا مقصد ہے (۵۷)۔

دوم: شریعت اسلامی کی بنیاد رفع حرج، دفع مشقت اور امت کے لئے مصالح وسہولت فراہم کرنے پر ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"وماجعل علیکم فی الدین من حرج" (سورہ حج/۷۸) (اور اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی)، اور ارشاد باری ہے:"یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" (سورہ البقرہ/۱۸۵) (اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے وہ تمہارے ساتھ تنگی نہیں چاہتا)، یہ اصول اتنا واضح ہے کہ دلیل کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ تو مقاصد شرع میں سے ایک ہے۔

اسی اصل کی بنا پر ضرورت کے وقت ممنوعات جائز قرار دی گئی ہیں، " فمن اضطرّ غیر باغ ولا عاد فلا إثم علیه" (پس جو کوئی مجبور کردیا جائے، چاہنے والا نہ ہو، حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں)۔

اور جس طرح ضرورت قابل رفع ہے اسی طرح حاجت بھی ضرورت کے قائم مقام ہے، امام سیوطی، ابن نجیم اور دوسرے علماء فرماتے ہیں:"حاجت ضرورت کے درجہ میں ہے خواہ وہ عام ہو یا خاص"۔ اسی بنا پر اجارہ، جعالہ وغیرہ جائز قرار دیئے گئے ہیں (۵۸)۔

شیخ احمد الزرقاء فرماتے ہیں: حاجت سے مراد وہ حالت ہے جو حصول مقصود کے لئے تیسیر وتسہیل کی متقاضی ہو، اس اعتبار سے یہ ضرورت سے کم درجہ کی چیز ہے، اگرچہ حاجت کی وجہ سے ثابت شدہ حکم مستقل ہوگا اور ضرورت کی وجہ سے ثابت شدہ حکم وقتی ہوگا (۵۹)۔

اس قاعدہ کی فقہی مثال وہ ہے جسے فقہائے حنفیہ نے جائز قرار دیا ہے جیسے بیع الوفاء، باوجود یکہ اسکا مقتضی عدم جواز ہے، کیونکہ یا تو وہ ربا کے قبیل سے ہے، چونکہ یہ دین کے عوض عین سے انتفاع ہے، یا کسی معاملہ میں مشروط کوئی معاملہ ہے، گویا اس نے یہ کہا: میں نے اسے تم سے اس شرط کے ساتھ بیچا کہ تم جب میں تمہارے پاس قیمت لے آؤں اس کو مجھ سے بیچ دو، اور یہ دونوں ناجائز ہیں، لیکن جب بخارا میں وہاں کے باشندوں پر دیون کی کثرت کے باعث اس کی سخت ضرورت پیش آئی تو اسے اس تاویل کی بنا پر جائز قرار دیا گیا کہ وہ رہن ہے جس کے منافع اور ثمرات سے فائدہ اٹھانا جائز ہے جیسے بکری کا دودھ، اور رہن اس کیفیت کے ساتھ جائز ہے(۶۰)۔

اور اسی طرح کا ایک اجتہاد وہ ہے جسے ابن عابدین نے ذکر کیا ہے کہ مشائخ بلخ اور امام نسفی نے غلہ کو منتقل کرنے کو اسی غلہ کے ایک حصہ کے بدلے اور کپڑے کی بنائی کو اسی کپڑے کے ایک حصہ کے بدلے میں جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ وہاں کے باشندوں میں یہ طریقہ عام تھا اور ضرورت کے پیش نظر ایسا کیا گیا، باوجود یکہ وہ خلاف قیاس ہے، اور متقدمین حنفیہ نے اس کے عدم جواز کی صراحت کی ہے(۶۱)۔ ابن عابدین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب بعض متقدمین حنفیہ سے سوال کیا گیا کہ اس فیصد (Percentage) کا کیا حکم ہے جسے ایجنٹ لیا کرتے ہیں مثلاً ۱۰% ، تو انہوں نے جواب دیا: یہ ان پر حرام ہے، صرف ان کے لئے اجر مثل واجب ہے، جبکہ دوسرے بعض لوگوں نے اس کی اجازت دی ہے جیسے محمد بن سلمہ، چنانچہ جب ان سے ایجنٹ کی اجرت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: میرا خیال ہے اس میں کوئی حرج نہیں، کثرت تعامل کی بنا پر۔ اگرچہ اصلاً فاسد ہے۔ اور اس طرح کے بہت سے امور ناجائز ہیں، لیکن فقہاء نے ان کو لوگوں کی ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا ہے....."(۶۲)۔

اس فقہی اصول کے عملی دلائل حدیث شریف میں موجود ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بیع عرایا کو جائز قرار دیا(۶۳) اس کے باوجود کہ اس کی اصل ربا میں شامل ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے تازہ کھجوروں کے عوض خشک کھجوروں کی بیع کو جائز نہیں قرار دیا ہے(۶۴) کمی اور حقیقی مماثلت کے نہ پائے جانے کی بنا پر، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر اس کو جائز قرار دیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "اور آپ ﷺ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر بیع عرایا کو جائز قرار دیا ہے باوجود یکہ یہ ربا میں داخل ہے"۔ مزید فرماتے ہیں: "شریعت کی تمام تر بنیاد اس بات پر ہے کہ مفسدہ جو تحریم کا متقاضی ہے اگر کوئی ترجیحی حاجت اس کے مقابل آجائے تو اس شئی حرام کو مباح قرار دیا جائے گا"۔ اور پھر لکھتے ہیں: کسی ایک نوع کے غرر کی وجہ سے شارع ان چیزوں کو حرام نہیں کرتا جن کی لوگوں کو بیع میں ضرورت پیش آتی ہے، بلکہ اس سلسلے میں جو بھی ضرورت پیش آتی ہے شارع اسے جائز قرار دیتا ہے(۶۵)۔

سوم: عرف کے رول اور فقہ اسلامی میں اس کے اثر کا جب تک کہ وہ نصوص شریعت سے متصادم نہ ہو، انکار نہیں کیا جا سکتا، ابن نجیم کہتے ہیں: "جان لو کہ فقہ میں بہت سے مسائل میں عرف وعادت کے اعتبار کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ فقہاء نے اس کو ایک قاعدہ بنا دیا ہے....."۔ مزید لکھتے ہیں: "خلاصہ کلام یہ کہ عام مذہب تو

عرف خاص کے عدم اعتبار کا ہے لیکن بہت سے مشائخ نے اس کے معتبر ہونے کا فتویٰ دیا ہے، اس کو معتبر مانتے ہوئے میرا کہنا یہ ہے کہ یہ فتویٰ دیا جانا چاہئے کہ جو قاہرہ کے بعض بازاروں میں ہوتا ہے یعنی دوکانوں کی پگڑی لینا، وہ لازم ہے، اور دوکان کی پگڑی اس کا حق ہوگا، لہذا دوکان کے مالک کو اسے وہاں سے نکالنے کا اختیار نہ ہوگا اور نہ اسے دوسرے کو اجارتاً دینا درست ہوگا اگر چہ وہ دوکانیں وقف ہی کیوں نہ ہو، غور یہ میں جملون کی دوکانوں میں ایسا ہوا ہے کہ شاہ غوری نے جب اس کی تعمیر کی تو اسے پگڑی پر تاجروں کو رہنے کے لئے دیا اور ہر دوکان پر ایک رقم متعین کردی جو ان سے لیا جاتا اور اسے وقف نامہ میں لکھا جاتا، اسی طرح میں بھی عرف خاص کے معتبر ہونے کا قائل ہوں''۔

ابن نجیم مزید یہ بھی لکھتے ہیں کہ: ''متعدد مسائل میں علماء نے قاہرہ کے عرف کا اعتبار کیا ہے، ان میں سے ایک مسئلہ وہ ہے جو فتح القدیر میں ہے کہ صرف قاہرہ میں نہ کہ دوسرے مقامات پر، فروخت کئے گئے گھر میں سلّم (سیڑھی) بھی داخل سمجھا جائے گا، کیونکہ اہل قاہرہ کے مکانات کئی منزلہ ہوتے ہیں جن سے انتفاع سیڑھی (سلّم) کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے'' (٦٦)۔

علمائے محققین نے تو اسی عالم کے لئے فتویٰ دینے کو جائز کہا ہے جو لوگوں کے احوال اور ان کے عرف سے واقف ہو، اور یہ کہ ہر ملک کا عرف بھی پیش نظر رہے، اس سلسلے میں ابن القیم لکھتے ہیں: ''......تو جب بھی کوئی نیا عرف وجود میں آئے اس کا اعتبار کرو، اور جو عرف ساقط ہو جائے اسے ترک کردو، پوری عمر منقولات (کتابوں میں نقل کی گئی باتوں) پر جمے نہ رہو، بلکہ اگر تمہارے پاس کسی اور ملک سے کوئی آجائے اور تم سے فتویٰ چاہے تو تم اسے اپنے ملک کے عرف کے مطابق مت چلاؤ بلکہ اس سے اس کے ملک کا عرف معلوم کرکے اس کے مطابق اس کی رہنمائی کرو......'' (٦٧)۔

چہارم: آج ہم مسلمان ایسے زمانہ میں نہیں جی رہے ہیں جس میں اسلامی نظام پورے طور پر نافذ العمل ہو، اور اس پر اسلام کے سیاسی، اقتصادی، اجتماعی اور تربیتی نظام کا غلبہ ہو، بلکہ ہم ایسے دور میں جی رہے ہیں جس میں سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا دور دورہ ہے، ایسی صورت میں یہ ممکن نہیں کہ ہم جو چاہیں یک بیک حاصل کرلیں، یعنی یہ کہ رخصت سے صرف نظر کرکے عزیمت کی بنیاد پر، مختلف فیہ کو چھوڑ کر متفق علیہ مسائل کے مطابق، اور شبہات کے وجود سے قطع نظر خالص، طیب اور حلال کو بنیاد بنا کر تمام معاملات مسلمانوں کے درمیان جاری وساری ہو جائیں۔ لہذا ہمارا دور اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ نافع حل تلاش کئے جائیں اگر چہ وہ کسی ایک ہی فقیہ کی رائے کے مطابق ہوں جب تک اس فقیہ کی اس رائے سے مسلمانوں کے مصالح پورے ہوتے رہیں، بلکہ اب یہ شرط بھی نہ ہونی چاہئے کہ ہمیں کوئی سابق رائے ملے، ہمارے لئے ضروری صرف یہ ہے کہ ہم شریعت کے ان عام اصولوں اور مبادی کے دائرے میں غور وفکر کریں جن سے امت کا بھلا ہو اور جو کسی ثابت شدہ نص شرعی سے متصادم نہ ہوں۔

ہماری ذمہ داری ہے کہ اقتصادی نظام کو بروئے کار لانے کی کوشش کریں، ہمارا فرض ہے کہ مسلمانوں کے مال کو بچانے اور اغیار کے قبضہ کے بغیر مسلمانوں کی معاشیات کو ان کے ہاتھوں میں باقی رکھنے کے لئے سنجیدہ کوشش

کریں۔ ہمیں شیخ الاسلام عزبن عبدالسلام کے اس وسیع افق کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

"اگر روئے زمین پر حرام عام ہوجائے، اس طور پر کہ اس میں کوئی حلال چیز نہ پائی جائے تو جائز ہے کہ اس چیز کو حلال قرار دیا جائے جس کی حاجت متقاضی ہو، اس کو حلال قرار دینا ضرورت پر موقوف نہ ہوگا، اس لئے کہ اگر یہ ضرورت پر موقوف رہی تو اس کا نتیجہ بندوں کی کمزوری اور اہل کفر وعناد کا ممالک اسلامیہ پر غلبہ کی شکل میں ظاہر ہوگا، اور لوگوں کا تعلق ان پیشوں، صنعتوں، ہنر اور ذرائع سے منقطع ہوجائے گا جو خلق کے مصالح کی تکمیل کرتے ہیں (۶۸)۔

اس قسم کے شیئرز کا حکم:

ان اصولوں کو ذکر کرنے کے بعد ہم اس قسم کے شیئرز کے حکم، معاصرین کے اختلاف رائے اور ان کے ترجیحی دلائل کو بیان کرتے ہیں۔ معاصرین نے اس سلسلے میں دو رائیں اختیار کی ہیں:

پہلی رائے: یہ ہے کہ اس قسم کے شیئرز میں تصرف حرام ہے جب تک کہ حلال خالص پر ان کی بنیاد نہ ہو، بعض نے ایسے شیئرز کے لئے ایک شرعی نگراں بورڈ کے قیام کو ترجیح دی ہے (۶۹)۔

دوسری رائے: (ذکر کردہ) شیئرز اور ان میں تصرف کی اباحت کی ہے۔

یہ ایک پہلو ہے، دوسری طرف بہت سارے حضرات اس تفصیل میں گئے بغیر جس کا میں نے ذکر کیا ہے مسلم ممالک میں مطلقاً شیئرز کی اباحت کے قائل ہیں، ان میں مندرجہ ذیل شیوخ ہیں: علی الخفیف، ابوزہرہ، عبد الوہاب خلاف، عبد الرحمن حسن، عبد العزیز الخیاط، وہبہ الزحیلی، قاضی عبد اللہ سلیمان بن منیع وغیرہ، ان تفصیلات و فروعات کی بنیاد پر جن پر ان میں سے بعض حضرات کے نزدیک نظر ثانی کی ضرورت ہے (۷۰)۔

پہلی رائے کے حاملین نے اپنی رائے کی بنیاد اس بات پر رکھی ہے کہ ان شیئرز میں جب تک حرام کا وجود ہو یا ان کی کمپنیاں بعض حرام کاروبار کرتی ہوں مثلاً اپنے کچھ سرمائے سودی بینکوں میں ڈپوزٹ کرتی ہوں تو ان شیئرز کا خریدنا حرام ہوگا، اس کی بناء ان نصوص پر ہے جو حرام اور شبہات سے احتراز کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں، اسی طرح یہ اصول بھی اس کی بنیاد ہے کہ: جب حلال وحرام کا اجتماع ہوجائے تو حرام غالب ہوگا۔

جو جواز کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ شیئرز فی نفسہ مخالف شریعت نہیں ہیں، جہاں تک ان بعض شوائب، شبہات اور محرمات کا تعلق ہے جن کی ان میں آمیزش ہوتی ہے تو وہ حلال کی بہ نسبت کم ہیں۔ لہذا جب تک رأس المال کا بیشتر حصہ اور بیشتر تصرفات حلال رہیں گے قلیل نادر کو کثیر شائع کے حکم میں مانا جائے گا، اور خصوصاً محرمات کے اس تناسب کا ازالہ اور اس کے بعد اس سے چھٹکارا اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جب مفصل بجٹ کے ذریعہ یا کمپنی کے متعلق دریافت کے ذریعہ ان سے واقفیت حاصل کی جائے (۷۱)۔

اور شریعت کے عموم اور اس کے یسر اور رفع حرج سے متعلق اصولوں پر مبنی فقہاء کے نصوص اور فقہی قواعد کی روشنی میں مندرجہ ذیل طریقے سے اس کی اصل تلاش کی جاسکتی ہے۔

اول: بیشتر لوگوں کے نزدیک ایک حرام جز کے اختلاط سے مجموعی مال حرام نہیں ہوتا، چنانچہ انہوں نے ایسے حلال

مال میں جس میں حرام کی ایک قلیل مقدار ملی ہوئی ہو شرعی تصرفات یعنی ان کو زیر ملکیت رکھنے، کھانے، ان کی خرید وفروخت کرنے اور اس طرح کے دوسرے امور کو جائز قرار دیا ہے، البتہ فقہاء نے حرام لذاتہ اور حرام لغیرہ میں فرق کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: حرام کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ جو اپنی ذات میں حرام ہو، جیسے مردار، خون اور خنزیر کا گوشت، چنانچہ اگر یہ پانی، سیال چیز اور طعام جیسی چیزوں سے مخلوط ہو جائے اور اس کا مزہ یا رنگ یا اس کی بو بدل جائے تو وہ چیز حرام ہو جائے گی، اور اگر اس نے اسے تبدیل نہ کیا ہو تو ایسی صورت میں اختلاف ہے.....

۲۔ جو کسب کے نتیجہ میں حرام ہو، جیسے غاصبانہ طور پر یا عقد فاسد کے ذریعہ حاصل کی گئی چیز، تو یہ چیز اگر حلال سے مخلوط ہو جائے تو اسے حرام نہیں کرے گی، لہذا اگر ایک شخص نے چند دراہم، یا دینار، یا آٹا، یا گیہوں یا روٹی غصب کر لیا اور اسے اپنے مال سے مخلوط کر دیا تو پورا مال حرام نہیں ہوگا، نہ یہ سامان اور نہ وہ سامان، بلکہ اگر وہ دونوں مماثل ہوں تو اسے تقسیم کر دیں، یہ اپنے حصہ کے بقدر لے لے گا اور وہ اپنے حصہ کے بقدر لے لے گا.......

یہ ایک مفید بنیاد ہے، کیونکہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ حرام دراہم جب حلال دراہم سے مخلوط ہو جائیں تو تمام مال حرام ہو جاتا ہے، یہ ایک غلط خیال ہے، حالانکہ ان لوگوں نے حلال دراہم کم ہونے کی صورت میں ورع سے کام لیا ہے، اور رہ گئی بات کثرت کی صورت میں تو میں نہیں جانتا کہ اس میں کوئی اختلاف ہے (۷۲)۔

اس تفصیل کی روشنی میں ہمارا مذکورہ مسئلہ دوسری قسم کے ذیل میں آتا ہے، کیونکہ ہماری گفتگو ان شیئرز کے بارے میں ہے جن میں بعض حرام تصرفات کا شائبہ ہو، مثلاً یہ کہ شیئرز کی بعض رقوم سودی بینکوں میں ڈپوزٹ کرنا۔ اس صورت کی مزید وضاحت کے لئے ہم اس مسئلہ میں فقہاء کی تصریحات کا ذکر کرتے ہیں:

ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں: ''اگر ہدیہ کرنے والے کا بیشتر مال حلال ہو تو اس کا ہدیہ قبول کرنے اور اس کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ حرام ہے، اور اگر اس کے مال کا بیشتر حصہ حرام ہو تو وہ اسے قبول نہ کرے گا اور نہ اسے کھائے گا الا یہ کہ وہ کہے کہ: یہ مال حلال ہے جو اسے وراثتاً حاصل ہوا ہے یا اس نے بطور قرض لیا ہے''۔ ابن نجیم پھر ذکر کرتے ہیں کہ اگر بازار والوں کی بیشتر بیع فساد اور حرام سے خالی نہ رہنے لگے تو مسلمان اس کے خریدنے سے گریز کرے گا، لیکن اگر اس کے باوجود وہ اسے خرید لیتا ہے تو وہ اس کے لئے پاک ہے۔

نیز یہ بھی فرماتے ہیں کہ: ''اگر شہر میں حلال وحرام مخلوط ہو جائیں تو اس وقت تک خرید وفروخت جائز ہے جب تک اس بات کی دلیل نہ مل جائے کہ یہ حرام ہے، اصل میں بھی اسی طرح ہے''۔

اس کے بعد دوسری صورتیں ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''انہیں میں سے وہ بیع ہے جب کسی ایک معاملہ میں حرام وحلال جمع ہو جائے، چنانچہ اگر شئی حرام مال نہ ہو جیسے ذبح شدہ اور مردار جانور کا یکجا ہو جانا، تو اس صورت میں حرام کے بطلان کی قوت کی بنا پر حلال میں بھی بطلان سرایت کر جائے گا، اور اگر حرام ضعیف ہو مثلاً وہ مجموعی حیثیت سے مال ہو جیسے مدبر اور عام غلام کا اجتماع.... تو ایسی صورت میں (قنّ) کے ضعف کی بنا پر اس میں فساد

منتقل نہیں ہوگا....."(۷۳)۔

کاسانی فرماتے ہیں: "ہر وہ شئی جسے حرام نے فاسد کر دیا ہو، اور اس میں حلال غالب ہو تو اس کی بیع میں کوئی قباحت نہیں ہے" (۷۴)۔

فقیہ ابن رشد نے اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے، ہم ان میں سے کچھ کا ذکر ذیل میں کرتے ہیں: وہ تحریر فرماتے ہیں: "جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے: یعنی اس کے مال میں غالب حصہ حلال ہو تو اپنی ذات کے سلسلے میں اس پر واجب ہے کہ اللہ تعالی سے استغفار کر لے، اور جو کچھ اس میں حرام مخلوط ہو گیا ہے اسے لوٹا کر توبہ کر لے..... یا اگر ان کو نہ جانتا ہو تو ان کی طرف سے صدقہ کر دے..... اور اگر سود ہو تو اپنے دیئے ہوئے مال سے جتنا زیادہ اس نے لیا ہوا سے صدقہ کر دے......"۔

پھر لکھتے ہیں: "اور اگر اس پورے معاملہ میں اپنے بائع کو جانتا ہے تو اسے وہ زائد حصہ لوٹا دے گا جس میں اس نے اس کے ساتھ معاملہ کیا ہے، جب یہ کر لے گا تو باتفاق علماء اس کی حرمت رفع ہو جائے گی، اس کی عدالت درست ہوگی، وہ گناہ سے بری ہو جائے گا، اس کے مال کا باقی حصہ اس کے لئے حلال ہوگا، اس میں اس کا بیع وشراء کرنا، اس کا ہدیہ قبول کرنا اور اس کا کھانا کھانا جائز ہوگا۔ اور اگر ایسا نہ کرے تو اس سے معاملہ کرنے، اس کا ہدیہ قبول کرنے اور اس کا کھانا کھانے کے جواز میں اختلاف ہے، ابن القاسم نے اس کے معاملہ کو جائز قرار دیا ہے، ابن وہب نے اس کا انکار کیا ہے اور اصبغ نے اسے حرام قرار دیا ہے....."۔

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے: یعنی یہ کہ اس کے مال میں غالب حصہ حرام ہو تو اس کا حکم اس معاملہ میں جو اس کے لئے اپنی ذات کے سلسلے میں واجب ہے ماقبل ہی جیسا ہے۔

اور جہاں تک اس سے معاملہ کرنے اور اس کا ہدیہ قبول کرنے کا تعلق ہے تو ہمارے علماء نے اس سے روکا ہے، کہا گیا ہے کہ ایسا کراہتا ہے۔ یہ قول ابن القاسم کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ایسا تحریماً ہے۔ إلا یہ کہ وہ حلال سامان خریدے تو ایسی صورت میں اس سے خریدنے اور اس سے ہدیہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے......(۷۵)۔

عز بن عبدالسلام کہتے ہیں: "اگر حلال غالب ہو اس طور پر کہ ایک حرام درہم ایک ہزار حلال درہم سے مخلوط ہو جائے تو معاملہ درست ہے....." (۷۶)۔ زرکشی نے بھی اسی طرح کی بات کہی ہے (۷۷)۔ لیکن سیوطی نے ذکر کیا ہے کہ امام غزالی کو چھوڑ کر فقہاء شافعیہ کا اصح قول یہ ہے کہ انہوں نے اس شخص کے معاملہ کو حرام نہیں قرار دیا ہے جس کا بیشتر مال حرام ہو، لیکن یہ اس صورت میں جب کہ وہ متعین نہ ہو، فقہاء شافعیہ کے نزدیک ایسا مال صرف مکروہ ہے، یہی حکم سلطان کے عطایا کو قبول کرنے کا ہوگا جب اس کے مملوکہ مال میں حرام غالب ہو، جیسا کہ مہذب میں ہے: اس سلسلے میں مشہور قول کراہت کا ہے تحریم کا نہیں برخلاف غزالی کے.... انہوں نے "الاحیاء" میں فرمایا ہے: "اگر شہر میں کوئی ایسی حرام چیز جس کا احاطہ نہ کیا جا سکے، خلط ملط ہو جائے تو اس میں سے خریدنا حرام نہیں بلکہ اس میں سے لینا

درست ہے، الا یہ کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جو اس کے حرام ہونے کو بتائے''۔ مزید کہتے ہیں: اسی قاعدہ میں ''تفریق صفقہ'' بھی داخل ہے، وہ یہ کہ دو عقدوں یعنی حرام اور حلال کا اجتماع ہو جائے، یہ قاعدہ چند ابواب میں جاری ہوتا ہے، عموماً اس سلسلے میں دو قول یا صورتیں ہیں، ان میں اصح قول عقد حلال میں صحت کا ہے، دوسرا قول دونوں میں بطلان کا ہے.... بیع میں اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص سرکہ اور شراب فروخت کرے.....(۷۸) ابن المنذر کا کہنا ہے کہ: جس کے مال میں حرام کا اختلاط ہو اس کے بیع وشراء، اس کا ہدیہ اور بخشش قبول کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حسن، مکحول، زہری اور شافعی کے نزدیک اس میں رخصت ہے، شافعی فرماتے ہیں: ''میں اسے پسند نہیں کرتا، اور اسے ایک جماعت نے مکروہ قرار دیا ہے.....''(۷۹)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس مسئلہ کی تفصیل اس وقت بتائی جب ان سے ایک سوال کیا گیا جسے موجودہ دور میں بھی ہم سنتے رہتے ہیں، سوال یہ ہے: ایک شخص نے فقہاء سلف میں سے کسی سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں: حلال کھانا دشوار ہے، اس دور میں اس کا وجود ناممکن ہے، ان سے کہا گیا کہ ایسا کیوں ہے؟ تو انہوں نے بیان کیا کہ منصورہ کی جنگ میں غنائم کی تقسیم نہیں ہوئی، اور اموال معاملات کے ساتھ خلط ملط ہو گئے، تو ان سے کہا گیا کہ: ایک شخص حلال کاموں میں سے کسی کام کو بطور اجیر کر سکتا ہے اور اپنی حلال اجرت لے سکتا ہے، تو انہوں نے بتایا کہ دراہم بذات خود حرام ہے۔

ابن تیمیہؒ نے اس کا جواب یہ دیا کہ: یہ قائل خاطی ہے اور غلط کہتا ہے.....اس قسم کی باتیں بعض اہل بدعت، فقہ فاسد کے بعض حاملین اور بعض بے جا شک کرنے والے کہا کرتے تھے، ائمہ کرام نے اس بات کو ناپسند کیا یہاں تک کہ امام احمد اپنے معروف ورع کے باوجود اس قسم کی باتوں کو ناپسند کرتے تھے........انہوں نے فرمایا: اس خبیث کو دیکھو، مسلمانوں کے اموال کو حرام قرار دے رہا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے اس فاسد خیال کے سنگین اثرات کا ذکر کیا ہے، اس کا ایک برا اثر یہ ہوا کہ بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ جب تک روئے زمین پر حرام کا غلبہ رہے گا اس وقت تک حلال کی تحقیق وتلاش کیوں کی جائے؟ لہٰذا انہوں نے حلال اس کو سمجھا جو ان کے قبضہ میں تھا اور حرام اس کو جس سے وہ محروم تھے، اور بعض نے ورع کو حجت بنا کر جھوٹی حکایتیں گھڑ لیں۔

اس کے بعد انہوں نے اس بات کا رد کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے اموال میں غالب حلال ہے، پھر چند اصولوں کا ذکر کیا ہے:

''ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کو کوئی متعین فقیہ حرام سمجھے وہ حرام نہیں ہے، حرام تو وہ ہے جو کتاب یا سنت، یا اجماع یا اس بات کو راجح کرنے والے قیاس سے ثابت ہو، اور جس چیز میں علماء کا اختلاف ہو اس کو ان اصولوں کی طرف لوٹایا جائے گا''۔ پھر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو کسی متعین مسلک پر آمادہ کرنا غلط ہے۔ پھر ایک دوسری اصل کا ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ کہ حرام کا حلال سے مخلوط ہو جانا تمام مال کو حرام نہیں کرتا، جیسا کہ ما سبق میں گزرا۔

اسی طرح انہوں نے ایک اور ضابطہ بتایا ہے، وہ یہ کہ شریعت میں مجہول معدوم اور معجوز عنہ کی طرح ہے، اسی وجہ سے اگر لقطہ کا مالک معلوم نہ ہو تو اس کو اٹھانے والے کے لئے اس کے اشتہار کے بعد حلال ہے، اسی بنا پر اگر اس مال کا حال معلوم نہ ہو جو اس کے ہاتھ میں ہے تو معاملہ کی بنیاد اصل پر ہوگی یعنی اباحت پر (۸۰)۔

جن لوگوں کے مال کا اکثر حصہ حرام ہے جیسے مکاسین اور سود خور، ان کے ساتھ معاملہ (لین دین) کرنے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

اگر حلال اغلب ہو تو معاملہ کی تحریم کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اور اگر حرام اغلب ہو تو ایک قول یہ ہے کہ معاملہ حلال ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ معاملہ حرام ہے۔ جہاں تک سود سے معاملہ کا تعلق ہے تو اس کے مال پر غالب حلال ہے، الا یہ کہ کسی اور وجہ سے کراہت کا علم ہو جائے، مثلاً اگر ایک ہزار کو ایک ہزار اور دو سو کے عوض فروخت کرے تو صرف زیادتی حرام ہوئی، اور اگر اس کے مال میں حلال و حرام دونوں ہوں اور مخلوط ہوں تو حلال حرام نہ ہوگا بلکہ اس کو حق ہوگا کہ بقدر حلال لے لے، مثلاً اگر مال دو شریکوں کا ہو اور ان میں سے ایک مال دوسرے کے مال سے مخلوط ہو جائے تو اس مال کو شریکین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا، اسی طرح اگر کسی کے مال میں حلال و حرام کا اختلاط ہو جائے تو حرام کی مقدار نکال لی جائے گی اور باقی اس کے لئے حلال ہوگا (۸۱)۔

ایک سوال اس شخص کے بارے میں کیا گیا جس کا حلال مال، حرام سے مخلوط ہو جائے، تو انہوں نے جواب دیا: میزان کے ذریعہ حرام کی مقدار نکال کر اس شخص کو دے دی جائے گی جو اس کا مالک ہوگا اور حلال کی مقدار اس کے لئے ہوگی، اور اگر وہ اس کے مالک کو نہ جانتا ہو اور جاننا مشکل ہو تو وہ اسے اس کی طرف سے صدقہ کر دے گا (۸۲)۔

اسی سے ملتی جلتی بات کی وضاحت کرتے ہوئے ابن القیم فرماتے ہیں: تحریم نفس درہم اور اس کے جوہر سے متعلق نہیں ہے، یعنی حرام درہم جو اس کے مال سے مخلوط ہو گیا ہے، بلکہ تحریم اس میں کسب کے پہلو سے متعلق ہے، جب اس کی نظیر ہر اعتبار سے نکل گئی تو اس کے ماسوا کی تحریم کا کوئی مطلب نہیں رہا...... اس نوع کے سلسلہ میں صحیح قول یہی ہے، اور خلق کے مصالح کی تکمیل بھی اسی سے ہوتی ہے (۸۳)۔

اس اصول کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے علماء نے اس شخص کے ساتھ معاملہ کو جائز قرار دیا ہے جس کے مال میں حرام مخلوط ہو لیکن اس کا غالب حصہ حلال ہو، لہذا اس قسم کے شیئرز میں کاروبار کی اباحت کی بات کہی جا سکتی ہے، لیکن اس کا مالک اس میں حرام کے بقدر کو عوامی فلاح و بہبود کے مصارف میں خرچ کر دے گا، اس کے ساتھ ساتھ ان ضوابط کی بھی رعایت ملحوظ رکھے گا جن کا ذکر ہم اخیر میں کریں گے (۸۴)۔

دوم: قاعدہ: جو چیز مستقل جائز نہیں ہوتی وہ تابع ہو کر جائز ہو جاتی ہے، ہم یہ قاعدہ صحیح اور متفق علیہ حدیث سے ماخوذ دلیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں (۸۵)۔

اس اصول کی روشنی میں شیئرز کی اس قسم میں اگر چہ کچھ تناسب حرام کا بھی ہے لیکن وہ تبعاً ہیں تملک اور تصرف کے مقصد سے وہ اصلاً نہیں آئے ہیں، لہذا کمپنی کے اثاثے مباح رہیں گے جبکہ وہ جائز کاروبار کے لئے قائم

کی گئی ہو، یہ الگ بات ہے کہ اسے کبھی کبھی افراط زر وغیرہ کی وجہ سے اپنے کچھ سرمائے سودی بینکوں میں رکھنے پڑتے ہیں، یا ان سے قرضے لینے پڑتے ہیں، تو یہ عمل تو بغیر کسی شک وشبہ کے حرام ہے اور اس کا کرنے والا (مجلس انتظامیہ) گنہگار ہوگا، لیکن اس کی وجہ سے بقیہ اموال اور دیگر جائز تصرفات حرام نہیں ہو جائیں گے، یہ بھی ایک تبعی عمل ہے، یہ وہ اصل غالب نہیں ہے، جس کے لئے کمپنی کا قیام عمل میں آیا ہے۔

سوم: ایک اصول: ''للأكثر حكم الكل'' ہے۔ حرام سے مخلوط مال کے حکم کے سلسلہ میں گزشتہ صفحات میں فقہاء کی تصریحات کا ذکر ہم کر چکے ہیں، جس میں یہ بات آ چکی ہے کہ جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اعتبار اغلب کا ہوگا (۸۶)۔

فقہاء نے طہارت، عبادات، معاملات، لباس جیسے ریشم، شکار، طعام، قسم اور دیگر ابواب میں اس قاعدہ سے متعلق بہت ساری تطبیقات کا ذکر کیا ہے (۸۷)۔

ایک اور قاعدہ: ''الحاجة العامة تنزل منزلة الضرورة'' ہے، (عام حاجت ضرورت کے قائم مقام ہے)۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے کہ ضرورت پڑنے پر اس شخص سے خریدنے میں کوئی کراہت نہیں جس کے مال میں شبہ ہو (۸۸)۔

اس اصول کی تطبیق ہمارے اس موضوع پر اس طرح ہوتی ہے کہ مسلم دنیا میں لوگوں کو شیئرز کمپنیوں کی شدید ضرورت ہے، کیونکہ افراد اپنی جمع شدہ رقوم کی سرمایہ کاری سے بے نیاز نہیں رہ سکتے، اسی طرح حکومتوں کو بھی عوام کے سرمایوں کو طویل مدتی سرمایہ کاری میں لگانے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کا فائدہ سب لوگوں کو حاصل ہو سکے، اور اگر مسلمان ان کمپنیوں کے شیئرز خریدنے سے گریز کریں گے تو دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت کا پیدا ہونا لازمی ہے:

ایک یہ کہ یہ اسکیمیں جو عالم اسلامی کی حیویت کا ذریعہ ہیں تعطل کا شکار ہو جائیں گی۔ دوم یہ کہ ان کمپنیوں اور ان کے انتظام پر غیر مسلموں یا کم از کم فساق وفجار کا غلبہ ہو جائے گا۔

لیکن اگر مخلص مسلمان ان شیئرز کو خریدنے پر آمادہ ہو جائیں تو وہ مستقبل میں ان کمپنیوں کے سودی بینکوں کے ساتھ معاملات کو روکنے پر قادر ہو جائیں گے اور اسلام کے مفاد کے لئے کمپنی کے رخ کو تبدیل کر سکیں گے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کمپنی وغیرہ کے وہ ذمہ دار جو تبدیلی پر قادر ہیں گناہ سے بری ہیں، بلکہ وہ بھی گنہگار ہیں، لیکن عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان قواعد کے مطابق جن کا ہم ذکر کریں گے، ان شیئرز کو خریدیں، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شیئر ہولڈر کمپنی کو اپنے کچھ سرمایہ کو ڈپوزٹ کرنے سے روک سکتا ہو تو کمپنی کو روکنا اس پر واجب ہے۔

اس نوع کے شیئرز کے اجراء سے روکنے والی پہلی رائے کا محاکمہ:

اول: حلال مال میں حرام کے معمولی مقدار کے پائے جانے سے مال حرام نہیں ہوگا، بلکہ جیسا کہ تفصیل گزر چکی، صرف حرام کو دور کرنا واجب ہوگا۔

دوم: بعض حضرات نے جو یہ شرط لگائی ہے کہ شیئرز کے جواز یا کمپنیوں کے ساتھ کاروبار کے حلال ہونے کے

لئے شرعی نگرانی کا ہونا ضروری ہے، کتاب یا سنت یا اجماع یا قیاس صحیح سے ہمیں اس شرط کی کوئی دلیل نہیں ملتی، کیونکہ مسلمان اپنے دین اور حلت وحرمت کے سلسلے میں امانت دار ہیں اور ان کے احوال پوشیدہ ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''کوئی مسلمان اگر ایسے معاملات کرتا ہے جن کے جواز کا وہ اعتقاد رکھتا ہو جیسے حیلے...... جس کے جواز کا فتوی بعض دیتے ہیں.... تو دوسرے مسلمان کے لئے جائز ہے کہ اس کے ساتھ اس مال کے سلسلہ میں معاملہ کر لے''، پھر فرماتے ہیں: ''جہاں تک اس مسلمان کا تعلق ہے جس کا حال پوشیدہ ہے تو حقیقتاً اس کے معاملہ میں کوئی شبہ نہیں، اور جو تقوی کی وجہ سے اس سے معاملہ کرنا ترک کر دے تو اس نے دین میں ایسی بدعت ایجاد کر دی جس کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی ہے''(۸۹)۔

بلکہ ان امور میں جو حرام نہیں ہیں کفار کے ساتھ کاروبار بالاتفاق جائز ہے، ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''.....ایسی صورت میں وہ تمام مال جو مسلمان، یہود اور نصاریٰ کے ہاتھ میں ہیں جن کے بارے میں کسی علامت اور دلیل سے یہ نہیں معلوم کہ وہ غصب کردہ یا مقبوضہ ہیں، ان کے ساتھ قابض کا سا معاملہ کرنا درست نہیں ہے، لہذا ان اموال میں بغیر کسی شک وشبہ کے ان کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے، اس سلسلہ میں ائمہ کے درمیان مجھے کسی اختلاف کا علم نہیں ہے''(۹۰)۔

ہاں! بے شک حلال وحرام کی واقفیت ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے جو مارکیٹ میں گھسنا چاہتا ہے، تاکہ وہ اپنے دین کی حفاظت کر سکے، اور حلال وحرام کا علم یا تو خود سے حاصل کرے یا اہل علم وبصیرت سے پوچھ کر کے معلوم کر لے۔ لیکن ان کے ساتھ یا ان کی کمپنیوں کے ساتھ معاملہ کرنے کے جواز کا حکم شرعی نگرانی کی شرط کے ساتھ نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ شرط لگانا تشدد اور شریعت کے وسیع دائرے کو محدود کرنا ہے۔

یہ قول درست ہے کہ کمپنی کے لئے شرعی نگرانی کے ہونے سے اس کے ساتھ کاروبار کرنے والے شرکا کو تحفظ حاصل ہوگا، لیکن اس کی موجودگی سے کاروبار کے جواز کو مشروط کرنے کی بات قابل غور اور محل نظر ہے۔

ترجیحی رائے اور اس کے ضوابط:

میرے نزدیک جو چیز راجح ہے، اور اللہ ہی کو بہتر علم ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں کی زیر ملکیت کمپنیوں کے تعلق سے اس قسم کے شیئرز کی پوزیشن مندرجہ ذیل ہے:

اول: مجلس انتظامیہ اور منتظم کے لئے کسی قسم کا حرام کاروبار کرنا درست نہیں، لہذا ان کے لئے سود پر نہ قرض دینا جائز ہے اور نہ لینا، اگر وہ ایسا کریں تو وہ اس جنگ میں گھس رہے ہیں جس کا اعلان اللہ تعالی نے ان کے خلاف کیا ہے، "فأذنوا بحرب من الله ورسوله"۔ خصوصاً ان حالات میں جب کہ اللہ نے مسلمانوں کے لئے بیشتر مقامات پر اسلامی بینکوں کا یا ان کی طرف سے اپنے تمام سرمایوں کو بیشتر اسلامی خیارات (Options) میں لگانے کا انتظام فرما دیا ہے۔

دوم: جہاں تک ان کمپنیوں میں، ان کے شیئرز خریدنے میں اور ان میں تصرف کرنے میں مسلمانوں کے شریک ہونے کا تعلق ہے تو وہ اس وقت تک جائز ہے جب تک ان کمپنیوں کے غالب سرمائے اور ان کے تصرفات حلال ہوں،

اگرچہ احتیاط کا پہلو یہی ہے کہ گریز کیا جائے۔

لیکن اس میں شریک ہونے والے کو مندرجہ امور کا لحاظ رکھنا چاہئے:

۱۔ ان کمپنیوں کے شیئرز کی خرید کے ذریعہ اس کا مقصد یہ ہو کہ وہ عام اجلاس یا مجلس انتظامیہ میں اپنے ووٹ کے ذریعہ کمپنی کو خالص حلال میں تبدیل کرے۔

۲۔ وہ اپنی پوری محنت اور اپنا سرمایہ حتی الوسع خالص اور حلال وطیب مال کی فراہمی میں لگا دے، اور صرف شدید ضرورت، مسلمانوں کے مصالح اور بڑی بڑی کمپنیوں کے ذریعہ ان کی اقتصادیات کو بڑھانے اور مضبوط کرنے کے پیش نظر ہی شبہ والی چیز کو اختیار کرے۔

۳۔ ان شیئرز کے حامل کو چاہئے کہ سود کے اس تناسب کو ملحوظ رکھے جو کمپنی بینکوں میں اپنے ڈپوزٹ شدہ سرمائے پر لیتی ہے، یہ کمپنی کے بجٹ کے ذریعہ یا کمپنی کا حساب رکھنے والے ذمہ داروں کے ذریعہ معلوم ہوگا، اگر اسے معلوم کرنا ممکن نہ ہو تو کوشش کر کے اس کا اندازہ لگائے، پھر اتنی مقدار عوامی فلاح و بہبود کے شعبوں میں صرف کردے۔

۴۔ کسی مسلمان کے لئے ایسی کمپنی کا قائم کرنا جائز نہیں جس کے نظام اساسی میں اس بات کی صراحت ہو کہ یہ کمپنی سودی قرضوں کے لین دین کا معاملہ کرے گی، اسی طرح جب تک یہ صورت ہو اس کمپنی کے قیام میں تعاون بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ گناہ اور زیادتی میں تعاون ہے، ہاں اس شخص کے لئے اس کی اجازت ہے جو کمپنی کے رخ کو حلال کی طرف موڑنے کی طاقت رکھتا ہو۔

سوم: مذکورہ ضوابط کے ساتھ ان شیئرز کی خرید وفروخت کی اباحت کا حکم اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب شیئرز عام ہوں، یا ترجیحی ہوں تو ان کی ترجیح مال کی بنیاد پر نہ ہو۔

ان دو قسموں کے علاوہ اقسام کا حکم علاحدہ طور سے بیان کیا جائے گا۔

جہاں تک ان کمپنیوں کے شیئرز کا تعلق ہے جو غیر مسلموں کی زیر ملکیت ہیں لیکن ان کا نظام حرام کاروبار کی صراحت نہیں کرتا ہے پھر بھی بعض لوگوں نے ایسی کمپنیوں کے سلسلے میں شدت سے کام لیا ہے (۹۱) لیکن سابقہ ضوابط کے ساتھ ان میں کاروبار کرنے میں مجھے کوئی حرج نہیں محسوس ہوتا، رباط میں ۲۰ تا ۲۵ ربیع الآخر ۱۴۱۰ھ میں "الأسواق المالية من الوجهة الإسلامية" کے عنوان سے منعقد کئے گئے سمینار میں یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ ایسی کمپنیوں کے شیئرز کا مالک ہونا یا ان کا اجراء درست ہے جن کا بنیادی مقصد تو حلال ہو مگر کبھی کبھی ان کو سودی کاروبار کرنے پڑتے ہوں.... سودی قرض کے لین دین کی حرمت، اس کی تبدیلی کے وجوب اور اس کے چلانے والے پر اعتراض اور اس کی مذمت کے ساتھ یہ حکم کمپنی کے مقصد کی مشروعیت کی بنا پر ہے، اور شیئر ہولڈر پر واجب ہے کہ جب وہ شیئر کا نفع حاصل کرے تو اس حصہ سے دستبردار ہو جائے جس کے بارے میں اس کا یہ گمان ہو کہ یہ سودی کاروبار سے حاصل شدہ نفع کے بقدر ہے، اور اسے رفاہی مصارف میں صرف کردے۔

اسی طرح "البرکۃ" کے سمینار برائے "اقتصاد اسلامی" میں باتفاق شرکاء مسلم ممالک میں کاروبار کرنے

والی کمپنیوں کے معاملات کو اسلامائز (Islamize) کرنے کے مقصد سے ان کے شیئرز کی خرید کو جائز قرار دیا گیا ہے، بلکہ شرکاء سیمینار نے اسے امر مطلوب قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں اس بات کے زیادہ امکانات ہیں کہ مسلمان احکام شریعت کی پابندی کریں، اور اکثریت کے ساتھ انہوں نے غیر مسلم ممالک میں کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید کو اس صورت میں جائز قرار دیا ہے، جب آمیزشوں سے پاک کوئی اور متبادل نہ ملے (۹۲)۔

اگر کمپنی کے نظام میں حرام کاروبار کی صراحت نہ ہو، اور سابقہ ضوابط کی پابندی کی جائے تو ایسی صورت میں جواز کا قول ہی روح شریعت سے ہم آہنگ ہے جس کی بنیاد سرمایہ کاری میں آسانی پیدا کرنے، اور حرج کو دور کرنے، اور عوام کی ضروریات کو ملحوظ رکھنے پر ہے، کیونکہ اگر اس میں حرام پایا بھی جارہا ہے تو وہ معمولی تناسب سے پایا جارہا ہے جو بقیہ مال میں مؤثر نہیں ہوگا، اسی طرح اس مقدار کو عوامی رفاہی مصارف میں خرچ کر کے اس سے بچا جاسکتا ہے، مزید یہ کہ مجموعی طور پر معقود علیہ بیع کا محل مباح امور ہیں، اور ان میں شرکت اختیار کرنا جائز ہے۔ صف اول کے کسی بھی بزرگ نے مجموعی طور پر اہل کتاب سے معاملہ کرنے سے نہیں روکا ہے، اور باوجودیکہ اہل کتاب کے تمام معاملات اور ان کے اموال اسلام کی مطلوبہ شرائط کے مطابق نہیں تھے، آپ ﷺ اور صحابہ کرام ان کے ساتھ معاملات کرتے تھے، چنانچہ امام بخاری نے ترجمہ قائم کیا ہے: "باب المزارعة مع اليهود" (یہودیوں کے ساتھ کاشتکاری کا باب) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "اس سے امام بخاری کی مراد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اس معاملہ کے جواز میں مسلمانوں اور ذمیوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے (۹۳)۔ اسی طرح صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک یہودی سے ادھار غلہ خریدا اور اپنی زرہ اس کے پاس بطور رہن رکھ دی (۹۴)۔ یہی حال صحابہ کرامؓ کا تھا، چنانچہ ان کے دور میں بھی فی الجملہ ان کے ساتھ معاملات ہوتے تھے اور اس کا رواج تھا (۹۵)۔

خلاصۂ بحث

۱۔ اسلام میں سرمایہ کاری کا ایک مخصوص اور منفرد نظام ہے جس کی بنیاد اقدار واخلاق اور عقیدہ پر ہے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ:

عمل اور سرمایہ کاری کے سلسلے میں مومن کا اقدام اس نقطۂ نظر سے شروع ہوتا ہے کہ کائنات کی تعمیر وترقی سے متعلق حکم الٰہی کا نفاذ ہو، اس کے عمل کا نقطۂ آغاز اس کے اس ایمان پر مبنی ہوتا ہے کہ سود اور دیگر محرمات مال کو گھٹانے اور مٹانے کا باعث ہیں، اور یہ کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا مال کی کثرت، برکت اور خیر کا باعث ہے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ مومن اللہ کی رضا کو اپنا نصب العین بناتا ہے، اسی کی خاطر وہ فقراء، یتیموں اور قیدیوں کے کھلانے کا اہتمام کرتا ہے، جبکہ کافر اپنے مفاد ہی کو بنیاد بناتا ہے اور اس کا خرچ کرنا اپنے ظاہری اور مادی مفاد ہی کی خاطر ہوتا ہے۔

اور اسی کا نتیجہ ہے کہ حیلے، فریب، استحصال، ذخیرہ اندوزی، ظلم، سود اور دیگر ایسے افعال جن کو اللہ تعالیٰ اور

رسول کریم ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، وہ حرام قرار پاتے ہیں۔

۲۔ اُسھم جمع ہے سھم کی، اس سے مراد وہ دستاویز ہے جو کمپنی کے اصل سرمایہ کے ایک حصہ کی نمائندگی کرتی ہے، یا اس سے مراد کسی سرمایہ دار کمپنی میں شیر ہولڈر کا حصہ ہے۔

۳۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز میں سرمایہ کاری جن کا کاروبار حرام ہو، جیسے سودی بینک اور وہ کمپنیاں جو خنزیر، نشہ آور اور مسکر اشیاء کا کاروبار کرتی ہیں، بغیر کسی اختلاف کے حرام ہے۔

۴۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز میں سرمایہ کاری جن کا کاروبار حلال ہو جیسے اسلامی بینکس اور اسلامی کمپنیاں، بلاشبہ جائز اور مباح ہے۔

۵۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز کا حکم مختلف فیہ ہے، جن کا کاروبار حلال ہو اور جن کے بنیادی نظام میں حرام کاروبار کرنا تو نہ ہو، لیکن کبھی کبھار ان کو سودی بینکوں سے قرض کے لین دین کا معاملہ کرنا پڑتا ہو۔

مقاصد شریعت اور مصالح مرسلہ کا تقاضا ہے کہ ایسی صورت میں مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ سرمایہ کاری کو جائز قرار دیا جائے:

۱۔ اس قسم کی کمپنیوں میں شیئرز ہولڈر کی شرکت کا مقصد کمپنی کا نظام تبدیل کرنا اور اس کو اسلامائز کرنا ہو۔

۲۔ بجٹ کے مطابق حرام مال کا جو تناسب ہے شیئر ہولڈر اس سے دستبردار ہو جائے اور اس حرام مال کو عوامی فلاح بہبود کے شعبوں میں صرف کر دے۔

جہاں تک ڈائرکٹر، مجلس انتظامیہ کے ممبران اور ان تمام افراد کا تعلق ہے جو سودی معاملات کے اندراج میں حصہ لیتے ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس وقت تک گنہگار رہیں گے جب تک کہ سود کو ترک نہ کر دیں۔

اسی کے ساتھ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ شبہات سے دور رہ کر حلال کی تلاش کرے، اور مسلم ممالک اور حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ اسلامی شریعت کی پابندی کریں، اور اپنے نظام کو سود، محرمات اور شبہات سے پاک کریں۔ والله المستعان

حواشی:

۱۔ ملاحظہ ہو: لسان العرب، طبع دار المعارف۔ القاموس المحیط اور المعجم الوسیط، مادہ ''ثمر''۔

۲۔ بدایۃ المجتہد، طبع الحلبی (۲۸۱/۲)۔

۳۔ ''مبدأ الرضا فی العقود، دراسۃ مقارنۃ'' (۱۹۸۵ء میں جامع ازہر میں پیش کردہ ڈاکٹریٹ کا مقالہ) از: ڈاکٹر علی القرہ داغی (۳۳۱/۱۔۳۵۳)۔

۴۔ المعجم الوسیط (۱۰۰/۱) مادہ ''ثمر''۔

۵۔ سورۂ نساء ۴/۲۔

۶۔ تفسیر کبیر، طبع دار احیاء التراث العربی، بیروت (۱۸۶/۹)۔

۷۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، طبع ہندوستان (۴/۱۰۷)، المجموع للنووی، طبع شرکۃ کبار العلماء (۳۲۹/۵)۔

۸۔ فقہ الزکاۃ، از: ڈاکٹر یوسف قرضاوی، طبع وہبہ، قاہرہ (۱۳۰/۱)۔

۹۔ سورہ حشر/۷۔

۱۰۔ سورہ انفال/۶۰۔

۱۱۔ سورہ ہود/۶۱۔

۱۲۔ تفسیر الماوردی المسمی: النکت والعیون، طبع أوقاف الکویت (۲۱۸/۲)۔

۱۳۔ بحوالہ ''منہج الادخار والاستثمار'' از: ڈاکٹر رفعت العوضی، طبع الاتحاد الدولی للبنوک الاسلامیہ (ص/۴۳)۔

۱۴۔ سورہ الانسان/۹۔

۱۵۔ سورہ ماعون/۱۔۳۔

۱۶۔ سورہ بقرہ/۲۷۶۔

۱۷۔ سورہ حدید/۲۳۔

۱۸۔ سورہ نساء/۲۹۔

۱۹۔ سورہ بقرہ/۲۷۸۔

۲۰۔ مسلم (۹۹/۱)، ابوداؤد مع عون المعبود (۳۲/۹)، ترمذی مع تحفۃ الأحوذی (۵۴۴/۴)، ابن ماجہ (۷۴۹/۲) میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گذرے، تو آپ ﷺ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈالا تو آپ ﷺ کی انگلیاں نم ہوگئیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اے غلے والے یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول اس پر پانی پڑ گیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''أفلا جعلته فوق الطعام كي يراه الناس؟ من غش فليس مني''۔ یہ حدیث ہر قسم کے دھوکہ اور حقیقت کو چھپانے کی حرمت کے باب میں صریح ہے۔

۲۱۔ نجش: ایسے شخص کی طرف سے قیمت بڑھا کر بولنے کو کہتے ہیں جس کا ارادہ سامان خریدنے کا نہ ہو، اس سے متعلق حدیث کے لئے دیکھئے: بخاری مع الفتح (۳۵۵/۴)، مسلم (۱۱۵۶/۳)۔

۲۲۔ تصریہ: کہتے ہیں جانور کے تھن میں اس مقصد سے دودھ روک لینے کو کہ اس کے تھن میں دودھ نظر آئے، اور حدیث اس کی ممانعت سے متعلق متفق علیہ ہے، دیکھئے صحیح بخاری مع الفتح (۳۶۱/۴)، مسلم (۱۱۵۵/۳)۔

۲۳۔ دیکھئے: مبدأ الرضائی العقود (ص/۸۴۷۔۸۵۰)۔

۲۴۔ صحیح بخاری مع الفتح (۳۳۷/۴)، مسلم (۱۱۶۵/۳)، مسند احمد (۱۲۹،۸۰/۲)، سنن أبی داؤد مع العون (۳۹۵/۹)، ترمذی مع التحفۃ (۴۵۵/۴) نسائی (۲۲۲/۷)، ابن ماجہ (۷۵۳/۲)۔

۲۵۔ اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مبدأ الرضائی العقود، ص/۸۵۲، اور اس کے بعد کے صفحات۔

۲۶۔ القاموس المحیط، لسان العرب، المعجم الوسیط، مادہ: ''سہم''۔

۲۷۔ النکت والعیون للماوردی، طبع أوقاف الکویت (۴۳۶/۳)، اور ملاحظہ ہو: أحکام القرآن لابن العربی، طبع دار المعرفۃ بیروت (۱۶۴۲/۴)۔

۲۸۔ ملاحظہ ہو: ڈاکٹر علی حسن یونس کی کتاب: الشرکات التجاریۃ، طبع الاعتماد، قاہرہ (ص/۵۳۹)، ڈاکٹر شکری حبیب شکری اور میشیل میکالا کی کتاب: شرکات الأشخاص اور شرکات الاموال علماً وعملاً، طبع الاسکندریۃ (ص/۱۸۴)، ڈاکٹر صالح بن زابن المرزوقی البقمی، طبع جامعۃ أم القری ۱۴۰۶ھ (ص/۳۳۲)، اور ڈاکٹر ابو زید رضوان کی کتاب: الشرکات التجاریۃ فی القانون المصری المقارن، طبع دار الفکر العربی، قاہرہ ۱۹۸۹ء (ص/۵۲۶)۔

۲۹۔ ڈاکٹر صالح البقمی: حوالہ سابق (ص/۳۳۷۔۳۳۸)۔

۳۰۔ بخاری نے تعلیقاً اسے روایت کیا ہے، کتاب الإجارۃ (۴/۴۵۱)۔

۳۱۔ سنن ترمذی مع شرح تحفۃ الأحوذی، کتاب الأحکام (۴/۵۸۴)۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: یہ اسانید اگر چہ ان میں سے ہر ایک علاحدہ طور پر ضعیف ہے لیکن مختلف طرق سے سب مل کر ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں (مجموع الفتاوی ۲۹/۱۴۷)۔

۳۲۔ مجموع الفتاوی، طبع ریاض (۲۹/۱۵۰) اور "عقود وشروط میں اصل اباحت ہے" کے اثبات کے لئے ملاحظہ ہو: مبدأ الرضائی العقود، طبع دار البشائر الإسلامیۃ (۲/۱۱۴۸)۔

۳۳،۳۴۔ مجموع الفتاوی (۲۹/۳۴۶، ۳۵۱)۔

۳۵۔ ملاحظہ ہو: گزشتہ فقہی مآخذ، اور ڈاکٹر عبد الغفار الشریف کا مجمع الفقہ الاسلامی کے چھٹے اجلاس میں پیش کردہ مقالہ (ص/۱۰۔۱۱)، اور ڈاکٹر محمد الحبیب الجرایۃ کا مقالہ بعنوان "الأدوات المالیۃ التقلیدیۃ" جو مجمع الفقہ کے چھٹے اجلاس میں پیش کیا گیا تھا، اور ڈاکٹر الخیاط کی کتاب: الشرکات، طبع الرسالۃ (۲/۹۴......)، نیز ڈاکٹر صالح بن زابن کی کتاب: شرکۃ المساھمۃ (ص/۳۳۴)۔

۳۶۔ دیکھئے: حوالہ سابق (ص/۳۳۰) از: ڈاکٹر صالح بن زابن الیٰمی، وہ تحریر فرماتے ہیں: "اس موقع پر ہم ان کے (علماء کے) اقوال کی تین قسمیں کرسکتے ہیں: ایک قسم وہ ہے جس میں شیئرز کا کاروبار علی الاطلاق حرام ہے، دوسری قسم کے مطابق علی الاطلاق ان کا کاروبار جائز اور درست ہے لیکن بعض کے نزدیک ان کا موجب حرمت اسباب سے خالی ہونا شرط ہے، تیسری قسم وہ ہے جس میں بعض قسم کے شیئرز جائز اور بعض حرام ہیں.........."

۳۷۔ اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: الشرکات فی الفقہ الإسلامی، از: شیخ علی الخفیف، طبع دار النشر للجامعات المصریۃ (ص/۹۶)، الشرکات فی الشریعۃ الإسلامیۃ والقانون الوضعی، از: ڈاکٹر عبد العزیز الخیاط، طبع المطابع التعاونیۃ ۱۹۷۱ء (۲/۱۵۴۔۲۱۲)، شرکۃ المساھمۃ فی النظام السعودی، از: ڈاکٹر صالح بن زابن، طبع جامعۃ أم القری ۱۴۰۶ھ (ص/۳۳۰)۔ شیئرز کی خرید وفروخت کو علی الاطلاق حرام قرار دینے والوں میں شیخ تقی الدین النبہانی ہیں، دیکھئے ان کی کتاب: النظام الاقتصادی فی الإسلام، طبع القدس ۱۹۵۳ (ص/۱۴۱۔۱۴۲) اور جو لوگ بغیر کسی تفصیل کے شیئرز کے کاروبار کی اباحت کے قائل ہیں ان میں ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ اور شیخ شلتوت ہیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ حضرات شیئرز کے محرمات سے خالی ہونے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ دیکھئے: فتاوی شیخ شلتوت، طبع الشروق (ص/۳۵۵) نیز سابقہ حوالہ جات۔

۳۸۔ زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، طبع مؤسسۃ الرسالۃ (۵/۷۴۶)۔

۳۹۔ شیخ تقی الدین النبہانی: النظام الاقتصادی فی الاسلام، طبع القدس، تیسرا ایڈیشن ۱۳۷۲ھ (ص/۱۳۳)۔

۴۰۔ النبہانی: حوالہ سابق (ص/۱۴۱۔۱۴۲)۔

۴۱۔ ڈاکٹر صالح بن زابن: حوالہ سابق (ص/۳۳۴)۔

۴۲۔ دیکھئے: شیخ عبد اللہ بن سلیمان: بحث فی حکم تداول أسھم الشرکات المساھمۃ (ص/۳.....)، اور شیخ محمد بن ابراہیم (مفتی الدیار السعودیہ) کا فتوی بابت قومی کمپنیوں کے شیئرز کے تداول کا جواز جو کتاب "فتاوی ورسائل" میں شامل ہے (۷/۴۲۔۴۳)۔

۴۳۔ ملاحظہ ہو: الموسوعۃ الفقہیہ (الکویتیہ) مصطلح "جہالۃ" (۱۶/۱۶۷)۔

۴۴۔ الفروق، طبع دار المعرفۃ (۳/۲۶۵۔۲۶۶)۔

۴۵۔ مجموع الفتاوی، طبع الریاض (۲۹/۲۲۷)۔

۴۶۔ الغرور وأثرہ (ص/۵۹۴)۔

۴۷۔ مجموع الفتاوی (۲۹/۲۳۳)۔

۴۸۔ ملاحظہ ہو: المغنی (۴۵/۵)، المجموع (۲۹۴/۹)، ڈاکٹر صالح بن زابن: حوالہ سابق (ص/۳۴۸) اور سابقہ دیگر حوالہ جات۔

۴۹۔ الاشباہ والنظائر للسیوطی، طبع عیسی الحلبی، قاہرہ (ص/۱۳۳) اور ملاحظہ ہو اسی موضوع کی ایک اور کتاب: الاشباہ والنظائر لابن نجیم، طبع مؤسسۃ الحلبی قاہرہ (ص/۱۲۱۔۱۲۲)۔

۵۰۔ صحیح بخاری مع الفتح، طبع السلفیہ۔ المساقاۃ (۴۹/۵)، مسلم، طبع عیسی الحلبی۔ البیوع (۱۱۷۳/۳)، احمد (۱۵۰/۲)، موطا (ص/۳۷۸)۔

۵۱۔ فتح الباری (۵۱/۵)۔

۵۲۔ الموطا (ص/۳۷۸)۔

۵۳۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۸۰/۴) میں لکھا ہے، جسے بزاز نے روایت کیا ہے، اور اس میں موسیٰ بن عبیدہ ہیں جو ضعیف ہیں۔

۵۴۔ تقریب التہذیب (۲۸۶/۲)، مجمع الزوائد (۸۰/۴)۔

۵۵۔ سابقہ تمام حوالہ جات۔

۵۶۔ صحیح بخاری مع الفتح، الایمان (۱۲۶/۱)، مسلم، المساقاۃ (۱۲۲۰/۳)، احمد (۲۶۷/۴)۔

۵۷۔ فتح الباری (۱۲۷/۱)۔

۵۸۔ الاشباہ والنظائر للسیوطی (ص/۹۷۔۹۸)، الأشباہ والنظائر لابن نجیم (ص/۹۱۔۹۲)۔

۵۹۔ شرح القواعد الفقہیہ، از: شیخ احمد الزرقا، طبع دار الغرب الاسلامی (ص/۱۵۵)۔

۶۰۔ حوالہ سابق۔

۶۱۔ حاشیہ ابن عابدین، طبع دار احیاء التراث العربی، بیروت (۳۶/۵۔۳۷)۔

۶۲۔ حاشیہ ابن عابدین (۳۹/۵)۔

۶۳۔ لوگوں کی ضرورت کی بنا پر بیع عرایا کی رخصت کے لئے دیکھئے: صحیح بخاری مع الفتح (۳۹۰/۴)، مسلم (۱۱۶۸/۳)، احمد (۱۸۱/۵)۔ عریہ کہتے ہیں: کھجور کے درخت پر لگے ہوئے کھجوروں کو ٹوٹے ہوئے کھجوروں کے عوض اندازے اور تخمینہ سے بیچنا۔

۶۴۔ آپ ﷺ سے خشک کھجوروں کے عوض تازہ کھجوروں کی بیع کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کیا خشک ہونے کے بعد کھجوروں میں کمی ہو جاتی ہے؟ عرض کیا گیا: ہاں، تو آپ نے فرمایا: "تب تو نہیں"۔ دیکھئے: مسند الشافعی (ص/۵۱)، احمد (۳۱۴/۳)، ترمذی (۲۳۱/۱)، نسائی (۲۶۹/۷)، ابن ماجہ (۷۶۱/۲)، سنن ابی داؤد (۲۵۱/۳)، السنن الکبری (۲۹۴/۵) اور دیکھئے: تلخیص الحبیر (۹/۳۔۱۰)۔

۶۵۔ مجموع الفتاوی (۲۲۷/۲۹، ۴۹)۔

۶۶۔ الأشباہ والنظائر لابن نجیم (ص/۹۳۔۱۰۳۔۱۰۴) اور ابن عابدین کے رسائل کے ضمن میں ملاحظہ ہو: نشر العرف فی بناء بعض الأحکام علی العرف، طبع آستانہ (۱۱۵/۲۔۱۱۸)۔

۶۷۔ اعلام الموقعین، طبع شقرون قاہرہ (۷۸/۳)۔

۶۸۔ قواعد الأحکام (۱۵۹/۲)۔

۶۹۔ الاسواق المالیہ، از: ڈاکٹر علی السالوس: ایک مقالہ جو آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں پیش کیا گیا تھا (ص/۷)۔

۷۰۔ الشرکات للشیخ علی الخفیف (ص/۹۶۔۹۷)، شیخ ابوزہرہ کا مقالہ جو مجمع البحوث الاسلامیہ کی دوسری کانفرنس کی مطبوعات کے ساتھ شائع کیا گیا تھا (۱۸۴/۲)، ڈاکٹر الخیاط کی کتاب: الشرکات فی الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الوضعی، طبع الرسالۃ (۱۸۷/۲)، ڈاکٹر وہبہ الزحیلی کا مجمع الفقہ الاسلامی کے چھٹے اجلاس میں پیش کردہ مقالہ (ص/۵)، ڈاکٹر صالح بن

زابن: حوالہ سابق (ص ۳۴۲) اور قاضی عبداللہ بن سلیمان کا محولہ بالا مقالہ۔

۷۱۔ سابقہ مراجع، خاص طور سے شیخ عبداللہ بن سلیمان کا مقالہ، جس میں موصوف نے بہت اچھی تفصیل بیان فرمائی ہے۔

۷۲۔ مجموع الفتاوی، طبع الریاض (۲۹/ ۳۲۰۔ ۳۲۱)۔

۷۳۔ الاشباہ والنظائر لابن نجیم (ص ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴)، اور ملاحظہ ہو: حاشیہ ابن عابدین (۴/ ۱۳۰)۔

۷۴۔ بدائع الصنائع (۶/ ۱۴۴)۔

۷۵۔ فتاوی ابن رشد، تحقیق: المختار بن الطاہر التلیلی طبع دار الغرب الاسلامی (۱/ ۶۳۱۔ ۶۳۹)، مواہب الجلیل (۵/ ۷۷)

۷۶۔ قواعد الأحکام (۱/ ۷۲۔ ۷۳)۔

۷۷۔ المنثور فی القواعد، طبع اوقاف الکویت (۲/ ۲۵۳)۔

۷۸۔ الاشباہ والنظائر للسیوطی (ص ۱۲۰۔ ۱۲۱)، وحاشیہ القلیوبی مع عمیرۃ علی المنہاج (۲/ ۱۸۶)۔

۷۹۔ المجموع للنووی (۹/ ۳۵۴)، طبع المنیریہ۔

۸۰۔ مجموع الفتاوی (۲۹/ ۳۱۱۔ ۳۲۳)۔

۸۱۔ مجموع الفتاوی (۲۹/ ۲۷۲۔ ۲۷۳)۔

۸۲۔ حوالہ سابق (۲۹/ ۳۰۸)۔

۸۳۔ بدائع الفوائد (۳/ ۲۵۷)۔

۸۴۔ گزشتہ مراجع اور شیخ عبداللہ بن سلیمان کا مقالہ (ص ۱۶)۔

۸۵، ۸۶۔ گزشتہ مراجع اور شیخ عبداللہ بن سلیمان کا مذکورہ مقالہ۔

۸۷۔ ملاحظہ ہو: جمل الأحکام للناطفی، از ہر میں ایم اے کا مقالہ، تحقیق: حمد اللہ سید (ص ۳۷۰۔ ۳۸۱)۔

۸۸۔ مجموع الفتاوی (۲۹/ ۲۴۱)، اسی طرح انہوں نے اس شخص کے سلسلے میں جس کے مال میں حرام کی آمیزش ہو اغلب کے اعتبار کا قاعدہ ذکر کیا ہے۔

۸۹۔ مجموع الفتاوی (۲۹/ ۳۱۹۔ ۳۲۳)۔

۹۰۔ حوالہ سابق (۲۹/ ۳۲۷)۔

۹۱۔ شیخ عبداللہ بن سلیمان کا سابقہ مقالہ (ص ۳۱)، اس میں انہوں نے مسلمانوں کی زیر ملکیت کمپنیوں کے شیئرز کی خرید کی اجازت دی ہے، خواہ ان کا کاروبار سود پر ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ ان کا بیشتر معاملہ اور ان کے غالب سرمائے حلال ہوں، لیکن انہوں نے غیر مسلموں کی زیر ملکیت کمپنیوں کے شیئرز کے مالک ہونے کو ناجائز قرار دیا ہے، البتہ اس صورت میں اس کو جائز قرار دیا ہے جب وہ بالفعل ان کا رخ تبدیل کرنے اور علی الاطلاق ان کو حرام کاروبار سے روکنے پر قادر ہو، انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ شیخ صالح کامل نے ان سے بتایا کہ وہ اس طرح کے پچاس حصص کمپنیوں میں شراکت کر کے اور اس کے بعد یہ شرط لگا کر ان کو شرعی احکام کی پابندی کرنے والی شراکت دار کمپنیوں میں تبدیل کر چکے ہیں۔

۹۲۔ الفتاوی الشرعیہ فی الاقتصاد، طبع مجموعہ برکۃ ۱۴۱۱ھ (ص ۱۷)۔

۹۳۔ صحیح بخاری مع فتح الباری، طبع السلفیہ (۵/ ۱۵)۔

۹۴۔ حوالہ سابق (۵/ ۱۴۲)۔

۹۵۔ المغنی لابن قدامہ (۴/ ۲۲۵۔ ۲۲۷)۔

☆☆☆☆

شیئرز، شیئر مارکیٹ اور کمپنی
ایک مختصر جائزہ و تعارف

از.......... جناب ارشاد باقوی، بنگلور

(الف) حصص (شیئرز) کی مختلف اقسام۔

(ب) حصص بازار (شیئرز مارکیٹ) میں حصص کی مختلف اقسام اور اس کی اشکال۔

(ج) تجارت کے لحاظ سے قومی و عالمی بازار میں حصص کا مقام۔

(د) حصص کی قیمت کے اتار چڑھاؤ، حصص کی خرید و فروخت اور مستقبل میں اس کی فروخت کے سلسلے میں اس سے متعلق استدلال۔

(ھ) حصص کے کاروبار میں حصص بازار (شیئرز مارکیٹ) کا کردار۔

(و) حصص کے تصدیق ناموں (سٹیفکیٹ) کی ملکیت کا مطلب۔

(ز) حصص کے کاروبار پر سود کا اثر۔

(ح) حصص کے کاروبار میں رونما ہونے والی جدید ترین تبدیلیاں۔

ہندوستانی شیئر بازار

کاروباری افراد اور ان کے کاروباری منصوبوں (Projects) کے لئے فنڈ کی فراہمی کے مختلف مآخذ میں سے ایک سرمایہ بازار (Capital Market) ہے، بینکوں اور مالیاتی اداروں کے ذریعہ دیئے جانے والے میقاتی قرضوں یا بینک سے مہیا کئے جانے والے کاروباری سرمایہ کی مانند رقم براہ راست عوام الناس سے سرمایہ بازار کے ذریعہ بھی حاصل کی جاسکتی ہے، جس کا استعمال کاروباری منصوبوں کو تکمیل تک پہونچانے کے لئے ایک حصے کے طور پر کیا جاسکتا ہے، یہ رقم Shares (حصص Debenture) کسی کمپنی کی طرف سے قرض لی ہوئی رقم کا سٹیفکیٹ، دستاویز قرض، یا Bond (تمسک) وغیرہ کے ذریعے حاصل کی جاسکتی ہے۔

جب ایک کاروباری کمپنی رفرد بنیادی طور پر فنڈ کے حصول کے لئے عوام الناس تک (ایک درمیانی رابطہ کے ذریعے جسے (Merchant Banker) کہتے ہیں) پہونچتا ہے اور اس سلسلے میں حصص کے تصدیق نامے (سرٹیفکیٹ) جاری کرتا ہے، (یا ڈبینچر سرٹیفکیٹ جاری کرتا ہے) تو ابتدائی بازار (Primary Market) میں اسے پبلک ایشو (Public Issue) کے نام سے جانا جاتا ہے، اس طریقے کے تحت سرمایہ کاری کرنے والے عوام اپنی رقم کمپنی میں لگاتے ہیں اور رقم لگانے کے تصدیق نامے کے بطور شیئر سرٹیفکیٹ (حصص تصدیق نامے) حاصل کرتے ہیں، اس طرح سے کمپنی کے اصل سرمائے کی رقم میں حصہ دار ہونے کے ناطے سرمایہ کاری کرنے والے افراد کمپنی کے حصہ دار (Share Holder) بن جاتے ہیں، کمپنی کے شیئر ہولڈر کمپنی کے ذریعے حاصل کردہ نفع میں حصہ دار

ہوتے ہیں۔ یہ نفع انہیں نفع کی رقم (Dividend) کی شکل میں یا بعض اوقات اضافی حصص کے اجراء کی شکل میں (یہ حصص بلا قیمت دیئے جاتے ہیں جنہیں (Bonus Share) کہا جاتا ہے حاصل ہوتا ہے، حصہ دار جب تک اس کی مرضی ہو حصص اپنے قبضے میں رکھ سکتا ہے اور کمپنی کو حاصل ہونے والے نفع یا بونس وغیرہ میں حصہ دار ہوتا ہے۔

اگر کسی وقت حصہ دار اپنی سرمایہ لگائی گئی رقم واپس چاہتا ہے تو وہ کمپنی کو وہ حصص واپس نہیں کر سکتا جو کمپنی نے اس کے نام جاری کئے تھے، بلکہ اسے یہ حصص سرمایہ کاری میں دلچسپی رکھنے والے کسی دوسرے شخص کو فروخت کرنا پڑتے ہیں جو کہ ان کو خریدنا اور بدلے میں ان حصص کی رقم پہلے سرمایہ کار کو ادا کرنا چاہتا ہے ، اس سودے میں چونکہ خریدار براہ راست کمپنی سے حصص حاصل نہیں کرتا بلکہ کسی دوسرے شیئر ہولڈر سے حصص کے تصدیق نامے خریدتا ہے اس لئے اس سودے کو ثانوی بازار (Secondary Market) کے نام سے معنون کیا جاتا ہے، ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا ہے کہ فروخت کنندہ کو حصص کے لئے خریدار فوری طور پر دستیاب ہو جائے لہذا فروخت کنندہ کو ایک درمیانی شخص تک رسائی کرنا پڑتی ہے جسے بروکر (Broker شیئر دلال) کہتے ہیں، اس قسم کے بہت سے حصص دلال (بروکر) اپنے گاہکوں، خریداروں اور فروخت کنندگان سے آرڈر لیتے ہیں اور ایک مخصوص وقت میں ایک مخصوص مقام پر دوسرے دلالوں سے ان آرڈروں کا تبادلہ (Exchange) کرتے ہیں، وہ مقام جہاں حصص دلال اکٹھا ہوتے ہیں اسٹاک ایکسچینج (Stock Exchange) کہتے ہیں، حصص دلال اس اسٹاک ایکسچینج کے ارکان ہوتے ہیں، کسی اسٹاک ایکسچینج میں صرف اس کے ممبر دلال ہی سودے کر سکتے ہیں، اسٹاک ایکسچینج کے مخصوص ضابطے اور اصول ہوتے ہیں جن پر عمل درآمد ہر ممبر دلال کے لئے لازمی ہوتا ہے، ان ضوابط کو اس لئے تشکیل دیا جاتا ہے کہ سرمایہ کار کے مفادات کی حفاظت کی جا سکے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ حصص دلال سودے والے دن ہی رقم یا حصص کا تبادلہ کریں بلکہ کھاتوں میں ان سودوں کی تفصیلات کا اندراج کر لیا جاتا ہے اور اسٹاک ایکسچینج کے ارباب اختیار تک ان کی رپورٹ پہونچا دی جاتی ہے، اسٹاک ایکسچینج اپنے ہر رکن کے سودوں کی تفصیلات کا باقاعدہ ریکارڈ رکھتا ہے اور معاملات طے ہونے کی مدت کے بعد جو کہ عام طور پر ایک ہفتہ ہوتی ہے، حصص نئے خریدار تک پہونچا دیئے جاتے ہیں اور ان کے بدلے میں رقم کی ادائیگی کر دی جاتی ہے۔

اسٹاک ایکسچینج

دنیا کے سب سے پہلے اسٹاک ایکسچینج نے ۱۶۱۱ء میں ایمسٹرڈم میں ایک بے چھت صحن میں کام کرنا شروع کیا۔ ہندوستان میں اسٹاک ایکسچینج کا آغاز اٹھارویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں ہوا، اس وقت سرمایہ بازار محض ایسٹ انڈیا کمپنی کے قرضہ جاتی اسٹاک کے تبادلے تک محدود تھا۔ ۱۸۳۰ء میں امریکی خانہ جنگی کے بعد کپڑا بننے کی ملوں میں اچانک بے حد ترقی ہوئی اور ہندوستان سے کپڑے کی برآمد میں روز افزوں اضافہ ہوا جس کے نتیجے میں کارپوریٹ اسٹاک (اجتماعی تمسکات) رو بہ ظہور ہوئے اور بمبئی، کلکتہ اور احمد آباد اسٹاک ایکسچینج کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۸۷۵ء میں "دیسی حصص و حصص دلال ایسوسی ایشن" کے قیام کے بعد بمبئی اسٹاک ایکسچینج قائم کیا گیا۔ پہلی اور

دوسری جنگ عظیم کے بعد تجارت اور کاروبار کے میدان میں بڑی تیزی سے مثبت تبدیلیاں روبہ عمل ہونے لگیں جن کے نتیجے میں نئی کمپنیاں قائم ہوئیں اور حصص کے کاروبار کو فروغ ہوا، لہذا کئی ایک علاقائی اسٹاک ایکسچینج مثلاً بنگلور، مدراس، کانپور، دہلی وغیرہ قائم ہوئے۔

اسٹاک ایکسچینج ایک نیلام بازار ہوتا ہے جہاں خریدار اور فروخت کنندگان اپنے اپنے گاہکوں کے آرڈروں کی تعمیل میں حصص اور ہنڈیوں (Securities) کا تبادلہ کرتے ہیں۔ حصص کے کاروبار میں اسٹاک ایکسچینج ایک کلیدی کردار ادا کرتا ہے چونکہ اس کے ذریعہ حصص اور ہنڈیوں کی خرید وفروخت کی سہولت حاصل ہوتی ہے اور یہ تبادلہ یا کاروبار ایک با قاعدہ اور باضابطہ انداز سے انجام پاتا ہے۔

وہ کمپنی جس نے پبلک ایشو کے ذریعہ حصص کے اجراء کے بعد سرمایہ اکٹھا کیا ہے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اسٹاک ایکسچینج میں اپنے حصص کا اندراج کرائے تا کہ حصص کی خرید وفروخت کا کاروبار بسہولت ہو سکے اور سرمایہ کاری کرنے والے افراد کو ان کے حصص کے بدلے بہ آسانی رقم فراہم کی جا سکے۔ اسٹاک ایکسچینج کسی بھی کمپنی کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے حصص کا اندراج کرائے، اور بعد ازاں ان (کے تبادلے) کا کاروبار کر سکے، لیکن اس سے قبل اسٹاک ایکسچینج کے اصول وضوابط کی پابندی کرنے کا اقرار لازمی ہے، عام سرمایہ کار جو حصص کو خریدنا یا فروخت کرنا چاہتا ہے اسے ایسے حصص دلال کے پاس اپنا آرڈر نوٹ کرانا پڑتا ہے جو اسٹاک ایکسچینج کا ممبر ہو، وہ دلال اسٹاک ایکسچینج کے ہال میں اپنے گاہک کی جانب سے دوسرے دلال ممبر کے ساتھ حصص کو فروخت کرتا یا خریدتا ہے، اس سودے میں حصص کی وہی قیمت ادا یا وصول کی جاتی ہے جو کہ اس مخصوص دن اس حصص کی ہوتی ہے، دلال گاہک سے اپنی دلالی کی فیس بھی وصول کرتا ہے۔

سرمایہ بازار کے دستاویزات (Instrument) کی مختلف اشکال

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے سرمایہ بازار (Capital Market) میں مختلف قسموں کے دستاویزات (Instrument) مثلاً حصص، دستاویز قرض (Debenture) تمسکات (Bond) اور وارنٹ ضمانتی دستاویز (Warrants) وغیرہ کا لین دین کیا جاتا ہے۔ اگرچہ شیئر بازار میں سب سے زیادہ کاروبار مساوی حصص (Equity Share) کا ہوتا ہے، لہذا اسی وجہ سے شیئر بازار کی اصطلاح زبان زد خاص و عام ہے اور اسٹاک مارکیٹ یا کیپٹل مارکیٹ کی اصطلاحوں کو زیادہ استعمال نہیں کیا جاتا۔

سرمایہ بازار (Capital Market) کے دو حصے۔ شیئر بازار اور قرض بازار۔ ہوتے ہیں۔

قرض بازار (Debt Market) میں دستاویزات قرض اور تمسکات وغیرہ کی خرید وفروخت ہوتی ہے، یہ اس قسم کی ہنڈیاں ہوتی ہیں جن پر ایک مقررہ مدت میں مقررہ شرح کے لحاظ سے سود ادا کیا جاتا ہے، کمپنی ان کے خریدار کو لگاتار با قاعدہ طے شدہ شرح کے حساب سے سود ادا کرتی رہتی ہے اور ایک معینہ مدت کے بعد کمپنی ان کو واپس لے کر ان میں لگائی گئی رقم سرمایہ کاروں (Investors) کو واپس کر دیتی ہے، اس ہنڈی کے سرمایہ کار کو کمپنی

کے ہونے والے نفع میں کسی قسم کی حصہ داری کا حق حاصل نہیں ہوتا ہے اور سرمایہ میں لگائی گئی رقم (شیئر کی اصل قیمت) میں کسی قسم کا اضافہ بھی نہیں ہوتا ہے، سرمایہ کار کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس معینہ مدت تک جب تک کے لئے یہ ہنڈیاں جاری کی گئی ہیں ان پر سود حاصل کرتا رہے اور بعد میں ان حصص کی قیمت کمپنی سے واپس لے، یا پھر ان کو درمیان ہی میں کسی ایسے دفتر کو حصص دلال یا اسٹاک ایکسچینج کے ذریعہ فروخت کر دے جو ان کی خریداری میں دلچسپی رکھتا ہو۔

شیئر بازار کسی کمپنی کے حصص کی لین دین / خرید و فروخت میں معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے۔ "حصص (شیئرز) کا مطلب کمپنی کے حصص سرمایہ میں حصہ داری ہے"۔ اس کے ذریعہ کمپنی کے سرمایہ میں کسی حصے دار (Share Holder) کے ذریعہ کیا جانے والا تعاون واشتراک ہے۔ حصص بنیادی طور پر حساب کی ایک اکائی ہے جس کے ذریعہ سرمایہ کار کے کمپنی میں مفادات کا تعین کیا جاتا ہے۔ حصص ایک ایسی دستاویز ہے جو شیئر ہولڈر کو کمپنی کی ملکیت کا مختار بناتی ہے، حصص یا تو کمپنی کے ذریعہ جاری کئے جاتے ہیں یا اسٹاک بازار میں انہیں خریدا جا سکتا ہے۔

کمپنی قانون ۱۹۵۶ء کی رو سے ایک پبلک لمیٹڈ کمپنی دو طرح کے شیئر بنا سکتی ہے اور ان کا اجراء کر سکتی ہے، یہ دو اقسام ترجیحی سرمایہ حصص اور مساوی سرمایہ حصص ہیں۔ ترجیحی شیئر ہولڈر کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ ایک مقررہ اور متعینہ نفع حاصل کرے اور اپنا اشتراک شدہ سرمایہ بعد میں واپس وصول کرلے اگر کمپنی کسی وجہ سے بند ہو جاتی ہے، حالانکہ ترجیحی حصص کے مالکان کو کمپنی کے معاملات اور جنرل میٹنگوں میں حق رائے دہی حاصل نہیں ہوتا ہے۔

مساوی حصص سرمایہ اس بات کی ضمانت نہیں ہے کہ حصص کی رقم کمپنی کی جانب سے واپس کر دی جائے گی۔ حالانکہ کسی قسم کی رقم کی واپسی کی ضمانت نہیں ہوتی لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس قبیل کے سرمایہ کار کو حاصل ہونے والے متوقع منافع کی کوئی حد بھی مقرر نہیں ہوتی، اس قسم کے حصص میں نقصان کا بھی اندیشہ ہوتا ہے لہذا انہیں زیادہ خطرے والے حصص کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، مساوی حصص میں یہ مالی نقصان پوشیدہ ہوتا ہے کہ اگر کمپنی نقصان سے گذرتی ہے یا اسے کسی وجہ سے بند کرنا پڑتا ہے تو سرمایہ کار کو بھی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ لیکن بہ صورت دیگر اگر کمپنی اپنے کاروبار میں ترقی حاصل کرتی ہے اور زیادہ نفع حاصل کرتی ہے تو اسے حصص میں سرمایہ لگانے والے افراد کو اسی تناسب سے فائدہ بھی ہوتا ہے۔ مساوی حصص کے مالکان سرمایہ کاروں کو ان کے حصص کی تعداد کے لحاظ سے کمپنی کی میٹنگوں میں تمام قراردادوں اور فیصلوں کے بارے میں اپنے حق رائے دہی کے استعمال کا حق بھی حاصل ہوتا ہے۔

مساوی حصص (Equity Shares)

زیادہ بہتر اور خوش نما مواقع مہیا کرنے کی صلاحیت رکھنے کے باعث عام طور پر لوگ مساوی شیئر کی خرید و فروخت میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں اور شیئر بازار میں ان کا زیادہ لین دین ہوتا ہے۔ کمپنی کے ہر شیئر کی قیمت ہوتی ہے جو کہ بالعموم ۱۰/۱۵ روپے ہوتی ہے، ہر ایک شیئر ہولڈر کو اس کے ذریعہ کمپنی میں لگائے گئے سرمائے کے حساب سے حصص کے تصدیق نامے دئے جاتے ہیں اور اس کے کمپنی میں کتنے حصص ہیں اس کا تعین کیا جاتا ہے۔ یہ حصص تصدیق نامے بالعموم ۱۰۰ حصص کے لئے (ایک تصدیق نامہ کے حساب سے) جاری کئے جاتے ہیں جنہیں (Market Lot) کہتے

ہیں۔ سرمایہ کاران حصص کو ۱۰۰ کی لوٹ (Lot) میں بہ آسانی ثانوی بازار میں فروخت کرسکتا ہے، اگر کسی سبب سے سرمایہ کار سو سے کم حصص کے تصدیق نامہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ یا تو انہیں اس تعداد میں بازار سے خرید سکتا ہے یا پھر اپنے حصص کو چھوٹے حصوں میں تقسیم کرسکتا ہے۔

وہ کمپنی جو حصص جاری کرتی ہے اس کے ایک رجسٹر میں تمام حصص کے سرمایہ کاروں کے ناموں کا اندراج کرلیا جاتا ہے، اگر حصص کا مالک ان حصص کو کسی دوسرے شخص کو فروخت کرتا ہے تو خریدار کو ان حصص کو پھر سے کمپنی کے پاس بھیجنا پڑتا ہے تاکہ یہ حصص اس کے نام منتقل کئے جاسکیں، کیوں کہ اب نیا خریدار ہی ان حصص کا جائز مالک ہے۔ زیادہ تر کمپنیاں چند باہری ایجنٹوں کو جنہیں حصص منتقلی ایجنٹ (Share Transfer Agent) کہتے ہیں، حصص کی منتقلی کی دفتری کارروائی کے لئے مقرر کرتی ہیں تاکہ اس منتقلی کا عمل زیادہ بہتر اور تیزی سے مکمل کیا جاسکے۔ اگر خریدار چاہے تو وہ ان حصص کو اپنے نام سے منتقل کرائے بغیر ہی فوری طور پر بازار میں فروخت کرسکتا ہے۔

حصص کی قیمتوں میں حرکت / اتار چڑھاؤ

خریدار و فروخت کنندہ کی ضروریات کے لحاظ سے کسی بھی کمپنی کے حصص کا بار بار لین دین کیا جاسکتا ہے، اگر کمپنی کی کارکردگی بہتر ہے اور وہ زیادہ نفع حاصل کررہی ہے تو اس کمپنی کے حصص کی بازار میں بہت زیادہ مانگ (Demand) ہوتی ہے، کیوں کہ ہر ایک اس کمپنی کے حصص کو خریدنے میں دلچسپی رکھتا ہے، جب مانگ بڑھتی ہے، اور فراہمی (Supply) چوں کہ محدود ہوتی ہے لہذا حصص کی قیمت بھی بڑھ جاتی ہے۔ اگر مانگ لگاتار بڑھتی رہتی ہے تو حصص کی قیمتیں بھی زیادہ اور زیادہ بڑھتی رہتی ہیں، اگر کسی کمپنی کی خراب کارکردگی کی بنا پر کمپنی کے حصص کے مالکان (Share Holders) حصص کو زیادہ تعداد میں فروخت کرتے ہیں یا بہتر کارکردگی کی صورت میں نفع حاصل کرنے کے لئے حصص کے مالکان حصص کو زیادہ تعداد میں فروخت کرتے ہیں تو چونکہ بازار میں حصص کی فراہمی (Supply) بڑھ جاتی ہے لہذا ان کی قیمت میں گراوٹ آجاتی ہے۔

سرمایہ کار اس وقت جبکہ حصص کی قیمت میں کمی آجاتی ہے حصص خرید سکتے ہیں اور انہیں اس وقت ثانوی بازار میں فروخت کرسکتے ہیں جبکہ ان کی قیمت بڑھ گئی ہو۔ قیمت خرید اور قیمت فروخت کا فرق ہی بالحقیقت "اصل سرمایہ نفع" (Capital Gain) ہوگا یا اصل نقصان (Loss) ہوگا اگر قیمت خرید زیادہ اور قیمت فروخت کم ہو۔

محصولیاتی زاویہ (Tax Angle)

حصص کی لین دین کے ذریعہ ہونے والے منافع آمدنی پر محصول (Incomtax) کی ادائیگی لازمی ہے، اگر سرمایہ کار حصص کو ایک سال تک اپنی ملکیت میں رکھتا ہے اور بعد ازاں اس کو فروخت کردیتا ہے تو اس سے حاصل ہونے والے نفع کو "طویل المدتی سرمایہ نفع" (Long term capital gain) کہتے ہیں اور اس پر ۲۰ / فیصد کی شرح سے آمدنی ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ اگر حصص کو ایک سال کے دوران ہی خریدا اور بیچا جاتا ہے تو اس سے حاصل ہونے والے نفع کو "مختصر المدتی سرمایہ نفع" (Short term capital gain) کہتے ہیں اور افراد پر لاگو ہونے والی

عمومی شرح کے حساب سے ٹیکس کی رقم کا تعین کیا جاتا ہے جو کہ طویل المدتی سرمایہ نفع کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔طویل المدتی یا مختصر المدتی سرمایہ کاری کے نتیجے میں حاصل ہونے والا نقصان کل نفع میں سے منہا کر کے باقی بچ رہنے والی رقم پر ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔

غیر مقیم ہندوستانیوں NRIs اور غیر ممالک میں ان کے ذریعہ قائم کردہ کاروباری اداروں (OCBs) کے ذریعہ کی جانے والی سرمایہ کاری

ہمارے ملک کے مختلف کاروباری منصوبوں میں سرمایہ کاری کے لئے غیر مقیم ہندوستانیوں اور ان کے ذریعے غیر ممالک میں قائم کردہ کاروباری اداروں (Overseas Corporate Bodies) کو متوجہ کرنے اور اس ضمن میں ان کی حوصلہ افزائی کرنے کی غرض سے قومی حکومت انہیں مختلف قسم کی سرمایہ کاری سہولیات مہیا کرتی ہے تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ مناسب رقم ہندوستانی کمپنیوں کے حصص میں لگا سکیں۔ یہ سہولت انہیں ابتدائی اور ثانوی دونوں بازاروں میں مہیا کی جاتی ہے۔ مثلاً NRIs اور OCBs کے لئے پبلک ایشوز ترجیحی حصص میں ایک مخصوص حصہ ریزرو کر دیا جاتا ہے اور سرمایہ کاری کے ذریعہ حاصل ہونے والے فائدے رمنافع وغیرہ کو غیر ممالک میں منتقل کرنے کی اجازت ہوتی ہے، مزید برآں انہیں "طویل المدتی سرمایہ نفع" پر رعایتی شرح پر آمدنی ٹیکس ادا کرنے کی سہولت بھی حاصل ہوتی ہے۔

عالمی (بین الاقوامی) ایشوز

ہندوستانی کمپنیوں کے حصص کا اندراج ملک کے ایک یا ایک سے زائد اسٹاک ایکسچینجوں میں ہوتا ہے۔ ملک میں معاشی رواداری (Liberalisation) کے تعارف وفروغ کے بعد قومی کمپنیوں کا مطمح نظر وسیع تر ہوا ہے، اور عالمی سطح پر بھی ان کی کوششیں جاری ہیں۔ ملکی کمپنیاں عالمی فنڈ حاصل کرنے کی کوششیں کر رہی ہیں جو کہ قومی فنڈ کی شرح سود کے مقابلے میں سستا پڑتا ہے۔ حکومت نے غیر ملکی اداراتی سرمایہ کاروں (Foreign Institutional Investors) کو اس امر کی اجازت دی ہے کہ وہ ہندوستانی سرمایہ بازار میں سرمایہ کاری کریں، اور اسی کے ساتھ ساتھ دوسری جانب حکومت نے ہندوستانی کمپنیوں کو یہ سہولت بھی مہیا کی ہے کہ وہ عالمی جمع رسید (Global Deposit Receipts "GDR") جاری کریں اور عالمی بازار کے توسط سے اپنے حصص کو فروخت کرنے کی کوشش کریں۔ GDR کا اندراج لندن، لکزمبرگ، اور نیویارک اسٹاک ایکسچینجوں میں کیا گیا ہے جہاں ان کا کاروبار ہوتا ہے۔

شیئر بازار میں رونما ہونے والی حالیہ تبدیلیاں

ہندوستانی شیئر بازار اب سن بلوغ کو پہونچ رہا ہے حصص کے کاروبار میں جدید ترین تکنیک کا استعمال کیا جا رہا ہے جس کی وجہ سے سرمایہ کار کے لئے زیادہ شفافیت (Transperancy) رہتی ہے اور حصص تصدیق ناموں کے لین دین اور کاروبار کو زیادہ بہتر طریقے سے انجام دیا جا سکتا ہے، بمبئی اسٹاک ایکسچینج کی مکمل کارروائی کمپیوٹروں کے ذریعے ہوتی ہے اور سودے اور حصص کا لین دین بھی دلال عمارت میں نصب لاتعداد کمپیوٹروں کے ذریعے کرتے ہیں

،ملک کے دوسرے اسٹاک ایکسچینج بھی اس نہج پر چل رہے ہیں اور اسٹاک ایکسچینج کو ترقی یافتہ انداز سے آراستہ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ علاقائی اسٹاک ایکسچینجوں کے علاوہ قومی اسٹاک ایکسچینج بھی ملک کے اہم شہروں تک پہونچ چکا ہے۔ اور چونکہ اس انداز سے کام انتہائی ذمہ دارانہ اور شفاف طریقہ سے انجام دیا جارہا ہے، سرمایہ کاروں کا یقین بڑھا ہے اور ان کے بے بنیاد خوف کا ازالہ ہوا ہے، کیوں کہ تمام سودے باضابطہ اور بہتر انداز سے انجام پا رہے ہیں، بمبئی اسٹاک ایکسچینج کا یہ بھی منصوبہ ہے کہ وہ اپنی قومی کمپیوٹر ٹریڈنگ (بمبئی آن لائن ٹریڈنگ) کو دوسرے شہروں تک بھی پھیلائے جس کے باعث شیئرز ٹریڈنگ سے متعلق معلومات اور کاروبار کو ملک کے ان شہروں تک بھی لے جایا جا سکے جہاں پر تسلیم شدہ (Recognised) اسٹاک ایکسچینج کی سہولیات مہیا نہیں ہیں۔ اسٹاک ایکسچینج کی کارکردگی کی نگرانی کرنے والا قومی ادارہ (Securities & Exchange Board of India) باضابطہ طور پر سرمایہ کاری کے اس کاروبار اور پوری عمل کی نگرانی کررہا ہے۔ جس کے باعث سرمایہ کاروں کے درمیان اعتماد کی فضا پیدا ہورہی ہے اور ملک کا سرمایہ کاری بازار ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ حال ہی میں منظور ہونے والا قانون Depositeries Bill (ڈیپوزیٹریز بل) اس سلسلے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جس کے اطلاق سے اسٹاک ایکسچینج کے رائج قدیم نظام کی خامیاں مکمل طور سے ختم کی جاسکیں گی۔

حصص کے کاروبار پر سود کا اثر

حصص کے کاروبار میں سود کی ادائیگی یا وصولیابی شامل نہیں ہے۔ اس کے ذریعہ کمپنیاں یا کاروبار شروع کرنے والے افراد اور حصص میں سرمایہ کاری کرنے والے افراد "حلال نفع" میں شریک ہوتے ہیں، ایک کمپنی چونکہ کسی منصوبے کو روبہ عمل لانا چاہتی ہے اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سود کی ادائیگی پر رقم بطور قرض حاصل کرے اس کے بجائے کمپنی حاصل ہونے والے نفع میں اپنے حصص مالکان کو شریک کرسکتی ہے۔ جس کی مختلف شکلیں ڈیویڈنڈ (Dividends) بونس شیئرز (Bonus Shares) وغیرہ ہیں، سرمایہ کار بھی کسی قسم کا سود حاصل نہیں کرتا ہے بلکہ کمپنی کے نفع میں حصہ دار ہوتا ہے، اور اگر یہ حصص فروخت کئے جاتے ہیں تو ان کا نتیجہ "سرمایہ نفع" (یا نقصان) کی شکل میں ہی سامنے آتا ہے۔

ثانوی بازار میں بھی حصص کے لین دین میں کسی قسم کے سود کی عمل داری نہیں ہوتی ہے، ان حصص کی خرید وفروخت بازار کے (موجودہ) نرخ کے مطابق ہوتی ہے اور قیمت خرید و قیمت فروخت کا فرق ہی نفع یا نقصان کا تعین کرتا ہے۔

مزید برآں سرمایہ کار کو اس امر کا بھی اختیار رہتا ہے کہ وہ سرمایہ کاری کے لئے کمپنیوں کا انتخاب کرسکے، اور ان کمپنیوں کا ہی انتخاب کرے جن کا کاروبار قرآن میں مذکورہ خطوط پر چل رہا ہو، اور سرمایہ کاری کے لئے ان کمپنیوں کو نہ چنیں جو منع کی گئی سمت میں کاروبار کررہی ہیں۔

مقالات شيئرز

شیئرز کی خرید وفروخت

مولانا خالدسیف اللہ رحمانی، حیدرآباد

۱۔شیئر سرٹیفکٹ کی حیثیت:

یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ شیئرز نقد اور اثاثوں کا مجموعہ ہے، اور شیئرز سرٹیفکٹ پر اگر رقم کا ذکر ہوتا ہے تو وہ محض اس بات کا اظہار ہے کہ یہ اثاثہ اپنی ابتدائی صورت میں اسی قدر قیمت اور قوت خرید کا حامل تھا۔ قانونی طور پر کمپنی کے اثاثے کو قرق نہ کیا جانا شرعی اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ خود قانون کی نگاہ میں شیئرز اثاثہ کا درجہ نہ رکھتا ہو کیونکہ ممکن ہے کہ شیئرز پر مبنی اثاثہ میں اشتراک اور شیوع کی وجہ سے اس طرح کا قانون بنایا گیا ہو۔

۲۔شیئر کی خرید وفروخت:

یہ صورت بیع صرف کی ہے جس میں برابری بھی ضروری ہے اور کسی فریق کی طرف سے ادھار کی بھی گنجائش نہیں، اس لئے کمی بیشی کیساتھ خرید وفروخت تو ناجائز ہوگی ہی، مساوی قیمت میں بھی خرید وفروخت کو جائز نہیں ہونا چاہئے، کیوں کہ شیئر ہولڈر روپے کی دستاویز ادا کرتا ہے روپیہ نہیں اور خریدار خود روپیہ ادا کرتا ہے، اس طرح طرفین سے نقد ادائیگی نہیں پائی گئی، سوائے اس کے کہ فی زمانہ بعض اہل علم نے بینک ڈرافٹ کی حوالگی کو معینہ نقد کی حوالگی کا درجہ دے دیا ہے، تو اس اعتبار سے عقد کے اثاثہ میں تبدیلی سے پہلے شیئر سرٹیفکٹ کو یہی درجہ دیا جاسکتا ہے، ایسی صورت میں مساوی قیمت پر ایسے شیئر کو فروخت کرنا جائز ہوگا، تاہم راقم کی رائے وہی ہے کہ ایسے شیئرز کی بیع ہی جائز نہیں، نہ کم وبیش قیمت پر نہ مساوی قیمت پر۔

۳۔ فقہاء حنفیہ کے نزدیک ایسی صورتوں میں دونوں طرف سے ادا کئے جانے والے ربوی مال کو غیر ربوی مال کے مقابلہ میں رکھ کر کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جاتا ہے، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

من باع درهمين و ديناراً بدرهم و دينارين جاز البيع وجعل كل جنس بخلافه (ہدایہ ۹۰/۳)۔

جس نے ایک درہم اور دو دینار کے بدلے دو درہم اور ایک دینار خرید کیا تو بیع جائز ہے، اور دونوں طرف سے درہم کو دینار اور دینار کو درہم کے مقابلہ میں تصور کیا جائے گا۔ اس لئے کمپنی کے نقد اور املاک کے مجموعی اثاثہ کو نقد کے عوض خرید وفروخت کرنا جائز ہوگا۔

۴۔حرام کاروبار کی کمپنی:

جن کمپنیوں کا بنیادی کام ہی حرام پر مبنی ہو ان کے شیئرز خرید کرنا جائز نہیں کہ یہ براہ راست معصیت میں تعاون بلکہ اس میں شرکت ہے، اگر کمپنی کے مالکان مسلمان ہوں تب تو یہ حکم ظاہر ہی ہے لیکن اگر وہ غیر مسلم ہوں جیسا

کہ آج کل ہندوستان میں اکثر کمپنیوں کا حال ہے تب بھی یہ صورت ناجائز ہی ہوگی، گو امام صاحب کے یہاں شدید کراہت کے ساتھ اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، لیکن صاحبین نے اس کو غیر درست قرار دیا ہے، اور فقہاء نے صاحبین ہی کے قول کو زیادہ درست سمجھا ہے (دیکھئے: درمختار ۲۶۲/۵)۔

فتاوی عالمگیری میں ہے کہ اگر کسی مسلمان نے عیسائی کو بطور مضاربت سرمایہ حوالہ کیا اور اس نے شراب و خنزیر کی تجارت کرکے منافع کمایا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک گو یہ جائز ہوگا لیکن:

ینبغي للمسلم أن یتصدق بحصته من الربح (فتاوی ہندیہ ۳۳۳/۴)۔

مسلمان کے لئے مناسب ہے کہ اپنے حصہ نفع کو صدقہ کردے۔

غالباً یہ اس صورت پر محمول ہے جب مطلقاً مضاربت کے لئے پیسہ دیا ہو اور اس غیر مسلم نے خمر و خنزیر کی تجارت میں اس کا استعمال کیا ہو، اگر پہلے سے معلوم ہو کہ اسی کام میں سرمایہ کا استعمال کرے گا تو پھر اس کے جائز ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

۵۔ چونکہ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لینا ایک حاجت ہے اور حاجت کی بناپر سودی قرض حاصل کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔" ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح "اس لئے ایسی کمپنی کا شیئرز خریدکرنا جائز ہے۔

۶۔ یہاں بھی بینک میں رقم محفوظ کرنا ایک قانونی حاجت ہے اس لئے حاصل شدہ سود سے نفع اٹھائے بغیر ایسی کمپنیز کا شیئرز خریدکرنا جائز ہوگا۔

۷۔سودی قرض سے حاصل کیا ہوا نفع:

سودی قرض پر قرض گیرندہ کی ملکیت ثابت ہو جائے گی اور اس سے حاصل ہونے والا نفع حلال و جائز نفع ہوگا، کیوں کہ فقہاء نے تو خود سود کے بارے میں لکھا ہے کہ اس پر ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، علامہ ابن نجیم مصری کا بیان ہے:

و ظاهر ما في جمع العلوم وغیره أن المشتري یملک الدرهم الزائد إذا قبضه فیما إذا اشتری درهمین بدرهم فإنهم جعلوه من قبیل الفاسد وهکذا صرح به الأصولیون في بحث النهي (البحر الرائق ۱۲۵/۶)۔

جمع العلوم وغیرہ کا ظاہر یہ ہے کہ ایک درہم کے بدلہ دو درہم خرید کرنے کی صورت میں قبضہ کرنے والا مالک ہو جائے گا کیونکہ اس کو فقہاء نے بیع فاسد میں شمار کیا ہے اور علماء اصول نے "نہی" کی بحث میں اس کی صراحت کی ہے۔

۸۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس کی حیثیت فی الجملہ مالکان حصص کے وکیل کی ہے، گو ان ڈائرکٹرس کا انتخاب کثرت رائے سے ہوتا ہوگا لیکن چونکہ دستوری اعتبار سے مالکان حصص نے اکثریت کے فیصلہ کو قبول کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہے اس لئے یہ تمام ہی سرمایہ کاروں کے وکیل تصور ہوں گے۔

۹۔ اصولی طور پر وکیل کے افعال مؤکل کی طرف منسوب ہوتے ہیں تاہم شیئر ہولڈر کا سودی قرض سے

اختلاف کا اظہار اس کے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی ہے، اس لئے کہ شیئرز ہولڈر نے اس کو اصل میں تجارت کے لئے وکیل بنایا ہے نہ کہ سودی قرض لینے کے لئے، ہاں مطلق وکالت کی وجہ سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ دلالۃً اس نے سودی قرض کی بھی اجازت دے دی ہے، لیکن جب شیئر ہولڈر صراحۃً اس سے اختلاف کرتا ہے تو چونکہ صراحت کا درجہ دلالت سے بڑھ کر ہے اس لئے وکیل کے اس فعل میں مؤکل کی شرکت متصور نہ ہوگی۔

۱۰۔ اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار ہی سود پر رقم لگا کر سود حاصل کرنا ہو تب تو اس کے حصص خریدنا جائز نہیں، ہاں اگر قانونی ضرورت کے تحت کچھ سرمایہ ڈپوزٹ کرنا پڑا، جس سے سود حاصل ہوا تو اس حصۂ نفع کو بلا نیت ثواب غرباء پر یا رفاہی کام میں خرچ کر دینا اس کے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی ہوگا۔ اس پر ان فقہی جزئیات سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، جن میں ایسے شخص کی دعوت اور تحفہ قبول کرنے کی اجازت دی گئی ہے، جس کے مال کا غالب حصہ حلال ہو اور باقی حرام۔ (ہندیہ ۳۴۲/۵)۔

اس سلسلہ میں علامہ ابن قیم کی تحریر بھی قابل ملاحظہ ہے، فرماتے ہیں:

وإذا خالطه درهم حرام او أكثر أخرج مقدار الحرام وحل له الباقي بلا كراهة سواء كان المخرج عين الحرام أو نظيره لأن التحريم لم يتعلق بذات الدرهم وجوهره وأما تعلق بجهة الكسب فيه فإذا خرج نظيره من كل وجه لم يبق لتحريم ما عداه معنى (بدائع الفوائد لابن قیم ۲۵۷/۲)۔

اگر اس کے مال کے ساتھ یا اس سے زیادہ حرام درہم مخلوط ہوگیا تو مقدار حرام نکال دی جائے، اب باقی بلا کراہت حلال ہوجائے گا چاہے بعینہ حرام درہم ہو یا اس کے برابر، اس لئے کہ تحریم درہم کی ذات اور جوہر سے متعلق نہیں ہے بلکہ کسب کے اعتبار سے ہے، لہذا جب من کل الوجوہ اس کے مثل نکل گیا تو اب اس کے ماسوا میں حرمت کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔

۱۱۔ منافع سے اتنی مقدار نکال کر بلا نیت ثواب صدقہ کر دینا کافی ہوگا، فقہاء کے یہاں تو اس سے کسی قدر زیادہ ہی توسع ملتا ہے، گذر چکا ہے کہ سود پر بھی لینے والے کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے (البحر الرائق ۱۲۵/۶) اگر سودی پیسے سے سرمایہ کاری کر کے کسی شخص نے نفع حاصل کیا یا کوئی چیز خریدی تو یہ کن صورتوں میں حلال ہوگا اور کن صورتوں میں حرام، اس بارے میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

رجل اكتسب مالا من حرام ثم اشترى فهذا على خمسة أوجه أما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولاً ثم اشترى منه بها أو اشترى قبل الدفع بها و دفعها، أو اشترى قبل الدفع بها و دفع غيرها، أو اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم أخر و دفع تلك الدراهم.... قال الكرخي في الوجه الأول والثاني: لا يطيب، وفي الثلاث الأخيرة يطيب، وقال أبوبكر: لايطيب في الكل، لكن الفتوى الآن على قول الكرخي دفعا للحرج عن الناس (ردالمحتار ۲۳۳/۴)۔

کسی شخص نے مال حرام کمایا، پھر اس سے خرید کیا تو اس کی پانچ صورتیں ہیں:

۱۔ یا تو پہلے بائع کو دراہم دیا پھر اس سے اس کے بدلہ میں کچھ خرید کیا، ۲۔ یا انہیں دراہم کے بدلہ پہلے خرید کیا پھر دراہم دیئے، ۳۔ یا انہیں دراہم سے خرید کیا اور بعد کو اس کی بجائے دوسرا درہم دے دیا، ۴۔ یا مطلقاً کسی خاص درہم کی تعیین کے بغیر خرید کیا اور عوض میں یہی درہم ادا کر دیئے، ۵۔ یا دوسرے دراہم متعین کئے اور ان کے بجائے یہ درہم دیدیئے...... کرخی نے کہا کہ پہلی اور دوسری صورت میں خرید کی ہوئی چیز اس کے لئے بہتر نہیں، باقی تینوں صورتوں میں جائز ہے۔ اور ابوبکر نے کہا کہ کسی صورت میں حلال نہیں۔ لیکن لوگوں سے حرج دور کرنے کے لئے امام کرخی کے قول پر فتوی ہے۔

گویا امام کرخی کے اصول پر اگر مطلق روپے پر خرید و فروخت کا معاملہ طے کیا گیا اور غیر شرعی طریقہ پر کمایا گیا روپیہ اس کی قیمت میں ادا کر دیا گیا تو خریدی ہوئی شئے حلال ہوگی، اور شامی کے بقول اسی پر فتوی ہے۔ تاہم احتیاط یہی ہے کہ نہ صرف سود کے ذریعہ حاصل ہونے والا نفع بلکہ اس نفع کی مقدار سرمایہ پر حاصل ہونے والا نفع بھی بلا نیت ثواب صدقہ کر دیا جائے۔

۱۲۔ شیئر کی تجارت:

حلال کاروبار پر مبنی شیئرز کی تجارت جائز ہے، نہ تخمین و قیاس مطلقاً ناجائز ہے اور نہ عام طور پر تجارتیں اس سے خالی ہوتی ہیں بلکہ اموال زکوۃ میں تو خود شارع علیہ السلام نے تخمین کرایا ہے، جو ''خرص فی الزکوۃ'' کے عنوان سے کتب حدیث میں موجود ہے، اور امام احمد نے تو اس کو خود مقدار زکوۃ میں بھی معتبر مانا ہے، معاملات میں تخمین و قیاس کی ایسی صورت ممنوع ہے جس میں خطر اور غرر ہو، نہ کہ مطلق تخمین و قیاس۔

۱۳۔ فیوچر سیل:

معاملہ کی اس صورت میں نہ قیمت ادا کی جاتی ہے اور نہ اس کے مقابلہ میں آنے والی مبیع، گویا یہ دونوں طرف سے ادھار ہے اور آپ ﷺ نے ایسی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔ نیز اس میں قمار بھی ہے کہ حقیقت میں خرید و فروخت مفقود ہے اور محض ایک کاغذی کارروائی کی بنیاد پر نفع یا نقصان ہوتا ہے۔

۱۴۔ غائب سودا:

خرید و فروخت ان معاملات میں ہے جو مستقبل کی طرف منسوب ہو کر نہیں کئے جا سکتے، علامہ حصکفی رقمطراز ہیں:

وما لا يصح إضافته إلى المستقبل عشرة: البيع وإجازته وفسخه والقسمة والشركة والهبة والنكاح والرجعة والصلح عن مال، والإبراء عن الدين لأنها تمليكات للحال فلا تضاف للاستقبال (الدر المختار مع الرد ۴؍۲۶۰)

مستقبل کی طرف، جن امور کی نسبت درست نہیں ہے وہ دس ہیں: بیع، اجازت بیع، فسخ بیع، تقسیم،

شرکت، ہبہ، نکاح، رجعت، مال پر صلح، دین سے ابراء اس لئے کہ ان سب میں فی الحال تملیک ہوتی ہے، لہذا مستقبل کی طرف ان کی نسبت درست نہیں۔

اس لئے غائب سودے کی صورت بیع کی نہیں ہے بلکہ یہ محض وعدہ بیع ہے اس لئے اس پر بیع کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

۱۵، ۱۶۔ سرٹیفیکٹ ملنے سے پہلے شیئر کی فروخت:

اصل میں یہ مسئلہ انتقال حصص کے قانون سرکاری اور شیئر مارکیٹ کے عرف پر موقوف ہے، لیکن بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شیئر سرٹیفیکٹ شیئر کا علامتی وجود ہے یا حقیقی شیئر کی کلید کے درجہ میں ہے، لہذا جیسے فقہاء نے مکان کی بیع میں کنجی حوالہ کر دینے کو قبضہ قرار دیا ہے اسی طرح شیئر سرٹیفیکٹ پر نام کی منتقلی کو قبضہ تصور کیا جانا چاہئے، ورنہ اگر صرف ایجاب وقبول ہی کو قبضہ مان لیا جائے تو قبضہ کا حکم بے معنی ہو جائے گا، اس لئے سرٹیفیکٹ حاصل ہونے سے پہلے خرید وفروخت درست نظر نہیں آتی۔

۱۷۔ بروکر:

اوپر ذکر کی گئی تفصیلات کے مطابق جائز اور حلال کاروبار پر مبنی شیئرز کی خرید وفروخت میں "بروکر" بننا اور اجرت حاصل کرنا جائز ہے، ایسے ہی درمیانی لوگوں کو فقہاء دلال سے تعبیر کرتے ہیں، علامہ شامی کا بیان ہے:

تجب الدلالة على البائع أو المشترى أو عليهما بحسب العرف (ردالمحتار ۴/۴۶)۔

فروخت کنندہ یا خریدار یا دونوں پر حسب عرف ورواج دلالی کی اجرت واجب ہوگی۔

شیئرز کی شرعی حیثیت

مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی، باندہ

۱۔ شیئرز کی شرعی حیثیت کی بابت یہ نظریہ ہی صحیح وراجح معلوم ہوتا ہے کہ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے اور وہ نقد اور اثاثہ کا مجموعہ ہوتا ہے، صرف دیئے گئے پیسے کی دستاویز نہیں۔ اسی نظریہ کا عرف میں اعتبار ہے، اور فقہاء معاصرین اور محققین بھی اکثر یہی نظریہ رکھتے ہیں۔

اس کی واضح شرعی دلیل وہ تفصیل ہے جو کہ سوال کے اخیر میں درج کی گئی ہے کہ شیئر ہولڈر کو کمپنی سے نفع ملتا ہے جو کہ اس کی لگائی ہوئی رقم سے زائد ہوتا ہے، اور اس کو نقصان بھی برداشت کرنا پڑتا ہے یوں کہ اس کی کل رقم یا اس کا ایک حصہ ڈوب جاتا ہے، اور کمپنی تحلیل ہوجائے تو شیئرز کے تناسب سے اثاثہ میں حصہ ملتا ہے۔

۲۔ کمپنی کا ابتدائی حال جبکہ صرف نام اور منصوبہ پایا جاتا ہے اور ابھی کوئی عمل، اقدام، عمارت واملاک کا کوئی وجود نہیں ہوتا، اس وقت جو اولین شیئر خریدنے والے ہوتے ہیں جو کہ کمپنی کا اعلان کرنے والوں اور قائم کرنے والوں سے شیئر لیتے ہیں تو ان کے معاملہ میں کوئی قباحت نہیں، اور یہ خرید وفروخت کا معاملہ نہیں بلکہ یہ تو شرکت اور عقد شرکت کا معاملہ ہے۔ البتہ ان اولین شیئر کے خریداروں سے جب کوئی خریدے گا تو یہ معاملہ درست نہ ہوگا، اس لئے کہ جب کوئی اثاثہ واملاک اب تک نہیں بنیں تو باہم یہ معاملہ حوالہ کا معاملہ ہوگا جس میں کمی وبیشی درست نہیں ہے۔ اس معاملہ میں رقم کے مقابلہ میں رقم ہی ہے۔ ایک ادھار اور ایک نقد۔

اگر اس کو خرید وفروخت قرار دیں تو صرف کا معاملہ قرار پائے گا، اور اس کے احکام جاری ہوں گے جن میں مساوات مال بھی ہے۔ اس لئے یہ معاملہ صرف اس طرح درست ہوسکتا ہے کہ اصل سرمایہ لے کر پہلا شریک دستبردار ہوجائے۔

۳۔ جب کمپنی باقاعدہ وجود میں آجاتی ہے اور اس کا اثاثہ نقد اور املاک کا مجموعہ ہوتا ہے تو خرید وفروخت نقد کے ساتھ درست ہے باوجودیکہ مجموعہ مال ربوی وغیر ربوی دونوں پر مشتمل ہے۔ یہ جواز فقہاء کی ذکر کردہ مشہور توجیہ وتعبیر کے مطابق اس بنیاد پر ہے کہ خریدار کے ادا کردہ نقد کے دو حصے مانے جائیں گے، شیئر کے حصہ نقد کے مقابلہ میں ایک حصہ قرار دیا جائے گا جو کہ مساوی ہوگا اور باقی رقم ونقد کو شیئر کے حصہ اثاثہ کا مقابل مانا جائے گا۔ مثلاً شیئر سو روپے کا خریدا گیا، اور وہ مشتمل ہے چالیس نقد اور اثاثہ پر۔ تو سو (۱۰۰) میں سے چالیس (۴۰) کے بالمقابل، اور باقی ساٹھ (۶۰) اثاثہ کے بالمقابل وبالعوض ہوگا (امداد الفتاوی ۳؍۱۳۰ میں بھی اس قسم کا سوال وجواب آیا ہے)۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا کاروبار بنیادی طور پر حرام ہے ان کے شیئرز کی خرید وفروخت ناجائز ہے۔

۵۔ جن کمپنیوں کا کاروبار بنیادی طور پر حلال ودرست ہے، البتہ انہوں نے سودی قرض لے رکھا ہے تو ان کے شیئرز کا خریدنا جائز ہے۔ یہ جواز اس لئے ہے کہ کاروبار اور کمپنی وشرکاء کے درمیان لین دین درست ہے، اور سودی قرض

مجبوری کی وجہ سے لیا گیا ہے، یا مجبوری نہ ہو تو مالکان نے لیا ہے، جس کے سود کی ادا کرنے کی ذمہ داری خود ان پر ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ حاصل شدہ کل منافع سے سود ادا کیا جاتا ہے تو سود کے ادا کرنے میں شیئر ہولڈر کی بھی شرکت ہوئی لہذا وہ اس گناہ میں شریک ہوا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ معاہدہ و معاملہ کی رو سے کل اخراجات و مطالبات کو ادا کرنے کے بعد جو بچتا ہے وہ نفع ہے، اور اس میں شیئر ہولڈر کا حق و حصہ ہے، اور ان اخراجات و مطالبات میں سودی قرض کا سود بھی داخل و شامل ہے، اور چونکہ سود سرمایہ کے صرف اس حصہ کے مقابل ہوگا جو کہ کمپنی کے مالکان و ذمہ داران نے خود لیا ہے، اس لئے اس کو نفع میں ان کے حصہ و حق سے مانا جائے گا نہ کہ سب کے حق سے۔

۶۔ کمپنیوں کا کاروبار حلال ہونے کے ساتھ مجبوری کی بنا پر ان کو جو بعض ایسے معاملات کرنے پڑتے ہیں جن کی وجہ سے ان کو سود ملتا ہے، تو ایسی کمپنیز کا شیئر خریدنا درست ہے۔ خواہ انہوں نے ایسا اس لئے کیا ہو کہ اس کے بغیر کاروبار ہی ممکن نہیں یا اس لئے کہ اس کو بڑھانا ممکن نہیں۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ شیئر ہولڈر کے نفع میں سود شامل نہ کیا جائے، اور اگر شامل کیا جائے تو اس کو الگ و ممتاز رکھا و لکھا جائے تاکہ شیئر ہولڈرس اس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے۔

۷۔ سودی قرض سے حاصل ہونے والے جائز منافع اور اس کی حلال آمدنی درست ہے۔ اس لئے کہ خرابی سود پر قرض لینے میں اور سود ادا کرنے میں ہے۔ اور اس قرض کی رقم کو جائز کاروبار میں لگایا جائے یا ضروریات میں استعمال کیا جائے تو اس میں حرمت کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، ہاں قباحت و کراہت ضرور ہوگی جبکہ انتہائی مجبوری کے بغیر یہ قرض لیا گیا ہو (سودی قرض کی آمدنی کی حلت کا فتوی۔ امداد الفتاوی ۳/۷۰ا میں آیا ہے)۔

۸۔ کمپنی کا معاملہ مضاربت کا معاملہ ہوتا ہے جس میں مضارب رب المال کا وکیل ہوتا ہے، لہذا کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرز تمام شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہوتا ہے اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا، اور بورڈ کے تمام اعمال کی نسبت تمام شرکاء کی طرف ہوگی۔

۹۔ بعض حضرات کی رائے یہ ضرور ہے کہ شیئر ہولڈرس اختلاف کا اعلان کردے تو کافی ہے مگر بات سمجھ میں نہیں آتی، بالخصوص ان لوگوں کے حق میں جو کہ کمپنی کے قیام میں آنے کے بعد اس کے شیئرز خریدتے ہیں۔ البتہ ابتدائی شرکاء یعنی اولین شیئرز ہولڈرس کی طرف سے اگر یہ بات کہی جائے تو براءت سمجھ میں آتی ہے، مگر کمپنی جب ایک نظام کے تحت کام کرنے لگے اور اس میں یہ معروف و معلوم ہو کہ سودی قرض لیا گیا ہے اور سود کا معاملہ کیا گیا ہے، اور پھر ایک آدمی حصہ لیتا ہے اور بعد میں براءت کا اظہار کرتا ہے تو یہ براءت بے معنی سمجھ میں آتی ہے۔

۱۰۔ کمپنی کے منافع میں شامل سود کی مقدار معلوم ہونے کی صورت میں اگر شیئر ہولڈر سود کی بقدر رقم نکال کر صدقہ کردے تو کافی ہے۔ جیسے بینک میں جمع کردہ سرمایہ پر ملنے والا سود اور اس کو الگ کر دینا اصل رقم کو متاثر نہیں کرتا۔

۱۱۔ اگر سود کی آمدنی کو اصل کے ساتھ ملا کر کاروبار میں لگا دیا گیا تو حساب کرنے پر سود کی رقم نیز اس سے حاصل ہونے والا نفع سب کو صدقہ کرنا لازم ہے، اور آدمی بری ہو جائے گا۔

شامی میں ہے:الحرمة تتعدد (۹۸/۵) نیز الخبث بفساد الملک إنما یعمل فیما یتعین لا فیما لا یتعین. وأما الخبث لعدم الملک کالغصب فیعمل فیهما کما بسطه خسرو و ابن الکمال (درمختار مع حاشیہ شامی ۹۷/۵) عدم ملک کی خباثت وحرمت ہر چیز میں اثر انداز ہوتی ہے، سامان ونقد اوران سے حاصل ہونے والے منافع سب میں۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت کم از کم فی الجملہ درست ہے، شیئر کا مطلب ہے کمپنی کا ایک حصہ، اور آج کل عرف میں شیئرز کو خود ایک استقلالی حیثیت حاصل ہے، لہذا یہ تجارت درست ہے بشرطیکہ دوسرا کوئی محظور نہ پایا جائے۔ مثلا قبضہ وغیرہ کا تحقق اور قبل القبض بیع، اور ربح مالم یضمن وغیرہ کا مسئلہ پیدا نہ ہوتا ہو۔ اور رہ گئی تخمین تو یہ بیع کی روح اور بنیادی عنصر ہے۔

۱۳۔ فیوچر سیل اور بیع المستقبلیات درست نہیں ہے، ذکر کردہ تفصیل کے مطابق یہ کھلا ہوا سود وقمار کا معاملہ ہے، اس کے بجائے اگر یہ معاملہ ہو کہ وقت مقررہ پر باقاعدہ فروخت کیا جائے خواہ نفع ہو یا نقصان، تو درست ہے۔

۱۴۔ سوال سمجھ میں نہیں آسکا، بظاہر تکرار ہے۔

۱۵۔ رہ گیا شیئرز کے نقد سودے میں شیئرز پر قبضہ کا مسئلہ، تو قبضہ کا معاملہ شریعت کی نگاہ میں وسعت رکھتا ہے۔ ہر شئے کا قبضہ اس کے مناسب حال ہوتا ہے اور اس میں عرف کا بھی دخل ہے، اس لئے اگر خریدار کی حیثیت سے بروکر کے یہاں نام آجانے پر حقوق منتقل ہوجاتے ہیں اور ''ربح مالم یضمن'' کا معاملہ نہیں رہ جاتا تو قبضہ مان لیا جائے گا۔ سرٹیفکٹ تو ایک سرکاری ورسمی چیز ہے، ضروری نہیں ہے کہ وہ اسی کے نام ہو جس کو حقیقی ملکیت حاصل ہو۔ بلکہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شئے حقیقۃً ملکیت کسی کی ہوتی ہے اور نام کسی دوسرے کا چلتا رہتا ہے۔

۱۶۔ شیئر کا خریدار قیمت ادا کرنے کے بعد سرٹیفکٹ حاصل کرنے سے قبل اگر شیئر کو فروخت کرے تو درست ہے بشرطیکہ سرٹیفکٹ کے بغیر شیئر اس کے ضمان میں آجاتا ہو اور حقوق ومنافع اس کو حاصل ہوجاتے ہوں۔

۱۷۔ شیئر بازار میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے، اس لئے کہ بروکر کی حیثیت دلال اور کمیشن ایجنٹ کی ہے۔ مگر یہ شرط ہے کہ وہ ان ہی کمپنیز کے شیئرز کا کام کرے جن کا کاروبار بنیادی طور پر حلال ہے، اور یہ کہ اس میں شرعی ضوابط کا لحاظ کرے۔

حصص کے مختلف مسائل کا حکم

مولانا محمد حنیف

مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جونپور

۱۔ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، قرض کی دستاویز نہیں ہے۔

۲۔ بیع صرف کا حکم ہے، برابر سرابر جائز ہے، کمی بیشی حرام ہے۔

۳۔ جب کمپنی کے املاک میں عروض ونقود دونوں ہوں تو اس کا حکم سیف محلی کا ہے، اس کی بیع وشراء ان نقود سے زائد پر ہونا ضروری ہے جتنے کی شیئر ضمانت دے رہا ہے۔

۴۔ حرام ہے۔

۵۔ جائز ہے۔

۶۔ جائز ہے۔

۷۔ سودی قرض سے حاصل ہونے والے منافع حلال وطیب اور مفید للملک ہیں (کمافی البحر ۱۱۴/۸)۔

۸۔ وکیل ہوتے ہیں، وکالت کے احکام ان پر جاری ہوتے ہیں۔

۹۔ بری الذمہ کردے گا کیونکہ اعلان کرنے کے بعد وہ فضولی کا ایسا عمل ہوگا جس پر اصیل راضی نہیں ہے۔

۱۰۔ صدقہ کردینا واجب ہے جس کی وجہ سے مال سے خبث دور ہوجائے گا اور یہ عمل مال کی طہارت کے لئے کافی ہوگا، اور ساتھ ہی ساتھ اللہ رب العزت سے توبہ بھی کرے۔

۱۱۔ سود سے حاصل ہونے والی رقم سے جتنا نفع ہوگا اس نفع کو مع اصل سود کے سب کا صدقہ کردینا واجب ہے، کمافی الہدایہ (۳/۳۵۹۔۳۶۰) والبحر (۱۱۴/۸):

قال مشائخنا لا يطيب له بكل حال فهو المختار وإطلاق الجواب في الجامعين يدل على ذلك.

۱۲۔ حاضر سودے کے شیئرز کی تجارت بشرائط جائز ہیں، بازار کی صورت حال کو دیکھ کر قیاس آرائیوں سے زیادہ منافع دینے والے شیئرز خریدنے اور بیچنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، کیونکہ ہر تجارت میں قیاس آرائیوں کا دخل ہوتا ہے اور تجارت میں نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ جائز بھی ہے بشرطیکہ امر محظور کا ارتکاب نہ ہو، اور قیاس آرائی کوئی امر محظور نہیں۔

۱۳۔ یہ صورت قمار میں داخل ہے۔

۱۴۔ یہ بیع الآجل بالآجل ہونے کی بنا پر حدیث نبوی ﷺ سے حرام وناجائز ہے:

نهى رسول الله ﷺ عن بيع الكالي بالكالي.

۱۵۔ قبضہ کی جو حقیقت ہے یعنی ضمان میں داخل ہونا، نفع ونقصان کا مالک ہونا، جب یہ حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی بیع وشراء جائز ہے، اگرچہ نام کی تبدیلی اور سرٹیفکیٹ کی ادائیگی میں تاخیر ہو۔

۱۶۔ جائز ہے، کیونکہ قبضہ کی حقیقت حاصل ہے، بشرطیکہ إفضاء إلى المفسدة نہ ہو۔

۱۷۔ بروکر دلال کے مثل ہے، دلالی اور اس کی اجرت جائز ہے، بشرطیکہ خداع وغیرہ نہ ہو اور اجرت متعین ہو، نیز فیصد کے اعتبار سے متعین کرنا یہ تعیین کے درجہ میں ہے۔

کمپنی اور شیئرز سے متعلق نئے مسائل اور حل

مولانا ابوبکر قاسمی شکرپور، دربھنگہ

کاروبار کی قسمیں:

ملکیت کے اعتبار سے کاروبار کی تین قسمیں ہیں: (۱) شخصی کاروبار، (۲) شرکت (۳) کمپنی۔ کاروبار کی پہلی دو قسمیں اسی وقت سے رائج ہیں جب سے انسان کاروبار کر رہا ہے۔ حضرات فقہاء نے بھی ان کی بنیادی تفاصیل واحکام کو بیان فرمایا ہے، اور ان کی موجودہ صورتحال ماضی سے بنیادی طور پر مختلف نہیں ہے، اس لئے یہاں ان کی تفصیلات کا ذکر نہیں ہوگا، البتہ کمپنی کاروبار کی ایک نئی قسم ہے جس کا پہلے فقہاء کے دور میں وجود نہ تھا، اس لئے یہاں اس کی تفاصیل کو بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

کمپنی کا تعارف:

کمپنی کے لغوی معنی "شرکت" کے ہیں اور کبھی رفقائے کار کو بھی کمپنی کہا جاتا ہے، لیکن یہاں پر کمپنی سے کیا مراد ہے، اس کو جاننے کے لئے اس کی مختصر تاریخ سے واقفیت ضروری ہے۔

یورپ میں صنعتی انقلاب رونما ہونے کے بعد سترہویں صدی کے آغاز میں بڑے بڑے کارخانوں وغیرہ کے قائم کرنے کے لئے جب عظیم سرمایہ کی ضرورت پڑنے لگی جس کو کوئی شخص اکیلا یا چند افراد مل کر فراہم نہیں کر سکتے تھے، تو اس وقت عام لوگوں کی منتشر بچتیں یکجا کر کے اجتماعی فائدہ اٹھانے کے لئے کمپنی کا نظام رائج ہوا، ابتداء کمپنیاں نیم سرکاری ہوتی تھیں، جو عموماً حکومت کے چارٹر (اجازت نامے) کے تحت غیر ملکی تجارت کے لئے وجود میں آتی تھیں، اور انہیں بہت وسیع اختیارات دیئے جاتے تھے، بسا اوقات ان کو قوانین وضع کرنے کا بھی اختیار ہوتا تھا، سکہ ڈھالنے، پولیس اور فوج رکھنے کا بھی اختیار ہوتا تھا، برصغیر پر قابض ہونے والی ایسٹ انڈیا کمپنی بھی اسی قسم کی ایک کمپنی تھی، اب وسیع اختیارات کے تحت ایسی کمپنیاں موجود نہیں رہیں، اب صرف تجارتی کمپنیاں ہوتی ہیں، جو حکومت کی اجازت سے قائم ہوتی ہیں، کمپنیوں کی تشکیل کی اجازت اور ان کو کنٹرول کرنے کا کام جو ادارہ کرتا ہے اس کو ہمارے ملک میں کارپوریٹ لاء اتھارٹی (Corporate Law Authority) کہا جاتا ہے، یہ وزارت خارجہ کا ایک ذیلی ادارہ ہے، اس کی اجازت کے بعد جب کمپنی وجود میں آجاتی ہے تو اس کو شخص قانونی یا شخص فرضی کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے، جو بیع وشراء کرتا ہے، اور مدعی ومدعا علیہ بنتا ہے، اسی طرح دائن ومدیون ہوتا ہے، اب اس کو کاروبار شروع کرنے کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہے جس کی فراہمی کے لئے لوگوں کو کمپنی میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے، اور کمپنی کو جتنے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے کاروبار میں جتنے لوگوں کو شریک کرنا مقصود ہوتا ہے، اسی حساب سے کمپنی کے شیئرز متعین کئے جاتے ہیں اور اس کا اعلان کیا جاتا ہے، کمپنی کے اس اعلان پر جو لوگ اس کے حصہ میں

شریک ہوکر سرمایہ دیتے ہیں، اس کے لئے کمپنی ایک سرٹیفکیٹ جاری کرتی ہے، جو اس بات کی سند ہوتی ہے کہ اس شخص کا کمپنی کے اثاثوں اور سرمایوں میں اتنا حصہ ہے، اسی سرٹیفکیٹ کو اردو میں "حصہ" عربی میں "سہم" اور انگریزی میں "شیئر" کہا جاتا ہے۔

کمپنی کی حقیقت:

مندرجہ سطور میں کمپنی کا جو مختصر تعارف پیش کیا گیا اس کو جان لینے کے بعد اب یہاں پر چند باتیں قابل غور ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ کمپنی کی حقیقت کیا ہے، تو اس سلسلہ میں مذکورۃ الصدر تصریحات سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ فقہاء کرام نے کتب فقہ وفتاوی میں جو عقد شرکت کی بحث فرمائی ہے، بعینہ اسی کو دور حاضر کی اصطلاح میں کمپنی کا نام دے دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے کمپنی کے مروجہ نظام کو عقد شرکت کی دوسری قسم شرکت عنان میں داخل فرمایا ہے (امداد الفتاوی ۳/۴۹۴) لیکن دور حاضر کے جن حضرات علماء نے کمپنی کے پورے نظام پر اس کے دستور کو سامنے رکھ کر غور کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ کمپنی اور شرکت کے نظام میں بہت کچھ فرق ہے، اور کمپنی کے بعض مخصوص خصائص ہیں جو عقد شرکت میں نہیں پائے جاتے ہیں۔

کمپنی اور شرکت کے درمیان فرق:

مثلاً کمپنی کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ شرکت میں ہر شریک کی الگ الگ ملکیت متصور ہوتی ہے، مگر اس نظام میں کئی افراد کے مجموعے کو ایک شخص قانونی قرار دیا جاتا ہے، اس شخص قانونی کو کارپوریشن کہتے ہیں جس کی ایک قسم کمپنی ہے۔

کمپنی کے نظام کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کا اپنا مستقل قانونی وجود ہوتا ہے، جس کی رو سے خود کمپنی ہی کو اس کے املاک وغیرہ کا مالک قرار دیا جاتا ہے، اور خود کمپنی ہی کی طرف اس کے سارے حقوق لوٹتے ہیں، یہاں تک کہ کمپنی مدعی بھی بنتی ہے اور مدعا علیہ بھی، اسی طرح کمپنی دائن و مدیون بھی بنتی ہے، جبکہ شرکت کے اندر ایسا نہیں ہوتا، کیونکہ اس کا الگ سے کوئی قانونی وجود نہیں ہوتا، ہاں شرکت میں اس کا ہر شریک کاروبار کے تمام اثاثوں کا مشاع کے طور پر مالک ہوتا ہے، اور اس کے ہر شریک کو ایک دوسرے کا وکیل قرار دیا جاتا ہے، اور اس میں ہر شخص کی ذمہ داری یکساں ہوتی ہے، مثلاً کوئی دَین واجب ہوا تو عقد شرکت میں اس کے تمام شرکاء سے برابر درجے میں مسئولیت ہوگی، مگر جیسا کہ عرض کیا گیا کمپنی میں ایسا نہیں ہوتا۔

کمپنی کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کے حصہ داروں کو کمپنی کے اثاثوں میں اس حد تک تو شریک مانا گیا ہے کہ اگر کسی وجہ سے کمپنی تحلیل ہو جائے اور وہ بند کر دی جائے تو اثاثے کی تقسیم کے وقت اس کے ہر حصہ دار کو متناسب حصے ملیں گے، لیکن کمپنی کی تحلیل سے قبل اس کے حصہ داروں کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کمپنی کے اثاثوں میں تصرف کر سکے، یہی وجہ ہے کہ کمپنی کا کوئی شریک اگر اتنا مدیون ہو گیا کہ اس کے اثاثے قرق (ضبط) کئے گئے تو اس کے ہاتھ میں کمپنی کا جو حصہ ہے وہ تو قرق ہوگا لیکن اس کے حصے کے تناسب سے کمپنی کے اثاثوں میں سے اس کا جو حصہ بنتا ہے

وہ قرق نہیں ہوگا، اس لئے کہ قانونا کمپنی کے اثاثوں میں اس کو تصرف کا حق نہیں ہے، لیکن شرکت کے اندر ہر شریک بااختیار ہوتا ہے، اور اس کو تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے، اگر وہ چاہے تو شرکت کو ختم کرسکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شریک مدیون ہوجائے اور اس کے سارے اثاثے قرق کئے جائیں تو شرکت میں اس کے حصہ کے تناسب سے جو اس کا حق بنتا ہے وہ سب قرق ہوجائے گا۔

کمپنی کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اس پر کاروبار کی جہت سے کسی کا دعوی ہو یا خود کمپنی کا کسی پر دعوی ہو تو خود کمپنی ہی مدعی یا مدعا علیہ ہوگی، اس کے حصہ دار ہرگز مدعی یا مدعا علیہ نہ ہوں گے، کیونکہ خود کمپنی کو شخص قانونی کا درجہ حاصل ہے شخص حقیقی کے مثل، البتہ کمپنی کی نمائندگی عدالت میں اس کی انتظامیہ کا کوئی فرد کرے گا، اس کے برعکس اگر شرکت میں کاروبار کی جہت سے اس کا کسی پر دعوی ہو یا اس پر کسی کا دعوی ہو تو اس کے تمام شرکاء مدعی یا مدعا علیہ ہوں گے۔

کمپنی کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ اس کا کوئی شریک اپنا سرمایہ نہیں نکال سکتا، البتہ اپنے حصہ کو فروخت کرسکتا ہے، جبکہ شرکت کے اندر اگر اس کا کوئی شریک شرکت فسخ کرکے اپنا سرمایہ نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے۔

کمپنی کے نظام کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ کمپنی میں ذمہ داری محدود ہوتی ہے، جبکہ شرکت میں عموماً ذمہ داری کاروبار کے اثاثوں تک محدود نہیں ہوتی۔

مندرجہ ذیل تفصیل سے معلوم ہوا کہ شرکت اور کمپنی کے نظاموں کے درمیان بہت نمایاں فرق ہے، اور کمپنی کے نظام کی کچھ مخصوص خصوصیات ہیں جن کے پیش نظر کمپنی شرکت کی معروف اقسام میں سے کسی میں داخل نہیں ہے، اور جیسا کہ حضرات علماء بخوبی جانتے ہیں فقہاء کرام نے عقد شرکت کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں: (۱) شرکت مفاوضہ، (۲) شرکت عنان، (۳) شرکت صنائع، (۴) شرکت وجوہ۔ اگر شرکت کے ساتھ مضاربت کو بھی شامل کرلیا جائے تو شرکت کی پانچ قسمیں بن جاتی ہیں، ظاہر ہے کمپنی کا یہ مروجہ نظام شرکت کی مذکورہ پانچوں قسموں میں سے کسی میں بتمام وکمال داخل نہیں ہے، جیسا کہ کمپنی اور شرکت کے نظاموں کے درمیان مندرجہ بالا فرق وخصائص میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

کمپنی کی شرعی حیثیت:

اب یہاں دوسرا سوال یہ ہے کہ جب کمپنی مروجہ شرکت کی معروف اقسام میں داخل نہیں ہے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ تو اس سلسلہ میں علمائے معاصرین کی بنیادی طور پر دو رائیں ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ چونکہ شرکت کا معاملہ پانچ قسموں میں منحصر ہے اور کمپنی ان میں سے کسی میں داخل نہیں ہے، لہذا یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ محض اس بنا پر کہ کمپنی شرکت کی معروف اقسام میں داخل نہیں ہے اس کو ناجائز نہیں قرار دیا جاسکتا، اس لئے کہ حضرات فقہاء نے شرکت کی جو اقسام بیان فرمائی ہیں وہ منصوص نہیں ہیں، بلکہ ان حضرات نے اپنے زمانہ میں شرکت کی مروجہ صورتوں کا استقراء کرکے اس کی روشنی میں شرکت کی تقسیم فرمائی ہے، علاوہ ازیں کسی نص یا تصریحات فقہاء میں یہ درج نہیں ہے کہ جو صورت ان اقسام سے خارج ہو وہ جائز نہ ہوگی، لہذا اگر شرکت کی کوئی اور صورت

شرکت کی مذکورہ اقسام سے خارج ہو، لیکن شرکت کے اصول منصوصہ میں سے کسی کے خلاف نہ ہو تو اسے شرعاً جائز قرار دیا جائے گا، چنانچہ جب کمپنی کی مذکورہ خصوصیات پر غور کیا جاتا ہے تو ان میں سے اکثر کا تعلق انتظام سے ہے، جو شرعاً قابل اعتراض نہیں ہے، البتہ کمپنی سے متعلق دو چیزیں شرعی اعتبار سے قابل غور ہیں:

پہلی چیز یہ ہے کہ عقد شرکت کا تو کوئی قانونی وجود نہیں ہوتا، لیکن کمپنی کا مستقل قانونی وجود ہوتا ہے، جس کو شخص فرضی یا شخص قانونی کہا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ شخص قانونی کا تصور شرعاً درست ہے یا نہیں، تو جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام میں گو شخص قانونی کی اصطلاح موجود نہیں ہے لیکن اس کے نظائر موجود ہیں، چنانچہ وقف، بیت المال، ترکہ مستغرقہ بالدین، اسی طرح ائمہ ثلاثہ کے مسلک کے مطابق خلطۃ الشیوع۔ یہ چاروں چیزیں شخص قانونی کے نظائر ہیں، اگر چہ ان کے لئے شخص قانونی کی اصطلاح استعمال نہیں ہوئی ہے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ چیزیں شخص قانونی کے ذیل میں آتی ہیں، اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک پر حضرات فقہاء نے ان کو شخص قانونی کے درجہ میں رکھ کر شخص حقیقی کے احکام جاری کئے ہیں، مثلاً وقف مالک بھی ہوتا ہے، دائن و مدیون بھی ہوتا ہے، مدعی و مدعا علیہ بھی ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ سارے اوصاف شخص حقیقی کے ہیں، لیکن وقف میں شخص قانونی کی خصوصیات تسلیم کی گئی ہیں۔ اسی طرح بیت المال کہ اس سے پوری قوم کا حق متعلق ہوتا ہے، لیکن کوئی شخص اس کی املاک میں ملکیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا، بلکہ اس کے اموال کا مالک بیت المال ہی کو قرار دیا جاتا ہے، اور اس کی ایک مد شخص قانونی کا درجہ رکھتی ہے، اور ضرورت پڑنے پر دوسری مد سے اس کے لئے قرض لیا جاتا ہے، اب ظاہر ہے کہ اس صورت میں جس مد سے قرض لیا گیا وہ دائن اور جس مد کے لئے لیا گیا وہ مدیون ہوگا، معلوم ہوا کہ بیت المال کو شخص قانونی کا درجہ دیا گیا ہے۔ اسی طرح کسی میت کا ترکہ جو دیون سے مستغرق ہو اس کو مدیون تسلیم کیا گیا ہے، جو ایک شخص قانونی کے حکم میں ہے۔ اسی طرح ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خلطۃ الشیوع کی صورت میں (جبکہ مال مشاع کے طور پر کئی شخصوں میں مشترک ہو تو) زکوۃ لوگوں کے انفرادی حصوں پر واجب نہیں ہوتی ہے بلکہ کل مال کے مجموعے پر ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں مال کا مجموعہ ایک شخص قانونی ہے (یاد رہے کہ خلطۃ الشیوع کی جو نظیر پیش کی گئی ہے وہ فقہ حنفی کے مطابق ہے)۔ مندرجہ نظائر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شخص قانونی کا تصور فی نفسہ کوئی ناجائز تصور نہیں ہے اور نہ فقہ اسلامی کی رو سے یہ کوئی اجنبی تصور ہے، البتہ شخص قانونی کی یہ اصطلاح ضرور نئی ہے۔

کمپنی سے متعلق دوسرا قابل غور پہلو:

یہاں پر کمپنی کے نظام کی دوسری خصوصیت جو شرعی اعتبار سے قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اس کے حصہ داروں کی ذمہ داری ان کے لگائے ہوئے سرمائے کی حد تک محدود ہوتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کمپنی خسارے میں گئی تو ان کا زیادہ سے زیادہ یہ نقصان ہوگا کہ ان کا لگایا ہوا سرمایہ ڈوب جائے گا، لیکن اگر کمپنی پر قرض زیادہ ہو گیا تو اس کے حصہ داروں سے ان کے لگائے ہوئے سرمایہ سے زیادہ کا مطالبہ نہ ہوگا، اسی طرح کمپنی کی ذمہ داری بھی اس کے اثاثوں کی حد تک محدود ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرضے کی ادائیگی کے لئے زیادہ سے زیادہ کمپنی کے اثاثے قرق کرائے

جاسکتے ہیں، لیکن اثاثوں سے زیادہ کا مطالبہ نہ ہوگا۔ اب یہاں قابل غور پہلو یہ ہے کہ کمپنی اور اس کے شرکاء کی محدود ذمہ داری کا نقصان یہ ہوگا کہ اس کے قرض خواہوں کا کمپنی کے اثاثوں سے زائد جو قرض ہوگا اس کی وصولیابی کی کوئی صورت نہیں رہے گی، جس کے سبب قرض خواہوں کا ذمہ خراب ہوگا، اسی کو فقہ کی اصطلاح میں خراب الذمہ کہا جاتا ہے۔ بعض علماء نے اس اشکال کی وجہ سے کہا ہے کہ محدود ذمہ داری کا شرعاً تصور صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اس سے لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں، لیکن اگر اس مسئلہ کو ایک دوسرے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ کمپنی کی محدود ذمہ داری کے تصور کی بنیاد دراصل شخص قانونی کے تصور ہے، اگر شخص قانونی کو تسلیم کرلیا جائے تو اس محدود ذمہ داری کو ماننا کچھ مشکل نہیں رہتا۔ شخص حقیقی اگر مفلس ہوجائے تو اس کے قرض خواہ اپنا قرض صرف اس کے اثاثوں سے وصول کرسکتے ہیں، اس سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کرسکتے، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل کے متعلق مشہور ہے کہ جب وہ مفلس ہوگئے تو حضور پاک ﷺ نے ان کے قرض خواہوں سے فرمایا تھا کہ:

"خذوا ما وجدتم ليس لكم الا ذلك"۔ (صحیح مسلم، باب وضع الجوائح)۔

اگر قرض دار کی موت اس کے مفلس ہونے کی حالت میں ہوجائے تو خراب الذمہ ہوجاتا ہے یعنی اس کے قرض خواہوں کے قرض کی ادائیگی کو کوئی صورت نہیں رہتی۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شخص حقیقی اگر مفلس ہوکر مرجائے تو اس کی ذمہ داری اثاثوں تک محدود رہتی ہے، اور قرض خواہوں کا ذمہ خراب ہوجاتا ہے، اس طرح کمپنی کو جب شخص قانونی مان لیا گیا تو یہ بھی اگر دیوالیہ ہوکر تحلیل ہوجائے تو اس کی ذمہ داری بھی اثاثوں ہی کی حد تک محدود ہونی چاہیے، اس لیے کہ کمپنی کا تحلیل ہوجانا اس شخص قانونی کی موت ہے۔ مندرجہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ محدود ذمہ داری کا تصور کوئی ناجائز تصور نہیں ہے کہ اس کے سبب سے کمپنی کی شرکت کو فاسد قرار دیا جائے۔ کمپنی کی محدود ذمہ داری کی دلچسپ نظیر عبد ماذون فی التجارۃ ہے، کہ جس طرح ایک غلام کو آقا کی طرف سے تجارت کی اجازت ہوتی ہے، اور جو کچھ وہ تجارت کرتا ہے وہ آقا کا مملوک ہوتا ہے، لیکن اس کے باوصف اگر غلام پر دیون واجب ہوں تو وہ اس غلام کی قیمت تک محدود ہوں گے، اس سے زیادہ کا نہ غلام سے مطالبہ ہوسکتا ہے اور نہ مولی سے، یہاں بھی قرض خواہوں کا ذمہ خراب ہوگیا، اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ نظیر کمپنی کی محدود ذمہ داری سے بہت قریب ہے، کمپنی کے قرض خواہوں کا ذمہ خراب ہوجاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جن وجوہ سے بعض علماء نے کمپنی کے مروجہ نظام کو ناجائز قرار دیا ہے، ان سب وجوہ کی شریعت میں جائز نظیر موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء نے کمپنی کے مروجہ نظام کو شرعاً درست قرار دیا ہے۔

آخر میں کمپنی کے شیئرز سے متعلق ایک بحث رہ جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ کمپنی کا شیئرز کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا نہیں، تو اس سلسلہ میں بعض علماء معاصرین کی رائے یہ ہے کہ کمپنی کا شیئرز اس کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی نہیں کرتا بلکہ یہ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس شخص نے کمپنی کو اتنی رقم دے رکھی ہے، جیسے دیگر قرضوں مثلاً بانڈز وغیرہ کی دستاویزات ہوتی ہیں، ایسے ہی یہ بھی ایک شہادت و دستاویز ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ بانڈز وغیرہ پر متعین شرح سے سود ملتا ہے، لیکن شیئرز پر سود کی شرح متعین نہیں ہوتی، بلکہ کمپنی کو جو

نفع ہوتا ہے اس کا ایک متناسب حصہ اس کو دیدیا جاتا ہے۔ اب یہاں پر قابل غور پہلو یہ ہے کہ بعض علماء نے شیئرز کے متعلق جو یہ رائے قائم کی ہے اس کی بنیاد کیا ہے، اس سلسلہ میں ان حضرات کا کہنا ہے کہ اگر شیئرز کمپنی کے اثاثوں میں ملکیت کی نمائندگی کرنے والا ہوتا تو شیئرز ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں جہاں اس کی دیگر املاک کی قرقی ہوتی ہے اس طرح کمپنی اس کے متناسب حصے کی بھی قرقی ہونی چاہیے تھی مگر نہیں ہوتی، معلوم ہوا کہ کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر کی ملکیت نہیں ہوتی۔

لیکن ان بعض علماء کے مذکورہ نظریہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مذکورہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ کمپنی کے ظاہری نظام اور اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کو پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیئرز ہولڈر کی کمپنی کے اثاثوں میں ملکیت ہوتی ہے کہ اگر کمپنی باہمی قرارداد سے تحلیل ہو جائے تو شیئرز ہولڈرس کو صرف ان کی لگائی ہوئی رقم واپس نہیں ملتی بلکہ کمپنی کے اثاثوں کا متناسب حصہ شیئرز ہولڈرس کو دیا جاتا ہے جبکہ دوسری مالی دستاویزات مثلاً بانڈز وغیرہ پر کمپنی کے تحلیل ہونے کی صورت میں صرف لگی ہوئی رقم سود کے ساتھ واپس دی جاتی ہے۔ مذکورہ تفصیل سے صاف ہوا کہ کمپنی کا شیئرز محض قرضے کی شہادت نہیں ہے، بلکہ یہ کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر کی متناسب ملکیت کی نمائندگی کرتے ہیں، لہٰذا کمپنی کا جو شیئرز ہولڈر اپنے شیئرز کو فروخت کرتا ہے تو درحقیقت وہ کمپنی کے جامد اثاثوں، سامان تجارت، نقد، قابل وصول دین وغیرہ میں جو اس کا متناسب حصہ ہوتا ہے اس کو فروخت کرتا ہے تو درحقیقت وہ نقد رقم کو نقد کے ساتھ فروخت کرتا ہے، اس لیے شیئرز کی مذکورہ دونوں صورتوں کے احکام میں فرق ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کمپنی کے شیئرز کی دستاویز کی حیثیت قرض وغیرہ کی دستاویز کے مانند نہیں ہے بلکہ کمپنی کے شیئرز کی دستاویز درحقیقت کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر کی متناسب ملکیت کی نمائندگی کرتی ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ شیئرز ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں جہاں اس کے دیگر املاک کی قرقی ہوتی ہے، اسی طرح کمپنی میں اس کے متناسب حصے کی بھی قرقی ہونی چاہیے مگر نہیں ہوتی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کمپنی میں شیئرز ہولڈر کے متناسب حصے کی قرقی ہوتی ہے لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ جب وہ دیوالیہ ہو جائے تو وہ اپنا حصہ کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دے، لہٰذا جن وجوہ کی بنیاد پر کمپنی کے شیئرز کی خرید و فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے وہ سب حقیقت سے دور ہیں، اور ان میں سے ہر ایک محل نظر ہے، اس لیے درست بات یہ ہے کہ اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہو تو ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید و فروخت شرعاً درست ہے۔

یہاں تک کاروبار کی قسمیں، کمپنی کا تعارف، شرکت و کمپنی کے نظاموں میں فرق اسی طرح کمپنی کے قابل غور پہلو شیئرز کی حقیقت کے سلسلہ میں جو کچھ مختصر جائزہ پیش کیا گیا وہ حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی کی کتاب ''فقہی مقالات'' اور ''اسلام اور جدید معیشت و تجارت'' سے ماخوذ ہیں، کمپنی کے دیگر امور کی تفصیل جاننے کے لیے مندرجہ بالا کتابوں کا مطالعہ مناسب ہوگا۔

شیئرز کی شرعی حیثیت اور اس کی خرید وفروخت سے متعلق فقہی احکام

۱۔ دور حاضر کی تجارتوں میں جن نئی صورتوں کا اضافہ ہوا ہے، ان میں سے ایک نئی صورت شیئرز کی خرید وفروخت کا مسئلہ بھی ہے، چونکہ شیئرز کا کاروبار آخری صدیوں میں شروع ہوا ہے، اس لیے قدیم فقہاء کی کتابوں میں اس کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں تفاصیل نہیں ملتیں، لہذا ضروری ہے کہ ہم قرآن وسنت اور تصریحات فقہاء کی روشنی میں شیئرز کی خرید وفروخت سے متعلق فقہی احکام کو تلاش کریں، لیکن شیئرز کی خرید وفروخت سے متعلق فقہی احکام کو تلاش کرنے سے پہلے ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم شیئرز کی حقیقت ونوعیت کو جانیں۔

تو اس سلسلہ میں جہن تک شیئرز کی نوعیت کے تعین کا مسئلہ ہے تو یہ بات سب پر واضح ہے کہ زمانہ سابق میں جو شرکت کا معاملہ ہوتا تھا، دور حاجر میں شیئرز کی خرید وفروخت کا مسئلہ اسی کی ایک خاص ہے، یا اسی سے ملتا جلتا ایک مسئلہ ہے، البتہ پہلے زمانہ میں جو شرکت کا کاروبار ہوا کرتا تھا وہ چند افراد کے درمیان ہوا کرتا تھا، جس کو آج کل کی اصطلاح میں پارٹنرشپ کہتے ہیں، لیکن آج جو شرکت کی نئی قسم وجود میں آئی ہے اس کو جوائنٹ اسٹاک کمپنی کہا جاتا ہے، اور شرکت کی اس نئی قسم کی بنیاد پر دنیا بھر میں اسٹاک مارکیٹس کام کر رہی ہیں، جن میں کروڑوں بلکہ اربوں روپیوں کا لین دین ہوتا ہے، اور چونکہ دنیا میں یہ کاروبار مختلف صورتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس لیے اس کے شرعی حکم کو معلوم کرنے کے لیے اس کی حقیقت کو جان لینا ضروری ہوگا۔

لیکن سب سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ شیئرز کیا چیز ہے، یاد رہے کہ کمپنی کے شیئرز کو اردو میں ''حصص'' کہتے ہیں اور عربی میں ''سہم'' کہا جاتا ہے، یہ شیئرز درحقیقت کسی کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر کی ملکیت کے این متناسب حصہ کی نمائندگی کرتا ہے، مثلاً ایک شخص نے کسی کمپنی کا شیئر خریدا تو اس کے لیے اس شخص کو جو شیئرز سرٹیفکیٹ ک اکاغذ دیا گیا ہوہ کاغذ اس کمپنی میں اس شیئرز خریدنے والے شخص کی ملکیت کی نمائندگ کرتا ہے، لہذا اس کمپنی کے جو اثاثے اچھی طرح یاد رہے کہ کمپنی کے شیئرز کا خریدار شخص اپنے حصے کے بقدر کمپنی کے املاک واثاثے کا اسی وقت مالک ہوگا جبکہ اس کمپنی کے پاس املاک واثاثے بھی ہوں، لیکن اگر ایسا نہیں ہے بلکہ ابھی ایک کمپنی قائم ہو رہی ہے تو ایسی صورت میں نئی کمپنی کے شیئرز کا خریدار شخص فی الوقت اس نئی کمپنی کے املاک واثاثے کا مالک نہیں بن رہا ہے، بلکہ ابھی وہ اس کمپنی کے ساتھ شوکت ہی کا معاملہ کر رہا ہے، کیونکہ شروع شروع میں جب کوئی کمپنی وجود میں آتی ہے تو پہلے اپنا لائحہ عمل اور خاکہ بنا کر شائع کرتی ہے اور اپنے شیئرز ایشو کرتی ہے، شیئرز کے ایشو اور جاری کرنے کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ کمپنی لوگوں کو اپنے کاروبار میں شیئرز خریدنے اور حصہ دار بننے کی دعوت دے رہی ہے، اب اس کمپنی کی دعوت پر جو شخص اس کمپنی کے شیئرز کو خریدتا ہے وہ شخص درحقیقت اس کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار بن رہا ہے، اور اس کمپنی کے ساتھ شرکت کا معاملہ کر رہا ہے۔

لیکن کیا کسی کمپنی کے ساتھ شرکت کا معاملہ کر لینے سے کوئی شخص شرعی طور سے کسی کمپنی کے اثاثے کا خریدار بن جاتا ہے، تو جواب ظاہر ہے کہ ہرگز ایسا نہیں ہوتا، اگرچہ عرف عام میں کہا جاتا ہے کہ اس نے فلاں کمپنی کے شیئرز خرید لیے

مگر شرعی اعتبار سے یہ خرید وفروخت نہیں ہے، کیونکہ جب کوئی شخص ابتداء میں روپے جمع کر کے کسی نئی کمپنی کا شیئرز حاصل کرتا ہے، تو اس کے نتیجے میں اس کو کوئی سامان نہیں مل رہا ہے، اس لیے کہ اس کمپنی نے ابھی تک کوئی کام شروع نہیں کیا ہے، اور نہ ہی اب تک کمپنی کے املاک واثاثے وجود میں آئے ہیں، بلکہ کمپنی تو اب بن رہی ہے، لہٰذا کسی نئی قائم ہونے والی کمپنی کے شیئرز خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ شیئرز خریدنے والا شخص اس کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار بن رہا ہے، اور اس کمپنی کے ساتھ شرکت کا معاملہ کر رہا ہے، اب شرکت کا معاملہ کرنے کے نتیجے میں جو اس خریدار شخص کو شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل ہو جائے تو درحقیقت وہ شیئرز سرٹیفکیٹ اس کمپنی میں اس شخص کے متناسب حصے کی نمائندگی کر رہا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ کوئی شخص کسی کمپنی کے کاروبار میں صرف حصہ دار ہو جائے تو اس سے اس کمپنی کے اثاثے اور املاک کا حقیقی مالک متصور نہ ہوگا، جب تک کہ خود اس کمپنی کے پاس اثاثے اور املاک پہلے سے موجود نہ ہوں یا اس نے خرید نہ لیے ہوں، اور اس کے پاس جو سرٹیفکیٹ ہے اس کی حیثیت محض اس بات کی دستاویز کی ہے کہ اس نے اتنی رقم فلاں کمپنی کو دے کر اس کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار ہوگا ہی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جب وہ نئی کمپنی اس روپے سے کوئی اثاثہ خریدے گی تو اس کا شیئرز ہولڈر اس کے متناسب حصہ کا مالک نہ ہوگا، جیسا کہ بانڈز وغیرہ قرض کی دستاویزوں میں ہوتا ہے، کہ کوئی مدیون جب کسی دائن سے کوئی دین لے کر کوئی کاروبار شروع کرتا ہے تو دائن اپنے مدیون کے داروبار میں مالک نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ صرف اپنے دین کا حقدار ہوتا ہے، کیونکہ دین وقرض کا معاملہ محض ایک تبرع کا معاملہ ہے جس میں دائن وقرض خواہ صرف اپنے دین وقرض کو وصول کر سکتا ہے۔ لیکن یہ اس کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے دین وقرض کا عوض وصول کرے، یا اس قسم کی کوئی شرط رکھے، کیونکہ کوئی جنسی چیز دے کر اسی جنس کی چیز اضافہ کے ساتھ وصول کرنا شرعاً سود ہے۔

اس کے برعکس شرکت کا جو معاملہ ہوتا ہے یا دوسرے لفظوں میں کسی نئی کمپنی کے شیئرز خریدنے کا جو معاملہ اور معاہدہ ہوتا ہے، وہ درحقیقت نفع ونقصان میں شرکت کا معاہدہ ہوتا ہے، جو دراصل بیع ہی کی ایک قسم ہے اور بیع سلم کے مانند خرید وفروخت کا ایک معاملہ ہے۔ جو اصالۃً کرنے کے بجائے وکالۃً کرایا جاتا ہے، اس لیے اس معاملہ کے وقت اگرچہ کمپنی کے پاس اثاثہ واملاک نہ ہو پھر بھی کمپنی کی دعوت پر اس کے ساتھ معاملہ کرنا شرعاً درست ہے، اور جب کمپنی سامان واثاثہ خریدے گی تو یہ شخص اس کمپنی کے اثاثہ کا مالک نہ ہوگا، کیوں کہ خود کمپنی کے پاس اثاثہ نہیں ہے، البتہ کمپنی کے کاروبار میں جو اسے حصہ دار مانا گیا ہے تو چونکہ شرکت کا معاہدہ کر کے اس نے کمپنی میں رقم جمع کی ہے، اس لیے ابھی اس کا حصہ کمپنی میں جمع کردہ رقم کے بقدر ہی ہوگا، لہٰذا اگر وہ ابھی اپنے حصہ کو فروخت کرنا چاہے تو اس نے کمپنی میں جتنی رقم جمع کی ہے اتنی ہی رقم کسی دوسرے سے لے کر اپنے حصہ کو اس کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے۔

۲۔ نئی قائم ہونے والی کمپنی کا شیئرز خریدنا:

جب کوئی نئی کمپنی قائم ہوتی ہے تو اس وقت اس کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتی، مگر اس کے قیام

کے ساتھ اس کے شیئرز کا اعلان کیا جاتا ہے، اب اگر اس وقت اس کمپنی کے خرید کردہ شیئرز کو فروخت کیا جائے تو اس صورت میں چونکہ اس کمپنی کے خرید کردہ شیئرز کی حیثیت ابھی اثاثے کی نہیں ہے، بلکہ وہ ابھی نقد کی شکل میں ہے، یا واجب الوصول قرض کی شکل میں ہے، اس لئے اس کمپنی کے اس قسم کے شیئرز کو کمی بیشی کے ساتھ تو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، ہاں فیس ویلو (Face Value) یعنی اصل رقم پر خریدنا اور فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں جو بیع ہورہی ہے وہ نقد کی بیع نقد کے ساتھ ہورہی ہے، جو شرعاً بیع صرف ہے جس میں اتحادِ جنس کے وقت مبیع اور ثمن کے درمیان تساوی شرط ہے، اسی کے ساتھ مجلس عقد میں مبیع وثمن دونوں پر تقابض ضروری ہے، لیکن شیئرز کی خرید و فروخت کی مندرجہ بالا صورت میں تساوی تو ممکن ہے لیکن بدلین پر دست بدست تقابض ممکن نہیں ہے، کیونکہ خریدار تو فی الفور بائع کو روپیہ دے دیتا ہے اور قبضہ کرادیتا ہے، لیکن بائع کا روپیہ تو کمپنی کے یہاں جمع ہے، جس پر وہ خریدار کو قبضہ نہیں کرا رہا ہے بلکہ اس کو صرف شیئرز سرٹیفکیٹ دے رہا ہے، اس صورت حال کا تقاضا تو یہ ہے کہ شیئرز کی یہ خرید و فروخت شرعاً جائز نہ ہو لیکن اس کے جواز کے لئے مولانا اشرف علی تھانوی نے امداد الفتاوی میں یہ حیلہ لکھا ہے کہ جو شخص اپنا شیئر فروخت کررہا ہے وہ خریدار سے روپے قرض لے لے اور خریدار کے اس قرض والے روپے کا حوالہ کمپنی پر اپنے شیئر کے بدلے میں کردے، کہ تمہارا جو قرض مجھ پر ہے وہ تم فلاں کمپنی سے وصول کرلو، اور شیئر کا یہ خریدار شخص کمپنی سے اپنا قرض والا روپیہ وصول کرنے کے بجائے اپنے مدیون والا شیئر لے لے اور کمپنی کے منیجر کو اپنی طرف سے شیئر پر قبضہ کا وکیل بنادے تو یہ شرعاً درست ہے، اور اس خریدار کا قبضہ شیئر پر کمپنی کے منیجر کے واسطہ سے ہوجائے گا، اور اب وہ شیئر اس خریدار کے قبضہ میں آ کر اس کا مملوک ہوجائے گا (مستفاد از امداد الفتاوی ۳/۱۵۱)۔

۳۔ نقود و غیر نقود سے مخلوط اثاثہ والی کمپنی کے شیئرز کی خرید و فروخت کا حکم:

کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد جب اس کا اثاثہ مخلوط شکل میں نقد و املاک کا مجموعہ ہوجاتا ہے تو اگرچہ ایسی صورت میں کمپنی کی املاک مال ربوی وغیر ربوی دونوں پر مشتمل ہوتی ہے، مگر ایسی کمپنی کے شیئرز کو نقد رقم کے ساتھ خریدنا اور بیچنا شرعاً جائز و درست ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ مذکورہ کمپنی کا ہر شیئر جتنی نقد رقم پر مشتمل ہے، اس سے زیادہ نقد رقم کے عوض اس کے شیئر کو فروخت کیا جائے تب جائز ہے، تاکہ کمپنی کا ہر شیئر جتنی نقد رقم پر مشتمل ہے اس کو نقد رقم سے برابر کرنے کے بعد جو زائد رقم بچے اس کے بدلے میں کمپنی کا اثاثہ ہو۔ شیئرز کی اس خاص صورت کے جواز کی دلیل 'سیف محلی' اور 'منطقہ مفضضہ' والا مسئلہ ہے، جس میں مال ربوی وغیر ربوی سے مخلوط مال کو مال ربوی کے عوض فروخت کیا جاتا ہے، جو فقہ حنفی کی رو سے جائز ہے، جبکہ خالص مال ربوی مال مخلوط میں شامل مال ربوی سے زیادہ ہو، تاکہ مال ربوی کے مقابلہ میں مال ربوی ہو اور جو زائد خالص مال ربوی ہو وہ مخلوط مال غیر ربوی کے مقابلہ میں ہو، لیکن حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک ربوی وغیر ربوی سے مخلوط مال کی بیع خالص مال ربوی کے ساتھ جائز نہیں ہے، جب تک کہ مخلوط مال میں سے مال ربوی کو الگ نہ کرلیا جائے، البتہ بعض شافعیہ اور حنابلہ کا موقف یہ ہے کہ اگر مال مخلوط میں اکثر مال ربوی ہو تب تو اس کی بیع خالص مال ربوی سے جائز نہیں ہے، لیکن اگر مال مخلوط میں غیر ربوی

مال زیادہ ہو اور مال ربوی کم ہو تو پھر اس کی بیع خالص مال ربوی سے جائز ہے۔

مذکورہ تفصیل کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق نقود واملاک سے مخلوط شیئرز کی بیع شرعاً جائز نہ ہو، البتہ بعض شافعیہ اور حنابلہ کے موقف کے مطابق ضروری ہوگا کہ شیئرز کے خریدنے سے پہلے کمپنی کے اثاثوں کا جائزہ لیا جائے کہ اس کے شیئرز میں نقود کی مقدار زیادہ ہے یا غیر نقود کی، تاکہ اسی کے مطابق جواز وعدم جواز کا حکم لگایا جائے، کہ اگر کمپنی کے شیئرز میں اثاثے زیادہ ہوں اور نقود کی مقدار کم ہو تو شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہو، اور اگر نقود کی مقدار زیادہ ہو اور دیگر اثاثے کم ہوں تو شیئرز کی بیع کو ناجائز کہا جائے۔

۴۔ مکمل حرام کاروبار کرنے والی کمپنی کا شیئر خریدنا:

وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام وجیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت اور اکسپورٹ، یا بینکس اور سودی اسکیموں مین روپیہ لگانا، اسی طرح سود اور جوئے پر مشتمل کاروبار کرنا یا بیمہ کرانا وغیرہ، تو ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً ناجائز ہے، اسی طرح بینک جس کا اصل کاروبار ہی سود کی لین دین ہے تو وہ بھی اگر شیئر جاری کرے تو اس کے شیئر کی بھی بیع وشراء جائز نہیں۔

۵۔ ضمناً حرام کاروبار کرنے والی کمپنی کا شیئر خریدنا:

اگر کوئی کمپنی ایسی ہے جس کا بنیادی کاروبار اصلاً حلال ہے، مثلاً انجینئرنگ کے سامان تیار کرنا یا عام استعمال کی مصرفی چیزیں تیار کرنا یا کوئی اور جائز کاروبار کرنا، تو ایسی کمپنیز کو اگر ان کے بنیادی کاروبار کے حلال ہونے کے باوجود بعض اوقات انکم ٹیکس وغیرہ سے بچنے کی غرض سے بینم سے سودی قرض لینا پڑتا ہو یا اس قسم کی کمپنی اپنی زائد رقم کو بینم میں رکھوا کر اس پر سود لیتی ہو، تو ظاہر ہے کہ یہ کمپنی کا اصل کاروبار نہیں بلکہ یہ اس کا ایک ذیلی اور ضمنی کام ہے، تو اس قسم کی کمپنیوں کے شیرئز کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں حضرات علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جو کمپنی سودی کاروبار کرتی ہے خواہ اس کا یہ کاروبار اصلاً ہو یا ضمناً ہو، اسی طرح اس کا سودی کاروبار کم ہو یا زیادہ ہو، بہرصورت ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت ناجائز ہے، کیونکہ جو شخص ایسی کمپنیز کا شیئر خریدتا ہے یا لیتا ہے تو درحقیقت وہ کمپنی کے کارندوں کو حرام وناجائز اور سودی کاروبار کرنے کا وکیل بناتا ہے، لہٰذا کمپنی کا سودی لین دین بھی اس کی طرف منسوب ہوگا، اس لیے جو کمپنی کسی نہ کسی طرح سودی لین دین میں ملوث ہے اس کے شیئرز کو خریدنا درست نہیں، خواہ اس کا حقیقی و بنیادی کاروبار حلال وجائز ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی کے سودی لین دین کی دو صورتیں ہیں:

ایک صورت تو یہ ہے کہ کمپنی قرضہ لے اور اس پر سود ادا کرے، اس صورت میں کمپنی کی آمدنی میں تو کوئی حرام عنصر شامل نہیں ہوا، اس لیے کہ جب کوئی شخص سودی قرضہ لیتا ہے تو یقیناً یہ فعل حرام اور سخت گناہ کا باعث ہے مگر وہ قرض کا مالک ہو جائیگا، لہٰذا اس رقم کے ذریعہ کاروبار کرکے جو آمدنی حاصل کرے گا وہ شرعاً حلال ہوگی، البتہ اس صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ کمپنی چونکہ شیئرز ہولڈر کی وکیل ہے، اس لیے سودی قرضہ لینے کی نسبت اس کی طرف بھی ہوگی، اور اس شخص کو سودی قرضہ لینے پر رضامند سمجھا جائے گا، تو اس اشکال کا جواب حضرت

مولانا تھانویؒ نے یہ دیا ہے کہ جن حضرات کو کمپنی کے سود لینے کا علم ہو جائے تو وہ تصریحاً کارکنان کمپنی کو منع کر دیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہو مگر اس ممانعت سے اس فعل کی نسبت اس شخص کی طرف نہ ہوگی، اور اگر کمپنی کے سودی قرضہ لینے کا سرے سے علم ہی نہ ہو تب تو ظاہر ہے کہ بدرجہ اولیٰ کارکنوں کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا، کیونکہ اس نے کارکنان کمپنی کو اس کا وکیل بنایا ہی نہیں (امداد الفتاویٰ: ۳/۴۹۱)، یاد رہے کہ کمپنی کے سودی قرضہ لینے کی صورت میں شیئرز ہولڈرس کا کمپنی کے ذمہ داران کی طرف عدم رضامندی کا خط لکھ دینا کافی ہو سکتا ہے۔ اور دور حاضر میں تو اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ کمپنی کی سالانہ میٹنگ میں اس کے خلاف آواز اٹھائی جائے۔

لیکن جہاں فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں، وہاں اگر کوئی شخص سودی لین دین کے خالف آواز اٹھائے اور اقلیت میں ہونے کی وجہ سے اس کی رائے پر عمل نہ ہو سکے اور سودی لین دین بدستور جاری رہے تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کمپنی میں سودی قرضہ وغیرہ لینا اس کے کالف آواز اٹھانے والے شخص کی وکالت اور اس کی رضامندی سے ہو رہا ہے، لہٰذا صحیح اور درست بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کمپنی کا اصل کاروبار تو جائز ہو اور ضمناً وہ کمپنی سود پر قرضہ لیتی ہو تو ایسی کمپنی کے شیئرز کو خریدنا جائز ہے، بشرطیکہ سود سے برأت کا اظہار کر دیا جائے۔

کمپنی کے سودی لین دین کی دوسری صورت یہ ہے کہ کمپنی قرضہ دے کر سود لے جیسا کہ دور حاضر میں بیشتر کمپنیاں زائد رقموں کو بینکوں کے سیونگ اکاؤنٹ میں رکھوا کر اس پر سود لیتی ہیں، اب یہاں پر دو اشکال ہے: ایک تو یہ ہے کہ سودی معاملہ میں شیئرز ہولڈر کی شرکت ہو جائے گی، لیکن اس کا جواب تو وہی ہے جو اوپر گذرا۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہکمپنی جو منافع تقسیم کرے گی اس میں سود کی رقم بھی شامل ہوگی جبکہ آمدنی کا جو حصہ سود سے حاصل ہوا ہے وہ شرعاً حرام ہے، تو اس اشکال کے جواب میں حضرت تھانویؒ نے دو باتیں بیان فرمائی ہیں: ایک بات تو یہ ہے کہ ہر کمپنی کے بارے میں یقین سے یہ معلوم نہیں کہ اس نے سود لیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض کمپنی نے سود لیا بھی ہے تو وہ قلیل ہے، جو مال حلال میں مخلوط ہو گیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر مال مخلوط میں اکثر مال حالل ہو تو اس کے استعمال کی شرعاً گنجائش ہے۔

لیکن یہاں مذکور جواب پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مال مخلوط میں سے ہدیہ دے اور اس مال مخلوط میں حرام مال کم ہو تو ہدیہ لینا اس لیے جائز ہے کہ اس صورتمیں یہ امکان ہے کہ یہ ہدیہ ممکن ہے کہ حلال مال میں سے دے رہا ہو۔ لیکن کمپنی کیمنافع میں صورت حال اس سے مختلف ہے، اس لیے کہ کمپنی کو جتنی مدوں سے آمدنی حاصل ہوتی ہے، ہر مد کی آمدنی کا ایک متناسب حصہ اس نفع میں شامل ہوتا ہے، لہٰذا سود کا متناسب حصہ بھی نفع میں شامل ہوا، اب اگر کمپنی کی آمدنی کا دس فیصد حصہ سودی اکاؤنٹ سے حاصل ہوا ہے تو نفع کا بھی دس فیصد حصہ سودی ہوگا، لہٰذا نفع کا جتنا حصہ سودی ہے اس کا بلا نیت ثواب صدقہ کرنا لازم ہوگا۔

۶۔ سود دینے یا لینے والی کمپنی کے شیئرز خریدنا:

جن حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کو قانونی تقاضا پورا کرنے کیلیے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے جس سے ان کمپنیوں کو سود ملتا ہے، یا ان کمپنیوں کو بانڈز خریدنے پڑتے ہیں جن کا کمپنیاں سود دا

کرتی ہیں توایسی کمپنیز کا شیئرز خریدنا جائز ہے، البتہ سود کی جو رقم ملتی ہے اس کا تصدق ضروری ہے (فقہی مقالات ۱/۱۵۰)۔

۷۔سودی قرضہ کے ذریعے حاصل ہونے والے منافع کا حکم:

سودی قرضہ لینے کی صورت میں اس قرض سے جو منافع حاصل ہوتے ہیں شرعاً وہ مفید ملک ہیں، اور ان کے ذریعے حاصل ہونے والی آمدنی حلال شمار کی جائے گی۔

۸۔کیا مطلقاً وکیل کا عمل مؤکل کا عمل شمار ہوتا ہے:

کمپنی کا جو بورڈ آف ڈائریکٹرس ہوتا ہے اس کی حیثیت شیئرز ہولڈرس کے وکیل کی ہے لیکن اس کا عمل شیئرز ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا، تو اس سلسلہ میں تصریحات فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لازم نہیں ہے کہ وکیل کا عمل بعینہ مؤکل کا عمل شمار ہو۔

والدليل عليه ماقال صاحب الهداية: إذا أمر المسلم نصرانيا ببيع خمر أو بشرائها ففعل ذلک جاز عند أبي حنيفة (الہدایہ ۳/۴۱)۔

۹۔وکیل کے عمل سے مؤکل کب بری سمجھا جائے گا:

اگر کسی کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرس کثرت رائے پر فیصلہ کرتے ہوئے بنیادی کاروبار کے حلال ہونے کے باوجود کچھ سودی قرضہ وغیرہ لیتا ہے اور کمپنی کی میٹنگ میں شیئرز ہولڈر سودی قرض سے اختلاف کرتا ہے اور اپنے اختلاف کا اعلان کر دیتا ہے، تو ایسی صورت میں اس کا یہ اعلان وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے اسے بری کر دے گا (ایضاح النوادر ر۱۰۵، امداد الفتاوی ۳/۴۹۱)۔

۱۰۔کمپنی کے منافع میں ملنے والے سود کا حکم:

اگر کسی کمپنی کے منافع میں سود کی رقم بھی شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو ایسی صورت میں منافع سے بقدر سود نکال کر صدقہ کر دینا واجب وضروری ہے۔

إذا دفع المسلم النصراني مالا مضاربة بالنصف فهو جائز إلا أنه مكروه فإن اتجر في الخمر والخنزير فربح جاز على المضاربة في قول أبي حنيفة وينبغي للمسلم أن يتصدق بحصته من الربح (فتاوی عالمگیری ۴/۳۳۳)۔

۱۱۔حلال کاروبار کرنے والی کمپنی میں آئے ہوئے سود کا حکم:

اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کیا گیا ہو مگر اس کمپنی کا کاروبار حلال ہو، تو ایسی صورت میں جتنا فیصد سود کل آمدنی میں مخلوط ہو گیا ہے اتنا فیصد سود کی رقم آنے اور ملنے والے منافع سے نکال کر صدقہ کر دینا شرعاً جائز ودرست اور کافی ہے۔

قال في رد المحتار من ملک أموالا غير طيبة أو غصب أموالا وخلطها ملكها بالخلط

ويصير ضامنا. فلذلك قلنا ينبغي للمسلم ان يتصدق بحصته من الربح.

۱۲۔ نفع حاصل کرنے کی غرض سے شیئرز کی تجارت کرنا:

شیئرز کی تجارت کرنا یعنی کوئی شخص کسی کمپنی کے شیئرز اس ارادے سے خریدے کہ قیمت بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ فروخت کردوں گا تو شرعاً جائز ہے، البتہ کسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت کے جواز کے لئے شرعاً چار شرطوں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

۱۔ کمپنی کا اصل کاروبار حلال ہو، ۲۔ کمپنی کے شیئرز کو فیس ویلو سے کم وبیش کر کے فروخت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کمپنی کے اثاثے صرف نقد کی شکل میں نہ ہوں، بلکہ کچھ منجمد اثاثے بھی وجود میں آچکے ہوں، کیونکہ اگر نقد کی شکل میں کمپنی کا سرمایہ ہوگا تو کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت کرنا جائز نہ ہوگا، ۳۔ اگر کمپنی سودی لین دین کرتی ہو تو اس کی سالانہ میٹنگ میں سود کے خلاف آواز اٹھائی جائے، ۴۔ اگر کمپنی کی آمدنی میں سود کی رقم شامل ہو، تو جب منافع تقسیم ہو کر ملیں تو اس وقت نفع کا جتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہو اتنی مقدار صدقہ کردے۔ (اسلام اور جدید معیشت وتجارت ۸۹)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح کمپنی کے شیئرز کو خریدنا جائز ہے اسی طرح ان کو فروخت کرنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ ان شرائط کو پورا کرلیا جائے جو اوپر ذکر کی گئیں۔

اب رہا یہ سوال کہ بازار کی صورت حال کو دیکھ کر جو منافع والے شیئرز لئے جاتے ہیں یا کم قیمت والے شیئرز خریدے جاتے ہیں، بظاہر یہ ایک طرح کی تخمین اور قیاس آرائی معلوم ہوتی ہے، تو کیا اس قسم کی قیاس آرائی شرعاً ممنوع ہے اور کیا اس قیاس آرائی کے سبب شرعاً شیئرز کی خرید وفروخت ناجائز ہوگی، تو اس سلسلہ میں حضرات علماء کے دو نقطۂ نظر ہیں: عالم اسلام کے معروف عالم دین شیخ محمد صدیق الضریر، جو فقہ خصوصاً فقہ للمعاملات میں بڑی مہارت رکھتے ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ چونکہ شیئرز کو دیگر سامان تجارت کے مثل قرار دے کر قیمت بڑھنے کا اندازہ کر کے نفع کمانے کے ارادے سے اس کو خریدنے کی بنیاد محض تخمین اور قیاس آرائیوں پر ہے جس کو سٹہ (Speculation) کہتے ہیں، اس لئے جائز نہیں ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ قیاس آرائیوں کی بنیاد پر خرید وفروخت کی اجازت دینا سٹہ بازی کا راستہ کھولنا ہے، لہذا یہ جائز نہیں ہے، ان کے یہاں شیئرز کا خریدنا اور فروخت کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے جبکہ خریدار کمپنی کے نفع نقصان میں شریک ہوکر سرمایہ کاری کے لئے خرید رہا ہو۔ لیکن اگر اصولی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اصل سوال شیئرز کی تجارت کے سلسلہ میں یہ نہیں ہے کہ اس کا خریدار کس نیت سے خرید رہا ہے، بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ شیئرز فی نفسہ بیع وشراء کے قابل ہے یا نہیں؟ لہذا جب دلائل وشواہد کی روشنی میں یہ بات تسلیم کرلی گئی کہ شیئرز بیع وشراء کے قابل ہے اور اس کی بیع درحقیقت کمپنی کے اثاثوں میں متناسب حصہ کی بیع ہے، تو اب کوئی وجہ نہیں کہ شیئرز کی تجارت اور خرید وفروخت کو خواہ حصول نفع کی نیت سے کیوں نہ ہو، ناجائز قرار دیا جائے، اس لئے درست بات یہ ہے کہ بیع وشراء کی شرعی شرائط کو ملحوظ رکھ کر شیئرز کی خرید

فروخت شرعاً جائز ہے، خواہ کسی بھی نیت سے ہو، خواہ شیئرز کو اپنے پاس رکھ کر سرمایہ کاری کے ارادے سے خریدا جائے یا قیمت بڑھنے پر نفع کمانے کی غرض سے خریدا جائے بہر صورت جائز ہے، البتہ خرید و فروخت کی شرائط کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے، کیونکہ ان شرائط کی رعایت سے خود سٹہ بازی کا سد باب ہو جائے گا۔ البتہ اگر کمپنی کے شیئرز کی خرید و فروخت آپس کے ڈیفرنس کو برابر کرنے کی غرض سے قبضہ سے پہلے ہو اور شیئرز کا لینا دینا مقصود نہ ہو تو ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اور سٹہ بازی میں داخل ہے۔

۱۳۔ فیوچر سیل کا شرعی حکم:

شیئر مارکیٹ میں ایک سودا جو فیوچر سیل کے نام سے مروج ہے، جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان کو برابر کر لینا ہوتا ہے، مثلاً زید نے سو شیئرز کا معاملہ فی شیئر سو روپے کے حساب سے کیا، اور ادائیگی و وصولی کی تاریخ مثلاً ۳۰ راگست مقرر کی، اب جب تیس اگست کی تاریخ آئی تو اس کی قیمت بڑھ کر ڈیڑھ سو روپے ہوگئی تو وہ خریدار شخص بائع سے پانچ ہزار روپے منافع وصول کر لے، اور اگر ۳۰ راگست کو اس شیئرز کی قیمت گھٹ کر پچاس روپے ہوگئی تو وہ شخص بائع کو پانچ ہزار روپے ادا کر دے، تو یہاں پر چونکہ اصل سودا محض کاغذی کارروائی ہے، نہ مشتری ثمن دیتا ہے اور نہ بائع مال دیتا ہے، اسی طرح نہ شیئرز پر قبضہ ہوتا ہے اور نہ ہی قبضہ پیش نظر ہوتا ہے، البتہ مقررہ تاریخ پر بڑھتے ہوئے دام کی صورت میں منافع یا گھٹتے ہوئے دام کی صورت میں خسارہ ادا کیا جاتا ہے، تو شریعت میں مذکورہ فیوچر سیل بالکل ناجائز و حرام ہے، کیونکہ اس قسم کی خرید و فروخت سراسر سٹہ بازی ہے جس کی حرمت قرآن پاک میں منصوص ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"يسئلونک عن الخمر و الميسر قل فيهما إثم كبير و منافع للناس وإثمهما أكبر من نفعهما" (البقرہ/۲۱۹)۔

ترجمہ: لوگ آپ سے شراب اور جوے کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں، اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے، بہت بڑا اور زیادہ ہے۔

ایک دوسری جگہ اس سے زیادہ تفصیل سے فرمایا گیا ہے:

يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون، إنما يريد الشيطان أن يوقع بينكم العداوة والبغضاء في الخمر والميسر (المائدہ/۹۰۔۹۱)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! بلاشبہ شراب، جوا، بت اور پانسے یہ سب گندے کام ہیں شیطان کے، ان سے بچو تاکہ نجات پاؤ، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعہ دشمنی پیدا کر دے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فیوچر سیل کا معاملہ جس میں شیئرز پر نہ مشتری کا قبضہ ہوتا ہے اور نہ بائع کا، بلکہ شیئرز کا لینا دینا ہی سرے سے مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اصل مقصد سٹہ بازی کر کے آپس کے ڈیفرنس کو برابر کر لینا ہوتا ہے، تو شرعاً

اس قسم کا معاملہ کرنا حرام وناجائز ہے، اور مذہب اسلام میں بیع منابذہ، ملامسہ وغیرہ کی جو ممانعت ہے اس کی وجہ بھی ان بیوعات میں جوئے کا ہونا ہے، چنانچہ ہدایہ میں بیع ملامسہ ومنابذہ کی ممانعت کے ذیل میں لکھا ہے:

لأن فيه تعليقا بالخطر و قال في هامش الهداية: اى للتمليك بالخطر و التمليكات لا تحمله لأدائه الى معنى القمار (هدايه: ۳/۳۸)

۱۴۔ صیغۂ استقبال کے ساتھ خرید وفروخت:

غائب سودا جس کی بیع مستقبل کی طرف کر کے کی جاتی ہے اور مشتری ثمن نہیں ادا کرتا اور نہ ہی کمپنی کو سامان تیار کرنے کا آرڈر روایت ہے تو شرعاً اس قسم کے معاملہ پر حقیقت بیع کا اطلاق نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس کی حیثیت محض وعدہ کی ہے، لہٰذا وہ کسی کے لیے عقد لازم کے درجہ میں نہ ہوگا، اب اگر وقت مقررہ کے آنے پر بائع ومشتری میں سے کسی نے اس کا انکار کردیا تو اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا، ہاں اسے وعدہ خلافی کہہ سکتے ہیں، البتہ اگر کوئی فریق عرف وعادت کی وجہ سے مجبور سمجھا جاتا ہو تو شرعاً اس طرح کا معاملہ کرنا ممنوع وناجائز ہے۔

۱۵۔ شیئرز پر قبضہ کا مطلب:

مندرجہ سوال کا صحیح صواب جاننے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم جانیں کہ شریعت میں قبضہ کی حقیقت کیا ہے اور کیا ہر چیز پر قبضہ کے تحقق کے لیے حسی قبضہ اور قبضہ بالید ضروری ہے، تو جہاں تک قبضہ کی حقیقت کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں حضرات فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ بائع مبیع کو اپنے مال سے الگ کر کے اس طرح رکھ دے کہ خریدار اپنے سامان کو اپنے اختیار سے جب لے جانا چاہے، یا اس میں جب تصرف کرنا چاہے تو اسے اپنے سامان کو اٹھا کر لے جانے اور اس میں تصرف کرنے کے وقت کوئی رکاوٹ بائع کی طرف سے پیش نہ آئے، چنانچہ صاحب بدائع نے قبضہ کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكن و التخلي و ارتفاع الموانع عرفا و عادة و حقيقة (بدائع: ۵/۱۴۸)

ایک دوسری جگہ صاحب بدائع نے آگے چل کر قبضہ کے سلسلہ میں مزید بحث کی ہے اور لکھا ہے:

ثم لاخلاف بين أصحابنا في ان اصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الاموال (بدائع: ۵/۲۴۴)

یعنی فقہائے احناف کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ تمام اموال میں اصل قبضہ تخلیہ (یعنی مال کو چھوڑ دینے اور الگ کردینے) سے حاصل ہوجاتا ہے اور قبضہ کے تحقق کے لیے قبضہ بالید شرط نہیں ہے، بلکہ رکاوٹ کو دور کردینا، عرف وعادت میں قبضہ کے لیے کافی ہے۔ صاحب بدائع نے ایک اور جگہ قبضہ کی حقیقت پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

تفسير التسليم و القبض فالتسليم و القبض عندنا هو التخلية و التخلي وهو ان يخلي

البائع بين المبيع و بين المشتری عن التصرف فیه فیجعل البائع مسلما للمبیع و المشتری قابضا له (بدائع: ۵/ ۲۴۴)

ترجمہ: (بائع کا خریدار کو مال) سونپنے اور (خریدار کا اس مال مبیع پر قبضہ) کرنے کی تفسیر ہمارے علمائے احناف کے نزدیک تخلیہ اور تخلی ہے، اور وہ یہ ہے کہ بائع مبیع مشتری کو حوالہ کردے کہ وہ اس میں تصرف کر سکے، لہٰذا اب کہا جائے گا کہ بائع نے مبیع کو سونپ اور مشتری اس پر قابض ہو گیا۔

مذکورہ تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ بائع اگر مبیع کو اپنے ضمان سے نکال کر مشتری کے ضمان میں کر دے کہ مشتری جیسے چاہے تصرف کر سکے، تو اسے شرعاً مبیع پر قبضہ کہا جائے گا، اگر یہ صورت شیئرز میں بھی ہو جاتی ہے کہ شیئرز مشتری کے ضمان میں آ جاتا ہے، اور خریدار اگر اپنے خریدے ہوئے شیئرز میں تصرف کرنا چاہے تو اسے کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتا ہے تو یہاں بھی یہ کہا جائے گا کہ شیئرز مشتری کے قبضہ میں آ گیا، اور اب اگر وہ اس شیئرز کو فروخت کرنا چاہے تو فروخت کر سکتا ہے، اور شیئرز پر قبضہ کے تحقق کے لیے حسی قبضہ ضروری نہیں ہے بلکہ قبضۂ حکمی کافی ہے، اسی طرح شیئرز پر قبضہ کے ثبوت کے لیے قبضہ بالید کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو شیئرز پر قبضہ کے ثبوت کے لیے قبضہ بالید ممکن بھی نہیں ہے، اس لیے شیئرز پر قبضہ کے تحقق کے لیے فقط قبضۂ حکمی کافی ہے۔

اگر چہ شیئرز پر خریدار کی ملکیت کا تحریری ثبوت اس کے پاس سرٹیفکیٹ ملنے کے بعد آئے گا، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ سرٹیفکیٹ پر قبضہ کیے بغیر آگے شیئرز کی خرید و فروخت کا معاملہ نہ کیا جائے، اور اسی قول محتاط پر فتویٰ دیا جائے۔

۱۶۔ شیئرز سرٹیفکیٹ کے حصول سے پہلے اس کی خرید و فروخت کا حکم:

اگر کوئی خریدار اپنے خرید کردہ شیئرز کو جس کی قیمت اس نے ادا کر دی ہے چاہتا ہے کہ اس کی سرٹیفکیٹ کے حصول سے پہلے اس کو فروخت کر دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ عرف میں شیئرز کا قبضہ اسی وقت سمجھا جاتا ہے جبکہ سرٹیفکیٹ ہاتھ میں آ جائے، نیز ہر چیز کے قبضہ کا طریقہ عرف ہی سے متعین ہوتا ہے، علاوہ ازیں بغیر سرٹیفکیٹ ملے ہوئے دھوکا دہی کا امکان ہے، نیز عرف میں اکثر لوگ بغیر کاغذی ثبوت کے قبضہ کا اعتبار نہیں کرتے ہیں، لہٰذا ان دلائل کا تقاضا ہے کہ سرٹیفکیٹ پر قبضہ کیے بغیر ہرگز آگے خرید و فروخت نہ کیا جائے۔

۱۷۔ شیئرز کی خرید و فروخت کے لیے دلالی کرنا:

اسٹاک ایکسچینج بازار میں خرید و فروخت کے لیے واسطہ بننے والوں کو بروکر کہتے ہیں جو دور حاضر میں شیئرز کی خرید و فروخت اور قیمتوں سے واقفیت رکھتا ہے اور خرید و فروخت کی کارروائی کا اندراج کرتا ہے، تو ایسے شخص کی حیثیت ایجنٹ اور اجیر مشترک کی ہے، دوسرے لفظوں میں بروکر ہی کو دلال کہا جاتا ہے، اگر ایسے لوگ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے ایجنٹ اور بروکر کی حیثیت سے کام کریں تو یہ شرعاً جائز ہے اور ان کی اجرت شرعاً حلال ہوگی (بحث و نظر: شمارہ نمبر ۲۱، صفحہ ۳۸)۔

شیئرز یا حصص

مفتی عزیز الرحمن
مدنی دارالافتاء بجنور

موجودہ زمانہ میں ہر چیز کی وسعت پذیری کی وجہ سے تجارتی کاروبار میں بھی وسعت آئی ہے، چنانچہ کمپنیوں کے شیئرز اور اس کی خرید وفروخت موجودہ زمانہ کی دین ہے ہمارے متاخرین علماء تک اس کی مثال نہیں ملتی اس لیے شرعی بنیادوں اور اصولوں پر ہی اس کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

ابتدائی منزل میں جب کسی کاروبار کی تشکیل کی جاتی ہے تو ایک رجسٹریشن باڈی کاروبار کے کچھ اصول مرتب کر کے اپنے کاروبار میں شریک ہونے کی دعوت دیتی ہے اور اپنے تخمینہ کے مطابق شریکوں کے لیے ایک حصہ کی قیمت مقرر کردیتی ہے، اب اگر وہ کاروبار جائز ہے تو شرکت بھی جائز ہے اور ناجائز ہے تو شرکت بھی ناجائز ہے، مثلاً شراب کی فیکٹری، سود کے لیے بینکوں کا وجود اسی ضمن میں آتا ہے، اس کمپنی میں شرکت کے حصہ کو شیئر کہتے ہیں، مثلاً ۱۰۰ روپے کے کاروبا میں ہر حصہ کی قیمت دس روپیہ ہو تو گویا دس روپیہ کی شرکت کا سرٹیفکیٹ خریدنے والا اس کمپنی کا شریک ہے اور یہ سرٹیفکیٹ اس کے حصہ شرکت کی نمائندگی کرتا ہے، یہ سرٹیفکیٹ نوٹ سے ذرا مختلف ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ نوٹ کی ملکی قیمت یکساں رہتی ہے جبکہ سرٹیفکیٹ کی قیمت یعنی حصہ شرکت کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

مختلف شیئرز سے حاصل شدہ رقم کو طے شدہ پروگرام کے مطابق کاروبار کے مطابق کاروبار میں ''زرِ زرمی کشد'' کے اصول پر خرچ کیا جاتا ہے، مثلاً کمپنی انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے کچھ سودی رقم بینکوں سے اسی تناسب سے لیتی ہے اور اپنی رقم بینک میں جمع کرتی ہے، کہ سود دے کر بھی بینک کی رقم سے نفع ہو اور اپنی رقم کا اتنا سود مل جائے کچھ بینک کے ساتھ برابر سرابر کا معاملہ ہوجائے۔ اس طرح کاروبار میں شرکت کا یہ حصہ سودی کاروبار ہوتا ہے جو حرام ہے اور اس میں شرکت جائز نہیں ہے۔ اتفاق سے شیئرز ہولڈر کے حصہ میں یہ سودی رقم بھی آتی ہے جس میں اس کے حصہ کی نمائندگی ہوتی ہے۔

اس کے بعد بنیادی کاروبار شروع ہوتا ہے، اور کل رقم میں بلڈنگ، سامان تجارت، مشینری وغیرہ جامد اشیاء ہوتی ہیں، ان ہی سب چیزوں کو رکھ کر شیئر کی قیمت مقرر کی جاتی ہے، اس لیے ہر ایک شیئر کے مقابل کمپنی کی جامد اشیاء اور کمپنی کا سیال سرمایہ جو قرضوں میں بٹا ہوا ہوتا ہے نمائندہ ہوتا ہے اور ہر ایک حصہ دار اپنے حصہ کو فروخت کرنے کا کمی بیشی کے ساتھ مالک اور مختار ہوتا ہے، لیکن اس کے لیے چند شرائط ہیں جن کو ذہن میں رکھنا چاہیے:

۱۔ بنیادی طور پر کاروبار حرام نہ ہو۔

۲۔ کمپنی کا تمام سرمایہ سیال نہ ہو، بلکہ کچھ سرمایہ منجمد، بلڈنگ، مشینری، تیار ہونے والا خام مال بھی ہو، شیئرز کا وہ جزو جو کمپنی کے اس اثاثے کے مقابل ہے اسی کو کمی بیشی سے بیچنا جائز ہے، اور شیئرز کا وہ حصہ جو سیال سرمایہ کے مقابل ہے وہ بیع صرف کے حکم میں ہے اس میں کمی بیشی جائز نہیں ہے۔

کمپنیوں کے ان شیئرز اور حصص کی مارکیٹ میں ایک دوسری صورت بن جاتی ہے، جو سٹہ بازی اور غلط طور پر نفع اندوزی کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس کی شریعت میں گنجائش نہیں ہے۔

ہم سے بعض حضرات نے بتلایا ہے کہ کمپنیوں کے بنیادی خریدار یعنی قوت منتظمہ جو ابتدائی شرکاء ہوتے ہیں ان کے لئے لازم ہے کہ وہ سود سے حاصل شدہ رقم کو صدقہ کر دیا کریں، اور سودی رقم کے علاوہ جو ان کے حصہ میں منافع اور اثاثہ آتا ہے اس پر زکوۃ بھی دیا کریں، اور اس کا کاروبار کی شرکت کو اچھا نہ سمجھیں تو کمپنی کے حصے دار بننے اور شیئرز ہولڈر ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے جائز ہے، اتفاق سے میں اس رائے سے بالکل متفق نہیں ہوں، کیونکہ ہر مسلمان بقدر حیثیت اتباع دین اور اشاعت دین کا مکلف ہے۔

رہا زکوۃ وغیرہ کا معاملہ تو کمپنی کے بنیادی ممبران کی ذمہ داری ہے یا پھر ہر شیئرز ہولڈر کی بقدر اثاثہ ذمہ داری ہے، کیونکہ ہر شیئر ہولڈر بقدر حصہ مالک ہے اور بتوسط قوت حاکمہ قابض ہے، اسی بنیاد پر اس کو اپنا شیئر کم یا زیادہ میں فروخت کرنے کا اختیار ہے، ورنہ بیع قبل القبض، یا بیع غیر مقدور التسلیم لازم آئے گی جو جائز نہیں۔

شیئرز۔ فقہ اسلامی کی روشنی میں

مولانا زبیر احمد قاسمی

اشرف العلوم کنہواں، سیتامڑھی

ایک بڑی رقم سے بڑے پیمانے پر تجارت و سرمایہ کاری کر کے زائد منافع حاصل کرنے کی غرض سے ""مشترک تجارت"" کے عنوان پر مختلف کمپنیاں ملک میں قائم ہیں اور ہو رہی ہیں۔ ہمارے علم و اطلاع اور تحقیق و آگہی کے مطابق تقریباً ساری کمپنیاں دو دور یا دو مرحلہ سے گذرتی ہیں۔

پہلا مرحلہ:

یہ دور و مرحلہ اس کے ابتدائی وجود و قیام کا ہوتا ہے، جس میں اولاً چند اشخاص پر مشتمل ایک بورڈ بنتا ہے جو بنام فلاں کمپنی اپنا اشتہار شائع کرتا ہے، جس میں کچھ اصول و ضوابط کے ساتھ کسی خاص تجارت کے منصوبے اور طریقہ کار کی وضاحت، اس تجارت کے لئے جتنے سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کا اظہار، اور پھر اس میں شرکت اور حصہ دار بننے کی نوعیت و شرائط کو بیان کرتے ہوئے مطلوب سرمایہ کو مختلف حصوں پر تقسیم کر کے ایک ایک حصہ کو شیئرز سے موسوم کیا جاتا ہے، اور عام لوگوں کو اس شیئرز کے خریدنے کی دعوت دے کر گویا اس تجارت میں شریک ہونے اور اس مشترکہ سرمایہ کاری کے ذریعہ منافع حاصل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔

مثلاً زیر ہدف تجارت کے لئے مطلوب سرمایہ اگر ایک ہزار روپے ہیں اور اس کو سو حصہ کر کے کمپنی فروخت کرتی ہے، اور کوئی شخص ایک حصہ دس روپے دے کر اور کوئی دو حصہ بیس روپے دے کر خریدتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ پہلا خریدار پورے سرمایہ کا ایک فیصد اور دوسرا دو فیصد حصہ کمپنی کے حوالہ کرتا ہے اور سرمایہ میں ایک فیصد اور دو فیصد کا یہ دونوں مالک سمجھے جاتے ہے، چنانچہ تجارت شروع ہونے اور منافع حاصل ہونے کے بعد اسی حساب و تناسب سے منافع میں دونوں کو حصہ ملا کرتا ہے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ کمپنی کے اس ابتدائی وجود و قیام کے مرحلے میں جو شخص بھی شیئرز کا خریدار بنتا ہے وہ دراصل قیمت شیئرز کی صورت میں اپنا مال کمپنی کے حوالہ کرتا ہے کہ تجارت کرے اور منافع میں حسب ضابطہ و شرائط ہمیں شریک کرے۔

اب کمپنی کی طرف سے اس حصہ کی خریدگی کا جو ثبوت بشکل دستاویز اور شیئرز سرٹیفکیٹ دیا جاتا ہے وہ دراصل اسی قدر مال و مالیت کا ثبوت اور نمائندہ ہے جو اس شخص کا کمپنی کے مشترک سرمایہ میں حصہ ہوتا ہے اور بس۔ اب یہاں یعنی کمپنی کے اس ابتدائی مرحلہ کے دوران چند سوالات پیدا ہوں گے:

پہلا سوال تو یہ ہوگا کہ اس قسم کی کمپنیوں کے شیئرز کا اس ابتدائی مرحلہ میں خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہی ہوگا کہ اگر وہ کمپنی غیر شرعی کاروبار اور عقود فاسدہ کے ذریعہ منافع حاصل نہ کرنے کی پابند رہے تو جائز ہے، ورنہ تعاون علی الاثم کی معصیت کا ارتکاب ہوگا جو ناجائز ہے۔

دوسرا سوال یہ پیدا ہوگا کہ شیئرز کا یہ خریدار اول خواہ شیئرز سرٹیفکیٹ کے حاصل ہونے سے پہلے یا اس کے بعد اگر اپنا وہ حصہ فروخت کرنا چاہے تو کتنے میں بیچ سکتا ہے؟

اس کے جواب میں تفصیل یہ ہوگی کہ اگر کمپنی کی اعلان کردہ پالیسی اور کاروبار کے متعلق اس کے ضابطے اور طریقہ کار میں یہ طے ہو کہ جمع شدہ کل مشترک سرمایہ میں سے اتنا فیصد تو جامد املاک، اراضی، عمارت، مشین، فرنیچر وغیرہ میں مشغول رکھا جائے گا اور باقی حصہ سے منافع بخش کاروبار کر کے منافع حاصل کئے جائیں گے۔ لیکن کمپنی اب تک اپنے وجود و قیام کے ابتدائی مرحلے ہی میں ہے، کام صرف شیئرز کی بیع وشراء کے ذریعہ مطلوب سرمایہ جمع کرنے ہی کا ہو رہا ہے، جامد املاک، اراضی، عمارت، مشین، فرنیچر وغیرہ کے حصول تک کا کام شروع نہیں ہوا ہے، اور اسی دوران شیئرز کا کوئی خریدار اول اپنا شیئرز بیچنا چاہے تو وہ اپنے حصہ کی مالیت کے بقدر ہی نقد روپے کے بدلے فروخت کر سکتا ہے، کیونکہ یہ نقد کی نقد سے بیع ہوگی، مساوات ضروری اور کمی بیشی ناجائز ہوگی۔

دوسرا مرحلہ:

لیکن اگر کمپنی عملاً کاروبار شروع کر چکی ہے اور اب سارا نقدی سرمایہ طے شدہ پالیسی وضابطہ کے مطابق جامد املاک، اراضی وعمارت، مشین اور خام مال وغیرہ میں بدل چکا ہے تو اب پہلا شیئر ہولڈر فقہ کے مشہور ضابطہ "صرفا إلی خلاف الجنس" کے مطابق اپنا حصہ کمی بیشی کے ساتھ فروخت کر سکتا ہے۔

اگر کمپنی کی پالیسی اور اعلان کردہ ضابطہ اور طریقہ کار یہ طے ہو کہ شیئر ہولڈروں سے حاصل کردہ پورا سرمایہ صرف منافع بخش کاروبار ہی میں مشغول رہے گا۔ کاروبار کے لئے ضروری اشیاء یعنی جامد املاک، عمارت و فرنیچر اور مشین وغیرہ میں وہ سرمایہ نہیں لگایا جائے گا، ایسی صورت میں اگر کوئی شیئرز ہولڈر اپنا شیئرز بیچنا چاہے تو پہلے تحقیق کرنی ہوگی کہ ان دنوں کمپنی کا سارا سرمایہ نقد و دیون کی شکل میں بدل چکا ہے، یا کچھ نقد دیون ہیں اور کچھ اسباب تجارت وعروض کی شکل میں بھی ہیں، اور پھر اس شیئرز ہولڈر کا منافع وغیرہ ختم ہو کر اب اس کا پورے سرمایہ میں کتنا حصہ کتنی مالیت کا بن چکا ہے۔ تب نقد دیون والی صورت میں اپنے حصہ کی مالیت کے مساوی نقد کے بدلے بیچے گا، کمی بیشی جائز نہ ہوگی۔ ہاں دوسری صورت جس میں کچھ نقد دیون بھی ہیں اور کچھ اسباب وعروض بھی ہیں، اس میں کمی بیشی کے ساتھ جتنی قیمت میں چاہے اپنا حصہ فروخت کر سکتا ہے۔ صرفا إلی خلاف الجنس معاملہ جائز ہوگا۔

آج کل کمپنیوں کی واقعی حیثیت:

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ کمپنی کی امکانی نوعیت وحیثیت کے پیش نظر کیا گیا ہے لیکن عموماً کمپنیوں کی جو نوعیت ہے اس سے واقف وباخبر بعض حضرات سے گفتگو کے بعد معلوم ہوا کہ دراصل کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرس کمپنی کے جملہ منجمد اثاثے، اراضی وعمارت، فرنیچر اور مشین وغیرہ کا مالک ہوتا ہے، اور شیئرز کی بیع وشراء کے ذریعہ شیئرز ہولڈروں سے جو سرمایہ جمع ہوتا ہے اسی سے منافع بخش کاروبار کئے جاتے ہیں۔ گو اس میں وہ بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئرز کے خریدار ہو کر شیئرز ہولڈر کی حیثیت بھی حاصل کئے رہتے ہیں اور سب کے سب اپنے اپنے شیئرز کی مناسبت

سے حسب ضابطہ وشرائط منافع میں بھی شریک ہوتے ہیں۔

اگر کمپنی کی واقعی نوعیت یہی ہے تو پھر سب سے پہلے یہ طے کرنا ہوگا کہ جب بورڈ آف ڈائریکٹرس اپنا سرمایہ بھی لگاتے ہیں اور عملاً کاروبار میں حصہ بھی لیتے ہیں، اور عام طور پر جو شیئرز ہولڈر ہوا کرتے ہیں وہ قیمت شیئرز کی شکل میں صرف اپنا سرمایہ کمپنی کے حوالہ کرتے ہیں، کسی کاروبار میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیتے تو فقہی اصطلاح میں یہ کون سا معاملہ ہوا۔

شیئرز کی خریداری عقد قرض ہے یا شرکت یا مضاربت:

میں نے اپنے طور پر جتنا غور کیا اسی نتیجے پر پہونچا کہ یہ دراصل مضاربت ہے۔ عقد شرکت فی العنان بھی کہنا مشکل ہے۔ اور قرض واستقراض تو ہرگز نہیں، ورنہ پھر منافع مطلقاً حرام بن جائے۔ عقد شرکت بھی نہیں، کیونکہ فقہاء لکھتے ہیں: **وأما العمل في الشركة فمن الجانبين فلو شرط خلوص اليد لأحدهما لم تنعقد الشركة لانتفاء شرطها وهو العمل منهما** (التحریر المختار للعلامہ الرافعی ۲/۱۷)۔

آگے لکھتے ہیں: **شرط منها شرط لتحقق الشركة وإذا شرط على أحدهما تكون مضاربة** (حوالہ سابق)۔

مذکورہ بالا فقہی نصوص کا واضح مطلب یہی نکلتا ہے کہ کمپنی کے شیئرز ہولڈرس جب قیمت شیئرز کی شکل میں اپنا سرمایہ کمپنی کے حوالہ کرکے عملاً اور اصالۃً کاروبار میں کوئی حصہ نہیں لیتے تو رب المال کے درجہ میں ہوئے اور کمپنی مضارب ہوئی۔ ہاں کمپنی میں شریک وہ سارے لوگ جو اپنا اپنا سرمایہ بھی لگاتے ہیں اور پھر سب عمل تجارت اور اس کے متعلقہ کاموں میں عملی طور پر حصہ بھی لیتے ہیں وہ لوگ باہم شرکاء کہلا سکتے ہیں۔ اور یہ شرعاً ممکن وجائز ہے کہ چند شرکاء کے مشترک کاروبار میں کچھ اور لوگ محض بعقد مضاربت شریک فی النفع ہو جائیں، اور یہ رب المال حضرات محض شریک فی النفع ہوں، کمپنی کے منجمد املاک، عمارت وفرنیچر اور صنعت وحرفت کے آلات ومشین میں شریک نہ قرار پائیں۔

شیئرز سرٹیفیکٹ محض ثبوت ودستاویز ہے:

میری نظر میں سارے شیئرز ہولڈرس کو جو کمپنی یا اس کے ایجنٹ کی طرف سے شیئرز سرٹیفیکٹ دی جاتی ہے وہ محض اس بات کا ثبوت ہے کہ اس شیئرز ہولڈر کا فلاں کمپنی میں اتنا سرمایہ اور اتنی ملکیت مسلم وموجود ہے، یعنی وہ سرٹیفیکٹ کمپنی میں شیئرز ہولڈر کی ملکیت وحصص کی نمائندگی کرتی ہے۔

مرسلہ سوالوں کے مختصر جوابات

۱۔ شیئرز سرٹیفیکٹ کمپنی میں شیئرز ہولڈر کی ملکیت کی نمائندہ ہے، اور کمپنی کے جمع سرمایہ میں حسب تناسب حصہ دار ہونے کی دلیل وثبوت ہے۔

بعض وہ صورت جس میں باہمی قرارداد سے کمپنی تحلیل ہوجاتی ہے اور تمام شیئرز ہولڈرس کو اس کے شیئرز کے تناسب سے اگر صرف تجارتی اثاثے میں حصہ ملتا ہے، نفع ہو تو نفع کے ساتھ اور نقصان ہو تو خسارہ کے ساتھ تو یہ

دراصل تقسیم اثاثہ ہے جو ہونا ہی چاہئے، اور حسب شرائط وضابطہ نفع ونقصان دونوں میں شرکت ہونی ہی چاہئے، اور ظاہر ہے کہ یہ تقسیم اسی شیئرز سرٹیفکیٹ کی بنیاد پر حصہ رسدی ہوتی ہوگی، اور اگر کمپنی کی تحلیل کے بعد سارے شیئرز ہولڈرس کو بھی جمیع املاک حتی کہ اراضی وعمارت، فرنیچر وغیرہ کے ساتھ تجارتی اثاثے میں حسب تناسب حصہ ملا کرتا ہے، تو یہ کمپنی کی اسی نوعیت وحیثیت میں ہوگی جس میں شیئرز سے حاصل شدہ جمع سرمایہ کا کچھ حصہ جامد املاک کے مہیا کرنے میں مشغول رکھا گیا ہوگا اور بقیہ سرمایہ سے تجارتی اور منافع بخش کاروبار کئے گئے ہوں گے۔

۲۔ کسی کمپنی کے ابتدائی وجود وقیام کے مرحلہ میں جب شیئرز کا اعلان ہوتا ہے اور کوئی شخص شیئرز خرید لیتا ہے تو جب تک وہ سرمایہ کاروبار میں لگ کر اسباب وعروض کی شکل میں بدل نہیں جاتا، کسی شیئرز ہولڈر کا اپنا حصہ فروخت کرنا اپنے حصہ کی مالیت کے بقدر مساوی ہی جائز ہوگا، کمی بیشی ناجائز ہوگی۔

۳۔ کمپنی کے دوسرے مرحلہ میں داخل ہو جانے یعنی عملاً کاروبار شروع ہو جانے کے بعد جن ایام میں اثاثہ مخلوط من النقد والعروض ہوگا تو شیئرز ہولڈر اپنے حصہ کی فروخت کمی بیشی کے ساتھ کر سکتا ہے۔ صرفاً الی خلاف الجنس معاملہ جائز ہوگا، ورنہ پھر بقدر مساوی ہی بیچنا جائز ہو سکے گا۔

۴۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہوگا اس کے شیئرز کی خریداری مسلمانوں کے لئے تعاون فی الاثم کی بنا پر جائز نہیں ہوگی۔

۶،۵۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہو مگر کبھی کاروبار کے خاص اور ناگزیر حالات میں بدرجہ مجبوری سودی قرضہ لینا پڑتا ہو تو قاعدہ فقہیہ "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" کے تحت جب کسی مسلمان تک کے لئے یہ استقراض مباح ہو جاتا ہے تو کمپنی جو غیر مسلم فرد اعتباری کے درجہ میں ہے اس کے لئے یہ استقراض تو بدرجہ اولی جائز ہوگا، اور ایسی کمپنیوں کا شیئرز خریدنا یقیناً جائز ہوگا، اگر کمپنی سود لے تب ناجائز ہوگا۔

۷۔ سودی قرضہ بوقت مجبوری اور بوجہ حاجت شرعیہ لیا جائے، یا بلا حاجت شرعیہ محض فروغ تجارت کے لئے لیا جائے، پہلی صورت میں بطور قرض حاصل کردہ مال تو حلال ہی ہوگا اور اس سے حاصل شدہ منافع بھی حلال ہی رہیں گے۔ البتہ دوسری صورت میں ضابطہ شرعیہ "حرمة العقد لا یستلزم حرمة المال" کے تحت قرض کے طور پر حاصل کردہ مال اور پھر اس سے حاصل کردہ منافع کو مباح وحلال ہی رہیں گے، لیکن بلا حاجت شرعیہ چونکہ استقراض بالربح کا یہ عقد حرام افراد کمپنی، بورڈ آف ڈائرکٹرس نے اصالۃً (بشرط اسلام) اور تمام مسلمان شیئرز ہولڈرس نے وکالۃً کیا، اس لئے عنداللہ مجرم وگنہگار ہوں گے۔ بایں ہمہ "حرمة العقد لایستلزم حرمة المال" کے مطابق مال ومنافع حلال وطیب ہی کہلائیں گے۔

۸۔ جیسا کہ اوپر ہم نے تفصیلاً لکھا ہے اس کی روشنی میں واقعہ یہی ہے کہ شیئرز ہولڈر کی حیثیت ایک رب المال کی اور کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس فرد اعتباری کی حیثیت مضارب ہی کی ہوتی ہے۔

المضاربة توکیل بالعمل لتصرفه بأمره (درمختار ۴؍۴۸۳)۔

۹۔ اگر کوئی شیئرز ہولڈر سودی قرضہ لینے سے اپنے اختلاف کا اعلان کردے اور اپنی وسعت کے مطابق بورڈ آف ڈائریکٹرس کو استقراض بالربح سے روک دے تو گو یہ غیر موثر ہی ہو، مگر یہ عنداللہ کمپنی کے فعل حرام کی ذمہ داری سے انشاءاللہ بری الذمہ ہوگا۔

۱۰۔۱۱ اگر کوئی کمپنی منافع حاصل کرنے میں عقود فاسدہ و باطلہ کی پرواہ نہ کرے حتی کہ قرض دے کر سود حاصل کرنے سے بھی احتراز نہ ہو، یا قانونی مجبوری کے تحت ہی کمپنی کو اپنا سرمایہ بینک میں رکھ کر سود لینا پڑے، یا سیکورٹی بانڈس خرید کر سود لینے سے نہ بچ سکے گویا وہ کمپنی عقود فاسدہ و باطلہ کے ذریعہ منافع حاصل کرنے سے بچنے کی پابند نہ رہ سکے تو ان سارے حالات و معاملات سے واقف ہوتے ہوئے کسی مسلمان کے لئے شرعاً جائز نہیں ہوگا کہ وہ ایسی کسی کمپنی کا شیئرز خریدے۔

بایں ہمہ اگر کسی مسلمان نے ایسی کمپنی کا شیئر خرید ہی لیا تو گرچہ وہ اس فعل حرام کے سبب عنداللہ مجرم و گنہگار قرار پائے گا لیکن کمپنی کی طرف سے جو منافع اس کو حصہ رسدی سے ملے گا اس میں وہ منافع بھی یقیناً شامل ہوگا جو مال حلال سے بطریقہ حلال حاصل کیا گیا ہوگا۔ اس لئے ورع وتقوی اور احتیاط کا تقاضا تو یہی ہوگا کہ شیئرز ہولڈر اپنے حصے سے اپنے علم و تحقیق، قیاس وتخمین بظن غالب کے مطابق سودی آمدنی اور اس سے حاصل شدہ منافع کے بقدر نکال کر صدقہ کردے۔ لیکن چونکہ خلط استہلاک اور تقسیم مطہر مال ہو جاتا ہے اس لئے اس تمام ملے ہوئے منافع کو خود شیئرز ہولڈر بھی از روئے فتوی استعمال میں لاسکتا ہے۔ اس صورت کی پوری تفصیل اور اس کے مفصل دلائل امداد الفتاوی (۴۹۸/۳) میں مذکور ہیں۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت فی نفسہ جائز و صحیح ہے، حضرت تھانویؒ نے اسے بیع حظوظ الائمہ (اوقاف کے وہ حصے جس کو واقف نے ائمہ مساجد پر وقف کیا ہو) پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا ہے: **حاصله جواز بيع الحقوق الموجودة قبل القبض دون المعدومة** (امدادالفتاوی ۴۹۵/۳)۔ ہمارے خیال میں شیئرز کی بیع دراصل اس حصہ حقوق کی بیع ہے جو کسی شیئرز ہولڈر کا اس کمپنی میں حسب ضابطہ بشکل سرمایہ ومنافع رہتا ہے۔ اب بازار کے اتار چڑھاؤ، کمپنی کی ساکھ اور کاروبار کی نوعیت سے ہر حصہ کے منافع کا اضافہ کبھی تھوڑی تھوڑی مدت ہی میں نمایاں محسوس ہونے لگتا ہے، اور ہر تجربہ کار ذہن جسے کاروباری معاملات سے تعلق ہوتا ہے اور بازار کی رسد وطلب کے تجزیہ کی صلاحیت ہوتی ہے وہ اندازہ کرلیتا ہے کہ کس کمپنی کے شیئرز کی مالیت وقدر اور اس کا ویلوویشن کب کتنا بڑھ گیا ہے، اس طرح ان شیئرز کے زیادہ منافع بخش ہونے کا تصور ہونے لگتا ہے اور پھر ان شیئرز کی فروخت زیادہ سے زیادہ ثمن میں ہونے لگتی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ کسی شیئر کی قدر اور ویلوویشن کے بڑھنے یا گھٹنے کا پتہ کمپنی کے اعلانیہ وغیرہ کے علاوہ بازار کے حالات اور کمپنی کی ساکھ کی روشنی میں قیاس وتخمین سے ہی ہوا کرتا ہے۔

اب کبھی یہ قیاس واقع کے مطابق بھی ہوتا ہے اور کبھی خلاف واقعہ، مگر اپنی جگہ یہ بھی امر واقعی ہی ہوتا ہے کہ کمپنی کے کاروباری مرحلہ میں داخل ہوجانے کے بعد عام حالات میں سارا سرمایہ صرف نقد و دیون ہی کی شکل میں متبدل نہیں ہوجاتا بلکہ ہمیشہ سرمایہ کا کچھ حصہ بشکل نقد و دین رہتا ہے تو کچھ حصہ بشکل اسباب وعراورض وخام مال بھی

رہا کرتا ہے، اور شیئرز ہولڈر کا حق اپنے شیئرز کے بقدر نقد ودین اور اسباب وعروض اور خام مال سبھی میں دائر وسائر ہوتا ہے، اس لئے ان شیئرز کا جو بھی ویلو ویشن اور قدر و مالیت ظن وتخمین سے قرار دے کر جس قیمت میں بھی خریدا اور بیچا جائے، صرفا یا بلا خلاف الجنس یہ معاملہ حد جواز ہی میں رہے گا۔

۱۳۔ شیئرز مارکیٹ میں وہ سودا جسے فیوچر سیل (بیاعات مستقبلیات) کہا جاتا ہے اس کے مقصد اور طریقہ کار کی جو وضاحت سوال میں کی گئی ہے، یہ تو ہماری سمجھ کے مطابق سٹہ بازی اور جوابازی ہے، جسے حرام ہی کہا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

۱۴۔ اگر اس سوال کا مقصد وہی فیوچر سیل ہے تب تو حکم اوپر لکھا جا چکا ہے، اور اگر بیع سَلَم کی طرح کا کوئی دوسرا معاملہ مراد ہے تو عقد سَلَم کی شرائط کے ساتھ اسے جائز کہا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔ بہر حال یہ سوال میری سمجھ میں نہیں آیا۔

۱۵۔ شیئرز کی جب اصل حیثیت یہ ٹھہری کہ دراصل وہ شیئرز ہولڈر کا حق وحصہ ہوتا ہے جو اس کمپنی کے اثاثے اور تجارتی سامان وعروض وغیرہ میں ہوتا ہے اور شیئرز سرٹیفکیٹ صرف اس حصہ وحق کا ایک ثبوت ہوتا ہے، تو شیئرز کی نقد بیع کا مطلب یہ ہوا کہ صاحب شیئرز اپنے اس حصہ وحق کا جو اس کا کمپنی میں موجود وثابت ہے عوض لے کر خریدار کے حق سے دست بردار ہوگیا۔ گویا شیئرز کی بیع وشراء ایک کے لئے اپنے حق سے دست برداری ہوتی ہے اور دوسرے کے حق میں اس حصہ وحق پر اس کی ملکیت کا اثبات ہوتا ہے۔

۱۶۔ اسے صلح وتخارج کے عنوان سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے یعنی شیئرز کے بائع نے کچھ عوض لے کر مشتری کے حق میں اپنے حصہ کے استحقاق سے دست بردار ہوگیا، شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ ہونے نہ ہونے سے اس معاملہ میں کچھ فرق نہیں ہوسکتا، شیئرز کی اس پہلی بیع وشراء کے بعد جو دوسری یا تیسری بیع ہوگی سب کی حیثیت وہی اپنے حق وحصہ سے دست برداری اور تخارج کی قرار دی جاتی رہے گی، اور حق موجودہ کی بیع قبل القبض کا جواز اوپر لکھا جا چکا ہے۔

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج بازار میں شیئرز کی خرید وفروخت کے لئے واسطہ بننے والے جسے "بروکر" کہتے ہیں اور جس کی حیثیت ایک ایجنٹ کی ہوتی ہے، کا یہ عمل فریب ودغا سے اگر خالی ہو تو "اجیر مشترک" کی طرح ایک اجرت معینہ پر یہ ایجنٹی جائز کہی جائے گی ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

حصص کی شرعی حیثیت

مولانا عبدالجلیل قاسمی

امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ

۱۔ کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ محض کمپنی کو رقم دیئے جانے کی دستاویز نہیں ہے۔ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں موجودہ قانون کے مطابق اس کی املاک ضبط کرکے اس کے قرض ادا کئے جاتے ہیں، اس وقت اس کے حصہ کے تناسب سے کمپنی کے اثاثے قرق نہیں کئے جاسکتے۔ یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ شیرز کمپنی کو دی گئی رقم کی دستاویز ہے۔

اگر کوئی شخص مفلس ہو تو صاحبین کے نزدیک اس کی منقولہ بلکہ غیر منقولہ اشیاء، اراضی وغیرہ بھی فروخت کر کے اس کے قرضہ کی ادائیگی کی جائے گی، لیکن اس کا رہائشی مکان فروخت کرکے قرضہ ادا نہیں کیا جاتا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ مکان کا مالک نہیں ہے۔

اسی طرح اگر حکومت نے کسی مصلحت کی وجہ سے یہ قانون بنادیا کہ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں اس کے حصہ کے تناسب سے کمپنی کے اثاثے قرق نہیں کئے جائیں گے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اثاثوں کا مالک نہیں ہے۔ بلکہ کمپنی اگر تحلیل ہوجائے تو شیئر ہولڈر کو اس کے شیئرز کے تناسب سے اثاثوں میں حصہ ملنا واضح ثبوت اور مضبوط دلیل ہے کہ شیئر اثاثوں میں ملکیت کا ثبوت ہے نہ کہ قرض کی دستاویز۔

۲۔ جب تک کمپنی کے پاس املاک نہیں ہیں اس وقت تک کمپنی کے شیئرز کی بیع کی جائے تو یہ نقد کی بیع نقد سے ہے۔ اس میں بیع صرف کے احکام جاری ہوں گے یعنی نہ کمی زیادتی ہو اور نہ ادھار ہو۔

اگر شیئر ہولڈر ایسی صورت میں اپنے شیئر کو کم قیمت یا زیادہ قیمت میں فروخت کرے گا تو ناجائز ہوگا، اس لئے کہ یہ سود ہوگا اور وہ ناجائز ہے۔

لیکن اگر جتنے روپے میں شیئر خریدا ہے اتنے روپے ہی میں فروخت کرتا ہے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے اس کو ناجائز کہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: اسی طرح حصص خریدنا چونکہ یہ روپیہ کا مبادلہ روپے سے ہے، اور دست بدست نہیں ہے، اس لئے ناجائز ہے (امداد الفتاوی ۳؍۱۳۰)۔

حضرت تھانویؒ کا یہ جواب کمپنی کے کاروبار شروع کئے جانے کے بعد شیئر کی خریداری کے بارے میں ہے، اس لئے حاشیہ میں یہ کہہ کر کہ حصص بصورت عروض تجارت و مشینری ہوتے ہیں، اس لئے روپیہ کا مبادلہ روپے سے نہیں ہے بلکہ عروض سے ہے۔ اس کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

لیکن یہاں کاروبار شروع کرنے سے قبل جب کہ تمام شیئرز ابھی نقد کی صورت میں موجود ہیں، حصص نقد ہی ہیں، اس لئے یہاں نقد کی بیع نقد سے ہے۔

حضرت تھانویؒ نے اپنے اس جواب میں لکھا ہے کہ ہر حصہ دار اپنے حصہ کا مالک ہوتا ہے اور عملہ کاروبار میں ان حصہ داروں کا وکیل ہوتا ہے، اور شرعاً ان کا فعل حصہ داروں کی طرف منسوب ہوگا۔ اگر وہ کوئی ناجائز تجارت کریں گے .... تو ایسا ہی ہوگا جیسے خود حصہ دار ادا کریں۔

حضرت تھانویؒ نے کمپنی کے عملہ کو حصہ داروں کا وکیل تسلیم کیا ہے، تو جس طرح وکیل ہونے کی حیثیت سے جو کچھ وہ کریں گے سب حصہ داروں کا عمل سمجھا جائے گا۔ تو پھر ان عملہ کے قبضہ کو حصہ دار کا قبضہ کیوں نہیں تسلیم کیا جائے۔ اور شیئر ہولڈر اپنا شیئر فروخت کر رہا ہے۔ جب تک وہ شیئر ہولڈر تھا عملہ اس کا وکیل ہے اور شیئر کی رقم جو عملہ کے قبضہ میں ہے خود شیئر ہولڈر کے قبضہ میں ہے، اور جس وقت اس نے فروخت کر دیا، اس کے مساوی روپے لے لیا تو اب خریدار شیئر ہولڈر ہو جائے گا اور عملہ اس کا وکیل ہوگا، اور عملہ کا قبضہ اس کا قبضہ مانا جائے گا۔ پھر یہ کہنا کہ یہ دست بدست نہیں ہے ناقابل فہم ہے، اس لئے میرے خیال میں اگر مساوی قیمت میں فرق ہو تو اس کو ادھار کہہ کر ناجائز نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی اجازت دی جانی چاہئے۔

۳۔ کاروبار شروع ہو جانے کے بعد جب کمپنی کا اثاثہ نقد اور املاک کا مجموعہ ہے تو اس کو کم زیادہ پر فروخت کرنا جائز ہے۔ نقد کے مقابلہ میں نقد اور باقی املاک کے مقابلہ میں سمجھا جائے گا۔ مثلاً اگر ایک شیئر ایک ہزار روپے کا ہے تو اس میں سے چھ سو روپے نقد اور چار سو روپے کے املاک ہیں۔ اگر شیئر ہولڈر نے اس کو بارہ سو روپے میں فروخت کر دیا تو چھ سو روپے کے مقابلہ میں چھ سو روپے اور املاک کے مقابلہ میں چھ سو روپے ہوئے۔ اسی طرح اگر اس نے آٹھ سو روپے میں فروخت کیا تو چھ سو کے مقابلہ میں چھ سو ہوں گے۔ اور دو سو روپے املاک کے مقابلہ میں ہوں گے، اس لئے یہ بیع جائز قرار پائے گی۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے ان کے شیئرز کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

۵۔ بچنا بہتر ہے، لیکن اگر کوئی شریک ہونا چاہے تو اجازت دی جانی چاہئے۔

۶۔ اس میں بھی پرہیز کرنا اولی ہے، اور شرکت کی اجازت دی جانی چاہئے۔

نوٹ: سوال نمبر ۵ و ۶ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری قانون کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کبھی قرض لینا پڑتا ہے اور کبھی قرض دینا پڑتا ہے۔ ایسی حالت میں مناسب یہ ہے کہ جتنا سرمایہ ریزروبینک میں جمع کرنا پڑے، سیکورٹی بانڈس خریدنے پڑیں، اتنی رقم انکم ٹیکس کی زد سے بچنے کے لئے قرض کی شکل میں لی جائے تاکہ جس قدر سود کی رقم بینک سے ملے اسی قدر سود کی شکل میں اس کو واپس کر دیا جائے، اس طرح صرف سود کا حساب ہوگا، نہ سود دینا ہوگا نہ لینا ہوگا۔

۷۔ سودی قرض لینا بلا مجبوری کے جائز نہیں ہے، یہ عمل غلط ہے، لیکن قرض میں لی گئی رقم میں کوئی خبث نہیں ہے۔ قرض لینے والا اس کا مالک ہوگا، اس کے ذریعہ کاروبار کر کے جو منافع حاصل کیا جائے وہ بلا شبہ حلال ہوگا۔

۸۔ جی ہاں! بلکہ کمپنی کا پورا عملہ حصہ داروں کا وکیل ہے اور عملہ کا عمل حصہ داروں کا عمل سمجھا جائے گا۔ حضرت

تھانویؒ لکھتے ہیں: ''عملہ کاروبار میں حصہ داروں کا وکیل ہوتا ہے، اور شرعاً ان کا فعل حصہ داروں کی طرف منسوب ہوگا، اگر وہ کوئی ناجائز تجارت کریں گے......تو ایسا ہی ہوگا جیسے خود حصہ دار کریں (امداد الفتاوی ۳ر۱۳۰)۔

۹۔ صرف اختلاف کا اعلان کر دینا کافی نہیں ہوگا اس کو کمپنی سے الگ ہو جانا چاہئے۔

۱۰۔ کافی ہوگا۔

۱۱۔ اگر نکال دے تو اچھا ہے ورنہ ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ روپیہ ثمن ہے اور وہ متعین نہیں ہوتا ہے، اس لئے اگر سود کی رقم سرمایہ میں ملی ہوئی ہے تو منافع کا سودی رقم کا نفع ہونا متعین نہیں ہوگا۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی ہے۔

۱۳۔ یہ قمار ہے اور حرام ہے۔

۱۴۔ سوال کی وضاحت کی جائے، اگر مقصد یہ ہے کہ مال موجود نہیں ہے اور بائع مشتری سے وعدہ کرتا ہے کہ میں مال منگا دوں گا، پھر مال منگا کر مشتری کو دیتا ہے تو یہ وعدہ ہے، مال منگانے پر ان کو ایجاب وقبول کرنا چاہئے، یہ درست ہوگا۔ لیکن مال منگانے کے بعد نہ بائع پر بیع لازم ہوگی نہ مشتری پر۔ بائع کو اختیار ہے کہ وہ بیع کرنے سے انکار کردے، اسی طرح مشتری کو حق ہے کہ نہ خریدے۔ کیونکہ دونوں میں بیع نہیں ہوئی ہے صرف وعدۂ بیع ہے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد ہے تو اس کی وضاحت کی جائے۔

۱۵۔ بوقت بیع وشراء ہی کمپنی کے اثاثوں اور املاک پر شیئر ہولڈر کی ملکیت آجاتی ہے۔ اور بحث میں گذر چکا ہے کہ کمپنی کا عملہ شیئر ہولڈر کا وکیل ہے۔ ان کا قبضہ ہی شیئر ہولڈر کا قبضہ سمجھا جائے گا۔ ملکیت بیع وشراء سے ہوتی ہے نہ کہ سرٹیفکیٹ سے۔ شیئرز سرٹیفکیٹ ملکیت کا ثبوت ہے نہ کہ علت کا، اس لئے عملہ کا قبضہ ہی اس کا قبضہ سمجھا جائے گا۔

۱۶۔ خرید کردہ شیئر کی موجودہ قیمت خریدار نے ادا کردی ہے، اگر وہ سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے قبل دوسرے کو فروخت کردے تو جائز ہوگا۔

۱۷۔ جن صورتوں میں شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے اس میں واسطہ بننا بھی جائز ہوگا، یعنی بروکر بننا جائز ہوگا۔ اور خرید وفروخت کی جو صورتیں ناجائز ہیں ان میں واسطہ بننا بھی ناجائز ہوگا۔

فقہ اسلامی میں شیئرز کی حیثیت

مولانا عتیق احمد قاسمی

دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۔ کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، شیئر خرید کر شیئر ہولڈر کمپنی کے املاک و اثاثوں میں اپنے شیئر کے بقدر شریک ہو جاتا ہے، یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ شیئرز کی خریداری کمپنی میں شراکت نہیں ہے بلکہ شیئر سرٹیفکیٹ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ حامل سرٹیفکیٹ نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے۔

حضرت تھانویؒ کا یہ موقف بالکل درست ہے کہ اپنی روح کے اعتبار سے کمپنی شرکت عنان میں داخل ہے، اگرچہ کمپنی کی بعض ایسی خصوصیات ہیں جو معروف شرکت عنان میں نہیں پائی جائیں، لیکن ان کی وجہ سے عنان کی حقیقت تبدیل نہیں ہوتی، شیئرز سرٹیفکیٹ کو محض قرض کی دستاویز ماننا صحیح نہیں ہے۔

۲۔ جس کمپنی کے تمام اثاثے نقد کی صورت میں ہیں، اس کمپنی نے ابھی اپنے نقد اثاثے کو کسی اور شکل میں تبدیل نہیں کیا ہے، اس کمپنی کے شیئرز کو کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے، جتنے میں شیئرز خریدا ہے (فیس ویلو پر) اتنے ہی میں فروخت کیا جا سکتا ہے، یہ دراصل روپے کی فروخت روپے کے بدلے میں ہے۔

۳۔ جس کمپنی کے کچھ اثاثے نقد روپے کی شکل میں ہوں اور کچھ سرمائے زمین، جائداد، مکان و دوکان، تیار شدہ مال یا خام مال کی شکل میں، اس کے شیئر کی بیع اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ حساب کرنے پر ہر شیئر میں جتنا نقد روپیہ آتا ہے اس سے زیادہ کے بدلے میں شیئر خریدا جائے، اس کے مساوی یا اس سے کم کے بدلہ میں نہ خریدا جائے۔ مثلاً کمپنی کے نقد روپیوں کا حساب لگانے پر ہر شیئر میں دس روپیہ آتا ہے تو ایک شیئر کی خریداری دس روپے یا اس سے کم میں نہ ہو بلکہ اس سے زیادہ پر ہو، تاکہ دس روپے دس روپیوں کے بدلے میں ہو جائیں، اور دس سے زیادہ جو قیمت طے ہوئی وہ شیئر پر آنے والے دوسرے جامد اور غیر جامد اموال کے بدلے میں ہو جائے۔

۴۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہے اس کے شیئرز کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

۵۔ جن کمپنیز کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن انہیں بعض اوقات انکم ٹیکس وغیرہ کی زد سے بچنے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا درست ہے۔

۶۔ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کو اگر قانونی جبر کے تحت اپنا کچھ سرمایہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے یا سیکورٹی بانڈس خریدنے پڑتے ہیں جن پر انہیں سود ملتا ہے، ایسی کمپنیوں کا شیئر خریدنا بھی جائز ہے، لیکن ملنے والے سود کا حساب کتاب الگ رکھنا ضروری ہے، سودی رقم کا استعمال نہ کمپنی کر سکتی ہے نہ شیئر ہولڈرس۔

۷۔ سودی قرض حاصل کرنے کی صورت میں اس قرض کی رقم سے کیے گئے کاروبار سے حاصل ہونے والے منافع قرض لینے والے شخص کی ملکیت ہوں گے، قرض مفید ملک ہے، قرض کی رقم کو اگر جائز کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کیا گیا ہے تو وہ نفع بلاشبہ حلال ہے، ہاں قرض دے کر سود حاصل کرنے والا سخت گنہگار ہے، سود کی رقم اس کی ملکیت نہیں ہے، اسی طرح انتہائی ضرورت اور مجبوری کے بغیر سود بردار قرض حاصل کرنا بھی شدید گناہ ہے۔

۸۔ بلاشبہ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے اور اس کا عمل شیئرز ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا۔

۹۔ کسی کمپنی میں شرکت، اس کے شیئرز کی خریداری انسان کا اختیاری عمل ہے، کمپنی جب تک صحیح خطوط پر کام کر رہی ہے، اس کا کاروبار اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے اس میں شرکت باقی رکھی جاسکتی ہے، لیکن جب کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرس غلط فیصلہ کرنے لگے، کمپنی کے ڈھانچے میں غیر اسلامی اجزاء شامل کرنے لگے تو کمپنی میں شرکت باقی رکھنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ کمپنی کا سودی قرض حاصل کرنا (اگر قانونی جبر کی بنا پر نہ ہو) ایک ناجائز عمل ہے۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس چونکہ تمام شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے اس لئے اس کے فیصلہ کی ذمہ داری شرعاً تمام شیئر ہولڈرس پر عائد ہوتی ہے۔

جو کمپنی درکار سرمایہ کا ایک معتد بہ حصہ بینکوں سے سودی قرض لے کر فراہم کرتی ہے، ایسی کمپنی کے شیئرز خرید کر صرف سالانہ میٹنگ میں سودی لین دین کے خلاف آواز اٹھا کر مطمئن ہو جانا کہ کمپنی کے سودی معاملات سے ہماری براءت ہوگئی، درست نہیں ہے۔ کیونکہ شیئرز کی خریداری کمپنی میں شرکت ہے، اور شرکت میں ہر شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے، یہ وکالت خواہ کتنی کمزور مانی جائے بہر حال موکل وکیل کے تصرف کی ذمہ داری سے بری نہیں ہوسکتا۔

ہاں جو لوگ دوسرے میدانوں میں سرمایہ کاری سے معذور ہیں، مثلاً کوئی بیوہ یا معمر وضعیف شخص ہے، اس کے پاس کچھ سرمایہ ہے، اس سرمایہ سے خود تجارت کرنا اس کے بس میں نہیں ہے، کسی اور شخص کو مضاربت پر دیں تو دیانت کی کمی کی وجہ سے اصل سرمایہ ڈوب جانے کا خطرہ ہے، سرمایہ منجمد رکھے تو سرمایہ رفتہ رفتہ خرچ یا تحلیل ہو جائے نیز اپنے پاس سرمایہ رکھنے میں اس کی حفاظت کا بھی مسئلہ ہے، اس معذور شخص کے سامنے دو ہی راستے ہیں، یا تو بینک میں فکس ڈپازٹ کر کے سود حاصل کرے یا ایسی کمپنی کے شیئرز خریدے جس کا اصل کاروبار حلال ہے لیکن وہ کمپنی سودی قرض حاصل کرنے میں بھی ملوث ہے، ایسے معذور شخص کے لئے بینک میں فکس ڈپازٹ کرنے کے مقابلہ میں اس کمپنی کے شیئرز خریدنا اہون ہے، اس کے لئے شرعاً مذکورہ بالا کمپنی کے شیئرز خریدنے کی گنجائش ہے۔

۱۰۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو (مثلاً کمپنی کو اپنے سرمایہ کا کچھ فیصد لازماً ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہو اور اس جمع شدہ رقم پر اسے سود ملتا ہو) اور اس کی مقدار معلوم ہو تو منافع میں سے سود کے بہ قدر نکال کر صدقہ کر دینا شیئر ہولڈرس کے لئے ضروری ہے۔

۱۱۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا ہے اتنا فیصد ملنے والے منافع سے نکال کر صدقہ کرنا ضروری ہے۔

۱۲۔ جن کمپنیوں کے شیئرز خریدنا شرعاً جائز ہے ان کے شیئرز کی تجارت بھی جائز ہے، حلال کاروبار کرنے والی

کمپنیوں کے شیئرز خواہ اس نیت سے خریدے جائیں کہ ان پر سالانہ ملنے والے منافع سے استفادہ کریں گے، یا اس نیت سے خریدے جائیں کہ شیئرز کی قیمت چڑھنے پر انہیں فروخت کردیں گے، بہر دو صورت ان کی خرید و فروخت درست ہے، تجارت میں خرص و تخمین کا عنصر تو ہوتا ہی ہے، خرص و تخمین کی بنا پر تجارت کو ممنوع قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۱۳۔ فیوچر سیل جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ آخر میں جاکر آپس کا فرق (Deference) برابر کرلیا جاتا ہے، اس میں نہ تو شیئرز پر قبضہ ہوتا ہے اور نہ قبضہ پیش نظر ہوتا ہے، یہ ایک قسم کی سٹہ بازی ہے اس لئے شریعت اسلامی میں اس کی گنجائش نہیں۔

۱۴۔ غائب سودا جس میں بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے وہ شرعاً بیع نہیں ہے، کیونکہ فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آئندہ زمانہ کی طرف بیع کی اضافت یا تعلیق ناجائز ہے، اس کو بہت سے بہت وعدہ بیع کہا جاسکتا ہے، وقت مقررہ آنے پر مکمل بیع کرنی ہوگی۔

۱۵۔ شیئرز کے نقد سودے میں بعض انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ میں ہفتہ دو ہفتہ کی جو تاخیر ہوتی ہے اس سلسلہ میں پیدا شدہ سوال کا جواب یہ ہے کہ شیئر مارکیٹ سے شیئرز کی نقد خریداری کرتے ہیں، اگر خرید کردہ شیئرز قانوناً خریدار کی ملکیت میں آجاتے ہیں اور ان کا نفع یا نقصان خریدار کی طرف لوٹتا ہے تو اسے شیئرز پر خریدار کا قبضہ تصور کیا جائے گا اور ان شیئرز کی فروختگی خریدار کے لئے جائز ہوگی، اور اگر صورت حال اس کے برعکس ہو یعنی شیئرز کا نقد سودا ہوجانے کے بعد شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ ہونے سے پہلے خرید کردہ شیئرز قانوناً خریدار کی ملکیت نہ مانے جاتے ہوں، ان شیئرز کا نفع و نقصان خریدار کی طرف منتقل نہ ہوتا ہو بلکہ شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ کرنے کے بعد ہی ان شیئرز پر قانوناً خریدار کی ملکیت قائم ہوتی ہو تو شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل ہونے سے پہلے خریدار کے لئے ان کی فروختگی جائز نہ ہوگی، اور اگر کمپنی کا شیئر صرف روپیوں پر مشتمل ہو تو شیئرز کی یہ خرید و فروخت ہی ناجائز ٹھہرے گی کیونکہ ایک طرف سے روپیہ نقد ہے ایک طرف سے ادھار۔

۱۶۔ اس کا جواب سوال نمبر ۱۵ کے جواب سے واضح ہوچکا ہے۔

۱۷۔ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے، اور حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے بروکر ہونے کی حیثیت سے کام کرنا جائز نہیں ہے۔

شیئرز کے چند حل طلب مسائل

مفتی نظام الدین صاحب، دارالعلوم دیوبند

شیئرز کے ذریعہ سرمایہ کاری کا انتظام آج انتہائی عروج پر پہونچ چکا ہے، اور یہ اس ترقی یافتہ عہد میں تجارت کی سب سے زیادہ رائج اور مقبول صورت ہے اور عالمی پیمانہ پر اس میں عام ابتلاء ہوگیا ہے۔ اس لئے اس کے طریقہ کار کی تنقیح کر کے حل طلب مسائل کا شرعی حکم دریافت کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ اس لئے اولاً کمپنی کے نظام کو ذکر کر کے چند حل طلب سوالات پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ مشترک تجارت کا نام دے کر ایک کمپنی قائم کی جاتی ہے، جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ابتداءً چند سرمایہ کار (جو ترقی دینے والے حصہ دار کہلاتے ہیں) ایک اسکیم مرتب کر کے اور قواعد وضوابط متعین کر کے رجسٹرار آف کمپنیز کے یہاں رجسٹریشن کراتے ہیں جو قانوناً ضروری ہوتا ہے، اسی طرح کسی معتبر بینک سے یہ ضمانت حاصل کی جاتی ہے کہ اگر پیش کردہ حصص پر سرمایہ فراہم نہ ہوسکے تو بینک اتنے اتنے حصے خریدنے کو تیار ہے۔ رجسٹریشن کے بعد کمپنی اپنی مصنوعات یا مال تجارت متعین کر کے اشتہار دیتی ہے، جس میں لاگت سرمایہ، مصارف اور قیمت کے تخمینہ کے ساتھ متوقع نفع کی صراحت ہوتی ہے۔

۲۔ اور اس اشتہار کے ذریعہ کمپنی میں بذریعہ شیئرز (حصص) شرکت کی کھلی اور عمومی پیشکش کی جاتی ہے اور اس سے وسیع پیمانے پر تجارت کے لئے سرمایہ کی فراہمی مقصود ہوتی ہے۔

۳۔ اور کبھی پہلے سے موجود کمپنی بھی اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے عوام کو سرمایہ کاری کے لئے کھلی پیشکش کرتی ہے۔

۴۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ لاگت اور سرمایہ کو عموماً دس روپے اور بعض دفعہ سو روپے کے مساوی اجزاء میں تقسیم کیا جاتا ہے، جس میں سے ہر جز کو ایک حصہ تجارت کہا جاتا ہے، پھر خواہش مند لوگ اپنی اپنی قوت اور منشا کے مطابق حصے کم اور زیادہ خریدتے ہیں۔ اس پیشکش کو قبول کر کے حصص کی خریداری کے ذریعہ سرمایہ لگانے پر حصہ شرکت کے مالک ہوجاتے ہیں اور اس شرکت کی بنا پر ان کو کمپنی کے تجارتی امور میں رائے دہندگی کا حق حاصل ہوتا ہے، اور نفع ونقصان میں بقدر حصص شرکت ہوتی ہے، لیکن کمپنی کے املاک اور اثاثے میں نہ تو وہ دعویدار ہوسکتے ہیں اور نہ ہی کسی تصرف کے مالک ہوتے ہیں، اسکیم مرتب کرنے میں بھی ان کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔

۵۔ اور عموماً کمپنیوں کو ان حصص کے ذریعہ مکمل سرمایہ کی فراہمی متیقن نہیں ہوتی، اس لئے پھر اسی کے بقدر یا کم زیادہ ایسے حصص کی پیشکش کرتی ہیں، جن کی حیثیت سرمایہ ہونے کے ساتھ ساتھ قرض کی بھی ہوتی ہے، ان حصص کے

بدلے وثیقہ یا سند دی جاتی ہے، ایسی سندات کو "Bonds" اور ایسے حصص قرض کو "Debentures" کہا جاتا ہے۔

۶۔ حصص قرض کے ذریعہ شریک ہونے والے مالکانہ حقوق نہیں رکھتے، ان کو رائے دہندگی کا حق بھی نہیں ہوتا، ان کو سود اور نفع بھی دیا جاتا ہے، اور نقصان یا اتلاف کی صورت میں سرمایہ کی واپسی کی ضمانت دی جاتی ہے اور، اسے ترجیحی حصص (Preference Shares) بھی کہا جاتا ہے۔

۷۔ حصص قرض کو حصص تجارت میں محول کیا جا سکتا ہے۔

۸۔ اگر کوئی اپنے حصص کو واپس لے کر شرکت کو ختم کر لینا چاہے تو وہ براہ راست کمپنی سے سرمایہ کو واپس نہیں لے سکتا بلکہ اس کی ایک ہی صورت ہے کہ اپنے حصص کو کسی اور شخص کے نام پر منتقل کر دے اور اس کے حق میں حق شرکت سے دستبردار ہو جائے۔ اس کے عوض وہ حصص کی بازاری قیمت لیتا ہے جو ابتدائی کمپنی کی مقرر کردہ قیمت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔

۹۔ جوں جوں کمپنی کے مال تجارت اور اثاثوں کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے حصص کی قیمت بھی بڑھتی جاتی ہے، جو کمپنی مسلسل نفع بنائے بازار میں اس کے حصص اونچی قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔

۱۰۔ کمپنی ہر سال حساب کر کے منافع کو حصص پر تقسیم کرتی ہے، اس کا ایک جز وقت ضرورت کے لئے اپنے پاس جمع کر لیتی ہے بقیہ حصہ داروں کو پہنچا دیتی ہے۔ جمع شدہ رقم حصہ کی قیمت سے بڑھ جائے تو اسے اصل سرمایہ میں شامل کر لیا جاتا ہے، اس طرح حصص میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

۱۱۔ حصص تجارت اور حصص قرض کی ایک متعین قیمت ہوتی ہے جو ان کے جاری ہونے کے وقت متعین کی جاتی ہے، اور ایک مارکیٹ کی قیمت ہوتی ہے جو ملک کی سیاسی اقتصادی حالات، ان کی مانگ اور دوسرے عوامل کے نتیجہ میں گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

۱۲۔ بازار حصص میں خرید و فروخت بروکرس (دلالوں) کے ذریعہ ہوتی ہے جو کمپنیوں کے بدلتے ہوئے حالات پر آگہی رکھتے ہیں، باقاعدہ رجسٹریشن اور قواعد و ضوابط کے ساتھ بازار حصص (Stock Exchange) قائم کر کے اس کے ممبر بن جاتے ہیں، اور حصص کی خرید و فروخت کے لئے افراد اور کمپنیاں بازار حصص کی طرف رجوع کرتی ہیں، بازار حصص کے اتار چڑھاؤ کا ملکی معیشت پر گہرا اثر پڑتا ہے، اب بازار حصص میں خود ان حصص تجارت اور حصص قرض کی خرید و فروخت ہو جاتی ہے۔

ان بنیادی تصریحات کے بعد چند حل طلب سوالات پیش خدمت ہیں، چونکہ اس زمانہ میں عالمی تجارت کا اکثر و بیشتر حصہ اسی نوعیت کے مسائل پر مبنی ہے اس لئے قواعد فقہیہ کی روشنی میں ان کے احکام کا استخراج بہت سے مسائل کا مداوا ثابت ہوگا۔

سوالات:

۱۔ مذکورہ کمپنیوں میں شیئرز (حصص) کے ذریعہ سرمایہ کاری عقود شرعیہ میں سے کونسا عقد ہے، بیع یا مضاربت

یا شرکت؟ اگر عقد شرکت ہے تو شرکت کی کونسی قسم ہے؟ اور کیا شریک (صاحب حصص) کو اپنے حصہ پر مکمل مالکانہ تصرف حاصل نہ ہونے سے حکم میں کوئی تغیر نہ آئے گا؟

۲۔ ایسی کمپنیوں میں شیئرز کے ذریعہ سرمایہ کاری کا جن میں حصص قرض (جن پر سود دینا لازمی ہے) اور بینک کے سودی قرضے بھی شامل ہوتے ہیں، کیا حکم ہے؟ کیا اس اختلاط بالحرام کی وجہ سے حصص تجارت (جن میں سود نہیں) کے منافع کا جواز متاثر نہ ہوگا؟ "المال المختلط بالحلال والحرام" کا شرعا کیا حکم ہے؟ یہ واضح رہے کہ نہ صرف ایسی کمپنیوں کی تجارت بلکہ ہر بڑے پیانے کی تجارت ورآمدات وبرآمدات کا کسی نہ کسی مرحلہ میں بینک سے یعنی سودی لین دین پر انحصار ناگزیر ہے۔

۳۔ حصص قرض (Debentures) کے ذریعہ سرمایہ کاری کا کیا حکم ہے؟ واضح رہے کہ اس پر کمپنی طے شدہ در کے مطابق سود دیتی ہے اس کے علاوہ نفع بھی دیتی ہے، اور اتلاف ونقصان کی صورت میں سرمایہ کی واپسی کی ضامن ہوتی ہے۔

۴۔ اگر کسی کمپنی میں حصص تجارت حاصل کرنے کی گنجائش ہو تو بدرجہ مجبوری حصص قرض کو اس نیت سے خریدنا کہ آئندہ اسے حصص میں محول کرلیا جائے، شرعا اس کا کیا حکم ہے؟

۵۔ حصص تجارت (Shares) جن کی بازار حصص میں خرید وفروخت ہوتی ہے خود ان حصص کی شرعا کیا حیثیت ہے؟

(الف) کیا ان کو شرعا مال متقوم قرار دیا جاسکتا ہے؟ جن کی خرید وفروخت ورہن وغیرہ درست ہو۔

(ب) کیا ان کو حق شرکت کی بیع وشراء قرار دیا جاسکتا ہے؟ بصورت اثبات اس کی بیع وشراء کا کیا حکم ہے؟

۶۔ سندات حصص قرض (Bonds) جن کی خرید وفروخت ہوتی ہے رہن رکھا جاتا ہے، شرعا ان کی کیا حیثیت ہے؟

۷۔ اسٹاک ایکسچینج (بازار حصص) میں شیئرز (حصص تجارت)، ڈبنچرز (حصص قرض) کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟ جبکہ اس میں کمپنی کی متعین کردہ قیمت سے کہیں زیادہ قیمت پر بیع وشراء کا معاملہ ہوتا ہے۔

۸۔ بازار حصص میں دلال (Broker) اپنے نام پر حصص کو منتقل کئے بغیر جو بیع وشراء بحیثیت وکیل یا فضولی کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے۔ اور کیا ان بروکروں کی معرفت حصص تجارت وحصص قرض کی خرید وفروخت درست ہے۔

۹۔ کمپنی اگر حرام اشیاء شراب وغیرہ کی تجارت کرے تو کیا ایسی کمپنی سے حصص خریدنا اور اس سے منتفع ہونا جائز ہوگا؟ یہ واضح رہے کہ ہندوستان جیسے ممالک میں کمپنی کا پورا عملہ غیر مسلم ہوتا ہے تو کیا ان کو شرکاء کا وکیل قرار دے کر اس طرح کے عقد کی اجازت دی جائے گی، کیونکہ حقوق عقد عاقد کی طرف لوٹتے ہیں؟

جوابات:

۱۔ حصص قرض خریدنے کی شرعا اجازت نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں اپنے اختیار سے سود لینا اور دینا پڑتا

ہے، اوراس کی اجازت نہیں۔اور" المال المختلط بالحلال والحرام" کے ضابطہ پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ المال المختلط میں وہ اختلاط مراد ہے جو غیر شعوری یا غیر اختیاری طور سے ہوجائے اوراس خاص صورت میں اکثر کا اعتبار ہوتا ہے، کما صرح به في الأصول الفقهية و غير ذلك ۔اور حصص تجارت میں جہاں کہیں سودی لین دین کرنا پڑ جاتا ہے وہ بوجہ مجبوری ہوتا ہے، اوراس کی اجازت فقہاء نے بعض موقعوں میں دی ہے، کما في الأشباه: ويجوز للمحتاج الاستقراض بالربح، لہذا یہ قیاس قیاس مع الفارق ہوگا۔

۲۔۳۔ اوپر سوال میں حصص قرض لینے کا عدم جواز مدلل ومکمل طور پر واضح ہو چکا ہے، اور اتلاف ونقصان کی صورت میں سرمایہ کی واپسی کی ضمانت وجہ جواز نہیں بن سکتی، بوجوه و منها تقدم دفع المضرة على جلب المنفعة وغیرہ اصول سے واضح ہے۔

۴۔ ناجائز ہے۔ والدلائل مامضت فی ضمن سوال ۲، ۳۔

۵۔ ان حصص تجارت کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ جب کوئی ایک یا چند افراد ممبر بن جانے کے بعد شرعاً اپنے شیئر کا مالک ہوجائے، اور شرعاً کوئی شخص مالک ہوچکنے کے بعد معاملہ شرکت سے نکلنا چاہتا ہے تو کمپنی والے اس کو حصہ شرکت سے نکل جانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔اس لئے اجازت دیدینے کے بعد اس اجازت کے ثبوت کے لئے ایک سند یا رسید (کاغذ کا ٹکڑا) دیدیتے ہیں، کہ اس کو دکھلا کر وہ شخص اپنا حصہ متعین کر کے جس کو چاہے بیچ دے یا جو چاہے کرے، ورنہ یہ رسید اور سند (کاغذ کا ٹکڑا) ہے، بذات خود یہ کوئی قیمت نہیں رکھتا کہ اس کے بیع وشراء کا معاملہ ہو، اور نہ وہ کاغذ کا ٹکڑا حق شرکت ہے کہ اس کی بیع وشراء کا حکم متوجہ ہو، اور نہ تو کاغذ کا وہ ٹکڑا اثاثہ تجارت کے جز ومشاع کا بدل ہے کہ اس کے بیع وشراء کا حکم متوجہ ہو، بلکہ خریدار شیئر کا جو حصہ تجارت میں ہے (نقود وعروض وغیرہ میں سے) اس حصہ کے خرید وفروخت کرنے کا اجازت نامہ ہے، بلکہ یہ سب حصے جز ومشاع کے درجہ میں ہوتے ہیں اور ان سب حصوں کی بیع مشاعاً از روئے شرع جائز ہوتی ہے اس لئے یہ بیع جائز ہوگی۔کما صرح بہ الفقہاء۔پس ان تمام حصوں کی خرید وفروخت مشاعاً بلاشبہ جائز رہے گی اور اس کے جواز میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہوگی۔

۶۔ یہ بونڈز حصص قرض کی محض سند ہیں، ان سندوں کی خرید وفروخت کرنا یا رہن رکھنا کچھ بھی جائز نہیں، جس کی کچھ تشریح پہلے بھی گذر چکی ہے۔

۷۔ اسٹاک ایکسچینج میں محض حصص تجارت کا تبادلہ ہوتا ہے، اور یہ اگرچہ بصورت بیع وشراء مشاعاً ہوتا ہے مگر یہ جائز رہے گا، اور حصص قرض میں چونکہ حصہ لینا ہی جائز نہیں اس لئے اس میں تبادلہ کی گنجائش بھی نہ ہوگی۔

۸۔ بازار حصص میں دلال اپنی طرف حصص کو منتقل کر کے یا بحیثیت وکیل یا بحیثیت فضولی حصص تجارت کی بیع وشراء کریں تو سب درست رہے گا بشرطیکہ معاملہ مجہول یا مفضی الی النزاع نہ ہو، البتہ حصص قرض میں اپنے اختیار سے سود ور با کا تحقق ہوتا ہے اس لئے یہ کسی طرح درست نہ ہوگا۔

۹۔ شراب میں خمور اربعہ جس کی حرمت منصوص بنص قطعی ہے، اور نجاست بھی مثل پائخانہ پیشاب کے غلیظ و

نجس ہے اوراس کی نجاست بھی نجاست لعینہ ہے۔ یہی حکم ان کے الکوہل کا بھی ہے کہ ان کے کاروبار میں حصص خریدنا اوراس سے منتفع ہونا جائز نہیں رہے گا، خواہ ہندوستان جیسے ملک میں ہوخواہ اس کا پورا عملہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، کسی طرح جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح جوا (قمار) سے کمائی ہوئی اور حاصل شدہ رقوم کا بھی حکم ہے کہ اس میں شرکت یا اس کا استعمال وغیرہ کچھ بھی کسی طرح ہندوستان جیسے ملک میں بھی جائز وحلال نہیں رہے گا، لقولہ تعالی:

إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان (سورہ مائدہ)۔

لہٰذا ان حرام ونجس عقود کا وکیل وغیرہ بننا کچھ بھی جائز ودرست نہ ہوگا اور نہ ان کی آمدنی سے منتفع ہونا ہی درست رہے گا۔ اور جو الکوہل ان خمور اربعہ مذکورہ کے علاوہ میں ہوں گے ان کا حکم بھی دوسرا ہوگا، اور جب تک ان میں سکر (نشہ) کا تحقق وثبوت شرعی ضابطہ سے نہ ہو جائے اس وقت تک ان کی نجاست وحرمت کا حکم نہ ہوگا۔

شیئرز کے چند مسائل
اور ان کا حکم

مولانا شمس پیرزادہ، بمبئی

۱۔ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا نہیں؟
ملکیت کا تصور اصل میں کمپنی کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کی ایک علیحدہ قانونی حیثیت ہے:

"A Joint Stock Company has separate legal status and it is absolutely separable from the owners i-e- from general body of members as well as separable from board of directors. A company is purely a creation of law. It can do every thing like a human being, like as individual it can hold property, appoint employee s, incur debts, file suits and be sued upon".(Company Secreterial Practice by Prof. Tahil Vorhani P. 95)

"A Company is an in corporated assosiation which is an artificial person created by law, having a common seal and perpetual succession. (do .p .18)"

"The liability of Share holders of Joint Stock Company is limited to the nominal value of the shares hold. As the debts of company have the debts of a separate legal person, a share holder is not personally liable for them. The company may have to be dissolved on account of its financial adversity, but its shareholders can not be called upon to contribute more then the nominal value of shares held by them."(do. p-18)

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ کمپنی کی قانونی طور سے ایک جداگانہ حیثیت ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ

اثاثوں کی ملکیت اور قرضوں کی ادائیگی وغیرہ کی ذمہ داریاں وابستہ ہیں۔ کمپنی کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں شیئر ہولڈر اپنے شیئر کی مالیت سے زیادہ نقصان کی تلافی کے ذمہ دار نہیں ہوتے۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ شیئرز کی رقم کمپنی کے اکاؤنٹ میں (Liblities) یعنی واجبات میں دکھائی جاتی ہے لیکن معاملہ کا یہ قانونی پہلو ہے، اور جہاں تک عملی پہلو کا تعلق ہے تو شیئر ہولڈر کمپنی کے اثاثہ کی ملکیت میں حصہ دار ہوتے ہیں۔ چنانچہ شیئرز کی قیمتوں میں بازار میں جو اتار چڑھاؤ ہوتا ہے وہ صرف شیئرز کے سرمایہ (Capital) کے پیش نظر نہیں ہوتا بلکہ کمپنی کی مجموعی مالی حیثیت اور اس کی ساکھ کے پیش نظر ہوتا ہے، نیز اگر کمپنی کا دیوالیہ (Liquidation) ہوجاتا ہے تو قرض وغیرہ واجبات ادا کرنے کے بعد بچی ہوئی رقم شیئر ہولڈرس میں تقسیم کی جاتی ہے جو شیئر کی اصل قیمت سے کم بھی ہوسکتی ہے اور زیادہ بھی، اس لئے شیئر ہولڈرس کا کمپنی کے اثاثہ کی ملکیت میں شریک ہونا بالکل ظاہر ہے۔

لہذا شیئرز کی خرید و فروخت نقود و املاک کے مجموعہ کو نقود کے ذریعہ فروخت کرنا ہے اور یہ بالکل جائز ہے۔

منظمۃ المؤتمر الاسلامی جدہ کی مجلس مجمع الفقہ الاسلامی منعقدہ مئی ۱۹۹۲ء کے فیصلہ سے بھی جو درج ذیل ہے یہی بات واضح ہوتی ہے:

بما أن المبيع في (السهم لحامله) هو حصة شائعة في موجودات الشركة وأن شهادة السهم هي وثيقة لإثبات هذا الاستحقاق في الحصة فلا مانع شرعاً من إصدار أسهم في الشركة بهذه الطريقة وتداولها.

شیئر ہولڈر کے شیئر میں مبیع (فروخت شدہ چیز ۔Sale) کمپنی کی موجودات (اثاثہ) میں مشترک حصہ ہوتا ہے اور شیئر سرٹیفکیٹ حصہ میں استحقاق کے ثبوت کا وثیقہ ہوتا ہے، لہذا اس طریقہ پر کمپنی کے شیئر جاری کرنے اور ان کے لین دین میں شرعاً کوئی مانع نہیں ہے۔

۲۔ آغاز میں جب کہ کمپنی کے پاس املاک نہ ہوتو کیا شیئرز کی بیع جائز ہوگی؟

کوئی کمپنی شیئرز کا اعلان نہیں کرسکتی جب تک کہ اس کے (Promoters) کارخانہ وغیرہ کی بنیاد نہ رکھیں۔ اس طرح انہیں ابتدائی سرمایہ اشیائے منقولہ وغیر منقولہ میں لگانا پڑتا ہے۔ جس کے بعد ہی انہیں شیئرز کا اعلان کرنے کی اجازت قانوناً حاصل ہوتی ہے، اس لئے یہ خیال صحیح نہیں کہ کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتیں اور وہ شیئرز کا اعلان کر دیتی ہے۔ لہذا شیئرز کی بیع اس صورت میں بھی جائز ہوگی جب کہ کمپنی پوری طرح قائم (Establish) نہ ہوئی ہو۔

۳۔ کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد جبکہ اس کا اثاثہ مخلوط ہوتا ہے شیئرز کی فروخت کا حکم:

کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد اس کا اثاثہ مخلوط ہوتا ہے (یعنی نقد اور املاک کا مجموعہ) اس صورت میں جبکہ مجموعہ مال سودی (ایسے قرضے جن پر کمپنی سود ادا کرتی ہے) اور غیر سودی دونوں پر مشتمل ہے، اس کے شیئرز کی نقد کے ساتھ خرید و فروخت جواز کے حکم میں ہے، کیونکہ سودی عنصر پورے کاروبار میں ضمنی حیثیت رکھتا ہے، اور موجہ...

غیر اسلامی معاشرہ اور غیر اسلامی نظام میں اس قسم کے ضمنی مفاسد کو برداشت کئے بغیر چارہ کار نہیں ہے، ورنہ لوگوں کیلئے معیشت کے دروازے بند ہو جائیں گے۔

۴۔ حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز:

وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت اور ایکسپورٹ، یا بینکس اور سودی اسکیموں میں روپیہ لگانا، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔ یہ بات متفق علیہ ہے اس لئے اس پر دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

۵۔ جائز کاروبار کرنے والی کمپنیاں اگر سودی قرضے حاصل کرتی ہیں تو کیا ان کے شیئرز خریدنا جائز ہے؟

ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار حلال ہے اگر انکم ٹیکس وغیرہ سے بچنے کے لئے بینک سے سودی قرض لیتی ہیں تو ان کے شیئرز خریدنا جائز ہے، کیونکہ سود دینا ایک ایسی مجبوری ہے جو بالکل عام ہے۔

۶۔ جائز کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جبکہ انہیں اپنا کچھ سرمایہ ریزروبینک میں جمع کرنا پڑتا ہو:

جائز کاروبار کرنے والی کمپنیوں کو اگر قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزروبینک میں جمع کرنا پڑتا ہو یا سیکورٹی بانڈس خریدنے پڑتے ہوں اور ان پر سود ملتا ہو تو ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جائز ہوگا، کیونکہ یہ مجبوری قانون نے پیدا کردی ہے اور اس قسم کی قانونی مجبوریاں عام ہیں جن کی وجہ سے کسی جائز کاروبار کو ترک نہیں کیا جاسکتا، البتہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ منافع ملنے پر اس میں سے کچھ رقم صدقہ کردی جائے تاکہ منافع سود کی آمیزش سے پاک ہو سکے۔

۷۔ سودی قرضہ سے حاصل ہونے والے منافع کی شرعی حیثیت:

سودی قرضہ لینے کی صورت میں اس قرض سے حاصل ہونے والا منافع بالکل جائز ہوگا کیونکہ قرض کی رقم تو حلال ہی ہے اور سود کی شرط باطل ہے، مگر مجبوراً اس شرط کو قبول کرنے کی وجہ سے قرض کی اصل رقم حرام نہیں قرار پائی، اس لئے اس سے ہونے والی آمدنی بالکل جائز ہوگی۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس:

کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا۔

"The owners of a company do not take part in its management. The shareholders simply contribute to its capital by purchasing its shares and vest the power of management in

their representative i-e- Board of Directors."(Company Secreterial Practice P-18)

مگر موجودہ معاشی نظام نے لوگوں کے لئے بے شمار مجبوریاں پیدا کردی ہیں اس لئے حقیقی مجبوری کا یہاں بھی خیال رکھنا ہوگا اور اس بنا پر بورڈ آف ڈائرکٹرس کے ایسے فیصلوں کو جو شرعاً ناجائز ہوں بادل ناخواستہ گوارا کرنا ہوگا۔ موجودہ حالات میں یہ اجتہاد ضروری ہے۔

۹۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس میں کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا:

بورڈ آف ڈائرکٹرس میں فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں۔ اس میں کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اپنے اختلاف کا اعلان کردینا عملاً مشکل ہے اور بے اثر بھی، اور ہوسکتا ہے کمپنی کے لئے ناقابل عمل بھی ہو، اس لئے ایسا کرنا شیئر ہولڈر کے لئے ضروری نہیں قرار دیا جاسکتا۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس کے فیصلہ کو کرہاً ماننا ہی پڑے گا۔

۱۰۔ منافع میں شامل سود کے بقدر رقم نکال کر صدقہ کرنا:

اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے منافع میں سے اس کے بقدر رقم نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا۔

واضح رہے کہ کمپنی کی آمدنی میں سود کی رقم بہت کم شامل ہوتی ہے جبکہ وہ لئے ہوئے قرضوں پر سود کی رقم ادا زیادہ مقدار میں کرتی ہے، اس لئے جو سود آمدنی میں شامل ہوا سے سود کی ادائیگی میں خرچ محسوب کیا جاسکتا ہے، یہ بھی ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔

۱۱۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگایا گیا ہو۔

اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہوگیا ہے اتنا فیصد ملنے والے منافع سے نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت کرنا کیسا ہے؟

شیئرز کی تجارت جائز ہے، کیونکہ شیئر کمپنی کی ملکیت میں جس میں اس کا اثاثہ شامل ہے ایک حصہ ہے، لہذا جس طرح دوسری چیزوں کی تجارت کی جاتی ہے شیئرز کی بھی تجارت کی جاسکتی ہے۔

۱۳۔ فیوچر سیل کا حکم:

فیوچر سیل جائز نہیں کیونکہ یہ حقیقۃً بیع وشراء نہیں ہے بلکہ محض کاغذی کارروائی ہے، اور شریعت میں اعتبار حقیقی بیع وشراء کا ہے نہ کہ محض کاغذی کارروائی کا۔ شیئر کو اگر واقعی فروخت کیا گیا ہو تو نام کی منتقلی کی کارروائی لازمی ہے، اور جب یہ کارروائی نہیں کی گئی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیئر واقعۃً فروخت نہیں کیا گیا، پھر اس پر نفع حاصل کرنے یا نقصان برداشت کرنے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔

۱۴۔غائب سودا:

غائب سودا جن میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے جائز نہیں ہوگی۔اوپر سوال نمبر ۱۳ کے جواب میں اس کی وضاحت ہوچکی۔

۱۵۔شیئرز پر قبضہ کا مطلب:

شیئرز فروخت کرنے کے بعد کمپنی کو نام کی تبدیلی کے لئے بھیجے جاتے ہیں، اگر بائع کے دستخط صحیح نہ ہوئے تو کمپنی شیئرز بائع کو واپس بھیج دیتی ہے، ایسی صورت میں نام کی تبدیلی کا کام التوا میں پڑ جاتا ہے، اس لئے شیئرز پر حقیقی قبضہ اسی صورت میں ہوتا ہے جبکہ شیئرز سرٹیفکیٹ تبدیلی شدہ نام کے ساتھ مل جائیں۔اس سے پہلے اگر مشتری شیئرز کسی تیسرے شخص کو فروخت کرتا ہے تو یہ فروخت حقیقی قبضہ سے پہلے ہوگی اور اس میں نزاعات کا بھی اندیشہ ہے اس لئے اس کی اجازت دینا صحیح نہ ہوگا، البتہ بعض مجبور کن حالات میں اگر مشتری تیسرے شخص کو شیئرز فروخت کرتے وقت نام کی منتقلی کی ضمانت دیدے تو ایسا کرنے کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔

۱۶۔خرید کردہ شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے پہلے دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا:

اس کا جواب اوپر سوال نمبر ۱۵ میں گذر چکا ہے۔

۱۷۔بروکر (ایجنٹ) کی حیثیت سے کام کرنا:

شیئرز کی خرید وفروخت کے لئے بروکر کی ضرورت حالات کا تقاضا ہے، اس لئے بروکر کی حیثیت سے کام کرنا فی نفسہ جائز ہے۔

حصص کی خرید وفروخت اور اس کے احکام

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

۱۔ کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا یہ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے؟ اس سوال کا جواب دینے سے قبل یہ طے کر لینا ضروری ہے کہ کمپنی کا یہ معاملہ شریعت کے اصول تجارت میں سے کسی قسم میں داخل ہے یا نہیں؟

ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ کمپنی سے شیئر ہولڈر کا یہ معاملہ شریعت مطہرہ کے اصول تجارت میں سے کسی قسم میں شامل نہیں ہے، لہٰذا شیئر کی خرید وفروخت ہی جائز نہیں ہے۔ دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ معاملہ شرعاً جائز و درست ہے۔ شیئر کی خرید وفروخت شریعت کے اصول تجارت کے خلاف نہیں ہے۔ غور کرنے کے بعد دوسرا نقطہ نظر زیادہ صحیح اور اقرب الی الفقہ معلوم ہوتا ہے، اس کو اصول تجارت کے خلاف کہنا صحیح نہیں۔

مذکورہ معاملہ کی مشابہت شرکت عنان سے:

شیئر ہولڈر کمپنی سے جو معاملہ کرتا ہے اس کو شریعت کے اصول تجارت "شرکت عنان" میں شامل کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ "شرکت عنان" ایسا عقد شرکت ہے جس میں دو آدمی سامان یا غلہ یا عام تجارت میں شریک ہوں۔ اور کمپنی سے شیئر ہولڈر کا جو معاملہ ہے اس میں عام تجارت میں دونوں شریک ہوتے ہیں، ہدایہ میں ہے:

وأما شركة العنان فتنعقد على الوكالة دون الكفالة وهي أن يشترك اثنان في نوع بزّ أو طعام أو يشتركان في عموم التجارات (ہدایہ۲/۶۲۹)۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا رجحان بھی یہی ہے کہ اس کا تعلق شرکت عنان سے ہے، چنانچہ وہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: "بظاہر اس عقد کی حقیقت شرکت عنان ہے" (امداد الفتاوی ۳/۴۹۴)۔

البتہ شرکت عنان تسلیم کرنے کی صورت میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس شرکت میں تمام شرکاء مال اور محنت دونوں میں شریک ہوتے ہیں۔ اور کمپنی جو معاملہ کرتی ہے اس میں صرف کمپنی کے افراد کام کرتے ہیں۔ شیئر ہولڈر کی شرکت صرف سرمایہ میں ہوتی ہے محنت میں نہیں.......... اس کا جواب یہ ہے کہ شرکت عنان میں تمام شرکاء کا محنت میں بھی شریک ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر وہ کسی ایک فرد پر محنت کی شرط لگا دیں تو اس طرح کی شرط صحیح و درست ہوگی، یہ شرط شرکت عنان کے منافی نہیں ہوگی۔ البتہ اس صورت میں ضروری ہے کہ نفع کی تقسیم تمام شرکاء کے درمیان برابر ہو یا جس شریک کے لئے عمل کی شرط لگائی گئی ہے اس کو زیادہ نفع ملے۔ اگر کام کرنے والے شریک کو کم نفع ملے، مثلاً یہ شرط لگا دی جائے کہ نفع کے دو حصے دوسرے شریک کو ملیں گے اور کام کرنے والے شریک کو صرف ایک حصہ ملے گا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اس کی پوری تفصیل تحفۃ الفقہاء (۳/۸۷) میں موجود ہے۔

مذکورہ معاملہ کی مشابہت مضاربت سے:

اس عقد کی مشابہت ومماثلت عقد مضاربت سے بھی معلوم ہوتی ہے۔اس لئے کہ عقد مضاربت وہ عقد ہے جس میں ایک فریق کا سرمایہ ہوتا ہے اور دوسرے فریق کی محنت۔اور دونوں فریق باہم طے شدہ معاملہ کے مطابق منافع میں شریک ہوتے ہیں۔

"کتاب المضاربة (هي) عقد شركة في الربح بمال من جانب رب المال (وعمل من جانب) المضارب" (تنویرالابصارمع الدرالمختار ۴/۴۸۳)۔

اور شیئر ہولڈر کا کمپنی سے جو معاملہ ہوتا ہے اس کی صورت یہی ہے کہ شیئر ہولڈر کا سرمایہ ہوتا ہے اور کمپنی کی محنت، اور منافع میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔البتہ مضاربت تسلیم کرنے کی صورت میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ مضاربت میں نقصان صرف رب المال برداشت کرتا ہے۔مضاربت پر خسارہ کی ذمہ داری نہیں ہوتی ہے حتی کہ اگر یہ شرط لگا دی جائے کہ مضارب بھی خسارہ میں شریک ہوگا تو مضاربت فاسد ہو جائے گی۔یہی صاحبین کا قول ہے۔اور کمپنی جو معاملہ کرتی ہے اس میں کمپنی کے افراد اور شیئر ہولڈرس دونوں ہی منافع کے ساتھ ساتھ خسارہ میں بھی شریک ہوتے ہیں، حالانکہ خسارہ صرف شیئر ہولڈرس کو برداشت کرنا چاہئے، کمپنی کے افراد پر خسارہ کی ذمہ داری نہیں آنی چاہئے۔اس کا جواب یہ ہے کہ گرچہ صاحبین کے قول کے مطابق مضارب خسارہ میں شریک نہیں ہوتا ہے لیکن امام صاحب کے قول کے مطابق مضارب بھی خسارہ میں شریک ہوتا ہے۔

"فالربح والوضيعة نصفان في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى كذا في المبسوط وفي قول أبي يوسف و محمد الوضيعة كلها على رب المال كذا في المحيط (فتاوی ہندیہ ۴/۲۹۱)۔

موجودہ دور میں جبکہ لوگ خیر القرون سے دور ہیں، شرور وفتن کا غلبہ ہے، امانت داری، دیانت داری اور تقوی وللّٰہیت کی قلت اور دھوکہ بازی اور امانت میں خیانت کی کثرت ہے، مضاربت پر معاملہ کرنے کے لئے کسی باوثوق اور قابل اعتماد شخص کی تلاش مشکل ہے۔اگر کل خسارہ کا ذمہ دار صرف رب المال (مالک) کو ٹھہرایا جائے تو پھر مضاربت کے اصول پر تجارت مشکل ہو جائے گی۔اس دور پرفتن میں امام صاحب کا قول راجح اور اس پر عمل اقرب إلی الفقہ معلوم ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کمپنی کا معاملہ شریعت کے اصول تجارت کے خلاف نہیں ہے بلکہ یا تو شرکت عنان میں شامل ہے یا مضاربت میں۔

کمپنی کے شیئرز کی حیثیت:

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں کمپنی کے شیئرز کی حیثیت بھی واضح ہوگئی کہ اس کی حیثیت صرف اس بات کی دستاویز کی نہیں ہے کہ کمپنی کو اتنی رقم دے رکھی ہے، بلکہ یہ کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی پوری نمائندگی کرتا ہے۔اور شیئر ہولڈر اپنی رقم کے بقدر کمپنی میں موجود نقد اور اثاثوں کا مالک ہے۔اس لئے کہ عقد شرکت ہو یا مضاربت دونوں

صورتوں میں رب المال اپنی اصل رقم کے ساتھ منافع کا بھی حقدار ہوتا ہے۔ اور جو بھی سرمایہ ہو خواہ نقد رقم سے حاصل شدہ ہو یا منافع کی شکل میں ہو، رب المال اس میں شریک ہوتا ہے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے جو سوالنامہ میں مذکور ہے۔ یعنی اگر کمپنی باہمی قرارداد سے تحلیل ہو جائے تو ہر شیئر ہولڈر کو اس کے شیئرز کے تناسب سے اس کے اثاثوں میں حصہ ملتا ہے، اور نفع ہو تو اس کے لگائے ہوئے سرمایہ سے زائد رقم ملتی ہے اور اگر خسارہ ہو تو اسے نقصان بھی برداشت کرنا ہوتا ہے۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند نظام الفتاوی میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

شیئرز حصوں کا نام ہے۔ شیئر کا مالک شیئر کے مطابق کمپنی کا حصہ دار اور مالک ہوتا ہے۔ اور کمپنی کے سرمایہ وسامان واثاثہ وغیرہ سب چیزوں کا حسب شیئرز مالک ہوتا ہے اور سرمایہ وسامان وغیرہ کی حیثیت و قیمت کی کمی وبیشی کے اعتبار سے شیئر کی حیثیت و قیمت بھی کم وبیش ہوتی رہتی ہے، اور شیئر کا خریدنا وبیچنا ان حصوں کا اور ان حصوں میں داخل شدہ چیزوں کا خریدنا وبیچنا شمار ہوتا ہے، اور اس کا جائز ہونا ظاہر ہے (نظام الفتاوی ۱/۱۱-۱۲)۔

رہی یہ بات کہ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں اس کے قرض کی ادائیگی اس کے شیئر کے تناسب سے کمپنی میں موجود سامانوں کو الگ کر کے نہیں کی جاتی ہے۔ جبکہ سرکاری قانون کے مطابق اس کے دیگر املاک ضبط کر کے اس کے قرض کی ادائیگی ہوتی ہے تو اس سے اس بات کی تائید نہیں ہوتی کہ کمپنی کے شیئر کی حیثیت صرف جمع کردہ روپے کے دستاویز کی ہے۔ اس لئے کہ کتب فقہ میں یہ مسئلہ مصرح ہے کہ اگر مقروض قرض کی ادائیگی کے لئے جائداد فروخت کرنے سے باز آجائے تو قاضی اس کے تمام سامان وجائداد فروخت کر کے قرض کی ادائیگی کر دے گا لیکن اس کے کپڑے فروخت نہیں کرے گا۔

"وحاصله أنه إذا امتنع عن البيع يبيع عليه القاضي عرضه وعقاره و غيرهما و في البزازية وفرع على صحة الحجر أنه يترك له دست من الثياب و يباع الباقي و تباع الحسنة ويشترى له الكفاية ويباع كانون الحديد ويشترى له من طين ويباع في الصيف ما يحتاجه للشتاء وعكسه (شامی ۴/۳۲۰)۔

کپڑے ضبط نہ کرنے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کپڑوں کی ملکیت مقروض کی نہیں ہے۔ قرض کی ادائیگی میں کسی مصلحت کی بنیاد پر کسی چیز کو سرکاری طور پر ضبط نہ کرنا اس کے غیر مملوک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ کمپنی میں موجود سامان پر شیئر ہولڈر کی جو ملکیت ہے وہ مشترک اور مشاع ہے۔ ان سامانوں کو الگ کرنا دشوار ہے جس کی بنیاد پر اس کو ضبط کرنا مشکل ہے۔ لہذا اگر اس طرح کا قانون بن گیا تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شیئر ہولڈر ان سامانوں کا مالک نہیں ہے۔

۲۔شیئرز کی خرید وفروخت جبکہ کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک نہ ہوں:

اگر کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہیں اس وقت کمپنی شیئرز کی بیع کرتی ہے تو اس صورت میں نقد کی بیع نقد سے ہورہی ہے جو بیع صرف کی شکل ہے، جس میں نہ تو کمی بیشی جائز ہے اور نہ ہی ادھار کی گنجائش ہے۔ لہذا اس صورت میں کمپنی کے شیئرز کمی بیشی کے ساتھ نہیں خرید سکتے ہیں۔ البتہ مساوی قیمت میں خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء کی دو رائیں ہیں: ایک تو یہ کہ مساوی قیمت میں بھی خرید وفروخت جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ بیع صرف ہے جس میں نسیہ یعنی ادھار جائز نہیں ہے۔

دوسری رائے یہ کہ مساوی قیمت پر شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے اور شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ درحقیقت نقد رقم پر قبضہ ہے لہذا یہ ادھار بیع نہیں ہوئی۔ میری ناقص رائے میں اگر بیع کی مجلس ہی میں فروخت کرنے والا ثمن پر اور خریدار شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ کرلے تو مساوی قیمت پر خرید وفروخت کی گنجائش ہونی چاہئے۔

۳۔نقد اور اموال ربویہ وغیر ربویہ کی بیع نقد کے ساتھ:

کمپنی جب وجود میں آجائے اور اس میں اثاثہ (نقد واملاک کا مجموعہ) موجود ہو تو ایسی صورت میں شیئرز کی خرید وفروخت نقد سے کمی بیشی کے ساتھ شرعاً جائز و درست ہے گرچہ املاک میں مال ربوی وغیر ربوی دونوں ہوں۔ اس لئے کہ اس صورت میں شیئرز ہولڈر اپنے شیئرز کے تناسب سے کمپنی کے اس نقد اور مال کو دوسروں سے نقد کے عوض فروخت کرتا ہے جس کا وہ مالک ہے۔ اور مال خواہ ربوی ہو یا غیر ربوی اس کی خرید وفروخت روپے سے کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔ اور اگر خریدار کی جانب سے ملنے والا ثمن بھی مال ربوی یا غیر ربوی ہے تو خریدار کے مال ربوی کو کمپنی کے مال غیر ربوی کے مقابلہ میں اور کمپنی کے مال ربوی کو خریدار کے مال غیر ربوی کے مقابلہ میں رکھ کر بیع کو جائز قرار دیں گے۔ کتب فقہ میں یہ جزئیہ موجود ہے کہ اگر کسی نے دو درہم اور ایک دینار کی بیع ایک درہم اور دو دینار کے بدلہ میں کی تو ایک درہم کو دو دینار کے مقابلہ میں اور دو دینار کو ایک درہم کے مقابلہ میں رکھ کر جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرتے ہوئے جائز قرار دیا جائے گا۔

(وصح بیع درهمین و دینار بدرهم و دینار ین) بصرف الجنس بخلاف جنسه (در مختار) (قوله بصرف الجنس بخلاف جنسه) ای تصحیحا للعقد کما لو با ع نصف عبد مشترک بینه و بین غیره فانه ینصرف إلی نصیبه تصحیحا للعقد (ردالمحتار باب الصرف ۲۳۹/۴)۔

۴۔حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت:

جن کمپنیوں کا کاروبار حرام ہو مثلاً شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت کریں یا سودی اسکیموں میں پیسے لگائیں، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً جائز نہیں ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔ اس لئے کہ مال حرام یا ذریعہ حرام سے حاصل ہونے والا نفع بھی حرام ہے۔ اور اس میں تعاون علی الاثم ہے، والعدوان بھی ہے، جس کی ممانعت نص قرآنی سے ثابت ہے: "**ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان**" (سورہ مائدہ)۔

اس طرح کی کمپنیوں کے شیئرز خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو حرام کاروبار کرنے کا وکیل بنایا گیا جس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

"أن يكون التصرف مباحا شرعاً فلا يجوز التوكيل فى فعل محرم شرعا كالغصب أو الاعتداد على الغير (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۵۴/۴)۔

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے خنزیر اور شراب کی بیع کا وکیل بنایا تو اس پر واجب ہے کہ کل ثمن کو صدقہ کردے۔"ولو وكّله ببيعهما يجب عليه أن يتصدق بثمنهما (ردالمختار)۔

۵۔انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لینے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت:

جن کمپنیوں کا کاروبار بذات خود جائز وحلال ہے لیکن انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے ان کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً جائز ودرست ہے، اس لئے کہ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے دیگر ضروریات کی بنیاد پر بینک سے سوی قرض لینے کی گنجائش ہے۔"يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر/۱۴۹)۔

٦۔ریزرو بینک میں رقم جمع کرنے اور سیکورٹی بانڈس خریدنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت:

جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ضرورتاً ان کو اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے یا سیکورٹی بانڈس خریدنا پڑتا ہے جس پر ان کمپنیوں کو سود بھی ملتا ہے، تو ظاہر ہے کہ کمپنیوں کا یہ عمل ضرورتاً ہے جس کی گنجائش ہے۔لہذا سودی رقم سے بچتے ہوئے ان کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً جائز ودرست ہے۔شیئرز ہولڈر پر لازم ہوگا کہ بینک سے ملنے والی سودی رقم سے حصہ نہ لے، اور اگر حصہ لیتا ہے تو اس کے بقدر بلانیت ثواب صدقہ کردے۔

"فى القنية لو كان الخبيث نصابا لا يلزمه الزكوة لأن الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه أو مثله فى البزازية (ردالمختار کتاب الزکوۃ ۲۵/۲)۔

۷۔سود پر لئے گئے قرض سے حاصل ہونے والے منافع کی شرعی حیثیت:

سود پر لئے گئے قرض کی صورت میں چونکہ قرض کی رقم فی نفسہ جائز اور حلال ہے، اس رقم کے ساتھ حرمت کی آمیزش نہیں ہے، لہذا سود پر لئے گئے قرض سے جو منافع حاصل ہوں گے وہ بھی شرعاً حلال ہوں گے۔ان کو لے کر اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کرسکتے ہیں۔وہ قرض یقیناً مفید ملک ہے۔اس کے مفید ملک نہ ہونے کی کوئی وجہ بظاہر سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

۸۔بورڈ آف ڈائریکٹرس کی حیثیت:

اوپر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ کمپنی کا معاملہ یا تو شرکت عنان میں شامل ہے یا مضاربت میں، اور

شرکت عنان میں دونوں فریق ایک دوسرے کے وکیل ہوتے ہیں۔ اور جبکہ کام کی شرط ایک فریق پر لگادی جائے تو کام کرنے والا فریق اپنے سرمایہ کے بقدر اصیل ہوگا اور اپنے شریک کے سرمایہ میں وکیل ہوگا۔ اسی طرح مضاربت میں مضارب، رب المال کا وکیل ہوتا ہے۔ لہٰذا کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرس کی حیثیت شیئر ہولڈر کے وکیل کی ہوگی اور اس کا عمل شیئر ہولڈر کا عمل سمجھا جائے گا (دیکھئے: تحفۃ الفقہاء ۳/۷، ۲۱، درمختار ۴/۴۸۴، امداد الفتاوی ۳/۴۹۰)۔

۹۔ شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کا اظہار کافی ہے؟

یہ تو صحیح ہے کہ اصولی طور پر وکیل کے تصرفات مؤکل کی طرف منسوب ہوتے ہیں، اور اگر وکیل خلاف شرع کوئی عمل کرتا ہے تو مؤکل بری الذمہ نہیں ہوگا۔ لیکن یہ بھی طے شدہ حقیقت ہے کہ وکیل اسی عمل اور تصرف کا مجاز ہوتا ہے جس کی اجازت مؤکل نے صراحۃً یا دلالۃً دی ہو۔ اگر مؤکل نے کسی عمل سے صراحۃً روک دیا تو وکیل کو اس کا اختیار نہیں ہوگا، اور وکیل کا وہ عمل مؤکل کی طرف منسوب نہیں ہوگا۔ لہٰذا مذکورہ صورت میں بورڈ آف ڈائریکٹرس کا سودی قرض لینا جو عام حالات میں خلاف شرع عمل ہے۔ یہ عمل شیئر ہولڈرس کی طرف منسوب ہوسکتا تھا اس لئے کہ شیئر ہولڈرس کی جانب سے صراحۃً نہیں تو دلالۃً اجازت بھی جاسکتی تھی لیکن جب کوئی شیئر ہولڈر کمپنی کے عملہ کو عام حالات میں سودی قرض لینے سے پوری قوت کے ساتھ منع کردے اور صراحۃً اپنے اختلاف کا اعلان کردے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ اس اعلان کی بنا پر خلاف شرع عمل سے بری الذمہ ہوگا اور وکیل کا عمل مؤکل کی جانب منسوب نہیں ہوگا (دیکھئے: امداد الفتاوی ۳/۴۹۱)۔

۱۰۔ منافع سے متعینہ سودی رقم نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا:

اگر کمپنی کے منافع میں سودی رقم بھی شامل ہو اور وہ رقم متعین و معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے سود کی اتنی رقم نکال کر بلا نیت ثواب صدقہ کردینا کافی ہوگا، اور بقیہ رقم حلال ہوگی، اس کو شیئر ہولڈر اپنے مصرف میں استعمال کرسکتا ہے۔ اس مسئلہ پر فتاوی ہندیہ کے اس جزئیہ سے بھی روشنی ملتی ہے کہ اگر کوئی مسلمان، کسی نصرانی کو مال مضاربت کے لئے دے تو کراہت کے ساتھ جائز ہوگا۔ اگر وہ نصرانی شراب اور خنزیر کی تجارت کرے اور نفع ہو تو امام صاحب کے قول کے مطابق یہ معاملہ مضاربت کے اصول پر جائز ہوگا۔ لیکن مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے حصہ کے بقدر نفع کو صدقہ کردے۔

" إذا دفع المسلم إلى النصراني مالا مضاربة بالنصف فهو جائز إلا أنه مكروه فإن اتجر في الخمر والخنزير فربح جاز على المضاربة في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى وينبغي للمسلم أن يتصدق بحصته من الربح (فتاوی ہندیہ ۴/۳۳۳)۔

۱۱۔ سودی آمدنی سے حاصل شدہ منافع:

اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے اپنے حصہ سے صرف سود کے تناسب سے رقم نکال کر صدقہ کردینا کافی نہیں ہوگا۔ بلکہ سودی رقم

اوراس سے حاصل ہونے والے تمام منافع نکال کر بلانیت ثواب صدقہ کرنا ہوگا، اس لئے کہ مال حرام یا ذریعہ حرام سے حاصل کیا ہوا نفع بھی حرام ہوتا ہے، جس کی صراحت اوراس سے متعلق متعدد جزئیات کتب فقہ میں موجود ہیں۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت:

تاجروں کے عرف میں شیئر مال متقوم ہے اور مال متقوم کی خرید وفروخت شرعاً جائز ودرست ہے۔ شیئر کی خرید وفروخت درحقیقت کمپنی کے اس سرمایہ کی خرید وفروخت ہے جس کا مالک شیئر ہولڈر ہے، اور سرمایہ کی خرید و فروخت کمی بیشی کے ساتھ جائز و درست ہے۔ نیز مال کی ذخیرہ اندوزی تاکہ قیمت میں اضافہ کے وقت فروخت کیا جائے اس وقت ممنوع ہے جبکہ لوگوں کو اس کی سخت ضرورت ہو اور بازار میں وہ مال نہ ملتا ہو، ذخیرہ اندوزی کی صورت میں لوگ پریشان وحرج میں مبتلا ہوں، اور اگر اس طرح کی بات نہ ہو تو ذخیرہ اندوزی ممنوع نہیں ہے۔ شیئرز کو خرید کر رکھنے میں لوگوں کو کوئی حرج نہیں ہے، لہذا اس کی تجارت کرنا اور اس کو خرید کر رکھنا تاکہ قیمت میں اضافہ کے وقت اس کو فروخت کیا جائے شرعاً جائز ودرست ہے۔ تجار دیگر اموال کو خرید کر رکھتے ہیں اس امید پر کہ قیمت میں اضافہ کے وقت فروخت کریں گے۔ اکثر قیمت میں اضافہ بھی ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ خسارہ بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں بھی قیاس آرائی ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر تخمین وقیاس آرائی ممنوع اور خلاف شرع نہیں ہے، بلکہ وہ تخمین اور قیاس آرائی ممنوع ہے جس میں غرر اور دھوکہ ہو۔

۱۳۔ فیوچر سیل کا حکم:

فیوچر سیل جس میں نہ بائع مال دیتا ہے اور نہ مشتری ثمن، بلکہ مقررہ تاریخ پر بڑھتے ہوئے دام کی صورت میں منافع اور گھٹتے ہوئے دام کی صورت میں خسارہ ادا کیا جاتا ہے، تو حقیقت میں یہ بیع نہیں ہے بلکہ یہ قمار وجوا کی ایک شکل ہے۔ یہ صورت شرعاً جائز نہیں ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

۱۴۔ غائب سودا کی بیع:

یہ سوال وضاحت طلب ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ مبیع موجود نہیں ہے، اور بائع یہ کہتا ہے کہ فلاں چیز موجود نہیں ہے، آنے کی امید ہے، اس کے آجانے پر میں تمہارے ہاتھ اتنے روپے میں فروخت کردوں گا، اور خریدار کہتا ہے کہ میں خریدلوں گا، تو شرعاً یہ بیع نہیں ہے بلکہ وعدہ بیع ہے۔ اس لئے کہ صحت بیع کے لئے ایک شرط تو یہ ہے کہ ایجاب وقبول ایسے صیغہ سے ہو جس میں انشاء کا مفہوم پایا جائے، اور دوسری شرط یہ ہے کہ مبیع موجود ہو۔ یہاں پر دونوں شرطیں مفقود ہیں، لہذا یہ بیع صحیح نہیں ہوگی، اور بیع کے احکام اس پر جاری نہیں ہوں گے۔

۱۵۔ شیئرز پر قبضہ کی حقیقت:

جمہور فقہاء کے نزدیک ہر چیز پر قبضہ حسی ضروری نہیں ہے بلکہ بعض چیزوں میں معنوی قبضہ بھی کافی ہے۔ اور ہر چیز پر قبضہ اس کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہوگا جس کی بنا عرف وعادت پر ہوگی۔ فقہائے کرام نے شئی کے

ضمان میں آجانے، حقوق وذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جانے اور غرر ودھوکہ سے محفوظ رہنے کی صورت میں قبضہ تصور کیا ہے۔ لہٰذا مذکورہ صورت میں جبکہ شیئرز کے خریدتے ہی قانونی طور پر کمپنی کے اثاثے اور املاک شیئر کے بقدر خریدار کے ضمان میں آجاتے ہیں اور حقوق وذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں گرچہ قانونی دشواریوں کی وجہ سے شیئر سرٹیفکیٹ نہ ملا ہو پھر بھی شیئرز خریدتے ہی اس پر خریدار کا قبضہ سمجھا جائے گا اور اس میں ہر جائز تصرف کا اختیار ہوگا۔

۱۶۔ شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل ہونے سے قبل شیئرز کی خرید وفروخت:

جب شیئرز خریدتے ہی شیئرز کے بقدر کمپنی کے تمام اثاثے اور املاک خریدار کے ضمان میں آجاتے ہیں اور تمام حقوق وذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں تو اس کو قبضہ تسلیم کیا جائے گا، اور شیئرز سرٹیفکیٹ کے حاصل ہونے سے قبل شیئرز کی خریداری کے دوسرے یا چوتھے دن خریدار کا دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنا شرعاً جائز ودرست ہوگا۔ اس کو بیع بعد القبض کہیں گے نہ کہ بیع قبل القبض۔ اسی طرح تیسرے یا چوتھے کے ہاتھ فروخت کرنا بھی جائز ودرست ہوگا۔

۱۷۔ شیئرز کی خرید وفروخت میں ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا:

جن صورتوں میں شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً ناجائز ہے ان صورتوں میں بروکر یعنی ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا بھی ناجائز ہوگا، اس لئے کہ یہ گناہ اور خلاف شرع امور میں تعاون دینا ہے۔ جس کی ممانعت نص قرآنی سے ثابت ہے۔ البتہ جن صورتوں میں شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً جائز ودرست ہے ان صورتوں میں ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا بھی جائز ودرست ہوگا۔ یہ درحقیقت دلالی کی ایک صورت ہے، اور فقہاء کرام کی صراحت موجود ہے کہ ضرورت کی بنیاد پر پیشۂ دلالی اور اس کی اجرت شرعاً جائز ودرست ہے (ردالمحتار ۲۹/۵)۔

شیئرز

علامہ شیخ وہبہ مصطفیٰ الزحیلی، دمشق

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف المرسلين وعلى آله و صحبه أجمعين، أما بعد!

تمہید:

اسٹاک کمپنیوں (Stock Companies) میں شیئرز کے ذریعہ کاروبار رائج اور اہمیت کا حامل ہوگیا ہے، اس قسم کے کاروبار کا مقصد اجتماعی محنت کی شکل میں انفرادی یا جزئی رقوم کے ایک مجموعہ کی سرمایہ کاری کر کے یا ان کو کاروبار میں لگا کر منافع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ عموماً عام لوگ اس کاروبار کی ایک بڑی اسکیم کو تن تنہا چلانے پر قادر نہیں ہوتے، لہذا بڑے سرمائے کو شیئرز یعنی ان کاروباری دستاویزات (Commercial Papers) کے ذریعہ تقسیم کیا جاتا ہے جنہیں اسٹاک ایکسچینج یا دیگر مارکیٹوں میں آفر کئے جاتے ہیں، اور دسیوں یا سیکڑوں افراد کی طرف سے جن کی قیمت ادا کی جاتی ہے۔

اس طرح بڑی بڑی صنعتی یا زرعی تجارتی اسکیموں کی سرمایہ کاری کے لئے بینکوں یا دیگر فنڈز اور مقامات میں جمع شدہ پرائیوٹ اور پوشیدہ سرمائے سے فائدہ اٹھانا ممکن ہوتا ہے۔

شیئرز کی بالفور یا بتاخیر، قبضہ کے ذریعہ یا بغیر قبضہ کے، براہ راست یا ایجنٹوں اور بروکر (Broker) کے ذریعہ، خرید وفروخت کے مختلف پہلوؤں کے تعلق سے چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

شیئرز کے ذریعہ شراکت داری کا مسئلہ اس وقت اور پیچیدہ ہو جاتا ہے جب جوائنٹ اسٹاک کمپنی اپنی اسکیم کو فروغ دینے، اسے کامیاب بنانے، اس کے کاروبار کے دائرہ کو وسیع کرنے، اس کو زیادہ فعالیت عطا کرنے اور زیادہ مفید اور انتہائی ترقی یافتہ مشینوں کی خریداری کے لئے بینکوں سے سودی قرضے لینے پر مجبور ہوتی ہے۔

مقالہ کے موضوعات:

زیر نظر مقالہ مندرجہ ذیل موضوعات پر مشتمل ہے:

۱۔ کیا شیئرز کمپنی میں جز وملکیت کی حیثیت رکھتے ہیں یا یہ رقوم کی دستاویز ہیں؟

۲۔ کمپنی کے اپنے کاروبار شروع کرنے سے پہلے خریدے گئے شیئرز کی بیع؟

۳۔ ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت جس کے قیام کے بعد اس کا سرمایہ سودی اور غیر سودی دونوں کے مجموعہ مال پر مشتمل ہو؟

۴۔ حرام کاروبار کرنے والی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم؟

۵۔ ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم جس کا کاروبار تو حلال ہو لیکن انکم ٹیکس کی زد سے بچنے کے لئے اسے سودی قرض لینا پڑتا ہو؟

٦۔ ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم جس کا کاروبار حلال ہو مگر اسے اپنے سرمائے کا ایک حصہ سینٹرل ریزروبینک میں جمع کرنا پڑتا ہو یا سیکورٹی بانڈز خریدنے پڑتے ہوں؟

۷۔ سودی قرض سے حاصل ہونے والے منافع کا حکم۔کیا وہ حلال اور مفید ملک ہیں؟

۸۔ کیا کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئرز ہولڈر کا وکیل ہے؟

۹۔ کیا کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے کے فیصلہ سے اختلاف کرنا اسے سودی قرض کے وبال سے بری الذمہ کردے گا؟

۱۰۔ کیا شیئر ہولڈر کے لئے سود سے پیدا شدہ متعین منافع کے بقدر صدقہ کردینا کافی ہے؟

۱۱۔ کیا کل آمدنی میں مخلوط سود سے حاصل شدہ منافع کے بقدر صدقہ کردینا شیئرز ہولڈر کیلئے کافی ہے؟

۱۲۔ قیمتوں کے بڑھنے کی صورت میں شیئرز کی تجارت (یعنی نفع کے ساتھ اس کو فروخت کرنے) کا کیا حکم ہے؟

۱۳۔ شرعاً فیوچر سیلز (جس میں نہ مبیع کی حوالگی ہوتی ہے اور نہ ہی ثمن کی ادائیگی) کا کیا حکم ہے؟

۱۴۔ کسی شئے کے سلسلے میں ہونے والی اس بیع کا کیا حکم ہے جس کی اضافت مستقبل کی طرف کی گئی ہو؟

۱۵۔ حکمی قبضہ سے متصف شیئرز کی اس خرید کا کیا حکم ہے جس میں شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ حسی مؤخر ہو؟

۱٦۔ قبضۂ حسی سے پہلے شیئرز کی بیع کا کیا حکم ہے؟

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج مارکیٹ میں بروکرز یعنی ایجنٹ کی حیثیت سے کاروبار کرنے کا کیا حکم ہے؟

ا۔کیا شیئرز کی حیثیت کمپنی میں حصہ کی ہے یا رقوم کے دستاویز کی ہے؟

شیئرز: یکساں قیمت (Value) کے حامل، نا قابل تقسیم (Indivisible) اور تجارتی ذرائع سے قابل تداول وہ دستاویزات (Documents) ہیں جو کمپنیوں کے اصل سرمائے میں شراکت اختیار کرنے والے شیئر ہولڈرز کے حقوق کی نمائندگی کرتے ہیں۔

مصری سِول قانون کی دفعہ ۵۰۵،اور شامی سِول قانون کی دفعہ ۴۷۳ میں کمپنی کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ:

کمپنی ایک ایسا عقد ہے جس کے بموجب دو یا دو سے زائد اشخاص اس بات کے پابند ہوتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک سرمایہ یا محنت کا ایک حصہ پیش کرکے کسی مالی اسکیم میں شراکت اختیار کرے گا،اور اس اسکیم سے پیدا شدہ نفع یا نقصان آپس میں تقسیم ہوں گے۔

موجودہ تجارتی قانون کے ماہرین کی اس تعریف سے واضح ہوجاتا ہے کہ:شیئرز وہ دستاویزات ہیں

جنہیں شیئرز کمپنی جاری کرتی ہے، اور یہ کمپنی کے اصل سرمائے اور اس کے ضمن میں حاصل ہونے والے حقوق میں مشترک حصص کی نمائندگی کرتے ہیں، کمپنی کے اصل اثاثے اور اس سے حاصل شدہ حقوق کا دارومدار کمپنی کی خالص املاک، اس کی آمدنیوں اور اس کے انتظام وانصرام پر ہوتا ہے، لہذا کمپنی ایک قسم کا عقد ہے، کیونکہ یہ شرکاء کے اتفاق کے نتیجہ میں وجود میں آتی ہے۔

شیئر کمپنی کے اصل اثاثے کے ایک جزو کی نمائندگی کرتا ہے، اور اس کا مالک شیئر ہولڈر ہوتا ہے، شیئرز کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں[۱]:

۱۔ یہ مساوی درجہ (Face Value) کے حامل ہوتے ہیں: یہ وہ قیمت ہے جو شیئرز کے اجراء کے وقت طے پاتی ہے اور اسی کے ساتھ شیئرز جاری کئے جاتے ہیں، یہی وہ قیمت ہے جس کی تحدید قانونی طور سے دنیا کے بعض ملکوں جیسے متحدہ عرب امارات میں ایک اور سو درہم کے درمیانی تناسب سے کی جاتی ہے۔

۲۔ یہ ناقابل تجزی ہوتے ہیں: یعنی کمپنی کے مقابلہ میں ایک سے زائد شیئر ہولڈرس کی صورت میں یہ کسور کی شکل میں ظہور پذیر نہیں ہوتے۔

۳۔ تجارتی طریقے سے رواج پذیر ہوتے ہیں: یعنی معروف تجارتی طریقوں سے اور کمپنی کی طرف سے بغیر کسی قانونی آرڈر کے شیئرز کی ملکیت ایک شخص سے دوسرے تک منتقل ہوسکتی ہے۔ اگر شیئر شیئر ہولڈر کی اجازت یا اس کے حکم سے جاری کیا گیا ہو تو اس کی منتقلی توثیق سے ہوگی۔ اور اگر وہ Bearer Share ہو تو اس کی منتقلی محض دستی حوالگی ہی سے ہو جائے گی، شیئر ہولڈرس پر حکومتی نگرانی وسرپرستی کی ضمانت کی خاطر، عموماً شیئرز نامزد ہوتے ہیں۔ جہاں تک بانڈز (Bonds) کا تعلق ہے تو وہ متعین نام سے بھی ہوتے ہیں اور Bearer بھی ہوتے ہیں۔

الغرض شیئرز کمپنی کے سرمائے میں حصص کی نمائندگی کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر شیئرز اپنی فطرت وحقیقت کے اعتبار سے مستقل بالذات نقود اور کمپنی کی عینی املاک یعنی فرنیچرز، عمارتوں، مشینوں، اوزار، مصنوعات اور تیار شدہ ساز وسامان، یا غیر تیار شدہ خام یا پختہ مال، اور دوسروں کے ذمہ کمپنی کی واجب الاداء دیون کا مجموعہ قرار پاتے ہیں، یہ تمام اشیاء شیئرز اور اس کی تشکیل کے ذیل میں آتی ہیں۔ اب ایسی صورت میں شیئرز کی خرید وفروخت نقد کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت نہیں بلکہ یہ نقود کا اپنے بالمقابل نقود واملاک کے مجموعہ سے تبادلہ ہے۔

شیئر ہولڈر اگر اپنا شیئر فروخت کردے تو اس کے بالمقابل حصہ کا وہ مالک قرار پائے گا، اسی طرح کمپنی کے تحلیل ہونے کی صورت میں بھی وہ اپنے شیئرز کے بالمقابل حصص کا بحیثیت مالک مستحق ہوگا، اور اگر شیئر میں نفع ہوگا تو اس میں بھی اس کا حق ہوگا۔ اور اگر کمپنی کو خسارہ ہو تو وہ اپنی زیر ملکیت شیئرز کے تناسب سے خسارہ بھی برداشت کرے گا، اس کے برعکس جو عمل بھی ہوگا اس سے کمپنی کے عقد کے تقاضوں کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔

شیئرز کی حیثیت اداشدہ رقوم کی دستاویزات جیسی ہرگز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ تو ان قرضہ جات کے

۱۔ ملاحظہ ہو: "الشرکات التجاریۃ" از ڈاکٹر حسنین غنایم: ص ۱۸۹، اسی طرح "الشرکات التجاریۃ" از ڈاکٹر علی یونس: ص ۳۔

ذرائع ہیں جن پر متعین شرح سے سود واجب الاداء ہوتے ہیں، ان کے مالکان کو کمپنی میں شراکت کا حق حاصل نہیں ہے، اور نہ ہی شیئرز کی شیئرز کے ساتھ بیع وشراء نقد کی نقد کے ساتھ بیع وشراء ہے، اور قرضہ جات ایک متعین قیمت کی نمائندگی کرتے ہیں، لہذا مقروض کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں اس کی املاک ضبط کی جاسکتی ہیں، اس کا کمپنی کی املاک اور اثاثوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

شیئرز کی اس حیثیت کا تعین کرکے اس کے مناسب شرعی احکام اس پر مرتب کئے جاسکتے ہیں، خواہ اس کا تعلق شیئر ہولڈرس کے ذمہ ادائیگی زکاۃ کے وجوب سے ہو، یا شیئرز کو متداول اور قابل بیع وشراء بنانے سے، یا کمپنی کے کاروبار کے نتیجہ میں حاصل شدہ منافع کے واجب الاداء ہونے سے، یا کمپنی کے مالکان کو ہر شیئر کی واضح ملکیت کے تناسب سے پیش آمدہ خسارے کو برداشت کرنے کا پابند بنانے سے۔

۲۔ کمپنی کے کاروبار شروع کرنے سے پہلے خریدے گئے شیئرز کی بیع:

کمپنی کے قیام کے بعد اور اس کے کاروبار کے آغاز اور اس اسکیم کو جس کے پیش نظر کمپنی کا قیام عمل میں آیا ہے، روبعمل لانے سے قبل خریدے گئے شیئرز کی بیع درست ہے، بشرطیکہ عقد صرف کے شرائط اور اس کے ضوابط کا تحقق ہو، اس لئے کہ یہ نقد کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت ہے، اور حرام (ربا) میں پڑنے سے بچانے کے لئے اس پر بیع صرف کے احکام منطبق ہوں گے۔

مختصراً بیع صرف کی مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

۱۔ ادھار سود (ربا النسیئة) کی زد سے بچانے کے لئے مجلس معاملہ سے متعاقدین کے جدا ہونے سے پہلے قبضہ کا تحقق۔

۲۔ مماثلت: اگر نقد کی بیع اس کی جنس سے ہو جیسے سونے کی بیع سونے سے، یا چاندی کی چاندی سے، یا نقدی نوٹ کی بیع اس کے مثل سے ہو، تو مقدار میں مماثلت واجب ہے، دونوں ثمن میں وزن کے اعتبار سے، اور نقدی نوٹوں میں تعداد کے اعتبار سے، اس میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی جائز نہیں ہے۔

۳۔ عقد میں خیار شرط نہ ہو: اس لئے کہ اس عقد میں عوضین پر قبضہ شرط ہے، اور خیار شرط (اختلاف فقہاء کے اعتبار سے) ثبوت ملک یا تکمیل ملک کے لئے مانع ہے، اور خیار، قبض مشروط میں مخل ہوتا ہے، قبض مشروط سے مراد وہ قبضہ ہے جس سے تعیین کا حصول ہوتا ہے، لہذا اس خیار کی شرط لگاتے ہی عقد فاسد ہو جائے گا۔

۴۔ اس میں کوئی مدت نہ ہو: اس لئے کہ عقد میں متعاقدین کے جدا ہونے سے پہلے عوضین پر قبضہ مطلوب ہے، اور مدت سے قبضہ مؤخر ہوگا، لہذا یہ عقد فاسد ہوگا۔

اخیر کی دو شرطیں بیع صرف میں واجب قبضہ سے متفرع ہیں، اور شروع کی دو شرطیں ربا النسیئة میں مبتلا ہونے سے بچانے کے لئے لگائی گئی ہیں۔

جدہ اسلامک فقہ اکیڈمی کی چوتھی کانفرنس (منعقدہ ۱۴۰۸ھ۔ مطابق ۱۹۸۸ء) کے فیصلہ میں مقارضہ بانڈز

یادستاویزات مضاربہ پر گفتگو کے ضمن میں درج ذیل صراحت موجود ہے:

فقرہ ۔اُ :اگر جمع شدہ مال قراض (مضاربہ) اندراج کے بعد اور سرمائے سے کاروبار کے آغاز سے قبل نقود کی شکل میں برقرار ہوں، تو مقارضہ بانڈز (MBs) کی منتقلی اور اس کا تداول نقد کا نقد سے تبادلہ قرار پائے گا ،اور اس پر بیع صرف کے احکام منطبق ہوں گے۔

۳۔ایسی کمپنی کے شیئرز کی بیع کا حکم جس کا سرمایہ سودی وغیر سودی دونوں طرح کے مال پر مشتمل ہو:

عموماً ایسا ہوتا ہے کہ بعض شیئرز کی بیع کمپنی کے قیام اور اس کے کاروبار کے شروع ہونے کے بعد ہوا کرتی ہے، لیکن اگر ایسی صورت میں کمپنی کا اصل سرمایہ حرام سے مخلوط ہو، اس طور پر کہ مجموعہ مال ربوی اور غیر ربوی دونوں پر مشتمل ہو تو یہ بیع ضرورت یا حاجت کے پیش نظر درست ہوگی اور یہ آمدنی مشتبہ قرار پائے گی، لہذا ان سودی قرضہ جات کے تناسب سے جن سے یہ آمدنی حاصل ہوئی ہے منافع کا ایک حصہ نکالنا واجب ہے، اور یہ ناجائز آمدنی ضرورت مندوں پر صرف کی جائے گی۔ اس سے کسی شخص کے ذمہ عائد ہونے والے اخراجات نہیں پورے کئے جا سکتے، نہ ہی یہ رقم ان لوگوں پر خرچ کی جا سکتی ہے جن کا نفقہ اس کے ذمہ لازم ہو، اور اس سے سوائے اس ٹیکس کے جو اس آمدنی کے ساتھ مخصوص ہو، دوسرے حکومتی ٹیکس نہیں ادا کئے جائیں گے، لہذا عام ضرورت وحاجت کے نہ پائے جانے کی صورت میں اس قسم کی بیع وشراء جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اصل سرمائے کی حرمت کو تقویت پہنچانے والا اشبہ موجود ہے۔ ہاں اگر اصل سرمایہ سود سے پاک ہو تو اس قسم کی خرید وفروخت جائز ہے۔

مذکور الصدر فقہ اکیڈمی کی طرف سے مقارضہ بانڈز کے سلسلے میں کئے گئے فیصلے میں دو فقروں پر مشتمل مندرجہ ذیل باتوں کی صراحت موجود ہے، جو رأس المال کے سود سے پاک ہونے کی صورت میں شیئرز کی بیع وشراء اور ان کی منتقلی پر منطبق ہوتی ہے:

ب:اگر مال مقارضہ دیون کی شکل میں ہو تو عقد دیون کے احکام مقارضہ بانڈز کے تداول پر منطبق ہوں گے۔

ج:اگر مال مقارضہ نقود، دیون، اعیان اور منافع کے مجموعی اثاثے کی صورت میں ہو تو فریقین کے درمیان طے شدہ قیمت کے مطابق مقارضہ بانڈز کا تبادلہ درست ہے، بشرطیکہ اس صورت میں اعیان ومنافع غالب ہوں، لیکن اگر نقود یا دیون غالب ہوں تو تبادلہ میں نقود کے تبادلہ یا دیون کی بیع کے سلسلہ میں طے شدہ شرعی احکام ملحوظ رکھے جائیں گے۔

یہ واضح رہے کہ نقود کی بیع کا عقد صرف کے مذکورہ احکام کا تابع ہونا ضروری ہے، دیون کی ایک دوسرے کے ساتھ بیع کے عدم جواز کی مختصر تفصیل یہ ہے [۱]:

☆اگر دَین کی بیع نقد ہو، تو مذاہب اربعہ میں مقروض کو دَین کی بیع یا اس کے ہبہ کرنے کا حق ہے، اس لئے کہ اس صورت میں حوالگی کی ضرورت نہیں ہے، مذہب ظاہریہ اور حنفیہ کے نزدیک دَین کی بیع مدین کے علاوہ کے

۱۔ دیکھئے مقالہ نگار کی کتاب: الفقہ الاسلامی وادلتہ ، تقدیم مراجع جن کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے: ۴۳۴/۴، ۴۳۳۔

لئے جائز نہیں ہے، اس لئے کہ بیع میں حوالگی مفقود ہے۔

☆ اور اگر دَین کی بیع ادھار یعنی ایک مدت کو مؤخر ہو جیسے "بیع الکالی بالکالی" یعنی دَین کی دَین سے بیع، تو یہ شرعاً ممنوع ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے "بیع الکالی بالکالی" سے منع فرمایا ہے [1]۔

لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دَین کی دَین سے بیع جائز نہیں ہے، خواہ یہ مدین سے ہو یا غیر مدین سے۔ اور دین: مبیع کے ثمن، قرض کے بدل، عورت کے مہر، منفعت کے بدلہ اجرت، معاوضۂ جنایت، تاوان اتلاف، عوض خلع اور سامان سلم کے مثل ہے۔

"البرکہ" بینک کے چھٹے سیمینار کی طرف سے جاری کردہ فتویٰ نمبر ۵ میں ان شراکت دار کمپنیوں کے شیئرز خریدنے سے متعلق جن کو بعض اوقات سودی قرض کے لین دین کا معاملہ کرنا پڑتا ہو، مندرجہ ذیل تفصیل ملتی ہے:

(الف) مسلم ممالک میں قائم عام کمپنیوں کے معاملات کو اسلامائز (Islamise) کرنے کی خاطر ان کے شیئرز خریدنا ایک امر مطلوب ہے، اس لئے کہ اس صورت میں مسلمانوں کے لئے احکام شرع کی پابندی کے زیادہ سے زیادہ مواقع اور امکانات ہیں۔

(ب) غیر مسلم ممالک کی کاروباری کمپنیوں کے شیئرز خریدنا سرمایہ کاروں کے لئے اس صورت میں درست ہے جب انہیں ایسا متبادل نہ ملے جو شائبہ سے پاک ہو۔

(ج) اسلامی مالیاتی اداروں کی طرف سے کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جائز ہے، بشرطیکہ فاضل نقود کی سرمایہ کاری مقصود ہو، اور اس میں شریک ہونے کے لئے افراد کو تعاون دینے کی خاطر سرمایہ کاری کے خصوصی فنڈز قائم کئے جائیں۔

اس تفصیل کی بنیاد پر اسلامی بینکوں کے لئے جائز مقاصد کی حامل کمپنیوں کے شیئرز خریدنا، اسی طرح ان کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جو کبھی کبھار سودی قرض کے لین دین کا معاملہ کرتی ہوں، جائز ہے، بشرطیکہ اس کا مقصد ان کمپنیوں کے کاروبار کو صحیح اسلامی رخ دینا ہو، اور یہ اس صورت میں جبکہ مشتری کو ظن غالب ہو کہ وہ ایسا کرنے پر قادر ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر ان کمپنیوں کے شیئرز کی خرید کا مقصد ان کے معاملات اور کاروبار کو اسلامائز کرنا نہ ہو تو بغیر ضرورت یا حاجت کے اس قسم کے شیئرز کی خرید درست نہیں ہے، اس لئے کہ کمپنی کے اصل سرمایہ کا مال ربوی اور غیر ربوی دونوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک قسم کا شبہ موجود ہے۔

اسی طرح ضرورت کے وقت اسلامی بینکوں کے لئے جائز ہے کہ وہ جائز مقاصد کی حامل کمپنیاں اور ان کمپنیوں کے شیئرز خریدیں جن کو کبھی کبھار سودی قرض کے لین دین کا معاملہ کرنا پڑتا ہو، اور یہ بھی اس صورت میں جب کہ اس کا مقصد زائد (Liquidity) کو اسلامی بینکوں میں صرف کرنا اور ضرورت کے وقت انہیں رواں کرنا ہو، ایسا اس لیے کہ اسلامی بینکوں کو شدید ضرورت ہے کہ وہ ان سرگرمیوں کو انجام دیں، تاکہ ان کے اس پیغام کی اشاعت کا

---

[1] دارقطنی نے حضرت ابن عمر کے حوالہ سے اس حدیث کی تخریج کی ہے، حاکم نے اسے امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے، اور طبرانی نے رافع بن خدیج کے حوالہ سے اس کی تخریج کی ہے۔

سلسلہ جاری رہے جس کا مقصد امت مسلمہ کو غیر شرعی معاملات سے نجات دلانا ہے۔

جہاں تک عام لوگوں کا تعلق ہے تو ان کے لئے ضرورت یا حاجت کے سوا ان کا خریدنا جائز نہیں، اس لئے کہ شیئرز کمپنی کے اصل سرمایہ میں حرمت موجود ہے۔ بخاری اور مسلم نے حضرت نعمان بن بشیر کی یہ روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

"إن الحلال بيّن وإن الحرام بيّن، وبينهما أمور مشتبهات لا يعلمهن كثير من الناس، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه و عرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام....".

بلاشبہ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے، تو جس نے شبہات سے پرہیز کیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا، اور جو شبہات میں پڑا وہ حرام میں پڑا۔

شراح حدیث کہتے ہیں: جو مشتبہ امور کو اور ان کی حرمت کو جانتا ہو، اس کے لئے جائز نہیں کہ ان کو اختیار کرے، بلکہ وہ اپنے علم کی ہدایت پر عمل کرے، اس کی تائید گذشتہ حدیث کی ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو صحیحین میں مذکور ہے:

"ومن اجترأ على ما يشك فيه من الإثم، أوشك أن يواقع ما استبان".

اور جس کسی نے ایسے امر جس کے گناہ ہونے میں شبہ ہو، کے ارتکاب کی جسارت کی تو قریب ہے کہ وہ صریح گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے رسول اللہ ﷺ سے مروی حضرت عبداللہ بن یزید کی یہ حدیث نقل کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"لا يبلغ العبد أن يكون من المتقين حتى يدع ما لا بأس به حذراً لما به بأس".

بندہ کا شمار متقیوں میں اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ ان چیزوں سے پرہیز کرتے ہوئے جس میں کوئی حرج ہے، ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کمال تقوی یہ ہے کہ بندہ اللہ سے تقوی کرے، یہاں تک کہ ایک ذرہ کے برابر اللہ سے تقوی کرے، حتی کہ تقوی کے پیش نظر بعض حلال چیزوں کو ترک کردے اس اندیشے سے کہ (ہوسکتا ہے) وہ حرام ہوں......

اس کا مطلب ہے کہ اشیاء تین قسم کی ہیں:

اللہ تعالی نے جس سے حلال ہونے کی تصریح فرمادی وہ حلال ہے، اور اللہ تعالی نے جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمادی وہ واضح طور پر حرام ہے، اور جہاں تک شبہات کا تعلق ہے تو ان میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کے بارے میں کتاب وسنت کے دلائل مختلف ہوں اور جس کے مفاہیم ومعانی میں متعدد احتمالات ہوں، تو ایسی چیز سے پرہیز غایت درجہ احتیاط اور ورع کی بات ہے۔ مشتبہ امور کے سلسلہ میں علماء کی تین آراء ہیں:

ایک طبقہ جو سد ذرائع کا قائل ہے اس کا کہنا ہے کہ: یہ حرام ہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "استبرأ لدینہ و عرضہ" اس نے اپنے دین وعزت کو بچالیا، لہذا جو اپنے دین اور اپنی عزت کو نہ بچا سکا وہ حرام میں مبتلا ہوا۔ دوسرا طبقہ جو سد ذرائع کا قائل نہیں ہے، کہتا ہے: یہ حلال ہیں، اس کی دلیل آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: "کالراعی یرعی حول الحمی" اس چرواہے کی طرح جو چراگاہ کے اردگرد چراتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حلال ہے، اور اس کو ترک کرنا ورع ہے۔ تیسرا طبقہ کہتا ہے: حدیث میں مذکور مشتبہ امور نہ حلال ہونے کی صراحت کرتے ہیں، نہ حرام ہونے کی، چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں حلال صریح اور حرام صریح کے درمیان رکھا ہے، لہذا ہمیں چاہئے کہ اس سلسلہ میں توقف کریں، اور یہ بھی ورع ہی کے باب میں آتا ہے[1]

ہماری اس وقت کی گفتگو کا موضوع ان شراکت دار کمپنیوں کے شیئرز کی خرید ہے جن کا اصل سرمایہ ربوی اور غیر ربوی دونوں کے مجموعہ مال پر مشتمل ہو، اس کا تعلق حرام کی اس نوع سے ہے جس کی حرمت معلوم ہے، اور جو صرف ضرورت ہی کے وقت مباح ہے، چونکہ ضرورتیں ممنوعات کو مباح بنادیتی ہیں، اور حاجت ضرورت کا درجہ حاصل کرلیتی ہے۔

لہذا ضرورت کے وقت ایسی کمپنی کے شیئرز کا لینا درست ہے جس کا مقصد جائز ہو، لیکن اس کو سودی قرض لینا پڑتا ہو، اور شیئرز سالانہ آمدنی والے ہوں، شرط یہ ہے کہ سودی قرضہ جات جن سے آمدنی حاصل ہوئی ہے، کے تناسب سے اس آمدنی کا ایک حصہ نکال دیا جائے، اور ناجائز آمدنی کا یہ حصہ ضرورت مندوں پر خرچ کیا جائے گا، اس سے کسی کے ذمہ عائد ہونے والے اخراجات نہیں پورے کئے جائیں گے، نہ اسے اس شخص پر صرف کیا جاسکتا ہے جس پر کوئی نفقہ لازم ہے، اور نہ اس سے ٹیکس کی ادائیگی کی جائیگی، سوائے ٹیکس کے اس حصہ کے جو اس آمدنی کے ساتھ خاص ہو۔

۴۔ حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم:

اس میں کوئی شک نہیں کہ شراکت دار کمپنیوں کی طرف سے شرعاً حرام کاروبار کے سلسلے میں جاری کئے گئے شیئرز کی خرید وفروخت اور ان کی تجارت حرام اور گناہ کبیرہ ہے، یہ ان حرام امور میں سے ہے جن کی آمدنی کا حصول اور جن سے انتفاع حرام ہے، جیسے شراب کی تجارت، خنزیر کے گوشت کی خرید وفروخت اور اس کی درآمد وبرآمد، خواہ مسلم ممالک میں یا غیر مسلم ممالک میں جیسے یورپ، امریکہ، ہندوستان اور جاپان وغیرہ، اسی طرح سودی اسکیموں اور سودی بینکوں میں سرمایہ کاری کرنا حرام ہے، اسی کے ذیل میں بڑی بڑی کمپنیوں کے تحت چلائے جانے والے وہ ہوٹل بھی آتے ہیں جو اپنے کھانوں میں خنزیر کا گوشت اور الکوہل ملے ہوئے مشروبات (Alcoholic Drinks) پیش کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

"....و حرم الربا"۔ اور اس نے (اللہ تعالی نے) سود کو حرام کیا (البقرہ: ۲۷۵)۔

---

[1] دیکھئے: امام نووی کی شرح "الأربعین النوویۃ" حدیث ۶ ص ۲۵اور اس کے بعد کے صفحات۔ شرح ابن دقیق العید ص ۴۲ اور اس کے بعد کے صفحات۔ جامع العلوم والحکم کی شرح از ابن رجب حنبلی ۱/۹۳ اور اس کے بعد کے صفحات، مطبوعہ دار الخیر، دمشق۔

حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به (المائدہ:۳)۔

قل إنما حرم ربي الفواحش ما ظهر منها وما بطن والإثم والبغي بغير الحق (الأعراف:۳۳)۔

اثم: شراب کے مختلف ناموں میں سے ایک نام ہے، اللہ تعالیٰ نے بعض اہل کتاب کی مذمت وتوبیخ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

سماعون للكذب أكالون للسحت (المائدہ:۴۲)۔

اور "سحت" مال حرام کو کہتے ہیں، اگر کسی نے حرام کی کمائی کی تو عرب کہتے ہیں: أسحت في تجارته"۔

۵۔ حلال کاروبار کرنے والی کمپنی کے شیئرز کا حکم جو انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لیتی ہے:

یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود کھانے والے، اس کے کھلانے والے، اس کی گواہی دینے والے اور اس کے لکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے [۱]، اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کوئی حرام مثلاً جھوٹی گواہی، حق اور حلال تک پہونچنے کا ذریعہ نہیں بن سکتا ہے، اور ایک ظلم کا مداوا کسی دوسرے ظلم سے نہیں ہوسکتا ہے، لہٰذا اگر انکم ٹیکس ظالمانہ یا زیادہ ہو، تو اس سے چھٹکارا شراکت دار کمپنی کے اصل سرمائے کو حرام یعنی ربا سے مخلوط کر کے نہیں حاصل کیا جاسکتا ہے، بنابریں عام ضرورت کے سوا اس قسم کی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں انکم ٹیکس کی زد سے بچنے کے لئے سودی قرض لینے کی وجہ سے کمپنی کا اصل سرمایہ حرام سے مخلوط ہوتا ہے، اس لئے کہ اس قرض کی ادائیگی اور اس کا سود شیئر ہولڈرز کے حساب میں جاتا ہے، اور اتنا حصہ منافع سے منہا کرلیا جاتا ہے۔

ہاں اگر کمپنی کے اصل سرمائے سے سودی مال مخلوط نہ ہو اور کمپنی کے بعض منتظمین تبرعاً قرض کے سود کی ادائیگی کی ذمہ داری لے لیں، جس کا تصور عموماً ممکن نہیں، تو ایسی صورت میں اس قسم کی کمپنیوں کے شیئرز کا خریدنا جائز ہے، اس لئے کہ اس صورت میں کمپنی حرام سودی مال سے پاک ہوگی، لیکن یہ محض ایک فرضی بات ہے جس کا عام حالات میں وقوع نہیں ہوتا۔

۶۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز کا حکم جنہیں اپنے سرمایہ کا ایک حصہ سینٹرل ریزروبینک میں جمع کرنا پڑتا ہو یا سیکورٹی بانڈز خریدنے پڑتے ہوں:

اگر کوئی کمپنی ازروئے قانون اپنے سرمائے کا ایک حصہ سینٹرل ریزروبینک میں جمع کرنے کی پابند ہو یا ضرورت کے شرعی اصول وضوابط کے اعتبار سے ایسا کرنے پر مجبور ہو، یا اسے سیکورٹی بانڈز (Security Bonds) خریدنے پڑتے ہوں، جن کی وجہ سے اسے سود بھی ملتا ہو، تو اس قسم کی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید ممنوع نہیں ہے، بشرطیکہ اس سود سے جتنی جلد ممکن ہو چھٹکارا حاصل کرلیا جائے اور اسے رفاہی امور میں صرف کردیا جائے یا ضرورت مندوں یا مفادات عامہ پر خرچ کردیا جائے، اسے کمپنی کے بجٹ یا اس کے اصل سرمائے میں شامل کرنا

۱۔ یہ اس حدیث کے صریح الفاظ ہیں جس کی تخریج ابوداؤد نے حضرت ابن مسعود کے حوالے سے کی ہے۔

درست نہیں، اس لئے کہ ضرورت یا حاجت کا اعتبار اسی قدر کیا جاتا ہے، جس قدر ضرورت ہو، اور کمپنی کو حرام یا ناجائز آمدنی میں ملوث کرنا ضرورت نہیں ہے۔

۷۔ سودی قرضوں سے حاصل شدہ منافع کا کیا حکم ہے، کیا یہ جائز اور مفید ملک ہیں؟

صرف فقہاء احناف کی رائے یہ ہے کہ سود پر مشتمل عقد خواہ وہ بیع ہو یا ایسا قرض جس کے نتیجہ میں کوئی منفعت حاصل ہو، "عقد فاسد" ہے، اور ان کے خیال کے مطابق عقد فاسد "ملک خبیث" کا فائدہ دیتا ہے، جس سے چھٹکارا حاصل کرنا واجب ہے، خواہ معاملہ کی درستگی کے ذریعہ اور اس سے سود کا ازالہ کر کے، یا اسے محتاجوں پر صدقہ کر کے۔ بنابریں سود پر حاصل کئے گئے قرضہ جات سے پیدا شدہ منافع قبضہ سے زیر ملکیت تو آجائیں گے، البتہ یہ ملکیت "ملک خبیث" کی نوعیت کی ہوگی، جس کو نہ شریعت درست ٹھہراتی ہے، نہ اس میں کوئی برکت ہوگی، نہ وہ حاصل کرنے والے کے لئے شرعاً حلال ہے، اور نہ اس سے انتفاع جائز ہے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک سودی قرض سرے سے مفید ملک ہی نہیں، بالفاظ دیگر اس سے حاصل شدہ منفعت علی الاطلاق درست نہیں، اس لئے کہ ان حضرات کے نزدیک عقد باطل اور عقد فاسد میں کوئی فرق نہیں ہے، ان کے نزدیک معاملات میں یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے مترادف ہیں۔

رہے احناف تو انہوں نے باطل اور فاسد کے درمیان فرق کیا ہے، ان کے نزدیک بیع باطل قبضہ کے باوجود مفید ملک نہیں ہے، جہاں تک بیع فاسد کا تعلق ہے تو اس میں مالک کی صراحتہً یا دلالۃً اجازت سے قبضہ کر لینے کی صورت میں ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، مالک کی اجازت سے قبضہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ مشتری مجلس عقد ہی میں بائع کے سامنے مبیع پر قبضہ کر لے اور بائع اس پر کوئی اعتراض نہ کرے۔ یہ رائے جمہور فقہاء کی رائے کے خلاف ہے، ان کا خیال ہے کہ "بیع فاسد" بھی بیع باطل کی طرح سرے سے مفید ملک ہی نہیں [۱]۔

۸۔ کیا کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے، اور کیا اس بورڈ کا عمل ان کے عمل کے قائم مقام ہے؟

موجودہ قوانین تجارتی اور شہری کمپنیوں کو محض ان کی تشکیل کی بنیاد پر ایک قانونی اور معنوی حیثیت دیتے ہیں، چنانچہ مصری سول قانون کی دفعہ ۵۰۶ اور شامی سول قانون کی دفعہ ۴۷۴ میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ:

۱۔ کمپنی محض اپنی تشکیل کی بنیاد پر ایک قانونی حیثیت کی حامل تسلیم کی جائے گی، مگر اس کی یہ حیثیت لوگوں کیلئے اس وقت تک دلیل نہیں بن سکتی جب تک کہ قانون کی طرف سے طے کردہ تشہیری کارروائیوں کی تکمیل نہ ہو جائے۔

۲۔ اس کے باوجود دوسرے کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے کو کمپنی کی اس حیثیت سے وابستہ رکھے اگرچہ کمپنی نے

۱۔ فتح القدیر مع العنایہ ۵؍۱۸۵، اس کے بعد کے صفحات، البدائع ۵؍۲۹۹، رد المحتار ۴؍۱۰۲، مجمع الضمانات للبغدادی ۲۱۵؍ اور اس کے بعد کے صفحات۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ از مقالہ نگار ۴؍۳۲۵۔

اب تک طے شدہ تشہیری کارروائیاں مکمل نہ کی ہوں۔

اب جب کہ کمپنی کو ایک قانونی حیثیت حاصل ہوگئی تو متعدد وجوہ سے اس کی حیثیت عام افراد کی سی ہوگئی، چنانچہ اس کا ایک نام، پتہ، مقام اور اس کی ایک قومیت ہوگی، اسی طرح اسے کچھ حقوق حاصل ہوں گے اور اس پر چند ذمہ داریاں عائد ہوں گی، اس طرح شرکاء کی مسئولیتوں سے آزاد اور الگ خود اس کی ایک مالی مسئولیت (liability) ہوگی۔ شرکاء کی مسئولیتوں سے الگ کمپنی کی اپنی ایک علاحدہ مسئولیت سے دو اہم نتیجے برآمد ہوں گے:

الف۔ حصص کی ملکیت کمپنی کی طرف منتقل ہو جائے گی اور کمپنی کو اس میں تصرف کرنے کا اختیار ہوگا، اور کمپنی کے تعلق سے شراکت دار کا حق شخصی التزامات کے ضمن میں شمار ہوگا، جو قابل انتقال ہیں، لہذا جب کمپنی تحلیل ہو گی تو اس کے باقی ماندہ اثاثے شرکاء پر تقسیم کیے جائیں گے۔

ب۔ کمپنی کی مالی مسئولیت شرکاء کی مسئولیتوں سے مختلف ہوگی، اور اس کا ایک علیحدہ وجود ہوگا جو خود کمپنی کے وجود سے مربوط ہوگا، اسی طرح شرکاء کی مسئولیتیں کمپنی کی مسئولیت سے جداگانہ ہوں گی، چنانچہ شراکت دار کمپنی کے قرضہ جات کے سلسلے میں صرف اپنے حصص کے تناسب سے جواب دہ ہوگا، سوائے شیئرز کی شہری کمپنیوں یا مشترکہ مسئولیت کی تجارتی کمپنیوں (Commercial Company of Joint Liability) کے، ان صورتوں میں شراکت دار شخصی ذمہ داری کے اعتبار سے کمپنی کے قرضہ جات کے سلسلے میں جواب دہ ہوگا۔ (الشرکات التجاریۃ: از ڈاکٹر علی یونس: ص ۵۱ـ ۶۳)۔

جہاں تک فقہ اسلامی کا تعلق ہے تو اس کی اب تک کی تاریخ میں اس کلیہ کا پتہ نہیں چلتا کہ کمپنی ایک معنوی اور حکمی وجود کی حامل ہوتی ہے، جس کی مسئولیت شرکاء کی مسئولیت سے جداگانہ اور مختلف ہوتی ہے، بلکہ وہاں تو سرے سے یہ بات ہی نہیں ملتی کہ کمپنی کسی مالی مسئولیت کی بھی حامل ہوتی ہے، اس وجہ سے اسلامی فقہ میں جو چیز ''کمپنی'' کی حیثیت سے معروف ہے وہ قریب قریب وہی ہے جو انگریزی اور سوڈانی قانون میں شراکت کے نام سے معروف ہے، اور یہ شراکت ''وکالت'' اور ''امانت'' پر مبنی ہوتی ہے، چنانچہ ہر وہ شراکت دار جو کمپنی کے عقد کے بموجب کاروبار کرتا ہے وہ کمپنی میں اپنے حصص کے تناسب سے اس معاملہ کے ایک حصہ میں اصیل ہوگا، اور باقی ماندہ اجزاء میں دوسروں کا وکیل ہوگا، اور ان اجزاء میں اس کے تصرفات احکام وکالت جیسا عمل کریں گے۔

اسلامی تصور کے مطابق کمپنی سے متعلق یہ شرعی احکام شرکاء کے لئے حکم عقد یا مقتضائے عقد ثابت کرتے ہیں (یعنی کمپنی کے اثاثے میں ملکیت کی منتقلی)، اسی طرح حنابلہ کے نزدیک (حقوق عقد یعنی مبیع کی حوالگی اور ثمن کی وصولی کی پابندیاں) مؤکل کے لئے ثابت ہوں گے، لیکن دیگر فقہاء کے نزدیک حقوق وکیل کے لئے ثابت ہوں گے، ان حقوق میں دَین وثمن کا مطالبہ اور ان اشیاء کی حوالگی اور وصولی بھی شامل ہے جن پر معاملہ طے ہوا ہو۔

رہیں عقد سے پیدا شدہ پابندیاں تو وہ شرکاء کی مسئولیتوں میں اس طرح ثابت ہوں گی کہ ان کا ثبوت ان کی مسئولیتوں میں موت تک برقرار رہے گا، اور یہ کمپنی کے راس المال سے ان کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں ان

کے مخصوص اموال اور سرمایوں تک ممتد ہوگا۔ کمپنی کے اثاثے اور اس کی جائدادوں میں ہر ایک شراکت دار کا قبضہ ''قبضہ امانت'' ہوگا، لہذا اگر کمپنی کے کاروبار کے دوران کوئی قابل ضمان شئی برباد یا صرف ہوتی ہے، تو اس کا ضمان تمام شرکاء پر عائد ہوگا، نہ کہ صرف برباد کرنے والے یا صرف کرنے والے پر [1]۔ موجودہ قانون کے مطابق اس کی مثالیں مشترکہ مسئولیت کی تجارتی کمپنیوں (Commercial Company of Joint Liability) اور اس طرح کی دوسری کمپنیوں میں دیکھی جاسکتی ہیں، بنابریں ہمارے اسلامی تصور کے مطابق کمپنی وکالت اور امانت کی بنیاد پر تشکیل پاتی ہے، اور کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے، اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل تصور کیا جائے گا، لیکن انجام کار یہ تمام ذمہ داریاں خود شرکاء کی ضمانتوں میں ثابت ہوں گی۔

۹۔ کیا کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے کے فیصلہ سے اختلاف کرنا اسے حرام کی جواب دہی سے بری الذمہ کردے گا؟

اگر انتظامی بورڈ کے ممبران میں کا کوئی شیئر ہولڈر سودی قرض لینے کے فیصلے سے اختلاف کرے، اور کثرت رائے سے طے شدہ فیصلے سے اپنے اختلاف کا اظہار بھی کردے، جب بھی اس کا یہ اختلاف کرنا سودی قرض کے وبال یا اس کے گناہ سے اسے بری الذمہ کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، اس لئے کہ انتظامی بورڈ اور انتظامی کونسل کے چیئرمین کے تصرفات تمام شرکاء کی طرف سے بطور امین اور وکیل ہوتے ہیں، اور تمام شرکاء مالی ذمہ داریوں کے پابند ہوتے ہیں، ان ہی ذمہ داریوں میں کمپنی کے حقوق اور ذمہ داریوں میں شریک ہونے کی حیثیت سے ان کی طرف سے قرض اور اس کے سود کی ادائیگی بھی ہے، اور یہی وہ شرکاء ہیں جو پیش آمدہ شرعی اور قانونی مخالفتوں کو بطور اشتراک گوارا کرتے ہیں، اس کی تفصیل سابق مسئلہ میں گذر چکی ہے، زیادہ سے زیادہ اس کے اس عمل کو صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی قرار دے سکتے ہیں۔

۱۰۔ کیا شیئر ہولڈر کے لئے سود سے پیدا شدہ معلوم منافع کے بقدر صدقہ کردینا کافی ہے؟

کمپنی کی انتظامیہ اور اس کے چیئرمین کی ذمہ داری ہے کہ ہر اس عمل سے کمپنی کو دور رکھیں جو اسے حرام میں ملوث کرتا ہو، خواہ اس عمل کا تعلق کمپنی کی تجارتی سرگرمیوں سے ہو یا صنعتی اور دیگر سرگرمیوں سے، یعنی دھوکہ، غبن، ضرر اور شریعت کی حرام کردہ اشیاء کی پیداوار سے کلی اجتناب کیا جائے، اسی طرح دوسروں کے ساتھ معاملات طے کرنے میں، خواہ کمپنی کا سابقہ فرد سے پڑے یا حکومت سے یا کسی ادارے سے، بہر صورت شریعت کی حرام کردہ صورتوں سے پرہیز کیا جائے۔ لہذا کمپنی کے کسی معاملہ کا شریعت سے متصادم امور پر مبنی ہونا درست نہیں ہے، شریعت سے متصادم صورتوں میں سے سب سے اہم صورت یہ ہے کہ کوئی معاملہ سود یا سودی قرض پر مشتمل ہو۔

چونکہ فقہ اسلامی کے مطابق شرکاء کی ذمہ داری، ذمہ داریوں کے اٹھانے اور حقوق کے ثبوت کے معاملہ میں شراکت پر مبنی ہے، اس لئے کوئی شراکت دار دوسرے سے الگ نہیں قرار دیا جائے گا، اور شرکاء کی حیثیت مؤکلین کی

۱۔ الشخصیۃ الاعتباریۃ فی الفقہ الاسلامی۔ دراسۃ مقارنۃ، از ڈاکٹر احمد علی عبداللہ، ص ۲۲۲ اور اس کے بعد کے صفحات۔

ہے، اور انتظامیہ کی حیثیت وکیل کی، انتظامیہ کے تصرفات کا نتیجہ خود شراکت داروں پر منحصر ہوگا، چنانچہ کسی شراکت دار کا اپنے حصص کے بقدر سود سے پیدا شدہ متعین نفع کو نکال کر صدقہ کر دینا اسے سودی عقد کے فساد کی ذمہ داری اور اس کے گھناؤنے مالی اثرات سے بری الذمہ کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں منافع تمام کے تمام عقد فاسد سے پیدا ہوں گے، اور عقد فاسد حرام ہے، جس کی درستگی اور اس کے شرعاً ممنوع اثرات کا ازالہ واجب ہے، تاکہ آمدنی شرعاً جائز اور درست ہو سکے۔

اس کے باوجود تقوی کا تقاضا ہے کہ شیئر ہولڈر اپنی ذمہ داری کو ہلکا کرنے کے لئے سود سے حاصل شدہ متعین منافع کے بقدر اپنے مال سے صدقہ کر دے، تاکہ اس کا مال اور اس کی آمدنی مشتبہ اور حرام سے مخلوط نہ رہے، اور "جس نے شبہات سے پرہیز کیا تو اس نے اپنا ایمان اور اپنی آبرو بچالی"۔

۱۱۔ کیا کل آمدنی میں مخلوط سود سے حاصل شدہ منافع کے بقدر صدقہ کر دینا شیئر ہولڈر کے لئے کافی ہے؟

یہ صورت بھی سابقہ صورت ہی کی طرح ہے، بس فرق یہ ہے کہ اس صورت میں سود کل آمدنی میں مخلوط ہوتا ہے، اس کا پتہ یا تو اندازے سے لگایا جا سکتا ہے یا کمپیوٹر کے دقیق حساب کے ذریعہ، اس صورت میں بھی آمدنی حرام ہو گی، اور فاسد سودی عقد حرام قرار پائے گا، اور کل آمدنی میں مخلوط سود کے بقدر حاصل ہونے والے منافع سے صدقہ کر دینے سے شیئر ہولڈر کی ذمہ داری ختم نہیں ہوگی، اس کے باوجود حرمت سے چھٹکارا پانے کا واحد راستہ منافع کے اس حصہ کو صدقہ کر دینا ہی ہے، اس لئے کہ مال حرام کا علاج یہی ہے کہ اسے صدقہ کر دیا جائے، تاکہ وہ حلال مال سے مخلوط نہ ہو، تاکہ ایک مسلمان کسب حرام کی آمیزش سے کسی ضرر میں مبتلا نہ ہو۔

صاحب مال کی طرف سے نکالی گئی مقدار کے بارے میں متعین طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہی عین سودی رقم ہے، کیونکہ روپے تعین سے متعین نہیں کئے جا سکتے۔ تفسیر قرطبی (۳۶۶/۳) میں ربا سے متعلق احکام اور اسے حلال سمجھنے والے اور اس کے ارتکاب پر اصرار کرنے والے کی وعید پر مشتمل چھتیسویں مسئلہ میں مندرجہ ذیل تفصیل آئی ہے:

بعض غالی قسم کے اہل تقوی کا خیال ہے کہ اگر حلال مال سے حرام مال اس طرح مخلوط ہو گیا کہ حلال و حرام کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو اور پھر اس میں سے مخلوط مال حرام کے بقدر نکال لیا جائے تب بھی وہ مال حلال اور طیب نہ ہوگا، کیونکہ اس کا امکان ہے کہ جو مال نکال دیا گیا ہو وہی حلال ہو اور جو بچ گیا ہو وہی حرام ہو۔ ابن العربی فرماتے ہیں: یہ دین میں غلو ہے، اس لئے کہ ہر وہ مال جس میں حلال اور حرام کے درمیان امتیاز نہ کیا جا سکتا ہو، اس میں مقصود اس کی مالیت ہے نہ کہ اس کی عینیت، اگر وہ تلف ہو گیا تو اس کا مثل اس کے قائم مقام ہوگا، اور اختلاط مال کی "تمییز" کے اتلاف ہی کا نام ہے جیسا کہ "اہلاک" "عین مال" کے اتلاف کا نام ہے، اور ہلاک شدہ شئے کا مثل اس کے قائم مقام ہوتا ہے، یہ کلیہ حسی اور معنوی دونوں حیثیتوں سے واضح ہے۔

قرطبی اس پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہمارے علماء کا قول ہے کہ سود کے ذریعہ حاصل ہونے

والے مال سے (جو کسی کے قبضہ میں ہو) چھٹکارا کی صورت یہ ہے کہ اسے اس شخص کو واپس کیا جائے جس سے اس نے بطور سود لیا تھا، اور اگر وہ موجود نہ ہو تو اسے تلاش کرے، اور اگر اس کی موجودگی سے مایوس ہو گیا ہو تو اس رقم کو اس کی طرف سے صدقہ کردے، اور اگر ظلماً اس نے یہ مال حاصل کیا ہو تو یہ طریقہ اس آدمی کے سلسلہ میں بھی اختیار کرے جس پر اس نے ظلم کیا ہو، لیکن اگر معاملہ اس پر مشتبہ ہو اور اپنے پاس موجود رقم میں وہ حلال وحرام کے درمیان امتیاز نہ کر سکتا ہو تو پہلے وہ اپنے پاس موجود رقم میں سے اتنی رقم کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگائے جتنے کی واپسی اس پر واجب ہے، یہاں تک کہ جب اسے اس بات میں کوئی شک نہ ہو کہ جو کچھ بچ رہا ہے وہ خالصتاً اسی کا ہے تب وہ یہ رقم ان لوگوں کو لوٹائے جن سے اس نے ظلماً یہ رقم لی ہو یا جن کے ذمہ اس نے سود عائد کیا ہو، اور اگر ان لوگوں کی موجودگی سے مایوس ہو چکا ہو تو ان کی طرف سے اتنی رقم صدقہ کردے۔

اور اگر ظلماً حاصل کی گئی رقم اس کے پورے حصص کو محیط ہو اور اسے یہ معلوم ہو کہ اس کے ذمہ سود کی اتنی زیادہ رقوم واجب الادا ہیں جن کی ادائیگی وہ کبھی نہیں کر سکتا، تو اس کی توبہ یہ ہے کہ اپنے پاس موجود پورے مال کو اپنی ملکیت سے الگ کردے، یا تو فقراء کو دے دے یا مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے راستے میں صرف کردے، یہاں تک کہ اس کے پاس اتنی رقم رہ جائے جو نماز میں اس کے لباس (یعنی ناف سے گھٹنوں تک کے قابل ستر مقامات کو ڈھکنے کے لئے) اور ایک دن کی روزی کے لئے کفایت کرتی ہو، اس لئے کہ اس صورت میں اس کا حال اس شخص کا ہے جس پر حالت اضطرار میں دوسروں کا مال لینا واجب ہے، اگرچہ اس کا یہ عمل ان لوگوں کے لئے ناپسند ہو جن کا مال وہ لے۔

۱۲۔ قیمتوں کے بڑھنے کی صورت میں شیئرز کی تجارت (یعنی نفع کے ساتھ اس کی بیع) کا کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص قیمتوں کے بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ فروخت کرنے کے مقصد سے کچھ شیئرز خریدے تو اس سے خواہ کتنا ہی زیادہ نفع ہو شرعاً اس قسم کے شیئرز کی تجارت یعنی (نفع کے ساتھ ان کی فروخت) ممنوع نہیں ہے، اس لئے کہ شیئرز شرعاً، قانوناً اور عرفاً قابل تداول ہیں، اور یہ نقود اور کمپنی کے بعض اثاثے یعنی اعیان، منافع، سامان تجارت، خام یا تیار شدہ مال کی نمائندگی کرتے ہیں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ یہ اثاثے نقود سے زائد ہوں، جیسا کہ اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ ۵۱ فیصد یا اس سے بھی زائد فیصدی تناسب سے ان اثاثوں کا غلبہ ہونا چاہئے، تاکہ دَین کی دَین سے یا نقد کی نقد سے بیع لازم نہ آئے۔ دَین کی دَین سے بیع کی صورت نہ پیدا ہونے دینے کے لئے شرط ہے کہ بیع کے متصلاً بعد ہی شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ ہو، خواہ یہ قبضہ حکماً ہی کیوں نہ ہو۔

شیئرز کی اس قسم کی تجارت پر احتکار (ذخیرہ اندوزی) کا حکم منطبق نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ احتکار کی حرمت کا پہلو ان اشیاء صرف سے متعلق ہے جن کے بیع کی ممانعت کے نتیجہ میں لوگوں کو ضرر لاحق ہوتا ہو، جیسے غلہ یا چارہ۔ کسی سامان تجارت کی خرید اور مستقبل میں اعلیٰ قیمت پر اسے فروخت کرنے کے انتظار سے ممانعت کی شرعاً کوئی وجہ نہیں ہے، اور شیئرز جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں، نقود، اعیان اور منافع کی نمائندگی کرتے ہیں، اس لئے کہ شرعی طور

پر یہ اصول متعین ہے یعنی اقتصادی آزادی اور تبادلہ کی آزادی، اور اس میں منافع کے انتہا کی کوئی تحدید نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل حضرت جابر سے مروی وہ روایت ہے، جس کی تخریج بخاری کے علاوہ پوری جماعت نے کی ہے، جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یبع حاضر لباد، دعوا الناس یرزق الله بعضهم من بعض (منتقی الاخبار مع نیل الاوطار ۵/۱۶۴)۔
کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے بیع نہ کرے، لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ بعض کو بعض سے روزی دے۔

۱۳۔ فیوچر سیل (جس میں نہ بائع کی طرف سے مبیع کی حوالگی ہوتی ہے اور نہ مشتری کی طرف سے ثمن کی ادائیگی) کا شرعاً کیا حکم ہے؟

اسٹاک ایکسچینج مارکیٹ میں ایک قسم کی بیع ہوتی ہے جسے فیوچر سیل (Future Sale) کہتے ہیں، اس بیع کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے داموں کے ساتھ نفع ونقصان کو برابر کر لینا مقصود ہوتا ہے، مثلاً زید نے سو شیئرز کا سودا بہ حساب سو روپے یا سو ریال فی شیئر کیا، اور ادائیگی اور وصولی کی تاریخ ۳۰ / مارچ مقرر کی، اب جب مذکورہ تاریخ آئی تو اس شیئر کی قیمت ڈیڑھ سو روپے یا ڈیڑھ سو ریال ہوگئی، تو ایسی صورت میں وہ پانچ ہزار ریال یا روپے منافع کے طور پر لے لے گا، اور اگر مذکورہ تاریخ کو اس شیئر کی قیمت گھٹ کر پچاس روپے یا پچاس ریال ہوگئی تو اسے پانچ ہزار ریال یا روپے کا خسارہ برداشت کرنا ہوگا۔

اس صورت میں عقد کا دارومدار صرف اوراق مالیہ (Bonds) پر ہوتا ہے، نہ مبیع کی حوالگی ہوتی ہے نہ ثمن کی ادائیگی، چنانچہ اس صورت میں نہ مشتری ثمن ادا کرتا ہے اور نہ بائع مبیع حوالے کرتا ہے، لیکن مقررہ تاریخ آنے پر شیئرز کے دام بڑھنے کی صورت میں نفع حاصل ہوتا ہے، یا شیئرز کے دام گھٹنے کی صورت میں خسارہ ہوتا ہے۔

اس قسم کے فیوچر سیلز کا شرعی حکم یہ ہے کہ یہ عقود حرام اور فاسد ہیں، اس لئے کہ یہ دین کی بیع دین سے ہے، اور جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے بیع کی یہ صورت شرعاً ممنوع ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے بیع کالی بالکالی سے منع فرمایا ہے، اور یہ دین آجل کی بیع دین مؤجل سے ہے، جو شرعاً فاسد ہے اور اس کی آمدنی شرعاً ناپاک اور ممنوع ہے، وہ اس کے حاصل کرنے والے کے لئے حلال نہیں، اسے ضرورت مندوں پر خرچ کر کے اس سے چھٹکارا حاصل کرنا واجب ہے۔

۱۴۔ مستقبل کی طرف منسوب عقد (Forward Sale) کا کیا حکم ہے؟

عقد بیع کا تقاضا قطعیت ہے، یعنی اس کے اثر کی افادیت تب ظاہر ہوتی ہے جب مبیع کی ملکیت مشتری کی طرف منتقل ہوتی ہے اور مشتری کے ذمہ بائع کا ثمن واجب الاداء ہوتا ہے، لہذا اسے معلق بالشرط کرنا درست نہیں، مثلاً معاملہ بیع کے وقت یہ الفاظ کہنا کہ: اگر میرے والد حجاز سے آگئے تو میں نے فلاں جائداد تم سے فروخت کردی۔ اسی طرح اس کی اضافت مستقبل کی طرف بھی کرنا درست نہیں، مثلاً یہ کہنا کہ: سال آئندہ ۱۹۹۷ کے آغاز سے میں نے یہ سامان یا یہ زمین یا یہ شیئر تم سے بیچا، اسی بنا پر یہ بیع درست نہیں ہے، اس طرح کی بیع کا سرے سے کوئی اثر ہی نہیں پڑے گا، کیونکہ یہ بیع باطل ہے، اور باتفاق علماء بیع باطل کے نتیجہ میں مبیع کی ملکیت منتقل نہیں ہوتی۔ لیکن بیع سلم کسی ایسی شئی پر

درست ہوتی ہے جو ذمہ میں معلوم ہو، اور جو مجلس عقد ہی میں مکمل ثمن کی ادائیگی کی شرط کے ساتھ مستقبل تک موخر ہو۔

ہاں اگر بیع کسی ایسی غائب شئے کے سلسلے میں ہو جسے اس کے متعین اوصاف کے ساتھ رؤیت نہ پائی گئی ہو تو جمہور فقہاء کے نزدیک ایسی بیع جائز اور درست ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک بغیر رؤیت اور بغیر وصف کے بھی درست ہے، اس صورت میں ان کے نزدیک عاقد (معاملہ دار) کو خیار رؤیت حاصل ہوگا، اس لئے کہ حدیث میں وارد ہے کہ "من اشترى مالم يره فهو بالخيار إذا رآه" جس نے دیکھے بغیر کوئی چیز خرید لی تو دیکھنے کے بعد اسے اختیار حاصل ہوگا[۱]۔ شوافع نے اس بیع کو باطل قرار دیا ہے، اس لئے کہ اس میں غرر یعنی جہالت ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے غرر سے منع فرمایا ہے۔

اگر متعین وقت کے بدلہ میں قیمت کی ایک متعین فیصدی رعایت کی بنیاد پر ادائیگی کے وقت سے پہلے ہی تاخیر سے ادا کئے جانے والے کاروباری دستاویز یا شیئرز فروخت کر دیئے جائیں تو اس بیع کی صورت یہ ہوگی کہ دین آجل کی بیع کم رقم پر نقد عاجل سے کی جائے، اس قسم کی بیع ربا محرم میں شمار ہوگی۔ حرام اور سود ہونے میں اس کا حال بھی وہی ہے جو کاروباری ڈرافٹ کے ڈسکاؤنٹ (چھوٹ) کا ہے، یہ حکم "البرکہ بینک" کے پہلے سیمینار کے فتوی ۱۲ میں صراحت کے ساتھ آ چکا ہے۔

۱۵۔ حکمی قبضہ سے متصف شیئرز کی اس خرید کا کیا حکم ہے جس میں شیئرز سرٹیفکیٹ پر حسی قبضہ تاخیر سے ہو؟

کمپنی کے مالک کے نام سے شیئرز سرٹیفکیٹ کی وصولی یا اس پر قبضہ میں بعض انتظامی اسباب کی وجہ سے ایک سے تین ہفتے تک کی تاخیر ہوتی ہے، اور کمپنی شیئرز خریدتے وقت اپنے اثاثے اور اپنی املاک میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کو تسلیم کرتی اور اس کی ضمانت لیتی ہے، اور ایسی صورت میں حقوق اور ذمہ داریاں مشتری کی طرف منتقل ہوتی ہیں، سوال یہ ہے کہ اس بیع کا کیا حکم ہوگا، کیا حکمی یا معنوی قبضہ کافی ہے یا حسی اور عملی قبضہ ضروری ہے؟

فقہاء کا اصول یہ ہے کہ شئے کی ماہیت کے اعتبار سے قبضہ کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں، چنانچہ اشیاء غیر منقولہ میں تخلیہ سے اور اشیاء منقولہ جیسے سامان تجارت، سرمائے، مشینیں، اور اوزار وغیرہ میں عملی قبضہ یا تخلیہ سے قبضہ تسلیم کیا جاتا ہے، یا کسی ایسے طریقہ سے جو عرف و عادت میں قبضہ متصور ہوتا ہو، چنانچہ حنفیہ کے سوا جمہور فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ منقولات جیسے سامان زندگی، چوپائے اور جانوروں میں قبضہ ان کی نوعیت کے اعتبار سے یا لوگوں کے درمیان رائج عرف کے مطابق تسلیم کیا جائے گا[۲]۔

لہذا کمپنیوں کے نظام میں عرف و عادت کے مطابق قبضہ کا تحقق ہو جائے گا، اگر اس بیع میں کمپنی کی

۱۔ اس حدیث کو بیہقی نے ضعیف اور باطل قرار دیا ہے، اور دار قطنی نے بھی اس کو صحیح نہیں کہا ہے۔

۲۔ الشرح الکبیر للدردیر ۳/۱۴۵، المجموع للنووی ۹/۳۰۱-۳۰۹، المغنی ۴/۱۱۱، اور اس کے بعد کے صفحات، مقالہ نگار کی کتاب "الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۱۸، اور اس کے بعد کے صفحات۔

طرف سے شیئرز کی حوالگی کی تصدیق یا ضمانت کی ضرورت پیش آئے تو اختیار کردہ طریقہ کار کے مطابق کمپنی کے لئے ایسا کرنا واجب ہوگا۔

۱۶۔ عملی یا حسی قبضہ سے پہلے شیئرز کی بیع کا کیا حکم ہے؟

شیئرز کمپنی کے اثاثے یعنی اعیان ومنافع اور ان کے علاوہ نقود اور دیون کی نمائندگی کرتے ہیں، اور ان کی منتقلی اور خرید وفروخت عام قاعدے کے مطابق ان پر قبضہ کے بعد یا کمپنی یا بائع کی طرف سے ان کی ادائیگی کے بعد ہوا کرتی ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا شیئرز سرٹیفکیٹ کے حصول سے قبل شیئرز کی بیع درست ہے؟ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ یہ بھی معلوم ہے کہ محض بیع وشراء ہی سے شیئرز کے منافع مشتری کی ملکیت میں آجاتے ہیں اور اس کے ضمان میں بھی داخل ہوجاتے ہیں۔

قبضہ سے پہلے کسی چیز کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں علماء کی تین قسم کی آراء ہیں [۱]۔

۱۔ حنفیہ کی رائے ہے کہ: مبیع منقول میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے غیر مقبوضہ شئے کی بیع سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ ابوداؤد نے حضرت ابن عمر کے حوالہ سے اس روایت کی تخریج کی ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے ان سے کہا کہ آپ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ سامان تجارت کو اس جگہ فروخت کیا جائے جہاں سے اسے خریدا جائے، یہاں تک کہ تاجر اسے اپنے کجاوے تک منتقل کرلیں۔ جہاں تک جائداد غیر منقولہ کا تعلق ہے جیسے زمینیں اور مکانات تو شیخین یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک استحساناً قبضہ سے پہلے ان کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ اشیاء غیر منقولہ میں کوئی غرر نہیں، کیونکہ نہ تو ان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے، اور نہ ہی عام حالات میں بیع ہوجانے کے بعد اور قبضہ سے پہلے ان کے تبدیل ہونے کا خدشہ ہے، اس مسلک کے مطابق قبضہ سے پہلے شیئرز کی بیع جائز نہیں۔

۲۔ شوافع، محمد بن الحسن اور امام زفر کا خیال ہے کہ: جس چیز کی ملکیت ثابت نہ ہوئی ہو اس کی بیع قبضہ سے پہلے علی الاطلاق جائز نہیں، خواہ اس کا تعلق اشیاء منقولہ سے ہو یا اشیاء غیر منقولہ سے، اس لئے کہ غیر مقبوضہ اشیاء کی خرید وفروخت سے ممانعت عام ہے، اسی سے یہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ قبضہ سے پہلے شیئرز کی بیع درست نہیں۔

۳۔ مالکیہ اور حنابلہ کا خیال ہے کہ: صرف غلہ کی بیع قبضہ سے پہلے درست نہیں، اور حنابلہ نے اسے اس بات سے مقید کیا ہے کہ غلہ کیلی یا وزنی یا عددی (یعنی ناپی، تولی اور شمار کی جانے والی چیزیں) ہونا چاہئے، لہذا ایسے شیئرز کی بیع قبضہ سے پہلے درست ہے جن کا تعلق غلہ سے نہ ہو، اس خیال کی تائید "البرکہ بینک" کے چھٹے سمینار کے فتوی نمبر ۱۴ میں کی گئی ہے، جس کا مفہوم اس طرح ہے: کمپنیوں اور بینکوں کے لئے ایسے سامانوں کی بیع درست ہے جن پر ابھی تک ان کا قبضہ نہ ہوا ہو یا جو ان کی زیر ملکیت نہ آئے ہوں بشرطیکہ وہ سامان غلہ نہ ہوں، کیونکہ اشیائے غیر مقبوضہ کی

۱۔ دیکھئے: المبسوط ۱۳/۸، اور اس کے بعد کے صفحات، البدائع ۵/۲۳۴، المنتقی علی الموطا ۴/۲۷۹، بدایۃ المجتہد ۲/۱۴۴، اور اس کے بعد کے صفحات، المہذب ۱/۲۶۴، مغنی المحتاج ۲/۶۸، المغنی ۴/۱۱۰-۱۱۳، اور اس کے بعد کے صفحات۔

بیع کی ممانعت صرف غلہ تک محدود ہے۔

میرے نزدیک اس سلسلے میں شیئرز اوران بانڈز کے تعلق سے جو تجارتی سیکورٹیز کی نمائندگی کرتے ہیں، سب سے مناسب رائے حنفیہ اور شوافع کی ہے، اس لئے کہ قبضہ سے پہلے ان کی تجارت یا ان کی منتقلی محض ان عقود کی ایک علامت ہوگی جو بانڈز کے ذریعہ کئے جاتے ہیں، چونکہ اس میں نہ تو وصولی ہے اور نہ ہی قبضہ، اور اس میں ایسا واضح غرر ہے جو شریعت کی اس ممانعت سے متصادم ہے جو اس بیع کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے، جیسا کہ اس روایت میں ہے جسے امام احمد نے حضرت حکیم ابن حزام کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "لا یحل سلف و بیع، ولا ربح مالم یضمن، ولا بیع ما لیس عندک"۔ اور یہ بیع بھی اشیائے غیر مضمونہ کی بیع سے متعلق ہے، جس کا مفہوم اشیائے غیر مقبوضہ ہی ہے، کیونکہ تلف ہونے سے پہلے سامان تجارت مشتری کے ضمان میں نہیں ہوتا ہے، ایسی صورت میں جب وہ تلف ہوتا ہے تو بائع کے مال سے تلف ہوتا ہے۔

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج مارکیٹ میں بروکر (ایجنٹ) کی حیثیت سے کام کرنے کا کیا حکم ہے؟

اسٹاک ایکسچینج مارکیٹ میں بروکر یا ایجنٹ عموماً بازار میں شیئرز کی رائج قیمتوں سے واقف ہوتے ہیں اور ایجنٹ کی حیثیت سے خرید وفروخت کی کارروائی کا اندراج کرتے ہیں، اس تصرف میں تھوڑی تفصیل ہے:

(الف) اگر بروکر کا یہ تصرف ایجنٹ کی "انابت" یا "توکیل" کے بغیر ہے تو ان کا یہ تصرف فضولی کے تصرف کے حکم میں ہوگا جو ایجنٹ کی اجازت پر موقوف ہوگا، یہ مسلک صرف احناف اور مالکیہ کا ہے، لہذا اگر ایجنٹ نے اجازت دے دی تو یہ تصرف نافذ ہوگا، اس لئے کہ بعد میں دی جانے والی اجازت سابقہ وکالت کی طرح ہے، اور اگر ایجنٹ نے اس کی اجازت نہ دی تو یہ تصرف باطل اور لغو ہوگا، اور بروکر یا ایجنٹ خود اس کا ذمہ دار ہوگا۔

جہاں تک اجرت کا تعلق ہے تو اگر بروکر نے مفت یہ عمل کیا ہے تو وہ ابضاع ہے، اور اس کی دلیل اصحاب سنن اور دیگر محدثین کی روایت کردہ یہ حدیث ہے: "باع قدحاً بیع من یزید" کہ آپ ﷺ نے ایک پیالہ کو بولی لگا کر فروخت کیا۔ اور اگر اس نے متعین اجرت کے عوض یہ کام کیا ہے تو وہ اجیر خاص ہے، اور اگر منافع کی ایک شرح کے عوض اس نے یہ کام انجام دیا ہے تو یہ مضاربہ ہے۔

(ب) اور اگر بروکرز مؤکل کی طرف سے وکیل بنائے جانے کے بعد یہ تصرف کریں، تو ایسی صورت میں ان کی حیثیت ایسے وکلاء کی ہوگی جن پر وکالت کے احکام منطبق ہوں گے خواہ یہ وکالت حسب اتفاق اجرت متعین کر کے ہو یا بغیر اجرت کے ہو۔

خلاصۂ بحث

زیر نظر مقالہ میں اس موضوع سے متعلق ۱۷ نکات ہیں:

موجودہ زمانہ میں شیئرز اور سندات جیسے تجارتی بانڈز کے ذریعہ کاروبار کا عام رواج ہو چکا ہے۔ جہاں تک

کسی ایسی کمپنی کے شیئرز کا تعلق ہے جس کا کاروبار یا جس کی اسکیم حلال ہو تو وہ جائز ہیں، رہے بونڈز تو وہ جائز نہیں، کیونکہ یہ سود بردار قرض کے ذرائع ہیں، کبھی کبھی حلال کاروبار کرنے والی کمپنیاں بھی سودی قرضے حاصل کرتی ہیں، لہذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ دور کی شراکت دار کمپنیوں کے ان افعال کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۱۔ شیئرز کی حیثیت مساوی قیمت کی حامل اور تجارتی طریقوں سے رواج پذیر دستاویزات کی ہے، شیئرز کمپنی کے اصل اثاثے اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے حقوق میں مشترک حصص کی نمائندگی کرتے ہیں، کمپنی کے اصل اثاثے اور اس سے حاصل شدہ حقوق کا انحصار اس کی خالص املاک، اس کی آمدنیوں اور اس کے انتظام وانصرام پر ہوتا ہے۔ شیئرز کی حیثیت صرف ادا کردہ رقوم کے دستاویزات کی نہیں ہے، کیونکہ یہ دستاویزات (خواہ کمپنی نفع میں جارہی ہو یا خسارہ میں) ان قرضہ جات کا لازمہ ہیں جن پر متعین سود واجب الاداء ہوتا ہے، ان دستاویزات کے حاملین کو کمپنی میں شراکت کا اختیار نہیں ہوتا ہے، یہ قرضہ جات ایک متعین قیمت کی نمائندگی کرتے ہیں جو مقروض کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں ضبط کی جاسکتی ہے۔ کمپنی کی املاک اور اس کے اثاثوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔

وضعی قوانین میں کسی حصہ دار کے قرض دہندہ گان کو مقروض شیئرز ہولڈر کے حصص کے سلسلہ میں جب تک کمپنی قائم ہے، کوئی حق تنفیذ حاصل نہ ہوگا، اس لئے کہ شرکاء کی ذمہ داریوں سے الگ خود کمپنی کی ایک مالی ذمہ داری ہوتی ہے، دائن کو صرف حصہ دار مدیون کو حاصل ہونے والے منافع کے تناسب سے تنفیذ کا حق ہوگا، لیکن چونکہ فقہ اسلامی نے کمپنی کی ایک معنوی حیثیت (مستقل مالی مسئولیت) کی صراحت نہیں کی ہے، اسلئے اس کے نزدیک شراکت دار کے حصص کی ضبطی کی اجازت ہوگی۔ فقہ اسلامی اور موجودہ قانون دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ بعض حالات میں شراکت دار کے سرمائے میں عمل دخل کے سلسلے میں شراکت دار کے قارضین کمپنی کے قارضین کے تابع ہوں گے، کیونکہ شرکاء کی ذمہ داریوں (liabilities) سے الگ خود کمپنی کی اپنی علیحدہ اور مستقل مسئولیت پورے طور پر مطابق قانون نہیں ہے۔

۲۔ کمپنی کے وجود میں آنے کے بعد اور کاروبار شروع کرنے سے پہلے خریدے گئے شیئرز کی خرید وفروخت درست ہے، بشرطیکہ بیع صرف کے اصول واحکام ملحوظ رکھے جائیں، اس لئے کہ یہ نقد کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت ہے، لہذا مجلس عقد ہی میں قبضہ اور سود (ربا النسیئۃ) کی زد سے بچنے کے لئے یکسانیت ضروری ہے، اور معاملہ کا کسی مدت یا خیار شرط سے متعلق ہونا درست نہیں ہے، کیونکہ بیع صرف میں عوضین پر قبضہ شرط ہے۔

۳۔ ضرورت یا حاجت کے وقت سالانہ آمدنی کی حامل اور سودی قرض لینے والی کمپنی کے شیئرز حاصل کرنا درست ہے، اس قسم کے شیئرز کی بیع بھی درست ہے، بشرطیکہ آمدنی کا ایک حصہ ان سودی قرضوں کے تناسب سے جن سے آمدنی حاصل ہوئی ہے نکال دیا جائے، ایسی آمدنی کو ضرورت مندوں پر خرچ کردیا جائے، اس طرح کی رقوم سے نفقے یا شیئر ہولڈرس کے ذمہ عائد ہونے والے ٹیکس (Taxes) کی ادائیگی نہیں کی جائے گی۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا کاروبار حرام ہے، جیسے شراب، خنزیر کے گوشت، لہو ولعب کے سامانوں کی خرید وفروخت

اور سودی اسکیموں یا بینکوں میں روپیہ لگانا، ایسی کمپنیز کے شیئرز کی خرید و فروخت قطعی حرام ہے، اسی ذیل میں وہ کمپنیاں بھی آتی ہیں جن کے بڑے بڑے ہوٹل اپنے کھانوں میں خنزیر کے گوشت اور الکوہل ملے ہوئے مشروبات (Alcoholic drinks) پیش کرتے ہیں، اسی طرح موسم گرما گذارنے کا انتظام کرنے والی وہ کمپنیاں بھی اسی زمرہ میں آتی ہیں جو عورتوں اور مردوں کے درمیان مخلوط تیراکی کے لئے سواحل سمندر (Beach) پر کیبنز (Cabins) بناتی ہیں۔

۵۔ عام ضرورت وحاجت کے سوا ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنا جائز نہیں جن کا کاروبار اور مقصد تو جائز اور درست ہو، لیکن انکم ٹیکس کی زد سے بچنے کیلئے انہیں کبھی کبھار سودی قرضے لینے پڑتے ہوں، اس لئے کہ ایسی صورت میں اصل سرمایہ حرام سے مخلوط ہو جاتا ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ ایک ظلم کا حل کسی دوسرے ظلم یا حرام سے نہیں نکالا جاسکتا ہے۔ لہذا ضرورت وحاجت کے وقت اور گراں اور ظالمانہ ٹیکسیز کی وجہ سے اس قسم کے شیئرز خریدنا جائز ہے۔

۶۔ اگر کوئی کمپنی از روئے قانون اپنے سرمائے کا ایک حصہ سینٹرل ریزرو بینک میں جمع (Deposit) کرنے کی پابند یا ضرورت کے شرعی اصول وضوابط کے اعتبار سے اس پر مجبور ہو یا اسے سیکورٹی بانڈز (Security Bonds) خریدنے پڑتے ہوں جن کی وجہ سے اسے سود بھی ملتا ہو تو یہ ممنوع نہیں ہے، بشرطیکہ اس سود سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کر لیا جائے اور اسے رفاہی امور میں صرف کر دیا جائے، اس کے مستحق نہ کمپنی کے شرکاء ہیں اور نہ ہی کمپنی کی انتظامیہ کمیٹی۔

۷۔ احناف کی رائے کے مطابق سودی قرضوں سے حاصل شدہ منافع مفید ملک تو ہیں، مگر یہ ملک، ملک خبیث ہے، یعنی یہ منافع اس کے لئے جائز اور حلال نہیں ہیں جس نے انہیں حاصل کیا ہو، جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک بیع فاسد کے حکم کے سلسلہ میں مقرر ہے، چنانچہ ان کے نزدیک عقد فاسد ملک خبیث کا فائدہ دیتا ہے، ایسے عقد کا فسخ کرنا، اس کے فساد کے اسباب کا ازالہ کرنا اور ایسے مال کا محتاجوں پر صدقہ کرنا واجب ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک ایسے منافع نہ مفید ملک ہیں اور نہ حلال۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرز شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے، اس کی حیثیت سرمائے کے امین کی ہے، بورڈ آف ڈائریکٹرس اسی صورت میں سرمائے کا ضامن ہوگا جب اس کی طرف سے سرمائے کی حفاظت کے سلسلے میں تعدی یا کوتاہی پائی جائے گی، بورڈ کا عمل شیئر ہولڈرس کے عمل کا قائم مقام ہے، ایسا اس لئے کہ فقہ اسلامی کے نقطۂ نظر سے کمپنی کی حیثیت ایک ٹرسٹ (Trust) اور شراکت (Partnership) کی ہے، اور جہاں تک ماہرین قانون کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک کمپنی کا ایک قانونی اور معنوی وجود ہوتا ہے، چنانچہ اس کا ایک نام، پتہ، مقام اور اس کی ایک قومیت ہوتی ہے، وہ حقوق حاصل کرتی ہے اور ذمہ داریوں کی پابند ہوتی ہے، اور جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا کہ شراکت داروں کی مسئولیت (Liabilities) سے الگ خود کمپنی کی اپنی ایک مالی مسئولیت ہوتی ہے، لیکن شراکت دار صرف اپنے حصص کے بقدر ہی کمپنی کے قرضہ جات کا ذمہ دار ہوگا، شراکت دار کے قرض دہندگان کو اس کے حصص ضبط کرنے یا اس میں کسی طرح مؤثر ہونے کا اختیار نہیں ہے، انہیں یہ اختیار صرف اس کے منافع میں ہے۔

۹۔ کمپنی کی مینیجنگ کمیٹی کے کسی ممبر کا سودی قرض لینے کے فیصلے سے صرف اختلاف کرنا اسے بری الذمہ قرار دینے لئے کافی نہیں، کیونکہ انتظامی بورڈ اور ڈائرکٹر کے اقدامات وتصرفات کے اثرات موکل ہونے کی حیثیت سے تمام شرکاء کومحیط ہوں گے، زیادہ سے زیادہ اس ممبر کا یہ عمل صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قرار پاسکتا ہےاور بس۔

۱۰۔ سود پر مبنی معاملہ کی خرابی کا اثر تمام شرکاء پر پڑے گا، اور وہ سب کے سب اس کے ذمہ دار قرار پائیں گے۔ جہاں تک شراکت دار کے مال کو حرام کے اختلاط سے بچانے اور اس کے ضرر سے دور رکھنے کا سوال ہے تو اس کے لئے شراکت دار کو ایک اقدام کرنا ہوگا اور وہ یہ کہ سود سے پیدا شدہ متعین منافع میں سے اس کے بقدر صدقہ کردیا جائے، اس طرح شراکت دار حرام شئے سے انتفاع کے وبال سے بچ جائے گا اور اپنے آپ کو حرام کے ارتکاب سے بچالے گا۔

۱۱۔ اسی طرح اگر شیئر ہولڈر کل آمدنی میں مخلوط سودی منافع میں سے اس کے تناسب سے صدقہ کردے تو اپنے مال کو حرام سے مخلوط کرنے کے گناہ سے بچ سکتا ہے، کل آمدنی میں مخلوط سودی منافع میں سے اسی کے بقدر رقم تخمینہ سے بھی نکالی جاسکتی ہیں اور موجودہ دور کے کمپیوٹر کے دقیق حساب کے مطابق بھی، عین مال حرام کا نکالنا ضروری نہیں، اسلئے کہ مال کا تعین ممکن نہیں جیسا کہ اس حقیقت کی طرف مالکی مسلک کے دو بزرگوں ابن العربی اور قرطبی نے اشارہ کیا ہے۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت یعنی قیمت بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ اس کی خرید وفروخت شرعاً ممنوع نہیں، بشرطیکہ قبضہ پایا جائے، خواہ حکمی ہی سہی، شیئرز کا یہ کاروبار احتکار (ذخیرہ اندوزی) کے ذیل میں نہیں آتا، اس لئے کہ سامان تجارت فی نفسہ مارکیٹ میں موجود ہے، اور شیئر ہولڈر کا اپنے شیئرز کی بیع کے لئے قیمتوں کے بڑھنے کا انتظار صرف کنندہ (Consumer) کے حق میں ضرر رساں نہیں۔

۱۳۔ فیوچر سیل (Future Sale) جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا، اس میں شیئرز سرٹیفکیٹ کی نہ حوالگی ہوتی ہے اور نہ ثمن کی وصولی، بلکہ اس کا مقصد بڑھتے گھٹتے داموں کے ساتھ نفع ونقصان کے توازن کو برابر کرنا ہوتا ہے، ایسی بیع شرعاً حرام اور فاسد ہے، اس لئے کہ یہ دَین کی دَین سے بیع ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بیع کالی بالکالی سے (یعنی دَین کی بیع دَین سے) منع فرمایا ہے، اور اس قسم کی بیع کے فاسد ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔

۱۴۔ غائب سودا (Forward Sale) جس کا انعقاد مستقبل میں ہونے والا ہو، درست نہیں ہے، اس لئے کہ بیع کا تقاضا قطعیت ہے، لہذا نہ تو اسے کسی شرط پر متعلق کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاسکتی ہے، جب تاخیر سے واجب الاداشیئرز کی بیع اس کی قیمت سے کم پرادائیگی کے وقت سے پہلے نقداً کی جائے تو ایسی بیع فاسد ہے، اس لئے کہ یہ دَین آجل کی اقل نقد عاجل کے ساتھ بیع ہے جیسے بل ڈسکاؤنٹ (Bill Discount)، البتہ بیع سلم کسی ایسی شئے میں درست ہے جو ذمہ میں معلوم ہو اور جس کی حوالگی مستقبل میں کسی وقت تک مؤخر ہو، بشرطیکہ مجلس عقد ہی میں پورا ثمن ادا کردیا جائے۔

۱۵۔ فروخت کردہ شیئرز پر حکمی قبضہ میں کوئی ممانعت نہیں ہے، اسلئے کہ کمپنی انتظامی اسباب کی وجہ سے نئے مالک کے نام سے شیئرز سرٹیفکیٹ کی حوالگی میں تاخیر کے باوجود اس بیع کو تسلیم کرتی ہے، اور شیئرز کے نئے خریدار کے

حصص کی ضمانت لیتی ہے۔ حنفیہ کے سوا جمہور ائمہ نے صراحت کی ہے کہ ہر چیز پر قبضہ اس کی نوعیت کے اعتبار سے عرف وعادت کی بنا پر ہوتا ہے، لیکن شیئرز کے اس نئے مالک کے لئے شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ سے پہلے اس شیئر کی بیع درست نہیں ہوگی، جیسا کہ مندرجہ ذیل مسئلہ میں ہے۔

۱۶۔ قبضہ سے پہلے شیئرز کی خرید وفرخت یا اس کی منتقلی درست نہیں ہے، اس لئے کہ غرر کا اندیشہ ہے، اور اسی طرح شیئرز کے داموں کے بڑھنے کی صورت میں عدم حوالگی کا امکان ہے، اور آپ ﷺ نے غرر اور قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج مارکیٹ میں بروکر (ایجنٹ) کا معاملہ کرنا مؤکل کے معاملہ کرنے کی طرح ہے اگر مؤکل اسے اپنے معاملہ کا وکیل یا نائب بنادے، اس لئے کہ اگر توکیل نہ پائی جائے تو حنفیہ اور مالکیہ کے مطابق ''بروکر'' کا تصرف ''فضولی'' کے تصرف کے حکم میں ہوگا، اگر مؤکل اجازت دیدے تو معاملہ کا نفاذ ہوگا، ورنہ عقد باطل ہو جائے گا، اور خریداری کے معاملہ کا ذمہ دار ایجنٹ ہوگا۔

واللہ اعلم

☆☆☆☆☆

شیئرز کے شرعی احکام

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی

پھلواری شریف، پٹنہ

۱۔ کمپنی کے شیئرز کے بارے میں یہ سوال کہ وہ کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے؟

اس سلسلہ میں علماء کرام کی یہ رائے صحیح ہے کہ کمپنی کے شیئرز کمپنی میں دی گئی رقم کی صرف دستاویز نہیں بلکہ کمپنی کے سیال (نقد) وجامد اثاثوں میں ملکیت کے سرٹیفکیٹ ہیں۔

اور عرف وقانون میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ کمپنی میں شیئر ہولڈر کے تناسب ملکیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کمپنی باہمی قرارداد سے تحلیل ہوجائے تو شیئر ہولڈر کو اسکے شیئرز کے تناسب سے کمپنی کے اثاثوں میں حصہ ملتا ہے۔ اسی طرح اگر نفع ہوتو اسکے لگائے ہوئے سرمایہ سے زائد رقم ملتی ہے، یا خسارہ ہوتو نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے، برخلاف بانڈس وغیرہ دیگر مالی دستاویزات کے کہ جن پر کمپنی تحلیل ہونے کی صورت میں صرف لگی ہوئی رقم سود کے ساتھ واپس ملتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب کمپنی کو ابتداءً قائم کیا جاتا ہے تو اس کے زمینی وجود سے پہلے بازار میں اسکے شیئرز پیش ہوتے ہیں اور لوگوں کو خریدنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ چنانچہ عوام وخواص حسب خواہش اس کے شیئرز خرید کر ممبر بنتے ہیں۔ عرف میں تو ابتدائی شیئرز لینے کو بھی خرید وفروخت سے تعبیر کیا جاتا ہے، مگر حقیقت میں وہ خرید وفروخت نہیں ہوتی ہے، کیونکہ شیئرز لینے والا تو روپیہ دیتا ہے مگر اسکے عوض میں مبیع کوئی شئی نہیں ہوتی ہے۔ چونکہ کمپنی نے نہ تو اب تک اپنا کام شروع کیا ہے اور نہ اسکے املاک واثاثے وجود میں آئے ہیں۔ پس حقیقت یہی ہے کہ شیئرز لینے والا کمپنی میں حصہ دار ہوتا ہے۔ اور حصہ داری کی جو سرٹیفکیٹ ملتی ہے اسکی حیثیت کمپنی میں ملکیت کی نمائندگی کی دستاویز کی ہے۔

۲۔ اس صورت میں جب کہ کمپنی کے پاس کوئی اثاثہ یعنی بلڈنگ، زمین وغیرہ کی نوعیت کا نہ ہو بلکہ صرف نقد رقوم ہوں تو ایسی صورت میں شیئرز خریدنے والا اگر اسے فروخت کرتا ہے تو اسے شیئرز کی اصلی قیمت سے کم یا زائد لینا یا دینا جائز نہیں ہوگا۔

۳۔ کمپنی کے وجود میں آنے کے بعد اگر سیال وجامد دونوں طرح کے اثاثے واملاک ہوں تو ایسی صورت میں شیئرز کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں نقد ثمن کے مقابلہ میں مبیع نقد اور سامان دونوں ہیں، اور جب ایسی صورت ہوتو اس پر بیع صرف کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ کیونکہ یہاں مال ربوی (نقد) سے غیر ربوی (نقد وسامان) کی خریداری عمل میں آرہی ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۲۶۵/۵)۔

۴۔ بنیادی طور پر کمپنیوں کا شیئر لینا یا فروخت کرنا جائز ہے۔ البتہ اگر ایسی کوئی کمپنی ہو جس کا بنیادی کاروبار حرام ہو، جیسے شراب، خنزیر کا گوشت، سودی بینک وغیرہ کی کمپنی تو کسی مسلمان کے لئے ان کا شیئرز خریدنا جائز نہیں

ہوگا (دیکھئے درمختار ۵/۶۴-۶۵)۔

۵، ۶، ۷۔ البتہ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کام حلال کا ہے جیسے انجنیرنگ یا عام استعمال کی چیز تیار کرنا۔ اگر وہ ضرورتاً یا انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرضے لیتی ہیں تو ان کا شیئرز خریدنا جائز ہے۔ اس لئے کہ جب کوئی شخص سود پر قرضہ لیتا ہے تو باوجودیکہ وہ گناہ کا عمل کرتا ہے مگر وہ لئے ہوئے قرضے کا مالک بن جاتا ہے۔ اس شئی میں حرمت داخل نہیں ہے۔ بلکہ اس پر جو سود دینا پڑتا ہے وہ ایک خارجی عمل ہے جو مستوجب عقاب ہے۔ اس لئے اس قرضے سے جو بھی کاروبار کیا جائے گا یا اس سے جو بھی آمدنی حاصل ہوگی وہ حلال ہوگی۔

۸، ۹۔ یہ صحیح ہے کہ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس قانونی طور پر شیئر ہولڈر کا وکیل ہوتا ہے، اس لئے اگر وہ کمپنی کے لئے سودی قرضے لیتے ہیں تو اس کی نسبت حسب تناسب شیئر ہولڈر کی طرف ہوگی، مگر اس سے شرعی طور پر ایک مسلمان کے لئے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی نارضامندی کا اظہار کردے۔ یہی رائے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی ہے۔

۱۰، ۱۱۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو جائے جبکہ اس کا بنیادی کاروبار غیر سودی ہے، تو اس صورت میں شیئر ہولڈر کو سودی منافع کی مقدار کا علم ہونے پر اس کے بقدر بلانیت ثواب صدقہ کردینا ضروری ہوگا۔

۱۲۔ جس طرح ابتدائی طور پر کمپنی کے شیئرز لینا جائز ہے اسی طرح ان شیئرز کو فروخت کرنا بھی جائز ہے، نیز کسی سے خریدنا بھی جائز ہے۔ کبھی کبھی شیئرز کی خرید و فروخت کمپنی میں ملکیت۔ حصہ داری کی نیت سے نہیں ہوتی بلکہ (Capital Gain) کے مقصد سے ہوتی ہے، جس میں شیئرز کے خریدار کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ آئندہ جب قیمت بڑھ جائیگی تو فروخت کر کے نفع حاصل کرے گا۔ یہ خرید و فروخت بھی جائز ہے۔

البتہ شیئرز کی خرید و فروخت کا وہ طریقہ جس میں شیئرز کا لین دین مقصود نہیں ہوتا بلکہ شیئر مارکیٹ میں خرید و فروخت کی آواز لگا کر اخیر میں آپس کا ڈیفرینس برابر کرلیا جاتا ہے، جو ایک طرح کی سٹہ بازی (قیاس وتخمین آرائی) ہے، جس میں شیئرز پر نہ تو قبضہ ہوتا ہے اور نہ ہی قبضہ پیش نظر ہوتا ہے، یہ صورت جائز نہیں ہے۔

۱۳۔ فیوچر سیل (بیاعات مستقبلیات) کے طور پر شیئرز کی خرید و فروخت جس میں مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع ونقصان کو برابر کرلینا ہوتا ہے، نہ خریدار ثمن دیتا ہے، اور نہ فروخت کرنے والا مال یعنی شیرز سرٹیفیکٹ دیتا ہے، بلکہ کاغذی کارروائی خرید و فروخت کی ہوتی ہے۔ اس طرح خرید و فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ بیع منعقد ہوتی ہی نہیں ہے، لہذا اس کا منافع لینا بھی کسی فریق کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

۱۴۔ شیئرز کی ایسی خرید و فروخت جن میں بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، یہ شرعاً جائز نہیں ہے۔ یعنی باتفاق فقہاء یہ بیع منعقد نہیں ہوتی ہے۔ البتہ مستقبل میں بیع کا وعدہ کیا جاسکتا ہے، وقت آنے پر اس کی بیع باقاعدہ کرنی ہوگی۔

۱۵، ۱۶۔ شیئرز پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ لیکن یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ہر شئی کا قبضہ حسی

طور پر ضروری نہیں ہے، بعض اشیاء حکماً بھی قبضہ میں آجاتی ہیں۔شیئرز کے کاروباری ضابطے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی حاضر سودا شیئرز کا ہوجاتا ہے تو گرچہ خریدار کے ہاتھ میں شیئرز کی سرٹیفکٹ فوری طور پر منتقل نہیں ہوتی ہے، اور حسی قبضے میں عموماً تاخیر ہوتی ہے، مگر اس کے باوجود شیئرز کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں، اور وہ خریدار کے ضمان میں داخل ہوجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیئرز پر حسی قبضہ سے پہلے اگر کمپنی کسی حادثہ کے نتیجے میں بالکل نیست ونابود ہوجائے تو نقصان مشتری کا سمجھا جائے گا۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرٹیفکٹ کے ہاتھ میں آنے سے پہلے بھی شیئرز کی بیع جائز ہو، لیکن عرف کے اوپر نگاہ کی جائے تو یہ کہنا پڑیگا کہ عرف میں شیئرز کا قبضہ اسی وقت سمجھا تا ہے جب سرٹیفکٹ ہاتھ میں آجائے۔اس لئے احتیاط کا پہلو یہ ہے کہ سرٹیفکٹ پر قبضہ کئے بغیر شیئرز کو آگے نہ بیچا جائے۔

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج بازار میں شیئرز کی خرید وفروخت کے لئے بروکر بننا اور اس پر کوئی اجرت لینا جائز ہے۔مگر بروکر بائع اور مشتری دونوں سے کسی ایک ہی کام کی ڈبل اجرت نہیں لے سکتا ہے۔اس لئے کے دلال یعنی بروکر شرع میں اجیر کو کہتے ہیں، اور اس پر کمیشن اصطلاح شرع میں اجرت کا نام ہے، اور اجیر جس کا کام کرتا ہے اسی سے اجرت پانے کا مستحق ہوتا ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص دونوں کا کام الگ الگ کرے تو الگ الگ کام ہونے کی بناپر بائع اور خریدار دونوں سے متعارف اجرت لے سکتا ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۴؍۴۲)۔

☆☆☆☆☆

حصص کمپنی کے شرعی احکام

مفتی محمد زید، ہتھورا، باندہ

۱۔ شیئرز کی حقیقت:

زیر بحث مسئلہ میں شیئرز کمپنی کی وہ صورت متعین کرنا ضروری ہے جو کہ اقرب الی الصحت والجواز ہو، کمپنی سے خرید کردہ شیئر کی بابت اگر چہ بعض علماء نے اس کے قطعاً ناجائز اور حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے (کفایت المفتی ۱۰۹/۸) نیز بعض علماء نے شیئر کو صرف اس بات کی علامت وشہادت قرار دیا ہے کہ اس شخص نے کمپنی کو اتنی رقم دے رکھی ہے (سوالنامہ بابت شیئرز کی شرعی حیثیت)۔

لیکن دلائل کے اعتبار سے مضبوط اور جمہور علماء کی رائے یہی ہے کہ یہ صورت شرکت عنان کی ہے (امداد الفتاوی ۴۹۴/۳) کیونکہ شرکت عنان کی تعریف اس پر صادق آتی ہے جس میں ایک شریک کی طرف سے مال اور دوسرے شریک کی طرف سے مال وعمل دونوں ہوتے ہیں (عطر الہدایہ/۱۱۴) البتہ اگر ایک شریک کا صرف مال اور کمپنی کی طرف سے صرف کام ہو تو یہ صورت مضاربت کی ہوگی اور اس میں مضاربت کے احکام جاری ہوں گے۔ اور اس شرکت کے نتیجہ میں اس کو جو شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل ہوگا وہ درحقیقت اس شخص کی اس کمپنی میں متناسب حصہ کی ملکیت کی نمائندگی کر رہا ہے (فقہی مقالات مولانا تقی عثمانی ص/۱۴۳)۔

۲۔ کمپنی سے خریدے ہوئے شیئر کی بیع:

شیئر کی حقیقت واضح ہوجانے کے بعد اس کی خرید وفروخت کا حکم بھی واضح ہے۔ جب شیئر کی یہ حقیقت متعین ہوگئی کہ یہ شرکت عنان کی صورت ہے اور شیئر کمپنی کے متناسب حصہ کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، لہٰذا جس نے بھی کمپنی سے شیئر خریدے وہ اس کمپنی کا حصہ دار بن گیا، اور اب جو شخص اس شیئر کو اس (کمپنی کے حصہ دار) سے خریدے گا وہ دراصل ملکیت کے اس متناسب حصہ کو خرید رہا ہے جو اس پہلے شخص کا اس کمپنی میں آتا ہے۔ یہ حقیقت ہے شیئرز کی خرید وفروخت کی جو بالکل جائز ہے۔

لیکن وہ صورت جس کا سوال میں ذکر ہے کہ کمپنی نے ایسے وقت شیئرز فروخت کئے جس وقت کہ کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتیں محض ایک تجویز اور خاکہ ومنصوبہ ہوتا ہے، ظاہر بات ہے کہ کمپنی سے شیئر کا خریدار تو کمپنی کا شرکت دار بن گیا لیکن ایسی حالت میں خود اس شریک کا اپنے شیئر کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہونا چاہئے کیونکہ کمپنی کے پاس کچھ املاک ہی نہیں کہ اس کی بابت یہ کہہ دیا جائے کہ یہ متناسب حصہ کی بیع ہے۔

چونکہ اس طرح شیئر کی خرید وفروخت کا عرف وتعامل ہے لہٰذا اس کو بھی جائز ہونا چاہئے، ورنہ دوسرے مسالک کی روشنی میں اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دینا چاہئے۔ البتہ شبہ ربوا سے بچنے کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ اصل شریک دار نے جتنے کا حصہ خریدا ہے اتنی ہی قیمت کا فروخت کرے اس سے زائد قیمت نہ لے۔

۳۔ کمپنی کا مال اگر مال ربویہ وغیر ربویہ کو متضمن ہو:

کمپنی کا مال اگر مخلوط یعنی اموال ربویہ وغیر ربویہ دونوں کو متضمن ہو (اور ایسی صورت میں شیئرز کی خرید و فروخت کی جائے) تو اس میں دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ورنہ معاملہ ناجائز ہو جائے گا۔ ایک تو یہ کہ اموال ربویہ کے مساوی حصہ میں نقد ضروری ہے ادھار جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ اموال ربویہ کے مساوی و مقابل حصہ سے ثمن کچھ زائد ہونا چاہئے تاکہ ربوی مال باہم مساوی ہو جائے (جو بیع صرف ہوگی) اور زائد ثمن دیگر سامان کے مقابلہ میں ہوگا، ورنہ پھر سود ہو جائے گا۔

۴۔ سود میں ملوث کمپنیوں میں شرکت اور ان کے منافع کا حکم:

ایسی کمپنیاں جو بنیادی طور پر حرام کام کرتی ہیں ان میں شرکت قطعی حرام ہے انکی اعانت بھی جائز نہیں (امداد الفتاوی ۳ر۱۳۰)۔

۵،۶۔ ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار بنیادی طور پر حلال ہو اس میں شرکت بلاشبہ جائز ہے، اور انکم ٹیکس یا اور دوسرے ناجائز ظالمانہ ٹیکسوں سے بچنے کے لئے ظاہر میں بینک سے قرض لینا پڑے یا اور کسی قانونی مجبوری سے بینک میں جمع کرنا پڑے، چونکہ مقصود دفع مضرت ہے لہذا ایسی صورت میں کمپنی کا (دفع مضرت یا حفظ مضرت) کے لئے بینک میں رقم جمع کرنا اور لینا دونوں جائز ہے جیسے کہ دفع مضرت کے لئے جھوٹ بولنا اور رشوت دینا جائز ہے۔ جب یہ جائز ہے تو ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا بھی جائز ہے۔

لیکن یہ جواز اسی وقت تک ہے جب تک کہ واقعی مقصود دفع مضرت ہو ورنہ اگر کمپنی کا مقصود جلب منفعت ہے اور اغلب یہی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ سود ہے اس کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے۔ اور جب یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کمپنی سودی طریقہ سے مال میں اضافہ کرتی اور سودی کاروبار کرتی ہے ایسی کمپنیوں میں شرکت کرنا، اس کے شیئرز خریدنا بھی درست نہ ہوگا۔ اور اگر کسی نے خرید لئے تو اگر کمپنی دوسرے جائز کاروبار بھی کرتی ہے نیز اس میں سودی نفع بھی شامل ہو تا ہے ایسی صورت میں تجارت کے واسطے سے حاصل شدہ نفع حلال ہوگا اور سودی نفع کا صدقہ ضروری ہوگا۔

۷۔ سودی قرض کے واسطے سے جو تجارت کی جائے اور اس سے جو آمدنی ہوگی وہ حلال اور طیب ہوگی، مفید ملک بھی ہوگی، لیکن سودی قرض لینے کا گناہ ہوگا (ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی ۳ر۱۷۰)۔

۸۔ کمپنی کے افراد حصہ داروں کے وکیل ہیں اور ناجائز معاملہ کی توکیل ناجائز ہے:

کمپنی اور شیئرز ہولڈر کے معاملہ کو شرکت کہا جائے یا مضاربت، دونوں ہی صورتوں میں کمپنی کے ذمہ دار و عمال شیئرز ہولڈرس کے وکیل ہوں گے۔ محقق تھانویؒ نے بھی کمپنی کے افراد کو حصہ داروں کا وکیل ہونا تحریر فرمایا ہے (امداد الفتاوی ۳ر۱۳۰)، اب رہا یہ مسئلہ کہ ایک مسلمان کا کسی غیر مسلم کو اس طرح کا وکیل بنانا درست ہے یا نہیں جس میں کہ وہ غیر مسلم یقیناً ناجائز کاروبار اور سودی معاملات بھی کرے گا؟ سو اس مسئلہ میں امام صاحب اور دیگر ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ اور صاحبین کے نزدیک تو یہ توکیل قطعاً ناجائز اور باطل ہے کیونکہ وکیل کا عمل مؤکل کا عمل ہے،

وہ جو بھی تصرف کرے گا اس کے مؤکل ہی کا عمل سمجھا جائے گا، ہدایہ، مغنی وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔

لأن ما يثبت للوكيل ينتقل إلى المؤكل فصار كأنه باشره بنفسه فلا يجوز (ہدایہ فتح القدیر ۶/۷۵)۔

محقق تھانویؒ نے بھی صاحبین کے اسی قول کو اختیار فرما کر ایسی کمپنی میں شرکت کو ناجائز قرار دیا ہے (امداد الفتاویٰ ۳/۱۳۰)۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بیع میں حقوق وکیل ہی کی طرف عائد ہوتے ہیں اور سارے احکام بھی اسی سے متعلق ہوتے ہیں۔ وکیل ابتداء عاقد لنفسہ یعنی اپنے لئے معاملہ کرتا ہے، اس لئے یہ توکیل جائز ہے۔ اور جائز کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ کا انعقاد ہوجائے گا، اس کو باطل نہ قرار دیا جائے گا، ورنہ ایسی توکیل کی اشد کراہت یعنی اس کا مکروہ تحریمی ہونا (جو کہ حرام کے قریب قریب ہے) خود امام صاحب سے بھی منقول ہے۔ نیز ایسی توکیل سے جو آمدنی ہو اس کا صدقہ کردینا بھی واجب ہے۔ مبسوط سرخسی (۲۲/۱۲۵) شامی (۴/۱۲۰) بحر (۶/۸۴) وغیرہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔

۹۔ حصہ دار کا اپنے وکیل سے سودی کاروبار کو منع کردینا اور اس سے اختلاف کرنا کافی ہے:

جب ایسی توکیل کا ناجائز، اور مکروہ تحریمی ہونا معلوم ہوگیا تو اب زیر بحث مسئلہ میں سوال پیدا ہوگا کہ کمپنی کی مروجہ صورت میں کسی شیئرز ہولڈر کا محض ناجائز کاروبار، سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا یا اس کی شرط لگا دینا وکیل کے عمل سے مؤکل (شیئرز ہولڈر) کو بری کردے گا یا نہیں، اور وہ معاملہ درست ہوگا یا نہیں؟ سو اس سلسلہ میں احقر کی ناقص رائے وہی ہے جو حضرت تھانویؒ، مفتی محمد شفیع صاحب، اور مولانا تقی عثمانی صاحب کی ہے کہ شیئرز ہولڈر (کمپنی کے حصہ دار) کا سودی قرض اور سودی معاملات، حرام کاروبار سے معاملہ کے وقت اختلاف کرنا، یا شرط لگانا اور اس سے براءت کرنا خود اس کی براءت کے لئے کافی ہوگا، اور اس کے بعد جو نفع ہوگا وہ اس حصہ دار کے لئے حلال ہوگا، الا یہ کہ متعین طور پر سودی نفع دیا جائے تو اس سودی نفع کا صدقہ کرنا ضروری ہوگا جس کی دلیل ماقبل میں گذر چکی (فقہی مقالات، شیئرز کی خرید وفروخت / ص ۱۵۰، امداد الفتاویٰ ۳/۴۹۱)۔

۱۰، ۱۱۔ نفع بھی حلال ہے:

رہ گیا دوسرا مسئلہ۔ یعنی یہ کہ کمپنی سے جو نفع حصہ دار کو ملا ہے، سو اغلب تو یہی ہے کہ اس میں سودی اور ناجائز نفع بھی شامل ہوگا لیکن جب مؤکل (حصہ دار) پہلے ہی صراحت و براءت کرچکا کہ سودی کاروبار اور ناجائز نفع میں اس کی شرکت نہ ہوگی، اس کو صرف وہ آمدنی اور نفع چاہئے جو غیر سودی اور حلال ہو، ایسی صورت میں کمپنی والے جو نفع اس کو دیں گے وہ کل کا کل حلال ہوگا، الا یہ کہ متعین طور پر یہ معلوم ہوجائے یا وہ کمپنی اس صراحت کے ساتھ اس کو نفع دے کہ اس منافع میں سودی نفع اتنا ہے جو تمہارے حصہ میں آیا ہے، اس صورت میں صرف اتنے حصہ کا صدقہ کرنا ضروری ہوگا (خانیہ ۴/۳۶۳، امداد الفتاویٰ ۳/۴۹۸)۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت کا شرعی حکم:

شیئرز کی تجارت فی نفسہ جائز ہے، بشرطیکہ جملہ حدود و قیود اور شرائط کا لحاظ کیا جائے۔ اور چونکہ عام طور پر ان حدود و قیود اور شرائط جواز کا لوگوں کو علم نہیں ہوتا اور اس کی رعایت نہیں کرتے جس کی وجہ سے مختلف خرابیوں کے وقوع اور فساد کا احتمال بکثرت ہوتا ہے، اس لئے اس تجارت سے خالص تجارت کرنا زیادہ بہتر ہے جس میں فساد کا احتمال کم ہے۔ حاصل یہ کہ فتوی کی رو سے بلا کراہت جائز ہے گو تقوی و احتیاط کے خلاف ہے۔

بعض ناجائز صورتیں:

۱۳۔ فیوچر سیل (بیع المستقبلیات) اس تفصیل کے ساتھ جس کا سوال میں ذکر ہے قطعی ناجائز و حرام ہے۔ مولانا تقی عثانی صاحب نے مع دلائل اس کی تصریح فرمائی ہے (فقہی مقالات رص ۱۵۲)۔

۱۴۔ یہ شکل بھی ناجائز ہے (ایضاً رص ۱۵۵)۔

۱۵۔ سرٹیفکیٹ پر قبضہ سے پہلے شیئر کی بیع ناجائز ہے:

ضمان و قبضہ دونوں علیحدہ شئی ہیں اور دونوں میں کوئی تلازم نہیں، حدیث پاک میں مستقل طور پر دونوں کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قبضہ حسی کی طرح قبضہ معنوی بھی ہوتا ہے اور ہر شئی پر اس کی خاص نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت بھی مختلف ہوتی ہے جس میں عرف و عادت کا بھی اعتبار ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ضمان و قبضہ دونوں علیحدہ شئی ہیں۔ کسی شئی کے محض ضمان میں آجانے اور کاغذی کاروائی ہو جانے سے قبضہ کا تحقق نہیں ہوتا جب تک کہ واقعی وہ شئی (یا اس کے قائم مقام) قبضہ میں نہ آجائے۔ مثلاً صورت مسئولہ میں قبضہ معنوی کافی ہے، لیکن قبضہ معنوی کی تکمیل بھی اس پر موقوف ہے کہ سرٹیفکیٹ اور اس کی سند قبضہ میں آجائے جو کہ قبضہ حسی کے قائم مقام ہے، اس کے بغیر قبضہ معنوی بھی ناقص و ناکافی ہوگا۔

۱۶۔ سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے قبل یعنی قبضہ معنوی کی تکمیل سے پہلے اس کی بیع ناجائز ہے۔ حدیث و فقہ میں ربح مالم یضمن کی طرح قبل القبض بیع کی مستقلاً ممانعت وارد ہوئی ہے:

نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع ما لیس عندک و عن ربح مالم یضمن (مصنف عبد الرزاق ۳۹/۸)۔

اور محض ضمان میں آجانے سے قبضہ کا تحقق ضروری نہیں۔

۱۷۔ شیئرز کمپنی کی دلالی جائز ہے:

اس کی حیثیت اجیر و دلال کی ہے، جو حکم اجیر و دلال کا ہوتا ہے وہی اس کا بھی ہوگا یعنی جائز عقود کی دلالی اور اس کی اجرت جائز ہے اور ناجائز کی ناجائز، یعنی جو حکم وکالت کا ہے وہی اس کا ہے۔

☆☆☆☆☆

شیئرز کی خرید وفروخت اور اس کے شرعی احکام

مولانا احمد دیولوی، بھروچ (گجرات)

ا۔ شیئرز کی حقیقت:

شیئرز کو اردو میں حصے اور عربی میں سہوم سے تعبیر کرتے ہیں، یہ شیئرز کسی کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈرس کی ملکیت کے ایک مناسب حصے کی نمائندگی کرتے ہیں، اور شیئرز خریدار کو جو کاغذ یعنی شیئر سرٹیفکیٹ کی شکل میں ملتا ہے وہ خریدار کی کمپنی میں ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ شیئر خریدنے کی وجہ سے خریدار کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں اپنے حصے کے تناسب سے مالک بن جاتا ہے، جب کمپنی ابتداءً وجود میں آتی ہے تو اس وقت جو شخص بھی شیئر خریدتا ہے وہ درحقیقت کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار بن جاتا ہے اور کمپنی کے ساتھ شرکت کا معاملہ کرتا ہے، اور اگرچہ عرف میں اس کو شیئر خریدنا کہا جاتا ہے لیکن شرعاً وہ خرید وفروخت نہیں ہے بلکہ یہ عقد شرکت کی صورت ہوتی ہے۔

۲۔ کمپنی قائم کرتے وقت اس کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتی ہیں اس صورت میں نقد کا مقابلہ نقد سے ہوتا ہے لہذا اس وقت کمپنی کے شیئرز کو فیس ویلو سے کم یا زیادہ پر فروخت کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ برابر سرابر خریدنا ضروری ہے، کیونکہ دس روپے کا شیئر دس روپے کی ہی نمائندگی کرتا ہے۔ اس وقت ایسا ہی ہوگیا جیسے کہ دس روپے کے نوٹ کو گیارہ روپے یا نو روپے میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ شیئرز کمپنیوں کا کاروبار سودی اور غیر سودی دونوں قسم کے سودوں پر مشتمل ہوتا ہے لہذا خریداروں کو ملنے والا نفع بھی مختلط بالحلال والحرام ہوگا، تو اس سلسلہ میں قاضی خاں فرماتے ہیں کہ اگر ہدیہ کرنے والے کا غالب واکثر مال حلال ہے تو ہدیہ قبول کر کے کھا سکتا ہے، جب تک کہ اس کے حرام ہونے کا واضح ثبوت نہ ہو حلال ہے۔ کیونکہ لوگوں کے اموال حرام کی کسی قدر آمیزش سے خالی نہیں ہوتے ہیں، لہذا غالب کا اعتبار ہوگا۔

وإذا مات عامل من عمال السلطان و أوصى أن يعطى الحنطة للفقراء قالوا إن كان ما أخذه من أموال الناس مختلطا بماله لابأس به وإن كان غير مختلط لا يجوز للفقراء أن يأخذوه إذا علموا أنه مال الغير وإن لم يعلم الآخذ أنه من ماله أو مال غيره فهو حلال حتى يتبين أنه حرام

(فتاوی قاضی خاں، بحوالہ امداد الفتاوی ۳/ ۴۹۷)۔

بہر حال فقہائے کرام کی عبارات میں توسعات اور دار الحرب میں سودی مسائل میں تخفیف وغیرہ ابحاث سے مسئلہ میں گنجائش کا پہلو ضرور موجود ہے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ سود کی آمیزش قباحت سے خالی نہیں ہے۔ حضرات فقہاء کرام کی جانب سے گنجائش مبتلی بہ کے لئے ہے جو حرام سے بچ نکلنے کا راستہ فراہم کرتی ہے، لیکن زیادتی مال کے لئے بالارادہ (اصالۃً) اس قسم کے کاروبار میں مشغولیت اللہ تعالی کی حرام کردہ چیز کی آمیزش کے قطعی علم کے ساتھ ایک

مومن کے لئے قطعاً مناسب نہیں ہے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو اس سے اجتناب ہی صحیح راستہ ہے۔

۵۔ کمپنی کا سودی کاروبار:

اکثر کمپنیاں اپنی سرمایہ کاری حصص قرض (Bonds) اور بینک کے سودی قرضے وغیرہ شامل کر کے ہی کرتی ہیں لہذا منافع میں سود کا اختلاط ضرور ہی ہوگا جو شرعی نقطہ نگاہ سے ایک تشویشناک صورت ہے، لیکن فقہاء کرام کی عبارتوں اور کتابوں میں چند ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جو اس کے جواز کی مشیر ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: امداد الفتاوی ۳/۴۹۶)۔

۶۔ بانڈز (سندات حصص قرض) کی خرید و فروخت سودی کاروبار ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

۷۔ کمپنی کاروبار میں جتنے مسائل ہیں ان میں سب سے زیادہ پریشان کن امر کمپنی کا سودی کاروبار ہی ہے، اسی لئے بہت سے فقہائے کرام نے کمپنیوں کے حرام کاموں میں ملوث ہونے کی وجہ سے شیئرز کی خرید و فروخت کو ناجائز کہا ہے، اور دلیل یہ دی ہے کہ جب ہم شیئرز کی خرید و فروخت کریں گے تو اس کاروبار میں شریک ہو گئے اور اس کاروبار کا ایک شریک دوسرے شریک کا وکیل اور ایجنٹ ہے تو گویا کہ شیئر ہولڈر ان کو اس کام کے لئے ایجنٹ اور وکیل بنا رہا ہے کہ تم سودی قرضے کو اور سودی آمدنی کو بھی حاصل کرو۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب اس قسم کے سوال کے جواب میں عدم جواز ہی کو پسند فرماتے ہیں (کفایت المفتی ۸/۱۲۳، ۱۲۲)۔

۸۔ حضرت تھانویؒ اس کو شرکت سے تعبیر کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ حقیقت اس معاملہ کی شرکت ہے یعنی متعدد حصہ دار اپنا سرمایہ جمع کر کے تجارت کرتے ہیں اور اس سے جو نفع ہوتا ہے وہ باہم تقسیم کر لیتے ہیں، اور تحریر بالا میں جو عبارت ہے کہ یہ لوگ ایک لاکھ روپے کے ایک ہزار حصے فی صد سو روپے قائم کرتے ہیں اور حصص فروخت کرنا شروع کرتے ہیں تو اس کو اصطلاحاً فروخت کرنا کہا جاتا ہے ورنہ درحقیقت یہ شرکت ہے اور کارکنان کمپنی تمام کاروبار میں ان حصہ داروں کے وکیل ہیں، اور شرکت کے دو جز ہیں: ایک جز یہ کہ جو اعیان و سامان اس کارخانہ میں موجود ہوتے ہیں تو ہر شریک بواسطہ کارکنان کمپنی اس سامان کے مالک ہوتے جاتے ہیں، مثلاً اگر کسی نے سو روپے داخل کئے تو گویا وہ سامان موجودہ کا ہزارواں حصہ اس نے خرید لیا۔ اور دوسرا جز یہ کہ آگے جو کاروبار میں نفع ہوگا، وہ حصہ رسد پر شریک کی ملک ہوگا، اور اگر اس حصہ کے داخل کرنے کے بعد کچھ سامان خریدا گیا تو اسی نسبت سے یہ حصہ دار مذکور اس کا بھی مالک ہوگا۔

۹۔ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب حضرت تھانویؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی طرف سے جواز کی دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگرچہ کمپنیوں میں سودی لین دین کی خرابی پائی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود اگر کسی کمپنی کا بنیادی کاروبار مجموعی طور پر حلال ہے تو پھر دو شرطوں کے ساتھ اس کمپنی کے شیئرز لینے کی گنجائش ہے اول شرط یہ ہے کہ سالانہ میٹنگ میں یہ آواز اٹھائی جائے کہ ہم سودی لین دین کو درست نہیں سمجھتے ہیں اس لئے اس کو بند کر دیا جائے، اور یہ نقار خانہ میں طوطی کی آواز چاہے مسترد کر دی جائے لیکن یہ آواز اٹھانا بقول حضرت تھانویؒ

انسان کا اپنی ذمہ داری پوری کر دینا ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ منافع کی تقسیم کے وقت نفع کا جتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہو اس کو صدقہ کر دے، مذکورہ شرطوں پر عمل کر لینے کی شکل میں اس کے خرید و فروخت کی گنجائش ہے۔

۱۰۔۱۱۔ حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ اس مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنا حصہ صدقہ کرنے کا حکم ورع اور تقوی پر محمول ہے، اور اگر وجوب پر محمول کریں تو یہ اس وقت جبکہ صرف شراب اور خنزیر کی بیع کی ہو اور اس کے علاوہ کی نہ ہو، اور سودی کاروبار کی شکل میں صاحبین کے نزدیک جو بیع کو فاسد قرار دیا گیا ہے تو وہ ہمارے دعوی کے خلاف نہیں ہے کیونکہ وکیل بالبیع بذات خود عاقد کے مانند ہے اور ذمی کے حق میں بیع کا فساد مسلمان کے حق میں نفع کی حرمت کو مستلزم نہیں ہے، کیونکہ ملکیت کا تبادلہ فساد کے خبث کو دور کر دیتا ہے، پس ایسی صورت میں مال مستفاد میں حرمت نہیں ہوگی جبکہ کمپنی قائم کرنے والے کافر ہوں، البتہ کفار کی کمپنیوں میں شرکت مکروہ ہے جیسا کہ علامہ سرخسی کے قول سے معلوم ہوتا ہے:

يكره للمسلم أن يدفع إلى النصراني مالاً مضاربة وهو جائز في القضاء (مبسوط۲۲/۱۲۵)۔

اور مبسوط ہی میں یہ بھی ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ صفقہ کا ولی تو وکیل ہے اور شراب اس کے حق میں مال متقوم ہے تو وہ اپنے لئے خرید سکتا ہے لہٰذا دوسرے کے لئے بھی خرید سکتا ہے، اور وجہ یہ ہے کہ اس جگہ اسلام کے سبب سے شراب کا عقد کرنا منع ہے نہ کہ ملکیت کے سبب سے (دیکھئے: مبسوط۱۲/۲۱۶ بحوالہ امداد الفتاوی۳/۴۹۷)۔

۱۲۔ حصص کی تجارت:

مال کی تعریف میں فقہاء کرام نے چند شرطیں لگائی ہیں۔ ابن عابدین لکھتے ہیں:

المراد بالمال ما يميل إليه الطبع ويمكن ادخاره لوقت الحاجة والمالية تثبت بتمول الناس كافة أو بعضهم والتقوم يثبت به وبإباحة الانتفاع به شرعاً۔

فقہائے احناف نے اگرچہ بیع میں مبیع کے عین ہونے کی شرط لگائی ہے لیکن ان لوگوں نے حق مرور کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، اور جواز کی علت یہ بیان کی ہے کہ یہ ایک ایسا حق ہے جو عین سے متعلق ہے لہٰذا جواز بیع میں اس کو عین کا حکم حاصل ہوگا (دیکھئے: فتح القدیر۵/۲۵۶)۔

اعیان سے تعلق رکھنے والے حقوق کا احناف کے یہاں وہی حکم ہے جو خود اعیان کا ہے، اور بعض اشیاء کو اموال میں داخل کرنے میں عرف کو بڑا دخل ہے جیسا کہ ابن عابدین نے فرمایا ہے کہ مالیت لوگوں کے مال بنا لینے سے ثابت ہو جاتی ہے، یہ جملہ فرما کر بہت سی چیزوں کو کچھ شرائط کے ساتھ مال کی تعریف میں داخل کر دیا ہے، اور عرف کی وجہ سے فقہائے کرام نے بہت سے حقوق کی بیع جائز قرار دی ہے، لہٰذا جو چیز عرف میں مال متقوم سمجھی جاتی ہے اور لوگ اس کے ساتھ مال جیسا معاملہ کرتے ہوں تو اس کی بیع جائز ہوگی بشرطیکہ وہ فی الحال ثابت ہو اور صاحب حق کیلئے اصالۃً ثابت ہو، دفع ضرر کے لئے نہ ہو، وہ حق ایسا ہو جو ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو سکے، تحدید کرنے

سے اسی حق کی تحدید بھی ہو جاتی ہو، غرر یا جہالت کو مستلزم نہ ہو، تاجروں کے عرف میں یعنی دین کے سلسلہ میں اس حق کو اموال واعیان کی حیثیت حاصل ہو۔

مذکورہ شرائط کی روشنی میں جب ہم شیئرز کے معاملہ کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تجار کے عرف میں اس کو مال متقوم مانا جاتا ہے، بلکہ وہ اقتصادیات کی دنیا میں اتنا عام ہے اور اس کا شیوع اس قدر ہو چکا ہے کہ لوگوں کے اذہان میں اس کی مالیت کے انکار کا تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ کمپنی کی طرف سے اس پر زبردست اعتماد کیا جاتا ہے لہذا اس کی خرید وفروخت اور رہن جائز ہوگا، جیسے کہ ثمن اصطلاحی کی پشت پر حکومت اور عوام کا اعتماد ہی کام کر رہا ہے بلکہ لوگوں نے اس کو ہی ثمن اصلی شمار کر لیا ہے۔

حقیقت میں تو اثاثہ تجارت کے جز ءشائع کا ہی بدل ہے لیکن عرف میں اس کا اعتبار کر کے کمپنی کسی کو جز ءشائع سے کچھ واپس نہیں کرتی ہے بلکہ شرکت بھی خود رد نہیں کرتی، بلکہ دلال کے ذریعہ ہی کاغذات کی منتقلی ہوتی ہے اور اس کو حصص کی بیع سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے کہ ثمن اصطلاحی کی پشت پر حکومت کے خزانہ کا سونا ذمہ دار اور مدار ہوتا ہے لیکن کوئی بھی بینک اب سونا واپس نہیں کرتا ہے اگر چہ کاغذی نوٹوں پر وثیقہ لکھا ہوا ہوتا ہے، اسی طرح شیئرز میں حصہ دار کو کاغذات سے ہی واسطہ ہوتا ہے۔

۱۳۔ فیوچر سیل کا مقصد جب خریدنا ہے ہی نہیں بلکہ صرف نفع نقصان برابر کر لینا مقصود ہے لہذا یہ جائز نہیں ہوگا، اور جب اس میں بیع وشراء کا تحقق ہی نہیں ہوتا تو پھر اس کو بیع کہنا بھی صحیح نہیں ہے، یہ حرام ہے۔

۱۴۔ غائب سودا کی وضاحت نہیں معلوم ہو سکی لہذا اس کا حکم بھی متعین نہیں ہو سکتا۔ اگر سوال نمبر ۱۳ کی ہی طرح ہوتا ہے کہ صرف آپس کا فرق (ڈیفرنس) برابر کر لیا جاتا ہے، اور سٹہ بازاری کی شکل ہوتی ہے تو یہ صورت بھی ماقبل کی فیوچر سیل والی شکل کی طرح حرام ہے۔

۱۵۔ اگر اس کے ضمان میں حقوق وذمہ داری منتقل ہو جاتی ہیں تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا، چاہے شیئر سرٹیفکیٹ بعد میں ملے۔ اصل رسید ملنے کو ہی عرف میں شیئر خریدنا کہتے ہیں، بعد میں دو یا تین مہینے بعد ہی سرٹیفکیٹ ملتا ہے، اس سے پہلے رسید کا ہی اعتبار کیا جاتا ہے۔

۱۶۔ جب یہ مال متقوم کے درجہ میں ہے تو اعیان کی طرح اس کی خرید وفروخت اور دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا بھی جائز ہے بالخصوص جبکہ شیئر کا ضمان خریدنے کا معاملہ کرنے کے ساتھ ہی خریدار کی طرف منتقل ہو جاتا ہو۔

۱۷۔ دلال کے ذریعہ شیئرز کی خرید وفروخت:

آج کل کے کاروباری دنیا میں دلال کے بغیر کوئی بھی کام نہیں ہوتا ہے، اکثر تجارت وکاروبار دلال کے ذریعہ ہی مکمل ہوتے ہیں، لہذا فقہائے کرام نے دلال کے ذریعہ کاروبار کو جائز قرار دیا ہے اور دلال کے لئے اجرت بھی جائز قرار دیا ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قال في التاتارخانية و في الدلال والسمسار يجب أجر المثل وما تواضعوا عليه. إن

فی کل عشـرة دنانير كذا فذاک حرام عليهم. وفي الحاوی سئل محمد بن سلمة عن أجرة السـمسار فقال أرجو أنه لاباس به وإن كان في الأصل فاسد لكثرة التعامل و كثير من هذا غير جائز فجوزه لحاجة الناس إليه كدخول الحمام (شامی ۴۴/۵)۔

اوراسی تعامل اور حاجت کی وجہ سے فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ دلال کی اجرت کام اور محنت کے موافق لینا اور دینا جائز ہے بشرطیکہ ظاہر کر کے رضامندی سے لیا جاوے، اور جو خفیہ طریقہ سے لیتے ہیں وہ حرام ہے (امداد المفتین ۲/۱۷۱، فتاوی محمودیہ ۱۷۵/۴)۔

☆☆☆☆☆

شیئرز سے متعلق مسائل

مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری

۱۔ کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی شرکت وملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، اور یہی نقطۂ نظر صحیح ہے۔

۲۔ کمپنی قائم کرتے وقت جب تک کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک اور اثاثے نہ ہوں اس وقت تک کمپنی کا خرید کردہ شیئر خرید قیمت سے کم یا زیادہ پر فروخت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ شرعاً یہ سود ہے۔ شیئر کو خرید قیمت کے برابر قیمت پر بیچنا شرعاً جائز ہے۔

۳۔ کمپنی نقد اور املاک (مال ربوی وغیر ربوی) دونوں پر مشتمل ہو تو شیئر کے حصہ میں جتنا نقد مال ربوی آتا ہے اس سے زیادہ پر شیئر کو فروخت کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے، اس کے برابر یا کم قیمت پر بیع کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً دس روپے کے شیئر کے حصہ میں اگر آٹھ روپیہ نقد، مال ربوی کے مقابل ہیں اور دو روپے اثاثوں، املاک کے مقابل ہیں تو شیئر کی بیع آٹھ روپے یا اس سے کم میں جائز نہ ہوگی۔ البتہ نو روپے یا اس سے زائد میں جائز ہوگی۔ (اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ص ۸۷)۔

۴۔ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے۔ جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت یا سودی اسکیموں میں روپیہ لگانا۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت ناجائز اور حرام ہے۔

۵۔ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہونے کے باوجود انہیں بعض اوقات انکم ٹیکس وغیرہ کی زد سے بچنے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے ایسی کمپنیوں میں شیئرز خریدنے کی اجازت ہوگی بشرطیکہ سالانہ میٹنگ میں سودی لین دین کے خلاف آواز اٹھائی ہو۔

۶۔ بنیادی حلال کاروبار کرنے والی جن کمپنیوں کو بھی قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے یا سیکورٹی بانڈس خریدنے پڑتے ہیں ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنے کی گنجائش ہوگی، بشرطیکہ نفع میں سے سود کی مقدار بلانیت ثواب صدقہ کردے۔

۷۔ سودی قرض لینے کی صورت میں اس قرض سے حاصل ہونے والی آمدنی ومنافع حلال شمار ہونگے اور یہ قرض مفید ملک ہوگا لیکن سودی قرض کا معاملہ کرنا سخت گناہ کا کام ہوگا۔ اور قرض کی واپسی کے وقت قرض سے زائد رقم دینا سود ہے جو گناہ کبیرہ اور حرام ہے (امداد الفتاوی ۳ر۱۷۰)۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل شمار ہوگا۔

۹۔ کمپنی میں شیئر ہولڈر کا سودی لین دین کے خلاف آواز اٹھانے اور ناجائز امور سے منع کرنے کے بعد شیئر ہولڈر وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے بری الذمہ شمار ہوگا۔

۱۰۔ کمپنی کے منافع میں اگر سود شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے منافع سے سود کی مقدار کا صدقہ کرنا ضروری ہے، اور اگر سود کی مقدار معلوم نہ ہو تو تخمینہ سے سودی مقدار کا صدقہ کرنا کافی ہوگا۔

۱۱۔ اگر سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو سودی آمدنی و نفع دونوں کا صدقہ کرنا ضروری ہے (ہدایہ ۴۵۶/۳)۔

۱۲۔ شیئرز کی خرید و فروخت کے جواز کے شرائط کے ساتھ شیئرز کی تجارت کرنے کی اجازت ہے۔ شیئرز کو اس نیت سے خریدنا کہ قیمت بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ فروخت کر دوں گا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہر تخمین اور قیاس آرائی ممنوع نہیں ہے، بلکہ وہ تخمین اور قیاس آرائی ممنوع ہے جس میں شرعی شرائط کی رعایت نہ کی گئی ہو (اسلام اور جدید معیشت و تجارت رص ۹۰)۔

۱۳۔ فیوچر سیل (بیاعات مستقبلیات) یعنی شیئرز کی ایسی بیع و شراء کہ شیئر لینا دینا مقصود نہ ہو، محض نفع نقصان برابر کر کے نفع کمانا مقصود ہو، یہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے (اسلام اور جدید معیشت و تجارت رص ۹۱)۔

۱۴۔ غائب سودے جن میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے وہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ بیع کی وقتِ مستقبل کی طرف اضافت یا تعلیق باتفاق فقہاء ناجائز ہے۔ البتہ مستقبل میں بیع کا وعدہ کیا جا سکتا ہے، لیکن وقت آنے پر بیع باقاعدہ کرنی ہوگی (جدید معیشت و تجارت رص ۹۱)۔

۱۵۔ شیئرز کے نقد سودے ہو جانے کے بعد شیئرز کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں، وہ خریدار کے ضمان میں داخل ہو جاتے ہیں تو ان کی بیع سرٹیفکیٹ پر قبضہ سے پہلے جائز ہونی چاہئے، لیکن عرف میں شیئر کا قبضہ اسی وقت سمجھا جاتا ہے جب سرٹیفکیٹ ہاتھ میں آجائے، لہذا احتیاط یہی ہے کہ سرٹیفکیٹ پر قبضہ کئے بغیر آگے بیع کی اجازت نہیں ہے (حوالہ بالا رص ۹۱۔۹۲)۔

۱۶۔ خرید کردہ شیئر کو اگر خریدار سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے پہلے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے تاکہ سٹے بازی کا سدباب بھی ہو۔

۱۷۔ جن شیئرز کی خرید و فروخت شرعی شرائط کے ساتھ ہوتی ہو ان شیئرز کی خرید و فروخت میں بروکر و ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہے۔ اور جن شیئرز کی خرید و فروخت میں شرعی شرائط کی رعایت نہ ہوتی ہو ان شیئرز کی خرید و فروخت میں بروکر اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

شیئرز شریعت کی نظر میں

مولانا ابوالحسن علی، بھروچ گجرات

۱۔شیئرز کی حقیقت:

اردو میں اس کو حصص اور عربی میں سہوم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ شیئرز کسی کمپنی کے اثاثوں میں شیئر ہولڈرس کی ملکیت کے ایک مناسب حصے کی نمائندگی کرتے ہیں اور شیئر خریدار کو ملنے والے کاغذ یعنی سرٹیفکیٹ خریدار کی کمپنی میں ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے شیئر خریدنے کی وجہ سے خریدار کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں اپنے حصے کے تناسب سے مالک بن جاتا ہے۔ جب کمپنی ابتداء ً وجود میں آتی ہے تو اس وقت جو شخص بھی شیئر خریدتا ہے وہ درحقیقت کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار بن جاتا ہے اور کمپنی کے ساتھ شرکت کا معاملہ کرتا ہے اگر چہ عرف میں اس کو شیئر خریدنا کہا جاتا ہے لیکن شرعاً وہ خرید وفروخت نہیں ہے بلکہ عقد شرکت کی صورت ہوتی ہے۔

۲۔نئی کمپنی کے شیئرز۔نقد کا نقد سے مقابلہ:

جب کسی کمپنی کے شیئرز ابتداء میں جاری (Issue) ہوتے ہیں اور اس کے پاس املاک منجمد شکل میں نہ ہو بلکہ نقد اور سیال (Liquid - Assets) کی شکل میں ہو تو اس وقت ہمارے شیئرز اتنے ہی روپیہ کی نمائندگی کرتے ہیں جتنے روپئے ہم نے کمپنی میں دیئے ہیں، جیسے دس روپئے کا نوٹ دس روپئے کی ہی وکالت کرتا ہے، اس شکل میں اس کو کمی زیادتی سے بیچنا جائز نہ ہوگا بلکہ سود ہونے کی وجہ سے حرام ہوگا، کیونکہ یہ بیع صرف کی شکل ہوگی جس میں کمی زیادتی جائز نہیں ہے۔

۳۔اثاثے کا مخلوط ہونا:

جب کمپنی کے کچھ اثاثے منجمد (Fixed - Assets) کی شکل میں ہیں مثلاً اس نے کوئی بلڈنگ بنائی یا مشینری خریدی یا کچا مال خرید لیا تو اب اس کے شیئر کو کمی یا زیادتی سے بیچنا جائز ہوگا۔

بہت سے مسائل فقہاء کرام نے انفرادی اور علی سبیل البدلیت ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ اس میں تفاضل کی شکل ہو کر سود ہو جاتا ہے، اور جب مجموع کا مجموعہ سے تقابل کیا جاتا ہے تو جواز کی گنجائش نکل آتی ہے کیونکہ مختلف جنسوں کا باہم تقابل ہوتا ہے۔

۴۔ جن کمپنیوں کا کاروبار حرام ہے ان کے شیئرز کی خرید و فروخت ناجائز ہے، نہ تو ابتداء میں Float (جاری) ہوتے وقت جائز ہے، اور نہیں بعد میں اسٹاک مارکیٹ سے لینا جائز ہے۔

۵،۶۔کمپنی کا سودی کاروبار:

اکثر کمپنیاں انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے یا دوسرے قانونی تقاضوں کی وجہ سے بینک سے سودی قرض لیتی

ہیں یا ریزرو بینک میں جمع کرتی ہیں، لہذا منافع میں سود کا اختلاط ہو جاتا ہے جو شرعی نقطہ نظر سے ایک تشویشناک صورت ہے، اس مسئلہ میں فقہاء کرام کی دو جماعتیں ہو گئی ہیں، ایک جماعت سودی کاروبار ہونے کی وجہ سے اس کو ناجائز قرار دیتی ہے کیونکہ کاروبار میں ایک شریک دوسرے شریک کا وکیل ہوتا ہے تو گویا کہ شیئر ہولڈران کو اس کام کا ایجنٹ بنا دیتا ہے کہ تم سودی قرض لو اور سودی آمدنی حاصل کرو۔

دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ اگرچہ ان کمپنیوں میں یہ خرابی پائی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود اگر کسی کمپنی کا بنیادی کاروبار مجموعی طور پر حلال ہے تو پھر کچھ شرائط کے ساتھ اس کمپنی کے شیئرز لینے کی گنجائش ہے۔

حضرت تھانویؒ نے ''رسالہ القصص السنی فی حکم حصص کمپنی'' میں جو بعد کی تحریر معلوم ہوتی ہے اس میں شیئرز کے جواز کا حکم بیان فرمایا ہے اور بہت تفصیلی گفتگو فرمائی ہے جس میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے جواب میں ذکر کردہ بہت سے اشکالات کے جوابات بھی آ گئے ہیں۔ مولانا مفتی تقی صاحب حضرت تھانویؒ، اور حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی جانب سے جواز کی دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگرچہ کمپنیوں میں سودی لین دین کی خرابی پائی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود اگر کسی کمپنی کا بنیادی کاروبار مجموعی طور پر حلال ہے تو پھر دو شرطوں کے ساتھ اس کمپنی کے شیئرز لینے کی گنجائش ہے۔

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ سالانہ میٹنگ میں یہ آواز اٹھائی جائے کہ ہم سودی لین دین کو درست نہیں سمجھتے ہیں اس لئے اس کو بند کر دیا جائے، یہ نقار خانہ میں طوطی کی آواز چاہے مسترد کر دی جائے لیکن یہ آواز اٹھانا بقول حضرت تھانویؒ انسان کا اپنی ذمہ داری پوری کر دینا ہے۔

۲۔ دوسری شرط یہ کہ منافع کی تقسیم کے وقت نفع کا جتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہو اس کو صدقہ کر دے، مذکورہ شرطوں پر عمل کر لینے کی شکل میں اس کی خرید و فروخت کی گنجائش ہے اور یہ جواز کا موقف معتدل اور اسلامی اصولوں کے مطابق ہے اور لوگوں کے لئے سہولت کا راستہ فراہم کرتا ہے (شیئرز کی خرید و فروخت ص ۱۰، ۱۱)۔

فقہاء کرام کی عبارات میں توسع اور دار الحرب میں سودی کاروبار میں تخفیف وغیرہ ابحاث سے مسئلہ میں گنجائش کا پہلو ضرور موجود ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ سود کی آمیزش قباحت سے خالی نہیں ہے۔ حضرات فقہاء کرام کی جانب سے گنجائش مبتلی بہ کے لئے ہے جو حرام سے بچ نکلنے کا راستہ فراہم کرتی ہے لیکن زیادتی مال کے لئے بالارادہ اس قسم کے کاروبار میں مشغولیت اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کی آمیزش کے قطعی علم کے ساتھ ایک مومن کے لئے مناسب نہیں ہے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو اس سے اجتناب ہی صحیح راستہ ہے۔

۷۔ سودی قرض کے ذریعہ حاصل شدہ آمدنی:

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وإن أربى فاشترى درهمين بدرهم كان البيع فاسدا ولكن لا يصير ضامنا لمال المضاربة والربح بينهما على الشرط.

مولانا ظفر احمد تھانویؒ اس مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سودی کاروبار کی شکل میں صاحبینؒ کے نزدیک جو بیع کو فاسد قرار دیا ہے تو وہ ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ وکیل بالمبیع بذات خود عاقد کے مانند ہے اور ذمی کے حق میں بیع کا فساد مسلمان کے حق میں نفع کی حرمت کو مستلزم نہیں ہے، کیونکہ ملکیت کا تبادلہ فساد کے خبث کو دور کر دیتا ہے، پس ایسی صورت میں مال مستفاد میں حرمت نہ ہوگی جبکہ کمپنی کے قائم کرنے والے کافر ہوں، البتہ کفار کی کمپنیوں میں شرکت مکروہ ہے جیسا کہ علامہ سرخسیؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہے۔

ويكره للمسلم ان يدفع إلى النصرانى مالا مضاربة وهو جائز فى القضاء (مبسوط ۲۲/۱۲۵)۔

مفتی نظام الدین صاحب اسی طرح کے جواب میں فرماتے ہیں: الجواب۔ اس فیکٹری کے نفع کے جواز میں تو کوئی شبہ نہیں اس کا نفع لینا تو جائز رہے گا۔ پھر آگے فرماتے ہیں کہ اگر شیئر ہولڈر خود بینک سے لون نہیں لیتا ہے بلکہ فیکٹری کا عملہ یہ سب کام خود انجام دیتا ہے اور وہ اکثر غیر مسلم ہے یا کل غیر مسلم ہے تو ایسی صورت میں یہ شیئرز خریدنا جائز رہے گا، منع نہ ہوگا (نظام الفتاوی ۱/۲۰۰)۔

۸۔ کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس کی حیثیت:

ظاہر میں شیئر کی خرید وفروخت کو بیع وشراء سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں یہ شرکت ہے اور کمپنی کے کارکنان تمام کاروبار میں حصہ دار کے وکیل ہیں۔

۹۔ کمپنی میں شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اس کا اعلان کرنا وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے اسے بری الذمہ تو نہیں کرے گا لیکن بظاہر اس کا اور کوئی حل نہیں ہے، یا تو آدمی شیئرز کی خرید وفروخت ہی نہ کرے یا اپنی مقدور بھر آواز اٹھائے جو حقیقت میں نقار خانہ میں طوطی کی آواز ہے لیکن بقول حضرت حکیم الامت وکیل اپنی ذمہ داری پوری کر دیتا ہے۔

۱۰، ۱۱۔ سود کی مقدار کو صدقہ کرنا:

فتاوی عالمگیری میں ہے:

إذا دفع المسلم إلى النصرانى مالا مضاربة بالنصف فهو جائز إلى أنه مكروه فإن اتجر فى الخمر والخنزير فربح جاز على المضاربة فى قول أبى حنيفةؒ وينبغى للمسلم أن يتصدق بحصته من الربح.

مولانا ظفر احمد تھانوی اس عبارت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ تصدق کا حکم ورع اور تقوی پر محمول ہے جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے، اور اگر وجوب پر محمول کیا جاوے تو یہ اس وقت ہے جبکہ صرف شراب اور خنزیر کی بیع ہو اور اس کے علاوہ کی نہ ہو (امداد الفتاوی ۳/۴۹۷)۔

مولانا تقی صاحب فرماتے ہیں کہ جب منافع (Dividend) تقسیم ہو تو وہ شخص انکم اسٹیٹ منٹ (Income Statement) کے ذریعہ یہ معلوم کرے کہ آمدنی کا کتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہے، مثلاً

فرض کیجئے کہ اس کمپنی کو کسی آمدنی کا پانچ فیصد حصہ سودی ڈپازٹ میں رقم رکھوانے سے حاصل ہوا ہے تو اب وہ شخص اپنے نفع کا پانچ فیصد حصہ صدقہ کردے۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت:

مال کی تعریف میں فقہاء کرام نے چند شرطیں لگائی ہیں، ابن عابدین لکھتے ہیں:

یعنی مال سے مراد وہ چیز ہے، جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور وقت ضرورت کے لئے اس کو ذخیرہ کرنا ممکن ہو، اور مالیت تمام لوگوں یا بعض لوگوں کے مال بنانے سے ثابت ہوتی ہے اور تقوم مالیت بنانے کے ذریعہ بھی ثابت ہوتا ہے اور شرعاً اس سے انتفاع جائز ہونے سے بھی حاصل ہوتا ہے (شامی ۴/۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اعیان سے تعلق رکھنے والے حقوق کا احناف کے یہاں وہی حکم ہے جو خود اعیان کا ہے، اور بعض اشیاء کو اموال میں داخل کرنے میں عرف کو بڑا دخل ہے جیسے کہ علامہ شامیؒ نے مال کی تعریف میں بتمول الناس کے لفظ سے فرمایا، عرف کی وجہ سے فقہاء کرام نے بہت سے حقوق کی بیع جائز قرار دی ہے، لہذا جو چیز عرف میں مال متقوم سمجھی جاتی ہو اور لوگ اس کے ساتھ مال جیسا معاملہ کرتے ہوں تو اس کی بیع جائز ہوگی، بشرطیکہ وہ فی الحال ثابت ہو، صاحب حق کے لئے اصالۃً ثابت ہو، دفع ضرر کے لئے نہ ہو، وہ حق ایک آدمی سے دوسرے کی طرف منتقل ہوسکے، اس کی تحلیل ہوسکتی ہو، غرر و جہالت کو مستلزم نہ ہو، تاجروں کے عرف میں لین دین کے سلسلہ میں اس حق کو اموال و اعیان کی حیثیت حاصل ہو۔

مذکورہ شرائط کی روشنی میں جب ہم شیئر کے معاملہ کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تجار کے عرف میں اس کو مال متقوم سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ اقتصادیات کی دنیا میں اتنا عام اور شائع ہے کہ لوگوں کے اذہان میں اس کی مالیت کا تصور بھی نہیں ہوسکتا، لہذا اس کی خرید و فروخت جائز ہوگی اور تجارت کے طور پر بیع و شراء کرنا بھی جائز ہوگا بشرطیکہ اصل کاروبار حلال ہو، کمپنی کے کچھ اثاثے منجمد شکل میں ہوں صرف نقد کی صورت نہ ہوں، سودی ڈپازٹ سے حاصل شدہ نفع میں سے اتنا حصہ صدقہ کردے۔

بازار کی صورت حال مختلف احوال و واقعات کی وجہ سے بدلتی رہتی ہے، لہذا اس میں تخمین و اندازہ سے ہی شیئرز کی قیمت میں کمی زیادتی کبھی جاتی ہے، اس کی قطعی تعیین خود بروکر اور دلال وغیرہ کو بھی کم ہی معلوم ہوتی ہے۔ البتہ جہاں سٹہ بازاری کا معاملہ چل رہا ہو اور آدمی کو معلوم ہو کہ یہ کمپنی کے منافع کی تقسیم اعتماد و کریڈٹ پر نہیں ہو رہی ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس وقت سٹہ بازاروں کو تعاون دینے والے کی حیثیت بھی اختیار نہ کرے اور " **ولا تعاونوا على الإثم والعدوان**" پر عمل پیرا ہو۔

۱۳۔ فیوچر سیل:

سوال میں مذکور تفصیل کے مطابق جب اصل سودا محض کاغذی کارروائی ہے، نہ مشتری ثمن دیتا ہے نہ بائع مال دیتا ہے تو یہ بیع ہی نہیں ہوئی، اور نہ مقصود شیئرز کا لین دین ہے بلکہ آخر میں جا کر آپس کا فرق

(Difference) برابر کرلیا جاتا ہے، شیئرز کی (Delivery) مقصود نہیں ہوتی ہے بلکہ اصل مقصود یہ ہو کہ اس طرح سٹہ بازاری کر کے آپس کے ڈیفرنس کو برابر کرلیا جائے، تو یہ صورت حرام ہے۔

۱۴۔ غائب سودا جن میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، جائز ہوگی یا نہیں؟

یہ سوال تشریح طلب ہے، بغیر تشریح وتفصیل کے اس کا صحیح جواب مشکل ہے۔ لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ بظاہر شرائط صحت موجود نہ ہونے کی وجہ سے یہ بیع ناجائز ہے۔

۱۵۔ سوالنامہ کی تفصیل کے مطابق جب کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں شیئر ہولڈر کی ملکیت آجاتی ہے اور اس کی ضمان میں آکر حقوق وذمہ داری خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہے تو چاہے شیئر سرٹیفکیٹ نہ ملا ہو معنوی طور پر شیئر پر اس کا قبضہ سمجھا جاوے گا، کیونکہ شریعت میں ہر شئی پر اس کی خاص نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔

لہٰذا صورت مذکورہ میں شیئر سرٹیفکیٹ حقیقت میں شیئر نہیں ہے بلکہ شیئر تو اس ملکیت کا نام ہے جو اس کمپنی کے اندر ہے، سرٹیفکیٹ تو اس ملکیت کی علامت اور ثبوت وشہادت ہے۔

لہٰذا اب تنقیح طلب امر یہی ہے کہ کمپنی کا اصل حصہ جس کی یہ شیئر نمائندگی کر رہا ہے وہ اس شخص کی ملکیت میں آگیا یا نہیں؟ اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ حصہ ایسا نہیں ہے کہ وہ شخص کمپنی میں جا کر اپنا حصہ وصول کرے اور اس پر قبضہ کرلے، ایسا کرنا ممکن نہیں ہے، لہٰذا اصل حصہ کی ملکیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ شخص اس حصہ کے فوائد ونقصانات اور اس حصہ کی ذمہ داریوں اور منافع کا حقدار بن جائے۔

سوال نامہ کے مطابق جب حقوق وذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہوتی ہیں اور سرٹیفکیٹ نہ ملنے کے باوجود شیئرز پر معنوی قبضہ حاصل ہوگیا ہے، پھر بھی احتیاطی پہلو یہی ہے کہ جب تک ڈلیوری نہ مل جائے اس وقت تک آگے فروخت نہ کیا جاوے۔

۱۶۔ ماقبل کے جواب سے اس مسئلہ کو بھی حل کرلیا گیا کہ جب شیئر کا ضمان ومنافع خریدنے کا معاملہ کرنے کے ساتھ ہی خریدار کی طرف منتقل ہوجاتا ہے تو اس کا معنوی قبضہ ہوگیا، اور جب اس کا مالک بننا صحیح ہوگیا تو اسکے لئے دوسرے کو فروخت کرنا بھی صحیح ہوگیا، اور پھر ہر ایک کے معنوی قبضہ کی صورت میں دوسرے کو منتقل کرنا فی نفسہ جائز ہوگا لیکن پھر بھی احتیاطی پہلو ڈلیوری تک انتظار کرنے میں ہی ہے تاکہ حسی قبضہ بھی مکمل ہوجائے۔

۱۷۔ بروکر اور دلال:

آج کل کی کاروباری دنیا میں دلال کے بغیر کوئی بھی کام نہیں ہوتا ہے، اکثر تجارت وکاروبار دلال ہی کے ذریعہ مکمل ہوتے ہیں، لہٰذا فقہاء کرام نے دلال کے ذریعہ کاروبار کو جائز قرار دیا ہے اور دلال کے لئے اجرت بھی جائز قرار دی ہے۔

اور اسی تعامل اور حاجت الناس کی وجہ سے فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ دلال کی اجرت کام اور محنت کے موافق لینا اور دینا جائز ہے بشرطیکہ ظاہر کر کے رضامندی سے لیا جاوے اور جو خفیہ طریقہ سے لیتے ہیں وہ حرام ہے

(فتاوی محمودیہ ۴؍۱۰۷، امداد المفتین ۲؍۷۱)۔

حاصل یہ کہ دلال اجرت سے کام کرتا ہے، اب اگر وہ بائع کا کام کرتا ہے تو بائع کا اجیر ہے اور اس سے اجرت کا مستحق ہوگا اور اگر مشتری کا کام کرتا ہے تو مشتری سے اجرت پائے گا، یہ نہیں ہوسکتا کہ عمل تو کسی ایک کا کرے اور اجرت دونوں سے وصول کرے، یہ ناجائز ہے۔

البتہ اگر وہ دونوں کا کام الگ الگ کرے تو الگ الگ کام ہونے کی وجہ سے دونوں سے عمل کے علیحدہ ہونے کی وجہ سے اجرت متعارفہ لے سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

مسائل حصص پر ایک نظر

مولانا خلیل احمد قاسمی، راجستھان

اکیڈمی کی طرف سے جاری کردہ سوالات کے مختصر جوابات:

۱۔ خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، محض دستاویز نہیں ہے۔

۲۔ املاک وغیرہ نہ ہونے کی صورت میں بغیر برابری کے جائز نہیں ہے۔

۳۔ حیثیت مشترکہ کا اعتبار کرتے ہوئے اس کی خرید وفروخت درست ہے۔

۴۔ جائز نہیں۔

۵۔ اصل بنیادی کاروبار کا اعتبار کرتے ہوئے شیئرز خریدنا درست ہے۔

۶۔ اصالۃً جائز ہے مگر بچنے کی کوشش کی جائے۔

۷۔ اضطراری حالت میں ایسے سودی قرض لینے کی مشروط اجازت ہے اور یہ مفید ملک بھی ہے، اور ایسے قرض سے حاصل ہونے والی آمدنی درست ہے۔

۸۔ ہاں وکیل سمجھا جائے گا۔

۹۔ اختلاف کرنے کا نام بری الذمہ ہونا نہیں ہے جبکہ اس میں شریک ہو۔

۱۰۔ جواز کے لئے اتنی بات کافی نہیں ہے بلکہ اس کو لازم قرار دیا جائے۔

۱۱۔ بلکہ ضروری ہے۔

۱۲۔ نفس شیئرز کا خریدنا درست ہے تو سوال میں مذکورہ صورت بھی درست ہوگی۔

۱۳۔ شرعاً یہ صورت جائز نہیں ہے۔

۱۴۔ جائز نہیں ہے، یہ محض وعدہ ہے۔

۱۵۔ شریعت میں قبضہ عرفی کا اعتبار ہے چاہے جس حیثیت کا ہو۔

۱۶۔ یہ سرٹیفکیٹ محض ایک وثیقہ ہے، اصل معاملہ خرید وفروخت کا ہے جبکہ ضمان اور منافع خریدار کی طرف لوٹتے ہیں، اور عرفاً قبضہ کی سرٹیفکیٹ کے علاوہ کوئی دوسری علامت ہو جس کے ذریعہ سے تبدیلی منافع کا پتہ چلتا ہو، جائز ہے ورنہ نہیں۔

۱۷۔ معاملہ خرید وفروخت کے درست ہونے کی صورت میں صحیح ہے۔

خلاصہ کلام:

موجودہ شیئرز کمپنیوں میں سے کوئی کمپنی ایسی نہیں ہے کہ جس میں سودی کاروبار نہ ہو، اور سود کی حرمت منصوص ہے، اس لئے شیئرز کی خرید وفروخت کو علی الاطلاق ناجائز وحرام قرار دینا تو اقرب الی الصواب نہ ہوگا اس لئے

کہ اس میں بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن میں جواز کا پہلو ہے، البتہ شیئرز کو نہ خریدنا اقرب الی الصواب ضروری ہے، اور اگر شیئر خریدنا ضروری ہے تو بیان کردہ شرعی حیثیت کو مدنظر رکھا جائے تا کہ شیئر کی آمدنی درجہ جواز میں آجائے۔

☆☆☆☆☆

حصص

مولانا عبداللطیف، گجرات

۱۔ کسی بھی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی کے اثاثوں میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا یہ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے کمپنی کو اتنی رقم دے رکھی ہے، اس میں ان علماء کا نقطہ نظر صحیح معلوم ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شیئر ہولڈر کی کمپنی کے اثاثوں میں متناسب ملکیت ہوتی ہے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت رص ۸۵)۔

۲۔ اگر کمپنی نے ابھی تک کسی قسم کے جامد اثاثے (مثلاً بلڈنگ، مشینری وغیرہ) یا سامان تجارت نہیں خریدے بلکہ اس کے پاس صرف نقود ہیں یا کسی کے ذمے دیون ہیں تو اس صورت میں شیئر کی بیع وشراء اس کی اصل قیمت سے کم وبیش پر سود ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اب شیئر صرف نقد کی نمائندگی کررہا ہے، مثلاً دس روپے کا شیئر صرف دس روپے کی نمائندگی کررہا ہے، اگر اس کو گیارہ روپے میں فروخت کیا جائے گا تو دس روپے کی بیع گیارہ روپے کے ساتھ ہوئی جو کہ ناجائز ہے۔

۳۔ جب نقود کے علاوہ کمپنی کے دیگر اثاثے (مثلاً بلڈنگ، مشینری، خام مال وغیرہ) وجود میں آگئے اور کمپنی کے اثاثوں میں نقود وغیر نقود دونوں شامل ہوگئے تو اب شیئرز کی بیع وشراء اس کی اصل قیمت سے کم وبیش پر جائز ہوگی، البتہ ہر شیئر کے حصے میں کمپنی کے نقود اور دیون کی جتنی مقدار آئی ہے، اگر شیئر کی کل قیمت اس کے برابر یا اس سے کم ہو تو بیع جائز نہ ہوگی، مثلاً دس روپے کے شیئر میں اگر آٹھ روپے نقود ودیون کے مقابل ہیں اور دو روپے جامد اثاثوں کے مقابل تو شیئر کی بیع آٹھ روپے یا اس سے کم میں جائز نہ ہوگی، البتہ نو روپے یا اس سے زائد میں جائز ہوگی (اسلام اور جدید معیشت وتجارت ر ۸۶، ۸۷)۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے، جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت یا بینکس اور سودی اسکیموں میں روپیہ لگانا، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے (حوالہ سابق)۔

۵، ۶۔ ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار اصلاً تو حلال ہے لیکن کسی نہ کسی طرح وہ سود میں ملوث ہوجاتی ہیں، ایسی کمپنیوں کے سودی لین دین کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ کمپنی قرضہ لے اور اس پر سود ادا کرے، اس صورت میں کمپنی کی آمدنی میں تو کوئی حرام عنصر شامل نہیں ہوا، اس لئے کہ جب کوئی شخص سود پر قرضہ لے تو یہ فعل تو حرام ہے اور ایسا کرنا سخت گناہ ہے مگر وہ قرض کا مالک بن جائے گا، اور اس کے ساتھ کاروبار کرکے جو آمدنی حاصل ہوگی وہ بھی حلال ہوگی۔

کمپنی کے سودی لین دین کی دوسری صورت یہ ہے کہ کمپنی قرضہ دے کر سود لے، جیسا کہ آج کل بیشتر کمپنیاں زائد رقم بینکوں کے سیونگ اکاؤنٹ میں رکھوا کر اس پر سود لیتی ہیں۔ یہاں دو اشکال ہیں: ایک یہ کہ سودی معاملے میں شیئر ہولڈر کی بھی شرکت ہوجائے گی، اس کا حل تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ کمپنی جو منافع تقسیم کرے گی اس میں سود بھی شامل ہوگا اور آمدنی کا جو حصہ سود سے حاصل ہو وہ حرام ہے، اس کا حل یہ ہے کہ نفع

کا جتنا حصہ سودی ہے اس کا بلا نیت ثواب صدقہ کرنا لازم ہوگا، رہی یہ بات کہ آمدنی کا کتنا حصہ سود ہے؟ یہ کمپنی کے ذمہ داران سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ سودی قرضے لینے کی صورت میں یہ قرض مفید ملک ہوگا، اور اس کے ذریعے حاصل ہونے والی آمدنی حلال شمار کی جائیگی، البتہ ایسا معاملہ کرنا سخت گناہ ہے (امداد الفتاویٰ ۳ر ۱۷۰)۔

۸۔ جی ہاں کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے۔

۹۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس میں چونکہ فیصلہ کثرت رائے سے ہوتا ہے، اس لئے کمیٹی میں کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اپنے اختلاف کا اعلان کر دینا وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے اسے بری الذمہ کر دے گا۔

۱۰۔ منافع سے سود کی مقدار نکال کر صدقہ کر دینا لازم ہوگا۔

۱۱۔ اگر سود کمپنی کے منافع میں شامل ہو اور حاصل شدہ سود کو کاروبار میں لگا کر کمپنی نے نفع کمایا ہے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک صرف اس سودی آمدنی کا صدقہ کرنا کافی نہیں ہوگا بلکہ اسے کاروبار میں لگا کر جو نفع کمایا ہے اس نفع کو بھی صدقہ کرنا ضروری ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف اس سودی آمدنی کا صدقہ کرنا کافی ہوگا، اور طرفین کا قول مفتی بہ ہے۔

۱۲۔ جب یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ شیئرز بیع و شراء کے قابل ہے، شیئرز کی بیع در اصل کمپنی کے اثاثوں میں متناسب حصے کی بیع ہے تو خرید و فروخت جائز ہوگی خواہ کسی بھی نیت سے ہو، خواہ شیئرز اپنے پاس رکھ کر سرمایہ کاری کے لئے ہو یا قیمت بڑھنے پر بیچ کر نفع کمانے کے لئے ہو، ہاں البتہ بیع و شراء کی شرعی شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے (اسلام اور جدید معیشت و تجارت ر ۹۰)۔

۱۳۔ شیئر مارکیٹ میں فیوچر سیل کے نام سے جو سودا مروج ہے، جس میں شیئرز کا خریدنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع و نقصان کو برابر کر لینا مقصود ہوتا ہے، یہ سودا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک قسم کا سٹہ ہے (اسلام اور جدید معیشت و تجارت ر ص ۹۱)۔

۱۴۔ غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے وہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے، اس لئے کہ بیع کی وقت مستقبل کی طرف اضافت یا تعلیق باتفاق فقہاء ناجائز ہے (حوالہ بالا)۔

۱۵، ۱۶۔ حاضر سودے میں سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے پہلے خرید کردہ شیئر کی بیع کے جواز کا دارو مدار اس بات کے معلوم ہونے پر ہے کہ یہ بیع قبل القبض ہے یا نہیں؟ اگر بیع قبل القبض ہے تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ یہ بیع قبل القبض ہے یا نہیں؟ پہلے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ شیئر کا قبضہ کس چیز کو کہیں گے۔ ''شیئر'' در حقیقت کمپنی کی املاک میں متناسب حصہ داری کا نام ہے، اور ''شیئر سرٹیفکیٹ'' در حقیقت اس حصہ داری کا تحریری ثبوت ہے، لہذا مبیع وہ تحریری ثبوت نہیں بلکہ کمپنی کے املاک کا ایک مشاع حصہ ہے، یہ مشاع حصہ بیع کی تکمیل ہوتے ہی مشتری کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، چونکہ وہ حصہ مشاع ہے اس لئے اس پر حسی

قبضہ تو ہو نہیں سکتا، لہٰذا اس میں معنوی قبضہ ہی معتبر ہونا چاہئے، حسی قبضہ ضروری نہیں، اور معنوی قبضہ اس وقت ہوگا جبکہ وہ مشاع حصہ مشتری کے ضمان میں آ جائے، اور حاضر سودوں میں سودا ہو جانے کے بعد شیئرز کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں، اور وہ شیئرز خریدار کے ضمان میں داخل ہو جاتے ہیں۔

ان باتوں سے معلوم ہوا کہ حسی قبضہ سے پہلے بھی وہ شیئرز مشتری کے ضمان میں آ چکے ہیں اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ سرٹیفکیٹ کے ہاتھ میں آنے سے پہلے بھی شیئر کی بیع جائز ہو، لیکن اگر اس جانب نظر کی جائے کہ ہر چیز کے قبضہ کا طریقہ عرف سے متعین ہوتا ہے، اور عرف میں شیئر کا قبضہ اسی وقت سمجھا جاتا ہے جب سرٹیفکیٹ ہاتھ میں آ جائے تو پھر عدم جواز کا حکم ہونا چاہئے، لہٰذا ان متعارض جہات کی موجودگی میں احتیاط یہی ہے کہ سرٹیفکیٹ پر قبضہ کئے بغیر آگے بیع نہ کی جائے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت/۹۱، ۹۲)۔

۱۷۔ جن شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے ان شیئرز کی خرید وفروخت میں بروکر اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہے، اور بنیادی طور پر حرام اشیاء کا کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز اور تمام کمپنیوں کے بونڈز کی خرید وفروخت میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

شیئرز کی خرید وفروخت۔ایک عملی جائزہ

مولانا بدر احمد مجیبی، خانقاہ مجیبیہ پٹنہ

۱۔ موجودہ زمانے میں رائج کمپنیوں کا جوطریق کار ہے اوراس کے جو اصول وضوابط ہیں ان کو سامنے رکھ کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طریقہ سے سرمایہ کاری کرنا عقد شرکت ہے۔ اگر چہ اس میں شریک ہونے کو عرف عام میں شیئر (Share) کی خریداری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔لیکن یہ ابتداء ً بیع وشراء نہیں ہے بلکہ عقد شرکت ہے، اور شرکت کی قسموں میں سے شرکت عنان کی تعریف اس پر تقریباً صادق آتی ہے۔ کیونکہ شرکت عنان میں تمام شرکاء کی جانب سے محنت وعمل کی شرط نہیں ہوتی۔ بعض شریک کی جانب سے بھی عمل پایا جائے اور سب کی طرف سے سرمایہ، جب بھی شرکت عنان درست ہو جاتی ہے جبکہ نفع ونقصان میں سب فریق شریک ہوں۔

اس لئے شیئرز خریدنا عقد شرکت میں حصہ دار بننا ہے۔ شیئر ہولڈر (Share Holder) اس کمپنی کا شریک ہے۔ وہ کمپنی کے نفع ونقصان میں حصہ دار ہے۔ اس کو اپنے حصہ میں اس کے بقدر تصرف کا اختیار ہے۔ اسی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے کیونکہ کمپنیوں کے اصول کے مطابق اگر کمپنی تحلیل ہو جائے تو ہر شیئر ہولڈر کو اس کے شیئر کے تناسب سے کمپنی کے اثاثوں میں سے حصہ ملتا ہے۔ نفع کی صورت میں اس کے لگائے ہوئے سرمایہ سے زائد رقم ملتی ہے اور خسارہ کی صورت میں اسے بھی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے شیئر کو ادا کردہ رقم کی صرف دستاویز قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اسے کمپنی میں اس کے بقدر حصہ کی ملکیت کی دستاویز قرار دیا جائے گا۔

۲۔ کمپنی کے قیام کے وقت جب اس کے پاس کچھ بھی املاک منقول وغیر منقول نہیں ہوتی صرف نقد رقم ہوتی ہے اس وقت خرید کردہ شیئر کو فروخت کرنا بیع النقد بالنقد ہے اس میں تساوی ضروری ہے۔ یعنی ۱۰۰ روپے کے شیئرز ہیں، یہی ان کی قیمت اصلیہ (Face Value) ہے، اب ان کو فروخت کرتا ہے تو ان کو ۱۰۰ روپے میں ہی فروخت کر سکتے ہیں، یا زیادہ میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن شیئر کی اس بیع کو بیع صرف نہیں کہا جا سکتا۔ بیع صرف میں بدلین کو ثمنین یعنی سونا چاندی میں سے ہونا ضروری ہے، اس کی تعریف یہ ہے:

بيع الثمن بالثمن أي ما خلق للثمنية (درمختار کتاب الصرف، درمنتقی ۱۱۶/۲، مجمع الانہر ۱۱۶/۲)۔

عقد الصرف ما وقع على الأثمان ذهبا وفضة بجنسه أو بغير جنسه (فتح القدیر ۱۵۹/۵)۔

ان عبارتوں میں ما خلق للثمنية اور ذهبا وفضة سے یہ واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ عقد صرف کا حکم صرف اثمان خلقیہ پر ہی لگے گا، غیر ثمن پر عقد صرف کا حکم جاری نہیں ہوگا۔

کمپنی کے خرید کردہ شیئر فروخت کرنے میں بدلین دونوں طرف کرنسی نوٹ ہیں۔ کرنسی نوٹ ثمن عرفی قرار دیئے گئے ہیں، یہ ایک وجہ سے ثمن خلقی سے مشابہت رکھتے ہیں کہ یہ مکمل طور سے ثمن خلقی کا کام انجام دے

رہے ہیں۔اور ایک وجہ سے فلوس نافقہ سے مشابہت رکھتے ہیں کہ اصلیت کے لحاظ سے یہ ثمن خلقی نہیں ہیں۔اس لئے کرنسی نوٹ کے آپس میں تبادلہ یا خرید وفروخت میں ثمن خلقی کا لحاظ کرتے ہوئے تفاضل جائز نہیں ہوگا ورنہ سود کا دروازہ کھل جائے گا۔اور فلوس نافقہ کا لحاظ کرتے ہوئے مجلس عقد میں بدلین پر قبضہ ضروری نہ ہوگا، کسی ایک پر قبضہ کر لینا کافی ہے۔متعدد فقہاء نے فلوس کی دراہم سے بیع کے سلسلے میں صراحت کی ہے کہ بدلین میں سے ایک پر قبضہ کافی ہے، دونوں پر قبضہ ضروری نہیں ہے(امام کرخی، امام سرخسی، علامہ ابن ہمام وغیرہ نے اس کی صراحت کی ہے)،اور جب دونوں طرف فلوس ہوں تو بدرجہ اولی یہی حکم ہوگا۔

اس لئے کرنسی نوٹ کے آپس میں تبادلہ کے وقت اس میں تفاضل یعنی کمی بیشی جائز نہیں ہے،اور عوضین میں سے کسی ایک پر مجلس میں قبضہ کافی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کمپنی کے قیام کے وقت جبکہ اس کے پاس صرف نقد رقم ہوتی ہے ایسے وقت میں شیئر کی خرید وفروخت بیع صرف نہیں ہے،اس لئے کسی ایک ثمن پر بھی قبضہ ہو جانا کافی ہے،لیکن بدلین میں برابری ضروری ہے کہ جس رقم میں شیئر خریدا ہے اسی رقم میں فروخت کریں،اس سے کم یا زیادہ میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ کمپنی قائم ہو جانے کے بعد جب کمپنی نے اپنا سامان، زمین، مشینری، بلڈنگ وغیرہ خرید لیا تو اب اس کا اثاثہ نقد رقم اور منقول وغیر منقول اشیاء سے مخلوط ہو گیا۔اب اگر کوئی شیئر ہولڈر اپنا شیئر فروخت کرنا چاہتا ہے تو یہ بیع النقد مع غیرہ بالنقد ہے۔بدلین میں ایک طرف نقد رقم ہے اور دوسری طرف شیئر کے بقدر کمپنی میں اس کا متناسب حصہ جو نقد رقم اور بعض اثاثے پر مشتمل ہے۔یعنی نقد وغیر نقد کے مجموعہ کی بیع نقد سے ہے،اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں ثمن والے نقد کو مخلوط کے نقد سے زیادہ ہونا چاہئے۔

شیئر کی بھی یہی صورت ہے کہ ہر شیئر کے مقابلہ میں اس کے متناسب کمپنی میں نقود واثاثے ہیں۔مثلاً ۱۰ روپے کے ایک شیئر کے مقابلہ میں کمپنی میں ۶ روپے نقد اور ۴ روپے کے اثاثے ہیں۔اب اس شیئر کی بیع ۶ روپے یا اس سے کم میں جائز نہیں ہے، البتہ ۷ روپے یا اس سے زائد میں جائز ہے، تاکہ ۶ روپے مبیع کے نقد کے برابر کرنے کے بعد زائد رقم جو ثمن میں ہے وہ مبیع کے اثاثے کے عوض میں ہو جائے۔

۴۔ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے۔مثلاً شراب کی فیکٹری قائم کر رہی ہے، انشورنس کمپنی کھول رہی ہے، سودی بینک چلا رہی ہے یا شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت کر رہی ہے، تو ایسی کمپنی میں شرکت کرنا یعنی اس کے شیئرز خریدنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔

"تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان" (سورہ مائدہ)۔

جب گناہ پر تعاون کی ممانعت ہے تو اس میں شریک ہو کر اس کو فروغ دینا بدرجہ اولی سخت منع ہے۔

۵۔ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن اپنی بعض مجبوریوں یا قانونی دشواریوں کی وجہ سے انہیں بینک سے سودی قرضہ لینا پڑتا ہے جس کا بینک کو سود دینا پڑتا ہے۔اس کا حکم یہ ہے کہ سودی لین دین کی

حرمت کی وجہ سے کمپنی کا یہ عمل سخت گناہ کا کام ہے مگر اس سے کاروبار میں کوئی حرام حصہ شامل نہیں ہوا، اور کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہے اس لئے ایسی کمپنی میں بھی شیئر خریدنا جائز ہے۔

۶۔ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ انہیں ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے جس کا سود انہیں ملتا ہے، اس طرح وہ سود میں ملوث ہو جاتی ہیں اور یہ سود ضمنی طور سے کاروبار میں بھی لگ جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ بنیادی کاروبار حلال ہونے کی وجہ سے ان کے شیئرز خریدنا درست ہے، البتہ سود کا جو حصہ اس میں آ رہا ہے اس سے احتیاط لازم ہے۔

۷۔ حلال کاروبار کرنے والی بعض کمپنیاں جو قانونی دشواریوں کی وجہ سے سودی قرضہ لیتی ہیں اور اس کو کاروبار میں لگاتی ہیں، ان کا لیا ہوا قرضہ ان کی ملکیت ہو جاتا ہے، اس قرضہ کی رقم کو وہ کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کرتی ہیں تو یہ منافع (Profits) حلال ہے، کیونکہ کمپنی نے بینک سے سودی قرضہ (Loan) لیا، اپنے کاروبار میں قرضہ کو لگایا، سود کو نہیں لگایا۔ قرضہ ان کی ملکیت ہے اور حلال ہے، اس لئے اس سے جو نفع ہوا وہ حلال ہے۔ اگرچہ سودی قرض لینا گناہ ہے اس سے بچنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔

۸۔ کمپنی کا طریق کار شرکت عنان سے قریب ہے۔ شرکت عنان وکالت کے ساتھ منعقد ہوتی ہے جس کی وجہ سے تمام شرکاء ایک دوسرے کے وکیل ہوتے ہیں۔

واما شركة العنان فتنعقد على الوكالة دون الكفالة (ہدایہ: کتاب الشرکۃ)۔

کمپنی کے اصول و ضوابط کے مطابق اس میں عمل و محنت کمپنی کے کارکنان (Board of Directors) ہی انجام دیتے ہیں، باقی شیئرز ہولڈرس کا اس میں سرمایہ ہوتا ہے، اس لئے بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کے وکیل ہوں گے، اور ان کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل قرار دیا جائے گا۔

۹۔ شرکت عنان خاص بھی ہوتی ہے۔ خاص کا مفہوم یہ ہے کہ کچھ متعین صورتوں میں کاروبار کرنا طے ہو، یا کاروبار سے کچھ صورتیں مستثنیٰ کردی جائیں کہ فلاں فلاں طریقے سے کاروبار نہیں ہوں گے۔ چنانچہ شرکت عنان میں اگر کسی شریک نے یہ شرط لگادی کہ بیع ادھار نہیں ہوگی تو یہ شرط لگانا درست ہے۔ ابتداءً بھی اور بعد میں بھی۔ بعد کی صورت یہ ہے کہ ابتداءً تو نقد و ادھار دونوں پر شرکت منعقد ہوئی تھی، بعد میں ایک فریق نے ادھار سے روک دیا تو اسے روکنے کا حق ہے۔

اگر منع کرنے کے باوجود دوسرے شریک نے ادھار بیع کی تو اس بیع کے نفع ونقصان کا ذمہ دار وہی ہوگا، فریق اول اس سے بری الذمہ رہے گا۔ اگر بعد میں اس نے اجازت دیدی تو پھر وہ بھی اس میں شریک ہو جائے گا۔ اگر فریق اول نے اس کی اجازت نہیں دی تو اس کے حصے میں یہ بیع باطل ہو جائے گی (دیکھئے: بحر الرائق ۱۸۰/۵، رد المحتار ۳۷۹/۳)۔

اس تفصیل کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جائے۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس سے بعض شیئر ہولڈرس کا اختلاف سودی

لین دین سے متعلق ہوا، انہوں نے اس سے منع کیا لیکن کثرت رائے سے ان کی بات نہیں مانی گئی، اب کارکنان کمپنی اگر سودی لین دین کرتے ہیں تو مانعین سود شیئر ہولڈرس کے وہ سودی لین دین میں وکیل نہیں ہیں، کیونکہ انہوں نے شرکت کو خاص کردیا۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس کو سودی لین دین میں جو نفع یا نقصان ہوگا اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں، مانعین سود شیئر ہولڈرس پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

۱۰۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہوگیا ہے اور اس کی مقدار معلوم ومتعین ہے تو شیئر ہولڈر کو اتنی مقدار منافع میں سے نکال کر صدقہ کردینا لازم ہے۔ باقی منافع اس کے لئے حلال وطیب ہوں گے۔

۱۱۔ کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن کمپنی کی آمدنی میں سود کا حصہ بھی شامل ہوگیا ہے جو کاروبار میں لگ کر منافع میں آگیا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ کل آمدنی میں سود کی مقدار کتنی فیصد ہے تو شیئر ہولڈر پر اپنے حصہ نفع (Dividend) میں سے اتنا فیصد نکال کر صدقہ کردینا ضروری ہے۔ اور اگر متعین طور سے معلوم نہ ہوسکے کہ آمدنی میں سود کی کتنی مقدار مخلوط ہوگئی ہے تو ایسی صورت میں شیئر ہولڈر غور وفکر کرکے دیانتداری کے ساتھ سود کا تخمینہ کرے گا اور اس تخمینہ کے مطابق سود کی رقم نکال کر صدقہ کردے گا۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت کرنا یعنی اس ارادہ سے شیئر خریدنا کہ قیمت بڑھ جانے کے وقت اس کو فروخت کرکے نفع کمائیں گے یہ جائز ہے، شیئر قابل فروخت شئی ہے، یہ کمپنی میں اپنے متناسب حصہ کی نمائندگی کرتا ہے، اس کو بیع مشاع کہہ سکتے ہیں اور بیع مشاع جائز ہے۔

بیع المشاع وإعارته جائز (فصول عمادیہ ۸۲۱/۲)۔

تجارت کا اصول یہی ہے کہ کم قیمت پر سامان خرید کر اس کو زیادہ قیمت پر فروخت کیا جائے، اگر اس نیت سے شیئرز خریدرہے ہیں تو اس کے جواز میں شبہ نہیں ہونا چاہئے، لیکن تمام شرائط کے ساتھ یہ بیع ہونی چاہئے۔

۱۳۔ یہ سودا جو فیوچر سیل (Future Sale) کہلاتا ہے جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کا مقصد کمپنی میں حصہ دار بننا نہیں ہوتا اور نہ شیئرز کی تجارت ہوتی ہے، بلکہ اس کا اصل مقصد نفع نقصان برابر کرنا ہے، کہ اگر شیئر کی قیمت طے شدہ مدت کے اندر متعین ثمن سے زیادہ ہوگئی تو بائع مشتری سے زائد رقم وصول کرے گا، اور اگر شیئر کی قیمت کم ہوگئی تو مشتری بائع سے اتنی رقم وصول کرے گا، نہ بائع مشتری کو مال دیتا ہے اور نہ مشتری بائع کو ثمن ادا کرتا ہے۔ اس لئے شرعی طور پر یہ سودا نہ تجارت میں داخل ہے اور نہ شرکت میں، بلکہ یہ سٹہ بازی (Speculation) ہے جو کہ حرام ہے۔

۱۴۔ غائب سودے (Forward Sale) جن کی بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، یہ بیع نہیں ہے، کیونکہ مستقبل کے صیغے سے بیع نہیں ہوتی۔

وما لا تصح إضافته إلى المستقبل عشرة: البيع وإجازته و فسخه............فإنها تمليكات للحال فلا تضاف للاستقبال (درمختار، قبیل باب الصرف)۔

یہ غائب سودے بیع نہیں وعدۂ بیع ہیں، مگر وعدۂ بیع کوئی مستقل عقد نہیں ہے، اصل بیع بعد میں کرنی پڑے گی۔

۱۵۔ فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ حقیقی بھی ہوتا ہے اور حکمی بھی۔ حقیقی قبضہ کو فقہاء التقابض بالبراجم سے تعبیر کرتے ہیں یعنی بالفعل قبضہ ہونا چاہئے کہ مبیع کو مشتری کے ہاتھ میں دیدی جائے یا مشتری کے جیب میں رکھ دی جائے۔ حکمی قبضہ کو فقہاء تخلیہ سے تعبیر کرتے ہیں، تخلیہ کا مفہوم اذن بالقبض ہے کہ بائع نے مشتری کو مبیع پر قبضہ کرنے کی اجازت دیدی اور اس کے موانع دور کر دیئے اس طرح پر کہ مشتری مبیع پر حقیقی قبضہ کر سکتا ہے۔

شیئرز کی خرید و فروخت کے معاملہ میں قبضہ (Delivery) اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کی دستاویز (Certificate) شیئر ہولڈر یا اس کے کسی نمائندہ کو مل جائے، کیونکہ شیئر کی بیع دراصل شیئر کے متناسب کمپنی میں نقد اور منقول وغیر منقول اثاثے کی بیع ہے۔ اس میں قبضہ حقیقی تو یہ ہے کہ نقد اور منقول وغیر منقول اثاثے پر بالفعل قبضہ ہو، اور اس کا حکمی قبضہ یہ ہے کہ اس کی دستاویز شیئر ہولڈر کے ہاتھ میں آ جائے۔ حقیقی قبضہ تو بہت مشکل ہے اس لئے حکمی قبضہ ہی ہو سکتا ہے۔

بنیادی بات غور طلب یہ ہے کہ شیئر کی خرید و فروخت جو بیع النقد مع غیرہ بالنقد ہے، اس میں مبیع نقد وغیر نقد پر قبضہ کیا اس طرح درست ہو سکتا ہے کہ مبیع تو بائع کے پاس ہی ہے لیکن یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ وہ مشتری کے ضمان میں آ گیا ہے؟ یا یہ ضروری ہے کہ اس کی دستاویز مشتری کے ہاتھ میں آ جائے تب قبضہ درست ہو؟

میرے خیال میں قبضہ حکمی کے لئے اتنا ضروری ہونا چاہئے کہ شیئر کی دستاویز (Certificate) شیئر ہولڈر یا اس کے کسی وکیل کو مل جائے، اس کے بغیر شیئر پر قبضہ درست نہیں ہونا چاہئے۔

۱۶۔ شیئر ہولڈر شیئر خریدنے کے بعد اس کی سرٹیفیکٹ حاصل کرنے سے قبل شیئر کو فروخت کرتا ہے تو یہ بیع قبل القبض ہے جو باتفاق فقہاء ناجائز ہے۔ شیئر دراصل کمپنی میں اس کے متناسب نقد اور منقول وغیر منقول اثاثے کی ملکیت کا نام ہے۔ اور بیع بھی اسی کی نسبت سے ہوتی ہے۔

۱۷۔ شیئر بازار (Stock Exchange) میں جو افراد خرید و فروخت کے لئے بائع و مشتری کے درمیان واسطہ بنتے ہیں جنہیں قیمتوں سے واقفیت اور شیئرز کے خرید و فروخت کے طریقے میں مہارت ہوتی ہے اور اس کارروائی کا اندراج کرتے ہیں، ان کو بروکر کہا جاتا ہے یعنی ان کی حیثیت ایجنٹ کی ہوتی ہے۔ ایجنٹ کا کام کرنا درست ہے لیکن ناجائز بیع اور سود و قمار کی صورتوں میں کام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کمیشن ایجنٹ چونکہ بائع اور مشتری دونوں کا کام کرتے ہیں اس لئے وہ عرف کے اعتبار سے دونوں سے اجرت لے سکتے ہیں (دیکھئے: درمختار کتاب البیوع، ردالمحتار ۴/۴۶)۔

☆☆☆☆☆

حصص فقہ کی روشنی میں

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، علی گڑھ

۱۔ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی اس حصہ کے بقدر ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔

۲۔ یہ کہنا بڑی سادگی ہوگی کہ بعض اوقات کمپنی قائم کرتے وقت شیئرز کا اعلان کیا جاتا ہے اور اس کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتی۔ کمپنی کے قیام کا اعلان کرنے اور اس کے حصص کی فروخت سے قبل اس کے بانیوں کو اچھی خاصی تیاری کرنی پڑتی ہے، اور بہت سے مراحل اور صرفوں کے بعد کمپنی کے پروجیکٹ میں اشتراک کی دعوت دی جاتی ہے، اور اس پر جو سرٹیفیکٹ جاری کیا جاتا ہے وہ نقد نہیں ہوتا۔ کمپنی کے پروجیکٹ کی منفعت، حیویت، اس کے پروموٹرس کا تجربہ، مستقبل کے امکانات وغیرہ کے مطابق اس سرٹیفیکٹ کی ظاہری قدر (Face Value) سے اس کی بازاری قدر زیادہ بھی ہوسکتی ہے اور کم بھی۔ اب اس سرٹیفیکٹ کی فروخت سے ہرگز نقد نقد کے مقابل نہیں ہوگا، اس کے علاوہ دونوں کی سیولت (Liquidity) اور قبولیت (Acceptance) میں فرق ہے جو نقد کو سرٹیفیکٹ سے ممتاز کرتے ہیں، اس لئے میرے خیال میں اس مرحلہ پر بھی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۔ کمپنی کے مخلوط اثاثہ میں نقد کی مقدار ہمیشہ متغیر رہتی ہے جس کی تعیین پُر مشقت ہی نہیں عام شرکاء کے لئے تقریبا ناممکن ہے، اسی لئے اس مخلوط اثاثہ کے مجموعہ کو جس کی نمائندگی کمپنی کی سند (Share Certificate) کرتی ہے نقد سے ایک الگ ماہیت کی چیز سمجھنا چاہئے۔ اور اس اجتہادی مسئلہ میں سرٹیفیکٹ کے نقد سے تبادلہ کو جائز ہونا چاہئے۔

۴۔ اس میں کوئی دورائے نہیں کہ اس طرح کی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت حرام ہوگی۔

۵۔ یہ ہمارے سیاسی ومعاشی نظام کی خرابی ہے کہ اس طرح کی آمیزش آ ہی جاتی ہے۔ بہرحال جب تک کوئی اس کا بدل سامنے نہیں آتا بکراہت جائز ہوگا۔

۶۔ مذکورہ بالا جواب اس کا بھی ہے۔

۷۔ اس کا اندازہ کرکے اسے رفاہ عام کے کاموں میں لگادیا جائے۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس عام شیئرز ہولڈر کا ویسے ہی وکیل ہوتا ہے جیسے ملک کا صدر یا وزیر اعظم ہر شخص کا وکیل ہوتا ہے۔ اس لئے جب تک شیئرز ہولڈر کی اس کے تقرر میں پوری رضامندی حاصل نہ ہو اس کی وکالت مشروط ہوگی یعنی جائز کام کرے تو اس کی وکالت کو اس کام میں آدمی تسلیم کرے، ناجائز ہو تو اسے رد کردے، اور اس سے اپنی براءت ظاہر کرے۔

۹۔ اگر غیر اہل ایمان کے ساتھ شرکت ومضاربت اور تجارت صحیح ہوسکتی ہے تو اس کو بھی بدرجہ مجبوری صحیح

سمجھا جاسکتا ہے۔ اور جہاں تک بورڈ آف ڈائرکٹرس کی میٹنگ میں کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنے یا اختلاف کا اعلان کردینے کا تعلق ہے اگر اس کا موقع ملے تو ضرور کرنا چاہئے، لیکن اس کے اور طریقے بھی ہو سکتے ہیں، مثلاً خط و کتابت، کتابچہ، اور مضامین کی اشاعت، اور تقریر و تحریر کے دوسرے وسائل کے ذریعہ۔

۱۰، ۱۱۔ انشاء اللہ کافی ہوگا۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت فی نفسہ جائز ہے، بشرطیکہ ناجائز کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز سے احتراز کیا جائے۔ کسی نہ کسی حد تک ہر تجارت میں تخمینے اور قیاس آرائی کو دخل ہوتا ہے، البتہ اس تخمینے کو ناجائز ہونا چاہئے جو غبن فاحش کی حدود میں داخل ہو جائے۔

۱۳۔ فیوچر سیل جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع و نقصان کو برابر کر لینا مقصود ہوتا ہے حرام ہونا چاہئے۔

۱۴۔ سوال واضح نہیں ہے۔

۱۵۔ اصل قبضہ تو سرٹیفکیٹ اپنے نام ٹرانسفر کروالینے کے بعد ہی ہوتا ہے، ورنہ کمپنی میں جس کے نام سرٹیفکیٹ درج ہے اسی کو نفع ملے گا البتہ نقصان سرٹیفکیٹ ہولڈر کو ہوگا۔ بہر حال جہاں سرٹیفکیٹ کا رواج ہے وہاں کم از کم سرٹیفکیٹ کا ہاتھ میں آجانا قبضہ سمجھا جاسکتا ہے۔

۱۶۔ صرف خریدنے کا معاملہ کرنا اور کچھ ادائیگی کرنے کے بعد بالا بالا دوسرے اور تیسرے کو فروخت کرنا بیع قبل القبض ہوگا، کیونکہ اس وقت تک نہ تو اس کا قبضہ تام ہوتا ہے اور نہ ہی ناقص۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہندوستان کے دو اسٹاک ایکسچینج (OTCE) اور (NSE) میں سرٹیفکیٹ کا رواج ختم ہوتا جارہا ہے، اور کمپیوٹر کے ذریعہ فوراً خریدار کا نام کمپنی کے شیئر ہولڈر کی حیثیت سے منتقل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بیرون ملک اعلی ترقی یافتہ ملکوں میں بغیر سرٹیفکیٹ ٹرانسفر کے لین دین ہوتے ہیں کیونکہ اس میں وقت، لاگت، اور خریداروں کی مصلحت کی رعایت ہو تی ہے۔ علماء کو اس طریقہ کی شرعی حیثیت پر بھی غور کرنا چاہئے۔

۱۷۔ بروکر کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہوسکتا ہے بشرطیکہ سودی یا ناجائز کام کرنے والی کمپنیوں کے حصص کی تجارت یا وکالت کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

☆☆☆☆☆

حصص کے مختلف مسائل کا حکم

مفتی عبدالرحیم صاحب، بھوپال

۱۔ کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں متناسب حصے کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔

۲۔ جب تک کمپنی کے پاس جامد املاک نہ ہوں تو اس کے شیئرز کی خرید وفروخت بیع صرف کے حکم میں ہوگی، کمی زیادتی کے ساتھ ان شیئرز کی خرید وفروخت جائز نہیں، برابر سرابر معاملہ کرنا ضروری ہے (کمائی امداد الفتاویٰ ۳/۱۳۰)۔

۳۔ کمپنی وجود میں آجانے کے بعد اس کا اثاثہ ربوی اور غیر ربوی دونوں قسم کے مالوں پر مشتمل ہوتا ہے، لہذا کمی زیادتی کے ساتھ اس کے شیئرز کی خرید وفروخت درست ہوگی، اور زیادتی کو غیر ربوی کے مقابل مانا جائے گا (امداد الفتاویٰ ۳/۱۳۰)۔

۴۔ جن کمپنیوں کا کاروبار حرام ہے جیسے شراب، خنزیر کے گوشت کی تجارت، بینکس اور سودی اسکیموں میں روپیہ لگانا، ان کے شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً حرام ہے۔

۵، ۶، ۱۰، ۱۱۔ جن کمپنیوں کا کاروبار بنیادی طور پر حلال ہے مگر کسی قانونی مجبوری کی وجہ سے بینک سے لین دین کرتے ہیں جس میں سود کی آمیزش ہوتی ہے ایسی کمپنیوں میں دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) سود کے خلاف شیئر ہولڈر کمپنی کی سالانہ میٹنگ میں ضرور آواز اٹھائے۔

(۲) منافع تقسیم ہوتے وقت شیر ہولڈر آمدنی کا حساب لگا کر یہ معلوم کرے کہ آمدنی کا کتنا فیصد حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہے، اور جس قدر سودی ڈپازٹ میں رقم رکھوانے سے حاصل ہوا ہو اس کو بلانیت ثواب محتاجوں کو تقسیم کردے (خلاصہ امداد الفتاویٰ، شیئرز کی خرید وفروخت)۔

۷۔ قرض پر سود کا لین دین حرام ہے مگر وہ قرض مفید ملک ہوگا، اور اس قرض کو حلال ذریعہ میں لگا کر حاصل کی جانے والی آمدنی میں حرمت سرایت نہیں کرے گی۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا، جس عمل سے شیئر ہولڈر منع کردے تو اس میں وکالت نہیں رہے گی۔

۹۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس کی کمیٹی میں شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کا اعلان اور بیزاری کا اظہار کر دینا کافی ہوگا کیونکہ اس کے اختیار میں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

۱۲۔ شیئرز کو مقصود بنا کر خرید وفروخت کرنا اور قیمت بڑھنے پر ان کو منافع کے ساتھ فروخت کرنا بھی مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

☆ کمپنی کا اصل کاروبار حلال ہو۔

☆ کمپنی کے منجمد اثاثے وجود میں آچکے ہوں۔

☆ اگر کمپنی سودی لین دین کرتی ہوتو اسکی سالانہ میٹنگ میں سود سے براءت ظاہر کی جائے۔

☆ منافع میں سے سودی ڈپازٹ کا حساب لگا کر اسی قدر بلانیت ثواب صدقہ کردے۔

۱۳۔ اگر شیئرز کا خریدنا مقصود نہ ہو بلکہ بڑھتے گھٹتے داموں کے ساتھ نفع نقصان کو برابر کر لینا مقصود ہو، مثلاً زید نے ایک سو روپے شیئر کے حساب سے سو شیئرز کا سودا کیا اور ادائیگی کی تاریخ ۳۰ر مارچ مقرر کی، جب ۳۰ر مارچ تک اس شیئر کی قیمت ڈیڑھ سو روپے ہوگئی تو وہ پانچ ہزار روپے منافع کے طور پر لے گا، اور اگر ۳۰ر مارچ کو اس شیئر کی قیمت گھٹ کر پچاس روپے ہوگئی تو وہ پانچ ہزار روپے ادا کرے گا، اصل سودا محض کاغذی کارروائی ہے، نہ مشتری ثمن دیتا ہے نہ بائع مال دیتا ہے، البتہ بڑھتے ہوئی دام کی صورت میں منافع اور گھٹتے ہوئے دام کی حالت میں خسارہ ادا کیا جاتا ہے، اس طرح ڈیفرنس برابر کر کے سٹہ بازی کرنا حرام ہے، شریعت میں اس کی اجازت نہیں۔

۱۴۔ بیع معاومہ سے حدیث میں منع کیا گیا ہے یعنی ایک شخص آئندہ دو تین سال کے لئے بیک وقت اپنے کھیت کی پیداوار یا باغ کے پھل بیچ دے اس کو معاومہ کہتے ہیں، اسی طرح جانور کے ایک یا کئی حمل فروخت کردے، یہ حبل الحبلہ کہلاتا ہے، اسکی بھی حدیث میں ممانعت ہے، اس قسم کے کاروبار کو غرر اور جوا کی وجہ سے روکا گیا ہے، لہذا مستقبل کے سودے شریعت میں ممنوع ہیں۔

۱۵۔ اگر بوقت بیع وشراء ہی کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں شیئر ہولڈر کی ملکیت آجاتی ہو اور اس کے ضمان میں آنے کی بنا پر حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہوں تو اگرچہ اس کو شیئرز کا سرٹیفکیٹ نہ ملا ہو قبضہ معنوی تصور کیا جاسکتا ہے۔

۱۶۔ شیئرز خریدنے کے ساتھ ہی اس کے ضمان ومنافع خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہوں تو سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے قبل خریداران شیئرز کو دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرسکتا ہے۔

۱۷۔ بروکر کو شرعی اصول کے مطابق وکیل بنایا جائے اور جائز طریقوں سے وہ اپنا کام انجام دے تو بروکر کی حیثیت سے اسکا کام کرنا شرعاً درست ہے (امداد الفتاوی ۳/۱۲۹)۔

☆☆☆☆☆

حصص کے شرعی احکام

مولانا عبدالقیوم پالنپوری

مدرسہ جامعہ نذیریہ کاکوسی، گجرات

۱۔ کسی کمپنی کے ایکویٹی شیئرز (Equity Shares) کمپنی میں شیئر ہولڈر کی شرکت وملکیت کی نمائندگی کرتے ہیں، جیسا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی رائے ہے، اور حضرت مولانا تقی عثانی مدظلہ نے اپنی کتاب ''اسلام اور جدید معیشت وتجارت'' (ص ۷۹ـ۸۳) میں علماء کے مختلف نقطۂ نظر پیش کرنے کے بعد کمپنیوں میں شرکت کو شرکت عنان قرار دیا ہے۔

۲۔ جب کمپنی کے قائم کرتے وقت شیئرز کا اعلان کیا جاتا ہے، اور اس وقت کمپنی کی املاک، اثاثے موجود نہیں ہوتے ہیں تو اس وقت اس کے خرید کردہ شیئرز کی بیع اس کی قیمت اسمیہ سے کم و بیش کے ساتھ سود ہونے کی وجہ سے قطعاً جائز نہیں ہے، اور شیئر پر لکھی ہوئی قیمت کے برابر کے ساتھ بیچنا جائز ہے اس لئے کہ یہ بیع صرف نہیں ہے، اور بیع صرف کے لئے ضروری ہے کہ اثمان خلقی ہوں، اور روپیہ ثمن عرفی ہے ثمن خلقی نہیں ہے۔

۳۔ اس صورت میں جبکہ مجموعہ جو مشتمل ہے مال ربوی (نقد، دیون) وغیر ربوی پر، اس کی بیع نقد کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں جائز ہے بشرطیکہ نقد مجموعہ میں مخلوط مال ربوی سے زیادہ ہو، تاکہ مال ربوی کے مقابلہ میں مال ربوی ہو جائے گا اور زائد (نقد میں سے) مال غیر ربوی کے مقابلہ میں ہوگا، البتہ ہر شیئر کے حصہ میں کمپنی کے دیون ونقود کی (نہ کہ اثاثے کی) جتنی مقدار آئی ہے اگر شیئر کی کل قیمت اس کے برابر، یا اس سے کم ہو تو بیع ناجائز ہوگی، مثلاً دس روپئے کے حصہ میں آٹھ روپئے اگر نقود اور دیون کے مقابل ہیں اور دو روپئے جامد اثاثوں کے مقابل، تو شیئر کی بیع آٹھ روپئے یا اس سے کم میں جائز نہ ہوگی، البتہ نو روپئے یا اس سے زائد میں جائز ہوگی (اسلام اور جدید معیشت وتجارت۔۸۶، ۸۷)۔

۴۔ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے (حوالہ بالا)۔

امر المسلم ببیع الخمر والخنزیر وشرائهما ای وکّل المسلم ذمیًا........صح ذلک عند الإمام مع أشد الكراهة ....وقال لا يصح هو الأظهر وفي رد المحتار (قوله لا يصح) اى يبطل كما فى البرهان (الدر المختار مع رد المحتار ۴/۱۲۶)۔

۵، ۶۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار مجموعی طور پر حلال ہے لیکن ساتھ میں وہ کمپنی بینک سے سودی قرضے لیتی ہے یا قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے کچھ سرمایہ کو ریزرو بینک میں جمع کرتی ہے یا بانڈز خریدتی ہے جس کی وجہ سے اس کو سود بھی ملتا ہے، ایسی کمپنیوں کے شیئرز لینے کی دو شرطوں کے ساتھ اجازت ہے: پہلی شرط یہ ہے کہ اس کی سالانہ میٹنگ میں آواز اٹھائی جائے کہ ہم سودی لین دین کو درست نہیں سمجھتے اور ہم اس پر راضی نہیں ہیں۔ دوسری شرط

یہ ہے کہ کمپنی کی آمدنی میں سود شامل ہو تو نفع میں سے اس سود کی مقدار بلانیت ثواب صدقہ کردے۔

۷۔ سودی قرضہ لینے کی صورت میں حاصل شدہ قرض میں کوئی خبث نہیں ہے، وہ مفید ملک ہے، اور اس سے حاصل ہونے والے منافع اور آمدنی حلال ہوگی، البتہ یہ معاملہ اور قرض کی واپسی کے وقت زائد رقم ادا کرنا سخت گناہ اور سود ہے (امداد الفتاوی ۳؍۱۷۰)۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے، اس کا عمل شیئر ہولڈر کا عمل سمجھا جائے گا، الا یہ کہ شیئر ہولڈر کسی عمل کے خلاف آواز اٹھا کر اسے مطلع کردے تو شیئر ہولڈر اپنے وکیل کے عمل سے بری الذمہ ہو جائے گا۔

۹۔ سالانہ میٹنگ میں سودی لین دین کے خلاف آواز اٹھانے سے شیئرز ہولڈر اس سودی لین دین سے بری الذمہ ہوگا۔

۱۰۔ سودی لین دین کے خلاف آواز اٹھانا، اور منافع میں مخلوط سود کی مقدار معلوم کر کے اتنی مقدار صدقہ کرنا ضروری ہوگا۔

۱۱۔ اگر سود کمپنی کے منافع میں شامل ہو، اور حاصل شدہ سود کو کاروبار میں لگا کر کمپنی نے نفع کمایا ہے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک صرف اس سودی آمدنی کو صدقہ کرنا کافی نہیں ہوگا بلکہ اسے کاروبار میں لگا کر جو نفع کمایا ہے اس نفع کو بھی صدقہ کرنا ضروری ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف اس سودی آمدنی کا صدقہ کرنا کافی ہوگا۔ اور طرفینؒ کا قول مفتی بہ ہے (ہدایہ ۳؍۴۵۶)۔

۱۲۔ جس طرح ہمیشہ کے لئے کمپنی میں شرکت کی غرض سے اس کے شیئرز کے خریدنے کی اجازت ہے، اسی طرح تجارت، یعنی قیمت بڑھنے کی صورت میں بیچ دینے کے ارادے سے بھی شیئرز خریدنے کی اجازت ہے، اور ہر تخمین و قیاس آرائی ممنوع نہیں ہے، اس کو حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب نے بہت اچھی طرح واضح فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

یہ بات جو مشہور ہوگئی ہے کہ تخمین و قیاس آرائی............ بذات خود حرام ہے: بات غلط ہے، تخمین یہ ہے کہ یہ اندازہ لگایا جائے کہ کس چیز کی قیمت بڑھ رہی ہے اور کس کی قیمت کم ہو رہی ہے، جس کی قیمت کم ہونے کا اندیشہ ہو اس کو بیچ دیا جائے اور جس کی قیمت بڑھنے کی امید ہو اس کو رکھا جائے یہ بات بذات خود ممنوع نہیں، یہ تو ہر تجارت میں ہوتی ہے، جو بات ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ بیع و شراء کی شرعی شرائط کی رعایت نہ کی جائے، مثلاً غیر مملوک کی بیع، یا غیر مقبوض کی بیع کی جارہی ہو یا قمار کی شکل بن رہی ہو، قمار دو باتوں سے مل کر بنتا ہے: ایک یہ کہ ایک طرف سے ادائیگی متعین ہو، اور دوسری طرف سے موہوم ہو۔ دوسری بات یہ کہ جس طرف سے ادائیگی ہوگئی ہے اس کی رقم دو باتوں میں دائر ہو، یا تو یہ رقم خود بھی ڈوب جائے گی یا اور رقم کو کھینچ لائے گی (اسلام اور جدید معیشت ۹۰)۔

۱۳، ۱۴۔ فیوچر سیل:

جس میں شیئر لینا دینا مقصود نہیں ہوتا ہے، محض نفع و نقصان برابر کرنا مقصود ہوتا ہے، یہ شرعاً جائز

نہیں ہے۔اسی طرح غائب سودے جس میں بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے وہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے،اس لئے کہ بیع کی وقت مستقبل کی طرف اضافت یا تعلیق باتفاق فقہاء ناجائز ہے،البتہ مستقبل میں بیع کا وعدہ کیا جاسکتا ہے لیکن وقت آنے پر بیع باقاعدہ کرنی ہوگی (حوالہ بالا۔ص ۹۱/۱)۔

۱۵،۱۶۔ جب حاضر سودا ہو جانے کے بعد شیئرز کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں اور وہ خریدار کے ضمان میں داخل ہو جاتے ہیں تو ان کی بیع سرٹیفیکٹ ہاتھ میں آنے سے پہلے بھی جائز ہے،البتہ عرف میں شیئرز پر قبضہ اس وقت سمجھا جاتا ہے جب سرٹیفیکٹ ہاتھ میں آجائے،نیز اس طرح سٹے کے کاروبار کی حوصلہ افزائی بھی ہوسکتی ہے،لہٰذا احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ جب تک کمپنی میں شرکت کے سرٹیفیکٹ (کاغذی شیئر) پر قبضہ نہ ہو آگے فروخت نہ کئے جائیں جیسا کہ مفصلاً حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب نے تحریر فرمایا ہے (اسلام اور جدید معیشت ۹۱/۱، ۹۲)۔

۱۷۔ جن شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے ان شیئرز کی خرید وفروخت میں بروکر اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہے،اور بنیادی طور پر حرام اشیاء کی کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز اور تمام کمپنیوں کے بونڈز کی خرید وفروخت میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا ناجائز اور حرام ہے۔واللہ تعالی اعلم۔

»»»»»»»»»»»»

شیئرز کی خرید و فروخت

شرعی حکم

مفتی نسیم احمد قاسمی، پٹنہ

ا۔ شیئرز سرٹیفکیٹ کی حیثیت:

کمپنی کی طرف سے جاری کردہ حصے خرید کر لوگ اپنا سرمایہ لگاتے ہیں تو خریدار کو کمپنی کی طرف سے سرٹیفکیٹ جاری کی جاتی ہے جو اس بات کی سند ہوتی ہے کہ اس شخص کا کمپنی میں لگائے ہوئے سرمایہ کے تناسب سے حصہ ہے۔ یہاں فقہی نقطۂ نظر سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی بھی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا یہ محض اس بات کی سند اور دستاویز ہے کہ اس نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے۔ اس سلسلہ میں علماء کی دو رائیں ہیں:

☆ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ کمپنی کا شیئر سرٹیفکیٹ کمپنی کے عروض اور اثاثوں میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی نہیں کرتا ہے، بلکہ یہ صرف اس بات کا وثیقہ اور دستاویز ہے کہ اس شخص نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے جیسے دیگر قرضہ جات کی دستاویزات ہوتی ہیں۔

☆ دوسری رائے جو راجح اور زیادہ قرین قیاس ہے، یہ ہے کہ شیئر سرٹیفکیٹ کمپنی کی املاک، جائداد اور اثاثوں میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، اور شیئر ہولڈر کی کمپنی کی املاک اور اثاثوں میں متناسب ملکیت ہوتی ہے، جس کا تحریری ثبوت شیئر سرٹیفکیٹ ہے۔

مولانا تقی عثمانی نے اسی رائے کو راجح قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

کمپنی کے ظاہری تصور کے اعتبار سے اور اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کی روشنی میں واقعتاً یہ سمجھا جاتا ہے کہ شیئر ہولڈر کی کمپنی کے اثاثوں میں متناسب ملکیت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر باہمی قرارداد سے کمپنی تحلیل ہو جائے تو شیئر ہولڈرس کو صرف ان کی لگی ہوئی رقم واپس نہیں ملتی بلکہ کمپنی کے اثاثوں کا متناسب حصہ ہر شیئر ہولڈر کو دیا جاتا ہے (اسلام اور جدید معیشت و تجارت ر۸۵)۔

۲۔ کمپنی کے ابتدائی مرحلے میں شیئرز کی بیع:

کمپنی کی تشکیل کے ابتدائی مرحلے میں جبکہ کمپنی کے پاس صرف نقدی کی صورت میں سرمایہ جمع ہوتا ہے، املاک، مشینریاں، جامد اثاثے، سامان تجارت وغیرہ میں سے کچھ نہیں ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر کمپنی اپنے شیئرز کی فروخت کا اعلان کرتی ہے تو گویا یہ نقد کی بیع نقد کے عوض ہے جسے اصطلاح فقہ میں "بیع صرف" سے موسوم کیا جاتا

ہے۔ بیع صرف میں ثمن اور مبیع دونوں ہی اثمان اور نقود کی قبیل سے ہوتے ہیں۔ بیع صرف میں برابری اور نقد تبادلہ ضروری ہے۔ لہذا دس روپئے کے شیئر کو صرف دس روپئے کے عوض فروخت کرنا جائز ہوگا اور ادھار کی گنجائش نہیں ہوگی۔ شیئر کی خرید و فروخت کی صورت میں شیئر ہولڈر کی طرف سے صرف دستاویز کی ادائیگی ہوتی ہے جب کہ خریدار اس کے عوض میں نقد روپئے ادا کرتا ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو طرفین کی جانب سے شیئرز کی خرید و فروخت میں نقد ادائیگی نہیں پائی جاتی ہے، اس لئے اس صورت کے جواز کی گنجائش نہیں ہوگی۔

۳۔ کمپنی کے وجود میں آ جانے کے بعد شیئرز کی بیع:

جب کمپنی وجود میں آ جاتی ہے تو اس کا اثاثہ مخلوط ہوتا ہے جس میں نقد، قابل وصول دیون، جامد اثاثے اور سامان تجارت وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں جبکہ مجموعہ مال ربوی وغیر ربوی دونوں پر مشتمل ہے، اگر اس کے شیئرز کی بیع کی جاتی ہے تو اس کا شرعی حکم کیا ہوگا؟ اس سلسلہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ ایسے مال کو جو ربوی وغیر ربوی سے مخلوط ہو خالص مال ربوی کے عوض فروخت کیا جائے، مثلاً ایسی تلوار جس پر سونا لگا ہوا ہو، اسے دینار کے عوض فروخت کیا جائے، تو اس میں ایک طرف تلوار ہے جو غیر ربوی ہے اور اس پر لگا ہوا سونا مال ربوی ہے، اسے دینار کے عوض فروخت کرنا گویا مال ربوی اور غیر ربوی کے مجموعہ کو خالص مال ربوی کے عوض فروخت کرنا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسی صورت جائز ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح سے فقہاء نے دو درہم اور ایک دینار کے مجموعہ کی بیع کو ایک درہم اور دو دینار کے عوض جائز قرار دیا ہے۔ لہذا کمپنی کے اثاثے کے مخلوط ہو جانے کے بعد شیئر ہولڈر کے لئے اپنے حصے کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہوگی۔

۴۔ ناجائز کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا:

وہ کمپنیاں جن کے کاروبار بنیادی طور پر حرام ہیں، جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت، خون اور دیگر حرام اشیاء کی تجارت اور ایکسپورٹ، یا بینکس اور سودی اسکیموں میں روپیہ لگا کر منافع حاصل کرنا۔ ایسی کمپنیز کے شیئرز کی خرید و فروخت حرام اور ناجائز ہے۔

۵۔ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لینا:

ایسی کمپنیاں جو حلال کاروبار کرتی ہیں اور حرام کاروبار سے بچتی ہیں، صرف کاروباری مجبوری اور ملکی قانون کے پیش نظر سودی قرض لینے کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ مثلاً انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لینا ایک ضرورت اور حاجت ہے۔ ضرورت وحاجت کی بنیاد پر سودی قرض لینے کی اجازت دی گئی ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ نے الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے:

ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر)۔

لہذا ان کمپنیوں کے لئے انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لینے کی گنجائش ہوگی اور ان کے

شیئرز کی خرید وفروخت جائز رہے گی۔

۶۔ چونکہ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیاں قانون ملکی کے تحت مجبور ہو کر اپنے سرمایہ کا مخصوص حصہ ریزرو بینک میں جمع کرتی ہیں یا بانڈس خریدتی ہیں، لہذا اس کی وجہ سے ان کے کاروبار میں حرمت پیدا نہیں ہوگی اور ان کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز رہے گی۔ البتہ ان کمپنیوں کو ریزرو بینک یا بانڈس خریدنے کی وجہ سے جو سودی رقم ملے گی اس رقم کا استعمال کمپنی کے مصارف میں جائز نہیں ہوگا بلکہ فقراء مسلمین پر بلانیت ثواب تصدق ضروری ہوگا یا پھر رفاہ عام کے کاموں میں بھی اسے صرف کیا جاسکتا ہے۔ اگر کمپنی غیر مسلم ہونے کی صورت میں سودی رقم کو اس کے مصارف میں صرف نہ کرے تو پھر مسلم شیئر ہولڈرس کی ذمہ داری ہوگی کہ اپنے حصہ میں آئی ہوئی رقم کو بلا نیت ثواب صدقہ کردیں یا رفاہ عام کے کاموں میں لگادیں۔

۷۔ سودی قرض لینے کی صورت میں منافع کی شرعی حیثیت:

سودی قرضہ ضرورت وحاجت اور قانون ملکی کے تحت مجبور ہو کر حاصل کیا جائے یا محض کاروبار کو فروغ دینے کی خاطر، ہر دو صورت میں قرض سے حاصل ہونے والے منافع جائز ودرست قرار پائیں گے، کیونکہ قرض لی ہوئی رقم میں کسی طرح کا خبث نہیں پایا جاتا، اور قرض لینے والا قرض کے ذریعہ حاصل کی گئی رقم کا مالک قرار پاتا ہے، لہذا اس رقم سے حاصل شدہ نفع بھی جائز اور مباح ہوگا۔ البتہ دوسری صورت میں جبکہ سودی قرض بلا حاجت شرعیہ محض کاروبار کو فروغ دینے کی خاطر حاصل کیا گیا تو کمپنی کا عملہ اصالۃً استقراض بالربح کے عقد حرام کے ارتکاب کی وجہ سے اور شیئر ہولڈرس وکالۃً اس کے ارتکاب کی وجہ سے عند اللہ گنہ گار ہوں گے۔ فقہاء کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ سودی رقم پر بھی قبضہ کے بعد ملکیت ثابت ہوجاتی ہے تو سودی قرض پر قرض لینے والے کی بدرجہ اولی ملکیت ثابت ہوجائے گی (دیکھئے: البحر الرائق ۱۲۵/۶)۔

۸۔ کمپنی کے عملہ کی حیثیت:

کمپنی کا عملہ جسے بورڈ آف ڈائرکٹرس کہا جاتا ہے، کی حیثیت فی الجملہ مالکان حصص کے وکیل کی ہے، اور وکیل کا عمل مؤکل کا عمل قرار پاتا ہے۔ لہذا کمپنی کے عملہ کا عمل اور ان کا تصرف مالکانہ حصص کا تصرف اور عمل سمجھا جائے گا، اور شرعاً ان کا فعل مالکان حصص کی طرف منسوب ہوگا۔

۹۔ شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کردینا کافی ہوگا:

اصولی طور پر وکیل کے افعال مؤکل کی طرف منسوب ہوتے ہیں، تاہم اگر کوئی شیئر ہولڈر سودی قرض لینے سے اپنی ناراضگی اور اختلاف کا اظہار واعلان کردے تو یہ اظہار واعلان اس کے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی ہوگا۔

۱۰۔ کمپنی کے منافع میں سے سودی رقم نکال دینا کافی ہوگا:

اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار ہی حرام اشیاء کی تجارت ہو، سودی قرضہ جات دے کر سود حاصل کرنا ہو، تب تو

ایسی کمپنیوں کے حصص اور شیئرز کی خریداری جائز نہیں ہوگی، البتہ اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار تو حلال ہو لیکن قانونی پیچیدگی کے تحت کچھ سرمایہ ڈپازٹ (Deposit) کرنا پڑتا ہو یا بانڈز (Bonds) خریدنے پڑتے ہوں جس سے کمپنی کو سودی رقم بھی حاصل ہوتی ہو، ایسی صورت میں شیئر ہولڈرس کا اپنے منافع میں سے سودی رقم نکال کر بلانیت ثواب فقراء و مساکین پر صدقہ کر دینا یا رفاہ عام کے کاموں میں صرف کر دینا ان کے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی ہوگا (دیکھئے :بدائع الفوائد لابن القیم ۲/۲۷۵)۔

۱۱۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود شامل ہو تو اسے کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کرنے کا کیا حکم ہوگا؟

اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی رقم کو کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں مال حلال کے ساتھ مال حرام بھی مخلوط ہو گیا ہے، اس لئے جتنا فیصد سود کل آمدنی میں مخلوط ہو گیا ہے شیئر ہولڈر کے لئے اسی تناسب سے ملنے والے منافع سے سودی رقم وضع کر کے بلانیت ثواب فقراء و مساکین مسلمین پر صدقہ کر دینا یا رفاہ عام کے کاموں میں صرف کر دینا کافی ہوگا، اور باقی ماندہ نفع اس کے لئے حلال و درست قرار پائے گا۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت:

حلال کاروبار پر مبنی شیئرز کی تجارت فی نفسہ جائز و درست ہے اور شیئرز کی بیع درحقیقت شیئر ہولڈر کے اس حصہ کی بیع ہے جو سرمایہ کے تناسب سے کمپنی کے نقود، قابل وصول دیون، جامد اثاثے، سامان تجارت اور ان چیزوں سے حاصل ہونے والے منافع میں اسے پہونچتا ہے، جس کی نمائندگی شیئر سرٹیفکیٹ کرتی ہے۔ پس وہ اپنے موجود و مملوک حق کی بیع کرتا ہے نہ کہ معدوم و غیر مملوک کی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ شیئرز کی بیع کو "بیع حظوظ ائمہ" پر قیاس کرتے ہوئے اس کے جواز کی صراحت فرمائی ہے (امداد الفتاوی ۳/۴۹۵)۔

اب رہا یہ سوال کہ شیئرز کی تجارت میں تجار حضرات تخمین و قیاس سے کام لیتے ہیں۔ شیئرز کی خریداری کے وقت ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ قیمت بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ فروخت کر دیں گے یا جب شیئرز کی قیمت کم ہو گی تو خرید کر اپنے پاس رکھ لیں گے پھر قیمت بڑھنے کی صورت میں فروخت کر دیں گے۔ تو اس سے شیئرز کی تجارت کے جواز میں فرق نہیں پڑے گا، اس لئے کہ مطلقاً تخمین و قیاس عقود و معاملات میں ممنوع نہیں ہے اور نہ ہی تجارتیں عام طور پر اس قسم کے تخمین و قیاس سے پاک ہوتی ہیں۔

۱۳۔ فیوچر سیل کا حکم:

شیئر مارکیٹ میں ایک سودا جسے فیوچر سیل (Future Sale) اور عربی میں بیاعات مستقبلیات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس معاملہ کا مقصد شیئرز کی خریداری نہیں ہوتی ہے بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان کو برابر کر لینا مقصود ہوتا ہے۔ اس صورت معاملہ میں نہ تو خریدار کی طرف سے قیمت کی ادائیگی ہوتی ہے اور نہ ہی بائع کی طرف سے مبیع کی حوالگی، بلکہ محض کاغذی کارروائی ہوتی ہے، لہذا فیوچر سیل جائز نہ ہوگا۔

۱۴۔ غائب سودے کی بیع کا حکم:

غائب سودے جن میں حقیقۃً بیع دہرا نہیں ہوتی ہے بلکہ بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، اس طرح کا معاملہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے، کیوں کہ خرید و فروخت ان عقود و معاملات کی قبیل سے ہے، جن کی اضافت مستقبل کی طرف کرنا یا تعلیق باتفاق فقہاء ناجائز ہے۔ البتہ مستقبل میں بیع کا وعدہ کیا جاسکتا ہے لیکن وقت آنے پر باضابطہ بیع کے معاملات طے کرنے پڑیں گے۔

۱۵۔ خرید کردہ شیئر کی سرٹیفیکٹ حاصل کرنے سے پہلے بیع:

اس سوال کے جواب کا دارومدار اس پر ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اس صورت میں بیع قبل القبض لازم آتی ہے یا نہیں؟ اگر یہ بیع قبل القبض ہے تو اس کے جواز کی گنجائش نہیں ہوگی، اور اگر بیع قبل القبض نہیں ہے تو یہ صورت جائز ہوگی۔ اب رہا سوال کہ یہ بیع قبل القبض ہے یا نہیں؟ تو یہ تو ظاہر ہے کہ شیئر درحقیقت مال نہیں ہے بلکہ کمپنی کے املاک میں متناسب حصہ داری سے عبارت ہے اور شیئر سرٹیفیکٹ اس حصہ داری اور کمپنی کے اثاثے اور املاک میں شیئر ہولڈر کی شرکت کا تحریری ثبوت ہے، لہذا شیئرز کی بیع کی صورت میں مبیع شیئرز سرٹیفیکٹ نہیں بلکہ کمپنی کی املاک و اثاثے کا ایک مشاع حصہ ہے۔ چونکہ وہ حصہ جو مبیع ہے مشاع ہے، اس لئے اس پر حقیقی قبضہ کا تحقق مشکل ہے، اس لئے اس میں معنوی قبضہ ہی معتبر ہونا چاہئے، اور عرف عام میں شیئرز پر قبضہ اسی وقت تسلیم کیا جاتا ہے جب خریدار کے ہاتھ میں شیئر سرٹیفیکٹ آجائے۔ لہذا میری رائے یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں خریدار کے نام شیئر سرٹیفیکٹ کی منتقلی سے پہلے شیئر پر اس کا حقیقی قبضہ نہیں سمجھا جائے گا اور خریدار کے لئے شیئرز کی بیع جائز نہیں ہوگی۔ ہر شئے پر اس کی خاص نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوتی ہے، جس کا مدار عرف و عادت پر ہوتا ہے، یعنی عرف و عادت میں جس چیز پر قبضہ کی جو نوعیت سمجھی جاتی ہو وہی معتبر ہوگی، ہر صورت میں قبضہ حسی ضروری نہیں ہوگا۔

۱۶۔ سرٹیفیکٹ کے حصول سے پہلے شیئر کی بیع:

جب تک خریدار شیئر سرٹیفیکٹ حاصل نہ کرلے اور اسے اپنے نام منتقل نہ کرالے اس وقت تک شیئر پر خریدار کا حقیقی قبضہ تسلیم نہیں کیا جائے گا، اور اگر قبضہ سے پہلے خریدار کسی دوسرے شخص کے ہاتھ شیئرز کی بیع کرتا ہے تو یہ بیع حقیقی قبضہ کے تحقق سے پہلے ہوگی جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

۱۷۔ بروکر کی اجرت کا حکم:

جائز اور حلال کاروبار پر مبنی شیئرز کی خرید و فروخت میں کسی مسلمان کے لئے بروکر بننا اور اس پر اجرت لینا درست و جائز ہے، ایسے درمیانی اشخاص کو جو خرید و فروخت کے معاملات میں واسطہ بنتے ہیں، فقہاء کی اصطلاح میں دلال کہتے ہیں۔ دلالی کی اجرت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ بخاری کی شرح فتح الباری میں ہے کہ:

''ابن سیرین، عطاء، ابراہیم اور حسن سے منقول ہے کہ ان حضرات کے نزدیک دلالی کی اجرت لینے میں

کوئی حرج نہیں ہے (فتح الباری لابن حجر عسقلانی ۹ر۳۱۳)۔

علامہ شامی نے اس سلسلہ میں تحریر کیا ہے کہ:

تجب الدلالة على البائع أو المشترى أو عليهما بحسب العرف.

بائع اور خریدار یا دونوں پر عرف و رواج کے مطابق دلالی کی اجرت واجب ہوگی۔

لہذا صورت مسئولہ میں کسی مسلمان کے لئے اسٹاک ایکسچنج میں بروکر بننا اور اس کی اجرت لینا جائز و درست ہوگا۔

☆☆☆☆☆

شیئرز

فقہی تناظر میں

مولانا ظفر الاسلام۔مئو

۱۔ احقر کی رائے یہ ہے کہ شیئر خریدنے والے کا مقصد عموماً یہی ہوتا ہے کہ وہ کمپنی میں بحیثیت شیئر ہولڈر شرکت کرے اور یہ تجار کے مقصد کے زیادہ قریب بھی ہے جیسا کہ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''یہ شیئر درحقیقت کسی کمپنی کے اثاثوں میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کے ایک متناسب حصے کی نمائندگی کرتا ہے (فقہی مقالات رص ۱۴۳)۔

۲۔ اولاً دونوں جانب نقد کی صورت میں خرید وفروخت کے متعلق ائمہ اربعہ کا مسلک پیش خدمت ہے، اسی کی روشنی میں شیئرز کے بیع وشراء کا مسئلہ بھی واضح ہوجائے گا۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ایک پیسہ کی بیع دو پیسوں سے جائز نہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک علت ربا ثمنیت ہے، خواہ حقیقی ہو یا عرفی بہردونوع تفاضل جائز نہیں، اس کی دلیل المدونۃ الکبری کی عبارت ''لأن مالكا قال لا يجوز فلس بفلسين'' ہے (المدونۃ الکبری ۷ر۱۰۴)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ کے نزدیک یہ کمی وبیشی صحیح ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک سکّے خلقی طور پر ثمن نہیں ہیں اصطلاحاً ثمن ہیں، اس لئے متعاقدین کو چاہئے کہ ان سکوں کی تعیین کرکے ان کی ثمنیت اصطلاحی باطل کردیں، ایسا ہوجانے کے بعد ان سکوں کا درجہ سامان وعروض کا ہوجائے گا، بنابریں قلت وزیادت جائز ہوگی۔

حضرت امام محمدؒ کے نزدیک قلت وزیادت موجب للربا ہوگی، کیوں کہ جب یہ سکے اصطلاحی ثمن قرار دیئے جاچکے تو صرف بائع اور مشتری کے ثمنیت باطل کرنے سے باطل نہ ہوگی تاوقتیکہ تمام لوگ اسے باطل قرار نہ دے دیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک قلت وزیادت جائز ہے، کیوں کہ سکے عددی ہیں اور علت ربا وزن ہے۔'' إذا فات الشرط فات المشروط'' یہ پہلا قول ہے۔

امام مذکور کا دوسرا قول عدم جواز کا ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ سکے فی الحال تو عددی ہیں لیکن اصلاً دھات ہونے کی وجہ سے وزنی ہیں، اس لئے دونوں جائز نہیں۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ربا کی علت خلقی ثمنیت ہے اور یہ علت یہاں مفقود ہے، اس لئے کمی وبیشی کے ساتھ معاملہ کرنا درست ہے۔

اس تفصیل کے بعد عرض ہے کہ اگر اس کمپنی یا فیکٹری میں جس کے شیئرز خریدے گئے ہیں کچھ بھی منجمد اثاثے خواہ بلڈنگ کی شکل میں ہوں یا مشین وغیرہ کی شکل میں، ابھی تک خریدے نہیں گئے ہیں یعنی ابھی دونوں جانب نقد ہی نقد ہے، تو اس صورت میں اس کی بیع وشراء کمی وبیشی کے ساتھ جائز نہیں، سوروپے کا شیئر سو ہی روپے میں فروخت کیا جاسکتا ہے کمی وبیشی موجب للر با ہوگی۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

جتنے لوگوں نے اس کمپنی میں اپنی رقم سبسکرائب (Subscribe) کی ہے اس رقم سے ابھی تک کوئی سامان نہیں خریدا گیا اور نہ اس سے کوئی بلڈنگ بنائی گئی اور نہ کوئی مشین خریدی گئی اور نہ ہی کوئی اثاثہ وجود میں آیا بلکہ ابھی وہ تمام پیسے نقد کی شکل میں ہیں، تو اس صورت میں دس روپیہ کا شیئر دس روپے کی نمائندگی کرتا ہے، لہذا جب دس روپے کا شیئر دس روپے کی نمائندگی کرتا ہے تو اس صورت میں اس شیئر کو گیارہ روپے میں یا نو روپے میں فروخت کرنا ہوجائے گا جو سود ہوجانے کی وجہ سے قطعاً جائز نہیں (فقہی مقالات رص ۱۴۵)۔

۳۔ کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد بالفاظ دیگر اثاثہ ونقد کے پائے جانے کی صورت میں اس شیئر کی بیع وشراء کمی وبیشی کے ساتھ جائز ہے۔ کیوں کہ اب شیئر مرکب ہوگیا جس میں اموال ربویہ وغیر ربویہ دونوں پائے جاتے ہیں، اس لئے دس روپے کا شیئر دس روپیہ سے زائد میں فروخت کیا جاسکتا ہے، دس روپے تو دس روپے کے مساوی ہو جائے گا اور زیادتی بلڈنگ واثاثہ وغیرہ کے بالمقابل ہوجائے گی جس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

۴۔ اگر کمپنی کسی مسلمان کی ہے اور وہ حرام کاروبار میں ملوث ہے (جس کی بہت ساری صورتیں ہیں چند صورتیں سوال میں مذکور بھی ہیں) تو اس کمپنی کے شیئرز خریدنا جائز نہیں۔ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب تحریر کرتے ہیں:

ایسی کمپنی کے شیئرز لینا کسی حال میں جائز نہیں، نہ ابتداء جاری (Float) ہونے کے وقت لینا جائز ہے اور نہ ہی بعد میں اسٹاک مارکیٹ سے لینا جائز ہے (فقہی مقالات رص ۱۴۴)۔

کمپنی غیر مسلم کی ہو اور یقین سے معلوم ہو کہ وہ سودی لین دین نہیں کرتا تو اس کی خرید وفروخت صحیح ہے، اور اگر اس کی بابت علم نہیں تو اس کی خرید وفروخت مکروہ تحریمی ہوگی۔ کراہت تحریمی کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں سودی کاروبار میں کوئی قباحت نہیں۔

۵۔ بنیادی کاروبار حلال ہوتے ہوئے بعض ممالک میں خصوصاً ہندوستان میں اضطراراً سود لینا پڑتا ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے تو نت نئے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو تجار سے مخفی نہیں، اس لئے اسے حاجیات کے قبیل سے مان کر اس طرح کی کمپنیوں سے شیئرز خریدے جاسکتے ہیں۔

۶۔ اس سوال کا جواب بھی احقر کے نزدیک وہی ہے جو سوال نمبر ۵ کے ضمن میں گذرا۔

۷۔ اگر سارا ادارومدار سودی قرض پہ ہے، اپنی جائز اور حلال کمائی کی اکثریت نہیں، تو اس صورت میں سود سے حاصل ہونے والی رقم ظاہر ہے سود ہے، بناء فاسد علی الفاسد فاسد ہے، وہ مفید للملک کیسے ہوسکتی ہے۔

۹۔ کمپنی کی میٹنگ میں اگر شیئر ہولڈر اس سودی لین دین کے خلاف آواز اٹھائے تو وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائے گا، حکیم الامت حضرت تھانوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی بھی یہی رائے ہے۔

۱۰، ۱۱۔ پہلے اور دوسرے سوال میں جزوی فرق ہے مگر جواب دونوں کا ایک ہی ہے، جتنی بھی سود کی رقم ہو باقاعدہ اہتمام کے ساتھ حساب لگا کر بلانیت ثواب صدقہ کردیں۔ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: "جب منافع تقسیم ہوتو اس وقت جتنا نفع کا جتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہے اس کو صدقہ کردے" (فقہی مقالات رص ۱۵۱)۔

۱۲۔ شیئرز کی خرید وفروخت، شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے صحیح ہے، ہر کوئی تاجر یہ سوچ کر اور اس غالب ظن سے خرید وفروخت کرتا ہے کہ آئندہ اسے نفع حاصل ہوگا۔ ہاں نفع کی شرط کے ساتھ بیع جائز نہیں۔

۱۳۔ یہ صورت قطعاً حرام ہے اور اس کا شمار بھی سٹہ میں ہوگا جو کہ ناجائز ہے۔ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب رقمطراز ہیں:

لیکن اس خرید وفروخت کو درست کہنے کی دشواری اس سٹہ بازی کے وقت پیش آتی ہے جو اسٹاک ایکسچینج کا بہت بڑا اور اہم حصہ ہے، جس میں بسا اوقات شیئرز کا لین دین بالکل مقصود نہیں ہوتا بلکہ آخر میں جا کر آپس کا فرق (Deference) برابر کرلیا جاتا ہے اور شیئرز پر نہ تو قبضہ ہوتا ہے اور نہ ہی قبضہ پیش نظر ہوتا ہے، اس لئے جہاں یہ صورت ہو کہ قبضہ بالکل نہ ہو اور شیئرز کا نہ لینا مقصود ہو اور نہ دینا مقصود ہو بلکہ اس طرح سٹہ بازی کرکے آپس کے ڈیفرنس کو برابر کرلینا مقصود ہو تو یہ صورت بالکل حرام ہے اور شریعت میں اس کی اجازت نہیں (فقہی مقالات رص ۱۵۲)۔

۱۴۔ ایک تو سودا وہ ہے جس میں بیع کی نسبت کسی بھی زمانہ کی طرف کی جائے وہ باطل یا فاسد ہے، جیسے لبن فی الضرع سمک فی الماء، طیر فی الهواء، سمن فی اللبن، حبل الحبلة یا ملاقیح ومضامین وغیرہ کی بیع۔ کیوں کہ ان تمام صورتوں میں مبیع معدوم ہے، جہالت فاحشہ کا وجود ہے اور قدرت علی تسلیم المبیع ناممکن ہے۔

دوسرا سودا وہ ہے جو موجود تو ہے مگر حاضر نہیں غائب ہے، اب اس کی دو صورتیں ہیں: ایک تو وہ جسے پہلے سے دیکھا جا چکا ہے اور اس کے اوصاف بھی معلوم ہیں تو اس صورت میں بصیغہ المتعارف اس کی بیع صحیح ہو جائے گی۔ اور اگر دیکھا نہیں ہے تو بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی بیع صحیح ہوگی اور اسے خیار رؤیت حاصل ہوگا اور عدم رؤیت کی وجہ سے جو غرر یسیر پیدا ہوا تھا وہ خیار رؤیت سے مرتفع ہو جائے گا، کیوں کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: "من اشتری مالم یرہ فھو بالخیار إذا رآہ"۔

۱۵۔ قبضہ کی اولاً دو قسمیں ہیں:

(۱) حقیقی (۲) حکمی

حقیقی قبضہ تو حس اور تسلیم سے ہوگا، اور حکمی قبضہ استیلاء، تمکن، اشارہ، تخلیہ وتمیز سے۔ کتاب اور سنت ونصوص فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ مبیع کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے، اور جہاں کا جیسا تعامل ہوگا حجت قرار

پائے گا[1]

۱۶۔ راقم کے خیال میں جب تک خریدار شیئر سرٹیفکیٹ حاصل نہ کرلے اس وقت تک شیئر فروخت نہیں کرسکتا، گو کہ معاملہ متعاقدین کے درمیان شیئر کی قیمت ادا کرنے ہی سے ہوگیا، مگر تمامیت بیع موقوف ہوگی ڈلیوری کی وصولیابی پر، اور یہی ڈلیوری قبضہ حقیقی کے ممکن نہ ہونے کی صورت میں قبضہ حکمی کے مرادف ہوگی۔

۱۷۔ شیئرز کی وہ خرید وفروخت جو جائز اور درست ہے اس میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا صحیح ہے، اس کے ما سوا میں نہیں۔

☆☆☆☆☆

۱۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: المغنی والشرح الکبیر ۴/۲۲۰، ردالمحتار ۴/۵۶۲، بدائع الصنائع ۵/۲۱۹، ۲۳۴، محلی لابن حزم ۸/۲۰، فتاوی ابن تیمیہ)۔

شرعی اعتبار سے شیئرز کی حیثیت

مولانا سلطان احمد اصلاحی، علی گڈھ

۱۔ کسی کمپنی کے خرید کردہ شیئر کے مسئلے میں یہی بات زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے کہ وہ محض رقم کی دستاویز نہ ہو کر اس کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ اور وہ نقد کے ساتھ کمپنی کے اثاثوں اور اس کی املاک میں حسب تناسب حصہ دار ہوتا ہے۔ اس طرح اس پر بیع صرف کے احکام وارد نہ ہونے چاہئیں۔ دیوالیہ ہونے کی صورت میں کمپنی کے اثاثے قرق نہ کرکے اس کی املاک کی ضبطی سے اس کے قرضے ادا کئے جانے کے سلسلے میں کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ قانون کی یہ دفعہ بحیثیت مجموعی کمپنی کے مفاد کے مدنظر رکھی گئی ہے، جس سے کہ کمپنی کے دیگر شرکاء کے لئے اس کے دیوالیہ ہوئے حصے کو دوبارہ بحال کرنے میں غیر معمولی دقتوں اور دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

۲۔ کمپنی قائم کرتے وقت شیئرز کا جو اعلان کیا جاتا ہے جبکہ اس وقت اس کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتیں، اس وقت کمپنی کے خرید کردہ شیئر کی بیع پر بیع صرف کے احکام وارد ہوں گے۔ یہ اصلاً نقد کا نقد سے تبادلہ ہوگا، اور اس پر کسی قسم کا تفاضل جائز نہ ہوگا۔ ایک شیئر جتنی رقم جمع کرکے خریدا گیا ہے اسے اتنی ہی رقم پر فروخت کیا جانا ضروری ہوگا۔

۳۔ کمپنی کے وجود میں آ جانے کے بعد اس کے مخلوط اثاثہ میں جس میں ربوی اور غیر ربوی دونوں طرح کے مال کی شمولیت ہوتی ہے، اس کی نقد کے ساتھ فروخت جائز ہوگی۔ ربا اور انٹرسٹ کا حوالہ اس سے آگے بھی آ رہا ہے اس لئے ابتداءً ہی اس کے سلسلے میں چند نکات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے جس سے کہ آئندہ اس کی تکرار کی ضرورت نہ رہے۔

(الف) دراصل آج کے دور میں بینک کے انٹرسٹ کے مسئلہ پر ہی نئے سرے سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن وسنت میں حرام کردہ ربا کا سخت گیر اطلاق ہر حال میں اس پر درست معلوم نہیں ہوتا۔ بینک کا کردار بہرصورت صرف امانت داری کا نہیں ہوتا بلکہ آج کے دور میں اس کا اصل کردار مضارب در مضارب کا ہے۔ جس میں وہ اب تک کی معروف اسلامی مضاربت کے متناسب منافع کے بجائے جمع کردہ بالواسطہ کاروبار میں لگی رقم پر متعین فیصد پر منافع دینے کا اہتمام کرتا ہے۔ آج علماء کی ایک مقتدر جماعت جب مضاربت کی اس صورت کو جائز قرار دیتی ہے (تفصیل کے لئے اسلامک فقہ اکیڈمی کے اجلاس گزشتہ میں ہمارا پیش کردہ مقالہ "شریعت کا اصول عرف وعادت اور موجودہ حالات میں اس کی معنویت") تو اس مضاربانہ کردار کے ساتھ بینک کے انٹرسٹ کو مطلق حرام وممنوع ربوا کے ہر حال میں قائم مقام رکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

(ب) دوسری بات فقہ کے اس جزئیہ کی ہے جسے بالکل ہی نظر انداز کیا جا رہا ہے، اور وہ یہ کہ: لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب (ہدایہ ۳/۷۰، نیز شرح السیر الکبیر ۴/۱۱۲)۔

ہندوستان جیسے ملکوں کو آج من کل الوجوہ "دارالحرب" تسلیم نہ بھی کیا جائے تب بھی معاملات ربویہ کی تعیین وتحقیق میں اس کا کچھ نہ کچھ لازمی اثر پڑنا چاہئے۔ جبکہ دوسرے موقع پر حضرت امام اعظم کی طرف سے اس پر اضافہ ہے کہ دارالحرب میں اسلام لائے دو مسلمانوں کے درمیان اس معاملے پر بھی اسی حکم کا اطلاق ہوگا۔

وقال أبو حنيفة: لا يجرى الربا بين مسلم و حربى فى دار الحرب، و عنه فى مسلمين أسلما فى دار الحرب لا ربا بينهما (المغنی لابن قدامہ ۴/۴۵)۔

اس کی دلیل وہ حضرت مکحولؒ کی روایت سے دیتے ہیں جس کے مطابق نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

لا ربا بين المسلمين واهل الحرب فى دار الحرب (مغنی ۴/۴۵،۴۶)۔

دور حاضر میں دعوت اسلامی کی مطلوب مصالح کے مدنظر فقہ اسلامی کی اس رخصت کو چاہے ضرورت سے زیادہ وسعت نہ دی جائے، لیکن مسائل کی توجیہ وتحقیق میں اس کو بالکل نظرانداز کردینا بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

۴۔ ہر چند کہ دور اول میں ذمی سے خنزیر کی تو نہیں لیکن شراب کی قیمت سے جزیہ وصول کرنے کی نظیر موجود ہے (شرح السیر الکبیر للسرخسی ۴/۲۲۷۔۲۲۸) تاہم وہ کمپنیاں جن کا کاروبار خالص شراب اور خنزیر کے حرام پر مشتمل ہو، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت درست نہیں معلوم ہوتی۔

۵۔ حلال کاروبار کی کمپنیاں جنہیں انکم ٹیکس وغیرہ سے بچنے کے لئے مجبوراً بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے ان کے شیئرز کا خریدنا جائز ہے۔

۶۔ دوسری حلال کاروبار کی کمپنیاں جن کو قانونی تقاضوں کی تکمیل کی غرض سے سرمایہ بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے یا سیکورٹی بانڈز خریدنے پڑتے ہیں، جن کی وجہ سے انہیں سود بھی ملتا ہے، ایسی کمپنیوں کا شیئرز خریدنا جائز ہے۔

۷۔ جواب نمبر۲ کی تنقیح سے اس کا جواب بھی صاف ہے، سودی قرضہ سے حاصل ہونے والا منافع جائز ہے۔ یہ قرض مفید ملک ہے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہوگی۔

۸۔ ہاں! کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے، اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا۔

۹۔ جواب نمبر۲ کی تنقیح کے حوالہ سے بینک سے سودی قرضے کی سودی نوعیت ہی جب محل نظر قرار پائی تو پھر اس اختلاف کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی ہے۔ اپنے مضاربانہ کردار سے جس طرح جمع شدہ رکاروبار میں لگائی گئی رقم پر بینک متعین فیصد کا منافع دیتا ہے، ایسا ہی منافع وہ دوسرے ان لوگوں سے وصول کرتا ہے جنہیں ملنے والی رقم کا ایک نام "قرض" دیا جاتا ہے، جبکہ بینک اسے عملاً مضاربت کی صورت قرار دیتا ہے۔

۱۰۔ جواب نمبر۲ کے حوالہ سے صدقہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، یہ اس کی جائز آمدنی ہے جسے وہ بے کھٹک زیر استعمال لاسکتا ہے۔

۱۱۔ تنقیح محولہ جواب نمبر۲ سے اس کا جواب بھی واضح ہے۔ صدقہ کی ضرورت نہیں، سود کی روایتی شمولیت کے باجود اس کی آمدنی جائز ہے۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت جائز ہے۔ کاروبار کا مطلب ہی ہے کہ آدمی منافع کا تخمینہ اور اس کی پیش بینی کر سکے، جس کے اندر یہ صلاحیت نہیں وہ کاروبار کرنے کا اہل نہیں۔ یہ تخمین اور قیاس آرائی تو ہر کاروبار میں شامل ہوتی ہے، اس لئے شیئرز کی تجارت کی پیش بینی اور قیاس آرائی شریعت میں ممنوع تخمین وقیاس آرائی کے دائرے میں نہیں آتی۔

۱۳۔ فیوچر سیل اپنی اس تفصیل کے ساتھ ناجائز ہے۔ یہ دراصل خالص قمار کی صورت ہے جسے "بیاعات مستقبلیات" کا خوبصورت نام دے دیا گیا ہے۔ یہ نہ بیع صرف ہے جس میں نقد کا نقد سے تبادلہ ہوتا ہے، نہ یہ شیئر کے دائرے میں آتا ہے جس میں اثاثے اور نقد کی خرید وفروخت نقد سے کی جاتی ہے۔ پس اس کے لئے تیسری صورت قمار کی ہی رہ جاتی ہے جو شریعت میں صراحۃً ممنوع ہے۔

۱۴۔ غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جائے نادرست ہے (دیکھئے مغنی ۴/۲۸۸)۔

۱۵۔ شیئرز کے نقد سودے میں قبضہ کے تحقق کے لئے شیئرز سرٹیفکیٹ کا فوری طور پر قبضے میں آجانا ضروری نہیں ہے، سودے کی تکمیل کے بعد عرف میں معتبر شیئر پر جو معنوی قبضہ حاصل ہو جاتا ہے عقد کی صحت کے لئے وہ کافی ہے، قبضہ حسی پر اصرار کی کوئی ضرورت نہیں۔

۱۶۔ جب اس طرح شیئر کی خریداری درست قرار پا گئی تو پھر اسے دوسرے تیسرے اور چوتھے خریدار کو بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جب شیئر کا ضمان ومنافع خریدنے کے ساتھ خریدار کی طرف منتقل ہو گیا تو وہ "بیع مالا یضمن" کے دائرے سے اپنے آپ نکل گیا۔ اور آگے کے لئے اس کے لئے اپنے شیئر کی خرید وفروخت میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی۔

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج کے بروکر اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ وہ سودے جن کی بروکری اور ایجنسی کا وہ کام کر رہا ہے، فی نفسہ ان میں کوئی حرمت اور ممانعت کا پہلو نہ ہو۔

⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘

شیئرز

مقاصد شریعت کے دائرہ میں

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مئو

۱۔ ابتلاء عام کی وجہ سے اس مسئلہ میں شرکت کے جواز کا فتوی دیا جاتا ہے، اور شیئرز اپنی ذات میں کوئی چیز نہیں بلکہ اس کی پشت پر جو املاک واثاثے ہیں وہ اصل چیز ہے، لہذا شیئرز کی خرید وفروخت دراصل کمپنی کے اثاثوں میں متناسب ملکیت کی خرید وفروخت ہے، اور اس خرید وفروخت کے جواز کے لئے چار شرائط ہیں:

۱۔ اصل کاروبار حلال ہو، ۲۔ اس کمپنی کے منجمد اثاثے وجود میں آچکے ہوں، رقم صرف نقد کی شکل میں نہ ہو، ۳۔ اگر کمپنی سودی لین دین کرتی ہے تو اس کی سالانہ میٹنگ میں آواز اٹھائی جائے، ۴۔ جب منافع تقسیم ہوں اس وقت نفع کا جتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہو رہا ہو اس کو صدقہ کردے۔

۲۔ صورت مسئولہ میں خرید کردہ شیئرز کی بیع جائز ہے۔

۳۔ صورت مسئولہ میں بشرط مذکور خرید و فروخت جائز ہے۔

۴۔ صورت مسئولہ میں بنیادی حرام کاروبار والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت حرام ہے کیونکہ جواز کے لئے کمپنی کے کاروبار کا حلال ہونا شرط ہے۔

۵۔ صورت مسئولہ میں ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنا جائز ہے جن کا کاروبار حلال ہے، اس شرط کے ساتھ کہ سود کے خلاف آواز اٹھائی جائے، اور تجارت پر انکم ٹیکس ادا کرنا جو قانون حکومت ہے اس کی رعایت لازم ہونے کی وجہ سے بینک سے سودی قرضہ لے سکتے ہیں۔

۶۔ صورت مسئولہ میں مذکورہ کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جائز ہے اور ملنے والی سودی رقم فقراء ومساکین کو بلانیت ثواب صدقہ کردینا لازم ہے۔

۷۔ صورت مسئولہ میں مجبوری میں سودی قرض لینا جائز ہے اور حلال کاروبار وتجارت کے واسطے لینے کی وجہ سے جو کاروبار سے منافع حاصل ہوں گے وہ شرعاً حلال اور مفید ملک ہوں گے اور اس کے ذریعہ حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہوگی۔

۸۔ صورت مسئولہ میں کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہو کر اس کا عمل شیئرز ہولڈرس کا عمل ہوگا۔

۹۔ صورت مسئولہ میں شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اپنے اختلاف کا اعلان کردینا اسے بری الذمہ کردے گا۔

۱۰۔ صورت مسئولہ میں منافع میں سے سود کا صدقہ کردینا اور رفاہ عام کے کاموں میں لگادینا کافی ہوگا۔

۱۱۔ صورت مسئولہ میں چونکہ سودی لین دین کا غلبہ ہے تو جو حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا ہے تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا ہے اتنا فیصد ملنے والے منافع سے نکال کر صدقہ کر دینا کافی ہوگا۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت جائز ہے، اور مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں: یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ تخمین و قیاس آرائی بذات خود حرام ہے یہ بات غلط ہے، تخمین یہ ہے کہ اندازہ لگایا جائے کہ کس چیز کی قیمت بڑھ رہی ہے اور کس کی قیمت کم ہو رہی ہے، جس کی قیمت کم ہونے کا اندیشہ ہو اس کو بیچ دیا جائے اور جس کی قیمت بڑھنے کی امید ہو اس کو رکھا جائے، یہ بات بذات خود ممنوع نہیں ہے، یہ تو ہر تجارت میں ہوتی ہے، جو بات ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ بیع و شراء کی شرعی شرائط کی رعایت نہ کی گئی، مثلاً غیر مملوک کی بیع یا غیر مقبوض کی بیع کی جا رہی ہو، یا قمار کی شکل بن رہی ہو، قمار دو باتوں سے ملکر بنتا ہے: ایک یہ کہ ایک طرف سے ادائیگی متعین ہو اور دوسری طرف سے موہوم ہو، دوسری بات یہ ہے کہ جس طرف سے ادائیگی ہو گئی ہے اس کی رقم دو باتوں میں دائر ہے، یا تو یہ رقم خود بھی ڈوب جائے گی یا اور رقم کو کھینچ کر لائے گی (اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص ۹۰)۔

۱۳۔ صورت مسئولہ میں فیوچر سیل شرعاً جائز نہیں ہے۔

۱۴۔ صورت مسئولہ میں غائب سودا جس میں بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ تمام رکن اور انعقاد بیع کے لئے صیغۂ ماضی یا حال شرط ہے، اور صیغۂ استقبال سے بیع جائز نہیں ہے۔

۱۵۔ شیئرز پر قبضہ کا مطلب:

شیئرز در حقیقت کمپنی کی املاک میں متناسب حصہ داری کا نام ہے اور شیئر سرٹیفکیٹ در حقیقت اس حصہ داری کا تحریری ثبوت ہے، لہذا مبیع وہ تحریری ثبوت نہیں بلکہ کمپنی کی املاک کا ایک مشاع حصہ ہے، اس لئے اس پر حسی قبضہ تو نہیں ہو سکتا لہذا اس میں معنوی قبضہ ہی معتبر ہوگا۔ اب دو صورتیں ہیں: یا تو یوں کہا جائے کہ معنوی قبضہ اس وقت ہوگا جب سرٹیفکیٹ ہاتھ میں آجائے، یا پھر یوں کہا جائے کہ جس وقت وہ مشاع حصہ مشتری کے ضمان میں آجائے اس وقت معنوی قبضہ متصور ہوگا، اور ہر چیز کے قبضہ کا تصور عرف سے متعین ہوتا ہے اور عرف میں شیئرز کا قبضہ اس وقت سمجھا جاتا ہے جب سرٹیفکیٹ ہاتھ میں آجائے۔

۱۶۔ صورت مسئولہ میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ سرٹیفکیٹ پر قبضہ کئے بغیر آگے بیع نہ کی جائے۔

۱۷۔ صورت مسئولہ میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے۔

☆☆☆☆☆

کمپنی کے شیئرز اور ان کا شرعی حکم

مفتی انور علی اعظمی، دار العلوم مئو

۱۔ کمپنی کے شیئرز کے بارے میں دو نقطۂ نظر ہیں:

ایک یہ کہ شیئرز سرٹیفیکٹ محض کمپنی کو دئے ہوئے پیسے کی دستاویز ہے، کمپنی کے اثاثوں اور اسکی املاک میں حسب تناسب حصہ دار ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، یہی نظریہ درست ہے۔

۲۔ کمپنی کے قیام کے وقت جبکہ اس کے صرف سیال اثاثے یعنی نقد روپے ہیں، ابھی اس کمپنی نے نہ کوئی بلڈنگ خریدی ہے اور نہ مشینری، نہ اس کے پاس خام مال ہے اور نہ تیار مال ہے، اس وقت کمپنی کے شیئر کا کمی بیشی کے ساتھ بیچنا خریدنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب کمپنی کے پاس نقد رقم کے علاوہ اور کوئی ملکیت نہیں ہے تو اس صورت میں دس روپے کا شیئر دس روپے ہی کی نمائندگی کر رہا ہے، لہذا اس کو نو روپے میں بیچنا یا گیارہ روپے میں خریدنا، ایسے ہی ہے جیسے دس روپے کے نوٹ گیارہ روپے کا بیچنا یا خریدنا، جو کہ نا جائز ہے۔

۳۔ جب کمپنی کے پاس سیال اثاثے کے علاوہ کچھ منجمد اثاثے مثلاً بلڈنگ، مشینری، خام مال وغیرہ ہو گئے تو اس وقت اس کے شیئرز کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہوگی، لیکن اس صورت میں ایک بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جب کمپنی کا کاروبار ترقی کر جائے اور کمپنی کے واجب الوصول قرضے اور نقد کی مقدار بڑھ جائے تو شیئر کے مقابلہ میں واجب الوصول قرض اور نقد کی جو مقدار آتی ہے اس سے زیادہ میں بیچنا ضروری ہوگا، اس کے برابر یا کم میں بیچنا جائز نہیں، مثلاً ابتداء میں ایک کمپنی کی کل رقم سو روپے قرض لی گئی اور اجزا اس طرح تھے۔

واجب الوصول قرض	بلڈنگ	مشینری	مال	نقد
۱۰	۴۰	۲۰	۲۰	۱۰

لیکن ترقی کے بعد کمپنی کے اثاثوں کی مالیت دو سو بیس (۲۲۰) ہو گئی۔

واجب الوصول قرضے	نقد شیئرز	بلڈنگ	مشینری	خام مال
۷۰	۷۰	۴۰	۲۰	۲۰

اب کمپنی کے شیئر کی ویلو دس سے بڑھ کر بیس ہو گئی، لہذا اس وقت دس روپے کے شیئر کی مجموعی مالیت اکیس روپے ہو گئی۔ اکیس میں سے چودہ نقد اور واجب الوصول قرضے اور بقیہ سات میں بلڈنگ، مشینری اور خام مال وغیرہ، اس صورت میں دس روپے کے شیئر کو چودہ روپے سے کم کا فرخت کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ چودہ روپے سے زیادہ بیچنا ضروری ہوگا، تا کہ چودہ کے مقابلہ میں نقد اور واجب الوصول قرضے کے چودہ ہو جائیں اور زائد کے مقابلہ میں بلڈنگ مشینری اور خام مال کا حصہ ہوگا۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے، جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت اور اسپورٹ، یا بینکس اور سودی اسکیموں میں روپیہ لگانا، ان کے شیئرز خریدنا جائز نہیں۔

۵۔ موجودہ حالات میں انکم ٹیکس وغیرہ کا جو غیر عادلانہ قانون رائج ہے اس سے بچنے کے لئے سودی قرض لینا ایک مجبوری ہے اور یہ مجبوری شخصی کاروبار میں حائل ہوتی ہے اور کمپنی کو پیش آسکتی ہے، لہٰذا اگر کمپنی نے بدرجہ مجبوری سودی قرضے لئے تو اس کے شیئرز خریدنا جائز ہوگا۔

البتہ شیئرز ہولڈر اس بات کی کوشش کرے کہ مجبوری ختم ہونے کے بعد بلا ضرورت سودی قرض میں کمپنی ملوث نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ جتنا حصہ سودی اکاؤنٹ سے حاصل ہوا اتنا حصہ بلانیت ثواب صدقہ کرے۔

۶۔ دو شرطوں کے ساتھ ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنے کی اجازت ہوگی: ایک تو یہ کہ شیئر ہولڈر اپنی استطاعت بھر سودی آلودگی سے کمپنی کو بچانے کی کوشش کرے، اور دوسرے یہ کہ کمپنی کے اجلاس میں اس کے خلاف آواز اٹھائے۔

۷۔ سودی قرض لینے کی صورت میں اس قرض سے حاصل ہونے والے منافع جائز ہونگے، وہ قرض مفید ملک ہوگا، اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہوگی۔ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اپنی کتاب "اسلام اور جدید معیشت وتجارت" میں تحریر فرماتے ہیں: بعض علماء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کمپنی سودی کاروبار اصلاً کررہی ہو یا تبعاً، سودی کاروبار کم ہو یا زیادہ، اس کے شیئرز لینا جائز نہیں خواہ اسکا حقیقی کاروبار درست ہو، لیکن صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی کے سودی لین دین کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ کمپنی قرضہ لے اور اس پر سود ادا کرے، اس صورت میں کمپنی کی آمدنی میں کوئی حرام عنصر شامل نہیں ہوا، اس لئے کہ جو کوئی شخص سود پر قرض لے تو یہ فعل حرام اور سخت گناہ ہے مگر وہ قرض کا مالک ہوجائیگا، اس کے ساتھ کاروبار کی جو آمدنی حاصل ہوگی وہ بھی حلال ہوگی (صفحہ ۸۷)۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے لیکن یہ وکالت شرکت کی وکالت سے مختلف ہے، اس لئے کہ شرکت میں ہر شریک کی وکالت اس درجہ قوی ہوتی ہے کہ اگر ایک شریک بھی کسی کاروبار سے اختلاف کردے تو وہ کاروبار نہیں کیا جاسکتا لیکن کمپنی کے سیکڑوں شرکاء ہوتے ہیں بلکہ کبھی کبھی یہ تعداد ہزار تک پہونچ جاتی ہے، لہٰذا یہاں شیئر ہولڈرس باوجود شریک ہونے کے اتنا پاور نہیں رکھتے کہ اپنی تنہا رائے سے کمپنی کے اجتماعی فیصلے کو رد کرسکیں، اس لئے ان کا کمپنی کے اجلاس میں سودی کاروبار سے اختلاف کردینا اور بقول حضرت تھانویؒ کمپنی کے ذمہ داران کو اس مضمون کا خط لکھ دینا کافی ہوگا، اور اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کرلینے کے بعد شیئر ہولڈر بورڈ آف ڈائرکٹرس کے اس عمل کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

۹۔ کمپنی کی میٹنگ میں شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اپنے اختلاف کا اعلان کردینا وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے اسے بری الذمہ کردے گا۔

۱۰۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہوا و[illegible] کی مقدار معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کو منافع سے اسکی بقدر نکال کر صدقہ کرنا بھی ضروری ہوگا۔

۱۱۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو

تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا اتنا فیصد ملنے والے منافع سے نکال کر صدقہ کر دینا شیئر ہولڈر کی بقیہ منافع کو جائز بنانے کے لئے کافی ہوگا۔

۱۲۔ شیئرز کی خریداری دو مقصد سے ہوتی ہے: ایک تو باقاعدہ کمپنی کا حصہ دار بن کر اسکا سال بسال نفع حاصل کرنے کے لئے، دوسرے شیئرز کو سامان تجارت کے طور پر بیچنے خریدنے کے لئے۔ شیئرز خریدنے والے کمپنی کے نفع کو سامنے رکھنے کے بجائے شیئرز کی قیمت میں اتار چڑھاؤ کو سامنے رکھتے ہیں، جب کسی کمپنی کا شیئر گھٹ جاتا ہے تو اسکا شیئر خرید لیتے ہیں اور بڑھ جانے کے بعد بیچ دیتے ہیں۔ اس دوسرے مقصد سے بھی شیئر کی خرید و فروخت جائز ہے، اور اس خریداری میں اور فروختگی میں جس قیاس آرائی اور تخمین کو دخل ہے وہ شرعاً ممنوع نہیں ہے، اس طرح کی قیاس آرائی تو ہر قسم کی تجارت میں چلتی ہے۔ البتہ تخمین اور قیاس آرائی کی بنیاد پر شیئرز کی خرید و فروخت وہاں ناجائز ہوگی جہاں شرعی اصول کی رعایت نہ کی جائے، مثلاً جہاں غیر مملوک کی بیع یا غیر مقبوض کی بیع ہو یا قمار کی شکل بن رہی ہو، مثلاً کمپنی کے وجود میں آنے سے پہلے اس کے منجمد اثاثوں کی بیع کی جائے، کمپنی کا ابھی صرف وجود ذہنی ہے خارج میں کچھ بھی نہیں، اور اس کے دس روپے کے شیئر کو پچاس روپے کا بیچا جائے، خواہ نیت سرمایہ کاری کی ہو یا شیئر بیچ کر نفع کمانے کی۔

۱۳۔ فیوچر سیل یا بیاعات مستقبلیہ:

شیئرز مارکیٹ میں مروج فیوچر سیل یعنی بیاعات مستقبلیہ کا سودا ناجائز ہے، کیونکہ یہ ایک جوا ہے، مقصد کسی چیز کی خرید و فروخت نہیں بلکہ صرف سٹے بازی اور ڈیفرنس برابر کرنا ہے، یہ صورت بالکل حرام ہے، اس لئے کہ اس بیع میں مشتری نہ تو مبیع پر قبضہ کرتا ہے اور نہ بائع ثمن پر، بلکہ یہ مقصد ابتداء ہی سے معدوم ہوتا ہے، دونوں کے درمیان قبضہ کی تاریخ طے ہوتی ہے اور اس تاریخ پر اگر شیئرز کی قیمت گھٹ گئی تو یوم خرید اور یوم قبضہ کا فرق مشتری بائع کو دیتا ہے، اور اگر شیئرز کی قیمت بڑھ گئی تو دونوں تاریخوں میں قیمت کا فرق بائع مشتری کو دیتا ہے، شرعی ضابطہ سے یہ بیع بالکل ناجائز ہے، اور اسی قسم کے تخمین اور قیاس آرائی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

۱۴۔ غائب سودے جن میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے وہ بھی شرعاً ناجائز ہے، مستقبل میں بیع کا وعدہ کیا جا سکتا ہے لیکن وقت آنے پر باقاعدہ بیع ضروری ہوگی۔ بیع کی مستقبل کی طرف اضافت یا تعلیق بہ اتفاق ناجائز ہے (اسلام اور جدید معیشت و تجارت ر۹۱)۔

۱۵۔ شیرز کا قبضہ:

کمپنی کے شیئر ہولڈر یعنی حصہ دار سے حصہ خریدنے کے بعد خریدار اس حصہ کا مالک ہو جائے گا، چاہے اس سے اپنے حصہ کا سرٹیفیکٹ ملا ہو یا نہ ملا ہو، جیسے مکان کا خریدار نفس خرید سے مکان کا مالک ہو جائے گا، چاہے رجسٹریشن کا کاغذ ملا ہو یا نہ ملا ہو، شیئرز ہولڈر کا شیئر سرٹیفکٹ پر اگر چہ حسی قبضہ نہیں ہوا لیکن کمپنی کے حصہ پر اسکا معنوی قبضہ ثابت ہو جائے گا، اس لئے کہ اسٹاک ایکسچینج کے قانون کے حساب سے خریدنے والا خریدنے کے وقت سے اسکے نفع نقصان کا ذمہ دار مانا جاتا ہے، یعنی اگر خریداری کے بعد

سرٹیفکٹ ملنے سے پہلے کمپنی تباہ ہوگئی تو نقصان مشتری کا ہوگا بائع کا نہیں ہوگا۔ مفتی محمد تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں: اسٹاک ایکسچینج کے لوگوں سے تفصیلی گفتگو کے نتیجے میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ حاضر سودا ہوجانے کے بعد شیئرز کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں، وہ خریدار کے ضمان میں داخل ہو جاتے ہیں، اس دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ شیئر کے بیع ہی سے خریدار مالک ہوجائے گا اور اس کا قبضہ سرٹیفکٹ کی حصولیابی پر موقوف نہیں ہوگا۔ لیکن دوسری دلیل اسکے خلاف کی متقاضی ہے، وہ یہ کہ عرف میں سرٹیفکٹ پر قبضہ کو ہی شیئر پر قبضہ تصور کیا جاتا ہے، کیونکہ کمپنی کے حصہ مشترکہ پر قبضہ حسی کی کوئی شکل نہیں، لہذا جب تک سرٹیفیکٹ نہیں مل جاتا عرف میں وہ آدمی اپنے شیئر پر قابض نہیں ہوا، اس دلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ سرٹیفکٹ حاصل کرنے سے پہلے اس کی بیع دوسرے کے ہاتھ نہ کرے۔

۱۶۔ سرٹیفکٹ حاصل کرنے تک ابھی شیئر پر قبضہ مشتبہ ہے، اس لئے اس کی بیع احتیاط کے خلاف ہے اور اسکی اجازت سٹہ بازی کی حوصلہ افزائی کے مترادف ہے، اس لئے اس سے پرہیز لازم ہے۔

☆☆☆☆☆

شیئرز کے احکام

مفتی شبیر احمد قاسمی صاحب
دار الافتاء مدرسہ شاہی، مراد آباد

کمپنی کے حصص اور شیئرز خریدنا:

اگر کوئی براہ راست کمپنی سے شیئرز کا فارم خرید کر شرکت کر لیتا ہے اور حصص کے تناسب سے نفع ونقصان اور راس المال سب میں شریک ہو جاتا ہے تو شرعاً یہ معاملہ شرکت عنان کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور درست ہو جائے گا (مستفاد امداد الفتاوی ۳/۴۹۴، ۳/۴۹۰) اس لئے کہ شرکت عنان میں ہر فریق کا عمل میں شریک ہونا لازم نہیں ہے بلکہ اس میں وکالت کا مفہوم موجود ہونے کی وجہ سے عمل میں شرکت کے بغیر بھی درست ہو جاتی ہے (مستفاد فتاوی عالمگیری ۲/۳۱۹) کہ روپئے دینے والے اس کمپنی کے شرکاء ہیں اور کارکنان کمپنی ان کے وکیل ہوتے ہیں (امداد الفتاوی ۳/۴۹۱) لہذا کمپنی کے حصص اور شیئرز کا خریدنا اور ان سے نفع حاصل کرنا جائز اور حلال ہوگا (ایضاح النوادر ۱/۱۰۲)۔

مارکیٹ سے شیئرز خریدنا:

ہمارے ہندوستان میں یہ طریقہ رائج ہے کہ بعض لوگ کمپنی کے ایجنٹ بن کر ایجنسی کھول کر کمپنی سے کافی مقدار میں شیئرز لے کر بازار میں شیئرز فارم فروخت کرتے ہیں، تو کیا اس طرح ایجنسی سے کمپنی کے شیئرز خریدنا جائز ہو سکتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی تین شکلیں زیادہ واضح نظر آتی ہیں:

۱۔ خریدار کی نگاہ میں یہی بات پیش نظر ہوتی ہے کہ شیئرز کا فارم خرید کر متعلقہ کمپنی میں شرکت حاصل کرتا ہے اور تناسب کے حساب سے نفع ونقصان میں شریک ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں اگر ایجنسی نے کمپنی کو ان حصوں کا عوض ادا نہیں کیا ہے تو ایجنسی من جانب کمپنی وکیل ہے اور شیئرز کے خریدار کمپنی کے شریک ہوں گے، اور اگر ایجنسی نے ان حصوں کا عوض ادا کر دیا ہے تو ایجنسی کمپنی کی شریک ہوگی، اور جب ایجنسی اپنے حصص بازار میں جا کر دوسروں کے ہاتھ عوض لے کر منتقل کر دے گی تو ایجنسی درمیان سے نکل جائیگی اور خریدار کمپنی کی شرکت میں حصہ دار بن جائیں گے (مستفاد امداد الفتاوی ۳/۴۹۲)۔

۲۔ خریدار کے ذہن میں یہ بات نہیں ہوتی ہے کہ کمپنی میں شرکت کرنا ہے بلکہ اس کے ذہن میں صرف یہ بات ہوتی ہے کہ آئندہ چند روز کے بعد ان حصص کا بھاؤ بڑھ جائے گا اور اس سے زیادہ قیمت میں فروخت ہو سکتے ہیں لہذا اب خرید لئے جائیں، تو اس طرح شیئرز کی خرید وفروخت بھی شرعاً بقول امام ابو یوسف جواز کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور حلال ہو جائے گی۔

وقال ابو یوسف لا یکره هذا البیع (الی قوله) حتی لو باع کاغذة بالف یجوز

الخ (شامی ۵/۳۲۶، فتح القدیر ۷/۲۱۲)۔

اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ بیع مکروہ نہیں ہے حتی کہ اگر کوئی کاغذ ایک ہزار میں فروخت کیا جائے تو بھی جائز ہے۔

۳: کمپنی کے ایجنٹ تو نہیں بلکہ کوئی شخص براہ راست شخصی طور پر شیئرز خرید لیتا ہے اور پھر اپنے شیئرز کو کسی وجہ سے فروخت کر دیتا ہے اور خریدار اس سے کمپنی میں شرکت کی غرض سے یا آئندہ شیئرز کے بھاؤ بڑھنے پر اچھی شرح پر فروخت کرنے کی غرض سے خریدتا ہے تو یہ بھی شرعاً جواز کے دائرہ میں داخل ہو کر درست ہو جائے گا (ایضاح النوادر ۱۰۳، امداد الفتاوی ۳/۴۹۲، ۳/۴۹۵)۔

مسلم کمپنی کے شیئرز خریدنا:

اگر مسلمان کی کمپنی ہے اور کمپنی میں جائز کاروبار ہے اور سودی کاروبار کرنا شیئرز کے خریدار کو یقین سے معلوم نہیں ہو سکا ہے تو ایسی کمپنی سے شیئرز کا خریدنا بلاشبہ جائز اور حاصل ہونے والا نفع حلال ہوگا، لہٰذا اگر کمپنی فی الواقع سودی لین دین کرتی ہے تو اس کا وبال کمپنی کے ذمہ داروں پر ہوگا شیئرز کے خریدار پر نہ ہوگا۔ ہاں البتہ اگر مسلم کمپنی کا سودی کاروبار یقین سے معلوم ہو جائے تو اس شیئرز کا خریدنا ناجائز اور ممنوع ہوگا (امداد الفتاوی ۳/۴۹۱)۔

اور امداد الفتاوی میں یہ بات صراحت سے بیان کی گئی ہے کہ اگر کمپنی کے سودی کاروبار سے خریدار مطلع ہو جائے اور خریدار کمپنی کو سودی لین دین سے صراحت سے منع کر دے تو ایسی صورت میں لین دین کا ذمہ دار خریدار نہ ہوگا اور اس کے لئے نفع حلال ہو جائے گا اور ذمہ دار کمپنی کے عملہ ہوں گے (امداد الفتاوی ۳/۴۹۷)۔

سودی کاروبار میں حصہ لینے والی مسلم کمپنی کے شیئرز:

اگر کسی شخص نے سودی کاروبار میں حصہ لینے والی کمپنی کے شیئرز خریدے ہیں اور اس نے کمپنی کے عملہ سے صراحۃً کہہ دیا ہے کہ سودی کاروبار جائز نہیں ہے تو ایسی صورت میں عقود فاسدہ کے لین دین کے ذمہ دار بقول حضرت تھانویؒ کمپنی کے عملہ ہوں گے، شیئرز کا خریدار نہ ہوگا، اور اگر پھر بھی کمپنی نے سودی کاروبار میں حصہ لے لیا ہے تو یہ کمپنی کے عملہ سے معلوم کرے کہ سالانہ آمدنی میں سے کتنا فیصد سودی کاروبار کی وجہ سے منافع ہوا ہے تو یہ خریدار اپنے حاصل شدہ منافع میں سے اتنا ہی فیصد نکال کر صدقہ کر دے، یہ شیئرز کے معاملہ میں حرام مال سے بچنے کے لئے ایک بہترین شکل ہے (فقہی مقالات رص ۱۵۰)۔

غیر مسلم کمپنی کے شیئرز خریدنا:

اگر کمپنی غیر مسلم کی ہے اور اس میں سودی کاروبار نہیں ہے تو بلاشبہ غیر مسلم کی ایسی کمپنی کے شیئرز کا خریدنا اور اس کے منافع حاصل کرنا جائز اور حلال ہوگا، اور اگر غیر مسلم اپنی کمپنی میں سودی کاروبار بھی کرتا ہے یا حالات معلوم

نہیں ہیں، اور ظاہر ہے کہ ان کے یہاں سودی لین دین مذموم نہیں ہے تو ایسی صورت میں غیر مسلم کی کمپنی کے شیئرز خرید نا شرعاً مکروہ تحریمی ہوگا (امداد الفتاوی ۳/ ۴۹، ایضاح النوادر ۱/ ۱۰۶)۔

اگر غیر اسلامی ممالک میں کمپنی کے شیئرز کا معاملہ چل رہا ہے تو شیئرز کمپنی کی تین قسمیں ہیں:

قسم اول۔ غیر اسلامی ممالک کی مسلم کمپنی:

غیر اسلامی ممالک کی مسلم کمپنی کی تین شکلیں زیادہ واضح ہیں:

۱۔ کمپنی مسلمانوں کی ہو، چاہے اس میں کام کرنے والے غیر مسلم بھی ہوں پھر بھی اس کو مسلم کمپنی قرار دیا جائے گا، اگر ایسی مسلم کمپنی کا پورا کاروبار سودی لین دین پر ہے اور اس کمپنی میں کوئی بھی جائز معاملہ نہیں کیا جاتا ہے، مثلاً فکس ڈپازٹ کی کمپنی ہے یا لائف انشورنس کی کمپنی ہے یا شراب کی کمپنی ہے، تو ایسی مسلم کمپنی میں شیئرز خرید کر شرکت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۲۔ مسلم کمپنی جائز معاملہ کرتی ہے، مثلاً پلاٹ اور عمارت کا کام کرتی ہے یا خود اس کمپنی میں اشیاء تیار ہوتی ہیں، مثلاً جوتا، چپل یا کپڑا یا صابن یا گاڑی وغیرہ خود اس کمپنی میں بنتے ہیں تو ایسی کمپنی کی شرکت اور اس کے شیئرز خرید کر منافع حاصل کرنا بلاشبہ جائز اور درست ہے، اس لئے کہ یہ معاملہ شرعی طور پر مضاربت یا شرکت کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور درست ہو جاتا ہے۔

۳۔ مسلم کمپنی کا اصل کاروبار جائز تجارت یا جائز چیزوں کی ایجاد ہے لیکن ضمناً فکس ڈپازٹ وغیرہ بھی کرتی ہے یا سرکار سے سود پر قرض لے کر بھی کام کرتی ہے تو ایسی مسلم کمپنی سے شیئرز خریدتے وقت صاف کہہ دیا جائے کہ ہم سودی معاملہ کو جائز نہیں سمجھتے ہیں اور ہمارے اسلام میں سودی معاملہ جائز نہیں ہے اس لئے آپ سودی معاملہ نہ کیجئے، پھر بھی اگر کمپنی سودی معاملہ کر بیٹھے تو سال کے آخر میں منافع تقسیم کرتے وقت کمپنی سے معلوم کر لیا جائے کہ کتنے فیصد منافع سودی لین دین سے حاصل ہوا ہے تو خریدار اپنے منافع میں سے اتنا فیصد صدقہ کر دیا کرے (مستفاد فقہی مقالات/ص ۱۵۱)۔

قسم دوم۔ مسلم وغیر مسلم کی مشترک کمپنی:

اگر غیر اسلامی ممالک میں کمپنی مسلمان وغیر مسلم کے درمیان مشترک ہے اور ایسی کمپنی کا شیئرز خریدا جا رہا ہے تو اس میں وہ سارے احکام لاگو ہوں گے جو خالص مسلم کمپنی سے شیئرز خریدنے کے متعلق ذکر کئے جاتے ہیں، جو صورتیں مسلم کمپنی کے شیئرز میں جائز ہیں وہ مشترک کمپنی میں بھی جائز ہوں گی، اور جو شیئرز مسلم کمپنی کے جائز نہیں ہیں وہ مشترک کمپنی کے بھی جائز نہ ہوں گے۔

قسم سوم۔ غیر مسلم کمپنی کے شیئرز:

اگر کمپنی کے مالک غیر مسلم ہیں اگرچہ اس میں کام کرنے والا بعض عملہ مسلمان کیوں نہ ہو، اس پوری کمپنی کو

غیر مسلم کمپنی کہا جائے گا، اور غیر مسلموں کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرنا یا شرکت عنان کا معاملہ کرنا بالاتفاق جائز ہے، البتہ صرف شرکت مفاوضہ میں حضرات طرفین اور حضرت امام ابو یوسف کا اختلاف ہے، حضرات طرفین کے نزدیک شرکت مفاوضہ میں مساوات فی الدین شرط ہے، اور حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک مساوات فی الدین شرط نہیں ہے۔ اور کمپنی کے شیئرز کے معاملہ میں شرکت مفاوضہ کی تعریف یوں ہی صادق نہیں آتی ہے بلکہ شرکت عنان یا مضاربت کی تعریف صادق آتی ہے، اس لئے شیئرز کی خریداری میں مضاربت یا شرکت عنان کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسئلہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے، اور مضاربت اور شرکت عنان مسلم و غیر مسلم کے درمیان جائز ہوتا ہے، ان میں مساوات فی الدین شرط نہیں۔ لہذا مسلمان کے لئے غیر مسلم کمپنی کے شیئرز خریدنا بلاتردد جائز و درست ہوگا [1]

غیر مسلم کمپنی میں سودی کاروبار:

اگر مسلمان نے غیر مسلم کمپنی سے شیئرز خرید لیا ہے اور وہ غیر مسلم عقود فاسدہ اور ربا کا معاملہ بھی اپنی تجارت میں کرتا ہے تو ایسی صورت میں کمپنی کے شیئرز سے ملا ہوا منافع مسلمان کے لئے حلال ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ عقود فاسدہ اور ربا کا معاملہ کرنے میں مسلمان کا کوئی دخل نہیں ہے، سارا دخل اور اختیار اور معلومات اس غیر مسلم ہی کو حاصل ہے اور عقد کے حقوق بھی اسی غیر مسلم پر لاگو ہوں گے، اور خریدار مسلمان کو پوری طرح حقیقت بھی معلوم نہیں تو ایسی صورت میں حاصل شدہ منافع اس مسلم کے لئے حلال ہونے میں کسی قسم کا تردد نہیں ہے، اس لئے کہ ہم کو شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان کو ان کے معاملات پر چھوڑ دیں، وہ اپنے اعتقاد کے اعتبار سے معاملہ کرتے رہیں، اور عقود فاسدہ اور سودی معاملہ ان کے دین کے اعتبار سے جائز ہے، اس لئے اگر غیر مسلم کمپنی نے اپنی کمپنی کے اندر سودی لین دین کر رکھا ہے تو اس کا وبال خریدار مسلم پر نہیں پڑے گا اس لئے کہ معاملہ کو طے کرنے میں مسلمان کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ غیر مسلم کمپنی کا دخل رہا ہے، لہذا غیر مسلم اپنے طور پر معاملہ کر کے جو منافع حاصل کرتا ہے وہ اس کے لئے حلال ہے اور جب وہ مسلمان کو دے گا تو اس کے لئے بھی حلال ہو جائے گا، لیکن جان بوجھ کر ایسا معاملہ کرنا مسلمان کے لئے مکروہ ہے، البتہ تجارت کا منافع حلال ہوگا۔ واللہ اعلم (اعلاء السنن ۱۴/۱۱۱-۱۱۲)۔

☆☆☆☆☆

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۶/۸۱، قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ۶/۳۱۲، عالمگیری ۲/۲۱۹، ۴/۳۳۳، تبیین الحقائق ۳/۳۱۵)۔

شیئرز کا شرعی حکم

مولانا محمد رضوان القاسمی، حیدرآباد

ا۔ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر، کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، یا محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے اتنی رقم کمپنی کو دی ہے۔ اس سلسلے میں علماء کرام کی رائیں مختلف ہیں۔ تاہم کمپنی کی حقیقت اور خصوصیات سے اس گروہ کی تائید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ وہ ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ کیوں کہ اگر کمپنی شرکاء کی باہمی قرارداد سے تحلیل ہو جائے تو ہر ایک کو کمپنی کے اثاثہ واملاک کا متناسب حصہ ملتا ہے، نفع حاصل ہونے کی صورت میں ہر شیئر ہولڈر کو راس المال کے تناسب سے حصہ ملتا ہے اور خسارہ کی صورت میں اسی تناسب سے نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔

۲۔ جب کمپنی کا وجود عمل میں نہ آیا ہو تو ظاہر ہے کہ شرکاء کے حصص صرف نقود کی شکل میں ہوں گے، تو ایسے شیئر کی بیع میں نقد کا مقابلہ نقد سے ہوگا، جس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ مجلس میں قبضہ ہو، لہذا اس شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے ایسے شیئر کو خریدنا جائز نہ ہوگا، چونکہ نقد کے مقابلہ میں نقد ہے۔

۳۔ کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد اس کا سرمایہ نقود واملاک کا مجموعہ ہوتا ہے، تو اس کا شیئر خریدنا جائز ہے جب کہ ثمن کے مقابلہ میں نقد کم ہو، تا کہ بقیہ ثمن املاک کے مقابل ہو جائے، جیسا کہ فقہاء چاندی سے ملمع کی ہوئی تلوار وغیرہ کی بیع میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ ثمن کے مقابلے میں چاندی کم ہو، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

والأصل انه متى بيع نقد مع غيره كمفضض و مزر كش بنقد من جنسه شرط زيادة الثمن.

اصل یہ ہے کہ جب نقد اور غیر نقد سے مخلوط شئی مثلاً چاندی سے ملمع کی ہوئی چیز اور زری والے کپڑے کی بیع خالص نقد کے ساتھ کی جائے تو اگر دونوں نقد کی جنس متحد ہو تو ثمن کی زیادتی شرط ہے۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے تو ان کے کا شیئرز خریدنا ناجائز ہے، کیونکہ یہ اعانت علی المعصیۃ ہے، اور کتاب وسنت اور فقہاء کی عبارات اس کے حرام وممنوع ہونے پر ناطق ہیں۔

۵۔ اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہو لیکن وہ عائد ہونے والے ناواجبی ٹیکس مثلاً انکم ٹیکس وغیرہ کی زد سے بچنے کے لئے سودی قرض لیتی ہو تو یہ احتیاج وضرورت کی وجہ سے جائز ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

يجوز للمحتاج الا ستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر رص ۹۲)۔

محتاج کے لئے سودی قرض لینا جائز ہے۔

۶۔ اور اگر قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہو تو یہ بھی ضرورت کی وجہ سے جائز ہے، اس لئے ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنے کے جواز میں بھی کوئی کلام نہیں۔

۷۔ سودی لین دین عقود فاسدہ میں سے ہے، اس لئے اس پر قبضہ کرنے سے ملکیت آجائیگی، اگر یہ معاملہ ضرورتاً کیا گیا ہو تو اس سے حاصل ہونے والے منافع بھی حلال ہوں گے، چونکہ اس میں کوئی حرام عنصر شامل نہیں ہوا

ہے،اورضرورتاً لئے جانے کی وجہ سے اس میں خبث بھی نہیں ہے،لیکن اگر بلاضرورت قرض لیا گیا ہوتو وہ مال خبیث سمجھا جائے گا،اس لئے منافع بھی حلال نہ ہوں گے۔

۸،۹۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے،لیکن شیر ہولڈر اگر ڈائرکٹرس کے کسی عمل سے صراحۃً براءت کا اظہار کردے تو وہ اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

۱۰۔ مذکورہ تمام صورتوں میں سودی منافع کا صدقہ کردینا کافی ہوگا، جیسا کہ مال حلال وحرام کے خلط ملط ہوجانے کا حکم ہے کہ جب حرام مال کی مقدار معلوم ہوتو صرف اس کو صدقہ کردینا کافی ہوگا۔

۱۱۔ اگر سودی آمدنی کو کاروبار میں لگایا جاتا ہو اور کبھی شیئرز کمپنیاں ایسا کرتی ہوں تو ان کے شیئرز خرید کرنا جائز ہے۔

۱۲۔ شیئرز کی خرید وفروخت درحقیقت کمپنی کے اثاثوں میں متناسب حصہ کی خرید وفروخت ہے، گویا اسے تجارت کی حیثیت حاصل ہے،اس لئے شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے اس کی تجارت جائز ہے، بیع کے جواز وعدم جواز میں قیاس وتخمین کا کوئی دخل نہیں ہے۔

۱۳،۱۴۔ غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے،نہ جائز ہے اور نہ معتبر،چنانچہ وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

البيع المضاف: هو ما أضيف فيه الايجاب إلى زمن مستقبل كان يقول شخص لغيره: بعتک هذه السيارة بكذا من أول الشهر القادم .....أتفق الفقهاء على عدم صحة البيع المعلق أو المضاف (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۶۱)۔

بیع مضاف وہ ہے جس میں ایجاب کی کیفیت زمانہ مستقبل کی طرف کی جائے،جیسا کہ کوئی شخص دوسرے سے کہے: میں نے تیرے ہاتھ یہ گاڑی اتنے میں فروخت کیا لیکن اسے آئندہ مہینہ کے شروع میں حوالہ کرونگا......... فقہاء کرام بیع معلق یا بیع مضاف کے صحیح ہونے پر متفق ہیں۔

۱۵،۱۶۔ فقہاء احناف کے یہاں تخلیہ کو حکماً قبضہ سمجھا گیا ہے،جس کا مقصد یہ ہے کہ مشتری بلا رکاوٹ ومشقت مبیع میں تصرف کرسکے، یہ کیفیت شیئر ہولڈر کو بوقت شراء ہی حاصل ہوجاتی ہے،جیسا کہ کمپنی کی خصوصیات وقوانین سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام حقوق وذمہ داریاں اور دیگر تصرفات کا حق بوقت شراء ہی حاصل ہوجاتا ہے،لہذا عقد تام ہوتے ہی یہ سمجھا جائے گا کہ وہ مبیع (کمپنی کے املاک کا متناسب حصہ) پر قابض ہے،لہذا شیئر (تحریری ثبوت) پر قبضہ کئے بغیر اس کی بیع درست ہوگی،چونکہ اصل مبیع اس کے ضمان میں آچکی تھی۔

۱۷۔ بروکر یعنی ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے،چنانچہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں:

أما الدلال فإن باع العين بنفسه باذن ربها فاجرته على البائع (درمختار ۴/۵۶۰)۔

اگر دلال مالک مال کی اجازت سے مال خود فروخت کرے تو اس کی اجرت بائع پر ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

حصص سے متعلق شرعی نقطۂ نظر

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

شیئرز کی ماہیت اور اس کی تعریف کیا ہے؟ اس سلسلے میں اگر کسی معتبر کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس کا شائع کردہ مواد ترجمہ کر کے سوالنامہ کے ساتھ منسلک کیا جاتا تو شیئرز کا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہوتی۔ غالبًا یہ بھی ایک طرح کا نظام ہے، جس طرح بینکنگ ایک نظام ہے، اس لئے نظام چلانے والے ادارے اپنے نظام کے تعارف کے لئے جو مواد شائع کرتے ہیں اسی سے اسکی ماہیت سمجھ میں آتی ہے۔ ماہیت سمجھنے کے بعد ہی کوئی حکم لگانے کا مرحلہ آتا ہے، نیز بعض مسلم ممالک میں بھی یہ نظام رائج ہے، وہاں کے علماء کے خیالات معلوم ہو جاتے تو آسانی ہوتی، مناسب ہو تو اگلے سمینار میں اسی مسئلہ کو زیادہ شرح وبسط کے ساتھ دوبارہ لایا جائے تاکہ بصیرت کے ساتھ رائے قائم کی جاسکے۔

ا۔ بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ شیئرز دستاویز ہیں، لیکن اس طرح کی دستاویز نہیں ہے جیسی ڈالر، پاؤنڈ، ریال، اور روپے ہیں۔ ثانی الذکر زر مبادلہ ہے اور اول الذکر ایک طرح کا اسٹامپ ہے زر مبادلہ نہیں ہے، چنانچہ شیئرز کے بدلے اگر کوئی شخص اناج کی منڈی میں اناج خریدنا چاہے تو اس کو اناج نہیں ملے گا، شیئرز کا چلن تو صرف شیئرز کے مارکیٹ میں ہوتا ہے۔ اس لئے شیئرز کو نوٹوں کے بدلے خریدنا بیع صرف کیونکر ہو سکتا ہے، بیع صرف تو جب ہوتی جب دونوں جانب زر مبادلہ ہوتا، یہاں ایک جانب زر مبادلہ یعنی روپے ہیں اور دوسری جانب ایک مخصوص قسم کا اسٹامپ ہے۔

جب شیئرز نہ مبیع ہے نہ ثمن بلکہ متعینہ حصص کی تفصیل اور اسکی ضمانت ہے تو اس کے معاملہ کو عقد بیع کہنے کے بجائے عقد شرکت کہنا درست معلوم ہوتا ہے۔

شیئرز کا معاملہ شرکت عنان ہے جس میں تمام شرکاء اپنا مال بھی لگاتے ہیں اور محنت بھی کرتے ہیں، شیئرز میں شرکاء کا مال لگانا تو ظاہر ہے، اور محنت لگانا یہ ہے کہ ان ہی کے پیسوں سے تمام کام کرنے والوں کو اجرت دی جاتی ہے، گویا ان کا نائب ان کی طرف سے کام کر رہا ہے۔

ومعنى شركة العنان أن يشترك رجلان بماليهما على أن يعملا فيهما بأبدانهما والربح بينهما وهي جائزة بالاجماع (المغنی ۱۶/۵)۔

یعنی شرکت عنان کا معنی ہے کہ دو آدمی اپنا مال بھی لگائیں اور اپنی محنت بھی لگائیں اور نفع آپس میں بانٹ لیں، اس طرح کی شرکت بالاتفاق جائز ہے۔

ولايجوز ان يكون رأس مال الشركة مجهولا ولا جزافاً (المغنی) یعنی عقد شرکت میں راس المال کا مجہول ہونا یا اس کا انکل پر مبنی ہونا درست نہیں ہے۔

وشركة العنان مبنيّة على الوكالة والأمانة لأن كل واحد منهما يدفع المال إلى صاحبه أمّنه وباذنه له في التصرف وكّله (بحوالہ سابق)۔

یعنی شرکت عنان کی بنیاد وکالت اور امانت پر ہے۔اس لئے کہ ہر ایک نے اپنا مال دوسرے کو دیکر اس کو امین بنادیا ہے، اور اس کو تصرف کی اجازت دیکر وکیل ٹھہرادیا ہے۔

۴۔ جو کمپنیاں ناجائز مال تیار کرتی ہیں ان کے شیئرز خریدنا ناجائز ہے۔

۵،۶۔سود کی مجبوری:

جس صورت میں کمپنی اپنے طور پر پوری طرح سود سے بچنے کی کوشش کررہی ہے، لیکن قانونی مجبوری کی وجہ سے اور انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے اس کو سودی قرض لینا پڑا ہے، یا اس نے بادل ناخواستہ سود لے کر اتنا صدقہ کردیا ہے، تو یہ صورت تمام صورتوں میں سب سے زیادہ اوراھون ہے۔لیکن مال کو بڑھانے اور مالدار بننے کے لئے سودی قرض لینا حرام اور انتہائی قبیح ہے۔

اگر کوئی کمپنی جائزالاستعمال مال تیار کرتی ہے اور اس میں شرکت کے وقت ہر شریک کا راس المال متعین کردیا گیا ہے اور اس سے حاصل ہونے والے نفع کی نسبت یعنی نصف، ثلث، ربع، ثمن کے طور پر ذکر کی گئی ہے تو اس کے شیئرز کا خریدنا درست ہے۔

۱۲۔شیئرز کی تجارت:

شیئرز جب نہ ثمن ہیں اور نہ مبیع، تو ان کی تجارت کیونکر درست ہوسکتی ہے، رأس المال یا ثمن وہ زرمبادلہ ہے جو شیئر ہولڈر ادا کرتا ہے، اور مبیع وہ سامان ہے جو فیکٹری میں تیار ہوگا، شیئر ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے، لہذا اس کی بیع وشراء درست نہیں ہے، نیز جب شیئر کا معاملہ عقد شرکت ہے تو شریک کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ وہ اپنا حصہ دوسرے کو فروخت کردے۔

۱۳۔ فیوچر سیل درست نہیں ہے، کیونکہ یہ قمار ہے۔

عن عبدالله بن مسعود قال نهى النبيّ ﷺ عن صفقتين في صفقة رواه أحمد، قال سماک يبيع البيع فيقول هو بنسأ بكذا وبنقد بكذا و قال الشوكاني والعلة في تحريم بيعتين في بيعة عدم استقرار الثمن في صورة بيع الشئ الواحد بثمنين (نیل الاوطار۵/۱۵۳)۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع دوبیعوں کی صورت میں کرنے سے منع فرمایا، سماک کہتے ہیں کہ اسکی صورت یہ ہے کہ کہے یہ مال ادھار لو تو اتنے میں اور نقد لو تو اتنے میں۔ قاضی شوکانی کہتے ہیں کہ علت نہی یہ ہے کہ ثمن میں استقرار نہیں ہے۔

۱۷۔ جس صورت میں شیئرز خریدنا درست ہے اس صورت میں بروکری بھی درست ہے۔

ولا بأس أن يأخذ السمسار أجره قال البخاري في صحيحه لم ير ابن سيرين وعطاء وإبراهيم والحسن بأجر السمسار بأسا، وقال ابن عباس لابأس بأن يقول بع هذا الثوب فما زاد على كذا و كذا فهولک، وقال ابن سيرين إذا قال بعه بكذا فما كان من ربح فهو بيني وبينک

فلا بأس به، وقال النبی ﷺ المسلمون عند شروطهم (الحلال والحرام فی الاسلام/۲۳۸)۔
یعنی اگر ایجنٹ اجرت لے لے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابن سیرین اور عطاء بن ابی رباح اور ابراہیم اور حسن بصری ایجنٹ کی اجرت میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کسی سے کہے کہ یہ کپڑا بیچ دو اور جو زیادہ پیسے ملیں گے وہ تمہارے ہونگے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ابن سیرین کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ یہ چیز فروخت کردو جو نفع ہوگا وہ ہمارے اور تمہارے درمیان نصف نصف ہوگا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"المسلمون عند شروطهم" (مسلمانوں کو اپنی شرط پوری کرنی چاہئے)۔

☆☆☆☆☆

شیئرز کے چند مسائل

مفتی محبوب علی وجیہی، رامپور

۱۔ جو شخص کسی کمپنی یا فیکٹری کے شیئرز خریدتا ہے تو وہ اس کمپنی کے ہر حصہ اور ہر چیز میں اپنے شیئرز کے تناسب سے مالک ہوجاتا ہے، اس لئے یہ شیئرز اس کی ملکیت کا نمائندہ ہے، پس شیئرز کی یہ حقیقت ہے کہ نقد، اثاثوں، اس کی زمین، مشینیں وغیرہ شیئرز کے ذریعہ اس کی ملکیت میں آجاتی ہیں، اس لئے شیئرز کی خریداری یا فروخت نقد کی نقد کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اس کے شیئرز کے حصے کے بقدر جو چیز بھی کمپنی کی ملک ہے اس کی اس پر ملک ہوجاتی ہے، اور جو قانون گورنمنٹ کا ہے وہ ہمارے نقطۂ نظر سے غلط ہے، اس میں شیئرز ہولڈر کے شیئرز کے بقدر کمپنی کے اثاثے یا اتنی رقم کمپنی کی ترقی ہونا ضروری ہے۔

۲۔ اگر کمپنی کا کوئی وجود نہیں ہے صرف کاغذ پر ہے تو شیئرز خریدنا جائز نہیں ہے، جب کمپنی کا وجود کچھ نہ کچھ ہو جائے مثلاً میٹریل وغیرہ تعمیر کے لئے آگیا، زمین خریدلی تو پھر فروخت کرسکتا ہے، یہ بیع بیع صرف ہوگی۔

۳۔ اگر کمپنی کے اثاثے نقد کے مقابلہ میں نمایاں طور پر غالب ہیں تو شیئرز خریدنا درست ہے کیونکہ اس سے بچنا بہت دشوار ہے اور معاملات کا دارومدار سہولت پر ہے۔ فقہ کا مشہور مقولہ ہے جو احناف کے یہاں بطور دلیل موجود ہے: "للأكثر حكم الكل" اگر حرام اور حلال میں حلال غالب ہے تو کھانا پینا حلال ہے، اور حرام غالب ہے تو حرام، کیونکہ اس میں غالب کے اعتبار سے حکم ہوگا۔

۴۔ ان کمپنیوں کے شیئرز خریدنا مسلمان کے لئے حرام ہے۔

۵۔ چونکہ ان کمپنیوں کا نظام ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے، اس لئے ان کے شیئرز کا خریدنا جائز ہوگا، پھر گورنمنٹ کی طرف سے بہت سے ایسے قوانین ہیں جن سے بچنا مسلمان کے اختیار میں نہیں ہے اس لئے "المشقة تجلب التيسير" کے تحت ان شیئرز کا خریدنا اور بیچنا جائز ہے، اسی طرح "الضرورات تبيح المحظورات" بھی اس پر دلیل جواز ہے۔

۶۔ اگر یہ قانون گورنمنٹ کی طرف سے بالجبر ہے اور اس جبر کو دفع کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے تو سیکورٹی بانڈس خریدنا یا ریزرو بینک میں جمع کرنا جائز ہے، البتہ اس سے حاصل ہونے والا سود گورنمنٹ کو جو سود دینا پڑتا ہے اس میں دیدے، یا کوئی امدادی فنڈ غرباء کے لئے کھول دے اس سود کی رقم سے، اور یہ رقم اس میں خرچ کردے۔

۷۔ یہ قرض مفید ملک نہیں ہوگا اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حلال نہیں ہوگی، قرض لینا خوشی سے نہ تھا مجبوری سے تھا اس لئے لینا پڑا، لیکن اب اس سے انتفاع جائز نہ ہوگا کیونکہ نفع اختیاری ہے۔

۸۔ وکیل کا کام مؤکل کی منشاء اور اس کے کہنے کے مطابق عمل کرنا ہے، لہٰذا اگر وکیل مؤکل کے کہنے اور مؤکل کی مرضی اور منشاء کے مطابق کام کرے گا تو اس کا عمل مؤکل کا عمل سمجھا جائے گا۔

۹۔ جی ہاں! اگر مؤکل وکیل کے کام سے اختلاف کرے تو پھر اس کام میں وہ اس کا وکیل نہیں رہے گا اور یہ وکیل کے عمل سے بریٔ الذمہ ہوجائے گا۔

۱۰۔ جی ہاں! مؤکل پہلے تو اپنے وکیل کے سود کے عمل میں اختلاف کر کے اس سے بریٔ الذمہ ہوگا، اب اس کے حصہ میں جو سود کی رقم آئے اس کو تصدق علی الفقراء کردے تو یہ عنداللہ بریٔ الذمہ ہوجائے گا۔

۱۱۔ جی ہاں کافی ہوگا۔

۱۲۔ تجارت میں خرید وفروخت کے اندر بالعموم ظن وتخمین ہی کام کرتا ہے، آج بڑا تاجر بہت سا سامان اس لئے خرید کر رکھتا ہے کہ آئندہ دام بڑھیں گے اور میں نفع پر اس کو فروخت کروں گا، اسی طرح فیکٹری موجود ہے حلال سامان تیار ہورہا ہے، یا فیکٹری بننے والی ہے پلان منظور ہوگیا یا بن رہی ہے، یا فیکٹری چل رہی ہے اس کے مال کی کھپت منڈی میں خوب ہے، پس ایسی فیکٹری کے اس خیال سے شیئرز خریدنا کہ اس میں نفع ہوگا بالکل جائز ہے، لیکن وہ فیکٹریاں جن کا ابھی وجود نہیں ہے صرف کاغذ پر ہیں ان کے شیئرز دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت نہیں کرسکتا تاوقتیکہ وہ تعمیر نہ ہونے لگیں اور ان کا وجود نہ ہوجائے۔

۱۳۔ قانون شریعت کے مطابق یہ خرید وفروخت ناجائز ہے۔

۱۴۔ اگر بیع سَلَم کی تعریف اس پر صادق آتی ہے اور وہ شرائط بیع سلم کے ساتھ ہو تو جائز ہوگی ورنہ نہیں۔

۱۵۔ جس وقت شیئرز کی خرید وفروخت کا عمل مابین بائع ومشتری جاری ہوا اسی وقت مشتری اس شئی کا مالک ہو گیا اور قبضۂ حکمی اس کا ہوگیا، سرٹیفکیٹ تو محض ایک دستاویز ہے جس سے اس کی خریداری کا اور بائع کے فروخت کرنے کا ثبوت ہوتا ہے، جیسے ہم نے کسی جائداد کو خریدا، بعد کو رجسٹری کرائی تو رجسٹری ہمارے ہاتھ میں کبھی مہینہ بھر میں کبھی اس کے بھی بعد آتی ہے مگر جانبین میں عمل دخل اسی وقت سے شروع ہوجاتا ہے، لہذا یہاں عرف وعادت کی بنا پر قبضہ حکمی کافی ہوگا، حسی قبضہ ضروری نہیں۔

۱۶۔ مشتری نے شیئرز کی قیمت ادا کردی، سودا پکا ہوگیا تو اب سرٹیفکیٹ کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے وہ تو صرف کاغذی ثبوت ہے، مشتری اس کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرسکتا ہے۔

۱۷۔ ایسے آدمی کو شرع کی اصطلاح میں سمسار کہتے ہیں، آج کل کی اصطلاح میں بروکر کہتے ہیں، بروکر کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہے، یہ شخص عرف وعادت کے مطابق اپنا کمیشن بھی لے سکتا ہے اور طے کر کے بھی لے سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

کمپنیوں میں سرمایہ کاری اور شیئرز
احکام ومسائل

مولانا اختر امام عادل

"کمپنی" مشترکہ کاروبار کی ایک نئی شکل ہے، ورنہ خود مشترکہ کاروبار کا تصور نیا نہیں، فقہاء متقدمین کی کتابوں میں شرکت کی مختلف قسموں اور احکام کا تفصیلی ذکر ملتا ہے، کمپنی اسی شرکت کی ایک جدید قسم ہے، جس کا پس منظر حضرت مولانا تقی عثمانی کے بقول یہ ہے کہ:

"یورپ میں صنعتی انقلاب رونما ہونے کے بعد سترہویں صدی کے آغاز میں بڑے بڑے کارخانوں وغیرہ کے قائم کرنے کے لئے عظیم سرمایہ کی ضرورت پڑنے لگی، جس کو کوئی شخص اکیلا یا چند افراد مل کر فراہم نہیں کر سکتے تھے، تو اس وقت عام لوگوں کی منتشر بچتیں یکجا کر کے ان سے اجتماعی فائدہ اٹھانے کے لئے کمپنی کا نظام رائج ہوا (اسلام اور جدید معیشت وتجارت ص/۵۵)۔

شرکت وکمپنی میں فرق:

کمپنی کو شرکت کی جدید قسم ماننے کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے شرکت کی جو چار قسمیں بیان کی ہیں، اور مضاربت کو بھی شامل کرلیا جائے تو پانچ قسمیں ہوجاتی ہیں، ان میں سے کسی بھی قسم میں کمپنی کو پورے طور پر داخل نہیں کیا جاسکتا، بنیادی طور پر اشتراک ہونے کے باوجود دونوں کے تصور وعمل میں کافی فرق ہے، مثلاً:

۱۔ شراکت میں ہر شریک کاروبار کے جزو مشاع کا مالک ہوتا ہے، تمام شرکاء ملکیت واختیارات میں برابر ہوتے ہیں، ہر شخص دوسرے کا وکیل اور جواب دہ ہوتا ہے، جبکہ کمپنی میں ایسا نہیں ہوتا، کمپنی کا خود مستقل قانونی وجود ہے، اس کو "شخص قانونی" یا "شخص فرضی" کہا جاتا ہے، حاملان حصص کو کمپنی کے اثاثوں میں حق ملکیت تو حاصل ہے، مگر حق تصرف حاصل نہیں، کمپنی تحلیل ہونے کے بعد اگر کمپنی کے اثاثوں کی تقسیم عمل میں آئے تو شرکاء کو ان کے متناسب حصہ کے مطابق اثاثہ ملے گا، مگر تحلیل سے قبل وہ کوئی تصرف نہیں کر سکتا، اسی بنا پر کسی حامل حصص کے مدیون ہونے کی صورت میں اگر اس کے سامان کی قرقی عمل میں آئے تو کمپنی میں موجود اس کے حصہ کا اثاثہ قرق نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ شرکت میں کاروباری سلسلے میں کوئی دعوی ہو تو تمام شرکاء مدعی یا مدعا علیہ بنیں گے، ہر ایک فرد اس کا ذمہ دار قرار پائے گا، اس کے برخلاف کمپنی کا خود مستقل قانونی وجود ہے، وہ خود مدعی یا مدعا علیہ بنے گی، مگر

دوسرے حاملان حصص پر اس کی ذمہ داری نہیں آئے گی۔

۳۔ شرکت میں سے کوئی شریک اپنا معاملہ فسخ کر کے سرمایہ نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے، جبکہ کمپنی سے سرمایہ نہیں نکالا جا سکتا، البتہ شیئرز فروخت کئے جا سکتے ہیں۔

۴۔ شرکت میں عموماً ذمہ داری کاروبار کے اثاثوں تک محدود نہیں ہوتی، جبکہ کمپنی میں ذمہ داری محدود ہوتی ہے (اسلام اور جدید معیشت و تجارت رص ۶۲)۔

ان باہمی وجوہ فرق کی بنا پر کمپنی کے ساتھ مشارکت، یا اس کے شیئرز کی خرید و فروخت کو شرکت کی معروف فقہی قسموں میں سے کسی قسم میں پورے طور پر داخل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی بنا پر اس کے جواز وعدم جواز کے بارے میں علماء کی رائیں مختلف ہوگئی ہیں، ایک محدود طبقہ اس کا قائل ہے کہ چونکہ شرکت صرف پانچ قسموں میں منحصر ہے، اور کمپنی ان میں سے کسی کے ذیل میں مکمل طور پر نہیں آتی اس لئے یہ جائز نہیں۔

جبکہ اس کے بالمقابل علماء کا بڑا طبقہ یہ کہتا ہے کہ کمپنی اگر چہ فقہ کی معروف پانچ قسموں میں داخل نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود یہ جائز ہے، اس لئے کہ شرکت انہی پانچ قسموں میں محصور نہیں ہے، فقہاء نے اپنے زمانہ کی مروجہ صورتوں کا استقراء کر کے یہ قسمیں بیان کی تھیں، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ ان کے علاوہ کوئی نئی قسم پیدا نہیں ہوسکتی، کسی فقیہ نے اس کا دعویٰ نہیں کیا، اور نہ کسی کتاب فقہ میں یہ لکھا ہے کہ ان کے علاوہ جو بھی قسم ہوگی وہ ناجائز ہے، بلکہ اصل چیز یہ ہے کہ شرکت کے اصول منصوصہ کی مخالفت لازم نہ آئے تو ہر نئی قسم جائز ہوگی ورنہ نہیں۔

ایک تیسرا نقطۂ نظر حکیم الامت حضرت تھانوی کا ہے، حضرت تھانوی کے نزدیک کمپنی اپنی حقیقی روح کے اعتبار سے شرکت عنان میں داخل ہے (امداد الفتاوی ۳ر۲۶۴)۔

اگر چہ اس میں بعض ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو معروف شرکت عنان میں پائی نہیں جاتیں، لیکن ان کی وجہ سے عنان کی حقیقت تبدیل نہیں ہوتی۔ وہ خصوصیات درج ذیل ہیں:

کمپنی کی خصوصیات:

۱۔ کمپنی جو خود ایک شخص قانونی ہے، وہ دیگر شیئرز ہولڈرس کے تعاون سے کاروبار کرتی ہے، جس میں خود اس کے ڈائرکٹروں کا بھی سرمایہ شامل ہوتا ہے، اس طرح یہ شرکت عنان کی شکل بن جاتی ہے، البتہ محنت و عمل میں شیئرز ہولڈرس کی شرکت نہیں ہوتی، یہ کمپنی بذات خود کرتی ہے، حاملان حصص کو صرف نفع و نقصان سے سروکار ہوتا ہے، اس کے انتظامی امور سے نہیں، لیکن اس سے نہ شرکت کے جواز پر کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ عنان کی حقیقت تبدیل ہوتی ہے، فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ شرکاء عنان میں سے کوئی شریک اپنے عمل کے لئے دوسرے شریک کو وکیل بنادے اور خود عمل سے دستبردار ہوجائے تو اس کی اجازت ہے، علامہ سمرقندیؒ نے لکھا ہے:

ویجوز ان یشترط العمل علیهما بان اشترکا أن یبیعا و یشتریا علی أن ما رزق الله من ذلک فهو بینهما علی کذا ویجوز أن یشترطا العمل علی أحدهما دون الآخر (تحفۃ الفقہاء: باب شرکت العنان ۳/۷)۔

۲۔ کمپنی کی دوسری خصوصیت اس کا مستقل قانونی وجود ہے، یہ کسی مشترک کاروبار کے لئے ایک نیا تصور ہے جو حال کی صدیوں میں پیدا ہوا، شریعت اسلامیہ میں واضح طور پر یہ اصطلاح تو نہیں ملتی، البتہ اس کے نظائر ضرور ملتے ہیں، مثلاً:

ا۔ وقف: اس کے لئے اگر چہ شخص قانونی کی اصطلاح استعمال نہیں کی گئی ہے، مگر وقف کا مستقل وجود تسلیم کیا گیا ہے، اس کی اپنی ملکیت ہوتی ہے، ملازمین کی تنخواہیں اس کے ذمہ ہوتی ہیں، وہ دائن و مدیون اور مدعی و مدعا علیہ بن سکتا ہے، جبکہ یہ سارے اوصاف شخص کے ہیں، اس سے فی الجملہ شخص قانونی کا تصور ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ بیت المال: اس سے پوری قوم کا حق متعلق ہوتا ہے، مگر کوئی اس کے مال کی ملکیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا، اس کے تمام مال کا مالک خود بیت المال ہوتا ہے، بیت المال دائن و مدیون بھی بن سکتا ہے، بلکہ علماء کے مطابق بیت المال کے مختلف شعبے بھی اپنی اپنی جگہ شخص کا درجہ رکھتے ہیں، ایک شعبہ سے دوسرے شعبہ میں قرض لیا جا سکتا ہے، اس طرح جس شعبہ سے قرض لیا گیا ہے وہ دائن ہوگا، اور جس کے لئے لیا گیا ہے وہ مدیون ہوگا۔

۳۔ دین میں ڈوبا ہوا ترکہ: جو شخص اس حالت میں فوت ہو جائے کہ اس کا پورا ترکہ اس کے دین میں غرق ہو تو ایسے شخص کا ترکہ خود اپنا وجود رکھتا ہے، اور وہ ترکہ خود مدیون ہے، اسی سے قرض ادا کیا جائے گا، میت مدیون نہیں اس لئے کہ اب وہ اس کا اہل نہیں، اور نہ ورثہ مدیون ہیں کہ انہوں نے یہ قرض نہیں لیا تھا۔

۴۔ خلطۃ الشیوع: یہ نظیر فقہ حنفی کے مطابق نہیں بلکہ ائمہ ثلاثہ کے مطابق ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر مال زکوۃ کئی شخصوں کے درمیان غیر معینہ طور پر مشترک ہو، تو زکوۃ الگ الگ شرکاء پر نہیں بلکہ مجموعہ مال پر واجب ہوتی ہے، گویا خود مجموعہ مال شخص کی حیثیت رکھتا ہے۔

۳۔ تیسری چیز جو کمپنی کو شرکت کی معروف قسموں سے ممتاز کرتی ہے، وہ ہے محدود ذمہ داری کا معاملہ۔ مضاربت میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر رب المال مضارب کو قرض لینے کی اجازت نہ دے تو مضارب پر دیون زیادہ ہو جانے کی صورت میں رب المال کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے، البتہ قرض کی اجازت دے دینے کے بعد ذمہ داری محدود نہیں رہتی۔ کمپنی میں شیئرز ہولڈرس کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے جبکہ کمپنی اپنے کاروبار کے لئے قرض وغیرہ بھی لیتی رہتی ہے، مگر اس کا حل یہ نکالا جا سکتا ہے کہ کمپنی کے پراسپیکٹس میں لکھا ہوتا ہے کہ کمپنی کاروباری ضرورت سے قرض بھی لے گی، اس کے باوجود شیئرز ہولڈر کا شیئرز خریدنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کمپنی کو قرض لینے کی اجازت دے رہا ہے۔ مگر وہیں مشکل یہ ہے کہ کیفیت نما (Prospectus) میں یہ بھی لکھا ہوتا ہے کہ شیئرز ہولڈر کی ذمہ داری محدود ہوگی، قرض کی اجازت دینے کے بعد ذمہ داری کے محدود ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس مشکل کا حل مولانا تقی

عثمانی نے بہترین پیش فرمایا ہے کہ شیئرز ہولڈر کا پراسپیکٹس میں مرقوم دونوں باتیں دیکھتے ہوئے کمپنی کے ساتھ مشارکت کرنا اس کی علامت ہے کہ وہ کمپنی کو قرض لینے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دے رہا ہے کہ اس کی ذمہ داری محدود رہے گی، اس مضاربت کی طرح جس میں رب المال مضارب کو اس شرط کے ساتھ قرض لینے کی اجازت دے کہ اس کی ذمہ داری محدود رہے گی۔

لیکن یہاں ایک پریشانی یہ ہے کہ مضاربت کی جس شکل میں رب المال کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے اس میں خود مضارب کی ذمہ داری غیر محدود ہوتی ہے، اور تمام دیون کے ادا کرنے کا وہ ذمہ دار ہوتا ہے، چاہے کاروباری سرمائے سے ہو یا اپنے ذاتی اثاثے سے، جبکہ کمپنی میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہاں ایک طرف شیئرز ہولڈرس کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے، تو دوسری طرف کمپنی کے ڈائرکٹروں کی ذمہ داریاں بھی محدود ہوتی ہیں، اس صورت میں قرض دینے والوں کو سخت غرر یا ضرر کا سامنا ہو سکتا ہے، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ذمہ کا خراب ہونا کہتے ہیں۔

اسی لئے بعض علماء نے کمپنی میں محدود ذمہ داری کے تصور کو شرعاً غلط قرار دیا ہے، لیکن یہ پریشانی پیدا ہوتی ہے کمپنی کی حقیقی حیثیت سامنے نہ رکھنے کی وجہ سے۔ کمپنی کو اگر شخص قانونی مان لیا جائے جیسا کہ اس کی حیثیت عرفی ہے، تو کوئی پریشانی نہیں ہوگی، اس لئے کہ شخص حقیقی اگر دیوالیہ ہو جائے تو قرض دینے والوں کو اس کے اثاثے سے زیادہ مطالبہ کا حق نہیں ہوتا، حضرت معاذ ابن جبلؓ کو حضور ﷺ نے جب مفلس قرار دیا تھا، تو آپ نے قرض خواہوں سے فرمایا تھا:

"خذوا ما وجدتم ليس لكم إلا ذلك" (صحیح مسلم ۱/۲۱۹ باب وضع الجوائح)۔

محدود ذمہ داری کی ایک مثال:

مولانا تقی عثمانی نے محدود ذمہ داری کی ایک دلچسپ مثال دی ہے، وہ ہے عبد ماذون التجارۃ یہ اپنے آقا کا مملوک ہوتا ہے، اس کو آقا کی طرف سے تجارت کی اجازت ہوتی ہے، جو تجارت وہ کرتا ہے وہ بھی مولی کی مملوک ہوتی ہے، اس پر دیون اگر واجب ہوں تو وہ اس غلام کی قیمت کی حد تک محدود ہوں گے، اس سے زیادہ کا نہ غلام سے مطالبہ ہو سکتا ہے اور نہ مولی سے، یہاں بھی دائنین کا ذمہ خراب ہو گیا۔ یہ نظیر لمیٹیڈ کمپنی سے زیادہ قریب ہے، اس لئے کہ جیسے کمپنی میں شیئرز ہولڈرس کے زندہ ہوتے ہوئے ذمہ خراب ہو جاتا ہے، ایسے ہی یہاں بھی مولی کے زندہ ہوتے ہوئے دائنین کا ذمہ خراب ہو جاتا ہے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت رص ۸۳)۔

شیئرز کی شرعی حیثیت:

اب تک کی گفتگو سے اتنی بات ثابت ہو گئی کہ کمپنیوں کے ساتھ مشارکت کرنا اور اس کے شیئرز خریدنا فی نفسہ ناجائز نہیں ہے، اس لئے کہ اگر ہم شرکت کی معروف قسموں میں سے کسی قسم میں اس کو داخل کریں، مثلاً شرکت عنان یا مضاربت میں، تو اس کے بعض امتیازات کے باوجود ان کی قسموں کی روح بنیادی طور پر اس میں باقی رہے گی، اور اگر شرکت کی معروف قسموں کے بجائے کمپنیوں کو ہم نئی قسم قرار دیں تو بھی اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں کوئی ایسا واقعی پہلو نہیں ہے جو شرکت کے بنیادی اصول کے خلاف ہو۔

البتہ یہاں ایک بات پیدا ہوتی ہے جیسا کہ سوالنامہ میں اس کو اٹھایا گیا ہے کہ شیئرز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اصول کی روشنی میں محقق بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیئر دراصل کمپنی میں موجود اثاثوں کی متناسب ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، اور جب کوئی انسان کسی کے ہاتھ شیئرز فروخت کرتا ہے تو وہ دراصل اثاثہ تجارت کے جزو مشاع یا حصہ متناسبہ کی بیع کرتا ہے، اور شیئرز سرٹیفیکٹ اس حصہ کی حقداری کا ایک وثیقہ ہے، جس کے ذریعہ اس متناسب حصہ کی ملکیت کو ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے، اس لئے شیئرز کی خرید وفروخت میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں۔

بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ شیئر حصہ متناسبہ کی ملکیت کی نمائندگی نہیں کرتا بلکہ وہ محض ایک وثیقہ ہے، جیسے کہ بانڈز یا سندات قرض، اور اس کا مطلب صرف اس قدر ہوتا ہے کہ اس شخص نے اتنی رقم کمپنی کو ادا کی ہے، گویا شیئر سرٹیفیکٹ محض ادائیگی رقوم کی رسید ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ شیئرز ہولڈر اگر مدیون ہو جائے تو دین مستغرق ہو جانے کی صورت میں مدیون کے صرف اثاثوں کی قرقی ہوتی ہے، کمپنی میں اس کے حصہ متناسبہ کی قرقی نہیں ہوتی، اگر شیئر کمپنی میں ملکیت متناسبہ کی نمائندگی کرتا تو جہاں اس کے دیگر اثاثوں کو قرق کیا گیا وہیں کمپنی میں اس کے حصوں کو بھی قرق کیا جانا چاہئے تھا۔ لیکن ان حضرات کی یہ دلیل اس لئے صحیح نہیں کہ اس سے زیادہ سے زیادہ حق تصرف واختیار کے فقدان کا ثبوت ملتا ہے، نفس ملکیت کے فقدان کا نہیں، چونکہ کمپنی کے اصول میں سے یہ ہے کہ کوئی شیئر ہولڈر اپنے حصہ کا سرمایہ کمپنی کے تحلیل ہونے سے پہلے نہیں نکال سکتا، ہاں وہ شیئر فروخت کر سکتا ہے۔ اس بنا پر مدیون حامل حصص کے اثاثوں کی قرقی کے وقت کمپنی سے اس کے حصۂ متناسب کے نکالنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

حصۂ متناسبہ کی ملکیت کی دلیل یہ ہے کہ اگر کمپنی تحلیل ہو جائے تو اس کے اثاثوں کی تقسیم کے وقت ہر شیئر ہولڈر کو اپنے حصۂ متناسبہ کے مطابق اثاثہ ملے گا، خواہ اس کی مالیت اس کی لگائی ہوئی رقم سے زیادہ ہو یا کم، اگر شیئر ہولڈر کمپنی کے اثاثوں میں ملکیت نہ رکھتا تو تحلیل ہونے کے وقت اس میں اس کو حصہ کیسے ملتا؟

شیئرز خریدنے کے مقاصد:

شیئرز خریدنے کے دو مقاصد ہوتے ہیں: (۱) کبھی مقصد نفع ونقصان میں شریک ہونا اور کمپنی سے سالانہ یا ماہانہ منافع حاصل کرنا ہوتا ہے، اس کو انگریزی میں "Investment" کہتے ہیں۔ (۲) اور کبھی یہ مقصد نہیں ہوتا، بلکہ تجارت کے طور پر اس کو خریدتے ہیں، یہ لوگ شیئرز کی قیمتوں پر نگاہ رکھتے ہیں، اور جن شیئرز کی قیمتیں آج کم ہیں مگر آئندہ بڑھنے کا امکان ہے، ان کو خرید لیتے ہیں، اور پھر قیمت بڑھ جانے کے بعد بیچ دیتے ہیں، اسی طرح جو شیئر ان کے پاس ہیں، آئندہ ان کی قیمتوں میں اگر گراوٹ کا امکان ہو تو اس کو بیچ دیتے ہیں، اور جن میں بڑھنے کی امید ہے ان کو فی الحال نہیں بیچتے، بلکہ اس مدت کا انتظار کرتے ہیں، اس کو انگریزی میں "Capital Gain" کہتے ہیں، مدتوں کے درمیان قیمتوں میں جو کمی بیشی ہوتی ہے اسی سے وہ نفع اٹھاتے ہیں۔

شیئرز خواہ جس مقصد کے لئے خریدے جائیں، کچھ ایسے اصول وشرائط ہیں کہ ان کی رعایت کے ساتھ

شیئرز کی خرید وفروخت ہو تو شیئرز کا کاروبار جائز ہوگا، اس کے لئے بنیادی طور پر درج ذیل شرائط ہیں:

(۱) سب سے اولین شرط یہ ہے کہ کاروبار بنیادی طور پر حلال ہو، مثلاً شراب کا کاروبار نہ ہو، اس کی بنیاد سودی لین دین پر نہ ہو وغیرہ۔ حرام کاروبار یا ناجائز اصول تجارت پر مبنی کمپنی کے شیئرز خریدنا بالکل جائز نہیں، نہ جاری ہونے کے وقت لینا جائز ہے، اور نہ بعد میں اسٹاک ایکسچینج سے لینا جائز ہے، اس لئے کہ اس میں شرکت کرنا دراصل خود ان معاملات میں جانتے ہوئے شرکت کرنا ہے جو حرام ہے (امدادالفتاویٰ ۳/۱۳۰)۔

(۲) رہی وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار جائز اور حلال ہو، مگر کبھی اس کو سودی لین دین یا ناجائز معاملہ میں بھی ملوث ہونا پڑتا ہے، اور آج کل زیادہ تر کمپنیاں اسی قسم کی ہیں، ان کے ساتھ مشارکت کرنا اور ان کے شیئرز خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ ایک اختلافی موضوع ہے۔

بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا بھی جائز نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں بھی بالواسطہ ناجائز معاملات میں شرکت لازم آتی ہے۔ لیکن محقق علماء جن میں حضرت تھانویؒ کا نام سرفہرست ہے، ان کا خیال ہے کہ ایسی کمپنیاں جو کبھی کبھار سودی کاروبار میں ملوث ہو جاتی ہیں ان میں شرکت کرنا اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے جائز ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کسی کمپنی کے سود میں ملوث ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ ایک صورت یہ ہے کہ سود پر قرض حاصل کیا جائے یا کسی کاروبار کے فروغ واستحکام کے لئے رشوت دی جائے، جس میں سود کی رقم دینی پڑتی ہے، کوئی ناجائز رقم کاروباری سرمائے میں شامل نہیں ہوتی، اس میں زیادہ سے زیادہ کمپنی کے عمل کو ناجائز کہا جا سکتا ہے، مگر اس سے سرمایہ کی پاکیزگی میں کوئی فرق نہیں آتا (امدادالفتاوی، کتاب الربا ۳/۱۷۰)۔

رہا کمپنی کا ناجائز عمل تو اس کے لئے حضرت تھانویؒ نے تجویز پیش فرمائی کہ شیئر ہولڈر کسی طرح یہ آواز اٹھا دے کہ میں سودی کاروبار پر راضی نہیں ہوں تو اس کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی، کمپنی کے ذمہ داران کی طرف اس مضمون کا خط لکھ دینا بھی کافی ہو سکتا ہے (امدادالفتاوی ۳/۴۹۱)۔

آج کل اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ اس کی سالانہ جمعیت میں آواز اٹھائی جائے۔

اس موقع پر مولانا تقی عثمانی نے ایک بہت ہی معقول سوال اٹھایا ہے، اور پھر اس کا عمدہ جواب بھی دیا ہے، مولانا کے سوال و جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ کمپنی کے ذمہ داران شیئر ہولڈر کے وکیل ہیں، اور شیئر ہولڈر کو معلوم ہے کہ اس کی مخالفت مؤثر نہ ہوگی، پھر وکالت قائم رکھتے ہوئے مخالفت کی آواز اٹھانے سے کیا فائدہ؟ اور اس کے بعد وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش کس طرح ہو جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کمپنی کی وکالت شرکت کی وکالت کی طرح مضبوط نہیں ہوتی، شرکت میں تو کوئی ایک شریک بھی کسی کاروبار سے اختلاف کر دے تو وہ کاروبار نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح ہر شریک جب چاہے اپنا سرمایہ نکال سکتا ہے، جبکہ کمپنی کی وکالت اس قدر مضبوط نہیں ہوتی، یہاں شیئرز ہولڈرس کو نہ اس قدر حقوق تصرف حاصل ہیں، اور نہ ہر

شریک کے فیصلہ کو مستقل اہمیت حاصل ہے، یہاں فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں، اقلیت کی رائے اکثریت کے مقابلے میں رد کر دی جاتی ہے، اس لئے اگر کوئی شیئر ہولڈر مخالفت میں آواز بلند کرے اور اس کی مرضی کے خلاف کثرت رائے کی بنا پر فیصلہ ہو جائے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کاروبار یا کمپنی کا فلاں عمل اس کی مرضی و اجازت سے ہو رہا ہے، اس لئے حضرت تھانوی کی یہ رائے درست معلوم پڑتی ہے کہ مخالفت کی آواز بلند کرنے سے اس کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔

۲۔ مسئلہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ سودی لین دین دونوں ہو، کمپنی کبھی قرض بھی جاری کرتی ہو اور اس پر سود بھی لیتی ہو، تو ایسی صورت میں سرمائے کے اندر مال خبیث کا اختلاط ہوتا ہے، اس وقت فیصلہ کی صورت یہ ہوگی کہ اگر مال حرام کا اختلاط بڑے پیمانے پر ہو رہا ہو، یعنی کمپنی کا بنیادی کاروبار ہی حرام و ناجائز ہے، تب تو اس کے شیئرز خرید ناجائز نہ ہوگا، البتہ جن کمپنیوں میں یہ اختلاط بقدر قلیل ہو تو اصول کی روشنی میں اس کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ اموال میں غالب سرمائے کا اعتبار ہوتا ہے، اس بنا پر غالب سرمایہ اگر پاک ہو تو جائز قرار دیا جائے گا، حضرت تھانوی کی یہی رائے ہے (اسلام اور جدید معیشت و تجارت رص ۸۸)۔

اس کی تائید فتاوی خانیہ کی درج ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے:

وإن كان غالب مال المهدي من الحلال لا بأس بأن يقبل الهدية ويأكل مالم يتبين عنده أنه حرام لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فيعتبر الغالب (فتاوی خانیہ علی ہامش الہندیہ ۳ر۴۰۰)۔

وكذا في الاشباه في باب الهدية والبيع جميعا (الاشباہ والنظائر ۱ر۳۴۴)۔

وكذا في الحموي (حاشیہ الحموی علی الاشباہ ۱ر۳۴۵)

البتہ یہاں شبہ یہ ہوتا ہے کہ ہدیہ کے مال اور شیئرز میں فرق ہے، اگر کسی آدمی کا کاروبار حلال و حرام دونوں ہے، اور وہ ہدیہ دے رہا ہے تو یہ احتمال ہے کہ حلال کمائی میں سے دے رہا ہو، جبکہ شیئرز میں جو نفع ہوتا ہے وہ تمام مدات کے تناسب سے ہوتا ہے، اس لئے سود پر جو دیون جاری کئے گئے ان سے جو سود حاصل ہوگا، نفع میں اس کا تناسب بھی جوڑا جائے گا، اس طرح شیئرز مال خبیث سے پاک نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں مولانا تقی عثمانی کی یہ تجویز پسندیدہ ہے کہ کمپنی کے "Income Statements" کے ذریعہ یا کمپنی کے ذمہ داروں سے تقسیم شدہ منافع کا تناسب معلوم کرے، اور شرح سود سے جس قدر نفع آیا ہو اس کو لازماً بلا نیت ثواب صدقہ کر دے۔ رہا سودی عمل میں کمپنی کے ساتھ بالواسطہ شرکت تو اس کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اس عمل کے خلاف شیئر ہولڈر کا آواز اٹھا دینا کافی ہے، اور وہ اس ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔

چونکہ آج کل کوئی کمپنی سودی معاملہ سے بالکلیہ پاک نہیں ہے، اس بنا پر مسلمانوں کو ان کے شیئرز خریدنے سے روکا نہیں جا سکتا، ورنہ مسلمان اقتصادی طور پر اور بھی کمزور ہو جائیں گے، البتہ ان کے مضرات سے بچنے کی ہر امکانی تدبیر کرنی ہوگی، یہ کوئی دانشمندی نہیں کہ حالات کو سمجھے بغیر ظاہری مضرات سے بچنے کے لئے کوئی ایسا اقدام کر دیا جائے کہ قوم کو اس سے بھی زیادہ بھیانک نتائج کا سامنا کرنا پڑ جائے۔

شیئرز کی بیع کمی بیشی کے ساتھ:

کمپنی کے شیئرز کو کمی بیشی کے ساتھ بھی فروخت کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ کمپنی کا سارا سرمایہ بصورت نقود نہ ہو، بلکہ کچھ فکسڈ اثاثے (مثلاً مشینری اور بلڈنگ وغیرہ) حاصل کر لئے گئے ہوں، اگر کمپنی نے ابھی اپنا کاروبار شروع نہ کیا ہو یا اس کا سارا سرمایہ بصورت نقود ہو تو شیئرز کی خرید و فروخت کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں، اس لئے کہ اس وقت یہ شیئرز اپنے حصے کے نقود کی نمائندگی کریں گے، اور خالص نقود میں کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز نہیں، البتہ جس صورت میں نقود کے علاوہ کچھ دیگر منجمد اثاثے بھی حاصل کر لئے گئے ہوں تو یہ شیئرز نقود کے ساتھ کمپنی میں موجود اثاثوں کی بھی نمائندگی کریں گے، اور اب شیئرز کی بیع کا مطلب یہ ہوگا کہ کمپنی کے اثاثوں میں ہر ایک کے متناسب حصے کی بیع ہو رہی ہے، اس مسئلہ کا مدار "سیف محلی" یا "منطقہ مفضضہ" کے مسئلہ پر ہوگا، جو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے درمیان اختلافی مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ ایسے مال کو جو مال ربوی اور غیر ربوی سے مخلوط ہو خالص مال ربوی کے عوض فروخت کیا جائے، امام شافعی کے نزدیک یہ بیع جائز نہیں جب تک کہ مال مخلوط سے مال غیر ربوی کو الگ نہ کر دیا جائے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی بیع جائز ہے، بشرطیکہ خالص مال ربوی مخلوط مال ربوی سے زیادہ ہو، اس لئے کہ اس وقت مخلوط مال ربوی اپنے بقدر خالص مال ربوی کے مقابلے میں ہو جائے گا، اور خالص میں جو مقدار زیادہ ہوگی وہ مال غیر ربوی کے مقابلہ میں ہو جائے گی۔

یہاں بالکل یہی صورت ہے کہ شیئرز جو نقود و غیر نقود کی نمائندگی کرتے ہیں ان کی بیع خالص نقود سے ہو رہی ہے، اس لئے امام اعظم کے نزدیک ان کی بیع جائز ہوگی، اور امام شافعی کے نزدیک ایسی حالت میں بیع جائز نہ ہوگی، البتہ بعض شافعیہ اور حنابلہ کے موقف کے مطابق اگر کمپنی کے اثاثے زیادہ ہیں اور نقود کم ہیں، تو شیئرز کی بیع جائز ہوگی، اور اگر نقود زیادہ اور دیگر اثاثے کم ہیں تو شیئرز کی بیع ناجائز ہوگی۔ آج کل علماء عرب زیادہ تر یہی فتویٰ دے رہے ہیں۔

بانڈز اور ڈبنچرز:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کمپنی کو سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے، تو بجائے شیئرز کے عوام کو قرضے دینے کی دعوت دیتی ہے، اس کے لئے دو طرح کی دستاویزات کمپنی جاری کرتی ہے، جس کو لے کر لوگ کمپنی کو قرضے دیتے ہیں، ایک دستاویز کو سند (بانڈ Bond) اور دوسرے کو شہادۃ الاستثمار (ڈبنچر ـ Debenture) کہتے ہیں، یہ دونوں قرض ہی کے دستاویز ہوتے ہیں، جو معینہ مدت کے لئے لئے جاتے ہیں، ان دونوں میں اس قدر تو مشترک ہے کہ دونوں قسم کے دستاویز حاصل کرنے والے لوگ کمپنی میں حصہ دار نہیں ہوتے، بلکہ محض دائن ہوتے ہیں، جن کو کمپنی کی طرف سے سالانہ سود دیا جاتا ہے، اور وقت مقرر پر رقم واپس کر دی جاتی ہے، جس کی ضمانت دی جاتی ہے، البتہ دو لحاظ سے فرق ہے: ایک فرق تو یہ ہے کہ بانڈ محض سند قرض ہے، جبکہ ڈبنچر قرض کے ساتھ رہن کا بھی وثیقہ ہے۔ بعض اوقات سند قرض کو تحفظ دینے کے لئے ایک دستاویز جاری کی جاتی ہے، جس میں اس سند کو کمپنی کی کسی ایک جائداد یا بہت سی جائدادوں کے ساتھ متعلق کر دیا جاتا ہے، کہ اگر یہ قرضے ادا نہ ہوئے تو ان متعلقہ جائدادوں سے ادا کر دیئے جائیں گے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ اگر کمپنی دیوالیہ ہو جائے تو حقوق کی ادائیگی کی ترتیب میں ڈبینچرز اس جائداد کی حد تک قانوناً مقدم ہوں گے، جس کو رہن بنایا گیا تھا، بانڈز کی ادائیگی اس کے بعد ہوتی ہے۔

بانڈز کی ایک قسم ایسی ہے جو شیئرز میں تبدیل ہو سکتی ہے، اس کے لئے کبھی مدت مقرر ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی، کبھی اس کے لئے کچھ مخصوص شرائط ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے، ایسے سندات قرض کو انگریزی میں (Convertible Bonds) کنورٹیبل بانڈز کہتے ہیں (اسلام اور جدید معیشت وتجارت ص ٦٤)۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بانڈز، ڈبینچرز، یا کنورٹیبل بانڈز اصلاً سندات قرض ہیں اس لئے ان سے سرمایہ کاری نہیں کی جا سکتی، اور ان سندات کے حاملین کو صرف اتنی ہی رقم لینا درست ہوگا، جس قدر اس نے جمع کی ہوگی، اس سے زیادہ جو کچھ ملتا ہے وہ سود ہے حرام ہے، اس کو نفع قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سندات قرض کو کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ سندات جمع کردہ رقم کی محض رسید ہیں، یہ کمپنی کے اثاثوں میں کسی قسم کی ملکیت کی نمائندگی نہیں کرتے ہیں، اس لئے ان کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں۔

بانڈز کی بیع دراصل کمپنی سے اپنے وصولیٔ قرض کے حق کو دوسرے کی طرف منتقل کرنا ہے، یعنی اب کمپنی سے قرض وہ وصول کرنے کے بجائے فلاں شخص وصول کرے گا اور اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، البتہ کمی بیشی کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ یہ سود قرار دیا جائے گا۔

سندات قرض کو رہن رکھا جا سکتا ہے، اس لئے کہ رہن کی بنیاد اصلاً اعتماد پر ہے، اور یہ بات اس میں پائی جاتی ہے۔

ولأن الكفالة والرهن شرعاً للتوثق (بدائع الصنائع، کتاب الاجارہ ۴/۲۰۳)۔

اگر کسی کمپنی میں حصص تجارت حاصل کرنے کی گنجائش نہ ہو تو بدرجہ مجبوری قابل تبدیل سندات قرض (Convertible Bonds) خریدے جا سکتے ہیں، بشرطیکہ کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہو، اور شیئرز میں تبدیل ہونے کی مدت تک جو سود ملے وہ اپنے استعمال میں نہ لایا جائے بلکہ صدقہ کر دیا جائے۔

سندات قرض کی خرید وفروخت میں فیس ویلو (Face Value) کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا، اس میں مارکیٹ ویلو کا لحاظ کرنا درست نہیں اگر وہ فیس ویلو سے مختلف ہو، اس لئے کہ یہ محض وصولی حق کی رسید ہے، کمپنی کے جزو مشاع کا بدل نہیں کہ اس کی قیمت میں اضافہ یا نقصان ہو۔

حصص کی تقسیم حصہ دار کے حقوق کے لحاظ سے:

پریفرنس شیئرز (Preference Share) جس کو اردو میں ترجیحی حصص اور عربی میں السہم الممتاز بھی کہتے ہیں، یہ نہ پوری طرح حصہ تجارت ہے اور نہ پوری طرح سند قرض ہے، دراصل حصص کی ایک تقسیم حصہ دار کے حقوق کے اعتبار سے ہوتی ہے، یعنی نفع وصول کرنے یا کمپنی کی پالیسی میں مداخلت کے اعتبار سے حصص کی دو قسمیں ہیں:

(۱) آرڈینری شیئر (Ordinary Share) جس کو عربی میں السہم العادی کہتے ہیں، (۲) دوسری قسم وہی پریفرنس شیئر ہے۔

ان دو قسم کے حصص میں بنیادی فرق یہ ہے کہ پریفرنس شیئر کے حامل کو نفع تقسیم کرنے یا حق رائے دہی میں آرڈینری شیئر کے حامل سے مقدم رکھا جاتا ہے۔ مولانا تقی عثمانی نے ان کے درمیان وجوہ فرق کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے:

(۱) السہم الممتاز کا نفع اس کے لگائے ہوئے سرمائے کی خاص شرح کے مطابق مقرر ہوتا ہے، مثلاً اس کے لگائے ہوئے سرمائے کا دس فیصد (10%) پہلے السہم الممتاز کے حاملین میں نفع تقسیم کر کے ان کا معینہ نفع ان تک پہونچایا جاتا ہے، اس کے بعد اگر کچھ بچ تو السہم العادی کے حاملین کو ملتا ہے، ورنہ وہ نفع سے محروم رہیں گے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی سال کمپنی کو نفع نہیں ہوا تو ایسی صورت میں بھی السہم الممتاز کا نفع محفوظ رہتا ہے، آئندہ سال جب نفع ہوگا تو پہلے ان کو دیا جائے گا، اس کے بعد نفع بچا تو السہم العادی کو ملے گا۔

(۲) بعض اوقات ترجیح کی صورت یہ ہوتی ہے کہ السہم الممتاز کے نفع کی شرح السہم العادی سے زیادہ رکھی جاتی ہے۔

(۳) کبھی ترجیح اس طرح ہوتی ہے کہ کمپنی کے سالانہ اجلاس میں السہم الممتاز والوں کو ووٹ کا حق ہوتا ہے۔ السہم العادی والوں کو ووٹ کا حق نہیں ہوتا۔

(۴) کبھی السہم الممتاز والے کو زیادہ ووٹ کا حق ہوتا ہے اور السہم العادی والے کو کم ووٹ کا، مثلاً یہ کہ السہم الممتاز والے کو دو ووٹ کا اور السہم العادی والے کو ایک ووٹ کا حق ہوگا۔

حاصل یہ کہ السہم الممتاز ترجیحی حصے کا نام ہے، پھر ترجیح کی شکلیں مختلف ہوسکتی ہیں، اس کی ضرورت عموماً اس وقت پیش آتی ہے، جبکہ کسی خاص بڑی پارٹی مثلاً انشورنس کمپنی وغیرہ سے سرمایہ لینا ہو، اب وہ اس پر آمادہ نہیں کہ عام حصہ دار (شیئر ہولڈر) کی حیثیت سے رقم لگائے اس لئے کہ اس میں نفع طے شدہ نہیں ہے، اور اس پر بھی آمادہ نہیں کہ محض قرض دہندہ (دائن) کی طرح سود پر قرض دے، اس لئے کہ محض قرض دہندہ کی حیثیت میں وہ کمپنی کی پالیسیوں پر اثر انداز نہیں ہو سکے گی، ایسی پارٹی سے سرمایہ لینے کے لئے اس کو ترجیحی حصص دیئے جاتے ہیں، تا کہ اس کو مقررہ نفع بھی ملے اور کمپنی میں حصہ دار بھی ہو، چنانچہ یہ ایک اعتبار سے دائن اور ایک اعتبار سے حصہ دار ہوتی ہے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت رص ۶۰)۔

شیئرز کی خرید و فروخت کے مختلف طریقے:

اسٹاک ایکسچینج میں شیئرز کی خرید و فروخت کے مختلف طریقے رائج ہیں: (۱) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کمپنی کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کے شیئرز کی خرید و فروخت شروع ہو جاتی ہے، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی بیع وشراء جائز نہیں، اس لئے کہ جب کمپنی کا وجود ہی نہیں تو یہ شیئرز کس چیز کی نمائندگی کریں گے، اس لئے یہ بیع غیر مملوک ہے جو

اصولاً ناجائز ہے۔ (۲) جو کمپنیاں موجود ہیں ان کے شیئرز کی خرید وفروخت کے بھی کئی طریقے ہیں، ایک طریقہ فیوچر سیلز (Future Sales) کہلاتا ہے، اس میں شیئرز لینا دینا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ محض مدت کے لحاظ سے نفع نقصان کی کمی بیشی برابر کرنا مقصود ہوتا ہے، یہ قمار ہے جو جائز نہیں۔ (۳) دوسرا طریقہ غائب سودا کا ہے، جس میں بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، یہ بیع بھی صحیح نہیں اس لئے کہ بیع کی تعلیق یا مستقبل کی طرف اس کی اضافت باتفاق فقہاء جائز نہیں، اس کو محض وعدۂ بیع قرار دیا جاسکتا ہے۔ (۴) تیسرا طریقہ حاضر سودا کا ہے، جس میں شیئرز کی بیع وشراء ایک ہی مجلس میں ہوجاتی ہے، اور عقد تام ہوجاتا ہے، البتہ شیئرز کا قبضہ کرانے میں کچھ تاخیر ہوتی ہے، شیئرز دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک کو رجسٹرڈ شیئر (Registered Share) کہتے ہیں وہ حامل حصص کے نام پر کمپنی میں رجسٹرڈ ہوتا ہے، دوسرا بیئرر شیئر (Bearer Share) کہلاتا ہے، وہ کسی کے نام پر رجسٹرڈ نہیں ہوتا، جس کے قبضہ میں ہو اسی کا کہلاتا ہے، بیئرر شیئر کا قبضہ کرانے میں تو کوئی دیر نہیں ہوتی، البتہ رجسٹرڈ شیئرز کا قبضہ کرانے میں عموماً ایک ہفتہ سے تین ہفتوں تک کی تاخیر ہوجاتی ہے، اس میں بائع کو اپنے نام کی جگہ مشتری کا نام رجسٹرڈ کرنا پڑتا ہے، اس کی دفتری کارروائی میں تاخیر ناگزیر ہوجاتی ہے۔ اس دوران کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مشتری جس کے نام پر اب تک شیئر رجسٹرڈ نہیں ہوا ہے وہ رجسٹرڈ ہونے سے پہلے ہی کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے، کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ مشتری اول کے نام رجسٹرڈ ہونے تک آگے چار پانچ ہاتھوں میں شیئر فروخت ہوچکا ہوتا ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شیئرز کا بغیر قبضہ میں آئے ہوئے فروخت کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں قبضہ کی حقیقت کو سمجھنا ہوگا، اتنی بات تو طے ہے کہ قبل القبض بیع دو وجہ سے ناجائز ہے:

۱۔ ایک تو اس بناپر کہ یہ ابھی مقدور التسلیم نہیں ہے، اور اس پر کوئی تصرف نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ دوسرے اس بناپر کہ یہ ابھی بائع کے ضمان میں داخل نہیں ہوا، اور ربح مالم یضمن جائز نہیں۔

اس لئے شیئرز کی بیع سے قبل قبضہ بہرحال ضروری ہے، مگر شیئرز کے قبضہ کی نوعیت کیا ہوگی؟ ہر چیز کا قبضہ اس کے لحاظ سے ہوتا ہے، قبضہ حسی ہر جگہ ضروری نہیں، حکماً قبضہ بھی بعض جگہوں پر کافی ہوجاتا ہے، شیئرز کی صورت حال یہ ہے کہ محض شیئرز سرٹیفکیٹ تو مبیع نہیں، مبیع دراصل وہ حصہ متناسبہ ہے جو کمپنی کے اثاثوں میں شامل ہے، اس لئے اس پر قبضہ حسی بہرحال ناممکن ہے، اس بناپر قبضہ حکمی ہی کو کافی قرار دینا ہوگا، قبضہ حکمی یہ ہے کہ مبیع مشتری کے قبضہ میں آجائے، اور اس کا غرم وغنم بھی مشتری کی طرف منتقل ہوجائے۔ مولانا تقی عثمانی کے بقول کمپنیوں کے ذمہ داروں سے کافی بات چیت کے بعد پتہ چلا کہ مبیع مشتری کے ضمان میں منتقل ہوجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر بیع کے بعد اور شیئرز قبضہ میں آنے سے قبل منافع کی تقسیم ہوجائے تو کمپنی تو بائع کے نام پر ہی منافع تقسیم کرے گی، اس لئے کہ رجسٹر میں اسی کا نام درج ہے، مگر اسٹاک ایکسچینج کی ذمہ داری ہے کہ وہ بعد عقد تقسیم ہونے والے منافع مشتری کو دلائے، اسی طرح اگر نقصان ہوگا تو یہ مشتری کو برداشت کرنا ہوگا۔ اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ عقد کے بعد ہی شیئر مشتری کے قبضہ میں چلا جاتا ہے۔

مگر وہیں یہ بات بھی کھٹکتی ہے کہ شیئرز کی خرید وفروخت کا معاملہ اصل تو کمپنی سے ہے، اسٹاک ایکسچینج سے

نہیں، اور کمپنی کے نزدیک شیئرز کا قبضہ اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جاتا جب تک کہ نام پر منتقل نہ ہو جائے، اسی طرح عرف میں جس چیز کو قبضہ کہا جائے گا وہی قبضہ کہلائے گا، اور رجسٹرڈ شیئرز کا قبضہ کمپنی میں نام درج کرانے اور اس کی رسید مل جانے کے بعد ہی مانا جاتا ہے، اس کے بغیر عرفاً قبضہ نہیں مانا جاتا، اس کا تقاضا ہے کہ بغیر رجسٹرڈ ہوئے شیئرز کی بیع درست نہ ہو، احتیاط یہی ہے کہ شیئرز اپنے نام پر منتقل ہوئے بغیر فروخت نہ کئے جائیں۔

البتہ اسٹاک ایکسچینج میں جو لوگ ممبر بن کر شیئرز کی خرید وفروخت کرتے ہیں وہ دراصل کمپنیوں کے وکیل ہوتے ہیں، ان کے نام پر شیئرز نہیں ہوتے وہ کمپنیوں کی اجازت سے شیئرز خریدتے اور بیچتے ہیں، اس لئے ان کے لئے قبضہ رجسٹرڈ کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے، اور یہ ممکن بھی نہیں، اس لئے کہ روزانہ سیکڑوں شیئرز کی خرید وفروخت ہوتی ہے، ہر ایک کے بارے میں یہ اہتمام کرنا کہ بیچنے والا ممبر پہلے اپنے نام پر منتقل کرائے پھر فروخت کرے، یہ ناممکن ہے۔ اس لئے خیال یہ ہوتا ہے کہ یہاں وہی قبضہ معتبر ہونا چاہئے جو اوپر ذکر کیا گیا، کہ اگرچہ شیئرز نام پر نہیں ہوتے لیکن کمپنیوں کی اجازت اور لوگوں کے تعامل کی بنا پر غرم وغنم دونوں ہی اسٹاک ایکسچینج کے ممبروں کے قبضہ میں سمجھے جاتے ہیں، یہ قبضہ حکمی ہے جو کافی ہونا چاہئے۔

خلاصۂ جوابات:

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں مختصر جوابات تحریر کئے جاتے ہیں:

۱۔ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی متناسب ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، یہی نقطۂ نظر راجح اور حقیقی ہے، رہا یہ کہ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کے وقت کمپنی میں اس کے متناسب حصہ کی قرقی نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ملکیت نہیں ہوتی بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کمپنی کی تحلیل سے قبل ہولڈر کو تصرف کا اختیار نہیں ہوتا، اور تصرف کا اختیار نہ ہونا ملکیت کو نقصان نہیں پہونچاتا۔

۲۔ اگر کمپنی نئی قائم ہوئی ہو، اس کے پاس کچھ املاک نہ ہوں، تو ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت صرف اس کے فیس ویلو سے درست ہوگی، مارکیٹ ویلو کے لحاظ سے کمی بیشی جائز نہیں، اس لئے کہ یہ بیع صرف ہوگی۔

۳۔ البتہ اثاثہ مخلوط ہونے کی صورت میں جبکہ مجموعہ مال ربوی وغیر ربوی دونوں پر مشتمل ہو، کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز ہوگی۔

۴۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہے ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جائز نہیں۔

۵،۶۔ البتہ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہے مگر بعض اوقات کسی مصلحت یا مجبوری کی بنا پر بعض ناجائز چیزیں کرنی پڑتی ہیں، ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جائز ہے، بشرطیکہ بورڈ کے سامنے ان چیزوں کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کردے، اور اگر کچھ سودی یا ناجائز حصہ اس کے منافع میں آرہا ہو تو اسکے تناسب سے بلانیت ثواب صدقہ کردے۔

۷۔ سود پر حاصل شدہ قرض سے ہونے والے منافع شرعی طور پر طیب ہیں، البتہ یہ عمل بلاضرورت جائز نہیں۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈر کا وکیل ہے، مگر اس کی وکالت اس قدر مضبوط نہیں جس قدر کہ شرکت کی عام قسموں میں ہوتی ہے، جس کی بنا پر عمل کی نسبت کے باب میں قدرتی طور پر فرق واقع ہوگا۔

۹۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس کا فیصلہ کثرت رائے سے ہوتا ہے، اس لئے اس میں کسی شیئرز ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اپنے اختلاف کا اعلان کردینا وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے اسے بری الذمہ کردے گا۔

۱۰، ۱۱۔ اس کا جواب ۵ اور ۶ کے تحت آچکا ہے۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت کرنا درست ہے، ہر تخمین وقیاس آرائی ممنوع نہیں ہے، تجارت میں اموال تجارت کی خرید انسان مارکیٹ کی طلب ورسد کے لحاظ سے قیمتوں کے تناسب کا اندازہ کر کے ہی کرتا ہے، خواہ وہ کسی قسم کا مال تجارت ہو، اس لئے محض یہ عدم جواز کے لئے بنیاد نہیں بن سکتا۔

۱۳۔ شیئرز مارکیٹ میں فیوچر سیل کا طریقہ جائز نہیں، یہ قمار کی ایک شکل ہے۔

۱۴۔ غائب سودا کا طریقہ بھی درست نہیں، اس لئے کہ بیع کی تعلیق یا مستقبل کی طرف اس کی اضافت باتفاق فقہاء درست نہیں، اس کو محض وعدۂ بیع قرار دیا جاسکتا ہے۔

۱۵۔ شیئرز کی خرید وفروخت کے لئے قبضۂ حسی ضروری نہیں اور ممکن بھی نہیں، قبضۂ حکمی کافی ہے، اور اس میں اعتبار عرف کا ہے، رجسٹرڈ شیئرز میں احتیاط اس میں ہے کہ اندراج نام سے قبل قبضہ تسلیم نہ کیا جائے۔

۱۶۔ اسٹاک ایکسچینج کے تعامل کے لحاظ سے تو غرم وغنم کے بعد ہی فروخت کرنا لازم آتا ہے، مگر کمپنی کے قانون کے لحاظ سے یہ ربح مالم یضمن میں داخل ہے، اس لئے اندراج نام یا تبدیلی نام سے قبل اگلے مشتری سے معاملہ کرنا بطور احتیاط درست نہیں۔

۱۷۔ بروکر کمپنی کا وکیل ہوتا ہے، اس لئے اس کے لئے رجسٹرڈ قبضہ ضروری ہے، ورنہ اس میں حرج عظیم لازم آئے گا، قبضہ کا مقصد مقدور التسلیم ہونا اور مشتری کا فریب سے محفوظ رہنا ہے، اور یہ دونوں مقاصد تعاملاً بغیر رجسٹرڈ قبضہ کے بھی حاصل ہیں۔

☆☆☆☆☆

اسٹاک ایکسچینج کے کاروبار کا بیان

ڈاکٹر کے۔جی۔منشی۔احمدآباد

اسٹاک ایکسچینج میں کاروبار کی تمام تر کارروائی بروکر کی کسی فرم یا ایجنسی کے ذریعے انجام دی جاتی ہے۔یہ بروکر اسٹاک ایکسچینج کے ارکان تصور کئے جاتے ہیں۔اسٹاک ایکسچینج کے اصول وضوابط کے مطابق کسی باہری شخص کو بروکر کی کسی فرم یا ایجنسی کی مدد لئے بغیر کسی قسم کا کاروبار یا لین دین کرنے کا اختیار نہیں ہے۔کاروبار میں دلچسپی رکھنے والے شخص کو کسی بروکر کے ذریعے کھاتہ کھولنا پڑتا ہے۔لیکن بروکر کسی نئے شخص کا اکاؤنٹ کھولتے وقت دوسرے تاجروں کی مانند یہ چاہتا ہے کہ وہ شخص اپنا ذاتی تعارف اس سے کرائے یا کسی بینک کار یا کسی دوسرے قابل بھروسہ شخص کا حوالہ پیش کرے تاکہ بروکر کو نئے شخص کی کاروباری یا مالی حیثیت کے بارے میں پوری طرح معلومات حاصل ہوسکیں۔لہذا وہ اشخاص جو کہ نیا اکاؤنٹ،ہاؤس کے کسی رکن کے ذریعہ کھولنا چاہتے ہیں اس بارے میں پوری طرح تیار رہیں کہ انہیں ایک قابل اعتماد حوالہ پیش کرنا پڑے گا۔

لین دین کے بہت سے طریقے مروج ہیں جن کا استعمال ارکان یا رقم لگانے والے افراد کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔عام حالات میں یا تو نقد رقم یا اکاؤنٹ کے ذریعہ کاروبار کیا جاتا ہے۔ہمارے ملک کے اسٹاک ایکسچینج میں کاروبار عام طور پر نقد رقم کے ذریعہ ہی کیا جاتا ہے۔بمبئی چونکہ ایک بازار ہے لہذا یہاں اکاؤنٹ کے ذریعہ بھی کاروبار انجام دیا جاتا ہے بلکہ درحقیقت یہاں اس کا ہی زیادہ رواج ہے۔کانپور اور مدراس میں بھی اکاؤنٹ کے ذریعہ کاروبار ہوتا ہے لیکن بہت قلیل مقدار میں۔کلکتہ اسٹاک ایکسچینج میں زیادہ تر کاروبار نقد رقم کے ذریعہ انجام پاتا ہے جبکہ انڈین اسٹاک ایکسچینج حالانکہ فارورڈ لین دین (Forward Dealings) کی اجازت دیتا ہے لیکن بمبئی سیکوریٹیز کنٹریکٹس کنٹرول ایکٹ ۱۹۲۵ کے تحت اس ایکسچینج میں فارورڈ لین دین نہیں کے برابر ہے۔

(الف) لین دین برائے رقم:

نقد رقم کی لین دین کا مطلب ہے کہ کاروبار میں نقد رقم ادا کی جائے گی یعنی خرید کے بدلے میں رقم کی ادائیگی کی جائے گی۔اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ اس کے لئے کسی عرصہ مخصوص کو واضح طور سے بیان نہیں کیا گیا ہے اور حصص (Securities) کی خرید یا فروخت کے بدلے میں فوری طور پر یا ایک طے شدہ مناسب عرصے کے دوران (جو کہ مخصوص حالت میں الگ الگ ہوسکتا ہے) رقم کی ادائیگی کردی جائے گی۔ "Natie Share & Borkers Association" کی ذیلی دفعات میں ضابطہ ۳۲۱ کے مطابق فوری طور پر ادائیگی سے متعلق کاروبار کے تحت رقم یا حصص کی ادائیگی سودا طے ہونے کے اگلے دن سہ پہر ۳ بجے تک ہوجانی چاہئے۔اگر سودے کا دن اتفاق سے سنیچر ہے تو رقم یا حصص کی ادائیگی اگلے کاروباری دن ۳ بجے سہ پہر تک ہونی چاہئے۔اگر متعلقہ پارٹیوں کے درمیان یہ طے ہوچکا ہے تو سودا طے ہونے کے زیادہ سے زیادہ سات دنوں تک رقم اور حصص کی ادائیگی اور سپردگی ہوجانی چاہئے،اور اس

عرصے کے دوران طے شدہ سودا منسوخ نہیں ہوگا، حالانکہ کلکتہ اسٹاک ایکسچینج میں یہ مدت تین یوم کی ہے۔ مدراس اسٹاک ایکسچینج میں کاروبار بمبئی کے نہج پر ہوتا ہے اور یہاں ادائیگی وغیرہ کے لئے سات دن کا عرصہ دیا جاسکتا ہے۔

(ب) اکاؤنٹ کے تحت لین دین:

اکاؤنٹ کے تحت لین دین کا مطلب ہوتا ہے کہ سودے کی ادائیگی سے متعلق تفاوت آئندہ ادائیگی کے وقت ادا کیا جائے گا اس طرح کے سودے ''وقتی سودے'' کہلاتے ہیں، کیونکہ ان کی تکمیل کے بعد اوران کی ادائیگی سے قبل کچھ وقت گذرنا لازمی ہے، اور اس مدت کے دوران سیکورٹی کی قیمت میں مثبت یا منفی فرق آسکتا ہے، اس شکل میں یہ سودا ادائیگی کے دن سے قبل کسی بھی وقت مکمل کیا جاسکتا ہے، اور اس طرح سرمایہ کار سیکورٹی کی قیمت میں آنے والے ممکنہ فرق کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کرسکتا ہے، اور بعض اوقات تیزی سے ہونے والے اتار چڑھاؤ کے باعث منافع بھی کما سکتا ہے۔ ''وقتی سودے'' میں زیادہ تر حصہ محض امکانی نوعیت کا ہوتا ہے۔ وقتی سودے ان افراد کے ذریعہ کئے جاتے ہیں جو ان سیکورٹیز کو حوالے کرنا نہیں چاہتے جنہیں انہوں نے فروخت کیا ہے یا ان کے بدلے میں رقم حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ ایسے کاروباری افراد یہ مان لیتے ہیں کہ وہ ادائیگی کے دن سے قبل نفع حاصل کرتے ہوئے حصص کو خرید یا فروخت کرسکتے ہیں اور ان کے درمیان موجود ''تفاوت'' کی شکل میں منافع حاصل کرسکتے ہیں۔ اب سے کچھ عرصہ قبل تک بمبئی اسٹاک ایکسچینج کا زیادہ تر کاروبار ''وقتی سودوں'' کی شکل میں ہی ہوتا تھا اور بہت کم نقد رقم کے سودے ہوتے تھے۔

موجودہ صدی کے آغاز سے قبل بمبئی اسٹاک ایکسچینج کا کاروبار محض چند ایک جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں بالخصوص ٹیکسٹائل، کاٹن، Gining اور Pressing کمپنیوں کے اضافی حصص کے لین دین (خرید وفروخت) تک ہی محدود تھا، نقد اور آئندہ ادائیگی میں کوئی فرق نہیں تھا کیونکہ کسی بھی حصص کے بدلے میں آئندہ ادائیگی کی جاسکتی تھی۔ ماہانہ ادائیگی کا نظام مروج تھا، اور یہ تین قسموں میں منقسم تھا:

(۱) ترن کگلیا، یا سہ کاغذی۔ اس میں درخواست فارم، ٹرانسفر ڈیڈ اور شیئرز سرٹیفیکٹ شامل ہوتے تھے۔ خریدار کو سودے والے دن یا زیادہ سے زیادہ اگلے دن تک ان کاغذات کے وصول کرنے کے لئے رقم کی ادائیگی کرنی پڑتی تھی۔

(۲) دوسرے طریقے میں ایک ہفتہ کی مدت درکار ہوتی تھی، خریدار کو سودا ہونے کے آٹھ دنوں کے بعد شیئرز حاصل ہوتے تھے جس کے بدلے میں اسے اسی وقت ادائیگی کرنی پڑتی تھی۔

(۳) حوالگی اور ادائیگی ماہانہ ادائیگیوں کی شکل میں: یہ وہ نظام ہے جو جون ۱۹۶۵ کے باعث فارورڈ ٹریڈنگ کے ملتوی ہونے سے قبل رائج تھا۔

کاروبار کے طریقے:

فرض کیجئے کہ ایک شخص کے پاس چند ہزار روپے کی رقم ہے اور وہ کسی اسٹاک ایکسچینج (مثلاً بمبئی) میں کاروبار کرنا چاہتا ہے، اس سلسلے میں کاروبار سے متعلق ضروری اقدامات بالترتیب اس طرح ہوں گے۔

ا۔ پہلا قدم:

چونکہ کسی باہری شخص کو ایکسچینج کے ہال میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ رقم لگانے والے شخص کو اولاً ایک بروکر (اسٹاک ایکسچینج کا دلال) یا بروکر کی کسی فرم کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ چونکہ اسٹاک ایکسچینج کے قواعد وضوابط کے مطابق اس کے ارکان (بروکر) بذات خود رقم لگانے والے شخص کو اپنی جانب متوجہ نہیں کر سکتے لہذا بروکر کے انتخاب میں کچھ وقت صرف ہوسکتا ہے۔ ایسے شخص کو یا تو اپنے ان دوستوں اور واقف کاروں کے مشوروں کے مطابق کسی ایسے بروکر یا ان کی فرم کا انتخاب کرنا پڑے گا جن سے ان واقف کاروں نے اس سے قبل کاروبار کیا ہے، یا پھر وہ اسٹاک کے سکریٹری سے اسٹاک ایکسچینج کے ارکان کی فہرست طلب کرسکتا ہے۔ اس فہرست میں بروکر یا ان کی فرموں کے نام درج ہوتے ہیں چونکہ صرف ناموں سے کسی طرح کی کوئی بات ثابت نہیں ہوتی لہذا اس طرح کیا جانے والا انتخاب سودمند بھی ثابت ہوسکتا ہے اور نقصان دہ بھی۔

اگر کوئی رقم لگانے والا شخص براہ راست بروکر کی فرم سے تعلق قائم نہیں کرسکتا تو اپنے بینک کے ذریعہ (جو کہ اپنے بروکر کے ذریعہ اپنے گاہکوں کے لئے اسٹاک ایکسچینج کا کاروبار کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں) لین دین کرسکتا ہے۔ اس طریقے سے بلاشبہ رقم لگانے والے شخص کو زیادہ تحفظ حاصل ہوتا ہے کیونکہ بروکر کے غلط اقدامات کے باعث ہونے والے نقصانات کا امکان کم سے کم ہوسکتا ہے، کیونکہ بینک کے ذمہ داران یہ چاہیں گے کہ ان کے گاہکوں کا نقصان نہ ہو، اس کے علاوہ بینک کے اسٹرونگ روم (رقم رکھنے کے کمرے) کے ذریعہ ادائیگی کی جاسکتی ہے یا ان میں حاصل شدہ رقم محفوظ رکھی جاسکتی ہے، لیکن اس طریقے میں نقصانات بھی ہیں، سب سے پہلا نقصان وقت کا زیاں ہے۔ اسٹاک ایکسچینج کے اتار چڑھاؤ منٹوں میں بدلتے رہتے ہیں۔ بینک کے ذریعہ بروکر سے رابطہ قائم کرنے میں اچھا خاصا وقت ضائع ہوسکتا ہے۔ مزید برآں بینک منیجر اسٹاک ایکسچینج کی اس وقت کی صورت حال اور دوسرے عوامل کے بارے میں زیادہ معلومات بھی نہیں رکھتے۔ بروکر چونکہ اس کاروبار سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں لہذا انہیں پل پل کی خبر رہتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی دوسرے کاروبار کی مانند ذاتی عمل دخل اس میں بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ بینک کے ذریعہ طے کئے جانے والے سودے میں بینکر کی ذاتی دلچسپی کا سوال ہی نہیں اٹھتا جبکہ اگر آپ براہ راست بروکر سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں اور اس کو ذاتی طور سے جانتے ہیں اور وہ آپ کو جانتا ہے تو وہ بذات خود بھی سودے میں دلچسپی لے گا۔

اسی کے ساتھ ساتھ سیکورٹیز کے لئے کی جانے والی ادائیگی اور ان کو محفوظ طریقے سے رکھنے کے لئے بینک کی سہولیات بھی مہیا ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کاروبار کسی دلال کے ذریعہ براہ راست بھی کیا جارہا ہے تب بھی بینک کے منیجران اپنے گاہکوں کے لئے یہ خدمت ایک معمولی کمیشن کے عوض انجام دینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ جب کاروبار کسی بینک کے ذریعہ انجام دیا جارہا ہے تو رقم لگانے والے شخص (Investor) کو بینک کو بھی ایک اضافی کمیشن ادا کرنا پڑتا ہے۔ لہذا کسی دلال کے ذریعہ براہ راست کاروبار کرنا ہمیشہ سودمند ثابت ہوتا ہے، لیکن بروکر (دلال) کا انتخاب دیکھ بھال کر کرنا چاہئے۔

بروکر کا انتخاب کرنے کے بعد اس کے نام ایک خط لکھا جاتا ہے جس میں اس سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ وہ کاروبار کرنے والے شخص کے لئے سودا کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے یا نہیں، اگر وہ راضی ہے تو پھر اس کا مشورہ طلب کیا جاتا ہے۔

۲۔ حوالہ ضروری ہے:

کوئی بھی بروکر کسی نئے گاہک کی جانب سے لین دین شروع کرنے سے قبل گاہک کا باقاعدہ تعارف چاہے گا یا پھر بینک کا حوالہ ضروری ہوگا تا کہ وہ گاہک کی معاشی حالت اور اس کی ایمانداری کے بارے میں پر یقین ہو سکے۔ کوئی بھی شرط باز (Bookmaker) اور یقینی طور پر کوئی بھی دلال کسی ایسے گاہک سے تعلق رکھنا پسند نہیں کرتا جس کے بارے میں وہ کچھ بھی نہیں جانتا۔ اور نہ ہی کوئی شخص اپنی رقم کو جیب سے نکال کر اسٹاک کے کاروبار میں لگا سکتا ہے جب تک اس کا تعارف کسی بروکر سے باقاعدہ نہ کرایا جا چکا ہو۔

۳۔ خرید کا حکم دینا:

اپنے خیر خواہوں کا مشورہ حاصل کرنے کے بعد یا کسی تجارتی اخبار کے بغور مطالعہ کے بعد یا اپنے بروکر کا مشورہ حاصل کرنے کے بعد اور یہ طے کرنے کے بعد کہ کون سی سیکورٹیز خریدنا ہے، رقم لگانے والا اپنے بروکر کو سیکورٹیز خریدنے کے لئے حکم دے سکتا ہے، مثلاً وہ اس سے کہے کہ سیچری مل کے ۱۰۰ عمومی حصص خرید لے۔ غیر ضروری تاخیر سے بچنے کے لئے عام طور پر ٹیلی گرام کے ذریعہ یا ٹیلی فون کے ذریعہ بروکر سے رابطہ قائم کیا جاتا ہے، اور یہ پیغامات مختصر ہوتے ہیں تا کہ غیر ضروری طور پر ترسیل میں زیادہ رقم نہ خرچ کرنی پڑے۔ مثلاً یہ پیغام اس طرح دیا جا سکتا ہے: "میرے لئے سو (۱۰۰) سیچریز ۹۵۰ کے نرخ پر خرید لو"۔ یہ حکم ایک طے شدہ رقم کا ذکر کرتا ہے اور اس میں کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا اس کی تعمیل کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ کیونکہ حصص کی قیمت میں ہر منٹ اضافہ یا کمی ہو سکتی ہے یا پھر اگر اس کی قیمت ۹۵۰ روپے سے کم ہے تو اس میں کمی یا زیادتی زیادہ وقفے سے ہوگی۔ خرید کا حکم دینے کے دوسرے طریقے کا استعمال بھی کیا جا سکتا ہے جس میں بروکر کے لئے بھی گنجائش ہو اور دوسری جانب اس میں رقم لگانے والے شخص کے مفادات کا بھی تحفظ ہوتا ہو۔

گاہک کے خرید کے حکم کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: (۱) قیمت کا ذکر جس پر خرید کے حکم کی تعمیل کی جائے گی (۲) مدت کا ذکر جس کے دوران اس حکم پر عمل درآمد کیا جائے (۳) یا اس مدت کا ذکر جس کے گذرنے کے بعد ہی حوالگی (Delivery) کی جائے۔

قیمت کے مطابق درجہ بندی:

اس درجے کے تحت آرڈر کی مندرجہ ذیل شکلیں ہو سکتی ہیں

(الف) بہترین یا مارکیٹ آرڈر

اس قسم کے آرڈر میں کسی قیمت کا تعین نہیں کیا جاتا ہے اور فوری طور پر بہترین اور مناسب ترین قیمت پر

خرید یا فروخت کی جاتی ہے۔ اس قسم کے احکامات پر فوری طور پر بروکر کے ذریعہ عمل درآمد کیا جاتا ہے، اور بازار میں زیادہ تر اسی قسم کے آرڈر آتے ہیں۔ اس قسم کے آرڈر کچھ اس طرح دیئے جاتے ہیں: ''خریدو (یا فروخت کرو) ۱۰۰ سیئر ی بہترین (قیمت) پر''۔

(ب) طے شدہ قیمت یا حدود کے آرڈر:

اس قسم کے آرڈر گاہک کے ذریعہ طے شدہ قیمت پر عمل پذیر ہوتے ہیں۔ ان کی ایک مثال ہے: ''خرید و (یا فروخت کرو) ۱۰۰ اسٹیئر ی ۹۵۰ پر''۔ مندرجہ ہدایات کے مطابق بروکر کو ۹۵۰ روپے یا اس سے کم قیمت پر حصص کو خریدنا چاہئے۔ اسی طرح فروخت کرنے کے اسی قسم کے ایک آرڈر کی تعمیل ۹۵۰ روپے یا اس سے زیادہ قیمت پر کی جائے گی۔ بعض اوقات اس قسم کے امکانات میں تھوڑی بہت گنجائش رکھی جاتی ہے۔ مثلاً ''تقریبا ۹۵۰ پر خریدلو''۔ لیکن بروکر کے نقطۂ نظر سے یہ طریقہ زیادہ اطمینان بخش نہیں ہے کیونکہ اس میں اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ تقریبا کا تعین کن حدود میں رہتے ہوئے کیا جائے، لہٰذا واضح حدود کا تعین بروکر کے ذریعے پسند کیا جائے گا۔ مثلاً ''۹۵۰ سے زیادہ پر مت خریدو''۔ یا ''۹۵۰ سے کم پر فروخت مت کرو''۔ اس قیمت کے حدود کے تعین میں مذکورہ رقم اس طرح نہیں جیسے کہ ایک تاجر کو زیادہ سے زیادہ رقم کا آفر کیا جاتا ہے، بروکر محض ایک کارپرداز ہے، اور وہ بذات خود خریدار کو حصص فروخت نہیں کرتا ہے بلکہ وہ اپنے گاہک کے مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے کم سے کم قیمت پر حصص خریدتا ہے اور زیادہ سے زیادہ قیمت پر حصص کو فروخت کرتا ہے۔

(ج) فوری یا منسوخی کا آرڈر:

یہ آرڈر ایک طے شدہ قیمت کے آرڈر کے مقام پر استعمال کئے جاتے ہیں، اس کی ایک مثال یہ ہو سکتی ہے: ''۱۰۰ اسٹیئرز فوری طور پر خریدلو''۔ اس میں ''فوری'' کی جگہ منسوخ بھی استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اس قسم کے آرڈر ممکنہ بہترین قیمت پر فوری طور پر پورے کئے جاتے ہیں۔ اور اگر قیمت کے سودمند نہ ہونے کے باعث فوری طور پر ان پر عمل درآمد نہیں کیا جا سکتا تو اس آرڈر کو منسوخ کر دیا جاتا ہے، اور بروکر بازار کی صورت حال کی رپورٹ اپنے گاہک کو روانہ کرتا ہے۔

(د) اسٹاپ لاس آرڈر (Stop Loss Order):

اس نظام کے پس پشت یہ محرک کارفرما ہے کہ گاہک کو قیمت میں تیزی سے ہونے والے اتار چڑھاؤ سے محفوظ رکھا جا سکے۔ خرید کے لئے ایک اسٹاپ لاس آرڈر کچھ اس طرح ہوگا ''۱۰۰ اسٹیئرز ۹۵۰ پر اسٹاپ''۔ اس آرڈر کے موصول ہونے کے بعد بروکر اس وقت تک کوئی قدم نہیں اٹھائے گا جب تک بازار بھاؤ ۹۵۰ سے کم ہے، لیکن جیسے ہی یہ ۹۵۰ تک پہونچتا ہے یا بڑھنا شروع ہوتا ہے بروکر کو ممکنہ مناسب ترین قیمت پر ۱۰۰ حصص خرید لینا چاہئے۔ اسی طرح قیمت میں کمی ہونے کے باعث تیزی سے ہونے والے نقصان کو محدود کرنے کے لئے ایک خاص نقطے کی وضاحت کی جا سکتی ہے، جس کے بعد حصص کو فروخت کر دیا جائے۔ مثلاً ''الف'' ایک شخص ہے جس نے ۱۰۰ اسٹیئرز حصص ۹۵۰ کی نرخ سے خریدے ہیں، اپنے بروکر کو ''۱۰۰ اسٹیئرز ۹۳۰ پر اسٹاپ'' کا آرڈر دے سکتا ہے، لہٰذا اس طرح

رقم لگانے والے کوئی حصص ۲۰ روپے کا ہی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ یعنی جیسے ہی بازار بھاؤ ۹۳۰ پر پہونچتا ہے یا کم ہونا شروع ہو جاتا ہے بروکر حصص فروخت کر دے گا۔ اسٹاپ لاس آرڈر، مارکیٹ آرڈر بن جاتا ہے جب حصص کا نرخ ایک معینہ قیمت کے قریب پہونچتا ہے، بروکر تیزی سے اتار چڑھاؤ کے اس بازار میں اپنے گاہک کے احکامات پر معینہ قیمت پر خرید وفروخت نہیں کر سکتا، لیکن جب معینہ قیمت تک بازار بھاؤ پہونچ جاتا ہے تو بروکر کے لئے یہ لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ سرعت سے احکامات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے، اور اگر کوئی بروکر فوری طور پر قدم نہیں اٹھاتا اور آرڈر کی تکمیل میں تاخیر کا موجب بنتا ہے جس کے نتیجے میں گاہک کو نقصان اٹھانا پڑے تو وہ بروکر اس نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ اس کے علاوہ تحفظ کی ایک شکل پٹ اور کال (Put and Call) بھی ہے جس کا مقصد رقم لگانے والوں کے نقصان کی حد کو کم سے کم کرنا ہے، لیکن تمام ایکسچینجوں پر اختیاری سودوں کی ممانعت ہے۔

(ھ) مرضی پر مبنی احکامات:

یہ وہ آرڈر ہیں جو کہ بروکر کی زیرک مندی اور ہوشیاری پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں، اس کا استعمال بہت کم ہوتا ہے، اور عام طور پر اس کا استعمال تب ہوتا ہے جب کوئی رقم لگانے والا شخص چند بے حرکت حصص کو خریدنا یا فروخت کرنا چاہتا ہے اور اسے اپنے دلال پر پورا بھروسہ ہو۔ اس آرڈر کے الفاظ یوں ہو سکتے ہیں "خرید لو (یا فروخت کر دو) ۱۰۰ اسٹیچر یز"۔ اس آرڈر کا پُر اطمینان نتیجہ اسی وقت برآمد ہو سکتا ہے جب گاہک اور بروکر (دلال) کے درمیان مکمل ہم آہنگی ہو۔ اس میں قیمت کے بارے میں ہدایات کے علاوہ وقت کے محدود عرصہ کا بھی تعین کیا جا سکتا ہے۔ چند حالات کے تحت وقت کی کوئی مدت مخصوص نہیں کی جاتی ہے، اس قسم کے آرڈر کو "کھلا آرڈر" یا (Open Order) کہا جاتا ہے۔ جبکہ دوسری شکل میں اس حکم کی مدت ایک دن، ایک ہفتہ یا ایک مہینہ بھی ہو سکتی ہے، اس قسم کے تحت آرڈر کے الفاظ یوں ہو سکتے ہیں "۱۰۰ اسٹیچر یز ۹۵۰ پر فروخت کر دو"۔ مدت معینہ اس وقت تک مانی جائے گی جب تک (آرڈر) منسوخ نہ کر دیا جائے (یا ایک دن کے لئے یا ایک مہینے کے لئے) اس قسم کے آرڈر بروکر کو سست روی کی ترغیب دے سکتے ہیں۔ لہذا آرڈر میں حوالگی کی مدت کا ذکر بھی ہونا چاہئے اور اس کا بھی کہ سودا نقد رقم کی حوالگی کی شکل میں ہو یا اکاؤنٹ کے ذریعہ۔

آرڈر کسی بھی شکل میں ہو یہ ضروری ہے کہ آرڈر واضح اور صریح الفاظ وانداز میں جاری کیا جائے تاکہ غیر ضروری تاخیر سے بچا جا سکے اور تمام ممکنہ تنازعات سے بھی محفوظ رہا جا سکے۔ صراحت اور اختصار کسی بھی اچھے آرڈر کی دو اہم خصوصیات ہیں۔

۴۔ آرڈر کا اندراج اور اس کی تعمیل:

تمام آرڈر جو کہ موصول ہوتے ہیں اولاً ایک عمومی ڈائری یا نوٹ بک پر درج کر لئے جاتے ہیں اور بعد میں انہیں آرڈر بک میں درج کیا جاتا ہے۔ عمومی ڈائری میں اندراج کئے جانے کے بعد آرڈر پر فوری عمل درآمد کیا جا سکتا ہے کیونکہ آرڈر بک میں اندراج کرنے میں خاصا وقت صرف ہوتا ہے۔ عملی طور پر زبانی یا ٹیلیفون سے دیئے گئے

آرڈر بھی عمومی نوٹ بک میں درج کر لئے جاتے ہیں۔ایسی صورت میں کہ بہت سارے آرڈر موصول ہو چکے ہوں ان کی درجہ بندی کی جاتی ہے تاکہ اضافی حصص کی خرید یا فروخت کی قیمت یا ان کی اصل حیثیت کا تعین کیا جا سکے، اور ان آرڈر کی تکمیل میں بروکر کی جانب سے کئے جانے والے اقدامات کا منفی اثر مارا پڑے۔

۵۔فرش:

دراصل معتبر اور مستند کلرک ہی اسٹاک ہال میں ہونے والے سودے اور لین دین کرنے والے ہوتے ہیں ،بروکر تمام ہدایت اپنے مستند کلرک کے حوالے کر دیتے ہیں۔ چھوٹے دلال جن کے پاس زیادہ کام نہیں ہوتا خود ہی سودے انجام دیتے ہیں۔

اسٹاک کا ہال مختلف بازاروں میں تقسیم ہوتا ہے اور ہر بازار پر اضافی حصص کے نام کا تذکرہ ہوتا ہے۔ جب کسی مخصوص کمپنی کے حصص میں لین دین کرنا ہو تو مستند کلرک ہال میں اس بازار تک جاتے ہیں جہاں ان حصص کا کاروبار ہو رہا ہو۔

لندن اسٹاک ایکسچینج کے برخلاف ایکسچینج کے ارکان "Jobbers" اور "Brokers" میں تقسیم نہیں کئے جا سکتے ہیں لہذا کسی اضافی حصص کی دو قیمتیں یہاں نہیں کی جاتی ہیں۔مستند کلرک حالات کے تحت اضافی حصص کی خرید وفروخت کے لئے اپنی قیمت کا اعلان کر سکتا ہے۔ مثلاً وہ کہے" میں ۵۲ پر خریدتا ہوں" جب کہ اس کا مدمقابل کاروباری شخص ۵۴ سے ۵۳/۸ تک اپنی قیمت کم کر سکتا ہے، اور یہ فرض کیا جائے گا کہ سودا مکمل ہو گیا۔سودے کی تکمیل کرتے ہوئے عام طور پر سیکڑے اور ہزار کے مقام کے ہندسے حذف کر دیئے جاتے ہیں۔جب یہ کہا جائے کہ سینچری کی شرح ۵۲ یا ۵۴/۸ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ شرح ۹۵۲، ۹۵۴ یا ۹۵۳/۸ ہے، ایسے اعداد وشمار جن میں سیکڑے کے مقام کا ہندسہ حذف کر دیا گیا ہو، گاہک یا کسی نئے آدمی کے لئے بے معنی ہیں،لیکن ایک ایسے کاروباری شخص کے لئے جو کہ اسٹاک ایکسچینج میں لین دین کرتا رہتا ہے، کسی پریشانی یا مشکل کا باعث نہیں بن سکتے، کیونکہ وہ حذف کردہ ہندسوں سے پوری طرح واقف ہوتا ہے۔

عام سودے الفاظ کے ذریعے یا زبانی طور پر کئے جاتے ہیں اور دونوں پارٹیوں کے درمیان اسٹاک ایکسچینج میں کوئی تحریری معاہدہ نہیں ہوتا،بعض اوقات محض ایک لفظ یا گردن کی جنبش سے ہی سودے کئے جاتے ہیں جن سے یہ اشارہ کیا جاتا ہے کہ خرید وفروخت کے سودے کو مکمل سمجھا جائے۔اس کے بعد اس سودے کو پورا کرنے کی ذمہ داری خریدار اور فروخت کنندہ دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ جیسے ہی سودا مکمل ہوتا ہے دونوں پارٹیاں پاکٹ بک میں اپنے سودے کی تفصیلات درج کر لیتی ہیں۔ یہ اندراج عام طور پر پنسل سے ہوتا ہے۔سودے کی تکمیل کے بعد کاغذی کاروائی کے لئے کلرکوں کی بھاگ دوڑ دیکھ کر اسٹاک ایکسچینج میں منٹ منٹ کی قیمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔کلرک بھاگتے دوڑتے ہوئے اپنی ڈائریوں میں سودے کی تفصیلات مختصراً درج کرتے ہیں۔یہ کام سیڑھیوں پر چڑھتے اترتے وقت یا لفٹ میں بھی کیا جا سکتا ہے۔پیڈ یا ڈائری دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔خرید کا اندراج رقم کے خرچ ہونے کے خانے

(Debit) میں کیا جاتا ہے اور فروخت کا اندراج آمد کے خانے (Credit) میں کیا جاتا ہے۔ حصص کی تعداد، ان کا تفصیلی بیان اور ان پارٹیوں کا نام بھی جنھوں نے حصص فروخت کئے یا خریدے ہیں درج کیا جاتا ہے۔

حصص کے سودے ایک مخصوص و متعین تعداد کے تحت ہی انجام دیئے جا سکتے ہیں جس کا تعین حصص یا سیکورٹیز کی قیمت کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ ہر اسٹاک ایکسچینج کے اصول وضوابط کے مطابق ایک مخصوص تعداد اس سلسلہ میں متعین کردی جاتی ہے جن کے تحت ہی حوالگی (Delivery) کی جا سکتی ہے یا پھر یہ کہ فروخت کے وقت اس تعداد کا تعین کیا جا چکا ہو۔

صرف انہی سیکورٹیز میں سودا کیا جا سکتا ہے جن میں سودے کی اجازت اسٹاک ایکسچینج کے ذریعہ ان کو اسٹاک میں شامل کئے جانے کے بعد دی جاتی ہے۔ حالانکہ ہندوستان کے دوسرے اسٹاک ایکسچینجوں میں لین دین کے تحت حاصل ہونے والی سیکورٹیز کا سودا بمبئی اسٹاک میں نقد رقم کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے اگرچہ اسٹاک کے گورننگ بورڈ نے متذکرہ سیکورٹیز کے لئے کسی رقم کا تعین نہ کیا ہو۔

رقعہ معاہدہ (Contract Note):

سودے کی تکمیل کے بعد کلرک اپنے دفتر واپس لوٹتا ہے، اور یادداشتی ڈائریوں، کلرک کے عام پیڈ یا نوٹ بک سے سودے کی تفصیلات ''کچا سودا کتابوں'' میں درج کی جاتی ہیں اور وہاں سے انہیں پکی کتابوں یا حساب کتاب کے باقاعدہ کھاتوں میں نقل کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ ذکر بھی ہوتا ہے کہ سودا نقد رقم یا آئندہ ادائیگی (بینک اکاؤنٹ) کے تحت انجام پایا ہے۔ بروکر سے متعلق اور پارٹیوں سے متعلق تفصیلات بھی درج کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد بروکر ایک معاہدے کی دستاویز (نوٹ) تیار کرتا ہے جو دوسری پارٹی کے لئے ہوتا ہے۔ بروکرس کے ذریعہ ایسوسی ایشن سے منظور شدہ معاہدے کے نوٹ استعمال کئے جاتے ہیں۔ نقد رقم یا بینک کے ذریعہ سودا ہونے کی شکل میں الگ الگ قسم کے معاہدے کی دستاویزات استعمال کی جاتی ہیں۔ ایک کنٹریکٹ نوٹ گاہک کو بھی بھیجا جاتا ہے۔ ان معاہدوں پر بروکر کے خود کے یا اس کی جانب سے نامزد اتارنی کے دستخط ہونے چاہئیں، ان پر باقاعدہ ٹکٹ بھی الگ ہونا چاہئے۔ اگر نقد رقم کی شکل میں سودا ہوا ہے تو اس طرح تیار کئے جانے والے معاہدے کے نوٹ میں بروکر کے کمیشن کا خانہ نہیں ہوتا ہے جیسا کہ فارورڈ ڈلیوری کے معاہدے میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ گاہک کو ایک اور میمو بھیجا جاتا ہے، جس میں ادا کی گئی یا حاصل ہونے والی رقم کی تفصیل بروکر کی اپنی فیس اور ٹرانسفر فیس (اگر گاہک یہ چاہتا ہے کہ اس کو اس کے نام ٹرانسفر کردیا جائے) کی تفصیلات درج ہوتی ہیں۔

اگلے دن کنٹریکٹ نوٹ (Contract Note) کا دونوں پارٹیوں کے ذریعے ۱۲ بجے سے ۳ بجے کے درمیان تقابلی معائنہ کیا جاتا ہے، اور جب دونوں کنٹریکٹ نوٹ کا معائنہ ہو جاتا ہے تو دونوں پارٹیوں کے کلرک ایک دوسرے کے کھاتے میں اپنے اپنے دستخط کرتے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ کنٹریکٹ نوٹ باقاعدہ اور صحیح طور پر تیار کئے گئے ہیں۔ صرف چند کلرک ہی جو کہ باقاعدہ بروکر کی جانب سے ان کی نمائندگی کرنے کے لئے مقرر کئے

جاتے ہیں بروکر کی جگہ اپنے دستخط کر سکتے ہیں۔ ایسے کلرک کو ایک کارڈ دیا جاتا ہے جس پر اس کے نمونے کے دستخط ہوتے ہیں اور اس کارڈ کو کلرک کو کنٹریکٹ ہال میں لے کر جانا پڑتا ہے۔ تمام غلطیاں یا خامیاں باضابطہ طور پر متعلقہ افراد کے سامنے لائی جاتی ہیں جن کا قابل قبول اور منصفانہ حل تلاش کرلیا جاتا ہے۔ عام طور پر اگر کسی حقیقی غلطی کے نتیجے میں کوئی نقصان ہورہا ہوتو دونوں پارٹیاں اس کو آپس میں آدھا آدھا بانٹ لیتی ہیں، اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ تنازعہ کے حل کے لئے ثالثی کمیٹی سے رجوع کیا جائے۔ کنٹریکٹ نوٹ میں ہوئی کسی غلطی کے لئے گاہک ذمہ دار نہیں ہوتا ہے اور اس کی پوزیشن میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آتی ہے۔ بلاشبہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اسٹاک ایکسچینج کا نظام جو کہ صرف لفظوں یا زبانی طور پر ہی چلتا ہے، اس نظام کے قابل احترام اور ایماندارانہ ہونے کی مثال ہے۔

۶۔ کمیشن:

بروکر دیئے گئے مشورے کے لئے کسی قسم کی فیس نہیں مانگتا ہے۔ جب سودا مکمل ہوجاتا ہے تب ہی کمیشن کی ادائیگی کا سوال اٹھتا ہے۔ اس لئے کہ فائدہ منداور مناسب مشورہ ہمیشہ بروکر کے حق میں سودمند ثابت ہوتا ہے اور اسی مشورے کی بنیاد پر اس کے لئے آئندہ بڑے پیمانے پر کاروبار کی راہیں استوار ہوتی ہیں۔ اسٹاک ایکسچینج کے اصول و ضوابط کے تحت بروکر کے زیادہ سے زیادہ کمیشن کی شرحیں مقرر کردی گئی ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بروکرس کے درمیان مقابلہ زیادہ نہ ہو اور کمیشن کی شرح کم سے کم نہ ہوتی جائے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کم سے کم کمیشن کی شرح مقرر کردی گئی ہے اور بروکر اس شرح سے زیادہ کمیشن طلب کرنے کا مجاز ہے لیکن عملی طور سے ایسا تقریباً نہیں کے برابر ہوتا ہے کیونکہ بروکرس کے آپس کے مقابلے کے نتیجہ میں یہ کم سے کم ہی زیادہ سے زیادہ ہوکر رہ جاتا ہے۔ بمبئی اسٹاک ایکسچینج کے اصول وضوابط کے مطابق اس کم سے کم کمیشن کی شرح میں بھی بروکر کے ذریعہ چھوٹ دی جاسکتی ہے لیکن یہ چھوٹ کمیشن کی آدھی رقم سے کم نہ ہو۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ بروکر کی کم سے کم فیس کا اطلاق نقد رقم کی شکل میں کئے گئے ہر سودے پر نہیں ہوتا، اور اس کا اندراج اسی صورت میں کیا جاتا ہے جب رقم کی ادائیگی فی الوقت نہیں کی جارہی ہے۔ درحقیقت اس طرح سے حاصل ہونے والے کمیشن کی مقدار بہت کم ہوتی ہے اور بروکر کے منافع کا بہت کم حصہ اس شکل میں حاصل ہوتا ہے۔

۷۔ تصفیہ (Settlement):

تصفیہ کے طریق کار کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(الف) نقد رقم کی ادائیگی کے معاہدوں کا تصفیہ۔

(ب) آئندہ ادائیگی کے معاہدوں کا تصفیہ۔

بمبئی اسٹاک ایکسچینج کے انداز کو مدنظر رکھتے ہوئے مثال کے طور پر آگرہ کا باشندہ ''الف'' اپنے بروکر ''ا ب ج'' کمپنی کو آرڈر دیتا ہے کہ ''۱۵ اسپنجر یز خرید لو''۔ بروکر یہ حصص ۹۴۵ کے حساب سے ''د ل ج'' کمپنی سے خرید لیتا ہے جس نے اپنے گاہک ''ب'' کی نمائندگی کرتے ہوئے یہ حصص فروخت کئے ہیں۔ ''ب'' نے یہ حصص ۹۴۰ کی شرح

پر" ء وز کمپنی" کے ذریعہ" ج" سے خریدے تھے۔ اس سودے میں ایک کے بعد ایک کڑی موجود ہے۔

(الف) نقد رقم کی ادائیگی کا معاہدہ(Ready Delivery Contract):

نقد رقم کی فہرست کے مطابق حصص کو دو درجوں "Cleared" اور "Non Cleared" میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور ان دونوں کے تصفیہ کے طریقے میں بھی فرق ہوتا ہے۔ کلیئرڈ حصص کا تصفیہ کلیئرنگ ہاؤس کے ذریعے ہوتا ہے جبکہ نان کلیئرڈ حصص، دستی ڈلیوری کے ذریعے انجام پاتے ہیں یعنی ان میں کلیئرنگ ہاؤس کا کسی طرح کا دخل نہیں ہوتا، اور یہ ممبران کے درمیان آپس میں ہی طے پا جاتے ہیں۔

(ا) نان کلیئرڈ حصص(Non Cleared Securities):

فوری ڈلیوری معاہدے کا مطلب یہ ہے کہ معاہدے سے متعلق پارٹیاں حصص کو فوری طور پر وصول کرنے اور ان کی ادائیگی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ فروخت کنندہ' ء وز کمپنی' اپنے گاہک 'ج' سے شیئر سرٹیفکیٹ وصول ہونے کے بعد آئندہ پیر (دوشنبہ) کو ایک 'فروخت کنندہ ڈلیوری ٹکٹ' جاری کرے گا جس کو بازار میں عرف عام میں کیلی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ساتھ ہی اس کی ایک نقل بھی جاری کی جاتی ہے۔ اس ٹکٹ کے ذریعے فروخت کنندہ کا بروکر دوسری پارٹی کو مطلع کرتا ہے کہ وہ حصص فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ خریدنے والا بروکر سیاہ رنگ کی نقل پر اپنے دستخط کرے گا اور اسے" ء وز" کمپنی کو واپس بھیج دے گا۔ کیلی کی اصل جو کہ سرخ رنگ میں ہوتی ہے خریدنے والے بروکر کے ذریعہ اپنے پاس رکھ لی جائے گی۔" د ل ج" کمپنی بھی 'اب ج' کمپنی کو ایک کیلی جاری کرے گی جو کہ اس کی نقل پر دستخط کر کے اسے 'دل ج' کمپنی کو واپس کر دیں گے۔ خریدنے والے بروکر تک کیلی ۳ بجے سہ پہر سے قبل پہونچ جانی چاہئے۔

۳ بجے کے بعد تصفیہ والے کمرے میں کیلی لے جائی جاتی ہے۔ تمام بروکرس کے کلرک یہاں اکٹھے ہوتے ہیں اور تمام پارٹیوں کے نام کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ خریدار پارٹیاں سامنے آتی ہیں اور ان کے ذریعہ ٹکٹ کی نقول ان کے معائنے اور ان پر دستخط کرنے کے بعد وصول کی جاتی ہیں، ایکسچینج کا ایک عہدے دار بھی وہاں موجود ہوتا ہے، اور اگر کوئی خریدار غیر حاضر ہے اور کیلی وصول نہیں کرتا ہے تو وہ عہدے دار کیلی اپنے قبضے میں لے لیتا ہے تاکہ اس بات کا ثبوت رہے کہ سودا ہوا ہے۔ اس کے بعد وہ غیر حاضر پارٹی کے دفتر میں پیش کی جاتی ہے، اور اگر اس کے بعد بھی خریدار اس کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، تو فروخت کنندہ اپنے حقوق کا استعمال کرتے ہوئے متعلقہ پارٹی سے اپنے نقصان کا معاوضہ طلب کر سکتا ہے۔

جمعرات کا دن جو کہ ادائیگی کا دن ہوتا ہے، فروخت کنندہ بروکر حصص کے سرٹیفکیٹ مع ٹرانسفر فارم (باقاعدہ اندراج اور دستخط کے ساتھ) خریدار کو دے دے گا۔ دستاویز حصص (Share Certificate) اور دستاویز منتقلی (Transfer Deed) خریدار بروکر کے دفتر میں پیش کی جاتی ہیں۔ جب حصص کی ادائیگی ہو جاتی ہے تو رقم ادا کی جاتی ہے۔ حصص کی ادائیگی قسطوں (حصوں) میں بھی کی جا سکتی ہے اور خریدار اس کو قبول کرنے کا پابند ہے۔ 'اب ج' کمپنی "الف" کو ایک میمو مع کنٹریکٹ نوٹ کے آئندہ روز روانہ کرے گا جس میں مندرجہ بالا اندراجات ہوں گے۔

	روپے	آنہ	پیسے
۱۰حصص سینچری ملس ۹۴۵ پر	۹۴۵۰	۰	۰
بروکر فیس فی ۱۰۰ روپے یا ہر حصص کے مطابق ۸ فیصد کے حساب سے جوڑی جائے۔	۵۰	۰	۰
ٹکٹ کی فیس ۲/۱ فیصد	۱۰۶	۶	۰
فی حصص ۴ آنہ کے حساب سے رجسٹریشن فیس	۲	۸	۰

۹،۶۰۸ روپے، ۱۴ آنے، ۰ پیسے

اس میمو کی وصولی کے بعد 'الف' ۹۶۰۸ روپے ۱۴ آنے کا چیک روانہ کرے گا۔ 'دل ج' کمپنی "ہوز" کمپنی سے حصص وصول کرنے کے بعد انہیں اور ٹرانسفر ڈیڈ (Transfer Deed) کو 'اب ج' کمپنی کے حوالے کردے گی جس کو ۹۴۵۰ کے عوض یہ حصص حاصل ہوں گے۔

(۲) کلیئرڈ حصص (Cleared Securities): اس کا طریقہ بھی تقریباً گذشتہ کی مانند ہی ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ سودے کا تصفیہ کلیئرنگ ہاؤس کے ایجنٹ کے ذریعہ کیا جاتا ہے، کسی بھی کام کے دن کیا جانے والا سودا آئندہ جمعرات کو تکمیل پاتا ہے، اور یہ دن (Clearing Day) کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ سنیچر کے دن کئے گئے سودے کو پیر کے دن کے حساب سے مانا جاتا ہے۔ پیر کے دن فروخت کنندہ 'فروخت کنندہ کلیئرنس ٹکٹ' مع اس کی نقل کے بنائے گا جسے خریدار کے پاس بھیجا جائے گا۔ خریدار اس کی اصل اپنے پاس رکھ لے گا اور نقل پر دستخط کرنے کے بعد اسے واپس کردے گا۔

بدھ کے دن 'یعنی کلیئرنگ ڈے' سے ایک روز قبل فروخت کنندہ کو (Clearing House) میں ایک کلیئرنگ شیٹ داخل کرنا پڑتی ہے مع ڈلیوری فارم اور رسید فارم کے۔ اس شیٹ میں خریدے ہوئے حصص کی تفصیل، ان کی قیمت جو کہ ادا کی گئی Debit سائڈ پر درج کی جاتی ہے، اور فروخت کئے گئے حصص اور ان کے بدلے میں حاصل ہونے والی رقم کی تفصیل Credit سائڈ پر درج کی جاتی ہے، اور کل فرق (Balance) بھی درج کیا جاتا ہے، اور ممبر اس رقم کا چیک بھی روانہ کرتا ہے۔ یا اگر کریڈٹ بیلنس ہے تو کلیئرنگ ہاؤس کے نام ایک ڈرافٹ روانہ کیا جاتا ہے۔

کلیئرنگ ڈے کو تمام حصص جو کہ فروخت ہوئے مع ضروری ٹرانسفر ڈیڈ کے فروخت کنندہ کی طرف سے کلیئرنگ ہاؤس میں جمع کئے جاتے ہیں۔ خریدار رکن کو کلیئرنگ ڈے کے اگلے روز یہ حصص کلیئرنگ ہاؤس سے موصول ہو جاتے ہیں۔ وہ کلرک جو کہ بروکرس کی جانب سے حصص کے حصول کے لئے نامزد یا مقرر کئے جاتے ہیں اسٹاک ایکسچینج کی جانب سے حصص کی وصولی کی رسید پر دستخط ثبت کرتے ہیں:

فارورڈ ڈلیوری معاہدوں کی ادائیگی:

آئندہ یا فارورڈ ڈلیوری معاہدوں کے لئے بمبئی اسٹاک ایکسچینج کے سال کو بارہ (۱۲) ادائیگیوں میں تقسیم کیا گیا ہے کیونکہ یہ ادائیگیاں ماہانہ ہوتی ہیں۔ گورننگ بورڈ ہر سال آئندہ سال کیلئے بارہ اکاؤنٹ اور ادائیگی کے دن مقرر کردیتا ہے۔ عام طور پر ہر ادائیگی مہینے کے آخری ہفتہ میں کی جاتی ہے اور ادائیگی کا نام مہینے کے حساب سے رکھا جاتا ہے۔ اس قسم کے سودوں میں کاروبار کا مقصد حصص کا حصول اور ان کے بدلے میں ادائیگی نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا مقصد خریدنے اور بیچنے کے ذریعہ مہینوں کے دوران نفع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ قانونی طور پر فروخت کے ہر معاہدے کے تحت حصص کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے لیکن عملی طور پر ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ ہر ادائیگی کے دوران ارکان کے درمیان کئی ایک ادائیگیاں ہوتی ہیں۔ اور ان سب کا نیٹ بیلنس ڈلیور کیا جاتا ہے اور اس کی ادائیگی کی جاتی ہے۔ یہ تمام ادائیگیاں کلیئرنگ ہاؤس کے ذریعہ کلیئر کی جاتی ہیں اور یہ پیچیدہ عمل آسان بنادیا جاتا ہے۔ جب ادائیگی کا دن آتا ہے تو: (۱) وصولی کرلی جاتی ہے اور یہ بہت کم ہوتا ہے۔ (۲) سودا پلٹ دیا جاتا ہے یعنی خرید، فروخت میں بدل جاتی ہے اور ایسا ہی فروخت کے ساتھ ہوتا ہے۔ (۳) آئندہ ادائیگی (Sattlement) والے سودے عام طور پر موجودہ ادائیگی کے لئے ہی ہوتے ہیں لیکن بیک وقت دو ادائیگیوں کے لئے بھی ہر ادائیگی کے چار دنوں کے بعد نئے سودے کئے جاسکتے ہیں۔ یہ چار دن ادائیگی کی آخری تاریخ سے شمار کئے جاتے ہیں اور آئندہ مہینے کے تین دنوں تک ہوتے ہیں، مثلاً فروری کی ادائیگی ۳ رفروری کو ختم ہورہی ہے، اس صورت میں چار دن یعنی ۳۱ رجنوری، یکم، ۲ راور ۳ رفروری کو ایک ساتھ دو اکاؤنٹ فروری اور مارچ کی ادائیگی کے کھولے جائیں گے تاکہ جو افراد حصص کو وصول کرنا پسند نہیں کرتے یا ان کی ادائیگی پسند نہیں کرتے وہ ان چار دنوں کے درمیان اپنے سودے پورے کرسکتے ہیں۔ ۳ رفروری کو فروری کی ادائیگی ختم ہوجائے گی اور اس کے بعد صرف مارچ کی ادائیگی ہی حالیہ ادائیگی رہ جائے گی، لیکن درحقیقت دونوں ادائیگیاں ایک دوسرے کے ساتھ جڑی رہتی ہیں۔ نئی ادائیگی اسی دن نہیں شروع ہوجاتی ہے بلکہ پہلی ادائیگی کے خاتمے کے چار دن قبل سے ہی شروع ہوتی ہے۔

آئندہ سودوں میں ادائیگی کی مدت چھ دن پر محیط ہوتی ہے۔ Sattlement Period کے آخری دن خریدار بروکر فروخت کنندہ بروکر کے ساتھ اپنی میمورنڈم سلپ کا تبادلہ کرتا ہے اور اس طرح حساب کتاب کے بعد اس دوران کئے گئے کاروبار کا اندازہ لگاتا ہے۔ عملی طور پر یہ تقابلی معائنہ بہت کم ہوتا ہے۔ دوسرے دن کو "Clearance Day" یا "Ticket Day" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ایکسچینج کے ارکان اس دن کلیئرنس کی فہرست اور ڈلیوری کی فہرست کلیئرنگ ہاؤس میں پیش کرتے ہیں، جن میں وصول ہونے والی سیکورٹیز اور ادا کی جانے والی سیکورٹیز کی تعداد وغیرہ درج ہوتی ہے۔ سودے کی رقم اور خریدے گئے اور فروخت کئے گئے حصص کی تعداد کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، یہ ذکر اس کے لئے علیحدہ مخصوص فارموں میں کیا جاتا ہے، یہ تمام فارم کلیئرنگ ہاؤس میں ۱۲ بجے دوپہر اور ۵ بجے سہ پہر کے درمیان جمع کرانا ضروری ہے۔ تیسرے اور چوتھے دن حصص کلیئرنگ ہاؤس کے سپرد کئے

جاتے ہیں۔ جو سیکورٹیز سپرد کی جاتی ہیں ان کا اندراج ایک تیار شدہ فارم میں کیا جاتا ہے۔ پانچواں دن ادائیگی کا دن ہوتا ہے، جسے "Pay Day" یا "Account Day" کہتے ہیں۔ اس تاریخ کو ارکان بیلنس شیٹ اور خرید و فروخت کے درمیان فرق کا ایک بیان کلیئرنگ ہاؤس میں داخل کرتے ہیں۔ اس میں دکھلایا گیا بیلنس کلیئرنگ ہاؤس کے ساتھ اس کے کھاتے میں جمع کر دیا جاتا ہے یا اس میں سے منہا کر لیا جاتا ہے۔ کوئی ممبر جو کہ پے ڈے کے اگلے روز دو پہر تک ادائیگی نہیں کر پاتا ہے اسے قصور وار گردانا جاتا ہے۔ اس دن حصص کے آئندہ کاروبار کے لئے بازار بند رہتا ہے۔ آخری دن جو کہ ادائیگی کے دن (Settling Day) کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، ارکان کلیئرنگ ہاؤس سے حصص یا ان کے بدلے کی رقم حاصل کرتے ہیں۔

خرید و فروخت:

اگر نقد رقم کے سودے کی شکل میں فروخت کنندہ دوشنبہ (پیر) کے دن گذشتہ ہفتہ ہوئے سودے کے بارے میں 'کیلی' جاری نہیں کرتا ہے، یا اگر اس نے کیلی جاری کر دی ہے اور اس کے بعد حصص کی ادائیگی کرنے میں ناکام رہتا ہے تو اس کے خلاف سیکورٹیز خرید لی جائیں گی۔ اسی طرح اگر خریدار کیلی وصول کرنے سے انکار کرتا ہے یا جب اس سے کہا جائے تو وہ حصص کی ادائیگی سے انکار کرتا ہے تو اس کی طرف سے سیکورٹیز کو فروخت کر دیا جائے گا۔ دوسری جانب اگر اس سلسلے میں فروخت کنندہ کی جانب سے غلطی (Default) کی جارہی ہے تو خریدار ان سیکورٹیز کو خرید لے گا، لیکن اگر سیکورٹیز کی خریداری ممکن نہیں ہے تو پھر معاملہ ثالث کمیٹی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ حصص کی اس طرح کی خرید و فروخت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ قصور وار پارٹی کو اس سے متعلق کوئی نوٹس یا اطلاع دی جائے۔ بمبئی اسٹاک ایکسچینج کے گورننگ بورڈ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ فروخت کرنے کے اس اصول کو ملتوی کر دے اگر اس کی رائے میں یہ سسپنشن (التواء یا تعطل) ضروری ہے اور عمومی حق میں بہتر ثابت ہوتا ہو، لیکن یہ التواء محض ۲۴ گھنٹوں تک رہتا ہے اور اس سے زیادہ عرصے کے (التواء یا تعطل) کے لئے حکومت کی اجازت درکار ہوتی ہے۔

<u>**سودوں کا بدل دینا اور تفاوت (Differences) کی ادائیگی:**</u>

عام طور پر آئندہ ادائیگی کے سودوں میں اس وقت حصہ لیا جاتا ہے جب مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ کا فائدہ اٹھانا مقصود ہو اور ادائیگی سے قبل سودوں کا بدل دیا جانا (Reverse) اور اس طرح تفاوت کا حصول یا ادائیگی کرنا مقصد ہو۔ یہ تفاوت مارکیٹ کی حالیہ قیمت کے حساب سے طے کرنے کے بعد ادا کیا جاتا ہے یا وصول کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہماری پچھلی مثال سے متعلق 'الف' 'اب ج' کمپنی کے ذریعہ ۹۴۵ پر ۱۰ اسٹیئرز خریدنے کے بعد بازار کے بڑھتے بھاؤ کو دیکھتے ہوئے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے (مثال کے طور پر) ۹۹۰ پر اپنے حصص فروخت کر دیتا ہے، اس شکل میں عام کمیشن فروخت کنندہ بروکر کو ادا کیا جائے گا۔

ادائیگی کے آخری دن بروکر اپنا اسٹیٹمنٹ اس طرح روانہ کرے گا:

تاریخ	خرید/فروخت	تفصیلات	روپے	روپے
	خریدے گئے	۱۰ اسٹیچری ۹۴۵ پر۔	۹،۴۵۰	
		کمیشن بھی جوڑیں	۵۰	۹،۵۰۰
	فروخت کئے گئے	۱۰ اسٹیچری ۹۹۰ پر۔ کمیشن	۹،۹۰۰	
		کم کریں	۵۰	
		بیلنس کریڈٹ	۹۸۵۰	
		ادا کیا جانے والا بیلنس	۳۵۰	۳۵۰
				۹،۸۵۰

ہماری سابقہ مثال میں 'ج' نے ۱۰ اسٹیچریز ۹۴۵ پر فروخت کئے ہیں اور اسے ۹،۴۵۰ میں سے بروکر کی فیس ۵۰ روپے منہا کرنے کے بعد ۹۴۰۰ روپے حاصل ہوں گے۔ اس نے یہ فروخت اس امید پر کی ہے کہ بھاؤ میں کمی آئے گی، لیکن اگر قیمت بڑھتی ہے اور وہ اس سودے کو جاری رکھنا نہیں چاہتا ہے اور بازار سے جانا چاہتا ہے تو وہ اپنا سودا نقصان پر ختم کرے گا اور اپنے بروکر 'ای ایف جی کمپنی' کو ہدایت کرے گا کہ مثال کے طور پر ۹۹۲ پر ۱۰ اسٹیچریز خرید لو۔ بروکر اپنا عام طور سے لیا جانے والا کمیشن چارج کرے گا۔ 'ای ایف جی' کمپنی اس سے متعلق اسٹیٹمنٹ مندرجہ ذیل انداز سے بھیجے گی:

تاریخ	خرید/فروخت	تفصیلات	روپے	روپے
	فروخت کئے	۱۰ اسٹیچری ۹۴۵ پر	۹،۴۵۰	
	گئے	کمیشن کم کریں	۵۰	۹،۴۰۰
	خریدے گئے	۱۰ اسٹیچری ۹۹۲ پر	۹،۹۲۰	
		کمیشن جوڑیں	۵۰	
		بیلنس ڈیبٹ	۹،۹۷۰	
		آپ کی جانب سے بقایا ادائیگی		۵۷۰
				۹،۹۷۰

اس طرح حصص کو نہ تو حوالے کیا گیا اور نہ ہی انہیں وصول کیا گیا لیکن سودا تبدیل ہو گیا، چاہے اس کے نتیجے میں نفع ہو یا نقصان، بقایا رقم یا تو ادا کرنی پڑے گی یا وصول کی جائے گی۔

(۳)(Carry Over) یا بدلی:

Carry Over یا بدلی آئندہ ادائیگی کے التواء کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ ایک ادائیگی سے دوسری ادائیگی کے التواء کی شکل میں بدلی اثر پذیر ہوتی ہے، بدلی بروکر فیس ادا کرنی پڑتی ہے۔ یہ درحقیقت خرید یا فروخت کے

سودے کے تکمیل پائے بغیر جاری رہنے کی جانب دلالت کرتی ہے۔ کیری اوور یا بدلی کا طریقہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب متعلقہ پارٹیوں کے اندازے کے مطابق قیمت میں تبدیلی نہیں آتی ہے۔ بروکر کی فیس کی کم سے کم شرح کے مقابلے میں بدلی فیس اس کا ایک چوتھائی حصہ ہوتی ہے۔

بدلی کس طرح اثر پذیر ہوتی ہے:

دو نئے سودوں کے نتیجے میں بدلی عمل میں آتی ہے۔ قیمت میں اتار ہونے کے اندیشے کے باعث حصص فروخت کئے جاتے ہیں تا کہ حالیہ ادائیگی کی جا سکے، اور انہیں اگلی ادائیگی کے لئے دوبارہ اس امید پر خرید لیا جاتا ہے کہ قیمت میں اضافہ ہوگا۔ ہماری مثال میں اگر 'الف' حصص کو وصول کرنا نہیں چاہتا ہے یا تفاوت سے تعلق رکھنا نہیں چاہتا ہے، لیکن یہ چاہتا ہے کہ سودا Carry Over ہو جائے اور اگلی ادائیگی تک پہونچ جائے، نتیجۃً اگلی ادائیگی کی قیمت کم ہو جاتی ہے، اور بدلی گالا بدل جاتے ہیں یعنی ایک "Bull" بجائے سود ادا کرنے کے سود کا مطالبہ Bear سے کرتا ہے۔ لہذا انل نہ صرف یہ کہ اپنے حصص پر رقم وصول کرتے ہیں بلکہ ایک مخصوص شرح میں سود بھی حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک زائد فروخت شدہ (Over Bought) ٹل اکاؤنٹ بدلی گالا کی شرح بڑھا دیتا ہے، یعنی رقم کی کمی ہو جاتی ہے اور سود کی شرح بڑھ جاتی ہے۔

بیک وارڈیشن(Back Wardation):

آپریٹرس کی جانب سے زائد فروخت بازار میں بگ بیئر اکاؤنٹ کی صورتحال پیدا کر دیتی ہے۔ ان حالات کے تحت سیکورٹیز کی سپلائی کم ہو جاتی ہے اور بیئر (Bear) اس بات کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ شیئرز کی حوالگی اگلی ادائیگی تک کے لئے کیری اوور ہو جائے، لہذا انل (Bull) بجائے اس کے کہ حصص کی وصولی نہ کرنے کے باعث کنٹانگو (Cantango) ادا کرتے وہ بیئرس سے حصص کی حوالگی نہ کرنے کے بدلے میں کچھ رقم حاصل کرتے ہیں جسے بیک وارڈیشن کہا جاتا ہے۔ بیک وارڈیشن کی وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ سابقہ ادائیگی کے ادا نہ کرنے کے باوجود نئے سودے میں ہاتھ ڈالنے کے بدلے میں بیئر کی جانب سے ادا کی جانے والی رقم کو بیک وارڈیشن کہتے ہیں۔ بعض اوقات دونوں پارٹیوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے سودے کیری اوور کرنے کے لئے کسی کو سودا ادا نہیں کرتے ہیں، سودے کی اس شکل میں کہا جاتا ہے کہ کیری اوور برابر رہا ہے۔

اس بات کی وضاحت یہاں کر دینی چاہئے کہ کیری اوور کا طریقہ قانونی اعتبار سے ادھار نہیں ہے۔ یہ بیک وقت خرید اور فروخت کا دوہرا طریقہ ہے۔ بدلی والا اس بات کا مجاز ہے کہ وہ ان حصص کا مالک کل بن جائے اور ان کا سودا کرے جن کے لئے وہ رقم دے رہا ہے۔ ایک سودا کئی بار کیری اوور کیا جا سکتا ہے لیکن طویل المیعاد مدت میں یہ سودمند ثابت نہیں ہوتا ہے، کیونکہ نفع کا بڑا حصہ بروکر فیس اور کنٹانگو فیس میں ضائع ہو جاتا ہے۔ بدلی بزنس کسی بھی اسٹاک ایکسچینج کے لازمی عناصر میں سے ایک ہے اور اس سے پہلو تہی ممکن نہیں ہے حالانکہ کوئی بھی پارٹی اس بات کی پابند نہیں ہے کہ کیری اوور سہولیت کو جاری رکھا جائے، اور اگر وہ چاہیں تو شیئر کو حوالے یا وصول کر سکتے ہیں اور ان کے بدلے میں رقم ادا یا

وصول کر سکتے ہیں۔ لیکن عملی طور پر ایسا ہوتا نہیں ہے اور کیری اوور کی شکل میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔ لیکن بروکر کو گاہک کی معاشی پوزیشن اور مالی حالت کے بارے میں بہت احتیاط سے دیکھ بھال کرنے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھانا چاہئے۔

(ج) سرکاری سیکورٹیز:

سرکاری سیکورٹیز حکومت ہند یا صوبائی حکومتوں کے ذریعے ایک طے شدہ شرح سود پر حاصل کیا جانے والا ادھار ہے۔ ان کو عام طور پر تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(الف) اسٹاک، (ب) بیئرر بانڈ، (ج) پرونوٹ (پرومیسری نوٹ)۔

اسٹاک رجسٹرڈ سیکورٹی ہے اور اس کی منتقلی ایک دستخط شدہ ٹرانسفر ڈیڈ کے ذریعہ ممکن ہے جبکہ کسی قسم کی اسٹامپ ڈیوٹی یا منتقلی کی فیس ادا نہیں کی جاتی ہے جبکہ بیئرر بانڈ کرنسی نوٹ کی مانند کسی کے حوالے کرنے سے ہی منتقل ہو جاتے ہیں اور ان کے لئے کسی تصدیق کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، ہر بانڈ کے ساتھ سود کے کوپن منسلک ہوتے ہیں لیکن یہ یورپ کی مانند ہندوستان میں زیادہ مقبول نہیں ہیں۔ تیسری قسم کی سرکاری سیکورٹی یعنی پرومیسری نوٹ میں سکریٹری آف اسٹیٹ برائے ہند کی جانب سے گورنر جنرل ان کونسل کا وعدہ ہوتا ہے کہ ایک مخصوص شخص کو ایک طے شدہ تاریخ یا اس کے بعد طے شدہ رقم ادا کی جائے گی، اور اس کے بعد ایک اطلاع کے بعد سال میں دومرتبہ مقررہ تاریخوں پر طے شدہ شرح سود کے حساب سے رقم ادا کی جائے گی۔ سرکاری سیکورٹی کی یہی شکل سب سے زیادہ مقبول ہے۔ اس قسم کے نوٹ تصدیق کے بعد منتقل یا ڈلیور کئے جاسکتے ہیں۔ موجودہ روپے کے ادھار ہندوستان میں دوقسموں میں بانٹے جاسکتے ہیں: (ا) میعادی (Terminable) اور (۲) غیر میعادی (Non - Terminable)۔ غیر میعادی قرضے حکومت کی مرضی کے مطابق کسی بھی وقت ادا کئے جاسکتے ہیں، اس کے لئے کوئی طے شدہ میعاد نہیں ہوتی جس کے خاتمے پر حکومت کی جانب سے قرض ادا کیا جانا ضروری ہو۔ یہ برطانوی حکومت کے فنڈ ڈیبٹ کی طرح ہوتے ہیں۔ دوسری جانب میعادی قرضے ادا کئے جانے ضروری ہیں، یہ یا تو ایک مقررشدہ تاریخ پر ادا کئے جاتے ہیں یا کسی ایک مقررہ تاریخ سے قبل نہیں ادا کئے جاتے ہیں اور ایک مقررہ تاریخ کے بعد بھی نہیں ادا کئے جاتے ہیں۔

سرکاری سیکورٹیز کا لین دین:

سرکاری سیکورٹیز ملک کے مختلف اسٹاک ایکسچینج میں رقم لگانے کا اہم ذریعہ ہیں۔ وہ افراد جن کے پاس رقم کی محدود مقدار ہوتی ہے اس قسم کی سرمایہ کاری کو پسند کرتے ہیں، کیونکہ حکومت کو قرض پر دی جانے والی رقم ہمیشہ محفوظ رہتی ہے اور اس پر بازار کے اتار چڑھاؤ کا اثر بھی نہیں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ان قرضوں پر حاصل ہونے والا منافع گارنٹی شدہ ہوتا ہے اور باقاعدگی سے ادا کیا جاتا ہے کیونکہ یہ قرضے حکومت کی اجازت، منظوری، اس کی اتھارٹی اور اس کی مضبوطی کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ بیشتر سرمایہ کار تنظیمیں مثلاً انشورنس کمپنیاں اور بینک اپنی آمدنی اور اپنے زیر تصرف رقموں کا بیشتر حصہ سرکاری سیکورٹیز میں لگادیتی ہیں، سیکورٹیز کی قیمت کا تعین Reserve Bank of India کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ حکومت کی سیکورٹیز میں آنے والا اتار چڑھاؤ بیحد معمولی ہوتا ہے، اور عام حالات میں ان کا انحصار بازار کی حالت پر ہوتا ہے۔

سیکورٹیز کے تحت حکومت ہند، صوبائی حکومتوں کی سیکورٹیز، ڈبنچر، پورٹ ٹرسٹ کے اسٹاک اور میونسپل کارپوریشنز کے اسٹاک جو کہ Negotiable Instrument Act 1887 کے تحت آتے ہوں، شامل ہیں۔ ان سیکورٹیز میں کاروبار نقد رقم کی شکل میں یا اکاؤنٹ کے ذریعے بھی انجام دیا جاسکتا ہے۔ نقد رقم کے تحت ہونے والے سودوں میں بمبئی اسٹاک ایکسچینج میں سودے کے اگلے دن سیکورٹیز حوالے کی جاتی ہیں اور ان کی ادائیگی کی جاتی ہے، لیکن اگر سودے کے وقت واضح طور سے تذکرہ کردیا جائے تو حوالگی سات دنوں کے اندر اندر کی جاسکتی ہے۔ فارورڈ (آئندہ) سودوں کی شکل میں کاروبار کی اکائی ۲۵،۰۰۰ روپئے ہیں، اور اس سے کم کے سودوں کی ممانعت ہے، ادائیگی پندرہ روز میں ہوتی ہے، اور ان سودوں میں اسٹاک ایکسچینج کے عام سودوں کے مقابلے میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔ عملی طور پر تمام بروکر ہر قسم کی سیکورٹیز کا کاروبار کرتے ہیں۔ عام حصص کی طرح کاروبار کا طریقہ ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔

ادائیگی کے دن سے ایک دن قبل جس کو "ٹکٹ ڈے" بھی کہا جاتا ہے، ایسے تمام افراد جو کہ سودوں میں شامل ہیں اور سیکورٹیز حوالے کرنا چاہتے ہیں یا ان کی ادائیگی کرنا چاہتے ہیں اسٹاک ایکسچینج کے کلیئرنگ ہاؤس میں اپنے کاروبار کی ایک فہرست جمع کرتے ہیں۔ یہ بیان ایک مخصوص فارم میں درج کیا جاتا ہے، اور ان کے ساتھ ڈلیوری ٹکٹ یا رسیدی ٹکٹ بھی لگایا جاتا ہے۔

یہ ٹکٹ اسٹاک ایکسچینج سے ایک معمولی قیمت پر حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ مختلف قرضوں کے لئے مختلف رنگوں کے ٹکٹ فروخت کئے جاتے ہیں۔ ہر ٹکٹ ۲۵۰۰۰ ہزار روپئے کے لئے ہوتا ہے۔ اگلے دن ان ٹکٹوں پر خریدار یا فروخت کنندہ رکن کا نام درج کرنے کے بعد کلیئرنگ ہاؤس سے واپس کردیئے جاتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ 'الف' نے ایک لاکھ روپئے کا قرض فروخت کیا ہے اور وہ اسے حوالے کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنی فہرست اور چار ٹکٹ کلیئرنگ ہاؤس میں جمع کرے گا۔ اگلے دن کلیئرنگ ہاؤس ان ٹکٹوں پر خریدار رکن یا ارکان کے ناموں کا اندراج کرنے کے بعد 'الف' کو یہ ٹکٹ واپس کردے گا، اور اس طرح عملی طور پر خرید و فروخت میں حصہ لینے والے افراد باہم یکجا ہوجاتے ہیں، اور وہ آپس میں طے کرتے ہیں کہ ایکسچینج کی جانب سے ان سودوں کے لئے مقرر کی گئی شرح کے مطابق وہ حوالگی اور ادائیگی کرتے رہیں گے۔ اس شرح اور اصلی شرح خرید کے درمیان موجود فرق کو یہ ارکان اپنے درمیان طے کرتے، حاصل کرتے یا ادا کرتے ہیں۔ ارکان جو کہ نہ ہی ادائیگی کرتے ہیں اور نہ ہی حوالگی کرتے ہیں بلکہ دونوں کے درمیان موجود فرق کو وصول کرتے یا ادا کرتے ہیں۔ حاصل ہونے والا سود، سودے میں شامل نہیں ہوتا ہے لیکن اس کو باقاعدہ ایڈجسٹ کیا جاتا ہے۔ اور خریدار کو یہ سود فروخت کنندہ کو ادا کرنا ہوتا ہے اور بروکر مندرجہ بالا اسٹیٹمنٹ جاری کرتا ہے۔

فرض کیجئے 'الف' ۵،۰۰۰ روپئے کے برابر ساڑھے تین فیصد سرکاری کاغذ اور ۳۰ رجون اور ۳۱ ردسمبر کو ادا کئے جانے والے سود کو خریدنا چاہتا ہے، اور خرید نے کا عمل ۳۰ رستمبر کو ہوا ہے لہذا ۳۰ رستمبر کو ۳ مہینے کا سود ادا کرنا ہوگا۔

	پیسے	آنہ	روپے
۵۰۰۰ ساڑھے تین فیصد سرکاری کاغذ ۹۵ پر	۰	۰	۴۷،۵۰۰
بروکر کی فیس ۱/۶ کی شرح سے جوڑیں	۰	۴	۳۱
	۰	۴	۴۷،۵۳۱
ساڑھے تین فیصد کی شرح سے تین مہینے کا سود	۰	۸	۴۳۷
انکم ٹیکس زیادہ سے زیادہ ۴/۹ فی روپے کی شرح سے کم کریں	۰	۱۲	۱۲۹
	۰	۱۲	۳۰۷
	۰	۰	۴۷،۸۳۹

☆☆☆☆☆

مناقشہ

شیئرز

مناقشہ بابت شیئرز

قاضی صاحب:

........مثلاً ایک شیئر آج زید نے خریدا، لیکن پندرہ دن کے بعد اس کا نام رجسٹر پر درج ہوگا، اور عمر جس نے بیچا ہے، اور جو انتقال شیئر کے لئے تیار تحریر پر جو دستخط کیا ہے، فرض کر لیجئے کہ وہ دستخط اس کے اصلی دستخط سے علاحدہ ہے تو بظاہر ایسا لگتا ہے کہ کمپنی اس کو واپس کر دے گی اور اس کو خریدار کے نام پر ٹرانسفر نہیں کرے گی، اور اس کے بعد ایسا ہوتا ہے کہ شیئر کا دام بہت آگے بھاگ جاتا ہے، اب بائع کی نیت خراب ہوتی ہے، اور وہ نہیں چاہتا کہ پرانے دام پر اسے بیچے، تو وہ گڑبڑ کر سکتا ہے، یہ جو معاملہ ہمارا اس کا ہوا تھا اس معاملہ کے فسخ ہو جانے کا اندیشہ ہے، غرر انفساخ ہے، کیا ایسا ہوتا ہے یا ایسا نہیں ہوتا؟، اس کی وضاحت آپ حضرات کو کرنا ہے؟

شیئرز سے متعلق مسائل کی تفصیل آپ حضرات کے سامنے آچکی ہے، سوالات بھی آپ کے سامنے ہیں، جوابات بھی آپ کے سامنے ہیں، اس کا خلاصہ بھی آیا اور دلائل بھی ذکر کئے گئے، جیسا کہ میں بار بار کہتا رہا ہوں، پھر اس کو دہراتا ہوں کہ ہمارے ماہرین کا کام ہے تصویر مسئلہ، اور علماء اور فقہاء کا کام ہے تطبیق حکم شرعی، دونوں ہی چیزیں جب مل جاتی ہیں تب صحیح نتیجہ تک پہنچنا آسان ہوتا ہے، اور دونوں کام اپنی جگہ پر کسی بھی حکم شرعی کے جاننے کے لئے ضروری ہیں، اگر صورت مسئلہ صحیح طور پر سامنے نہیں آئی تو مفتی کا فتوی اور فقیہ کا استخراج احکام کبھی صحیح نہیں ہو سکتا، اس لئے حقیقت واقعہ کا ادراک بہت ضروری ہے، اب مثلاً اس میں ایک سوال ہے کہ اگر کمپنی کے پاس صرف نقد ہی نقد........کے لئے ہی کمپنی قائم کی جاتی ہے اور لینڈنگ کا کاروبار اس میں ہوتا ہے، وہاں بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی دیگر Assets کا بنیادی طور پر مکان ہے، یہ ہے وہ ہے، اس کو چھوڑ دیتے ہیں، لیکن دیگر کوئی مشینری ہو یا کوئی اور ایسی چیز ہو وہاں نظر نہیں آتی یا رومیٹریل (Raw Material) ہو، پیسہ آتا ہے پیسہ جاتا ہے۔ پہلا مرحلہ وہ ہوتا ہے جس وقت کمپنی قائم کی جارہی ہوتی ہے، جب کمپنی قائم کی جاتی ہے تو کھلی ہوئی بات ہے کہ شرکت کے لئے سرمایہ اکٹھا کیا جاتا ہے، وہ مرحلہ جو بنیادی مرحلہ ہوتا ہے وہاں پر کسی اثاثے کا سوال نہیں پیدا ہوتا ہے، اور عام طور پر طریقہ یہی ہے کہ پیسہ جمع کر کے کاروبار شروع کر دیا جاتا ہے، تو بتائیں کہ کون سی صورتیں ایسی ہیں جن میں صرف نقد ہی نقد ہوتا ہے، عام حالات میں تو نقد کے ساتھ Assets بھی ہوتے ہیں لیکن کیا ایسی صورتیں ہیں؟ اگر ہیں تو اس کی وضاحت ہونی چاہئے، اسی طرح دوسرے سوالات ہیں، میں یہ چاہوں گا کہ ان سارے سوالات پر بات کی جائے، پہلے ہم ماہرین کی بات سنیں گے اور پھر ہم صورت مسئلہ کے تعین کے بعد اس پر تحقیق حکم فقہی کریں گے، اس دوران میں اپنے تینوں سکریٹری صاحبان مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عتیق احمد بستوی، مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب سے یہ چاہوں گا کہ جو جملہ جوابات علاء کے آئے ہیں اس میں جن امور پر متفق ہیں سب لوگ تقریباً، اب قول شاذ ہو تو

الگ ہے، مولانا سلطان صاحب کی وہ بات تو ظاہر ہے کہ پوری قوم نہیں مانے گی کہ بینک کا سود منافع ہے، لیکن اس طرح کے قول شاذ کو تھوڑی دیر کیلئے نظر سے ہٹا کر باقی جو مسائل اجماعی آ گئے ہیں ان کو الگ رکھ لیں، اور جو مسائل مختلف فیہ ہیں ان پر ہم بات کریں، قبل اس کے کہ اس دلچسپ بحث کا آغاز کیا جائے میں چاہوں گا کہ ہمارے فاضل مہمان ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب جن کا ایک مفصل مقالہ اس موضوع پر ہمارے پاس موجود ہے، ان کے اس مقالہ کو ہم بہت غور اور توجہ کے ساتھ سن لیں، بہترین تجزیہ کے ساتھ ہے، ظاہر ہے کہیں کہیں رائے سے اختلاف بھی ہوگا، اس سے بحث نہیں، لیکن جو تجزیہ ہے ان کا، جس طرح انہوں نے عنوانات مقرر کئے ہیں، اور ہر موضوع پر علاحدہ علاحدہ بات کی ہے، میں سمجھتا ہوں سبھی حضرات کو سن لینا چاہئے، (اس کے بعد وہبہ زحیلی صاحب نے اپنا مقالہ پڑھ کر سنایا)۔

قاضی صاحب:

.....اب جیسا کہ آپ سب نے جانا کہ یہ چودہ پندرہ سوالات جو ہمارے سوالنامہ میں تھے، ہر سوال کے بارے میں واضح باتیں، ائمہ کی رائے اور کتاب وسنت کی روشنی میں دکتور وہبہ زحیلی نے قائم کی ہے، اور کچھ صورت مسئلہ کی بھی وضاحت ان کی اس تحریر میں موجود ہے، انشاء اللہ ہم لوگ اس سے استفادہ کریں گے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب:

شیئرز کے بارے میں جو سوالات تھے اور جو جوابات اور مقالات آئے ان کا خلاصہ اور تجزیہ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا، میں نے عرض کیا تھا کہ جس سوال کے بارے میں جس کو کچھ کہنا ہو، بہتر یہ ہے کہ وہ کسی کاغذ پر نوٹ کر کے دے دیں، تو آسانی ہوگی، اس لئے کہ اس سے پہلے جو ہمارے ماہرین ہیں ان سے بہت سی چیزوں کی وضاحت کروانی ہے، تا کہ حکم لگانے میں آسانی ہو۔ پہلا سوال تو یہ تھا کہ اس سلسلہ میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ابھی کمپنی شروع ہوئی ہے، یعنی محض پیسے داخل کئے گئے ہیں اور شیئرز بک رہے ہیں، ابھی اس کمپنی میں کچھ اثاثہ نہیں ہوتا، کچھ املاک نہیں ہوتے، اور اسی مرحلہ میں گویا اس کی بیع وشراء اور خرید وفروخت شروع ہو جاتی ہے، اس سلسلہ میں بعض حضرات نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ ایسا ہوتا نہیں ہے، یہ محض فرضی سوال ہے، ایسا نہیں ہوتا ہے کہ کمپنی کے پاس محض نقد روپئے ہوں، اثاثے نہ ہوں، املاک نہ ہوں، اور اس کے بغیر رجسٹریشن ہو جائے اور اس کے آگے کی کاروائی چلتی رہے بیچنے خریدنے کی، جناب کھنکھلے صاحب اس کی وضاحت فرمائیں کہ ایسا ہوتا ہے یا نہیں؟

کھنکھلے صاحب:

جیسا کہ مولانا عتیق صاحب نے فرمایا، یہ سوال ویسے فرضی ہے، بالکل تھیورٹیکل (Theoritical) ہے، کیونکہ کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا ہے کہ کمپنی کے پاس صرف کیش کی صورت میں اثاثہ ہو، اثاثے کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہ کچھ اور چیز ہوتی ہے، جیسے مثلاً اگر آپ شروع کا مرحلہ لیں جب کمپنی شروع ہو رہی ہے، تو کمپنی جب شروع ہوتی ہے تو اس کے رجسٹریشن وغیرہ کے لئے پہلے ٹرانزیکشن (Transaction) کرنا ہوتا ہے، اس کے علاوہ جب کوئی کمپنی کوئی کاروبار کرنے جاتی ہے تو اس کے لئے اور مزید چیزیں اس میں کام کرتی ہیں، جیسے کہ وہ اس کا رپورٹ بناتی

ہے اس کا اندازہ نکالتی ہے کہ اس میں کیا ممکنات (Posiblities) ہیں، اس کے مارکیٹ کیا ہیں، اس کی ٹیکنالوجی کیا ہے، کیسی ٹکنالوجی لینا چاہئے، یہ ساری جو چیزیں ہیں اس میں اس پہ خرچ ہوتا ہے چاہے اس میں Consumer Assets نہیں بنتے ہیں، ایسے اثاثے نہیں بنتے ہیں جسے ہم دیکھ سکتے ہیں مگر اس میں خرچ تو ہوتا ہی ہے، لوگوں کو Hire کیا جاتا ہے، لوگوں کو ملازمت پر رکھا جاتا ہے، ان سے Experties لی جاتی ہیں، تو یہ سارے کام ہوتے ہیں، اور اس وجہ سے کبھی کبھی یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ نئی کمپنی ابھی اس کے شیئرز کا اجراء ہو رہا ہے، بالکل Initial Issue ہے مگر وہ Premium کہلاتی ہے، دس روپے کا شیئر تیس روپے میں بکتا ہے، مطلب کمپنی خود تیس روپے میں نکال رہی ہے، ہوسکتا ہے مارکیٹ میں اس کے پچاس روپے بولے جائیں، مگر وہ خود تیس روپے میں نکالتی ہے، وہ پبلک خریدتی ہے، اور جتنے شیئرز ہوتے ہیں اس سے زیادہ مانگ ہوتی ہے، یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کمپنی میں کچھ خاص چیزیں ہیں، جیسے یہ ہوسکتا ہے کہ ان کے کوئی اچھے (Collaborator) ہیں، (Foriegn Collaborate) ہیں، جس کی وجہ سے کمپنی کے شیئرز کے دام بڑھ گئے ہیں، ہوسکتا ہے ان کے پاس کوئی ٹیکنالوجی ہے اس سے کافی Profit ہونے کے Chances ہیں، یا جس کمپنی سے ان کا معاہدہ ہوا ہے، ان کا جو برانڈ ہے وہ بہت چلنے والا برانڈ ہے، یا اس کمپنی کے ساتھ میں ان کا معاہدہ ہوا ہے کہ وہ ان کا مال بیرون ملک میں اچھے دام میں فروخت کر کے دیں گے، تو یہ سب وجہیں ہوسکتی ہیں جس کی وجہ سے خواہ اس کے کوئی خاص اثاثے نہ ہوں پھر بھی اس کے شیئرز کے شروع میں دام زیادہ ہوسکتے ہیں، اس کے علاوہ ایک مرتبہ کام شروع ہو جاتا ہے تو اس کے بعد اس مرحلہ میں صرف Cash (نقد) ہونا بہت ناممکن سی چیز ہے، اس میں کچھ نہ کچھ اثاثے تو ہوں گے، اس کے علاوہ دوسری چیزیں تو ہوں گی ہی، گو شروع میں نہ ہوں تو بعد میں تو ضرور ہوسکتی ہیں، اس کے علاوہ اس کی Goodwill کا Proportion اس میں بڑھ سکتا ہے، تو اس بناء پر میرے خیال میں یہ ویسے Practical Problem نہیں ہے۔

اسٹاک ایکسچینج سے جو متعلق چیزیں ہیں اس میں ایک چیز مدنظر رکھنی چاہئے کہ ہم جو بھی کہیں گے وہ آج کے حالات کے اوپر منحصر ہوگا، کیونکہ آج کل اس پورے Financial Sector میں بہت تیزی سے Changes آرہے ہیں، اور ہوسکتا ہے آج جو چیزیں ہیں وہ کل نہ رہیں، دوسرے (Rules) آئیں، یہ آج کے حالات کے مطابق میں بتارہا ہوں۔

قاضی صاحب کا جو سوال تھا کہ اگر کسی نے شیئر خریدا اور اس نے کمپنی کے پاس اس کو تبادلہ کے لئے بھیجا، اور کمپنی میں اس کے دستخط میں کچھ فرق پتہ چلا اور کمپنی نے اس کا وہ شیئر واپس کردیا، تو کیا یہ جو (Perchase) کا (Transaction) ہے، کیا یہ ختم ہوسکتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے شیئر خریدا ہے اور اس نے کمپنی کو ٹرانسفر کے لئے بھیجا ہے، اگر وہ چاہے تو Insist کرسکتا ہے کہ نہیں مجھے یہ شیئر چاہئے، اگر اس نے صحیح کر کے نہیں دیا تو اسکے بروکر کے ذریعہ شیئر کا (Option) ہوگا، اور مارکیٹ میں جو دوسرا آدمی (Option) میں شیئر ڈالے گا وہ شیئر اس کو لے گا، تو وہ تو (Insist) کرسکتا ہے اور اس کو وہ شیئرز مل سکتے ہیں، اگر جس نے پہلے دستخط کر کے دیا تھا وہ اگر

دستخط کرنے سے انکار بھی کردے تو اس میں بیچ کے بروکر کی ذمہ داری ہوتی ہے، اور بروکر کو کسی نہ کسی طرح وہ شیئر اس کو دلانا ہوگا، مگر اس میں یہ اس کو تکلیف ضرور آسکتی ہے کہ جس آدمی نے شیئر خریدا ہے اگر اس نے اس درمیان میں وہ شیئر بیچ دیا، اور اس کے پاس شیئر ابھی واپس آ گیا ہے اور وہ (Deliver) نہیں ہوسکتا ہے تو پھر اسی طرح سے جو اس نے شیئر بیچا تھا اس کا (Option) کرے گا اگلے والا آدمی، اور اس کو اس کے پیسے دینے ہوں گے۔

قاضی صاحب:

اصل میں ہمارے یہاں جو بحث ہے وہ یہ ہے کہ جب تک اس کا (Transfer) لکھا نہیں جاتا تب تک اس بات کا خطرہ ہے کہ جس شخص نے پہلے ہمارے ہاتھ شیئر بیچا ہے ، وہ اس سودے کو پورا نہ ہونے دے، اور وہ شیئر ہمارے قبضہ میں نہ آئے، اور جب تک کمپنی کے رجسٹر پر اس کا نام ہٹا کر ہمارا نام درج نہیں ہوتا تب تک شاید اس کے منافع کے بھی، ہم حقدار نہیں ہوں گے، منافع اس کو ملے گا جس کا نام اس کمپنی کے رجسٹر میں ہے، اب اس کے لئے بروکر لڑتا رہے، یہ ایک الگ بات ہے، لیکن ٹرانسفر جب تک رجسٹر پر نہیں ہوتا اس وقت تک حصہ کا منافع یا اگر خسارہ ہو تو وہ خسارہ جو پہلا مالک تھا اس کا ہوگا یا جو نیا خریدار ہے اس کا ہوگا؟

کھٹکھٹے صاحب:

نہیں! اس سے مولانا عتیق صاحب کا سوال بھی وابستہ ہے، کہ اگر آپ نے شیئر خریدا ہے تو چاہے آپ نے اپنے نام پہ اس کو (Transfer) کیا ہے یا نہیں کیا ہے۔

قاضی صاحب:

ہم کریں گے یا کمپنی کرے گی؟

کھٹکھٹے صاحب:

نہیں ہم کو کرنا ہے، ہم خود کمپنی کو بھیجیں، یا ہم اپنے بروکر کے ذریعہ بھیجیں، ٹرانسفر کے لئے ہم کو بھیجنا ہے، تو چاہے ہم نے کیا ہو یا نہ کیا ہو، قانونا جو بھی منافع اس کے بعد میں ڈکلیئر ہوگا، یا کمپنی کے جو بھی حالات ہوں گے، وہ ہمارے اوپر رہے گا، مطلب یہ ہے کہ اگر منافع ہو تو اس کا منافع رہے گا، اگر خسارہ ہو تو ہمارا خسارہ ہوگا، اس کو جو ہم نے شیئرز کے روپے دے دیئے ہیں وہ اس کے ہو گئے، یہ قانونا پوزیشن ہے، مگر (Practical Procedure) کے حساب سے پوزیشن یہ ہے کہ جس تاریخ پہ کمپنی اپنا Dividend ڈکلیئر کرتی ہے، اس تاریخ پہ ان کے پاس شیئرز ہولڈرس کی لسٹ میں جو نام درج ہیں، ان کو وہ Dividend بھیجے گی۔ اب اگر خریدنے والے نے شیئر ٹرانسفر کے لئے نہیں بھیجا تھا، ظاہر ہے کہ اس کے نام نہیں آئے گا، پچھلے ہولڈر کے ہی نام پہ جائے گا، اب یہ اپنے بروکرس کے تھرو اس سے مطالبہ کرسکتا ہے کہ یہ Dividend نکلا ہے اسے ہم نے پہلے خریدا تھا لہذا آپ ہمیں دیں، اگر وہ دینے سے انکار کرتا ہے تو پھر اس کو یہ Possibility ہے کہ وہ کورٹ میں جاکے لڑ کر اس سے لے، حالانکہ عام طور سے چونکہ ڈیویڈنڈ کی رقم کم ہوتی ہے تو یہ کوئی کرتا نہیں، اگر بہت بڑی ہولڈنگ کسی کی ہو تو یہ اس کے لئے سوچ سکتے ہیں،

ورنہ اس کو چھوڑ دیتے ہیں، شیئرز میں جو زیادہ منافع ہوتا ہے اصلاً اس کی قیمتوں کے بڑھنے کی وجہ سے ہوتا ہے، ڈیویڈنڈ میں جو منافع ہوتا ہے وہ اس کا ایک چھوٹا حصہ ہوتا ہے، یہ سمجھ لیجئے کہ اگر سو روپے کا ٹوٹل منافع ہے تو اس میں شیئرز کا جو منافع ہوگا وہ زیادہ سے زیادہ دس روپے ہوگا یا اس سے کم ہوگا۔ تو قانوناً جو پوزیشن ہے وہ تبادلہ کے اوپر منحصر نہیں ہے۔

قاضی صاحب:

قانونی طور پر کمپنی کے شیئر رجسٹر میں جب تک ٹرانسفر نوٹ نہیں ہوتا کمپنی سے ملنے والے منافع یا کمپنی میں ہونے والے نقصانات کی ذمہ داری اول مالک پر ہوگی۔

کھٹکھٹے صاحب:

اول مالک پر، جہاں تک کمپنی کا سوال ہے کمپنی اس کو منافع دے کر بری ہو جائے گی۔

قاضی صاحب:

کمپنی کی بات میں کہہ رہا تھا، اور یہ بھی طے ہے کہ بزنس میں سب فرشتے تو رہتے نہیں ہیں، اور کبھی کبھی بہت زیادہ منافع اوپر بھاگ جاتا ہے، تو اگر ایک شخص نے دستخط نہیں کیا، اور ظاہر ہے کہ جب تک بائع دستخط صحیح نہیں کرتا ہے کمپنی تو اس کو ٹرانسفر دے گی نہیں، یہ تو طے ہے اگر صحیح دستخط نہیں ملا تو وہ بینک لوٹا دیتا ہے کہ صاحب یہ ہمارے (Customer) کا صحیح دستخط نہیں ہے، اس لئے جب تک ٹرانسفر نہ ہو قانونی طور پر اس کے قبضہ میں یہ شئے نہیں آتی ہے، اور اس کے نفع اور نقصان کا یہ مالک نہیں ہوتا ہے۔

کھٹکھٹے صاحب:

نہیں قانونی طور سے وہ ہے، Procedurally نہیں ہے، یہ سمجھئے کہ کسی کا فلیٹ ہے، Ownership فلیٹ ہے اب اس کے ساتھ میں اس نے Nominee کے نام کسی کا ڈالدیا، تو اگر وہ مر گیا............

احسان صاحب:

.......ایسے کام جو کہ حسی شخص کر سکتا ہو مثلاً شادی کا معاہدہ تو کمپنی کوئی حس نہیں رکھتی وہ شادی کا معاہدہ نہیں کر سکتی، تو جو کام غیر حسی شخص کر سکتا ہے وہ کمپنی کر سکتی ہے، کمپنی کا Incorporation کمپنی کا پیدائشی سرٹیفکیٹ ہے، اس کے بعد جو (Public Limited Company) ہے اس کو ایک سرٹیفکیٹ اور لینا ہوتا ہے، اور وہ Certificate to commence the business ہوتا ہے، یہ سرٹیفکیٹ ملنے کے بعد کمپنی بالغ ہو جاتی ہے، اور اپنے نام سے معاہدہ کرنے لگتی ہے، حالانکہ کمپنی کی معرفت معاہدہ کمپنی کے وجود سے پہلے ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ کچھ Incorporation سے پہلے ہی شروع ہو جاتے ہیں، کمپنی کے نام سے کچھ اثاثے خریدنے کا پلان بنایا جاتا ہے، اس کا کنٹریکٹ بھی پروموٹرس کرتے ہیں کمپنی کے Behalf پہ، اور اپنے پاس سے کچھ ایڈوانس بھی

دے دیتے ہیں، لیکن وہ سودا مکمل نہیں مانا جاتا، جب تک کہ کمپنی کو Certificate to commence the business نہ مل جائے، اور جب Certificate to commence the business مل جاتا ہے تو کمپنی کے وجود سے پہلے جتنے سودے کئے جاتے ہیں کمپنی اس کا Ratification کرتی ہے اپنی میٹنگ میں، اور ایک Resolution پاس کرتی ہے کہ اس کمپنی کی معرفت آج تک جتنے سودے کئے گئے ہیں وہ کمپنی ان سب سودوں کو تسلیم کرتی ہے، اور ان سب سودوں کی ذمہ داری کمپنی اپنے اوپر عائد کر لیتی ہے۔ یہ Certificate to commence the business کے بعد ہوتا ہے، تو اب جہاں تک یہ سوال ہے کہ کچھ دیر تک کمپنی کے اثاثے رقم کی شکل میں رہتے ہیں، کمپنی کا جمع شدہ سرمایہ رقم کی شکل میں رہتا ہے، اثاثوں میں منتقل نہیں ہوتا، یہ عام طور سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ جس وقت شیئر ہولڈرس کے پاس عام طور سے شیئرز سرٹیفکیٹ آتے ہیں اس وقت تک کمپنی کو Certificate to commence the business مل گیا ہوتا ہے اور کمپنی کاروبار شروع کر چکی ہوتی ہے، کچھ نہ کچھ اثاثے اس کی ملک میں آ جاتے ہیں، رقم سے اثاثوں میں سرمایہ تبدیل ہو جاتا ہے، اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ساری کی ساری رقم.... یوں ہی جمع ہے اور کمپنی نے اپنے پچھلے اثاثوں کا Ratification بھی نہیں کیا ہے جو اس کے نام آنے ہیں، پھر بھی کچھ غیر حسی اثاثے ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا اثر شیئر کی قیمت پر ضرور پڑتا ہے، کمپنی کو بہت اچھے Promoters اگر مل گئے ہیں، کمپنی کا پروجیکٹ بھی بہت اچھا ہے، تو ان سب کا ایک جگہ جمع ہو جانا کمپنی کے نام پہ، یہ اس کی قیمت پہ ضرور اثر انداز ہوتا ہے، اور اگر کسی پروموٹر کی Reputation خراب ہو جائے، تو وہ بھی اس کمپنی کی قیمت پہ ضرور اثر انداز ہوتا ہے، تو کمپنی کے پروموٹرس کی جو رپوٹیشن ہے یہ Goodwill تو باقاعدہ کمپنی کے Balance Sheet تک میں کہیں کہیں درج کی جاتی ہے، Patents کمپنی کی بیلینس شیٹ میں بھی اثاثوں کی فہرست میں درج کئے جاتے ہیں، جبکہ نہ Goodwill کو اور نہ Patents کو ہم چھو سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں، پھر بھی ان کی ایک قیمت ہوتی ہے، اور وہ کمپنی بیلنس شیٹ میں درج ہونے کے علاوہ بھی اپنا اثر ضروری نہیں ہے کہ اسی حد تک رکھیں جس کی قیمت اس میں لگائی گئی ہے، اس کا اثر اس سے زیادہ ہوتا ہے، کمپنی کے Assets جو ہیں، جو بیس سال پہلے زمین خریدی گئی ہے، اس کی قیمت وہی لکھی جاتی ہے جو کہ بیس سال رہی جب تک کہ اس کا Revaluation باقاعدہ نہ کیا جائے اور قانونی طور پر اس کے Revaluation کو تسلیم نہ کیا جائے، لیکن اصل میں دس سال قیمت کی جو اس کی Assets File میں لکھی ہوئی ہے قیمت، زمین کی وہ قیمت نہیں ہوتی، اس کی قیمت کئی گنا زیادہ ہو جاتی ہے، لہذا آج مارکیٹ میں بہت سارے شیئر ایسے بھی ہیں کہ ان کی جو قیمت ہے وہ ان کی اصل قیمت سے Book value کمپنی میں دکھائی گئی ہے وہ بہت زیادہ ہے، اور کچھ شیئرز ایسے بھی ہیں جو اپنی قیمت اپنی Book value سے بہت کم رکھتے ہیں، کمپنی کے شیئرز کی قیمت کا جہاں تک تعلق ہے یہ آس اور یاس کے اوپر منحصر ہے، اگر آج ہمیں امید ہو جاتی ہے کہ پانچ سال میں کمپنی کو اتنے اتنے زیادہ منافع جات ملنے والے ہیں تو کل ہی مارکیٹ میں اس کی قیمت بڑھ جائے گی، اور اگر کوئی ایسی وجوہات آ جائیں کہ جس سے پتہ لگے کہ اگلے پانچ سال

میں کمپنی کو یہ یہ نقصانات ہونے والے ہیں تو کل ہی مارکیٹ میں اس کی قیمت اتنی ڈاؤن ہو جائے گی، تو شیئرز کی قیمت گرنا اور اٹھنا اس کا تعلق شیئر کی اصل قیمت سے نہیں ہے، کبھی کبھی مارکیٹ میں Demand Supply کے توازن سے شیئر کی قیمت پر بہت اثر پڑتا ہے، آج کل مارکیٹ میں پیسے کی Liquidity Crunch مانا جارہا ہے دوسال سے، پیسے کی کمی ہے اور نمبر آف شیئرز بہت موجود ہیں، لہذا اصل قیمت سے۔ نیچے ان کی قیمت جاچکی ہے، بہت سارے شیئرز کی، تقریباً اس وقت جو ہے پچاس فیصدی شیئرز کمپنی کے اپنی اصل قیمت سے نیچے چل رہے ہیں، اور کبھی کبھی Inflation ہوتا ہے، مارکیٹ میں پیسے ہی پیسے زیادہ ہوتے ہیں، پیسے کے مقابلے میں شیئرز کی تعداد کم ہوتی ہے، اس وقت شیئرز کی قیمت اوپر پہونچ جاتی ہے، جیسے کہ ہرشد مہتہ کے دور میں ہوا تھا، اس وقت Rate of inflation تقریباً سولہ فیصد چل رہا تھا، اس وقت قیمتیں بہت اوپر چلی گئیں تھیں، اب Rate of Inflation چار پانچ فیصد چل رہا ہے، Liquidity Crunch ہے، اب قیمتیں نیچے چل رہی ہیں، تو یہ کہنا کہ جب تک کمپنی کا سرمایہ رقم کی شکل میں ہے تو اس کی خرید وفروخت اس لئے نہیں ہوسکتی کہ ہم پیسے کے بدلے پیسے کو خرید رہے ہیں، وہ شاید مناسب نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا پروجیکٹ، اس کا Colaboration اور اس کے Promoters کی Reputation کا اس کے اندر دخل ہے۔

ایک آواز:

جائداد وزمین وغیرہ کب خریدتی ہے کمپنی؟

احسان صاحب:

شروع میں خریدتی ہے، اور بیچ میں بھی جب ضرورت ہوتی ہے،...... جیسے پروجیکٹ بناتے ہیں، اس پروجیکٹ میں سب دیا ہوتا ہے کہ کب زمین خریدیں گے، کب تک مشین خریدیں گے، اور اس میں تاخیر بھی ہو جاتی ہے، اس سے Cast of Project بھی بڑھ جاتا ہے، اس کے لئے پھر مزید سرمایہ اکٹھا کرنا پڑتا ہے اور قرض بھی لینا پڑتا ہے، تو یہ پروجیکٹ رپورٹ میں سب دیا جاتا ہے، کب زمین خریدیں گے، کیا کیا ہوگا۔

دوسرا سوال تھا شیئرز کے اوپر قبضہ سے متعلق، کمپنی کے شیئرز عام طور سے قابل تبادلہ ہوتے ہیں، یہ عام طور سے اس لئے بات کہی جارہی ہے کہ وہ حتمی طور سے قابل تبادلہ نہیں ہوتے، کبھی کبھی کمپنی اپنے شیئرز Restrictions لگا سکتی ہے، مثال کے طور پر کمپنی یہ کہے کہ ہم اس میں غیر ملکی کو اس سے زیادہ شیئرز نہیں خریدنے دیں گے، اور Number of Shares غیر ملکی لوگوں کو اتنے بک چکے ہیں، اس سے اوپر جو بھی غیر ملکی شیئر خریدے گا، کنٹریکٹ اس کا Valid نہیں مانا جائے گا، کمپنی بھی Restriction لگا سکتی ہے کہ جو شیئر بیچنا چاہے وہ پہلے ہمیں بتائے، اور ہم جو کمپنی کے پرانے شیئر ہولڈرس ہیں، ہم ان کو اختیار دیں گے کہ پہلے اگر وہ خریدنا چاہیں تو وہ شیئرز خریدیں، اور اس کے بعد اگر وہ نہیں خریدنا چاہیں، تو ہم شیئر ہولڈر کو بتائیں گے کہ اب وہ مارکیٹ میں بیچ سکتا ہے، لیکن یہ چونکہ عام طور سے قابل تبادلہ ہوتے ہیں، اور جو شیئرز قابل تبادلہ ہیں ان کے اوپر کوئی

نہیں لگی ہے، وہ جب خریدار نے خرید لئے ہیں، اور بیچنے والے نے اس کو اپنا دستخط کر کے حوالہ کر دیا Restriction ہے، ہر چیز کی Delivery کا بھی ایک سسٹم ہے، خرید و فروخت تو ہوتی ہی ہے مال کی، لیکن ملکیت جو ہے ڈلیوری کے بعد ہی منتقل ہوتی ہے، بغیر ڈلیوری کے کوئی ملکیت منتقل نہیں ہوتی، اور ڈلیوری کا طریقہ ہر مال کا الگ ہے، کچھ چیزیں ایسی ہیں جو دست بدست دی جاتی ہیں، اٹھا کے، اور جیسے چیک کی ہے، بیئرر چیک کی ہے، آپ بغیر کسی دستخط کے ڈلیوری دے سکتے ہیں، وہ valid ہے، اگر وہ چیک آرڈر ہے تو بغیر اینڈورسمنٹ کے اس کی ڈلیوری صحیح نہیں مانی جائے گی، اگر وہ آرڈر چیک کسی خاص ایک شخص کے نام کٹا ہے، تو جب تک وہ آرڈر نہیں کرے گا کہ یہ پیسہ دوسرے آدمی کو ملے، تب تک اس کی ڈلیوری Valid نہیں مانی جائے گی، تو اسی طرح شیئرز کی ڈلیوری Share Transfer Deed کے ساتھ ہونا ضروری ہے، اور شیئر ٹرانسفر ڈیڈ کے اوپر دستخط شیئر ہولڈر کا ہونا ضروری ہے، جب شیئر ہولڈر اپنے دستخط Transfer Deed کے اوپر کر کے ٹرانسفر سرٹیفکیٹ کے ساتھ دیدیتا ہے، وہ اس وقت ڈلیوری مانی جاتی ہے، اور شیئر کی ملکیت اسی دم منتقل ہو جاتی ہے خریدار کے پاس، رہا یہ مسئلہ کہ اب وہ جو اس نے ٹرانسفر کے لئے نہیں بھیجے ہیں، وہ صرف Procedural Matter ہے، کمپنی نے اپنی سہولت کے لئے رکھا ہے کہ جن لوگوں کے شیئرز ہمارے نام پر اس تاریخ کو آ گئے ہمارے رجسٹر میں درج ہو جائیں گے، وہ تو ہم سے طلب کرے گا Dividends، اور جس نے نہیں بھیجے ہیں تو وہ بیچنے والے سے ڈائرکٹ طلب کر لے، کمپنی اس کے اندر کوئی ذمہ دار نہیں ہوگی، یہ کمپنی کا اپنا طریقہ ہے، بہر حال خریدار اسی وقت شیئرز کے اوپر ملنے والے تمام منافع جات کا حقدار ہو جاتا ہے، جب شیئرز اس کی تحویل میں شیئر ٹرانسفر ڈیڈ کے ساتھ آ جاتے ہیں، اب دستخط کا مسئلہ ہے، یہاں معاملہ یہ ہے کہ اگر بیچنے والے نے خود کئے ہیں تو اس کی ملکیت منتقل ہو جائے گی، اور یہ اگر کمپنی کے ریکارڈ میں نہیں ملتے ہیں تو کمپنی اپنے یہاں اس کو ٹرانسفر نہیں کرے گی جب تک کہ ریکارڈ میں نہیں ملیں، یا Notery لکھ کر نہیں دیں کہ میرے سامنے اس شخص نے دو گواہوں کی موجودگی میں دستخط کئے ہیں، تب تک کمپنی اگر دستخط نہیں بھی ملتے ہیں لیکن اس نے Notary کرائی ہوئی ہے، اور Notary وکیل نے لکھا ہوا ہے کہ اسی شخص نے دستخط کئے ہوئے ہیں تب کمپنی ٹرانسفر کر دے گی، چاہے دستخط ملیں یا نہیں ملیں، لہذا Transfer Deed پہ دستخط شیئر ہولڈر کا ہونا ضروری ہے، اگر وہ دستخط Forge ہیں تو Forgery کسی بھی چیز کی ملکیت کو ٹرانسفر نہیں کرتی، وہ Invalid ہوگا، اس کی Delivery ناقص مانی جائیگی۔

پانچ نمبر سوال میں یہ لکھا ہوا ہے کہ سودی قرض لینے پڑتے ہیں، اس معاملہ میں میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ کیا مجبوری ہے، اور قرض کے کیا محرکات ہیں، قرض کیوں لینے پڑتے ہیں، تا کہ آپ اس میں ضرورت اور اباحت دیکھ کر اپنا حکم جاری کر سکیں۔ قرض کے محرکات میں سب سے پہلا محرک یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے یہ منصوبہ بنایا ہے ان لوگوں کو اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ اتنا روپیہ تو ہم پبلک سے جمع کرا سکتے ہیں، خود جمع کرا سکتے ہیں، اور پروجیکٹ پورا کرنے کے لئے باقی رقم کو قرض کے ذریعہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ دوسرا محرک یہ ہے کہ یہ لوگ کمپنی کے اوپر اپنا مکمل کنٹرول رکھنا چاہتے ہیں، قرض دینے والے کا کمپنی کے معاملات میں، Management میں کوئی کنٹرول نہیں

ہوتا، اس کو کوئی حق رائے دہندگی حاصل نہیں ہوتا، اگر وہ سارا سرمایہ شیئرز کی صورت میں لیتے ہیں تو سارے شیئر ہولڈرس کو حق رائے دہندگی ہوتا ہے، اور بورڈ آف ڈائرکٹرس کو شیئر ہولڈرس بالکل ایسے ہٹادیتے ہیں جیسے کہ حکومت کے خلاف عدم اعتماد آتا ہے، اور اپنا بورڈ آف ڈائرکٹرس وہ خود قائم کر لیتے ہیں جن کی اکثریت ہوتی ہے، تو یہ وہ اپنے Management میں عدم مداخلت کی وجہ سے قرض لیتے ہیں۔ تیسرا محرک شرح سود کا شرح منافع سے کم ہونا ہے، جتنے بھی Funds وہ اپنی تجارت میں لگاتے ہیں اس کے اوپر اگر بیس فیصدی منافع ان کو حاصل ہوتا ہے، اور قرض کی صورت میں رقم پندرہ فیصد ان کو مل جاتی ہے تو وہ برابر قرض لیتے چلے جاتے ہیں، کیونکہ منافع بیس فیصدی ہو رہا ہے اور پندرہ فیصدی دینا پڑ رہا ہے، پانچ فیصدی یہ ڈیفرنس ہے، یہ شیئر ہولڈرس کا حصہ رہتا ہے جب تک یہ شرح سود شرح منافع سے کم رہتی ہے، تجارتی اصول ہے، یہودیوں کا اصول ہے کہ اس وقت تک قرض لیتے چلے جایئے جب تک یہ دونوں برابر نہ ہو جائیں، یا اوپر نہ چلے جائیں۔ چوتھا محرک ہے ٹیکس کے فائدے حاصل کرنا، جو کمپنی قرض کے اوپر سود ادا کرتی ہے، انکم ٹیکس میں وہ خرچ مانا جاتا ہے، کمپنی کا یہ ایک خرچہ ہے، اور منافع میں سے وہ رقم کم کر دی جاتی ہے، تو اس کے برخلاف جو Dividend دیا جاتا ہے تو اس کو انکم ٹیکس والے خرچ نہیں تسلیم کرتے، اس کو منافع کا ایک حصہ مانتے ہیں، اور وہ کمپنی کی انکم میں سے Deduct نہیں ہوتا، اس کے اوپر ٹیکس پورا لگتا ہے، تو ہم لوگوں کی جو پچھلی میٹنگس ہوتی رہی تھیں، ہمارے اندر بھی رائے میں اختلافات ہوئے، اور پہلے ہم لوگ یہ بھی سمجھتے تھے کہ شاید یہ ٹیکس کی اتنی بڑی مجبوری ہے کہ اس کی وجہ سے قرض لینا ہی ضروری ہے، نہیں Competitive Market میں ہم پیچھے رہ جائیں گے اگر زیادہ ٹیکس دیں گے، اور دوسرے لوگ حاوی ہو جائیں گے جو کہ کم ٹیکس دیں گے، لیکن بعد میں ہم لوگوں نے اس کے اوپر اور غور کیا تو ہم نے نتیجہ یہی پایا کہ ایک ٹیکس کی شرح کمپنی کے اوپر جو گورنمنٹ مقرر کرتی ہے اصل ٹیکس تقریباً پچاس فیصدی اس سے کم ادا ہوتا ہے، بہت سارے ایسے Deductions ملتے ہیں، بہت ساری ایسی مراعات ملتی ہیں جن کے اوپر ٹیکس نہیں دینا پڑتا، لہذا کمپنی کے اوپر اگر پینتالیس پرسنٹ سرکار ٹیکس مقرر کرتی ہے، تو Effective Tax اور اصل ٹیکس جو ہے وہ ساڑھے بائیس پرسنٹ ہی تقریباً ہوتا ہے، تو اب چونکہ ٹیکس جو ہے منافع پر ہوتا ہے نقصان کے اوپر تو ہوتا نہیں ہے، سوال یہ ہے کہ جب ہمیں منافع مل رہا ہے تو پھر ٹیکس دینے میں اس میں کم اور زیادہ تھوڑا بہت جبکہ وہ ساڑھے بائیس پرسنٹ ہے Maximum اگر ہم سارے (Deductions)(Avail) کر لیں تو یہ اتنا بڑا فرق نہیں ہے کہ ہماری تجارت کے اوپر اثر انداز ہو سکے، پھر کمپنی کی منافع کمانے کی صلاحیت میں بہت بڑا فرق ہے، ایک کمپنی دس سال سے نقصان دیتی چلی آرہی ہے، ایک نئی کمپنی قائم ہوتی ہے اور وہ اپنے دس روپے کے شیئر کو پہلے ہی سال میں دس روپے منافع کما کر دے سکتی ہے، تو ان دونوں میں صلاحیت کا جہاں تک تعلق ہے اس کی کوئی قید نہیں ہے، اگر ہم بھی اپنے اندر صلاحیت ایسی پیدا کر لیں تو ہمیں یہ ٹیکس اتنا ناگوار نہیں ہوگا جتنا ہمیں ڈر لگتا ہے کہ اس سے شاید ہمارا پروجیکٹ ہی فیل ہو جائے، پھر جو یہ معاملہ ہے ہم تو اسے شرعی نقطہ نظر سے دیکھتے چل رہے ہیں، اس کو دوسرے ہمارے ہم وطن نے مادی نظر سے دیکھا ہے، اور ان کی طرف سے جو اخبارات میں یہ Demand

آئی ہے کہ جس طرح سے قرض کے اوپر سود کو انکم ٹیکس سے الگ کر دیا جاتا ہے اسی طرح سے Dividend کو بھی انکم میں سے الگ کر کے ٹیکس لگایا جائے، اور جب تک ان کے Artcles ایسے پیپر میں نکلے ہیں تب تک میں نے تائید میں صرف مادی نظریہ سے اخبار میں خط دیا ہے اور اس سلسلہ میں میرا پہلا خط "Business Standard" میں شائع ہوا ہے، اور پھر ایک بار "Economic Times" میں ایک Editorial لکھا تھا کہ اب ملٹی نیشنل کمپنیاں ہمارے یہاں آ گئی ہیں، اور ان کی طاقت بہت زیادہ ہے، طاقت ان کی اس وجہ سے ہے کہ ان کا اپنا سرمایہ زیادہ ہوتا ہے، وہ قرض کم لیتے ہیں، اور وہ جو کچھ بھی قرض لیتے ہیں ان کے یہاں شرح سود چار یا پانچ فیصدی ہے، ہمارے یہاں شرح سود سولہ سترہ سے بڑھ کے پچیس تیس پرسنٹ تک پہونچ جاتی ہے، لہذا اس نے اپنے Editorial میں یہ Advise کیا تھا کہ ہماری کمپنیوں کو چاہئے کہ وہ اپنا قرض کا Ratio گھٹائیں، اور اپنا Capital Ratio بڑھائیں، تاکہ ان سے Competition کے مقابلہ میں ان کو طاقت حاصل ہو، اس سلسلہ میں میں نے جو خط "Economic Times" کو اس Editorial کی تائید میں لکھا، تو انہوں نے Good Advise کر کے اسے شائع کیا، میں نے یہ کہا کہ آپ یہ تو Advise کرتے ہیں کہ کمپنیاں اپنی Equity بڑھائیں اور قرض Down کریں لیکن ہمارا Taxation قانون اس سلسلہ میں مانع آتا ہے، جو کمپنی زیادہ سرمایہ رکھتی ہے وہ کم قرض رکھتی ہے، اس کو زیادہ ٹیکس دینا پڑتا ہے جو کمپنی زیادہ قرض رکھتی ہے اس کو کم ٹیکس دینا پڑتا ہے، اور ان کو یہ فارمولہ بھی میں نے تجویز کیا کہ آپ اگر اس فارمولہ کو اپنائیں تو گورنمنٹ کی آمدنی پر بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا، اور قرض لینے والی اور نہ قرض لینے والی دونوں کمپنیوں کو ٹیکس کا Burden برابر ہو جائے گا، تو یہ آوازیں تو غیر مسلم ہی کی جانب سے اٹھی تھیں، تو اس میں ہم نے اپنی آواز لگائی، تو یہ جو چوتھی بات ہے جو ہمیں زیادہ پریشان کر رہی تھی اگر اس کو ہم سلیقہ کے ساتھ حکومت کے سامنے لے جائیں تو یہ مسئلہ ہمارا حل ہو سکتا ہے۔

چھٹے سوال کے اندر لکھا ہے کہ ریزرو بینک میں کچھ روپے جمع کرنے پڑتے ہے، یا سرکاری بانڈز خریدنے پڑتے ہیں جس پر سود ملتا ہے، یہ Finance Company اور Banking Company کے معاملہ میں تو بالکل صحیح ہے کہ کچھ روپے ان کو ریزرو بینک میں رکھنا پڑتا ہے، یا گورنمنٹ بانڈز خریدنے پڑتے ہیں، لیکن Commercial & Manufacturing Companies کے لئے یہ معاملہ نہیں ہے، اور شرکت اور مضاربت چونکہ اسلام کی بنیاد ہے، اس لئے ہماری کمپنیوں کے سامنے کم سے کم یہ مسئلہ پیش آنے والا نہیں ہے۔

سودی قرض پر منافع جو ملے اس کے حکم کے بارے میں کچھ سوالات کئے گئے ہیں، تو کمپنی قرض لیتی ہے اور اپنی ساری رقم کے اوپر منافع کماتی ہے، اس میں یہ تخصیص نہیں ہوتی ہے کہ قرض والی رقم کے اوپر کتنا منافع ہوا، اور اس نے جو اپنا سرمایہ لگایا تھا اس کے اوپر کتنا منافع ہوا، پھر بھی ہم ڈائری کو دیکھ کر یہ حساب لگا سکتے ہیں کہ قرض شیئر، سود کی آمدنی کیا ہے، لیکن یہاں مسئلہ یہ آتا ہے کہ کمپنی نے سود کی آمدنی تو حاصل کی اور منافع بھی کمایا، ضروری نہیں کہ جو منافع کمائے کمپنی اسے تقسیم بھی کر دے، اور اگر تقسیم بھی کرے تو ضروری نہیں کہ پورا کا پورا منافع تقسیم کرے، یہ کمپنی کی

اپنی پالیسی کے اوپر منحصر ہوتا ہے، اور شیئر ہولڈرس کی اکثریت اگر منافع کو آگے تجارتی فروغ میں لگانا چاہتی ہے تو بھی منافع تقسیم نہیں ہوتا، تو چونکہ کمپنی کی کتابوں میں یہ صرف لکھا ہوا ہے، اس میں پھر یہ حساب لگانا کہ ہم اس کو خیرات کریں یا نہ کریں اپنے حصہ کے بقدر، یہ ذرا ایک مشکل کام ہو جائے گا، اور پھر یہ کہ کمپنی کی جو رپورٹ ہے جس میں کمپنی کے منافع کی خبر آتی ہے اس کا بازار کی قیمتوں کے اوپر کافی اثر پڑتا ہے، خاص طور پر جبکہ بنیادی طور پر دو طرح کے Factors ہوتے ہیں جو کہ شیئر کی قیمت پہ اثر انداز ہوتے ہیں، ایک کو ہم Fundamentals کہتے ہیں، دوسرے کو Technicals کہتے ہیں، Fundamentals تو کمپنی کی خامیوں اور خوبیوں کے اوپر منحصر ہوتے ہیں، اور Technicals بازار کے اندر روپے کی اور شیئرز کی فراہمی کے اوپر منحصر ہوتے ہیں تو ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے، کبھی کبھی Fundamental بہت اچھے ہوتے ہیں، لیکن بازار میں شیئرز کی سپلائی زیادہ ہوتی ہے، پیسہ کم ہوتا ہے، تو اچھے منافع کے باوجود بھی اس کی قیمتیں نیچے چلی جاتی ہیں، اور کبھی کبھی اس کے برخلاف شیئرز کی قلت ہوتی ہے مارکیٹ میں، پیسہ زیادہ ہوتا ہے، تو نقصان والی کمپنی کا بھی شیئر اپنی چار گنی پانچ گنی قیمت پہ ہوتا ہے، ان حالات میں جب Fundamentals حاوی ہوتے ہیں تو ہر خبر کا اثر شیئر کی قیمت پہ بہت اچھا پڑتا ہے، اگر سودی خبر سے اس کی قیمت بڑھ جائے تو یہ حساب لگانا بڑا مشکل ہوگا کہ ہم اصل جو سود کمپنی کو ملا ہے وہ خیرات کریں یا کمپنی کے شیئرز کی قیمت پہ جو اس کا اثر پڑا ہے اس کو خیرات کریں، یہ کافی مشکل کام ہو جائے گا ہمارے لئے۔

آٹھویں سوال کے اندر بورڈ آف ڈائریکٹرس کا شیئر ہولڈرس کے وکیل ہونے سے متعلق سوال ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس جو شیئر ہولڈرس کی اکثریت کی رائے سے Appoint ہوتے ہیں، یہ اصل میں شیئر ہولڈرس ہی ہوتے ہیں، جس طرح کہ اسمبلی کے ممبران میں سے کوئی چیف منسٹر بنتا ہے اور کیبنٹ بنتی ہے، اسی طرح کمپنی کے شیئر ہولڈرس میں سے بورڈ آف ڈائریکٹرس ہوتا ہے، جیسا کہ میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ کمپنی جو ہے وہ ایک شخص اعتباری ہے، یہ قانون کی نظر میں تو ایک شخص ہے، لیکن یہ اپنے حسی شخص میں جسے ہم دیکھ نہیں سکتے ہیں چھو نہیں سکتے، لہذا یہ اپنے معاملات کا انتظام خود نہیں کر سکتی، یہ دوسروں کے اوپر منحصر ہے کہ اس کے معاملات کا انتظام کوئی دوسرے لوگ کریں، اور شیئر ہولڈرس اپنے ہی میں سے کچھ لوگوں کو اپنا وکیل مقرر کر دیتے ہیں، اور ان کو کچھ اختیارات دیتے ہیں کہ روزمرہ کے معاملات میں ان حدود میں رہ کے بورڈ آف ڈائریکٹرس کام کرے گا، پھر بھی جو اہم معاملات ہوتے ہیں وہ کمپنی کی میٹنگ میں ہی طے ہوتے ہیں، جو کمپنی کی پالیسی سے متعلق معاملات ہوتے ہیں وہ کمپنی کی عام میٹنگ میں طے ہوتے ہیں، آج یہ مسئلہ کہ کوئی شیئر ہولڈر اختلاف کرے بورڈ آف ڈائریکٹرس کی رائے سے تو کیا پوزیشن ہوگی اس کی، وہ کہاں تک بری الذمہ ہوگا کمپنی کے جائز کاروبار اور ناجائز کاروبار سے اس میں میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ جب کمپنی قائم ہوتی ہے، اور بازار میں Issue لا رہی ہوتی ہے، تو کمپنی اپنا ایک Prospectus جاری کر دیتی ہے، اس Prospectus میں کمپنی کی پروجیکٹ رپورٹ پوری لکھی ہوتی ہے، اس وقت ہر شیئر ہولڈر کو معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی قرض لینے جا رہی ہے یا قرض نہیں لینے جا رہی ہے، کمپنی حلال کاروبار کرنے

جارہی ہے یا حرام کاروبار کرنے جارہی ہے، اس کے علاوہ کمپنی کے Articles of Association میں بھی کمپنی کو پہلے Powers دی جاتی ہیں قرض لینے کی، جب تک Articles of Association میں کمپنی کے رجسٹریشن کے وقت ہی کمپنی کو پاور نہیں ملے گا تب تک کمپنی قرض نہیں لے سکتی ہے، پھر جو پاور آرٹیکلس آف ایسوسی ایشن میں دیا گیا ہے اس کے مطابق Resolution جو بورڈ آف ڈائرکٹرس کی میٹنگ میں پاس ہوتا ہے کہ قرض لیا جائے گا اس معاملہ میں، اتنی چیزیں شیئر ہولڈرس کے سامنے ہوتی ہیں، ان سب کے باوجود وہ شیئر ہولڈرس بنا اس میں قبول کرتا ہے، جبکہ اس کے اوپر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی ہے، اگر ان معاملات سے اس کو اختلاف ہے تو اپنا شیئر بیچ کر وہ باہر بھی ہوسکتا ہے، اور یہاں دیکھا جاسکتا ہے کہ کہاں تک اس کی مجبوری ہے اس معاملہ میں کہ وکیل کی ذمہ داری اس کے اوپر آتی ہے یا نہیں آتی ہے؟

ایک Back Delivery کے بارے میں سوال کیا گیا تھا کہ ایک شخص نے شیئرز بیچے ہیں، اور اس کے دستخط نہیں ملتے ہیں، کمپنی کے پاس اس نے رجسٹریشن کو بھیجا، کمپنی نے واپس کردیا، ایسے میں سودے کی کیا نوعیت رہے گی؟ سودا تو Valid رہے گا، جو شیئرز اس نے بیچے ہیں اس پہ دستخط نہیں ملے ہیں تو اس کی حوالگی ناقص ہے، اور وہ اس کے نام میں منتقل نہیں ہوسکتی، لیکن بیچنے والے کے اوپر ڈیلیوری واجب ہے، اور وہ اس کو ڈیلیوری کرے گا اور ڈیلیوری کے بعد ہی اس کا Contract پورا ہوگا، اس سے پہلے وہ چھوٹ نہیں سکتا ہے، وہ دوسرے شیئرز کی ڈیلیوری کرے گا، لیکن ان شیئرز کی ملکیت ہماری نہیں مانی جاسکتی کیونکہ ہم نے بھیجے تھے اور اس پر دستخط الگ ہوئے تھے، حالانکہ اس نے ٹرانسفر ڈیڈ پر دستخط کر کے شیئر سرٹیفکیٹ دیا تھا، چونکہ اس پہ دستخط آپ کے نہیں تھے اس لئے وہ ڈیلیوری ناقص تھی، اور یہ ہمیں اس وقت پتہ چلا جبکہ کمپنی نے بتایا، اور اس سے پہلے تو ہم اس کو صحیح تسلیم...... یہ ناقص ڈیلیوری جب بھی پتہ لگ جائے تو اسی وقت سے یہ سارے لوگوں کے اوپر پیچھے Invalid ہوتے ہیں، مان لیجئے ایک شخص سے میں نے شیئرز خریدے، اس کے بعد دوسرے سے بیچ دیئے، دوسرے نے تیسرے کو بیچ دیئے، تیسرے نے چوتھے کو، پانچویں آدمی نے ٹرانسفر کے لئے بھیجے اور پانچویں آدمی کو جواب یہ ملا کہ یہ ناقص ڈیلیوری ہے، تو وہ ناقص قبضہ ہم چاروں پانچوں آدمی کا رہا، کیونکہ Forgery جو ہے وہ کسی بھی ملکیت کو ٹرانسفر نہیں کرتی۔

اس کے علاوہ کوئی اور سوالات ہوں تو (ایک آواز......) ہاں وہی، جو ڈیلیوری کا طریقہ ہے کہ شیئر سرٹیفکیٹ Blank Transfer Deed کے اوپر شیئر ہولڈر دستخط کر کے دیتا ہے تو کوئی دوسرا آدمی پھر دستخط نہیں کرتا، اس کو یونہی Blank ہی بیچتے رہتے ہیں، پہلے آدمی کے دستخط کئے ہوئے کو صحیح ڈیلیوری مانی جاتی ہے شیئر سرٹیفکیٹ کے لئے، جیسے کہ چیک میں اگر آرڈر چیک ہے تو ایک آدمی Endorse کرے گا ایک دوسرے کے نام، پھر اگر وہ دوسرا آدمی کسی کو منتقل کرے گا وہ اس کے نام Endorse کرے گا، شیئر سرٹیفکیٹ کے معاملہ میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ وہ Deed بھرا ہوا نہیں ہے، Blank ہے، کسی کا نام نہیں لکھا ہوا ہے اس میں، تو وہ شیئر سرٹیفکیٹ سب کے پاس ایسے ہی چلتا رہے گا، اور جب کمپنی میں اس کے اوپر دستخط پاس ہوجائیں گے تو سب کی ملکیت ہی مانی

جائے گی، اور اگر نہیں پاس ہوں گے تو سب کی ناقص ملکیت مانی جائے گی۔

حکیم ظل الرحمٰن صاحب:

قبضہ کی بات جو قاضی صاحب نے کہی تھی وہ اصل بنیادی بات ہے، میں بتانا چاہوں گا کہ کمپنی کیسے قائم ہو، سب سے پہلے ایک پروجیکٹ رپورٹ تیار ہوتی ہے، اس کا ایک دستور اساسی بنایا جاتا ہے، اس میں کتنے سرمائے کی جگہ و تفصیلات درکار ہوتی ہیں، اس سب کے ساتھ رجسٹرار کو درخواست دی جاتی ہے رجسٹریشن کے لئے۔ رجسٹریشن کے بعد رجسٹرار قید لگاتا ہے کہ جو Promoter Share Holders ہیں وہ سرمائے کا پچیس فیصدی اپنے پاس سے لگا دیں، پروموٹر شیئر ہولڈرس کو درکار سرمایہ کا پچیس فیصدی پہلے لگانا ہوتا ہے، جو تصور آئی تھی کہ رقم سے رقم کی بات ہوتی ہے وہ بالکل بیجا ہے، پچیس پرسینٹ سرمایہ لگا دیں گے، Assets ہو جائیں گے تب جاکر کے وہ پھر درخواست دیں گے رجسٹرار کو کہ اب ہمیں مزید سرمایہ کے لئے ضرورت ہے، شیئرز ڈکلیئر کرنے کی، ایشو کرنے کی اجازت دے دی جائے، چوتھائی سرمایہ جب لگ گیا تو اثاثے کمپنی کے بن گئے، اور بغیر اثاثے کے کمپنی نہیں رہی، اور نقد کی صورت جو تھی سوال میں وہ بیجا تھی، اس میں چوتھائی سرمایہ میں عام طور پر زمین خرید لی جاتی ہے، .... جمع نہیں ہوں گے، کمپنی کے اخراجات میں اپنے پروجیکٹ کے مطابق سرمایہ لگانا پڑتا ہے، مشینیں خریدیں گے، زمینیں خریدیں گے، جو کچھ بھی ہو وہ سرمایہ پچیس فیصدی لگا دیں گے تب رجسٹرار ان کو اجازت دے گا کہ اب آپ Issue (جاری) کر سکتے ہیں، اب ان کو شیئر کی اجازت ملتی ہے، شیئر عموماً دس روپے کا ہوتا ہے، اچھی کمپنیاں اس کو Premium کے ساتھ فروخت کرتی ہیں، دس روپے کا شیئر پچاس روپے میں بھی بکتا ہے، بیس روپے میں بھی بکتا ہے اس کے بعد جو لوگ شیئر خریدنا چاہتے ہیں تو ایک فارم ہوتا ہے، جسے درخواست کا فارم کہتے ہیں، وہ ایک درخواست کے ساتھ ایک معینہ رقم اس کے ساتھ بھیجتے ہیں، پوری رقم مطلوبہ نہیں بھیجتے، کمپنی اس پر فیصلہ کرتی ہے کہ اگر ایک آدمی پانچ ہزار شیئرز مانگتا ہے تو کوئی ضروری نہیں کہ وہ پانچ ہزار دے دے، کمپنی یہ فیصلہ کرتی ہے کہ نہیں ہم تو تمہیں پانچ سو دے سکتے ہیں، پانچ سو دے دیتی ہے، کمپنی کو یہ بھی حق پہنچتا ہے کہ کسی آدمی کو اپنے لئے نامناسب سمجھے تو اس کے شیئر کی درخواست کو مسترد ہی کر دے بالکل، اور اس کے بعد جب وہ لوگ شیئر خرید لیتے ہیں تو اس کا رجسٹریشن مالکان اور حصہ داران کی حیثیت سے کمپنی میں ہو جاتا ہے، اور جن لوگوں کا نام درج ہو جاتا ہے وہی حصہ دار قانونی کہلاتے ہیں، یہ صورتحال ہوتی ہے، اب ہوتا یہ ہے کہ ان کی حیثیت کیا ہے، شیئر ہولڈرس کمپنی کے اصل مالکان ہوتے ہیں، یہ ڈائریکٹرس کو چنتے ہیں، کس کے شیئر کی کیا قیمت ہے، جتنے حصے اس کے پاس ہوتے ہیں اس کے شیئر کا وزن اتنا ہی ہوتا ہے، عام طور پر دس فیصدی جس کسی کے پاس ہو جاتے ہیں تو وہ ڈائریکٹر بن جاتا ہے، اس لئے کہ دس بارہ ڈائریکٹر چنے جاتے ہیں، یہ شکل تو ہوئی کمپنی کے قیام کی، اور اس سلسلہ میں جب تک اندراج نہیں ہو جاتا کمپنی کے رجسٹر میں وہ مالک قرار نہیں پاتا، اب صورت حال یہ ہے کہ اسٹاک ایکسچینج سے جو شیئرز فروخت ہوتے ہیں، .... تو جب تک کمپنی میں اندراج نہ ہو جائے تب تک آپ کا نام مالکان میں نہیں ہوتا، اور کمپنی کو یہ حق پہنچتا ہے جیسا ابھی احسان صاحب نے بتایا کہ مختلف بنیادوں پر کمپنی ریجیکٹ کر سکتی

ہے کہ آپ کو نہیں بیچتے، ہم تو اپنے شیئر ہولڈرس کو بیچیں گے، آپ ہم سے پیسہ لے جائیے، تو قبضہ اس وقت شمار ہوتا ہے قانونی طور پر جب کمپنی میں رجسٹریشن ہو جاتا ہے، اس سے پہلے جیسا کہ انہوں نے بتایا کہ ایک Certificate Maintain Letter ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ دستخط کر کے دے دیئے جاتے ہیں، کسی کا نام نہیں لکھا جاتا، اور چار چار پانچ پانچ آدمیوں میں وہی بکتا رہتا ہے، اب اگر جیسی صورتحال ہے کہ دستخط نہیں ملے تو کمپنی اس فروخت کی بالکل ذمہ دار نہیں ہے، کمپنی اصل مالک کو شمار کرے گی، Dividend ہوگا تب اس کو بھیجے گی، ووٹنگ کی تاریخ، انجمن کا دعوت نامہ بھیجے گا تو اصل کو جائے گا، یہ صورتحال ہے، ان حضرات کی جو بیچ میں جنہوں نے خریدی ہے، کوئی اسٹیٹس، قانونی حیثیت نہیں ہے، اخلاقی طور پر جو بھی ہو کہ جس سے انہوں نے خریدا ہے وہ جا کر کے ان سے لڑتے رہیں کہ بھائی اصل منافع تو تمہیں ملا ہے کمپنی سے، خرید لیا تھا ہم نے، ہمیں دو، یہ سارا ان کا اخلاقی چیز ہے، قانونی طور پر ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، ایک چیز یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ صرف شیئرز ہی بیچنے کا کام کرتے ہیں، انہیں کمپنی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، بعض حضرات نے لکھا ہے اور میں نے بھی لکھا ہے، اور میرا خیال ہے کہ ایسے شیئرز جنہیں نہ یہ پتہ ہو کہ کمپنی کی کیا صورتحال ہے، اور ہم شیئر صرف منافع کے لئے بیچتے ہیں جیسے ٹھیکے پہ ہوتا ہے، یہ فروخت جو ہے وہ ناجائز ہونی چاہئے، اس کی صورتحال یہ ہے کہ قبضہ کی بات جو قاضی صاحب نے فرمائی تھی اس سلسلہ میں یہی عرض کروں گا، ابھی احسان صاحب نے تو فرمایا کہ مالک وہ اسی وقت ہو جاتا ہے جس وقت اس نے شیئر خرید لیا، میں صاف کہہ رہا ہوں کہ قانونی طور پر مالک وہ اس وقت ہوتا ہے جب کمپنی اس کی خریداری کو قبول کر کے اپنے یہاں اس کا اندراج کر لے۔

کھٹکھٹے صاحب:

یہ جو شیئرز کی خرید وفروخت کا سسٹم ہے اس کو ذرا ہم ایک مرتبہ مرحلہ وار دیکھ لیں، کہ کس طرح سے شیئرز کی خرید وفروخت میں کیا Stages آتے ہیں، آپ یہ سمجھیں کیونکہ یہاں جیسا قاضی صاحب فرما رہے تھے یہاں بیع قبل القبض کا مسئلہ ہے، تو اگر Sale کر رہے ہیں ہم، بیچ رہے ہیں شیئرز، تو اس میں دو مرحلے دیکھیں، ایک تو یہ کہ اسٹاک ایکسچینج میں آپ کے پاس شیئرز نہ ہوں تو بھی بیچ سکتے ہیں، تو شیئرز کی خرید سے پہلے شیئرز بیچنا، یہ ایک اسٹیج ہے۔ دوسرا اسٹیج یہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے شیئرز خریدے ہیں، بروکر کو آرڈر دیا ہے، بروکر نے آپ کو کنٹریکٹ دیا ہے کہ میں نے آپ کے شیئرز خرید لئے ہیں مارکیٹ سے، وہ آپ کے پاس کنٹریکٹ موجود ہے آپ کے نام کہ فلاں کمپنی کے اتنے شیئرز میں نے خریدے۔ اس کے بعد اسٹیج آتا ہے ادائیگی کا کہ جو شیئرز آپ نے خریدے ہیں آپ نے اس کا Payment کیا ہے، یہ سکینڈ اسٹیج ہے، فرسٹ اسٹیج Transaction، آپ بروکر کو آرڈر دیں، بروکر اسٹاک ایکسچینج سے وہ شیئرز خریدے گا، مطلب وہاں بولی کرے گا اور وہ بیچنے والا کہے گا کہ ٹھیک ہے میں نے آپ کو بیچ دیئے فلاں رقم میں اتنا ہی شیئرز۔

قاضی صاحب: ایجاب وقبول ہوگیا؟

کھٹکھٹے صاحب: ہاں ایجاب وقبول ہوگیا۔

قاضی صاحب:

اس نے کہا کہ میں نے بیچا، انہوں نے کہا کہ میں نے لیا، فلاں کے لئے لیا، یہ بیع ہو گئی۔

قاضی صاحب:

یہ طے ہو گیا کہ آپ نے خریدا۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟

کھٹکھٹے صاحب:

اس کے بعد آپ اس کو Payment کریں گے شیئرز کے لئے تب اس کے بعد مارکیٹ سے آپ کو ڈیلیوری آئے گی شیئرز کی، Transfer Form اور Share Certificate، ٹرانسفر فارم جس نے بیچا ہے اس کی دستخط ہو گی، اور اس کے ساتھ سرٹیفکیٹ ہو گا، اور آپ کو اس کے اوپر دستخط کر کے کمپنی میں بھیجنا ہے آپ کے نام منتقل کرنے کے لئے، تو یہ ڈیلیوری آ گئی، آپ اگر کمپنی کو بھیجتے ہیں وہاں ان کے رجسٹر میں اندراج ہو جاتا ہے اور واپس آپ کو سرٹیفکیٹ آتے ہیں، تو اس کو کہیں گے ٹرانسفر، یہ پورا Transaction خریدنے کا مکمل ہو گیا، اب اس میں یہ چیز دیکھنے لائق ہے کہ جب آپ نے Transaction کیا، آپ کو بروکر نے خریدنے کا جو کنٹریکٹ نوٹ دیا ہے، اس کے بعد سے جو بھی کمپنی کی چیزیں ڈکلیئر ہوتی ہیں، جیسے آج میں نے خریدا، ابھی میں نے Payment بھی نہیں کیا ہے، کل اگر کمپنی نے Bonus Share ڈکلیئر کیا تو یہ میرا حق ہے، اگر Right Share ڈکلیئر کیا، Dividend ڈکلیئر کیا تو یہ میرا حق ہے قانوناً، اخلاقاً نہیں قانوناً یہ حق ہے، اور یہ بروکر کو دینا ہو گا، اب اس کے بعد اگر آپ Payment کرتے ہیں، اور وہ Delivery ہو جاتی ہے تو آپ کا معاملہ اور پکا ہو گیا، مگر جب آپ کو Contract آ گیا، اس کے بعد سے وہ بروکر مکر نہیں سکتا ہے، اس کو یہ شیئرز دینا ہے اور وہ سارے اس کے Benifits کے ساتھ میں جو اس دن سے اس کمپنی میں آپ کو مل سکتے ہیں، حالانکہ جب سے آپ نے Payment بھی نہیں کیا ہے، اگر آپ Payment میں پھر بعد میں جا کے اگر ڈیفالٹ (Default) کرتے ہیں تو پھر وہ اس کو Revoke کر سکتے ہیں، اگر آپ نے Payment میں Default نہیں کیا ہے تو پھر سوال ہی نہیں اٹھتا اس کا Revoke کرنے کا۔

قاضی صاحب:

ڈیلیوری کا لفظ کس اسٹیج میں بولتے ہیں؟

کھٹکھٹے صاحب:

جب آپ کو سرٹیفکیٹ اور ٹرانسفر فارم مارکیٹ سے مل جائے اس کو کہتے ہیں ڈیلیوری۔

قاضی صاحب:

یہ بھی قبضہ ہی ہوا؟

کھٹکھٹے صاحب:

ہاں، اچھا اس میں جیسے حکیم صاحب نے بتایا یا احسان صاحب نے بتایا، یہ جو شیئرز ڈیلیوری آ گئی وہ ضروری

نہیں کہ ہم اپنے نام پر ٹرانسفر کر کے ہی بیچیں، قانوناً ہم اس کو بیچ سکتے ہیں بغیر اس کو اپنے نام پر ٹرانسفر کئے ہوئے، صرف یہ ہے کہ اس کے درمیان اگر جو بھی منافع آتا ہے یا جو بھی Benifit آتا ہے کمپنی کی طرف سے شیئر ہولڈر کو، وہ ہم کو نہیں ملے گا جب تک کمپنی کو اس کا علم نہیں ہو کہ ہمارے یہ شیئرز ہیں، اور کمپنی کے علم میں لانے کے لئے ہم کو وہ ٹرانسفر کے لئے بھیجنا پڑتا ہے کمپنی کے پاس، تو دیکھئے شیئرز ہم نے کمپنی سے نہیں خریدے ہیں، ہم نے XYZ سے خریدے ہیں، کمپنی تو ایک طرح کا صرف حساب کتاب رکھ رہی ہے کہ کس کے پاس کون سے شیئرز ہیں، کمپنی نے تو شیئرز شروع میں جب اجراء کئے تب بیچ دیئے اور اس کے پیسے لے لئے، اب ہم جو خرید رہے ہیں وہ ایک فرد سے خرید رہے ہیں، اس کے روپے جو ہیں وہ اس فرد کو جا رہے ہیں، تو کمپنی اس Transaction میں نہ Buyer ہے نہ Saler ہے۔

ایک آواز:

تو کیا ڈیلیوری کے آتے ہی قبضہ ہو جاتا ہے اس کا؟

کھٹکھٹے صاحب:

نہیں وہ تو آپ لوگ طے کریں، میں تو اس کی (Characteristics) خصوصیات بتا رہا ہوں۔

قاضی صاحب:

سوال یہ ہے کہ مان لیجئے کہ یہ جو نام کی منتقلی یا ٹرانسفر ہے کمپنی کے رجسٹر میں، یہ تو ویسے ہی ہے جیسے اراضی ہم خریدیں اور ایجاب وقبول ہو گیا، بیع مکمل ہو گئی، لیکن اب تک رجسٹری نہیں ہوئی ہے، تکمیل نہیں ہوئی ہے، لہذا کھتیان میں اور رجسٹر میں جو نام رہے گا وہ سابق کا رہے گا، مالگزاری کا مطالبہ اس سے ہوگا، اور اس میں یہ ہے کہ قانونی طور پر یہ حقدار ہو جاتا ہے، Procedure یہ ہے کہ جب رجسٹر میں اندراج ہوگا تب وہ جانے گا کہ ہاں صاحب ان کو نفع دینا ہے یا ان کو اطلاع کرنا ہے۔

کھٹکھٹے صاحب:

اس سلسلہ میں ایک دو چیزیں میں عرض کرنا چاہوں گا، یہ Uncertainty کا جو مسئلہ ہے، جو اکثر ہم لوگ Discuss کر رہے ہیں کہ جو غرر کی صورت ہے، ابھی اس کے خریدنے کا تو اس کا حق ہو گیا، مگر اس کے اوپر اس کے بیچنے کا حق مکمل نہیں ہوا، کیونکہ اگر وہ بیچے گا تو کچھ صورتوں میں ہی، جیسے مثلاً آج Transaction ہم نے کیا بروکر کے ساتھ خریدنے کا، اسٹاک ایکسچینج میں ایک مدت ہوتی ہے کہ فلاں دن سے فلاں دن تک، اس کا حساب مدت پوری ہونے کے بعد فلاں دن کو ہوگا، تو اس مدت میں جو بھی Transactions ہوں گے ایک Date پہ اس کا Settlement ہو جاتا ہے، تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ مدت تو Settlement Period کا ہے، تو اگر کسی Settlement Period میں ہم نے شیئر خریدا ہے، اگر اسی سیٹلمنٹ میں اسی بروکر کے ہاتھ ہم نے بیچ دیا وہ شیئر، تو پھر ہمارے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ شیئر واپس آئے گا، یا کچھ بھی ہو، وہ کلیئر ہو جائے گا ٹرانزیکشن، اس میں بالکل Uncertainty نہیں ہوگی، اگر وہ شیئر بعد میں ہم اسی بروکر کے ہاتھ بیچیں سیٹلمنٹ پورا ہونے کے

بعد، تو اس میں پھر Uncertainty رہے گی کہ ہم اس شیئر کو ڈیلیور کر پائیں گے یا نہیں، جیسے مثلاً ہم کو ڈیلیوری مارکیٹ میں آنے میں لیٹ ہوگئی، تو ہم اتارنہیں سکیں گے جب ہم ہمارا وقت آئے گا دینے کا، یا ابھی فی الحال جو قانون ہے، اسٹاک ایکسچینج ہے اس کے تحت، اس سے پہلے کچھ اور قانون تھا، اس میں بھی وہ چل سکتا تھا، اور ابھی جو ہے اگر اسی سیٹلمنٹ پہ اسی بروکر سے ہم نے لیا ہے اسی ایکسچینج پر، تو آپ اسی سیٹلمنٹ میں اس کو بیچ سکتے ہیں، مگر اس میں جو ہے اگر ایسا کریں ہم تو پھر اس میں Speculation کا Element بہت اونچا ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر ہم اس کی اجازت دیدیں کہ بغیر Payment کئے بھی کوئی شخص اس کو بیچ سکتا ہے اسی سیٹلمنٹ میں، تو وہ تو پھر فرضی جیسے ہوگیا، اور عام طور سے جو Speculation ہوتا ہے وہ ایسے ہی ہوتا ہے کہ ایک شخص کے پاس صرف سو روپے ہیں، ایک شیئر کی قیمت دس روپے ہے، مگر وہ ہزار روپے کے سو شیئرز خرید رہا ہے ہزار روپے کے شیئرز خرید رہا ہے کیونکہ اس کو پیسے دینا نہیں ہے، اور پھر وہ سیٹلمنٹ ختم ہونے سے پہلے وہ کلیئر کر دے گا، اب اس میں یہ ہوتا ہے کبھی کبھی کہ آپ نے ڈیلیوری کے لئے شیئرز لئے ہیں، آپ کے پاس سو روپے ہیں، اور سو روپے کے شیئرز آپ نے لئے ہیں، مگر اس سیٹلمنٹ کے دوران شیئر کے دام کافی بڑھ گئے، اور آپ نے سمجھا کہ ابھی تو اس کے بڑھنے کے زیادہ Chances نہیں ہیں، یہ صورت الگ ہے کہ آپ نے خریدا تھا اس نیت سے کہ اس میں آپ Invest کریں، آپ اس کے روپے دیں اور ڈیلیوری لیں، مگر وقتی طور پر اگر وہ بڑھ گیا، اور آپ نے اس کو Settle کر دیا، یا یہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے جب خریدا، آپ کے پاس روپے تھے، مگر پیمنٹ کا وقت سیٹلمنٹ پورا ہونے سے پہلے پہلے تک ہے کچھ اور ایسی اشد ضرورت آگئی کہ آپ کو کچھ روپیہ خرچ کرنا پڑ جا رہا ہے، آپ ڈیلیوری نہیں لے سکتے ہیں، تو آپ آخر میں بروکر کو کہیں گے کہ بھائی ہمارے پاس روپے نہیں ہیں، آپ Settle کر دیں، تو اس میں نیت کا دارومدار ہے، مگر اس میں یہ Possibility ہے کہ یہ Assets کیا جائے کہ آپ جیسے بھی کریں، اگر اسی سیٹلمنٹ میں آپ کو اسکوائر آف کرنا تو پہلے آپ پیمنٹ کریں، پیمنٹ کر کے اسکوائر آف کر دیں اسی سیٹلمنٹ میں، اگر آپ کو یہ کرنا ہے، اس میں یہ ہوگا کہ اس میں Speculation کا جو عنصر ہے اس میں بیچ میں اس کو Benefit نہیں ہوگا، اگر ہم یہ تصور کر لیں کہ کنٹریکٹ آنے کے بعد میں قبضہ Complete ہو جاتا ہے تو یہ Insist کریں کہ اس کا Payment کرنا چاہئے شیئرز کا، تبھی آپ کا قبضہ ہوگا اس کے اوپر، ورنہ Speculation کو کافی چھوٹ مل جائے گی....

عبدالقیوم اختر صاحب:

میرے فاضل دوست پروسیجر کے بارے میں زیادہ بات کرتے رہے ہیں، پروسیجر کے بارے میں صحیح بات میں سمجھتا ہوں شاید طے نہیں ہوگی کہ یہ شیئر کا کاروبار جائز ہے یا ناجائز؟ حرام ہے یا حلال؟ بنیادی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ ہندوستان کی معیشت، میں اپنے آپ کو اپنے ملک تک ہی محدود رکھ رہا ہوں، ہندوستان کی معیشت Interest Base معیشت ہے، یعنی سود اس کا جز نہیں بنیاد ہے، اس کو آپ اپنے ذہن میں ملحوظ رکھیں، جہاں تک شیئر کا کاروبار ہے یہ اس پر پوری طرح محیط ہے، آپ کھلے دل سے جانئے، میں معذرت چاہتا ہوں اس بات کو کہنے میں کہ ہم نے

وقت کی ضرورت کو محسوس کیا ہے، لوگ دو طرح سے اپنا سرمایہ شیئر میں لگاتے ہیں، ایک وہ لوگ جو صرف منافع کمانا چاہتے ہیں، ایک وہ لوگ جو اس کا کاروبار کرتے ہیں، اس بات کو سمجھ لیں کہ آج چاہے مزدور ہو، چاہے کسان ہو، چاہے نوکری پیشہ ہو، اس کے پاس کچھ فاضل Money رہتا ہے، فاضل سرمایہ رہتا ہے، کچھ بچت رہتی ہے، یقینی طور سے ہر آدمی اس بچت سے سونا نہیں خرید سکتا، جائداد انہیں خرید سکتا، یا اور کسی اپنی ضرورت کے لئے بچا کے کچھ وقت کے لئے رکھنا چاہتا ہے، تو یقینی طور سے وہ رکھنے کے لئے محفوظ جگہ تلاش کرتا ہے، کوششیں کرتا ہے کہ وہ سرمایہ کہیں لگ جائے، چونکہ آج کل Inflation اتنی پھیل گئی ہے کہ آپ اگر کسی چیز کے بارے میں معلوم کرنا چاہیں تو یہ بہت دشوار گزار بات نہیں ہے، ہم بنیادی طور سے یہاں یہ بات طے کرنے بیٹھے ہیں کہ شیئر مارکیٹ کیا بلا ہے؟ میں چونکہ تسلسل اس کا قائم نہ رکھ سکوں گا چونکہ میرے ذہن میں بہت ساری باتیں ہیں، مجھے یہ نہیں معلوم کہ میں کس طریقہ سے یہاں اس کو ذکر کروں، یہاں صرف شیئر کی بات کی گئی، شیئر اگر میں بتاؤں تو آٹھ دس طریقے کے شیئرز ہیں، کس شیئر کے بارے میں بات کریں گے، Equity Share ہے، Preference Share ہے جس میں ایک محدود بارہ پرسینٹ پندرہ پرسینٹ دیا جاتا ہے حصہ، ایک نئی چیز آئی ہے، Voting Share ہے، Non Voting Share ہے، ووٹنگ شیئر میں آپ کو کم ملے گا ڈیویڈنڈ، نان ووٹنگ شیر میں کچھ زائد بھی ملے گا آپ کو، Convertible Share ہے، کچھ وقت کے لئے آپ نے سرمایہ کمپنی کو دیا، انہوں نے سود پر آپ کو کچھ سود دیا، اور اس سود کے بدلے میں مزید آپ کو ایک شیئر دے دیا۔ Bonus Share ہیں، اور Right Share ہیں......، اس کے بعد Public Undertaking کے شیئرز ہیں، اگر آپ تھوڑی جانکاری رکھتے ہوں تو اس بار جو بجٹ پیش کیا گیا تو حکومت اپنی کمپنیز کے کتنے ہزار کروڑ کے شیئرز Disinvest کرے گی، ایک اس قسم کے شیئرز ہیں، یہ جو Company Formation کی بات ابھی ہمارے دوست کر رہے تھے، تو فورمیشن ہوتے ہی سود کی شرح شروع ہو جاتی ہے، جو سرمایہ Application کے ذریعہ لیا جاتا ہے، وہ بینک میں Fixed Deposit رکھ دیا جاتا ہے، تین مہینے تک آپ کا وہ سرمایہ بینک میں فکسڈ ڈپوزٹ کے طریقہ سے رہتا ہے، وہ اپنے اخراجات کا بہت بڑا حصہ اس سے پورا کرتی ہے، ایک کمپنی کو اپنا ایشو لانے کے لئے کم سے کم دس پندرہ فیصد سرمایہ خرچ کرنا پڑتا ہے، مان لو ایک کروڑ روپے کا سرمایہ اگر جٹانا ہے بازار سے، تو تقریباً پندرہ بیس لاکھ روپے خرچ کریں گے، وہ پیسہ تو وہ سود سے جو آئے گا کچھ اس سے پورا کریں گے، فاضل ہوگا تو کمپنی کی آمدنی میں چلا جائے گا، تو بنیاد کمپنی کی وہیں سے پڑے گی اور سود کا پیسہ وہاں سے شروع ہو جائے گا، دوسری بات جب وہ کاروبار شروع کرے گی، جیسے پروجیکٹ رپورٹ کی بات کی گئی تھی اس میں وہ سرمایہ کی تفصیل دیتے ہیں، اس سرمایہ میں ایک پیسہ وہ ہوتا ہے جو Promoters خود لگاتے ہیں، ایک سرمایہ وہ ہوتا ہے جو پبلک سے Equity Share کے نام پہ لیا جاتا ہے، ایک سرمایہ وہ ہوگا جو گورنمنٹ سے قرض لیا جائے گا، اور ایک سرمایہ ہوگا جو گورنمنٹ Subsidy کے طریقہ سے دے گی، (Insenting) کے طریقہ سے دے گی، تو یہ کل ملا کر کے کمپنی کا سرمایہ ہوگا، کمپنی اس سے چلے گی، کمپنی کا

Concept یہ سمجھ لیجئے کہ یہ اس طرح نہیں ہے کہ یہ جیسے ایک دکان کھولی ہم نے، سرمایہ لگایا، اور جب چاہا چلایا، جب چاہا بند کر دیا، جب چاہا دوسرا بدل لیا یا اور کچھ کرلیا، ایک سائڈ چیزیں ہوتی ہیں، جیسا بتایا گیا Prospectus بنتا ہے، اور وہ پروسپیکٹس کم سے کم دس قوانین سے مدوّن ہوتا ہے، اور آپ ابھی مجھے معاف کریں، جتنے لوگ آرہے ہیں یہاں سب ظالمانہ قانون بتا رہے ہیں، انکم ٹیکس کو بھی ظالمانہ قانون، اور ان ظالمانہ قانون کی اور فہرست سن لیجئے، Contract Act سے متاثر ہوگا، Company Act سے متاثر ہوگا، Saving Act کے مطابق ہے، پھر Income Tax سے متاثر ہوگا، پھر Local Act جہاں کمپنی لگ رہی ہے وہاں سے متاثر ہوتا ہے، اور اس کے بعد ایک مزید جو میں ابھی اس کے لئے آؤں گا، مجھے معاف کیجئے وہ Terminology نہیں آتی ہے، یہ جو ڈلیوری کی بات ہوتی ہے، اب یہ نیا Concept آجائے گا کہ اس میں کہیں لین دین نہیں ہوگا، اصطلاحی طور پر ایک Deposit Act پاس ہوگیا ہے، بس آپ نے جیسے شیئر خریدا، آپ اس کو اطلاع کر دیجئے، نام درج ہو جائے گا آپ کا، آپ کو کوئی لین دین کی کہیں ضرورت نہیں رہے گی، ان تمام قوانین کو اگر آپ ظالمانہ قانون کہیں گے، جو میں نے آپ کو بیان کئے، تو پھر یہ شیئر کے کاروبار کی آپ کو ضرورت نہیں ہے، اور اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہندوستان میں رہنا ہے، اور اس ہندوستان کی حکومت میں ہماری برابر کی حصہ داری ہے، تو برائے مہربانی ان الفاظ کا استعمال چھوڑ دیجئے، یہ قوانین ہماری جمہوری حکومت میں Welfare State کے قوانین ہیں، جو کہ آپ اختیار دیتے ہیں ان قوانین کو بنانے کا، جب ووٹنگ میں آپ شیئر کرتے ہیں تو آپ ہی ان لوگوں کو اختیار دیتے ہیں کہ یہ سب قوانین بنائے جائیں، دوسری بات جو آج سب سے زیادہ ضرورت ہو رہی ہے، معیشت پھیل گئی، پہلے معیشت کنٹرول میں تھی، اور شیئر بازار سب سے زیادہ Sensitive تھی، اگر آج یوپی میں بی جے پی کی حکومت بن جائے تو شیئر مارکیٹ بہت اونچا چلا جائے گا، دیوگوڑا کی حکومت گر جائے تو شیئر مارکیٹ ڈاؤن چلا جائے گا، آج فائنانس منسٹر کوئی اعلان کردیں تو شیئر مارکیٹ اوپر چلا جائے گا، آج شرح سود ایک فیصد کم کردی جائے تو آج ہی Sensitive Index اوپر چلا جائے گا، تو مختلف صورتحال ہیں، میں اب زیادہ تفصیل میں آپ کی سمع خراشی نہیں کرنا چاہتا اس سے Confusion بہت پیدا ہوگا، میری گذارش یہ ہے کہ اگرچہ یہ قیاس، اندازے اور پورے طریقہ سے ایک بہت بصیرت افروز چیز ہے، جو شیئر مارکیٹ ہے، اس میں اتنا Vigilant آدمی کو رہنا پڑتا ہے کہ اگر بروکر کو آپ نے صبح کہا، اگر اس نے دوپہر میں سودا کیا تو Transaction بدل جائے گا، اگر آپ نے آج فیصلہ کیا ہے، جو لوگ کاروبار کرنا چاہتے ہیں، جو لوگ صرف منافع کے لئے خریدنا چاہتے ہیں، ان کی بات تو الگ ہے، وہ لوگ جن کے پاس فاضل سرمایہ ہوتا ہے کچھ پیسہ دس بیس ہزار روپے لگایا، لے کر رکھ لیا، کبھی بیچتے ہیں، کبھی انکم سالانہ آتی ہے، نہیں آتی ہے، بہر حال فاضل پیسہ ایک Asset کی طرح پڑا ہے، لیکن آپ ان کی تفصیلات میں جائیں گے تو یقین مان لیجئے کہ کوئی کمپنی ہندوستان میں Exist نہیں کرتی ہے، جب سود کا پیسہ اس کے انکم میں شامل نہیں ہوتی ہے، مجھے اس بات کے کہنے میں کوئی تکلف نہیں ہے کہ شاید قاضی صاحب سے بھی ایک بات ہوئی، ہوسکتا ہے مجھے غلط فہمی ہو، میں تو اب بھی اپنی غلط فہمی

مان لیتا ہوں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ٹاٹا کے ذریعہ وہ Core Company شروع کرائی گئی، ہمارے Barkat Investment والے بیٹھے ہیں، اس میں یہ تھا کہ ہم کوئی سودی کاروبار نہیں کریں گے، لیکن Cover Sector میں کریں گے، جیسے سڑکیں بنانا، پل بنانا وغیرہ، اور وہ جائز کاروبار ہوگا، لیکن انہوں نے اس Prospectus میں یہ Term دی تھی کہ تین سال میں ہم Diversify کر سکیں گے، اور اس وقت اگر آپ کو پیسے کی ضرورت ہو تو، قاضی صاحب کو کسی نے کہا کہ تو انہوں نے اسے ریجکٹ کر دیا، وہ سیدھی ریجکٹ نہیں کر سکتے، پروسپکٹ کا حصہ تھا، انہوں نے جب Application لکھی تو اس میں ظاہر کر دیا تھا کہ SEBI کو اس بات کا اختیار نہیں کہ وہ کسی کو ریجکٹ کرے یا نہیں کرے، وہ SEBI کا قانون یہ ہے کہ سرمایہ جو آپ نے لگایا وہ کس طرح محفوظ رہے، اس میں اس نے اسی کے لئے بہت سارے قوانین بنا دیئے، اور اتنے قوانین ہیں کہ اب ان کمپنیز کو اس کی پابندی کرنا بڑی مشکل ہوتی ہے، صرف اس لئے کہ Investors کا پیسہ کمپنیاں بلا لحاظ کسی کے ضائع نہ کریں، لیکن پھر بھی کمپنیاں بہت قائم ہوتی ہیں، اور SEBI کے Rules بھی اپناتی ہیں، کمپنی کے ایکٹ بھی اپناتی ہیں، اور چونکہ ہندوستان کی معیشت میں اس بات کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ اس کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ Industrialisation ہو، انڈسٹریلائزیشن کے لئے ضروری ہے کہ کمپنیاں زیادہ سے زیادہ بنیں، اب اس میں مسلمانوں کا کس طرح حصہ ہو، اور کس طریقے کی بات ہو، یہ آپ کے سوچنے کی چیز ہے، جہاں تک بات جائز و ناجائز کی ہے، یہ آپ کے فیصلہ کرنے کی چیز ہے، میری گذارش یہ ہے کہ آپ حضرات کے پاس، جو شرعی نقطہ نظر سے ایک علم ہے، اور جو اکنامک کے Base پر شیئر مارکیٹ کے اتنے سارے قوانین ہیں، ان کے ماہرین بیٹھے ہیں، آپس میں Interaction کریں، اس کے بارے میں جان لیں، اور پھر اس کا اطلاق کہاں ہوتا ہے، ڈیلیوری کے لئے، قبضہ کے لئے، اور دوسرے کے لئے صورتحال خود نکالیں، میں یہ بات اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ امت کا پیسہ، ہم لوگوں کا پیسہ، ہمارے برادران وطن اور دوسرے لوگ لے جا رہے ہیں، آج گلی گلی فائنانس کمپنیاں کھل گئی ہیں، اور خاص طور سے مسلم علاقوں کو نشانہ بنایا گیا ہے، چونکہ ہمارے برادران وطن سمجھتے ہیں، اور وہ اپنا پیسہ دوسری جگہ استعمال کرتے ہیں اور رکھتے ہیں، لیکن مسلمانوں کا فاضل سرمایہ خواتین اور مزدوروں کے پاس ہے، ان لوگوں نے اپنے اپنے محلوں میں فائنانس کمپنیاں بنا دی ہیں، جس میں آپ نے JVG کا نام اور سہارا کمپنی کا نام سنا ہوگا، ایسی پچاسوں کمپنیاں ہیں، اور ان لوگوں نے مسلم علاقوں میں اپنے دفتر کھول لئے ہیں، بارہ فیصد پندرہ فیصد سود کہہ کے وہ پیسہ لے رہے ہیں، باشرع لوگوں کو وہاں بیٹھا رکھا ہے، اور صالح بے خبر علماء کے تصدیق نامے حاصل کر رکھے ہیں، اور جوق در جوق لوگ وہاں جمع کرا رہے ہیں، جس کی ایک مثال میں بتاتا ہوں کہ جودھپور میں ایک مدراس کی کمپنی بنی ہے، ہمارے مسلم دوست اس کے منیجر ہیں، اور وہ دس لاکھ روپئے ہر سال وہاں سے اٹھاتے ہیں، جس میں تیس فیصد پیسہ مسلمانوں کا ہوتا ہے، تو لہذا آپ سے گذارش یہ ہے کہ آپ اس اکنامی میں اور معیشت کے اصولوں کو طے کرتے ہوئے آپ اس کا حل جب تک متبادل نہیں دیں گے، تو یہ سودی کاروبار میں پیسہ جاتا رہے گا۔ ہمارے لوگ آپ کے منتظر

ہیں، ہم بہت سے لوگ چاہتے ہیں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے شرعی نقطۂ نظر سے کاروبار ہو، لیکن اگر متبادل نہیں ہوگا، تو یقینی طور سے وہی یہ اٹھائیں گے، اس کے بعد بھی بہت ساری باتیں ہیں، میں مزید سمع خراشی نہیں کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ یہ نازک مسئلہ ہے، جو اتنی آسانی کے ساتھ Procedure سے دو چار باتوں سے حل نہیں ہوسکتا، اور معاف کیجئے وہ آپ کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتا، میں جو کچھ کہہ پایا ہوں ایک بنیادی بات کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کو ملحوظ رکھیں،

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

قاضی صاحب:

جناب عبد القیوم اختر صاحب نے بہت دردمندی کے ساتھ، تعمق کے ساتھ اور گہرائی کے ساتھ اپنی معلومات سے ہمیں فائدہ پہنچایا، جس کے لئے ہم ان کے شکر گذار ہیں، ویسے ان کو اتنا تو اطمینان دلاتے ہیں کہ استاد اچھا ہو تو شاگرد کمزور ذہن کے باوجود بات سمجھ لیتا ہے، اور یہ مجمع جو آپ کے سامنے بیٹھا ہے، بہت گہری قانونی الجھنوں کو حل کرتا رہا ہے اور انشاء اللہ حل کرتا رہے گا، صرف مسئلہ یہ ہے کہ جو یہ سب نہیں جانتے اس کی تفصیل آپ ہماری زبان میں سمجھانے کی کوشش کیجئے، اور اگر آپ ہماری زبان نہیں جانتے تو آپ ہماری زبان سیکھئے، اور ہم نہیں جانتے تو ہم آپ کی زبان سیکھیں، مجھے ان کی رائے سے قطعی اتفاق ہے کہ شیئر بازار کے جو ماہرین ہیں ان کے درمیان اور جو ہمارے ماہر فقہاء ہیں ان کے درمیان ایک باہم مکالمہ ضرور ہونا چاہئے جس میں بہت تفصیل کے ساتھ بیٹھ کر ان معاملات کو جو آج روز بروز شیئر بازار میں پیش آتے جارہے ہیں، ان کے بارے میں First Hand واقفیت، مکمل اور براہ راست واقفیت ہماری ہو سکے، تاکہ ہم حکم مسئلہ کی بنیاد اس پر رکھ سکیں۔ دوسری بات جیسا کہ میں نے خود شروع میں کہا تھا کہ ہم اصول طے کریں گے انشاء اللہ، اور جزئیات جو روز بدلتی ہیں وہ بہت زیادہ ہمارے زیر بحث نہیں رہیں گی، ہم اصول طے کریں گے، اور جب اصول طے ہوں گے تو اس کو کہیں بھی منطبق کیا جاسکتا ہے، جیسے بھی حالات بدلیں گے ویسے اس اصل کی تطبیق ہوتی رہے گی۔ تیسری بات انہوں نے ٹاٹا کے بارے میں کہی، اس سلسلہ میں مجھے عرض کرنا ہے کہ ہمارے پاس یہ اطلاع بھیجی گئی کہ یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا (UTI) ایک ایسی اسکیم چاہتا ہے جو اسکیم مسلمانوں کے لئے مذہبی طور پر قابل اعتراض نہ ہو، ہمیں اس بات کی خوشی ہوئی کہ جتنا بھی تصلب ہم نے ان مسائل میں اختیار کیا الحمد للہ، چونکہ یہ تو بزنس والے لوگ ہیں، Commercial Approach ہے ان کا، یہ تو بہر حال چاہتے ہیں کہ ہمارا سرمایہ لگے، اس لئے انہوں نے یہ ضرور چاہا کہ صاحب ایسے اصول ہم وضع کریں جن پر وہ ایک ایسے ادارہ کی بنیاد رکھ سکیں جس میں مسلمانوں کو اپنے مذہب کے اعتبار سے سرمایہ لگانے میں کوئی اعتراض نہ ہو، دوسری طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ کوئی مسلمان ریٹائر ہوجاتا ہے، اور اس کو لاکھ دو لاکھ روپئے کی رقم ملتی ہے، یا تو وہ بیٹھا بیٹھا اس کو کھا جائے، یا فکسڈ ڈپوزٹ میں رکھے، روپیہ بھی محفوظ اور سود کے نام پہ نفع بھی مل رہا ہے، یا پھر کوئی جائز سرمایہ کاری کا، استثمار کا راستہ اس کے لئے نکلنا چاہئے، جس سے وہ اپنے سرمایہ کو نہ کھا کر ختم کردے، اس کا سیدھا راستہ تجارت تھا، اور شریعت اسلامی نے اس کو سامنے رکھتے ہوئے یا شریعت کی تعلیم سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہر شخص کے پاس

سرمایہ نہیں ہوتا اور ہر شخص کے پاس Skill اور ہنر تجارت کا نہیں ہوتا، تو سرمائے کی صلاحیت اور تجارتی سلیقے اور ہنر کی صلاحیت کو جوڑا کیسے جائے، .... اور اس کا Skill اور اس کا ہنر اور دوسرے شخص کا سرمایہ مل کر ایک سرمائے کو دورے میں رکھتا ہے، اس کو Rotate کرتا رہتا ہے، اس سے منافع حاصل ہوتا رہتا ہے، یا پھر شرکت کا اصول ہے جس میں شریک عامل اور شریک غیر عامل دونوں ہوسکتا ہے، جس میں اس کے ذریعہ بھی سرمایہ لگایا جاسکتا ہے، لیکن اس کی کھوج تو ہم پر بہت ضروری ہے کہ کس طرح اس جامد سرمایہ کو جو ہمارے بہت سے بھائیوں کے پاس ہے، زندگی کے سرگرم میدان میں لایا جائے، اور جو سرمایہ زندگی کے میدان میں آتا ہے، وہ جہاں سماج کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے وہیں اس شخص کی ذات کے لئے بھی فائدہ مند ہوتا ہے، جامد سرمایہ نہ اس کے لئے بہتر ہے اور نہ سماج کے لئے بہتر ہے، اس لئے یہ مقصد صحیح ہے، بہر حال جب یہ بات آئی اور UTI تو پیچھے رہ گیا، لیکن ٹاٹا اس کو لے کر ہم لوگوں کے پاس آیا ہماری میٹنگ میں، میٹنگ میں جناب کھکھٹے صاحب بھی موجود رہے ہیں، اور بھی ہمارے کئی دوست، تو اس کا جب ہم لوگوں نے جائزہ لیا تو اس میں دو تین باتیں قابل غور نظر آئیں، ایک بات تو یہ ہے کہ سرمایہ ہمارا لگایا کہاں جائے گا، انہوں نے Core Sector کی صراحت کر کے یہ طے کر دیا کہ حرام کاروبار میں چاہے وہ Landing کا ہو، سرمایہ دے کر اس پر سود کمانے کا کاروبار ہو، یا شراب کا ہو، یا خنزیر کا ہو وغیرہ وغیرہ، اس طرح کی چیزوں میں وہ سرمایہ نہیں لگے گا، تو اتنا اطمینان ہوتا ہے کہ سرمایہ صحیح جگہ لگے گا، دوسرا سوال یہ ہے کہ اس تجارت سے جو منافع ہوگا اس منافع کی تقسیم کس طرح ہوگی، آیا وہ Fixed ہم کو ملے گا جو سود کی شکل ہے، یا جو حسب حصہ رسدی ہوگا جو تجارت کی حیثیت ہے، یہ مان لیا گیا کہ حسب حصہ رسدی ہوگا تو جہاں سرمایہ لگایا گیا وہ صحیح، اور منافع کی تقسیم صحیح، یہ دونوں باتیں بہت اچھی ہیں۔ تیسری چیز، اس میں ایک بڑی خطرناک چیز تھی جو ہمارے شرعی نقطہ نظر سے قابل اعتراض چیز تھی کہ Generally وہ Equity Share ہی ہوں گے، لیکن کبھی بعض مجبوریوں سے ان میں کچھ دوسرے قسم کے شیئر بھی ہوں گے جن میں حسب حصہ رسدی منافع تقسیم نہیں ہوتا بلکہ متعین سود ملتا ہے، اس پر ہم لوگوں نے اعتراض رکھا، لیکن وہ لازمی طور پر Convertible ہے، یعنی تین مہینے، چار مہینے یا چھ مہینے کی مدت کے بعد وہ تبدیل ہو جائے گا Equity Share میں، تو اولاً تو ہم کو اس میں اختیار ہے کہ ہم وہ شیئر لیں یا نہ لیں، جو سودی شیئر ہے، اور اگر ہم لیں تو ہم کو اس کا موقع ہے کہ اس نام پر سود ملے اس کو ہم صدقہ کر دیں، لیکن بہر حال وہ ایک قابل اعتراض پہلو تھا۔ تیسرا حصہ اس کا یہ تھا کہ یہ ایگریمنٹ جو تین سال کے لئے ہوگا، تین سال کے بعد اس کمپنی کو اختیار ہوگا کہ وہ Core Sector کو کراس کر جائے، اور Landing یا دوسرے معاملات میں بھی سرمایہ لگانا شروع کر دے، ایسے موقع پر ان کی تحریر کے مطابق کمپنی اس کی پابند ہوگی کہ ایک مہینہ یا تین مہینے پہلے شیئر ہولڈرس کو اطلاع کر دے کہ ہم ایسا کرنے جا رہے ہیں، آپ کو اس کے ساتھ شیئر رکھنا منظور ہو تو رکھئے، اور شیئر رکھنا منظور نہ ہو تو آپ اپنا شیئر واپس لے لیجئے، بیچ لیجئے، اس پر ہم لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ ٹھیک ہی ہے، یہ شرط تو ٹھیک ہی ہے، تین سال کے بعد وہ گڑبڑ ہوتی ہے ہم نہ رکھیں نہ لیں، اختیار ہم کو ہے، لیکن ہمارا اس پر اعتراض تھا کہ تین سال تک ہمارے پیسوں سے اس کمپنی نے اپنا

ایک وجود بنایا، اور پھر جب تین سال بیت جاتا ہے تو پھر کمپنی اس کو دوسری طرف لے جاتی ہے، اور ہم کو اس کی حق ملکیت سے محروم کرنا چاہتی ہے، اس لئے یہ ہمیں منظور نہیں، بعد کو مجھے یہ بتایا گیا کہ SEBI میں جب وہ چیز گئی منظوری کے لئے تو (SEBI) نے اس کو تسلیم نہیں کیا، میرا خیال ہے کہ کھنکھٹے صاحب اس کو بتادیں گے کہ یہ اطلاع میری صحیح ہے یا غلط، اس طرح وہ ایک صورت پیدا ہوتی ہے، SEBI جو ہے کنٹرول کرتا ہے سارے اس طرح کی اسکیموں کو، بینکس کو، جو سب سے Higher Body ہے یہاں پر ہندوستان بھر میں، اس کی منظوری کے بعد ہی کوئی چیز منظور اور تسلیم کی جاتی ہے، اور جہاں تک مجھے معلوم ہے کہ SEBI کو کوئی بھی کمپنی جب اپنا کوئی ڈرافٹ بھیجتی ہے تو اس میں اس کا استحقاق رہتا ہے کہ کسی حصہ کو وہ باقی رکھے اور کسی حصہ پر وہ اعتراض کرے اور اس کو ریجیکٹ کرے، جہاں تک میری معلومات ہے، میں سمجھتا ہوں کھنکھٹے صاحب اس کو واضح کریں گے، تو اس روشنی میں ٹاٹا کا کام ہوا ہے، اور کھنکھٹے صاحب وضاحت کردیں گے تو بات صاف ہوجائے گی، میں سمجھتا ہوں کہ جس تفصیل کے ساتھ یہاں پر چیز آگئی ہے، کھنکھٹے صاحب کی وضاحت کے بعد میں صرف اتنا چاہوں گا کہ جو لوگ اس پر مقالہ لکھ چکے ہیں اور اپنی رائے ان مختلف مسائل پر مثبت یا منفی دے چکے وہ تو خاموش رہیں، ان حضرات کے علاوہ کسی صاحب کو جو مسائل اس سوال میں زیر بحث آئے ہیں کچھ کہنا ہو تو وہ اپنا نام ہمیں لکھادیں تو ہمارے پاس تھوڑا سا وقت ہے ان کی بات سنیں گے۔

کھنکھٹے صاحب:

قاضی صاحب نے دو نقطے Raise کئے ہیں، Tata Core Sector Equity Fund کے سلسلہ میں، پہلا یہ ہے کہ اس کی اسکیم کے تحت وہ Mutual Fund کے پیسے شیئرز ہیں، اور اس کے علاوہ Convertible Debenture میں لگائے جاسکتے تھے، مگر صرف اسی کمپنی کے Convertible Debenture جو Rights کی بنیاد پر ملتے ہیں، مطلب یہ کہ اختیار اسی کمپنی کے شیئر ڈبنچرز میں ہے، جس میں Already ہمارے ایکویٹی شیئرز ہیں، اگر ایسے ڈبنچرز کو کمپنی Subscribed نہیں کرتی ہے تو پھر اس کو نقصان ہو گا، وہ اب تفصیل کی بات ہے، کبھی اگر کوئی سمجھنا چاہے تو میں فرداً فرداً سمجھا سکتا ہوں، اور اس وجہ سے اس کے اوپر ہم کو اتفاق کرنا پڑا، حالانکہ بعد میں ٹاٹا والوں نے ہم سے کہا، یہ کہیں لکھ کر نہیں دیا ہے مگر انہوں نے کہا ہے کہ ہم اس کی حتی الامکان کوشش کریں گے کہ جہاں Convertible Debenture بھی لئے جائیں گے تو جس Period میں وہ انٹریسٹ Barry ہوں گے تو وہ ہم اپنے دوسرے اسکیم میں رکھیں گے اور جب وہ قابل تبدیل ہوں گے تو اس کو اس میں لے لیں گے، تو یہ انہوں نے ہم کو ایک Assurance دیا ہے کہیں لکھ کر نہیں دیا ہے، تو اس کے اسکیم لاء کے مطابق وہ Convertible Debentures جو Rights کے طور پر ملیں اس میں لگا سکتے ہیں، جو کچھ وقت کے لئے انٹریسٹ بیرنگ ہوں گے اور اس میں انٹریسٹ آئے گی، اس کے بعد میں وہ شیئرز میں تبدیل ہوجائے گا، دوسرا او ہے وہ تین سال کے بعد تبدیل ہونے کا ہے، تو یہ چونکہ معاملہ ایسا ہے کہ بہت دیر رک نہیں سکتا، ایک مرتبہ شروع کر دیئے Assets تو وہ جیسے Procedure میں آگیا، اور پھر اس میں وقت کا بھی بہت لحاظ رکھنا پڑتا ہے، جب ہم

مارکیٹ کی طرف جاتے ہیں جیسے اس وقت الیکشن قریب تھا، حج کا زمانہ آرہا تھا، مانسون کا زمانہ آرہا تھا، یہ سب چیزیں مد نظر رکھتے ہوئے یہ ایک Situation ایسا تھا کہ ہم کو ابھی جتنا جلدی ہوسکتا ہے اس کو نکالنا چاہئے کہ اس وقت ایسا لگ رہا تھا کہ یہ بہت صحیح کام ہے شیئرز میں انویسٹ کرنے کے لئے، اس میں ایک چیز یہ بھی تھی ان کی اسکیم میں کہ تین سال کے بعد اگر وہ چاہیں تو دوسری جگہوں پر بھی لگا سکتے ہیں، مگر نوٹس دینا ہوگا ان کو Existing Share Holders کو، اس کے بعد وہ جب SEBI میں گیا تو سیبی والوں نے ان کو کافی دن تک Delay کیا، میرے خیال میں جو ایک مہینہ میں ان کو ہاں یا ناں کا جواب دینا تھا انہوں نے کچھ نہیں تو چار مہینے لگائے اس میں، اور اس درمیان کچھ Objection بھی اٹھائے، اس میں ایک Objection انہوں نے یہ کیا تھا، اس کی شاید ہمارے پاس کاپی بھی ہوگی، کہ اس کی جو Basic Scheme ہے اس میں آپ تبدیلی نہیں کرسکتے ہیں، تو اس وقت ہم کو یہ سمجھ میں آیا کہ اس کی Basic Scheme چونکہ Strategy یہی ہے کہ Equities میں ہی انویسٹ کرنا ہے تو اس سے ہمارا جو مسئلہ ہے وہ حل ہوگیا ہے، مگر فائنل جب ان کا پروسپیکٹس وغیرہ آیا ہے تو اس میں وہ تین سال کا پھر بھی.... تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو انہوں نے SEBI کو Convince کیا ہے یا اس کا انہوں نے جو مطلب لیا ہے کہ بیسک اسکیم میں ردوبدل نہیں کرسکتے، وہ کچھ اور ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ جو آپ نے تین سال کا دیا ہے وہ بھی انہوں نے بیسک اسکیم میں لے لیا ہو، بہرحال یہ کہ وہ تین سال تک تو نہیں جاسکتا، جہاں تک قاضی صاحب کا اندیشہ ہے کہ شروع میں وہ فنڈ ہمارے روپیوں سے بنائے گا اور پھر بعد میں وہ ہم کو نظرانداز کردیں گے، الگ کردیں گے، تو میرا خیال یہ ہے کہ اس میں کچھ تو یہ ہے کہ Judgement کے حساب سے میں نہیں سمجھتا کہ یہ صحیح ہے، کیونکہ یہ جو گروپ ہے ٹاٹا والوں کا، ملک میں یہ سب سے معتبر گروپ سمجھا جاتا ہے، اور ایک مرتبہ جب انہوں نے ہمارے ساتھ میں یہ طے کیا ہے تو وہ اتنی آسانی سے اس کو تبدیل نہیں کریں گے، اس میں ہم نے ان سے پوچھا تھا کہ یہ کس لئے آپ نے...... رکھا ہے تو انہوں نے یہ کہا کہ ہوسکتا ہے آئندہ چل کر گورنمنٹ کا قانون بدل جائے، کچھ ہوجائے، تو اس میں ہم کو سہولت ہوگی تبدیل کرنے میں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ شروع کا جو پیریڈ ہے ہمارے نزدیک تو یہ ہے کہ شروع کے دور میں جتنا منافع ہوگا وہ شاید بعد میں نہیں ہوگا، کیونکہ آج کل جو شیئر کی قیمتیں ہیں ایک سال کے اندر کا جو Period ہے یہ کم قیمت کا پیریڈ ہے، اور اس کے بعد ہوسکتا ہے تین سال کے بعد کا جو پیریڈ آئے گا وہ اتنا اچھا نہیں ہوگا سرمایہ کاری کے لئے جتنا کہ ابھی ہے، اور یہ Mutual Fund ہے وہ عام کمپنی سے مختلف ہے، یہ کوئی اپنا پروجیکٹ نہیں لگانے جارہی ہے، جو عام کمپنی ہوتی ہے، اس میں یہ ہوتا ہے کہ اس کا پروجیکٹ لگتا ہے، فیکٹری لگتی ہے، Production شروع ہوتا ہے، جب جاکے منافع آتا ہے، جبکہ Mutual Funds میں یہ نہیں ہے، یہ تو مختلف کمپنیز کے شیئرز خریدتے ہیں جو چلتے کمپنیز ہیں، اس میں زیادہ منافع کا وقت وہ ہوتا ہے جب شیئر میں انویسٹ منٹ کرنے کا وقت صحیح ہوتا ہے...

قاضی صاحب:

مجھے ان تفصیلات میں نہیں جانا ہے، مجھے صرف اتنی بحث ہے کہ ٹھیک تین سال پورا ہونے پر وہ اختیار لیتے

ہیں کہ ہم اس پوری اسکیم کو تبدیل کر دیں گے، تو شرعی طور پر تو ٹھیک ہے کہ تین سال میں ہم کو اختیار ہوگا لینے کا، لیکن اس طرح ہمارے وہ لوگ جو اس میں لگ چکے اور منافع ان کو مل رہا ہے، ان کو ایک طرح کی تحریص ہے کہ وہ تین سال کے بعد بھی اس میں کم ہی لوگ ہوں گے جو اسکیم کے بدلنے کے بعد پھر وہ اپنا نام واپس لیں، اس طرح ایک خطرہ میں ہم ڈال رہے ہیں لوگوں کو، اس لئے اب وہ بحث ختم کرنی چاہئے۔

کھلکھٹے صاحب:

ایک اور چیز میں اگر آپ..... دوسری بات یہ ہے کہ اسٹاک کا جو میوچول فنڈ لانا تھا ہم اس کی کوشش قریب پانچ سال پہلے سے کر رہے تھے، دوسرے کچھ اور میوچول فنڈس سے ہم نے بات کی تھی، UTI سے تو نہیں کی تھی، اور لوگوں سے کہا تھا، مگر کوئی اس کے لئے تیار نہیں تھا کہ یہ Accept کرے کہ ہم صرف شیئرز میں لگائیں گے، وہ کہتے تھے کہ ٹھیک ہے Prospectus میں ہم لوگ دیں گے لوگ اسے پڑھ کر ہی لگائیں گے، پھر بھی یہ ہے کہ کل کو اگر شیئرز نیچے کو آگئے تو ہمارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ ہم Fix Basis پر لگائیں، تو ہمارے اسکیم میں نقصان ہوگا، نام ہمارا خراب ہوگا، تو پہلی مرتبہ ایک ایسی اسکیم ایک غیر مسلم گروپ اور اچھے بڑے گروپ نے اس کو Accept کیا ہے، تو کچھ حد تک تو ہم کو دھیرے دھیرے تبدیلی لانی چاہئے، اگر ہم یہ کہیں کہ ہم پوری طرح سے صحیح ہو کر کوئی اسکیم لائیں تو کبھی بھی یہ ممکن نہیں ہوسکتا۔

قاضی صاحب:

بہرحال یہ گوارا کی حد تک ہی گوارا کیا جا سکتا ہے، اور آپ لوگوں کے لئے یہ ایک بہت بڑا چیلنج ہے، جو آپ لوگ اس کاروبار میں ہیں ماشاء اللہ، کہ آپ کیوں نہیں ایسا Mutual Fund قائم کریں جس میں میوچول فنڈ کو شرعی بنیادوں پر علماء کی رائے کے مطابق آپ چلائیں، جو اس میں تجارتی امکانات ہیں ان کو سامنے رکھیں، یہ آپ کے لئے تشفی بخش نہیں ہے جو ہوا، مگر آئندہ کے لئے آپ لوگوں کے لئے یہ چیلنج ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں کی صلاحیتیں اس کی متحمل ہیں کہ ماشاء اللہ آپ دیندار بھی ہیں، تجارت کے اصولوں کو بھی سمجھتے ہیں، اس لئے آج ہی سے یہ بات دماغ میں دوڑائیے کہ دوسروں کا سہارا لینے کے بجائے کسی ایسے فنڈ کی آپ جلد سے جلد تشکیل کرنے کی کوشش کریں گے، اور اگر Multinational Companies یہاں آرہی ہیں تو اس میں مسلمان ملکوں کی بھی کمپنیاں ہیں اور ایسے بھی لوگ ہیں جو ربا کو برداشت نہیں کرتے، تو ہوسکتا ہے کہ...... امکانات اس سلسلہ میں بڑھے ہوں، جلد سے جلد کچھ ایسی صورت نکلنی چاہئے کہ جو مسلمان اللہ رسول کا خوف نہیں رکھتا، اور جہاں چاہتا ہے ڈالتا ہے، اس کی ہم کو فکر نہیں ہے، لیکن جو علماء کی ہدایت کا منتظر رہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جہاں جائز ہو وہاں ہم لگائیں، ان کے لئے کوئی راستہ نکلنا چاہئے۔

عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

ایک چیز کمپنی کے شیئرز کے سلسلہ میں، کمپنی کی حیثیت کے سلسلہ میں آئی ہے وہ کمپنی کا قانونی وجود، مستقل

قانونی وجود ہے، اس بنیاد پر بہت سے لوگوں نے اسے ناجائز کہا ہے، یہ بہت ہی بدعت قسم کی شدت ہے جو ہمارے فقہاء کے یہاں بھی پائی گئی ہے، اور شیخ وہبہ زحیلی نے بھی..... سوال کا جواب دیتے ہوئے اس چیز کو بنیاد بنایا ہے کہ اس لحاظ سے یہ چیز اسلامی فقہ میں عجیب وغریب ہے، ان کی خدمت میں بھی کچھ عرض کرنا ہے، ملاحظة لي و .... إلى سعادة الدكتور وهبة الزحيلي ذكرت في إجابة السؤال التاسع عمل الشركة شخصية قانونية مستقلة وأنه لاتوجد في الفقه الاسلامي شخصية قانونية مستقلة، ففي رأيي أن المصطلح شخصية قانونية مستقلة جديد، ولكن الفكرة ليست جديدة...... شخصية قانونية مستقلة و خصوصية الإسلام أيضا و مثاله الوقف، فللوقف شخصية قانونيه مستقلة مثل الشركة، وهذا هو المستفاد من رأى سماحة الشيخ مولانا محمد تقى العثماني قاضي قضاة المحكمة الشرعية السابق لباكستان.

اس مختصر جملے کے بعد ایک اور خاص چیز کی کمی مجھے جو یہاں محسوس ہوئی وہ میوچیول فنڈ کے بارے میں ہے، آخر میں اس کا ذکر آیا کہ میوچیول فنڈ خاص طور سے ٹاٹا کے سیکٹر.... میوچیول فنڈ ہے، ضرورت اس بات کی تھی کہ میوچیول فنڈ کیا چیز ہے اور اس میں دوسری کمپنیوں میں کیا فرق ہے، اس سلسلہ میں بھی کچھ وضاحت آتی، اور بہتر معلوم ہوتا ہے کہ میں چند منٹ میں اس کی طرف بھی کوئی اشارہ کردوں، ایک تو کمپنی.... سمجھ کے براہ راست کسی پیداوار میں مشغول ہوتی ہے، جیسے کوئی چیز کپڑا یا مشینری وغیرہ پیدا کرتی ہے، اب تک جو گفتگو ہماری ہوئی ہے جو وضاحت ہوئی وہ ایسی ہی کمپنی کے بارے میں تھی، لیکن کچھ استثماری کمپنیاں یا سرمایہ کاری کی کمپنیاں ہوتی ہیں جو صرف براہ راست کسی پیداواری کام میں مشغول نہیں ہوتی ہیں، کوئی پیداواری کام نہیں کرتی ہیں، بلکہ وہ سرمایہ کار یا بچت کار کے درمیان اور پیداواری کرنے والی کمپنیوں کے درمیان ایک طرح سے وسیلہ کا کام کرتی ہیں، اس طرح کی کمپنیوں کو میوچیول فنڈ کہا جاتا ہے، یہ کوئی واقعی اور حقیقی پیداوار کا کام نہیں کرتی ہیں، بلکہ بچت کاروں سے پیسہ جمع کر کے اس کو ان کمپنیوں کے شیئرز میں یا ڈبنچرز میں استعمال کرتی ہیں، اب اس طرح کی کمپنیوں کے شیئرز کی کیا حیثیت ہو، اس سلسلہ میں بھی ہمیں غور کرنا چاہئے، اور مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی قاضی صاحب، سے سن کر کہ یوٹی آئی نے بھی کوشش کی تھی کہ وہ اس طرح کا کوئی میوچیول فنڈ قائم کرنا چاہتے ہیں، جو مسلمانوں کے لئے Acceptable ہو، اب میں یہاں ایک اور بات ذکر کردوں....... ایک طرح کا میوچیول فنڈ Ethical Unit Trust کے نام سے قائم ہوجائے، اتھیکل یونٹ یعنی اخلاقی میوچیول فنڈ، یہ میوچول فنڈ صرف ان چیزوں میں پیسہ لگاتا ہے جو اخلاقاً قابل قبول ہوں، یعنی .... حقیقی پیداوار ہو، ایسی پیداوار نہ ہو جو سماجی حیثیت یا اخلاقی حیثیت سے نقصان دہ ہو، جیسے شراب یا اس طرح کے ہوٹل، یہ بڑی اچھی چیز ہے کہ ہم بھی اس طرح کے اتھیکل یونٹ ٹرسٹ ہندوستان میں قائم کرنے کے لئے کوشش کریں، اور اسکے لئے فقہ اکیڈمی جو کہ پہلے بھی اس طرح کے (Intrest Free Banking) کے لئے کافی مجلسیں منعقد کرا چکی ہے، تو اس طرح کی کوشش کے لئے ہم جدوجہد کریں۔

شیئرز سے متعلق جس سطح پر گفتگو ہورہی ہے ہمارے علماء اور ماہرین کے درمیان، ایک تو مسلم ماہرین

معاشیات ہیں جو اس سلسلہ میں کافی غور و خوض کریں، جسے ہمارے علماء اور اصحاب افتاء اور خاص طور سے علماء اور اصحاب افتاء، ایک کثیر المیعاد قسم کا حل اس کے لئے نکالنا چاہتے ہیں، جو ضروری بھی ہے، اس وقت جو صورتحال ہے اس میں ہم کیا کر سکتے ہیں، ہمارا کیا رویہ ہونا چاہئے، کہاں تک یہ صحیح ہے؟ اور اس وقت جو ہمارے سامنے بحثیں ہیں اس میں یہی چیز ہے کہ موجودہ صورتحال میں ہم کس طریقہ سے یعنی کہاں تک یہ اصول صحیح ہوگا، کہاں تک یہ ہمارے لئے قابل قبول ہے، ....دسیوں قسم کے شیئرز ہیں تو ہم کس چیز کے اندر بحث کر رہے ہیں، اصل میں اس وقت جو ہمارے سامنے بحث کا مسئلہ ہے میرے خیال میں وہ Equity Shares ہیں، یعنی وہ شیئرز جو شرکت کی بنیاد پر ہیں، جن میں یعنی نفع نقصان میں دونوں میں آدمی شریک ہوتا ہے جس کا کوئی متعین نفع ملتا ہے، باقی اور دوسری طرح کے جو شیئرز ہیں، اس سلسلہ میں رائیں بہت واضح آچکی ہیں کہ وہ ناجائز ہیں، تو ایک تو ہمارے علماء اور اصحاب افتاء کی فکر کا اور غور کا میدان ہے یعنی موجودہ صورتحال میں ....وہ ہمارے اس ہندوستانی معاشرہ میں یا جہاں بھی جو معاشرہ پایا جاتا ہے، ایک طویل المیعاد حل اور جو خاص طور سے مسلم ممالک کے ماہرین معاشیات کر رہے ہیں، وہ یہ کہ موجودہ شیئر مارکیٹ کو، اس کے اعمال و وظائف کو کس طریقہ سے اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے، اور اس سلسلہ میں وہ اپنی رائیں دے رہے ہیں، ریسرچ کر رہے ہیں، اور جہاں ان کو اقتدار حاصل ہے، جو موقع حاصل ہے وہ اس طرح کی کوششیں کر رہے ہیں، اس لئے بجائے ہم افسردہ اور گھبرانے کے فاتقوا الله ما استطعتم کے طور پر فی الحال تو یہی ہمیں سمجھنا چاہئے .....صورتحال میں قیوم اختر صاحب نے بتایا کہ کوئی بھی سود سے بالکل پاک Alternative یا بدل نہیں حاصل ہے، تو ظاہر ہے کہ موجودہ صورتحال میں جو کمتر ین برائی کے طور پر اپنایا جا سکتا ہے اس کا حل کریں لیکن بہرحال یہ بات ذہن میں رکھتے ہوئے کہ ہمیں اس کا ایک صحیح اور خالص اسلامی حل نکالنے کے لئے جد و جہد اور کوشش اور اس کے لئے گفتگو اور بحث جاری رکھنی ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب:

شکراً للأخ الكريم حول إثارة موضوع الشخصية الاعتبارية في الفقه الاسلامي، الواقع أن الفقه الإسلامي قرر معاني وأصول وأحكام الشخصية الاعتبارية في بعض الأحوال دون البعض الآخر، فقرر أن للدولة شخصية اعتبارية .... إن الإمام الحاكم إذا كان قد ولّى الموظفين والقضاة والعمال والولاة و غير ذلك، ثم مات هذا الإمام أو....تظل ولاية هؤلاء قائمة، لأن الإمام لا يمثل شخصه، وإنما يمثل الدولة، وذلك باعتبار أن الدولة شخصية اعتبارية، هذا مقرر صراحة، كذلك قرروا أن لبيت مال المسلمين شخصية اعتبارية، ولذلك يقولون بيت المال وارث من لا وارث له، فهو يتملك ويملك، ويكون له الحقوق وعليه الالتزامات، كذلك أن المعاهدات تعقدها الدولة مع الأطراف في خارج الدولة مع الدول غير الاسلامية قرروا أن للدولة شخصية اعتبارية، تظل هذه المعاهدات نافذة، حتى ولو تغد ت شخصية الدولة أو القائمون عليها......أو ثورة أو مشاكل ذلك تغير الدولة شخصية اعتبارية، و مبدا مأخوذ من الحديث النبوي الصحيح "ذمة المسلمين واحدة يسعى بها أدناهم وهم يد

على من سواهم"، فإذن هناک عدة أحكام فى الفقه الاسلامى أن للدولة شخصية اعتبارية، ولبيت المال شخصية اعتبارية، وكذلک ما ذكره صديقنا وأخونا الشيخ تقى العثمانى أن للوقف شخصية اعتبارية، وللمسجد شخصية اعتبارية، بدليل أن المسجد لله يوقف له ويكون مستحقا ومستحقا عليه، وكذلک نظام الوقف يكون أيضا مستحقا و مستحقا عليه، وناظر الوقف حينما يمارس صلاحياته على الأوقاف، إنما يمارسها لا بصفته الشخصية، وإنما باعتبار أن للوقف شخصية اعتبارية، هذا اصطلاح القانون الجديد إذن عرفه الفقه الاسلامى وإن لم يعرف له التسمية ، هذا الكلام فى هذه الأمور صريح و صحيح، ولا يمكن بأن الفقه الاسلامى سبق القوانين الوضعية فى تقرير الشخصية الاعتبارية، ولكن فى الأنظمة، أما العقود كالشركات، هذه عقد قائم على التراضى بين شخصين أو عدة أشخاص إلى هذا المفهوم، وهو إذا كان النظام أو التصرف قائما على عقد لم يقرروا له شيئا من معانى الشخصية الاعتبارية، و حينئذ حتى القانون ، القانون هو الذى أعطى للشخصية القانون الوضعى، هو الذى فرض للشركات المساهمة هذه الشخصية الاعتبارية، فهو إذن منح من الدولة و تقرير من الدولة للشركات المساهمة أن لها شخصية اعتبارية، وهنا يأتى السؤال، هل نقيس الشركات المساهمة على نظام الدولة أو بيت المال أو المسجد أو الوقف أو ما شاكل ذلک، الحقيقة هذا يحتاج إلى.....، هل نقيس الشركة على هذه الأنظمة، نحن نقرر أن شركة الزاد هى عقد يقوم على التراضى، فإدارة الشركة بمثابة الوكلاء، والمساهمون بمثابة الموكلين، فمن الصعب إلى الآن بحسب الأحكام الفقهية المقررة لدينا لانجد أثرا لهذا القرار، وهو إعطاء شخصية اعتبارية للدولة، و مع ذلک نحن إذا أردنا أن نقرر للشركة المساهمة شخصية اعتبارية، و تمنح الدولة هذا الوصف لهذه الشركات، أنا معک لا مانع من أن نعطى لهذه الشركة شيئا من الشخصية الاعتبارية، وهذا يكون تطورا جديدا فى مفهوم الشركات فى الفقه الاسلامى، لكن الشركات بحسب ما ذكرته فى بحثى، بحسب ما قرره الفقهاء السابقون لم يشيروا لا عن قريب ولا عن بعيد إلى الشركة القائمة على التراضى، فاذن هناک ..... وهو الدولة و بيت المال والوقف و بين العقود التى يحدث فيها قيام الشركة بما على التراضى بين طرفيه، ....لا يعرف شخصية اعتبارية للشركة فقط، وإنما هى شراكة كنظام القانون البريطانى للشركات، فالواقع الفقه الاسلامى أقرب إلى القانون البريطانى باعتبار أن الشركة هى شراكة تقوم على الوكالة والأمانة ، هذا ما قررته ولا التباس بين هذا المفهوم وبين المفاهيم الأخرى، و شكراً.

قاضی صاحب:

خلاصہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ بات کہی تھی کہ شرکت کے باب میں کسی شخصیت اعتباری، شخصیت قانونی کا کوئی تصور شریعت اسلامی میں نہیں ملتا ہے، اور ہمارے ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب نے یہ اظہار فرمایا کہ وقف کی صورت میں شخصیت اعتباری پائی جاتی ہے، ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ شریعت اسلامی میں اس کے نظائر موجود ہیں

اور شیخ کا کہنا یہ ہے جو ان کی عبارت میں ہے کہ بعض شرکت میں نہیں پایا جاتا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ پارٹنر شپ میں کسی شخص کسی قانونی شخصیت کا تصور شرع اسلامی میں نہیں موجود ہے، یہ بھی صحیح ہے، اور شریعت میں شخصیت قانونی کے اور بہت سے نظائر ہیں یہ بھی درست ہے، اب وقت بہت ہو گیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ پر کئی حیثیت سے اچھی خاصی بحث ہو چکی ہے، اگر آپ اجازت دیں تو کمیٹی بنادی جائے، ابھی ہمارے پاس دو بہت اہم مسئلے اور ہیں جن پر زیادہ بحث تو نہیں ہوئی ہے، لیکن جو کچھ پچھلی بحثیں ہو چکی ہیں ان کو سامنے رکھ کر کچھ اس پر آپ کو فیصلے کرنے ہیں، اور اب نماز کا وقت بھی ہو رہا ہے جو ٹائم مقرر ہے، اس لئے اب اس بحث کو یہیں ختم کر کے ....

ایک آواز:

ایک درخواست یہ ہے کہ ماہرین معاشیات نے جو تقریریں اس سلسلہ میں کی ہیں ان کا خلاصہ تیار کر کے بھیج دیا جائے تمام شرکاء حضرات کے پاس۔

قاضی صاحب:

اچھا مشورہ ہے، اس سے زیادہ اچھا یہ ہے کہ آپ حضرات کو بیٹھا کر جو ماہرین ہیں ان کے ساتھ ایک آپ کا آپس میں مکالمہ کرایا جائے، تو مسئلہ کے فہم میں زیادہ سہولت ہوگی، انشاء اللہ دونوں باتوں پر ہم لوگ غور کریں گے، اس سلسلہ میں شیئرز کے جتنے مسائل آئے ہیں، ہم نے یہ بھی تیار کرالیا ہے کہ کتنے مسائل پر سبھی لوگوں کا اتفاق ہے مقالہ نگاروں کا، اور کن مسائل پر اختلاف ہے، یہ بھی کمیٹی کو دے دیں گے، اور جو ساری بحثیں ہوئی ہیں، اور شیخ کا مقالہ اس میں ایک کلیدی مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے، تو اس پر بحث بھی انشاء اللہ کافی آسان ہوگی، اور جلد ہی اس نتائج تک ہم لوگ پہنچ سکیں گے، اور اس کے باوجود اگر کچھ چیزیں واضح نہیں ہیں تو ہم اسے اگلے سمینار کے لئے جس میں ایک Special Session اس مسئلہ پر ہو، رکھنا چاہیں گے انشاء اللہ، کمیٹی کے ارکان کے نام ہیں:

مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب، مولانا اختر امام عادل صاحب، مولانا عتیق احمد بستوی صاحب، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مفتی جنید عالم ندوی، مفتی اسماعیل صاحب گجرات، جناب ایم ایچ کھتکھٹے صاحب، جناب احسان الحق صاحب، مولانا عبد العظیم اصلاحی صاحب، مفتی محبوب علی وجیہی صاحب، مولانا بدر احمد مجیبی صاحب، مفتی نسیم احمد قاسمی صاحب، مولانا عبد الاحد ازہری صاحب، مفتی عبد اللہ صاحب ہانسوٹ، مولانا شفیق الرحمٰن ندوی صاحب لکھنؤ، مفتی نیاز احمد صاحب بنارس۔

جن حضرات کے نام اس کمیٹی میں ہیں میں ان حضرات سے خصوصیت سے یہ درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ اس کمیٹی کو اپنا کام بعد نماز عصر شروع کر دینا چاہئے، اس کے کنوینر ہو جائیں گے مولانا عتیق احمد صاحب، بعد عصر یہ کمیٹی بیٹھے اور کچھ کام کرے، جتنا بھی کر سکے، تو کل ذرا آسانی ہو جائے گی، اب اسی کے ساتھ جلسہ کے اختتام کا اعلان کرتا ہوں۔

دوسرا موضوع:

کمپنی و حصص کمپنی

سوالنامہ:

کمپنی و حصص کمپنی

۱۔ کیا کسی کمپنی کے قیام کی ایسی اسکیم بنا کر جس میں کاروبار کے لئے سود پر قرض لینا شامل ہو، اجرت حاصل کی جاسکتی ہے؟

۲۔ کیا کسی کمپنی کو کسی مالیاتی ادارے سے سودی قرض دلانے میں مدد کر کے اجرت حاصل کی جاسکتی ہے؟

۳۔ کیا کسی کمپنی کے سودی قرض تمسکات کے اجراء سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کی جاسکتی ہے؟

۴۔ کیا کسی کمپنی کے حصص سے منسلک قرض تمسکات کے اجراء سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کی جاسکتی ہے؟

۵۔ کیا کسی کمپنی کے قابل تبدیل (کلی وجزوی طور پر) سودی قرض تمسکات کے اجراء سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کی جاسکتی ہے؟

۶۔ کیا کسی کمپنی کے صفر سود کی در پر قرض تمسکات کے اجراء سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کی جاسکتی ہے؟

۷۔ کیا کسی ایسی کمپنی میں سرمایہ کاری کر کے اس کے قیام میں مدد دی جاسکتی ہے جس کے قیام کی اسکیم میں کاروبار کے لئے سودی قرض لینا شامل ہو؟

۸۔ کیا کسی ایسی کمپنی کے حصص میں سرمایہ کاری کی جاسکتی ہے، جو پہلے ہی سے کاروبار میں سود پر لئے قرض کا استعمال کر رہی ہو؟

۹۔ کیا حصص سے منسلک قرض تمسکات اس نیت کے ساتھ کمپنی سے یا بازار سے خریدے جاسکتے ہیں کہ تمسکات تحویل میں آنے کے بعد جتنی جلد ممکن ہو، فروخت کر دیئے جائیں؟

۱۰۔ کیا قابل تبدیل قرض تمسکات اس شرط کے ساتھ خریدے جاسکتے ہیں کہ حصص میں تبدیل ہونے تک انہیں اپنے پاس روکا جائے اور تبدیلی کے بعد اگر کوئی نا قابل تبدیل اجزاء باقی رہ جائیں تو انہیں جلد از جلد فروخت کر دیا جائے؟

۱۱۔ اگر قابل تبدیل سودی قرض تمسکات اس نیت سے خریدے جائیں کہ انہیں حصص میں تبدیل کرنے کے وقت تک اپنے پاس روکا جائے اور نا قابل تبدیل اجزاء کو جلد از جلد فروخت کر دیا جائے، لیکن ان میں مضمر حصص کی قیمت میں اضافہ کے سبب تبدیلی سے پہلے ہی ان کی قیمت میں بھی اضافہ ہو جائے، تو کیا انہیں تبدیلی سے پہلے ہی فروخت کر کے منافع حاصل کیا جاسکتا ہے؟

۱۲۔ کیا صفر سود کی در پر جاری ہوئے قابل تبدیل قرض تمسکات کمپنی سے یا بازار سے خریدے جاسکتے ہیں؟

۱۳۔ کیا کمپنی سے ملے بطور حق حصص سے منسلک قرض تمسکات، قابل تبدیل قرض تمسکات یا صفر سود کی در پر قرض تمسکات کی پیشکش کو فروخت کر کے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے؟

۱۴۔ قابل تبدیل قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرتے وقت کمپنی کچھ اضافی قیمت لیتی ہے جب کہ قرض تمسکات پر سود ادا کرتی ہے، کیا سود کی رقم کو کمپنی سے وصول کی گئی اضافی قیمت کی رقم سے منہا کر کے حصص پر آئی لاگت کو کم کیا جاسکتا ہے، تاکہ سود پر جاری ہوئے قرض تمسکات نتیجے کے اعتبار سے صفر سود پر جاری کئے سمجھے جائیں۔

۱۵۔ کیا جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کے حصص میں تبدیلی کے بعد ناقابل تبدیل اجزاء کی فروخت پر حاصل ہوئی اضافی قیمت حصص پر کمپنی کے ذریعہ حاصل کی گئی اضافی قیمت سے منہا کر کے حصص کی لاگت کو کم کیا جاسکتا ہے؟

۱۶۔ کیا جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کے حصص میں تبدیل ہوجانے کے بعد ناقابل تبدیل اجزاء کی فروخت پر ہوئے نقصان کی تلافی ان پر واجب سود سے کی جاسکتی ہے؟

۱۷۔ اگر سوال نمبر ۱۴، ۱۵، ۱۶ کا جواب نفی میں ہو تو قرض تمسکات پر ملے سود اور ان کی فروخت سے ہوئے منافع کا جائز مصرف کیا ہے؟

۱۸۔ کیا حصص کی بغیر انہیں اپنے نام منتقل کرائے اجناس بازار کی طرح خرید وفروخت سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے؟

۱۹۔ قابل تبدیل قرض تمسکات میں مضمر حصص کی وجہ سے ان کی قیمتوں میں بھی ان کے حصص کی قیمتوں کے موافق اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں، کیا اس حقیقت کی بنیاد پر ان کی بغیر انہیں اپنے نام منتقل کرائے اجناس بازار کی طرح خرید وفروخت سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے؟

نوٹ: حصص سے مراد ہر جگہ برابری کے حصص اور قرض تمسکات سے مراد سودی قرض تمسکات ہیں۔

☆☆☆☆☆

تمہیدی تحریر:

کمپنی کے حصص میں سرمایہ کاری
تعارف۔طریقۂ کار

ڈاکٹر احسان الحق
پنجاب نیشنل بینک، نئی دہلی

کمپنی میں حصص کے ذریعہ سرمایہ کاری اسلامی طریقہ مشارکت کے مثل ہے، سرمایہ کاری کا اس سے زیادہ آسان قابل اعتماد اور کچھ نقصان کے خطرے کے ساتھ انتہائی منافع بخش کوئی دوسرا طریقہ شاید ہی موجود ہو۔

چونکہ تجارت میں سود کا رواج اس قدر عام ہو گیا ہے کہ اس کی گرد سے بچنا مشکل ہی ہو گیا ہے، اس لئے حصص میں سرمایہ کاری کے کچھ جائز فوائد حاصل کرنے کی غرض سے سرمایہ کار کو کبھی کبھی بادل ناخواستہ سودی معاملات میں ملوث ہونا پڑتا ہے۔ ساتھ ہی سود سے دستبرداری وسودی معاملات سے خلاصی کی راہیں بھی کھلی ہونے کے سبب سرمایہ کار کو یہ موقع حاصل رہتا ہے کہ وہ سرمایہ کاری کا جائز منافع لے کر سود سے سبکدوش ہو سکے اور سودی معاملات سے دستبردار ہو جائے۔

اس طرح کے ناپسندیدہ سودی معاملات سیکولر ممالک میں قدم قدم پر پیش آتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص سرکاری تعمیرات کا کام انجام دینے کا ٹھیکہ لینا چاہتا ہے تو اسے متعلقہ محکمہ میں کسی بینک کے ذریعہ جاری شدہ ایک متعینہ رقم کی میعادی رسید بطور ضمانت رہن رکھنی پڑتی ہے۔ ایسی صورت میں جو ٹھیکیدار صرف تعمیری کام میں دلچسپی رکھتا ہے اور جس کا بینک کی میعادی رسید میں سرمایہ کاری کا کوئی ارادہ نہ ہو اسے بھی اپنے تعمیرات کی ٹھیکہ داری جیسے جائز مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بادل ناخواستہ بینک میں ایک خاص مدت کیلئے ایک طے شدہ سود کی در پر جمع کر کے رسید حاصل کرنی ہوتی ہے جس کو وہ ٹھیکہ داری کی شرائط کے مطابق امور انجام دینے کی ضمانت کے طور پر متعلقہ محکمہ کے پاس رہن رکھ سکے۔ ٹھیکیداری کا کام معاہدے کی شرائط کے مطابق تکمیل کو پہنچنے پر سرکاری محکمہ یہ رسید ٹھیکیدار کو واپس دے دیتا ہے۔ اب ٹھیکیدار کو یہ موقع حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی اصل رقم مع سود بینک سے واپس لے لے اور اصل کو اپنے پاس روک کر سود کو بغیر ثواب کی نیت کے کسی مسکین کو دیدے۔

یہاں اگر ٹھیکیداری جیسے جائز کام پر اس لئے پابندی عائد کر دی جائے کہ اس کی شرائط کے مطابق ٹھیکیدار کو سودی معاملے میں ملوث ہونا پڑتا ہے تو کیا ایک جائز فعل کو ناجائز قرار دینے کے مترادف نہ ہوگا؟

اس کی ایک اور مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ ایک عالم دین کو کسی یونیورسٹی میں دینیات کی تعلیم دینے کے لئے ملازمت کی پیش کش کی جائے تو کیا وہ عالم دین محض اس وجہ سے دینیات کی تعلیم دینے کی ملازمت کو ناجائز سمجھ کر اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کردے کہ یونیورسٹی کے اصول وضوابط کی رو سے ہر ملازم کی تنخواہ میں سے کچھ پراویڈنٹ فنڈ میں جمع ہوتا ہے، جس پر ایک مقررہ در سے سود واجب ہوتا ہے؟

اسی طرح کا معاملہ ایسی اشیاء کی خریداری میں پیش آتا ہے، جن کی طلب ان کی رسد سے بہت زیادہ ہوتی ہے جیسے کار، اسکوٹر وغیرہ۔ ان اشیاء کو فروخت کرنے والے خریداروں سے کچھ کم رقم پیشگی لے کر ان کا نام منتظرین کی فہرست میں درج کرلیتے ہیں اور جب ان کی مدت انتظار ختم ہوجاتی ہے تب وہ اس پیشگی رقم کو مع اس پر واجب سود کے اس کی قیمت فروخت سے منہا کردیتے ہیں۔ کیا یہ مناسب ہوگا کہ اسکوٹر کی خرید وفروخت کو صرف اس وجہ سے ناجائز ٹھہرایا جائے کہ اس کی خریداری میں سودی معاملے میں ملوث ہونا پڑتا ہے؟ یا اسکوٹر کے خریدار کو اس شرط کے ساتھ اسکوٹر خریدنے کے لئے پیشگی رقم جمع کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ اگر اس پر کوئی سود کمپنی یا فروخت کنندہ سے ملے تو اسے بغیر نیت ثواب کے کسی مسکین کو دے دیا جائے؟

فی زمانہ ایسی کمپنیوں کا فقدان ہے جو صرف سرمایہ حصص پر انحصار کرتی ہوں اور سودی قرض پر سرمایہ حاصل کرنے سے مکمل اجتناب کرتی ہوں۔ اس کی چند وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حصص میں سرمایہ کاری میں مسلمانوں کا رجحان کم ہے۔ اگر مسلمانوں میں یہ رجحان عام ہوجائے اور کسی بھی کمپنی کے حصے داروں کی حیثیت میں ان کی اکثریت ہوجائے تو ان کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ اس کمپنی کے آئین وضوابط میں ترمیم کرکے اس کے معاملات کو مکمل طور پر سود سے پاک کردیں۔

اس راہ میں سودی معاملات پر مطلقاً پابندی کے معنی سرمایہ کار کے لئے نہ صرف جائز منافع سے محرومی بلکہ اصل سرمایہ میں خسارے کے بھی ہوں گے۔ لہٰذا علمائے کرام سے گزارش ہے کہ ملکی حالات میں مسلمانوں کی بے بسی کے پیش نظر شریعت کے بنیادی اصولوں میں بغیر کوئی سمجھوتہ کئے ہوئے جس قدر رعایت ممکن ہو منسلک سوالنامے کا جواب دیتے وقت عطا فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

کمپنی میں سرمایہ کاری

اس مضمون میں کمپنی کے حصص میں سرمایہ کاری پر بحث کی جارہی ہے یہاں کمپنی سے مراد محدود ذمہ داری والی عوامی کمپنی (Public Limited Company) ہے اور حصص (Shares) سے مراد برابری کے حصص (Equity Shares) ہیں۔ حصص میں سٹہ بازی کو غیر شرعی مان کر خارج از بحث رکھا گیا ہے۔ (احسان الحق)

کمپنی کی تعریف:

قانون کی نظر میں کمپنی ایک شخص ہے جو کہ اپنے اراکین سے الگ اپنی ایک مستقل وراثت رکھتی ہے۔ یہ اپنی مشترکہ مہر (Stamp) کا استعمال دستخط کے لئے کرتی ہے۔

کمپنی کی اہم خصوصیات:

۱۔ کمپنی اپنے اراکین سے الگ اپنا لگاتار چلتے رہنے والا مستقل وجود رکھتی ہے، کمپنی کے اراکین کے جلدی جلدی بدلتے رہنے سے کمپنی کے باوجود پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اپنے کسی رکن کی موت، دیوالیہ پن یا جنون کی وجہ سے کمپنی ختم نہیں ہوجاتی۔ یہ اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک کہ اسے باضابطہ طور پر ختم نہ کردیا جائے۔

۲۔ کمپنی کا رجسٹرار آف کمپنیز کے پاس رجسٹریشن کرانا ضروری ہوتا ہے۔ کمپنی کا رجسٹریشن سرٹیفکیٹ کمپنی کے لئے سند پیدائش کے ہم معنی ہے، اس کے بعد ہی کمپنی کا وجود عمل میں آتا ہے۔

۳۔ کمپنی کا رجسٹریشن ہونے کے بعد جب کمپنی سرمایہ حصص کی فراہمی سے متعلق امور بخوبی انجام دے لیتی ہے تب رجسٹرار کی طرف سے کمپنی کے حق میں کاروبار شروع کرنے کا سرٹیفیکیٹ جاری کردیا جاتا ہے۔ کمپنی کے لئے یہ سند بلوغت (Maturity Certificate) کے ہم معنی ہے، اس کے بعد کمپنی کاروبار شروع کرسکتی ہے۔

۴۔ اب کمپنی ایک قانونی شخص کی حیثیت میں اپنے اراکین سے و دیگر اشخاص سے معاہدہ کرسکتی ہے، اثاثوں کی خرید و فروخت کرسکتی ہے، اپنے منتظمین اور کارکنوں کا تقرر کرسکتی ہے۔ غرض وہ سارے کام جنہیں یہ اپنے آئین وضوابط کی رو سے کرنے کی مجاز ہو، کرسکتی ہے۔

۵۔ کمپنی کے بااختیار ملازمین کمپنی کی جانب سے دستخط کرتے وقت کمپنی کی مشترکہ مہر کا استعمال کرتے ہیں۔

کمپنی کے حصے دار (Share Holders of Company):

کمپنی کے اراکین کو کمپنی کے حصے دار کہا جاتا ہے۔ یہ کمپنی کے نفع ونقصان میں اپنے حصوں کی تعداد کی نسبت سے برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ ان حصے داروں کو دو زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ ترقی دینے والے (Promoters)

دراصل یہ کمپنی کے بانی ہوتے ہیں۔ کمپنی کے قیام کی اسکیم مرتب کرکے اسے رجسٹرار کے پاس رجسٹر کراتے ہیں، حصص کے الاٹ منٹ کا ایک حصہ ان کے لئے محفوظ ہوتا ہے۔ یہ کمپنی کے ابتدائی حصے دار ہوتے ہیں۔

۲۔دیگر حصے دار(Other Share Holders)

یہ کمپنی سے باہر کے لوگ ہوتے ہیں، کمپنی کی اسکیم مرتب کرنے میں ان کا کوئی دخل نہیں ہوتا ہے، حصص کے الاٹ منٹ میں بھی ان کا کوئی حصہ محفوظ نہیں ہوتا ہے۔

کمپنی کے امور پر ضبط(Control Over affairs of Company):

کمپنی کے جملہ معاملات میں نظم وضبط رکھنے کے لئے ہدایت کاروں کی انجمن کی تشکیل حصے داروں کے ذریعہ کثرت رائے سے کی جاتی ہے، کمپنی کی پالیسی سے متعلق اہم فیصلے بھی حصے داروں کی کثرت رائے سے طے پاتے ہیں، حصے داروں کی رائے کا وزن ان کے نام پر حصوں کی تعداد پر موقوف ہوتا ہے۔رائے دہندگی کا یہ حق قابل تبادلہ ہوتا ہے۔

کمپنی کے سرمایہ حصص(Company's Share Capital):

کمپنی کے سرمایہ حصص کو ایک حصے کی مصروحہ قیمت والے کل حصوں کی تعداد سے منقسم کرکے بیان کیا جاتا ہے۔سرمایہ حصص کی حسب ذیل قسمیں ہیں:

۱۔منظور شدہ سرمایہ(Authorised Capital)

اس کی تصریح کمپنی کے آئین میں کی جاتی ہے، یہ سرمایہ حصص کی زیادہ سے زیادہ حد ہے، جس سے زیادہ سرمایہ کے حصص کا اجراء کمپنی اپنے آئین میں ترمیم کئے بغیر نہیں کرسکتی۔

۲۔جاری شدہ سرمایہ(Issued Capital):

منظور شدہ سرمایہ کے جس حصے کی سرمایہ کاری کی پیش کش کمپنی کے ذریعہ عوام کا یا خواص کو دیا جاتا ہے وہ کمپنی کا جاری شدہ سرمایہ(Issued Capital) کہلاتا ہے۔

۳۔پیشکشی سرمایہ(Subscirbed Capital)

جاری شدہ سرمایہ میں سرمایہ کاری کی پیشکش کے جواب میں جس قدر سرمایہ کاری کی پیش کش طالبان حصص کرتے ہیں اسے پیشکشی سرمایہ کہا جاتا ہے، اگر یہ پیش کشی سرمایہ جاری شدہ سرمایہ کے مساوی ہوتو اسے مکمل پیش کشی، اور اگر کم ہوتو اسے ناقص پیشکشی، اور اگر زیادہ ہوتو زائد پیش کشی کہا جاتا ہے۔ انہیں انگریزی میں بالترتیب مکمل پیشکشی(Fully Subsribed)ناقص پیشکشی(Subscribed Under)زائد پیش کشی(Over Subscribed) کہا جاتا ہے۔

۴۔ادا شدہ سرمایہ(Paid-up Capital):

پیشکشی سرمایہ کا وہ حصہ جو کمپنی کی طلب کے عین مطابق کمپنی کو ادا کر دیا جاتا ہے، اداشدہ سرمایہ کہلاتا ہے، چونکہ کمپنی جاری شدہ سرمایہ سے زیادہ سرمایہ طالبان حصص سے طلب نہیں کر سکتی، اس لئے اداشدہ سرمایہ جاری شدہ سرمایہ سے کبھی تجاوز نہیں کر سکتا۔

حصہ(Share):

حصہ کمپنی کے سرمایہ کا غیر منقسم قلیل ترین جز ہے۔ یہ عام طور پر دس روپے کا ہوتا ہے۔ کچھ کمپنیوں کا حصہ ایک سو روپے کا بھی ہوتا ہے۔ بعض کمپنیوں میں کچھ حصے دس روپے والے ہوتے ہیں اور ایک سو روپے والے بھی ہوتے ہیں۔ کمپنی کا جاری، پیش کشی اور اداشدہ سرمایہ حصص ایک خاص تعداد کے برابری یا ترجیحی حصص پر منقسم ہوتا ہے۔ ہر قسم کے حصے کی رقم کی بھی تصریح کر دی جاتی ہے۔ حصے کی یہ مصرحہ رقم حصے کی قدر عرفی (Face Value) کہلاتی ہے، مثال کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ABC کمپنی کے جاری، پیشکشی اور اداشدہ ۶ کروڑ روپے کے سرمایہ کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۰۰ روپے قدر عرفی والے ۳ لاکھ ترجیحی حصص	Rs.3,00,00,000
۱۰ روپے قدر عرفی والے ۳۰ لاکھ برابری حصص	Rs.3,00,00,000
	Rs.6,00,00,000

حصص دو قسم کی ہوتے ہیں:

۱۔ ترجیحی حصص(Preference Shares):

جب تک کمپنی جاری رہتی ہے ان پر ایک طے شدہ در سے منافع واجب ہوتا رہتا ہے، اور جب کمپنی بند ہو جاتی ہے تو اثاثوں کی تقسیم میں بھی انہیں ترجیح دی جاتی ہے۔

۲۔ برابری کے حصص(Equity Shares):

جب تک کمپنی جاری رہتی ہے یہ نفع ونقصان میں برابر کے شریک ہوتے ہیں، اور کمپنی کے بند ہونے پر جو کچھ اثاثے باقی رہ جاتے ہیں ان پر مساوی طور سے تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔ دراصل ان کی حیثیت کمپنی میں برابر کے شرکاء کی سی ہوتی ہے۔

اسناد حصص(Share Certificates):

کمپنیاں اپنے حصص ایک متعین تعداد کی اسناد میں جاری کرتی ہیں، جیسے کوئی کمپنی اپنے سرمایہ حصص میں ۲۰۰۰ روپے سے سرمایہ کاری کرنے والے شخص کے حق میں دس دس روپے والے سو سو حصص کی دو سندیں جاری کرے۔ اگر کمپنی کا حصہ سو روپے والا ہے تو دس دس حصص کی دو سندیں جاری کرے۔ چونکہ یہ اسناد قابل تبادلہ ہوتی ہیں لہذا انہیں آسانی سے خریدا اور بیچا جا سکتا ہے، ان کو رہن رکھ کر ان پر قرض بھی لیا جا سکتا ہے۔

حصص حاصل کرنے کے طریقے:

حصص دو ذرائع سے حاصل کئے جاسکتے ہیں:

۱۔ اجراء حصص کے وقت براہ راست کمپنی سے۔

۲۔ جن لوگوں کے حق میں کمپنی سے حصص جاری ہوچکے ہوں ان سے خرید کر۔

براہ راست کمپنی سے حصص کے اجراء کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

۱۔ عوامی اجراء (Public Issued)

ہر کمپنی اپنے رجسٹریشن کے بعد کاروبار کے لئے سرمایہ حصص جمع کرنے کی غرض سے عوام کو سرمایہ کاری کی کھلی پیش کش کرسکتی ہے۔ ایک موجودہ کمپنی بھی اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے عوام کو سرمایہ کاری کی کھلی پیشکش دے سکتی ہے۔

۲۔ برابری کے حصص سے منسلک قرض تمسکات کا اجراء (Issued of Equity Linked Debentures)

کمپنیاں اپنے کاروبار میں سرمایہ حصص کے علاوہ سرمایہ قرض کا بھی استعمال کرتی ہیں۔ سرمایہ قرض بھی سرمایہ حصص کی مانند قرض تمسکات کے اجرا سے حاصل کرتی ہیں۔ یہ قرض تمسکات بھی عام طور سے قابل تبادلہ ہوتے ہیں اور اسناد حصص کی طرح خریدے بیچے جاسکتے ہیں۔ سرمایہ قرض پر کمپنی ایک طے شدہ در سے سود ادا کرتی ہے۔ کمپنی اپنے حصص کا اجراء قرض تمسکات سے منسلک کرکے بھی کرتی ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو شخص صرف حصص میں سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہے اسے کمپنی کے حصص کے ساتھ قرض تمسکات بھی لازماً بادل نخواستہ لینے پڑتے ہیں۔ ایسی صورت میں کمپنی اسناد حصص اور اسناد قرض تمسکات الگ الگ جاری کرتی ہے۔ جو شخص صرف سرمایہ حصص میں دلچسپی رکھتا ہو اس کے لئے اس بات کی گنجائش رہتی ہے کہ وہ اسناد حصص کو اپنے پاس روک کر (اسناد قرض) قرض تمسکات فروخت کردے۔ عام طور پر حصص اپنی قیمت اجراء سے زائد قیمت پر بازار میں فروخت ہوتے ہیں، اور قرض تمسکات بازار میں اپنی قیمت اجراء سے کم قیمت پر فروخت ہوتے ہیں لیکن دونوں کی مجموعی قیمت بازار میں ان کی مجموعی قیمت اجراء سے زائد ہوتی ہے۔ اس طرح حصص بازار سے خریدنے کے بجائے براہ راست کمپنی سے کم قیمت پر حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

۳۔ قابل تبدیل قرض تمسکات کا عوامی اجراء (Public Issued of Convertible Debentures):

کمپنی اس طرح کے بھی قرض تمسکات جاری کرتی ہے جو کہ ایک خاص مدت تک قرض تمسکات کی شکل میں رہتے ہیں، اور اس کے بعد جزوی طور پر یا کلی طور سے اجراء کی شرائط کے مطابق حصص میں تبدیل کردیئے جاتے ہیں۔ قرض تمسکات کا جو حصہ حصص میں تبدیل کردیا جاتا ہے کمپنی کی طرف سے اس پر سود کا وجوب بند ہوجاتا ہے اور وہ کمپنی کے نفع ونقصان میں برابر کا شریک ہوجاتا ہے، باقی حصہ قرض کی صورت میں برقرار رہتا ہے اور اس پر سود ادا کرنا

واجب ہوتا رہتا ہے۔ اب جو شخص کمپنی کے صرف سرمایہ حصص ہی میں سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہے وہ قرض تمسکات کی حصص میں تبدیلی کے بعد حصص اپنے پاس روک سکتا ہے، اور قرض تمسکات کا اگر کوئی جز یا اجزاء باقی رہ گئے ہوں تو انہیں بازار میں فروخت کرسکتا ہے۔ عام طور پر بازار سے حصص خریدنے کے بجائے اگر قابل تبدیل قرض تمسکات کمپنی سے لے کر انہیں حصص میں تبدیل کرایا جائے تو حصص مقابلۃً کم قیمت پر حاصل ہوجاتے ہیں۔

۴۔ حصص وقرض تمسکات کا ان کی قدر عرفی پر یا کم وبیش پر اجراء

(Issue of Shares at par, premium or discount)

عام طور پر کمپنی اپنے قیام کے فوراً بعد اپنے حصص وقرض تمسکات کا اجراء ان کی قدر عرفی ہی پر کرتی ہے، ایسے اجراء کو برابری پر اجراء (Issue at par) کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی کمپنی اپنے دس روپے والے حصص کا اجراء اگر دس روپے ہی میں کرے، تو وہ برابری پر اجراء کہا جائے گا۔

پہلے ہی سے موجود مالی طور پر مستحکم کمپنی کے حصص کی بازاری قیمت ان کے قدر عرفی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کمپنی ہر سال اپنے منافع کا ایک حصہ اپنے پاس جمع کرتی رہتی ہے اور اسے اپنے محفوظ سرمایہ میں رکھتی ہے، اس سے مزید اثاثے خریدتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ کچھ اثاثوں کی اصل قیمت میں بھی اضافہ ہو چکا ہوتا ہے۔ کمپنی کی مالیت کے اس اضافہ کے اصل حق دار کمپنی کے موجودہ حصہ دار ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات حق وانصاف کے خلاف سمجھی جاتی ہے کہ کمپنی کا نیا سرمایہ کار اپنے حصے کی قیمت تو پرانی ہی در سے ادا کرے لیکن اثاثوں میں برابر کا شریک ہوجائے۔ پرانے حصے داروں کے مفاد کی حفاظت کے پیش نظر یہ مناسب سمجھا جاتا ہے کہ کمپنی اپنے نئے حصہ داروں کو حصص کچھ زائد قیمت پر جاری کرے تاکہ یہ زائد قیمت کمپنی اپنے منافع میں شامل کرکے اس میں پرانے حصہ داروں کو شریک کرے۔ اس طرح حصص کے اجراء کو برابری سے اوپر اجراء یا اضافی قیمت پر اجراء (Issue at a premium) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کچھ مخصوص حالات میں حصص وقرض تمسکات کا اجراء برابری سے کم پر بھی کیا جاتا ہے جو کہ منہائی پر اجراء (Issue at a discount) کہا جاتا ہے۔

مالی طور پر مستحکم کمپنی اپنے ذریعہ جاری کئے گئے قابل تبدیل قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرتے وقت حصص کی قیمت ان کی قدر عرفی سے زیادہ وصول کرتی ہے۔ یعنی حصص کا اجراء (Issue at a premium) اضافی قیمت پر کرتی ہیں۔

قرض تمسکات کے حصص میں تبدیلی کے بعد اگر عام حالات یکساں رہیں تو حصص کی رسد میں اضافہ ہونے کے سبب بازار میں ان کی قیمت کچھ کم ہوجاتی ہے لیکن یہ گری ہوئی بازاری قیمت بھی حصص کی قیمت اجراء (قدر عرفی + اجراء پر اضافی قیمت (Face Value + Premium on Issue) سے زائد ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح حصص بازار سے خریدنے کے بجائے قرض تمسکات کمپنی سے لے کر انہیں حصص میں تبدیل کرانے سے اس حقیقت کے باوجود کہ کمپنی ان کے حصص میں تبدیلی کچھ منافع پر ہی کیوں نہ کرے، فائدہ ہوتا ہے۔ یعنی حصص مقابلۃً کم

قیمت پر حاصل ہوتے ہیں۔ اس کو حسب ذیل مثال سے سمجھا جا سکتا ہے:

(الف) ایک کمپنی جس کے دس روپے والے حصے کی بازاری قیمت ایک سو روپے ہو تو قابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کی پیش کش کر سکتی ہے۔

کمپنی ۱۴ فیصد سالانہ سود کی در پر ۱۵۰ روپے والے دو لاکھ کلی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات میں عوام کو سرمایہ کاری کی اس شرط پر پیشکش کر سکتی ہے کہ قرض تمسکات کے الاٹ منٹ کی تاریخ کے ایک سال بعد ایک قرض تمسک دس دس روپے والے ۳ حصص میں فی حصہ ۴۰ روپے اضافی قیمت پر اجراء سے تبدیل کر دیا جائے گا۔ تاریخ معینہ پر کمپنی قرض تمسکات واپس لے لے گی اور ان کے عوض اسناد حصص کے ساتھ قرض تمسکات پر واجب سود کی رقم کا چیک ایک ماہ کے اندر سرمایہ کاروں کو روانہ کر دے گی۔

ایک سال بعد قرض تمسکات کے حصص میں تبدیل ہو جانے سے بازار میں حصص کی رسد میں اضافہ کے سبب اگر حصے کی نرخ ۱۰۰ روپے سے کم ہو کر ۸۰ روپے رہ جاتے تو اس طرح کی سرمایہ کاری میں فی حصہ لاگت کا تعین یوں ہوگا۔

کمپنی کے ایک قابل تبدیل قرض تمسک پر آئی لاگت ....۱۵۰ روپے

ایک سال بعد ۱۵۰ روپے پر ۱۴ فیصد کی در سے کمپنی پر واجب سود......۲۱ روپے

قرض تمسک کی اصل لاگت ....۱۲۹ روپے

ایک سال بعد ۱۵۰ روپے کا ایک قرض تمسک = ۳ حصص

(فی حصہ ۱۰+ ۴۰ روپے اضافی قیمت) ۱۵۰ روپے میں تبدیل

ایک حصہ کی اصل لاگت ۱۲۹/۳ = ۴۳ روپے

حصے کی بازار سے خریداری پر لاگت......۸۰ روپے

اس طرح کمپنی کا ایک حصہ جو بازار میں ۸۰ روپے میں مل رہا ہے ایک سال پہلے کمپنی سے قابل تبدیل تمسکات خرید کر حصص میں تبدیل کرا کر صرف ۴۳ روپے میں حاصل کر لیا گیا، لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حصص کو بازار سے خریدنے کے بجائے اگر کمپنی سے قابل تبدیل قرض تمسکات خرید کر انہیں حصص میں تبدیل کرایا جائے تو حصص سستے پڑتے ہیں۔

قابل تبدیل قرض تمسکات حصص میں تبدیلی سے پہلے پہلے عام طور پر بازار میں اپنی قیمت اجراء سے زیادہ قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔ اگر کمپنی سے براہ راست ان کا الاٹ منٹ حاصل نہ کیا جا سکا ہو تو انہیں بازار سے خریدا جا سکتا ہے اور حصص میں تبدیلی کے ذریعہ حصص اپنے نام جاری کرائے جا سکتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہو سکتی ہے:

(ب) مثال (الف) میں بیان کردہ ۱۵۰ روپے والا قرض تمسک اگر کمپنی سے براہ راست نہ مل پایا ہو تو اسے بازار میں ۲۰۰ روپے قیمت پر خریدا جا سکتا ہے، اس طریقہ سے فی حصہ لاگت کا تعین یوں ہوگا:

۱۵۰ روپے والے قرض تمسک پر بازار میں خرید پر آئی لاگت..........۲۰۰ روپے

۱۵۰ روپے پر کمپنی سے ۱۴ فیصد کی در سے ایک سال کا سود.................۲۱ روپے

ایک قرض تمسک کی اصل لاگت..............۱۷۹ روپے

ایک سال بعد ایک قرض تمسک = ۳ حصص

ایک حصے کی لاگت ۱۷۹/۳ = ۵۹٫۶۷ روپے

ایک حصے کی بازار سے خرید پر لاگت = ۸۰ روپے

اس طرح یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر قرض تمسک کو بازار سے خرید کر حصص میں تبدیل کرالیا جائے تو حصص براہ راست بازار سے خریدنے کے مقابلے کم قیمت پر حاصل ہوتے ہیں۔ دوسری جانب اگر قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرائے بغیر ہی فروخت کر دیا جائے تو صرف ۵۰ روپے ہی کا منافع ہوگا لیکن انہیں حصص میں تبدیل کرنے کے بعد بازار میں فروخت کرنے سے ۱۱۱ روپے کا منافع ہوتا ہے (اصل لاگت ۱۲۹ روپے، ۳ حصص کی بازاری قیمت فی حصہ ۸۰ کے در سے ۲۴۰ روپے)۔

یہ تھیں کلی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کی صورتیں۔ جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کا قابل تبدیل جز تاریخ معینہ پر حصص میں تبدیل کر دیا جاتا ہے، اور نا قابل تبدیل جز قرض تمسک کی صورت میں باقی رہ جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے:

(ج) ایک کمپنی جس کے دس روپے والے حصے کی قیمت بازار میں ایک سو روپے ہو تو جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کی پیش کش ان شرائط پر کرسکتی ہے کہ کمپنی ۱۵۰ روپے والے ۱۴ فیصد سالانہ سود کی در پر ڈیڑھ کروڑ روپے کے ایک لاکھ جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات جن کا ایک تہائی حصہ ۴۰ روپے فی حصہ اضافی قیمت (Premium) کے ساتھ دس روپے والے حصص میں قرض تمسک کی الاٹ منٹ کی تاریخ کے ایک سال بعد تبدیل کرایا جاسکتا ہے۔

اب اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ایک سال بعد قرض تمسکات کا قابل تبدیل جز کے حصص میں تبدیل ہونے کے سبب حصص کی رسد میں اضافہ ہوجانے سے دس روپے والے حصے کی بازار میں قیمت ۱۰۰ روپے سے کم ہوکر ۹۰ روپے رہ جائے گی، اور قرض تمسک کا ۱۰۰ روپے والا حصہ دو تہائی نا قابل تبدیل جز صرف ۸۰ روپے ہی میں فروخت ہوسکے گا، تو اس طرح کی سرمایہ کاری میں فی حصہ لاگت کا تعین یوں ہوگا:

۱۵۰ روپے والے قرض تمسک پر آئی لاگت.................. ۱۵۰ روپے

ایک سال بعد کمپنی سے ملا ۱۴ فیصد کی در سے سود.................۲۱ روپے

اصل لاگت.......................۱۲۹ روپے

حصص میں تبدیلی کے بعد ایک قرض تمسک = ایک حصہ

(قدر عرفی ۱۰ روپے + اضافی قیمت ۴۰ روپے) ۵۰ روپے والے جز کے عوض

۱۰۰ روپے کا ایک قرض تمسک (نا قابل تبدیل جز) بازاری قیمت............۸۰ روپے

ایک حصہ کی اصل لاگت............۴۹ روپے

اس طرح یہ نتیجہ نکلا کہ کمپنی کا ایک حصہ جو کہ آج ۹۰ روپے میں بازار میں مل رہا ہے، ایک سال پہلے جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسک خرید کر حصص میں تبدیل کرانے پر صرف ۴۹ روپے میں حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لہذا حصص کو بازار سے خریدنے کے بجائے جزوی طور سے قابل تبدیل قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرانے سے کم قیمت پر حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

(د) اگر ان قرض تمسکات کا اجراء براہ راست کمپنی سے نہ ہوسکا ہو تو انہیں کچھ زائد قیمت پر بازار سے بھی خریدا جاسکتا ہے، اگر بازار سے یہ ۱۲۰ روپے میں خریدے جائیں تو فی حصہ لاگت کا تعین یوں ہوگا:

۱۵۰ روپے والے قرض تمسک کی بازاری خرید پر لاگت..................۱۲۰ روپے

ایک سال بعد ۱۴ فیصد کی در سے ملا سود..........................۲۱ روپے

قرض تمسک کی اصل لاگت......................۱۳۹ روپے

۱۵۰ والے قرض تمسک کے عوض کمپنی سے ملا:

۱۔ ۱۰۰ والا نا قابل تبدیل قرض تمسک = ۱۰۰ روپے

۲۔ ۱۰ روپے والا ۴۰ روپے اضافی قیمت پر حصہ = ۵۰ روپے

۱۰۰ روپے والے قرض تمسک کی بازاری فروخت سے آمد ۸۰ روپے

ایک حصہ پر آئی اصل لاگت..................۵۹ روپے

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کمپنی کا ایک حصہ جس کی آج بازار میں قیمت ۹۰ روپے ہے ایک سال پہلے بازار سے جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسک خرید کر حصص میں تبدیل کرانے سے صرف ۵۹ روپے میں حاصل کیا جاسکتا تھا۔ قرض تمسکات کو فروخت کرنے والے کی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ محسوس ہوگا کہ قرض تمسک کو بغیر حصے میں تبدیل کرائے بازار میں فروخت کرنے سے صرف ۱۰ روپے کا منافع ہوتا ہے، لیکن اسے اپنے نام حصص میں تبدیل کرالیا جائے تو ۶۱ روپے کا فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

یہ حقیقت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ قابل تبدیل قرض تمسکات اگر براہ راست کمپنی سے مل جائیں تو انہیں بغیر حصص میں تبدیل کرائے بازار میں نہ فروخت کیا جائے۔

صفر سود کی در پر قابل تبدیل قرض تمسکات:

(Zero Interest Convertible Debentures)

سرمایہ کاروں کو قرض تمسکات کے اوپر سود کی مد سے جو آمدنی ہوتی ہے اس پر انکم ٹیکس واجب ہوتا ہے۔ کمپنی

اپنے سرمایہ کاروں کو اس ذمہ داری سے بچنے کا موقع فراہم کرنے کی غرض سے صفر سود کی در پر قابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کی پیش کش کرتی ہے۔

اس طرح کے قرض تمسکات غیر سودی سرمایہ کاری کی خواہش رکھنے والے حضرات کے لئے غیر معمولی دلچسپی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ اس طرح کے قرض تمسکات کے پیش کش کی شرائط کے مطابق نہ تو کمپنی کسی طے شدہ در سے قرض پر سود ادا کرنے کا وعدہ کرتی ہے نہ فی الواقع سود ادا کرتی ہے، لیکن قرض تمسک کو حصص میں تبدیل کرتے وقت اپنے حصص کی جو اضافی قیمت مقرر کرتی ہے اس میں قرض تمسک پر دستور کے مطابق تعبیری سود کو منہا کر دیتی ہے، اس طرح کا تعبیری سود کا معاملہ قیاس و گمان میں تو رہتا ہے لیکن اس کی کہیں کوئی صراحت نہیں کی جاتی۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے:

(ه) ایک کمپنی جس کے دس روپے والے حصہ کی بازار میں قیمت ۱۰۰ روپے چل رہی ہو تو ۱۳۰ روپے والے صفر سود کی در پر کلی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات ان شرائط پر جاری کر سکتی ہے، قرض کی رقم پر کمپنی کے اوپر کوئی سود واجب نہیں ہوگا۔ قرض تمسک کے الاٹ منٹ کی تاریخ کے ایک سال بعد کمپنی اپنا دس روپے والا ایک حصہ ۳۰ روپے اضافی قیمت کے ساتھ اور دس دس روپے والے دو حصے فی حصہ ۳۵ روپے اضافی قیمت کے ساتھ جاری کر کے قرض تمسک واپس لے لے گی۔ اس طرح کی سرمایہ کاری میں کمپنی کے ۳ حصوں پر آئی لاگت کا تعین یوں ہوگا:

۱۳۰ روپے والے صفر سود کی در پر جاری کئے گئے ایک قابل تبدیل قرض تمسک کی لاگت......۱۳۰ روپے
ایک سال بعد کمپنی سے ملا سود (کچھ نہیں)......۰ روپے
قرض تمسک کی اصل لاگت......۱۳۰ روپے

قرض تمسک حصص میں تبدیل کرانے پر فی حصہ لاگت:

پہلا حصہ قدر عرفی ۱۰ روپے + کمپنی کی اضافی قیمت ۳۰ روپے = ۴۰ روپے
دوسرا حصہ قدر عرفی ۱۰ روپے + کمپنی کی اضافی قیمت ۳۵ روپے = ۴۵ روپے
تیسرا حصہ قدر عرفی ۱۰ روپے + کمپنی کی اضافی قیمت ۳۵ روپے = ۴۵ روپے
میزان قدر عرفی ۳۰ روپے + کمپنی کی اضافی قیمت ۱۰۰ روپے = ۱۳۰ روپے
فی حصہ بازاری قیمت پر لاگت فی حصہ ۸۰ روپے۔

اس طرح کی سرمایہ کاری کا موازنہ اگر مثال (الف) سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مثال (الف) میں کمپنی نے قرض کی رقم پر ۱۴ فیصد سالانہ کی در سے ۲۱ روپے سود ادا کیا تھا تو قرض تمسک کو حصص میں تبدیل کرتے وقت اضافی قیمت فی حصہ ۴۰ روپے کی در سے مقرر کیا۔ اس طرح کمپنی نے ۳ حصص پر کل ۱۲۰ روپے اضافی قیمت سرمایہ کار سے وصول کیا۔ لہذا کمپنی نے اصل منافع صرف ۱۲۰۔۲۱=۹۹ روپے وصول کیا۔ لیکن کمپنی نے قرض کی رقم پر کوئی سود نہ ادا کرنے کی صورت میں کل اضافی قیمت ۱۰۰ روپے مقرر کی، یعنی قرض پر سود دینے کے عوض کمپنی نے اپنے منافع میں تقریباً اسی کے بقدر تمسکات کو حصص میں تبدیل کرتے وقت کمی کر دی، اس طرح صفر سود کی در پر قرض تمسکات کو حصص

میں تبدیل کرانے پر آئی لاگت کا موازنہ اگر بازار سے حصص کی خریداری پر آئی لاگت سے کریں تو معلوم ہوگا کہ پہلا حصہ جس کی لاگت طریقۂ اول سے ۴۰ روپے ہے، طریقۂ یعنی بازاری خرید کے مطابق ۸۰ روپے ہے۔

دوسرے اور تیسرے حصوں کی لاگت فی حصہ طریقۂ اول سے ۴۵ روپے ہے جب کہ طریقۂ دوم سے ۸۰ روپے ہے، لہٰذا صفر سود کی در پر قابل تبدیل قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرانے پر لاگت حصص کو بازار سے خریدنے کے مقابلے میں کم آتی ہے۔

حصص میں سرمایہ کاری کے فوائد (Benfits of investment in shares):

۱۔ منافع کی تقسیم (Distribution of dividend)

عام طور پر کمپنی ہر سال جو منافع کماتی ہے اس کا ایک جز حصہ داروں میں ان کے سرمایہ پر ایک مقررہ در سے تقسیم کرتی ہے، باقی جز کو اپنے کاروبار میں استعمال کرنے کی غرض سے اپنے محفوظ سرمایہ میں رکھتی ہے۔ جن کمپنیوں کے حصص کی بازار میں خرید و فروخت ہوتی ہے ان کے ذریعہ کمایا گیا منافع فوراً ان کے حصص کی قیمت میں اضافہ کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے، اس طرح جو منافع کمپنی اپنے پاس روک لیتی ہے سرمایہ کاروں کے اصل سرمایہ میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ کمپنی کے ذریعہ جو کچھ منافع تقسیم کیا جاتا ہے وہ کمپنی کے حصص کی قدر عرفی (Face Value) کا ۲۰ یا ۳۰ فیصد ہو سکتا ہے لیکن اصل سرمایہ (کمپنی کے حصص کی بازاری قیمت) پر بمشکل ۲ یا ۳ فیصد ہی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک کمپنی جس کے دس روپے والے حصے کی قیمت بازار میں سو روپے ہو، اگر ۲۰ فیصد منافع کا اعلان کرے تو حصص کی بازاری قیمت کے اعتبار سے یہ صرف ۲ فیصد ہی ہوگا یعنی سرمایہ کاری پر حقیقی منافع ۲ فیصد ہوگا۔

۲۔ منافع کے حصص کا اجراء (Issue of Bonus Shares):

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ عام طور پر کمپنی اپنے کمائے ہوئے منافع کا ایک حصہ اپنے مالی استحکام اور کاروبار کو فروغ دینے کے لئے اپنے پاس روک لیتی ہے اس طرح یہ رکا ہوا منافع (سرمایۂ محفوظ) سرمایۂ حصص سے کئی گنا بڑھ جاتا ہے، اگر کمپنی کو مستقبل میں نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا تو کمپنی اس سرمایۂ محفوظ کو سرمایۂ حصص میں تبدیل کر کے اپنے حصہ داروں کے حق میں ان کے حصص کی تعداد پر ایک خاص تناسب سے بطور بونس حصص جاری کرتی ہے، اس طرح کمپنی کے حصہ داروں کے حصص کی تعداد میں اضافہ کے سبب ان کے اصل سرمایہ میں غیر معمولی اضافہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک کمپنی جس کے دس روپے والے حصے کی قیمت بازار میں ۱۰۰ روپے ہو، ایک حصہ پر ایک کی نسبت سے بونس حصص جاری کرے تو جس شخص کے پاس کمپنی کا ایک حصہ تھا اس کے پاس دو حصے ہو جائیں گے، اب اگر اس کمپنی کے حصص کی بازار میں رسد کے اضافہ کے سبب اس کے حصے کی قیمت ۱۰۰ روپے سے کم ہو کر ۷۰ روپے ہی رہ جائے تب بھی اس کا اصل سرمایہ ۱۰۰ روپے سے بڑھ کر ۱۴۰ روپے ہو جائے گا۔

۳۔ حصص و قرض تمسکات کا اجراء بطور حق (Debentures Rights for Issue

of Shares and Convertible)

مالی طور سے مستحکم کمپنیوں کے حصص وقابل تبدیل قرض تمسکات کی بازاری قیمت، ان کی قدر عرفی یا ان کی قیمت اجراء سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ ایسی کمپنیاں کبھی کبھی اپنے حصص وقابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کی عوام کو پیش کش کرنے کے بجائے اپنے موجودہ سرمایہ کاروں (حصے داروں وحاملین قرض تمسکات) کو ان کے حصص وقرض تمسکات کی نسبت سے بطور حق اجراء کی پیش کش کرتی ہیں۔

عام طور پر کمپنیوں سے بطور حق ملی پیش کش قابل تبادلہ ہوتی ہے، اگر حق دار مزید سرمایہ کاری کرنا مناسب نہ سمجھے یا حق کا فوری نقد فائدہ اٹھانا چاہے تو وہ اپنا حق اس خاص کمپنی میں سرمایہ کاری کی دلچسپی رکھنے والے شخص کے ہاتھ معقول قیمت لے کر بیچ سکتا ہے، لیکن عام طور پر اس حق کو اس طرح بیچ کر حاصل ہونے والا فائدہ اس منافع سے کم ہوتا ہے جو کمپنی کے حصص حاصل کرنے یا قابل تبدیل قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرانے پر حاصل ہوتا ہے، یہ حقیقت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ اگر کمپنی سے اس طرح حصص یا قابل تبدیل قرض تمسکات میں سرمایہ کاری کی پیشکش بطور حق مل جائے تو اسے بازار میں یوں ہی فروخت نہ کیا جائے بلکہ کمپنی سے حصص یا قابل تبدیل قرض تمسکات حاصل کر لئے جائیں۔ قابل تبدیل قرض تمسکات کو جب تک کہ انہیں حصص میں تبدیل نہ کرا لیا جائے اپنے پاس روکا جائے۔

حصص یا قرض تمسکات کے اجراء کی ترجیحی پیشکش:

Preferencial offer for issue of shares or (debentures)

کچھ کامیاب کمپنیوں کے بانی (Promoters) جب کسی نئی کمپنی کے لئے سرمایہ حصص یا قابل تبدیل قرض تمسکات کا اجراء کرتے ہیں تو اپنی پرانی کمپنی کے سرمایہ کاروں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے اس نئی کمپنی میں حصہ دار بنانے کے لئے کسی حد تک نئی کمپنی کے حصص کے الاٹمنٹ میں عوام پر ترجیح دیتے ہیں۔ عام طور پر ایسے بانیوں (Promoters) کے ذریعہ جو بھی نئی کمپنی قائم کی جاتی ہے اس کے حصص کی بازاری قیمت ان کی قیمت اجراء سے زیادہ ہی ہوتی ہے، اس طرح پرانی کمپنیوں کے سرمایہ کاروں کو نئی کمپنی میں حصص کے اجراء میں جو ترجیح ملتی ہے ان کے لئے منافع بخش ہوتی ہے۔ یہ ترجیحی پیشکش قابل تبادلہ نہیں ہوتی ہے، اس کو بازار میں فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے فائدہ حاصل کرنے کی واحد صورت یہ ہے کہ حصص یا قابل تبدیل قرض تمسکات اپنے نام جاری کرائے جائیں، قابل تبدیل قرض تمسکات جب تک حصص میں تبدیل نہ ہو جائیں اپنے پاس روکا جائے۔

جن کمپنیوں کے حصص کی بازار میں آزادانہ خرید وفروخت ہوتی ہے، ان کی اچھی یا خراب کارکردگی اور ان کے روشن وتاریک مستقبل کی خبروں اور افواہوں کا براہ راست اثر ان کی بازاری قیمت پر پڑتا ہے۔ لہذا جیسے ہی کسی کمپنی سے اوپر بیان کردہ فوائد میں سے کسی فائدے کے ملنے کی امید کی خبر حصص بازار میں آتی ہے، حصص کی بازار میں اس کے متوقع فائدے کی نسبت بڑھ جاتی ہے، اور جونہی وہ فائدہ سرمایہ کاروں کو پہنچ جاتا ہے بازار میں حصص کی قیمت میں کمی آجاتی ہے۔

اوپر نمبر۱ اور نمبر۲ میں بیان کئے گئے فائدے تو کمپنی سے بنا طلب کئے حاصل ہوتے ہیں لیکن نمبر۳ اور نمبر۴ میں بیان کئے گئے فائدے حاصل کرنے کے لئے کمپنی میں پیشکش کی درخواست اجراء کی شرائط کے مطابق دینی پڑتی ہے۔ اس طرح فائدے حاصل کرنے میں بے اعتنائی برتنے سے نہ صرف اس فائدے سے محرومی ہوتی ہے بلکہ یہ موقع ہاتھ سے نکل جانے کے بعد حصص کی قیمت میں گراوٹ کے سبب اصل سرمایہ میں کمی کا بھی امکان رہتا ہے۔ یہ حقیقت بھی اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ اگر قابل تبدیل قرض تمسکات کی پیشکش بطور حق یا بطور ترجیح ملے تو کمپنی سے قرض تمسکات حاصل کر کے انہیں حصص میں تبدیل کرانے کے وقت تک اپنے پاس روکا جائے۔

حصص و قرض تمسکات کی خرید و فروخت

:(Sale and purchase of Shares and debentures)

چونکہ حصص و قرض تمسکات عام طور پر قابل تبادلہ ہوتے ہیں اس لئے اجناس بازار کی طرح ان کی بھی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ بعض کمپنیاں اپنے حصص و قرض تمسکات کی (Liquidity) نقدیت برقرار رکھنے کی غرض سے انہیں حصص بازاروں کی فہرست میں درراج کراتی ہیں۔ ان بازاروں کی فہرست میں درج حصص و قرض تمسکات کے نرخ روزمرہ اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح ان کے خریدنے اور بیچنے والوں کے مابین ان کی قیمت کے تعین میں آسانی ہو جاتی ہے۔ حصص بازار میں حصص و قرض تمسکات کے خریداروں کو دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ وہ جو کہ سرمایہ کاری کی غرض سے حصص و قرض تمسکات خرید کر اپنے نام انہیں منتقل کرا کر کمپنی میں نفع و نقصان یا سود کے مستحق ہوتے ہیں۔

۲۔ وہ جو کہ حصص و قرض تمسکات کو اپنے نام بغیر منتقل کرائے اجناس بازار کی طرح اپنے پاس رکھتے ہیں، اور روزمرہ کی قیمتوں میں آئے اتار چڑھاؤ کا فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے ان کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔

خلاصہ

۱۔ قانون کی نظر میں کمپنی ایک شخص ہے۔

۲۔ کمپنی کے حصے داروں کی حیثیت کمپنی میں نفع و نقصان میں اپنے حصص کی تعداد کی نسبت سے برابری کے شرکاء کی ہے۔

۳۔ کمپنی کا نظم و ضبط جمہوری طریقے سے کثرت رائے سے ہوتا ہے، حصے داروں کا حق رائے دہندگی قابل تبادلہ ہوتا ہے۔

۴۔ کچھ اقتصادی فائدے کی مصلحت کے تحت کمپنیاں اپنے کاروبار میں سرمایہ حصص کے ساتھ سود پر حاصل کیا ہوا سرمایہ بھی استعمال کرتی ہیں۔

۵۔ سرمایہ حصص کے لئے حصص اور سرمایہ قرض کے لئے قرض تمسکات کا اجراء کرتی ہیں۔ اسناد حصص

Share Certificates اور قرض تمسکات (Debenture Certificates) عام طور پر قابل تبادلہ ہوتے ہیں۔

۶۔ مقابلۃً کم قیمت پر حصص حاصل کرنے کی طریقے یہ ہیں: (۱) براہ راست کمپنی سے عوامی پیش کش کے جواب میں۔ (۲) برابری کے حصص سے منسلک قرض تمسکات کے اجراء کے ذریعہ۔ (۳) قابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کے ذریعہ۔ (۴) قرض تمسک کو بازار سے خرید کر حصص میں تبدیل کرانے کے ذریعہ۔ (۵) حصص و قابل تبدیل قرض تمسکات کی پیشکش بطور حق دیئے جانے پر حق داروں کے حق خرید کر کمپنی سے اجراء کے ذریعہ۔ (۶) حصص کو بازار سے خرید کر۔

۷۔ مالی طور پر مستحکم کمپنیاں اپنے حصص ان کی قدر عرفی سے زائد قیمت پر جاری کرتی ہیں۔

۸۔ مالی طور سے مستحکم کمپنیوں کے حصص و قابل تبدیل قرض تمسکات کی بازار میں قیمت ان کی قیمت اجراء سے زائد ہوتی ہے۔

۹۔ قابل تبدیل قرض تمسکات حصص میں تبدیل ہونے کے بعد اگر اپنا کوئی جز باقی رکھتے ہیں تو وہ جز بازار میں اپنی قدر عرفی سے کم پر فروخت ہوتا ہے۔ قابل تبدیل قرض تمسکات میں چونکہ حصص مضمر ہوتے ہیں اس لئے اپنی قدر عرفی سے زائد پر بازار میں فروخت ہوتے ہیں۔

۱۰۔ قابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء میں کمپنی قرض کی رقم پر سود ادا کرتی ہے اور قرض کی حصص میں تبدیلی پر اضافی قیمت حاصل کرتی ہے، یعنی ایک ہی معاملے میں کچھ لیتی ہے اور کچھ دیتی ہے۔

۱۱۔ کمپنی صفر سود کی در پر قرض تمسکات جاری کر کے قرض پر تعبیری سود کو حصص میں تبدیلی کے وقت اپنی اضافی قیمت سے منہا کرتی ہے، یعنی صرف ایک معاملے میں صرف لیتی ہے، دیتی نہیں۔

۱۲۔ کمپنی سے فوائد، منافع کے حصص، حصص و قابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کی پیش کش بطور حق و بطور ترجیح کی شکلوں میں حاصل ہوتے ہیں۔

۱۳۔ کمپنی سے فوائد حاصل کرنے میں گریز کی صورت میں نہ صرف فوائد سے محرومی بلکہ سرمایہ کی اصل لاگت کم ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔

۱۴۔ حصص و قرض تمسکات کی خرید و فروخت بغیر انہیں اپنے نام منتقل کرائے اجناس بازار کی طرح بھی کی جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

کمپنی کے حصص سے متعلق جوابات

مفتی نظام الدین صاحب، دارالعلوم دیوبند

اس تحریر میں تین صورتیں جو درج ہیں ان میں سے کسی پر سود (ربوا) کی شرعی تعریف صادق نہیں آتی۔ سود کی شرعی تعریف یہ ہے: اموال ربویہ میں جیسے کرنسیوں میں عقد معاوضہ کا معاملہ کیا جائے اور کسی جانب زیادتی عوض سے خالی رہے۔

صورت مسئولہ مذکورہ کی پہلی صورت میں حکومت ٹھیکیداروں سے کچھ رقم لے کر اس کی میعادی رسید دے کر رقم جو اپنے قبضہ میں رکھتی ہے وہ محض بطور ضمانت رکھتی ہے تاکہ کبھی کوئی ٹھیکہ دار تعمیراتی سامان وغیرہ ہڑپ یا ضائع نہ کر ڈالے، نہ کہ عقد معاوضہ کرتی ہے، اور اسی وجہ سے کارہائے ٹھیکہ پورا ہو جانے کے بعد واپس کر دینے کا معاہدہ ہوتا ہے۔ پس یہ معاملہ شرعاً زرضمانت رکھنے کا اور اپنے اپنے سامان کے تحفظ کا ہوا، اور شرعاً صرف بعد تکمیل کارہائے ٹھیکہ داری زرضمانت کی واپسی کا ہوا۔ پھر کار ٹھیکہ داری ختم ہو جانے کے بعد صرف اسی زرضمانت کی واپسی لازم ہوتی ہے، باقی حکومت خود اپنی طرف سے یہ زائد رقم اپنے ضابطہ کے مطابق دیتی ہے لہذا یہ دینا از قبیل تبرع من جانب الحکومت ہوا۔ اور حکومت چونکہ غیر مسلمہ ہے اس لئے اس رقم ضمانت سے کچھ کاروبار کر کے کچھ نفع حاصل کرے اور وہ تصرف شرعاً خیانت شمار ہو مگر وہ اس کے مکلف نہیں ہوتے، اس لئے یہ دینا ان کی جانب سے شرعاً تبرع قرار پائے گا۔ اس کی نظیر پراویڈنٹ فنڈ کا معاملہ ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ میں محکمہ جو جز تنخواہ ملازم کے قبضہ میں جانے سے قبل ہی خود ہی کاٹ کر ماہ بہ ماہ جمع کرتا رہتا ہے اور بعد ختم ملازمت اس جمع شدہ رقم کو دوگونہ سہ گونہ کر کے اپنے ضابطہ کے مطابق ملازم کو دیتا ہے، اور اگرچہ محکمہ اس جمع شدہ رقم سے اپنے ضابطہ کے تحت نفع حاصل کر چکا ہوتا ہے، پھر بھی اس زائد رقم کو از روئے قواعد شرعیہ تبرع قرار دے کر اور اس کا لے لینا بلا کراہت شریعت نے جائز فرمایا ہے۔ کما صرح بہ امداد الفتاوی أیضاً۔

پس یہی حکم یہاں بھی رہے گا، کہ اس زرضمانت کے اندر جمع کی ہوئی رقم سے زائد رقم شرعاً سود نہ قرار پائے گی بلکہ بحکم تبرع ہو کر اس کا لے لینا بلا کراہت درست رہے گا، اور بطور تصدق غریبوں کو دے کر اپنی ملک سے نکال دینا واجب نہ رہے گا۔

اسی طرح اسکوٹر، کار، ٹرک وغیرہ کے خرید کے معاملہ میں نامزد منتظرین سے کمپنی جو رقم پیشگی لیتی ہے وہ زرثمن پیشگی کے قبیل کی چیز ہے یا بطور بیعانہ یا مثل بیعانہ لینے کی ہوتی ہے، نہ کہ اموال ربویہ عقد معاوضہ کی ہوتی ہے، چنانچہ نمبر خرید آ جانے کے بعد خریدی ہوئی مطلوبہ چیز کمپنی خریدار کو دیتی ہے تو اس کی قیمت میں سے یہ پیشگی دی ہوئی رقم وضع کر دیتی ہے۔ اب اس وقت اپنے ضابطہ کے تحت جو زائد رقم خود دیتی ہے اس پر ربوا (سود) کی تعریف شرعی صادق

نہیں آتی، نیز اس زائدرقم کو بائع (کمپنی) خود اسی شئی مشتراۃ کے ثمن میں منضم کردیتا ہے جس سے وہ رقم خریدار تک نہیں پہونچتی، لہذا یہ بھی کمپنی کا اپنے خریداروں کے ساتھ شرعاً ایک تبرع کا معاملہ ہوا، اور اس کا تعلق سود سے نہیں کہ ''اجتنبوا عن الربوا والربیۃ،، کا حکم جاری ہو۔

نوٹ: یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر بینک میں جمع کردہ رقم پر جو زائد رقم ملتی ہے اس کو سود کیوں کہا جاتا ہے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ بینک میں جو رقم کوئی جمع کرتا ہے محض اپنی مرضی سے بغیر کسی قسم کی دباؤ جبر کے کرتا ہے، لہذا جمع کرنے میں فارم کی خانہ پری میں ایک قسم کے عوض ومعاوضہ کا معاملہ ہوتا ہے کہ اس جمع شدہ رقم پر ماہانہ یا سالانہ یا اس شرط کے ساتھ انٹرسٹ ملے گا، اور یہاں ایسا نہیں ہے، لہذا دونوں میں فرق ہوگیا۔ اور اگر کوئی پھر بھی اس پر قیاس کرے تو یہ قیاس محض قیاس عقلی ہوگا شرعی قیاس نہیں ہوگا، اور معتبر شرعی قیاس ہے نہ کی قیاس عقلی۔

ا۔ کمپنی کی تعریف:

(الف) کمپنی خواہ محدود ذمہ داری والی اور عوامی ہو اس میں شرکت بحدود ہا وقیود ہا جائز ہوسکتی ہے، اور حصص خریدنے والے شرکت عنان کے ضابطہ کے مطابق شریک ہوجاتے ہیں، اور کمپنی چلانے والے اور اس کے ذمہ داران شرعاً حصص خریدنے والوں کے وکیل ہوجاتے ہیں، اور جب تک عقد شرکت عنان کے ضابطہ کے مطابق کام ہوتا رہے گا شرکت عنان صحیحہ کا حکم جاری رہے گا، ورنہ جیسا حال ہوگا ویسا حکم لگے گا۔

(ب) کمپنی کی یہ مذکورہ تعریف شرعی تعریف نہیں ہے اور نہ کمپنی شرعاً وارث ہونے کا حکم رکھتی ہے، بلکہ انتظامی امور کے چلانے اور نافذ کرنے کی شرعی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ کمپنی جو مشترکہ مہر کو استعمال ودستخط وغیرہ کے لئے رکھتی ہے وہ از قبیلہ انتظام ہونے کی بناء پر درست اور صحیح ہے۔

کمپنی کی اہم خصوصیات:

اس عنوان کے نیچے پانچوں درج شدہ نمبرات امور انتظامیہ سے متعلق ہیں، حسب ضابطہ وشرع سب جائز اور درست رہیں گے۔

۲۔ کمپنی کے حصہ دار:

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اراکین سے مراد محض حصہ خریدنے والے ہیں جب تو بلاشبہ یہ سب رکن شمار ہوں گے، اور اگر اراکین سے مراد حصہ خریدنے والوں کے علاوہ بھی ہوں مثلاً کمپنی کے چلانے والے اور ذمہ داران ہوں، تو اگر حصہ داروں کی اجازت سے ہو خواہ اجازت صراحۃً ہو یا دلالۃً ہو، تو یہ لوگ بھی ارکان اور حصہ دار شمار ہوسکتے ہیں، ورنہ صرف وکیل اور نائب شمار ہوں گے۔

۳۔ کمپنی کے امور پہ ضبط:

اس عنوان کے ماتحت دونوں پیراگراف درج شدہ صحیح اور درست ہے۔

۴۔ کمپنی کا سرمایہ حصص:

یہ طریقہ کار بھی درست ہے۔

۵۔ منظور شدہ سرمایہ:

یہ طریقہ کار بھی درست ہے۔

۶۔ جاری شدہ سرمایہ:

یہ طریقہ کار بھی درست ہے۔

۷۔ پیش کشی سرمایہ یا ادا شدہ سرمایہ:

یہ مفہوم واصطلاح بھی درست ہے۔

۸۔ آمد شدہ سرمایہ:

اس کے متعلق گفتگو بھی صحیح و درست ہے۔

۹۔ حصہ یعنی کمپنی کے سرمایہ کا غیر منقسم قلیل ترین جز:

اس کے تحت ذکر کردہ مفہوم واصطلاح سب درست ہے۔

۱۰۔ ترجیحی حصص:

یہ طریقہ کار بھی درست ہے۔

۱۱۔ اسناد حصص:

یہ طریقہ کار بھی درست ہے

۱۲۔ حصص حاصل کرنے کے طریقے:

اس عنوان کے تحت حصول حصص کے دو ذریعوں میں سے پہلا ذریعہ (اجراء حصص) اس کا طریقہ کار بھی درست ہے، اور دوسرے ذریعہ کے تحت درج کردہ پہلا ذریعہ (عوامی اجراء) یہ طریقہ کار بھی درست ہے۔

۱۳۔ البتہ حصول حصص کا ذریعہ نمبر ۲ یعنی برابری کے حصص سے منسلک قرض تمسکات کا اجراء، یہ محل کلام ہوسکتا ہے۔ کیونکہ تمسک کی اصل حقیقت اس پرچہ (کاغذ) کی ہوتی ہے، اور اس کاغذ کی حیثیت سند و وظیفہ یا رسید کی ہوگی نہ کہ مال کی، لہذا اس کی بیع وشراء یا قرض لینا دینا درست نہ ہوگا۔

البتہ اگر اس کی حیثیت عرفی عام طور سے مال جیسی ہو جاوے جیسا کہ کاغذی نوٹ، ڈالر وغیرہ کی حیثیت عرفی مال جیسی ہوگئی اور اس حیثیت عرفی میں اس کا تبادلہ وادائیگی زکوۃ وغیرہ کی اباحت کا حکم ہوگیا، اسی طرح ان تمسکات (رسیدات) کا حکم بھی ہو جاوے گا کیونکہ مال کی فقہی تعریف ان تمسکات پر صادق آجاوے گی، اور مال کی فقہی تعریف یہ ہے:

المراد بالمال مايميل إليه الطبع ويمكن ادخاره لوقت الحاجة والمالية تثبت بتمول

الناس كافة أو بعضهم والتقوم يثبت بها ويإباحة الانتفاع بها شرعا (شامی نعمانی ۳؍۴)۔

ورنہ ان تمسکات کا شرعاً بیع وشراء وغیرہ سوائے عقد حوالہ کے درست نہ رہے گا، لہٰذا اس مفہوم پر خوب غور کرکے حکم لگایا جاوے۔

اسی طرح جس صورت میں شرعی ربا لینے دینے کا معاملہ ہوگا اس صورت میں حتی المقدور سودی معاملہ سے بچنے کی سعی کرنا لازم رہے گا۔ اور انہی وجوہ سے مضمون کے قرض تمسکات سے متعلق بقیہ مباحث پر مزید کوئی گفتگو نہیں کی گئی ہے۔

۱۴۔ حصص میں سرمایہ کاری کے فوائد:

اس کے تحت درج ۱، ۲ کا طریقہ کار درست ہے، اور ۳ اور اس کے بعد کے مندرجات از ۱۲ تا ۱۴ میں وہی گفتگو ہے جو قرض تمسکات کے مباحث میں مذکور ہو چکی ہے۔

نوٹ: اتنی گفتگو کے بعد (زیر عنوان خلاصہ اور سوال نامہ پر) کچھ لکھنے کی حاجت نہیں۔

☆☆☆

<u>مولانا شمس پیرزادہ، بمبئی</u>

کسی سودی اسکیم میں شریک ہونا یا تعاون کرنا ہرگز جائز نہیں، البتہ موجودہ حالات میں واقعی مجبوریوں کا لحاظ کئے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ اس لئے جس کے لئے جس حد تک مجبوری ہے اس کے لئے اسی قدر رعایت ہو سکتی ہے کہ "اتقوا الله مااستطعتم"۔

۱ تا ۵: ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔

۶۔ صفر سود یہ قرض تمسکات سے متعلق ہے جو دراصل سود کے لئے ایک حیلہ ہے اس لئے جائز نہیں۔

۷۔ ضرورتاً ایسی کمپنی کے قیام میں مدد دی جا سکتی ہے جس کی اسکیم میں کاروبار کے لئے سودی قرض لینا شامل ہو، کیونکہ قرض لینے کی مجبوری عام طور سے نہیں آتی ہے۔

۸۔ اس کا جواب اثبات میں ہے۔

۹ تا ۱۲۔ ان سب کا جواب نفی میں ہے۔

واضح رہے کہ معاملہ کی نوعیت اگر یہ ہو کہ اصلاً وہ درست ہے لیکن ضمناً اس میں سود شامل ہو گیا ہے تو اس کے لئے جواز کی صورت ہے، لیکن اگر معاملہ کی نوعیت ہی سودی کاروبار کی ہو تو وہ جائز نہ ہوگا۔

ڈبنچر (Debenture) کا معاملہ صریح طور پر سودی معاملہ ہی ہے، اس لئے اس کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں۔

۱۳۔ اگر کمپنی نے حصص کے سلسلے میں بطور حق قرض تمسکات کی پیشکش کی ہے تو اس کو فروخت کرکے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۱۴۔ جب قرض تمسکات خریدنا ہی جائز نہیں تو ان کو حصص میں تبدیل کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

۱۵، ۱۶۔ ان دونوں کا جواب بھی عدم جواز کا ہے۔

۱۷۔ سود اگر وصول ہی کرنا پڑا ہو تو اس کا مصرف فقراء ومساکین پر صرف کرنا ہے۔

۱۸۔ حصص کی فروخت اپنے نام منتقل کرائے بغیر جائز ہے۔

۱۹۔ جب قرض تمسکات خریدنا جائز نہیں تو ان کی فروخت کا کیا سوال۔ اگر کسی کے پاس قرض تمسکات ہوں تو وہ فروخت کرکے سود کی رقم اس میں سے منہا کردے۔

☆☆☆

<u>مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، ندوۃ العلماء لکھنو</u>

۱۔ سوال واضح نہیں ہے، اس لئے جواب دینا مشکل۔

۲، ۳۔ جائز نہیں۔

۴۔ اگر قرض غیر سودی ہو تو ایسی شکلیں جائز ہوں گی جن میں ربا (سود) لازم نہ آئے۔ لیکن قرض دلانے کا "واسطہ" بننے کی اجرت اصلاً جائز نہیں۔

۵۔ جائز نہیں۔

۶۔ جو سوال نمبر ۴ کا جواب ہے وہی اس کا جواب بھی ہے۔

۷۔ جائز نہیں۔

۸۔ اگر سود پر لئے گئے قرض کی رقم کا کاروبار اور غیر سودی رقم کا کاروبار علیحدہ علیحدہ ہو تو اس میں سرمایہ کاری کی جاسکتی ہے، ورنہ نہیں۔

۹، ۱۰۔ اگر حصص غیر سودی ہوں تو انہیں فروخت کی غرض سے خریدنا شرعاً جائز ہونا چاہئے۔

۱۱۔ جب سودی قرض کے تمسکات خریدنا ہی جائز نہیں تو اس پر متفرع صورت بھی جائز نہیں۔

۱۲۔ جائز ہے، خریدے جاسکتے ہیں۔

۱۳۔ محض "پیشکش" شرعاً قابل عوض نہیں، جو شئی یا عمل قابل عوض نہ ہو اس پر مال لینا جائز نہیں۔

۱۴، ۱۵۔ شکل واضح نہیں، تفصیل معلوم ہونے اور شکل کے واضح ہو جانے کے بعد ہی کوئی رائے دی جاسکتی ہے۔

۱۶۔ جس سے سود وصول ہوا ہے اسی کو وہ رقم دیدی جائے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

۱۷۔ جیسا کہ سوال نمبر ۱۶ کے تحت گذرا کہ اس میں (۱۶ میں) تو ایک شکل جواز کی نکل سکتی ہے، بقیہ میں نہیں۔ پھر جب ایسے "تمسکات" کا خریدنا ہی جائز نہیں تو اس پر ملنے والے سود سے متعلق سوال ہی بے محل ہے۔ اور اس کا حکم بھی واضح ہے کہ ہر قسم کے سود کا لینا حرام ہے۔

۱۸، ۱۹۔ "بیع قبل القبض" کی صورت نہ پیدا ہو تو اس شکل سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہوسکتا ہے۔

☆☆☆

مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی

۱۹ نمبرات پر مشتمل سوالنامہ کا تجزیہ خلاصہ کے طور پر دو حصوں میں کیا جا سکتا ہے:

۱۔ یہ کہ کمپنی جو تجارت کے لئے قائم کی جاتی ہے، اور اس کا سرمایہ مقرر کر کے اس کے شیئرز (Shares) خریدے جاتے ہیں، اس اسکیم میں کاروبار کا جو طریقہ ہے مثلاً سود پر قرض لینا اور اس کا سود اصل رقم سے یا نفع کی رقم سے دینا، اسی طرح اصل یا نفع کی رقم کو سود پر دینا اور حاصل شدہ سودی رقم کمپنی کے نفع میں شامل کر کے شیئر ہولڈرس (Share Holders) کو تقسیم کرنا، کیا ایسی کمپنی میں مسلمانوں کے لئے شیئرز خریدنا یعنی اس میں حصہ دار بننا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ یہ کہ شیئرز کی قیمتوں میں کمپنی کے نفع اور نقصان کے اعتبار سے کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے، لہذا شیئرز ہولڈرس شیئرز کی قیمتیں زیادہ ہو جانے کے وقت بعض دفعہ اپنا حصہ کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں، تو کیا کمپنی کے شیئرز کی خرید و فروخت شرعاً درست ہے؟ غرضیکہ سوالنامہ کا حاصل یہ دو سوالات ہیں، ان میں سے ہر ایک کا جواب بالترتیب ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ کمپنی میں شیئرز خریدنے کا جو طریقۂ کار ہے اور کاروبار چلانے کی جو اسکیم ہے شرعی نقطۂ نظر سے یہ شرکت کا معاملہ ہی نہیں ہے۔ فقہی اصول و ضابطے کے مطابق نہ تو یہ شرکت عنان ہے، نہ شرکت مفاوضہ میں داخل ہے، نہ ہی شرکت صنائع و تقبل میں اس کا شمار ممکن ہے۔ اگر اسے شرکت مضاربت میں رکھا جائے تو اس کے تمام شرائط بھی اس میں نہیں پائے جاتے، سب سے زیادہ خطرناک بات یہ پائی جاتی ہے کہ شیئرز ہولڈرس جو کچھ پیسے کمپنی میں جمع کرتے ہیں وہ پیسے کبھی کسی حالت میں واپس نہیں ملتے، کمپنی کبھی واپس نہیں کرتی۔ شیئر ہولڈر اگر اپنا شیئر کسی کے ہاتھ فروخت نہ کرے تو اس کے سرمایہ کی رقم ایک طرح سے سوخت ہو جاتی ہے۔

۲۔ رہا کمپنی کے شیئرز کا فروخت کرنا تو اس کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں۔ اول تو اس وجہ سے کہ وہ رسید جو شیئرز ہولڈر کو کمپنی کی طرف سے رقم کی وصولیابی پر ملتی ہے وہ مبیع نہیں، بلکہ مبیع درحقیقت وہ رقم ہے جو شیئرز ہولڈر کی کمپنی میں جمع ہے، اور پیسوں کی بیع پیسوں کے عوض کمی زیادتی کے ساتھ شرعاً ناجائز ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔ دوسرے یہ کہ کمپنی میں جو رقم جمع ہوتی ہے وہ نقد کی شکل میں جمع نہیں رہتی ہے، بلکہ کچھ عمارت کی شکل میں، کچھ فرنیچر کی شکل میں، کچھ سامان تجارت کی شکل میں، اور کچھ دوسروں کے یہاں سودی قرض کی شکل میں ہوتی ہے، لہذا مبیع اس صورت میں مجہول ہے معلوم اور متعین نہیں ہے، اور یہ کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ جس بیع میں مبیع مجہول ہو اس کی بیع درست نہیں۔ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ شیئرز ہولڈر کی جو رقم کمپنی میں جمع ہوتی ہے وہ رقم واپس نہیں ملتی ہے، نہ وہ خود واپس لے سکتا ہے، پس جو چیز مشتری کو سپرد کرنے پر بائع قدرت نہیں رکھتا ہے اس کی بیع شرعاً کس طرح جائز ہوگی۔ علاوہ ازیں شیئر کو فروخت کرتے وقت بائع اور مشتری ہر دو کے نزدیک نفع کی رقم نامعلوم ہوتی ہے، نیز کمپنی میں پوری رقم نقد کی شکل میں بہت سے لوگوں کے ذمہ دین ہوتی ہے، اور بیع صرف دین میں جائز نہیں، یہاں مدیون بائع اور مشتری کے علاوہ تیسرا شخص

ہے۔غرض ان سب وجوہ سے کمپنی کے شیئرز کا فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں۔

☆☆☆

مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی، باندہ

۱۔ گنجائش سمجھ میں آتی ہے، بالخصوص جبکہ سودی قرض کا تذکرہ قانونی مصالح کی بنا پر ہو۔

۲۔ اگر وہ کمپنی جواز کا فتوی لے چکی ہے اور وہ محض سفارش کی حد تک نہیں بلکہ باقاعدہ بھاگ دوڑ اور وقت کی قربانی کے ساتھ ہو تو جائز ہے۔

۳ تا ۵۔ بظاہر یہ سارے کام سودی دستاویز کاغذات سے متعلق ہیں، اس لئے یہ اجرت جائز نہ ہوگی۔

۶۔ لی جاسکتی ہے۔

۷، ۸۔ جی ہاں۔

۹ تا ۱۳، ۱۸۔ قرض تمسکات کی بیع کا جواز سمجھ میں نہیں آتا، اصولاً یہ تمسکات اسناد قرض ہیں اور یہ معاملہ حوالہ ہے جس میں صاحب حق اصل سے کم تو تاویل کے ساتھ لے سکتا ہے مگر ادا کردہ رقم سے زائد لینا سمجھ میں نہیں آتا کہ کس تاویل سے ہوگا۔

البتہ مالکیہ کے یہاں قرض کو غیر مقروض کے ہاتھ بھی بیچا جاسکتا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴؍۴۳۴)، اور کمپنیوں کا اب جو عام رواج ہے اس کی وجہ سے اس کے معاملات کو ابتلائے عام کے تحت شمار کرکے ایک موقع پر حضرت تھانویؒ نے دوسرے مذہب پر فتوی کا ذکر کیا ہے (امداد الفتاوی ۳؍۴۹۵) اس لئے ضرورتاً یہاں اس کو اختیار کرلینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ سود کے لین دین کا معاملہ جڑا ہوا نہ ہو، اور یہ تمسکات عموماً اس سے خالی نہیں ہوتے، اس لئے منع کیا جائے گا۔

۱۴، ۱۵۔ صورت پورے طور پر سمجھ میں نہیں آتی، آدمی اپنے حق کی واجبی لاگت میں کمی وزیادتی کرسکتا ہے۔

۱۶۔ نہیں۔

۱۷۔ ہاں۔

۱۹۔ حوالہ کی مذکورہ صورت درست ہے۔

☆☆☆

مفتی جمیل احمد نذیری، مبارکپور

۱۔ اجرت لی جاسکتی ہے۔

(الف) إذا استأجر رجلا ليحمل له خمرا فله الأجر في قول أبي حنيفة وقال أبو يوسف ومحمد لا أجر له وإذا استأجر ذمي مسلما ليحمل له خمرا ولم يقل ليشرب أو قال ليشرب جازت الإجارة في قول أبي حنيفة خلافا لهما.

(ب)إذا استأجر ذمي دابة من مسلم أوسفينة لينقل عليها الخمر جاز في قول أبي حنيفة.
(ج) إذا استأجر الذمي من المسلم بيتاليبيع فيه الخمر جاز عند أبي حنيفة.
(د) ولو استأجر مسلماليرعى له الخنازير يجب أن يكون على الخلاف كمافي الخمر.
(ھ) مسلم آجر نفسه من مجوسي ليوقدله النار لابأس به كذا في الخلاصة.
(و) وإن استأجر لينحت له طنبورا أوبربطاففعل طاب له الأجر إلاأنه يأثم به كذا في فتاوى قاضي خان.
(ز) ولو استأجر الذمي ليبني له بيعة أو كنيسة جاز ويطيب له الأجر كذا في المحيط
(فتاوی عالمگیری کتاب الاجارة ۵۲۶/۳)

اس کی ایک اور نظیر امداد الفتاوی (۱۶۷/۳) میں حضرت تھانویؒ کا وہ فتوی بھی ہے جس میں ایک سوال کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ مدارس ومکاتب میں استاد اگر نصاب کی کتاب میں سود کا حساب پڑھائے تو جائز ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حساب کتاب خود معصیت نہیں بلکہ اس کا عملی استعمال معصیت ہے، اسی طرح کسی کمپنی کے قیام کی ایسی اسکیم بنانا جس میں کاروبار کے لئے سود پر قرض لینا شامل ہو، بذات خود معصیت نہیں بلکہ کاروبار کے لئے سودی قرض لینا معصیت ہے۔

۲۔ جائز نہیں، کیونکہ سودی قرض دلانے میں مدد کرنا معصیت ہے (دیکھئے: تنقیح فتاوی حامدیہ ۱۴۰/۲)۔

۳،۴۔ اجرت حاصل کی جاسکتی ہے، جواب نمبر ا کے تحت دلائل ذکر کئے جاچکے ہیں۔

۵،۶۔ اجرت حاصل کی جاسکتی ہے۔

۷،۸۔ ایسی کمپنی میں سرمایہ کاری جائز ہے بشرطیکہ کمپنی جو کاروبار کرنے والی ہو یا کر رہی ہو وہ فی نفسہ مباح ہو اور سرمایہ کاری کرنے والے کا سرمایہ اور نفع سود سے محفوظ رہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

حقیقت شرعیہ اس معاملہ کی شرکت ہے، یعنی روپے داخل کرنے والے اس تجارت کے شرکاء ہیں اور کارکنان کمپنی تمام کاروبار میں ان کے وکیل ہیں، اور چونکہ یہ تجارت یعنی بجلی تیار کر کے اہل حاجت کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے اس کا نفع وغیرہ بھی حلال ہے۔ رہا وہ امر خلاف اشرع جو اخیر میں لکھا ہے اس عبارت میں کہ بعض اوقات قرضہ......الی قولہ......وصول کرتی ہے۔ سو جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس کی اطلاع نہ ہوا س نے تو کارکنان کمپنی کو ان دو امر (یعنی قرض لینا اور اس پر سود وصول کرنا) کا وکیل ہی نہیں بنایا، اس لئے کارکنوں کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا، اور جن کی اطلاع ہو تو وہ تصریحاً اس کی ممانعت کر دیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرف نسبت تو نہ ہوگی، یہ کلام تو منسوب ہونے یا نہ ہونے میں ہے۔ لیکن یہ سوال اب بھی باقی ہے کہ کمپنی جو سود وصول کرے گی حصہ داروں پر وہ بھی تو تقسیم ہوگا، تو سود سے یہ حصہ دار منتفع ہوئے، سو اس میں کئی حالتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس کا وقوع لازم تو ہے نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ کمپنی کا کسی کے ذمہ قرضہ ہی نہ ہو، اس لئے سود

لینے کی نوبت ہی نہ آئے، اور اصل صورت تجارت کمپنی کی حلال تھی، تو شک سے حرمت کا حکم نہ کریں گے اور تفتیش ایسے امور میں واجب نہیں، نہ تفتیش سے ہر شخص کو اس جز کا وقوع یا عدم وقوع معلوم ہو سکتا ہے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ کمپنی نے یہ سود غیر مسلم سے لیا ہے تو اس میں ربوا من الحربی کا مسئلہ جاری ہوگا، جس کا مختلف فیہ ہونا معلوم ہے، اس لئے مبتلا کو اس میں تنگی نہ ہوگی، اور جو سود کمپنی نے دیا ہے اس میں شرکاء کا سود سے انتفاع محتمل ہی نہیں (امداد الفتاوی ۳/۴۹۱، ۴۹۲)۔

۹۔ اگر حصص کے ساتھ قرض تمسکات کا خریدنا لازم نہ ہو تو صرف حصص ہی خریدے جائیں اور اگر حصص کے ساتھ قرض تمسکات بھی خریدنا لازم ہو تو سوال میں ذکر کردہ نیت کے ساتھ خریدنا جائز ہے۔ لیکن جتنے میں خریدا ہے اس سے زیادہ پر فروخت کرنا کی گنجائش نہیں، زائد رقم سود ہو جائے گی۔

اسی طرح فروختگی سے پہلے اس پر جو سود کا اضافہ ہو چکا ہو اس کو بھی شامل کر کے دونوں کی مجموعی قیمت پر بھی فروخت کرنا جائز نہیں، بلکہ خالص قرض کی رقم پر فروخت کیا جائے۔ البتہ کم پر فروخت کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ سوال میں اگر چہ اسے "فروختگی" سے تعبیر کیا گیا ہے مگر حقیقت میں یہ "خرید وفروخت" نہیں "حوالہ" ہے۔ اگر بیع کی نیت ہو تو کسی طرح یہ بیع جائز نہ ہوگی، کیونکہ دین کی بیع درست نہیں۔ درمختار میں ہے:

وأفتى المصنف ببطلان بيع الجامكية لما في الاشباه بيع الدين إنما يجوز من المديون. وفي ردالمختار إذا باع الدين من غير من هو عليه كماذكر لايصح (۱۴/۴)۔

ہاں اگر حوالہ کی نیت کی جائے تو یہ معاملہ جائز ہوگا مگر پھر حوالہ کی ساری شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا۔

یہاں تین فریق ہیں:

محیل: حوالہ کرنے والا یعنی وہ شخص جس نے کمپنی سے قرض تمسک خریدا ہے۔

محتال[۱]: جس کا قرض دوسرے کے حوالہ کیا جارہا ہے یعنی کمپنی۔

محتال علیہ: جسے اب قرض کی وصولیابی کا ذمہ دار بنایا جارہا ہے یعنی وہ شخص جو قرض تمسک خریدنے والے سے قرض تمسک خرید رہا ہے۔

محیل قرض تمسکات پر زائد رقم اس لئے نہیں لے سکتا کہ حوالہ کرنا ہے اور کم اس لئے لے سکتا ہے کہ اسے جائز تھا کہ وہ قرض کی پوری رقم حوالہ کرے یا اس کا کوئی جز۔

محیل کا جو قرضہ کمپنی کے ذمہ تھا، اس نے اسے محتال علیہ سے وصول کر کے اور قرض تمسکات محتال علیہ کے سپرد کر کے یہ بتا دیا کہ اب یہ قرضہ کمپنی سے تم وصول کر وا اور اپنے پاس رکھ لو، یہاں اہم بات یہ ہے کہ جب محیل نے

۱۔ حقیقت میں محتال وہ شخص ہے جس نے قرض تمسک خریدا ہے اور محتال علیہ کمپنی ہے، یہ کتاب الحوالہ کی فقہی اصطلاح کے مطابق ہے، لیکن یہاں جو صورت حال پیش آئی ہے اس کے اعتبار سے محتال اور محتال علیہ الگ لکھے گئے ہیں، یوں فقہی اصطلاح بھی یہاں صادق آجاتی ہے۔ مسئلہ میں کسی اعتبار سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

قرض تمسکات دے کر محتال علیہ سے کمپنی پر عائد شدہ قرض کی رقم وصول کر لی تو یہ محتال علیہ کا قرضدار ہو گیا اور محتال علیہ قرضخواہ، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر محتال علیہ کمپنی سے کسی وجہ سے تمسکات کی رقم وصول کرنے پر قادر نہ رہا تو جو رقم وہ محیل کو دے چکا ہے محیل اسے لوٹائے گا (دیکھئے: ہدایہ ۱۲۹/۳، تنقیح فتاوی حامدیہ ۲۹۳/۱)۔

قرض تمسکات کو کم قیمت پر حوالہ (فروخت) کرنے کی صورت میں محتال (مشتری) سے کہہ دیا جائے کہ تمہاری دی ہوئی رقم سے جو زائد رقم تم کو ملے گی (یعنی اصل قرض تھا ایک ہزار روپے، حوالگی ہوئی نوسو روپے کی تو قرض تمسکات پر محتال کو ایک سو روپے زائد ملے) وہ تمسکات سے روپے حاصل کرنے کی دوڑ دھوپ کی اجرت میں رکھ لینا، ساتھ ہی اسے یہ بھی بتادیا جائے کہ ان تمسکات پر جو سود لگ رہا ہے اسے وصول نہ کرنا، اس کے بعد بھی وہ وصول کرے گا تو خود گناہ گار ہوگا، اس کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی (دیکھئے: امداد الفتاوی ۴۹۱/۳)۔

۱۰۔ خریدے جا سکتے ہیں اور ان تمسکات پر ملنے والے سود کو بلانیت ثواب غرباء پر صدقہ کر دیا جائے۔

۱۱۔ قرض تمسکات کی فروختگی دراصل حوالہ ہے اور حوالہ کی ہی نیت و شرائط کے ساتھ جائز ہو سکتا ہے ورنہ نہیں، جیسا کہ سوال نمبر ۹ کے جواب کے تحت تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ لہٰذا زائد قیمت پر فروخت (حوالہ) کرنا جائز نہیں ہے۔

مضمر حصص کی قیمت میں کمی بیشی کا کوئی اعتبار نہ ہوگا بلکہ قرض تمسکات جتنی رقم کے ہیں وہی رقم معتبر ہوگی اور اسی کی حوالگی صحیح ہوگی۔

۱۲۔ کمپنی اور بازار دونوں سے خریدے جا سکتے ہیں، لیکن کمپنی سے خریدنا دراصل کمپنی کو قرض دے کر سند قرض حاصل کرنا ہے، لیکن بازار سے خرید نا بیع کی نیت و شرط کے ساتھ جائز نہیں کیونکہ یہ حوالہ ہے، لہٰذا حوالہ کے احکام پر عمل درآمد ضروری ہے، جن کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۱۳۔ مذکورہ قرض تمسکات میں بھی حوالہ کے احکام پر عمل کر سکتے ہیں، لیکن ''فائدہ'' غالباً نہ ہو سکے گا کیونکہ زائد پر فروخت (حوالہ) کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

۱۴۔ احقر کے نزدیک یہ صورت جائز معلوم ہوتی ہے، اس کی نظیر انکم ٹیکس (Income Tax) و سیل ٹیکس (Sale Tax) میں سودی رقم دینے کا جواز ہے (فتاوی رحیمیہ ۱۷۵/۳، نظام الفتاوی ۴۳۱،۴۳۰/۲)۔

۱۵۔ ناقابل تبدیل اجزاء کی فروخت (حوالگی) پر اضافی رقم نہیں لی جا سکتی، لہٰذا یہ سوال ہی ختم ہو جاتا ہے کہ حصص کی لاگت کو اضافی قیمت سے منہا کر کے کم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

۱۶۔ ناقابل تبدیل اجزاء کے حوالہ (فروخت) کرنے پر ''نقصان'' سے مراد یہ ہو کہ اتنی رقم نہ مل پائے گی جو حصص مضمر ہونے کی صورت میں ملتی لیکن وہ رقم مل جائے گی جو اب کمپنی کے ذمہ قرض رہ گئی ہے، تو یہ نقصان شرعاً نقصان نہیں۔ لہٰذا سود سے اس کی تلافی کا کیا سوال۔

لیکن اگر نقصان سے مراد یہ ہو کہ اتنی رقم نہ مل پائے گی جو اب کمپنی کے ذمہ باقی رہ گئی ہے تو بھی موجودہ

صورت میں سود کی رقم سے اس کی تلافی احقر کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ سود ملا ہے کمپنی سے اور نقصان ہوا ہے کسی اور کو ناقابل تبدیل اجزاء حوالہ (فروخت) کرنے سے۔

جہاں تک سوال نمبر ۱۴ کا تعلق تھا اس میں اضافی رقم لینا اور سود دینا، دونوں کام کمپنی ہی کرتی تھی، لہذا جو رقم جہاں سے آئی تھی وہیں پہونچ گئی۔ پھر موجودہ صورت میں نقصان کا کیا سوال؟ ناقابل تبدیل اجزاء کی رقم کمپنی تو دے گی ہی، خواہ تاخیر سے ہی سہی۔

۱۷۔ قرض تمسکات پر ملا سود واجب التصدق ہوگا، اور قرض تمسکات کی فروخت (حوالہ) پر منافع کا سوال ہی نہیں، تفصیل جواب نمبر ۹ کے تحت گذری ہے۔

۱۸۔ حصص کی بیع منقول کی بیع ہے، اور منقولات کی بیع بلا قبضہ جائز نہیں ہے۔

وبيع المنقول قبل القبض لايجوز بلاخلاف بين أصحابنا (بدائع الصنائع ۳۰۶/۵)۔

بزازیہ میں ہے:

لايصح بيع المنقول قبل قبضه من البائع أو الأجنبي لنهيه عليه الصلوة والسلام عن بيع مالم يقبض (بزازیہ ۳۹۶/۴، شامی ۱۶۲/۴، فتح القدیر ۱۳۵/۶)۔

نام کی منتقلی ہی قبضہ ہے، جب نام منتقل نہیں ہوا تو قبضہ نہیں ہوا، لہذا یہ خرید وفروخت جائز نہ ہوگی۔

۱۹۔ قرض تمسکات کو زائد رقم پر فروخت (حوالہ) نہیں کیا جاسکتا، انتظار کیا جائے اور حصص میں تبدیل ہونے کے بعد فروخت کیا جائے تاکہ زائد رقم جائز رہے۔ چونکہ یہ حوالہ ہے اس لئے قبضہ کی شرط نہیں ہے، نام منتقل ہوئے بغیر بھی ''حوالہ'' کرنا جائز ہے لیکن زائد رقم لینا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆

<u>مفتی اسماعیل بھدکودروی، گجرات</u>

۱۔ کمپنی کی جس اسکیم میں سود پر قرض لینا شامل ہو، ایسی اسکیم بنا کر اجرت لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ باختیار خود سودی قرض لینے کا مباشر بنتا ہے۔

۲۔ سودی قرض دلانے کی کارروائی میں مدد کر کے اجرت حاصل کرنا جائز نہیں ہے، حدیث شریف میں سودی معاملہ میں معاون بننے پر وعید وارد ہوئی ہے۔

۳۔ ناقابل تبدیل سودی قرض تمسکات سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کرنا جائز نہیں ہے، یہ حکم کمپنی کے غیر حصہ دار کے لئے مذکورہ تمسکات کی کارروائی سے متعلق ہے، کیونکہ کمپنی کے پرانے حصہ دار کیلئے بطور حق سودی قرض تمسکات سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کرنا محل غور وفکر ہے۔

۴۔ اس صورت میں بھی غیر شریک کے لئے حصص سے منسلک ناقابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کرنے کا حکم جواب نمبر ۳ کی طرح ناجائز ہے، اور حصہ دار کے لئے بہ امور

انجام دے کر اجرت حاصل کرنا محل غور وفکر ہے۔

۵۔ کلی طور پر قابل تبدیل سودی قرض تمسکات سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کرنا جائز ہے، چاہے یہ امور کمپنی کے حصہ دار کے لئے انجام دیئے جائیں یہ غیر حصہ دار کے لئے، دونوں صورتوں میں اجرت لینا جائز ہے کیونکہ سود کے نام سے ملنے والی رقم کو برابری کے حصص کی قیمت کی کمی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات سے متعلق امور غیر حصہ دار کے لئے انجام دے کر اجرت حاصل کرنا ناجائز ہے، البتہ حصہ دار کے لئے یہ امور انجام دینا اور اجرت حاصل کرنا محل غور ہے۔

۶۔ اس صورت میں سود کا دخل نہیں ہے، لہٰذا ایسے غیر سودی قرض تمسکات سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کرنا جائز ہے، اس صورت میں اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرض دے کر برابری کے حصص کم قیمت میں حاصل کرنے کا فائدہ اٹھانا پایا جاتا ہے، مگر اس قرض تمسکات کے سرمائے میں اگر یہ توجیہ کی جائے کہ یہ سرمایہ قرض نہیں ہے بلکہ ملنے والے حصص کی داخل کردہ قیمت ہے، تو پھر قرض دے کر اس سے کم قیمت میں حصص حاصل کرنے کا اشکال باقی نہ رہے گا۔

۷،۸۔ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے ایسی کمپنی کے شیئرز خرید کر اس میں سرمایہ لگانے کا یہ حل تحریر فرمادیا ہے کہ: سو جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس کی اطلاع نہ ہوا اس نے اس نے تو کارکنان کمپنی کو ان دو امر کا وکیل ہی نہیں بنایا، اس لئے کارکنوں کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا، اور جس کو اطلاع ہو وہ تصریحاً اس سے ممانعت کردیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرح نسبت تو نہ ہوگی۔ (امداد الفتاوی ۳/۴۹۱)۔

۹۔ حصص سے منسلک نا قابل تبدیل یا قابل تبدیل سودی قرض تمسکات بازار سے خریدنا نہ کمپنی کے پرانے حصہ دار کے لئے جائز ہے نہ غیر حصہ دار کے لئے، اس لئے کہ یہ صورت تو نقد رقم دے کر دوسرے سے اس کا کمپنی کو دیا ہوا قرض خریدنا ہے، اور اگر نقد رقم اور قرض تمسکات میں اداشدہ سرمایہ میں کمی زیادتی ہو تو اور بھی زیادہ مذموم ہے کہ ربائے فضل کا تحقق بھی ہوگا۔

کلی قابل تبدیل سودی قرض تمسکات کو براہ راست کمپنی سے خریدنا حصہ دار اور غیر حصہ دار دونوں کے لئے جائز ہو اس کی گنجائش ہے، کیونکہ اس صورت میں ملنے والے سود کو برابری کے حصص کی قیمت کی کمی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

جزوی طور پر قابل تبدیل سودی قرض تمسکات کو براہ راست کمپنی سے خریدنا غیر حصہ دار کے لئے تو جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کے سرمایہ کا ناقابل تبدیل جز تو خالص سودی قرض ہی میں محبوس رہے گا، البتہ کمپنی کے حصہ دار کے لئے ایسے تمسکات کا خریدنا محل غور وفکر ہے۔

۱۰۔ اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو نمبر ۹ کے جواب میں مذکور ہوئی، اور اس صورت میں ایسی نیت کرنے سے کہ ان تمسکات کو بقدر ضرورت (یعنی حصص میں تبدیل ہونے تک) ہی روکا جائے گا، خریداری کے ناجائز ہونے پر کچھ اثر نہ ہوگا۔

۱۱۔ قابل تبدیل قرض تمسکات کے حصص میں تبدیل ہونے سے پہلے ان کو فروخت کرنا اور منافع حاصل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ سرمایہ تمسکات کے حصص میں تبدیل ہونے سے پہلے یہ سرمایہ نقد کا سرمایہ دین کے عوض کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ ہے جو کھلا ہوا سودی معاملہ ہے۔

۱۲۔ مذکورہ غیر سودی قابل تبدیل تمسکات کو براہ راست کمپنی سے خریدنا کمپنی کے حصہ دار اور غیر حصہ دار دونوں کے لئے جائز ہے، مگر بازار سے خریدنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ سرمایہ نقد و دین کا کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ ہوگا۔

۱۳۔ نا قابل تبدیل قرض تمسکات اور جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کی پیشکش سے دوسرے کے حق میں دستبردار ہو کر اس کا عوض لینا جائز نہیں ہے کیونکہ کمپنی کے حصہ دار کے لئے ان دونوں قسم کے تمسکات کا لینا قابل غور وفکر ہے اور غیر حصہ دار کے لئے تو اس کا لینا جائز ہی نہیں ہے، اور کلی طور پر قابل تبدیل سودی قرض تمسکات کا خریدنا (ادائیگی قیمت اور ملنے والے سود میں نقص قیمت کی تاویل سے) اگرچہ جائز ہے مگر کمپنی تو اس کو قرض ہی کا نام دیتی ہے، اور حق اقراض سے دستبرداری کا عوض لینا جائز نہیں ہے۔ لہذا احتیاط یہی ہے کہ اس قسم کے تمسکات سے دوسرے کے حق میں دستبردار ہو کر فائدہ نہ حاصل کیا جائے۔

۱۴۔ جیسا کہ مذکورہ بالا جوابات میں واضح کیا گیا ہے اس کے مطابق کلی طور پر قابل تبدیل سودی تمسکات پر ملنے والے سود کو حصص کی قیمت کی کمی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

۱۵۔ اس طرح قرض تمسکات کے نا قابل تبدیل اجزاء کے فروخت پر حاصل شدہ اضافہ کو حصص کی اضافی قیمت میں سے منہا سمجھنا درست نہیں ہے، کیونکہ حصص کی اضافی قیمت کمپنی حاصل کرتی ہے، اور نا قابل تبدیل اجزاء کے فروخت پر ملنے والا اضافہ اس کے خریدار سے حاصل ہوتا ہے، جو سودی معاملہ سے حاصل ہوا ہے۔

۱۶۔ قرض تمسکات کے نا قابل تبدیل اجزاء کے فروخت پر ہوئے نقصان کی تلافی پر اس پر ملنے والے سود سے کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نقصان خریدار سے ہونے والے سودی معاملہ میں ہے اور ملنے والا سود کمپنی ادا کرتی ہے۔

۱۷۔ سوال نمبر ۱۵ اور ۱۶ میں ذکر کردہ جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کا خریدنا ہی نا جائز ہے، اگر کسی نے لاعلمی میں خرید لیا تو اس کے سود کو بلانیت ثواب فقراء پر صدقہ کر دینا چاہئے، اور اگر لاعلمی میں نفع لے کر دوسرے کو فروخت کر دیا تو اگر اس معاملہ کو فسخ کرنا دشوار ہو تو لیا ہوا نفع خریدار کو واپس کر دے، اس لئے کہ یہ نفع شرعاً سود ہے اور اس کا مالک معلوم ہے۔

۱۸۔ حصص کی خرید وفروخت کا مطلب حصہ دار (شیئر ہولڈر) کمپنی کے مشترکہ اثاثوں میں سے جس مشاع حصہ کا مالک ہے اس حصہ کی خرید وفروخت کرنا ہے، اور اپنے نام حصص کو منتقل کرنے کا مطلب تو صرف اپنی ملکیت کا دستاویزی ثبوت اور استحکام فراہم کرنا ہے، اور ظاہر ہے کہ مالک حصص کی ملکیت شرعاً دستاویزی ثبوت پر موقوف نہیں ہے، لہذا شیئر ہولڈر اپنے مملوکہ حصص اپنے نام منتقل کرائے بغیر بھی فروخت کرسکتا ہے۔ کمپنی کے مشترکہ اثاثوں میں اشیاء غیر منقولہ (مکانات، فیکٹری وغیرہ) اور اشیاء منقولہ (فرنیچر، تیار شدہ مال، خام مال، نقد سرمایہ وغیرہ) دونوں قسم کی

چیزیں شامل ہیں، اشیاء غیر منقولہ کی فروخت تو قبضہ سے قبل ہی جائز ہے مگر اشیاء منقولہ کی فروخت قبضہ کے بعد جائز ہے، لیکن کارکنان کمپنی شیئر ہولڈر کے وکیل ہیں اس لئے ان کا قبضہ مالک کا قبضہ شمار ہوگا۔ کمپنی کی اشیاء مشترکہ میں نقد سرمایہ بھی شامل ہوگا، لہذا حصص کی فروخت میں بظاہر مالک حصص کا سرمایۂ نقد کا حصہ بھی شامل ہوگا اور سرمایۂ نقد کے تبادلہ میں طرفین سے قبضہ ہونا شرط ہے، ورنہ معاملہ جائز نہ ہوگا، اور یہاں مجلس میں طرفین کا قبضہ نہیں پایا جائے گا۔
اس پیچیدگی کا حل حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے: ''رہا قصہ تقابض کا سو اس کا ایک حیلہ ہوسکتا ہے، وہ یہ کہ مشتری بائع سے یوں کہے کہ تمہارا جتنا روپیہ کمپنی میں ہے اپنے اس زرِ ثمن میں سے تم کو اس قدر (قرض) دیتا ہوں، اور تم اس قرض کا حوالہ اس کمپنی پر کردو، کہ اس سے وصول کروں یا کسی کام میں لگوا دوں، اور جو زرِ ثمن میں اس روپے سے کچھ زیادت ہے، اس کے عوض تمہارے حصہ کا سامان از قبیل عروض خریدتا ہوں۔'' (امداد الفتاوی ۳/۴۹۲)

۱۹۔ مذکورہ تمسکات میں لگے ہوئے سرمایہ کے حصص میں تبدیل ہونے سے پہلے (چاہے وہ تمسکات مالک کے نام منتقل ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں) ان تمسکات کو کمپنی کے علاوہ کسی دوسرے سے خریدنا یا کمپنی سے خرید کر کسی دوسرے کو فروخت کرنا، یہ سرمایۂ نقد و دین کا کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کا معاملہ ہے جو سودی معاملہ ہے، لہذا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

کمپنی سے متعلق جوابات کی تلخیص

(۱۹سوالات کے جوابات)

از...... مفتی محمد فہیم اختر ندوی

۱۔ جائز نہیں ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ، مفتی اسماعیل صاحب)
سوال واضح نہیں ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)
اجرت لینا جائز ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبید اللہ اسعدی)

۲۔ جائز نہیں ہے۔(مفتی اسماعیل صاحب، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی جمیل احمد نذیری) اگر وہ کمپنی جواز کا فتوی لے چکی ہے اور یہ مد محنت ووقت کی قربانی کے ساتھ ہوتو درست ہے۔(مولانا عبید اللہ الاسعدی)

۳۔ حاصل کی جاسکتی ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری)
جائز نہیں ہوگی۔(مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا شمس پیرزادہ)
کمپنی کے غیر حصہ دار کے لئے درست نہیں ہے، پرانے حصہ دار کے لئے محل غور وفکر ہے۔(مفتی اسماعیل صاحب)

۴۔ نہیں کی جاسکتی۔(مولانا شمس پیرزادہ، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عبید اللہ الاسعدی)
حاصل کی جاسکتی ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری)
غیر حصہ دار کے لئے درست نہیں ہے، حصہ دار کے لئے محل غور ہے۔(مفتی اسماعیل صاحب)

۵۔ جائز نہیں ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبید اللہ الاسعدی)
اجرت حاصل کی جاسکتی ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری)
کلی طور پر قابل تبدیل میں درست ہے، جزوی طور پر قابل تبدیل میں غیر حصہ دار کے لئے درست ہے۔(مفتی اسماعیل)

۶۔ اجرت حاصل کی جاسکتی ہے(مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی اسماعیل)
جائز نہیں ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ صاحب)

۷۔ جائز نہیں ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)
جائز ہے۔(مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا شمس پیرزادہ، مفتی اسماعیل صاحب)
جائز ہے بشرطیکہ کمپنی کا کاروبار مباح ہو۔(مفتی جمیل احمد نذیری)

۸۔ کی جاسکتی ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی اسماعیل صاحب، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبیداللہ الاسعدی)
سود پر لئے قرض کی رقم اور غیر سودی رقم کے کاروبار علیحدہ علیحدہ ہوں تو جائز ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)

۹۔ جائز نہیں ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبیداللہ الاسعدی، مفتی اسماعیل صاحب)
جائز ہے بشرطیکہ جتنے میں خریدا ہے اسی قیمت پر فروخت کرے۔(مفتی جمیل احمد نذیری)
اگر حصص غیر سودی ہوں تو انہیں فروخت کی غرض سے خریدنا شرعاً جائز ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)

۱۰۔ نہیں۔(مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبیداللہ الاسعدی)
اگر حصص غیر سودی ہوں تو انہیں بغرض فروخت خریدنا درست ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)
خریدے جاسکتے ہیں۔(مفتی جمیل احمد نذیری)، بازار سے خریدنا درست نہیں ہے۔(مفتی اسماعیل صاحب)

۱۱۔ درست نہیں ہے۔(مفتی اسماعیل صاحب، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبیداللہ الاسعدی)، زائد رقم پر فروختگی درست نہیں ہے، جتنی رقم کے قرض تمسکات ہیں وہ رقم معتبر ہوگی۔(مفتی جمیل احمد نذیری)

۱۲۔ نہیں۔(مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبیداللہ الاسعدی)
جائز ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)
کمپنی سے خریدنا درست ہے، بازار سے خریدنے میں حوالہ کے احکام پر عمل ضروری ہے کیونکہ یہ حوالہ ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری)۔
کمپنی سے خریدنا جائز ہے، بازار سے خریدنا درست نہیں ہے۔(مفتی اسماعیل صاحب)

۱۳۔ جائز نہیں۔(مولانا عبیداللہ الاسعدی، مفتی اسماعیل صاحب)
فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ صاحب)
اس میں بھی حوالہ کے احکام پر عمل کرسکتے ہیں۔(مفتی جمیل احمد نذیری)
محض ''پیشکش'' شرعاً قابل عوض نہیں لہذا درست نہیں ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)

۱۴۔ درست نہیں ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ)
جائز معلوم ہوتی ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی اسماعیل صاحب)
سوال سمجھ میں نہیں آیا۔(مولانا عبیداللہ الاسعدی، مولانا برہان الدین سنبھلی)

۱۵۔ ناقابل تبدیل اجزاء کی فروخت پر اضافی رقم نہیں لی جاسکتی، لہذا یہ سوال ہی ختم ہوجاتا ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری)
درست نہیں ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ، مفتی اسماعیل صاحب)

سوال سمجھ میں نہیں آیا۔ (مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا برہان الدین سنبھلی)

۱۶۔ نہیں۔ (مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی اسماعیل صاحب)

جس سے سود وصول ہوا ہے اسی کو وہ رقم دی جائے تو جائز، ورنہ نہیں۔ (مولانا برہان الدین صاحب)

۱۷۔ بلا نیت ثواب فقراء و مساکین پر صدقہ کردینا چاہئے۔ (شمس پیرزادہ، مفتی اسماعیل، عبید اللہ اسعدی صاحب) (مولانا برہان الدین سنبھلی)

واجب التصدیق ہوگا۔ (مفتی جمیل احمد نذیری)، یہ سوال ہی بے محل ہے۔

۱۸۔ جائز ہے۔ (مولانا شمس پیرزادہ، مفتی اسماعیل صاحب)

جائز نہیں ہے۔ (مفتی جمیل احمد نذیری)

بیع قبل القبض کی صورت نہ پیدا ہو تو جواز ہے۔ (مولانا برہان الدین سنبھلی)

۱۹۔ جائز نہیں ہے۔ (مفتی اسماعیل صاحب)

چونکہ یہ حوالہ ہے اس لئے درست ہے، لیکن زائد رقم لینا جائز نہیں ہے۔ (مفتی جمیل احمد نذیری)

بیع قبل القبض کی صورت نہ پیدا ہو تو درست ہے۔ (مولانا برہان الدین سنبھلی)

قرض تمسکات خریدنا جائز نہیں، تو فروخت کا کیا سوال۔ (مولانا شمس پیرزادہ)

نوٹ: مفتی نظام الدین صاحب نے ''کمپنی میں سرمایہ کاری'' مضمون کے ذیلی عناوین پر تبصرہ فرمایا ہے، اور مولانا حبیب الرحمٰن خیرآبادی صاحب نے ایک عمومی تبصرہ ایک صفحہ کے مضمون میں فرمایا ہے، ان دونوں کی تلخیص شامل نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

کمپنی کے کاروبار سے متعلق چند مزید سوالات

۱۔ کمپنیز کی اپنے کاروبار کی نوعیت کے اعتبار سے تین قسمیں ہوسکتی ہیں:

(۱) وہ کمپنیاں جن کا کاروبار حلال ہو۔

(۲) وہ کمپنیاں جن کا کاروبار حرام ہو۔

(۳) وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن ان کو بعض اوقات سودی لین دین میں ملوث ہونا پڑتا ہے۔

ظاہر ہے کہ نمبر۲ میں مذکور کمپنی میں حصہ لینا جائز نہیں ہے، اور نمبر۱ میں حصہ لینا جائز ہے، نمبر۳ کے بارے میں کیا شرعی حکم ہے؟

اس ضمن میں اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ کمپنی خود ایک فرد اعتباری ہے جس کا قانونی وجود تسلیم کیا جاتا ہے، کمپنی کا طریقۂ کار یہ ہوتا ہے کہ تمام شیئرز ہولڈرس مل کر مجموعی طور پر کمپنی کے مالکان ہوتے ہیں، کمپنی کو اپنی میٹنگ میں کثرت رائے سے بورڈ آف ڈائرکٹرس یعنی انتظامیہ کا انتخاب کرنا ہوتا ہے، کمپنی کا یہ انتظامیہ کمپنی کو چلانے اور اس کی پالیسی کے بارے میں ان فیصلوں کا پابند ہوگا جو کمپنی کی مجلس عمومی طے کرے گی، مجلس عمومی سے مراد وہ مجلس ہے جس کے رکن تمام حصہ دار ہوں گے۔ واضح رہے کہ ہر حصہ دار کے ووٹ کی قیمت اس کے حصص کے تناسب سے متعین ہوگی۔ کمپنی کے ہر حصہ دار کو مجلس عمومی کی نشست میں کمپنی کے بارے میں اظہار خیال کا حق ہوگا۔ اگر کوئی شخص کمپنی کی کسی ایسی پالیسی کو جس میں سودی لین دین کا ارتکاب ہوتا ہو پسند نہیں کرتا ہو تو اس پالیسی پر وہ اعتراض کرسکتا ہے، اور وہ یہ بھی کوشش کرسکتا ہے کہ اس کی رائے کو اکثریت حاصل ہو، عمل بہر حال اسی رائے پر ہوگا جو کثرت رائے سے منظور کی جائے۔ اب یہاں پر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(الف) شیئرز ہولڈر (اپنی انفرادی حیثیت میں) اور بورڈ آف ڈائرکٹرس کے درمیان کیا رشتہ ہے؟ کیا بورڈ آف ڈائرکٹرس کے ہر تصرف اور عمل کی نسبت ہر شیئرز ہولڈر کی طرف کی جائے گی؟ کمپنی قوانین کے ماہرین کا خیال یہ ہے کہ بورڈ آف ڈائرکٹرس، شیئرز ہولڈرس کی انفرادی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتا ہے، بلکہ وہ کمپنی کی نمائندگی کرتا ہے جس کا خود علاحدہ قانونی وجود ہے۔

(ب) اگر کوئی شیئرز ہولڈر مجلس عمومی میں کسی ایسی پالیسی کی مخالفت میں ووٹ دیتا ہے جو سودی لین دین پر مشتمل ہو اور اکثریت حاصل نہیں ہونے کے باعث اس کی مخالفت کامیاب نہیں ہوتی تو کیا اسے اس صورت میں سودی لین دین کے اس عمل کی ذمہ داری سے بری الذمہ قرار دیا جاسکتا ہے؟

۲۔ مالیاتی ادارے اجرت پر لوگوں کی مختلف خدمات بھی انجام دیا کرتے ہیں، منجملہ ان خدمات کے، ایک کام مختلف کمپنیوں کے پروجیکٹ بنانا بھی ہے۔ کیا اسلامی مالیاتی ادارہ اس طرح کی فنی خدمات انجام دے سکتا ہے جبکہ بعض کمپنیوں کی اسکیمیں ایسی بھی ہوں گی جن میں حصہ داروں کے سرمایہ کے علاوہ،

(الف) سود پر قرض حاصل کرنا۔
(ب) ڈبنچر جاری کرنا، (حصص میں قابل تبدیل اور نا قابل تبدیل)۔
(ج) حصص سے منسلک ڈبنچر جاری کرنا۔
(د) کچھ عرصے بعد کلی یا جزوی طور پر حصص میں تبدیل ہونے والے ڈبنچر جاری کرنا۔
(ھ) صفر سودی قرض تمسکات جاری کرنا بھی شامل ہے۔

واضح رہے کہ ڈبنچر سود بردار قرض تمسک کو کہتے ہیں۔ یہ قرض تمسک جزوی یا کلی طور پر حصص میں تبدیل ہونے والے بھی ہو سکتے ہیں اور حصص میں تبدیل نہ ہونے والے بھی ہو سکتے ہیں۔ اول الذکر کو (کنورٹیبل ڈبنچر۔ Convertible Debenture) اور آخر الذکر کو (نان کنورٹیبل ڈبنچر۔ Non Convertible Debenture) کہتے ہیں۔ صفر سودی قرض تمسک پر بظاہر نہ سود آتا ہے اور نہ اس کے بقدر زائد رقم کمپنی کو دی جاتی ہے، لیکن جن شیئرز میں یہ تمسک تبدیل ہوتے ہیں ان کی قدر، عرفی قدر سے نسبتاً زیادہ ہوتی ہے اور یہ اجراء سے قبل ہی طے پاتا ہے، حصص سے منسلک ڈبنچر کے اجراء کی اسکیم یہ ہے کہ سرمایہ کار کو حصص میں اگر سرمایہ کاری کرنی ہے تو سود بردار تمسکات میں بھی سرمایہ کاری لازماً کرنی ہوگی۔

۳۔ سوال نمبر ۲ (ج) میں حصص سے منسلک ڈبنچر کا ذکر ہے، اس اسکیم کے ذریعہ سرمایہ کار اگر سرمایہ کاری کرے اور اس سرمایہ کاری کے نتیجے میں حاصل ہوئے ڈبنچر کو بازار میں فروخت کر دے تو نتیجہ کے طور پر حصص میں جو خالص سرمایہ کاری ہوئی وہ اس قدر بازار سے حاصل کئے گئے حصص سے کم ہوتی ہے، کیا اس فائدہ کے پیش نظر اس اسکیم میں سرمایہ کاری جائز ہوگی؟

۴۔ سوال نمبر ۲ (د) میں حصص میں تبدیل سود بردار قرض تمسکات کے ذریعہ سرمایہ کار اگر سرمایہ کاری کی جائے اور صرف قرض تمسکات کے اس حصہ کو جو تبدیل ہو گیا یا ہوا چاہتا ہے برقرار رکھا جائے اور بقیہ کو بازار میں فروخت کر دیا جائے تو بھی خالص سرمایہ کاری حصص میں بازاری قدر کے مقابلہ میں کم ہوگی۔ کیا اس فائدہ کے پیش نظر اس اسکیم میں سرمایہ کاری جائز ہوگی؟۔

۵۔ سوال نمبر ایک شق (ھ) میں دی گئی صفر سودی قرض تمسک اسکیم میں سرمایہ کاری کے لئے شرعی حکم کیا ہوگا؟

۶۔ سوال نمبر ۲ اور نمبر ۳ میں قرض تمسک اپنی قدر عرفی سے ہمیشہ کم قدر پر فروخت ہوتا ہے الا یہ کہ اسے حصص میں تبدیل ہونے سے قبل فروخت کر دیا جائے۔ کیا قرض اپنی قدر عرفی سے کم یا زیادہ قدر پر فروخت کیا جا سکتا ہے؟ نیز اس پر حاصل ہوئے سود سے اس کے نقصان کی تلافی کیا ممکن ہے؟

۷۔ کمپنیوں کو سرکار، سرکاری مالیاتی ادارے، بینک یا دوسری ایجنسیوں سے قرض لینا پڑتا ہے اور مالیاتی ادارے ایسی درخواستوں کو منظور کرانے کے لئے کوشش اور پیروی کا کام اجرت پر کرتے ہیں۔ تو کیا اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے ایسی خدمات انجام دینا جائز ہوگا؟

۸۔ پہلے سے قائم اور مالی طور پر مستحکم کمپنیوں کے حصص کی بازاری قدر ان کی قدر عرفی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ ایسی کمپنیاں کبھی کبھی اپنے موجود حصہ داروں اور ڈبینچر ہولڈرس کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے ان کے حصص اور ڈبینچر کی نسبت سے بطور حق انہیں قابل تبدیل ڈبینچر میں سرمایہ کاری کی پیشکش کرتی ہیں۔ یہ حق قابل تبدیل بھی ہوتا ہے، حقدار اپنا حق استعمال کر کے سرمایہ کاری کرنا مناسب نہ سمجھے تو اپنا حق بازار میں فروخت بھی کرسکتا ہے اور فائدہ اٹھا سکتا ہے، لیکن اس فائدہ سے یقیناً کم ہوتی ہے جو سرمایہ کاری سے حاصل ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ اس اسکیم کے ختم ہونے کے بعد حصص کی قیمت بازار میں کم ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس طرح ملے حق کے ذریعہ قابل تبدیل ڈبینچر میں سرمایہ کاری کے لئے کیا شرعی حکم ہے؟ اور اس کی فروخت کے سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

۹۔ کیا جزوی طور پر قابل تبدیل ڈبینچر کے حصص میں تبدیل ہو جانے کے بعد نا قابل جز کے فروخت پر ہوئے نقصانات کی تلافی اس پر ملے سود سے کی جاسکتی ہے؟

۱۰۔ شیئرز میں حصص کے خریداروں کو دو زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: (۱) وہ لوگ جو کہ حصص خرید کر انہیں اپنے نام منتقل کرا کر کمپنی میں نفع ونقصان کے مستحق ہیں۔ (۲) دوسرا وہ شخص جو کہ شیئرز بازار میں حصص کی قیمت کے اتار چڑھاؤ سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے حصص کی خرید وفروخت کرتا ہے۔ کیا اس غرض سے حصص کی خرید وفروخت بغیر اپنے نام منتقل کرائے ہوئے جائز ہوگا؟

۱۱۔ (الف) کیا یہ شرعاً روا ہوگا کہ حصص کو رہن رکھ کر غیر سودی قرض حاصل کیا جائے یا دیا جائے؟

(ب) کیا یہ شرط روا ہوگا کہ ڈبینچر (سود بردار تمسکات) رہن رکھ کر غیر سودی قرض حاصل کیا جائے یا دیا جائے؟

۱۲۔ عام طور سے حصص کو بازار سے خرید کر کمپنی میں اپنے نام منتقل کرانے میں ۳ ماہ کا عرصہ لگ جاتا ہے، اس عرصہ میں حصص کی قیمت میں کافی اتار چڑھاؤ کا امکان رہتا ہے، ایسے حالات میں اگر کسی قیمت میں اضافہ ہو جائے اور حصص جو کہ کمپنی کو بھیجے جاچکے ہیں لیکن منتقل ہو کر واپس نہیں آئے ہیں، ان کو مستقبل بازار میں بیچنے کا طریقہ اپنا کر سودا کیا جاسکتا ہے؟ اس طرح حصص بردار حصص ہاتھ میں نہ ہوتے ہوئے بھی حصص فروخت کر کے ان کی قیمت میں مستقبل میں آئی امکانی گراوٹ کے خطرے سے اپنے آپ کو محفوظ کرسکتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح سے مالک کا حصص ہاتھ میں نہ ہوتے ہوئے بھی حصص کو بازار مستقبل میں بیع کرنا جائز ہوگا؟

کمپنی کے کاروبار سے متعلق جوابات

مولانا شیر محمد خاں رضوی، راجستھان

کمپنی کے حصص کے بارے میں کافی عرصہ سے غور وخوض جاری ہے۔ شیئرز ہولڈر، بورڈ آف ڈائرکٹر اور ڈبنچر کے باہمی تعلق کے تمام تر پہلوؤں پر تامل کیا گیا، مگران میں جواز کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے۔ ڈبنچر میں صریحاً سود کا پہلو موجود ہے، اس لئے اس کے عدم جواز میں کوئی شک نہیں "احل الله البیع و حرم الربا"۔

رہا سوال شیئرز کا تو یہ بھی اقسام بیوع میں سے کسی بھی قسم کے تحت نہیں آتے، شرکت ومضاربت کے شرائط میں سے کسی بھی شرط پر من کل وجہ پورے نہیں آتے، البتہ شیئر میں ربا وقمار کا اشتباہ بظاہر عیاں ہے اس لئے احتراز لازم ہے۔

کمپنی کے حصص کے تعلق سے فاضل بریلوی "فتاوی رضویہ میں رقم طراز ہیں:

''ظاہر ہے کہ حصہ روپیوں کا ہے اور وہ اُتنے ہی روپیوں کو بیچا جائے گا جتنے کا حصہ ہے یا کہ زائد کو بیچا گیا تو ''ربوا'' ہے، اور اگر مساوی ہی کو بیچا گیا تو ''صرف'' ہے، جس میں تقابض بدلین نہ ہوا، یوں حرام ہے۔'' (فتاوی رضویہ ۷/۱۱۱)۔

تمسکات کے بارے میں علماء دیوبند وبریلی شریف ہر دو کا یہی نظریہ ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے۔

☆☆☆

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، میسور کرناٹک

ارسال کردہ سوال نامہ بہت دیر سے دستیاب ہونے پر مضامین پر نظر غائر ڈالنے کا موقع نصیب نہ ہوا لہذا طائرانہ نظر وتوجہ کے سہارے جواب وخیالات پیش خدمت کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں خدا کرے ان موضوعات پر خاص مطالعہ رکھنے والے بزرگوں سے استفادہ کا موقع نصیب ہو۔

۱۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن ان کو بعض اوقات سودی لین دین میں ملوث ہونا پڑتا ہے اس کمپنی میں حصہ لینا جائز ہے، اس لئے کہ اس کا بنیادی کاروبار حلال ہے، چونکہ عام شیئر ہولڈرس مجموعی طور پر کمپنی کے مالک ہوتے ہیں، کمپنی کا انتظامیہ مجلس عمومی کے اشاروں کے ماتحت ہوتا ہے، ہر حصہ دار کو سودی لین دین کی پالیسی پر اعتراض کا حق ہے، اپنی رائے کو منوانا اور اکثریت حاصل کرنا اس کے زور وہمت اور اثر ورسوخ پر منحصر ہے، کم از کم حقیقت کو واضح کرنے کے مواقع فراہم ہوتے رہتے ہیں، اور اپنی مخالفت منوانے کے بجائے کم از کم اس کے عدم جواز کا اعلان تو کرسکتا ہے، لہذا اس کو سودی لین دین کی ذمہ داری سے بری الذمہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

۲۔ اسلامی مالیاتی ادارہ مختلف کمپنیوں کے پروجیکٹ بنانے کی خدمات انجام دے سکتا ہے، غیر اسلامی کج راہ روی کی تدریجی اصلاح کی بے حد گنجائش اور علمی وذہنی تبلیغ کے بے حساب مواقع فراہم ہوتے ہیں، ان خدمات سے دامن کشا ہونا۔ "الساکت عن الحق" کے تحت آنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، چونکہ اس میں صفر سودی قرض

تمسکات جاری کرنا بھی شامل ہے، اسلام میں تخمینات کی اصلاح کی اجازت ہے، حصص سے منسلک ڈبنچر کے اجراء کی اسکیم بھی تخمینہ ہے، اس لئے اسلامی مالیاتی ادارہ مجاز ہوسکتا ہے۔

۴،۳: جائز ہے۔

۵۔ صفر سودی قرض تمسک اسکیم میں منفعت متعین نہیں ہوتی لہذا جائز قرار دی جاسکتی ہے۔

۷۔ اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے ایسی خدمات کا انجام دینا جائز ہے۔

۸۔ زیر غور ہے۔

۹۔ تلافی کی جاسکتی ہے۔

۱۰۔ حصص کی خرید وفروخت اپنے نام منتقل کرانا بہتر ہے۔

۱۱۔ روا ہے۔

۱۲۔ جائز ہے۔

☆☆☆

مولانا شمس پیرزادہ، بمبئی

۱۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن ان کو بعض اوقات سودی لین دین میں ملوث ہونا پڑتا ہے، ان میں حصہ لینا بحالات موجودہ جائز ہے، کیونکہ ان کا سودی لین دین ایک ضمنی بات ہے، اور شاید ہی کوئی کمپنی ایسی ہو جو سودی لین دین سے بالکل بچی ہوئی ہو، ہر کمپنی کو بینک سے قرض لینا پڑتا ہے اور اس پر سود دیئے بغیر چارہ کار نہیں ہے، اور وہ ڈبنچر بھی جاری کرتی ہے نیز ہر کمپنی اپنے ریزروفنڈ پر سود بھی حاصل کرتی ہے، جو سود وہ وصول کرتی ہے وہ مقدار میں کم ہوتا ہے اور جو سود وہ ادا کرتی ہے وہ مقدار میں زیادہ ہوتا ہے، اس لئے کمپنی کے منافع (Dividend) میں عام طور سے شامل نہیں ہوتا۔

(الف) بورڈ آف ڈائرکٹرس کو کمپنی کے قوانین کے مطابق اختیارات حاصل ہوتے ہیں اور شیئرز ہولڈرس کی جو سالانہ میٹنگ ہوتی ہے اس کے ان فیصلوں کے وہ پابند ہوتے ہیں جو کثرت رائے سے ہوئے ہوں، اس لئے بورڈ آف ڈائرکٹرس کے ہر تصرف اور عمل کا ذمہ دار ہر شیئر ہولڈر کو نہیں قرار دیا جاسکتا۔

(ب) اگر کوئی شیئر ہولڈر مجلس عمومی میں سودی لین دین کی مخالفت کرتا ہے اور اکثریت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اسکی بات مانی نہیں جاتی تو موجودہ حالات میں اسے اس عمل کی ذمہ داری سے بری الذمہ قرار دینا پڑے گا۔

۲۔ مالیاتی ادارے مختلف کمپنیوں کے پروجیکٹ بنا سکتے ہیں اور اجرت پر فنی خدمات انجام دے سکتے ہیں بشرطیکہ ان کمپنیوں کا اصل کاروبار حرام نہ ہو، اور نہ ان اداروں کو کسی حرام سے ملوث ہونا پڑتا ہو۔

۳۔ حصص سے منسلک ڈبنچر میں سرمایہ کاری جائز نہیں کیونکہ یہ سودی معاملہ میں شرکت ہے۔

۴۔ حصص میں تبدیل سود بردار قرض تمسکات میں سرمایہ کاری جائز نہیں ہوگی کیونکہ حصص میں تبدیل نہ

ہونے والے ڈبنچر (Non Convertible Debenture) کا معاملہ کرنا خواہ وقتی طور پر ہی کیوں نہ ہو، سودی معاملہ میں شرکت کے مترادف ہے۔

۵۔ صفر سودی قرض تمسک (Zero Intrest Debenture) میں سرمایہ کاری جائز ہوگی کیونکہ ایسے ڈبنچر کچھ عرصہ بعد حصص میں تبدیل ہوجاتے ہیں یعنی وہ (Convertible) ہیں اور سود سے خالی ہیں، لہذا ان ڈبنچر کی نوعیت سود بردار ڈبنچر کی نہیں ہے۔

۶۔ ڈبنچر قرض تمسک ہے، اور اس کو قدر عرفی سے زیادہ قدر پر فروخت کرنے کا مطلب قرض پر سود حاصل کرنا ہے۔ رہا قدر عرفی (جو حقیقی قرض ہے) سے کم قدر پر فروخت کرنا تو یہ صورت ڈبنچر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے جائز ہوگی، ورنہ قرض تمسک قابل فروخت چیز نہیں ہے۔

۷۔ کمپنیاں جن اداروں سے قرض لیتی ہیں وہ سود پر ان کو رقوم دیتے ہیں، لہذا کسی اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے ایسی خدمات اجرت پر انجام دینا جائز نہ ہوگا۔

۸۔ قابل تبدیل ڈبنچر (Convertible Debenture) ایک عرصہ بعد ہی تبدیل کئے جاسکتے ہیں، اس وقت تک سودی معاملہ کرنا ہوگا، اس لئے ان میں سرمایہ کاری نہیں کی جاسکتی۔

۹۔ ڈبنچر کے ناقابل تبدیل جز کے فروخت پر ہوئے نقصان کی تلافی اس پر ملے سود سے نہیں کی جاسکتی، کیونکہ سود کمپنی دیتی ہے جب کہ فروخت کا معاملہ دوسرے شخص سے کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ حصص کی خرید وفروخت بغیر اپنے نام منتقل کرائے جائز نہیں، کیونکہ نام پر منتقل کرائے بغیر اسے خرید وفروخت کے حقوق حاصل نہیں، وہ ابھی کمپنی کے حصص کا مالک نہیں بنا، اور ایسی خرید وفروخت پر قانونی پابندی بھی ہے۔

۱۱(الف) حصص کو رہن رکھ کر غیر سودی قرض حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حصص مالیت رکھنے والی چیز ہے۔

(ب) ڈبنچر خریدنا سودی معاملہ ہے اس لئے یہ معاملہ کیا ہی نہ جائے، رہن وغیرہ رکھنے کا سوال پیدا ہی کہاں ہوتا ہے۔

۱۲۔ مالک کا حصص ہاتھ میں نہ ہوتے ہوئے یعنی اپنے نام منتقل کرانے سے پہلے حصص کو بازار مستقبل میں فروخت کرنا جسے (Forward Trading) کہتے ہیں جائز نہیں۔ وجوہ وہی ہیں جو جواب نمبر ۱۰ میں بیان ہوئے۔ (Stock Exchange) میں سٹے کا کاروبار اسی بنیاد پر ہوتا ہے۔

☆☆☆

<u>مولانا محمد شعیب اللہ مفتاحی، بنگلور</u>

۱۔ (الف) شیئرز ہولڈر اور بورڈ آف ڈائرکٹرس کے مابین وکیل و مؤکل کا رشتہ ہے۔ شیئرز ہولڈر مؤکل ہوگا اور بورڈ آف ڈائرکٹرس (انتظامیہ) اس کا وکیل، کیونکہ کمپنی کو چلانے اور اس کی پالیسی میں یہ بورڈ (کماھو مصرح

فـی السـوال)ان فیصلوں کا پابند ہوگا جو کمپنی کے حصہ دار طے کرتے ہیں، لہذا بورڈ کے تصرف کو شیئر ہولڈر کا تصرف قرار دیا جائے گا۔ مگر چونکہ شیئر ہولڈر کو یہ حق ہے کہ وہ کمپنی کی کسی پالیسی سے اختلاف رائے رکھتا ہوتو وہ اس پر اعتراض کرے، اس لئے اگر کوئی شیئر ہولڈر کسی ناروا و ناجائز پالیسی سے اختلاف ظاہر کر دے گا تو وہ آگے ہونے والی ناروا وغلط کارروائی میں شریک نہ قرار دیا جائے گا، اور وہ عمل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ:

''جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس (سودی لین دین) کی اطلاع نہ ہو اس نے تو کارکنان کمپنی کو ان دوامر کا وکیل ہی نہیں بنایا، اس لئے کارکنان کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا، اور جن کو اطلاع ہو وہ تصریحاً اس سے ممانعت کر دیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا، مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرف نسبت تو نہ ہوگی۔'' (امداد الفتاوی ۳/۴۹۱)

(ب) اس کا جواب اوپر کے جواب سے ظاہر ہے یعنی مخالفت کے بعد بورڈ کی کارروائی سے یہ بری الذمہ ہو جائے گا، مگر یہ براءت صرف مباشرت سے ہوگی نہ کہ اعانت سے، لہذا یہ مباشرۃً تو سودی لین دین سے بری ہوگا مگر اعانت علی المعصیۃ سے بری نہ ہوگا، اور اعانت علی الاثم کے باب میں اگر چہ فقہاء کی عبارات میں اضطراب و اختلاف پایا جاتا ہے تاہم غور وفکر کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ معصیت کی اعانت اس صورت میں حرام ہے جبکہ حقیقۃً یا حکماً قصد معصیت اس میں شامل ہو، حقیقۃً قصد تو ظاہر ہے، اور حکماً قصد معصیت ایک تو یہ ہے کہ صلب عقد میں اس کا تذکرہ احدالمتعاقدین کی طرف سے ہو جائے، دوسرے یہ کہ کوئی ایسی چیز اس میں لگائے جو سوائے معصیت کے کسی اور چیز میں استعمال نہ ہوتی ہو، جیسے آلات غناو غیرہ۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فقہاء کے تمام اقوال کو پیش نظر رکھ کر اعانت کے مسئلہ میں یہی ضابطہ تنقیح فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں:

ان الإعـانة عـلـى المعصية حرام مطلقا بنص القرآن أعني قوله تعالى "ولاتعاونوا على الاثـم والعدوان" وقوله "فلن أكون ظهيرا للمجرمين" ولكن الإعانة حقيقة هي ماقامت المعصية بعين فعل المعين ولايتحقق إلابنية الإعانة أوالتصريح بهاأوتعينها في استعمال هذا الشيء، بحيث لايحتمل غير المعصية (تفصیل الکلام مندرجہ جواہر الفقہ ۲/۴۴۷)۔

یہی بات ملخصاً آپ نے اپنے دوسرے رسالہ "الاستبـانة لـمعنى التسبب و الإعانة" میں تحریر فرمائی ہے (دیکھئے احکام القرآن ۳/۷۷)۔

اس اصول پر جب ہم غور کرتے ہیں تو زیر بحث صورت میں اعانت علی المعصیۃ کھلے طور پر معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ صاحب عقد میں اس کا ذکر آیا اور آتا ہے، پھر بھی وہ کمپنی میں حصہ دار ہو کر اپنا مال لگا رہا ہے تو یہ صریح اعانت علی الحرام ہے، نیز اس ارتکاب حرام کا علم ہونے کے بعد اس کے لئے شیئر ہولڈر باقی رہنے کی کوئی گنجائش نہیں

ہوسکتی، علامہ حصکفی درمختار میں لکھتے ہیں:

ویکرہ تحریما بیع السلاح من أهل الفتنة إن علم لأنه إعانة على المعصية الخ (۲۶۸/۴ مع شامی)۔

الغرض مخالفت سے اس فعل کی نسبت اس کی طرف نہ ہوگی مگر اعانت علی الحرام کی وجہ سے اس کو اس میں اپنا حصہ لگانا جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ اس شیئر ہولڈر کا حصہ ونفع دونوں کو سود سے محفوظ رکھا جاتا ہو تو اس قسم کی کمپنی میں شیئرز (حصہ) داخل کرنا درست ہوگا اور یہ شخص مباشرت واعانت علی الحرام سے بری ہوگا۔

۲۔ اسلامی مالیاتی ادارہ کا مختلف کمپنیوں کے پروجیکٹ (Projects) تیار کرکے فنی خدمت انجام دینا جائز ہے، اگرچہ اس میں ایسی اسکیمیں بھی شامل ہوں جن میں سود کا لین دین ہوتا ہو، جیسے سودی قرض حاصل کرنا، ڈبنچر جاری کرنا وغیرہ جن کے متعلق سوال میں تفصیل مذکور ہے، کیونکہ محض پروجیکٹ بنانا ایسا ہے جیسے سود کے مسائل کی تعلیم دینا، اور علماء نے سود کے مسائل کی تعلیم کو جائز قرار دیا ہے، حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ:

''چونکہ حربی کو حربی سے سود لینے میں کوئی خطاب شرعی نہیں ہے اس لئے اس کو حرام نہ کہا جائے گا، پس سود کی ایک صورت ایسی نکلی جو حرام نہیں، اور یہ مسئلہ ہے کہ جس امر میں ایک صورت بھی حلال ہو اس کی تعلیم اعانت علی الحرام نہیں (امداد الفتاوی ۱۶۸/۳)۔

یہی صورت پروجیکٹ کی بھی ہے کہ یہ پروجیکٹ حربی کے حربی سے سود لینے دینے کی صورت میں کام آسکتا ہے اور یہ حلال ہے، تو اس کا تیار کرنا بھی حلال وجائز ہوا۔

۳۔ حصص سے منسلک ڈبنچر کی اسکیم حسب سوال یہ ہے کہ سرمایہ کار کو حصص میں اگر سرمایہ کاری کرنی ہے تو سود بردار تمسکات میں بھی سرمایہ کاری لازماً کرنی ہوگی، اور یہ ظاہر ہے کہ سود بردار تمسکات میں سرمایہ کاری حرام وناجائز ہے تو حصص سے منسلک ڈبنچر کی اسکیم میں سرمایہ کاری بھی ناجائز ہوگی، نیز حصص میں سرمایہ کاری کے لئے سود بردار تمسکات کو لازم وشرط قرار دینا صفقة فی صفقة کی صورت ہے جو کہ ناجائز ہے، لہذا یہ معاملہ درست نہیں ہے۔

۴۔ حصص میں تبدیل ہونے والے ڈبنچر میں سرمایہ کاری بھی ناجائز ہوگی اگر وہ سود بردار ہیں، بعض حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے اور اس سے حاصل ہونے والے سود کو بلانیت ثواب صدقہ کردیا جائے، میں ان سے متفق نہیں ہوں، کیونکہ بلانیت ثواب صدقہ کا مسئلہ تو علماء نے اس لئے بیان کیا تھا کہ اگر کوئی شخص لاعلمی یا لاپروائی کی بنا پر سودی کاروبار میں پھنس گیا اور اب اس کی وجہ سے اس کے نام کا سود جمع ہوگیا تو اس کو وہ دفع کرسکے اور وبال سے بچے، نہ اس لئے کہ برابر سودی کاروبار کا ارتکاب کرکے آخر میں بلانیت ثواب حرام مال (سود) کو صدقہ کردیا کرے۔

۵۔ صفر سودی قرض تمسک اسکیم جو دراصل بلاسودی قرض کی صورت ہے اس میں سرمایہ کاری درست وجائز ہے۔

۶۔ قرض تمسک کو فروخت کرنا ہی درست نہیں کیونکہ دین کی بیع صحیح نہیں ہے، علامہ ابن نجیمؒ نے ''الاشباہ'' میں

فرمایا ہے: وبیع الدین لایجوز (الاشباہ ۱۴/۴) اور درمختار میں ہے کہ جامکیہ کی بیع کو مصنف نے باطل قرار دیا ہے: وأفتی المصنف ببطلان بیع الجامکیة۔ اور شامی نے مصنف کی فتاوی سے بیع جامکیہ کی تفسیر یہ نقل کی ہے:

وھو أن یکون لرجل جامکیة فی بیت المال ویحتاج إلی دراھم معجلة قبل أن تخرج الجامکیة فیقول له رجل بعتنی جامکیتک التی قدرھا کذابکذا أنقص من حقه فی الجامکیة. فیقول له: بعتک، فھل البیع المذکور صحیح أم لالکونه بیع الدین بنقد؟

اس کے بعد مصنف کا جواب نقل کیا ہے کہ:

إذا باع الدین من غیر من ھو علیه کما ذکر لایصح وقال مولانا فی فوائده: وبیع الدین لایجوز ولوباعه من المدیون أو وھبه (شامی علی الدر المختار ۵۱۶/۴)۔

یہ بعینہ وہی صورت ہے جو ہمارے زیر بحث ہے لہذا وہ بھی ناجائز ہوگی، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس قرض تمسک کا حوالہ کردیا جائے کہ ان تمسکات کا حامل اپنا قرضہ جو کمپنی کے ذمہ ہے دوسرے کسی شخص کے حوالہ کردے جو برضا اس کو قبول کرلے۔

ہدایہ میں ہے:

الحوالة وھی جائزة بالدیون...... وتصح الحوالة برضاء المحیل والمحتال والمحتال علیه (۱۱۳/۳)۔

مگر چونکہ یہ قرض کا حوالہ ہے اس لئے اس میں کمی بیشی جائز نہ ہوگی، جیسا کہ مفتی کفایت اللہؒ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ کمی بیشی باطل ہے (کفایۃ المفتی ۱۵۸/۸)۔

البتہ حضرت تھانوی نے اپنے فتاوی میں حوالہ میں کمی کی صورت کو ایک تاویل سے درست قرار دیا ہے، وہ تاویل یہ ہے کہ حوالہ کرنے والا حوالہ قبول کرنے والے کو یہ کہہ دے کہ کمپنی کی طرف سے جو زائد رقم وصول ہو وہ تمہاری اجرت ہے۔ حاصل یہ کہ حوالہ قبول کرنے والے کو پہلے وکیل بنادے کہ وہ قرض وصول کرنے میں سعی کرے اور اس سعی کی اجرت میں وہ رقم زائد طے کردے جو کمپنی کی طرف سے وصول ہوگی کیونکہ اس نے حوالہ کم رقم پر کیا ہے۔ حضرت کی عبارت یہ ہے:

یوں کرے کہ خالد کو وکیل بنادے کہ تم اس انگریز سے تقاضا کرکے وصول کرو، اور اڑھائی سو روپے اس کام پر تمہاری اجرت ہے اور دو سو روپے تم ہم کو قرض دے دو (امداد الفتاوی ۳۲۲/۳)

حاصل یہ کہ دین بیع تو جائز نہیں اس کا حوالہ کیا جاسکتا ہے، اور اس میں زیادتی تو ناجائز ہے، کمی کے ساتھ حوالہ مذکورہ تاویل سے جائز ہے۔

۷۔ یہ صورت دلالی کی ہے اور اس کے جواز میں اختلاف ہے مگر عموم بلوی اور ضرورت کی بنا پر جواز کا ہی فتوی دیا جاتا ہے۔ شامیؒ نے فرمایا کہ:

وفی الحاوی: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار فقال: أرجو أنه لابأس به وإن کان فی الأصل فاسدا لکثرة التعامل وکثیر من هذا غیر جائز فجوزوه لحاجة الناس إلیه (شامی ۶۳/۶)۔

مگر یہ واضح ہونا چاہئے کہ یہ دلالی محض وجاہت کی بنا پر نہ ہو بلکہ سعی ومحنت پر اس کا مدار ہو، محض وجاہت سے کسی کام کی سفارش کرنا اور اس پر اجرت لینا جائز نہیں۔ مولانا تھانویؒ رشتہ مقرر کرنے پر اجرت کے مسئلہ پر فرماتے ہیں:

اگر اس ساعی (دلال) کو کوئی وجاہت حاصل نہ ہو اور جہاں اس نے سعی کی ہے وہاں کوئی دھوکہ نہ دے، تو اس اجرت کو جانے آنے کی اجرت سمجھ کر جائز کیا جائے گا۔

وإلا فلا یجوز أخذ الأجرة علی الشفاعة ولا الخداع (امداد الفتاوی ۲۹۳/۳)۔

وجہ یہ ہے کہ محض اپنی وجاہت سے سفارش کی کوئی متقوم شئی نہیں ہے لہذا اس پر اجرت نہیں لی جاسکتی، اور جہاں تک زیر بحث سوال کا تعلق ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں محض سفارش بالوجاہت سے نہیں بلکہ محنت ومجاہدہ سے کام لیا جاتا ہے، لہذا اجرت پر ایسی خدمت کا انجام دینا درست ہے۔

۸۔ قابل تبدیل ڈبینچر میں سرمایہ کاری کی بحث اوپر گذر چکی کہ اگر سود بردار ہے تو جائز نہیں، رہا حق مذکور کا فروخت کرنا، تو یہ جائز ہے۔ جیسا کہ تیسرے فقہی سمینار میں اس پر بحث ہو چکی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''حقوق دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو صاحب حق سے ضرر کو دفع کرنے کے لئے ہوتے ہیں، جیسے حق شفعہ شفیع کے لئے، حق قسم زوجہ کے لئے۔ دوسرے وہ حقوق جو اصالۃً صاحب کے لئے ثابت ہوئے ہوں، جیسے حق قصاص، حق رقیت وغیرہ۔

پہلے قسم کے حقوق کی بیع جائز نہیں، اور دوسرے قسم کے حقوق کی بیع جائز ہے۔ چنانچہ تیسرے فقہی سمینار نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ:

''وہ تمام حقوق جن کی مشروعیت اصالۃً نہیں بلکہ صاحب حق سے کسی ضرر کو دور کرنے کے لئے ہوتی ہے، ایسے حقوق پر عوض لینا جائز نہیں، جیسے شفعہ۔ جو حقوق نصوص شرعیہ سے ثابت ہوں البتہ ان سے مالی منفعت متعلق ہو گئی اور عرف میں ان کا عوض لینا مروج اور معروف ہو چکا ہو، نیز ان کی حیثیت محض دفع ضرر کی نہ ہو اور نہ وہ شریعت کے عمومی مقاصد ومصالح سے متصادم ہوں، ایسے حقوق پر عوض حاصل کرنا جائز اور درست ہے۔ (اہم فقہی فیصلے رص ۳۱)۔

اب رہا یہ سوال کہ زیر بحث حق کس قسم میں داخل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دوسرے قسم کے حقوق میں داخل ہے، کیونکہ یہ محض دفع ضرر کے لئے نہیں ہے بلکہ اس سے مالی منفعت متعلق ہے، جیسے حق قصاص ورق وغیرہ، لہذا اس پر عوض حاصل کرنا جائز ہے۔

۹۔ اولاً تو اس کو نقصان ہی نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ نفع کی کمی ہے، دوسرے اگر یہ نقصان ہے بھی تو سود سے تلافی

جائز نہیں، کیونکہ اس کا مصرف صرف فقراء ہیں جن کو بلانیت ثواب دینا ہے، سود سے خود کا منتفع ہونا قطعاً حرام ہے، اور اس کو انکم ٹیکس وغیرہ پر قیاس کرنا درست نہیں، کیونکہ وہ ضرر کی صورت ہے، اور اس میں سود کا روپیہ لگانا دفع ضرر کہا جاسکتا ہے (کماھو رأی بعض أھل الفتوی) اور زیر بحث صورت جلب منفعت کی ہے، اس میں سود لگانا سود سے انتفاع ہے، وھو غیر جائز۔

۱۰۔ اس میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی، مگر سوال میں ایک ابہام ہے، جس کا صاف ہونا ضروری ہے، وہ یہ کہ دوسری شکل میں لکھا گیا ہے کہ "بغیر اپنے نام منتقل کرائے" یہ واضح نہیں ہے، جب وہ خرید کرے گا تو اس کے نام منتقل نہ ہونے کا کیا مطلب؟ جب وہ خرید ے گا تو لازماً وہ حصہ مشتراۃ اس کا ہوگیا۔ اگر اس میں اصطلاحی کوئی تفصیل ہو تو واضح فرمایا جائے۔ اور میرے خیال میں یہ صورت اس صورت سے مختلف ہے، جس سے حدیث میں منع فرمایا گیا ہے۔ یعنی نجش "لاتناجشوا" (صحیحین) کیونکہ نجش کی صورت حسب تصریح فقہاء یہ ہے:

وھو أن یزید فی الثمن ولایرید الشراء برغب غیرہ (ہدایہ ۳/۵۰)۔

تو اس میں خریدنا مقصود ہی نہیں بلکہ لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنا مقصد ہے جبکہ زیر بحث صورت میں خریدنا مقصود ہے اور اس سے نفع حاصل کرنا مطلوب ہے (فافترقا)۔

۱۱ (الف) کمپنی میں حصص داری دراصل مشارکت ہے کما ھو ظاہر، لہذا حصہ کمپنی مال شرکت ہے، اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مال شرکت کا رہن رکھنا صحیح نہیں، قال فی الہدایہ:

ولایصح الرھن بالأمانات کالو دائع والعواری والمضاربات، قال ومال الشرکۃ (ہدایہ ۴/۵۱۰)۔

(ب) ڈبنچر کی حقیقت سود بردار قرضہ ہے، بظاہر اس کے رہن رکھنے میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی۔

۱۲۔ یہ جائز نہیں، کیونکہ حصص کی بیع دراصل منقول کی بیع ہے، اور منقول کی بیع قبل القبض جائز نہیں۔

فی البدائع: وبیع المنقول قبل القبض لایجوز بلاخلاف بین أصحابنا (۵/۳۰۶)۔

اور بزازیہ میں ہے:

لایصح بیع المنقول قبل قبضہ من البائع أو الأجنبی لنھیہ علیہ السلام عن بیع مالم یقبض (بزازیہ)۔

☆☆☆

مفتی محبوب علی وجیہی، رامپور

آپ کے ارسال کردہ سوالوں کے جواب سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ سود کے مسائل پیچیدہ اور احتیاط طلب ہیں، چونکہ کمپنیز اور بینک کاری مغرب کی دین ہے جن کے نزدیک مذہب ایک نجی وہ بھی بہت محدود دائرہ کے اندر محصور ہے، اس لئے احکام شریعت سے عام طور پر اس کا ٹکراؤ ہوتا ہے، اس میں ایک مسلمان کو آخرت اور

رضائے الٰہی قدم رکھنا ضروری ہے۔ اس تمہید کے بعد گذارش ہے کہ قرآن پاک کی یہ آیت "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" اور "احل الله البيع وحرم الربوا" اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان "دعوا الربوا والريبة" اور فقہ حنفیہ کا مشہور قاعدہ "والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة" جیسے دلائل کی روشنی میں جوابات درج ذیل ہیں:

۱۔ (الف) شیئرز ہولڈر کی طرف سے بورڈ آف ڈائرکٹر وکیل ہے، اس لئے اس کا ہر فعل اس کمپنی سے متعلق معاملات میں شیئرز ہولڈر جو مؤکل ہے اس کی طرف منسوب ہوگا، کمپنی بذات خود قائم نہیں ہوسکتی، اس کا قیام انہی لوگوں کے ذریعہ سے ہے، کمپنی میں ہونے والے معاملات انہیں لوگوں کی طرف منسوب ہوں گے کیونکہ یہی لوگ فاعل مختار ہیں۔

(ب) چونکہ سودی لین دین سے شیئرز ہولڈر ہونے کے ناطے اس کا بھی تعلق قائم ہے پس تعاون علی الاثم کا یہ بھی مرتکب ہوگا، اس لئے اس کی براءت ممکن نہیں، اس کی مخالفت کامیاب نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ یہ وہاں سے اپنے کاروبار کو ختم کردے، یہ نہیں ہوسکتا کہ صرف مخالفت کرکے یہ بری الذمہ ہوجائے۔

۲۔ مالیاتی ادارے ایسے کام انجام دیں جن میں سود یا قمار یا اور اس طرح کی خرابی نہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ

(الف) سود پر قرضہ حاصل کرنا ناجائز ہوگا۔

(ب) ڈبنچرز اگر سودی لین دین سے متعلق ہوں تو ناجائز ہیں، اور اگر بلاسودی ہوں تو جائز ہیں۔

(ج) اس کا جواب بھی یہی ہے کہ اگر ان حصص کے متعلق ڈبنچر جاری کرنے میں سود کی آمیزش نہیں ہوتی ہے تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے، عام طور سے ڈبنچرز سود سے مستثنیٰ نہیں ہوتے۔

(د) میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے اس سوال کا جواب بھی (ج) کے جواب میں آگیا۔

(ھ) اس کا جواب بھی واضح ہے کہ سود کا لین اور دین دونوں حرام ہیں، اور اس ذریعہ سے جو چیز حاصل ہو وہ بھی حرام ہے۔ شیئرز میں قدر عرفی اور غیر عرفی اس کے فرق کی سود لازم نہیں آئے گا، جیسے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ سامان نقد بیچنے میں بائع قیمت کم لے سکتا ہے اور ادھار بیچنے میں زائد، لیکن اگر سرمایہ کار کو حصص میں سرمایہ کاری کرنے کے لئے سودی کاروبار کرنا پڑتا ہے تو یہ بھی ناجائز ہے۔

۳۔ اگر اس سرمایہ کاری سے حاصل ہوئے ڈبنچر میں کوئی سود کا تعلق نہیں ہوتا تو بازار سے وہ خرید کر اس سے نفع حاصل کرسکتا ہے۔

۴۔ چونکہ اس میں سود بردار قرض تمسکات کی خرید وفروخت ہوتی ہے اس لئے ناجائز ہے۔

۵۔ یہ بھی ناجائز ہے۔

۶۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: نهى رسول الله ﷺ عن قرض جر نفعا۔ اس لئے یہ بھی ناجائز ہے، اور سود حرام ہے اور حرام واجب التصدق ہے، اس لئے اس سے کسی اپنے نقصان

کی تلافی جائز نہیں۔

۷۔ اپنے کام اور محنت کی مزدوری اور اجرت لینا جائز ہے، البتہ اس میں سود کا لین دین اور کوئی گناہ شامل نہ ہو ورنہ تعاون علی الاثم لازم آئے گا، اور یہ ممنوع ہے۔

۸۔ صرف حق قابل بیع نہیں ہے اس لئے کہ حق بذات خود کوئی مال نہیں ہے۔ ہدایہ میں صرف حق تعلّی (فضا کی بیع مثلاً چھت کی بیع) اور حق مسیل (مشترکہ مفاد کی چیزیں) کی بیع ممنوع قرار دی گئی ہے جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی زمین وغیرہ نہ ہو، البتہ کمپنی کے جو حصص اور شیئرز ہیں وہ فروخت کئے جاسکتے ہیں، کیونکہ کمپنی جو بلاسودی لین دین کرتی ہے وہ ایک موجود چیز ہے اور قابل بیع ہے۔

۹۔ سود سے کسی نقصان کی تلافی کیسے ہوسکتی ہے کیونکہ اس میں سود کا حاصل کرنا اور پھر اس کو اپنے تصرف میں لانا لازم آئے گا، اور حدیث میں ہے: دعوا الربوا والريبة۔

۱۰۔ (۱) اس قسم کے حصص خریدنا درست ہے۔

(۲) حصص خریدنے کے بعد جب رقم ادا کردی تو اس کی ملکیت ان پر قائم ہوگئی اور یہ ان کو فروخت کرسکتا ہے، نام کا انتقال امر زائد ہے۔

۱۱۔ (الف) رہن ایک وثیقہ ہے، اس لئے حصص کو رہن رکھ کر غیر سودی قرض حاصل کیا جاسکتا ہے، اور ان حصص کو رہن رکھ کر قرض دیا جاسکتا ہے۔

(ب) سود بردار تمسکات رہن کر غیر سودی قرض لینا یا دینا ناجائز ہے۔

۱۲۔ اگر یہ خطرہ ہے کہ کمپنی ان حصص کو رد بھی کرسکتی ہے تب تو ان حصص کو بیع تاوقتیکہ کمپنی اسے تسلیم نہ کرلے، جائز نہیں ہوگی۔ اور اگر ان حصص کی کمپنی میں نام کا انتقال ایک کاغذی اور احتیاطی چیز ہے تو بیع ہوجائے گی، کیونکہ بیع کی تعریف ہے: مبادلة المال بالمال بالتراضی، وہ یہاں صادق آتی ہے۔

☆☆☆☆☆

مناقشه

کمپنی و حصص کمپنی

مناقشہ بابت کمپنی و حصص کمپنی

قاضی صاحب کے افتتاحی کلمات کے بعد مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب نے کمپنی سے متعلق سوالات پڑھ کر سنائے جو گذشتہ صفحات میں مذکور ہوئے۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل مناقشہ ہوا۔

قاضی صاحب:

آپ حضرات نے اس تفصیلی سوالنامہ کو سنا، پتہ نہیں کچھ بہت خشک تھا، خواب آور تھا، اس سلسلہ میں جو پہلا سوال آپ کے سامنے آیا ہے، اس کی وضاحت میں آپ کے سامنے کر چکا ہوں، یعنی ایسے پروجیکٹس اور ایسی اسکیمیں بنانا اور بنا کر فنی طور پر اس کی اجرت وصول کرنا جس پروجیکٹ میں سود کا بھی ذکر ہو، یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ یہ سوال تو میں آپ کے سامنے واضح کر چکا ہوں۔ دوسرا سوال جو آپ کے سامنے ہے مختصراً یہ ہے کہ یہ مالیاتی کمپنی ایک کام یہ کرسکتی ہے کہ بینکوں سے یا دوسرے ایسے اداروں سے قرض دلوا سکتی ہے، تو اس کی ساکھ اس میں کام آتی ہے، مثلاً ہم نے ضمانت لے لیا آپ ان کو قرض دے سکتے ہیں، اور قرض کی ادائیگی کی ضمانت ہم نے لے لی، اور یہ جو ضمانت ہم نے لے لی ہے ہماری ساکھ یا فقہ کی زبان میں یہ کہئے کہ ہماری وجاہت جس کو آپ نے ایک مال مانا ہے شرکت وجوہ میں، آپ نے میری وجاہت کا استعمال کیا ہے اس کا معاوضہ حاصل کر سکتے ہیں اس شریک پارٹی سے، اور ساتھ ساتھ یہ بھی ہوسکتا ہے اس میں کہ اس کو بینک سے قرض لینا ہوتا ہے تو سود بھی دینا ہی پڑے گا لوگوں کو........ سود کا تعلق ہم سے نہیں ہے اس شخص سے تو رہے گا ہی، بینک سے اگر لون لیں گے تو بینک تو سود لے گا، لیکن بینک سودی قرضہ بھی ہر ایک کو نہیں دیتا، وہ کوئی ضمانت چاہتا ہے، کوئی سیکوریٹی چاہتا ہے، تو اس میں آپ کی ضمانت اور آپ کی ساکھ کام آئے گی۔

اچھا تیسرا مسئلہ جلدی جلدی میں بتا دیتا ہوں، صرف ایک دو الفاظ ضروری ہیں، یہ بار بار سود بردار قرض تمسکات، یا انگریزی میں Debenture کا لفظ آتا ہے، تو یہ سوال ذہن میں پیدا ہوسکتا ہے ہو کہ Companies جب قائم ہوتی ہیں تو کچھ تو اپنے شیئرز رکھتی ہیں کہ دس ہزار شیئرز ہم نے سو سو روپے کے رکھے، تو وہ تو خیر شیئر ہے، حصہ ہے، کمپنی میں آپ اتنے حصے کے مالک ہو جاتے ہیں، لیکن وہ کچھ اور پیسے بھی لیتے ہیں آپ سے، یعنی دوسری نوعیت سے بھی پیسے لیتے ہیں، اور اس میں کمپنی مقروض ہوتی ہے اور آپ مقرض ہوتے ہیں، اور اس پر وہ سود ادا کرنے کی پابند ہوتی ہے، تو ایک ہے Share اور دوسرا ہے Debenture، ڈبنچر" دراصل وہ قرض ہے جو ایک عام آدمی کسی کمپنی کو سود کی شرط پر دیتا ہے"، تو ڈبنچر کی اصل حقیقت یہ ٹھہری کہ یہ وہ قرضہ ہے جو ایک عام آدمی نے کسی کمپنی کو دیا اور کمپنی کچھ خاص مدت کے بعد اصولاً وہ قرض مع سود واپس کرنے کی پابند ہے، یہ تو عام بات ہوئی Debenture کی، اب Debenture میں ایک لالچ اور دے رہے ہیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ Convertible ہے، یعنی آگے چل کر یہ کل کا کل جتنا آپ نے قرضہ دیا ہے وہ، یا اس کا کوئی جز شیئر میں متبدل ہو جائے گا، اور دوسرا ہے Non Convertible جو کبھی تبدیلی اس میں نہیں آئے گی، تو یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں،

ان پر الگ الگ حیثیتوں سے غور کرنا ہے، دشواری یہاں پر آتی ہے کہ بعض دفعہ شیئرز جن کو ہم لوگ چاہے شاید جائز کہیں، ان کی خریداری کے لئے بھی کچھ ڈبنچرز تمسکات کو خریدنے کی شرط لگا دی جاتی ہے، اب وہ ڈبنچرز Convertible ہے، آگے چل کر کے شیئر میں تبدیل ہو جائیں گے، کل یا جز، تو بہر حال کچھ حصہ ایسا بھی رہ جاتا ہے جو کبھی تبدیل نہیں ہوگا، تو ہمارے لئے جائز شیئرز خریدنا اس شرط پر کہ کچھ ڈبنچرز بھی خریدنا پڑے گا، کیا اس مجبوری میں ڈبنچرز خریدنا جائز ہوگا یا نہیں؟ پھر اگر وہ Totally Convertible ہے کہ آگے چل کر وہ Convert ہو جائے گا تو ایک حد تک بات چلتی ہے، لیکن اگر Partially Convertible ہے تو کچھ نہ کچھ ہمارے ذمہ رہ جائے گا، پھر اس میں ایک الگ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم خریدنے کے بعد ڈبنچر کو بیچ ڈالیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ڈبنچر کو ہم بیچ ڈالیں جو Non Convertible ہے، تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ اس کے لئے بیچنا ہمارا جائز ہوگا کہ نہیں، زائد پہ بیچنا، کم پر بیچنا، برابر میں بیچنا، اس طرح کے کئی سوالات پیدا ہوں گے، تو یہ سوالات تو آپ سارے کے سارے لوگوں نے سن لئے اور سب لوگ سمجھ بھی گئے ہیں، اب مسئلہ ہے اس کے جواب کے سلسلہ میں گفتگو کرنے کا۔

مفتی احمد خانپوری صاحب:

حضرت ہمارے پاس ۱۹ سوالات پر مشتمل سوالنامہ پہونچا تھا، ہم نے سارے سوالات کے جوابات دیئے تھے۔

قاضی صاحب:

وہ الحمد للہ ہمارے پاس سامنے رکھا ہوا ہے، ابھی تمام علماء کے جوابات پر بات ہونی ہے، میں ایک طرف سے چلتا ہوں، یا آپ کہیں تو تلخیص سنادوں۔ اچھا کے، جی منشی صاحب آپ کا جواب الو اسٹاک ایکسچینج پر ہے نا، اس کو بعد میں شروع کروں گا۔ ابھی ہم لوگ جو گفتگو شروع کرتے ہیں تو پہلا سوال وہ لے لیجئے کہ دو قسم کے کاروباری یونٹ ہیں، تین قسم کی کمپنیاں ہیں، ایک کا خالص مقصد ہی سودی کاروبار ہے، اس میں اسلامی مالیاتی ادارہ حصہ لے، اس کے ناجائز ہونے پہ آپ سب لوگ متفق ہیں یا کوئی اختلاف بھی ہے؟ ایسی کمپنی، ایسا ادارہ جس کا مقصد ہی سودی کاروبار کرنا ہے، کیا یہ اسلامی مالیاتی ادارہ اس میں حصہ لے سکتا ہے؟

آوازیں: نہیں۔

قاضی صاحب:

اس میں تو بہت زور سے آپ لوگوں کو ناجائز کہنا چاہئے تو اس کی حرمت پہ تو شک کسی کو نہیں ہے، مسئلہ طے ہے، اچھا جہاں پر مالیاتی ادارہ جائز کاروبار کرتا ہے، اس میں حصہ لینے میں تو آپ لوگ کوئی اعتراض نہیں کریں گے؟ میں نے تو یہاں بصرف آپ سے یہ سوال کیا کہ ایسے مالیاتی ادارے جن کا بنیادی مقصد اور بنیادی کام ان کا حرام کاروبار ہے، اس میں حصہ لینا ناجائز، اور جس کا مقصد حلال و جائز ہے اور اس کے سارے طریقے جائز ہیں۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

جائز حصہ لینے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ اسے بھی ذرا واضح کر دیجئے۔

قاضی صاحب:

اس میں کیا واضح کرنا ہے۔ اس میں حصہ لینے میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے، مسئلہ جو قابل غور ہے دراصل وہ ادارے ہیں جن کے اندر مقصد بنیادی تو جائز کاروبار ہے لیکن ملوث ہوتے ہیں وہ سودی کاروبار میں بھی، اس میں کیا ہوگا؟ یہ اصل جوز یر بحث مسئلہ ہے وہ یہی ہے، اس سلسلہ میں ہمارے پاس جو جوابات آئے ہیں، جناب مولانا شمس پیرزادہ صاحب، مولانا ایوب ندوی صاحب بھٹکلی، مولانا عتیق احمد صاحب لکھنؤ، مولانا اختر امام عادل صاحب، مولانا مفتی نور الہدی قاسمی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی احمد خانپوری، مولانا عبد الرحمن قاسمی، مولانا مصلح الدین، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا مفتی نظام الدین صاحب، ان حضرات نے کہا کہ دونوں قسم کے یعنی جس کا جائز ہی جائز کاروبار ہے اور جس کا اصل مقصد جائز کاروبار ہے لیکن اس کو ملوث ہونا پڑتا ہے ضمنی طور پر سودی کاروبار میں، ایسے دونوں ہی اکائیوں میں اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے سرمایہ لگانا جائز ہے۔ اب اس میں کچھ لوگوں نے شرائط لگائی ہیں، آگے جو جواب ہے، کچھ لوگ علی الاطلاق مجوزین ہیں، اور کچھ لوگوں نے اس میں بعض شرطیں لگائی ہیں، مثلاً مولانا برہان الدین صاحب کی شرط یہ ہے کہ اگر سود پہ حاصل کی ہوئی رقم کا حساب الگ رکھا جاتا ہو تو جائز ہے یعنی وہ ادارہ جو اصلاً تو حلال کاروبار کرتا ہے لیکن اس کے یہاں سودی کاروبار میں بھی ملوث ہونا پڑتا ہے، اس کے لئے یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ ادارہ دونوں حساب الگ رکھے، تیسرا مولانا جمیل احمد نذیری صاحب کا ہے، یہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے بشرطیکہ ادارہ کا سرمایہ اور نفع سود سے محفوظ ہو، اور مولانا صدر الحسن ندوی کی رائے یہ ہے کہ عدم جواز راجح ہے، تو کل جوابات میں سے مولانا صدر الحسن صاحب مطلق عدم جواز کے قائل ہیں، جمیل احمد نذیری صاحب ادارہ کے سرمایہ و نفع کا سود سے محفوظ ہونا شرط کرتے ہیں، مولانا برہان الدین صاحب الگ حساب رکھنے کی پابندی عائد فرماتے ہیں، اور باقی جن حضرات کا میں نے نام لیا ہے یہ حضرات مطلق جواز کی بات کہتے ہیں، یہ ہے خلاصہ۔

مفتی عبد الرحمن صاحب (بنگلہ دیش):

حکومتی قوانین مالیاتی سلسلہ میں ایسے ہیں کہ اسلامی بینک کاری کرنا بڑا مشکل مسئلہ ہے، کتنی بھی کوشش کی جائے کہ بلاسودی بینک کاری ہو خالص، پھر بھی ملوث ہونا ضروری ہے، کوئی صورت نہیں ملوث ہوئے بغیر، سوا اس کے کہ گھر بیٹھے رہیں، اب جبکہ ملوث ہونا ضروری ہے، تو یا گھر بیٹھے رہیں یا کوشش کریں، اگر یہ فیصلہ ہو کہ کوشش کرنا چاہئے تو ملوث ہونا ضروری ہے، صرف اتنی بات ہے کہ اس میں ملوث ہوتے ہوتے کہیں حرمت کی ذہنیت ختم ہو جاتی ہے حلت آجاتی ہے، ابھی بنگلہ دیش میں ۱۹۸۵ء سے اسلامی بینک کا سلسلہ شروع ہوا، اور قانونی طور پر شرعیہ کونسل بنانا پڑا، شرعیہ کونسل نے اس قسم کے حالات کو سامنے رکھ کر ضرورتاً اجازت دیدی ہے کہ سودی کاروبار میں ملوث ہونا پڑے گا، ضرورتاً اجازت دی گئی، نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ پہلے سود کھانے والے حرام سمجھ کر کھاتے تھے، اب سود کھانے والے حلال سمجھ کر کھا رہے ہیں، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بینک چلانے والے حضرات عموماً سودی بینکاری کی تعلیم حاصل کر کے امریکہ، یورپ۔ ، سندیں لے کر آتے ہیں، بینک چلاتے ہیں، تجربہ بہت ہے، لیکن ان کو شرعی اصول وضوابط

سے تجربہ تو ہونا تو مشکل ہے ضروری مسائل سے بھی واقفیت نہیں، ایسے حالات میں خوف وخشیت کا فقدان ہے، مسائل سے ناواقفیت ہے اور سودی بینکوں کے ساتھ کمپٹیشن کر کے آگے بڑھ رہا ہے، ملوث ہونے کی ضرورت کی حد تک تو نہیں بلکہ آگے بڑھ رہا ہے، کہیں ایسا نہ ہو جائے جائز تو کہنا پڑے گا کہ ملوث ہونے کی ضرورت تو جائز ہے، سرمایہ لگائے، اسلامی ادارے میں تعلقات قائم رکھے، لیکن ہمارے خیال میں مولانا مفتی برہان الدین صاحب مدظلہ نے جو شرط لگائی وہ شرط اگر اول تا آخر لاگو رہے تو شاید کچھ کام آ جائے، اور خطرہ ہے کہ لاگو نہ رہے گا، بنگلہ دیش میں ہم لوگوں سے فتویٰ لے کر کے، ضرورت ضرورت کہہ کر کے ہم سے اجازت لے لی تو آج تک ضرورت ختم نہیں ہوئی، آگے بھی امید نہیں ہے، تو میرے خیال میں جس صورت میں ہم لوگوں کو فیصلہ کرنا ہے اس صورت میں تو بلاشبہ مطلق کی اجازت نہ دی جائے اور شرط کی پابندی کی خاص طور پر رعایت کی جائے، تو شاید یہ کام آگے چل سکتا ہے، ورنہ پھر سودی نظام جو ہے وہ بہت اچھا ہے اس قسم کے بلاسودی نظام سے جس میں حرام حلال ہو جانے کا خطرہ ہو جائے۔

قاضی صاحب:

سب سے پہلی درخواست تو یہ ہے کہ مسائل پر فقہی حیثیت سے بحث کر لیجئے، وعظ کرنا ہو تو بعد کو کر لیجئے گا، مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن مسائل کی پہلے خالصتاً جو فقہ اسلامی کہتی ہے اس پر شدت سے قائم رہتے ہوئے اس میں ذرہ برابر مصالحت نہ کیجئے، اللہ کا خوف بھی دلاتے رہئے، لیکن اصلاً بنیادی بات اس وقت یہ ہے کہ فقہ اسلامی اگر صحیح اصولوں پر قائم ہے اگر اس میں کچھ گڑبڑ ہے تو دوسری بات ہے، لیکن اگر وہ صحیح ہے تو فقہ کے اصولوں پر، فقہ کی سمینار میں فقہی نقطۂ نظر سے بحث کیجئے، اور یہ بے حد ضروری ہے کہ جو فقہی مباحث آپ کے پاس موجود ہیں، فقہاء نے اتنی ساری بحثیں کیوں کی ہیں، آپ کہئے کہ ناجائز ہے فلاں دلیل کی وجہ سے، ضرور کہئے خوشی کی بات ہے۔

مولانا یعقوب منشی صاحب:

مولانا برہان الدین صاحب نے جو علیحدہ حساب رکھنے کی شرط لگائی ہے اس سے کیا مراد ہے، کیا پیسے الگ رکھے جائیں یا سب چیز علیحدہ ہو کیا مطلب ہے؟

قاضی صاحب:

یہ تو مولانا برہان الدین صاحب بیٹھے ہیں یہ وضاحت کر دیں، مولانا اپنی رائے کی خود وضاحت کر دیں تو زیادہ بہتر ہے۔ آپ کو اختیار ہے کسی چیز کو آپ جس کو جائز سمجھتے ہوں شرعاً اس کو جائز کہئے، جس کو نہیں سمجھتے ہوں اس کو قطعاً کہئے کہ ناجائز ہے.......،

مفتی عزیز الرحمٰن چمپارنی صاحب:

مولانا برہان الدین صاحب کا جواب اگر پڑھ دیا جائے تو زیادہ بہتر رہے گا، اس سے ہو سکتا ہے کہ کچھ روشنی مل جائے۔

ڈاکٹر محمد منظور عالم صاحب:

میرے خیال میں پہلے مفتی نظام الدین صاحب دارالعلوم دیوبند کا جواب پڑھ کر سنا دیا جائے اور اس دوران مولانا برہان صاحب کا جواب تلاش کرلیا جائے۔

مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب:

اصل میں دوسوالنامے ہیں۔

قاضی صاحب:

مفتی اسماعیل صاحب اپنے جواب میں لکھتے ہیں کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ایسی کمپنی کے شیئرز خرید کر اس میں سرمایہ لگانے کا یہ حل تحریر فرمایا ہے کہ "سو جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس کی اطلاع نہ ہو کہ اس نے تو کارکنان کمپنی کو ان دو امر کا وکیل ہی نہیں بنایا، اس لئے کارکنوں کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا، اور جس کو اطلاع ہو وہ تصریحاً اس سے ممانعت کردیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا، مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرف نسبت تو نہ ہوگی"۔ یعنی حضرت تھانوی اس طرف دو راستے بتاتے ہیں کہ علم نہیں ہے کہ وہ کمپنی کاروبار اس طرح کرتی ہے، وہ لاعلمی کی بات ہوگئی، اور اگر علم ہو تو وہ اس کو منع کردے، جیسا کہ وہ تذکرہ آیا کہ وہ جو Board of Directores کی میٹنگ ہو اور اس کے اندر وہ جو ممبرس کی میٹنگ ہو اس میں اپنی مخالفت کا اظہار کردے، تو دو صورتیں ہیں، یا تو اس کو Majority مل جائے گی تو اس پر عمل ہوگا، یا Majority نہیں ملے گی تو Board of Directors کا عمل اس کی طرف منسوب نہیں ہوگا، یہ غیر مباشر ہوا، اس لئے اس عمل کی نسبت اس کی طرف نہیں ہوگی، یہ حصہ نقل کیا ہے مولانا محمد مفتی اسماعیل صاحب نے، اس میں لکھتے ہیں: جس سوال کے جواب میں حضرت تھانوی نے یہ بات لکھی ہے کہ کوئی مسلمان کسی ہندو کے پاس سے کسی ضرورت کے موقع پر سودی قرض لیتا ہے اور اس سے اپنا بیوپار چلاتا ہے یا کوئی زمین خریدتا ہے، چندون کے بعد وہ قرضہ ادا کردیتا ہے، اپنی باقی ماندہ ملک کو پاک ملک سمجھتا ہے، اور یہ بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ سود کے دینے سے تو خود گنہگار رہا مگر حرمت اس کی باقی ماندہ ملک میں سرایت نہیں کرے گی، .... کیونکہ اس شخص نے دیا ہے لیا تو نہیں ہے، پس اس ملک کا کیا حکم ہے؟ بہر حال تو آپ نے حضرت تھانویؒ کا جواب سن لیا ہے جس کو مولانا اسماعیل صاحب نے نقل کیا ہے۔ اس کے جواب میں مفتی نظام الدین صاحب فرماتے ہیں، مختصر جواب ہے ان کا، جواب نمبر ۱و۲: اس کی گنجائش ہے۔ وہ صرف اتنا لکھتے ہیں کہ اس کی گنجائش ہے۔ اس کے بعد مولانا برہان الدین صاحب فرماتے ہیں کہ اگر یہ اکائی سودی کاروبار نہ کرتی ہو بلکہ خالص شرعی بنیادوں پر تجارت کرتی ہو، سود پہ حاصل کی گئی رقم کا حساب الگ رکھا جاتا ہو تو اس میں سرمایہ لگانا جائز ہے، تو یہ گویا مولانا کا جواب ہے جو آپ لوگ سننا چاہتے تھے، چونکہ یہ لوگ جانتے ہیں اس بات کو کہ جتنے بھی Accounts تیار ہوتے ہیں اس میں انٹرسٹ کا الگ کالم ہوتا ہے، تو مولانا اگر صرف حساب کی بات کرتے ہیں کہ اس کا اکاؤنٹ الگ ہو تو جتنے بھی حسابات آج کل یہ لوگ تیار کرتے ہیں اس میں سود دیا گیا تو اس کو الگ لکھتے ہیں اور سود لیا گیا تو اس کو الگ لکھتے ہیں۔

مفتی احمد خانپوری صاحب:

یہ تو مولانا ان کی سالانہ رپورٹ میں بھی الگ ہی سے درج ہے۔ یہاں پر مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ ڈبنچر وغیرہ تو کمپنی اس میں سود دے گی، اس میں شیئر ہولڈروں کو کتنا سود میرے حصہ میں آیا یہ تو دیکھنے کا ہی نہیں ہے، چونکہ وہ تو سود دے گی، جمع نہیں کرنے کی ہے، البتہ وہ ڈبنچر جو کمپنی حکومت کو سود دیتی ہے یا وکاس پتر وغیرہ کے نام سے بانڈز وغیرہ جو خریدتی ہے اس میں سود کمپنی کے پاس آئے گا، وہاں اس حساب کی ضرورت پڑے گی کہ کمپنی نے کتنا سود اپنے شیئر ہولڈروں کو تقسیم کیا ہے، تاکہ وہ اپنے نفع میں سے اتنا صدقہ کردے یا جو بھی حکم ہو۔

قاضی صاحب:

یہ بات کہ صاحب جو سود دینا پڑتا ہے کمپنی کو، وہ لکھا رہتا ہے اور جو سود آمدنی میں آتا ہے وہ بھی جو سال کا آخری اکاؤنٹ ہوتا ہے اس میں لکھا رہتا ہے کہ کمپنی کو اتنا صحیح منافع ہوا اور اتنا بذریعہ سود آیا، یہ تفصیلات رہتی ہیں یا نہیں؟

مفتی احمد خانپوری صاحب:

انفرادی طور پر شیئر ہولڈر یہ نہیں معلوم کرسکتا کہ مجھے جو Dividend ملا ہے اس میں کتنا حصہ سود کا ہے، اس کی رپورٹ میں اجمالی طور پر تو ہوگا کہ اتنے کروڑ روپے یا اتنے لاکھ روپے سود کے جمع ہوئے بینکوں کے پاس سے۔

قاضی صاحب:

یہ رپورٹ تو رہتی ہے لیکن یہ کہ ہم کو ہمارے شیئر میں جو منافع ملا ہے اس میں کتنا اصل کا حصہ ہے اور کتنا انٹرسٹ کا حصہ ہے۔ دوسرا سوال اس میں یہ ہے کہ.........

مولانا شمس پیرزادہ صاحب:

اس میں ایک بات اور بھی ہے کہ جب کمپنی سود ادا کرتی ہے، اور دوسری طرف سود کا کچھ حصہ اس کے پاس پہونچتا ہے، تو کیا یہ سمجھا نہیں جاسکتا کہ جو سود آیا وہ سود دینے میں چلا گیا، ضرورت کیا ہے کہ Dividend میں سے ہم کچھ Minus کرنے کی بات کریں...........

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

اس مائنس پلس میں یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ سود گیا زیادہ ہو آیا کم ہو؟

شمس پیرزادہ صاحب:

سود آیا کم اور گیا زیادہ تو اس لئے یہی ہے کہ گویا ہمارا پروفٹ ڈیوڈنڈ میں شامل نہیں ہوا ہے جو شیئر ہولڈر ہے اس کے ڈیوڈنڈ میں سود شامل کہاں ہوا؟ تھوڑا سا آیا گیا زیادہ۔

قاضی صاحب:

نہیں اب دو تین صورتیں ہیں نا، کہ جو سود کمپنی نے ادا کیا، فرض کر لیجئے کہ دس لاکھ روپے سود میں کمپنی نے

دوسروں کو دیا، اور اس کو بھی سود آیا، اب جو سود آیا، یا تو وہ نو لاکھ ہے یا گیارہ لاکھ ہے، تو اگر نو لاکھ ہے، نو لاکھ اس نے لیا ہے اور دس لاکھ اس نے دیا ہے، یا دس لاکھ لیا ہے اور دس لاکھ دیا ہے تو گویا جو انٹرسٹ آیا وہ انٹرسٹ چلا گیا، اب جو ہمارے پاس آمدنی ہے وہ ایک حد تک کہا جا سکتا ہے کہ خالص ہے، لیکن اگر گیارہ لاکھ آتا ہے تب پھر آگے سوال یہ ہے کہ کمپنی اپنا شیئر حاصل کرتی ہے، کمپنی میں دو طرح کے شیئرز ہوتے ہیں، ایک تو جو پروموٹرز ہیں ان کا حصہ جاتا ہے، پھر اس کے بعد تب شیئر ہولڈرس کا حصہ جاتا ہے، اور پھر مینجمنٹ کے اخراجات جاتے ہیں، اتنی قسموں میں تقسیم ہوتا ہے، تو پہلے میں جاننا چاہوں گا کہ عام طور پر کمپنیز جو جائز کاروبار کے لئے قائم ہوتی ہے جن کا مقصد جائز کاروبار ہے، سودی کاروبار جن کا مقصد نہیں ہے، ایسی کمپنیاں جو ان کو لینا پڑتا ہے یا دینا پڑتا ہے اس میں عام حالات میں کیا ہوتا ہے؟

کمال فاروقی صاحب:

Payment زیادہ ہوگا ہمیشہ، اگر جائز کاروبار وہ کرتی ہے اور انٹرسٹ اس کو لینا دینا پڑتا ہے تو پیمنٹ ہمیشہ زیادہ ہوگا اور انکم بہت کم ہوگی اس کے مقابلہ میں.........

جناب رحمٰن خان صاحب:

ہمارے یہاں تین کمپنیوں کی بحث ہے، ایک وہ کمپنیاں جن کا کاروبار حلال ہے اس میں کوئی بحث نہیں ہے۔ وہ کمپنیاں جن کا کاروبار حرام ہے وہ بھی.........اب سوال یہاں ہے کہ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن ان کو بعض اوقات سودی لین دین میں ملوث ہونا پڑتا ہے، ایسے ہی جو کمپنیاں ہمارے ملک میں ہیں، تقریباً ننانوے فیصد کمپنیاں اس تیسرے ذیل میں آتی ہیں، یعنی اب سوال ہمارے پاس یہ ہے کہ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن ان کو بینکوں سے کاروبار کئے بغیر وہ کمپنیاں نہیں چلا سکتے اس لئے سودی لین دین میں ملوث ہونا پڑتا ہے ان کمپنیوں کو، اور ننانوے فیصد ایسی کمپنیاں سود زیادہ دیتی ہیں اور ان کے پیسے سے جو سود ملتا ہے وہ بہت ہی کم ملتا ہے، تو یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ سود جو آتا ہے ہمارے ڈیویڈنٹ میں اس میں کتنا سود ملا ہوا ہے، اس میں یہ ناممکنات میں سے ہے ننانوے فیصد، کوئی ایک دو ایسی کمپنیز ہو سکتی ہیں، Financial Companies جن کا کاروبار صرف سود کا لینا ہے، اسی کمپنی میں یہ ہو سکتا ہے کہ جہاں ہمارے ڈیویڈنٹ میں سود کا ہونا ممکن ہو جاتا ہے، وہ کمپنیاں نمبر دو میں آ جائیں گی، وہ کمپنیاں جن کا کاروبار حرام ہے یعنی کہ بینکنگ کی کمپنیاں، چاہے اسٹیٹ بینک کا ہو، حال ہی میں اسٹیٹ بینک کے شیئرز پلاٹ کئے گئے، اگر کوئی اسٹیٹ بینک کے شیئرز لیتا ہے تو معلوم ہے کہ اسٹیٹ بینک پورا سودی کاروبار کرتا ہے، وہ حرام ہے، اب یہاں پر دوسری کمپنیاں ہیں جو مجبوراً بغیر سود لئے کام نہیں کر سکتیں، بینکوں سے لے کر ہی چلاتا ہے، وہ تیسری کمپنیاں ہیں، وہاں تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اب ہم کو یہاں پر ہدایت ملنی ہے کہ ایسی کمپنیوں میں Investment جائز ہے یا نہیں؟

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

سود کا زیادہ دینا ہوا، یہ سود کہاں سے دیا جائے گا؟ جب سود اس میں زیادہ دینا ہوا اور آیا کم ہے تو یہ سود کہاں

سے دیا جائے گا؟

کمال فاروقی صاحب:

یہ ہمارے خرچ کا Part ہے، It is part of our expenditure، دیکھئے حضرت! ایک اور بات یہ سمجھ لیجئے جیسا کہ رحمٰن خاں صاحب نے فرمایا، ہمارے لئے کوئی بھی لمیٹیڈ کمپنی شروع کرنا ناممکنات میں سے ہے، اگر ہم اس میں Banking Finance کو نہیں Involve کرتے ہمیں اجازت ہی نہیں ملے گی شیئرز جاری کرنے کی، پہلی بات یہ سمجھ لیجئے، اور بنیادی طور پر یہ سمجھ لیجئے کہ کسی کمپنی کو شروع کرنے کی اجازت ہی نہیں ملے گی جب تک ہم بینک سے فائنانس کا اس میں پروجیکٹ نہیں رکھیں گے۔ ہمارا اپنا کوٹہ جو ہوگا Shares Capital وہ اتنا ہوگا اور جو بینک سے فنانس لیں گے وہ اتنا ہوگا، اس کے بغیر نہیں ہوگا، تو یہ بات جیسا کہ خاں صاحب نے بتلایا ۹۹ فیصد، میں اس سے اور سو فیصد جا کر بات کہتا ہوں......

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

اس کا مطلب یہ کہ ہم جو یہ کہہ رہے ہیں کہ بنیادی طور پر ہماری حلال کمپنی ہوگی وہ ہی صحیح نہیں ہے۔

کمال فاروقی صاحب:

بنیادی طور پر کاروبار اس کا حلال ہوگا، دیکھئے Objects بھی دو ہوتے ہیں: ایک تو Main Object ہوگا کسی کمپنی کا، جو حلال کام ہوگا جس کی ہم بات کر رہے ہیں لیکن اس Main Object کو پانے کے لئے اس کو انٹرسٹ پر پیسہ لینا پڑے گا، یہ پارٹ ہے، اور وہ ہمارا جو خرچ ہے اس میں سے جیسے ہم تنخواہ دیں گے، جیسے ہم آفس کا کرایہ دیں گے، جیسے ٹیلیفون کے Expenses دیں گے، اسی طرح سے ہمیں سود کی ادائیگی بھی کرنی پڑے گی۔

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

اصل بنیاد جو ہوگی اسی میں سے ہمارا ایمنٹ ہوگا، سوچئے اس کو، الگ حساب رہا اپنی جگہ............

قاضی صاحب:

یعنی اس کی صورت جو ہے وہ یہ ہوئی گویا آپ لوگوں کے بیان کے مطابق جو ہم نے سمجھا، مثلاً ہم کو گھڑی بنانے کی یا الیکٹرونک کی ایک فیکٹری قائم کرنی ہے، اس کو ایک کمپنی کی شکل ہم نے دیا، اس میں چاہئے دس لاکھ روپے، تو ہم نے پانچ لاکھ روپے شیئر فروخت کئے اور ان سے حاصل کر لئے، اور مزید پانچ لاکھ کے لئے ہم سرمایہ لیں گے کس سے، بینک سے لیں گے، اور جو سرمایہ بینک سے لیں گے اس پر ہم کو سود دینا پڑے گا، اور کچھ پیسہ ہمارا بھی ان کے یہاں ہو جس سے سود حاصل ہو ہم کو کیا شکل ہے، (ایک آواز: بہت کم) یعنی پھر سود لینے کا سوال آیا نا، ایک تو سود دینا ہوا، دوسرے سود لینا ہوا۔

جناب رحمٰن خاں صاحب:

لینے کا جوسوال آتا ہے سودایسی کمپنیوں میں، ۹۰ یا ۹۹ فیصد جو کمپنیاں ہیں سود لینے کا سوال نہیں، کیونکہ خود ان کے پاس پیسہ نہیں ہے تو اسی لئے وہ بینک سے لیتے ہیں، اب جن کو جو سود آئے گا قانونی طریقے سے کچھ Investment کرنا پڑتا ہے یعنی بانڈز میں کرنا پڑتا ہے، یا Seving میں کرنا ہے، وہ مجبوری طور پر بہت ہی کم ہوتی ہے اس کی رقم۔ اور اگر ہم اس کو...... کریں جو سود ہم دیں گے تو بالکل اس کا............ ایک یا دو فیصد ایسی کمپناں آپ کو نہیں ملیں گی جو سود لے رہی ہیں۔

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

نہیں اگر کوئی کمپنی ایسا کرتی ہے کہ ایک ملین سرمایہ ہم روکتے ہیں اپنی طرف سے، اور ہمیں قانونی مجبوری کے تحت اگر ایک لاکھ روپے لینا پڑتا ہے ہم لے لیتے ہیں ایک لاکھ روپے، لیکن اگر ہم قانونی طور پر ہمارے اپنے ایک ملین روپے کہتے ہیں تو اس وقت میں کوئی ضروری تو ہے نہیں، یہ تو آپ اس صورت کو بتارہے ہیں کہ جس صورت میں سرمایہ ہمارے پاس تھوڑا ہے، اس لئے ہم لینے پر مجبور ہیں، لیکن اگر کوئی کمپنی اس طور پر آئی ہے کہ ہم پورا دیتے ہیں، بس فوراً کمپنی کوئی آئی، اس نے کہا کہ ہم ایک ملین روپیہ لگاتے ہیں، اس کو تو ضروری نہیں ہے کہ وہ بینک سے لون لے (رحمٰن خاں صاحب: نہیں کوئی ضروری نہیں) تو اب یہ بات واضح ہوگئی کہ کمپنی کو قائم کرنے کے لئے بینک سے قرض لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اگر ہمارے پاس پورا سرمایہ ہے تو ہم لینے پر مجبور نہیں ہیں۔

جناب رحمٰن خاں صاحب:

اب ہماری جو یہاں بحث ہورہی ہے، اسٹاک ایکسچینج سے شیئر کا کاروبار کس طرح سے کیا جانا چاہئے، کیا ایسی کمپنی میں شیئر لینا جائز ہے پہلی بات، یہ جو آپ کا سوال تھا کہ اگر کوئی کمپنی چاہتی ہے کہ پورا سرمایہ لگا کر قرضہ کے بغیر کمپنی شروع کرنا ہے، تو وہاں کسی کو مجبوری نہیں ہے سودی قرض لینے کی، اب سوال ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارے کیا ایسی کمپنیوں میں Share Invest کرسکتے ہیں؟ یہ سوال ہمارے سامنے ہے۔

یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ ہم ایسی کمپنی بناسکتے ہیں، اب سوال یہ جو رہ گیا کہ کمپنی کی بنیاد تو حلال ہے، لیکن کمپنی نے سرمایہ کچھ سودی بھی لیا ہے، اب ہمارے لئے مشکل جو ہے سوچنے کی وہ یہ کہ جو سرمایہ لیا ہے سود کے اوپر، اس کا سود ہمیں دینا پڑتا ہے، اب اس کو سوچنا چاہئے کہ یہ سود جائے گا شیئر ہولڈروں میں سے، یا یہ کمپنی سرمایہ سے جائے گا، بینک سے تو آئیگا نہیں، تو گویا سارے شیئر ہولڈر سود دے رہے ہیں۔

جناب کمال فاروقی صاحب:

میرے خیال سے Clarification یہاں دینا بہت ضروری ہے، آپ جو بات فرمارہے ہیں وہ بالکل ہمارے یہاں اس کو کہا جاتا ہے کہ کتابی بات ہے یہ Theoretical Part ہے، کوئی بھی کمپنی ایسی

نہیں Create ہوسکتی، پبلک میں آپ نہیں جاسکتے، پبلک ایشو نہیں لے جاسکتے جب تک آپ اپنے پروجیکٹ رپورٹ کے اندر یہ نہ بتائیں کہ آپ کا اپنا Capital اتنا ہوگا اور اتنا کیپٹل آپ Banking Institution سے لیں گے۔ یہ چیز بہت واضح ہونی چاہئے۔ بس یہ کہ آج کے نظام میں ایسی کوئی Possibility ہے ہی نہیں کہ آپ Public Limited Company بنائیں..............

مفتی احمد خانپوری صاحب:

کمپنی شروع ہونے کے بعد سرمایہ سے نہیں جائے گا، بلکہ اس کا جو Production ہوگا اور وہ فروخت ہوگا، اس میں سے جو منافع ملے گا اس میں سے کم ہوگا، اور یہ سوال تو پہلا اٹھایا گیا ہے کہ بھئی اس طریقے سے جو ہے وہ سود کا کچھ دینا بھی پایا جائے گا، لینا بھی پایا جائے گا، اور شیئر ہولڈر نہیں چاہتے، جو مسلمان ہیں وہ نہیں چاہتے کہ ہمارے نام پر اس طریقہ سے سودی لین دین ہو، تو ایسی کمپنیوں میں ہم Investment کریں یا نہ کریں؟ یہی سوال ہے۔

مفتی مصلح الدین صاحب:

بنیادی سوال ایک دوسرا اور ہے کہ " أحلّ الله البيع و حرّم الربا" بیع حلال ہے اور ربا حرام ہے، اور ربا کا لین دین جیسا لینا جائز نہیں ہے، حرام ہے، ایسا دینا بھی حرام ہے، الا بوقت ضرورت شدیدہ، اب وہ ضرورت شدیدہ کیا ہے؟ شریعت ضرورت شدیدہ کس چیز کو مانتی ہے، پہلے تو ہم اس کو طے کریں، اس کے بغیر ہم.........

قاضی صاحب:

مولانا ضرورت یا حاجت؟

مفتی مصلح الدین صاحب:

حاجت، حاجت شدیدہ شریعت کے نزدیک کون سی معتبر ہوگی، تو اس صورت کے اندر ایسا کوئی کاروبار کہ جس میں ہمیں سود دینا پڑتا ہے، اس کاروبار کی بھی اجازت ہمیں حاصل ہو، ایسی حاجت شدیدہ کون سی ہے؟ اس لئے پہلے تو ہمیں بنیادی طور پر اس بات کو طے کرنا ہوگا۔

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

میرا خیال یہ ہے کہ کوئی صاحب ان میں سے ذرا وضاحت کردیں، اسلئے کہ بہت ساری چیزیں ایسی ہو رہی ہیں کہ جس کی وجہ......اب یہ نئی بات اس وقت آئی، تو اگر بنیادی طور پر ان میں سے کوئی صاحب تفصیلی بات کر لیں کہ بھئی یہ یہ چیزیں ہیں اور اس کے اوپر سوچا جائے تو میرا خیال ہے زیادہ مناسب ہوگا۔

امین الحسن رضوی صاحب:

دیکھئے میں عرض کروں، دراصل Confusion ہو رہا ہے، بات ہم یہ نہیں کر رہے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسی کمپنی قائم کرنی ہے جس میں سود لینا یا دینا ہے، یہاں گفتگو جو ہو رہی ہے وہ ایسی ہو رہی ہے کہ ہم سرمایہ کار ہیں، ایک اسلامک برانچ کارپوریشن موجود ہے، اب اس کو اپنے پیدآور ذرائع میں سرمایہ کاری کرنی ہے تو ایسی سرمایہ کاری

کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک کمپنی ہے، ہم سے کوئی تعلق اس کا نہیں ہے، ایک دوسری کمپنی ہے جو ایک جائز کاروبار کرتی ہے، ہم صرف سرمایہ کار ہیں، اسلامی فائنانس کارپوریشن ہے، ہمارا کوئی تعلق کمپنی قائم کرنے سے نہیں ہے، Already موجود ہے یہاں، اب ہمیں اپنے سرمائے کو نفع آور کاروبار میں لگانا ہے، اب ہم نفع آور کاروبار کی تلاش میں باہر نکلے، ہم کو ایک ایسی کمپنی کا پتہ چلا جو اچھے لوگوں کے ہاتھ میں ہے، فی نفسہ اس کا کاروبار پورا جائز ہے، کوئی غیر شرعی کام جیسے شراب وہ نہیں بناتی ہے، اس قسم کا کوئی کام نہیں کرتی ہے، اب اس کمپنی کے بارے میں ہم کو یہ معلوم ہوا کہ اس کمپنی کا کچھ تو سرمایہ اس کا اپنا ہے جو اس نے شیئر ہولڈرس سے لیا ہے، لیکن اس کمپنی کے کچھ سرمایہ کا جز ایسا بھی ہے جو اس نے سود پر لیا ہے، اب سوال صرف یہ ہے کہ کیا ایسی کمپنی میں کوئی مسلمان اپنا سرمایہ لگائے یا شیئر خریدے جبکہ یہ معلوم ہے کہ اس کے پاس جو سرمایہ آرہا ہے جس سے وہ کاروبار کررہا ہے اس کا ایک جز سود پر قرض لیا ہوا ہے۔ اب مسئلہ کیا ہے، معافی چاہتے ہیں آپ بزرگوں سے کہ سود لینا اور دینا حرام کہا گیا ہے، لیکن سود لینے کی کسی حال میں گنجائش نہیں رکھی گئی ہے، البتہ سود دینے کیلئے (حالت اضطرار میں) رخصت دی گئی ہے۔ اگر کسی کو حالت اضطرار یا حاجت میں سود دینا پڑے تو اس کی اجازت ہے، لیکن سود لینے کی اجازت کسی صورت میں نہیں ہے، تو یہ فرق بہر حال ضروری ہے، اب یہاں یہ صورت حال آرہی ہے کہ ہم کو ایسی سرمایہ کاری کرنی ہے ایک ایسے ادارہ میں کہ جو اپنی مجبوری کے تحت چونکہ قانون کے تحت یہ ممکن نہیں ہے اس کمپنی کے لئے کہ وہ سودی سرمایہ کے بغیر کاروبار کرسکے، کچھ جز اس کا، کل نہیں، وہ کمپنی مجبور ہے سود دینے پر، سود لینے پر مجبور نہیں ہے وہ، سود لے بھی نہیں رہی ہے، صرف سود دے رہی ہے، اب اس کو سود دینے کے نتیجہ میں جو فائدہ حاصل ہوا اس فائدہ میں کچھ جز اس سرمایہ کا ہے جو سود پر حاصل کیا گیا، اس فائدے کا جزوہ آپ کو دینا چاہتا ہے آپ کے سرمایہ کے معاوضہ میں، تو کیا اس کا لینا جائز ہوگا؟

آل مصطفی مصباحی صاحب:

سود کے یہ حصہ دار منتفع ہوئے، سو اس میں کئی حالتیں ہیں، یعنی احکام متنوع ہیں: ایک تو یہ کہ اس کا وقوع لازم تو ہے نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ کمپنی کا کسی کے ذمہ قرض ہی نہ ہو، اس لئے سود لینے کی نوبت ہی نہ آئے، اور اصل صورت تجارت کمپنی کی حلال تھی، تو شک سے حرمت کا حکم نہ کریں گے، یعنی قطعیت پر فیصلہ ہوگا، اور تفتیش ایسے امور میں واجب نہیں، نہ تفتیش میں ہر شخص کو جز کا وقوع یا عدم وقوع معلوم ہوسکتا ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ کمپنی نے یہ سود غیر مسلم سے لیا، تو اس میں ربا من الحربی کا مسئلہ جاری ہوگا، جس کا مختلف فیہ ہونا معلوم ہے، اس لئے مبتلی بہ کو اس میں تنگی نہ ہوگی، لہذا احکام جو ہیں متنوع ہوسکتے ہیں، اکثریت اور قطعیت پر فیصلہ ہونا چاہئے۔

مولانا اسماعیل صاحب:

کوئی بھی مسلمان اس میں بطور مباشرت سود کی لین دین نہیں کرسکتا ہے اور یہ نص قطعی سے ثابت ہے، یہاں جو مسئلہ زیر بحث ہے ہمیں اسی پر غور وفکر کرنا چاہئے کہ مسلم ہولڈرا ز خود نہیں کرتا ہے لیکن کمپنی کا جو بورڈ آف ڈائرکٹرس ہے وہ اس کی مرضی کے خلاف کرتا ہے، شیئر ہولڈر تو چاہتا ہے کہ تمہیں جتنے سرمائے کی ضرورت ہو میرے نام

پر، میرے حصے میں سود نہ لو، سودی لون نہ لو، آپ کو چاہئے تو میں اپنے حصہ کا پورا سرمایہ نقد دے دوں، لیکن وہ ان کی مرضی کے خلاف بورڈ آف ڈائرکٹرس سارے شیئر ہولڈرس کے نام سے کہو یا کمپنی کے نام سے کہو، لون لیتا ہے، تو اب اس صورت میں یہ شیئر ہولڈر بری الذمہ ہوگا یا نہیں ہوگا؟ جبکہ وہ اس سے راضی نہیں ہے اور وہ جنرل میٹنگ جو اس کی ہوتی ہے سالانہ اس میں اپنی رائے بھی دیتا ہے کہ بھئی سودی لون نہ لو، جتنا سرمایہ کمپنی کو چاہئے شیئر ہولڈر سے وصول کرو، تو اب اس کے بعد یہ جو شیئر ہولڈر ہے وہ سود کا کاروبار کرنے والا سمجھا جائے گا یا نہیں سمجھا جائے گا؟...... جس کی تاویل حضرت مولانا تھانویؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ شیئر ہولڈر کمپنی سے کہہ دے کہ بھئی تم میرے نام پر یا میرے حصے پر سودی قرض، سود لینے یا دینے کا کاروبار نہ کرو، جتنا سرمایہ چاہئے مجھ سے نقد لے لو، میں دینے کو تیار ہوں، اگر چہ بورڈ آف ڈائرکٹرس اس کو ماننے والا نہیں ہے، اس پر عمل کرنے والا نہیں ہے، لیکن اب اس معاملہ کی نسبت تمہاری طرف نہیں ہوگی، اور یہ مسئلہ فقہ سے بھی ظاہر ہے کہ وکیل جب مخالفت کرتا ہے اور مخالفت الی الضرر کرتا ہے تو اس صورت میں وکیل کا وہ تصرف موکل کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔

ایک آواز:

بات یہ ہے کہ آخر وہ پہلے سے جانتا ہے کہ میں جو کچھ کہوں گا وہ ماننے والا نہیں ہے، اب اس کے باوجود اس کو کیا ضرورت پیش آگئی ہے کہ وہ شیئرز خریدے اس کمپنی سے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو کون سی حاجت پیش آگئی کہ وہ اس طریقہ پر کہہ کر حالانکہ وہ جانتا ہے کہ سود لینا بھی ہے اور دینا بھی ہے، یہ ایک حیلہ ہے، بالکل ظاہر ہے حیلہ ہوگا، تو اس کی کون سی حاجت پیش آئی ہے اس طرح شیئر خریدنے کی۔

ایک آواز:

یہاں جو سوال کیا گیا تھا، قاضی صاحب نے شروع میں جو بات فرمائی اس میں پہلے ہی وضاحت فرمادی تھی کہ اس وقت ہمیں بحث اس پر کرنا ہے کہ ایک آدمی کے پاس سرمایہ موجود ہے، ایک بیوہ ہے، بیوہ کے پاس پانچ ہزار روپئے ہیں، اب وہ چاہتی ہے کہ اپنے گذران کے واسطے اس پانچ ہزار روپوں سے کوئی شکل پیدا کرے، کسی کے ہاتھ میں دیتی تجارت کے لئے، تو وہ معلوم نہیں تجارت میں کیسا معاملہ کرے گا، اس پر اعتماد نہیں، اس وقت ایک نفع بخش قابل اعتماد شکل ہمارے سامنے لائی ہے، تو یہ آپ جو فرمارہے ہیں کہ کیا ضرورت ہے، تو آپ اس بیوہ کے متعلق ضرورت محسوس کر سکتے ہیں جب کہ آج عام طور پر مزاج یہ بن گیا ہے کہ کسی بیوہ کے پاس کوئی رقم آتی ہے تو سیدھی Fixed Deposit میں جا کر جمع کرا دیتی ہے۔

ایک آواز:

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس قسم کے جو معذور لوگ ہیں ان کے لئے تو رخصت نکلے لیکن وہ جو اپنے سرمائے کے بڑھانے کے لئے شیئرز خریدتے ہیں ان کا کیا حکم ہوگا؟

کمال فاروقی صاحب:

.....ہم لوگ یہ تمام جو بحث کررہے ہیں ایسا لگتا ہے کہ ہم لوگ Financial Institution اور جو آج کا کاروبار کرنے کا پورا مزاج بن گیا ہے اس سے ناواقف ہیں، جو میں نے عرض کیا کہ پہلی بات تو یہاں یہ جیسا کہ رضوی صاحب نے Clarification فرمایا بالکل صحیح ہے کہ ایک اسلامک بینک ہے، اس کے پاس پیسہ ہے، اور وہ شیئرز میں Investment کر رہا ہے، پہلے اور دوسرے سوال کا جواب ہی نہیں دے رہے ہیں ہم تو تیسرے کی بات کررہے ہیں، Possible ہی نہیں ہے آپ کے لئے، میں دوبارہ پھر اس بات کو دوہرا رہا ہوں آپ کے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ آپ کوئی کمپنی کا شیئر پبلک میں لا پائیں جب تک کہ Financial Institution میں اس کے پروجیکٹ میں آپ پیسہ نہ رکھیں، اب اگر آپ کے پاس اتنا پیسہ موجود ہے کہ آپ اپنے طور پر کاروبار کررہے ہیں تو کس نے کہا ہے آپ سے کہ شیئر لیجئے، آپ اپنا کاروبار خود ہی اکٹھا کر لیجئے، Partnership Forum میں چلا لیجئے کاروبار، Civil Propriter میں چلا لیجئے کاروبار، لیکن اگر آپ Public Limited Company بنائیں گے تو پبلک لمیٹڈ کمپنی بنانے کے لئے شیئر جاری کرنے کے لئے آپ کے لئے یہ ضروری ہوگا، خاں صاحب نے تو ۹۹ فیصد کہا تھا.................

قاضی صاحب:

آپ کی وضاحت سے پھر یہ خطرہ ہے کہ لوگ غلط طرف چلے جائیں گے، وہ اس لئے کہ یہاں پر یہ بحث ہی نہیں کہ کیا ہم ایسی پبلک لمیٹڈ کمپنی بنائیں جس میں کام اس بنیادی طور پر صحیح ہو لیکن اس میں اتفاقاً ہم سودی معاملہ میں ملوث ہو جاتے ہیں، اگر یہ سوال کریں گے تو اس کی نوعیت دوسری ہو جاتی ہے، کیا ہم ایسی کمپنی بنا سکتے ہیں یا نہیں جس کا بنیادی کاروبار جائز ہو لیکن اس میں کبھی کبھی سودی معاملات میں ملوث ہونا پڑتا ہے، کبھی کچھ لینا پڑتا ہے کبھی کچھ دینا پڑتا ہے، آپ کا نشانہ یہ ہے.....جب اس پوائنٹ پر زیادہ زور دیا جائے گا کہ ایسی کسی کمپنی کا قائم کرنا ممکن ہی نہیں ہے جو سودی کاروبار میں بینکنگ سے ملوث ہوئے بغیر کوئی کمپنی قائم کی جاسکے، میرا کہنا ہے کہ وہ کمپنی ہمارے یہاں زیر بحث ہی نہیں ہے اس وقت، ہمارا مسئلہ ہی وہ نہیں ہے، اس کے بارے میں ہم سے آپ پوچھئے گا تو ہوسکتا ہے کہ سارے لوگ متفق ہو جائیں، یا بعض حالات مجبوری اور حاجت وغیرہ کی رعایت کرکے آپ کو اجازت بھی دیں تو بہت مشکل سے دیں گے.............اب مسئلہ جو یہاں زیر بحث ہے دراصل یہ ہے کہ ایسی کمپنی جو اس اساس پر بنی ہے، ذرا دھیان دیں آپ لوگ، پہلے سے بنی ہوئی ہے ایسی کمپنی یا بن رہی ہے، اپنے بننے کے مرحلہ میں ہے یا بنی ہوئی ہے، جائز مقصد کے لئے بنی ہے وہ،......

ایک آواز:

تو آپ کے کہنے کے مطابق جب اس طرح کا کوئی بھی پبلک کام آپ کریں گے تو اس میں بینک سے تعلق پیدا کرنا ضروری ہوگا۔

قاضی صاحب:

یہ بات ہی نہیں ہے، ذرا آپ میری طرف توجہ دیں، اصل میں فاروقی صاحب نے جس مسئلہ پر زیادہ زور دیا ہے وہاں سے دشواری پیدا ہو گئی ہے، مسئلہ یہاں پر سرے سے یہ ہے ہی نہیں کہ ہم کوئی ایسی کمپنی قائم کرنے جا رہے ہیں، ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ایسی کمپنی کسی نے قائم کی ہے، چاہے ہندو نے کی ہو یا مسلمان نے کی ہو، یا کرسچن نے کی ہو........ فرضی نہیں یہ واقعہ ہے، سنا تو جائے حضرت، دیکھئے ذرا میں اس کو اور تفصیل سے بتاتا ہوں، بعض کمپنیاں بنتی ہیں شراب بنانے کے لئے، بعض کمپنیاں بنتی ہیں جناب والا خزیر کا گوشت سپلائی کرنے کے لئے، ظاہر ہے جو فیکٹری اس کام کے لئے بنی ہے اس کا بنیادی کاروبار حرام ہے، اس کا شیئر خریدنا کسی مسلمان کے لئے یا اسلامی ادارے کے لئے جائز نہیں ہوگا، اس پر ہم اتفاق کر چکے ہیں، کوئی کمپنی یا فیکٹری بنائی جاتی ہے کہ وہ گھڑیاں بنائے گی، Electronic Goods بنائے گی، فرنیچر بنائے گی، اس طرح کے کاروبار کے لئے بنتی ہے، مقصد اس کا جائز ہے، لیکن وہ کمپنیاں اپنی رضا سے یا اپنی مجبوری سے یا جیسے بھی بینک سے قرض لیتی ہیں، اور بینک کے لون کی بھی شرکت اس میں ہوتی ہے، ملوث ہوتے ہیں، کام تو بڑا اچھا ہے، کام صحیح ہے لیکن ان کو ملوث ہونا پڑتا ہے، سوال یہ ہے کہ جو اسلامی مالیاتی ادارہ آپ نے قائم کیا وہ ایسی کمپنیوں میں جو قائم ہو چکی ہیں یا قائم ہونے کے مرحلہ میں ہیں ان میں شیئر خرید سکتا ہے یا نہیں؟ مسئلہ اتنا ہے اور اس پر آپ لوگوں کو جواب دینا ہے۔

ایک آواز:

اس کا مطلب یہ ہوا حضرت کہ ایک شخص قرض دے رہا ہے، وہ نقد منافع سود کی شکل میں لے رہا ہے اور میں قرض دے رہا ہوں اور مجھے منافع چاہئے سود نہیں چاہئے...... کمپنی جو فرنیچر یا جو کچھ بنائے گی وہ قرض لیتی ہے بینک سے، تو بینک قرض دے کر کے اس سے سود منافع میں لے گا، اور ہم قرض دے رہے ہیں اس کو، یعنی ہم شیئر خرید رہے ہیں تو ہم اس سے منافع لیں گے، سود نہیں لیں گے، تو پھر ہماری شرکت ناجائز ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

قاضی صاحب:

ارے بھائی دس لاکھ کا سرمایہ ہے، فرض کرلو یہ فیکٹری دس لاکھ کے سرمایہ سے بنی ہے، جس میں انہوں نے نو لاکھ روپئے اپنے یا کچھ لوگوں سے لے کر کے لگا دیئے ہیں اس پر کہ صاحب اس کا منافع جو حاصل ہوگا منافع میں ان کو حصہ دیا جائے گا، لیکن اس میں ایک لاکھ روپئے انہوں نے قرضہ بھی لیا ہے، یہ علماء سے ایک سوال میرا ہے اس کو بھی ذرا ذہن میں رکھیں کہ سود کی بنیاد پر جو قرض لیا جاتا ہے جو قرض کی رقم ہمارے پاس آئی، یہ رقم ہمارے لئے جائز ہے یا نہیں اس کا مصرف.......

ایک آواز:

یہ رقم حلال ہے بغیر قباحت کے۔

کے سوالات کو جمع کیا اور ایک قائمۃ الموضوعات ایک فہرست تفصیلی ان مسائل کی تیار کی، اور کتنی قسم کی انہوں نے الگ الگ کمیٹیاں تشکیل دیں، جس میں ماہرین اقتصادیات اور ماہرین فقہ اسلامی دونوں کو جمع کیا، پہلے انہوں نے اصل مواد ماہرین اقتصادیات کے ذریعہ جمع کرایا، پھر علماء سے علمی اور تحقیقاتی کام کرایا، اس کی پوری تفصیلات، پھر ایک ایسا موسوعۃ اقتصادیہ اسلامیہ مرتب کرانے کی کوشش جس کے ذریعہ ان تمام مسائل کے بارے میں تفصیلات سامنے آسکیں۔ اسی ذیل میں انہوں نے ایک اہم بات کہی کہ ہمارے مدرسوں میں جو یہ ہمارے جامعات ہیں ان میں آپ فقہ تو پڑھا رہے ہیں لیکن کیا اقتصاد اسلامی کا آپ درس دے رہے ہیں لڑکوں کو یہاں، ظاہر یہ ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہوگا، تو وہ مسائل جو آگے آنے والے ہیں اقتصادیات کے میدان میں ان کے حل کرنے کے لئے جہاں ایک طرف فقہ اسلامی کی مہارت ہونی چاہئے دوسری طرف اقتصاد کے اصولوں کو سمجھنے کی صلاحیت اور اس کا شعور ہونا چاہئے، ہم اپنے مدارس میں اقتصاد اسلامی کو ایک موضوع کی حیثیت سے پڑھاتے ہی نہیں ہیں، یہ ایک بہت بڑا خلا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اقتصادی مسائل جب علماء کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان کی اصطلاحات کو سمجھ کر کوئی حکم شرعی کی تخریج کے لائق نہیں رہتے، یہ ایک بڑا مسئلہ ہے جسے حل کیا جانا چاہئے ہمارے اداروں میں۔ اسی طرح آگے بڑھ کر انہوں نے ایک اہم بات یہ کہی کہ صاحب جہاں ہم کام کرتے ہیں یعنی مجمع الفقہ الاسلامی الدولی جو انٹر نیشنل اسلامک فقہ اکیڈمی ہے، ہم چونکہ نمائندگی کرتے ہیں دنیا بھر کے مسلمانوں کی، اور ہر ملک میں بسنے والے مسلمانوں کے مسالک فقہی مختلف ہیں، کہیں مالکیہ ہیں، کہیں حنابلہ ہیں، کہیں پر شوافع ہیں، کہیں پر احناف ہیں، کہیں پر اباضیہ ہیں، کہیں پر جعفری، کہیں پر زیدی ہیں، مختلف فقہ معمول بہا ہے، تو ہمارا جو نقطہ نظر ہوتا ہے یہ جملہ مسالک فقہیہ کو سامنے رکھ کر غور کرنے کا ہوتا ہے، اور جو ماحول بنا ہے اس میں خلاصہ یہ ہے کہ اس میں تعصب مذہبی کے بجائے مصالح اسلام کی تحقیق پیش نظر رہتی ہے، اس لئے اگر فرض کر لیجئے کہ کسی مسئلہ کا حل کسی خاص فقہ کی روشنی میں وہاں نہیں ہو رہا ہے، لیکن دوسرا فقیہ اپنے یہاں ان کی فقہ میں جس مسئلہ سے بحث کی گئی ہے وہ سامنے لے آتا ہے، تاکہ اس کے دلائل کا لوگ جائزہ لے لیں، اقوی دلائل کیا ہیں؟ قوت دلیل کو دیکھ لیں، اور مصالح مسلمین کو دیکھ لیں، اور تحقیق مصالح جو بنیادی مقصد بھی ہے، تحقیق مصالح اور قوت دلیل کو سامنے رکھتے ہوئے اگر کوئی حل نکلتا ہے تو مسئلہ کا حل کریں، اس طرح مخلصانہ تعاون تمام اہل مذاہب و مسالک کے درمیان مسائل کے حل میں ہمارے یہاں رہتا ہے، شیخ نے یہ بھی کہا کہ صاحب ایک اچھا راستہ یہ کھلا ہے، اور انہوں نے آخر میں جو بات کہی لیکن اول ہے، کہ صاحب دنیا کے بہت سے ملک میں میں جاتا ہوں، وہاں جا کر بالکل عجمی بن کر رہ جاتا ہوں، عرب لیکن بن جاتا ہوں عجمی، اسلئے کہ کوئی میری بات سمجھنے کے لائق نہیں رہتا، میں نے جو پاکستان یا ہندوستان کا سفر کیا تو مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہوئی کہ میں اپنی بات عربی زبان میں کہہ بھی سکتا ہوں اور ایک بڑی تعداد علماء اور فقہاء کی جن کی نظر فقہ کے دقائق پر ہے اور جو تعبیرات کی گہرائیوں کو سمجھتے بھی ہیں، اور جو کتاب وسنت کی تعبیرات پر بھی اچھی نظر رکھتے ہیں، عبارات فقہاء پر بھی، میں ان کے سامنے کھل کر بات کرنے کی پوزیشن میں بنتا ہوں۔

اکہ نہیں ہوا، اس کو آپ لوگ طے کر لیجئے، یہ مباشر ہے، یہ سبب ہے، اس کی رضا یا عدم رضا کے اثرات پڑیں گے کہ نہیں پڑیں گے؟

ایک آواز:

اسی موقع پر مولانا برہان الدین صاحب کی اس شرط کی حیثیت واضح ہو جانی چاہئے تھی، انہوں نے کہا ہے کہ حساب کتاب الگ الگ ہو تو یہ شکل جائز ہوگی۔

قاضی صاحب:

اچھا ایسا ہے کہ کافی ہم لوگ بحث کر چکے ہیں، چائے پی لیجئے تاکہ ذہن اور حاضر ہو جائے، انشاء اللہ چائے کے بعد ہم لوگ پھر بیٹھیں گے، پانچ سات منٹ ہم نے یونہی کافی تاخیر کر دی ہے، ہمارے منتظمین بہت پریشان ہیں، اس لئے جلدی سے ہم سب حضرات چائے پی لیں، اس کے بعد انشاء اللہ پھر بیٹھ کر بات کریں گے۔ اور ہم انشاء اللہ ڈاکٹر خوجہ صاحب کی پوری بات سنیں گے، وہاں بھی مجمع الفقہ الاسلامی جدہ میں اس پر بہت تفصیلی بحث ہو چکی ہے، اور خاص کر ہمارے بعض فقہاء نے وہاں پر جواز کی رائے دی ہے بعض نے عدم جواز کی رائے دی ہے، ابھی تک وہاں کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔

قاضی صاحب:

اب مسئلہ زیر بحث پر پھر دوبارہ گفتگو آگے جاری رکھتے ہوئے میں ڈاکٹر محمد حبیب الخوجہ صاحب جو ہمارے معزز مہمان ہیں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ اس مسئلہ پر اپنے خیالات سے ہم سب کو مستفید فرمائیں، تفضل یا شيخ مشكوراً۔ مولانا عبداللہ جولم صاحب ایک کاغذ رکھیں نوٹ کر لیں ہر پوائنٹ کو، ایک دم صحیح نکتے آنا چاہئے۔ تفضل يا شيخ.

ڈاکٹر محمد حبیب الخوجہ صاحب:

بسم الله الرحمن الرحيم، وصلى الله على سيدنا و مولانا محمد وعلى آله وصحبه و سلم.

شكراً سيد الرئيس على إعطاء هذه الكلمة بعد ما استمعت إليه بغاية الدقة والانطباع قدر الطاقة من المسائل المعروضة فى هذه الجلسة، والتى تعتبر شيئا جديدا بالنسبة لما كنت أتوقع من هذه الندوة أو من هذا المؤتمر، بأن الموضوع الذى سيبحث فى هذه الدورة السادسة مقصور على الخراج والعشر، ولكن على كل حال ما دمنا قد تعرضنا إلى هذا بالأمس وكان الحديث عنه مطولا و مفصلا، ومادامت بحمد الله قد تحققت كثيرا من النظريات و النتائج بعد المناقشات والعروض، فإني أحمد الله أن وجدت هذا العنصر الجديد الذى يكمل القضايا المختلفة التى يجتمع من أجلها العلماء المسلمون ويحتاجون إلى بحثها ودراستها، وهذا شأن

الهيئات العلمية الفقهية في كل بلد، وقد نشأ على ذلك مجمع الفقه الإسلامي الدولي بجدة، فنحن من السنة الاولى عندما عقدنا اجتماعنا العلمي بعد الاجتماع التأسيسي بدأنا ننظر في المشاكل ، وكان من بين هذه المشاكل القضايا الاقتصادية، لكني قبل أن أطرح عليكم الملاحظات التي دونتها واستمعت إلى العروض والمناقشات وبعد أن قرأت البيان الذي صدر بشأنها وأعده فضيلة الإمام الأستاذ القاسمي أريد أن أشير إلى ما أشار إليه هو بالإجابة، ذلك أن الأعداء والمخالفين بالمجتمع الإسلامي والذين قاموا بغزوه و محاربته لم تكن هذه الحركات الشرسة في الغزو والاحتداد والإبادة و تقسيم الجموع و تفريقها شيئاً مقصورًا على الناحية الترابية الأرضية المادية، بل كانت تحويلا للناس أيضا في أفكارهم وفي تصوراتهم وفي ثقافتهم وفي تشريعهم، واستبدل كثير من الناس بالقرآن والسنة نظماً تشريعية جديدة من هذه القوانين الواردة من البلاد الغربية و غيرها، وأصبح القانون الوضعي هو الذي يتحكم في المجتمعات الإسلامية شاءت أو أبت، فإذا تكونت هذه الروح التي نلمسها يقظة و عزيزة في مثل هذا الاجتماع ونجد مثلها في كل اجتماع أو في كل مجلس من مجالس الفقه الإسلامي، مما يدل على أن حركات الغزو لم تقدر على إطفاء نور الله، ولم تتمكن من القضاء على الجذوة الأساسية للإيمان التي تربط كل واحد منا وكل المسلمين عامة بالكتاب والسنة وبالهدى الديني الذي جاء به محمد بن عبد الله ﷺ، ومن أجل ذلك فإني اعتبر أن التحرك للكشف أولاً لنا، ثانياً للناس عن حقيقة الفكر الإسلامي والمنهج الإسلامي في المجال الاقتصادي أمر ضروري لابد منه، ومن ثلاثة أيام فقط قبل سفري إلى هنا إلى هذه الأرض الطيبة وإلى هذا الاجتماع الكريم لقيت رجلا من كبار أهل القانون القديم الوضعي في جدة جاء زائرا وهو من رجال القانون ومن رجال الأعمال يبطل الإسلام خوفا من هذه وجماعاته ولكنه متحمس تحمسا كبيرا إلى الكتابة عن الفقه الإسلامي و تدوين القواعد و ضبط الأحكام في لغته الفرنسية مع لجنة يختارها من الكتاب والعلماء، ويقول أحدهم بعد ذلك معروضا علينا في مجمع الفقه الإسلامي لنقره أو لنعزله، وهذا أمر مهم، فعند ما تحدثنا عن هذا قال لي كلمة قال ما سمعتها يقول: إن الاقتصاد الإسلامي لا وجود له ، هو مجرد كلام، هو ادعاء، الناس يدعون أن في الإسلام اقتصادا، قال لي: ولكن الأعمال التي أخرجتموها في المؤتمرات الكثيرة لأنكم ما قضيتم عملا في مؤتمر من المؤتمرات التسع التي مرت، إلا وكان جانب كثير من المسائل الاقتصادية يطرح ويبحث من خلال الفكر الإسلامي، فهذا دليل على أن الفكر الإسلامي له سلطانه، له منهجه وله سيطرته على التشريع عند المسلمين، وبذلك تصبح القاعدة التي ترجع

إليها هذه الأسئلة الثلاثة، الأولى: شركة تقوم بأعمال الحلال، وأخرى تقوم بأعمال الحرام، وأخرى تجمع بين الحلال والحرام، هي التي يوجب عنها النبي ﷺ بقوله "الحلال بيّن والحرام بيّن و بينهما أمور مشتبهات" أنا لا أريد أن أنظر إلى هذه القضية بصفة عامة ولكني أدخل في صميم الموضوع، بما أني في رحاب هذه الجامعة أريد أن أسأل كما أريد أن أقرّبه، أريد أن أسأل هل في هذه الجامعة يدرس علم الاقتصاد الإسلامي، فإن لم يكن يدرس فالحاجة إلى هذه كبيرة، والأطر التي نريد تخريجها من هذه الجامعة ينبغي أن تكون آخذة من يد بالفقه الإسلامي وبالأخرى بالاقتصاد الإسلامي، وأبيّن معنى هذا، لأن الاقتصاد الإسلامي نحن كفقهاء عند ما اجتمعنا في المرة الأولى بجدة، وجاء تنا أسئلة من مؤتمر بنك التنمية الإسلامي الذي كان يرأسه الدكتور أحمد محمد علي، جاء تني أسئلة كثيرة وأردت أن أجيب عنها أي أن يجيب عنها المؤتمر فلم أفهم شيئا، ما معنى هذا، الاصطلاحات التي كُتبت بها والمعاني التي ترمز إليها هذه الاصطلاحات هي منقولة باللفظ و بالمعنى من الاقتصاد الغربي، وليس بين الفقيه المسلم و بين النظريات الاقتصادية العربية من جامع يجعلها بعد ذلك يسيرة يستطيع أن يجيب عنها بسهولة، فاضطررت إلى عقد اللجنة تتكون من الاقتصاد يين الموجود ين في البنك الإسلامي للتنمية، ومن أعضاء المؤتمر الإسلامي في مجمع الفقه الإسلامي ليعيد سياق هذه الأسئلة بلغة يفهمها الفقهاء، وفعلنا ذلك، مرة أو لي ومرة ثانية، لأنها عندما عرضت في المرة الأولى على المؤتمر لم يفهم شيئا ، فاضطررنا إلى تعديلها و تبسيطها وجعلها باللغة التي يمكن أن يفهمها عامة الناس، وكُتبت وأجيب عنها، وكانت المسئلة الأولى التي طرحت من طرف البنك الإسلامي للتنمية على مجمع الفقه الإسلامي في دورته الثالثة هي قضية خطاب الضمان، وما الحكم الشرعي بالنسبة لخطاب الضمان؟ ونحن نعلم بأن هذه المسئلة شديدة الحساسية يختلط فيها الحلال في الحرام، وفيها وجوه من الربا، و فيها بعد عن الربا، فوقع ضبط الشروط التي يكون بها خطاب الضمان بريئا في المعاملات الربوية خارجا عن تأثيرها ، فإذا توفرت هذه الشروط فإنه يجوز العمل بذلك العقد به، لكننا بعد هذا عندما نظرنا في المؤسسات المصرفية كما قال سماحة الشيخ وجدنا بعض المؤسسات الإسلامية تريد أن تطوع الشريعة لها، وبعض المؤسسات الإسلامية الاقتصادية تريد أن تأخذ بماجاء ت به الشريعة، ولا تبحث عن تطويع ولا عن حيل، فكانت المعركة شديدة، وكان أكثر من هذه المعركة الشديدة ما علمنا من أن كل مؤسسة بنكية أومصرف من المصارف الإسلامية، له لجنة تسمى لجنة الرقابة الشرعية، لتتولى هذه اللجنة تعقّب الأعمال التي تصدر عن تلك

المؤسسة فتلغيها إن كانت حراما و تبقى عليها إن كانت حلالا، وإن كان فيها شئ من الاضطراب فإنها تبيّن الوجهة وتكشف عن سبيل الحق الذى ينبغى اتباعه.

هذا من جهة، ومن جهة ثانية لمسنا أن هذه المؤسسات مع اختلاف اللجان التى نسميها لجان الرقابة الشرعية وقعت فى أحيان كثيرة فى خلط و فى اضطراب، لأن هذه تقضى بالحلّية وهذه تقضى بالحرمة، أصبح الناس الذين يتعاملون مع هذه المؤسسات لا يدرون شيئا، وتضيف إلى هذا مشكلة أخرى، وأن الذين يعملون أو أكثر الذين يعملون فى المصارف الإسلامية ويشرون النشاط الاقتصادى والتجارى والبنكى فيها هؤلاء تخرجوا من المدارس الغربية ومن المؤسسات البنكية الربوية، ولذلك فهم لايحسنون تطبيق التعليمات الاسلامية فيقع الخطأ من هؤلاء والخطأ من أولئك، وهنا كانت الطامة الكبرى، فاضطررنا فى مجمع الفقه الاسلامى إلى عقد كثير من الندوات زيادة على المؤتمر السنوى لبحث كثير من المشاكل الاقتصادية على وجه لايُكتفى فيه بالمذهب الواحد، وهذا طبيعى، لأن مجمع الفقه الاسلامى الدولى يمثل دول الأمة الاسلامية قاطبة، وتشارك فيه الدول الإسلامية كلها، فهناك لحد الآن اثنان و خمسون دولة ممثلة فى المجمع بأشخاص يقع اختيارهم من طرف دولهم ليكونوا لسان صدق عنها، وإلى جانب هؤلاء قد يكون بعضهم ذا اتجاه فكرى اقتصادى لكن ليس اسلامى، وقد تكون بواعث فقهية مزجاة، وقد يكون لايعرف من الفقه المسائل السطحية أو السهلة التى يعرفها كل أحد، فالعمق الذى يحتاج إلى خبراء . ومن أجل ذلك فإننا فى كل موضوع من الموضوعات التى تطرح على المجمع نستأنس بآراء الخبراء الذين يكتبون إلينا ويقدمون البحوث ويعرضون الحلول، ثم تُناقش هذه الأشياء كلها من وجهة النظر الاسلامية الفقهية، فنكون قد أتينا على الصورة المطلوبة والشكل المرغوب فيه للوصول إلى النتائج التى تصدر فى القرارات أو التوصيات، وبهذه المناسبة فإنى أرحب بهذه الجمهرة الكبيرة من الفقهاء وبهذه الثلة الصغيرة القليلة العدد إن شاء الله ولكن كبيرة الفائدة من الاقتصاديين الذين حضروا معنا هذا اليوم، وعندما أتناول هذه القضية أريد أن أشير كما قال شيخنا إلى أن كثيرا من الدول الاسلامية فيها مؤسسات مصرفية الاسلامية لكنها لا تلتزم بذلك التزاما حرفيا، وأن ممن يلتزم الالتزام الحرفى كما تفعل السودان و إيران، وأنا أقول إن الصراع بين الحياة العملية الواقعة وبين النصوص والآراء هو الذى حمل البنوك الاسلامية نفسها على أن تتخذ مجالس فقهية وعلى أن تكوّن مؤتمرات و ندوات البحث كثيرا من القواعد الجارية، فاضطررت، أنا كأمين عام لمجمع الفقه الاسلامى أن أجمع كل الأسئلة التى

طرحت في الماضي في المؤسسات الاقتصادية والمصرفية ، البنك الاسلامي للتنمية، البركة، بيت التمويل الكويتي، بيت التمويل السعودي وما إلى ذلك من المؤسسات التي لها قرارات ودراسات وبحوث مكتوبة،وكوّنّا قائمة في الموضوعات المطروحة التي يطرحها البنك على العلماء ، وبذلك تتصورون بأن القضية ليست قضية معرفة الحلال والحرام فقط بل قضية بيان الحكم الشرعي في الطرق المستعملة أو المعتمدة لدى هذه البنوك في إجراء أعمالها سواء في باب الأسهم أو الاستثمار أو غير ذلك، وفي أشكال السندات أو أشكال الحصص التي تكون للأعضاء إلى آخره، واضطررنا أيضا إلى عقد دورتين حول تغير قيمة العملة وأثر ذلك على الاقتصاد الاسلامي والأحكام الشرعية المنوطة بتغير قيمة العملة، وعقدنا أيضا ندوات بالاضافة إلى مؤتمرات كانت حول السوق المالية الاسلامية، العالم كله فيه أسواق مالية، لكن العالم الاسلامي راح عادما، ويعدم إلى الآن السوق المالية، فهل جاء الوقت لتكوّن أسواقا مالية، ما هي شروط إقامة السوق المالية، ما هي الموارد الأساسية في الأسواق المالية التي يؤمن بها الغرب ويستخدمها، وهل هي جائزة عندنا، وعما هي البدائل التي تعوضها لنستطيع أن ننهض بمشروع إسلامي، ثم هناك هذه البدعة الجديدة بطاقات الائتمان التي اختلفت اختلافا كبيرا، وأقر منها المجمع ما هو جار على الأصول الشرعية ورفض الكثير مما لا يجرى على الأصول الشرعية، عندما بحثنا هذه القاعدة تبين لنا و نحن نناقش كل قضية تعرض وتُطرح على المجمع مناقشة لانلتزم فيها بحكم ما بيّنته من اختلاف التنصيص لهذا المجمع، لا نلتزم فيها مذهبا واحدا، لماذا؟ لأن الاعضاء منهم مالكيون ومنهم أحناف ومنهم حنابلة ومنهم شوافع ومنهم زيديون ومنهم جعافرة ومنهم إباضيون، وهذه الجموع الكبيرة من الفقهاء والقضاة تتعاون كلها مع بعضها ، فإذا كان واحد من الفقهاء الذين يشهدون هذه المجالس يرى حكما لم ينتبه إليه إخوانه من الناحية الشرعية لكونه غير وارد في كتبهم، وإنما هو وارد عنده فإنه يذكّر بما عنده لعلنا نجد الدليل الأقوى من جهة والأقوم والأفضل الذي يخدم المصلحة الشرعية و مصالح الناس، لأن مصالح الناس والمصالح الشرعية المعتبرة هي التي يعتمدها الإسلام و اعتمدها القرآن في تقرير المنهج الذي ينبغي أن يسير عليه المجتهد، لأن المجتهد ليس عليه إلا أن يبحث عن المصلحة فأينما وجدت المصلحة فثمّ شرع الله، بالاضافة إلى هذا، عندما قرأت هذه الأسئلة الكثيرة وهي أسئلة مهمة ، ولابد أن تجيش بها نفس المؤمن وأن يتحرك إلى الاجابة عنها، لكنها أسئلة جزئية لاترجع إلى مساكن مطروحة في الصحة حقيقة، أستطيع أن أقول هي التساؤلات التي تصدر عن المسلم عند الفقيه من غير أن يكون اقتصاديا ومن غير

أن يكون مشاركا فى العمل الاقتصادى، وإلا فإن الأسئلة المطروحة اليوم فيها النوع الذى يحمل المسلم على التساؤل، هذا حلال أم حرام، يجوز بأن أقوم به أم لا يجوز؟ تجنبا للمحاذير وسيرا على وسط المنهج الاسلامى، أما الأسئلة الأخرى فهناك الأسئلة التى تصدر عن المصارف ذاتها، المصارف هى فى حاجة إذا من يأتيها، جعلتنا بسبب التأسيس والبناء للمصرف الاسلامى على الوجه الكامل، ولم يصل بعد إلى النهاية، هو فى خطواته يتعسر، مرة يريد أن يأخذ بما فيه ربح، وقد وجد عند المصارف الغربية أو الربوية ويقول هل من سبيل لتوفير الإنتاجات المادية عندنا ويكون بذلك قوة للمسلمين، فيقول له لا، هذا ليس بجائز، لأن المساهمة من البنوك الاسلامية مثلا فى الهيئات الربوية فى شركات مساهمة غير جائز، عقدنا لهذا ثلاث ندوات، بحثنا أصول هذه المسئلة وفروعها، وتقدم الاقتصاديون من المسلمين بنصوص كثيرة تبيّن لنا وحالتها وبُعدها عن الفكر الاسلامى، والأجوبة التى كانت مترتبة عليها بالجواز، نقضت إذ نقض أصلها ، فلم يبق إلا التحريف، وبقينا نبحث عن المخارج أو التخريجات الشرعية مرة وعن أحوال الضرورة التى تمس المجتمع ككل أو بعض الأفراد كأشخاص لنجد بعض المبررات فى بعض المسائل الجزئية ، وهذا موجود فى كثير من الأحكام والقرارات التفصيلية التى صدرت عن المجمع،....صورة عن هذه القضايا التى بحثناها فى المجمع والتى أريد أن نبحث هنا فى مجمع الفقه الإسلامى فى الهند، أريد أن يكون بيننا و بينكم، بين مجمع الفقه الاسلامى بجدة ومجمع الفقه الاسلامى بالهند اتصال دائم، وبيمين الله يكون ذلك من باب التعاون على الخير ومن باب التطلع إلى الحكم الشرعى الواضح الذى لا التباس فيه، ومن جهة أخرى إذا عرض علينا هنا بعضُ المسائل نطرحها على مجمع الفقه الاسلامى ونقول لهم نريد الاجابة عن هذه القضايا، وهذا سائرا وراء التوحيد فى الأجوبة والقرارات حتى لا يكون بعض المسلمين يفتون برأى والآخرون يخالفونهم فى ذلك الرأى، نحاول التجميع والاتفاق قدر الاستطاع، هذا من جهته، ونكوّن الاتفاق قدر الاستطاع لينفى أن تكون هناك حاجات ماسة وخاصة فى مجتمع ما، فيفتى علماء ذلك البلد أو تلك الأرض بما لا يفتى به عامة المسلمين، وهذا مثل بيع الوفاء عند أهل خراسان الذين اضطروا إليه فرارا، ولكنهم أحلوه ولو كانت فيه شبهة الربا، لأنهم جمعوا بين أشكال مختلفة وصوروه بصور متعددة، والكلام فى هذا يطول، فإن ابن الهمام له فيه كثير من الصور التطبيقية والإجابات عن الأسئلة التي عرضت عليه، وكذلك المرغينانى فى كتابه "الهداية" وغيرهم من أكابر العلماء الذين ظهروا فى خراسان وفى ماوراء النهر وفى البلاد الهندية أيضا، لأن بعض هؤلاء العلماء

آخذ بما ذكره الآخرون من صفوة أهل العلم والمفكرين السابقين والنابهين منهم فكم يتعاونون على ذلك، فإذا كانت القضية خاصة ولها ظروف معينة فتلك التي يجوز فيها التأويل أو التؤول ويجوز فيه طرح النظريات التي قد لاتتفق معه ما يصدر عن المجتمعات الاسلامية ولكن لها حكمها، وأنا يعجبني ماقرره الشيخ محمد طاهربن عاشور رحمه الله في كتابه "مقاصد الشريعة" من أن الرخص التي يأخذ بها الفقه الاسلامي ليس كالرخص الشخصية،....لا معنى لها، لأن كل واحد يستطيع أن يفتيك إذا كانت هناك ضرورة قائمة وحاجة ماسة أن تأخذ في قول.... لكن هذا يكون لفائدة المجتمعات الكبيرة والقضايا العامة ليخرج الناس من الضيق إلى الوسع ومن القلق والحيرة إلى الاطمئنان، ولتفسير بعض هذه الأشياء أريد أن أقول لكم بأننا بحثنا في ندوات خاصة مسائل كثيرة لم يصدر فيها قرار مجمعي في جميعها، لماذا؟ لأنها بالرغم عن عقد الندوات الخاصة لم تستوف حقها من النظر، وهذا مثل الأسهم في الشركات وقضايا الاستثمار، بل عقدنا له ثلاث مؤتمرات، واحدة في جدة، والثانية في المغرب في الرباط، والثالثة في البحرين، وهناك تغير قيمة العملة التي صدر فيها ما صدر من توصيات أو قرارات أخذت بما هو معروف من مقابلة مثلي بالمثلي ومقابلة القيمي بالقيمي، وأنه لا يجوز أن انتقل من المثلي إلى القيمي، .....ويلي قضية مطروحة على كل حال، لكن الواقع يصادم هذه النظرية، ونحن نجد في المذهب الحنفي تيسيرا، وخروجا عن هذا التضييق، لأن ما بين الإمام أبي حنيفة وبين الإمامين أبي يوسف و محمد بن الحسن الشيباني من التأمل والغوص على هذه القضية ما يساعد على الخروج من الأزمة التي واجهها الناس في المجتمعات الاسلامية اليوم، وآخذ مثالا بسيطا عندما أقول لك: عليّ دين تركت في ذمتي من عشر سنوات بالروبية، هذا الدين قيمته ألف روبية أو عشرة آلاف روبية، هل العشرة آلاف روبية التي هي دين عليّ من عشر سنوات، بقيت قيمتها هي نفسها اليوم أم تغيرت هذه القيمة، ربما كنت أستطيع أن أشتري بيتا بالعش.....من عشر سنوات، والآن لا أستطيع أن أشترى بها سيارة، وعندئذ فرق كبير، وهذا.....العملات الهابطة، وفي الأسواق التي أصيبت فيها بعض العملات بالانحطاط والهبوط قياسا على الوضع العام الاجتماعي من جهة وقياسا على تغير الأسعار،فتغير الأسعار أو مانسميه بارتفاع الأسعار....كان سببا شديدا في إرهاق الناس وحملهم على أن ينشدوا الحق من الطريق الذي يوصّل إلى ذلك الحق.

أما أن قول المثلي بالمثلي أدفع إليك بعشرة آلاف روبية التي كانت في ذمتي من عشر سنوات أو من مائة سنة ويكون بيننا هذا عدل، فليس من العدل في شيء، لأن المثلية هنا لا

اعتبار لها، وماذهب إليه الفقهاء فيه دليل على ذلك و شهادة ، على أن هذه القضية لم يُبتَّ فيها، مازال الدارسون يبحثون عن أشكال لإيجاد التحرير الدقيق للمسائل والاجابة عنها، ولذلك من كل هذه القضايا المعروضة على المجمع من الرياض والمعروضة على الندوات الفقهية التابعة للمجمع كوّنّا لجنة، هذه اللجنة تعرض على نشر البحوث الموسوعية، وهذه الموسوعة هى الموسوعة الفقهية الاقتصادية، وأدخلنا فيها عدة موضوعات واستكتبنا الاقتصاديين...... ونحن فى كل دورة وفى كل اجتماع نتلقى أسئلة ، وسؤالى الذى أطرحه كما أطلب من مجمع الفقه الاسلامى بالهند أن يكتب إلينا غير مأمور بأن يسألنا ما هى القضية أو وجه الحكم فى القضايا التالية لنصنّفها فى جملة القضايا المطروحة على المجمع إذا تعذر عليه القيام بذلك، أو إذا وجد حرجا بأن كانت النظرة فيها مذهبية أكثر من كونها فقهية عامة ، فنحن نرحب ونريد أن نتعاون فى هذا المجال، ومن جهة ثانية أطلب من سماحة الإمام شيئا هو أدرى به منى، أنا لا أعرف فقهاء الهند، هذا الاتصال الكريم الذي هيأه الله سبحانه و تعالى لى، وأنا سعيد به كثيرا، فأنا أريد أن أعرف الفقهاء الهنود الذين لهم إلمام بالجانبين الاقتصادي والفقهي، أو على الأقل الذين إذا طرحت عليهم المشاكل الاقتصادية من طرف الموسوعة يستطيعون الكتابة فيما يعرض عليهم من دراسات شرائع اقتصادية، ليدلى مجمع الفقه الاسلامى بالهند بدلوه مع إخوانه الذين يعملون فى مشارق الأرض ومغاربها، والله أحمد على هذا الاجتماع المبارك الذى جمعنى بكم ودفعنى إلى الاستزادة من المعرفة بالقضايا الاسلامية عن طريقكم وبوجوه تحليلها، وأشكر الشيخ زبير. بارك الله فيه . على أن عاد بمسألة سألناه عنها بالأمس إلى مصادرها الفقهية مشيراً إلى الوجه أى وجه الحكم الشرعى مع بيان الاحالات المطلوبة، وهذا من فضل الله علينا، كنا عندما نسير إلى بلاد الشرق الأقصى، وهذه من بلاد الشرق الأقصى نظن أنفسنا سنختلط بأعاجم لما كوّنه الانكليز والفرنسيون والمستعمرون فى أذهاننا، وأننا سوف لا نجد كلمة بالعربية أو فقها إسلاميا، ولكنى أؤكد بأننى فى أول زيارة قمت بها إلى باكستان وفى أول زيارة قمت بها إلى الهند، وذلك من نحو ثلاثين سنة و شفت عكس ما يقوله الانكليز والفرنسيون والولنديون وغيرهم، يعنى وجدت فقهاء بحمد الله فى كل مكان من هذه القارة الهندية، ووجدت علماء يدركون إدراكا دقيقا المفاهيم الشرعية التى أدلى بها علماء نا رضى الله عنهم - فى الماضى ، ونحن فى حاجة كبيرة إلى جهودكم جعلها الله مثمرة وإلى أعمالكم جعلها الله نامية وخصبة، حتى نلتقى دائما على التعاون فى سبيل الله وفى سبيل اعلاء كلمة الله عن طريق تطبيق الشريعة الاسلاميه ببيان فضلها

وإسكات الأصوات المنادية بتغييرها واللمس فيها، والحمد لله أولا وآخرا، وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

قاضی صاحب:

میرا خیال ہے اکثر علماء نے تو بات سمجھ ہی لی ہے لیکن ہمارے کچھ دوست ایسے بھی ہیں، جنہوں نے بات نہیں سمجھی ہے، میں نے چاہا تھا کہ میرے دوست ڈاکٹر عبداللہ جولم صاحب اس کی تفصیل بتا دیں، لیکن درمیان میں انہوں نے یہ پرچہ دیا کہ تمہیں ہی اس کے بارے میں کچھ بتا دینا ہے، تو میں مختصرا ان نکات کی وضاحت کر دیتا ہوں جن کے بارے میں شیخ نے بات کی ہے، گرچہ وہ حاوی نہیں ہوگی پوری، بہت سی باتیں چھوٹیں گی، پہلی بات تو انہوں نے یہ کہی کہ صاحب جو دشمنان اسلام اس وقت دنیا میں کام کر رہے ہیں ان کا ایک بڑا نشانہ صرف مادی طور پر اراضی پر قبضہ و دخل کر لینا اور کسی ملک کو اپنی حکومت میں داخل کر لینا نہیں، بلکہ اصل فکر اسلامی کو برباد کر دینے کی کوشش ہے، ان کا ایک بڑا نشانہ یہ ہے کہ اسلامی فکر اور اسلامی عقیدہ، اسلامی تصور، اس کو کسی طرح معاشرہ سے مٹا دیں، آج جو ہمارے سامنے چیلنج درپیش ہے وہ یہ ہے کہ ہم کس طرح فکر اسلامی کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھیں بلکہ نظری ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو عملی اور تطبیقی صورت ہم دے سکیں، خصوصیت کے ساتھ اقتصادیات کے میدان میں جو عمل دخل مغرب سے آنے والے نظریات کا ہوا، ظاہر ہے کہ جو اقتصادی نظام بنا ہے اس کا کوئی رابطہ بھی اسلام کے اقتصادی نظریات سے نہیں ہے، بلکہ اس کی اساس ان افکار و نظریات پر ہے جو مغرب سے آئے ہوئے ہیں، اس لئے جب ہم اقتصادی مسائل پر غور کرنے بیٹھتے ہیں تو ایک بڑی مشکل یہ ہوتی ہے کہ ان مغربی افکار سے آزاد ہو کر خالص اسلامی نظریات کی اساس پر کسی نظام کی ترتیب ایک مشکل صورتحال اختیار کرتی ہے، اسی کا ایک بڑا نتیجہ یہ ہے کہ جو اسلامی ممالک میں اس وقت اسلامی بینکنگ کے مختلف ادارے قائم ہو رہے ہیں، ان میں دو طرح کا عنصر پیدا ہوتا ہے، یا تو وہ ہیں جو اسلام اور شریعت کو اپنے تابع بنا لینا چاہتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ شریعت میرے پیچھے پیچھے چلے، اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو مسائل کا کوئی متبادل حل نکالنے کے بجائے ایک ایسا کنارے کا راستہ اختیار کرتے ہیں جن سے کسی چیز کی حلت یا حرمت کا تو فتوی دیا جا سکتا ہے لیکن مسائل کا حل نہیں ہوتا ہے، اسی سلسلہ میں جو اسلامی بینک قائم کئے گئے ہیں انہوں نے اپنا رقابت شرعیہ کا یا شرعی بورڈ کا ایک نظام تو قائم کیا ہے کہ ان کے کس عمل کو حلال کہا جائے، کس عمل کو حرام کہا جائے۔ سوالات بھی بہت سے پیدا ہوئے ہیں اور ان سارے سوالات کو انہوں نے ہمارے پاس مجمع الفقہ الاسلامی میں بھیجا ہے، اس کی بہت لمبی تفصیلات ہیں، لیکن اگر کوئی فیصلہ علماء اور شریعت کی طرف سے ہو بھی جاتا ہے تو جو طبقہ اصل میں اس بینک کو عملی طور پر چلاتا ہے چونکہ وہ مغرب کے اقتصادی نظریات سے متاثر ہے، یا مغربی بینکنگ کے اصولوں پر عمل کرنے کا عادی ہے، اس لئے علماء اور شریعت کے اس فیصلہ کی صحیح عملی تطبیق بھی وہ نہیں کر پاتا ہے، کوئی بات اگر غلط کہہ دوں تو آپ لوگ بتا دیجئے گا۔

دوسری طرف انہوں نے وہ تفصیلات بتائیں کہ کس طرح بینک اسلامی کے سوالات کو اور مختلف اداروں

ایک آواز:

امدادالفتاوی میں جس کا آپ نے ابھی حوالہ دیا تھا میرے جواب میں، یہ صراحت موجود ہے کہ ایک آدمی نے کسی کے پاس سے کوئی رقم لی، پانچ ہزار روپے مثلاً، اور رقم دینے والے نے اس سے یہ شرط رکھی کہ میں اس پر تمہارے پاس سے دو سو روپے سود لوں گا، اس نے پانچ ہزار قرض لے کر کے اس رقم سے تجارت کی اور اس تجارت سے منافع حاصل کیا، اس کو سود بھی ادا کیا، اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے یہ سود دینے کا کام بھی کیا ہے وہ حرام کام کیا ہے، لیکن ساتھ ہی وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ منافع جو مجھے اس پر ملا وہ حلال ہے، تو کیا اس کا یہ سمجھنا درست ہے، تو حضرت تھانویؒ نے جواب دیا کہ درست ہے۔

قاضی صاحب:

میرا سوال دراصل یہی تھا کہ سود کی ادائیگی کا عمل حرام، لیکن قرض لینے سے جو رقم آتی ہے وہ تو حرام نہیں ہوتی ہے، قرض میں جو رقم لی ہے ہم نے، یہ قرض لینا ہے اور سود ادا کرنا ہے، سود ادا کرنا عمل حرام ہوا، لیکن جو قرض لیا وہ مال جائز ہے کہ نہیں اس کے لئے......

ایک آواز:

یہ اصول کے طور پر بھی ہمارے یہاں معروف ہے کہ "إباحة العقد لا يستلزم إباحة المال و حرمة العقد لا يستلزم حرمة المال" یہ اصول ہے۔ سودی قرض لینا یہ ہمارا معاملہ ہے، یہ ہمارا معاملہ حرام ہے، لیکن اس سے جو حاصل ہوگا مال کوئی ضروری نہیں کہ وہ بھی حرام ہی ہو۔

قاضی صاحب:

اب سوال یہ ہے کہ دس لاکھ سرمایہ جو اس میں لگا، نو لاکھ اس کا اپنا تھا، شیئر ہولڈرز سے لایا تھا یا پروموٹرس لائے تھے، اور ایک لاکھ روپے اس نے سودی قرض پر حاصل کیا تھا، تو یہ دس لاکھ جائز سرمایہ کی حیثیت سے ہے، اس سے جو آمدنی حاصل ہوگی وہ آمدنی اور منافع جائز ہوگا یا نہیں ہوگا؟

آوازیں:

جائز ہوگا۔

قاضی صاحب:

اس منافع کی اگر تقسیم شیئر ہولڈرس پر ہوگی تو وہ جائز ملے گا یا ناجائز ملے گا؟

آوازیں:

جائز ملے گا۔

قاضی صاحب:

اب اس کے بعد ایک دوسرا سوال کہ وہ جو سود ادا کرتا ہے یہ ایک گناہ کرتا ہے، اس گناہ میں یہ بھی شریک ہو

میرے لئے یہ سفر بہت اہم ہے کہ اس طرح ہم وہ رابطہ اور اتصال پیدا کر سکتے ہیں جو اسلام کے حق میں مفید ہوگا، اب اس کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ کے سامنے جو مسائل آئیں بے تکلف آپ ان مسائل کی فہرست ہمارے پاس بھیج سکتے ہیں، اور ہم بھی ان مسائل کو اس بین الاقوامی المجمع الفقہی کے سامنے رکھ سکتے ہیں کہ صاحب ان مسائل کا جواب ہمیں دنیا بھر کے علماء سے مطلوب ہے، اور وہاں ان سے جواب ہم حاصل کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف ایسے افراد اور ایسے باصلاحیت لوگ جو فقہ واقتصاد دونوں پر نظر رکھتے ہیں، اگر ایسے لوگوں کے نام ہمیں بھیجے جائیں تو ہم ان کی صلاحیتوں سے ان سے بحوث اور مقالات لکھوا کر فائدہ اٹھا سکتے ہیں، یا کم سے کم فقہ ہی میں وہ اس لائق ہوں، مہارت ان کی اصلاً فقہ اسلامی میں ہو، لیکن وہ اقتصادی مسائل پر فقہ اسلامی کی تخریج اور مسائل کی تحقیق اور تطبیق کا کام کر سکتے ہوں، تو ایسی شخصیات اور ایسی صلاحیتیں پورے ملک کے لئے پوری دنیا کے لئے جو اسلامی زندگی اور اسلامی مسائل کو حل کرنے کے راستے پہ جب ہم غور کرنے بیٹھتے ہیں تو ان کی صلاحیتیں جو ہمارا ایک سرمایہ ہوگی ان سے ہم استفادہ کر سکیں گے، تو اس طرح مجمع الفقہ الاسلامی الہند اور مجمع الفقہ الاسلامی الدولی جدہ دونوں کے درمیان گہرا تعاون اور ارتباط ہو سکتا ہے۔ موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جو ہمارے سامنے آئے لیکن اب تک ہم نے ان میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے، بار بار ہم نے اس پر بحثیں کی ہیں لیکن جب تک کوئی تشفی بخش صورتحال نہ پیدا ہو اس وقت تک ہم نے فیصلہ نہیں کیا ہے بہت سے مسائل میں، اب ان ہی مسائل کے ذیل میں انہوں نے کریڈٹ کارڈ کی بات کہی ہے، یا Letter Of Credit کی بات کہی ہے، یا Letter of Securities کی بات کہی ہے، اس طرح کے دسیوں مسائل ہیں جو ابھی ہمارے یہاں زیر بحث ہیں، اسی طرح ہمارے یہاں موضوع بحث رخصت کی بحث بھی ہے، ایک حوالہ دیا انہوں نے کہ رخصت کی بحث میں یہ بھی بحث آ چکی ہے کہ رخصت کا حکم انفرادی طور پر ہر شخص کے لئے اپنے طور پر عمل کرنے کا ہے، یا رخصت ایک اجتماعی ضرورت سے پیدا ہوتا ہے، اور امت کے اجتماعی حالات میں رخصت کی کیا گنجائشیں ہیں، اس کا کس طرح فیصلہ کیا جا سکتا ہے، اس طرح کے متعدد مسائل ہیں جن پر ہمارے یہاں بحث ہوتی رہی ہے، اور ان بحثوں کو ہم اگر مجمع الفقہ الاسلامی الہند کے کاموں کے ساتھ ہمارا رابطہ ہوتا ہے تو ہم یہاں کے مسائل واحوال پر بھی رائے قائم کرنے کی پوزیشن میں ہوں گے۔

خلاصہ ساری گفتگو کا، بہت سارا چھوڑ کر، یہی ہے، جو میرے ذہن میں نہیں رہا اس کے لئے معافی چاہتا ہوں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اجمالی طور پر بنیادی باتیں آ گئیں، میں شیخ کا شکرگذار ہوں، اشکرکم شکرا جزیلا علی ما بعثتم إلینا وعلی ما فضلتم بأن التعاون والاتصال والترابط بین مجمع الفقه الاسلامی بالهند وبین مجمع الفقه الاسلامی الدولی، إن شاء الله سنرجو من جمیعنا وجمیع أرکاننا، إن شاء الله کلهم یرحبکم وکلهم یشکرکم علی هذا التعاون العلمی الوثیق الاسلامی، إن شاء الله سنستفید منکم ومن علومکم ومن علوم جمیع العلماء الذین قد رأیتهم فی مجمع الفقه الاسلامی، ولا شک أنها نخبة العلماء ونخبة الفضلاء والفقهاء الذین هم متفرقون فی العالم

ولكنهم قد إجتمعوا على منصة مجمع الفقه الاسلامي بجدة، وإن شاء الله سنستفيد من علومهم و نعوض عليكم أسئلتنا ونرجو أننا نجد منكم جوابا شافيا لما ابتلينا به في بلادنا، وأنكم تعرفون يا سيدي أننا نحن في حالة خاصة و متاعب مختلفة، ونحن في سعة أن نشرع القوانين حسبما نرضى، بل قوانين و تشريع القوانين بأيدى غيرنا، لانستطيع أن نغيرهم الآن،لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا، لا نقول شيئا ولكن نرجو إن شاء الله رجاء خير، والآن نحن الأقليات الاسلاميه في جميع بلاد الهند و مثل ذلك في بلاد أخرى، هم في متاعب كثيرة، ولهم مسائل كثيرة، ولهم مشكلات كثيرة، هذا ما ذهبنا إليه في ندوات سابقة، إننا نحتاج إلى فقه الأقليات خصوصا، المسلمون في أقلية وليس لهم أي استطاعة، فماذا يفعل؟ بل يمكن كما قلتم يا سيدى انه يمكن أن نفتي في السعودية بفتوى أخرى ونفتي في الهند بفتوى أخرى، فهذا من الممكن، لأن أحوالنا غير ما أنتم فيه من الأحوال۔

تو ایک مسئلہ جو ہمارے یہاں زیر بحث تھا، جو ابھی تک بات چل رہی تھی، وہ میرا خیال ہے کہ اچھی خاصی رائے آئی اس پر، اور ہم اس مسئلہ کی پھر تلخیص کرتے ہوئے بات ختم کرتے ہیں کہ اگر آپ کوئی اسلامی مالیاتی ادارہ صحیح بنیادوں پر قائم کریں تو کیا اس مالیاتی ادارہ کے لئے یہ جائز ہوگا کہ وہ اپنا سرمایہ ایسی تجارتی کمپنیوں میں لگائے جو تجارتی کمپنیاں جائز کاموں کی تجارت کے لئے قائم کی گئی ہیں، لیکن ان ہی حالات کی بنیاد پر ان کے جائز کاموں میں، سرمائے میں کچھ سود پر لیا ہوا قرضہ بھی شامل ہو جاتا ہے، ایسے اداروں سے ایسی تجارتی کمپنیوں میں یہ ہمارا اسلامی مالیاتی ادارہ شیئر لے سکتا ہے یا نہیں لے سکتا ہے؟ یہ سوال تھا اس پر آپ حضرات نے کافی جوابات بھی دیئے ہیں، کیا اس پر مزید کسی بحث کی ضرورت ہے، یا اس پر آپ ماہر علماء کی کارکردگی میں ایک کمیٹی بنادی جائے جو آئے ہوئے جوابات کو بھی سامنے رکھے، اور اس کے بارے میں ایک تجویز تیار کرے، کیا اس پر مزید کسی صاحب کو کچھ کہنا ہے؟ مفتی صاحب آپ کو کچھ کہنا ہے؟

مفتی محبوب علی وجیہی صاحب:

میرا خیال یہ ہے کہ اس تناظر میں اس پس منظر میں آپ دیکھیں کہ انفرادی ضرورت نہیں ہے یہ قومی ضرورت ہے، اور ایسے ماحول میں ہے کہ ہم قوانین بنا بھی نہیں سکتے، اور ان کے اندر دخل بھی نہیں دے سکتے، تو اس کے لئے کچھ....سوچنا اور گنجائش ایسی نکالنا کہ ہمارا جو احکام اسلامی ہے اس کے اندر بھی کوئی ایسی کھلی ہوئی ہم سے زیادتی نہ ہو جائے، اور ہمارے لئے مخرج جو نہیں ہے اس کے لئے کوئی راستہ نکل جائے، اس کے لئے دنیا میں رہنا ہے تو قوم وملت کو بھی کچھ کرنا ہے، ایسے پیچھے رہ کر صف ثانی میں یا ثالث میں ہمیں جانا نہیں ہے۔

ایک آواز:

میری رائے میں جو کمپنیاں ایسی ہیں جو حلال کاروبار کرتی ہیں، اس کے اندر سرمایہ لگائے، لیکن اپنی طرف

سے کوئی سودی لین دین نہیں کرے، اگر کچھ آمیزش ہو جائے تو اس کو اس میں سے نکال کر صدقہ کر دے جو اس کا مسئلہ ہے، واجب التصدق ہے۔

مفتی جنید عالم صاحب:

میری رائے یہ ہے کہ اس طرح کی کمپنیوں کے حصص کی خرید، یہ درحقیقت مال حلال اور حرام جو مخلوط ہیں ان کی خریداری ہے، اور اگر مال حلال وحرام مخلوط ہوں تو ان کی خریداری جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں کتب فقہ میں یہ تفصیل موجود ہے، فتاوی ہندیہ میں بہت اچھی بحث ہے، فتاوی ہندیہ میں اس مسئلہ میں بحث کرتے ہوئے اس کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں جو درج ذیل ہیں: نمبرا۔ یقین کے ساتھ معلوم ہو یا ظن غالب ہو کہ یہ مال حرام ہے، ظلماً کسی سے لے کر بازار میں فروخت کیا گیا تو ایسی صورت میں اس مال کی خرید وفروخت شرعاً جائز نہیں ہے، جبکہ لوگوں کے درمیان اس کی خرید وفروخت کا سلسلہ جاری ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یقین کے ساتھ یہ معلوم ہو کہ مال حرام موجود ہے لیکن مال حرام اور مال حلال دونوں اس طرح مخلوط ہیں کہ ان دونوں کے درمیان تمیز مشکل ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے ضابطہ اور اصل کے مطابق حلال وحرام کے باہم مخلوط ہو جانے کی وجہ سے....

قاضی صاحب:

آپ کیا کہنا چاہتے ہیں وہ کہئے، عبارت پڑھنا ضروری نہیں ہے، آپ کا ذہن کس نتیجہ پر پہونچا کہ اسلامی مالیاتی ادارہ ایسی کسی کمپنی کا حصہ لے سکتا ہے یا نہیں جس کا کاروبار جائز ہے لیکن اس کو کچھ ضمناً سودی معاملہ میں شریک ہونا پڑتا ہے یعنی سود پر قرض لینا پڑتا ہے، یوں کہئے کہ اس کے سرمایہ میں کچھ حصہ سود پر لئے ہوئے قرض کا ہے۔

مفتی جنید صاحب:

میری رائے یہ ہے کہ جائز ہے۔

مولانا عبدالجلیل صاحب:

میں نے تو اس میں لکھا ہی ہے کہ جائز ہے۔

مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب:

میں بات کو دہرا دینا چاہتا ہوں ذرا سا تفصیل سے، اسلامی مالیاتی ادارے کا اس کمپنی کے اندر شرکت کرنا بشکل خریداری شیئر ہو، یا اور دوسرے انداز سے ہو، یہ میرے نزدیک جائز ہے۔ اس میں مولانا برہان الدین صاحب کی شرط ہے، ان کی پوسٹ مارٹم نہ ہو، لیکن ان کے شرط کی پوسٹ مارٹم ہونی چاہئے کہ شرط کیوں لگائی ہے، میرا خیال ہے کہ یہ حساب وکتاب کے الگ الگ رکھنے کا جو انہوں نے سوال اٹھایا ہے وہ غالباً اس لئے کہ مال حرام اور حلال کے اختلاط کے بعد پھر مالیاتی ادارے کو اسکے منافع میں سے لینے کا جو سوال پیدا ہوگا تو پھر گڑ بڑی اور اشکال ہوگا، مگر اس سلسلہ میں ہمارے فقہاء کا یہ مشہور اصول ہے کہ مال حرام اور مال حلال کے اختلاط کے بعد استعمال کے جواز اور عدم جواز کے اندر غلبہ کا اعتبار ہے، یہ مشہور مسئلہ ہے اصول کی شکل میں ہے، لیکن اس اصول سے بھی بہت سی جزئیات مستثنی ہیں، حضرت

تھانویؒ نے اس اصول کی تفصیلات اوراس کے کچھ نظائر دجزئیات کو پیش کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ اگر مال حلال اور حرام مخلوط ہو، اور وہ تقسیم ہو جائے تو اس تقسیم کے بعد جو شرکاء کے اوپر حصہ منقسم ہو کر کے پہنچے گا وہ اس کے حق میں حلال ہی قرار پائے گا، اور اس کی نظیر میں کہتے ہیں کہ جیسے کہ ہم لوگ گیہوں یا کوئی غلہ دَونی کرتے ہیں اور اس کے اندر جانور پیشاب وغیرہ کردیتا ہے وہ ناپاک ہے حرام ہے لیکن جب اس کی تقسیم شرکاء کے درمیان ہو جاتی ہے تو اس بنیاد پر کہ وہ ناپاک حصہ ان کے حصے میں گیا، ہمارا حصہ پاک ہے، ہم اسی کے مکلف ہیں، ہم اس کو پاک سمجھ کر استعمال کرتے ہیں، اس لئے میرا خیال یہی ہے کہ اس مسئلہ میں ان کی شرط کے بغیر اس حد تک جواز کی اجازت ہونی چاہئے، جہاں تک ہمارے مولانا صاحب کو یہ اشکال ہے کہ یجوز الاستقراض بالربح للمحتاج، تو ان کو احتیاج یا حاجت جو بھی کہہ لیجئے ان کے تحقق میں اشکال ہے، میں کہتا ہوں کہ واقعۃً بظاہر نظر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے پاس پچاس ہزار ہے ابھی، کیا ضرورت ہے کہ ہم اتنے اونچے پیمانے پر کوئی کاروبار کریں، اور سودی لین دین کا مسئلہ پیدا ہو، یہ ہے، لیکن ایک ہے ہماری ذاتی ضرورت یا ہماری ذاتی حاجت، اور ایک ہے قومی ملکی ضرورت اور ملی ضرورت، بلاشبہ اونچے سے اونچے پیمانہ پر تجارت کرنا آج ہندوستان کی ملکی اور ملی ضرورت ہے ورنہ کبھی بھی آپ سر اٹھا کر نہیں جی سکتے ہیں، ہم اس کو ضرورت کہتے ہیں، ذاتی ضرورت نہیں بلکہ ملکی ضرورت، اس لئے یجوز الاستقراض بالربح للمحتاج اس کا تحقق ہے۔

مولانا مصلح الدین صاحب:

یہ جائز ہے، قانونی مجبوری یا بڑے کاروبار کے لئے قرض ضروری ہو تو یجوز الاستقراض بالربح، یہ الاشباہ میں ہے، ابن نجیم نے لکھا ہے، اس لحاظ سے جائز ہو جائے گا۔

مولانا عبداللہ پٹیل صاحب:

قومی مصلحت کے پیش نظر مولانا برہان الدین صاحب نے جو شرط رکھی ہے اس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اور اس شرط کے ساتھ اسے جائز قرار دیا جائے۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

حضرت تھانویؒ نے جو تشریح فرمائی فتاوی کے اندر اس کی روشنی میں اس کی اجازت ہے، گنجائش ہے۔

مفتی احمد صاحب خانپوری:

میں تو پہلے ہی اپنے فتوے میں اس کی اجازت دے چکا ہوں۔

مولانا ابراہیم صاحب:

میں اس کا جواب لکھ چکا ہوں، جائز ہے۔

مولانا رفیق المنان صاحب:

میرے خیال میں بھی جائز ہے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب:

ہمارے نزدیک بھی اکابر علمائے ہند کی تصریحات کی روشنی میں درست ہے۔

مولانا اختر امام عادل صاحب:

میں نے بھی لکھ دیا ہے کہ جائز ہے۔

مولانا عبداللہ طارق صاحب:

میں تو اس کو جائز سمجھتا ہوں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:

میرے نزدیک جائز ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی صاحب:

میں بھی جائز لکھ چکا ہوں، اور اب تک یہی رائے ہے۔

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب:

میری رائے میں یہ شکل جائز ہے۔

مفتی عزیز الرحمٰن چمپارنی صاحب:

حضرت مولانا برہان الدین صاحب کے شرط کی رعایت کرتے ہوئے اس کے جواز پر میں متفق ہوں۔

مولانا مفتی انور علی صاحب:

مذکورہ بحث کی روشنی میں جائز ہے۔

مولانا بدر احمد مجیبی صاحب:

میرے نزدیک بھی جائز ہے۔

مولانا ارشد قاسمی صاحب:

میں مولانا زبیر صاحب کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں اور حضرت استاد مولانا برہان الدین صاحب کی شرط کی مزید تفصیل چاہتا ہوں۔

مولانا خلیل الرحمٰن اعظمی صاحب:

"دعوا الربا والريبة" کے پیش نظر میں اسے درست نہیں سمجھتا ہوں۔

مولانا نعیم صاحب آسام:

میں بھی اس کو درست نہیں سمجھ رہا ہوں۔

مولانا شفیق الرحمٰن صاحب:

اس سلسلہ میں اگر وہ ادارہ جو اپنی رقم لگا رہا ہے، اس کمپنی کا شریک ہے اور غالباً یہی صورت ہے کہ وہ بھی اس کمپنی کا مالک شریک ہے، تو ایسی صورت میں اگر وہ ضرورت ہو کہ واقعی بغیر اس کے وہ کمپنی قائم نہیں ہوسکتی ہے تو ایسی صورت میں بہرحال سرمایہ لگانا جائز ہوگا ضرورت کے پیش نظر، ....بہرحال جواز کی صورت معلوم ہوتی ہے۔

مولانا عبدالعلیم صاحب:

اس میں کوئی خاص قباحت نظر نہیں آتی اگر حساب وکتاب صاف رکھا جائے۔

مولانا ابوالحسن ماٹلی والا:

میرے نزدیک یہ صورت جائز تو ہے مگر یہ معلوم ہوجائے کہ سود کی آمدنی سے جو پیسے ملے ہیں اس کو صدقہ کردینا چاہئے اور جو اہل حصص ہیں اس پر تقسیم نہیں کرنا چاہئے۔

قاضی صاحب:

میرا خیال ہے مسئلہ کی پھر وضاحت ہوجانی چاہئے، صورتحال یہ ہے کہ وہ جو نولاکھ روپے سرمایہ لگا ہے وہ شیئرز ہولڈرس سے لیا انہوں نے، ایک لاکھ روپیہ انہوں نے قرض لیا، اس قرض پہ ان کو سود دینا پڑتا ہے، اور یہ بھی صاف کہہ دینا چاہئے کہ بعض صورتوں میں ان کے پاس تھوڑا بہت سود آتا بھی ہے، تو بہرحال یہ دونوں صورتحال ہے، جو ہے صورت یہ واضح ہے، ویسے اکاؤنٹس کا جہاں تک تعلق ہے اکاؤنٹس میں دونوں Figure الگ الگ ہر جگہ آمد میں بھی خرچ میں بھی لکھے جاتے ہیں، بہرحال، جو آپ کی رائے ہو دو لفظوں میں ذرا واضح کردیجئے۔

مولانا ابوالحسن علی صاحب ماٹلی والا:

ویسے تو جائز ہی میں سمجھتا ہوں لیکن یہ کہ سود کی کوئی بھی صورت جو حاصل ہو اور مسلمان کو معلوم ہو تو بہرحال اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

مولانا عبدالاحد ازہری صاحب:

میرے نزدیک بھی کوئی قباحت نہیں ہے، جائز ہے۔

مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب:

میرا رجحان عدم جواز کی طرف ہے۔

مولانا مصطفیٰ رفاعی صاحب:

حضرت استاذ گرامی مولانا برہان الدین صاحب کی شرط کے ساتھ میں اس کو جائز سمجھتا ہوں۔

مولانا محمد قلندر صاحب:

میرے نزدیک جائز ہے۔

مولانا جمیل احمد نذیری صاحب:

ضرورت ملی کے تحت جائز ہے۔

مولانا منیر احمد ملی صاحب:

میرے نزدیک بھی جائز ہے۔

مولانا ولی اللہ صاحب وانمباڑی:

میری رائے میں یہ ہے کہ "من رعی حول الحمی یوشک أن یواقعه فیه" کی حدیث کی بنیاد پر اگر امت کو ہم سود کے قریب لے جائیں گے تو وہ پوری طرح سود میں مبتلا ہو جائیں ۔ ا ں ۔ ۔ ۔ احتیاط کا پہلو یہی ہے کہ ایسے کاروبار میں شرکت سے منع کر دیا جائے اور اس کی گنجائش نہیں ہے۔

مولانا زین العابدین صاحب:

احتیاطاً اجازت نہ دی جائے۔

مفتی حبیب اللہ صاحب:

میری رائے میں یہ جائز ہے۔

مولانا جعفر ملی صاحب:

میرے نزدیک عدم جواز راجح ہے۔

مولانا صدر الحسن ندوی صاحب:

ضرورت شدیدہ کی بنیاد پر جائز ہے۔

مولانا تاج الدین صاحب:

میرے نزدیک عدم جواز رجحان ہے۔

مولانا ایوب صاحب بھٹکل:

مع الکراہت جائز ہے۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری:

سود نہ لینا نہ دینا، یہ صرف اسلام ہی کا طرۂ امتیاز ہے، اور سود کے بارے میں قرآن شریف میں اتنی شدت ہے کہ اگر ہم تھوڑی سے لچک دیتے چلیں تو اسلام کا یہ شعار بالکل ختم ہو جائے گا، ہمیں قومی اور ملی امتیاز باقی رکھنا چاہئے، اس لئے میرے نزدیک جائز نہیں ہے۔

مفتی عقیل صاحب:

ہندوستانی مسلمانوں کے جو حالات ہیں اور مشکلات ہیں اور ان حالات کی بنا پر بہت سے مقا... ہمارے بڑے بڑے اکابر اور مفتیان کرام نے وسعت سے کام لیا ہے، تو میں اس معاملہ میں بھی مولانا ... [illegible]

صاحب سنبھلی کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔

مولانا عبدالصمد صاحب:

پیارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "لا یبلغ العبد أن یکون من المتقین حتی یدع مالا بأس به حذرا مما به بأس" اس کے تحت یہ میرے نزدیک جائز نہیں ہے۔

مفتی نسیم احمد قاسمی صاحب:

اس سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ کی دو صورت ہوسکتی ہے: ایک صورت تو یہ کہ اسلامی مالیاتی ادارہ بالکل ابتدائی مرحلہ میں ہو تو اس کے لئے جائز اور منفعت بخش کاروبار کی صورت چونکہ اس کی ساکھ ابھی نہیں بنی ہے، اسے فراہم ابھی نہیں ہو پا رہی ہے، تو اس مجبوری اور اس ضرورت کے پیش نظر اسلامی مالیاتی ادارہ ایسی کمپنیز میں بھی اپنا سرمایہ لگا کر نفع حاصل کرسکتا ہے جو سودی کاروبار میں ملوث ہوتی ہیں، لیکن اگر اسلامی مالیاتی ادارہ ایسی پوزیشن میں ہے کہ اسے کافی مقدار میں جائز اور منفعت بخش کاروبار ملتے ہیں جن کے ذریعہ وہ جائز آمدنی فراہم کرسکتا ہے تو اسے اس طرح کے کمپنیز میں اپنا سرمایہ لگا کر سرمایہ کاری نہیں کرنی چاہئے.................

قاضی صاحب:

یعنی شروع میں جائز ہے، جب مالی حالت مستحکم ہوجائے تو احتیاط کرے۔

مفتی نسیم احمد صاحب:

جی ضرورت ہے اس کو، یہ رائے ہے میری۔

مولانا شمس پیرزادہ صاحب:

جائز ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

میری رائے محفوظ ہے۔

مولانا عبیداللہ اسعدی صاحب:

.........یہ جائز قرار دیتے ہیں (قاضی صاحب)

مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب:

اس تجویز کے سلسلہ مین بار بار میرا نام آیا ہے تو اس میں جو شرط میں نے لگائی ہے، بعض حضرات نے اس کی وضاحت بھی چاہی ہے، اصلاً میرا مقصد یہ تھا کہ ایسی کمپنی جس کا حلال وحرام دونوں طریقے سے کاروبار ہو، پر اپنے حلال کاروبار کو الگ رکھتی ہو، حرام کو الگ رکھتی ہو اس کا حساب، اور اگر مسلمان اس میں کوئی شیئر لیتا ہے تو.........جی وہی مطلب ہے میرا، کہ جو اس نے مال حاصل کیا ہے حرام ذریعہ سے اس کا الگ حساب رکھتی ہو، کاروبار اس سے الگ کرتی ہو، اور حلال حصہ سے کاروبار

الگ کرتی ہو،تو ایسی کمپنی میں شیئر لینا جائز ہے اس حصہ کے اندر جس سے وہ حلال کاروبار کرتی ہو، یہ مطلب ہے میرا۔

قاضی صاحب:

میرے خیال میں کافی اس پر رائے ہو چکی، تو اس پر انشاء اللہ ایک کمیٹی بنا دیتا ہوں اور یہ حضرات بیٹھ کر تمام آراء اور بحثوں اور سب چیزوں کو سامنے رکھ کر ایک تحریر تیار کریں گے، پھر آپ کے سامنے پیش کی جائے گی، اس مسئلہ کو فی الحال یہیں پر ختم کرتے ہوئے اور اس سلسلہ کے اور مسائل کو ابھی ملتوی کرتے ہوئے میں سوچتا ہوں کہ ایک اہم مسئلہ جس پر ہمارے دوست ایم ایچ کھٹکھٹے صاحب اور دوسرے حضرات تیار ہو کر آئے ہیں وہ اس پر بات کریں گے۔ تو پہلے آپ کو کرنا ہے حضرت یا کے جی منشی صاحب کو؟ موضوع کیا ہے؟ اسٹاک ایکسچینج ہے؟ پہلے یہ لیا جائے، تو پھر کھٹکھٹے صاحب تشریف لائیے اور اس کے بارے میں وضاحت فرمائیے۔

ایک آواز:

عرض یہ کرنا ہے کہ اس وقت جو بات سامنے آئی کہ اسلامی مالیاتی ادارہ اگر ایسے کاروبار میں جس کا مدار حلت کے اوپر ہو حلال چیزوں پر ہو تو اس میں اگر وہ اپنا سرمایہ روکنا چاہے تو اس کے لئے آپ نے یہ رائیں معلوم کی ہیں، تو کیا انفرادی طور پر اشخاص اگر کسی ایسے کاروبار کے اندر جو حلال ہو اس میں اپنے شیئرز لینا چاہیں تو وہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

قاضی صاحب:

یہ سوال بھی کمیٹی کو دے دیتا ہوں کہ اسلامی ادارہ شیئر لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور افراد چاہیں تو شیئر لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی کمیٹی کو یہ سوال بھی آپ کا Refer کر دیا جاتا ہے۔

اچھا صاحب اب اسی ذیل میں کچھ اور سوالات بھی ہیں ان پر ہم تھوڑی دیر بات کرتے ہیں، ایک بات جو مسئلہ ہے کہ شیئر ہولڈرس کی دو حیثیتیں ہیں، ایک انفرادی حیثیت ہے اور ایک کمپنی کے شیئر ہولڈرس کی اجتماعی حیثیت ہے جو اس کا ایک جز ہیں، یہ دو حیثیتیں قرار دی ہیں ان حضرات نے، ان کا کہنا ہے کہ شیئر ہولڈر اپنی انفرادی حیثیت میں اور بورڈ آف ڈائریکٹر کے درمیان کیا رشتہ ہے؟ کیا بورڈ آف ڈائریکٹرس کے ہر تصرف کی نسبت ہر شیئر ہولڈر کی طرف کی جائے گی یا نہیں، اب ذرا آپ حضرات تھوڑا دھیان دے کر اس بات کو سنیں، کمپنی قوانین کے ماہرین کا خیال یہ ہے کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئر ہولڈرس کی انفرادی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتا ہے بلکہ وہ کمپنی کی نمائندگی کرتا ہے، جس کا خود ایک علاحدہ قانونی وجود ہے، اس کی Legal Identity ہے، اس کا ایک شخص اعتباری ہے، یہ ان کا کہنا ہے، اگر کوئی شیئر ہولڈر مجلس عموی میں کسی ایسی پالیسی کی مخالفت میں ووٹ دیتا ہے جو سودی لین دین پر مشتمل ہو، اکثریت حاصل نہیں ہونے کے باعث اس کی مخالفت کامیاب نہیں ہوتی، تو کیا اسے اس صورت میں سودی لین دین کے اس عمل کی.....

غالبًا جو سوال ہے وہ تو واضح ہو گیا نا، یہ لوگ جو ماہرین ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ ایک شخص اپنی ذاتی حیثیت میں نہیں، اور اسی طرح جو بورڈ آف ڈائریکٹرس ہیں وہ شیئر ہولڈرس کی ذاتی حیثیت میں ان کے نمائندے نہیں ہوتے بلکہ کمپنی جو کہ اس کا ایک مجموعہ ہے، جس کا اپنا ایک علیحدہ قانونی وجود ہے دراصل اس کمپنی کی نمائندگی کرتے ہیں، تو اب

ان کا کہنا یہ ہے۔سوال جو ہمارے سامنے ہے وہ یہ کہ ان کے عمل کو ان شیئر ہولڈرس کی طرف منسوب کیا جائے گا یا منسوب نہیں کیا جائے گا۔اس سلسلہ میں شرع میں کچھ نظیریں بھی مل سکتی ہیں، ہاں یا نہیں، جو بھی ہو میں تو سمجھتا ہوں کہ خالص فقہی طریقے پر اس کو سوچنے کی ضرورت ہے، لیکن یہ صورتحال کہ یہ لوگ کمپنی کی جو ایک Legal Identity ہے اس کی نمائندگی کرتے ہیں، اشخاص کی ذاتی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتے ہیں، اس کی وضاحت ان لوگوں کو کرنی پڑے گی جن ماہرین نے یہ رائے دی ہے، کیا میں ان لوگوں کو پہلے وضاحت کے لئے کہوں؟

مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب:

اس میں جو سوال کا پہلا جز ہے اس میں جو تفصیل لکھی جارہی ہے اس سے تو سمجھ میں آتا ہے کہ دونوں میں رشتہ وہی وکالت کا ہے، وکیل وموکل کا....

قاضی صاحب:

ذرا ان لوگوں کی وضاحت سن لیں پہلے، یہ لوگ کیا کہنا چاہتے ہیں، پھر حکم تو ہم لوگ لگائیں گے ہی انشاء اللہ اس پر، پہلے یہ لوگ وضاحت کردیں کہ یہ لوگ کیوں ایسا کہتے ہیں اور اس کی کیا وجہ ہے؟

رحمٰن خاں صاحب:

جہاں تک شیئر ہولڈرس کا سوال ہے، شیئر ہولڈر انفرادی حیثیت سے کمپنی کا ایک شیئر ہولڈر ہوتا ہے، مگر بورڈ آف ڈائریکٹرس کو شیئر ہولڈر سے الگ کرتے ہیں، اب یہاں سوال جو ہمارے سامنے ہے کہ اگر ایک کمپنی شیئر ہولڈرس کو یہ معلوم ہو کہ کچھ ایسے اس کا سرمایہ جو کمپنی کے کاروبار میں لگ رہا ہے وہ سودی کاروبار سے ہو رہا ہے، اگر وہ شیئر ہولڈر کیونکہ ایک ہی وقت اس کو سال میں حقوق دیا جاتا ہے، جنرل باڈی میں شریک ہوکر وہاں خیالات کے اظہار کا اسے پورا اختیار ہے، اگر وہ شیئر ہولڈر اس جنرل باڈی میں شریک ہوکر جہاں اس کے خیالات کے اظہار کا اسے پورا اختیار ہے، اگر کوئی ایسی کمپنی باہر سے سود لے کر کام کررہی ہے اس کے خلاف ووٹ دے کر وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہوسکتا ہے، کیا اس کے بری ہونے کے بعد، اس کا اظہار خیال کرنے کے بعد وہ بری ہوسکتا ہے..................

قاضی صاحب:

مسئلہ یہ ہے کہ چاہے شخصی حیثیت میں ہو یا شیئر ہولڈر کی حیثیت سے ہو، آپ حیثیتوں کا جو بھی فرق کرلیں، یہ مسئلہ اب وہ پہلے والا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ براہ راست اس کمپنی کا مسئلہ ہے جو سودی کاروبار میں ملوث ہے، محض اتنا بھی نہیں ہے کہ سود پہ کوئی سرمایہ وہ لے لیتی ہے، بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ سود دیتی بھی ہو اور سود لیتی بھی ہو، تو محض ایک شخص اتنا کہہ کر کہ میں اس کی مخالفت کرتا ہوں اس سے ناراض ہوں، اور اس پر پوری تقریر چاہے وہ ایک گھنٹہ کی کر جائے، لیکن یہ سب ناراضی کے اظہار کے بعد اس پورے کاروبار میں شریک رہے تو وہ ذمہ داری سے فارغ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔سوال یہ ہے کہ وہ ذمہ داری سے فارغ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟ ویسے جواب تو یہ حضرات دیں گے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

رحمٰن خاں صاحب:

یعنی کہ شیئر ہولڈر کا، اس کی تشریح میں اس طرح سے یہاں دیتا ہوں کہ ایک ووٹر ہے، جب الیکشن یہاں ہوتا ہے، ایک پارٹی کے خلاف میں ووٹ دیتا ہوں، میں یہ خیال اظہار کرتا ہوں، مگر اکثریت سے دوسری پارٹی جسے میں نے نہیں ووٹ دیا وہ چن کر آتی ہے اور وہ حکومت کرتی ہے، اب جو پارٹی منتخب ہو کر حکومت کرتی ہے، اس کے تمام فیصلے کا میں جواب دہ ہوں یا نہیں، یہی صورت ہے۔

قاضی صاحب:

ویسے اس پہ بات ہوگی، میرا خیال یہ ہے پہلے اور حضرات اپنی رائے دے دیں تو اچھا ہے۔

ایم ایچ کھٹکھٹے صاحب:

ایک وضاحت کرنا چاہتا ہوں، کمپنی دو طرح کی ہوتی ہیں، پرائیوٹ لمیٹیڈ، پبلک لمیٹیڈ۔ اور پبلک لمیٹیڈ میں کچھ کمپنیز جو ہیں اسٹاک ایکسچینج پر Listed ہوتی ہیں، اور ان کے شیئرز کی Trading ہو سکتی ہے، جہاں تک جو شیئرز Trade ہو سکتے ہیں ان کی Trading ہو سکتی ہے۔ وہاں اس میں یہ Possibility ہے کہ وہ آدمی اپنا روپیہ نکال سکتا ہے شیئرز بیچ کے، سمجھ لیجئے کوئی انجینیرنگ کی کمپنی ہے اگر کل کو Diversification کے طور پر وہ شراب بنانا چاہے اور وہ پاس کر دے اور شروع کرنے کی کوشش کرے، تو اگر وہ لمیٹیڈ کمپنی ہے اور اس کے شیئرز Listed ہیں تو وہ بیچ سکتا ہے، تو جہاں تک سوال یہ ہے کہ وہ شیئر بیچ سکتا ہے تو ہو سکتا ہے اس کی نوعیت الگ ہو، اور اگر جہاں پرائیوٹ لمیٹیڈ کمپنی ہے یا پبلک لمیٹیڈ ہے جو Listed نہیں ہے، اس میں ہو سکتا ہے اس کو شیئرز بیچنے میں تکلیف ہو، مشکل ہو، تو اس میں ہو سکتا ہے کہ فیصلہ الگ ہو، اس کی نوعیت تھوڑی الگ ہو جائے گی.......

مفتی مصلح الدین صاحب:

یہ جو بتایا گیا کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس جو ہے وہ کمپنی کا تو نمائندہ ہے لیکن افراد کا وہ نمائندہ نہیں ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کی وضاحت ہونی چاہئے، اجزاء سے مجموعہ بنتا ہے۔

کمال فاروقی صاحب:

میں سمجھتا ہوں کہ اس میں تھوڑا سا ہمیں بتانے کی ضرورت ہے، مسئلہ جبھی سمجھ میں آئے گا۔ کمپنی جو بنتی ہے وہ شیئر ہولڈرس سے بنتی ہے، اور شیئر ہولڈرس جو ہے اپنی Annual General Meeting کے اندر ایک خاص، یہ ہم لمیٹیڈ کمپنی کی بات کر رہے ہیں جو بڑی کمپنی ہے، پرائیوٹ لمیٹیڈ کمپنی جو فورم کی طرح ہوتی ہے اس کا بھی کمپوزیشن اسی طرح سے ہوتا ہے۔ لیکن جو لمیٹیڈ کمپنی ہے اس میں شیئر ہولڈرس ہوتے ہیں، اور شیئر ہولڈرس ایک خاص تعداد میں ہر سال ڈائریکٹرس کو Appoint کرتے ہیں By Rotation، جیسے کہ مثال کے طور پر مجموعی تعداد جو ہے ڈائریکٹرس کی وہ نو ہے تو اس میں سے چھ رہیں گے اور اس میں سے تین ریٹائر ہوں گے By Rotation، اب

یہ Annual General Meeting کے اندر جو شیئر ہولڈر کو حق دیا جاتا ہے وہ دو تین چیزوں کا دیا جاتا ہے، ایک تو یہ ہے کہ وہ اکاؤنٹ سے Approve کرے گا، دوسرا یہ ہے کہ وہ ڈائریکٹرس Appoint کرے گا Rotation والے، اور تیسرا یہ ہے کہ اگر کوئی Extra اور Daisy کام جو Diversification وغیرہ کا بہت Major کر رہا ہے اس کے اوپر اپنی رائے دے گا، جہاں تک روزمرہ کے کاروبار کا تعلق ہے وہ بورڈ آف ڈائریکٹرس ہی Run کریں گے، روزمرہ جو کچھ بھی ان کو بینک سے پیسہ لینا ہے یا نہیں لینا ہے، کیا کام کرنا ہے کیا نہیں کرنا ہے، وہ جو اس کا Main Object ہے اس کے دائرہ میں رہ کر، جو انہوں نے Main Frame Work اینول جنرل میٹنگ میں یا میمورنڈم آف ایسوسی ایشن اپنا بنایا ہوا ہے اس دائرہ کے اندر رہ کر ڈائریکٹرس جو ہیں وہ Day Today Affairs میں اپنے کس طرح سے کاروبار کریں گے، وہ ڈائریکٹرس ہی Decision لیں گے اور عام شیئر ہولڈر اس میں حصہ نہیں لے سکتا، صرف اینول جنرل میٹنگ کے اندر شیئر ہولڈر کو اگر کمپنی اپنے Original جو اس کے پروگرام ہیں جو ہماری نظر کے اندر Suppose کر لیجئے کہ وہ حلال پروگرامز ہیں اور وہ اس کو Diversify کر کے حرام کی طرف جا رہے ہیں تو اس کو اختیار ہے بات کرنے کا، وہاں وہ بول سکتا ہے، اس کے اندر Objection اپنا Raise کر سکتا ہے، لیکن اگر کوئی Normal کام ہے اس کے اندر شیئر ہولڈر کو کچھ زیادہ بولنے کا اختیار نہیں ہوتا...... ہاں بالکل، ٹیکنیکل بات تو یہ ہے کہ وہ ڈائریکٹر جو ہے وہ نمائندہ ہے شیئر ہولڈرس کا۔

قاضی صاحب:

یہ آپ لوگوں نے کہا کہ نمائندہ ہے ایک کمپنی کا، جو ایک الگ Legal Identity رکھتا ہے، شیئر ہولڈر کا اپنی انفرادی حیثیت میں نمائندہ نہیں ہے، یہ صورتحال کی غلط تصویر ہے؟

کمال فاروقی صاحب:

جی ہاں، بس یہ کہ ڈائریکٹر جو ہے وہ شیئر ہولڈر کا نمائندہ ہے، کمپنی بالکل Separate Identity ہے، اور اس کمپنی کو چلانے کے لئے باقاعدہ ایک نظام ہے، جس کو بورڈ آف ڈائریکٹرس کہا جاتا ہے، لیکن وہ بورڈ آف ڈائریکٹرس جو Appoint ہوگا وہ Appoint کیا جائے گا شیئر ہولڈرس ہی کے ذریعہ، چاہے وہ Two Third کی Majority والا ہو، یا One Third والا ہو، لیکن بورڈ آف ڈائریکٹرس جو Appoint ہو کر.....

قاضی صاحب:

یعنی شیئر ہولڈر Represented By Board Of Directors، یہ ہے نا؟ (بالکل: فاروقی صاحب) صورت حال یہ ہوئی کہ شیئر ہولڈرس کی نمائندگی بذریعہ بورڈ آف ڈائریکٹرس ہو رہی ہے، اس لئے بورڈ آف ڈائریکٹرس کی حیثیت گویا وکیل کی ہے اور شیئر ہولڈرس کی حیثیت مؤکلین کی ہے، انہوں نے اپنا اختیار ان کو دے دیا ہے۔ ہمارے رحمن خاں صاحب نے جو Peoples Representation Act ہے اس کا حوالہ دیتے

ہوئے یعنی جس طرح آپ سرکار میں شریک ہوتے ہیں عملاً اس کا حوالہ دیا ہے اس پر ذرا بعد میں عرض کروں گا، لیکن یہ بات تو واضح ہوگئی کہ اس میں اس طرح لکھا ہوا ہے کہ کمپنی قوانین کے ماہرین کا خیال یہ ہے کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئر ہولڈرس کی انفرادی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتا ہے بلکہ وہ کمپنی کی نمائندگی کرتا ہے، جس کا خود علاحدہ قانونی وجود ہے، یہ غلط ہے؟ (یہ غلط ہے: فاروقی صاحب) آپ حضرات اس پر متفق ہوجایئے تو ہمارا کام آسان ہوجاتا ہے، کہہ رہے ہیں کہ صاحب بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئر ہولڈرس کی انفرادی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتا بلکہ وہ کمپنی کی نمائندگی کرتا ہے، کمپنی نام ہے اس مجموعہ کا جو شیئر ہولڈرس سے بنتی ہے، یا زیادہ سے زیادہ Promoters کا اس میں اضافہ کردیجئے آپ، تو Promoters اور Share Holders وہ بھی ایک طرح کا شیئر ہی ہے ان کا، وہ بنیادی شیئر ہے، یہ ایک الگ مسئلہ ہے، تو ان کو بھی ہم شیئر ہولڈرس ہی سمجھیں گے، تو کمپنی نام ہے اس مجموعہ کا جو شیئر ہولڈرس کے اکٹھا ہونے سے وجود میں آتی ہے، اب شیئر ہولڈر ایک کمپنی میں شیئر لیتا ہے، ایک اس کا نام مجاہدالاسلام ہے، محمد احسان ہے، رحمٰن خاں ہے، تو یہاں پر احسان اور رحمٰن خاں کا تو سوال ہی نہیں ہے، لیکن اس کمپنی کا وہ شیئرر ہے، اس کا ایک جز ہے، اس کا ایک رکن ہے۔ اسی مجموعہ کی نمائندگی کررہا ہے بورڈ آف ڈائریکٹرس، اس لئے اگر آپ یہ لکھتے کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئر ہولڈرس کی ذاتی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتا ہے تو شاید جائز ہوتا، لیکن یہاں جب آپ نے کہا انفرادی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتا تو شاید یہ بات صحیح نہیں، اس پر اگر آپ لوگ اتفاق کرلیں تو ہم آگے بڑھیں۔

کمال فاروقی صاحب:

حضرت جو آپ نے فرمایا وہ بالکل درست ہے، Translation میں کہیں ہلکی سی غلطی ہوئی ہے، انگریزی سے اردو میں Translation...........

قاضی صاحب:

غلطی ہلکی نہیں، یہ غلطی بنیادی ہوگئی ہے، اس لئے ہم لوگ اس بات کو واپس لیتے ہیں کہ شیئر ہولڈرس کا انفرادی حیثیت میں نمائندہ نہیں ہے یہ غلط ہے، شیئر ہولڈرس کا مجموعہ جس کا نام کمپنی ہے، یا شیئر ہولڈرس ان کی ہی نمائندگی کرتا ہے دراصل بورڈ آف ڈائریکٹرس (بالکل ٹھیک: کمال فاروقی صاحب) اب مجھے اجازت دیتے ہیں آپ لوگ ایک بات اور کہہ دوں قبل اس کے کہ آپ لوگوں کی رائے لوں، یہ ہمارے رحمٰن خاں صاحب نے ایک بڑا اہم سوال کھڑا کیا ہے، یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کی صحیح تصویر کرسکتا ہوں یا نہیں، حکومت کا، بالکل صحیح ہے کہ حکومت کی حیثیت بھی دراصل عوام کے نمائندہ کی ہوتی ہے، خاص کر کوئی جمہوری حکومت میں۔ اس کو آپ کہتے ہیں کہ صاحب عوام کی حکومت عوام کے لئے عوام کے ذریعہ، جمہوریت کی تعریف کرتے ہیں آپ لوگ، تو وہاں پر بھی حکومت عوام کی مانی جاتی ہے، عوام کے ذریعہ مطلب عوام کے منتخب افراد کے ذریعہ، اور عوام کے لئے یعنی عوام کے مفاد کے لئے، تو خیر یہ بہت اچھی چیز ہے، وہاں بھی حکومت میں بھی یہی ہوا کرتا ہے، لیکن جب کسی ملک کا ایک دستور بن گیا تو اس کے بعد ہم ووٹ نہ دیں تو، اور ہم ووٹ دیں، چاہے بی جے پی کو دیں جو بابری مسجد توڑ وا دے یا کسی اور کو دیں جو اس کی

حفاظت کرے، یا سارے سودی کاروبار کرے، اس میں صورت جبر کی ہے، یعنی ہم کو اپنے اختیار سے شریک یا غیر شریک ہونے کا کوئی موقع ہمارے پاس نہیں ہے، نمائندگی طے ہے، آپ اپنے حق نمائندگی کو استعمال کریں یا استعمال نہیں کریں، لیکن جو گورنمنٹ کوئی اسٹیٹ، جو اسٹیٹ ہوتا ہے، اس کے سامنے سارے ہی لوگ جبر کا شکار ہیں، ان کو بہر حال اس کے تحت چلنا ہے، ووٹ نہ دے کر بھی، ووٹ مخالفت میں دے کر بھی، اور ووٹ موافقت میں دے کر بھی، بجائے اس کے جو ان کمپنیز کا معاملہ ہے ان کو مکمل طور پر اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ ہم کو اختیار ہے کہ ہم اس کمپنی میں شریک ہوں یا شریک نہیں ہوں، لہذا حکومتوں کے غلط عمل کی جوابدہی ہم پر اس حد تک نہیں آتی ہے اگر ہم نے اپنی پوری کوشش کر لی کہ حکومت صحیح بنیادوں پر قائم ہو، اس کے باوجود اگر نہیں قائم ہو سکتی تو حکومتوں کے عمل کی ذمہ داری ہم پر اس درجہ نہیں آتی جس طرح کمپنی میں ہماری شرکت کے بعد اس کے عمل کی ذمہ داری ہم پر آتی ہے، یہ بات سمجھ میں آتی ہے ہمارے، اب آپ حضرات اس پر رائے دے دیجئے۔

مفتی مصلح الدین صاحب:

چونکہ وہ موکل ہے، اور وکیل ہے، اور موکل نے اپنے تصرفات وکیل کو سپرد کر دیئے، اب وکیل جو کچھ بھی کرے گا اس کی نسبت موکل کی طرف ہوگی، اس لئے وکیل نے اگر کوئی ایسا عمل کیا ہے جو فاسد ہے تو موکل بھی اس کا ذمہ دار ہوگا، اب یہ کہ موکل ایک مجلس میں وکیل کی موجودگی میں کہہ رہا ہے کہ فلاں چیز کی اجازت میری طرف سے نہیں ہے تو پھر اتنی حد تک وہ وکیل معزول ہو جاتا ہے، یعنی موکل وکیل کی موجودگی میں یہ کہتا ہے کہ فلاں عمل کی اجازت میری طرف سے نہیں ہے، میں اس کا مخالف ہوں، تو پھر اس تصرف میں وکیل معزول ہو جاتا ہے، مگر جب اس نے اپنے اختیار سے اس کو وکیل بنایا ہے، اب اس کا مطلب تو یہ تھا کہ جتنے بھی تم تصرفات کرو گے میری طرف سے اس کی اجازت ہے، اب اس کے بعد جب یہ کہتا ہے کہ فلاں عمل کی اجازت آپ کو نہیں ہے تو اب یہ معزول کرتا ہوا وکیل کو، (نتیجہ کیا نکلا؟ قاضی صاحب) ہاں یہ معزولی تو جائز نہیں ہے، اب وہ یا تو بالکل معزول ہو جائے گا............ تو شخصی طور پر وہ معزول ہو گیا ان کا، تو اب وہ جب ان کا نمائندہ نہ رہا (تو وہ جو حرکت کرے اس کی ذمہ داری ان پر نہیں آتی: قاضی صاحب) ان پر تو نہیں آتی لیکن اس کے اندر یہ کہ آگے چل کر پھر دوسرے معاملات ان کی طرف منسوب کیسے ہوں گے۔

قاضی صاحب:

آپ نے کہا کہ عزل صرف اس نقطہ میں ہوا ہے جس میں انہوں نے اپنی مخالفت ظاہر کر دی، آپ کا مطلب آپ کے الفاظ میں شاید فقہ کی زبان میں یہ ہو کہ اگر موکل نے کسی کو کسی بڑے کام کے لئے وکیل بنا دیا، اور ایک خاص جزئیہ میں ہدایت دی کہ ایسا مت کرنا، تو اس ہدایت میں جو عمل کا ارتکاب کرے گا اس حد تک وہ معزول سمجھا جائے گا، دیگر امور میں وہ وکیل رہے گا، جو مطابق آمر کے اور مطابق موکل کے وہ عمل کر رہا ہے، تو اس لئے وہ عمل جو اس نے اس کی رائے کے خلاف کیا ہے اس کی جوابدہی اس پر نہیں آتی ہے، میں آپ کی بات سے یہی مطلب سمجھتا ہوں،......... یہ نتیجہ نکالنا حضرت کہ منع کرنے کے باوجود بھی ذمہ داری سے بری نہیں ہوگا اگر چہ اس عمل میں وہ معزول ہو جائے گا۔

مفتی احمد خانپوری صاحب:

........تو اسی لئے وہ معزول نہیں ہوگا اور بری نہیں ہوگا۔

قاضی صاحب:

اور میں نے جو سوال کیا تھا وہ سوال......لیکن بہر حال بورڈ آف ڈائریکٹرس جو ہے وہ نمائندہ ہے شیئر ہولڈرس کا، اس لئے اصولی اور عمومی بات یہ ہوتی ہے کہ شیئر ہولڈرس پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو بورڈ آف ڈائریکٹرس تصرفات کرتے ہیں، اس لئے کہ جو منافع ان کے تصرف سے پیدا ہوتا ہے، اس منافع میں بھی آپ استحقاق رکھتے ہیں، اگر کوئی نقصان ہو کمپنی کا تو اس کے بھی آپ متحمل ہوتے ہیں، تو تصرفات کے بارے میں عمومی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس کے تصرفات رجوع کرتے ہیں شیئر ہولڈرس کی طرف، یہ تو عمومی بات ہے، اس سے تو اتفاق ہے ناں سب لوگوں کو؟ یہ میں نے پوچھا تھا دراصل، اور حکومت والی مثال یہاں منطبق نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ حکومت کی صورتحال دوسری ہوتی ہے، یہاں ہم شریک ہوں یا مت ہوں ہمیں اختیار ہے، اور پہلے سے جب معلوم ہے کہ اس میں سودی کاروبار ہوگا، یا العیاذ باللہ شراب کا کاروبار ہوگا یا خنزیر کے گوشت کا کاروبار ہوگا، تو ہمارے لئے شریک ہونے کا سوال ہی پیدا اس میں نہیں ہوتا۔

مفتی احمد خانپوری صاحب:

ڈائریکٹر کے سلسلہ میں جو فرمایا گیا، تو حقیقت تو یہ ہے کہ ڈائریکٹر تو اس پالیسی کو نافذ کرتا ہے جس کو سب نے طے کر رکھا ہے، اب جب پالیسی طے کی جارہی ہے اس وقت تو اکثریت کی رائے کو معتبر قرار دیا گیا، اور یہ بھی طے ہے کہ ڈائریکٹر کو اسی کے مطابق کرنا ہے، پھر ڈائریکٹر کے متعلق یہ کہنا کہ اس نے مؤکل کی رائے کے خلاف کیا اور وہ معزول ہوا، اتنی حد تک، یہ کیسے درست ہوسکتا ہے؟

قاضی صاحب:

مؤکلوں کے مجموعہ کی اکثریتی رائے کے مطابق اس نے عمل کیا۔

مفتی احمد خانپوری صاحب:

اس لئے کہ وہ تو ڈائریکٹر بنایا ہی گیا ہے اس لئے، اس لئے کہ ڈائریکٹر کے لئے خود یہ اصول وضع شدہ ہے، تو اس کو اکثریت کی رائے کے مطابق یہ کام کرنا ہے..... ....

مفتی مصلح الدین صاحب:

شخصی حد تک وہ معذور ہوگیا۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

یہ مسئلہ جڑا کس سے ہے، یہ جو اتنی بات پوچھی جارہی ہے یہ اسی پہلے مسئلہ سے جڑا ہوا ہے یا الگ سے کوئی بات ہے؟ ذرا اس کو واضح کر دیجئے کہ جو پہلے آپ نے.....

قاضی صاحب:

وہ مسئلہ تو مولانا ایک علاحدہ مسئلہ ہوا، ایسی کمپنی جو ایسی اساس پر قائم ہوتی ہے، اس میں جب ہم حصہ دار بنتے جاتے ہیں، فریق بنتے جاتے ہیں، تو وہاں پر بہت سے ناجائز فیصلے ہوتے ہیں، تو یہ ناجائز عمل جو ہوتا ہے اس کی ذمہ داری ہم پر لوٹتی ہے یا نہیں؟

کمال فاروقی صاحب:

حضرت اس کا اصل میں جو مسئلہ ہے یہ پہلے والے مسئلہ سے جڑا ہوا ہے، اس میں یہ غور فرمالیں آپ لوگ کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس جو ہے جیسا آپ نے فرمایا کہ کوئی کام ایسا نہیں کرسکتا جو میمورنڈم آف ایسوسی ایشن کے اندر Main Objects کے باہر ہو، اور اگر وہ Main Objects کے باہر کبھی کوئی کام کرنے کی کوشش کی جائے گی تو پہلے اینوول جنرل میٹنگ میں یا Extra Ordinary General Meeting کے اندر اس کی تمام شیئر ہولڈر سے اجازت لینی پڑے گی، وہ جو Border جو Frame Work ہے، جو Main Object کا Frame Work ہے، جو ہم پہلے Decide کر چکے ہیں کہ وہ کررہا ہے جائز کام، حلال کام کرنے جارہے ہیں، لیکن وہ جب اپنے Other Objects میں آتے ہیں تو اس کو Achieve کرنے کے لئے، اس کو حاصل کرنے کے لئے، تو اس کو مجبوراً ادھر ادھر جانا پڑتا ہے، بورڈ آف ڈائریکٹرس جو ہے وہ Main Objects سے باہر نہیں جاسکتا، وہ غیر قانونی ہوگا، رہنا تو ہوگا اس کو اسی Main Frame Work کے اندر، جو اس کو چلانے کے لئے روزمرہ کس طرح سے چلانا ہے، کس سے تعلقات رکھنے ہیں، کس کو Appoint کرنا ہے، کون سے بینک جانا ہے، کیسے جانا ہے، وہ الگ مسئلہ رہا۔(.........) اصل میں حضرت بینکنگ کے اوپر ہم لوگ بالکل Discuss نہیں کررہے ہیں۔ یہ تمام معاملہ جو آرہا ہے بس شیئر ہولڈرس وغیرہ کا یا اسٹاک ایکسچینج کے اوپر آرہا ہے، ہم لوگوں نے جو بمبئی میں اور اس سے پہلے جو Discussion کیا ہے جو آٹھ دس لوگ (ماہرین) بیٹھے تھے وہاں، اور اس میں کچھ ایسی تجاویز آئی تھیں جو ہم آپ لوگوں کی اس میں رہبری چاہ رہے تھے، اس کے اوپر کوئی Discussion نہیں ہوپارہا ہے۔

قاضی صاحب:

کوئی کیسے ہوتا؟ یہ ہی نہیں بینکنگ والے لوگ، ابھی آئے ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ ابھی ہم لوگوں نے میٹنگ اس پر نہیں کیا ہے، اس لئے میں تو وقت ٹال رہا ہوں آپ لوگوں کے انتظار میں، تھوڑی سی بحث کراکے۔ انشاء اللہ عصر کے بعد ہم بیٹھیں گے تو اسی پر بات کریں گے، اور اس وقت سے لے کر آپ لوگوں کو لینے کی اجازت نہیں، ویسے بھی آپ لوگ مولوی نہیں ہیں کہ قیلولہ کریں، تو آپ لوگ ظہر کی نماز پڑھ کرکے، کھانا کھاکر آپ لوگ بیٹھ کر اس کو پوری طرح Discuss کرلیں بغیر میرے، یہ سخت ضروری ہے، اور عصر کے بعد اس کو آپ لوگ پیش کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بات اس وقت ختم کی جائے، اذان کا وقت قریب ہورہا ہے، آپ لوگ وضو کریں گے، پھر نماز پڑھیں گے، اور انشاء اللہ پھر ہم لوگ عصر کے بعد فوراً بیٹھیں گے، اور اس دوران بینکنگ کمیٹی کا یہ فرض ہے کہ وہ پوری طرح بیٹھ کر بحث کرکے اور

اگر ضرورت سمجھیں تو مولانا برہان الدین صاحب، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب، مولانا عتیق احمد بستوی صاحب، مولانا ابراہیم صاحب بھروچ اور مفتی احمد خانپوری صاحب ان حضرات کا میں نے نام لے لیا ہے، لکھ لیجئے، ان حضرات سے اس پر آپ ضرور بحث کرلیں۔ ان لوگوں کا قیلولہ منع کیا جاتا ہے۔

<u>دوسری نشست:</u>

قاضی صاحب:

حضرات آپ نے پہلے دن اسلام کے نظام عشر کے بارے میں مختلف مسائل پر تفصیلی بحث کی تھی، اور اس پر کمیٹیاں بنادی گئی تھیں، کمیٹیوں نے اپنا کام کیا بھی ہے، اور کچھ ابھی آخری صورت انشاء اللہ وہ لوگ الگ بیٹھ کر دے لیں گے، ابھی جو دوسرا مسئلہ کل سے شروع ہوا ہے، بینکنگ سے متعلق جو چند مسائل اٹھے ہیں، ان میں سے کئی مسئلوں پر آپ نے گفتگو کی، بعض پر اتفاق ہوا، بعض پر اختلاف ہوا، اور کچھ جن میں بہت سے علماء کے جوابات بھی حاصل کئے گئے تھے پہلے سے، اور بعض سوالات نئے ہیں، تو میں سمجھتا ہوں کہ تفصیلی بحث تو شاید اس پر نہیں ہو سکے گی، اور اس مسئلہ کا حق یہ ہے کہ اس پر مستقل ایک نشست ہو جس میں یہ ماہرین بھی ہوں اور ہمارے علماء بھی ہوں، افسوس یہ ہے کہ یہاں پر ہمارے بعض دوست جا چکے ہیں لیکن ہم انشاء اللہ کوشش کریں گے کہ ان مسائل پر تفصیل سے غور کرنے کے لئے ایک مستقل نشست کی جائے، ابھی میں صرف جناب احسان صاحب کو تکلیف دوں گا کہ جو سوالات ہیں ان کے سامنے یا جو متبادل انہوں نے تجویز کیا ہے یا جو ان کی دشواریاں ہیں ان کو صرف آپ کے سامنے رکھ دیں، تا کہ ذہن اس کی طرف متوجہ رہے، اور آئندہ جب اس کی کوئی نشست ہو دو چار مہینے کے بعد، تو اس وقت اگر آپ کے پاس اس سلسلہ میں تفصیلی سوالنامہ جائے تو آپ جواب بھی دیں، اور پھر اجتماع ہو تو ہم لوگ بیٹھ کر کے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ لے سکیں، میں جناب احسان صاحب سے درخواست کرتا ہوں........

احسان صاحب:

کل Bill Discounting کا ایک مسئلہ رکھا گیا تھا اس کی عموماً شکل یہ ہوتی ہے کہ مال بیچنے والا جو ایک شہر میں رہ رہا ہے اور خریدنے والا دوسرے شہر میں رہ رہا ہے، مال بیچنے والا مال کو دوسرے شہر کے لئے روانہ کرتا ہے سودا ہونے کے بعد، اور یہ بیچنے والا بلٹی پہ مال پانے والے کی جگہ اپنا ہی نام لکھتا ہے، یہ خریدار کا نام نہیں لکھتا، تو ریلوے کو آرڈر دیتا ہے کہ یہ مال جو میں بھیج رہا ہوں یہ دوسرے شہر میں مجھے ہی ملے، یہ بلٹی جو ہے عموماً قابل تبادلہ ہوتی ہے، اب اگر یہ بینک سے پیسہ لینا چاہتا ہے مال بیچنے والا، تو اس سے پہلے کہ خریدار سے پیسہ وصول کرے، یہ بلٹی کی پشت پہ یہ لکھ دیتا ہے کہ اس بلٹی کا مال اس بینک کو دے دیا جائے، بینک اس بلٹی کا مالک ہو جاتا ہے اس طرح سے، اور بلٹی ایک بار بینک میں دینے کے بعد اور پیسہ لینے کے بعد پھر مال بھیجنے والے کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ ریلوے کو دوبارہ لکھ دے کہ یہ مال بینک کو نہ دیا جائے، اگر وہ ایسا لکھے گا بھی تو قانوناً اس کا کوئی عمل نہیں ہوسکتا، ریلوے اس کی اس ہدایت کو نہیں مانے گا، کیونکہ اس نے بلٹی بینک کے حوالہ کردی، اب بینک سے یہ ہزار روپئے کے عوض میں آٹھ سو روپئے یا نو سو

روپے لے لیتا ہے، بینک یہ سمجھتا ہے کہ اس بلٹی کا پیسہ خریدار سے ایک مہینہ کے بعد ملے گا، تو یہ ایک سو روپے Difference جو ہے اس کا، Service Charges بھی ہیں اس میں اور ایک مہینے کا سود بھی ہے، کیونکہ بینک کا اپنا انداز ہے سوچنے کا، تو ظاہر ہے اسلامی مالیاتی ادارے کے لئے یہ شکل قابل قبول نہیں ہوئی، لیکن اس کی ایک دوسری شکل ہم تجویز کرتے ہیں، اور اس کو مرابحہ کی شکل میں اگر اپنایا جائے تو اس میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہوگی، اس کی شکل یہ بنتی ہے کہ مال بیچنے والا یہ کہتا ہے بینک سے اسلامی مالیاتی ادارے سے کہ اس مال کا ایک ہزار روپے میں خریدار موجود ہے، میں آپ کو ایسا پتہ بتاتا ہوں خریدار کا کہ وہ اس مال کو آپ سے ایک ہزار روپے میں لے لے گا، اور آپ کی میں بات بھی کرا دیتا ہوں اس سے، آپ کا سودا بھی طے کرا دیتا ہوں، آپ یہ مال مجھ سے نو سو روپے میں خرید لیجئے، اس میں جو مال کا آخری خریدار ہے وہ بینک میں کہتا ہے کہ یہ مال آپ میرے پاس پہنچا دیں گے تو میں ایک ہزار روپے میں آپ سے خریدنے کے لئے تیار ہوں، اس شکل میں اور پہلی شکل میں فرق یہ ہے کہ پہلی شکل میں اگر بینک کا پیسہ خریدار سے وصول نہیں ہوتا، خریدار اس مال کو لینے کے لئے تیار نہیں ہوتا، تو بینک لوٹ کر اسی کے پاس آتا ہے جس نے پیسہ بینک سے لیا ہے اور بینک کو بلٹی دی ہے، آپ کا مال وہ لینے کے لئے تیار نہیں ہے، بلٹی چھڑانے کے لئے تیار نہیں ہے، لہذا آپ وہ واپس دیجئے، تو ایک طرح سے یہ قرض ہوا جو اس نے بینک میں دیا تھا اور وہ واپس قرض وصول رہا ہے اس سے، لیکن دوسری شکل میں یہ قرض کی نوعیت نہیں ہوگی، اس میں وہ مال کا بیچنے والا پہلے ہی کہہ دے گا، دیکھئے میں آپ کا سودا تو کرائے دیتا ہوں لیکن بعد میں اگر وہ اپنے سودے سے مکر جاتا ہے اور وہ مال نہیں لیتا تو اس کی میرے اوپر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی، تو یہاں وہ اگر سودے سے مکر جاتا ہے تو بینک کے ہاتھ میں جو کچھ بھی مال ہے وہ ایک ہزار کے بجائے آٹھ سو روپے میں بک جائے یا گیارہ سو روپے میں بک جائے، وہ بینک کا مال ہے، اس میں وہ خریدار سے یہ نہیں کہے گا کہ اگر آٹھ سو روپے میں بکا تو دو سو روپے مجھے اس میں نقصان ہو گیا، آپ مجھے یہ دو سو روپے دے دیجئے اور Service Charges جو میرے ہیں وہ بھی دیجئے، تو دوسری شکل مرابحہ کی یہی ہوسکتی ہے کہ وہ جو بیچنے والا ہے اس سے بالکل تعلق منقطع ہو جائے، اور بینک مال کے اوپر انحصار کرے یا کہ خریدار کے اوپر انحصار کرے، تو اگر آپ اس کا جواز رکھ دیتے ہیں تو مرابحہ کے طور پر اسلامی مالیاتی ادارہ اپنا لے گا اسکیم کو۔

امین الحسن رضوی صاحب:

میں معلوم یہ کرنا چاہ رہا تھا کہ پہلی صورت کو آپ نے ناجائز کیوں قرار دیا، پہلی صورت جو ہے مثلاً میں بتاؤں آپ کو، میں وضاحت کے طور پر عرض کرنا چاہتا تھا، جیسے Promissory Note ہے ایک شخص کے، میرے Favour میں کسی کا تفویض کردہ Promissory Note ہے، جس پر میں دعویٰ کر کے کبھی بھی اس رقم کو حاصل کرسکتا ہوں اگر وہ نہ دے، اب یہ Promissory Note ازروئے قانون قابل انتقال ہے، میں اس کو کسی اور شخص کے نام منتقل کرسکتا ہوں، تو میرے حق میں جو پانچ ہزار روپے کا Promissory Note ہے وہ میں چار ہزار پانچ سو روپے میں کسی کے ہاتھ فروخت کرسکتا ہوں، اس کے نام Hand Over کرسکتا ہوں، اب اس شخص کو یہ

اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وقت موعود پر وہ پانچ ہزار روپے اس شخص سے وصول کر لے، اس سودے میں ناجوازی کی بات میری سمجھ میں نہیں آتی........ میں نے مثالاً ایک بات بتائی ہے، تو پہلی صورت آپ نے بتائی تھی اس میں ناجوازی کی صورت کیسے؟ اس لئے کہ آپ نے اپنے منہ سے تصوراتی طور پر ایک لفظ سود استعمال کر لیا، اس کو صرف حق محنت آپ رکھیں تو کیا حرج ہے؟

احسان صاحب:

نہیں ایسا ہے جو رقعہ ہے اور ایک قرض ہے اس کا سرٹیفکیٹ ہے، تو وہ رقعہ جو ہے کوئی مال نہیں ہے وہ پیسہ ہے، اور پیسے کو کم یا زیادہ قیمت پر خریدنا، تو میں سمجھتا ہوں اس کی اجازت علماء نہیں دیں گے۔

امین الحسن رضوی صاحب:

ثمن نہیں ہے وہ Promissory Note زرِ ثمن میں نہیں آتا، ثمن نہیں ہے وہ، میرے خیال میں فقہی اعتبار سے وہ ثمن نہیں ہے، کرنسی نوٹ تو ثمن ہے، تسلیم کیا جا چکا ہے، لیکن Promissory Note تو ثمن نہیں ہے، Promissory Note ثمن ہوگا کیا؟

احسان صاحب:

Promissory Note اور Currency Note میں صرف اتنا فرق ہے کہ کرنسی نوٹ جو ہے کوئی بینک یا Authorised ادارہ ہی جاری کرتا ہے اور Promissory Note ہر آدمی جاری کر سکتا ہے، اس کے علاوہ فرق نہیں ہے، کرنسی نوٹ بھی ایک طرح کا Promissory Note ہے۔

امین الحسن رضوی صاحب:

میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ فقہی اعتبار سے کرنسی نوٹ کو ہمارے ہی سمینار نے ثمن Declare کر دیا ہے لیکن Promissory Note ثمن نہیں ہے، وہ وثیقہ ہے صرف۔

احسان صاحب:

یہاں مسئلہ صرف پرامیزری نوٹ کا نہیں تھا، پیچھے جو بلٹی لگی ہے اس کے، اور بلٹی میں جو مال ہے اس کا مسئلہ تھا، اور اس میں مال کی خرید و فروخت یا بلٹی کی خرید و فروخت کہی تو جاتی ہے لیکن اصل میں ہوتی نہیں ہے، وہ ایک طرح سے بلٹی کی ضمانت کے اوپر بینک کا قرض ہی ہوتا ہے۔

امین الحسن رضوی صاحب:

نہیں اگر شرعی اعتبار سے وہ سود ہے، میں نے عرض کیا ناں کہ آپ نے فرمایا تھا گفتگو میں کہ وہ اس پر حق المحنت اور مدت کے معاوضہ میں سود لیتا ہے، یہ تو ایک تصوراتی بات ہوئی، فرض کیجئے کہ اسلامی ادارہ تصور میں ہی نہ لائے کہ میں سود دے رہا ہوں بلکہ صرف ہم حق محنت مانیں اس کو۔

احسان صاحب:

نہیں ایسا ہے کہ اس میں ایک تو دو شکلیں ہوتی ہیں جو بینک Bills Collection کا، اور Bills Purchase کا کام کرتے ہیں، ایک شکل میں بینک کا اپنا پیسہ لگتا ہے، اور دوسری شکل میں بینک کا اپنا پیسہ نہیں لگتا ہے، جب بینک کا اپنا پیسہ لگتا ہے تو اس کے Charges زیادہ ہوتے ہیں بہ نسبت اس کے جہاں اس کا اپنا پیسہ نہیں لگتا ہے، جس سے یہ ظاہر ہے کہ جو زیادہ چارج بینک نے لیا وہ اپنا پیسہ لگنے کی بنیاد پر لیا۔

امین الحسن رضوی صاحب:

یہ تو تعامل کی بات ہوئی۔

احسان صاحب:

یہ Financing ہے (اصولی بات کیا ہے: رضوی صاحب) نہیں ویسے یہ طریقہ بھی بینک کی کتابوں میں درج ہے، وہ طریقہ فائنانس کا ہی ہے، اڈوانس کا۔

امین الحسن رضوی صاحب:

یہ تو تعامل کی بات ہوئی ہم اصول کی بات کریں گے نا، یہ تو تعامل کی بات ہوئی علماء جواب دے دیں گے اس کا۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

اگر وہ بلٹی کرنسی نہیں ہے تو پھر وہ حقوق بنے گا کیا؟

احسان صاحب:

ہاں حقوق میں تو آتا ہے لیکن اس کی بنیادی بات یہ ہے کہ جب مال چھڑانے والا مال نہیں چھڑاتا تو وہ تنہا مال کے اوپر اکتفا نہیں کرتا، اگر بینک مال کو بیچ بھی دے، اور مان لیجئے کہ ہزار روپے کا مال آٹھ سو روپے میں بکے تو بینک کو قانونی اختیار ہوتا ہے کہ وہ دو سو روپے وصول کرلے، مال بیچنے والے سے وہ دو سو روپے وصول کرلے۔ یہ قانونی اختیار جو بینک کو مل رہا ہے اس سے....

امین الحسن رضوی صاحب:

استعمال نہ کرنا چاہے بلکہ وہ جوکھم لینا چاہے تو کیا حرج ہے؟

احسان صاحب:

وہ جوکھم کی شکل یہی ہے کہ پیچھے جو مال کا بیچنے والا ہے اس سے تعلق منقطع ہوجائے اور بینک اس سے مال خرید لے، اور آگے جو مال کا خریدنے والا ہے اس کو مال بیچ دے، ایسی حالت میں اگر مال کم قیمت پہ بکے گا تو اصل بیچنے والے سے بینک نہیں وصول کرسکے گا تب اس کو نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔

مفتی محبوب علی وجیہی صاحب:

اس میں کیا تنقیح ہوئی مسئلہ کی۔

مفتی اسماعیل صاحب:

ابھی چند مسائل باقی ہیں جن کو مجلس میں پیش کرنا ہے۔

امین الحسن رضوی صاحب:

ایسی صورت میں آپ کے خیال میں کیا یہ جائز ہوگا یا ناجائز؟

احسان صاحب:

یہ تو علماء بتائیں گے۔

مفتی محبوب علی وجیہی صاحب:

یہ صورت تو جواز کی معلوم ہوتی ہے، یہ جو صورت ہے کہ مال خرید لیا کم روپے کے، یا وہ لے لے زیادہ روپے کے، تو اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بینک والا بیچے گا تو بینک والا مالک ہو گیا اس کا۔

احسان صاحب:

مرابحہ کی ایک شکل یہ ہے جو اسلامی مالیاتی ادارے کو پیش آتی ہے کہ ایک شخص اپنی تجارت کے لئے مال خریدنا چاہتا ہے لیکن مال خریدنے کے لئے اس کے پاس پیسہ نہیں ہے حالانکہ وہ مال کی خامی اور خوبی پرکھنے میں پوری مہارت رکھتا ہے اور اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس مال کا صحیح سپلائر کون ہے، وہ اپنی مرضی کا مال بازار میں تلاش کرتا ہے، سودے بازی کرنے پہ کسی آدمی سے مال کی خریداری طے کر لیتا ہے، اتنے روپے میں میں آپ کا مال خریدنے کے لئے تیار ہوں، اب چونکہ اس کے پاس پیسہ نہیں ہے وہ اسلامی مالیاتی ادارہ کے پاس آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس قسم کا مال مجھے درکار ہے اور وہ اس قیمت پہ مل رہا ہے، بازار میں اس کے سپلائر کا میں پتہ آپ کو بتائے دیتا ہوں، آپ یہ مال اس سے خرید لیجئے اور مجھے تین مہینے کے ادھار پہ اضافی قیمت پہ بیچ دیجئے، میں تین مہینے کے اندر اپنی دکان میں اس مال کو لگا کے کوئی منافع کے ساتھ بیچ دوں گا اور آپ کی رقم وعدہ کے مطابق ادا کر دوں گا، بینک کہتا ہے کہ دیکھئے ہم آپ کی ضرورت تو پوری کر دیں گے لیکن ہمارے پاس اسٹاک جو ہے وہ کچھ کتابی کام کا ہے بازار کے مطلب کا نہیں ہے ہم آپ کو اپنا وکیل مقرر کر دیتے ہیں، آپ ہمارے Behalf پہ یہ مال اس سے خرید لیجئے، اور وہ آگے کہہ دیتا ہے کہ چلئے میں نے آپ کی طرف سے مال خرید لیا، اور بینک یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ مال ہم نے آپ کو جیسا آپ اضافی قیمت بتا رہے ہیں اس پر آپ کو بیچ دیا، اس مال کو یہ گراہک اٹھا لیتا ہے وہاں سے، اپنی دکان میں لے جا کر لگا دیتا ہے، اور تین مہینے کے بعد اس کو اور زیادہ قیمت پہ بیچ کے بینک کا قرض ادا کر دیتا ہے تو کیا آپ کی رائے میں یہ شکل جائز ہو گی؟......روپیہ بینک نے دیا ہے جو اصل بازار میں مال کا بیچنے والا تھوک بازار میں مال کا بیچنے والا ہے اس سے بینک نے وہ مال خریدا ہے، لیکن بینک سے جو مال خریدنے والا ہے، بینک نے اپنا وکیل اسکو بنایا مال خریدنے کے لئے [illegible]

جب اس نے آ کے اطلاع دیدی کہ یہ سودا ہو گیا (مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب: Bihalf کرتا ہے یا پیسے دینے کے لئے تیار کرتا ہے) نہیں پیسہ بینک کا لگا ادائیگی بینک نے کیا۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

اس میں صرف ایک اشکال ہے، وہ یہ ہے کہ ایک ہی شخص بائع بھی بن جاتا ہے اور مشتری بھی بن جاتا ہے، ایک ہی شخص خریدار بھی بن جاتا ہے اور وہی فروخت کرنے والا بھی بن جاتا ہے، اس کی اجازت شریعت میں نہیں ہے۔

احسان صاحب:

دیکھئے خریدار تو بینک ہی بنا، اور بینک یہ بھی خواہش کرتا ہے کہ پہلی Invoices جو آئے جو ہول سیلر ہے وہ بینک کے ہی نام آنی چاہئے، بینک یہ بھی امید کرتا ہے، یا آئے تو دونوں کے نام کے ساتھ آئے جس میں کہ بینک نے وکیل بنایا ہے، اس کی حیثیت وکیل کی ہو، اور خریدار کی حیثیت بینک کی ہو، بینک یہ بھی امید کرتا ہے کہ وہ Invoices بینک کے نام بنے۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

لیکن ایجاب وقبول ایک ہی شخص کر رہا ہے، اور قانون یہ ہے کہ ایجاب کوئی دوسرا کرے، اور قبول کوئی دوسرا کرے۔

احسان صاحب:

ایسے ایجاب تو بینک کا ہی ہے، بیچ میں ایک شخص جو ہے بینک کا وکیل ہے جو کہ بیچنے والے کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس مال کو بینک خریدنے کے لئے تیار ہے، تو بیچنے والا کہہ دیتا ہے کہ میں بیچ رہا ہوں اس کو، اگر سودا ہو جاتا ہے، بینک کے نام وہ Invoice بھی کاٹ دیتا ہے، بینک اپنا ڈرافٹ اس کے نام ایشو کر دیتا ہے مال کے بیچنے والے کے نام پر، اس کے بعد وہ کہہ دیتا ہے کہ آپ یہ مال اب اٹھا لیجئے، میں نے مال آپ کو بیچ دیا۔ جب مال وہ اٹھانے کے لئے جاتا ہے، بینک کا پرچہ بھی لے جاتا ہے، کہتا ہے آپ مال مجھے دے دیجئے تو وہ مال تو دیتا ہے بینک کے لئے لیکن وہ اپنی دکان میں لے جاتا ہے کیونکہ بینک نے اس کو پہلے ہی بیچ دیا ہے ..... بینک کے قبضہ میں مال نہیں آئے گا۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

بینک کے وکیل نے لیا ہے اپنے قبضہ میں تو وہ بینک کا ہی قبضہ ہے، اس نے جو قبضہ کیا ہے وہ بینک نے ہی قبضہ کیا ہے، اس کے بعد پھر بینک کی طرف سے وہ لے گیا ہے، تو بینک نے اب اس کو سپرد کر دیا۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

اصل میں صورت یہ بنی، آپ کے کہنے کا مطلب ذرا اس کو واضح کر لیجئے، صورت یہ بن گئی کہ بینک نے خرید لیا، اور بینک نے پھر ادھار اس کو بیچ دیا، یہ صورت بنی، اس پر غور کیا جائے۔

امین الحسن رضوی صاحب:

لیکن آپ نے یہ نہیں بتایا کہ بینک کو منافع کس مرحلہ میں ہوا۔

احسان صاحب:

بینک نے کچھ اضافی قیمت پر بیچا اور تین مہینے کے ادھار پر بیچا۔

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

....بینک نے جس وکیل کو دیا ہے وہ بینک ہی کا وکیل ہے، تو گویا خود ہی کو دے دیا۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

اب وہ مشتری ہو گیا اور بینک بائع ہو گیا۔

احسان صاحب:

جی یہی حالت ہے، دوسری مرتبہ جب آیا تو وہ خود خریدار ہے اور بینک بیچنے والا ہے۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

اب بینک بائع اور وہ مشتری ہے تو وہ بڑھا کے دے رہا ہے تو اسے اختیار ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

بس فرق اتنا ہی ہوا کہ وہ نقد اس نے خریدا ہے اور اس نے ادھار بیچ دیا اسی پر غور کرنا ہے۔

احسان صاحب:

اس کی وکالت......سب Payment ہونے کے بعد اس کی وکالت ختم ہو جاتی ہے........... پہلے سودے میں بینک کا وکیل ہے جب بینک نے ڈرافٹ جاری کر دیا، اس نے Invoice بینک کے نام جاری کر دیا، اب بینک مالک ہو گیا اس کا، اب وہ کہتا ہے کہ میں اس کا خریدار ہوں جیسا میں نے پہلے بتایا تھا، میں سمجھتا ہوں سودا مکمل ہونے کے بعد اس کی بینک کی وکالت ختم ہو گئی۔

مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب:

....حقیقی صورتحال کچھ ایسی سامنے آ رہی ہے کہ وہ بیک وقت خریدار بھی ہے اور وکیل بھی ہے، اور کچھ......

حسان صاحب:

اس میں دو سودے ہیں، ایک سودا بینک کرتا ہے مال کے تھوک بیچنے والے سے، دوسرا سودا مال کو جو Retai میں بیچنے والا ہے وہ بینک سے کرتا ہے۔

جناب شمس پیرزادہ صاحب:

نہیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب تکنیکی باتیں ہیں، حقیقتاً وہ خریدار بھی ہے اور وکیل بھی ہے، اس لحاظ سے یہ قابل غور ہے، اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ادھار کی بنیاد پر بینک قیمت زیادہ وصول کر رہا ہے، تو آیا ادھار کی وجہ سے

زیادہ قیمت وصول کرنا کسی چیز کی جائز ہے؟ یہ دونوں مسئلے قابل غور ہیں۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

ہمارا خیال ہے کہ بہت سادہ صورت ہے، اس میں کوئی قابل غور بات ہے ہی نہیں، بینک نے خرید لیا، اب خریدنے کے بعد اس کا وہ مالک ہو گیا، وہ ادھار بیچ رہا ہے، بس یہ سادہ صورت ہے۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب ممبئی:

حضرت یہ جو صورت اس میں ہے، یہ بیع قبل القبض ہو رہا ہے، بینک جو بیچ رہا ہے تو یہ قبضہ سے پہلے بیچ رہا ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

بھائی قبضہ تو کر لیا اس نے، وکیل کا قبضہ ہوا، وکیل کا قبضہ بینک کا قبضہ ہوا، اب وہ....

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب ممبئی:

قبضہ کہاں ہوا، صرف بات ہوئی ہے، قبضہ تو وکیل نے بھی نہیں کیا ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

قبضہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ فرض کر لیجئے کہ یہاں بیٹھ کر آپ مدراس میں کوئی معاملہ کریں کسی خرید و فروخت کا، آپ نے مال دیکھ لیا ہو یا نہ دیکھا ہو، ایسے آپ نے اپنے اندازے سے کر لیا، تو کیا اس کو مانیں گے نہیں؟ اس کو نہیں سمجھے گے کہ ماعندہ ہے وہ؟

احسان صاحب:

مالیاتی اداروں کی کچھ خدمت ایسی ہوتی ہے کہ جس میں ان کا اپنا کوئی سرمایہ نہیں لگتا، ان کی ساکھ لگتی ہے، اور ان کو کچھ Risk بھی ہوتا ہے، مثال کے طور پر کوئی گورنمنٹ ادارہ اگر کوئی پل کی تعمیر کا ٹھیکہ کسی Constructor کو دیتا ہے اور وہ بیچ میں چھوڑ بھاگتا ہے تو اس میں سرکار کا بہت پیسہ اور وقت لگ جاتا ہے، اس لئے سرکار یہ چاہتی ہے کہ کوئی مالیاتی ادارہ ضمانت دے کہ اگر Contractor اس کو چھوڑ کر چلا جائے گا تو اس میں سرکار کو نقصان جو ہوا ہے اب وہ پہلے سے ہی متعین ہو جاتا ہے کہ اتنی Penalty اس مالیاتی ادارہ کو دینی پڑے گی، اور مالیاتی ادارہ لوگوں کی صلاحیت کا جائزہ لیتا ہے اور جو Constructor ہیں ان کی پوری مالی حیثیت بھی دیکھتا ہے کہ کہاں تک وہ اپنا کانٹریکٹ پورا کرنے کے اہل ہیں، اور یہ دیکھتے ہوئے وہ ضمانت دے دیتا ہے سرکاری ادارہ کو، کہ میں ضامن ہوں اگر یہ Contract پورا نہیں کرے گا تو ایک لاکھ دو لاکھ Penalty جو آپ طے کریں گے میں وہ ادا کروں گا، اب یہ جو بینک خطرہ مول لیتا ہے جس سے وہ Contractor کی جائداد وہ اپنے پاس رکھ لیتا ہے، تو چونکہ ان میں ایک خطرہ بھی شامل ہے اور جائداد سے وصول کرنے میں وقت بہت لگ جاتا ہے، دس دس سال مقدمے چلتے

ہیں، اسی خطرہ کے عوض بینک کچھ اجرت حاصل کرتا ہے، اس کو Guarantee Fees کہتے ہیں، ضمانت کی اجرت، تو کیا یہ بینک کو اجرت جائز ہوگی؟...... یہ کانٹریکٹ ہی ہوتی ہے، یہ Commitment ہوتا ہے کہ ایک وعدہ ہے جو پورا کرنا ہے، دوسرا Payment کی ادائیگی کی ہوتی ہے، ایک مشین کا Supplier ہے کوئی، وہ ادھار اپنی مشین بیچتا ہے خریدار کو، تو وہ یہ چاہتا ہے کہ کوئی مالیاتی ادارہ ضمانت لے لے، اگر وقت مقررہ پر پیسہ خریدار نے نہ واپس کیا تو وہ مالیاتی ادارہ سے رجوع کرے، اور مالیاتی ادارہ جو ہے اس کو دینے کا پابند ہوگا، اس میں بھی بینک کو خطرہ ہے کہ اس کا پیسہ چلا جائے گا اور خواہ مخواہ دس سال تک مقدمہ بازی ہوگی اپنا پیسہ دوسری طرف وصول کرنے میں، تو یہ ایک طرح سے قرض کی ضمانت ہے اور اس میں قرض سودی بھی ہوسکتا ہے اور غیر سودی بھی ہوسکتا ہے، سود کی بات تو اس وقت نہیں کر رہے ہیں، اگر وہ غیر سودی قرض ہے تو کیا اس میں Guarantee Commission بینک کو جائز ہوگا غیر سودی قرض میں۔

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

وہ سودی ہو یا غیر سودی ہو، لیکن آپ جو ضمانت دے رہے ہیں وہ اس بات کی دے رہے ہیں کہ سرکاری ادارہ اگر قرض ادا نہ کرے قرضدار، تو اب سرکاری ادارہ سود سمیت ادا کرے گا۔ سرکاری ادارہ تو سود لیتا ہے، جس کی ضمانت آپ جس ادارہ کو دے رہے ہیں وہ تو سود سمیت وصول کرنے والا ہے۔

احسان صاحب:

جس نے مشین سپلائی کی ہے ادھار وہ Supplier کو دے گا مالیاتی ادارہ......

مفتی احمد دیلوی صاحب:

بہرحال ضمانت اس بات کی ہوگی کہ وہ قرض ادا نہ کرے تو ہم ادا کریں گے اور سود کے ساتھ ادا کریں گے۔

احسان صاحب:

نہیں سود کا کوئی ذکر نہیں ہے، مان لیجئے غیر سودی قرضہ ہے یا جو مال اس نے بیچا ہے وہ تو قیمت فروخت ہے اس کا۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

سرکاری اداروں میں تو بغیر سود کے کوئی بات ہوتی ہی نہیں۔

احسان صاحب:

ہوتی ہے، وہ میں نے پہلے ہی عرض کیا کہ بہت ساری خدمات ایسی ہیں بینکس کی جس میں ان کا پیسہ نہیں لگتا ہے، اس کی ساکھ لگتی ہے، اور یہ کہ وہ خطرہ مول لیتے ہیں، یہ انہی اقسام میں سے ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

تو اس کے معنی یہ کہ مسئلہ قابل غور ضمانت کی اجرت ہے، بس اتنا ہی مسئلہ ہے کہ ضمانت کی اجرت لی جائے، جائز ہے یا نہیں جائز ہے؟

احسان صاحب:

ضمانت بھی دوطرح کی ہے، ایک قرض سے متعلق ہے، ایک کام سے متعلق ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

آپ فرمارہے ہیں کہ ضمانت اور کفالت کی اجرت نہیں ہوسکتی، کفالت بالضمان بھی تو شاید کوئی چیز ہوتی ہے، یعنی اگر کوئی چیز وہ لے اور نقصان ہوجائے تو کیا ہوگا اس کا؟

مفتی احمد خانپوری صاحب:

کفالت اس کی اجرت نہیں ہوسکتی اس کی بنیاد کیا ہے، کیا عقد تبرع ہے اس لئے.........

<u>تیسری نشست:</u>

احسان صاحب:

کمپنی کے حصص سے متعلق کچھ سوالات ہیں، جو برابری کے حصص ہوتے ہیں ان کی بنیاد تو شرکت پر ہوتی ہے، اور وہ کمپنی کے نفع ونقصان میں برابر کے شریک ہوتے ہیں، لیکن ملکی قانون اور ٹیکس کی پیچیدگیاں کچھ ایسی ہیں کہ اس میں جو کمپنی تنہا غیر سودی سرمایہ سے کاروبار کرے تو اس کو بہت زیادہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے، اور دوسرے لوگوں کے لئے چونکہ سود حرام بھی نہیں ہے تو ان کو اس بات میں کوئی کراہیت نہیں ہے کہ سود کے اوپر قرضہ لیں، ان کا تو منافع جب تک سود سے اوپر رہتا ہے تب تک وہ قرض لیتے چلے جاتے ہیں، اگر ایک روپئے پر ان کو دس روپئے سود دینا پڑ رہا ہے اور بارہ روپئے ان کا منافع ہوتا ہے تو جب تک یہ دوروپئے کا ڈیفرنس رہے گا وہ سود لیتے چلے جائیں گے، اب چونکہ ہم اس کے نفع ونقصان میں شریک رہنا چاہتے ہیں اور سودی معاملہ نہیں کرنا چاہتے، اور آگے کمپنی لے آتی ہے اپنے سرمایہ کو اور بڑھاتی ہے، اس کمپنی کی مان لیجئے بازار کے اندر دس روپئے والے حصص کی قیمت ایک سوروپئے ہے، تو وہ اپنے پرانے جو شیئر ہولڈرس ہیں ان کو خاص طور سے نفع پہنچانے کی غرض سے وہ دس روپئے کا شیئر ان کو پچاس روپئے میں دے دیتی ہے، لیکن وہ ایک شرط لگاتی ہے کہ ہم یہ پچاس روپئے کا آپ کو ایک شیئر دیں گے جس میں دس روپئے شیئر کی قیمت ہوگی اور چالیس روپئے منافع ہوگا، وہ منافع میں جمع ہوجائے گا، وہ سارے شرکاء کی پراپرٹی ہوگی۔ دوسرے ہمیں قرض کی بھی ضرورت ہے، تو ہم بجائے اس کے کہ بینک سے باہر سے لیں، آپ قرض سرٹیفیکٹ بھی ہم سے لیجئے، لہٰذا وہ حصص سے منسلک Debenture جاری کرتی ہے، اور چونکہ حصص میں پچاس روپئے کا فرق ہے، چالیس روپئے کا فرق ہے، جو کمپنی نے پچاس روپئے میں جاری کیا، بازار میں وہ نوے روپئے میں بک رہا ہے، تو ہر حصہ دار حصص لینا چاہتا ہے لیکن کمپنی مجبور کررہی ہے کہ آپ Debenture بھی لینا ہوگا، فی الحال آپ لے تو لیجئے، اگر آپ نہیں رکھنا چاہتے اس کو تو اس کے خریدار بازار میں موجود ہیں، یہ پچاس روپئے کا آپ کا ۳۵ روپئے میں یا ۴۵ روپئے میں بک جائے گا، کچھ حصص بازار کی ایسی روش ہے کہ ڈبنچر کے اوپر سود بینکوں کے سود سے دوگنا بھی اگر کر دیا جائے پھر بھی اس کے حصص خریدنے والے انہیں خریدنا چاہتے، وہ چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم ہوں، وہ حصص میں ہی

دلچسپی رکھتے ہیں، ڈبنچر میں نہیں رکھتے، ان کی نظر میں جو زائد سود ہے وہ زیادہ منافع بخش نہیں ہے، لہذا جب یہ ڈبنچر بازار میں جاتا ہے بکنے کے لئے تو یہ پچاس روپے سے ہر حالت میں کم پر ہی بکتا ہے، چاہے اس پر پندرہ فیصدی یا بیس فیصدی بھی سود ہو، تب بھی یہ پچاس روپے ۳۵ روپے میں ۴۰ روپے میں ہی بکے گا۔ ایسی صورت میں کیا یہ جائز ہوگا کہ ڈبنچر کمپنی سے لے تو لیا جائے اور حصص اور ڈبنچر دونوں جب آ جائیں ہمارے پاس، تو حصص ہم روک لیں اور ڈبنچر کو ہم فروخت کر دیں بازار میں، چاہے وہ کچھ خسارے سے ہی فروخت ہو، لیکن جو شیئرز کی قیمت اور ڈبنچر کی کل قیمت پر منافع ہو رہا ہے وہ خسارہ اس سے کم ہی رہے گا ہر حالت میں، جو چالیس روپے کا منافع ہو رہا ہے شیئرز میں، ڈبنچر کے فروخت میں زیادہ سے زیادہ پندرہ روپے کا نقصان ہو سکتا ہے، ایسے میں پچیس روپے کا پھر بھی فائدہ حصص میں رہ جاتا ہے۔ اور اگر ہم یہ سوچ لیں کہ چونکہ اس میں ایک سودی معاملہ ہے، ہم حصص بھی نہ لیں ڈبنچر بھی نہ لیں اور پرانے شیئرز کے اوپر اکتفا کر جائیں، تو یہ نئے شیئرز جیسے ہی مارکیٹ میں آتے ہیں ہمارے پرانے شیئرز کی بھی قیمت گر جاتی ہے، وہ نوے روپے کا اسی روپے میں بکنے لگتا ہے، تو اس طرح سے تو ہمیں پچیس روپے کا جو منافع ہو رہا تھا ہم اس سے محروم رہ گئے، دوسرے ہمارے ہاتھ میں جو حصص تھے اس میں بھی دس روپے کی قیمت کا فرق آ گیا، یہ مجبوری ہے اس کو نہ لینے میں۔

اسعدی صاحب:

ایک بات کی وضاحت چاہتا ہوں کہ ڈبنچر ز آیا دو قسم کے ہوتے ہیں Secured اور Unsecured، اور جن ڈبنچر ز کا آپ ذکر کر رہے ہیں وہ Secured کا غالباً کر رہے ہیں، Unsecured Debenture کو کر کمپنی جاری نہیں کرتی۔

احسان صاحب

نہیں Secured اور Unsecured کا یہاں سوال نہیں اٹھتا، ڈبنچر ز تو Secured ہی ہوتے ہیں لیکن ان کا نمبر دوسرے قرضوں کے بعد آتا ہے، ایک General Loan ہوتا ہے لیکن اس سے پہلے اگر وہ پراپرٹی کسی خاص رہن میں رکھ دی گئی ہے تو خاص رہن کے لئے پہلے وہ ضمانت ہوگی پراپرٹی، بعد میں Debenture Holder کی ضمانت ہوگی۔

اسعدی صاحب:

Unsecured کی صورت یہ ہوتی ہے غالباً کہ اگر کہیں کوئی Loss ہو جائے تو وہ اس پر سود نہیں دے گی۔

احسان صاحب:

نہیں ایسا نہیں ہے، وہ تو قرض ہے اور قرض میں صرف ترجیح میں تو فرق پڑتا ہے، جو پہلے پراپرٹی اگر مخصوص طور سے کسی کے نام کمپنی نے رکھ دی ہے، پہلے اس قرض کی ادائیگی ہوگی، بعد میں ڈبنچر کی ادائیگی ہوگی۔ تو قرض تو جب تک وہ قرض دینے کی پوزیشن میں ہے کمپنی مع سود کے ادا کرے گی، اور جب اس پوزیشن میں نہیں ہوگی تو اس کی ایک فہرست ہے کہ پہلے سرکاری قرضے ادا ہوتے ہیں، Employees کے قرضے ادا ہوتے ہیں، پھر

دوسرے قرضوں میں Debenture Holder کا بھی ذکر آتا ہے۔

اسعدی صاحب:

نہیں Secured اور Unsecured کا فرق یہ ہے جہاں تک مجھے معلوم ہو سکا ہے، کہ Secured پر تو ہر صورت میں سود دیتی ہے کمپنی، Secured Debenture پر، لیکن Unsecured پر دینے کی وہ پابند نہیں ہے اور دیتی نہیں ہے، جبکہ کمپنی کو Loss ہوا۔

احسان صاحب:

ایسا ہے وہ Secured اور Unsecured کا فرق نہیں ہے، اب حکومت نے اس بات کی اجازت دے دی ہے کہ کمپنی اگر چاہے تو غیر سودی ڈبنچر بھی جاری کر سکتی ہے، اور اس کی ضرورت صرف اس لئے آئی کہ وہ Convertible Debenture کے معاملہ میں ضرورت پیش آئی تھی، کہ ایک طرف کمپنی ایک ایسا رقعہ جاری کرتی ہے جس کے اوپر کچھ اضافہ سے ادائیگی کرتی ہے یعنی سود دیتی ہے، دوسری طرف سرٹیفکیٹ ایسا جاری کرتی ہے جس میں کمپنی الٹا منافع شیئر ہولڈرس سے لے رہی ہے، جو شیئر سرٹیفکیٹ دس روپے کا اس نے جاری کیا اور پچاس روپے میں شیئر ہولڈر کو دے رہی ہے تو چالیس روپے یہاں لیتی ہے، تو ایک ہی معاملہ میں شیئر ہولڈر کو کچھ دیتی ہے کمپنی اور دوسرے معاملہ میں شیئر ہولڈر سے کچھ لے لیتی ہے، یہاں شیئر ہولڈر کو یہ دقت آتی ہے کہ چالیس روپے جو ان کے پاس سے گئے وہ تو چلے ہی گئے، اب جو ڈبنچر کے اوپر سود ملا وہ انکم ٹیکس کے قانون میں آجاتا ہے اور ان کی آمدنی میں وہ درج ہو جاتا ہے سود، تو اس کے اوپر ان کو انکم ٹیکس بھی ادا کرنا پڑتا ہے، کچھ کمپنیز نے یہ سوچا کہ ہم کیوں نہ یہ سود کی رقم اپنے منافع میں سے ہی کم کر دیں، اگر ہم اس کو چالیس روپے منافع پر شیئر جاری کرنا چاہ رہے تھے تو ہم اس کو تیس روپے منافع پر ہی جاری کریں، وہ سود یہاں کاٹ لیں تاکہ اس کے ہاتھ میں پہنچنے پہ ٹیکس نہ دینا پڑا۔ تو اس کی وضاحت کمپنی کہیں نہیں کرتی ہے کہ کتنا سود اس کے اوپر متوقع تھا اور اس کی رعایت رکھتے ہوئے ہم نے کتنا Premium کم کر دیا ہے، لیکن یہ سمجھا ضرور جاتا ہے کہ اگر غیر سودی ڈبنچر نہ جاری کیا ہو تو Premium کچھ کمپنی نے زیادہ چارج کیا ہوتا۔ اس میں یہ جو حصص سے منسلک ڈبنچر کا مسئلہ آیا، اس میں ایک یہ بھی اختیار ہوتا ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ بھئی یہ جو سودی معاملہ ہے اس سے بالکل بچ جائیں ہم، تو کمپنی یہ کہتی ہے کہ آپ یہ اپنا حق حصص کا اور ڈبنچر کا ملا کے کسی کو بازار میں بیچ بھی سکتے ہیں۔ آپ فارم کے اوپر اپنے دستخط کر کے دیدیجئے اس کو، وہ اپنا نام بھر کے جب دے گا ہم اسی کو دیدیں گے یہ آپ کے حصص اور ڈبنچرز، اور اسی سے پیسہ لے لیں گے۔ تو یہ حق جو ہے قابل تبادلہ اور قابل فروخت ہوتے ہیں۔ کوئی آدمی اگر زیادہ احتیاط برتنا چاہے کہ میں یہ قرض تمسک چھوڑ دیتا ہوں اور شیئر سرٹیفکیٹ بھی چھوڑ دیتا ہوں، اس میں جو مجھے پچیس روپے منافع مل رہا تھا اگر کوئی شخص مجھے دس روپے منافع دے دے تو میں یہ حق اس کو دے دیتا ہوں، وہ اپنا روپیہ لگائے گا اور پندرہ روپے منافع وہ شخص اس طرح سے حاصل کرے گا، تو کیا وہ یہ حق اپنا بازار میں بیچ سکتا ہے؟

عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

عرض یہ ہے کہ یہ شیئر ہولڈر کو جو رعایت مل رہی ہے ڈبینچر کی یا حصص سے منسلک ڈبینچر کی، یہ حق صرف رعایت کا ہے، رعایت ہے، باقی اس کو ڈبینچر بھی خریدنا پڑ رہا ہے، کم قیمت میں ہے، اور اسی طرح حصص اور شیئر کو بھی خریدنا پڑ رہا ہے، تو یہ رعایت جو ہے کمپنی کی طرف سے، یہ خالی ایسا حق ہے جو اس پر نہ تو قبضہ ہے یعنی اس کا حق موکد نہیں ہے، یہ شفعہ سے بھی کمزور درجہ کا ہے، یا شفعہ کے مثل ہے، اس کو فقہ حنفی کی رو سے فروخت نہیں کرسکتا ہے۔

احسان صاحب:

یہ ایسا ہے، جو کمپنی کے دس روپے کے شیئر کی قیمت بازار میں نوے روپے ہے اس کی کئی وجوہ ہوتی ہیں، کمپنی ہر سال جتنا منافع کماتی ہے وہ سارا کا سارا تقسیم نہیں کردیتی ہے، وہ اپنے پاس روک کر رکھ لیتی ہے، اس سے اس کی مالیت میں اضافہ ہوجاتا ہے، اور جو کمپنی اب سے چالیس سال پچاس سال پہلے قائم ہوئی تھی اس وقت جو اس نے اثاثے خریدے تھے، زمین اور بلڈنگ میں پیسہ لگایا تھا آج اس کی بھی قیمت زیادہ بڑھ جاتی ہے، تو اس کو بازار میں ایک عوامی آفر دینے کے بجائے کمپنی یہ سوچتی ہے کہ کیوں نہ ہم اپنے پرانے شیئر ہولڈرس کو یہ شیئر جاری کریں اور کچھ کم قیمت پر جاری کریں، تاکہ وہ جو اس سے نکلنا چاہتے ہیں بیچنا چاہتے ہیں وہ اس کو اگر بازار میں بیچ دیں تو وہ اثاثوں کی بڑھی ہوئی قیمت اور اس کا منافع جو رکا ہوا ہے اس طرح اس کو مل جائے گا، کیوں شیئرز کا ایسا طریقہ نہیں ہوتا کہ جو شخص شیئر ہولڈر آگے نہیں رہنا چاہتا وہ کمپنی کو واپس کردے، اور کمپنی اپنی پونجی میں سے نکال کر پیسہ اس کو دے دے، ایسا طریقہ کمپنی میں نہیں ہوتا کمپنی تو یہ کہہ دیتی ہے کہ اگر آپ نہیں بننا چاہتے شریک آگے کے لئے تو یہ اپنا حق شرکت کسی دوسرے کو بیچ دیجئے، جو خرید لے گا وہ شریک کل سے ہوجائے گا اس میں۔

عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

ویسے اگر عدول جائز ہو تو امام مالکؒ کے نزدیک حق شفعہ کو بھی فروخت کرسکتا ہے، اس صورت میں اگر علماء سوچیں تو عدول کے بارے میں یہ ایک صورت ہوسکتی ہے، اس سے پہلے جو سوال تھا کہ ڈبینچر اور یہ اس کو حق ملتا ہے، تو ڈبینچر یہ عقد قرض ہے تو متضمن برحوالہ ہم اس وثیقہ کو خریدنا جائز قرار دیں گے، لیکن اس میں ربا کی شرط ہے، سود بردار ہے، اسی لئے تو یہ ربا کی شرط کی وجہ سے عقد فاسد ہوجائے گا، لیکن اگر خرید لیا تو ملکیت ثابت ہوجائے گی فقہ حنفی کی رو سے، اور وہ شرط فاسد ہوگی، اب وہ فروخت کر رہا ہے تو یہ فروخت کرنا بھی درست ہوگا، لیکن کم قیمت میں اگر بیع کر رہا ہے تو پھر یہ بیع فاسد ہوگی، چونکہ قرض کی بیع کم قیمت میں بھی درست نہیں ہے، برابر میں ضروری ہے۔

احسان صاحب:

اس میں ایک شکل یہ بھی آتی ہے، چونکہ ڈبینچر ہاتھ میں آتے آتے چار مہینے یا پانچ مہینے کا وقت لگ جاتا ہے، اور اس کے اوپر سود اسی تاریخ سے جاری ہوجاتا ہے جو کہ اس کی تاریخ اجراء ہے، تو اب بازار میں جب وہ بیچنے کے لئے جاتا ہے، مان لیجئے کمپنی نے کچھ سود ادا کردیا، اس کو مان لیجئے پانچ روپے کمپنی نے سود دے دیا پچاس روپے

والے ڈبینچر ہیں، اب اگر اس کا ڈبینچر ۴۵ روپے میں بکتا ہے تو کیا یہ جائز ہوگا کہ وہ پانچ روپے کا خسارہ کمپنی سے ملے سود سے پورا کرلے؟

عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

نہیں یہ درست نہیں معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ عقد جو کہ کا ہوا ہے وہ تیسرے آدمی سے ہوا ہے، اور کمپنی کو جو قرض دیا گیا تھا وثیقہ ڈبینچر کے ذریعہ، تو وہ تو باقاعدہ محفوظ ہے اور اخیر میں جاکر کے وصول ہوسکتا ہے جب بھی وہ ڈبینچر ختم ہوگا، تو وہ حوالہ اپنی جگہ میں محفوظ ہے، کمپنی نے کوئی اس کا حق تلف نہیں کیا ہے۔

احسان صاحب:

اب لب لباب یہ ہے کہ کیا علماء اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ حصص سے منسلک ڈبینچر شیئر ہولڈر خرید لے، اگر اس بات کی اجازت نہیں دیتے تو کیا اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ اپنا حق یہ بازار میں بیچ کے فائدہ حاصل کرلے۔

ایک سوال قابل تبدیل ڈبینچرس کا ہے، کمپنی چونکہ اپنا جو حصص سرمایہ ہے اس میں بھی دلچسپی رکھتی ہے اور قرض میں بھی دلچسپی رکھتی ہے، وہ چاہتی یہ ہے کہ سرمایہ حصص کم رہے، قرض زیادہ رہے، یا پہلے قرض مل جائے ہمیں، بعد میں ہم اس کو تبدیل کردیں سرمایہ حصص میں، اس کے لئے کمپنی قابل تبدیل ڈبینچر جاری کرتی ہے جو کہ کچھ عرصہ تک ڈبینچر رہتے ہیں اور وہ عرصہ پورا ہونے کے بعد حصص میں تبدیل کر دیئے جاتے ہیں، اس صورت میں بھی اگر ڈبینچر خرید کے اس کو حصص میں تبدیل کرالیا جائے تو وہ حصص بازار میں بازاری قیمت کے اعتبار سے کم قیمت میں حاصل ہو جاتی ہے تو کیا حصص کا یہ حاصل کرنے کا طریقہ جائز ہوگا کہ پہلے قرض کی صورت میں اس کو رکھا جائے، بعد میں ڈبینچر جو کہ کلی طور سے قابل تبدیل نہیں ہے، جزوی طور سے قابل تبدیل ہے؟ دوسرا حصہ رہ جاتا ہے جو کہ قرض ہی کا ہے، تو اس کو پھر اسی طرح بازار میں بیچنا پڑتا ہے، تو اس کو بازار میں بیچ سکتے ہیں دوسرے حصہ کو یا نہیں بیچ سکتے؟ اور جو سود ملا اس سے تلافی کرسکتے ہیں خسارے کی یا نہیں کرسکتے؟ یا اس کو خیرات ہی کرنا پڑے گا سود کو؟

عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

اس میں جو ڈبینچر Convertible ہے یعنی قابل تبدیل ہے وہ شیئر اور حصص میں تبدیل ہوجائے گا کلی اعتبار سے، ایک مدت کے بعد، یہ ایک صورت ہوئی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جزئی اعتبار سے تبدیل ہوگا، اس کا کچھ فیصد طے ہوگا کہ کچھ حصہ تبدیل ہوگا اور کچھ سود بردار قرض ڈبینچر ہی رہے گا، تو بہرحال ڈبینچر کی کوئی بھی صورت ہو اس میں شرط ربا ہے، ایسی تمسکات اور ایسے وثیقے ہیں جس میں شرط ربا ضرور ہے ڈبینچر کا مطلب یہی ہے، لہذا یہ شرط ہے اس وجہ سے یہ عقد فاسد ہوگا، لیکن خرید لیا تو مالک ہوجائے گا اور جب تبدیل ہوجائے گا شیئر اور حصص میں تو اپنے منافع اور سرمایہ کاری کا باقاعدہ.......ہوگا، لیکن جو جز قابل تبدیل نہیں ہے یا جب تک تبدیل نہیں ہوا ہے اس پر سود حاصل ہوگا، تو وہ سود بہرحال سود ہے، ناجائز ہی رہے گا۔

احسان صاحب:

یہ سوچ کر آدمی خریدے کہ بازاری قیمت سے کم قیمت پہ مل رہا ہے اس لئے میں ڈبینچر لے لوں، اور جو کچھ بھی سود اس کے اوپر ادا کرنا پڑ رہا ہے تو اس کو خیرات کردوں، تو کیا ایسا جائز ہے؟

ایک آواز:

...... مگر مسائل ظاہرہ میں نیت تو پاس نہیں ہوتی حرام وحلال کے معاملہ میں، نیت سے پاس نہیں کی جا سکتی، آپ جس نیت سے بھی خریدیں وہ سود کا سود رہے گا۔

احسان صاحب:

تو یہ قابل تبدیل ڈبینچر ہے، تو ظاہر ہے کہ اس میں کچھ حصص مضمر ہیں جو کچھ عرصہ کے بعد مل جائیں گے، ان ڈبینچرس کی بازاری قیمت میں بھی اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے، جس کمپنی کے شیئرز اس کے اندر مضمر ہیں جو چھ مہینے بعد یہ شیئرز ملنے والے ہیں، آج بازار میں جو قیمت ہے ان کی اس کے اعتبار سے ڈبینچرس کی بھی قیمت میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے، مان لیجئے کہ وہ اس ڈبینچر میں دو شیئرز مضمر ہیں جو کہ کمپنی پچاس پچاس روپے میں دے رہی ہے، اس میں دس روپے تو شیئر کی قیمت ہے چالیس روپے منافع، اس طرح دو شیئر کی قیمت بیس روپے اور اسی روپے کمپنی کا منافع، اور بازار میں اس شیئر کی قیمت نوے روپے ہے، تو دو شیئرز کو ملا کے اسی روپے کا منافع ہو رہا ہے ڈبینچر ہولڈر کو، اب اگر بازار میں شیئرز کی قیمت نوے روپے سے ۱۵۰ روپے ہو جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ اس ڈبینچر کی قیمت میں بھی اسی طرح سے اضافہ ہوگا، اس ڈبینچر کی قیمت بازار میں بھی ڈیڑھ سو روپے دو سو روپے ہو سکتی ہے، تو کیا یہ جائز ہوگا کہ ڈبینچر شیئر میں تبدیل کرانے سے پہلے ہی اگر اضافہ اس کی قیمت میں ہو جائے تو اس کو اور اضافی قیمت پہ بازار میں بیچ دیا جائے؟..... جو قابل تبدیل ڈبینچر ہیں ان میں کچھ شیئر مضمر ہوتے ہیں جو ایک عرصہ کے بعد ملنے والے ہوتے ہیں ..... کمپنی قابل تبدیل ڈبینچر جاری کرتی ہے، وہ یہ کہتی ہے کہ ایک سو روپے کا ڈبینچر چھ مہینے کے بعد دو شیئر میں تبدیل کر دیا جائے گا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ دس روپے کا شیئر ہے، تو کمپنی اس کو چالیس روپے منافع سے دے رہی ہے، دو شیئر کے اوپر کمپنی ایک سو اسی روپے منافع حاصل کر رہی ہے، اور بازار میں ایک شیئر کی قیمت نوے روپے ہے تو یہ دو شیئر ایک سو اسی روپے میں بازار میں بک سکتے ہیں جو کہ اس کو سو روپے میں حاصل ہوئے، اس طرح سے اسی روپے کا منافع متوقع ہے، اب یہ چونکہ متوقع ہے اور چھ مہینے کا فرق ہے، آج ڈبینچر میں اس کا پورا کا پورا اثر نہیں پڑتا ہے، یہ ڈبینچر میں صرف اس میں سے پچاس روپے ہی منافع کا اثر پڑے گا، یعنی یہ جو کمپنی ڈبینچر ایک سو روپے میں دے رہی ہے یہ بازار میں آپ کا آج ہی ایک سو پچاس روپے میں بک سکتا ہے، کیونکہ اس میں جو دو شیئر مضمر ہیں وہ ایک سو اسی میں بک سکتے ہیں، اس میں اسی روپے کا منافع متوقع ہے، لہذا خریدار اس کو تیس روپے کم کر کے پچاس روپے میں لینے کے لئے تیار ہو جائے گا، تو یہ فوراً بھی بک سکتے ہیں جیسے ہی آپ کے ہاتھ میں آئے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم نے یہ سوچا تھا کہ ہم قرض نہیں رکھیں گے، اور حصص میں تبدیل ہونے کے بعد حصص اپنے پاس رکھیں گے، قرض میں جو سود ملا اس کو

بھی بیچ دیں گے، اگر آج ہی ہمیں یہ منافع ہو رہا ہے تو آج ہی یہ ڈبنچر ہم بیچ دیں، اور اس کے اوپر جو منافع ہوا اس کو یہ نہ سوچیں کہ یہ منافع قرض کے اوپر ہوا ہے، بلکہ یہ سوچیں کہ جو حصص اس کے اندر مضمر ہے اس کی وجہ سے یہ منافع ہوا، اور یہ آپ بالکل یقین جانئے قرض کا کوئی بھی رقعہ اس پر کتنا ہی اچھا انٹرسٹ کیوں نہ ہو، کتنا ہی زیادہ سود کیوں نہیں ہو وہ اپنے قدر عرفی سے کم ہی بازار میں بکتا ہے، کیونکہ حصص میں سرمایہ کاری کرنے والے قرض میں سرمایہ کاری کرنا ہی نہیں چاہتے۔ اب اگر وہ زیادہ پر بک رہا ہے تو اپنے اندر حصص مضمر ہونے کی وجہ سے ہی زیادہ پر بک رہا ہے، وہ کسی سود کی وجہ سے زیادہ پر نہیں بک رہا ہے، کیا اضافی قیمت پہ اس ڈبنچر کو بیچنا جائز ہوگا؟

ایک آواز:

بیچنے سے پہلے خریدنے کی بات..... ڈبنچرس جو ملتے ہیں وہ سود کے بغیر ملتے نہیں، اس لئے خریدنا پہلے ٹھیک ہو پھر بیچنے کی تفصیلات ہوں، خریدنا تو درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں بہر حال سود کا تعلق ہے۔

ایک آواز:

یہ کسی خریداری پر ڈبنچر ملتا ہے یا کیا صورت اس کی ہے؟......

احسان صاحب:

نہیں نہیں یہاں مسئلہ یہ آ رہا ہے، کہتے ہیں کہ معاملہ ہی قرض کا ہو رہا ہے، چاہے چھ مہینے کے بعد وہ حصص میں تبدیل ہو، لیکن اس کا اجراء جو ہے وہ سود پر ہے، اصل مسئلہ....

ایک آواز:

نہیں ڈبنچر کی تعبیر قرض بالربا سے ہے، قرض ربوی کو ڈبنچر کہتے ہیں۔

ایک آواز:

صحیح فرمایا انہوں نے کہ یہ سب ذیلی سوالات ہیں، بنیادی سوال تو یہ ہے کہ ڈبنچر خریدنا جائز بھی ہے یا نہیں؟

کھٹکھٹے صاحب:

دیکھئے اس وقت ہم ڈبنچر خریدنے کی بات کر رہے ہیں جہاں ہمارے پاس پہلے سے اس کے حصص موجود ہیں، اور ہم ڈبنچر خریدنا نہیں چاہ رہے ہیں.... ہم اسی وقت ڈبنچر خرید رہے ہیں جبکہ ہمارے پاس اس کمپنی کے حصص ہیں، اور اگر ہم یہ ڈبنچر نہیں خریدیں گے تو اس میں ہم کو ناحق نقصان ہوگا، کیونکہ ڈبنچر کے اجراء کے بعد شیئر کی قیمت گرے گی، لازماً گرے گی، تو اگر یہ ڈبنچر کے جاری ہونے میں ہم حصہ نہیں لیں گے اور وہ ڈبنچر لے کے پھر بعد میں اس کو شیئر میں تبدیل نہیں کریں گے یا بازار میں نہیں بیچیں تو پھر ناحق آپ کو نقصان ہوگا۔

احسان صاحب:

میں اس کی ذرا سی وضاحت کر دوں، کمپنی اپنا منافع جو شیئر ہولڈرس میں تقسیم کرتی ہے، اس کی کوئی ایک

شکل نہیں ہے، دو تین شکلیں ہیں، ایک شکل تو یہ ہے سیدھا سادا کہ کمپنی کو مان لیجئے ایک کروڑ روپے منافع ہوا، تو کمپنی نے یہ مناسب سمجھا کہ اس میں سے ستر لاکھ شیئر ہولڈرس میں تقسیم کر دیا جائے، تیس لاکھ کمپنی کے کاروبار کو مزید بڑھانے کے لئے اپنے پاس روک لیا جائے، ایک طریقہ یہ ہوا۔ اب یہ رکا ہوا منافع جب اکٹھا ہوتا چلا جاتا ہے اور کمپنی یہ بھی محسوس کرتی ہے کہ جو ہمارے پرانے شیئر ہولڈرس ہیں انہوں نے جب شیئرز خریدے تھے اور ان کے سرمایہ سے کمپنی نے جو اثاثے خریدے تھے آج اس کی قیمت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے، تو کمپنی Bonus Share بھی جاری کر دیتی ہے، بونس شیئر کا مطلب یہ کہ ایک شیئر کسی کا بھی ہو وہ ایک تناسب فکس کر دیتی ہے، ایک کے اوپر ایک بونس، یا دو کے اوپر ایک بونس، یا پانچ کے اوپر تین بونس، یا پانچ کے اوپر دو بونس، مطلب ایک شیئر کسی کے پاس پہلے سے ہے، کمپنی نے ایک شیئر مفت میں اس کو دیدیا کہ آپ کا جو حصہ تھا اس کو ڈبل کر دیا جو منافع اکٹھا ہوا تھا اس کے عوض ایک شیئر اور جاری کر دیا، اس کو بونس شیئر کا طریقہ کہتے ہیں۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ کمپنی مفت میں شیئرز نہ جاری کرے لیکن بازاری قیمت سے کم قیمت پر حصص جاری کر دے، ایک طریقہ یہ ہوا، یہ بھی منافع تقسیم کرنے کا طریقہ ہے..... ایک طریقہ تو بونس شیئر ہے وہ مفت شیئر کا ہے، دوسرا انفری شیئر بطور حق جاری کرے کہ جو پرانے شیئر ہولڈرس ہیں انہیں کا یہ حق ہے، آگے وہ شیئر ہولڈر..... بجائے اس کے کہ کمپنی ایک عوامی آفر دیدے، عوامی ایجاب دے کہ جس کی مرضی چاہے وہ Apply کر دے اور شیئر ہولڈر بن جائے، اس کے بجائے کمپنی یہ سوچے کہ ہم اپنے پرانے شیئر ہولڈرس کو ہی شیئر ہولڈر بنائیں تا کہ جو نوے روپے کا شیئر ہے ان کو اگر ہم پچاس روپے میں دیں تو چالیس روپے ان کو پھر بھی منافع ہو جائے گا۔ اس طرح کمپنی بطور حق بازاری قیمت سے کم قیمت پہ شیئر کا اجراء کرتی ہے، یہ بھی منافع کی تقسیم کا ایک طریقہ ہے، اس میں یہی بطور حق ڈبینچر سے منسلک کر کے بھی کر سکتی ہے، کمپنی یہ تو ارادہ ہے کہ منافع کچھ تقسیم ہو جائے لیکن ہمیں قرض بھی مل جائے، یہاں مجبوری آجاتی ہے غیر سودی کاروبار کرنے والے کی، وہ حصص تو لینا چاہتا ہے ڈبینچر نہیں لینا چاہتا، اس کے لئے اجازت چاہئے تھی کہ فی الحال اس کو اس شرط سے حصص مل رہے ہیں کہ ڈبینچر بھی وہ لے تو وہ اپنا منافع حاصل کرنے کے لئے دونوں چیزیں لے لے اور ڈبینچر کو وہ فروخت کر دے، اور وہ خسارہ سے ہی فروخت ہو گا لیکن یہ مجموعی خسارہ جو مجموعی منافع ہے اس کا اس سے نہیں بڑھے گا، اس لئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے ایک قرض کو کم قیمت پہ جو فروخت کیا اس نے سودا کیا، کیوں کہ ابھی بھی کم قیمت پہ فروخت کرنے کے بعد اس کو منافع بچ رہا ہے، خالص خسارہ اگر ہو جائے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے سودا کیا، تو یہ بطور حق جو ہے یہ بھی ایک منافع تقسیم کرنے کا طریقہ ہے، اس میں اگر وہ اپنا حق نہیں استعمال کرے گا تو اس کے ہاتھ میں جو پرانے شیئرز ہیں اس کی بھی آگے چل کر قیمت گر جائے گی جبکہ نئے شیئرز بازار میں آجائیں گے، عام حالات ایک سے رہنے کے باوجود بھی اس کی قیمت اپنے حصص کی گر جائے گی، اور اسی کا ایک طریقہ جو Convertible Debenture جاری کرنے کا ہے، Convertible Debenture بھی کمپنی ایک عرصہ تک اس کو قرض رکھتی ہے اور پھر حصص میں تبدیل کر دیتی ہے، لیکن وہ بھی بازاری قیمت سے کم دے رہی ہے اور اپنے ہی پرانے شیئر ہولڈرس کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے دے رہی ہے۔ اس کے بھی

خریدار بازار میں، بہت مل جائیں گے، اور اس کی قیمت اجراء سے کہیں زیادہ پہ خریدار مل جائیں گے، وہ فوراً بازار میں بک سکتا ہے، تو اس طرح سے بھی وہ کمپنی اپنے پرانے شیئر ہولڈرس کو فائدہ پہنچانا چاہتی ہے۔

اب حصص کی خرید وفروخت کا معاملہ آتا ہے، تو حصص خریدنے والے دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں: ایک ایسے لوگ ہوتے ہیں جو حصص کو حصص بازار سے خرید لیں اور اپنے نام منتقل ہونے کے لئے کمپنی کے پاس بھیج دیں، حصص کو حصص بازار خریدنے کے بعد حصص کا مالک تو بن جاتا ہے، ان حصص کو حصص بازار میں بیچ بھی سکتا ہے لیکن کمپنی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا جبتک کہ وہ اپنے نام پہ حصص منتقل نہ کرالے اور کمپنی کے رجسٹر میں اس کا حصص برداروں میں نام نہ آجائے، تو کیا یہ طریقہ جائز ہے کہ حصص کو مال تجارت کی طرح بازار سے خریدا جائے اور بغیر اپنے نام منتقل کرائے جب بھی اس کی قیمت میں اضافہ ہو جائے اس کو بیچ دیا جائے؟ یا ضرورت پڑنے پر کم قیمت پہ بھی بیچا جائے، یہ تو تجارت ہے مال کم قیمت پہ بھی بک سکتا ہے اور زیادہ قیمت پہ بھی بک سکتا ہے۔

ایک آواز:

کیا نام پہ منتقل کئے بغیر خریدنے کا Authorise ہے۔

احسان صاحب:

اس حصص کا وہ مالک بن جاتا ہے بازاری اعتبار سے، لیکن کمپنی کی نظر میں وہ مالک تب تک نہیں جب تک کہ کمپنی کے رجسٹر میں اس کا اندراج نہ ہو جائے، اور اس میں تین مہینے کا عرصہ کم سے کم لگتا ہے، اور تین مہینے میں دس بار بازار میں اتار چڑھاؤ آجاتے ہیں۔

ایک آواز:

تو گویا کہ یہ بالائی خرید وفروخت ہے۔

احسان صاحب:

ہاں، تو بہت سے لوگ حصص کو اس نیت سے خریدتے ہیں کہ جب اس کی قیمت بڑھے گی اس وقت ہم فروخت کر دیں گے، کچھ لوگ باقاعدہ کمپنی کے ممبر بننا چاہتے ہیں، اپنے نام درج کراتے ہیں، کمپنی سے جو فائدے حاصل ہوتے ہیں وہ ان کو ملتے رہتے ہیں، اور جو حصص مال تجارت کی طرح خریدے بیچے جاتے ہیں، اس میں کمپنی سے اس کو براہ راست کوئی فائدہ نہیں ملتا ہے۔

ایک آواز:

اس میں ایک شق یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس نے شیئر کمپنی سے باقاعدہ Nomination کے بعد خریدا، اس کو خریدنے کے بعد اس نے بالائی طور پر فروخت کر دیا، اور دوسرے خریدنے والے نے اپنا Nomination نہیں کیا، رجسٹریشن نہیں ہوا اس کا، اگر اس بیچ میں کمپنی سے کوئی منافع ہوا تو اس منافع کا کون حقدار ہوگا۔

احسان صاحب:

اس میں کمپنی ایک تاریخ کا تعین کرتی ہے اور کافی وقت دیتی ہے، جو منافع اس کو دینا ہوتا ہے وہ ایک مہینہ پہلے دو مہینے پہلے ہی بتا دیتی ہے کہ فلاں تاریخ تک جو ہمارے ممبر ہوں گے یہ منافع ہم ان ہی کو دیں گے، اور جو لوگ حصص خرید کے اس تاریخ سے پہلے پہلے کمپنی کے پاس بھیج دیں گے، ان کو منافع آئے گا، اور جس نے حصص خرید تو لئے لیکن کمپنی کو نہیں بھیجا تو منافع پرانے آدمی کو پہونچے گا، اس کے ہاتھ میں نہیں آئے گا، لیکن بازاری عرف میں وہ اس کا مالک ہوگا جب وہ چاہے گا اس کو فروخت کر دے گا۔

ایک آواز:

تو اس میں یہ خریدنے کے بعد دوسرا آدمی اس شیئر کا مالک ہو گیا اور ملکیت کے ختم ہونے کے بعد جو اس سے متعلق منافع ہیں وہ تو اسی بعد والے آدمی کو ملنا چاہئے۔

احسان صاحب:

لیکن جو ایک تاریخ کا تعین رہتا ہے تو اس میں ایک دو مہینے کا وقت رہتا ہے، کافی لوگ سوچ لیتے ہیں کہ ہم خرید لیں اس کو، اور اس کو بھیج دیں گے وہاں، لیکن پھر بھی آخری تاریخ تک لوگ انتظار کرتے ہیں اس بات کا کہ اچھا ہے بازار میں قیمت بڑھ جائے تو میں اس کو نہ بھیجوں، بازار میں ہی بیچ کر آج ہی پیسہ............ سے پہلے واپس نہیں آئیں گے اور بازار میں قیمت بڑھنے کے باوجود بھی میں اس کو نہیں بیچ پاؤں گا۔

شمس پیرزادہ صاحب:

بھئی جب تک ٹرانسفر نہیں ہوتا شیئر اس کے نام پر وہ مالک کہاں سے ہوا کہ وہ فروخت کر دے؟

احسان صاحب:

مالک سرٹیفکیٹ سے ہو جاتا ہے، بیچنے والا شیئر کے ساتھ ایک فارم بھی اس کو دیتا ہے، اس فارم پر دستخط کر دیتا ہے، اس دستخط کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ آج میں نے سارے حقوق اس کو دوسرے کے نام منتقل کر دیئے جس کو ڈیلیوری دے رہا ہوں جس کے قبضہ میں دے رہا ہوں، اپنے حقوق وہ اس کو دے رہا ہے، وہ آگے جس کو اس کے قبضہ میں دے گا وہ اپنے حقوق اس کو دیدے گا۔

شمس پیرزادہ صاحب:

مگر اس نے اپنے حقوق جو منتقل کرنا چاہا اس کو کمپنی نے ابھی تسلیم ہی نہیں کیا اور اس سے پہلے وہ فروخت کرتا ہے، اور کیا اس وقت جو سٹہ چل رہا ہے، Forward Trading ہو رہی ہے، اور ابھی حکومت نے کچھ قانونی پابندی بھی اس پر عائد کر دی ہے، یہی شکل نہیں ہے وہ؟

احسان صاحب:

وہ دوسری شکل ہوتی ہے جو سٹہ کی ہوتی ہے، سٹہ کی شکل یہ ہے کہ حصص بازار نے اس بات کی کچھ شیئرز کے

معاملہ میں گنجائش رکھی ہے کہ اگر آپ کے ہاتھ میں حصص نہیں ہے اور آپ کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان حصص کی قیمت گر جائے گی تو آپ اس کو بیچ دیجئے، اور ایک وقت سیٹلمنٹ کا ہوتا ہے، ایک وقت مقرر ہوتا ہے کہ اس کے اندر اندر آپ دید یجئے حصص، اگر آپ نہیں دیدتے ہیں تو وہ سودا آپ کا ٹرانسفر کر دیتے ہیں اگلے وقفے کے لئے، اور اس طرح سے وہ سالہا سال سودا آپ کا ٹرانسفر ہوتا رہتا ہے اگلے وقفے کے لئے، لیکن اس وقفہ میں حصص کی قیمت میں جو اتار چڑھاؤ آیا اس کے مطابق وہ آپ کا Clearance چاہتے ہیں، اگر واقعی شیئرز کی قیمت گر گئی تو آپ کو Deference مل جائے گا، اور اگر قیمت بڑھ گئی تو آپ کو اس میں Deference جمع کرنا پڑے گا، سٹہ بازاری یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس پوری قیمت ادا کرنے کے لئے پیسہ نہیں ہے، اس کو گنجائش ہے کہ کچھ کم پیسہ دید یجئے آپ، سودا آپ کا کر دیں گے، باقی شیئر جب آپ کے ہاتھ میں آ جائے تب دید یجئے، لیکن وہ پھر بھی منع کر دیتا ہے کہ میرے پاس ابھی پیسہ نہیں ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب وقفہ کا جو نفع نقصان ہوا وہ دے جائیے ہمیں، سودا آپ کا کھڑا رہا اگلے وقفہ کے لئے، تو وہ سالہا سال تک چلتے رہتے ہیں، یہ صورت بالکل دوسری ہے، یہاں حصص پاس ہے ہمارے، اور اس کو ہم دوسرے کو ڈیلیوری بھی دے رہے ہیں، قبضہ بھی دے رہے ہیں اور اپنا پیسہ لے رہے ہیں، یہ سٹہ بازاری میں نہیں آتا، یہ تو اصل مال کا سودا ہے۔

مفتی عزیز الرحمٰن چمپارنی صاحب:

بہر حال یہ جو شیئرز کے بالائی خرید وفروخت کا مسئلہ ہے اس میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بالائی خرید و فروخت سے حق ملکیت منتقل ہو جائے گی، گو کہ بینک کے رجسٹر میں وہ بعد والا آدمی رجسٹرڈ نہیں ہوا ہے، اور حق ملکیت کے منتقل ہونے کے بعد حق نفع کا بھی وہی حقدار ہوگا، اور یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ فقہاء کی بعض عبارتوں سے ایسا معلوم بھی ہوتا ہے، جیسے زمین کسی شخص نے اگر خریدی اور اس میں کوئی درخت ہے تو اس زمین کی بیع کے بعد اس کا جو درخت ہے، یا اور اس سے کچھ متعلق چیز ہے، اگر اس زمین میں ہے تو اس کا وہی حقدار ہوگا یعنی مشتری، تو پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ اس اشترائے بالائی کے بعد یعنی آؤٹ خرید وفروخت جو ہوا ہے بالائی طور پر، اس سے حق ملکیت منتقل ہوتی ہے کہ نہیں، اس پر غور کرنا چاہئے۔ اگر منتقل ہو جانا تسلیم ہے تو حق نفع منتقل ہونے کے لئے فقہاء کی عبارتیں اور اس کے شواہد مل جائیں گے۔

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

عرض یہ ہے کہ یہ شیئر اور حصص جو بازار میں آئے ان کے نمبر ہوتے ہیں، شیئر کے نمبر بھی ہوتے ہیں، اور شیئر بازار کا ایسا اصول ہے کہ وہ شیئر بازار کی جو خاص مارکیٹ ہے وہیں فروخت ہوں گے، اور جب فروخت ہوں گے تو خاص ایجنٹ ہوں گے ان سے رسید کٹوائیں گے، ایک رسید ایجنٹ کے پاس رہے گی، ایک رسید جو ہے خریدنے والے کے پاس رہے گی، اور جو فروخت کرے گا وہ فروخت کرنے والا دستخط کر کے ایک فارم پہ دے گا، یہ تمام جو ہے یہ عقد کرنے اور خرید وفروخت کے لئے سارے ثبوت ہیں۔ دوسری قانونی بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ کمپنی شیئر کے بارے میں مطلقاً قانونی اجازت دیتی ہے کہ جو چاہے خرید وفروخت کرے، اور جس کا قبضہ ہوگا اور جو آخیر میں سال میں

ایک مدت ہے جو ہمارے سامنے آئے گا تو ہم اس کو منافع دیں گے، جس کا رجسٹریشن یعنی کاغذی کارروائی ہوگی، تو اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ قانونی اعتبار سے اس کو اجازت مل گئی ہے خرید وفروخت وغیرہ کی، اور شرعی اعتبار سے ہم یہ سوچیں کہ یہ جو وثیقہ ہے اور جو حصہ اس کا کمپنی میں لگا ہوا ہے تو یہ اس کا وثیقہ ہے اور سامان تجارت کی طرح اس کی خرید وفروخت کرسکتا ہے۔

احسان صاحب:

یہ اس کی دوسری مثال جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا زمین کے کاغذات کی ہے کہ بیع نامہ تو ہوتا رہتا ہے، بیع نامہ ہو جاتا ہے لیکن جب تک اس کی رجسٹری نہیں کرالی جائے اور اندراج نہ کرایا جائے کھسرا کھاتہ میں نام پرانے ہی مالک کا چلتا رہتا ہے، اسی طرح کمپنی میں بھی پرانے مالک کا نام چلتا رہتا ہے جب تک کہ اس کا اندراج نہ ہو جائے، جب کہ سودا تو بیع نامہ کی رو سے ہو ہی جاتا ہے۔

شمس پیرزادہ صاحب:

مگر رجسٹری میں اور اس معاملہ میں فرق ہے، رجسٹری کا معاملہ ایک اندراج کا معاملہ ہوتا ہے، اور یہاں کمپنی سے براہ راست معاملہ ہے کہ کمپنی شریک کس کو قرار دے رہی ہے؟

احسان صاحب:

دیکھئے کمپنی تو اسی کو شریک تسلیم کرے گی جس کا نام اس کے رجسٹر میں درج ہے، لیکن جو خریدار ہے، بیچنے والا ہے اس نے اپنا سرٹیفکیٹ ایک اور فارم کے ساتھ جس پر یہ لکھا ہوا ہے کہ میں اپنے کل اختیارات اس سرٹیفکیٹ کے ساتھ دوسرے آدمی کو بیچ رہا ہوں، تو ایسی حالت میں وہ مالک تو ہو جاتا ہے، اس کا اندراج ابھی کمپنی کے رجسٹر میں نہیں ہے، اگر وہ آدمی جلدی سے کسی دوسرے کو نہیں بیچنا چاہتا، کمپنی میں اپنا اندراج چاہتا ہے تو کرالے اندراج، اور اگر وہ چاہتا ہے کہ بازار میں قیمت اس کی بڑھ گئی، میں کسی دوسرے آدمی کو اپنے حق کو منتقل کر کے منافع کمالوں، بیچ لوں، تو وہ مال تجارت کی طرح اس کی خرید وفروخت ہے، تو یہی دو شکلیں ہیں کہ ایک ایسا شخص ہے جو کہ باقاعدہ ممبر بنتا ہے اور اس کو رکھتا ہے اپنے پاس، اور ایک ایسا شخص ہے جو اس کو جنس تجارت کی طرح خرید وفروخت کرتا ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

....تو وہ کس حیثیت میں ہوگا؟

احسان صاحب:

اس کو سارے اختیارات مل جاتے ہیں اس کے ہاتھ میں قبضہ آنے کے بعد، اور وہ چاہے تو کمپنی میں اپنا نام اندراج کرالے یا دوسرے کو منتقل کردے اپنا نام اندراج کرانے کا حق۔

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

وضاحت طلب یہ ہے کہ یہ شیئر ایک سال میں جاری ہوئے، کسی بھی کمپنی کے جاری ہو گئے، تو اس سال تو

ایک خریدار کے نمبر رجسٹریشن ہو گئے، اب وہ دوسرا سال ختم ہو گیا، تو وہ مدت جب آتی ہے منافع تقسیم کرنے کی تو باقاعدہ
پھر کارروائی ضروری ہے ...... تو اس کارروائی کا بعد جو آخری نام آیا، اور پھر دوسرے سال کی خرید وفروخت چلتی رہے گی، تو
اس میں یہ جانچ پڑتال جو کرتے ہیں تو اس کی کیا شکل ہے؟

احسان صاحب:

اس میں دیکھیے، ملکیت تو بازار سے خریدنے کے بعد دوسرے کی ہو جاتی ہے اور کمپنی میں نام پرانے آدمی کا ہی
درج ہے، تو جو منافع اس کو ملے کمپنی سے اس کا وہ قانونی مالک نہیں ہوتا، اور یہ شخص چاہے تو عدالت سے وصول کر سکتا ہے،
لیکن وہ منافع اتنا قلیل ہوتا ہے کہ اس کے لیے کوئی آدمی عدالت سے رجوع نہیں کرنا چاہے گا، اخلاقی طور سے کچھ رواج ہے
، کچھ جان پہچان کے لوگ ایسے بھی ہیں جو اخلاقی طور سے وہ منافع اس کو دے دیتے ہیں کہ کمپنی سے چونکہ میرا نام اس میں
درج تھا، میرے پاس آیا ہے یہ، لیکن یہ حق آپ کا ہی ہے، کمپنی جو ہے وہ مجبور ہے اسی آدمی کو دینے کے لیے جس کا نام رجسٹر
میں درج ہے، لیکن اگر وہ پہلے بیچ چکا ہے اپنے اختیارات دوسرے کو دے چکا ہے یہ اس سے وصول کر سکتا ہے اور، وہ منافع
اتنا کم ہوتا ہے کہ اس کو سارے لوگ نظر انداز ہی کر دیتے ہیں، چلیے تھوڑا بہت ہے گیا اس سال کا، اگلے سال کے لیے ہم
کرائیں گے، کیوں کہ روزانہ جو قیمتوں میں فرق ہوتا ہے وہ کہیں زیادہ ہوتا ہے منافع سے، منافع تو ایک شیئر پہ مان لیجیے
پچیس روپے ملا، تو اس کے بازار میں جو قیمتوں میں اتار چڑھاؤ ہے اس کا کہیں دو سو روپے تین سو روپے اس شیئرز کی قیمت
میں اتار چڑھاؤ ہوگا، جیسے مان لیجیے ACC ہے، اس کی تین ہزار روپے قیمت ہے بازار کی، منافع مشکل سے وہ پچیس
روپے دیتی ہے ایک شیئر پر، اور قیمت تین ہزار روپے ہے، اور اس کی جب پیچھے مارکیٹ گری تھی اس کی پندرہ سو ساڑھے
پندرہ سو روپے قیمت رہ گئی تھی، اب جب مارکیٹ بڑھنی شروع ہوئی ہے تو اس کی تین ہزار روپے قیمت بڑھ گئی ہے، یہاں
پچیس روپے کو کوئی نہیں گرداننا، ہر آدمی چھوڑتا ہے کہ جانے دیجیے اس کو، اب ہم مارکیٹ میں جو منافع مل رہا ہے اس کو لے
لیتے ہیں، یا ہمارے جو تین ہزار روپے کے پندرہ سو روپے رہ گئے تھے وہ پچیس روپے اور برداشت کر لیں گے۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب:

اس بیان سے یہ سمجھ میں آیا کہ جو شیئر کے Document ہوتے ہیں وہ ایک وثیقہ ہے، تو اصحاب فقہ و
فتاویٰ کے لیے محلِ غور ہے کہ اس وثیقہ کی متزاد قیمت پر بیع وشراء جائز ہوگی یا نہیں؟

احسان صاحب:

دیکھیے قرض کا معاملہ نہیں ہے اس میں بالکل بھی، یہ ایک حصہ ہے ....

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

سوال صرف اتنا ہے کہ مثلاً مارچ میں منافع تقسیم کرنے کی میعاد ہے، شیئر ایسے ہیں کہ مارچ میں ......
اس آئیگا کہ اس کی اطلاع کر دیں کہ کون اس کا آخری مالک ہے تو اب یہ آخری اطلاع نہیں پہنچی یا پہنچ جاتی ہے تو

سابق جو مالک تھا جس کے نام وہ شیئر تھا تو اس کا اعتبار کمپنی کے نزدیک کیا ہے، مارچ کے بعد یا مارچ سے پہلے؟

احسان صاحب:

کمپنی کے رجسٹر میں اس کی حیثیت مالک کی ہی ہے (مارچ کے بعد بھی وہی رہے گی؟ اصلی صاحب) ہاں اسی کی رہے گی جب تک کہ ہی نیا آدمی اپنا اندارج نہیں کرالے گا، لیکن مارکیٹ کے اعتبار سے نیا آدمی مالک ہوگا ہی، اور یہ اپنا نام اندارج کرا سکتا ہے جب چاہے، اور اس کو کسی دوسرے آدمی کو بھی بیچ سکتا ہے انہیں اختیارات کے ساتھ میں۔

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

مارکیٹ کے اعتبار سے یہ اس کا مالک ہو گیا؟

احسان صاحب:

مالک ہو جاتا ہے، جس نے قیمت ادا کر کے وہ چیز خریدی ہے وہ اس کا مکمل مالک ہوتا ہے، اس کی قیمت ادا کرنے کے بعد جس نے قبضہ حاصل کر لیا وہ اس کی ملکیت مکمل ہوگئی، دو شرطیں ہیں: قیمت کے عوض قبضہ، اب ایک سوال اس میں ایسا ہے جو قابل غور ہے، جیسے کہ ہم نے یہ چاہا کہ مالک بنیں ہم اس کے، اور باقاعدہ کمپنی سے جو منافع مل رہا ہے وہ سیدھا ہمارے پاس آئے، تو ہم اس کو ٹرانسفر کے لیے بھیج دیتے ہیں، کمپنی تین مہینے کا وقت لگاتی ہے، کبھی کبھی چار مہینے کا چھ مہینے کا سات مہینے کا، اور ارادۃً بھی کمپنی زیادہ وقت لگا دیتی ہے، کیونکہ کمپنی جو ہے اس کے فیصلے بھی لوگوں کے فیصلے کے اوپر منحصر کرتے ہیں، اور جو لوگ فیصلہ کرنے والے ہیں وہ بھی شرز ہولڈر ہوتے ہیں کافی، تو کبھی کبھی وہ مصنوعی قلت پیدا کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں بازار کے اندر، تاکہ حصص کی قیمت بڑھ جائے، وہ رکوا بھی دیتے ہیں اس کو، اب ایسے میں بازار کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ بازار میں شیئر کی قیمت بڑھ گئی، ہم نے شیئرز کمپنی کو بیچ دیے، ہمارے ہاتھ میں شیئرز نہیں، ہم مالک ہیں، اور جب بھی وہ شیئرز ہمارے ہاتھ میں آئیں گے ہم اس کو بیچ سکتے ہیں، لیکن ہم آج کی قیمت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، اب چونکہ حصص بازار میں اس بات کی گنجائش رکھ دی گئی ہے کہ اگر آپ کے ہاتھ میں حصص نہیں بھی ہیں تو آپ یہاں سودا کر سکتے ہیں، اور جب آپ کے حصص آ جائیں ہاتھ میں تب اس کو ڈال دیجیے اور اس کی قیمت بعد میں لے لیجیے، تو میرا کوئی ارادہ اسے سٹہ کرنے کا نہیں ہے میں ایسا مالک نہیں ہوں جس نے سرے سے شیئرز خریدے ہی نہیں، میں تو ایسا مالک ہوں کہ جس نے شیئرز خریدے ہیں، اس کی قیمت بھی میں نے ادا کر دی ہے، میری مجبوری صرف یہ ہے کہ میں نے اس کو اپنے نام منتقل کرانے کے لیے بھیجے ہیں، اور جس کی واپسی تین مہینے سے پہلے ممکن نہیں، اور بازار ان شیئرز کی واپسی کا انتظار نہیں کر سکتا، میں تو چاہتا ہوں آج ہی بیچنا اس کو، لہٰذا مستقل بازار میں میں نے یہ کہہ کر بھیج دیا کہ میرا سودا آج پکا کر دیا جائے آج کے Rate پر، جب میرے پاس شیئرز آئیں گے میں شیئرز ڈال دوں گا، پیسہ اپنا اسی وقت لے لوں گا، تو بازار کے اصولوں میں اس بات کی گنجائش ہے، کبھی کبھی شیئرز کی بہت زیادہ قلت ہوتی ہے تو بازار اس کے اوپر جرمانہ تو ڈال دیتی ہے کہ آپ جرمانہ ادا کیجیے،

اس کا، آپ نے کہا تھا کہ میں شیئرز دوں گا اور وقت مقررہ پر آپ نے نہیں دیا، لیکن یہ کیفیت بہت کم آتی ہے، سو میں سے پانچ فیصدی جس کے امکانات ہیں، کہ اتنی قلت ہو جائے کہ اس میں تاوان پڑے، نہیں تو کوئی تاوان بیچنے والے کو نہیں پڑتا عموما، تو کیا ایسا جائز ہوگا کہ میں آج کے Rate پر اپنا سودا کر کے منافع محفوظ کرلوں، اور جب میرے پاس حصص آجائیں تو میں اس کو حصص کی حوالگی کر کے قیمت وصول کرلوں آج کے Rate سے۔

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

یہ وثیقے جو ہیں یہ ایجنٹ کے اعتبار سے، خرید وفروخت کے اعتبار سے ہیں، اب وہ وثیقہ جو ہے صرف کمپنی میں پہنچا ہے، اور اتفاقی طور پر ایسا ہو سکتا ہے کہ رک جائے، باقی کوئی لازم نہیں کہ رک جائے گا (نہیں تین مہینے تو لگ ہی جاتے ہیں۔ احسان صاحب) وہ ٹائم اپنی جگہ پر ہے، تو یہ وثیقہ ہے، اب اس وثیقہ کی حیثیت صرف یہ ہے کہ فقہی اعتبار سے کہ یہ جو کمپنی میں مال ہے اور جائداد ہے غیر منقولہ اور منقولہ، دونوں کے وہ حصہ دار ہیں، ہر چیز میں اس کا حصہ ہے، تو غیر منقولی جائداد جو ہے وہ تو قبضہ کے بغیر بھی فروخت کرنا جائز ہے فقہی اعتبار سے، اور جو منقولی جائداد ہے اس میں قبضہ شرط ہے، تو اب ی وثیقہ تو خالی کاغذ ہے جو پہنچا ہے، باقی جو حق ہے اصل کمپنی کے اندر جائداد، تو اس میں دو شکلیں نظر آرہی ہیں، منقولہ اور غیر منقولہ، تو اس اعتبار سے سوچنا چاہیے کہ منقولہ جو جائداد ہے اس کے قبضہ کے بغیر کیا ہوگا؟ یہ صورت سوچنی چاہیے فقہی اعتبار سے۔

احسان صاحب:

یہ تو اصل میں شرکت کا ایک حصہ ہے، ایک جز ہے، جو کچھ بھی اس میں منقولہ اور غیر منقولہ مشترک جائداد ہے اس کا ایک جز ہے، یوں سمجھئے، اور اس جز کی ہی خرید وفروخت ہوتی ہے، اس کے شرکاء بدلتے رہتے ہیں، کمپنی کا ڈھانچہ ایسا ہی بنا رہتا ہے شرکاء میں تبدیلی آتی رہتی ہے، وہ اپنے حق شرکت منتقل کرتے رہتے ہیں، تو اس میں کوئی منقولہ اور غیر منقولہ کا فرق نہیں ہے، یہ ایک مکمل شرکت کا جز ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

نہیں مقصد یہ کہ یہ جو شیئر ہے تو یہ تو منقولہ ہے نا، یہ کہنے کا مطلب ہے۔

احسان صاحب:

نہیں شیئر تو بذات خود منقولہ ہے، اس پر نمبر پڑا ہوا ہے نام بھی لکھا ہوا ہے، لیکن یہ ہے کہ سودا جو بازار میں ہوتا ہے اس کی شکل دوسرے ہوتی ہے، سودا جب بازار میں ہوتا ہے تو اس میں نمبر نہیں دینے پڑتے، اس میں تو صرف ہم نے ایک سو شیئر بیچے یہی کہنا پڑتا ہے، اس کمپنی کے ایک سو شیئر بیچ دیئے، اب وہ کسی بھی نمبر پہ آپ دے دیجیے، آپ کے اپنے نہیں ہیں کسی دوسرے کا دے دیجیے، تب بھی آپ کو پیسہ مل جائے گا، جب آپ کے اپنے آئیں اس شخص کو دے دیجیے واپس۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاب:

نہیں سوال یہ ہے کہ یہ شیئر، اس کی خرید وفروخت Property Base پر ہوتی ہے یا صرف وثیقہ اور

Documents کی بنیاد پر ہوتی ہے۔

احسان صاحب:

یہ دیکھیے قیمت میں جو اضافہ ہوتا ہے یہ تو Property Base ہے اس کا، اور کمپنی سے آگے فائدہ کی کتنی توقع ہے اس سے قیمت کا تعین ہوتا ہے، جیسے آج ایسی کمپنیز بھی ہیں جو کہ فی الحال خسارہ میں چل رہی ہیں، لیکن اگلے دو سال میں تین سال مین ان سے بہت زیادہ منافع کی امید ہے، ان کا شیئر خسارہ میں ہوتے ہوئے بھی اپنی قدر عرفی سے زیادہ قیمت پہ بازار میں بِک رہا ہے، یہ تو پورا بازار جو ہے آس اور یاس کا بازار ہے، آج کسی کمپنی کی مالی طور سے حالت بہت اچھی ہے لیکن گورنمنٹ کی پالیسی ایسی آگئی کہ اگلے دس سال میں اس کو منافع نہیں ہوگا، تو مالی استحکام کے باوجود بھی اس کی قیمت اس کے قدر عرفی سے نیچے چلی جائے گی، اور آج جو خسارہ میں کمپنی ہے اس سے اگر زیادہ امیدیں ہیں تو اس کی قیمت بھی بڑھ جائیگی، یہ تو ہر مال کے لیے جو بھی مال آپ خرید رہے ہیں بازار میں، ان ہی وجوہات کی بنا پر آپ یہ سوچتے ہیں کہ مستقبل میں اس کی قیمت میں اضافہ ہوگا...... ابھی جو اخیر میں میں نے سوال پیش کیا اس میں یہ بات ہے کہ حصص کا میں مالک ہوں لیکن میرے ہاتھ میں حصص نہیں ہیں، کمپنی کو میں نے بھیج دیئے ہیں، اور بازار مین اس بات کی گنجائش رکھی ہوئی ہے کہ آپ کے ہاتھ میں حصص نہ ہو تو بھی مستقبل بازار مین آپ اس کو بیچ سکتے ہیں، اگر میں مالک نہیں ہوں اور میں نے اس کی قیمت ادا نہیں کی، میں مستقبل بازار میں بیچ دیتا ہوں اس امید پہ کہ کل قیمت گرے گی، تو یہ تو خالص سٹہ ہو جائے گا، لیکن جس چیز کا میں مالک ہوں، جس چیز کی قیمت ادا کی ہے، اور تین مہینے میں چار مہینے میں اس کی واپسی کی امید بھی ہے، اس کا Payment میرا اتنے ہی تاخیر سے ہوگا، جب میں ڈلیوری کروگا اسی کے بعد مجھے اس کا Payment ہوگا ادائیگی ہوگی، تو یہ کیا جائز ہوگا کہ میں سودا کرلوں مستقبل بازار میں؟

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب:

میں نے یہ سمجھا ہے اس گفتگو سے کہ کمپنی کی جو پراپرٹی ہے یہ اس شیئرز کے Weight کو متعین کرنے کی بنیاد ہے، نہ یہ کہ اصل پراپرٹی کی خرید وفروخت ہوتی ہے، تو اس جائداد کی حیثیت ایک ضمان کی ہوگی، شی مبیع نہیں قرار دی جاسکتی۔

احسان صاحب:

مال کوئی بھی ہو اس کی قیمت میں اضافہ کے اور قیمت میں گرنے کے امکانات کوئی وجہ سے ہی ہوتے ہیں، آج اگر ہم کسی جگہ کوئی زمین خرید رہے ہیں، کوئی پلاٹ لے لیتے ہیں، ہم یہ سوچتے ہیں کہ ادھر آبادی بڑھنے والی ہے، آج ہم پلاٹ خریدتے ہیں کہ آبادی جب بڑھ جائے گی اس کی مانگ جب بڑھے گی ہماری زمین کی بھی قیمت بڑھ جائے گی، اسی طرح کمپنی سے بھی توقعات ہوتی ہیں کہ کمپنی کا کاروبار منافع بخش ہوگا، اس کے حصص ہم خریدلیں اس کی قیمت بڑھ جائے گی، دوسری طرف جب ہماری خریدی ہوئی جائیداد کو بھی یہ خطرہ ہو جاتا کہ اس کو سرکار قبضہ کرنے جارہی ہے، کوئی Dam بنانا چاہتی ہے یا کوئی سڑک بنانا چاہتی ہے اس کی قیمت فوراً گر جاتی ہے، اسی طرح جب

کمپنی کے کاروبار کو بھی سرکاری پالیسی سے یا دوسرے تجارتی وجوہ سے خسارہ کے امکانات بڑھ جاتے ہیں تو حصص کی قیمتیں گرنا شروع ہو جاتی ہیں، اور جب منافع کے امکانات بڑھ جاتے ہیں تو حصص کی قیمتیں بڑھتی ہیں، ایک بارش ہی کا معاملہ ہندوستان میں بہت بڑا رول ادا کرتا ہے اس میں اگر بارش اچھی ہو جاتی ہے تو پوری معیشت کے لیے یہ امید کی جاتی ہے کہ ساری معیشت جو ہے اب آگے بڑھے گی، سب کارخانوں کو کچا مال ملے گا، کاشت کار کی جیب میں پیسہ ہوگا، وہ پکا مال خریدے گا، لہٰذا پوری معیشت کو اس کا فائدہ ہوتا ہے، اور سوکھا پڑ جائے تو پوری معیشت خراب ہونے کے مواقع رہتے ہیں، اسی طرح دلی میں بمبئی میں پہلی جون سے دس جون تک کی تاریخوں میں بڑے غور سے خبریں سنی جاتی ہےں کہ کہاں کتنی بارش ہوئی، کیا امکانات بارش کے ہیں، اور جب بارش ہو جاتی ہے تبھی شیئرز کے خریدار شیئرز خریدنا شروع کرتے ہیں، کہ اب پوری معیشت اوپر اٹھے گی، تو یہ تو مال تجارت ہے، اس مین جو بھی خرید کی جاتی ہے اسی لیے خرید کی جاتی ہے کہ آگے قیمتوں میں اضافہ ہوگا تب ہم اس کو بیچیں گے، اب وہ سوال جو میرا تھا وہ صرف اتنا تھا کہ حصص میرے پاس موجود نہیں ہیں، اور اس بات کی گنجائش ہے مستقبل بازار میں کہ میں اس کو بیچ سکتا ہوں، تو کیا میں اس کو بیچ سکتا ہوں یا نہیں؟

احسان صاحب:

جبکہ وہ قبضہ میں میرے پاس آئی ہی ہے کمپنی سے واپس......

ایک آواز:

آپ عرض مسئلہ پیش فرما رہے ہیں تو غور وخوض کے لیے وقفہ مطلوب ہے آپ کو، بس عرض مسئلہ پیش فرماتے جائیے اور طلب رائے کے لیے وقفہ لیتے رہیے۔

احسان صاحب:

اب ایک پرچہ میرے پاس آیا ہے، کسی صاحب نے چاہا ہے کہ Life Insurance اور کارخانوں کے دیگر انشورنس کی وضاحت چاہیے ان کو۔

احسان صاحب:

خرید وفروخت کے معاملہ میں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ حصص کی خرید وفروخت کئی طریقے سے کی جاتی ہے ایک تو یہ ہے کہ ذاتی طور پر دو آدمی مل جائے ہیں، ایک خریدنے والا اور ایک بیچنے والا، خریدنے والا سودا کر لیتا ہے اور بیچنے والا حوالگی دے دیتا ہے اس کو، اور اس سے قیمت لے لیتا ہے، یہ بہت ہی کم ہوتا ہے، حصص بازار میں خرید وفروخت ہوتی ہے حصص کی، وہ منظم بازار ہوتے ہیں، اور ان بازاروں کا طریقہ یہ ہے کہ سودوں کا ایک وقفہ طے ہو جاتا ہے کہ پیر کے دن سے جمعہ کے دن تک سودے ہوں گے، اور یہ سودے سارے لکھے جاتے رہیں گے کہ پانچ دن کیا سودے ہوئے، جن لوگوں نے اپنے حصص بیچے ہیں وہ حصص بازار میں سنیچر کے دن اپنے اپنے بروکرس کے ذریعہ حصص دے دیں گے، جن لوگوں نے وہ حصص خریدے ہیں وہ حصص ان کے بروکرس بیچنے والوں کے بروکرس سے حصص لے

لیتے ہیں اور اپنے خریدار کو مطلع کر دیتے ہیں کہ آپ کے حصص آ گئے ہیں، اب آپ پیسہ ادا کر دیجئے اور یہ لے جائیے، وہ حصص اپنے گراہکوں کو دینے کے بعد ان سے پیسہ لے کر وہ اسٹاک ایکسچینج میں پیسہ جمع کر دیتے ہیں، منظم بازار کے کھاتے میں پیسہ جمع کر دیتے ہیں، اور منظم بازار کے کھاتے سے پیسہ بیچنے والوں کے بروکرس کو مل جاتا ہے، اور بیچنے والا بروکر بیچنے والوں کو پیمنٹ کرتا ہے اس کا، اس میں سودے خریدار اور مال کے درمیان ڈائریکٹ نہیں ہوتے ہیں، بروکرس کے ذریعہ ہوتے ہیں سارے سودے، تو یہ پانچ دن تک جو سودے ہوتے ہیں اس میں ایسے امکانات کافی رہتے ہیں کہ جن لوگوں نے آج حصص بیچے ہیں اس کی قیمت گر جانے کے بعد وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ لاؤ ہم پھر خرید لیں اس کو، یا جن لوگوں نے خریدے ہیں اگلے دن بازار میں قیمت بڑھ گئی وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ لاؤ بڑھی ہوئی قیمت پہ بیچ دیں، تو اس میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں، ایک تو سٹے والے ہوتے ہیں خالص، جن کی نیت پوری قیمت ادا کرنے کی نہیں ہوتی، اور نہ مال اٹھانے کی نیت ہوتی ہے، وہ یہی چاہتے ہیں کہ جو ڈیفرنس ہمیں مل جائے وہی ہم لے لیں اور سودا کاٹ دیں ہم بیچ میں، دوسرے اسی طرح کے فروخت کرنے والے بھی سٹے والے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس حصص ہوتے ہی نہیں اور وہ اس امید پہ حصص بیچ دیتے ہیں کہ کل بازار میں قیمتیں گرنے والی ہیں، جب حقیقت میں قیمت گر جائے گی تو ہم واپس اس کو خرید لیں گے، اور اس طرح سے ہمارا سودا برابر ہوگا، ایک طرف ہم نے بیچا تھا دوسری طرف ہم نے خریدا، اب ہمیں صرف ڈیفرنس مل جائے گا، نہ کچھ لینا نہ کچھ دینا، لیکن اکثریت جو ہے ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو کہ فی الواقع قیمت ادا کرنا چاہتے ہیں اور حصص اپنے قبضہ میں لینا چاہتے ہیں، لیکن ان کا بھی نظریہ یہی ہوتا ہے کہ جب بھی قیمت بڑھ جائے گی ہم بیچ دیں گے، اور اگر ایک ہی وقفہ میں قیمت بڑھ جاتی ہے تو پھر ان کو ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ حصص لیں اور ادا کریں اس کی قیمت، بلکہ ان کے دونوں سودے لکھ لئے جاتے ہیں اور ان کا بروکر ان سے صرف ڈیفرنس لے لیتا ہے کہ اب آپ کا کوئی سودا نہیں کھڑا رہا ہے، جو آپ نے خریدے تھے وہ آپ نے بیچ دیئے، آپ نے اتنی اضافی قیمت پہ بیچے، یہ کمیشن کاٹنے کے بعد آپ کو مل گیا، اسی طرح جو آدمی خسارہ کا سودا کرتا ہے وہ بھی ڈیفرنس دے دیتا ہے، تو ایسی صورت میں کیا یہ جائز ہوگا کہ اس طرح Clearing میں ایک ہی وقفہ کے دوران جو ہم نے حصص خریدے ہیں وہ بیچ دیں، جبکہ فی الواقع ہماری نیت یہ تھی کہ ہم وہ حصص خرید کر اپنے پاس رکھیں گے اور جب بھی قیمت بڑھے گی اس کو بیچ دیں گے، اتفاق یہ ہوا کہ قیمت اگلے دن کو بڑھ گئی اسی وقفہ میں بڑھ گئی، اگر یہ قیمت پندرہ دن کے بعد بڑھی ہوتی تو اب ہمیں حصص لینے بھی ہوتے اور اس کی قیمت ادا کرنی ہوتی، اور پندرہ دن کے بعد بیچے ہوتے تب پھر حصص ڈالنے ہوتے اور اس کا واپس پیسہ لینا ہوتا، لیکن چونکہ ایک ہی وقفہ تجارت میں یہ دونوں سودے ہو گئے، اور اس میں مارکیٹ یہ کہتا ہے کہ جب ایک وقفہ تجارت میں ہو گئے تو آپ کو ضرورت نہیں کہ آپ حصص ڈالیں اور اس کی قیمت لیں اور پھر دوبارہ اس کو بیچیں، تو ایک ہی وقت میں وہ سودا پورا ہو جاتا ہے، کچھ وضاحت چاہیں گے اس میں؟

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب:

مال کی جس طرح نوعیت بتائی گئی اس سے سوال پورے طور پر واضح ہو کر سامنے نہیں آیا کہ مسئلہ کیا ہے؟

احسان صاحب:

مسئلہ یہ ہے کہ حصص بازار میں سیکڑوں کی تعداد میں بروکر ہوتے ہیں اور ان سیکڑوں بروکرس کے دلال ہوتے ہیں جو کہ سودا کرنے کا حق رکھتے ہیں وہ اسٹاک ایکسچینج کے ممبر ہوتے ہیں ان کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی اس بازار میں سودا نہیں کر سکتا، اب اگر کسی آدمی کو اپنے حصص بیچنے ہیں تو وہ کسی دلال کے پاس جائے گا اور کہے گا کہ میرے حصص آپ بازار میں بیچ دیجئے، جس کو خریدنے ہیں وہ بھی کسی دلال کے پاس جائے گا اور کہے گا کہ میرے لئے اتنے حصص بازار سے خرید دیجئے (ایک دلال دونوں طرف سے ہو سکتا ہے: آواز) نہیں ایک دلال دونوں طرف سے بھی ہوگا تو پھر وہ حصص بازار میں سودا نہیں کرے گا، وہ اپنے کیبن میں بیٹھ کر دونوں کا سودا کر دے گا، وہ پھر حصص بازار میں جب سودا ہوگا تو ایک دلال دوسرے دلال سے سودا کرے گا..... اب چونکہ یہ منظم بازار ہے، اس میں جتنے بھی سودے ہوتے ہیں سب لکھے جاتے ہیں، سب کا اندراج ہوتا ہے، اور اس اندراج کے مطابق حوالگی طلب کی جاتی ہے، اور پھر جب حوالگی آجاتی ہے تو ادائیگی طلب کی جاتی ہے، اب یہ حوالگی اور ادائیگی کے جھنجھٹ سے جو دن بھر کا سودے کا ٹائم ہے اس کو بچانے کے لئے کوئی دن مقرر کر لیتے ہیں کہ روزانہ حوالگی نہیں ہوگی اور روزانہ ادائیگی نہیں ہوگی، یہ پانچ دن جو ہیں اس میں آپ سودے کرتے چلے جائیے، جو آپ کو خریدنا ہے خریدیئے جو آپ کو بیچنا ہے بیچ دیجئے، چھٹے دن دیکھیں کہ کن آدمیوں کو کتنا مال حوالے کرنا ہے، اور جب وہ حوالگی آجائے گی تو پھر جن لوگوں نے جن بروکرس نے خریدا ہے ان کے سپرد کر دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ اس کا پیسہ آپ لائیے، وہ اپنے Client جو ان کے خریدار ہیں ان سے کہیں گے کہ آپ کے شیئرز آگئے ہیں آپ پیسہ دے دیجئے، اور اس کو خریدار بروکر اسٹاک مارکیٹ کے کھاتے میں جمع کر دیتے ہیں، تو جو اسٹاک ایکسچینج اتھارٹیز ہیں وہ چیک کاٹ کر ان بروکرس کو دے دیتے ہیں جنہوں نے حوالگی ڈالی تھی، .... وہاں اتنا وقت نہیں ہوتا جو سودے کا ٹائم ہوتا ہے، اس میں صرف سودے ہی ہو رہے ہوتے ہیں اور کوئی کام نہیں ہوتا، حوالگی کا اور ادائیگی کا الگ وقت مقرر ہوتا ہے اور اس میں کم سے کم ایک ہفتہ کا وقفہ ضرور ہوتا ہے، تو جو ہم نے پیر کے دن حصص بازار میں حصص خریدے اور اس نیت سے خریدے کہ جب بھی تیزی آجائے گی ہم اس کو بیچ دیں گے، اور وہ تیزی اسی وقفہ تجارت میں آگئی، منگل میں آگئی یا بدھ میں آگئی، تو ہم نے دوسرا سودا اس کا کر دیا، بیچ دیا، اب ہمارا بروکر کہتا ہے کہ آپ کے نام کوئی سودا نہیں کھڑا ہوا جو آپ نے خریدے تھے، وہ آپ کے بک گئے، لہذا نہ آپ کو کوئی قیمت ادا کرنی ہے اور نہ آپ کو شیئرز لینے ہیں نہ دینے ہیں، سودے کا جو فرق ہے وہ آپ کو مل جائے گا، اسی طرح دوسرے شخص نے جو بیچے تھے اس نے واپس خرید لئے اسی وقفہ تجارت میں، اس سے کہہ دیتے ہیں کہ بھئی اگر تمہیں خسارہ ہوا ہے تو تم اپنا خسارہ دیدو، تمہیں ضرورت نہیں کہ شیئرز پہلے ڈالو پھر بعد میں وہی شیئرز واپس لے لو، تو کیا ایسی صورت میں یہ جائز ہوگا کہ ایک ہی وقفہ تجارت میں بغیر حصص لئے ہوئے اور بغیر اس کی قیمت ادا کئے ہوئے صرف سودے کا فرق ہی وصول کر لیا جائے اور دے دیا جائے؟

امین الحسن رضوی صاحب:

احسان صاحب مختصراً آپ کا مطلب یہ ہے کہ غائب مال کا سودا ہو رہا ہے، مال نہ ہاتھ میں آ رہا ہے......

احسان صاحب:

یہ ایک مجبوری ہے، مال بیچنے والے کے پاس مال موجود ہے، ایسا نہیں ہے کہ سرے سے مال موجود ہی نہیں ہو، لیکن انتظامیہ نے یہ سہولت رکھی ہے کہ حوالگی روز نہیں ہوگی، ہر سودے کی ہر وقت حوالگی نہیں ہوگی، ایک ہفتہ میں ایک دن حوالگی ہوگی، لہذا آپ کے ہاتھ میں جو حصص ہیں آپ رکھئے جب تک کہ وہ حوالگی کا دن نہیں آ جائے۔

مولانا برہان الدین صاحب:

نہیں مال سے مراد آپ کی مبیع ہے یا وہ حصص ہیں؟ (حصص: احسان صاحب) نہیں مال سے مراد آپ کی وہ معلوم ہوتی ہے اصل سودا۔ (نہیں مال تو حصص ہے: احسان صاحب)............ لیکن آپ نے نقل نہیں کیا۔

احسان صاحب:

یہ تو مستقبل بازار کا سودا نہیں ہے، مستقبل بازار میں تو وہ چیز ہمارے پاس ہوتی ہی نہیں ہے، ہم تو اس کو آج ہی حوالے کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ انتظامیہ کے اصولوں کی وجہ سے ہم مجبور ہیں کہ ہم چھٹے دن اس کو حوالے کر سکتے ہیں، اس سے پہلے ہم حوالے ہی نہیں کر سکتے۔

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب:

یعنی بیع میں قبضہ نہیں ملا (جی ہاں، قبضہ نہیں ہوا: احسان صاحب)۔

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب:

.... مکمل نہیں ہوا، اور دوبارہ جو آپ نے بیچا وہ اسی آدمی سے بیچا جس سے آپ نے خریدا تھا یا کسی اور فریق سے بیچا؟

احسان صاحب:

وہ کوئی بھی آدمی ہو سکتا ہے، ایک بات یہ بھی ہونی چاہئے، جو اصل خریدار اور اصل بکوال ہوتے ہیں ان کو دوسرے فریق کا پتہ نہیں ہوتا، وہ صرف اپنے دلال کو جانتے ہیں، ان کا دلال کہتا ہے میں نے بازار میں بیچ دیئے، اس کی ادائیگی کی ذمہ داری میرے اوپر ہے، میں نے XYZ کسی کو بیچ دیا، آپ کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہے، آپ مجھے مال دیجئے گا میں آپ کو Payment دوں گا، تو اس میں یہ بھی قابل غور مسئلہ ہے کہ آیا یہاں جس کو دلال کہا جا رہا ہے کہ وہ واقعی دلال ہے بھی یا نہیں، یا وہ خود خریدار ہے، جبکہ دوسرے فریق کا پتہ ہی نہیں ہے یہاں پر۔

مولانا برہان الدین صاحب:

اس میں ایک نقص اور ہو گیا کہ أن الواحد إذا ولی طرفی شخص، طرفی العقد، ایک دونوں کا ذمہ دار بن گیا، یہ بھی اس میں ایک نقص ہے، وہ تو ہے ہی بیع قبل القبض والا قصہ، اور یہ "واحد یتولی طرفی

العقد''، یہ غور کرنے کی بات ہے۔

احسان صاحب:

اچھا دلال اپنی کتابوں مین بھی اندراج اسی طرح سے کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جیسے ہم نے رضوی صاحب سے ایک سو شیئرز خرید ے Relience کے، اور ہم نے دوسرے دلال کو بیچے، وہ جو ایک پارٹی سے خریدتا ہے وہ دوسرے دلال کو بیچتا ہے، اور اگر ان کے لیے خرید ے ہیں تو یہ کہے گا کہ ہم نے رضوی صاحب کو اتنے شیئرز بیچے اور میں نے فلاں دلال سے یہ خرید ے، تو اصل جو بیچنے والا حصص کا ہے اس سے یہ دلال بھی ناواقف ہے۔

ایک آواز:

جس طرح دلال جو دوسرے مشتری جو جانتا ہے، بائع کو بھی جانتا ہے کہ وہ بھی مجہول ہے، شیئر جس سے خرید رہا ہے اس کو تو جانتا ہے، جس سے بیچا اس کو تو جانتا ہے۔

احسان صاحب:

ایک شیئر آپ بیچنا چاہتے ہیں بازار میں، تو اپ کا دلال آپ کو جانتا ہے اور پھر بازار کے دوسرے دلال کو وہ شیئر بیچ رہا ہے آپ کے والے اس کو جانتا ہے، اس سے جو خریدار ہے اصل شیئر کا پیچھے اس کو وہ نہیں جانتا ہے، اس کا تعلق صرف دلال سے ہی رہتا ہے، آپس میں دلالوں کا تعلق خریدار اور بکوال کی حیثیت میں ہوتا ہے بازار کے اندر، ایک دلال دوسرے دلال کو مال بیچتا ہے، اور اسی طرح سے خریدتا ہے۔

ایک آواز:

بیچنے اور خریدنے والے جانتے نہیں ہیں کس سے بیچ رہے ہیں کس سے خرید رہے ہیں، صرف دلال کو جانتے ہیں وہ۔

احسان صاحب:

جس دلال کے لیے جو دوسرا دلال ہے وہی خریدار ہے، بیچنے والے تو فلاں صاحب ہیں دلال کی نظر میں، خریدار دوسرا دلال ہے۔

ایک سوال غیر مالیاتی خدمات سے متعلق ہے، (ایک بائع کا وکیل ہوا، ایک مشتری کا وکیل ہوا: ایک آواز) بائع ومشتری کا پتہ تو چلنا چاہیے کون ہیں آپس مین، ان کو پتہ نہیں ہوتا...... ہاں اپنے اپنے کا پتہ ہوتا ہے، دوسرے کا پتہ نہیں ہوتا۔

ایک سوال غیر مالیاتی خدمات سے متعلق ہے کہ مالیاتی ادارہ سے لوگ اکثر تجارتی اسکیمیں بنواتے ہیں کمپنی سے، کہتے ہیں کہ ہمیں فیکٹری کی ایک اسکیم بنا کر دیجیے، مالیاتی ادارہ پورا پروجیکٹ اس کا بناتا ہے کہ کتنا آپ اس میں سرمایہ حصص رکھیں گے، کتنا کل سرمایہ درکار ہوگا، مشینری کہاں سے ملے گی، لیبر کے کیا امکانات ہیں، کتنا اس میں خرچ آئے گا، اور کتنا اس میں منافع ہوگا، یہ مکمل اسکیم بنواتے ہیں، اس اسکیم کے اندر ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں

سرمایہ حصص اتنا ہوگا، اتنا آپ کو بینک سے قرض مل سکتا ہے، تو کیا ایسی اسکیم بنا کے اجرت حاصل کرنا جائز ہوگا جس میں کہ قرض بھی موجود ہو بینکوں کا؟ اور عام طور سے یہ مالیاتی ادارے قرض منظور بھی کراتے ہیں بینکوں سے، اسکیم بناتے ہی نہیں ہیں بلکہ اس کو مکمل کراتے ہیں (......ایک اسکیم بنانے کا ایک قرض دلوانے کا دونوں کو آپ مخلوط کیوں کر رہے ہیں اُس کو الگ رکھئے اور اِس کو الگ رکھئے: عبدالعظیم اصلاحی صاحب) ہاں دونوں الگ الگ رکھتے ہیں، صرف پروجیکٹس بھی بکتے ہیں، ایسی بات نہیں ہے پروجیکٹ رپورٹ بھی بکتے ہیں، وہ بھی صحیح فرمایا آپ نے۔

قاضی صاحب:

میرا خیال یہ ہے کہ اب آپ کی بحث ختم کی جائے، اور Banking کے مسئلہ پر جن باتوں پر کل اتفاق ہوا ان کو لکھ لیا جائے، اور باقی نکات کے بارے میں لکھ دیا جائے کہ یہ اجلاس ہدایت کرتا ہے مجمع الفقہ الاسلامی کو کہ وہ اس سلسلہ میں مخصوص نشست بلائے جو خاص اسی موضوع پر بحث کے لئے ہو، اس میں علماء و محقق بھی رہیں اور جو ان امور کے ماہر ہیں وہ بھی رہیں،........احسان صاحب، کھنکھے صاحب اور رضوی صاحب سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ایک کمرہ میں بیٹھ کر جن مسائل پر کل اتفاق ہو چکا ہے ان کی فہرست بنا دیں اور باقی جملہ مسائل جو بینکنگ سے متعلق آئے ہیں ان تمام سوالات کو مزید منقح کر کے آئندہ اس سلسلہ میں منعقد ہونے والے کسی خصوصی اجتماع میں پیش کیا جائے، اس پر فیصلہ ابھی ہم لوگ نہیں کریں گے۔

☆☆☆☆☆

تجاویز:

اسلامی مالیاتی ادارہ اور کمپنیز کے شیئرز

مجمع الفقہ الاسلامی (الہند) کے چھٹے فقہی سمینار میں بینکنگ اور شیئرز سے متعلق بھی کچھ مسائل زیر بحث آئے، اور بحث کے نتیجے میں درج ذیل اتفاقی نقطے سامنے آئے:

۱۔ اسلامی مالیاتی ادارہ کو ریزرو بینک کے حکم کی وجہ سے جبراً اپنے سرمایے کا پانچ فیصد حصہ سرکاری تمسکات میں محفوظ کرنا پڑتا ہے، اس پر حکومت سود بھی دیتی ہے، تو شرکاء سمینار کے نزدیک یہ صورت درست ہے کہ اس محفوظ سرمایہ پر ملنے والے سود کو بتدریج محفوظ سرمایہ بنا دیا جائے، اور اصل سرمایہ دھیرے دھیرے نکال لیا جائے۔(۱)

۲۔ ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حلال ہے اسلامی مالیاتی ادارہ یا کوئی بھی مسلمان ان کے شیئرز خرید سکتا ہے۔

۳۔ ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حرام ہے، ان کے شیئرز کی خریداری ہرگز جائز نہیں ہے۔

۴۔ بینکنگ و شیئرز کے دوسرے بہت سے مسائل جو کہ سمینار میں پیش کئے گئے، ان کے متعلق یہ سمینار مجمع الفقہ الاسلامی الہند کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ وہ ان مسائل کی پورے طور پر تحقیق و تنقیح کے لئے ماہرین وعلماء کا ایک خصوصی اجلاس منعقد کرے، تاکہ وہ غور وخوض کے بعد کسی آخری رائے تک پہنچ سکیں۔

۱۔ چھٹے فقہی سمینار میں اسلامی مالیاتی ادارہ اور کمپنیز سے متعلق جو سوالات پیش کئے گئے، جو گذشتہ صفحات میں مذکور ہو چکے ہیں، ان کے علاوہ اسلامی بنکنگ سے متعلق بھی پندرہ سوالات پر مشتمل ایک مفصل سوالنامہ کے نکات زیر غور آئے تھے، یہ فیصلہ اسی سوالنامہ کے سوال نمبر ۳ سے متعلق ہے، دیگر سوالات پر فیصلے طے نہیں پا سکے تھے۔

تیسرا موضوع:

مرابحہ سے متعلق ایک سوال

مرابحہ سے متعلق ایک سوال

ایک شخص روئی کی تجارت کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس روئی خریدنے کے لئے رقم نہیں ہے، وہ رقم حاصل کرنے کے لئے کسی اسلامی بینک سے رجوع کرتا ہے۔ اسلامی بینک ملکی قانون کے تحت تجارت نہیں کرسکتا، وہ ملک کے مرکزی بینک کے ذریعہ طے شدہ شرح سود پر صرف قرض دے سکتا ہے۔ لہٰذا اسلامی بینک اس شخص کے سامنے یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ بینک زبانی طور پر اسے مرابحہ کے تحت ایک کوئنٹل روئی پر، جس کی بازاری قیمت ۲۰۰۰/روپے ہے، اپنا منافع (مرکزی بینک کے ذریعہ طے شدہ شرح سود کے عین مطابق) ۴۰/روپئے کا اضافہ کرکے دو ماہ کے لئے ادھار فروخت کرے گا۔ لیکن ملکی قانون کی پابندی کی مجبوری کے تحت بینک تحریر میں قیمت فروخت کو دو حصوں ۲۰۰۰/روپے اور ۴۰/روپئے میں تقسیم کرکے بالترتیب دو ماہ کے لئے رقم قرض اور اس پر واجب سود کی شکل میں ظاہر کرے گا۔

کیا ملکی قانون کی پابندی کی مجبوری کے تحت مرابحہ کے معاملہ کو قرض کے معاملے کی شکل میں تحریری طور سے ظاہر کرنا جائز ہوگا؟

جوابات:

اگر یہ شخص واقعی روئی ہی کی تجارت کرنے پر اور سودی قرض لے کر یہ تجارت کرنے پر مجبور ہے اور غیر سودی قرض نہیں مل رہا ہے تو "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (الاشباہ والنظائر) کے شرعی ضابطہ کے تحت حکومت کے مرکزی بینک سے یہ معاملہ کرسکتا ہے، پھر اس کے باوجود اسلامی بینک سے کیوں رجوع کرتا ہے، اور پھر اسلامی بینک بھی واجب سود کی شکل میں ظاہر کرے گا، لہٰذا پہلے اس تنقیح کی شرعی وجہ وحکم شرعی معلوم کرنے کے لئے واضح کرنا ضروری ہے، بغیر اس کے حکم شرعی منقح نہ ہوگا۔

مفتی نظام الدین دارالعلوم دیوبند۔

مرابحہ کی جو شکل پیش کی گئی ہے وہ سودخوری کے لئے حیلہ ہے، اس لئے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

شمس پیرزادہ، ممبئی

اسلامی بینک ملکی قانون کے تحت تجارت کرنے کا مجاز نہ ہونے کی وجہ سے مرابحہ کے معاملہ کو قرض کی صورت میں ظاہر کرسکتا ہے بشرطیکہ اسلامی بینک روپیہ قرض نہ دے بلکہ تجارتی سامان خرید کر تجارت کرنے والے کے ہاتھ مرابحۃً فروخت کرے۔

محفوظ الرحمٰن، جامعہ مفتاح العلوم مئو

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک بعید سی تاویل وتوجیہ کرکے اس شکل کے جواز کی گنجائش نظر آتی ہے۔ واللہ اعلم

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

احقر کے نزدیک یہ جائز صورت ہے، شریعت نے حقیقت واقعہ کا اعتبار کیا ہے نہ کہ اس کا جو خلاف واقعہ تحریر میں آگیا ہو۔

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں فتاوی مہدویہ تکملہ ردالمحتار (۴۵۹/۲) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "العبرة لما فی الواقع لا بما کتب خلاف ذلک" (۲۷۵/۶.۵)۔

جب حقیقۃً سودی معاملہ نہیں کیا گیا تو محض قانونی مجبوری سے رقم کو تقسیم کر کے قرض اور سود دکھلانا، ناجائز نہیں بنائے گا۔

مرابحہ، نقد اور ادھار دونوں طرح جائز ہے، البتہ ادھار کی صورت میں عام طور پر نفع اور بڑھ جاتا ہے۔

ألا یری انه یزاد فی الثمن لأجل الأجل (ہدایہ ۷۴/۳، باب المرابحۃ والتولیۃ)۔

اس معاملہ کی حقیقت شرعیہ صرف یہ ہے کہ اسلامی بینک نے روئی کے خریدار شخص کو ایک کوئنٹل روئی اپنا نفع رکھ کر اور بتا کر ادھار فروخت کی، یہ بلاشک وشبہ جائز ہے، بینک قانونی دشواریوں سے بچنے کے لئے اپنے رجسٹر پر اس کا اندراج خواہ سود ہی کی صورت میں کرے، وہ سود نہیں ہوگا۔

مفتی جمیل احمد نذیری، مبارکپور

☆☆☆☆☆

چند فقہی معاشی اصطلاحات

ترتیب : مفتی احمد نادر القاسمی

اثمان خلقیة:

(قدرتی کرنسی جو پیدائشی طور پر قابل تبادلہ ثمن اور کرنسی ہو) جیسے سونا اور چاندی، اس کو ثمن خلقی کہا جاتا ہے، لوگ اس کے ذریعہ تبادلہ چھوڑ دیں تب بھی اس کی حیثیت اور ثمنیت ہمیشہ کرنسی کی ہی رہے گی۔

اثمان عرفية:

(جو طے کردہ نوٹ اور کرنسی) جیسے سکہ اور کاغذی روپیہ، ڈالر، ریال، یہ وہ کرنسیاں اور ثمن ہیں جو لوگوں کی اصطلاح اور عرف پر مبنی ہیں اور جنہیں لوگوں نے اپنے طور پر قابل تبادلہ ثمن کے مساوی مانا ہے، اسے ثمن عرفی بھی کہا جاتا ہے اور ثمن غیر خلقی بھی۔

اجارة:

(کرایہ داری) کسی چیز کی معلوم منفعت کو طے شدہ رقم یا کسی اور چیز کے بدلہ فروخت کرنا، جیسے مکان، جانور، گاڑی وغیرہ اس کی متعین منفعت کو فروخت کرنا، یا اسے دوسرے کے حوالہ کر کے اس کی اجرت لینا اجارہ کہلاتا ہے۔

إجارة المنافع:

اس کو عربی میں ''التأجير التشغيلي'' بھی کہتے ہیں، کسی چیز کی منفعت فروخت کرنا، یا کسی چیز کو طے شدہ رقم کے عوض کرایہ پر لگا کر اس کا کرایہ وصول کرنا، ''اجارۃ المنافع'' کہلاتا ہے اور اسی کو ''بیع المنفعۃ'' بھی کہا جاتا ہے۔

الأجر:

کام کی مزدوری کو ''الأجر'' یا ''الأجرۃ'' کہتے ہیں۔

أجر المثل:

کسی کام کی مناسب اجرت جو اس فن کے ماہرین طے کریں اسے ''أجر المثل'' کہتے ہیں۔

الاجير الخاص:

شخص جو ایک ہی آدمی کا ایک معلوم مدت تک کام کرتا ہو، اسے اجیر خاص کہتے ہیں۔

الأجير المشترك:

وہ شخص جو کسی متعین شخص کے لئے کام نہ کرتا ہو بلکہ جس کا وہ اجیر ہے اس کا بھی اور دوسرے کا بھی کام کرتا ہو تو وہ اجیر مشترک کہلاتا ہے، جیسے ڈاکٹر، الیکٹریشین، پینٹر وغیرہ۔

الاحتكار:

(کسی چیز کو روکنا)، اصطلاح فقہاء میں ایسے وقت میں محض زیادہ سے زیادہ قیمت میں فروخت کرنے کی

غرض سے اپنے سامان کو روکنا اور اسٹاک کرنا، جس وقت لوگوں کو اس کی سخت ضرورت ہو، ''احتکار'' کہلاتا ہے۔

اموال ربوية:

وہ اموال جن کی خرید وفروخت برابر برابر تو جائز ہو، البتہ کمی اور بیشی کے ساتھ جائز نہیں، انہیں اموال ربویہ کہتے ہیں، جیسے سونا، چاندی، نمک، گندم، جو اور کھجور وغیرہ۔

بائع:

بیچنے والا (فروخت کنندہ)

بدل الخلو:

(پگڑی) مکان یا دوکان خالی کرنے کے عوض جو رقم مالک مکان یا دکان سے لی جاتی ہے اسے ''بدل الخلو'' کہتے ہیں۔

بيع الاستجرار:

دکاندار سے اپنی ضرورت کے مطابق چیزیں لیتے رہنا، اور ماہ بماہ، یا کوئی متعین مدت کے مطابق بعد میں اس کی قیمت ادا کرنا، فقہ میں ''استجرار'' کہلاتا ہے۔

بيع اشراك:

مبیع کے بعض حصہ کو اتنی ہی مقدار کے ثمن کے عوض فروخت کرنا، یہ بیع تولیہ ہی کی طرح ہے، فرق صرف یہ ہے کہ تولیہ میں پورے سامان کو بغیر نفع کے فروخت کیا جاتا ہے اور اشراک میں بعض حصہ کو فروخت کیا جاتا ہے۔ فقہاء اس کی تعبیر یوں کرتے ہیں: ''بيع بعض المبيع ببعض الثمن''

بيع بالتقسيط:

خرید وفروخت کا وہ طریقہ جس میں خرید وفروخت کا معاملہ ایک ساتھ ہی طے ہو جاتا ہے، اور قیمت بھی طے ہو جاتی ہے اور سامان کی حوالگی بھی اسی وقت ہو جاتی ہے، البتہ قیمت کی ادائیگی قسط وار ہوتی ہے، اسے ''بیع بالتقسیط'' کہتے ہیں۔

بيع بالحصاة:

پتھر یا مٹی کے ڈھیلے پھینک کر بیع کرنے کو ''بیع بالحصاۃ'' کہتے ہیں، اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ خریدار کوئی کپڑا یا پتھر اٹھا کر سامان پر پھینکتا ہے جس سامان پر وہ کپڑا یا پتھر پڑ جائے وہ خریدار کی ملک ہو جاتا ہے اور بغیر کسی غور وفکر اور اختیار کے وہ بیع مکمل ہو جاتی ہے اور خریدار کو سامان کی قیمت ادا کرنی لازم ہوتی ہے، یہ بیع زمانہ جاہلیت میں رائج تھی۔

بيع بالوفاء:

وفاء، غدر کی ضد ہے، فقہاء کی اصطلاح میں ''بیع بالوفاء'' وہ بیع ہے جس میں بیچنے والا یہ شرط لگائے کہ جب وہ قیمت واپس کردے گا تو خریدار بھی سامان اس کے حوالہ کردے گا۔

بیع تعاطی:

بغیر ایجاب وقبول کے الفاظ کہے ہوئے، یا صرف ایجاب، یا صرف قبول کے لفظ کے ذریعہ خرید وفروخت کا معاملہ مکمل ہوجائے، بائع چپ چاپ قیمت ادا کردے، مشتری مبیع حوالہ کردے اور ثمن قبول کرلے، صرف ظاہری نقل وحرکت اور دلالت حال سے خرید وفروخت مکمل ہوجائے اور جانبین سے قیمت وسامان کا تبادلہ ہوجائے، یہ بیع فقہاء کی اصطلاح میں ''معاطاۃ'' یا ''تعاطی'' کہلاتی ہے۔

بیع التلجئة:

بیچنے والا اور خریدار دونوں خرید وفروخت کے معاملہ کا اظہار کریں مگر باطنی طور پر اسے بیچنا نہ چاہتے ہوں، صرف ظاہری طور پر اس طرح معاملہ کریں کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ سامان بک چکا ہے، یا بک رہا ہے اور دوسرا آدمی اسے لینے کی کوشش نہ کرے اسے ''بیع التلجئۃ'' کہتے ہیں۔

بیع تولية:

کوئی سامان جتنی قیمت میں خریدا جائے بغیر قیمت کی کمی وزیادتی کے اتنی ہی قیمت پر فروخت کردیا جائے اس کو ''بیع تولیہ'' کہتے ہیں۔

بیع الجنین و الملاقیح:

جانور کے حمل کی بیع، بالفاظ دیگر جانور کے پیٹ میں موجود بچے کی پیدائش سے پہلے خرید وفروخت کو ''بیع الملاقیح'' اور ''بیع الجنین'' کہتے ہیں۔

بیع الحاضر للبادی:

شہر کے باہر سے بیچنے کی غرض سے سامان لے کر آنے والے کے سامان کو کسی شہری کا یہ کہہ کر اپنے پاس رکوالینا کہ جب قیمت بڑھے گی تب اسے فروخت کریں گے، ''بیع الحاضر للبادی'' کہلاتا ہے۔

بیع حبل الحبلة:

حمل کے حمل کی بیع، اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ دو شخص آپس میں بیع اس طرح کریں کہ بائع کہے کہ اس اونٹنی کو جو حمل ہے، جب وہ جنے گی اور جو بچہ ہوگا (مادہ) اس کا جو حمل ہوگا میں اس کو بیچتا ہوں، خریدار اسے قبول کرتا ہے اور اتنے دن انتظار کرتا ہے جب تک وہ بچہ پیدا ہوا اور پھر اس بچے کو بچہ ہو، اسے ''بیع حبل الحبلۃ'' کہتے ہیں۔ یہ بیع بھی جاہلیت میں ہوتی تھی۔

بیع الحقوق:

حقوق دو طرح کے ہوتے ہیں: حقوق مجردہ، اور حقوق غیر مجردہ۔ وہ حقوق جو غیر حسی ہوں اور دیکھنے اور چھونے کے ذریعہ ان کا ادراک نہ ہو، اسے حقوق مجردہ کہتے ہیں، جیسے حق مشورہ، حق تالیف، حق طباعت وغیرہ۔

وہ حقوق جو حسی ہوں اور وہ اپنا مادی وجود رکھتے ہوں انہیں حقوق غیر مجردہ کہتے ہیں، جیسے حق مرور، حق

قصاص جو قاتل کی ذات میں ثابت و متعین ہے۔ اسی طرح حقوق کے بہت سے شعبے ہیں، مثلاً حق حضانت، حق شفعہ، حق زواج، حق ایجاد، حق طباعت، ٹریڈ مارکس وغیرہ ان کی خرید و فروخت کو بیع حقوق کہتے ہیں۔

بیع سلم:

بیع کی وہ صورت جس میں قیمت پہلے لے لی یا دے دی جاتی ہے اور مبیع (سامان) بعد میں ایک متعین مدت کے اندر خریدار کے حوالہ کیا جاتا ہے، اسے "بیع سلم" کہتے ہیں، زیادہ تر یہ بیع اناج اور غلے میں ہوتی ہے۔ قیمت پہلے ادا کر دی جاتی اور غلہ فصل کٹنے کے بعد ادا ہوتا ہے۔

بیع صَرف:

سونے کی سونے یا سونے کی چاندی سے یا اس کے برعکس سے خرید و فروخت کو "بیع الصرف" کہتے ہیں، دوسرے الفاظ میں اثمان خلقیہ کی آپس میں بیع یا ایک ملک کی کرنسی کی دوسرے ملک کی کرنسی سے تبادلہ اور خرید و فروخت کو "بیع صَرف" کہا جاتا ہے۔

بیع عرایا:

درخت پر خوشوں میں موجود کھجور، خوشوں سے الگ کئے ہوئے کھجور کے ساتھ خرید و فروخت کو "بیع العرایا" کہتے ہیں۔

بیع عربون:

لغت میں عربون اعراب سے ماخوذ ہے، خرید و فروخت میں اعراب کی شکل یہ ہوتی ہے کہ خریدار اور بیچنے والے میں سے کوئی ایک کہتا ہے کہ اگر یہ بیع نہیں ہوئی اور میں نے سامان اپنے پاس نہیں رکھا تو اس میں سے اتنی رقم تمہاری ہے۔

اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ خریدار بیچنے والے سے سامان لے لیتا ہے، اور کچھ پیسے بھی دیتا ہے (جسے بیعانہ کہتے ہیں) اور یہ کہتا ہے کہ اگر میں سامان لے لوں اور اپنے پاس رکھ لوں تو اس پیسے کو اس کی قیمت میں شمار کر لینا اور نہیں تو یہ رقم بھی تمہاری اور سامان بھی واپس۔

بیع العقار:

زمین اور پراپرٹی کی خرید و فروخت "بیع الأرض" یا "بیع العقار" کہلاتی ہے۔

بیع الکالی بالکالی:

خرید و فروخت کا وہ معاملہ جس میں سامان بھی ادھار ہو اور قیمت بھی ادھار، اس کو "بیع الکالی بالکالی" اور "بیع الدین بالدین" اور "بیع النسیئہ بالنسیئہ" بھی کہتے ہیں۔

بیع مالم یقبض:

ایسے سامان کی فروختگی، جو اب تک قبضہ میں نہ آیا ہو، خریداری اگرچہ ہوگئی ہو، اسے "بیع مالم یقبض" کہتے ہیں۔

بیع محاقلة:

خوشوں میں موجود کھجور یا بالی میں موجود گندم، جو اور چنے وغیرہ کی، تیار کھجور، گندم اور جو کے ساتھ برابر سرابر خرید و فروخت کرنے کو ''بیع المحاقلہ'' کہتے ہیں۔

بیع المخاضرة:

درخت پر پھل آنے یا پھلوں کے استعمال کے لائق ہونے سے پہلے باغات کی بیع کو ''بیع المخاضرۃ'' یا ''بیع الثمر قبل بدو صلاحہ'' کہتے ہیں۔

بیع مرابحة:

جتنی قیمت میں سامان خریدا تھا اس پر متعینہ نفع کے اضافہ کے ساتھ دوسرے کے ہاتھ اس سامان کے فروخت کرنے کو ''مرابحہ'' کہتے ہیں۔

بیع مزابنة:

درخت پر خوشوں میں لگے کھجور کو توڑی ہوئی سے الگ کھجور کے ساتھ کیل یا انداز سے بیع کرنے کو ''بیع مزابنہ'' کہتے ہیں۔

بیع المزایدة:

اس کے معنی زیادہ کرنے کے ہیں۔ فقہاء کے یہاں بازار میں سامان رکھ کر خریداروں کو جمع کرنا اور جو ان میں زیادہ قیمت لگائے اس کے ہاتھ سامان فروخت کرنا ''بیع المزایدۃ'' کہلاتا ہے۔

بیع مساومة:

خرید و فروخت کا وہ طریقہ جس میں سامان کی اصل قیمت ظاہر کئے بغیر سامان فروخت کیا جائے۔

بیع مسترسل:

کسی شخص سے یہ کہنا کہ یہ سامان آپ اتنی ہی قیمت میں مجھے دیدیجئے جتنی اس وقت اس کی قیمت بازار میں ہے، یا جتنی قیمت میں اور لوگ فروخت کر رہے ہیں، اسے بیع مسترسل کہتے ہیں۔

بیع المصراة:

جانور کے تھن میں ایک دو دن تک دودھ چھوڑ دینا اور نہ نکالنا تا کہ تھن دیکھنے میں بڑا اور جانور زیادہ دودھ دینے والا معلوم ہو اسے ''تصریہ''، اور تھن میں دودھ چھوڑ کر جانور فروخت کرنا ''بیع المصراۃ'' کہلاتا ہے۔

بیع المضامین:

وہ نر جانور جس سے مادہ جانوروں کے حاملہ ہونے کے لئے جفتی کا کام لیا جاتا ہے، اس کے پٹھوں میں موجود صلب کی بیع یا جفتی کی بیع کو ''بیع المضامین'' کہتے ہیں۔

بيع مقايضة:

سامان کی بیع سامان کے ذریعہ یعنی ایک قسم کا سامان مبیع ہو، دوسرے قسم کا ثمن، یا سامان کا سامان سے تبادلہ "بیع مقایضہ" کہلاتا ہے۔

بيع ملامسة:

اس کی شکل یہ ہے کہ بائع اور مشتری ایک دوسرے کے کپڑے بغیر کسی غور وفکر کے چھوتے ہیں اور بیع ہو جاتی ہے، یا یہ کہ بائع یا مشتری ایک دوسرے سے کہے کہ میں جب تیرے کپڑے چھودوں تو بیع ہو جائے گی۔

بيع منابذة:

اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بیچنے والا اور خریدار اپنے اپنے رومال یا کوئی کپڑا ایک دوسرے کی طرف پھینکتے ہیں اور دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے کپڑے کی طرف نہیں دیکھتے، اور بیع مکمل ہو جاتی ہے، اسے "منابذہ" کہا جاتا ہے۔

بيع نقود:

نقود، اثمان، یا کرنسی کی آپس میں خرید وفروخت کو "بیع نقود" کہتے ہیں۔

بيع وضيعة:

جتنی قیمت کا سامان خریدا گیا تھا اس سے کم قیمت پر فروخت کرنے کو "بیع وضیعہ" کہتے ہیں۔

التأمين التجاری:

کاروباری انشورنس، بحری یا بری ٹرانسپورٹ کے ذریعہ سامان پارسل کرتے وقت یا اس سے پہلے سامان کے ہلاک ہونے، برباد اور غرقاب وغیرہ ہونے کے خوف سے جو سامان کا انشورنس ہوتا ہے، یا کمپنی یا فرم وغیرہ کے قیام کے وقت جو انشورنس ہوتا ہے، اسے "التامین التجاری" کہتے ہیں۔

ثمن:

بیچنے والے اور خریدار کے درمیان کسی سامان کی طے شدہ قیمت

حوالة:

کسی چیز کو منتقل کرنے کو کہتے ہیں، فقہاء کی اصطلاح میں قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری کسی دوسرے شخص کی جانب منتقل کرنے کو "حوالہ" کہا جاتا ہے۔ اس کے بھی چار اجزاء ہیں: "محیل" قرض لینے والا، "محتال" قرض دینے والا، "محتال علیہ" قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کرنے والا، یا جس کی جانب یہ ذمہ داری منتقل ہوئی ہے، "محتال بہ" اصل دَین، یا قرضہ جو "حوالہ" کے معاملہ کا باعث ہوتا ہے۔

رأس المال:

اصل سرمایہ (تجارت وغیرہ میں جتنا مال لگا ہوتا ہے) رأس المال کہلاتا ہے۔

ربا:

اس کے معنی زیادتی کے ہیں (سود)۔

ربا استثماری:

ربا استثماری کو ربا انتاجی بھی کہتے ہیں، سرمایہ کاری اور تجارت کی غرض سے جو سودی قرض بینک یا دیگر مالیاتی ادارے سے لئے جاتے ہیں اسے ربا استثماری یا ربا انتاجی کہتے ہیں۔

ربا استھلاکی :

اپنی ذاتی یا گھریلو ضروریات وغیرہ کی وجہ سے جو سودی قرضے لئے جاتے ہیں اسے ربا استھلاکی کہتے ہیں۔

ربا الفضل:

وہ اشیاء جن کو شریعت نے ربوی قرار دیا ہے (مثلاً سونا، چاندی، گندم، جو، نمک اور کھجور) ان کی آپس میں خرید و فروخت میں جو زیادتی ہوگی وہ ربا الفضل ہے، اس لئے کہ ان اشیاء کی بیع صرف برابر سرابر جائز ہے۔

ربا النسیئة:

قرض اور دَین جتنے دن ادھار ہو اس حساب سے دَین اور قرض کی رقم سے زیادہ لینا ربا النسیئہ کہلاتا ہے، یا یوں کہیئے کہ جتنے دن قرض ادھار رہے گا اتنی مدت جوڑ کر متعین شرح سے قرض دینے والے کا مقروض سے دَین پر رقم لینا ربا النسیئہ کہلاتا ہے۔

رھن:

کسی چیز کو کسی سبب سے روک لینا ''رہن'' کہلاتا ہے، یا کسی چیز کو ایسے حق کے عوض گروی رکھنا، جس حق کی کلی یا جزوی طور پر اس کے ذریعہ وصولی ممکن اور یقینی ہو فقہ کی اصطلاح میں ''رہن'' ہے، اس کے چار اجزاء ہوتے ہیں: ''راہن'' سامان گروی رکھنے والا، ''مرتہن'' جس کے پاس گروی رکھا جائے، یا گروی لینے والا، ''مرہون'' جو چیز رہن رکھی جارہی ہو، ''مرہون بہ'' یعنی قرض یا عوض جس کی وجہ سے رہن کا معاملہ ہوا ہے۔

سعر / تسعیر:

سامان کی متعین قیمت کو ''سعر'' کہتے ہیں اور ''تسعیر'' سامان کی قیمتوں کے متعین کرنے کو کہتے ہیں۔

شرکت:

شرکت کے معنی چند افراد کے کسی چیز میں شریک اور حصہ دار ہونے کے ہیں، یا دو یا اس سے زیادہ حصوں کا اس طرح مل جانا کہ آپس میں تمیز نہ ہو سکے، ''شرکت'' کہلاتا ہے۔

شرکت صنائع:

اس کو شرکت تقبل بھی کہتے ہیں، یعنی کسی کام میں باہم دو شخص کا شریک ہونا، جیسے دو بڑھئی، یا درزی اس

طرح شرکت کا معاہد کریں کہ وہ دونوں آدمی کام لیں اور کریں، اور جو آمدنی ہو وہ دونوں اس میں برابر کے شریک ہو ں، اس کو شرکت صنائع کہتے ہیں۔

شرکت عنان

عنان کے معنی کسی چیز سے منہ موڑنے اور پھیرنے کے ہیں، اور اصطلاح فقہ میں چند اشخاص کا اناج، یا دیگر چیزوں کی تجارت میں باہم شریک ہونا "شرکت عنان" ہے، اس کا انعقاد وکالت کے طریقہ پر ہوتا ہے۔

شرکت مفاوضہ:

مفاوضہ کے معنی برابری اور مساوات کے ہیں۔ یعنی دو یا اس سے زائد افراد کا باہم کسی چیز میں شریک ہونا، اور تمام افراد کا مال تصرف اور دَین میں برابر کا حقدار ہونا "مفاوضہ" کہلاتا ہے۔

شرکت وجوہ:

دو شخص باہم خرید وفروخت میں شرکت کا معاملہ کریں اور کسی کا مال اس میں نہ لگا ہو بلکہ دونوں اپنے اپنے طور پر اپنی شخصیت، امانت اور شہرت وغیرہ کے بل بوتے پر سامان لائیں اور فروخت کریں، اور منافع میں دونوں شریک ہوں۔

عقد:

عقد کے معنی جوڑنے اور کسی چیز کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھنے کے ہیں، بیچنے والے اور خریدار کے درمیان خرید وفروخت کے وقت طے پانے والے معاملہ، معاہدہ کو اسی مناسبت سے عقد کہتے ہیں، جیسے عقد بیع، (بیع کا معاملہ)، اسی طرح عقد نکاح وغیرہ، اسی سے "عاقد" آتا ہے یعنی معاملہ کرنے والا۔

عقد استصناع:

(کسی سے سامان بنوانے کا معاملہ کرنا) اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ کسی خاص سامان تیار کرنے والے سے خاص چیز مثلاً لوہار، ویلڈر وغیرہ سے یہ کہنا کہ آپ فلاں سامان تیار کر کے ہمیں دیں، جو اس کی قیمت ہوگی میں دوں گا، یا اتنا پیسہ آپ کو دوں گا فلاں سامان بنا کر ہمیں آپ دیں، اور دونوں اس پر راضی ہوجائیں اسے "عقد الاستصناع" کہتے ہیں۔

الغرر:

وہ جس کا وجود اور عدم دونوں مشتبہ ہو، یعنی اس طرح کہ وہ چیز ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی ہوسکتی ہے، اس کو "غرر" کہتے ہیں۔

کفالۃ:

کسی مطالبہ (Claim) کے معاملہ میں ایک شخص کی ذمہ داری کے ساتھ کسی اور شخص کی ذمہ داری کو ملا دینا "کفالہ" کہلاتا ہے، یہ مطالبہ عام ہے کسی بھی چیز کا ہوسکتا ہے، "ضمانت" کفالہ کے ہم معنی ہے۔

مال خبیث:

ناجائز ذرائع سے کمایا، یا حاصل کیا گیا مال حرام، مال خبیث کہلاتا ہے۔

مال طیب:

حلال طریقے سے کمایا، یا ملا ہوا حلال مال، مال طیب ہے۔

مبیع:

جو چیز بیچی جارہی ہے (سامان)

مجازفة:

اندازے اور اٹکل سے سامان فروخت کرنا۔

مزارعة:

کاشتکاری، اور کھیتی میں بٹائی کے معاملہ کو یا بٹائی پر کھیت کسی کو دینے کو "مزارعة" کہتے ہیں، جس میں ایک شخص کا کھیت اور دوسرے شخص کی محنت، اور پیداوار میں دونوں شریک ہوتے ہیں، کبھی کبھی بیج محنت کش اور صاحب کھیت دونوں کی طرف سے ہوتی ہے، اور کبھی بیج اور محنت دونوں ایک ہی شخص کی طرف سے۔

مشتری:

خریدنے والا (خریدار)

مضاربت:

تجارت اور بزنس میں شرکت اور پارٹنرشپ کا وہ معاملہ جس میں ایک شخص کا پیسہ یا مال اور دوسرے شخص کی محنت ہو اور منافع میں دونوں شریک ہوں، اسے "مضاربت" کہتے ہیں۔

مکایلة:

کسی خاص قسم کے برتن سے ناپ کر سامان فروخت کرنا "مکایلہ" کہلاتا ہے، جیسے بالو، چونا اور پتھر کی چھوٹی چھوٹی کنکریاں کنستر وغیرہ سے ناپ کر فروخت ہوتے ہیں۔

وکیل:

وہ شخص جو کسی کام میں کسی دوسرے شخص کی طرف سے اس کے سپرد کردہ اختیارات کی بناء پر اس کی نیابت کرتا ہو، اور دوسرے کا کام کر رہا ہو۔

نوٹ: واضح رہے کہ مذکورہ بالا تمام فقہی اور معاشی اصطلاحات کی صرف تشریح کی گئی ہے، حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے فقہی کتابوں سے مراجعت کی جائے۔

☆☆☆☆☆

انگریزی اصطلاحات شیئرز و کمپنی

جمع وترتیب : صفدرزبیرندوی

یہ تمام اصطلاحات کو جمع کرنے میں "اسلام اور جدید معیشت و تجارت" از مفتی محمد تقی عثمانی، "شیئرز بازار میں سرمایہ کاری۔ موجودہ طریقۂ کار اور اسلامی نقطہ نظر" از ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی اور "شرح اصطلاحات بینکاری" از جناب احسان الحق صاحب، ان تینوں کتابوں سے خاص طور سے مدد لی گئی ہے۔

Above Per	جب کوئی شیئر قدرِ عرفی سے زیادہ قیمت پر بکنے لگے
Accounts Payable	واجب الادا قرضات
Accounts Receivable	واجب الوصول حسابات (رقم)
Active Shares	ایسے حصص جن کی خرید وفروخت کثیر تعداد میں ہوتی ہو
At Per Issue	برابری قیمت پر اجراء
Arbitrage	دو اسٹاک ایکسچینجوں میں قیمتوں کے فرق سے فائدہ اٹھانا
Application Money	درخواست کی رقم
Annual Report	سالانہ رپورٹ
Allotment	شیئرز کی تقسیم یا حصول شیئرز کی طلب ورسد
Allocation of Resources	وسائل کی تخصیص

Annual General Meeting	عام سالانہ اجتماع
Articles of Association	انتظامی ضوابط
Assets	اثاثے، املاک
Authorised Capital	منظورشدہ سرمایہ، تصریحی سرمایہ
Backwardation	اوندھا بدلہ
Badla Trading(Contango)	بدلہ تجارت
Bad Delivery	عیب دار تمسکات
Balance Sheet	تختہ توازن، کھاتہ، گوشوارۂ آمد وخرچ
Barter	سامان کے بدلے سامان کی بیع
Basket of Goods	نوٹ کے پیچھے سونے کے بجائے متفرق اشیاء کا مجموعہ (ثمن عرفی)
Beneficiary	فائدہ اٹھانے والا
Bear Market	قیمت کم ہوجائے تو اس شیئر مارکیٹ کو بیئر مارکیٹ کہتے ہیں
Bearer Share	نام غیر درج شدہ شیئر
Bear	بیئر (ریچھ)۔ قیمتیں نیچے لانے والا کاروباری شخص
Bill of Exchange	ہنڈی
Bid Option	خریداری کا حق
Board of Directors	مجلس منتظمہ
Bonds	تمسکات، قرض کی دستاویز
Bonus Shares	بلا قیمت حصص
Boom	ایسی حالت جس میں حصص کی قیمت نیچے چلی جائے

Book Value	کتابی قیمت
Brand	مارکہ
Break up Value	کمپنی تحلیل ہونے کے بعد ہر شیئر کے مقابلے میں کمپنی کے اثاثوں کا جو حصہ آئے
Broker	شیئر دلال
Brokerage	دلالی کی اجرت
Bull Market	کمپنی کے شیئر کی قیمت بڑھ جائے تو اس شیئر مارکیٹ کو بُل مارکیٹ کہتے ہیں
Bull	بل (سانڈ)۔ قیمتیں اوپر اٹھانے والا کاروباری شخص
Capital	سرمایہ
Capital Appreciation	افزودی سرمایہ
Call Option	اختیار بیع وشراء۔ فروخت کرنے کا حق
Capital Gain	قیمتوں کے بڑھنے کی وجہ سے جو نفع حاصل ہو
Capitalization	سرمایہ کی بنیاد
Capital Appreciation	سرمایہ کی قدر افزونی
Capital Market	سرمایہ بازار
Carry Forward	تقدیم
Cash	نقد
Certificate to commence the Business	
Certificates	سندات

Charter	اجازت نامہ
Clearing House	تصفیہ گھر
Closed End	در بند
Client	معاملہ دار
Commodities Market	وہ منڈی جہاں مال کی خرید و فروخت ہوتی ہے
Conatract Order	رقعہ معاہدہ
Collective Interest	اجتماعی مفاد
Collective Property	اجتماعی ملکیت
Commercial Company	تجارتی کمپنی
Commercial Insurance	تجارتی بیمہ
Company Act	کمپنی قوانین
Compensation	تعویض مالی
Consumption of Wealth	صَرف دولت
Contract	معاہدہ۔عقد
Convertible Bonds	قابل تبدیل سندات
Convertible Debentures	قابل تبدیل قرض تمسکات
Convertible Shares	قابل تبدیل حصص
Corporate Law Authority	کمپنیوں کی تشکیل کی اجازت دینے والا اور ان کو کنٹرول کرنے والا ادارہ
Corporate Stockes	اجتماعی تمسکات

Cost Push Inflation	جب افراطِ زر اشیاء کی تیاری کے مصارف میں اضافے کی وجہ سے ہو۔
Competitive Market	مقابلہ جاتی بازار
Creditor	قرض دینے والا
Current Assets	رواں اثاثے
Current Liabilities	رواں ذمہ داریاں
Daily Product Basis	روزانہ پیداوار پر مبنی حساب
Daily Margin	یومیہ حاشیہ
Debentures	قرض تمسکات، قرضے کے رہن کا وثیقہ
Debt Market	قرض بازار
Decreasing Partnership	شرکت متناقصہ
Deference	فرق
Deficit Financing	خساراتی تمویل
Deflation	تفریطِ زر
Demand Pull Inflation	جب افراطِ زر اشیاء کی طلب بڑھ جانے کی وجہ سے ہو
Deposits	امانتیں۔ ودائع
Determination of Priorities	ترجیحات کا تعین
Direct Expenses	براہ راست فروختگی
Discount	منہا
Discounter	بٹہ لگانے والا

Distributable Profit	قابل تقسیم منافع
Distribution of Wealth	تقسیم دولت
Distribution of income	آمدنی کی تقسیم
Dividend	منافع قابل تقسیم
Earning Per Share (EPS)	فی حصہ کمائی
Endorsement	کسی دستاویز کے پشت پر مہر تصدیق ثبت کرنا
Entrepreneur	آجر
Equilable Distribution	منصفانہ تقسیم
Equity Fund	مساوی فنڈ
Equity Shares	مساوی شیئرز (برابری کے حصص)
Equity Capital	شراکتی سرمایہ
Equity Participation	مساوی شرکت
Exchange	تبادلہ
Exchange of Wealth	مبادلہ دولت
Experts	ماہرین
Face Value, Par Value	متعین لکھی ہوئی قیمت
Factors of Production	عوامل پیداوار
Fictitious Person	فرضی شخص
Fiduciary Money	ایسے نوٹ جس کی پشت پر سو فیصد سونا نہ ہو
Finance Company	سرمایہ کار کمپنی

Financial Leas	اجارہ کی ایک قسم
Financing	سرمایہ فراہم کرنا
Financial Market	اسٹاک ایکسچینج، سرمایہ بازار
Financial Option	مالیاتی اختیار
Fixed Assets	جامد اثاثے
Fixed Deposit	میعادی جمع اسکیم
Floating Loans	رواں قرضے
Forwardation Charge,Contango	اجرت تقدیم
Foreign Loans	بیرونی قرضے
Forward Sale	غائب سودا
Forward Trading	بیع مستقبل
Foreign Investment Institution (FIIS)	سرمایہ کاری کے بیرونی ادارے
Free Competition	آزاد مقابلہ
Freely Floating Exchange Rage	کرنسی کے ریٹ کو کھلے بازار پر چھوڑ دیا جانا
Full Margin	اگر درآمد کنندہ لائف انشورنس کھلواتے وقت ہی پوری رقم ادا کر دیتا ہے تو کہتے ہیں کہ فل مارجن پر ایل سی کھلوائی گئی۔
Fully Convertible	مکمل طور پر نا قابل تبدیل
Fundamental Analysis	بنیادی تجزیہ
Future Sale	بیع مستقبلیات

Future Financial Market (F.F.M)	مالیاتی مستقبل بازار
Future Buying	مستقبل خریداری
Future Selling, Short Position	مستقبل فروخت
General Agreement on Tariff & Trade (GATT)	محصولات وتجارت کا معاہدہ عام
Global Deposit Receipts	عالمی جمع رسید
Gold Bullion Standard	جتنا سونا ہوا تنے ہی نوٹ جاری کیا جاتا
Gross Profit	اجمالی منافع
Gross Sales	مجموعی فروختگی
Group Insurance	اجتماعی انشورنس
Guarantee	ضمانت
Hedging	نقصان سے تحفظ
Income Statement	مالیاتی وضاحت
Index	اشاریہ
Insider Trading	داخلی تجارت
Inflation	افراط زر
Initial Issue	ابتدائی اجراء
Instruments	دستاویزات
Insurance	بیمہ

Intangible Assets	غیر مادی اثاثے
Interest	سود
Interest Bearing	سود بردار
Interest Bearing Instruments	سودی ذرائع
Internal Loans	داخلی قرضے
Investment	سرمایہ کاری
Investment Trust	سرمایہ کاری کے درمیانی ادارے
Investment Bank	سرمایہ کاری بینک
Investor	سرمایہ کار
Inactive Shares	ایسے حصص جن کا اندراج تو ہوتا ہے لیکن ان کی خرید و فروخت کبھی کبھار ہوتی ہے
Irredeemable	ناقابل انفکاک
Issue	اجراء
Issue House	اجراء جدید
Issue at a discount	منہائی پر اجراء
Issue at a premium	اضافی قیمت پر اجراء
Issue at par	برابری پر اجراء
Issued Capital	جاری کردہ سرمایہ
Islamic Financial Instruments	اسلامی مالیاتی ذرائع
Joint Stock Company	مشترکہ سرمایہ کمپنی

Leasing	اجارہ
Legal Person, Juristic Person, Juridical Person	شخص قانونی
Legal Tender	زر قانونی
Legal Entity	قانونی وجود
Lender of the Last Resort	آخری چارۂ کار کے طور پر قرض دینے والا
Lessee	مستاجر
Lessor	موجر
Letter of Credit	خط اعتماد
Liability	ذمہ داری
Life Insurance	جیون بیمہ
Limited Company	محدود ذمہ داری والی کمپنی
Limited Legal Tender	محدود زر قانونی
Limited Liability	محدود ذمہ داری
Limited Order	ایسا آرڈر جس میں قیمت مقرر کر کے آرڈر دیا جائے۔
Liquidity	نقد پذیری، سیالیت
Listed Companies	جن کمپنیوں کے شیئرز کی خرید و فروخت اسٹاک ایکسچینج میں ہوتی ہے۔
Listing	درج فہرست
Liquidator	تحلیل کنندہ

Loan	قرض
Long Term Capital Gain	طویل مدتی سرمایہ نفع
Long Term Credit	طویل المیعاد قرضے
Long Term Liabilities	طویل المیعاد ذمہ داریاں
Mandatory Order	وجوبی حکم
Mark up	نفع کی جو شرح طے کی جائے
Market Forces	بازار کی قوت
Market Order	ایسا آرڈر جس میں مارکیٹ ریٹ پر شیئرز خریدے جائیں
Market Value	بازاری قیمت
Mercantilism	سوداگری، ملک کی اقتصادی ترقی کے لئے سونا بڑھانا
Merchant Banker	درمیانی واسطہ
Monetary System	نظام زر (نقد)
Monopoly	اجارہ داری
Mortgage	رہن رکھنا
Multinational Company	کثیر قومی کمپنی
Mutual Fund	باہمی فنڈ
Mutual Insurance	باہمی انشورنس
Net Sales	صافی فروختگی
Net Asset Value	خالص قدر اثاثہ
New Issue	اجراء جدید

Net Worth	صافی مالیت
Non Voting Shares	غیر رائے دہی والے حصے
Non Specified Shares	غیر مخصوص حصص
Non Convertible Fund	مبہم جو سرمایہ کا فنڈ
Offer Price	پیش کش قیمت
Offer For Sale	فروخت کی پیش کش
On The Spot	حاضر یا فی الفور سودا
Open End	در کھلا
Operating Leas	اجارہ کی ایک قسم
Options	اختیارات خاص چیز کو خاص قیمت پر خرید و فروخت کا حق
Origination	بنیادی تیاری
Ordinary Share	معمولی شیئر
Over Head Expenses	روزمرہ کی تجارتی ضروریات کے لیے قرض لیا جانا
Over the Counter Transaction	جن شیئرز کا کاروبار اسٹاک ایکسچینج کے توسط کے بغیر ہوتا ہے
Paid up Capital	ادا شدہ سرمایہ۔ وہ سرمایہ جو شیئر جاری کر کے حاصل کیا جاتا ہے
Partnership	شرکت
Partly Convertale	جزوی طور پر قابل تبدیل
Payment	ادائیگی
Permenent Loans	مستقل قرضے

Port Folio	مختلف مالیاتی رقعہ جات (تمسکات) پر مشتمل سرمایہ کاری کا مجموعہ
Preference Shares	ترجیحی حصص
Premium	شیئر کی قیمت فروخت کا وہ حصہ جو اس کی قدر عرفی سے زائد ہو
Price Index	قیمتوں کا اشاریہ
Price Earning Ratio	قیمت اور کمائی کا تناسب
Price Bond	قیمت کی بندش
Primery Market	ابتدائی بازار
Private Property	ذاتی ملکیت
Private Proprietorship	شخصی کاروبار
Private Sector	نجی شعبہ
Privatization	نج کاری
Private Placement	ذاتی بالواسطہ فروخت
Procedure	کارروائی
Produced Factor of Production	پیدا کردہ عامل پیدائش
Production of Wealth	پیدائش دولت
Profit	نفع
Profit Motive	ذاتی منافع کا محرک
Promoters	ترقی دینے والے (بانی)
Prospectus	کیفیت نما

Promissory Note	معاہداتی دستاویز
Public Company	عوامی کمپنی
Public Issue	اجراء عام،عوامی اجراء
Public Limited Company	محدود ذمہ داری والی عوامی کمپنی
Public Sector	سرکاری شعبہ
Put Option	اختیار بیع
Quality	نوعیت
Quantity	کمیت
Quotation	قیمت کا اظہار
Quick Assets	آسانی کے ساتھ نقد روپے میں تبدیل ہونے والے اثاثے
Quoted Share	وہ حصص جو باضابطہ طور پر فہرست میں درج ہوں اوران کی قیمت بھی شائع ہوئی ہو
Ratification	قیمت متعین کرنا
Real Value	حقیقی قیمت
Receivable	واجب الوصول
Receiver	تقسیم کنندہ
Redeemable	قابل انفکاک
Refund	رقم کی واپسی
Registered Share	نام درج شدہ شیئر
Rent	کرایہ،لگان

جدید فقہی مباحث

شیئرز اور کمپنی

ترتیب

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی مدظلہ

اس کتاب میں اسٹاک ایکسچینج کے کاروبار، شیئرز کی شرعی حیثیت، اور شیئرز کی خرید وفروخت، شیئرز و حصص کے شرعی احکام، اور کمپنی کے حصص میں سرمایہ کاری کے تعارف اور طریقۂ کار نیز شیئرز کی خرید وفروخت سے حاصل شدہ منافع کی شرعی حیثیت جیسے نازک مسائل پر اہم تحقیقات شامل ہیں۔ آخر میں عربی اور انگریزی زبان میں مروج جدید معاشی اصطلاحات کی اردو میں تشریح پیش کی گئی ہے۔

تاثرات
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی
مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی
شیخ الاسلام حضرت مولانا جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

جلد۔ ١٦

ناشر:

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

گلشن اقبال کراچی فون: 34965877

مجمع الفقہ الاسلامی (الہند) Islamic Fiqh Academy (India)

اجازت نامہ سلسلۂ مطبوعات اسلامی فقہ اکیڈمی

محترمی نعیم اشرف نور، فہیم اشرف نور سلمہم اللہ تعالیٰ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعائے عافیت دارین۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی دینی وعلمی خدمات کو قبول فرمائے اور دینی ودنیاوی ترقیات سے نوازیں، آمین۔ اسلامی فقہ اکیڈمی کی جملہ مطبوعات کی پاکستان میں اشاعت وطباعت وتقسیم کے لیے آپ کے ادارے ''ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ'' کو اجازت دی جاتی ہے، اور پاکستان میں یہ حق صرف آپ کے ادارے کو حاصل رہے گا۔ تمام پرسان احوال کو میرا سلام پہنچا دیں۔

والسلام مجاہد الاسلام قاسمی

صدر اسلامی فقہ اکیڈمی

باہتمام .... نعیم اشرف نور

ناشر .... ادارۃ القرآن گلشن اقبال

کراچی، فون: 021-34965877

اشاعت ۲۰۰۹ء

ڈسٹری بیوٹرز

☆مکتبۃ القرآن، بنوری ٹاؤن کراچی 021-34856701

مرکز القرآن اردو بازار کراچی 021-32624608

ملنے کے پتے

☆دار الاشاعت اردو بازار کراچی 021-32631861

☆بیت القرآن اردو بازار کراچی 021-32630744

☆ادارۃ المعارف دار العلوم کورنگی 021-35032020

☆مکتبہ معارف القرآن دار العلوم 021-35031565-6

☆ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ H-8/1 اسلام آباد

☆ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور 042-37353255

☆بیت العلوم نابھہ روڈ پرانی انارکلی لاہور 042-37352483

☆مکتبہ رحمانیہ لاہور 042-37334228

☆مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ 2668657

چند تاثرات برائے اسلامی فقہ اکیڈمی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

''اسلامک فقہ اکیڈمی ہند'' ایک ایسا ادارہ اور تنظیم ہے جس پر ہندوستانی مسلمانوں ...... بالخصوص علماء اور دینی غیرت وفکر رکھنے والے ہندوستانی مسلمانوں کو فخر اور فخر سے زیادہ خدا کا شکر کرنے کا حق حاصل ہے، یہ ایک خالص تعمیری وفکری، علمی اور فقہی تنظیم اور اجتماعیت ہے جس میں ملک کے ممتاز، صحیح العقیدہ وصحیح الفکر اور وسیع العلم علماء اور کارکن شامل ہیں''۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی

صدر دارالعلوم کراچی

''مجھے بے انتہا مسرت بھی ہے اور کسی قدر حسرت بھی، مسرت اس بات کی کہ ہندوستان کے علماء کرام نے وہ عظیم الشان کام شروع کیا ہے جس کی پورے عالم کو اور اقلیت والے ملکوں کو شدید ضرورت ہے۔ اور حسرت یہ ہے کہ ہم پاکستان میں ہونے کے باوجود منظم اور بڑے پیمانہ پر یہ کام شروع نہیں کر سکے...... فقہ اکیڈمی نے بڑا اہم قدم اٹھایا ہے، مدت سے اس کا انتظار تھا''۔

چند تاثرات

شیخ الاسلام جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

نائب رئیس مجمع الفقہ الاسلامی جدہ

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی دامت برکاتہم سے میرا غائبانہ تعارف ایک طویل مدت سے ہے۔ لیکن میں ان کو ایک فقیہ ایک عالم کی حیثیت سے جانتا تھا، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایک مخفی جوہر، مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا بھی ودیعت کر رکھا ہے۔ آج اس محفل میں شرکت کرنے کے بعد ہندوستان کے علماء اور علم و فضل کے پیکر حضرات سے ملاقات کر کے اس بات کا اندازہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے اس اکیڈمی کو قائم کر کے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کے اس کارنامے کو قبول فرمائے اور اس کے اغراض و مقاصد کو اپنی رضا کے مطابق پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس موقع پر اس اکیڈمی کے اغراض و مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اس اکیڈمی کا قیام جناب نبی کریم ﷺ کے ایک ارشاد کی تعمیل ہے۔ وہ ارشاد معجم طبرانی میں ایک روایت ہے جسے علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ!

"اذا جاء نا امر ليس فيه امر و لا نهي فما ذا تأمرنا فيه"

یا رسول اللہ! اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا سوال آجائے، ایسا قضیہ سامنے آجائے جس کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کوئی صریح حکم موجود نہ ہو تو اس صورت حال میں آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں ایسے موقع پر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ حضرت نبی کریم سرور عالم نے ارشاد فرمایا:

"شاوروا الفقهاء العابدين ولا تمضوا فيه براى خاص"

کہ ایسے موقع پر فقہاء عابدین سے مشورہ کرو، اور اس میں انفرادی رائے کو نافذ نہ کرو، محض انفرادی فتویٰ کو، محض انفرادی رائے کو لوگوں پر مسلط کرنے کی بجائے فقہاء عابدین سے مشورہ کرو، اور اس مشورہ کے نتیجہ میں جس مقام پر پہنچو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سمجھو، یہ ہے وہ ارشاد جس کے ذریعہ نبی کریم سرور عالم ﷺ نے قیام قیامت تک پیدا ہونے والے تمام نت نئے مسائل کا حل ہمارے لئے تجویز فرمایا اور وہ یہ کہ آخری وقت میں جب کہ اجتہاد مطلق کا تصور تقریباً مفقود ہو گیا ہے اس دور میں نئے مسائل کو حل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ فقہاء عابدین کو جمع کیا ہے۔ مگر اس میں نبی کریم ﷺ نے دو صفتیں بیان فرمائی۔ ایک یہ کہ جن لوگوں کو جمع کیا جائے وہ تفقہ فی الدین رکھنے والے ہوں۔ دین کی صحیح سمجھ رکھنے والے ہوں۔ دین کے مزاج و مذاق کو اچھی طرح محفوظ کرنے والے ہوں، اور دوسری قید یہ لگا دی کہ وہ فقہاء محض فلسفی قسم کے نہ ہوں، جو نظریاتی طور پر فقیہ ہوں، نظریاتی طور پر اسلام کے احکام کو جانتے ہوں، جو محض علم رکھتے ہوں، لیکن اس علم پر خود عمل پیرا نہ ہوں۔ اس علم کو اپنی زندگی میں اپنائے ہوئے نہ ہوں، اور اس علم کو اپنی زندگی کا منتہائے مقصود نہ بنایا ہو، تو ایسے فقہاء سے مشورہ کرنے کا کوئی حاصل نہیں، اس لئے کہ دین، یہ محض ایک نظریہ اور فلسفہ نہیں کہ ایک شخص محض فلسفہ کے طور پر اس کو اپنا لے، اس کے حکم بیان کر دے اور پھر بھی اس کا ماہر کہلائے۔ بلکہ یہ ایک عمل ہے۔ ایک پیغام ہے، ایک دعوت ہے۔ جب تک اس پر عمل صحیح طور پر نہیں ہوگا، اس وقت تک دین کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہو سکتی۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جو اقتصادی جدو جہد، تجارتی و صنعتی ترقی، خرید وفروخت کے معیارات اور طریقے متوازن وعادلانہ نہ معاشی نظام اور مستحکم اصولوں کی روشنی میں پیش کرتا ہے۔

اسلام سرمایہ، سرمایہ کاری، اخراجات، پیسہ کی بچت، مالیاتی لین دین، مال بیچنے اور بھیجنے، سرمایہ محفوظ کرنے اور خرچ کرنے، منافع کم لینے یا زیادہ لینے، قیمت کے اتار چڑھاؤ، صنعت وحرفت نیز مہارت وحقوق کی فروخت، اجرت ومحنت جیسے تمام امور کی ضابطہ بندی کرتے ہوئے انسانوں کی واضح رہنمائی پیش کرتا ہے۔

آج کی دنیا صنعتی انقلاب کے بعد فنی اور تکنیکی اعتبار سے بہت آگے بڑھ گئی ہے چنانچہ خرید وفروخت، تجارت اور سرمایہ کاری کی اتنی متنوع شکلیں پیدا ہو چکی ہیں جن کی ماضی میں کوئی نظیر نہیں ملتی، مثلاً بینکاری کا نظام، کرنسی کا نظام، مارکٹنگ کا نظام، قبضہ سے پہلے فروخت اور نفع کے حصول کا سریع الحرکت نظام، حصص کے خرید وفروخت کا نظام، بین الاقوامی تجارتی نظام، کرنسی کے مساوی کارڈ کا نظام، اور ان ساری سرگرمیوں کو چلانے اور کنٹرول کرنے کے لئے مختلف النوع اداروں اور کمپنیوں کا نظام یہ سب اپنی جگہ آج کے عہد میں ایسی ضرورت بن چکے ہیں جن سے بے شمار مسائل وسوالات جڑے ہوئے ہیں۔

اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ موجودہ رائج معاشی نظام اصلاً سود پر مبنی ہے، جس میں زیادہ تر سرمایہ داروں کا معاشی ومفاداتی تحفظ ہوتا ہے، اور غریبوں کا لہو، ان کی شب وروز محنت اور سستی اجرت سے نچوڑا جاتا ہے۔

اسلام دراصل اقتصادی محاذ پر ظلم واستحصال کا خاتمہ، معاشی عدل کا قیام اور سود کے شائبہ سے پاک نظام کا نفاذ واحیاء اور بقا چاہتا ہے، اسی لئے اسلامی شریعت اپنے جامع و پائدار اصولوں کے ذریعہ انسانی سماج کو ہر عہد، ہر دور اور ہر خطہ میں فلاحی و دنیوی ترقی اور معاشی خوشحالی سے ہمکنار کرنا چاہتی ہے۔

ہندوستان میں قائم معاشی نظام کی اساس سود پر مبنی ہے، اس لئے کروڑوں ہندوستانی مسلمانوں کی قرآنی حکم اور اسلامی شریعت پر عمل کرنے کے لئے غیر سودی معاشی نظام، غیر سودی بنکاری اور اسلامی مالیاتی ادارے قائم کرنے اور دستوری وآئینی طور پر موجود گنجائشوں اور امکانات وحدود میں رہتے ہوئے مثبت وتعمیری کوششیں کرنے کی فکر بجا اور لائق تحسین ہے، واضح رہے کہ ہندوستان میں تجارت کے جو مختلف اصول جاری وساری ہیں، جن کے ذریعہ سرمایہ کاری بھی ہوتی ہے اور بینک میں پیسے جمع کرنے والوں کو جائز منافع بھی تقسیم کیا جاتا ہے، ان پر اکیڈمی نے بہت پہلے کام شروع کیا، اور خوشی کی بات یہ ہے کہ بینکنگ اور موجودہ قانون کے بڑے ماہرین، جو اسلامی شریعت کی ہدایات کی پابندی کرتے ہوئے اپنے فن کے بارے میں بہتر رائے دینے کی پوزیشن میں ہیں، کا تعاون بھی اکیڈمی کو

حاصل رہا۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے۔

اس سلسلہ میں اقتصادی ماہرین پر مشتمل تشکیل شدہ طاقتور کمیٹی کی کئی نشستیں ہوئیں، جن میں علماء بھی شریک رہے، ماہرین میں پروفیسر کے بی منشی صاحب جو معاشیات بالخصوص اسلامی معاشیات پر اچھا خاصا کام کر چکے ہیں، ہمارے عزیز دوست جناب کمال فاروقی صاحب جو Chartered Accountant ہیں، جناب رحمن خاں صاحب جو الامین اسلامک بینک کے مؤسس و بانی ہیں، جو سرمایہ کاری بھی کرتا ہے، فائنانس بھی کرتا ہے، اور جس کو شریعت کے مطابق چلانے کا عزم انہوں نے کر رکھا ہے، ایک کامیاب ادارے کی حیثیت سے وہ کام بھی کر رہا ہے، اور بھی بعض بہت ہی مفید کام اللہ ان سے لے رہا ہے۔ جناب سید امین الحسن رضوی صاحب جو ماشاء اللہ شریعت پر بھی نظر رکھتے ہیں اور جدید قانون پر بھی، بہت محنت اور بڑی جانفشانی سے مطالعہ کرتے رہتے ہیں، ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی صاحب جو اسلامی معاشیات کے معروف و نمایاں اسکالر ہیں، جناب احسان الحق صاحب جو مالیاتی اداروں اور بینکوں کے انتظامی امور سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں اور اسلامی اقتصادیات سے بھی بخوبی واقف ہیں، عبد الوہاب دیلوی صاحب جو بینکنگ کا خاص تجربہ رکھتے ہیں، اور سب سے منفرد صلاحیت اور تجربات کے حامل ڈاکٹر عبد الحسیب صاحب اس کمیٹی میں روز اول سے ہی شریک رہے، ان سب کے علاوہ اور بھی متعدد ماہرین کمیٹی کے ساتھ علمی تعاون کرتے رہے، مولانا شمس پیرزادہ صاحب جن کو اقتصادی موضوعات سے خصوصی دلچسپی بھی ہے، اور شرعی معاملات میں کوئی مصالحت بھی کرنے کا مزاج ان کا نہیں ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ سب لوگ ان نشستوں میں شریک رہے، چونکہ بات بہت پرانی ہو گئی ہے اس لئے تھوڑی سی کہانی بھی سنا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

پہلا فیصلہ تمام قانونی تجزیہ کے بعد یہ ہوا کہ اصطلاح میں جس کو بینک کہا جاتا ہے اور جو International Banking Law یا Indian Banking Law کے تحت Govern ہوتا ہے، ایسے کسی بینک کو ہندوستان میں چلانا ہمارے لئے شریعت کی روشنی میں ممکن نہیں ہے، علماء اور ماہرین کی کمیٹی قطعی طور پر اس نتیجہ تک پہنچ چکی ہے، بنیادی بات یہ ہے کہ شریعت کا اصول کتاب اللہ نے واضح کر دیا ہے: "احلّ اللہ البیع و حرّم الربا" اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور ربا کو حرام کیا، لیکن Banking کے رائج قوانین کی شکل "احلوا الربا و حرّموا البیع" ابھرتی ہے یعنی کوئی بھی بینک براہ راست Commercial Activities نہیں کر سکتا ہے، کوئی تجارتی نشاط اس کے اندر نہیں ہو سکتا، البتہ وہ سود پر قرض دیتا ہے، اور لینے والے اس سے تجارت کرتے ہیں، گویا بالواسطہ تجارت میں شرکت ہے، اس طرح کہ بینک کا سرمایہ ہر طرح محفوظ اور Secure رہتا ہے اور اس کا منافع بھی Secure اور محفوظ رہتا ہے، وہ کوئی Risk نہیں لیتا، یہ ایک بنیادی فرق ہے کہ بینک اپنی جدید اصطلاح کے اعتبار سے ایک ایسا سودی کاروبار ہے جس کے ساتھ وہ اپنے سرمایہ کو کبھی بھی Risk میں نہیں ڈالتا، منافع ضرور حاصل کرتا ہے، ظاہر ہے کہ جب شریعت آئے گی تو وہ پہلے کہے گی کہ بیع اور تجارت حلال ہے، Commercial Activities حلال ہیں اور جملہ ربوی معاملات حرام ہیں۔

اگر ایسا کوئی قانون کبھی بن جائے تو ہمارے لئے سہولت یہ ہو سکتی ہے کہ ہم جو بینک قائم کریں وہ اپنا سرمایہ ممکن حد تک قابل اعتماد طریقہ پر تجارت میں لگا کر منافع حاصل کرے، اور بینک کے یہ منافع جہاں اس کے اخراجات کو Maintain کرے گا، Depositers کو بھی جائز منافع دینے کی پوزیشن میں ہوگا۔

فی الحال بعض نئے رجحانات ضرور پیدا ہوئے ہیں جیسے Mutual Fund وغیرہ کی بعض صورتیں رائج کی گئی ہیں، ان کے بارے میں ایک بات یہ ہے کہ Mutual Fund میں تجارت کرنے کے مواقع ہیں اور قانوناً اس کی اجازت ملتی ہے، کیسی تجارت ہو، کیا ہو، یہ بعد کا مسئلہ ہے، لیکن یہ بینکنگ کی بنیادی روح سے الگ ہے۔

یہ بات بھی سامنے آئی کہ بینکنگ کے اغراض ومقاصد میں دو ایک چیزیں بنیادی ہیں، ایک تو اعتماد اور بھروسہ اور ساکھ کی خصوصیت ہے، اور غالباً انگریزی زبان کے اس لفظ کے مفہوم میں بھی اس بات کی رعایت موجود ہے، (Banking Upon) یعنی ہم کسی پر بھروسہ کرتے ہیں، یہ بھروسہ والی کیفیت کہ جب میں سرمایہ لگاؤں یا بینک کے حوالہ کروں تو مجھے اطمینان ہو کہ یہ سرمایہ مجھے لوٹے گا اور منافع بھی مجھے ملے گا، اعتماد کی یہ خصوصیت بینکنگ میں ہوتی ہے، بینکنگ کے ادارے کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ سرمایہ بجائے جامد ہونے کے متحرک رہے، کسی ایک جگہ دولت کے منجمد ہوجانے کو شریعت اسلامی کبھی پسند نہیں کرتی، اسی لئے "اکتناز ذهب وفضة" اور "كي لايكون دولة بين الأغنياء"، اور خود شریعت کے دیگر احکام کی روح سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ کو حرکت میں رہنا چاہئے، اور حرکت پذیر سرمایہ کا مقصد پیسے سے پیسہ کمانا نہیں ہونا چاہئے، پیسہ وسیلہ ہے، اس کے ذریعہ Production ہو، پیداوار ہو، کسی ملک کی یا سوسائٹی کی صنعتی ترقی ہو، جس سے انسانوں کو راحت ملے، اور جو سرمایہ کاری کرتے ہیں ان کو بھی اس کا واجب نفع ملے، سرمایہ کو سوسائٹی کی فلاح کے لئے استعمال کرنا چاہئے، بجائے اس کے کہ اس کو جام کر دیا جائے، یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہ ہر انسان میں تجارت کی صلاحیت نہیں ہوتی، نہ تجارت کا ہنر ہوتا ہے، اور ہر ہنرمند کے پاس ضروری نہیں کہ سرمایہ بھی ہو، کسی شخص کے اندر تجارت کی اور صنعت کی صلاحیتیں موجود ہیں، اس میں Skill بھی ہے، ہنر بھی ہے، وقت بھی ہے، افراد بھی ہیں، Human Resources انسان کی دماغی صلاحیتیں بھی اس کے پاس موجود ہیں، لیکن سرمایہ نہیں ہے، اور جن کے پاس سرمایہ ہے وہ ان چیزوں سے محروم ہیں، اسی لئے شریعت نے اصول مضاربت کو تجارت کے ضروری اصولوں میں سے تسلیم کیا ہے، اور مضاربت کے ذریعہ ایک طرف ماہرین کی فنی مہارت، افراد کی وہ قوت جس سے تجارت کر سکیں صنعت قائم کر سکیں اور چلا سکیں، اور دوسری طرف جس کے پاس سرمایہ ہے اور یہ صلاحیتیں نہیں ہیں ان سب کو جوڑ کر شریعت نے سوسائٹی کو بھی فائدہ پہونچانے کی کوشش کی ہے اور سرمایہ کو بھی صحیح رخ پر لگا کر صاحب سرمایہ کو بھی فائدہ پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ یہ شریعت کے ان اعمال کی روح ہے جو تجارت کے اصولوں میں ہیں، اسی طرح شرکت ہے کہ دو شریکوں میں سے دونوں کا سرمایہ ہے، لیکن ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک ان میں سے شریک عامل بھی ہو، شریک عامل ہونا بھی ضروری نہیں ہے، جس طرح آج کی اصطلاح میں Silent Partner اور Working

Partner ہوتے ہیں۔ اس طرح شریعت نے بھی اس کی گنجائش دی ہے کہ دو شرکاء میں سے ایک کام کی ذمہ داری سنبھال رہا ہے، اور ایک Silent ہے، وہ عملی طور پر حصہ نہیں لے پاتا ہے، ان تمام چیزوں کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ کا انجماد غلط ہے، اور سرمایہ جب جمتا ہے تو پھر غلط قسم کی راہوں میں بھی لگتا ہے اور سوسائٹی کے لئے اس کی افادیت بھی مجروح اور متاثر ہوتی ہے، اور دوسری طرف پیسے سے پیسہ کمانا اور پیسے کو Production کے ذریعہ، Development کے ذریعہ، ترقیات کے ذریعہ سماج کے منافع کے لئے استعمال نہ کرنا بھی شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے، اس وقت ہندوستان میں ہی نہیں، بلکہ دنیا کے جن ملکوں میں آپ جائیں گے چاہے وہ اپنے کو اسلامی ملک کہتے ہوں ایک دشواری موجود ہے، حالانکہ ان اسلامی ممالک کے پاس مواقع ہیں، وہ قوانین میں تبدیلیاں لا سکتے ہیں، اور اپنے پورے مالیاتی نظام کو اسلام کی اساس پر قائم کر سکتے ہیں، لیکن یا تو شاید اسلام کے اوپر اعتماد کی کمی ہوگئی ہے، یا یہ احساس پیدا ہو گیا ہے کہ موجودہ دور میں اسلامی نظام ایک طرح کا العیاذ باللہ فرسودہ نظام ہے، اور حقیقتاً میرے خیال میں اس کے پیچھے ذہنی مرعوبیت ہے، کہ جو یورپ اور امریکہ سے آتا ہے وہی خیر ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ چلنے والا نہیں ہے، اور:

جانتا ہوں ثواب طاعت وزہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

والا مضمون پیدا ہوتا ہے، چنانچہ نتیجہ یہ ہے کہ سعودی عرب ہو، چاہے عرب امارات ہو، چاہے دنیا کا کوئی بھی ملک ہو ان میں یہی مغربی نظام معاشیات جاری ہے، البتہ حالیہ دنوں میں کچھ تبدیلیاں آئی ہیں، اور ایران اور سوڈان میں اسلامی نظام معاشیات کو عملی طور پر نافذ کرنے کے لئے بلاشبہ کچھ مثبت فیصلے کئے گئے ہیں، بہر حال یہ تو ان ممالک کے مسائل ہیں، وہ زیادہ مکلف ہیں، استطاعت کے باوجود اگر نہیں کرتے تو وہ اللہ تعالی کے یہاں جوابدہ ہوں گے۔

ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اتنی استطاعت نہیں ہے، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ فکرمندی ضرور ہے، اور یہ بڑی مبارک ہے، اگر اللہ کی شریعت کے مطابق معاشیات کو درست کرنے کی اپنے مشکل اور نازک حالات میں بھی فکر مندی موجود ہے تو یہ بڑی مبارک اور بڑی مسعود ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالی اس کے ذریعہ کوئی دوسرے راستے نکالے، اس لئے کہ ہمارا اس پر یقین ہے کہ جس حد تک ہم کسی کام کے کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں، اگر ہم نے موجودہ استطاعت کے مطابق شریعت کے نفاذ کی کوشش کی، تو اللہ تعالی وہ دن لا سکتا ہے کہ جب ہم پورے دین کی تنفیذ و تطبیق کے اہل ہو جائیں، لیکن اگر ہم نے اپنی موجودہ استطاعت کے مطابق کوئی اقدام نہیں کرنا چاہا کہ کل نہیں مل سکتا اس لئے جزء بھی نہ لو، "مالا یدرک کلہ لا یترک جزءہ" والی صورت ہم نے اختیار کی اور جمود کا شکار رہے اور کچھ کرنا نہیں چاہا، کاہلی کے ساتھ بیٹھے رہے اور جو ہو رہا ہے اس پر راضی ہو گئے تو ظاہر ہے کہ یہ بات ہمیں نہ صرف یہ کہ آگے کی استطاعت سے محروم رکھے گی بلکہ جو آج استطاعت ہے وہ بھی ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔

بدقسمتی سے یہ صورتحال Central Asia میں پیدا ہوئی، روسی واشتراکی اقتدار کے بعد ایک جانب ان کا آپسی انتشار بڑھا، دوسری جانب مذہب کا رشتہ زندگی سے منقطع کر دیا گیا۔ سب سے پہلا مرحلہ کسی امت کے مٹنے

کا یہ ہوتا ہے کہ مذہب کا رشتہ زندگی سے منقطع ہو جائے، یہاں بھی یہی ہوا، مذہب زندگی سے کٹا اور مسجدوں میں گیا، خانقاہوں میں گیا، اور آہستہ آہستہ یہ صورت حال ہوگئی کہ ابھی ایک سفر میں تھوڑا بہت کہیں کہیں قرآن شریف پڑھنے والے بچے ملے تو وہاں یہی بہت بڑی معراج مجھے محسوس ہوئی، میں نے پوچھا کہ تم نے قرآن کہاں سے محفوظ رکھا، تو انہوں نے کہا "فی الحجرة والسرداب" یعنی مکانات کے تہہ خانوں کے ذریعہ دین کا اتنا چھوٹا سا سرمایہ محفوظ رہ سکا ورنہ وہ بھی شاید محفوظ نہ رہتا، پس مذہب زندگی کے میدانوں سے ہٹا، تجارت کے مرکزوں سے ہٹا، اور ایوان حکومت واقتدار سے ہٹا، اور عدالتوں سے ہٹا، اور زندگی کے روزمرہ معاملات یہاں تک کہ شادی بیاہ اور احوال شخصیہ سے ہٹا، مسجدوں میں آیا، خانقاہوں میں آیا، زاویوں میں آیا، اور وہاں سے گھس کر اب زمین کے تہہ خانوں میں چھپ کر اسلام ستر برس تک وہاں رہا، کیا ہم بھی اس پوزیشن کو اختیار کرنے کو تیار ہیں؟ مجھے یقین ہے کہ ہمارے لوگ اس پر انشاء اللہ کبھی صلح نہیں کریں گے، مشکلات سے گزریں گے، لیکن اللہ کی شریعت کا رشتہ زندگی سے نہیں کٹنے دیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے تمام ماہرین وعلماء اس نتیجہ پر پہنچے کہ یقیناً بینکنگ موجودہ اصطلاح میں، ہندوستان میں اسلامی اساس پر قائم کرنے کے امکانات قانونی دشواریوں کی وجہ سے نہیں ہیں، اس کے متبادل کی تلاش میں یہ حضرات اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہم اسلامی مالیاتی کمپنی قائم کرسکتے ہیں، بینک اپنی موجودہ Terminology میں ہم قائم نہیں کرسکتے، لیکن اسلامی مالیاتی کمپنی ہم لوگ قائم کرسکتے ہیں، ہندستان کے کمپنی لاء (Indian Companies Act) میں گنجائش ہے کہ ہم اپنے سرمایہ کو تجارت میں مشغول کرسکتے ہیں، اس لئے بنیادی طور پر اس کا امکان پیدا ہوتا ہے کہ بینکنگ کا ایک متبادل اسلامی مالیاتی کمپنی کی راہ سے قائم کیا جاسکے، علماء کرام کے سامنے حیدرآباد کے فقہی سمینار میں ایک پروجیکٹ تیار کیا گیا، بیرون ہند سے تشریف لانے والے علماء، اور ماہرین اقتصادیات ڈاکٹر انس زرقاء، اور ڈاکٹر علی جمعہ وغیرہ، سبھی لوگوں نے اس پروجیکٹ کو بہت زیادہ غیر معمولی نظر استحسان سے دیکھا اور اس کی تعریف کی، لیکن اس پروجیکٹ کی حیثیت ایک خاکہ کی ہے، جب اس میں رنگ بھرنے کا وقت آتا ہے تو دشواریاں بہت بڑھ جاتی ہیں، چنانچہ اب اس پروجیکٹ کو ایک عملی پروجیکٹ بنانے کی کوشش میں پچھلے دنوں بہت سے سوالات پیدا ہوئے، بار بار ماہرین کی نشستیں ہوئیں، اس میں کئی دشوار کن سوالات ہیں جن کا حل علماء کو پیش کرنا ہے، شریعت کی روشنی میں علماء کرام اثبات یا نفی میں جواب دیں گے، اگر وہ ہاں کہتے ہیں تو ٹھیک ہے، اگر ناں کہتے ہیں تو پھر یہ ماہرین اس کا کوئی متبادل تلاش کرنے کی بھی کوشش کریں گے کہ شریعت نے جس کو حرام کیا اگر اسی کو ہم حلال کرلیں تو فائدہ کیا ہوگا، اس لئے جو سوالات ہیں ان میں دراصل ان ماہرین کو رہنمائی علماء کرام دیں گے کہ اس کی روشنی میں کس طرح کام کو آگے بڑھایا جائے؟

بینکس میں ایک تو سیدھا سیدھا سودی کاروبار ہوتا ہے، Money Lending کا، یعنی روپیہ قرض پر لگا کر اس پر سود کمانے کا کاروبار ہوتا ہے، جو کبھی پرانا مہاجن کرتا تھا، آج فنی تنظیم کے ساتھ وہ بینک کرتے ہیں، کچھ ایسے کام ہیں جن کو Non Banking Services کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ بینک جہاں سود پر قرض

دینے والا مالی ادارہ ہوتا ہے وہیں ساتھ ہی کہ دوسرے قسم کے کام میں وہ بحیثیت اجیر ہوتا ہے، پہلی صورت میں مقرض اور مستقرض کا رشتہ پیدا ہوتا ہے، اور دوسری صورت میں اجارہ کا رشتہ قائم ہوتا ہے، آج کے بینکس بہت سارے ایسے کام کر رہے ہیں جن کا تعلق Money Lending اور اقراض سے نہیں ہے، بلکہ ان کا تعلق مختلف قسم کی Services سے ہے، جو لوگ اقراض کا کام کرتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ کچھ Services بھی کرتے ہیں، مثلاً مجھے کچھ پیسہ یہاں سے دہلی بھیجنا ہے، میں بینک جاتا ہوں، ان کو دس ہزار روپئے دیتا ہوں کہ مجھے اپنے دوست کو دہلی میں یہ دس ہزار روپئے پہنچانے ہیں، وہ ایک ڈرافٹ ایشو کر دیتا ہے، اور ہم وہ بینک ڈرافٹ اپنے دوست کے پاس دہلی بھیج دیتے ہیں، وہ وہاں جا کر بینک سے لے لیتا ہے، بنک نے قابل اعتماد طریقہ پر روپئے پہنچانے کی خدمت انجام دی، اس کے لئے وہ کچھ اجرت لیتے ہیں، جس کو کمیشن یا فیس یا کچھ اور نام دیا جا سکتا ہے، یہ ایک خدمت ہے، قرض لینے اور قرض دینے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، اسی طرح مال کی بلٹی چھوڑوانا ہے، اس میں بنک ضامن بن کر اعتماد پیدا کرتا ہے، اسی طرح بینک کچھ ٹیکنکل خدمتیں بھی انجام دیتا ہے، مثلاً ایک تجارتی ادارہ قائم کرتا ہے، بینک کے پاس ایسی فنی صلاحیتیں موجود ہیں کہ وہ اس قائم کئے جانے والے ادارہ کا ایک عملی خاکہ، پروجیکٹ اور اسکیم بنا کر دے سکتا ہے، اسکیم بنانے میں اس کا وقت لگتا ہے یا محنت لگتی ہے، اس کی بنیاد پر وہ اجرت لیتے ہیں، اس طرح کے دسیوں ایسے کام ہیں جو آج کے بینکس علاوہ قرض دینے کے انجام دیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ہمارا اسلامی مالیاتی ادارہ اجارہ کے اصول پر ایسی خدمات پیش کر سکتا ہے اور اجرت پر خدمت حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں شاید کسی کو کوئی اشکال نہ ہو کہ بینک خدمات کے عوض اجرت لے سکتا ہے، لیکن تفصیلات میں جا کر کچھ اہم سوالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ کیا ہر خدمت وہ انجام دے سکتا ہے، یا کچھ ایسی خدمتیں ہیں جن کا انجام دینا اس کے لئے مناسب نہیں۔ مثلاً کوئی بھی ادارہ یا کمپنی یا کارخانہ کسی شخص کو بنانا ہے، وہ کسی فنی ماہر سے اس کی اسکیم بنوانا چاہتا ہے، اب اسکیم میں پہلا سوال یہ ہوگا کہ سرمایہ کہاں سے آئے گا، دوسرا سوال یہ ہوگا کہ یہ سرمایہ کہاں اور کیسے کیسے خرچ ہوگا، سرمایہ کے ذرائع یہ ہیں کہ کمپنی کے دس ہزار شیئرز بنا لئے جائیں، شیئر ہولڈرس پیسہ دیں گے، اور کمپنی کے منافع ان پر تقسیم کر دئے جائیں گے، یہاں تک بھی کوئی مسئلہ نہیں، لیکن پھر بھی دشواریاں ہیں، سارا ہی سرمایہ شیئر ہولڈرس سے نہیں مل پاتا ہے یا نہیں مل پائے گا، اس لئے کمپنی کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے سرمایہ میں اضافہ کرنے کے لئے قرض بھی لے، اس نے قرض لیا، اس حد تک بھی کوئی حرج کی بات نہیں، لیکن قرض پر اس کو سود دینا پڑتا ہے، یہاں یہ مشکل پیدا ہوتی ہے جو ماہر فن کمپنی کی اسکیم بنائے گا وہ یہ لکھے گا کہ کمپنی کو اتنا روپیہ قرض سے حاصل کرنا پڑے گا، اور اس قرض پر بینک کو اتنا انٹریسٹ بھی ادا کرنا پڑے گا، اس لئے اس کے آمد و خرچ اور اس کے حساب کو دیکھ کر منافع، اس کی نافعیت، افادیت وغیرہ طے کی جائے گی، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی فنی خدمت جس میں اس اسکیم و پروجیکٹ میں سود کا بھی ذکر ہو، آیا اسلامی مالیاتی ادارے کے لئے ایسی سروس (خدمت) انجام دینا جائز ہوگا یا نہیں؟

دوسری شکل یہ ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ کو اپنا سرمایہ جائز نفع بخش اسکیموں میں لگانا ہے، بلکہ ایک اور لفظ

بڑھادیجئے، قابل اعتماداسکیموں میں سرمایہ لگاتا ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کہاں لگائیں، ایں خانہ ہمہ آفتاب است، کسی کمپنی کا شیئر ہم خریدتے ہیں، اور آج کل سرمایہ کاری کا سب سے زیادہ قابل اعتماد طریقہ یہ ہے کہ شیئرز لے لئے جائیں، اور کمپنی کے شیئرز سے حاصل ہونے والے نفع کو Depositors میں تقسیم کریں ، یا خرچ چلائیں، تو ہم کسی کمپنی کا شیئر لیتے ہیں، اب کمپنیاں تین قسم کی ہیں: ایک کمپنی وہ ہے جو خالص غیر سودی کاروبار کرتی ہے، دوسری کمپنی وہ ہے جو خالص سودی کاروبار کرتی ہے، مثلاً بینکس ہیں، بینکس کے بھی شیئرز فروخت ہوتے ہیں۔ لیکن بینکس کی بنیادی اساس انٹرسٹ یعنی سود پر ہے، تو کیا اسلامی مالیاتی کمپنی کو اس کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ بینکس یا اس طرح کی وہ کمپنیاں جو سو فیصد خالصتاً سود پر مبنی تجارت کرتی ہیں ان کے حصص خریدے، بظاہر یہ ہے کہ اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کمپنی خالص غیر سودی کاروبار کرتی ہے، ظاہر ہے کہ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، مگر اشکال یہاں پیدا ہوتا ہے کہ اس کمپنی کا بنیادی مقصد تو غیر سودی ہے، بنیادی طور پر اس کمپنی کا کام، اس کی Activities، اس کے مقاصد، Objects قطعاً غیر سودی ہیں، لیکن موجودہ قانون وحالات میں اس کو کئی ایسے مبادلات کرنے پڑتے ہیں جن کا تعلق سود سے ہے، تو جس کمپنی کا بنیادی مقصد جائز وحلال ہو لیکن فی الجملہ سودی معاملات میں اس کو ملوث ہونا پڑتا ہے، اور اس طرح ضمنی تلوث سودی کاروبار میں پیدا ہوتا ہے، کیا ایسی کمپنیز کے شیئرز ہماری اسلامی مالیاتی کمپنی حاصل کرسکتی ہے یا نہیں؟ یہ ہے وہ اصل اور ٹیڑھا سوال جو جواب کا متقاضی ہے، اور مجمع الفقہ الاسلامی جدہ میں بھی یہ سوال آچکا ہے، لیکن ابھی وہاں بھی کوئی فیصلہ اس پر نہیں ہوسکا ہے، بار بار تحقیق ہورہی ہے، اس طرح کی اور بھی کئی صورتیں پیدا ہوسکتی ہیں۔

بہرحال اس رخ پر جاری کوششیں انشاء اللہ مسلسل جاری رہیں گی اور علماء اور ماہرین اقتصادیات کے گرانقدر علمی وعملی تعاون سے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے لئے عصر حاضر کے نئے اقتصادی مسائل کا فقہ اسلامی کی روشنی میں واضح حل پیش کیا جانا ممکن ہوسکے گا۔

زیر نظر کتاب کا ابتدائی حصہ شیئرز کے موضوع پر ہے، یہ موضوع اکیڈمی کے نویں فقہی سمینار منعقدہ جے پور (راجستھان) میں زیر بحث آیا اور اس بابت تفصیلی فیصلے طے پائے، کتاب کا دوسرا حصہ کمپنی وحصص کمپنی کے موضوع سے تعلق رکھتا ہے، اکیڈمی نے اپنے چھٹے فقہی سمینار منعقدہ عمرآباد (تمل ناڈو) میں حصص کمپنی اور بینکنگ کے موضوعات سے تعلق رکھنے والے متعدد سوالات پر غور وخوض کیا جن میں سے بعض پر فیصلے بھی طے پائے، مرابحہ سے متعلق ایک مخصوص سوال کے جوابات بھی اس کے آخر میں شامل ہیں، موضوع کی یکسانیت کی وجہ سے یہ تمام مسائل یکجا کردیئے گئے ہیں۔

دعا ہے کہ یہ علمی وفقہی مباحث امت کے لئے زیادہ سے زیادہ نافع ومفید ثابت ہوں۔

قاضی مجاهد الاسلام قاسمی

۱۷/ جنوری ۲۰۰۰ء

۹/ شوال المکرم ۱۴۲۰ھ

پہلا موضوع:

شیئرز

سوالنامہ:

شیئرز کی شرعی حیثیت

۱۔ کیا کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا یہ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے۔

بعض حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ شیئرز سرٹیفکیٹ محض کمپنی کو دیئے ہوئے پیسے کی دستاویز ہے، کمپنی کے اثاثوں اور اس کی املاک میں حسب تناسب حصہ دار ہونے کی دلیل نہیں ہے، احکام شرع کی تفصیل میں شیئرز کی حیثیت کے تعین کو بڑا دخل ہے، اگر شیئرز کو اثاثوں اور املاک کا ایک حصہ تسلیم کرلیا جائے تو شیئرز کی حقیقت یہ قرار پاتی ہے کہ وہ نقد اور اثاثوں کا مجموعہ ہے، اس لئے کہ کسی بھی کمپنی میں اس کی جامد املاک، اراضی اور تعمیرات کے علاوہ مشینیں، تیار شدہ مال، خام مال، جمع رقوم، دوسروں پر اس کی واجب الادا رقمیں وغیرہ بھی شامل ہوتی ہیں، اس طرح یہ تمام چیزیں شیئرز کے ذیل میں آجاتی ہیں، اب شیئرز کی خرید وفروخت نقد کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت نہیں بلکہ نقود واملاک کے مجموعہ کو نقود کے ذریعہ فروخت کرنا ہے۔

اور اگر شیئرز کو محض اس کمپنی میں لگائی گئی نقد رقم کی دستاویز تسلیم کیا جائے تو اس کی بیع وشراء نقد کی نقد کے ساتھ بیع وشراء ہوگی، ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس پر بیع صرف کے احکام وارد ہوں گے، جو لوگ اسے محض قرض کی دستاویز مانتے ہیں وہ اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں جب موجودہ قانون کے مطابق اس کی املاک ضبط کرکے اس کے قرضے ادا کئے جاتے ہیں اس وقت اس کے حصہ کے تناسب سے کمپنی کے اثاثے قرق نہیں کئے جاسکتے۔

دوسرا نقطۂ نظر رکھنے والے اپنے موقف کی تائید میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ اگر کمپنی باہمی قرارداد سے تحلیل ہوجائے تو ہر شیئر ہولڈر کو اس کے شیئرز کے تناسب سے اس کے اثاثوں میں حصہ ملتا ہے، اور نفع ہو تو اس کے لگائے ہوئے سرمایہ سے زائد رقم ملتی ہے اور اگر خسارہ ہو تو اسے نقصان بھی برداشت کرنا ہوتا ہے، برخلاف بانڈ وغیرہ قرض کی دستاویزوں کے کہ صرف لگی ہوئی رقم مع سود ملتی ہے، اثاثوں میں کوئی حصہ نہیں ملتا ہے، بہرحال یہ ضروری ہے کہ کمپنی کے اندر شیئرز کی حیثیت کا تعین کرکے احکام شرعی اس پر مرتب کئے جائیں۔

۲۔ بعض اوقات کمپنی قائم کرتے وقت شیئرز کا اعلان کیا جاتا ہے، اور اس وقت اس کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتی ہیں، اس وقت اگر کمپنی کے خرید کردہ شیئر کی بیع کی جائے تو اس صورت میں نقد نقد کے مقابل ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہوگا؟

۳۔ کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد اس کا اثاثہ مخلوط ہوتا ہے (یعنی نقد اور املاک کا مجموعہ) اس صورت میں

جبکہ مجموعہ مال ربوی وغیر ربوی دونوں پر مشتمل ہے، شیئرز کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت کا کیا حکم ہوگا؟

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے، جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت اور ایکسپورٹ، یا بینکس اور سودی اسکیموں میں روپیہ لگانا، ایسی کمپنیز کے شیئرز کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہوگا؟

۵۔ ایسی کمپنیز جن کا کاروبار حلال ہے، مثلاً انجینئرنگ کے سامان تیار کرنا، عام استعمال کی مصرفی چیزیں تیار کرنا وغیرہ، پھران کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہونے کے باوجود انہیں بعض اوقات انکم ٹیکس وغیرہ کی زد سے بچنے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے، کیا ایسی کمپنیز کا شیئر خریدنا جائز ہے؟

۶۔ اسی طرح حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کو بھی قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے، یا سیکورٹی بانڈز خریدنے پڑتے ہیں، جن کی وجہ سے انہیں سود بھی ملتا ہے، کیا ایسی کمپنیز کا شیئرز خریدنا ناجائز ہوگا؟

۷۔ سودی قرضہ لینے کی صورت میں اس قرض سے حاصل ہونے والے منافع کی شرعی حیثیت کیا ہوگی، آیا وہ قرض مفید ملک ہے یا نہیں، اور اس کے ذریعہ حاصل ہونے والی آمدنی حلال شمار کی جائے گی یا نہیں؟

۸۔ کیا کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا؟

۹۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس میں کوئی فیصلہ کثرت رائے سے ہوتا ہے ، کیا اس کمیٹی میں کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اپنے اختلاف کا اعلان کردینا وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے اسے بری الذمہ کردے گا؟

۱۰۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو، اور اس کی مقدار معلوم ہو تو کیا شیئر ہولڈر کے لئے منافع سے اس کے بقدر نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا؟

۱۱۔ اور اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہوگیا ہے اتنا فیصد ملنے والے منافع سے نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا؟

۱۲۔ شیئرز کی تجارت کرنا کیسا ہے، یعنی کوئی شخص کچھ شیئرز خریدے کہ قیمت بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ فروخت کردوں گا، خلاصہ یہ کہ شیئرز کی بیع وشراء کو ایک تجارت کی طرح کرنے کا حکم کیا ہوگا، جبکہ اس میں ایک طرح کی قیاس آرائی کو دخل ہوتا ہے کہ بازار کی صورت حال کو دیکھ کر زیادہ منافع دینے والے شیئرز خرید لئے جاتے ہیں، اور کیا ہر تخمین وقیاس آرائی ممنوع ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

۱۳۔ شیئر مارکیٹ میں ایک سودا جسے فیوچر سیل (بیاعات مستقبلیات) کہتے ہیں مروج ہے، اس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان کو برابر کر لینا مقصود ہوتا ہے، مثلاً زید نے سو شیئرز کا سودا بہ حساب سو روپے فی شیئر کیا، اور ادائیگی اور وصولی کی تاریخ ۳۰/مارچ مقرر کی، اب جب ۳۰/مارچ آئی تو اس شیئر کی قیمت ڈیڑھ سو روپے ہوگئی تو وہ پانچ ہزار روپے منافع کے طور پر لے لیگا، اور اگر ۳۰ مارچ کو اس شیئر کی قیمت گھٹ کر

پچاس روپے ہوگئی تو وہ پانچ ہزار روپے ادا کرے گا، اصل سودا محض کاغذی کارروائی ہے، نہ مشتری ثمن دیتا ہے، نہ بائع مال دیتا ہے، البتہ مقررہ تاریخ پر بڑھتے ہوئے دام کی صورت میں منافع یا گھٹتے ہوئے دام کی صورت میں خسارہ ادا کیا جاتا ہے، شریعت میں مذکورہ فیوچر سیل کا کیا حکم ہے؟

۱۴۔ غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، جائز ہوگی یا نہیں؟

۱۵۔ شیئرز کے نقد سودے میں بھی بعض انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے سرٹیفکیٹ پر قبضہ ایک سے تین ہفتوں تک تاخیر سے ہوتا ہے، اس ذیل میں اصل سوال یہ ہے کہ شیئر پر قبضہ کا مطلب کیا ہوگا، اگر بوقت بیع وشراء ہی کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں شیئر ہولڈر کی ملکیت آ جاتی ہے، اور وہ اس کی ضمان میں آ جاتا ہے، اور حقوق وذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں، اگر چہ ابھی شیئرز سرٹیفکیٹ نہ ملا ہو تو اس کو شیئر پر قبضہ معنوی حاصل ہوگا یا نہیں، کیا شرع میں ہر شئی پر اس کی خاص نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوگی جس کی بناء عرف وعادت پر ہوگی، یا ہر صورت میں قبضہ حسی ہی ضروری ہوگا؟

۱۶۔ اس طرح خرید کردہ شیئر کو (جس کی موجودہ قیمت خریدار نے ادا کر دی ہے) اگر خریدار سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے قبل اگلے دن یا دو چار دن میں کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو اس کا کیا حکم ہوگا، اور اس طرح دوسرے کے خریدنے کے بعد تیسرے و چوتھے کے ہاتھ فروخت کرنا درست ہوگا؟ بالخصوص جبکہ شیئر کا ضمان ومنافع خریدنے کا معاملہ کرنے کے ساتھ ہی خریدار کی طرف منتقل ہو جاتا ہو۔

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج بازار میں خرید وفروخت کے لئے واسطہ بننے والے کو "بروکر" کہتے ہیں (جو موجودہ وقت میں شیئرز کی خرید وفروخت اور قیمتوں سے واقفیت رکھتا ہے اور رہتا ہے، اور خرید وفروخت کی کاروائی کا اندراج کرتا ہے) یعنی اس کی حیثیت ایجنٹ کی ہے، اس کا کیا حکم ہوگا؟ یعنی کیا بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے؟

فیصلے:

شیئرز کی شرعی حیثیت

تمام مقالات کے بعض شقوں میں نقطہائے
نظر مختلف تھے چنانچہ شرکائے سمینار کے
درمیان بحث و مباحثہ کے بعد جو متفقہ طور
پر فیصلے کئے گئے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ کسی کمپنی کا خرید کردہ ایکویٹی شیئر (Equity Share) کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، وہ محض اس بات کی دستاویز نہیں ہے کہ اس نے کمپنی کو اتنی رقم دی ہے۔

۲۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی ابتدائی خریداری جو ابھی سرمایہ اکٹھا کرنے کے مرحلے سے گذر رہی ہیں، شرعاً خریداری نہیں بلکہ اس کمپنی میں شرکت ہے۔

۳۔ عام طور پر کمپنیوں کی دوسری املاک نقد سرمایہ سے زیادہ ہوتی ہیں، اس لئے کمپنیز کے شیئرز کی خریداری درست ہے، لیکن اگر معلوم ہو جائے کہ ادا کردہ نقد اس مقدار نقد کے برابر یا اس سے کم ہے جس کی شیئر نمائندگی کرتا ہے تو ایسی صورت میں شیئرز کی خریداری اس کی مقررہ قیمت سے کم یا زیادہ پر درست نہ ہوگی۔

۴۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہے، مثلاً شراب وخنزیر کے گوشت کی تجارت یا سودی قرضے دینا وغیرہ، ان کے شیئرز کی خرید وفروخت ناجائز ہے۔

۵۔ شرکاء سمینار کا احساس ہے کہ ہندوستان میں ایسی کمپنیز کا قیام قابل عمل ہے جو خالص اسلامی اصول تجارت کے اعتبار سے کاروبار کریں، سمینار مسلم تجار اور ماہرین معاشیات کو اس طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ وہ اپنی دینی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے ایسی کمپنیز کے قیام کی جدوجہد کریں جو کامل طور پر اسلامی احکام پر کاربند ہوں۔

لیکن چونکہ فی الحال ایسی کمپنیاں ہندوستان میں موجود نہیں ہیں یا بہت کم ہیں جو خالص اسلامی بنیادوں پر کاروبار کرتی ہوں، اس لئے جن مسلمانوں کے پاس نقد سرمایہ ہو اور اپنے مخصوص حالات کی بنا پر ان کے لئے جائز تجارت میں اس سرمایہ کو لگانا قابل عمل نہ ہو، ان کے لئے ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنے کی گنجائش ہے جن کا بنیادی کاروبار حلال ہو (مثلاً: انجینئرنگ کے سامان یا عام استعمال کی مصرفی چیزیں تیار کرنا) اگرچہ انہیں بعض قانونی مجبوریوں کی وجہ سے سودی معاملات میں ملوث ہونا پڑتا ہو۔

۶۔ جن مسلمانوں نے ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدے ہیں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن وہ کمپنیز ضمنی طور پر

بعض ناجائز تصرفات میں بھی ملوث ہوتی ہیں، ان مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ شیئر ہولڈرس کی سالانہ میٹنگ میں کمپنی کو آئندہ ایسے ناجائز تصرفات سے روکنے کی کوشش کریں اور دوسرے شیئر ہولڈرس کو افہام وتفہیم کے ذریعہ اس بات پر آمادہ کرنے کی سعی کریں کہ وہ بھی ان کے نقطۂ نظر سے اتفاق کرتے ہوئے میٹنگ میں ان کی تائید کریں۔

۷۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے منافع میں سے اس کے بقدر بلانیت ثواب صدقہ کردینا ضروری ہے۔

۸۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا ہے اسی تناسب سے ملنے والے منافع سے نکال کر بلانیت ثواب اپنی ملک سے نکال دینا ضروری ہے۔

(نوٹ: دفعہ ۷ اور ۸ میں مولانا رئیس الاحرار ندوی کے نزدیک سود کی رقم غیر مسلم ہی کو دی جائے)۔

۹۔ کمپنی کی اپنی قانونی شخصیت ہے جو شیئر ہولڈرس کی اجتماعی حیثیت کی نمائندگی کرتی ہے، بورڈ آف ڈائرکٹرس کمپنی کے منتخب کردہ افراد کا مجموعہ ہے کمپنی کی طرف سے تصرفات کرتا ہے اور اس طرح شیئر ہولڈر کے مجموعہ کا وکیل ہے، لہذا بورڈ آف ڈائرکٹرس کے تصرفات جو کمپنی کے مقرر کردہ اصول وضوابط کی حدود میں ہوں، کی بالواسطہ ذمہ داری بھی شیئر ہولڈرس پر آتی ہے۔

۱۰۔ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی تجارت کرنا درست ہے۔

۱۱۔ فیوچر سیل (Future Sale) جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان برابر کرلینا مقصود ہوتا ہے، اسلامی شریعت کی نگاہ میں ناجائز ہے کیونکہ یہ کھلا ہوا جوا ہے۔

۱۲۔ غائب سودا (Forward Sale) جس میں بیع تو ہو جاتی ہے لیکن اس کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، بیع نہیں وعدۂ بیع ہے، مقررہ تاریخ آنے پر ایجاب وقبول ہونے کے بعد ہی بیع وجود میں آئے گی۔

۱۳۔ حاضر سودے (Cash Sale - Spot Sale) میں شیئر سرٹیفیکٹ پر قبضہ سے پہلے خرید کردہ شیئرز کو فرخت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۱۴۔ شیئر سرٹیفیکٹ (Share Certificate) حاصل ہونے کے بعد خریدار کا اس پر قبضہ متحقق ہو جاتا ہے، اگرچہ بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے کمپنی میں اس کے نام کا اندراج نہ ہو سکا ہے، لہذا اس شیئر کو خریدار فروخت کرسکتا ہے۔

۱۵۔ جن شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے ان کی خرید وفروخت میں بروکر (Broker) کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے، ناجائز اور حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت میں بحیثیت بروکر کام کرنا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆☆

تلخیص مقالات شیئرز

۱۔ شیئرز کی شرعی حیثیت:

سبھی مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، اسی وجہ سے اگر کمپنی باہمی قرارداد سے تحلیل ہو جائے تو ہر شیئر ہولڈر کو اس کے شیئرز کے تناسب سے اس کے اثاثوں میں حصہ ملتا ہے، اور نفع ہو تو اس کے لگائے ہوئے سرمایہ سے زائد رقم ملتی ہے اور اگر خسارہ ہو تو نقصان بھی برداشت کرنا ہوتا ہے، برخلاف بانڈز وغیرہ قرض کی دستاویزوں کے کہ صرف لگی ہوئی رقم مع سود ملتی ہے، اثاثوں میں کوئی حصہ نہیں ملتا ہے۔ ان حضرات نے مخالفین کی اس دلیل کو "کہ قانونی طور پر کمپنی کے اثاثوں کو قرق نہیں کیا جاتا ہے" بالکل رد کر دیا ہے۔

۲۔ شیئرز کی خرید و فروخت:

شیئرز کی خرید و فروخت جب کہ کمپنی کے پاس کچھ بھی اثاثہ نہ ہو۔

اس مسئلہ میں مقالہ نگار حضرات کی آراء مختلف ہیں جو درج ذیل ہیں:

الف۔ یہ سوال ہی صحیح نہیں، کیونکہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ کمپنی کا وجود ہو اور کچھ بھی اثاثہ نہ ہو، کیونکہ کمپنی کا رجسٹریشن ہوتا ہے، اور رجسٹریشن کے لئے کچھ نہ کچھ اثاثے کا ہونا ضروری ہے، تب کمپنی رجسٹرڈ ہوتی ہے، لہذا یہ سوال درست نہیں۔

مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبد العظیم اصلاحی، حکیم ظل الرحمن۔

ب۔ شیئرز کو نوٹوں کے بدلے خریدنا بیع صرف نہیں، بلکہ یہ عقد بیع ہی نہیں عقد شرکت ہے (مفتی شکیل احمد)۔

ج۔ اس میں غیر مملوک کی بیع لازم آتی ہے اور یہ ناجائز ہے، کیونکہ شیئرز کی بیع دراصل اثاثوں اور املاک کی بیع ہوتی ہے اور ابھی کمپنی کی ملکیت میں اثاثے ہی نہیں لہذا ناجائز ہے (مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا ابوبکر قاسمی)۔

نوٹ: مولانا ابوبکر صاحب نے آگے چل کر اس کو بیع صرف کہا ہے۔

د۔ یہ بیع جائز ہے باوجودیکہ تقابض طرفین سے نہیں ہے، **قیاسا علی جواز بیع الحظوظ و بیع الحقوق الموجودة قبل القبض دون المعدومة**، اس میں معدوم یا غیر مملوک کی بیع لازم نہیں آتی۔

نوٹ: موصوف نے برابری کی بھی کوئی شرط نہیں لگائی، البتہ اتنا کہا ہے کہ اس میں نقد

نقد کے مقابل ہوتا ہے (مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی محمد زید)۔

ھ۔ اس پر عقد صرف صادق نہیں آتا، کیونکہ یہ عقد صرف اثمان خلقیہ میں ہی ہوگا، اور شیئرز ثمن خلقی نہیں بلکہ من وجہ ثمن خلقی سے مشابہ ہیں اور من وجہ آخر فلوس نافقہ کے مشابہ ہیں، لہذا ثمن خلقی کی مشابہت کی وجہ سے تفاضل جائز نہ ہوگا۔

اور فلوس نافقہ کی مشابہت کی وجہ سے عقد میں بدلین پر قبضہ کی شرط نہ ہوگی۔ حیث جاء فی رد المحتار للشامی باع فضة بفلوس فإنه یشترط قبض أحد البدلین قبل الافتراق لا قبضهما کما فی البحر عن الذخیرة (ردالمحتار ۴/۲۶۲)۔

مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری۔

و۔ یہ بیع النقد بالنقد ہے، لہذا تفاضل تو جائز نہ ہوگا البتہ برابر رقم کے ساتھ درست ہے۔

مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا شمشاد احمد نادر القاسمی، مولانا زبیر احمد سیتامڑھی، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا ظفر الاسلام صاحب، مولانا قمر عالم سبیلی، مفتی عبدالرحمن پالنپوری، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا ابراہیم صاحب، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، مولانا محمد ابرار خان ندوی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا ابوبکر شکر پور۔

نوٹ: انہوں نے اس معاملہ کو غیر مملوک کی بیع بھی کہا ہے۔

ز۔ یہ بیع صرف ہے، اگر برابر رقم کے بدلے میں تبادلہ ہو تو جائز ہے۔

ان حضرات نے تقابض یا یداً بید کی شرط نظر انداز کر دی ہے۔

مولانا ابوالحسن علی گجرات، مفتی عبیداللہ الاسعدی، مولانا مجاہد الاسلام حیدرآباد، مولانا محمد قمر الزماں، مولانا محمد نور القاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا نعیم رشیدی، مفتی عبدالرحیم، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا نعیم اختر قاسمی۔

ح۔ یہ معاملہ بالکل درست نہیں ہے، چاہے برابر رقم کے ساتھ تبادلہ ہو، کیونکہ یہ بیع صرف ہے اور بیع صرف میں تقابض وتساوی دونوں ضروری ہیں، تفاضل اور ادھار جائز نہ ہوگا۔

اس صورت میں دوسری شرط مفقود ہے کہ طرفین سے نقد ادائیگی نہیں پائی جاتی، ایک طرف روپیہ ہے اور دوسری طرف روپیوں کی دستاویز نہ کہ روپے، لہذا یہ عقد درست نہ ہوگا۔

مولانا محمد رضوان قاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا طاہر مظاہری، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا نسیم احمد قاسمی۔

نوٹ: بعض حضرات نے اس مسئلہ کا کوئی جواب نہیں دیا۔

(مولانا احمد دیولوی، مفتی نظام الدین صاحب دارالعلوم دیوبند، جناب حفظ الرب صاحب الہ آباد)

۳۔ نقد واملاک کے مجموعہ کا حکم:

اس مسئلہ میں بھی بہت سی آراء ہیں جن کو ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ زیادہ تر مقالہ نگار حضرات نے یہ رائے دی ہے کہ اس کا حکم چاندی یا سونا چڑھی ہوئی تلوار کا سا ہے، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک یہ صورت جائز ہوگی بشرطیکہ شیئر کی قیمت اثاثے میں لگے ہوئے نقد کے مقابلہ میں زائد ہو، ورنہ (یعنی اگر شیئر کی قیمت اثاثے میں لگے ہوئے نقد سے کم یا برابر ہے تو) درست نہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا محمد حنیف صاحب، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا نسیم احمد قاسمی، مولانا ابوبکر شکر پوری، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا نسیم الدین صاحب قاسمی، مولانا طاہر مظاہری، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا نعیم رشیدی، مولانا عبیداللہ الاسعدی، مولانا شمشاد احمد نادر قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا ابراہیم، مولانا ابرار خاں، مولانا مجاہد الاسلام حیدرآباد، مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا نور القاسمی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مفتی عبد الرحیم صاحب، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا محمد شاہد القاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا انور علی الاعظمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں، مولانا ظفر الاسلام، مولانا عبدالجلیل القاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا ابوالحسن علی بھروچ، مولانا سمیع اللہ قاسمی۔

مگر مولانا محمد قمر الزماں نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں سامان کا جائزہ لینا ضروری نہیں ہے۔اور مولانا سمیع الحق صاحب ومفتی زید صاحب نے مزید ایک شرط کا اضافہ کیا ہے کہ ید ابید ہو، ادھار نہ ہو۔اور اخلاق احمد القاسمی صاحب نے مزید دو شرطوں کا اضافہ کیا ہے: ا۔سودی کاروبار کے خلاف آواز اٹھاتا رہے۔ ۲۔ ربوی مال کا صدقہ کرے۔

موخر الذکر حضرات (ابوالحسن علی، ظفر الاسلام، زبیر احمد قاسمی) نے ایک دوسری عبارت سے استدلال کیا ہے:

"ولو قال أعطني نصف درهم فلوسا و نصفا إلا حبة جاز لأنه قابل الدرهم بما يباع من الفلوس بنصف درهم و بنصف درهم إلا حبة بمثله وما وراءه بإزاء الفلوس (ہدایہ کتاب الصرف ۳/۱۱۱)۔

۲۔ یہ معاملہ درست ہے درج ذیل شرائط کے ساتھ:

الف۔ سودی کاروبار کے خلاف آواز اٹھائی جاتی رہے۔

ب۔ مال ربوی کا صدقہ کرے۔(مولانا منظور احمد قاسمی)

۳۔ اگر کمپنی کے اثاثے نقد کے مقابلہ میں نمایاں طور پر غالب ہیں تو شیئر خریدنا درست ہے، چنانچہ فقہ میں مشہور مقولہ ہے: "للأكثر حكم الكل" (مفتی محبوب علی وجیہی صاحب)۔

۴۔ جائز ہے کیونکہ سودی عنصر پورے کاروبار میں ضمنی حیثیت رکھتا ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ)

۵۔ مطلقاً جائز ہے۔ (مفتی محمد جعفر، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا احمد دیولوی)۔

مزید مولانا تنویر احمد اور احمد دیولوی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اختلاط الحلال بالحرام میں ہم حلال کو ترجیح دیں گے، مگر مولانا احمد دیولوی نے کہا ہے کہ چونکہ اس میں سود کی آمیزش ہے اس لئے مناسب نہیں۔

۶۔ مطلقاً جواز ہونا چاہئے (یہاں تک مولانا سلطان احمد اصلاحی اور مولانا عبدالعظیم اصلاحی متفق ہیں) مگر دونوں حضرات نے مختلف وجوہ کی بناپر جواز کا مطالبہ کیا ہے۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی صاحب کا موقف ہے کہ چونکہ کمپنی کے مخلوط اثاثہ میں نقد کی مقدار ہمیشہ بدلتی رہتی ہے ایک ہی نہیں رہتی، اس لئے اس کی تعیین پُر مشقت ہی نہیں، عام شرکاء کے لئے تقریباً ناممکن ہے، اس لئے اس مخلوط اثاثہ کے مجموعہ کو جس کی نمائندگی کمپنی کرتی ہے نقد سے مختلف چیز سمجھا جائے، اور اس اجتہادی مسئلہ میں کمپنی کے سرٹیفیکٹ (شیئر) کا نقد سے تبادلہ مطلقاً جائز ہونا چاہئے۔

جبکہ مولانا سلطان احمد صاحب فرماتے ہیں کہ ہندوستان دار الحرب ہے، اگر اس کو من کل الوجوہ دار الحرب نہ مانا جائے تو کم از کم معاملات ربویہ میں تو اس کا لحاظ ضرور کرنا چاہئے۔

نوٹ: لیکن موصوف نے دوسرے سوال کے جواب میں کہا ہے کہ نقد کا معاملہ نقد کے ساتھ کی صورت میں برابری کے ساتھ ہی درست ہوگا، کمی زیادتی کے ساتھ درست نہ ہوگا، کیونکہ یہ بیع صرف ہے۔

۷۔ شیئر کی تجارت جو کہ نقد و اعراض کا مجموعہ ہے اس کو بطور جزء مشاع کے بدلے خریدنا درست ہے۔ (مفتی نظام الدین صاحب دار العلوم دیوبند)۔

۸۔ یہ کاروبار ٹھیک نہیں ہے اور اس سے حتی المقدور بچا جائے (مفتی عزیز الرحمٰن صاحب)۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے:

اس مسئلہ میں جملہ مقالہ نگار حضرات عدم جواز پر متفق ہیں بجز مولانا احمد دیولوی صاحب کے، کہ ان کی رائے جواز کی ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا مناسب نہیں، ان کا کہنا ہے کہ عقود عاقد کی طرف لوٹتے ہیں اور یہاں پر عاقد کمپنی ہے جو کہ وکیل کی حیثیت رکھتی ہے، لہذا یہ معاملہ کمپنی کی طرف ہی راجع ہوگا نہ کہ موکل (خریداران شیئرز) کی جانب، اس لئے جائز ہے، لیکن سود کی آمیزش کی وجہ سے مناسب نہیں۔ جبکہ مولانا احمد دیولوی کے علاوہ جملہ مقالہ نگار ایسی کمپنی کے بارے میں جو حرام کاروبار کرتی ہو اس کے عدم جواز پر متفق ہیں۔

نوٹ: مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔

درج ذیل حضرات اس مسئلہ میں عدم جواز کے قائل ہیں:

مولانا محمد حنیف، مولانا سید محمد ایوب، مولانا شمس پیرزادہ، جناب حفظ الرب، مولانا محمد طاہر، مولانا بدر احمد مجیبی، مفتی محمد زید، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ظفر الاسلام، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا مفتی نظام الدین صاحب دار

العلوم دیوبند، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا ابوالحسن گجراتی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا محمد رضوان قاسمی، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا شمشاد احمد نادر قاسمی، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولوی مجاہد الاسلام، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا نور القاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا ابراہیم محمد صاحب، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا قمر عالم سنبھلی، مفتی نسیم احمد قاسمی، مفتی عبدالرحیم بھوپال، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا محبوب علی، مولانا ابوبکر شکر پور دربھنگہ۔

۵۔ ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنا جس کا کاروبار حلال ہو مگر اس کو سودی قرض لینے پڑتے ہوں:

اس مسئلہ میں جملہ مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ ایسی کمپنی کی آمدنی حلال وجائز ہوگی۔ مگر اس کے شیئرز خریدنے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۱۔ اکثر حضرات کی رائے ہے کہ یہ معاملہ بامر مجبوری جائز ہے، پھر بعض حضرات نے اس کو ایک شرط کے ساتھ مقید کیا ہے کہ سودی کاروبار کے خلاف آواز اٹھاتا رہے۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:

مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا عبدالرحیم، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا محمد حنیف، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا محمد جعفر، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا عبداللطیف گجرات، مفتی نظام الدین صاحب، مولانا مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبدالقیوم پالنپوری۔

مفتی نظام الدین صاحب کا کہنا ہے کہ کمپنی سے تحریری یا زبانی طور پر معاہدہ کیا جائے کہ ہمارے پیسے سے سود نہ دیا جائے، اور بعض حضرات نے کوئی شرط ذکر کئے بغیر بامر مجبوری جائز قرار دیا ہے، ان کے اسماء درج ذیل ہیں:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا محمد زید، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا قمر عالم سنبھلی، مولانا سید محمد ایوب، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا احمد دیولوی، مولانا نسیم احمد قاسمی، جناب حفظ الرب، مولانا ظفر الاسلام، مولانا تنویر احمد قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا بدر احمد، مولانا محمد رضوان قاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی۔

۲۔ دوسرا قول عدم جواز کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنے کا مطلب کمپنی کو سودی کاروبار کرنے کا وکیل بنانا ہے جو حرام ہے چاہے ضمنی طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ (مولانا ابوبکر شکر پور، مفتی عزیز الرحمٰن)

نوٹ: بعض حضرات نے کوئی جواب نہیں دیا، مثلاً منظور احمد قاسمی۔

محمد نور القاسمی صاحب۔ نے دونوں قول (جواز وعدم جواز) ذکر کئے ہیں مگر اپنی کوئی رائے نہیں لکھی۔

۶۔ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کو ریزرو بینک میں کچھ سرمایہ رکھنا پڑتا ہے یا سیکورٹی بانڈز خریدنے پڑتے ہیں پھر اس سے سود ملتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

اس مسئلہ میں سبھی حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ حاصل شدہ سود سے نفع اٹھائے بغیر ایسی کمپنیز کے شیئرز بامر مجبوری خریدنا جائز ہے اور سود والی رقم صدقہ کردی جائے۔ ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا قمر عالم سہیلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا شکیل احمد، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا جعفر ملی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا عزیز الرحمٰن، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا مفتی نظام الدین دارالعلوم دیوبند، مولانا عبیداللہ الاسعدی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا عبدالرحیم بھوپال، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا احمد نادر قاسمی، مولانا عبد الرحمٰن پالنپوری، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا ابرار خاں، مولانا ابراہیم محمد، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا ابوبکر شکرپور، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا محمد حنیف، مولانا اقبال احمد قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا سید طاہر مظاہری، مولانا اختر امام عادل، مولانا مفتی محمد زید، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا احمد دیولوی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا عبدالقیوم پالنپوری۔

لیکن ان حضرات میں سے بعض کا کہنا ہے کہ یہ تصدق واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا اعجاز احمد قاسمی۔

نوٹ: (الف) مفتی نظام الدین صاحب کہتے ہیں کہ کمپنی سے اس بات کا معاہدہ کیا جائے خواہ تحریری ہو یا زبانی، کہ ہمارے حصے میں سود کا پیسہ نہ ملایا جائے۔

(ب) حکیم ظل الرحمٰن کا کہنا ہے کہ یہ سوال بھی غلط فہمی پر مبنی ہے کیونکہ کسی بھی کمپنی کو اپنے سرمایہ کا کوئی حصہ کسی بینک میں جمع نہیں کرنا ہوتا بلکہ منافع کی غیر تقسیم شدہ رقم کو کسی سرکاری سیکورٹی میں جمع رکھنا ہوتا ہے۔

(ج) بعض نے اس کا کوئی جواب تحریر نہیں کیا ہے۔ (مولانا منظور احمد قاسمی، جناب حفظ الرب)

۷۔ سودی قرض اور اس کے منافع کی حیثیت:

اس مسئلہ میں چند آراء ہیں جو درج ذیل ہیں:

مقالہ نگار حضرات میں اکثریت کی رائے ہے کہ:

۱۔ ایسا سودی قرضہ جو بضرورت لیا گیا ہو مفید ملک ہوگا، کیونکہ سودی قرض لینے میں حرمت لغیرہ ہے لذاتہ نہیں۔

مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا سید محمد ایوب، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا محمد قمر الزماں

ندوی، مولانا محمد حنیف، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا ابوبکر شکر پور، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا شاہد قاسمی، مفتی عبدالرحمن پالنپوری، مولانا بدر احمد مجیبی، مفتی نسیم احمد قاسمی، مولانا عبدالرحیم، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اختر امام عادل، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا نورالقاسمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا مفتی محمد زید۔

۲۔ مفید ملک ہوگا مگر ذمہ داران کمپنی کے حق میں حلال نہ ہوگا، عام آدمی کے حق میں درست ہے۔ (اقبال احمد قاسمی)

۳۔ اگر ساری رقم سودی قرض کی ہے تو اس سے حاصل شدہ منافع بھی سود ہوں گے اور یہ سودی قرض مفید ملک نہ ہوگا۔ (مولانا ظفر الاسلام، مفتی محبوب علی وجیہی)

۴۔ اس کی آمدنی کا اندازہ کر کے رفاہ کے کاموں میں لگا دیا جائے۔ (ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی)

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے؟

اس مسئلہ کے بارے میں جملہ مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل متصور ہوگا۔

اس میں بھی سبھی حضرات متفق ہیں کہ بورڈ کا عمل شیئر ہولڈر کا عمل شمار کیا جائے گا بجز مولانا ابوبکر شکر پوری کے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ بورڈ کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل شمار کیا جائے۔

پھر اکثر حضرات نے اس معاملہ کو شرکت عنان کہا ہے جب کہ بعض حضرات نے اس کو عقد مضاربت سے تعبیر کیا ہے جن میں مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، اور مفتی عبیداللہ صاحب ہیں۔

نوٹ: بعض حضرات نے اس سوال کا جواب دینے کی زحمت نہیں فرمائی جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں: مولانا ظفر الاسلام، مفتی عزیز الرحمن۔

۹۔ بورڈ آف ڈائریکٹرس کے سودی قرض لینے کے فیصلے سے اختلاف اور پھر اس اختلاف کے اعلان سے وہ بری الذمہ ہوجائے گا؟

اس مسئلہ کے بارے میں مقالہ نگار حضرات کی آراء مختلف ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ بورڈ آف ڈائریکٹرس کے سودی قرض لینے کے فیصلے سے اختلاف کرنا اور پھر اس اختلاف کا اعلان کر دینا، یہ اس کی براءت کے لئے کافی ہے۔ یہ قول درج ذیل حضرات کا ہے:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اختر امام عادل، مفتی نظام الدین دارالعلوم دیوبند، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا ابراہیم، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مفتی محمد زید، مفتی

انورعلی اعظمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا ابوبکر شکر پور، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا عبدالرحیم، مولانا محمد جعفرملی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا محمد حنیف، مولانا ابرار احمد قاسمی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا نسیم احمد قاسمی، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری۔

۲۔ اختلاف کرنا اور اس کا اعلان کرنا براءت کے لئے کافی نہ ہوگا، ہاں معذور کا حکم اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ یہ جانتے ہوئے کہ میری بات مسترد کردی جائے گی ایسی کمپنی میں شرکت کرنا ضمناً رضامندی ہے۔ شرکت امر اختیاری ہے، اگر اس کی بات نہیں سنی جاتی تو وہ کمپنی سے علیحدہ ہو جائے، الا یہ کہ اس کے حالات ایسے ہوں کہ وہ پیسہ دوسری جگہ نہیں لگا سکتا، تو پھر بدرجہ مجبوری ایسے شخص کو اجازت ہوگی۔ اس قول کے قائل درج ذیل حضرات ہیں:

مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا احمد القاسمی، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مفتی عبید اللہ الاسعدی، مولانا مجاہد الاسلام حیدرآباد، مولانا شاہد القاسمی، مولانا ابوالحسن علی گجراتی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی۔

۳۔ مولانا شمس پیرزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ شیئر ہولڈر کے لئے براءت کا اظہار کرنا ضروری نہیں کیونکہ وہ ناقابل عمل ہے، عبث ہے۔

۴۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ بینک سے جب سودی قرض لینے کی نوعیت ہی محل نظر ہے تو پھر اس سے اختلاف کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

۵۔ بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے، لہذا اس سوال کے جواب کی ضرورت ہی نہیں (حفظ الرب)۔

نوٹ: بعض حضرات نے جواب ہی تحریر نہیں فرمایا۔ (نعیم اختر قاسمی، مفتی عزیز الرحمٰن، مفتی شکیل احمد، مولانا احمد دیولوی)

۱۰۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود کی مقدار معلوم ہو تو اس کے بقدر صدقہ کردینا کافی ہوگا؟

سبھی مقالہ نگار اس مسئلہ میں اس باب پر متفق ہیں کہ سودی رقم کا صدقہ کرنا ضروری ہے، اور سودی منافع کے بقدر صدقہ کردینا کافی ہوگا، بجز مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب کے کہ ان کے نزدیک صدقہ کرنا ضروری نہیں۔

مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ظفر الاسلام، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا اختر امام عادل، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مفتی محمد زید، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا ابراہیم محمد، مولانا محمد شاہد القاسمی، مولانا نعیم رشیدی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا ابوبکر شکر پور، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد حنیف، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا عبدالرحیم بھوپال، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا محمد ایوب سبیلی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا نسیم

احمد قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا قمر عالم سبیلی۔

نوٹ: جواب واضح طور پر مذکور نہیں۔

مفتی شکیل احمد سیتا پوری، مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا احمد دیولوی، مفتی نظام الدین صاحب، دار العلوم دیوبند۔ صدقہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں یہ اس کی جائز آمدنی ہے اسے وہ بے کھٹک زیر استعمال لاسکتا ہے (مولانا سلطان احمد اصلاحی)۔

۱۱۔ سودی آمدنی کے منافع کا حکم:

اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر اس سے نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا ہے کیا اتنا فیصد صدقہ کر دینا کافی ہوگا؟

اس مسئلہ میں تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اگر سود کی مقدار معلوم ہو یا ہو سکتی ہو تو اس کا تصدق واجب ہے ورنہ واجب نہیں، کیونکہ مخلوط الحلال بالحرام کا حکم حلت کا ہے۔

نوٹ: بعض حضرات نے اس کا کوئی جواب تحریر نہیں کیا۔

مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا احمد دیولوی، مولانا شکیل احمد، مولانا محمد رضوان القاسمی، مفتی نظام الدین صاحب دار العلوم دیوبند۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت:

۱۔ شیئرز کی تجارت جائز ہے، بشرطیکہ اصل کاروبار حلال ہو اور کچھ اثاثے وجود میں آچکے ہوں، تخمین مطلقاً ناجائز نہیں بلکہ ایسی تخمین ممنوع ہے، جس میں خطر وغرر ہو، ورنہ کچھ نہ کچھ تخمین تو ہر تجارت میں ہوتی ہے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا شمس پیرزادہ، مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا انور علی، مولانا ابوبکر شکر پور، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا محمد حنیف، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا طاہر مظاہری، مولانا نظام الدین صاحب دار العلوم دیوبند، مولانا محمد شاہد القاسمی، مولانا رضوان القاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا ابراہیم محمد، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا مفتی محمد زید، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا احمد دیولوی، مفتی محمد جعفر، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا عبدالرحیم، مولانا تنویر احمد، مولانا اخلاق الرحمٰن، مفتی محبوب علی، مولانا اختر امام عادل، مولانا عتیق احمد، مولانا نسیم احمد قاسمی۔

۲۔ ناجائز ہے، یہ جوئے کی ایک قانونی شکل ہے، ہاں اگر شیئرز کا اندراج کراکے پھر فروخت کرے تو جائز

ہوگا، ورنہ بالا بالا کی فروخت بغیر اندراج ملکیت کی کوئی حیثیت نہیں (مفتی شکیل احمد)۔

۳۔ شیئر کی تجارت کی نہ تو گنجائش ہے اور نہ ضرورت ۔ عوام کو اس سے دور رہنے کا حکم دیا جائے اس سے وسائل ثروت سمٹ کر سرمایہ داروں کے ہاتھ میں پہونچ جاتے ہیں (حفظ الرب)۔

۴۔ شیئرز نہ ثمن ہیں اور نہ مبیع ،لہذا ان کی تجارت درست نہیں کیونکہ راس المال یا ثمن وہ زر مبادلہ ہے جو شیئر ہولڈر ادا کرتا ہے، اور مبیع وہ سامان ہے جو فیکٹری میں تیار ہوگا۔ شیئر دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ (مفتی شکیل احمد سیتاپوری)

۱۳۔ فیوچر سیل(Future Sale):

جملہ مقالہ نگار حضرات اس مسئلہ کے بارے میں اس بات پر متفق ہیں کہ یہ معاملہ ناجائز ہے کیونکہ یہ دونوں طرف سے ادھار ہے اور پھر اس میں قمار بھی ہے، اور قمار کی حرمت پر بہت سی نصوص موجود ہیں۔

مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا مفتی محمد زید، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ابوبکر شکر پور، مولانا ابوالحسن علی، مولانا عبد اللطیف گجرات، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد حنیف، مولانا ابراہیم محمد، مفتی عبد القیوم پالنپوری، مولانا مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا محمد ایوب سبیلی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مفتی عبد الرحیم، مولانا احمد القاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا عبد الرحمٰن پالنپوری، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا احمد دیولوی، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی شکیل احمد سیتاپوری، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا نسیم احمد قاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا محمد جعفر ملی، مولانا اعجاز احمد قاسمی۔

نوٹ: بعض حضرات نے جواب نہیں لکھا۔

مفتی عزیز الرحمٰن، مفتی نظام الدین دار العلوم دیوبند، جناب حفظ الرب، مولانا تنویر احمد قاسمی۔

۱۴۔ غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے:

اس مسئلہ کے بارے میں مقالہ نگار حضرات کی آراء مختلف ہیں، دراصل یہ اختلاف آراء سوال کے واضح نہ ہونے کی وجہ سے ہوا ہے، چنانچہ ہر شخص نے جیسا سمجھا اسی کے مطابق جواب تحریر کیا ہے۔ اسی وجہ سے بعض حضرات نے لکھا بھی ہے کہ "سوال واضح نہیں ہے"۔ جن حضرات نے جواب دیئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ زیادہ تر مقالہ نگار حضرات کی رائے میں یہ غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے ناجائز ہے، اس کی حیثیت محض ایک وعدہ کی ہے۔

مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا عبد الرحمٰن پالنپوری، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا انور

علی اعظمی، مفتی محمد جعفر، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا محمد زید، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا عبدالرحیم، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا اختر امام عادل، مولانا نسیم الدین قاسمی، مفتی نسیم احمد قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، مولانا محمد رضوان قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا محمد طاہر مظاہری۔

۲۔ درست ہے، بشرطیکہ خریدار دیکھنے کے بعد اس کا آخری فیصلہ کرے۔ یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

مولانا ابراہیم، مولانا محمد ظفر الاسلام، مولانا سمیع اللہ قاسمی۔

۳۔ یہ بیع سلم ہے، بیع سلم کے احکام جاری ہوں گے۔

مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی اور مفتی محبوب علی وجیہی۔

۴۔ یہ بیع لاآجل بلاآجل ہے۔ نهى رسول الله ﷺ عن بيع الكالي بالكالي (مولانا محمد حنیف)۔

۵۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ سوال واضح نہیں ہے۔ وضاحت کے بعد جواب دیا جائے گا۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا عبیداللہ الاسعدی، مولانا احمد دیولوی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا عبدالجلیل صاحب۔

نوٹ: بعض حضرات نے اس کا جواب ہی نہیں لکھا۔

مفتی نظام الدین صاحب دیوبند، مولانا منظور احمد قاسمی، مفتی عزیز الرحمن، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، جناب حفظ الرب۔

۱۵۔ شیئرز کی خرید وفروخت کے ساتھ ہی سرٹیفکیٹ ملنے سے قبل شیئرز پر قبضہ تسلیم کیا جائے گا یا نہیں؟

اس مسئلہ کے بارے میں بھی مقالہ نگار حضرات کی آراء مختلف ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ محض شیئرز کی بیع وشراء سے ہی کمپنی کے اثاثے واملاک شیئرز ہولڈر کی ملکیت میں آجاتے ہیں: "لأن التخلیه قبض حکما (درمختار ۴/۴۷) سرٹیفکیٹ محض اس کا ایک تحریری ثبوت ہے۔

یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

مولانا عبیداللہ الاسعدی، مولانا محمد ایوب سبیلی، مفتی عبدالرحیم، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا جعفر علی رحمانی، مولانا ابراہیم، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا احمد دیولوی، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا طاہر مظاہری، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا محمد شاہد، مولانا محمد حنیف، مولانا زبیر احمد قاسمی۔

۲۔ معنوی قبضہ تو شیئرز خریدتے ہی ہوجائے گا مگر بہتر ہے کہ سرٹیفکیٹ کے حصول کے بعد ہی شیئرز

فروخت کئے جائیں۔

مولانا عبداللطیف، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا ارشد قاسمی، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا اختر امام عادل۔

۳۔ سرٹیفیکٹ ملنے سے قبل شیئرز فروخت کرنا درست نہیں، اس لئے کہ عرف میں سرٹیفیکٹ کے بغیر قبضہ تصور نہیں کیا جاتا جیسا کہ ارشاد باری ہے: وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا نسیم احمد قاسمی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا نور احمد قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا بدر احمد مجیبی۔

۴۔ ضمان وقبضہ دونوں علیحدہ علیحدہ شئی ہیں، محض کسی چیز کے ضمان میں آجانے سے قبضہ کا تحقق نہیں ہوتا جب تک کہ قبضہ حقیقی یا معنوی نہ ہو۔ یہاں پر قبضہ معنوی سرٹیفیکٹ کے حصول تک مکمل نہیں ہوتا۔ (مفتی محمد زید مظاہری ندوی)

۵۔ کمپنی کے حصص پر ملکیت اور قبضہ سرٹیفیکٹ پر نئے خریدار کے نام کے اندراج کے بعد ہی مانا جاتا ہے۔ لیکن ۹۸ فیصد خریداری ایسی ہی سرٹیفیکٹ پر اندراج نام کے بغیر ہورہی ہے، اس اعتبار سے اسے معنوی قبضہ تسلیم کرلینا ہی مناسب ہے (حکیم ظل الرحمٰن)۔

نوٹ: اس سوال کا جواب نہیں دیا۔

مفتی نظام الدین دارالعلوم دیوبند، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولانا عزیز الرحمٰن، جناب حفظ الرب۔

۱۶۔ شیئرز سرٹیفیکٹ ملنے سے قبل شیئرز کی خرید وفروخت:

اس مسئلہ کے بارے میں مقالہ نگار حضرات کی تین آراء ہیں۔

۱۔ خریدار سرٹیفیکٹ کے حصول کے بغیر کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت نہیں کرسکتا، چونکہ عرف میں قبضہ سرٹیفیکٹ کے حصول کے بعد ہی مانا جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا ظفر الاسلام، مفتی محمد زید، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا نسیم احمد قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا ابوبکر قاسمی۔

۲۔ سرٹیفیکٹ کے حصول تک قبضہ مشتبہ ہے، اس لئے اس کی خرید وفروخت احتیاط کے خلاف ہے، مزید یہ کہ اس سے سٹہ بازی کی حوصلہ افزائی بھی ہوسکتی ہے۔

مولانا عبداللطیف، مولانا عبدالقیوم، مولانا عبدالرحمٰن، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا ابو الحسن علی، مولانا محمد ارشد قاسمی۔

۱۔ خریدار سرٹیفکیٹ ... کے بغیر بھی

مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا نور القاسمی، مولانا عبد الرحیم، مفتی محمد جعفر ملی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا ابراہیم محمد، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا احمد دیولوی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا سید محمد ایوب، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا حنیف، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا نعیم رشیدی، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا محمد ابرار خاں، مولانا شاہد القاسمی۔

نوٹ: بعض حضرات نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔

مفتی نظام الدین دار العلوم دیوبند، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولانا عزیز الرحمٰن۔

۱۷۔ بروکری کا حکم:

اس مسئلہ میں جملہ مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اس کا حکم دلالی کا ہے، اور دلالی باتفاق جائز ہے۔ لہذا جن شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے ان کی خرید وفروخت میں بروکر اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا بھی درست ہے۔ (درمختار ۲۹/۵۔۳۹، شامی ۴۴/۵)

نوٹ: بعض حضرات نے جواب نہیں دیا۔

مفتی نظام الدین صاحب دار العلوم دیوبند، مولانا عزیز الرحمٰن، مفتی انور علی اعظمی۔

عرض مسئلہ:

عارضین:

۱۔ مولانا عبدالقیوم پالنپوری صاحب
۲۔ مولانا عبدالجلیل قاسمی صاحب
۳۔ مولانا اختر امام عادل صاحب
۴۔ مولانا عتیق احمد بستوی صاحب

عرض مسئلہ:

شیئرز کی شرعی حیثیت

سوال نمبرا۔۲۔۳

از......... مولانا عبدالقیوم پالنپوری

سوال نمبرا۔ کیا کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا یہ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے؟

بندہ کو شیئرز کے مسائل سے متعلق کل اکتالیس (۴۱) مقالات اور جوابات موصول ہوئے تھے اور سب ہی مقالہ نگار اور جواب دینے والے حضرات علماء کرام اس بات سے متفق ہیں کہ جس کمپنی کے کچھ اثاثے وجود میں آچکے ہیں، اس کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، محض اس بات کی دستاویز نہیں ہے کہ اس نے کمپنی کو اتنی رقم دی ہے، اکثر حضرات نے سوالنامہ میں اس موقف کی دلیل موجود ہونے کی وجہ سے مختصر جواب پر اکتفا کیا ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب، مولانا اختر امام عادل صاحب، مولانا عبدالجلیل قاسمی صاحب اور مولانا شمس پیرزادہ صاحب نے لکھا ہے کہ شیئر ہولڈر کا کمپنی کے نفع ونقصان میں شریک رہنا اور کمپنی کے تحلیل ہوجانے کی صورت میں شیئر ہولڈر کو اس کے شیئرز کے تناسب سے کمپنی کے اثاثوں میں حصہ ملنا یہ واضح ثبوت اور دلیل ہے کہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔

اب رہا یہ قانون کہ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں موجودہ قانون کے مطابق جب اس کی املاک ضبط کر کے اس کے قرضے ادا کئے جاتے ہیں، اس وقت اس کے حصے (شیئرز) کے تناسب سے کمپنی کے اثاثے قرق نہیں کئے جاسکتے، تو اس قانون سے شیئرز کی حقیقت پر کچھ اثر نہیں پڑے گا اور اس کے باوجود شیئر ہولڈر کی کمپنی میں ملکیت وشرکت باقی رہے گی۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے لکھا ہے کہ شیئر سرٹیفکیٹ پر جو رقم کا ذکر ہوتا ہے، وہ محض اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ اثاثہ اپنی ابتدائی صورت میں اسی قدر و قیمت وقوت خرید کا حامل تھا، اور قانونی طور پر کمپنی کے اثاثوں کو قرق نہ کیا جانا شرعی اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ شیئر قانون کی نگاہ میں اثاثہ کا درجہ نہ رکھتا ہو، کیونکہ ممکن ہے کہ شیئرز پر مبنی اثاثہ میں اشتراک وشیوع کی وجہ سے اس طرح کا قانون بنایا گیا ہو۔ اور مولانا عبدالجلیل قاسمی صاحب پٹنہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مفلس ہو تو صاحبین کے نزدیک اس کی غیر منقولہ اشیاء اراضی وغیرہ بھی فروخت کر کے اس کے قرضہ کی ادائیگی کی جائے گی، لیکن اس کا رہائشی مکان فروخت کر کے قرضہ ادا نہیں کیا جائے گا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ یہ مفلس مکان کا مالک نہیں ہے، اسی طرح اگر حکومت نے کسی مصلحت سے یہ قانون بنایا ہے کہ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں اس کے حصہ تناسب سے کمپنی کے

اثاثے قرق نہ کئے جائیں گے، تو یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ اثاثوں کا مالک نہیں ہے۔ حکیم ظل الرحمٰن اور ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب نے لکھا ہے کہ قرق نہ کئے جانے کے قانون کے باوجود یہ ممکن ہے کہ اس شیئر ہولڈر کے پاس پائے جانے والے شیئرز پر قبضہ کر کے قرض خواہ کے نام منتقل کر دئے جائیں، جس سے کمپنی میں اس کے بجائے قرض خواہ کی ملکیت وشرکت ہو جائے گی اور کمپنی کے اثاثے کے قرق کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ سب ہی مقالہ نگار اور جواب دینے والے حضرات اس بات کو درست مانتے ہیں کہ جس کمپنی کا کچھ اثاثہ وجود میں آچکا ہو اس کے خرید کردہ ایکویٹی شیئرز شیئر ہولڈر کی کمپنی میں ملکیت کی نمائندگی کرتے ہیں، کمپنی کو قرض دینے کی دستاویز نہیں ہے۔ ان مقالہ نگاروں کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا مفتی نظام الدین دیوبند، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری، مولانا ابوالحسن علی، مولانا مفتی احمد دیولوی بھروچ، مولانا عبدالجلیل قاسمی پٹنہ، مولانا جعفر ملی رحمانی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا ابراہیم بزودوی، مولانا مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبداللطیف مظاہری پالنپوری، مولانا سمیع اللہ قاسمی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مفتی شکیل احمد سیتاپوری، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا عبدالرحیم بھوپال، مولانا ظفر الاسلام مئو، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی انور علی، عبدالقیوم پالنپوری، مولانا نعیم رشیدی، مولانا شمشاد احمد نادر قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا شاہد قاسمی، مولانا ارشد قاسمی، مولانا طاہر مظاہری، مولانا سید ایوب سبیلی، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا محمد نور القاسمی۔

سوال نمبر۲۔ بعض اوقات کمپنی قائم کرتے وقت شیئرز کا اعلان کیا جاتا ہے، اور اس وقت اس کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتی ہیں، اس وقت اگر کمپنی کے خرید کردہ شیئرز کی بیع کی جائے تو ایسی صورت میں نقد نقد کے مقابل ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

اس کا جواب ۳۷ حضرات علماء کرام نے دیا ہے، اس سوال کے متعلق مولانا شمس پیرزادہ صاحب نے لکھا ہے کہ ہر کمپنی کو ابتداءً قانون حکومت کی بنا پر کچھ سرمایہ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں لگانا پڑتا ہے، جس کے بعد ہی اسے شیئرز کا اعلان کرنے کی اجازت مل سکتی ہے، اس لئے یہ خیال صحیح نہیں کہ کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتی اور وہ شیئرز کا اعلان کر دیتی ہے، لہذا شیئرز کی بیع اس صورت میں بھی جائز ہو گی جبکہ کمپنی پوری طرح قائم نہ ہوئی ہو۔ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اگر اس قانون کے مطابق کمپنیوں کا عمل بھی ہے تو اس سوال کی ضرورت نہیں، لیکن ہندوستان جیسے ممالک میں یہ ممکن ہے کہ کمپنی اپنے اثاثے وجود میں لانے سے پہلے ہی خلاف قانون متعلقہ افسران سے رشوت وغیرہ کے ذریعہ اجازت حاصل کر کے شیئرز کا اجراء کر دے، لہذا اس سوال کی ضرورت باقی رہے گی۔

اور ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب نے لکھا ہے کہ کمپنی نئے وجود میں آنے سے پہلے اس کا پروجیکٹ اور

خاکہ تیار کیا جاتا ہے اور اس پر کافی وقت اور روپیہ صرف ہوتا ہے، لہذا یہ پروجیکٹ بھی کسی مصنف کے مسودے کی طرف اہم اور قیمتی ہے، اور چونکہ نقد کا مقابلہ نقد سے نہیں، لہذا اشیئرز کی خرید وفروخت درست ہے۔

اس بارے میں عرض ہے کہ اگر پروجیکٹ یا پلان مال تسلیم کرلیں تو یہ بات درست ہے، لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی مال نہیں ہے۔

اور مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب نے اس صورت کو حوالہ کا معاملہ قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس میں کمی و بیشی درست نہیں ہے۔ لیکن اس کو حوالہ کا معاملہ کہنا درست معلوم نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ حوالہ میں دَین محیل سے محتال علیہ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، اور محتال علیہ سے محتال لہ دَین وصول کرتا ہے، اور سوال کی صورت میں کمپنی محتال علیہ ہو گی اور اس سے شیئرز واپس کرکے دَین وصول کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے، لہذا یہ بیع کا معاملہ ہے نہ کہ حوالہ کا۔

باقی حضرات کے مقالات وجوابات سے دو نقطۂ نظر سامنے آئے ہیں: ایک یہ کہ اس صورت میں شیئرز کی خرید وفروخت نہ کمی وبیشی اور نہ اس کی قیمت اسمیہ (متعینہ) سے جائز ہے، اس لئے کہ یہ نقد کی بیع نقد سے ہے جو بیع صرف ہے، اور بیع صرف میں تقابض علی البدلین اور تساوی دونوں ضروری ہیں، اور اس صورت میں کمی وبیشی سے بیع کرنے میں دونوں نہیں پائے جاتے ہیں، اور شیئرز کے برابر قیمت سے بیع میں تقابض علی البدلین نہیں پایا جارہا ہے۔ لہذا اس صورت میں نہ کمی بیشی کے ساتھ اور نہ برابر قیمت کے ساتھ شیئرز کی خرید وفروخت درست ہے، یہ رائے حسب ذیل حضرات علماء کرام کی ہے:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا شاہد قاسمی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا طاہر مظاہری، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا ارشد قاسمی، مولانا سید ایوب سبیلی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابرار خاں ندوی۔

مولانا جعفر علی رحمانی صاحب نے عدم جواز کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ابھی کمپنی کے پاس اثاثہ نہیں ہے لہذا یہ غیر مملوک (یعنی بعد میں وجود میں آنے والے اثاثے) کی بیع ہے جو شرعاً درست نہیں ہے۔

لیکن اسے بیع غیر مملوک قرار دینا صحیح نہیں، اس لئے کہ دونوں جانب نقد موجود ہے تو نقد کی بیع نقد سے ہی قرار دی جائے گی۔ اسی طرح اس صورت کو بیع صرف قرار دینا بھی درست نہیں معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ بیع صرف میں عوضین کا خلقی ثمن ہونا ضروری ہے جیسا کہ بیع صرف کی تعریف میں ہے:

وهو ... شرعا بيع الثمن بالثمن أي ما خلق للثمنية ... جنسا بجنس أو بغير جنس كذهب بفضة (الدر المختار مع الشامی ۴/۲۲۵)۔

اور موجودہ نقد یعنی نوٹ ثمن خلقی نہیں بلکہ ثمن عرفی یا اصطلاحی ہے، لہذا یہ بیع صرف نہیں ہے، لیکن ایک ہی ملک کی کرنسی کا باہم تبادلہ یا خرید وفروخت ہو تو جنس ایک ہونے کی وجہ سے تقابض علی البدلین ضروری ہے، یا تقابض علی احد العوضین صحت بیع کے لئے کافی ہے، تو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اور اس صورت میں یہی مسئلہ ہے، اور اکثر حضرات کی

رائے میں ان علماء کی بات درست معلوم ہوتی ہے جو احد البدلین پر قبضہ شرط مانتے ہیں۔

جو حضرات سوال دوم کی صورت میں شیئر کی مطلقاً خرید وفروخت کے عدم جواز کے قائل ہیں، ان کی یہ رائے اس بات کی متقضی ہے کہ سوال سوم میں مذکور صورت میں۔ کہ جس میں نقد کا تقابلہ نقد و مال سے ہے۔ جتنے حصہ میں نقد کا تقابل نقد سے ہے بیع ناجائز ہو، حالانکہ ان میں سے اکثر حضرات تیسرے سوال میں مذکور صورت میں شیئرز کی خرید وفروخت جائز قرار دیتے ہیں۔

دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس صورت میں خرید کردہ شیئر کی بیع اس کی قیمت اسمیہ سے کم وبیش کے ساتھ سود ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، اور شیئر پر لکھی ہوئی قیمت کے برابر سے بیچنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ بیع صرف نہیں ہے، اور موجودہ نقد ونوٹ چونکہ فلوس کے مانند ہے، لہذا جس طرح فلوس کی بیع فلوس کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں امام محمدؒ کے قول کے مطابق، اسی طرح روپیہ کی بیع روپے سے کمی بیشی کے ساتھ درست نہیں، سداً الباب الربوا۔ اور امام کرخیؒ کے قول کے مطابق فلوس کی بیع فلوس سے ہو تو تقابض علی احد البدلین شرط ہے۔ اسی طرح روپیہ کی بیع میں ان کے قول کو اختیار کرتے ہوئے دوعوضوں میں سے ایک پر قبضہ شرط رہے گا نہ کہ دونوں پر۔ اور زیر بحث صورت میں بھی نقد کا تقابل نقد سے ہے لہذا کمی بیشی جائز نہ ہوگی، اور برابر قیمت کے ساتھ شیئر بیچا جائے تو درست ہوگا، اس لئے کہ احد البدلین پر مجلس عقد میں قبضہ ہو جاتا ہے۔ ملک العلماء علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

تبايعا فلسا بعينه بفلس بعينه فالفلسان لا يتعينان وإن عينا، إلا أن القبض في المجلس شرط، حتى يبطل بترك التقابض في المجلس، لكونه افتراقا عن دين بدين، ولو قبض أحد البدلين في المجلس فافترقا قبل قبض الآخر، ذكر الكرخي: أنه لا يبطل العقد، لأن اشتراط القبض من الجانبين من خصائص الصرف، وهذا ليس بصرف، فيكتفى فيه بالقبض من أحد الجانبين لأن به يخرج عن كونه افتراقا عن دين بدين، و ذكر في بعض شروح مختصر الطحاوى أنه يبطل لا لكونه صرفا بل لتمكن ربا النَّساء فيه لوجود أحد وصفي علة ربا الفضل وهو الجنس (بدائع ۵/۲۳۷، نقلاً عن احسن الفتاوی ۷/۸۷)۔

اور بحر العلوم مولانا فتح محمد صاحب تائب تحریر فرماتے ہیں: نوٹ، نوٹ یا روپے سے جب بدلا جاوے تو مساوات... شرط ہے اور تقابض لازم نہیں..... پس جائز ہے نقد بھیں یا قرض (عطر الہدایہ رص ۷۲)۔

اور حضرت مولانا تقی صاحب عثانی تحریر فرماتے ہیں: تمام معاملات میں کرنسی نوٹوں کا حکم بعینہ سکوں کی طرح ہے، جس طرح سکوں کا آپس میں تبادلہ برابر سرابر کر کے جائز ہے، اسی طرح ایک ہی ملک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ برابر سرابر کر کے بالاتفاق جائز ہے، بشرطیکہ مجلس عقد میں فریقین میں سے کوئی ایک بدلین میں سے ایک پر قبضہ کر لے (فقہی مقالات جلد اول رص ۳۱)۔

حاصل بحث یہ ہے کہ اس صورت میں درحقیقت نوٹ کی بیع کرنسی نوٹ سے ہے اور یہ حوالہ یا بیع غیر مملوک

یا بیع صرف نہیں ہے، لہذا ایسے شیئر کی خرید وفروخت کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے اور اس کی برابر قیمت کے ساتھ جائز ہے، اور مجلس عقد میں احد البدلین پر قبضہ صحت بیع کے لئے کافی ہے۔ یہ رائے حسب ذیل حضرات کی ہے:

مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مولانا ظفر الاسلام مئو، مولانا ابوالحسن علی، مولانا عبد الرحیم بھوپال، مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی انور علی، مولانا عبد الرحمن پالنپوری، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا سلطان احمد اصلاحی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابراہیم بڑودوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، عبد القیوم پالنپوری، مولانا شمشاد احمد نادر قاسمی، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا نعیم رشیدی، مولانا قمر عالم سبیلی۔

سوال نمبر ۳۔ کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد اس کا اثاثہ مخلوط ہوتا ہے (یعنی نقد اور املاک کا مجموعہ) اس صورت میں جبکہ مجموعہ مال ربوی وغیر ربوی دونوں پر مشتمل ہے شیئرز کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت کا کیا حکم ہوگا؟

اس کا جواب ۳۸ حضرات علماء کرام نے دیا ہے، لیکن ان میں سے سات حضرات مولانا احمد دیولوی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا تنویر احمد قاسمی، حکیم ظل الرحمن، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا مفتی محبوب علی وجیہی، اور مولانا منظور احمد قاسمی سے سوال سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے، انہوں نے سوال کا یہ معنی سمجھا ہے کہ جب شیئرز میں مجموعہ مخلوط ہے حلال مال اور سود سے، تو ایسے شیئرز کی بیع نقد سے جائز ہے یا نہیں؟ اور انہوں نے اس اخذ کردہ مفہوم کے مطابق اپنے اپنے الفاظ میں جواب دیئے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جب مجموعہ میں غلبہ حلال مال کا ہے اور سودی لین دین قانونی ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے لہذا غالب کا اعتبار کرتے ہوئے ایسے شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے۔

اور مولانا اقبال احمد قاسمی نے لکھا ہے کہ یہ صورت بیع صرف ہے، اور مجلس عقد میں تقابض علی البدلین ضروری ہے، لہذا بغیر حیلہ کے ان شیئرز کی خرید وفروخت درست نہیں ہے، لیکن ان کا اس کو بیع صرف کہنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہاں نقد ثمن خلقی نہیں ہے، اور اس میں کچھ نقد کا تقابل نقد سے ہے اور اس کی صحت کے لئے احد البدلین پر قبضہ شرط ہے جو اس صورت میں پایا جاتا ہے، لہذا بیع جائز ہے۔

اور باقی تیس حضرات علماء کرام نے لکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مال ربوی یعنی نقد و دیون اور مال غیر ربوی یعنی اثاثہ کی بیع نقد کے ساتھ جائز ہے بشرطیکہ نقد مجموعہ میں مخلوط نقد سے زائد ہو، تا کہ نقد نقد کے مقابل ہو جائے اور زائد نقد اثاثہ کے مقابلہ میں ہوگا، مثلاً دس روپے کے شیئر میں آٹھ روپے اگر نقد و دیون کے مقابل ہیں اور دو روپے جامد اثاثوں کے مقابل تو شیئر کی بیع آٹھ روپے یا اس سے کم میں جائز نہ ہوگی، البتہ نو روپے یا اس سے زائد میں جائز ہوگی۔ عالمگیریہ میں ہے:

لو اشترى سيفا محلّى بالفضة أو لجاما مفضضا بالفضة الخالصة، و وزنها أكثر جاز، وإن كان وزنها أقل من الحلية أو مثلها أو لا يدرى لا يجوز (ہندیہ ۳/۱۸۷)۔

یہ رائے حسب ذیل مقالہ نگاروں کی ہے:

مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی انور علی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابوالحسن علی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا ابراہیم بڑودوی، مولانا ظفر الاسلام مئو، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا عبدالرحیم بھوپالی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا جعفر ملی رحمانی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا طاہر مظاہری، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا ایوب سبیلی، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا نعیم رشیدی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا نور قاسمی، مولانا ارشد قاسمی، مولانا شاہد قاسمی، مولانا محمد رضوان القاسمی۔

حاصل بحث یہ ہے کہ اس صورت میں شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے، بشرطیکہ نقد اثاثہ میں مخلوط نقد سے زائد ہو۔

☆☆☆☆☆

عرض مسئلہ:

سوال نمبر ۴-۵-۶

از۔۔۔۔۔مولانا عبدالجلیل قاسمی

امارت شرعیہ، پٹنہ

حضرات علماء کرام! مجھے شیئرز کے بارے میں سوال نمبر ۴، ۵، اور ۶ سے متعلق عرض مسئلہ کی ذمہ داری دی گئی ہے۔اس سلسلہ میں اکیڈمی کی طرف سے اکتالیس (۴۱) مقالات موصول ہوئے۔ایک مقالہ پھلواری شریف میں ملا۔

مقالہ نگار حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دیوبند، مفتی عزیز الرحمن بجنوری، جناب شمس پیرزادہ، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا احمد دیولوی، مولانا ابراہیم بڑودوی، مولانا ابوالحسن علی، مفتی عبد الرحیم بھوپال، مولانا اختر امام عادل، مولانا ظفر الاسلام مئو، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولانا اخلاق الرحمن، مولانا مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا عبداللطیف، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا مفتی عبدالرحمن پالنپوری، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا ارشد قاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا قمر عالم سیلی، مولانا مفتی جعفر علی رحمانی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مفتی نسیم احمد قاسمی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا مجاہد الاسلام حیدرآباد، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا سید محمد ایوب سیلی، راقم الحروف عبدالجلیل قاسمی، حکیم ظل الرحمن۔

سوال نمبر ۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت اور اکسپورٹ، یا بینک اور سودی اسکیموں میں روپے لگانا، ایسی کمپنیز کے شیئرز کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہوگا؟

اس کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات اس پر متفق ہیں کہ جس کمپنی کا بنیادی کاروبار حرام ہو اس میں شرکت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنا تعاون علی الاثم ہے جو بنص قرآنی حرام ہے: "ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان" (الآیۃ)۔

نیز حرام اشیاء مسلمان کی مملوک نہیں ہوتیں اور غیر مملوک کی بیع جائز نہیں، اس لئے حرام اشیاء کی خرید وفروخت مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔اور جس کام کا کرنا جائز نہ ہو اس کے کرنے کا امر کرنا اور اس کے کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنانا بھی جائز نہ ہوگا...... ما حرم فعله حرم طلبه.

ولأن ما ثبت للوكيل ينتقل إلى موكل فصار كأنه باشره بنفسه ولو باشر بنفسه لم يجز فكذا التوكيل به...... (عنایہ مع فتح القدیر ۶/۴۴۰)۔

سوال نمبر۵۔ ایسی کمپنیز جن کا کاروبار حلال ہے مثلاً انجینیرنگ کے سامان تیار کرنا، عام استعمال کی مصرفی چیزیں تیار کرنا وغیرہ، پھر ان کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہونے کے باوجود انہیں بعض اوقات انکم ٹیکس وغیرہ کی زد سے بچنے کے لئے بینکس سے سودی قرض لینا پڑتا ہے، تو کیا ایسی کمپنیز کے شیئرز کا خریدنا جائز ہے؟

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری نے سوال نمبر۵ اور ۶ پر بحث کرتے ہوئے اس وجہ سے اس کو ناجائز قرار دیا ہے کہ اس میں سود لینا دینا پڑتا ہے اور یہ دونوں حرام ہیں، اور مسلمان اس کا مکلف ہے کہ وہ منہی عنہ کو مٹائے ،اس سے صرف اظہار بیزاری یا اظہار ناپسندیدگی کافی نہیں ہے۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی صاحب نے بکراہت جائز لکھا ہے۔

باقی دوسرے مقالہ نگار حضرات نے اس صورت میں شیئرز کی خریداری کو جائز قرار دیا ہے۔ سودی قرض لینے کی صورت میں چونکہ سود دینا ہوتا ہے اس لئے مال اور اس سے حاصل ہونے والے منافع میں کوئی خبث موجود نہیں ہے، اس لئے اس کے منافع کے حلال ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔

البتہ چونکہ سود دینا ہوتا ہے اور وہ بھی حرام ہے۔ اس کا حل بعض حضرات نے یہ پیش کیا ہے کہ شیئر ہولڈر کمپنی کی میٹنگ میں سودی قرض کے حاصل کرنے پر اپنی ناپسندیدگی ظاہر کردے یا خط ہی کے ذریعہ اظہار بیزاری کر دے، اس کے بعد کمپنی کے عملہ کے کام کی ذمہ داری شیئر ہولڈر پر نہیں ہوگی۔

جبکہ دوسرے حضرات نے یہ لکھا ہے کہ چونکہ یہ قرض سرکار کے انکم ٹیکس کے ظالمانہ قانون کی زد سے بچنے کے لئے لیا جاتا ہے اس لئے یہ قرض لینا مجبوری کی وجہ سے ہے، اور مجبوری میں سودی قرض لینے کی اجازت ہے۔ فقہ کا مشہور جزئیہ ہے: یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح.

مولانا ابوالحسن علی گجرات نے سوال نمبر۵ اور ۶ پر بحث کرنے کے بعد آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ اس سے بچنا افضل ہے۔

ظاہر بات ہے کہ جن محظورات کی اجازت مجبوری کی حالت میں دی جاتی ہے عام حالات میں اس کی اجازت نہیں رہتی ہے۔ جو لوگ کسی کمپنی کے مالک ہیں یا جن کے پاس آمدنی کے دوسرے ذرائع موجود نہیں ہیں اور وہ ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنے پر مجبور ہیں، ان کو تو اجازت دی جائے گی، مگر جن لوگوں کے پاس دوسرے وسائل اور آمدنی کے اسباب و ذرائع موجود ہیں، ان کو محض اپنے مال میں اضافہ کے لئے ایسی کمپنی کے شیئرز نہیں خریدنا چاہئے۔ میں نے بھی اپنے مقالہ میں بچنے کو ہی افضل لکھا ہے۔

سوال نمبر۶۔ ایسی حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کو بھی قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے، یا سیکورٹی بانڈس خریدنے پڑتے ہیں ،جن کی وجہ سے انہیں سود بھی ملتا ہے۔ کیا ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنا جائز ہوگا؟

حضرت مولانا زبیر احمد قاسمی نے سوال نمبر۵ اور ۶ کا جواب ایک ساتھ ہی لکھا ہے، اور انہوں نے مجبوری

میں سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے۔ آخر میں لکھا ہے کہ اگر کمپنی سود لیتی ہے تو ناجائز ہے۔

ہمارے اکابر نے عرصہ قبل مال کی حفاظت کی خاطر روپیہ بینک میں رکھنے کی اجازت دی ہے، اور اس روپے پر ملنے والے سود کو بلانیت ثواب فقراء و مساکین پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔

جب اپنی رضامندی سے حفاظت کی خاطر بینک میں روپے رکھنے کی اجازت دی گئی ہے تو حکومت کے قانون کے جبر کی وجہ سے بینک میں روپے رکھنے کو مولانا ناجائز فرمادیں گے مجھے امید نہیں ہے۔

اس لئے مجھ کو محسوس ہوتا ہے کہ عام حالات میں جبر کے بغیر اگر کمپنی نے آمدنی میں اضافہ کی غرض سے سود حاصل کرلیا ہے تو اس کو مولانا ناجائز فرمارہے ہیں۔ اور ظاہر ہے اس کے حرام ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی دوسرا مقصود ہے تو مولانا خود ہی اس کی وضاحت فرمادیں گے۔

مولانا محمد ارشد قاسمی نے لکھا ہے کہ اگر معلوم ہو کہ منافع میں سود بھی ہے تو شیئرز خریدنا ناجائز ہوگا ورنہ جائز ہوگا۔ حالانکہ اس کا علم تو اس وقت ہوگا جب کمپنی حساب دے گی کہ منافع میں سود کی آمیزش ہے یا نہیں، اگر ہے تو اس کی مقدار کیا ہے۔

باقی دوسرے مقالہ نگار حضرات نے اس صورت میں بھی شیئرز کی خریداری کو جائز قرار دیا ہے، مگر اس صورت میں چونکہ سود لینا ہے، اس لئے سود لینے کے عمل کے ساتھ مال میں سود کی آمیزش بھی ہے، اس طرح مال میں خبث بھی ہے۔ اس کا حل انہوں نے یہ تجویز کیا ہے کہ کمپنی کی میٹنگ میں سودی کاروبار کے خلاف آواز اٹھائے یا خط کے ذریعہ اظہار بیزاری کردے، اور سود کی جتنی مقدار اس کے منافع میں شامل ہے اس کو بلانیت ثواب صدقہ کردے۔

میں نے اپنے مقالہ میں ایک تجویز پیش کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرات کے سامنے بھی پیش کردوں۔

سوال نمبر ۵ اور ۶ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف سرکاری قانون کے جبر کی وجہ سے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے یا بانڈس خریدنے پڑتے ہیں، اور اس پر بینک کی طرف سے سود ملتا ہے۔ دوسری طرف انکم ٹیکس کے ظالمانہ قانون کی زد سے بچنے کے لئے اپنے کو مقروض دکھانا پڑتا ہے، اور اس کے لئے بینک سے قرض کی شکل میں رقم لینی پڑتی ہے، اور اس پر سود دینا ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں میری رائے ہے کہ اگر کمپنی مسلمانوں کی ہو یا اس پر مسلمانوں کا اثر ہو تو یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ روپے ریزرو بینک میں جمع کرنے کی صورت میں جس قدر سود ملتا ہے اتنا روپیہ بطور سود لوٹانے کے لئے جتنا روپیہ بینک سے قرض لینا ہو لیا جائے۔

اس صورت میں جتنی رقم سود کے نام پر لی گئی ہے وہ پوری کی پوری سود ہی کے نام پر بینک کو لوٹادی جائے گی، اور درحقیقت نہ سود کا لینا ہوگا اور نہ سود کا دینا ہوگا۔ اور ان حضرات کو بھی شیئرز کی خریداری کی اجازت دینے میں کوئی اختلاف نہیں رہ جائے گا جو سود کے لین دین کی وجہ سے شیئرز کی خریداری کی اجازت نہیں دیتے۔

☆☆☆☆☆

عرض مسئلہ :

سوال نمبر ۷۔۸۔۹۔۱۰۔۱۱

از........مولانا اختر امام عادل
جامعہ رحمانی، سمستی پور

شیئرز کے سوال نمبر ۷تا۱۱ کا عرض مسئلہ مجھ سے متعلق ہے۔ سوال نمبر ۷ سے ۱۱ تک یوں تو پانچ سوالات ہیں مگر ان کو سمیٹا جائے تو بنیادی طور پر صرف تین باتیں ہمارے لئے موضوع بحث بنتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔سودی قرض مفید ملک ہے یا نہیں؟ اور اس سے حاصل ہونے والے منافع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۲۔کیا کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے؟ اور اس کا عمل شیئرز ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا ؟اگر کوئی شیئرز ہولڈر بورڈ کے کسی عمل سے اپنے اختلاف کا اظہار کردے تو اس عمل کی ذمہ داری سے وہ بری ہوگا یا نہیں؟

۳۔اگر کمپنی کے منافع میں سودی آمدنی بھی شامل ہو جس کی مقدار معلوم ہو تو کیا شیئر ہولڈر کے لئے منافع سے اس کے بقدر نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا؟

شیئرز کے موضوع پر اکیڈمی کو کل مقالات موصول ہوئے، جن میں ۳۷ مقالہ نگاروں نے مذکورہ تین باتوں پر صراحۃً یا دلالۃً اپنی رائے ظاہر کی ہے، جبکہ تین حضرات نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

ان ۳۷ حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا ابوالحسن علی، شمس پیرزادہ، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا جعفر ملی رحمانی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مفتی عبدالرحیم بھوپال، مفتی انور علی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ابراہیم محمد بڑودوی، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا عبداللطیف، مولانا محمد رضوان القاسمی، مفتی نظام الدین صاحب دیوبند، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا محمد مجاہد الاسلام حیدرآباد، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا محمد قمر عالم سبیلی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا ایوب سبیلی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا شاہد القاسمی، حکیم ظل الرحمٰن، اور خود راقم الحروف۔

سوال نمبر ۷۔سودی قرض اور اس سے حاصل شدہ منافع کا مسئلہ:

مذکورہ مسائل میں سب سے پہلا مسئلہ (جو سوالنامہ کی ترتیب سے ساتویں نمبر پر ہے) سودی قرض کے مفید ملک ہونے یا نہ ہونے اور اس سے حاصل شدہ منافع کی شرعی حیثیت کا ہے۔تمام مقالات کے پڑھنے سے اس پر

بنیادی طور پر تین رائیں سامنے آئی ہیں:

۱۔ایک رائے جس کو صرف تین حضرات مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی اور مولانا ظفر الاسلام نے اختیار کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ سودی قرض خواہ بضرورت ہو یا بلاضرورت مفید ملک نہیں ہے، اور نہ اس سے حاصل ہونے والے منافع حلال ہیں۔اس نقطۂ نظر کی بنیاد یہ ہے کہ کمپنی بینکوں سے جو سودی قرضہ لیتی ہے وہ مجبوری میں لیتی ہے خوشی سے نہیں، اس لئے اس حد تک اس کو اجازت دی جاسکتی ہے۔ رہا اس قرض سے انتفاع کا معاملہ تو یہ اگلا مرحلہ ہے جو جبری نہیں اختیاری ہے، اور اختیاری صورت میں مال حرام سے استفادہ کی اجازت نہیں دی جاسکتی، مگر یہ استدلال انتہائی کمزور ہے۔

(الف) اس لئے کہ اگر قرض سے انتفاع درست نہ ہو تو پھر قرض لینے کی ضرورت کیا ہوگی؟ اور سودی قرضہ لینے کی اجازت کیوں دی جائے گی؟ فقہاء نے بلاقید یہ قاعدہ بیان کیا ہے:

يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر)۔

ضرورت مند کے لئے سودی قرض لینا جائز ہے۔

اس میں کوئی پابندی نہیں لگائی گئی کہ یہ قرض تو لے لو مگر اس سے انتفاع نہ کرنا، اس لئے کہ پھر تو اجازت کا یہ قاعدہ ہی بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

(ب) دوسری بات جس کی طرف ان حضرات کی نگاہ نہیں گئی، وہ یہ ہے کہ مسلمہ فقہی اصول ہے:

حرمة العقد لا يستلزم حرمة المال.

معاملہ کی حرمت سے مال کی حرمت لازم نہیں آتی۔

سودی قرض لینا اگر بدرجہ مجبوری نہ بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ اس عمل کو غیر درست قرار دیا جائے گا، مگر اس عمل کے نتیجہ میں جو مال آیا ہے اس میں خباثت نہیں آئے گی، اس لئے کہ اس میں سود کی رقم شامل نہیں ہے، سود دیا گیا ہے لیا نہیں گیا ہے۔ حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی (۱۷۰/۳) میں اسی طرز استدلال سے سودی قرض اور اس سے حاصل شدہ منافع کی حلت کا فتوی دیا ہے۔

۲۔دوسری رائے جس کو تنہا مولانا شاہد القاسمی نے پیش کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر سودی قرض بضرورت لیا گیا ہو تو وہ اور اس کے منافع حلال وطیب ہیں، اور اگر بلاضرورت لیا گیا ہو تو وہ اور اس سے حاصل شدہ منافع دونوں حلال نہیں، دونوں قابل تصدق ہیں۔

انہوں نے اس مسئلہ کو بیع فاسد پر قیاس کیا ہے کہ کسی شخص نے کوئی چیز بیع فاسد کے طور پر خریدی تو اس عقد کو توڑنا ضروری ہے، لیکن اگر مشتری اس کو توڑنے کے بجائے کسی تیسرے کے ہاتھ وہ چیز فروخت کردے تو اس سے مشتری اول کو جو منافع حاصل ہوں گے ان کا صدقہ کرنا ضروری (ردالمحتار)۔

مگر اس استدلال میں کئی نقائص ہیں:

(الف) پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں استقراض کے مسئلہ کو بیع کے مسئلہ پر قیاس کیا گیا ہے جب کہ دونوں معاملات کی جنس اور احکام جداگانہ ہیں، اس لئے ایک کے کسی جزئیہ کو دوسرے کے لئے نظیر نہیں بنایا جاسکتا۔

(ب) دوسری بات یہ ہے کہ قیاس پوری طرح قرض والے مسئلہ پر منطبق بھی نہیں ہے، اس لئے کہ قرض والے مسئلہ میں مولانا موصوف نے ضرورت اور عدم ضرورت کی تفصیل کی ہے، جب کہ بیع فاسد کے مذکورہ جزئیہ میں اس طرح کی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

(ج) اور اصل بات یہ ہے کہ بیع فاسد کے مسئلہ کی بنیاد اس پر ہے کہ خبث کہاں مؤثر ہوتا ہے، مال متعین میں یا غیر متعین میں؟ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر خبث فساد ملک کی بنا پر آیا ہو تو صرف مال متعین میں اثر انداز ہوگا غیر متعین میں نہیں، اور اگر عدم ملک کی بنیاد پر آیا ہو تو دونوں صورتوں میں اثر انداز ہوگا۔

بیع فاسد میں ملکیت حاصل ہوتی ہے مگر فساد کے ساتھ، اس بنا پر اگر مال مبیع متعین مثلاً باندی یا جانور وغیرہ ہو تو اس کے فروخت سے جو منافع ہوں گے وہ خبث سے خالی نہیں ہوں گے، اس بنا پر قابل تصدق ہوں گے۔ مگر وہیں اس کی صراحت بھی فقہاء کے یہاں ملتی ہے کہ بائع اول اس شئی کے ثمن (درہم ودینار یا کرنسی) سے جو منافع حاصل کرے گا وہ اس کے لئے طیب ہوں گے اس لئے کہ رقوم اور نقد متعین نہیں ہوتے (ہدایہ ۳/۶۶، رد المحتار ۴/۱۳۵)۔

کتب فقہ میں اس طرح کی کئی نظیریں ملتی ہیں کہ غیر متعین چیزوں پر فساد عقد یا فساد ملک کا اثر نہیں پڑتا، سودی قرض کا معاملہ بھی وہی ہے، سود دیکر قرض کے طور پر جو رقم حاصل ہوتی ہے، وہ بھی غیر متعین ہوتی ہے اس لئے فساد عقد کا اثر بھی بیع فاسد کے اسی مذکورہ جزئیہ کی روشنی میں سودی رقم اور اس سے ہونے والی آمدنی پر نہیں پڑے گا، اس طرح یہ جزئیہ ان کی موافقت میں نہیں بلکہ ان کے خلاف میں جاتا ہے۔

۳۔ تیسری رائے جس کو باقی تمام مقالہ نگاروں نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ بلاضرورت سودی قرضہ لینے کا عمل درست نہیں، صرف ضرورت کے وقت اس کی اجازت ہے۔ لیکن دونوں ہی صورتوں میں اگر سود پر قرض لیا گیا تو یہ قرض مفید ملک ہوگا اور اس سے حاصل شدہ منافع شرعی طور پر حلال ہوں گے۔ البتہ ضرورت نہ ہونے کی صورت میں وہ اپنے عمل کی بنا پر گنا ہگار ہوگا، مگر اس کے عمل کی حرمت مال پر اثر انداز نہ ہوگی، یہی نقطۂ نظر زیادہ قوی اور راجح معلوم ہوتا ہے، اور اس کی کئی وجوہ واسباب ہیں:

(الف) فقہاء نے خود سود کے بارے میں لکھا ہے کہ قبضہ کے بعد اس پر ملکیت حاصل ہوجاتی ہے۔

و ظاهر ما في جمع العلوم و غيره ان المشترى يملك الدرهم الزائد إذا قبضه في ما إذا اشترى درهمين بدرهم فإنهم جعلوه من قبيل الفاسد وهكذا صرح به الأصوليون في بحث النهي (البحر الرائق ۶/۱۳۵)۔

کہ اگر کوئی شخص دو درہم کو ایک درہم کے بدلہ خریدے تو قبضہ کے بعد وہ زائد درہم کا (جو اس نے بطور سود کے لیا ہے) مالک ہوجائے گا۔ فقہاء نے اس کو عقد فاسد کے قبیل سے شمار کیا ہے۔

توجب خود سود قبضہ کے بعد ملکیت میں آجاتا ہے تو اس کی بناپر جو قرض حاصل ہوگا وہ بدرجہ اولی ملکیت میں داخل ہوگا۔ جامع الرموز میں بھی اس کی صراحت ملتی ہے:

الثانی کل عقد فیه فضل و القبض فیه مفید للملک (جامع الرموز ۳؍۳۲۷)۔

یعنی ہر وہ معاملہ جس میں سود ہو قبضہ کے بعد مفید ملک بنتا ہے۔

(ب) مشہور فقہی اصول ہے:

ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر) کہ ضرورت مند کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت ہے۔

اس سے بھی سودی قرض کے مفید ملک اور اس کی آمدنی کے حلال ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

(ج) سودی قرض لینے کا عمل فی نفسہ کتنا ہی غیر درست سہی، مگر اس عقد کے نتیجہ میں جو مال آئے گا وہ خبث سے پاک ہوگا، اس لئے کہ سود کا عنصر اس میں شامل نہیں۔ اور مشہور مسلمہ اصول ہے:

حرمة العقد لا یستلزم حرمة المال (الاشباہ والنظائر) عقد کی حرمت مال کی حرمت کو مستلزم نہیں۔

خصوصاً جب ضرورت کے وقت سودی قرض لیا جائے تو عمل بھی جائز ہو جاتا ہے۔

(د) اور اگر ہم مخصوص ہندوستانی کمپنیوں کے تناظر میں دیکھیں تو یہاں یہ سارے معاملات براہ راست شیئر ہولڈرس نہیں کرتے بلکہ کمپنیاں کرتی ہیں اور وہی سودی قرض لے کر نفع حاصل کرتی ہیں، اور پھر ان کے توسط سے شیئرز ہولڈرس کو منافع میں حصہ ملتا ہے۔ اس صورت میں یہاں امام ابوحنیفہؒ کا وہ مشہور فقہی قاعدہ بھی جاری ہوسکتا ہے کہ بیع وشراء میں حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں موکل کی طرف نہیں، اسی طرح دوسرا ضابطہ کہ تبدل ملک سے فساد رفع ہو جاتا ہے۔

وفی صورة ارباء الوکیل کان البیع فاسدا لایضرنا فإن الوکیل بالبیع کالعاقد لنفسه وفساد البیع فی حق الذمی لا یستلزم حرمة الربح علی المسلم فإن تبدل الملک یدفع خبث الفساد وأما علی قول من جوز الربوا بین المسلم والکافر فی دار الحرب فالأمر أوسع (امداد الفتاوی ۳؍۴۹، وکذا فی نظام الفتاوی ۱؍۲۰۰)۔

اس لحاظ سے مسلم حاملین حصص پر سودی قرض کے عمل کی ذمہ داری نہیں آئے گی، اور منافع تبدل ملک کی وجہ سے حلال قرار پائیں گے۔

ان دلائل کی روشنی میں اکثر مقالہ نگاروں نے جو موقف اختیار کیا ہے وہی مضبوط معلوم ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۸، ۹۔ کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس اور شیئرز ہولڈرس کا باہمی رشتہ:

دوسرا مسئلہ (جو سوالنامہ میں آٹھواں اور نواں سوال ہے) یہ ہے کہ کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس اور شیئرز ہولڈرس کے مابین تعلق کی نوعیت کیا ہے۔ (۱) یعنی کیا بورڈ آف ڈائرکٹرس تمام شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے؟ اگر ہے تو کیا بورڈ کے ہر عمل کی نسبت شیئرز ہولڈرس کی طرف بھی کی جائے گی؟ (۲) اگر کوئی شیئرز ہولڈر بورڈ کے کسی فیصلہ سے

اختلاف کرے، یہ اختلاف خواہ بورڈ کے اکثریتی فیصلہ پر اثر انداز ہو یا نہ ہو، لیکن کیا فی نفسہ اس شیئرز ہولڈر کو بورڈ کے اس عمل کی ذمہ داری سے بری کردے گا۔

اس سوال میں مسئلہ کے دو پہلو میں سے ایک پہلو پر تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے اور بورڈ کا عمل شیئرز ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا، اس لئے کہ شیئرز کی خرید کو اگر شرکت عنان سے قریب تر قرار دیا جائے جیسا کہ حضرت تھانویؒ اور بہت سے علماء کا خیال ہے تو فقہاء کی تصریح کے مطابق شرکت عنان کی بنیاد وکالت پر ہوتی ہے۔

وأما شركة العنان فتنعقد على الوكالة دون الكفالة (ہدایہ مع فتح القدیر ۱۷۶/۶)۔

اور اگر اس کو مضاربت مانا جائے جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے، تو مضاربت کو بھی فقہاء نے توکیل ہی قرار دیا ہے۔

المضاربة توكيل بالعمل لتصرّفه بأمره (درمختار ۴۸۴/۴)۔

اور اگر اسے شرکت کی ایک نئی قسم قرار دی جائے تو بھی چونکہ تمام شیئرز ہولڈرس نے بورڈ کو انتظامی امور کے لئے اپنا وکیل اور نمائندہ منتخب کیا ہے، اس لئے بورڈ بہر حال تمام شیئرز ہولڈرس کا وکیل رہے گا، اور اس کا عمل شیئرز ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا۔ البتہ مولانا ابوالحسن علی کے یہاں اس کی کچھ تفصیل ملتی ہے۔ وہ یہ کہ جو چیز حصہ خریدنے کے بعد خریدی جائے گی اس میں تو وہ کارکنان حصہ دار کے وکیل ہوں گے، اور جو پہلے سے موجود ہے اس میں وہ کارکنان خود بائع اور حصہ دار مشتری ہوگا، اور یہ بیع تعاطی ہے جس میں بائع ثمن پر بلاواسطہ قابض ہوگیا اور مشتری مبیع پر بواسطہ بائع کے کہ وہ اس کا وکیل بھی ہے، قابض ہوگیا (بحوالہ امداد الفتاوی ۴۹۰/۳)۔

البتہ مسئلہ کا دوسرا پہلو اختلافی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شیئرز ہولڈر بورڈ کے کسی فیصلہ سے اختلاف ظاہر کرے تو کیا اس فیصلہ کی ذمہ داری سے وہ بری قرار پائے گا؟ اس مسئلہ میں بنیادی طور پر دو طرح کے خیالات ملتے ہیں: ایک خیال یہ ہے کہ اختلاف رائے ظاہر کردینے سے شیئرز ہولڈر بری ہوجائے گا۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ بری نہیں ہوگا۔ یہی دو مرکزی خیال ہیں۔ ان کے علاوہ ذیلی طور پر دو رائیں اور بھی ملتی ہیں:

(الف) جناب شمس پیرزادہ صاحب کا خیال یہ ہے کہ چونکہ شیئرز ہولڈر کا اختلاف اکثریت کے فیصلہ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا اس لئے اختلاف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، مجبوری میں بورڈ کے فیصلہ کو مان لینے کی اجازت ہے۔

(ب) دوسرا خیال مولانا سلطان احمد اصلاحی نے پیش کیا ہے، وہ یہ کہ اگر کمپنی بینک سے سودی رقم حاصل کرتی ہے تو اس سے اختلاف کرنے کی ضرورت ہی نہیں، اس لئے کہ بینک کا سود در حقیقت سود نہیں ہے بلکہ وہ نفع اور انٹرسٹ ہے جو جائز ہے۔

مگر یہ دونوں خیالات ہماری بحث سے خارج ہیں، اس لئے کہ گذشتہ سمیناروں میں یہ طے ہو چکا ہے کہ

بینک کا سود حرام ہے، خواہ اسے نفع، انٹرسٹ یا کوئی بھی نام دے دیا جائے۔

اسی طرح پیرزادہ صاحب کا یہ خیال کہ چونکہ اختلاف مؤثر نہیں اس لئے اختلاف کرنے کی ضرورت نہیں، یہ بھی خارج از بحث ہے، اس لئے کہ بحث اس سے نہیں کہ اس کا اختلاف اکثریت کے فیصلہ پر اثر انداز ہوگا یا نہیں؟ بلکہ بحث اس سے ہے کہ کیا اس اختلاف سے شیئرز ہولڈر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش قرار پائے گا یا نہیں؟

۳۵ مقالہ نگاروں نے اس کے متعلق اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ جن میں پانچ حضرات کا خیال یہ ہے کہ اختلاف کرنے کے بعد شیئرز ہولڈر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوگا، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مفتی عزیز الرحمن بجنوری، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا شاہد القاسمی۔

ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ جب کمپنی ایک نظام کے تحت چل رہی ہے، اور یہ معلوم ہے کہ وہ کوئی ناجائز عمل کر رہی ہے یا کسی سودی معاملہ میں ملوث ہے اس کے باوجود اس کے شیئرز خریدنا اور اس کی وکالت قائم رکھتے ہوئے اختلاف کا اظہار کرنا ایک بے معنی سی بات ہے۔ امداد الفتاوی میں حضرت تھانویؒ کا ایک فتوی بھی اسی مضمون کا موجود ہے (دیکھئے: ۳/۱۳۰)۔

مگر یہ استدلال محل نظر ہے، کیوں کہ اس میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ وکیل کبھی مؤکل کی مرضی کے خلاف کر ہی نہیں سکتا، حالانکہ یہ صحیح نہیں، جب کوئی فرد یا ادارہ کسی شخص کی طرف سے کسی پھیلے ہوئے کام کا وکیل بنتا ہے تو اس میں بعض ایسی جزئیات کا آ جانا بعید از امکان نہیں جو مؤکل کی مرضی کے مطابق نہ ہوں، ایسے موقعہ پر طریق کار یہ نہیں اختیار کیا جاتا کہ وکیل کی وکالت ختم کر دی جائے بلکہ یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ خلاف مرضی چیزوں کی ذمہ داری (جب کہ وکیل کو خلاف مرضی ہونا معلوم ہو) مؤکل پر نہیں آتی، اور وہ اس حد تک خود ذمہ دار ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب نے اپنے مقالہ میں اس کی صراحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ فقہ کی کتاب الوکالۃ میں اس کی تصریح ہے کہ جب مؤکل کسی کام کے کرنے سے منع کر دے تو وکیل کا معاملہ مؤکل کی جانب منسوب نہیں ہوگا محض وکیل تک محدود رہے گا۔

مثلاً: الأصل أن الموكل إذا قيد على وكيله فإن كان مقيدا اعتبر مطلقا وإلا لا. (الاشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ)

(ہکذا فی قواعد الفقہ ص ۷۱، ناقلاً عن السرخسی۔ وہکذا المستفاد من الہندیۃ ایضاً ۳/۵۶۷ کتاب الوکالۃ)۔

اور رہا حضرت تھانویؒ کا فتوی، تو خود امداد الفتاوی میں اس کے خلاف بھی ایک فتوی موجود ہے، جس میں حضرتؒ نے تجویز پیش کی ہے کہ شیئر ہولڈر اپنی براءت کا اعلان کر دے تو کافی ہے، اور غالب گمان یہ ہے کہ یہ دوسرا فتوی بعد کا ہے جو حضرت کا راجح نقطۂ نظر تھا۔

مذکورہ چھ اصحاب قلم کے علاوہ بقیہ تمام مقالہ نگاروں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ بورڈ کے سودی عمل

سے شیئرز ہولڈر اپنی براءت کا اعلان کردے تو وہ اس عمل کی ذمہ داری سے بری ہوجائے گا۔ اس موقف کے کچھ دلائل ماقبل میں گذر چکے ہیں اور کچھ نئے دلائل جن سے اس موقف کی ترجیح وتقویت ہوتی ہے یہ ہیں:

(الف) شیئرز ہولڈر نے کمپنی کو تجارت کے باب میں وکیل بنایا ہے نہ کہ سودی قرض لینے کے معاملہ میں، اور اگر اس معاملہ میں وکالت ہو بھی تو یہ دلالۃً ہوگی، لیکن جب صراحت کے ساتھ وہ اختلاف کردے تو صراحت دلالت پر مقدم ہوگی۔

(ب) فقہاء نے تصریح کی ہے کہ وکیل کی وکالت انہی امور تک محدود رہے گی جو مؤکل کی مرضی کے مطابق ہوں، بقیہ چیزوں میں خود وکیل ذمہ دار ہوگا مؤکل اس سے بری الذمہ ہوگا، اور ان اختلافی امور کی حد تک وکیل معزول سمجھا جائے گا، جیسا کہ درمختار کی اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے:

فلو اشتراه بغير النقود أو بخلاف ماسمي المؤكل له من الثمن وقع الشراء للوكيل لمخالفته امره وينعزل في ضمن المخالفة (درمختار علی ردالمحتار ۴؍۵۰۴)۔

(ج) خصوصاً جب وکیل غیر مسلم ہو اور معاملہ شرکت یا مضاربت کا ہو تو فقہاء کی تصریح کے مطابق خلاف شرع امور کی ذمہ داری (جو مؤکل کی مرضی کے خلاف ہوں) خود وکیل پر آتی ہے، اس لئے کہ بیع وشراء میں حقوق عقد عاقد کی طرف لوٹتے ہیں اور تبدل ملک سے خبث دور ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ عالمگیری کے اس جزئیہ سے سمجھ میں آتا ہے جو امداد الفتاوی میں نقل کیا گیا ہے:

إذا دفع المسلم إلى النصراني مالا مضاربة بالنصف فهو جائز إلا أنه مكروه فإن اتجر في الخمر والخنزير فربح جاز على المضاربة في قول أبي حنيفة وينبغي للمسلم أن يتصدق بحصته من الربح (عالمگیری بحوالہ امداد الفتاوی ۳؍۴۹۷)۔

ان دلائل کی بنیاد پر اکثر مقالہ نگاروں نے جو خیال پیش کیا ہے وہی زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۱۰، ۱۱۔ سود اور اس سے حاصل شدہ منافع کے تصدق کا مسئلہ:

یہاں دو مسئلے زیر بحث ہیں:

(۱) ایک یہ کہ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو کیا شیئرز ہولڈرس کے لئے منافع سے اس کے بقدر نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا؟

(۲) دوسرا مسئلہ سود سے حاصل شدہ آمدنی کا ہے کہ اگر کمپنی سود کی رقم کو کاروبار میں لگا کر اس سے نفع اٹھاتی ہے تو اس نفع کا کیا حکم ہے؟ کیا منافع میں سے سود اور اس سے حاصل شدہ نفع دونوں صدقہ کرنا ہوگا یا صرف سود کے بقدر نکال کر صدقہ کرنا کافی ہوگا؟

پہلے مسئلہ میں مولانا سلطان احمد اصلاحی کے علاوہ (جن کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ بینک کا سود جائز ہے اس لئے اس کے تصدق کا مسئلہ نہیں آتا) باقی تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ منافع میں سے سود کے بقدر نکال دینا کافی ہوگا۔

..............(اصل مقالہ سے پورا ایک صفحہ غائب ہے)..............

اس لئے کہ کئی فقہی نظائر سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر مال حلال کے ساتھ مال حرام مل جائے اس طور پر کہ دونوں کے درمیان امتیاز مشکل ہو اور مال حلال کی مقدار غالب ہو تو غیر معین طور پر اس میں سے کچھ نکال دینا پورے مال کی تطہیر کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ گیہوں گاہتے وقت اگر جانور اس پر پیشاب کردے اور یہ معلوم نہ ہو کہ ناپاک گیہوں کون سا ہے، تو اگر مشترک ہو تو تقسیم کر دینے سے اور غیر مشترک ہو تو لاعلی التعیین اس میں سے کچھ نکال دینے سے پورا گیہوں پاک ہو جاتا ہے، اسی طرح وکیل اگر کئی لوگوں کے مال سے تجارت کرے اور اس میں ایک دوسرے کے دراہم کو خلط ملط کردے یا سودی رقم اس میں شامل کردے تو تقسیم کے بعد ہر ایک کا حصہ پاک قرار پاتا ہے (امداد الفتاوی ۳؍۴۹۷)۔

ہدیہ کے بارے میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ایسے شخص کا ہدیہ قبول کیا جا سکتا ہے جس کے پاس حلال و حرام دونوں طرح کے مال ہوں، بشرطیکہ مال حلال غالب ہو (فتاوی خانیہ علی الہندیہ ۳؍۴۰۰)۔

علامہ ابن قیمؒ کی درج ذیل عبارت سے یہی حکم بہ صراحت ثابت ہوتا ہے:

إذا خالطه درهم حرام أو أكثر أخرج مقدار الحرام وحل له الباقي بلا كراهة سواء كان المخرج عين الحرام أو نظيره لأن التحريم لم يتعلق بذات الدرهم و جوهره وأما تعلق بجهة الكسب فيه فإذا خرج نظيره من كل وجه لم يبق لتحريم ماعداه معنى (بدائع الفوائد لابن قیم ۳؍۱۵۷)۔

اس عبارت کا حاصل یہی ہے کہ رقوم چونکہ متعین نہیں ہوتیں اس لئے اگر ان میں حرام مقدار تھوڑی سی شامل ہو جائے تو اسی کے بقدر رقم نکال دی جائے اس سے بقیہ پوری رقم حلال ہو جائے گی، خواہ بعینہ حرام والی رقم نکالی گئی ہو یا اس جیسی کوئی اور، اس لئے کہ فی نفسہ کسی معین درہم میں حرمت نہیں ہے، حرمت عمل وکسب کی جہت سے آئی ہے۔

ماقبل میں نصرانی کو مضاربت یا شرکت کے لئے وکیل بنانے کا جزئیہ مذکور ہوا ہے، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی وکیل (خصوصاً غیر مسلم ہو تو کیا کہنا) منافع میں سود لیتا ہے اور جائز رقم میں اس کو خلط کر دیتا ہے تو تقسیم کے بعد جو حصہ رب المال کو ملے گا وہ پاک قرار دیا جائے گا، اگرچہ مسلمان کے لئے احتیاط یہ ہے کہ اتنے منافع سے سود کے بقدر صدقہ کردے (عالمگیری) اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے اصول کے مطابق خلط دلیل استہلاک ہے، اور تقسیم یا اس میں سے کچھ اخراج مطہر ہے (امداد الفتاوی ۳؍۴۹۷)۔

اس طرح کی متعدد نظیریں کتب فقہ میں ملتی ہیں۔ یہ تمام نظائر ہمارے یہ سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ کمپنی نے منافع میں سود کی رقم جو شامل کر دی ہے اس سے ہمارا پورا نفع ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ ایک تو تقسیم کے بعد ہمیں اپنا جو حصہ ملے گا یہ تطہیر کے لئے خود کافی ہے، اس پر بھی اگر سود کے بقدر صدقہ کر دیا جائے تو اس کی طہارت میں کیا شبہ باقی رہ جائے گا۔

رہا یہ کہ یہ صدقہ کرنا لازم ہے یا غیر لازم؟ تو اس کی وضاحت عام طور پر لوگوں نے نہیں کی ہے، زیادہ تر مقالہ نگاروں نے صرف اس قدر پر اکتفا کیا ہے کہ صدقہ کرنا کافی ہوگا، البتہ مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا ابوالحسن علی، اور

مولانا احمد دیولوی نے اس کی وضاحت کی ہے کہ صدقہ کرنا لازم نہیں ہے ، یہ صرف احتیاط اور تقوی کا تقاضا ہے۔ جبکہ دوسری طرف مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا تنویر احمد قاسمی اور مولانا قمر عالم سبیلی نے اس کو لازم قرار دیا ہے۔

غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ احتیاط وتقوی والی بات ہی زیادہ درست ہے۔

اس لئے کہ ابھی جن دلائل ونظائر کا تذکرہ کیا گیا ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ غیر معینہ اموال میں حرام مغلوب کا حلال غالب کے ساتھ ایسا اختلاط جس میں امتیاز باقی نہ رہے، باعث استہلاک ہوتا ہے، اور مال مشترک ہونے کی صورت میں اس کی تقسیم اور غیر مشترک ہونے کی صورت میں حرام کے بقدر نکال دینا باعث تطہیر ہو جاتا ہے۔ یہاں کمپنی کی صورت حال بھی یہی ہے کہ کمپنی کا سرمایہ اور منافع مشترک ہیں، اس لئے تقسیم کے بعد حصہ دار کو جو منافع ملے گا وہ طیب وطاہر ہوگا، اس لئے صدقہ کرنا اب لازم نہیں رہا، صرف احتیاط یہ ہے کہ سود کی مقدار اگر معلوم ہو تو صدقہ کر دیا جائے۔

اسی طرح مضاربت کے سلسلہ میں غیر مسلم وکیل کی بحث میں گذر چکا ہے کہ سودی معاملات میں اس کا فعل مؤکل کی طرف منسوب نہ ہوگا، اور جب تک کہ خالص حرام تجارت مثلاً شراب وخنزیر کی نہ کرے اس وقت تک اس پر اپنے ملے ہوئے حصہ سے صدقہ کرنا لازم نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی نے عالمگیری کا مذکورہ جزئیہ نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ "تصدق کا حکم ورع وتقوی پر محمول ہے جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے، اور اگر وجوب پر محمول کیا جاوے تو یہ اس وقت ہے جب کہ شراب اور خنزیر کی بیع ہو اور اس کے علاوہ کی نہ ہو (یعنی صرف حرام ہی حرام ہو اختلاط حلال وحرام نہ ہو) (امداد الفتاوی ۳/۴۹۷)۔

جناب شمس پیرزادہ صاحب اور حکیم ظل الرحمٰن صاحب کا کہنا یہ ہے کہ کمپنیوں کو بینک سے جتنا سود ملتا ہے اس سے کہیں زیادہ دینا پڑتا ہے۔ اس لئے جتنا سود ملے اس کو دینے میں محسوب کر دینا چاہئے، سود حصہ داروں میں تقسیم کرنے اور اس سے منافع حاصل کرنے کی بات محض فرضی ہے، جس کا واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔

سوال نمبر ۱۱۔

دوسرا مسئلہ سود سے حاصل شدہ منافع کا ہے، ان منافع کی حلت وحرمت اور ان کے قابل تصدق ہونے کے متعلق بنیادی طور پر مقالات میں دو طرح کے خیالات پائے جاتے ہیں:

۱۔ ایک خیال جس کو مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا تنویر احمد قاسمی اور مولانا قمر عالم سبیلی نے اختیار کیا ہے، یہ ہے کہ سود اور اس سے حاصل شدہ تمام منافع حرام ہیں ان کا صدقہ کرنا لازم ہے، ان حضرات نے درج ذیل جزئیات سے استدلال کیا ہے:

(الف) شامی میں ہے: الحرمة تتعدی (۹۸/۵) اس کا تقاضہ ہے کہ حرام سے جو منافع حاصل ہوں گے وہ بھی حرام ہوں گے۔

(ب) خبث کے متعدی ہونے کا ثبوت شامی کی ایک اور عبارت سے ملتا ہے:

الخبث لفساد الملک إنما یعمل فیما یتعین لا فیما لا یتعین وأما الخبث لعدم الملک کالغصب فیعمل فیهما کما بسطه خسرو وابن کمال (شامی ۹۷/۵)۔

کہ فساد ملک کی بنا پر جو خبث ہوتا ہے وہ متعین میں اثر کرتا ہے غیر متعین میں نہیں، اور جو خبث عدم ملک کی بنا پر پیدا ہوتا ہے وہ متعین وغیر متعین دونوں قسم کے اموال میں اثر انداز ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خبث اپنی حد تک محدود نہیں رہتا وہ متعدی ہوتا ہے۔

(ج) ایک استدلال غصب کے اس مسئلہ سے بھی کیا جاتا ہے جو ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ کسی شخص نے ایک ہزار روپے غصب کر کے اس سے ایک باندی خریدی اور پھر اس کو فروخت کر کے ایک ہزار کا نفع حاصل کیا، پھر دو ہزار میں دوسری باندی خریدی اور اس کو تین ہزار میں بیچا تو یہ نفع جو اس نے حاصل کیا ہے اس کے لئے حلال ہوگا یا نہیں؟ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک حلال نہیں ہوگا، اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حلال ہوگا۔ صاحب ہدایہؒ نے طرفینؒ کے قول کو مختار قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ہمارے مشائخ کے نزدیک کسی بھی حال میں یہ نفع حلال نہیں ہے (ہدایہ ۴۵۶/۳)۔

مگر ان دلائل میں سے کوئی دلیل کمپنی کے مسئلہ پر منطبق نہیں آتی۔

اس لئے کہ مذکورہ تمام صورتوں میں خبث یا حرمت کے متعدی ہونے کی بات جو کہی گئی ہے وہ اموال متعینہ میں ہے غیر متعینہ میں نہیں، جبکہ کمپنی سے حاصل شدہ منافع رقم کی شکل میں ملتے ہیں یا جس سود سے منافع حاصل کئے جاتے ہیں وہ بھی رقم کی شکل میں ہوتا ہے، اور فقہاء کے مطابق رقوم اور درہم و دنانیر متعین نہیں ہوتے۔

البتہ عدم ملک کی بنا پر جو خبث پیدا ہوگا وہ غیر متعینہ میں بھی متعدی ہوگا، مگر فقہاء کی تصریح کے مطابق سودی عقد، عقد فاسد ہے، اور عقد فاسد مفید ملک ہوتا ہے (البحر الرائق ۱۲۵/۶)۔ زیادہ سے زیادہ اس میں فساد ملک ہوتا ہے اور فساد ملک کی بنا پر جو خبث آتا ہے وہ صرف اموال متعینہ میں اثر انداز ہوتا ہے غیر معینہ میں نہیں، جب کہ کمپنی کے لئے اموال غیر متعین ہوتے ہیں اس لئے ان میں اثر انداز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲۔ دوسرا نقطۂ نظر جس کو بقیہ تمام علماء نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ سود سے حاصل شدہ منافع کا تصدق لازم نہیں، مگر احتیاط یہی ہے کہ سود کے ساتھ ان کو بھی صدقہ کر دیا جائے، اس لئے کہ:

(الف) اولاً خود سود پر بھی قبضہ کے بعد ملکیت ثابت ہو جاتی ہے تو اس سے جو منافع حاصل ہوگا ان پر بدرجہ اولی ملکیت ثابت ہوگی، اور خبث ان تک اس لئے متعدی نہیں ہوگا کہ یہ غیر متعین ہیں اور فساد ملک کی بنا پر جو خبث آتا ہے وہ غیر متعین میں اثر انداز نہیں ہوتا۔

(ب) علامہ شامی کی درج ذیل عبارت بھی اس سلسلہ میں کافی چشم کشا ہے:

رجل اکتسب مالا من حرام ثم اشتری فهذا علی خمسة أوجه إما ان دفع تلک

الدراهم إلى البائع أولا ثم اشترى منه بها أو اشترى قبل الدفع بها و دفعها أو اشترى قبل الدفع بها و دفع غيرها أو اشترى مطلقا و دفع تلك الدراهم أو اشترى بدراهم أخر و دفع تلك الدراهم. قال الكرخيؒ في الوجه الأول والثاني: لايطيب وفي الثلاث الأخيرة يطيب، وقال أبو بكرؒ: لا يطيب في الكل، لكن الفتوى على قول الكرخيؒ دفعا للحرج عن الناس (ردالمحتار ۴/۲۴۴)۔

یعنی کسی شخص نے مال حرام کمایا پھر اس نے خرید کیا تو اس کی پانچ صورتیں ہیں:

(۱) یا تو پہلے بائع کو دراہم دیئے پھر اس سے اس کے بدلے کچھ خرید کیا (۲) یا انہیں دراہم کے بدلہ پہلے خرید کیا پھر دراہم دیئے (۳) یا انہیں دراہم سے خرید کیا اور بعد کو اس کے بجائے دوسرا درہم دے دیا (۴) یا مطلقاً کسی خاص درہم کی تعیین کے بغیر خرید کیا اور عوض میں وہی دراہم ادا کر دیئے (۵) یا دوسرے دراہم متعین کئے اور ان کے بجائے یہ درہم دیے دیئے۔ امام کرخی نے کہا کہ پہلی اور دوسری صورت میں خرید کی ہوئی چیز اس کے لئے طیب نہیں، باقی تینوں صورتوں میں طیب ہیں، اور علامہ ابوبکرؒ نے کہا کہ کسی صورت میں طیب نہیں، لیکن لوگوں سے حرج دور کرنے کے لئے امام کرخی کے قول پر فتوی ہے۔

اس عبارت میں مذکورہ پانچ قسموں میں سے پہلی دو قسموں میں دراہم قبضہ اور بعینہ ادائیگی کی بنا پر چونکہ متعین ہیں اس لئے خبث کو متعدی مانا گیا اور نفع کو طیب نہیں کہا گیا، لیکن بقیہ تین صورتوں میں تعیین نہیں ہے، اس لئے مفتی بہ قول کے مطابق نفع کو طیب قرار دیا گیا اگرچہ احتیاط اپنی جگہ درست ہے۔

(ج) اسی طرح ماقبل میں گذر چکا ہے کہ خلط دلیل استہلاک ہے اور تقسیم مطہر ہے، اس لحاظ سے کمپنی سودی آمدنی کو کاروبار میں شامل کر کے جو نفع اٹھاتی ہے تقسیم کے بعد شیئرز ہولڈرس کو اس میں جو حصہ ملے گا طاہر قرار پائے گا۔ احتیاطاً صدقہ کرنا الگ سی بات ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ کی اس عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

وإن كان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام ولا يعلم أربابه ولا شيئا منه بعينه حل له حكما والأحسن ديانة التنزه عنه (ردالمحتار ۵/۲۳۵)۔

کہ اگر حلال وحرام مل جائے اور حرام کے مالک کا پتہ نہ ہو تو حکماً اس کے لئے پورا مال حلال رہے گا (بشرطیکہ حلال غالب رہا ہو) اگرچہ ایسے مال سے بچنے ہی میں احتیاط ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر عامۃ العلماء اور اکثر مقالہ نگاروں نے جو نقطۂ نظر اختیار کیا ہے وہی زیادہ مضبوط اور راجح معلوم ہوتا۔

☆☆☆☆☆

عرض مسئلہ:

سوال نمبر۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷

از........مولانا عتیق احمد بستوی
ندوۃ العلماء، لکھنؤ

شیئرز کے سوال نمبر۱۲ تا ۱۷ کے جوابات کا عرض مسئلہ مجھ سے متعلق کیا گیا ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے شیئرز کے موضوع پر جو مقالات اور جوابات میرے پاس بھیجے گئے ان کی تعداد ۴۲ ہے، گیارہ مقالات ہمارے ان نوجوان اور ہونہار فضلاء مدارس کے ہیں جو دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد یا دارالعلوم حیدرآباد کے شعبۂ تخصص فی الفقہ والافتاء میں زیر تربیت ہیں۔ ۲۹ مقالات وجوابات معزز علماء اور اصحاب افتاء کے ہیں، ایک جواب نامہ جناب حکیم ظل الرحمٰن صاحب کا ہے۔

اصحاب مقالات وجوابات علماء واصحاب افتاء کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دیوبند، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری، مولانا عبیداللہ الاسعدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابوالحسن علی گجرات، مولانا احمد دیولوی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی شکیل احمد سیتاپوری، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا مفتی انور علی اعظمی، مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبداللطیف، مولانا عبدالرحیم، مولانا ابراہیم بڑودوی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا محمد جعفر ملی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا عتیق احمد قاسمی۔

دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد اور دارالعلوم حیدرآباد میں زیر تربیت جن ہونہار فضلاء مدارس نے سوالنامہ بابت شیئرز کے جوابات لکھے ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

مولانا نعیم احمد رشیدی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا محمد عالم سبیلی۔

سوال نمبر۱۲۔

شیئرز کی تجارت کرنا کیسا ہے؟ یعنی کوئی شخص کچھ شیئرز خریدے کہ قیمت بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ فروخت کردوں گا، خلاصہ یہ کہ شیئرز کی بیع وشراء کرا یک تجارت کی طرح کرنے کا کیا حکم ہوگا جب کہ اس میں ایک

طرح کی قیاس آرائی کو دخل ہوتا ہے کہ بازار کی صورت حال کو دیکھ کر زیادہ منافع دینے والے شیئرز خرید لئے جاتے ہیں، اور کیا ہر تخمین وقیاس آرائی ممنوع ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دار العلوم دیوبند اور جناب مفتی عزیز الرحمن صاحب بجنوری کے جواب ناموں میں سوال نمبر ۱۲ تا ۱۷ کے جوابات تحریر نہیں ہیں۔ جناب مفتی شکیل احمد سیتاپوری صاحب کے علاوہ باقی تمام حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ شیئرز کی تجارت کرنا جائز ہے، کیونکہ جب یہ بات تسلیم کرلی گئی کہ شیئرز قابل بیع وشراء ہیں، شیئرز کی بیع دراصل کمپنی کے اثاثوں میں متناسب حصے کی بیع ہے تو خرید وفروخت جائز ہوگی خواہ کسی بھی نیت سے ہو، کسی چیز کو قابل بیع وشراء ماننے کے بعد محض نیت کی بنیاد پر جواز وعدم جواز کی تفریق درست نہیں خصوصاجب کہ نیت بھی کسی ناجائز چیز کی نہ ہو، تجارت کی نیت ایک جائز امر کی نیت ہے، تخمین وقیاس آرائی بذات خود حرام نہیں ہے، تجارت میں تو تخمین وقیاس آرائی ایک مضبوط عامل ہے، تجارت کے اکثر مراحل میں اس کی ضرورت پیش آتی ہے، لہذا تخمین وقیاس آرائی کا عنصر شامل ہونے کی وجہ سے شیئرز کی تجارت کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔

تنہا مولانا مفتی شکیل احمد صاحب نے شیئرز کی تجارت کو نادرست لکھا ہے، موصوف تحریر فرماتے ہیں: شیئرز جب نہ ثمن ہیں اور نہ مبیع، تو ان کی تجارت کیسے درست ہوسکتی ہے، راس المال یا ثمن وہ زرمبادلہ ہے جو شیئر ہولڈر ادا کرتا ہے، اور مبیع وہ سامان ہے جو فیکٹری میں تیار ہوگا، شیئر ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے لہذا اس کی بیع وشراء درست نہیں ہے، نیز جب شیئر کا معاملہ عقد شرکت ہے تو شریک کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ اپنا حصہ دوسرے کو فروخت کردے۔

جناب مفتی شکیل احمد صاحب کی رائے اور استدلال پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ انہوں نے اپنے مضمون کی تمہید میں یہ بات واضح کردی ہے کہ کمپنی اور شیئرز کی حقیقت ان پر پورے طور پر منکشف نہیں ہوسکی ہے، انہوں نے شیئرز کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے مزید مواد کی ضرورت محسوس کی ہے، لکھتے ہیں:

''شیئرز کی ماہیت اور اس کی تعریف کیا ہے؟ اس سلسلہ میں اگر کسی معتبر کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس کا شائع کردہ مواد ترجمہ کرکے سوالنامہ کے ساتھ منسلک کیا جاتا تو شیئرز کا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہوتی، غالبا یہ بھی ایک طرح کا نظام ہے جس طرح بینکنگ ایک نظام ہے، اس لئے نظام چلانے والے ادارے اپنے نظام کے تعارف کیلئے جو مواد شائع کرتے ہیں اسی سے اس کی ماہیت سمجھ میں آتی ہے، ماہیت سمجھنے کے بعد ہی کوئی حکم لگانے کا مرحلہ آتا ہے''۔

ماہیت سمجھنے سے پہلے حکم لگانے میں غلطی ہونا تعجب نہیں بلکہ غلطی نہ ہو تو تعجب ہے، اگر مفتی صاحب کی یہ بات درست ہو کہ ''عقد شرکت میں شریک کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ اپنا حصہ دوسرے کو فروخت کردے'' تو شیئرز کی خرید وفروخت کا قضیہ ہی ختم ہوجائے، لیکن تمام مسالک کے فقہاء کی تصریحات اس کے خلاف ہیں، تمام فقہاء شرکت عنان کے شرکاء کے لئے اپنے حصہ کی فروختگی درست قرار دیتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۳۔

شیئر مارکیٹ میں ایک سودا جسے فیوچر سیل (بیاعات مستقبلیات) کہتے ہیں مروج ہے، اس کا مقصد شیئرز

خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان کو برابر کرلینا مقصود ہوتا ہے، مثلاً زید نے سوشیئرز کا سودا بہ حساب سوروپے فی شیئر کیا، اور ادائیگی اور وصولی کی تاریخ ۳۰/مارچ مقرر کی، اب جب ۳۰/مارچ آئی تو اس شیئر کی قیمت ڈیڑھ سوروپے ہوگئی تو وہ پانچ ہزارروپے منافع کے طور پر لے لے گا، اور اگر ۳۰/مارچ کو اس شیئر کی قیمت گھٹ کر پچاس روپے ہوگئی تو وہ پانچ ہزارروپے ادا کرے گا، اصل سودا محض کاغذی کارروائی ہے، نہ مشتری ثمن دیتا ہے، نہ بائع مال دیتا ہے، البتہ مقررتاریخ پر بڑھتے ہوئے دام کی صورت میں منافع یا گھٹتے ہوئے دام کی صورت میں خسارہ ادا کیا جاتا ہے، شریعت میں مذکورہ فیوچر سیل کا کیا حکم ہے؟

اس سوال کے جواب میں تمام حضرات متفق ہیں کہ فیوچر سیل ناجائز ہے، کیونکہ یہ قمار (جوئے) کی واضح شکل ہے۔

سوال نمبر ۱۴۔

غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے جائز ہوگی یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں اکثر حضرات نے لکھا ہے کہ چونکہ اس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے اس لئے یہ بیع منعقد اور لازم نہیں ہوئی، اسے بیع نہیں صرف وعدۂ بیع کہا جاسکتا ہے۔

متعدد حضرات نے اس سوال کو مبہم اور غیر واضح قرار دے کر جواب دینے سے گریز کیا ہے یا مختلف شقیں قائم کرکے جواب دیا ہے اور سوال کی مزید وضاحت چاہی ہے، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا احمد دیولوی، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا ابوالحسن علی، مفتی محبوب علی وجیہی رامپور اور مولانا تنویر احمد قاسمی سیتامڑھی نے صورت مسئولہ کو بیع سلم پر محمول کرتے ہوئے بیع سلم کی شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے، مولانا ابراہیم بڑودوی نے لکھا ہے کہ جائز اور درست ہے بشرطیکہ خریدار دیکھنے کے بعد اس کا آخری فیصلہ کرے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ سوال نمبر ۱۴ میں کافی اجمال ہے، اسی لئے صورت مسئلہ بہت سے حضرات پر واضح نہ ہوسکی اور بعض حضرات نے اسے بیع سلم پر محمول کیا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیئرز کے غائب سودے کی تھوڑی وضاحت کردی جائے۔

مولانا محمد تقی عثمانی شیئرز کے حاضر اور غائب سودے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شیئرز کے سودے دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک کو حاضر سودا (Spot Sale) کہتے ہیں اور دوسرے کو غائب سودا (Forward Sale) کہتے ہیں۔

حاضر سودے میں شیئرز کی بیع ابھی ہو جاتی ہے اور حقوق کی منتقلی بھی ابھی ہو جاتی ہے، خریدار ابھی سے شیئرز لینے کا حقدار ہوتا ہے مگر بعض انتظامی مجبوریوں کی بنا پر شیئرز کے سرٹیفکیٹ کی ادائیگی (ڈیلیوری) میں تاخیر ہوتی ہے..........غائب سودے میں بیع تو ابھی ہو جاتی ہے مگر مستقبل کی طرف مضاف ہوتی ہے، جیسے ابھی شیئرز کی بیع ہو چکی، مگر قبضے وغیرہ کے حقوق فلاں تاریخ سے متعلق ہوں گے.........(اسلام اور جدید معیشت وتجارت ر۴۳،۷۴)۔

غائب سودے میں صورت حال یہ نہیں ہوتی ہے کہ ایجاب وقبول کے لئے مستقبل کا صیغہ استعمال کیا جائے ، یعنی بیچنے والا یہ کہے کہ میں فلاں تاریخ کو تمہارے ہاتھ اتنے شیئرز اس قیمت میں بیچوں گا اور خریدار کہے کہ میں فلاں تاریخ میں اتنے شیئرز اس قیمت میں خریدوں گا بلکہ صیغہ ماضی ہی کا استعمال ہوتا ہے، لیکن مبیع اور ثمن کی حوالگی کے لئے آئندہ کی کوئی تاریخ طے ہوتی ہے، اس تاریخ سے پہلے حقوق ایک دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتے، نہ اس تاریخ سے قبل شیئرز بیچنے والا خریدار سے قیمت کا مطالبہ کرسکتا ہے نہ خریدار بائع سے شیئرز پر قبضہ دینے کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

اس صورت معاملہ کو بیع سلم کے زمرہ میں اس لئے شامل نہیں کیا جاسکتا ہے کہ بیع سلم میں ثمن کی حوالگی نقد ضروری ہے اور شیئرز کے غائب سودے میں ثمن کی حوالگی بھی متعین تاریخ پر موقوف رہتی ہے، دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ کیا کمپنی کے شیئرز کو ان اموال میں شمار کیا جاسکتا ہے جن میں بیع سلم درست ہے۔

سوال نمبر ۱۵ اور ۱۶ گہرے طور پر باہم مربوط ہیں اس لئے دونوں کا عرض بھی ایک ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر ۱۵۔

شیئرز کے نقد سودے میں بھی بعض انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے سرٹیفکیٹ پر قبضہ ایک سے تین ہفتوں تک تاخیر سے ہوتا ہے، اس ذیل میں اصل سوال یہ ہے کہ شیئر پر قبضہ کا مطلب کیا ہوگا، اگر بوقت بیع وشراء ہی کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں شیئر ہولڈر کی ملکیت آجاتی ہے، اور وہ اس کی ضمان میں آجاتا ہے، اور حقوق وذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں اگرچہ ابھی شیئرز سرٹیفکیٹ نہ ملا ہو، تو اس کو شیئر پر قبضہ معنوی حاصل ہوگا یا نہیں، کیا شرع میں ہر شی پر اس کی خاص نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوگی جس کی بناء عرف وعادت پر ہوگی، یا ہر صورت میں قبضہ حسی ہی ضروری ہوگا؟

سوال نمبر ۱۶۔

اس طرح خرید کردہ شیئرز کو (جس کی موجودہ قیمت خریدار نے ادا کردی ہے) اگر خریدار سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے قبل اگلے دن یا دو چار دن میں کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے تو اس کا کیا حکم ہوگا، اور اس طرح دوسرے کے خریدنے کے بعد تیسرے وچوتھے کے ہاتھ فروخت کرنا درست ہوگا، بالخصوص جبکہ شیئرز کا ضمان ومنافع خریدنے کا معاملہ کرنے کے ساتھ ہی خریدار کی طرف منتقل ہوجاتا ہو؟

سوال نمبر ۱۵ کے ذیل میں اٹھائے گئے اس اصولی سوال "کیا شرع میں ہر شئے پر اس کی خاص نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوگی جس کی بنا عرف وعادت پر ہوگی، یا ہر صورت میں قبضہ حسی ہی ضروری ہوگا؟" کے جواب میں جن حضرات نے بھی اظہار رائے کیا ہے انہوں نے اثبات ہی میں جواب دیا ہے، اور اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ ہر صورت میں قبضہ حسی ہی ضروری نہیں بلکہ قبضہ کا مدار بڑی حد تک عرف وعادت پر ہے، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس سوال کا جواب ہم نے بیع قبل القبض کے سوالنامہ کے جواب میں دیا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اس سوال پر تفصیلی گفتگو کا مناسب موضوع "بیع قبل القبض" ہے۔

سوال نمبر ۱۵ میں شیئرز کے حاضر سودے کے تعلق سے قبضہ کی جو بحث اٹھائی گئی ہے اس کا منشا یہ نہیں ہے کہ حاضر سودے کی بیع کی صحت قبضہ پر موقوف ہے یا نہیں؟ کمپنی اگر نقد رقوم اور دیون کے علاوہ جامد اثاثوں اور دوسری املاک پر بھی مشتمل ہے اور حاضر سودا طے کرنے کے بعد قیمت کی ادائیگی کردی گئی تو شیئر پر اس مجلس میں قبضہ نہ کرنے سے بیع کی صحت متاثر نہیں ہوتی، ہاں اگر کمپنی نقود اور دیون سے عبارت ہو تو شیئرز پر قبضہ مجلس عقد ہی میں ضروری قرار پائے گا اور قبضہ کا مسئلہ بیع کی صحت سے بھی جڑ جائے گا۔

سوال نمبر ۱۵ اور ۱۶ میں بنیادی مسئلہ یہ اٹھایا گیا ہے کہ حاضر سودے میں جب بیع وشراء مکمل ہوتے ہی کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں خریدار کی ملکیت آجاتی ہے اور فروخت شدہ شیئرز خریدار کے ضمان میں آجاتے ہیں، حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں تو کیا حاضر سودے میں نفس خریداری کو شیئرز پر قبضہ تصور کیا جائے گا اور خریدار کے لئے شیئرز سرٹیفکیٹ ملنے سے پہلے ان شیئرز کی دوسروں کے ہاتھ بیع درست ہوگی، یا شیئرز سرٹیفکیٹ ملنے کے بعد ہی شیئرز پر قبضہ تصور کیا جائے گا اور اس سے پہلے خریدار کے لئے ان شیئرز کا کسی دوسرے کے ہاتھ بیچنا جائز نہ ہوگا؟ اس مرکزی سوال کے بارے میں علمائے کرام اور اصحاب افتاء کی تین آراء ہمارے سامنے ہیں۔

اکثر حضرات نے سوال میں ذکر کردہ صورت مسئلہ کو بنیاد بنا کر شیئرز کے حاضر سودے میں نفس بیع وشراء کو معنوی قبضہ تصور کرایا ہے، کیونکہ حاضر سودے میں بیع وشراء کا معاملہ طے ہوتے ہی شیئرز کی ملکیت خریدار کی طرف منتقل ہوگئی، شیئرز اس کے ضمان اور اختیار میں چلے گئے، شیئرز سرٹیفکیٹ ملنے اور کمپنی کے کاغذات میں بحیثیت شیئر ہولڈر اندراج پر قبضہ موقوف نہیں، اور جب نفس خرید وفروخت کو قبضہ مان لیا گیا تو شیئرز سرٹیفکیٹ ملنے سے پہلے ان شیئرز کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت بھی کیا جا سکتا ہے، اسی طرح دوسرا خریدار خریدنے کے فوراً بعد تیسرے کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے، یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محبوب علی وجیہی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا جعفر علی، مولانا ابراہیم بڑودوی، مولانا احمد دیولوی، مولانا عبدالرحیم، مولانا اقبال احمد قاسمی۔

دوسری رائے یہ ہے کہ محض بیع وشراء ہو جانا قبضہ تصور نہیں کیا جائے گا بلکہ شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل ہونا قبضہ مانا جائے گا، لہٰذا حاضر سودے میں جو شیئرز خریدے گئے ہیں ان کی فروختگی شیئرز سرٹیفکیٹ ملنے سے پہلے جائز نہیں کیونکہ یہ بیع قبل القبض ہے، اس نقطۂ نظر کا اظہار درج ذیل حضرات نے کیا ہے:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا تنویر عالم قاسمی۔

اس نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب سوال نمبر ۱۵ اور ۱۶ کے جواب میں آئے ہیں: اصل میں یہ مسئلہ انتقال حصص کے قانون سرکاری اور شیئر مارکیٹ کے عرف پر موقوف ہے، لیکن بظاہر ایسا

محسوس ہوتا ہے کہ شیئر سرٹیفکیٹ شیئر کا علامتی وجود ہے یا حقیقی شیئر کی کلید کے درجہ میں ہے، لہذا جیسے فقہاء نے مکان کی بیع میں کنجی حوالہ کردینے کو قبضہ قرار دیا ہے، اسی طرح شیئر سرٹیفکیٹ پر نام کی منتقلی کو قبضہ تصور کیا جانا چاہئے، ورنہ اگر صرف ایجاب وقبول ہی کو قبضہ مان لیا جائے تو قبضہ کا حکم بے معنی ہو جائے گا، اس لئے سرٹیفکیٹ حاصل ہونے سے پہلے خرید وفروخت درست نظر نہیں آتی۔

جناب شمس پیرزادہ صاحب لکھتے ہیں: شیئرز فروخت کرنے کے بعد کمپنی کو نام کی تبدیلی کے لئے بھیجے جاتے ہیں، اگر بائع کے دستخط صحیح نہ ہوئے تو کمپنی شیئرز بائع کو واپس بھیج دیتی ہے، ایسی صورت میں نام کی تبدیلی کا کام التواء میں پڑ جاتا ہے، اس لئے شیئرز پر حقیقی قبضہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ شیئر سرٹیفکیٹ تبدیلی شدہ نام کے ساتھ مل جائیں، اس سے پہلے اگر مشتری شیئرز کسی تیسرے شخص کو فروخت کرتا ہے تو یہ فروخت حقیقی قبضہ سے پہلے ہوگی اور اس میں نزاعات کا بھی اندیشہ ہے اس لئے اس کی اجازت دینا صحیح نہ ہوگا۔

تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سوالنامہ میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق چونکہ شیئرز کے حاضر سودے میں فروختگی مکمل ہوتے ہی شیئرز خریدار کے ضمان میں آجاتے ہیں، شیئرز کا نفع نقصان خریدار کی طرف لوٹتا ہے خواہ شیئرز سرٹیفکیٹ پر ابھی اس کا نام نہ چڑھا ہو، اس لئے حاضر سودے میں خرید وفروخت طے ہوتے ہی شیئرز پر قبضہ تصور کرلیا جائے گا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ شیئر سرٹیفکیٹ پر قبضہ سے پہلے ہی اس کی بیع کسی دوسرے کے ہاتھ جائز ہو لیکن مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہر چیز کے قبضہ کا طریقہ عرف سے متعین ہوتا ہے اور عرف میں شیئرز پر قبضہ اسی وقت سمجھا جاتا ہے جب سرٹیفکیٹ ہاتھ میں آجائے تو پھر عدم جواز کا حکم ہونا چاہئے، بالخصوص جب کہ اس طرح سٹے کے کاروبار کی حوصلہ افزائی بھی ہوسکتی ہے، لہذا ان متعارض جہات کی موجودگی میں احتیاط یہی ہے کہ سرٹیفکیٹ پر قبضہ کئے بغیر آگے بیع نہ کی جائے۔

اس نقطۂ نظر کے حاملین یہ ہیں:

مفتی انور علی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا عبدالرحمن پالنپوری، مولانا اختر امام عادل، مولانا عبداللطیف گجرات۔

میرے خیال میں سوال نمبر ۱۵ اور ۱۶ کے جواب میں جو اختلاف رائے پایا جاتا ہے اس کی زیادہ تر بنیاد صورتحال کی تحقیق میں اختلاف پر ہے، سوالنامہ میں جو صورت درج کی گئی ہے وہ بھی "اگر" کی شرط کے ساتھ تحریر ہے جس سے عدم تعین جھلکتا ہے، اس سلسلے میں آخری رائے قائم کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کمپنیز اور اسٹاک ایکسچینج (بازار حصص) کے ماہرین سے چند امور کی وضاحت کرالی جائے تاکہ بربنائے بصیرت ایک متفقہ رائے تک ہماری رسائی ہوسکے۔

(۱) شیئرز کے حاضر سودے میں قانونی صورت حال کیا ہے، کیا واقعی سودا ہو جانے کے فوراً بعد شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ سے پہلے فروخت شدہ شیئرز کا ضمان، رسک (Risk) خریدار کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، شیئرز کا حاضر سودا ہو جانے کے بعد کمپنی کے کاغذات میں خریدار کا نام چڑھنے سے پہلے اگر کمپنی تباہ ہو جائے تو قانون کی نگاہ

میں نقصان شیئرز بیچنے والے کا ہوا یا شیئرز خریدنے والے کا، کیا اس صورت میں خریدار بیچنے والے سے قانوناً وہ قیمت وصول کرسکتا ہے جو اس نے بیچنے والے کو دی تھی، خریداری کے بعد شیئر سرٹیفکیٹ پر خریدار کا نام چڑھنے سے پہلے اگر کمپنی شیئرز کے منافع تقسیم کرتی ہے تو یہ منافع کس کو دیئے جاتے ہیں، شیئرز بیچنے والے کو یا شیئر خریدنے والے کو، کمپنی نے اگر منافع شیئرز بیچنے والے کو دے دیئے تو کیا خریدار یہ منافع کمپنیز اور اسٹاک ایکسچینج کے قوانین کے اعتبار سے بیچنے والے سے واپس لے سکتا ہے۔

(۲) شیئر مارکیٹ اور بازار حصص کے عرف میں شیئرز کے حاضر سودے کی صورت میں شیئرز پر قبضہ کب تصور کیا جاتا ہے، سودا ہونے کے فوراً بعد یا شیئر سرٹیفکیٹ پر خریدار کا نام چڑھنے کے بعد۔

اگر اوپر درج سوالات کے جواب میں ماہرین متفق الرائے ہوں تو شاید علماء اور اصحاب افتاء کی رائے بھی متفق ہوسکے۔

سوال نمبر ۱۷۔

اسٹاک ایکسچینج بازار میں خرید وفروخت کے لئے واسطہ بننے والے کو ''بروکر'' کہتے ہیں (جو موجودہ وقت میں شیئرز کی خرید وفروخت اور قیمتوں سے واقفیت رکھتا ہے، اور خرید وفروخت کی کارروائی کا اندراج کرتا ہے) یعنی اس کی حیثیت ایجنٹ کی ہے، اس کا کیا حکم ہوگا؟ یعنی کیا بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے؟

اس سوال کا جواب بعض حضرات کی تحریر میں متعین طور پر نہیں دیا گیا ہے، باقی تمام لوگوں نے لکھا ہے کہ جن شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے ان کی خرید وفروخت میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے۔ ناجائز اور حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت میں بحیثیت ''بروکر'' کام کرنا جائز نہیں۔

تمہیدی مقالات

۱۔ ڈاکٹر علی محی الدین قرہ داغی، قطر

۲۔ جناب ارشاد باقوی صاحب، بنگلور

شیئرز، کمپنی اور سرمایہ کاری

بنیادیں - شکلیں

از .... ڈاکٹر علی محی الدین القرہ داغی

قطر یونیورسٹی، قطر

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على المبعوث رحمة للعالمين وعلى آله وصحبه ومن تبع بداه إلى يوم الدين۔

یہ حقیقت ہے کہ دور حاضر کی اقتصادیات میں جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں (Joint stock companies) کا اہم رول ہے، اسی طرح یہ بھی واقعہ ہے کہ ان کمپنیوں کے اہم اثاثے اور ذرائع شیئرز ہیں، یہ شیئرز ہی ہیں جن کے ذریعہ امکانی حد تک مال کی ایک بڑی مقدار کو جمع کرنے کا عمل انجام پاتا ہے، کیونکہ اصل سرمایہ کو چھوٹے چھوٹے حصص میں تقسیم کردینے کی وجہ سے تمام لوگوں کو اس میں شراکت کا موقعہ حاصل ہوتا ہے، اور اس مجموعی شراکت کے نتیجہ میں اصل سرمائے کی ایک بڑی رقم جمع ہوجاتی ہے، اور اس کے ذریعہ کمپنیاں بڑے بڑے پروجیکٹس شروع کرسکتی ہے۔

آج کے دور میں شیئرز کا کاروبار صرف کمپنی کے بانی شراکت داروں پر منحصر نہیں ہے، بلکہ آج کے دور میں شیئرز کی حیثیت ان سیکورٹیز کی ہوگئی ہے جو وسیع پیمانہ پر لوگوں میں اور خصوصاً انٹرنیشنل اسٹاک ایکسچینج میں متداول ہیں۔

اس موقعہ پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عمومی طور پر شیئرز کے کاروبار کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اسی طرح شیئرز کی سرمایہ کاری، خصوصاً ان شیئرز کی سرمایہ کاری کی شرعی حیثیت کیا ہے جو عالمی کمپنیوں یا عالم اسلام کے اندرون کی مقامی کمپنیوں کی زیر ملکیت ہیں اور جن کے معاملات ربا کے شائبہ سے خالی نہیں۔

سب سے سنگین چیز جس سے ہمارا سماج دوچار ہے، غیر اسلامی (سرمایہ دارانہ یا اشتراکی) نظام کی موجودگی ہے جس کے زیر سایہ ہی عالم اسلام میں کمپنیوں کی تشکیل عمل میں آئی ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ ان میں سے بیشتر کمپنیاں صحیح اسلامی طریقہ کی پابندی نہیں کرتیں، چنانچہ بینکوں سے سودی قرض کے لین دین کا معاملہ کرتی ہیں۔

آج کے بیشتر مسلمان تذبذب اور گوگو کی کیفیت سے دوچار ہیں کہ کیا وہ ان کمپنیوں کو ترک کردیں، ان کا بائیکاٹ کردیں اور ان میں شراکت اختیار نہ کریں، دوسرے الفاظ میں فساق اور ضعیف الایمان لوگوں کو ان کمپنیوں کا نظم ونسق سنبھالنے کے لئے چھوڑ دیں جو اقتصادی زندگی کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں، ایسا اس لئے کہ یہ کمپنیاں قائم ہیں اور مخلص وغیرت مند افراد کے بائیکاٹ سے ان کمپنیوں کی رفتار کار پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، یا یہ کہ وہ اصلاح اور تبدیلی کے مقصد سے ان میں شراکت اختیار کریں؟

عام مسلمانوں کے اس تذبذب کے بالمقابل معاصرین کے درمیان اختلافات بھی پائے جاتے ہیں، بعض

معاصرین نے مقاصد شریعت، کمپنیوں کے بائیکاٹ اوران میں عدم مشارکت سے مرتب ہونے والے مفاسد پر غور کر کے چند شروط وضوابط کے ساتھ ان میں شراکت اختیار کرنے کی اجازت دی ہے، جب کہ دوسرے بعض معاصرین اس معاملہ میں حرام کے شائبہ کے پیش نظر اسے مطلقاً رد کرتے ہیں۔

اس تحریر میں ہم نے پوری امانت داری اور اخلاص کے ساتھ اس مسئلہ کا جائزہ لیا ہے، ہمیں اللہ تعالی سے امید ہے کہ وہ ہمارے قدموں کو صحیح رخ عطا کرے گا، درست بات ہمارے دل میں ڈالے گا اور عقیدہ اور قول وعمل کی غلطی سے ہماری حفاظت فرمائے گا۔

استثمار (Investment) کا لغوی واصطلاحی مفہوم:

لغت میں استثمار کا معنی:

لغۃً لفظ استثمار، استثمر ،یستثمر کا مصدر ہے جس کا مفہوم ہے: طلب ثمر یعنی پھل طلب کرنا، اس کا مادہ ثمر ہے جس کے متعدد مفاہیم ہیں، اس کا ایک مفہوم درخت کا پھل اور اس کی پیداوار ہے، اس کا ایک معنی اولاد بھی ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: الولد ثمرۃ القلب، اس کا ایک مفہوم مال کی انواع واقسام بھی ہے۔

ثمر کی میم کے فتحہ کے ساتھ کہتے ہیں: ثمر الشجر ثمورا یعنی درخت کا پھل ظاہر ہوا، اسی طرح کہا جاتا ہے: ثمر مالہ یعنی اس کا مال زیادہ ہوگیا، اور أثمر الشیئ کا مفہوم ہے: اس چیز کا نتیجہ ظاہر ہوگیا، اور أثمر مالہ۔ لام کے ضمہ کے ساتھ۔ کا مفہوم ہے: اس کے مال کی کثرت ہوگئی۔

اسی طرح کہا جاتا ہے: استثمر المال وثمّرہ (میم کی تشدید کے ساتھ) اس کا مطلب ہوا: اس نے مال کو پیداواری عمل میں لگایا، رہ گیا لفظ ثمرہ تو وہ ثمر کا واحد ہے، جب اس کی اضافت شجر (درخت) کی طرف کر دی جاتی ہے تو اس کا مفہوم ہوتا ہے: درخت کا پھل، اور جب اس کی اضافت کسی شئے کی طرف کر دی جاتی ہے تو اس کا مفہوم ہوتا ہے اس شئے کا فائدہ، اور قلب کی طرف اس کی اضافت ہو تو اس کا مفہوم ہوتا ہے قلب کی محبت، ثمرۃ کی جمع ثمر، ثمار اور أثمار بھی آتی ہے(۱)۔

استثمار کا اصطلاحی مفہوم:

لفظ " تثمیر "فقہاء کے عرف میں اس مقام پر ذکر کیا گیا ہے جہاں انہوں نے سفیہ اور رشید کے سلسلے میں گفتگو کی ہے، چنانچہ فقہاء کہتے ہیں کہ رشید وہ ہے جو اپنے مال کی تثمیر اور اصلاح پر قادر ہو، اور سفیہ جو ایسا نہ ہو، امام مالک فرماتے ہیں:

"الرشد تثمیر المال و إصلاحہ فقط" یعنی رشد (Maturity) مال کی صرف تثمیر اور اس کی اصلاح ہے(۲)۔

فقہاء نے تثمیر سے وہی مراد لیا ہے جو آج ہم استثمار سے مراد لیتے ہیں(۳)۔

جہاں تک لفظ استثمار کا تعلق ہے تو وہ آج کے اقتصادی مفہوم میں مذکور نہیں ہے، اسی لئے معجم الوسیط میں ہے:

"الاستثمار: استخدام الأموال في الإنتاج، إما مباشرة بشراء الآلات والمواد الأولية، و إما بطريق غير مباشر كشراء الأسهم والسندات" یعنی استثمار کامفہوم ہے: سرمایے کو پیداواری عمل میں لگانا، خواہ وہ براہ راست ہو جیسے مشینوں اور خام مال کی خرید کے ذریعہ، یا بالواسطہ ہو جیسے شیئرز اور بانڈز کی خرید۔ المعجم الوسیط میں اس تعریف کے بعد "مج" کا رمز دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مفہوم "مجمع اللغۃ" کا وضع کردہ ہے(۴)۔

استثمار (سرمایہ کاری) کا حکم:

شرعی نصوص اور شریعت کے عمومی مقاصد سے واضح ہوتا ہے کہ سرمایہ کاری مجموعی طور پر واجب ہے، یعنی امت کے لئے جائز نہیں کہ سرمایہ کاری کو ترک کرے۔

کیونکہ فرد اور امت کی زندگی میں مال کی اہمیت نصوص سے ثابت ہے، بیشتر آیات میں مال کو نفس پر مقدم رکھا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے مال کا بطور امتنان ذکر فرمایا ہے، اور مجاہدین اور حصول رزق کے لئے کوشاں لوگوں کو برابر قرار دیا گیا ہے جیسا کہ سورۂ مزمل کے آخر میں ہے، اور بیشتر احادیث میں کام کرنے والے اور تاجر کو مجاہد فی سبیل اللہ قرار دیا گیا ہے۔ ان تمام باتوں سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مال پر توجہ دینا، اس کی سرمایہ کاری اور اس کو مستحکم کرنے کی کوشش کرنا واجب ہے، تاکہ امت جہاد، تعمیر، علم، ترقی، سعادت وخوشحالی، بیداری اور تمدن پر قادر ہو سکے، کیوں کہ یہ سارے امور مال ہی سے تکمیل کو پہونچ سکتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولاتؤتوا السفهاء أموالكم التي جعل الله لكم قياماً وارزقوهم فيها"(۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال کو اسلامی معاشرہ کا ستون (سہارا) قرار دیا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ معاشرہ مال ہی کے ذریعہ قائم اور حرکت پذیر ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ اسے فروغ حاصل ہو سکتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "وارزقوهم فيها" میں ہے، یہاں "منہا" کے بجائے "فیہا" کہا گیا ہے، اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ استثمار (سرمایہ کاری) واجب ہے، تاکہ استثمار سے حاصل ہونے والے منافع سے مجورین (under guardianship) (یعنی بچے اور ذہنی طور پر معذور افراد) کے اخراجات پورے کئے جائیں، نہ کہ اصل سرمایہ سے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

...... یہاں "فیہا" کہا گیا ہے "منہا" نہیں کہا گیا ہے، تاکہ یہ اس بات کا حکم نہ ہو کہ لوگ اپنے مال کے کچھ حصے کو اپنے لئے ذریعۂ رزق بنالیں، بلکہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے مال کو ذریعۂ رزق اس طرح بنائیں کہ اس میں تجارت کریں اور سرمایہ کاری کریں اور منافع سے اپنے رزق کا کام لیں نہ کہ اصل سرمایہ سے ....(۶)۔

اور یہ مسلم ہے کہ مال میں زکاۃ کے وجوب کی وجہ سے لوگ تجارت پر آمادہ ہوں گے، کیونکہ اگر وہ اس میں تجارت نہیں کریں گے تو صدقہ اور اخراجات سے وہ ختم ہو جائیں گے، موجودہ اقتصادی نقطۂ نظر بھی اس کی تائید کرتا ہے، چنانچہ وہ مال والوں پر مختلف قسم کے ٹیکس عائد کرتا ہے، تاکہ وہ اسے جمع نہ کر سکیں، بلکہ چند احادیث جو مجموعی حیثیت سے صحیح یا حسن کے درجہ کی ہیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ صغار (یتیم وغیرہ) اور مجورین (کم عقل، مجنون اور ناقص

اہلیت والے) کے مال میں تجارت واجب ہے، چنانچہ امام شافعی نے یوسف بن ماھک سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یتیم کے مال میں (یتامی کے اموال میں) ذریعہ آمدنی تلاش کرو۔ تا کہ اسے صدقہ ختم یا صرف نہ کرڈالے"۔ امام نووی اور بیہقی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے، لیکن مرسل ہے، جس کی تائید دوسرے نصوص اور یتیم کے مال میں زکاۃ کے وجوب سے متعلق صحابہ سے مروی صحیح روایات سے ہوتی ہے (۷)۔

شیخ قرضاوی فرماتے ہیں: احادیث وآثار اوصیاء (guardians) کو اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ یتیموں کے مال کی سرمایہ کاری کرنا واجب ہے، تا کہ زکاۃ اسے ہضم نہ کرلے.... لہذا یتیموں کے سرپرستوں پر ان کے اموال کو بڑھانا اسی طرح واجب ہے جس طرح ان کے ذمہ یتیموں کے مال کی زکاۃ نکالنا واجب ہے، ہاں ان دونوں حدیثوں (عمرو بن شعیب کی مرفوع حدیث اور یوسف بن ماہک کی حدیث) میں سند یا اتصال کے اعتبار سے ضعف ہے، لیکن چند امور سے وہ دونوں قوی کے درجہ کو پہنچ جاتے ہیں، شیخ نے ان میں سے ایک کا ذکر اس طرح فرمایا ہے: "یہ روایت اسلام کے عمومی اقتصادی نظام کے مطابق ہے جو سرمایہ کاری کے وجوب اور دولت کے ارتکاز کی حرمت پر مبنی ہے" (۸)۔

دولت کی سرمایہ کاری کے وجوب پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے: "کی لایکون دولة بین الأغنیاء منکم" (۹) کیوں کہ مال کے متداول ہونے کی صورت یہی ہے کہ صدقات تقسیم کیے جائیں، اور ایسی سرمایہ کاری کی جائے جس کے نتیجہ میں مزدور، کاریگر، تاجر اور اسی طرح دوسرے تمام لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "و أعدوا لهم ما استطعتم من قوة" (۱۰) اور بلاشبہ قوت میں مال کی قوت بھی شامل ہے، بلکہ بیشتر آیات میں اسے نفس پر مقدم کیا گیا ہے، لہذا اگر جسم اور ہتھیار کی قوت مطلوب ہے تو مال کی قوت اشد اور وجوبی طور پر مطلوب ہے۔

پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ شریعت اسلامی کا ایک مقصد مال کی حفاظت ہے، اور یہ مقصد مال کی سرمایہ کاری کر کے اور اسے فروغ دے کر ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح شریعت کا ایک مقصد خدائی نظام کی روشنی میں کائنات کی تعمیر بھی ہے: "هو أنشأكم من الأرض واستعمركم فيها" (۱۱) اس آیت کے ذیل میں مفسرین فرماتے ہیں: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے (اللہ تعالیٰ نے) تمہیں روئے زمین پر اپنی ضروریات زندگی کی تعمیر کا حکم دیا جیسے مکانات کی تعمیر اور شجرکاری" (۱۲) اسی طرح شریعت کا ایک مقصد استخلاف (جانشیں وخلیفہ بنانا) بھی ہے، جس کا تقاضا ہے کہ زمین کے امور انجام دیے جائیں، اس کا نظم ونسق سنبھالا جائے، اس سے خلق کو فائدہ پہنچایا جائے اور اسے آباد کیا جائے، یہ تمام مقاصد مکمل طور پر سرمایہ کاری کے ذریعہ ہی حاصل ہوسکتے ہیں۔

خلاصہ:

یہ کہ عمومی طور پر سرمایہ کاری واجب کفایہ ہے، لہذا امت پر واجب ہے کہ سرمایہ کاری کے امور انجام دے تا کہ مال میں وسعت ہو، افراد برسر روزگار رہوں اور اگر چہ مالداری کی حد تک نہیں لیکن بقدر کفایت تمام لوگوں کو (مال)

ملے، اور اس سلسلے میں فقہی قاعدہ ہے کہ جس چیز پر واجب کے تحقق کا دار و مدار ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس زائد از ضرورت مال ہو تو کیا اس پر سرمایہ کاری واجب ہے؟ تو منہج اسلامی اس کے تعلق سے کہ بلا شبہ مال اللہ کا مال ہے اور اس پر انسان کی ملکیت مطلق نہیں مقید ہے، جس کا تقاضہ کرتا ہے وہ یہ کہ اس پر شرعی طریقوں سے مال کی سرمایہ کاری واجب ہے، خواہ یہ سرمایہ کاری وہ خود سے کرے یا شرکت و مضاربت جیسے طریقوں سے یہ سرمایہ کاری کی جائے، اور اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے سرمایہ کاری کے قابل مال کو یونہی چھوڑ دے، اور سرکولیشن کے میدان میں اپنا رول ادا کرنے اور اس کے اقتصادی دائرے میں اضافہ کو جو سوسائٹی کے لئے منفعت عامہ کا باعث ہے معطل کر دے۔

اسی طرح یہ بھی واقعہ ہے کہ سماج اور امت کی قوت کا دار و مدار سماج اور امت کے افراد پر ہے خصوصاً اسلام کے اقتصادی نظام کی روشنی میں جو کہ انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے اور اس بات کا قائل ہے کہ حکومت کی ملکیت محدود ہوتی ہے، چنانچہ امت کے افراد پر ایک بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ سرمایہ کاری کے ذریعہ مال کی زیادتی اور اس کی ترقی وتقویت کے لئے جد و جہد کریں۔

شیخ محمد شلتوت فرماتے ہیں: ''جب عقل و دین کا تقاضا ہے کہ جس چیز کے ذریعہ واجب کا تحقق ہوتا ہو وہ بھی واجب ہے، اور اسلامی جماعت کا غلبہ اہل اسلام کی اولین ذمہ داری ہے، اور اس کا دار و مدار تین ستونوں پر ہے یعنی زراعت، صنعت اور تجارت، تو یہ تینوں ستون واجب قرار پائے اور ان کی ایسی باہمی ترتیب وتنسیق کہ جس سے امت خیر و فلاح سے ہمکنار ہو واجب ٹھہری......'' (۱۳)

سرمایہ کاری سے متعلق اسلامی نظام کے بنیادی خطوط:

اس مقالہ میں اس موضوع کی تفصیلات کا احاطہ مشکل ہے، لہذا ہم مختصراً اس موضوع کے اہم خطوط کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔ یہ خطوط مندرجہ ذیل ہیں:

اول: اسلام میں جو سرمایہ کاری کا منہج ہے اس سے اسلامی فکر و عقیدہ الگ نہیں ہے، جس طرح سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ دارانہ نظریہ ہی سرمایہ کاری کے امور انجام دیتا ہے، اور جس طرح کمیونسٹ نظریہ سابقہ سوویت یونین اور دوسرے اشتراکی ممالک میں اپنے مخصوص وسائل کے ذریعہ اپنے فلسفیانہ حدود اور اپنے مقاصد کے تحت ہی سرمایہ کاری کا عمل انجام دیتا ہے۔ اسی طرح اسلامی عقیدہ بھی اسلام کے اقتصادی نظریہ، سرمایہ کاری کے طریق کار، ذرائع، اسباب اور وسائل میں کلیدی حیثیت کا حامل ہے، چنانچہ ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ مال اللہ کی ملکیت ہے اور وہ اس سلسلہ میں قائم مقام اور جانشین کی حیثیت رکھتا ہے، اسی بنا پر اس کے لئے لازم ہے کہ وہ سرمایہ کاری وغیرہ کے معاملہ میں منہج الٰہی کے تحت ہی کام کرے، اور خدائی شریعت کو پس پشت نہ ڈال دے، اسی طرح اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ کائنات کو عدل اور حق سے معمور کرے اور دوسروں پر شاہد بنے۔

اس عقیدہ کی بنیاد پر مومن کے اعمال کافر سے مختلف ہوتے ہیں، چونکہ ایک مسلمان کمانے، خرچ کرنے

اور سرمایہ کاری میں رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھتا ہے جب کہ ایک کافر سب سے پہلے تمام قدروں پر اپنے شخصی مفادات کو فوقیت دیتا ہے پھر اپنی قوم کے مفادات کو، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان دونوں کے علاوہ دوسری قدریں اس کے پیش نظر نہیں ہوتیں، مومنین کی صفت بیان کرتے ہوئے قرآن یہ کہتا ہے: "ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیماً واسیراً إنما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزاءً ولا شکوراً" (۲٦) جبکہ کافر کے بارے میں یہ کہتا ہے: کہ اسے یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں اس کو اپنا کوئی دنیوی مفاد نظر نہیں آتا، اگر وہ کسی کو کھلاتا بھی ہے تو اس سے اس کا مفاد وابستہ ہوتا ہے، جیسے جاہ و منصب کے حامل افراد (کہ ان کو کھانا کھلانے کا مقصد حصول مفاد ہے) چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " أرأیت الذی یکذب بالدین، فذلک الذی یدعّ الیتیم ولا یحضّ علی طعام المسکین" (۱۵) اسی عقیدہ کی بنا پر مسلمان یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ سود مالوں کو مٹانے اور اس کو کم کرنے کا باعث ہے، اور صدقات و خیرات کرنے سے اس میں اضافہ ہوتا ہے، یقیناً یہ تصور کافر کے تصور کے بالکل برعکس ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یمحق الله الربا ویربی الصدقات" (۱٦)۔

اسی عقیدہ کی بنا پر وہ محرمات سے پرہیز کرتا ہے اور طاعات کی طرف لپکتا ہے، وہ سرمایہ کاری، تجارت اور محنت کرکے یہ سمجھتا ہے کہ اس نے حکم الٰہی کی تعمیل کی اور اس عمل پر وہ اپنے کو اجر و ثواب کا مستحق سمجھتا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ وہ انجام کار کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نقصان کی صورت میں وہ رنجیدہ اور غمزدہ نہیں ہوتا، نہ آسودگی، خوشحالی اور نفع کی صورت میں اتراتا اور سرکشی کرتا ہے: " لکی لا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم" (۱۷)۔ چنانچہ وہ ہمیشہ دو میں سے ایک یا دونوں مقامات میں ہوتا ہے: یعنی حمد و شکر کے مقام میں، اور صبر و رضا کے مقام میں۔

اسی طرح اس عقیدہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی تعمیل میں تیزی آجاتی ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ذکر کو اپنے اوامر و نواہی پر مقدم فرمایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یا أیها الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارة عن تراض منکم" (۱۸)۔ اسی طرح ارشاد باری ہے: "یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقی من الربا إن کنتم مؤمنین" (۱۹)۔

دوسری طرف اگر مسلمان سرگرم عمل ہوتا ہے اور سرمایہ کاری کرتا ہے تو اس کا یہ عمل اس عقیدہ کے پیش نظر ہوتا ہے کہ الٰہی نظام کے مطابق کائنات کی تعمیر کرنا اور سارے جہاں میں خیر و رحمت کو عام کرنا اس کا فرض ہے۔

دوم: سرمایہ کاری کے سلسلہ میں اسلامی نظام کی بنیاد اور اہم صفت یہ ہے کہ وہ اقدار، اخلاق اور اصولوں کا نگہبان ہوتا ہے، اسی لئے اسلام نے حیلے، فریب، استحصال اور فراڈ (Fraud) کو حرام قرار دیا ہے، چنانچہ صحیح احادیث میں ہے کہ " من غشّنا فلیس منا" (جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں) (۲۰) اسی طرح تدلیس کی حرمت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، خواہ وہ قول کے ذریعہ سے ہو جیسے نجش (۲۱) کی صورت میں، یا فعل کے ذریعہ ہو جیسے تصریۃ (۲۲) وغیرہ کی شکل میں۔ اس کے بالمقابل اسلام نے لازم قرار دیا ہے کہ سرمایہ کاری عدل کی بنیاد

پر اور بیع و شراء اور تقاضے میں رواداری کی بنیاد پر کی جائے، اور مبیع میں جیسے کچھ بھی عیوب و نقائص ہوں ان کو بغیر جھوٹ، قسم اور جعلسازی کے صاف صاف بیان کر دیا جائے (۲۳)۔

سوم: اسلامی نظام سرمایہ کاری کا ایک بنیادی امتیاز یہ ہے کہ وہ شریفانہ اور صالح مارکیٹ کمپٹیشن کی نگرانی کرتا ہے اور حکومت کی کسی قسم کی مداخلت کے بغیر تمام لوگوں کو مواقع فراہم کرتا ہے، حکومت صرف اسی صورت میں مداخلت کر سکتی ہے جب شرعی ضوابط اور کمزوروں کے حقوق کا تحفظ مقصود ہو، اسی وجہ سے مارکیٹ کی دیکھ ریکھ کی ذمہ داری پبلک اتھارٹی پر ہوتی ہے جو شخصی و قومی تحفظ اور احتسابی نظام کی شکل میں سامنے آتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول نے کمزور عقل والے کو حق خیار عطا فرمایا ہے، جیسا کہ حضرت ابن عمر کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ خرید و فروخت میں وہ دھوکہ کھا جاتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "إذا بايعت فقل: لا خلابة"۔ امام احمد اور اصحاب سنن نے ان الفاظ سے روایت کیا ہے: ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خرید و فروخت کرتا تھا، اس کی عقل کچھ کمزور تھی، اس کے گھر والے آپ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول: فلاں پر پابندی عائد کر دیجئے، وہ خرید و فروخت کرتا ہے جب کہ وہ کمزور عقل والا ہے، تو آپ ﷺ نے اسے بلایا اور منع فرمایا، تو اس نے کہا کہ میں تو بیع سے صبر نہیں کر سکتا، تب آپ ﷺ نے فرمایا: "إن كنت غير تارك للبيع فقل هاء وها، ولا خلابة" (۲۴)۔ یہ حدیث اس امر کی رہنمائی کے لئے اچھی بنیاد ہے کہ کمزور عقل والوں کو اور دوسروں کے زیر سایہ رہنے والے ان لوگوں کو جنہیں کاروبار اور معاملات کا تجربہ نہ ہو اس کا زیادہ موقع دیا جانا چاہئے کہ وہ اپنے لئے خیار کی شرط لگائیں، بلکہ یہ حق انھیں اس وقت تک دیا جانا چاہئے جب تک ان کے غبن میں پڑنے کا اندیشہ برقرار رہے اگر چہ وہ خیار کی شرط نہ لگائیں (۲۵)۔

چہارم: (اسلامی نظام سرمایہ کاری کے اہم اوصاف میں سے ایک) ظلم و ربا، لوگوں کے مال ناجائز طور سے کھانے اور قمار بازی کو حرام قرار دینا ہے، اور اس کے علاوہ دوسرے وہ افعال بھی جن کو اسلام نے حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔

شیئرز

اسہم جمع ہے سہم کی۔ لغت میں اس کے متعدد معنی ہیں: اس کا ایک معنی حصہ ہے جس کی جمع ہے "سهمان" سین کے ضمہ کے ساتھ۔ اس کا ایک مفہوم وہ لکڑی ہے جس کے ایک سرے پر کمان سے پھینکا جانے والا پھل ہوتا ہے اس کی جمع سہام ہے۔ اس کا ایک معنی وہ تیر ہے جس سے قرعہ اندازی کی جاتی ہے یا جس سے جوا کھیلا جاتا ہے، اسی سے کہتے ہیں: **أسهم بينهم** یعنی اس نے اس کے درمیان قرعہ اندازی کی، اسی طرح کہتے ہیں: ساهمه یعنی اس نے کھیل میں مقابلہ کیا اور دوسرے پر غالب آیا، اور کہتے ہیں: ساهمه یعنی اس نے اس کے ساتھ شراکت اختیار کی اور ایک حصہ حاصل کیا، المعجم الوسیط میں ہے: ومنه شركة المساهمة (۲۶) (اسی سے جوائنٹ اسٹاک کمپنی

ہے) قرآن کریم میں ہے: "فساهم فكان من المدحضين" (سورہ الصافات ر ۱۴۱) ای قارع بالسهم فكان من المغلوبين (۲۷)۔ ماہرین معاشیات "سہم" کا اطلاق کبھی دستاویز پر کرتے ہیں اور کبھی حصص پر، دونوں کا مفہوم ایک ہے، پہلے مفہوم کے اعتبار سے ان کا خیال ہے کہ سہم سے مراد وہ دستاویز ہے جو کمپنی کے اصل سرمایہ کے ایک حصہ کی نمائندگی کرتی ہے، یہ حصہ کمپنی کے سرکولیشن کے حساب سے گھٹتا بڑھتا ہے۔

دوسرے مفہوم کے اعتبار سے ماہرین معاشیات کا خیال ہے کہ سہم سے مراد کسی سرمایہ دار کمپنی میں شیئرز ہولڈر کا حصہ ہے، یا وہ حصہ ہے جس کی قیمت کے مطابق کمپنی کا وہ مجموعی سرمایہ منقسم ہوتا ہے جو قدر عرفی والے دستاویز میں مذکور ہوتا ہے، کیونکہ شیئرز مجموعی طور پر کمپنی کے اصل سرمایہ کی نمائندگی کرتے اور یکساں قیمت کے حامل ہوتے ہیں (۲۸)۔

شیئرز کا خاصہ یہ ہے کہ وہ یکساں قیمت کے حامل ہوتے ہیں، ایک شیئر منقسم نہیں ہوتا، خواہ وہ عام ہو یا خاص، اصولی طور پر حقوق والتزام میں یکسانیت اور مساوات پر مبنی ہوتا ہے اور متداول ہوتا ہے، لیکن بعض قوانین نے (جیسے سعودی نظام نے) بانیوں کے زیر ملکیت حصص کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، چونکہ عام قاعدہ کے مطابق دو مکمل مالی سال کے بعد اور میزانیہ (بجٹ) کے عام ہونے سے پہلے اس کا اجراء درست ہوگا۔ اسی طرح انتظامیہ کی سیکورٹی کے لئے انتظامی کونسل کے ممبر کی طرف سے پیش کئے گئے سیکورٹی شیئرز کا اجراء دوران ممبری درست نہیں ہے، اور اس وقت تک درست نہیں ہے جب تک کہ جواب دہی کے دعوی کی سماعت کے لئے مقررہ مدت ختم نہ ہو جائے (۲۹)۔

کمپنی کے اصل سرمایہ کی تقسیم کا حکم:

قابل لحاظ امر یہ ہے کہ اصل سرمایہ کی مختلف حصص واجزاء میں تقسیم اور سابقہ شرائط کا عائد کیا جانا اسلامی شریعت کے عام اصولوں اور کمپنی سے متعلق عام فقہی قواعد سے متعارض نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں کمپنی کے معاملہ کے تقاضے سے متصادم ہونے والی کوئی چیز نہیں، بلکہ اس میں تنظیم، تیسیر (آسانی پیدا کرنا) اور رفع حرج ہے جو اس شریعت کا ایک نمایاں وصف ہے اور ایفائے عقود کے ضمن میں داخل ہے "يا أيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود....." (المائدہ ر ۱) اور رسول اللہ ﷺ کا قول ہے: "المسلمون عند شروطهم" (۳۰) اور ایک روایت میں ہے: "......والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما" (۳۱)، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے (۳۲)

یہ اور اس طرح کے دوسرے نصوص اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ہر قسم کی مصالحت اور شرط جائز ہے، سوائے اس شرط اور مصالحت کے جس کی حرمت پر دلیل قائم ہو جائے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صلح وشرط میں اصل اباحت ہے، اور ممانعت ایک خاص دلیل کی بنا پر ثابت ہوتی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "کتاب و سنت اسی مفہوم کی شہادت دیتے ہیں......" (۳۳) مزید فرماتے ہیں: "شروط میں اصل صحت اور لزوم ہے سوائے ان کے جن کے خلاف دلیل قائم ہو جائے..... کیونکہ کتاب وسنت عقود وعہود کے ایفاء پر دلالت کرتے ہیں اور غدر و بد عہدی کی مذمت کرتے ہیں..... اور یہاں مقصود اصول ونصوص کا یہ مقتضی ہے کہ شرط کو لازم قرار دیا جائے مگر یہ کہ وہ

کتاب اللہ کے مخالف نہ ہو......" (۳۴)۔

یہ امر مخفی نہیں کہ سابقہ قواعد کے نتیجہ میں فقہ اسلامی ہر ایسے عقد، یا تصرف یا مالی یا انتظامی تنظیم کو قبول کرتی ہے جب تک کہ وہ کتاب وسنت کے نصوص سے متعارض نہ ہو اور اس کے عمومی قواعد سے متصادم نہ ہو، اور یہ کہ شریعت غراء ہر نفع بخش حکمت کو مومن کی متاع گم شدہ قرار دیتی ہے بالحاظ اس کے کہ اس کا سرچشمہ اور نام کیا ہے، اصل واساس تو اس کا مفہوم ہے، اس کے مشمولات، اس کے وسائل ومقاصد اور اس سے پیدا شدہ مصالح ومنافع یا مضرتیں اور مفاسد ہیں۔

شیئرز کی خصوصیات اور حقوق:

شیئرز کی چند خصوصیات ہیں جن میں سے کچھ اہم یہ ہیں:

قانون کے طے کردہ ضابطہ کے مطابق شیئر کی قیمت میں برابری، اور اس کے حقوق میں برابری ہوتی ہے، اور ہر شیئر ہولڈر کی ذمہ داری اس کے حصص کی قیمت، اس کے تداول کی صلاحیت، اور شیئرز کی تجزی کی عدم صلاحیت کے مطابق ہوتی ہے۔ شیئرز کے حقوق کا جہاں تک تعلق ہے تو اس سے مراد ہے کمپنی میں شیئر ہولڈر کا حق بقاء، عمومی اجلاس میں رائے دہندگی کا حق، حق سرپرستی، منتظمین کے خلاف دعوی مسئولیت دائر کرنے کا حق، منافع میں حصہ کا حق، احتیاطات (Reserves) اور شیئرز سے دست کش ہونے اور اس میں تصرف کا حق، اندراج میں ترجیح کا حق، اور کمپنی کے تحلیل ہونے کے وقت کمپنی کے اثاثہ جات کی تقسیم کا حق (۳۵)۔

اجراء اور دائرۂ کار کی حیثیت سے شیئرز کا حکم:

ہم نے ذکر کیا ہے کہ کمپنی کے اصل سرمایہ کی مساوی حصص میں تقسیم جنہیں شیئرز کہتے ہیں، درست ہے، اس میں اسلام کے اصول ومبادی سے کسی قسم کا تعارض نہیں پایا جاتا۔ یہاں پر ہم عمومی شکل میں ان شیئرز کے متداول ہونے اور خرید وفروخت وغیرہ کے ذریعہ ان میں عام طور پر تصرف کرنے کا حکم بیان کریں گے، پھر ہم ہر قسم کے شیئر کو بیان کرتے وقت اللہ کی توفیق سے اس کا خاص حکم بھی بیان کریں گے۔

قابل غور امر یہ ہے کہ بعض محققین نے شیئرز سے متعلق معاصر علماء کے اختلاف کو مطلقاً نقل کیا ہے بغیر کسی تفصیل کے کہ اس سلسلہ میں ان کی طرف سے کوئی صراحت موجود ہے یا نہیں بلکہ عمومی طور پر کمپنیوں کے بارے میں ظاہر کردہ ان کی آراء سے سمجھے گئے مفاہیم پر اعتماد کر لیا گیا ہے (۳۶)۔

اس اطلاق پر اعتماد نہیں کیا جانا چاہئے، کیونکہ طے شدہ اصول ہے: "لازم المذهب ليس بمذهب"۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہے کہ ان علماء کے تمام مباحث ان کمپنیوں کے سلسلے میں ہیں جو مسلم ممالک میں قائم کی گئی ہیں، اور ان مباحثوں کا ان کمپنیوں سے کوئی تعلق نہیں جنہوں نے متعینہ طور پر اپنا دائرہ کار خنزیر اور شراب جیسے محرمات کو بنایا ہے......(۳۷)۔

اسی وجہ سے ہم شیئرز کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں:

ایک قسم وہ ہے جو واضح طور پر حرام ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جس میں بحث، تفصیل اور اختلاف کی گنجائش ہے۔

پہلی قسم وہ شیئرز ہیں جن کا دائرہ کار خنزیر، شراب، نشہ آور اشیاء، جوا اور دیگر محرمات ہیں، اسی طرح وہ کمپنیاں بھی اس میں شامل ہیں جن کا کاروبار سود پر منحصر ہو، جیسے سودی بینک۔

اس قسم کے تمام شیئرز کا اجراء اور اس میں شراکت اختیار کرنا درست نہیں اور نہ خرید وفروخت کے ذریعہ یا ان جیسے دوسرے امور کے ذریعہ ان میں تصرف جائز ہے۔ ابن القیم بعض اشیاء کی بیع کی حرمت سے متعلق احادیث کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ جامع کلمات تین اجناس کی تحریم پر مشتمل ہیں: عقل کو خراب کرنے والے مشروبات جیسے خمر، ایسے کھانے جو طبیعت کو مکدر بنانے والے اور ناپاک غذا دینے والے ہوں جیسے مردار کا گوشت اور خنزیر، اور اعیان جیسے بت جو ادیان کو خراب کرنے اور فتنہ اور شرک کا باعث بنتے ہیں، اس طرح شارع نے پہلی قسم کو حرام قرار دے کر عقول کو زائل کرنے اور خراب کرنے والے اسباب سے ان کی حفاظت فرمائی، دوسری قسم کو حرام قرار دے کر قلوب کو مفسدات یعنی غذاء خبیث کو ان تک پہونچنے سے بچایا......، اور تیسری قسم کو حرام قرار دیکر ادیان کو ان امور سے محفوظ فرمادیا جو ان کے بگاڑ کے لئے وضع کئے گئے ہیں (۳۸)۔

یہی وہ اصول ہے، جس سے تجاوز کرنا درست نہیں اور نہ اس میں توقف کیا جانا مناسب ہے، حرام شیئرز کی اس قسم کے علاوہ بھی دو قسمیں ہیں:

قسم اول:

ان کمپنیوں کے شیئرز جو اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق قائم ہیں، اور جن کا راس المال حلال ہے، وہ حلال کاروبار بھی کرتی ہیں، اور ان کا بنیادی معاہدہ اس بات کی صراحت بھی کرتا ہے کہ وہ حلال کے حدود میں کاروبار کرتی ہیں، اور سودی قرض کا لین دین نہیں کرتیں، نہ ہی بعض کے مقابلہ میں بعض کے لئے مخصوص رعایت یا مالی ضمانت کی ذمہ داری لیتی ہیں۔ کمپنیوں کے اس قسم کے شیئرز خواہ وہ کمپنیاں تجارتی ہوں، صنعتی ہوں یا زرعی، ان کے حلال ہونے اور ان میں ہر قسم کے شرعی تصرفات کے درست ہونے کے بارے میں فقہاء کا قول طے شدہ ہے، کیونکہ مالی معاملات وتصرفات میں اصل اباحت ہے، اور ان شیئرز میں کوئی حرام شئی شامل نہیں ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ ان شیئرز کی وجہ سے کمپنی کے سرمائے کو جدید اقتصادی اصولوں کے تقاضے کے مطابق اور کسی اسلامی اصول سے تصادم کے بغیر منظم کیا گیا ہے۔

اسی کے ساتھ اس کے متعلق دو امور سامنے آئے:

امر اول: جسے ایک مؤلف نے اٹھایا وہ یہ کہ یہ شیئرز اس سرمایہ دارانہ نظام کا ایک جزو ہیں جو اجمالاً یا تفصیلاً کسی بھی طرح اسلام سے ہم آہنگ نہیں ہے، بلکہ جدید کمپنیاں اور خصوصاً فائنانس کمپنیاں حرام اور شرعاً ناجائز ہیں، کیونکہ یہ سرمایہ دارانہ نظام کے نقطۂ نظر کی نمائندگی کرتی ہیں، لہذا نہ ان کا اختیار کرنا درست ہے اور نہ انہیں فقہ اسلامی میں موجود کمپنیوں کے اصول وضوابط کے تابع کرنا درست ہے (۳۹)۔

یہ عام حکم قابل التفات نہیں اور نہ اسے قبول کیا جائے گا، کیونکہ اسلام کسی چیز کو صرف اس وجہ سے رد نہیں

کرتا کہ وہ فلاں نظام سے ماخوذ ہے، یا اس میں موجود ہے، اسلام میں حکم موضوعی اور اس بنیاد پر مبنی ہوتا ہے کہ وہ قواعد شرعیہ سے کس حد تک ہم آہنگ یا متصادم ہے، کیونکہ "الحکمة ضالة المؤمن فهو أحق بها أنىٰ وجدها" (حکمت تو مومن کا گم شدہ سرمایہ ہے، اسے جہاں کہیں پالے وہی اس کا زیادہ حقدار ہے) اور چونکہ حلال پر مبنی شیئرز کسی مانع شرعی پر مشتمل نہیں ہیں اس لئے جیسا کہ ذکر کیا جاچکا، ان کو حرام قرار دینا درست نہیں۔

اسی طرح یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ شیئرز کمپنی کے اثاثے کی قیمت سے متعلق دستاویزات کے مقابلہ میں ہیں، یہ کمپنی کے تخمینہ کے وقت کمپنی کے ثمن کی نمائندگی کرتے ہیں، یہ کمپنی کے غیر منفک اجزاء نہیں ہیں، اور نہ کمپنی کے قیام کے وقت اس کے راس المال کی نمائندگی کرتے ہیں (۴۰) یہ الگ بات ہے کہ شیئرز کا یہ حکم اور تصور حقیقت سے بعید ہے، معاصر کمپنیاں جس حقیقت پر مبنی ہیں وہ یہ ہے کہ شیئرز دستاویزات نہیں ہیں، یہ تو کمپنی کے حصص ہیں، اور ہر شیئر کمپنی کے ڈھانچہ کے ایک غیر منفک جز کے بالمقابل ہے، اور شیئرز کا مجموعہ ہی کمپنی کا اصل سرمایہ ہے (۴۱)

جیسا کہ انہوں نے شیئرز کو کرنسی نوٹوں پر قیاس کیا ہے، جن کی قیمت بدلتی اور تبدیل ہوتی رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ کمپنی کے آغاز کے بعد شیئر کی راس المال والی حیثیت ختم ہوجاتی ہے اور وہ ان سیکورٹیز کی صورت اختیار کرلیتا ہے جن کی ایک متعین قیمت ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیئرز کی یہ فقہی تطبیق دقت نظر پر مبنی نہیں ہے اور انہیں کرنسی نوٹوں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ شیئرز دراصل کمپنی کے وہ حصص اور اجزاء ہیں جو کمپنی کے راس المال اور اس کے اثاثے کے مقابلے میں ہوتے ہیں، یہ اگرچہ تحریری دستاویزات ہوتے ہیں لیکن ان سے مقصود وہی ہوتا ہے جو ان کے مقابلے میں ہے۔

جہاں تک اتار چڑھاؤ کا مسئلہ ہے تو اس کے اسباب شیئرز میں مختلف ہوتے ہیں اور نقود میں مختلف ہوتے ہیں، چنانچہ شیئرز کی قیمت میں تغیر خود کمپنی کی فعالیت کا نتیجہ ہوتا ہے، لہذا جب اس کے منافع بڑھ جاتے ہیں، یا اس کے ساتھ اس کے اثاثوں کا اضافہ ہوجاتا ہے اور اس پر لوگوں کا اعتماد بڑھ جاتا ہے تو ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور خسارہ کی صورت میں ان کی قیمت گھٹ جاتی ہے، اس کی مثال اس شخص یا شرکاء کی ہے جن کے پاس متعین سامان ہوں اور انہوں نے ان کو اچھے منافع پر فروخت کیا ہو، تو اس صورت میں نفع کے بقدر ان میں سے ہر ایک کے مال کا تناسب بڑھ جاتا ہے، اسی طرح ان میں سے بعض کے مفقود ہوجانے یا ہلاک ہوجانے، یا سامان کو خسارہ کے ساتھ فروخت کئے جانے کی صورت میں ان میں سے ہر ایک کے مال کا تناسب گھٹ جاتا ہے۔ پس یہ کمپنیوں کے شیئرز کا ایک مختصر سا نمونہ ہے۔

جہاں تک کرنسی نوٹوں کا تعلق ہے تو ان کے گھٹنے کا سبب افراط زر اور اس سے متعلق بین الاقوامی نظام اور مزید کرنسی نوٹ جاری کرنے کی ملکی پالیسی ہوتی ہے جس کا حقیقی بدل نہیں پایا جاتا، ان کے علاوہ اور دوسرے اقتصادی عوامل اس کا سبب بنتے ہیں، جبکہ کمپنی کا جز بننے والے رقم کی نمائندگی کرنے والا شیئر کمپنی کے سرمائے اور اثاثے میں نمائندگی کرتا ہے۔

امر دوم: جو اس قسم کے شیئرز کے متعلق زیر بحث لایا گیا ہے اس کا تعلق ان کی خرید و فروخت سے

ہے، اوراس سلسلہ میں تین باتیں (ملاحظات) قابل غور ہیں جنہیں ہم جواب کے ساتھ بیان کرتے ہیں (۴۲):

اول: جہالت، کیونکہ مشتری کو شیئرز کی معنویت کا تفصیلی علم نہیں ہے۔

اس کے جواب میں ہم کہیں گے: کہ جہالت صحت عقد کے لئے اس صورت میں مانع ہوتی ہے جب نزاع کا سبب ہو یا فقہاء کی اصطلاح میں جب ''جہالت فاحشہ ہو'' (۴۳)۔

امام قرافی فرماتے ہیں:

غرر اور جہالت کی تین اقسام ہیں: کثیر جو بالا جماع ممنوع ہے، جیسے ہوا میں پرندوں کی بیع۔ قلیل جو بالا جماع جائز ہے، جیسے گھر کی بنیاد......اور متوسط جو مختلف فیہ ہے (۴۴)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ مغیبات جیسے گاجر، شلجم اور اروی کی بیع کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

پہلا یعنی ان کی بیع کی صحت کا قول جو امام مالک کا مسلک اور امام احمد کا ایک قول ہے، زیادہ صحیح ہے....اس لئے کہ تجربہ کار افراد جب ان سے ظاہر ہونے والے پتے وغیرہ کو دیکھتے ہیں تو بقیہ چیزوں کو بھی اسی پر قیاس کرتے ہیں، دوسری بات یہ کہ لوگوں کو ان بیاعات کی ضرورت ہے، اور کسی ایک نوع کے غرر کی وجہ سے شارع نے ایسے بیوع کو حرام نہیں کیا ہے جن کی لوگوں کو ضرورت پیش آتی ہو، بلکہ شارع تو ایسی چیزوں کو جائز قرار دیتا ہے جن کی اس سلسلے میں ضرورت پڑتی ہے، جیسا کہ شارع نے بدو صلاح سے پہلے پھل کی بیع کو جائز قرار دیا ہے........اگرچہ مبیع کا کچھ حصہ ابھی تک پیدا نہ ہوا ہو.....، اور بیع عرایا کو اندازہ سے جائز قرار دیا ہے، چنانچہ ضرورت کے وقت تخمین بالخرص کو تخمین بالکیل کے قائم مقام قرار دیا ہے باوجودیکہ یہ اس ربا کے ذیل میں آتا ہے جو بیع غرر سے بھی زیادہ شدید ہے، اور یہ ایک شرعی قاعدہ ہے کہ دو مصلحتوں میں سے ادنیٰ کو چھوڑ کر بڑی (اعلیٰ) مصلحت کو روبہ عمل لایا جائے گا، اور دو فسادوں میں سے ادنیٰ کو اپنا کر (بروئے کار لاکر) بڑے فساد کو رفع کیا جائے گا (۴۵)۔

استاذ صدیق الضریر فرماتے ہیں: غرر جو صحت عقد میں مؤثر ہوتا ہے وہ ہے جو مبیع میں اصالۃً پایا جائے، جہاں تک تابع میں غرر کا تعلق ہے.....تو وہ عقد میں مؤثر نہیں ہوتا (۴۶)۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ بجٹ کی اشاعت، کمپنی کی فعالیت اور اس طرح کے دوسرے امور کے توسط سے خریدار شیئر کی قیمت اور شیئرز کے بالمقابل اثاثوں سے متعلق اجمالی اور مناسب معلومات حاصل کر لیتا ہے، اور یہ علم صحت بیع کے لئے کافی ہے، اسی کے ساتھ یہ واضح رہے کہ ہر چیز کا علم اسی کے بقدر ہوتا ہے۔

پھر یہ بھی واضح رہے کہ مشترک حصص کی بیع بالاتفاق درست ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: مشترک شئی کی بیع باتفاق مسلمین جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہے....(۴۷)۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں: اگر کوئی شریک اپنے شریک کا حصہ خرید لے تو درست ہے، کیونکہ وہ اپنے علاوہ کی ملکیت خرید رہا ہے، یہی حکم اس صورت میں بھی ہوگا جب اسے کسی اجنبی سے فروخت کر دے۔ یہی حکم ان کے علاوہ دوسرے علماء کے نزدیک بھی ہے (۴۸)۔

دوم: شیئرز کی بیع کا مطلب سرمائے اور نقود کے ایک حصہ کی بیع ہے، اس مفہوم کا تقاضا ہے کہ اس میں بیع صرف کا قاعدہ یعنی جنس واحد کے درمیان مثل بالمثل اور مجلس میں ہی قبضہ، اور اختلاف جنس کے وقت صرف مجلس میں قبضہ کو ملحوظ رکھا جائے، کیونکہ شیئر عام طور پر کمپنی کے اثاثے کو اس کے نقود سے برابر کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شیئرز میں نقود کا پایا جانا تبعاً اور غیر مقصود ہے، کیونکہ ان میں اصل و اساس جامد اثاثے ہیں، اسی بنا پر ہمارا کہنا ہے کہ کمپنی کے کاروبار کے آغاز سے پہلے اور عمارتوں وغیرہ کی خریداری سے قبل شیئرز کی بیع اسی صورت میں درست ہوگی جب بیع صرف کے قواعد ملحوظ رکھے جائیں۔

شیئر سے مراد کمپنی کا یہ عام جزء ہوتا ہے قطع نظر اس سے کہ اس کی تفصیلات کیا ہیں، لہذا جب تک کمپنی کے اثاثے میں سے شیئرز کا کوئی مقابل موجود رہے گا اس وقت تک اس کے ساتھ نقد کا معاملہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ اثاثے کا ایک حصہ نقد ہے، اور فقہی اصول کا تقاضا ہے کہ تابع میں اس چیز کی ضرورت پڑ جاتی ہے جس کی غیر تابع میں نہیں پڑتی، اور یہ کہ ضمناً کسی چیز میں ایسی ضرورت پیش آ جاتی ہے جو قصداً اس میں پیش نہیں آتی۔ امام سیوطی لکھتے ہیں: "بیع کی فروع میں سے ہے..... کہ ہری کھیتی کی بیع کٹائی کی شرط کے ساتھ ہی درست ہے، تو اگر اس نے زمین کے ساتھ اس کو بھی فروخت کر دیا تو تبعاً جائز ہے.....(۴۹) بلکہ اس مسئلہ کی اصل تو حدیث شریف میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے غلام کو خریدنے کی اجازت دی ہے جس کے ساتھ مال ہو، خواہ وہ نقد ہی کیوں نہ ہو، لہذا مشتری کے شرط لگا دینے کی صورت میں اس غلام کا مال تبعاً مشتری کا ہو جائے گا قطع نظر اس کے کہ بیع صرف کے اصول وضوابط کیا ہیں، چنانچہ بخاری، مسلم اور ان کے علاوہ دوسرے ائمہ حدیث نے حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے: "ومن ابتاع عبداً وله مال فماله للذى باعه إلا أن يشترط المبتاع" (جس نے کوئی ایسا غلام خریدا جس کے لئے مال ہے، تو اس کا مال بائع کے لئے ہے الا یہ کہ مشتری اس کی شرط لگا دے)۔(۵۰)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"اس کے مفہوم سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جس نے کسی ایسے غلام کو بیچا جس کے پاس مال ہو اور مشتری اس کی شرط لگا دے تو بیع صحیح ہے"۔ اس کے بعد انہوں نے اموال ربویہ کے سلسلہ میں علماء کے اختلاف کا تذکرہ کیا ہے کہ امام مالک کا خیال ہے کہ ایسا عقد درست ہے اگر چہ وہ مال جو اس غلام کے ساتھ ہے ربوی ہو، کیونکہ حدیث مطلق ہے، اور اس لئے بھی کہ عقد تو بالخصوص غلام پر واقع ہوا ہے اور جو مال اس کے ساتھ ہے اس کا عقد میں کوئی دخل نہیں ہے(۵۱) امام مالک فرماتے ہیں: "ہمارے یہاں اس پر اتفاق ہے کہ اگر مشتری نے غلام کے مال کی شرط لگا دی تو وہ اسی کا ہوگا، خواہ وہ مال نقد ہو، دَین ہو یا سامان ہو، معلوم ہو یا مجہول ہو" (۵۲)۔

سوم: شیئر کا جز کمپنی میں دَین کی نمائندگی کرتا ہے، لہذا ثمن مؤجل کے عوض اس کی بیع درست نہیں ہوگی، کیونکہ اس صورت میں دَین کی بیع دَین سے ہوگی، جو کہ ممنوع ہے، چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے بیع الکالی

بالکالی (یعنی دَین کی دَین سے بیع) سے منع فرمایا ہے (۵۳)۔

اس کے متعدد جواب دیئے جاسکتے ہیں:

۱۔ یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ نامی راوی ہیں جو ضعیف ہیں (۵۴)۔ لہذا یہ قابل استدلال نہیں ہے، نیز اس حدیث کی متعدد تشریحات کی گئی ہیں، جن میں بیشتر سے ہمارے موضوع کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲۔ اس بیع پر بیع الدّین بالدّین کا انطباق نہیں ہوتا ہے، کیونکہ کمپنی کے قرضہ جات کا یہ حصہ شیئرز میں حبعاً شامل ہے، ایسی صورت میں دوسرے ملاحظہ کے ذیل میں دیا گیا جواب اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ اس اشکال کا بھی جواب ہو جائے گا۔

۳۔ سابق حکم یعنی شیئر کے جز کا دَین ہونا یہ عام نہیں ہے، چونکہ جب کمپنی میں قرضے نہیں ہوتے تو اس وقت وہ نقد معاملہ کرتی ہے، اور اگر کمپنی کے دیون کا وجود تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ کمپنی کے اثاثے کے ایک قلیل تناسب کی نمائندگی کرتے ہیں، جبکہ فقہی قاعدہ کا تقاضا ہے کہ اعتبار اکثر کا کیا جائے (۵۵)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شیئرز حلال پر مبنی ہیں اور جن کا تعلق ایسی کمپنیوں سے ہے جو کسی حرام کاروبار کرنے سے احتراز کرتی ہیں، اور جن کاروبار میں کمپنی کے اصول منطبق ہوتے ہوں یعنی ذمہ داریوں اور نقصانات کے برداشت کرنے میں شرکت پائی جاتی ہو، اور یہ شیئرز دوسرے کے مقابلہ میں کسی مالی خصوصیت کے حامل نہ ہوں تو یہ ان وجوہ کی بنا پر جن کا ذکر ہم ماسبق میں کر آئے ہیں حلال ہیں، ان کا اجراء اور ان میں تصرف کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ صورت بھی ان جائز تصرفات کے حدود میں داخل ہے جن کی اجازت شارع نے مالک کو اپنی زیر ملکیت چیز کے سلسلے میں دے رکھی ہے اللہ تعالی کے اس قول کی تعمیل میں: ''..... وأحل الله البيع .....'' (اور اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا) (سورہ بقرہ/۲۷۵) اور ان دوسرے دلائل کی بنا پر جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں۔

قسم دوم: ایسے شیئرز جن میں سابقہ شرائط کا تحقق نہ ہو:

اس سے مراد وہ شیئرز ہیں جن کا تعلق (پہلے نوع کی طرح) حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں سے نہ ہو، اور نہ ان کمپنیوں سے جو حلال پر مبنی ہوں قسم اول کی طرح، بلکہ ان سے مراد ان کمپنیوں کے شیئرز ہیں جو بعض اوقات بینکوں میں سود پر اپنے پیسے جمع کرتی ہیں، یا بینکوں سے سود پر قرضے لیتی ہیں، یا ان کے معاملات کا ایک مختصر تناسب عقود فاسدہ کے ذریعہ انجام پاتا ہے جیسے کہ مسلم ممالک کی بیشتر کمپنیاں یا غیر مسلم ممالک میں وہ کمپنیاں جن کا دائرۂ کار مباح ہوتا ہے جیسے زراعت، صنعت اور تجارت (یعنی نوع اول میں ذکر کئے گئے سابقہ محرمات کے علاوہ)۔

اس قسم کے شیئرز کا حکم بیان کرنے سے پہلے میں اس سلسلے میں شرعی اصولوں کی بالاجمال وضاحت کرنا چاہتا ہوں:

اول: مسلمانوں سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ حلال وطیب مال جس میں کوئی شبہ نہ ہو، فراہم کریں، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''يا أيها الناس كلوا مما في الأرض حلالا طيبا'' (سورہ بقرہ/۱۶۸)۔

ترجمہ: اے لوگوں زمین میں جو کچھ ہے ان میں سے حلال اور طیب رزق کھاؤ۔

اور ایک مقام پر ارشاد ہے: "فکلوا مما رزقکم الله حلالا طیبا واشکروا نعمة الله" (سورۃ النحل/۱۱۴) (جو کچھ اللہ نے تم کو عطا کیا ہے ان میں سے حلال وطیب کو کھاؤ اور اللہ کی نعمت پر شکر ادا کرو)۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "الحلال بیّن والحرام بیّن وبینهما مشتبهات لا یعلمها کثیر من الناس، فمن اتقی الشبهات فقد استبرا لدینه و عرضه..." (حلال صریح ہے اور حرام بھی صریح ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ امور ہیں جن کو بیشتر لوگ نہیں جانتے، تو جس نے شبہات سے احتراز کیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالیا) (۵۶)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: شبہات کے حکم میں اختلاف ہے، چنانچہ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد تحریم ہے، لیکن یہ بات قابل رد ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کراہت ہے، ایک قول توقف کا ہے۔ مزید فرماتے ہیں چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مباح ہے، اور اس قول کے قائل کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اسے ہر وجہ کے دونوں پہلوؤں کے مساوی ہونے پر محمول کرے، البتہ وہ اسے خلاف اولی کی قسم پر محمول کرسکتا ہے...... ابن منیر نے اپنے شیخ قباری کے مناقب میں ان سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے:

مکروہ، بندے اور حرام کے درمیان ایک رکاوٹ ہے، تو جو مکروہ کا زیادہ ارتکاب کرنے لگے وہ حرام تک جا پہونچے گا..... یہ ایک اچھا مقصد ہے (۵۷)۔

دوم: شریعت اسلامی کی بنیاد رفع حرج، دفع مشقت اور امت کے لئے مصالح وسہولت فراہم کرنے پر ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وما جعل علیکم فی الدین من حرج" (سورہ حج/۷۸) (اور اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی)، اور ارشاد باری ہے: "یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" (سورہ البقرہ/۱۸۵) (اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے وہ تمہارے ساتھ تنگی نہیں چاہتا)، یہ اصول اتنا واضح ہے کہ دلیل کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ تو مقاصد شرع میں سے ایک ہے۔

اسی اصل کی بنا پر ضرورت کے وقت ممنوعات جائز قرار دی گئی ہیں، "فمن اضطرّ غیر باغ ولا عاد فلا إثم علیه" (پس جو کوئی مجبور کردیا جائے، چاہنے والا نہ ہو، حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں)۔

اور جس طرح ضرورت قابل رفع ہے اسی طرح حاجت بھی ضرورت کے قائم مقام ہے، امام سیوطی، ابن نجیم اور دوسرے علماء فرماتے ہیں: "حاجت ضرورت کے درجہ میں ہے خواہ وہ عام ہو یا خاص"۔ اسی بنا پر اجارہ، جعالہ وغیرہ جائز قرار دیئے گئے ہیں (۵۸)۔

شیخ احمد الزرقاء فرماتے ہیں: حاجت سے مراد وہ حالت ہے جو حصول مقصود کے لئے تیسیر وتسہیل کی متقاضی ہو، اس اعتبار سے یہ ضرورت سے کم درجہ کی چیز ہے، اگرچہ حاجت کی وجہ سے ثابت شدہ حکم مستقل ہوگا اور ضرورت کی وجہ سے ثابت شدہ حکم وقتی ہوگا (۵۹)۔

اس قاعدہ کی فقہی مثال وہ ہے جسے فقہائے حنفیہ نے جائز قرار دیا ہے جیسے بیع الوفاء، باوجود یکہ اسکا مقتضی عدم جواز ہے، کیونکہ یا تو وہ ربا کے قبیل سے ہے، چونکہ یہ دین کے عوض عین سے انتفاع ہے، یا کسی معاملہ میں مشروط کوئی معاملہ ہے، گویا اس نے یہ کہا: میں نے اسے تم سے اس شرط کے ساتھ بیچا کہ تم جب میں تمہارے پاس قیمت لے آؤں اس کو مجھ سے بیچ دو، اور یہ دونوں ناجائز ہیں، لیکن جب بخارا میں وہاں کے باشندوں پر دیون کی کثرت کے باعث اس کی سخت ضرورت پیش آئی تو اسے اس تاویل کی بنا پر جائز قرار دیا گیا کہ وہ رہن ہے جس کے منافع اور ثمرات سے فائدہ اٹھانا جائز ہے جیسے بکری کا دودھ، اور رہن اس کیفیت کے ساتھ جائز ہے (۶۰)۔

اور اسی طرح کا ایک اجتہاد وہ ہے جسے ابن عابدین نے ذکر کیا ہے کہ مشائخ بلخ اور امام نسفی نے غلہ کو منتقل کرنے کو اسی غلہ کے ایک حصہ کے بدلے اور کپڑے کی بنائی کو اسی کپڑے کے ایک حصہ کے بدلے میں جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ وہاں کے باشندوں میں یہ طریقہ عام تھا اور ضرورت کے پیش نظر ایسا کیا گیا، باوجود یکہ وہ خلاف قیاس ہے، اور متقدمین حنفیہ نے اس کے عدم جواز کی صراحت کی ہے (۶۱)۔ ابن عابدین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب بعض متقدمین حنفیہ سے سوال کیا گیا کہ اس فیصد (Percentage) کا کیا حکم ہے جسے ایجنٹ لیا کرتے ہیں مثلاً ۱۰%، تو انہوں نے جواب دیا: یہ ان پر حرام ہے، صرف ان کے لئے اجر مثل واجب ہے، جبکہ دوسرے بعض لوگوں نے اس کی اجازت دی ہے جیسے محمد بن سلمہ، چنانچہ جب ان سے ایجنٹ کی اجرت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: میرا خیال ہے اس میں کوئی حرج نہیں، کثرت تعامل کی بنا پر۔ اگرچہ اصلاً فاسد ہے۔ اور اس طرح کے بہت سے امور ناجائز ہیں، لیکن فقہاء نے ان کو لوگوں کی ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا ہے....." (۶۲)۔

اس فقہی اصول کے عملی دلائل حدیث شریف میں موجود ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بیع عرایا کو جائز قرار دیا (۶۳) اس کے باوجود کہ اس کی اصل ربا میں شامل ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے تازہ کھجوروں کے عوض خشک کھجوروں کی بیع کو جائز نہیں قرار دیا ہے (۶۴) کمی اور حقیقی مماثلت کے نہ پائے جانے کی بنا پر، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر اس کو جائز قرار دیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "اور آپ ﷺ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر بیع عرایا کو جائز قرار دیا ہے باوجود یکہ یہ ربا میں داخل ہے"۔ مزید فرماتے ہیں: "شریعت کی تمام تر بنیاد اس بات پر ہے کہ مفسدہ جو تحریم کا متقاضی ہے اگر کوئی ترجیحی حاجت اس کے مقابل آجائے تو اس شئی حرام کو مباح قرار دیا جائے گا"۔ اور پھر لکھتے ہیں: کسی ایک نوع کے غرر کی وجہ سے شارع ان چیزوں کو حرام نہیں کرتا جن کی لوگوں کو بیع میں ضرورت پیش آتی ہے، بلکہ اس سلسلے میں جو بھی ضرورت پیش آتی ہے شارع اسے جائز قرار دیتا ہے (۶۵)۔

سوم: عرف کے رول اور فقہ اسلامی میں اس کے اثر کا جب تک کہ وہ نصوص شریعت سے متصادم نہ ہو، انکار نہیں کیا جا سکتا، ابن نجیم کہتے ہیں: "جان لو کہ فقہ میں بہت سے مسائل میں عرف وعادت کے اعتبار کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ فقہاء نے اس کو ایک قاعدہ بنا دیا ہے......"۔ مزید لکھتے ہیں: "خلاصہ کلام یہ کہ عام مذہب تو

عرف خاص کے عدم اعتبار کا ہے لیکن بہت سے مشائخ نے اس کے معتبر ہونے کا فتویٰ دیا ہے، اس کو معتبر مانتے ہوئے میرا کہنا یہ ہے کہ یہ فتویٰ دیا جانا چاہئے کہ جو قاہرہ کے بعض بازاروں میں ہوتا ہے یعنی دوکانوں کی پگڑی لینا، وہ لازم ہے، اور دوکان کی پگڑی اس کا حق ہوگا، لہٰذا دوکان کے مالک کو اسے وہاں سے نکالنے کا اختیار نہ ہوگا اور نہ اسے دوسرے کو اجارہ پر دینا درست ہوگا اگر چہ وہ دوکانیں وقف ہی کیوں نہ ہو، غوریہ میں جملون کی دوکانوں میں ایسا ہوا ہے کہ شاہ غوری نے جب اس کی تعمیر کی تو اسے پگڑی پر تاجروں کو رہنے کے لئے دیا اور ہر دوکان پر ایک رقم متعین کر دی جو ان سے لیا جاتا اور اسے وقف نامہ میں لکھا جاتا، اسی طرح میں بھی عرف خاص کے معتبر ہونے کا قائل ہوں''۔

ابن نجیم مزید یہ بھی لکھتے ہیں کہ: ''متعدد مسائل میں علماء نے قاہرہ کے عرف کا اعتبار کیا ہے، ان میں سے ایک مسئلہ وہ ہے جو فتح القدیر میں ہے کہ صرف قاہرہ میں نہ کہ دوسرے مقامات پر، فروخت کئے گئے گھر میں سلّم (سیڑھی) بھی داخل سمجھا جائے گا، کیونکہ اہل قاہرہ کے مکانات کئی منزلہ ہوتے ہیں جن سے انتفاع سیڑھی (سلّم) کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے'' (٦٦)۔

علمائے محققین نے تو اسی عالم کے لئے فتویٰ دینے کو جائز کہا ہے جو لوگوں کے احوال اور ان کے عرف سے واقف ہو، اور یہ کہ ہر ملک کا عرف بھی پیش نظر رہے، اس سلسلے میں ابن القیم لکھتے ہیں: ''.....تو جب کبھی کوئی نیا عرف وجود میں آئے اس کا اعتبار کرو، اور جو عرف ساقط ہو جائے اسے ترک کر دو، پوری عمر منقولات (کتابوں میں نقل کی گئی باتوں) پر جمے نہ رہو، بلکہ اگر تمہارے پاس کسی اور ملک سے کوئی آجائے اور تم سے فتویٰ چاہے تو تم اسے اپنے ملک کے عرف کے مطابق مت چلاؤ بلکہ اس سے اس کے ملک کا عرف معلوم کر کے اس کے مطابق اس کی رہنمائی کرو.....'' (٦٧)۔

چہارم : آج ہم مسلمان ایسے زمانہ میں نہیں جی رہے ہیں جس میں اسلامی نظام پورے طور پر نافذ العمل ہو، اور اس پر اسلام کے سیاسی، اقتصادی، اجتماعی اور تربیتی نظام کا غلبہ ہو، بلکہ ہم ایسے دور میں جی رہے ہیں جس میں سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا دور دورہ ہے، ایسی صورت میں یہ ممکن نہیں کہ ہم جو چاہیں یک بیک حاصل کر لیں، یعنی یہ کہ رخصت سے صرف نظر کر کے عزیمت کی بنیاد پر، مختلف فیہ کو چھوڑ کر متفق علیہ مسائل کے مطابق، اور شبہات کے وجود سے قطع نظر خالص، طیب اور حلال کو بنیاد بنا کر تمام معاملات مسلمانوں کے درمیان جاری وساری ہو جائیں۔ لہٰذا ہمارا دور اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ نافع حل تلاش کئے جائیں اگر چہ وہ کسی ایک ہی فقیہ کی رائے کے مطابق ہوں جب تک اس فقیہ کی اس رائے سے مسلمانوں کے مصالح پورے ہوتے رہیں، بلکہ اب یہ شرط بھی نہ ہونی چاہئے کہ ہمیں کوئی سابق رائے ملے، ہمارے لئے ضروری صرف یہ ہے کہ ہم شریعت کے ان عام اصولوں اور مبادی کے دائرے میں غور وفکر کریں جن سے امت کا بھلا ہو اور جو کسی ثابت شدہ نص شرعی سے متصادم نہ ہوں۔

ہماری ذمہ داری ہے کہ اقتصادی نظام کو بروئے کار لانے کی کوشش کریں، ہمارا فرض ہے کہ مسلمانوں کے مال کو بچانے اور اغیار کے قبضہ کے بغیر مسلمانوں کی معاشیات کو ان کے ہاتھوں میں باقی رکھنے کے لئے سنجیدہ کوشش

کریں۔ ہمیں شیخ الاسلام عزبن عبدالسلام کے اس وسیع افق کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

"اگر روئے زمین پر حرام عام ہو جائے، اس طور پر کہ اس میں کوئی حلال چیز نہ پائی جائے تو جائز ہے کہ اس چیز کو حلال قرار دیا جائے جس کی حاجت متقاضی ہو، اس کو حلال قرار دینا ضرورت پر موقوف نہ ہوگا، اس لئے کہ اگر یہ ضرورت پر موقوف رہی تو اس کا نتیجہ بندوں کی کمزوری اور اہل کفر وعناد کا ممالک اسلامیہ پر غلبہ کی شکل میں ظاہر ہوگا، اور لوگوں کا تعلق ان پیشوں، صنعتوں، ہنر اور ذرائع سے منقطع ہو جائے گا جو خلق کے مصالح کی تکمیل کرتے ہیں (۶۸)۔

اس قسم کے شیئرز کا حکم:

ان اصولوں کو ذکر کرنے کے بعد ہم اس قسم کے شیئرز کے حکم، معاصرین کے اختلاف رائے اور ان کے ترجیحی دلائل کو بیان کرتے ہیں۔ معاصرین نے اس سلسلے میں دو رائیں اختیار کی ہیں:

پہلی رائے: یہ ہے کہ اس قسم کے شیئرز میں تصرف حرام ہے جب تک کہ حلال خالص پر ان کی بنیاد نہ ہو، بعض نے ایسے شیئرز کے لئے ایک شرعی نگراں بورڈ کے قیام کو ترجیح دی ہے (۶۹)۔

دوسری رائے: (ذکر کردہ) شیئرز اور ان میں تصرف کی اباحت کی ہے۔

یہ ایک پہلو ہے، دوسری طرف بہت سارے حضرات اس تفصیل میں گئے بغیر جس کا میں نے ذکر کیا ہے مسلم ممالک میں مطلقاً شیئرز کی اباحت کے قائل ہیں، ان میں مندرجہ ذیل شیوخ ہیں: علی الخفیف، ابوزہرہ، عبد الوہاب خلاف، عبدالرحمن حسن، عبدالعزیز الخیاط، وہبہ الزحیلی، قاضی عبداللہ سلیمان بن منیع وغیرہ، ان تفصیلات و فروعات کی بنیاد پر جن پر ان میں سے بعض حضرات کے نزدیک نظر ثانی کی ضرورت ہے (۷۰)۔

پہلی رائے کے حاملین نے اپنی رائے کی بنیاد اس بات پر رکھی ہے کہ ان شیئرز میں جب تک حرام کا وجود ہو یا ان کی کمپنیاں بعض حرام کاروبار کرتی ہوں مثلاً اپنے کچھ سرمائے سودی بینکوں میں ڈپوزٹ کرتی ہوں تو ان شیئرز کا خریدنا حرام ہوگا، اس کی بناء ان نصوص پر ہے جو حرام اور شبہات سے احتراز کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں، اسی طرح یہ اصول بھی اس کی بنیاد ہے کہ: جب حلال وحرام کا اجتماع ہو جائے تو حرام غالب ہوگا۔

جو جواز کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ شیئرز فی نفسہ مخالف شریعت نہیں ہیں، جہاں تک ان بعض شوائب، شبہات اور محرمات کا تعلق ہے جن کی ان میں آمیزش ہوتی ہے تو وہ حلال کی بہ نسبت کم ہیں۔ لہذا جب تک رأس المال کا بیشتر حصہ اور بیشتر تصرفات حلال رہیں گے قلیل نادر کو کثیر شائع کے حکم میں مانا جائے گا، اور خصوصاً محرمات کے اس تناسب کا ازالہ اور اس کے بعد اس سے چھٹکارا اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب مفصل بجٹ کے ذریعہ یا کمپنی کے متعلق دریافت کے ذریعہ ان سے واقفیت حاصل کی جائے (۷۱)۔

اور شریعت کے عموم اور اس کے یسر اور رفع حرج سے متعلق اصولوں پر مبنی فقہاء کے نصوص اور فقہی قواعد کی روشنی میں مندرجہ ذیل طریقے سے اس کی اصل تلاش کی جا سکتی ہے۔

اول: بیشتر لوگوں کے نزدیک ایک حرام جز کے اختلاط سے مجموعی مال حرام نہیں ہوتا، چنانچہ انہوں نے ایسے حلال

مال میں جس میں حرام کی ایک قلیل مقدار ملی ہوئی ہو شرعی تصرفات یعنی ان کو زیر ملکیت رکھنے، کھانے، ان کی خرید وفروخت کرنے اور اس طرح کے دوسرے امور کو جائز قرار دیا ہے، البتہ فقہاء نے حرام لذاتہ اور حرام لغیرہ میں فرق کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: حرام کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ جو اپنی ذات میں حرام ہو، جیسے مردار، خون اور خنزیر کا گوشت، چنانچہ اگر یہ پانی، سیال چیز اور طعام جیسی چیزوں سے مخلوط ہو جائے اور اس کا مزہ یا رنگ یا اس کی بو بدل جائے تو وہ چیز حرام ہو جائے گی، اور اگر اس نے اسے تبدیل نہ کیا ہو تو ایسی صورت میں اختلاف ہے.....

۲۔ جو کسب کے نتیجہ میں حرام ہو، جیسے غاصبانہ طور پر یا عقد فاسد کے ذریعہ حاصل کی گئی چیز، تو یہ چیز اگر حلال سے مخلوط ہو جائے تو اسے حرام نہیں کرے گی، لہذا اگر ایک شخص نے چند دراہم، یا دینار، یا آٹا، یا گیہوں یا روٹی غصب کر لیا اور اسے اپنے مال سے مخلوط کر دیا تو پورا مال حرام نہیں ہوگا، نہ یہ سامان اور نہ وہ سامان، بلکہ اگر وہ دونوں مماثل ہوں تو اسے تقسیم کر دیں، یہ اپنے حصہ کے بقدر لے لے گا اور وہ اپنے حصہ کے بقدر لے لے گا.......

یہ ایک مفید بنیاد ہے، کیونکہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ حرام دراہم جب حلال دراہم سے مخلوط ہو جائیں تو تمام مال حرام ہو جاتا ہے، یہ ایک غلط خیال ہے، حالانکہ ان لوگوں نے حلال دراہم کم ہونے کی صورت میں ورع سے کام لیا ہے، اور رہ گئی بات کثرت کی صورت میں تو میں نہیں جانتا کہ اس میں کوئی اختلاف ہے (۷۲)۔

اس تفصیل کی روشنی میں ہمارا مذکورہ مسئلہ دوسری قسم کے ذیل میں آتا ہے، کیونکہ ہماری گفتگو ان شیئرز کے بارے میں ہے جن میں بعض حرام تصرفات کا شائبہ ہو، مثلاً یہ کہ شیئرز کی بعض رقوم سودی بینکوں میں ڈپوزٹ کرنا۔ اس صورت کی مزید وضاحت کے لئے ہم اس مسئلہ میں فقہاء کی تصریحات کا ذکر کرتے ہیں:

ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں: ''اگر ہدیہ کرنے والے کا بیشتر مال حلال ہو تو اس کا ہدیہ قبول کرنے اور اس کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ حرام ہے، اور اگر اس کے مال کا بیشتر حصہ حرام ہو تو وہ اسے قبول نہ کرے گا اور نہ اسے کھائے گا الا یہ کہ وہ کہے کہ: یہ مال حلال ہے جو اسے وراثتاً حاصل ہوا ہے یا اس نے بطور قرض لیا ہے''۔ ابن نجیم پھر ذکر کرتے ہیں کہ اگر بازار والوں کی بیشتر بیع فساد اور حرام سے خالی نہ رہنے لگے تو مسلمان اس کے خریدنے سے گریز کرے گا، لیکن اگر اس کے باوجود وہ اسے خرید لیتا ہے تو وہ اس کے لئے پاک ہے۔

نیز یہ بھی فرماتے ہیں کہ: ''اگر شہر میں حلال وحرام مخلوط ہو جائیں تو اس وقت تک خرید وفروخت جائز ہے جب تک اس بات کی دلیل نہ مل جائے کہ یہ حرام ہے، اصل میں بھی اسی طرح ہے''۔

اس کے بعد دوسری صورتیں ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''انہیں میں سے وہ بیع ہے جب کسی ایک معاملہ میں حرام وحلال جمع ہو جائے، چنانچہ اگر شئی حرام مال نہ ہو جیسے ذبح شدہ اور مردار جانور کا یکجا ہو جانا، تو اس صورت میں حرام کے بطلان کی قوت کی بنا پر حلال میں بھی بطلان سرایت کر جائے گا، اور اگر حرام ضعیف ہو مثلاً وہ مجموعی حیثیت سے مال ہو جیسے مدبر اور عام غلام کا اجتماع.... تو ایسی صورت میں (قن) کے ضعف کی بنا پر اس میں فساد

منتقل نہیں ہوگا.....''(۷۳)۔

کاسانی فرماتے ہیں: ''ہر وہ شئی جسے حرام نے فاسد کر دیا ہو، اور اس میں حلال غالب ہو تو اس کی بیع میں کوئی قباحت نہیں ہے''(۷۴)۔

فقیہ ابن رشد نے اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے، ہم ان میں سے کچھ کا ذکر ذیل میں کرتے ہیں: وہ تحریر فرماتے ہیں: ''جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے: یعنی اس کے مال میں غالب حصہ حلال ہو تو اپنی ذات کے سلسلے میں اس پر واجب ہے کہ اللہ تعالی سے استغفار کر لے، اور جو کچھ اس میں حرام مخلوط ہو گیا ہے اسے لوٹا کر توبہ کر لے..... یا اگر ان کو نہ جانتا ہو تو ان کی طرف سے صدقہ کر دے.....اور اگر سود ہو تو اپنے دیئے ہوئے مال سے جتنا زیادہ اس نے لیا ہوا سے صدقہ کر دے......''۔

پھر لکھتے ہیں: ''اور اگر اس پورے معاملہ میں اپنے بائع کو جانتا ہے تو اسے وہ زائد حصہ لوٹا دے گا جس میں اس نے اس کے ساتھ معاملہ کیا ہے، جب یہ کر لے گا تو باتفاق علماء اس کی حرمت رفع ہو جائے گی، اس کی عدالت درست ہوگی، وہ گناہ سے بری ہو جائے گا، اس کے مال کا باقی حصہ اس کے لئے حلال ہوگا، اس میں اس کا بیع وشراء کرنا، اس کا ہدیہ قبول کرنا اور اس کا کھانا کھانا جائز ہوگا۔ اور اگر ایسا نہ کرے تو اس سے معاملہ کرنے، اس کا ہدیہ قبول کرنے اور اس کا کھانا کھانے کے جواز میں اختلاف ہے، ابن القاسم نے اس کے معاملہ کو جائز قرار دیا ہے، ابن وہب نے اس کا انکار کیا ہے اور اصبغ نے اسے حرام قرار دیا ہے.....''۔

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے: یعنی یہ کہ اس کے مال میں غالب حصہ حرام ہو تو اس کا حکم اس معاملہ میں جو اس کے لئے اپنی ذات کے سلسلے میں واجب ہے ماقبل ہی جیسا ہے۔

اور جہاں تک اس سے معاملہ کرنے اور اس کا ہدیہ قبول کرنے کا تعلق ہے تو ہمارے علماء نے اس سے روکا ہے، کہا گیا ہے کہ ایسا کراہتاً ہے۔ یہ قول ابن القاسم کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ایسا تحریماً ہے الا یہ کہ وہ حلال سامان خریدے تو ایسی صورت میں اس سے خریدنے اور اس سے ہدیہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے......(۷۵)۔

عزبن عبدالسلام کہتے ہیں: ''اگر حلال غالب ہو اس طور پر کہ ایک حرام درہم ایک ہزار حلال درہم سے مخلوط ہو جائے تو معاملہ درست ہے.....''(۷۶)۔ زرکشی نے بھی اسی طرح کی بات کہی ہے (۷۷)۔ لیکن سیوطی نے ذکر کیا ہے کہ امام غزالی کو چھوڑ کر فقہاء شافعیہ کا اصح قول یہ ہے کہ انہوں نے اس شخص کے معاملہ کو حرام نہیں قرار دیا ہے جس کا بیشتر مال حرام ہو، لیکن یہ اس صورت میں جب کہ وہ متعین نہ ہو، فقہاء شافعیہ کے نزدیک ایسا مال صرف مکروہ ہے، یہی حکم سلطان کے عطایا کو قبول کرنے کا ہوگا جب اس کے مملوکہ مال میں حرام غالب ہو، جیسا کہ مہذب میں ہے: اس سلسلے میں مشہور قول کراہت کا ہے تحریم کا نہیں برخلاف غزالی کے....انہوں نے ''الاحیاء'' میں فرمایا ہے: ''اگر شہر میں کوئی ایسی حرام چیز جس کا احاطہ نہ کیا جا سکے، خلط ملط ہو جائے تو اس میں سے خریدنا حرام نہیں بلکہ اس میں سے لینا

درست ہے، الا یہ کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جو اس کے حرام ہونے کو بتائے''۔مزید کہتے ہیں: اسی قاعدہ میں'' تفریق صفقہ'' بھی داخل ہے، وہ یہ کہ دو عقدوں یعنی حرام اور حلال کا اجتماع ہو جائے، یہ قاعدہ چند ابواب میں جاری ہوتا ہے، عموماً اس سلسلے میں دو قول یا صورتیں ہیں، ان میں اصح قول عقد حلال میں صحت کا ہے، دوسرا قول دونوں میں بطلان کا ہے.... بیع میں اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص سرکہ اور شراب فروخت کرے.....(۷۸) ابن المنذر کا کہنا ہے کہ: جس کے مال میں حرام کا اختلاط ہو اس کے بیع وشراء، اس کا ہدیہ اور بخشش قبول کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حسن، مکحول، زہری اور شافعی کے نزدیک اس میں رخصت ہے، شافعی فرماتے ہیں:'' میں اسے پسند نہیں کرتا، اور اسے ایک جماعت نے مکروہ قرار دیا ہے.....''(۷۹)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس مسئلہ کی تفصیل اس وقت بتائی جب ان سے ایک سوال کیا گیا جسے موجودہ دور میں بھی ہم سنتے رہتے ہیں، سوال یہ ہے: ایک شخص نے فقہاء سلف میں سے کسی سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں: حلال کھانا دشوار ہے، اس دور میں اس کا وجود ناممکن ہے، ان سے کہا گیا کہ ایسا کیوں ہے؟ تو انہوں نے بیان کیا کہ منصورہ کی جنگ میں غنائم کی تقسیم نہیں ہوئی، اور اموال معاملات کے ساتھ خلط ملط ہو گئے، تو ان سے کہا گیا کہ: ایک شخص حلال کاموں میں سے کسی کام کو بطور اجیر کر سکتا ہے اور اپنی حلال اجرت لے سکتا ہے، تو انہوں نے بتایا کہ دراہم بذات خود حرام ہے۔

ابن تیمیہؒ نے اس کا جواب یہ دیا کہ: یہ قائل خاطی ہے اور غلط کہتا ہے.....اس قسم کی باتیں بعض اہل بدعت، فقہ فاسد کے بعض حاملین اور بعض بے جا شک کرنے والے کہا کرتے تھے، ائمہ کرام نے اس بات کو ناپسند کیا یہاں تک کہ امام احمد اپنے معروف ورع کے باوجود اس قسم کی باتوں کو ناپسند کرتے تھے........انہوں نے فرمایا: اس خبیث کو دیکھو، مسلمانوں کے اموال کو حرام قرار دے رہا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے اس فاسد خیال کے سنگین اثرات کا ذکر کیا ہے، اس کا ایک برا اثر یہ ہوا کہ بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ جب تک روئے زمین پر حرام کا غلبہ رہے گا اس وقت تک حلال کی تحقیق وتلاش کیوں کی جائے؟ لہذا انہوں نے حلال اس کو سمجھا جو ان کے قبضہ میں تھا اور حرام اس کو جس سے وہ محروم تھے، اور بعض نے ورع کو حجت بنا کر جھوٹی حکایتیں گھڑ لیں۔

اس کے بعد انہوں نے اس بات کا رد کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے اموال میں غالب حلال ہے، پھر چند اصولوں کا ذکر کیا ہے:

'' ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کو کوئی متعین فقیہ حرام سمجھے وہ حرام نہیں ہے، حرام تو وہ ہے جو کتاب یا سنت، یا اجماع یا اس بات کو راجح کرنے والے قیاس سے ثابت ہو، اور جس چیز میں علماءؒ کا اختلاف ہو اس کو ان اصولوں کی طرف لوٹایا جائے گا''۔ پھر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو کسی متعین مسلک پر آمادہ کرنا غلط ہے۔ پھر ایک دوسری اصل کا ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ کہ حرام کا حلال سے مخلوط ہو جانا تمام مال کو حرام نہیں کرتا، جیسا کہ ماسبق میں گزرا۔

اسی طرح انہوں نے ایک اور ضابطہ بتایا ہے، وہ یہ کہ شریعت میں مجہول معدوم اور معجوز عنہ کی طرح ہے، اسی وجہ سے اگر لقطہ کا مالک معلوم نہ ہو تو اس کو اٹھانے والے کے لئے اس کے اشتہار کے بعد حلال ہے، اسی بنا پر اگر اس مال کا حال معلوم نہ ہو جو اس کے ہاتھ میں ہے تو معاملہ کی بنیاد اصل پر ہوگی یعنی اباحت پر (۸۰)۔

جن لوگوں کے مال کا اکثر حصہ حرام ہے جیسے مکاسین اور سود خور، ان کے ساتھ معاملہ (لین دین) کرنے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

اگر حلال اغلب ہو تو معاملہ کی تحریم کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اور اگر حرام اغلب ہو تو ایک قول یہ ہے کہ معاملہ حلال ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ معاملہ حرام ہے۔ جہاں تک سود سے معاملہ کا تعلق ہے تو اس کے مال پر غالب حلال ہے، الا یہ کہ کسی اور وجہ سے کراہت کا علم ہو جائے، مثلاً اگر ایک ہزار کو ایک ہزار اور دو سو کے عوض فروخت کرے تو صرف زیادتی حرام ہوئی، اور اگر اس کے مال میں حلال و حرام دونوں ہوں اور مخلوط ہوں تو حلال حرام نہ ہوگا بلکہ اس کو حق ہوگا کہ بقدر حلال لے لے، مثلاً اگر مال دو شریکوں کا ہو اور ان میں سے ایک مال دوسرے کے مال سے مخلوط ہو جائے تو اس مال کو شریکین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا، اسی طرح اگر کسی کے مال میں حلال و حرام کا اختلاط ہو جائے تو حرام کی مقدار نکال لی جائے گی اور باقی اس کے لئے حلال ہوگا (۸۱)۔

ایک سوال اس شخص کے بارے میں کیا گیا جس کا حلال مال، حرام سے مخلوط ہو جائے، تو انہوں نے جواب دیا: میزان کے ذریعہ حرام کی مقدار نکال کر اس شخص کو دے دی جائے گی جو اس کا مالک ہوگا اور حلال کی مقدار اس کے لئے ہوگی، اور اگر وہ اس کے مالک کو نہ جانتا ہو اور جاننا مشکل ہو تو وہ اسے اس کی طرف سے صدقہ کر دے گا (۸۲)۔

اسی سے ملتی جلتی بات کی وضاحت کرتے ہوئے ابن القیم فرماتے ہیں: تحریم نفس درہم اور اس کے جوہر سے متعلق نہیں ہے، یعنی حرام درہم جو اس کے مال سے مخلوط ہو گیا ہے، بلکہ تحریم اس میں کسب کے پہلو سے متعلق ہے، جب اس کی نظیر ہر اعتبار سے نکل گئی تو اس کے ماسوا کی تحریم کا کوئی مطلب نہیں رہا..... اس نوع کے سلسلہ میں صحیح قول یہی ہے، اور خلق کے مصالح کی تکمیل بھی اسی سے ہوتی ہے (۸۳)۔

اس اصول کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے علماء نے اس شخص کے ساتھ معاملہ کو جائز قرار دیا ہے جس کے مال میں حرام مخلوط ہو لیکن اس کا غالب حصہ حلال ہو، لہذا اس قسم کے شیئرز میں کاروبار کی اباحت کی بات کہی جا سکتی ہے، لیکن اس کا مالک اس میں حرام کے بقدر کو عوامی فلاح و بہبود کے مصارف میں خرچ کر دے گا، اس کے ساتھ ساتھ ان ضوابط کی بھی رعایت ملحوظ رکھے گا جن کا ذکر ہم اخیر میں کریں گے (۸۴)۔

دوم: قاعدہ: جو چیز مستقل جائز نہیں ہوتی وہ تابع ہو کر جائز ہو جاتی ہے، ہم یہ قاعدہ صحیح اور متفق علیہ حدیث سے ماخوذ دلیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں (۸۵)۔

اس اصول کی روشنی میں شیئرز کی اس قسم میں اگرچہ کچھ تناسب حرام کا بھی ہے لیکن وہ تبعاً ہیں تملک اور تصرف کے مقصد سے وہ اصلاً نہیں آئے ہیں، لہذا کمپنی کے اثاثے مباح رہیں گے جبکہ وہ جائز کاروبار کے لئے قائم

کی گئی ہو، یہ الگ بات ہے کہ اسے کبھی کبھی افراطِ زر وغیرہ کی وجہ سے اپنے کچھ سرمائے سودی بینکوں میں رکھنے پڑتے ہیں، یا ان سے قرضے لینے پڑتے ہیں، تو یہ عمل تو بغیر کسی شک وشبہ کے حرام ہے اور اس کا کرنے والا (مجلس انتظامیہ) گنہگار ہوگا، لیکن اس کی وجہ سے بقیہ اموال اور دیگر جائز تصرفات حرام نہیں ہو جائیں گے، یہ بھی ایک تبعی عمل ہے، یہ وہ اصل غالب نہیں ہے، جس کے لئے کمپنی کا قیام عمل میں آیا ہے۔

سوم: ایک اصول: ''للأکثر حکم الکل'' ہے۔ حرام سے مخلوط مال کے حکم کے سلسلہ میں گزشتہ صفحات میں فقہاء کی تصریحات کا ذکر ہم کر چکے ہیں، جس میں یہ بات آ چکی ہے کہ جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اعتبار اغلب کا ہوگا (۸۶)۔

فقہاء نے طہارت، عبادات، معاملات، لباس جیسے ریشم، شکار، طعام، قسم اور دیگر ابواب میں اس قاعدہ سے متعلق بہت ساری تطبیقات کا ذکر کیا ہے (۸۷)۔

ایک اور قاعدہ: ''الحاجة العامة تنزل منزلة الضرورة'' ہے، (عام حاجت ضرورت کے قائم مقام ہے)۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے کہ ضرورت پڑنے پر اس شخص سے خریدنے میں کوئی کراہت نہیں جس کے مال میں شبہ ہو (۸۸)۔

اس اصول کی تطبیق ہمارے اس موضوع پر اس طرح ہوتی ہے کہ مسلم دنیا میں لوگوں کو شیئرز کمپنیوں کی شدید ضرورت ہے، کیونکہ افراد اپنی جمع شدہ رقوم کی سرمایہ کاری سے بے نیاز نہیں رہ سکتے، اسی طرح حکومتوں کو بھی عوام کے سرمایوں کو طویل مدتی سرمایہ کاری میں لگانے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کا فائدہ سب لوگوں کو حاصل ہو سکے، اور اگر مسلمان ان کمپنیوں کے شیئرز خریدنے سے گریز کریں گے تو دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت کا پیدا ہونا لازمی ہے:

ایک یہ کہ یہ اسکیمیں جو عالم اسلامی کی حیویت کا ذریعہ ہیں تعطل کا شکار ہو جائیں گی۔ دوم یہ کہ ان کمپنیوں اور ان کے انتظام پر غیر مسلموں یا کم از کم فساق وفجار کا غلبہ ہو جائے گا۔

لیکن اگر مخلص مسلمان ان شیئرز کو خریدنے پر آمادہ ہو جائیں تو وہ مستقبل میں ان کمپنیوں کے سودی بینکوں کے ساتھ معاملات کو روکنے پر قادر ہو جائیں گے اور اسلام کے مفاد کے لئے کمپنی کے رخ کو تبدیل کر سکیں گے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کمپنی وغیرہ کے وہ ذمہ دار جو تبدیلی پر قادر ہیں گناہ سے بری ہیں، بلکہ وہ بھی گنہگار ہیں، لیکن عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان قواعد کے مطابق جن کا ہم ذکر کریں گے، ان شیئرز کو خریدیں، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شیئر ہولڈر کمپنی کو اپنے کچھ سرمایہ کو ڈپوزٹ کرنے سے روک سکتا ہو تو کمپنی کو روکنا اس پر واجب ہے۔

اس نوع کے شیئرز کے اجراء سے روکنے والی پہلی رائے کا محاکمہ:

اول: حلال مال میں حرام کے معمولی مقدار کے پائے جانے سے مال حرام نہیں ہوگا، بلکہ جیسا کہ تفصیل گزر چکی، صرف حرام کو دور کرنا واجب ہوگا۔

دوم: بعض حضرات نے جو یہ شرط لگائی ہے کہ شیئرز کے جواز یا کمپنیوں کے ساتھ کاروبار کے حلال ہونے کے

لئے شرعی نگرانی کا ہونا ضروری ہے، کتاب یا سنت یا اجماع یا قیاس صحیح سے ہمیں اس شرط کی کوئی دلیل نہیں ملتی، کیونکہ مسلمان اپنے دین اور حلت وحرمت کے سلسلے میں امانت دار ہیں اور ان کے احوال پوشیدہ ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''کوئی مسلمان اگر ایسے معاملات کرتا ہے جن کے جواز کا وہ اعتقاد رکھتا ہو جیسے حیلے...... جس کے جواز کا فتوی بعض دیتے ہیں..... تو دوسرے مسلمان کے لئے جائز ہے کہ اس کے ساتھ اس مال کے سلسلہ میں معاملہ کرلے''، پھر فرماتے ہیں: ''جہاں تک اس مسلمان کا تعلق ہے جس کا حال پوشیدہ ہے تو حقیقتاً اس کے معاملہ میں کوئی شبہ نہیں، اور جو تقوی کی وجہ سے اس سے معاملہ کرنا ترک کردے تو اس نے دین میں ایسی بدعت ایجاد کردی جس کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی ہے'' (۸۹)۔

بلکہ ان امور میں جو حرام نہیں ہیں کفار کے ساتھ کاروبار بالاتفاق جائز ہے، ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''.....ایسی صورت میں وہ تمام مال جو مسلمان، یہود اور نصاری کے ہاتھ میں ہیں جن کے بارے میں کسی علامت اور دلیل سے یہ نہیں معلوم کہ وہ غصب کردہ یا مقبوضہ ہیں، ان کے ساتھ قابض کا سا معاملہ کرنا درست نہیں ہے، لہذا ان اموال میں بغیر کسی شک وشبہ کے ان کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے، اس سلسلہ میں ائمہ کے درمیان مجھے کسی اختلاف کا علم نہیں ہے'' (۹۰)۔

ہاں! بے شک حلال وحرام کی واقفیت ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے جو مارکیٹ میں گھسنا چاہتا ہے، تاکہ وہ اپنے دین کی حفاظت کرسکے، اور حلال وحرام کا علم یا تو خود سے حاصل کرے یا اہل علم وبصیرت سے پوچھ کر کے معلوم کرلے۔ لیکن ان کے ساتھ یا ان کی کمپنیوں کے ساتھ معاملہ کرنے کے جواز کا حکم شرعی نگرانی کی شرط کے ساتھ نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ شرط لگانا تشدد اور شریعت کے وسیع دائرے کو محدود کرنا ہے۔

یہ قول درست ہے کہ کمپنی کے لئے شرعی نگرانی کے ہونے سے اس کے ساتھ کاروبار کرنے والے شرکاء کو تحفظ حاصل ہوگا، لیکن اس کی موجودگی سے کاروبار کے جواز کو مشروط کرنے کی بات قابل غور اور محل نظر ہے۔

ترجیحی رائے اور اس کے ضوابط:

میرے نزدیک جو چیز راجح ہے، اور اللہ ہی کو بہتر علم ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں کی زیر ملکیت کمپنیوں کے تعلق سے اس قسم کے شیئرز کی پوزیشن مندرجہ ذیل ہے:

اول: مجلس انتظامیہ اور منتظم کے لئے کسی قسم کا حرام کاروبار کرنا درست نہیں، لہذا ان کے لئے سود پر نہ قرض دینا جائز ہے اور نہ لینا، اگر وہ ایسا کریں تو وہ اس جنگ میں گھس رہے ہیں جس کا اعلان اللہ تعالی نے ان کے خلاف کیا ہے، "فأذنوا بحرب من الله ورسوله"۔ خصوصاً ان حالات میں جب کہ اللہ نے مسلمانوں کے لئے بیشتر مقامات پر اسلامی بینکوں کا یا ان کی طرف سے اپنے تمام سرمایوں کو بیشتر اسلامی خیارات (Options) میں لگانے کا انتظام فرمادیا ہے۔

دوم: جہاں تک ان کمپنیوں میں، ان کے شیئرز خریدنے میں اور ان میں تصرف کرنے میں مسلمانوں کے شریک ہونے کا تعلق ہے تو وہ اس وقت تک جائز ہے جب تک ان کمپنیوں کے غالب سرمائے اور ان کے تصرفات حلال ہوں،

اگر چہ احتیاط کا پہلو یہی ہے کہ گریز کیا جائے۔

لیکن اس میں شریک ہونے والے کو مندرجہ امور کا لحاظ رکھنا چاہئے:

۱۔ ان کمپنیوں کے شیئرز کی خرید کے ذریعہ اس کا مقصد یہ ہو کہ وہ عام اجلاس یا مجلس انتظامیہ میں اپنے ووٹ کے ذریعہ کمپنی کو خالص حلال میں تبدیل کرے۔

۲۔ وہ اپنی پوری محنت اور اپنا سرمایہ حتی الوسع خالص اور حلال وطیب مال کی فراہمی میں لگا دے، اور صرف شدید ضرورت، مسلمانوں کے مصالح اور بڑی بڑی کمپنیوں کے ذریعہ ان کی اقتصادیات کو بڑھانے اور مضبوط کرنے کے پیش نظر ہی شبہ والی چیز کو اختیار کرے۔

۳۔ ان شیئرز کے حامل کو چاہئے کہ سود کے اس تناسب کو ملحوظ رکھے جو کمپنی بینکوں میں اپنے ڈپوزٹ شدہ سرمائے پر لیتی ہے، یہ کمپنی کے بجٹ کے ذریعہ یا کمپنی کا حساب رکھنے والے ذمہ داروں کے ذریعہ معلوم ہوگا، اگر اسے معلوم کرنا ممکن نہ ہو تو کوشش کر کے اس کا اندازہ لگائے، پھر اتنی مقدار عوامی فلاح وبہبود کے شعبوں میں صرف کردے۔

۴۔ کسی مسلمان کے لئے ایسی کمپنی کا قائم کرنا جائز نہیں جس کے نظام اساسی میں اس بات کی صراحت ہو کہ یہ کمپنی سودی قرضوں کے لین دین کا معاملہ کرے گی، اسی طرح جب تک یہ صورت ہو اس کمپنی کے قیام میں تعاون بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ گناہ اور زیادتی میں تعاون ہے، ہاں اس شخص کے لئے اس کی اجازت ہے جو کمپنی کے رخ کو حلال کی طرف موڑنے کی طاقت رکھتا ہو۔

سوم: مذکورہ ضوابط کے ساتھ ان شیئرز کی خرید وفروخت کی اباحت کا حکم اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب شیئرز عام ہوں، یا ترجیحی ہوں تو ان کی ترجیح مال کی بنیاد پر نہ ہو۔

ان دو قسموں کے علاوہ اقسام کا حکم علاحدہ طور سے بیان کیا جائے گا۔

جہاں تک ان کمپنیوں کے شیئرز کا تعلق ہے جو غیر مسلموں کی زیر ملکیت ہیں لیکن ان کا نظام حرام کاروبار کی صراحت نہیں کرتا ہے پھر بھی بعض لوگوں نے ایسی کمپنیوں کے سلسلے میں شدت سے کام لیا ہے (۹۱) لیکن سابقہ ضوابط کے ساتھ ان میں کاروبار کرنے میں مجھے کوئی حرج نہیں محسوس ہوتا، رباط میں ۲۰ تا ۲۵ ربیع الآخر ۱۴۱۰ھ میں "الأسواق المالية من الوجهة الإسلامية" کے عنوان سے منعقد کئے گئے سمینار میں یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ ایسی کمپنیوں کے شیئرز کا مالک ہونا یا ان کا اجراء درست ہے جن کا بنیادی مقصد تو حلال ہو مگر کبھی کبھی ان کو سودی کاروبار کرنے پڑتے ہوں.... سودی قرض کے لین دین کی حرمت، اس کی تبدیلی کے وجوب اور اس کے چلانے والے پر اعتراض اور اس کی مذمت کے ساتھ یہ حکم کمپنی کے مقصد کی مشروعیت کی بنا پر ہے، اور شیئر ہولڈر پر واجب ہے کہ جب وہ شیئر کا نفع حاصل کرے تو اس حصہ سے دستبردار ہو جائے جس کے بارے میں اس کا یہ گمان ہو کہ یہ سودی کاروبار سے حاصل شدہ نفع کے بقدر ہے، اور اسے رفاہی مصارف میں صرف کردے۔

اسی طرح "البرکۃ" کے سمینار برائے "اقتصاد اسلامی" میں باتفاق شرکاء مسلم ممالک میں کاروبار کرنے

والی کمپنیوں کے معاملات کو اسلامائز (Islamize) کرنے کے مقصد سے ان کے شیئرز کی خرید کو جائز قرار دیا گیا ہے، بلکہ شرکاء سمینار نے اسے امر مطلوب قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں اس بات کے زیادہ امکانات ہیں کہ مسلمان احکام شریعت کی پابندی کریں، اور اکثریت کے ساتھ انہوں نے غیر مسلم ممالک میں کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید کو اس صورت میں جائز قرار دیا ہے، جب آمیزشوں سے پاک کوئی اور متبادل نہ ملے (۹۲)۔

اگر کمپنی کے نظام میں حرام کاروبار کی صراحت نہ ہو، اور سابقہ ضوابط کی پابندی کی جائے تو ایسی صورت میں جواز کا قول ہی روح شریعت سے ہم آہنگ ہے جس کی بنیاد سرمایہ کاری میں آسانی پیدا کرنے، اور حرج کو دور کرنے، اور عوام کی ضروریات کو ملحوظ رکھنے پر ہے، کیونکہ اگر اس میں حرام پایا بھی جارہا ہے تو وہ معمولی تناسب سے پایا جارہا ہے جو بقیہ مال میں مؤثر نہیں ہوگا، اسی طرح اس مقدار کو عوامی رفاہی مصارف میں خرچ کر کے اس سے بچا جاسکتا ہے، مزید یہ کہ مجموعی طور پر معقود علیہ بیع کا محل مباح امور ہیں، اور ان میں شرکت اختیار کرنا جائز ہے۔ صف اول کے کسی بھی بزرگ نے مجموعی طور پر اہل کتاب سے معاملہ کرنے سے نہیں روکا ہے، اور باوجودیکہ اہل کتاب کے تمام معاملات اور ان کے اموال اسلام کی مطلوبہ شرائط کے مطابق نہیں تھے، آپ ﷺ اور صحابہ کرام ان کے ساتھ معاملات کرتے تھے، چنانچہ امام بخاری نے ترجمہ قائم کیا ہے: "باب المزارعة مع اليهود" (یہودیوں کے ساتھ کاشتکاری کا باب) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "اس سے امام بخاری کی مراد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اس معاملہ کے جواز میں مسلمانوں اور ذمیوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے (۹۳)۔ اسی طرح صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک یہودی سے ادھار غلہ خریدا اور اپنی زرہ اس کے پاس بطور رہن رکھ دی (۹۴)۔ یہی حال صحابہ کرامؓ کا تھا، چنانچہ ان کے دور میں بھی فی الجملہ ان کے ساتھ معاملات ہوتے تھے اور اس کا رواج تھا (۹۵)۔

خلاصۂ بحث

۱۔ اسلام میں سرمایہ کاری کا ایک مخصوص اور منفرد نظام ہے جس کی بنیاد اقدار واخلاق اور عقیدہ پر ہے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ:

عمل اور سرمایہ کاری کے سلسلے میں مومن کا اقدام اس نقطۂ نظر سے شروع ہوتا ہے کہ کائنات کی تعمیر وترقی سے متعلق حکم الٰہی کا نفاذ ہو، اس کے عمل کا نقطۂ آغاز اس کے اس ایمان پر مبنی ہوتا ہے کہ سود اور دیگر محرمات مال کو گھٹانے اور مٹانے کا باعث ہیں، اور یہ کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا مال کی کثرت، برکت اور خیر کا باعث ہے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ مومن اللہ کی رضا کو اپنا نصب العین بناتا ہے، اسی کی خاطر وہ فقراء، یتیموں اور قیدیوں کے کھلانے کا اہتمام کرتا ہے، جبکہ کافر اپنے مفاد ہی کو بنیاد بناتا ہے اور اس کا خرچ کرنا اپنے ظاہری اور مادی مفاد ہی کی خاطر ہوتا ہے۔

اور اسی کا نتیجہ ہے کہ حیلے، فریب، استحصال، ذخیرہ اندوزی، ظلم، سود اور دیگر ایسے افعال جن کو اللہ تعالیٰ اور

رسول کریم ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، وہ حرام قرار پاتے ہیں۔

۲۔ اُسہم جمع ہے سہم کی، اس سے مراد وہ دستاویز ہے جو کمپنی کے اصل سرمایہ کے ایک حصہ کی نمائندگی کرتی ہے، یا اس سے مراد کسی سرمایہ دار کمپنی میں شیئر ہولڈر کا حصہ ہے۔

۳۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز میں سرمایہ کاری جن کا کاروبار حرام ہو، جیسے سودی بینک اور وہ کمپنیاں جو خنزیر، نشہ آور اور مسکر اشیاء کا کاروبار کرتی ہیں، بغیر کسی اختلاف کے حرام ہے۔

۴۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز میں سرمایہ کاری جن کا کاروبار حلال ہو جیسے اسلامی بینکس اور اسلامی کمپنیاں، بلاشبہ جائز اور مباح ہے۔

۵۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز کا حکم مختلف فیہ ہے، جن کا کاروبار حلال ہو اور جن کے بنیادی نظام میں حرام کاروبار کرنا تو نہ ہو، لیکن کبھی کبھار ان کو سودی بینکوں سے قرض کے لین دین کا معاملہ کرنا پڑتا ہو۔

مقاصد شریعت اور مصالح مرسلہ کا تقاضا ہے کہ ایسی صورت میں مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ سرمایہ کاری کو جائز قرار دیا جائے:

۱۔ اس قسم کی کمپنیوں میں شیئرز ہولڈر کی شرکت کا مقصد کمپنی کا نظام تبدیل کرنا اور اس کو اسلامائز کرنا ہو۔

۲۔ بجٹ کے مطابق حرام مال کا جو تناسب ہے شیئر ہولڈر اس سے دستبردار ہو جائے اور اس حرام مال کو عوامی فلاح بہبود کے شعبوں میں صرف کر دے۔

جہاں تک ڈائرکٹر، مجلس انتظامیہ کے ممبران اور ان تمام افراد کا تعلق ہے جو سودی معاملات کے اندراج میں حصہ لیتے ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس وقت تک گنہگار رہیں گے جب تک کہ سود کو ترک نہ کر دیں۔

اسی کے ساتھ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ شبہات سے دور رہ کر حلال کی تلاش کرے، اور مسلم ممالک اور حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ اسلامی شریعت کی پابندی کریں، اور اپنے نظام کو سود، محرمات اور شبہات سے پاک کریں۔ واللہ المستعان

حواشی:

۱۔ ملاحظہ ہو: لسان العرب، طبع دار المعارف۔ القاموس المحیط اور المعجم الوسیط، مادہ "ثمر"۔

۲۔ بدایۃ المجتہد، طبع الحلبی (۲۸۱/۲)۔

۳۔ "مبدأ الرضائی العقود، دراسۃ مقارنۃ" (۱۹۸۵ء میں جامع ازہر میں پیش کردہ ڈاکٹریٹ کا مقالہ) از: ڈاکٹر علی القرہ داغی (۳۵۳-۳۳۱/۱)۔

۴۔ المعجم الوسیط (۱۰۰/۱) مادہ "ثمر"۔

۵۔ سورہ نساء ۴/۲۔

۶۔ تفسیر کبیر، طبع دار احیاء التراث العربی، بیروت (۱۸۶/۹)۔

۷۔ السنن الکبری للبیہقی، طبع ہندوستان (۴/۱۰۷)، المجموع للنووی، طبع شرکۃ کبار العلماء (۳۲۹/۵)۔

۸۔ فقہ الزکاۃ، از: ڈاکٹر یوسف قرضاوی، طبع وہبہ، قاہرہ (۱۳۰/۱)۔

۹۔ سورہ حشر/۷۔

۱۰۔ سورہ انفال/۶۰۔

۱۱۔ سورہ ہود/۶۱۔

۱۲۔ تفسیر الماوردی المسمی: النکت والعیون، طبع أوقاف الکویت (۲۱۸/۲)۔

۱۳۔ بحوالہ "منہج الادخار والاستثمار" از: ڈاکٹر رفعت العوضی، طبع الاتحاد الدولی للبنوک الاسلامیہ (ص/۴۳)۔

۱۴۔ سورہ الانسان/۹۔

۱۵۔ سورہ ماعون/۱۔۳۔

۱۶۔ سورہ بقرہ/۲۷۶۔

۱۷۔ سورہ حدید/۲۳۔

۱۸۔ سورہ نساء/۲۹۔

۱۹۔ سورہ بقرہ/۲۷۸۔

۲۰۔ مسلم (۹۹/۱)، ابوداؤد مع عون المعبود (۳۲/۹)، ترمذی مع تحفۃ الأحوذی (۵۴۴/۴)، ابن ماجہ (۷۴۹/۲) میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گذرے، تو آپ ﷺ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈالا تو آپ ﷺ کی انگلیاں نم ہوگئیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اے غلے والے یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول اس پر پانی پڑ گیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: "أفلا جعلته فوق الطعام كي يراه الناس؟ من غشّ فليس منّي". یہ حدیث ہر قسم کے دھوکہ اور حقیقت کو چھپانے کی حرمت کے باب میں صریح ہے۔

۲۱۔ نجش: ایسے شخص کی طرف سے قیمت بڑھا کر بولنے کو کہتے ہیں جس کا ارادہ سامان خریدنے کا نہ ہو، اس سے متعلق حدیث کے لئے دیکھئے: بخاری مع الفتح (۳۵۵/۴)، مسلم (۱۱۵۶/۳)۔

۲۲۔ تصریہ: کہتے ہیں جانور کے تھن میں اس مقصد سے دودھ روک لینے کو کہ اس کے تھن میں دودھ نظر آئے، اور حدیث اس کی ممانعت سے متعلق متفق علیہ ہے، دیکھئے صحیح بخاری مع الفتح (۳۶۱/۴)، مسلم (۱۱۵۵/۳)۔

۲۳۔ دیکھئے: مبدأ الرضائی العقود (ص/۶۷۳۔۸۵۰)۔

۲۴۔ صحیح بخاری مع الفتح (۳۳۷/۴)، مسلم (۱۱۶۵/۳)، مسند احمد (۱۲۹،۸۰/۲)، سنن أبی داؤد مع العون (۳۹۵/۹)، ترمذی مع التحفۃ (۴۵۵/۴) نسائی (۲۲۲/۷)، ابن ماجہ (۷۵۳/۲)۔

۲۵۔ اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مبدأ الرضائی العقود، ص/۸۵۲، اور اس کے بعد کے صفحات۔

۲۶۔ القاموس المحیط، لسان العرب، المعجم الوسیط، مادہ: "سہم"۔

۲۷۔ النکت والعیون للماوردی، طبع أوقاف الکویت (۴۳۶/۳)، اور ملاحظہ ہو: أحکام القرآن لابن العربی، طبع دار المعرفۃ بیروت (۱۶۲۲/۴)۔

۲۸۔ ملاحظہ ہو: ڈاکٹر علی حسن یونس کی کتاب: الشرکات التجاریۃ، طبع الاعتماد، قاہرہ (ص/۵۳۹)، ڈاکٹر شکری حبیب شکری اور میشیل میکالا کی کتاب: شرکات الأشخاص اور شرکات الاموال علماً وعملاً، طبع الاسکندریۃ (ص/۱۸۴)، ڈاکٹر صالح بن زابن المرزوقی البقمی، طبع جامعۃ أم القری ۱۴۰۶ھ (ص/۳۳۲)، اور ڈاکٹر ابوزید رضوان کی کتاب: الشرکات التجاریۃ فی القانون المصری المقارن، طبع دار الفکر العربی، قاہرہ ۱۹۸۹ء (ص/۵۲۶)۔

۲۹۔ ڈاکٹر صالح البقمی: حوالہ سابق (ص/۳۳۷۔۳۳۸)۔

۳۰۔ بخاری نے تعلیقاً اسے روایت کیا ہے، کتاب الإجارة (۴/۴۵۱)۔

۳۱۔ سنن ترمذی مع شرح تحفۃ الأحوذی، کتاب الأحکام (۴/۵۸۴)۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: یہ اسانید اگرچہ ان میں سے ہر ایک علاحدہ طور پر ضعیف ہے لیکن مختلف طرق سے سب مل کر ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں (مجموع الفتاوی ۲۹/۱۴۷)۔

۳۲۔ مجموع الفتاوی، طبع ریاض (۲۹/۱۵۰) اور "عقود و شروط میں اصل اباحت ہے" کے اثبات کے لئے ملاحظہ ہو: مبدأ الرضائی العقود، طبع دار البشائر الإسلامیة (۲/۱۱۴۸)۔

۳۳،۳۴۔ مجموع الفتاوی (۲۹/۳۴۶، ۳۵۱)۔

۳۵۔ ملاحظہ ہو: گزشتہ فقہی مآخذ، اور ڈاکٹر عبد الغفار الشریف کا مجمع الفقہ الاسلامی کے چھٹے اجلاس میں پیش کردہ مقالہ (ص/۱۰۔۱۱)، اور ڈاکٹر محمد الحبیب الجرایة کا مقالہ بعنوان "الأدوات المالیة التقلیدیة" جو مجمع الفقہ کے چھٹے اجلاس میں پیش کیا گیا تھا، اور ڈاکٹر الخیاط کی کتاب: الشرکات، طبع الرسالة (۲/۹۴......)، نیز ڈاکٹر صالح بن زابن کی کتاب: شرکة المساهمة (ص/۳۳۴)۔

۳۶۔ دیکھئے: حوالہ سابق (ص/۳۳۰) از: ڈاکٹر صالح بن زابن الیامی، وہ تحریر فرماتے ہیں: "اس موقع پر ہم ان کے (علماء کے) اقوال کی تین قسمیں کرسکتے ہیں: ایک قسم وہ ہے جس میں شیئرز کا کاروبار علی الاطلاق حرام ہے، دوسری قسم کے مطابق علی الاطلاق ان کا کاروبار جائز اور درست ہے لیکن بعض کے نزدیک ان کا موجب حرمت اسباب سے خالی ہونا شرط ہے، تیسری قسم وہ ہے جس میں بعض قسم کے شیئرز جائز اور بعض حرام ہیں.........."

۳۷۔ اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: الشرکات فی الفقه الإسلامی، از: شیخ علی الخفیف، طبع دار النشر للجامعات المصریة (ص/۹۶)، الشرکات فی الشریعة الإسلامیة والقانون الوضعی، از: ڈاکٹر عبد العزیز الخیاط، طبع المطابع التعاونیة ۱۹۷۱ء (۲/۱۵۳۔۲۱۲)، شرکة المساهمة فی النظام السعودی، از: ڈاکٹر صالح بن زابن، طبع جامعہ أم القری ۱۴۰۶ھ (ص/۳۳۰)۔ شیئرز کی خرید و فروخت کو علی الاطلاق حرام قرار دینے والوں میں شیخ تقی الدین النبہانی ہیں، دیکھئے ان کی کتاب: النظام الاقتصادی فی الإسلام، طبع القدس ۱۹۵۳ (ص/۱۴۱۔۱۴۲) اور جو لوگ بغیر کسی تفصیل کے شیئرز کے کاروبار کی اباحت کے قائل ہیں ان میں ڈاکٹر محمد یوسف موسی اور شیخ شلتوت ہیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ حضرات شیئرز کے محرمات سے خالی ہونے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ دیکھئے: فتاوی شیخ شلتوت، طبع الشروق (ص/۳۵۵) نیز سابقہ حوالہ جات۔

۳۸۔ زاد المعاد فی هدی خیر العباد، طبع مؤسسة الرسالة (۵/۷۳۶)۔

۳۹۔ شیخ تقی الدین النبہانی: النظام الاقتصادی فی الاسلام، طبع القدس، تیسرا ایڈیشن ۱۳۷۲ھ (ص/۱۳۳)۔

۴۰۔ النبہانی: حوالہ سابق (ص/۱۴۱۔۱۴۲)۔

۴۱۔ ڈاکٹر صالح بن زابن: حوالہ سابق (ص/۳۳۴)۔

۴۲۔ دیکھئے: شیخ عبد اللہ بن سلیمان: بحث فی حکم تداول أسهم الشرکات المساهمة (ص/۳.....)، اور شیخ محمد بن ابراہیم (مفتی الدیار السعودیہ) کا فتوی بابت قومی کمپنیوں کے شیئرز کے تداول کا جواز جو کتاب "فتاوی ورسائل" میں شامل ہے (۷/۴۲۔۴۳)۔

۴۳۔ ملاحظہ ہو: الموسوعة الفقہیہ (الکویتیہ) مصطلح "جہالة" (۱۶/۱۶۷)۔

۴۴۔ الفروق، طبع دار المعرفة (۳/۲۶۵۔۲۶۶)۔

۴۵۔ مجموع الفتاوی، طبع الریاض (۲۹/۲۲۷)۔

۴۶۔ الغرور وأثره (ص/۵۹۴)۔

۴۷۔ مجموع الفتاوی (۲۹/۲۳۳)۔

۴۸۔ ملاحظہ ہو: المغنی (۴۵/۵)، المجموع (۲۹۴/۹)، ڈاکٹر صالح بن زابن: حوالہ سابق (ص/۳۴۸) اور سابقہ دیگر حوالہ جات۔

۴۹۔ الاشباہ والنظائر للسیوطی، طبع عیسی الحلبی، قاہرہ (ص/۱۳۳) اور ملاحظہ ہو اسی موضوع کی ایک اور کتاب: الاشباہ والنظائر لابن نجیم، طبع مؤسسۃ الحلبی قاہرہ (ص/۱۲۱۔۱۲۲)۔

۵۰۔ صحیح بخاری مع الفتح، طبع السلفیۃ۔ المساقاۃ (۴۹/۵)، مسلم، طبع عیسی الحلبی۔ البیوع (۱۱۷۳/۳)، أحمد (۱۵۰/۲)، موطا (ص/۳۷۸)۔

۵۱۔ فتح الباری (۵۱/۵)۔

۵۲۔ المؤطا (ص/۳۷۸)۔

۵۳۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۸۰/۴) میں لکھا ہے، جسے بزاز نے روایت کیا ہے، اور اس میں موسیٰ بن عبیدہ ہیں جو ضعیف ہیں۔

۵۴۔ تقریب التہذیب (۲۸۶/۲)، مجمع الزوائد (۸۰/۴)۔

۵۵۔ سابقہ تمام حوالہ جات۔

۵۶۔ صحیح بخاری مع الفتح، الایمان (۱۲۶/۱)، مسلم، المساقاۃ (۱۲۲۰/۳)، أحمد (۲۶۷/۴)۔

۵۷۔ فتح الباری (۱۲۷/۱)۔

۵۸۔ الاشباہ والنظائر للسیوطی (ص/۹۷۔۹۸)، الأشباہ والنظائر لابن نجیم (ص/۹۱۔۹۲)۔

۵۹۔ شرح القواعد الفقہیہ، از: شیخ احمد الزرقا، طبع دار الغرب الاسلامی (ص/۱۵۵)۔

۶۰۔ حوالہ سابق۔

۶۱۔ حاشیہ ابن عابدین، طبع دار احیاء التراث العربی، بیروت (۳۶/۵۔۳۷)۔

۶۲۔ حاشیہ ابن عابدین (۳۹/۵)۔

۶۳۔ لوگوں کی ضرورت کی بنا پر بیع عرایا کی رخصت کے لئے دیکھئے: صحیح بخاری مع الفتح (۳۹۰/۴)، مسلم (۱۱۶۸/۳)، احمد (۱۸۱/۵)۔ عریہ کہتے ہیں: کھجور کے درخت پر لگے ہوئے کھجوروں کو ٹوٹے ہوئے کھجوروں کے عوض اندازے اور تخمینہ سے بیچنا۔

۶۴۔ آپ ﷺ سے خشک کھجوروں کے عوض تازہ کھجوروں کی بیع کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کیا خشک ہونے کے بعد کھجوروں میں کمی ہو جاتی ہے؟ عرض کیا گیا: ہاں، تو آپ نے فرمایا: ''تب تو نہیں''۔ دیکھئے: مسند الشافعی (ص/۵۱)، احمد (۳۱۲/۳)، ترمذی (۲۳۱/۱)، نسائی (۲۶۹/۷)، ابن ماجہ (۷۶۱/۲)، سنن أبي داؤد (۲۵۱/۳)، السنن الکبری (۲۹۴/۵) اور دیکھئے: تلخیص الحبیر (۹/۳۔۱۰)۔

۶۵۔ مجموع الفتاوی (۲۹/۲۷، ۴۹)۔

۶۶۔ الأشباہ والنظائر لابن نجیم (ص/۹۳۔۱۰۳۔۱۰۴) اور ابن عابدین کے رسائل کے ضمن میں ملاحظہ ہو: نشر العرف فی بناء بعض الأحکام علی العرف، طبع آستانہ (۱۱۵/۲۔۱۱۸)۔

۶۷۔ اعلام الموقعین، طبع شقرون قاہرہ (۷۸/۳)۔

۶۸۔ قواعد الأحکام (۱۵۹/۲)۔

۶۹۔ الاسواق المالیہ، از: ڈاکٹر علی السالوس: ایک مقالہ جو آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں پیش کیا گیا تھا (ص/۷)۔

۷۰۔ الشرکات للشیخ علی الخفیف (ص/۹۶۔۹۷)، شیخ ابو زہرہ کا مقالہ جو مجمع البحوث الاسلامیہ کی دوسری کانفرنس کی مطبوعات کے ساتھ شائع کیا گیا تھا (۱۸۴/۲)، ڈاکٹر الخیاط کی کتاب: الشرکات فی الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الوضعی، طبع الرسالۃ (۱۸۷/۲)، ڈاکٹر وہبہ الزحیلی کا مجمع الفقہ الاسلامی کے چھٹے اجلاس میں پیش کردہ مقالہ (ص/۵)، ڈاکٹر صالح بن

زابن: حوالہ سابق (ص ۳۴۲) اور قاضی عبداللہ بن سلیمان کا محولہ بالا مقالہ۔

۷۱۔ سابقہ مراجع، خاص طور سے شیخ عبداللہ بن سلیمان کا مقالہ، جس میں موصوف نے بہت اچھی تفصیل بیان فرمائی ہے۔

۷۲۔ مجموع الفتاوی، طبع الریاض (۲۹/ ۳۲۰۔۳۲۱)۔

۷۳۔ الاشباہ والنظائر لابن نجیم (ص ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴)، اور ملاحظہ ہو: حاشیہ ابن عابدین (۴/ ۱۳۰)۔

۷۴۔ بدائع الصنائع (۶/ ۱۴۴)۔

۷۵۔ فتاوی ابن رشد، تحقیق: المختار بن الطاہر التلیلی طبع دار الغرب الاسلامی (۱/ ۶۳۱۔۶۳۹)، مواہب الجلیل (۵/ ۲۷۷)

۷۶۔ قواعد الأحکام (۱/ ۷۲۔۷۳)۔

۷۷۔ المنثور فی القواعد، طبع اوقاف الکویت (۲/ ۲۵۳)۔

۷۸۔ الاشباہ والنظائر للسیوطی (ص ۱۲۰۔۱۲۱)، وحاشیہ القلیوبی مع عمیرۃ علی المنہاج (۲/ ۱۸۶)۔

۷۹۔ المجموع للنووی (۹/ ۳۵۳)، طبع المنیریۃ۔

۸۰۔ مجموع الفتاوی (۲۹/ ۳۱۱۔۳۲۳)۔

۸۱۔ مجموع الفتاوی (۲۹/ ۲۷۲۔۲۷۳)۔

۸۲۔ حوالہ سابق (۲۹/ ۳۰۸)۔

۸۳۔ بدائع الفوائد (۳/ ۲۵۷)۔

۸۴۔ گزشتہ مراجع اور شیخ عبداللہ بن سلیمان کا مقالہ (ص ۱۶)۔

۸۵، ۸۶۔ گزشتہ مراجع اور شیخ عبداللہ بن سلیمان کا مذکورہ مقالہ۔

۸۷۔ ملاحظہ ہو: جمل الأحکام للناطفی، از ہر میں ایم اے کا مقالہ، تحقیق: حمد اللہ سید (ص ۳۷۰۔۳۸۱)۔

۸۸۔ مجموع الفتاوی (۲۹/ ۲۴۱)، اسی طرح انہوں نے اس شخص کے سلسلے میں جس کے مال میں حرام کی آمیزش ہو اغلب کے اعتبار کا قاعدہ ذکر کیا ہے۔

۸۹۔ مجموع الفتاوی (۲۹/ ۳۱۹۔۳۲۳)۔

۹۰۔ حوالہ سابق (۲۹/ ۳۲۷)۔

۹۱۔ شیخ عبداللہ بن سلیمان کا سابقہ مقالہ (ص ۳۱)، اس میں انہوں نے مسلمانوں کی زیر ملکیت کمپنیوں کے شیئرز کی خرید کی اجازت دی ہے، خواہ ان کا کاروبار سود پر ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ ان کا بیشتر معاملہ اور ان کے غالب سرمائے حلال ہوں، لیکن انہوں نے غیر مسلموں کی زیر ملکیت کمپنیوں کے شیئرز کے مالک ہونے کو ناجائز قرار دیا ہے، البتہ اس صورت میں اس کو جائز قرار دیا ہے جب وہ بالفعل ان کا رخ تبدیل کرنے اور علی الاطلاق ان کو حرام کاروبار سے روکنے پر قادر ہو، انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ شیخ صالح کامل نے ان سے بتایا کہ وہ اس طرح کے پچاس حصص کمپنیوں میں شراکت کر کے اور اس کے بعد یہ شرط لگا کر ان کو شرعی احکام کی پابندی کرنے والی شراکت دار کمپنیوں میں تبدیل کر چکے ہیں۔

۹۲۔ الفتاوی الشرعیۃ فی الاقتصاد، طبع مجموعۃ برکۃ ۱۴۱۱ھ (ص ۱۷)۔

۹۳۔ صحیح بخاری مع فتح الباری، طبع السلفیۃ (۵/ ۱۵)۔

۹۴۔ حوالہ سابق (۵/ ۱۴۲)۔

۹۵۔ المغنی لابن قدامہ (۴/ ۲۲۵۔۲۲۷)۔

☆☆☆☆

شیئرز، شیئر مارکیٹ اور کمپنی
ایک مختصر جائزہ و تعارف

از.......... جناب ارشاد باقوی، بنگلور

(الف) حصص (شیئرز) کی مختلف اقسام۔
(ب) حصص بازار (شیئرز مارکیٹ) میں حصص کی مختلف اقسام اور اس کی اشکال۔
(ج) تجارت کے لحاظ سے قومی و عالمی بازار میں حصص کا مقام۔
(د) حصص کی قیمت کے اتار چڑھاؤ، حصص کی خرید و فروخت اور مستقبل میں اس کی فروخت کے سلسلے میں اس سے متعلق استدلال۔
(ھ) حصص کے کاروبار میں حصص بازار (شیئرز مارکیٹ) کا کردار۔
(و) حصص کے تصدیق ناموں (سرٹیفکیٹ) کی ملکیت کا مطلب۔
(ز) حصص کے کاروبار پر سود کا اثر۔
(ح) حصص کے کاروبار میں رونما ہونے والی جدید ترین تبدیلیاں۔

ہندوستانی شیئر بازار

کاروباری افراد اور ان کے کاروباری منصوبوں (Projects) کے لئے فنڈ کی فراہمی کے مختلف مآخذ میں سے ایک سرمایہ بازار (Capital Market) ہے، بینکوں اور مالیاتی اداروں کے ذریعہ دیئے جانے والے میقاتی قرضوں یا بینک سے مہیا کئے جانے والے کاروباری سرمایہ کی مانند رقم براہ راست عوام الناس سے سرمایہ بازار کے ذریعہ بھی حاصل کی جاسکتی ہے، جس کا استعمال کاروباری منصوبوں کو تکمیل تک پہونچانے کے لئے ایک حصے کے طور پر کیا جاسکتا ہے، یہ رقم Shares (حصص Debenture) کسی کمپنی کی طرف سے قرض لی ہوئی رقم کا سرٹیفکیٹ، دستاویز قرض، یا Bond (تمسک) وغیرہ کے ذریعے حاصل کی جاسکتی ہے۔

جب ایک کاروباری کمپنی رفرد بنیادی طور پر فنڈ کے حصول کے لئے عوام الناس تک (ایک درمیانی رابطہ کے ذریعے جسے (Merchant Banker) کہتے ہیں) پہونچتا ہے اور اس سلسلے میں حصص کے تصدیق نامے (سرٹیفکیٹ) جاری کرتا ہے، (یا ڈبینچر سرٹیفکیٹ جاری کرتا ہے) تو ابتدائی بازار (Primary Market) میں اسے پبلک ایشو (Public Issue) کے نام سے جانا جاتا ہے، اس طریقے کے تحت سرمایہ کاری کرنے والے عوام اپنی رقم کمپنی میں لگاتے ہیں اور رقم لگانے کے تصدیق نامے کے بطور شیئر سرٹیفکیٹ (حصص تصدیق نامے) حاصل کرتے ہیں، اس طرح سے کمپنی کے اصل سرمائے کی رقم میں حصہ دار ہونے کے ناطے سرمایہ کاری کرنے والے افراد کمپنی کے حصہ دار (Share Holder) بن جاتے ہیں، کمپنی کے شیئر ہولڈر کمپنی کے ذریعے حاصل کردہ نفع میں حصہ دار

ہوتے ہیں۔ یہ نفع انہیں نفع کی رقم (Dividend) کی شکل میں یا بعض اوقات اضافی حصص کے اجراء کی شکل میں (یہ حصص بلا قیمت دیئے جاتے ہیں جنہیں (Bonus Share) کہا جاتا ہے حاصل ہوتا ہے، حصہ دار جب تک اس کی مرضی ہو حصص اپنے قبضے میں رکھ سکتا ہے اور کمپنی کو حاصل ہونے والے نفع یا بونس وغیرہ میں حصہ دار ہوتا ہے۔

اگر کسی وقت حصہ دار اپنی سرمایہ لگائی گئی رقم واپس چاہتا ہے تو وہ کمپنی کو وہ حصص واپس نہیں کرسکتا جو کمپنی نے اس کے نام جاری کئے تھے، بلکہ اسے یہ حصص سرمایہ کاری میں دلچسپی رکھنے والے کسی دوسرے شخص کو فروخت کرنا پڑتے ہیں جو کہ ان کو خریدنا اور بدلے میں ان حصص کی رقم پہلے سرمایہ کار کو ادا کرنا چاہتا ہے ،اس سودے میں چونکہ خریدار براہ راست کمپنی سے حصص حاصل نہیں کرتا بلکہ کسی دوسرے شیئر ہولڈر سے حصص کے تصدیق نامے خریدتا ہے اس لئے اس سودے کو ثانوی بازار (Secondary Market) کے نام سے معنون کیا جاتا ہے، ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا ہے کہ فروخت کنندہ کو حصص کے لئے خریدار فوری طور پر دستیاب ہو جائے لہذا فروخت کنندہ کو ایک درمیانی شخص تک رسائی کرنا پڑتی ہے جسے بروکر (Broker شیئر دلال) کہتے ہیں، اس قسم کے بہت سے حصص دلال (بروکر) اپنے گاہکوں، خریداروں اور فروخت کنندگان سے آرڈر لیتے ہیں اور ایک مخصوص وقت میں ایک مخصوص مقام پر دوسرے دلالوں سے ان آرڈروں کا تبادلہ (Exchange) کرتے ہیں، وہ مقام جہاں حصص دلال اکٹھا ہوتے ہیں اسٹاک ایکسچینج (Stock Exchange) کہتے ہیں، حصص دلال اس اسٹاک ایکسچینج کے ارکان ہوتے ہیں، کسی اسٹاک ایکسچینج میں صرف اس کے ممبر دلال ہی سودے کرسکتے ہیں، اسٹاک ایکسچینج کے مخصوص ضابطے اور اصول ہوتے ہیں جن پر عمل درآمد ہر ممبر دلال کے لئے لازمی ہوتا ہے، ان ضوابط کو اس لئے تشکیل دیا جاتا ہے کہ سرمایہ کار کے مفادات کی حفاظت کی جاسکے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ حصص دلال سودے والے دن ہی رقم یا حصص کا تبادلہ کریں بلکہ کھاتوں میں ان سودوں کی تفصیلات کا اندراج کرلیا جاتا ہے اور اسٹاک ایکسچینج کے ارباب اختیار تک ان کی رپورٹ پہونچادی جاتی ہے، اسٹاک ایکسچینج اپنے ہر رکن کے سودوں کی تفصیلات کا باقاعدہ ریکارڈ رکھتا ہے اور معاملات طے ہونے کی مدت کے بعد جو کہ عام طور پر ایک ہفتہ ہوتی ہے، حصص نئے خریدار تک پہونچادیئے جاتے ہیں اور ان کے بدلے میں رقم کی ادائیگی کردی جاتی ہے۔

اسٹاک ایکسچینج

دنیا کے سب سے پہلے اسٹاک ایکسچینج نے ۱۶۱۱ء میں ایمسٹرڈم میں ایک بے چھت صحن میں کام کرنا شروع کیا۔ ہندوستان میں اسٹاک ایکسچینج کا آغاز اٹھارویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں ہوا، اس وقت سرمایہ بازار محض ایسٹ انڈیا کمپنی کے قرضہ جاتی اسٹاک کے تبادلے تک محدود تھا۔ ۱۸۳۰ء میں امریکی خانہ جنگی کے بعد کپڑا بننے کی ملوں میں اچانک بے حد ترقی ہوئی اور ہندوستان سے کپڑے کی برآمد میں روز افزوں اضافہ ہوا جس کے نتیجے میں کارپوریٹ اسٹاک (اجتماعی تمسکات) روبہ ظہور ہوئے اور بمبئی، کلکتہ اور احمد آباد اسٹاک ایکسچینج کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۸۷۵ء میں ''دیسی حصص و حصص دلال ایسوسی ایشن'' کے قیام کے بعد بمبئی اسٹاک ایکسچینج قائم کیا گیا۔ پہلی اور

دوسری جنگ عظیم کے بعد تجارت اور کاروبار کے میدان میں بڑی تیزی سے مثبت تبدیلیاں روبہ عمل ہونے لگیں جن کے نتیجے میں نئی کمپنیاں قائم ہوئیں اور حصص کے کاروبار کو فروغ ہوا، لہذا کئی ایک علاقائی اسٹاک ایکسچینج مثلاً بنگلور، مدراس، کانپور، دہلی وغیرہ قائم ہوئے۔

اسٹاک ایکسچینج ایک نیلام بازار ہوتا ہے جہاں خریدار اور فروخت کنندگان اپنے اپنے گاہکوں کے آرڈروں کی تعمیل میں حصص اور ہنڈیوں (Securities) کا تبادلہ کرتے ہیں۔ حصص کے کاروبار میں اسٹاک ایکسچینج ایک کلیدی کردار ادا کرتا ہے چونکہ اس کے ذریعہ حصص اور ہنڈیوں کی خرید وفروخت کی سہولت حاصل ہوتی ہے اور یہ تبادلہ یا کاروبار ایک باقاعدہ اور باضابطہ انداز سے انجام پاتا ہے۔

وہ کمپنی جس نے پبلک ایشو کے ذریعہ حصص کے اجراء کے بعد سرمایا اکٹھا کیا ہے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اسٹاک ایکسچینج میں اپنے حصص کا اندراج کرائے تاکہ حصص کی خرید وفروخت کا کاروبار بسہولت ہو سکے اور سرمایہ کاری کرنے والے افراد کو ان کے حصص کے بدلے بہ آسانی رقم فراہم کی جاسکے۔ اسٹاک ایکسچینج کسی بھی کمپنی کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے حصص کا اندراج کرائے، اور بعدازاں ان (کے تبادلے) کا کاروبار کر سکے، لیکن اس سے قبل اسٹاک ایکسچینج کے اصول وضوابط کی پابندی کرنے کا اقرار لازمی ہے، عام سرمایہ کار جو حصص کو خریدنا یا فروخت کرنا چاہتا ہے اسے ایسے حصص دلال کے پاس اپنا آرڈر نوٹ کرانا پڑتا ہے جو اسٹاک ایکسچینج کا ممبر ہو، وہ دلال اسٹاک ایکسچینج کے ہال میں اپنے گاہک کی جانب سے دوسرے دلال ممبر کے ساتھ حصص کو فروخت کرتا یا خریدتا ہے، اس سودے میں حصص کی وہی قیمت ادا یا وصول کی جاتی ہے جو کہ اس مخصوص دن اس حصص کی ہوتی ہے، دلال گاہک سے اپنی دلالی کی فیس بھی وصول کرتا ہے۔

<u>سرمایہ بازار کے دستاویزات (Instrument) کی مختلف اشکال</u>

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے سرمایہ بازار (Capital Market) میں مختلف قسموں کے دستاویزات (Instrument) مثلاً حصص، دستاویز قرض (Debenture) تمسکات (Bond) اور وارنٹ ضمانتی دستاویز (Warrants) وغیرہ کا لین دین کیا جاتا ہے۔ اگرچہ شیئر بازار میں سب سے زیادہ کاروبار مساوی حصص (Equity Share) کا ہوتا ہے، لہذا اسی وجہ سے شیئر بازار کی اصطلاح زبان زد خاص و عام ہے اور اسٹاک مارکیٹ یا کیپٹل مارکیٹ کی اصطلاحوں کو زیادہ استعمال نہیں کیا جاتا۔

سرمایہ بازار (Capital Market) کے دو حصے۔ شیئر بازار اور قرض بازار۔ ہوتے ہیں۔

قرض بازار (Debt Market) میں دستاویزات قرض اور تمسکات وغیرہ کی خرید وفروخت ہوتی ہے، یہ اس قسم کی ہنڈیاں ہوتی ہیں جن پر ایک مقررہ مدت میں مقررہ شرح کے لحاظ سے سود ادا کیا جاتا ہے، کمپنی ان کے خریدار کو لگاتار باقاعدہ طے شدہ شرح کے حساب سے سود ادا کرتی رہتی ہے اور ایک معینہ مدت کے بعد کمپنی ان کو واپس لے کر ان میں لگائی گئی رقم سرمایہ کاروں (Investors) کو واپس کر دیتی ہے، اس ہنڈی کے سرمایہ کار کو کمپنی

کے ہونے والے نفع میں کسی قسم کی حصہ داری کا حق حاصل نہیں ہوتا ہے اور سرمایہ میں لگائی گئی رقم (شیئر کی اصل قیمت) میں کسی قسم کا اضافہ بھی نہیں ہوتا ہے، سرمایہ کار کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس معینہ مدت تک جب تک کے لئے یہ ہنڈیاں جاری کی گئی ہیں ان پر سود حاصل کرتا رہے اور بعد میں ان حصص کی قیمت کمپنی سے واپس لے، یا پھر ان کو درمیان ہی میں کسی ایسے دفتر کو حصص دلال / اسٹاک ایکسچینج کے ذریعہ فروخت کر دے جو ان کی خریداری میں دلچسپی رکھتا ہو۔

شیئر بازار کسی کمپنی کے حصص کی لین دین / خرید و فروخت میں معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے۔ "حصص (شیئرز) کا مطلب کمپنی کے حصص سرمایہ میں حصہ داری ہے"۔ اس کے ذریعہ کمپنی کے سرمایہ میں کسی حصے دار (Share Holder) کے ذریعہ کیا جانے والا تعاون و اشتراک ہے۔ حصص بنیادی طور پر حساب کی ایک اکائی ہے جس کے ذریعہ سرمایہ کار کے کمپنی میں مفادات کا تعین کیا جاتا ہے۔ حصص ایک ایسی دستاویز ہے جو شیئر ہولڈر کو کمپنی کی ملکیت کا مختار بناتی ہے، حصص یا تو کمپنی کے ذریعہ جاری کئے جاتے ہیں یا اسٹاک بازار میں انہیں خریدا جا سکتا ہے۔

کمپنی قانون ۱۹۵۶ء کی رو سے ایک پبلک لمیٹڈ کمپنی دو طرح کے شیئر بنا سکتی ہے اور ان کا اجراء کر سکتی ہے، یہ دو اقسام ترجیحی سرمایہ حصص اور مساوی سرمایہ حصص ہیں۔ ترجیحی شیئر ہولڈر کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ ایک مقررہ اور متعینہ نفع حاصل کرے اور اپنا اشتراک شدہ سرمایہ بعد میں واپس وصول کر لے اگر کمپنی کسی وجہ سے بند ہو جاتی ہے، حالانکہ ترجیحی حصص کے مالکان کو کمپنی کے معاملات اور جنرل میٹنگوں میں حق رائے دہی حاصل نہیں ہوتا ہے۔

مساوی حصص سرمایہ اس بات کی ضمانت نہیں ہے کہ حصص کی رقم کمپنی کی جانب سے واپس کر دی جائے گی۔ حالانکہ کسی قسم کی رقم کی واپسی کی ضمانت نہیں ہوتی لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس قبیل کے سرمایہ کار کو حاصل ہونے والے متوقع منافع کی کوئی حد بھی مقرر نہیں ہوتی، اس قسم کے حصص میں نقصان کا بھی اندیشہ ہوتا ہے لہذا انہیں زیادہ خطرے والے حصص کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، مساوی حصص میں یہ مالی نقصان پوشیدہ ہوتا ہے کہ اگر کمپنی نقصان سے گذرتی ہے یا اسے کسی وجہ سے بند کرنا پڑتا ہے تو سرمایہ کار کو بھی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ لیکن بہ صورت دیگر اگر کمپنی اپنے کاروبار میں ترقی حاصل کرتی ہے اور زیادہ نفع حاصل کرتی ہے تو اسے حصص میں سرمایہ لگانے والے افراد کو اسی تناسب سے فائدہ بھی ہوتا ہے۔ مساوی حصص کے مالکان سرمایہ کاروں کو ان کے حصص کی تعداد کے لحاظ سے کمپنی کی میٹنگوں میں تمام قراردادوں اور فیصلوں کے بارے میں اپنے حق رائے دہی کے استعمال کا حق بھی حاصل ہوتا ہے۔

مساوی حصص (Equity Shares)

زیادہ بہتر اور خوش نما مواقع مہیا کرنے کی صلاحیت رکھنے کے باعث عام طور پر لوگ مساوی شیئر کی خرید و فروخت میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں اور شیئر بازار میں ان کا زیادہ لین دین ہوتا ہے۔ کمپنی کے ہر شیئر کی قیمت ہوتی ہے جو کہ بالعموم ۱۰/۱۵ روپے ہوتی ہے، ہر ایک شیئر ہولڈر کو اس کے ذریعہ کمپنی میں لگائے گئے سرمائے کے حساب سے حصص کے تصدیق نامے دئے جاتے ہیں اور اس کے کمپنی میں کتنے حصص ہیں اس کا تعین کیا جاتا ہے۔ یہ حصص تصدیق نامے بالعموم ۱۰۰ حصص کے لئے (ایک تصدیق نامہ کے حساب سے) جاری کئے جاتے ہیں جنہیں (Market Lot) کہتے

ہیں۔ سرمایہ کاران حصص کو ۱۰۰ کی لوٹ (Lot) میں بہ آسانی ثانوی بازار میں فروخت کرسکتا ہے، اگر کسی سبب سے سرمایہ کار سو سے کم حصص کے تصدیق نامہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ یا تو انہیں اس تعداد میں بازار سے خرید سکتا ہے یا پھر اپنے حصص کو چھوٹے حصوں میں تقسیم کرسکتا ہے۔

وہ کمپنی جو حصص جاری کرتی ہے اس کے ایک رجسٹر میں تمام حصص کے سرمایہ کاروں کے ناموں کا اندراج کرلیا جاتا ہے، اگر حصص کا مالک ان حصص کو کسی دوسرے شخص کو فروخت کرتا ہے تو خریدار کو ان حصص کو پھر سے کمپنی کے پاس بھیجنا پڑتا ہے تا کہ یہ حصص اس کے نام منتقل کئے جاسکیں، کیوں کہ اب نیا خریدار ہی ان حصص کا جائز مالک ہے۔ زیادہ تر کمپنیاں چند باہری ایجنٹوں کو جنہیں حصص منتقلی ایجنٹ (Share Transfer Agent) کہتے ہیں، حصص کی منتقلی کی دفتری کارروائی کے لئے مقرر کرتی ہیں تا کہ اس منتقلی کا عمل زیادہ بہتر اور تیزی سے مکمل کیا جاسکے۔ اگر خریدار چاہے تو وہ ان حصص کو اپنے نام سے منتقل کرائے بغیر ہی فوری طور پر بازار میں فروخت کرسکتا ہے۔

حصص کی قیمتوں میں حرکت / اتار چڑھاؤ

خریدار و فروخت کنندہ کی ضروریات کے لحاظ سے کسی بھی کمپنی کے حصص کا بار بار لین دین کیا جاسکتا ہے، اگر کمپنی کی کارکردگی بہتر ہے اور وہ زیادہ نفع حاصل کررہی ہے تو اس کمپنی کے حصص کی بازار میں بہت زیادہ مانگ (Demand) ہوتی ہے، کیوں کہ ہر ایک اس کمپنی کے حصص کو خریدنے میں دلچسپی رکھتا ہے، جب مانگ بڑھتی ہے، اور فراہمی (Supply) چوں کہ محدود ہوتی ہے لہذا حصص کی قیمت بھی بڑھ جاتی ہے۔ اگر مانگ لگاتار بڑھتی رہتی ہے تو حصص کی قیمتیں بھی زیادہ اور زیادہ بڑھتی رہتی ہیں، اگر کسی کمپنی کی خراب کارکردگی کی بنا پر کمپنی کے حصص کے مالکان (Share Holders) حصص کو زیادہ تعداد میں فروخت کرتے ہیں یا بہتر کارکردگی کی صورت میں نفع حاصل کرنے کے لئے حصص کے مالکان حصص کو زیادہ تعداد میں فروخت کرتے ہیں تو چونکہ بازار میں حصص کی فراہمی (Supply) بڑھ جاتی ہے لہذا ان کی قیمت میں گراوٹ آجاتی ہے۔

سرمایہ کار اس وقت جبکہ حصص کی قیمت میں کمی آجاتی ہے حصص خرید سکتے ہیں اور انہیں اس وقت ثانوی بازار میں فروخت کرسکتے ہیں جبکہ ان کی قیمت بڑھ گئی ہو۔ قیمت خرید اور قیمت فروخت کا فرق ہی بالحقیقت "اصل سرمایہ نفع" (Capital Gain) ہوگا یا اصل نقصان (Loss) ہوگا اگر قیمت خرید زیادہ اور قیمت فروخت کم ہو۔

محصولیاتی زاویہ (Tax Angle)

حصص کی لین دین کے ذریعہ ہونے والے منافع آمدنی پر محصول (Incomtax) کی ادائیگی لازمی ہے، اگر سرمایہ کار حصص کو ایک سال تک اپنی ملکیت میں رکھتا ہے اور بعد ازاں اس کو فروخت کردیتا ہے تو اس سے حاصل ہونے والے نفع کو "طویل المدتی سرمایہ نفع" (Long term capital gain) کہتے ہیں اور اس پر ۲۰ر فیصد کی شرح سے آمدنی ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ اگر حصص کو ایک سال کے دوران ہی خریدا اور بیچا جاتا ہے تو اس سے حاصل ہونے والے نفع کو "مختصر المدتی سرمایہ نفع" (Short term capital gain) کہتے ہیں اور افراد پر لاگو ہونے والی

عمومی شرح کے حساب سے ٹیکس کی رقم کا تعین کیا جاتا ہے جو کہ طویل المدتی سرمایہ نفع کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔طویل المدتی یا مختصر المدتی سرمایہ کاری کے نتیجے میں حاصل ہونے والا نقصان کل نفع میں سے منہا کر کے باقی بچ رہنے والی رقم پر ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔

غیر مقیم ہندوستانیوں NRIs اور غیر ممالک میں ان کے ذریعہ قائم کردہ کاروباری اداروں (OCBs) کے ذریعہ کی جانے والی سرمایہ کاری

ہمارے ملک کے مختلف کاروباری منصوبوں میں سرمایہ کاری کے لئے غیر مقیم ہندوستانیوں اور ان کے ذریعے غیر ممالک میں قائم کردہ کاروباری اداروں (Overseas Corporate Bodies) کو متوجہ کرنے اور اس ضمن میں ان کی حوصلہ افزائی کرنے کی غرض سے قومی حکومت انہیں مختلف قسم کی سرمایہ کاری سہولیات مہیا کرتی ہے تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ مناسب رقم ہندوستانی کمپنیوں کے حصص میں لگا سکیں۔ یہ سہولت انہیں ابتدائی اور ثانوی دونوں بازاروں میں مہیا کی جاتی ہے۔ مثلاً NRIs اور OCBs کے لئے پبلک ایشوز ترجیحی حصص میں ایک مخصوص حصہ ریزرو کر دیا جاتا ہے اور سرمایہ کاری کے ذریعہ حاصل ہونے والے فائدے،منافع وغیرہ کو غیر ممالک میں منتقل کرنے کی اجازت ہوتی ہے، مزید برآں انہیں "طویل المدتی سرمایہ نفع" پر رعایتی شرح پر آمدنی ٹیکس ادا کرنے کی سہولت بھی حاصل ہوتی ہے۔

عالمی (بین الاقوامی) ایشوز

ہندوستانی کمپنیوں کے حصص کا اندراج ملک کے ایک یا ایک سے زائد اسٹاک ایکسچینجوں میں ہوتا ہے۔ملک میں معاشی رواداری (Liberalisation) کے تعارف و فروغ کے بعد قومی کمپنیوں کا مطمح نظر وسیع تر ہوا ہے، اور عالمی سطح پر بھی ان کی کوششیں جاری ہیں۔ ملکی کمپنیاں عالمی فنڈ حاصل کرنے کی کوششیں کر رہی ہیں جو کہ قومی فنڈ کی شرح سود کے مقابلے میں سستا پڑتا ہے۔ حکومت نے غیر ملکی اداراتی سرمایہ کاروں (Foreign Institutional Investors) کو اس امر کی اجازت دی ہے کہ وہ ہندوستانی سرمایہ بازار میں سرمایہ کاری کریں، اور اسی کے ساتھ ساتھ دوسری جانب حکومت نے ہندوستانی کمپنیوں کو یہ سہولت بھی مہیا کی ہے کہ وہ عالمی جمع رسید (Global Deposit Receipts "GDR") جاری کریں اور عالمی بازار کے توسط سے اپنے حصص کو فروخت کرنے کی کوشش کریں۔ GDR کا اندراج لندن، لکزمبرگ، اور نیویارک اسٹاک ایکسچینجوں میں کیا گیا ہے جہاں ان کا کاروبار ہوتا ہے۔

شیئر بازار میں رونما ہونے والی حالیہ تبدیلیاں

ہندوستانی شیئر بازار اب سن بلوغ کو پہونچ رہا ہے حصص کے کاروبار میں جدید ترین تکنیک کا استعمال کیا جا رہا ہے جس کی وجہ سے سرمایہ کار کے لئے زیادہ شفافیت (Transperancy) رہتی ہے اور حصص تصدیق ناموں کے لین دین اور کاروبار کو زیادہ بہتر طریقے سے انجام دیا جا سکتا ہے، بمبئی اسٹاک ایکسچینج کی مکمل کارروائی کمپیوٹروں کے ذریعے ہوتی ہے اور سودے اور حصص کا لین دین بھی دلال عمارت میں نصب لاتعداد کمپیوٹروں کے ذریعے کرتے ہیں

، ملک کے دوسرے اسٹاک ایکسچینج بھی اس نہج پر چل رہے ہیں اور اسٹاک ایکسچینج کو ترقی یافتہ انداز سے آراستہ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ علاقائی اسٹاک ایکسچینجوں کے علاوہ قومی اسٹاک ایکسچینج بھی ملک کے اہم شہروں تک پہونچ چکا ہے۔ اور چونکہ اس انداز سے کام انتہائی ذمہ دارانہ اور شفاف طریقہ سے انجام دیا جارہا ہے، سرمایہ کاروں کا یقین بڑھا ہے اور ان کے بے بنیاد خوف کا ازالہ ہوا ہے، کیوں کہ تمام سودے باضابطہ اور بہتر انداز سے انجام پارہے ہیں، بمبئی اسٹاک ایکسچینج کا یہ بھی منصوبہ ہے کہ وہ اپنی قومی کمپیوٹر ٹریڈنگ (بمبئی آن لائن ٹریڈنگ) کو دوسرے شہروں تک بھی پھیلائے جس کے باعث شیئر ٹریڈنگ سے متعلق معلومات اور کاروبار کو ملک کے ان شہروں تک بھی لے جایا جاسکے جہاں پر تسلیم شدہ (Recognised) اسٹاک ایکسچینج کی سہولیات مہیا نہیں ہیں۔ اسٹاک ایکسچینج کی کارکردگی کی نگرانی کرنے والا قومی ادارہ (Securities & Exchange Board of India) باضابطہ طور پر سرمایہ کاری کے اس کاروبار اور پوری عمل کی نگرانی کررہا ہے۔ جس کے باعث سرمایہ کاروں کے درمیان اعتماد کی فضا پیدا ہورہی ہے اور ملک کا سرمایہ کاری بازار ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ حال ہی میں منظور ہونے والا قانون Depositeries (Bill ڈیپوزیٹریز بل) اس سلسلے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جس کے اطلاق سے اسٹاک ایکسچینج کے رائج قدیم نظام کی خامیاں مکمل طور سے ختم کی جاسکیں گی۔

حصص کے کاروبار پر سود کا اثر

حصص کے کاروبار میں سود کی ادائیگی یا وصولیابی شامل نہیں ہے۔ اس کے ذریعہ کمپنیاں یا کاروبار شروع کرنے والے افراد اور حصص میں سرمایہ کاری کرنے والے افراد "حلال نفع" میں شریک ہوتے ہیں، ایک کمپنی چونکہ کسی منصوبے کو روبہ عمل لانا چاہتی ہے اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سود کی ادائیگی پر رقم بطور قرض حاصل کرے اس کے بجائے کمپنی حاصل ہونے والے نفع میں اپنے حصص مالکان کو شریک کرسکتی ہے۔ جس کی مختلف شکلیں ڈیویڈنڈ (Dividends) بونس شیئرز (Bonus Shares) وغیرہ ہیں، سرمایہ کار بھی کسی قسم کا سود حاصل نہیں کرتا ہے بلکہ کمپنی کے نفع میں حصہ دار ہوتا ہے، اور اگر یہ حصص فروخت کئے جاتے ہیں تو ان کا نتیجہ "سرمایہ نفع" (یا نقصان) کی شکل میں ہی سامنے آتا ہے۔

ثانوی بازار میں بھی حصص کے لین دین میں کسی قسم کے سود کی عمل داری نہیں ہوتی ہے، ان حصص کی خرید وفروخت بازار کے (موجودہ) نرخ کے مطابق ہوتی ہے اور قیمت خرید و قیمت فروخت کا فرق ہی نفع یا نقصان کا تعین کرتا ہے۔

مزید برآں سرمایہ کار کو اس امر کا بھی اختیار رہتا ہے کہ وہ سرمایہ کاری کے لئے کمپنیوں کا انتخاب کرسکے، اور ان کمپنیوں کا ہی انتخاب کرے جن کا کاروبار قرآن میں مذکورہ خطوط پر چل رہا ہو، اور سرمایہ کاری کے لئے ان کمپنیوں کو نہ چنیں جو منع کی گئی سمت میں کاروبار کررہی ہیں۔

مقالات شیئرز

شیئرز کی خرید وفروخت

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، حیدرآباد

۱۔ شیئر سرٹیفکیٹ کی حیثیت:

یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ شیئرز نقد اور اثاثوں کا مجموعہ ہے، اور شیئرز سرٹیفکیٹ پر اگر رقم کا ذکر ہوتا ہے تو وہ محض اس بات کا اظہار ہے کہ یہ اثاثہ اپنی ابتدائی صورت میں اسی قدر قیمت اور قوت خرید کا حامل تھا۔ قانونی طور پر کمپنی کے اثاثے کو قرق نہ کیا جانا شرعی اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ خود قانون کی نگاہ میں شیئرز اثاثہ کا درجہ نہ رکھتا ہو کیونکہ ممکن ہے کہ شیئرز پر مبنی اثاثہ میں اشتراک اور شیوع کی وجہ سے اس طرح کا قانون بنایا گیا ہو۔

۲۔ شیئر کی خرید وفروخت:

یہ صورت بیع صرف کی ہے جس میں برابری بھی ضروری ہے اور کسی فریق کی طرف سے ادھار کی بھی گنجائش نہیں، اس لئے کمی بیشی کیساتھ خرید وفروخت تو ناجائز ہوگی ہی، مساوی قیمت میں بھی خرید وفروخت کو جائز نہیں ہونا چاہئے، کیوں کہ شیئر ہولڈر روپے کی دستاویز ادا کرتا ہے روپیہ نہیں اور خریدار خود روپیہ ادا کرتا ہے، اس طرح طرفین سے نقد ادائیگی نہیں پائی گئی، سوائے اس کے کہ نئی زمانہ بعض اہل علم نے بینک ڈرافٹ کی حوالگی کو معینہ نقد کی حوالگی کا درجہ دے دیا ہے، تو اس اعتبار سے عقد کے اثاثہ میں تبدیلی سے پہلے شیئر سرٹیفکیٹ کو یہی درجہ دیا جا سکتا ہے، ایسی صورت میں مساوی قیمت پر ایسے شیئر کو فروخت کرنا جائز ہوگا، تاہم راقم کی رائے وہی ہے کہ ایسے شیئرز کی بیع ہی جائز نہیں، نہ کم وبیش قیمت پر نہ مساوی قیمت پر۔

۳۔ فقہاء حنفیہ کے نزدیک ایسی صورتوں میں دونوں طرف سے ادا کئے جانے والے ربوی مال کو غیر ربوی مال کے مقابلہ میں رکھ کر کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جاتا ہے، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

من باع درهمين و دينارا بدرهم و دينارين جاز البيع وجعل كل جنس بخلافه

(ہدایہ ۹۰/۳)۔

جس نے ایک درہم اور دو دینار کے بدلے دو درہم اور ایک دینار خرید کیا تو بیع جائز ہے، اور دونوں طرف سے درہم کو دینار اور دینار کو درہم کے مقابلہ میں تصور کیا جائے گا۔ اس لئے کمپنی کے نقد اور املاک کے مجموعی اثاثہ کو نقد کے عوض خرید وفروخت کرنا جائز ہوگا۔

۴۔ حرام کاروبار کی کمپنی:

جن کمپنیوں کا بنیادی کام ہی حرام پر مبنی ہو ان کے شیئرز خرید کرنا جائز نہیں کہ یہ براہ راست معصیت میں تعاون بلکہ اس میں شرکت ہے، اگر کمپنی کے مالکان مسلمان ہوں تب تو یہ حکم ظاہر ہی ہے لیکن اگر وہ غیر مسلم ہوں جیسا

کہ آج کل ہندوستان میں اکثر کمپنیوں کا حال ہے تب بھی یہ صورت ناجائز ہی ہوگی، گوامام صاحب کے یہاں شدید کراہت کے ساتھ اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، لیکن صاحبین نے اس کو غیر درست قرار دیا ہے، اور فقہاء نے صاحبین ہی کے قول کو زیادہ درست سمجھا ہے (دیکھئے: درمختار ۲۶۲/۵)۔

فتاوی عالمگیری میں ہے کہ اگر کسی مسلمان نے عیسائی کو بطور مضاربت سرمایہ حوالہ کیا اور اس نے شراب و خنزیر کی تجارت کرکے منافع کمایا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک گو یہ جائز ہوگا لیکن:

ینبغي للمسلم أن یتصدق بحصته من الربح (فتاوی ہندیہ ۳۳۳/۴)۔

مسلمان کے لئے مناسب ہے کہ اپنے حصہ نفع کو صدقہ کردے۔

غالباً یہ اس صورت پر محمول ہے جب مطلقاً مضاربت کے لئے پیسہ دیا ہو اور اس غیر مسلم نے خمر و خنزیر کی تجارت میں اس کا استعمال کیا ہو، اگر پہلے سے معلوم ہو کہ اسی کام میں سرمایہ کا استعمال کرے گا تو پھر اس کے جائز ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

۵۔ چونکہ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لینا ایک حاجت ہے اور حاجت کی بناپر سودی قرض حاصل کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔" ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح "اس لئے ایسی کمپنی کا شیئرز خریدکرنا جائز ہے۔

۶۔ یہاں بھی بینک میں رقم محفوظ کرنا ایک قانونی حاجت ہے اس لئے حاصل شدہ سود سے نفع اٹھائے بغیر ایسی کمپنیز کا شیئرز خرید کرنا جائز ہوگا۔

۷۔ سودی قرض سے حاصل کیا ہوا نفع:

سودی قرض پر قرض گیرندہ کی ملکیت ثابت ہوجائے گی اور اس سے حاصل ہونے والا نفع حلال و جائز نفع ہوگا، کیوں کہ فقہاء نے تو خود سود کے بارے میں لکھا ہے کہ اس پر ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، علامہ ابن نجیم مصری کا بیان ہے:

و ظاهر ما في جمع العلوم وغيره أن المشترى يملك الدرهم الزائد إذا قبضه فيما إذا اشترى درهمين بدرهم فإنهم جعلوه من قبيل الفاسد وهكذا صرح به الأصوليون في بحث النهي (البحر الرائق ۱۲۵/۶)۔

جمع العلوم وغیرہ کا ظاہر یہ ہے کہ ایک درہم کے بدلہ دو درہم خرید کرنے کی صورت میں قبضہ کرنے والا مالک ہو جائے گا کیونکہ اس کو فقہاء نے بیع فاسد میں شمار کیا ہے اور علماء اصول نے "نہی" کی بحث میں اس کی صراحت کی ہے۔

۸۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس کی حیثیت فی الجملہ مالکان حصص کے وکیل کی ہے، گو ان ڈائرکٹرس کا انتخاب کثرت رائے سے ہوتا ہوگا لیکن چونکہ دستوری اعتبار سے مالکان حصص نے اکثریت کے فیصلہ کو قبول کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہے اس لئے یہ تمام ہی سرمایہ کاروں کے وکیل تصور ہوں گے۔

۹۔ اصولی طور پر وکیل کے افعال مؤکل کی طرف منسوب ہوتے ہیں تاہم شیئر ہولڈر کا سودی قرض سے

اختلاف کا اظہار اس کے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی ہے، اس لئے کہ شیئرز ہولڈر نے اس کو اصل میں تجارت کے لئے وکیل بنایا ہے نہ کہ سودی قرض لینے کے لئے، ہاں مطلق وکالت کی وجہ سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ دلالۃً اس نے سودی قرض کی بھی اجازت دے دی ہے، لیکن جب شیئر ہولڈر صراحۃً اس سے اختلاف کرتا ہے تو چونکہ صراحت کا درجہ دلالت سے بڑھ کر ہے اس لئے وکیل کے اس فعل میں مؤکل کی شرکت متصور نہ ہوگی۔

۱۰۔ اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار ہی سود پر رقم لگا کر سود حاصل کرنا ہو تب تو اس کے حصص خریدنا جائز نہیں، ہاں اگر قانونی ضرورت کے تحت کچھ سرمایہ ڈپوزٹ کرنا پڑا، جس سے سود حاصل ہوا تو اس حصۂ نفع کو بلا نیت ثواب غرباء پر یا رفاہی کام میں خرچ کر دینا اس کے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی ہوگا۔ اس پر ان فقہی جزئیات سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، جن میں ایسے شخص کی دعوت اور تحفہ قبول کرنے کی اجازت دی گئی ہے، جس کے مال کا غالب حصہ حلال ہو اور باقی حرام۔ (ہندیہ ۳۴۲/۵)۔

اس سلسلہ میں علامہ ابن قیم کی تحریر بھی قابل ملاحظہ ہے، فرماتے ہیں:

وإذا خالطه درهم حرام او أكثر أخرج مقدار الحرام وحل له الباقي بلا كراهة سواء كان المخرج عين الحرام أو نظيره لأن التحريم لم يتعلق بذات الدرهم وجوهره وأما تعلق بجهة الكسب فيه فإذا خرج نظيره من كل وجه لم يبق لتحريم ما عداه معنى (بدائع الفوائد لابن قیم ۲۵۷/۲)۔

اگر اس کے مال کے ساتھ یا اس سے زیادہ حرام درہم مخلوط ہوگیا تو مقدار حرام نکال دی جائے، اب باقی بلا کراہت حلال ہوجائے گا چاہے بعینہ حرام درہم ہو یا اس کے برابر، اس لئے کہ تحریم درہم کی ذات اور جوہر سے متعلق نہیں ہے بلکہ کسب کے اعتبار سے ہے، لہذا جب من کل الوجوہ اس کے مثل نکل گیا تو اب اس کے ماسوا میں حرمت کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔

۱۱۔ منافع سے اتنی مقدار نکال کر بلا نیت ثواب صدقہ کر دینا کافی ہوگا، فقہاء کے یہاں تو اس سے کسی قدر زیادہ ہی توسع ملتا ہے، گذر چکا ہے کہ سود پر بھی لینے والے کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے (البحر الرائق ۱۲۵/۶) اگر سودی پیسے سے سرمایہ کاری کر کے کسی شخص نے نفع حاصل کیا یا کوئی چیز خریدی تو یہ کن صورتوں میں حلال ہوگا اور کن صورتوں میں حرام، اس بارے میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

رجل اكتسب مالا من حرام ثم اشترى فهذا على خمسة أوجه أما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولاً ثم اشترى منه بها أو اشترى قبل الدفع بها و دفعها، أو اشترى قبل الدفع بها و دفع غيرها، أو اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم أخر و دفع تلك الدراهم.... قال الكرخي في الوجه الأول والثاني: لا يطيب، وفي الثلاث الأخيرة يطيب، وقال أبوبكر: لايطيب في الكل، لكن الفتوى الآن على قول الكرخي دفعا للحرج عن الناس (ردالمحتار ۲۳۴/۴)۔

کسی شخص نے مال حرام کمایا، پھر اس سے خرید کیا تو اس کی پانچ صورتیں ہیں:

۱۔ یا تو پہلے بائع کو دراہم دیا پھر اس سے اس کے بدلہ میں کچھ خرید کیا، ۲۔ یا انہیں دراہم کے بدلہ پہلے خرید کیا پھر دراہم دیئے، ۳۔ یا انہیں دراہم سے خرید کیا اور بعد کو اس کی بجائے دوسرا درہم دے دیا، ۴۔ یا مطلقاً کسی خاص درہم کی تعیین کے بغیر خرید کیا اور عوض میں یہی درہم ادا کر دیئے، ۵۔ یا دوسرے دراہم متعین کئے اور ان کے بجائے یہ درہم دیدیئے...... کرخی نے کہا کہ پہلی اور دوسری صورت میں خرید کی ہوئی چیز اس کے لئے بہتر نہیں، باقی تینوں صورتوں میں جائز ہے۔ اور ابوبکر نے کہا کہ کسی صورت میں حلال نہیں۔ لیکن لوگوں سے حرج دور کرنے کے لئے امام کرخی کے قول پر فتوی ہے۔

گویا امام کرخی کے اصول پر اگر مطلق روپے پر خرید وفروخت کا معاملہ طے کیا گیا اور غیر شرعی طریقہ پر کمایا گیا روپیہ اس کی قیمت میں ادا کر دیا گیا تو خریدی ہوئی شئے حلال ہوگی، اور شامی کے بقول اسی پر فتوی ہے۔ تاہم احتیاط یہی ہے کہ نہ صرف سود کے ذریعہ حاصل ہونے والا نفع بلکہ اس نفع کی مقدار سرمایہ پر حاصل ہونے والا نفع بھی بلا نیت ثواب صدقہ کر دیا جائے۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت:

حلال کاروبار پر مبنی شیئرز کی تجارت جائز ہے، نہ تخمین وقیاس مطلقاً ناجائز ہے اور نہ عام طور پر تجارتیں اس سے خالی ہوتی ہیں بلکہ اموال زکوۃ میں تو خود شارع علیہ السلام نے تخمین کرایا ہے، جو ''خرص فی الزکوۃ'' کے عنوان سے کتب حدیث میں موجود ہے، اور امام احمد نے تو اس کو خود مقدار زکوۃ میں بھی معتبر مانا ہے، معاملات میں تخمین وقیاس کی ایسی صورت ممنوع ہے جس میں خطر اور غرر ہو، نہ کہ مطلق تخمین وقیاس۔

۱۳۔ فیوچر سیل:

معاملہ کی اس صورت میں نہ قیمت ادا کی جاتی ہے اور نہ اس کے مقابلہ میں آنے والی مبیع، گویا یہ دونوں طرف سے ادھار ہے اور آپ ﷺ نے ایسی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے۔ نیز اس میں قمار بھی ہے کہ حقیقت میں خرید وفروخت مفقود ہے اور محض ایک کاغذی کاروائی کی بنیاد پر نفع یا نقصان ہوتا ہے۔

۱۴۔ غائب سودا:

خرید وفروخت ان معاملات میں ہے جو مستقبل کی طرف منسوب ہو کر نہیں کئے جا سکتے، علامہ حصکفی رقمطراز ہیں:

وما يصح إضافته إلى المستقبل عشرة: البيع وإجازته وفسخه والقسمة و الشركة والهبة والنكاح والرجعة والصلح عن مال، والإبراء عن الدين لأنها تمليكات للحال فلا تضاف للاستقبال (الدر المختار مع الرد ۴؍۲۶۰)

مستقبل کی طرف، جن امور کی نسبت درست نہیں ہے وہ دس ہیں: بیع، اجازت بیع، فسخ بیع، تقسیم،

شرکت، ہبہ، نکاح، رجعت، مال پر صلح، دین سے ابراء اس لئے کہ ان سب میں فی الحال تملیک ہوتی ہے، لہذا مستقبل کی طرف ان کی نسبت درست نہیں۔

اس لئے غائب سودے کی صورت بیع کی نہیں ہے بلکہ یہ محض وعدہ بیع ہے اس لئے اس پر بیع کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

۱۵، ۱۶۔ سرٹیفیکٹ ملنے سے پہلے شیئر کی فروخت:

اصل میں یہ مسئلہ انتقال حصص کے قانون سرکاری اور شیئر مارکیٹ کے عرف پر موقوف ہے، لیکن بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شیئر سرٹیفیکٹ شیئر کا علامتی وجود ہے یا حقیقی شیئر کی کلید کے درجہ میں ہے، لہذا جیسے فقہاء نے مکان کی بیع میں کنجی حوالہ کردینے کو قبضہ قرار دیا ہے اسی طرح شیئر سرٹیفیکٹ پر نام کی منتقلی کو قبضہ تصور کیا جانا چاہئے، ورنہ اگر صرف ایجاب وقبول ہی کو قبضہ مان لیا جائے تو قبضہ کا حکم بے معنی ہو جائے گا، اس لئے سرٹیفیکٹ حاصل ہونے سے پہلے خرید وفروخت درست نظر نہیں آتی۔

۱۷۔ بروکر:

اوپر ذکر کی گئی تفصیلات کے مطابق جائز اور حلال کاروبار پر مبنی شیئرز کی خرید وفروخت میں "بروکر" بننا اور اجرت حاصل کرنا جائز ہے، ایسے ہی درمیانی لوگوں کو فقہاء دلال سے تعبیر کرتے ہیں، علامہ شامی کا بیان ہے:

تجب الدلالة علی البائع أو المشتری أو علیهما بحسب العرف (ردالمحتار ۴/۴۶)۔

فروخت کنندہ یا خریدار یا دونوں پر حسب عرف ورواج دلالی کی اجرت واجب ہوگی۔

شیئرز کی شرعی حیثیت

مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی، باندہ

۱۔ شیئرز کی شرعی حیثیت کی بابت یہ نظریہ ہی صحیح وراجح معلوم ہوتا ہے کہ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے اور وہ نقد اور اثاثہ کا مجموعہ ہوتا ہے، صرف دیئے گئے پیسے کی دستاویز نہیں۔ اسی نظریہ کا عرف میں اعتبار ہے، اور فقہاء معاصرین اور حققین میں بھی اکثر یہی نظریہ رکھتے ہیں۔

اس کی واضح شرعی دلیل وہ تفصیل ہے جو کہ سوال کے اخیر میں درج کی گئی ہے کہ شیئر ہولڈر کو کمپنی سے نفع ملتا ہے جو کہ اس کی لگائی ہوئی رقم سے زائد ہوتا ہے، اور اس کو نقصان بھی برداشت کرنا پڑتا ہے یوں کہ اس کی کل رقم یا اس کا ایک حصہ ڈوب جاتا ہے، اور کمپنی تحلیل ہوجائے تو شیئرز کے تناسب سے اثاثہ میں حصہ ملتا ہے۔

۲۔ کمپنی کا ابتدائی حال جبکہ صرف نام اور منصوبہ پایا جاتا ہے اور ابھی کوئی عمل، اقدام، عمارت واملاک کا کوئی وجود نہیں ہوتا، اس وقت جو اولین شیئر خریدنے والے ہوتے ہیں جو کہ کمپنی کا اعلان کرنے والوں اور قائم کرنے والوں سے شیئر لیتے ہیں تو ان کے معاملہ میں کوئی قباحت نہیں، اور یہ خرید وفروخت کا معاملہ نہیں بلکہ یہ تو شرکت اور عقد شرکت کا معاملہ ہے۔ البتہ ان اولین شیئر کے خریداروں سے جب کوئی خریدے گا تو یہ معاملہ درست نہ ہوگا، اس لئے کہ جب کوئی اثاثہ واملاک اب تک نہیں بنیں تو باہم یہ معاملہ حوالہ کا معاملہ ہوگا جس میں کمی وبیشی درست نہیں ہے۔ اس معاملہ میں رقم کے مقابلہ میں رقم ہی ہے۔ ایک ادھار اور ایک نقد۔

اگر اس کو خرید وفروخت قرار دیں تو صرف کا معاملہ قرار پائے گا، اور اس کے احکام جاری ہوں گے جن میں مساوات مال بھی ہے۔ اس لئے یہ معاملہ صرف اس طرح درست ہوسکتا ہے کہ اصل سرمایہ لے کر پہلا شریک دستبردار ہوجائے۔

۳۔ جب کمپنی باقاعدہ وجود میں آجاتی ہے اور اس کا اثاثہ نقد اور املاک کا مجموعہ ہوتا ہے تو خرید وفروخت نقد کے ساتھ درست ہے باوجودیکہ مجموعہ مال ربوی وغیر ربوی دونوں پر مشتمل ہے۔ یہ جواز فقہاء کی ذکر کردہ مشہور توجیہ وتعبیر کے مطابق اس بنیاد پر ہے کہ خریدار کے ادا کردہ نقد کے دو حصے مانے جائیں گے، شیئر کے حصہ نقد کے مقابلہ میں ایک حصہ قرار دیا جائے گا جو کہ مساوی ہوگا اور باقی رقم ونقد کو شیئر کے حصہ اثاثہ کا مقابل مانا جائے گا۔ مثلا شیئر سو روپے کا خریدا گیا، اور وہ مشتمل ہے چالیس نقد اور اثاثہ پر۔ تو سو (۱۰۰) میں سے چالیس (۴۰) کے بالمقابل، اور باقی ساٹھ (۶۰) اثاثہ کے بالمقابل وبالعوض ہوگا (امداد الفتاوی ۳/۱۳۰ میں بھی اس قسم کا سوال وجواب آیا ہے)۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا کاروبار بنیادی طور پر حرام ہے ان کے شیئرز کی خرید وفروخت ناجائز ہے۔

۵۔ جن کمپنیوں کا کاروبار بنیادی طور پر حلال ودرست ہے، البتہ انہوں نے سودی قرض لے رکھا ہے تو ان کے شیئرز کا خرید نا جائز ہے۔ یہ جواز اس لئے ہے کہ کاروبار اور کمپنی وشرکاء کے درمیان لین دین درست ہے، اور سودی قرض

مجبوری کی وجہ سے لیا گیا ہے، یا مجبوری نہ ہو تو مالکان نے لیا ہے، جس کے سود کی ادا کرنے کی ذمہ داری خود ان پر ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ حاصل شدہ کل منافع سے سود ادا کیا جاتا ہے تو سود کے ادا کرنے میں شیئر ہولڈر کی بھی شرکت ہوئی لہذا وہ اس گناہ میں شریک ہوا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ معاہدہ ومعاملہ کی رو سے کل اخراجات ومطالبات کو ادا کرنے کے بعد جو بچتا ہے وہ نفع ہے، اور اس میں شیئر ہولڈر کا حق وحصہ ہے، اور ان اخراجات ومطالبات میں سودی قرض کا سود بھی داخل وشامل ہے، اور چونکہ سود سرمایہ کے صرف اس حصہ کے مقابل ہوگا جو کہ کمپنی کے مالکان وذمہ داران نے خود لیا ہے، اس لئے اس کو نفع میں ان کے حصہ وحق سے مانا جائے گا نہ کہ سب کے حق سے۔

۶۔ کمپنیوں کا کاروبار حلال ہونے کے ساتھ مجبوری کی بنا پر ان کو جو بعض ایسے معاملات کرنے پڑتے ہیں جن کی وجہ سے ان کو سود ملتا ہے، تو ایسی کمپنیز کا شیئر خریدنا درست ہے۔ خواہ انہوں نے ایسا اس لئے کیا ہو کہ اس کے بغیر کاروبار ہی ممکن نہیں یا اس لئے کہ اس کو بڑھانا ممکن نہیں۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ شیئر ہولڈر کے نفع میں سود شامل نہ کیا جائے، اور اگر شامل کیا جائے تو اس کو الگ وممتاز رکھا دکھا جائے تاکہ شیئر ہولڈرس اس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکے۔

۷۔ سودی قرض سے حاصل ہونے والے جائز منافع اور اس کی حلال آمدنی درست ہے۔ اس لئے کہ خرابی سود پر قرض لینے میں اور سود ادا کرنے میں ہے۔ اور اس قرض کی رقم کو جائز کاروبار میں لگایا جائے یا ضروریات میں استعمال کیا جائے تو اس میں حرمت کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، ہاں قباحت وکراہت ضرور ہوگی جبکہ انتہائی مجبوری کے بغیر یہ قرض لیا گیا ہو (سودی قرض کی آمدنی کی حلت کا فتوی۔ امداد الفتاوی ۳؍۱۰۷ میں آیا ہے)۔

۸۔ کمپنی کا معاملہ مضاربت کا معاملہ ہوتا ہے جس میں مضارب رب المال کا وکیل ہوتا ہے، لہذا کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرز تمام شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہوتا ہے اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا، اور بورڈ کے تمام اعمال کی نسبت تمام شرکاء کی طرف ہوگی۔

۹۔ بعض حضرات کی رائے یہ ضرور ہے کہ شیئر ہولڈرس اختلاف کا اعلان کردے تو کافی ہے مگر بات سمجھ میں نہیں آتی، بالخصوص ان لوگوں کے حق میں جو کہ کمپنی کے قیام میں آنے کے بعد اس کے شیئرز خریدتے ہیں۔ البتہ ابتدائی شرکاء یعنی اولین شیئرز ہولڈرس کی طرف سے اگر یہ بات کہی جائے تو براءت سمجھ میں آتی ہے، مگر کمپنی جب ایک نظام کے تحت کام کرنے لگے اور اس میں یہ معروف ومعلوم ہو کہ سودی قرض لیا گیا ہے اور سود کا معاملہ کیا گیا ہے، اور پھر ایک آدمی حصہ لیتا ہے اور بعد میں براءت کا اظہار کرتا ہے تو یہ براءت بے معنی سمجھ میں آتی ہے۔

۱۰۔ کمپنی کے منافع میں شامل سود کی مقدار معلوم ہونے کی صورت میں اگر شیئر ہولڈر سود کی بقدر رقم نکال کر صدقہ کردے تو کافی ہے۔ جیسے بینک میں جمع کردہ سرمایہ پر ملنے والا سود اور اس کو الگ کردینا اصل رقم کو متاثر نہیں کرتا۔

۱۱۔ اگر سود کی آمدنی کو اصل کے ساتھ ملا کر کاروبار میں لگا دیا گیا تو حساب کرنے پر سود کی رقم نیز اس سے حاصل ہونے والا نفع سب کو صدقہ کرنا لازم ہے، اور آدمی بری ہو جائے گا۔

شامی میں ہے: الحرمة تتعدد (۹۸/۵) نیز الخبث بفساد الملک إنما یعمل فیما یتعین لا فیما لا یتعین. وأما الخبث لعدم الملک کالغصب فیعمل فیهما کما بسطه خسرو و ابن الکمال (درمختار مع حاشیہ شامی ۹۷/۵) عدم ملک کی خباثت وحرمت ہر چیز میں اثر انداز ہوتی ہے، سامان ونقد اوران سے حاصل ہونے والے منافع سب میں۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت کم از کم فی الجملہ درست ہے، شیئر کا مطلب ہے کمپنی کا ایک حصہ، اور آج کل عرف میں شیئر ز کو خود ایک استقلالی حیثیت حاصل ہے، لہذا یہ تجارت درست ہے بشرطیکہ دوسرا کوئی محظور نہ پایا جائے۔ مثلا قبضہ وغیرہ کا تحقق اور قبل القبض بیع، اور ربح مالم یضمن وغیرہ کا مسئلہ پیدا نہ ہوتا ہو۔ اور رہ گئی تخمین تو یہ بیع کی روح اور بنیادی عنصر ہے۔

۱۳۔ فیوچر سیل اور بیع المستقبلیات درست نہیں ہے، ذکر کردہ تفصیل کے مطابق یہ کھلا ہوا سود وقمار کا معاملہ ہے، اس کے بجائے اگر یہ معاملہ ہو کہ وقت مقررہ پر باقاعدہ فروخت کیا جائے خواہ نفع ہو یا نقصان، تو درست ہے۔

۱۴۔ سوال سمجھ میں نہیں آسکا، بظاہر تکرار ہے۔

۱۵۔ رہ گیا شیئرز کے نقد سودے میں شیئرز پر قبضہ کا مسئلہ، تو قبضہ کا معاملہ شریعت کی نگاہ میں وسعت رکھتا ہے۔ ہر شئے کا قبضہ اس کے مناسب حال ہوتا ہے اور اس میں عرف کا بھی دخل ہے، اس لئے اگر خریدار کی حیثیت سے بروکر کے یہاں نام آجانے پر حقوق منتقل ہو جاتے ہیں اور "ربح مالم یضمن" کا معاملہ نہیں رہ جاتا تو قبضہ مان لیا جائے گا۔ سرٹیفیکٹ تو ایک سرکاری ورسمی چیز ہے، ضروری نہیں ہے کہ وہ اسی کے نام ہو جس کو حقیقی ملکیت حاصل ہو۔ بلکہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شئے حقیقۃً ملکیت کسی کی ہوتی ہے اور نام کسی دوسرے کا چلتا رہتا ہے۔

۱۶۔ شیئر کا خریدار قیمت ادا کرنے کے بعد سرٹیفیکٹ حاصل کرنے سے قبل اگر شیئر کو فروخت کرے تو درست ہے بشرطیکہ سرٹیفیکٹ کے بغیر شیئر اس کے ضمان میں آجاتا ہو اور حقوق ومنافع اس کو حاصل ہو جاتے ہوں۔

۱۷۔ شیئر بازار میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے، اس لئے کہ بروکر کی حیثیت دلال اور کمیشن ایجنٹ کی ہے۔ مگر یہ شرط ہے کہ وہ ان ہی کمپنیز کے شیئرز کا کام کرے جن کا کاروبار بنیادی طور پر حلال ہے، اور یہ کہ اس میں شرعی ضوابط کا لحاظ کرے۔

حصص کے مختلف مسائل کا حکم

مولانا محمد حنیف

مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جونپور

۱۔ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، قرض کی دستاویز نہیں ہے۔

۲۔ بیع صرف کا حکم ہے، برابر سرابر جائز ہے، کمی بیشی حرام ہے۔

۳۔ جب کمپنی کے املاک میں عروض ونقود دونوں ہوں تو اس کا حکم سیف محلی کا ہے، اس کی بیع وشراء ان نقود سے زائد پر ہونا ضروری ہے جتنے کی شیئر ضمانت دے رہا ہے۔

۴۔ حرام ہے۔

۵۔ جائز ہے۔

۶۔ جائز ہے۔

۷۔ سودی قرض سے حاصل ہونے والے منافع حلال وطیب اور مفید للملک ہیں (کمافی البحر ۱۱۴/۸)۔

۸۔ وکیل ہوتے ہیں، وکالت کے احکام ان پر جاری ہوتے ہیں۔

۹۔ بری الذمہ کردے گا کیونکہ اعلان کرنے کے بعد وہ فضولی کا ایسا عمل ہوگا جس پر اصیل راضی نہیں ہے۔

۱۰۔ صدقہ کردینا واجب ہے جس کی وجہ سے مال سے خبث دور ہوجائے گا اور یہ عمل مال کی طہارت کے لئے کافی ہوگا، اور ساتھ ہی ساتھ اللہ رب العزت سے توبہ بھی کرے۔

۱۱۔ سود سے حاصل ہونے والی رقم سے جتنا نفع ہوگا اس نفع کو مع اصل سود کے سب کا صدقہ کردینا واجب ہے، کمافی الہدایہ (۳/۳۵۹۔۳۶۰) والبحر (۱۱۴/۸):

قال مشائخنا لا يطيب له بكل حال فهو المختار وإطلاق الجواب في الجامعين يدل على ذلك.

۱۲۔ حاضر سودے کے شیئرز کی تجارت بشرائط جائز ہیں، بازار کی صورت حال کو دیکھ کر قیاس آرائیوں سے زیادہ منافع دینے والے شیئرز خریدنے اور بیچنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، کیونکہ ہر تجارت میں قیاس آرائیوں کا دخل ہوتا ہے اور تجارت میں نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ جائز بھی ہے بشرطیکہ امر محظور کا ارتکاب نہ ہو، اور قیاس آرائی کوئی امر محظور نہیں۔

۱۳۔ یہ صورت قمار میں داخل ہے۔

۱۴۔ یہ بیع الآجل بالآجل ہونے کی بنا پر حدیث نبوی ﷺ سے حرام وناجائز ہے:

نهى رسول الله ﷺ عن بيع الكالي بالكالي.

۱۵۔ قبضہ کی جو حقیقت ہے یعنی ضمان میں داخل ہونا، نفع ونقصان کا مالک ہونا، جب یہ حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی بیع وشراء جائز ہے، اگر چہ نام کی تبدیلی اور سرٹیفکیٹ کی ادائیگی میں تاخیر ہو۔

۱۶۔ جائز ہے، کیونکہ قبضہ کی حقیقت حاصل ہے، بشرطیکہ إفضاء إلی المفسدۃ نہ ہو۔

۱۷۔ بروکر دلال کے مثل ہے، دلالی اور اس کی اجرت جائز ہے، بشرطیکہ خداع وغیرہ نہ ہو اور اجرت متعین ہو، نیز فیصد کے اعتبار سے متعین کرنا یہ تعیین کے درجہ میں ہے۔

کمپنی اور شیئرز سے متعلق نئے مسائل اور حل

مولانا ابوبکر قاسمی شکرپور، دربھنگہ

کاروبار کی قسمیں:

ملکیت کے اعتبار سے کاروبار کی تین قسمیں ہیں: (۱) شخصی کاروبار، (۲) شرکت (۳) کمپنی۔ کاروبار کی پہلی دو قسمیں اسی وقت سے رائج ہیں جب سے انسان کاروبار کر رہا ہے۔ حضرات فقہاء نے بھی ان کی بنیادی تفاصیل واحکام کو بیان فرمایا ہے، اور ان کی موجودہ صورتحال ماضی سے بنیادی طور پر مختلف نہیں ہے، اس لئے یہاں ان کی تفصیلات کا ذکر نہیں ہوگا، البتہ کمپنی کاروبار کی ایک نئی قسم ہے جس کا پہلے فقہاء کے دور میں وجود نہ تھا، اس لئے یہاں اس کی تفاصیل کو بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

کمپنی کا تعارف:

کمپنی کے لغوی معنی "شرکت" کے ہیں اور کبھی رفقائے کار کو بھی کمپنی کہا جاتا ہے، لیکن یہاں پر کمپنی سے کیا مراد ہے، اس کو جاننے کے لئے اس کی مختصر تاریخ سے واقفیت ضروری ہے۔

یورپ میں صنعتی انقلاب رونما ہونے کے بعد سترہویں صدی کے آغاز میں بڑے بڑے کارخانوں وغیرہ کے قائم کرنے کے لئے جب عظیم سرمایہ کی ضرورت پڑنے لگی جس کو کوئی شخص اکیلا یا چند افراد مل کر فراہم نہیں کر سکتے تھے، تو اس وقت عام لوگوں کی منتشر بچتیں یکجا کر کے اجتماعی فائدہ اٹھانے کے لئے کمپنی کا نظام رائج ہوا، ابتداءً کمپنیاں نیم سرکاری ہوتی تھیں، جو عموماً حکومت کے چارٹر (اجازت نامے) کے تحت غیر ملکی تجارت کے لئے وجود میں آتی تھیں، اور انہیں بہت وسیع اختیارات دیئے جاتے تھے، بسا اوقات ان کو قوانین وضع کرنے کا بھی اختیار ہوتا تھا، سکہ ڈھالنے، پولیس اور فوج رکھنے کا بھی اختیار ہوتا تھا، برصغیر پر قابض ہونے والی ایسٹ انڈیا کمپنی بھی اسی قسم کی ایک کمپنی تھی، اب وسیع اختیارات کے تحت ایسی کمپنیاں موجود نہیں رہیں، اب صرف تجارتی کمپنیاں ہوتی ہیں، جو حکومت کی اجازت سے قائم ہوتی ہیں، کمپنیوں کی تشکیل کی اجازت اور ان کو کنٹرول کرنے کا کام جو ادارہ کرتا ہے اس کو ہمارے ملک میں کارپوریٹ لاء اتھارٹی (Corporate Law Authority) کہا جاتا ہے، یہ وزارت خارجہ کا ایک ذیلی ادارہ ہے، اس کی اجازت کے بعد جب کمپنی وجود میں آجاتی ہے تو اس کو شخص قانونی یا شخص فرضی کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے، جو بیع وشراء کرتا ہے، اور مدعی ومدعا علیہ بنتا ہے، اسی طرح دائن ومدیون ہوتا ہے، اب اس کو کاروبار شروع کرنے کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہے جس کی فراہمی کے لئے لوگوں کو کمپنی میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے، اور کمپنی کو جتنے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے کاروبار میں جتنے لوگوں کو شریک کرنا مقصود ہوتا ہے، اسی حساب سے کمپنی کے شیئرز متعین کئے جاتے ہیں اور اس کا اعلان کیا جاتا ہے، کمپنی کے اس اعلان پر جو لوگ اس کے حصہ میں

شریک ہوکر سرمایہ دیتے ہیں، اس کے لئے کمپنی ایک سرٹیفکیٹ جاری کرتی ہے، جو اس بات کی سند ہوتی ہے کہ اس شخص کا کمپنی کے اثاثوں اور سرمایوں میں اتنا حصہ ہے، اسی سرٹیفکیٹ کو اردو میں "حصہ" عربی میں "سہم" اور انگریزی میں "شیئر" کہا جاتا ہے۔

کمپنی کی حقیقت:

مندرجہ سطور میں کمپنی کا جو مختصر تعارف پیش کیا گیا اس کو جان لینے کے بعد اب یہاں پر چند باتیں قابل غور ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ کمپنی کی حقیقت کیا ہے، تو اس سلسلہ میں مذکورۃ الصدر تصریحات سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ فقہاء کرام نے کتب فقہ وفتاوی میں جو عقد شرکت کی بحث فرمائی ہے، بعینہ اسی کو دور حاضر کی اصطلاح میں کمپنی کا نام دے دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے کمپنی کے مروجہ نظام کو عقد شرکت کی دوسری قسم شرکت عنان میں داخل فرمایا ہے (امداد الفتاوی ۳/۴۹۴) لیکن دور حاضر کے جن حضرات علماء نے کمپنی کے پورے نظام پر اس کے دستور کو سامنے رکھ کر غور کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ کمپنی اور شرکت کے نظام میں بہت کچھ فرق ہے، اور کمپنی کے بعض مخصوص خصائص ہیں جو عقد شرکت میں نہیں پائے جاتے ہیں۔

کمپنی اور شرکت کے درمیان فرق:

مثلاً کمپنی کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ شرکت میں ہر شریک کی الگ الگ ملکیت متصور ہوتی ہے، مگر اس نظام میں کئی افراد کے مجموعے کو ایک شخص قانونی قرار دیا جاتا ہے، اس شخص قانونی کو کارپوریشن کہتے ہیں جس کی ایک قسم کمپنی ہے۔

کمپنی کے نظام کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کا اپنا مستقل قانونی وجود ہوتا ہے، جس کی رو سے خود کمپنی ہی کو اس کے املاک وغیرہ کا مالک قرار دیا جاتا ہے، اور خود کمپنی ہی کی طرف اس کے سارے حقوق لوٹتے ہیں، یہاں تک کہ کمپنی مدعی بھی بنتی ہے اور مدعا علیہ بھی، اسی طرح کمپنی دائن ومدیون بھی بنتی ہے، جبکہ شرکت کے اندر ایسا نہیں ہوتا، کیونکہ اس کا الگ سے کوئی قانونی وجود نہیں ہوتا، ہاں شرکت میں اس کا ہر شریک کاروبار کے تمام اثاثوں کا مشاع کے طور پر مالک ہوتا ہے، اور اس کے ہر شریک کو ایک دوسرے کا وکیل قرار دیا جاتا ہے، اور اس میں ہر شخص کی ذمہ داری یکساں ہوتی ہے، مثلاً کوئی دَین واجب ہوا تو عقد شرکت میں اس کے تمام شرکاء سے برابر درجے میں مسئولیت ہوگی، مگر جیسا کہ عرض کیا گیا کمپنی میں ایسا نہیں ہوتا۔

کمپنی کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کے حصہ داروں کو کمپنی کے اثاثوں میں اس حد تک تو شریک مانا گیا ہے کہ اگر کسی وجہ سے کمپنی تحلیل ہوجائے اور وہ بند کردی جائے تو اثاثے کی تقسیم کے وقت اس کے ہر حصہ دار کو متناسب حصے ملیں گے، لیکن کمپنی کی تحلیل سے قبل اس کے حصہ داروں کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کمپنی کے اثاثوں میں تصرف کرسکے، یہی وجہ ہے کہ کمپنی کا کوئی شریک اگر اتنا مدیون ہوگیا کہ اس کے اثاثے قرق (ضبط) کئے گئے تو اس کے ہاتھ میں کمپنی کا جو حصہ ہے وہ تو قرق ہوگا لیکن اس کے حصے کے تناسب سے کمپنی کے اثاثوں میں سے اس کا جو حصہ بنتا ہے

وہ قرق نہیں ہوگا، اس لئے کہ قانوناً کمپنی کے اثاثوں میں اس کو تصرف کا حق نہیں ہے، لیکن شرکت کے اندر ہر شریک بااختیار ہوتا ہے، اور اس کو تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے، اگر وہ چاہے تو شرکت کو ختم کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شریک مدیون ہو جائے اور اس کے سارے اثاثے قرق کئے جائیں تو شرکت میں اس کے حصہ کے تناسب سے جو اس کا حق بنتا ہے وہ سب قرق ہو جائے گا۔

کمپنی کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اس پر کاروبار کی جہت سے کسی کا دعویٰ ہو یا خود کمپنی کا کسی پر دعویٰ ہو تو خود کمپنی ہی مدعی یا مدعا علیہ ہوگی، اس کے حصہ دار ہرگز مدعی یا مدعا علیہ نہ ہوں گے، کیونکہ خود کمپنی کو شخص قانونی کا درجہ حاصل ہے شخص حقیقی کے مثل، البتہ کمپنی کی نمائندگی عدالت میں اس کی انتظامیہ کا کوئی فرد کرے گا، اس کے برعکس اگر شرکت میں کاروبار کی جہت سے اس کا کسی پر دعویٰ ہو یا اس پر کسی کا دعویٰ ہو تو اس کے تمام شرکاء مدعی یا مدعا علیہ ہوں گے۔

کمپنی کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ اس کا کوئی شریک اپنا سرمایہ نہیں نکال سکتا، البتہ اپنے حصہ کو فروخت کر سکتا ہے، جبکہ شرکت کے اندر اگر اس کا کوئی شریک شرکت فسخ کر کے اپنا سرمایہ نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے۔

کمپنی کے نظام کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ کمپنی میں ذمہ داری محدود ہوتی ہے، جبکہ شرکت میں عموماً ذمہ داری کاروبار کے اثاثوں تک محدود نہیں ہوتی۔

مندرجہ ذیل تفصیل سے معلوم ہوا کہ شرکت اور کمپنی کے نظاموں کے درمیان بہت نمایاں فرق ہے، اور کمپنی کے نظام کی کچھ مخصوص خصوصیات ہیں جن کے پیش نظر کمپنی شرکت کی معروف اقسام میں سے کسی میں داخل نہیں ہے، اور جیسا کہ حضرات علماء بخوبی جانتے ہیں فقہاء کرام نے عقد شرکت کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں: (۱) شرکت مفاوضہ، (۲) شرکت عنان، (۳) شرکت صنائع، (۴) شرکت وجوہ۔ اگر شرکت کے ساتھ مضاربت کو بھی شامل کر لیا جائے تو شرکت کی پانچ قسمیں بن جاتی ہیں، ظاہر ہے کمپنی کا یہ مروجہ نظام شرکت کی مذکورہ پانچوں قسموں میں سے کسی میں بتمام وکمال داخل نہیں ہے، جیسا کہ کمپنی اور شرکت کے نظاموں کے درمیان مندرجہ بالا فرق و خصائص میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

کمپنی کی شرعی حیثیت:

اب یہاں دوسرا سوال یہ ہے کہ جب کمپنی مروجہ شرکت کی معروف اقسام میں داخل نہیں ہے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ تو اس سلسلہ میں علمائے معاصرین کی بنیادی طور پر دو رائیں ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ چونکہ شرکت کا معاملہ پانچ قسموں میں منحصر ہے اور کمپنی ان میں سے کسی میں داخل نہیں ہے، لہذا یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ محض اس بنا پر کہ کمپنی شرکت کی معروف اقسام میں داخل نہیں ہے اس کو ناجائز نہیں قرار دیا جا سکتا، اس لئے کہ حضرات فقہاء نے شرکت کی جو اقسام بیان فرمائی ہیں وہ منصوص نہیں ہیں، بلکہ ان حضرات نے اپنے زمانہ میں شرکت کی مروجہ صورتوں کا استقراء کر کے اس کی روشنی میں شرکت کی تقسیم فرمائی ہے، علاوہ ازیں کسی نص یا تصریحات فقہاء میں یہ درج نہیں ہے کہ جو صورت ان اقسام سے خارج ہو وہ جائز نہ ہوگی، لہذا اگر شرکت کی کوئی اور صورت

شرکت کی مذکورہ اقسام سے خارج ہو، لیکن شرکت کے اصول منصوصہ میں سے کسی کے خلاف نہ ہو تو اسے شرعاً جائز قرار دیا جائے گا، چنانچہ جب کمپنی کی مذکورہ خصوصیات پر غور کیا جاتا ہے تو ان میں سے اکثر کا تعلق انتظام سے ہے، جو شرعاً قابل اعتراض نہیں ہے، البتہ کمپنی سے متعلق دو چیزیں شرعی اعتبار سے قابل غور ہیں:

پہلی چیز یہ ہے کہ عقد شرکت کا تو کوئی قانونی وجود نہیں ہوتا، لیکن کمپنی کا مستقل قانونی وجود ہوتا ہے، جس کو شخص فرضی یا شخص قانونی کہا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ شخص قانونی کا تصور شرعاً درست ہے یا نہیں، تو جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام میں گو شخص قانونی کی اصطلاح موجود نہیں ہے لیکن اس کے نظائر موجود ہیں، چنانچہ وقف، بیت المال، ترکہ مستغرقہ بالدین، اسی طرح ائمہ ثلاثہ کے مسلک کے مطابق خلطۃ الشیوع۔ یہ چاروں چیزیں شخص قانونی کے نظائر ہیں، اگرچہ ان کے لئے شخص قانونی کی اصطلاح استعمال نہیں ہوئی ہے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ چیزیں شخص قانونی کے ذیل میں آتی ہیں، اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک پر حضرات فقہاء نے ان کو شخص قانونی کے درجہ میں رکھ کر شخص حقیقی کے احکام جاری کئے ہیں، مثلاً وقف مالک بھی ہوتا ہے، دائن و مدیون بھی ہوتا ہے، مدعی و مدعا علیہ بھی ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ سارے اوصاف شخص حقیقی کے ہیں، لیکن وقف میں شخص قانونی کی خصوصیات تسلیم کی گئی ہیں۔ اسی طرح بیت المال کہ اس سے پوری قوم کا حق متعلق ہوتا ہے، لیکن کوئی شخص اس کی املاک میں ملکیت کا دعویٰ نہیں کرسکتا، بلکہ اس کے اموال کا مالک بیت المال ہی کو قرار دیا جاتا ہے، اور اس کی ایک مد شخص قانونی کا درجہ رکھتی ہے، اور ضرورت پڑنے پر دوسری مد سے اس کے لئے قرض لیا جاتا ہے، اب ظاہر ہے کہ اس صورت میں جس مد سے قرض لیا گیا وہ دائن اور جس مد کے لئے لیا گیا وہ مدیون ہوگا، معلوم ہوا کہ بیت المال کو شخص قانونی کا درجہ دیا گیا ہے۔ اسی طرح کسی میت کا ترکہ جو دیون سے مستغرق ہو اس کو مدیون تسلیم کیا گیا ہے، جو ایک شخص قانونی کے حکم میں ہے۔ اسی طرح ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خلطۃ الشیوع کی صورت میں (جبکہ مال مشاع کے طور پر کئی شخصوں میں مشترک ہو تو) زکوۃ لوگوں کے انفرادی حصوں پر واجب نہیں ہوتی ہے بلکہ کل مال کے مجموعے پر ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں مال کا مجموعہ ایک شخص قانونی ہے (یاد رہے کہ خلطۃ الشیوع کی جو نظیر پیش کی گئی ہے وہ فقہ حنفی کے مطابق ہے)۔ مندرجہ نظائر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شخص قانونی کا تصور فی نفسہ کوئی ناجائز تصور نہیں ہے اور نہ فقہ اسلامی کی رو سے یہ کوئی اجنبی تصور ہے، البتہ شخص قانونی کی یہ اصطلاح ضرور نئی ہے۔

کمپنی سے متعلق دوسرا قابل غور پہلو:

یہاں پر کمپنی کے نظام کی دوسری خصوصیت جو شرعی اعتبار سے قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اس کے حصہ داروں کی ذمہ داری ان کے لگائے ہوئے سرمائے کی حد تک محدود ہوتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کمپنی خسارے میں گئی تو ان کا زیادہ سے زیادہ یہ نقصان ہوگا کہ ان کا لگایا ہوا سرمایہ ڈوب جائے گا، لیکن اگر کمپنی پر قرض زیادہ ہو گیا تو اس کے حصہ داروں سے ان کے لگائے ہوئے سرمایہ سے زیادہ کا مطالبہ نہ ہوگا، اسی طرح کمپنی کی ذمہ داری بھی اس کے اثاثوں کی حد تک محدود ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرضے کی ادائیگی کے لئے زیادہ سے زیادہ کمپنی کے اثاثے قرق کرائے

جاسکتے ہیں، لیکن اثاثوں سے زیادہ کا مطالبہ نہ ہوگا۔ اب یہاں قابل غور پہلو یہ ہے کہ کمپنی اور اس کے شرکاء کی محدود ذمہ داری کا نقصان یہ ہوگا کہ اس کے قرض خواہوں کا کمپنی کے اثاثوں سے زائد جو قرض ہوگا اس کی وصولیابی کی کوئی صورت نہیں رہے گی، جس کے سبب قرض خواہوں کا ذمہ خراب ہوگا، اسی کو فقہ کی اصطلاح میں خراب الذمہ کہا جاتا ہے۔ بعض علماء نے اس اشکال کی وجہ سے کہا ہے کہ محدود ذمہ داری کا شرعاً تصور صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اس سے لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں، لیکن اگر اس مسئلہ کو ایک دوسرے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ کمپنی کی محدود ذمہ داری کے تصور کی بنیاد دراصل شخص قانونی کے تصور ہے، اگر شخص قانونی کو تسلیم کرلیا جائے تو اس محدود ذمہ داری کو ماننا کچھ مشکل نہیں رہتا۔ شخص حقیقی اگر مفلس ہوجائے تو اس کے قرض خواہ اپنا قرض صرف اس کے اثاثوں سے وصول کرسکتے ہیں، اس سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کرسکتے، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل کے متعلق مشہور ہے کہ جب وہ مفلس ہوگئے تو حضور پاک ﷺ نے ان کے قرض خواہوں سے فرمایا تھا کہ:

"خذوا ما وجدتم ليس لكم الا ذلك"۔ (صحیح مسلم، باب وضع الجوائح)۔

اگر قرض دار کی موت اس کے مفلس ہونے کی حالت میں ہوجائے تو خراب الذمہ ہوجاتا ہے یعنی اس کے قرض خواہوں کے قرض کی ادائیگی کو کوئی صورت نہیں رہتی۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شخص حقیقی اگر مفلس ہوکر مرجائے تو اس کی ذمہ داری اثاثوں تک محدود رہتی ہے، اور قرض خواہوں کا ذمہ خراب ہوجاتا ہے، اس طرح کمپنی کو جب شخص قانونی مان لیا گیا تو یہ بھی اگر دیوالیہ ہوکر تحلیل ہوجائے تو اس کی ذمہ داری بھی اثاثوں ہی کی حد تک محدود ہونی چاہیے، اس لیے کہ کمپنی کا تحلیل ہوجانا اس شخص قانونی کی موت ہے۔ مندرجہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ محدود ذمہ داری کا تصور کوئی ناجائز تصور نہیں ہے کہ اس کے سبب سے کمپنی کی شرکت کو فاسد قرار دیا جائے۔ کمپنی کی محدود ذمہ داری کی دلچسپ نظیر عبد ماذون فی التجارۃ ہے، کہ جس طرح ایک غلام کو آقا کی طرف سے تجارت کی اجازت ہوتی ہے، اور جو کچھ وہ تجارت کرتا ہے وہ آقا کا مملوک ہوتا ہے، لیکن اس کے باوصف اگر غلام پر دیون واجب ہوں تو وہ اس غلام کی قیمت تک محدود ہوں گے، اس سے زیادہ کا نہ غلام سے مطالبہ ہوسکتا ہے اور نہ مولی سے، یہاں بھی قرض خواہوں کا ذمہ خراب ہوگیا، اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ نظیر کمپنی کی محدود ذمہ داری سے بہت قریب ہے، کمپنی کے قرض خواہوں کا ذمہ خراب ہوجاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جن وجوہ سے بعض علماء نے کمپنی کے مروجہ نظام کو ناجائز قرار دیا ہے، ان سب وجوہ کی شریعت میں جائز نظیر موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء نے کمپنی کے مروجہ نظام کو شرعاً درست قرار دیا ہے۔

آخر میں کمپنی کے شیئرز سے متعلق ایک بحث رہ جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ کمپنی کا شیئرز کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا نہیں، تو اس سلسلہ میں بعض علماء معاصرین کی رائے یہ ہے کہ کمپنی کا شیئرز اس کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی نہیں کرتا بلکہ یہ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس شخص نے کمپنی کو اتنی رقم دے رکھی ہے، جیسے دیگر قرضوں مثلاً بانڈز وغیرہ کی دستاویزات ہوتی ہیں، ایسے ہی یہ بھی ایک شہادت و دستاویز ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ بانڈز وغیرہ پر متعین شرح سے سود ملتا ہے، لیکن شیئرز پر سود کی شرح متعین نہیں ہوتی، بلکہ کمپنی کو جو

نفع ہوتا ہے اس کا ایک متناسب حصہ اس کو دیدیا جاتا ہے۔ اب یہاں پر قابل غور پہلو یہ ہے کہ بعض علماء نے شیئرز کے متعلق جو یہ رائے قائم کی ہے اس کی بنیاد کیا ہے، اس سلسلہ میں ان حضرات کا کہنا ہے کہ اگر شیئرز کمپنی کے اثاثوں میں ملکیت کی نمائندگی کرنے والا ہوتا تو شیئرز ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں جہاں اس کی دیگر املاک کی قرقی ہوتی ہے اس طرح کمپنی اس کے متناسب حصے کی بھی قرقی ہونی چاہیے تھی مگر نہیں ہوتی، معلوم ہوا کہ کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر کی ملکیت نہیں ہوتی۔

لیکن ان بعض علماء کے مذکورہ نظریہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مذکورہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ کمپنی کے ظاہری نظام اور اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کو پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیئرز ہولڈر کی کمپنی کے اثاثوں میں ملکیت ہوتی ہے کہ اگر کمپنی باہمی قرارداد سے تحلیل ہو جائے تو شیئرز ہولڈرس کو صرف ان کی لگائی ہوئی رقم واپس نہیں ملتی بلکہ کمپنی کے اثاثوں کا متناسب حصہ شیئرز ہولڈرس کو دیا جاتا ہے جبکہ دوسری مالی دستاویزات مثلاً بانڈز وغیرہ پر کمپنی کے تحلیل ہونے کی صورت میں صرف لگی ہوئی رقم سود کے ساتھ واپس دی جاتی ہے۔ مذکورہ تفصیل سے صاف ہوا کہ کمپنی کا شیئرز محض قرضے کی شہادت نہیں ہے، بلکہ یہ کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر کی متناسب ملکیت کی نمائندگی کرتے ہیں، لہٰذا کمپنی کا جو شیئرز ہولڈر اپنے شیئرز کو فروخت کرتا تو درحقیقت وہ کمپنی کے جامد اثاثوں، سامان تجارت، نقد، قابل وصول دین وغیرہ میں جو اس کا متناسب حصہ ہوتا ہے اس کو فروخت کرتا ہے تو درحقیقت وہ نقد رقم کو نقد کے ساتھ فروخت کرتا ہے، اس لیے شیئرز کی مذکورہ دونوں صورتوں کے احکام میں فرق ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کمپنی کے شیئرز کی دستاویز کی حیثیت قرض وغیرہ کی دستاویز کے مانند نہیں ہے بلکہ کمپنی کے شیئرز کی دستاویز درحقیقت کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر کی متناسب ملکیت کی نمائندگی کرتی ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ شیئرز ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں جہاں اس کے دیگر املاک کی قرقی ہوتی ہے، اسی طرح کمپنی میں اس کے متناسب حصے کی بھی قرقی ہونی چاہیے مگر نہیں ہوتی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کمپنی میں شیئرز ہولڈر کے متناسب حصے کی قرقی ہوتی ہے لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ جب وہ دیوالیہ ہو جائے تو وہ اپنا حصہ کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دے، لہٰذا جن وجوہ کی بنیاد پر کمپنی کے شیئرز کی خرید و فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے وہ سب حقیقت سے دور ہیں، اور ان میں سے ہر ایک محل نظر ہے، اس لیے درست بات یہ ہے کہ اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہو تو ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید و فروخت شرعاً درست ہے۔

یہاں تک کاروبار کی قسمیں، کمپنی کا تعارف، شرکت و کمپنی کے نظاموں میں فرق اسی طرح کمپنی کے قابل غور پہلو شیئرز کی حقیقت کے سلسلہ میں جو کچھ مختصر جائزہ پیش کیا گیا وہ حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی کی کتاب ''فقہی مقالات'' اور ''اسلام اور جدید معیشت و تجارت'' سے ماخوذ ہیں، کمپنی کے دیگر امور کی تفصیل جاننے کے لیے مندرجہ بالا کتابوں کا مطالعہ مناسب ہوگا۔

شیئرز کی شرعی حیثیت اور اس کی خرید وفروخت سے متعلق فقہی احکام

۱۔ دور حاضر کی تجارتوں میں جن نئی صورتوں کا اضافہ ہوا ہے، ان میں سے ایک نئی صورت شیئرز کی خرید وفروخت کا مسئلہ بھی ہے، چونکہ شیئز کا کاروبار آخری صدیوں میں شروع ہوا ہے، اس لیے قدیم فقہاء کی کتابوں میں اس کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں تفاصیل نہیں ملتیں، لہذا ضروری ہے کہ ہم قرآن وسنت اور تصریحات فقہاء کی روشنی میں شیئرز کی خرید وفروخت سے متعلق فقہی احکام کو تلاش کریں، لیکن شیئرز کی خرید وفروخت سے متعلق فقہی احکام کو تلاش کرنے سے پہلے ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم شیئرز کی حقیقت ونوعیت کو جانیں۔

تو اس سلسلہ میں جہاں تک شیئرز کی نوعیت کے تعین کا مسئلہ ہے تو یہ بات سب پر واضح ہے کہ زمانہ سابق میں جو شرکت کا معاملہ ہوتا تھا، دور حاجر میں شیئرز کی خرید وفروخت کا مسئلہ اسی کی ایک خاص ہے، یا اسی سے ملتا جلتا ایک مسئلہ ہے، البتہ پہلے زمانہ میں جو شرکت کا کاروبار ہوا کرتا تھا وہ چند افراد کے درمیان ہوا کرتا تھا، جس کو آج کل کی اصطلاح میں پارٹنرشپ کہتے ہیں، لیکن آج جو شرکت کی نئی قسم وجود میں آئی ہے اس کو جوائنٹ اسٹاک کمپنی کہا جاتا ہے، اور شرکت کی اس نئی قسم کی بنیاد پر دنیا بھر میں اسٹاک مارکیٹس کام کر رہی ہیں، جن میں کروڑوں بلکہ اربوں روپیوں کا لین دین ہوتا ہے، اور چونکہ دنیا میں یہ کاروبار مختلف صورتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس لیے اس کے شرعی حکم کو معلوم کرنے کے لیے اس کی حقیقت کو جان لینا ضروری ہوگا۔

لیکن سب سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ شیئرز کیا چیز ہے، یاد رہے کہ کمپنی کے شیئرز کو اردو میں ''حصص'' کہتے ہیں اور عربی میں ''سہم'' کہا جاتا ہے، یہ شیئرز درحقیقت کسی کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر کی ملکیت کے اپنے متناسب حصہ کی نمائندگی کرتا ہے، مثلاً ایک شخص نے کسی کمپنی کا شیئر خریدا تو اس کے لیے اس شخص کو جو شیئرز سرٹیفیکیٹ کا کاغذ دیا گیا ہو وہ کاغذ اس کمپنی میں اس شیئرز خریدنے والے شخص کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، لہذا اس کمپنی کے جو اثاثے اچھی طرح یاد رہے کہ کمپنی کے شیئرز کا خریدار شخص اپنے حصے کے بقدر کمپنی کے املاک واثاثے کا اسی وقت مالک ہوگا جبکہ اس کمپنی کے پاس املاک واثاثے بھی ہوں، لیکن اگر ایسا نہیں ہے بلکہ ابھی ایک کمپنی قائم ہو رہی ہے تو ایسی صورت میں نئی کمپنی کے شیئرز کا خریدار شخص فی الوقت اس نئی کمپنی کے املاک واثاثے کا مالک نہیں بن رہا ہے، بلکہ ابھی وہ اس کمپنی کے ساتھ شرکت ہی کا معاملہ کر رہا ہے، کیونکہ شروع شروع میں جب کوئی کمپنی وجود میں آتی ہے تو پہلے اپنا لائحہ عمل اور خاکہ بنا کر شائع کرتی ہے اور اپنے شیئرز ایشو کرتی ہے، شیئرز کے ایشو اور جاری کرنے کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ کمپنی لوگوں کو اپنے کاروبار میں شیئرز خریدنے اور حصہ دار بننے کی دعوت دے رہی ہے، اب اس کمپنی کی دعوت پر جو شخص اس کمپنی کے شیئرز کو خریدتا ہے وہ شخص درحقیقت اس کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار بن رہا ہے، اور اس کمپنی کے ساتھ شرکت کا معاملہ کر رہا ہے۔

لیکن کیا کسی کمپنی کے ساتھ شرکت کا معاملہ کر لینے سے کوئی شخص شرعی طور سے کسی کمپنی کے اثاثے کا خریدار بن جاتا ہے، تو جواب ظاہر ہے کہ ہرگز ایسا نہیں ہوتا، اگرچہ عرف عام میں کہا جاتا ہے کہ اس نے فلاں کمپنی کے شیئرز خرید لیے

مگر شرعی اعتبار سے یہ خرید و فروخت نہیں ہے، کیونکہ جب کوئی شخص ابتداء میں روپے جمع کر کے کسی نئی کمپنی کا شیئرز حاصل کرتا ہے، تو اس کے نتیجے میں اس کو کوئی سامان نہیں مل رہا ہے، اس لیے کہ اس کمپنی نے ابھی تک کوئی کام شروع نہیں کیا ہے، اور نہ ہی اب تک کمپنی کے املاک و اثاثے وجود میں آئے ہیں، بلکہ کمپنی تو اب بن رہی ہے، لہٰذا کسی نئی قائم ہونے والی کمپنی کے شیئرز خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ شیئرز خریدنے والا شخص اس کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار بن رہا ہے، اور اس کمپنی کے ساتھ شرکت کا معاملہ کر رہا ہے، اب شرکت کا معاملہ کرنے کے نتیجے میں جو اس خریدار شخص کو شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل ہو جائے تو درحقیقت وہ شیئرز سرٹیفکیٹ اس کمپنی میں اس شخص کے متناسب حصے کی نمائندگی کر رہا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ کوئی شخص کسی کمپنی کے کاروبار میں صرف حصہ دار ہو جائے تو اس سے اس کمپنی کے اثاثے اور املاک کا حقیقی مالک متصور نہ ہوگا، جب تک کہ خود اس کمپنی کے پاس اثاثے اور املاک پہلے سے موجود نہ ہوں یا اس نے خرید نہ لیے ہوں، اور اس کے پاس جو سرٹیفکیٹ ہے اس کی حیثیت محض اس بات کی دستاویز کی ہے کہ اس نے اتنی رقم فلاں کمپنی کو دے کر اس کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار ہو گیا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جب وہ نئی کمپنی اس روپے سے کوئی اثاثہ خریدے گی تو اس کا شیئرز ہولڈر اس کے متناسب حصہ کا مالک نہ ہوگا، جیسا کہ بانڈز وغیرہ قرض کی دستاویزوں میں ہوتا ہے، کہ کوئی مدیون جب کسی دائن سے کوئی دین لے کر کائی کاروبار شروع کرتا ہے تو دائن اپنے مدیون کے داروبار میں مالک نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ صرف اپنے دین کا حقدار ہوتا ہے، کیونکہ دین وقرض کا معاملہ محض ایک تبرع کا معاملہ ہے جس میں دائن وقرض خواہ صرف اپنے دین وقرض کو وصول کر سکتا ہے۔ لیکن یہ اس کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے دین وقرض کا عوض وصول کرے، یا اس قسم کی کوئی شرط رکھے، کیونکہ کوئی جنسی چیز دے کر اسی جنس کی چیز اضافہ کے ساتھ وصول کرنا شرعاً سود ہے۔

اس کے برعکس شرکت کا جو معاملہ ہوتا ہے یا دوسرے لفظوں میں کسی نئی کمپنی کے شیئرز خریدنے کا جو معاملہ اور معاہدہ ہوتا ہے، وہ درحقیقت نفع ونقصان میں شرکت کا معاہدہ ہوتا ہے، جو دراصل بیع ہی کی ایک قسم ہے اور بیع سلم کے مانند خرید و فروخت کا ایک معاملہ ہے۔ جو اصالۃً کرنے کے بجائے وکالۃً کرایا جاتا ہے، اس لیے اس معاملہ کے وقت اگرچہ کمپنی کے پاس اثاثہ واملاک نہ ہو پھر بھی کمپنی کی دعوت پر اس کے ساتھ معاملہ کرنا شرعاً درست ہے، اور جب کمپنی سامان و اثاثہ خریدے گی تو یہ شخص اس کمپنی کے اثاثہ کا مالک نہ ہوگا، کیوں کہ خود کمپنی کے پاس اثاثہ نہیں ہے، البتہ کمپنی کے کاروبار میں جو اسے حصہ دار مانا گیا ہے تو چونکہ شرکت کا معاہدہ کر کے اس نے کمپنی میں رقم جمع کی ہے، اس لیے ابھی اس کا حصہ کمپنی میں جمع کردہ رقم کے بقدر ہی ہوگا، لہٰذا اگر وہ ابھی اپنے حصہ کو فروخت کرنا چاہے تو اس نے کمپنی میں جتنی رقم جمع کی ہے اتنی ہی رقم کسی دوسرے سے لے کر اپنے حصہ کو اس کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے۔

۲۔ نئی قائم ہونے والی کمپنی کا شیئرز خریدنا:

جب کوئی نئی کمپنی قائم ہوتی ہے تو اس وقت اس کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتی، مگر اس کے قیام

کے ساتھ اس کے شیئرز کا اعلان کیا جاتا ہے، اب اگر اس وقت اس کمپنی کے خرید کردہ شیئرز کو فروخت کیا جائے تو اس صورت میں چونکہ اس کمپنی کے خرید کردہ شیئرز کی حیثیت ابھی اثاثے کی نہیں ہے، بلکہ وہ ابھی نقد کی شکل میں ہے، یا واجب الوصول قرض کی شکل میں ہے، اس لئے اس کمپنی کے اس قسم کے شیئرز کو کمی بیشی کے ساتھ تو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، ہاں فیس ویلو (Face Value) یعنی اصل رقم پر خریدنا اور فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں جو بیع ہو رہی ہے وہ نقد کی بیع نقد کے ساتھ ہو رہی ہے، جو شرعاً بیع صرف ہے جس میں اتحاد جنس کے وقت مبیع اور ثمن کے درمیان تساوی شرط ہے، اسی کے ساتھ مجلس عقد میں مبیع وثمن دونوں پر تقابض ضروری ہے، لیکن شیئرز کی خرید و فروخت کی مندرجہ بالا صورت میں تساوی تو ممکن ہے لیکن بدلین پر دست بدست تقابض ممکن نہیں ہے، کیونکہ خریدار توفی الفور بائع کو روپیہ دے دیتا ہے اور قبضہ کرا دیتا ہے، لیکن بائع کا روپیہ تو کمپنی کے یہاں جمع ہے، جس پر وہ خریدار کو قبضہ نہیں کرا رہا ہے بلکہ اس کو صرف شیئرز سرٹیفکیٹ دے رہا ہے، اس صورت حال کا تقاضا تو یہ ہے کہ شیئرز کی یہ خرید و فروخت شرعاً جائز نہ ہو لیکن اس کے جواز کے لئے مولانا اشرف علی تھانوی نے امداد الفتاوی میں یہ حیلہ لکھا ہے کہ جو شخص اپنا شیئر فروخت کر رہا ہے وہ خریدار سے روپے قرض لے لے اور خریدار کے اس قرض والے روپے کا حوالہ کمپنی پر اپنے شیئر کے بدلے میں کردے، کہ تمہارا جو قرض مجھ پر ہے وہ تم فلاں کمپنی سے وصول کرلو، اور شیئر کا یہ خریدار شخص کمپنی سے اپنا قرض والا روپیہ وصول کرنے کے بجائے اپنے مدیون والا شیئر لے لے اور کمپنی کے منیجر کو اپنی طرف سے شیئر پر قبضہ کا وکیل بنا دے تو یہ شرعاً درست ہے، اور اس خریدار کا قبضہ شیئر پر کمپنی کے منیجر کے واسطہ سے ہو جائے گا، اور اب وہ شیئر اس خریدار کے قبضہ میں آ کر اس کا مملوک ہو جائے گا (مستفاد از امداد الفتاوی ۳/۱۱۵)۔

۳۔ نقود و غیر نقود سے مخلوط اثاثہ والی کمپنی کے شیئرز کی خرید و فروخت کا حکم:

کمپنی کے وجود میں آ جانے کے بعد جب اس کا اثاثہ مخلوط شکل میں نقد و املاک کا مجموعہ ہو جاتا ہے تو اگر چہ ایسی صورت میں کمپنی کی املاک مال ربوی و غیر ربوی دونوں پر مشتمل ہوتی ہے، مگر ایسی کمپنی کے شیئرز کو نقد رقم کے ساتھ خریدنا اور بیچنا شرعاً جائز و درست ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ مذکورہ کمپنی کا ہر شیئر جتنی نقد رقم پر مشتمل ہے، اس سے زیادہ نقد رقم کے عوض اس کے شیئر کو فروخت کیا جائے تب جائز ہے، تاکہ کمپنی کا ہر شیئر جتنی نقد رقم پر مشتمل ہے اس کو نقد رقم سے برابر کرنے کے بعد جو زائد رقم بچے اس کے بدلے میں کمپنی کا اثاثہ ہو۔ شیئرز کی اس خاص صورت کے جواز کی دلیل 'سیف محلی' اور 'منطقہ مفضضہ' والا مسئلہ ہے، جس میں مال ربوی و غیر ربوی سے مخلوط مال کو مال ربوی کے عوض فروخت کیا جاتا ہے، جو فقہ حنفی کی رو سے جائز ہے، جبکہ خالص مال ربوی مال مخلوط میں شامل مال ربوی سے زیادہ ہو، تاکہ مال ربوی کے مقابلہ میں مال ربوی ہو اور جو زائد خالص مال ربوی ہو وہ مخلوط مال غیر ربوی کے مقابلہ میں ہو، لیکن حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک ربوی و غیر ربوی سے مخلوط مال کی بیع خالص مال ربوی کے ساتھ جائز نہیں ہے، جب تک کہ مخلوط مال میں سے مال ربوی کو الگ نہ کر لیا جائے، البتہ بعض شافعیہ اور حنابلہ کا موقف یہ ہے کہ اگر مال مخلوط میں اکثر مال ربوی ہو تب تو اس کی بیع خالص مال ربوی سے جائز نہیں ہے، لیکن اگر مال مخلوط میں غیر ربوی

مال زیادہ ہو اور مال ربوی کم ہو تو پھر اس کی بیع خالص مال ربوی سے جائز ہے۔

مذکورہ تفصیل کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق نقود واملاک سے مخلوط شیئرز کی بیع شرعاً جائز نہ ہو، البتہ بعض شافعیہ اور حنابلہ کے موقف کے مطابق ضروری ہوگا کہ شیئرز کے خریدنے سے پہلے کمپنی کے اثاثوں کا جائزہ لیا جائے کہ اس کے شیئرز میں نقود کی مقدار زیادہ ہے یا غیر نقود کی، تاکہ اسی کے مطابق جواز وعدم جواز کا حکم لگایا جائے، کہ اگر کمپنی کے شیئرز میں اثاثے زیادہ ہوں اور نقود کی مقدار کم ہو تو شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہو، اور اگر نقود کی مقدار زیادہ ہو اور دیگر اثاثے کم ہوں تو شیئرز کی بیع کو ناجائز کہا جائے۔

۴۔ مکمل حرام کاروبار کرنے والی کمپنی کا شیئر خریدنا:

وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام وجیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت اور ایکسپورٹ، یا بینکس اور سودی اسکیموں مین روپیہ لگانا، اسی طرح سود اور جوئے پر مشتمل کاروبار کرنا یا بیمہ کرانا وغیرہ، تو ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً ناجائز ہے، اسی طرح بینک جس کا اصل کاروبار ہی سود کی لین دین ہے تو وہ بھی اگر شیئر جاری کرے تو اس کے شیئر کی بھی بیع وشراء جائز نہیں۔

۵۔ ضمناً حرام کاروبار کرنے والی کمپنی کا شیئر خریدنا:

اگر کوئی کمپنی ایسی ہے جس کا بنیادی کاروبار اصلاً حلال ہے، مثلاً انجینیرنگ کے سامان تیار کرنا یا عام استعمال کی مصرفی چیزیں تیار کرنا یا کوئی اور جائز کاروبار کرنا، تو ایسی کمپنیز کو اگر ان کے بنیادی کاروبار کے حلال ہونے کے باوجود بعض اوقات انکم ٹیکس وغیرہ سے بچنے کی غرض سے بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہو یا اس قسم کی کمپنی اپنی زائد رقم کو بینک میں رکھوا کر اس پر سود لیتی ہو، تو ظاہر ہے کہ یہ کمپنی کا اصل کاروبار نہیں بلکہ یہ اس کا ایک ذیلی اور ضمنی کام ہے، تو اس قسم کی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں حضرات علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جو کمپنی سودی کاروبار کرتی ہے خواہ اس کا یہ کاروبار اصلاً ہو یا ضمناً ہو، اسی طرح اس کا سودی کاروبار کم ہو یا زیادہ ہو، بہرصورت ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت ناجائز ہے، کیونکہ جو شخص ایسی کمپنیز کا شیئر خریدتا ہے یا لیتا ہے تو درحقیقت وہ کمپنی کے کارندوں کو حرام وناجائز اور سودی کاروبار کرنے کا وکیل بناتا ہے، لہٰذا کمپنی کا سودی لین دین بھی اس کی طرف منسوب ہوگا، اس لیے جو کمپنی کسی نہ کسی طرح سودی لین دین میں ملوث ہے اس کے شیئرز کو خریدنا درست نہیں، خواہ اس کا حقیقی و بنیادی کاروبار حلال وجائز ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی کے سودی لین دین کی دو صورتیں ہیں:

ایک صورت تو یہ ہے کہ کمپنی قرضہ لے اور اس پر سود ادا کرے، اس صورت میں کمپنی کی آمدنی میں تو کوئی حرام عنصر شامل نہیں ہوا، اس لیے کہ جب کوئی شخص سودی قرضہ لیتا ہے تو یقیناً یہ فعل حرام اور سخت گناہ کا باعث ہے مگر وہ قرض کا مالک ہو جائیگا، لہٰذا اس رقم کے ذریعہ کاروبار کر کے جو آمدنی حاصل کرے گا وہ شرعاً حلال ہوگی، البتہ اس صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ کمپنی چونکہ شیئرز ہولڈر کی وکیل ہے، اس لیے سودی قرضہ لینے کی نسبت اس کی طرف بھی ہوگی، اور اس شخص کو سودی قرضہ لینے پر رضامند سمجھا جائے گا، تو اس اشکال کا جواب حضرت

مولانا تھانویؒ نے یہ دیا ہے کہ جن حضرات کو کمپنی کے سود لینے کا علم ہو جائے تو وہ تصریحاً کارکنان کمپنی کو منع کریں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہو مگر اس ممانعت سے اس فعل کی نسبت اس شخص کی طرف نہ ہوگی، اور اگر کمپنی کے سودی قرضہ لینے کا سرے سے علم ہی نہ ہو تب تو ظاہر ہے کہ بدرجہ اولیٰ کارکنوں کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا، کیونکہ اس نے کارکنان کمپنی کو اس کا وکیل بنایا ہی نہیں (امداد الفتاوی: ۴۹۱/۳)، یاد رہے کہ کمپنی کے سودی قرضہ لینے کی صورت میں شیئرز ہولڈرس کا کمپنی کے ذمہ داران کی طرف عدم رضامندی کا خط لکھ دینا کافی ہو سکتا ہے۔ اور دور حاضر میں تو اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ کمپنی کی سالانہ میٹنگ میں اس کے خلاف آواز اٹھائی جائے۔

لیکن جہاں فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں، وہاں اگر کوئی شخص سودی لین دین کے خالف آواز اٹھائے اور اقلیت میں ہونے کی وجہ سے اس کی رائے پر عمل نہ ہو سکے اور سودی لین دین بدستور جاری رہے تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کمپنی میں سودی قرضہ وغیرہ لینا اس کے کالف آواز اٹھانے والے شخص کی وکالت اور اس کی رضامندی سے ہو رہا ہے، لہٰذا صحیح اور درست بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کمپنی کا اصل کاروبار تو جائز ہو اور ضمناً وہ کمپنی سود پر قرضہ لیتی ہو تو ایسی کمپنی کے شیئرز کو خریدنا جائز ہے، بشرطیکہ سود سے برأت کا اظہار کر دیا جائے۔

کمپنی کے سودی لین دین کی دوسری صورت یہ ہے کہ کمپنی قرضہ دے کر سود لے جیسا کہ دور حاضر میں بیشتر کمپنیاں زائد رقموں کو بینکوں کے سیونگ اکاؤنٹ میں رکھوا کر اس پر سود لیتی ہیں، اب یہاں پر دو اشکال ہے: ایک تو یہ ہے کہ سودی معاملہ میں شیئرز ہولڈر کی شرکت ہو جائے گی، لیکن اس کا جواب تو وہی ہے جو اوپر گذرا۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ کمپنی جو منافع تقسیم کرے گی اس میں سود کی رقم بھی شامل ہوگی جبکہ آمدنی کا جو حصہ سود سے حاصل ہوا ہے وہ شرعاً حرام ہے، تو اس اشکال کے جواب میں حضرت تھانویؒ نے دو باتیں بیان فرمائی ہیں: ایک بات تو یہ ہے کہ ہر کمپنی کے بارے میں یقین سے یہ معلوم نہیں کہ اس نے سود لیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض کمپنی نے سود لیا بھی ہے تو وہ قلیل ہے، جو مال حلال میں مخلوط ہو گیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر مال مخلوط میں اکثر مال حالل ہو تو اس کے استعمال کی شرعاً گنجائش ہے۔

لیکن یہاں مذکور جواب پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مال مخلوط میں سے ہدیہ دے اور اس مال مخلوط میں حرام مال کم ہو تو ہدیہ لینا اس لیے جائز ہے کہ اس صورت میں یہ امکان ہے کہ یہ ہدیہ ممکن ہے کہ حلال مال میں سے دے رہا ہو۔ لیکن کمپنی کے منافع میں صورت حال اس سے مختلف ہے، اس لیے کہ کمپنی کو جتنی مدوں سے آمدنی حاصل ہوتی ہے، ہر مد کی آمدنی کا ایک متناسب حصہ اس نفع میں شامل ہوتا ہے، لہٰذا سود کا متناسب حصہ بھی نفع میں شامل ہوا، اب اگر کمپنی کی آمدنی کا دس فیصد حصہ سودی اکاؤنٹ سے حاصل ہوا ہے تو نفع کا بھی دس فیصد حصہ سودی ہوگا، لہٰذا نفع کا جتنا حصہ سودی ہے اس کا بلا نیت ثواب صدقہ کرنا لازم ہوگا۔

۲۔ سود دینے یا لینے والی کمپنی کے شیئرز خریدنا:

جن حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کو قانونی تقاضا پورا کرنے کیلیے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے جس سے ان کمپنیوں کو سود ملتا ہے، یا ان کمپنیوں کو بانڈز خریدنے پڑتے ہیں جن کا کمپنیاں سود دا

کرتی ہیں تو ایسی کمپنیز کا شیئرز خریدنا جائز ہے، البتہ سود کی جو رقم ملتی ہے اس کا تصدق ضروری ہے (فقہی مقالات ۱/۱۵۰)۔

۷۔ سودی قرضہ کے ذریعے حاصل ہونے والے منافع کا حکم:

سودی قرضہ لینے کی صورت میں اس قرض سے جو منافع حاصل ہوتے ہیں شرعاً وہ مفید ملک ہیں، اور ان کے ذریعے حاصل ہونے والی آمدنی حلال شمار کی جائے گی۔

۸۔ کیا مطلقاً وکیل کا عمل مؤکل کا عمل شمار ہوتا ہے:

کمپنی کا جو بورڈ آف ڈائریکٹرس ہوتا ہے اس کی حیثیت شیئرز ہولڈرس کے وکیل کی ہے لیکن اس کا عمل شیئرز ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا، تو اس سلسلہ میں تصریحات فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لازم نہیں ہے کہ وکیل کا عمل بعینہ مؤکل کا عمل شمار ہو۔

والدليل عليه ما قال صاحب الهداية: إذا أمر المسلم نصرانيا ببيع خمر أو بشرائها ففعل ذلك جاز عند أبي حنيفة (الہدایہ ۳/۴۱)۔

۹۔ وکیل کے عمل سے مؤکل کب بری سمجھا جائے گا:

اگر کسی کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرس کثرت رائے پر فیصلہ کرتے ہوئے بنیادی کاروبار کے حلال ہونے کے باوجود کچھ سودی قرضہ وغیرہ لیتا ہے اور کمپنی کی میٹنگ میں شیئرز ہولڈر سودی قرض سے اختلاف کرتا ہے اور اپنے اختلاف کا اعلان کردیتا ہے، تو ایسی صورت میں اس کا یہ اعلان وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے اسے بری کردے گا (ایضاح النوادر ۱۰۵، امداد الفتاوی ۳/۴۹۱)۔

۱۰۔ کمپنی کے منافع میں ملنے والے سود کا حکم:

اگر کسی کمپنی کے منافع میں سود کی رقم بھی شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو ایسی صورت میں منافع سے بقدر سود نکال کر صدقہ کردینا واجب وضروری ہے۔

إذا دفع المسلم النصراني مالا مضاربة بالنصف فهو جائز إلا أنه مكروه فإن اتجر في الخمر والخنزير فربح جاز على المضاربة في قول أبي حنيفة وينبغي للمسلم أن يتصدق بحصته من الربح (فتاوی عالمگیری ۴/۳۳۳)۔

۱۱۔ حلال کاروبار کرنے والی کمپنی میں آئے ہوئے سود کا حکم:

اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کیا گیا ہو مگر اس کمپنی کا کاروبار حلال ہو، تو ایسی صورت میں جتنا فیصد سود کل آمدنی میں مخلوط ہوگیا ہے اتنا فیصد سود کی رقم آنے اور ملنے والے منافع سے نکال کر صدقہ کردینا شرعاً جائز و درست اور کافی ہے۔

قال في رد المحتار من ملك أموالا غير طيبة أو غصب أموالا وخلطها ملكها بالخلط

ويصير ضامنا. فلذلك قلنا ينبغي للمسلم ان يتصدق بحصته من الربح.

۱۲۔ نفع حاصل کرنے کی غرض سے شیئرز کی تجارت کرنا:

شیئرز کی تجارت کرنا یعنی کوئی شخص کسی کمپنی کے شیئرز اس ارادے سے خریدے کہ قیمت بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ فروخت کردوں گا تو شرعاً جائز ہے، البتہ کسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت کے جواز کے لئے شرعاً چار شرطوں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

۱۔ کمپنی کا اصل کاروبار حلال ہو، ۲۔ کمپنی کے شیئرز کو فیس ویلو سے کم وبیش کر کے فروخت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کمپنی کے اثاثے صرف نقد کی شکل میں نہ ہوں، بلکہ کچھ منجمد اثاثے بھی وجود میں آچکے ہوں، کیونکہ اگر نقد کی شکل میں کمپنی کا سرمایہ ہوگا تو کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت کرنا جائز نہ ہوگا، ۳۔ اگر کمپنی سودی لین دین کرتی ہو تو اس کی سالانہ میٹنگ میں سود کے خلاف آواز اٹھائی جائے، ۴۔ اگر کمپنی کی آمدنی میں سود کی رقم شامل ہو، تو جب منافع تقسیم ہو کر ملیں تو اس وقت نفع کا جتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہو اتنی مقدار صدقہ کر دے۔ (اسلام اور جدید معیشت وتجارت ر۸۹)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح کمپنی کے شیئرز کو خریدنا جائز ہے اسی طرح ان کو فروخت کرنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ ان شرائط کو پورا کر لیا جائے جو اوپر ذکر کی گئیں۔

اب رہا یہ سوال کہ بازار کی صورت حال کو دیکھ کر جو منافع والے شیئرز لئے جاتے ہیں یا کم قیمت والے شیئرز خریدے جاتے ہیں، بظاہر یہ ایک طرح کی تخمین اور قیاس آرائی معلوم ہوتی ہے، تو کیا اس قسم کی قیاس آرائی شرعاً ممنوع ہے اور کیا اس قیاس آرائی کے سبب شرعاً شیئرز کی خرید وفروخت ناجائز ہوگی، تو اس سلسلہ میں حضرات علماء کے دو نقطۂ نظر ہیں: عالم اسلام کے معروف عالم دین شیخ محمد صدیق الضریر، جو فقہ خصوصاً فقہ للمعاملات میں بڑی مہارت رکھتے ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ چونکہ شیئرز کو دیگر سامان تجارت کے مثل قرار دے کر قیمت بڑھنے کا اندازہ کر کے نفع کمانے کے ارادے سے اس کو خریدنے کی بنیاد محض تخمین اور قیاس آرائیوں پر ہے جس کو سٹہ (Speculation) کہتے ہیں، اس لئے جائز نہیں ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ قیاس آرائیوں کی بنیاد پر خرید وفروخت کی اجازت دینا سٹہ بازی کا راستہ کھولنا ہے، لہٰذا یہ جائز نہیں ہے، ان کے یہاں شیئرز کا خریدنا اور فروخت کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے جبکہ خریدار کمپنی کے نفع نقصان میں شریک ہو کر سرمایہ کاری کے لئے خرید رہا ہو۔ لیکن اگر اصولی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اصل سوال شیئرز کی تجارت کے سلسلہ میں یہ نہیں ہے کہ اس کا خریدار کس نیت سے خرید رہا ہے، بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ شیئرز فی نفسہ بیع وشراء کے قابل ہے یا نہیں؟ لہٰذا جب دلائل وشواہد کی روشنی میں یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ شیئرز بیع وشراء کے قابل ہے اور اس کی بیع درحقیقت کمپنی کے اثاثوں میں متناسب حصہ کی بیع ہے، تو اب کوئی وجہ نہیں کہ شیئرز کی تجارت اور خرید وفروخت کو خواہ حصول نفع کی نیت سے کیوں نہ ہو، ناجائز قرار دیا جائے، اس لئے درست بات یہ ہے کہ بیع وشراء کی شرعی شرائط کو ملحوظ رکھ کر شیئرز کی خرید

فروخت شرعاً جائز ہے، خواہ کسی بھی نیت سے ہو، خواہ شیئرز کو اپنے پاس رکھ کر سرمایہ کاری کے ارادے سے خریدا جائے یا قیمت بڑھنے پر نفع کمانے کی غرض سے خریدا جائے بہرصورت جائز ہے، البتہ خرید وفروخت کی شرائط کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے، کیونکہ ان شرائط کی رعایت سے خود سٹہ بازی کا سد باب ہو جائے گا۔ البتہ اگر کمپنی کے شیئرز کی خرید و فروخت آپس کے ڈیفرنس کو برابر کرنے کی غرض سے قبضہ سے پہلے ہو اور شیئرز کا لینا دینا مقصود نہ ہو تو ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اور سٹہ بازی میں داخل ہے۔

۱۳۔ فیوچر سیل کا شرعی حکم:

شیئر مارکیٹ میں ایک سودا جو فیوچر سیل کے نام سے مروج ہے، جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان کو برابر کر لینا ہوتا ہے، مثلاً زید نے سو شیئرز کا معاملہ فی شیئر سو روپے کے حساب سے کیا، اور ادائیگی و وصولی کی تاریخ مثلاً ۳۰ راگست مقرر کی، اب جب تیس اگست کی تاریخ آئی تو اس کی قیمت بڑھ کر ڈیڑھ سو روپے ہوگئی تو وہ خریدار شخص بائع سے پانچ ہزار روپے منافع وصول کر لے، اور اگر ۳۰ راگست کو اس شیئرز کی قیمت گھٹ کر پچاس روپے ہوگئی تو وہ شخص بائع کو پانچ ہزار روپے ادا کر دے، تو یہاں پر چونکہ اصل سودا محض کاغذی کارروائی ہے، نہ مشتری ثمن دیتا ہے اور نہ بائع مال دیتا ہے، اسی طرح نہ شیئرز پر قبضہ ہوتا ہے اور نہ ہی قبضہ پیش نظر ہوتا ہے، البتہ مقررہ تاریخ پر بڑھتے ہوئے دام کی صورت میں منافع یا گھٹتے ہوئے دام کی صورت میں خسارہ ادا کیا جاتا ہے، تو شریعت میں مذکورہ فیوچر سیل بالکل ناجائز وحرام ہے، کیونکہ اس قسم کی خرید وفروخت سراسر سٹہ بازی ہے جس کی حرمت قرآن پاک میں منصوص ہے۔ چنانچہ باری تعالی کا ارشاد ہے:

"يسئلونك عن الخمر و الميسر قل فيهما إثم كبير و منافع للناس وإثمهما أكبر من نفعهما" (البقرہ/۲۱۹)۔

ترجمہ: لوگ آپ سے شراب اور جوے کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں، اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے، بہت بڑا اور زیادہ ہے۔

ایک دوسری جگہ اس سے زیادہ تفصیل سے فرمایا گیا ہے:

يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون، إنما يريد الشيطان أن يوقع بينكم العداوة والبغضاء في الخمر والميسر (المائدہ/۹۰۔۹۱)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! بلاشبہ شراب، جوا، بت اور پانسے یہ سب گندے کام ہیں شیطان کے، ان سے بچو تاکہ نجات پاؤ، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعہ دشمنی پیدا کردے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فیوچر سیل کا معاملہ جس میں شیئرز پر نہ مشتری کا قبضہ ہوتا ہے اور نہ بائع کا، بلکہ شیئرز کا لینا دینا ہی سرے سے مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اصل مقصد سٹہ بازی کر کے آپس کے ڈیفرنس کو برابر کر لینا ہوتا ہے، تو شرعاً

اس قسم کا معاملہ کرنا حرام وناجائز ہے، اور مذہب اسلام میں بیع منابذہ، ملامسہ وغیرہ کی جوممانعت ہے اس کی وجہ بھی ان بیوعات میں جوئے کا ہونا ہے، چنانچہ ہدایہ میں بیع ملامسہ ومنابذہ کی ممانعت کے ذیل میں لکھا ہے:

لأن فيه تعليقا بالخطر و قال في هامش الهداية: اى للتمليک بالخطر و التمليكات لا تحمله لأدائه الى معنى القمار (هدايه: ۳/۳۸)

۱۴۔صیغۂ استقبال کے ساتھ خرید وفروخت:

غائب سودا جس کی بیع مستقبل کی طرف کر کے کی جاتی ہے اور مشتری ثمن نہیں ادا کرتا اور نہ ہی کمپنی کو سامان تیار کرنے کا آرڈر رویات ہے تو شرعاً اس قسم کے معاملہ پر حقیقت بیع کا اطلاق نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس کی حیثیت محض وعدہ کی ہے، لہٰذا وہ کسی کے لیے عقد لازم کے درجہ میں نہ ہوگا، اب اگر وقت مقررہ کے آنے پر بائع ومشتری میں سے کسی نے اس کا انکار کردیا تو اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا، ہاں اسے وعدہ خلافی کہہ سکتے ہیں، البتہ اگر کوئی فریق عرف وعادت کی وجہ سے مجبور سمجھا جاتا ہو تو شرعاً اس طرح کا معاملہ کرنا ممنوع وناجائز ہے۔

۱۵۔شیئرز پر قبضہ کا مطلب:

مندرجہ سوال کا صحیح صواب جاننے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم جانیں کہ شریعت میں قبضہ کی حقیقت کیا ہے اور کیا ہر چیز پر قبضہ کے تحقق کے لیے حسی قبضہ اور قبضہ بالید ضروری ہے، تو جہاں تک قبضہ کی حقیقت کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں حضرات فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ بائع مبیع کو اپنے مال سے الگ کرکے اس طرح رکھ دے کہ خریدار اپنے سامان کو اپنے اختیار سے جب لے جانا چاہے، یا اس میں جب تصرف کرنا چاہے تو اسے اپنے سامان کو اٹھا کر لے جانے اور اس میں تصرف کرنے کے وقت کوئی رکاوٹ بائع کی طرف سے پیش نہ آئے، چنانچہ صاحب بدائع نے قبضہ کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكن و التخلى و ارتفاع الموانع عرفا و عادة و حقيقة (بدائع: ۵/۱۴۸)

ایک دوسری جگہ صاحب بدائع نے آگے چل کر قبضہ کے سلسلہ میں مزید بحث کی ہے اور لکھا ہے:

ثم لاخلاف بين أصحابنا في ان أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الاموال (بدائع: ۵/۲۴۴)

یعنی فقہائے احناف کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ تمام اموال میں اصل قبضہ تخلیہ (یعنی مال کو چھوڑ دینے اور الگ کردینے) سے حاصل ہوجاتا ہے اور قبضہ کے تحقق کے لیے قبضہ بالید شرط نہیں ہے، بلکہ رکاوٹ کو دور کردینا، عرف وعادت میں قبضہ کے لیے کافی ہے۔ صاحب بدائع نے ایک اور جگہ قبضہ کی حقیقت پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

تفسير التسليم و القبض فالتسليم و القبض عندنا هو التخلية و التخلى وهو ان يخلى

البائع بين المبيع و بين المشتری عن التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشتری قابضا له (بدائع: ۵/ ۲۴۴)

ترجمہ: (بائع کا خریدار کو مال) سونپنے اور (خریدار کا اس مال مبیع پر قبضہ) کرنے کی تفسیر ہمارے علمائے احناف نے نزدیک تخلیہ اور تخلی ہے، اور وہ یہ ہے کہ بائع مبیع مشتری کو حوالہ کردے کہ وہ اس میں تصرف کر سکے، لہٰذا اب کہا جائے گا کہ بائع نے مبیع کو سونپ اور مشتری اس پر قابض ہو گیا۔

مذکورہ تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ بائع اگر مبیع کو اپنے ضمان سے نکال کر مشتری کے ضمان میں کر دے کہ مشتری جیسے چاہے تصرف کر سکے، تو اسے شرعاً مبیع پر قبضہ کہا جائے گا، اگر یہ صورت شیئرز میں بھی ہو جاتی ہے کہ شیئرز مشتری کے ضمان میں آ جاتا ہے، اور خریدار اگر اپنے خریدے ہوئے شیئرز میں تصرف کرنا چاہے تو اسے کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتا ہے تو یہاں بھی یہ کہا جائے گا کہ شیئرز مشتری کے قبضہ میں آ گیا، اور اب اگر وہ اس شیئرز کو فروخت کرنا چاہے تو فروخت کر سکتا ہے، اور شیئرز پر قبضہ کے تحقق کے لیے حسی قبضہ ضروری نہیں ہے بلکہ قبضۂ حکمی کافی ہے، اسی طرح شیئرز پر قبضہ کے ثبوت کے لیے قبضہ بالید کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو شیئرز پر قبضہ کے ثبوت کے لیے قبضہ بالید ممکن بھی نہیں ہے، اس لیے شیئرز پر قبضہ کے تحقق کے لیے فقط قبضۂ حکمی کافی ہے۔

اگرچہ شیئرز پر خریدار کی ملکیت کا تحریری ثبوت اس کے پاس سرٹیفکیٹ ملنے کے بعد آئے گا، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ سرٹیفکیٹ پر قبضہ کیے بغیر آگے شیئرز کی خرید و فروخت کا معاملہ نہ کیا جائے، اور اسی قول محتاط پر فتویٰ دیا جائے۔

۱۶۔ شیئرز سرٹیفکیٹ کے حصول سے پہلے اس کی خرید و فروخت کا حکم:

اگر کوئی خریدار اپنے خرید کردہ شیئرز کو جس کی قیمت اس نے ادا کر دی ہے چاہتا ہے کہ اس کی سرٹیفکیٹ کے حصول سے پہلے اس کو فروخت کر دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ عرف میں شیئرز کا قبضہ اسی وقت سمجھا جاتا ہے جبکہ سرٹیفکیٹ ہاتھ میں آ جائے، نیز ہر چیز کے قبضہ کا طریقہ عرف ہی سے متعین ہوتا ہے، علاوہ ازیں بغیر سرٹیفکیٹ ملے ہوئے دھوکا دہی کا امکان ہے، نیز عرف میں اکثر لوگ بغیر کاغذی ثبوت کے قبضہ کا اعتبار نہیں کرتے ہیں، لہٰذا ان دلائل کا تقاضا ہے کہ سرٹیفکیٹ پر قبضہ کیے بغیر ہرگز آگے خرید و فروخت نہ کیا جائے۔

۱۷۔ شیئرز کی خرید و فروخت کے لیے دلالی کرنا:

اسٹاک ایکسچینج بازار میں خرید و فروخت کے لیے واسطہ بننے والوں کو بروکر کہتے ہیں جو دور حاضر میں شیئرز کی خرید و فروخت اور قیمتوں سے واقفیت رکھتا ہے اور خرید و فروخت کی کاروائی کا اندراج کرتا ہے، تو ایسے شخص کی حیثیت ایجنٹ اور اجیر مشترک کی ہے، دوسرے لفظوں میں بروکر ہی کو دلال کہا جاتا ہے، اگر ایسے لوگ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے ایجنٹ اور بروکر کی حیثیت سے کام کریں تو یہ شرعاً جائز ہے اور ان کی اجرت شرعاً حلال ہوگی (بحث و نظر: شمارہ نمبر ۲۱، صفحہ ۳۸)۔

شیئرز یا حصص

مفتی عزیز الرحمن
مدنی دار الافتاء بجنور

موجودہ زمانہ میں ہر چیز کی وسعت پذیری کی وجہ سے تجارتی کاروبار میں بھی وسعت آئی ہے، چنانچہ کمپنیوں کے شیئرز اور اس کی خرید و فروخت موجودہ زمانہ کی دین ہے ہمارے متاخرین علماء تک اس کی مثال نہیں ملتی اس لیے شرعی بنیادوں اور اصولوں پر ہی اس کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

ابتدائی منزل میں جب کسی کاروبار کی تشکیل کی جاتی ہے تو ایک رجسٹریشن باڈی کاروبار کے کچھ اصول مرتب کر کے اپنے کاروبار میں شریک ہونے کی دعوت دیتی ہے اور اپنے تخمینہ کے مطابق شریکوں کے لیے ایک حصہ کی قیمت مقرر کر دیتی ہے، اب اگر وہ کاروبار جائز ہے تو شرکت بھی جائز ہے اور ناجائز ہے تو شرکت بھی ناجائز ہے، مثلاً شراب کی فیکٹری، سود کے لیے بینکوں کا وجود اسی ضمن میں آتا ہے، اس کمپنی میں شرکت کے حصہ کو شیئر کہتے ہیں، مثلاً ۱۰۰ روپے کے کاروبار میں ہر حصہ کی قیمت دس روپیہ ہو تو گویا دس روپیہ کی شرکت کا سرٹیفکیٹ خریدنے والا اس کمپنی کا شریک ہے اور یہ سرٹیفکیٹ اس کے حصہ شرکت کی نمائندگی کرتا ہے، یہ سرٹیفکیٹ نوٹ سے ذرا مختلف ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ نوٹ کی ملکی قیمت یکساں رہتی ہے جبکہ سرٹیفکیٹ کی قیمت یعنی حصہ شرکت کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

مختلف شیئرز سے حاصل شدہ رقم کو طے شدہ پروگرام کے مطابق کاروبار کے مطابق کاروبار میں ''زرزری کشد'' کے اصول پر خرچ کیا جاتا ہے، مثلاً کمپنی انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے کچھ سودی رقم بینکوں سے اسی تناسب سے لیتی ہے اور اپنی رقم بینک میں جمع کرتی ہے، کہ سود دے کر بھی بینک کی رقم سے نفع ہو اور اپنی رقم کا اتنا سود مل جائے کچھ بینک کے ساتھ برابر سرابر کا معاملہ ہو جائے۔ اس طرح کاروبار میں شرکت کا یہ حصہ سودی کاروبار ہوتا ہے جو حرام ہے اور اس میں شرکت جائز نہیں ہے۔ اتفاق سے شیئرز ہولڈر کے حصہ میں یہ سودی رقم بھی آتی ہے جس میں اس کے حصہ کی نمائندگی ہوتی ہے۔

اس کے بعد بنیادی کاروبار شروع ہوتا ہے، اور کل رقم میں بلڈنگ، سامان تجارت، مشینری وغیرہ جامد اشیاء ہوتی ہیں، ان ہی سب چیزوں کو رکھ کر شیئر کی قیمت مقرر کی جاتی ہے، اس لیے ہر ایک شیئر کے مقابل کمپنی کی جامد اشیاء اور کمپنی کا سیال سرمایہ جو قرضوں میں بنا ہوا ہوتا ہے نمائندہ ہوتا ہے اور ہر ایک حصہ دار اپنے حصہ کو فروخت کرنے کا کمی بیشی کے ساتھ مالک اور مختار ہوتا ہے، لیکن اس کے لیے چند شرائط ہیں جن کو ذہن میں رکھنا چاہیے:

۱۔ بنیادی طور پر کاروبار حرام نہ ہو۔

۲۔ کمپنی کا تمام سرمایہ سیال نہ ہو، بلکہ کچھ سرمایہ منجمد، بلڈنگ، مشینری، تیار ہونے والا خام مال بھی ہو، شیئرز کا وہ جزو جو کمپنی کے اس اثاثے کے مقابل ہے اسی کو کمی بیشی سے بیچنا جائز ہے، اور شیئرز کا وہ حصہ جو سیال سرمایہ کے مقابل ہے وہ بیع صرف کے حکم میں ہے اس میں کمی بیشی جائز نہیں ہے۔

کمپنیوں کے ان شیئرز اور حصص کی مارکیٹ میں ایک دوسری صورت بن جاتی ہے، جو سٹہ بازی اور غلط طور پر نفع اندوزی کی شکل اختیار کرلیتی ہے جس کی شریعت میں گنجائش نہیں ہے۔

ہم سے بعض حضرات نے بتلایا ہے کہ کمپنیوں کے بنیادی خریدار یعنی قوت منتظمہ جو ابتدائی شرکاء ہوتے ہیں ان کے لئے لازم ہے کہ وہ سود سے حاصل شدہ رقم کو صدقہ کردیا کریں، اور سودی رقم کے علاوہ جو ان کے حصہ میں منافع اور اثاثہ آتا ہے اس پر زکوۃ بھی دیا کریں، اور اس کا کاروبار کی شرکت کو اچھا نہ سمجھیں تو کمپنی کے حصے دار بننے اور شیئرز ہولڈر ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے جائز ہے، اتفاق سے میں اس رائے سے بالکل متفق نہیں ہوں، کیونکہ ہر مسلمان بقدر حیثیت اتباع دین اور اشاعت دین کا مکلف ہے۔

رہا زکوۃ وغیرہ کا معاملہ تو کمپنی کے بنیادی ممبران کی ذمہ داری ہے یا پھر ہر شیئرز ہولڈر کی بقدر اثاثہ ذمہ داری ہے، کیونکہ ہر شیئر ہولڈر بقدر حصہ مالک ہے اور بتوسط قوت حاکمہ قابض ہے، اسی بنیاد پر اس کو اپنا شیئر کم یا زیادہ میں فروخت کرنے کا اختیار ہے، ورنہ بیع قبل القبض، یا بیع غیر مقدور التسلیم لازم آئے گی جو جائز نہیں۔

شیئرز۔ فقہ اسلامی کی روشنی میں

مولانا زبیر احمد قاسمی

اشرف العلوم کنہواں، سیتامڑھی

ایک بڑی رقم سے بڑے پیمانے پر تجارت و سرمایہ کاری کر کے زائد منافع حاصل کرنے کی غرض سے ''مشترک تجارت'' کے عنوان پر مختلف کمپنیاں ملک میں قائم ہیں اور ہو رہی ہیں۔ ہمارے علم واطلاع اور تحقیق وآ گہی کے مطابق تقریباً ساری کمپنیاں دو دور یا دو مرحلہ سے گذرتی ہیں۔

پہلا مرحلہ:

یہ دور و مرحلہ اس کے ابتدائی وجود و قیام کا ہوتا ہے، جس میں اولاً چند اشخاص پر مشتمل ایک بورڈ بنتا ہے جو بنام فلاں کمپنی اپنا اشتہار شائع کرتا ہے، جس میں کچھ اصول وضوابط کے ساتھ کسی خاص تجارت کے منصوبے اور طریقہ کار کی وضاحت، اس تجارت کے لئے جتنے سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کا اظہار، اور پھر اس میں شرکت اور حصہ دار بننے کی نوعیت و شرائط کو بیان کرتے ہوئے مطلوب سرمایہ کو مختلف حصوں پر تقسیم کر کے ایک ایک حصہ کو شیئرز سے موسوم کیا جاتا ہے، اور عام لوگوں کو اس شیئرز کے خریدنے کی دعوت دے کر گویا اس تجارت میں شریک ہونے اور اس مشترکہ سرمایہ کاری کے ذریعہ منافع حاصل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔

مثلاً زیر ہدف تجارت کے لئے مطلوب سرمایہ اگر ایک ہزار روپے ہیں اور اس کو سو حصہ کر کے کمپنی فروخت کرتی ہے، اور کوئی شخص ایک حصہ دس روپے دے کر اور کوئی دو حصہ بیس روپے دے کر خریدتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ پہلا خریدار پورے سرمایہ کا ایک فیصد اور دوسرا دو فیصد حصہ کمپنی کے حوالہ کرتا ہے اور سرمایہ میں ایک فیصد اور دو فیصد کا یہ دونوں مالک سمجھے جاتے ہے، چنانچہ تجارت شروع ہونے اور منافع حاصل ہونے کے بعد اسی حساب و تناسب سے منافع میں دونوں کو حصہ ملا کرتا ہے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ کمپنی کے اس ابتدائی وجود و قیام کے مرحلے میں جو شخص بھی شیئرز کا خریدار بنتا ہے وہ دراصل قیمت شیئرز کی صورت میں اپنا مال کمپنی کے حوالہ کرتا ہے کہ تجارت کرے اور منافع میں حسب ضابطہ و شرائط ہمیں شریک کرے۔

اب کمپنی کی طرف سے اس حصہ کی خریدگی کا جو ثبوت بشکل دستاویز اور شیئرز سرٹیفکیٹ دیا جاتا ہے وہ دراصل اسی قدر مال و مالیت کا ثبوت اور نمائندہ ہے جو اس شخص کا کمپنی کے مشترک سرمایہ میں حصہ ہوتا ہے اور بس۔ اب یہاں یعنی کمپنی کے اس ابتدائی مرحلہ کے دوران چند سوالات پیدا ہوں گے:

پہلا سوال تو یہ ہوگا کہ اس قسم کی کمپنیوں کے شیئرز کا اس ابتدائی مرحلہ میں خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہی ہوگا کہ اگر وہ کمپنی غیر شرعی کاروبار اور عقود فاسدہ کے ذریعہ منافع حاصل نہ کرنے کی پابند رہے تو جائز ہے، ورنہ تعاون علی الاثم کی معصیت کا ارتکاب ہوگا جو ناجائز ہے۔

دوسرا سوال یہ پیدا ہوگا کہ شیئرز کا یہ خریدار اول خواہ شیئرز سرٹیفیکٹ کے حاصل ہونے سے پہلے یا اس کے بعد اگر اپنا وہ حصہ فروخت کرنا چاہے تو کتنے میں بیچ سکتا ہے؟

اس کے جواب میں تفصیل یہ ہوگی کہ اگر کمپنی کی اعلان کردہ پالیسی اور کاروبار کے متعلق اس کے ضابطے اور طریقہ کار میں یہ طے ہو کہ جمع شدہ کل مشترک سرمایہ میں سے اتنا فیصد تو جامد املاک، اراضی، عمارت، مشین، فرنیچر وغیرہ میں مشغول رکھا جائے گا اور باقی حصہ سے منافع بخش کاروبار کر کے منافع حاصل کئے جائیں گے۔ لیکن کمپنی اب تک اپنے وجود و قیام کے ابتدائی مرحلے ہی میں ہے، کام صرف شیئرز کی بیع و شراء کے ذریعہ مطلوب سرمایہ جمع کرنے ہی کا ہو رہا ہے، جامد املاک، اراضی، عمارت، مشین، فرنیچر وغیرہ کے حصول تک کا کام شروع نہیں ہوا ہے، اور اسی دوران شیئرز کا کوئی خریدار اول اپنا شیئرز بیچنا چاہے تو وہ اپنے حصہ کی مالیت کے بقدر ہی نقد روپے کے بدلے فروخت کر سکتا ہے، کیونکہ یہ نقد کی نقد سے بیع ہوگی، مساوات ضروری اور کمی بیشی ناجائز ہوگی۔

دوسرا مرحلہ:

لیکن اگر کمپنی عملاً کاروبار شروع کر چکی ہے اور اب سارا نقدی سرمایہ طے شدہ پالیسی وضابطہ کے مطابق جامد املاک، اراضی وعمارت، مشین اور خام مال وغیرہ میں بدل چکا ہے تو اب پہلا شیئر ہولڈر فقہ کے مشہور ضابطہ "صرفا إلی خلاف الجنس" کے مطابق اپنا حصہ کمی بیشی کے ساتھ فروخت کر سکتا ہے۔

اگر کمپنی کی پالیسی اور اعلان کردہ ضابطہ اور طریقہ کاروبار یہ طے ہو کہ شیئر ہولڈروں سے حاصل کردہ پورا سرمایہ صرف منافع بخش کاروبار ہی میں مشغول رہے گا۔ کاروبار کے لئے ضروری اشیاء یعنی جامد املاک، عمارت و فرنیچر اور مشین وغیرہ میں وہ سرمایہ نہیں لگایا جائے گا، ایسی صورت میں اگر کوئی شیئرز ہولڈر اپنا شیئرز بیچنا چاہے تو پہلے تحقیق کرنی ہوگی کہ ان دنوں کمپنی کا سارا سرمایہ نقد و دیون کی شکل میں بدل چکا ہے، یا کچھ نقد دیون ہیں اور کچھ اسباب تجارت وعروض کی شکل میں بھی ہیں، اور پھر اس شیئرز ہولڈر کا منافع وغیرہ ختم ہو کر اب اس کا پورے سرمایہ میں کتنا حصہ کتنی مالیت کا بن چکا ہے۔ تب نقد دیون والی صورت میں اپنے حصہ کی مالیت کے مساوی نقد کے بدلے بیچے گا، کمی بیشی جائز نہ ہوگی۔ ہاں دوسری صورت جس میں کچھ نقد دیون بھی ہیں اور کچھ اسباب وعروض بھی ہیں، اس میں کمی بیشی کے ساتھ جتنی قیمت میں چاہے اپنا حصہ فروخت کر سکتا ہے۔ صرفا إلی خلاف الجنس معاملہ جائز ہوگا۔

آج کل کمپنیوں کی واقعی حیثیت:

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ کمپنی کی امکانی نوعیت وحیثیت کے پیش نظر کیا گیا ہے لیکن عموماً کمپنیوں کی جو نوعیت ہے اس سے واقف وباخبر بعض حضرات سے گفتگو کے بعد معلوم ہوا کہ دراصل کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرس کمپنی کے جملہ منجمد اثاثے، اراضی وعمارت، فرنیچر اور مشین وغیرہ کا مالک ہوتا ہے، اور شیئرز کی بیع وشراء کے ذریعہ شیئرز ہولڈروں سے جو سرمایہ جمع ہوتا ہے اسی سے منافع بخش کاروبار کئے جاتے ہیں۔ گو اس میں وہ بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئرز کے خریدار ہو کر شیئرز ہولڈر کی حیثیت بھی حاصل کئے رہتے ہیں اور سب کے سب اپنے اپنے شیئرز کی مناسبت

سے حسب ضابطہ وشرائط منافع میں بھی شریک ہوتے ہیں۔

اگر کمپنی کی واقعی نوعیت یہی ہے تو پھر سب سے پہلے یہ طے کرنا ہوگا کہ جب بورڈ آف ڈائریکٹرس اپنا سرمایہ بھی لگاتے ہیں اور عملاً کاروبار میں حصہ بھی لیتے ہیں، اور عام طور پر جو شیئرز ہولڈر ہوا کرتے ہیں وہ قیمت شیئرز کی شکل میں صرف اپنا سرمایہ کمپنی کے حوالہ کرتے ہیں، کسی کاروبار میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیتے تو فقہی اصطلاح میں یہ کون سا معاملہ ہوا۔

شیئرز کی خریداری عقد قرض ہے یا شرکت یا مضاربت:

میں نے اپنے طور پر جتنا غور کیا اسی نتیجے پر پہونچا کہ یہ دراصل مضاربت ہے۔ عقد شرکت فی العنان بھی کہنا مشکل ہے۔ اور قرض واستقراض تو ہرگز نہیں، ورنہ پھر منافع مطلقاً حرام بن جائے۔ عقد شرکت بھی نہیں، کیونکہ فقہاء لکھتے ہیں: **وأما العمل فی الشرکة فمن الجانبین فلو شرط خلوص الید لأحدهما لم تنعقد الشرکة لانتفاء شرطها وهو العمل منهما** (التحریر المختار للعلامہ الرافعی ۲/۱۷)۔

آگے لکھتے ہیں: **شرط منها شرط لتحقق الشرکة وإذا شرط علی أحدهما تکون مضاربة** (حوالہ سابق)۔

مذکورہ بالا فقہی نصوص کا واضح مطلب یہی نکلتا ہے کہ کمپنی کے شیئرز ہولڈرس جب قیمت شیئرز کی شکل میں اپنا سرمایہ کمپنی کے حوالہ کر کے عملاً اور اصالۃً کاروبار میں کوئی حصہ نہیں لیتے تو رب المال کے درجہ میں ہوئے اور کمپنی مضارب ہوئی۔ ہاں کمپنی میں شریک وہ سارے لوگ جو اپنا اپنا سرمایہ بھی لگاتے ہیں اور پھر سب عمل تجارت اور اس کے متعلقہ کاموں میں عملی طور پر حصہ بھی لیتے ہیں وہ لوگ باہم شرکاء کہلا سکتے ہیں۔ اور یہ شرعاً ممکن وجائز ہے کہ چند شرکاء کے مشترک کاروبار میں کچھ اور لوگ محض بعقد مضاربت شریک فی النفع ہو جائیں، اور یہ رب المال حضرات محض شریک فی النفع ہوں، کمپنی کے منجمد املاک، عمارت وفرنیچر اور صنعت وحرفت کے آلات ومشین میں شریک نہ قرار پائیں۔

شیئرز سرٹیفکیٹ محض ثبوت ودستاویز ہے:

میری نظر میں سارے شیئرز ہولڈرس کو جو کمپنی یا اس کے ایجنٹ کی طرف سے شیئرز سرٹیفکیٹ دی جاتی ہے وہ محض اس بات کا ثبوت ہے کہ اس شیئرز ہولڈر کا فلاں کمپنی میں اتنا سرمایہ اور اتنی ملکیت مسلّم وموجود ہے، یعنی وہ سرٹیفکیٹ کمپنی میں شیئرز ہولڈر کی ملکیت وحصص کی نمائندگی کرتی ہے۔

مرسلہ سوالوں کے مختصر جوابات

۱۔ شیئرز سرٹیفکیٹ کمپنی میں شیئرز ہولڈر کی ملکیت کی نمائندہ ہے، اور کمپنی کے جمع سرمایہ میں حسب تناسب حصہ دار ہونے کی دلیل وثبوت ہے۔

بعض وہ صورت جس میں باہمی قرارداد سے کمپنی تحلیل ہو جاتی ہے اور تمام شیئرز ہولڈرس کو اس کے شیئرز کے تناسب سے اگر صرف تجارتی اثاثے میں حصہ ملتا ہے، نفع ہو تو نفع کے ساتھ اور نقصان ہو تو خسارہ کے ساتھ تو یہ

دراصل تقسیم اثاثہ ہے جو ہونا ہی چاہئے، اور حسب شرائط وضابطہ نفع ونقصان دونوں میں شرکت ہونی ہی چاہئے، اور ظاہر ہے کہ یہ تقسیم اسی شیئرز سرٹیفیکٹ کی بنیاد پر حصہ رسدی ہوتی ہوگی، اور اگر کمپنی کی تحلیل کے بعد سارے شیئرز ہولڈرس کو بھی جمیع املاک حتی کہ اراضی وعمارت، فرنیچر وغیرہ کے ساتھ تجارتی اثاثے میں حسب تناسب حصہ ملا کرتا ہے، تو یہ کمپنی کی اسی نوعیت وحیثیت میں ہوگی جس میں شیئرز سے حاصل شدہ جمع سرمایہ کا کچھ حصہ جامد املاک کے مہیا کرنے میں مشغول رکھا گیا ہوگا اور بقیہ سرمایہ سے تجارتی اور منافع بخش کاروبار کئے گئے ہوں گے۔

۲۔ کسی کمپنی کے ابتدائی وجود وقیام کے مرحلہ میں جب شیئرز کا اعلان ہوتا ہے اور کوئی شخص شیئرز خرید لیتا ہے تو جب تک وہ سرمایہ کاروبار میں لگ کر اسباب وعروض کی شکل میں بدل نہیں جاتا، کسی شیئرز ہولڈر کا اپنا حصہ فروخت کرنا اپنے حصہ کی مالیت کے بقدر مساوی ہی جائز ہوگا، کمی بیشی ناجائز ہوگی۔

۳۔ کمپنی کے دوسرے مرحلہ میں داخل ہوجانے یعنی عملاً کاروبار شروع ہوجانے کے بعد جن ایام میں اثاثہ مخلوط من النقد والعروض ہوگا تو شیئرز ہولڈر اپنے حصہ کی فروخت کمی بیشی کے ساتھ کرسکتا ہے۔ صرفاً الی خلاف الجنس معاملہ جائز ہوگا، ورنہ پھر بقدر مساوی ہی بیچنا جائز ہوسکے گا۔

۴۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہوگا اس کے شیئرز کی خریداری مسلمانوں کے لئے تعاون فی الاثم کی بناپر جائز نہیں ہوگی۔

۵،۶۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہو مگر کبھی کاروبار کے خاص اور ناگزیر حالات میں بدرجہ مجبوری سودی قرضہ لینا پڑتا ہو تو قاعدہ فقہیہ "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" کے تحت جب کسی مسلمان تک کے لئے یہ استقراض مباح ہوجاتا ہے تو کمپنی جو غیر مسلم فرد اعتباری کے درجہ میں ہے اس کے لئے یہ استقراض تو بدرجہ اولی جائز ہو گا، اور ایسی کمپنیوں کا شیئرز خریدنا یقیناً جائز ہوگا، اگر کمپنی سود لے تب ناجائز ہوگا۔

۷۔ سودی قرضہ بوقت مجبوری اور بوجہ حاجت شرعیہ لیا جائے، یا بلا حاجت شرعیہ محض فروغ تجارت کے لئے لیا جائے، پہلی صورت میں بطور قرض حاصل کردہ مال تو حلال ہی ہوگا اور اس سے حاصل شدہ منافع بھی حلال ہی رہیں گے۔ البتہ دوسری صورت میں ضابطہ شرعیہ "حرمة العقد لا يستلزم حرمة المال" کے تحت قرض کے طور پر حاصل کردہ مال اور پھر اس سے حاصل کردہ منافع کو مباح وحلال ہی رہیں گے، لیکن بلا حاجت شرعیہ چونکہ استقراض بالربح کا یہ عقد حرام افراد کمپنی، بورڈ آف ڈائرکٹرس نے اصالۃ (بشرط اسلام) اور تمام مسلمان شیئرز ہولڈرس نے وکالۃً کیا، اس لئے عنداللہ مجرم وگنہگار ہوں گے۔ بایں ہمہ "حرمة العقد لايستلزم حرمة المال" کے مطابق مال ومنافع حلال وطیب ہی کہلائیں گے۔

۸۔ جیسا کہ اوپر ہم نے تفصیلاً لکھا ہے اس کی روشنی میں واقعہ یہی ہے کہ شیئرز ہولڈر کی حیثیت ایک رب المال کی اور کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس فرد اعتباری کی حیثیت مضارب ہی کی ہوتی ہے۔

المضاربة توكيل بالعمل لتصرفه بأمره (درمختار ۴؍۴۸۴)۔

۹۔ اگر کوئی شیئرز ہولڈر سودی قرضہ لینے سے اپنے اختلاف کا اعلان کردے اور اپنی وسعت کے مطابق بورڈ آف ڈائریکٹرس کو استقراض بالربح سے روک دے تو گو یہ غیر موثر ہی ہو، مگر یہ عند اللہ کمپنی کے فعل حرام کی ذمہ داری سے انشاء اللہ بری الذمہ ہوگا۔

۱۰۔۱۱ اگر کوئی کمپنی منافع حاصل کرنے میں عقود فاسدہ و باطلہ کی پرواہ نہ کرے حتی کہ قرض دے کر سود حاصل کرنے سے بھی احتراز نہ ہو، یا قانونی مجبوری کے تحت ہی کمپنی کو اپنا سرمایہ بینک میں رکھ کر سود لینا پڑے، یا سیکورٹی بانڈس خرید کر سود لینے سے نہ بچ سکے گویا وہ کمپنی عقود فاسدہ و باطلہ کے ذریعہ منافع حاصل کرنے سے بچنے کی پابند نہ رہ سکے تو ان سارے حالات و معاملات سے واقف ہوتے ہوئے کسی مسلمان کے لئے شرعاً جائز نہیں ہوگا کہ وہ ایسی کسی کمپنی کا شیئرز خریدے۔

بایں ہمہ اگر کسی مسلمان نے ایسی کمپنی کا شیئر خرید ہی لیا تو گرچہ وہ اس فعل حرام کے سبب عند اللہ مجرم و گنہگار قرار پائے گا لیکن کمپنی کی طرف سے جو منافع اس کو حصہ رسدی سے ملے گا اس میں وہ منافع بھی یقیناً شامل ہوگا جو مال حلال سے بطریقہ حلال حاصل کیا گیا ہوگا۔ اس لئے ورع و تقوی اور احتیاط کا تقاضا تو یہی ہوگا کہ شیئرز ہولڈر اپنے حصہ سے اپنے علم و تحقیق، قیاس و تخمین بظن غالب کے مطابق سودی آمدنی اور اس سے حاصل شدہ منافع کے بقدر نکال کر صدقہ کردے۔ لیکن چونکہ خلط استہلاک اور تقسیم مطہر مال ہو جاتا ہے اس لئے اس تمام ملے ہوئے منافع کو خود شیئرز ہولڈر بھی از روئے فتوی استعمال میں لاسکتا ہے۔ اس صورت کی پوری تفصیل اور اس کے مفصل دلائل امداد الفتاوی (۳/۴۹۸) میں مذکور ہیں۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت فی نفسہ جائز و صحیح ہے، حضرت تھانویؒ نے اسے بیع حظوظ الائمہ (اوقاف کے وہ حصے جس کو واقف نے ائمہ مساجد پر وقف کیا ہو) پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا ہے: **حاصله جواز بيع الحقوق الموجودة قبل القبض دون المعدومة** (امداد الفتاوی ۳/۴۹۵)۔ ہمارے خیال میں شیئرز کی بیع دراصل اس حصہ حقوق کی بیع ہے جو کسی شیئرز ہولڈر کا اس کمپنی میں حسب ضابطہ بشکل سرمایہ و منافع رہتا ہے۔ اب بازار کے اتار چڑھاؤ، کمپنی کی ساکھ اور کاروبار کی نوعیت سے ہر حصہ کے منافع کا اضافہ کبھی تھوڑی تھوڑی مدت ہی میں نمایاں محسوس ہونے لگتا ہے، اور ہر تجربہ کار ذہن جسے کاروباری معاملات سے تعلق ہوتا ہے اور بازار کی رسد و طلب کے تجزیہ کی صلاحیت ہوتی ہے وہ اندازہ کرلیتا ہے کہ کس کمپنی کے شیئرز کی مالیت و قدر اور اس کا ویلوویشن کب کتنا بڑھ گیا ہے، اس طرح ان شیئرز کے زیادہ منافع بخش ہونے کا تصور ہونے لگتا ہے اور پھر ان شیئرز کی فروخت زیادہ سے زیادہ ثمن میں ہونے لگتی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ کسی شیئر کی قدر اور ویلوویشن کے بڑھنے یا گھٹنے کا پتہ کمپنی کے اعلانیہ وغیرہ کے علاوہ بازار کے حالات اور کمپنی کی ساکھ کی روشنی میں قیاس و تخمین سے ہی ہوا کرتا ہے۔

اب کبھی یہ قیاس واقع کے مطابق بھی ہوتا ہے اور کبھی خلاف واقعہ، مگر اپنی جگہ یہ بھی امر واقعی ہی ہوتا ہے کہ کمپنی کے کاروباری مرحلہ میں داخل ہو جانے کے بعد عام حالات میں سارا سرمایہ صرف نقد و دیون ہی کی شکل میں متبدل نہیں ہو جاتا بلکہ ہمیشہ سرمایہ کا کچھ حصہ بشکل نقد و دین رہتا ہے تو کچھ حصہ بشکل اسباب و عروض و خام مال بھی

رہا کرتا ہے، اور شیئرز ہولڈر کا حق اپنے شیئرز کے بقدر نقد و دین اور اسباب وعروض اور خام مال سبھی میں دائر وسائر ہوتا ہے، اس لئے ان شیئرز کا جو بھی ویلوویشن اور قدر و مالیت ظن وتخمین سے قرار دے کر جس قیمت میں بھی خریدا اور بیچا جائے، صرفا إلی خلاف الجنس یہ معاملہ حد جواز ہی میں رہے گا۔

۱۳۔ شیئرز مارکیٹ میں وہ سودا جسے فیوچر سیل (بیاعات مستقبلیات) کہا جاتا ہے اس کے مقصد اور طریقہ کار کی جو وضاحت سوال میں کی گئی ہے، یہ تو ہماری سمجھ کے مطابق سٹہ بازی اور جوابازی ہے، جسے حرام ہی کہا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

۱۴۔ اگر اس سوال کا مقصد وہی فیوچر سیل ہے تب تو حکم اوپر لکھا جاچکا ہے، اور اگر بیع سَلَم کی طرح کا کوئی دوسرا معاملہ مراد ہے تو عقد سَلَم کی شرائط کے ساتھ اسے جائز کہا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔ بہرحال یہ سوال میری سمجھ میں نہیں آیا۔

۱۵۔ شیئرز کی جب اصل حیثیت یہ ٹھہری کہ دراصل وہ شیئرز ہولڈر کا حق وحصہ ہوتا ہے جو اس کمپنی کے اثاثے اور تجارتی سامان وعروض وغیرہ میں ہوتا ہے اور شیئرز سرٹیفکیٹ صرف اس حصہ وحق کا ایک ثبوت ہوتا ہے، تو شیئرز کی نقد بیع کا مطلب یہ ہوا کہ صاحب شیئرز اپنے اس حصہ وحق کا جو اس کمپنی میں موجود وثابت ہے عوض لے کر خریدار کے حق سے دست بردار ہوگیا۔ گویا شیئرز کی بیع وشراء ایک کے لئے اپنے حق سے دست برداری ہوتی ہے اور دوسرے کے حق میں اس حصہ وحق پر اس کی ملکیت کا اثبات ہوتا ہے۔

۱۶۔ اسے صلح وتخارج کے عنوان سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے یعنی شیئرز کے بائع نے کچھ عوض لے کر مشتری کے حق میں اپنے حصہ کے استحقاق سے دست بردار ہوگیا، شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ ہونے نہ ہونے سے اس معاملہ میں کچھ فرق نہیں ہوسکتا، شیئرز کی اس پہلی بیع وشراء کے بعد جو دوسری یا تیسری بیع ہوگی سب کی حیثیت وہی اپنے حق وحصہ سے دست برداری اور تخارج کی قرار دی جاتی رہے گی، اور حق موجودہ کی بیع قبل القبض کا جواز اوپر لکھا جاچکا ہے۔

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج بازار میں شیئرز کی خرید وفروخت کے لئے واسطہ بننے والے جسے ''بروکر'' کہتے ہیں اور جس کی حیثیت ایک ایجنٹ کی ہوتی ہے، کا یہ عمل فریب ودغا سے اگر خالی ہو تو ''اجیر مشترک'' کی طرح ایک اجرت معینہ پر یہ ایجنٹی جائز کہی جائے گی ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

حصص کی شرعی حیثیت

مولانا عبدالجلیل قاسمی

امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ

۱۔ کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ محض کمپنی کو رقم دیئے جانے کی دستاویز نہیں ہے۔ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں موجودہ قانون کے مطابق اس کی املاک ضبط کر کے اس کے قرض ادا کئے جاتے ہیں، اس وقت اس کے حصہ کے تناسب سے کمپنی کے اثاثے قرق نہیں کئے جا سکتے۔ یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ شیئرز کمپنی کو دی گئی رقم کی دستاویز ہے۔

اگر کوئی شخص مفلس ہو تو صاحبین کے نزدیک اس کی منقولہ بلکہ غیر منقولہ اشیاء، اراضی وغیرہا بھی فروخت کر کے اس کے قرضہ کی ادائیگی کی جائے گی، لیکن اس کا رہائشی مکان فروخت کر کے قرضہ ادا نہیں کیا جاتا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ مکان کا مالک نہیں ہے۔

اسی طرح اگر حکومت نے کسی مصلحت کی وجہ سے یہ قانون بنا دیا کہ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں اس کے حصہ کے تناسب سے کمپنی کے اثاثے قرق نہیں کئے جائیں گے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اثاثوں کا مالک نہیں ہے۔ بلکہ کمپنی اگر تحلیل ہو جائے تو شیئر ہولڈر کو اس کے شیئرز کے تناسب سے اثاثوں میں حصہ ملنا واضح ثبوت اور مضبوط دلیل ہے کہ شیئر اثاثوں میں ملکیت کا ثبوت ہے نہ کہ قرض کی دستاویز۔

۲۔ جب تک کمپنی کے پاس املاک نہیں ہیں اس وقت تک کمپنی کے شیئرز کی بیع کی جائے تو یہ نقد کی بیع نقد سے ہے۔ اس میں بیع صرف کے احکام جاری ہوں گے یعنی نہ کمی زیادتی ہو اور نہ ادھار ہو۔

اگر شیئر ہولڈر ایسی صورت میں اپنے شیئر کو کم قیمت یا زیادہ قیمت میں فروخت کرے گا تو ناجائز ہوگا، اس لئے کہ یہ سود ہوگا اور وہ ناجائز ہے۔

لیکن اگر جتنے روپے میں شیئر خریدا ہے اتنے روپے ہی میں فروخت کرتا ہے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے اس کو ناجائز کہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: اسی طرح حصص خریدنا چونکہ یہ روپیہ کا مبادلہ روپے سے ہے، اور دست بدست نہیں ہے، اس لئے ناجائز ہے (امداد الفتاوی ۳/۱۳۰)۔

حضرت تھانویؒ کا یہ جواب کمپنی کے کاروبار شروع کئے جانے کے بعد شیئر کی خریداری کے بارے میں ہے، اس لئے حاشیہ میں یہ کہہ کر کہ حصص بصورت عروض تجارت و مشینری ہوتے ہیں، اس لئے روپیہ کا مبادلہ روپے سے نہیں ہے بلکہ عروض سے ہے۔ اس کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

لیکن یہاں کاروبار شروع کرنے سے قبل جب کہ تمام شیئرز ابھی نقد کی صورت میں موجود ہیں، حصص نقد ہی ہیں، اس لئے یہاں نقد کی بیع نقد سے ہے۔

حضرت تھانویؒ نے اپنے اس جواب میں لکھا ہے کہ ہر حصہ دار اپنے حصہ کا مالک ہوتا ہے اور عملہ کاروبار میں ان حصہ داروں کا وکیل ہوتا ہے، اور شرعاً ان کا فعل حصہ داروں کی طرف منسوب ہوگا۔ اگر وہ کوئی ناجائز تجارت کریں گے .... تو ایسا ہی ہوگا جیسے خود حصہ دار ادا کریں۔

حضرت تھانویؒ نے کمپنی کے عملہ کو حصہ داروں کا وکیل تسلیم کیا ہے، تو جس طرح وکیل ہونے کی حیثیت سے جو کچھ وہ کریں گے سب حصہ داروں کا عمل سمجھا جائے گا۔ تو پھر ان عملہ کے قبضہ کو حصہ دار کا قبضہ کیوں نہیں تسلیم کیا جائے۔ اور شیئر ہولڈر اپنا شیئر فروخت کر رہا ہے۔ جب تک وہ شیئر ہولڈر تھا عملہ اس کا وکیل ہے اور شیئر کی رقم جو عملہ کے قبضہ میں ہے خود شیئر ہولڈر کے قبضہ میں ہے، اور جس وقت اس نے فروخت کر دیا، اس کے مساوی روپے لے لیا تو اب خریدار شیئر ہولڈر ہو جائے گا اور عملہ اس کا وکیل ہوگا، اور عملہ کا قبضہ اس کا قبضہ مانا جائے گا۔ پھر یہ کہنا کہ یہ دست بدست نہیں ہے ناقابل فہم ہے، اس لئے میرے خیال میں اگر مساوی قیمت میں فرق ہو تو اس کو ادھار کہہ کر ناجائز نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی اجازت دی جانی چاہئے۔

۳۔ کاروبار شروع ہو جانے کے بعد جب کمپنی کا اثاثہ نقد اور املاک کا مجموعہ ہے تو اس کو کم زیادہ پر فروخت کرنا جائز ہے۔ نقد کے مقابلہ میں نقد اور باقی املاک کے مقابلہ میں سمجھا جائے گا۔ مثلاً اگر ایک شیئر ایک ہزار روپے کا ہے تو اس میں سے چھ سو روپے نقد اور چار سو روپے کے املاک ہیں۔ اگر شیئر ہولڈر نے اس کو بارہ سو روپے میں فروخت کر دیا تو چھ سو روپے کے مقابلہ میں چھ سو روپے اور املاک کے مقابلہ میں چھ سو روپے ہوئے۔ اسی طرح اگر اس نے آٹھ سو روپے میں فروخت کیا تو چھ سو کے مقابلہ میں چھ سو ہوں گے۔ اور دو سو روپے املاک کے مقابلہ میں ہوں گے، اس لئے یہ بیع جائز قرار پائے گی۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے ان کے شیئرز کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

۵۔ بچنا بہتر ہے، لیکن اگر کوئی شریک ہونا چاہے تو اجازت دی جانی چاہئے۔

۶۔ اس میں بھی پرہیز کرنا اولی ہے، اور شرکت کی اجازت دی جانی چاہئے۔

نوٹ: سوال نمبر ۵ و ۶ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری قانون کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کبھی قرض لینا پڑتا ہے اور کبھی قرض دینا پڑتا ہے۔ ایسی حالت میں مناسب یہ ہے کہ جتنا سرمایہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑے، سیکورٹی بانڈس خریدنے پڑیں، اتنی رقم انکم ٹیکس کی زد سے بچنے کے لئے قرض کی شکل میں لی جائے تاکہ جس قدر سود کی رقم بینک سے ملے اسی قدر سود کی شکل میں اس کو واپس کر دیا جائے، اس طرح صرف سود کا حساب ہوگا، نہ سود دینا ہوگا نہ لینا ہوگا۔

۷۔ سودی قرض لینا بلا مجبوری کے جائز نہیں ہے، یہ عمل غلط ہے، لیکن قرض میں لی گئی رقم میں کوئی خبث نہیں ہے۔ قرض لینے والا اس کا مالک ہوگا، اس کے ذریعہ کاروبار کر کے جو منافع حاصل کیا جائے وہ بلاشبہ حلال ہوگا۔

۸۔ جی ہاں! بلکہ کمپنی کا پورا عملہ حصہ داروں کا وکیل ہے اور عملہ کا عمل حصہ داروں کا عمل سمجھا جائے گا۔ حضرت

تھانویؒ لکھتے ہیں: ''عملہ کاروبار میں حصہ داروں کا وکیل ہوتا ہے، اور شرعاً ان کا فعل حصہ داروں کی طرف منسوب ہوگا، اگر وہ کوئی ناجائز تجارت کریں گے...... تو ایسا ہی ہوگا جیسے خود حصہ دار کریں (امداد الفتاوی ۳/۱۳۰)۔

۹۔ صرف اختلاف کا اعلان کر دینا کافی نہیں ہوگا اس کو کمپنی سے الگ ہو جانا چاہئے۔

۱۰۔ کافی ہوگا۔

۱۱۔ اگر نکال دے تو اچھا ہے ورنہ ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ روپیہ ثمن ہے اور وہ متعین نہیں ہوتا ہے، اس لئے اگر سود کی رقم سرمایہ میں ملی ہوئی ہے تو منافع کا سودی رقم کا نفع ہونا متعین نہیں ہوگا۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی ہے۔

۱۳۔ یہ قمار ہے اور حرام ہے۔

۱۴۔ سوال کی وضاحت کی جائے، اگر مقصد یہ ہے کہ مال موجود نہیں ہے اور بائع مشتری سے وعدہ کرتا ہے کہ میں مال منگا دوں گا، پھر مال منگا کر مشتری کو دیتا ہے تو یہ وعدہ ہے، مال منگانے پر ان کو ایجاب وقبول کرنا چاہئے، یہ درست ہوگا۔ لیکن مال منگانے کے بعد نہ بائع پر بیع لازم ہوگی نہ مشتری پر۔ بائع کو اختیار ہے کہ وہ بیع کرنے سے انکار کردے، اسی طرح مشتری کو حق ہے کہ نہ خریدے۔ کیونکہ دونوں میں بیع نہیں ہوئی ہے صرف وعدۂ بیع ہے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد ہے تو اس کی وضاحت کی جائے۔

۱۵۔ بوقت بیع وشراء ہی کمپنی کے اثاثوں اور املاک پر شیئر ہولڈر کی ملکیت آجاتی ہے۔ اور بحث میں گذر چکا ہے کہ کمپنی کا عملہ شیئر ہولڈر کا وکیل ہے۔ ان کا قبضہ ہی شیئر ہولڈر کا قبضہ سمجھا جائے گا۔ ملکیت بیع وشراء سے ہوتی ہے نہ کہ سرٹیفکیٹ سے۔ شیئرز سرٹیفکیٹ ملکیت کا ثبوت ہے نہ کہ علت کا، اس لئے عملہ کا قبضہ ہی اس کا قبضہ سمجھا جائے گا۔

۱۶۔ خرید کردہ شیئر کی موجودہ قیمت خریدار نے ادا کر دی ہے، اگر وہ سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے قبل دوسرے کو فروخت کر دے تو جائز ہوگا۔

۱۷۔ جن صورتوں میں شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے اس میں واسطہ بننا بھی جائز ہوگا، یعنی بروکر بننا جائز ہوگا۔ اور خرید وفروخت کی جو صورتیں ناجائز ہیں ان میں واسطہ بننا بھی ناجائز ہوگا۔

فقہ اسلامی میں شیئرز کی حیثیت

مولانا عتیق احمد قاسمی

دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۔ کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، شیئر خرید کر شیئر ہولڈر کمپنی کے املاک و اثاثوں میں اپنے شیئر کے بقدر شریک ہوجاتا ہے، یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ شیئرز کی خریداری کمپنی میں شراکت نہیں ہے بلکہ شیئر سرٹیفکیٹ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ حامل سرٹیفکیٹ نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے۔

حضرت تھانویؒ کا یہ موقف بالکل درست ہے کہ اپنی روح کے اعتبار سے کمپنی شرکت عنان میں داخل ہے، اگرچہ کمپنی کی بعض ایسی خصوصیات ہیں جو معروف شرکت عنان میں نہیں پائی جاتیں، لیکن ان کی وجہ سے عنان کی حقیقت تبدیل نہیں ہوتی، شیئرز سرٹیفکیٹ کو محض قرض کی دستاویز ماننا صحیح نہیں ہے۔

۲۔ جس کمپنی کے تمام اثاثے نقد کی صورت میں ہیں، اس کمپنی نے ابھی اپنے نقد اثاثے کو کسی اور شکل میں تبدیل نہیں کیا ہے، اس کمپنی کے شیئرز کو کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے، جتنے میں شیئرز خریدا ہے (فیس ویلو پر) اتنے ہی میں فروخت کیا جاسکتا ہے، یہ دراصل روپے کی فروخت روپے کے بدلے میں ہے۔

۳۔ جس کمپنی کے کچھ اثاثے نقد روپے کی شکل میں ہوں اور کچھ سرمائے زمین، جائداد، مکان ودوکان، تیار شدہ مال یا خام مال کی شکل میں، اس کے شیئر کی بیع اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ حساب کرنے پر ہر شیئر میں جتنا نقد روپیہ آتا ہے اس سے زیادہ کے بدلے میں شیئر خریدا جائے، اس کے مساوی یا اس سے کم کے بدلہ میں نہ خریدا جائے۔ مثلاً کمپنی کے نقد روپیوں کا حساب لگانے پر ہر شیئر میں دس روپیہ آتا ہے تو ایک شیئر کی خریداری دس روپے یا اس سے کم میں نہ ہو بلکہ اس سے زیادہ پر ہو، تاکہ دس روپے دس روپیوں کے بدلے میں ہوجائیں، اور دس سے زیادہ جو قیمت طے ہوئی وہ شیئر پر آنے والے دوسرے جامد اور غیر جامد اموال کے بدلے میں ہوجائے۔

۴۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہے اس کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔

۵۔ جن کمپنیز کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن انہیں بعض اوقات انکم ٹیکس وغیرہ کی زد سے بچنے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا درست ہے۔

۶۔ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کو اگر قانونی جبر کے تحت اپنا کچھ سرمایہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے یا سیکورٹی بانڈس خریدنے پڑتے ہیں جن پر انہیں سود ملتا ہے، ایسی کمپنیوں کا شیئر خریدنا بھی جائز ہے، لیکن ملنے والے سود کا حساب کتاب الگ رکھنا ضروری ہے، سودی رقم کا استعمال نہ کمپنی کرسکتی ہے نہ شیئر ہولڈرس۔

۷۔ سودی قرض حاصل کرنے کی صورت میں اس قرض کی رقم سے کیے گئے کاروبار سے حاصل ہونے والے منافع قرض لینے والے شخص کی ملکیت ہوں گے، قرض مفید ملک ہے، قرض کی رقم کو اگر جائز کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کیا گیا ہے تو وہ نفع بلاشبہ حلال ہے، ہاں قرض دے کر سود حاصل کرنے والا سخت گنہگار ہے، سود کی رقم اس کی ملکیت نہیں ہے، اسی طرح انتہائی ضرورت اور مجبوری کے بغیر سود بردار قرض حاصل کرنا بھی شدید گناہ ہے۔

۸۔ بلاشبہ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے اور اس کا عمل شیئرز ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا۔

۹۔ کسی کمپنی میں شرکت، اس کے شیئرز کی خریداری انسان کا اختیاری عمل ہے، کمپنی جب تک صحیح خطوط پر کام کر رہی ہے، اس کا کاروبار اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے اس میں شرکت باقی رکھی جا سکتی ہے، لیکن جب کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرس غلط فیصلہ کرنے لگے، کمپنی کے ڈھانچے میں غیر اسلامی اجزاء شامل کرنے لگے تو کمپنی میں شرکت باقی رکھنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ کمپنی کا سودی قرض حاصل کرنا (اگر قانونی جبر کی بنا پر نہ ہو) ایک ناجائز عمل ہے۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس چونکہ تمام شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے اس لئے اس کے فیصلہ کی ذمہ داری شرعاً تمام شیئر ہولڈرس پر عائد ہوتی ہے۔

جو کمپنی درکار سرمایہ کا ایک معتد بہ حصہ بینکوں سے سودی قرض لے کر فراہم کرتی ہے، ایسی کمپنی کے شیئرز خرید کر صرف سالانہ میٹنگ میں سودی لین دین کے خلاف آواز اٹھا کر مطمئن ہو جانا کہ کمپنی کے سودی معاملات سے ہماری براءت ہو گئی، درست نہیں ہے۔ کیونکہ شیئرز کی خریداری کمپنی میں شرکت ہے، اور شرکت میں ہر شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے، یہ وکالت خواہ کتنی کمزور مانی جائے بہرحال موکل وکیل کے تصرف کی ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتا۔

ہاں جو لوگ دوسرے میدانوں میں سرمایہ کاری سے معذور ہیں، مثلاً کوئی بیوہ یا معمر وضعیف شخص ہے، اس کے پاس کچھ سرمایہ ہے، اس سرمایہ سے خود تجارت کرنا اس کے بس میں نہیں ہے، کسی اور شخص کو مضاربت پر دیں تو دیانت کی کمی کی وجہ سے اصل سرمایہ ڈوب جانے کا خطرہ ہے، سرمایہ منجمد رکھے تو سرمایہ رفتہ رفتہ خرچ یا تحلیل ہو جائے نیز اپنے پاس سرمایہ رکھنے میں اس کی حفاظت کا بھی مسئلہ ہے، اس معذور شخص کے سامنے دو ہی راستے ہیں، یا تو بینک میں فکس ڈپازٹ کر کے سود حاصل کرے یا ایسی کمپنی کے شیئرز خریدے جس کا اصل کاروبار حلال ہے لیکن وہ کمپنی سودی قرض حاصل کرنے میں بھی ملوث ہے، ایسے معذور شخص کے لئے بینک میں فکس ڈپازٹ کرنے کے مقابلہ میں اس کمپنی کے شیئرز خریدنا اہون ہے، اس کے لئے شرعاً مذکورہ بالا کمپنی کے شیئرز خریدنے کی گنجائش ہے۔

۱۰۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو (مثلاً کمپنی کو اپنے سرمایہ کا کچھ فیصد لازماً ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہو اور اس جمع شدہ رقم پر اسے سود ملتا ہو) اور اس کی مقدار معلوم ہو تو منافع میں سے سود کے بہ قدر نکال کر صدقہ کر دینا شیئر ہولڈرس کے لئے ضروری ہے۔

۱۱۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا ہے اتنا فیصد ملنے والے منافع سے نکال کر صدقہ کرنا ضروری ہے۔

۱۲۔ جن کمپنیوں کے شیئرز خریدنا شرعاً جائز ہے ان کے شیئرز کی تجارت بھی جائز ہے، حلال کاروبار کرنے والی

کمپنیوں کے شیئرز خواہ اس نیت سے خریدے جائیں کہ ان پر سالانہ ملنے والے منافع سے استفادہ کریں گے، یا اس نیت سے خریدے جائیں کہ شیئرز کی قیمت چڑھنے پر انہیں فروخت کردیں گے، بہر دوصورت ان کی خرید وفروخت درست ہے، تجارت میں خرص وتخمین کا عنصر تو ہوتا ہی ہے، خرص وتخمین کی بنا پر تجارت کو ممنوع قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۱۳۔ فیوچر سیل جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ آخر میں جاکر آپس کا فرق (Deference) برابر کرلیا جاتا ہے، اس میں نہ تو شیئرز پر قبضہ ہوتا ہے اور نہ قبضہ پیش نظر ہوتا ہے، یہ ایک قسم کی سٹہ بازی ہے اس لئے شریعت اسلامی میں اس کی گنجائش نہیں۔

۱۴۔ غائب سودا جس میں بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے وہ شرعاً بیع نہیں ہے، کیونکہ فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آئندہ زمانہ کی طرف بیع کی اضافت یا تعلیق ناجائز ہے، اس کو بہت سے بہت وعدہ بیع کہا جاسکتا ہے، وقت مقررہ آنے پر مکمل بیع کرنی ہوگی۔

۱۵۔ شیئرز کے نقد سودے میں بعض انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ میں ہفتہ دو ہفتہ کی جو تاخیر ہوتی ہے اس سلسلہ میں پیدا شدہ سوال کا جواب یہ ہے کہ شیئر مارکیٹ سے شیئرز کی نقد خریداری کرتے ہیں، اگر خرید کردہ شیئرز قانوناً خریدار کی ملکیت میں آجاتے ہیں اور ان کا نفع یا نقصان خریدار کی طرف لوٹتا ہے تو اسے شیئرز پر خریدار کا قبضہ تصور کیا جائے گا اور ان شیئرز کی فروختگی خریدار کے لئے جائز ہوگی، اور اگر صورت حال اس کے برعکس ہو یعنی شیئرز کا نقد سودا ہوجانے کے بعد شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ ہونے سے پہلے خرید کردہ شیئرز قانوناً خریدار کی ملکیت نہ مانے جاتے ہوں، ان شیئرز کا نفع ونقصان خریدار کی طرف منتقل نہ ہوتا ہو بلکہ شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ کرنے کے بعد ہی ان شیئرز پر قانوناً خریدار کی ملکیت قائم ہوتی ہو تو شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل ہونے سے پہلے خریدار کے لئے ان کی فروختگی جائز نہ ہوگی، اور اگر کمپنی کا شیئر صرف روپیوں پر مشتمل ہو تو شیئرز کی یہ خرید وفروخت ہی ناجائز ٹھہرے گی کیونکہ ایک طرف سے روپیہ نقد ہے ایک طرف سے ادھار۔

۱۶۔ اس کا جواب سوال نمبر ۱۵ کے جواب سے واضح ہوچکا ہے۔

۱۷۔ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے، اور حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے بروکر ہونے کی حیثیت سے کام کرنا جائز نہیں ہے۔

شیئرز کے چند حل طلب مسائل

مفتی نظام الدین صاحب، دارالعلوم دیوبند

شیئرز کے ذریعہ سرمایہ کاری کا انتظام آج انتہائی عروج پر پہونچ چکا ہے، اور یہ اس ترقی یافتہ عہد میں تجارت کی سب سے زیادہ رائج اور مقبول صورت ہے اور عالمی پیمانہ پر اس میں عام ابتلاء ہوگیا ہے۔ اس لئے اس کے طریقہ کار کی تنقیح کر کے حل طلب مسائل کا شرعی حکم دریافت کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ اس لئے اولاً کمپنی کے نظام کو ذکر کر کے چند حل طلب سوالات پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ مشترک تجارت کا نام دے کر ایک کمپنی قائم کی جاتی ہے، جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ابتداءً چند سرمایہ کار (جو ترقی دینے والے حصہ دار کہلاتے ہیں) ایک اسکیم مرتب کر کے اور قواعد وضوابط متعین کر کے رجسٹرار آف کمپنیز کے یہاں رجسٹریشن کراتے ہیں جو قانوناً ضروری ہوتا ہے، اسی طرح کسی معتبر بینک سے یہ ضمانت حاصل کی جاتی ہے کہ اگر پیش کردہ حصص پر سرمایہ فراہم نہ ہوسکے تو بینک اتنے اتنے حصے خریدنے کو تیار ہے۔ رجسٹریشن کے بعد کمپنی اپنی مصنوعات یا مال تجارت متعین کر کے اشتہار دیتی ہے، جس میں لاگت سرمایہ، مصارف اور قیمت کے تخمینہ کے ساتھ متوقع نفع کی صراحت ہوتی ہے۔

۲۔ اور اس اشتہار کے ذریعہ کمپنی میں بذریعہ شیئرز (حصص) شرکت کی کھلی اور عمومی پیشکش کی جاتی ہے اور اس سے وسیع پیمانے پر تجارت کے لئے سرمایہ کی فراہمی مقصود ہوتی ہے۔

۳۔ اور کبھی پہلے سے موجود کمپنی بھی اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے عوام کو سرمایہ کاری کے لئے ایسی کھلی پیشکش کرتی ہے۔

۴۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ لاگت اور سرمایہ کو عموماً دس روپے اور بعض دفعہ سو روپے کے مساوی اجزاء میں تقسیم کیا جاتا ہے، جس میں سے ہر جز کو ایک حصہ تجارت کہا جاتا ہے، پھر خواہش مند لوگ اپنی اپنی قوت اور منشا کے مطابق حصے کم اور زیادہ خریدتے ہیں۔ اس پیشکش کو قبول کر کے حصص کی خریداری کے ذریعہ سرمایہ لگانے پر حصہ شرکت کے مالک ہوجاتے ہیں اور اس شرکت کی بنا پر ان کو کمپنی کے تجارتی امور میں رائے دہندگی کا حق حاصل ہوتا ہے، اور نفع ونقصان میں بقدر حصص شرکت ہوتی ہے، لیکن کمپنی کے املاک اور اثاثے میں نہ تو وہ دعویدار ہوسکتے ہیں اور نہ ہی کسی تصرف کے مالک ہوتے ہیں، اسکیم مرتب کرنے میں بھی ان کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔

۵۔ اور عموماً کمپنیوں کو ان حصص کے ذریعہ مکمل سرمایہ کی فراہمی متیقن نہیں ہوتی، اس لئے پھر اسی کے بقدر یا کم زیادہ ایسے حصص کی پیشکش کرتی ہیں، جن کی حیثیت سرمایہ ہونے کے ساتھ ساتھ قرض کی بھی ہوتی ہے، ان حصص کے

بدلے وثیقہ یا سند دی جاتی ہے، ایسی سندات کو "Bonds" اور ایسے حصص قرض کو "Debentures" کہا جاتا ہے۔

۶۔ حصص قرض کے ذریعہ شریک ہونے والے مالکانہ حقوق نہیں رکھتے، ان کو رائے دہندگی کا حق بھی نہیں ہوتا، ان کو سود اور نفع بھی دیا جاتا ہے، اور نقصان یا اتلاف کی صورت میں سرمایہ کی واپسی کی ضمانت دی جاتی ہے اور، اسے ترجیحی حصص (Preference Shares) بھی کہا جاتا ہے۔

۷۔ حصص قرض کو حصص تجارت میں محول کیا جاسکتا ہے۔

۸۔ اگر کوئی اپنے حصص کو واپس لے کر شرکت کو ختم کر لینا چاہے تو وہ براہ راست کمپنی سے سرمایہ کو واپس نہیں لے سکتا بلکہ اس کی ایک ہی صورت ہے کہ اپنے حصص کو کسی اور شخص کے نام پر منتقل کر دے اور اس کے حق میں حق شرکت سے دستبردار ہو جائے۔ اس کے عوض وہ حصص کی بازاری قیمت لیتا ہے جو ابتدائی کمپنی کی مقرر کردہ قیمت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔

۹۔ جوں جوں کمپنی کے مال تجارت اور اثاثوں کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے حصص کی قیمت بھی بڑھتی جاتی ہے، جو کمپنی مسلسل نفع بنائے بازار میں اس کے حصص اونچی قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔

۱۰۔ کمپنی ہر سال حساب کر کے منافع کو حصص پر تقسیم کرتی ہے، اس کا ایک جز وقت ضرورت کے لئے اپنے پاس جمع کر لیتی ہے بقیہ حصہ داروں کو پہنچا دیتی ہے۔ جمع شدہ رقم حصہ کی قیمت سے بڑھ جائے تو اسے اصل سرمایہ میں شامل کر لیا جاتا ہے، اس طرح حصص میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

۱۱۔ حصص تجارت اور حصص قرض کی ایک متعین قیمت ہوتی ہے جو ان کے جاری ہونے کے وقت متعین کی جاتی ہے، اور ایک مارکیٹ کی قیمت ہوتی ہے جو ملک کی سیاسی اقتصادی حالات، ان کی مانگ اور دوسرے عوامل کے نتیجہ میں گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

۱۲۔ بازار حصص میں خرید وفروخت بروکرس (دلالوں) کے ذریعہ ہوتی ہے جو کمپنیوں کے بدلتے ہوئے حالات پر آگہی رکھتے ہیں، باقاعدہ رجسٹریشن اور قواعد وضوابط کے ساتھ بازار حصص (Stock Exchange) قائم کر کے اس کے ممبر بن جاتے ہیں، اور حصص کی خرید وفروخت کے لئے افراد اور کمپنیاں بازار حصص کی طرف رجوع کرتی ہیں، بازار حصص کے اتار چڑھاؤ کا ملکی معیشت پر گہرا اثر پڑتا ہے، اب بازار حصص میں خود ان حصص تجارت اور حصص قرض کی خرید وفروخت ہوجاتی ہے۔

ان بنیادی تصریحات کے بعد چند حل طلب سوالات پیش خدمت ہیں، چونکہ اس زمانہ میں عالمی تجارت کا اکثر وبیشتر حصہ اسی نوعیت کے مسائل پر مبنی ہے اس لئے قواعد فقہیہ کی روشنی میں ان کے احکام کا استخراج بہت سے مسائل کا مداوا ثابت ہوگا۔

<u>سوالات:</u>

۱۔ مذکورہ کمپنیوں میں شیئرز (حصص) کے ذریعہ سرمایہ کاری عقود شرعیہ میں سے کونسا عقد ہے، بیع یا مضاربت

یا شرکت؟ اگر عقد شرکت ہے تو شرکت کی کونسی قسم ہے؟ اور کیا شریک (صاحب حصص) کو اپنے حصہ پر مکمل مالکانہ تصرف حاصل نہ ہونے سے حکم میں کوئی تغیر نہ آئے گا؟

۲۔ ایسی کمپنیوں میں شیئرز کے ذریعہ سرمایہ کاری کا جن میں حصص قرض (جن پر سود دینا لازمی ہے) اور بینک کے سودی قرضے بھی شامل ہوتے ہیں، کیا حکم ہے؟ کیا اس اختلاط بالحرام کی وجہ سے حصص تجارت (جن میں سود نہیں) کے منافع کا جواز متاثر نہ ہوگا؟ "المال المختلط بالحلال والحرام" کا شرعا کیا حکم ہے؟ یہ واضح رہے کہ نہ صرف ایسی کمپنیوں کی تجارت بلکہ ہر بڑے پیانے کی تجارت ورآمدات وبرآمدات کا کسی نہ کسی مرحلہ میں بینک سے یعنی سودی لین دین پر انحصار ناگزیر ہے۔

۳۔ حصص قرض (Debentures) کے ذریعہ سرمایہ کاری کا کیا حکم ہے؟ واضح رہے کہ اس پر کمپنی طے شدہ در کے مطابق سود دیتی ہے اس کے علاوہ نفع بھی دیتی ہے، اور اتلاف ونقصان کی صورت میں سرمایہ کی واپسی کی ضامن ہوتی ہے۔

۴۔ اگر کسی کمپنی میں حصص تجارت حاصل کرنے کی گنجائش ہو تو بدرجہ مجبوری حصص قرض کو اس نیت سے خریدنا کہ آئندہ اسے حصص میں محول کرلیا جائے، شرعا اس کا کیا حکم ہے؟

۵۔ حصص تجارت (Shares) جن کی بازار حصص میں خرید وفروخت ہوتی ہے خود ان حصص کی شرعا کیا حیثیت ہے؟

(الف) کیا ان کو شرعا مال متقوم قرار دیا جاسکتا ہے؟ جن کی خرید وفروخت ورہن وغیرہ درست ہو۔

(ب) کیا ان کو حق شرکت کی بیع وشراء قرار دیا جاسکتا ہے؟ بصورت اثبات اس کی بیع وشراء کا کیا حکم ہے؟

۶۔ سندات حصص قرض (Bonds) جن کی خرید وفروخت ہوتی ہے رہن رکھا جاتا ہے، شرعاً ان کی کیا حیثیت ہے؟

۷۔ اسٹاک ایکسچینج (بازار حصص) میں شیئرز (حصص تجارت)، ڈبینچرز (حصص قرض) کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟ جبکہ اس میں کمپنی کی متعین کردہ قیمت سے کہیں زیادہ قیمت پر بیع وشراء کا معاملہ ہوتا ہے۔

۸۔ بازار حصص میں دلال (Broker) اپنے نام پر حصص کو منتقل کئے بغیر جو بیع وشراء بحیثیت وکیل یا فضولی کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے۔ اور کیا ان بروکروں کی معرفت حصص تجارت وحصص قرض کی خرید وفروخت درست ہے۔

۹۔ کمپنی اگر حرام اشیاء شراب وغیرہ کی تجارت کرے تو کیا ایسی کمپنی سے حصص خریدنا اور اس سے منتفع ہونا جائز ہوگا؟ یہ واضح رہے کہ ہندوستان جیسے ممالک میں کمپنی کا پورا عملہ غیر مسلم ہوتا ہے تو کیا ان کو شرکاء کا وکیل قرار دے کر اس طرح کے عقد کی اجازت دی جائے گی، کیونکہ حقوق عقد عاقد کی طرف لوٹتے ہیں؟

<u>جوابات:</u>

۱۔ حصص قرض خریدنے کی شرعا اجازت نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں اپنے اختیار سے سود لینا اور دینا پڑتا

ہے، اوراس کی اجازت نہیں۔ اور "المال المختلط بالحلال والحرام" کے ضابطہ پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ المال المختلط میں وہ اختلاط مراد ہے جو غیر شعوری یا غیر اختیاری طور سے ہو جائے اور اس خاص صورت میں اکثر کا اعتبار ہوتا ہے، کما صرح به في الأصول الفقهية و غير ذلك۔ اور حصص تجارت میں جہاں کہیں سودی لین دین کرنا پڑ جاتا ہے وہ بوجہ مجبوری ہوتا ہے، اور اس کی اجازت فقہاء نے بعض موقعوں میں دی ہے، كما في الأشباه: ويجوز للمحتاج الاستقراض بالربح، لہٰذا یہ قیاس قیاس مع الفارق ہوگا۔

۲۔۳۔ اوپر سوال میں حصص قرض لینے کا عدم جواز مدلل و مکمل طور پر واضح ہو چکا ہے، اور اتلاف و نقصان کی صورت میں سرمایہ کی واپسی کی ضمانت وجہ جواز نہیں بن سکتی، بوجوه و منها تقدم دفع المضرة على جلب المنفعة وغیرہ اصول سے واضح ہے۔

۴۔ ناجائز ہے۔ والدلائل مامضت فی ضمن سوال ۲،۳۔

۵۔ ان حصص تجارت کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ جب کوئی ایک یا چند افراد ممبر بن جانے کے بعد شرعاً اپنے شیئر کا مالک ہو جائے، اور شرعاً کوئی شخص مالک ہو چکنے کے بعد معاملہ شرکت سے نکلنا چاہتا ہے تو کمپنی والے اس کو حصہ شرکت سے نکل جانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ اس لئے اجازت دیدینے کے بعد اس اجازت کے ثبوت کے لئے ایک سند یا رسید (کاغذ کا ٹکڑا) دیدیتے ہیں، کہ اس کو دکھلا کر وہ شخص اپنا حصہ متعین کر کے جس کو چاہے بیچ دے یا جو چاہے کرے، ورنہ یہ رسید اور سند (کاغذ کا ٹکڑا) ہے، بذات خود یہ کوئی قیمت نہیں رکھتا کہ اس کے بیع و شراء کا معاملہ ہو، اور نہ وہ کاغذ کا ٹکڑا حق شرکت ہے کہ اس کی بیع و شراء کا حکم متوجہ ہو، اور نہ تو کاغذ کا وہ ٹکڑا اثاثہ تجارت کے جز ومشاع کا بدل ہے کہ اس کے بیع و شراء کا حکم متوجہ ہو، بلکہ خریدار شیئر کا جو حصہ تجارت میں ہے (نقود وعروض وغیرہ میں سے) اس حصہ کے خرید و فروخت کرنے کا اجازت نامہ ہے، بلکہ یہ سب حصے جز ومشاع کے درجہ میں ہوتے ہیں اور ان سب حصوں کی بیع مشاعاً از روئے شرع جائز ہوتی ہے اس لئے یہ بیع جائز ہوگی۔ کما صرح بہ الفقہاء۔ پس ان تمام حصوں کی خرید و فروخت مشاعاً بلاشبہ جائز رہے گی اور اس کے جواز میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہوگی۔

۶۔ یہ بونڈز حصص قرض کی محض سند ہیں، ان سندوں کی خرید و فروخت کرنا یا رہن رکھنا کچھ بھی جائز نہیں، جس کی کچھ تشریح پہلے بھی گذر چکی ہے۔

۷۔ اسٹاک ایکسچینج میں محض حصص تجارت کا تبادلہ ہوتا ہے، اور یہ اگر چہ بصورت بیع و شراء مشاعاً ہوتا ہے مگر یہ جائز رہے گا، اور حصص قرض میں چونکہ حصہ لینا ہی جائز نہیں اس لئے اس میں تبادلہ کی گنجائش بھی نہ ہوگی۔

۸۔ بازار حصص میں دلال اپنی طرف حصص کو منتقل کر کے یا بحیثیت وکیل یا بحیثیت فضولی حصص تجارت کی بیع و شراء کریں تو سب درست رہے گا بشرطیکہ معاملہ مجہول یا مفضی الی النزاع نہ ہو، البتہ حصص قرض میں اپنے اختیار سے سود ور با کا تحقق ہوتا ہے اس لئے یہ کسی طرح درست نہ ہوگا۔

۹۔ شراب میں خمور اربعہ جس کی حرمت منصوص بنص قطعی ہے، اور نجاست بھی مثل پائخانہ پیشاب کے غلیظ و

نجس ہے اوراس کی نجاست بھی نجاست لعینہ ہے۔ یہی حکم ان کے الکوہل کا بھی ہے کہ ان کے کاروبار میں حصص خریدنا اوراس سے منتفع ہونا جائز نہیں رہے گا، خواہ ہندوستان جیسے ملک میں ہوخواہ اس کا پورا عملہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، کسی طرح جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح جوا (قمار) سے کمائی ہوئی اور حاصل شدہ رقوم کا بھی حکم ہے کہ اس میں شرکت یا اس کا استعمال وغیرہ کچھ بھی کسی طرح ہندوستان جیسے ملک میں بھی جائز وحلال نہیں رہے گا، لقولہ تعالی:

إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان (سورہ مائدہ)۔

لہذا ان حرام ونجس عقود کا وکیل وغیرہ بننا کچھ بھی جائز ودرست نہ ہوگا اور نہ ان کی آمدنی سے منتفع ہونا ہی درست رہے گا۔ اور جو الکوہل ان خمور اربعہ مذکورہ کے علاوہ میں ہوں گے ان کا حکم بھی دوسرا ہوگا، اور جب تک ان میں سکر (نشہ) کا تحقق وثبوت شرعی ضابطہ سے نہ ہوجائے اس وقت تک ان کی نجاست وحرمت کا حکم نہ ہوگا۔

شیئرز کے چند مسائل
اوران کاحکم

مولانا شمس پیرزادہ، بمبئی

ا۔ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا نہیں؟

ملکیت کا تصور اصل میں کمپنی کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کی ایک علیحدہ قانونی حیثیت ہے:

"A Joint Stock Company has separate legal status and it is absolutely separable from the owners i-e- from general body of members as well as separable from board of directors. A company is purely a creation of law. It can do every thing like a human being, like as individual it can hold property, appoint employee s, incur debts, file suits and be sued upon".(Company Secreterial Practice by Prof. Tahil Vorhani P. 95)

"A Company is an in corporated assosiation which is an artificial person created by law, having a common seal and perpetual succession. (do .p .18)"

"The liability of Share holders of Joint Stock Company is limited to the nominal value of the shares hold. As the debts of company have the debts of a separate legal person, a share holder is not personally liable for them. The company may have to be dissolved on account of its financial adversity, but its shareholders can not be called upon to contribute more then the nominal value of shares held by them."(do. p-18)

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ کمپنی کی قانونی طور سے ایک جداگانہ حیثیت ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ

اثاثوں کی ملکیت اور قرضوں کی ادائیگی وغیرہ کی ذمہ داریاں وابستہ ہیں۔ کمپنی کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں شیئر ہولڈر اپنے شیئر کی مالیت سے زیادہ نقصان کی تلافی کے ذمہ دار نہیں ہوتے۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ شیئرز کی رقم کمپنی کے اکاؤنٹ میں (Liblities) یعنی واجبات میں دکھائی جاتی ہے لیکن معاملہ کا یہ قانونی پہلو ہے، اور جہاں تک عملی پہلو کا تعلق ہے تو شیئر ہولڈر کمپنی کے اثاثہ کی ملکیت میں حصہ دار ہوتے ہیں۔ چنانچہ شیئرز کی قیمتوں میں بازار میں جو اتار چڑھاؤ ہوتا ہے وہ صرف شیئرز کے سرمایہ (Capital) کے پیش نظر نہیں ہوتا بلکہ کمپنی کی مجموعی مالی حیثیت اور اس کی ساکھ کے پیش نظر ہوتا ہے، نیز اگر کمپنی کا دیوالیہ (Liquidation) ہوجاتا ہے تو قرض وغیرہ واجبات ادا کرنے کے بعد بچی ہوئی رقم شیئر ہولڈرس میں تقسیم کی جاتی ہے جو شیئر کی اصل قیمت سے کم بھی ہوسکتی ہے اور زیادہ بھی، اس لئے شیئر ہولڈرس کا کمپنی کے اثاثہ کی ملکیت میں شریک ہونا بالکل ظاہر ہے۔

لہذا شیئرز کی خرید وفروخت نقود واملاک کے مجموعہ کو نقود کے ذریعہ فروخت کرنا ہے اور یہ بالکل جائز ہے۔

منظمۃ المؤتمر الاسلامی جدہ کی مجلس مجمع الفقہ الاسلامی منعقدہ مئی ۱۹۹۲ء کے فیصلہ سے بھی جو درج ذیل ہے یہی بات واضح ہوتی ہے:

بما أن المبيع في (السهم لحامله) هو حصة شائعة في موجودات الشركة وأن شهادة السهم هي وثيقة لإثبات هذا الاستحقاق في الحصة فلا مانع شرعاً من إصدار أسهم في الشركة بهذه الطريقة وتداولها.

شیئر ہولڈر کے شیئر میں مبیع (فروخت شدہ چیز۔Sale) کمپنی کی موجودات (اثاثہ) میں مشترک حصہ ہوتا ہے اور شیئر سرٹیفکیٹ حصہ میں استحقاق کے ثبوت کا وثیقہ ہوتا ہے، لہذا اس طریقہ پر کمپنی کے شیئر جاری کرنے اور ان کے لین دین میں شرعا کوئی مانع نہیں ہے۔

۲۔ آغاز میں جب کہ کمپنی کے پاس املاک نہ ہو تو کیا شیئرز کی بیع جائز ہوگی؟

کوئی کمپنی شیئرز کا اعلان نہیں کرسکتی جب تک کہ اس کے (Promoters) کارخانہ وغیرہ کی بنیاد نہ رکھیں۔ اس طرح انہیں ابتدائی سرمایہ اشیائے منقولہ وغیر منقولہ میں لگانا پڑتا ہے۔ جس کے بعد ہی انہیں شیئرز کا اعلان کرنے کی اجازت قانوناً حاصل ہوتی ہے، اس لئے یہ خیال صحیح نہیں کہ کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتیں اور وہ شیئرز کا اعلان کردیتی ہے۔ لہذا شیئرز کی بیع اس صورت میں بھی جائز ہوگی جب کہ کمپنی پوری طرح قائم (Establish) نہ ہوئی ہو۔

۳۔ کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد جبکہ اس کا اثاثہ مخلوط ہوتا ہے شیئرز کی فروخت کا حکم:

کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد اس کا اثاثہ مخلوط ہوتا ہے (یعنی نقد اور املاک کا مجموعہ) اس صورت میں جبکہ مجموعہ مال سودی (ایسے قرضے جن پر کمپنی سود ادا کرتی ہے) اور غیر سودی دونوں پر مشتمل ہے، اس کے شیئرز کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت جواز کے حکم میں ہے، کیونکہ سودی عنصر پورے کاروبار میں ضمنی حیثیت رکھتا ہے، اور موجو

غیر اسلامی معاشرہ اور غیر اسلامی نظام میں اس قسم کے ضمنی مفاسد کو برداشت کئے بغیر چارہ کار نہیں ہے، ورنہ لوگوں کیلئے معیشت کے دروازے بند ہو جائیں گے۔

۴۔ حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز:

وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت اور اکسپورٹ، یا بینکس اور سودی اسکیموں میں روپیہ لگانا، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔ یہ بات متفق علیہ ہے اس لئے اس پر دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

۵۔ جائز کاروبار کرنے والی کمپنیاں اگر سودی قرضے حاصل کرتی ہیں تو کیا ان کے شیئرز خریدنا جائز ہے؟

ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار حلال ہے اگر انکم ٹیکس وغیرہ سے بچنے کے لئے بینک سے سودی قرض لیتی ہیں تو ان کے شیئرز خریدنا جائز ہے، کیونکہ سود دینا ایک ایسی مجبوری ہے جو بالکل عام ہے۔

۶۔ جائز کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جبکہ انہیں اپنا کچھ سرمایہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہو:

جائز کاروبار کرنے والی کمپنیوں کو اگر قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہو یا سیکورٹی بانڈس خریدنے پڑتے ہوں اور ان پر سود ملتا ہو تو ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جائز ہوگا، کیونکہ یہ مجبوری قانون نے پیدا کردی ہے اور اس قسم کی قانونی مجبوریاں عام ہیں جن کی وجہ سے کسی جائز کاروبار کو ترک نہیں کیا جاسکتا، البتہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ منافع ملنے پر اس میں سے کچھ رقم صدقہ کردی جائے تاکہ منافع سود کی آمیزش سے پاک ہوسکے۔

۷۔ سودی قرضہ سے حاصل ہونے والے منافع کی شرعی حیثیت:

سودی قرضہ لینے کی صورت میں اس قرض سے حاصل ہونے والا منافع بالکل جائز ہوگا کیونکہ قرض کی رقم تو حلال ہی ہے اور سود کی شرط باطل ہے، مگر مجبوراً اس شرط کو قبول کرنے کی وجہ سے قرض کی اصل رقم حرام نہیں قرار پائی ، اس لئے اس سے ہونے والی آمدنی بالکل جائز ہوگی۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس:

کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا۔

"The owners of a company do not take part in its management. The shareholders simply contribute to its capital by purchasing its shares and vest the power of management in

their representative i-e- Board of Directors."(Company Secreterial Practice P-18)

مگر موجودہ معاشی نظام نے لوگوں کے لئے بے شمار مجبوریاں پیدا کردی ہیں اس لئے حقیقی مجبوری کا یہاں بھی خیال رکھنا ہوگا اور اس بناپر بورڈ آف ڈائرکٹرس کے ایسے فیصلوں کو جوشرعاً ناجائز ہوں بادل ناخواستہ گوارا کرنا ہوگا۔ موجودہ حالات میں یہ اجتہاد ضروری ہے۔

۹۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس میں کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا:

بورڈ آف ڈائرکٹرس میں فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں۔اس میں کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اپنے اختلاف کا اعلان کردینا عملاً مشکل ہے اور بے اثر بھی،اور ہوسکتا ہے کمپنی کے لئے ناقابل عمل بھی ہو،اس لئے ایسا کرنا شیئر ہولڈر کے لئے ضروری نہیں قرار دیا جاسکتا۔بورڈ آف ڈائرکٹرس کے فیصلہ کو کرہاً ماننا ہی پڑے گا۔

۱۰۔ منافع میں شامل سود کے بقدر رقم نکال کر صدقہ کرنا:

اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے منافع میں سے اس کے بقدر رقم نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا۔

واضح رہے کہ کمپنی کی آمدنی میں سود کی رقم بہت کم شامل ہوتی ہے جبکہ وہ لئے ہوئے قرضوں پر سود کی رقم ادا زیادہ مقدار میں کرتی ہے،اس لئے جو سود آمدنی میں شامل ہوا سے سود کی ادائیگی میں خرچ محسوب کیا جاسکتا ہے،یہ بھی ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔

۱۱۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگایا گیا ہو۔

اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا ہے اتنا فیصد ملنے والے منافع سے نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت کرنا کیسا ہے؟

شیئرز کی تجارت جائز ہے،کیونکہ شیئر کمپنی کی ملکیت میں جس میں اس کا اثاثہ شامل ہے ایک حصہ ہے،لہذا جس طرح دوسری چیزوں کی تجارت کی جاتی ہے شیئرز کی بھی تجارت کی جاسکتی ہے۔

۱۳۔ فیوچر سیل کا حکم:

فیوچر سیل جائز نہیں کیونکہ یہ حقیقۃً بیع وشراء نہیں ہے بلکہ محض کاغذی کارروائی ہے،اور شریعت میں اعتبار حقیقی بیع وشراء کا ہے نہ کہ محض کاغذی کارروائی کا۔شیئر کو اگر واقعی فروخت کیا گیا ہوتو نام کی منتقلی کی کارروائی لازمی ہے ،اور جب یہ کارروائی نہیں کی گئی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیئر واقعۃً فروخت نہیں کیا گیا،پھر اس پر نفع حاصل کرنے یا نقصان برداشت کرنے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔

۱۴۔ غائب سودا:

غائب سودا جن میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے جائز نہیں ہوگی۔ اوپر سوال نمبر ۱۳ کے جواب میں اس کی وضاحت ہو چکی۔

۱۵۔ شیئرز پر قبضہ کا مطلب:

شیئرز فروخت کرنے کے بعد کمپنی کو نام کی تبدیلی کے لئے بھیجے جاتے ہیں، اگر بائع کے دستخط صحیح نہ ہوئے تو کمپنی شیئرز بائع کو واپس بھیج دیتی ہے، ایسی صورت میں نام کی تبدیلی کا کام التوا میں پڑ جاتا ہے، اس لئے شیئرز پر حقیقی قبضہ اسی صورت میں ہوتا ہے جبکہ شیئرز سرٹیفکیٹ تبدیلی شدہ نام کے ساتھ مل جائیں۔ اس سے پہلے اگر مشتری شیئرز کسی تیسرے شخص کو فروخت کرتا ہے تو یہ فروخت حقیقی قبضہ سے پہلے ہوگی اور اس میں نزاعات کا بھی اندیشہ ہے اس لئے اس کی اجازت دینا صحیح نہ ہوگا، البتہ بعض مجبورکن حالات میں اگر مشتری تیسرے شخص کو شیئرز فروخت کرتے وقت نام کی منتقلی کی ضمانت دیدے تو ایسا کرنے کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔

۱۶۔ خرید کردہ شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے پہلے دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا:

اس کا جواب اوپر سوال نمبر ۱۵ میں گذر چکا ہے۔

۱۷۔ بروکر (ایجنٹ) کی حیثیت سے کام کرنا:

شیئرز کی خرید و فروخت کے لئے بروکر کی ضرورت حالات کا تقاضا ہے، اس لئے بروکر کی حیثیت سے کام کرنا فی نفسہ جائز ہے۔

حصص کی خرید وفروخت اور اس کے احکام

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

۱۔ کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا یہ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے؟ اس سوال کا جواب دینے سے قبل یہ طے کر لینا ضروری ہے کہ کمپنی کا یہ معاملہ شریعت کے اصول تجارت میں سے کسی قسم میں داخل ہے یا نہیں؟

ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ کمپنی سے شیئر ہولڈر کا یہ معاملہ شریعت مطہرہ کے اصول تجارت میں سے کسی قسم میں شامل نہیں ہے، لہذا شیئر کی خرید وفروخت ہی جائز نہیں ہے۔ دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ معاملہ شرعاً جائز و درست ہے۔ شیئر کی خرید وفروخت شریعت کے اصول تجارت کے خلاف نہیں ہے۔ غور کرنے کے بعد دوسرا نقطہ نظر زیادہ صحیح اور اقرب الی الفقہ معلوم ہوتا ہے، اس کو اصول تجارت کے خلاف کہنا صحیح نہیں۔

مذکورہ معاملہ کی مشابہت شرکت عنان سے:

شیئر ہولڈر کمپنی سے جو معاملہ کرتا ہے اس کو شریعت کے اصول تجارت ''شرکت عنان'' میں شامل کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ''شرکت عنان'' ایسا عقد شرکت ہے جس میں دو آدمی سامان یا غلہ یا عام تجارت میں شریک ہوں۔ اور کمپنی سے شیئر ہولڈر کا جو معاملہ ہے اس میں عام تجارت میں دونوں شریک ہوتے ہیں، ہدایہ میں ہے:

وأما شركة العنان فتنعقد على الوكالة دون الكفالة وهى أن يشترك اثنان فى نوع بزّ أو طعام أو يشتركان فى عموم التجارات (ہدایہ ۶۲۹/۲)۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا رجحان بھی یہی ہے کہ اس کا تعلق شرکت عنان سے ہے، چنانچہ وہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''بظاہر اس عقد کی حقیقت شرکت عنان ہے'' (امداد الفتاوی ۴۹۴/۳)۔

البتہ شرکت عنان تسلیم کرنے کی صورت میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس شرکت میں تمام شرکاء مال اور محنت دونوں میں شریک ہوتے ہیں۔ اور کمپنی جو معاملہ کرتی ہے اس میں صرف کمپنی کے افراد کام کرتے ہیں۔ شیئر ہولڈر کی شرکت صرف سرمایہ میں ہوتی ہے محنت میں نہیں.......... اس کا جواب یہ ہے کہ شرکت عنان میں تمام شرکاء کا محنت میں بھی شریک ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر وہ کسی ایک فرد پر محنت کی شرط لگا دیں تو اس طرح کی شرط صحیح و درست ہوگی، یہ شرط شرکت عنان کے منافی نہیں ہوگی۔ البتہ اس صورت میں ضروری ہے کہ نفع کی تقسیم تمام شرکاء کے درمیان برابر ہو یا جس شریک کے لئے عمل کی شرط لگائی گئی ہے اس کو زیادہ نفع ملے۔ اگر کام کرنے والے شریک کو کم نفع ملے، مثلاً یہ شرط لگا دی جائے کہ نفع کے دو حصے دوسرے شریک کو ملیں گے اور کام کرنے والے شریک کو صرف ایک حصہ ملے گا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اس کی پوری تفصیل تحفۃ الفقہاء (۸/۳) میں موجود ہے۔

مذکورہ معاملہ کی مشابہت مضاربت سے:

اس عقد کی مشابہت ومماثلت عقد مضاربت سے بھی معلوم ہوتی ہے۔اس لئے کہ عقد مضاربت وہ عقد ہے جس میں ایک فریق کا سرمایہ ہوتا ہے اور دوسرے فریق کی محنت۔اور دونوں فریق باہم طے شدہ معاملہ کے مطابق منافع میں شریک ہوتے ہیں۔

"کتاب المضاربة(هي) عقد شركة في الربح بمال من جانب رب المال (وعمل من جانب) المضارب" (تنویرالابصار مع الدرالمختار ۴/۴۸۳)۔

اور شیئر ہولڈر کا کمپنی سے جو معاملہ ہوتا ہے اس کی صورت یہی ہے کہ شیئر ہولڈر کا سرمایہ ہوتا ہے اور کمپنی کی محنت، اور منافع میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔البتہ مضاربت تسلیم کرنے کی صورت میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ مضاربت میں نقصان صرف رب المال برداشت کرتا ہے۔مضاربت پر خسارہ کی ذمہ داری نہیں ہوتی ہے حتی کہ اگر یہ شرط لگادی جائے کہ مضارب بھی خسارہ میں شریک ہوگا تو مضاربت فاسد ہوجائے گی۔یہی صاحبین کا قول ہے۔اور کمپنی جو معاملہ کرتی ہے اس میں کمپنی کے افراد اور شیئر ہولڈرس دونوں ہی منافع کے ساتھ ساتھ خسارہ میں بھی شریک ہوتے ہیں، حالانکہ خسارہ صرف شیئر ہولڈرس کو برداشت کرنا چاہئے، کمپنی کے افراد پر خسارہ کی ذمہ داری نہیں آنی چاہئے۔اس کا جواب یہ ہے کہ گرچہ صاحبین کے قول کے مطابق مضارب خسارہ میں شریک نہیں ہوتا ہے لیکن امام صاحب کے قول کے مطابق مضارب بھی خسارہ میں شریک ہوتا ہے۔

"فالربح والوضيعة نصفان في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى كذا في المبسوط وفي قول أبي يوسف و محمد الوضيعة كلها على رب المال كذا في المحيط (فتاوی ہندیہ ۴/۲۹۱)۔

موجودہ دور میں جبکہ لوگ خیر القرون سے دور ہیں، شرور وفتن کا غلبہ ہے، امانت داری، دیانت داری اور تقوی وللّٰہیت کی قلت اور دھوکہ بازی اور امانت میں خیانت کی کثرت ہے، مضاربت پر معاملہ کرنے کے لئے کسی باوثوق اور قابل اعتماد شخص کی تلاش مشکل ہے۔اگر کل خسارہ کا ذمہ دار صرف رب المال (مالک) کو ٹھہرایا جائے تو پھر مضاربت کے اصول پر تجارت مشکل ہوجائے گی۔اس دور پرفتن میں امام صاحب کا قول راجح اور اس پر عمل اقرب إلی الفقہ معلوم ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کمپنی کا معاملہ شریعت کے اصول تجارت کے خلاف نہیں ہے بلکہ یا تو شرکت عنان میں شامل ہے یا مضاربت میں۔

کمپنی کے شیئرز کی حیثیت:

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں کمپنی کے شیئرز کی حیثیت بھی واضح ہوگئی کہ اس کی حیثیت صرف اس بات کی دستاویز کی نہیں ہے کہ کمپنی کو اتنی رقم دے رکھی ہے، بلکہ یہ کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی پوری نمائندگی کرتا ہے۔اور شیئر ہولڈر اپنی رقم کے بقدر کمپنی میں موجود نقد اور اثاثوں کا مالک ہے۔اس لئے کہ عقد شرکت ہو یا مضاربت دونوں

صورتوں میں رب المال اپنی اصل رقم کے ساتھ منافع کا بھی حقدار ہوتا ہے۔ اور جو بھی سرمایہ ہو خواہ نقد رقم سے حاصل شدہ ہو یا منافع کی شکل میں ہو، رب المال اس میں شریک ہوتا ہے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے جو سوالنامہ میں مذکور ہے۔ یعنی اگر کمپنی باہمی قرارداد سے تحلیل ہو جائے تو ہر شیئر ہولڈر کو اس کے شیئرز کے تناسب سے اس کے اثاثوں میں حصہ ملتا ہے، اور نفع ہو تو اس کے لگائے ہوئے سرمایہ سے زائد رقم ملتی ہے اور اگر خسارہ ہو تو اسے نقصان بھی برداشت کرنا ہوتا ہے۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب مفتی دار العلوم دیوبند نظام الفتاوی میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

شیئرز حصوں کا نام ہے۔ شیئر کا مالک شیئر کے مطابق کمپنی کا حصہ دار اور مالک ہوتا ہے۔ اور کمپنی کے سرمایہ وسامان واثاثہ وغیرہ سب چیزوں کا حسب شیئرز مالک ہوتا ہے اور سرمایہ وسامان وغیرہ کی حیثیت و قیمت کی کمی وبیشی کے اعتبار سے شیئر کی حیثیت و قیمت بھی کم وبیش ہوتی رہتی ہے، اور شیئر کا خریدنا و بیچنا ان حصوں کا اور ان حصوں میں داخل شدہ چیزوں کا خریدنا و بیچنا شمار ہوتا ہے، اور اس کا جائز ہونا ظاہر ہے (نظام الفتاوی ۱/۱۱۔۱۲)۔

رہی یہ بات کہ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں اس کے قرض کی ادائیگی اس کے شیئر کے تناسب سے کمپنی میں موجود سامانوں کو الگ کر کے نہیں کی جاتی ہے۔ جبکہ سرکاری قانون کے مطابق اس کے دیگر املاک ضبط کر کے اس کے قرض کی ادائیگی ہوتی ہے تو اس سے اس بات کی تائید نہیں ہوتی کہ کمپنی کے شیئر کی حیثیت صرف جمع کردہ روپے کے دستاویز کی ہے۔ اس لئے کہ کتب فقہ میں یہ مسئلہ مصرح ہے کہ اگر مقروض قرض کی ادائیگی کے لئے جائداد فروخت کرنے سے باز آجائے تو قاضی اس کے تمام سامان وجائداد فروخت کر کے قرض کی ادائیگی کر دے گا لیکن اس کے کپڑے فروخت نہیں کرے گا۔

"وحاصله أنه إذا امتنع عن البيع يبيع عليه القاضي عرضه وعقاره و غيرهما و في البزازية وفرع على صحة الحجر أنه يترك له دست من الثياب و يباع الباقي و تباع الحسنة ويشترى له الكفاية ويباع كانون الحديد ويشترى له من طين ويباع في الصيف ما يحتاجه للشتاء وعكسه (شامی ۴/۳۲۰)۔

کپڑے ضبط نہ کرنے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کپڑوں کی ملکیت مقروض کی نہیں ہے۔ قرض کی ادائیگی میں کسی مصلحت کی بنیاد پر کسی چیز کو سرکاری طور پر ضبط نہ کرنا اس کے غیر مملوک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ کمپنی میں موجود سامان پر شیئر ہولڈر کی جو ملکیت ہے وہ مشترک اور مشاع ہے۔ ان سامانوں کو الگ کرنا دشوار ہے جس کی بنیاد پر اس کو ضبط کرنا مشکل ہے۔ لہذا اگر اس طرح کا قانون بن گیا تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شیئر ہولڈر ان سامانوں کا مالک نہیں ہے۔

۲۔ شیئرز کی خرید وفروخت جبکہ کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک نہ ہوں:

اگر کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہیں اس وقت کمپنی شیئرز کی بیع کرتی ہے تو اس صورت میں نقد کی بیع نقد سے ہو رہی ہے جو بیع صرف کی شکل ہے، جس میں نہ تو کمی بیشی جائز ہے اور نہ ہی ادھار کی گنجائش ہے۔ لہذا اس صورت میں کمپنی کے شیئرز کمی بیشی کے ساتھ نہیں خرید سکتے ہیں۔ البتہ مساوی قیمت میں خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء کی دو رائیں ہیں: ایک تو یہ کہ مساوی قیمت میں بھی خرید وفروخت جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ بیع صرف ہے جس میں نسیہ یعنی ادھار جائز نہیں ہے۔

دوسری رائے یہ کہ مساوی قیمت پر شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے اور شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ درحقیقت نقد رقم پر قبضہ ہے لہذا یہ ادھار بیع نہیں ہوئی۔ میری ناقص رائے میں اگر بیع کی مجلس ہی میں فروخت کرنے والا ثمن پر اور خریدار شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ کرلے تو مساوی قیمت پر خرید وفروخت کی گنجائش ہونی چاہئے۔

۳۔ نقد اور اموال ربویہ وغیر ربویہ کی بیع نقد کے ساتھ:

کمپنی جب وجود میں آجائے اور اس میں اثاثہ (نقد واملاک کا مجموعہ) موجود ہو تو ایسی صورت میں شیئرز کی خرید وفروخت نقد سے کمی بیشی کے ساتھ شرعاً جائز ودرست ہے گرچہ املاک میں مال ربوی وغیر ربوی دونوں ہوں۔ اس لئے کہ اس صورت میں شیئرز ہولڈر اپنے شیئرز کے تناسب سے کمپنی کے اس نقد اور مال کو دوسروں سے نقد کے عوض فروخت کرتا ہے جس کا وہ مالک ہے۔ اور مال خواہ ربوی ہو یا غیر ربوی اس کی خرید وفروخت روپے سے کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔ اور اگر خریدار کی جانب سے ملنے والا ثمن بھی مال ربوی یا غیر ربوی ہے تو خریدار کے مال ربوی کو کمپنی کے مال غیر ربوی کے مقابلہ میں اور کمپنی کے مال ربوی کو خریدار کے مال غیر ربوی کے مقابلہ میں رکھ کر بیع کو جائز قرار دیں گے۔ کتب فقہ میں یہ جزئیہ موجود ہے کہ اگر کسی نے دو درہم اور ایک دینار کی بیع ایک درہم اور دو دینار کے بدلہ میں کی تو ایک درہم کو دو دینار کے مقابلہ میں اور دو دینار کو ایک درہم کے مقابلہ میں رکھ کر جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرتے ہوئے جائز قرار دیا جائے گا۔

(وصح بيع درهمين و دينار بدرهم و دينار ين) بصرف الجنس بخلاف جنسه (در مختار) (قوله بصرف الجنس بخلاف جنسه) اى تصحيحا للعقد كما لو با ع نصف عبد مشترک بينه و بين غيره فانه ينصرف إلى نصيبه تصحيحا للعقد (ردالمحتار باب الصرف ۲۳۹/۴)۔

۴۔ حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت:

جن کمپنیوں کا کاروبار حرام ہو مثلاً شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت کریں یا سودی اسکیموں میں پیسے لگائیں، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً جائز نہیں ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔ اس لئے کہ مال حرام یا ذریعہ حرام سے حاصل ہونے والا نفع بھی حرام ہے۔ اور اس میں تعاون علی الاثم ہے، والعدوان بھی ہے، جس کی ممانعت نص قرآنی سے ثابت ہے: "**ولا تعاونوا على الإثم والعدوان**" (سورہ مائدہ)۔

اس طرح کی کمپنیوں کے شیئرز خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو حرام کاروبار کرنے کا وکیل بنایا گیا جس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

"أن يكون التصرف مباحا شرعاً فلا يجوز التوكيل في فعل محرم شرعا كالغصب أو الاعتداد على الغير (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۱۵۴)۔

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے خنزیر اور شراب کی بیع کا وکیل بنایا تو اس پر واجب ہے کہ کل ثمن کو صدقہ کردے۔"ولو وكّله ببيعهما يجب عليه أن يتصدق بثمنهما (ردالمحتار)۔

۵۔انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لینے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت:

جن کمپنیوں کا کاروبار بذات خود جائز وحلال ہے لیکن انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے ان کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً جائز ودرست ہے، اس لئے کہ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے دیگر ضروریات کی بنیاد پر بینک سے سوی قرض لینے کی گنجائش ہے۔"يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر ۱۴۹)۔

٦۔ریزروبینک میں رقم جمع کرنے اور سیکورٹی بانڈس خریدنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت:

جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ضرورتاً ان کو اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزروبینک میں جمع کرنا پڑتا ہے یا سیکورٹی بانڈس خریدنا پڑتا ہے جس پر ان کمپنیوں کو سود بھی ملتا ہے، تو ظاہر ہے کہ کمپنیوں کا یہ عمل ضرورتاً ہے جس کی گنجائش ہے۔ لہذا سودی رقم سے بچتے ہوئے ان کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً جائز ودرست ہے۔ شیئرز ہولڈر پر لازم ہوگا کہ بینک سے ملنے والی سودی رقم سے حصہ نہ لے، اور اگر حصہ لیتا ہے تو اس کے بقدر بلانیت ثواب صدقہ کردے۔

"في القنية لو كان الخبيث نصابا لا يلزمه الزكوة لأن الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه أو مثله في البزازية (ردالمحتار کتاب الزکوۃ ۲/۲۵)۔

۷۔سود پر لئے گئے قرض سے حاصل ہونے والے منافع کی شرعی حیثیت:

سود پر لئے گئے قرض کی صورت میں چونکہ قرض کی رقم فی نفسہ جائز اور حلال ہے، اس رقم کے ساتھ حرمت کی آمیزش نہیں ہے، لہذا سود پر لئے گئے قرض سے جو منافع حاصل ہوں گے وہ بھی شرعاً حلال ہوں گے۔ ان کو لے کر اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کرسکتے ہیں۔ وہ قرض یقیناً مفید ملک ہے۔ اس کے مفید ملک نہ ہونے کی کوئی وجہ بظاہر سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

۸۔بورڈ آف ڈائریکٹرس کی حیثیت:

اوپر یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ کمپنی کا معاملہ یا تو شرکت عنان میں شامل ہے یا مضاربت میں، اور

شرکت عنان میں دونوں فریق ایک دوسرے کے وکیل ہوتے ہیں۔ اور جبکہ کام کی شرط ایک فریق پر لگادی جائے تو کام کرنے والا فریق اپنے سرمایہ کے بقدر اصیل ہوگا اور اپنے شریک کے سرمایہ میں وکیل ہوگا۔ اسی طرح مضاربت میں مضارب، رب المال کا وکیل ہوتا ہے۔ لہذا کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرس کی حیثیت شیئر ہولڈر کے وکیل کی ہوگی اور اس کا عمل شیئر ہولڈر کا عمل سمجھا جائے گا (دیکھئے: تحفۃ الفقہاء ۳/۷، ۲۱، درمختار ۴/۴۸، امداد الفتاوی ۳/۴۹۰)۔

۹۔ شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کا اظہار کافی ہے؟

یہ تو صحیح ہے کہ اصولی طور پر وکیل کے تصرفات مؤکل کی طرف منسوب ہوتے ہیں، اور اگر وکیل خلاف شرع کوئی عمل کرتا ہے تو مؤکل بری الذمہ نہیں ہوگا۔ لیکن یہ بھی طے شدہ حقیقت ہے کہ وکیل اسی عمل اور تصرف کا مجاز ہوتا ہے جس کی اجازت مؤکل نے صراحۃً یا دلالۃً دی ہو۔ اگر مؤکل نے کسی عمل سے صراحۃً روک دیا تو وکیل کو اس کا اختیار نہیں ہوگا، اور وکیل کا وہ عمل مؤکل کی طرف منسوب نہیں ہوگا۔ لہذا مذکورہ صورت میں بورڈ آف ڈائریکٹرس کا سودی قرض لینا جو عام حالات میں خلاف شرع عمل ہے۔ یہ عمل شیئر ہولڈرس کی طرف منسوب ہوسکتا تھا اس لئے کہ شیئر ہولڈرس کی جانب سے صراحۃً نہیں تو دلالۃً اجازت بھی جا سکتی تھی لیکن جب کوئی شیئر ہولڈر کمپنی کے عملہ کو عام حالات میں سودی قرض لینے سے پوری قوت کے ساتھ منع کر دے اور صراحۃً اپنے اختلاف کا اعلان کر دے تو اللہ تعالی کی ذات سے امید ہے کہ وہ اس اعلان کی بنا پر خلاف شرع عمل سے بری الذمہ ہوگا اور وکیل کا عمل مؤکل کی جانب منسوب نہیں ہوگا (دیکھئے: امداد الفتاوی ۳/۴۹۱)۔

۱۰۔ منافع سے متعینہ سودی رقم نکال کر صدقہ کر دینا کافی ہوگا:

اگر کمپنی کے منافع میں سودی رقم بھی شامل ہو اور وہ رقم متعین و معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے سود کی اتنی رقم نکال کر بلا نیت ثواب صدقہ کر دینا کافی ہوگا، اور بقیہ رقم حلال ہوگی، اس کو شیئر ہولڈر اپنے مصرف میں استعمال کر سکتا ہے۔ اس مسئلہ پر فتاوی ہندیہ کے اس جزئیہ سے بھی روشنی ملتی ہے کہ اگر کوئی مسلمان، کسی نصرانی کو مال مضاربت کے لئے دے تو کراہت کے ساتھ جائز ہوگا۔ اگر وہ نصرانی شراب اور خنزیر کی تجارت کرے اور نفع ہو تو امام صاحب کے قول کے مطابق یہ معاملہ مضاربت کے اصول پر جائز ہوگا۔ لیکن مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے حصہ کے بقدر نفع کو صدقہ کر دے۔

" إذا دفع المسلم إلى النصراني مالا مضاربة بالنصف فهو جائز إلا أنه مكروه فإن اتجر في الخمر والخنزير فربح جاز على المضاربة في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى و ينبغي للمسلم أن يتصدق بحصته من الربح (فتاوی ہندیہ ۴/۳۳۳)۔

۱۱۔ سودی آمدنی سے حاصل شدہ منافع:

اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے اپنے حصہ سے صرف سود کے تناسب سے رقم نکال کر صدقہ کر دینا کافی نہیں ہوگا۔ بلکہ سودی رقم

اوراس سے حاصل ہونے والے تمام منافع نکال کر بلانیت ثواب صدقہ کرنا ہوگا، اس لئے کہ مال حرام یاذریعہ حرام سے حاصل کیا ہوا نفع بھی حرام ہوتا ہے، جس کی صراحت اوراس سے متعلق متعدد جزئیات کتب فقہ میں موجود ہیں۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت:

تاجروں کے عرف میں شیئر مال متقوم ہے اور مال متقوم کی خرید وفروخت شرعاً جائز ودرست ہے۔ شیئر کی خرید وفروخت درحقیقت کمپنی کے اس سرمایہ کی خرید وفروخت ہے جس کا مالک شیئر ہولڈر ہے، اور سرمایہ کی خرید و فروخت کمی بیشی کے ساتھ جائز ودرست ہے۔ نیز مال کی ذخیرہ اندوزی تاکہ قیمت میں اضافہ کے وقت فروخت کیا جائے اس وقت ممنوع ہے جبکہ لوگوں کو اس کی سخت ضرورت ہو اور بازار میں وہ مال نہ ملتا ہو، ذخیرہ اندوزی کی صورت میں لوگ پریشان وحرج میں مبتلا ہوں، اور اگر اس طرح کی بات نہ ہو تو ذخیرہ اندوزی ممنوع نہیں ہے۔ شیئرز کو خرید کر رکھنے میں لوگوں کو کوئی حرج نہیں ہے، لہذا اس کی تجارت کرنا اور اس کو خرید کر رکھنا تاکہ قیمت میں اضافہ کے وقت اس کو فروخت کیا جائے شرعاً جائز ودرست ہے۔ تجار دیگر اموال کو خرید کر رکھتے ہیں اس امید پر کہ قیمت میں اضافہ کے وقت فروخت کریں گے۔ اکثر قیمت میں اضافہ بھی ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ خسارہ بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں بھی قیاس آرائی ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر تخمین وقیاس آرائی ممنوع اور خلاف شرع نہیں ہے، بلکہ وہ تخمین اور قیاس آرائی ممنوع ہے، جس میں غرر اور دھوکہ ہو۔

۱۳۔ فیوچر سیل کا حکم:

فیوچر سیل جس میں نہ بائع مال دیتا ہے اور نہ مشتری ثمن، بلکہ مقررہ تاریخ پر بڑھتے ہوئے دام کی صورت میں منافع اور گھٹتے ہوئے دام کی صورت میں خسارہ ادا کیا جاتا ہے، تو حقیقت میں یہ بیع نہیں ہے بلکہ یہ قمار وجوا کی ایک شکل ہے۔ یہ صورت شرعاً جائز نہیں ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

۱۴۔ غائب سودا کی بیع:

یہ سوال وضاحت طلب ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ مبیع موجود نہیں ہے، اور بائع یہ کہتا ہے کہ فلاں چیز موجود نہیں ہے، آنے کی امید ہے، اس کے آجانے پر میں تمہارے ہاتھ اتنے روپے میں فروخت کردوں گا، اور خریدار کہتا ہے کہ میں خریدلوں گا، تو شرعاً یہ بیع نہیں ہے بلکہ وعدہ بیع ہے۔ اس لئے کہ صحت بیع کے لئے ایک شرط تو یہ ہے کہ ایجاب وقبول ایسے صیغہ سے ہو جس میں انشاء کا مفہوم پایا جائے، اور دوسری شرط یہ ہے کہ مبیع موجود ہو۔ یہاں پر دونوں شرطیں مفقود ہیں، لہذا یہ بیع صحیح نہیں ہوگی، اور بیع کے احکام اس پر جاری نہیں ہوں گے۔

۱۵۔ شیئرز پر قبضہ کی حقیقت:

جمہور فقہاء کے نزدیک ہر چیز پر قبضہ حسی ضروری نہیں ہے بلکہ بعض چیزوں میں معنوی قبضہ بھی کافی ہے۔ اور ہر چیز پر قبضہ اس کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہوگا جس کی بنا عرف وعادت پر ہوگی۔ فقہائے کرام نے شئی کے

ضمان میں آجانے، حقوق وذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جانے اور غرر ودھوکہ سے محفوظ رہنے کی صورت میں قبضہ تصور کیا ہے۔ لہذا مذکورہ صورت میں جبکہ شیئرز کے خریدتے ہی قانونی طور پر کمپنی کے اثاثے اور املاک شیئر کے بقدر خریدار کے ضمان میں آجاتے ہیں اور حقوق وذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں گرچہ قانونی دشواریوں کی وجہ سے شیئر سرٹیفکیٹ نہ ملا ہو پھر بھی شیئرز خریدتے ہی اس پر خریدار کا قبضہ سمجھا جائے گا اور اس میں ہر جائز تصرف کا اختیار ہوگا۔

۱۶۔ شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل ہونے سے قبل شیئرز کی خرید وفروخت:

جب شیئرز خریدتے ہی شیئرز کے بقدر کمپنی کے تمام اثاثے اور املاک خریدار کے ضمان میں آجاتے ہیں اور تمام حقوق وذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں تو اس کو قبضہ تسلیم کیا جائے گا، اور شیئرز سرٹیفکیٹ کے حاصل ہونے سے قبل شیئرز کی خریداری کے دوسرے یا چوتھے دن خریدار کا دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنا شرعاً جائز ودرست ہوگا۔ اس کو بیع بعد القبض کہیں گے نہ کہ بیع قبل القبض۔ اسی طرح تیسرے یا چوتھے کے ہاتھ فروخت کرنا بھی جائز ودرست ہوگا۔

۱۷۔ شیئرز کی خرید وفروخت میں ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا:

جن صورتوں میں شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً ناجائز ہے ان صورتوں میں بروکر یعنی ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا بھی ناجائز ہوگا، اس لئے کہ یہ گناہ اور خلاف شرع امور میں تعاون دینا ہے۔ جس کی ممانعت نص قرآنی سے ثابت ہے۔ البتہ جن صورتوں میں شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً جائز ودرست ہے ان صورتوں میں ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا بھی جائز ودرست ہوگا۔ یہ درحقیقت دلالی کی ایک صورت ہے، اور فقہاء کرام کی صراحت موجود ہے کہ ضرورت کی بنیاد پر پیشۂ دلالی اور اس کی اجرت شرعاً جائز ودرست ہے (ردالمحتار ۲۹/۵)۔

شیئرز

علامہ شیخ وہبہ مصطفیٰ الزحیلی، دمشق

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف المرسلين وعلى آله و صحبه أجمعين، أما بعد!

تمہید:

اسٹاک کمپنیوں (Stock Companies) میں شیئرز کے ذریعہ کاروبار رائج اور اہمیت کا حامل ہوگیا ہے، اس قسم کے کاروبار کا مقصد اجتماعی محنت کی شکل میں انفرادی یا جزئی رقوم کے ایک مجموعہ کی سرمایہ کاری کر کے یا ان کو کاروبار میں لگا کر منافع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ عموماً عام لوگ اس کاروبار کی ایک بڑی اسکیم کو تن تنہا چلانے پر قادر نہیں ہوتے، لہذا بڑے سرمائے کو شیئرز یعنی ان کاروباری دستاویزات (Commercial Papers) کے ذریعہ تقسیم کیا جاتا ہے جنہیں اسٹاک ایکسچینج یا دیگر مارکیٹوں میں آفر کئے جاتے ہیں، اور دسیوں یا سیکڑوں افراد کی طرف سے جن کی قیمت ادا کی جاتی ہے۔

اس طرح بڑی بڑی صنعتی یا زرعی تجارتی اسکیموں کی سرمایہ کاری کے لئے بینکوں یا دیگر فنڈز اور مقامات میں جمع شدہ پرائیوٹ اور پوشیدہ سرمائے سے فائدہ اٹھانا ممکن ہوتا ہے۔

شیئرز کی بالفور یا بتاخیر، قبضہ کے ذریعہ یا بغیر قبضہ کے، براہ راست یا ایجنٹوں اور بروکر (Broker) کے ذریعہ، خرید وفروخت کے مختلف پہلوؤں کے تعلق سے چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

شیئرز کے ذریعہ شراکت داری کا مسئلہ اس وقت اور پیچیدہ ہوجاتا ہے جب جوائنٹ اسٹاک کمپنی اپنی اسکیم کو فروغ دینے، اسے کامیاب بنانے، اس کے کاروبار کے دائرہ کو وسیع کرنے، اس کو زیادہ فعالیت عطا کرنے اور زیادہ مفید اور انتہائی ترقی یافتہ مشینوں کی خریداری کے لئے بینکوں سے سودی قرضے لینے پر مجبور ہوتی ہے۔

<u>مقالہ کے موضوعات:</u>

زیر نظر مقالہ مندرجہ ذیل موضوعات پر مشتمل ہے:

۱۔ کیا شیئرز کمپنی میں جز وملکیت کی حیثیت رکھتے ہیں یا یہ رقوم کی دستاویز ہیں؟

۲۔ کمپنی کے اپنے کاروبار شروع کرنے سے پہلے خریدے گئے شیئرز کی بیع؟

۳۔ ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت جس کے قیام کے بعد اس کا سرمایہ سودی اور غیر سودی دونوں کے مجموعہ مال پر مشتمل ہو؟

۴۔ حرام کاروبار کرنے والی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم؟

۵۔ ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم جس کا کاروبار تو حلال ہو لیکن انکم ٹیکس کی زد سے بچنے کے لئے اسے سودی قرض لینا پڑتا ہو؟

٦۔ ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم جس کا کاروبار حلال ہو مگر اسے اپنے سرمائے کا ایک حصہ سینٹرل ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہو یا سیکورٹی بانڈز خریدنے پڑتے ہوں؟

۷۔ سودی قرض سے حاصل ہونے والے منافع کا حکم۔ کیا وہ حلال اور مفید ملک ہیں؟

۸۔ کیا کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئرز ہولڈر کا وکیل ہے؟

۹۔ کیا کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے کے فیصلہ سے اختلاف کرنا اسے سودی قرض کے وبال سے بری الذمہ کردے گا؟

۱۰۔ کیا شیئر ہولڈر کے لئے سود سے پیدا شدہ متعین منافع کے بقدر صدقہ کردینا کافی ہے؟

۱۱۔ کیا کل آمدنی میں مخلوط سود سے حاصل شدہ منافع کے بقدر صدقہ کردینا شیئرز ہولڈر کیلئے کافی ہے؟

۱۲۔ قیمتوں کے بڑھنے کی صورت میں شیئرز کی تجارت (یعنی نفع کے ساتھ اس کو فروخت کرنے) کا کیا حکم ہے؟

۱۳۔ شرعاً فیوچر سیلز (جس میں نہ مبیع کی حوالگی ہوتی ہے اور نہ ہی ثمن کی ادائیگی) کا کیا حکم ہے؟

۱۴۔ کسی شئے کے سلسلے میں ہونے والی اس بیع کا کیا حکم ہے جس کی اضافت مستقبل کی طرف کی گئی ہو؟

۱۵۔ حکمی قبضہ سے متصف شیئرز کی اس خرید کا کیا حکم ہے جس میں شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ حسی مؤخر ہو؟

۱٦۔ قبضۂ حسی سے پہلے شیئرز کی بیع کا کیا حکم ہے؟

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج مارکیٹ میں بروکرز یعنی ایجنٹ کی حیثیت سے کاروبار کرنے کا کیا حکم ہے؟

ا۔ کیا شیئرز کی حیثیت کمپنی میں حصہ کی ہے یا رقوم کے دستاویز کی ہے؟

شیئرز: یکساں قیمت (Value) کے حامل، نا قابل تقسیم (Indivisible) اور تجارتی ذرائع سے قابل تداول وہ دستاویزات (Documents) ہیں جو کمپنیوں کے اصل سرمائے میں شراکت اختیار کرنے والے شیئر ہولڈرز کے حقوق کی نمائندگی کرتے ہیں۔

مصری سِول قانون کی دفعہ ۵۰۵، اور شامی سِول قانون کی دفعہ ۴۷۳ میں کمپنی کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ:

کمپنی ایک ایسا عقد ہے جس کے بموجب دو یا دو سے زائد اشخاص اس بات کے پابند ہوتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک سرمایہ یا محنت کا ایک حصہ پیش کرکے کسی مالی اسکیم میں شراکت اختیار کرے گا، اور اس اسکیم سے پیدا شدہ نفع یا نقصان آپس میں تقسیم ہوں گے۔

موجودہ تجارتی قانون کے ماہرین کی اس تعریف سے واضح ہو جاتا ہے کہ: شیئرز وہ دستاویزات ہیں

جنہیں شیئرز کمپنی جاری کرتی ہے، اور یہ کمپنی کے اصل سرمائے اور اس کے ضمن میں حاصل ہونے والے حقوق میں مشترک حصص کی نمائندگی کرتے ہیں، کمپنی کے اصل اثاثے اور اس سے حاصل شدہ حقوق کا دارومدار کمپنی کی خالص املاک، اس کی آمدنیوں اور اس کے انتظام وانصرام پر ہوتا ہے، لہذا کمپنی ایک قسم کا عقد ہے، کیونکہ یہ شرکاء کے اتفاق کے نتیجہ میں وجود میں آتی ہے۔

شیئر کمپنی کے اصل اثاثے کے ایک جزو کی نمائندگی کرتا ہے، اور اس کا مالک شیئر ہولڈر ہوتا ہے، شیئرز کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں[۱]:

۱۔ یہ مساوی درجہ (Face Value) کے حامل ہوتے ہیں: یہ وہ قیمت ہے جو شیئرز کے اجراء کے وقت طے پاتی ہے اور اسی کے ساتھ شیئرز جاری کئے جاتے ہیں، یہی وہ قیمت ہے جس کی تحدید قانونی طور سے دنیا کے بعض ملکوں جیسے متحدہ عرب امارات میں ایک اور سو درہم کے درمیانی تناسب سے کی جاتی ہے۔

۲۔ یہ ناقابل تجزی ہوتے ہیں: یعنی کمپنی کے مقابلہ میں ایک سے زائد شیئر ہولڈرس کی صورت میں یہ کسور کی شکل میں ظہور پذیر نہیں ہوتے۔

۳۔ تجارتی طریقے سے رواج پذیر ہوتے ہیں: یعنی معروف تجارتی طریقوں سے اور کمپنی کی طرف سے بغیر کسی ایوال آرڈر کے شیئرز کی ملکیت ایک شخص سے دوسرے تک منتقل ہوسکتی ہے۔ اگر شیئر شیئر ہولڈر کی اجازت یا اس کے حکم سے جاری کیا گیا ہو تو اس کی منتقلی توثیق سے ہوگی۔ اور اگر وہ Bearer Share ہو تو اس کی منتقلی محض دستی حوالگی ہی سے ہو جائے گی، شیئر ہولڈرس پر حکومتی نگرانی و سرپرستی کی ضمانت کی خاطر، عموماً شیئرز نامزد ہوتے ہیں۔ جہاں تک بانڈز (Bonds) کا تعلق ہے تو وہ متعین نام سے بھی ہوتے ہیں اور Bearer بھی ہوتے ہیں۔

الغرض شیئرز کمپنی کے سرمائے میں حصص کی نمائندگی کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر شیئرز اپنی فطرت وحقیقت کے اعتبار سے مستقل بالذات نقود اور کمپنی کی عینی املاک یعنی فرنیچرز، عمارتوں، مشینوں، اوزار، مصنوعات اور تیار شدہ ساز وسامان، یا غیر تیار شدہ خام یا پختہ مال، اور دوسروں کے ذمہ کمپنی کی واجب الاداء دیون کا مجموعہ قرار پاتے ہیں، یہ تمام اشیاء شیئرز اور اس کی تشکیل کے ذیل میں آتی ہیں۔ اب ایسی صورت میں شیئرز کی خرید وفروخت نقد کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت نہیں بلکہ یہ نقود کا اپنے بالمقابل نقود واملاک کے مجموعہ سے تبادلہ ہے۔

شیئر ہولڈر اگر اپنا شیئر فروخت کردے تو اس کے بالمقابل حصہ کا وہ مالک قرار پائے گا، اسی طرح کمپنی کے تحلیل ہونے کی صورت میں بھی وہ اپنے شیئرز کے بالمقابل حصص کا بحیثیت مالک مستحق ہوگا، اور اگر شیئر میں نفع ہوگا تو اس میں بھی اس کا حق ہوگا۔ اور اگر کمپنی کو خسارہ ہو تو وہ اپنی زیر ملکیت شیئرز کے تناسب سے خسارہ بھی برداشت کرے گا، اس کے برعکس جو عمل بھی ہوگا اس سے کمپنی کے عقد کے تقاضوں کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔

شیئرز کی حیثیت ادا شدہ رقوم کی دستاویزات جیسی ہرگز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ تو ان قرضہ جات کے

۱۔ ملاحظہ ہو: "الشرکات التجاریہ از ڈاکٹر حسنین غنایم، ص ۱۸۹، اسی طرح "الشرکات التجاریہ" از ڈاکٹر علی یونس، ص ۳۔

ذرائع ہیں جن پر متعین شرح سے سود واجب الاداء ہوتے ہیں، ان کے مالکان کو کمپنی میں شراکت کا حق حاصل نہیں ہے، اور نہ ہی شیئرز کی شیئرز کے ساتھ بیع وشراء نقد کی نقد کے ساتھ بیع وشراء ہے، اور قرضہ جات ایک متعین قیمت کی نمائندگی کرتے ہیں، لہٰذا مقروض کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں اس کی املاک ضبط کی جاسکتی ہیں، اس کا کمپنی کی املاک اور اثاثوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

شیئرز کی اس حیثیت کا تعین کر کے اس کے مناسب شرعی احکام اس پر مرتب کئے جاسکتے ہیں، خواہ اس کا تعلق شیئر ہولڈرس کے ذمہ ادائیگی زکاۃ کے وجوب سے ہو، یا شیئرز کو متداول اور قابل بیع وشراء بنانے سے، یا کمپنی کے کاروبار کے نتیجہ میں حاصل شدہ منافع کے واجب الاداء ہونے سے، یا کمپنی کے مالکان کو ہر شیئر کی واضح ملکیت کے تناسب سے پیش آمدہ خسارے کو برداشت کرنے کا پابند بنانے سے۔

۲۔ کمپنی کے کاروبار شروع کرنے سے پہلے خریدے گئے شیئرز کی بیع:

کمپنی کے قیام کے بعد اور اس کے کاروبار کے آغاز اور اس اسکیم کو جس کے پیش نظر کمپنی کا قیام عمل میں آیا ہے، روبعمل لانے سے قبل خریدے گئے شیئرز کی بیع درست ہے، بشرطیکہ عقد صرف کے شرائط اور اس کے ضوابط کا تحقق ہو، اس لئے کہ یہ نقد کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت ہے، اور حرام (ربا) میں پڑنے سے بچانے کے لئے اس پر بیع صرف کے احکام منطبق ہوں گے۔

مختصرا بیع صرف کی مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

۱۔ ادھار سود (ربا النسیئۃ) کی زد سے بچانے کے لئے مجلس معاملہ سے متعاقدین کے جدا ہونے سے پہلے قبضہ کا تحقق۔

۲۔ مماثلت: اگر نقد کی بیع اس کی جنس سے ہو جیسے سونے کی بیع سونے سے، یا چاندی کی چاندی سے، یا نقدی نوٹ کی بیع اس کے مثل سے ہو، تو مقدار میں مماثلت واجب ہے، دونوں ثمن میں وزن کے اعتبار سے، اور نقدی نوٹوں میں تعداد کے اعتبار سے، اس میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی جائز نہیں ہے۔

۳۔ عقد میں خیار شرط نہ ہو: اس لئے کہ اس عقد میں عوضین پر قبضہ شرط ہے، اور خیار شرط (اختلاف فقہاء کے اعتبار سے) ثبوت ملک یا تکمیل ملک کے لئے مانع ہے، اور خیار، قبض مشروط میں مخل ہوتا ہے، قبض مشروط سے مراد وہ قبضہ ہے جس سے تعیین کا حصول ہوتا ہے، لہٰذا اس خیار کی شرط لگاتے ہی عقد فاسد ہو جائے گا۔

۴۔ اس میں کوئی مدت نہ ہو: اس لئے کہ عقد میں متعاقدین کے جدا ہونے سے پہلے عوضین پر قبضہ مطلوب ہے، اور مدت سے قبضہ مؤخر ہوگا، لہٰذا یہ عقد فاسد ہوگا۔

اخیر کی دو شرطیں بیع صرف میں واجب قبضہ سے متفرع ہیں، اور شروع کی دو شرطیں ربا النسیئۃ میں مبتلا ہونے سے بچانے کے لئے لگائی گئی ہیں۔

جدہ اسلامک فقہ اکیڈمی کی چوتھی کانفرنس (منعقدہ ۱۴۰۸ھ۔ مطابق ۱۹۸۸ء) کے فیصلہ میں مقارضہ بانڈز

یادستاویزات مضاربہ پر گفتگو کے ضمن میں درج ذیل صراحت موجود ہے:

فقرہ ۔اُ :اگر جمع شدہ مال قراض (مضاربہ) اندراج کے بعد اور سرمائے سے کاروبار کے آغاز سے قبل نقود کی شکل میں برقرار ہوں، تو مقارضہ بانڈز (MBs) کی منتقلی اور اس کا تداول نقد کا نقد سے تبادلہ قرار پائے گا ،اور اس پر بیع صرف کے احکام منطبق ہوں گے۔

۳۔ایسی کمپنی کے شیئرز کی بیع کا حکم جس کا سرمایہ سودی وغیر سودی دونوں طرح کے مال پر مشتمل ہو:

عموماً ایسا ہوتا ہے کہ بعض شیئرز کی بیع کمپنی کے قیام اور اس کے کاروبار کے شروع ہونے کے بعد ہوا کرتی ہے، لیکن اگر ایسی صورت میں کمپنی کا اصل سرمایہ حرام سے مخلوط ہو، اس طور پر کہ مجموعہ مال ربوی اور غیر ربوی دونوں پر مشتمل ہو تو یہ بیع ضرورت یا حاجت کے پیش نظر درست ہوگی اور یہ آمدنی مشتبہ قرار پائے گی، لہذا ان سودی قرضہ جات کے تناسب سے جن سے یہ آمدنی حاصل ہوئی ہے منافع کا ایک حصہ نکالنا واجب ہے، اور یہ ناجائز آمدنی ضرورت مندوں پر صرف کی جائے گی۔ اس سے کسی شخص کے ذمہ عائد ہونے والے اخراجات نہیں پورے کئے جا سکتے، نہ ہی یہ رقم ان لوگوں پر خرچ کی جا سکتی ہے جن کا نفقہ اس کے ذمہ لازم ہو، اور اس سے سوائے اس ٹیکس کے جو اس آمدنی کے ساتھ مخصوص ہو، دوسرے حکومتی ٹیکس نہیں ادا کئے جائیں گے، لہذا عام ضرورت و حاجت کے نہ پائے جانے کی صورت میں اس قسم کی بیع وشراء جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اصل سرمائے کی حرمت کو تقویت پہنچانے والا اشبہ موجود ہے۔ ہاں اگر اصل سرمایہ سود سے پاک ہو تو اس قسم کی خرید وفروخت جائز ہے۔

مذکور الصدر فقہ اکیڈمی کی طرف سے مقارضہ بانڈز کے سلسلے میں کئے گئے فیصلے میں دو فقروں پر مشتمل مندرجہ ذیل باتوں کی صراحت موجود ہے، جو رأس المال کے سود سے پاک ہونے کی صورت میں شیئرز کی بیع وشراء اور ان کی منتقلی پر منطبق ہوتی ہے:

ب:اگر مال مقارضہ دیون کی شکل میں ہو تو عقد دیون کے احکام مقارضہ بانڈز کے تداول پر منطبق ہوں گے۔

ج:اگر مال مقارضہ نقود، دیون، اعیان اور منافع کے مجموعی اثاثے کی صورت میں ہو تو فریقین کے درمیان طے شدہ قیمت کے مطابق مقارضہ بانڈز کا تبادلہ درست ہے، بشرطیکہ اس صورت میں اعیان و منافع غالب ہوں، لیکن اگر نقود یا دیون غالب ہوں تو تبادلہ میں نقود کے تبادلہ یا دیون کی بیع کے سلسلہ میں طے شدہ شرعی احکام ملحوظ رکھے جائیں گے۔

یہ واضح رہے کہ نقود کی بیع کا عقد صرف کے مذکورہ احکام کا تابع ہونا ضروری ہے، دیون کی ایک دوسرے کے ساتھ بیع کے عدم جواز کی مختصر تفصیل یہ ہے [۱] :

☆اگر دَین کی بیع نقد ہو، تو مذاہب اربعہ میں مقروض کو دَین کی بیع یا اس کے ہبہ کرنے کا حق ہے، اس لئے کہ اس صورت میں حوالگی کی ضرورت نہیں ہے، مذہب ظاہریہ اور حنفیہ کے نزدیک دَین کی بیع مدین کے علاوہ کے

۱۔ دیکھئے مقالہ نگار کی کتاب: الفقہ الاسلامی وادلتہ، تقدیم مراجع جن کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے: ۴؍۴۳۲۔۴۳۳۔

لئے جائز نہیں ہے، اس لئے کہ بیع میں حوالگی مفقود ہے۔

☆ اور اگر دَین کی بیع ادھار یعنی ایک مدت کو مؤخر ہو جیسے ''بیع الکالی بالکالی'' یعنی دَین کی دَین سے بیع، تو یہ شرعاً ممنوع ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے ''بیع الکالی بالکالی'' سے منع فرمایا ہے [1]۔

لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دَین کی دَین سے بیع جائز نہیں ہے، خواہ یہ مدین سے ہو یا غیر مدین سے۔ اور دین: مبیع کے ثمن، قرض کے بدل، عورت کے مہر، منفعت کے بدلہ اجرت، معاوضۂ جنایت، تاوان اتلاف، عوض خلع اور سامان سلم کے مثل ہے۔

''البرکہ'' بینک کے چھٹے سیمینار کی طرف سے جاری کردہ فتویٰ نمبر ۵ میں ان شراکت دار کمپنیوں کے شیئرز خریدنے سے متعلق جن کو بعض اوقات سودی قرض کے لین دین کا معاملہ کرنا پڑتا ہو، مندرجہ ذیل تفصیل ملتی ہے:

(الف) مسلم ممالک میں قائم عام کمپنیوں کے معاملات کو اسلامائز (Islamise) کرنے کی خاطر ان کے شیئرز خریدنا ایک امر مطلوب ہے، اس لئے کہ اس صورت میں مسلمانوں کے لئے احکام شرع کی پابندی کے زیادہ سے زیادہ مواقع اور امکانات ہیں۔

(ب) غیر مسلم ممالک کی کاروباری کمپنیوں کے شیئرز خریدنا سرمایہ کاروں کے لئے اس صورت میں درست ہے جب انہیں ایسا متبادل نہ ملے جو شائبہ سے پاک ہو۔

(ج) اسلامی مالیاتی اداروں کی طرف سے کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جائز ہے، بشرطیکہ فاضل نقود کی سرمایہ کاری مقصود ہو، اور اس میں شریک ہونے کے لئے افراد کو تعاون دینے کی خاطر سرمایہ کاری کے خصوصی فنڈز قائم کئے جائیں۔

اس تفصیل کی بنیاد پر اسلامی بینکوں کے لئے جائز مقاصد کی حامل کمپنیوں کے شیئرز خریدنا، اسی طرح ان کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جو کبھی کبھار سودی قرض کے لین دین کا معاملہ کرتی ہوں، جائز ہے، بشرطیکہ اس کا مقصد ان کمپنیوں کے کاروبار کو صحیح اسلامی رخ دینا ہو، اور یہ اس صورت میں جبکہ مشتری کو ظن غالب ہو کہ وہ ایسا کرنے پر قادر ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر ان کمپنیوں کے شیئرز کی خرید کا مقصد ان کے معاملات اور کاروبار کو اسلامائز کرنا نہ ہو تو بغیر ضرورت یا حاجت کے اس قسم کے شیئرز کی خرید درست نہیں ہے، اس لئے کہ کمپنی کے اصل سرمایہ کا مال ربوی اور غیر ربوی دونوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک قسم کا شبہ موجود ہے۔

اسی طرح ضرورت کے وقت اسلامی بینکوں کے لئے جائز ہے کہ وہ جائز مقاصد کی حامل کمپنیاں اور ان کمپنیوں کے شیئرز خریدیں جن کو کبھی کبھار سودی قرض کے لین دین کا معاملہ کرنا پڑتا ہو، اور یہ بھی اس صورت میں جب کہ اس کا مقصد زائد (Liquidity) کو اسلامی بینکوں میں صرف کرنا اور ضرورت کے وقت انہیں رواں کرنا ہو، ایسا اس لئے کہ اسلامی بینکوں کو شدید ضرورت ہے کہ وہ ان سرگرمیوں کو انجام دیں، تاکہ ان کے اس پیغام کی اشاعت کا

---

[1] دارقطنی نے حضرت ابن عمر کے حوالہ سے اس حدیث کی تخریج کی ہے، حاکم نے اسے امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے، اور طبرانی نے رافع بن خدیج کے حوالہ سے اس کی تخریج کی ہے۔

سلسلہ جاری رہے، جس کا مقصد امت مسلمہ کو غیر شرعی معاملات سے نجات دلانا ہے۔

جہاں تک عام لوگوں کا تعلق ہے تو ان کے لئے ضرورت یا حاجت کے سوا ان کا خریدنا جائز نہیں، اس لئے کہ شیئرز کمپنی کے اصل سرمایہ میں حرمت موجود ہے۔ بخاری اور مسلم نے حضرت نعمان بن بشیر کی یہ روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

"إن الحلال بيّن وإن الحرام بيّن، وبينهما أمور مشتبهات لا يعلمهن كثير من الناس، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه و عرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام....".

بلاشبہ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے، تو جس نے شبہات سے پرہیز کیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا، اور جو شبہات میں پڑا وہ حرام میں پڑا۔

شراح حدیث کہتے ہیں: جو مشتبہ امور کو اور ان کی حرمت کو جانتا ہو، اس کے لئے جائز نہیں کہ ان کو اختیار کرے، بلکہ وہ اپنے علم کی ہدایت پر عمل کرے، اس کی تائید گذشتہ حدیث کی ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو صحیحین میں مذکور ہے:

"ومن اجترأ على ما يشك فيه من الإثم، أوشك أن يواقع ما استبان".

اور جس کسی نے ایسے امر جس کے گناہ ہونے میں شبہ ہو، کے ارتکاب کی جسارت کی تو قریب ہے کہ وہ صریح گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے رسول اللہ ﷺ سے مروی حضرت عبداللہ بن یزید کی یہ حدیث نقل کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"لا يبلغ العبد أن يكون من المتقين حتى يدع ما لابأس به حذراً لما به بأس".

بندہ کا شمار متقیوں میں اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ ان چیزوں سے پرہیز کرتے ہوئے جس میں کوئی حرج ہے، ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کمال تقوی یہ ہے کہ بندہ اللہ سے تقوی کرے، یہاں تک کہ ایک ذرہ کے برابر اللہ سے تقوی کرے، حتی کہ تقوی کے پیش نظر بعض حلال چیزوں کو ترک کردے اس اندیشے سے کہ (ہوسکتا ہے) وہ حرام ہوں......

اس کا مطلب ہے کہ اشیاء تین قسم کی ہیں:

اللہ تعالی نے جس سے حلال ہونے کی تصریح فرمادی وہ حلال ہے، اور اللہ تعالی نے جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمادی وہ واضح طور پر حرام ہے، اور جہاں تک شبہات کا تعلق ہے تو ان میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کے بارے میں کتاب وسنت کے دلائل مختلف ہوں اور جس کے مفاہیم ومعانی میں متعدد احتمالات ہوں، تو ایسی چیز سے پرہیز غایت درجہ احتیاط اور ورع کی بات ہے۔ مشتبہ امور کے سلسلہ میں علماء کی تین آراء ہیں:

ایک طبقہ جو سد ذرائع کا قائل ہے اس کا کہنا ہے کہ: یہ حرام ہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "استبرأ لدینہ وعرضہ" اس نے اپنے دین وعزت کو بچالیا، لہذا جو اپنے دین اور اپنی عزت کو نہ بچا سکا وہ حرام میں مبتلا ہوا۔ دوسرا طبقہ جو سد ذرائع کا قائل نہیں ہے، کہتا ہے: یہ حلال ہیں، اس کی دلیل آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: "کالراعی یرعی حول الحمی" اس چرواہے کی طرح جو چراگاہ کے اردگرد چراتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حلال ہے، اور اس کو ترک کرنا ورع ہے۔ تیسرا طبقہ کہتا ہے: حدیث میں مذکور مشتبہ امور نہ حلال ہونے کی صراحت کرتے ہیں، نہ حرام ہونے کی، چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں حلال صریح اور حرام صریح کے درمیان رکھا ہے، لہذا ہمیں چاہئے کہ اس سلسلہ میں توقف کریں، اور یہ بھی ورع ہی کے باب میں آتا ہے[1]

ہماری اس وقت کی گفتگو کا موضوع ان شراکت دار کمپنیوں کے شیئرز کی خرید ہے جن کا اصل سرمایہ ربوی اور غیر ربوی دونوں کے مجموعہ مال پر مشتمل ہو، اس کا تعلق حرام کی اس نوع سے ہے جس کی حرمت معلوم ہے، اور جو صرف ضرورت ہی کے وقت مباح ہے، چونکہ ضرورتیں ممنوعات کو مباح بنادیتی ہیں، اور حاجت ضرورت کا درجہ حاصل کرلیتی ہے۔

لہذا ضرورت کے وقت ایسی کمپنی کے شیئرز کا لینا درست ہے جس کا مقصد جائز ہو، لیکن اس کو سودی قرض لینا پڑتا ہو، اور شیئرز سالانہ آمدنی والے ہوں، شرط یہ ہے کہ سودی قرضہ جات جن سے آمدنی حاصل ہوئی ہے، کے تناسب سے اس آمدنی کا ایک حصہ نکال دیا جائے، اور ناجائز آمدنی کا یہ حصہ ضرورت مندوں پر خرچ کیا جائے گا، اس سے کسی کے ذمہ عائد ہونے والے اخراجات نہیں پورے کئے جائیں گے، نہ اسے اس شخص پر صرف کیا جاسکتا ہے جس پر کوئی نفقہ لازم ہے، اور نہ اس سے ٹیکس کی ادائیگی کی جائیگی، سوائے ٹیکس کے اس حصہ کے جو اس آمدنی کے ساتھ خاص ہو۔

۴۔ حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم:

اس میں کوئی شک نہیں کہ شراکت دار کمپنیوں کی طرف سے شرعاً حرام کاروبار کے سلسلے میں جاری کئے گئے شیئرز کی خرید وفروخت اور ان کی تجارت حرام اور گناہ کبیرہ ہے، یہ ان حرام امور میں سے ہے جن کی آمدنی کا حصول اور جن سے انتفاع حرام ہے، جیسے شراب کی تجارت، خنزیر کے گوشت کی خرید وفروخت اور اس کی درآمد وبرآمد، خواہ مسلم ممالک میں یا غیر مسلم ممالک میں جیسے یورپ، امریکہ، ہندوستان اور جاپان وغیرہ، اسی طرح سودی اسکیموں اور سودی بینکوں میں سرمایہ کاری کرنا حرام ہے، اسی کے ذیل میں بڑی بڑی کمپنیوں کے تحت چلائے جانے والے وہ ہوٹل بھی آتے ہیں جو اپنے کھانوں میں خنزیر کا گوشت اور الکوحل ملے ہوئے مشروبات (Alcoholic Drinks) پیش کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

"....و حرم الربا"۔ اور اس نے (اللہ تعالی نے) سود کو حرام کیا (البقرہ: ۲۷۵)۔

---

[1] دیکھئے: امام نووی کی شرح "الأربعین النوویة" حدیث ۶ ص ۲۵ اور اس کے بعد کے صفحات۔ شرح ابن دقیق العید ص ۴۲ اور اس کے بعد کے صفحات۔ جامع العلوم والحکم کی شرح از ابن رجب حنبلی ۱/۹۳ اور اس کے بعد کے صفحات، مطبوعہ دار الخیر، دمشق۔

حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به (المائدہ:۳)۔

قل إنما حرم ربي الفواحش ما ظهر منها وما بطن والإثم والبغي بغير الحق (الأعراف:۳۳)۔

اثم: شراب کے مختلف ناموں میں سے ایک نام ہے، اللہ تعالی نے بعض اہل کتاب کی مذمت و توبیخ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

سماعون للكذب اكالون للسحت (المائدۃ:۴۲)۔

اور "سحت" مال حرام کو کہتے ہیں، اگر کسی نے حرام کی کمائی کی تو عرب کہتے ہیں: "اسحت في تجارته"۔

۵۔ حلال کاروبار کرنے والی کمپنی کے شیئرز کا حکم جو انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لیتی ہے:

یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالی نے سود کھانے والے، اس کے کھلانے والے، اس کی گواہی دینے والے اور اس کے لکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے [۱]، اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کوئی حرام مثلا جھوٹی گواہی، حق اور حلال تک پہونچنے کا ذریعہ نہیں بن سکتا ہے، اور ایک ظلم کا مداوا کسی دوسرے ظلم سے نہیں ہوسکتا ہے، لہذا اگر انکم ٹیکس ظالمانہ یا زیادہ ہو، تو اس سے چھٹکارا شراکت دار کمپنی کے اصل سرمائے کو حرام یعنی ربا سے مخلوط کر کے نہیں حاصل کیا جا سکتا ہے، بنابریں عام ضرورت کے سوا اس قسم کی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں انکم ٹیکس کی زد سے بچنے کے لئے سودی قرض لینے کی وجہ سے کمپنی کا اصل سرمایہ حرام سے مخلوط ہوتا ہے، اس لئے کہ اس قرض کی ادائیگی اور اس کا سود شیئر ہولڈرز کے حساب میں جاتا ہے، اور اتنا حصہ منافع سے منہا کرلیا جاتا ہے۔

ہاں اگر کمپنی کے اصل سرمائے سے سودی مال مخلوط نہ ہو اور کمپنی کے بعض منتظمین تبرعا قرض کے سود کی ادائیگی کی ذمہ داری لے لیں، جس کا تصور عموما ممکن نہیں، تو ایسی صورت میں اس قسم کی کمپنیوں کے شیئرز کا خریدنا جائز ہے، اس لئے کہ اس صورت میں کمپنی حرام سودی مال سے پاک ہوگی، لیکن یہ محض ایک فرضی بات ہے جس کا عام حالات میں وقوع نہیں ہوتا۔

٦۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز کا حکم جنہیں اپنے سرمایہ کا ایک حصہ سینٹرل ریزروبینک میں جمع کرنا پڑتا ہو یا سیکورٹی بانڈز خریدنے پڑتے ہوں:

اگر کوئی کمپنی از روئے قانون اپنے سرمائے کا ایک حصہ سینٹرل ریزروبینک میں جمع کرنے کی پابند ہو یا ضرورت کے شرعی اصول وضوابط کے اعتبار سے ایسا کرنے پر مجبور ہو، یا اسے سیکورٹی بانڈز (Security Bonds) خریدنے پڑتے ہوں، جن کی وجہ سے اسے سود بھی ملتا ہو، تو اس قسم کی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید ممنوع نہیں ہے، بشرطیکہ اس سود سے جتنی جلد ممکن ہو چھٹکارا حاصل کرلیا جائے اور اسے رفاہی امور میں صرف کردیا جائے یا ضرورت مندوں یا مفادات عامہ پر خرچ کردیا جائے، اسے کمپنی کے بجٹ یا اس کے اصل سرمائے میں شامل کرنا

۱۔ یہ اس حدیث کے صریح الفاظ ہیں جس کی تخریج ابوداؤد نے حضرت ابن مسعود کے حوالے سے کی ہے۔

درست نہیں، اس لئے کہ ضرورت یا حاجت کا اعتبار اسی قدر کیا جاتا ہے، جس قدر ضرورت ہو، اور کمپنی کو حرام یا ناجائز آمدنی میں ملوث کرنا ضرورت نہیں ہے۔

۷۔ سودی قرضوں سے حاصل شدہ منافع کا کیا حکم ہے، کیا یہ جائز اور مفید ملک ہیں؟

صرف فقہاء احناف کی رائے یہ ہے کہ سود پر مشتمل عقد خواہ وہ بیع ہو یا ایسا قرض جس کے نتیجہ میں کوئی منفعت حاصل ہو "عقد فاسد" ہے، اور ان کے خیال کے مطابق عقد فاسد "ملک خبیث" کا فائدہ دیتا ہے، جس سے چھٹکارا حاصل کرنا واجب ہے، خواہ معاملہ کی درستگی کے ذریعہ اور اس سے سود کا ازالہ کر کے، یا اسے محتاجوں پر صدقہ کر کے۔ بنابریں سود پر حاصل کئے گئے قرضہ جات سے پیدا شدہ منافع قبضہ سے زیر ملکیت تو آ جائیں گے، البتہ یہ ملکیت "ملک خبیث" کی نوعیت کی ہوگی، جس کو نہ شریعت درست ٹھہراتی ہے، نہ اس میں کوئی برکت ہوگی، نہ وہ حاصل کرنے والے کے لئے شرعاً حلال ہے، اور نہ اس سے انتفاع جائز ہے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک سودی قرض سرے سے مفید ملک ہی نہیں، بالفاظ دیگر اس سے حاصل شدہ منفعت علی الاطلاق درست نہیں، اس لئے کہ ان حضرات کے نزدیک عقد باطل اور عقد فاسد میں کوئی فرق نہیں ہے، ان کے نزدیک معاملات میں یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے مترادف ہیں۔

رہے احناف تو انہوں نے باطل اور فاسد کے درمیان فرق کیا ہے، ان کے نزدیک بیع باطل قبضہ کے باوجود مفید ملک نہیں ہے، جہاں تک بیع فاسد کا تعلق ہے تو اس میں مالک کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت سے قبضہ کر لینے کی صورت میں ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، مالک کی اجازت سے قبضہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ مشتری مجلس عقد ہی میں بائع کے سامنے مبیع پر قبضہ کر لے اور بائع اس پر کوئی اعتراض نہ کرے۔ یہ رائے جمہور فقہاء کی رائے کے خلاف ہے، ان کا خیال ہے کہ "بیع فاسد" بھی بیع باطل کی طرح سرے سے مفید ملک ہی نہیں[۱]۔

۸۔ کیا کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے، اور کیا اس بورڈ کا عمل ان کے عمل کے قائم مقام ہے؟

موجودہ قوانین تجارتی اور شہری کمپنیوں کو محض ان کی تشکیل کی بنیاد پر ایک قانونی اور معنوی حیثیت دیتے ہیں، چنانچہ مصری سول قانون کی دفعہ ۵۰۶ اور شامی سول قانون کی دفعہ ۴۷۴ میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ:

۱۔ کمپنی محض اپنی تشکیل کی بنیاد پر ایک قانونی حیثیت کی حامل تسلیم کی جائے گی، مگر اس کی یہ حیثیت لوگوں کیلئے اس وقت تک دلیل نہیں بن سکتی جب تک کہ قانون کی طرف سے طے کردہ تشہیری کارروائیوں کی تکمیل نہ ہو جائے۔

۲۔ اس کے باوجود دوسرے کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے کو کمپنی کی اس حیثیت سے وابستہ رکھے اگر چہ کمپنی نے

۱۔ فتح القدیر مع العنایہ ۱۸۵/۵ اور اس کے بعد کے صفحات، البدائع ۲۹۹/۵، رد المحتار ۱۰۲/۴، مجمع الضمانات للبغدادی ۲۱۵/۱ اور اس کے بعد کے صفحات۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ از مقالہ نگار ۳۲۵/۴۔

اب تک طے شدہ تشہیری کارروائیاں مکمل نہ کی ہوں۔

اب جب کہ کمپنی کو ایک قانونی حیثیت حاصل ہوگئی تو متعدد وجوہ سے اس کی حیثیت عام افراد کی سی ہوگئی، چنانچہ اس کا ایک نام، پتہ، مقام اور اس کی ایک قومیت ہوگی، اسی طرح اسے کچھ حقوق حاصل ہوں گے اور اس پر چند ذمہ داریاں عائد ہوں گی، اس طرح شرکاء کی مسئولیتوں سے آزاد اور الگ خود اس کی ایک مالی مسئولیت (liability) ہوگی۔ شرکاء کی مسئولیتوں سے الگ کمپنی کی اپنی ایک علاحدہ مسئولیت سے دو اہم نتیجے برآمد ہوں گے:

الف۔ حصص کی ملکیت کمپنی کی طرف منتقل ہو جائے گی اور کمپنی کو اس میں تصرف کرنے کا اختیار ہوگا، اور کمپنی کے تعلق سے شراکت دار کا حق شخصی التزامات کے ضمن میں شمار ہوگا، جو قابل انتقال ہیں، لہذا جب کمپنی تحلیل ہو گی تو اس کے باقی ماندہ اثاثے شرکاء پر تقسیم کیے جائیں گے۔

ب۔ کمپنی کی مالی مسئولیت شرکاء کی مسئولیتوں سے مختلف ہوگی، اور اس کا ایک علیحدہ وجود ہوگا جو خود کمپنی کے وجود سے مربوط ہوگا، اسی طرح شرکاء کی مسئولیتیں کمپنی کی مسئولیت سے جداگانہ ہوں گی، چنانچہ شراکت دار کمپنی کے قرضہ جات کے سلسلے میں صرف اپنے حصص کے تناسب سے جواب دہ ہوگا، سوائے شیئرز کی شہری کمپنیوں یا مشترکہ مسئولیت کی تجارتی کمپنیوں (Commercial Company of Joint Liability) کے، ان صورتوں میں شراکت دار شخصی ذمہ داری کے اعتبار سے کمپنی کے قرضہ جات کے سلسلے میں جواب دہ ہوگا۔ (الشرکات التجاریۃ: از ڈاکٹر علی یونس: ص ۱/۵۱۔ ۶۳)۔

جہاں تک فقہ اسلامی کا تعلق ہے تو اس کی اب تک کی تاریخ میں اس کلیہ کا پتہ نہیں چلتا کہ کمپنی ایک معنوی اور حکمی وجود کی حامل ہوتی ہے، جس کی مسئولیت شرکاء کی مسئولیت سے جداگانہ اور مختلف ہوتی ہے، بلکہ وہاں تو سرے سے یہ بات ہی نہیں ملتی کہ کمپنی کسی مالی مسئولیت کی بھی حامل ہوتی ہے، اس وجہ سے اسلامی فقہ میں جو چیز ''کمپنی'' کی حیثیت سے معروف ہے وہ قریب قریب وہی ہے جو انگریزی اور سوڈانی قانون میں شراکت کے نام سے معروف ہے، اور یہ شراکت ''وکالت'' اور ''امانت'' پر مبنی ہوتی ہے، چنانچہ ہر وہ شراکت دار جو کمپنی کے عقد کے بموجب کاروبار کرتا ہے وہ کمپنی میں اپنے حصص کے تناسب سے اس معاملہ کے ایک حصہ میں اصیل ہوگا، اور باقی ماندہ اجزاء میں دوسروں کا وکیل ہوگا، اور ان اجزاء میں اس کے تصرفات احکام وکالت جیسا عمل کریں گے۔

اسلامی تصور کے مطابق کمپنی سے متعلق یہ شرعی احکام شرکاء کے لئے حکم عقد یا مقتضائے عقد ثابت کرتے ہیں (یعنی کمپنی کے اثاثے میں ملکیت کی منتقلی)، اسی طرح حنابلہ کے نزدیک (حقوق عقد یعنی مبیع کی حوالگی اور ثمن کی وصولی کی پابندیاں) مؤکل کے لئے ثابت ہوں گے، لیکن دیگر فقہاء کے نزدیک حقوق وکیل کے لئے ثابت ہوں گے، ان حقوق میں دَین وثمن کا مطالبہ اور ان اشیاء کی حوالگی اور وصولی بھی شامل ہے جن پر معاملہ طے ہوا ہو۔

رہیں عقد سے پیدا شدہ پابندیاں تو وہ شرکاء کی مسئولیتوں میں اس طرح ثابت ہوں گی کہ ان کا ثبوت ان کی مسئولیتوں میں موت تک برقرار رہے گا، اور یہ کمپنی کے راس المال سے ان کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں ان

کے مخصوص اموال اور سرمایوں تک ممتد ہوگا۔ کمپنی کے اثاثے اور اس کی جائدادوں میں ہر ایک شراکت دار کا قبضہ ''قبضہ امانت'' ہوگا، لہذا اگر کمپنی کے کاروبار کے دوران کوئی قابل ضمان شئی برباد یا صرف ہوتی ہے، تو اس کا ضمان تمام شرکاء پر عائد ہوگا، نہ کہ صرف برباد کرنے والے یا صرف کرنے والے پر [1]۔ موجودہ قانون کے مطابق اس کی مثالیں مشترکہ مسئولیت کی تجارتی کمپنیوں (Commercial Company of Joint Liability) اور اس طرح کی دوسری کمپنیوں میں دیکھی جا سکتی ہیں، بنابریں ہمارے اسلامی تصور کے مطابق کمپنی وکالت اور امانت کی بنیاد پر تشکیل پاتی ہے، اور کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے، اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل تصور کیا جائے گا، لیکن انجام کار یہ تمام ذمہ داریاں خود شرکاء کی ضمانتوں میں ثابت ہوں گی۔

۹۔ کیا کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے کے فیصلہ سے اختلاف کرنا اسے حرام کی جواب دہی سے بری الذمہ کردے گا؟

اگر انتظامی بورڈ کے ممبران میں کا کوئی شیئر ہولڈر سودی قرض لینے کے فیصلے سے اختلاف کرے، اور کثرت رائے سے طے شدہ فیصلے سے اپنے اختلاف کا اظہار بھی کردے، جب بھی اس کا یہ اختلاف کرنا سودی قرض کے وبال یا اس کے گناہ سے اسے بری الذمہ کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، اس لئے کہ انتظامی بورڈ اور انتظامی کونسل کے چیئرمین کے تصرفات تمام شرکاء کی طرف سے بطور امین اور وکیل ہوتے ہیں، اور تمام شرکاء مالی ذمہ داریوں کے پابند ہوتے ہیں، ان ہی ذمہ داریوں میں کمپنی کے حقوق اور ذمہ داریوں میں شریک ہونے کی حیثیت سے ان کی طرف سے قرض اور اس کے سود کی ادائیگی بھی ہے، اور یہی وہ شرکاء ہیں جو پیش آمدہ شرعی اور قانونی مخالفتوں کو بطور اشتراک گوارا کرتے ہیں، اس کی تفصیل سابق مسئلہ میں گذر چکی ہے، زیادہ سے زیادہ اس کے اس عمل کو صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی قرار دے سکتے ہیں۔

۱۰۔ کیا شیئر ہولڈر کے لئے سود سے پیدا شدہ معلوم منافع کے بقدر صدقہ کردینا کافی ہے؟

کمپنی کی انتظامیہ اور اس کے چیئرمین کی ذمہ داری ہے کہ ہر اس عمل سے کمپنی کو دور رکھیں جو اسے حرام میں ملوث کرتا ہو، خواہ اس عمل کا تعلق کمپنی کی تجارتی سرگرمیوں سے ہو یا صنعتی اور دیگر سرگرمیوں سے، یعنی دھوکہ، غبن، ضرر اور شریعت کی حرام کردہ اشیاء کی پیداوار سے کلی اجتناب کیا جائے، اسی طرح دوسروں کے ساتھ معاملات طے کرنے میں، خواہ کمپنی کا سابقہ فرد سے پڑے یا حکومت سے یا کسی ادارے سے، بہر صورت شریعت کی حرام کردہ صورتوں سے پرہیز کیا جائے۔ لہذا کمپنی کے کسی معاملہ کا شریعت سے متصادم امور پر مبنی ہونا درست نہیں ہے، شریعت سے متصادم صورتوں میں سے سب سے اہم صورت یہ ہے کہ کوئی معاملہ سود یا سودی قرض پر مشتمل ہو۔

چونکہ فقہ اسلامی کے مطابق شرکاء کی ذمہ داری، ذمہ داریوں کے اٹھانے اور حقوق کے ثبوت کے معاملہ میں شراکت پر مبنی ہے، اس لئے کوئی شراکت دار دوسرے سے الگ نہیں قرار دیا جائے گا، اور شرکاء کی حیثیت مؤکلین کی

۱۔ الشخصیۃ الاعتباریۃ فی الفقہ الاسلامی۔ دراسۃ مقارنۃ، از ڈاکٹر احمد علی عبداللہ، ص ۲۲۲ اور اس کے بعد کے صفحات۔

ہے، اور انتظامیہ کی حیثیت وکیل کی، انتظامیہ کے تصرفات کا نتیجہ خود شراکت داروں پر منحصر ہوگا، چنانچہ کسی شراکت دار کا اپنے حصص کے بقدر سود سے پیدا شدہ متعین نفع کو نکال کر صدقہ کر دینا اسے سودی عقد کے فساد کی ذمہ داری اور اس کے گھناؤنے مالی اثرات سے بری الذمہ کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں منافع تمام کے تمام عقد فاسد سے پیدا ہوں گے، اور عقد فاسد حرام ہے جس کی درستگی اور اس کے شرعاً ممنوع اثرات کا ازالہ واجب ہے، تا کہ آمدنی شرعاً جائز اور درست ہو سکے۔

اس کے باوجود تقوی کا تقاضا ہے کہ شیئر ہولڈر اپنی ذمہ داری کو ہلکا کرنے کے لئے سود سے حاصل شدہ متعین منافع کے بقدر اپنے مال سے صدقہ کر دے، تا کہ اس کا مال اور اس کی آمدنی مشتبہ اور حرام سے مخلوط نہ رہے، اور "جس نے شبہات سے پرہیز کیا تو اس نے اپنا ایمان اور اپنی آبرو بچالی"۔

۱۱۔ کیا کل آمدنی میں مخلوط سود سے حاصل شدہ منافع کے بقدر صدقہ کر دینا شیئر ہولڈر کے لئے کافی ہے؟

یہ صورت بھی سابقہ صورت ہی کی طرح ہے، بس فرق یہ ہے کہ اس صورت میں سود کل آمدنی میں مخلوط ہوتا ہے، اس کا پتہ یا تو اندازے سے لگایا جا سکتا ہے یا کمپیوٹر کے دقیق حساب کے ذریعہ، اس صورت میں بھی آمدنی حرام ہو گی، اور فاسد سودی عقد حرام قرار پائے گا، اور کل آمدنی میں مخلوط سود کے بقدر حاصل ہونے والے منافع سے صدقہ کر دینے سے شیئر ہولڈر کی ذمہ داری ختم نہیں ہوگی، اس کے باوجود حرمت سے چھٹکارا پانے کا واحد راستہ منافع کے اس حصہ کو صدقہ کر دینا ہی ہے، اس لئے کہ مال حرام کا علاج یہی ہے کہ اسے صدقہ کر دیا جائے، تا کہ وہ حلال مال سے مخلوط نہ ہو، تا کہ ایک مسلمان کسب حرام کی آمیزش سے کسی ضرر میں مبتلا نہ ہو۔

صاحب مال کی طرف سے نکالی گئی مقدار کے بارے میں متعین طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہی عین سودی رقم ہے، کیونکہ روپے تعین سے متعین نہیں کئے جا سکتے۔ تفسیر قرطبی (۳۶۶/۲) میں ربا سے متعلق احکام اور اسے حلال سمجھنے والے اور اس کے ارتکاب پر اصرار کرنے والے کی وعید پر مشتمل چھتیسویں مسئلہ میں مندرجہ ذیل تفصیل آئی ہے:

بعض غالی قسم کے اہل تقوی کا خیال ہے کہ اگر حلال مال سے حرام مال اس طرح مخلوط ہو گیا کہ حلال وحرام کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو اور پھر اس میں سے مخلوط مال حرام کے بقدر نکال لیا جائے تب بھی وہ مال حلال اور طیب نہ ہوگا، کیونکہ اس کا امکان ہے کہ جو مال نکال دیا گیا ہو وہی حلال ہو اور جو بچ گیا ہو وہی حرام ہو۔ ابن العربی فرماتے ہیں: یہ دین میں غلو ہے، اس لئے کہ ہر وہ مال جس میں حلال اور حرام کے درمیان امتیاز نہ کیا جا سکتا ہو، اس میں مقصود اس کی مالیت ہے نہ کہ اس کی عینیت، اگر وہ تلف ہو گیا تو اس کا مثل اس کے قائم مقام ہوگا، اور اختلاط مال کی "تمییز" کے اتلاف ہی کا نام ہے جیسا کہ "اہلاک" "عین مال" کے اتلاف کا نام ہے، اور ہلاک شدہ شئے کا مثل اس کے قائم مقام ہوتا ہے، یہ کلیہ حسی اور معنوی دونوں حیثیتوں سے واضح ہے۔

قرطبی اس پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہمارے علماء کا قول ہے کہ سود کے ذریعہ حاصل ہونے

والے مال سے (جو کسی کے قبضہ میں ہو) چھٹکارا کی صورت یہ ہے کہ اسے اس شخص کو واپس کیا جائے جس سے اس نے بطور سود لیا تھا، اور اگر وہ موجود نہ ہو تو اسے تلاش کرے، اور اگر اس کی موجودگی سے مایوس ہو گیا ہو تو اس رقم کو اس کی طرف سے صدقہ کردے، اور اگر ظلماً اس نے یہ مال حاصل کیا ہو تو یہ طریقہ اس آدمی کے سلسلہ میں بھی اختیار کرے جس پر اس نے ظلم کیا ہو، لیکن اگر معاملہ اس پر مشتبہ ہو اور اپنے پاس موجود رقم میں وہ حلال وحرام کے درمیان امتیاز نہ کر سکتا ہو تو پہلے وہ اپنے پاس موجود رقم میں سے اتنی رقم کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگائے جتنے کی واپسی اس پر واجب ہے، یہاں تک کہ جب اسے اس بات میں کوئی شک نہ ہو کہ جو کچھ بچ رہا ہے وہ خالصتاً اسی کا ہے تب وہ یہ رقم ان لوگوں کو لوٹائے جن سے اس نے ظلماً یہ رقم لی ہو یا جن کے ذمہ اس نے سود عائد کیا ہو، اور اگر ان لوگوں کی موجودگی سے مایوس ہو چکا ہو تو ان کی طرف سے اتنی رقم صدقہ کردے۔

اور اگر ظلماً حاصل کی گئی رقم اس کے پورے حصص کو محیط ہو اور اسے یہ معلوم ہو کہ اس کے ذمہ سود کی اتنی زیادہ رقوم واجب الادا ہیں جن کی ادائیگی وہ کبھی نہیں کر سکتا، تو اس کی توبہ یہ ہے کہ اپنے پاس موجود پورے مال کو اپنی ملکیت سے الگ کردے، یا تو فقراء کو دے دے یا مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے راستے میں صرف کردے، یہاں تک کہ اس کے پاس اتنی رقم رہ جائے جو نماز میں اس کے لباس (یعنی ناف سے گھٹنوں تک کے قابل ستر مقامات کو ڈھکنے کے لئے) اور ایک دن کی روزی کے لئے کفایت کرتی ہو، اس لئے کہ اس صورت میں اس کا حال اس شخص کا ہے جس پر حالت اضطرار میں دوسروں کا مال لینا واجب ہے، اگر چہ اس کا یہ عمل ان لوگوں کے لئے ناپسند ہو جن کا مال وہ لے۔

۱۲۔ قیمتوں کے بڑھنے کی صورت میں شیئرز کی تجارت (یعنی نفع کے ساتھ اس کی بیع) کا کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص قیمتوں کے بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ فروخت کرنے کے مقصد سے کچھ شیئرز خریدے تو اس سے خواہ کتنا ہی زیادہ نفع ہو شرعاً اس قسم کے شیئرز کی تجارت یعنی (نفع کے ساتھ ان کی فروخت) ممنوع نہیں ہے، اس لئے کہ شیئرز شرعاً، قانوناً اور عرفاً قابل تداول ہیں، اور یہ نقود اور کمپنی کے بعض اثاثے یعنی اعیان، منافع، سامان تجارت، خام یا تیار شدہ مال کی نمائندگی کرتے ہیں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ یہ اثاثے نقود سے زائد ہوں، جیسا کہ اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ ۵۱ فیصد یا اس سے بھی زائد فیصدی تناسب سے ان اثاثوں کا غلبہ ہونا چاہئے، تاکہ دین کی دین سے یا نقد کی نقد سے بیع لازم نہ آئے۔ دین کی دین سے بیع کی صورت نہ پیدا ہونے دینے کے لئے شرط ہے کہ بیع کے متصلاً بعد ہی شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ ہو، خواہ یہ قبضہ حکماً ہی کیوں نہ ہو۔

شیئرز کی اس قسم کی تجارت پر احتکار (ذخیرہ اندوزی) کا حکم منطبق نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ احتکار کی حرمت کا پہلو ان اشیاء صرف سے متعلق ہے جن کے بیع کی ممانعت کے نتیجہ میں لوگوں کو ضرر لاحق ہوتا ہو، جیسے غلہ یا چارہ۔ کسی سامان تجارت کی خرید اور مستقبل میں اعلیٰ قیمت پر اسے فروخت کرنے کے انتظار سے ممانعت کی شرعاً کوئی وجہ نہیں ہے، اور شیئرز جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں، نقود، اعیان اور منافع کی نمائندگی کرتے ہیں، اس لئے کہ شرعی طور

پر یہ اصول متعین ہے یعنی اقتصادی آزادی اور تبادلہ کی آزادی، اور اس میں منافع کے انتہا کی کوئی تحدید نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل حضرت جابر سے مروی وہ روایت ہے جس کی تخریج بخاری کے علاوہ پوری جماعت نے کی ہے، جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا يبع حاضر لباد، دعوا الناس يرزق الله بعضهم من بعض (منتقی الاخبار مع نیل الاوطار ۱۶۴/۵)۔

کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے بیع نہ کرے، لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ بعض کو بعض سے روزی دے۔

۱۳۔ فیوچر سیل (جس میں نہ بائع کی طرف سے مبیع کی حوالگی ہوتی ہے اور نہ مشتری کی طرف سے ثمن کی ادائیگی) کا شرعاً کیا حکم ہے؟

اسٹاک ایکسچینج مارکیٹ میں ایک قسم کی بیع ہوتی ہے جسے فیوچر سیل (Future Sale) کہتے ہیں، اس بیع کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے داموں کے ساتھ نفع ونقصان کو برابر کر لینا مقصود ہوتا ہے، مثلاً زید نے سو شیئرز کا سودا بہ حساب سو روپے یا سو ریال فی شیئر کیا، اور ادائیگی اور وصولی کی تاریخ ۳۰ مارچ مقرر کی، اب جب مذکورہ تاریخ آئی تو اس شیئر کی قیمت ڈیڑھ سو روپے یا ڈیڑھ سو ریال ہوگئی، تو ایسی صورت میں وہ پانچ ہزار ریال یا روپے منافع کے طور پر لے گا، اور اگر مذکورہ تاریخ کو اس شیئر کی قیمت گھٹ کر پچاس روپے یا پچاس ریال ہوگئی تو اسے پانچ ہزار ریال یا روپے کا خسارہ برداشت کرنا ہوگا۔

اس صورت میں عقد کا دارومدار صرف اوراق مالیہ (Bonds) پر ہوتا ہے، نہ مبیع کی حوالگی ہوتی ہے نہ ثمن کی ادائیگی، چنانچہ اس صورت میں نہ مشتری ثمن ادا کرتا ہے اور نہ بائع مبیع حوالے کرتا ہے، لیکن مقررہ تاریخ آنے پر شیئرز کے دام بڑھنے کی صورت میں نفع حاصل ہوتا ہے، یا شیئرز کے دام گھٹنے کی صورت میں خسارہ ہوتا ہے۔

اس قسم کے فیوچر سیلز کا شرعی حکم یہ ہے کہ یہ عقود حرام اور فاسد ہیں، اس لئے کہ یہ دَین کی بیع دَین سے ہے، اور جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے بیع کی یہ صورت شرعاً ممنوع ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے بیع کالی بالکالی سے منع فرمایا ہے، اور یہ دَین آجل کی بیع دَین مؤجل سے ہے، جو شرعاً فاسد ہے اور اس کی آمدنی شرعاً ناپاک اور ممنوع ہے، وہ اس کے حاصل کرنے والے کے لئے حلال نہیں، اسے ضرورت مندوں پر خرچ کر کے اس سے چھٹکارا حاصل کرنا واجب ہے۔

۱۴۔ مستقبل کی طرف منسوب عقد (Forward Sale) کا کیا حکم ہے؟

عقد بیع کا تقاضا قطعیت ہے، یعنی اس کے اثر کی افادیت تب ظاہر ہوتی ہے جب مبیع کی ملکیت مشتری کی طرف منتقل ہوتی ہے اور مشتری کے ذمہ بائع کا ثمن واجب الاداء ہوتا ہے، لہذا اسے معلق بالشرط کرنا درست نہیں، مثلاً معاملہ بیع کے وقت یہ الفاظ کہنا کہ: اگر میرے والد حجاز سے آگئے تو میں نے فلاں جائداد تم سے فروخت کردی۔ اسی طرح اس کی اضافت مستقبل کی طرف بھی کرنا درست نہیں، مثلاً یہ کہنا کہ: سال آئندہ ۱۹۹۷ کے آغاز سے میں نے یہ سامان یا یہ زمین یا یہ شیئر تم سے بیچا، اسی بنا پر یہ بیع درست نہیں ہے، اس طرح کی بیع کا سرے سے کوئی اثر ہی نہیں پڑے گا، کیونکہ یہ بیع باطل ہے، اور باتفاق علماء بیع باطل کے نتیجہ میں مبیع کی ملکیت منتقل نہیں ہوتی۔ لیکن بیع سلم کسی ایسی شئی پر

درست ہوتی ہے جو ذمہ میں معلوم ہو، اور جو مجلس عقد ہی میں مکمل ثمن کی ادائیگی کی شرط کے ساتھ مستقبل تک موخر ہو۔

ہاں اگر بیع کسی ایسی غائب شئے کے سلسلے میں ہو جسے اس کے متعین اوصاف کے ساتھ رؤیت نہ پائی گئی ہو تو جمہور فقہاء کے نزدیک ایسی بیع جائز اور درست ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک بغیر رؤیت اور بغیر وصف کے بھی درست ہے، اس صورت میں ان کے نزدیک عاقد (معاملہ دار) کو خیار رؤیت حاصل ہوگا، اس لئے کہ حدیث میں وارد ہے کہ ''من اشترى مالم يره فهو بالخيار إذا رآه'' جس نے دیکھے بغیر کوئی چیز خرید لی تو دیکھنے کے بعد اسے اختیار حاصل ہوگا[۱]۔ شوافع نے اس بیع کو باطل قرار دیا ہے، اس لئے کہ اس میں غرر یعنی جہالت ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے غرر سے منع فرمایا ہے۔

اگر متعین وقت کے بدلہ میں قیمت کی ایک متعین فیصدی رعایت کی بنیاد پر ادائیگی کے وقت سے پہلے ہی تاخیر سے ادا کئے جانے والے کاروباری دستاویز یا شیئرز فروخت کر دیئے جائیں تو اس بیع کی صورت یہ ہوگی کہ دین آجل کی بیع کم رقم پر نقد عاجل سے کی جائے، اس قسم کی بیع ربا محرم میں شمار ہوگی۔ حرام اور سود ہونے میں اس کا حال بھی وہی ہے جو کاروباری ڈرافٹ کے ڈسکاؤنٹ (چھوٹ) کا ہے، یہ حکم ''البرکہ بینک'' کے پہلے سیمینار کے فتوی ۱۲ میں صراحت کے ساتھ آچکا ہے۔

۱۵۔ حکمی قبضہ سے متصف شیئرز کی اس خرید کا کیا حکم ہے جس میں شیئرز سرٹیفکیٹ پر حسی قبضہ تاخیر سے ہو؟

بعض اوقات مالک کے نام سے شیئرز سرٹیفکیٹ کی وصولی یا اس پر قبضہ میں بعض انتظامی اسباب کی وجہ سے ایک سے تین ہفتے تک کی تاخیر ہوتی ہے، اور کمپنی شیئرز خریدتے وقت اپنے اثاثے اور اپنی املاک میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کو تسلیم کرتی اور اس کی ضمانت لیتی ہے، اور ایسی صورت میں حقوق اور ذمہ داریاں مشتری کی طرف منتقل ہوتی ہیں، سوال یہ ہے کہ اس بیع کا کیا حکم ہوگا، کیا حکمی یا معنوی قبضہ کافی ہے یا حسی اور عملی قبضہ ضروری ہے؟

فقہاء کا اصول یہ ہے کہ شئے کی ماہیت کے اعتبار سے قبضہ کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں، چنانچہ اشیاء غیر منقولہ میں تخلیہ سے اور اشیاء منقولہ جیسے سامان تجارت، سرمائے، مشینیں، اور اوزار وغیرہ میں عملی قبضہ یا تخلیہ سے قبضہ تسلیم کیا جاتا ہے، یا کسی ایسے طریقہ سے جو عرف و عادت میں قبضہ متصور ہوتا ہو، چنانچہ حنفیہ کے سوا جمہور فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ منقولات جیسے سامان زندگی، چوپائے اور جانوروں میں قبضہ ان کی نوعیت کے اعتبار سے یا لوگوں کے درمیان رائج عرف کے مطابق تسلیم کیا جائے گا[۲]۔

لہذا کمپنیوں کے نظام میں عرف و عادت کے مطابق قبضہ کا تحقق ہو جائے گا، اگر اس بیع میں کمپنی کی

۱۔ اس حدیث کو بیہقی نے ضعیف اور باطل قرار دیا ہے، اور دارقطنی نے بھی اس کو صحیح نہیں کہا ہے۔

۲۔ الشرح الکبیر للدردیر ۳/۱۴۵، المجموع للنووی ۹/۳۰۱-۳۰۹، المغنی ۴/۱۱۱، اور اس کے بعد کے صفحات، مقالہ نگار کی کتاب ''الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۲۱۸، اور اس کے بعد کے صفحات۔

طرف سے شیئرز کی حوالگی کی تصدیق یا ضمانت کی ضرورت پیش آئے تو اختیار کردہ طریقہ کار کے مطابق کمپنی کے لئے ایسا کرنا واجب ہوگا۔

۱۶۔ عملی یا حسی قبضہ سے پہلے شیئرز کی بیع کا کیا حکم ہے؟

شیئرز کمپنی کے اثاثے یعنی اعیان ومنافع اوران کے علاوہ نقود اور دیون کی نمائندگی کرتے ہیں، اوران کی منتقلی اور خرید وفروخت عام قاعدے کے مطابق ان پر قبضہ کے بعد یا کمپنی یا بائع کی طرف سے ان کی ادائیگی کے بعد ہوا کرتی ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا شیئرز سرٹیفکیٹ کے حصول سے قبل شیئرز کی بیع درست ہے؟ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ یہ بھی معلوم ہے کہ محض بیع وشراء ہی سے شیئرز کے منافع مشتری کی ملکیت میں آجاتے ہیں اور اس کے ضمان میں بھی داخل ہوجاتے ہیں۔

قبضہ سے پہلے کسی چیز کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں علماء کی تین قسم کی آراء ہیں [۱]۔

۱۔ حنفیہ کی رائے ہے کہ: مبیع منقول میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے غیر مقبوضہ شئے کی بیع سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ ابوداؤد نے حضرت ابن عمر کے حوالہ سے اس روایت کی تخریج کی ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے ان سے کہا کہ آپ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ سامان تجارت کو اس جگہ فروخت کیا جائے جہاں سے اسے خریدا جائے، یہاں تک کہ تاجر اسے اپنے کجاوے تک منتقل کرلیں۔ جہاں تک جائداد غیر منقولہ کا تعلق ہے جیسے زمینیں اور مکانات تو شیخین یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک استحساناً قبضہ سے پہلے ان کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ اشیاء غیر منقولہ میں کوئی غرر نہیں، کیونکہ نہ تو ان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے، اور نہ ہی عام حالات میں بیع ہوجانے کے بعد اور قبضہ سے پہلے ان کے تبدیل ہونے کا خدشہ ہے، اس مسلک کے مطابق قبضہ سے پہلے شیئرز کی بیع جائز نہیں۔

۲۔ شوافع، محمد بن الحسن اور امام زفر کا خیال ہے کہ: جس چیز کی ملکیت ثابت نہ ہوئی ہو اس کی بیع قبضہ سے پہلے علی الاطلاق جائز نہیں، خواہ اس کا تعلق اشیاء منقولہ سے ہو یا اشیاء غیر منقولہ سے، اس لئے کہ غیر مقبوضہ اشیاء کی خرید وفروخت سے ممانعت عام ہے، اسی سے یہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ قبضہ سے پہلے شیئرز کی بیع درست نہیں۔

۳۔ مالکیہ اور حنابلہ کا خیال ہے کہ: صرف غلہ کی بیع قبضہ سے پہلے درست نہیں، اور حنابلہ نے اسے اس بات سے مقید کیا ہے کہ غلہ کیلی یا وزنی یا عددی (یعنی ناپی، تولی اور شمار کی جانے والی چیزیں) ہونا چاہئے، لہٰذا ایسے شیئرز کی بیع قبضہ سے پہلے درست ہے جن کا تعلق غلہ سے نہ ہو، اس خیال کی تائید ''البرکہ بینک'' کے چھٹے سمینار کے فتوی نمبر ۱۴ میں کی گئی ہے، جس کا مفہوم اس طرح ہے: کمپنیوں اور بینکوں کے لئے ایسے سامانوں کی بیع درست ہے جن پر ابھی تک ان کا قبضہ نہ ہوا ہو یا جوان کی زیر ملکیت نہ آئے ہوں بشرطیکہ وہ سامان غلہ نہ ہوں، کیونکہ اشیائے غیر مقبوضہ کی

۱۔ دیکھئے: المبسوط ۱۳/۸، اور اس کے بعد کے صفحات، البدائع ۵/۲۳۴، المنتقی علی الموطا ۴/۲۷۹، بدایۃ المجتہد ۲/۱۴۲، اور اس کے بعد کے صفحات، المہذب ۱/۲۶۴، مغنی المحتاج ۲/۶۸، المغنی ۴/۱۱۰-۱۱۳، اور اس کے بعد کے صفحات۔

بیع کی ممانعت صرف غلہ تک محدود ہے۔

میرے نزدیک اس سلسلے میں شیئرز اوران بانڈز کے تعلق سے جو تجارتی سیکورٹیز کی نمائندگی کرتے ہیں، سب سے مناسب رائے حنفیہ اور شوافع کی ہے، اس لئے کہ قبضہ سے پہلے ان کی تجارت یا ان کی منتقلی محض ان عقود کی ایک علامت ہوگی جو بانڈز کے ذریعہ کئے جاتے ہیں، چونکہ اس میں نہ تو وصولی ہے اور نہ ہی قبضہ، اور اس میں ایسا واضح غرر ہے جو شریعت کی اس ممانعت سے متصادم ہے جو اس بیع کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے، جیسا کہ اس روایت میں ہے جسے امام احمد نے حضرت حکیم ابن حزام کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "لا یحل سلف و بیع، ولا ربح مالم یضمن، ولا بیع ما لیس عندک"۔ اور یہ بیع بھی اشیائے غیر مضمونہ کی بیع سے متعلق ہے، جس کا مفہوم اشیائے غیر مقبوضہ ہی ہے، کیونکہ تلف ہونے سے پہلے سامان تجارت مشتری کے ضمان میں نہیں ہوتا ہے، ایسی صورت میں جب وہ تلف ہوتا ہے تو بائع کے مال سے تلف ہوتا ہے۔

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج مارکیٹ میں بروکر (ایجنٹ) کی حیثیت سے کام کرنے کا کیا حکم ہے؟

اسٹاک ایکسچینج مارکیٹ میں بروکر یا ایجنٹ عموماً بازار میں شیئرز کی رائج قیمتوں سے واقف ہوتے ہیں اور ایجنٹ کی حیثیت سے خرید وفروخت کی کارروائی کا اندراج کرتے ہیں، اس تصرف میں تھوڑی تفصیل ہے:

(الف) اگر بروکر کا یہ تصرف ایجنٹ کی "انابت" یا "توکیل" کے بغیر ہے تو ان کا یہ تصرف فضولی کے تصرف کے حکم میں ہوگا جو ایجنٹ کی اجازت پر موقوف ہوگا، یہ مسلک صرف احناف اور مالکیہ کا ہے، لہذا اگر ایجنٹ نے اجازت دے دی تو یہ تصرف نافذ ہوگا، اس لئے کہ بعد میں دی جانے والی اجازت سابقہ وکالت کی طرح ہے، اور اگر ایجنٹ نے اس کی اجازت نہ دی تو یہ تصرف باطل اور لغو ہوگا، اور بروکر یا ایجنٹ خود اس کا ذمہ دار ہوگا۔

جہاں تک اجرت کا تعلق ہے تو اگر بروکر نے مفت یہ عمل کیا ہے تو وہ ابضاع ہے، اور اس کی دلیل اصحاب سنن اور دیگر محدثین کی روایت کردہ یہ حدیث ہے: "باع قدحاً بیع من یزید" کہ آپ ﷺ نے ایک پیالہ کو بولی لگا کر فروخت کیا۔ اور اگر اس نے متعین اجرت کے عوض یہ کام کیا ہے تو وہ اجیر خاص ہے، اور اگر منافع کی ایک شرح کے عوض اس نے یہ کام انجام دیا ہے تو یہ مضاربہ ہے۔

(ب) اور اگر بروکرز موکل کی طرف سے وکیل بنائے جانے کے بعد یہ تصرف کریں، تو ایسی صورت میں ان کی حیثیت ایسے وکلاء کی ہوگی جن پر وکالت کے احکام منطبق ہوں گے خواہ یہ وکالت حسب اتفاق اجرت متعین کر کے ہو یا بغیر اجرت کے ہو۔

خلاصۂ بحث

زیر نظر مقالہ میں اس موضوع سے متعلق ۱۷ نکات ہیں:

موجودہ زمانہ میں شیئرز اور سندات جیسے تجارتی بانڈز کے ذریعہ کاروبار کا عام رواج ہو چکا ہے۔ جہاں تک

کسی ایسی کمپنی کے شیئرز کا تعلق ہے جس کا کاروبار یا جس کی اسکیم حلال ہو تو وہ جائز ہیں، رہے بونڈز تو وہ جائز نہیں، کیونکہ یہ سود بردار قرض کے ذرائع ہیں، کبھی کبھی حلال کاروبار کرنے والی کمپنیاں بھی سودی قرضے حاصل کرتی ہیں، لہذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ دور کی شراکت دار کمپنیوں کے ان افعال کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۱۔ شیئرز کی حیثیت مساوی قیمت کی حامل اور تجارتی طریقوں سے رواج پذیر دستاویزات کی ہے، شیئرز کمپنی کے اصل اثاثے اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے حقوق میں مشترک حصص کی نمائندگی کرتے ہیں، کمپنی کے اصل اثاثے اور اس سے حاصل شدہ حقوق کا انحصار اس کی خالص املاک، اس کی آمدنیوں اور اس کے انتظام وانصرام پر ہوتا ہے۔ شیئرز کی حیثیت صرف ادا کردہ رقوم کے دستاویزات کی نہیں ہے، کیونکہ یہ دستاویزات (خواہ کمپنی نفع میں جارہی ہو یا خسارہ میں) ان قرضہ جات کا لازمہ ہیں جن پر متعین سود واجب الاداء ہوتا ہے، ان دستاویزات کے حاملین کو کمپنی میں شراکت کا اختیار نہیں ہوتا ہے، یہ قرضہ جات ایک متعین قیمت کی نمائندگی کرتے ہیں جو مقروض کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں ضبط کی جاسکتی ہے۔ کمپنی کی املاک اور اس کے اثاثوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔

وضعی قوانین میں کسی حصہ دار کے قرض دہندہ گان کو مقروض شیئرز ہولڈر کے حصص کے سلسلہ میں جب تک کمپنی قائم ہے، کوئی حق تنفیذ حاصل نہ ہوگا، اس لئے کہ شرکاء کی ذمہ داریوں سے الگ خود کمپنی کی ایک مالی ذمہ داری ہوتی ہے، دائن کو صرف حصہ دار مدیون کو حاصل ہونے والے منافع کے تناسب سے تنفیذ کا حق ہوگا، لیکن چونکہ فقہ اسلامی نے کمپنی کی ایک معنوی حیثیت (مستقل مالی مسئولیت) کی صراحت نہیں کی ہے، اسلئے اس کے نزدیک شراکت دار کے حصص کی ضبطی کی اجازت ہوگی۔ فقہ اسلامی اور موجودہ قانون دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ بعض حالات میں شراکت دار کے سرمائے میں عمل دخل کے سلسلے میں شراکت دار کے قارضین کمپنی کے قارضین کے تابع ہوں گے، کیونکہ شرکاء کی ذمہ داریوں (liabilities) سے الگ خود کمپنی کی اپنی علیحدہ اور مستقل مسئولیت پورے طور پر مطابق قانون نہیں ہے۔

۲۔ کمپنی کے وجود میں آنے کے بعد اور کاروبار شروع کرنے سے پہلے خریدے گئے شیئرز کی خرید وفروخت درست ہے، بشرطیکہ بیع صرف کے اصول واحکام ملحوظ رکھے جائیں، اس لئے کہ یہ نقد کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت ہے، لہذا مجلس عقد ہی میں قبضہ اور سود (ربا النسیئۃ) کی زد سے بچنے کے لئے یکسانیت ضروری ہے، اور معاملہ کا کسی مدت یا خیار شرط سے متعلق ہونا درست نہیں ہے، کیونکہ بیع صرف میں عوضین پر قبضہ شرط ہے۔

۳۔ ضرورت یا حاجت کے وقت سالانہ آمدنی کی حامل اور سودی قرض لینے والی کمپنی کے شیئرز حاصل کرنا درست ہے، اس قسم کے شیئرز کی بیع بھی درست ہے، بشرطیکہ آمدنی کا ایک حصہ ان سودی قرضوں کے تناسب سے جن سے آمدنی حاصل ہوئی ہے نکال دیا جائے، ایسی آمدنی کو ضرورت مندوں پر خرچ کردیا جائے، اس طرح کی رقوم سے نفقے یا شیئر ہولڈرس کے ذمہ عائد ہونے والے ٹیکس (Taxes) کی ادائیگی نہیں کی جائے گی۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا کاروبار حرام ہے، جیسے شراب، خنزیر کے گوشت، لہو ولعب کے سامانوں کی خرید وفروخت

اور سودی اسکیموں یا بینکوں میں روپیہ لگانا، ایسی کمپنیز کے شیئرز کی خرید وفروخت قطعی حرام ہے، اسی ذیل میں وہ کمپنیاں بھی آتی ہیں جن کے بڑے بڑے ہوٹل اپنے کھانوں میں خنزیر کے گوشت اور الکوہل ملے ہوئے مشروبات (Alcoholic drinks) پیش کرتے ہیں، اسی طرح موسم گرما گذارنے کا انتظام کرنے والی وہ کمپنیاں بھی اسی زمرہ میں آتی ہیں جو عورتوں اور مردوں کے درمیان مخلوط تیراکی کے لئے ساحل سمندر (Beach) پر کیبنز (Cabins) بناتی ہیں۔

۵۔ عام ضرورت وحاجت کے سوا ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنا جائز نہیں جن کا کاروبار اور مقصد تو جائز اور درست ہو، لیکن انکم ٹیکس کی زد سے بچنے کیلئے انہیں کبھی کبھار سودی قرضے لینے پڑتے ہوں، اس لئے کہ ایسی صورت میں اصل سرمایہ حرام سے مخلوط ہو جاتا ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ ایک ظلم کا حل کسی دوسرے ظلم یا حرام سے نہیں نکالا جا سکتا ہے۔ لہذا ضرورت وحاجت کے وقت اور گراں اور ظالمانہ ٹیکسیز کی وجہ سے اس قسم کے شیئرز خریدنا جائز ہے۔

۶۔ اگر کوئی کمپنی از روئے قانون اپنے سرمائے کا ایک حصہ سینٹرل ریزرو بینک میں جمع (Deposit) کرنے کی پابند یا ضرورت کے شرعی اصول وضوابط کے اعتبار سے اس پر مجبور ہو یا اسے سکورٹی بانڈز (Security Bonds) خریدنے پڑتے ہوں جن کی وجہ سے اسے سود بھی ملتا ہو تو یہ ممنوع نہیں ہے، بشرطیکہ اس سود سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کر لیا جائے اور اسے رفاہی امور میں صرف کر دیا جائے، اس کے مستحق نہ کمپنی کے شرکاء ہیں اور نہ ہی کمپنی کی انتظامیہ کمیٹی۔

۷۔ احناف کی رائے کے مطابق سودی قرضوں سے حاصل شدہ منافع مفید ملک تو ہیں، مگر یہ ملک، ملک خبیث ہے، یعنی یہ منافع اس کے لئے جائز اور حلال نہیں ہیں جس نے انہیں حاصل کیا ہو، جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک بیع فاسد کے حکم کے سلسلہ میں مقرر ہے، چنانچہ ان کے نزدیک عقد فاسد ملک خبیث کا فائدہ دیتا ہے، ایسے عقد کا فسخ کرنا، اس کے فساد کے اسباب کا ازالہ کرنا اور ایسے مال کا محتاجوں پر صدقہ کرنا واجب ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک ایسے منافع نہ مفید ملک ہیں اور نہ حلال۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرز شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے، اس کی حیثیت سرمائے کے امین کی ہے، بورڈ آف ڈائریکٹرس اسی صورت میں سرمائے کا ضامن ہوگا جب اس کی طرف سے سرمائے کی حفاظت کے سلسلے میں تعدی یا کوتاہی پائی جائے گی، بورڈ کا عمل شیئر ہولڈرس کے عمل کا قائم مقام ہے، ایسا اس لئے کہ فقہ اسلامی کے نقطۂ نظر سے کمپنی کی حیثیت ایک ٹرسٹ (Trust) اور شراکت (Partnership) کی ہے، اور جہاں تک ماہرین قانون کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک کمپنی کا ایک قانونی اور معنوی وجود ہوتا ہے، چنانچہ اس کا ایک نام، پتہ، مقام اور اس کی ایک قومیت ہوتی ہے، وہ حقوق حاصل کرتی ہے اور ذمہ داریوں کی پابند ہوتی ہے، اور جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا کہ شراکت داروں کی مسئولیت (Liabilities) سے الگ خود کمپنی کی اپنی ایک مالی مسئولیت ہوتی ہے، لیکن شراکت دار صرف اپنے حصص کے بقدر ہی کمپنی کے قرضہ جات کا ذمہ دار ہوگا، شراکت دار کے قرض دہندگان کو اس کے حصص ضبط کرنے یا اس میں کسی طرح مؤثر ہونے کا اختیار نہیں ہے، انہیں یہ اختیار صرف اس کے منافع میں ہے۔

۹۔ کمپنی کی مینیجنگ کمیٹی کے کسی ممبر کا سودی قرض لینے کے فیصلے سے صرف اختلاف کرنا اسے بری الذمہ قرار دینے لئے کافی نہیں، کیونکہ انتظامی بورڈ اور ڈائرکٹر کے اقدامات وتصرفات کے اثرات موکل ہونے کی حیثیت سے تمام شرکاء کومحیط ہوں گے، زیادہ سے زیادہ اس ممبر کا یہ عمل صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قرار پاسکتا ہے اور بس۔

۱۰۔ سود پر مبنی معاملہ کی خرابی کا اثر تمام شرکاء پر پڑے گا، اور وہ سب کے سب اس کے ذمہ دار قرار پائیں گے۔ جہاں تک شراکت دار کے مال کوحرام کے اختلاط سے بچانے اور اس کے ضرر سے دور رکھنے کا سوال ہے تو اس کے لئے شراکت دار کوایک اقدام کرنا ہوگا اور وہ یہ کہ سود سے پیدا شدہ متعین منافع میں سے اس کے بقدر صدقہ کردیا جائے، اس طرح شراکت دار حرام شئے سے انتفاع کے وبال سے بچ جائے گا اور اپنے آپ کوحرام کے ارتکاب سے بچالے گا۔

۱۱۔ اسی طرح اگر شیئر ہولڈر کل آمدنی میں مخلوط سودی منافع میں سے اس کے تناسب سے صدقہ کردے تو اپنے مال کوحرام سے مخلوط کرنے کے گناہ سے بچ سکتا ہے، کل آمدنی میں مخلوط سودی منافع میں سے اسی کے بقدر رقم تخمینہ سے بھی نکالی جاسکتی ہیں اور موجودہ دور کے کمپیوٹر کے دقیق حساب کے مطابق بھی، عین مال حرام کا نکالنا ضروری نہیں، اسلئے کہ مال کا تعین ممکن نہیں جیسا کہ اس حقیقت کی طرف مالکی مسلک کے دو بزرگوں ابن العربی اور قرطبی نے اشارہ کیا ہے۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت یعنی قیمت بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ اس کی خرید وفروخت شرعاً ممنوع نہیں، بشرطیکہ قبضہ پایا جائے، خواہ حکمی ہی سہی، شیئرز کا یہ کاروبار احتکار (ذخیرہ اندوزی) کے ذیل میں نہیں آتا، اس لئے کہ سامان تجارت فی نفسہ مارکیٹ میں موجود ہے، اور شیئر ہولڈر کا اپنے شیئرز کی بیع کے لئے قیمتوں کے بڑھنے کا انتظار صرف کنندہ (Consumer) کے حق میں ضرر رساں نہیں۔

۱۳۔ فیوچر سیل (Future Sale) جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا، اس میں شیئرز سرٹیفکیٹ کی نہ حوالگی ہوتی ہے اور نہ ثمن کی وصولی، بلکہ اس کا مقصد بڑھتے گھٹتے داموں کے ساتھ نفع ونقصان کے توازن کو برابر کرنا ہوتا ہے، ایسی بیع شرعاً حرام اور فاسد ہے، اس لئے کہ یہ دَین کی دَین سے بیع ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بیع کالی بالکالی سے (یعنی دَین کی بیع دَین سے) منع فرمایا ہے، اور اس قسم کی بیع کے فاسد ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔

۱۴۔ غائب سودا (Forward Sale) جس کا انعقاد مستقبل میں ہونے والا ہو، درست نہیں ہے، اس لئے کہ بیع کا تقاضا قطعیت ہے، لہذا نہ تو اسے کسی شرط پر متعلق کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاسکتی ہے، جب تاخیر سے واجب الاداشیئرز کی بیع اس کی قیمت سے کم پر ادائیگی کے وقت سے پہلے نقداً کی جائے تو ایسی بیع فاسد ہے، اس لئے کہ یہ دَین آجل کی اقل نقد عاجل کے ساتھ بیع ہے جیسے بل ڈسکاؤنٹ (Bill Discount)، البتہ بیع سلم کسی ایسی شئے میں درست ہے جو ذمہ میں معلوم ہو اور جس کی حوالگی مستقبل میں کسی وقت تک مؤخر ہو، بشرطیکہ مجلس عقد ہی میں پورا ثمن ادا کردیا جائے۔

۱۵۔ فروخت کردہ شیئرز پر حکمی قبضہ میں کوئی ممانعت نہیں ہے، اسلئے کہ کمپنی انتظامی اسباب کی وجہ سے نئے مالک کے نام سے شیئرز سرٹیفکیٹ کی حوالگی میں تاخیر کے باوجود اس بیع کوتسلیم کرتی ہے، اور شیئرز کے نئے خریدار کے

حصص کی ضمانت لیتی ہے۔ حنفیہ کے سوا جمہور ائمہ نے صراحت کی ہے کہ ہر چیز پر قبضہ اس کی نوعیت کے اعتبار سے عرف و عادت کی بنا پر ہوتا ہے، لیکن شیئرز کے اس نئے مالک کے لئے شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ سے پہلے اس شیئر کی بیع درست نہیں ہوگی، جیسا کہ مندرجہ ذیل مسئلہ میں ہے۔

۱۶۔ قبضہ سے پہلے شیئرز کی خرید و فرخت یا اس کی منتقلی درست نہیں ہے، اس لئے کہ غرر کا اندیشہ ہے، اور اسی طرح شیئرز کے داموں کے بڑھنے کی صورت میں عدم حوالگی کا امکان ہے، اور آپ ﷺ نے غرر اور قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج مارکیٹ میں بروکر (ایجنٹ) کا معاملہ کرنا مؤکل کے معاملہ کرنے کی طرح ہے اگر مؤکل اسے اپنے معاملہ کا وکیل یا نائب بنادے، اس لئے کہ اگر توکیل نہ پائی جائے تو حنفیہ اور مالکیہ کے مطابق ''بروکر'' کا تصرف ''فضولی'' کے تصرف کے حکم میں ہوگا، اگر مؤکل اجازت دیدے تو معاملہ کا نفاذ ہوگا، ورنہ عقد باطل ہو جائے گا، اور خریداری کے معاملہ کا ذمہ دار ایجنٹ ہوگا۔

واللہ اعلم

☆☆☆☆☆

شیئرز کے شرعی احکام

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی

پھلواری شریف، پٹنہ

۱۔ کمپنی کے شیئرز کے بارے میں یہ سوال کہ وہ کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے؟

اس سلسلہ میں علماء کرام کی یہ رائے صحیح ہے کہ کمپنی کے شیئرز کمپنی میں دی گئی رقم کی صرف دستاویز نہیں بلکہ کمپنی کے سیال (نقد) وجامد اثاثوں میں ملکیت کے سرٹیفکیٹ ہیں۔

اور عرف وقانون میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ کمپنی میں شیئر ہولڈر کے تناسب ملکیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کمپنی باہمی قرارداد سے تحلیل ہوجائے تو شیئر ہولڈر کو اسکے شیئرز کے تناسب سے کمپنی کے اثاثوں میں حصہ ملتا ہے۔ اسی طرح اگر نفع ہوتو اسکے لگائے ہوئے سرمایہ سے زائد رقم ملتی ہے، یا خسارہ ہوتو نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے، برخلاف بانڈس وغیرہ دیگر مالی دستاویزات کے کہ جن پر کمپنی تحلیل ہونے کی صورت میں صرف لگی ہوئی رقم سود کے ساتھ واپس ملتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب کمپنی کو ابتداءً قائم کیا جاتا ہے تو اس کے زمینی وجود سے پہلے بازار میں اسکے شیئرز پیش ہوتے ہیں اور لوگوں کو خریدنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ چنانچہ عوام وخواص حسب خواہش اس کے شیئرز خرید کر ممبر بنتے ہیں۔ عرف میں تو ابتدائی شیئرز لینے کو بھی خرید وفروخت سے تعبیر کیا جاتا ہے، مگر حقیقت میں وہ خرید وفروخت نہیں ہوتی ہے، کیونکہ شیئرز لینے والا تو روپیہ دیتا ہے مگر اسکے عوض میں مبیع کوئی شئی نہیں ہوتی ہے۔ چونکہ کمپنی نے نہ تو اب تک اپنا کام شروع کیا ہے اور نہ اسکے املاک واثاثے وجود میں آئے ہیں۔ پس حقیقت یہی ہے کہ شیئرز لینے والا کمپنی میں حصہ دار ہوتا ہے۔ اور حصہ داری کی جو سرٹیفکیٹ ملتی ہے اسکی حیثیت کمپنی میں ملکیت کی نمائندگی کی دستاویز کی ہے۔

۲۔ اس صورت میں جب کہ کمپنی کے پاس کوئی اثاثہ یعنی بلڈنگ، زمین وغیرہ کی نوعیت کا نہ ہو بلکہ صرف نقد رقوم ہوں تو ایسی صورت میں شیئر خریدنے والا اگر اسے فروخت کرتا ہے تو اسے شیئرز کی اصلی قیمت سے کم یا زائد لینا یا دینا جائز نہیں ہوگا۔

۳۔ کمپنی کے وجود میں آنے کے بعد اگر سیال وجامد دونوں طرح کے اثاثے واملاک ہوں تو ایسی صورت میں شیئرز کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں نقد ثمن کے مقابلہ میں مبیع نقد اور سامان دونوں ہیں، اور جب ایسی صورت ہو تو اس پر بیع صرف کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ کیونکہ یہاں مال ربوی (نقد) سے غیر ربوی (نقد وسامان) کی خریداری عمل میں آرہی ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۲۶۵/۵)۔

۴۔ بنیادی طور پر کمپنیوں کا شیئر لینا یا فروخت کرنا جائز ہے۔ البتہ اگر ایسی کوئی کمپنی ہو جس کا بنیادی کاروبار حرام ہو، جیسے شراب، خنزیر کا گوشت، سودی بینک وغیرہ کی کمپنی تو کسی مسلمان کے لئے ان کا شیئرز خریدنا جائز نہیں

ہوگا (دیکھئے درمختار ۶۴/۵-۶۵)۔

۵، ۶، ۷۔ البتہ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کام حلال کا ہے جیسے انجینیرنگ یا عام استعمال کی چیز تیار کرنا۔ اگر وہ ضرورتاً یا انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرضے لیتی ہیں تو ان کا شیئرز خریدنا جائز ہے۔ اس لئے کہ جب کوئی شخص سود پر قرضہ لیتا ہے تو باوجودیکہ وہ گناہ کا عمل کرتا ہے مگر وہ لئے ہوئے قرضے کا مالک بن جاتا ہے۔ اس شئی میں حرمت داخل نہیں ہے۔ بلکہ اس پر جو سود دینا پڑتا ہے وہ ایک خارجی عمل ہے جو مستوجب عقاب ہے۔ اس لئے اس قرضے سے جو بھی کاروبار کیا جائے گا یا اس سے جو بھی آمدنی حاصل ہوگی وہ حلال ہوگی۔

۸، ۹۔ یہ صحیح ہے کہ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس قانونی طور پر شیئر ہولڈر کا وکیل ہوتا ہے، اس لئے اگر وہ کمپنی کے لئے سودی قرضے لیتے ہیں تو اس کی نسبت حسب تناسب شیئر ہولڈر کی طرف ہوگی، مگر اس سے شرعی طور پر ایک مسلمان کے لئے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی نارضامندی کا اظہار کردے۔ یہی رائے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی ہے۔

۱۰، ۱۱۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو جائے جبکہ اس کا بنیادی کاروبار غیر سودی ہے، تو اس صورت میں شیئر ہولڈر کو سودی منافع کی مقدار کا علم ہونے پر اس کے بقدر بلانیت ثواب صدقہ کر دینا ضروری ہوگا۔

۱۲۔ جس طرح ابتدائی طور پر کمپنی کے شیئرز لینا جائز ہے اسی طرح ان شیئرز کو فروخت کرنا بھی جائز ہے، نیز کسی سے خریدنا بھی جائز ہے۔ کبھی کبھی شیئرز کی خرید و فروخت کمپنی میں ملکیت ۔ حصہ داری کی نیت سے نہیں ہوتی بلکہ (Capital Gain) کے مقصد سے ہوتی ہے، جس میں شیئرز کے خریدار کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ آئندہ جب قیمت بڑھ جائیگی تو فروخت کرکے نفع حاصل کرے گا۔ یہ خرید و فروخت بھی جائز ہے۔

البتہ شیئرز کی خرید و فروخت کا وہ طریقہ جس میں شیئرز کا لین دین مقصود نہیں ہوتا بلکہ شیئر مارکیٹ میں خرید و فروخت کی آواز لگا کر اخیر میں آپس کا ڈیفرینس برابر کر لیا جاتا ہے، جو ایک طرح کی سٹہ بازی (قیاس و تخمین آرائی) ہے، جس میں شیئرز پر نہ تو قبضہ ہوتا ہے اور نہ ہی قبضہ پیش نظر ہوتا ہے، یہ صورت جائز نہیں ہے۔

۱۳۔ فیوچر سیل (بیاعات مستقبلیات) کے طور پر شیئرز کی خرید و فروخت جس میں مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع و نقصان کو برابر کر لینا ہوتا ہے، نہ خریدار ثمن دیتا ہے، اور نہ فروخت کرنے والا مال یعنی شیرز سرٹیفکیٹ دیتا ہے، بلکہ کاغذی کارروائی خرید و فروخت کی ہوتی ہے۔ اس طرح خرید و فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ بیع منعقد ہوتی ہی نہیں ہے، لہذا اس کا منافع لینا بھی کسی فریق کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

۱۴۔ شیئرز کی ایسی خرید و فروخت جن میں بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، یہ شرعاً جائز نہیں ہے۔ یعنی باتفاق فقہاء یہ بیع منعقد نہیں ہوتی ہے۔ البتہ مستقبل میں بیع کا وعدہ کیا جا سکتا ہے، وقت آنے پر اس کی بیع باقاعدہ کرنی ہوگی۔

۱۵، ۱۶۔ شیئرز پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ لیکن یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ہر شئی کا قبضہ حسی

طور پر ضروری نہیں ہے، بعض اشیاء حکماً بھی قبضہ میں آجاتی ہیں۔شیئرز کے کاروباری ضابطے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی حاضر سودا شیئرز کا ہوجاتا ہے تو گرچہ خریدار کے ہاتھ میں شیئرز کی سرٹیفکٹ فوری طور پر منتقل نہیں ہوتی ہے، اور حسی قبضے میں عموماً تاخیر ہوتی ہے، مگر اس کے باوجود شیئرز کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں، اور وہ خریدار کے ضمان میں داخل ہوجاتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ شیئرز پر حسی قبضہ سے پہلے اگر کمپنی کسی حادثہ کے نتیجے میں بالکل نیست ونابود ہوجائے تو نقصان مشتری کا سمجھا جائے گا۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرٹیفکٹ کے ہاتھ میں آنے سے پہلے بھی شیئرز کی بیع جائز ہو، لیکن عرف کے اوپر نگاہ کی جائے تو یہ کہنا پڑیگا کہ عرف میں شیئرز کا قبضہ اسی وقت سمجھا جاتا ہے جب سرٹیفکٹ ہاتھ میں آجائے۔اس لئے احتیاط کا پہلو یہ ہے کہ سرٹیفکٹ پر قبضہ کئے بغیر شیئرز کو آگے نہ بیچا جائے۔

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج بازار میں شیئرز کی خرید وفروخت کے لئے بروکر بننا اور اس پر کوئی اجرت لینا جائز ہے۔مگر بروکر بائع اور مشتری دونوں سے کسی ایک ہی کام کی ڈبل اجرت نہیں لے سکتا ہے۔اس لئے کہ دلال یعنی بروکر شرع میں اجیر کو کہتے ہیں، اور اس پر کمیشن اصطلاح شرع میں اجرت کا نام ہے، اور اجیر جس کا کام کرتا ہے اسی سے اجرت پانے کا مستحق ہوتا ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص دونوں کا کام الگ الگ کرے تو الگ الگ کام ہونے کی بنا پر بائع اور خریدار دونوں سے متعارف اجرت لے سکتا ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۴؍۴۲)۔

☆☆☆☆☆

حصصِ کمپنی کے شرعی احکام

مفتی محمد زید، ہتھورا، باندہ

۱۔ شیئرز کی حقیقت:

زیرِ بحث مسئلہ میں شیئرز کمپنی کی وہ صورت متعین کرنا ضروری ہے جو کہ اقرب الی الصحت والجواز ہو، کمپنی سے خرید کردہ شیئر کی بابت اگرچہ بعض علماء نے اس کے قطعاً ناجائز اور حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے (کفایت المفتی ۱۰۹/۸) نیز بعض علماء نے شیئر کو صرف اس بات کی علامت وشہادت قرار دیا ہے کہ اس شخص نے کمپنی کو اتنی رقم دے رکھی ہے (سوالنامہ بابت شیئرز کی شرعی حیثیت)۔

لیکن دلائل کے اعتبار سے مضبوط اور جمہور علماء کی رائے یہی ہے کہ یہ صورت شرکت عنان کی ہے (امداد الفتاویٰ ۴۹۴/۳) کیونکہ شرکت عنان کی تعریف اس پر صادق آتی ہے جس میں ایک شریک کی طرف سے مال اور دوسرے شریک کی طرف سے مال وعمل دونوں ہوتے ہیں (عطر الہدایہ ۱۱۴) البتہ اگر ایک شریک کا صرف مال اور کمپنی کی طرف سے صرف کام ہو تو یہ صورت مضاربت کی ہوگی اور اس میں مضاربت کے احکام جاری ہوں گے۔ اور اس شرکت کے نتیجہ میں اس کو جو شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل ہوگا وہ درحقیقت اس شخص کی اس کمپنی میں متناسب حصہ کی ملکیت کی نمائندگی کر رہا ہے (فقہی مقالات مولانا تقی عثمانی ص ۱۴۳)۔

۲۔ کمپنی سے خریدے ہوئے شیئر کی بیع:

شیئر کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد اس کی خرید وفروخت کا حکم بھی واضح ہے۔ جب شیئر کی یہ حقیقت متعین ہوگئی کہ یہ شرکت عنان کی صورت ہے اور شیئر کمپنی کے متناسب حصہ کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، لہٰذا جس نے بھی کمپنی سے شیئر خریدے وہ اس کمپنی کا حصہ دار بن گیا، اور اب جو شخص اس شیئر کو اس (کمپنی کے حصہ دار) سے خریدے گا وہ دراصل ملکیت کے اس متناسب حصہ کو خرید رہا ہے جو اس پہلے شخص کا اس کمپنی میں آتا ہے۔ یہ حقیقت ہے شیئرز کی خرید وفروخت کی جو بالکل جائز ہے۔

لیکن وہ صورت جس کا سوال میں ذکر ہے کہ کمپنی نے ایسے وقت شیئرز فروخت کئے جس وقت کہ کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتیں محض ایک تجویز اور خاکہ ومنصوبہ ہوتا ہے، ظاہر بات ہے کہ کمپنی سے شیئر کا خریدار تو کمپنی کا شرکت دار بن گیا لیکن ایسی حالت میں خود اس شریک کا اپنے شیئر کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہونا چاہئے کیونکہ کمپنی کے پاس کچھ املاک ہی نہیں کہ اس کی بابت یہ کہہ دیا جائے کہ یہ متناسب حصہ کی بیع ہے۔

چونکہ اس طرح شیئر کی خرید وفروخت کا عرف وتعامل ہے لہٰذا اس کو بھی جائز ہونا چاہئے، ورنہ دوسرے مسالک کی روشنی میں اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دینا چاہئے۔ البتہ شبہ ربوا سے بچنے کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ اصل شریک دار نے جتنے کا حصہ خریدا ہے اتنی ہی قیمت کا فروخت کرے اس سے زائد قیمت نہ لے۔

۳۔ کمپنی کا مال اگر مال ربویہ وغیر ربویہ کو متضمن ہو:

کمپنی کا مال اگر مخلوط یعنی اموال ربویہ وغیر ربویہ دونوں کو متضمن ہو (اور ایسی صورت میں شیئرز کی خرید و فروخت کی جائے) تو اس میں دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ورنہ معاملہ ناجائز ہوجائے گا۔ ایک تو یہ کہ اموال ربویہ کے مساوی حصہ میں نقد ضروری ہے ادھار جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ اموال ربویہ کے مساوی و مقابل حصہ سے ثمن کچھ زائد ہونا چاہئے تاکہ ربوی مال باہم مساوی ہوجائے (جو بیع صرف ہوگی) اور زائد ثمن دیگر سامان کے مقابلہ میں ہوگا، ورنہ پھر سود ہوجائے گا۔

۴۔ سود میں ملوث کمپنیوں میں شرکت اوران کے منافع کا حکم:

ایسی کمپنیاں جو بنیادی طور پر حرام کام کرتی ہیں ان میں شرکت قطعی حرام ہے انکی اعانت بھی جائز نہیں (امداد الفتاوی ۳/ ۱۳۰)۔

۵، ۶۔ ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار بنیادی طور پر حلال ہو اس میں شرکت بلاشبہ جائز ہے، اور انکم ٹیکس یا اور دوسرے ناجائز ظالمانہ ٹیکسوں سے بچنے کے لئے ظاہر میں بینک سے قرض لینا پڑے یا اور کسی قانونی مجبوری سے بینک میں جمع کرنا پڑے، چونکہ مقصود دفع مضرت ہے لہذا ایسی صورت میں کمپنی کا (دفع مضرت یا حفظ مضرت) کے لئے بینک میں رقم جمع کرنا اور لینا دونوں جائز ہے جیسے کہ دفع مضرت کے لئے جھوٹ بولنا اور رشوت دینا جائز ہے۔ جب یہ جائز ہے تو ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا بھی جائز ہے۔

لیکن یہ جواز اسی وقت تک ہے جب تک کہ واقعی مقصود دفع مضرت ہو ورنہ اگر کمپنی کا مقصود جلب منفعت ہے اور اغلب یہی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ سود ہے اس کی اجازت کس طرح ہوسکتی ہے۔ اور جب یہ معلوم ہوجائے کہ یہ کمپنی سودی طریقہ سے مال میں اضافہ کرتی اور سودی کاروبار کرتی ہے ایسی کمپنیوں میں شرکت کرنا، اس کے شیئرز خریدنا بھی درست نہ ہوگا۔ اور اگر کسی نے خرید لئے تو اگر کمپنی دوسرے جائز کاروبار بھی کرتی ہے نیز اس میں سودی نفع بھی شامل ہوتا ہے ایسی صورت میں تجارت کے واسطے سے حاصل شدہ نفع حلال ہوگا اور سودی نفع کا صدقہ ضروری ہوگا۔

۷۔ سودی قرض کے واسطے سے جو تجارت کی جائے اور اس سے جو آمدنی ہوگی وہ حلال اور طیب ہوگی، مفید ملک بھی ہوگی، لیکن سودی قرض لینے کا گناہ ہوگا (ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی ۳/ ۱۷۰)۔

۸۔ کمپنی کے افراد حصہ داروں کے وکیل ہیں اور ناجائز معاملہ کی توکیل ناجائز ہے:

کمپنی اور شیئرز ہولڈر کے معاملہ کو شرکت کہا جائے یا مضاربت، دونوں ہی صورتوں میں کمپنی کے ذمہ دار و عمال شیئرز ہولڈرس کے وکیل ہوں گے۔ محقق تھانویؒ نے بھی کمپنی کے افراد کو حصہ داروں کا وکیل ہونا تحریر فرمایا ہے (امداد الفتاوی ۳/ ۱۳۰)، اب رہا یہ مسئلہ کہ ایک مسلمان کا کسی غیر مسلم کو اس طرح کا وکیل بنانا درست ہے یا نہیں جس میں کہ وہ غیر مسلم یقیناً ناجائز کاروبار اور سودی معاملات بھی کرے گا؟ سو اس مسئلہ میں امام صاحب اور دیگر ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ اور صاحبین کے نزدیک تو یہ توکیل قطعاً ناجائز اور باطل ہے کیونکہ وکیل کا عمل موکل کا عمل ہے،

وہ جو بھی تصرف کرے گا اس کے مؤکل ہی کا عمل سمجھا جائے گا، ہدایہ، مغنی وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔

لأن ما يثبت للوكيل ينتقل إلى الموكل فصار كأنه باشره بنفسه فلا يجوز (ہدایہ فتح القدیر ۶/۷۵)۔

محقق تھانویؒ نے بھی صاحبین کے اسی قول کو اختیار فرما کر ایسی کمپنی میں شرکت کو ناجائز قرار دیا ہے (امداد الفتاوی ۳/۱۳۰)۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بیع میں حقوق وکیل ہی کی طرف عائد ہوتے ہیں اور سارے احکام بھی اسی سے متعلق ہوتے ہیں۔ وکیل ابتداء عاقد لنفسہ یعنی اپنے لئے معاملہ کرتا ہے، اس لئے یہ توکیل جائز ہے۔ اور جائز کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ کا انعقاد ہو جائے گا، اس کو باطل نہ قرار دیا جائے گا، ورنہ ایسی توکیل کی اشد کراہت یعنی اس کا مکروہ تحریمی ہونا (جو کہ حرام کے قریب قریب ہے) خود امام صاحب سے بھی منقول ہے۔ نیز ایسی توکیل سے جو آمدنی ہو اس کا صدقہ کر دینا بھی واجب ہے۔ مبسوط سرخسی (۲۲/۱۲۵) شامی (۴/۱۲۰) بحر (۶/۸۴) وغیرہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔

۹۔ حصہ دار کا اپنے وکیل سے سودی کاروبار کو منع کر دینا اور اس سے اختلاف کرنا کافی ہے:

جب ایسی توکیل کا ناجائز، اور مکروہ تحریمی ہونا معلوم ہو گیا تو اب زیر بحث مسئلہ میں سوال پیدا ہوگا کہ کمپنی کی مروجہ صورت میں کسی شیئرز ہولڈر کا محض ناجائز کاروبار، سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا یا اس کی شرط لگا دینا وکیل کے عمل سے مؤکل (شیئرز ہولڈر) کو بری کر دے گا یا نہیں، اور وہ معاملہ درست ہوگا یا نہیں؟ سو اس سلسلہ میں احقر کی ناقص رائے وہی ہے جو حضرت تھانویؒ، مفتی محمد شفیع صاحب، اور مولانا تقی عثمانی صاحب کی ہے کہ شیئرز ہولڈر (کمپنی کے حصہ دار) کا سودی قرض اور سودی معاملات، حرام کاروبار سے معاملہ کے وقت اختلاف کرنا، یا شرط لگانا اور اس سے براءت کرنا خود اس کی براءت کے لئے کافی ہوگا، اور اس کے بعد جو نفع ہوگا وہ اس حصہ دار کے لئے حلال ہوگا، الا یہ کہ متعین طور پر سودی نفع دیا جائے تو اس سودی نفع کا صدقہ کرنا ضروری ہوگا جس کی دلیل ماقبل میں گذر چکی (فقہی مقالات، شیئرز کی خرید وفروخت رص ۱۵۰، امداد الفتاوی ۳/۴۹۱)۔

۱۰، ۱۱۔ نفع بھی حلال ہے:

رہ گیا دوسرا مسئلہ۔ یعنی یہ کہ کمپنی سے جو نفع حصہ دار کو ملا ہے، سو اغلب تو یہی ہے کہ اس میں سودی اور ناجائز نفع بھی شامل ہوگا، لیکن جب مؤکل (حصہ دار) پہلے ہی صراحت و براءت کر چکا کہ سودی کاروبار اور ناجائز نفع میں اس کی شرکت نہ ہوگی، اس کو صرف وہ آمدنی اور نفع چاہئے جو غیر سودی اور حلال ہو، ایسی صورت میں کمپنی والے جو نفع اس کو دیں گے وہ کل کا کل حلال ہوگا، الا یہ کہ متعین طور پر یہ معلوم ہو جائے یا وہ کمپنی اس صراحت کے ساتھ اس کو نفع دے کہ اس منافع میں سودی نفع اتنا ہے جو تمہارے حصہ میں آیا ہے، اس صورت میں صرف اتنے حصہ کا صدقہ کرنا ضروری ہوگا (خانیہ ۴/۳۶۳، امداد الفتاوی ۳/۴۹۸)۔

۱۲۔شیئرز کی تجارت کا شرعی حکم:

شیئرز کی تجارت فی نفسہ جائز ہے، بشرطیکہ جملہ حدود و قیود اور شرائط کا لحاظ کیا جائے۔ اور چونکہ عام طور پر ان حدود و قیود اور شرائط جواز کا لوگوں کو علم نہیں ہوتا اور اس کی رعایت نہیں کرتے جس کی وجہ سے مختلف خرابیوں کے وقوع اور فساد کا احتمال بکثرت ہوتا ہے، اس لئے اس تجارت سے خالص تجارت کرنا زیادہ بہتر ہے جس میں فساد کا احتمال کم ہے۔ حاصل یہ کہ فتوی کی رو سے بلا کراہت جائز ہے گو تقوی و احتیاط کے خلاف ہے۔

بعض ناجائز صورتیں:

۱۳۔ فیوچر سیل (بیع المستقبلیات) اس تفصیل کے ساتھ جس کا سوال میں ذکر ہے قطعی ناجائز و حرام ہے۔ مولانا تقی عثمانی صاحب نے مع دلائل اس کی تصریح فرمائی ہے (فقہی مقالات رص ۱۵۲)۔

۱۴۔ یہ شکل بھی ناجائز ہے (ایضاً رص ۱۵۵)۔

۱۵۔سرٹیفیکٹ پر قبضہ سے پہلے شیئر کی بیع ناجائز ہے:

ضمان و قبضہ دونوں علیحدہ شئی ہیں اور دونوں میں کوئی تلازم نہیں، حدیث پاک میں مستقل طور پر دونوں کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قبضہ حسی کی طرح قبضہ معنوی بھی ہوتا ہے اور ہر شئی پر اس کی خاص نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت بھی مختلف ہوتی ہے جس میں عرف و عادت کا بھی اعتبار ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ضمان و قبضہ دونوں علیحدہ شئی ہیں۔ کسی شئی کے محض ضمان میں آجانے اور کاغذی کاروائی ہو جانے سے قبضہ کا تحقق نہیں ہوتا جب تک کہ واقعی وہ شئی (یا اس کے قائم مقام) قبضہ میں نہ آجائے۔ مثلاً صورت مسئولہ میں قبضہ معنوی کافی ہے، لیکن قبضہ معنوی کی تکمیل بھی اس پر موقوف ہے کہ سرٹیفیکٹ اور اس کی سند قبضہ میں آجائے جو کہ قبضہ حسی کے قائم مقام ہے، اس کے بغیر قبضہ معنوی بھی ناقص و ناکافی ہوگا۔

۱۶۔ سرٹیفیکٹ حاصل کرنے سے قبل یعنی قبضہ معنوی کی تکمیل سے پہلے اس کی بیع ناجائز ہے۔ حدیث و فقہ میں ربح مالم یضمن کی طرح قبل القبض بیع کی مستقلاً ممانعت وارد ہوئی ہے:

نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع ما لیس عندک و عن ربح مالم یضمن (مصنف عبد الرزاق ۸؍۳۹)۔

اور محض ضمان میں آجانے سے قبضہ کا تحقق ضروری نہیں۔

۱۷۔شیئرز کمپنی کی دلالی جائز ہے:

اس کی حیثیت اجیر و دلال کی ہے، جو حکم اجیر و دلال کا ہوتا ہے وہی اس کا بھی ہوگا یعنی جائز عقود کی دلالی اور اس کی اجرت جائز ہے اور ناجائز کی ناجائز، یعنی جو حکم وکالت کا ہے وہی اس کا ہے۔

☆☆☆☆☆

شیئرز کی خرید وفروخت اور اس کے شرعی احکام

مولانا احمد دیولوی، بھروچ (گجرات)

ا۔ شیئرز کی حقیقت:

شیئرز کو اردو میں حصے اور عربی میں سہوم سے تعبیر کرتے ہیں، یہ شیئرز کسی کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈرس کی ملکیت کے ایک مناسب حصے کی نمائندگی کرتے ہیں، اور شیئرز خریدار کو جو کاغذ یعنی شیئر سرٹیفیکٹ کی شکل میں ملتا ہے وہ خریدار کی کمپنی میں ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ شیئر خریدنے کی وجہ سے خریدار کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں اپنے حصے کے تناسب سے مالک بن جاتا ہے، جب کمپنی ابتداءً وجود میں آتی ہے تو اس وقت جو شخص بھی شیئر خریدتا ہے وہ درحقیقت کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار بن جاتا ہے اور کمپنی کے ساتھ شرکت کا معاملہ کرتا ہے، اور اگرچہ عرف میں اس کو شیئر خریدنا کہا جاتا ہے لیکن شرعاً وہ خرید وفروخت نہیں ہے بلکہ یہ عقد شرکت کی صورت ہوتی ہے۔

۲۔ کمپنی قائم کرتے وقت اس کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتی ہیں اس صورت میں نقد کا مقابلہ نقد سے ہوتا ہے لہذا اس وقت کمپنی کے شیئرز کو فیس ویلو سے کم یا زیادہ پر فروخت کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ برابر سرابر خریدنا ضروری ہے، کیونکہ دس روپے کا شیئر دس روپے کی ہی نمائندگی کرتا ہے۔ اس وقت ایسا ہی ہوگیا جیسے کہ دس روپے کے نوٹ کو گیارہ روپے یا نو روپے میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ شیئرز کمپنیوں کا کاروبار سودی اور غیر سودی دونوں قسم کے سودوں پر مشتمل ہوتا ہے لہذا خریداروں کو ملنے والا نفع بھی مختلط بالحلال والحرام ہوگا، تو اس سلسلہ میں قاضی خاں فرماتے ہیں کہ اگر ہدیہ کرنے والے کا غالب واکثر مال حلال ہے تو ہدیہ قبول کر کے کھا سکتا ہے، جب تک کہ اس کے حرام ہونے کا واضح ثبوت نہ ہو حلال ہے۔ کیونکہ لوگوں کے اموال حرام کی کسی قدر آمیزش سے خالی نہیں ہوتے ہیں، لہذا غالب کا اعتبار ہوگا۔

وإذا مات عامل من عمال السلطان و أوصى أن يعطى الحنطة للفقراء قالوا إن كان ما أخذه من أموال الناس مختلطا بماله لابأس به وإن كان غير مختلط لا يجوز للفقراء أن يأخذوه إذا علموا أنه مال الغير وإن لم يعلم الآخذ أنه من ماله أو مال غيره فهو حلال حتى يتبين أنه حرام

(فتاوی قاضی خاں، بحوالہ امداد الفتاوی ۳ر۴۹۷)۔

بہرحال فقہائے کرام کی عبارات میں توسعات اور دار الحرب میں سودی مسائل میں تخفیف وغیرہ ابحاث سے مسئلہ میں گنجائش کا پہلو ضرور موجود ہے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ سود کی آمیزش قباحت سے خالی نہیں ہے۔ حضرات فقہاء کرام کی جانب سے گنجائش مبتلی بہ کے لئے ہے جو حرام سے بچ نکلنے کا راستہ فراہم کرتی ہے، لیکن زیادتی مال کے لئے بالارادہ (اصالۃً) اس قسم کے کاروبار میں مشغولیت اللہ تعالی کی حرام کردہ چیز کی آمیزش کے قطعی علم کے ساتھ ایک

مومن کے لئے قطعاً مناسب نہیں ہے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو اس سے اجتناب ہی صحیح راستہ ہے۔

۵۔ کمپنی کا سودی کاروبار:

اکثر کمپنیاں اپنی سرمایہ کاری حصص قرض (Bonds) اور بینک کے سودی قرضے وغیرہ شامل کرکے ہی کرتی ہیں لہذا منافع میں سود کا اختلاط ضرور ہی ہوگا جو شرعی نقطہ نگاہ سے ایک تشویشناک صورت ہے، لیکن فقہاء کرام کی عبارتوں اور کتابوں میں چند ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جو اس کے جواز کی مشیر ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: امداد الفتاوی ۳/۴۹۶)۔

۶۔ بانڈز (سندات حصص قرض) کی خرید و فروخت سودی کاروبار ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

۷۔ کمپنی کاروبار میں جتنے مسائل ہیں ان میں سب سے زیادہ پریشان کن امر کمپنی کا سودی کاروبار ہی ہے، اسی لئے بہت سے فقہائے کرام نے کمپنیوں کے حرام کاموں میں ملوث ہونے کی وجہ سے شیئرز کی خرید و فروخت کو ناجائز کہا ہے، اور دلیل یہ دی ہے کہ جب ہم شیئرز کی خرید و فروخت کریں گے تو اس کاروبار میں شریک ہوگئے اور اس کاروبار کا ایک شریک دوسرے شریک کا وکیل اور ایجنٹ ہے تو گویا کہ شیئر ہولڈران کو اس کام کے لئے ایجنٹ اور وکیل بنا رہا ہے کہ تم سودی قرضے کو اور سودی آمدنی کو بھی حاصل کرو۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب اس قسم کے سوال کے جواب میں عدم جواز ہی کو پسند فرماتے ہیں (کفایت المفتی ۸/۱۲۳،۱۲۲)۔

۸۔ حضرت تھانویؒ اس کو شرکت سے تعبیر کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ حقیقت اس معاملہ کی شرکت ہے یعنی متعدد حصہ دار اپنا سرمایہ جمع کرکے تجارت کرتے ہیں اور اس سے جو نفع ہوتا ہے وہ باہم تقسیم کر لیتے ہیں، اور تحریر بالا میں جو عبارت ہے کہ یہ لوگ ایک لاکھ روپے کے ایک ہزار حصے فی صد سو روپے قائم کرتے ہیں اور حصص فروخت کرنا شروع کرتے ہیں تو اس کو اصطلاحاً فروخت کرنا کہا جاتا ہے ورنہ در حقیقت یہ شرکت ہے اور کارکنان کمپنی تمام کاروبار میں ان حصہ داروں کے وکیل ہیں، اور شرکت کے دو جز ہیں: ایک جز یہ کہ جو اعیان و سامان اس کارخانہ میں موجود ہوتے ہیں تو ہر شریک بواسطہ کارکنان کمپنی اس سامان کے مالک ہوتے جاتے ہیں، مثلاً اگر کسی نے سو روپے داخل کئے تو گویا وہ سامان موجودہ کا ہزارواں حصہ اس نے خرید لیا۔ اور دوسرا جز یہ کہ آگے جو کاروبار میں نفع ہوگا، وہ حصہ رسد ہر شریک کی ملک ہوگا، اور اگر اس حصہ کے داخل کرنے کے بعد کچھ سامان خریدا گیا تو اسی نسبت سے یہ حصہ دار مذکور اس کا بھی مالک ہوگا۔

۹۔ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب حضرت تھانویؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی طرف سے جواز کی دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگرچہ کمپنیوں میں سودی لین دین کی خرابی پائی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود اگر کسی کمپنی کا بنیادی کاروبار مجموعی طور پر حلال ہے تو پھر دو شرطوں کے ساتھ اس کمپنی کے شیئرز لینے کی گنجائش ہے اول شرط یہ ہے کہ سالانہ میٹنگ میں یہ آواز اٹھائی جائے کہ ہم سودی لین دین کو درست نہیں سمجھتے ہیں اس لئے اس کو بند کردیا جائے، اور یہ نقارخانہ میں طوطی کی آواز چاہے مسترد کردی جائے لیکن یہ آواز اٹھانا بقول حضرت تھانویؒ

انسان کا اپنی ذمہ داری پوری کردینا ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ منافع کی تقسیم کے وقت نفع کا جتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہو اس کو صدقہ کر دے، مذکورہ شرطوں پر عمل کر لینے کی شکل میں اس کے خرید وفروخت کی گنجائش ہے۔

۱۰؍۱۱۔ حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ اس مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنا حصہ صدقہ کرنے کا حکم ورع اور تقوی پر محمول ہے، اور اگر وجوب پر محمول کریں تو یہ اس وقت جبکہ صرف شراب اور خنزیر کی بیع کی ہو اور اس کے علاوہ کی نہ ہو، اور سودی کاروبار کی شکل میں صاحبین کے نزدیک جو بیع کو فاسد قرار دیا گیا ہے تو وہ ہمارے دعوی کے خلاف نہیں ہے کیونکہ وکیل بالبیع بذات خود عاقد کے مانند ہے اور ذمی کے حق میں بیع کا فساد مسلمان کے حق میں نفع کی حرمت کو مستلزم نہیں ہے، کیونکہ ملکیت کا تبادلہ فساد کے خبث کو دور کردیتا ہے، پس ایسی صورت میں مال مستفاد میں حرمت نہیں ہوگی جبکہ کمپنی قائم کرنے والے کافر ہوں، البتہ کفار کی کمپنیوں میں شرکت مکروہ ہے جیسا کہ علامہ سرخسی کے قول سے معلوم ہوتا ہے:

يكره للمسلم أن يدفع إلى النصراني مالا مضاربة وهو جائز في القضاء (مبسوط ۲۲/۱۲۵)۔

اور مبسوط ہی میں یہ بھی ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ صفقہ کا ولی تو وکیل ہے اور شراب اس کے حق میں مال متقوم ہے تو وہ اپنے لئے خرید سکتا ہے لہذا دوسرے کے لئے بھی خرید سکتا ہے، اور وجہ یہ ہے کہ اس جگہ اسلام کے سبب سے شراب کا عقد کرنا منع ہے نہ کہ ملکیت کے سبب سے (دیکھئے: مبسوط ۱۲/۲۱۶ بحوالہ امداد الفتاوی ۳/۴۹۷)۔

۱۲۔ حصص کی تجارت:

مال کی تعریف میں فقہاء کرام نے چند شرطیں لگائی ہیں۔ ابن عابدین لکھتے ہیں:

المراد بالمال ما يميل إليه الطبع ويمكن ادخاره لوقت الحاجة والمالية تثبت بتمول الناس كافة أو بعضهم والتقوم يثبت به وبإباحة الانتفاع به شرعاً۔

فقہائے احناف نے اگرچہ بیع میں مبیع کے عین ہونے کی شرط لگائی ہے لیکن ان لوگوں نے حق مرور کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، اور جواز کی علت یہ بیان کی ہے کہ یہ ایک ایسا حق ہے جو عین سے متعلق ہے لہذا جواز بیع میں اس کو عین کا حکم حاصل ہوگا (دیکھئے: فتح القدیر ۵/۲۵۶)۔

اعیان سے تعلق رکھنے والے حقوق کا احناف کے یہاں وہی حکم ہے جو خود اعیان کا ہے، اور بعض اشیاء کو اموال میں داخل کرنے میں عرف کو بڑا دخل ہے جیسا کہ ابن عابدین نے فرمایا ہے کہ مالیت لوگوں کے مال بنا لینے سے ثابت ہوجاتی ہے، یہ جملہ فرما کر بہت سی چیزوں کو کچھ شرائط کے ساتھ مال کی تعریف میں داخل کردیا ہے، اور عرف کی وجہ سے فقہائے کرام نے بہت سے حقوق کی بیع جائز قرار دی ہے، لہذا جو چیز عرف میں مال متقوم سمجھی جاتی ہے اور لوگ اس کے ساتھ مال جیسا معاملہ کرتے ہوں تو اس کی بیع جائز ہوگی بشرطیکہ وہ فی الحال ثابت ہو اور صاحب حق کیلئے اصالۃً ثابت ہو، دفع ضرر کے لئے نہ ہو، وہ حق ایسا ہو جو ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو سکے، تجدید کرنے

سے اسی حق کی تحدید بھی ہو جاتی ہو، غرر یا جہالت کو مستلزم نہ ہو، تاجروں کے عرف میں یعنی دین کے سلسلہ میں اس حق کو اموال واعیان کی حیثیت حاصل ہو۔

مذکورہ شرائط کی روشنی میں جب ہم شیئرز کے معاملہ کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تجار کے عرف میں اس کو مال متقوم مانا جاتا ہے، بلکہ وہ اقتصادیات کی دنیا میں اتنا عام ہے اور اس کا شیوع اس قدر ہو چکا ہے کہ لوگوں کے اذہان میں اس کی مالیت کے انکار کا تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ کمپنی کی طرف سے اس پر زبردست اعتماد کیا جاتا ہے لہذا اس کی خرید وفروخت اور رہن جائز ہوگا، جیسے کہ ثمن اصطلاحی کی پشت پر حکومت اور عوام کا اعتماد ہی کام کر رہا ہے بلکہ لوگوں نے اس کو ہی ثمن اصلی شمار کر لیا ہے۔

حقیقت میں تو اثاثہ تجارت کے جز مشائع کا ہی بدل ہے لیکن عرف میں اس کا اعتبار کر کے کمپنی کسی کو جز شائع سے کچھ واپس نہیں کرتی ہے بلکہ شرکت بھی خود رد نہیں کرتی، بلکہ دلال کے ذریعہ ہی کاغذات کی منتقلی ہوتی ہے اور اس کو حصص کی بیع سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے کہ ثمن اصطلاحی کی پشت پر حکومت کے خزانہ کا سونا ذمہ دار اور مدار ہوتا ہے لیکن کوئی بھی بینک اب سونا واپس نہیں کرتا ہے اگرچہ کاغذی نوٹوں پر وثیقہ لکھا ہوا ہوتا ہے، اسی طرح شیئرز میں حصہ دار کو کاغذات سے ہی واسطہ ہوتا ہے۔

۱۳۔ فیوچر سیل کا مقصد جب خریدنا ہے ہی نہیں بلکہ صرف نفع نقصان برابر کر لینا مقصود ہے لہذا یہ جائز نہیں ہو گا، اور جب اس میں بیع وشراء کا تحقق ہی نہیں ہوتا تو پھر اس کو بیع کہنا بھی صحیح نہیں ہے، یہ حرام ہے۔

۱۴۔ غائب سودا کی وضاحت نہیں معلوم ہو سکی لہذا اس کا حکم بھی متعین نہیں ہو سکتا۔ اگر سوال نمبر ۱۳ کی ہی طرح ہوتا ہے کہ صرف آپس کا فرق (ڈیفرنس) برابر کر لیا جاتا ہے، اور سٹہ بازاری کی شکل ہوتی ہے تو یہ صورت بھی ماقبل کی فیوچر سیل والی شکل کی طرح حرام ہے۔

۱۵۔ اگر اس کے ضمان میں حقوق وذمہ داری منتقل ہو جاتی ہیں تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا، چاہے شیئر سرٹیفکیٹ بعد میں ملے۔ اصل رسید ملنے کو ہی عرف میں شیئر خریدنا کہتے ہیں، بعد میں دو یا تین مہینے بعد ہی سرٹیفکیٹ ملتا ہے، اس سے پہلے رسید کا ہی اعتبار کیا جاتا ہے۔

۱۶۔ جب یہ مال متقوم کے درجہ میں ہے تو اعیان کی طرح اس کی خرید وفروخت اور دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا بھی جائز ہے بالخصوص جبکہ شیئر کا ضمان خریدنے کا معاملہ کرنے کے ساتھ ہی خریدار کی طرف منتقل ہو جاتا ہو۔

۱۷۔ دلال کے ذریعہ شیئرز کی خرید وفروخت:

آج کل کے کاروباری دنیا میں دلال کے بغیر کوئی بھی کام نہیں ہوتا ہے، اکثر تجارت وکاروبار دلال کے ذریعہ ہی مکمل ہوتے ہیں، لہذا فقہائے کرام نے دلال کے ذریعہ کاروبار کو جائز قرار دیا ہے اور دلال کے لئے اجرت بھی جائز قرار دیا ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قال في التاتارخانية و في الدلال والسمسار يجب أجر المثل وما تواضعوا عليه. إن

فی كـل عشـرـة دنانير كذا فذاك حرام عليهم. وفی الحاوی سئل محمد بن سلمة عن أجرة السـمسار فقال أرجو أنه لابأس به وإن كان فی الأصل فاسد لكثرة التعامل و كثير من هذا غير جائز فجوزه لحاجة الناس إليه كدخول الحمام (شامی ۴۳/۵)۔

اوراسی تعامل اورحاجت کی وجہ سے فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ دلال کی اجرت کام اورمحنت کے موافق لینااوردینا جائز ہے بشرطیکہ ظاہر کر کے رضامندی سے لیا جاوے، اور جو خفیہ طریقہ سے لیتے ہیں وہ حرام ہے(امداد المفتین ۲/ ۱۷۱، فتاوی محمودیہ ۴/ ۱۷۵)۔

☆☆☆☆☆

شیئرز سے متعلق مسائل

مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری

۱۔ کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی شرکت وملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، اور یہی نقطۂ نظر صحیح ہے۔

۲۔ کمپنی قائم کرتے وقت جب تک کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک اور اثاثے نہ ہوں اس وقت تک کمپنی کا خرید کردہ شیئر خرید قیمت سے کم یا زیادہ پر فروخت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ شرعاً یہ سود ہے۔ شیئر کو خرید قیمت کے برابر قیمت پر بیچنا شرعاً جائز ہے۔

۳۔ کمپنی نقد اور املاک (مال ربوی وغیر ربوی) دونوں پر مشتمل ہو تو شیئر کے حصہ میں جتنا نقد مال ربوی آتا ہے اس سے زیادہ پر شیئر کو فروخت کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے، اس کے برابر یا کم قیمت پر بیچ کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً دس روپے کے شیئر کے حصہ میں اگر آٹھ روپیہ نقد، مال ربوی کے مقابل ہیں اور دو روپے اثاثوں، املاک کے مقابل ہیں تو شیئر کی بیع آٹھ روپے یا اس سے کم میں جائز نہ ہوگی۔ البتہ نو روپے یا اس سے زائد میں جائز ہوگی۔ (اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ص ۸۷)۔

۴۔ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے۔ جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت یا سودی اسکیموں میں روپیہ لگانا۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت ناجائز اور حرام ہے۔

۵۔ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہونے کے باوجود انہیں بعض اوقات انکم ٹیکس وغیرہ کی زد سے بچنے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے ایسی کمپنیوں میں شیئرز خریدنے کی اجازت ہوگی بشرطیکہ سالانہ میٹنگ میں سودی لین دین کے خلاف آواز اٹھائی ہو۔

۶۔ بنیادی حلال کاروبار کرنے والی جن کمپنیوں کو بھی قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزروبینک میں جمع کرنا پڑتا ہے یا سیکورٹی بانڈس خریدنے پڑتے ہیں ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنے کی گنجائش ہوگی، بشرطیکہ نفع میں سے سود کی مقدار بلانیت ثواب صدقہ کردے۔

۷۔ سودی قرض لینے کی صورت میں اس قرض سے حاصل ہونے والی آمدنی ومنافع حلال شمار ہونگے اور یہ قرض مفید ملک ہوگا لیکن سودی قرض کا معاملہ کرنا سخت گناہ کا کام ہوگا۔ اور قرض کی واپسی کے وقت قرض سے زائد رقم دینا سود ہے جو گناہ کبیرہ اور حرام ہے (امداد الفتاوی ۳/۱۷۰)۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل شمار ہوگا۔

۹۔ کمپنی میں شیئر ہولڈر کا سودی لین دین کے خلاف آواز اٹھانے اور ناجائز امور سے منع کرنے کے بعد شیئر ہولڈر وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے بری الذمہ شمار ہوگا۔

۱۰۔ کمپنی کے منافع میں اگر سود شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے منافع سے سود کی مقدار کا صدقہ کرنا ضروری ہے، اور اگر سود کی مقدار معلوم نہ ہو تو تخمینہ سے سودی مقدار کا صدقہ کرنا کافی ہوگا۔

۱۱۔ اگر سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو سودی آمدنی و نفع دونوں کا صدقہ کرنا ضروری ہے (ہدایہ ۴۵۶/۳)۔

۱۲۔ شیئرز کی خرید و فروخت کے جواز کے شرائط کے ساتھ شیئرز کی تجارت کرنے کی اجازت ہے۔ شیئرز کو اس نیت سے خریدنا کہ قیمت بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ فروخت کر دوں گا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہر تخمین اور قیاس آرائی ممنوع نہیں ہے، بلکہ وہ تخمین اور قیاس آرائی ممنوع ہے جس میں شرعی شرائط کی رعایت نہ کی گئی ہو (اسلام اور جدید معیشت و تجارت / ص ۹۰)۔

۱۳۔ فیوچر سیل (بیاعات مستقبلیات) یعنی شیئرز کی ایسی بیع و شراء کہ شیئر لینا دینا مقصود نہ ہو، محض نفع نقصان برابر کر کے نفع کمانا مقصود ہو، یہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے (اسلام اور جدید معیشت و تجارت / ص ۹۱)۔

۱۴۔ غائب سودے جن میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے وہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ بیع کی وقت مستقبل کی طرف اضافت یا تعلیق باتفاق فقہاء ناجائز ہے۔ البتہ مستقبل میں بیع کا وعدہ کیا جا سکتا ہے، لیکن وقت آنے پر بیع باقاعدہ کرنی ہوگی (جدید معیشت و تجارت / ص ۹۱)۔

۱۵۔ شیئرز کے نقد سودے ہو جانے کے بعد شیئرز کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں، وہ خریدار کے ضمان میں داخل ہو جاتے ہیں تو ان کی بیع سرٹیفکیٹ پر قبضہ سے پہلے جائز ہونی چاہئے، لیکن عرف میں شیئر کا قبضہ اسی وقت سمجھا جاتا ہے جب سرٹیفکیٹ ہاتھ میں آ جائے، لہذا احتیاط یہی ہے کہ سرٹیفکیٹ پر قبضہ کئے بغیر آگے بیع کی اجازت نہیں ہے (حوالہ بالا / ص ۹۱-۹۲)۔

۱۶۔ خرید کردہ شیئر کو اگر خریدار سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے پہلے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے تاکہ سٹے بازی کا سد باب بھی ہو۔

۱۷۔ جن شیئرز کی خرید و فروخت شرعی شرائط کے ساتھ ہوتی ہو ان شیئرز کی خرید و فروخت میں بروکر و ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہے۔ اور جن شیئرز کی خرید و فروخت میں شرعی شرائط کی رعایت نہ ہوتی ہو ان شیئرز کی خرید و فروخت میں بروکر اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

شیئرز شریعت کی نظر میں

مولانا ابوالحسن علی، بھروچ گجرات

۱۔شیئرز کی حقیقت:

اردو میں اس کو حصص اور عربی میں سہوم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ شیئرز کسی کمپنی کے اثاثوں میں شیئر ہولڈرس کی ملکیت کے ایک مناسب حصے کی نمائندگی کرتے ہیں اور شیئر خریدار کو ملنے والے کاغذ یعنی سرٹیفکیٹ خریدار کی کمپنی میں ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے شیئر خریدنے کی وجہ سے خریدار کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں اپنے حصے کے تناسب سے مالک بن جاتا ہے۔ جب کمپنی ابتداء ً وجود میں آتی ہے تو اس وقت جو شخص بھی شیئر خریدتا ہے وہ درحقیقت کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار بن جاتا ہے اور کمپنی کے ساتھ شرکت کا معاملہ کرتا ہے اگر چہ عرف میں اس کو شیئر خریدنا کہا جاتا ہے لیکن شرعاً وہ خرید وفروخت نہیں ہے بلکہ عقد شرکت کی صورت ہوتی ہے۔

۲۔نئی کمپنی کے شیئرز۔نقد کا نقد سے مقابلہ:

جب کسی کمپنی کے شیئرز ابتداء میں جاری (Issue) ہوتے ہیں اور اس کے پاس املاک منجمد شکل میں نہ ہو بلکہ نقد اور سیال (Liquid - Assets) کی شکل میں ہو تو اس وقت ہمارے شیئرز اتنے ہی روپیہ کی نمائندگی کرتے ہیں جتنے روپے ہم نے کمپنی میں دیئے ہیں، جیسے دس روپے کا نوٹ دس روپے کی ہی وکالت کرتا ہے، اس شکل میں اس کو کمی زیادتی سے بیچنا جائز نہ ہوگا بلکہ سود ہونے کی وجہ سے حرام ہوگا، کیونکہ یہ بیع صرف کی شکل ہوگی جس میں کمی زیادتی جائز نہیں ہے۔

۳۔اثاثے کا مخلوط ہونا:

جب کمپنی کے کچھ اثاثے منجمد (Fixed - Assets) کی شکل میں ہیں مثلاً اس نے کوئی بلڈنگ بنائی یا مشینری خریدی یا کچا مال خرید لیا تو اب اس کے شیئر کو کمی یا زیادتی سے بیچنا جائز ہوگا۔

بہت سے مسائل فقہاء کرام نے انفرادی اور علی سبیل البدلیت ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ اس میں تفاضل کی شکل ہوکر سود ہوجاتا ہے، اور جب مجموع کا مجموعہ سے تقابل کیا جاتا ہے تو جواز کی گنجائش نکل آتی ہے کیونکہ مختلف جنسوں کا باہم تقابل ہوتا ہے۔

۴۔ جن کمپنیوں کا کاروبار حرام ہے ان کے شیئرز کی خرید و فروخت ناجائز ہے، نہ تو ابتداء میں Float (جاری) ہوتے وقت جائز ہے، اور نہیں بعد میں اسٹاک مارکیٹ سے لینا جائز ہے۔

۶،۵۔کمپنی کا سودی کاروبار:

اکثر کمپنیاں انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے یا دوسرے قانونی تقاضوں کی وجہ سے بینک سے سودی قرض لیتی

ہیں یاریزرو بینک میں جمع کرتی ہیں، لہذا منافع میں سود کا اختلاط ہو جاتا ہے جو شرعی نقطہ نظر سے ایک تشویشناک صورت ہے، اس مسئلہ میں فقہاء کرام کی دو جماعتیں ہوگئی ہیں، ایک جماعت سودی کاروبار ہونے کی وجہ سے اس کو ناجائز قرار دیتی ہے کیونکہ کاروبار میں ایک شریک دوسرے شریک کا وکیل ہوتا ہے تو گویا کہ شیئر ہولڈران کو اس کام کا ایجنٹ بنادیتا ہے کہ تم سودی قرض لو اور سودی آمدنی حاصل کرو۔

دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ اگر چہ ان کمپنیوں میں یہ خرابی پائی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود اگر کسی کمپنی کا بنیادی کاروبار مجموعی طور پر حلال ہے تو پھر کچھ شرائط کے ساتھ اس کمپنی کے شیئرز لینے کی گنجائش ہے۔

حضرت تھانویؒ نے ''رسالہ القصص السنی فی حکم حصص کمپنی'' میں جو بعد کی تحریر معلوم ہوتی ہے اس میں شیئرز کے جواز کا حکم بیان فرمایا ہے اور بہت تفصیلی گفتگو فرمائی ہے جس میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے جواب میں ذکر کردہ بہت سے اشکالات کے جوابات بھی آ گئے ہیں۔ مولانا مفتی تقی صاحب حضرت تھانویؒ، اور حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی جانب سے جواز کی دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر چہ کمپنیوں میں سودی لین دین کی خرابی پائی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود اگر کسی کمپنی کا بنیادی کاروبار مجموعی طور پر حلال ہے تو پھر دو شرطوں کے ساتھ اس کمپنی کے شیئرز لینے کی گنجائش ہے۔

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ سالانہ میٹنگ میں یہ آواز اٹھائی جائے کہ ہم سودی لین دین کو درست نہیں سمجھتے ہیں اس لئے اس کو بند کردیا جائے، یہ نقار خانہ میں طوطی کی آواز چاہے مسترد کردی جائے لیکن یہ آواز اٹھانا بقول حضرت تھانویؒ انسان کا اپنی ذمہ داری پوری کردینا ہے۔

۲۔ دوسری شرط یہ کہ منافع کی تقسیم کے وقت نفع کا جتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہو اس کو صدقہ کردے، مذکورہ شرطوں پر عمل کر لینے کی شکل میں اس کی خرید وفروخت کی گنجائش ہے اور یہ جواز کا موقف معتدل اور اسلامی اصولوں کے مطابق ہے اور لوگوں کے لئے سہولت کا راستہ فراہم کرتا ہے (شیئرز کی خرید وفروخت ص ۱۰،۱۱)۔

فقہاء کرام کی عبارات میں توسع اور دار الحرب میں سودی کاروبار میں تخفیف وغیرہ ابحاث سے مسئلہ میں گنجائش کا پہلو ضرور موجود ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ سود کی آمیزش قباحت سے خالی نہیں ہے۔ حضرات فقہاء کرام کی جانب سے گنجائش مبتلی بہ کے لئے ہے جو حرام سے بچ نکلنے کا راستہ فراہم کرتی ہے لیکن زیادتی مال کے لئے بالا رادہ اس قسم کے کاروبار میں مشغولیت اللہ تعالی کی حرام کردہ چیز کی آمیزش کے قطعی علم کے ساتھ ایک مومن کے لئے مناسب نہیں ہے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو اس سے اجتناب ہی صحیح راستہ ہے۔

۷۔ سودی قرض کے ذریعہ حاصل شدہ آمدنی:

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وإن أربى فاشترى درهمين بدرهم كان البيع فاسدا ولكن لا يصير ضامنا لمال المضاربة والربح بينهما على الشرط.

مولانا ظفر احمد تھانویؒ اس مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سودی کاروبار کی شکل میں صاحبینؒ کے نزدیک جو بیع کو فاسد قرار دیا ہے تو وہ ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ وکیل بالبیع بذات خود عاقد کے مانند ہے اور ذمی کے حق میں بیع کا فساد مسلمان کے حق میں نفع کی حرمت کو مستلزم نہیں ہے، کیونکہ ملکیت کا تبادلہ فساد کے خبث کو دور کردیتا ہے، پس ایسی صورت میں مال مستفاد میں حرمت نہ ہوگی جبکہ کمپنی کے قائم کرنے والے کافر ہوں، البتہ کفار کی کمپنیوں میں شرکت مکروہ ہے جیسا کہ علامہ سرخسیؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہے۔

ویکره للمسلم ان یدفع إلی النصرانی مالا مضاربة وهو جائز فی القضاء (مبسوط۲۲/۱۲۵)۔

مفتی نظام الدین صاحب اسی طرح کے جواب میں فرماتے ہیں: الجواب۔ اس فیکٹری کے نفع کے جواز میں تو کوئی شبہ نہیں اس کا نفع لینا تو جائز رہے گا۔ پھر آگے فرماتے ہیں کہ اگر شیئر ہولڈر خود بینک سے لون نہیں لیتا ہے بلکہ فیکٹری کا عملہ یہ سب کام خود انجام دیتا ہے اور وہ اکثر غیر مسلم ہے یا کل غیر مسلم ہے تو ایسی صورت میں یہ شیئرز خریدنا جائز رہے گا، منع نہ ہوگا (نظام الفتاوی ۱/۲۰۰)۔

۸۔ کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس کی حیثیت:

ظاہر میں شیئر کی خرید وفروخت کو بیع وشراء سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں یہ شرکت ہے اور کمپنی کے کارکنان تمام کاروبار میں حصہ دار کے وکیل ہیں۔

۹۔ کمپنی میں شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اس کا اعلان کرنا وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے اسے بری الذمہ تو نہیں کرے گا لیکن بظاہر اس کا اور کوئی حل نہیں ہے، یا تو آدمی شیئرز کی خرید وفروخت ہی نہ کرے یا اپنی مقدور بھر آواز اٹھائے جو حقیقت میں نقار خانہ میں طوطی کی آواز ہے لیکن بقول حضرت حکیم الامت وکیل اپنی ذمہ داری پوری کردیتا ہے۔

۱۰، ۱۱۔ سود کی مقدار کو صدقہ کرنا:

فتاوی عالمگیری میں ہے:

إذا دفع المسلم إلی النصرانی مالا مضاربة بالنصف فهو جائز إلی أنه مکروه فإن اتجر فی الخمر والخنزیر فربح جاز علی المضاربة فی قول أبی حنیفة وینبغی للمسلم أن یتصدق بحصته من الربح.

مولانا ظفر احمد تھانوی اس عبارت کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ تصدق کا حکم ورع اور تقوی پر محمول ہے جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے، اور اگر وجوب پر محمول کیا جاوے تو یہ اس وقت ہے جبکہ صرف شراب اور خنزیر کی بیع ہو اور اس کے علاوہ کی نہ ہو (امداد الفتاوی ۳/۴۹۷)۔

مولانا تقی صاحب فرماتے ہیں کہ جب منافع (Dividend) تقسیم ہو تو وہ شخص انکم اسٹیٹ منٹ (Income Statement) کے ذریعہ یہ معلوم کرے کہ آمدنی کا کتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہے، مثلاً

فرض کیجئے کہ اس کمپنی کو کسی آمدنی کا پانچ فیصد حصہ سودی ڈپازٹ میں رقم رکھوانے سے حاصل ہوا ہے تو اب وہ شخص اپنے نفع کا پانچ فیصد حصہ صدقہ کردے۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت:

مال کی تعریف میں فقہاء کرام نے چند شرطیں لگائی ہیں، ابن عابدین لکھتے ہیں:

یعنی مال سے مراد وہ چیز ہے، جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور وقت ضرورت کے لئے اس کو ذخیرہ کرنا ممکن ہو، اور مالیت تمام لوگوں یا بعض لوگوں کے مال بنانے سے ثابت ہوتی ہے اور تقوم مالیت بنانے کے ذریعہ بھی ثابت ہوتا ہے اور شرعاً اس سے انتفاع جائز ہونے سے بھی حاصل ہوتا ہے (شامی ۴/۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اعیان سے تعلق رکھنے والے حقوق کا احناف کے یہاں وہی حکم ہے جو خود اعیان کا ہے، اور بعض اشیاء کو اموال میں داخل کرنے میں عرف کو بڑا دخل ہے جیسے کہ علامہ شامیؒ نے مال کی تعریف میں بتمول الناس کے لفظ سے فرمایا، عرف کی وجہ سے فقہاء کرام نے بہت سے حقوق کی بیع جائز قرار دی ہے، لہذا جو چیز عرف میں مال متقوم سمجھی جاتی ہو اور لوگ اس کے ساتھ مال جیسا معاملہ کرتے ہوں تو اس کی بیع جائز ہوگی، بشرطیکہ وہ فی الحال ثابت ہو، صاحب حق کے لئے اصالۃً ثابت ہو، دفع ضرر کے لئے نہ ہو، وہ حق ایک آدمی سے دوسرے کی طرف منتقل ہوسکے، اس کی تحلیل ہوسکتی ہو، غرر و جہالت کو مستلزم نہ ہو، تاجروں کے عرف میں لین دین کے سلسلہ میں اس حق کو اموال و اعیان کی حیثیت حاصل ہو۔

مذکورہ شرائط کی روشنی میں جب ہم شیئر کے معاملہ کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تجار کے عرف میں اس کو مال متقوم سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ اقتصادیات کی دنیا میں اتنا عام اور شائع ہے کہ لوگوں کے اذہان میں اس کی مالیت کا تصور بھی نہیں ہوسکتا، لہذا اس کی خرید و فروخت جائز ہوگی اور تجارت کے طور پر بیع و شراء کرنا بھی جائز ہوگا بشرطیکہ اصل کاروبار حلال ہو، کمپنی کے کچھ اثاثے منجمد شکل میں ہوں صرف نقد کی صورت نہ ہوں، سودی ڈپازٹ سے حاصل شدہ نفع میں سے اتنا حصہ صدقہ کردے۔

بازار کی صورت حال مختلف احوال و واقعات کی وجہ سے بدلتی رہتی ہے، لہذا اس میں تخمین و اندازہ سے ہی شیئرز کی قیمت میں کمی زیادتی کبھی جاتی ہے، اس کی قطعی تعیین خود بروکر اور دلال وغیرہ کو بھی کم ہی معلوم ہوتی ہے۔ البتہ جہاں سٹہ بازاری کا معاملہ چل رہا ہو اور آدمی کو معلوم ہو کہ یہ کمپنی کے منافع کی تقسیم اعتماد و کریڈٹ پر نہیں ہورہی ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس وقت سٹہ بازاروں کو تعاون دینے والے کی حیثیت بھی اختیار نہ کرے اور " **ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان** " پر عمل پیرا ہو۔

۱۳۔ فیوچر سیل:

سوال میں مذکور تفصیل کے مطابق جب اصل سودا محض کاغذی کارروائی ہے، نہ مشتری ثمن دیتا ہے نہ بائع مال دیتا ہے تو یہ بیع ہی نہیں ہوئی، اور نہ مقصود شیئرز کا لین دین ہے بلکہ آخر میں جاکر آپس کا فرق

(Difference) برابر کرلیا جاتا ہے، شیئرز کی (Delivery) مقصود نہیں ہوتی ہے بلکہ اصل مقصود یہ ہو کہ اس طرح سٹہ بازاری کر کے آپس کے ڈیفرنس کو برابر کرلیا جائے، تو یہ صورت حرام ہے۔

۱۴۔ غائب سودا جن میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، جائز ہوگی یا نہیں؟

یہ سوال تشریح طلب ہے، بغیر تشریح وتفصیل کے اس کا صحیح جواب مشکل ہے۔ لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ بظاہر شرائط صحت موجود نہ ہونے کی وجہ سے یہ بیع ناجائز ہے۔

۱۵۔ سوالنامہ کی تفصیل کے مطابق جب کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں شیئر ہولڈر کی ملکیت آجاتی ہے اور اس کی ضمان میں آکر حقوق وذمہ داری خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہے تو چاہے شیئر سرٹیفکیٹ نہ ملا ہو معنوی طور پر شیئر پر اس کا قبضہ سمجھا جاوے گا، کیونکہ شریعت میں ہر شئی پر اس کی خاص نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔

لہٰذا صورت مذکورہ میں شیئر سرٹیفکیٹ حقیقت میں شیئر نہیں ہے بلکہ شیئر تو اس ملکیت کا نام ہے جو اس کمپنی کے اندر ہے، سرٹیفکیٹ تو اس ملکیت کی علامت اور ثبوت وشہادت ہے۔

لہٰذا اب تنقیح طلب امر یہی ہے کہ کمپنی کا اصل حصہ جس کی یہ شیئر نمائندگی کر رہا ہے وہ اس شخص کی ملکیت میں آگیا یا نہیں؟ اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ حصہ ایسا نہیں ہے کہ وہ شخص کمپنی میں جا کر اپنا حصہ وصول کرے اور اس پر قبضہ کرلے، ایسا کرنا ممکن نہیں ہے، لہٰذا اصل حصہ کی ملکیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ شخص اس حصہ کے فوائد ونقصانات اور اس حصہ کی ذمہ داریوں اور منافع کا حقدار بن جائے۔

سوال نامہ کے مطابق جب حقوق وذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہوتی ہیں اور سرٹیفکیٹ نہ ملنے کے باوجود شیئرز پر معنوی قبضہ حاصل ہوگیا ہے، پھر بھی احتیاطی پہلو یہی ہے کہ جب تک ڈلیوری نہ مل جائے اس وقت تک آگے فروخت نہ کیا جاوے۔

۱۶۔ ماقبل کے جواب سے اس مسئلہ کو بھی حل کرلیا گیا کہ جب شیئر کا ضمان ومنافع خریدنے کا معاملہ کرنے کے ساتھ ہی خریدار کی طرف منتقل ہوجاتا ہے تو اس کا معنوی قبضہ ہوگیا، اور جب اس کا مالک بننا صحیح ہوگیا تو اسکے لئے دوسرے کو فروخت کرنا بھی صحیح ہوگیا، اور پھر ہر ایک کے معنوی قبضہ کی صورت میں دوسرے کو منتقل کرنا فی نفسہ جائز ہوگا لیکن پھر بھی احتیاطی پہلو ڈلیوری تک انتظار کرنے میں ہی ہے تاکہ حسی قبضہ بھی مکمل ہوجائے۔

۱۷۔ بروکر اور دلال:

آج کل کی کاروباری دنیا میں دلال کے بغیر کوئی بھی کام نہیں ہوتا ہے، اکثر تجارت وکاروبار دلال ہی کے ذریعہ مکمل ہوتے ہیں، لہٰذا فقہاء کرام نے دلال کے ذریعہ کاروبار کو جائز قرار دیا ہے اور دلال کے لئے اجرت بھی جائز قرار دی ہے۔

اور اسی تعامل اور حاجت الناس کی وجہ سے فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ دلال کی اجرت کام اور محنت کے موافق لینا اور دینا جائز ہے بشرطیکہ ظاہر کر کے رضامندی سے لیا جاوے اور جو خفیہ طریقہ سے لیتے ہیں وہ حرام ہے

(فتاوی محمودیہ ۱۶/۱۰۷، امداد المفتیین ۲/۱۷۷)۔

حاصل یہ کہ دلال اجرت سے کام کرتا ہے، اب اگر وہ بائع کا کام کرتا ہے تو بائع کا اجیر ہے اور اس سے اجرت کا مستحق ہوگا اور اگر مشتری کا کام کرتا ہے تو مشتری سے اجرت پائے گا، یہ نہیں ہوسکتا کہ عمل تو کسی ایک کا کرے اور اجرت دونوں سے وصول کرے، یہ ناجائز ہے۔

البتہ اگر وہ دونوں کا کام الگ الگ کرے تو الگ الگ کام ہونے کی وجہ سے دونوں سے عمل کے علیحدہ ہونے کی وجہ سے اجرت متعارفہ لے سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

مسائل حصص پر ایک نظر

مولانا خلیل احمد قاسمی، راجستھان

اکیڈمی کی طرف سے جاری کردہ سوالات کے مختصر جوابات:

۱۔ خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، محض دستاویز نہیں ہے۔

۲۔ املاک وغیرہ نہ ہونے کی صورت میں بغیر برابری کے جائز نہیں ہے۔

۳۔ حیثیت مشترکہ کا اعتبار کرتے ہوئے اس کی خرید وفروخت درست ہے۔

۴۔ جائز نہیں۔

۵۔ اصل بنیادی کاروبار کا اعتبار کرتے ہوئے شیئرز خریدنا درست ہے۔

۶۔ اصالۃً جائز ہے مگر بچنے کی کوشش کی جائے۔

۷۔ اضطراری حالت میں ایسے سودی قرض لینے کی مشروط اجازت ہے اور یہ مفید ملک بھی ہے، اور ایسے قرض سے حاصل ہونے والی آمدنی درست ہے۔

۸۔ ہاں وکیل سمجھا جائے گا۔

۹۔ اختلاف کرنے کا نام بری الذمہ ہونا نہیں ہے جبکہ اس میں شریک ہو۔

۱۰۔ جواز کے لئے اتنی بات کافی نہیں ہے بلکہ اس کو لازم قرار دیا جائے۔

۱۱۔ بلکہ ضروری ہے۔

۱۲۔ نفس شیئرز کا خریدنا درست ہے تو سوال میں مذکورہ صورت بھی درست ہوگی۔

۱۳۔ شرعاً یہ صورت جائز نہیں ہے۔

۱۴۔ جائز نہیں ہے، یہ محض وعدہ ہے۔

۱۵۔ شریعت میں قبضہ عرفی کا اعتبار ہے چاہے جس حیثیت کا ہو۔

۱۶۔ یہ سرٹیفکیٹ محض ایک وثیقہ ہے، اصل معاملہ خرید وفروخت کا ہے جبکہ ضمان اور منافع خریدار کی طرف لوٹتے ہیں، اور عرفاً قبضہ کی سرٹیفکیٹ کے علاوہ کوئی دوسری علامت ہو جس کے ذریعہ سے تبدیلی منافع کا پتہ چلتا ہو، جائز ہے ورنہ نہیں۔

۱۷۔ معاملہ خرید وفروخت کے درست ہونے کی صورت میں صحیح ہے۔

خلاصہ کلام:

موجودہ شیئرز کمپنیوں میں سے کوئی کمپنی ایسی نہیں ہے کہ جس میں سودی کاروبار نہ ہو، اور سود کی حرمت منصوص ہے، اس لئے شیئرز کی خرید وفروخت کو علی الاطلاق ناجائز وحرام قرار دینا تو اقرب الی الصواب نہ ہوگا اس لئے

کہ اس میں بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن میں جواز کا پہلو ہے، البتہ شیئرز کو نہ خریدنا اقرب الی الصواب ضروری ہے، اور اگر شیئر خریدنا ضروری ہے تو بیان کردہ شرعی حیثیت کو مدنظر رکھا جائے تا کہ شیئر کی آمدنی درجہ جواز میں آ جائے۔

☆☆☆☆☆

حصص

مولانا عبداللطیف، گجرات

۱۔ کسی بھی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی کے اثاثوں میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا یہ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے کمپنی کو اتنی رقم دے رکھی ہے، اس میں ان علماء کا نقطہ نظر صحیح معلوم ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شیئر ہولڈر کی کمپنی کے اثاثوں میں متناسب ملکیت ہوتی ہے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت رص ۸۵)۔

۲۔ اگر کمپنی نے ابھی تک کسی قسم کے جامد اثاثے (مثلاً بلڈنگ، مشینری وغیرہ) یا سامان تجارت نہیں خریدے بلکہ اس کے پاس صرف نقود ہیں یا کسی کے ذمے دیون ہیں تو اس صورت میں شیئر کی بیع وشراء اس کی اصل قیمت سے کم وبیش پر سود ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اب شیئر صرف نقد کی نمائندگی کر رہا ہے، مثلاً دس روپے کا شیئر صرف دس روپے کی نمائندگی کر رہا ہے، اگر اس کو گیارہ روپے میں فروخت کیا جائے گا تو دس روپے کی بیع گیارہ روپے کے ساتھ ہوئی جو کہ ناجائز ہے۔

۳۔ جب نقود کے علاوہ کمپنی کے دیگر اثاثے (مثلاً بلڈنگ، مشینری، خام مال وغیرہ) وجود میں آ گئے اور کمپنی کے اثاثوں میں نقود وغیر نقود دونوں شامل ہو گئے تو اب شیئرز کی بیع وشراء اس کی اصل قیمت سے کم وبیش پر جائز ہوگی، البتہ ہر شیئر کے حصے میں کمپنی کے نقود اور دیون کی جتنی مقدار آئی ہے، اگر شیئر کی کل قیمت اس کے برابر یا اس سے کم ہو تو بیع جائز نہ ہوگی، مثلاً دس روپے کے شیئر میں اگر آٹھ روپے نقود ودیون کے مقابل ہیں اور دو روپے جامد اثاثوں کے مقابل تو شیئر کی بیع آٹھ روپے یا اس سے کم میں جائز نہ ہوگی، البتہ نو روپے یا اس سے زائد میں جائز ہوگی (اسلام اور جدید معیشت وتجارت ر۸۶، ۸۷)۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے، جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت یا بینکس اور سودی اسکیموں میں روپیہ لگانا، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے (حوالہ سابق)۔

۵، ۶۔ ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار اصلاً تو حلال ہے لیکن کسی نہ کسی طرح وہ سود میں ملوث ہو جاتی ہیں، ایسی کمپنیوں کے سودی لین دین کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ کمپنی قرضہ لے اور اس پر سود ادا کرے، اس صورت میں کمپنی کی آمدنی میں تو کوئی حرام عنصر شامل نہیں ہوا، اس لئے کہ جب کوئی شخص سود پر قرضہ لے تو یہ فعل تو حرام ہے اور ایسا کرنا سخت گناہ ہے مگر وہ قرض کا مالک بن جائے گا، اور اس کے ساتھ کاروبار کر کے جو آمدنی حاصل ہوگی وہ بھی حلال ہوگی۔

کمپنی کے سودی لین دین کی دوسری صورت یہ ہے کہ کمپنی قرضہ دے کر سود لے، جیسا کہ آج کل بیشتر کمپنیاں زائد رقم بینکوں کے سیونگ اکاؤنٹ میں رکھوا کر اس پر سود لیتی ہیں۔ یہاں دو اشکال ہیں: ایک یہ کہ سودی معاملے میں شیئر ہولڈر کی بھی شرکت ہو جائے گی، اس کا حل تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ کمپنی جو منافع تقسیم کرے گی اس میں سود بھی شامل ہوگا اور آمدنی کا جو حصہ سود سے حاصل ہو وہ حرام ہے، اس کا حل یہ ہے کہ نفع

کا جتنا حصہ سودی ہے اس کا بلا نیت ثواب صدقہ کرنا لازم ہوگا، رہی یہ بات کہ آمدنی کا کتنا حصہ سود ہے؟ یہ کمپنی کے ذمہ داران سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

۷۔ سودی قرضے لینے کی صورت میں یہ قرض مفید ملک ہوگا، اور اس کے ذریعے حاصل ہونے والی آمدنی حلال شمار کی جائیگی، البتہ ایسا معاملہ کرنا سخت گناہ ہے (امداد الفتاوی ۳؍۱۷۰)۔

۸۔ جی ہاں کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے۔

۹۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس میں چونکہ فیصلہ کثرت رائے سے ہوتا ہے، اس لئے کمیٹی میں کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اپنے اختلاف کا اعلان کردینا وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے اسے بری الذمہ کردے گا۔

۱۰۔ منافع سے سود کی مقدار نکال کر صدقہ کردینا لازم ہوگا۔

۱۱۔ اگر سود کمپنی کے منافع میں شامل ہو اور حاصل شدہ سود کو کاروبار میں لگا کر کمپنی نے نفع کمایا ہے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک صرف اس سودی آمدنی کا صدقہ کرنا کافی نہیں ہوگا بلکہ اسے کاروبار میں لگا کر جو نفع کمایا ہے اس نفع کو بھی صدقہ کرنا ضروری ہے، اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک صرف اس سودی آمدنی کا صدقہ کرنا کافی ہوگا، اور طرفین کا قول مفتی بہ ہے۔

۱۲۔ جب یہ بات تسلیم کرلی گئی کہ شیئرز بیع وشراء کے قابل ہے، شیئرز کی بیع دراصل کمپنی کے اثاثوں میں متناسب حصے کی بیع ہے تو خرید وفروخت جائز ہوگی خواہ کسی بھی نیت سے ہو، خواہ شیئرز اپنے پاس رکھ کر سرمایہ کاری کے لئے ہو یا قیمت بڑھنے پر بیچ کر نفع کمانے کے لئے ہو، ہاں البتہ بیع وشراء کی شرعی شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت ر۹۰)۔

۱۳۔ شیئر مارکیٹ میں فیوچر سیل کے نام سے جو سودا مروج ہے، جس میں شیئرز کا خریدنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع ونقصان کو برابر کرلینا مقصود ہوتا ہے، یہ سودا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک قسم کا سٹہ ہے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت رص ۹۱)۔

۱۴۔ غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے وہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے، اس لئے کہ بیع کی وقت مستقبل کی طرف اضافت یا تعلیق باتفاق فقہاء ناجائز ہے (حوالہ بالا)۔

۱۵، ۱۶۔ حاضر سودے میں سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے پہلے خرید کردہ شیئر کی بیع کے جواز کا دار ومدار اس بات کے معلوم ہونے پر ہے کہ یہ بیع قبل القبض ہے یا نہیں؟ اگر بیع قبل القبض ہے تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ یہ بیع قبل القبض ہے یا نہیں؟ پہلے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ شیئر کا قبضہ کس چیز کو کہیں گے۔ ''شیئر'' درحقیقت کمپنی کی املاک میں متناسب حصہ داری کا نام ہے، اور ''شیئر سرٹیفکیٹ'' درحقیقت اس حصہ داری کا تحریری ثبوت ہے، لہذا مبیع وہ تحریری ثبوت نہیں بلکہ کمپنی کے املاک کا ایک مشاع حصہ ہے، یہ مشاع حصہ بیع کی تکمیل ہوتے ہی مشتری کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، چونکہ وہ حصہ مشاع ہے اس لئے اس پر حسی

قبضہ تو ہو نہیں سکتا، لہذا اس میں معنوی قبضہ ہی معتبر ہونا چاہیے، حسی قبضہ ضروری نہیں، اور معنوی قبضہ اس وقت ہوگا جبکہ وہ مشاع حصہ مشتری کے ضمان میں آجائے، اور حاضر سودوں میں سودا ہو جانے کے بعد شیئرز کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں، اور وہ شیئرز خریدار کے ضمان میں داخل ہو جاتے ہیں۔

ان باتوں سے معلوم ہوا کہ حسی قبضہ سے پہلے بھی وہ شیئرز مشتری کے ضمان میں آ چکے ہیں اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ سرٹیفیکیٹ کے ہاتھ میں آنے سے پہلے بھی شیئر کی بیع جائز ہو، لیکن اگر اس جانب نظر کی جائے کہ ہر چیز کے قبضہ کا طریقہ عرف سے متعین ہوتا ہے، اور عرف میں شیئر کا قبضہ اسی وقت سمجھا جاتا ہے جب سرٹیفیکیٹ ہاتھ میں آ جائے تو پھر عدم جواز کا حکم ہونا چاہیے، لہذا ان متعارض جہات کی موجودگی میں احتیاط یہی ہے کہ سرٹیفیکیٹ پر قبضہ کئے بغیر آگے بیع نہ کی جائے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت/۹۱،۹۲)۔

۱۷۔ جن شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے ان شیئرز کی خرید وفروخت میں بروکر اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہے، اور بنیادی طور پر حرام اشیاء کا کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز اور تمام کمپنیوں کے بونڈز کی خرید وفروخت میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

شیئرز کی خرید وفروخت۔ایک عملی جائزہ

مولانا بدر احمد مجیبی، خانقاہ مجیبیہ پٹنہ

۱۔ موجودہ زمانے میں رائج کمپنیوں کا جو طریق کار ہے اور اس کے جو اصول وضوابط ہیں ان کو سامنے رکھ کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طریقہ سے سرمایہ کاری کرنا عقد شرکت ہے۔ اگر چہ اس میں شریک ہونے کو عرف عام میں شیئر (Share) کی خریداری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ ابتداء بیع وشراء نہیں ہے بلکہ عقد شرکت ہے، اور شرکت کی قسموں میں سے شرکت عنان کی تعریف اس پر تقریباً صادق آتی ہے۔ کیونکہ شرکت عنان میں تمام شرکاء کی جانب سے محنت وعمل کی شرط نہیں ہوتی۔ بعض شریک کی جانب سے بھی عمل پایا جائے اور سب کی طرف سے سرمایہ، جب بھی شرکت عنان درست ہو جاتی ہے جبکہ نفع ونقصان میں سب فریق شریک ہوں۔

اس لئے شیئرز خریدنا عقد شرکت میں حصہ دار بننا ہے۔ شیئر ہولڈر (Share Holder) اس کمپنی کا شریک ہے۔ وہ کمپنی کے نفع ونقصان میں حصہ دار ہے۔ اس کو اپنے حصہ میں اس کے بقدر تصرف کا اختیار ہے۔ اسی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے کیونکہ کمپنیوں کے اصول کے مطابق اگر کمپنی تحلیل ہو جائے تو ہر شیئر ہولڈر کو اس کے شیئر کے تناسب سے کمپنی کے اثاثوں میں سے حصہ ملتا ہے۔ نفع کی صورت میں اس کے لگائے ہوئے سرمایہ سے زائد رقم ملتی ہے اور خسارہ کی صورت میں اسے بھی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے شیئر کو ادا کردہ رقم کی صرف دستاویز قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اسے کمپنی میں اس کے بقدر حصہ کی ملکیت کی دستاویز قرار دیا جائے گا۔

۲۔ کمپنی کے قیام کے وقت جب اس کے پاس کچھ بھی املاک منقول وغیر منقول نہیں ہوتی صرف نقد رقم ہوتی ہے اس وقت خرید کردہ شیئر کو فروخت کرنا بیع النقد بالنقد ہے اس میں تساوی ضروری ہے۔ یعنی ۱۰۰ روپے کے شیئرز ہیں، یہی ان کی قیمت اصلیہ (Face Value) ہے، اب ان کو فروخت کرنا ہے تو ان کو ۱۰۰ روپے میں ہی فروخت کر سکتے ہیں، کم یا زیادہ میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن شیئر کی اس بیع کو بیع صرف نہیں کہا جا سکتا۔ بیع صرف میں بدلین کو ثمنین یعنی سونا چاندی میں سے ہونا ضروری ہے، اس کی تعریف یہ ہے:

بيع الثمن بالثمن أي ما خلق للثمنية (درمختار کتاب الصرف، در منتقی ۱۱۶/۲، مجمع الانہر ۱۱۶/۲)۔

عقد الصرف ما وقع على الأثمان ذهبا وفضة بجنسه أو بغير جنسه (فتح القدیر ۱۵۹/۵)۔

ان عبارتوں میں ما خلق للثمنیۃ اور ذہبا وفضۃ سے یہ واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ عقد صرف کا حکم صرف اثمان خلقیہ پر ہی لگے گا، غیر ثمن پر عقد صرف کا حکم جاری نہیں ہوگا۔

کمپنی کے خرید کردہ شیئر فروخت کرنے میں بدلین دونوں طرف کرنسی نوٹ ہیں۔ کرنسی نوٹ ثمن عرفی قرار دیئے گئے ہیں، یہ ایک وجہ سے ثمن خلقی سے مشابہت رکھتے ہیں کہ یہ مکمل طور سے ثمن خلقی کا کام انجام دے

رہے ہیں۔اور ایک وجہ سے فلوس نافقہ سے مشابہت رکھتے ہیں کہ اصلیت کے لحاظ سے یہ ثمن خلقی نہیں ہیں۔اس لئے کرنسی نوٹ کے آپس میں تبادلہ یا خرید وفروخت میں ثمن خلقی کا لحاظ کرتے ہوئے تفاضل جائز نہیں ہوگا ورنہ سود کا دروازہ کھل جائے گا۔اور فلوس نافقہ کا لحاظ کرتے ہوئے مجلس عقد میں بدلین پر قبضہ ضروری نہ ہوگا۔کسی ایک پر قبضہ کر لینا کافی ہے۔متعدد فقہاء نے فلوس کی دراہم سے بیع کے سلسلے میں صراحت کی ہے کہ بدلین میں سے ایک پر قبضہ کافی ہے، دونوں پر قبضہ ضروری نہیں ہے(امام کرخی،امام سرخسی، علامہ ابن ہمام وغیرہ نے اس کی صراحت کی ہے)،اور جب دونوں طرف فلوس ہوں تو بدرجہ اولی یہی حکم ہوگا۔

اس لئے کرنسی نوٹ کے آپس میں تبادلہ کے وقت اس میں تفاضل یعنی کمی بیشی جائز نہیں ہے،اور عوضین میں سے کسی ایک پر مجلس میں قبضہ کافی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کمپنی کے قیام کے وقت جبکہ اس کے پاس صرف نقد رقم ہوتی ہے ایسے وقت میں شیئر کی خرید وفروخت بیع صرف نہیں ہے،اس لئے کسی ایک ثمن پر بھی قبضہ ہو جانا کافی ہے،لیکن بدلین میں برابری ضروری ہے کہ جس رقم میں شیئر خریدا ہے اسی رقم میں فروخت کریں،اس سے کم یا زیادہ میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ کمپنی قائم ہو جانے کے بعد جب کمپنی نے اپنا سامان، زمین،مشینری، بلڈنگ وغیرہ خرید لیا تو اب اس کا اثاثہ نقد رقم اور منقول وغیر منقول اشیاء سے مخلوط ہو گیا۔اب اگر کوئی شیئر ہولڈر اپنا شیئر فروخت کرنا چاہتا ہے تو یہ بیع النقد مع غیرہ بالنقد ہے۔بدلین میں ایک طرف نقد رقم ہے اور دوسری طرف شیئر کے بقدر کمپنی میں اس کا متناسب حصہ جو نقد رقم اور بعض اثاثے پر مشتمل ہے۔یعنی نقد وغیر نقد کے مجموعہ کی بیع نقد سے ہے،اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں ثمن والے نقد کو مخلوط کے نقد سے زیادہ ہونا چاہئے۔

شیئر کی بھی یہی صورت ہے کہ ہر شیئر کے مقابلہ میں اس کے متناسب کمپنی میں نقود واثاثے ہیں۔مثلاً ۱۰ روپے کے ایک شیئر کے مقابلہ میں کمپنی میں ۶ روپے نقد اور ۴ روپے کے اثاثے ہیں۔اب اس شیئر کی بیع ۶ روپے یا اس سے کم میں جائز نہیں ہے،البتہ ۷ روپے یا اس سے زائد میں جائز ہے،تاکہ ۶ روپے مبیع کے نقد کے برابر کرنے کے بعد زائد رقم جو ثمن میں ہے وہ مبیع کے اثاثے کے عوض میں ہو جائے۔

۴۔ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے۔مثلاً شراب کی فیکٹری قائم کر رہی ہے،انشورنس کمپنی کھول رہی ہے،سودی بینک چلا رہی ہے یا شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت کر رہی ہے،تو ایسی کمپنی میں شرکت کرنا یعنی اس کے شیئرز خریدنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔

"تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان" (سورہ مائدہ)۔

جب گناہ پر تعاون کی ممانعت ہے تو اس میں شریک ہو کر اس کو فروغ دینا بدرجہ اولی سخت منع ہے۔

۵۔ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن اپنی بعض مجبوریوں یا قانونی دشواریوں کی وجہ سے انہیں بینک سے سودی قرضہ لینا پڑتا ہے جس کا بینک کو سود دینا پڑتا ہے۔اس کا حکم یہ ہے کہ سودی لین دین کی

حرمت کی وجہ سے کمپنی کا یہ عمل سخت گناہ کا کام ہے مگر اس سے کاروبار میں کوئی حرام حصہ شامل نہیں ہوا، اور کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہے اس لئے ایسی کمپنی میں بھی شیئرز خریدنا جائز ہے۔

۶۔ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ انہیں ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے جس کا سود انہیں ملتا ہے، اس طرح وہ سود میں ملوث ہو جاتی ہیں اور یہ سود ضمنی طور سے کاروبار میں بھی لگ جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ بنیادی کاروبار حلال ہونے کی وجہ سے ان کے شیئرز خریدنا درست ہے، البتہ سود کا جو حصہ اس میں آرہا ہے اس سے احتیاط لازم ہے۔

۷۔ حلال کاروبار کرنے والی بعض کمپنیاں جو قانونی دشواریوں کی وجہ سے سودی قرضہ لیتی ہیں اور اس کو کاروبار میں لگاتی ہیں، ان کا لیا ہوا قرضہ ان کی ملکیت ہو جاتا ہے، اس قرضہ کی رقم کو وہ کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کرتی ہیں تو یہ منافع (Profits) حلال ہے، کیونکہ کمپنی نے بینک سے سودی قرضہ (Loan) لیا، اپنے کاروبار میں قرضہ کو لگایا، سود کو نہیں لگایا۔ قرضہ ان کی ملکیت ہے اور حلال ہے، اس لئے اس سے جو نفع ہوا وہ حلال ہے۔ اگرچہ سودی قرض لینا گناہ ہے اس سے بچنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔

۸۔ کمپنی کا طریق کار شرکت عنان سے قریب ہے۔ شرکت عنان وکالت کے ساتھ منعقد ہوتی ہے جس کی وجہ سے تمام شرکاء ایک دوسرے کے وکیل ہوتے ہیں۔

وأما شركة العنان فتنعقد على الوكالة دون الكفالة (ہدایہ: کتاب الشرکۃ)۔

کمپنی کے اصول وضوابط کے مطابق اس میں عمل ومحنت کمپنی کے کارکنان (Board of Directors) ہی انجام دیتے ہیں، باقی شیئرز ہولڈرس کا اس میں سرمایہ ہوتا ہے، اس لئے بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کے وکیل ہوں گے، اور ان کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل قرار دیا جائے گا۔

۹۔ شرکت عنان خاص بھی ہوتی ہے۔ خاص کا مفہوم یہ ہے کہ کچھ متعین صورتوں میں کاروبار کرنا طے ہو، یا کاروبار سے کچھ صورتیں مستثنی کر دی جائیں کہ فلاں فلاں طریقے سے کاروبار نہیں ہوں گے۔ چنانچہ شرکت عنان میں اگر کسی شریک نے یہ شرط لگا دی کہ بیع ادھار نہیں ہوگی تو یہ شرط لگانا درست ہے۔ ابتداءً بھی اور بعد میں بھی۔ بعد کی صورت یہ ہے کہ ابتداءً تو نقد وادھار دونوں پر شرکت منعقد ہوئی تھی، بعد میں ایک فریق نے ادھار سے روک دیا تو اسے روکنے کا حق ہے۔

اگر منع کرنے کے باوجود دوسرے شریک نے ادھار بیع کی تو اس بیع کے نفع ونقصان کا ذمہ دار وہی ہوگا، فریق اول اس سے بری الذمہ رہے گا۔ اگر بعد میں اس نے اجازت دیدی تو پھر وہ بھی اس میں شریک ہو جائے گا۔

اگر فریق اول نے اس کی اجازت نہیں دی تو اس کے حصے میں یہ بیع باطل ہو جائے گی (دیکھئے: بحر الرائق ۵/۱۸۰، رد المحتار ۳/۳۷۹)۔

اس تفصیل کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جائے۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس سے بعض شیئر ہولڈرس کا اختلاف سودی

لین دین سے متعلق ہوا، انہوں نے اس سے منع کیا لیکن کثرت رائے سے ان کی بات نہیں مانی گئی، اب کارکنان کمپنی اگر سودی لین دین کرتے ہیں تو مانعین سود شیئر ہولڈرس کے وہ سودی لین دین میں وکیل نہیں ہیں، کیونکہ انہوں نے شرکت کو خاص کردیا۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس کو سودی لین دین میں جو نفع یا نقصان ہوگا اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں، مانعین سود شیئر ہولڈرس پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

۱۰۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہوگیا ہے اور اس کی مقدار معلوم و متعین ہے تو شیئر ہولڈر کو اتنی مقدار منافع میں سے نکال کر صدقہ کردینا لازم ہے۔ باقی منافع اس کے لئے حلال وطیب ہوں گے۔

۱۱۔ کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن کمپنی کی آمدنی میں سود کا حصہ بھی شامل ہوگیا ہے جو کاروبار میں لگ کر منافع میں آگیا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ کل آمدنی میں سود کی مقدار کتنی فیصد ہے تو شیئر ہولڈر پر اپنے حصہ نفع (Dividend) میں سے اتنا فیصد نکال کر صدقہ کردینا ضروری ہے۔ اور اگر متعین طور سے معلوم نہ ہوسکے کہ آمدنی میں سود کی کتنی مقدار مخلوط ہوگئی ہے تو ایسی صورت میں شیئر ہولڈر غوروفکر کرکے دیانتداری کے ساتھ سود کا تخمینہ کرے گا اور اس تخمینہ کے مطابق سود کی رقم نکال کر صدقہ کردے گا۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت کرنا یعنی اس ارادہ سے شیئر خریدنا کہ قیمت بڑھ جانے کے وقت اس کو فروخت کرکے نفع کمائیں گے یہ جائز ہے، شیئر قابل فروخت شئی ہے، یہ کمپنی میں اپنے متناسب حصہ کی نمائندگی کرتا ہے، اس کو بیع مشاع کہہ سکتے ہیں اور بیع مشاع جائز ہے۔

بیع المشاع وإعارته جائز (فصول عمادیہ ۸۲۱/۲)۔

تجارت کا اصول یہی ہے کہ کم قیمت پر سامان خرید کر اس کو زیادہ قیمت پر فروخت کیا جائے، اگر اس نیت سے شیئرز خریدرہے ہیں تو اس کے جواز میں شبہ نہیں ہونا چاہئے، لیکن تمام شرائط کے ساتھ یہ بیع ہونی چاہئے۔

۱۳۔ یہ سودا جو فیوچرسیل (Future Sale) کہلاتا ہے جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کا مقصد کمپنی میں حصہ دار بننا نہیں ہوتا اور نہ شیئرز کی تجارت ہوتی ہے، بلکہ اس کا اصل مقصد نفع نقصان برابر کرنا ہے، کہ اگر شیئر کی قیمت طے شدہ مدت کے اندر متعین ثمن سے زیادہ ہوگئی تو بائع مشتری سے زائد رقم وصول کرے گا، اور اگر شیئر کی قیمت کم ہوگئی تو مشتری بائع سے اتنی رقم وصول کرے گا، نہ بائع مشتری کو مال دیتا ہے اور نہ مشتری بائع کو ثمن ادا کرتا ہے۔ اس لئے شرعی طور پر یہ سودا نہ تجارت میں داخل ہے اور نہ شرکت میں، بلکہ یہ سٹہ بازی (Speculation) ہے جو کہ حرام ہے۔

۱۴۔ غائب سودے (Forward Sale) جن کی بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، یہ بیع نہیں ہے، کیونکہ مستقبل کے صیغے سے بیع نہیں ہوتی۔

وما لا تصح إضافته إلى المستقبل عشرة: البيع وإجازته و فسخه..........فإنها تمليكات للحال فلا تضاف للاستقبال (درمختار، قبیل باب الصرف)۔

یہ غائب سودے بیع نہیں وعدۂ بیع ہیں، مگر وعدۂ بیع کوئی مستقل عقد نہیں ہے، اصل بیع بعد میں کرنی پڑے گی۔

۱۵۔ فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ حقیقی بھی ہوتا ہے اور حکمی بھی۔ حقیقی قبضہ کو فقہاء التقابض بالبراجم سے تعبیر کرتے ہیں یعنی بالفعل قبضہ ہونا چاہئے کہ مبیع کو مشتری کے ہاتھ میں دیدی جائے یا مشتری کے جیب میں رکھ دی جائے۔ حکمی قبضہ کو فقہاء تخلیہ سے تعبیر کرتے ہیں، تخلیہ کا مفہوم اذن بالقبض ہے کہ بائع نے مشتری کو مبیع پر قبضہ کرنے کی اجازت دیدی اور اس کے موانع دور کردیئے اس طرح پر کہ مشتری مبیع پر حقیقی قبضہ کرسکتا ہے۔

شیئرز کی خرید و فروخت کے معاملہ میں قبضہ (Delivery) اسی وقت ہوسکتا ہے جب اس کی دستاویز (Certificate) شیئر ہولڈر یا اس کے کسی نمائندہ کو مل جائے، کیونکہ شیئر کی بیع دراصل شیئر کے متناسب کمپنی میں نقد اور منقول وغیر منقول اثاثے کی بیع ہے۔ اس میں قبضہ حقیقی تو یہ ہے کہ نقد اور منقول وغیر منقول اثاثے پر بالفعل قبضہ ہو، اور اس کا حکمی قبضہ یہ ہے کہ اس کی دستاویز شیئر ہولڈر کے ہاتھ میں آجائے۔ حقیقی قبضہ تو بہت مشکل ہے اس لئے حکمی قبضہ ہی ہوسکتا ہے۔

بنیادی بات غور طلب یہ ہے کہ شیئر کی خرید و فروخت جو بیع النقد مع غیرہ بالنقد ہے، اس میں مبیع نقد و غیر نقد پر قبضہ کیا اس طرح درست ہوسکتا ہے کہ مبیع تو بائع کے پاس ہی ہے لیکن یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ وہ مشتری کے ضمان میں آگیا ہے؟ یا یہ ضروری ہے کہ اس کی دستاویز مشتری کے ہاتھ میں آجائے تب قبضہ درست ہو؟

میرے خیال میں قبضہ حکمی کے لئے اتنا ضروری ہونا چاہئے کہ شیئر کی دستاویز (Certificate) شیئر ہولڈر یا اس کے کسی وکیل کو مل جائے، اس کے بغیر شیئر پر قبضہ درست نہیں ہونا چاہئے۔

۱۶۔ شیئر ہولڈر شیئر خریدنے کے بعد اس کی سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے قبل شیئر کو فروخت کرتا ہے تو یہ بیع قبل القبض ہے جو باتفاق فقہاء ناجائز ہے۔ شیئر دراصل کمپنی میں اس کے متناسب نقد اور منقول وغیر منقول اثاثے کی ملکیت کا نام ہے۔ اور بیع بھی اسی کی نسبت سے ہوتی ہے۔

۱۷۔ شیئر بازار (Stock Exchange) میں جو افراد خرید و فروخت کے لئے بائع و مشتری کے درمیان واسطہ بنتے ہیں جنہیں قیمتوں سے واقفیت اور شیئرز کے خرید و فروخت کے طریقے میں مہارت ہوتی ہے اور اس کارروائی کا اندراج کرتے ہیں، ان کو بروکر کہا جاتا ہے یعنی ان کی حیثیت ایجنٹ کی ہوتی ہے۔ ایجنٹ کا کام کرنا درست ہے لیکن ناجائز بیع اور سود و قمار کی صورتوں میں کام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کمیشن ایجنٹ چونکہ بائع اور مشتری دونوں کا کام کرتے ہیں اس لئے وہ عرف کے اعتبار سے دونوں سے اجرت لے سکتے ہیں (دیکھئے: درمختار کتاب البیوع، ردالمحتار ۴/۴۶)۔

☆☆☆☆☆

حصص فقہ کی روشنی میں

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، علی گڑھ

۱۔ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی اس حصہ کے بقدر ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔

۲۔ یہ کہنا بڑی سادگی ہوگی کہ بعض اوقات کمپنی قائم کرتے وقت شیئرز کا اعلان کیا جاتا ہے اور اس کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتی۔ کمپنی کے قیام کا اعلان کرنے اور اس کے حصص کی فروخت سے قبل اس کے بانیوں کو اچھی خاصی تیاری کرنی پڑتی ہے، اور بہت سے مراحل اور صرفوں کے بعد کمپنی کے پروجیکٹ میں اشتراک کی دعوت دی جاتی ہے، اور اس پر جو سرٹیفکیٹ جاری کیا جاتا ہے وہ نقد نہیں ہوتا۔ کمپنی کے پروجیکٹ کی منفعت، حیویت، اس کے پروموٹرس کا تجربہ، مستقبل کے امکانات وغیرہ کے مطابق اس سرٹیفکیٹ کی ظاہری قدر (Face Value) سے اس کی بازاری قدر زیادہ بھی ہوسکتی ہے اور کم بھی۔ اب اس سرٹیفکیٹ کی فروخت سے ہرگز نقد نقد کے مقابل نہیں ہوگا، اس کے علاوہ دونوں کی سیولت (Liquidity) اور قبولیت (Acceptance) میں فرق ہے جو نقد کو سرٹیفکیٹ سے ممتاز کرتے ہیں، اس لئے میرے خیال میں اس مرحلہ پر بھی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۔ کمپنی کے مخلوط اثاثہ میں نقد کی مقدار ہمیشہ متغیر رہتی ہے جس کی تعیین پُر مشقت ہی نہیں عام شرکاء کے لئے تقریباً ناممکن ہے، اسی لئے اس مخلوط اثاثہ کے مجموعہ کو جس کی نمائندگی کمپنی کی سند (Share Certificate) کرتی ہے نقد سے ایک الگ ماہیت کی چیز سمجھنا چاہئے۔ اور اس اجتہادی مسئلہ میں سرٹیفکیٹ کے نقد سے تبادلہ کو جائز ہونا چاہئے۔

۴۔ اس میں کوئی دورائے نہیں کہ اس طرح کی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت حرام ہوگی۔

۵۔ یہ ہمارے سیاسی ومعاشی نظام کی خرابی ہے کہ اس طرح کی آمیزش آہی جاتی ہے۔ بہرحال جب تک کوئی اس کا بدل سامنے نہیں آتا بکراہت جائز ہوگا۔

۶۔ مذکورہ بالا جواب اس کا بھی ہے۔

۷۔ اس کا اندازہ کرکے اسے رفاہ عام کے کاموں میں لگادیا جائے۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس عام شیئرز ہولڈر کا ویسے ہی وکیل ہوتا ہے جیسے ملک کا صدر یا وزیراعظم ہر شخص کا وکیل ہوتا ہے۔ اس لئے جب تک شیئرز ہولڈر کی اس کے تقرر میں پوری رضامندی حاصل نہ ہو اس کی وکالت مشروط ہوگی یعنی جائز کام کرے تو اس کی وکالت کو اس کام میں آدمی تسلیم کرے، ناجائز ہو تو اسے رد کردے، اور اس سے اپنی براءت ظاہر کرے۔

۹۔ اگر غیر اہل ایمان کے ساتھ شرکت ومضاربت اور تجارت صحیح ہوسکتی ہے تو اس کو بھی بدرجہ مجبوری صحیح

سمجھا جاسکتا ہے۔اور جہاں تک بورڈ آف ڈائرکٹرس کی میٹنگ میں کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنے یا اختلاف کا اعلان کردینے کا تعلق ہے اگر اس کا موقع ملے تو ضرور کرنا چاہئے، لیکن اس کے اور طریقے بھی ہو سکتے ہیں، مثلاً خط وکتابت، کتابچہ، اور مضامین کی اشاعت، اور تقریر وتحریر کے دوسرے وسائل کے ذریعہ۔

۱۰،۱۱۔ انشاء اللہ کافی ہوگا۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت فی نفسہ جائز ہے، بشرطیکہ ناجائز کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز سے احتراز کیا جائے۔ کسی نہ کسی حد تک ہر تجارت میں تخمینے اور قیاس آرائی کو دخل ہوتا ہے، البتہ اس تخمینے کو ناجائز ہونا چاہئے جو غبن فاحش کی حدود میں داخل ہوجائے۔

۱۳۔ فیوچر سیل جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع ونقصان کو برابر کرلینا مقصود ہوتا ہے حرام ہونا چاہئے۔

۱۴۔ سوال واضح نہیں ہے۔

۱۵۔ اصل قبضہ تو سرٹیفیکٹ اپنے نام ٹرانسفر کروالینے کے بعد ہی ہوتا ہے، ورنہ کمپنی میں جس کے نام سرٹیفیکٹ درج ہے اسی کو نفع ملے گا البتہ نقصان سرٹیفیکٹ ہولڈر کو ہوگا۔ بہرحال جہاں سرٹیفیکٹ کا رواج ہے وہاں کم از کم سرٹیفیکٹ کا ہاتھ میں آجانا قبضہ سمجھا جاسکتا ہے۔

۱۶۔ صرف خریدنے کا معاملہ کرنا اور کچھ ادائیگی کرنے کے بعد بالا بالا دوسرے اور تیسرے کو فروخت کرنا بیع قبل القبض ہوگا، کیونکہ اس وقت تک نہ تو اس کا قبضہ تام ہوتا ہے اور نہ ہی ناقص۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہندوستان کے دو اسٹاک ایکسچینج (OTCE) اور (NSE) میں سرٹیفیکٹ کا رواج ختم ہوتا جارہا ہے، اور کمپیوٹر کے ذریعہ فوراً خریدار کا نام کمپنی کے شیئر ہولڈر کی حیثیت سے منتقل ہوجاتا ہے۔ اسی طرح بیرون ملک اعلی ترقی یافتہ ملکوں میں بغیر سرٹیفیکٹ ٹرانسفر کے لین دین ہوتے ہیں کیونکہ اس میں وقت، لاگت، اور خریداروں کی مصلحت کی رعایت ہوتی ہے۔ علماء کو اس طریقہ کی شرعی حیثیت پر بھی غور کرنا چاہئے۔

۱۷۔ بروکر کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہوسکتا ہے بشرطیکہ سودی یا ناجائز کام کرنے والی کمپنیوں کے حصص کی تجارت یا وکالت کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

☆☆☆☆☆

حصص کے مختلف مسائل کا حکم

مفتی عبدالرحیم صاحب، بھوپال

۱۔ کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں متناسب حصے کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔

۲۔ جب تک کمپنی کے پاس جامد املاک نہ ہوں تو اس کے شیئرز کی خرید وفروخت بیع صرف کے حکم میں ہوگی، کمی زیادتی کے ساتھ ان شیئرز کی خرید وفروخت جائز نہیں، برابر سرابر معاملہ کرنا ضروری ہے (کمافی امدادالفتاوی ۳ر۱۳۰)۔

۳۔ کمپنی وجود میں آجانے کے بعد اس کا اثاثہ ربوی اور غیر ربوی دونوں قسم کے مالوں پر مشتمل ہوتا ہے، لہذا کمی زیادتی کے ساتھ اس کے شیئرز کی خرید وفروخت درست ہوگی، اور زیادتی کو غیر ربوی کے مقابل مانا جائے گا (امدادالفتاوی ۳ر۱۳۰)۔

۴۔ جن کمپنیوں کا کاروبار حرام ہے جیسے شراب، خنزیر کے گوشت کی تجارت، بینکس اور سودی اسکیموں میں روپیہ لگانا، ان کے شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً حرام ہے۔

۵، ۶، ۱۰، ۱۱۔ جن کمپنیوں کا کاروبار بنیادی طور پر حلال ہے مگر کسی قانونی مجبوری کی وجہ سے بینک سے لین دین کرتے ہیں جس میں سود کی آمیزش ہوتی ہے ایسی کمپنیوں میں دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) سود کے خلاف شیئر ہولڈر کمپنی کی سالانہ میٹنگ میں ضرور آواز اٹھائے۔

(۲) منافع تقسیم ہوتے وقت شیر ہولڈر آمدنی کا حساب لگا کر یہ معلوم کرے کہ آمدنی کا کتنا فیصد حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہے، اور جس قدر سودی ڈپازٹ میں رقم رکھوانے سے حاصل ہوا ہو اس کو بلانیت ثواب محتاجوں کو تقسیم کردے (خلاصہ امدادالفتاوی، شیئرز کی خرید وفروخت)۔

۷۔ قرض پر سود کا لین دین حرام ہے مگر وہ قرض مفید ملک ہوگا، اور اس قرض کو حلال ذریعہ میں لگا کر حاصل کی جانے والی آمدنی میں حرمت سرایت نہیں کرے گی۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا، جس عمل سے شیئر ہولڈر منع کردے تو اس میں وکالت نہیں رہے گی۔

۹۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس کی کمیٹی میں شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کا اعلان اور بیزاری کا اظہار کردینا کافی ہوگا کیونکہ اس کے اختیار میں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

۱۲۔ شیئرز کو مقصود بنا کر خرید وفروخت کرنا اور قیمت بڑھنے پر ان کو منافع کے ساتھ فروخت کرنا بھی مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

☆ کمپنی کا اصل کاروبار حلال ہو۔

☆ کمپنی کے منجمد اثاثے وجود میں آچکے ہوں۔

☆ اگر کمپنی سودی لین دین کرتی ہوتو اسکی سالانہ میٹنگ میں سود سے براءت ظاہر کی جائے۔

☆ منافع میں سے سودی ڈپازٹ کا حساب لگا کر اسی قدر بلانیت ثواب صدقہ کردے۔

۱۳۔ اگر شیئرز کا خرید نا مقصود نہ ہو بلکہ بڑھتے گھٹتے داموں کے ساتھ نفع نقصان کو برابر کر لینا مقصود ہو، مثلاً زید نے ایک سو روپے شیئر کے حساب سے سو شیئرز کا سودا کیا اور ادائیگی کی تاریخ ۳۰ / مارچ مقرر کی، جب ۳۰ / مارچ تک اس شیئر کی قیمت ڈیڑھ سو روپے ہوگئی تو وہ پانچ ہزار روپے منافع کے طور پر لے گا، اور اگر ۳۰ / مارچ کو اس شیئر کی قیمت گھٹ کر پچاس روپے ہوگئی تو وہ پانچ ہزار روپے ادا کرے گا، اصل سودا محض کاغذی کارروائی ہے، نہ مشتری ثمن دیتا ہے نہ بائع مال دیتا ہے، البتہ بڑھتے ہوئی دام کی صورت میں منافع اور گھٹتے ہوئے دام کی حالت میں خسارہ ادا کیا جاتا ہے، اس طرح ڈیفرنس برابر کر کے سٹہ بازی کرنا حرام ہے، شریعت میں اس کی اجازت نہیں۔

۱۴۔ بیع معاومہ سے حدیث میں منع کیا گیا ہے یعنی ایک شخص آئندہ دو تین سال کے لئے بیک وقت اپنے کھیت کی پیداوار یا باغ کے پھل بیچ دے اس کو معاومہ کہتے ہیں، اسی طرح جانور کے ایک یا کئی حمل فروخت کردے، یہ حبل الحبلہ کہلاتا ہے، اسکی بھی حدیث میں ممانعت ہے، اس قسم کے کاروبار کو غرر اور جوا کی وجہ سے روکا گیا ہے، لہذا مستقبل کے سودے شریعت میں ممنوع ہیں۔

۱۵۔ اگر بوقت بیع وشراء ہی کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں شیئر ہولڈر کی ملکیت آجاتی ہو اور اس کے ضمان میں آنے کی بنا پر حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہوں تو اگرچہ اس کو شیئرز کا سرٹیفکیٹ نہ ملا ہو قبضہً معنوی تصور کیا جاسکتا ہے۔

۱۶۔ شیئرز خریدنے کے ساتھ ہی اس کے ضمان ومنافع خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہوں تو سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے قبل خریداران شیئرز کو دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے۔

۱۷۔ بروکر کو شرعی اصول کے مطابق وکیل بنایا جائے اور جائز طریقوں سے وہ اپنا کام انجام دے تو بروکر کی حیثیت سے اسکا کام کرنا شرعاً درست ہے (امداد الفتاویٰ ۳/ ۱۲۹)۔

☆☆☆☆☆

حصص کے شرعی احکام

مولانا عبدالقیوم پالنپوری

مدرسہ جامعہ نذیریہ کاکوسی، گجرات

۱۔ کسی کمپنی کے ایکویٹی شیئرز (Equity Shares) کمپنی میں شیئر ہولڈر کی شرکت وملکیت کی نمائندگی کرتے ہیں، جیسا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی رائے ہے، اور حضرت مولانا تقی عثانی مدظلہ نے اپنی کتاب "اسلام اور جدید معیشت وتجارت" (ص۷۹۔۸۳) میں علماء کے مختلف نقطۂ نظر پیش کرنے کے بعد کمپنیوں میں شرکت کو شرکت عنان قرار دیا ہے۔

۲۔ جب کمپنی کے قائم کرتے وقت شیئرز کا اعلان کیا جاتا ہے، اور اس وقت کمپنی کی املاک، اثاثے موجود نہیں ہوتے ہیں تو اس وقت اس کے خرید کردہ شیئرز کی بیع اس کی قیمت اسمیہ سے کم و بیش کے ساتھ سود ہونے کی وجہ سے قطعاً جائز نہیں ہے، اور شیئر پر لکھی ہوئی قیمت کے برابر کے ساتھ بیچنا جائز ہے اس لئے کہ یہ بیع صرف نہیں ہے، اور بیع صرف کے لئے ضروری ہے کہ اثمان خلقی ہوں، اور روپیہ ثمن عرفی ہے ثمن خلقی نہیں ہے۔

۳۔ اس صورت میں جبکہ مجموعہ جو مشتمل ہے مال ربوی (نقد، دیون) وغیر ربوی پر، اس کی بیع نقد کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں جائز ہے بشرطیکہ نقد مجموعہ میں مخلوط مال ربوی سے زیادہ ہو، تاکہ مال ربوی کے مقابلہ میں مال ربوی ہو جائے گا اور زائد (نقد میں سے) مال غیر ربوی کے مقابلہ میں ہوگا، البتہ ہر شیئر کے حصہ میں کمپنی کے دیون ونقود کی (نہ کہ اثاثے کی) جتنی مقدار آئی ہے اگر شیئر کی کل قیمت اس کے برابر، یا اس سے کم ہو تو بیع ناجائز ہوگی، مثلاً دس روپے کے حصہ میں آٹھ روپے اگر نقود اور دیون کے مقابل ہیں اور دو روپے جامد اثاثوں کے مقابل، تو شیئر کی بیع آٹھ روپے یا اس سے کم میں جائز نہ ہوگی، البتہ نو روپے یا اس سے زائد میں جائز ہوگی (اسلام اور جدید معیشت وتجارت۔۸۶، ۸۷)۔

۴۔ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے (حوالہ بالا)۔

امر المسلم ببیع الخمر والخنزیر وشرائهما ای وکل المسلم ذمیًا........صح ذلک عند الإمام مع أشد الکراهة ....وقال لا یصح هو الأظهر وفی رد المحتار (قوله لا یصح) ای یبطل کما فی البرهان (الدر المختار مع رد المحتار ۴/۱۶۶)۔

۵، ۶۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار مجموعی طور پر حلال ہے لیکن ساتھ میں وہ کمپنی بینک سے سودی قرضے لیتی ہے یا قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے کچھ سرمایہ کو ریزرو بینک میں جمع کرتی ہے یا بانڈز خریدتی ہے جس کی وجہ سے اس کو سود بھی ملتا ہے، ایسی کمپنیوں کے شیئرز لینے کی دو شرطوں کے ساتھ اجازت ہے: پہلی شرط یہ ہے کہ اس کی سالانہ میٹنگ میں آواز اٹھائی جائے کہ ہم سودی لین دین کو درست نہیں سمجھتے اور ہم اس پر راضی نہیں ہیں۔ دوسری شرط

یہ ہے کہ کمپنی کی آمدنی میں سود شامل ہو تو نفع میں سے اس سود کی مقدار بلانیت ثواب صدقہ کردے۔

۷۔ سودی قرضہ لینے کی صورت میں حاصل شدہ قرض میں کوئی خبث نہیں ہے، وہ مفید ملک ہے، اور اس سے حاصل ہونے والے منافع اور آمدنی حلال ہوگی، البتہ یہ معاملہ اور قرض کی واپسی کے وقت زائد رقم ادا کرنا سخت گناہ اور سود ہے (امداد الفتاوی ۳؍۱۷۰)۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے، اس کا عمل شیئر ہولڈر کا عمل سمجھا جائے گا، الا یہ کہ شیئر ہولڈر کسی عمل کے خلاف آواز اٹھا کر اسے مطلع کردے تو شیئر ہولڈر اپنے وکیل کے عمل سے بری الذمہ ہو جائے گا۔

۹۔ سالانہ میٹنگ میں سودی لین دین کے خلاف آواز اٹھانے سے شیئرز ہولڈر اس سودی لین دین سے بری الذمہ ہوگا۔

۱۰۔ سودی لین دین کے خلاف آواز اٹھانا، اور منافع میں مخلوط سود کی مقدار معلوم کرکے اتنی مقدار صدقہ کرنا ضروری ہوگا۔

۱۱۔ اگر سود کمپنی کے منافع میں شامل ہو، اور حاصل شدہ سود کو کاروبار میں لگا کر کمپنی نے نفع کمایا ہے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک صرف اس سودی آمدنی کو صدقہ کرنا کافی نہیں ہوگا بلکہ اسے کاروبار میں لگا کر جو نفع کمایا ہے اس نفع کو بھی صدقہ کرنا ضروری ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف اس سودی آمدنی کا صدقہ کرنا کافی ہوگا۔ اور طرفینؒ کا قول مفتی بہ ہے (ہدایہ ۳؍۴۵۶)۔

۱۲۔ جس طرح ہمیشہ کے لئے کمپنی میں شرکت کی غرض سے اس کے شیئرز کے خریدنے کی اجازت ہے، اسی طرح تجارت، یعنی قیمت بڑھنے کی صورت میں بیچ دینے کے ارادے سے بھی شیئرز خریدنے کی اجازت ہے، اور ہر تخمین وقیاس آرائی ممنوع نہیں ہے، اس کو حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب نے بہت اچھی طرح واضح فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

یہ بات جو مشہور ہوگئی ہے کہ تخمین وقیاس آرائی............ بذات خود حرام ہے، بات غلط ہے، تخمین یہ ہے کہ یہ اندازہ لگایا جائے کہ کس چیز کی قیمت بڑھ رہی ہے اور کس کی قیمت کم ہو رہی ہے، جس کی قیمت کم ہونے کا اندیشہ ہو اس کو بیچ دیا جائے اور جس کی قیمت بڑھنے کی امید ہو اس کو رکھا جائے یہ بات بذات خود ممنوع نہیں، یہ تو ہر تجارت میں ہوتی ہے، جو بات ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ بیع وشراء کی شرعی شرائط کی رعایت نہ کی جائے، مثلاً غیر مملوک کی بیع، یا غیر مقبوض کی بیع کی جارہی ہو یا قمار کی شکل بن رہی ہو، قمار دو باتوں سے مل کر بنتا ہے: ایک یہ کہ ایک طرف سے ادائیگی متعین ہو، اور دوسری طرف سے موہوم ہو۔ دوسری بات یہ کہ جس طرف سے ادائیگی ہوگئی ہے اس کی رقم دو باتوں میں دائر ہو، یا تو یہ رقم خود بھی ڈوب جائے گی یا اور رقم کو کھینچ لائے گی (اسلام اور جدید معیشت ۹۰)۔

۱۳، ۱۴۔ فیوچر سیل:

جس میں شیئر لینا دینا مقصود نہیں ہوتا ہے، محض نفع ونقصان برابر کرنا مقصود ہوتا ہے، یہ شرعاً جائز

نہیں ہے۔اسی طرح غائب سودے جس میں بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے وہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے، اس لئے کہ بیع کی وقت مستقبل کی طرف اضافت یا تعلیق باتفاق فقہاء ناجائز ہے، البتہ مستقبل میں بیع کا وعدہ کیا جاسکتا ہے لیکن وقت آنے پر بیع باقاعدہ کرنی ہوگی (حوالہ بالا۔ص ۹۱)۔

۱۵، ۱۶۔ جب حاضر سودا ہو جانے کے بعد شیئرز کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں اور وہ خریدار کے ضمان میں داخل ہو جاتے ہیں تو ان کی بیع سرٹیفیکیٹ ہاتھ میں آنے سے پہلے بھی جائز ہے، البتہ عرف میں شیئرز پر قبضہ اس وقت سمجھا جاتا ہے جب سرٹیفیکیٹ ہاتھ میں آجائے، نیز اس طرح سٹے کے کاروبار کی حوصلہ افزائی بھی ہوسکتی ہے، لہٰذا احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ جب تک کمپنی میں شرکت کے سرٹیفیکیٹ (کاغذی شیئر) پر قبضہ نہ ہو آگے فروخت نہ کئے جائیں جیسا کہ مفصلاً حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب نے تحریر فرمایا ہے (اسلام اور جدید معیشت ۹۱، ۹۲)۔

۱۷۔ جن شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے ان شیئرز کی خرید وفروخت میں بروکر اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہے، اور بنیادی طور پر حرام اشیاء کی کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز اور تمام کمپنیوں کے بونڈز کی خرید وفروخت میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

»»»»»»»»»»»

شیئرز کی خرید و فروخت
شرعی حکم

مفتی نسیم احمد قاسمی، پٹنہ

۱۔ شیئرز سرٹیفکیٹ کی حیثیت:

کمپنی کی طرف سے جاری کردہ حصے خرید کر لوگ اپنا سرمایہ لگاتے ہیں تو خریدار کو کمپنی کی طرف سے سرٹیفکیٹ جاری کی جاتی ہے جو اس بات کی سند ہوتی ہے کہ اس شخص کا کمپنی میں لگائے ہوئے سرمایہ کے تناسب سے حصہ ہے۔ یہاں فقہی نقطۂ نظر سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی بھی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا یہ محض اس بات کی سند اور دستاویز ہے کہ اس نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے۔ اس سلسلہ میں علماء کی دو رائیں ہیں:

☆ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ کمپنی کا شیئر سرٹیفکیٹ کمپنی کے عروض اور اثاثوں میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی نہیں کرتا ہے، بلکہ یہ صرف اس بات کا وثیقہ اور دستاویز ہے کہ اس شخص نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے جیسے دیگر قرضہ جات کی دستاویزات ہوتی ہیں۔

☆ دوسری رائے جو راجح اور زیادہ قرین قیاس ہے، یہ ہے کہ شیئر سرٹیفکیٹ کمپنی کی املاک، جائداد اور اثاثوں میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، اور شیئر ہولڈر کی کمپنی کی املاک اور اثاثوں میں متناسب ملکیت ہوتی ہے، جس کا تحریری ثبوت شیئر سرٹیفکیٹ ہے۔

مولانا تقی عثمانی نے اسی رائے کو راجح قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

کمپنی کے ظاہری تصور کے اعتبار سے اور اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کی روشنی میں واقعتاً یہ سمجھا جاتا ہے کہ شیئر ہولڈر کی کمپنی کے اثاثوں میں متناسب ملکیت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر باہمی قرارداد سے کمپنی تحلیل ہو جائے تو شیئر ہولڈرس کو صرف ان کی لگی ہوئی رقم واپس نہیں ملتی بلکہ کمپنی کے اثاثوں کا متناسب حصہ ہر شیئر ہولڈر کو دیا جاتا ہے (اسلام اور جدید معیشت و تجارت ر ۸۵)۔

۲۔ کمپنی کے ابتدائی مرحلے میں شیئرز کی بیع:

کمپنی کی تشکیل کے ابتدائی مرحلے میں جبکہ کمپنی کے پاس صرف نقدی کی صورت میں سرمایہ جمع ہوتا ہے، املاک، مشینریاں، جامد اثاثے، سامان تجارت وغیرہ میں سے کچھ نہیں ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر کمپنی اپنے شیئرز کی فروخت کا اعلان کرتی ہے تو گویا یہ نقد کی بیع نقد کے عوض ہے جسے اصطلاح فقہ میں "بیع صرف" سے موسوم کیا جاتا

ہے۔ بیع صَرف میں ثمن اور مبیع دونوں ہی اثمان اور نقود کی قبیل سے ہوتے ہیں۔ بیع صَرف میں برابری اور نقد تبادلہ ضروری ہے۔ لہذا دس روپے کے شیئر کو صرف دس روپے کے عوض فروخت کرنا جائز ہوگا اور ادھار کی گنجائش نہیں ہوگی۔ شیئر کی خرید و فروخت کی صورت میں شیئر ہولڈر کی طرف سے صرف دستاویز کی ادائیگی ہوتی ہے جب کہ خریدار اس کے عوض میں نقد روپے ادا کرتا ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو طرفین کی جانب سے شیئرز کی خرید و فروخت میں نقد ادائیگی نہیں پائی جاتی ہے، اس لئے اس صورت کے جواز کی گنجائش نہیں ہوگی۔

۳۔ کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد شیئرز کی بیع:

جب کمپنی وجود میں آجاتی ہے تو اس کا اثاثہ مخلوط ہوتا ہے جس میں نقد، قابل وصول دیون، جامد اثاثے اور سامان تجارت وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں جبکہ مجموعہ مال ربوی وغیر ربوی دونوں پر مشتمل ہے، اگر اس کے شیئرز کی بیع کی جاتی ہے تو اس کا شرعی حکم کیا ہوگا؟ اس سلسلہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ ایسے مال کو جو ربوی وغیر ربوی سے مخلوط ہو خالص مال ربوی کے عوض فروخت کیا جائے، مثلاً ایسی تلوار جس پر سونا لگا ہوا ہو، اسے دینار کے عوض فروخت کیا جائے، تو اس میں ایک طرف تلوار ہے جو غیر ربوی ہے اور اس پر لگا ہوا سونا مال ربوی ہے، اسے دینار کے عوض فروخت کرنا گویا مال ربوی اور غیر ربوی کے مجموعہ کو خالص مال ربوی کے عوض فروخت کرنا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسی صورت جائز ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح سے فقہاء نے دو درہم اور ایک دینار کے مجموعہ کی بیع کو ایک درہم اور دو دینار کے عوض جائز قرار دیا ہے۔ لہذا کمپنی کے اثاثے کے مخلوط ہوجانے کے بعد شیئر ہولڈر کے لئے اپنے حصے کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہوگی۔

۴۔ ناجائز کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا:

وہ کمپنیاں جن کے کاروبار بنیادی طور پر حرام ہیں، جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت، خون اور دیگر حرام اشیاء کی تجارت اور اکسپورٹ، یا بینکس اور سودی اسکیموں میں روپیہ لگا کر منافع حاصل کرنا۔ ایسی کمپنیز کے شیئرز کی خرید و فروخت حرام اور ناجائز ہے۔

۵۔ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لینا:

ایسی کمپنیاں جو حلال کاروبار کرتی ہیں اور حرام کاروبار سے بچتی ہیں، صرف کاروباری مجبوری اور ملکی قانون کے پیش نظر سودی قرض لینے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ مثلاً انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لینا ایک ضرورت اور حاجت ہے۔ ضرورت و حاجت کی بنیاد پر سودی قرض لینے کی اجازت دی گئی ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ نے الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے:

ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر)۔

لہذا ان کمپنیوں کے لئے انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لینے کی گنجائش ہوگی اور ان کے

شیئرز کی خرید وفروخت جائز رہے گی۔

۶۔ چونکہ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیاں قانون ملکی کے تحت مجبور ہوکر اپنے سرمایہ کا مخصوص حصہ ریزرو بینک میں جمع کرتی ہیں یا بانڈس خریدتی ہیں، لہذا اس کی وجہ سے ان کے کاروبار میں حرمت پیدا نہیں ہوگی اور ان کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز رہے گی۔ البتہ ان کمپنیوں کو ریزرو بینک یا بانڈس خریدنے کی وجہ سے جو سودی رقم ملے گی اس رقم کا استعمال کمپنی کے مصارف میں جائز نہیں ہوگا بلکہ فقراء مسلمین پر بلانیت ثواب تصدق ضروری ہوگا یا پھر رفاہ عام کے کاموں میں بھی اسے صرف کیا جاسکتا ہے۔ اگر کمپنی غیر مسلم ہونے کی صورت میں سودی رقم کو اس کے مصارف میں صرف نہ کرے تو پھر مسلم شیئر ہولڈرس کی ذمہ داری ہوگی کہ اپنے حصہ میں آئی ہوئی رقم کو بلا نیت ثواب صدقہ کردیں یا رفاہ عام کے کاموں میں لگادیں۔

۷۔ سودی قرض لینے کی صورت میں منافع کی شرعی حیثیت:

سودی قرضہ ضرورت وحاجت اور قانون ملکی کے تحت مجبور ہوکر حاصل کیا جائے یا محض کاروبار کو فروغ دینے کی خاطر، ہر دو صورت میں قرض سے حاصل ہونے والے منافع جائز و درست قرار پائیں گے، کیونکہ قرض لی ہوئی رقم میں کسی طرح کا خبث نہیں پایا جاتا، اور قرض لینے والا قرض کے ذریعہ حاصل کی گئی رقم کا مالک قرار پاتا ہے، لہذا اس رقم سے حاصل شدہ نفع بھی جائز اور مباح ہوگا۔ البتہ دوسری صورت میں جبکہ سودی قرض بلا حاجت شرعیہ محض کاروبار کو فروغ دینے کی خاطر حاصل کیا گیا تو کمپنی کا عملہ اصالۃً استقراض بالربح کے عقد حرام کے ارتکاب کی وجہ سے اور شیئر ہولڈرس وکالۃً اس کے ارتکاب کی وجہ سے عند اللہ گنہ گار ہوں گے۔ فقہاء کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ سودی رقم پر بھی قبضہ کے بعد ملکیت ثابت ہوجاتی ہے تو سودی قرض پر قرض لینے والے کی بدرجہ اولی ملکیت ثابت ہوجائے گی (دیکھئے: البحر الرائق ۶/۱۲۵)۔

۸۔ کمپنی کے عملہ کی حیثیت:

کمپنی کا عملہ جسے بورڈ آف ڈائرکٹرس کہا جاتا ہے، کی حیثیت فی الجملہ مالکان حصص کے وکیل کی ہے، اور وکیل کا عمل مؤکل کا عمل قرار پاتا ہے۔ لہذا کمپنی کے عملہ کا عمل اور ان کا تصرف مالکانہ حصص کا تصرف اور عمل سمجھا جائے گا، اور شرعا ان کا فعل مالکان حصص کی طرف منسوب ہوگا۔

۹۔ شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کردینا کافی ہوگا:

اصولی طور پر وکیل کے افعال مؤکل کی طرف منسوب ہوتے ہیں، تاہم اگر کوئی شیئر ہولڈر سودی قرض لینے سے اپنی ناراضگی اور اختلاف کا اظہار واعلان کردے تو یہ اظہار واعلان اس کے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی ہوگا۔

۱۰۔ کمپنی کے منافع میں سے سودی رقم نکال دینا کافی ہوگا:

اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار ہی حرام اشیاء کی تجارت ہو، سودی قرضہ جات دے کر سود حاصل کرتا ہو، تب تو

ایسی کمپنیوں کے حصص اور شیئرز کی خریداری جائز نہیں ہوگی، البتہ اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار تو حلال ہو لیکن قانونی پیچیدگی کے تحت کچھ سرمایہ ڈپازٹ (Deposit) کرنا پڑتا ہو یا بانڈز (Bonds) خریدنے پڑتے ہوں جس سے کمپنی کو سودی رقم بھی حاصل ہوتی ہو، ایسی صورت میں شیئر ہولڈرس کا اپنے منافع میں سے سودی رقم نکال کر بلانیت ثواب فقراء و مساکین پر صدقہ کر دینا یا رفاہ عام کے کاموں میں صرف کر دینا ان کے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی ہوگا (دیکھئے: بدائع الفوائد لابن القیم ۲/۲۷۵)۔

۱۱۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود شامل ہو تو اسے کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کرنے کا کیا حکم ہوگا؟

اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی رقم کو کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں مال حلال کے ساتھ مال حرام بھی مخلوط ہو گیا ہے، اس لئے جتنا فیصد سود کل آمدنی میں مخلوط ہو گیا ہے شیئر ہولڈر کے لئے اسی تناسب سے ملنے والے منافع سے سودی رقم وضع کر کے بلانیت ثواب فقراء و مساکین مسلمین پر صدقہ کر دینا یا رفاہ عام کے کاموں میں صرف کر دینا کافی ہوگا، اور باقی ماندہ نفع اس کے لئے حلال و درست قرار پائے گا۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت:

حلال کاروبار پر مبنی شیئرز کی تجارت فی نفسہ جائز و درست ہے اور شیئرز کی بیع در حقیقت شیئر ہولڈر کے اس حصہ کی بیع ہے جو سرمایہ کے تناسب سے کمپنی کے نقود، قابل وصول دیون، جامد اثاثے، سامان تجارت اور ان چیزوں سے حاصل ہونے والے منافع میں اسے پہونچتا ہے، جس کی نمائندگی شیئر سرٹیفکیٹ کرتی ہے۔ پس وہ اپنے موجود و مملوک حق کی بیع کرتا ہے نہ کہ معدوم و غیر مملوک کی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ شیئرز کی بیع کو "بیع حظوظ ائمہ" پر قیاس کرتے ہوئے اس کے جواز کی صراحت فرمائی ہے (امداد الفتاوی ۳/۴۹۵)۔

اب رہا یہ سوال کہ شیئرز کی تجارت میں تجار حضرات تخمین و قیاس سے کام لیتے ہیں۔ شیئرز کی خریداری کے وقت ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ قیمت بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ فروخت کر دیں گے یا جب شیئرز کی قیمت کم ہو گی تو خرید کر اپنے پاس رکھ لیں گے پھر قیمت بڑھنے کی صورت میں فروخت کر دیں گے۔ تو اس سے شیئرز کی تجارت کے جواز میں فرق نہیں پڑے گا، اس لئے کہ مطلقاً تخمین و قیاس عقود و معاملات میں ممنوع نہیں ہے اور نہ ہی تجارتیں عام طور پر اس قسم کے تخمین و قیاس سے پاک ہوتی ہیں۔

۱۳۔ فیوچر سیل کا حکم:

شیئر مارکیٹ میں ایک سودا جسے فیوچر سیل (Future Sale) اور عربی میں بیاعات مستقبلیات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس معاملہ کا مقصد شیئرز کی خریداری نہیں ہوتی ہے بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان کو برابر کر لینا مقصود ہوتا ہے۔ اس صورت معاملہ میں نہ تو خریدار کی طرف سے قیمت کی ادائیگی ہوتی ہے اور نہ ہی بائع کی طرف سے مبیع کی حوالگی، بلکہ محض کاغذی کارروائی ہوتی ہے، لہذا فیوچر سیل جائز نہ ہوگا۔

۱۴۔ غائب سودے کی بیع کا حکم:

غائب سودے جن میں حقیقۃً بیع دشرا نہیں ہوتی ہے بلکہ بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، اس طرح کا معاملہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے، کیوں کہ خرید وفروخت ان عقود ومعاملات کی قبیل سے ہے، جن کی اضافت مستقبل کی طرف کرنا یا تعلیق باتفاق فقہاء ناجائز ہے۔ البتہ مستقبل میں بیع کا وعدہ کیا جاسکتا ہے لیکن وقت آنے پر باضابطہ بیع کے معاملات طے کرنے پڑیں گے۔

۱۵۔خرید کردہ شیئر کی سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے پہلے بیع:

اس سوال کے جواب کا دارومدار اس پر ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اس صورت میں بیع قبل القبض لازم آتی ہے یا نہیں؟ اگر یہ بیع قبل القبض ہے تو اس کے جواز کی گنجائش نہیں ہوگی، اور اگر بیع قبل القبض نہیں ہے تو یہ صورت جائز ہوگی۔ اب رہا سوال کہ یہ بیع قبل القبض ہے یا نہیں؟ تو یہ تو ظاہر ہے کہ شیئر درحقیقت مال نہیں ہے بلکہ کمپنی کے املاک میں متناسب حصہ داری سے عبارت ہے اور شیئر سرٹیفکیٹ اس حصہ داری اور کمپنی کے اثاثے اور املاک میں شیئر ہولڈر کی شرکت کا تحریری ثبوت ہے، لہذا شیئرز کی بیع کی صورت میں مبیع شیئرز سرٹیفکیٹ نہیں بلکہ کمپنی کی املاک واثاثے کا ایک مشاع حصہ ہے۔ چونکہ وہ حصہ جو مبیع ہے مشاع ہے، اس لئے اس پر حقیقی قبضہ کا تحقق مشکل ہے، اس لئے اس میں معنوی قبضہ ہی معتبر ہونا چاہئے، اور عرف عام میں شیئرز پر قبضہ اسی وقت تسلیم کیا جاتا ہے جب خریدار کے ہاتھ میں شیئر سرٹیفکیٹ آجائے۔ لہذا میری رائے یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں خریدار کے نام شیئر سرٹیفکیٹ کی منتقلی سے پہلے شیئر پر اس کا حقیقی قبضہ نہیں سمجھا جائے گا اور خریدار کے لئے شیئرز کی بیع جائز نہیں ہوگی۔ ہر شئے پر اس کی خاص نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوتی ہے، جس کا مدار عرف وعادت پر ہوتا ہے، یعنی عرف وعادت میں جس چیز پر قبضہ کی جو نوعیت سمجھی جاتی ہو وہی معتبر ہوگی، ہر صورت میں قبضہ حسی ضروری نہیں ہوگا۔

۱۶۔سرٹیفکیٹ کے حصول سے پہلے شیئر کی بیع:

جب تک خریدار شیئر سرٹیفکیٹ حاصل نہ کرلے اور اسے اپنے نام منتقل نہ کرالے اس وقت تک شیئر پر خریدار کا حقیقی قبضہ تسلیم نہیں کیا جائے گا، اور اگر قبضہ سے پہلے خریدار کسی دوسرے شخص کے ہاتھ شیئرز کی بیع کرتا ہے تو یہ بیع حقیقی قبضہ کے تحقق سے پہلے ہوگی جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

۱۷۔بروکر کی اجرت کا حکم:

جائز اور حلال کاروبار پر مبنی شیئرز کی خرید وفروخت میں کسی مسلمان کے لئے بروکر بننا اور اس پر اجرت لینا درست وجائز ہے، ایسے درمیانی اشخاص کو جو خرید وفروخت کے معاملات میں واسطہ بنتے ہیں، فقہاء کی اصطلاح میں دلال کہتے ہیں۔ دلالی کی اجرت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ بخاری کی شرح فتح الباری میں ہے کہ:

''ابن سیرین، عطاء، ابراہیم اور حسن سے منقول ہے کہ ان حضرات کے نزدیک دلالی کی اجرت لینے میں

کوئی حرج نہیں ہے (فتح الباری لابن حجر عسقلانی ۹/۴۱۴)۔

علامہ شامی نے اس سلسلہ میں تحریر کیا ہے کہ:

تجب الدلالة على البائع أو المشترى أو عليهما بحسب العرف.

بائع اور خریدار یا دونوں پر عرف ورواج کے مطابق دلالی کی اجرت واجب ہوگی۔

لہذا صورت مسئولہ میں کسی مسلمان کے لئے اسٹاک ایکسچینج میں بروکر بننا اور اس کی اجرت لینا جائز و درست ہوگا۔

☆☆☆☆☆

شیئرز

فقہی تناظر میں

مولانا ظفر الاسلام۔ مئو

۱۔ احقر کی رائے یہ ہے کہ شیئر خریدنے والے کا مقصد عموماً یہی ہوتا ہے کہ وہ کمپنی میں بحیثیت شیئر ہولڈر شرکت کرے اور یہ تجار کے مقصد کے زیادہ قریب بھی ہے جیسا کہ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: "یہ شیئر در حقیقت کسی کمپنی کے اثاثوں میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کے ایک متناسب حصے کی نمائندگی کرتا ہے (فقہی مقالات رص ۱۴۳)۔

۲۔ اولاً دونوں جانب نقد کی صورت میں خرید و فروخت کے متعلق ائمہ اربعہ کا مسلک پیش خدمت ہے، اسی کی روشنی میں شیئرز کے بیع و شراء کا مسئلہ بھی واضح ہو جائے گا۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ایک پیسہ کی بیع دو پیسوں سے جائز نہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک علت ربا ثمنیت ہے، خواہ حقیقی ہو یا عرفی بہر دو نوع تفاضل جائز نہیں، اس کی دلیل المدونۃ الکبری کی عبارت "لأن مالکا قال لا یجوز فلس بفلسین" ہے (المدونۃ الکبری ۷؍۱۰۴)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ و ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ کمی وبیشی صحیح ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک سکے خلقی طور پر ثمن نہیں ہیں اصطلاحاً ثمن ہیں، اس لئے متعاقدین کو چاہئے کہ ان سکوں کی تعیین کر کے ان کی ثمنیت اصطلاحی باطل کر دیں، ایسا ہو جانے کے بعد ان سکوں کا درجہ سامان وعروض کا ہو جائے گا، بنابریں قلت وزیادت جائز ہوگی۔

حضرت امام محمدؒ کے نزدیک قلت وزیادت موجب للربا ہوگی، کیوں کہ جب یہ سکے اصطلاحی ثمن قرار دیئے جا چکے تو صرف بائع اور مشتری کے ثمنیت باطل کرنے سے باطل نہ ہوگی تاوقتیکہ تمام لوگ اسے باطل قرار نہ دے دیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک قلت وزیادت جائز ہے، کیوں کہ سکے عددی ہیں اور علت ربا وزن ہے۔ "إذا فات الشرط فات المشروط" یہ پہلا قول ہے۔

امام مذکور کا دوسرا قول عدم جواز کا ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ سکے فی الحال تو عددی ہیں لیکن اصلاً دھات ہونے کی وجہ سے وزنی ہیں، اس لئے دونوں جائز نہیں۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ربا کی علت خلقی ثمنیت ہے اور یہ علت یہاں مفقود ہے، اس لئے کمی وبیشی کے ساتھ معاملہ کرنا درست ہے۔

اس تفصیل کے بعد عرض ہے کہ اگر اس کمپنی یا فیکٹری میں جس کے شیئرز خریدے گئے ہیں کچھ بھی منجمد اثاثے خواہ بلڈنگ کی شکل میں ہوں یا مشین وغیرہ کی شکل میں، ابھی تک خریدے نہیں گئے ہیں یعنی ابھی دونوں جانب نقد ہی نقد ہے، تو اس صورت میں اس کی بیع وشراء کمی وبیشی کے ساتھ جائز نہیں، سوروپے کا شیئر سو ہی روپے میں فروخت کیا جاسکتا ہے کمی وبیشی موجب للر با ہوگی۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

جتنے لوگوں نے اس کمپنی میں اپنی رقم سبسکرائب (Subscribe) کی ہے اس رقم سے ابھی تک کوئی سامان نہیں خریدا گیا اور نہ اس سے کوئی بلڈنگ بنائی گئی اور نہ کوئی مشین خریدی گئی اور نہ ہی کوئی اثاثہ وجود میں آیا بلکہ ابھی وہ تمام پیسے نقد کی شکل میں ہیں، تو اس صورت میں دس روپیہ کا شیئر دس روپے کی نمائندگی کرتا ہے، لہذا جب دس روپے کا شیئر دس روپے کی نمائندگی کرتا ہے تو اس صورت میں اس شیئر کو گیارہ روپے میں یا نو روپے میں فروخت کرنا ہو جائے گا جو سود ہو جانے کی وجہ سے قطعاً جائز نہیں (فقہی مقالات رص ۱۴۵)۔

۳۔ کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد بالفاظ دیگر اثاثہ ونقد کے پائے جانے کی صورت میں اس شیئر کی بیع وشراء کمی وبیشی کے ساتھ جائز ہے۔ کیوں کہ اب شیئر مرکب ہو گیا جس میں اموال ربویہ وغیر ربویہ دونوں پائے جاتے ہیں، اس لئے دس روپے کا شیئر دس روپیہ سے زائد میں فروخت کیا جاسکتا ہے، دس روپے تو دس روپے کے مساوی ہو جائے گا اور زیادتی بلڈنگ واثاثہ وغیرہ کے بالمقابل ہو جائے گی جس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

۴۔ اگر کمپنی کسی مسلمان کی ہے اور وہ حرام کاروبار میں ملوث ہے (جس کی بہت ساری صورتیں ہیں چند صورتیں سوال میں مذکور بھی ہیں) تو اس کمپنی کے شیئرز خریدنا جائز نہیں۔ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب تحریر کرتے ہیں:

ایسی کمپنی کے شیئرز لینا کسی حال میں جائز نہیں، نہ ابتداء جاری (Float) ہونے کے وقت لینا جائز ہے اور نہ ہی بعد میں اسٹاک مارکیٹ سے لینا جائز ہے (فقہی مقالات رص ۱۴۴)۔

کمپنی غیر مسلم کی ہو اور یقین سے معلوم ہو کہ وہ سودی لین دین نہیں کرتا تو اس کی خرید وفروخت صحیح ہے، اور اگر اس کی بابت علم نہیں تو اس کی خرید وفروخت مکروہ تحریمی ہوگی۔ کراہت تحریمی کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں سودی کاروبار میں کوئی قباحت نہیں۔

۵۔ بنیادی کاروبار حلال ہوتے ہوئے بعض ممالک میں خصوصاً ہندوستان میں اضطراراً سود لینا پڑتا ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے تو نت نئے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو تجار سے مخفی نہیں، اس لئے اسے حاجیات کے قبیل سے مان کر اس طرح کی کمپنیوں سے شیئرز خریدے جاسکتے ہیں۔

۶۔ اس سوال کا جواب بھی احقر کے نزدیک وہی ہے جو سوال نمبر ۵ کے ضمن میں گذرا۔

۷۔ اگر سارا ادارو مدار سودی قرض پہ ہے، اپنی جائز اور حلال کمائی کی اکثریت نہیں، تو اس صورت میں سود سے حاصل ہونے والی رقم ظاہر ہے سود ہے، بناء فاسد علی الفاسد فاسد ہے، وہ مفید للملک کیسے ہو سکتی ہے۔

۹۔ کمپنی کی میٹنگ میں اگر شیئر ہولڈر اس سودی لین دین کے خلاف آواز اٹھائے تو وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائے گا، حکیم الامت حضرت تھانوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی بھی یہی رائے ہے۔

۱۰، ۱۱۔ پہلے اور دوسرے سوال میں جزوی فرق ہے مگر جواب دونوں کا ایک ہی ہے، جتنی بھی سود کی رقم ہو باقاعدہ اہتمام کے ساتھ حساب لگا کر بلا نیت ثواب صدقہ کردیں۔ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: "جب منافع تقسیم ہوتو اس وقت جتنا نفع کا جتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہے اس کو صدقہ کردے" (فقہی مقالات رص ۱۵۱)۔

۱۲۔ شیئرز کی خرید وفروخت، شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے صحیح ہے، ہر کوئی تاجر یہ سوچ کر اور اس غالب ظن سے خرید وفروخت کرتا ہے کہ آئندہ اسے نفع حاصل ہوگا۔ ہاں نفع کی شرط کے ساتھ بیع جائز نہیں۔

۱۳۔ یہ صورت قطعاً حرام ہے اور اس کا شمار بھی سٹہ میں ہوگا جو کہ ناجائز ہے۔ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب رقمطراز ہیں:

لیکن اس خرید وفروخت کو درست کہنے کی دشواری اس سٹہ بازی کے وقت پیش آتی ہے جو اسٹاک ایکسچینج کا بہت بڑا اور اہم حصہ ہے، جس میں بسا اوقات شیئرز کا لین دین بالکل مقصود نہیں ہوتا بلکہ آخر میں جا کر آپس کا فرق (Deference) برابر کرلیا جاتا ہے اور شیئرز پر نہ تو قبضہ ہوتا ہے اور نہ ہی قبضہ پیش نظر ہوتا ہے، اس لئے جہاں یہ صورت ہو کہ قبضہ بالکل نہ ہو اور شیئرز کا نہ لینا مقصود ہو اور نہ دینا مقصود ہو بلکہ اس طرح سٹہ بازی کرکے آپس کے ڈیفرنس کو برابر کرلینا مقصود ہو تو یہ صورت بالکل حرام ہے اور شریعت میں اس کی اجازت نہیں (فقہی مقالات رص ۱۵۲)۔

۱۴۔ ایک تو سودا وہ ہے جس میں بیع کی نسبت کسی بھی زمانہ کی طرف کی جائے وہ باطل یا فاسد ہے، جیسے لبن فی الضرع سمک فی الماء، طیر فی الهواء، سمن فی اللبن، حبل الحبلة یا ملاقیح ومضامین وغیرہ کی بیع۔ کیوں کہ ان تمام صورتوں میں مبیع معدوم ہے، جہالت فاحشہ کا وجود ہے اور قدرت علی تسلیم المبیع ناممکن ہے۔

دوسرا سودا وہ ہے جو موجود تو ہے مگر حاضر نہیں غائب ہے، اب اس کی دو صورتیں ہیں: ایک تو وہ جسے پہلے سے دیکھا جا چکا ہے اور اس کے اوصاف بھی معلوم ہیں تو اس صورت میں بصیغہ المتعارف اس کی بیع صحیح ہو جائے گی۔ اور اگر دیکھا نہیں ہے تو بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی بیع صحیح ہوگی اور اسے خیار رؤیت حاصل ہوگا اور عدم رؤیت کی وجہ سے جو غرر یسیر پیدا ہوا تھا وہ خیار رؤیت سے مرتفع ہو جائے گا، کیوں کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: "من اشترى مالم يره فهو بالخيار إذا رآه"۔

۱۵۔ قبضہ کی اولاً دو قسمیں ہیں:

(۱) حقیقی (۲) حکمی

حقیقی قبضہ تو حس اور تسلیم سے ہوگا، اور حکمی قبضہ استیلاء، تمکن، اشارہ تخلیہ وتمیز سے۔ کتاب اور سنت ونصوص فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ مبیع کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے، اور جہاں کا جیسا تعامل ہوگا حجت قرار

پائے گا۔[۱]

۱۶۔ راقم کے خیال میں جب تک خریدار شیئر سرٹیفکیٹ حاصل نہ کرلے اس وقت تک شیئر فروخت نہیں کرسکتا، گو کہ معاملہ متعاقدین کے درمیان شیئر کی قیمت ادا کرنے ہی سے ہوگیا، مگر تمامیت بیع موقوف ہوگی ڈلیوری کی وصولیابی پر، اور یہی ڈلیوری قبضہ حقیقی کے ممکن نہ ہونے کی صورت میں قبضہ حکمی کے مرادف ہوگی۔

۱۷۔ شیئرز کی وہ خرید و فروخت جو جائز اور درست ہے اس میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا صحیح ہے، اس کے ماسوا میں نہیں۔

☆☆☆☆☆

۱۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: المغنی والشرح الکبیر ۴/۲۲۰، رد المحتار ۴/۵۶۲، بدائع الصنائع ۵/۲۱۹، ۲۳۴، محلی لابن حزم ۸/۲۰، فتاوی ابن تیمیہ)۔

شرعی اعتبار سے شیئرز کی حیثیت

مولانا سلطان احمد اصلاحی، علی گڈھ

۱۔ کسی کمپنی کے خرید کردہ شیئر کے مسئلے میں یہی بات زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے کہ وہ محض رقم کی دستاویز نہ ہوکر اس کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ اور وہ نقد کے ساتھ کمپنی کے اثاثوں اور اس کی املاک میں حسب تناسب حصہ دار ہوتا ہے۔ اس طرح اس پر بیع صرف کے احکام وارد نہ ہونے چاہئیں۔ دیوالیہ ہونے کی صورت میں کمپنی کے اثاثے قرق نہ کر کے اس کی املاک کی ضبطی سے اس کے قرضے ادا کئے جانے کے سلسلے میں کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ قانون کی یہ دفعہ بحیثیت مجموعی کمپنی کے مفاد کے مدنظر رکھی گئی ہے، جس سے کہ کمپنی کے دیگر شرکاء کے لئے اس کے دیوالیہ ہوئے حصے کو دوبارہ بحال کرنے میں غیر معمولی دقتوں اور دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

۲۔ کمپنی قائم کرتے وقت شیئرز کا جو اعلان کیا جاتا ہے جبکہ اس وقت اس کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتیں، اس وقت کمپنی کے خرید کردہ شیئر کی بیع پر بیع صرف کے احکام وارد ہوں گے۔ یہ اصلاً نقد کا نقد سے تبادلہ ہوگا، اور اس پر کسی قسم کا تفاضل جائز نہ ہوگا۔ ایک شیئر جتنی رقم جمع کر کے خریدا گیا ہے اسے اتنی ہی رقم پر فروخت کیا جانا ضروری ہوگا۔

۳۔ کمپنی کے وجود میں آ جانے کے بعد اس کے مخلوط اثاثہ میں جس میں ربوی اور غیر ربوی دونوں طرح کے مال کی شمولیت ہوتی ہے، اس کی نقد کے ساتھ فروخت جائز ہوگی۔ ربا اور انٹرسٹ کا حوالہ اس سے آگے بھی آ رہا ہے اس لئے ابتداء ً ہی اس کے سلسلے میں چند نکات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے جس سے کہ آئندہ اس کی تکرار کی ضرورت نہ رہے۔

(الف) دراصل آج کے دور میں بینک کے انٹرسٹ کے مسئلہ پر ہی نئے سرے سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن وسنت میں حرام کردہ ربا کا سخت گیر اطلاق ہر حال میں اس پر درست معلوم نہیں ہوتا۔ بینک کا کردار بہر صورت صرف امانت داری کا نہیں ہوتا بلکہ آج کے دور میں اس کا اصل کردار مضارب در مضارب کا ہے۔ جس میں وہ اب تک کی معروف اسلامی مضاربت کے متناسب منافع کے بجائے جمع کردہ بالواسطہ کاروبار میں لگی رقم پر متعین فیصد پر منافع دینے کا اہتمام کرتا ہے۔ آج علماء کی ایک مقتدر جماعت جب مضاربت کی اس صورت کو جائز قرار دیتی ہے (تفصیل کے لئے اسلامک فقہ اکیڈمی کے اجلاس گزشتہ میں ہمارا پیش کردہ مقالہ ''شریعت کا اصول عرف وعادت اور موجودہ حالات میں اس کی معنویت'') تو اس مضاربانہ کردار کے ساتھ بینک کے انٹرسٹ کو مطلق حرام وممنوع ربوا کے ہر حال میں قائم مقام رکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

(ب) دوسری بات فقہ کے اس جزئیہ کی ہے جسے بالکل ہی نظر انداز کیا جا رہا ہے، اور وہ یہ کہ: لا ربوا بين المسلم والحربي في دار الحرب (ہدایہ ۳/۷۰، نیز شرح السیر الکبیر ۳/۱۱۲)۔

ہندوستان جیسے ملکوں کو آج من کل الوجوہ "دارالحرب" تسلیم نہ بھی کیا جائے تب بھی معاملات ربویہ کی تعیین و تحقیق میں اس کا کچھ نہ کچھ لازمی اثر پڑنا چاہئے۔ جبکہ دوسرے موقع پر حضرت امام اعظم کی طرف سے اس پر اضافہ ہے کہ دارالحرب میں اسلام لائے دو مسلمانوں کے درمیان اس معاملے پر بھی اسی حکم کا اطلاق ہوگا۔

وقال أبو حنيفة: لا يجرى الربا بين مسلم و حربى فى دار الحرب، و عنه فى مسلمين أسلما فى دار الحرب لا ربا بينهما (المغنی لابن قدامہ ۴/۴۵)۔

اس کی دلیل وہ حضرت مکحولؒ کی روایت سے دیتے ہیں جس کے مطابق نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

لا ربا بين المسلمين و أهل الحرب فى دار الحرب (مغنی ۴/۴۵،۴۶)۔

دور حاضر میں دعوت اسلامی کی مطلوب مصالح کے مدنظر فقہ اسلامی کی اس رخصت کو چاہے ضرورت سے زیادہ وسعت نہ دی جائے، لیکن مسائل کی توجیہ و تحقیق میں اس کو بالکل نظرانداز کر دینا بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

۴۔ ہر چند کہ دور اول میں ذمی سے خنزیر کی تو نہیں لیکن شراب کی قیمت سے جزیہ وصول کرنے کی نظیر موجود ہے (شرح السیر الکبیر للسرخسی ۴/۲۲۷۔۲۲۸) تاہم وہ کمپنیاں جن کا کاروبار خالص شراب اور خنزیر کے حرام پر مشتمل ہو، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید و فروخت درست نہیں معلوم ہوتی۔

۵۔ حلال کاروبار کی کمپنیاں جنہیں انکم ٹیکس وغیرہ سے بچنے کے لئے مجبوراً بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے ان کے شیئرز کا خریدنا جائز ہے۔

۶۔ دوسری حلال کاروبار کی کمپنیاں جن کو قانونی تقاضوں کی تکمیل کی غرض سے سرمایہ بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے یا سیکورٹی بانڈز خریدنے پڑتے ہیں، جن کی وجہ سے انہیں سود بھی ملتا ہے، ایسی کمپنیوں کا شیئرز خریدنا جائز ہے۔

۷۔ جواب نمبر ۲ کی تنقیح سے اس کا جواب بھی صاف ہے، سودی قرضہ سے حاصل ہونے والا منافع جائز ہے۔ یہ قرض مفید ملک ہے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہوگی۔

۸۔ ہاں! کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے، اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا۔

۹۔ جواب نمبر ۲ کی تنقیح کے حوالہ سے بینک سے سودی قرضے کی سودی نوعیت ہی جب محل نظر قرار پائی تو پھر اس اختلاف کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی ہے۔ اپنے مضاربانہ کردار سے جس طرح جمع شدہ رکاروبار میں لگائی گئی رقم پر بینک متعین فیصد کا منافع دیتا ہے، ایسا ہی منافع وہ دوسرے ان لوگوں سے وصول کرتا ہے جنہیں ملنے والی رقم کا ایک نام "قرض" دیا جاتا ہے، جبکہ بینک اسے عملاً مضاربت کی صورت قرار دیتا ہے۔

۱۰۔ جواب نمبر ۲ کے حوالہ سے صدقہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، یہ اس کی جائز آمدنی ہے جسے وہ بے کھٹک زیر استعمال لاسکتا ہے۔

۱۱۔ تنقیح محولہ جواب نمبر ۲ سے اس کا جواب بھی واضح ہے۔ صدقہ کی ضرورت نہیں، سود کی روایتی شمولیت کے باوجود اس کی آمدنی جائز ہے۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت جائز ہے۔ کاروبار کا مطلب ہی ہے کہ آدمی منافع کا تخمینہ اور اس کی پیش بینی کر سکے، جس کے اندر یہ صلاحیت نہیں وہ کاروبار کرنے کا اہل نہیں۔ یہ تخمین اور قیاس آرائی تو ہر کاروبار میں شامل ہوتی ہے، اس لئے شیئرز کی تجارت کی پیش بینی اور قیاس آرائی شریعت میں ممنوع تخمین وقیاس آرائی کے دائرے میں نہیں آتی۔

۱۳۔ فیوچر سیل اپنی اس تفصیل کے ساتھ ناجائز ہے۔ یہ دراصل خالص قمار کی صورت ہے جسے ''بیاعات مستقبلیات'' کا خوبصورت نام دے دیا گیا ہے۔ یہ نہ بیع صرف ہے جس میں نقد کا نقد سے تبادلہ ہوتا ہے، نہ یہ شیئر کے دائرے میں آتا ہے جس میں اثاثے اور نقد کی خرید وفروخت نقد سے کی جاتی ہے۔ پس اس کے لئے تیسری صورت قمار کی ہی رہ جاتی ہے جو شریعت میں صراحۃً ممنوع ہے۔

۱۴۔ غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جائے نادرست ہے (دیکھئے مغنی ۴/۲۸۸)۔

۱۵۔ شیئرز کے نقد سودے میں قبضہ کے تحقق کے لئے شیئرز سرٹیفکیٹ کا فوری طور پر قبضے میں آ جانا ضروری نہیں ہے، سودے کی تکمیل کے بعد عرف میں معتبر شیئر پر جو معنوی قبضہ حاصل ہو جاتا ہے عقد کی صحت کے لئے وہ کافی ہے، قبضہ حسی پر اصرار کی کوئی ضرورت نہیں۔

۱۶۔ جب اس طرح شیئر کی خریداری درست قرار پا گئی تو پھر اسے دوسرے تیسرے اور چوتھے خریدار کو بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جب شیئر کا ضمان ومنافع خریدنے کے ساتھ خریدار کی طرف منتقل ہو گیا تو وہ ''بیع مالا یضمن'' کے دائرے سے اپنے آپ نکل گیا۔ اور آگے کے لئے اس کے لئے اپنے شیئر کی خرید وفروخت میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی۔

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج کے بروکر اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ وہ سودے جن کی بروکری اور ایجنسی کا وہ کام کر رہا ہے، فی نفسہ ان میں کوئی حرمت اور ممانعت کا پہلو نہ ہو۔

¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤

شیئرز

مقاصد شریعت کے دائرہ میں

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مئو

۱۔ ابتلاء عام کی وجہ سے اس مسئلہ میں شرکت کے جواز کا فتوی دیا جاتا ہے، اور شیئرز اپنی ذات میں کوئی چیز نہیں بلکہ اس کی پشت پر جو املاک واثاثے ہیں وہ اصل چیز ہے، لہذا شیئرز کی خرید وفروخت دراصل کمپنی کے اثاثوں میں تناسب ملکیت کی خرید وفروخت ہے، اور اس خرید وفروخت کے جواز کے لئے چار شرائط ہیں:

۱۔ اصل کاروبار حلال ہو، ۲۔ اس کمپنی کے منجمد اثاثے وجود میں آچکے ہوں، رقم صرف نقد کی شکل میں نہ ہو، ۳۔ اگر کمپنی سودی لین دین کرتی ہے تو اس کی سالانہ میٹنگ میں آواز اٹھائی جائے، ۴۔ جب منافع تقسیم ہوں اس وقت نفع کا جتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہو رہا ہو اس کو صدقہ کردے۔

۲۔ صورت مسئولہ میں خرید کردہ شیئرز کی بیع جائز ہے۔

۳۔ صورت مسئولہ میں بشرط مذکور خرید و فروخت جائز ہے۔

۴۔ صورت مسئولہ میں بنیادی حرام کاروبار والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت حرام ہے کیونکہ جواز کے لئے کمپنی کے کاروبار کا حلال ہونا شرط ہے۔

۵۔ صورت مسئولہ میں ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنا جائز ہے جن کا کاروبار حلال ہے، اس شرط کے ساتھ کہ سود کے خلاف آواز اٹھائی جائے، اور تجارت پر انکم ٹیکس ادا کرنا جو قانون حکومت ہے اس کی رعایت لازم ہونے کی وجہ سے بینک سے سودی قرضہ لے سکتے ہیں۔

۶۔ صورت مسئولہ میں مذکورہ کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جائز ہے اور ملنے والی سودی رقم فقراء ومساکین کو بلانیت ثواب صدقہ کردینا لازم ہے۔

۷۔ صورت مسئولہ میں مجبوری میں سودی قرض لینا جائز ہے اور حلال کاروبار وتجارت کے واسطے لینے کی وجہ سے جو کاروبار سے منافع حاصل ہوں گے وہ شرعاً حلال اور مفید ملک ہوں گے اور اس کے ذریعہ حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہوگی۔

۸۔ صورت مسئولہ میں کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہو کر اس کا عمل شیئرز ہولڈرس کا عمل ہوگا۔

۹۔ صورت مسئولہ میں شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اپنے اختلاف کا اعلان کردینا اسے بری الذمہ کردے گا۔

۱۰۔ صورت مسئولہ میں منافع میں سے سود کا صدقہ کردینا اور رفاہ عام کے کاموں میں لگادینا کافی ہوگا۔

۱۱۔ صورت مسئولہ میں چونکہ سودی لین دین کا غلبہ ہے تو جو حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا ہے تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا ہے اتنا فیصد ملنے والے منافع سے نکال کر صدقہ کر دینا کافی ہوگا۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت جائز ہے، اور مولانا تقی عثانی لکھتے ہیں : یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ تخمین و قیاس آرائی بذات خود حرام ہے یہ بات غلط ہے، تخمین یہ ہے کہ اندازہ لگایا جائے کہ کس چیز کی قیمت بڑھ رہی ہے اور کس کی قیمت کم ہو رہی ہے، جس کی قیمت کم ہونے کا اندیشہ ہو اس کو بیچ دیا جائے اور جس کی قیمت بڑھنے کی امید ہو اس کو رکھا جائے، یہ بات بذات خود ممنوع نہیں ہے، یہ تو ہر تجارت میں ہوتی ہے، جو بات ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ بیع وشراء کی شرعی شرائط کی رعایت نہ کی گئی، مثلاً غیر مملوک کی بیع یا غیر مقبوض کی بیع کی جا رہی ہو، یا قمار کی شکل بن رہی ہو، قمار دو باتوں سے ملکر بنتا ہے: ایک یہ کہ ایک طرف سے ادائیگی متعین ہو اور دوسری طرف سے موہوم ہو، دوسری بات یہ ہے کہ جس طرف سے ادائیگی ہوگئی ہے اس کی رقم دو باتوں میں دائر ہے ، یا تو یہ رقم خود بھی ڈوب جائے گی یا اور رقم کو کھینچ کر لائے گی (اسلام اور جدید معیشت وتجارت رص ۹۰)۔

۱۳۔ صورت مسئولہ میں فیوچر سیل شرعاً جائز نہیں ہے۔

۱۴۔ صورت مسئولہ میں غائب سودا جس میں بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ تمام رکن اور انعقاد بیع کے لئے صیغہ ماضی یا حال شرط ہے، اور صیغہ استقبال سے بیع جائز نہیں ہے۔

۱۵۔ شیئرز پر قبضہ کا مطلب:

شیئرز در حقیقت کمپنی کی املاک میں متناسب حصہ داری کا نام ہے اور شیئر سرٹیفکیٹ در حقیقت اس حصہ داری کا تحریری ثبوت ہے، لہذا مبیع وہ تحریری ثبوت نہیں بلکہ کمپنی کی املاک کا ایک مشاع حصہ ہے، اس لئے اس پر حسی قبضہ تو نہیں ہوسکتا لہذا اس میں معنوی قبضہ ہی معتبر ہوگا۔ اب دو صورتیں ہیں: یا تو یوں کہا جائے کہ معنوی قبضہ اس وقت ہوگا جب سرٹیفکیٹ ہاتھ میں آجائے، یا پھر یوں کہا جائے کہ جس وقت وہ مشاع حصہ مشتری کے ضمان میں آجائے اس وقت معنوی قبضہ متصور ہوگا، اور ہر چیز کے قبضہ کا تصور عرف سے متعین ہوتا ہے اور عرف میں شیئرز کا قبضہ اس وقت سمجھا جاتا ہے جب سرٹیفکیٹ ہاتھ میں آجائے۔

۱۶۔ صورت مسئولہ میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ سرٹیفکیٹ پر قبضہ کئے بغیر آگے بیع نہ کی جائے۔

۱۷۔ صورت مسئولہ میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے۔

☆☆☆☆☆

کمپنی کے شیئرز اور ان کا شرعی حکم

مفتی انور علی اعظمی، دارالعلوم مئو

۱۔ کمپنی کے شیئرز کے بارے میں دو نقطۂ نظر ہیں:

ایک یہ کہ شیئرز سرٹیفکیٹ محض کمپنی کو دئے ہوئے پیسے کی دستاویز ہے، کمپنی کے اثاثوں اور اسکی املاک میں حسب تناسب حصہ دار ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، یہی نظریہ درست ہے۔

۲۔ کمپنی کے قیام کے وقت جبکہ اس کے صرف سیال اثاثے یعنی نقد روپے ہیں، ابھی اس کمپنی نے نہ کوئی بلڈنگ خریدی ہے اور نہ مشینری، نہ اس کے پاس خام مال ہے اور نہ تیار مال ہے، اس وقت کمپنی کے شیئر کا کمی بیشی کے ساتھ بیچنا خریدنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب کمپنی کے پاس نقد رقم کے علاوہ اور کوئی ملکیت نہیں ہے تو اس صورت میں دس روپے کا شیئر دس روپے ہی کی نمائندگی کر رہا ہے، لہذا اس کو نو روپے میں بیچنا یا گیارہ روپے میں خریدنا، ایسے ہی ہے جیسے دس روپے کے نوٹ گیارہ روپے کا بیچنا یا خریدنا، جو کہ ناجائز ہے۔

۳۔ جب کمپنی کے پاس سیال اثاثے کے علاوہ کچھ منجمد اثاثے مثلاً بلڈنگ، مشینری، خام مال وغیرہ ہوگئے تو اس وقت اس کے شیئرز کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہوگی، لیکن اس صورت میں ایک بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جب کمپنی کا کاروبار ترقی کر جائے اور کمپنی کے واجب الوصول قرضے اور نقد کی مقدار بڑھ جائے تو شیئر کے مقابلہ میں واجب الوصول قرض اور نقد کی جو مقدار آتی ہے اس سے زیادہ میں بیچنا ضروری ہوگا، اس کے برابر یا کم میں بیچنا جائز نہیں، مثلاً ابتداء میں ایک کمپنی کی کل رقم سو روپے قرض لی گئی اور اجزاء اس طرح تھے۔

واجب الوصول قرض	بلڈنگ	مشینری	مال	نقد
۱۰	۴۰	۲۰	۲۰	۱۰

لیکن ترقی کے بعد کمپنی کے اثاثوں کی مالیت دو سو بیس (۲۲۰) ہوگئی۔

واجب الوصول قرضے	نقد شیئرز	بلڈنگ	مشینری	خام مال
۷۰	۷۰	۴۰	۲۰	۲۰

اب کمپنی کے شیئر کی ویلو دس سے بڑھ کر بیس ہوگئی، لہذا اس وقت دس روپے کے شیئر کی مجموعی مالیت اکیس روپے ہوگئی۔ اکیس میں سے چودہ نقد اور واجب الوصول قرضے اور بقیہ سات میں بلڈنگ، مشینری اور خام مال وغیرہ، اس صورت میں دس روپے کے شیئر کو چودہ روپے سے کم کا فرخت کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ چودہ روپے سے زیادہ بیچنا ضروری ہوگا، تاکہ چودہ کے مقابلہ میں نقد اور واجب الوصول قرضے کے چودہ ہو جائیں اور زائد کے مقابلہ میں بلڈنگ مشینری اور خام مال کا حصہ ہوگا۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے، جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت اور ایکسپورٹ، یا بینکس اور سودی اسکیموں میں روپے لگانا، ان کے شیئرز خریدنا جائز نہیں۔

۵۔ موجودہ حالات میں انکم ٹیکس وغیرہ کا جو غیر عادلانہ قانون رائج ہے اس سے بچنے کے لئے سودی قرض لینا ایک مجبوری ہے اور یہ مجبوری شخصی کاروبار میں حائل ہوتی ہے اور کمپنی کو پیش آسکتی ہے، لہذا اگر کمپنی نے بدرجہ مجبوری سودی قرضے لئے تو اس کے شیئرز خریدنا جائز ہوگا۔

البتہ شیئرز ہولڈر اس بات کی کوشش کرے کہ مجبوری ختم ہونے کے بعد بلاضرورت سودی قرض میں کمپنی ملوث نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ جتنا حصہ سودی اکاؤنٹ سے حاصل ہوا اتنا حصہ بلانیت ثواب صدقہ کرے۔

۶۔ دو شرطوں کے ساتھ ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنے کی اجازت ہوگی: ایک تو یہ کہ شیئر ہولڈر اپنی استطاعت بھر سودی آلودگی سے کمپنی کو بچانے کی کوشش کرے، اور دوسرے یہ کہ کمپنی کے اجلاس میں اس کے خلاف آواز اٹھائے۔

۷۔ سودی قرض لینے کی صورت میں اس قرض سے حاصل ہونے والے منافع جائز ہونگے، وہ قرض مفید ملک ہوگا، اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہوگی۔ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اپنی کتاب "اسلام اور جدید معیشت وتجارت" میں تحریر فرماتے ہیں: بعض علماء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کمپنی سودی کاروبار اصلاً کر رہی ہو یا تبعاً، سودی کاروبار کم ہو یا زیادہ، اس کے شیئرز لینا جائز نہیں خواہ اسکا حقیقی کاروبار درست ہو، لیکن صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی کے سودی لین دین کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ کمپنی قرضہ لے اور اس پر سود ادا کرے، اس صورت میں کمپنی کی آمدنی میں کوئی حرام عنصر شامل نہیں ہوا، اس لئے کہ جو کوئی شخص سود پر قرض لے تو یہ فعل حرام اور سخت گناہ ہے مگر وہ قرض کا مالک ہو جائیگا، اس کے ساتھ کاروبار کی جو آمدنی حاصل ہوگی وہ بھی حلال ہوگی (صفحہ ۸۷)۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے لیکن یہ وکالت شرکت کی وکالت سے مختلف ہے، اس لئے کہ شرکت میں ہر شریک کی وکالت اس درجہ قوی ہوتی ہے کہ اگر ایک شریک بھی کسی کاروبار سے اختلاف کر دے تو وہ کاروبار نہیں کیا جاسکتا لیکن کمپنی کے سیکڑوں شرکاء ہوتے ہیں بلکہ کبھی کبھی یہ تعداد ہزار تک پہونچ جاتی ہے، لہذا یہاں شیئر ہولڈرس باوجود شریک ہونے کے اتنا پاور نہیں رکھتے کہ اپنی تنہا رائے سے کمپنی کے اجتماعی فیصلے کو رد کرسکیں، اس لئے ان کا کمپنی کے اجلاس میں سودی کاروبار سے اختلاف کر دینا اور بقول حضرت تھانویؒ کمپنی کے ذمہ داران کو اس مضمون کا خط لکھ دینا کافی ہوگا، اور اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کر لینے کے بعد شیئر ہولڈر بورڈ آف ڈائرکٹرس کے اس عمل کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

۹۔ کمپنی کی میٹنگ میں شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اپنے اختلاف کا اعلان کر دینا وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے اسے بری الذمہ کر دے گا۔

۱۰۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہوا و ۔ کی مقدار معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کو منافع سے اسکی بقدر نکال کر صدقہ کرنا بھی ضروری ہوگا۔

۱۱۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو

تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا اتنا فیصد ملنے والے منافع سے نکال کر صدقہ کردینا شیئر ہولڈر کی بقیہ منافع کو جائز بنانے کے لئے کافی ہوگا۔

۱۲۔ شیئرز کی خریداری دو مقصد سے ہوتی ہے: ایک تو باقاعدہ کمپنی کا حصہ دار بن کر اسکا سال بسال نفع حاصل کرنے کے لئے، دوسرے شیئرز کو سامان تجارت کے طور پر بیچنے خریدنے کے لئے۔ شیئرز خریدنے والے کمپنی کے نفع کو سامنے رکھنے کے بجائے شیئرز کی قیمت میں اتار چڑھاؤ کو سامنے رکھتے ہیں، جب کسی کمپنی کا شیئر گھٹ جاتا ہے تو اسکا شیئر خرید لیتے ہیں اور بڑھ جانے کے بعد بیچ دیتے ہیں۔ اس دوسرے مقصد سے بھی شیئر کی خرید وفروخت جائز ہے، اور اس خریداری میں اور فروختگی میں جس قیاس آرائی اور تخمین کو دخل ہے وہ شرعاً ممنوع نہیں ہے، اس طرح کی قیاس آرائی تو ہر قسم کی تجارت میں چلتی ہے۔ البتہ تخمین اور قیاس آرائی کی بنیاد پر شیئرز کی خرید وفروخت وہاں ناجائز ہوگی جہاں شرعی اصول کی رعایت نہ کی جائے، مثلاً جہاں غیر مملوک کی بیع یا غیر مقبوض کی بیع ہو یا قمار کی شکل بن رہی ہو، مثلاً کمپنی کے وجود میں آنے سے پہلے اس کے منجمد اثاثوں کی بیع کی جائے، کمپنی کا ابھی صرف وجود ذہنی ہے خارج میں کچھ بھی نہیں، اور اس کے دس روپے کے شیئر کو پچاس روپے کا بیچا جائے، خواہ نیت سرمایہ کاری کی ہو یا شیئر بیچ کر نفع کمانے کی۔

۱۳۔ فیوچر سیل یا بیاعات مستقبلیہ:

شیئرز مارکیٹ میں مروج فیوچر سیل یعنی بیاعات مستقبلیہ کا سودا ناجائز ہے، کیونکہ یہ ایک جوا ہے، مقصد کسی چیز کی خرید وفروخت نہیں بلکہ صرف سٹے بازی اور ڈیفرنس برابر کرنا ہے، یہ صورت بالکل حرام ہے، اس لئے کہ اس بیع میں مشتری نہ تو مبیع پر قبضہ کرتا ہے اور نہ بائع ثمن پر، بلکہ یہ مقصد ابتداء ہی سے معدوم ہوتا ہے، دونوں کے درمیان قبضہ کی تاریخ طے ہوتی ہے اور اس تاریخ پر اگر شیئرز کی قیمت گھٹ گئی تو یوم خرید اور یوم قبضہ کا فرق مشتری بائع کو دیتا ہے، اور اگر شیئرز کی قیمت بڑھ گئی تو دونوں تاریخوں میں قیمت کا فرق بائع مشتری کو دیتا ہے، شرعی ضابطہ سے یہ بیع بالکل ناجائز ہے، اور اسی قسم کے تخمین اور قیاس آرائی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

۱۴۔ غائب سودے جن میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے وہ بھی شرعاً ناجائز ہے، مستقبل میں بیع کا وعدہ کیا جاسکتا ہے لیکن وقت آنے پر باقاعدہ بیع ضروری ہوگی۔ بیع کی مستقبل کی طرف اضافت یا تعلیق بہ اتفاق ناجائز ہے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت ر۹۱)۔

۱۵۔ شیرز کا قبضہ:

کمپنی کے شیئر ہولڈر یعنی حصہ دار سے حصہ خریدنے کے بعد خریدار اس حصہ کا مالک ہوجائے گا، چاہے اس سے اپنے حصہ کا سرٹیفکیٹ ملا ہو یا نہ ملا ہو، جیسے مکان کا خریدار نفس خرید سے مکان کا مالک ہوجائے گا، چاہے رجسٹریشن کا کاغذ ملا ہو یا نہ ملا ہو، شیئرز ہولڈر کا شیئر سرٹیفکٹ پر اگرچہ حسی قبضہ نہیں ہوا لیکن کمپنی کے حصہ پر اسکا معنوی قبضہ ثابت ہوجائے گا، اس لئے کہ اسٹاک ایکسچینج کے قانون کے حساب سے خریدنے والا خریدنے کے وقت سے اسکے نفع نقصان کا ذمہ دار مانا جاتا ہے، یعنی اگر خریداری کے بعد

سرٹیفکٹ ملنے سے پہلے کمپنی تباہ ہوگئی تو نقصان مشتری کا ہوگا بائع کا نہیں ہوگا۔ مفتی محمد تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں: اسٹاک ایکسچینج کے لوگوں سے تفصیلی گفتگو کے نتیجے میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ حاضر سودا ہوجانے کے بعد شیئرز کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں، وہ خریدار کے ضمان میں داخل ہوجاتے ہیں، اس دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ شیئر کے بیع ہی سے خریدار مالک ہوجائے گا اور اس کا قبضہ سرٹیفکٹ کی حصولیابی پر موقوف نہیں ہوگا۔ لیکن دوسری دلیل اسکے خلاف کی متقاضی ہے، وہ یہ کہ عرف میں سرٹیفکٹ پر قبضہ کو ہی شیئر پر قبضہ تصور کیا جاتا ہے، کیونکہ کمپنی کے حصہ مشترکہ پر قبضہ حسی کی کوئی شکل نہیں، لہذا جب تک سرٹیفیکٹ نہیں مل جاتا عرف میں وہ آدمی اپنے شیئر پر قابض نہیں ہوا، اس دلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ سرٹیفکٹ حاصل کرنے سے پہلے اس کی بیع دوسرے کے ہاتھ نہ کرے۔

۱۶۔ سرٹیفکٹ حاصل کرنے تک ابھی شیئر پر قبضہ مشتبہ ہے، اس لئے اس کی بیع احتیاط کے خلاف ہے اور اسکی اجازت سٹہ بازی کی حوصلہ افزائی کے مترادف ہے، اس لئے اس سے پرہیز لازم ہے۔

☆☆☆☆☆

شیئرز کے احکام

مفتی شبیر احمد قاسمی صاحب
دارالافتاء مدرسہ شاہی، مراد آباد

کمپنی کے حصص اور شیئرز خریدنا:

اگر کوئی براہ راست کمپنی سے شیئرز کا فارم خرید کر شرکت کر لیتا ہے اور حصص کے تناسب سے نفع ونقصان اور راس المال سب میں شریک ہوجاتا ہے تو شرعاً یہ معاملہ شرکت عنان کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور درست ہو جائے گا (مستفاد امداد الفتاوی ۳/۴۹۴، ۳/۴۹۰) اس لئے کہ شرکت عنان میں ہر فریق کا عمل میں شریک ہونا لازم نہیں ہے بلکہ اس میں وکالت کا مفہوم موجود ہونے کی وجہ سے عمل میں شرکت کے بغیر بھی درست ہو جاتی ہے (مستفاد فتاوی عالمگیری ۲/۳۱۹) کہ روپے دینے والے اس کمپنی کے شرکاء ہیں اور کارکنان کمپنی ان کے وکیل ہوتے ہیں (امداد الفتاوی ۳/۴۹۱) لہذا کمپنی کے حصص اور شیئرز کا خریدنا اوران سے نفع حاصل کرنا جائز اور حلال ہوگا (ایضاح النوادر ۱/۱۰۲)۔

مارکیٹ سے شیئرز خریدنا:

ہمارے ہندوستان میں یہ طریقہ رائج ہے کہ بعض لوگ کمپنی کے ایجنٹ بن کر ایجنسی کھول کر کمپنی سے کافی مقدار میں شیئرز لے کر بازار میں شیئرز فارم فروخت کرتے ہیں، تو کیا اس طرح ایجنسی سے کمپنی کے شیئرز خریدنا جائز ہو سکتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی تین شکلیں زیادہ واضح نظر آتی ہیں:

۱۔ خریدار کی نگاہ میں یہی بات پیش نظر ہوتی ہے کہ شیئرز کا فارم خرید کر متعلقہ کمپنی میں شرکت حاصل کرتا ہے اور تناسب کے حساب سے نفع ونقصان میں شریک ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں اگر ایجنسی نے کمپنی کو ان حصوں کا عوض ادا نہیں کیا ہے تو ایجنسی من جانب کمپنی وکیل ہے اور شیئرز کے خریدار کمپنی کے شریک ہوں گے، اور اگر ایجنسی نے ان حصوں کا عوض ادا کر دیا ہے تو ایجنسی کمپنی کی شریک ہوگی، اور جب ایجنسی اپنے حصص بازار میں جا کر دوسروں کے ہاتھ عوض لے کر منتقل کر دے گی تو ایجنسی درمیان سے نکل جائیگی اور خریدار کمپنی کی شرکت میں حصہ دار بن جائیں گے (مستفاد امداد الفتاوی ۳/۴۹۲)۔

۲۔ خریدار کے ذہن میں یہ بات نہیں ہوتی ہے کہ کمپنی میں شرکت کرنا ہے بلکہ اس کے ذہن میں صرف یہ بات ہوتی ہے کہ آئندہ چند روز کے بعد ان حصص کا بھاؤ بڑھ جائے گا اور اس سے زیادہ قیمت میں فروخت ہو سکتے ہیں لہذا اب خرید لئے جائیں، تو اس طرح شیئرز کی خرید وفروخت بھی شرعاً بقول امام ابو یوسف جواز کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور حلال ہو جائے گی۔

وقال ابو یوسف لا یکرہ ھذا البیع (الی قولہ) حتی لو باع کاغذۃ بالف یجوز

الخ (شامی ۳۲۶/۵، فتح القدیر ۲۱۲/۷)۔

اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ بیع مکروہ نہیں ہے حتی کہ اگر کوئی کاغذ ایک ہزار میں فروخت کیا جائے تو بھی جائز ہے۔

۳: کمپنی کے ایجنٹ تو نہیں بلکہ کوئی شخص براہ راست شخصی طور پر شیئرز خرید لیتا ہے اور پھر اپنے شیئرز کو کسی وجہ سے فروخت کر دیتا ہے اور خریدار اس سے کمپنی میں شرکت کی غرض سے یا آئندہ شیئرز کے بھاؤ بڑھنے پر اچھی شرح پر فروخت کرنے کی غرض سے خریدتا ہے تو یہ بھی شرعاً جواز کے دائرہ میں داخل ہو کر درست ہو جائے گا (ایضاح النوادر ۱۰۳/، امداد الفتاوی ۴۹۲/۳، ۴۹۵/۳)۔

مسلم کمپنی کے شیئرز خریدنا:

اگر مسلمان کی کمپنی ہے اور کمپنی میں جائز کاروبار ہے اور سودی کاروبار کرنا شیئرز کے خریدار کو یقین سے معلوم نہیں ہو سکا ہے تو ایسی کمپنی سے شیئرز کا خریدنا بلاشبہ جائز اور حاصل ہونے والا نفع حلال ہوگا، لہٰذا اگر کمپنی فی الواقع سودی لین دین کرتی ہے تو اس کا وبال کمپنی کے ذمہ داروں پر ہوگا شیئرز کے خریدار پر نہ ہوگا۔ ہاں البتہ اگر مسلم کمپنی کا سودی کاروبار یقین سے معلوم ہو جائے تو اس شیئرز کا خریدنا ناجائز اور ممنوع ہوگا (امداد الفتاوی ۴۹۱/۳)۔

اور امداد الفتاوی میں یہ بات صراحت سے بیان کی گئی ہے کہ اگر کمپنی کے سودی کاروبار سے خریدار مطلع ہو جائے اور خریدار کمپنی کو سودی لین دین سے صراحت سے منع کر دے تو ایسی صورت میں لین دین کا ذمہ دار خریدار نہ ہوگا اور اس کے لئے نفع حلال ہو جائے گا اور ذمہ دار کمپنی کے عملہ ہوں گے (امداد الفتاوی ۴۹۷/۳)۔

سودی کاروبار میں حصہ لینے والی مسلم کمپنی کے شیئرز:

اگر کسی شخص نے سودی کاروبار میں حصہ لینے والی کمپنی کے شیئرز خریدے ہیں اور اس نے کمپنی کے عملہ سے صراحتہً کہہ دیا ہے کہ سودی کاروبار جائز نہیں ہے تو ایسی صورت میں عقود فاسدہ کے لین دین کے ذمہ دار بقول حضرت تھانویؒ کمپنی کے عملہ ہوں گے، شیئرز کا خریدار نہ ہوگا، اور اگر پھر بھی کمپنی نے سودی کاروبار میں حصہ لے لیا ہے تو یہ کمپنی کے عملہ سے معلوم کرے کہ سالانہ آمدنی میں سے کتنا فیصد سودی کاروبار کی وجہ سے منافع ہوا ہے تو یہ خریدار اپنے حاصل شدہ منافع میں سے اتنا ہی فیصد نکال کر صدقہ کر دے، یہ شیئرز کے معاملہ میں حرام مال سے بچنے کے لئے ایک بہترین شکل ہے (فقہی مقالات رص ۱۵۰)۔

غیر مسلم کمپنی کے شیئرز خریدنا:

اگر کمپنی غیر مسلم کی ہے اور اس میں سودی کاروبار نہیں ہے تو بلاشبہ غیر مسلم کی ایسی کمپنی کے شیئرز کا خریدنا اور اس کے منافع حاصل کرنا جائز اور حلال ہوگا، اور اگر غیر مسلم اپنی کمپنی میں سودی کاروبار بھی کرتا ہے یا حالات معلوم

نہیں ہیں، اور ظاہر ہے کہ ان کے یہاں سودی لین دین مذموم نہیں ہے تو ایسی صورت میں غیر مسلم کی کمپنی کے شیئرز خرید نا شرعاً مکروہ تحریمی ہوگا (امداد الفتاوی ۳ر ۴۹، ایضاح النوادر ار ۱۰۶)۔

اگر غیر اسلامی ممالک میں کمپنی کے شیئرز کا معاملہ چل رہا ہے تو شیئرز کمپنی کی تین قسمیں ہیں:

قسم اول۔ غیر اسلامی ممالک کی مسلم کمپنی:

غیر اسلامی ممالک کی مسلم کمپنی کی تین شکلیں زیادہ واضح ہیں:

ا۔ کمپنی مسلمانوں کی ہو، چاہے اس میں کام کرنے والے غیر مسلم بھی ہوں پھر بھی اس کو مسلم کمپنی قرار دیا جائے گا، اگر ایسی مسلم کمپنی کا پورا کاروبار سودی لین دین پر ہے اور اس کمپنی میں کوئی بھی جائز معاملہ نہیں کیا جاتا ہے، مثلاً فکس ڈپازٹ کی کمپنی ہے یا لائف انشورنس کی کمپنی ہے یا شراب کی کمپنی ہے، تو ایسی مسلم کمپنی میں شیئرز خرید کر شرکت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۲۔ مسلم کمپنی جائز معاملہ کرتی ہے، مثلاً پلاٹ اور عمارت کا کام کرتی ہے یا خود اس کمپنی میں اشیاء تیار ہوتی ہیں، مثلاً جوتا، چپل یا کپڑا یا صابن یا گاڑی وغیرہ خود اس کمپنی میں بنتے ہیں تو ایسی کمپنی کی شرکت اور اس کے شیئرز خرید کر منافع حاصل کرنا بلاشبہ جائز اور درست ہے، اس لئے کہ یہ معاملہ شرعی طور پر مضاربت یا شرکت کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور درست ہو جاتا ہے۔

۳۔ مسلم کمپنی کا اصل کاروبار جائز تجارت یا جائز چیزوں کی ایجاد ہے لیکن ضمناً فکس ڈپازٹ وغیرہ بھی کرتی ہے یا سرکار سے سود پر قرض لے کر بھی کام کرتی ہے تو ایسی مسلم کمپنی سے شیئرز خریدتے وقت صاف کہہ دیا جائے کہ ہم سودی معاملہ کو جائز نہیں سمجھتے ہیں اور ہمارے اسلام میں سودی معاملہ جائز نہیں ہے اس لئے آپ سودی معاملہ نہ کیجئے، پھر بھی اگر کمپنی سودی معاملہ کر بیٹھے تو سال کے آخر میں منافع تقسیم کرتے وقت کمپنی سے معلوم کر لیا جائے کہ کتنے فیصد منافع سودی لین دین سے حاصل ہوا ہے تو خریدار اپنے منافع میں سے اتنا فیصد صدقہ کر دیا کرے (مستفاد فقہی مقالات رص ۱۵۱)۔

قسم دوم۔ مسلم و غیر مسلم کی مشترک کمپنی:

اگر غیر اسلامی ممالک میں کمپنی مسلمان و غیر مسلم کے درمیان مشترک ہے اور ایسی کمپنی کا شیئرز خریدا جا رہا ہے تو اس میں وہ سارے احکام لاگو ہوں گے جو خالص مسلم کمپنی سے شیئرز خریدنے کے متعلق ذکر کئے جاتے ہیں، جو صورتیں مسلم کمپنی کے شیئرز میں جائز ہیں وہ مشترک کمپنی میں بھی جائز ہوں گی، اور جو شیئرز مسلم کمپنی کے جائز نہیں ہیں وہ مشترک کمپنی کے بھی جائز نہ ہوں گے۔

قسم سوم۔ غیر مسلم کمپنی کے شیئرز:

اگر کمپنی کے مالک غیر مسلم ہیں اگرچہ اس میں کام کرنے والا بعض عملہ مسلمان کیوں نہ ہو، اس پوری کمپنی کو

غیر مسلم کمپنی کہا جائے گا، اور غیر مسلموں کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرنا یا شرکت عنان کا معاملہ کرنا بالاتفاق جائز ہے، البتہ صرف شرکت مفاوضہ میں حضرات طرفین اور حضرت امام ابو یوسف کا اختلاف ہے، حضرات طرفین کے نزدیک شرکت مفاوضہ میں مساوات فی الدین شرط ہے، اور حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک مساوات فی الدین شرط نہیں ہے۔ اور کمپنی کے شیئرز کے معاملہ میں شرکت مفاوضہ کی تعریف یوں ہی صادق نہیں آتی ہے بلکہ شرکت عنان یا مضاربت کی تعریف صادق آتی ہے، اس لئے شیئرز کی خریداری میں مضاربت یا شرکت عنان کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسئلہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے، اور مضاربت اور شرکت عنان مسلم و غیر مسلم کے درمیان جائز ہوتا ہے، ان میں مساوات فی الدین شرط نہیں۔ لہذا مسلمان کے لئے غیر مسلم کمپنی کے شیئرز خریدنا بلاتردد جائز و درست ہوگا [1]

غیر مسلم کمپنی میں سودی کاروبار:

اگر مسلمان نے غیر مسلم کمپنی سے شیئرز خرید لیا ہے اور وہ غیر مسلم عقود فاسدہ اور ربا کا معاملہ بھی اپنی تجارت میں کرتا ہے تو ایسی صورت میں کمپنی کے شیئرز سے ملا ہوا منافع مسلمان کے لئے حلال ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ عقود فاسدہ اور ربا کا معاملہ کرنے میں مسلمان کا کوئی دخل نہیں ہے، سارا دخل اور اختیار اور معلومات اس غیر مسلم ہی کو حاصل ہے اور عقد کے حقوق بھی اسی غیر مسلم پر لاگو ہوں گے، اور خریدار مسلمان کو پوری طرح حقیقت بھی معلوم نہیں تو ایسی صورت میں حاصل شدہ منافع اس مسلم کے لئے حلال ہونے میں کسی قسم کا تردد نہیں ہے، اس لئے کہ ہم کو شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان کو ان کے معاملات پر چھوڑ دیں، وہ اپنے اعتقاد کے اعتبار سے معاملہ کرتے رہیں، اور عقود فاسدہ اور سودی معاملہ ان کے دین کے اعتبار سے جائز ہے، اس لئے اگر غیر مسلم کمپنی نے اپنی کمپنی کے اندر سودی لین دین کر رکھا ہے تو اس کا وبال خریدار مسلم پر نہیں پڑے گا اس لئے کہ معاملہ کو طے کرنے میں مسلمان کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ غیر مسلم کمپنی کا دخل رہا ہے، لہذا غیر مسلم اپنے طور پر معاملہ کر کے جو منافع حاصل کرتا ہے وہ اس کے لئے حلال ہے اور جب وہ مسلمان کو دے گا تو اس کے لئے بھی حلال ہو جائے گا، لیکن جان بوجھ کر ایسا معاملہ کرنا مسلمان کے لئے مکروہ ہے، البتہ تجارت کا منافع حلال ہوگا۔ واللہ اعلم (اعلاء السنن ۱۴/۱۱۱-۱۱۲)۔

☆☆☆☆☆

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۶/۸۱، قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ۶/۳۱۳، عالمگیری ۲/۲۱۹، ۴/۳۳۳، تبیین الحقائق ۳/۳۱۵)۔

شیئرز کا شرعی حکم

مولانا محمد رضوان القاسمی، حیدرآباد

۱۔ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر، کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، یا محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے اتنی رقم کمپنی کو دی ہے۔ اس سلسلے میں علماء کرام کی رائیں مختلف ہیں۔ تاہم کمپنی کی حقیقت اور خصوصیات سے اس گروہ کی تائید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ وہ ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ کیوں کہ اگر کمپنی شرکاء کی باہمی قرارداد سے تحلیل ہو جائے تو ہر ایک کو کمپنی کے اثاثہ واملاک کا متناسب حصہ ملتا ہے، نفع حاصل ہونے کی صورت میں ہر شیئر ہولڈر کو راس المال کے تناسب سے حصہ ملتا ہے اور خسارہ کی صورت میں اسی تناسب سے نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔

۲۔ جب کمپنی کا وجود عمل میں نہ آیا ہو تو ظاہر ہے کہ شرکاء کے حصص صرف نقود کی شکل میں ہوں گے، تو ایسے شیئر کی بیع میں نقد کا مقابلہ نقد سے ہوگا، جس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ مجلس میں قبضہ ہو، لہذا اس شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے ایسے شیئر کو خریدنا جائز نہ ہوگا، چونکہ نقد کے مقابلہ میں نقد ہے۔

۳۔ کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد اس کا سرمایہ نقود واملاک کا مجموعہ ہوتا ہے، تو اس کا شیئر خریدنا جائز ہے جب کہ ثمن کے مقابلہ میں نقد کم ہو، تا کہ بقیہ ثمن املاک کے مقابل ہو جائے، جیسا کہ فقہاء چاندی سے ملمع کی ہوئی تلوار وغیرہ کی بیع میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ ثمن کے مقابلے میں چاندی کم ہو، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

والأصل انه متی بیع نقد مع غیرہ کمفضض و مزرکش بنقد من جنسه شرط زیادة الثمن.

اصل یہ ہے کہ جب نقد اور غیر نقد سے مخلوط شئی مثلاً چاندی سے ملمع کی ہوئی چیز اور زری والے کپڑے کی بیع خالص نقد کے ساتھ کی جائے تو اگر دونوں نقد کی جنس متحد ہو تو ثمن کی زیادتی شرط ہے۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے تو ان کے کا شیئرز خریدنا ناجائز ہے، کیونکہ یہ اعانت علی المعصیۃ ہے، اور کتاب وسنت اور فقہاء کی عبارات اس کے حرام وممنوع ہونے پر ناطق ہیں۔

۵۔ اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہو لیکن وہ عائد ہونے والے ناواجبی ٹیکس مثلاً انکم ٹیکس وغیرہ کی زد سے بچنے کے لئے سودی قرض لیتی ہو تو یہ احتیاج وضرورت کی وجہ سے جائز ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

یجوز للمحتاج الا ستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر رص ۹۲)۔

محتاج کے لئے سودی قرض لینا جائز ہے۔

۶۔ اور اگر قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہو تو یہ بھی ضرورت کی وجہ سے جائز ہے، اس لئے ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنے کے جواز میں بھی کوئی کلام نہیں۔

۷۔ سودی لین دین عقود فاسدہ میں سے ہے، اس لئے اس پر قبضہ کرنے سے ملکیت آجائیگی، اگر یہ معاملہ ضرورتاً کیا گیا ہو تو اس سے حاصل ہونے والے منافع بھی حلال ہوں گے، چونکہ اس میں کوئی حرام عنصر شامل نہیں ہوا

ہے، اور ضرورتاً لئے جانے کی وجہ سے اس میں خبث بھی نہیں ہے، لیکن اگر بلاضرورت قرض لیا گیا ہو تو وہ مال خبیث سمجھا جائے گا، اس لئے منافع بھی حلال نہ ہوں گے۔

۸،۹۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے، لیکن شیئر ہولڈر اگر ڈائرکٹرس کے کسی عمل سے صراحۃً براءت کا اظہار کردے تو وہ اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

۱۰۔ مذکورہ تمام صورتوں میں سودی منافع کا صدقہ کردینا کافی ہوگا، جیسا کہ مال حلال وحرام کے خلط ملط ہوجانے کا حکم ہے کہ جب حرام مال کی مقدار معلوم ہو تو صرف اس کو صدقہ کردینا کافی ہوگا۔

۱۱۔ اگر سودی آمدنی کو کاروبار میں لگایا جاتا ہو اور بھی شیئرز کمپنیاں ایسا کرتی ہوں تو ان کے شیئرز خرید کرنا جائز ہے۔

۱۲۔ شیئرز کی خرید وفروخت درحقیقت کمپنی کے اثاثوں میں متناسب حصہ کی خرید وفروخت ہے، گویا اسے تجارت کی حیثیت حاصل ہے، اس لئے شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے اس کی تجارت جائز ہے، بیع کے جواز وعدم جواز میں قیاس وتخمین کا کوئی دخل نہیں ہے۔

۱۳،۱۴۔ غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، نہ جائز ہے اور نہ معتبر، چنانچہ وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

البيع المضاف: هوما أضيف فيه الايجاب إلى زمن مستقبل كأن يقول شخص لغيره: بعتك هذه السيارة بكذا من أول الشهر القادم ..... أتفق الفقهاء على عدم صحة البيع المعلق أو المضاف (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۶۱)۔

بیع مضاف وہ ہے جس میں ایجاب کی کیفیت زمانہ مستقبل کی طرف کی جائے، جیسا کہ کوئی شخص دوسرے سے کہے: میں نے تیرے ہاتھ یہ گاڑی اتنے میں فروخت کیا لیکن اسے آئندہ مہینہ کے شروع میں حوالہ کرونگا......... فقہاء کرام بیع معلق یا بیع مضاف کے صحیح ہونے پر متفق ہیں۔

۱۵،۱۶۔ فقہاء احناف کے یہاں تخلیہ کو حکماً قبضہ سمجھا گیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ مشتری بلا رکاوٹ ومشقت مبیع میں تصرف کرسکے، یہ کیفیت شیئر ہولڈر کو بوقت شراء ہی حاصل ہوجاتی ہے، جیسا کہ کمپنی کی خصوصیات وقوانین سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام حقوق وذمہ داریاں اور دیگر تصرفات کا حق بوقت شراء ہی حاصل ہوجاتا ہے، لہذا عقد تام ہوتے ہی یہ سمجھا جائے گا کہ وہ مبیع (کمپنی کے املاک کا متناسب حصہ) پر قابض ہے، لہذا شیئر (تحریری ثبوت) پر قبضہ کئے بغیر اس کی بیع درست ہوگی، چونکہ اصل مبیع اس کے ضمان میں آچکی تھی۔

۱۷۔ بروکر یعنی ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے، چنانچہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں:

أما الدلال فإن باع العين بنفسه باذن ربها فاجرته على البائع (درمختار ۴/۵۶۰)۔

اگر دلال مالک مال کی اجازت سے مال خود فروخت کرے تو اس کی اجرت بائع پر ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

حصص سے متعلق شرعی نقطۂ نظر

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

شیئرز کی ماہیت اوراس کی تعریف کیا ہے؟ اس سلسلے میں اگر کسی معتبر کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس کا شائع کردہ مواد ترجمہ کر کے سوالنامہ کے ساتھ منسلک کیا جاتا تو شیئرز کا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہوتی۔ غالبًا یہ بھی ایک طرح کا نظام ہے، جس طرح بینکنگ ایک نظام ہے، اس لئے نظام چلانے والے ادارے اپنے نظام کے تعارف کے لئے جو مواد شائع کرتے ہیں اسی سے اسکی ماہیت سمجھ میں آتی ہے۔ ماہیت سمجھنے کے بعد ہی کوئی حکم لگانے کا مرحلہ آتا ہے، نیز بعض مسلم ممالک میں بھی یہ نظام رائج ہے، وہاں کے علماء کے خیالات معلوم ہوجاتے تو آسانی ہوتی، مناسب ہوتو اگلے سمینار میں اسی مسئلہ کو زیادہ شرح وبسط کے ساتھ دوبارہ لایا جائے تاکہ بصیرت کے ساتھ رائے قائم کی جاسکے۔

ا۔ بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ شیئرز دستاویز ہیں، لیکن اس طرح کی دستاویز نہیں ہے جیسی ڈالر، پاؤنڈ، ریال، اور روپے ہیں۔ ثانی الذکر زرمبادلہ ہے اور اول الذکر ایک طرح کا اسٹامپ ہے زرمبادلہ نہیں ہے، چنانچہ شیئرز کے بدلے اگر کوئی شخص اناج کی منڈی میں اناج خریدنا چاہے تو اس کو اناج نہیں ملے گا، شیئرز کا چلن تو صرف شیئرز کے مارکیٹ میں ہوتا ہے۔ اس لئے شیئرز کو نوٹوں کے بدلے خریدنا بیع صرف کیونکر ہوسکتا ہے، بیع صرف تو جب ہوتی جب دونوں جانب زرمبادلہ ہوتا، یہاں ایک جانب زرمبادلہ یعنی روپے ہیں اور دوسری جانب ایک مخصوص قسم کا اسٹامپ ہے۔ جب شیئرز نہ مبیع ہے نہ ثمن بلکہ متعینہ حصص کی تفصیل اور اسکی ضمانت ہے تو اس کے معاملہ کو عقد بیع کہنے کے بجائے عقد شرکت کہنا درست معلوم ہوتا ہے۔

شیئرز کا معاملہ شرکت عنان ہے جس میں تمام شرکاء اپنا مال بھی لگاتے ہیں اور محنت بھی کرتے ہیں، شیئرز میں شرکاء کا مال لگانا تو ظاہر ہے، اور محنت لگانا یہ ہے کہ ان ہی کے پیسوں سے تمام کام کرنے والوں کو اجرت دی جاتی ہے، گویا ان کا نائب ان کی طرف سے کام کررہا ہے۔

ومعنى شركة العنان أن يشترك رجلان بماليهما على أن يعملا فيهما بأبدانهما والربح بينهما وهي جائزة بالاجماع (المغنی ۱۶/۵)۔

یعنی شرکت عنان کا معنی ہے کہ دو آدمی اپنا مال بھی لگائیں اور اپنی محنت بھی لگائیں اور نفع آپس میں بانٹ لیں، اس طرح کی شرکت بالاتفاق جائز ہے۔

ولايجوز ان يكون رأس مال الشركة مجهولا ولا جزافاً (المغنی) یعنی عقد شرکت میں راس المال کا مجہول ہونا یا اس کا انکل پر مبنی ہونا درست نہیں ہے۔

وشركة العنان مبنيّة على الوكالة والأمانة لأن كل واحد منهما يدفع المال إلى صاحبه أمّنه وباذنه له في التصرف وكّله (بحوالہ سابق)۔

یعنی شرکت عنان کی بنیاد وکالت اور امانت پر ہے۔اس لئے کہ ہرایک نے اپنا مال دوسرے کو دیکر اس کو امین بنادیا ہے،اوراس کو تصرف کی اجازت دیکر وکیل ٹھہرادیا ہے۔

۴۔ جو کمپنیاں ناجائز مال تیار کرتی ہیں ان کے شیئرز خریدنا ناجائز ہے۔

۵،۶۔سود کی مجبوری:

جس صورت میں کمپنی اپنے طور پر پوری طرح سود سے بچنے کی کوشش کررہی ہے،لیکن قانونی مجبوری کی وجہ سے اور انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے اس کو سودی قرض لینا پڑا ہے،یااس نے بادل ناخواستہ سود لے کراتنا صدقہ کردیا ہے،تو یہ صورت تمام صورتوں میں سب سے زیادہ اوراہون ہے۔لیکن مال کو بڑھانے اور مالدار بننے کے لئے سودی قرض لینا حرام اور انتہائی قبیح ہے۔

اگرکوئی کمپنی جائزالاستعمال مال تیار کرتی ہے اوراس میں شرکت کے وقت ہرشریک کا راس المال متعین کردیا گیا ہے اوراس سے حاصل ہونے والے نفع کی نسبت یعنی نصف،ثلث،ربع،ثمن کے طور پر ذکر کی گئی ہے تو اس کے شیئرز کا خریدنا درست ہے۔

۱۲۔شیئرز کی تجارت:

شیئرز جب نہ ثمن ہیں اور نہ مبیع،تو ان کی تجارت کیونکر درست ہوسکتی ہے،رأس المال یا ثمن وہ زرمبادلہ ہے جوشیئر ہولڈرادا کرتا ہے،اور مبیع وہ سامان ہے جو فیکٹری میں تیار ہوگا،شیئر ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے،لہذا اس کی بیع وشراء درست نہیں ہے،نیز جب شیئر کا معاملہ عقد شرکت ہے تو شریک کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ وہ اپنا حصہ دوسرے کو فروخت کردے۔

۱۳۔ فیوچر سیل درست نہیں ہے،کیونکہ یہ قمار ہے۔

عن عبدالله بن مسعود قال نهى النبيّ ﷺ عن صفقتين في صفقة رواه أحمد، قال سماك يبيع البيع فيقول هو بنسأ بكذا وبنقد بكذا و قال الشوكاني والعلة في تحريم بيعتين في بيعة عدم استقرار الثمن في صورة بيع الشيء الواحد بثمنين (نیل الاوطار ۱۵۳/۵)۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع دو بیعوں کی صورت میں کرنے سے منع فرمایا،سماک کہتے ہیں کہ اسکی صورت یہ ہے کہ کہے یہ مال ادھار لو تو اتنے میں اور نقد لو تو اتنے میں۔ قاضی شوکانی کہتے ہیں کہ علت نہی یہ ہے کہ ثمن میں استقرار نہیں ہے۔

۱۷۔ جس صورت میں شیئرز خریدنا درست ہے اس صورت میں بروکری بھی درست ہے۔

ولا بأس أن يأخذ السمسار أجره قال البخاري في صحيحه لم ير ابن سيرين وعطاء وإبراهيم والحسن بأجر السمسار بأسا، وقال ابن عباس لابأس بأن يقول بع هذا الثوب فما زاد على كذا و كذا فهولك، وقال ابن سيرين إذا قال بعه بكذا فما كان من ربح فهو بيني وبينك

فلا بأس به، وقال النبی ﷺ المسلمون عند شروطهم (الحلال والحرام فی الاسلام/۲۳۸)۔

یعنی اگر ایجنٹ اجرت لے لے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابن سیرین اور عطاء بن ابی رباح اور ابراہیم اور حسن بصری ایجنٹ کی اجرت میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کسی سے کہے کہ یہ کپڑا بیچ دو اور جو زیادہ پیسے ملیں گے وہ تمہارے ہونگے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ابن سیرین کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ یہ چیز فروخت کردو جو نفع ہوگا وہ ہمارے اور تمہارے درمیان نصف نصف ہوگا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"المسلمون عند شروطهم" (مسلمانوں کو اپنی شرط پوری کرنی چاہئے)۔

☆☆☆☆☆

شیئرز کے چند مسائل

مفتی محبوب علی وجیہی، رامپور

۱۔ جوشخص کسی کمپنی یا فیکٹری کے شیئرز خریدتا ہے تو وہ اس کمپنی کے ہر حصہ اور ہر چیز میں اپنے شیئرز کے تناسب سے مالک ہوجاتا ہے، اس لئے یہ شیئرز اس کی ملکیت کا نمائندہ ہے، پس شیئرز کی یہ حقیقت ہے کہ نقد، اثاثوں، اس کی زمین، مشینیں وغیرہ شیئرز کے ذریعہ اس کی ملکیت میں آجاتی ہیں، اس لئے شیئرز کی خریداری یا فروخت نقد کی نقد کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اس کے شیئرز کے حصے کے بقدر جو چیز بھی کمپنی کی ملک ہے اس کی اس پر ملک ہوجاتی ہے، اور جو قانون گورنمنٹ کا ہے وہ ہمارے نقطہ نظر سے غلط ہے، اس میں شیئرز ہولڈر کے شیئرز کے بقدر کمپنی کے اثاثے یا اتنی رقم کمپنی کی ترقی ہونا ضروری ہے۔

۲۔ اگر کمپنی کا کوئی وجود نہیں ہے صرف کاغذ پر ہے تو شیئرز خریدنا جائز نہیں ہے، جب کمپنی کا وجود کچھ نہ کچھ ہو جائے مثلاً میٹریل وغیرہ تعمیر کے لئے آگیا، زمین خرید لی تو پھر فروخت کرسکتا ہے، یہ بیع بیع صرف ہوگی۔

۳۔ اگر کمپنی کے اثاثے نقد کے مقابلہ میں نمایاں طور پر غالب ہیں تو شیئرز خریدنا درست ہے کیونکہ اس سے بچنا بہت دشوار ہے اور معاملات کا دارومدار سہولت پر ہے۔ فقہ کا مشہور مقولہ ہے جو احناف کے یہاں بطور دلیل موجود ہے: "للأكثر حكم الكل" اگر حرام اور حلال میں حلال غالب ہے تو کھانا پینا حلال ہے، اور حرام غالب ہے تو حرام، کیونکہ اس میں غالب کے اعتبار سے حکم ہوگا۔

۴۔ ان کمپنیوں کے شیئرز خریدنا مسلمان کے لئے حرام ہے۔

۵۔ چونکہ ان کمپنیوں کا نظام ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے، اس لئے ان کے شیئرز کا خریدنا جائز ہوگا، پھر گورنمنٹ کی طرف سے بہت سے ایسے قوانین ہیں جن سے بچنا مسلمان کے اختیار میں نہیں ہے اس لئے "المشقة تجلب التيسير" کے تحت ان شیئرز کا خریدنا اور بیچنا جائز ہے، اسی طرح "الضرورات تبيح المحظورات" بھی اس پر دلیل جواز ہے۔

۶۔ اگر یہ قانون گورنمنٹ کی طرف سے بالجبر ہے اور اس جبر کو دفع کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے تو سیکورٹی بانڈس خریدنا یا ریزرو بینک میں جمع کرنا جائز ہے، البتہ اس سے حاصل ہونے والا سود گورنمنٹ کو جو سود دینا پڑتا ہے اس میں دیدے، یا کوئی امدادی فنڈ غرباء کے لئے کھول دے اس سود کی رقم سے، اور یہ رقم اس میں خرچ کردے۔

۷۔ یہ قرض مفید ملک نہیں ہوگا اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حلال نہیں ہوگی، قرض لینا خوشی سے نہ تھا مجبوری سے تھا اس لئے لینا پڑا، لیکن اب اس سے انتفاع جائز نہ ہوگا کیونکہ نفع اختیاری ہے۔

۸۔ وکیل کا کام مؤکل کی منشاء اور اس کے کہنے کے مطابق عمل کرنا ہے، لہذا اگر وکیل مؤکل کے کہنے اور مؤکل کی مرضی اور منشاء کے مطابق کام کرے گا تو اس کا عمل مؤکل کا عمل سمجھا جائے گا۔

۹۔ جی ہاں! اگر مؤکل وکیل کے کام سے اختلاف کرے تو پھر اس کام میں وہ اس کا وکیل نہیں رہے گا اور یہ وکیل کے عمل سے بریٔ الذمہ ہو جائے گا۔

۱۰۔ جی ہاں! مؤکل پہلے تو اپنے وکیل کے سود کے عمل میں اختلاف کر کے اس سے بریٔ الذمہ ہوگا، اب اس کے حصہ میں جو سود کی رقم آئے اس کو تصدق علی الفقراء کر دے تو یہ عند اللہ بریٔ الذمہ ہو جائے گا۔

۱۱۔ جی ہاں کافی ہوگا۔

۱۲۔ تجارت میں خرید و فروخت کے اندر بالعموم ظن وتخمین ہی کام کرتا ہے، آج بڑا تاجر بہت سا سامان اس لئے خرید کر رکھتا ہے کہ آئندہ دام بڑھیں گے اور میں نفع پر اس کو فروخت کروں گا، اسی طرح فیکٹری موجود ہے حلال سامان تیار ہو رہا ہے، یا فیکٹری بننے والی ہے پلان منظور ہو گیا یا بن رہی ہے، یا فیکٹری چل رہی ہے اس کے مال کی کھپت منڈی میں خوب ہے، پس ایسی فیکٹری کے اس خیال سے شیئرز خریدنا کہ اس میں نفع ہوگا بالکل جائز ہے، لیکن وہ فیکٹریاں جن کا ابھی وجود نہیں ہے صرف کاغذ پر ہیں ان کے شیئرز دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت نہیں کر سکتا تاوقتیکہ وہ تعمیر نہ ہونے لگیں اور ان کا وجود نہ ہو جائے۔

۱۳۔ قانون شریعت کے مطابق یہ خرید و فروخت ناجائز ہے۔

۱۴۔ اگر بیع سَلَم کی تعریف اس پر صادق آتی ہے اور وہ شرائط بیع سلم کے ساتھ ہو تو جائز ہوگی ورنہ نہیں۔

۱۵۔ جس وقت شیئرز کی خرید و فروخت کا عمل مابین بائع و مشتری جاری ہوا اسی وقت مشتری اس شی کا مالک ہو گیا اور قبضۂ حکمی اس کا ہو گیا، سرٹیفیکٹ تو محض ایک دستاویز ہے جس سے اس کی خریداری کا اور بائع کے فروخت کرنے کا ثبوت ہوتا ہے، جیسے ہم نے کسی جائداد کو خریدا، بعد کو رجسٹری کرائی تو رجسٹری ہمارے ہاتھ میں کبھی مہینہ بھر میں کبھی اس کے بھی بعد آتی ہے مگر جانبین میں عمل دخل اسی وقت سے شروع ہو جاتا ہے، لہذا یہاں عرف و عادت کی بنا پر قبضہ حکمی کافی ہوگا، حسی قبضہ ضروری نہیں۔

۱۶۔ مشتری نے شیئرز کی قیمت ادا کر دی، سودا پکا ہو گیا تو اب سرٹیفیکٹ کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے وہ تو صرف کاغذی ثبوت ہے، مشتری اس کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے۔

۱۷۔ ایسے آدمی کو شرع کی اصطلاح میں سمسار کہتے ہیں، آج کل کی اصطلاح میں بروکر کہتے ہیں، بروکر کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہے، یہ شخص عرف و عادت کے مطابق اپنا کمیشن بھی لے سکتا ہے اور طے کر کے بھی لے سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

کمپنیوں میں سرمایہ کاری اور شیئرز

احکام ومسائل

مولانا اختر امام عادل

''کمپنی'' مشترکہ کاروبار کی ایک نئی شکل ہے، ورنہ خود مشترکہ کاروبار کا تصور نیا نہیں، فقہاء متقدمین کی کتابوں میں شرکت کی مختلف قسموں اور احکام کا تفصیلی ذکر ملتا ہے، کمپنی اسی شرکت کی ایک جدید قسم ہے، جس کا پس منظر حضرت مولانا تقی عثمانی کے بقول یہ ہے کہ:

''یورپ میں صنعتی انقلاب رونما ہونے کے بعد سترہویں صدی کے آغاز میں بڑے بڑے کارخانوں وغیرہ کے قائم کرنے کے لئے عظیم سرمایہ کی ضرورت پڑنے لگی، جس کو کوئی شخص اکیلا یا چند افراد مل کر فراہم نہیں کر سکتے تھے، تو اس وقت عام لوگوں کی منتشر بچتیں یکجا کر کے ان سے اجتماعی فائدہ اٹھانے کے لئے کمپنی کا نظام رائج ہوا (اسلام اور جدید معیشت وتجارت ص ۵۵)۔

شرکت و کمپنی میں فرق:

کمپنی کو شرکت کی جدید قسم ماننے کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے شرکت کی جو چار قسمیں بیان کی ہیں، اور مضاربت کو بھی شامل کرلیا جائے تو پانچ قسمیں ہوجاتی ہیں، ان میں سے کسی بھی قسم میں کمپنی کو پورے طور پر داخل نہیں کیا جاسکتا، بنیادی طور پر اشتراک ہونے کے باوجود دونوں کے تصور وعمل میں کافی فرق ہے، مثلاً:

۱۔ شراکت میں ہر شریک کاروبار کے جزو مشاع کا مالک ہوتا ہے، تمام شرکاء ملکیت واختیارات میں برابر ہوتے ہیں، ہر شخص دوسرے کا وکیل اور جواب دہ ہوتا ہے، جبکہ کمپنی میں ایسا نہیں ہوتا، کمپنی کا خود مستقل قانونی وجود ہے، اس کو ''شخص قانونی'' یا ''شخص فرضی'' کہا جاتا ہے، حاملان حصص کو کمپنی کے اثاثوں میں حق ملکیت تو حاصل ہے، مگر حق تصرف حاصل نہیں، کمپنی تحلیل ہونے کے بعد اگر کمپنی کے اثاثوں کی تقسیم عمل میں آئے تو شرکاء کو ان کے متناسب حصہ کے مطابق اثاثہ ملے گا، مگر تحلیل سے قبل وہ کوئی تصرف نہیں کر سکتا، اسی بنا پر کسی حامل حصص کے مدیون ہونے کی صورت میں اگر اس کے سامان کی قرقی عمل میں آئے تو کمپنی میں موجود اس کے حصہ کا اثاثہ قرق نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ شرکت میں کاروباری سلسلے میں کوئی دعوی ہو تو تمام شرکاء مدعی یا مدعا علیہ بنیں گے، ہر ایک فرد اس کا ذمہ دار قرار پائے گا، اس کے برخلاف کمپنی کا خود مستقل قانونی وجود ہے، وہ خود مدعی یا مدعا علیہ بنے گی، مگر

دوسرے حاملان حصص پر اس کی ذمہ داری نہیں آئے گی۔

۳۔ شرکت میں سے کوئی شریک اپنا معاملہ فسخ کر کے سرمایہ نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے، جبکہ کمپنی سے سرمایہ نہیں نکالا جا سکتا، البتہ شیئرز فروخت کئے جا سکتے ہیں۔

۴۔ شرکت میں عموماً ذمہ داری کاروبار کے اثاثوں تک محدود نہیں ہوتی، جبکہ کمپنی میں ذمہ داری محدود ہوتی ہے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت رص ۶۲)۔

ان باہمی وجوہ فرق کی بنا پر کمپنی کے ساتھ مشارکت، یا اس کے شیئرز کی خرید وفروخت کو شرکت کی معروف فقہی قسموں میں سے کسی قسم میں پورے طور پر داخل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی بنا پر اس کے جواز وعدم جواز کے بارے میں علماء کی رائیں مختلف ہوگئی ہیں، ایک محدود طبقہ اس کا قائل ہے کہ چونکہ شرکت صرف پانچ قسموں میں منحصر ہے، اور کمپنی ان میں سے کسی کے ذیل میں مکمل طور پر نہیں آتی اس لئے یہ جائز نہیں۔

جبکہ اس کے بالمقابل علماء کا بڑا طبقہ یہ کہتا ہے کہ کمپنی اگر چہ فقہ کی معروف پانچ قسموں میں داخل نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود یہ جائز ہے، اس لئے کہ شرکت انہی پانچ قسموں میں محصور نہیں ہے، فقہاء نے اپنے زمانہ کی مروجہ صورتوں کا استقراء کر کے یہ قسمیں بیان کی تھیں، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ ان کے علاوہ کوئی نئی قسم پیدا نہیں ہو سکتی، کسی فقیہ نے اس کا دعویٰ نہیں کیا، اور نہ کسی کتاب فقہ میں یہ لکھا ہے کہ ان کے علاوہ جو بھی قسم ہوگی وہ ناجائز ہے، بلکہ اصل چیز یہ ہے کہ شرکت کے اصول منصوصہ کی مخالفت لازم نہ آئے تو ہر نئی قسم جائز ہوگی ورنہ نہیں۔

ایک تیسرا نقطۂ نظر حکیم الامت حضرت تھانوی کا ہے، حضرت تھانوی کے نزدیک کمپنی اپنی حقیقی روح کے اعتبار سے شرکت عنان میں داخل ہے (امداد الفتاوی ۳ر۲۶۴)۔

اگر چہ اس میں بعض ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو معروف شرکت عنان میں پائی نہیں جاتیں، لیکن ان کی وجہ سے عنان کی حقیقت تبدیل نہیں ہوتی۔ وہ خصوصیات درج ذیل ہیں:

کمپنی کی خصوصیات:

۱۔ کمپنی جو خود ایک شخص قانونی ہے، وہ دیگر شیئرز ہولڈرس کے تعاون سے کاروبار کرتی ہے، جس میں خود اس کے ڈائرکٹروں کا بھی سرمایہ شامل ہوتا ہے، اس طرح یہ شرکت عنان کی شکل بن جاتی ہے، البتہ محنت وعمل میں شیئرز ہولڈرس کی شرکت نہیں ہوتی، یہ کمپنی بذات خود کرتی ہے، حاملان حصص کو صرف نفع و نقصان سے سروکار ہوتا ہے، اس کے انتظامی امور سے نہیں، لیکن اس سے نہ شرکت کے جواز پر کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ عنان کی حقیقت تبدیل ہوتی ہے، فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ شرکاء عنان میں سے کوئی شریک اپنے عمل کے لئے دوسرے شریک کو وکیل بنادے اور خود عمل سے دستبردار ہو جائے تو اس کی اجازت ہے، علامہ سمرقندیؒ نے لکھا ہے:

ویجوز ان یشترط العمل علیهما بأن اشترکا أن یبیعا و یشتریا علی أن ما رزق الله من ذلک فھو بینھما علی کذا ویجوز أن یشترطا العمل علی أحدھما دون الآخر (تحفۃ الفقہاء: باب شرکت العنان ۳/۷)۔

۲۔ کمپنی کی دوسری خصوصیت اس کا مستقل قانونی وجود ہے، یہ کسی مشترک کاروبار کے لئے ایک نیا تصور ہے جو حال کی صدیوں میں پیدا ہوا، شریعت اسلامیہ میں واضح طور پر یہ اصطلاح تو نہیں ملتی، البتہ اس کے نظائر ضرور ملتے ہیں، مثلاً:

ا۔ وقف: اس کے لئے اگرچہ شخص قانونی کی اصطلاح استعمال نہیں کی گئی ہے، مگر وقف کا مستقل وجود تسلیم کیا گیا ہے، اس کی اپنی ملکیت ہوتی ہے، ملازمین کی تنخواہیں اس کے ذمہ ہوتی ہیں، وہ دائن ومدیون اور مدعی ومدعا علیہ بن سکتا ہے، جبکہ یہ سارے اوصاف شخص کے ہیں، اس سے فی الجملہ شخص قانونی کا تصور ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ بیت المال: اس سے پوری قوم کا حق متعلق ہوتا ہے، مگر کوئی اس کے مال کی ملکیت کا دعوی نہیں کرسکتا، اس کے تمام مال کا مالک خود بیت المال ہوتا ہے، بیت المال دائن و مدیون بھی بن سکتا ہے، بلکہ علماء کے مطابق بیت المال کے مختلف شعبے بھی اپنی اپنی جگہ شخص کا درجہ رکھتے ہیں، ایک شعبہ سے دوسرے شعبہ میں قرض لیا جاسکتا ہے، اس طرح جس شعبہ سے قرض لیا گیا ہے وہ دائن ہوگا، اور جس کے لئے لیا گیا ہے وہ مدیون ہوگا۔

۳۔ دین میں ڈوبا ہوا ترکہ: جو شخص اس حالت میں فوت ہوجائے کہ اس کا پورا ترکہ اس کے دین میں غرق ہو تو ایسے شخص کا ترکہ خود اپنا وجود رکھتا ہے، اور وہ ترکہ خود مدیون ہے، اسی سے قرض ادا کیا جائے گا، میت مدیون نہیں اس لئے کہ اب وہ اس کا اہل نہیں، اور نہ ورثہ مدیون ہیں کہ انہوں نے یہ قرض نہیں لیا تھا۔

۴۔ خلطۃ الشیوع: یہ نظیر فقہ حنفی کے مطابق نہیں بلکہ ائمہ ثلاثہ کے مطابق ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر مال زکوۃ کئی شخصوں کے درمیان غیر معینہ طور پر مشترک ہو، تو زکوۃ الگ الگ شرکاء پر نہیں بلکہ مجموعہ مال پر واجب ہوتی ہے، گویا خود مجموعہ مال شخص کی حیثیت رکھتا ہے۔

۳۔ تیسری چیز جو کمپنی کو شرکت کی معروف قسموں سے ممتاز کرتی ہے، وہ ہے محدود ذمہ داری کا معاملہ۔ مضاربت میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر رب المال مضارب کو قرض لینے کی اجازت نہ دے تو مضارب پر دیون زیادہ ہوجانے کی صورت میں رب المال کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے، البتہ قرض کی اجازت دے دینے کے بعد ذمہ داری محدود نہیں رہتی۔ کمپنی میں شیئرز ہولڈرس کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے جبکہ کمپنی اپنے کاروبار کے لئے قرض وغیرہ بھی لیتی رہتی ہے، مگر اس کا حل یہ نکالا جاسکتا ہے کہ کمپنی کے پراسپیکٹس میں لکھا ہوتا ہے کہ کمپنی کاروباری ضرورت سے قرض بھی لے گی، اس کے باوجود شیئرز ہولڈر کا شیئرز خریدنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کمپنی کو قرض لینے کی اجازت دے رہا ہے۔ مگر وہیں مشکل یہ ہے کہ کیفیت نما (Prospectus) میں یہ بھی لکھا ہوتا ہے کہ شیئرز ہولڈر کی ذمہ داری محدود ہوگی، قرض کی اجازت دینے کے بعد ذمہ داری کے محدود ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس مشکل کا حل مولانا تقی

عثمانی نے بہترین پیش فرمایا ہے کہ شیئرز ہولڈر کا پراسپیکٹس میں مرقوم دونوں باتیں دیکھتے ہوئے کمپنی کے ساتھ مشارکت کرنا اس کی علامت ہے کہ وہ کمپنی کو قرض لینے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دے رہا ہے کہ اس کی ذمہ داری محدود رہے گی، اس مضاربت کی طرح جس میں رب المال مضارب کو اس شرط کے ساتھ قرض لینے کی اجازت دے کہ اس کی ذمہ داری محدود رہے گی۔

لیکن یہاں ایک پریشانی یہ ہے کہ مضاربت کی جس شکل میں رب المال کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے اس میں خود مضارب کی ذمہ داری غیر محدود ہوتی ہے، اور تمام دیون کے ادا کرنے کا وہ ذمہ دار ہوتا ہے، چاہے کاروباری سرمائے سے ہو یا اپنے ذاتی اثاثے سے، جبکہ کمپنی میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہاں ایک طرف شیئرز ہولڈرس کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے، تو دوسری طرف کمپنی کے ڈائرکٹروں کی ذمہ داریاں بھی محدود ہوتی ہیں، اس صورت میں قرض دینے والوں کو سخت غرر یا ضرر کا سامنا ہو سکتا ہے، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ذمہ کا خراب ہونا کہتے ہیں۔

اسی لئے بعض علماء نے کمپنی میں محدود ذمہ داری کے تصور کو شرعاً غلط قرار دیا ہے، لیکن یہ پریشانی پیدا ہوتی ہے کمپنی کی حقیقی حیثیت سامنے نہ رکھنے کی وجہ سے۔ کمپنی کو اگر شخص قانونی مان لیا جائے جیسا کہ اس کی حیثیت عرفی ہے، تو کوئی پریشانی نہیں ہوگی، اس لئے کہ شخص حقیقی اگر دیوالیہ ہو جائے تو قرض دینے والوں کو اس کے اثاثے سے زیادہ مطالبہ کا حق نہیں ہوتا، حضرت معاذ ابن جبلؓ کو حضور ﷺ نے جب مفلس قرار دیا تھا، تو آپ نے قرض خواہوں سے فرمایا تھا:

"خذوا ما وجدتم ليس لكم إلا ذلك" (صحیح مسلم ۱/۲۱۹ باب وضع الجوائح)۔

محدود ذمہ داری کی ایک مثال:

مولانا تقی عثمانی نے محدود ذمہ داری کی ایک دلچسپ مثال دی ہے، وہ ہے عبد ماذون التجارۃ یہ اپنے آقا کا مملوک ہوتا ہے، اس کو آقا کی طرف سے تجارت کی اجازت ہوتی ہے، جو تجارت وہ کرتا ہے وہ بھی مولی کی مملوک ہوتی ہے، اس پر دیون اگر واجب ہوں تو وہ اس غلام کی قیمت کی حد تک محدود ہوں گے، اس سے زیادہ کا نہ غلام سے مطالبہ ہو سکتا ہے اور نہ مولی سے، یہاں بھی دائنین کا ذمہ خراب ہو گیا۔ یہ نظیر لمیٹیڈ کمپنی سے زیادہ قریب ہے، اس لئے کہ جیسے کمپنی میں شیئرز ہولڈرس کے زندہ ہوتے ہوئے ذمہ خراب ہو جاتا ہے، ایسے ہی یہاں بھی مولی کے زندہ ہوتے ہوئے دائنین کا ذمہ خراب ہو جاتا ہے (اسلام اور جدید معیشت و تجارت رص ۸۳)۔

شیئرز کی شرعی حیثیت:

اب تک کی گفتگو سے اتنی بات ثابت ہوگئی کہ کمپنیوں کے ساتھ مشارکت کرنا اور اس کے شیئر خریدنا فی نفسہ ناجائز نہیں ہے، اس لئے کہ اگر ہم شرکت کی معروف قسموں میں سے کسی قسم میں اس کو داخل کریں، مثلاً شرکت عنان یا مضاربت میں، تو اس کے بعض امتیازات کے باوجود ان کی قسموں کی روح بنیادی طور پر اس میں باقی رہے گی، اور اگر شرکت کی معروف قسموں کے بجائے کمپنیوں کو ہم نئی قسم قرار دیں تو بھی اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں کوئی ایسا واقعی پہلو نہیں ہے جو شرکت کے بنیادی اصول کے خلاف ہو۔

البتہ یہاں ایک بات پیدا ہوتی ہے جیسا کہ سوالنامہ میں اس کو اٹھایا گیا ہے کہ شیئرز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اصول کی روشنی میں محقق بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیئر دراصل کمپنی میں موجود اثاثوں کی متناسب ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، اور جب کوئی انسان کسی کے ہاتھ شیئرز فروخت کرتا ہے تو وہ دراصل اثاثہ تجارت کے جزء مشاع یا حصہ متناسبہ کی بیع کرتا ہے، اور شیئرز سرٹیفکیٹ اس حصہ کی حقداری کا ایک وثیقہ ہے، جس کے ذریعہ اس متناسب حصہ کی ملکیت کو ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے، اس لئے شیئرز کی خرید وفروخت میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں۔

بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ شیئر حصہ متناسبہ کی ملکیت کی نمائندگی نہیں کرتا بلکہ وہ محض ایک وثیقہ ہے، جیسے کہ بانڈز یا سندات قرض، اور اس کا مطلب صرف اس قدر ہوتا ہے کہ اس شخص نے اتنی رقم کمپنی کو ادا کی ہے، گویا شیئر سرٹیفکیٹ محض ادائیگی رقوم کی رسید ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ شیئرز ہولڈر اگر مدیون ہو جائے تو دَین مستغرق ہو جانے کی صورت میں مدیون کے صرف اثاثوں کی قرقی ہوتی ہے، کمپنی میں اس کے حصہ متناسبہ کی قرقی نہیں ہوتی، اگر شیئر کمپنی میں ملکیت متناسبہ کی نمائندگی کرتا تو جہاں اس کے دیگر اثاثوں کو قرق کیا گیا وہیں کمپنی میں اس کے حصوں کو بھی قرق کیا جانا چاہئے تھا۔ لیکن ان حضرات کی یہ دلیل اس لئے صحیح نہیں کہ اس سے زیادہ سے زیادہ حق تصرف واختیار کے فقدان کا ثبوت ملتا ہے، نفس ملکیت کے فقدان کا نہیں، چونکہ کمپنی کے اصول میں سے یہ ہے کہ کوئی شیئر ہولڈر اپنے حصہ کا سرمایہ کمپنی کے تحلیل ہونے سے پہلے نہیں نکال سکتا، ہاں وہ شیئر فروخت کر سکتا ہے۔ اس بنا پر مدیون حامل حصص کے اثاثوں کی قرقی کے وقت کمپنی سے اس کے حصۂ متناسبہ کے نکالنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

حصۂ متناسبہ کی ملکیت کی دلیل یہ ہے کہ اگر کمپنی تحلیل ہو جائے تو اس کے اثاثوں کی تقسیم کے وقت ہر شیئر ہولڈر کو اپنے حصۂ متناسبہ کے مطابق اثاثہ ملے گا، خواہ اس کی مالیت اس کی لگائی ہوئی رقم سے زیادہ ہو یا کم، اگر شیئر ہولڈر کمپنی کے اثاثوں میں ملکیت نہ رکھتا تو تحلیل ہونے کے وقت اس میں اس کو حصہ کیسے ملتا؟

شیئرز خریدنے کے مقاصد:

شیئرز خریدنے کے دو مقاصد ہوتے ہیں: (۱) کبھی مقصد نفع ونقصان میں شریک ہونا اور کمپنی سے سالانہ یا ماہانہ منافع حاصل کرنا ہوتا ہے، اس کو انگریزی میں "Investment" کہتے ہیں۔ (۲) اور کبھی یہ مقصد نہیں ہوتا، بلکہ تجارت کے طور پر اس کو خریدتے ہیں، یہ لوگ شیئرز کی قیمتوں پر نگاہ رکھتے ہیں، اور جن شیئرز کی قیمتیں آج کم ہیں مگر آئندہ بڑھنے کا امکان ہے، ان کو خرید لیتے ہیں، اور پھر قیمت بڑھ جانے کے بعد بیچ دیتے ہیں، اسی طرح جو شیئر ان کے پاس ہیں، آئندہ ان کی قیمتوں میں اگر گراوٹ کا امکان ہو تو اس کو بیچ دیتے ہیں، اور جن میں بڑھنے کی امید ہے ان کو فی الحال نہیں بیچتے، بلکہ اس مدت کا انتظار کرتے ہیں، اس کو انگریزی میں "Capital Gain" کہتے ہیں، مدتوں کے درمیان قیمتوں میں جو کمی بیشی ہوتی ہے اسی سے وہ نفع اٹھاتے ہیں۔

شیئرز خواہ جس مقصد کے لئے خریدے جائیں، کچھ ایسے اصول وشرائط ہیں کہ ان کی رعایت کے ساتھ

شیئرز کی خرید وفروخت ہو تو شیئرز کا کاروبار جائز ہوگا، اس کے لئے بنیادی طور پر درج ذیل شرائط ہیں:

(۱) سب سے اولین شرط یہ ہے کہ کاروبار بنیادی طور پر حلال ہو، مثلاً شراب کا کاروبار نہ ہو، اس کی بنیاد سودی لین دین پر نہ ہو وغیرہ۔ حرام کاروبار یا ناجائز اصول تجارت پر مبنی کمپنی کے شیئرز خریدنا بالکل جائز نہیں، نہ جاری ہونے کے وقت لینا جائز ہے، اور نہ بعد میں اسٹاک ایکسچینج سے لینا جائز ہے، اس لئے کہ اس میں شرکت کرنا دراصل خود ان معاملات میں جانتے ہوئے شرکت کرنا ہے جو حرام ہے (امداد الفتاوی ۳/۱۳۰)۔

(۲) رہی وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار جائز اور حلال ہو، مگر کبھی اس کو سودی لین دین یا ناجائز معاملہ میں بھی ملوث ہونا پڑتا ہے، اور آج کل زیادہ تر کمپنیاں اسی قسم کی ہیں، ان کے ساتھ مشارکت کرنا اور ان کے شیئرز خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ ایک اختلافی موضوع ہے۔

بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا بھی جائز نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں بھی بالواسطہ ناجائز معاملات میں شرکت لازم آتی ہے۔ لیکن محقق علماء جن میں حضرت تھانویؒ کا نام سرفہرست ہے، ان کا خیال ہے کہ ایسی کمپنیاں جو کبھی کبھار سودی کاروبار میں ملوث ہو جاتی ہیں ان میں شرکت کرنا اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے جائز ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کسی کمپنی کے سود میں ملوث ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ ایک صورت یہ ہے کہ سود پر قرض حاصل کیا جائے یا کسی کاروبار کے فروغ واستحکام کے لئے رشوت دی جائے، جس میں سود کی رقم دینی پڑتی ہے، کوئی ناجائز رقم کاروباری سرمائے میں شامل نہیں ہوتی، اس میں زیادہ سے زیادہ کمپنی کے عمل کو ناجائز کہا جا سکتا ہے، مگر اس سے سرمایہ کی پاکیزگی میں کوئی فرق نہیں آتا (امداد الفتاوی، کتاب الربا ۳/۱۷۰)۔

رہا کمپنی کا ناجائز عمل تو اس کے لئے حضرت تھانویؒ نے تجویز پیش فرمائی کہ شیئر ہولڈر کسی طرح یہ آواز اٹھا دے کہ میں سودی کاروبار پر راضی نہیں ہوں تو اس کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی، کمپنی کے ذمہ داران کی طرف اس مضمون کا خط لکھ دینا بھی کافی ہو سکتا ہے (امداد الفتاوی ۳/۴۹۱)۔

آج کل اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ اس کی سالانہ جمعیت میں آواز اٹھائی جائے۔

اس موقع پر مولانا تقی عثمانی نے ایک بہت ہی معقول سوال اٹھایا ہے، اور پھر اس کا عمدہ جواب بھی دیا ہے، مولانا کے سوال وجواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ کمپنی کے ذمہ داران شیئر ہولڈر کے وکیل ہیں، اور شیئر ہولڈر کو معلوم ہے کہ اس کی مخالفت مؤثر نہ ہوگی، پھر وکالت قائم رکھتے ہوئے مخالفت کی آواز اٹھانے سے کیا فائدہ؟ اور اس کے بعد وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش کس طرح ہو جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کمپنی کی وکالت شرکت کی وکالت کی طرح مضبوط نہیں ہوتی، شرکت میں تو کوئی ایک شریک بھی کسی کاروبار سے اختلاف کردے تو وہ کاروبار نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح ہر شریک جب چاہے اپنا سرمایہ نکال سکتا ہے، جبکہ کمپنی کی وکالت اس قدر مضبوط نہیں ہوتی، یہاں شیئرز ہولڈرس کو نہ اس قدر حقوق تصرف حاصل ہیں، اور نہ ہر

شریک کے فیصلہ کو مستقل اہمیت حاصل ہے، یہاں فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں، اقلیت کی رائے اکثریت کے مقابلے میں رد کردی جاتی ہے، اس لئے اگر کوئی شیئر ہولڈر مخالفت میں آواز بلند کرے اور اس کی مرضی کے خلاف کثرت رائے کی بنا پر فیصلہ ہو جائے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کاروبار یا کمپنی کا فلاں عمل اس کی مرضی واجازت سے ہو رہا ہے، اس لئے حضرت تھانوی کی یہ رائے درست معلوم پڑتی ہے کہ مخالفت کی آواز بلند کرنے سے اس کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔

۲۔ مسئلہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ سودی لین دین دونوں ہو، کمپنی کبھی قرض بھی جاری کرتی ہو اور اس پر سود بھی لیتی ہو، تو ایسی صورت میں سرمائے کے اندر مال خبیث کا اختلاط ہوتا ہے، اس وقت فیصلہ کی صورت یہ ہوگی کہ اگر مال حرام کا اختلاط بڑے پیانے پر ہو رہا ہو، یعنی کمپنی کا بنیادی کاروبار ہی حرام و ناجائز ہے، تب تو اس کے شیئرز خرید ناجائز نہ ہوگا، البتہ جن کمپنیوں میں یہ اختلاط بقدر قلیل ہو تو اصول کی روشنی میں اس کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ اموال میں غالب سرمائے کا اعتبار ہوتا ہے، اس بنا پر غالب سرمایہ اگر پاک ہو تو جائز قرار دیا جائے گا، حضرت تھانوی کی یہی رائے ہے (اسلام ا. رجدید معیشت وتجارت رص ۸۸)۔

اس کی تائید فتاوی خانیہ کی درج ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے:

وإن كـان غالب مال المهدى من الحلال لا بأس بأن يقبل الهدية ويأكل مالم يتبين عنده أنه حرام لأن أموال الناس لا تخلوعن قليل حرام فيعتبر الغالب (فتاوی خانیہ علی ہامش الہندیہ ۳ر۴۰۰)۔

وكذا في الاشباه في باب الهدية والبيع جميعا (الاشباہ والنظائر ار ۳۴۴)۔

وكذا في الحموناشي (حاشیۃ الحموی علی الاشباہ ار ۳۴۵)

البتہ یہاں شبہ یہ ہوتا ہے کہ ہدیہ کے مال اور شیئرز میں فرق ہے، اگر کسی آدمی کا کاروبار حلال وحرام دونوں ہے، اور وہ ہدیہ دے رہا ہے تو یہ احتمال ہے کہ حلال کمائی میں سے دے رہا ہو، جبکہ شیئرز میں جو نفع ہوتا ہے وہ تمام مدات کے تناسب سے ہوتا ہے، اس لئے سود پر جو دیون جاری کئے گئے ان سے جو سود حاصل ہوگا، نفع میں اس کا تناسب بھی جوڑا جائے گا، اس طرح شیئرز مال خبیث سے پاک نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں مولانا تقی عثمانی کی یہ تجویز پسندیدہ ہے کہ کمپنی کے "Income Statements" کے ذریعہ یا کمپنی کے ذمہ داروں سے تقسیم شدہ منافع کا تناسب معلوم کرے، اور شرح سود سے جس قدر نفع آیا ہو اس کو لازماً بلانیت ثواب صدقہ کردے۔ رہا سودی عمل میں کمپنی کے ساتھ بالواسطہ شرکت تو اس کے بارے میں عرض کیا جاچکا ہے کہ اس عمل کے خلاف شیئر ہولڈر کا آواز اٹھا دینا کافی ہے، اور وہ اس ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔

چونکہ آج کل کوئی کمپنی سودی معاملہ سے بالکلیہ پاک نہیں ہے، اس بنا پر مسلمانوں کو ان کے شیئرز خریدنے سے روکا نہیں جاسکتا، ورنہ مسلمان اقتصادی طور پر اور بھی کمزور ہو جائیں گے، البتہ ان کے مضرات سے بچنے کی ہر امکانی تدبیر کرنی ہوگی، یہ کوئی دانشمندی نہیں کہ حالات کو سمجھے بغیر ظاہری مضرات سے بچنے کے لئے کوئی ایسا اقدام کر دیا جائے کہ قوم کو اس سے بھی زیادہ بھیانک نتائج کا سامنا کرنا پڑ جائے۔

شیئرز کی بیع کمی بیشی کے ساتھ:

کمپنی کے شیئرز کو کمی بیشی کے ساتھ بھی فروخت کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ کمپنی کا سارا سرمایہ بصورت نقود نہ ہو، بلکہ کچھ فکسڈ اثاثے (مثلاً مشینری اور بلڈنگ وغیرہ) حاصل کر لئے گئے ہوں، اگر کمپنی نے ابھی اپنا کاروبار شروع نہ کیا ہو یا اس کا سارا سرمایہ بصورت نقود ہو تو شیئرز کی خرید وفروخت کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں، اس لئے کہ اس وقت یہ شیئرز اپنے حصے کے نقود کی نمائندگی کریں گے، اور خالص نقود میں کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز نہیں، البتہ جس صورت میں نقود کے علاوہ کچھ دیگر منجمد اثاثے بھی حاصل کر لئے گئے ہوں تو یہ شیئرز نقود کے ساتھ کمپنی میں موجود اثاثوں کی بھی نمائندگی کریں گے، اور اب شیئرز کی بیع کا مطلب یہ ہوگا کہ کمپنی کے اثاثوں میں ہر ایک کے متناسب حصے کی بیع ہو رہی ہے، اس مسئلہ کا مدار "سیف محلی" یا "منطقہ مفضضہ" کے مسئلہ پر ہوگا، جو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے درمیان اختلافی مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ ایسے مال کو جو مال ربوی اور غیر ربوی سے مخلوط ہو خالص مال ربوی کے عوض فروخت کیا جائے، امام شافعی کے نزدیک یہ بیع جائز نہیں جب تک کہ مال مخلوط سے مال غیر ربوی کو الگ نہ کر دیا جائے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی بیع جائز ہے، بشرطیکہ خالص مال ربوی مخلوط مال ربوی سے زیادہ ہو، اس لئے کہ اس وقت مخلوط مال ربوی اپنے بقدر خالص مال ربوی کے مقابلے میں ہو جائے گا، اور خالص میں جو مقدار زیادہ ہوگی وہ مال غیر ربوی کے مقابلہ میں ہو جائے گی۔

یہاں بالکل یہی صورت ہے کہ شیئرز جو نقود و غیر نقود کی نمائندگی کرتے ہیں ان کی بیع خالص نقود سے ہو رہی ہے، اس لئے امام اعظم کے نزدیک ان کی بیع جائز ہوگی، اور امام شافعی کے نزدیک ایسی حالت میں بیع جائز نہ ہوگی، البتہ بعض شافعیہ اور حنابلہ کے موقف کے مطابق اگر کمپنی کے اثاثے زیادہ ہیں اور نقود کم ہیں، تو شیئرز کی بیع جائز ہوگی، اور اگر نقود زیادہ اور دیگر اثاثے کم ہیں تو شیئرز کی بیع ناجائز ہوگی۔ آج کل علماء عرب زیادہ تر یہی فتوی دے رہے ہیں۔

بانڈز اور ڈبینچرز:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کمپنی کو سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے، تو بجائے شیئرز کے عوام کو قرضے دینے کی دعوت دیتی ہے، اس کے لئے دو طرح کی دستاویزات کمپنی جاری کرتی ہے، جس کو لے کر لوگ کمپنی کو قرضے دیتے ہیں، ایک دستاویز کو سند (بانڈ Bond) اور دوسرے کو شہادۃ الاستثمار (ڈبینچر۔ Debenture) کہتے ہیں، یہ دونوں قرض ہی کے دستاویز ہوتے ہیں، جو معینہ مدت کے لئے لئے جاتے ہیں، ان دونوں میں اس قدر تو مشترک ہے کہ دونوں قسم کے دستاویز حاصل کرنے والے لوگ کمپنی میں حصہ دار نہیں ہوتے، بلکہ محض دائن ہوتے ہیں، جن کو کمپنی کی طرف سے سالانہ سود دیا جاتا ہے، اور وقت مقرر پر رقم واپس کر دی جاتی ہے، جس کی ضمانت دی جاتی ہے، البتہ دو لحاظ سے فرق ہے: ایک فرق تو یہ ہے کہ بانڈ محض سند قرض ہے، جبکہ ڈبینچر قرض کے ساتھ رہن کا بھی وثیقہ ہے۔ بعض اوقات سند قرض کو تحفظ دینے کے لئے ایک دستاویز جاری کی جاتی ہے، جس میں اس سند کو کمپنی کی کسی ایک جائداد یا بہت سی جائدادوں کے ساتھ متعلق کر دیا جاتا ہے، کہ اگر یہ قرضے ادا نہ ہوئے تو ان متعلقہ جائدادوں سے ادا کر دیئے جائیں گے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ اگر کمپنی دیوالیہ ہو جائے تو حقوق کی ادائیگی کی ترتیب میں ڈبنچرز اس جائداد کی حد تک قانوناً مقدم ہوں گے، جس کو رہن بنایا گیا تھا، بانڈز کی ادائیگی اس کے بعد ہوتی ہے۔

بانڈز کی ایک قسم ایسی ہے جو شیئرز میں تبدیل ہوسکتی ہے، اس کے لئے کبھی مدت مقرر ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی، کبھی اس کے لئے کچھ مخصوص شرائط ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے، ایسے سندات قرض کو انگریزی میں (Convertible Bonds) کنورٹیبل بانڈز کہتے ہیں (اسلام اور جدید معیشت وتجارت رص ۶۴)۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بانڈز، ڈبنچرز، یا کنورٹیبل بانڈز اصلاً سندات قرض ہیں اس لئے ان سے سرمایہ کاری نہیں کی جاسکتی، اور ان سندات کے حاملین کو صرف اتنی ہی رقم لینا درست ہوگا، جس قدر اس نے جمع کی ہوگی، اس سے زیادہ جو کچھ ملتا ہے وہ سود ہے حرام ہے، اس کو نفع قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سندات قرض کو کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ سندات جمع کردہ رقم کی محض رسید ہیں، یہ کمپنی کے اثاثوں میں کسی قسم کی ملکیت کی نمائندگی نہیں کرتے ہیں، اس لئے ان کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں۔

بانڈز کی بیع دراصل کمپنی سے اپنے وصولی قرض کے حق کو دوسرے کی طرف منتقل کرنا ہے، یعنی اب کمپنی سے قرض وہ وصول کرنے کے بجائے فلاں شخص وصول کرے گا اور اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، البتہ کمی بیشی کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ یہ سود قرار دیا جائے گا۔

سندات قرض کو رہن رکھا جاسکتا ہے، اس لئے کہ رہن کی بنیاد اصلاً اعتماد پر ہے، اور یہ بات اس میں پائی جاتی ہے۔

ولأن الكفالة والرهن شرعاً للتوثق (بدائع الصنائع، کتاب الاجارہ ۴ر۲۰۳)۔

اگر کسی کمپنی میں حصص تجارت حاصل کرنے کی گنجائش نہ ہو تو بدرجہ مجبوری قابل تبدیل سندات قرض (Convertible Bonds) خریدے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہو، اور شیئرز میں تبدیل ہونے کی مدت تک جو سود ملے وہ اپنے استعمال میں نہ لایا جائے بلکہ صدقہ کردیا جائے۔

سندات قرض کی خرید وفروخت میں فیس ویلو (Face Value) کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا، اس میں مارکیٹ ویلو کا لحاظ کرنا درست نہیں اگر وہ فیس ویلو سے مختلف ہو، اس لئے کہ یہ محض وصولی حق کی رسید ہے، کمپنی کے جزو مشاع کا بدل نہیں کہ اس کی قیمت میں اضافہ یا نقصان ہو۔

حصص کی تقسیم حصہ دار کے حقوق کے لحاظ سے:

پریفرنس شیئرز (Preference Share) جس کو اردو میں ترجیحی حصص اور عربی میں السہم الممتاز بھی کہتے ہیں، یہ نہ پوری طرح حصہ تجارت ہے اور نہ پوری طرح سند قرض ہے، دراصل حصص کی ایک تقسیم حصہ دار کے حقوق کے اعتبار سے ہوتی ہے، یعنی نفع وصول کرنے یا کمپنی کی پالیسی میں مداخلت کے اعتبار سے حصص کی دو قسمیں ہیں:

(۱) آرڈینری شیئر (Ordinary Share) جس کو عربی میں السہم العادی کہتے ہیں، (۲) دوسری قسم وہی پریفرنس شیئر ہے۔

ان دو قسم کے حصص میں بنیادی فرق یہ ہے کہ پریفرنس شیئر کے حامل کو نفع تقسیم کرنے یا حق رائے دہی میں آرڈینری شیئر کے حامل سے مقدم رکھا جاتا ہے۔ مولانا تقی عثمانی نے ان کے درمیان وجوہ فرق کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے:

(۱) السہم الممتاز کا نفع اس کے لگائے ہوئے سرمائے کی خاص شرح کے مطابق مقرر ہوتا ہے، مثلاً اس کے لگائے ہوئے سرمائے کا دس فیصد (10%) پہلے السہم الممتاز کے حاملین میں نفع تقسیم کر کے ان کا معینہ نفع ان تک پہونچایا جاتا ہے، اس کے بعد اگر کچھ بچے تو السہم العادی کے حاملین کو ملتا ہے، ورنہ وہ نفع سے محروم رہیں گے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی سال کمپنی کو نفع نہیں ہوا تو ایسی صورت میں بھی السہم الممتاز کا نفع محفوظ رہتا ہے، آئندہ سال جب نفع ہوگا تو پہلے ان کو دیا جائے گا، اس کے بعد نفع بچا تو السہم العادی کو ملے گا۔

(۲) بعض اوقات ترجیح کی صورت یہ ہوتی ہے کہ السہم الممتاز کے نفع کی شرح السہم العادی سے زیادہ رکھی جاتی ہے۔

(۳) کبھی ترجیح اس طرح ہوتی ہے کہ کمپنی کے سالانہ اجلاس میں السہم الممتاز والوں کو ووٹ کا حق ہوتا ہے۔ السہم العادی والوں کو ووٹ کا حق نہیں ہوتا۔

(۴) کبھی السہم الممتاز والے کو زیادہ ووٹ کا حق ہوتا ہے اور السہم العادی والے کو کم ووٹ کا، مثلاً یہ کہ السہم الممتاز والے کو دو ووٹ کا اور السہم العادی والے کو ایک ووٹ کا حق ہوگا۔

حاصل یہ کہ السہم الممتاز ترجیحی حصے کا نام ہے، پھر ترجیح کی شکلیں مختلف ہوسکتی ہیں، اس کی ضرورت عموماً اس وقت پیش آتی ہے، جبکہ کسی خاص بڑی پارٹی مثلاً انشورنس کمپنی وغیرہ سے سرمایہ لینا ہو، اب وہ اس پر آمادہ نہیں کہ عام حصہ دار (شیئر ہولڈر) کی حیثیت سے رقم لگائے اس لئے کہ اس میں نفع طے شدہ نہیں ہے، اور اس پر بھی آمادہ نہیں کہ محض قرض دہندہ (دائن) کی طرح سود پر قرض دے، اس لئے کہ محض قرض دہندہ کی حیثیت میں وہ کمپنی کی پالیسیوں پر اثر انداز نہیں ہو سکے گی، ایسی پارٹی سے سرمایہ لینے کے لئے اس کو ترجیحی حصص دیئے جاتے ہیں، تا کہ اس کو مقررہ نفع بھی ملے اور کمپنی میں حصہ دار بھی ہو، چنانچہ یہ ایک اعتبار سے دائن اور ایک اعتبار سے حصہ دار ہوتی ہے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت رص ۶۰)۔

شیئرز کی خرید وفروخت کے مختلف طریقے:

اسٹاک ایکسچینج میں شیئرز کی خرید وفروخت کے مختلف طریقے رائج ہیں: (۱) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کمپنی کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کے شیئرز کی خرید وفروخت شروع ہو جاتی ہے، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی بیع وشراء جائز نہیں، اس لئے کہ جب کمپنی کا وجود ہی نہیں تو یہ شیئرز کس چیز کی نمائندگی کریں گے، اس لئے یہ بیع غیر مملوک ہے جو

اصولاً ناجائز ہے۔ (۲) جو کمپنیاں موجود ہیں ان کے شیئرز کی خرید وفروخت کے بھی کئی طریقے ہیں، ایک طریقہ فیوچر سیلز (Future Sales) کہلاتا ہے، اس میں شیئرز لینا دینا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ محض مدت کے لحاظ سے نفع نقصان کی کمی بیشی برابر کرنا مقصود ہوتا ہے، یہ قمار ہے جو جائز نہیں۔ (۳) دوسرا طریقہ غائب سودا کا ہے، جس میں بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، یہ بیع بھی صحیح نہیں اس لئے کہ بیع کی تعلیق یا مستقبل کی طرف اس کی اضافت باتفاق فقہاء جائز نہیں، اس کو محض وعدۂ بیع قرار دیا جاسکتا ہے۔ (۴) تیسرا طریقہ حاضر سودا کا ہے، جس میں شیئرز کی بیع وشراء ایک ہی مجلس میں ہو جاتی ہے، اور عقد تام ہو جاتا ہے، البتہ شیئرز کا قبضہ کرانے میں کچھ تاخیر ہوتی ہے، شیئرز دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک کو رجسٹرڈ شیئر (Registered Share) کہتے ہیں وہ حامل حصص کے نام پر کمپنی میں رجسٹرڈ ہوتا ہے، دوسرا بیئرر شیئر (Bearer Share) کہلاتا ہے، وہ کسی کے نام پر رجسٹرڈ نہیں ہوتا، جس کے قبضہ میں ہو اسی کا کہلاتا ہے، بیئرر شیئر کا قبضہ کرانے میں تو کوئی دیر نہیں ہوتی، البتہ رجسٹرڈ شیئرز کا قبضہ کرانے میں عموماً ایک ہفتہ سے تین ہفتوں تک کی تاخیر ہو جاتی ہے، اس میں بائع کو اپنے نام کی جگہ مشتری کا نام رجسٹرڈ کرنا پڑتا ہے، اس کی دفتری کارروائی میں تاخیر ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اس دوران کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مشتری جس کے نام پر اب تک شیئر رجسٹرڈ نہیں ہوا ہے وہ رجسٹرڈ ہونے سے پہلے ہی کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ مشتری اول کے نام رجسٹرڈ ہونے تک آگے چار پانچ ہاتھوں میں شیئر فروخت ہو چکا ہوتا ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شیئرز کا بغیر قبضہ میں آئے ہوئے فروخت کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں قبضہ کی حقیقت کو سمجھنا ہوگا، اتنی بات تو طے ہے کہ قبل القبض بیع دو وجہ سے ناجائز ہے:

۱۔ ایک تو اس بنا پر کہ یہ ابھی مقدور التسلیم نہیں ہے، اور اس پر کوئی تصرف نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ دوسرے اس بنا پر کہ یہ ابھی بائع کے ضمان میں داخل نہیں ہوا، اور ربح مالم یضمن جائز نہیں۔

اس لئے شیئرز کی بیع سے قبل قبضہ بہرحال ضروری ہے، مگر شیئرز کے قبضہ کی نوعیت کیا ہوگی؟ ہر چیز کا قبضہ اس کے لحاظ سے ہوتا ہے، قبضہ حسی ہر جگہ ضروری نہیں، حکماً قبضہ بھی بعض جگہوں پر کافی ہو جاتا ہے، شیئرز کی صورت حال یہ ہے کہ محض شیئرز سرٹیفکیٹ تو مبیع نہیں، مبیع دراصل وہ حصہ متناسبہ ہے جو کمپنی کے اثاثوں میں شامل ہے، اس لئے اس پر قبضہ حسی بہرحال ناممکن ہے، اس بنا پر قبضہ حکمی ہی کو کافی قرار دینا ہوگا، قبضہ حکمی یہ ہے کہ مبیع مشتری کے قبضہ میں آجائے، اور اس کا غرم وغنم بھی مشتری کی طرف منتقل ہو جائے۔ مولانا تقی عثمانی کے بقول کمپنیوں کے ذمہ داروں سے کافی بات چیت کے بعد پتہ چلا کہ مبیع مشتری کے ضمان میں منتقل ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر بیع کے بعد اور شیئرز قبضہ میں آنے سے قبل منافع کی تقسیم ہو جائے تو کمپنی تو بائع کے نام پر ہی منافع تقسیم کرے گی، اس لئے کہ رجسٹر میں اسی کا نام درج ہے مگر اسٹاک ایکسچینج کی ذمہ داری ہے کہ وہ بعد عقد تقسیم ہونے والے منافع مشتری کو دلائے، اسی طرح اگر نقصان ہوگا تو یہ مشتری کو برداشت کرنا ہوگا۔ اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ عقد کے بعد ہی شیئر مشتری کے قبضہ میں چلا جاتا ہے۔

مگر وہیں یہ بات بھی کھٹکتی ہے کہ شیئرز کی خرید وفروخت کا معاملہ اصل تو کمپنی سے ہے، اسٹاک ایکسچینج سے

نہیں، اور کمپنی کے نزدیک شیئرز کا قبضہ اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جاتا جب تک کہ نام پر منتقل نہ ہو جائے، اسی طرح عرف میں جس چیز کو قبضہ کہا جائے گا وہی قبضہ کہلائے گا، اور رجسٹرڈ شیئرز کا قبضہ کمپنی میں نام درج کرانے اور اس کی رسید مل جانے کے بعد ہی مانا جاتا ہے، اس کے بغیر عرفاً قبضہ نہیں مانا جاتا، اس کا تقاضا ہے کہ بغیر رجسٹرڈ ہوئے شیئرز کی بیع درست نہ ہو، احتیاط یہی ہے کہ شیئرز اپنے نام پر منتقل ہوئے بغیر فروخت نہ کئے جائیں۔

البتہ اسٹاک ایکسچینج میں جو لوگ ممبر بن کر شیئرز کی خرید و فروخت کرتے ہیں وہ دراصل کمپنیوں کے وکیل ہوتے ہیں، ان کے نام پر شیئرز نہیں ہوتے وہ کمپنیوں کی اجازت سے شیئرز خریدتے اور بیچتے ہیں، اس لئے ان کے لئے قبضہ رجسٹرڈ کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے، اور یہ ممکن بھی نہیں، اس لئے کہ روزانہ سیکڑوں شیئرز کی خرید و فروخت ہوتی ہے، ہر ایک کے بارے میں یہ اہتمام کرنا کہ بیچنے والا ممبر پہلے اپنے نام پر منتقل کرائے پھر فروخت کرے، یہ ناممکن ہے۔ اس لئے خیال یہ ہوتا ہے کہ یہاں وہی قبضہ معتبر ہونا چاہئے جو اوپر ذکر کیا گیا، کہ اگرچہ شیئرز نام پر نہیں ہوتے لیکن کمپنیوں کی اجازت اور لوگوں کے تعامل کی بنا پر غرم و غنم دونوں ہی اسٹاک ایکسچینج کے ممبروں کے قبضہ میں سمجھے جاتے ہیں، یہ قبضہ حکمی ہے جو کافی ہونا چاہئے۔

خلاصۂ جوابات:

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں مختصر جوابات تحریر کئے جاتے ہیں:

۱۔ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی متناسب ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، یہی نقطۂ نظر راجح اور حقیقی ہے، رہا یہ کہ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کے وقت کمپنی میں اس کے متناسب حصہ کی قرقی نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ملکیت نہیں ہوتی بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کمپنی کی تحلیل سے قبل ہولڈر کو تصرف کا اختیار نہیں ہوتا، اور تصرف کا اختیار نہ ہونا ملکیت کو نقصان نہیں پہونچاتا۔

۲۔ اگر کمپنی نئی قائم ہوئی ہو، اس کے پاس کچھ املاک نہ ہوں، تو ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید و فروخت صرف اس کے فیس ویلو سے درست ہوگی، مارکیٹ ویلو کے لحاظ سے کمی بیشی جائز نہیں، اس لئے کہ یہ بیع صرف ہوگی۔

۳۔ البتہ اثاثہ مخلوط ہونے کی صورت میں جبکہ مجموعہ مال ربوی وغیر ربوی دونوں پر مشتمل ہو، کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز ہوگی۔

۴۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہے ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جائز نہیں۔

۵،۶۔ البتہ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہے مگر بعض اوقات کسی مصلحت یا مجبوری کی بنا پر بعض ناجائز چیزیں کرنی پڑتی ہیں، ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جائز ہے، بشرطیکہ بورڈ کے سامنے ان چیزوں کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کردے، اور اگر کچھ سودی یا ناجائز حصہ اس کے منافع میں آرہا ہو تو اسکے تناسب سے بلا نیت ثواب صدقہ کردے۔

۷۔ سود پر حاصل شدہ قرض سے ہونے والے منافع شرعی طور پر طیب ہیں، البتہ یہ عمل بلاضرورت جائز نہیں۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈر کا وکیل ہے، مگر اس کی وکالت اس قدر مضبوط نہیں جس قدر کہ شرکت کی عام قسموں میں ہوتی ہے، جس کی بنا پر عمل کی نسبت کے باب میں قدرتی طور پر فرق واقع ہوگا۔

۹۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس کا فیصلہ کثرت رائے سے ہوتا ہے، اس لئے اس میں کسی شیئرز ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اپنے اختلاف کا اعلان کردینا وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے اسے بری الذمہ کردے گا۔

۱۰، ۱۱۔ اس کا جواب ۵ اور ۶ کے تحت آچکا ہے۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت کرنا درست ہے، ہر تخمین وقیاس آرائی ممنوع نہیں ہے، تجارت میں اموال تجارت کی خرید انسان مارکیٹ کی طلب ورسد کے لحاظ سے قیمتوں کے تناسب کا اندازہ کر کے ہی کرتا ہے، خواہ وہ کسی قسم کا مال تجارت ہو، اس لئے محض یہ عدم جواز کے لئے بنیاد نہیں بن سکتا۔

۱۳۔ شیئرز مارکیٹ میں فیوچر سیل کا طریقہ جائز نہیں، یہ قمار کی ایک شکل ہے۔

۱۴۔ غائب سودا کا طریقہ بھی درست نہیں، اس لئے کہ بیع کی تعلیق یا مستقبل کی طرف اس کی اضافت باتفاق فقہاء درست نہیں، اس کو محض وعدۂ بیع قرار دیا جاسکتا ہے۔

۱۵۔ شیئرز کی خرید وفروخت کے لئے قبضۂ حسی ضروری نہیں اور ممکن بھی نہیں، قبضۂ حکمی کافی ہے، اور اس میں اعتبار عرف کا ہے، رجسٹرڈ شیئرز میں احتیاط اس میں ہے کہ اندراج نام سے قبل قبضہ تسلیم نہ کیا جائے۔

۱۶۔ اسٹاک ایکسچینج کے تعامل کے لحاظ سے تو غرم وغنم کے بعد ہی فروخت کرنا لازم آتا ہے، مگر کمپنی کے قانون کے لحاظ سے یہ ربح مالم یضمن میں داخل ہے، اس لئے اندراج نام یا تبدیلی نام سے قبل اگلے مشتری سے معاملہ کرنا بطور احتیاط درست نہیں۔

۱۷۔ بروکر کمپنی کا وکیل ہوتا ہے، اس لئے اس کے لئے رجسٹرڈ قبضہ ضروری ہے، ورنہ اس میں حرج عظیم لازم آئے گا، قبضہ کا مقصد مقدور التسلیم ہونا اور مشتری کا فریب سے محفوظ رہنا ہے، اور یہ دونوں مقاصد تعاملاً بغیر رجسٹرڈ قبضہ کے بھی حاصل ہیں۔

☆☆☆☆☆

اسٹاک ایکسچینج کے کاروبار کا بیان

ڈاکٹر کے۔جی۔منشی۔احمد آباد

اسٹاک ایکسچینج میں کاروبار کی تمام تر کارروائی بروکر کی کسی فرم یا ایجنسی کے ذریعے انجام دی جاتی ہے۔ یہ بروکر اسٹاک ایکسچینج کے ارکان تصور کئے جاتے ہیں۔ اسٹاک ایکسچینج کے اصول وضوابط کے مطابق کسی باہری شخص کو بروکر کی کسی فرم یا ایجنسی کی مدد لئے بغیر کسی قسم کا کاروبار یا لین دین کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ کاروبار میں دلچسپی رکھنے والے شخص کو کسی بروکر کے ذریعے کھاتہ کھولنا پڑتا ہے۔ لیکن بروکر کسی نئے شخص کا اکاؤنٹ کھولتے وقت دوسرے تاجروں کی مانند یہ چاہتا ہے کہ وہ شخص اپنا ذاتی تعارف اس سے کرائے یا کسی بینک کار یا کسی دوسرے قابل بھروسہ شخص کا حوالہ پیش کرے تاکہ بروکر کو نئے شخص کی کاروباری یا مالی حیثیت کے بارے میں پوری طرح معلومات حاصل ہوسکیں۔ لہذا وہ اشخاص جو کہ نیا اکاؤنٹ، ہاؤس کے کسی رکن کے ذریعہ کھولنا چاہتے ہیں اس بارے میں پوری طرح تیار رہیں کہ انہیں ایک قابل اعتماد حوالہ پیش کرنا پڑے گا۔

لین دین کے بہت سے طریقے مروج ہیں جن کا استعمال ارکان یا رقم لگانے والے افراد کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ عام حالات میں یا تو نقد رقم یا اکاؤنٹ کے ذریعہ کاروبار کیا جاتا ہے۔ ہمارے ملک کے اسٹاک ایکسچینج میں کاروبار عام طور پر نقد رقم کے ذریعہ ہی کیا جاتا ہے۔ بمبئی چونکہ ایک بازار ہے لہذا یہاں اکاؤنٹ کے ذریعہ بھی کاروبار انجام دیا جاتا ہے بلکہ درحقیقت یہاں اس کا ہی زیادہ رواج ہے۔ کانپور اور مدراس میں بھی اکاؤنٹ کے ذریعہ کاروبار ہوتا ہے لیکن بہت قلیل مقدار میں۔ کلکتہ اسٹاک ایکسچینج میں زیادہ تر کاروبار نقد رقم کے ذریعہ انجام پاتا ہے جبکہ انڈین اسٹاک ایکسچینج حالانکہ فارورڈ لین دین (Forward Dealings) کی اجازت دیتا ہے لیکن بمبئی سیکوریٹیز کنٹریکٹس کنٹرول ایکٹ ۱۹۲۵ کے تحت اس ایکسچینج میں فارورڈ لین دین نہیں کے برابر ہے۔

(الف) لین دین برائے رقم:

نقد رقم کی لین دین کا مطلب ہے کہ کاروبار میں نقد رقم ادا کی جائے گی یعنی خرید کے بدلے میں رقم کی ادائیگی کی جائے گی۔ اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ اس کے لئے کسی عرصہ مخصوص کو واضح طور سے بیان نہیں کیا گیا ہے اور حصص (Securities) کی خرید یا فروخت کے بدلے میں فوری طور پر یا ایک طے شدہ مناسب عرصے کے دوران (جو کہ مخصوص حالت میں الگ الگ ہوسکتا ہے) رقم کی ادائیگی کردی جائے گی۔ "Natie Share & Borkers Association" کی ذیلی دفعات میں ضابطہ ۳۲۱ کے مطابق فوری طور پر ادائیگی سے متعلق کاروبار کے تحت رقم یا حصص کی ادائیگی سودا طے ہونے کے اگلے دن سہ پہر ۳ بجے تک ہوجانی چاہئے۔ اگر سودے کا دن اتفاق سے سنیچر ہے تو رقم یا حصص کی ادائیگی اگلے کاروباری دن ۳ بجے سہ پہر تک ہونی چاہئے۔ اگر متعلقہ پارٹیوں کے درمیان یہ طے ہوچکا ہے تو سودا طے ہونے کے زیادہ سے زیادہ سات دنوں تک رقم اور حصص کی ادائیگی اور سپردگی ہوجانی چاہئے، اور اس

عرصے کے دوران طے شدہ سودا منسوخ نہیں ہوگا، حالانکہ کلکتہ اسٹاک ایکسچینج میں یہ مدت تین یوم کی ہے۔ مدراس اسٹاک ایکسچینج میں کاروبار بمبئی کے نہج پر ہوتا ہے اور یہاں ادائیگی وغیرہ کے لئے سات دن کا عرصہ دیا جاسکتا ہے۔

(ب) اکاؤنٹ کے تحت لین دین:

اکاؤنٹ کے تحت لین دین کا مطلب ہوتا ہے کہ سودے کی ادائیگی سے متعلق تفاوت آئندہ ادائیگی کے وقت ادا کیا جائے گا اس طرح کے سودے "وقتی سودے" کہلاتے ہیں، کیونکہ ان کی تکمیل کے بعد اوران کی ادائیگی سے قبل کچھ وقت گذرنا لازمی ہے، اوراس مدت کے دوران سیکورٹی کی قیمت میں مثبت یا منفی فرق آسکتا ہے، اس شکل میں یہ سودا ادائیگی کے دن سے قبل کسی بھی وقت مکمل کیا جاسکتا ہے، اوراس طرح سرمایہ کار سیکورٹی کی قیمت میں آنے والے ممکنہ فرق کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کرسکتا ہے، اور بعض اوقات تیزی سے ہونے والے اتار چڑھاؤ کے باعث منافع بھی کما سکتا ہے۔ "وقتی سودے" میں زیادہ تر حصہ محض امکانی نوعیت کا ہوتا ہے۔ وقتی سودے ان افراد کے ذریعہ کئے جاتے ہیں جو ان سیکورٹیز کو حوالے کرنا نہیں چاہتے جنہیں انہوں نے فروخت کیا ہے یا ان کے بدلے میں رقم حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ ایسے کاروباری افراد یہ مان لیتے ہیں کہ وہ ادائیگی کے دن سے قبل نفع حاصل کرتے ہوئے حصص کو خرید یا فروخت کرسکتے ہیں اوران کے درمیان موجود "تفاوت" کی شکل میں منافع حاصل کرسکتے ہیں۔ اب سے کچھ عرصہ قبل تک بمبئی اسٹاک ایکسچینج کا زیادہ تر کاروبار "وقتی سودوں" کی شکل میں ہی ہوتا تھا اور بہت کم نقد رقم کے سودے ہوتے تھے۔

موجودہ صدی کے آغاز سے قبل بمبئی اسٹاک ایکسچینج کا کاروبار محض چند ایک جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں بالخصوص ٹیکسٹائل، کاٹن، Gining اور Pressing کمپنیوں کے اضافی حصص کے لین دین (خرید وفروخت) تک ہی محدود تھا، نقد اور آئندہ ادائیگی میں کوئی فرق نہیں تھا کیونکہ کسی بھی حصص کے بدلے میں آئندہ ادائیگی کی جاسکتی تھی۔ ماہانہ ادائیگی کا نظام مروج تھا، اور یہ تین قسموں میں منقسم تھا:

(۱) ترن کگلیا، یا سہ کاغذی۔ اس میں درخواست فارم، ٹرانسفر ڈیڈ اور شیئرز سرٹیفیکٹ شامل ہوتے تھے۔ خریدار کو سودے والے دن یا زیادہ سے زیادہ اگلے دن تک ان کاغذات کے وصول کرنے کے لئے رقم کی ادائیگی کرنی پڑتی تھی۔

(۲) دوسرے طریقے میں ایک ہفتہ کی مدت درکار ہوتی تھی، خریدار کو سودا ہونے کے آٹھ دنوں کے بعد شیئرز حاصل ہوتے تھے جس کے بدلے میں اسے اسی وقت ادائیگی کرنی پڑتی تھی۔

(۳) حوالگی اور ادائیگی ماہانہ ادائیگیوں کی شکل میں: یہ وہ نظام ہے جو جون ۱۹۶۵ کے باعث فارورڈ ٹریڈنگ کے ملتوی ہونے سے قبل رائج تھا۔

کاروبار کے طریقے:

فرض کیجئے کہ ایک شخص کے پاس چند ہزار روپے کی رقم ہے اور وہ کسی اسٹاک ایکسچینج (مثلاً بمبئی) میں کاروبار کرنا چاہتا ہے، اس سلسلے میں کاروبار سے متعلق ضروری اقدامات بالترتیب اس طرح ہوں گے۔

ا۔ پہلا قدم:

چونکہ کسی باہری شخص کو ایکسچینج کے ہال میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ رقم لگانے والے شخص کو اولاً ایک بروکر (اسٹاک ایکسچینج کا دلال) یا بروکر کی کسی فرم کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ چونکہ اسٹاک ایکسچینج کے قواعد وضوابط کے مطابق اس کے ارکان (بروکر) بذات خود رقم لگانے والے شخص کو اپنی جانب متوجہ نہیں کر سکتے لہٰذا بروکر کے انتخاب میں کچھ وقت صرف ہوسکتا ہے۔ایسے شخص کو یا تو اپنے ان دوستوں اور واقف کاروں کے مشوروں کے مطابق کسی ایسے بروکر یا ان کی فرم کا انتخاب کرنا پڑے گا جن سے ان واقف کاروں نے اس سے قبل کاروبار کیا ہے، یا پھر وہ اسٹاک کے سکریٹری سے اسٹاک ایکسچینج کے ارکان کی فہرست طلب کرسکتا ہے۔اس فہرست میں بروکر یا ان کی فرموں کے نام درج ہوتے ہیں چونکہ صرف ناموں سے کسی طرح کی کوئی بات ثابت نہیں ہوتی لہٰذا اس طرح کیا جانے والا انتخاب سودمند بھی ثابت ہوسکتا ہے اور نقصان دہ بھی۔

اگر کوئی رقم لگانے والا شخص براہ راست بروکر کی فرم سے تعلق قائم نہیں کرسکتا تو اپنے بینک کے ذریعہ (جو کہ اپنے بروکر کے ذریعہ اپنے گاہکوں کے لئے اسٹاک ایکسچینج کا کاروبار کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں) لین دین کرسکتا ہے۔اس طریقے سے بلاشبہ رقم لگانے والے شخص کو زیادہ تحفظ حاصل ہوتا ہے کیونکہ بروکر کے غلط اقدامات کے باعث ہونے والے نقصانات کا امکان کم سے کم ہوسکتا ہے، کیونکہ بینک کے ذمہ داران یہ چاہیں گے کہ ان کے گاہکوں کا نقصان نہ ہو،اس کے علاوہ بینک کے اسٹرونگ روم (رقم رکھنے کے کمرے) کے ذریعہ ادائیگی کی جاسکتی ہے یا ان میں حاصل شدہ رقم محفوظ رکھی جاسکتی ہے،لیکن اس طریقے میں نقصانات بھی ہیں،سب سے پہلا نقصان وقت کا زیاں ہے۔اسٹاک ایکسچینج کے اتار چڑھاؤ منٹوں میں بدلتے رہتے ہیں۔ بینک کے ذریعہ بروکر سے رابطہ قائم کرنے میں اچھا خاصا وقت ضائع ہوسکتا ہے۔مزید برآں بینک منیجر اسٹاک ایکسچینج کی اس وقت کی صورت حال اور دوسرے عوامل کے بارے میں زیادہ معلومات بھی نہیں رکھتے۔ بروکر چونکہ اس کاروبار سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں لہٰذا انہیں پل پل کی خبر رہتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی دوسرے کاروبار کی مانند ذاتی عمل دخل اس میں بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ بینک کے ذریعہ طے کئے جانے والے سودے میں بینکر کی ذاتی دلچسپی کا سوال ہی نہیں اٹھتا جبکہ اگر آپ براہ راست بروکر سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں اور اس کو ذاتی طور سے جانتے ہیں اور وہ آپ کو جانتا ہے تو وہ بذات خود بھی سودے میں دلچسپی لے گا۔

اسی کے ساتھ ساتھ سیکورٹیز کے لئے کی جانے والی ادائیگی اور ان کو محفوظ طریقے سے رکھنے کے لئے بینک کی سہولیات بھی مہیا ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کاروبار کسی دلال کے ذریعہ براہ راست بھی کیا جارہا ہے تب بھی بینک کے منیجران اپنے گاہکوں کے لئے یہ خدمت ایک معمولی کمیشن کے عوض انجام دینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ جب کاروبار کسی بینک کے ذریعہ انجام دیا جارہا ہے تو رقم لگانے والے شخص (Investor) کو بینک کو بھی ایک اضافی کمیشن ادا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا کسی دلال کے ذریعہ براہ راست کاروبار کرنا ہمیشہ سودمند ثابت ہوتا ہے، لیکن بروکر (دلال) کا انتخاب دیکھ بھال کر کرنا چاہئے۔

بروکر کا انتخاب کرنے کے بعد اس کے نام ایک خط لکھا جاتا ہے جس میں اس سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ وہ کاروبار کرنے والے شخص کے لئے سودا کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے یا نہیں، اگر وہ راضی ہے تو پھر اس کا مشورہ طلب کیا جاتا ہے۔

۲۔ حوالہ ضروری ہے:

کوئی بھی بروکر کسی نئے گاہک کی جانب سے لین دین شروع کرنے سے قبل گاہک کا باقاعدہ تعارف چاہے گا یا پھر بینک کا حوالہ ضروری ہوگا تاکہ وہ گاہک کی معاشی حالت اور اس کی ایمانداری کے بارے میں پر یقین ہو سکے۔ کوئی بھی شرط باز (Bookmaker) اور یقینی طور پر کوئی بھی دلال کسی ایسے گاہک سے تعلق رکھنا پسند نہیں کرتا جس کے بارے میں وہ کچھ بھی نہیں جانتا۔ اور نہ ہی کوئی شخص اپنی رقم کو جیب سے نکال کر اسٹاک کے کاروبار میں لگا سکتا ہے جب تک اس کا تعارف کسی بروکر سے باقاعدہ نہ کرایا جا چکا ہو۔

۳۔ خرید کا حکم دینا:

اپنے خیرخواہوں کا مشورہ حاصل کرنے کے بعد یا کسی تجارتی اخبار کے بغور مطالعہ کے بعد یا اپنے بروکر کا مشورہ حاصل کرنے کے بعد اور یہ طے کرنے کے بعد کہ کون سی سیکورٹیز خریدنا ہے، رقم لگانے والا اپنے بروکر کو سیکورٹیز خریدنے کے لئے حکم دے سکتا ہے، مثلاً وہ اس سے کہے کہ سیچری مل کے ۱۰۰ عمومی حصص خرید لے۔ غیر ضروری تاخیر سے بچنے کے لئے عام طور پر ٹیلی گرام کے ذریعہ یا ٹیلی فون کے ذریعہ بروکر سے رابطہ قائم کیا جاتا ہے، اور یہ پیغامات مختصر ہوتے ہیں تاکہ غیر ضروری طور پر ترسیل میں زیادہ رقم نہ خرچ کرنی پڑے۔ مثلاً یہ پیغام اس طرح دیا جا سکتا ہے: ''میرے لئے سو (۱۰۰) سیچریز ۹۵۰ کے ریٹ پر خرید لو''۔ یہ حکم ایک طے شدہ رقم کا ذکر کرتا ہے اور اس میں کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا اس کی تعمیل کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ کیونکہ حصص کی قیمت میں ہر منٹ اضافہ یا کمی ہو سکتی ہے یا پھر اگر اس کی قیمت ۹۵۰ روپئے سے کم ہے تو اس میں کمی یا زیادتی زیادہ وقفے سے ہوگی۔ خرید کا حکم دینے کے دوسرے طریقے کا استعمال بھی کیا جا سکتا ہے جس میں بروکر کے لئے بھی گنجائش ہو اور دوسری جانب اس میں رقم لگانے والے شخص کے مفادات کا بھی تحفظ ہوتا ہو۔

گاہک کے خرید کے حکم کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: (۱) قیمت کا ذکر جس پر خرید کے حکم کی تعمیل کی جائے گی (۲) مدت کا ذکر جس کے دوران اس حکم پر عمل درآمد کیا جائے (۳) یا اس مدت کا ذکر جس کے گذرنے کے بعد ہی حوالگی (Delivery) کی جائے۔

قیمت کے مطابق درجہ بندی:

اس درجے کے تحت آرڈر کی مندرجہ ذیل شکلیں ہو سکتی ہیں

(الف) بہترین یا مارکیٹ آرڈر

اس قسم کے آرڈر میں کسی قیمت کا تعین نہیں کیا جاتا ہے اور فوری طور پر بہترین اور مناسب ترین قیمت پر

خرید یا فروخت کی جاتی ہے۔ اس قسم کے احکامات پر فوری طور پر بروکر کے ذریعہ عمل درآمد کیا جاتا ہے، اور بازار میں زیادہ تر اسی قسم کے آرڈر آتے ہیں۔ اس قسم کے آرڈر کچھ اس طرح دیئے جاتے ہیں: "خریدو (یا فروخت کرو) ۱۰۰ سینچری بہترین (قیمت) پر"۔

(ب) طے شدہ قیمت یا حدود کے آرڈر:

اس قسم کے آرڈر گاہک کے ذریعہ طے شدہ قیمت پر عمل پذیر ہوتے ہیں۔ ان کی ایک مثال ہے: "خرید و (یا فروخت کرو) ۱۰۰ سینچری ۹۵۰ پر"۔ مندرجہ ہدایات کے مطابق بروکر کو ۹۵۰ روپے یا اس سے کم قیمت پر حصص کو خریدنا چاہئے۔ اسی طرح فروخت کرنے کے اسی قسم کے ایک آرڈر کی تعمیل ۹۵۰ روپے یا اس سے زیادہ قیمت پر کی جائے گی۔ بعض اوقات اس قسم کے امکانات میں تھوڑی بہت گنجائش رکھی جاتی ہے۔ مثلاً "تقریباً ۹۵۰ پر خریدلو"۔ لیکن بروکر کے نقطۂ نظر سے یہ طریقہ زیادہ اطمینان بخش نہیں ہے کیونکہ اس میں اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ تقریباً کا تعین کن حدود میں رہتے ہوئے کیا جائے، لہذا واضح حدود کا تعین بروکر کے ذریعے پسند کیا جائے گا۔ مثلاً "۹۵۰ سے زیادہ پر مت خریدو"۔ یا "۹۵۰ سے کم پر فروخت مت کرو"۔ اس قیمت کے حدود کے تعین میں مذکورہ رقم اس طرح نہیں جیسے کہ ایک تاجر کو زیادہ سے زیادہ رقم کا آفر کیا جاتا ہے، بروکر محض ایک کارپرداز ہے، اور وہ بذات خود خریدار کو حصص فروخت نہیں کرتا ہے بلکہ وہ اپنے گاہک کے مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے کم سے کم قیمت پر حصص خریدتا ہے اور زیادہ سے زیادہ قیمت پر حصص کو فروخت کرتا ہے۔

(ج) فوری یا منسوخی کا آرڈر:

یہ آرڈر ایک طے شدہ قیمت کے آرڈر کے مقام پر استعمال کئے جاتے ہیں، اس کی ایک مثال یہ ہو سکتی ہے: "۱۰۰ سینچریز فوری طور پر خریدلو"۔ اس میں "فوری" کی جگہ منسوخ بھی استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اس قسم کے آرڈر ممکنہ بہترین قیمت پر فوری طور پر پورے کئے جاتے ہیں۔ اور اگر قیمت کے سودمند نہ ہونے کے باعث فوری طور پر ان پر عمل درآمد نہیں کیا جا سکتا تو اس آرڈر کو منسوخ کر دیا جاتا ہے، اور بروکر بازار کی صورت حال کی رپورٹ اپنے گاہک کو روانہ کرتا ہے۔

(د) اسٹاپ لاس آرڈر (Stop Loss Order):

اس نظام کے پس پشت یہ محرک کارفرما ہے کہ گاہک کو قیمت میں تیزی سے ہونے والے اتار چڑھاؤ سے محفوظ رکھا جا سکے۔ خرید کے لئے ایک اسٹاپ لاس آرڈر کچھ اس طرح ہوگا "۱۰۰ سینچریز ۹۵۰ پر اسٹاپ"۔ اس آرڈر کے موصول ہونے کے بعد بروکر اس وقت تک کوئی قدم نہیں اٹھائے گا جب تک بازار بھاؤ ۹۵۰ سے کم ہے، لیکن جیسے ہی یہ ۹۵۰ تک پہونچتا ہے یا بڑھنا شروع ہوتا ہے بروکر کو ممکنہ مناسب ترین قیمت پر ۱۰۰ حصص خرید لینا چاہئے۔ اسی طرح قیمت میں کمی ہونے کے باعث تیزی سے ہونے والے نقصان کو محدود کرنے کے لئے ایک خاص نقطے کی وضاحت کی جا سکتی ہے، جس کے بعد حصص کو فروخت کر دیا جائے۔ مثلاً "الف" ایک شخص ہے جس نے ۱۰۰ سینچریز حصص ۹۵۰ کی شرح سے خریدے ہیں، اپنے بروکر کو "۱۰۰ سینچریز ۹۳۰ پر اسٹاپ" کا آرڈر دے سکتا ہے، لہذا اس طرح

رقم لگانے والے کوئی حصص ۲۰؍روپے کا ہی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ یعنی جیسے ہی بازار بھاؤ ۹۳۰ پر پہونچتا ہے یا کم ہونا شروع ہو جاتا ہے بروکر حصص فروخت کردے گا۔ اسٹاپ لاس آرڈر، مارکیٹ آرڈر بن جاتا ہے جب حصص کا نرخ ایک معینہ قیمت کے قریب پہونچتا ہے، بروکر تیزی سے اتار چڑھاؤ کے اس بازار میں اپنے گاہک کے احکامات پر معینہ قیمت پر خرید وفروخت نہیں کر سکتا، لیکن جب معینہ قیمت تک بازار بھاؤ پہونچ جاتا ہے تو بروکر کے لئے یہ لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ سرعت سے احکامات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے، اور اگر کوئی بروکر فوری طور پر قدم نہیں اٹھاتا اور آرڈر کی تکمیل میں تاخیر کا موجب بنتا ہے جس کے نتیجے میں گاہک کو نقصان اٹھانا پڑے تو وہ بروکر اس نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ اس کے علاوہ تحفظ کی ایک شکل پُٹ اور کال (Put and Call) بھی ہے جس کا مقصد رقم لگانے والوں کے نقصان کی حد کو کم سے کم کرنا ہے، لیکن تمام ایکسچینجوں پر اختیاری سودوں کی ممانعت ہے۔

(ھ) مرضی پر مبنی احکامات:

یہ وہ آرڈر ہیں جو کہ بروکر کی زیرک مندی اور ہوشیاری پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں، اس کا استعمال بہت کم ہوتا ہے، اور عام طور پر اس کا استعمال تب ہوتا ہے جب کوئی رقم لگانے والا شخص چند بے حرکت حصص کو خریدنا یا فروخت کرنا چاہتا ہے اور اسے اپنے دلال پر پورا بھروسہ ہو۔ اس آرڈر کے الفاظ یوں ہو سکتے ہیں ''خرید لو (یا فروخت کر دو) ۱۰۰ اسٹیچر یز''۔ اس آرڈر کا پُر اطمینان نتیجہ اسی وقت برآمد ہو سکتا ہے جب گاہک اور بروکر (دلال) کے درمیان مکمل ہم آہنگی ہو۔ اس میں قیمت کے بارے میں ہدایات کے علاوہ وقت کے محدود عرصہ کا بھی تعین کیا جا سکتا ہے۔ چند حالات کے تحت وقت کی کوئی مدت مخصوص نہیں کی جاتی ہے، اس قسم کے آرڈر کو ''کھلا آرڈر'' یا (Open Order) کہا جاتا ہے۔ جبکہ دوسری شکل میں اس حکم کی مدت ایک دن، ایک ہفتہ یا ایک مہینہ بھی ہو سکتی ہے، اس قسم کے تحت آرڈر کے الفاظ یوں ہو سکتے ہیں ''۱۰۰ اسٹیچر یز ۹۵۰ پر فروخت کر دو''۔ مدت معینہ اس وقت تک مانی جائے گی جب تک (آرڈر) منسوخ نہ کر دیا جائے (یا ایک دن کے لئے یا ایک مہینے کے لئے) اس قسم کے آرڈر بروکر کو سست روی کی ترغیب دے سکتے ہیں۔ لہذا آرڈر میں حوالگی کی مدت کا ذکر بھی ہونا چاہئے اور اس کا بھی کہ سودا نقد رقم کی حوالگی کی شکل میں ہو یا اکاؤنٹ کے ذریعہ۔

آرڈر کسی بھی شکل میں ہو یہ ضروری ہے کہ آرڈر واضح اور صریح الفاظ وانداز میں جاری کیا جائے تاکہ غیر ضروری تاخیر سے بچا جا سکے اور تمام ممکنہ تنازعات سے بھی محفوظ رہا جا سکے۔ صراحت اور اختصار کسی بھی اچھے آرڈر کی دو اہم خصوصیات ہیں۔

۴۔ آرڈر کا اندراج اور اس کی تعمیل:

تمام آرڈر جو کہ موصول ہوتے ہیں اولاً ایک عمومی ڈائری یا نوٹ بک پر درج کر لئے جاتے ہیں اور بعد میں انہیں آرڈر بک میں درج کیا جاتا ہے۔ عمومی ڈائری میں اندراج کئے جانے کے بعد آرڈر پر فوری عمل درآمد کیا جا سکتا ہے کیونکہ آرڈر بک میں اندراج کرنے میں خاصا وقت صرف ہوتا ہے۔ عملی طور پر زبانی یا ٹیلیفون سے دیئے گئے

آرڈر بھی عمومی نوٹ بک میں درج کر لئے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں کہ بہت سارے آرڈر موصول ہو چکے ہوں ان کی درجہ بندی کی جاتی ہے تاکہ اضافی حصص کی خرید یا فروخت کی قیمت یا ان کی اصل حیثیت کا تعین کیا جا سکے، اور ان آرڈر کی تکمیل میں بروکر کی جانب سے کئے جانے والے اقدامات کا منفی اثر بازار پر نہ پڑے۔

۵۔ فرش:

دراصل معتبر اور مستند کلرک ہی اسٹاک ہال میں ہونے والے سودے اور لین دین کرنے والے ہوتے ہیں، بروکر تمام ہدایت اپنے مستند کلرک کے حوالے کر دیتے ہیں۔ چھوٹے دلال جن کے پاس زیادہ کام نہیں ہوتا خود ہی سودے انجام دیتے ہیں۔

اسٹاک کا ہال مختلف بازاروں میں تقسیم ہوتا ہے اور ہر بازار پر اضافی حصص کے نام کا تذکرہ ہوتا ہے۔ جب کسی مخصوص کمپنی کے حصص میں لین دین کرنا ہو تو مستند کلرک ہال میں اس بازار تک جاتے ہیں جہاں ان حصص کا کاروبار ہو رہا ہو۔

لندن اسٹاک ایکسچینج کے برخلاف ایکسچینج کے ارکان "Jobbers" اور "Brokers" میں تقسیم نہیں کئے جا سکتے ہیں لہذا کسی اضافی حصص کی دو قیمتیں یہاں نہیں کی جاتی ہیں۔ مستند کلرک حالات کے تحت اضافی حصص کی خرید و فروخت کے لئے اپنی قیمت کا اعلان کر سکتا ہے۔ مثلاً وہ کہے "میں ۵۲ پر خریدتا ہوں" جب کہ اس کا مدمقابل کاروباری شخص ۵۴ سے ۵۳/۸ تک اپنی قیمت کم کر سکتا ہے، اور یہ فرض کیا جائے گا کہ سودا مکمل ہو گیا۔ سودے کی تکمیل کرتے ہوئے عام طور پر سیکڑے اور ہزار کے مقام کے ہندسے حذف کر دیئے جاتے ہیں۔ جب یہ کہا جائے کہ سینچری کی شرح ۵۲ یا ۵۴/۸ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ شرح ۹۵۲، ۹۵۴ یا ۹۵۳/۸ ہے، ایسے اعداد و شمار جن میں سیکڑے کے مقام کا ہندسہ حذف کر دیا گیا ہو، گاہک یا کسی نئے آدمی کے لئے بے معنی ہیں، لیکن ایک ایسے کاروباری شخص کے لئے جو کہ اسٹاک ایکسچینج میں لین دین کرتا رہتا ہے، کسی پریشانی یا مشکل کا باعث نہیں بن سکتے، کیونکہ وہ حذف کردہ ہندسوں سے پوری طرح واقف ہوتا ہے۔

عام سودے الفاظ کے ذریعے یا زبانی طور پر کئے جاتے ہیں اور دونوں پارٹیوں کے درمیان اسٹاک ایکسچینج میں کوئی تحریری معاہدہ نہیں ہوتا، بعض اوقات محض ایک لفظ یا گردن کی جنبش سے ہی سودے کئے جاتے ہیں جن سے یہ اشارہ کیا جاتا ہے کہ خرید و فروخت کے سودے کو مکمل سمجھا جائے۔ اس کے بعد اس سودے کو پورا کرنے کی ذمہ داری خریدار اور فروخت کنندہ دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ جیسے ہی سودا مکمل ہوتا ہے دونوں پارٹیاں پاکٹ بک میں اپنے سودے کی تفصیلات درج کر لیتی ہیں۔ یہ اندراج عام طور پر پنسل سے ہوتا ہے۔ سودے کی تکمیل کے بعد کاغذی کاروائی کے لئے کلرکوں کی بھاگ دوڑ دیکھ کر اسٹاک ایکسچینج میں منٹ منٹ کی قیمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کلرک بھاگتے دوڑتے ہوئے اپنی ڈائریوں میں سودے کی تفصیلات مختصراً درج کرتے ہیں۔ یہ کام سیڑھیوں پر چڑھتے اترتے وقت یا لفٹ میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ پیڈ یا ڈائری دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ خرید کا اندراج رقم کے خرچ ہونے کے خانے

(Debit) میں کیا جاتا ہے اور فروخت کا اندراج آمد کے خانے (Credit) میں کیا جاتا ہے۔ حصص کی تعداد، ان کا تفصیلی بیان اور ان پارٹیوں کا نام بھی جنھوں نے حصص فروخت کئے یا خریدے ہیں درج کیا جاتا ہے۔

حصص کے سودے ایک مخصوص و متعین تعداد کے تحت ہی انجام دیئے جا سکتے ہیں جس کا تعین حصص یا سیکورٹیز کی قیمت کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ ہر اسٹاک ایکسچینج کے اصول وضوابط کے مطابق ایک مخصوص تعداد اس سلسلہ میں متعین کردی جاتی ہے جن کے تحت ہی حوالگی (Delivery) کی جاسکتی ہے یا پھر یہ کہ فروخت کے وقت اس تعداد کا تعین کیا جاچکا ہو۔

صرف انہی سیکورٹیز میں سودا کیا جا سکتا ہے جن میں سودے کی اجازت اسٹاک ایکسچینج کے ذریعہ ان کو اسٹاک میں شامل کئے جانے کے بعد دی جاتی ہے۔ حالانکہ ہندوستان کے دوسرے اسٹاک ایکسچینجوں میں لین دین کے تحت حاصل ہونے والی سیکورٹیز کا سودا بمبئی اسٹاک میں نقد رقم کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے اگرچہ اسٹاک کے گورننگ بورڈ نے متذکرہ سیکورٹیز کے لئے کسی رقم کا تعین نہ کیا ہو۔

رقعہ معاہدہ (Contract Note):

سودے کی تکمیل کے بعد کلرک اپنے دفتر واپس لوٹتا ہے، اور یادداشتی ڈائریوں، کلرک کے عام پیڈ یا نوٹ بک سے سودے کی تفصیلات ''کچا سودا کتابوں'' میں درج کی جاتی ہیں اور وہاں سے انہیں پکی کتابوں یا حساب کتاب کے باقاعدہ کھاتوں میں نقل کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ ذکر بھی ہوتا ہے کہ سودا نقد رقم یا آئندہ ادائیگی (بینک اکاؤنٹ) کے تحت انجام پایا ہے۔ بروکر سے متعلق اور پارٹیوں سے متعلق تفصیلات بھی درج کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد بروکر ایک معاہدے کی دستاویز (نوٹ) تیار کرتا ہے جو دوسری پارٹی کے لئے ہوتا ہے۔ بروکرس کے ذریعہ ایسوسی ایشن سے منظور شدہ معاہدے کے نوٹ استعمال کئے جاتے ہیں۔ نقد رقم یا بینک کے ذریعہ سودا ہونے کی شکل میں الگ الگ قسم کے معاہدے کی دستاویزات استعمال کی جاتی ہیں۔ ایک کنٹریکٹ نوٹ گاہک کو بھی بھیجا جاتا ہے۔ ان معاہدوں پر بروکر کے خود کے یا اس کی جانب سے نامزد اتارنی کے دستخط ہونے چاہئیں، ان پر باقاعدہ ٹکٹ بھی الگ ہونا چاہئے۔ اگر نقد رقم کی شکل میں سودا ہوا ہے تو اس طرح تیار کئے جانے والے معاہدے کے نوٹ میں بروکر کے کمیشن کا خانہ نہیں ہوتا ہے جیسا کہ فارورڈ ڈلیوری کے معاہدے میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ گاہک کو ایک اور میمو بھیجا جاتا ہے، جس میں ادا کی گئی یا حاصل ہونے والی رقم کی تفصیل بروکر کی اپنی فیس اور ٹرانسفر فیس (اگر گاہک یہ چاہتا ہے کہ اس کو اس کے نام ٹرانسفر کردیا جائے) کی تفصیلات درج ہوتی ہیں۔

اگلے دن کنٹریکٹ نوٹ (Contract Note) کا دونوں پارٹیوں کے ذریعے ۱۲ بجے سے ۲ بجے کے درمیان تقابلی معائنہ کیا جاتا ہے، اور جب دونوں کنٹریکٹ نوٹ کا معائنہ ہوجاتا ہے تو دونوں پارٹیوں کے کلرک ایک دوسرے کے کھاتے میں اپنے اپنے دستخط کرتے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ کنٹریکٹ نوٹ باقاعدہ اور صحیح طور پر تیار کئے گئے ہیں۔ صرف چند کلرک ہی جو کہ باقاعدہ بروکر کی جانب سے ان کی نمائندگی کرنے کے لئے مقرر کئے

جاتے ہیں بروکر کی جگہ اپنے دستخط کر سکتے ہیں۔ ایسے کلرک کو ایک کارڈ دیا جاتا ہے جس پر اس کے نمونے کے دستخط ہوتے ہیں اور اس کارڈ کو کلرک کو کنٹریکٹ ہال میں لے کر جانا پڑتا ہے۔ تمام غلطیاں یا خامیاں باضابطہ طور پر متعلقہ افراد کے سامنے لائی جاتی ہیں جن کا قابل قبول اور منصفانہ حل تلاش کر لیا جاتا ہے۔ عام طور پر اگر کسی حقیقی غلطی کے نتیجے میں کوئی نقصان ہو رہا ہو تو دونوں پارٹیاں اس کو آپس میں آدھا آدھا بانٹ لیتی ہیں، اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ تنازعہ کے حل کے لئے ثالثی کمیٹی سے رجوع کیا جائے۔ کنٹریکٹ نوٹ میں ہوئی کسی غلطی کے لئے گاہک ذمہ دار نہیں ہوتا ہے اور اس کی پوزیشن میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آتی ہے۔ بلاشبہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اسٹاک ایکسچینج کا نظام جو کہ صرف لفظوں یا زبانی طور پر ہی چلتا ہے، اس نظام کے قابل احترام اور ایماندارانہ ہونے کی مثال ہے۔

۶۔ کمیشن:

بروکر دیئے گئے مشورے کے لئے کسی قسم کی فیس نہیں مانگتا ہے۔ جب سودا مکمل ہو جاتا ہے تب ہی کمیشن کی ادائیگی کا سوال اٹھتا ہے۔ اس لئے کہ فائدہ مند اور مناسب مشورہ ہمیشہ بروکر کے حق میں سودمند ثابت ہوتا ہے اور اسی مشورے کی بنیاد پر اس کے لئے آئندہ بڑے پیمانے پر کاروبار کی راہیں استوار ہوتی ہیں۔ اسٹاک ایکسچینج کے اصول و ضوابط کے تحت بروکر کے زیادہ سے زیادہ کمیشن کی شرحیں مقرر کر دی گئی ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بروکرس کے درمیان مقابلہ زیادہ نہ ہو اور کمیشن کی شرح کم سے کم نہ ہوتی جائے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کم سے کم کمیشن کی شرح مقرر کر دی گئی ہے اور بروکر اس شرح سے زیادہ کمیشن طلب کرنے کا مجاز ہے لیکن عملی طور سے ایسا تقریباً نہیں کے برابر ہوتا ہے کیونکہ بروکرس کے آپس کے مقابلے کے نتیجہ میں یہ کم سے کم ہی زیادہ سے زیادہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ بمبئی اسٹاک ایکسچینج کے اصول و ضوابط کے مطابق اس کم سے کم کمیشن کی شرح میں بھی بروکر کے ذریعہ چھوٹ دی جاسکتی ہے لیکن یہ چھوٹ کمیشن کی آدھی رقم سے کم نہ ہو۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ بروکر کی کم سے کم فیس کا اطلاق نقد رقم کی شکل میں کئے گئے ہر سودے پر نہیں ہوتا، اور اس کا اندراج اسی صورت میں کیا جاتا ہے جب رقم کی ادائیگی فی الوقت نہیں کی جارہی ہے۔ درحقیقت اس طرح سے حاصل ہونے والے کمیشن کی مقدار بہت کم ہوتی ہے اور بروکر کے منافع کا بہت کم حصہ اس شکل میں حاصل ہوتا ہے۔

۷۔ تصفیہ (Settlement):

تصفیہ کے طریق کار کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(الف) نقد رقم کی ادائیگی کے معاہدوں کا تصفیہ۔

(ب) آئندہ ادائیگی کے معاہدوں کا تصفیہ۔

بمبئی اسٹاک ایکسچینج کے انداز کو مدنظر رکھتے ہوئے مثال کے طور پر آگرہ کا باشندہ ''الف'' اپنے بروکر ''ا ب ج'' کمپنی کو آرڈر دیتا ہے کہ ''۱۵ شیئرز خرید لو''۔ بروکر یہ حصص ۹۴۵ کے حساب سے ''د ل ج'' کمپنی سے خرید لیتا ہے جس نے اپنے گاہک ''ب'' کی نمائندگی کرتے ہوئے یہ حصص فروخت کئے ہیں۔ ''ب'' نے یہ حصص ۹۴۰ کی شرح

پر "ہ وز کمپنی" کے ذریعہ "ج" سے خریدے تھے۔ اس سودے میں ایک کے بعد ایک کڑی موجود ہے۔

(الف) نقد رقم کی ادائیگی کا معاہدہ (Ready Delivery Contract):

نقد رقم کی فہرست کے مطابق حصص کو دو درجوں "Cleared" اور "Non Cleared" میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور ان دونوں کے تصفیہ کے طریقے میں بھی فرق ہوتا ہے۔ کلیئرڈ حصص کا تصفیہ کلیئرنگ ہاؤس کے ذریعے ہوتا ہے جبکہ نان کلیئرڈ حصص، دستی ڈلیوری کے ذریعے انجام پاتے ہیں یعنی ان میں کلیئرنگ ہاؤس کا کسی طرح کا دخل نہیں ہوتا، اور یہ ممبران کے درمیان آپس میں ہی طے پا جاتے ہیں۔

(ا) نان کلیئرڈ حصص (Non Cleared Securities): فوری ڈلیوری معاہدے کا مطلب یہ ہے کہ معاہدے سے متعلق پارٹیاں حصص کو فوری طور پر وصول کرنے اور ان کی ادائیگی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ فروخت کنندہ "ہ وز کمپنی" اپنے گاہک 'ج' سے شیئر سرٹیفیکیٹ وصول ہونے کے بعد آئندہ پیر (دوشنبہ) کو ایک 'فروخت کنندہ ڈلیوری ٹکٹ' جاری کرے گا جس کو بازار میں عرف عام میں کیلی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ساتھ ہی اس کی ایک نقل بھی جاری کی جاتی ہے۔ اس ٹکٹ کے ذریعے فروخت کنندہ کا بروکر دوسری پارٹی کو مطلع کرتا ہے کہ وہ حصص فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ خریدنے والا بروکر سیاہ رنگ کی نقل پر اپنے دستخط کرے گا اور اسے "ہ وز" کمپنی کو واپس بھیج دے گا۔ کیلی کی اصل جو کہ سرخ رنگ میں ہوتی ہے خریدنے والے بروکر کے ذریعہ اپنے پاس رکھ لی جائے گی۔ "د ل ج" کمپنی بھی 'اب ج' کمپنی کو ایک کیلی جاری کرے گی جو کہ اس کی نقل پر دستخط کر کے اسے 'دل ج' کمپنی کو واپس کر دیں گے۔ خریدنے والے بروکر تک کیلی ۳ بجے سہ پہر سے قبل پہونچ جانی چاہئے۔

۳ بجے کے بعد تصفیہ والے کمرے میں کیلی لے جائی جاتی ہے۔ تمام بروکرس کے کلرک یہاں اکٹھے ہوتے ہیں اور تمام پارٹیوں کے نام کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ خریدار پارٹیاں سامنے آتی ہیں اور ان کے ذریعہ ٹکٹ کی نقول ان کے معائنے اور ان پر دستخط کرنے کے بعد وصول کی جاتی ہیں، ایکسچینج کا ایک عہدے دار بھی وہاں موجود ہوتا ہے، اور اگر کوئی خریدار غیر حاضر ہے اور کیلی وصول نہیں کرتا ہے تو وہ عہدے دار کیلی اپنے قبضے میں لے لیتا ہے تا کہ اس بات کا ثبوت رہے کہ سودا ہوا ہے۔ اس کے بعد وہ غیر حاضر پارٹی کے دفتر میں پیش کی جاتی ہے، اور اگر اس کے بعد بھی خریدار اس کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، تو فروخت کنندہ اپنے حقوق کا استعمال کرتے ہوئے متعلقہ پارٹی سے اپنے نقصان کا معاوضہ طلب کر سکتا ہے۔

جمعرات کا دن جو کہ ادائیگی کا دن ہوتا ہے، فروخت کنندہ بروکر حصص کے سرٹیفیکیٹ مع ٹرانسفر فارم (باقاعدہ اندراج اور دستخط کے ساتھ) خریدار کو دے دے گا۔ دستاویز حصص (Share Certificate) اور دستاویز منتقلی (Transfer Deed) خریدار بروکر کے دفتر میں پیش کی جاتی ہیں۔ جب حصص کی ادائیگی ہو جاتی ہے تو رقم ادا کی جاتی ہے۔ حصص کی ادائیگی قسطوں (حصوں) میں بھی کی جا سکتی ہے اور خریدار اس کو قبول کرنے کا پابند ہے۔ 'اب ج' کمپنی "الف" کو ایک میمو مع کنٹریکٹ نوٹ کے آئندہ روز روانہ کرے گا جس میں مندرجہ بالا اندراجات ہوں گے۔

	روپے	آنہ	پیسے
۱۰ حصص سینچری ملس ۹۳۵ پر	۹۳۵۰	۰	۰
بروکر فیس فی ۱۰۰ روپے یا ہر حصص کے مطابق ۸ فیصد کے حساب سے جوڑی جائے۔	۵۰	۰	۰
ٹکٹ کی فیس ۲؍۱ فیصد	۱۰۶	۶	۰
فی حصص ۴ آنہ کے حساب سے رجسٹریشن فیس	۲	۸	۰

۹،۶۰۸ روپے، ۱۴ آنے، ۰ پیسے

اس میمو کی وصولی کے بعد 'الف' ۹۶۰۸ روپے ۱۴ آنے کا چیک روانہ کرے گا۔ 'ول ج' کمپنی "ہ وز" کمپنی سے حصص وصول کرنے کے بعد انہیں اور ٹرانسفر ڈیڈ (Transfer Deed) کو 'اب ج' کمپنی کے حوالے کردے گی جس کو ۹۳۵۰ کے عوض یہ حصص حاصل ہوں گے۔

(۲) کلیئرڈ حصص (Cleared Securities): اس کا طریقہ بھی تقریباً گذشتہ کی مانند ہی ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ سودے کا تصفیہ کلیئرنگ ہاؤس کے ایجنٹ کے ذریعہ کیا جاتا ہے، کسی بھی کام کے دن کیا جانے والا سودا آئندہ جمعرات کو تکمیل پاتا ہے، اور یہ دن (Clearing Day) کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ سنیچر کے دن کئے گئے سودے کو پیر کے دن کے حساب سے مانا جاتا ہے۔ پیر کے دن فروخت کنندہ 'فروخت کنندہ کلیئرنس ٹکٹ' مع اس کی نقل کے بنائے گا جسے خریدار کے پاس بھیجا جائے گا۔ خریدار اس کی اصل اپنے پاس رکھ لے گا اور نقل پر دستخط کرنے کے بعد اسے واپس کردے گا۔

بدھ کے دن 'یعنی کلیئرنگ ڈے' سے ایک روز قبل فروخت کنندہ کو (Clearing House) میں ایک کلیئرنگ شیٹ داخل کرنا پڑتی ہے مع ڈلیوری فارم اور رسید فارم کے۔ اس شیٹ میں خریدے ہوئے حصص کی تفصیل، ان کی قیمت جو کہ ادا کی گئی Debit سائڈ پر درج کی جاتی ہے، اور فروخت کئے گئے حصص اور ان کے بدلے میں حاصل ہونے والی رقم کی تفصیل Credit سائڈ پر درج کی جاتی ہے، اور کل فرق (Balance) بھی درج کیا جاتا ہے، اور ممبر اس رقم کا چیک بھی روانہ کرتا ہے۔ یا اگر کریڈٹ بیلنس ہے تو کلیئرنگ ہاؤس کے نام ایک ڈرافٹ روانہ کیا جاتا ہے۔

کلیئرنگ ڈے کو تمام حصص جو کہ فروخت ہوئے مع ضروری ٹرانسفر ڈیڈ کے فروخت کنندہ کی طرف سے کلیئرنگ ہاؤس میں جمع کئے جاتے ہیں۔ خریدار رکن کو کلیئرنگ ڈے کے اگلے روز یہ حصص کلیئرنگ ہاؤس سے موصول ہو جاتے ہیں۔ وہ کلرک جو کہ بروکرس کی جانب سے حصص کے حصول کے لئے نامزد یا مقرر کئے جاتے ہیں اسٹاک ایکسچینج کی جانب سے حصص کی وصولی کی رسید پر دستخط ثبت کرتے ہیں:

فارورڈ ڈلیوری معاہدوں کی ادائیگی:

آئندہ یا فارورڈ ڈلیوری معاہدوں کے لئے بمبئی اسٹاک ایکسچینج کے سال کو بارہ (۱۲) ادائیگیوں میں تقسیم کیا گیا ہے کیونکہ یہ ادائیگیاں ماہانہ ہوتی ہیں۔ گورننگ بورڈ ہر سال آئندہ سال کیلئے بارہ اکاؤنٹ اور ادائیگی کے دن مقرر کردیتا ہے۔ عام طور پر ہر ادائیگی مہینے کے آخری ہفتہ میں کی جاتی ہے اور ادائیگی کا نام مہینے کے حساب سے رکھا جاتا ہے۔ اس قسم کے سودوں میں کاروبار کا مقصد حصص کا حصول اور ان کے بدلے میں ادائیگی نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا مقصد خریدنے اور بیچنے کے ذریعہ مہینوں کے دوران نفع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ قانونی طور پر فروخت کے ہر معاہدے کے تحت حصص کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے لیکن عملی طور پر ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ ہر ادائیگی کے دوران ارکان کے درمیان کئی ایک ادائیگیاں ہوتی ہیں۔ اور ان سب کا نیٹ بیلنس ڈلیور کیا جاتا ہے اور اس کی ادائیگی کی جاتی ہے۔ یہ تمام ادائیگیاں کلیئرنگ ہاؤس کے ذریعہ کلیئر کی جاتی ہیں اور یہ پیچیدہ عمل آسان بنا دیا جاتا ہے۔ جب ادائیگی کا دن آتا ہے تو (۱) وصولی کرلی جاتی ہے اور یہ بہت کم ہوتا ہے۔ (۲) سودا پلٹ دیا جاتا ہے یعنی خرید، فروخت میں بدل جاتی ہے اور ایسا ہی فروخت کے ساتھ ہوتا ہے۔ (۳) آئندہ ادائیگی (Sattlement) والے سودے عام طور پر موجودہ ادائیگی کے لئے ہی ہوتے ہیں لیکن بیک وقت دو ادائیگیوں کے لئے بھی ہر ادائیگی کے چار دنوں کے بعد نئے سودے کئے جاسکتے ہیں۔ یہ چار دن ادائیگی کی آخری تاریخ سے شمار کئے جاتے ہیں اور آئندہ مہینے کے تین دنوں تک ہوتے ہیں، مثلاً فروری کی ادائیگی ۳ رفروری کو ختم ہو رہی ہے، اس صورت میں چار دن یعنی ۳۱ رجنوری، یکم، ۲، اور ۳ رفروری کو ایک ساتھ دو اکاؤنٹ فروری اور مارچ کی ادائیگی کے کھولے جائیں گے تاکہ جو افراد حصص کو وصول کرنا پسند نہیں کرتے یا ان کی ادائیگی پسند نہیں کرتے وہ ان چار دنوں کے درمیان اپنے سودے پورے کرسکتے ہیں۔ ۳ رفروری کو فروری کی ادائیگی ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد صرف مارچ کی ادائیگی ہی حالیہ ادائیگی رہ جائے گی، لیکن درحقیقت دونوں ادائیگیاں ایک دوسرے کے ساتھ جڑی رہتی ہیں۔ نئی ادائیگی اسی دن نہیں شروع ہو جاتی ہے بلکہ پہلی ادائیگی کے خاتمے کے چار دن قبل سے ہی شروع ہوتی ہے۔

آئندہ سودوں میں ادائیگی کی مدت چھ دن پر محیط ہوتی ہے۔ Sattlement Period کے آخری دن خریدار بروکر فروخت کنندہ بروکر کے ساتھ اپنی میمورنڈم سلپ کا تبادلہ کرتا ہے اور اس طرح حساب کتاب کے بعد اس دوران کئے گئے کاروبار کا اندازہ لگاتا ہے۔ عملی طور پر یہ تقابلی معائنہ بہت کم ہوتا ہے۔ دوسرے دن کو "Clearance Day" یا "Ticket Day" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ایکسچینج کے ارکان اس دن کلیئرنس کی فہرست اور ڈلیوری کی فہرست کلیئرنگ ہاؤس میں پیش کرتے ہیں، جن میں وصول ہونے والی سیکورٹیز اور ادا کی جانے والی سیکورٹیز کی تعداد وغیرہ درج ہوتی ہے۔ سودے کی رقم اور خریدے گئے اور فروخت کئے گئے حصص کی تعداد کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، یہ ذکر اس کے لئے علیحدہ مخصوص فارموں میں کیا جاتا ہے، یہ تمام فارم کلیئرنگ ہاؤس میں ۱۲ بجے دوپہر اور ۵ بجے سہ پہر کے درمیان جمع کرانا ضروری ہے۔ تیسرے اور چوتھے دن حصص کلیئرنگ ہاؤس کے سپرد کئے

جاتے ہیں۔ جو سیکورٹیز سپرد کی جاتی ہیں ان کا اندراج ایک تیار شدہ فارم میں کیا جاتا ہے۔ پانچواں دن ادائیگی کا دن ہوتا ہے، جسے "Pay Day" یا "Account Day" کہتے ہیں۔ اس تاریخ کو ارکان بیلنس شیٹ اور خرید و فروخت کے درمیان فرق کا ایک بیان کلیئرنگ ہاؤس میں داخل کرتے ہیں۔ اس میں دکھلایا گیا بیلنس کلیئرنگ ہاؤس کے ساتھ اس کے کھاتے میں جمع کر دیا جاتا ہے یا اس میں سے منہا کر لیا جاتا ہے۔ کوئی ممبر جو کہ پے ڈے کے اگلے روز دو پہر تک ادائیگی نہیں کر پاتا ہے اسے قصوروار گردانا جاتا ہے۔ اس دن حصص کے آئندہ کاروبار کے لئے بازار بند رہتا ہے۔ آخری دن جو کہ ادائیگی کے دن (Settling Day) کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، ارکان کلیئرنگ ہاؤس سے حصص یا ان کے بدلے کی رقم حاصل کرتے ہیں۔

خرید و فروخت:

اگر نقد رقم کے سودے کی شکل میں فروخت کنندہ دوشنبہ (پیر) کے دن گذشتہ ہفتہ ہوئے سودے کے بارے میں 'کیلی' جاری نہیں کرتا ہے، یا اگر اس نے کیلی جاری کر دی ہے اور اس کے بعد حصص کی ادائیگی کرنے میں ناکام رہتا ہے تو اس کے خلاف سیکورٹیز خرید لی جائیں گی۔ اسی طرح اگر خریدار کیلی وصول کرنے سے انکار کرتا ہے یا جب اس سے کہا جائے تو وہ حصص کی ادائیگی سے انکار کرتا ہے تو اس کی طرف سے سیکورٹیز کو فروخت کر دیا جائے گا۔ دوسری جانب اگر اس سلسلے میں فروخت کنندہ کی جانب سے غلطی (Default) کی جارہی ہے تو خریدار ان سیکورٹیز کو خرید لے گا، لیکن اگر سیکورٹیز کی خریداری ممکن نہیں ہے تو پھر معاملہ ثالث کمیٹی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ حصص کی اس طرح کی خرید و فروخت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ قصوروار پارٹی کو اس سے متعلق کوئی نوٹس یا اطلاع دی جائے۔ بمبئی اسٹاک ایکسچینج کے گورننگ بورڈ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ فروخت کرنے کے اس اصول کو ملتوی کر دے اگر اس کی رائے میں یہ سسپنشن (التواء یا تعطل) ضروری ہے اور عمومی حق میں بہتر ثابت ہوتا ہو، لیکن یہ التواء محض ۲۴ گھنٹوں تک رہتا ہے اور اس سے زیادہ عرصے کے (التواء یا تعطل) کے لئے حکومت کی اجازت درکار ہوتی ہے۔

<u>سودوں کا بدل دینا اور تفاوت (Differences) کی ادائیگی:</u>

عام طور پر آئندہ ادائیگی کے سودوں میں اس وقت حصہ لیا جاتا ہے جب مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ کا فائدہ اٹھانا مقصود ہو اور ادائیگی سے قبل سودوں کا بدل دیا جانا (Reverse) اور اس طرح تفاوت کا حصول یا ادائیگی کرنا مقصد ہو۔ یہ تفاوت مارکیٹ کی حالیہ قیمت کے حساب سے طے کرنے کے بعد ادا کیا جاتا ہے یا وصول کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہماری پچھلی مثال سے متعلق 'الف' 'اب ج' کمپنی کے ذریعہ ۹۴۵ پر ۱۰ اسٹیئرز خریدنے کے بعد بازار کے بڑھتے بھاؤ کو دیکھتے ہوئے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے (مثال کے طور پر) ۹۹۰ پر اپنے حصص فروخت کر دیتا ہے، اس شکل میں عام کمیشن فروخت کنندہ بروکر کو ادا کیا جائے گا۔

ادائیگی کے آخری دن بروکر اپنا اسٹیٹمنٹ اس طرح روانہ کرے گا:

تاریخ	خرید/فروخت	تفصیلات	روپے	روپے
	خریدے گئے	۱۰ اسٹیچر ی ۹۳۵ پر۔	۹،۳۵۰	
		کمیشن بھی جوڑیں	۵۰	۹،۵۰۰
	فروخت کئے گئے	۱۰ اسٹیچر ی ۹۹۰ پر۔ کمیشن	۹،۹۰۰	
		کم کریں	۵۰	
		بیلنس کریڈٹ	۹۸۵۰	
		ادا کیا جانے والا بیلنس	۳۵۰	۳۵۰
				۹،۸۵۰

ہماری سابقہ مثال میں 'ج' نے ۱۰ اسٹیچر یز ۹۳۵ پر فروخت کئے ہیں اور اسے ۹،۳۵۰ میں سے بروکر کی فیس ۵۰ روپے منہا کرنے کے بعد ۹۳۰۰ روپے حاصل ہوں گے۔ اس نے یہ فروخت اس امید پر کی ہے کہ بھاؤ میں کمی آئے گی، لیکن اگر قیمت بڑھتی ہے اور وہ اس سودے کو جاری رکھنا نہیں چاہتا ہے اور بازار سے جانا چاہتا ہے تو وہ اپنا سودا نقصان پر ختم کرے گا اور اپنے بروکر 'ای ایف جی کمپنی' کو ہدایت کرے گا کہ مثال کے طور پر ۹۹۲ پر ۱۰ اسٹیچر یز خرید لو۔ بروکر اپنا عام طور سے لیا جانے والا کمیشن چارج کرے گا۔ 'ای ایف جی' کمپنی اس سے متعلق اسٹیٹمنٹ مندرجہ ذیل انداز سے بھیجے گی:

تاریخ	خرید/فروخت	تفصیلات	روپے	روپے
	فروخت کئے	۱۰ اسٹیچر ی ۹۳۵ پر	۹،۳۵۰	
	گئے	کمیشن کم کریں	۵۰	۹،۳۰۰
	خریدے گئے	۱۰ اسٹیچر ی ۹۹۲ پر	۹،۹۲۰	
		کمیشن جوڑیں	۵۰	
		بیلنس ڈیبٹ	۹،۹۷۰	
		آپ کی جانب سے بقایا ادائیگی		۵۷۰
				۹،۹۷۰

اس طرح حصص کو نہ تو حوالے کیا گیا اور نہ ہی انہیں وصول کیا گیا لیکن سودا تبدیل ہو گیا، چاہے اس کے نتیجے میں نفع ہو یا نقصان، بقایا رقم یا تو ادا کرنی پڑے گی یا وصول کی جائے گی۔

(۳)(Carry Over) یا بدلی:

Carry Over یا بدلی آئندہ ادائیگی کے التواء کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ ایک ادائیگی سے دوسری ادائیگی کے التواء کی شکل میں بدلی اثر پذیر ہوتی ہے، بدلی بروکر فیس ادا کرنی پڑتی ہے۔ یہ در حقیقت خرید یا فروخت کے

سودے کے تکمیل پائے بغیر جاری رہنے کی جانب دلالت کرتی ہے۔ کیری اوور یا بدلی کا طریقہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب متعلقہ پارٹیوں کے اندازے کے مطابق قیمت میں تبدیلی نہیں آتی ہے۔ بروکر کی فیس کی کم سے کم شرح کے مقابلے میں بدلی فیس اس کا ایک چوتھائی حصہ ہوتی ہے۔

بدلی کس طرح اثر پذیر ہوتی ہے:

دو نئے سودوں کے نتیجے میں بدلی عمل میں آتی ہے۔ قیمت میں اتار ہونے کے اندیشے کے باعث حصص فروخت کئے جاتے ہیں تا کہ حالیہ ادائیگی کی جا سکے، اور انہیں اگلی ادائیگی کے لئے دوبارہ اس امید پر خرید لیا جاتا ہے کہ قیمت میں اضافہ ہوگا۔ ہماری مثال میں اگر 'الف' حصص کو وصول کرنا نہیں چاہتا ہے یا تفاوت سے تعلق رکھنا نہیں چاہتا ہے، لیکن یہ چاہتا ہے کہ سودا Carry Over ہو جائے اور اگلی ادائیگی تک پہونچ جائے، نتیجۃً اگلی ادائیگی کی قیمت کم ہو جاتی ہے، اور بدلی گالا بدل جاتے ہیں یعنی ایک "Bull" بجائے سود ادا کرنے کے سود کا مطالبہ Bear سے کرتا ہے۔ لہذا بُل نہ صرف یہ کہ اپنے حصص پر رقم وصول کرتے ہیں بلکہ ایک مخصوص شرح میں سود بھی حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک زائد فروخت شدہ (Over Bought) بُل اکاؤنٹ بدلی گالا کی شرح بڑھا دیتا ہے، یعنی رقم کی کمی ہو جاتی ہے اور سود کی شرح بڑھ جاتی ہے۔

بیک وارڈیشن(Back Wardation):

آپریٹرس کی جانب سے زائد فروخت بازار میں بگ بیئر اکاؤنٹ کی صورتحال پیدا کر دیتی ہے۔ ان حالات کے تحت سیکورٹیز کی سپلائی کم ہو جاتی ہے اور بیئر (Bear) اس بات کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ شیئرز کی حوالگی اگلی ادائیگی تک کے لئے کیری اوور ہو جائے، لہذا بُل (Bull) بجائے اس کے کہ حصص کی وصولی نہ کرنے کے باعث کنٹانگو (Cantango) ادا کرتے وہ بیئرس سے حصص کی حوالگی نہ کرنے کے بدلے میں کچھ رقم حاصل کرتے ہیں جسے بیک وارڈیشن کہا جاتا ہے۔ بیک وارڈیشن کی وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ سابقہ ادائیگی کے ادا نہ کرنے کے باوجود نئے سودے میں ہاتھ ڈالنے کے بدلے میں بیئر کی جانب سے ادا کی جانے والی رقم کو بیک وارڈیشن کہتے ہیں۔ بعض اوقات دونوں پارٹیوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے سودے کیری اوور کرنے کے لئے کسی کو سود ادا نہیں کرتے ہیں، سودے کی اس شکل میں کہا جاتا ہے کہ کیری اوور برابر رہا ہے۔

اس بات کی وضاحت یہاں کر دینی چاہئے کہ کیری اوور کا طریقہ قانونی اعتبار سے ادھار نہیں ہے۔ یہ بیک وقت خرید اور فروخت کا دوہرا طریقہ ہے۔ بدلی والا اس بات کا مجاز ہے کہ وہ ان حصص کا مالک کل بن جائے اور ان کا سودا کرے جن کے لئے وہ رقم دے رہا ہے۔ ایک سودا کئی بار کیری اوور کیا جا سکتا ہے لیکن طویل المیعاد مدت میں یہ سودمند ثابت نہیں ہوتا ہے، کیونکہ نفع کا بڑا حصہ بروکر فیس اور کنٹانگو فیس میں ضائع ہو جاتا ہے۔ بدلی بزنس کسی بھی اسٹاک ایکسچینج کے لازمی عناصر میں سے ایک ہے اور اس سے پہلو تہی ممکن نہیں ہے حالانکہ کوئی بھی پارٹی اس بات کی پابند نہیں ہے کہ کیری اوور سہولیت کو جاری رکھا جائے، اور اگر وہ چاہیں تو شیئر کو حوالے یا وصول کر سکتے ہیں اور ان کے بدلے میں رقم ادا یا

وصول کر سکتے ہیں۔ لیکن عملی طور پر ایسا ہوتا نہیں ہے اور کیری اوور کی شکل میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔ لیکن بروکر کو گاہک کی معاشی پوزیشن اور مالی حالت کے بارے میں بہت احتیاط سے دیکھ بھال کرنے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھانا چاہئے۔

(ج) سرکاری سیکورٹیز:

سرکاری سیکورٹیز حکومت ہند یا صوبائی حکومتوں کے ذریعے ایک طے شدہ شرح سود پر حاصل کیا جانے والا ادھار ہے۔ ان کو عام طور پر تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(الف) اسٹاک، (ب) بیئرر بانڈ، (ج) پرونوٹ (پرومیسری نوٹ)۔

اسٹاک رجسٹرڈ سیکورٹی ہے اور اس کی منتقلی ایک دستخط شدہ ٹرانسفر ڈیڈ کے ذریعہ ممکن ہے جبکہ کسی قسم کی اسٹامپ ڈیوٹی یا منتقلی کی فیس ادا نہیں کی جاتی ہے جبکہ بیئرر بانڈ کرنسی نوٹ کی مانند کسی کے حوالے کرنے سے ہی منتقل ہو جاتے ہیں اور ان کے لئے کسی تصدیق کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، ہر بانڈ کے ساتھ سود کے کوپن منسلک ہوتے ہیں لیکن یہ یورپ کی مانند ہندوستان میں زیادہ مقبول نہیں ہیں۔ تیسری قسم کی سرکاری سیکورٹی یعنی پرومیسری نوٹ میں سکریٹری آف اسٹیٹ برائے ہند کی جانب سے گورنر جنرل ان کونسل کا وعدہ ہوتا ہے کہ ایک مخصوص شخص کو ایک طے شدہ تاریخ یا اس کے بعد طے شدہ رقم ادا کی جائے گی، اور اس کے بعد ایک اطلاع کے بعد سال میں دو مرتبہ مقررہ تاریخوں پر طے شدہ شرح سود کے حساب سے رقم ادا کی جائے گی۔ سرکاری سیکورٹی کی یہی شکل سب سے زیادہ مقبول ہے۔ اس قسم کے نوٹ تصدیق کے بعد منتقل یا ڈلیور کئے جاسکتے ہیں۔ موجودہ روپے کے ادھار ہندوستان میں دو قسموں میں بانٹے جاسکتے ہیں: (۱) میعادی (Terminable) اور (۲) غیر میعادی (Non - Terminable)۔ غیر میعادی قرضے حکومت کی مرضی کے مطابق کسی بھی وقت ادا کئے جاسکتے ہیں، اس کے لئے کوئی طے شدہ میعاد نہیں ہوتی جس کے خاتمے پر حکومت کی جانب سے قرض ادا کیا جانا ضروری ہو۔ یہ برطانوی حکومت کے فنڈ ڈیبٹ کی طرح ہوتے ہیں۔ دوسری جانب میعادی قرضے ادا کئے جانے ضروری ہیں، یہ یا تو ایک مقررشدہ تاریخ پر ادا کئے جاتے ہیں یا کسی ایک مقررہ تاریخ سے قبل نہیں ادا کئے جاتے ہیں اور ایک مقررہ تاریخ کے بعد بھی نہیں ادا کئے جاتے ہیں۔

سرکاری سیکورٹیز کا لین دین:

سرکاری سیکورٹیز ملک کے مختلف اسٹاک ایکسچینج میں رقم لگانے کا اہم ذریعہ ہیں۔ وہ افراد جن کے پاس رقم کی محدود مقدار ہوتی ہے اس قسم کی سرمایہ کاری کو پسند کرتے ہیں، کیونکہ حکومت کو قرض پر دی جانے والی رقم ہمیشہ محفوظ رہتی ہے اور اس پر بازار کے اتار چڑھاؤ کا اثر بھی نہیں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ان قرضوں پر حاصل ہونے والا منافع گارنٹی شدہ ہوتا ہے اور باقاعدگی سے ادا کیا جاتا ہے کیونکہ یہ قرضے حکومت کی اجازت، منظوری، اس کی اتھارٹی اور اس کی مضبوطی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ بیشتر سرمایہ کار تنظیمیں مثلاً انشورنس کمپنیاں اور بینک اپنی آمدنی اور اپنے زیر تصرف رقموں کا بیشتر حصہ سرکاری سیکورٹیز میں لگادیتی ہیں، سیکورٹیز کی قیمت کا تحفظ Reserve Bank of India کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ حکومت کی سیکورٹیز میں آنے والا اتار چڑھاؤ بیحد معمولی ہوتا ہے، اور عام حالات میں ان کا انحصار بازار کی حالت پر ہوتا ہے۔

سیکورٹیز کے تحت حکومت ہند، صوبائی حکومتوں کی سیکورٹیز، ڈبنچر، پورٹ ٹرسٹ کے اسٹاک اور میونسپل کارپوریشنز کے اسٹاک جوکہ Negotiable Instrument Act 1887 کے تحت آتے ہوں، شامل ہیں۔ ان سیکورٹیز میں کاروبار نقد رقم کی شکل میں یا اکاؤنٹ کے ذریعے بھی انجام دیا جاسکتا ہے۔ نقد رقم کے تحت ہونے والے سودوں میں بمبئی اسٹاک ایکسچینج میں سودے کے اگلے دن سیکورٹیز حوالے کی جاتی ہیں اور ان کی ادائیگی کی جاتی ہے، لیکن اگر سودے کے وقت واضح طور سے تذکرہ کردیا جائے تو حوالگی سات دنوں کے اندر اندر کی جاسکتی ہے۔ فارورڈ (آئندہ) سودوں کی شکل میں کاروبار کی اکائی ۲۵،۰۰۰ روپئے ہیں، اور اس سے کم کے سودوں کی ممانعت ہے، ادائیگی پندرہ روز میں ہوتی ہے، اور ان سودوں میں اسٹاک ایکسچینج کے عام سودوں کے مقابلے میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔ عملی طور پر تمام بروکر ہر قسم کی سیکورٹیز کا کاروبار کرتے ہیں۔ عام حصص کی طرح کاروبار کا طریقہ ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔

ادائیگی کے دن سے ایک دن قبل جس کو ''ٹکٹ ڈے'' بھی کہا جاتا ہے، ایسے تمام افراد جوکہ سودوں میں شامل ہیں اور سیکورٹیز حوالے کرنا چاہتے ہیں یا ان کی ادائیگی کرنا چاہتے ہیں اسٹاک ایکسچینج کے کلیئرنگ ہاؤس میں اپنے کاروبار کی ایک فہرست جمع کرتے ہیں۔ یہ بیان ایک مخصوص فارم میں درج کیا جاتا ہے، اور ان کے ساتھ ڈلیوری ٹکٹ یا رسیدی ٹکٹ بھی لگایا جاتا ہے۔

یہ ٹکٹ اسٹاک ایکسچینج سے ایک معمولی قیمت پر حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ مختلف قرضوں کے لئے مختلف رنگوں کے ٹکٹ فروخت کئے جاتے ہیں۔ ہر ٹکٹ ۲۵۰۰۰ ہزار روپئے کے لئے ہوتا ہے۔ اگلے دن ان ٹکٹوں پر خریدار یا فروخت کنندہ رکن کا نام درج کرنے کے بعد کلیئرنگ ہاؤس سے واپس کردیئے جاتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ 'الف' نے ایک لاکھ روپئے کا قرض فروخت کیا ہے اور وہ اسے حوالے کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنی فہرست اور چار ٹکٹ کلیئرنگ ہاؤس میں جمع کرے گا۔ اگلے دن کلیئرنگ ہاؤس ان ٹکٹوں پر خریدار رکن یا ارکان کے ناموں کا اندراج کرنے کے بعد 'الف' کو یہ ٹکٹ واپس کردے گا، اور اس طرح عملی طور پر خرید وفروخت میں حصہ لینے والے افراد باہم یکجا ہوجاتے ہیں، اور وہ آپس میں طے کرتے ہیں کہ ایکسچینج کی جانب سے ان سودوں کے لئے مقرر کی گئی شرح کے مطابق وہ حوالگی اور ادائیگی کرتے رہیں گے۔ اس شرح اور اصلی شرح خرید کے درمیان موجود فرق کو یہ ارکان اپنے درمیان طے کرتے، حاصل کرتے یا ادا کرتے ہیں۔ ارکان جوکہ نہ ہی ادائیگی کرتے ہیں اور نہ ہی حوالگی کرتے ہیں بلکہ دونوں کے درمیان موجود فرق کو وصول کرتے یا ادا کرتے ہیں۔ حاصل ہونے والا سود، سودے میں شامل نہیں ہوتا ہے لیکن اس کو باقاعدہ ایڈ جسٹ کیا جاتا ہے۔ اور خریدار کو یہ سود فروخت کنندہ کو ادا کرنا ہوتا ہے اور بروکر مندرجہ بالا اسٹیٹمنٹ جاری کرتا ہے۔

فرض کیجئے 'الف' ۵،۰۰۰ روپئے کے برابر ساڑھے تین فیصد سرکاری کاغذ اور ۳۰ رجون اور ۳۱ ردسمبر کو ادا کئے جانے والے سود کو خریدنا چاہتا ہے، اور خرید نے کا عمل ۳۰ رستمبر کو ہوا ہے لہذا ۳۰۱ رستمبر کو ۳ مہینے کا سود ادا کرنا ہوگا۔

	پیسے	آنہ	روپے
۵۰۰۰ ساڑھے تین فیصد سرکاری کاغذ ۹۵ پر	۰	۰	۴۷،۵۰۰
بروکر کی فیس ۱/۱۶ کی شرح سے جوڑیں	۰	۴	۳۱
	۰	۴	۴۷،۵۳۱
ساڑھے تین فیصد کی شرح سے تین مہینے کا سود	۰	۸	۴۳۷
انکم ٹیکس زیادہ سے زیادہ ۴/۹ فی روپے کی شرح سے کم کریں	۰	۱۲	۱۲۹
	۰	۱۲	۳۰۷
	۰	۰	۴۷،۸۳۹

☆☆☆☆☆

مناقشہ

شیئرز

مناقشہ بابت شیئرز

قاضی صاحب:

........مثلاً ایک شیئر آج زید نے خریدا، لیکن پندرہ دن کے بعد اس کا نام رجسٹر پر درج ہوگا، اور عمر جس نے بیچا ہے، اور جو انتقال شیئر کے لئے تیار تحریر پر جو دستخط کیا ہے، فرض کر لیجئے کہ وہ دستخط اس کے اصلی دستخط سے علاحدہ ہے تو بظاہر ایسا لگتا ہے کہ کمپنی اس کو واپس کر دے گی اور اس کو خریدار کے نام پر ٹرانسفر نہیں کرے گی، اور اس کے بعد ایسا ہوتا ہے کہ شیئر کا دام بہت آگے بھاگ جاتا ہے، اب بائع کی نیت خراب ہوتی ہے، اور وہ نہیں چاہتا کہ پرانے دام پر اسے بیچے، تو وہ گڑبڑ کر سکتا ہے، یہ جو معاملہ ہمارا اس کا ہوا تھا اس معاملہ کے فسخ ہو جانے کا اندیشہ ہے، غرر انفساخ ہے، کیا ایسا ہوتا ہے یا ایسا نہیں ہوتا؟، اس کی وضاحت آپ حضرات کو کرنا ہے؟

شیئرز سے متعلق مسائل کی تفصیل آپ حضرات کے سامنے آچکی ہے، سوالات بھی آپ کے سامنے ہیں، جوابات بھی آپ کے سامنے ہیں، اس کا خلاصہ بھی آیا اور دلائل بھی ذکر کئے گئے، جیسا کہ میں بار بار کہتا رہا ہوں، پھر اس کو دہراتا ہوں کہ ہمارے ماہرین کا کام ہے تصویر مسئلہ، اور علماء اور فقہاء کا کام ہے تطبیق حکم شرعی، دونوں ہی چیزیں جب مل جاتی ہیں تب صحیح نتیجہ تک پہنچنا آسان ہوتا ہے، اور دونوں کام اپنی جگہ پر کسی بھی حکم شرعی کے جاننے کے لئے ضروری ہیں، اگر صورت مسئلہ صحیح طور پر سامنے نہیں آئی تو مفتی کا فتوی اور فقیہ کا استخراج احکام کبھی صحیح نہیں ہو سکتا، اس لئے حقیقت واقعہ کا ادراک بہت ضروری ہے، اب مثلاً اس میں ایک سوال ہے کہ اگر کمپنی کے پاس صرف نقد ہی نقد........کے لئے ہی کمپنی قائم کی جاتی ہے اور لینڈنگ کا کاروبار اس میں ہوتا ہے، وہاں بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی دیگر Assets کا بنیادی طور پر مکان ہے، یہ ہے وہ ہے، اس کو چھوڑ دیتے ہیں، لیکن دیگر کوئی مشینری ہو یا کوئی اور ایسی چیز ہو وہاں نظر نہیں آتی یا رومیٹریل (Raw Material) ہو، پیسہ آتا ہے پیسہ جاتا ہے۔ پہلا مرحلہ وہ ہوتا ہے جس وقت کمپنی قائم کی جارہی ہوتی ہے، جب کمپنی قائم کی جاتی ہے تو کھلی ہوئی بات ہے کہ شرکت کے لئے سرمایہ اکٹھا کیا جاتا ہے، وہ مرحلہ جو بنیادی مرحلہ ہوتا ہے وہاں پر کسی اثاثے کا سوال نہیں پیدا ہوتا ہے، اور عام طور پر طریقہ یہی ہے کہ پیسہ جمع کر کے کاروبار شروع کر دیا جاتا ہے، تو بتائیں کہ کون سی صورتیں ایسی ہیں جن میں صرف نقد ہی نقد ہوتا ہے، عام حالات میں تو نقد کے ساتھ Assets بھی ہوتے ہیں لیکن کیا ایسی صورتیں ہیں؟ اگر ہیں تو اس کی وضاحت ہونی چاہئے، اسی طرح دوسرے سوالات ہیں، میں یہ چاہوں گا کہ ان سارے سوالات پر بات کی جائے، پہلے ہم ماہرین کی بات سنیں گے اور پھر ہم صورت مسئلہ کے تعین کے بعد اس پر تحقیق حکم فقہی کریں گے، اس دوران میں اپنے تینوں سکریٹری صاحبان مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عتیق احمد بستوی، مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب سے یہ چاہوں گا کہ جو جملہ جوابات علماء کے آئے ہیں اس میں جن امور پر متفق ہیں سب لوگ تقریباً، اب قول شاذ ہو تو

الگ ہے، مولانا سلطان صاحب کی وہ بات تو ظاہر ہے کہ پوری قوم نہیں مانے گی کہ بینک کا سود منافع ہے، لیکن اس طرح کے قول شاذ کو تھوڑی دیر کیلئے نظر سے ہٹا کر باقی جو مسائل اجماعی آ گئے ہیں ان کو الگ رکھ لیں، اور جو مسائل مختلف فیہ ہیں ان پر ہم بات کریں، قبل اس کے کہ اس دلچسپ بحث کا آغاز کیا جائے میں چاہوں گا کہ ہمارے فاضل مہمان ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب جن کا ایک مفصل مقالہ اس موضوع پر ہمارے پاس موجود ہے، ان کے اس مقالہ کو ہم بہت غور اور توجہ کے ساتھ سن لیں، بہترین تجزیہ کے ساتھ ہے، ظاہر ہے کہیں کہیں رائے سے اختلاف بھی ہوگا، اس سے بحث نہیں، لیکن جو تجزیہ ہے ان کا، جس طرح انہوں نے عنوانات مقرر کئے ہیں، اور ہر موضوع پر علاحدہ علاحدہ بات کی ہے، میں سمجھتا ہوں سبھی حضرات کو سن لینا چاہئے، (اس کے بعد وہبہ زحیلی صاحب نے اپنا مقالہ پڑھ کر سنایا)۔

قاضی صاحب:

......اب جیسا کہ آپ سب نے جانا کہ یہ چودہ پندرہ سوالات جو ہمارے سوالنامہ میں تھے، ہر سوال کے بارے میں واضح باتیں، ائمہ کی رائے اور کتاب وسنت کی روشنی میں دکتور وہبہ زحیلی نے قائم کی ہے، اور کچھ صورت مسئلہ کی بھی وضاحت ان کی اس تحریر میں موجود ہے، انشاء اللہ ہم لوگ اس سے استفادہ کریں گے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب:

شیئرز کے بارے میں جو سوالات تھے اور جو جوابات اور مقالات آئے ان کا خلاصہ اور تجزیہ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا، میں نے عرض کیا تھا کہ جس سوال کے بارے میں جس کو کچھ کہنا ہو، بہتر یہ ہے کہ وہ کسی کاغذ پر نوٹ کر کے دے دیں، تو آسانی ہوگی، اس لئے کہ اس سے پہلے جو ہمارے ماہرین ہیں ان سے بہت سی چیزوں کی وضاحت کروانی ہے، تاکہ حکم لگانے میں آسانی ہو۔ پہلا سوال تو یہ تھا کہ اس سلسلہ میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ابھی کمپنی شروع ہوئی ہے، یعنی محض پیسے داخل کئے گئے ہیں اور شیئرز بک رہے ہیں، ابھی اس کمپنی میں کچھ اثاثہ نہیں ہوتا، کچھ املاک نہیں ہوتے، اور اسی مرحلہ میں گویا اس کی بیع وشراء اور خرید وفروخت شروع ہو جاتی ہے، اس سلسلہ میں بعض حضرات نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ ایسا ہوتا نہیں ہے، یہ محض فرضی سوال ہے، ایسا نہیں ہوتا ہے کہ کمپنی کے پاس محض نقد روپئے ہوں، اثاثے نہ ہوں، املاک نہ ہوں، اور اس کے بغیر رجسٹریشن ہو جائے اور اس کے آگے کی کاروائی چلتی رہے بیچنے خریدنے کی، جناب کھنکھٹے صاحب اس کی وضاحت فرمائیں کہ ایسا ہوتا ہے یا نہیں؟

کھنکھٹے صاحب:

جیسا کہ مولانا عتیق صاحب نے فرمایا، یہ سوال ویسے فرضی ہے، بالکل تھیورٹیکل (Theoritical) ہے، کیونکہ کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا ہے کہ کمپنی کے پاس صرف کیش کی صورت میں اثاثہ ہو، اثاثے کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہ کچھ اور چیز ہوتی ہے، جیسے مثلاً اگر آپ شروع کا مرحلہ لیں جب کمپنی شروع ہو رہی ہے، تو کمپنی جب شروع ہوتی ہے تو اس کے رجسٹریشن وغیرہ کے لئے پہلے ٹرانزیکشن (Transaction) کرنا ہوتا ہے، اس کے علاوہ جب کوئی کمپنی کوئی کاروبار کرنے جاتی ہے تو اس کے لئے اور مزید چیزیں اس میں کام کرتی ہیں، جیسے کہ وہ اس کا رپورٹ بناتی

ہے اس کا اندازہ نکالتی ہے کہ اس میں کیا ممکنات (Posiblities) ہیں، اس کے مارکیٹ کیا ہیں، اس کی ٹیکنالوجی کیا ہے، کیسی ٹکنالوجی لینا چاہئے، یہ ساری جو چیزیں ہیں اس میں اس پہ خرچ ہوتا ہے چاہے اس میں Consumer Assets نہیں بنتے ہیں، ایسے اثاثے نہیں بنتے ہیں جسے ہم دیکھ سکتے ہیں مگر اس میں خرچ تو ہوتا ہی ہے، لوگوں کو Hire کیا جاتا ہے، لوگوں کو ملازمت پر رکھا جاتا ہے، ان سے Experties لی جاتی ہیں، تو یہ سارے کام ہوتے ہیں، اور اس وجہ سے کبھی کبھی یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ نئی کمپنی ابھی اس کے شیئرز کا اجراء ہو رہا ہے، بالکل Initial Issue ہے مگر وہ Premium کہلاتی ہے، دس روپے کا شیئر تیس روپے میں بکتا ہے، مطلب کمپنی خود تیس روپے میں نکال رہی ہے، ہوسکتا ہے مارکیٹ میں اس کے پچاس روپے بولے جائیں، مگر وہ خود تیس روپے میں نکالتی ہے، وہ پبلک خریدتی ہے، اور جتنے شیئرز ہوتے ہیں اس سے زیادہ مانگ ہوتی ہے، یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کمپنی میں کچھ خاص چیزیں ہیں، جیسے یہ ہوسکتا ہے کہ ان کے کوئی اچھے (Collaborator) ہیں، (Foriegn Collaborate) ہیں، جس کی وجہ سے کمپنی کے شیئرز کے دام بڑھ گئے ہیں، ہوسکتا ہے ان کے پاس کوئی ٹیکنالوجی ہے اس سے کافی Profit ہونے کے Chances ہیں، یا جس کمپنی سے ان کا معاہدہ ہوا ہے، ان کا جو برانڈ ہے وہ بہت چلنے والا برانڈ ہے، یا اس کمپنی کے ساتھ میں ان کا معاہدہ ہوا ہے کہ وہ ان کا مال بیرون ملک میں اچھے دام میں فروخت کر کے دیں گے، تو یہ سب وجہیں ہوسکتی ہیں جس کی وجہ سے خواہ اس کے کوئی خاص اثاثے نہ ہوں پھر بھی اس کے شیئرز کے شروع میں دام زیادہ ہوسکتے ہیں، اس کے علاوہ ایک مرتبہ کام شروع ہو جاتا ہے تو اس کے بعد اس مرحلہ میں صرف Cash (نقد) ہونا بہت ناممکن سی چیز ہے، اس میں کچھ نہ کچھ اثاثے تو ہوں گے، اس کے علاوہ دوسری چیزیں تو ہوں گی ہی، گو شروع میں نہ ہوں تو بعد میں تو ضرور ہوسکتی ہیں، اس کے علاوہ اس کی Goodwill کا Proportion اس میں بڑھ سکتا ہے، تو اس بناء پر میرے خیال میں یہ ویسے Practical Problem نہیں ہے۔

اسٹاک ایکسچینج سے جو متعلق چیزیں ہیں اس میں ایک چیز مدنظر رکھنی چاہئے کہ ہم جو بھی کہیں گے وہ آج کے حالات کے اوپر منحصر ہوگا، کیونکہ آج کل اس پورے Financial Sector میں بہت تیزی سے Changes آ رہے ہیں، اور ہوسکتا ہے آج جو چیزیں ہیں وہ کل نہ رہیں، دوسرے (Rules) آ گئیں، یہ آج کے حالات کے مطابق میں بتا رہا ہوں۔

قاضی صاحب کا جو سوال تھا کہ اگر کسی نے شیئر خریدا اور اس نے کمپنی کے پاس اس کو تبادلہ کے لئے بھیجا، اور کمپنی میں اس کے دستخط میں کچھ فرق پتہ چلا اور کمپنی نے اس کا وہ شیئر واپس کر دیا، تو کیا یہ جو (Perchase) کا (Transaction) ہے، کیا یہ ختم ہوسکتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے شیئر خریدا ہے اور اس نے کمپنی کو ٹرانسفر کے لئے بھیجا ہے، اگر وہ چاہے تو Insist کرسکتا ہے کہ نہیں مجھے یہ شیئر چاہئے، اگر اس نے صحیح کر کے نہیں دیا تو اسکے بروکر کے ذریعہ شیئر کا (Option) ہوگا، اور مارکیٹ میں جو دوسرا آدمی (Option) میں شیئر ڈالے گا وہ شیئر اس کو لے گا، تو وہ تو (Insist) کرسکتا ہے اور اس کو وہ شیئرز مل سکتے ہیں، اگر جس نے پہلے دستخط کر کے دیا تھا وہ اگر

دستخط کرنے سے انکار بھی کردے تو اس میں بیچ کے بروکر کی ذمہ داری ہوتی ہے، اور بروکر کو کسی نہ کسی طرح وہ شیئر اس کو دلانا ہوگا، مگر اس میں یہ اس کو تکلیف ضرور آسکتی ہے کہ جس آدمی نے شیئر خریدا ہے اگر اس نے اس درمیان میں وہ شیئر بیچ دیا، اور اس کے پاس شیئر ابھی واپس آگیا ہے اور وہ (Deliver) نہیں ہوسکتا ہے تو پھر اسی طرح سے جو اس نے شیئر بیچا تھا اس کا (Option) کرے گا اگلے والا آدمی، اور اس کو اس کے پیسے دینے ہوں گے۔

قاضی صاحب:

اصل میں ہمارے یہاں جو بحث ہے وہ یہ ہے کہ جب تک اس کا (Transfer) لکھا نہیں جاتا تب تک اس بات کا خطرہ ہے کہ جس شخص نے پہلے ہمارے ہاتھ شیئر بیچا ہے ، وہ اس سودے کو پورا نہ ہونے دے، اور وہ شیئر ہمارے قبضہ میں نہ آئے، اور جب تک کمپنی کے رجسٹر پر اس کا نام ہٹا کر ہمارا نام درج نہیں ہوتا تب تک شاید اس کے منافع کے بھی، ہم حقدار نہیں ہوں گے، منافع اس کو ملے گا جس کا نام اس کمپنی کے رجسٹر میں ہے، اب اس کے لئے بروکر لڑتا رہے، یہ ایک الگ بات ہے، لیکن ٹرانسفر جب تک رجسٹر پر نہیں ہوتا اس وقت تک حصہ کا منافع یا اگر خسارہ ہو تو وہ خسارہ جو پہلا مالک تھا اس کا ہوگا یا جو نیا خریدار ہے اس کا ہوگا؟

کھٹکھٹے صاحب:

نہیں! اس سے مولانا عتیق صاحب کا سوال بھی وابستہ ہے، کہ اگر آپ نے شیئر خریدا ہے تو چاہے آپ نے اپنے نام پہ اس کو (Transfer) کیا ہے یا نہیں کیا ہے۔

قاضی صاحب:

ہم کریں گے یا کمپنی کرے گی؟

کھٹکھٹے صاحب:

نہیں ہم کو کرنا ہے، ہم خود کمپنی کو بھیجیں، یا ہم اپنے بروکر کے ذریعہ بھیجیں، ٹرانسفر کے لئے ہم کو بھیجنا ہے، تو چاہے ہم نے کیا ہو یا نہ کیا ہو، قانوناً جو بھی منافع اس کے بعد میں ڈکلیئر ہوگا، یا کمپنی کے جو بھی حالات ہوں گے، وہ ہمارے اوپر رہے گا، مطلب یہ ہے کہ اگر منافع ہو تو اس کا منافع رہے گا، اگر خسارہ ہو تو ہمارا خسارہ ہوگا، اس کو جو ہم نے شیئرز کے روپے دے دیئے ہیں وہ اس کے ہوگئے، یہ قانوناً پوزیشن ہے، مگر (Practical Procedure) کے حساب سے پوزیشن یہ ہے کہ جس تاریخ پہ کمپنی اپنا Dividend ڈکلیئر کرتی ہے، اس تاریخ پہ ان کے پاس شیئرز ہولڈرس کی لسٹ میں جو نام درج ہیں، ان کو وہ Dividend بھیجے گی۔ اب اگر خریدنے والے نے شیئر ٹرانسفر کے لئے نہیں بھیجا تھا، ظاہر ہے کہ اس کے نام نہیں آئے گا، پچھلے ہولڈر کے ہی نام پہ جائے گا، اب یہ اپنے بروکرس کے تھرو اس سے مطالبہ کرسکتا ہے کہ یہ Dividend نکلا ہے اسے ہم نے پہلے خریدا تھا لہٰذا آپ ہمیں دیں، اگر وہ دینے سے انکار کرتا ہے تو پھر اس کو یہ Possibility ہے کہ وہ کورٹ میں جاکے لڑ کر اس سے لے، حالانکہ عام طور سے چونکہ ڈیویڈنڈ کی رقم کم ہوتی ہے تو یہ کوئی کرتا نہیں، اگر بہت بڑی ہولڈنگ کسی کی ہو تو یہ اس کے لئے سوچ سکتے ہیں،

ورنہ اس کو چھوڑ دیتے ہیں، شیئرز میں جو زیادہ منافع ہوتا ہے اصلاً اس کی قیمتوں کے بڑھنے کی وجہ سے ہوتا ہے، ڈیویڈنڈ میں جو منافع ہوتا ہے وہ اس کا ایک چھوٹا حصہ ہوتا ہے، یہ سمجھ لیجئے کہ اگر سو روپے کا ٹوٹل منافع ہے تو اس میں شیئرز کا جو منافع ہوگا وہ زیادہ سے زیادہ دس روپے ہوگا یا اس سے کم ہوگا۔ تو قانوناً جو پوزیشن ہے وہ تبادلہ کے اوپر منحصر نہیں ہے۔

قاضی صاحب:

قانونی طور پر کمپنی کے شیئر رجسٹر میں جب تک ٹرانسفر نوٹ نہیں ہوتا کمپنی سے ملنے والے منافع یا کمپنی میں ہونے والے نقصانات کی ذمہ داری اول مالک پر ہوگی۔

کھٹکھٹے صاحب:

اول مالک پر، جہاں تک کمپنی کا سوال ہے کمپنی اس کو منافع دے کر بری ہو جائے گی۔

قاضی صاحب:

کمپنی کی بات میں کہہ رہا تھا، اور یہ بھی طے ہے کہ بزنس میں سب فرشتے تو رہتے نہیں ہیں، اور کبھی کبھی بہت زیادہ منافع اوپر بھاگ جاتا ہے، تو اگر ایک شخص نے دستخط نہیں کیا، اور ظاہر ہے کہ جب تک بائع دستخط صحیح نہیں کرتا ہے کمپنی تو اس کو ٹرانسفر دے گی نہیں، یہ تو طے ہے اگر صحیح دستخط نہیں ملا تو وہ بینک لوٹا دیتا ہے کہ صاحب یہ ہمارے (Customer) کا صحیح دستخط نہیں ہے، اس لئے جب تک ٹرانسفر نہ ہو قانونی طور پر اس کے قبضہ میں یہ شئے نہیں آتی ہے، اور اس کے نفع اور نقصان کا یہ مالک نہیں ہوتا ہے۔

کھٹکھٹے صاحب:

نہیں قانونی طور سے وہ ہے، Procedurally نہیں ہے، یہ سمجھئے کہ کسی کا فلیٹ ہے، Ownership فلیٹ ہے اب اس کے ساتھ میں اس نے Nominee کے نام کسی کا ڈال دیا، تو اگر وہ مر گیا............

احسان صاحب:

.......ایسے کام جو کہ حسی شخص کر سکتا ہو مثلاً شادی کا معاہدہ تو کمپنی کوئی حس نہیں رکھتی وہ شادی کا معاہدہ نہیں کر سکتی، تو جو کام غیر حسی شخص کر سکتا ہے وہ کمپنی کر سکتی ہے، کمپنی کا Incorporation کمپنی کا پیدائشی سرٹیفکیٹ ہے، اس کے بعد جو (Public Limited Company) ہے اس کو ایک سرٹیفکیٹ اور لینا ہوتا ہے، اور وہ Certificate to commence the business ہوتا ہے، یہ سرٹیفکیٹ ملنے کے بعد کمپنی بالغ ہو جاتی ہے، اور اپنے نام سے معاہدہ کرنے لگتی ہے، حالانکہ کمپنی کی معرفت معاہدہ کمپنی کے وجود سے پہلے ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ کچھ Incorporation سے پہلے ہی شروع ہو جاتے ہیں، کمپنی کے نام سے کچھ اثاثے خریدنے کا پلان بنایا جاتا ہے، اس کا کنٹریکٹ بھی پروموٹرس کرتے ہیں کمپنی کے Behalf پہ، اور اپنے پاس سے کچھ ایڈوانس بھی

دے دیتے ہیں، لیکن وہ سودا مکمل نہیں مانا جاتا، جب تک کہ کمپنی کو Certificate to commence the business نہ مل جائے، اور جب Certificate to commence the business مل جاتا ہے تو کمپنی کے وجود سے پہلے جتنے سودے کئے جاتے ہیں کمپنی اس کا Ratification کرتی ہے اپنی میٹنگ میں، اور ایک Resolution پاس کرتی ہے کہ اس کمپنی کی معرفت آج تک جتنے سودے کئے گئے ہیں وہ کمپنی ان سب سودوں کو تسلیم کرتی ہے، اوران سب سودوں کی ذمہ داری کمپنی اپنے اوپر عائد کرلیتی ہے۔ یہ Certificate to commence the business کے بعد ہوتا ہے، تو اب جہاں تک یہ سوال ہے کہ کچھ دیر تک کمپنی کے اثاثے رقم کی شکل میں رہتے ہیں، کمپنی کا جمع شدہ سرمایہ رقم کی شکل میں رہتا ہے، اثاثوں میں منتقل نہیں ہوتا، یہ عام طور سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ جس وقت شیئر ہولڈرس کے پاس عام طور سے شیئرز سرٹیفکیٹ آتے ہیں اس وقت تک کمپنی کو Certificate to commence the business مل گیا ہوتا ہے اور کمپنی کاروبار شروع کرچکی ہوتی ہے ، کچھ نہ کچھ اثاثے اس کی ملک میں آجاتے ہیں، رقم سے اثاثوں میں سرمایہ تبدیل ہوجاتا ہے، اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ساری کی ساری رقم.... یوں ہی جمع ہے اور کمپنی نے اپنے پچھلے اثاثوں کا Ratification بھی نہیں کیا ہے جو اس کے نام آنے ہیں، پھر بھی کچھ غیر حسی اثاثے ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا اثر شیئر کی قیمت پر ضرور پڑتا ہے، کمپنی کو بہت اچھے Promoters اگر مل گئے ہیں، کمپنی کا پروجیکٹ بھی بہت اچھا ہے، تو ان سب کا ایک جگہ جمع ہوجانا کمپنی کے نام پہ، یہ اس کی قیمت پہ ضرور اثر انداز ہوتا ہے، اور اگر کسی پروموٹر کی Reputation خراب ہوجائے، تو وہ بھی اس کمپنی کی قیمت پہ ضرور اثر انداز ہوتا ہے، تو کمپنی کے پروموٹرس کی جو رپوٹیشن ہے یہ Goodwill تو باقاعدہ کمپنی کے Balance Sheet تک میں کہیں کہیں درج کی جاتی ہے، Patents کمپنی کی بیلنس شیٹ میں بھی اثاثوں کی فہرست میں درج کئے جاتے ہیں، جبکہ نہ Goodwill کو اور نہ Patents کو ہم چھو سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں، پھر بھی ان کی ایک قیمت ہوتی ہے، اور وہ کمپنی بیلنس شیٹ میں درج ہونے کے علاوہ بھی اپنا اثر ضروری نہیں ہے کہ اسی حد تک رکھیں جس کی قیمت اس میں لگائی گئی ہے، اس کا اثر اس سے زیادہ ہوتا ہے، کمپنی کے Assets جو ہیں، جو بیس سال پہلے زمین خریدی گئی ہے، اس کی قیمت وہی لکھی جاتی ہے جو کہ بیس سال رہی جب تک کہ اس کا Revaluation باقاعدہ نہ کیا جائے اور قانونی طور پر اس کے Revaluation کو تسلیم نہ کیا جائے، لیکن اصل میں دس سال قیمت کی جو اس کی Assets File میں لکھی ہوئی ہے قیمت، زمین کی وہ قیمت نہیں ہوتی، اس کی قیمت کئی گنا زیادہ ہوجاتی ہے، لہٰذا آج مارکیٹ میں بہت سارے شیئر ایسے بھی ہیں کہ ان کی جو قیمت ہے وہ ان کی اصل قیمت سے Book value کمپنی میں دکھائی گئی ہے وہ بہت زیادہ ہے، اور کچھ شیئرز ایسے بھی ہیں جو اپنی قیمت اپنی Book value سے بہت کم رکھتے ہیں، کمپنی کے شیئرز کی قیمت کا جہاں تک تعلق ہے یہ آس اور یاس کے اوپر منحصر ہے، اگر آج ہمیں امید ہوجاتی ہے کہ پانچ سال میں کمپنی کو اتنے اتنے زیادہ منافع جات ملنے والے ہیں تو کل ہی مارکیٹ میں اس کی قیمت بڑھ جائے گی، اور اگر کوئی ایسی وجوہات آجائیں کہ جس سے پتہ لگے کہ اگلے پانچ سال

میں کمپنی کو یہ یہ نقصانات ہونے والے ہیں تو کل ہی مارکیٹ میں اس کی قیمت اتنی ڈاؤن ہو جائے گی، تو شیئرز کی قیمت گرنا اور اٹھنا اس کا تعلق شیئر کی اصل قیمت سے نہیں ہے، کبھی کبھی مارکیٹ میں Demand Supply کے توازن سے شیئر کی قیمت پر بہت اثر پڑتا ہے، آج کل مارکیٹ میں پیسے کی Liquidity Crunch مانا جارہا ہے دو سال سے، پیسے کی کمی ہے اور نمبر آف شیئرز بہت موجود ہیں، لہٰذا اصل قیمت سے نیچے ان کی قیمت جا چکی ہے، بہت سارے شیئرز کی، تقریباً اس وقت جو ہے پچاس فیصدی شیئرز کمپنی کے اپنی اصل قیمت سے نیچے چل رہے ہیں، اور کبھی کبھی Inflation ہوتا ہے، مارکیٹ میں پیسے ہی پیسے زیادہ ہوتے ہیں، پیسے کے مقابلے میں شیئرز کی تعداد کم ہوتی ہے، اس وقت شیئرز کی قیمت اوپر پہونچ جاتی ہے، جیسے کہ ہرشد مہتہ کے دور میں ہوا تھا، اس وقت Rate of inflation تقریباً سولہ فیصد چل رہا تھا، اس وقت قیمتیں بہت اوپر چلی گئیں تھیں، اب Rate of Inflation چار پانچ فیصد چل رہا ہے، Liquidity Crunch ہے، اب قیمتیں نیچے چل رہی ہیں، تو یہ کہنا کہ جب تک کمپنی کا سرمایہ رقم کی شکل میں ہے تو اس کی خرید و فروخت اس لئے نہیں ہو سکتی کہ ہم پیسے کے بدلے پیسے کو خرید رہے ہیں، وہ شاید مناسب نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا پروجیکٹ، اس کا Colaboration اور اس کے Promoters کی Reputation کا اس کے اندر دخل ہے۔

ایک آواز:

جائداد و زمین وغیرہ کب خریدتی ہے کمپنی؟

احسان صاحب:

شروع میں خریدتی ہے، اور بیچ میں بھی جب ضرورت ہوتی ہے،...... جیسے پروجیکٹ بناتے ہیں، اس پروجیکٹ میں سب دیا ہوتا ہے کہ کب زمین خریدیں گے، کب تک مشین خریدیں گے، اور اس میں تاخیر بھی ہو جاتی ہے، اس سے Cast of Project بھی بڑھ جاتا ہے، اس کے لئے پھر مزید سرمایہ اکٹھا کرنا پڑتا ہے اور قرض بھی لینا پڑتا ہے، تو یہ پروجیکٹ رپورٹ میں سب دیا جاتا ہے، کب زمین خریدیں گے، کیا کیا ہوگا۔

دوسرا سوال تھا شیئرز کے اوپر قبضہ سے متعلق، کمپنی کے شیئرز عام طور سے قابل تبادلہ ہوتے ہیں، یہ عام طور سے اس لئے بات کہی جارہی ہے کہ وہ حتمی طور سے قابل تبادلہ نہیں ہوتے، کبھی کبھی کمپنی اپنے شیئرز Restrictions لگا سکتی ہے، مثال کے طور پر کمپنی یہ کہے کہ ہم اس میں غیر ملکی کو اس سے زیادہ شیئرز نہیں خریدنے دیں گے، اور Number of Shares غیر ملکی لوگوں کو اتنے بک چکے ہیں، اس سے اوپر جو بھی غیر ملکی شیئر خریدے گا، کنٹریکٹ اس کا Valid نہیں مانا جائے گا، کمپنی بھی Restriction لگا سکتی ہے کہ جو شیئر بیچنا چاہے وہ پہلے ہمیں بتائے، اور ہم جو کمپنی کے پرانے شیئر ہولڈرس ہیں، ہم ان کو اختیار دیں گے کہ پہلے اگر وہ خریدنا چاہیں تو وہ شیئرز خریدیں، اور اس کے بعد اگر وہ نہیں خریدنا چاہیں، تو ہم شیئر ہولڈر کو بتائیں گے کہ اب وہ مارکیٹ میں بیچ سکتا ہے، لیکن یہ چونکہ عام طور سے قابل تبادلہ ہوتے ہیں، اور جو شیئرز قابل تبادلہ ہیں ان کے اوپر کوئی

Restriction نہیں لگی ہے، وہ جب خریدار نے خرید لئے ہیں، اور بیچنے والے نے اس کو اپنا دستخط کر کے حوالہ کر دیا ہے، ہر چیز کی Delivery کا بھی ایک سسٹم ہے، خرید و فروخت تو ہوتی ہی ہے مال کی، لیکن ملکیت جو ہے ڈلیوری کے بعد ہی منتقل ہوتی ہے، بغیر ڈلیوری کے کوئی ملکیت منتقل نہیں ہوتی، اور ڈلیوری کا طریقہ ہر مال کا الگ ہے، کچھ چیزیں ایسی ہیں جو دست بدست دی جاتی ہیں، اٹھا کے، اور جیسے چیک کی ہے، بیئرر چیک کی ہے، آپ بغیر کسی دستخط کے ڈلیوری دے سکتے ہیں، وہ valid ہے، اگر وہ چیک آرڈر ہے تو بغیر ایگزارمنٹ کے اس کی ڈلیوری صحیح نہیں مانی جائے گی، اگر وہ آرڈر چیک کسی خاص ایک شخص کے نام کٹا ہے، تو جب تک وہ آرڈر نہیں کرے گا کہ یہ پیسہ دوسرے آدمی کو ملے، جب تک اس کی ڈلیوری Valid نہیں مانی جائے گی، تو اسی طرح شیئرز کی ڈلیوری Share Transfer Deed کے ساتھ ہونا ضروری ہے، اور شیئر ٹرانسفر ڈیڈ کے اوپر دستخط شیئر ہولڈر کا ہونا ضروری ہے، جب شیئر ہولڈر اپنے دستخط Transfer Deed کے اوپر کر کے ٹرانسفر سرٹیفکیٹ کے ساتھ دیدیتا ہے، وہ اس وقت ڈلیوری مانی جاتی ہے، اور شیئر کی ملکیت اسی دم منتقل ہو جاتی ہے خریدار کے پاس، رہا یہ مسئلہ کہ اب وہ جو اس نے ٹرانسفر کے لئے نہیں بھیجے ہیں، وہ صرف Procedural Matter ہے، کمپنی نے اپنی سہولت کے لئے رکھا ہے کہ جن لوگوں کے شیئرز ہمارے نام پر اس تاریخ کو آ گئے ہمارے رجسٹر میں درج ہو جائیں گے، وہ تو ہم سے طلب کرے گا Dividends، اور جس نے نہیں بھیجے ہیں تو وہ بیچنے والے سے ڈائرکٹ طلب کرلے، کمپنی اس کے اندر کوئی ذمہ دار نہیں ہوگی، یہ کمپنی کا اپنا طریقہ ہے، بہرحال خریدار اسی وقت شیئرز کے اوپر ملنے والے تمام منافع جات کا حقدار ہو جاتا ہے، جب شیئرز اس کی تحویل میں شیئر ٹرانسفر ڈیڈ کے ساتھ آ جاتے ہیں، اب دستخط کا مسئلہ ہے، یہاں معاملہ یہ ہے کہ اگر بیچنے والے نے خود کئے ہیں تو اس کی ملکیت منتقل ہو جائے گی، اور یہ اگر کمپنی کے ریکارڈ میں نہیں ملتے ہیں تو کمپنی اپنے یہاں اس کو ٹرانسفر نہیں کرے گی جب تک کہ ریکارڈ میں نہیں ملیں، یا Notery لکھ کر نہیں دیں کہ میرے سامنے اس شخص نے دو گواہوں کی موجودگی میں دستخط کئے ہیں، جب تک کمپنی اگر دستخط نہیں بھی ملتے ہیں لیکن اس نے Notary کرائی ہوئی ہے، اور Notary وکیل نے لکھا ہوا ہے کہ اسی شخص نے دستخط کئے ہوئے ہیں تب کمپنی ٹرانسفر کر دے گی، چاہے دستخط ملیں یا نہیں ملیں، لہذا Transfer Deed پہ دستخط شیئر ہولڈر کا ہونا ضروری ہے، اگر وہ دستخط Forge ہیں تو Forgery کسی بھی چیز کی ملکیت کو ٹرانسفر نہیں کرتی، وہ Invalid ہوگا، اس کی Delivery ناقص مانی جائیگی۔

پانچ نمبر سوال میں یہ لکھا ہوا ہے کہ سودی قرض لینے پڑتے ہیں، اس معاملہ میں میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ کیا مجبوری ہے، اور قرض کے کیا محرکات ہیں، قرض کیوں لینے پڑتے ہیں، تاکہ آپ اس میں ضرورت اور اباحت دیکھ کر اپنا حکم جاری کر سکیں۔ قرض کے محرکات میں سب سے پہلا محرک یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے یہ منصوبہ بنایا ہے ان لوگوں کو اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ اتنا روپیہ تو ہم پبلک سے جمع کرا سکتے ہیں، خود جمع کرا سکتے ہیں، اور پروجیکٹ پورا کرنے کے لئے باقی رقم کو قرض کے ذریعہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ دوسرا محرک یہ ہے کہ یہ لوگ کمپنی کے اوپر اپنا مکمل کنٹرول رکھنا چاہتے ہیں، قرض دینے والے کا کمپنی کے معاملات میں، Management میں کوئی کنٹرول نہیں

ہوتا، اس کو کوئی حق رائے دہندگی حاصل نہیں ہوتا، اگر وہ سارا سرمایہ شیئرز کی صورت میں لیتے ہیں تو سارے شیئر ہولڈرس کو حق رائے دہندگی ہوتا ہے، اور بورڈ آف ڈائرکٹرس کو شیئر ہولڈرس بالکل ایسے ہٹا دیتے ہیں جیسے کہ حکومت کے خلاف عدم اعتماد آتا ہے، اور اپنا بورڈ آف ڈائرکٹرس وہ خود قائم کر لیتے ہیں جن کی اکثریت ہوتی ہے، تو یہ وہ اپنے Management میں عدم مداخلت کی وجہ سے قرض لیتے ہیں۔ تیسرا محرک شرح سود کا شرح منافع سے کم ہونا ہے، جتنے بھی Funds وہ اپنی تجارت میں لگاتے ہیں اس کے اوپر اگر بیس فیصدی منافع ان کو حاصل ہوتا ہے، اور قرض کی صورت میں رقم پندرہ فیصد ان کو مل جاتی ہے تو وہ برابر قرض لیتے چلے جاتے ہیں، کیونکہ منافع بیس فیصدی ہو رہا ہے اور پندرہ فیصدی دینا پڑ رہا ہے، پانچ فیصدی یہ ڈیفرنس ہے، یہ شیئر ہولڈرس کا حصہ رہتا ہے جب تک یہ شرح سود شرح منافع سے کم رہتی ہے، تجارتی اصول ہے، یہودیوں کا اصول ہے کہ اس وقت تک قرض لیتے چلے جایئے جب تک یہ دونوں برابر نہ ہو جائیں، یا اوپر نہ چلے جائیں۔ چوتھا محرک ہے ٹیکس کے فائدے حاصل کرنا، جو کمپنی قرض کے اوپر سود ادا کرتی ہے، انکم ٹیکس میں وہ خرچ مانا جاتا ہے، کمپنی کا یہ ایک خرچہ ہے، اور منافع میں سے وہ رقم کم کر دی جاتی ہے، تو اس کے برخلاف جو Dividend دیا جاتا ہے تو اس کو انکم ٹیکس والے خرچ نہیں تسلیم کرتے، اس کو منافع کا ایک حصہ مانتے ہیں، اور وہ کمپنی کی انکم میں سے Deduct نہیں ہوتا، اس کے اوپر ٹیکس پورا لگتا ہے، تو ہم لوگوں کی جو پچھلی میٹنگس ہوتی رہی تھیں، ہمارے اندر بھی رائے میں اختلافات ہوئے، اور پہلے ہم لوگ یہ بھی سمجھتے تھے کہ شاید یہ ٹیکس کی اتنی بڑی مجبوری ہے کہ اس کی وجہ سے قرض لینا ہی ضروری ہے، نہیں Competitive Market میں ہم پیچھے رہ جائیں گے اگر زیادہ ٹیکس دیں گے، اور دوسرے لوگ حاوی ہو جائیں گے جو کہ کم ٹیکس دیں گے، لیکن بعد میں ہم لوگوں نے اس کے اوپر اور غور کیا تو ہم نے نتیجہ یہی پایا کہ ایک ٹیکس کی شرح کمپنی کے اوپر جو گورنمنٹ مقرر کرتی ہے اصل ٹیکس تقریباً پچاس فیصدی اس سے کم ادا ہوتا ہے، بہت سارے ایسے Deductions ملتے ہیں، بہت ساری ایسی مراعات ملتی ہیں جن کے اوپر ٹیکس نہیں دینا پڑتا، لہذا کمپنی کے اوپر اگر پینتالیس پرسنٹ سرکار ٹیکس مقرر کرتی ہے، تو Effective Tax اور اصل ٹیکس جو ہے وہ ساڑھے بائیس پرسنٹ ہی تقریباً ہوتا ہے، تو اب چونکہ ٹیکس جو ہے منافع پر ہوتا ہے نقصان کے اوپر تو ہوتا نہیں ہے، سوال یہ ہے کہ جب ہمیں منافع مل رہا ہے تو پھر ٹیکس دینے میں اس میں کم اور زیادہ تھوڑا بہت جبکہ وہ ساڑھے بائیس پرسنٹ ہے Maximum اگر ہم سارے (Deductions)(Avail) کر لیں تو یہ اتنا بڑا فرق نہیں ہے کہ ہماری تجارت کے اوپر اثر انداز ہو سکے، پھر کمپنی کی منافع کمانے کی صلاحیت میں بہت بڑا فرق ہے، ایک کمپنی دس سال سے نقصان دیتی چلی آ رہی ہے، ایک نئی کمپنی قائم ہوتی ہے اور وہ اپنے دس روپے کے شیئر کو پہلے ہی سال میں دس روپے منافع کما کر دے سکتی ہے، تو ان دونوں میں صلاحیت کا جہاں تک تعلق ہے اس کی کوئی قید نہیں ہے، اگر ہم بھی اپنے اندر صلاحیت ایسی پیدا کر لیں تو ہمیں یہ ٹیکس اتنا ناگوار نہیں ہوگا جتنا ہمیں ڈر لگتا ہے کہ اس سے شاید ہمارا پروجیکٹ ہی فیل ہو جائے، پھر جو یہ معاملہ ہے ہم تو اسے شرعی نقطہ نظر سے دیکھتے چل رہے ہیں، اس کو دوسرے ہمارے ہم وطن نے مادی نظر سے دیکھا ہے، اور ان کی طرف سے جو اخبارات میں یہ Demand

آئی ہے کہ جس طرح سے قرض کے اوپر سود کو انکم ٹیکس سے الگ کر دیا جاتا ہے اسی طرح سے Dividend کو بھی انکم میں سے الگ کر کے ٹیکس لگایا جائے، اور جب تک ان کے Artcles ایسے پیپر میں نکلے ہیں تب تک میں نے تائید میں صرف مادی نظریہ سے اخبار میں خط دیا ہے اور اس سلسلہ میں میرا پہلا خط "Business Standard" میں شائع ہوا ہے، اور پھر ایک بار "Economic Times" میں ایک Editorial لکھا تھا کہ اب ملٹی نیشنل کمپنیاں ہمارے یہاں آ گئی ہیں، اور ان کی طاقت بہت زیادہ ہے، طاقت ان کی اس وجہ سے ہے کہ ان کا اپنا سرمایہ زیادہ ہوتا ہے، وہ قرض کم لیتے ہیں، اور وہ جو کچھ بھی قرض لیتے ہیں ان کے یہاں شرح سود چار یا پانچ فیصدی ہے، ہمارے یہاں شرح سود سولہ سترہ سے بڑھ کے پچیس تیس پرسنٹ تک پہونچ جاتی ہے، لہذا اس نے اپنے Editorial میں یہ Advise کیا تھا کہ ہماری کمپنیوں کو چاہئے کہ وہ اپنا قرض کا Ratio گھٹائیں، اور اپنا Capital Ratio بڑھائیں، تا کہ ان سے Competition کے مقابلہ میں ان کو طاقت حاصل ہو، اس سلسلہ میں میں نے جو خط "Economic Times" کو اس Editorial کی تائید میں لکھا، تو انہوں نے Good Advise کر کے اسے شائع کیا، میں نے یہ کہا کہ آپ یہ تو Advise کرتے ہیں کہ کمپنیاں اپنی Equity بڑھائیں اور قرض Down کریں لیکن ہمارا Taxation قانون اس سلسلہ میں مانع آتا ہے، جو کمپنی زیادہ سرمایہ رکھتی ہے وہ کم قرض رکھتی ہے، اس کو زیادہ ٹیکس دینا پڑتا ہے جو کمپنی زیادہ قرض رکھتی ہے اس کو کم ٹیکس دینا پڑتا ہے، اور ان کو یہ فارمولہ بھی میں نے تجویز کیا کہ آپ اگر اس فارمولہ کو اپنائیں تو گورنمنٹ کی آمدنی پر بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا، اور قرض لینے والی اور نہ قرض لینے والی دونوں کمپنیوں کو ٹیکس کا Burden برابر ہو جائے گا، تو یہ آوازیں تو غیر مسلم ہی کی جانب سے اٹھی تھیں، تو اس میں ہم نے اپنی آواز لگائی، تو یہ جو چوتھی بات ہے جو ہمیں زیادہ پریشان کر رہی تھی اگر اس کو ہم سلیقہ کے ساتھ حکومت کے سامنے لے جائیں تو یہ مسئلہ ہمارا حل ہو سکتا ہے۔

چھٹے سوال کے اندر لکھا ہے کہ ریزرو بینک میں کچھ روپئے جمع کرنے پڑتے ہے، یا سرکاری بانڈز خریدنے پڑتے ہیں جس پر سود ملتا ہے، یہ Finance Company اور Banking Company کے معاملہ میں تو بالکل صحیح ہے کہ کچھ روپئے ان کو ریزرو بینک میں رکھنا پڑتا ہے، یا گورنمنٹ بانڈز خریدنے پڑتے ہیں، لیکن Commercial & Manufacturing Companies کے لئے یہ معاملہ نہیں ہے، اور شرکت اور مضاربت چونکہ اسلام کی بنیاد ہے، اس لئے ہماری کمپنیوں کے سامنے کم سے کم یہ مسئلہ پیش آنے والا نہیں ہے۔

سودی قرض پر منافع جو ملے اس کے حکم کے بارے میں کچھ سوالات کئے گئے ہیں، تو کمپنی قرض لیتی ہے اور اپنی ساری رقم کے اوپر منافع کماتی ہے، اس میں یہ تخصیص نہیں ہوتی ہے کہ قرض والی رقم کے اوپر کتنا منافع ہوا، اور اس نے جو اپنا سرمایہ لگایا تھا اس کے اوپر کتنا منافع ہوا، پھر بھی ہم ڈائری کو دیکھ کر یہ حساب لگا سکتے ہیں کہ قرض شیئر، سود کی آمدنی کیا ہے، لیکن یہاں مسئلہ یہ آتا ہے کہ کمپنی نے سود کی آمدنی تو حاصل کی اور منافع بھی کمایا، ضروری نہیں کہ جو منافع کمائے کمپنی اسے تقسیم بھی کر دے، اور اگر تقسیم بھی کرے تو ضروری نہیں کہ پورا کا پورا منافع تقسیم کرے، یہ کمپنی کی

اپنی پالیسی کے اوپر منحصر ہوتا ہے، اور شیئر ہولڈرس کی اکثریت اگر منافع کو آگے تجارتی فروغ میں لگانا چاہتی ہے تو بھی منافع تقسیم نہیں ہوتا، تو چونکہ کمپنی کی کتابوں میں یہ صرف لکھا ہوا ہے، اس میں پھر یہ حساب لگانا کہ ہم اس کو خیرات کریں یا نہ کریں اپنے حصہ کے بقدر، یہ ذرا ایک مشکل کام ہو جائے گا، اور پھر یہ کہ کمپنی کی جو رپورٹ ہے جس میں کمپنی کے منافع کی خبر آئی ہے اس کا بازار کی قیمتوں کے اوپر کافی اثر پڑتا ہے، خاص طور پر جبکہ بنیادی طور پر دو طرح کے Factors ہوتے ہیں جو کہ شیئر کی قیمت پہ اثر انداز ہوتے ہیں، ایک کو ہم Fundamentals کہتے ہیں، دوسرے کو Technicals کہتے ہیں، Fundamentals تو کمپنی کی خامیوں اور خوبیوں کے اوپر منحصر ہوتے ہیں، اور Technicals بازار کے اندر روپے کی اور شیئرز کی فراہمی کے اوپر منحصر ہوتے ہیں تو ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے، کبھی کبھی Fundamental بہت اچھے ہوتے ہیں، لیکن بازار میں شیئرز کی سپلائی زیادہ ہوتی ہے، پیسہ کم ہوتا ہے، تو اچھے منافع کے باوجود بھی اس کی قیمتیں نیچے چلی جاتی ہیں، اور کبھی کبھی اس کے برخلاف شیئرز کی قلت ہوتی ہے مارکیٹ میں، پیسہ زیادہ ہوتا ہے، تو نقصان والی کمپنی کا بھی شیئر اپنی چارگنی پانچ گنی قیمت پہ ہوتا ہے، ان حالات میں جب Fundamentals حاوی ہوتے ہیں تو ہر خبر کا اثر شیئر کی قیمت پہ بہت اچھا پڑتا ہے، اگر سودی خبر سے اس کی قیمت بڑھ جائے تو یہ حساب لگانا بڑا مشکل ہوگا کہ ہم اصل جو سود کمپنی کو ملا ہے وہ خیرات کریں یا کمپنی کے شیئرز کی قیمت پہ جو اس کا اثر پڑا ہے اس کو خیرات کریں، یہ کافی مشکل کام ہو جائے گا ہمارے لئے۔

آٹھویں سوال کے اندر بورڈ آف ڈائریکٹرس کا شیئر ہولڈرس کے وکیل ہونے سے متعلق سوال ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس جو شیئر ہولڈرس کی اکثریت کی رائے سے Appoint ہوتے ہیں، یہ اصل میں شیئر ہولڈرس ہی ہوتے ہیں، جس طرح کہ اسمبلی کے ممبران میں سے کوئی چیف منسٹر بنتا ہے اور کیبنٹ بنتی ہے، اسی طرح کمپنی کے شیئر ہولڈرس میں سے بورڈ آف ڈائریکٹرس ہوتا ہے، جیسا کہ میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ کمپنی جو ہے وہ ایک شخص اعتباری ہے، یہ قانون کی نظر میں تو ایک شخص ہے، لیکن یہ اپنے حسی شخص میں جسے ہم دیکھ نہیں سکتے ہیں چھو نہیں سکتے، لہذا یہ اپنے معاملات کا انتظام خود نہیں کر سکتی، یہ دوسروں کے اوپر منحصر ہے کہ اس کے معاملات کا انتظام کوئی دوسرے لوگ کریں، اور شیئر ہولڈرس اپنے ہی میں سے کچھ لوگوں کو اپنا وکیل مقرر کر دیتے ہیں، اور ان کو کچھ اختیارات دیتے ہیں کہ روزمرہ کے معاملات میں ان حدود میں رہ کے بورڈ آف ڈائریکٹرس کام کرے گا، پھر بھی جو اہم معاملات ہوتے ہیں وہ کمپنی کی میٹنگ میں ہی طے ہوتے ہیں، جو کمپنی کی پالیسی سے متعلق معاملات ہوتے ہیں وہ کمپنی کی عام میٹنگ میں طے ہوتے ہیں، آج یہ مسئلہ کہ کوئی شیئر ہولڈر اختلاف کرے بورڈ آف ڈائریکٹرس کی رائے سے تو کیا پوزیشن ہوگی اس کی، وہ کہاں تک بری الذمہ ہوگا کمپنی کے جائز کاروبار اور ناجائز کاروبار سے اس میں میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ جب کمپنی قائم ہوتی ہے، اور بازار میں Issue لا رہی ہوتی ہے، تو کمپنی اپنا ایک Prospectus جاری کر دیتی ہے، اس Prospectus میں کمپنی کی پروجیکٹ رپورٹ پوری لکھی ہوتی ہے، اس وقت ہر شیئر ہولڈر کو معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی قرض لینے جا رہی ہے یا قرض نہیں لینے جا رہی ہے، کمپنی حلال کاروبار کرنے

جارہی ہے یا حرام کاروبار کرنے جارہی ہے، اس کے علاوہ کمپنی کے Articles of Association میں بھی کمپنی کو پہلے Powers دی جاتی ہیں قرض لینے کی، جب تک Articles of Association میں کمپنی کے رجسٹریشن کے وقت ہی کمپنی کو پاور نہیں ملے گا تب تک کمپنی قرض نہیں لے سکتی ہے، پھر جو پاور آرٹیکلس آف ایسوسی ایشن میں دیا گیا ہے اس کے مطابق Resolution جو بورڈ آف ڈائرکٹرس کی میٹنگ میں پاس ہوتا ہے کہ قرض لیا جائے گا اس معاملہ میں، اتنی چیزیں شیئر ہولڈرس کے سامنے ہوتی ہیں، ان سب کے باوجود وہ شیئر ہولڈرس بنا اس میں قبول کرتا ہے، جبکہ اس کے اوپر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی ہے، اگر ان معاملات سے اس کو اختلاف ہے تو اپنا شیئر بیچ کر وہ باہر بھی ہوسکتا ہے، اور یہاں دیکھا جاسکتا ہے کہ کہاں تک اس کی مجبوری ہے اس معاملہ میں کہ وکیل کی ذمہ داری اس کے اوپر آتی ہے یا نہیں آتی ہے؟

ایک Back Delivery کے بارے میں سوال کیا گیا تھا کہ ایک شخص نے شیئرز بیچے ہیں، اور اس کے دستخط نہیں ملتے ہیں، کمپنی کے پاس اس نے رجسٹریشن کو بھیجا، کمپنی نے واپس کردیا، ایسے میں سودے کی کیا نوعیت رہے گی؟ سودا تو Valid رہے گا، جو شیئرز اس نے بیچے ہیں اس پہ دستخط نہیں ملے ہیں تو اس کی حوالگی ناقص ہے، اور وہ اس کے نام میں منتقل نہیں ہوسکتی، لیکن بیچنے والے کے اوپر ڈلیوری واجب ہے، اور وہ اس کو ڈلیوری کرے گا اور ڈلیوری کے بعد ہی اس کا Contract پورا ہوگا، اس سے پہلے وہ چھوٹ نہیں سکتا ہے، وہ دوسرے شیئرز کی ڈلیوری کرے گا، لیکن ان شیئرز کی ملکیت ہماری نہیں مانی جاسکتی کیونکہ ہم نے بیچے تھے اور اس پر دستخط الگ ہوئے تھے، حالانکہ اس نے ٹرانسفر ڈیڈ پر دستخط کرکے شیئر سرٹیفکیٹ دیا تھا، چونکہ اس پہ دستخط آپ کے نہیں تھے اس لئے وہ ڈلیوری ناقص تھی، اور یہ ہمیں اس وقت پتہ چلا جبکہ کمپنی نے بتایا، اور اس سے پہلے تو ہم اس کو صحیح تسلیم...... یہ ناقص ڈلیوری جب بھی پتہ لگ جائے تو اسی وقت سے یہ سارے لوگوں کے اوپر بیچے Invalid ہوتے ہیں، مان لیجئے ایک شخص سے میں نے شیئرز خریدے، اس کے بعد دوسرے سے بیچ دیئے، دوسرے نے تیسرے کو بیچ دیئے، تیسرے نے چوتھے کو، پانچویں آدمی نے ٹرانسفر کے لئے بھیجے اور پانچویں آدمی کو جواب یہ ملا کہ یہ ناقص ڈلیوری ہے، تو وہ ناقص قبضہ ہم چاروں پانچوں آدمی کا رہا، کیونکہ Forgery جو ہے وہ کسی بھی ملکیت کو ٹرانسفر نہیں کرتی۔

اس کے علاوہ کوئی اور سوالات ہوں تو (ایک آواز......) ہاں وہی، جو ڈلیوری کا طریقہ ہے کہ شیئر سرٹیفکیٹ Blank Transfer Deed کے اوپر شیئر ہولڈر دستخط کرکے دیتا ہے تو کوئی دوسرا آدمی پھر دستخط نہیں کرتا، اس کو یونہی Blank ہی بیچتے رہتے ہیں، پہلے آدمی کے دستخط کئے ہوئے کو صحیح ڈلیوری مانی جاتی ہے شیئر سرٹیفکیٹ کے لئے، جیسے کہ چیک میں اگر آرڈر چیک ہے تو ایک آدمی Endorse کرے گا ایک دوسرے کے نام، پھر اگر وہ دوسرا آدمی کسی کو منتقل کرے گا وہ اس کے نام Endorse کرے گا، شیئر سرٹیفکیٹ کے معاملہ میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ وہ Deed بھرا ہوا نہیں ہے، Blank ہے، کسی کا نام نہیں لکھا ہوا ہے اس میں، تو وہ شیئر سرٹیفکیٹ سب کے پاس ایسے ہی چلتا رہے گا، اور جب کمپنی میں اس کے اوپر دستخط پاس ہوجائیں گے تو سب کی ملکیت [illegible] مانی

جائے گی، اور اگر نہیں پاس ہوں گے تو سب کی ناقص ملکیت مانی جائے گی۔

حکیم ظل الرحمٰن صاحب:

قبضہ کی بات جو قاضی صاحب نے کہی تھی وہ اصل بنیادی بات ہے، میں بتانا چاہوں گا کہ کمپنی کیسے قائم ہو، سب سے پہلے ایک پروجیکٹ رپورٹ تیار ہوتی ہے، اس کا ایک دستور اساسی بنایا جاتا ہے، اس میں کتنے سرمائے کی جگہ وتفصیلات درکار ہوتی ہیں، اس سب کے ساتھ رجسٹرار کو درخواست دی جاتی ہے رجسٹریشن کے لئے۔ رجسٹریشن کے بعد رجسٹرار قید لگاتا ہے کہ جو Promoter Share Holders ہیں وہ سرمائے کا پچیس فیصدی اپنے پاس سے لگادیں، پروموٹر شیئر ہولڈرس کو درکار سرمایہ کا پچیس فیصدی پہلے لگانا ہوتا ہے، جو تصور آئی تھی کہ رقم سے رقم کی بات ہوتی ہے وہ بالکل بیجا ہے، پچیس پرسینٹ سرمایہ لگادیں گے، Assets ہوجائیں گے تب جاکر کے وہ پھر درخواست دیں گے رجسٹرار کو کہ اب ہمیں مزید سرمایہ کے لئے ضرورت ہے، شیئرز ڈکلیئر کرنے کی، ایشو کرنے کی اجازت دے دی جائے، چوتھائی سرمایہ جب لگ گیا تو اثاثے کمپنی کے بن گئے، اور بغیر اثاثے کے کمپنی نہیں رہی، اور نقد کی صورت جو تھی سوال میں وہ بیجا تھی، اس میں چوتھائی سرمایہ میں عام طور پر زمین خرید لی جاتی ہے، ....جمع نہیں ہوں گے، کمپنی کے اخراجات میں اپنے پروجیکٹ کے مطابق سرمایہ لگانا پڑتا ہے، مشینیں خریدیں گے، زمینیں خریدیں گے، جو کچھ بھی ہو وہ سرمایہ پچیس فیصدی لگادیں گے تب رجسٹراران کو اجازت دے گا کہ اب آپ Issue (جاری) کرسکتے ہیں، اب ان کو شیئر کی اجازت ملتی ہے، شیئر عموماً دس روپے کا ہوتا ہے، اچھی کمپنیاں اس کو Premium کے ساتھ فروخت کرتی ہیں، دس روپے کا شیئر پچاس روپے میں بھی بکتا ہے، بیس روپے میں بھی بکتا ہے اس کے بعد جو لوگ شیئر خریدنا چاہتے ہیں تو ایک فارم ہوتا ہے، جسے درخواست کا فارم کہتے ہیں، وہ ایک درخواست کے ساتھ ایک معینہ رقم اس کے ساتھ بھیجتے ہیں، پوری رقم مطلوبہ نہیں بھیجتے، کمپنی اس پر فیصلہ کرتی ہے کہ اگر ایک آدمی پانچ ہزار شیئرز مانگتا ہے تو کوئی ضروری نہیں کہ وہ پانچ ہزار دے دے، کمپنی یہ فیصلہ کرتی ہے کہ نہیں ہم تو تمہیں پانچ سو دے سکتے ہیں، پانچ سو دے دیتی ہے، کمپنی کو یہ بھی حق پہنچتا ہے کہ کسی آدمی کو اپنے لئے نامناسب سمجھے تو اس کے شیئر کی درخواست کو مسترد ہی کردے بالکل، اور اس کے بعد جب وہ لوگ شیئر خرید لیتے ہیں تو اس کا رجسٹریشن مالکان اور حصہ داران کی حیثیت سے کمپنی میں ہوجاتا ہے، اور جن لوگوں کا نام درج ہوجاتا ہے وہی حصہ دار قانونی کہلاتے ہیں، یہ صورتحال ہوتی ہے، اب ہوتا یہ ہے کہ ان کی حیثیت کیا ہے، شیئر ہولڈرس کمپنی کے اصل مالکان ہوتے ہیں، یہ ڈائریکٹرس کو چنتے ہیں، کس کے شیئر کی کیا قیمت ہے، جتنے حصے اس کے پاس ہوتے ہیں اس کے شیئر کا وزن اتنا ہی ہوتا ہے، عام طور پر دس فیصدی جس کسی کے پاس ہوجاتے ہیں تو وہ ڈائریکٹر بن جاتا ہے، اس لئے کہ دس بارہ ڈائریکٹر چنے جاتے ہیں، یہ شکل تو ہوئی کمپنی کے قیام کی، اور اس سلسلہ میں جب تک اندراج نہیں ہوجاتا کمپنی کے رجسٹر میں وہ مالک قرار نہیں پاتا، اب صورت حال یہ ہے کہ اسٹاک ایکسچینج سے جو شیئرز فروخت ہوتے ہیں، ....تو جب تک کمپنی میں اندراج نہ ہوجائے تب تک آپ کا نام مالکان میں نہیں ہوتا، اور کمپنی کو یہ حق پہنچتا ہے جیسا ابھی احسان صاحب نے بتایا کہ مختلف بنیادوں پر کمپنی ریجیکٹ کرسکتی

ہے کہ آپ کو نہیں بیچتے، ہم تو اپنے شیئر ہولڈرس کو بیچیں گے، آپ ہم سے پیسہ لے جایئے، تو قبضہ اس وقت شمار ہوتا ہے قانونی طور پر جب کمپنی میں رجسٹریشن ہو جاتا ہے، اس سے پہلے جیسا کہ انہوں نے بتایا کہ ایک Certificate Maintain Letter ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ دستخط کر کے دے دیئے جاتے ہیں، کسی کا نام نہیں لکھا جاتا، اور چار چار پانچ پانچ آدمیوں میں وہی بکتا رہتا ہے، اب اگر جیسی صورتحال ہے کہ دستخط نہیں ملے تو کمپنی اس فروخت کی بالکل ذمہ دار نہیں ہے، کمپنی اصل مالک کو شمار کرے گی، Dividend ہوگا تب اس کو بھیجے گی، ووٹنگ کی تاریخ، انجمن کا دعوت نامہ بھیجے گا تو اصل کو جائے گا، یہ صورتحال ہے، ان حضرات کی جو بیچ میں جنہوں نے خریدی ہے، کوئی اسٹیٹس، قانونی حیثیت نہیں ہے، اخلاقی طور پر جو بھی ہو کہ جس سے انہوں نے خریدا ہے وہ جا کر کے ان سے لڑتے رہیں کہ بھائی اصل منافع تو تمہیں ملا ہے کمپنی سے، خرید لیا تھا ہم نے، ہمیں دو، یہ سارا ان کا اخلاقی چیز ہے، قانونی طور پر ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، ایک چیز یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ صرف شیئرز ہی بیچنے کا کام کرتے ہیں، انہیں کمپنی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، بعض حضرات نے لکھا ہے اور میں نے بھی لکھا ہے، اور میرا خیال ہے کہ ایسے شیئرز جنہیں نہ یہ پتہ ہو کہ کمپنی کی کیا صورتحال ہے، اور ہم شیئر صرف منافع کے لئے بیچتے ہیں جیسے ٹھیکے پہ ہوتا ہے، یہ فروخت جو ہے وہ ناجائز ہونی چاہئے، اس کی صورتحال یہ ہے کہ قبضہ کی بات جو قاضی صاحب نے فرمائی تھی اس سلسلہ میں یہی عرض کروں گا، ابھی احسان صاحب نے تو فرمایا کہ مالک وہ اسی وقت ہو جاتا ہے جس وقت اس نے شیئر خرید لیا، میں صاف کہہ رہا ہوں کہ قانونی طور پر مالک وہ اس وقت ہوتا ہے جب کمپنی اس کی خریداری کو قبول کر کے اپنے یہاں اس کا اندراج کر لے۔

کھٹکھٹے صاحب:

یہ جو شیئرز کی خرید و فروخت کا سسٹم ہے اس کو ذرا ہم ایک مرتبہ مرحلہ وار دیکھ لیں، کہ کس طرح سے شیئرز کی خرید و فروخت میں کیا Stages آتے ہیں، آپ یہ سمجھیں کیونکہ یہاں جیسا قاضی صاحب فرما رہے تھے یہاں بیع قبل القبض کا مسئلہ ہے، تو اگر Sale کر رہے ہیں ہم، بیچ رہے ہیں شیئرز، تو اس میں دو مرحلے دیکھیں، ایک تو یہ کہ اسٹاک ایکسچینج میں آپ کے پاس شیئرز نہ ہوں تو بھی بیچ سکتے ہیں، تو شیئرز کی خرید سے پہلے شیئرز بیچنا، یہ ایک اسٹیج ہے۔ دوسرا اسٹیج یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے شیئرز خریدے ہیں، بروکر کو آرڈر دیا ہے، بروکر نے آپ کو کنٹریکٹ دیا ہے کہ میں نے آپ کے شیئرز خرید لئے ہیں مارکیٹ سے، وہ آپ کے پاس کنٹریکٹ موجود ہے آپ کے نام کہ فلاں کمپنی کے اتنے شیئرز میں نے خریدے۔ اس کے بعد اسٹیج آتا ہے ادائیگی کا کہ جو شیئرز آپ نے خریدے ہیں آپ نے اس کا Payment کیا ہے، یہ سکینڈ اسٹیج ہے، فرسٹ اسٹیج Transaction، آپ بروکر کو آرڈر دیں، بروکر اسٹاک ایکسچینج سے وہ شیئرز خریدے گا، مطلب وہاں بولی کرے گا اور وہ بیچنے والا کہے گا کہ ٹھیک ہے میں نے آپ کو بیچ دیئے فلاں رقم میں اتنا ہی شیئرز۔

قاضی صاحب: ایجاب وقبول ہو گیا؟

کھٹکھٹے صاحب: ہاں ایجاب وقبول ہو گیا۔

قاضی صاحب:

اس نے کہا کہ میں نے بیچا، انہوں نے کہا کہ میں نے لیا، فلاں کے لئے لیا، یہ بیع ہوگئی۔

قاضی صاحب:

یہ طے ہوگیا کہ آپ نے خریدا۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟

کھٹکھٹے صاحب:

اس کے بعد آپ اس کو Payment کریں گے شیئرز کے لئے تب اس کے بعد مارکیٹ سے آپ کو ڈیلیوری آئے گی شیئرز کی، Transfer Form اور Share Certificate، ٹرانسفر فارم جس نے بیچا ہے اس کی دستخط ہوگی، اور اس کے ساتھ سرٹیفکیٹ ہوگا، اور آپ کو اس کے اوپر دستخط کر کے کمپنی میں بھیجنا ہے آپ کے نام منتقل کرنے کے لئے، تو یہ ڈیلیوری آ گئی، آپ اگر کمپنی کو بھیجتے ہیں وہاں ان کے رجسٹر میں اندراج ہو جاتا ہے اور واپس آپ کو سرٹیفکیٹ آتے ہیں، تو اس کو کہیں گے ٹرانسفر، یہ پوراTransaction خریدنے کا مکمل ہوگیا، اب اس میں یہ چیز دیکھنے لائق ہے کہ جب آپ نے Transaction کیا، آپ کو بروکر نے خریدنے کا جو کنٹریکٹ نوٹ دیا ہے، اس کے بعد سے جو بھی کمپنی کی چیزیں ڈکلیئر ہوتی ہیں، جیسے آج میں نے خریدا، ابھی میں نے Payment بھی نہیں کیا ہے، کل اگر کمپنی نے Bonus Share ڈکلیئر کیا تو یہ میرا حق ہے، اگر Right Share ڈکلیئر کیا، Dividend ڈکلیئر کیا تو یہ میرا حق ہے قانوناً، اخلاقاً نہیں قانوناً یہ حق ہے، اور یہ بروکر کو دینا ہوگا، اب اس کے بعد اگر آپ Payment کرتے ہیں، اور وہ Delivery ہو جاتی ہے تو آپ کا معاملہ اور پکا ہوگیا، مگر جب آپ کو Contract آ گیا، اس کے بعد سے وہ بروکر مکر نہیں سکتا ہے، اس کو یہ شیئرز دینا ہے اور وہ سارے اس کے Benifits کے ساتھ میں جو اس دن سے اس کمپنی میں آپ کو مل سکتے ہیں، حالانکہ جب سے آپ نے Payment بھی نہیں کیا ہے، اگر آپ Payment میں پھر بعد میں جا کے اگر ڈیفالٹ (Default) کرتے ہیں تو پھر وہ اس کو Revoke کر سکتے ہیں، اگر آپ نے Payment میں Default نہیں کیا ہے تو پھر سوال ہی نہیں اٹھتا اس کا Revoke کرنے کا۔

قاضی صاحب:

ڈیلیوری کا لفظ کس اسٹیج میں بولتے ہیں؟

کھٹکھٹے صاحب:

جب آپ کو سرٹیفکیٹ اور ٹرانسفر فارم مارکیٹ سے مل جائے اس کو کہتے ہیں ڈیلیوری۔

قاضی صاحب:

یہ بھی قبضہ ہی ہوا؟

کھٹکھٹے صاحب:

ہاں، اچھا اس میں جیسے حکیم صاحب نے بتایا یا احسان صاحب نے بتایا، یہ جو شیئرز ڈیلیوری آ گئی وہ ضروری

نہیں کہ ہم اپنے نام پر ٹرانسفر کر کے ہی بیچیں، قانوناً ہم اس کو بیچ سکتے ہیں بغیر اس کو اپنے نام پر ٹرانسفر کئے ہوئے، صرف یہ ہے کہ اس کے درمیان اگر جو بھی منافع آتا ہے یا جو بھی Benifit آتا ہے کمپنی کی طرف سے شیئر ہولڈر کو، وہ ہم کو نہیں ملے گا جب تک کمپنی کو اس کا علم نہیں ہو کہ ہمارے یہ شیئرز ہیں، اور کمپنی کے علم میں لانے کے لئے ہم کو وہ ٹرانسفر کے لئے بھیجنا پڑتا ہے کمپنی کے پاس، تو دیکھئے شیئرز ہم نے کمپنی سے نہیں خریدے ہیں، ہم نے XYZ سے خریدے ہیں، کمپنی تو ایک طرح کا صرف حساب کتاب رکھ رہی ہے کہ کس کے پاس کون سے شیئرز ہیں، کمپنی نے تو شیئرز شروع میں جب اجراء کئے تب بیچ دیئے اور اس کے پیسے لے لئے، اب ہم جو خرید رہے ہیں وہ ایک فرد سے خرید رہے ہیں، اس کے روپے جو ہیں وہ اس فرد کو جا رہے ہیں، تو کمپنی اس Transaction میں نہ Buyer ہے نہ Saler ہے۔

ایک آواز:

تو کیا ڈیلیوری کے آتے ہی قبضہ ہو جاتا ہے اس کا؟

کھٹکھٹے صاحب:

نہیں وہ تو آپ لوگ طے کریں، میں تو اس کی (Characteristics) خصوصیات بتا رہا ہوں۔

قاضی صاحب:

سوال یہ ہے کہ مان لیجئے کہ یہ جو نام کی منتقلی یا ٹرانسفر ہے کمپنی کے رجسٹر میں، یہ تو ویسے ہی ہے جیسے اراضی ہم خریدیں اور ایجاب وقبول ہو گیا، بیع مکمل ہو گئی، لیکن اب تک رجسٹری نہیں ہوئی ہے، تکمیل نہیں ہوئی ہے، لہذا کھتیان میں اور رجسٹر میں جو نام رہے گا وہ سابق کا رہے گا، مالگزاری کا مطالبہ اس سے ہوگا، اور اس میں یہ ہے کہ قانونی طور پر یہ حقدار ہو جاتا ہے، Procedure یہ ہے کہ جب رجسٹر میں اندراج ہوگا تب وہ جانے گا کہ ہاں صاحب ان کو نفع دینا ہے یا ان کو اطلاع کرنا ہے۔

کھٹکھٹے صاحب:

اس سلسلہ میں ایک دو چیزیں میں عرض کرنا چاہوں گا، یہ Uncertainty کا جو مسئلہ ہے، جو اکثر ہم لوگ Discuss کر رہے ہیں کہ جو غرر کی صورت ہے، ابھی اس کے خریدنے کا تو اس کا حق ہو گیا، مگر اس کے اوپر اس کے بیچنے کا حق مکمل نہیں ہوا، کیونکہ اگر وہ بیچے گا تو کچھ صورتوں میں ہی، جیسے مثلاً آج Transaction ہم نے کیا بروکر کے ساتھ خریدنے کا، اسٹاک ایکسچینج میں ایک مدت ہوتی ہے کہ فلاں دن سے فلاں دن تک، اس کا حساب مدت پوری ہونے کے بعد فلاں دن کو ہوگا، تو اس مدت میں جو بھی Transactions ہوں گے ایک Date پہ اس کا Settlement ہو جاتا ہے، تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ مدت تو Settlement Period کا ہے، تو اگر کسی Settlement Period میں ہم نے شیئر خریدا ہے، اگر اسی سیٹلمنٹ میں اسی بروکر کے ہاتھ ہم نے بیچ دیا وہ شیئر، تو پھر ہمارے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ شیئر واپس آئے گا، یا کچھ بھی ہو، وہ کلیئر ہو جائے گا ٹرانزیکشن، اس میں بالکل Uncertainty نہیں ہوگی، اگر وہ شیئر بعد میں ہم اسی بروکر کے ہاتھ بیچیں سیٹلمنٹ پورا ہونے کے

بعد، تو اس میں پھر Uncertainty رہے گی کہ ہم اس شیئرز کو ڈلیور کر پائیں گے یا نہیں، جیسے مثلاً ہم کو ڈلیوری مارکیٹ میں آنے میں لیٹ ہوگئی، تو ہم اتار نہیں سکیں گے جب ہم ہمارا وقت آئے گا دینے کا، یا ابھی فی الحال جو قانون ہے، اسٹاک ایکسچینج ہے اس کے تحت، اس سے پہلے کچھ اور قانون تھا، اس میں بھی وہ چل سکتا تھا، اور ابھی جو ہے اگر اسی سیٹلمنٹ پہ اسی بروکر سے ہم نے لیا ہے اسی ایکسچینج پر، تو آپ اسی سیٹلمنٹ میں اس کو بیچ سکتے ہیں، مگر اس میں جو ہے اگر ایسا کریں ہم تو پھر اس میں Speculation کا Element بہت اونچا ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر ہم اس کی اجازت دیدیں کہ بغیر Payment کئے بھی کوئی شخص اس کو بیچ سکتا ہے اسی سیٹلمنٹ میں، تو وہ تو پھر فرضی جیسے ہو گیا، اور عام طور سے جو Speculation ہوتا ہے وہ ایسے ہی ہوتا ہے کہ ایک شخص کے پاس صرف سو روپے ہیں، ایک شیئرز کی قیمت دس روپے ہے، مگر وہ ہزار روپے کے سو شیئرز خرید رہا ہے ہزار روپے کے شیئرز خرید رہا ہے کیونکہ اس کو پیسے دینا نہیں ہے، اور پھر وہ سیٹلمنٹ ختم ہونے سے پہلے وہ کلیئر کر دے گا، اب اس میں یہ ہوتا ہے کبھی کبھی کہ آپ نے ڈلیوری کے لئے شیئرز لئے ہیں، آپ کے پاس سو روپے ہیں، اور سو روپے کے شیئرز آپ نے لئے ہیں، مگر اس سیٹلمنٹ کے دوران شیئرز کے دام کافی بڑھ گئے، اور آپ نے سمجھا کہ ابھی تو اس کے بڑھنے کے زیادہ Chances نہیں ہیں، یہ صورت الگ ہے کہ آپ نے خریدا تھا اس نیت سے کہ اس میں آپ Invest کریں، آپ اس کے روپے دیں اور ڈلیوری لیں، مگر وقتی طور پر اگر وہ بڑھ گیا، اور آپ نے اس کو Settle کر دیا، یا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے جب خریدا، آپ کے پاس روپے تھے، مگر پیمنٹ کا وقت سیٹلمنٹ پورا ہونے سے پہلے پہلے تک ہے کچھ اور ایسی اشد ضرورت آ گئی کہ آپ کو کچھ روپیہ خرچ کرنا پڑ جا رہا ہے، آپ ڈلیوری نہیں لے سکتے ہیں، تو آپ آخر میں بروکر کو کہیں گے کہ بھائی ہمارے پاس روپے نہیں ہیں، آپ Settle کر دیں، تو اس میں نیت کا دارومدار ہے، مگر اس میں یہ Possibility ہے کہ یہ Assets کیا جائے کہ آپ جیسے بھی کریں، اگر اسی سیٹلمنٹ میں آپ کو اسکوائر آف کرنا تو پہلے آپ پیمنٹ کریں، پیمنٹ کر کے اسکوائر آف کر دیں اسی سیٹلمنٹ میں، اگر آپ کو یہ کرنا ہے، اس میں یہ ہوگا کہ اس میں Speculation کا جو عنصر ہے اس میں بیچ میں اس کو Benefit نہیں ہوگا، اگر ہم یہ تصور کر لیں کہ کنٹریکٹ آنے کے بعد میں قبضہ Complete ہو جاتا ہے تو یہ Insist کریں کہ اس کا Payment کرنا چاہئے شیئرز کا، تبھی آپ کا قبضہ ہوگا اس کے اوپر، ورنہ Speculation کو کافی چھوٹ مل جائے گی....

عبدالقیوم اختر صاحب:

میرے فاضل دوست پروسیجر کے بارے میں زیادہ بات کرتے رہے ہیں، پروسیجر کے بارے میں صحیح بات میں سمجھتا ہوں شاید طے نہیں ہوگی کہ یہ شیئرز کا کاروبار جائز ہے یا ناجائز؟ حرام ہے یا حلال؟ بنیادی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ ہندوستان کی معیشت، میں اپنے آپ کو اپنے ملک تک ہی محدود رکھ رہا ہوں، ہندوستان کی معیشت Interest Base معیشت ہے، یعنی سود اس کا جز نہیں بنیاد ہے، اس کو آپ اپنے ذہن میں ملحوظ رکھیں، جہاں تک شیئرز کا کاروبار ہے یہ اس پر پوری طرح محیط ہے، آپ کھلے دل سے جانئے، میں معذرت چاہتا ہوں اس بات کو کہنے میں کہ ہم نے

وقت کی ضرورت کو محسوس کیا ہے، لوگ دو طرح سے اپنا سرمایہ شیئر میں لگاتے ہیں، ایک وہ لوگ جو صرف منافع کمانا چاہتے ہیں، ایک وہ لوگ جو اس کا کاروبار کرتے ہیں، اس بات کو سمجھ لیں کہ آج چاہے مزدور ہو، چاہے کسان ہو، چاہے نوکری پیشہ ہو، اس کے پاس کچھ فاضل Money رہتا ہے، فاضل سرمایہ رہتا ہے، کچھ بچت رہتی ہے، یقینی طور سے ہر آدمی اس بچت سے سونا نہیں خرید سکتا، جائداد انہیں خرید سکتا، یا اور کسی اپنی ضرورت کے لئے بچا کے کچھ وقت کے لئے رکھنا چاہتا ہے، تو یقینی طور سے وہ رکھنے کے لئے محفوظ جگہ تلاش کرتا ہے، کوششیں کرتا ہے کہ وہ سرمایہ کہیں لگ جائے، چونکہ آج کل Inflation اتنی پھیل گئی ہے کہ آپ اگر کسی چیز کے بارے میں معلوم کرنا چاہیں تو یہ بہت دشوار گزار بات نہیں ہے، ہم بنیادی طور سے یہاں یہ بات طے کرنے بیٹھے ہیں کہ شیئر مارکیٹ کیا بلا ہے؟ میں چونکہ تسلسل اس کا قائم نہ رکھ سکوں گا چونکہ میرے ذہن میں بہت ساری باتیں ہیں، مجھے یہ نہیں معلوم کہ میں کس طریقہ سے یہاں اس کو ذکر کروں، یہاں صرف شیئر کی بات کی گئی، شیئر اگر میں بتاؤں تو آٹھ دس طریقے کے شیئرز ہیں، کس شیئر کے بارے میں بات کریں گے، Equity Share ہے، Preference Share ہے جس میں ایک محدود بارہ پرسینٹ پندرہ پرسینٹ دیا جاتا ہے حصہ، ایک نئی چیز آئی ہے، Voting Share ہے، Non Voting Share ہے، ووٹنگ شیئر میں آپ کو کم ملے گا ڈیویڈنڈ، نان ووٹنگ شیر میں کچھ زائد بھی ملے گا آپ کو، Convertible Share ہے، کچھ وقت کے لئے آپ نے سرمایہ کمپنی کو دیا، انہوں نے سود پر آپ کو کچھ سود دیا، اور اس سود کے بدلے میں مزید آپ کو ایک شیئر دے دیا۔ Bonus Share ہیں، اور Right Share ہیں......، اس کے بعد Public Undertaking کے شیئرز ہیں، اگر آپ تھوڑی جانکاری رکھتے ہوں تو اس بار جو بجٹ پیش کیا گیا تو حکومت اپنی کمپنیز کے کتنے ہزار کروڑ کے شیئرز تو Disinvest کرے گی، ایک اس قسم کے شیئرز ہیں، یہ جو Company Formation کی بات ابھی ہمارے دوست کررہے تھے، تو فورمیشن ہوتے ہی سود کی شرح شروع ہو جاتی ہے، جو سرمایہ Application کے ذریعہ لیا جاتا ہے، وہ بینک میں Fixed Deposit رکھ دیا جاتا ہے، تین مہینے تک آپ کا وہ سرمایہ بینک میں فکسڈ ڈپوزٹ کے طریقہ سے رہتا ہے، وہ اپنے اخراجات کا بہت بڑا حصہ اس سے پورا کرتی ہے، ایک کمپنی کو اپنا ایشو لانے کے لئے کم سے کم دس پندرہ فیصد سرمایہ خرچ کرنا پڑتا ہے، مان لو ایک کروڑ روپے کا سرمایہ اگر جٹانا ہے بازار سے، تو تقریباً پندرہ بیس لاکھ روپے خرچ کریں گے، وہ پیسہ تو وہ سود سے جو آئے گا کچھ اس سے پورا کریں گے، فاضل ہوگا تو کمپنی کی آمدنی میں چلا جائے گا، تو بنیاد کمپنی کی وہیں سے پڑے گی اور سود کا پیسہ وہاں سے شروع ہو جائے گا، دوسری بات جب وہ کاروبار شروع کرے گی، جیسے پروجیکٹ رپورٹ کی بات کی گئی تھی اس میں وہ سرمایہ کی تفصیل دیتے ہیں، اس سرمایہ میں ایک پیسہ وہ ہوتا ہے جو Promoters خود لگاتے ہیں، ایک سرمایہ وہ ہوتا ہے جو پبلک سے Equity Share کے نام پہ لیا جاتا ہے، ایک سرمایہ وہ ہوگا جو گورنمنٹ سے قرض لیا جائے گا، اور ایک سرمایہ ہوگا جو گورنمنٹ Subsidy کے طریقہ سے دے گی، (Insenting) کے طریقہ سے دے گی، تو یہ کل ملا کر کے کمپنی کا سرمایہ ہوگا، کمپنی اس سے چلے گی، کمپنی کا

Concept یہ سمجھ لیجئے کہ یہ اس طرح نہیں ہے کہ یہ جیسے ایک دکان کھولی ہم نے، سرمایہ لگایا، اور جب چاہا چلایا، جب چاہا بند کر دیا، جب چاہا دوسرا بدل لیا یا اور کچھ کرلیا، ایک سائڈ چیزیں ہوتی ہیں، جیسا بتایا گیا Prospectus بنتا ہے، اور وہ پروسپیکٹس کم سے کم دس قوانین سے مدوّن ہوتا ہے، اور آپ ابھی مجھے معاف کریں، جتنے لوگ آ رہے ہیں یہاں سب ظالمانہ قانون بتا رہے ہیں، انکم ٹیکس کو بھی ظالمانہ قانون، اور ان ظالمانہ قانون کی اور فہرست سن لیجئے، Contract Act سے متاثر ہوگا، Company Act سے متاثر ہوگا، Saving Act کے مطابق ہے، پھر Income Tax سے متاثر ہوگا، پھر Local Act جہاں کمپنی لگ رہی ہے وہاں سے متاثر ہوتا ہے، اور اس کے بعد ایک مزید جو میں ابھی اس کے لئے آؤں گا، مجھے معاف کیجئے وہ Terminology نہیں آتی ہے، یہ جو ڈلیوری کی بات ہوتی ہے، اب یہ نیا Concept آ جائے گا کہ اس میں کہیں لین دین نہیں ہوگا، اصطلاحی طور پر ایک Deposit Act پاس ہو گیا ہے، بس آپ نے جیسے شیئر خریدا، آپ اس کو اطلاع کر دیجئے، نام درج ہو جائے گا آپ کا، آپ کو کوئی لین دین کی کہیں ضرورت نہیں رہے گی، ان تمام قوانین کو اگر آپ ظالمانہ قانون کہیں گے، جو میں نے آپ کو بیان کئے، تو پھر یہ شیئر کے کاروبار کی آپ کو ضرورت نہیں ہے، اور اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہندوستان میں رہنا ہے، اور اس ہندوستان کی حکومت میں ہماری برابر کی حصہ داری ہے، تو برائے مہربانی ان الفاظ کا استعمال چھوڑ دیجئے، یہ قوانین ہماری جمہوری حکومت میں Welfare State کے قوانین ہیں، جو کہ آپ اختیار دیتے ہیں ان قوانین کو بنانے کا، جب ووٹنگ میں آپ شیئر کرتے ہیں تو آپ ہی ان لوگوں کو اختیار دیتے ہیں کہ یہ سب قوانین بنائے جائیں، دوسری بات جو آج سب سے زیادہ ضرورت ہو رہی ہے، معیشت پھیل گئی، پہلے معیشت کنٹرول میں تھی، اور شیئر بازار سب سے زیادہ Sensitive تھی، اگر آج یو پی میں بی جے پی کی حکومت بن جائے تو شیئر مارکیٹ بہت اونچا چلا جائے گا، دیوگوڑا کی حکومت گر جائے تو شیئر مارکیٹ ڈاؤن چلا جائے گا، آج فائنانس منسٹر کوئی اعلان کردیں تو شیئر مارکیٹ اوپر چلا جائے گا، آج شرح سود ایک فیصد کم کر دی جائے تو آج ہی Sensitive Index اوپر چلا جائے گا، تو مختلف صورتحال ہیں، میں اب زیادہ تفصیل میں آپ کی سمع خراشی نہیں کرنا چاہتا اس سے Confusion بہت پیدا ہوگا، میری گذارش یہ ہے کہ اگر چہ یہ قیاس، اندازے اور پورے طریقہ سے ایک بہت بصیرت افروز چیز ہے، جو شیئر مارکیٹ ہے، اس میں اتنا Vigilant آدمی کو رہنا پڑتا ہے کہ اگر بروکر کو آپ نے صبح کہا، اگر اس نے دوپہر میں سودا کیا تو Transaction بدل جائے گا، اگر آپ نے آج فیصلہ کیا ہے، جو لوگ کاروبار کرنا چاہتے ہیں، جو لوگ صرف منافع کے لئے خریدنا چاہتے ہیں، ان کی بات تو الگ ہے، وہ لوگ جن کے پاس فاضل سرمایہ ہوتا ہے کچھ پیسہ دس بیس ہزار روپے لگایا، لے کر رکھ لیا، کبھی بیچتے ہیں، کبھی انکم سالانہ آتی ہے، نہیں آتی ہے، بہر حال فاضل پیسہ ایک Asset کی طرح پڑا ہے، لیکن آپ ان کی تفصیلات میں جائیں گے تو یقین مان لیجئے کہ کوئی کمپنی ہندوستان میں Exist نہیں کرتی ہے، جب سود کا پیسہ اس کے انکم میں شامل نہیں ہوتی ہے، مجھے اس بات کے کہنے میں کوئی تکلف نہیں ہے کہ شاید قاضی صاحب سے بھی ایک بات ہوئی، ہوسکتا ہے مجھے غلط فہمی ہو، میں تو اب بھی اپنی غلط فہمی

مان لیتا ہوں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ٹاٹا کے ذریعہ وہ Core Company شروع کرائی گئی، ہمارے Barkat Investment والے بیٹھے ہیں، اس میں یہ تھا کہ ہم کوئی سودی کاروبار نہیں کریں گے، لیکن Cover Sector میں کریں گے، جیسے سڑکیں بنانا، پل بنانا وغیرہ، اور وہ جائز کاروبار ہوگا، لیکن انہوں نے اس Prospectus میں یہ Term دی تھی کہ تین سال میں ہم Diversify کرسکیں گے، اور اس وقت اگر آپ کو پیسے کی ضرورت ہو تو، قاضی صاحب کو کسی نے کہا کہ تو انہوں نے اسے ریجیکٹ کردیا، وہ سیدھی ریجیکٹ نہیں کرسکتے، پروسپیکٹ کا حصہ تھا، انہوں نے جب Application لکھی تو اس میں ظاہر کردیا تھا کہ SEBI کو اس بات کا اختیار نہیں کہ وہ کسی کور ریجیکٹ کرے یا نہیں کرے، وہ SEBI کا قانون یہ ہے کہ سرمایہ جو آپ نے لگایا وہ کس طرح محفوظ رہے، اس میں اس نے اسی کے لئے بہت سارے قوانین بنادیئے، اور اتنے قوانین ہیں کہ اب ان کمپنیز کو اس کی پابندی کرنا بڑی مشکل ہوتی ہے، صرف اس لئے کہ Investors کا پیسہ کمپنیاں بلا لحاظ کسی کے ضائع نہ کریں، لیکن پھر بھی کمپنیاں بہت قائم ہوتی ہیں، اور SEBI کے Rules بھی اپناتی ہیں، کمپنی کے ایکٹ بھی اپناتی ہیں، اور چونکہ ہندوستان کی معیشت میں اس بات کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ اس کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ Industrialisation ہو، انڈسٹریلائزیشن کے لئے ضروری ہے کہ کمپنیاں زیادہ سے زیادہ بنیں، اب اس میں مسلمانوں کا کس طرح حصہ ہو، اور کس طریقے کی بات ہو، یہ آپ کے سوچنے کی چیز ہے، جہاں تک بات جائز و ناجائز کی ہے، یہ آپ کے فیصلہ کرنے کی چیز ہے، میری گذارش یہ ہے کہ آپ حضرات کے پاس، جو شرعی نقطہ نظر سے ایک علم ہے، اور جو اکنامک کے Base پر شیئر مارکیٹ کے اتنے سارے قوانین ہیں، ان کے ماہرین بیٹھے ہیں، آپس میں Interaction کریں، اس کے بارے میں جان لیں، اور پھر اس کا اطلاق کہاں ہوتا ہے، ڈیلیوری کے لئے، قبضہ کے لئے، اور دوسرے کے لئے صورتحال خود نکالیں، میں یہ بات اس لئے عرض کررہا ہوں کہ امت کا پیسہ، ہم لوگوں کا پیسہ، ہمارے برادران وطن اور دوسرے لوگ لے جارہے ہیں، آج گلی گلی فائنانس کمپنیاں کھل گئی ہیں، اور خاص طور سے مسلم علاقوں کو نشانہ بنایا گیا ہے، چونکہ ہمارے برادران وطن سمجھتے ہیں، اور وہ اپنا پیسہ دوسری جگہ استعمال کرتے ہیں اور رکھتے ہیں، لیکن مسلمانوں کا فاضل سرمایہ خواتین اور مزدوروں کے پاس ہے، ان لوگوں نے اپنے اپنے محلوں میں فائنانس کمپنیاں بنادی ہیں، جس میں آپ نے JVG کا نام اور سہارا کمپنی کا نام سنا ہوگا، ایسی پچاسوں کمپنیاں ہیں، اور ان لوگوں نے مسلم علاقوں میں اپنے دفتر کھول لئے ہیں، بارہ فیصد پندرہ فیصد سود کہہ کے وہ پیسہ لے رہے ہیں، باشرع لوگوں کو وہاں بیٹھا رکھا ہے، اور صالح بے خبر علماء کے تصدیق نامے حاصل کررکھے ہیں، اور جوق در جوق لوگ وہاں جمع کرارہے ہیں، جس کی ایک مثال میں بتاتا ہوں کہ جودھپور میں ایک مدراس کی کمپنی بنی ہے، ہمارے مسلم دوست اس کے منیجر ہیں، اور وہ دس لاکھ روپئے ہر سال وہاں سے اٹھاتے ہیں، جس میں تیس فیصد پیسہ مسلمانوں کا ہوتا ہے، تو لہٰذا آپ سے گذارش یہ ہے کہ آپ اس اکنامی میں اور معیشت کے اصولوں کو طے کرتے ہوئے آپ اس کا حل جب تک متبادل نہیں دیں گے، تو یہ سودی کاروبار میں پیسہ جاتا رہے گا۔ ہمارے لوگ آپ کے منتظر

ہیں، ہم بہت سے لوگ چاہتے ہیں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے شرعی نقطۂ نظر سے کاروبار ہو، لیکن اگر متبادل نہیں ہوگا، تو یقینی طور سے وہی یہ اٹھائیں گے، اس کے بعد بھی بہت ساری باتیں ہیں، میں مزید سمع خراشی نہیں کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ یہ نازک مسئلہ ہے، جو اتنی آسانی کے ساتھ Procedure سے دو چار باتوں سے حل نہیں ہوسکتا، اور معاف کیجئے وہ آپ کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتا، میں جو کچھ کہہ پایا ہوں ایک بنیادی بات کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کو ملحوظ رکھیں،

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

قاضی صاحب:

جناب عبدالقیوم اختر صاحب نے بہت دردمندی کے ساتھ، تعمق کے ساتھ اور گہرائی کے ساتھ اپنی معلومات سے ہمیں فائدہ پہنچایا، جس کے لئے ہم ان کے شکرگذار ہیں، ویسے ان کو اتنا تو اطمینان دلاتے ہیں کہ استاد اچھا ہو تو شاگرد کمزور ذہن کے باوجود بات سمجھ لیتا ہے، اور یہ مجمع جو آپ کے سامنے بیٹھا ہے، بہت گہری قانونی الجھنوں کو حل کرتا رہا ہے اور انشاء اللہ حل کرتا رہے گا، صرف مسئلہ یہ ہے کہ جو یہ سب نہیں جانتے اس کی تفصیل آپ ہماری زبان میں سمجھانے کی کوشش کیجئے، اور اگر آپ ہماری زبان نہیں جانتے تو آپ ہماری زبان سیکھئے، اور ہم نہیں جانتے تو ہم آپ کی زبان سیکھیں، مجھے ان کی رائے سے قطعی اتفاق ہے کہ شیئر بازار کے جو ماہرین ہیں ان کے درمیان اور جو ہمارے ماہر فقہاء ہیں ان کے درمیان ایک باہم مکالمہ ضرور ہونا چاہئے جس میں بہت تفصیل کے ساتھ بیٹھ کر ان معاملات کو جو آج روز بروز شیئر بازار میں پیش آتے جارہے ہیں، ان کے بارے میں First Hand واقفیت، مکمل اور براہ راست واقفیت ہماری ہوسکے، تاکہ ہم حکم مسئلہ کی بنیاد اس پر رکھ سکیں۔ دوسری بات جیسا کہ میں نے خود شروع میں کہا تھا کہ ہم اصول طے کریں گے انشاء اللہ، اور جزئیات جو روز بدلتی ہیں وہ بہت زیادہ ہمارے زیر بحث نہیں رہیں گی، ہم اصول طے کریں گے، اور جب اصول طے ہوں گے تو اس کو کہیں بھی منطبق کیا جاسکتا ہے، جیسے بھی حالات بدلیں گے ویسے اس اصل کی تطبیق ہوتی رہے گی۔ تیسری بات انہوں نے ٹاٹا کے بارے میں کہی، اس سلسلہ میں مجھے عرض کرنا ہے کہ ہمارے پاس یہ اطلاع بھیجی گئی کہ یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا (UTI) ایک ایسی اسکیم چاہتا ہے جو اسکیم مسلمانوں کے لئے مذہبی طور پر قابل اعتراض نہ ہو، ہمیں اس بات کی خوشی ہوئی کہ جتنا بھی تصلب ہم نے ان مسائل میں اختیار کیا الحمدللہ، چونکہ یہ تو بزنس والے لوگ ہیں، Commercial Approach ہے ان کا، یہ تو بہر حال چاہتے ہیں کہ ہمارا سرمایہ لگے، اس لئے انہوں نے یہ ضرور چاہا کہ صاحب ایسے اصول ہم وضع کریں جن پر وہ ایک ایسے ادارہ کی بنیاد رکھ سکیں جس میں مسلمانوں کو اپنے مذہب کے اعتبار سے سرمایہ لگانے میں کوئی اعتراض نہ ہو، دوسری طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ کوئی مسلمان ریٹائر ہوجاتا ہے، اور اس کو لاکھ دو لاکھ روپئے کی رقم ملتی ہے، یا تو وہ بیٹھا بیٹھا اس کو کھا جائے، یا فکسڈ ڈپوزٹ میں رکھے، روپیہ بھی محفوظ اور سود کے نام پہ نفع بھی مل رہا ہے، یا پھر کوئی جائز سرمایہ کاری کا، استثمار کا راستہ اس کے لئے نکلنا چاہئے، جس سے وہ اپنے سرمایہ کو نہ کھا کر ختم کردے، اس کا سیدھا راستہ تجارت تھا، اور شریعت اسلامی نے اس کو سامنے رکھتے ہوئے یا شریعت کی تعلیم سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہر شخص کے پاس

سرمایہ نہیں ہوتا اور ہر شخص کے پاس Skill اور ہنر تجارت کا نہیں ہوتا، تو سرمائے کی صلاحیت اور تجارتی سلیقے اور ہنر کی صلاحیت کو جوڑا کیسے جائے، .... اور اس کا Skill اور اس کا ہنر اور دوسرے شخص کا سرمایہ مل کر ایک سرمائے کو دورے میں رکھتا ہے، اس کو Rotate کرتا رہتا ہے، اس سے منافع حاصل ہوتا رہتا ہے، یا پھر شرکت کا اصول ہے جس میں شریک عامل اور شریک غیر عامل دونوں ہوسکتا ہے، جس میں اس کے ذریعہ بھی سرمایہ لگایا جاسکتا ہے، لیکن اس کی کھوج تو ہم پر بہت ضروری ہے کہ کس طرح اس جامد سرمایہ کو جو ہمارے بہت سے بھائیوں کے پاس ہے، زندگی کے سرگرم میدان میں لایا جائے، اور جو سرمایہ زندگی کے میدان میں آتا ہے، وہ جہاں سماج کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے وہیں اس شخص کی ذات کے لئے بھی فائدہ مند ہوتا ہے، جامد سرمایہ نہ اس کے لئے بہتر ہے اور نہ سماج کے لئے بہتر ہے، اس لئے یہ مقصد صحیح ہے، بہرحال جب یہ بات آئی اور UTI تو پیچھے رہ گیا، لیکن ٹاٹا اس کو لے کر ہم لوگوں کے پاس آیا ہماری میٹنگ میں، میٹنگ میں جناب کھکھٹے صاحب بھی موجود رہے ہیں، اور بھی ہمارے کئی دوست، تو اس کا جب ہم لوگوں نے جائزہ لیا تو اس میں دو تین باتیں قابل غور نظر آئیں، ایک بات تو یہ ہے کہ سرمایہ ہمارا لگایا کہاں جائے گا، انہوں نے Core Sector کی صراحت کر کے یہ طے کر دیا کہ حرام کاروبار میں چاہے وہ Landing کا ہو، سرمایہ دے کر اس پر سود کمانے کا کاروبار ہو، یا شراب کا ہو، یا خنزیر کا ہو وغیرہ وغیرہ، اس طرح کی چیزوں میں وہ سرمایہ نہیں لگے گا، تو اتنا اطمینان ہوتا ہے کہ سرمایہ صحیح جگہ لگے گا، دوسرا سوال یہ ہے کہ اس تجارت سے جو منافع ہوگا اس منافع کی تقسیم کس طرح ہوگی، آیا وہ Fixed ہم کو ملے گا جو سود کی شکل ہے، یا جو حسب حصہ رسدی ہوگا جو تجارت کی حیثیت ہے، یہ مان لیا گیا کہ حسب حصہ رسدی ہوگا تو جہاں سرمایہ لگایا گیا وہ صحیح، اور منافع کی تقسیم صحیح، یہ دونوں باتیں بہت اچھی ہیں۔ تیسری چیز، اس میں ایک بڑی خطرناک چیز تھی جو ہمارے شرعی نقطۂ نظر سے قابل اعتراض چیز تھی کہ Generally وہ Equity Share ہی ہوں گے، لیکن کبھی بعض مجبوریوں سے ان میں کچھ دوسرے قسم کے شیئرز بھی ہوں گے جن میں حسب حصہ رسدی منافع تقسیم نہیں ہوتا بلکہ متعین سود ملتا ہے، اس پر ہم لوگوں نے اعتراض رکھا، لیکن وہ لازمی طور پر Convertible ہے، یعنی تین مہینے، چار مہینے یا چھ مہینے کی مدت کے بعد وہ تبدیل ہو جائے گا Equity Share میں، تو اولاً تو ہم کو اس میں اختیار ہے کہ ہم وہ شیئرز لیں یا نہ لیں، جو سودی شیئر ہے، اور اگر ہم لیں تو ہم کو اس کا موقع ہے کہ اس نام پر سود ملے اس کو ہم صدقہ کر دیں، لیکن بہرحال وہ ایک قابل اعتراض پہلو تھا۔ تیسرا حصہ اس کا یہ تھا کہ یہ ایگریمنٹ جو تین سال کے لئے ہوگا، تین سال کے بعد اس کمپنی کو اختیار ہوگا کہ وہ Core Sector کو کراس کر جائے، اور Landing یا دوسرے معاملات میں بھی سرمایہ لگانا شروع کر دے، ایسے موقع پر ان کی تحریر کے مطابق کمپنی اس کی پابند ہوگی کہ ایک مہینہ یا تین مہینے پہلے شیئر ہولڈرس کو اطلاع کر دے کہ ہم ایسا کرنے جارہے ہیں، آپ کو اس کے ساتھ شیئر رکھنا منظور ہو تو رکھئے، اور شیئر رکھنا منظور نہ ہو تو آپ اپنا شیئر واپس لے لیجئے، بیچ لیجئے، اس پر ہم لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ ٹھیک ہی ہے، یہ شرط تو ٹھیک ہی ہے، تین سال کے بعد وہ گڑبڑ ہوتی ہے ہم نہ رکھیں نہ لیں، اختیار ہم کو ہے، لیکن ہمارا اس پر اعتراض تھا کہ تین سال تک ہمارے پیسوں سے اس کمپنی نے اپنا

ایک وجود بنایا، اور پھر جب تین سال بیت جاتا ہے تو پھر کمپنی اس کو دوسری طرف لے جاتی ہے، اور ہم کو اس کی حق ملکیت سے محروم کرنا چاہتی ہے، اس لئے یہ ہمیں منظور نہیں، بعد کو مجھے یہ بتایا گیا کہ SEBI میں جب وہ چیز گئی منظوری کے لئے تو (SEBI) نے اس کو تسلیم نہیں کیا، میرا خیال ہے کہ کھنکھٹے صاحب اس کو بتادیں گے کہ یہ اطلاع میری صحیح ہے یا غلط، اس طرح وہ ایک صورت پیدا ہوتی ہے، SEBI جو ہے کنٹرول کرتا ہے سارے اس طرح کی اسکیموں کو، بینکس کو، جو سب سے Higher Body ہے یہاں پر ہندوستان بھر میں، اس کی منظوری کے بعد ہی کوئی چیز منظور اور تسلیم کی جاتی ہے، اور جہاں تک مجھے معلوم ہے کہ SEBI کو کوئی بھی کمپنی جب اپنا کوئی ڈرافٹ بھیجتی ہے تو اس میں اس کا استحقاق رہتا ہے کہ کسی حصہ کو وہ باقی رکھے اور کسی حصہ پر وہ اعتراض کرے اور اس کو ریجیکٹ کرے، جہاں تک میری معلومات ہے، میں سمجھتا ہوں کھنکھٹے صاحب اس کو واضح کریں گے، تو اس روشنی میں ٹاٹا کا کام ہوا ہے، اور کھنکھٹے صاحب وضاحت کردیں گے تو بات صاف ہوجائے گی، میں سمجھتا ہوں کہ جس تفصیل کے ساتھ یہاں پر چیز آگئی ہے، کھنکھٹے صاحب کی وضاحت کے بعد میں صرف اتنا چاہوں گا کہ جو لوگ اس پر مقالہ لکھ چکے ہیں اور اپنی رائے ان مختلف مسائل پر مثبت یا منفی دے چکے وہ تو خاموش رہیں، ان حضرات کے علاوہ کسی صاحب کو جو مسائل اس سوال میں زیر بحث آئے ہیں کچھ کہنا ہو تو وہ اپنا نام ہمیں لکھادیں تو ہمارے پاس تھوڑا سا وقت ہے ان کی بات سنیں گے۔

کھنکھٹے صاحب:

قاضی صاحب نے دو نقطے Raise کئے ہیں، Tata Core Sector Equity Fund کے سلسلہ میں، پہلا یہ ہے کہ اس کی اسکیم کے تحت وہ Mutual Fund کے پیسے شیئرز ہیں، اور اس کے علاوہ Convertible Debenture میں لگائے جاسکتے تھے، مگر صرف اسی کمپنی کے Convertible Debenture جو Rights کی بنیاد پر ملتے ہیں، مطلب یہ کہ اختیار اسی کمپنی کے شیئرز ڈبینچرز میں ہے، جس میں Already ہمارے ایکویٹی شیئرز ہیں، اگر ایسے ڈبینچرز کو کمپنی Subscribed نہیں کرتی ہے تو پھر اس کو نقصان ہو گا، وہ اب تفصیل کی بات ہے، کبھی اگر کوئی سمجھنا چاہے تو میں فرداً فرداً سمجھا سکتا ہوں، اور اس وجہ سے اس کے اوپر ہم کو اتفاق کرنا پڑا، حالانکہ بعد میں ٹاٹا والوں نے ہم سے کہا، یہ کہیں لکھ کر نہیں دیا ہے مگر انہوں نے کہا ہے کہ ہم اس کی حتی الامکان کوشش کریں گے کہ جہاں Convertible Debenture بھی لئے جائیں گے تو جس Period میں وہ انٹریسٹ Barry ہوں گے تو وہ ہم اپنے دوسرے اسکیم میں رکھیں گے اور جب وہ قابل تبدیل ہوں گے تو اس کو اس میں لے لیں گے، تو یہ انہوں نے ہم کو ایک Assurance دیا ہے کہیں لکھ کر نہیں دیا ہے، تو اس کے اسکیم لاء کے مطابق وہ Convertible Debentures جو Rights کے طور پر ملیں اس میں لگا سکتے ہیں، جو کچھ وقت کے لئے انٹریسٹ بیرنگ ہوں گے اور اس میں انٹریسٹ آئے گی، اس کے بعد میں وہ شیئرز میں تبدیل ہوجائے گا، دوسرا آدھے وہ تین سال کے بعد تبدیل ہونے کا ہے، تو یہ چونکہ معاملہ ایسا ہے کہ بہت دیر رک نہیں سکتا، ایک مرتبہ شروع کر دیئے Assets تو وہ جیسے Procedure میں آگیا، اور پھر اس میں وقت کا بھی بہت لحاظ رکھنا پڑتا ہے، جب ہم

مارکیٹ کی طرف جاتے ہیں جیسے اس وقت الیکشن قریب تھا، حج کا زمانہ آ رہا تھا، مانسون کا زمانہ آ رہا تھا، یہ سب چیزیں مد نظر رکھتے ہوئے یہ ایک Situation ایسا تھا کہ ہم کو ابھی جتنا جلدی ہو سکتا ہے اس کو نکالنا چاہئے کہ اس وقت ایسا لگ رہا تھا کہ یہ بہت صحیح کام ہے شیئرز میں انویسٹ کرنے کے لئے، اس میں ایک چیز یہ بھی تھی ان کی اسکیم میں کہ تین سال کے بعد اگر وہ چاہیں تو دوسری جگہوں پر بھی لگا سکتے ہیں، مگر نوٹس دینا ہوگا ان کو Existing Share Holders کو، اس کے بعد وہ جب SEBI میں گیا تو سیبی والوں نے ان کو کافی دن تک Delay کیا، میرے خیال میں جو ایک مہینہ میں ان کو ہاں یا ناں کا جواب دینا تھا انہوں نے کچھ نہیں تو چار مہینے لگائے اس میں، اور اس درمیان کچھ Objection بھی اٹھائے، اس میں ایک Objection انہوں نے یہ کیا تھا، اس کی شاید ہمارے پاس کاپی بھی ہوگی، کہ اس کی جو Basic Scheme ہے اس میں آپ تبدیلی نہیں کر سکتے ہیں، تو اس وقت ہم کو یہ سمجھ میں آیا کہ اس کی Basic Scheme چونکہ Strategy یہی ہے کہ Equities میں ہی انویسٹ کرتا ہے تو اس سے ہمارا جو مسئلہ ہے وہ حل ہو گیا ہے، مگر فائنل جب ان کا پروسپیکٹس وغیرہ آیا ہے تو اس میں وہ تین سال کا پھر بھی.... تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو انہوں نے SEBI کو Convince کیا ہے یا اس کا انہوں نے جو مطلب لیا ہے کہ بیسک اسکیم میں ردو بدل نہیں کر سکتے، وہ کچھ اور ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ جو آپ نے تین سال کا دیا ہے وہ بھی انہوں نے بیسک اسکیم میں لے لیا ہو، بہر حال یہ کہ وہ تین سال تک تو نہیں جا سکتا، جہاں تک قاضی صاحب کا اندیشہ ہے کہ شروع میں وہ فنڈ ہمارے روپیوں سے بنائے گا اور پھر بعد میں وہ ہم کو نظر انداز کر دیں گے، الگ کر دیں گے، تو میرا خیال یہ ہے کہ اس میں کچھ تو یہ ہے کہ Judgement کے حساب سے میں نہیں سمجھتا کہ یہ صحیح ہے، کیونکہ یہ جو گروپ ہے ٹاٹا والوں کا، ملک میں یہ سب سے معتبر گروپ سمجھا جاتا ہے، اور ایک مرتبہ جب انہوں نے ہمارے ساتھ میں یہ طے کیا ہے تو وہ اتنی آسانی سے اس کو تبدیل نہیں کریں گے، اس میں ہم نے ان سے پوچھا تھا کہ یہ کس لئے آپ نے...... رکھا ہے تو انہوں نے یہ کہا کہ ہو سکتا ہے آئندہ چل کر گورنمنٹ کا قانون بدل جائے، کچھ ہو جائے، تو اس میں ہم کو سہولت ہوگی تبدیل کرنے میں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ شروع کا جو پیریڈ ہے ہمارے نزدیک تو یہ ہے کہ شروع کے دور میں جتنا منافع ہوگا وہ شاید بعد میں نہیں ہوگا، کیونکہ آج کل جو شیئر کی قیمتیں ہیں ایک سال کے اندر کا جو Period ہے یہ کم قیمت کا پیریڈ ہے، اور اس کے بعد ہو سکتا ہے تین سال کے بعد کا جو پیریڈ آئے گا وہ اتنا اچھا نہیں ہوگا سرمایہ کاری کے لئے جتنا کہ ابھی ہے، اور یہ Mutual Fund ہے وہ عام کمپنی سے مختلف ہے، یہ کوئی اپنا پروجیکٹ نہیں لگانے جا رہی ہے، جو عام کمپنی ہوتی ہے، اس میں یہ ہوتا ہے کہ اس کا پروجیکٹ لگتا ہے، فیکٹری لگتی ہے، Production شروع ہوتا ہے، جب جا کے منافع آتا ہے، جبکہ Mutual Funds میں یہ نہیں ہے، یہ تو مختلف کمپنیز کے شیئرز خریدتے ہیں جو چلتے کمپنیز ہیں، اس میں زیادہ منافع کا وقت وہ ہوتا ہے جب شیئر میں انویسٹ منٹ کرنے کا وقت صحیح ہوتا ہے...

قاضی صاحب:

مجھے ان تفصیلات میں نہیں جانا ہے، مجھے صرف اتنی بحث ہے کہ ٹھیک تین سال پورا ہونے پر وہ اختیار لیتے

ہیں کہ ہم اس پوری اسکیم کو تبدیل کردیں گے، تو شرعی طور پر تو ٹھیک ہے کہ تین سال میں ہم کو اختیار ہوگا لینے کا، لیکن اس طرح ہمارے وہ لوگ جو اس میں لگ چکے اور منافع ان کو مل رہا ہے، ان کو ایک طرح کی تحریص ہے کہ وہ تین سال کے بعد بھی اس میں کم ہی لوگ ہوں گے جو اسکیم کے بدلنے کے بعد پھر وہ اپنا نام واپس لیں، اس طرح ایک خطرہ میں ہم ڈال رہے ہیں لوگوں کو، اس لئے اب وہ بحث ختم کرنی چاہئے۔

کھلکھلے صاحب:

ایک اور چیز میں اگر آپ..... دوسری بات یہ ہے کہ اسٹاک کا جو میوچول فنڈ لانا تھا ہم اس کی کوشش قریب پانچ سال پہلے سے کررہے تھے، دوسرے کچھ اور میوچول فنڈس سے ہم نے بات کی تھی، UTI سے تو نہیں کی تھی، اور لوگوں سے کہا تھا، مگر کوئی اس کے لئے تیار نہیں تھا کہ یہ Accept کرے کہ ہم صرف شیئرز میں لگائیں گے، وہ کہتے تھے کہ ٹھیک ہے Prospectus میں ہم لوگ دیں گے لوگ اسے پڑھ کر ہی لگائیں گے، پھر بھی یہ ہے کہ کل کو اگر شیئرز نیچے کو آگئے تو ہمارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ ہم Fix Basis پر لگائیں، تو ہمارے اسکیم میں نقصان ہوگا، نام ہمارا خراب ہوگا، تو پہلی مرتبہ ایک ایسی اسکیم ایک غیر مسلم گروپ اور اچھے بڑے گروپ نے اس کو Accept کیا ہے، تو کچھ حد تک تو ہم کو دھیرے دھیرے تبدیلی لانی چاہئے، اگر ہم یہ کہیں کہ ہم پوری طرح سے صحیح ہو کر کوئی اسکیم لائیں تو کبھی بھی یہ ممکن نہیں ہوسکتا۔

قاضی صاحب:

بہرحال یہ گوارا کی حد تک ہی گوارا کیا جاسکتا ہے، اور آپ لوگوں کے لئے یہ ایک بہت بڑا چیلنج ہے، جو آپ لوگ اس کاروبار میں ہیں ماشاء اللہ، کہ آپ کیوں نہیں ایسا Mutual Fund قائم کریں جس میں میوچول فنڈ کو شرعی بنیادوں پر علماء کی رائے کے مطابق آپ چلائیں، جو اس میں تجارتی امکانات ہیں ان کو سامنے رکھیں، یہ آپ کے لئے تشفی بخش نہیں ہے جو ہوا، مگر آئندہ کے لئے آپ لوگوں کے لئے یہ چیلنج ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں کی صلاحیتیں اس کی متحمل ہیں کہ ماشاء اللہ آپ دیندار بھی ہیں، تجارت کے اصولوں کو بھی سمجھتے ہیں، اس لئے آج ہی سے یہ بات دماغ میں دوڑائیے کہ دوسروں کا سہارا لینے کے بجائے کسی ایسے فنڈ کی آپ جلد سے جلد تشکیل کرنے کی کوشش کریں گے، اور اگر Multinational Companies یہاں آرہی ہیں تو اس میں مسلمان ملکوں کی بھی کمپنیاں ہیں اور ایسے بھی لوگ ہیں جو ربا کو برداشت نہیں کرتے، تو ہوسکتا ہے کہ...... امکانات اس سلسلہ میں بڑھے ہوں، جلد سے جلد کچھ ایسی صورت نکلنی چاہئے کہ جو مسلمان اللہ رسول کا خوف نہیں رکھتا، اور جہاں چاہتا ہے ڈالتا ہے، اس کی ہم کو فکر نہیں ہے، لیکن جو علماء کی ہدایت کا منتظر رہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جہاں جائز ہو وہاں ہم لگائیں، ان کے لئے کوئی راستہ نکلنا چاہئے۔

عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

ایک چیز کمپنی کے شیئرز کے سلسلہ میں، کمپنی کی حیثیت کے سلسلہ میں آئی ہے وہ کمپنی کا قانونی وجود، مستقل

قانونی وجود ہے، اس بنیاد پر بہت سے لوگوں نے اسے ناجائز کہا ہے، یہ بہت ہی بدعت قسم کی شدت ہے جو ہمارے فقہاء کے یہاں بھی پائی گئی ہے، اور شیخ وہبہ زحیلی نے بھی..... سوال کا جواب دیتے ہوئے اس چیز کو بنیاد بنایا ہے کہ اس لحاظ سے یہ چیز اسلامی فقہ میں عجیب وغریب ہے، ان کی خدمت میں بھی کچھ عرض کرنا ہے، ملاحظة لی و..... إلی سعادة الدکتور وهبة الزحيلي ذكرت في إجابة السؤال التاسع عمل الشركة شخصية قانونية مستقلة وأنه لاتوجد في الفقه الاسلامي شخصية قانونية مستقلة، ففي رأيي أن المصطلح شخصية قانونية مستقلة جديد، ولكن الفكرة ليست جديدة...... شخصية قانونية مستقلة و خصوصية الإسلام أيضا و مثاله الوقف، فللوقف شخصية قانونيه مستقلة مثل الشركة، وهذا هو المستفاد من رأى سماحة الشيخ مولانا محمد تقي العثماني قاضي قضاة المحكمة الشرعية السابق لباكستان.

اس مختصر جملے کے بعد ایک اور خاص چیز کی کمی مجھے جو یہاں محسوس ہوئی وہ میوچیول فنڈ کے بارے میں ہے، آخر میں اس کا ذکر آیا کہ میوچیول فنڈ خاص طور سے ٹاٹا کے سیکٹر.... میوچیول فنڈ ہے، ضرورت اس بات کی تھی کہ میوچیول فنڈ کیا چیز ہے اور اس میں دوسری کمپنیوں میں کیا فرق ہے، اس سلسلہ میں بھی کچھ وضاحت آتی، اور بہتر معلوم ہوتا ہے کہ میں چند منٹ میں اس کی طرف بھی کوئی اشارہ کردوں، ایک تو کمپنی..... سمجھ کے براہ راست کسی پیداوار میں مشغول ہوتی ہے، جیسے کوئی چیز کپڑا یا مشینری وغیرہ پیدا کرتی ہے، اب تک جو گفتگو ہماری ہوئی ہے جو وضاحت ہوئی وہ ایسی ہی کمپنی کے بارے میں تھی، لیکن کچھ استثماری کمپنیاں یا سرمایہ کاری کی کمپنیاں ہوتی ہیں جو صرف براہ راست کسی پیداواری کام میں مشغول نہیں ہوتی ہیں، کوئی پیداواری کام نہیں کرتی ہیں، بلکہ وہ سرمایہ کار یا بچت کار کے درمیان اور پیداواری کرنے والی کمپنیوں کے درمیان ایک طرح سے وسیلہ کا کام کرتی ہیں، اس طرح کی کمپنیوں کو میوچیول فنڈ کہا جاتا ہے، یہ کوئی واقعی اور حقیقی پیداوار کا کام نہیں کرتی ہیں، بلکہ بچت کاروں سے پیسہ جمع کر کے اس کو ان کمپنیوں کے شیئرز میں یا ڈبینچرز میں استعمال کرتی ہیں، اب اس طرح کی کمپنیوں کے شیئرز کی کیا حیثیت ہو، اس سلسلہ میں بھی ہمیں غور کرنا چاہئے، اور مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی قاضی صاحب، سے سن کر کہ یوٹی آئی نے بھی کوشش کی تھی کہ وہ اس طرح کا کوئی میوچیول فنڈ قائم کرنا چاہتے ہیں، جو مسلمانوں کے لئے Acceptable ہو، اب میں یہاں ایک اور بات ذکر کردوں....... ایک طرح کا میوچیول فنڈ Ethical Unit Trust کے نام سے قائم ہو جائے، اتھیکل یونٹ یعنی اخلاقی میوچیول فنڈ، یہ میوچول فنڈ صرف ان چیزوں میں پیسہ لگاتا ہے جو اخلاقاً قابل قبول ہوں، یعنی .... حقیقی پیداوار ہو، ایسی پیداوار نہ ہو جو سماجی حیثیت یا اخلاقی حیثیت سے نقصان دہ ہو، جیسے شراب یا اس طرح کے ہوٹل، یہ بڑی اچھی چیز ہے کہ ہم بھی اس طرح کے اتھیکل یونٹ ٹرسٹ ہندوستان میں قائم کرنے کے لئے کوشش کریں، اور اسکے لئے فقہ اکیڈمی جو کہ پہلے بھی اس طرح کے (Intrest Free Banking) کے لئے کافی مجلسیں منعقد کرا چکی ہے، تو اس طرح کی کوشش کے لئے ہم جدوجہد کریں۔

شیئرز سے متعلق جس سطح پر گفتگو ہو رہی ہے ہمارے علماء اور ماہرین کے درمیان، ایک تو مسلم ماہرین

معاشیات ہیں جو اس سلسلہ میں کافی غور وخوض کریں، جسے ہمارے علماء اور اصحاب افتاء اور خاص طور سے علماء اور اصحاب افتاء ایک کثیر المیعاد قسم کا حل اس کے لئے نکالنا چاہتے ہیں، جو ضروری بھی ہے، اس وقت جو صورتحال ہے اس میں ہم کیا کر سکتے ہیں، ہمارا کیا رویہ ہونا چاہئے، کہاں تک یہ صحیح ہے؟ اور اس وقت جو ہمارے سامنے بحثیں ہیں اس میں یہی چیز ہے کہ موجودہ صورتحال میں ہم کس طریقہ سے یعنی کہاں تک یہ اصول صحیح ہوگا، کہاں تک یہ ہمارے لئے قابل قبول ہے،........دسیوں قسم کے شیئرز ہیں تو ہم کس چیز کے اندر بحث کررہے ہیں، اصل میں اس وقت جو ہمارے سامنے بحث کا مسئلہ ہے میرے خیال میں وہ Equity Shares ہیں، یعنی وہ شیئرز جو شرکت کی بنیاد پر ہیں، جن میں یعنی نفع نقصان میں دونوں میں آدمی شریک ہوتا ہے جس کا کوئی متعین نفع ملتا ہے، باقی اور دوسری طرح کے جو شیئرز ہیں، اس سلسلہ میں رائیں بہت واضح آچکی ہیں کہ وہ ناجائز ہیں، تو ایک تو ہمارے علماء اور اصحاب افتاء کی فکر کا اور غور کا میدان ہے یعنی موجودہ صورتحال میں.........وہ ہمارے اس ہندوستانی معاشرہ میں یا جہاں بھی جو معاشرہ پایا جاتا ہے، ایک طویل المیعاد حل اور جو خاص طور سے مسلم ممالک کے ماہرین معاشیات کررہے ہیں، وہ یہ کہ موجودہ شیئر مارکیٹ کو، اس کے اعمال ووظائف کو کس طریقہ سے اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے، اور اس سلسلہ میں وہ اپنی رائیں دے رہے ہیں، ریسرچ کررہے ہیں، اور جہاں ان کو اقتدار حاصل ہے، جو موقع حاصل ہے وہ اس طرح کی کوششیں کررہے ہیں، اس لئے بجائے ہم افسردہ اور گھبرانے کے فاتقوا الله ما استطعتم کے طور پر فی الحال تو یہی ہمیں سمجھنا چاہئے .....صورتحال میں قیوم اختر صاحب نے بتایا کہ کوئی بھی سود سے بالکل پاک Alternative یا بدل نہیں حاصل ہے، تو ظاہر ہے کہ موجودہ صورتحال میں جو کمترین برائی کے طور پر اپنایا جاسکتا ہے اس کا حل کریں لیکن بہرحال یہ بات ذہن میں رکھتے ہوئے کہ ہمیں اس کا ایک صحیح اور خالص اسلامی حل نکالنے کے لئے جدوجہد اور کوشش اور اس کے لئے گفتگو اور بحث جاری رکھنی ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب:

شكراً للأخ الكريم حول إثارة موضوع الشخصية الاعتبارية في الفقه الاسلامي، الواقع أن الفقه الإسلامي قرر معاني وأصول وأحكام الشخصية الاعتبارية في بعض الأحوال دون البعض الآخر، فقرر أن للدولة شخصية اعتبارية .... إن الإمام الحاكم إذا كان قد ولّى الموظفين والقضاة والعمال والولاة وغير ذلك، ثم مات هذا الإمام أو....تظل ولاية هؤلاء قائمة، لأن الإمام لا يمثل شخصه، وإنما يمثل الدولة، وذلك باعتبار أن الدولة شخصية اعتبارية، هذا مقرر صراحة، كذلك قرروا أن لبيت مال المسلمين شخصية اعتبارية، ولذلك يقولون بيت المال وارث من لا وارث له، فهو يتملك ويملك، ويكون له الحقوق وعليه الالتزامات، كذلك أن المعاهدات تعقدها الدولة مع الأطراف في خارج الدولة مع الدول غير الاسلامية قرروا أن للدولة شخصية اعتبارية، تظل هذه المعاهدات نافذة، حتى ولو تغير ت شخصية الدولة أو القائمون عليها......أو ثورة أو مشاكل ذلك تغير الدولة شخصية اعتبارية، و هذا مأخوذ من الحديث النبوي الصحيح "ذمة المسلمين واحدة يسعى بها أدناهم وهم يد

على من سواهم"، فإذن هناک عدة أحكام في الفقه الاسلامي أن للدولة شخصية اعتبارية، ولبيت المال شخصية اعتبارية، وكذلک ما ذكره صديقنا وأخونا الشيخ تقي العثماني أن للوقف شخصية اعتبارية، وللمسجد شخصية اعتبارية، بدليل أن المسجد لله يوقف له ويكون مستحقا ومستحقا عليه، وكذلک نظام الوقف يكون أيضا مستحقا و مستحقا عليه، وناظر الوقف حينما يمارس صلاحياته على الأوقاف، إنما يمارسها لا بصفته الشخصية، وإنما باعتبار أن للوقف شخصية اعتبارية، هذا اصطلاح القانون الجديد إذن عرفه الفقه الاسلامي وإن لم يعرف له التسمية، هذا الكلام في هذه الأمور صريح و صحيح، ولا يمكن بأن الفقه الاسلامي سبق القوانين الوضعية في تقرير الشخصية الاعتبارية، ولكن في الأنظمة، أما العقود كالشركات، هذه عقد قائم على التراضي بين شخصين أو عدة أشخاص إلى هذا المفهوم، وهو إذا كان النظام أو التصرف قائما على عقد لم يقرروا له شيئا من معاني الشخصية الاعتبارية، و حينئذ حتى القانون، القانون هو الذي أعطى للشخصية القانون الوضعي، هو الذي فرض للشركات المساهمة هذه الشخصية الاعتبارية، فهو إذن منح من الدولة و تقرير من الدولة للشركات المساهمة أن لها شخصية اعتبارية، وهنا يأتي السؤال، هل نقيس الشركات المساهمة على نظام الدولة أو بيت المال أو المسجد أو الوقف أو ما شاكل ذلک، الحقيقة هذا يحتاج إلى.....، هل نقيس الشركة على هذه الأنظمة، نحن نقرر أن شركة الزاد هي عقد يقوم على التراضي، فإدارة الشركة بمثابة الوكلاء، والمساهمون بمثابة المؤكلين، فمن الصعب إلى الآن بحسب الأحكام الفقهية المقررة لدينا لانجد أثرا لهذا القرار، وهو إعطاء شخصية اعتبارية للدولة، و مع ذلک نحن إذا أردنا أن نقرر للشركة المساهمة شخصية اعتبارية، و تمنح الدولة هذا الوصف لهذه الشركات، أنا معک لا مانع من أن نعطى لهذه الشركة شيئا من الشخصية الاعتبارية، وهذا يكون تطورا جديدا في مفهوم الشركات في الفقه الاسلامي، لكن الشركات بحسب ما ذكرته في بحثي، بحسب ما قرره الفقهاء السابقون لم يشيروا لا عن قريب ولا عن بعيد إلى الشركة القائمة على التراضي، فاذن هناک ..... وهو الدولة و بيت المال والوقف و بين العقود التي يحدث فيها قيام الشركة بما على التراضي بين طرفيه، ....لا يعرف شخصية اعتبارية للشركة فقط، وإنما هي شراكة كنظام القانون البريطاني للشركات، فالواقع الفقه الاسلامي أقرب إلى القانون البريطاني باعتبار أن الشركة هي شراكة تقوم على الوكالة والأمانة، هذا ما قررته ولا التباس بين هذا المفهوم وبين المفاهيم الأخرى، و شكراً.

قاضی صاحب:

خلاصہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ بات کہی تھی کہ شرکت کے باب میں کسی شخصیت اعتباری، شخصیت قانونی کا کوئی تصور شریعت اسلامی میں نہیں ملتا ہے، اور ہمارے ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب نے یہ اظہار فرمایا کہ وقف کی صورت میں شخصیت اعتباری پائی جاتی ہے، ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ شریعت اسلامی میں اس کے نظائر موجود ہیں،

اور شیخ کا کہنا یہ ہے جو ان کی عبارت میں ہے کہ بعض شرکت میں نہیں پایا جاتا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ پارٹنرشپ میں کسی شخصی کسی قانونی شخصیت کا تصور شرع اسلامی میں نہیں موجود ہے، یہ بھی صحیح ہے، اور شریعت میں شخصیت قانونی کے اور بہت سے نظائر ہیں یہ بھی درست ہے، اب وقت بہت ہوگیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ پر کئی حیثیت سے اچھی خاصی بحث ہو چکی ہے، اگر آپ اجازت دیں تو کمیٹی بنادی جائے، ابھی ہمارے پاس دو بہت اہم مسئلے اور ہیں جن پر زیادہ بحث تو نہیں ہوئی ہے، لیکن جو کچھ پچھلی بحثیں ہو چکی ہیں ان کو سامنے رکھ کر کچھ اس پر آپ کو فیصلے کرنے ہیں، اور اب نماز کا وقت بھی ہو رہا ہے جو ٹائم مقرر ہے، اس لئے اب اس بحث کو یہیں ختم کر کے ....

ایک آواز:

ایک درخواست یہ ہے کہ ماہرین معاشیات نے جو تقریریں اس سلسلہ میں کی ہیں ان کا خلاصہ تیار کر کے بھیج دیا جائے تمام شرکاء حضرات کے پاس۔

قاضی صاحب:

اچھا مشورہ ہے، اس سے زیادہ اچھا یہ ہے کہ آپ حضرات کو بیٹھا کر جو ماہرین ہیں ان کے ساتھ ایک آپ کا آپس میں مکالمہ کرایا جائے، تو مسئلہ کے فہم میں زیادہ سہولت ہوگی، انشاء اللہ دونوں باتوں پر ہم لوگ غور کریں گے، اس سلسلہ میں شیئرز کے جتنے مسائل آئے ہیں، ہم نے یہ بھی تیار کرالیا ہے کہ کتنے مسائل پر سبھی لوگوں کا اتفاق ہے مقالہ نگاروں کا، اور کن مسائل پر اختلاف ہے، یہ بھی کمیٹی کو دے دیں گے، اور جو ساری بحثیں ہوئی ہیں، اور شیخ کا مقالہ اس میں ایک کلیدی مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے، تو اس پر بحث بھی انشاء اللہ کافی آسان ہوگی، اور جلد ہی اس نتائج تک ہم لوگ پہنچ سکیں گے، اور اس کے باوجود اگر کچھ چیزیں واضح نہیں ہیں تو ہم اسے اگلے سمینار کے لئے جس میں ایک Special Session اس مسئلہ پر ہو، رکھنا چاہیں گے انشاء اللہ، کمیٹی کے ارکان کے نام ہیں:

مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب، مولانا اختر امام عادل صاحب، مولانا عتیق احمد بستوی صاحب، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مفتی جنید عالم ندوی، مفتی اسماعیل صاحب گجرات، جناب ایم ایچ کھٹکھٹے صاحب، جناب احسان الحق صاحب، مولانا عبدالعظیم اصلاحی صاحب، مفتی محبوب علی وجیہی صاحب، مولانا بدر احمد مجیبی صاحب، مفتی نسیم احمد قاسمی صاحب، مولانا عبدالاحد ازہری صاحب، مفتی عبداللہ صاحب ہانسوٹ، مولانا شفیق الرحمٰن ندوی صاحب لکھنؤ، مفتی نیاز احمد صاحب بنارس۔

جن حضرات کے نام اس کمیٹی میں ہیں میں ان حضرات سے خصوصیت سے یہ درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ اس کمیٹی کو اپنا کام بعد نماز عصر شروع کردینا چاہئے، اس کے کنوینر ہوجائیں گے مولانا عتیق احمد صاحب، بعد عصر یہ کمیٹی بیٹھے اور کچھ کام کرے، جتنا بھی کر سکے، تو کل ذرا آسانی ہوجائے گی، اب اسی کے ساتھ جلسہ کے اختتام کا اعلان کرتا ہوں۔

دوسرا موضوع:

کمپنی و حصص کمپنی

سوالنامہ:

کمپنی و حصص کمپنی

۱۔ کیا کسی کمپنی کے قیام کی ایسی اسکیم بنا کر جس میں کاروبار کے لئے سود پر قرض لینا شامل ہو، اجرت حاصل کی جاسکتی ہے؟

۲۔ کیا کسی کمپنی کو کسی مالیاتی ادارے سے سودی قرض دلانے میں مدد کر کے اجرت حاصل کی جاسکتی ہے؟

۳۔ کیا کسی کمپنی کے سودی قرض تمسکات کے اجراء سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کی جاسکتی ہے؟

۴۔ کیا کسی کمپنی کے حصص سے منسلک قرض تمسکات کے اجراء سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کی جاسکتی ہے؟

۵۔ کیا کسی کمپنی کے قابل تبدیل (کلی و جزوی طور پر) سودی قرض تمسکات کے اجراء سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کی جاسکتی ہے؟

۶۔ کیا کسی کمپنی کے صفر سودی در پر قرض تمسکات کے اجراء سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کی جاسکتی ہے؟

۷۔ کیا کسی ایسی کمپنی میں سرمایہ کاری کر کے اس کے قیام میں مدد دی جاسکتی ہے جس کے قیام کی اسکیم میں کاروبار کے لئے سودی قرض لینا شامل ہو؟

۸۔ کیا کسی ایسی کمپنی کے حصص میں سرمایہ کاری کی جاسکتی ہے جو پہلے ہی سے کاروبار میں سود پر لئے قرض کا استعمال کر رہی ہو؟

۹۔ کیا حصص سے منسلک قرض تمسکات اس نیت کے ساتھ کمپنی سے یا بازار سے خریدے جاسکتے ہیں کہ تمسکات تحویل میں آنے کے بعد جتنی جلد ممکن ہو، فروخت کر دیئے جائیں؟

۱۰۔ کیا قابل تبدیل قرض تمسکات اس شرط کے ساتھ خریدے جاسکتے ہیں کہ حصص میں تبدیل ہونے تک انہیں اپنے پاس روکا جائے اور تبدیلی کے بعد اگر کوئی ناقابل تبدیل اجزاء باقی رہ جائیں تو انہیں جلد از جلد فروخت کر دیا جائے؟

۱۱۔ اگر قابل تبدیل سودی قرض تمسکات اس نیت سے خریدے جائیں کہ انہیں حصص میں تبدیل کرنے کے وقت تک اپنے پاس روکا جائے اور ناقابل تبدیل اجزاء کو جلد از جلد فروخت کر دیا جائے، لیکن ان میں مضمر حصص کی قیمت میں اضافہ کے سبب تبدیلی سے پہلے ہی ان کی قیمت میں بھی اضافہ ہو جائے، تو کیا انہیں تبدیلی سے پہلے ہی فروخت کر کے منافع حاصل کیا جاسکتا ہے؟

۱۲۔ کیا صفر سودی در پر جاری ہوئے قابل تبدیل قرض تمسکات کمپنی سے یا بازار سے خریدے جاسکتے ہیں؟

۱۳۔ کیا کمپنی سے ملے بطور حق حصص سے منسلک قرض تمسکات، قابل تبدیل قرض تمسکات یا صفر سود کی در پر قرض تمسکات کی پیشکش کو فروخت کر کے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے؟

۱۴۔ قابل تبدیل قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرتے وقت کمپنی کچھ اضافی قیمت لیتی ہے جب کہ قرض تمسکات پر سود ادا کرتی ہے، کیا سود کی رقم کو کمپنی سے وصول کی گئی اضافی قیمت کی رقم سے منہا کر کے حصص پر آئی لاگت کو کم کیا جاسکتا ہے، تا کہ سود پر جاری ہوئے قرض تمسکات نتیجے کے اعتبار سے صفر سود پر جاری کئے سمجھے جائیں۔

۱۵۔ کیا جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کے حصص میں تبدیلی کے بعد نا قابل تبدیل اجزاء کی فروخت پر حاصل ہوئی اضافی قیمت حصص پر کمپنی کے ذریعہ حاصل کی گئی اضافی قیمت سے منہا کر کے حصص کی لاگت کو کم کیا جاسکتا ہے؟

۱۶۔ کیا جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کے حصص میں تبدیل ہو جانے کے بعد نا قابل تبدیل اجزاء کی فروخت پر ہوئے نقصان کی تلافی ان پر واجب سود سے کی جاسکتی ہے؟

۱۷۔ اگر سوال نمبر ۱۴، ۱۵، ۱۶ کا جواب نفی میں ہو تو قرض تمسکات پر ملے سود اور ان کی فروخت سے ہوئے منافع کا جائز مصرف کیا ہے؟

۱۸۔ کیا حصص کی بغیر انہیں اپنے نام منتقل کرائے اجناس بازار کی طرح خرید و فروخت سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے؟

۱۹۔ قابل تبدیل قرض تمسکات میں مضمر حصص کی وجہ سے ان کی قیمتوں میں بھی ان کے حصص کی قیمتوں کے موافق اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں، کیا اس حقیقت کی بنیاد پر ان کی بغیر انہیں اپنے نام منتقل کرائے اجناس بازار کی طرح خرید و فروخت سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے؟

نوٹ: حصص سے مراد ہر جگہ برابری کے حصص اور قرض تمسکات سے مراد سودی قرض تمسکات ہیں۔

☆☆☆☆☆

تمہیدی تحریر:

کمپنی کے حصص میں سرمایہ کاری
تعارف۔طریقۂ کار

ڈاکٹر احسان الحق
پنجاب نیشنل بینک، نئی دہلی

کمپنی میں حصص کے ذریعہ سرمایہ کاری اسلامی طریقہ مشارکت کے مثل ہے، سرمایہ کاری کا اس سے زیادہ آسان قابل اعتماد اور کچھ نقصان کے خطرے کے ساتھ انتہائی منافع بخش کوئی دوسرا طریقہ شاید ہی موجود ہو۔

چونکہ تجارت میں سود کا رواج اس قدر عام ہو گیا ہے کہ اس کی گرد سے بچنا مشکل ہی ہو گیا ہے، اس لئے حصص میں سرمایہ کاری کے کچھ جائز فوائد حاصل کرنے کی غرض سے سرمایہ کار کو کبھی کبھی بادل ناخواستہ سودی معاملات میں ملوث ہونا پڑتا ہے۔ ساتھ ہی سود سے دستبرداری وسودی معاملات سے خلاصی کی راہیں بھی کھلی ہونے کے سبب سرمایہ کار کو یہ موقع حاصل رہتا ہے کہ وہ سرمایہ کاری کا جائز منافع لے کر سود سے سبکدوش ہو سکے اور سودی معاملات سے دستبردار ہو جائے۔

اس طرح کے ناپسندیدہ سودی معاملات سیکولر ممالک میں قدم قدم پر پیش آتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص سرکاری تعمیرات کا کام انجام دینے کا ٹھیکہ لینا چاہتا ہے تو اسے متعلقہ محکمہ میں کسی بینک کے ذریعہ جاری شدہ ایک متعینہ رقم کی میعادی رسید بطور ضمانت رہن رکھنی پڑتی ہے۔ ایسی صورت میں جو ٹھیکیدار صرف تعمیری کام میں دلچسپی رکھتا ہے اور جس کا بینک کی میعادی رسید میں سرمایہ کاری کا کوئی ارادہ نہ ہو اسے بھی اپنے تعمیرات کی ٹھیکہ داری جیسے جائز مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بادل ناخواستہ بینک میں ایک خاص مدت کیلئے ایک طے شدہ سود کی در پر جمع کر کے رسید حاصل کرنی ہوتی ہے جس کو وہ ٹھیکہ داری کی شرائط کے مطابق امور انجام دینے کی ضمانت کے طور پر متعلقہ محکمہ کے پاس رہن رکھ سکے۔ ٹھیکیداری کا کام معاہدے کی شرائط کے مطابق تکمیل کو پہنچنے پر سرکاری محکمہ یہ رسید ٹھیکیدار کو واپس دے دیتا ہے۔ اب ٹھیکیدار کو یہ موقع حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی اصل رقم مع سود بینک سے واپس لے لے اور اصل کو اپنے پاس روک کر سود کو بغیر ثواب کی نیت کے کسی مسکین کو دیدے۔

یہاں اگر ٹھیکیداری جیسے جائز کام پر اس لئے پابندی عائد کر دی جائے کہ اس کی شرائط کے مطابق ٹھیکیدار کو سودی معاملے میں ملوث ہونا پڑتا ہے تو کیا ایک جائز فعل کو ناجائز قرار دینے کے مترادف نہ ہوگا؟

اس کی ایک اور مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ ایک عالم دین کو کسی یونیورسٹی میں دینیات کی تعلیم دینے کے لئے ملازمت کی پیش کش کی جائے تو کیا وہ عالم دین محض اس وجہ سے دینیات کی تعلیم دینے کی ملازمت کو ناجائز سمجھ کر اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کردے کہ یونیورسٹی کے اصول وضوابط کی رو سے ہر ملازم کی تنخواہ میں سے کچھ پراویڈنٹ فنڈ میں جمع ہوتا ہے، جس پر ایک مقررہ درسے سود واجب ہوتا ہے؟

اسی طرح کا معاملہ ایسی اشیاء کی خریداری میں پیش آتا ہے، جن کی طلب ان کی رسد سے بہت زیادہ ہوتی ہے جیسے کار، اسکوٹر وغیرہ۔ ان اشیاء کو فروخت کرنے والے خریداروں سے کچھ رقم پیشگی لے کر ان کا نام منتظرین کی فہرست میں درج کر لیتے ہیں اور جب ان کی مدت انتظار ختم ہو جاتی ہے تب وہ اس پیشگی رقم کو مع اس پر واجب سود کے اس کی قیمت فروخت سے منہا کر دیتے ہیں۔ کیا یہ مناسب ہوگا کہ اسکوٹر کی خرید وفروخت کو صرف اس وجہ سے ناجائز ٹھہرایا جائے کہ اس کی خریداری میں سودی معاملے میں ملوث ہونا پڑتا ہے؟ یا اسکوٹر کے خریدار کو اس شرط کے ساتھ اسکوٹر خریدنے کے لئے پیشگی رقم جمع کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ اگر اس پر کوئی سود کمپنی یا فروخت کنندہ سے ملے تو اسے بغیر نیت ثواب کے کسی مسکین کو دے دیا جائے؟

فی زمانہ ایسی کمپنیوں کا فقدان ہے جو صرف سرمایہ حصص پر انحصار کرتی ہوں اور سودی قرض پر سرمایہ حاصل کرنے سے مکمل اجتناب کرتی ہوں۔ اس کی چند وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حصص میں سرمایہ کاری میں مسلمانوں کا رجحان کم ہے۔ اگر مسلمانوں میں یہ رجحان عام ہو جائے اور کسی بھی کمپنی کے حصے داروں کی حیثیت میں ان کی اکثریت ہو جائے تو ان کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ اس کمپنی کے آئین وضوابط میں ترمیم کر کے اس کے معاملات کو مکمل طور پر سود سے پاک کر دیں۔

اس راہ میں سودی معاملات پر مطلقاً پابندی کے معنی سرمایہ کار کے لئے نہ صرف جائز منافع سے محرومی بلکہ اصل سرمایہ میں خسارے کے بھی ہوں گے۔ لہذا علمائے کرام سے گزارش ہے کہ ملکی حالات میں مسلمانوں کی بے بسی کے پیش نظر شریعت کے بنیادی اصولوں میں بغیر کوئی سمجھوتہ کئے ہوئے جس قدر رعایت ممکن ہو منسلک سوالنامے کا جواب دیتے وقت عطا فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

کمپنی میں سرمایہ کاری

اس مضمون میں کمپنی کے حصص میں سرمایہ کاری پر بحث کی جارہی ہے یہاں کمپنی سے مراد محدود ذمہ داری والی عوامی کمپنی (Public Limited Company) ہے اور حصص (Shares) سے مراد برابری کے حصص (Equity Shares) ہیں۔ حصص میں سٹہ بازی کو غیر شرعی مان کر خارج از بحث رکھا گیا ہے۔ (احسان الحق)

کمپنی کی تعریف:

قانون کی نظر میں کمپنی ایک شخص ہے جو کہ اپنے اراکین سے الگ اپنی ایک مستقل وراثت رکھتی ہے۔ یہ اپنی مشترکہ مہر (Stamp) کا استعمال دستخط کے لئے کرتی ہے۔

کمپنی کی اہم خصوصیات:

۱۔ کمپنی اپنے اراکین سے الگ اپنا لگا تار چلتے رہنے والا مستقل وجود رکھتی ہے، کمپنی کے اراکین کے جلدی جلدی بدلتے رہنے سے کمپنی کے باوجود پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اپنے کسی رکن کی موت، دیوالیہ پن یا جنون کی وجہ سے کمپنی ختم نہیں ہوجاتی۔ یہ اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک کہ اسے باضابطہ طور پر ختم نہ کردیا جائے۔

۲۔ کمپنی کا رجسٹرار آف کمپنیز کے پاس رجسٹریشن کرانا ضروری ہوتا ہے۔ کمپنی کا رجسٹریشن سرٹیفکیٹ کمپنی کے لئے سند پیدائش کے ہم معنی ہے، اس کے بعد ہی کمپنی کا وجود عمل میں آتا ہے۔

۳۔ کمپنی کا رجسٹریشن ہونے کے بعد جب کمپنی سرمایہ حصص کی فراہمی سے متعلق امور بخوبی انجام دے لیتی ہے تب رجسٹرار کی طرف سے کمپنی کے حق میں کاروبار شروع کرنے کا سرٹیفیکٹ جاری کردیا جاتا ہے۔ کمپنی کے لئے یہ سند بلوغت (Maturity Certificate) کے ہم معنی ہے، اس کے بعد کمپنی کاروبار شروع کرسکتی ہے۔

۴۔ اب کمپنی ایک قانونی شخص کی حیثیت میں اپنے اراکین سے ودیگر اشخاص سے معاہدہ کرسکتی ہے، اثاثوں کی خرید وفروخت کرسکتی ہے، اپنے منتظمین اور کارکنوں کا تقرر کرسکتی ہے۔ غرض وہ سارے کام جنہیں یہ اپنے آئین وضوابط کی رو سے کرنے کی مجاز ہو، کرسکتی ہے۔

۵۔ کمپنی کے بااختیار ملازمین کمپنی کی جانب سے دستخط کرتے وقت کمپنی کی مشترکہ مہر کا استعمال کرتے ہیں۔

کمپنی کے حصے دار (Share Holders of Company):

کمپنی کے اراکین کو کمپنی کے حصے دار کہا جاتا ہے۔ یہ کمپنی کے نفع ونقصان میں اپنے حصوں کی تعداد کی نسبت سے برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ ان حصے داروں کو دو زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ ترقی دینے والے (Promoters)

دراصل یہ کمپنی کے بانی ہوتے ہیں۔ کمپنی کے قیام کی اسکیم مرتب کرکے اسے رجسٹرار کے پاس رجسٹر کراتے ہیں، حصص کے الاٹ منٹ کا ایک حصہ ان کے لئے محفوظ ہوتا ہے۔ یہ کمپنی کے ابتدائی حصے دار ہوتے ہیں۔

۲۔ دیگر حصے دار (Other Share Holders)

یہ کمپنی سے باہر کے لوگ ہوتے ہیں، کمپنی کی اسکیم مرتب کرنے میں ان کا کوئی دخل نہیں ہوتا ہے، حصص کے الاٹ منٹ میں بھی ان کا کوئی حصہ محفوظ نہیں ہوتا ہے۔

کمپنی کے امور پر ضبط (Control Over affairs of Company):

کمپنی کے جملہ معاملات میں نظم وضبط رکھنے کے لئے ہدایت کاروں کی انجمن کی تشکیل حصے داروں کے ذریعہ کثرت رائے سے کی جاتی ہے، کمپنی کی پالیسی سے متعلق اہم فیصلے بھی حصے داروں کی کثرت رائے سے طے پاتے ہیں، حصے داروں کی رائے کا وزن ان کے نام پر حصوں کی تعداد پر موقوف ہوتا ہے۔ رائے دہندگی کا یہ حق قابل تبادلہ ہوتا ہے۔

کمپنی کے سرمایہ حصص (Company's Share Capital):

کمپنی کے سرمایہ حصص کو ایک حصے کی مصرحہ قیمت والے کل حصوں کی تعداد سے منقسم کرکے بیان کیا جاتا ہے۔ سرمایہ حصص کی حسب ذیل قسمیں ہیں:

۱۔ منظور شدہ سرمایہ (Authorised Capital)

اس کی تصریح کمپنی کے آئین میں کی جاتی ہے، یہ سرمایہ حصص کی زیادہ سے زیادہ حد ہے، جس سے زیادہ سرمایہ کے حصص کا اجراء کمپنی اپنے آئین میں ترمیم کئے بغیر نہیں کرسکتی۔

۲۔ جاری شدہ سرمایہ (Issued Capital):

منظور شدہ سرمایہ کے جس حصے کی سرمایہ کاری کی پیش کش کمپنی کے ذریعہ عوام کا یا خواص کو دیا جاتا ہے وہ کمپنی کا جاری شدہ سرمایہ (Issued Capital) کہلاتا ہے۔

۳۔ پیشکشی سرمایہ (Subscirbed Capital)

جاری شدہ سرمایہ میں سرمایہ کاری کی پیشکش کے جواب میں جس قدر سرمایہ کاری کی پیش کش طالبان حصص کرتے ہیں اسے پیشکشی سرمایہ کہا جاتا ہے، اگر یہ پیش کشی سرمایہ جاری شدہ سرمایہ کے مساوی ہوتو اسے مکمل پیش کشی، اور اگر کم ہوتو اسے ناقص پیشکشی، اور اگر زیادہ ہوتو زائد پیش کشی کہا جاتا ہے۔ انہیں انگریزی میں بالترتیب مکمل پیشکشی (Fully Subsribed) ناقص پیشکشی (Subscribed Under) زائد پیش کشی (Over Subscribed) کہا جاتا ہے۔

۴۔ ادا شدہ سرمایہ (Paid-up Capital):

پیشکشی سرمایہ کا وہ حصہ جو کمپنی کی طلب کے عین مطابق کمپنی کو ادا کر دیا جاتا ہے، اداشدہ سرمایہ کہلاتا ہے، چونکہ کمپنی جاری شدہ سرمایہ سے زیادہ سرمایہ طالبان حصص سے طلب نہیں کر سکتی، اس لئے اداشدہ سرمایہ جاری شدہ سرمایہ سے کبھی تجاوز نہیں کر سکتا۔

حصہ (Share):

حصہ کمپنی کے سرمایہ کا غیر منقسم قلیل ترین جز ہے۔ یہ عام طور پر دس روپے کا ہوتا ہے۔ کچھ کمپنیوں کا حصہ ایک سو روپے کا بھی ہوتا ہے۔ بعض کمپنیوں میں کچھ حصے دس روپے والے ہوتے ہیں اور ایک سو روپے والے بھی ہوتے ہیں۔ کمپنی کا جاری، پیش کشی اور اداشدہ سرمایہ حصص ایک خاص تعداد کے برابری یا ترجیحی حصص پر منقسم ہوتا ہے۔ ہر قسم کے حصے کی رقم کی بھی تصریح کر دی جاتی ہے۔ حصے کی یہ مصرحہ رقم حصے کی قدر عرفی (Face Value) کہلاتی ہے، مثال کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ABC کمپنی کے جاری، پیشکشی اور اداشدہ ۶ کروڑ روپے کے سرمایہ کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۰۰ روپے قدر عرفی والے ۳ لاکھ ترجیحی حصص	Rs.3,00,00,000
۱۰ روپے قدر عرفی والے ۳۰ لاکھ برابری حصص	Rs.3,00,00,000
	Rs.6,00,00,000

حصص دو قسم کی ہوتے ہیں:

۱۔ ترجیحی حصص (Preference Shares):

جب تک کمپنی جاری رہتی ہے ان پر ایک طے شدہ در سے منافع واجب ہوتا رہتا ہے، اور جب کمپنی بند ہو جاتی ہے تو اثاثوں کی تقسیم میں بھی انہیں ترجیح دی جاتی ہے۔

۲۔ برابری کے حصص (Equity Shares):

جب تک کمپنی جاری رہتی ہے یہ نفع ونقصان میں برابر کے شریک ہوتے ہیں، اور کمپنی کے بند ہونے پر جو کچھ اثاثے باقی رہ جاتے ہیں ان پر مساوی طور سے تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔ دراصل ان کی حیثیت کمپنی میں برابر کے شرکاء کی سی ہوتی ہے۔

اسناد حصص (Share Certificates):

کمپنیاں اپنے حصص ایک متعین تعداد کی اسناد میں جاری کرتی ہیں، جیسے کوئی کمپنی اپنے سرمایہ حصص میں ۲۰۰۰ روپے سے سرمایہ کاری کرنے والے شخص کے حق میں دس دس روپے والے سو سو حصص کی دو سندیں جاری کرے۔ اگر کمپنی کا حصہ سو روپے والا ہے تو دس دس حصص کی دو سندیں جاری کرے۔ چونکہ یہ اسناد قابل تبادلہ ہوتی ہیں لہذا انہیں آسانی سے خریدا اور بیچا جا سکتا ہے، ان کو رہن رکھ کر ان پر قرض بھی لیا جا سکتا ہے۔

حصص حاصل کرنے کے طریقے:

حصص دو ذرائع سے حاصل کئے جاسکتے ہیں:

۱۔ اجراء حصص کے وقت براہ راست کمپنی سے۔

۲۔ جن لوگوں کے حق میں کمپنی سے حصص جاری ہو چکے ہوں ان سے خرید کر۔

براہ راست کمپنی سے حصص کے اجراء کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

۱۔ عوامی اجراء (Public Issued)

ہر کمپنی اپنے رجسٹریشن کے بعد کاروبار کے لئے سرمایہ حصص جمع کرنے کی غرض سے عوام کو سرمایہ کاری کی کھلی پیش کش کر سکتی ہے۔ ایک موجودہ کمپنی بھی اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے عوام کو سرمایہ کاری کی کھلی پیشکش دے سکتی ہے۔

۲۔ برابری کے حصص سے منسلک قرض تمسکات کا اجراء
(Issued of Equity Linked Debentures)

کمپنیاں اپنے کاروبار میں سرمایہ حصص کے علاوہ سرمایہ قرض کا بھی استعمال کرتی ہیں۔ سرمایہ قرض بھی سرمایہ حصص کی مانند قرض تمسکات کے اجرا سے حاصل کرتی ہیں۔ یہ قرض تمسکات بھی عام طور سے قابل تبادلہ ہوتے ہیں اور اسناد حصص کی طرح خریدے بیچے جاسکتے ہیں۔ سرمایہ قرض پر کمپنی ایک طے شدہ درسے سود ادا کرتی ہے۔ کمپنی اپنے حصص کا اجراء قرض تمسکات سے منسلک کر کے بھی کرتی ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو شخص صرف حصص میں سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہے اسے کمپنی کے حصص کے ساتھ قرض تمسکات بھی لازماً یا دل نخواستہ لینے پڑتے ہیں۔ ایسی صورت میں کمپنی اسناد حصص اور اسناد قرض تمسکات الگ الگ جاری کرتی ہے۔ جو شخص صرف سرمایہ حصص میں دلچسپی رکھتا ہو اس کے لئے اس بات کی گنجائش رہتی ہے کہ وہ اسناد حصص کو اپنے پاس روک کر (اسناد قرض) قرض تمسکات فروخت کردے۔ عام طور پر حصص اپنی قیمت اجراء سے زائد قیمت پر بازار میں فروخت ہوتے ہیں، اور قرض تمسکات بازار میں اپنی قیمت اجراء سے کم قیمت پر فروخت ہوتے ہیں لیکن دونوں کی مجموعی قیمت بازار میں ان کی مجموعی قیمت اجراء سے زائد ہوتی ہے۔ اس طرح حصص بازار سے خریدنے کے بجائے براہ راست کمپنی سے کم قیمت پر حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

۳۔ قابل تبدیل قرض تمسکات کا عوامی اجراء (Public Issued of Convertible Debentures):

کمپنی اس طرح کے بھی قرض تمسکات جاری کرتی ہے جو کہ ایک خاص مدت تک قرض تمسکات کی شکل میں رہتے ہیں، اور اس کے بعد جزوی طور پر یا کلی طور سے اجراء کی شرائط کے مطابق حصص میں تبدیل کر دیئے جاتے ہیں۔ قرض تمسکات کا جو حصہ حصص میں تبدیل کر دیا جاتا ہے کمپنی کی طرف سے اس پر سود کا وجوب بند ہو جاتا ہے اور وہ کمپنی کے نفع و نقصان میں برابر کا شریک ہو جاتا ہے، باقی حصہ قرض کی صورت میں برقرار رہتا ہے اور اس پر سود ادا کرنا

واجب ہوتا رہتا ہے۔ اب جو شخص کمپنی کے صرف سرمایہ حصص ہی میں سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہے وہ قرض تمسکات کی حصص میں تبدیلی کے بعد حصص اپنے پاس روک سکتا ہے، اور قرض تمسکات کا اگر کوئی جز یا اجزاء باقی رہ گئے ہوں تو انہیں بازار میں فروخت کر سکتا ہے۔ عام طور پر بازار سے حصص خریدنے کے بجائے اگر قابل تبدیل قرض تمسکات کمپنی سے لے کر انہیں حصص میں تبدیل کرایا جائے تو حصص مقابلۃً کم قیمت پر حاصل ہو جاتے ہیں۔

۴۔ حصص و قرض تمسکات کا ان کی قدر عرفی پر یا کم و بیش پر اجراء

(Issue of Shares at par, premium or discount)

عام طور پر کمپنی اپنے قیام کے فوراً بعد اپنے حصص و قرض تمسکات کا اجراء ان کی قدر عرفی ہی پر کرتی ہے، ایسے اجراء کو برابری پر اجراء (Issue at par) کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی کمپنی اپنے دس روپے والے حصص کا اجراء اگر دس روپے ہی میں کرے، تو وہ برابری پر اجراء کہا جائے گا۔

پہلے ہی سے موجود مالی طور پر مستحکم کمپنی کے حصص کی بازاری قیمت ان کے قدر عرفی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کمپنی ہر سال اپنے منافع کا ایک حصہ اپنے پاس جمع کرتی رہتی ہے اور اسے اپنے محفوظ سرمایہ میں رکھتی ہے، اس سے مزید اثاثے خریدتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ کچھ اثاثوں کی اصل قیمت میں بھی اضافہ ہو چکا ہوتا ہے۔ کمپنی کی مالیت کے اس اضافہ کے اصل حق دار کمپنی کے موجودہ حصہ دار ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات حق و انصاف کے خلاف سمجھی جاتی ہے کہ کمپنی کا نیا سرمایہ کار اپنے حصے کی قیمت تو پرانی ہی در سے ادا کرے لیکن اثاثوں میں برابر کا شریک ہو جائے۔ پرانے حصے داروں کے مفاد کی حفاظت کے پیش نظر یہ مناسب سمجھا جاتا ہے کہ کمپنی اپنے نئے حصہ داروں کو حصص کچھ زائد قیمت پر جاری کرے تا کہ یہ زائد قیمت کمپنی اپنے منافع میں شامل کر کے اس میں پرانے حصہ داروں کو شریک کرے۔ اس طرح حصص کے اجراء کو برابری سے اوپر اجراء یا اضافی قیمت پر اجراء (Issue at a premium) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کچھ مخصوص حالات میں حصص و قرض تمسکات کا اجراء برابری سے کم پر بھی کیا جاتا ہے جو کہ منہائی پر اجراء (Issue at a discount) کہا جاتا ہے۔

مالی طور پر مستحکم کمپنی اپنے ذریعہ جاری کئے گئے قابل تبدیل قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرتے وقت حصص کی قیمت ان کی قدر عرفی سے زیادہ وصول کرتی ہے۔ یعنی حصص کا اجراء (Issue at a premium) اضافی قیمت پر کرتی ہیں۔

قرض تمسکات کے حصص میں تبدیلی کے بعد اگر عام حالات یکساں رہیں تو حصص کی رسد میں اضافہ ہونے کے سبب بازار میں ان کی قیمت کچھ کم ہو جاتی ہے لیکن یہ گری ہوئی بازاری قیمت بھی حصص کی قیمت اجراء (قدر عرفی + اجراء پر اضافی قیمت (Face Value + Premium on Issue) سے زائد ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح حصص بازار سے خریدنے کے بجائے قرض تمسکات کمپنی سے لے کر انہیں حصص میں تبدیل کرانے سے اس حقیقت کے باوجود کہ کمپنی ان کے حصص میں تبدیلی کچھ منافع پر ہی کیوں نہ کرے، فائدہ ہوتا ہے۔ یعنی حصص مقابلۃً کم

قیمت پر حاصل ہوتے ہیں۔ اس کو حسب ذیل مثال سے سمجھا جاسکتا ہے:

(الف) ایک کمپنی جس کے دس روپے والے حصے کی بازاری قیمت ایک سو روپے ہو تو قابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کی پیش کش کرسکتی ہے۔

کمپنی ۱۴ فیصد سالانہ سود کی در پر ۱۵۰ روپے والے دو لاکھ کلی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات میں عوام کو سرمایہ کاری کی اس شرط پر پیشکش کرسکتی ہے کہ قرض تمسکات کے الاٹ منٹ کی تاریخ کے ایک سال بعد ایک قرض تمسک دس دس روپے والے ۳ حصص میں فی حصہ ۴۰ روپے اضافی قیمت پر اجراء سے تبدیل کردیا جائے گا۔ تاریخ معینہ پر کمپنی قرض تمسکات واپس لے لے گی اور ان کے عوض اسناد حصص کے ساتھ قرض تمسکات پر واجب سود کی رقم کا چیک ایک ماہ کے اندر سرمایہ کاروں کو روانہ کردے گی۔

ایک سال بعد قرض تمسکات کے حصص میں تبدیل ہوجانے سے بازار میں حصص کی رسد میں اضافہ کے سبب اگر حصے کی نرخ ۱۰۰ روپے سے کم ہو کر ۸۰ روپے رہ جاتے تو اس طرح کی سرمایہ کاری میں فی حصہ لاگت کا تعین یوں ہوگا۔

کمپنی کے ایک قابل تبدیل قرض تمسک پر آئی لاگت .... ۱۵۰ روپے

ایک سال بعد ۱۵۰ روپے پر ۱۴ فیصد کی در سے کمپنی پر واجب سود...... ۲۱ روپے

قرض تمسک کی اصل لاگت .... ۱۲۹ روپے

ایک سال بعد ۱۵۰ روپے کا ایک قرض تمسک = ۳ حصص

(فی حصہ ۱۰+۴۰ روپے اضافی قیمت) ۱۵۰ روپے میں تبدیل

ایک حصہ کی اصل لاگت ۱۲۹/۳ = ۴۳ روپے

حصے کی بازار سے خریداری پر لاگت...... ۸۰ روپے

اس طرح کمپنی کا ایک حصہ جو بازار میں ۸۰ روپے میں مل رہا ہے ایک سال پہلے کمپنی سے قابل تبدیل تمسکات خرید کر حصص میں تبدیل کرا کر صرف ۴۳ روپے میں حاصل کرلیا گیا، لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ حصص کو بازار سے خریدنے کے بجائے اگر کمپنی سے قابل تبدیل قرض تمسکات خرید کر انہیں حصص میں تبدیل کرایا جائے تو حصص سستے پڑتے ہیں۔

قابل تبدیل قرض تمسکات حصص میں تبدیلی سے پہلے پہلے عام طور پر بازار میں اپنی قیمت اجراء سے زیادہ قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔ اگر کمپنی سے براہ راست ان کا الاٹ منٹ حاصل نہ کیا جاسکا ہو تو انہیں بازار سے خریدا جاسکتا ہے اور حصص میں تبدیلی کے ذریعہ حصص اپنے نام جاری کرائے جاسکتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہوسکتی ہے:

(ب) مثال (الف) میں بیان کردہ ۱۵۰ روپے والا قرض تمسک اگر کمپنی سے براہ راست نہ مل پایا ہو تو اسے بازار میں ۲۰۰ روپے قیمت پر خریدا جاسکتا ہے، اس طریقہ سے فی حصہ لاگت کا تعین یوں ہوگا:

۱۵۰ روپے والے قرض تمسک پر بازار میں خرید پر آئی لاگت.......... ۲۰۰ روپے

۱۵۰روپے پر کمپنی سے ۱۴فیصد کی در سے ایک سال کا سود..................۲۱روپے

ایک قرض تمسک کی اصل لاگت............۱۷۰روپے

ایک سال بعد ایک قرض تمسک = ۳حصص

ایک حصے کی لاگت ۳/۱۷۹=۵۹٫۶۷روپے

ایک حصے کی بازار سے خرید پر لاگت= ۸۰روپے

اس طرح یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر قرض تمسک کو بازار سے خرید کر حصص میں تبدیل کرالیا جائے تو حصص براہ راست بازار سے خریدنے کے مقابلے کم قیمت پر حاصل ہوتے ہیں۔ دوسری جانب اگر قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرائے بغیر ہی فروخت کردیا جائے تو صرف ۵۰روپے ہی کا منافع ہوگا لیکن انہیں حصص میں تبدیل کرنے کے بعد بازار میں فروخت کرنے سے ۱۱۱روپے کا منافع ہوتا ہے (اصل لاگت ۱۲۹روپے، ۳حصص کی بازاری قیمت فی حصہ ۸۰ کے در سے ۲۴۰روپے)۔

یہ تھیں کلی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کی صورتیں۔ جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کا قابل تبدیل جز تاریخ معینہ پر حصص میں تبدیل کردیا جاتا ہے، اور نا قابل تبدیل جز قرض تمسک کی صورت میں باقی رہ جاتا ہے۔اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے:

(ج) ایک کمپنی جس کے دس روپے والے حصے کی قیمت بازار میں ایک سو روپے ہو تو جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کی پیش کش ان شرائط پر کرسکتی ہے کہ کمپنی ۱۵۰روپے والے ۱۴فیصد سالانہ سود کی در پر ڈیڑھ کروڑ روپے کے ایک لاکھ جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات جن کا ایک تہائی حصہ ۴۰روپے فی حصہ اضافی قیمت (Premium) کے ساتھ دس روپے والے حصص میں قرض تمسک کی الاٹ منٹ کی تاریخ کے ایک سال بعد تبدیل کرایا جاسکتا ہے۔

اب اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ایک سال بعد قرض تمسکات کا قابل تبدیل جز کے حصص میں تبدیل ہونے کے سبب حصص کی رسد میں اضافہ ہوجانے سے دس روپے والے حصے کی بازار میں قیمت ۱۰۰روپے سے کم ہوکر ۹۰ روپے رہ جائے گی، اور قرض تمسک کا ۱۰۰روپے والا حصہ دو تہائی نا قابل تبدیل جز صرف ۸۰روپے ہی میں فروخت ہوسکے گا، تو اس طرح کی سرمایہ کاری میں فی حصہ لاگت کا تعین یوں ہوگا:

۱۵۰روپے والے قرض تمسک پر آئی لاگت.................. ۱۵۰روپے

ایک سال بعد کمپنی سے ملا ۱۴فیصد کی در سے سود..................۲۱روپے

اصل لاگت......................۱۲۹روپے

حصص میں تبدیلی کے بعد ایک قرض تمسک =ایک حصہ

(قدر عرفی ۱۰ روپے + اضافی قیمت ۴۰ روپے) ۵۰ روپے والے جز کے عوض
۱۰۰ روپے کا ایک قرض تمسک (نا قابل تبدیل جز) بازاری قیمت..........۸۰ روپے
ایک حصہ کی اصل لاگت..........۴۹ روپے

اس طرح یہ نتیجہ نکلا کہ کمپنی کا ایک حصہ جو کہ آج ۹۰ روپے میں بازار میں مل رہا ہے، ایک سال پہلے جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسک خرید کر حصص میں تبدیل کرانے پر صرف ۴۹ روپے میں حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لہذا حصص کو بازار سے خریدنے کے بجائے جزوی طور سے قابل تبدیل قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرانے سے کم قیمت پر حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

(د) اگر ان قرض تمسکات کا اجراء براہ راست کمپنی سے نہ ہو سکا ہو تو انہیں کچھ زائد قیمت پر بازار سے بھی خریدا جاسکتا ہے، اگر بازار سے یہ ۱۲۰ روپے میں خریدے جائیں تو فی حصہ لاگت کا تعین یوں ہوگا:

۱۵۰ روپے والے قرض تمسک کی بازاری خرید پر لاگت..................۱۲۰ روپے
ایک سال بعد ۱۴ فیصد کی در سے ملا سود..................۲۱ روپے
قرض تمسک کی اصل لاگت..................۱۳۹ روپے

۱۵۰ والے قرض تمسک کے عوض کمپنی سے ملا:

۱۔ ۱۰۰ والا نا قابل تبدیل قرض تمسک = ۱۰۰ روپے
۲۔ ۱۰ روپے والا ۴۰ روپے اضافی قیمت پر حصہ = ۵۰ روپے

۱۰۰ روپے والے قرض تمسک کی بازاری فروخت سے آمد ۸۰ روپے
ایک حصہ پر آئی اصل لاگت..................۵۹ روپے

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کمپنی کا ایک حصہ جس کی آج بازار میں قیمت ۹۰ روپے ہے ایک سال پہلے بازار سے جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسک خرید کر حصص میں تبدیل کرانے سے صرف ۵۹ روپے میں حاصل کیا جاسکتا تھا۔ قرض تمسکات کو فروخت کرنے والے کی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ محسوس ہوگا کہ قرض تمسک کو بغیر حصے میں تبدیل کرائے بازار میں فروخت کرنے سے صرف ۱۰ روپے کا منافع ہوتا ہے، لیکن اسے اپنے نام حصص میں تبدیل کرالیا جائے تو ۶۱ روپے کا فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

یہ حقیقت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ قابل تبدیل قرض تمسکات اگر براہ راست کمپنی سے مل جائیں تو انہیں بغیر حصص میں تبدیل کرائے بازار میں نہ فروخت کیا جائے۔

صفر سود کی در پر قابل تبدیل قرض تمسکات:

(Zero Interest Convertible Debentures)

سرمایہ کاروں کو قرض تمسکات کے اوپر سود کی مد سے جو آمدنی ہوتی ہے اس پر انکم ٹیکس واجب ہوتا ہے۔ کمپنی

اپنے سرمایہ کاروں کو اس ذمہ داری سے بچنے کا موقع فراہم کرنے کی غرض سے صفر سود کی در پر قابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کی پیش کش کرتی ہے۔

اس طرح کے قرض تمسکات غیر سودی سرمایہ کاری کی خواہش رکھنے والے حضرات کے لئے غیر معمولی دلچسپی کا باعث ہوسکتے ہیں۔ اس طرح کے قرض تمسکات کے پیش کش کی شرائط کے مطابق نہ تو کمپنی کسی طے شدہ در سے قرض پر سود ادا کرنے کا وعدہ کرتی ہے نہ فی الواقع سود ادا کرتی ہے، لیکن قرض تمسک کو حصص میں تبدیل کرتے وقت اپنے حصص کی جو اضافی قیمت مقرر کرتی ہے اس میں قرض تمسک پر دستور کے مطابق تعبیری سود کو منہا کر دیتی ہے، اس طرح کا تعبیری سود کا معاملہ قیاس وگمان میں تو رہتا ہے لیکن اس کی کہیں کوئی صراحت نہیں کی جاتی۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے:

(ج) ایک کمپنی جس کے دس روپے والے حصہ کی بازار میں قیمت ۱۰۰ روپے چل رہی ہو تو ۱۳۰ روپے والے صفر سود کی در پر کلی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات ان شرائط پر جاری کر سکتی ہے، قرض کی رقم پر کمپنی کے اوپر کوئی سود واجب نہیں ہوگا۔ قرض تمسک کے الاٹ منٹ کی تاریخ کے ایک سال بعد کمپنی اپنا دس روپے والا ایک حصہ ۳۰ روپے اضافی قیمت کے ساتھ اور دس دس روپے والے دو حصے فی حصہ ۳۵ روپے اضافی قیمت کے ساتھ جاری کر کے قرض تمسک واپس لے لے گی۔ اس طرح کی سرمایہ کاری میں کمپنی کے ۳ حصوں پر آئی لاگت کا تعین یوں ہوگا:

۱۳۰ روپے والے صفر سود کی در پر جاری کئے گئے ایک قابل تبدیل قرض تمسک کی لاگت ...... ۱۳۰ روپے

ایک سال بعد کمپنی سے ملا سود (کچھ نہیں) .... ۰ روپے

قرض تمسک کی اصل لاگت .... ۱۳۰ روپے

قرض تمسک حصص میں تبدیل کرانے پر فی حصہ لاگت:

پہلا حصہ قدر عرفی ۱۰ روپے + کمپنی کی اضافی قیمت ۳۰ روپے = ۴۰ روپے

دوسرا حصہ قدر عرفی ۱۰ روپے + کمپنی کی اضافی قیمت ۳۵ روپے = ۴۵ روپے

تیسرا حصہ قدر عرفی ۱۰ روپے + کمپنی کی اضافی قیمت ۳۵ روپے = ۴۵ روپے

میزان قدر عرفی ۳۰ روپے + کمپنی کی اضافی قیمت ۱۰۰ روپے = ۱۳۰ روپے

فی حصہ بازاری قیمت پر لاگت فی حصہ ۸۰ روپے۔

اس طرح کی سرمایہ کاری کا موازنہ اگر مثال (الف) سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مثال (الف) میں کمپنی نے قرض کی رقم پر ۱۴ فیصد سالانہ کی در سے ۲۱ روپے سود ادا کیا تھا تو قرض تمسک کو حصص میں تبدیل کرتے وقت اضافی قیمت فی حصہ ۴۰ روپے کی در سے مقرر کیا۔ اس طرح کمپنی نے ۳ حصص پر کل ۱۲۰ روپے اضافی قیمت سرمایہ کار سے وصول کیا۔ لہذا کمپنی نے اصل منافع صرف ۱۲۰۔۱۲۱=۹۹ روپے وصول کیا۔ لیکن کمپنی نے قرض کی رقم پر کوئی سود نہ ادا کرنے کی صورت میں کل اضافی قیمت ۱۰۰ روپے مقرر کی، یعنی قرض پر سود دینے کے عوض کمپنی نے اپنے منافع میں تقریباً اسی کے بقدر تمسکات کو حصص میں تبدیل کرتے وقت کمی کردی، اس طرح صفر سودی در پر قرض تمسکات کو حصص

میں تبدیل کرانے پر آئی لاگت کا موازنہ اگر بازار سے حصص کی خریداری پر آئی لاگت سے کریں تو معلوم ہوگا کہ پہلا حصہ جس کی لاگت طریقۂ اول سے ۴۰ روپے ہے، طریقۂ یعنی بازاری خرید کے مطابق ۸۰ روپے ہے۔

دوسرے اور تیسرے حصوں کی لاگت فی حصہ طریقۂ اول سے ۴۵ روپے ہے جب کہ طریقۂ دوم سے ۸۰ روپے ہے، لہذا صفر سود کی در پر قابل تبدیل قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرانے پر لاگت حصص کو بازار سے خریدنے کے مقابلے میں کم آتی ہے۔

حصص میں سرمایہ کاری کے فوائد(Benfits of investment in shares):

۱۔منافع کی تقسیم(Distribution of dividend)

عام طور پر کمپنی ہر سال جو منافع کماتی ہے اس کا ایک جز حصہ داروں میں ان کے سرمایہ پر ایک مقررہ در سے تقسیم کرتی ہے، باقی جز کو اپنے کاروبار میں استعمال کرنے کی غرض سے اپنے محفوظ سرمایہ میں رکھتی ہے۔ جن کمپنیوں کے حصص کی بازار میں خرید و فروخت ہوتی ہے ان کے ذریعہ کمایا گیا منافع فوراً ان کے حصص کی قیمت میں اضافہ کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے، اس طرح جو منافع کمپنی اپنے پاس روک لیتی ہے سرمایہ کاروں کے اصل سرمایہ میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ کمپنی کے ذریعہ جو کچھ منافع تقسیم کیا جاتا ہے وہ کمپنی کے حصص کی قدر عرفی (Face Value) کا ۲۰ یا ۳۰ فیصد ہو سکتا ہے لیکن اصل سرمایہ(کمپنی کے حصص کی بازاری قیمت) پر بمشکل ۲ یا ۳ فیصد ہی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک کمپنی جس کے دس روپے والے حصے کی قیمت بازار میں سو روپے ہو، اگر ۲۰ فیصد منافع کا اعلان کرے تو حصص کی بازاری قیمت کے اعتبار سے یہ صرف ۲ فیصد ہی ہوگا یعنی سرمایہ کاری پر حقیقی منافع ۲ فیصد ہوگا۔

۲۔منافع کے حصص کا اجراء(Issue of Bonus Shares):

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ عام طور پر کمپنی اپنے کمائے ہوئے منافع کا ایک حصہ اپنے مالی استحکام اور کاروبار کو فروغ دینے کے لئے اپنے پاس روک لیتی ہے اس طرح یہ رکا ہوا منافع (سرمایۂ محفوظ) سرمایۂ حصص سے کئی گنا بڑھ جاتا ہے، اگر کمپنی کو مستقبل میں نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا تو کمپنی اس سرمایۂ محفوظ کو سرمایۂ حصص میں تبدیل کر کے اپنے حصہ داروں کے حق میں ان کے حصص کی تعداد پر ایک خاص تناسب سے بطور بونس حصص جاری کرتی ہے، اس طرح کمپنی کے حصہ داروں کے حصص کی تعداد میں اضافہ کے سبب ان کے اصل سرمایہ میں غیر معمولی اضافہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک کمپنی جس کے دس روپے والے حصے کی قیمت بازار میں ۱۰۰ روپے ہو، ایک حصہ پر ایک کی نسبت سے بونس حصص جاری کرے تو جس شخص کے پاس کمپنی کا ایک حصہ تھا اس کے پاس دو حصے ہو جائیں گے، اب اگر اس کمپنی کے حصص کی بازار میں رسد کے اضافہ کے سبب اس کے حصے کی قیمت ۱۰۰ روپے سے کم ہو کر ۷۰ روپے ہی رہ جائے تب بھی اس کا اصل سرمایہ ۱۰۰ روپے سے بڑھ کر ۱۴۰ روپے ہو جائے گا۔

۳۔حصص و قرض تمسکات کا اجراء بطور حق (Debentures Rights for Issue

of Shares and Convertible)

مالی طور سے مستحکم کمپنیوں کے حصص وقابل تبدیل قرض تمسکات کی بازاری قیمت، ان کی قدر عرفی یا ان کی قیمت اجراء سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ایسی کمپنیاں کبھی کبھی اپنے حصص وقابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کی عوام کو پیش کش کرنے کے بجائے اپنے موجودہ سرمایہ کاروں (حصے داروں وحاملین قرض تمسکات) کو ان کے حصص وقرض تمسکات کی نسبت سے بطورحق اجراء کی پیش کش کرتی ہیں۔

عام طور پر کمپنیوں سے بطورحق ملی پیش کش قابل تبادلہ ہوتی ہے، اگر حق دار مزید سرمایہ کاری کرنا مناسب نہ سمجھے یا حق کا فوری نقد فائدہ اٹھانا چاہے تو وہ اپنا حق اس خاص کمپنی میں سرمایہ کاری کی دلچسپی رکھنے والے شخص کے ہاتھ معقول قیمت لے کر بیچ سکتا ہے، لیکن عام طور پر اس حق کو اس طرح بیچ کر حاصل ہونے والا فائدہ اس منافع سے کم ہوتا ہے جو کمپنی کے حصص حاصل کرنے یا قابل تبدیل قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرانے پر حاصل ہوتا ہے، یہ حقیقت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ اگر کمپنی سے اس طرح حصص یا قابل تبدیل قرض تمسکات میں سرمایہ کاری کی پیشکش بطورحق مل جائے تو اسے بازار میں یوں ہی فروخت نہ کیا جائے بلکہ کمپنی سے حصص یا قابل تبدیل قرض تمسکات حاصل کر لئے جائیں۔قابل تبدیل قرض تمسکات کو جب تک کہ انہیں حصص میں تبدیل نہ کرالیا جائے اپنے پاس روکا جائے۔

حصص یا قرض تمسکات کے اجراء کی ترجیحی پیشکش:

Preferencial offer for issue of shares or (debentures)

کچھ کامیاب کمپنیوں کے بانی (Promoters) جب کسی نئی کمپنی کے لئے سرمایہ حصص یا قابل تبدیل قرض تمسکات کا اجراء کرتے ہیں تو اپنی پرانی کمپنی کے سرمایہ کاروں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے اس نئی کمپنی میں حصہ دار بنانے کے لئے کسی حد تک نئی کمپنی کے حصص کے الاٹمنٹ میں عوام پر ترجیح دیتے ہیں۔عام طور پر ایسے بانیوں (Promoters) کے ذریعہ جو بھی نئی کمپنی قائم کی جاتی ہے اس کے حصص کی بازاری قیمت ان کی قیمت اجراء سے زیادہ ہی ہوتی ہے، اس طرح پرانی کمپنیوں کے سرمایہ کاروں کو نئی کمپنی میں حصص کے اجراء میں جو ترجیح ملتی ہے ان کے لئے منافع بخش ہوتی ہے۔یہ ترجیحی پیشکش قابل تبادلہ نہیں ہوتی ہے، اس کو بازار میں فروخت نہیں کیا جا سکتا۔اس سے فائدہ حاصل کرنے کی واحد صورت یہ ہے کہ حصص یا قابل تبدیل قرض تمسکات اپنے نام جاری کرائے جائیں، قابل تبدیل قرض تمسکات جب تک حصص میں تبدیل نہ ہو جائیں اپنے پاس روکا جائے۔

جن کمپنیوں کے حصص کی بازار میں آزادانہ خرید وفروخت ہوتی ہے، ان کی اچھی یا خراب کارکردگی اور ان کے روشن وتاریک مستقبل کی خبروں اور افواہوں کا براہ راست اثر ان کی بازاری قیمت پر پڑتا ہے۔لہذا جیسے ہی کسی کمپنی سے اوپر بیان کردہ فوائد میں سے کسی فائدے کے ملنے کی امید کی خبر حصص بازار میں آتی ہے، حصص کی بازار میں اس کے متوقع فائدے کی نسبت بڑھ جاتی ہے، اور جونہی وہ فائدہ سرمایہ کاروں کو پہنچ جاتا ہے بازار میں حصص کی قیمت میں کمی آجاتی ہے۔

اوپر نمبر ۱ اور نمبر ۲ میں بیان کئے گئے فائدے تو کمپنی سے بنا طلب کئے حاصل ہوتے ہیں لیکن نمبر ۳ اور نمبر ۴ میں بیان کئے گئے فائدے حاصل کرنے کے لئے کمپنی میں پیشکش کی درخواست اجراء کی شرائط کے مطابق دینی پڑتی ہے۔ اس طرح فائدے حاصل کرنے میں بے اعتنائی برتنے سے نہ صرف اس فائدے سے محرومی ہوتی ہے بلکہ یہ موقع ہاتھ سے نکل جانے کے بعد حصص کی قیمت میں گراوٹ کے سبب اصل سرمایہ میں کمی کا بھی امکان رہتا ہے۔ یہ حقیقت بھی اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ اگر قابل تبدیل قرض تمسکات کی پیشکش بطور حق یا بطور ترجیح ملے تو کمپنی سے قرض تمسکات حاصل کر کے انہیں حصص میں تبدیل کرانے کے وقت تک اپنے پاس روکا جائے۔

حصص و قرض تمسکات کی خرید و فروخت

:(Sale and purchase of Shares and debentures)

چونکہ حصص و قرض تمسکات عام طور پر قابل تبادلہ ہوتے ہیں اس لئے اجناس بازار کی طرح ان کی بھی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ بعض کمپنیاں اپنے حصص و قرض تمسکات کی (Liquidity) نقدیت برقرار رکھنے کی غرض سے انہیں حصص بازاروں کی فہرست میں دراج کراتی ہیں۔ ان بازاروں کی فہرست میں درج حصص و قرض تمسکات کے نرخ روزمرہ اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح ان کے خریدنے اور بیچنے والوں کے مابین ان کی قیمت کے تعین میں آسانی ہو جاتی ہے۔ حصص بازار میں حصص و قرض تمسکات کے خریداروں کو دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ وہ جو کہ سرمایہ کاری کی غرض سے حصص و قرض تمسکات خرید کر اپنے نام انہیں منتقل کرا کر کمپنی میں نفع و نقصان یا سود کے مستحق ہوتے ہیں۔

۲۔ وہ جو کہ حصص و قرض تمسکات کو اپنے نام بغیر منتقل کرائے اجناس بازار کی طرح اپنے پاس رکھتے ہیں، اور روزمرہ کی قیمتوں میں آئے اتار چڑھاؤ کا فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے ان کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔

خلاصہ

۱۔ قانون کی نظر میں کمپنی ایک شخص ہے۔

۲۔ کمپنی کے حصے داروں کی حیثیت کمپنی میں نفع و نقصان میں اپنے حصص کی تعداد کی نسبت سے برابری کے شرکاء کی ہے۔

۳۔ کمپنی کا نظم و ضبط جمہوری طریقے سے کثرت رائے سے ہوتا ہے، حصے داروں کا حق رائے دہندگی قابل تبادلہ ہوتا ہے۔

۴۔ کچھ اقتصادی فائدے کی مصلحت کے تحت کمپنیاں اپنے کاروبار میں سرمایہ حصص کے ساتھ سود پر حاصل کیا ہوا سرمایہ بھی استعمال کرتی ہیں۔

۵۔ سرمایہ حصص کے لئے حصص اور سرمایہ قرض کے لئے قرض تمسکات کا اجراء کرتی ہیں۔ اسناد حصص

Share Certificatesاور قرض تمسکات(Debenture Certificates)عام طور پر قابل تبادلہ ہوتے ہیں۔

۶۔ مقابلۃً کم قیمت پر حصص حاصل کرنے کی طریقے یہ ہیں: (۱) براہ راست کمپنی سے عوامی پیش کش کے جواب میں۔ (۲) برابری کے حصص سے منسلک قرض تمسکات کے اجراء کے ذریعہ۔ (۳) قابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کے ذریعہ۔ (۴) قرض تمسک کو بازار سے خرید کر حصص میں تبدیل کرانے کے ذریعہ۔ (۵) حصص وقابل تبدیل قرض تمسکات کی پیشکش بطور حق دیئے جانے پر حق داروں کے حق خرید کر کمپنی سے اجراء کے ذریعہ۔ (۶) حصص کو بازار سے خرید کر۔

۷۔ مالی طور پر مستحکم کمپنیاں اپنے حصص ان کی قدر عرفی سے زائد قیمت پر جاری کرتی ہیں۔

۸۔ مالی طور سے مستحکم کمپنیوں کے حصص وقابل تبدیل قرض تمسکات کی بازار میں قیمت ان کی قیمت اجراء سے زائد ہوتی ہے۔

۹۔ قابل تبدیل قرض تمسکات حصص میں تبدیل ہونے کے بعد اگر اپنا کوئی جز باقی رکھتے ہیں تو وہ جز بازار میں اپنی قدر عرفی سے کم پر فروخت ہوتا ہے۔ قابل تبدیل قرض تمسکات میں چونکہ حصص مضمر ہوتے ہیں اس لئے اپنی قدر عرفی سے زائد پر بازار میں فروخت ہوتے ہیں۔

۱۰۔ قابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء میں کمپنی قرض کی رقم پر سود ادا کرتی ہے اور قرض کی حصص میں تبدیلی پر اضافی قیمت حاصل کرتی ہے، یعنی ایک ہی معاملے میں کچھ لیتی ہے اور کچھ دیتی ہے۔

۱۱۔ کمپنی صفر سود کی در پر قرض تمسکات جاری کر کے قرض پر تعبیری سود کو حصص میں تبدیلی کے وقت اپنی اضافی قیمت سے منہا کرتی ہے، یعنی صرف ایک معاملے میں صرف لیتی ہے، دیتی نہیں۔

۱۲۔ کمپنی سے فوائد، منافع کے حصص، حصص وقابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کی پیش کش بطور حق وبطور ترجیح کی شکلوں میں حاصل ہوتے ہیں۔

۱۳۔ کمپنی سے فوائد حاصل کرنے میں گریز کی صورت میں نہ صرف فوائد سے محرومی بلکہ سرمایہ کی اصل لاگت کم ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔

۱۴۔ حصص وقرض تمسکات کی خرید وفروخت بغیر انہیں اپنے نام منتقل کرائے اجناس بازار کی طرح بھی کی جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

کمپنی کے حصص سے متعلق جوابات

<u>مفتی نظام الدین صاحب، دارالعلوم دیوبند</u>

اس تحریر میں تین صورتیں جو درج ہیں ان میں سے کسی پر سود (ربوا) کی شرعی تعریف صادق نہیں آتی۔ سود کی شرعی تعریف یہ ہے: اموال ربویہ میں جیسے کرنسیوں میں عقد معاوضہ کا معاملہ کیا جائے اور کسی جانب زیادتی عوض سے خالی رہے۔

صورت مسئولہ مذکورہ کی پہلی صورت میں حکومت ٹھیکیداروں سے کچھ رقم لے کر اس کی میعادی رسید دے کر رقم جو اپنے قبضہ میں رکھتی ہے وہ محض بطور ضمانت رکھتی ہے تاکہ کبھی کوئی ٹھیکہ دار تعمیراتی سامان وغیرہ ہڑپ یا ضائع نہ کر ڈالے، نہ کہ عقد معاوضہ کرتی ہے، اور اسی وجہ سے کارہائے ٹھیکہ پورا ہو جانے کے بعد واپس کر دینے کا معاہدہ ہوتا ہے۔ پس یہ معاملہ شرعاً زرضمانت رکھنے کا اور اپنے اپنے سامان کے تحفظ کا ہوا، اور شرعاً صرف بعد تکمیل کارہائے ٹھیکہ داری زرضمانت کی واپسی کا ہوا۔ پھر کار ٹھیکہ داری ختم ہو جانے کے بعد صرف اسی زرضمانت کی واپسی لازم ہوتی ہے، باقی حکومت خود اپنی طرف سے یہ زائد رقم اپنے ضابطہ کے مطابق دیتی ہے لہذا یہ دینا از قبیل تبرع من جانب الحکومت ہوا۔ اور حکومت چونکہ غیر مسلمہ ہے اس لئے اس رقم ضمانت سے کچھ کاروبار کر کے کچھ نفع حاصل کرے اور وہ تصرف شرعاً خیانت شمار ہو مگر وہ اس کے مکلف نہیں ہوتے، اس لئے یہ دینا ان کی جانب سے شرعاً تبرع قرار پائے گا۔ اس کی نظیر پراویڈنٹ فنڈ کا معاملہ ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ میں محکمہ جو جز تنخواہ ملازم کے قبضہ میں جانے سے قبل ہی خود ہی کاٹ کر ماہ بہ ماہ جمع کرتا رہتا ہے اور بعد ختم ملازمت اس جمع شدہ رقم کو دوگونہ سہ گونہ کر کے اپنے ضابطہ کے مطابق ملازم کو دیتا ہے، اور اگرچہ محکمہ اس جمع شدہ رقم سے اپنے ضابطہ کے تحت نفع حاصل کر چکا ہوتا ہے، پھر بھی اس زائد رقم کو ازروئے قواعد شرعیہ تبرع قرار دے کر اور اس کا لے لینا بلا کراہت شریعت نے جائز فرمایا ہے۔ کما صرح بہ امداد الفتاویٰ أیضاً۔

پس یہی حکم یہاں بھی رہے گا، کہ اس زرضمانت کے اندر جمع کی ہوئی رقم سے زائد رقم شرعاً سود نہ قرار پائے گی بلکہ بحکم تبرع ہو کر اس کا لے لینا بلا کراہت درست رہے گا، اور بطور تصدق غریبوں کو دے کر اپنی ملک سے نکال دینا واجب نہ رہے گا۔

اسی طرح اسکوٹر، کار، ٹرک وغیرہ کے خرید کے معاملہ میں نامزد منتظرین سے کمپنی جو رقم پیشگی لیتی ہے وہ زرثمن پیشگی کے قبیل کی چیز ہے یا بطور بیعانہ یا مثل بیعانہ لینے کی ہوتی ہے، نہ کہ اموال ربویہ عقد معاوضہ کی ہوتی ہے، چنانچہ نمبر خرید آ جانے کے بعد خریدی ہوئی مطلوبہ چیز کمپنی خریدار کو دیتی ہے تو اس کی قیمت میں سے یہ پیشگی دی ہوئی رقم وضع کر دیتی ہے۔ اب اس وقت اپنے ضابطہ کے تحت جو زائد رقم خود دیتی ہے اس پر ربوا (سود) کی تعریف شرعی صادق

نہیں آتی، نیز اس زائد رقم کو بائع (کمپنی) خود اسی شئی مشتراۃ کے ثمن میں منضم کر دیتا ہے جس سے وہ رقم خریدار تک نہیں پہونچتی، لہذا یہ بھی کمپنی کا اپنے خریداروں کے ساتھ شرعاً ایک تبرع کا معاملہ ہوا، اور اس کا تعلق سود سے نہیں کہ ''اجتنبوا عن الربوا والربیۃ،، کا حکم جاری ہو۔

نوٹ: یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر بینک میں جمع کردہ رقم پر جو زائد رقم ملتی ہے اس کو سود کیوں کہا جاتا ہے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ بینک میں جو رقم کوئی جمع کرتا ہے محض اپنی مرضی سے بغیر کسی قسم کی دباؤ جبر کے کرتا ہے، لہذا جمع کرنے میں فارم کی خانہ پری میں ایک قسم کے عوض ومعاوضہ کا معاملہ ہوتا ہے کہ اس جمع شدہ رقم پر ماہانہ یا سالانہ یا اس شرط کے ساتھ انٹرسٹ ملے گا، اور یہاں ایسا نہیں ہے، لہذا دونوں میں فرق ہو گیا۔ اور اگر کوئی پھر بھی اس پر قیاس کرے تو یہ قیاس محض قیاس عقلی ہوگا شرعی قیاس نہیں ہوگا، اور معتبر شرعی قیاس ہے نہ کی قیاس عقلی۔

۱۔ کمپنی کی تعریف:

(الف) کمپنی خواہ محدود ذمہ داری والی اور عوامی ہو اس میں شرکت بحدود ہا وقیود ہا جائز ہو سکتی ہے، اور حصص خریدنے والے شرکت عنان کے ضابطہ کے مطابق شریک ہو جاتے ہیں، اور کمپنی چلانے والے اور اس کے ذمہ داران شرعاً حصص خریدنے والوں کے وکیل ہو جاتے ہیں، اور جب تک عقد شرکت عنان کے ضابطہ کے مطابق کام ہوتا رہے گا شرکت عنان صحیحہ کا حکم جاری رہے گا، ورنہ جیسا حال ہوگا ویسا حکم لگے گا۔

(ب) کمپنی کی یہ مذکورہ تعریف شرعی تعریف نہیں ہے اور نہ کمپنی شرعاً وارث ہونے کا حکم رکھتی ہے، بلکہ انتظامی امور کے چلانے اور نافذ کرنے کی شرعی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ کمپنی جو مشترکہ مہر کو استعمال ودستخط وغیرہ کے لئے رکھتی ہے وہ از قبیلہ انتظام ہونے کی بناء پر درست اور صحیح ہے۔

کمپنی کی اہم خصوصیات:

اس عنوان کے نیچے پانچوں درج شدہ نمبرات امور انتظامیہ سے متعلق ہیں، حسب ضابطہ وشرع سب جائز اور درست رہیں گے۔

۲۔ کمپنی کے حصہ دار:

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اراکین سے مراد محض حصہ خریدنے والے ہیں جب تو بلاشبہ یہ سب رکن شمار ہوں گے، اور اگر اراکین سے مراد حصہ خریدنے والوں کے علاوہ بھی ہوں مثلاً کمپنی کے چلانے والے اور ذمہ داران ہوں، تو اگر حصہ داروں کی اجازت سے ہو خواہ اجازت صراحۃً ہو یا دلالۃً ہو، تو یہ لوگ بھی ارکان اور حصہ دار شمار ہو سکتے ہیں، ورنہ صرف وکیل اور نائب شمار ہوں گے۔

۳۔ کمپنی کے امور پہ ضبط:

اس عنوان کے ماتحت دونوں پیراگراف درج شدہ صحیح اور درست ہے۔

۴۔ کمپنی کا سرمایہ حصص:

یہ طریقہ کار بھی درست ہے۔

۵۔ منظور شدہ سرمایہ:

یہ طریقہ کار بھی درست ہے۔

۶۔ جاری شدہ سرمایہ:

یہ طریقہ کار بھی درست ہے۔

۷۔ پیش کشی سرمایہ یا ادا شدہ سرمایہ:

یہ مفہوم واصطلاح بھی درست ہے۔

۸۔ آمد شدہ سرمایہ:

اس کے متعلق گفتگو بھی صحیح و درست ہے۔

۹۔ حصہ یعنی کمپنی کے سرمایہ کا غیر منقسم قلیل ترین جز:

اس کے تحت ذکر کردہ مفہوم واصطلاح سب درست ہے۔

۱۰۔ ترجیحی حصص:

یہ طریقہ کار بھی درست ہے۔

۱۱۔ اسناد حصص:

یہ طریقہ کار بھی درست ہے

۱۲۔ حصص حاصل کرنے کے طریقے:

اس عنوان کے تحت حصول حصص کے دو ذریعوں میں سے پہلا ذریعہ (اجراء حصص) اس کا طریقہ کار بھی درست ہے، اور دوسرے ذریعہ کے تحت درج کردہ پہلا ذریعہ (عوامی اجراء) یہ طریقہ کار بھی درست ہے۔

۱۳۔ البتہ حصول حصص کا ذریعہ نمبر ۲ یعنی برابری کے حصص سے منسلک قرض تمسکات کا اجراء، یہ محل کلام ہوسکتا ہے۔ کیونکہ تمسک کی اصل حقیقت اس پرچہ (کاغذ) کی ہوتی ہے، اور اس کاغذ کی حیثیت سند ووظیفہ یا رسید کی ہوگی نہ کہ مال کی، لہٰذا اس کی بیع وشراء یا قرض لینا دینا درست نہ ہوگا۔

البتہ اگر اس کی حیثیت عرفی عام طور سے مال جیسی ہو جاوے جیسا کہ کاغذی نوٹ، ڈالر وغیرہ کی حیثیت عرفی مال جیسی ہوگئی اور اس حیثیت عرفی میں اس کا تبادلہ وادائیگی زکوٰۃ وغیرہ کی اباحت کا حکم ہوگیا، اسی طرح ان تمسکات (رسیدات) کا حکم بھی ہو جاوے گا کیونکہ مال کی فقہی تعریف ان تمسکات پر صادق آجاوے گی، اور مال کی فقہی تعریف یہ ہے:

المراد بالمال مايميل إليه الطبع ويمكن ادخاره لوقت الحاجة والماليه تثبت بتمول

الناس كافة أو بعضهم والتقوم يثبت بهاو بإباحة الانتفاع بهاشرعا (شامی نعمانی ۳ر۴)۔

ورنہ ان تمسکات کا شرعاً بیع وشراء وغیرہ سوائے عقد حوالہ کے درست نہ رہے گا، لہٰذا اس مفہوم پر خوب غور کر کے حکم لگایا جاوے۔

اسی طرح جس صورت میں شرعی ربا لینے دینے کا معاملہ ہوگا اس صورت میں حتی المقدور سودی معاملہ سے بچنے کی سعی کرنا لازم رہے گا۔ اور انہی وجوہ سے مضمون کے قرض تمسکات سے متعلق بقیہ مباحث پر مزید کوئی گفتگو نہیں کی گئی ہے۔

۱۴۔ حصص میں سرمایہ کاری کے فوائد:

اس کے تحت درج ۱، ۲ کا طریقہ کار درست ہے، اور ۳ اور اس کے بعد کے مندرجات از ۱۲ تا ۱۴ میں وہی گفتگو ہے جو قرض تمسکات کے مباحث میں مذکور ہو چکی ہے۔

نوٹ: اتنی گفتگو کے بعد (زیر عنوان خلاصہ اور سوال نامہ پر) کچھ لکھنے کی حاجت نہیں۔

☆☆☆

<u>مولانا شمس پیرزادہ، بمبئی</u>

کسی سودی اسکیم میں شریک ہونا یا تعاون کرنا ہرگز جائز نہیں، البتہ موجودہ حالات میں واقعی مجبوریوں کا لحاظ کئے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ اس لئے جس کے لئے جس حد تک مجبوری ہے اس کے لئے اسی قدر رعایت ہوسکتی ہے کہ "اتقوا الله مااستطعتم"۔

۱ تا ۵: ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔

۶۔ صفر سود یہ قرض تمسکات سے متعلق ہے جو دراصل سود کے لئے ایک حیلہ ہے اس لئے جائز نہیں۔

۷۔ ضرور تا ایسی کمپنی کے قیام میں مدد دی جاسکتی ہے جس کی اسکیم میں کاروبار کے لئے سودی قرض لینا شامل ہو، کیونکہ قرض لینے کی مجبوری عام طور سے نہیں آتی ہے۔

۸۔ اس کا جواب اثبات میں ہے۔

۹ تا ۱۲۔ ان سب کا جواب نفی میں ہے۔

واضح رہے کہ معاملہ کی نوعیت اگر یہ ہو کہ اصلاً وہ درست ہے لیکن ضمناً اس میں سود شامل ہو گیا ہے تو اس کے لئے جواز کی صورت ہے، لیکن اگر معاملہ کی نوعیت ہی سودی کاروبار کی ہو تو وہ جائز نہ ہوگا۔ ڈبنچر (Debenture) کا معاملہ صریح طور پر سودی معاملہ ہی ہے، اس لئے اس کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں۔

۱۳۔ اگر کمپنی نے حصص کے سلسلے میں بطور حق قرض تمسکات کی پیشکش کی ہے تو اس کو فروخت کر کے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۱۴۔ جب قرض تمسکات خریدنا ہی جائز نہیں تو ان کو حصص میں تبدیل کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

۱۵، ۱۶۔ ان دونوں کا جواب بھی عدم جواز کا ہے۔

۱۷۔ سود اگر وصول ہی کرنا پڑا ہو تو اس کا مصرف فقراء و مساکین پر صرف کرنا ہے۔

۱۸۔ حصص کی فروخت اپنے نام منتقل کرائے بغیر جائز ہے۔

۱۹۔ جب قرض تمسکات خریدنا جائز نہیں تو ان کی فروخت کا کیا سوال۔ اگر کسی کے پاس قرض تمسکات ہوں تو وہ فروخت کر کے سود کی رقم اس میں سے منہا کر دیئے

☆☆☆

<u>مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، ندوۃ العلماء لکھنؤ</u>

۱۔ سوال واضح نہیں ہے، اس لئے جواب دینا مشکل۔

۲، ۳۔ جائز نہیں۔

۴۔ اگر قرض غیر سودی ہو تو ایسی شکلیں جائز ہوں گی جن میں ربا (سود) لازم نہ آئے۔ لیکن قرض دلانے کا "واسطہ" بننے کی اجرت اصلاً جائز نہیں۔

۵۔ جائز نہیں۔

۶۔ جو سوال نمبر ۴ کا جواب ہے وہی اس کا جواب بھی ہے۔

۷۔ جائز نہیں۔

۸۔ اگر سود پر لئے گئے قرض کی رقم کا کاروبار اور غیر سودی رقم کا کاروبار علیحدہ علیحدہ ہو تو اس میں سرمایہ کاری کی جاسکتی ہے، ورنہ نہیں۔

۹، ۱۰۔ اگر حصص غیر سودی ہوں تو انہیں فروخت کی غرض سے خریدنا شرعاً جائز ہونا چاہئے۔

۱۱۔ جب سودی قرض کے تمسکات خریدنا ہی جائز نہیں تو اس پر متفرع صورت بھی جائز نہیں۔

۱۲۔ جائز ہے، خریدے جاسکتے ہیں۔

۱۳۔ محض "پیشکش" شرعاً قابل عوض نہیں، جو شئی یا عمل قابل عوض نہ ہو اس پر مال لینا جائز نہیں۔

۱۴، ۱۵۔ شکل واضح نہیں، تفصیل معلوم ہونے اور شکل کے واضح ہو جانے کے بعد ہی کوئی رائے دی جاسکتی ہے۔

۱۶۔ جس سے سود وصول ہوا ہے اسی کو وہ رقم دیدی جائے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

۱۷۔ جیسا کہ سوال نمبر ۱۶ کے تحت گذرا کہ اس میں (۱۶ میں) تو ایک شکل جواز کی نکل سکتی ہے، بقیہ میں نہیں۔ پھر جب ایسے "تمسکات" کا خریدنا ہی جائز نہیں تو اس پر ملنے والے سود سے متعلق سوال ہی بے محل ہے۔ اور اس کا حکم بھی واضح ہے کہ ہر قسم کے سود کا لینا حرام ہے۔

۱۸، ۱۹۔ "بیع قبل القبض" کی صورت نہ پیدا ہو تو اس شکل سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی

۱۹ نمبرات پر مشتمل سوالنامہ کا تجزیہ خلاصہ کے طور پر دو حصوں میں کیا جاسکتا ہے:

ا۔ یہ کہ کمپنی جو تجارت کے لئے قائم کی جاتی ہے، اور اس کا سرمایہ مقرر کرکے اس کے شیئرز (Shares) خریدے جاتے ہیں، اس اسکیم میں کاروبار کا جو طریقہ ہے مثلاً سود پر قرض لینا اور اس کا سود اصل رقم سے یا نفع کی رقم سے دینا، اسی طرح اصل یا نفع کی رقم کو سود پر دینا اور حاصل شدہ سودی رقم کمپنی کے نفع میں شامل کرکے شیئر ہولڈرس (Share Holders) کو تقسیم کرنا، کیا ایسی کمپنی میں مسلمانوں کے لئے شیئرز خریدنا یعنی اس میں حصہ دار بننا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ یہ کہ شیئرز کی قیمتوں میں کمپنی کے نفع اور نقصان کے اعتبار سے کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے، لہذا شیئرز ہولڈرس شیئرز کی قیمتیں زیادہ ہوجانے کے وقت بعض دفعہ اپنا حصہ کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیتے ہیں، تو کیا کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً درست ہے؟ غرضیکہ سوالنامہ کا حاصل یہ دو سوالات ہیں، ان میں سے ہر ایک کا جواب بالترتیب ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ کمپنی میں شیئرز خریدنے کا جو طریقۂ کار ہے اور کاروبار چلانے کی جو اسکیم ہے شرعی نقطۂ نظر سے یہ شرکت کا معاملہ ہی نہیں ہے۔ فقہی اصول وضابطے کے مطابق نہ تو یہ شرکت عنان ہے، نہ شرکت مفاوضہ میں داخل ہے، نہ ہی شرکت صنائع وتقبل میں اس کا شمار ممکن ہے۔ اگر اسے شرکت مضاربت میں رکھا جائے تو اس کے تمام شرائط بھی اس میں نہیں پائے جاتے، سب سے زیادہ خطرناک بات یہ پائی جاتی ہے کہ شیئرز ہولڈرس جو کچھ پیسے کمپنی میں جمع کرتے ہیں وہ پیسے کبھی کسی حالت میں واپس نہیں ملتے، کمپنی کبھی واپس نہیں کرتی۔ شیئر ہولڈر اگر اپنا شیئر کسی کے ہاتھ فروخت نہ کرے تو اس کے سرمایہ کی رقم ایک طرح سے سوخت ہوجاتی ہے۔

۲۔ رہا کمپنی کے شیئرز کا فروخت کرنا تو اس کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں۔ اول تو اس وجہ سے کہ وہ رسید جو شیئرز ہولڈر کو کمپنی کی طرف سے رقم کی وصولیابی پر ملتی ہے وہ مبیع نہیں، بلکہ مبیع درحقیقت وہ رقم ہے جو شیئرز ہولڈر کی کمپنی میں جمع ہے، اور پیسوں کی بیع پیسوں کے عوض کمی زیادتی کے ساتھ شرعاً ناجائز ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔ دوسرے یہ کہ کمپنی میں جو رقم جمع ہوتی ہے وہ نقد کی شکل میں جمع نہیں رہتی ہے، بلکہ کچھ عمارت کی شکل میں، کچھ فرنیچر کی شکل میں، کچھ سامان تجارت کی شکل میں، اور کچھ دوسروں کے یہاں سودی قرض کی شکل میں ہوتی ہے، لہذا مبیع اس صورت میں مجہول ہے معلوم اور متعین نہیں ہے، اور یہ کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ جس بیع میں مبیع مجہول ہو اس کی بیع درست نہیں۔ اوپر بتایا جاچکا ہے کہ شیئرز ہولڈر کی جو رقم کمپنی میں جمع ہوتی ہے وہ رقم واپس نہیں ملتی ہے، نہ وہ خود واپس لے سکتا ہے، پس جو چیز مشتری کو سپرد کرنے پر بائع قدرت نہیں رکھتا ہے اس کی بیع شرعاً کس طرح جائز ہوگی۔ علاوہ ازیں شیئر کو فروخت کرتے وقت بائع اور مشتری ہر دو کے نزدیک نفع کی رقم نامعلوم ہوتی ہے، نیز کمپنی میں پوری رقم نقد کی شکل میں بہت سے لوگوں کے ذمہ دین ہوتی ہے، اور بیع صرف دین میں جائز نہیں، یہاں مدیون بائع اور مشتری کے علاوہ تیسرا شخص

ہے۔ غرض ان سب وجوہ سے کمپنی کے شیئرز کا فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں۔

☆☆☆

مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی، باندہ

۱۔ گنجائش سمجھ میں آتی ہے، بالخصوص جبکہ سودی قرض کا تذکرہ قانونی مصالح کی بنا پر ہو۔

۲۔ اگر وہ کمپنی جواز کا فتوی لے چکی ہے اور وہ محض سفارش کی حد تک نہیں بلکہ باقاعدہ بھاگ دوڑ اور وقت کی قربانی کے ساتھ ہو تو جائز ہے۔

۳ تا ۵۔ بظاہر یہ سارے کام سودی دستاویز کاغذات سے متعلق ہیں، اس لئے یہ اجرت جائز نہ ہوگی۔

۶۔ لی جاسکتی ہے۔

۷، ۸۔ جی ہاں۔

۹ تا ۱۳، ۱۸۔ قرض تمسکات کی بیع کا جواز سمجھ میں نہیں آتا، اصولاً یہ تمسکات اسناد قرض ہیں اور یہ معاملہ حوالہ ہے جس میں صاحب حق اصل سے کم تو تاویل کے ساتھ لے سکتا ہے مگر ادا کردہ رقم سے زائد لینا سمجھ میں نہیں آتا کہ کس تاویل سے ہوگا۔

البتہ مالکیہ کے یہاں قرض کو غیر مقروض کے ہاتھ بھی بیچا جاسکتا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴؍۴۳۴)، اور کمپنیوں کا اب جو عام رواج ہے اس کی وجہ سے اس کے معاملات کو ابتلائے عام کے تحت شمار کر کے ایک موقع پر حضرت تھانویؒ نے دوسرے مذہب پر فتوی کا ذکر کیا ہے (امداد الفتاوی ۳؍۴۹۵) اس لئے ضرورتاً یہاں اس کو اختیار کر لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ سود کے لین دین کا معاملہ جڑا ہوا نہ ہو، اور یہ تمسکات عموماً اس سے خالی نہیں ہوتے، اس لئے منع کیا جائے گا۔

۱۴، ۱۵۔ صورت پورے طور پر سمجھ میں نہیں آتی، آدمی اپنے حق کی واجبی لاگت میں کمی وزیادتی کرسکتا ہے۔

۱۶۔ نہیں۔

۱۷۔ ہاں۔

۱۹۔ حوالہ کی مذکورہ صورت درست ہے۔

☆☆☆

مفتی جمیل احمد نذیری، مبارکپور

۱۔ اجرت لی جاسکتی ہے۔

(الف) إذا استأجر رجلاليحمل له خمرا فله الأجر في قول أبي حنيفة وقال أبو يوسف ومحمد لا أجر له وإذا استأجر ذمي مسلماليحمل له خمرا ولم يقل ليشرب أو قال ليشرب جازت الإجارة في قول أبي حنيفة خلافا لهما.

(ب)إذا استأجر ذمي دابة من مسلم أوسفينة لينقل عليها الخمر جازفي قول أبي حنيفة.
(ج) إذا استأجر الذمي من المسلم بيتاليبيع فيه الخمر جازعند أبي حنيفة.
(د) ولواستأجرمسلماليرعى له الخنازيريجب أن يكون على الخلاف كمافي الخمر.
(ھ) مسلم آجرنفسه من مجوسي ليوقدله النار لابأس به كذا في الخلاصة.
(و) وإن استأجر لينحت له طنبورا أوبربطافعل طاب له الأجرإلاأنه يأثم به كذا في فتاوی قاضي خان.
(ز) ولواستأجر الذمي ليبني له بيعة أو كنيسة جاز ويطيب له الأجر كذا في المحيط
(فتاوی عالمگیری کتاب الاجارۃ ۵۲۶/۳)

اس کی ایک اور نظیر امدادالفتاوی (۱۶۷/۳) میں حضرت تھانویؒ کا وہ فتوی بھی ہے جس میں ایک سوال کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ مدارس ومکاتب میں استاد اگر نصاب کی کتاب میں سود کا حساب پڑھائے تو جائز ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حساب کتاب خود معصیت نہیں بلکہ اس کا عملی استعمال معصیت ہے، اسی طرح کسی کمپنی کے قیام کی ایسی اسکیم بنانا جس میں کاروبار کے لئے سود پر قرض لینا شامل ہو، بذات خود معصیت نہیں بلکہ کاروبار کے لئے سودی قرض لینا معصیت ہے۔

۲۔ جائز نہیں، کیونکہ سودی قرض دلانے میں مدد کرنا معصیت ہے (دیکھئے: تنقیح فتاوی حامدیہ ۱۴۰/۲)۔

۳،۴۔ اجرت حاصل کی جاسکتی ہے، جواب نمبر ا کے تحت دلائل ذکر کئے جاچکے ہیں۔

۵،۶۔ اجرت حاصل کی جاسکتی ہے۔

۷،۸۔ ایسی کمپنی میں سرمایہ کاری جائز ہے بشرطیکہ کمپنی جو کاروبار کرنے والی ہو یا کررہی ہو وہ فی نفسہ مباح ہو اور سرمایہ کاری کرنے والے کا سرمایہ اور نفع سود سے محفوظ رہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

حقیقت شرعیہ اس معاملہ کی شرکت ہے، یعنی روپے داخل کرنے والے اس تجارت کے شرکاء ہیں اور کارکنان کمپنی تمام کاروبار میں ان کے وکیل ہیں، اور چونکہ یہ تجارت یعنی بجلی تیار کرکے اہل حاجت کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے اس کا نفع وغیرہ بھی حلال ہے۔ رہا وہ امر خلاف اشرع جو اخیر میں لکھا ہے اس عبارت میں کہ بعض اوقات قرضہ......الی قولہ......وصول کرتی ہے۔ سو جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس کی اطلاع نہ ہو اس نے تو کارکنان کمپنی کو ان دو امر (یعنی قرض لینا اور اس پر سود وصول کرنا) کا وکیل ہی نہیں بنایا، اس لئے کارکنوں کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا، اور جن کی اطلاع ہو تو وہ تصریحاً اس کی ممانعت کردیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرف نسبت تو نہ ہوگی، یہ کلام تو منسوب ہونے یا نہ ہونے میں ہے۔ لیکن یہ سوال اب بھی باقی ہے کہ کمپنی جو سود وصول کرے گی حصہ داروں پر وہ بھی تو تقسیم ہوگا، تو سود سے یہ حصہ دار منتفع ہوئے، سو اس میں کئی حالتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس کا وقوع لازم تو ہے نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ کمپنی کا کسی کے ذمہ قرضہ ہی نہ ہو، اس لئے سود

لینے کی نوبت ہی نہ آئے، اور اصل صورت تجارت کمپنی کی حلال تھی، تو شک سے حرمت کا حکم نہ کریں گے اور تفتیش ایسے امور میں واجب نہیں، نہ تفتیش سے ہر شخص کو اس جز کا وقوع یا عدم وقوع معلوم ہو سکتا ہے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ کمپنی نے یہ سود غیر مسلم سے لیا ہے تو اس میں ربوا من الحربی کا مسئلہ جاری ہوگا، جس کا مختلف فیہ ہونا معلوم ہے، اس لئے مبتلا کو اس میں تنگی نہ ہوگی، اور جو سود کمپنی نے دیا ہے اس میں شرکاء کا سود سے انتفاع محتمل ہی نہیں (امداد الفتاوی ۳/۴۹۱، ۴۹۲)۔

۹۔ اگر حصص کے ساتھ قرض تمسکات کا خریدنا لازم نہ ہو تو صرف حصص ہی خریدے جائیں اور اگر حصص کے ساتھ قرض تمسکات بھی خریدنا لازم ہو تو سوال میں ذکر کردہ نیت کے ساتھ خریدنا جائز ہے۔ لیکن جتنے میں خریدا ہے اس سے زیادہ پر فروخت کرنا کی گنجائش نہیں، زائد رقم سود ہو جائے گی۔

اسی طرح فروختگی سے پہلے اس پر جو سود کا اضافہ ہو چکا ہو اس کو بھی شامل کر کے دونوں کی مجموعی قیمت پر بھی فروخت کرنا جائز نہیں، بلکہ خالص قرض کی رقم پر فروخت کیا جائے۔ البتہ کم پر فروخت کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ سوال میں اگر چہ اسے ''فروختگی'' سے تعبیر کیا گیا ہے مگر حقیقت میں یہ ''خرید و فروخت'' نہیں ''حوالہ'' ہے۔ اگر بیع کی نیت ہو تو کسی طرح یہ بیع جائز نہ ہوگی، کیونکہ دین کی بیع درست نہیں۔ درمختار میں ہے:

وأفتى المصنف ببطلان بيع الجامكية لما في الاشباه بيع الدين إنما يجوز من المديون. وفي ردالمختار إذا باع الدين من غير من هو عليه كماذكر لايصح (۱۴/۴)۔

ہاں اگر حوالہ کی نیت کی جائے تو یہ معاملہ جائز ہوگا مگر پھر حوالہ کی ساری شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا۔

یہاں تین فریق ہیں:

محیل: حوالہ کرنے والا یعنی وہ شخص جس نے کمپنی سے قرض تمسک خریدا ہے۔

محتال[۱]: جس کا قرض دوسرے کے حوالہ کیا جا رہا ہے یعنی کمپنی۔

محتال علیہ: جسے اب قرض کی وصولیابی کا ذمہ دار بنایا جا رہا ہے یعنی وہ شخص جو قرض تمسک خریدنے والے سے قرض تمسک خرید رہا ہے۔

محیل قرض تمسکات پر زائد رقم اس لئے نہیں لے سکتا کہ حوالہ کرتا ہے اور کم اس لئے لے سکتا ہے کہ اسے جائز تھا کہ وہ قرض کی پوری رقم حوالہ کرے یا اس کا کوئی جز۔

محیل کا جو قرضہ کمپنی کے ذمہ تھا، اس نے اسے محتال علیہ سے وصول کر کے اور قرض تمسکات محتال علیہ کے سپرد کر کے یہ بتا دیا کہ اب یہ قرضہ کمپنی سے تم وصول کر وا اور اپنے پاس رکھ لو، یہاں اہم بات یہ ہے کہ جب محیل نے

۱۔ حقیقت میں محتال وہ شخص ہے جس نے قرض تمسک خریدا ہے اور محتال علیہ کمپنی ہے، یہ کتاب الحوالہ کی فقہی اصطلاح کے مطابق ہے، لیکن یہاں جو صورت حال پیش آئی ہے اس کے اعتبار سے محتال اور محتال علیہ الگ لکھے گئے ہیں، یوں فقہی اصطلاح بھی یہاں صادق آ جاتی ہے۔ مسئلہ میں کسی اعتبار سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

قرض تمسکات دے کر محتال علیہ سے کمپنی پر عائد شدہ قرض کی رقم وصول کرلی تو یہ محتال علیہ کا قرضدار ہوگیا اور محتال علیہ قرضخواہ، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر محتال علیہ کمپنی سے کسی وجہ سے تمسکات کی رقم وصول کرنے پر قادر نہ رہا تو جو رقم وہ محیل کو دے چکا ہے محیل اسے لوٹائے گا (دیکھئے: ہدایہ ۳/۱۲۹، تنقیح فتاوی حامدیہ ۱/۲۹۳)۔

قرض تمسکات کو کم قیمت پر حوالہ (فروخت) کرنے کی صورت میں محتال (مشتری) سے کہہ دیا جائے کہ تمہاری دی ہوئی رقم سے جو زائد رقم تم کو ملے گی (یعنی اصل قرض تھا ایک ہزار روپے، حوالگی ہوئی نوسو روپے کی تو قرض تمسکات پر محتال کو ایک سو روپے زائد ملے) وہ تمسکات سے روپے حاصل کرنے کی دوڑ دھوپ کی اجرت میں رکھ لینا، ساتھ ہی اسے یہ بھی بتادیا جائے کہ ان تمسکات پر جو سود لگ رہا ہے اسے وصول نہ کرنا، اس کے بعد بھی وہ وصول کرے گا تو خود گناہ گار ہوگا، اس کی ذمہ داری ختم ہوجائے گی (دیکھئے: امداد الفتاوی ۳/۴۹۱)۔

۱۰۔ خریدے جاسکتے ہیں اور ان تمسکات پر ملنے والے سود کو بلا نیت ثواب غرباء پر صدقہ کردیا جائے۔

۱۱۔ قرض تمسکات کی فروختگی دراصل حوالہ ہے اور حوالہ کی ہی نیت وشرائط کے ساتھ جائز ہوسکتا ہے ورنہ نہیں، جیسا کہ سوال نمبر ۹ کے جواب کے تحت تفصیل سے لکھا جاچکا ہے۔ لہذا زائد قیمت پر فروخت (حوالہ) کرنا جائز نہیں ہے۔

مضمر حصص کی قیمت میں کمی بیشی کا کوئی اعتبار نہ ہوگا بلکہ قرض تمسکات جتنی رقم کے ہیں وہی رقم معتبر ہوگی اور اسی کی حوالگی صحیح ہوگی۔

۱۲۔ کمپنی اور بازار دونوں سے خریدے جاسکتے ہیں، لیکن کمپنی سے خریدنا دراصل کمپنی کو قرض دے کر سند قرض حاصل کرنا ہے، لیکن بازار سے خرید نا بیع کی نیت وشرط کے ساتھ جائز نہیں کیونکہ یہ حوالہ ہے، لہذا حوالہ کے احکام پر عمل درآمد ضروری ہے، جن کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۱۳۔ مذکورہ قرض تمسکات میں بھی حوالہ کے احکام پر عمل کرسکتے ہیں، لیکن ''فائدہ'' غالباً نہ ہوسکے گا کیونکہ زائد پر فروخت (حوالہ) کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

۱۴۔ احقر کے نزدیک یہ صورت جائز معلوم ہوتی ہے، اس کی نظیر انکم ٹیکس (Income Tax) و سیل ٹیکس (Sale Tax) میں سودی رقم دینے کا جواز ہے (فتاوی رحیمیہ ۳/۱۷۵، نظام الفتاوی ۲/۳۳۰، ۳۳۱)۔

۱۵۔ ناقابل تبدیل اجزاء کی فروخت (حوالگی) پر اضافی رقم نہیں لی جاسکتی، لہذا یہ سوال ہی ختم ہوجاتا ہے کہ حصص کی لاگت کو اضافی قیمت سے منہا کرکے کم کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔

۱۶۔ ناقابل تبدیل اجزاء کے حوالہ (فروخت) کرنے پر ''نقصان'' سے مراد یہ ہو کہ اتنی رقم نہ مل پائے گی جو حصص مضمر ہونے کی صورت میں ملتی لیکن وہ رقم مل جائے گی جو اب کمپنی کے ذمہ قرض رہ گئی ہے، تو یہ نقصان شرعاً نقصان نہیں۔ لہذا سود سے اس کی تلافی کا کیا سوال۔

لیکن اگر نقصان سے مراد یہ ہو کہ اتنی رقم نہ مل پائے گی جو اب کمپنی کے ذمہ باقی رہ گئی ہے تو بھی موجودہ

صورت میں سود کی رقم سے اس کی تلافی احقر کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ سود ملا ہے کمپنی سے اور نقصان ہوا ہے کسی اور کو نا قابل تبدیل اجزاء حوالہ (فروخت) کرنے سے۔

جہاں تک سوال نمبر ۱۴ کا تعلق تھا اس میں اضافی رقم لینا اور سود دینا، دونوں کام کمپنی ہی کرتی تھی، لہذا جو رقم جہاں سے آئی تھی وہیں پہونچ گئی۔ پھر موجودہ صورت میں نقصان کا کیا سوال؟ نا قابل تبدیل اجزاء کی رقم کمپنی تو دے گی ہی، خواہ تاخیر سے ہی سہی۔

۱۷۔ قرض تمسکات پر ملا سود واجب التصدق ہوگا، اور قرض تمسکات کی فروخت (حوالہ) پر منافع کا سوال ہی نہیں، تفصیل جواب نمبر ۹ کے تحت گذری ہے۔

۱۸۔ حصص کی بیع منقول کی بیع ہے، اور منقولات کی بیع بلا قبضہ جائز نہیں ہے۔

وبیع المنقول قبل القبض لایجوز بلاخلاف بین أصحابنا (بدائع الصنائع ۳۰۶/۵)۔

بزازیہ میں ہے:

لایصح بیع المنقول قبل قبضه من البائع أو الأجنبی لنهیه علیه الصلوة والسلام عن بیع مالم یقبض (بزازیہ ۳۹۶/۴، شامی ۱۶۲/۴، فتح القدیر ۱۳۵/۶)۔

نام کی منتقلی ہی قبضہ ہے، جب نام منتقل نہیں ہوا تو قبضہ نہیں ہوا، لہذا یہ خرید وفروخت جائز نہ ہوگی۔

۱۹۔ قرض تمسکات کو زائد رقم پر فروخت (حوالہ) نہیں کیا جاسکتا، انتظار کیا جائے اور حصص میں تبدیل ہونے کے بعد فروخت کیا جائے تا کہ زائد رقم جائز رہے۔ چونکہ یہ حوالہ ہے اس لئے قبضہ کی شرط نہیں ہے، نام منتقل ہوئے بغیر بھی "حوالہ" کرنا جائز ہے لیکن زائد رقم لینا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆

<u>مفتی اسماعیل بھدکودروی، گجرات</u>

۱۔ کمپنی کی جس اسکیم میں سود پر قرض لینا شامل ہو، ایسی اسکیم بنا کر اجرت لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ باختیار خود سودی قرض لینے کا مباشر بنتا ہے۔

۲۔ سودی قرض دلانے کی کارروائی میں مدد کر کے اجرت حاصل کرنا جائز نہیں ہے، حدیث شریف میں سودی معاملہ میں معاون بننے پر وعید وارد ہوئی ہے۔

۳۔ نا قابل تبدیل سودی قرض تمسکات سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کرنا جائز نہیں ہے، یہ حکم کمپنی کے غیر حصہ دار کے لئے مذکورہ تمسکات کی کارروائی سے متعلق ہے، کیونکہ کمپنی کے پرانے حصہ دار کیلئے بطور حق سودی قرض تمسکات سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کرنا محل غور وفکر ہے۔

۴۔ اس صورت میں بھی غیر شریک کے لئے حصص سے منسلک نا قابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کرنے کا حکم جواب نمبر ۳ کی طرح نا جائز ہے، اور حصہ دار کے لئے یہ امور

انجام دے کر اجرت حاصل کرنا محل غور وفکر ہے۔

۵۔ کلی طور پر قابل تبدیل سودی قرض تمسکات سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کرنا جائز ہے، چاہے یہ امور کمپنی کے حصہ دار کے لئے انجام دیئے جائیں یہ غیر حصہ دار کے لئے، دونوں صورتوں میں اجرت لینا جائز ہے کیونکہ سود کے نام سے ملنے والی رقم کو برابری کے حصص کی قیمت کی کمی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات سے متعلق امور غیر حصہ دار کے لئے انجام دے کر اجرت حاصل کرنا ناجائز ہے، البتہ حصہ دار کے لئے یہ امور انجام دینا اور اجرت حاصل کرنا محل غور ہے۔

۶۔ اس صورت میں سود کا دخل نہیں ہے، لہٰذا ایسے غیر سودی قرض تمسکات سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کرنا جائز ہے، اس صورت میں اگر چہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرض دے کر برابری کے حصص کم قیمت میں حاصل کرنے کا فائدہ اٹھانا پایا جاتا ہے، مگر اس قرض تمسکات کے سرمائے میں اگر یہ توجیہ کی جائے کہ یہ سرمایہ قرض نہیں ہے بلکہ ملنے والے حصص کی داخل کردہ قیمت ہے، تو پھر قرض دے کر اس سے کم قیمت میں حصص حاصل کرنے کا اشکال باقی نہ رہے گا۔

۷، ۸۔ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے ایسی کمپنی کے شیئرز خرید کر اس میں سرمایہ لگانے کا یہ حل تحریر فرمادیا ہے کہ: سو جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس کی اطلاع نہ ہوا اس نے اس نے تو کارکنان کمپنی کو ان دو امر کا وکیل ہی نہیں بنایا، اس لئے کارکنوں کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا، اور جس کو اطلاع ہو وہ تصریحاً اس سے ممانعت کردیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرح نسبت تو نہ ہوگی۔ (امداد الفتاوی ۳/ ۴۹۱)۔

۹۔ حصص سے منسلک نا قابل تبدیل یا قابل تبدیل سودی قرض تمسکات بازار سے خریدنا نہ کمپنی کے پرانے حصہ دار کے لئے جائز ہے نہ غیر حصہ دار کے لئے، اس لئے کہ یہ صورت تو نقد رقم دے کر دوسرے سے اس کا کمپنی کو دیا ہوا قرض خریدنا ہے، اور اگر نقد رقم اور قرض تمسکات میں اداشدہ سرمایہ میں کمی زیادتی ہو تو اور بھی زیادہ مذموم ہے کہ ربائے فضل کا تحقق بھی ہوگا۔

کلی قابل تبدیل سودی قرض تمسکات کو براہ راست کمپنی سے خریدنا حصہ دار اور غیر حصہ دار دونوں کے لئے جائز ہو اس کی گنجائش ہے، کیونکہ اس صورت میں ملنے والے سود کو برابری کے حصص کی قیمت کی کمی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

جزوی طور پر قابل تبدیل سودی قرض تمسکات کو براہ راست کمپنی سے خریدنا غیر حصہ دار کے لئے تو جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کے سرمایہ کا نا قابل تبدیل جز تو خالص سودی قرض ہی میں محبوس رہے گا، البتہ کمپنی کے حصہ دار کے لئے ایسے تمسکات کا خریدنا محل غور وفکر ہے۔

۱۰۔ اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو نمبر ۹ کے جواب میں مذکور ہوئی، اور اس صورت میں ایسی نیت کرنے سے کہ ان تمسکات کو بقدر ضرورت (یعنی حصص میں تبدیل ہونے تک) ہی روکا جائے گا، خریداری کے ناجائز ہونے پر کچھ اثر نہ ہوگا۔

۱۱۔ قابل تبدیل قرض تمسکات کے حصص میں تبدیل ہونے سے پہلے ان کو فروخت کرنا اور منافع حاصل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ سرمایۂ تمسکات کے حصص میں تبدیل ہونے سے پہلے یہ سرمایۂ نقد کا سرمایۂ دین کے عوض کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ ہے جو کھلا ہوا سودی معاملہ ہے۔

۱۲۔ مذکورہ غیر سودی قابل تبدیل تمسکات کو براہ راست کمپنی سے خریدنا کمپنی کے حصہ دار اور غیر حصہ دار دونوں کے لئے جائز ہے، مگر بازار سے خریدنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ سرمایۂ نقد و دین کا کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ ہوگا۔

۱۳۔ ناقابل تبدیل قرض تمسکات اور جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کی پیشکش سے دوسرے کے حق میں دستبردار ہو کر اس کا عوض لینا جائز نہیں ہے کیونکہ کمپنی کے حصہ دار کے لئے ان دونوں قسم کے تمسکات کا لینا قابل غور و فکر ہے اور غیر حصہ دار کے لئے تو اس کا لینا جائز ہی نہیں ہے، اور کلی طور پر قابل تبدیل سودی قرض تمسکات کا خریدنا (ادائیگی قیمت اور ملنے والے سود میں نقص قیمت کی تاویل سے) اگر چہ جائز ہے مگر کمپنی تو اس کو قرض ہی کا نام دیتی ہے، اور حق اقراض سے دستبرداری کا عوض لینا جائز نہیں ہے۔ لہذا احتیاط یہی ہے کہ اس قسم کے تمسکات سے دوسرے کے حق میں دستبردار ہو کر فائدہ نہ حاصل کیا جائے۔

۱۴۔ جیسا کہ مذکورہ بالا جوابات میں واضح کیا گیا ہے اس کے مطابق کلی طور پر قابل تبدیل سودی تمسکات پر ملنے والے سود کو حصص کی قیمت کی کمی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

۱۵۔ اس طرح قرض تمسکات کے ناقابل تبدیل اجزاء کے فروخت پر حاصل شدہ اضافہ کو حصص کی اضافی قیمت میں سے منہا سمجھنا درست نہیں ہے، کیونکہ حصص کی اضافی قیمت کمپنی حاصل کرتی ہے، اور ناقابل تبدیل اجزاء کے فروخت پر ملنے والا اضافہ اس کے خریدار سے حاصل ہوتا ہے، جو سودی معاملہ سے حاصل ہوا ہے۔

۱۶۔ قرض تمسکات کے ناقابل تبدیل اجزاء کے فروخت پر ہوئے نقصان کی تلافی پر اس پر ملنے والے سود سے کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نقصان خریدار سے ہونے والے سودی معاملہ میں ہے اور ملنے والا سود کمپنی ادا کرتی ہے۔

۱۷۔ سوال نمبر ۱۵ اور ۱۶ میں ذکر کردہ جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کا خریدنا ہی ناجائز ہے، اگر کسی نے لاعلمی میں خرید لیا تو اس کے سود کو بلانیت ثواب فقراء پر صدقہ کردینا چاہئے، اور اگر لاعلمی میں نفع لے کر دوسرے کو فروخت کردیا تو اگر اس معاملہ کو فسخ کرنا دشوار ہو تو لیا ہوا نفع خریدار کو واپس کردے، اس لئے کہ یہ نفع شرعاً سود ہے اور اس کا مالک معلوم ہے۔

۱۸۔ حصص کی خرید و فروخت کا مطلب حصہ دار (شیئر ہولڈر) کمپنی کے مشترکہ اثاثوں میں سے جس مشاع حصہ کا مالک ہے اس حصہ کی خرید و فروخت کرنا ہے، اور اپنے نام حصص کو منتقل کرنے کا مطلب تو صرف اپنی ملکیت کا دستاویزی ثبوت اور استحکام فراہم کرنا ہے، اور ظاہر ہے کہ مالک حصص کی ملکیت شرعاً دستاویزی ثبوت پر موقوف نہیں ہے، لہذا اشیئر ہولڈر اپنے مملوکہ حصص اپنے نام منتقل کرائے بغیر بھی فروخت کرسکتا ہے۔ کمپنی کے مشترکہ اثاثوں میں اشیاء غیر منقولہ (مکانات، فیکٹری وغیرہ) اور اشیاء منقولہ (فرنیچر، تیار شدہ مال، خام مال، نقد سرمایہ وغیرہ) دونوں قسم کی

چیزیں شامل ہیں، اشیاء غیر منقولہ کی فروخت تو قبضہ سے قبل ہی جائز ہے مگر اشیاء منقولہ کی فروخت قبضہ کے بعد جائز ہے، لیکن کارکنان کمپنی شیئر ہولڈر کے وکیل ہیں اس لئے ان کا قبضہ مالک کا قبضہ شمار ہوگا۔ کمپنی کی اشیاء مشترکہ میں نقد سرمایہ بھی شامل ہوگا، لہذا حصص کی فروخت میں بظاہر مالک حصص کا سرمایۂ نقد کا حصہ بھی شامل ہوگا اور سرمایۂ نقد کے تبادلہ میں طرفین سے قبضہ ہونا شرط ہے، ورنہ معاملہ جائز نہ ہوگا، اور یہاں مجلس میں طرفین کا قبضہ نہیں پایا جائے گا۔ اس پیچیدگی کا حل حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے: ''رہا قصہ تقابض کا سو اس کا ایک حیلہ ہوسکتا ہے، وہ یہ کہ مشتری بائع سے یوں کہے کہ تمہارا جتنا روپیہ کمپنی میں ہے اپنے اس زرِ ثمن میں سے تم کو اس قدر (قرض) دیتا ہوں، اور تم اس قرض کا حوالہ اس کمپنی پر کردو، کہ اس سے وصول کروں یا کسی کام میں لگوادوں، اور جو زرِ ثمن میں اس روپے سے کچھ زیادت ہے، اس کے عوض تمہارے حصہ کا سامان از قبیل عروض خریدتا ہوں۔'' (امداد الفتاوی ۴۹۲/۳)

۱۹۔ مذکورہ تمسکات میں لگے ہوئے سرمایہ کے حصص میں تبدیل ہونے سے پہلے (چاہے وہ تمسکات مالک کے نام منتقل ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں) ان تمسکات کو کمپنی کے علاوہ کسی دوسرے سے خریدنا یا کمپنی سے خرید کر کسی دوسرے کو فروخت کرنا، یہ سرمایۂ نقد و دین کا کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کا معاملہ ہے جو سودی معاملہ ہے، لہذا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

کمپنی سے متعلق جوابات کی تلخیص

(۱۹ سوالات کے جوابات)

از...... مفتی محمد فہیم اختر ندوی

۱۔ جائز نہیں ہے۔ (مولانا شمس پیرزادہ، مفتی اسماعیل صاحب)
سوال واضح نہیں ہے۔ (مولانا برہان الدین سنبھلی)
اجرت لینا جائز ہے۔ (مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبید اللہ اسعدی)

۲۔ جائز نہیں ہے۔ (مفتی اسماعیل صاحب، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی جمیل احمد نذیری) اگر وہ کمپنی جواز کا فتوی لے چکی ہے اور یہ مد محنت و وقت کی قربانی کے ساتھ ہو تو درست ہے۔ (مولانا عبید اللہ الاسعدی)

۳۔ حاصل کی جاسکتی ہے۔ (مفتی جمیل احمد نذیری)
جائز نہیں ہوگی۔ (مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا شمس پیرزادہ)
کمپنی کے غیر حصہ دار کے لئے درست نہیں ہے، پرانے حصہ دار کے لئے محل غور وفکر ہے۔ (مفتی اسماعیل صاحب)

۴۔ نہیں کی جاسکتی۔ (مولانا شمس پیرزادہ، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عبید اللہ الاسعدی)
حاصل کی جاسکتی ہے۔ (مفتی جمیل احمد نذیری)
غیر حصہ دار کے لئے درست نہیں ہے، حصہ دار کے لئے محل غور ہے۔ (مفتی اسماعیل صاحب)

۵۔ جائز نہیں ہے۔ (مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبید اللہ الاسعدی)
اجرت حاصل کی جاسکتی ہے۔ (مفتی جمیل احمد نذیری)
کلی طور پر قابل تبدیل میں درست ہے، جزوی طور پر قابل تبدیل میں غیر حصہ دار کے لئے درست ہے۔ (مفتی اسماعیل)

۶۔ اجرت حاصل کی جاسکتی ہے (مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی اسماعیل)
جائز نہیں ہے۔ (مولانا شمس پیرزادہ صاحب)

۷۔ جائز نہیں ہے۔ (مولانا برہان الدین سنبھلی)
جائز ہے۔ (مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا شمس پیرزادہ، مفتی اسماعیل صاحب)
جائز ہے بشرطیکہ کمپنی کا کاروبار مباح ہو۔ (مفتی جمیل احمد نذیری)

۸۔ کی جاسکتی ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی اسماعیل صاحب، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبیداللہ الاسعدی)
سود پر لئے قرض کی رقم اور غیر سودی رقم کے کاروبار علیحدہ علیحدہ ہوں تو جائز ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)

۹۔ جائز نہیں ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبیداللہ الاسعدی، مفتی اسماعیل صاحب)
جائز ہے بشرطیکہ جتنے میں خریدا ہے اسی قیمت پر فروخت کرے۔(مفتی جمیل احمد نذیری)
اگر حصص غیر سودی ہوں تو انہیں فروخت کی غرض سے خریدنا شرعاً جائز ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)

۱۰۔ نہیں۔(مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبیداللہ الاسعدی)
اگر حصص غیر سودی ہوں تو انہیں بغرض فروخت خریدنا درست ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)
خریدے جاسکتے ہیں۔(مفتی جمیل احمد نذیری)، بازار سے خریدنا درست نہیں ہے۔(مفتی اسماعیل صاحب)

۱۱۔ درست نہیں ہے۔(مفتی اسماعیل صاحب، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبیداللہ الاسعدی)، زائد رقم پر فروختگی درست نہیں ہے، جتنی رقم کے قرض تمسکات ہیں وہ رقم معتبر ہوگی۔(مفتی جمیل احمد نذیری)

۱۲۔ نہیں۔(مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبیداللہ الاسعدی)
جائز ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)
کمپنی سے خریدنا درست ہے، بازار سے خریدنے میں حوالہ کے احکام پر عمل ضروری ہے کیونکہ یہ حوالہ ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری)۔
کمپنی سے خریدنا جائز ہے، بازار سے خریدنا درست نہیں ہے۔(مفتی اسماعیل صاحب)

۱۳۔ جائز نہیں۔(مولانا عبیداللہ الاسعدی، مفتی اسماعیل صاحب)
فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ صاحب)
اس میں بھی حوالہ کے احکام پر عمل کرسکتے ہیں۔(مفتی جمیل احمد نذیری)
محض "پیشکش" شرعاً قابل عوض نہیں لہذا درست نہیں ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)

۱۴۔ درست نہیں ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ)
جائز معلوم ہوتی ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی اسماعیل صاحب)
سوال سمجھ میں نہیں آیا۔(مولانا عبیداللہ الاسعدی، مولانا برہان الدین سنبھلی)

۱۵۔ ناقابل تبدیل اجزاء کی فروخت پر اضافی رقم نہیں لی جاسکتی، لہذا یہ سوال ہی ختم ہوجاتا ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری)
درست نہیں ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ، مفتی اسماعیل صاحب)

سوال سمجھ میں نہیں آیا۔(مولانا عبیداللہ الاسعدی، مولانا برہان الدین سنبھلی)

۱۶۔ نہیں۔(مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبیداللہ الاسعدی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی اسماعیل صاحب)

جس سے سود وصول ہوا ہے اسی کو وہ رقم دی جائے تو جائز، ورنہ نہیں۔(مولانا برہان الدین صاحب)

۱۷۔ بلانیت ثواب فقراء ومساکین پر صدقہ کردینا چاہئے۔(شمس پیرزادہ، مفتی اسماعیل، عبیداللہ اسعدی صاحب)

(مولانا برہان الدین سنبھلی)

واجب التصدیق ہوگا۔(مفتی جمیل احمد نذیری)، یہ سوال ہی بے محل ہے۔

۱۸۔ جائز ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ، مفتی اسماعیل صاحب)

جائز نہیں ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری)

بیع قبل القبض کی صورت نہ پیدا ہو تو جواز ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)

۱۹۔ جائز نہیں ہے۔(مفتی اسماعیل صاحب)

چونکہ یہ حوالہ ہے اس لئے درست ہے، لیکن زائد رقم لینا جائز نہیں ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری)

بیع قبل القبض کی صورت نہ پیدا ہو تو درست ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)

قرض تمسکات خریدنا جائز نہیں، تو فروخت کا کیا سوال۔(مولانا شمس پیرزادہ)

نوٹ: مفتی نظام الدین صاحب نے ''کمپنی میں سرمایہ کاری'' مضمون کے ذیلی عناوین پر تبصرہ فرمایا ہے، اور مولانا حبیب الرحمٰن خیرآبادی صاحب نے ایک عمومی تبصرہ ایک صفحہ کے مضمون میں فرمایا ہے، ان دونوں کی تلخیص شامل نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

کمپنی کے کاروبار سے متعلق چند مزید سوالات

۱۔ کمپنیز کی اپنے کاروبار کی نوعیت کے اعتبار سے تین قسمیں ہوسکتی ہیں:

(۱) وہ کمپنیاں جن کا کاروبار حلال ہو۔

(۲) وہ کمپنیاں جن کا کاروبار حرام ہو۔

(۳) وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن ان کو بعض اوقات سودی لین دین میں ملوث ہونا پڑتا ہے۔

ظاہر ہے کہ نمبر ۲ میں مذکور کمپنی میں حصہ لینا جائز نہیں ہے، اور نمبر ۱ میں حصہ لینا جائز ہے، نمبر ۳ کے بارے میں کیا شرعی حکم ہے؟

اس ضمن میں اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ کمپنی خود ایک فرد اعتباری ہے، جس کا قانونی وجود تسلیم کیا جاتا ہے، کمپنی کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ تمام شیئرز ہولڈرس مل کر مجموعی طور پر کمپنی کے مالکان ہوتے ہیں، کمپنی کو اپنی میٹنگ میں کثرت رائے سے بورڈ آف ڈائرکٹرس یعنی انتظامیہ کا انتخاب کرنا ہوتا ہے، کمپنی کا یہ انتظامیہ کمپنی کو چلانے اور اس کی پالیسی کے بارے میں ان فیصلوں کا پابند ہوگا جو کمپنی کی مجلس عمومی طے کرے گی، مجلس عمومی سے مراد وہ مجلس ہے، جس کے رکن تمام حصہ دار ہوں گے۔ واضح رہے کہ ہر حصہ دار کے ووٹ کی قیمت اس کے حصص کے تناسب سے متعین ہوگی۔ کمپنی کے ہر حصہ دار کو مجلس عمومی کی نشست میں کمپنی کے بارے میں اظہار خیال کا حق ہوگا۔ اگر کوئی شخص کمپنی کی کسی ایسی پالیسی کو جس میں سودی لین دین کا ارتکاب ہوتا ہو پسند نہیں کرتا ہو تو اس پالیسی پر وہ اعتراض کرسکتا ہے، اور وہ یہ بھی کوشش کرسکتا ہے کہ اس کی رائے کو اکثریت حاصل ہو، عمل بہرحال اسی رائے پر ہوگا جو کثرت رائے سے منظور کی جائے۔ اب یہاں پر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(الف) شیئرز ہولڈر (اپنی انفرادی حیثیت میں) اور بورڈ آف ڈائرکٹرس کے درمیان کیا رشتہ ہے؟ کیا بورڈ آف ڈائرکٹرس کے ہر تصرف اور عمل کی نسبت ہر شیئرز ہولڈر کی طرف کی جائے گی؟ کمپنی قوانین کے ماہرین کا خیال یہ ہے کہ بورڈ آف ڈائرکٹرس، شیئرز ہولڈرس کی انفرادی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتا ہے، بلکہ وہ کمپنی کی نمائندگی کرتا ہے، جس کا خود علاحدہ قانونی وجود ہے۔

(ب) اگر کوئی شیئرز ہولڈر مجلس عمومی میں کسی ایسی پالیسی کی مخالفت میں ووٹ دیتا ہے جو سودی لین دین پر مشتمل ہو اور اکثریت حاصل نہیں ہونے کے باعث اس کی مخالفت کامیاب نہیں ہوتی تو کیا اسے اس صورت میں سودی لین دین کے اس عمل کی ذمہ داری سے بری الذمہ قرار دیا جاسکتا ہے؟

۲۔ مالیاتی ادارے اجرت پر لوگوں کی مختلف خدمات بھی انجام دیا کرتے ہیں، منجملہ ان خدمات کے، ایک کام مختلف کمپنیوں کے پروجیکٹ بنانا بھی ہے۔ کیا اسلامی مالیاتی ادارہ اس طرح کی فنی خدمات انجام دے سکتا ہے جبکہ بعض کمپنیوں کی اسکیمیں ایسی بھی ہوں گی جن میں حصہ داروں کے سرمایہ کے علاوہ،

(الف) سود پر قرض حاصل کرنا۔
(ب) ڈبنچر جاری کرنا، (حصص میں قابل تبدیل اور نا قابل تبدیل)۔
(ج) حصص سے منسلک ڈبنچر جاری کرنا۔
(د) کچھ عرصے بعد کلی یا جزوی طور پر حصص میں تبدیل ہونے والے ڈبنچر جاری کرنا۔
(ھ) صفر سودی قرض تمسکات جاری کرنا بھی شامل ہے۔

واضح رہے کہ ڈبنچر سود بردار قرض تمسک کو کہتے ہیں۔ یہ قرض تمسک جزوی یا کلی طور پر حصص میں تبدیل ہونے والے بھی ہو سکتے ہیں اور حصص میں تبدیل نہ ہونے والے بھی ہو سکتے ہیں۔ اول الذکر کو (کنورٹیبل ڈبنچر۔ Convertible Debenture) اور آخر الذکر کو (نان کنورٹیبل ڈبنچر۔ Non Convertible Debenture) کہتے ہیں۔ صفر سودی قرض تمسک پر بظاہر نہ سود آتا ہے اور نہ اس کے بقدر زائد رقم کمپنی کو دی جاتی ہے، لیکن جن شیئرز میں یہ تمسک تبدیل ہوتے ہیں ان کی قدر، عرفی قدر سے نسبتاً زیادہ ہوتی ہے اور یہ اجراء سے قبل ہی طے پاتا ہے، حصص سے منسلک ڈبنچر کے اجراء کی اسکیم یہ ہے کہ سرمایہ کار کو حصص میں اگر سرمایہ کاری کرنی ہے تو سود بردار تمسکات میں بھی سرمایہ کاری لازماً کرنی ہوگی۔

۳۔ سوال نمبر ۲ (ج) میں حصص سے منسلک ڈبنچر کا ذکر ہے، اس اسکیم کے ذریعہ سرمایہ کار اگر سرمایہ کاری کرے اور اس سرمایہ کاری کے نتیجے میں حاصل ہوئے ڈبنچر کو بازار میں فروخت کردے تو نتیجہ کے طور پر حصص میں جو خالص سرمایہ کاری ہوئی وہ اس قدر بازار سے حاصل کئے گئے حصص سے کم ہوتی ہے، کیا اس فائدہ کے پیش نظر اس اسکیم میں سرمایہ کاری جائز ہوگی؟

۴۔ سوال نمبر ۲ (د) میں حصص میں تبدیل سود بردار قرض تمسکات کے ذریعہ سرمایہ کار اگر سرمایہ کاری کی جائے اور صرف قرض تمسکات کے اس حصہ کو جو تبدیل ہو گیا یا ہوا چاہتا ہے برقرار رکھا جائے اور بقیہ کو بازار میں فروخت کر دیا جائے تو بھی خالص سرمایہ کاری حصص میں بازاری قدر کے مقابلہ میں کم ہوگی۔ کیا اس فائدے کے پیش نظر اس اسکیم میں سرمایہ کاری جائز ہوگی؟۔

۵۔ سوال نمبر ایک شق (ھ) میں دی گئی صفر سودی قرض تمسک اسکیم میں سرمایہ کاری کے لئے شرعی حکم کیا ہوگا؟

۶۔ سوال نمبر ۲ اور نمبر ۳ میں قرض تمسک اپنی قدر عرفی سے ہمیشہ کم قدر پر فروخت ہوتا ہے الا یہ کہ اسے حصص میں تبدیل ہونے سے قبل فروخت کر دیا جائے۔ کیا قرض اپنی قدر عرفی سے کم یا زیادہ قدر پر فروخت کیا جا سکتا ہے؟ نیز اس پر حاصل ہوئے سود سے اس کے نقصان کی تلافی کیا ممکن ہے؟

۷۔ کمپنیوں کو سرکار، سرکاری مالیاتی ادارے، بینک یا دوسری ایجنسیوں سے قرض لینا پڑتا ہے اور مالیاتی ادارے ایسی درخواستوں کو منظور کرانے کے لئے کوشش اور پیروی کا کام اجرت پر کرتے ہیں۔ تو کیا اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے ایسی خدمات انجام دینا جائز ہوگا؟

۸۔ پہلے سے قائم اور مالی طور پر مستحکم کمپنیوں کے حصص کی بازاری قدر ان کی قدر عرفی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ایسی کمپنیاں کبھی کبھی اپنے موجود حصہ داروں اور ڈبنچر ہولڈرس کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے ان کے حصص اور ڈبنچر کی نسبت سے بطور حق انہیں قابل تبدیل ڈبنچر میں سرمایہ کاری کی پیشکش کرتی ہیں۔ یہ حق قابل تبدیل بھی ہوتا ہے،حقدار اپنا حق استعمال کر کے سرمایہ کاری کرنا مناسب نہ سمجھے تو اپنا حق بازار میں فروخت بھی کرسکتا ہے اور فائدہ اٹھاسکتا ہے،لیکن اس فائدہ سے یقیناً کم ہوتی ہے جو سرمایہ کاری سے حاصل ہوتی ہے۔واضح رہے کہ اس اسکیم کے ختم ہونے کے بعد حصص کی قیمت بازار میں کم ہوجاتی ہے۔سوال یہ ہے کہ اس طرح ملے حق کے ذریعہ قابل تبدیل ڈبنچر میں سرمایہ کاری کے لئے کیا شرعی حکم ہے؟اوراس کی فروخت کے سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

۹۔ کیا جزوی طور پر قابل تبدیل ڈبنچر کے حصص میں تبدیل ہوجانے کے بعد نا قابل جز کے فروخت پر ہوئے نقصانات کی تلافی اس پر ملے سود سے کی جاسکتی ہے؟

۱۰۔ شیئرز میں حصص کے خریداروں کو دوزمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:(۱) وہ لوگ جو کہ حصص خرید کرانہیں اپنے نام منتقل کرا کر کمپنی میں نفع ونقصان کے مستحق ہیں۔(۲) دوسرا وہ شخص جو کہ شیئرز بازار میں حصص کی قیمت کے اتار چڑھاؤ سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے حصص کی خرید وفروخت کرتا ہے۔کیا اس غرض سے حصص کی خرید وفروخت بغیر اپنے نام منتقل کرائے ہوئے جائز ہوگا؟

۱۱۔ (الف) کیا یہ شرعاً روا ہوگا کہ حصص کو رہن رکھ کر غیر سودی قرض حاصل کیا جائے یا دیا جائے؟

(ب) کیا یہ شرط روا ہوگا کہ ڈبنچر (سود بردار تمسکات) رہن رکھ کر غیر سودی قرض حاصل کیا جائے یا دیا جائے؟

۱۲۔ عام طور سے حصص کو بازار سے خرید کر کمپنی میں اپنے نام منتقل کرانے میں ۳ ماہ کا عرصہ لگ جاتا ہے، اس عرصہ میں حصص کی قیمت میں کافی اتار چڑھاؤ کا امکان رہتا ہے،ایسے حالات میں اگر کسی قیمت میں اضافہ ہوجائے اور حصص جو کہ کمپنی کو بھیجے جاچکے ہیں لیکن منتقل ہوکر واپس نہیں آئے ہیں،ان کو مستقبل بازار میں بیچنے کا طریقہ اپنا کر سودا کیا جاسکتا ہے؟اس طرح حصص بردار حصص ہاتھ میں نہ ہوتے ہوئے بھی حصص فروخت کر کے ان کی قیمت میں مستقبل میں آئی امکانی گراوٹ کے خطرے سے اپنے آپ کو محفوظ کرسکتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح سے مالک کا حصص ہاتھ میں نہ ہوتے ہوئے بھی حصص کو بازار مستقبل میں بیع کرنا جائز ہوگا؟

کمپنی کے کاروبار سے متعلق جوابات

مولانا شیر محمد خاں رضوی، راجستھان

کمپنی کے حصص کے بارے میں کافی عرصہ سے غور وخوض جاری ہے۔ شیئرز ہولڈر، بورڈ آف ڈائرکٹر اور ڈبنچر کے باہمی تعلق کے تمام تر پہلوؤں پر تامل کیا گیا، مگر ان میں جواز کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے۔ ڈبنچر میں صریحاً سود کا پہلو موجود ہے، اس لئے اس کے عدم جواز میں کوئی شک نہیں "احل الله البيع و حرم الربا"۔

رہا سوال شیئرز کا تو یہ بھی اقسام بیوع میں سے کسی بھی قسم کے تحت نہیں آتے، شرکت ومضاربت کے شرائط میں سے کسی بھی شرط پر من کل وجہ پورے نہیں آتے، البتہ شیئر میں ربا وقمار کا اشتباہ بظاہر عیاں ہے اس لئے احتراز لازم ہے۔

کمپنی کے حصص کے تعلق سے فاضل بریلوی فتاوی رضویہ میں رقم طراز ہیں:

''ظاہر ہے کہ حصہ روپیوں کا ہے اور وہ اُتنے ہی روپیوں کو بیچا جائے گا جتنے کا حصہ ہے یا کہ زائد کو بیچا گیا تو ''ربوا'' ہے، اور اگر مساوی ہی کو بیچا گیا تو ''صرف'' ہے، جس میں تقابض بدلین نہ ہوا، یوں حرام ہے۔'' (فتاوی رضویہ ۷/۱۱۱)۔

تمسکات کے بارے میں علماء دیوبند وبریلی شریف ہر دو کا یہی نظریہ ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے۔

☆☆☆

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، میسور کرناٹک

ارسال کردہ سوال نامہ بہت دیر سے دستیاب ہونے پر مضامین پر نظر غائر ڈالنے کا موقع نصیب نہ ہوا لہذا طائرانہ نظر وتوجہ کے سہارے جواب وخیالات پیش خدمت کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں خدا کرے ان موضوعات پر خاص مطالعہ رکھنے والے بزرگوں سے استفادہ کا موقع نصیب ہو۔

۱۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن ان کو بعض اوقات سودی لین دین میں ملوث ہونا پڑتا ہے اس کمپنی میں حصہ لینا جائز ہے، اس لئے کہ اس کا بنیادی کاروبار حلال ہے، چونکہ عام شیئر ہولڈرس مجموعی طور پر کمپنی کے مالک ہوتے ہیں، کمپنی کا انتظامیہ مجلس عمومی کے اشاروں کے ماتحت ہوتا ہے، ہر حصہ دار کو سودی لین دین کی پالیسی پر اعتراض کا حق ہے، اپنی رائے کو منوانا اور اکثریت حاصل کرنا اس کے زور وہمت اور اثر ورسوخ پر منحصر ہے، کم ازکم حقیقت کو واضح کرنے کے مواقع فراہم ہوتے رہتے ہیں، اور اپنی مخالفت منوانے کے بجائے کم ازکم اس کے عدم جواز کا اعلان تو کر سکتا ہے، لہذا اس کو سودی لین دین کی ذمہ داری سے بری الذمہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

۲۔ اسلامی مالیاتی ادارہ مختلف کمپنیوں کے پروجیکٹ بنانے کی خدمات انجام دے سکتا ہے، غیر اسلامی کج راہ روی کی تدریجی اصلاح کی بے حد گنجائش اور علمی وذہنی تبلیغ کے بے حساب مواقع فراہم ہوتے ہیں، ان خدمات سے دامن کشا ہونا۔ "الساكت عن الحق" کے تحت آنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، چونکہ اس میں صفر سودی قرض

تمسکات جاری کرنا بھی شامل ہے، اسلام میں تخمینات کی اصلاح کی اجازت ہے، حصص سے منسلک ڈبینچر کے اجراء کی اسکیم بھی تخمینہ ہے، اس لئے اسلامی مالیاتی ادارہ مجاز ہوسکتا ہے۔

۳،۴: جائز ہے۔

۵۔ صفر سودی قرض تمسک اسکیم میں منفعت متعین نہیں ہوتی لہذا جائز قرار دی جاسکتی ہے۔

۷۔ اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے ایسی خدمات کا انجام دینا جائز ہے۔

۸۔ زیر غور ہے۔

۹۔ تلافی کی جاسکتی ہے۔

۱۰۔ حصص کی خرید و فروخت اپنے نام منتقل کرانا بہتر ہے۔

۱۱۔ روا ہے۔

۱۲۔ جائز ہے۔

☆☆☆

مولانا شمس پیرزادہ، بمبئی

۱۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن ان کو بعض اوقات سودی لین دین میں ملوث ہونا پڑتا ہے، ان میں حصہ لینا بحالات موجودہ جائز ہے، کیونکہ ان کا سودی لین دین ایک ضمنی بات ہے، اور شاید ہی کوئی کمپنی ایسی ہو جو سودی لین دین سے بالکل بچی ہوئی ہو، ہر کمپنی کو بینک سے قرض لینا پڑتا ہے اور اس پر سود دیئے بغیر چارہ کار نہیں ہے، اور وہ ڈبینچر بھی جاری کرتی ہے نیز ہر کمپنی اپنے ریز روفنڈ پر سود بھی حاصل کرتی ہے، جو سود وہ وصول کرتی ہے وہ مقدار میں کم ہوتا ہے اور جو سود وہ ادا کرتی ہے وہ مقدار میں زیادہ ہوتا ہے، اس لئے کمپنی کے منافع (Dividend) میں عام طور سے شامل نہیں ہوتا۔

(الف) بورڈ آف ڈائرکٹرس کو کمپنی کے قوانین کے مطابق اختیارات حاصل ہوتے ہیں اور شیئرز ہولڈرس کی جو سالانہ میٹنگ ہوتی ہے اس کے ان فیصلوں کے وہ پابند ہوتے ہیں جو کثرت رائے سے ہوئے ہوں، اس لئے بورڈ آف ڈائرکٹرس کے ہر تصرف اور عمل کا ذمہ دار ہر شیئر ہولڈر کو نہیں قرار دیا جاسکتا۔

(ب) اگر کوئی شیئر ہولڈر مجلس عمومی میں سودی لین دین کی مخالفت کرتا ہے اور اکثریت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اسکی بات مانی نہیں جاتی تو موجودہ حالات میں اسے اس عمل کی ذمہ داری سے بری الذمہ قرار دینا پڑے گا۔

۲۔ مالیاتی ادارے مختلف کمپنیوں کے پروجیکٹ بنا سکتے ہیں اور اجرت پر فنی خدمات انجام دے سکتے ہیں بشرطیکہ ان کمپنیوں کا اصل کاروبار حرام نہ ہو، اور نہ ان اداروں کو کسی حرام سے ملوث ہونا پڑتا ہو۔

۳۔ حصص سے منسلک ڈبینچر میں سرمایہ کاری جائز نہیں کیونکہ یہ سودی معاملہ میں شرکت ہے۔

۴۔ حصص میں تبدیل سود بردار قرض تمسکات میں سرمایہ کاری جائز نہیں ہوگی کیونکہ حصص میں تبدیل نہ

ہونے والے ڈبنچر (Non Convertible Debenture) کا معاملہ کرنا خواہ وقتی طور پر ہی کیوں نہ ہو، سودی معاملہ میں شرکت کے مترادف ہے۔

۵۔ صفر سودی قرض تمسک (Zero Intrest Debenture) میں سرمایہ کاری جائز ہوگی کیونکہ ایسے ڈبنچر کچھ عرصہ بعد حصص میں تبدیل ہوجاتے ہیں یعنی وہ (Convertible) ہیں اور سود سے خالی ہیں، لہذا ان ڈبنچر کی نوعیت سود بردار ڈبنچر کی نہیں ہے۔

۶۔ ڈبنچر قرض تمسک ہے، اور اس کو قدر عرفی سے زیادہ قدر پر فروخت کرنے کا مطلب قرض پر سود حاصل کرنا ہے۔ رہا قدر عرفی (جو حقیقی قرض ہے) سے کم قدر پر فروخت کرنا تو یہ صورت ڈبنچر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے جائز ہوگی، ورنہ قرض تمسک قابل فروخت چیز نہیں ہے۔

۷۔ کمپنیاں جن اداروں سے قرض لیتی ہیں وہ سود پر ان کو رقوم دیتے ہیں، لہذا کسی اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے ایسی خدمات اجرت پر انجام دینا جائز نہ ہوگا۔

۸۔ قابل تبدیل ڈبنچر (Convertible Debenture) ایک عرصہ بعد ہی تبدیل کئے جاسکتے ہیں، اس وقت تک سودی معاملہ کرنا ہوگا، اس لئے ان میں سرمایہ کاری نہیں کی جاسکتی۔

۹۔ ڈبنچر کے ناقابل تبدیل جز کے فروخت پر ہوئے نقصان کی تلافی اس پر ملے سود سے نہیں کی جاسکتی، کیونکہ سود کمپنی دیتی ہے جب کہ فروخت کا معاملہ دوسرے شخص سے کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ حصص کی خرید وفروخت بغیر اپنے نام منتقل کرائے جائز نہیں، کیونکہ نام پر منتقل کرائے بغیر اسے خرید وفروخت کے حقوق حاصل نہیں، وہ ابھی کمپنی کے حصص کا مالک نہیں بنا، اور ایسی خرید وفروخت پر قانونی پابندی بھی ہے۔

۱۱(الف) حصص کو رہن رکھ کر غیر سودی قرض حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حصص مالیت رکھنے والی چیز ہے۔

(ب) ڈبنچر خریدنا سودی معاملہ ہے اس لئے یہ معاملہ کیا ہی نہ جائے، رہن وغیرہ رکھنے کا سوال پیدا ہی کہاں ہوتا ہے۔

۱۲۔ مالک کا حصص ہاتھ میں نہ ہوتے ہوئے یعنی اپنے نام منتقل کرانے سے پہلے حصص کو بازار مستقبل میں فروخت کرنا جسے (Forward Trading) کہتے ہیں جائز نہیں۔ وجوہ وہی ہیں جو جواب نمبر ۱۰ میں بیان ہوئے۔ (Stock Exchange) میں سٹے کا کاروبار اسی بنیاد پر ہوتا ہے۔

☆☆☆

<u>مولانا محمد شعیب اللہ مفتاحی، بنگلور</u>

۱۔ (الف) شیئرز ہولڈر اور بورڈ آف ڈائرکٹرس کے مابین وکیل وموکل کا رشتہ ہے۔ شیئرز ہولڈر موکل ہوگا اور بورڈ آف ڈائرکٹرس (انتظامیہ) اس کا وکیل، کیونکہ کمپنی کو چلانے اور اس کی پالیسی میں یہ بورڈ (کماهو مصرح

فـی الســوال)ان فیصلوں کا پابند ہوگا جو کمپنی کے حصہ دار طے کرتے ہیں، لہذا بورڈ کے تصرف کو شیئر ہولڈر کا تصرف قرار دیا جائے گا۔ مگر چونکہ شیئر ہولڈر کو یہ حق ہے کہ وہ کمپنی کی کسی پالیسی سے اختلاف رائے رکھتا ہو تو وہ اس پر اعتراض کرے، اس لئے اگر کوئی شیئر ہولڈر کسی ناروا و ناجائز پالیسی سے اختلاف ظاہر کر دے گا تو وہ آگے ہونے والی ناروا وغلط کارروائی میں شریک نہ قرار دیا جائے گا، اور وہ عمل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ:

''جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس (سودی لین دین) کی اطلاع نہ ہوا اس نے تو کارکنان کمپنی کو ان دو امر کا وکیل ہی نہیں بنایا، اس لئے کارکنان کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا، اور جن کو اطلاع ہو وہ تصریحاً اس سے ممانعت کر دیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا، مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرف نسبت تو نہ ہوگی۔'' (امداد الفتاوی ۳/۴۹۱)

(ب) اس کا جواب اوپر کے جواب سے ظاہر ہے یعنی مخالفت کے بعد بورڈ کی کارروائی سے یہ بری الذمہ ہو جائے گا، مگر یہ براءت صرف مباشرت سے ہوگی نہ کہ اعانت سے، لہذا یہ مباشرۃً تو سودی لین دین سے بری ہوگا مگر اعانت علی المعصیۃ سے بری نہ ہوگا، اور اعانت علی الاثم کے باب میں اگرچہ فقہاء کی عبارات میں اضطراب و اختلاف پایا جاتا ہے تاہم غور و فکر کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ معصیت کی اعانت اس صورت میں حرام ہے جبکہ حقیقۃً یا حکماً قصد معصیت اس میں شامل ہو، حقیقۃً قصد تو ظاہر ہے، اور حکماً قصد معصیت ایک تو یہ ہے کہ صلب عقد میں اس کا تذکرہ احد المتعاقدین کی طرف سے ہو جائے، دوسرے یہ کہ کوئی ایسی چیز اس میں لگائے جو سوائے معصیت کے کسی اور چیز میں استعمال نہ ہوتی ہو، جیسے آلات غنا وغیرہ۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فقہاء کے تمام اقوال کو پیش نظر رکھ کر اعانت کے مسئلہ میں یہی ضابطہ تنقیح فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں:

ان الإعـانة عـلـى المعصية حرام مطلقا بنص القرآن أعنى قوله تعالى "ولاتعاونوا على الاثم والعدوان" وقوله "فلن أكون ظهيرا للمجرمين" ولكن الإعانة حقيقة هى ماقامت المعصية بعين فعل المعين ولايتحقق إلابنية الإعانة أوالتصريح بهاأوتعينها فى استعمال هذا الشيء، بحيث لايحتمل غير المعصية (تفصیل الکلام مندرجہ جواہر الفقہ ۲/۴۴۷)۔

یہی بات ملخصاً آپ نے اپنے دوسرے رسالہ "الاستبانة لمعنى التسبب والإعانة" میں تحریر فرمائی ہے (دیکھئے احکام القرآن ۳/۷۷)۔

اس اصول پر جب ہم غور کرتے ہیں تو زیر بحث صورت میں اعانت علی المعصیۃ کھلے طور پر معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ صاحب عقد میں اس کا ذکر آیا اور آتا ہے، پھر بھی وہ کمپنی میں حصہ دار ہو کر اپنا مال لگا رہا ہے تو یہ صریح اعانت علی الحرام ہے، نیز اس ارتکاب حرام کا علم ہونے کے بعد اس کے لئے شیئر ہولڈر باقی رہنے کی کوئی گنجائش نہیں

ہوسکتی، علامہ حصکفی درمختار میں لکھتے ہیں:

ویکرہ تحریما بیع السلاح من أهل الفتنة إن علم لأنه إعانة على المعصية الخ (۲۶۸/۴ مع شامی)۔

الغرض مخالفت سے اس فعل کی نسبت اس کی طرف نہ ہوگی مگر اعانت علی الحرام کی وجہ سے اس کو اس میں اپنا حصہ لگانا جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ اس شیئر ہولڈر کا حصہ ونفع دونوں کو سود سے محفوظ رکھا جاتا ہوتو اس قسم کی کمپنی میں شیئر (حصہ) داخل کرنا درست ہوگا اور یہ شخص مباشرت واعانت علی الحرام سے بری ہوگا۔

۲۔ اسلامی مالیاتی ادارہ کا مختلف کمپنیوں کے پروجیکٹ (Projects) تیار کر کے فنی خدمت انجام دینا جائز ہے، اگر چہ اس میں ایسی اسکیمیں بھی شامل ہوں جن میں سود کا لین دین ہوتا ہو، جیسے سودی قرض حاصل کرنا، ڈبینچر جاری کرنا وغیرہ جن کے متعلق سوال میں تفصیل مذکور ہے، کیونکہ محض پروجیکٹ بنانا ایسا ہے جیسے سود کے مسائل کی تعلیم دینا، اور علماء نے سود کے مسائل کی تعلیم کو جائز قرار دیا ہے، حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ:

''چونکہ حربی کو حربی سے سود لینے میں کوئی خطاب شرعی نہیں ہے اس لئے اس کو حرام نہ کہا جائے گا، پس سود کی ایک صورت ایسی نکلی جو حرام نہیں، اور یہ مسئلہ ہے کہ جس امر میں ایک صورت بھی حلال ہو اس کی تعلیم اعانت علی الحرام نہیں (امداد الفتاوی ۱۶۸/۳)۔

یہی صورت پروجیکٹ کی بھی ہے کہ یہ پروجیکٹ حربی کے حربی سے سود لینے دینے کی صورت میں کام آسکتا ہے اور یہ حلال ہے، تو اس کا تیار کرنا بھی حلال وجائز ہوا۔

۳۔ حصص سے منسلک ڈبینچر کی اسکیم حسب سوال یہ ہے کہ سرمایہ کار کو حصص میں اگر سرمایہ کاری کرنی ہے تو سود بردار تمسکات میں بھی سرمایہ کاری لازماً کرنی ہوگی، اور یہ ظاہر ہے کہ سود بردار تمسکات میں سرمایہ کاری حرام وناجائز ہے تو حصص سے منسلک ڈبینچر کی اسکیم میں سرمایہ کاری بھی ناجائز ہوگی، نیز حصص میں سرمایہ کاری کے لئے سود بردار تمسکات کو لازم وشرط قرار دینا صفقۃ فی صفقۃ کی صورت ہے جو کہ ناجائز ہے، لہذا یہ معاملہ درست نہیں ہے۔

۴۔ حصص میں تبدیل ہونے والے ڈبینچر میں سرمایہ کاری بھی ناجائز ہوگی اگر وہ سود بردار ہیں، بعض حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے اور اس سے حاصل ہونے والے سود کو بلانیت ثواب صدقہ کردیا جائے، میں ان سے متفق نہیں ہوں، کیونکہ بلانیت ثواب صدقہ کا مسئلہ تو علماء نے اس لئے بیان کیا تھا کہ اگر کوئی شخص لاعلمی یالاپروائی کی بنا پر سودی کاروبار میں پھنس گیا اور اب اس کی وجہ سے اس کے نام کا سود جمع ہوگیا تو اس کو وہ دفع کر سکے اور وبال سے بچے، نہ اس لئے کہ برابر سودی کاروبار کا ارتکاب کر کے آخر میں بلانیت ثواب حرام مال (سود) کو صدقہ کردیا کرے۔

۵۔ صفر سودی قرض تمسک اسکیم جو دراصل بلاسودی قرض کی صورت ہے اس میں سرمایہ کاری درست وجائز ہے۔

۶۔ قرض تمسک کو فروخت کرنا ہی درست نہیں کیونکہ دین کی بیع صحیح نہیں ہے، علامہ ابن نجیمؒ نے ''الاشباہ'' میں

فرمایا ہے: وبيع الدين لايجوز (الاشباہ ۱۲۴/۲) اور درمختار میں ہے کہ جامکیہ کی بیع کو مصنف نے باطل قرار دیا ہے: وافتى المصنف ببطلان بيع الجامكية۔ اور شامی نے مصنف کی فتاوی سے بیع جامکیہ کی تفسیر یہ نقل کی ہے:

وهو أن يكون لرجل جامكية في بيت المال ويحتاج إلى دراهم معجلة قبل أن تخرج الجامكية فيقول له رجل بعتني جامكيتك التي قدرها كذا بكذا أنقص من حقه في الجامكية. فيقول له: بعتك، فهل البيع المذكور صحيح أم لا لكونه بيع الدين بنقد؟

اس کے بعد مصنف کا جواب نقل کیا ہے کہ:

إذا باع الدين من غير من هو عليه كما ذكر لا يصح وقال مولانا في فوائده: وبيع الدين لا يجوز ولو باعه من المديون أو وهبه (شامی علی الدر المختار ۵۱۶/۴)۔

یہ بعینہ وہی صورت ہے جو ہمارے زیر بحث ہے لہذا وہ بھی ناجائز ہوگی، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس قرض تمسک کا حوالہ کردیا جائے کہ ان تمسکات کا حامل اپنا قرضہ جو کمپنی کے ذمہ ہے دوسرے کسی شخص کے حوالہ کردے جو برضا اس کو قبول کرلے۔

ہدایہ میں ہے:

الحوالة وهي جائزة بالديون...... وتصح الحوالة برضاء المحيل والمحتال والمحتال عليه (۱۱۳/۳)۔

مگر چونکہ یہ قرض کا حوالہ ہے اس لئے اس میں کمی بیشی جائز نہ ہوگی، جیسا کہ مفتی کفایت اللہؒ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ کمی بیشی باطل ہے (کفایۃ المفتی ۱۵۸/۸)۔

البتہ حضرت تھانوی نے اپنے فتاوی میں حوالہ میں کمی کی صورت کو ایک تاویل سے درست قرار دیا ہے، وہ تاویل یہ ہے کہ حوالہ کرنے والا حوالہ قبول کرنے والے کو یہ کہہ دے کہ کمپنی کی طرف سے جو زائد رقم وصول ہو وہ تمہاری اجرت ہے۔ حاصل یہ کہ حوالہ قبول کرنے والے کو پہلے وکیل بنادے کہ وہ قرض وصول کرنے میں سعی کرے اور اس سعی کی اجرت میں وہ رقم زائد طے کردے جو کمپنی کی طرف سے وصول ہوگی کیونکہ اس نے حوالہ کم رقم پر کیا ہے۔ حضرت کی عبارت یہ ہے:

یوں کرے کہ خالد کو وکیل بنادے کہ تم اس انگریز سے تقاضا کرکے وصول کرو، اور اڑھائی سو روپے اس کام پر تمہاری اجرت ہے اور دو سو روپے تم ہم کو قرض دے دو (امداد الفتاوی ۳۲۲/۳)

حاصل یہ کہ دین بیع تو جائز نہیں اس کا حوالہ کیا جاسکتا ہے، اور اس میں زیادتی تو ناجائز ہے، کمی کے ساتھ حوالہ مذکورہ تاویل سے جائز ہے۔

۷۔ یہ صورت دلالی کی ہے اور اس کے جواز میں اختلاف ہے مگر عموم بلوی اور ضرورت کی بنا پر جواز کا ہی فتوی دیا جاتا ہے۔ شامیؒ نے فرمایا کہ:

وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار فقال: أرجو أنه لابأس به وإن كان في الأصل فاسداً لكثرة التعامل وكثير من هذا غير جائز فجوزوه لحاجة الناس إليه (شامی ۶۳/۶)۔

مگر یہ واضح ہونا چاہئے کہ یہ دلالی محض وجاہت کی بنا پر نہ ہو بلکہ سعی ومحنت پر اس کا مدار ہو، محض وجاہت سے کسی کام کی سفارش کرنا اور اس پر اجرت لینا جائز نہیں۔ مولانا تھانویؒ رشتہ مقرر کرنے پر اجرت کے مسئلہ پر فرماتے ہیں:

اگر اس ساعی (دلال) کو کوئی وجاہت حاصل نہ ہو اور جہاں اس نے سعی کی ہے وہاں کوئی دھوکہ نہ دے، تو اس اجرت کو جانے آنے کی اجرت سمجھ کر جائز کیا جائے گا۔

وإلا فلايجوز أخذ الأجرة على الشفاعة ولا الخداع (امدادالفتاوی ۲۹۲/۳)۔

وجہ یہ ہے کہ محض اپنی وجاہت سے سفارش کی کوئی متقوم شئ نہیں ہے لہذا اس پر اجرت نہیں لی جاسکتی، اور جہاں تک زیر بحث سوال کا تعلق ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں محض سفارش بالوجاہت سے نہیں بلکہ محنت ومجاہدہ سے کام لیا جاتا ہے، لہذا اجرت پر ایسی خدمت کا انجام دینا درست ہے۔

۸۔ قابل تبدیل ڈبنچر میں سرمایہ کاری کی بحث اوپر گذر چکی کہ اگر سود بردار ہے تو جائز نہیں، رہا حق مذکور کا فروخت کرنا، تو یہ جائز ہے۔ جیسا کہ تیسرے فقہی سمینار میں اس پر بحث ہو چکی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''حقوق دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو صاحب حق سے ضرر کو دفع کرنے کے لئے ہوتے ہیں، جیسے حق شفعہ شفیع کے لئے، حق قسم زوجہ کے لئے۔ دوسرے وہ حقوق جو اصالۃً صاحب کے لئے ثابت ہوئے ہوں، جیسے حق قصاص، حق رقیت وغیرہ۔

پہلے قسم کے حقوق کی بیع جائز نہیں، اور دوسرے قسم کے حقوق کی بیع جائز ہے۔ چنانچہ تیسرے فقہی سمینار نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ:

''وہ تمام حقوق جن کی مشروعیت اصالۃً نہیں بلکہ صاحب حق سے کسی ضرور کو دور کرنے کے لئے ہوتی ہے، ایسے حقوق پر عوض لینا جائز نہیں، جیسے شفعہ۔ جو حقوق نصوص شرعیہ سے ثابت ہوں البتہ ان سے مالی منفعت متعلق ہوگئی اور عرف میں ان کا عوض لینا مروج اور معروف ہو چکا ہو، نیز ان کی حیثیت محض دفع ضرر کی نہ ہو اور نہ وہ شریعت کے عمومی مقاصد ومصالح سے متصادم ہوں، ایسے حقوق پر عوض حاصل کرنا جائز اور درست ہے۔ (اہم فقہی فیصلے ص ۳۱)۔

اب رہا یہ سوال کہ زیر بحث حق کس قسم میں داخل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دوسرے قسم کے حقوق میں داخل ہے، کیونکہ یہ محض دفع ضرر کے لئے نہیں ہے بلکہ اس سے مالی منفعت متعلق ہے، جیسے حق قصاص ورق وغیرہ، لہذا اس پر عوض حاصل کرنا جائز ہے۔

۹۔ اولاً تو اس کو نقصان ہی نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ نفع کی کمی ہے، دوسرے اگر یہ نقصان ہے بھی تو سود سے تلافی

جائز نہیں، کیونکہ اس کا مصرف صرف فقراء ہیں جن کو بلا نیت ثواب دینا ہے، سود سے خود کا منتفع ہونا قطعاً حرام ہے، اور اس کو انکم ٹیکس وغیرہ پر قیاس کرنا درست نہیں، کیونکہ وہ ضرر کی صورت ہے، اور اس میں سود کا روپیہ لگانا دفع ضرر کہا جا سکتا ہے (کماھو رای بعض أھل الفتوی) اور زیر بحث صورت جلب منفعت کی ہے، اس میں سود لگانا سود سے انتفاع ہے، وھو غیر جائز۔

۱۰۔ اس میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی، مگر سوال میں ایک ابہام ہے، جس کا صاف ہونا ضروری ہے، وہ یہ کہ دوسری شکل میں لکھا گیا ہے کہ "بغیر اپنے نام منتقل کرائے" یہ واضح نہیں ہے، جب وہ خرید کرے گا تو اس کے نام منتقل نہ ہونے کا کیا مطلب؟ جب وہ خریدے گا تو لازماً وہ حصہ مشتراۃ اس کا ہو گیا۔ اگر اس میں اصطلاحی کوئی تفصیل ہو تو واضح فرمایا جائے۔ اور میرے خیال میں یہ صورت اس صورت سے مختلف ہے، جس سے حدیث میں منع فرمایا گیا ہے۔ یعنی نجش "لاتناجشوا" (صحیحین) کیونکہ نجش کی صورت حسب تصریح فقہاء یہ ہے:

وھو أن یزید فی الثمن ولا یرید الشراء برغب غیرہ (ہدایہ ۳/۵۰)۔

تو اس میں خریدنا مقصود ہی نہیں بلکہ لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنا مقصد ہے جبکہ زیر بحث صورت میں خریدنا مقصود ہے اور اس سے نفع حاصل کرنا مطلوب ہے (فافترقا)۔

۱۱ (الف) کمپنی میں حصص داری دراصل مشارکت ہے کما ھو ظاہر، لہذا حصہ کمپنی مال شرکت ہے، اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مال شرکت کا رہن رکھنا صحیح نہیں، قال فی الہدایہ:

ولا یصح الرھن بالأمانات کالو دائع والعواری والمضاربات، قال ومال الشرکۃ (ہدایہ ۳/۵۱۰)۔

(ب) ڈبینچر کی حقیقت سود بردار قرضہ ہے، بظاہر اس کے رہن رکھنے میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی۔

۱۲۔ یہ جائز نہیں، کیونکہ حصص کی بیع دراصل منقول کی بیع ہے، اور منقول کی بیع قبل القبض جائز نہیں۔

فی البدائع: وبیع المنقول قبل القبض لایجوز بلاخلاف بین أصحابنا (۵/۳۰۶)۔

اور بزازیہ میں ہے:

لایصح بیع المنقول قبل قبضہ من البائع أو الأجنبی لنھیہ علیہ السلام عن بیع مالم یقبض (بزازیہ)۔

☆☆☆

مفتی محبوب علی وجیہی، رامپور

آپ کے ارسال کردہ سوالوں کے جواب سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ سود کے مسائل پیچیدہ اور احتیاط طلب ہیں، چونکہ کمپنیز اور بینک کاری مغرب کی دین ہے جن کے نزدیک مذہب ایک نجی وہ بھی بہت محدود دائرہ کے اندر محصور ہے، اس لئے احکام شریعت سے عام طور پر اس کا ٹکراؤ ہوتا ہے، اس میں ایک مسلمان کو آخرت اور

رضائے الٰہی قدم رکھنا ضروری ہے۔اس تمہید کے بعد گذارش ہے کہ قرآن پاک کی یہ آیت "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" اور "أحل الله البيع وحرم الربوا" اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان "دعوا الربوا والريبة" اور فقہ حنفیہ کا مشہور قاعدہ "والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة" جیسے دلائل کی روشنی میں جوابات درج ذیل ہیں:

ا۔(الف) شیئرز ہولڈر کی طرف سے بورڈ آف ڈائرکٹر وکیل ہے، اس لئے اس کا ہر فعل اس کمپنی سے متعلق معاملات میں شیئرز ہولڈر جو مؤکل ہے اس کی طرف منسوب ہوگا، کمپنی بذات خود قائم نہیں ہو سکتی، اس کا قیام انہی لوگوں کے ذریعہ سے ہے، کمپنی میں ہونے والے معاملات انہیں لوگوں کی طرف منسوب ہوں گے کیونکہ یہی لوگ فاعل مختار ہیں۔

(ب) چونکہ سودی لین دین سے شیئرز ہولڈر ہونے کے ناطے اس کا بھی تعلق قائم ہے پس تعاون علی الاثم کا یہ بھی مرتکب ہوگا، اس لئے اس کی براءت ممکن نہیں، اس کی مخالفت کامیاب نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ یہ وہاں سے اپنے کاروبار کو ختم کر دے، یہ نہیں ہو سکتا کہ صرف مخالفت کر کے یہ بری الذمہ ہو جائے۔

۲۔ مالیاتی ادارے ایسے کام انجام دیں جن میں سود یا قمار یا اور اس طرح کی خرابی نہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ

(الف) سود پر قرضہ حاصل کرنا ناجائز ہوگا۔

(ب) ڈبینچرز اگر سودی لین دین سے متعلق ہوں تو ناجائز ہیں، اور اگر بلاسودی ہوں تو جائز ہیں۔

(ج) اس کا جواب بھی یہی ہے کہ اگر ان حصص کے متعلق ڈبینچر جاری کرنے میں سود کی آمیزش نہیں ہوتی ہے تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے، عام طور سے ڈبینچرز سود سے مستثنی نہیں ہوتے۔

(د) میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے اس سوال کا جواب بھی (ج) کے جواب میں آ گیا۔

(ھ) اس کا جواب بھی واضح ہے کہ سود کا لین اور دین دونوں حرام ہیں، اور اس ذریعہ سے جو چیز حاصل ہو وہ بھی حرام ہے۔شیئرز میں قدر عرفی اور غیر عرفی اس کے فرق کی سود لازم نہیں آئے گا، جیسے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ سامان نقد بیچنے میں بائع قیمت کم لے سکتا ہے اور ادھار بیچنے میں زائد، لیکن اگر سرمایہ کار کو حصص میں سرمایہ کاری کرنے کے لئے سودی کاروبار کرنا پڑتا ہے تو یہ بھی ناجائز ہے۔

۳۔ اگر اس سرمایہ کاری سے حاصل ہوئے ڈبینچر میں کوئی سود کا تعلق نہیں ہوتا تو بازار سے وہ خرید کر اس سے نفع حاصل کر سکتا ہے۔

۴۔ چونکہ اس میں سود بردار قرض تمسکات کی خرید و فروخت ہوتی ہے اس لئے ناجائز ہے۔

۵۔ یہ بھی ناجائز ہے۔

٦۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: نهى رسول الله ﷺ عن قرض جر نفعا ۔اس لئے یہ بھی ناجائز ہے، اور سود حرام ہے اور حرام واجب التصدق ہے، اس لئے اس سے کسی اپنے نقصان

کی تلافی جائز نہیں۔

۷۔ اپنے کام اور محنت کی مزدوری اور اجرت لینا جائز ہے، البتہ اس میں سود کا لین دین اور کوئی گناہ شامل نہ ہو ورنہ تعاون علی الاثم لازم آئے گا، اور یہ ممنوع ہے۔

۸۔ صرف حق قابل بیع نہیں ہے اس لئے کہ حق بذات خود کوئی مال نہیں ہے۔ ہدایہ میں صرف حق تعلّي (فضا کی بیع مثلاً چھت کی بیع) اور حق مسیل (مشترکہ مفاد کی چیزیں) کی بیع ممنوع قرار دی گئی ہے جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی زمین وغیرہ نہ ہو، البتہ کمپنی کے جو حصص اور شیئرز ہیں وہ فروخت کئے جاسکتے ہیں، کیونکہ کمپنی جو بلاسودی لین دین کرتی ہے وہ ایک موجود چیز ہے اور قابل بیع ہے۔

۹۔ سود سے کسی نقصان کی تلافی کیسے ہوسکتی ہے کیونکہ اس میں سود کا حاصل کرنا اور پھر اس کو اپنے تصرف میں لانا لازم آئے گا، اور حدیث میں ہے: دعوا لربوا والريبة۔

۱۰۔ (۱) اس قسم کے حصص خریدنا درست ہے۔

(۲) حصص خریدنے کے بعد جب رقم ادا کردی تو اس کی ملکیت ان پر قائم ہوگئی اور یہ ان کو فروخت کرسکتا ہے، نام کا انتقال امر زائد ہے۔

۱۱۔ (الف) رہن ایک وثیقہ ہے، اس لئے حصص کو رہن رکھ کر غیر سودی قرض حاصل کیا جاسکتا ہے، اور ان حصص کو رہن رکھ کر قرض دیا جاسکتا ہے۔

(ب) سود بردار تمسکات رہن کر غیر سودی قرض لینا یا دینا ناجائز ہے۔

۱۲۔ اگر یہ خطرہ ہے کہ کمپنی ان حصص کو رد بھی کرسکتی ہے تب تو ان حصص کو بیع تاوقتیکہ کمپنی اسے تسلیم نہ کرلے، جائز نہیں ہوگی۔ اور اگر ان حصص کی کمپنی میں نام کا انتقال ایک کاغذی اور احتیاطی چیز ہے تو بیع ہوجائے گی، کیونکہ بیع کی تعریف ہے: مبادلة المال المال بالتراضی، وہ یہاں صادق آتی ہے۔

☆☆☆☆☆

مناقشہ

کمپنی و حصص کمپنی

مناقشہ بابت کمپنی و حصص کمپنی

قاضی صاحب کے افتتاحی کلمات کے بعد مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب نے کمپنی سے متعلق سوالات پڑھ کر سنائے جو گذشتہ صفحات میں مذکور ہوئے، اس کے بعد مندرجہ ذیل مناقشہ ہوا۔

قاضی صاحب:

آپ حضرات نے اس تفصیلی سوالنامہ کو سنا، پتہ نہیں کچھ بہت خشک تھا، خواب آور تھا، اس سلسلہ میں جو پہلا سوال آپ کے سامنے آیا ہے، اس کی وضاحت میں آپ کے سامنے کر چکا ہوں، یعنی ایسے پروجیکٹس اور ایسی اسکیمیں بنانا اور بنا کر فنی طور پر اس کی اجرت وصول کرنا جس پروجیکٹ میں سود کا بھی ذکر ہو، یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ یہ سوال تو میں آپ کے سامنے واضح کر چکا ہوں۔ دوسرا سوال جو آپ کے سامنے ہے مختصراً یہ ہے کہ یہ مالیاتی کمپنی ایک کام یہ کر سکتی ہے کہ بینکوں سے یا دوسرے ایسے اداروں سے قرض دلوا سکتی ہے، تو اس کی ساکھ اس میں کام آتی ہے، مثلاً ہم نے ضمانت لے لیا آپ ان کو قرض دے سکتے ہیں، اور قرض کی ادائیگی کی ضمانت ہم نے لے لی، اور یہ جو ضمانت ہم نے لے لی ہے ہماری ساکھ یا فقہ کی زبان میں یہ کہئے کہ ہماری وجاہت جس کو آپ نے ایک مال مانا ہے شرکت وجوہ میں، آپ نے میری وجاہت کا استعمال کیا ہے اس کا معاوضہ حاصل کر سکتے ہیں اس شریک پارٹی سے، اور ساتھ ساتھ یہ بھی ہو سکتا ہے اس میں کہ اس کو بینک سے قرض لینا ہوتا ہے تو سود بھی دینا ہی پڑے گا لوگوں کو......سود کا تعلق ہم سے نہیں ہے اس شخص سے تو رہے گا ہی، بینک سے اگر لون لیں گے تو بینک تو سود لے گا، لیکن بینک سودی قرضہ بھی ہر ایک کو نہیں دیتا، وہ کوئی ضمانت چاہتا ہے، کوئی سیکوریٹی چاہتا ہے، تو اس میں آپ کی ضمانت اور آپ کی ساکھ کام آئے گی۔

اچھا تیسرا مسئلہ جلدی جلدی میں بتا دیتا ہوں، صرف ایک دو الفاظ ضروری ہیں، یہ بار بار سود بردار قرض تمسکات، یا انگریزی میں Debenture کا لفظ آتا ہے، تو یہ سوال ذہن میں پیدا ہو سکتا ہے ہو کہ Companies جب قائم ہوتی ہیں تو کچھ تو اپنے شیئرز رکھتی ہیں کہ دس ہزار شیئرز ہم نے سو سو روپے کے رکھے، تو وہ تو خیر شیئر ہے، حصہ ہے، کمپنی میں آپ اتنے حصے کے مالک ہو جاتے ہیں، لیکن وہ کچھ اور پیسے بھی لیتے ہیں آپ سے، یعنی دوسری نوعیت سے بھی پیسے لیتے ہیں، اور اس میں کمپنی مقروض ہوتی ہے اور آپ مقرض ہوتے ہیں، اور اس پر وہ سود ادا کرنے کی پابند ہوتی ہے، تو ایک ہے Share اور دوسرا ہے Debenture، ڈبنچر " دراصل وہ قرض ہے جو ایک عام آدمی کسی کمپنی کو سود کی شرط پر دیتا ہے"، تو ڈبنچر کی اصل حقیقت یہ ٹھہری کہ یہ وہ قرضہ ہے جو ایک عام آدمی نے کسی کمپنی کو دیا اور کمپنی کچھ خاص مدت کے بعد اصولاً وہ قرض مع سود واپس کرنے کی پابند ہے، یہ تو عام بات ہوئی Debenture کی، اب Debenture میں ایک لانچ اور دے رہے ہیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ Convertible ہے، یعنی آگے چل کر یہ کل کا کل جتنا آپ نے قرضہ دیا ہے وہ، یا اس کا کوئی جز شیئر میں متبدل ہو جائے گا، اور دوسرا ہے Non Convertible جو کبھی تبدیلی اس میں نہیں آئے گی، تو یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں،

ان پر الگ الگ حیثیتوں سے غور کرنا ہے، دشواری یہاں پر آتی ہے کہ بعض دفعہ شیئرز جن کو ہم لوگ چاہے شاید جائز کہیں، ان کی خریداری کے لئے بھی کچھ ڈبنچرز تمسکات کو خریدنے کی شرط لگا دی جاتی ہے، اب وہ ڈبنچرز Convertible ہے، آگے چل کر کے شیئر میں تبدیل ہوجائیں گے، کل یا جز، تو بہرحال کچھ حصہ ایسا بھی رہ جاتا ہے جو کبھی تبدیل نہیں ہوگا، تو ہمارے لئے جائز شیئرز خریدنا اس شرط پر کہ کچھ ڈبنچرز بھی خریدنا پڑے گا، کیا اس مجبوری میں ڈبنچرز خریدنا جائز ہوگا یا نہیں؟ پھر اگر وہ Totally Convertible ہے کہ آگے چل کر وہ Convert ہوجائے گا تو ایک حد تک بات چلتی ہے، لیکن اگر Partially Convertible ہے تو کچھ نہ کچھ ہمارے ذمہ رہ جائے گا، پھر اس میں ایک الگ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم خریدنے کے بعد ڈبنچر کو بیچ ڈالیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ڈبنچر کو ہم بیچ ڈالیں جو Non Convertible ہے، تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ اس کے لئے بیچنا ہمارا جائز ہوگا کہ نہیں، زائد پہ بیچنا، کم پر بیچنا، برابر میں بیچنا، اس طرح کے کئی سوالات پیدا ہوں گے، تو یہ سوالات تو آپ سارے کے سارے لوگوں نے سن لئے اور سب لوگ سمجھ بھی گئے ہیں، اب مسئلہ ہے اس کے جواب کے سلسلہ میں گفتگو کرنے کا۔

مفتی احمد خانپوری صاحب:

حضرت ہمارے پاس ۱۹سوالات پر مشتمل سوالنامہ پہونچا تھا، ہم نے سارے سوالات کے جوابات دیئے تھے۔

قاضی صاحب:

وہ الحمد للہ ہمارے پاس سامنے رکھا ہوا ہے، ابھی تمام علماء کے جوابات پر بات ہونی ہے، میں ایک طرف سے چلتا ہوں، یا آپ کہیں تو تلخیص سنادوں۔ اچھا کے، جی منشی صاحب آپ کا جواب الوا شاک ایکسچینج پر ہے نا، اس کو بعد میں شروع کروں گا۔ ابھی ہم لوگ جو گفتگو شروع کرتے ہیں تو پہلا سوال وہ لے لیجئے کہ دو قسم کے کاروباری یونٹ ہیں، تین قسم کی کمپنیاں ہیں، ایک کا خالص مقصد ہی سودی کاروبار ہے، اس میں اسلامی مالیاتی ادارہ حصہ لے، اس کے ناجائز ہونے پہ آپ سب لوگ متفق ہیں یا کوئی اختلاف بھی ہے؟ ایسی کمپنی، ایسا ادارہ جس کا مقصد ہی سودی کاروبار کرنا ہے، کیا یہ اسلامی مالیاتی ادارہ اس میں حصہ لے سکتا ہے؟

آوازیں: نہیں۔

قاضی صاحب:

اس میں تو بہت زور سے آپ لوگوں کو ناجائز کہنا چاہئے تو اس کی حرمت پہ تو شک کسی کو نہیں ہے، مسئلہ طے ہے، اچھا جہاں پر مالیاتی ادارہ جائز کاروبار کرتا ہے، اس میں حصہ لینے میں تو آپ لوگ کوئی اعتراض نہیں کریں گے؟ میں نے تو یہاں بصرف آپ سے یہ سوال کیا کہ ایسے مالیاتی ادارے جن کا بنیادی مقصد اور بنیادی کام ان کا حرام کاروبار ہے، اس میں حصہ لینا ناجائز، اور جس کا مقصد حلال وجائز ہے اور اس کے سارے طریقے جائز ہیں۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

جائز حصہ لینے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ اسے بھی ذرا واضح کردیجئے۔

قاضی صاحب:

اس میں کیا واضح کرنا ہے۔ اس میں حصہ لینے میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے، مسئلہ جو قابل غور ہے دراصل وہ ادارے ہیں جن کے اندر مقصد بنیادی تو جائز کاروبار ہے لیکن ملوث ہوتے ہیں وہ سودی کاروبار میں بھی، اس میں کیا ہوگا؟ یہ اصل جوز یر بحث مسئلہ ہے وہ یہی ہے، اس سلسلہ میں ہمارے پاس جو جوابات آئے ہیں، جناب مولانا شمس پیرزادہ صاحب، مولانا ایوب ندوی صاحب بھٹکلی، مولانا عتیق احمد صاحب لکھنؤ، مولانا اختر امام عادل صاحب، مولانا مفتی نورالہدی قاسمی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا عبیداللہ اسعدی، مفتی احمد خانپوری، مولانا عبدالرحمن قاسمی، مولانا مصلح الدین، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا مفتی نظام الدین صاحب، ان حضرات نے کہا کہ دونوں قسم کے یعنی جس کا جائز ہی جائز کاروبار ہے اور جس کا اصل مقصد جائز کاروبار ہے لیکن اس کو ملوث ہونا پڑتا ہے ضمنی طور پر سودی کاروبار میں، ایسے دونوں ہی اکائیوں میں اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے سرمایہ لگانا جائز ہے۔ اب اس میں کچھ لوگوں نے شرائط لگائی ہیں، آگے جو جواب ہے، کچھ لوگ علی الاطلاق مجوزین ہیں، اور کچھ لوگوں نے اس میں بعض شرطیں لگائی ہیں، مثلاً مولانا برہان الدین صاحب کی شرط یہ ہے کہ اگر سود پہ حاصل کی ہوئی رقم کا حساب الگ رکھا جاتا ہو تو جائز ہے یعنی وہ ادارہ جو اصلاً تو حلال کاروبار کرتا ہے لیکن اس کے یہاں سودی کاروبار میں بھی ملوث ہونا پڑتا ہے، اس کے لئے یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ ادارہ دونوں حساب الگ رکھے، تیسرا مولانا جمیل احمد نذیری صاحب کا ہے، یہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے بشرطیکہ ادارہ کا سرمایہ اور نفع سود سے محفوظ ہو، اور مولانا صدر الحسن ندوی کی رائے یہ ہے کہ عدم جواز راجح ہے، تو کل جوابات میں سے مولانا صدرالحسن صاحب مطلق عدم جواز کے قائل ہیں، جمیل احمد نذیری صاحب ادارہ کے سرمایہ و نفع کا سود سے محفوظ ہونا شرط کرتے ہیں، مولانا برہان الدین صاحب الگ حساب رکھنے کی پابندی عائد فرماتے ہیں، اور باقی جن حضرات کا میں نے نام لیا ہے یہ حضرات مطلق جواز کی بات کہتے ہیں، یہ ہے خلاصہ۔

مفتی عبدالرحمٰن صاحب (بنگلہ دیش):

حکومتی قوانین مالیاتی سلسلہ میں ایسے ہیں کہ اسلامی بینک کاری کرنا بڑا مشکل مسئلہ ہے، کتنی بھی کوشش کی جائے کہ بلاسودی بینک کاری ہو خالص، پھر بھی ملوث ہونا ضروری ہے، کوئی صورت نہیں ملوث ہوئے بغیر، سوا اس کے کہ گھر بیٹھے رہیں، اب جبکہ ملوث ہونا ضروری ہے، تو یا گھر بیٹھے رہیں یا کوشش کریں، اگر یہ فیصلہ ہو کہ کوشش کرنا چاہئے تو ملوث ہونا ضروری ہے، صرف اتنی بات ہے کہ اس میں ملوث ہوتے ہوتے کہیں حرمت کی ذہنیت ختم ہو جاتی ہے حلت آ جاتی ہے، ابھی بنگلہ دیش میں ۱۹۸۵ء سے اسلامی بینک کا سلسلہ شروع ہوا، اور قانونی طور پر شرعیہ کونسل بنانا پڑا، شرعیہ کونسل نے اس قسم کے حالات کو سامنے رکھ کر ضرورتاً اجازت دیدی ہے کہ سودی کاروبار میں ملوث ہونا پڑے گا، ضرورتاً اجازت دی گئی، نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ پہلے سود کھانے والے حرام سمجھ کر کھاتے تھے، اب سود کھانے والے حلال سمجھ کر کھا رہے ہیں، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بینک چلانے والے حضرات عموماً سودی بینکاری کی تعلیم حاصل کر کے امریکہ، یورپ۔ ۔ سندیں لے کر آتے ہیں، بینک چلاتے ہیں، تجربہ بہت ہے، لیکن ان کو شرعی اصول وضوابط

سے تجربہ تو ہوتا تو مشکل ہے ضروری مسائل سے بھی واقفیت نہیں، ایسے حالات میں خوف وخشیت کا فقدان ہے، مسائل سے ناواقفیت ہے اور سودی بینکوں کے ساتھ کمپٹیشن کر کے آگے بڑھ رہا ہے، ملوث ہونے کی ضرورت کی حد تک تو نہیں بلکہ آگے بڑھ رہا ہے، کہیں ایسا نہ ہو جائے جائز تو کہنا پڑے گا کہ ملوث ہونے کی ضرورت تو جائز ہے، سرمایہ لگائے، اسلامی ادارے میں تعلقات قائم رکھے، لیکن ہمارے خیال میں مولانا مفتی برہان الدین صاحب مدظلہ نے جو شرط لگائی وہ شرط اگر اول تا آخر ملا گور ہے تو شاید کچھ کام آجائے، اور خطرہ ہے کہ لاگو نہ رہے گا، بنگلہ دیش میں ہم لوگوں سے فتوی لے کر کے، ضرورت ضرورت کہہ کر کے ہم سے اجازت لے لی تو آج تک ضرورت ختم نہیں ہوئی، آگے بھی امید نہیں ہے، تو میرے خیال میں جس صورت میں ہم لوگوں کو فیصلہ کرنا ہے اس صورت میں تو بلاشبہ مطلق کی اجازت نہ دی جائے اور شرط کی پابندی کی خاص طور پر رعایت کی جائے، تو شاید یہ کام آگے چل سکتا ہے، ورنہ پھر سودی نظام جو ہے وہ بہت اچھا ہے اس قسم کے بلاسودی نظام سے جس میں حرام حلال ہو جانے کا خطرہ ہو جائے۔

قاضی صاحب:

سب سے پہلی درخواست تو یہ ہے کہ مسائل پر فقہی حیثیت سے بحث کر لیجئے، وعظ کرنا ہو تو بعد کو کر لیجئے گا، مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن مسائل کی پہلے خالصتاً جو فقہ اسلامی کہتی ہے اس پر شدت سے قائم رہتے ہوئے اس میں ذرہ برابر مصالحت نہ کیجئے، اللہ کا خوف بھی دلاتے رہئے، لیکن اصلاً بنیادی بات اس وقت یہ ہے کہ فقہ اسلامی اگر صحیح اصولوں پر قائم ہے اگر اس میں کچھ گڑبڑ ہے تو دوسری بات ہے، لیکن اگر وہ صحیح ہے تو فقہ کے اصولوں پر، فقہ کی سیمنار میں فقہی نقطۂ نظر سے بحث کیجئے، اور یہ بے حد ضروری ہے کہ جو فقہی مباحث آپ کے پاس موجود ہیں، فقہاء نے اتنی ساری بحثیں کیوں کی ہیں، آپ کہئے کہ ناجائز ہے فلاں دلیل کی وجہ سے، ضرور کہئے خوشی کی بات ہے۔

مولانا یعقوب منشی صاحب:

مولانا برہان الدین صاحب نے جو علیحدہ حساب رکھنے کی شرط لگائی ہے اس سے کیا مراد ہے، کیا پیسے الگ رکھے جائیں یا سب چیز علیحدہ ہو کیا مطلب ہے؟

قاضی صاحب:

یہ تو مولانا برہان الدین صاحب بیٹھے ہیں یہ وضاحت کر دیں، مولانا اپنی رائے کی خود وضاحت کر دیں تو زیادہ بہتر ہے۔ آپ کو اختیار ہے کسی چیز کو آپ جس کو جائز سمجھتے ہوں شرعاً اس کو جائز کہئے، جس کو نہیں سمجھتے ہوں اس کو قطعاً کہئے کہ ناجائز ہے.......،

مفتی عزیز الرحمٰن چمپارنی صاحب:

مولانا برہان الدین صاحب کا جواب اگر پڑھ دیا جائے تو زیادہ بہتر رہے گا، اس سے ہو سکتا ہے کہ کچھ روشنی مل جائے۔

ڈاکٹر محمد منظور عالم صاحب:

میرے خیال میں پہلے مفتی نظام الدین صاحب دارالعلوم دیوبند کا جواب پڑھ کر سنا دیا جائے اور اس دوران مولانا برہان صاحب کا جواب تلاش کرلیا جائے۔

مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب:

اصل میں دو سوالنامے ہیں۔

قاضی صاحب:

مفتی اسماعیل صاحب اپنے جواب میں لکھتے ہیں کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ایسی کمپنی کے شیئرز خرید کر اس میں سرمایہ لگانے کا یہ حل تحریر فرمایا ہے کہ "سو جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس کی اطلاع نہ ہو کہ اس نے تو کارکنان کمپنی کو ان دو امر کا وکیل ہی نہیں بنایا، اس لئے کارکنوں کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا، اور جس کو اطلاع ہو وہ تصریحاً اس سے ممانعت کردیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا، مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرف نسبت تو نہ ہوگی"۔ یعنی حضرت تھانوی اس طرف دو راستے بتاتے ہیں کہ علم نہیں ہے کہ وہ کمپنی کاروبار اس طرح کرتی ہے، وہ لاعلمی کی بات ہوگئی، اور اگر علم ہو تو وہ اس کو منع کردے، جیسا کہ وہ تذکرہ آیا کہ وہ جو Board of Directores کی میٹنگ ہو اور اس کے اندر وہ جو ممبرس کی میٹنگ ہو اس میں اپنی مخالفت کا اظہار کردے، تو دو صورتیں ہیں، یا تو اس کو Majority مل جائے گی تو اس پر عمل ہوگا، یا Majority نہیں ملے گی تو Board of Directors کا عمل اس کی طرف منسوب نہیں ہوگا، یہ غیر مباشر ہوا، اس لئے اس عمل کی نسبت اس کی طرف نہیں ہوگی، یہ حصہ نقل کیا ہے مولانا محمد مفتی اسماعیل صاحب نے، اس میں لکھتے ہیں: جس سوال کے جواب میں حضرت تھانوی نے یہ بات لکھی ہے کہ کوئی مسلمان کسی ہندو کے پاس سے کسی ضرورت کے موقع پر سودی قرض لیتا ہے اور اس سے اپنا بیوپار چلاتا ہے یا کوئی زمین خریدتا ہے، چند دن کے بعد وہ قرضہ ادا کردیتا ہے، اپنی باقی مانده ملک کو پاک ملک سمجھتا ہے، اور یہ بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ سود کے دینے سے تو خود گنہگار رہا مگر حرمت اس کی باقی ماندہ ملک میں سرایت نہیں کرے گی، ...... کیونکہ اس شخص نے دیا ہے لیا تو نہیں ہے، پس اس ملک کا کیا حکم ہے؟ بہر حال تو آپ نے حضرت تھانویؒ کا جواب سن لیا ہے، جس کو مولانا اسماعیل صاحب نے نقل کیا ہے۔ اس کے جواب میں مفتی نظام الدین صاحب فرماتے ہیں، مختصر جواب ہے ان کا، جواب نمبر۔ ۱و۲: اس کی گنجائش ہے۔ وہ صرف اتنا لکھتے ہیں کہ اس کی گنجائش ہے۔ اس کے بعد مولانا برہان الدین صاحب فرماتے ہیں کہ اگر یہ اکائی سودی کاروبار نہ کرتی ہو بلکہ خالص شرعی بنیادوں پر تجارت کرتی ہو، سود پہ حاصل کی گئی رقم کا حساب الگ رکھا جاتا ہو تو اس میں سرمایہ لگانا جائز ہے، تو یہ گویا مولانا کا جواب ہے جو آپ لوگ سننا چاہتے تھے، چونکہ یہ لوگ جانتے ہیں اس بات کو کہ جتنے بھی Accounts تیار ہوتے ہیں اس میں انٹرسٹ کا الگ کالم ہوتا ہے، تو مولانا اگر صرف حساب کی بات کرتے ہیں کہ اس کا اکاؤنٹ الگ ہو تو جتنے بھی حسابات آج کل یہ لوگ تیار کرتے ہیں اس میں سود دیا گیا تو اس کو الگ لکھتے ہیں اور سود لیا گیا تو اس کو الگ لکھتے ہیں۔

مفتی احمد خانپوری صاحب:

یہ تو مولانا ان کی سالانہ رپورٹ میں بھی الگ ہی سے درج ہے۔ یہاں پر مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ ڈبنچر وغیرہ تو کمپنی اس میں سود دے گی، اس میں شیئر ہولڈروں کو کتنا سود میرے حصہ میں آیا یہ تو دیکھنے کا ہی نہیں ہے، چونکہ وہ تو سود دے گی، جمع نہیں کرنے کی ہے، البتہ وہ ڈبنچر جو کمپنی حکومت کو سود دیتی ہے یا وکاس پتر وغیرہ کے نام سے بانڈز وغیرہ جو خریدتی ہے اس میں سود کمپنی کے پاس آئے گا، وہاں اس حساب کی ضرورت پڑے گی کہ کمپنی نے کتنا سود اپنے شیئر ہولڈروں کو تقسیم کیا ہے، تا کہ وہ اپنے نفع میں سے اتنا صدقہ کردے یا جو بھی حکم ہو۔

قاضی صاحب:

یہ بات کہ صاحب جو سود دینا پڑتا ہے کمپنی کو، وہ لکھا رہتا ہے اور جو سود آمدنی میں آتا ہے وہ بھی جو سال کا آخری اکاؤنٹ ہوتا ہے اس میں لکھا رہتا ہے کہ کمپنی کو اتنا صحیح منافع ہوا اور اتنا بذریعہ سود آیا، یہ تفصیلات رہتی ہیں یا نہیں؟

مفتی احمد خانپوری صاحب:

انفرادی طور پر شیئر ہولڈر یہ نہیں معلوم کر سکتا کہ مجھے جو Dividend ملا ہے اس میں کتنا حصہ سود کا ہے، اس کی رپورٹ میں اجمالی طور پر تو ہوگا کہ اتنے کروڑ روپے یا اتنے لاکھ روپے سود کے جمع ہوئے بینکوں کے پاس سے۔

قاضی صاحب:

یہ رپورٹ تو رہتی ہے لیکن یہ کہ ہم کو ہمارے شیئر میں جو منافع ملا ہے اس میں کتنا اصل کا حصہ ہے اور کتنا انٹرسٹ کا حصہ ہے۔ دوسرا سوال اس میں یہ ہے کہ.........

مولانا شمس پیرزادہ صاحب:

اس میں ایک بات اور بھی ہے کہ جب کمپنی سود ادا کرتی ہے، اور دوسری طرف سود کا کچھ حصہ اس کے پاس پہونچتا ہے، تو کیا یہ سمجھا نہیں جا سکتا کہ جو سود آیا وہ سود دینے میں چلا گیا، ضرورت کیا ہے کہ Dividend میں سے ہم کچھ Minus کرنے کی بات کریں..........

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

اس مائنس پلس میں یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ سود گیا زیادہ ہو آیا کم ہو؟

شمس پیرزادہ صاحب:

سود آیا کم اور گیا زیادہ تو اس لئے یہی ہے کہ گویا ہمارا پروفٹ ڈیوڈنڈ میں شامل نہیں ہوا ہے جو شیئر ہولڈر ہے اس کے ڈیوڈنڈ میں سود شامل کہاں ہوا؟ تھوڑا سا آیا گیا زیادہ۔

قاضی صاحب:

نہیں اب دو تین صورتیں ہیں نا، کہ جو سود کمپنی نے ادا کیا، فرض کر لیجئے کہ دس لاکھ روپے سود میں کمپنی نے

دوسروں کو دیا، اور اس کو بھی سود آیا، اب جو سود آیا، یا تو وہ نو لاکھ ہے یا گیارہ لاکھ ہے، تو اگر نو لاکھ ہے، نو لاکھ اس نے لیا ہے اور دس لاکھ اس نے دیا ہے، یا دس لاکھ لیا ہے اور دس لاکھ دیا ہے تو گویا جو انٹرسٹ آیا وہ انٹرسٹ چلا گیا، اب جو ہمارے پاس آمدنی ہے وہ ایک حد تک کہا جا سکتا ہے کہ خالص ہے، لیکن اگر گیارہ لاکھ آتا ہے تب پھر آگے سوال یہ ہے کہ کمپنی اپنا شیئر حاصل کرتی ہے، کمپنی میں دو طرح کے شیئرز ہوتے ہیں، ایک تو جو پروموٹرز ہیں ان کا حصہ جاتا ہے، پھر اس کے بعد تب شیئر ہولڈرس کا حصہ جاتا ہے، اور پھر مینجمنٹ کے اخراجات جاتے ہیں، اتنی قسموں میں تقسیم ہوتا ہے، تو پہلے میں جاننا چاہوں گا کہ عام طور پر کمپنیز جو جائز کاروبار کے لئے قائم ہوتی ہے جن کا مقصد جائز کاروبار ہے، سودی کاروبار جن کا مقصد نہیں ہے، ایسی کمپنیاں جو ان کو لینا پڑتا ہے یا دینا پڑتا ہے اس میں عام حالات میں کیا ہوتا ہے؟

کمال فاروقی صاحب:

Payment زیادہ ہوگا ہمیشہ، اگر جائز کاروبار وہ کرتی ہے اور انٹرسٹ اس کو لینا دینا پڑتا ہے تو پیمنٹ ہمیشہ زیادہ ہوگا اور انکم بہت کم ہوگی اس کے مقابلہ میں.........

جناب رحمٰن خان صاحب:

ہمارے یہاں تین کمپنیوں کی بحث ہے، ایک وہ کمپنیاں جن کا کاروبار حلال ہے اس میں کوئی بحث نہیں ہے۔ وہ کمپنیاں جن کا کاروبار حرام ہے وہ بھی.........اب سوال یہاں ہے کہ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن ان کو بعض اوقات سودی لین دین میں ملوث ہونا پڑتا ہے، ایسے ہی جو کمپنیاں ہمارے ملک میں ہیں، تقریباً ننانوے فیصد کمپنیاں اس تیسرے ذیل میں آتی ہیں، یعنی اب سوال ہمارے پاس یہ ہے کہ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن ان کو بینکوں سے کاروبار کئے بغیر وہ کمپنیاں نہیں چلا سکتے اس لئے سودی لین دین میں ملوث ہونا پڑتا ہے ان کمپنیوں کو، اور ننانوے فیصد ایسی کمپنیاں سود زیادہ دیتی ہیں اور ان کے پیسے سے جو سود ملتا ہے وہ بہت ہی کم ملتا ہے، تو یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ سود جو آتا ہے ہمارے ڈیویڈنٹ میں اس میں کتنا سود ملا ہوا ہے، اس میں یہ ناممکنات میں سے ہے ننانوے فیصد، کوئی ایک دو ایسی کمپنیز ہو سکتی ہیں، Financial Companies جن کا کاروبار صرف سود کا لینا ہے، اسی کمپنی میں یہ ہو سکتا ہے کہ جہاں ہمارے ڈیویڈنٹ میں سود کا ہونا ممکن ہو جاتا ہے، وہ کمپنیاں نمبر دو میں آجائیں گی، وہ کمپنیاں جن کا کاروبار حرام ہے یعنی کہ بینکنگ کی کمپنیاں، چاہے اسٹیٹ بینک کا ہو، حال ہی میں اسٹیٹ بینک کے شیئرز پلاٹ کئے گئے، اگر کوئی اسٹیٹ بینک کے شیئرز لیتا ہے تو معلوم ہے کہ اسٹیٹ بینک پورا سودی کاروبار کرتا ہے، وہ حرام ہے، اب یہاں پر دوسری کمپنیاں ہیں جو مجبوراً بغیر سود لئے کام نہیں کر سکتیں، بینکوں سے لے کر ہی چلاتا ہے، وہ تیسری کمپنیاں ہیں، وہاں تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اب ہم کو یہاں پر ہدایت ملنی ہے کہ ایسی کمپنیوں میں Investment جائز ہے یا نہیں؟

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

سود کا زیادہ دینا ہوا، یہ سود کہاں سے دیا جائے گا؟ جب سود اس میں زیادہ دینا ہوا اور آیا کم ہے تو یہ سود کہاں

سے دیا جائے گا؟

کمال فاروقی صاحب:

یہ ہمارے خرچ کا Part ہے، It is part of our expenditure، دیکھئے حضرت! ایک اور بات یہ سمجھ لیجئے جیسا کہ رحمٰن خاں صاحب نے فرمایا، ہمارے لئے کوئی بھی لمیٹیڈ کمپنی شروع کرنا ناممکنات میں سے ہے، اگر ہم اس میں Banking Finance کو نہیں Involve کرتے ہمیں اجازت ہی نہیں ملے گی شیئرز جاری کرنے کی، پہلی بات یہ سمجھ لیجئے، اور بنیادی طور پر یہ سمجھ لیجئے کہ کسی کمپنی کو شروع کرنے کی اجازت ہی نہیں ملے گی جب تک ہم بینک سے فائنانس کا اس میں پروجیکٹ نہیں رکھیں گے۔ ہمارا اپنا کوٹہ جو ہوگا Shares Capital وہ اتنا ہوگا اور جو بینک سے فنانس لیں گے وہ اتنا ہوگا، اس کے بغیر نہیں ہوگا، تو یہ بات جیسا کہ خاں صاحب نے بتلایا ۹۹ فیصد، میں اس سے اور سو فیصد جا کر بات کہتا ہوں.........

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

اس کا مطلب یہ کہ ہم جو یہ کہہ رہے ہیں کہ بنیادی طور پر ہماری حلال کمپنی ہوگی وہ ہی صحیح نہیں ہے۔

کمال فاروقی صاحب:

بنیادی طور پر کاروبار اس کا حلال ہوگا، دیکھئے Objects بھی دو ہوتے ہیں: ایک تو Main Object ہوگا کسی کمپنی کا، جو حلال کام ہوگا جس کی ہم بات کر رہے ہیں لیکن اس Main Object کو پانے کے لئے اس کو انٹرسٹ پر پیسہ لینا پڑے گا، یہ پارٹ ہے، اور وہ ہمارا جو خرچ ہے اس میں سے جیسے ہم تنخواہ دیں گے، جیسے ہم آفس کا کرایہ دیں گے، جیسے ٹیلیفون کے Expenses دیں گے، اسی طرح سے ہمیں سود کی ادائیگی بھی کرنی پڑے گی۔

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

اصل بنیاد جو ہوگی اسی میں سے ہمارا پیمنٹ ہوگا، سوچئے اس کو، الگ حساب رہا اپنی جگہ............

قاضی صاحب:

یعنی اس کی صورت جو ہے وہ یہ ہوئی گویا آپ لوگوں کے بیان کے مطابق جو ہم نے سمجھا، مثلاً ہم کو گھڑی بنانے کی یا الیکٹرونک کی ایک فیکٹری قائم کرنی ہے، اس کو ایک کمپنی کی شکل ہم نے دیا، اس میں چاہئے دس لاکھ روپے، تو ہم نے پانچ لاکھ روپے شیئر فروخت کئے اور ان سے حاصل کر لئے، اور مزید پانچ لاکھ کے لئے ہم سرمایہ لیں گے کس سے، بینک سے لیں گے، اور جو سرمایہ بینک سے لیں گے اس پر ہم کو سود دینا پڑے گا، اور کچھ پیسہ ہمارا بھی ان کے یہاں ہو جس سے سود حاصل ہو ہم کو کیا شکل ہے، (ایک آواز: بہت کم) یعنی پھر سود لینے کا سوال آیا نا، ایک تو سود دینا ہوا، دوسرے سود لینا ہوا۔

جناب رحمٰن خاں صاحب:

لینے کا جو سوال آتا ہے سود ایسی کمپنیوں میں، ۹۰ یا ۹۹ فیصد جو کمپنیاں ہیں سود لینے کا سوال نہیں، کیونکہ خود ان کے پاس پیسہ نہیں ہے تو اسی لئے وہ بینک سے لیتے ہیں، اب جن کو جو سود آئے گا قانونی طریقے سے کچھ Investment کرنا پڑتا ہے یعنی بانڈز میں کرنا پڑتا ہے، یا Seving میں کرنا ہے، وہ مجبوری طور پر بہت ہی کم ہوتی ہے اس کی رقم۔ اور اگر ہم اس کو...... کریں جو سود ہم دیں گے تو بالکل اس کا............ ایک یا دو فیصد ایسی کمپناں آپ کو نہیں ملیں گی جو سود لے رہی ہیں۔

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

نہیں اگر کوئی کمپنی ایسا کرتی ہے کہ ایک ملین سرمایہ ہم روکتے ہیں اپنی طرف سے، اور ہمیں قانونی مجبوری کے تحت اگر ایک لاکھ روپے لینا پڑتا ہے ہم لے لیتے ہیں ایک لاکھ روپے، لیکن اگر ہم قانونی طور پر ہمارے اپنے ایک ملین روپے کہتے ہیں تو اس وقت میں کوئی ضروری تو ہے نہیں، یہ تو آپ اس صورت کو بتا رہے ہیں کہ جس صورت میں سرمایہ ہمارے پاس تھوڑا ہے، اس لئے ہم لینے پر مجبور ہیں، لیکن اگر کوئی کمپنی اس طور پر آئی ہے کہ ہم پورا دیتے ہیں، بس فوراً کمپنی کوئی آئی، اس نے کہا کہ ہم ایک ملین روپیہ لگاتے ہیں، اس کو تو ضروری نہیں ہے کہ وہ بینک سے لون لے (رحمٰن خاں صاحب: نہیں کوئی ضروری نہیں) تو اب یہ بات واضح ہوگئی کہ کمپنی کو قائم کرنے کے لئے بینک سے قرض لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اگر ہمارے پاس پورا سرمایہ ہے تو ہم لینے پر مجبور نہیں ہیں۔

جناب رحمٰن خاں صاحب:

اب ہماری جو یہاں بحث ہو رہی ہے، اسٹاک ایکسچینج سے شیئر کا کاروبار کس طرح سے کیا جانا چاہئے، کیا ایسی کمپنی میں شیئر لینا جائز ہے پہلی بات، یہ جو آپ کا سوال تھا کہ اگر کوئی کمپنی چاہتی ہے کہ پورا سرمایہ لگا کر قرضہ کے بغیر کمپنی شروع کرنا ہے، تو وہاں کسی کو مجبوری نہیں ہے سودی قرض لینے کی، اب سوال ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارے کیا ایسی کمپنیوں میں Share Invest کر سکتے ہیں؟ یہ سوال ہمارے سامنے ہے۔

یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ ہم ایسی کمپنی بنا سکتے ہیں، اب سوال یہ جو رہ گیا کہ کمپنی کی بنیاد تو حلال ہے، لیکن کمپنی نے سرمایہ کچھ سودی بھی لیا ہے، اب ہمارے لئے مشکل جو ہے سوچنے کی وہ یہ کہ جو سرمایہ لیا ہے سود کے اوپر، اس کا سود ہمیں دینا پڑتا ہے، اب اس کو سوچنا چاہئے کہ یہ سود جائے گا شیئر ہولڈروں میں سے، یا یہ کمپنی سرمایہ سے جائے گا، بینک سے تو آئیگا نہیں، تو گویا سارے شیئر ہولڈر سود دے رہے ہیں۔

جناب کمال فاروقی صاحب:

میرے خیال سے Clarification یہاں دینا بہت ضروری ہے، آپ جو بات فرما رہے ہیں وہ بالکل ہمارے یہاں اس کو کہا جاتا ہے کہ کتابی بات ہے یہ Theoretical Part ہے، کوئی بھی کمپنی ایسی

نہیں Create ہو سکتی، پبلک میں آپ نہیں جا سکتے، پبلک ایشو نہیں لے جا سکتے جب تک آپ اپنے پروجیکٹ رپورٹ کے اندر یہ نہ بتائیں کہ آپ کا اپنا Capital اتنا ہوگا اور اتنا کیپٹل آپ Banking Institution سے لیں گے۔ یہ چیز بہت واضح ہونی چاہئے۔ بس یہ کہ آج کے نظام میں ایسی کوئی Possibility ہے ہی نہیں کہ آپ Public Limited Company بنائیں.............

مفتی احمد خانپوری صاحب:

کمپنی شروع ہونے کے بعد سرمایہ سے نہیں جائے گا، بلکہ اس کا جو Production ہوگا اور وہ فروخت ہوگا، اس میں سے جو منافع ملے گا اس میں سے کم ہوگا، اور یہ سوال تو پہلا اٹھایا گیا ہے کہ بھئی اس طریقے سے جو ہے وہ سود کا کچھ دینا بھی پایا جائے گا، لینا بھی پایا جائے گا، اور شیئر ہولڈر نہیں چاہتے، جو مسلمان ہیں وہ نہیں چاہتے کہ ہمارے نام پر اس طریقہ سے سودی لین دین ہو، تو ایسی کمپنیوں میں ہم Investment کریں یا نہ کریں؟ یہی سوال ہے۔

مفتی مصلح الدین صاحب:

بنیادی سوال ایک دوسرا اور ہے کہ " أحلّ الله البيع و حرّم الربا " بیع حلال ہے اور ربا حرام ہے، اور ربا کا لین دین جیسا لینا جائز نہیں ہے، حرام ہے، ایسا دینا بھی حرام ہے، اِلا بوقت ضرورت شدیدہ، اب وہ ضرورت شدیدہ کیا ہے؟ شریعت ضرورت شدیدہ کس چیز کو مانتی ہے، پہلے تو ہم اس کو طے کریں، اس کے بغیر ہم.........

قاضی صاحب:

مولانا ضرورت یا حاجت؟

مفتی مصلح الدین صاحب:

حاجت، حاجت شدیدہ شریعت کے نزدیک کون سی معتبر ہوگی، تو اس صورت کے اندر ایسا کوئی کاروبار کہ جس میں ہمیں سود دینا پڑتا ہے، اس کاروبار کی بھی اجازت ہمیں حاصل ہو، ایسی حاجت شدیدہ کون سی ہے؟ اس لئے پہلے تو ہمیں بنیادی طور پر اس بات کو طے کرنا ہوگا۔

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

میرا خیال یہ ہے کہ کوئی صاحب ان میں سے ذرا وضاحت کر دیں، اسلئے کہ بہت ساری چیزیں ایسی ہو رہی ہیں کہ جس کی وجہ......اب یہ نئی بات اس وقت آئی، تو اگر بنیادی طور پر ان میں سے کوئی صاحب تفصیلی بات کر لیں کہ بھئی یہ یہ چیزیں ہیں اور اس کے اوپر سوچا جائے تو میرا خیال ہے زیادہ مناسب ہوگا۔

امین الحسن رضوی صاحب:

دیکھئے میں عرض کروں، دراصل Confusion ہو رہا ہے، بات ہم یہ نہیں کر رہے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسی کمپنی قائم کرنی ہے جس میں سود لینا یا دینا ہے، یہاں گفتگو جو ہو رہی ہے وہ ایسی ہو رہی ہے کہ ہم سرمایہ کار ہیں، ایک اسلامک برانچ کارپوریشن موجود ہے، اب اس کو اپنے پیدا آور ذرائع میں سرمایہ کاری کرنی ہے تو ایسی سرمایہ کاری

کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک کمپنی ہے، ہم سے کوئی تعلق اس کا نہیں ہے، ایک دوسری کمپنی ہے جو ایک جائز کاروبار کرتی ہے، ہم صرف سرمایہ کار ہیں، اسلامی فائنانس کارپوریشن ہے، ہمارا کوئی تعلق کمپنی قائم کرنے سے نہیں ہے، Already موجود ہے یہاں، اب ہمیں اپنے سرمائے کو نفع آور کاروبار میں لگانا ہے، اب ہم نفع آور کاروبار کی تلاش میں باہر نکلے، ہم کو ایک ایسی کمپنی کا پتہ چلا جو اچھے لوگوں کے ہاتھ میں ہے، فی نفسہ اس کا کاروبار پورا جائز ہے، کوئی غیر شرعی کام جیسے شراب وہ نہیں بناتی ہے، اس قسم کا کوئی کام نہیں کرتی ہے، اب اس کمپنی کے بارے میں ہم کو یہ معلوم ہوا کہ اس کمپنی کا کچھ تو سرمایہ اس کا اپنا ہے جو اس نے شیئر ہولڈرس سے لیا ہے، لیکن اس کمپنی کے کچھ سرمایہ کا جز ایسا بھی ہے جو اس نے سود پر لیا ہے، اب سوال صرف یہ ہے کہ کیا ایسی کمپنی میں کوئی مسلمان اپنا سرمایہ لگائے یا شیئر خریدے جبکہ یہ معلوم ہے کہ اس کے پاس جو سرمایہ آ رہا ہے جس سے وہ کاروبار کر رہا ہے اس کا ایک جز سود پر قرض لیا ہوا ہے۔ اب مسئلہ کیا ہے، معافی چاہتے ہیں آپ بزرگوں سے کہ سود لینا اور دینا حرام کہا گیا ہے، لیکن سود لینے کی کسی حال میں گنجائش نہیں رکھی گئی ہے، البتہ سود دینے کیلئے (حالت اضطرار میں) رخصت دی گئی ہے۔ اگر کسی کو حالت اضطرار یا حاجت میں سود دینا پڑے تو اس کی اجازت ہے، لیکن سود لینے کی اجازت کسی صورت میں نہیں ہے، تو یہ فرق بہر حال ضروری ہے، اب یہاں یہ صورت حال آ رہی ہے کہ ہم کو ایسی سرمایہ کاری کرنی ہے ایک ایسے ادارہ میں کہ جو اپنی مجبوری کے تحت چونکہ قانون کے تحت یہ ممکن نہیں ہے اس کمپنی کے لئے کہ وہ سودی سرمایہ کے بغیر کاروبار کر سکے، کچھ جز اس کا، کل نہیں، وہ کمپنی مجبور ہے سود دینے پر، سود لینے پر مجبور نہیں ہے وہ، سود لے بھی نہیں رہی ہے، صرف سود دے رہی ہے، اب اس کو سود دینے کے نتیجہ میں جو فائدہ حاصل ہوا اس فائدہ میں کچھ جز اس سرمایہ کا ہے جو سود پر حاصل کیا گیا، اس فائدے کا جز وہ آپ کو دینا چاہتا ہے آپ کے سرمایہ کے معاوضہ میں، تو کیا اس کا لینا جائز ہوگا؟

آل مصطفی مصباحی صاحب:

سود کے یہ حصہ دار منتفع ہوئے، سو اس میں کئی حالتیں ہیں، یعنی احکام متنوع ہیں: ایک تو یہ کہ اس کا وقوع لازم تو ہے نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ کمپنی کا کسی کے ذمہ قرض ہی نہ ہو، اس لئے سود لینے کی نوبت ہی نہ آئے، اور اصل صورت تجارت کمپنی کی حلال تھی، تو شک سے حرمت کا حکم نہ کریں گے، یعنی قطعیت پر فیصلہ ہوگا، اور تفتیش ایسے امور میں واجب نہیں، نہ تفتیش میں ہر شخص کو جز کا وقوع یا عدم وقوع معلوم ہو سکتا ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ کمپنی نے یہ سود غیر مسلم سے لیا، تو اس میں ربا من الحربی کا مسئلہ جاری ہوگا، جس کا مختلف فیہ ہونا معلوم ہے، اس لئے مبتلی بہ کو اس میں تنگی نہ ہوگی، لہذا احکام جو ہیں متنوع ہو سکتے ہیں، اکثریت اور قطعیت پر فیصلہ ہونا چاہئے۔

مولانا اسماعیل صاحب:

کوئی بھی مسلمان اس میں بطور مباشرت سود کی لین دین نہیں کر سکتا ہے اور یہ نص قطعی سے ثابت ہے، یہاں جو مسئلہ زیر بحث ہے ہمیں اسی پر غور وفکر کرنا چاہئے کہ مسلم ہولڈر از خود نہیں کرتا ہے لیکن کمپنی کا جو بورڈ آف ڈائرکٹرس ہے وہ اس کی مرضی کے خلاف کرتا ہے، شیئر ہولڈر تو چاہتا ہے کہ تمہیں جتنے سرمائے کی ضرورت ہو میرے نام

پر، میرے حصے میں سود نہ لو، سودی لون نہ لو، آپ کو چاہئے تو میں اپنے حصہ کا پورا سرمایہ نقد دے دوں، لیکن وہ ان کی مرضی کے خلاف بورڈ آف ڈائرکٹرس سارے شیئر ہولڈرس کے نام سے کہو یا کمپنی کے نام سے کہو، لون لیتا ہے، تو اب اس صورت میں یہ شیئر ہولڈر بری الذمہ ہوگا یا نہیں ہوگا؟ جبکہ وہ اس سے راضی نہیں ہے اور وہ جنرل میٹنگ جو اس کی ہوتی ہے سالانہ اس میں اپنی رائے بھی دیتا ہے کہ بھئی سودی لون نہ لو، جتنا سرمایہ کمپنی کو چاہئے شیئر ہولڈر سے وصول کرو، تو اب اس کے بعد یہ جو شیئر ہولڈر ہے وہ سود کا کاروبار کرنے والا سمجھا جائے گا یا نہیں سمجھا جائے گا؟...... جس کی تاویل حضرت مولانا تھانویؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ شیئر ہولڈر کمپنی سے کہہ دے کہ بھئی تم میرے نام پر یا میرے حصے پر سودی قرض، سود لینے یا دینے کا کاروبار نہ کرو، جتنا سرمایہ چاہئے مجھ سے نقد لے لو، میں دینے کو تیار ہوں، اگر چہ بورڈ آف ڈائرکٹرس اس کو ماننے والا نہیں ہے، اس پر عمل کرنے والا نہیں ہے، لیکن اب اس معاملہ کی نسبت تمہاری طرف نہیں ہوگی، اور یہ مسئلہ فقہ سے بھی ظاہر ہے کہ وکیل جب مخالفت کرتا ہے اور مخالفت إلی الضرر کرتا ہے تو اس صورت میں وکیل کا وہ تصرف موکل کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔

ایک آواز:

بات یہ ہے کہ آخر وہ پہلے سے جانتا ہے کہ میں جو کچھ کہوں گا وہ ماننے والا نہیں ہے، اب اس کے باوجود اس کو کیا ضرورت پیش آ گئی ہے کہ وہ شیئرز خریدے اس کمپنی سے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو کون سی حاجت پیش آ گئی کہ وہ اس طریقہ پر کہہ کر حالانکہ وہ جانتا ہے کہ سود لینا بھی ہے اور دینا بھی ہے، یہ ایک حیلہ ہے، بالکل ظاہر ہے حیلہ ہوگا، تو اس کی کون سی حاجت پیش آئی ہے اس طرح شیئر خریدنے کی۔

ایک آواز:

یہاں جو سوال کیا گیا تھا، قاضی صاحب نے شروع میں جو بات فرمائی اس میں پہلے ہی وضاحت فرمادی تھی کہ اس وقت ہمیں بحث اس پر کرنا ہے کہ ایک آدمی کے پاس سرمایہ موجود ہے، ایک بیوہ ہے، بیوہ کے پاس پانچ ہزار روپئے ہیں، اب وہ چاہتی ہے کہ اپنے گذران کے واسطے اس پانچ ہزار روپوں سے کوئی شکل پیدا کرے، کسی کے ہاتھ میں دیتی تجارت کے لئے، تو وہ معلوم نہیں تجارت میں کیسا معاملہ کرے گا، اس پر اعتماد نہیں، اس وقت ایک نفع بخش قابل اعتماد شکل ہمارے سامنے لائی ہے، تو یہ آپ جو فرما رہے ہیں کہ کیا ضرورت ہے، تو آپ اس بیوہ کے متعلق ضرورت محسوس کر سکتے ہیں جب کہ آج عام طور پر مزاج یہ بن گیا ہے کہ کسی بیوہ کے پاس کوئی رقم آتی ہے تو سیدھی Fixed Deposit میں جا کر جمع کرا دیتی ہے۔

ایک آواز:

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس قسم کے جو معذور لوگ ہیں ان کے لئے تو رخصت نکلے لیکن وہ جو اپنے سرمائے کے بڑھانے کے لئے شیئرز خریدتے ہیں ان کا کیا حکم ہوگا؟

کمال فاروقی صاحب:

.....ہم لوگ یہ تمام جو بحث کررہے ہیں ایسا لگتا ہے کہ ہم لوگ Financial Institution اور جو آج کا کاروبار کرنے کا پورا مزاج بن گیا ہے اس سے ناواقف ہیں، جو میں نے عرض کیا کہ پہلی بات تو یہاں یہ جیسا کہ رضوی صاحب نے Clarification فرمایا بالکل صحیح ہے کہ ایک اسلامک بینک ہے، اس کے پاس پیسہ ہے، اور وہ شیئرز میں Investment کر رہا ہے، پہلے اور دوسرے سوال کا جواب ہی نہیں دے رہے ہیں ہم تو تیسرے کی بات کررہے ہیں، Possible ہی نہیں ہے آپ کے لئے، میں دوبارہ پھر اس بات کو دوہرا رہا ہوں آپ کے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ آپ کوئی کمپنی کا شیئر پبلک میں لاپائیں جب تک کہ Financial Institution میں اس کے پروجیکٹ میں آپ پیسہ نہ رکھیں، اب اگر آپ کے پاس اتنا پیسہ موجود ہے کہ آپ اپنے طور پر کاروبار کررہے ہیں تو کس نے کہا ہے آپ سے کہ شیئر لیجئے، آپ اپنا کاروبار خود ہی اکھٹا کرلیجئے، Partnership Forum میں چلا لیجئے کاروبار، Civil Propriter میں چلا لیجئے کاروبار، لیکن اگر آپ Public Limited Company بنائیں گے تو پبلک لمیٹڈ کمپنی بنانے کے لئے شیئر جاری کرنے کے لئے آپ کے لئے یہ ضروری ہوگا، خاں صاحب نے تو ۹۹ فیصد کہا تھا.................

قاضی صاحب:

آپ کی وضاحت سے پھر یہ خطرہ ہے کہ لوگ غلط طرف چلے جائیں گے، وہ اس لئے کہ یہاں پر یہ بحث ہی نہیں کہ کیا ہم ایسی پبلک لمیٹڈ کمپنی بنائیں جس میں کام اس بنیادی طور پر صحیح ہو لیکن اس میں اتفاقاً ہم سودی معاملہ میں ملوث ہو جاتے ہیں، اگر یہ سوال کریں گے تو اس کی نوعیت دوسری ہو جاتی ہے، کیا ہم ایسی کمپنی بنا سکتے ہیں یا نہیں جس کا بنیادی کاروبار جائز ہو لیکن اس میں کبھی کبھی سودی معاملات میں ملوث ہونا پڑتا ہے، کبھی کچھ لینا پڑتا ہے کبھی کچھ دینا پڑتا ہے، آپ کا نشانہ یہ ہے.....جب اس پوائنٹ پر زیادہ زور دیا جائے گا کہ ایسی کسی کمپنی کا قائم کرنا ممکن ہی نہیں ہے جو سودی کاروبار میں بینکنگ سے ملوث ہوئے بغیر کوئی کمپنی قائم کی جاسکے، میرا کہنا ہے کہ وہ کمپنی ہمارے یہاں زیر بحث ہی نہیں ہے اس وقت، ہمارا مسئلہ ہی وہ نہیں ہے، اس کے بارے میں ہم سے آپ پوچھئے گا تو ہوسکتا ہے کہ سارے لوگ متفق ہو جائیں، یا بعض حالات مجبوری اور حاجت وغیرہ کی رعایت کرکے آپ کو اجازت بھی دیں تو بہت مشکل سے دیں گے..............اب مسئلہ جو یہاں زیر بحث ہے دراصل یہ ہے کہ ایسی کمپنی جو اس اساس پر بنی ہے، ذرا دھیان دیں آپ لوگ، پہلے سے بنی ہوئی ہے ایسی کمپنی یا بن رہی ہے، اپنے بننے کے مرحلہ میں ہے یا بنی ہوئی ہے، جائز مقصد کے لئے بنی ہے وہ،......

ایک آواز:

تو آپ کے کہنے کے مطابق جب اس طرح کا کوئی بھی پبلک کام آپ کریں گے تو اس میں بینک سے تعلق پیدا کرنا ضروری ہوگا۔

قاضی صاحب:

یہ بات ہی نہیں ہے، ذرا آپ میری طرف توجہ دیں، اصل میں فاروقی صاحب نے جس مسئلہ پر زیادہ زور دیا ہے وہاں سے دشواری پیدا ہوگئی ہے، مسئلہ یہاں پر سرے سے یہ ہے ہی نہیں کہ ہم کوئی ایسی کمپنی قائم کرنے جا رہے ہیں، ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ایسی کمپنی کسی نے قائم کی ہے، چاہے ہندو نے کی ہو یا مسلمان نے کی ہو، یا کرسچن نے کی ہو........ فرضی نہیں یہ واقعہ ہے، سنا تو جائے حضرت، دیکھئے ذرا میں اس کو اور تفصیل سے بتاتا ہوں، بعض کمپنیاں بنتی ہیں شراب بنانے کے لئے، بعض کمپنیاں بنتی ہیں جناب والا خنزیر کا گوشت سپلائی کرنے کے لئے، ظاہر ہے جو فیکٹری اس کام کے لئے بنی ہے اس کا بنیادی کاروبار حرام ہے، اس کا شیئر خریدنا کسی مسلمان کے لئے یا اسلامی ادارے کے لئے جائز نہیں ہوگا، اس پر ہم اتفاق کر چکے ہیں، کوئی کمپنی یا فیکٹری بنائی جاتی ہے کہ وہ گھڑیاں بنائے گی، Electronic Goods بنائے گی، فرنیچر بنائے گی، اس طرح کے کاروبار کے لئے بنتی ہے، مقصد اس کا جائز ہے، لیکن وہ کمپنیاں اپنی رضا سے یا اپنی مجبوری سے یا جیسے بھی بینک سے قرض لیتی ہیں، اور بینک کے لون کی بھی شرکت اس میں ہوتی ہے، ملوث ہوتے ہیں، کام تو بڑا اچھا ہے، کام صحیح ہے لیکن ان کو ملوث ہونا پڑتا ہے، سوال یہ ہے کہ جو اسلامی مالیاتی ادارہ آپ نے قائم کیا وہ ایسی کمپنیوں میں جو قائم ہو چکی ہیں یا قائم ہونے کے مرحلہ میں ہیں ان میں شیئر خرید سکتا ہے یا نہیں؟ مسئلہ اتنا ہے اور اس پر آپ لوگوں کو جواب دینا ہے۔

ایک آواز:

اس کا مطلب یہ ہوا حضرت کہ ایک شخص قرض دے رہا ہے، وہ نقد منافع سود کی شکل میں لے رہا ہے اور میں قرض دے رہا ہوں اور مجھے منافع چاہئے سود نہیں چاہئے....... کمپنی جو فرنیچر یا جو کچھ بنائے گی وہ قرض لیتی ہے بینک سے، تو بینک قرض دے کر کے اس سے سود منافع میں لے گا، اور ہم قرض دے رہے ہیں اس کو، یعنی ہم شیئر خرید رہے ہیں تو ہم اس سے منافع لیں گے، سود نہیں لیں گے، تو پھر ہماری شرکت ناجائز ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

قاضی صاحب:

ارے بھائی دس لاکھ کا سرمایہ ہے، فرض کرلو یہ فیکٹری دس لاکھ کے سرمایہ سے بنی ہے، جس میں انہوں نے نو لاکھ روپئے اپنے یا کچھ لوگوں سے لے کر کے لگا دیئے ہیں اس پر کہ صاحب اس کا منافع جو حاصل ہوگا منافع میں ان کو حصہ دیا جائے گا، لیکن اس میں ایک لاکھ روپئے انہوں نے قرضہ بھی لیا ہے، یہ علماء سے ایک سوال میرا ہے اس کو بھی ذرا ذہن میں رکھیں کہ سود کی بنیاد پر جو قرض لیا جاتا ہے جو قرض کی رقم ہمارے پاس آئی، یہ رقم ہمارے لئے جائز ہے یا نہیں اس کا مصرف.......

ایک آواز:

یہ رقم حلال ہے بغیر قباحت کے۔

کے سوالات کو جمع کیا اور ایک قائمۃ الموضوعات ایک فہرست تفصیلی ان مسائل کی تیار کی، اور کتنی قسم کی انہوں نے الگ الگ کمیٹیاں تشکیل دیں، جس میں ماہرین اقتصادیات اور ماہرین فقہ اسلامی دونوں کو جمع کیا، پہلے انہوں نے اصل مواد ماہرین اقتصادیات کے ذریعہ جمع کرایا، پھر علماء سے علمی اور تحقیقاتی کام کرایا، اس کی پوری تفصیلات، پھر ایک ایسا موسوعہ اقتصادیہ اسلامیہ مرتب کرانے کی کوشش جس کے ذریعہ ان تمام مسائل کے بارے میں تفصیلات سامنے آسکیں۔ اسی ذیل میں انہوں نے ایک اہم بات کہی کہ ہمارے مدرسوں میں جو یہ ہمارے جامعات ہیں ان میں آپ فقہ تو پڑھا رہے ہیں لیکن کیا اقتصاد اسلامی کا آپ درس دے رہے ہیں لڑکوں کو یہاں، ظاہر یہ ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہوگا، تو وہ مسائل جو آگے آنے والے ہیں اقتصادیات کے میدان میں ان کے حل کرنے کے لئے جہاں ایک طرف فقہ اسلامی کی مہارت ہونی چاہئے دوسری طرف اقتصاد کے اصولوں کو سمجھنے کی صلاحیت اور اس کا شعور ہونا چاہئے، ہم اپنے مدارس میں اقتصاد اسلامی کو ایک موضوع کی حیثیت سے پڑھاتے ہی نہیں ہیں، یہ ایک بہت بڑا خلا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اقتصادی مسائل جب علماء کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان کی اصطلاحات کو سمجھ کر کوئی حکم شرعی کی تخریج کے لائق نہیں رہتے، یہ ایک بڑا مسئلہ ہے جسے حل کیا جانا چاہئے ہمارے اداروں میں۔ اسی طرح آگے بڑھ کر انہوں نے ایک اہم بات یہ کہی کہ صاحب جہاں ہم کام کرتے ہیں یعنی مجمع الفقہ الاسلامی الدولی جو انٹر نیشنل اسلامک فقہ اکیڈمی ہے، ہم چونکہ نمائندگی کرتے ہیں دنیا بھر کے مسلمانوں کی، اور ہر ملک میں بسنے والے مسلمانوں کے مسالک فقہی مختلف ہیں، کہیں مالکیہ ہیں، کہیں حنابلہ ہیں، کہیں پر شوافع ہیں، کہیں پر احناف ہیں، کہیں پر اباضیہ ہیں، کہیں پر جعفری، کہیں پر زیدی ہیں، مختلف فقہ معمول بہا ہے، تو ہمارا جو نقطہ نظر ہوتا ہے یہ جملہ مسالک فقہیہ کو سامنے رکھ کر غور کرنے کا ہوتا ہے، اور جو ماحول بنا ہے اس میں خلاصہ یہ ہے کہ اس میں تعصب مذہبی کے بجائے مصالح اسلام کی تحقیق پیش نظر رہتی ہے، اس لئے اگر فرض کر لیجئے کہ کسی مسئلہ کا حل کسی خاص فقہ کی روشنی میں وہاں نہیں ہو رہا ہے، لیکن دوسرا فقیہ اپنے یہاں ان کی فقہ میں جس مسئلہ سے بحث کی گئی ہے وہ سامنے لے آتا ہے، تاکہ اس کے دلائل کا لوگ جائزہ لے لیں، اقوی دلائل کیا ہیں؟ قوت دلیل کو دیکھ لیں، اور مصالح مسلمین کو دیکھ لیں، اور تحقیق مصالح جو بنیادی مقصد بھی ہے، تحقیق مصالح اور قوت دلیل کو سامنے رکھتے ہوئے اگر کوئی حل نکلتا ہے تو مسئلہ کا حل کریں، اس طرح مخلصانہ تعاون تمام اہل مذاہب و مسالک کے درمیان مسائل کے حل میں ہمارے یہاں رہتا ہے، شیخ نے یہ بھی کہا کہ صاحب ایک اچھا راستہ یہ کھلا ہے، اور انہوں نے آخر میں جو بات کہی لیکن اول ہے، کہ صاحب دنیا کے بہت سے ملک میں میں جاتا ہوں، وہاں جا کر بالکل عجمی بن کر رہ جاتا ہوں، عرب لیکن بن جاتا ہوں عجمی، اسلئے کہ کوئی میری بات سمجھنے کے لائق نہیں رہتا، میں نے جو پاکستان یا ہندوستان کا سفر کیا تو مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہوئی کہ میں اپنی بات عربی زبان میں کہہ بھی سکتا ہوں اور ایک بڑی تعداد علماء اور فقہاء کی جن کی نظر فقہ کے دقائق پر ہے اور جو تعبیرات کی گہرائیوں کو سمجھتے بھی ہیں، اور جو کتاب وسنت کی تعبیرات پر بھی اچھی نظر رکھتے ہیں، عبارات فقہاء پر بھی، میں ان کے سامنے کھل کر بات کرنے کی پوزیشن میں بنتا ہوں۔

اکہ نہیں ہوا، اس کو آپ لوگ طے کر لیجئے، یہ مباشر ہے، یہ سبب ہے، اس کی رضا یا عدم رضا کے اثرات پڑیں گے کہ نہیں پڑیں گے؟

ایک آواز:

اسی موقع پر مولانا برہان الدین صاحب کی اس شرط کی حیثیت واضح ہو جانی چاہئے تھی، انہوں نے کہا ہے کہ حساب کتاب الگ الگ ہو تو یہ شکل جائز ہوگی۔

قاضی صاحب:

اچھا ایسا ہے کہ کافی ہم لوگ بحث کر چکے ہیں، چائے پی لیجئے تا کہ ذہن اور حاضر ہو جائے، انشاء اللہ چائے کے بعد ہم لوگ پھر بیٹھیں گے، پانچ سات منٹ ہم نے یونہی کافی تاخیر کر دی ہے، ہمارے منتظمین بہت پریشان ہیں، اس لئے جلدی سے ہم سب حضرات چائے پی لیں، اس کے بعد انشاء اللہ پھر بیٹھ کر بات کریں گے۔ اور ہم انشاء اللہ ڈاکٹر خوجہ صاحب کی پوری بات سنیں گے، وہاں بھی مجمع الفقہ الاسلامی جدہ میں اس پر بہت تفصیلی بحث ہو چکی ہے، اور خاص کر ہمارے بعض فقہاء نے وہاں پر جواز کی رائے دی ہے بعض نے عدم جواز کی رائے دی ہے، ابھی تک وہاں کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔

قاضی صاحب:

اب مسئلہ زیر بحث پر پھر دوبارہ گفتگو آگے جاری رکھتے ہوئے میں ڈاکٹر محمد حبیب الخوجہ صاحب جو ہمارے معزز مہمان ہیں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ اس مسئلہ پر اپنے خیالات سے ہم سب کو مستفید فرمائیں، تفضل یا شیخ مشكوراً۔ مولانا عبداللہ جولم صاحب ایک کاغذ رکھیں نوٹ کر لیں ہر پوائنٹ کو، ایک دم صحیح نکتے آنا چاہئے۔ تفضل یا شیخ.

ڈاکٹر محمد حبیب الخوجہ صاحب:

بسم الله الرحمن الرحيم، وصلى الله على سيدنا و مولانا محمد وعلى آله وصحبه و سلم.

شكراً سيد الرئيس على إعطاء هذه الكلمة بعد ما استمعت إليه بغاية الدقة والانطباع قدر الطاقة من المسائل المعروضة فى هذه الجلسة، والتى تعتبر شيئا جديدا بالنسبة لما كنت أتوقع من هذه الندوة أو من هذا المؤتمر، بأن الموضوع الذى سيبحث فى هذه الدورة السادسة مقصور على الخراج والعشر، ولكن على كل حال ما دمنا قد تعرضنا إلى هذا بالأمس وكان الحديث عنه مطولا و مفصلا، ومادامت بحمد الله قد تحققت كثيرا من النظريات و النتائج بعد المناقشات والعروض، فإنى أحمد الله أن وجدت هذا العنصر الجديد الذى يكمل القضايا المختلفة التى يجتمع من أجلها العلماء المسلمون ويحتاجون إلى بحثها و دراستها، وهذا شأن

الهيئات العلمية الفقهية في كل بلد، وقد نشأ على ذلك مجمع الفقه الإسلامي الدولي بجدة، فنحن من السنة الاولى عندما عقدنا اجتماعنا العلمي بعد الاجتماع التأسيسي بدأنا ننظر في المشاكل ، وكان من بين هذه المشاكل القضايا الاقتصادية، لكني قبل أن أطرح عليكم الملاحظات التي دونتها واستمعت إلى العروض والمناقشات وبعد أن قرأت البيان الذي صدر بشأنها وأعده فضيلة الإمام الأستاذ القاسمي أريد أن أشير إلى ما أشار إليه هو بالإجابة، ذلك أن الأعداء والمخالفين بالمجتمع الإسلامي والذين قاموا بغزوه و محاربته لم تكن هذه الحركات الشرسة في الغزو والاحتداد والإبادة و تقسيم الجموع و تفريقها شيئاً مقصورًا على الناحية الترابية الأرضية المادية، بل كانت تحويلا للناس أيضا في أفكارهم وفي تصوراتهم وفي ثقافتهم وفي تشريعهم، واستبدل كثير من الناس بالقرآن والسنة نظماً تشريعية جديدة من هذه القوانين الواردة من البلاد الغربية و غيرها، وأصبح القانون الوضعي هو الذي يتحكم في المجتمعات الإسلامية شاءت أو أبت، فإذا تكونت هذه الروح التي نلمسها يقظة و عزيزة في مثل هذا الاجتماع ونجد مثلها في كل اجتماع أو في كل مجلس من مجالس الفقه الإسلامي، مما يدل على أن حركات الغزو لم تقدر على إطفاء نور الله، ولم تتمكن من القضاء على الجذوة الأساسية للإيمان التي تربط كل واحد منا وكل المسلمين عامة بالكتاب والسنة وبالهدى الديني الذي جاء به محمد بن عبد الله ﷺ، ومن أجل ذلك فإني اعتبر أن التحرك للكشف أولاً لنا، ثانياً للناس عن حقيقة الفكر الإسلامي والمنهج الإسلامي في المجال الاقتصادي أمر ضروري لابد منه، ومن ثلاثة أيام فقط قبل سفري إلى هنا إلى هذه الأرض الطيبة وإلى هذا الاجتماع الكريم لقيت رجلا من كبار أهل القانون القديم الوضعي في جدة جاء زائرا وهو من رجال القانون ومن رجال الأعمال يبطل الإسلام خوفا من هذه وجماعاته ولكنه متحمس تحمسا كبيرا إلى الكتابة عن الفقه الإسلامي و تدوين القواعد و ضبط الأحكام في لغته الفرنسية مع لجنة يختارها من الكتاب والعلماء، ويقول أحدهم بعد ذلك معروضا علينا في مجمع الفقه الإسلامي لنقره أو لنعزله، وهذا أمر مهم، فعند ما تحدثنا عن هذا قال لي كلمة قال ما سمعتها يقول: إن الاقتصاد الإسلامي لا وجود له ، هو مجرد كلام، هو ادعاء، الناس يدعون أن في الإسلام اقتصادا، قال لي: ولكن الأعمال التي أخرجتموها في المؤتمرات الكثيرة لأنكم ما قضيتم عملا في مؤتمر من المؤتمرات التسع التي مرت، إلا وكان جانب كثير من المسائل الاقتصادية يطرح ويبحث من خلال الفكر الإسلامي، فهذا دليل على أن الفكر الإسلامي له سلطانه، له منهجه وله سيطرته على التشريع عند المسلمين، وبذلك تصبح القاعدة التي ترجع

إليها هذه الأسئلة الثلاثة، الأولى: شركة تقوم بأعمال الحلال، وأخرى تقوم بأعمال الحرام، وأخرى تجمع بين الحلال والحرام، هي التي يوجب عنها النبي ﷺ بقوله "الحلال بيّن والحرام بيّن و بينهما أمور مشتبهات" أنا لا أريد أن أنظر إلى هذه القضية بصفة عامة ولكني أدخل في صميم الموضوع، بما أني في رحاب هذه الجامعة أريد أن أسأل كما أريد أن أقرّبه، أريد أن أسأل هل في هذه الجامعة يدرس علم الاقتصاد الإسلامي، فإن لم يكن يدرس فالحاجة إلى هذه كبيرة، والأطر التي نريد تخريجها من هذه الجامعة ينبغي أن تكون آخذة من يد بالفقه الإسلامي وبالأخرى بالاقتصاد الإسلامي، وأبيّن معنى هذا، لأن الاقتصاد الإسلامي نحن كفقهاء عند ما اجتمعنا في المرة الأولى بجدة ،وجاء تنا أسئلة من مؤتمر بنك التنمية الإسلامي الذى كان يرأسه الدكتور أحمد محمد علي، جاء تني أسئلة كثيرة وأردت أن أجيب عنها أي أن يجيب عنها المؤتمر فلم أفهم شيئا، ما معنى هذا، الاصطلاحات التي كُتبت بها والمعاني التي ترمز إليها هذه الاصطلاحات هي منقولة باللفظ و بالمعنى من الاقتصاد الغربي، وليس بين الفقيه المسلم و بين النظريات الاقتصادية الغربية من جامع يجعلها بعد ذلك يسيرة يستطيع أن يجيب عنها بسهولة، فاضطررت إلى عقد اللجنة تتكون من الاقتصاد يين الموجود ين في البنك الإسلامي للتنمية، ومن أعضاء المؤتمر الإسلامي في مجمع الفقه الإسلامي ليعيد سياق هذه الأسئلة بلغة يفهمها الفقهاء، وفعلنا ذلك، مرة أو لى ومرة ثانية، لأنها عندما عرضت في المرة الأولى على المؤتمر لم يفهم شيئا ، فاضطررنا إلى تعديلها و تبسيطها وجعلها باللغة التي يمكن أن يفهمها عامة الناس، وكُتبت وأجيب عنها، وكانت المسئلة الأولى التي طرحت من طرف البنك الإسلامي للتنمية على مجمع الفقه الإسلامي في دورته الثالثة هي قضية خطاب الضمان، وما الحكم الشرعي بالنسبة لخطاب الضمان؟ ونحن نعلم بأن هذه المسئلة شديدة الحساسية يختلط فيها الحلال في الحرام، وفيها وجوه من الربا، و فيها بعد عن الربا، فوقع ضبط الشروط التي يكون بها خطاب الضمان بريئا في المعاملات الربوية خارجا عن تأثيرها ، فإذا توفرت هذه الشروط فإنه يجوز العمل بذلك العقد به، لكننا بعد هذا عندما نظرنا في المؤسسات المصرفية كما قال سماحة الشيخ وجدنا بعض المؤسسات الإسلامية تريد أن تطوع الشريعة لها، وبعض المؤسسات الإسلامية الاقتصادية تريد أن تأخذ بماجاء ت به الشريعة، ولا تبحث عن تطويع ولا عن حيل، فكانت المعركة شديدة، وكان أكثر من هذه المعركة الشديدة ما علمنا من أن كل مؤسسة بنكية أومصرف من المصارف الإسلامية، له لجنة تسمى لجنة الرقابة الشرعية، لتتولى هذه اللجنة تعقّب الأعمال التي تصدر عن تلك

المؤسسة فتلغيها إن كانت حراما و تبقى عليها إن كانت حلالا، وإن كان فيها شئ من الاضطراب فإنها تبيّن الوجهة وتكشف عن سبيل الحق الذى ينبغى اتباعه.

هذا من جهة، ومن جهة ثانية لمسنا أن هذه المؤسسات مع اختلاف اللجان التى نسميها لجان الرقابة الشرعية وقعت فى أحيان كثيرة فى خلط و فى اضطراب، لأن هذه تقضى بالحلّية وهذه تقضى بالحرمة، أصبح الناس الذين يتعاملون مع هذه المؤسسات لا يدرون شيئا، ونضيف إلى هذا مشكلة أخرى، وأن الذين يعملون أو أكثر الذين يعملون فى المصارف الإسلامية ويشرون النشاط الاقتصادى والتجارى والبنكى فيها هؤلاء تخرجوا من المدارس الغربية ومن المؤسسات البنكية الربوية، ولذلك فهم لايحسنون تطبيق التعليمات الاسلامية فيقع الخطأ من هؤلاء والخطأ من أولئك، وهنا كانت الطامة الكبرى، فاضطررنا فى مجمع الفقه الاسلامى إلى عقد كثير من الندوات زيادة على المؤتمر السنوى لبحث كثير من المشاكل الاقتصادية على وجه لايُكتفى فيه بالمذهب الواحد، وهذا طبيعى، لأن مجمع الفقه الاسلامى الدولى يمثل دول الأمة الاسلامية قاطبة، وتشارك فيه الدول الإسلامية كلها، فهناك لحد الآن اثنتان و خمسون دولة ممثلة فى المجمع بأشخاص يقع اختيارهم من طرف دولهم ليكونوا لسان صدق عنها، وإلى جانب هؤلاء قد يكون بعضهم ذا اتجاه فكرى اقتصادى لكن ليس اسلامى، وقد تكون بواعث فقهية مزجاة، وقد يكون لايعرف من الفقه المسائل السطحية أو السهلة التى يعرفها كل أحد، فالعمق الذى يحتاج إلى خبراء . ومن أجل ذلك فإننا فى كل موضوع من الموضوعات التى تطرح على المجمع نستأنس بآراء الخبراء الذين يكتبون إلينا ويقدمون البحوث ويعرضون الحلول، ثم نُناقش هذه الأشياء كلها من وجهة النظر الاسلامية الفقهية، فنكون قد أتينا على الصورة المطلوبة والشكل المرغوب فيه للوصول إلى النتائج التى تصدر فى القرارات أو التوصيات، وبهذه المناسبة فإنى أرحب بهذه الجمهرة الكبيرة من الفقهاء وبهذه الثلة الصغيرة القليلة العدد إن شاء الله ولكن كبيرة الفائدة من الاقتصاديين الذين حضروا معنا هذا اليوم، وعندما أتناول هذه القضية أريد أن أشير كما قال شيخنا إلى أن كثيرا من الدول الاسلامية فيها مؤسسات مصرفية الاسلامية لكنها لا تلتزم بذلك التزاما حرفيا، وأن ممن يلتزم الالتزام الحرفى كما تفعل السودان و إيران، وأنا أقول إن الصراع بين الحياة العملية الواقعة وبين النصوص والآراء هو الذى حمل البنوك الاسلامية نفسها على أن تتخذ مجالس فقهية وعلى أن تكوّن مؤتمرات و ندوات البحث كثيرا من القواعد الجارية، فاضطررنا ، أنا كأمين عام لمجمع الفقه الاسلامى أن أجمع كل الأسئلة التى

طرحت في الماضي في المؤسسات الاقتصادية والمصرفية ، البنك الاسلامي للتنمية، البركة، بيت التمويل الكويتي، بيت التمويل السعودي وما إلى ذلك من المؤسسات التي لها قرارات ودراسات وبحوث مكتوبة،وكوّنّا قائمة في الموضوعات المطروحة التي يطرحها البنك على العلماء ، وبذلك تتصورون بأن القضية ليست قضية معرفة الحلال والحرام فقط بل قضية بيان الحكم الشرعي في الطرق المستعملة أو المعتمدة لدى هذه البنوك في إجراء أعمالها سواء في باب الأسهم أو الاستثمار أو غير ذلك، وفي أشكال السندات أو أشكال الحصص التي تكون للأعضاء إلى آخره، واضطررنا أيضا إلى عقد دورتين حول تغير قيمة العملة وأثر ذلك على الاقتصاد الاسلامي والأحكام الشرعية المنوطة بتغير قيمة العملة، وعقدنا أيضا ندوات بالاضافة إلى مؤتمرات كانت حول السوق المالية الاسلامية، العالم كله فيه أسواق مالية، لكن العالم الاسلامي راح عادما، ويعدم إلى الآن السوق المالية، فهل جاء الوقت لتكوّن أسواقا مالية، ما هي شروط إقامة السوق المالية، ما هي الموارد الأساسية في الأسواق المالية التي يؤمن بها الغرب ويستخدمها، وهل هي جائزة عندنا، وعما هي البدائل التي تعوضها لنستطيع أن ننهض بمشروع إسلامي، ثم هناك هذه البدعة الجديدة بطاقات الائتمان التي اختلفت اختلافا كبيرا، وأقر منها المجمع ما هو جار على الأصول الشرعية ورفض الكثير مما لا يجرى على الأصول الشرعية، عندما بحثنا هذه القاعدة تبين لنا و نحن نناقش كل قضية تعرض وتُطرح على المجمع مناقشة لانلتزم فيها بحكم ما بيّنته من اختلاف التنصيص لهذا المجمع، لا نلتزم فيها مذهبا واحدا، لماذا؟ لأن الاعضاء منهم مالكيون ومنهم أحناف ومنهم حنابلة ومنهم شوافع ومنهم زيديون ومنهم جعافرة ومنهم إباضيون، وهذه الجموع الكبيرة من الفقهاء والقضاة تتعاون كلها مع بعضها ، فإذا كان واحد من الفقهاء الذين يشهدون هذه المجالس يرى حكما لم ينتبه إليه إخوانه من الناحية الشرعية لكونه غير وارد في كتبهم، وإنما هو وارد عنده فإنه يذكّر بما عنده لعلنا نجد الدليل الأقوى من جهة والأقوم والأفضل الذي يخدم المصلحة الشرعية و مصالح الناس، لأن مصالح الناس والمصالح الشرعية المعتبرة هي التي يعتمدها الإسلام و اعتمدها القرآن في تقرير المنهج الذي ينبغي أن يسير عليه المجتهد، لأن المجتهد ليس عليه إلا أن يبحث عن المصلحة فأينما وجدت المصلحة فثمّ شرع الله، بالاضافة إلى هذا، عندما قرأت هذه الأسئلة الكثيرة وهي أسئلة مهمة ، ولابد أن تجيش بها نفس المؤمن وأن يتحرك إلى الاجابة عنها، لكنها أسئلة جزئية لاترجع إلى مساكن مطروحة في الصحة حقيقة، أستطيع أن أقول هي التساؤلات التي تصدر عن المسلم عند الفقيه من غير أن يكون اقتصاديا ومن غير

أن يكون مشاركا في العمل الاقتصادي، وإلا فإن الأسئلة المطروحة اليوم فيها النوع الذي يحمل المسلم على التساؤل، هذا حلال أم حرام، يجوز بأن أقوم به أم لا يجوز؟ تجنبا للمحاذير وسيرا على وسط المنهج الاسلامي، أما الأسئلة الأخرى فهناك الأسئلة التي تصدر عن المصارف ذاتها، المصارف هي في حاجة إذا من يأتيها، جعلنا يسبب التأسيس والبناء للمصرف الاسلامي على الوجه الكامل، ولم يصل بعد إلى النهاية، هو في خطواته يتعسر، مرة يريد أن يأخذ بما فيه ربح، وقد وجد عند المصارف الغربية أو الربوية ويقول هل من سبيل لتوفير الإنتاجات المادية عندنا ويكون بذلك قوة للمسلمين، فيقول له لا، هذا ليس بجائز، لأن المساهمة من البنوك الاسلامية مثلا في الهيئات الربوية في شركات مساهمة غير جائز، عقدنا لهذا ثلاث ندوات، بحثنا أصول هذه المسئلة وفروعها، وتقدم الاقتصاديون من المسلمين بنصوص كثيرة تبيّن لنا وحالتها وبُعدها عن الفكر الاسلامي، والأجوبة التي كانت مترتبة عليها بالجواز، نقضت إذ نقض أصلها ، فلم يبق إلا التحريف، وبقينا نبحث عن المخارج أو التخريجات الشرعية مرة وعن أحوال الضرورة التي تمس المجتمع ككل أو بعض الأفراد كأشخاص لنجد بعض المبررات في بعض المسائل الجزئية ، وهذا موجود في كثير من الأحكام والقرارات التفصيلية التي صدرت عن المجمع،...صورة عن هذه القضايا التي بحثناها في المجمع والتي أريد أن نبحث هنا في مجمع الفقه الإسلامي في الهند، أريد أن يكون بيننا و بينكم، بين مجمع الفقه الاسلامي بجدة ومجمع الفقه الاسلامي بالهند اتصال دائم، وبيمين الله يكون ذلك من باب التعاون على الخير ومن باب التطلع إلى الحكم الشرعي الواضح الذي لا التباس فيه، ومن جهة أخرى إذا عرض علينا هنا بعضُ المسائل نطرحها على مجمع الفقه الاسلامي ونقول لهم نريد الاجابة عن هذه القضايا، وهذا سائرا وراء التوحيد في الأجوبة والقرارات حتى لا يكون بعض المسلمين يفتون برأي والآخرون يخالفونهم في ذلك الرأي، نحاول التجميع والاتفاق قدر الاستطاع، هذا من جهته، ونكوّن الاتفاق قدر الاستطاع لينفي أن تكون هناك حاجات ماسة وخاصة في مجتمع ما، فيفتي علماء ذلك البلد أو تلك الأرض بما لا يفتى به عامة المسلمين، وهذا مثل بيع الوفاء عند أهل خراسان الذين اضطروا إليه فرارا، ولكنهم أحلوه ولو كانت فيه شبهة الربا، لأنهم جمعوا بين أشكال مختلفة وصوروه بصور متعددة، والكلام في هذا يطول، فإن ابن الهمام له فيه كثير من الصور التطبيقية والإجابات عن الأسئلة التي عرضت عليه، وكذلك المرغيناني في كتابه "الهداية" وغيرهم من أكابر العلماء الذين ظهروا في خراسان وفي ماوراء النهر وفي البلاد الهندية أيضا، لأن بعض هؤلاء العلماء

آخذ بما ذكره الآخرون من صفوة أهل العلم والمفكرين السابقين والنابهين منهم فكم يتعاونون على ذلك، فإذا كانت القضية خاصة ولها ظروف معينة فتلك التى يجوز فيها التأويل أو التؤول ويجوز فيه طرح النظريات التى قد لاتتفق معه ما يصدر عن المجتمعات الاسلامية ولكن لها حكمها، وأنا يعجبنى ماقرره الشيخ محمد طاهربن عاشور رحمه الله فى كتابه "مقاصد الشريعة" من أن الرخص التى يأخذ بها الفقه الاسلامى ليس كالرخص الشخصية،....لا معنى لها، لأن كل واحد يستطيع أن يفتيك إذا كانت هناك ضرورة قائمة وحاجة ماسة أن تأخذ فى قول.....لكن هذا يكون لفائدة المجتمعات الكبيرة والقضايا العامة ليخرج الناس من الضيق إلى الوسع ومن القلق والحيرة إلى الاطمئنان، ولتفسير بعض هذه الأشياء أريد أن أقول لكم بأننا بحثنا فى ندوات خاصة مسائل كثيرة لم يصدر فيها قرار مجمعى فى جميعها، لماذا؟ لأنها بالرغم عن عقد الندوات الخاصة لم تستوف حقها من النظر، وهذا مثل الأسهم فى الشركات وقضايا الاستثمار، بل عقدنا له ثلاث مؤتمرات، واحدة فى جدة، والثانية فى المغرب فى الرباط، والثالثة فى البحرين، وهناك تغير قيمة العملة التى صدر فيها ما صدر من توصيات أو قرارات أخذت بما هو معروف من مقابلة مثلى بالمثلى ومقابلة القيمى بالقيمى، وأنه لا يجوز أن انتقل من المثلى إلى القيمى، .....ويلى قضية مطروحة على كل حال، لكن الواقع يصادم هذه النظرية، ونحن نجد فى المذهب الحنفى تيسيرا، وخروجا عن هذا التضييق، لأن ما بين الإمام أبى حنيفةٓ وبين الإمامين أبى يوسف و محمد بن الحسن الشيبانى من التأمل والغوص على هذه القضية ما يساعد على الخروج من الأزمة التى واجهها الناس فى المجتمعات الاسلامية اليوم، وآخذ مثالا بسيطا عندما أقول لك: علىّ دين تركت فى ذمتى من عشر سنوات بالروبية، هذا الدين قيمته ألف روبية أو عشرة آلاف روبية، هل العشرة آلاف روبية التى هى دين علىّ من عشر سنوات، بقيت قيمتها هى نفسها اليوم أم تغيرت هذه القيمة، ربما كنت أستطيع أن أشتري بيتا بالعش.....من عشر سنوات، والآن لا أستطيع أن أشترى بها سيارة، وعندئذ فرق كبير، وهذا.....العملات الهابطة، وفى الأسواق التى أصيبت فيها بعض العملات بالانحطاط والهبوط قياسا على الوضع العام الاجتماعى من جهة وقياسا على تغير الأسعار،فتغير الأسعار أو مانسميه بارتفاع الأسعار....كان سببا شديدا فى إرهاق الناس وحملهم على أن ينشدوا الحق من الطريق الذى يوصّل إلى ذلك الحق.

أما أن قول المثلى بالمثلى أدفع إليك بعشرة آلاف روبية التى كانت فى ذمتى من عشر سنوات أو من مائة سنة ويكون بيننا هذا عدل، فليس من العدل فى شئ، لأن المثلية هنا لا

اعتبار لها، وماذهب إليه الفقهاء فيه دليل على ذلك و شهادة ، على أن هذه القضية لم يُبتّ فيها، مازال الدارسون يبحثون عن أشكال لإيجاد التحرير الدقيق للمسائل والاجابة عنها، ولذلك من كل هذه القضايا المعروضة على المجمع من الرياض والمعروضة على الندوات الفقهية التابعة للمجمع كوّنّا لجنة، هذه اللجنة تعرض على نشر البحوث الموسوعية، وهذه الموسوعة هي الموسوعة الفقهية الاقتصادية، وأدخلنا فيها عدة موضوعات واستكتبنا الاقتصاديين...... ونحن في كل دورة وفي كل اجتماع نتلقى أسئلة ، وسؤالي الذي أطرحه كما أطلب من مجمع الفقه الاسلامي بالهند أن يكتب إلينا غير مأمور بأن يسألنا ما هي القضية أو وجه الحكم في القضايا التالية لنصنّفها في جملة القضايا المطروحة على المجمع إذا تعذر عليه القيام بذلك، أو إذا وجد حرجا بأن كانت النظرة فيها مذهبية أكثر من كونها فقهية عامة ، فنحن نرحب ونريد أن نتعاون في هذا المجال، ومن جهة ثانية أطلب من سماحة الإمام شيئا هو أدرى به مني، أنا لا أعرف فقهاء الهند، هذا الاتصال الكريم الذي هيأه الله سبحانه و تعالى لي، وأنا سعيد به كثيرا، فأنا أريد أن أعرف الفقهاء الهنود الذين لهم إلمام بالجانبين الاقتصادي والفقهي، أو على الأقل الذين إذا طرحت عليهم المشاكل الاقتصادية من طرف الموسوعة يستطيعون الكتابة فيما يعرض عليهم من دراسات شرائع اقتصادية، ليدلي مجمع الفقه الاسلامي بالهند بدلوه مع إخوانه الذين يعملون في مشارق الأرض ومغاربها، والله أحمد على هذا الاجتماع المبارك الذي جمعني بكم ودفعني إلى الاستزادة من المعرفة بالقضايا الاسلامية عن طريقكم وبوجوه تحليلها، وأشكر الشيخ زبير. بارك الله فيه . على أن عاد بمسألة سألناه عنها بالأمس إلى مصادرها الفقهية مشيراً إلى الوجه أي وجه الحكم الشرعي مع بيان الاحالات المطلوبة، وهذا من فضل الله علينا، كنا عندما نسير إلى بلاد الشرق الأقصى، وهذه من بلاد الشرق الأقصى نظن أنفسنا سنختلط بأعاجم لما كوّنه الانكليز والفرنسيون والمستعمرون في أذهاننا، وأننا سوف لا نجد كلمة بالعربية أو فقها إسلاميا، ولكني أؤكد بأنني في أول زيارة قمت بها إلى باكستان وفي أول زيارة قمت بها إلى الهند، وذلك من نحو ثلاثين سنة و شفت عكس ما يقوله الانكليز والفرنسيون والولنديون وغيرهم، يعني وجدت فقهاء بحمد الله في كل مكان من هذه القارة الهندية، ووجدت علماء يدركون إدراكا دقيقا المفاهيم الشرعية التي أدلى بها علماء نـدرضي الله عنهم ـ في الماضي ، ونحن في حاجة كبيرة إلى جهودكم جعلها الله مثمرة وإلى أعمالكم جعلها الله نامية وخصبة، حتى نلتقي دائما على التعاون في سبيل الله وفي سبيل اعلاء كلمة الله عن طريق تطبيق الشريعة الاسلاميه ببيان فضلها

وإسكات الأصوات المنادية بتغييرها واللمس فيها، والحمد لله أولا وآخرا، وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

قاضی صاحب:

میرا خیال ہے اکثر علماء نے تو بات سمجھ ہی لی ہے لیکن ہمارے کچھ دوست ایسے بھی ہیں، جنہوں نے بات نہیں سمجھی ہے، میں نے چاہا تھا کہ میرے دوست ڈاکٹر عبداللہ جولم صاحب اس کی تفصیل بتا دیں، لیکن درمیان میں انہوں نے یہ پرچہ دیا کہ تمہیں ہی اس کے بارے میں کچھ بتا دینا ہے، تو میں مختصراً ان نکات کی وضاحت کر دیتا ہوں جن کے بارے میں شیخ نے بات کی ہے، گرچہ وہ حاوی نہیں ہوگی پوری، بہت سی باتیں چھوٹیں گی، پہلی بات تو انہوں نے یہ کہی کہ صاحب جو دشمنان اسلام اس وقت دنیا میں کام کر رہے ہیں ان کا ایک بڑا نشانہ صرف مادی طور پر اراضی پر قبضہ و دخل کر لینا اور کسی ملک کو اپنی حکومت میں داخل کر لینا نہیں، بلکہ اصل فکر اسلامی کو برباد کر دینے کی کوشش ہے، ان کا ایک بڑا نشانہ یہ ہے کہ اسلامی فکر اور اسلامی عقیدہ، اسلامی تصور، اس کو کسی طرح معاشرہ سے مٹا دیں، آج جو ہمارے سامنے چیلنج درپیش ہے وہ یہ ہے کہ ہم کس طرح فکر اسلامی کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھیں بلکہ نظری ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو عملی اور تطبیقی صورت ہم دے سکیں، خصوصیت کے ساتھ اقتصادیات کے میدان میں جو عمل دخل مغرب سے آنے والے نظریات کا ہوا، ظاہر ہے کہ جو اقتصادی نظام بنا ہے اس کا کوئی رابطہ بھی اسلام کے اقتصادی نظریات سے نہیں ہے، بلکہ اس کی اساس ان افکار ونظریات پر ہے جو مغرب سے آئے ہوئے ہیں، اس لئے جب ہم اقتصادی مسائل پر غور کرنے بیٹھتے ہیں تو ایک بڑی مشکل یہ ہوتی ہے کہ ان مغربی افکار سے آزاد ہو کر خالص اسلامی نظریات کی اساس پر کسی نظام کی ترتیب ایک مشکل صورتحال اختیار کرتی ہے، اسی کا ایک بڑا نتیجہ یہ ہے کہ جو اسلامی ممالک میں اس وقت اسلامی بینکنگ کے مختلف ادارے قائم ہو رہے ہیں، ان میں دو طرح کا عنصر پیدا ہوتا ہے، یا تو وہ ہیں جو اسلام اور شریعت کو اپنے تابع بنا لینا چاہتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ شریعت میرے پیچھے پیچھے چلے، اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو مسائل کا کوئی متبادل حل نکالنے کے بجائے ایک ایسا کنارے کا راستہ اختیار کرتے ہیں جن سے کسی چیز کی حلت یا حرمت کا تو فتوی دیا جا سکتا ہے لیکن مسائل کا حل نہیں ہوتا ہے، اسی سلسلہ میں جو اسلامی بینک قائم کئے گئے ہیں انہوں نے اپنا رقابت شرعیہ کا یا شرعی بورڈ کا ایک نظام تو قائم کیا ہے کہ ان کے کس عمل کو حلال کہا جائے، کس عمل کو حرام کہا جائے۔ سوالات بھی بہت سے پیدا ہوئے ہیں اور ان سارے سوالات کو انہوں نے ہمارے پاس مجمع الفقہ الاسلامی میں بھیجا ہے، اس کی بہت لمبی تفصیلات ہیں، لیکن اگر کوئی فیصلہ علماء اور شریعت کی طرف سے ہو بھی جاتا ہے تو جو طبقہ اصل میں اس بینک کو عملی طور پر چلاتا ہے چونکہ وہ مغرب کے اقتصادی نظریات سے متاثر ہے، یا مغربی بینکنگ کے اصولوں پر عمل کرنے کا عادی ہے، اس لئے علماء اور شریعت کے اس فیصلہ کی صحیح عملی تطبیق بھی وہ نہیں کر پاتا ہے، کوئی بات اگر غلط کہہ دوں تو آپ لوگ بتا دیجئے گا۔

دوسری طرف انہوں نے وہ تفصیلات بتائیں کہ کس طرح بینک اسلامی کے سوالات کو اور مختلف اداروں

ایک آواز:

امدادالفتاوی میں جس کا آپ نے ابھی حوالہ دیا تھا میرے جواب میں، یہ صراحت موجود ہے کہ ایک آدمی نے کسی کے پاس سے کوئی رقم لی، پانچ ہزار روپے مثلاً، اور رقم دینے والے نے اس سے یہ شرط رکھی کہ میں اس پر تمہارے پاس سے دوسو روپے سود لوں گا، اس نے پانچ ہزار قرض لے کر کے اس رقم سے تجارت کی اور اس تجارت سے منافع حاصل کیا، اس کو سود بھی ادا کیا، اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے یہ سود دینے کا کام بھی کیا ہے وہ حرام کام کیا ہے، لیکن ساتھ ہی وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ منافع جو مجھے اس پر ملا وہ حلال ہے، تو کیا اس کا یہ سمجھنا درست ہے، تو حضرت تھانویؒ نے جواب دیا کہ درست ہے۔

قاضی صاحب:

میرا سوال دراصل یہی تھا کہ سود کی ادائیگی کا عمل حرام، لیکن قرض لینے سے جو رقم آتی ہے وہ تو حرام نہیں ہوتی ہے، قرض میں جو رقم لی ہے ہم نے، یہ قرض لینا ہے اور سود ادا کرنا ہے، سود ادا کرنا عمل حرام ہوا، لیکن جو قرض لیا وہ مال جائز ہے کہ نہیں اس کے لئے......

ایک آواز:

یہ اصول کے طور پر بھی ہمارے یہاں معروف ہے کہ "إباحة العقد لا يستلزم إباحة المال و حرمة العقد لايستلزم حرمة المال" یہ اصول ہے۔ سودی قرض لینا یہ ہمارا معاملہ ہے، یہ ہمارا معاملہ حرام ہے، لیکن اس سے جو حاصل ہوگا مال کوئی ضروری نہیں کہ وہ بھی حرام ہی ہو۔

قاضی صاحب:

اب سوال یہ ہے کہ دس لاکھ سرمایہ جو اس میں لگا، نو لاکھ اس کا اپنا تھا، شیئر ہولڈرز سے لایا تھا یا پروموٹرس لائے تھے، اور ایک لاکھ روپے اس نے سودی قرض پر حاصل کیا تھا، تو یہ دس لاکھ جائز سرمایہ کی حیثیت سے ہے، اس سے جو آمدنی حاصل ہوگی وہ آمدنی اور منافع جائز ہوگا یا نہیں ہوگا؟

آوازیں:

جائز ہوگا۔

قاضی صاحب:

اس منافع کی اگر تقسیم شیئر ہولڈرس پر ہوگی تو وہ جائز ملے گا یا ناجائز ملے گا؟

آوازیں:

جائز ملے گا۔

قاضی صاحب:

اب اس کے بعد ایک دوسرا سوال کہ وہ جو سود ادا کرتا ہے یہ ایک گناہ کرتا ہے، اس گناہ میں یہ بھی شریک ہو

میرے لئے یہ سفر بہت اہم ہے کہ اس طرح ہم وہ رابطہ اور اتصال پیدا کر سکتے ہیں جو اسلام کے حق میں مفید ہوگا، اب اس کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ کے سامنے جو مسائل آئیں بے تکلف آپ ان مسائل کی فہرست ہمارے پاس بھیج سکتے ہیں، اور ہم بھی ان مسائل کو اس بین الاقوامی المجمع الفقہی کے سامنے رکھ سکتے ہیں کہ صاحب ان مسائل کا جواب ہمیں دنیا بھر کے علماء سے مطلوب ہے، اور وہاں ان سے جواب ہم حاصل کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف ایسے افراد اور ایسے باصلاحیت لوگ جو فقہ واقتصاد دونوں پر نظر رکھتے ہیں، اگر ایسے لوگوں کے نام ہمیں بھیجے جائیں تو ہم ان کی صلاحیتوں سے ان سے بحوث اور مقالات لکھوا کر فائدہ اٹھا سکتے ہیں، یا کم سے کم فقہ ہی میں وہ اس لائق ہوں، مہارت ان کی اصلاً فقہ اسلامی میں ہو، لیکن وہ اقتصادی مسائل پر فقہ اسلامی کی تخریج اور مسائل کی تحقیق اور تطبیق کا کام کر سکتے ہوں، تو ایسی شخصیات اور ایسی صلاحیتیں پورے ملک کے لئے پوری دنیا کے لئے جو اسلامی زندگی اور اسلامی مسائل کو حل کرنے کے راستے پہ جب ہم غور کرنے بیٹھتے ہیں تو ان کی صلاحیتیں جو ہمارا ایک سرمایہ ہوگی ان سے ہم استفادہ کر سکیں گے، تو اس طرح مجمع الفقہ الاسلامی الہند اور مجمع الفقہ الاسلامی الدولی جدہ دونوں کے درمیان گہرا تعاون اور ارتباط ہو سکتا ہے۔ موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جو ہمارے سامنے آئے لیکن اب تک ہم نے ان میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے، بار بار ہم نے اس پر بحثیں کی ہیں لیکن جب تک کوئی تشفی بخش صورتحال نہ پیدا ہو اس وقت تک ہم نے فیصلہ نہیں کیا ہے بہت سے مسائل میں، اب ان ہی مسائل کے ذیل میں انہوں نے کریڈٹ کارڈ کی بات کہی ہے، یا Letter Of Credit کی بات کہی ہے، یا Letter of Securities کی بات کہی ہے، اس طرح کے دسیوں مسائل ہیں جو ابھی ہمارے یہاں زیر بحث ہیں، اسی طرح ہمارے یہاں موضوع بحث رخصت کی بحث بھی ہے، ایک حوالہ دیا انہوں نے کہ رخصت کی بحث میں یہ بھی بحث آ چکی ہے کہ رخصت کا حکم انفرادی طور پر ہر شخص کے لئے اپنے طور پر عمل کرنے کا ہے، یا رخصت ایک اجتماعی ضرورت سے پیدا ہوتا ہے، اور امت کے اجتماعی حالات میں رخصت کی کیا گنجائشیں ہیں، اس کا کس طرح فیصلہ کیا جا سکتا ہے، اس طرح کے متعدد مسائل ہیں جن پر ہمارے یہاں بحث ہوتی رہی ہے، اور ان بحثوں کو ہم اگر مجمع الفقہ الاسلامی الہند کے کاموں کے ساتھ ہمارا رابطہ ہوتا ہے تو ہم یہاں کے مسائل واحوال پر بھی رائے قائم کرنے کی پوزیشن میں ہوں گے۔

خلاصہ ساری گفتگو کا، بہت سارا چھوڑ کر، یہی ہے، جو میرے ذہن میں نہیں رہا اس کے لئے معافی چاہتا ہوں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اجمالی طور پر بنیادی باتیں آ گئیں، میں شیخ کا شکرگذار ہوں، اشکرکم شکرا جزیلا علی ما بعثتم إلینا وعلی ما فضلتم بأن التعاون والاتصال والترابط بین مجمع الفقه الاسلامی بالهند وبین مجمع الفقه الاسلامی الدولی، إن شاء الله سنرجو من جمیعنا وجمیع أرکاننا، إن شاء الله کلهم یرحبکم وکلهم یشکرکم علی هذا التعاون العلمی الوثیق الاسلامی، إن شاء الله سنستفید منکم ومن علومکم ومن علوم جمیع العلماء الذین قد رأیتهم فی مجمع الفقه الاسلامی، ولا شک أنها نخبة العلماء ونخبة الفضلاء والفقهاء الذین هم متفرقون فی العالم

ولكنهم قد إجتمعوا على منصة مجمع الفقه الاسلامي بجدة، وإن شاء الله سنستفيد من علومهم و نعرض عليكم أسئلتنا ونرجو أننا نجد منكم جوابا شافيا لما ابتلينا به في بلادنا، وأنكم تعرفون يا سيدي أننا نحن في حالة خاصة و متاعب مختلفة، ونحن في سعة أن نشرع القوانين حسبما نرضى، بل قوانين و تشريع القوانين بأيدى غيرنا، لانستطيع أن نغيرهم الآن،لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا، لا نقول شيئا ولكن نرجو إن شاء الله رجاء خير، والآن نحن الأقليات الاسلاميه في جميع بلاد الهند و مثل ذلك في بلاد أخرى، هم في متاعب كثيرة، ولهم مسائل كثيرة، ولهم مشكلات كثيرة، هذا ما ذهبنا إليه في ندوات سابقة، إننا نحتاج إلى فقه الأقليات خصوصا، المسلمون في أقلية وليس لهم أى استطاعة، فماذا يفعل؟ بل يمكن كما قلتم يا سيدى انه يمكن أن نفتي في السعودية بفتوى أخرى ونفتي في الهند بفتوى أخرى، فهذا من الممكن، لأن أحوالنا غير ما أنتم فيه من الأحوال۔

تو ایک مسئلہ جو ہمارے یہاں زیر بحث تھا، جو ابھی تک بات چل رہی تھی، وہ میرا خیال ہے کہ اچھی خاصی رائے آئی اس پر، اور ہم اس مسئلہ کی پھر تلخیص کرتے ہوئے بات ختم کرتے ہیں کہ اگر آپ کوئی اسلامی مالیاتی ادارہ صحیح بنیادوں پر قائم کریں تو کیا اس مالیاتی ادارہ کے لئے یہ جائز ہوگا کہ وہ اپنا سرمایہ ایسی تجارتی کمپنیوں میں لگائے جو تجارتی کمپنیاں جائز کاموں کی تجارت کے لئے قائم کی گئی ہیں، لیکن ان ہی حالات کی بنیاد پر ان کے جائز کاموں میں، سرمائے میں کچھ سود پر لیا ہوا قرضہ بھی شامل ہو جاتا ہے، ایسے اداروں سے ایسی تجارتی کمپنیوں میں یہ ہمارا اسلامی مالیاتی ادارہ شیئر لے سکتا ہے یا نہیں لے سکتا ہے؟ یہ سوال تھا اس پر آپ حضرات نے کافی جوابات بھی دیئے ہیں، کیا اس پر مزید کسی بحث کی ضرورت ہے، یا اس پر آپ ماہر علماء کی کارکردگی میں ایک کمیٹی بنادی جائے جو آئے ہوئے جوابات کو بھی سامنے رکھے، اور اس کے بارے میں ایک تجویز تیار کرے، کیا اس پر مزید کسی صاحب کو کچھ کہنا ہے؟ مفتی صاحب آپ کو کچھ کہنا ہے؟

مفتی محبوب علی وجیہی صاحب:

میرا خیال یہ ہے کہ اس تناظر میں اس پس منظر میں آپ دیکھیں کہ انفرادی ضرورت نہیں ہے یہ قومی ضرورت ہے، اور ایسے ماحول میں ہے کہ ہم قوانین بنا بھی نہیں سکتے، اور ان کے اندر دخل بھی نہیں دے سکتے، تو اس کے لئے کچھ... سوچنا اور گنجائش ایسی نکالنا کہ ہمارا جو احکام اسلامی ہے اس کے اندر بھی کوئی ایسی کھلی ہوئی ہم سے زیادتی نہ ہو جائے، اور ہمارے لئے مخرج جو نہیں ہے اس کے لئے کوئی راستہ نکل جائے، اس کے لئے دنیا میں رہنا ہے تو قوم وملت کو بھی کچھ کرنا ہے، ایسے پیچھے رہ کر صف ثانی میں یا ثالث میں ہمیں جانا نہیں ہے۔

ایک آواز:

میری رائے میں جو کمپنیاں ایسی ہیں جو حلال کاروبار کرتی ہیں، اس کے اندر سرمایہ لگائے، لیکن اپنی طرف

سے کوئی سودی لین دین نہیں کرے، اگر کچھ آمیزش ہو جائے تو اس کو اس میں سے نکال کر صدقہ کردے جو اس کا مسئلہ ہے، واجب التصدق ہے۔

مفتی جنید عالم صاحب:

میری رائے یہ ہے کہ اس طرح کی کمپنیوں کے حصص کی خرید، یہ درحقیقت مال حلال اور حرام جو مخلوط ہیں ان کی خریداری ہے، اور اگر مال حلال وحرام مخلوط ہوں تو ان کی خریداری جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں کتب فقہ میں یہ تفصیل موجود ہے، فتاوی ہندیہ میں بہت اچھی بحث ہے، فتاوی ہندیہ میں اس مسئلہ میں بحث کرتے ہوئے اس کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں جو درج ذیل ہیں: نمبرا۔ یقین کے ساتھ معلوم ہو یا ظن غالب ہو کہ یہ مال حرام ہے، ظلماً کسی سے لے کر بازار میں فروخت کیا گیا تو ایسی صورت میں اس مال کی خرید وفروخت شرعاً جائز نہیں ہے، جبکہ لوگوں کے درمیان اس کی خرید وفروخت کا سلسلہ جاری ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یقین کے ساتھ یہ معلوم ہو کہ مال حرام موجود ہے لیکن مال حرام اور مال حلال دونوں اس طرح محفوظ ہیں کہ ان دونوں کے درمیان تمیز مشکل ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے ضابطہ اور اصل کے مطابق حلال وحرام کے باہم مخلوط ہو جانے کی وجہ سے....

قاضی صاحب:

آپ کیا کہنا چاہتے ہیں وہ کہئے، عبارت پڑھنا ضروری نہیں ہے، آپ کا ذہن کس نتیجہ پر پہونچا کہ اسلامی مالیاتی ادارہ ایسی کسی کمپنی کا حصہ لے سکتا ہے یا نہیں جس کا کاروبار جائز ہے لیکن اس کو کچھ ضمناً سودی معاملہ میں شریک ہونا پڑتا ہے یعنی سود پر قرض لینا پڑتا ہے، یوں کہئے کہ اس کے سرمایہ میں کچھ حصہ سود پر لئے ہوئے قرض کا ہے۔

مفتی جنید صاحب:

میری رائے یہ ہے کہ جائز ہے۔

مولانا عبدالجلیل صاحب:

میں نے تو اس میں لکھا ہی ہے کہ جائز ہے۔

مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب:

میں بات کو دہرا دینا چاہتا ہوں ذرا سا تفصیل سے، اسلامی مالیاتی ادارے کا اس کمپنی کے اندر شرکت کرنا بشکل خریداری شیئر ہو، یا اور دوسرے انداز سے ہو، یہ میرے نزدیک جائز ہے۔ اس میں مولانا برہان الدین صاحب کی شرط ہے، ان کی پوسٹ مارٹم نہ ہو، لیکن ان کے شرط کی پوسٹ مارٹم ہونی چاہئے کہ شرط کیوں لگائی ہے، میرا خیال ہے کہ یہ حساب وکتاب کے الگ الگ رکھنے کا جو انہوں نے سوال اٹھایا ہے وہ غالباً اس لئے کہ مال حرام اور حلال کے اختلاط کے بعد پھر مالیاتی ادارے کو اسکے منافع میں سے لینے کا جو سوال پیدا ہوگا تو پھر گڑبڑی اور اشکال ہوگا، مگر اس سلسلہ میں ہمارے فقہاء کا یہ مشہور اصول ہے کہ مال حرام اور مال حلال کے اختلاط کے بعد استعمال کے جواز اور عدم جواز کے اندر غلبہ کا اعتبار ہے، یہ مشہور مسئلہ ہے اصول کی شکل میں ہے، لیکن اس اصول سے بھی بہت سی جزئیات مستثنیٰ ہیں، حضرت

تھانویؒ نے اس اصول کی تفصیلات اور اس کے کچھ نظائر و جزئیات کو پیش کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ اگر مال حلال اور حرام مخلوط ہو، اور وہ تقسیم ہو جائے تو اس تقسیم کے بعد جو شرکاء کے اوپر حصہ منقسم ہو کر کے پہنچے گا وہ اس کے حق میں حلال ہی قرار پائے گا، اور اس کی نظیر میں کہتے ہیں کہ جیسے کہ ہم لوگ گیہوں یا کوئی غلہ دَونی کرتے ہیں اور اس کے اندر جانور پیشاب وغیرہ کر دیتا ہے وہ ناپاک ہے حرام ہے لیکن جب اس کی تقسیم شرکاء کے درمیان ہو جاتی ہے تو اس بنیاد پر کہ وہ ناپاک حصہ ان کے حصے میں گیا، ہمارا حصہ پاک ہے، ہم اسی کے مکلف ہیں، ہم اس کو پاک سمجھ کر استعمال کرتے ہیں، اس لئے میرا خیال یہی ہے کہ اس مسئلہ میں ان کی شرط کے بغیر اس حد تک جواز کی اجازت ہونی چاہئے، جہاں تک ہمارے مولانا صاحب کو یہ اشکال ہے کہ یجوز الاستقراض بالربح للمحتاج، تو ان کو احتیاج یا حاجت جو بھی کہہ لیجئے ان کے تحقق میں اشکال ہے، میں کہتا ہوں کہ واقعۃً بظاہر نظر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے پاس پچاس ہزار ہے ابھی، کیا ضرورت ہے کہ ہم اتنے اونچے پیمانے پر کوئی کاروبار کریں، اور سودی لین دین کا مسئلہ پیدا ہو، یہ ہے، لیکن ایک ہے ہماری ذاتی ضرورت یا ہماری ذاتی حاجت، اور ایک ہے قومی ملکی ضرورت اور ملی ضرورت، بلاشبہ اونچے سے اونچے پیمانہ پر تجارت کرنا آج ہندوستان کی ملکی اور ملی ضرورت ہے ورنہ کبھی بھی آپ سر اٹھا کر نہیں جی سکتے ہیں، ہم اس کو ضرورت کہتے ہیں، ذاتی ضرورت نہیں بلکہ ملکی ضرورت، اس لئے یجوز الاستقراض بالربح للمحتاج اس کا تحقق ہے۔

مولانا مصلح الدین صاحب:

یہ جائز ہے، قانونی مجبوری یا بڑے کاروبار کے لئے قرض ضروری ہو تو یجوز الاستقراض بالربح، یہ الاشباہ میں ہے، ابن نجیم نے لکھا ہے، اس لحاظ سے جائز ہو جائے گا۔

مولانا عبداللہ پٹیل صاحب:

قومی مصلحت کے پیش نظر مولانا برہان الدین صاحب نے جو شرط رکھی ہے اس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اور اس شرط کے ساتھ اسے جائز قرار دیا جائے۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

حضرت تھانویؒ نے جو تشریح فرمائی فتاوی کے اندر اس کی روشنی میں اس کی اجازت ہے، گنجائش ہے۔

مفتی احمد صاحب خانپوری:

میں تو پہلے ہی اپنے فتوے میں اس کی اجازت دے چکا ہوں۔

مولانا ابراہیم صاحب:

میں اس کا جواب لکھ چکا ہوں، جائز ہے۔

مولانا رفیق المنان صاحب:

میرے خیال میں بھی جائز ہے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب:

ہمارے نزدیک بھی اکابر علمائے ہند کی تصریحات کی روشنی میں درست ہے۔

مولانا اختر امام عادل صاحب:

میں نے بھی لکھ دیا ہے کہ جائز ہے۔

مولانا عبداللہ طارق صاحب:

میں تو اس کو جائز سمجھتا ہوں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:

میرے نزدیک جائز ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی صاحب:

میں بھی جائز لکھ چکا ہوں، اور اب تک یہی رائے ہے۔

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب:

میری رائے میں یہ شکل جائز ہے۔

مفتی عزیز الرحمٰن چمپارنی صاحب:

حضرت مولانا برہان الدین صاحب کے شرط کی رعایت کرتے ہوئے اس کے جواز پر میں متفق ہوں۔

مولانا مفتی انور علی صاحب:

مذکورہ بحث کی روشنی میں جائز ہے۔

مولانا بدر احمد مجیبی صاحب:

میرے نزدیک بھی جائز ہے۔

مولانا ارشد قاسمی صاحب:

میں مولانا زبیر صاحب کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں اور حضرت استاد مولانا برہان الدین صاحب کی شرط کی مزید تفصیل چاہتا ہوں۔

مولانا خلیل الرحمٰن اعظمی صاحب:

''دعوا الربا والريبة'' کے پیش نظر میں اسے درست نہیں سمجھتا ہوں۔

مولانا نعیم صاحب آسام:

میں بھی اس کو درست نہیں سمجھ رہا ہوں۔

مولانا شفیق الرحمٰن صاحب:

اس سلسلہ میں اگر وہ ادارہ جو اپنی رقم لگا رہا ہے، اس کمپنی کا شریک ہے اور غالباً یہی صورت ہے کہ وہ بھی اس کمپنی کا مالک شریک ہے، تو ایسی صورت میں اگر وہ ضرورت ہو کہ واقعی بغیر اس کے وہ کمپنی قائم نہیں ہو سکتی ہے تو ایسی صورت میں بہرحال سرمایہ لگانا جائز ہوگا ضرورت کے پیش نظر، .... بہرحال جواز کی صورت معلوم ہوتی ہے۔

مولانا عبدالعلیم صاحب:

اس میں کوئی خاص قباحت نظر نہیں آتی اگر حساب و کتاب صاف رکھا جائے۔

مولانا ابوالحسن ماٹلی والا:

میرے نزدیک یہ صورت جائز تو ہے مگر یہ معلوم ہو جائے کہ سود کی آمدنی سے جو پیسے ملے ہیں اس کو صدقہ کر دینا چاہئے اور جو اہل حصص ہیں اس پر تقسیم نہیں کرنا چاہئے۔

قاضی صاحب:

میرا خیال ہے مسئلہ کی پھر وضاحت ہو جانی چاہئے، صورتحال یہ ہے کہ وہ جو نو لاکھ روپے سرمایہ لگا ہے وہ شیئرز ہولڈرس سے لیا انہوں نے، ایک لاکھ روپیہ انہوں نے قرض لیا، اس قرض پہ ان کو سود دینا پڑتا ہے، اور یہ بھی صاف کہہ دینا چاہئے کہ بعض صورتوں میں ان کے پاس تھوڑا بہت سود آتا بھی ہے، تو بہرحال یہ دونوں صورتحال ہے، جو ہے صورت یہ واضح ہے، ویسے اکاؤنٹس کا جہاں تک تعلق ہے اکاؤنٹس میں دونوں Figure الگ الگ ہر جگہ آمد میں بھی خرچ میں بھی لکھے جاتے ہیں، بہرحال جو آپ کی رائے ہو دو لفظوں میں ذرا واضح کر دیجئے۔

مولانا ابوالحسن علی صاحب ماٹلی والا:

ویسے تو جائز ہی میں سمجھتا ہوں لیکن یہ کہ سود کی کوئی بھی صورت جو حاصل ہو اور مسلمان کو معلوم ہو تو بہرحال اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

مولانا عبدالاحد ازہری صاحب:

میرے نزدیک بھی کوئی قباحت نہیں ہے، جائز ہے۔

مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب:

میرا رجحان عدم جواز کی طرف ہے۔

مولانا مصطفیٰ رفاعی صاحب:

حضرت استاذ گرامی مولانا برہان الدین صاحب کی شرط کے ساتھ میں اس کو جائز سمجھتا ہوں۔

مولانا محمد قلندر صاحب:

میرے نزدیک جائز ہے۔

مولانا جمیل احمد نذیری صاحب:

ضرورت ملی کے تحت جائز ہے۔

مولانا منیر احمد ملی صاحب:

میرے نزدیک بھی جائز ہے۔

مولانا ولی اللہ صاحب وانمباڑی:

میری رائے میں یہ ہے کہ "من رعی حول الحمی یوشک أن یواقعه فیه" کی حدیث کی بنیاد پر اگر امت کو ہم سود کے قریب لے جائیں گے تو وہ پوری طرح سود میں مبتلا ہو جائیں [illegible] احتیاط کا پہلو یہی ہے کہ ایسے کاروبار میں شرکت سے منع کر دیا جائے اور اس کی گنجائش نہیں ہے۔

مولانا زین العابدین صاحب:

احتیاطاً اجازت نہ دی جائے۔

مفتی حبیب اللہ صاحب:

میری رائے میں یہ جائز ہے۔

مولانا جعفر ملی صاحب:

میرے نزدیک عدم جواز راجح ہے۔

مولانا صدر الحسن ندوی صاحب:

ضرورت شدیدہ کی بنیاد پر جائز ہے۔

مولانا تاج الدین صاحب:

میرے نزدیک عدم جواز رجحان ہے۔

مولانا ایوب صاحب بھٹکل:

مع الکراہت جائز ہے۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری:

سود نہ لینا نہ دینا، یہ صرف اسلام ہی کا طرۂ امتیاز ہے، اور سود کے بارے میں قرآن شریف میں اتنی شدت ہے کہ اگر ہم تھوڑی سے لچک دیتے چلیں تو اسلام کا یہ شعار بالکل ختم ہو جائے گا، ہمیں قومی اور ملی امتیاز باقی رکھنا چاہئے، اس لئے میرے نزدیک جائز نہیں ہے۔

مفتی عقیل صاحب:

ہندوستانی مسلمانوں کے جو حالات ہیں اور مشکلات ہیں اور ان حالات کی بنا پر بہت سے مقا[illegible] ہمارے بڑے بڑے اکابر اور مفتیان کرام نے وسعت سے کام لیا ہے، تو میں اس معاملہ میں بھی [illegible]

صاحب سنبھلی کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔

مولانا عبدالصمد صاحب:

پیارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "لا يبلغ العبد أن يكون من المتقين حتى يدع مالا بأس به حذرا مما به بأس" اس کے تحت یہ میرے نزدیک جائز نہیں ہے۔

مفتی نسیم احمد قاسمی صاحب:

اس سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ کی دو صورت ہوسکتی ہے: ایک صورت تو یہ کہ اسلامی مالیاتی ادارہ بالکل ابتدائی مرحلہ میں ہو تو اس کے لئے جائز اور منفعت بخش کاروبار کی صورت چونکہ اس کی ساکھ ابھی نہیں بنی ہے، اسے فراہم ابھی نہیں ہو پارہی ہے، تو اس مجبوری اور اس ضرورت کے پیش نظر اسلامی مالیاتی ادارہ ایسی کمپنیز میں بھی اپنا سرمایہ لگا کر نفع حاصل کرسکتا ہے جو سودی کاروبار میں ملوث ہوتی ہیں، لیکن اگر اسلامی مالیاتی ادارہ ایسی پوزیشن میں ہے کہ اسے کافی مقدار میں جائز اور منفعت بخش کاروبار ملتے ہیں جن کے ذریعہ وہ جائز آمدنی فراہم کرسکتا ہے تو اسے اس طرح کے کمپنیز میں اپنا سرمایہ لگا کر سرمایہ کاری نہیں کرنی چاہئے.................

قاضی صاحب:

یعنی شروع میں جائز ہے، جب مالی حالت مستحکم ہوجائے تو احتیاط کرے۔

مفتی نسیم احمد صاحب:

جی ضرورت ہے اس کو، یہ رائے ہے میری۔

مولانا شمس پیرزادہ صاحب:

جائز ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

میری رائے محفوظ ہے۔

مولانا عبیداللہ اسعدی صاحب:

.........یہ جائز قرار دیتے ہیں (قاضی صاحب)

مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب:

اس تجویز کے سلسلہ مین بار بار میرا نام آیا ہے تو اس میں جو شرط میں نے لگائی ہے، بعض حضرات نے اس کی وضاحت بھی چاہی ہے، اصلاً میرا مقصد یہ تھا کہ ایسی کمپنی جس کا حلال وحرام دونوں طریقے سے کاروبار ہو، پر اپنے حلال کاروبار کو الگ رکھتی ہو، حرام کو الگ رکھتی ہو اس کا حساب، اور اگر مسلمان اس میں کوئی شیئر لیتا ہے تو.........جی وہی مطلب ہے میرا، کہ جو اس نے مال حاصل کیا ہے حرام ذریعہ سے اس کا الگ حساب رکھتی ہو، کاروبار اس سے الگ کرتی ہو، اور حلال حصہ سے کاروبار

الگ کرتی ہو،تو ایسی کمپنی میں شیئر لینا جائز ہے اس حصہ کے اندر جس سے وہ حلال کاروبار کرتی ہو، یہ مطلب ہے میرا۔

قاضی صاحب:

میرے خیال میں کافی اس پر رائے ہو چکی، تو اس پر انشاء اللہ ایک کمیٹی بنا دیتا ہوں اور یہ حضرات بیٹھ کر تمام آراء اور بحثوں اور سب چیزوں کو سامنے رکھ کر ایک تحریر تیار کریں گے، پھر آپ کے سامنے پیش کی جائے گی، اس مسئلہ کو فی الحال یہیں پر ختم کرتے ہوئے اور اس سلسلہ کے اور مسائل کو ابھی ملتوی کرتے ہوئے میں سوچتا ہوں کہ ایک اہم مسئلہ جس پر ہمارے دوست ایم ایچ کھٹکھٹے صاحب اور دوسرے حضرات تیار ہو کر آئے ہیں وہ اس پر بات کریں گے۔ تو پہلے آپ کو کرنا ہے حضرت یا کے جی منشی صاحب کو؟ موضوع کیا ہے؟ اسٹاک ایکسچینج ہے؟ پہلے یہ لیا جائے، تو پھر کھٹکھٹے صاحب تشریف لائیے اور اس کے بارے میں وضاحت فرمائیے۔

ایک آواز:

عرض یہ کرنا ہے کہ اس وقت جو بات سامنے آئی کہ اسلامی مالیاتی ادارہ اگر ایسے کاروبار میں جس کا مدار حلت کے اوپر ہو حلال چیزوں پر ہو تو اس میں اگر وہ اپنا سرمایہ روکنا چاہے تو اس کے لئے آپ نے یہ رائیں معلوم کی ہیں، تو کیا انفرادی طور پر اشخاص اگر کسی ایسے کاروبار کے اندر جو حلال ہو اس میں اپنے شیئر ز لینا چاہیں تو وہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

قاضی صاحب:

یہ سوال بھی کمیٹی کو دے دیتا ہوں کہ اسلامی ادارہ شیئر لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور افراد چاہیں تو شیئر لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی کمیٹی کو یہ سوال بھی آپ کا Refer کر دیا جاتا ہے۔

اچھا صاحب اب اسی ذیل میں کچھ اور سوالات بھی ہیں ان پر ہم تھوڑی دیر بات کرتے ہیں ۔ ایک بات جو مسئلہ ہے کہ شیئر ہولڈرس کی دو حیثیتیں ہیں، ایک انفرادی حیثیت ہے اور ایک کمپنی کے شیئر ہولڈرس کی اجتماعی حیثیت ہے جو اس کا ایک جز ہیں، یہ دو حیثیتیں قرار دی ہیں ان حضرات نے، ان کا کہنا ہے کہ شیئر ہولڈر اپنی انفرادی حیثیت میں اور بورڈ آف ڈائریکٹر کے درمیان کیا رشتہ ہے؟ کیا بورڈ آف ڈائریکٹرس کے ہر تصرف کی نسبت ہر شیئر ہولڈر کی طرف کی جائے گی یا نہیں، اب ذرا آپ حضرات تھوڑا دھیان دے کر اس بات کو سنیں، کمپنی قوانین کے ماہرین کا خیال یہ ہے کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئر ہولڈرس کی انفرادی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتا ہے بلکہ وہ کمپنی کی نمائندگی کرتا ہے، جس کا خود ایک علاحدہ قانونی وجود ہے، اس کی Legal Identity ہے، اس کا ایک شخص اعتباری ہے، یہ ان کا کہنا ہے، اگر کوئی شیئر ہولڈر مجلس عمومی میں کسی ایسی پالیسی کی مخالفت میں ووٹ دیتا ہے جو سودی لین دین پر مشتمل ہو، اکثریت حاصل نہیں ہونے کے باعث اس کی مخالفت کامیاب نہیں ہوتی، تو کیا اسے اس صورت میں سودی لین دین کے اس عمل کی.....

غالباً جو سوال ہے وہ تو واضح ہو گیا نا، یہ لوگ جو ماہرین ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ ایک شخص اپنی ذاتی حیثیت میں نہیں، اور اسی طرح جو بورڈ آف ڈائریکٹرس ہیں وہ شیئر ہولڈرس کی ذاتی حیثیت میں ان کے نمائندے نہیں ہوتے بلکہ کمپنی جو کہ اس کا ایک مجموعہ ہے، جس کا اپنا ایک علیحدہ قانونی وجود ہے دراصل اس کمپنی کی نمائندگی کرتے ہیں، تو اب

ان کا کہنا یہ ہے۔سوال جو ہمارے سامنے ہے وہ یہ کہ ان کے عمل کو ان شیئر ہولڈرس کی طرف منسوب کیا جائے گا یا منسوب نہیں کیا جائے گا۔اس سلسلہ میں شرع میں کچھ نظیریں بھی مل سکتی ہیں، ہاں یا نہیں، جو بھی ہو میں تو سمجھتا ہوں کہ خالص فقہی طریقے پر اس کو سوچنے کی ضرورت ہے، لیکن یہ صورتحال کہ یہ لوگ کمپنی کی جو ایک Legal Identity ہے اس کی نمائندگی کرتے ہیں، اشخاص کی ذاتی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتے ہیں، اس کی وضاحت ان لوگوں کو کرنی پڑے گی جن ماہرین نے یہ رائے دی ہے، کیا میں ان لوگوں کو پہلے وضاحت کے لئے کہوں؟

مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب:

اس میں جو سوال کا پہلا جز ہے اس میں جو تفصیل لکھی جارہی ہے اس سے تو سمجھ میں آتا ہے کہ دونوں میں رشتہ وہی وکالت کا ہے، وکیل وموکل کا....

قاضی صاحب:

ذرا ان لوگوں کی وضاحت سن لیں پہلے، یہ لوگ کیا کہنا چاہتے ہیں، پھر حکم تو ہم لوگ لگائیں گے ہی انشاء اللہ اس پر، پہلے یہ لوگ وضاحت کردیں کہ یہ لوگ کیوں ایسا کہتے ہیں اور اس کی کیا وجہ ہے؟

رحمٰن خاں صاحب:

جہاں تک شیئر ہولڈرس کا سوال ہے، شیئر ہولڈر انفرادی حیثیت سے کمپنی کا ایک شیئر ہولڈر ہوتا ہے، مگر بورڈ آف ڈائریکٹرس کو شیئر ہولڈر سے الگ کرتے ہیں، اب یہاں سوال جو ہمارے سامنے ہے کہ اگر ایک کمپنی شیئر ہولڈرس کو یہ معلوم ہو کہ کچھ ایسے اس کا سرمایہ جو کمپنی کے کاروبار میں لگ رہا ہے وہ سودی کاروبار سے ہو رہا ہے، اگر وہ شیئر ہولڈر کیونکہ ایک ہی وقت اس کو سال میں حقوق دیا جاتا ہے، جنرل باڈی میں شریک ہو کر وہاں خیالات کے اظہار کا اسے پورا اختیار ہے، اگر وہ شیئر ہولڈر اس جنرل باڈی میں شریک ہو کر جہاں اس کے خیالات کے اظہار کا اسے پورا اختیار ہے، اگر کوئی ایسی کمپنی باہر سے سود لے کر کام کررہی ہے اس کے خلاف ووٹ دے کر وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہوسکتا ہے، کیا اس کے بری ہونے کے بعد، اس کا اظہار خیال کرنے کے بعد وہ بری ہوسکتا ہے.....................

قاضی صاحب:

مسئلہ یہ ہے کہ چاہے شخصی حیثیت میں ہو یا شیئر ہولڈر کی حیثیت سے ہو، آپ حیثیتوں کا جو بھی فرق کرلیں، یہ مسئلہ اب وہ پہلے والا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ براہ راست اس کمپنی کا مسئلہ ہے جو سودی کاروبار میں ملوث ہے، محض اتنا بھی نہیں ہے کہ سود پہ کوئی سرمایہ وہ لے لیتی ہے، بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ سود دیتی بھی ہو اور سود لیتی بھی ہو، تو محض ایک شخص اتنا کہہ کر کہ میں اس کی مخالفت کرتا ہوں اس سے ناراض ہوں، اور اس پر پوری تقریر چاہے وہ ایک گھنٹہ کی کرجائے، لیکن یہ سب ناراضی کے اظہار کے بعد اس پورے کاروبار میں شریک رہے تو وہ ذمہ داری سے فارغ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔سوال یہ ہے کہ وہ ذمہ داری سے فارغ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟ ویسے جواب تو یہ حضرات دیں گے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

رحمٰن خاں صاحب:

یعنی کہ شیئر ہولڈر کا، اس کی تشریح میں اس طرح سے یہاں دیتا ہوں کہ ایک ووٹر ہے، جب الیکشن یہاں ہوتا ہے، ایک پارٹی کے خلاف میں ووٹ دیتا ہوں، میں یہ خیال اظہار کرتا ہوں، مگر اکثریت سے دوسری پارٹی جسے میں نے نہیں ووٹ دیا وہ چن کر آتی ہے اور وہ حکومت کرتی ہے، اب جو پارٹی منتخب ہو کر حکومت کرتی ہے، اس کے تمام فیصلے کا میں جواب دہ ہوں یا نہیں، یہی صورت ہے۔

قاضی صاحب:

ویسے اس پہ بات ہوگی، میرا خیال یہ ہے پہلے اور حضرات اپنی رائے دے دیں تو اچھا ہے۔

ایم ایچ کھٹکھٹے صاحب:

ایک وضاحت کرنا چاہتا ہوں، کمپنی دو طرح کی ہوتی ہیں، پرائیوٹ لمیٹیڈ، پبلک لمیٹیڈ ۔ اور پبلک لمیٹیڈ میں کچھ کمپنیز جو ہیں اسٹاک ایکسچینج پر Listed ہوتی ہیں، اور ان کے شیئرز کی Trading ہو سکتی ہے، جہاں تک جو شیئرز Trade ہو سکتے ہیں ان کی Trading ہو سکتی ہے، وہاں اس میں یہ Possibility ہے کہ وہ آدمی اپنا روپیہ نکال سکتا ہے شیئرز بیچ کے، سمجھ لیجئے کوئی انجینیرنگ کی کمپنی ہے اگر کل کو Diversification کے طور پر وہ شراب بنانا چاہے اور وہ پاس کر دے اور شروع کرنے کی کوشش کرے، تو اگر وہ لمیٹیڈ کمپنی ہے اور اس کے شیئرز Listed ہیں تو وہ بیچ سکتا ہے، تو جہاں تک سوال یہ ہے کہ وہ شیئر بیچ سکتا ہے تو ہو سکتا ہے اس کی نوعیت الگ ہو، اور اگر جہاں پرائیوٹ لمیٹیڈ کمپنی ہے یا پبلک لمیٹیڈ ہے جو Listed نہیں ہے، اس میں ہو سکتا ہے اس کو شیئرز بیچنے میں تکلیف ہو، مشکل ہو، تو اس میں ہو سکتا ہے کہ فیصلہ الگ ہو، اس کی نوعیت تھوڑی الگ ہو جائے گی........

مفتی مصلح الدین صاحب:

یہ جو بتایا گیا کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس جو ہے وہ کمپنی کا تو نمائندہ ہے لیکن افراد کا وہ نمائندہ نہیں ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کی وضاحت ہونی چاہئے، اجزاء سے مجموعہ بنتا ہے۔

کمال فاروقی صاحب:

میں سمجھتا ہوں کہ اس میں تھوڑا سا ہمیں بتانے کی ضرورت ہے، مسئلہ جبھی سمجھ میں آئے گا ۔ کمپنی جو بنتی ہے وہ شیئر ہولڈرس سے بنتی ہے، اور شیئر ہولڈرس جو ہے اپنی Annual General Meeting کے اندر ایک خاص، یہ ہم لمیٹیڈ کمپنی کی بات کر رہے ہیں جو بڑی کمپنی ہے، پرائیوٹ لمیٹیڈ کمپنی جو فورم کی طرح ہوتی ہے اس کا بھی کمپوزیشن اسی طرح سے ہوتا ہے۔ لیکن جو لمیٹیڈ کمپنی ہے اس میں شیئر ہولڈرس ہوتے ہیں، اور شیئر ہولڈرس ایک خاص تعداد میں ہر سال ڈائریکٹرس کو Appoint کرتے ہیں By Rotation، جیسے کہ مثال کے طور پر مجموعی تعداد جو ہے ڈائریکٹرس کی وہ نو ہے تو اس میں سے چھ رہیں گے اور اس میں سے تین ریٹائر ہوں گے By Rotation، اب

یہ Annual General Meeting کے اندر جو شیئر ہولڈر کو حق دیا جاتا ہے وہ دو تین چیزوں کا دیا جاتا ہے، ایک تو یہ ہے کہ وہ اکاؤنٹ سے Approve کرے گا، دوسرا یہ ہے کہ وہ ڈائریکٹرس Appoint کرے گا Rotation والے، اور تیسرا یہ ہے کہ اگر کوئی Extra اور Daisy کام جو Diversification وغیرہ کا بہت Major کر رہا ہے اس کے او پر اپنی رائے دے گا، جہاں تک روزمرہ کے کاروبار کا تعلق ہے وہ بورڈ آف ڈائریکٹرس ہی Run کریں گے، روزمرہ جو کچھ بھی ان کو بینک سے پیسہ لینا ہے یا نہیں لینا ہے، کیا کام کرنا ہے کیا نہیں کرنا ہے، وہ جو اس کا Main Object ہے اس کے دائرہ میں رہ کر، جو انہوں نے Main Frame Work اینوول جنرل میٹنگ میں یا میمورنڈم آف ایسوسی ایشن اپنا بنایا ہوا ہے اس دائرہ کے اندر رہ کر ڈائریکٹرس جو ہیں وہ Day Today Affairs میں اپنے کس طرح سے کاروبار کریں گے، وہ ڈائریکٹرس ہی Decision لیں گے اور عام شیئر ہولڈر اس میں حصہ نہیں لے سکتا، صرف اینول جنرل میٹنگ کے اندر شیئر ہولڈر کو اگر کمپنی اپنے Original جو اس کے پروگرام ہیں جو ہماری نظر کے اندر Suppose کر لیجئے کہ وہ حلال پروگرامز ہیں اور وہ اس کو Diversify کر کے حرام کی طرف جا رہے ہیں تو اس کو اختیار ہے بات کرنے کا، وہاں وہ بول سکتا ہے، اس کے اندر Objection اپنا Raise کر سکتا ہے، لیکن اگر کوئی Normal کام ہے اس کے اندر شیئر ہولڈر کو کچھ زیادہ بولنے کا اختیار نہیں ہوتا........ ہاں بالکل، ٹیکنیکل بات تو یہ ہے کہ وہ ڈائریکٹر جو ہے وہ نمائندہ ہے شیئر ہولڈرس کا۔

قاضی صاحب:

یہ آپ لوگوں نے کہا کہ نمائندہ ہے ایک کمپنی کا، جو ایک الگ Legal Identity رکھتا ہے، شیئر ہولڈر کا اپنی انفرادی حیثیت میں نمائندہ نہیں ہے، یہ صورتحال کی غلط تصویر ہے؟

کمال فاروقی صاحب:

جی ہاں، بس یہ کہ ڈائریکٹر جو ہے وہ شیئر ہولڈر کا نمائندہ ہے، کمپنی بالکل Separate Identity ہے، اور اس کمپنی کو چلانے کے لئے باقاعدہ ایک نظام ہے جس کو بورڈ آف ڈائریکٹرس کہا جاتا ہے، لیکن وہ بورڈ آف ڈائریکٹرس جو Appoint ہوگا وہ Appoint کیا جائے گا شیئر ہولڈرس ہی کے ذریعہ، چاہے وہ Two Third کی Majority والا ہو، یا One Third والا ہو، لیکن بورڈ آف ڈائریکٹرس جو Appoint ہو کر.....

قاضی صاحب:

یعنی شیئر ہولڈر Represented By Board Of Directors، یہ ہے نا؟ (بالکل: فاروقی صاحب) صورت حال یہ ہوئی کہ شیئر ہولڈرس کی نمائندگی بذریعہ بورڈ آف ڈائریکٹرس ہو رہی ہے، اس لئے بورڈ آف ڈائریکٹرس کی حیثیت گویا وکیل کی ہے اور شیئر ہولڈرس کی حیثیت مؤکلین کی ہے، انہوں نے اپنا اختیار ان کو دے دیا ہے۔ ہمارے رحمٰن خاں صاحب نے جو Peoples Representation Act ہے اس کا حوالہ دیتے

ہوئے یعنی جس طرح آپ سرکار میں شریک ہوتے ہیں عملاً اس کا حوالہ دیا ہے اس پر ذرا بعد میں عرض کروں گا، لیکن یہ بات تو واضح ہوگئی کہ اس میں اس طرح لکھا ہوا ہے کہ کمپنی قوانین کے ماہرین کا خیال یہ ہے کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئر ہولڈرس کی انفرادی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتا ہے بلکہ وہ کمپنی کی نمائندگی کرتا ہے، جس کا خود علاحدہ قانونی وجود ہے، یہ غلط ہے؟ (یہ غلط ہے: فاروقی صاحب) آپ حضرات اس پر متفق ہوجائیے تو ہمارا کام آسان ہوجاتا ہے، کہہ رہے ہیں کہ صاحب بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئر ہولڈرس کی انفرادی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتا بلکہ وہ کمپنی کی نمائندگی کرتا ہے، کمپنی نام ہے اس مجموعہ کا جو شیئر ہولڈرس سے بنتی ہے، یا زیادہ سے زیادہ Promoters کا اس میں اضافہ کردیجئے آپ، تو Promoters اور Share Holders وہ بھی ایک طرح کا شیئر ہی ہے ان کا، وہ بنیادی شیئر ہے، یہ ایک الگ مسئلہ ہے، تو ان کو بھی ہم شیئر ہولڈرس ہی سمجھیں گے، تو کمپنی نام ہے اس مجموعہ کا جو شیئر ہولڈرس کے اکٹھا ہونے سے وجود میں آتی ہے، اب شیئر ہولڈر ایک کمپنی میں شیئر لیتا ہے، ایک اس کا نام مجاہدالاسلام ہے، محمد احسان ہے، رحمٰن خاں ہے، تو یہاں پر احسان اور رحمٰن خاں کا تو سوال ہی نہیں ہے، لیکن اس کمپنی کا وہ شیئرر ہے، اس کا ایک جز ہے، اس کا ایک رکن ہے۔ اسی مجموعہ کی نمائندگی کررہا ہے بورڈ آف ڈائریکٹرس، اس لئے اگر آپ یہ لکھتے کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئر ہولڈرس کی ذاتی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتا ہے تو شاید جائز ہوتا، لیکن یہاں جب آپ نے کہا انفرادی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتا تو شاید یہ بات صحیح نہیں، اس پر اگر آپ لوگ اتفاق کرلیں تو ہم آگے بڑھیں۔

کمال فاروقی صاحب:

حضرت جو آپ نے فرمایا وہ بالکل درست ہے، Translation میں کہیں ہلکی سی غلطی ہوئی ہے، انگریزی سے اردو میں Translation..........

قاضی صاحب:

غلطی ہلکی نہیں، یہ غلطی بنیادی ہوگئی ہے، اس لئے ہم لوگ اس بات کو واپس لیتے ہیں کہ شیئر ہولڈرس کا انفرادی حیثیت میں نمائندہ نہیں ہے یہ غلط ہے، شیئر ہولڈرس کا مجموعہ جس کا نام کمپنی ہے، یا شیئر ہولڈرس ان کی ہی نمائندگی کرتا ہے دراصل بورڈ آف ڈائریکٹرس (بالکل ٹھیک: کمال فاروقی صاحب) اب مجھے اجازت دیتے ہیں آپ لوگ ایک بات اور کہہ دوں قبل اس کے کہ آپ لوگوں کی رائے لوں، یہ ہمارے رحمٰن خاں صاحب نے ایک بڑا اہم سوال کھڑا کیا ہے، یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کی صحیح تصویر کرسکتا ہوں یا نہیں، حکومت کا، بالکل صحیح ہے کہ حکومت کی حیثیت بھی دراصل عوام کے نمائندہ کی ہوتی ہے، خاص کر کوئی جمہوری حکومت میں۔ اس کو آپ کہتے ہیں کہ صاحب عوام کی حکومت عوام کے لئے عوام کے ذریعہ، جمہوریت کی تعریف کرتے ہیں آپ لوگ، تو وہاں پر بھی حکومت عوام کی مانی جاتی ہے، عوام کے ذریعہ مطلب عوام کے منتخب افراد کے ذریعہ، اور عوام کے لئے یعنی عوام کے مفاد کے لئے، تو خیر یہ بہت اچھی چیز ہے، وہاں بھی حکومت میں بھی یہی ہوا کرتا ہے، لیکن جب کسی ملک کا ایک دستور بن گیا تو اس کے بعد ہم ووٹ نہ دیں تو، اور ہم ووٹ دیں، چاہے بی جے پی کو دیں جو بابری مسجد توڑوادے یا کسی اور کو دیں جو اس کی

حفاظت کرے، یا سارے سودی کاروبار کرے، اس میں صورت جبر کی ہے، یعنی ہم کو اپنے اختیار سے شریک یا غیر شریک ہونے کا کوئی موقع ہمارے پاس نہیں ہے، نمائندگی طے ہے، آپ اپنے حق نمائندگی کو استعمال کریں یا استعمال نہیں کریں، لیکن جو گورنمنٹ کو کسی اسٹیٹ، جو اسٹیٹ ہوتا ہے، اس کے سامنے سارے ہی لوگ جبر کا شکار ہیں، ان کو بہرحال اس کے تحت چلنا ہے، ووٹ نہ دے کر بھی، ووٹ مخالفت میں دے کر بھی، اور ووٹ موافقت میں دے کر بھی، بجائے اس کے جو ان کمپنیز کا معاملہ ہے ان کو مکمل طور پر اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ ہم کو اختیار ہے کہ ہم اس کمپنی میں شریک ہوں یا شریک نہیں ہوں، لہذا حکومتوں کے غلط عمل کی جوابدہی ہم پر اس حد تک نہیں آتی ہے اگر ہم نے اپنی پوری کوشش کرلی کہ حکومت صحیح بنیادوں پر قائم ہو، اس کے باوجود اگر نہیں قائم ہوسکتی تو حکومتوں کے عمل کی ذمہ داری ہم پر اس درجہ نہیں آتی جس طرح کمپنی میں ہماری شرکت کے بعد اس کے عمل کی ذمہ داری ہم پر آتی ہے، یہ بات سمجھ میں آتی ہے ہمارے، اب آپ حضرات اس پر رائے دے دیجئے۔

مفتی مصلح الدین صاحب:

چونکہ وہ مؤکل ہے، اور وکیل ہے، اور مؤکل نے اپنے تصرفات وکیل کو سپرد کردیئے، اب وکیل جو کچھ بھی کرے گا اس کی نسبت مؤکل کی طرف ہوگی، اس لئے وکیل نے اگر کوئی ایسا عمل کیا ہے جو فاسد ہے تو مؤکل بھی اس کا ذمہ دار ہوگا، اب یہ کہ مؤکل ایک مجلس میں وکیل کی موجودگی میں کہہ رہا ہے کہ فلاں چیز کی اجازت میری طرف سے نہیں ہے تو پھر اتنی حد تک وہ وکیل معزول ہوجاتا ہے، یعنی مؤکل وکیل کی موجودگی میں یہ کہتا ہے کہ فلاں عمل کی اجازت میری طرف سے نہیں ہے، میں اس کا مخالف ہوں، تو پھر اس تصرف میں وکیل معزول ہوجاتا ہے، مگر جب اس نے اپنے اختیار سے اس کو وکیل بنایا ہے، اب اس کا مطلب تو یہ تھا کہ جتنے بھی تم تصرفات کروگے میری طرف سے اس کی اجازت ہے، اب اس کے بعد جب یہ کہتا ہے کہ فلاں عمل کی اجازت آپ کو نہیں ہے تو اب یہ معزول کرتا ہوا وکیل کو، (نتیجہ کیا نکلا؟ قاضی صاحب) ہاں یہ معزولی تو جائز نہیں ہے، اب وہ یا تو بالکل معزول ہوجائے گا.............تو شخصی طور پر وہ معزول ہوگیا ان کا، تو اب وہ جب ان کا نمائندہ نہ رہا (تو وہ جو حرکت کرے اس کی ذمہ داری ان پر نہیں آتی: قاضی صاحب) ان پر تو نہیں آتی لیکن اس کے اندر یہ کہ آگے چل کر پھر دوسرے معاملات ان کی طرف منسوب کیسے ہوں گے۔

قاضی صاحب:

آپ نے کہا کہ عزل صرف اس نقطہ میں ہوا ہے جس میں انہوں نے اپنی مخالفت ظاہر کردی، آپ کا مطلب آپ کے الفاظ میں شاید فقہ کی زبان میں یہ ہو کہ اگر مؤکل نے کسی کو کسی بڑے کام کے لئے وکیل بنادیا، اور ایک خاص جزئیہ میں ہدایت دی کہ ایسا مت کرنا، تو اس ہدایت میں جو عمل کا ارتکاب کرے گا اس حد تک وہ معزول سمجھا جائے گا، دیگر امور میں وہ وکیل رہے گا، جو مطابق آمر کے اور مطابق مؤکل کے وہ عمل کررہا ہے، تو اس لئے وہ عمل جو اس نے اس کی رائے کے خلاف کیا ہے اس کی جوابدہی اس پر نہیں آتی ہے، میں آپ کی بات سے یہی مطلب سمجھتا ہوں،.........یہ نتیجہ نکلا نا حضرت کہ منع کرنے کے باوجود بھی ذمہ داری سے بری نہیں ہوگا اگر چہ اس عمل میں وہ معزول ہوجائے گا۔

مفتی احمد خانپوری صاحب:

........تو اسی لئے وہ معزول نہیں ہوگا اور بری نہیں ہوگا۔

قاضی صاحب:

اور میں نے جو سوال کیا تھا وہ سوال......، لیکن بہر حال بورڈ آف ڈائریکٹرس جو ہے وہ نمائندہ ہے شیئر ہولڈرس کا، اس لئے اصولی اور عمومی بات یہ ہوتی ہے کہ شیئر ہولڈرس پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو بورڈ آف ڈائریکٹرس تصرفات کرتے ہیں، اس لئے کہ جو منافع ان کے تصرف سے پیدا ہوتا ہے، اس منافع میں بھی آپ استحقاق رکھتے ہیں، اگر کوئی نقصان ہو کمپنی کا تو اس کے بھی آپ متحمل ہوتے ہیں، تو تصرفات کے بارے میں عمومی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس کے تصرفات رجوع کرتے ہیں شیئر ہولڈرس کی طرف، یہ تو عمومی بات ہے، اس سے تو اتفاق ہے ناں سب لوگوں کو؟ یہ میں نے پوچھا تھا دراصل، اور حکومت والی مثال یہاں منطبق نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ حکومت کی صورتحال دوسری ہوتی ہے، یہاں ہم شریک ہوں یا مت ہوں ہمیں اختیار ہے، اور پہلے سے جب معلوم ہے کہ اس میں سودی کاروبار ہوگا، یا العیاذ باللہ شراب کا کاروبار ہوگا یا خنزیر کے گوشت کا کاروبار ہوگا، تو ہمارے لئے شریک ہونے کا سوال ہی پیدا اس میں نہیں ہوتا۔

مفتی احمد خانپوری صاحب:

ڈائریکٹر کے سلسلہ میں جو فرمایا گیا، تو حقیقت تو یہ ہے کہ ڈائریکٹر تو اس پالیسی کو نافذ کرتا ہے جس کو سب نے طے کر رکھا ہے، اب جب پالیسی طے کی جارہی ہے اس وقت تو اکثریت کی رائے کو معتبر قرار دیا گیا، اور یہ بھی طے ہے کہ ڈائریکٹر کو اسی کے مطابق کرنا ہے، پھر ڈائریکٹر کے متعلق یہ کہنا کہ اس نے مؤکل کی رائے کے خلاف کیا اور وہ معزول ہوا، اتنی حد تک، یہ کیسے درست ہوسکتا ہے؟

قاضی صاحب:

مؤکلوں کے مجموعہ کی اکثریتی رائے کے مطابق اس نے عمل کیا۔

مفتی احمد خانپوری صاحب:

اس لئے کہ وہ تو ڈائریکٹر بنایا ہی گیا ہے اس لئے، اس لئے کہ ڈائریکٹر کے لئے خود یہ اصول وضع شدہ ہے، تو اس کو اکثریت کی رائے کے مطابق یہ کام کرنا ہے...... ....

مفتی مصلح الدین صاحب:

شخصی حد تک وہ معذور ہوگیا۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

یہ مسئلہ جڑا کس سے ہے، یہ جو اتنی بات پوچھی جارہی ہے یہ اسی پہلے مسئلہ سے جڑا ہوا ہے یا الگ سے کوئی بات ہے؟ ذرا اس کو واضح کر دیجئے کہ جو پہلے آپ نے.....

قاضی صاحب:

وہ مسئلہ تو مولانا ایک علاحدہ مسئلہ ہوا، ایسی کمپنی جو ایسی اساس پر قائم ہوتی ہے، اس میں جب ہم حصہ دار بنتے جاتے ہیں، فریق بنتے جاتے ہیں، تو وہاں پر بہت سے ناجائز فیصلے ہوتے ہیں، تو یہ ناجائز عمل جو ہوتا ہے اس کی ذمہ داری ہم پر لوٹتی ہے یا نہیں؟

کمال فاروقی صاحب:

حضرت اس کا اصل میں جو مسئلہ ہے یہ پہلے والے مسئلہ سے جڑا ہوا ہے، اس میں یہ غور فرمالیں آپ لوگ کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس جو ہے جیسا آپ نے فرمایا کہ کوئی کام ایسا نہیں کرسکتا جو میمورنڈم آف ایسوسی ایشن کے اندر Main Objects کے باہر ہو، اور اگر وہ Main Objects کے باہر کبھی کوئی کام کرنے کی کوشش کی جائے گی تو پہلے اینول جنرل میٹنگ میں یا Extra Ordinary General Meeting کے اندر اس کی تمام شیئر ہولڈر سے اجازت لینی پڑے گی، وہ جو Border جو Frame Work ہے، جو Main Object کا Frame Work ہے، جو ہم پہلے Decide کر چکے ہیں کہ وہ کررہا ہے جائز کام، حلال کام کرنے جارہے ہیں، لیکن وہ جب اپنے Other Objects میں آتے ہیں تو اس کو Achieve کرنے کے لئے، اس کو حاصل کرنے کے لئے، تو اس کو مجبوراً ادھر ادھر جانا پڑتا ہے، بورڈ آف ڈائریکٹرس جو ہے وہ Main Objects سے باہر نہیں جاسکتا، وہ غیر قانونی ہوگا، رہنا تو ہوگا اس کو اسی Main Frame Work کے اندر، جو اس کو چلانے کے لئے روزمرہ کس طرح سے چلانا ہے، کس سے تعلقات رکھنے ہیں، کس کو Appoint کرنا ہے، کون سے بینک جانا ہے، کیسے جانا ہے، وہ الگ مسئلہ رہا۔ (........) اصل میں حضرت بینکنگ کے اوپر ہم لوگ بالکل Discuss نہیں کررہے ہیں۔ یہ تمام معاملہ جو آرہا ہے بس شیئر ہولڈرس وغیرہ کا یا اسٹاک ایکسچینج کے اوپر آرہا ہے، ہم لوگوں نے جو بمبئی میں اور اس سے پہلے جو Discussion کیا ہے جو آٹھ دس لوگ (ماہرین) بیٹھے تھے وہاں، اور اس میں کچھ ایسی تجاویز آئی تھیں جو ہم آپ لوگوں کی اس میں رہبری چاہ رہے تھے، اس کے اوپر کوئی Discussion نہیں ہو پارہا ہے۔

قاضی صاحب:

کوئی کیسے ہوتا؟ ہے ہی نہیں بینکنگ والے لوگ، ابھی آئے ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ ابھی ہم لوگوں نے میٹنگ اس پر نہیں کیا ہے، اس لئے میں تو وقت ٹال رہا ہوں آپ لوگوں کے انتظار میں، تھوڑی سی بحث کراکے۔ انشاء اللہ عصر کے بعد ہم بیٹھیں گے تو اسی پر بات کریں گے، اور اس وقت سے لے کر آپ لوگوں کو لینے کی اجازت نہیں، ویسے بھی آپ لوگ مولوی نہیں ہیں کہ قیلولہ کریں، تو آپ لوگ ظہر کی نماز پڑھ کر کے، کھانا کھاکر آپ لوگ بیٹھ کر اس کو پوری طرح Discuss کرلیں بغیر میرے، یہ سخت ضروری ہے، اور عصر کے بعد اس کو آپ لوگ پیش کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بات اس وقت ختم کی جائے، اذان کا وقت قریب ہورہا ہے، آپ لوگ وضو کریں گے، پھر نماز پڑھیں گے، اور انشاء اللہ پھر ہم لوگ عصر کے بعد فوراً بیٹھیں گے، اور اس دوران بینکنگ کمیٹی کا یہ فرض ہے کہ وہ پوری طرح بیٹھ کر بحث کر کے اور

اگر ضرورت سمجھیں تو مولانا برہان الدین صاحب، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب، مولانا عتیق احمد بستوی صاحب، مولانا ابراہیم صاحب بھروچ اور مفتی احمد خانپوری صاحب ان حضرات کا میں نے نام لے لیا ہے، لکھ لیجئے، ان حضرات سے اس پر آپ ضرور بحث کر لیں۔ ان لوگوں کا قیلولہ منع کیا جاتا ہے۔

دوسری نشست

قاضی صاحب:

حضرات آپ نے پہلے دن اسلام کے نظام عشر کے بارے میں مختلف مسائل پر تفصیلی بحث کی تھی، اور اس پر کمیٹیاں بنادی گئی تھیں، کمیٹیوں نے اپنا کام کیا بھی ہے، اور کچھ ابھی آخری صورت انشاء اللہ وہ لوگ الگ بیٹھ کر دے لیں گے، ابھی جو دوسرا مسئلہ کل سے شروع ہوا ہے، بینکنگ سے متعلق جو چند مسائل اٹھے ہیں، ان میں سے کئی مسئلوں پر آپ نے گفتگو کی، بعض پر اتفاق ہوا، بعض پر اختلاف ہوا، اور کچھ جن میں بہت سے علماء کے جوابات بھی حاصل کئے گئے تھے پہلے سے، اور بعض سوالات نئے ہیں، تو میں سمجھتا ہوں کہ تفصیلی بحث تو شاید اس پر نہیں ہو سکے گی، اور اس مسئلہ کا حق یہ ہے کہ اس پر مستقل ایک نشست ہو جس میں یہ ماہرین بھی ہوں اور ہمارے علماء بھی ہوں، افسوس یہ ہے کہ یہاں پر ہمارے بعض دوست جا چکے ہیں لیکن ہم انشاء اللہ کوشش کریں گے کہ ان مسائل پر تفصیل سے غور کرنے کے لئے ایک مستقل نشست کی جائے، ابھی میں صرف جناب احسان صاحب کو تکلیف دوں گا کہ جو سوالات ہیں ان کے سامنے یا جو متبادل انہوں نے تجویز کیا ہے یا جو ان کی دشواریاں ہیں ان کو صرف آپ کے سامنے رکھ دیں، تا کہ ذہن اس کی طرف متوجہ رہے، اور آئندہ جب اس کی کوئی نشست ہو دو چار مہینے کے بعد، تو اس وقت اگر آپ کے پاس اس سلسلہ میں تفصیلی سوالنامہ جائے تو آپ جواب بھی دیں، اور پھر اجتماع ہو تو ہم لوگ بیٹھ کر کے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ لے سکیں، میں جناب احسان صاحب سے درخواست کرتا ہوں........

احسان صاحب:

کل Bill Discounting کا ایک مسئلہ رکھا گیا تھا اس کی عموماً شکل یہ ہوتی ہے کہ مال بیچنے والا جو ایک شہر میں رہ رہا ہے اور خریدنے والا دوسرے شہر میں رہ رہا ہے، مال بیچنے والا مال کو دوسرے شہر کے لئے روانہ کرتا ہے سودا ہونے کے بعد، اور یہ بیچنے والا بلٹی پہ مال پانے والے کی جگہ اپنا ہی نام لکھتا ہے، یہ خریدار کا نام نہیں لکھتا، تو ریلوے کو آرڈر دیتا ہے کہ یہ مال جو میں بھیج رہا ہوں یہ دوسرے شہر میں مجھے ہی ملے، یہ بلٹی جو ہے عموماً قابل تبادلہ ہوتی ہے، اب اگر یہ بینک سے پیسہ لینا چاہتا ہے مال بیچنے والا، تو اس سے پہلے کہ خریدار سے پیسہ وصول کرے، یہ بلٹی کی پشت پہ یہ لکھ دیتا ہے کہ اس بلٹی کا مال اس بینک کو دے دیا جائے، بینک اس بلٹی کا مالک ہو جاتا ہے اس طرح سے، اور بلٹی ایک بار بینک میں دینے کے بعد اور پیسہ لینے کے بعد پھر مال بھیجنے والے کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ ریلوے کو دوبارہ لکھ دے کہ یہ مال بینک کو نہ دیا جائے، اگر وہ ایسا لکھے گا بھی تو قانوناً اس کا کوئی عمل نہیں ہو سکتا، ریلوے اس کی اس ہدایت کو نہیں مانے گا، کیونکہ اس نے بلٹی بینک کے حوالہ کر دی، اب بینک سے یہ ہزار روپے کے عوض میں آٹھ سو روپے یا نو سو

روپے لے لیتا ہے، بینک یہ سمجھتا ہے کہ اس بلٹی کا پیسہ خریدار سے ایک مہینہ کے بعد ملے گا، تو یہ ایک سو روپے Difference جو ہے اس کا، Service Charges بھی ہیں اس میں اور ایک مہینے کا سود بھی ہے، کیونکہ بینک کا اپنا انداز ہے سوچنے کا، تو ظاہر ہے اسلامی مالیاتی ادارے کے لئے یہ شکل قابل قبول نہیں ہوئی، لیکن اس کی ایک دوسری شکل ہم تجویز کرتے ہیں، اور اس کو مرابحہ کی شکل میں اگر اپنایا جائے تو اس میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہوگی، اس کی شکل یہ بنتی ہے کہ مال بیچنے والا یہ کہتا ہے بینک سے اسلامی مالیاتی ادارے سے کہ اس مال کا ایک ہزار روپے میں خریدار موجود ہے، میں آپ کو ایسا پتہ بتاتا ہوں خریدار کا کہ وہ اس مال کو آپ سے ایک ہزار روپے میں لے لے گا، اور آپ کی میں بات بھی کرادیتا ہوں اس سے، آپ کا سودا بھی طے کرادیتا ہوں، آپ یہ مال مجھ سے نوسو روپے میں خرید لیجئے، اس میں جو مال کا آخری خریدار ہے وہ بینک میں کہتا ہے کہ یہ مال آپ میرے پاس پہنچادیں گے تو میں ایک ہزار روپے میں آپ سے خریدنے کے لئے تیار ہوں، اس شکل میں اور پہلی شکل میں فرق یہ ہے کہ پہلی شکل میں اگر بینک کا پیسہ خریدار سے وصول نہیں ہوتا، خریدار اس مال کو لینے کے لئے تیار نہیں ہوتا، تو بینک لوٹ کر اسی کے پاس آتا ہے جس نے پیسہ بینک سے لیا ہے اور بینک کو بلٹی دی ہے، آپ کا مال وہ لینے کے لئے تیار نہیں ہے، بلٹی چھڑانے کے لئے تیار نہیں ہے، لہذا آپ وہ واپس دیجئے، تو ایک طرح سے یہ قرض ہوا جو اس نے بینک میں دیا تھا اور وہ واپس قرض وصول رہا ہے اس سے، لیکن دوسری شکل میں یہ قرض کی نوعیت نہیں ہوگی، اس میں وہ مال کا بیچنے والا پہلے ہی کہہ دے گا، دیکھئے میں آپ کا سودا تو کرائے دیتا ہوں لیکن بعد میں اگر وہ اپنے سودے سے مکر جاتا ہے اور وہ مال نہیں لیتا تو اس کی میرے اوپر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی، تو یہاں وہ اگر سودے سے مکر جاتا ہے تو بینک کے ہاتھ میں جو کچھ بھی مال ہے وہ ایک ہزار کے بجائے آٹھ سو روپے میں بک جائے یا گیارہ سو روپے میں بک جائے، وہ بینک کا مال ہے، اس میں وہ خریدار سے یہ نہیں کہے گا کہ اگر آٹھ سو روپے میں بکا تو دو سو روپے مجھے اس میں نقصان ہوگیا، آپ مجھے یہ دو سو روپے دے دیجئے اور Service Charges جو میرے ہیں وہ بھی دیجئے، تو دوسری شکل مرابحہ کی یہی ہوسکتی ہے کہ وہ جو بیچنے والا ہے اس سے بالکل تعلق منقطع ہوجائے، اور بینک مال کے اوپر انحصار کرے یا کہ خریدار کے اوپر انحصار کرے، تو اگر آپ اس کا جواز رکھ دیتے ہیں تو مرابحہ کے طور پر اسلامی مالیاتی ادارہ اپنالے گا اسکیم کو۔

امین الحسن رضوی صاحب:

میں معلوم یہ کرنا چاہ رہا تھا کہ پہلی صورت کو آپ نے ناجائز کیوں قرار دیا، پہلی صورت جو ہے مثلاً میں بتاؤں آپ کو، میں وضاحت کے طور پر عرض کرنا چاہتا تھا، جیسے Promissory Note ہے ایک شخص کے، میرے Favour میں کسی کا تفویض کردہ Promissory Note ہے، جس پر میں دعویٰ کر کے کبھی بھی اس رقم کو حاصل کرسکتا ہوں اگر وہ نہ دے، اب یہ Promissory Note ازروئے قانون قابل انتقال ہے، میں اس کو کسی اور شخص کے نام منتقل کرسکتا ہوں، تو میرے حق میں جو پانچ ہزار روپے کا Promissory Note ہے وہ میں چار ہزار پانچ سو روپے میں کسی کے ہاتھ فروخت کرسکتا ہوں، اس کے نام Hand Over کرسکتا ہوں، اب اس شخص کو یہ

اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وقت موعود پر وہ پانچ ہزار روپے اس شخص سے وصول کر لے، اس سودے میں ناجوازی کی بات میری سمجھ میں نہیں آتی........میں نے مثالاً ایک بات بتائی ہے، تو پہلی صورت آپ نے بتائی تھی اس میں ناجوازی کی صورت کیسے؟ اس لئے کہ آپ نے اپنے منہ سے تصوراتی طور پر ایک لفظ سود استعمال کر لیا، اس کو صرف حق محنت آپ رکھیں تو کیا حرج ہے؟

احسان صاحب:

نہیں ایسا ہے جو رقعہ ہے اور ایک قرض ہے اس کا سرٹیفکیٹ ہے، تو وہ رقعہ جو ہے کوئی مال نہیں ہے وہ پیسہ ہے، اور پیسے کو کم یا زیادہ قیمت پر خریدنا، تو میں سمجھتا ہوں اس کی اجازت علماء نہیں دیں گے۔

امین الحسن رضوی صاحب:

ثمن نہیں ہے وہ Promissory Note زرِ ثمن میں نہیں آتا، ثمن نہیں ہے وہ، میرے خیال میں فقہی اعتبار سے وہ ثمن نہیں ہے، کرنسی نوٹ تو ثمن ہے، تسلیم کیا جا چکا ہے، لیکن Promissory Note تو ثمن نہیں ہے، Promissory Note ثمن ہوگا کیا؟

احسان صاحب:

Promissory Note اور Currency Note میں صرف اتنا فرق ہے کہ کرنسی نوٹ جو ہے کوئی بینک یا Authorised ادارہ ہی جاری کرتا ہے اور Promissory Note ہر آدمی جاری کر سکتا ہے، اس کے علاوہ فرق نہیں ہے، کرنسی نوٹ بھی ایک طرح کا Promissory Note ہے۔

امین الحسن رضوی صاحب:

میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ فقہی اعتبار سے کرنسی نوٹ کو ہمارے ہی سیمینار نے ثمن Declare کر دیا ہے لیکن Promissory Note ثمن نہیں ہے، وہ وثیقہ ہے صرف۔

احسان صاحب:

یہاں مسئلہ صرف پرامیزری نوٹ کا نہیں تھا، پیچھے جو بلٹی لگی ہے اس کے، اور بلٹی میں جو مال ہے اس کا مسئلہ تھا، اور اس میں مال کی خرید و فروخت یا بلٹی کی خرید و فروخت کہی تو جاتی ہے لیکن اصل میں ہوتی نہیں ہے، وہ ایک طرح سے بلٹی کی ضمانت کے اوپر بینک کا قرض ہی ہوتا ہے۔

امین الحسن رضوی صاحب:

نہیں اگر شرعی اعتبار سے وہ سود ہے، میں نے عرض کیا ناں کہ آپ نے فرمایا تھا گفتگو میں کہ وہ اس پر حق المحنت اور مدت کے معاوضہ میں سود لیتا ہے، یہ تو ایک تصوراتی بات ہوئی، فرض کیجئے کہ اسلامی ادارہ تصور میں ہی نہ لائے کہ میں سود دے رہا ہوں بلکہ صرف ہم حق محنت مانیں اس کو۔

احسان صاحب:

نہیں ایسا ہے کہ اس میں ایک تو دو شکلیں ہوتی ہیں جو بینک Bills Collection کا، اور Bills Purchase کا کام کرتے ہیں، ایک شکل میں بینک کا اپنا پیسہ لگتا ہے، اور دوسری شکل میں بینک کا اپنا پیسہ نہیں لگتا ہے، جب بینک کا اپنا پیسہ لگتا ہے تو اس کے Charges زیادہ ہوتے ہیں بہ نسبت اس کے جہاں اس کا اپنا پیسہ نہیں لگتا ہے، جس سے یہ ظاہر ہے کہ جو زیادہ چارج بینک نے لیا وہ اپنا پیسہ لگنے کی بنیاد پر لیا۔

امین الحسن رضوی صاحب:

یہ تو تعامل کی بات ہوئی۔

احسان صاحب:

یہ Financing ہے (اصولی بات کیا ہے: رضوی صاحب) نہیں ویسے یہ طریقہ بھی بینک کی کتابوں میں درج ہے، وہ طریقہ فائنانس کا ہی ہے، اڈوانس کا۔

امین الحسن رضوی صاحب:

یہ تو تعامل کی بات ہوئی ہم اصول کی بات کریں گے نا، یہ تو تعامل کی بات ہوئی علماء جواب دے دیں گے اس کا۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

اگر وہ بلٹی کرنسی نہیں ہے تو پھر وہ حقوق بنے گا کیا؟

احسان صاحب:

ہاں حقوق میں تو آتا ہے لیکن اس کی بنیادی بات یہ ہے کہ جب مال چھڑانے والا مال نہیں چھڑاتا تو وہ تنہا مال کے اوپر اکتفا نہیں کرتا، اگر بینک مال کو بیچ بھی دے، اور مان لیجئے کہ ہزار روپے کا مال آٹھ سو روپے میں بکے تو بینک کو قانونی اختیار ہوتا ہے کہ وہ دو سو روپے وصول کرلے، مال بیچنے والے سے وہ دو سو روپے وصول کرلے۔ یہ قانونی اختیار جو بینک کو مل رہا ہے اس سے....

امین الحسن رضوی صاحب:

استعمال نہ کرنا چاہے بلکہ وہ جوکھم لینا چاہے تو کیا حرج ہے؟

احسان صاحب:

وہ جوکھم کی شکل یہی ہے کہ پیچھے جو مال کا بیچنے والا ہے اس سے تعلق منقطع ہو جائے اور بینک اس سے مال خرید لے، اور آگے جو مال کا خریدنے والا ہے اس کو مال بیچ دے، ایسی حالت میں اگر مال کم قیمت پہ بکے گا تو اصل بیچنے والے سے بینک نہیں وصول کر سکے گا تب اس کو نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔

مفتی محبوب علی وجیہی صاحب:

اس میں کیا تنقیح ہوئی مسئلہ کی۔

مفتی اسماعیل صاحب:

ابھی چند مسائل باقی ہیں جن کو مجلس میں پیش کرنا ہے۔

امین الحسن رضوی صاحب:

ایسی صورت میں آپ کے خیال میں کیا یہ جائز ہوگا یا ناجائز؟

احسان صاحب:

یہ تو علماء بتائیں گے۔

مفتی محبوب علی وجیہی صاحب:

یہ صورت تو جواز کی معلوم ہوتی ہے، یہ جو صورت ہے کہ مال خرید لیا کم روپے کے، یا وہ لے لے زیادہ روپے کے، تو اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بینک والا بیچے گا تو بینک والا مالک ہو گیا اس کا۔

احسان صاحب:

مرابحہ کی ایک شکل یہ ہے جو اسلامی مالیاتی ادارے کو پیش آتی ہے کہ ایک شخص اپنی تجارت کے لئے مال خریدنا چاہتا ہے لیکن مال خریدنے کے لئے اس کے پاس پیسہ نہیں ہے حالانکہ وہ مال کی خامی اور خوبی پرکھنے میں پوری مہارت رکھتا ہے اور اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس مال کا صحیح سپلائر کون ہے، وہ اپنی مرضی کا مال بازار میں تلاش کرتا ہے، سودے بازی کرنے پہ کسی آدمی سے مال کی خریداری طے کرلیتا ہے، اتنے روپے میں میں آپ کا مال خریدنے کے لئے تیار ہوں، اب چونکہ اس کے پاس پیسہ نہیں ہے وہ اسلامی مالیاتی ادارہ کے پاس آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس قسم کا مال مجھے درکار ہے اور وہ اس قیمت پہ مل رہا ہے، بازار میں اس کے سپلائر کا میں پتہ آپ کو بتائے دیتا ہوں، آپ یہ مال اس سے خرید لیجئے اور مجھے تین مہینے کے ادھار پہ اضافی قیمت پہ بیچ دیجئے، میں تین مہینے کے اندر اپنی دکان میں اس مال کو لگا کے کوئی منافع کے ساتھ بیچ دوں گا اور آپ کی رقم وعدہ کے مطابق ادا کردوں گا، بینک کہتا ہے کہ دیکھئے ہم آپ کی ضرورت تو پوری کردیں گے لیکن ہمارے پاس اسٹاک جو ہے وہ کچھ کتابی کام کا ہے بازار کے مطلب کا نہیں ہے ہم آپ کو اپنا وکیل مقرر کردیتے ہیں، آپ ہمارے Behalf پہ یہ مال اس سے خرید لیجئے، اور وہ آگے کہہ دیتا ہے کہ چلئے میں نے آپ کی طرف سے مال خرید لیا، اور بینک یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ مال ہم نے آپ کو جیسا آپ اضافی قیمت بتا رہے ہیں اس پر آپ کو بیچ دیا، اس مال کو یہ گراہک اٹھا لیتا ہے وہاں سے، اپنی دکان میں لے جا کر لگا دیتا ہے، اور تین مہینے کے بعد اس کو اور زیادہ قیمت پہ بیچ کے بینک کا قرض ادا کردیتا ہے تو کیا آپ کی رائے میں یہ شکل جائز ہو گی؟......روپیہ بینک نے دیا ہے جو اصل بازار میں مال کا بیچنے والا تھوک بازار میں مال کا بیچنے والا ہے اس سے بینک نے وہ مال خریدا ہے، لیکن بینک سے جو مال خریدنے والا ہے، بینک نے اپنا وکیل اسکو بنایا مال خریدنے [illegible]

جب اس نے آ کے اطلاع دیدی کہ یہ سودا ہو گیا (مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب: Bihalf کرتا ہے یا پیسے دینے کے لئے تیار کرتا ہے) نہیں پیسہ بینک کا لگا ادائیگی بینک نے کیا۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

اس میں صرف ایک اشکال ہے، وہ یہ ہے کہ ایک ہی شخص بائع بھی بن جاتا ہے اور مشتری بھی بن جاتا ہے، ایک ہی شخص خریدار بھی بن جاتا ہے اور وہی فروخت کرنے والا بھی بن جاتا ہے، اس کی اجازت شریعت میں نہیں ہے۔

احسان صاحب:

دیکھئے خریدار تو بینک ہی بنا، اور بینک یہ بھی خواہش کرتا ہے کہ پہلی Invoices جو آئے جو ہول سیلر ہے وہ بینک کے ہی نام آنی چاہئے، بینک یہ بھی امید کرتا ہے، یا آئے تو دونوں کے نام کے ساتھ آئے جس میں کہ بینک نے وکیل بنایا ہے، اس کی حیثیت وکیل کی ہو، اور خریدار کی حیثیت بینک کی ہو، بینک یہ بھی امید کرتا ہے کہ وہ Invoices بینک کے نام بنے۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

لیکن ایجاب وقبول ایک ہی شخص کر رہا ہے، اور قانون یہ ہے کہ ایجاب کوئی دوسرا کرے، اور قبول کوئی دوسرا کرے۔

احسان صاحب:

ایسے ایجاب تو بینک کا ہی ہے، بیچ میں ایک شخص جو ہے بینک کا وکیل ہے جو کہ بیچنے والے کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس مال کو بینک خریدنے کے لئے تیار ہے، تو بیچنے والا کہہ دیتا ہے کہ میں بیچ رہا ہوں اس کو، اگر سودا ہو جاتا ہے، بینک کے نام وہ Invoice بھی کاٹ دیتا ہے، بینک اپنا ڈرافٹ اس کے نام ایشو کر دیتا ہے مال کے بیچنے والے کے نام پر، اس کے بعد وہ کہہ دیتا ہے کہ آپ یہ مال اب اٹھا لیجئے، میں نے مال آپ کو بیچ دیا۔ جب مال وہ اٹھانے کے لئے جاتا ہے، بینک کا پرچہ بھی لے جاتا ہے، کہتا ہے آپ مال مجھے دے دیجئے تو وہ مال تو دیتا ہے بینک کے لئے لیکن وہ اپنی دکان میں لے جاتا ہے کیونکہ بینک نے اس کو پہلے ہی بیچ دیا ہے ..... بینک کے قبضہ میں مال نہیں آئے گا۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

بینک کے وکیل نے لیا ہے اپنے قبضہ میں تو وہ بینک کا ہی قبضہ ہے، اس نے جو قبضہ کیا ہے وہ بینک نے ہی قبضہ کیا ہے، اس کے بعد پھر بینک کی طرف سے وہ لے گیا ہے، تو بینک نے اب اس کو سپرد کر دیا۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

اصل میں صورت یہ بنی، آپ کے کہنے کا مطلب ذرا اس کو واضح کر لیجئے، صورت یہ بن گئی کہ بینک نے خرید لیا، اور بینک نے پھر ادھار اس کو بیچ دیا، یہ صورت بنی، اس پر غور کیا جائے۔

امین الحسن رضوی صاحب:

لیکن آپ نے یہ نہیں بتایا کہ بینک کو منافع کس مرحلہ میں ہوا۔

احسان صاحب:

بینک نے کچھ اضافی قیمت پر بیچا اور تین مہینے کے ادھار پر بیچا۔

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

.....بینک نے جس وکیل کو دیا ہے وہ بینک ہی کا وکیل ہے، تو گویا خود ہی کو دے دیا۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

اب وہ مشتری ہو گیا اور بینک بائع ہو گیا۔

احسان صاحب:

جی یہی حالت ہے، دوسری مرتبہ جب آیا تو وہ خود خریدار ہے اور بینک بیچنے والا ہے۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

اب بینک بائع اور وہ مشتری ہے تو وہ بڑھا کے دے رہا ہے تو اسے اختیار ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

بس فرق اتنا ہی ہوا کہ وہ نقد اس نے خریدا ہے اور اس نے ادھار بیچ دیا اسی پر غور کرنا ہے۔

احسان صاحب:

اس کی وکالت.....سب Payment ہونے کے بعد اس کی وکالت ختم ہو جاتی ہے.......... پہلے سودے میں بینک کا وکیل ہے جب بینک نے ڈرافٹ جاری کر دیا، اس نے Invoice بینک کے نام جاری کر دیا، اب بینک مالک ہو گیا اس کا، اب وہ کہتا ہے کہ میں اس کا خریدار ہوں جیسا میں نے پہلے بتایا تھا، میں سمجھتا ہوں سودا مکمل ہونے کے بعد اس کی بینک کی وکالت ختم ہو گئی۔

مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب:

.....حقیقی صورتحال کچھ ایسی سامنے آ رہی ہے کہ وہ بیک وقت خریدار بھی ہے اور وکیل بھی ہے، اور کچھ......

حسان صاحب:

اس میں دو سودے ہیں، ایک سودا بینک کرتا ہے مال کے تھوک بیچنے والے سے، دوسرا سودا مال کو جو Retai میں بیچنے والا ہے وہ بینک سے کرتا ہے۔

جناب شمس پیرزادہ صاحب:

نہیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب تکنیکی باتیں ہیں، حقیقتاً وہ خریدار بھی ہے اور وکیل بھی ہے، اس لحاظ سے یہ قابل غور ہے، اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ادھار کی بنیاد پر بینک قیمت زیادہ وصول کر رہا ہے، تو آیا ادھار کی وجہ سے

زیادہ قیمت وصول کرنا کسی چیز کی جائز ہے؟ یہ دونوں مسئلے قابل غور ہیں۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

ہمارا خیال ہے کہ بہت سادہ صورت ہے، اس میں کوئی قابل غور بات ہے ہی نہیں، بینک نے خرید لیا، اب خریدنے کے بعد اس کا وہ مالک ہو گیا، وہ ادھار بیچ رہا ہے، بس یہ سادہ صورت ہے۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب ممبئی:

حضرت یہ جو صورت اس میں ہے، یہ بیع قبل القبض ہو رہا ہے، بینک جو بیچ رہا ہے تو یہ قبضہ سے پہلے بیچ رہا ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

بھائی قبضہ تو کر لیا اس نے، وکیل کا قبضہ ہوا، وکیل کا قبضہ بینک کا قبضہ ہوا، اب وہ....

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب ممبئی:

قبضہ کہاں ہوا، صرف بات ہوئی ہے، قبضہ تو وکیل نے بھی نہیں کیا ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

قبضہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ فرض کر لیجئے کہ یہاں بیٹھ کر آپ مدراس میں کوئی معاملہ کریں کسی خرید و فروخت کا، آپ نے مال دیکھ لیا ہو یا نہ دیکھا ہو، ایسے آپ نے اپنے اندازے سے کر لیا، تو کیا اس کو مانیں گے نہیں؟ اس کو نہیں سمجھے گے کہ ماعندہ ہے وہ؟

احسان صاحب:

مالیاتی اداروں کی کچھ خدمت ایسی ہوتی ہے کہ جس میں ان کا اپنا کوئی سرمایہ نہیں لگتا، ان کی ساکھ لگتی ہے، اور ان کو کچھ Risk بھی ہوتا ہے، مثال کے طور پر کوئی گورنمنٹ ادارہ اگر کوئی پل کی تعمیر کا ٹھیکہ کسی Constructor کو دیتا ہے اور وہ بیچ میں چھوڑ بھاگتا ہے تو اس میں سرکار کا بہت پیسہ اور وقت لگ جاتا ہے، اس لئے سرکار یہ چاہتی ہے کہ کوئی مالیاتی ادارہ ضمانت دے کہ اگر Contractor اس کو چھوڑ کر چلا جائے گا تو اس میں سرکار کو نقصان جو ہوا ہے اب وہ پہلے سے ہی متعین ہو جاتا ہے کہ اتنی Penalty اس مالیاتی ادارہ کو دینی پڑے گی، اور مالیاتی ادارہ لوگوں کی صلاحیت کا جائزہ لیتا ہے اور جو Constructor ہیں ان کی پوری مالی حیثیت بھی دیکھتا ہے کہ کہاں تک وہ اپنا کانٹریکٹ پورا کرنے کے اہل ہیں، اور یہ دیکھتے ہوئے وہ ضمانت دے دیتا ہے سرکاری ادارہ کو، کہ میں ضامن ہوں اگر یہ Contract پورا نہیں کرے گا تو ایک لاکھ دو لاکھ Penalty جو آپ طے کریں گے میں وہ ادا کروں گا، اب یہ جو بینک خطرہ مول لیتا ہے جس سے وہ Contractor کی جائداد وہ اپنے پاس رکھ لیتا ہے، تو چونکہ ان میں ایک خطرہ بھی شامل ہے اور جائداد سے وصول کرنے میں وقت بہت لگ جاتا ہے، دس دس سال مقدمے چلتے

ہیں، اسی خطرہ کے عوض بینک کچھ اجرت حاصل کرتا ہے، اس کو Guarantee Fees کہتے ہیں، ضمانت کی اجرت، تو کیا یہ بینک کو اجرت جائز ہوگی؟...... یہ کانٹریکٹ ہی ہوتی ہے، یہ Commitment ہوتا ہے کہ ایک وعدہ ہے جو پورا کرنا ہے، دوسرا Payment کی ادائیگی کی ہوتی ہے، ایک مشین کا Supplier ہے کوئی، وہ ادھار اپنی مشین بیچتا ہے خریدار کو، تو وہ یہ چاہتا ہے کہ کوئی مالیاتی ادارہ ضمانت لے لے، اگر وقت مقررہ پر پیسہ خریدار نے نہ واپس کیا تو وہ مالیاتی ادارہ سے رجوع کرے، اور مالیاتی ادارہ جو ہے اس کو دینے کا پابند ہوگا، اس میں بھی بینک کو خطرہ ہے کہ اس کا پیسہ چلا جائے گا اور خواہ مخواہ دس سال تک مقدمہ بازی ہوگی اپنا پیسہ دوسری طرف وصول کرنے میں، تو یہ ایک طرح سے قرض کی ضمانت ہے اور اس میں قرض سودی بھی ہوسکتا ہے اور غیر سودی بھی ہوسکتا ہے، سود کی بات تو اس وقت نہیں کر رہے ہیں، اگر وہ غیر سودی قرض ہے تو کیا اس میں Guarantee Commission بینک کو جائز ہوگا غیر سودی قرض میں۔

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

وہ سودی ہو یا غیر سودی ہو، لیکن آپ جو ضمانت دے رہے ہیں وہ اس بات کی دے رہے ہیں کہ سرکاری ادارہ اگر قرض ادا نہ کرے قرضدار، تو اب سرکاری ادارہ سود سمیت ادا کرے گا۔ سرکاری ادارہ تو سود لیتا ہے، جس کی ضمانت آپ جس ادارہ کو دے رہے ہیں وہ تو سود سمیت وصول کرنے والا ہے۔

احسان صاحب:

جس نے مشین سپلائی کی ہے ادھار وہ Supplier کو دے گا مالیاتی ادارہ.......

مفتی احمد دیلوی صاحب:

بہر حال ضمانت اس بات کی ہوگی کہ وہ قرض ادا نہ کرے تو ہم ادا کریں گے اور سود کے ساتھ ادا کریں گے۔

احسان صاحب:

نہیں سود کا کوئی ذکر نہیں ہے، مان لیجئے غیر سودی قرضہ ہے یا جو مال اس نے بیچا ہے وہ تو قیمت فروخت ہے اس کا۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

سرکاری اداروں میں تو بغیر سود کے کوئی بات ہوتی ہی نہیں۔

احسان صاحب:

ہوتی ہے، وہ میں نے پہلے ہی عرض کیا کہ بہت ساری خدمات ایسی ہیں بینکس کی جس میں ان کا پیسہ نہیں لگتا ہے، اس کی ساکھ لگتی ہے، اور یہ کہ وہ خطرہ مول لیتے ہیں، یہ انہی اقسام میں سے ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

تو اس کے معنی یہ کہ مسئلہ قابل غور ضمانت کی اجرت ہے، بس اتنا ہی مسئلہ ہے کہ ضمانت کی اجرت لی جائے، جائز ہے یا نہیں جائز ہے؟

احسان صاحب:

ضمانت بھی دوطرح کی ہے، ایک قرض سے متعلق ہے، ایک کام سے متعلق ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

آپ فرمارہے ہیں کہ ضمانت اور کفالت کی اجرت نہیں ہوسکتی، کفالت بالضمان بھی تو شاید کوئی چیز ہوتی ہے، یعنی اگر کوئی چیز وہ لے اور نقصان ہوجائے تو کیا ہوگا اس کا؟

مفتی احمد خانپوری صاحب:

کفالت اس کی اجرت نہیں ہوسکتی اس کی بنیاد کیا ہے، کیا عقد تبرع ہے اس لئے.........

تیسری نشست:

احسان صاحب:

کمپنی کے حصص سے متعلق کچھ سوالات ہیں، جو برابری کے حصص ہوتے ہیں ان کی بنیاد تو شرکت پر ہوتی ہے، اور وہ کمپنی کے نفع ونقصان میں برابر کے شریک ہوتے ہیں، لیکن ملکی قانون اور ٹیکس کی پیچیدگیاں کچھ ایسی ہیں کہ اس میں جو کمپنی تنہا غیر سودی سرمایہ سے کاروبار کرے تو اس کو بہت زیادہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے، اور دوسرے لوگوں کے لئے چونکہ سود حرام بھی نہیں ہے تو ان کو اس بات میں کوئی کراہیت نہیں ہے کہ سود کے اوپر قرضہ لیں، ان کا تو منافع جب تک سود سے اوپر رہتا ہے تب تک وہ قرض لیتے چلے جاتے ہیں، اگر ایک روپئے پر ان کو دس روپئے سود دینا پڑ رہا ہے اور بارہ روپئے ان کا منافع ہوتا ہے تو جب تک یہ دو روپئے کا ڈیفرنس رہے گا وہ سود لیتے چلے جائیں گے، اب چونکہ ہم اس کے نفع ونقصان میں شریک رہنا چاہتے ہیں اور سودی معاملہ نہیں کرنا چاہتے، اور آگے کمپنی لے آتی ہے اپنے سرمایہ کو اور بڑھاتی ہے، اس کمپنی کی مان لیجئے بازار کے اندر دس روپئے والے حصص کی قیمت ایک سو روپئے ہے، تو وہ اپنے پرانے جو شیئر ہولڈرس ہیں ان کو خاص طور سے نفع پہنچانے کی غرض سے وہ دس روپئے کا شیئر ان کو پچاس روپئے میں دے دیتی ہے، لیکن وہ ایک شرط لگاتی ہے کہ ہم یہ پچاس روپئے کا آپ کو ایک شیئر دیں گے جس میں دس روپئے شیئر کی قیمت ہوگی اور چالیس روپئے منافع ہوگا، وہ منافع میں جمع ہوجائے گا، وہ سارے شرکاء کی پراپرٹی ہوگی۔ دوسرے ہمیں قرض کی بھی ضرورت ہے، تو ہم بجائے اس کے کہ بینک سے باہر سے لیں، آپ قرض سرٹیفکیٹ بھی ہم سے لیجئے، لہٰذا وہ حصص سے منسلک Debenture جاری کرتی ہے، اور چونکہ حصص میں پچاس روپئے کا فرق ہے، چالیس روپئے کا فرق ہے، جو کمپنی نے پچاس روپئے میں جاری کیا، بازار میں وہ نوے روپئے میں بک رہا ہے، تو ہر حصہ دار حصص لینا چاہتا ہے لیکن کمپنی مجبور کررہی ہے کہ آپ Debenture بھی لینا ہوگا، فی الحال آپ لے تو لیجئے، اگر آپ نہیں رکھنا چاہتے اس کو تو اس کے خریدار بازار میں موجود ہیں، یہ پچاس روپئے کا آپ کا ۳۵ روپئے میں یا ۴۵ روپئے میں بک جائے گا، کچھ حصص بازار کی ایسی روش ہے کہ ڈبینچر کے اوپر سود بینکوں کے سود سے دوگنا بھی اگر کر دیا جائے پھر بھی اس کو حصص خریدنے والے نہیں خریدنا چاہتے، وہ چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم ہوں، وہ حصص میں ہی

دلچسپی رکھتے ہیں، ڈبنچر میں نہیں رکھتے، ان کی نظر میں جو زائد سود ہے وہ زیادہ منافع بخش نہیں ہے، لہذا جب یہ ڈبنچر بازار میں جاتا ہے بکنے کے لئے تو یہ پچاس روپے سے ہر حالت میں کم پر ہی بکتا ہے، چاہے اس پر پندرہ فیصدی یا بیس فیصدی بھی سود ہو، تب بھی یہ پچاس روپے ۳۵ روپے میں ۴۰ روپے میں ہی بکے گا۔ ایسی صورت میں کیا یہ جائز ہوگا کہ ڈبنچر کمپنی سے لے تو لیا جائے اور حصص اور ڈبنچر دونوں جب آ جائیں ہمارے پاس، تو حصص ہم روک لیں اور ڈبنچر کو ہم فروخت کر دیں بازار میں، چاہے وہ کچھ خسارے سے ہی فروخت ہو، لیکن جو شیئر کی قیمت اور ڈبنچر کی کل قیمت پر منافع ہو رہا ہے وہ خسارہ اس سے کم ہی رہے گا ہر حالت میں، جو چالیس روپے کا منافع ہو رہا ہے شیئر میں، ڈبنچر کے فروخت میں زیادہ سے زیادہ پندرہ روپے کا نقصان ہو سکتا ہے، ایسے میں پچیس روپے کا پھر بھی فائدہ حصص میں رہ جاتا ہے۔ اور اگر ہم یہ سوچ لیں کہ چونکہ اس میں ایک سودی معاملہ ہے، ہم حصص بھی نہ لیں ڈبنچر بھی نہ لیں اور پرانے شیئر کے اوپر اکتفا کر جائیں، تو یہ نئے شیئر جیسے ہی مارکیٹ میں آتے ہیں ہمارے پرانے شیئر کی بھی قیمت گر جاتی ہے، وہ نوے روپے کا اسی روپے میں بکنے لگتا ہے، تو اس طرح سے تو ہمیں پچیس روپے کا جو منافع ہو رہا تھا ہم اس سے محروم رہ گئے، دوسرے ہمارے ہاتھ میں جو حصص تھے اس میں بھی دس روپے کی قیمت کا فرق آ گیا، یہ مجبوری ہے اس کو نہ لینے میں۔

اسعدی صاحب:

ایک بات کی وضاحت چاہتا ہوں کہ ڈبنچر ز آیا دو قسم کے ہوتے ہیں Secured اور Unsecured، اور جن ڈبنچر ز کا آپ ذکر کر رہے ہیں وہ Secured کا غالباً کر رہے ہیں، Unsecured Debenture کو کمپنی جاری نہیں کرتی۔

احسان صاحب

نہیں Secured اور Unsecured کا یہاں سوال نہیں اٹھتا، ڈبنچر ز تو Secured ہی ہوتے ہیں لیکن ان کا نمبر دوسرے قرضوں کے بعد آتا ہے، ایک General Loan ہوتا ہے لیکن اس سے پہلے اگر وہ پراپرٹی کسی خاص رہن میں رکھ دی گئی ہے تو خاص رہن کے لئے پہلے وہ ضمانت ہو گی پراپرٹی، بعد میں Debenture Holder کی ضمانت ہوگی۔

اسعدی صاحب:

Unsecured کی صورت یہ ہوتی ہے غالباً کہ اگر کہیں کوئی Loss ہو جائے تو وہ اس پر سود نہیں دے گی۔

احسان صاحب:

نہیں ایسا نہیں ہے، وہ تو قرض ہے اور قرض میں صرف ترجیح میں تو فرق پڑتا ہے، جو پہلے پراپرٹی اگر مخصوص طور سے کسی کے نام کمپنی نے رکھ دی ہے، پہلے اس قرض کی ادائیگی ہو گی، بعد میں ڈبنچر کی ادائیگی ہوگی۔ تو قرض تو جب تک وہ قرض دینے کی پوزیشن میں ہے کمپنی مع سود کے ادا کرے گی، اور جب اس پوزیشن میں نہیں ہوگی تو اس کی ایک فہرست ہے کہ پہلے سرکاری قرضے ادا ہوتے ہیں، Employees کے قرضے ادا ہوتے ہیں، پھر

دوسرے قرضوں میں Debenture Holder کا بھی ذکر آتا ہے۔

اسعدی صاحب:

نہیں Secured اور Unsecured کا فرق یہ ہے جہاں تک مجھے معلوم ہو سکا ہے، کہ Secured پر تو ہر صورت میں سود دیتی ہے کمپنی، Secured Debenture پر، لیکن Unsecured پر دینے کی وہ پابند نہیں ہے اور دیتی نہیں ہے، جبکہ کمپنی کو Loss ہوا۔

احسان صاحب:

ایسا ہے وہ Secured اور Unsecured کا فرق نہیں ہے، اب حکومت نے اس بات کی اجازت دے دی ہے کہ کمپنی اگر چاہے تو غیر سودی ڈبنچر بھی جاری کر سکتی ہے، اور اس کی ضرورت صرف اس لئے آئی کہ وہ Convertible Debenture کے معاملہ میں ضرورت پیش آئی تھی، کہ ایک طرف کمپنی ایک ایسا رقعہ جاری کرتی ہے جس کے اوپر کچھ اضافہ سے ادائیگی کرتی ہے یعنی سود دیتی ہے، دوسری طرف سرٹیفکیٹ ایسا جاری کرتی ہے جس میں کمپنی الٹا منافع شیئر ہولڈرس سے لے رہی ہے، جو شیئر سرٹیفکیٹ دس روپے کا اس نے جاری کیا اور پچاس روپے میں شیئر ہولڈر کو دے رہی ہے تو چالیس روپے یہاں لیتی ہے، تو ایک ہی معاملہ میں شیئر ہولڈر کو کچھ دیتی ہے کمپنی اور دوسرے معاملہ میں شیئر ہولڈر سے کچھ لے لیتی ہے، یہاں شیئر ہولڈر کو یہ دقت آتی ہے کہ چالیس روپے جو ان کے پاس سے گئے وہ تو چلے ہی گئے، اب جو ڈبنچر کے اوپر سود ملا وہ انکم ٹیکس کے قانون میں آجاتا ہے اور ان کی آمدنی میں وہ درج ہو جاتا ہے سود، تو اس کے اوپر ان کو انکم ٹیکس بھی ادا کرنا پڑتا ہے، کچھ کمپنیز نے یہ سوچا کہ ہم کیوں نہ یہ سود کی رقم اپنے منافع میں سے ہی کم کر دیں، اگر ہم اس کو چالیس روپے منافع پر شیئر جاری کرنا چاہ رہے تھے تو ہم اس کو تیس روپے منافع پر ہی جاری کریں، وہ سود یہاں کاٹ لیں تا کہ اس کے ہاتھ میں پہنچنے پہ ٹیکس نہ دینا پڑا۔ تو اس کی وضاحت کمپنی کہیں نہیں کرتی ہے کہ کتنا سود اس کے اوپر متوقع تھا اور اس کی رعایت رکھتے ہوئے ہم نے کتنا Premium کم کر دیا ہے، لیکن یہ سمجھا ضرور جاتا ہے کہ اگر غیر سودی ڈبنچر نہ جاری کیا ہوتو Premium کچھ کمپنی نے زیادہ چارج کیا ہوتا۔ اس میں یہ جو حصص سے منسلک ڈبنچر کا مسئلہ آیا، اس میں ایک یہ بھی اختیار ہوتا ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ بھئی یہ جو سودی معاملہ ہے اس سے بالکل بچ جائیں ہم، تو کمپنی یہ کہتی ہے کہ آپ یہ اپنا حق حصص کا اور ڈبنچر کا ملا کے کسی کو بازار میں بیچ بھی سکتے ہیں۔ آپ فارم کے اوپر اپنے دستخط کر کے دید یجئے اس کو، وہ اپنا نام بھر کے جب دے گا ہم اسی کو دیدیں گے یہ آپ کے حصص اور ڈبنچرز، اور اسی سے پیسہ لے لیں گے۔ تو یہ حق جو ہے قابل تبادلہ اور قابل فروخت ہوتے ہیں۔ کوئی آدمی اگر زیادہ احتیاط برتنا چاہے کہ میں یہ قرض تمسک چھوڑ دیتا ہوں اور شیئر سرٹیفکیٹ بھی چھوڑ دیتا ہوں، اس میں جو مجھے پچیس روپے منافع مل رہا تھا اگر کوئی شخص مجھے دس روپے منافع دے دے تو میں یہ حق اس کو دے دیتا ہوں، وہ اپنا روپیہ لگائے گا اور پندرہ روپے منافع وہ شخص اس طرح سے حاصل کرے گا، تو کیا وہ یہ حق اپنا بازار میں بیچ سکتا ہے؟

عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

عرض یہ ہے کہ یہ شیئر ہولڈر کو جو رعایت مل رہی ہے ڈبینچر کی یا حصص سے منسلک ڈبینچر کی، یہ حق صرف رعایت کا ہے، رعایت ہے، باقی اس کو ڈبینچر بھی خریدنا پڑ رہا ہے، کم قیمت میں ہے، اور اسی طرح حصص اور شیئر کو بھی خریدنا پڑ رہا ہے، تو یہ رعایت جو ہے کمپنی کی طرف سے، یہ خالی ایسا حق ہے جو اس پرنہ تو قبضہ ہے یعنی اس کا حق موکد نہیں ہے، یہ شفعہ سے بھی کمزور درجہ کا ہے، یا شفعہ کے مثل ہے، اس کو فقہ حنفی کی رو سے فروخت نہیں کرسکتا ہے۔

احسان صاحب:

یہ ایسا ہے، جو کمپنی کے دس روپے کے شیئر کی قیمت بازار میں نوے روپے ہے اس کی کئی وجوہ ہوتی ہیں، کمپنی ہر سال جتنا منافع کماتی ہے وہ سارا کا سارا تقسیم نہیں کردیتی ہے، وہ اپنے پاس روک کرر کھ لیتی ہے، اس سے اس کی مالیت میں اضافہ ہوجاتا ہے، اور جو کمپنی اب سے چالیس سال پچاس سال پہلے قائم ہوئی تھی اس وقت جو اس نے اثاثے خریدے تھے، زمین اور بلڈنگ میں پیسہ لگایا تھا آج اس کی بھی قیمت زیادہ بڑھ جاتی ہے، تو اس کو بازار میں ایک عوامی آفر دینے کے بجائے کمپنی یہ سوچتی ہے کہ کیوں نہ ہم اپنے پرانے شیئر ہولڈرس کو یہ شیئر جاری کریں اور کچھ کم قیمت پر جاری کریں، تاکہ وہ جو اس سے نکلنا چاہتے ہیں بیچنا چاہتے ہیں وہ اس کو اگر بازار میں بیچ دیں تو وہ اثاثوں کی بڑھی ہوئی قیمت اور اس کا منافع جو رکا ہوا ہے اس طرح اس کو مل جائے گا، کیوں شیئرز کا ایسا طریقہ نہیں ہوتا کہ جو شخص شیئر ہولڈر آگے نہیں رہنا چاہتا وہ کمپنی کو واپس کردے، اور کمپنی اپنی پونجی میں سے نکال کر پیسہ اس کو دے دے، ایسا طریقہ کمپنی میں نہیں ہوتا کمپنی تو یہ کہہ دیتی ہے کہ اگر آپ نہیں بننا چاہتے شریک آگے کے لئے تو یہ اپنا حق شرکت کسی دوسرے کو بیچ دیجئے، جو خرید لے گا وہ شریک کل سے ہوجائے گا اس میں۔

عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

ویسے اگر عدول جائز ہو تو امام مالکؒ کے نزدیک حق شفعہ کو بھی فروخت کرسکتا ہے، اس صورت میں اگر علماء سوچیں تو عدول کے بارے میں یہ ایک صورت ہوسکتی ہے، اس سے پہلے جو سوال تھا کہ ڈبینچر اور یہ اس کو حق ملتا ہے، تو ڈبینچر یہ عقد قرض ہے تو متضمن برحوالہ ہم اس وثیقہ کو خریدنا جائز قرار دیں گے، لیکن اس میں ربا کی شرط ہے، سود بردار ہے، اسی لئے تو یہ ربا کی شرط کی وجہ سے عقد فاسد ہوجائے گا، لیکن اگر خرید لیا تو ملکیت ثابت ہوجائے گی فقہ حنفی کی رو سے، اور وہ شرط فاسد ہوگی، اب وہ فروخت کررہا ہے تو یہ فروخت کرنا بھی درست ہوگا، لیکن کم قیمت میں اگر بیچ کررہا ہے تو پھر یہ بیع فاسد ہوگی، چونکہ قرض کی بیع کم قیمت میں بھی درست نہیں ہے، برابر میں ضروری ہے۔

احسان صاحب:

اس میں ایک شکل یہ بھی آتی ہے، چونکہ ڈبینچر ہاتھ میں آتے آتے چار مہینے یا پانچ مہینے کا وقت لگ جاتا ہے، اور اس کے اوپر سود اسی تاریخ سے جاری ہوجاتا ہے جو کہ اس کی تاریخ اجراء ہے، تو اب بازار میں جب وہ بیچنے کے لئے جاتا ہے، مان لیجئے کمپنی نے کچھ سود ادا کردیا، اس کو مان لیجئے پانچ روپے کمپنی نے سود دے دیا پچاس روپے

والے ڈبینچر پہ، اب اگر اس کا ڈبینچر ۴۵؍روپے میں بکتا ہے تو کیا یہ جائز ہوگا کہ وہ پانچ روپے کا خسارہ کمپنی سے ملے سود سے پورا کرلے؟

عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

نہیں یہ درست نہیں معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ عقد جو کی کا ہوا ہے وہ تیسرے آدمی سے ہوا ہے، اور کمپنی کو جو قرض دیا گیا تھا وثیقہ ڈبینچر کے ذریعہ، تو وہ تو باقاعدہ محفوظ ہے اور اخیر میں جاکر کے وصول ہوسکتا ہے جب بھی وہ ڈبینچر ختم ہوگا، تو وہ حوالہ اپنی جگہ میں محفوظ ہے، کمپنی نے کوئی اس کا حق تلف نہیں کیا ہے۔

احسان صاحب:

اب لب لباب یہ ہے کہ کیا علماء اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ حصص سے منسلک ڈبینچر شیئر ہولڈر خرید لے، اگر اس بات کی اجازت نہیں دیتے تو کیا اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ اپنا حق یہ بازار میں بیچ کے فائدہ حاصل کرلے۔

ایک سوال قابل تبدیل ڈبینچرس کا ہے، کمپنی چونکہ اپنا جو حصص سرمایہ ہے اس میں بھی دلچسپی رکھتی ہے اور قرض میں بھی دلچسپی رکھتی ہے، وہ چاہتی یہ ہے کہ سرمایہ حصص کم رہے، قرض زیادہ رہے، یا پہلے قرض مل جائے ہمیں، بعد میں ہم اس کو تبدیل کردیں سرمایہ حصص میں، اس کے لئے کمپنی قابل تبدیل ڈبینچر جاری کرتی ہے جو کہ کچھ عرصہ تک ڈبینچر رہتے ہیں اور وہ عرصہ پورا ہونے کے بعد حصص میں تبدیل کردیئے جاتے ہیں، اس صورت میں بھی اگر ڈبینچر خرید کے اس کو حصص میں تبدیل کرالیا جائے تو وہ حصص بازار میں بازاری قیمت کے اعتبار سے کم قیمت میں حاصل ہو جاتی ہے تو کیا حصص کا یہ حاصل کرنے کا طریقہ جائز ہوگا کہ پہلے قرض کی صورت میں اس کو رکھا جائے، بعد میں ڈبینچر جو کہ کلی طور سے قابل تبدیل نہیں ہے، جزوی طور سے قابل تبدیل ہے؟ دوسرا حصہ رہ جاتا ہے جو کہ قرض ہی کا ہے، تو اس کو پھر اسی طرح بازار میں بیچنا پڑتا ہے، تو اس کو بازار میں بیچ سکتے ہیں دوسرے حصہ کو یا نہیں بیچ سکتے؟ اور جو سود ملا اس سے تلافی کرسکتے ہیں خسارے کی یا نہیں کرسکتے؟ یا اس کو خیرات ہی کرنا پڑے گا سود کو؟

عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

اس میں جو ڈبینچر Convertible ہے یعنی قابل تبدیل ہے وہ شیئر اور حصص میں تبدیل ہوجائے گا کلی اعتبار سے، ایک مدت کے بعد، یہ ایک صورت ہوئی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جزئی اعتبار سے تبدیل ہوگا، اس کا کچھ فیصد طے ہوگا کہ کچھ حصہ تبدیل ہوگا اور کچھ سود بردار قرض ڈبینچر ہی رہے گا، تو بہر حال ڈبینچر کی کوئی بھی صورت ہو اس میں شرط رہا ہے، ایسی تمسکات اور ایسے وثیقے ہیں جس میں شرط رہا ضرور ہے ڈبینچر کا مطلب یہی ہے، لہذا یہ شرط ہے اس وجہ سے یہ عقد فاسد ہوگا، لیکن خرید لیا تو مالک ہوجائے گا اور جب تبدیل ہوجائے گا شیئر اور حصص میں تو اپنے منافع اور سرمایہ کاری کا باقاعدہ......ہوگا، لیکن جو جز قابل تبدیل نہیں ہے یا جب تک تبدیل نہیں ہوا ہے اس پر سود حاصل ہوگا، تو وہ سود بہر حال سود ہے، ناجائز ہی رہے گا۔

احسان صاحب:

یہ سوچ کر آدمی خریدے کہ بازاری قیمت سے کم قیمت پہ مل رہا ہے اس لئے میں ڈبنچر لے لوں، اور جو کچھ بھی سود اس کے اوپر ادا کرنا پڑ رہا ہے تو اس کو خیرات کر دوں، تو کیا ایسا جائز ہے؟

ایک آواز:

......مگر مسائل ظاہرہ میں نیت تو پاس نہیں ہوتی حرام وحلال کے معاملہ میں، نیت سے پاس نہیں کی جاسکتی، آپ جس نیت سے بھی خریدیں وہ سود کا سود رہے گا۔

احسان صاحب:

تو یہ قابل تبدیل ڈبنچر ہے، تو ظاہر ہے کہ اس میں کچھ حصص مضمر ہیں جو کچھ عرصہ کے بعد مل جائیں گے، ان ڈبنچرس کی بازاری قیمت میں بھی اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے، جس کمپنی کے شیئرز اس کے اندر مضمر ہیں جو چھ مہینے بعد یہ شیئرز ملنے والے ہیں، آج بازار میں جو قیمت ہے ان کی اس کے اعتبار سے ڈبنچرس کی بھی قیمت میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے، مان لیجئے کہ وہ اس ڈبنچر میں دو شیئرز مضمر ہیں جو کہ کمپنی پچاس پچاس روپے میں دے رہی ہے، اس میں دس روپے تو شیئر کی قیمت ہے چالیس روپے منافع، اس طرح دو شیئر کی قیمت بیس روپے اور اسی روپے کمپنی کا منافع، اور بازار میں اس شیئر کی قیمت نوے روپے ہے، تو دو شیئرز کو ملا کے اسی روپے کا منافع ہو رہا ہے ڈبنچر ہولڈر کو، اب اگر بازار میں شیئرز کی قیمت نوے روپے سے ۱۵۰ روپے ہو جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ اس ڈبنچر کی قیمت میں بھی اسی طرح سے اضافہ ہوگا، اس ڈبنچر کی قیمت بازار میں بھی ڈیڑھ سو روپے دو سو روپے ہو سکتی ہے، تو کیا یہ جائز ہوگا کہ ڈبنچر شیئر میں تبدیل کرانے سے پہلے ہی اگر اضافہ اس کی قیمت میں ہو جائے تو اس کو اور اضافی قیمت پہ بازار میں بیچ دیا جائے؟..... جو قابل تبدیل ڈبنچر ہیں ان میں کچھ شیئر مضمر ہوتے ہیں جو ایک عرصہ کے بعد ملنے والے ہوتے ہیں ..... کمپنی قابل تبدیل ڈبنچر جاری کرتی ہے، وہ یہ کہتی ہے کہ ایک سو روپے کا ڈبنچر چھ مہینے کے بعد دو شیئر میں تبدیل کر دیا جائے گا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ دس روپے کا شیئر ہے، تو کمپنی اس کو چالیس روپے منافع سے دے رہی ہے، دو شیئر کے اوپر کمپنی ایک سو اسی روپے منافع حاصل کر رہی ہے، اور بازار میں ایک شیئر کی قیمت نوے روپے ہے تو یہ دو شیئر ایک سو اسی روپے میں بازار میں بک سکتے ہیں جو کہ اس کو سو روپے میں حاصل ہوئے، اس طرح سے اسی روپے کا منافع متوقع ہے، اب یہ چونکہ متوقع ہے اور چھ مہینے کا فرق ہے، آج ڈبنچر میں اس کا پورا کا پورا اثر نہیں پڑتا ہے، یہ ڈبنچر میں صرف اس میں سے پچاس روپے ہی منافع کا اثر پڑے گا، یعنی یہ جو کمپنی ڈبنچر ایک سو روپے میں دے رہی ہے یہ بازار میں آپ کا آج ہی ایک سو پچاس روپے میں بک سکتا ہے، کیونکہ اس میں جو دو شیئر مضمر ہیں وہ ایک سو اسی میں بک سکتے ہیں، اس میں اسی روپے کا منافع متوقع ہے، لہٰذا خریدار اس کو تیس روپے کم کر کے پچاس روپے میں لینے کے لئے تیار ہو جائے گا، تو یہ فوراً بھی بک سکتے ہیں جیسے ہی آپ کے ہاتھ میں آئے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم نے یہ سوچا تھا کہ ہم قرض نہیں رکھیں گے، اور حصص میں تبدیل ہونے کے بعد حصص اپنے پاس رکھیں گے، قرض میں جو سود ملا اس کو

بھی بیچ دیں گے، اگر آج ہی ہمیں یہ منافع ہو رہا ہے تو آج ہی یہ ڈیبنچر ہم بیچ دیں، اور اس کے اوپر جو منافع ہوا اس کو یہ نہ سوچیں کہ یہ منافع قرض کے اوپر ہوا ہے، بلکہ یہ سوچیں کہ جو حصص اس کے اندر مضمر ہے اس کی وجہ سے یہ منافع ہوا، اور یہ آپ بالکل یقین جانئے قرض کا کوئی بھی رقعہ اس پر کتنا ہی اچھا انٹرسٹ کیوں نہ ہو، کتنا ہی زیادہ سود کیوں نہیں ہو وہ اپنے قدر عرفی سے کم ہی بازار میں بکتا ہے، کیونکہ حصص میں سرمایہ کاری کرنے والے قرض میں سرمایہ کاری کرنا ہی نہیں چاہتے۔ اب اگر وہ زیادہ پر بک رہا ہے تو اپنے اندر حصص مضمر ہونے کی وجہ سے ہی زیادہ پر بک رہا ہے، وہ کسی سود کی وجہ سے زیادہ پر نہیں بک رہا ہے، کیا اضافی قیمت پہ اس ڈیبنچر کو بیچنا جائز ہوگا؟

ایک آواز:

بیچنے سے پہلے خریدنے کی بات..... ڈیبنچرس جو ملتے ہیں وہ سود کے بغیر ملتے نہیں، اس لئے خریدنا پہلے ٹھیک ہو پھر بیچنے کی تفصیلات ہوں، خریدنا تو درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں بہر حال سود کا تعلق ہے۔

ایک آواز:

یہ کسی خریداری پر ڈیبنچر ملتا ہے یا کیا صورت اس کی ہے؟......

احسان صاحب:

نہیں نہیں یہاں مسئلہ یہ آ رہا ہے، کہتے ہیں کہ معاملہ ہی قرض کا ہو رہا ہے، چاہے چھ مہینے کے بعد وہ حصص میں تبدیل ہو، لیکن اس کا اجراء جو ہے وہ سود پر ہے، اصل مسئلہ....

ایک آواز:

نہیں ڈیبنچر کی تعبیر قرض بالربا سے ہے، قرض ربوی کو ڈیبنچر کہتے ہیں۔

ایک آواز:

صحیح فرمایا انہوں نے کہ یہ سب ذیلی سوالات ہیں، بنیادی سوال تو یہ ہے کہ ڈیبنچر خریدنا جائز بھی ہے یا نہیں؟

کھٹکھٹے صاحب:

دیکھئے اس وقت ہم ڈیبنچر خریدنے کی بات کر رہے ہیں جہاں ہمارے پاس پہلے سے اس کے حصص موجود ہیں، اور ہم ڈیبنچر خریدنا نہیں چاہ رہے ہیں.... ہم اسی وقت ڈیبنچر خرید رہے ہیں جبکہ ہمارے پاس اس کمپنی کے حصص ہیں، اور اگر ہم یہ ڈیبنچر نہیں خریدیں گے تو اس میں ہم کو ناحق نقصان ہوگا، کیونکہ ڈیبنچر کے اجراء کے بعد شیئر کی قیمت گرے گی، لازماً گرے گی، تو اگر یہ ڈیبنچر کے جاری ہونے میں ہم حصہ نہیں لیں گے اور وہ ڈیبنچر لے کے پھر بعد میں اس کو شیئر میں تبدیل نہیں کریں گے یا بازار میں نہیں بیچیں تو پھر ناحق آپ کو نقصان ہوگا۔

احسان صاحب:

میں اس کی ذرا سی وضاحت کر دوں، کمپنی اپنا منافع جو شیئر ہولڈرس میں تقسیم کرتی ہے، اس کی کوئی ایک

شکل نہیں ہے، دو تین شکلیں ہیں، ایک شکل تو یہ ہے سیدھا سادا کہ کمپنی کو مان لیجئے ایک کروڑ روپے منافع ہوا، تو کمپنی نے یہ مناسب سمجھا کہ اس میں سے ستر لاکھ شیئرز ہولڈرس میں تقسیم کر دیا جائے، تیس لاکھ کمپنی کے کاروبار کو مزید بڑھانے کے لئے اپنے پاس روک لیا جائے، ایک طریقہ یہ ہوا۔ اب یہ رکا ہوا منافع جب اکٹھا ہوتا چلا جاتا ہے اور کمپنی یہ بھی محسوس کرتی ہے کہ جو ہمارے پرانے شیئرز ہولڈرس ہیں انہوں نے جب شیئرز خریدے تھے اور ان کے سرمایہ سے کمپنی نے جو اثاثے خریدے تھے آج اس کی قیمت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے، تو کمپنی Bonus Share بھی جاری کر دیتی ہے، بونس شیئرز کا مطلب یہ کہ ایک شیئر کسی کا بھی ہو وہ ایک تناسب فکس کر دیتی ہے، ایک کے اوپر ایک بونس، یا دو کے اوپر ایک بونس، یا پانچ کے اوپر تین بونس، یا پانچ کے اوپر دو بونس، مطلب ایک شیئر کسی کے پاس پہلے سے ہے، کمپنی نے ایک شیئر مفت میں اس کو دیدیا کہ آپ کا جو حصہ تھا اس کو ڈبل کر دیا جو منافع اکٹھا ہوا تھا اس کے عوض ایک شیئر اور جاری کر دیا، اس کو بونس شیئرز کا طریقہ کہتے ہیں۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ کمپنی مفت میں شیئرز نہ جاری کرے لیکن بازاری قیمت سے کم قیمت پر حصص جاری کر دے، ایک طریقہ یہ ہوا، یہ بھی منافع تقسیم کرنے کا طریقہ ہے...... ایک طریقہ تو بونس شیئر ہے وہ مفت شیئرز کا ہے، دوسرا افری شیئرز بطور حق جاری کرے کہ جو پرانے شیئرز ہولڈرس ہیں انہیں کا یہ حق ہے، آگے وہ شیئر ہولڈر...... بجائے اس کے کہ کمپنی ایک عوامی آفر دیدے، عوامی ایجاب دے کہ جس کی مرضی چاہے وہ Apply کر دے اور شیئرز ہولڈر بن جائے، اس کے بجائے کمپنی یہ سوچے کہ ہم اپنے پرانے شیئرز ہولڈرس کو ہی شیئرز ہولڈر بنائیں تا کہ جو نوے روپے کا شیئرز ہے ان کو اگر ہم پچاس روپے میں دیں تو چالیس روپے ان کو پھر بھی منافع ہو جائے گا۔ اس طرح کمپنی بطور حق بازاری قیمت سے کم قیمت پہ شیئرز کا اجراء کرتی ہے، یہ بھی منافع کی تقسیم کا ایک طریقہ ہے، اس میں یہی بطور حق ڈبنچر سے منسلک کر کے بھی کر سکتی ہے، کمپنی یہ تو ارادہ ہے کہ منافع کچھ تقسیم ہو جائے لیکن ہمیں قرض بھی مل جائے، یہاں مجبوری آجاتی ہے غیر سودی کاروبار کرنے والے کی، وہ حصص تو لینا چاہتا ہے ڈبنچر نہیں لینا چاہتا، اس کے لئے اجازت چاہیے تھی کہ فی الحال اس کو اس شرط سے حصص مل رہے ہیں کہ ڈبنچر بھی وہ لے تو وہ اپنا منافع حاصل کرنے کے لئے دونوں چیزیں لے لے اور ڈبنچر کو وہ فروخت کر دے، اور وہ خسارہ سے ہی فروخت ہو گا لیکن یہ مجموعی خسارہ جو مجموعی منافع ہے اس کا اس سے نہیں بڑھے گا، اس لئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے ایک قرض کو کم قیمت پہ جو فروخت کیا اس نے سودا دا کیا، کیوں کہ ابھی بھی کم قیمت پہ فروخت کرنے کے بعد اس کو منافع بچ رہا ہے، خالص خسارہ اگر ہو جائے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے سودا دا کیا، تو یہ بطور حق جو ہے یہ بھی ایک منافع تقسیم کرنے کا طریقہ ہے، اس میں اگر وہ اپنا حق نہیں استعمال کرے گا تو اس کے ہاتھ میں جو پرانے شیئرز ہیں اس کی بھی آگے چل کر قیمت گر جائے گی جبکہ نئے شیئرز بازار میں آجائیں گے، عام حالات ایک سے رہنے کے باوجود بھی اس کی قیمت اپنے حصص کی گر جائے گی، اور اسی کا ایک طریقہ جو Convertible Debenture جاری کرنے کا ہے، Convertible Debenture بھی کمپنی ایک عرصہ تک اس کو قرض رکھتی ہے اور پھر حصص میں تبدیل کر دیتی ہے، لیکن وہ بھی بازاری قیمت سے کم دے رہی ہے اور اپنے ہی پرانے شیئرز ہولڈرس کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے دے رہی ہے۔ اس کے بھی

خریدار بازار میں بہت مل جائیں گے،اوراس کی قیمت اجراء سے کہیں زیادہ پہ خریدار مل جائیں گے،وہ فوراً بازار میں بک سکتا ہے،تواس طرح سے بھی وہ کمپنی اپنے پرانے شیئر ہولڈرس کوفائدہ پہنچانا چاہتی ہے۔

اب حصص کی خرید وفروخت کا معاملہ آتا ہے،توحصص خریدنے والے دوطرح کے لوگ ہوتے ہیں:ایک ایسے لوگ ہوتے ہیں جوحصص کوحصص بازار سے خرید لیں اوراپنے نام منتقل ہونے کے لئے کمپنی کے پاس بھیج دیں، حصص کوحصص بازارخریدنے کے بعد حصص کا مالک توبن جاتا ہے،ان حصص کوحصص بازار میں بیچ بھی سکتا ہے لیکن کمپنی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرسکتا جبتک کہ وہ اپنے نام پہ حصص منتقل نہ کرالے اور کمپنی کے رجسٹر میں اس کا حصص برداروں میں نام نہ آجائے،توکیا یہ طریقہ جائز ہے کہ حصص کومال تجارت کی طرح بازار سے خریدا جائے اوربغیراپنے نام منتقل کرائے جب بھی اس کی قیمت میں اضافہ ہوجائے اس کوبیچ دیا جائے؟یاضرورت پڑنے پرکم قیمت پہ بھی بیچا جائے،یہ توتجارت ہے مال کم قیمت پہ بھی بک سکتا ہےاورزیادہ قیمت پہ بھی بک سکتا ہے۔

ایک آواز:

کیانام پہ منتقل کئے بغیر خریدنے کاAuthorise ہے۔

احسان صاحب:

اس حصص کاوہ مالک بن جاتا ہے بازاری اعتبار سے،لیکن کمپنی کی نظر میں وہ مالک تب تک نہیں جب تک کہ کمپنی کے رجسٹر میں اس کااندراج نہ ہوجائے،اوراس میں تین مہینے کاعرصہ کم سے کم لگتا ہے،اورتین مہینے میں دس بار بازارمیں اتارچڑھاؤ آجاتے ہیں۔

ایک آواز:

توگویاکہ یہ بالائی خریدوفروخت ہے۔

احسان صاحب:

ہاں،توبہت سے لوگ حصص کواس نیت سے خریدتے ہیں کہ جب اس کی قیمت بڑھے گی اس وقت ہم فروخت کردیں گے،کچھ لوگ باقاعدہ کمپنی کے ممبر بنناچاہتے ہیں،اپنے نام درج کراتے ہیں،کمپنی سے جوفائدے حاصل ہوتے ہیں وہ ان کوملتے رہتے ہیں،اورجوحصص مال تجارت کی طرح خریدے بیچے جاتے ہیں،اس میں کمپنی سے اس کوبراہ راست کوئی فائدہ نہیں ملتا ہے۔

ایک آواز:

اس میں ایک شق یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس نے شیئرکمپنی سے باقاعدہNomination کے بعدخریدا،اس کوخریدنے کے بعداس نے بالائی طورپرفروخت کردیا،اوردوسرے خریدنے والے نے اپناNomination نہیں کیا، رجسٹریشن نہیں ہوااس کا،اگراس بیچ میں کمپنی سے کوئی منافع ہواتواس منافع کاکون حقدارہوگا۔

احسان صاحب:

اس میں کمپنی ایک تاریخ کا تعین کرتی ہے اور کافی وقت دیتی ہے، جو منافع اس کو دینا ہوتا ہے وہ ایک مہینہ پہلے دو مہینے پہلے ہی بتا دیتی ہے کہ فلاں تاریخ تک جو ہمارے ممبر ہوں گے یہ منافع ہم ان ہی کو دیں گے، اور جو لوگ حصص خرید کے اس تاریخ سے پہلے پہلے کمپنی کے پاس بھیج دیں گے، ان کو منافع آئے گا، اور جس نے حصص خرید تو لئے لیکن کمپنی کو نہیں بھیجا تو منافع پرانے آدمی کو پہونچے گا، اس کے ہاتھ میں نہیں آئے گا، لیکن بازاری عرف میں وہ اس کا مالک ہوگا جب وہ چاہے گا اس کو فروخت کر دے گا۔

ایک آواز:

تو اس میں یہ خریدنے کے بعد دوسرا آدمی اس شیئر کا مالک ہو گیا اور ملکیت کے ختم ہونے کے بعد جو اس سے متعلق منافع ہیں وہ تو اسی بعد والے آدمی کو ملنا چاہئے۔

احسان صاحب:

لیکن جو ایک تاریخ کا تعین رہتا ہے تو اس میں ایک دو مہینے کا وقت رہتا ہے، کافی لوگ سوچ لیتے ہیں کہ ہم خرید لیں اس کو، اور اس کو بھیج دیں گے وہاں، لیکن پھر بھی آخری تاریخ تک لوگ انتظار کرتے ہیں اس بات کا کہ اچھا ہے بازار میں قیمت بڑھ جائے تو میں اس کو نہ بھیجوں، بازار میں ہی بیچ کر آج ہی پیسہ............ سے پہلے واپس نہیں آئیں گے اور بازار میں قیمت بڑھنے کے باوجود بھی میں اس کو نہیں بیچ پاؤں گا۔

شمس پیرزادہ صاحب:

بھئی جب تک ٹرانسفر نہیں ہوتا شیئر اس کے نام پر وہ مالک کہاں سے ہوا کہ وہ فروخت کر دے؟

احسان صاحب:

مالک سرٹیفکیٹ سے ہو جاتا ہے، بیچنے والا شیئر کے ساتھ ایک فارم بھی اس کو دیتا ہے، اس فارم پر دستخط کر دیتا ہے، اس دستخط کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ آج میں نے سارے حقوق اس کو دوسرے کے نام منتقل کر دیئے جس کو ڈیلیوری دے رہا ہوں جس کے قبضہ میں دے رہا ہوں، اپنے حقوق وہ اس کو دے رہا ہے، وہ آگے جس کو اس کے قبضہ میں دے گا وہ اپنے حقوق اس کو دیدے گا۔

شمس پیرزادہ صاحب:

مگر اس نے اپنے حقوق جو منتقل کرنا چاہا اس کو کمپنی نے ابھی تسلیم ہی نہیں کیا اور اس سے پہلے وہ فروخت کرتا ہے، اور کیا اس وقت جو سٹہ چل رہا ہے، Forward Trading ہو رہی ہے، اور ابھی حکومت نے کچھ قانونی پابندی بھی اس پر عائد کر دی ہے، یہی شکل نہیں ہے وہ؟

احسان صاحب:

وہ دوسری شکل ہوتی ہے جو سٹہ کی ہوتی ہے، سٹہ کی شکل یہ ہے کہ حصص بازار نے اس بات کی کچھ شیئرز کے

معاملہ میں گنجائش رکھی ہے کہ اگر آپ کے ہاتھ میں حصص نہیں ہے اور آپ کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان حصص کی قیمت گر جائے گی تو آپ اس کو بیچ دیجئے، اور ایک وقت سیٹلمنٹ کا ہوتا ہے، ایک وقت مقرر ہوتا ہے کہ اس کے اندر اندر آپ دیدیجئے حصص، اگر آپ نہیں دیدیتے ہیں تو وہ سودا آپ کا ٹرانسفر کردیتے ہیں اگلے وقفے کے لئے، اور اس طرح سے وہ سالہا سال سودا آپ کا ٹرانسفر ہوتا رہتا ہے اگلے وقفے کے لئے، لیکن اس وقفہ میں حصص کی قیمت میں جو اتار چڑھاؤ آیا اس کے مطابق وہ آپ کا Clearance چاہتے ہیں، اگر واقعی شیئرز کی قیمت گر گئی تو آپ کو Deference مل جائے گا، اور اگر قیمت بڑھ گئی تو آپ کو اس میں Deference جمع کرنا پڑے گا، سٹہ بازاری یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس پوری قیمت ادا کرنے کے لئے پیسہ نہیں ہے، اس کو گنجائش ہے کہ کچھ کم پیسہ دیدیجئے آپ، سودا آپ کا کردیں گے، باقی شیئر جب آپ کے ہاتھ میں آجائے تب دیدیجئے، لیکن وہ پھر بھی منع کردیتا ہے کہ میرے پاس ابھی پیسہ نہیں ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب وقفہ کا جو نفع نقصان ہوا وہ دے جایئے ہمیں، سودا آپ کا کھڑا رہا اگلے وقفہ کے لئے، تو وہ سالہا سال تک چلتے رہتے ہیں، یہ صورت بالکل دوسری ہے، یہاں حصص پاس ہے ہمارے، اور اس کو ہم دوسرے کو ڈلیوری بھی دے رہے ہیں، قبضہ بھی دے رہے ہیں اور اپنا پیسہ لے رہے ہیں، یہ سٹہ بازاری میں نہیں آتا، یہ تو اصل مال کا سودا ہے۔

مفتی عزیزالرحمٰن چمپارنی صاحب:

بہرحال یہ جو شیئرز کے بالائی خرید وفروخت کا مسئلہ ہے اس میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بالائی خرید و فروخت سے حق ملکیت منتقل ہوجائے گی، گوکہ بینک کے رجسٹر میں وہ بعد والا آدمی رجسٹرڈ نہیں ہوا ہے، اور حق ملکیت کے منتقل ہونے کے بعد حق نفع کا بھی وہی حقدار ہوگا، اور یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ فقہاء کی بعض عبارتوں سے ایسا معلوم بھی ہوتا ہے، جیسے زمین کسی شخص نے اگر خریدی اور اس میں کوئی درخت ہے تو اس زمین کی بیع کے بعد اس کا جو درخت ہے، یا اور اس سے کچھ متعلق چیز ہے، اگر اس زمین میں ہے تو اس کا وہی حقدار ہوگا یعنی مشتری، تو پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ اس اشترائے بالائی کے بعد یعنی آؤٹ خرید وفروخت جو ہوا ہے بالائی طور پر، اس سے حق ملکیت منتقل ہوتی ہے کہ نہیں، اس پر غور کرنا چاہئے۔ اگر منتقل ہوجانا تسلیم ہے تو حق نفع منتقل ہونے کے لئے فقہاء کی عبارتیں اور اس کے شواہد مل جائیں گے۔

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

عرض یہ ہے کہ یہ شیئر اور حصص جو بازار میں آئے ان کے نمبر ہوتے ہیں، شیئر کے نمبر بھی ہوتے ہیں، اور شیئر بازار کا ایسا اصول ہے کہ وہ شیئر بازار کی جو خاص مارکیٹ ہے وہیں فروخت ہوں گے، اور جب فروخت ہوں گے تو خاص ایجنٹ ہوں گے ان سے رسید کٹوائیں گے، ایک رسید ایجنٹ کے پاس رہے گی، ایک رسید جو ہے خریدنے والے کے پاس رہے گی، اور جو فروخت کرے گا وہ فروخت کرنے والا دستخط کرکے ایک فارم پہ دے گا، یہ تمام جو ہے یہ عقد کرنے اور خرید وفروخت کے لئے سارے ثبوت ہیں۔ دوسری قانونی بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ کمپنی شیئر کے بارے میں مطلقاً قانونی اجازت دیتی ہے کہ جو چاہے خرید وفروخت کرے، اور جس کا قبضہ ہوگا اور جو اخیر میں سال میں

ایک مدت ہے جو ہمارے سامنے آئے گا تو ہم اس کو منافع دیں گے، جس کا رجسٹریشن یعنی کاغذی کارروائی ہوگی، تو اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ قانونی اعتبار سے اس کو اجازت مل گئی ہے خرید وفروخت وغیرہ کی، اور شرعی اعتبار سے ہم یہ سوچیں کہ یہ جو وثیقہ ہے اور جو حصہ اس کا کمپنی میں لگا ہوا ہے تو یہ اس کا وثیقہ ہے اور سامان تجارت کی طرح اس کی خرید و فروخت کر سکتا ہے۔

احسان صاحب:

یہ اس کی دوسری مثال جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا زمین کے کاغذات کی ہے کہ بیع نامہ تو ہوتا رہتا ہے، بیع نامہ ہو جاتا ہے لیکن جب تک اس کی رجسٹری نہیں کرالی جائے اور اندراج نہ کرایا جائے کھسرا کھاتہ میں نام پرانے ہی مالک کا چلتا رہتا ہے، اسی طرح کمپنی میں بھی پرانے مالک کا نام چلتا رہتا ہے جب تک کہ اس کا اندراج نہ ہو جائے، جب کہ سودا تو بیع نامہ کی رو سے ہو ہی جاتا ہے۔

شمس پیرزادہ صاحب:

مگر رجسٹری میں اور اس معاملہ میں فرق ہے، رجسٹری کا معاملہ ایک اندراج کا معاملہ ہوتا ہے، اور یہاں کمپنی سے براہ راست معاملہ ہے کہ کمپنی شریک کس کو قرار دے رہی ہے؟

احسان صاحب:

دیکھئے کمپنی تو اسی کو شریک تسلیم کرے گی جس کا نام اس کے رجسٹر میں درج ہے، لیکن جو خریدار ہے، بیچنے والا ہے اس نے اپنا سرٹیفکیٹ ایک اور فارم کے ساتھ جس پر یہ لکھا ہوا ہے کہ میں اپنے کل اختیارات اس سرٹیفکیٹ کے ساتھ دوسرے آدمی کو بیچ رہا ہوں، تو ایسی حالت میں وہ مالک تو ہو جاتا ہے، اس کا اندراج ابھی کمپنی کے رجسٹر میں نہیں ہے، اگر وہ آدمی جلدی سے کسی دوسرے کو نہیں بیچنا چاہتا، کمپنی میں اپنا اندراج چاہتا ہے تو کرالے اندراج، اور اگر وہ چاہتا ہے کہ بازار میں قیمت اس کی بڑھ گئی، میں کسی دوسرے آدمی کو اپنے حق کو منتقل کر کے منافع کمالوں، بیچ لوں، تو وہ مال تجارت کی طرح اس کی خرید وفروخت ہے، تو یہی دو شکلیں ہیں کہ ایک ایسا شخص ہے جو کہ باقاعدہ ممبر بنتا ہے اور اس کو رکھتا ہے اپنے پاس، اور ایک ایسا شخص ہے جو اس کو جنس تجارت کی طرح خرید وفروخت کرتا ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

....تو وہ کس حیثیت میں ہوگا؟

احسان صاحب:

اس کو سارے اختیارات مل جاتے ہیں اس کے ہاتھ میں قبضہ آنے کے بعد، اور وہ چاہے تو کمپنی میں اپنا نام اندراج کرالے یا دوسرے کو منتقل کردے اپنا نام اندراج کرانے کا حق۔

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

وضاحت طلب یہ ہے کہ یہ شیئر ایک سال میں جاری ہوئے، کسی بھی کمپنی کے جاری ہو گئے، تو اس سال تو

ایک خریدار کے نمبر رجسٹریشن ہوگئے، اب وہ دوسرا سال ختم ہوگیا، تو وہ مدت جب آتی ہے منافع تقسیم کرنے کی تو باقاعدہ
پھر کاروائی ضروری ہے ...... تو اس کاروائی کا بعد جو آخری نام آیا، اور پھر دوسرے سال کی خرید وفروخت چالت رہے گی، تو
اس میں یہ جانچ پڑتال جو کرتے ہیں تو اس کی کیا شکل ہے؟

احسان صاحب:

اس میں دیکھیے، ملکیت تو بازار سے خریدنے کے بعد دوسرے کی ہوجاتی ہے اور کمپنی میں نام پرانے آدمی کا ہی
درج ہے، تو جو منافع اس کو ملے کمپنی سے اس کا وہ قانونی مالک نہیں ہوتا، اور یہ شخص چاہے تو عدالت سے وصول کرسکتا ہے،
لیکن وہ منافع اتنا قلیل ہوتا ہے کہ اس کے لیے کوئی آدمی عدالت سے رجوع نہیں کرنا چاہے گا، اخلاقی طور سے کچھ رواج ہے
، کچھ جان پہچان کے لوگ ایسے بھی ہیں جو اخلاقی طور سے وہ منافع اس کو دے دیتے ہیں کہ کمپنی سے چونکہ میرا نام اس میں
درج تھا، میرے پاس آیا ہے یہ، لیکن یہ حق آپ کا ہی ہے، کمپنی جو ہے وہ مجبور ہے اسی آدمی کو دینے کے لیے جس کا نام رجسٹر
میں درج ہے، لیکن اگر وہ پہلے بیچ چکا ہے اپنے اختیارات دوسرے کو دے چکا ہے یہ اس سے وصول کرسکتا ہے اور، وہ منافع
اتنا کم ہوتا ہے کہ اس کو سارے لوگ نظر انداز ہی کردیتے ہیں، چلیے تھوڑا بہت ہے گیا اس سال کا، اگلے سال کے لیے ہم
کرائیں گے، کیوں کہ روزانہ جو قیمتوں میں فرق ہوتا ہے وہ کہیں زیادہ ہوتا ہے منافع سے، منافع تو ایک شیئر پہ مان لیجیے
پچیس روپے ملا، تو اس کے بازار میں جو قیمتوں میں اتار چڑھاؤ ہے اس کا کہیں دوسو روپے تین سو روپے اس شیئرز کی قیمت
میں اتار چڑھاؤ ہوگا، جیسے مان لیجیے ACC ہے، اس کی تین ہزار روپے قیمت ہے بازار کی، منافع مشکل سے وہ پچیس
روپے دیتی ہے ایک شیئر پر، اور قیمت تین ہزار روپے ہے، اور اس کی جب پیچھے مارکیٹ گری تھی اس کی پندرہ سو ساڑھے
پندرہ سو روپے قیمت رہ گئی تھی، اب جب مارکیٹ بڑھنی شروع ہوئی ہے تو اس کی تین ہزار روپے قیمت بڑھ گئی ہے، یہاں
پچیس روپے کو کوئی نہیں گرداننا، ہر آدمی چھوڑتا ہے کہ جانے دیجیے اس کو، اب ہم مارکیٹ میں جو منافع مل رہا ہے اس کو لے
لیتے ہیں، یا ہمارے جو تین ہزار روپے کے پندرہ سو روپے رہ گئے تھے وہ پچیس روپے اور برداشت کرلیں گے۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب:

اس بیان سے یہ سمجھ میں آیا کہ جو شیئر کے Document ہوتے ہیں وہ ایک وثیقہ ہے، تو اصحاب فقہ و
فتاویٰ کے لیے محلِ غور ہے کہ اس وثیقہ کی متزاد قیمت پر بیع وشراء جائز ہوگی یا نہیں؟

احسان صاحب:

دیکھیے قرض کا معاملہ نہیں ہے اس میں بالکل بھی، یہ ایک حصہ ہے ....

مفتی یوسف جو دھپوری صاحب:

سوال صرف اتنا ہے کہ مثلاً مارچ میں منافع تقسیم کرنے کی میعاد ہے، شیئر ایسے ہیں کہ مارچ میں ......
[...]س آیگا کہ اس کی اطلاع کردیں کہ کون اس کا آخری مالک ہے تو اب یہ آخری اطلاع نہیں پہنچی یا پہنچ جاتی ہے تو

سابق جو مالک تھا جس کے نام وہ شیئر تھا تو اس کا اعتبار کمپنی کے نزدیک کیا ہے، مارچ کے بعد یا مارچ سے پہلے؟

احسان صاحب:

کمپنی کے رجسٹر میں اس کی حیثیت مالک کی ہی ہے (مارچ کے بعد بھی وہی رہے گی؟ اصلی صاحب) ہاں اسی کی رہے گی جب تک کہ یہ نیا آدمی اپنا اندارج نہیں کرائے گا، لیکن مارکیٹ کے اعتبار سے نیا آدمی مالک ہوگا ہی، اور یہ اپنا نام اندارج کرا سکتا ہے جب چاہے، اور اس کو کسی دوسرے آدمی کو بھی بیچ سکتا ہے انہیں اختیارات کے ساتھ میں۔

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

مارکیٹ کے اعتبار سے یہ اس کا مالک ہو گیا؟

احسان صاحب:

مالک ہو جاتا ہے، جس نے قیمت ادا کر کے وہ چیز خریدی ہے وہ اس کا مکمل مالک ہوتا ہے، اس کی قیمت ادا کرنے کے بعد جس نے قبضہ حاصل کرلیا وہ اس کی ملکیت مکمل ہوگئی، دو شرطیں ہیں: قیمت کے عوض قبضہ، اب ایک سوال اس میں ایسا ہے جو قابل غور ہے، جیسے کہ ہم نے یہ چاہا کہ مالک بنیں ہم اس کے، اور باقاعدہ کمپنی سے جو منافع مل رہا ہے وہ سیدھا ہمارے پاس آئے، تو ہم اس کو ٹرانسفر کے لیے بھیج دیتے ہیں، کمپنی تین مہینے کا وقت لگاتی ہے، کبھی کبھی چار مہینے کا چھ مہینے کا سات مہینے کا، اور ارادۃً بھی کمپنی زیادہ وقت لگا دیتی ہے، کیونکہ کمپنی جو ہے اس کے فیصلے بھی لوگوں کے فیصلے کے اوپر منحصر کرتے ہیں، اور جو لوگ فیصلہ کرنے والے ہیں وہ بھی شیئرز ہولڈر ہوتے ہیں کافی، تو کبھی کبھی وہ مصنوعی قلت پیدا کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں بازار کے اندر، تاکہ حصص کی قیمت بڑھ جائے، وہ رکوا بھی دیتے ہیں اس کو، اب ایسے میں بازار کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ بازار میں شیئر کی قیمت بڑھ گئی، ہم نے شیئرز کمپنی کو بیچ دیے، ہمارے ہاتھ میں شیئرز نہیں، ہم مالک ہیں، اور جب بھی وہ شیئرز ہمارے ہاتھ میں آئیں گے ہم اس کو بیچ سکتے ہیں، لیکن ہم آج کی قیمت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، اب چونکہ حصص بازار میں اس بات کی گنجائش رکھ دی گئی ہے کہ اگر آپ کے ہاتھ میں حصص نہیں بھی ہیں تو آپ یہاں سودا کر سکتے ہیں، اور جب آپ کے حصص آجائیں ہاتھ میں تب اس کو ڈال دیجیے اور اس کی قیمت بعد میں لے لیجیے، تو میرا کوئی ارادہ اسے سٹہ کرنے کا نہیں ہے میں ایسا مالک نہیں ہوں جس نے سرے سے شیئرز خریدے ہی نہیں، میں تو ایسا مالک ہوں کہ جس نے شیئرز خریدے ہیں، اس کی قیمت بھی میں نے ادا کر دی ہے، میری مجبوری صرف یہ ہے کہ میں نے اس کو اپنے نام منتقل کرانے کے لیے بھیجے ہیں، اور جس کی واپسی تین مہینے سے پہلے ممکن نہیں، اور بازار ان شیئرز کی واپسی کا انتظار نہیں کر سکتا، میں تو چاہتا ہوں آج ہی بیچنا اس کو، لہٰذا مستقل بازار میں میں نے یہ کہہ کر بھیج دیا کہ میرا سودا آج پکا کر دیا جائے آج کے Rate پر، جب میرے پاس شیئرز آئیں گے میں شیئرز ڈال دوں گا، پیسہ اپنا اسی وقت لے لوں گا، تو بازار کے اصولوں میں اس بات کی گنجائش ہے، کبھی کبھی شیئرز کی بہت زیادہ قلت ہوتی ہے تو بازار اس کے اوپر جرمانہ تو ڈال دیتی ہے کہ آپ جرمانہ ادا کیجیے،

اس کا، آپ نے کہا تھا کہ میں شیئرز دوں گا اور وقت مقررہ پر آپ نے نہیں دیا، لیکن یہ کیفیت بہت کم آتی ہے، سو میں سے پانچ فیصدی جس کے امکانات ہیں، کہ اتنی قلت ہو جائے کہ اس میں تاوان پڑے، نہیں تو کوئی تاوان بیچنے والے کو نہیں پڑتا عموماً، تو کیا ایسا جائز ہوگا کہ میں آج کے Rate پر اپنا سودا کر کے منافع محفوظ کرلوں، اور جب میرے پاس حصص آ جائیں تو میں اس کو حصص کی حوالگی کر کے قیمت وصول کرلوں آج کے Rate سے۔

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

یہ وثیقے جو ہیں یہ ایجنٹ کے اعتبار سے، خرید و فروخت کے اعتبار سے ہیں، اب وہ وثیقہ جو ہے صرف کمپنی میں پہنچا ہے، اور اتفاقی طور پر ایسا ہو سکتا ہے کہ رک جائے، باقی کوئی لازم نہیں کہ رک جائے گا (نہیں تین مہینے تو لگ ہی جاتے ہیں۔ احسان صاحب) وہ ٹائم اپنی جگہ پر ہے، تو یہ وثیقہ ہے، اب اس وثیقہ کی حیثیت صرف یہ ہے کہ فقہی اعتبار سے کہ یہ جو کمپنی میں مال ہے اور جائداد ہے غیر منقولہ اور منقولہ، دونوں کے وہ حصہ دار ہیں، ہر چیز میں اس کا حصہ ہے، تو غیر منقولی جائداد جو ہے وہ تو قبضہ کے بغیر بھی فروخت کرنا جائز ہے فقہی اعتبار سے، اور جو منقولی جائداد ہے اس میں قبضہ شرط ہے، تو اب ی وثیقہ تو خالی کاغذ ہے جو پہنچا ہے، باقی جو حق ہے اصل کمپنی کے اندر جائداد، تو اس میں دو شکلیں نظر آ رہی ہیں، منقولہ اور غیر منقولہ، تو اس اعتبار سے سوچنا چاہیے کہ منقولہ جو جائداد ہے اس کے قبضہ کے بغیر کیا ہوگا؟ یہ صورت سوچنی چاہیے فقہی اعتبار سے۔

احسان صاحب:

یہ تو اصل میں شرکت کا ایک حصہ ہے، ایک جز ہے، جو کچھ بھی اس میں منقولہ اور غیر منقولہ مشترک جائداد ہے اس کا ایک جز ہے، یوں سمجھئے، اور اس جز کی ہی خرید و فروخت ہوتی ہے، اس کے شرکاء بدلتے رہتے ہیں، کمپنی کا ڈھانچہ ایسا ہی بنا رہتا ہے شرکاء میں تبدیلی آتی رہتی ہے، وہ اپنے حق شرکت منتقل کرتے رہتے ہیں، تو اس میں کوئی منقولہ اور غیر منقولہ کا فرق نہیں ہے، یہ ایک مکمل شرکت کا جز ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

نہیں مقصد یہ کہ یہ جو شیئر ہے تو یہ تو منقولہ ہے نا، یہ کہنے کا مطلب ہے۔

احسان صاحب:

نہیں شیئر تو بذات خود منقولہ ہے، اس پر نمبر پڑا ہوا ہے نام بھی لکھا ہوا ہے، لیکن یہ ہے کہ سودا جو بازار میں ہوتا ہے اس کی شکل دوسرے ہوتی ہے، سودا جب بازار میں ہوتا ہے تو اس میں نمبر نہیں دینے پڑتے، اس میں تو صرف ہم نے ایک سو شیئر بیچے یہی کہنا پڑتا ہے، اس کمپنی کے ایک سو شیئر بیچ دیئے، اب وہ کسی بھی نمبر کا آپ دے دیجیے، آپ کے اپنے نہیں ہیں کسی دوسرے کا دے دیجیے، تب بھی آپ کو پیسہ مل جائے گا، جب آپ کے اپنے آئیں اس شخص کو دے دیجیے واپس۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب:

نہیں سوال یہ ہے کہ یہ شیئر، اس کی خرید و فروخت Property Base پر ہوتی ہے یا صرف وثیقہ اور

Documents کی بنیاد پر ہوتی ہے۔

احسان صاحب:

یہ دیکھیے قیمت میں جو اضافہ ہوتا ہے یہ تو Property Base ہے اس کا، اور کمپنی سے آگے فائدہ کی کتنی توقع ہے اس سے قیمت کا تعین ہوتا ہے، جیسے آج ایسی کمپنیز بھی ہیں جو کہ فی الحال خسارہ میں چل رہی ہیں، لیکن اگلے دو سال میں تین سال مین ان سے بہت زیادہ منافع کی امید ہے، ان کا شیئر خسارہ میں ہوتے ہوئے بھی اپنی قدر عرفی سے زیادہ قیمت پہ بازار میں بل رہا ہے، یہ تو پورا بازار جو ہے آس اور یاس کا بازار ہے، آج کسی کمپنی کی مالی طور سے حالت بہت اچھی ہے لیکن گورنمنٹ کی پالیسی ایسی آگئی کہ اگلے دس سال میں اس کو منافع نہیں ہوگا، تو مالی استحکام کے باوجود بھی اس کی قیمت اس کے قدر عرفی سے نیچے چلی جائے گی، اور آج جو خسارہ میں کمپنی ہے اس سے اگر زیادہ امیدیں ہیں تو اس کی قیمت بھی بڑھ جائیگی، یہ تو ہر مال کے لیے جو بھی مال آپ خرید رہے ہیں بازار میں، ان ہی وجوہات کی بناپر اآپ یہ سوچتے ہیں کہ مستقبل میں اس کی قیمت میں اضافہ ہوگا......ابھی جو اخیر میں میں نے سوال پیش کیا اس میں یہ بات ہے کہ حصص کا میں مالک ہوں لیکن میرے ہاتھ میں حصص نہیں ہیں، کمپنی کو میں نے بھیج دیئے ہیں، اور بازار مین اس بات کی گنجائش رکھی ہوئی ہے کہ آپ کے ہاتھ میں حصص نہ ہوتو بھی مستقبل بازار مین آپ اس کو بیچ سکتے ہیں، اگر میں مالک نہیں ہوں اور میں نے اس کی قیمت ادا نہیں کی، میں مستقبل بازار میں بیچ دیتا ہوں اس امید پہ کہ کل قیمت گرے گی، تو یہ تو خالص سٹہ ہوجائے گا، لیکن جس چیز کا میں مالک ہوں، جس چیز کی قیمت ادا کی ہے، اور تین مہینے میں چار مہینے میں اس کی واپسی کی امید بھی ہے، اس کا Payment میرا اتنے ہی تاخیر سے ہوگا، جب میں ڈلیوری کروگا اسی کے بعد مجھے اس کا Payment ہوگا ادائیگی ہوگی، تو یہ کیا جائز ہوگا کہ میں سودا کرلوں مستقبل بازار میں؟

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب:

میں نے یہ سمجھا ہے اس گفتگو سے کہ کمپنی کی جو پراپرٹی ہے یہ اس شیئرز کے Weight کو متعین کرنے کی بنیاد ہے، نہ یہ کہ اصل پراپرٹی کی خرید وفروخت ہوتی ہے، تو اس جائداد کی حیثیت ایک ضمان کی ہوگی، شی مبیع نہیں قرار دی جاسکتی۔

احسان صاحب:

مال کوئی بھی ہو اس کی قیمت میں اضافہ کے اور قیمت میں گرنے کے امکانات کوئی وجہ سے ہی ہوتے ہیں، آج اگر ہم کسی جگہ کوئی زمین خرید رہے ہیں، کوئی پلاٹ لے لیتے ہیں، ہم یہ سوچتے ہیں کہ ادھر آبادی بڑھنے والی ہے، آج ہم پلاٹ خریدتے ہیں کہ آبادی جب بڑھ جائے گی اس کی مانگ جب بڑھے گی ہماری زمین کی بھی قیمت بڑھ جائے گی، اسی طرح کمپنی سے بھی توقعات ہوتی ہیں کہ کمپنی کا کاروبار منافع بخش ہوگا، اس کے حصص ہم خریدلیں اس کی قیمت بڑھ جائے گی، دوسری طرف جب ہماری خریدی ہوئی جائیداد کو بھی یہ خطرہ ہوجاتا کہ اس کو سرکار قبضہ کرنے جارہی ہے، کوئی Dam بنانا چاہتی ہے یا کوئی سڑک بنانا چاہتی ہے اس کی قیمت فوراً گرجاتی ہے، اسی طرح جب

کمپنی کے کاروبار کوبھی سرکاری پالیسی سے یا دوسرے تجارتی وجوہ سے خسارہ کے امکانات بڑھ جاتے ہیں تو حصص کی قیمتیں گرنا شروع ہوجاتی ہیں، اور جب منافع کے امکانات بڑھ جاتے ہیں تو حصص کی قیمتیں بڑھتی ہیں، ایک بارش ہی کا معاملہ ہندوستان میں بہت بڑا رول ادا کرتا ہے اس میں اگر بارش اچھی ہو جاتی ہے تو پوری معیشت کے لیے یہ امید کی جاتی ہے کہ ساری معیشت جو ہے اب آگے بڑھے گی، سب کارخانوں کو کچا مال ملے گا، کاشت کار کی جیب میں پیسہ ہوگا، وہ پکا مال خریدے گا، لہٰذا پوری معیشت کو اس کا فائدہ ہوتا ہے، اور سوکھا پڑ جائے تو پوری معیشت خراب ہونے کے مواقع رہتے ہیں، اسی طرح دلی میں بمبئی میں پہلی جون سے دس جون تک کی تاریخوں میں بڑے غور سے خبریں سنی جاتی ہےں کہ کہاں کتنی بارش ہوئی، کیا امکانات بارش کے ہیں، اور جب بارش ہوجاتی ہے تبھی شیئرز کے خریدار شیئرز خریدنا شروع کرتے ہیں، کہ اب پوری معیشت اوپر اٹھے گی، تو یہ تو مال تجارت ہے، اس مین جو بھی خرید کی جاتی ہے اسی لیے خرید کی جاتی ہے کہ آگے قیمتوں میں اضافہ ہوگا تب ہم اس کو بیچیں گے، اب وہ سوال جو میرا تھا وہ صرف اتنا تھا کہ حصص میرے پاس موجود نہیں ہیں، اور اس بات کی گنجائش ہے مستقبل بازار میں کہ میں اس کو بیچ سکتا ہوں، تو کیا میں اس کو بیچ سکتا ہوں یا نہیں؟

احسان صاحب:

جبکہ وہ قبضہ میں میرے پاس آئی ہی ہے کمپنی سے واپس......

ایک آواز:

آپ عرض مسئلہ پیش فرمارہے ہیں تو غور وخوض کے لیے وقفہ مطلوب ہے آپ کو، بس عرض مسئلہ پیش فرماتے جایئے اور طلب رائے کے لیے وقفہ لیتے رہیے۔

احسان صاحب:

اب ایک پرچہ میرے پاس آیا ہے، کسی صاحب نے چاہا ہے کہ Life Insurance اور کارخانوں کے دیگر انشورنس کی وضاحت چاہیے ان کو۔

احسان صاحب:

خرید وفروخت کے معاملہ میں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ حصص کی خرید وفروخت کئی طریقے سے کی جاتی ہے ایک تو یہ ہے کہ ذاتی طور پر دو آدمی مل جائے ہیں، ایک خریدنے والا اور ایک بیچنے والا، خریدنے والا سودا کرلیتا ہے اور بیچنے والا حوالگی دے دیتا ہے اس کو، اور اس سے قیمت لے لیتا ہے، یہ بہت ہی کم ہوتا ہے، حصص بازار میں خرید و فروخت ہوتی ہے حصص کی، وہ منظم بازار ہوتے ہیں، اور ان بازاروں کا طریقہ یہ ہے کہ سودوں کا ایک وقفہ طے ہوجاتا ہے کہ پیر کے دن سے جمعہ کے دن تک سودے ہوں گے، اور یہ سودے سارے لکھے جاتے رہیں گے کہ پانچ دن کیا سودے ہوئے، جن لوگوں نے اپنے حصص بیچے ہیں وہ حصص بازار میں سنیچر کے دن اپنے اپنے بروکرس کے ذریعہ حصص دے دیں گے، جن لوگوں نے وہ حصص خریدے ہیں وہ حصص ان کے بروکرس بیچنے والوں کے بروکرس سے حصص لے

لیتے ہیں اور اپنے خریدار کو مطلع کر دیتے ہیں کہ آپ کے حصص آگئے ہیں، اب آپ پیسہ ادا کر دیجئے اور یہ لے جایئے، وہ حصص اپنے گراہکوں کو دینے کے بعد ان سے پیسہ لے کر وہ اسٹاک ایکسچینج میں پیسہ جمع کر دیتے ہیں، منظم بازار کے کھاتے میں پیسہ جمع کر دیتے ہیں، اور منظم بازار کے کھاتے سے پیسہ بیچنے والوں کے بروکرس کو مل جاتا ہے، اور بیچنے والا بروکر بیچنے والوں کو پیمنٹ کرتا ہے اس کا، اس میں سودے خریدار اور مال کے درمیان ڈائریکٹ نہیں ہوتے ہیں، بروکرس کے ذریعہ ہوتے ہیں سارے سودے، تو یہ پانچ دن تک جو سودے ہوتے ہیں اس میں ایسے امکانات کافی رہتے ہیں کہ جن لوگوں نے آج حصص بیچے ہیں اس کی قیمت گر جانے کے بعد وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ لاؤ ہم پھر خرید لیں اس کو، یا جن لوگوں نے خریدے ہیں اگلے دن بازار میں قیمت بڑھ گئی وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ لاؤ بڑھی ہوئی قیمت پہ بیچ دیں، تو اس میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں، ایک تو سٹے والے ہوتے ہیں خالص، جن کی نیت پوری قیمت ادا کرنے کی نہیں ہوتی، اور نہ مال اٹھانے کی نیت ہوتی ہے، وہ یہی چاہتے ہیں کہ جو ڈیفرنس ہمیں مل جائے وہی ہم لے لیں اور سودا کاٹ دیں ہم بیچ میں، دوسرے اسی طرح کے فروخت کرنے والے بھی سٹے والے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس حصص ہوتے ہی نہیں اور وہ اس امید پہ حصص بیچ دیتے ہیں کہ کل بازار میں قیمتیں گرنے والی ہیں، جب حقیقت میں قیمت گر جائے گی تو ہم واپس اس کو خرید لیں گے، اور اس طرح سے ہمارا سودا برابر ہوگا، ایک طرف ہم نے بیچا تھا دوسری طرف ہم نے خریدا، اب ہمیں صرف ڈیفرنس مل جائے گا، نہ کچھ لینا نہ کچھ دینا، لیکن اکثریت جو ہے ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو کہ فی الواقع قیمت ادا کرنا چاہتے ہیں اور حصص اپنے قبضہ میں لینا چاہتے ہیں، لیکن ان کا بھی نظریہ یہی ہوتا ہے کہ جب بھی قیمت بڑھ جائے گی ہم بیچ دیں گے، اور اگر ایک ہی وقفہ میں قیمت بڑھ جاتی ہے تو پھر ان کو ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ حصص لیں اور ادا کریں اس کی قیمت، بلکہ ان کے دونوں سودے لکھ لئے جاتے ہیں اور ان کا بروکر ان سے صرف ڈیفرنس لے لیتا ہے کہ اب آپ کا کوئی سودا نہیں کھڑا رہا ہے، جو آپ نے خریدے تھے وہ آپ نے بیچ دیئے، آپ نے اتنی اضافی قیمت پہ بیچے، یہ کمیشن کاٹنے کے بعد آپ کو مل گیا، اسی طرح جو آدمی خسارہ کا سودا کرتا ہے وہ بھی ڈیفرنس دے دیتا ہے، تو ایسی صورت میں کیا یہ جائز ہوگا کہ اس طرح Clearing میں ایک ہی وقفہ کے دوران جو ہم نے حصص خریدے ہیں وہ بیچ دیں، جبکہ فی الواقع ہماری نیت یہ تھی کہ ہم وہ حصص خرید کر اپنے پاس رکھیں گے اور جب بھی قیمت بڑھے گی اس کو بیچ دیں گے، اتفاق یہ ہوا کہ قیمت اگلے دن کو بڑھ گئی اسی وقفہ میں بڑھ گئی، اگر یہ قیمت پندرہ دن کے بعد بڑھی ہوتی تو اب ہمیں حصص لینے بھی ہوتے اور اس کی قیمت ادا کرنی ہوتی، اور پندرہ دن کے بعد بیچے ہوتے تب پھر حصص ڈالنے ہوتے اور اس کا واپس پیسہ لینا ہوتا، لیکن چونکہ ایک ہی وقفہ تجارت میں یہ دونوں سودے ہو گئے، اور اس میں مارکیٹ یہ کہتا ہے کہ جب ایک وقفہ تجارت میں ہو گئے تو آپ کو ضرورت نہیں کہ آپ حصص ڈالیں اور اُس کی قیمت لیں اور پھر دوبارہ اس کو بیچیں، تو ایک ہی وقت میں وہ سودا پورا ہو جاتا ہے، کچھ وضاحت چاہیں گے اس میں؟

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب:

مال کی جس طرح نوعیت بتائی گئی اس سے سوال پورے طور پر واضح ہو کر سامنے نہیں آیا کہ مسئلہ کیا ہے؟

احسان صاحب:

مسئلہ یہ ہے کہ حصص بازار میں سیکڑوں کی تعداد میں بروکر ہوتے ہیں اور ان سیکڑوں بروکرس کے دلال ہوتے ہیں جو کہ سودا کرنے کا حق رکھتے ہیں وہ اسٹاک ایکسچینج کے ممبر ہوتے ہیں ان کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی اس بازار میں سودا نہیں کر سکتا، اب اگر کسی آدمی کو اپنے حصص بیچنے ہیں تو وہ کسی دلال کے پاس جائے گا اور کہے گا کہ میرے حصص آپ بازار میں بیچ دیجئے، جس کو خریدنے ہیں وہ بھی کسی دلال کے پاس جائے گا اور کہے گا کہ میرے لئے اتنے حصص بازار سے خرید دیجئے (ایک دلال دونوں طرف سے ہو سکتا ہے: آواز) نہیں ایک دلال دونوں طرف سے بھی ہوگا تو پھر وہ حصص بازار میں سودا نہیں کرے گا، وہ اپنے کیبن میں بیٹھ کر دونوں کا سودا کردے گا، وہ پھر حصص بازار میں جب سودا ہوگا تو ایک دلال دوسرے دلال سے سودا کرے گا..... اب چونکہ یہ منظم بازار ہے، اس میں جتنے بھی سودے ہوتے ہیں سب لکھے جاتے ہیں، سب کا اندراج ہوتا ہے، اور اس اندراج کے مطابق حوالگی طلب کی جاتی ہے، اور پھر جب حوالگی آجاتی ہے تو ادائیگی طلب کی جاتی ہے، اب یہ حوالگی اور ادائیگی کے جھنجھٹ سے جو دن بھر کا سودے کا ٹائم ہے اس کو بچانے کے لئے کوئی دن مقرر کر لیتے ہیں کہ روزانہ حوالگی نہیں ہوگی اور روزانہ ادائیگی نہیں ہوگی، یہ پانچ دن جو ہیں اس میں آپ سودے کرتے چلے جائیے، جو آپ کو خریدنا ہے خریدیئے جو آپ کو بیچنا ہے بیچ دیجئے، چھٹے دن دیکھیں کہ کن آدمیوں کو کتنا مال حوالے کرنا ہے، اور جب وہ حوالگی آجائے گی تو پھر جن لوگوں نے جن بروکرس نے خریدا ہے ان کے سپرد کردی جائے گی اور کہا جائے گا کہ اس کا پیسہ آپ لائیے، وہ اپنے Client جو ان کے خریدار ہیں ان سے کہیں گے کہ آپ کے شیئرز آگئے ہیں آپ پیسہ دے دیجئے، اور اس کو خریدار بروکر اسٹاک مارکیٹ کے کھاتے میں جمع کردیتے ہیں، تو جو اسٹاک ایکسچینج اتھارٹیز ہیں وہ چیک کاٹ کر ان بروکرس کو دے دیتے ہیں جنہوں نے حوالگی ڈالی تھی، .... وہاں اتنا وقت نہیں ہوتا جو سودے کا ٹائم ہوتا ہے، اس میں صرف سودے ہی ہو رہے ہوتے ہیں اور کوئی کام نہیں ہوتا، حوالگی کا اور ادائیگی کا الگ وقت مقرر ہوتا ہے اور اس میں کم سے کم ایک ہفتہ کا وقفہ ضرور ہوتا ہے، تو جو ہم نے پیر کے دن حصص بازار میں حصص خریدے اور اس نیت سے خریدے کہ جب بھی تیزی آجائے گی ہم اس کو بیچ دیں گے، اور وہ تیزی اسی وقفہ تجارت میں آگئی، منگل میں آگئی یا بدھ میں آگئی، تو ہم نے دوسرا سودا اس کا کردیا، بیچ دیا، اب ہمارا بروکر کہتا ہے کہ آپ کے نام کوئی سودا نہیں کھڑا ہوا جو آپ نے خریدے تھے، وہ آپ کے بک گئے، لہذا نہ آپ کو کوئی قیمت ادا کرنی ہے اور نہ آپ کو شیئرز لینے ہیں نہ دینے ہیں، سودے کا جو فرق ہے وہ آپ کو مل جائے گا، اسی طرح دوسرے شخص نے جو بیچے تھے اس نے واپس خرید لئے اسی وقفہ تجارت میں، اس سے کہہ دیتے ہیں کہ بھئی اگر تمہیں خسارہ ہوا ہے تو تم اپنا خسارہ دیدو، تمہیں ضرورت نہیں کہ شیئرز پہلے ڈالو پھر بعد میں وہی شیئرز واپس لے لو، تو کیا ایسی صورت میں یہ جائز ہوگا کہ ایک ہی وقفہ تجارت میں بغیر حصص لئے ہوئے اور بغیر اس کی قیمت ادا کئے ہوئے صرف سودے کا فرق ہی وصول کرلیا جائے اور دے دیا جائے؟

امین الحسن رضوی صاحب:

احسان صاحب مختصراً آپ کا مطلب یہ ہے کہ غائب مال کا سودا ہو رہا ہے، مال نہ ہاتھ میں آ رہا ہے......

احسان صاحب:

یہ ایک مجبوری ہے، مال بیچنے والے کے پاس مال موجود ہے، ایسا نہیں ہے کہ سرے سے مال موجود ہی نہیں ہو، لیکن انتظامیہ نے یہ سہولت رکھی ہے کہ حوالگی روز نہیں ہوگی، ہر سودے کی ہر وقت حوالگی نہیں ہوگی، ایک ہفتہ میں ایک دن حوالگی ہوگی، لہذا آپ کے ہاتھ میں جو حصص ہیں آپ رکھئے جب تک کہ وہ حوالگی کا دن نہیں آ جائے۔

مولانا برہان الدین صاحب:

نہیں مال سے مراد آپ کی مبیع ہے یا وہ حصص ہیں؟ (حصص: احسان صاحب) نہیں مال سے مراد آپ کی وہ معلوم ہوتی ہے اصل سودا۔ (نہیں مال تو حصص ہے: احسان صاحب)............ لیکن آپ نے نقل نہیں کیا۔

احسان صاحب:

یہ تو مستقبل بازار کا سودا نہیں ہے، مستقبل بازار میں تو وہ چیز ہمارے پاس ہوتی ہی نہیں ہے، ہم تو اس کو آج ہی حوالے کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ انتظامیہ کے اصولوں کی وجہ سے ہم مجبور ہیں کہ ہم چھٹے دن اس کو حوالے کر سکتے ہیں، اس سے پہلے ہم حوالے ہی نہیں کر سکتے۔

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب:

یعنی بیع میں قبضہ نہیں ملا (جی ہاں، قبضہ نہیں ہوا: احسان صاحب)۔

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب:

.... مکمل نہیں ہوا، اور دوبارہ جو آپ نے بیچا وہ اسی آدمی سے بیچا جس سے آپ نے خریدا تھا یا کسی اور فریق سے بیچا؟

احسان صاحب:

وہ کوئی بھی آدمی ہو سکتا ہے، ایک بات یہ بھی ہونی چاہئے، جو اصل خریدار اور اصل بکوال ہوتے ہیں ان کو دوسرے فریق کا پتہ نہیں ہوتا، وہ صرف اپنے دلال کو جانتے ہیں، ان کا دلال کہتا ہے میں نے بازار میں بیچ دیئے، اس کی ادائیگی کی ذمہ داری میرے اوپر ہے، میں نے XYZ کسی کو بیچ دیا، آپ کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہے، آپ مجھے مال دیجئے گا میں آپ کو Payment دوں گا، تو اس میں یہ بھی قابل غور مسئلہ ہے کہ آیا یہاں جس کو دلال کہا جا رہا ہے کہ وہ واقعی دلال ہے بھی یا نہیں، یا وہ خود خریدار ہے، جبکہ دوسرے فریق کا پتہ ہی نہیں ہے یہاں پر۔

مولانا برہان الدین صاحب:

اس میں ایک نقص اور ہو گیا کہ أن الواحد إذا ولی طرفی شخص، طرفی العقد، ایک دونوں کا ذمہ دار بن گیا، یہ بھی اس میں ایک نقص ہے، وہ تو ہے ہی بیع قبل القبض والا قصہ، اور یہ "واحد یتولی طرفی

العقد''، یہ غور کرنے کی بات ہے۔

احسان صاحب:

اچھا دلال اپنی کتابوں مین بھی اندراج اسی طرح سے کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جیسے ہم نے رضوی صاحب سے ایک سو شیئر خرید سے Relience کے، اور ہم نے دوسرے دلال کو بیچے، وہ جو ایک پارٹی سے خریدتا ہے وہ دوسرے دلال کو بیچتا ہے، اور اگر ان کے لیے خریدے ہیں تو یہ کہے گا کہ ہم نے رضوی صاحب کو اتنے شیئرز بیچے اور میں نے فلاں دلال سے یہ خریدے، تو اصل جو بیچنے والا حصص کا ہے اس سے یہ دلال بھی ناواقف ہے۔

ایک آواز:

جس طرح دلال جو دوسرے مشتری جو جانتا ہے، بائع کو بھی جانتا ہے کہ وہ بھی مجہول ہے، شیئر جس سے خرید رہا ہے اس کو تو جانتا ہے، جس سے بیچا اس کو تو جانتا ہے۔

احسان صاحب:

ایک شیئر آپ بیچنا چاہتے ہیں بازار میں، تو اپ کا دلال آپ کو جانتا ہے اور پھر بازار کے دوسرے دلال کو وہ شیئر بیچ رہا ہے آپ کے والے اس کو جانتا ہے، اس سے جو خریدار ہے اصل شیئر کا پیچھے اس کو وہ نہیں جانتا ہے، اس کا تعلق صرف دلال سے ہی رہتا ہے، آپس میں دلالوں کا تعلق خریدار اور بکوال کی حیثیت میں ہوتا ہے بازار کے اندر، ایک دلال دوسرے دلال کو مال بیچتا ہے، اور اسی طرح سے خریدتا ہے۔

ایک آواز:

بیچنے اور خریدنے والے جانتے نہیں ہیں کس سے بیچ رہے ہیں کس سے خرید رہے ہیں، صرف دلال کو جانتے ہیں وہ۔

احسان صاحب:

جس دلال کے لیے جو دوسرا دلال ہے وہی خریدار ہے، بیچنے والے تو فلاں صاحب ہیں دلال کی نظر میں، خریدار دوسرا دلال ہے۔

ایک سوال غیر مالیاتی خدمات سے متعلق ہے، (ایک بائع کا وکیل ہوا، ایک مشتری کا وکیل ہوا: ایک آواز) بائع ومشتری کا پتہ تو چلنا چاہیے کون ہیں آپس مین، ان کو پتہ نہیں ہوتا...... ہاں اپنے اپنے کا پتہ ہوتا ہے، دوسرے کا پتہ نہیں ہوتا۔

ایک سوال غیر مالیاتی خدمات سے متعلق ہے کہ مالیاتی ادارہ سے لوگ اکثر تجارتی اسکیمیں بنواتے ہیں کمپنی سے، کہتے ہیں کہ ہمیں ملیری کی ایک اسکیم بنا کر دیجیے، مالیاتی ادارہ پورا پروجیکٹ اس کا بناتا ہے کہ کتنا آپ اس میں سرمایہ حصص رکھیں گے، کتنا کل سرمایہ درکار ہوگا، مشینری کہاں سے ملے گی، لیبر کے کیا امکانات ہیں، کتنا اس میں خرچ آئے گا، اور کتنا اس میں منافع ہوگا، یہ مکمل اسکیم بنواتے ہیں، اس اسکیم کے اندر ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں

سرمایہ حصص اتنا ہوگا، اتنا آپ کو بینک سے قرض مل سکتا ہے، تو کیا ایسی اسکیم بنا کے اجرت حاصل کرنا جائز ہوگا جس میں کہ قرض بھی موجود ہو بینکوں کا؟ اور عام طور سے یہ مالیاتی ادارے قرض منظور بھی کراتے ہیں بینکوں سے، اسکیم بناتے ہی نہیں ہیں بلکہ اس کو مکمل کراتے ہیں (......ایک اسکیم بنانے کا ایک قرض دلوانے کا دونوں کو آپ مخلوط کیوں کر رہے ہیں اُس کو الگ رکھئے اور اِس کو الگ رکھئے: عبدالعظیم اصلاحی صاحب) ہاں دونوں الگ الگ رکھتے ہیں، صرف پروجیکٹس بھی بکتے ہیں، ایسی بات نہیں ہے پروجیکٹ رپورٹ بھی بکتے ہیں، وہ بھی صحیح فرمایا آپ نے۔

قاضی صاحب:

میرا خیال یہ ہے کہ اب آپ کی بحث ختم کی جائے، اور Banking کے مسئلہ پر جن باتوں پر کل اتفاق ہوا ان کو لکھ لیا جائے، اور باقی نکات کے بارے میں لکھ دیا جائے کہ یہ اجلاس ہدایت کرتا ہے مجمع الفقہ الاسلامی کو کہ وہ اس سلسلہ میں مخصوص نشست بلائے جو خاص اسی موضوع پر بحث کے لئے ہو، اس میں علماء و محقق بھی رہیں اور جوان امور کے ماہر ہیں وہ بھی رہیں، ......احسان صاحب، کھنکھمے صاحب اور رضوی صاحب سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ایک کمرہ میں بیٹھ کر جن مسائل پر کل اتفاق ہو چکا ہے ان کی فہرست بنادیں اور باقی جملہ مسائل جو بینکنگ سے متعلق آئے ہیں ان تمام سوالات کو مزید منقح کر کے آئندہ اس سلسلہ میں منعقد ہونے والے کسی خصوصی اجتماع میں پیش کیا جائے، اس پر فیصلہ ابھی ہم لوگ نہیں کریں گے۔

☆☆☆☆☆

تجاویز:

اسلامی مالیاتی ادارہ اور کمپنیز کے شیئرز

مجمع الفقہ الاسلامی (الہند) کے چھٹے فقہی سمینار میں بینکنگ اور شیئرز سے متعلق بھی کچھ مسائل زیر بحث آئے، اور بحث کے نتیجے میں درج ذیل اتفاقی نقطے سامنے آئے:

۱۔ اسلامی مالیاتی ادارہ کوریز روبینک کے حکم کی وجہ سے جبراً اپنے سرمایے کا پانچ فیصد حصہ سرکاری تمسکات میں محفوظ کرنا پڑتا ہے، اس پر حکومت سود بھی دیتی ہے، تو شرکاء سمینار کے نزدیک یہ صورت درست ہے کہ اس محفوظ سرمایہ پر ملنے والے سود کو بتدریج محفوظ سرمایہ بنادیا جائے، اور اصل سرمایہ دھیرے دھیرے نکال لیا جائے۔(۱)

۲۔ ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حلال ہے اسلامی مالیاتی ادارہ یا کوئی بھی مسلمان ان کے شیئرز خرید سکتا ہے۔

۳۔ ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حرام ہے، ان کے شیئرز کی خریداری ہرگز جائز نہیں ہے۔

۴۔ بینکنگ وشیئرز کے دوسرے بہت سے مسائل جو کہ سمینار میں پیش کئے گئے، ان کے متعلق یہ سمینار مجمع الفقہ الاسلامی الہند کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ وہ ان مسائل کی پورے طور پر تحقیق وتنقیح کے لئے ماہرین وعلماء کا ایک خصوصی اجلاس منعقد کرے، تاکہ وہ غور وخوض کے بعد کسی آخری رائے تک پہنچ سکیں۔

۱۔ چھٹے فقہی سمینار میں اسلامی مالیاتی ادارہ اور کمپنیز سے متعلق جو سوالات پیش کئے گئے، جو گذشتہ صفحات میں مذکور ہو چکے ہیں، ان کے علاوہ اسلامی بنکنگ سے متعلق بھی پندرہ سوالات پر مشتمل ایک مفصل سوالنامہ کے نکات زیر غور آئے تھے، یہ فیصلہ اسی سوالنامہ کے سوال نمبر ۳ سے متعلق ہے، دیگر سوالات پر فیصلے طے نہیں پاسکے تھے۔

تیسرا موضوع:

مرابحہ سے متعلق ایک سوال

مرابحہ سے متعلق ایک سوال

ایک شخص روئی کی تجارت کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس روئی خریدنے کے لئے رقم نہیں ہے، وہ رقم حاصل کرنے کے لئے کسی اسلامی بینک سے رجوع کرتا ہے۔ اسلامی بینک ملکی قانون کے تحت تجارت نہیں کرسکتا، وہ ملک کے مرکزی بینک کے ذریعہ طے شدہ شرح سود پر صرف قرض دے سکتا ہے۔ لہذا اسلامی بینک اس شخص کے سامنے یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ بینک زبانی طور پر اسے مرابحہ کے تحت ایک کوئنٹل روئی پر، جس کی بازاری قیمت ۲۰۰۰/روپے ہے، اپنا منافع (مرکزی بینک کے ذریعہ طے شدہ شرح سود کے عین مطابق) ۴۰/روپئے کا اضافہ کرکے دو ماہ کے لئے ادھار فروخت کرے گا۔ لیکن ملکی قانون کی پابندی کی مجبوری کے تحت بینک تحریر میں قیمت فروخت کو دو حصوں ۲۰۰۰/روپے اور ۴۰/روپے میں تقسیم کرکے بالترتیب دو ماہ کے لئے رقم قرض اور اس پر واجب سود کی شکل میں ظاہر کرے گا۔

کیا ملکی قانون کی پابندی کی مجبوری کے تحت مرابحہ کے معاملہ کو قرض کے معاملے کی شکل میں تحریری طور سے ظاہر کرنا جائز ہوگا؟

جوابات:

اگر یہ شخص واقعی روئی ہی کی تجارت کرنے پر اور سودی قرض لے کر یہ تجارت کرنے پر مجبور ہے اور غیر سودی قرض نہیں مل رہا ہے تو "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (الاشباہ والنظائر) کے شرعی ضابطہ کے تحت حکومت کے مرکزی بینک سے یہ معاملہ کرسکتا ہے، پھر اس کے باوجود اسلامی بینک سے کیوں رجوع کرتا ہے، اور پھر اسلامی بینک بھی واجب سود کی شکل میں ظاہر کرے گا، لہذا پہلے اس تنقیح کی شرعی وجہ وحکم شرعی معلوم کرنے کے لئے واضح کرنا ضروری ہے، بغیر اس کے حکم شرعی منقح نہ ہوگا۔

مفتی نظام الدین دارالعلوم دیوبند۔

مرابحہ کی جو شکل پیش کی گئی ہے وہ سودخوری کے لئے حیلہ ہے، اس لئے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

شمس پیرزادہ، ممبئی

اسلامی بینک ملکی قانون کے تحت تجارت کرنے کا مجاز نہ ہونے کی وجہ سے مرابحہ کے معاملہ کو قرض کی صورت میں ظاہر کرسکتا ہے بشرطیکہ اسلامی بینک روپیہ قرض نہ دے بلکہ تجارتی سامان خرید کر تجارت کرنے والے کے ہاتھ مرابحۃً فروخت کرے۔

محفوظ الرحمٰن، جامعہ مفتاح العلوم مئو

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک بعید سی تاویل وتوجیہ کرکے اس شکل کے جواز کی گنجائش نظر آتی ہے۔ واللہ اعلم

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

احقر کے نزدیک یہ جائز صورت ہے، شریعت نے حقیقت واقعہ کا اعتبار کیا ہے نہ کہ اس کا جو خلاف واقعہ تحریر میں آ گیا ہو۔

فتاوی دار العلوم دیوبند میں فتاوی مہدویہ تکملہ رد المحتار (۴۵۹/۲) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "العبرة لما فی الواقع لا بما کتب خلاف ذلک" (۲۷۵/۶.۵)۔

جب حقیقۃً سودی معاملہ نہیں کیا گیا تو محض قانونی مجبوری سے رقم کو تقسیم کر کے قرض اور سود دکھلانا، ناجائز نہیں بنائے گا۔

مرابحہ، نقد اور ادھار دونوں طرح جائز ہے، البتہ ادھار کی صورت میں عام طور پر نفع اور بڑھ جاتا ہے۔

ألا یری انہ یزاد فی الثمن لأجل الأجل (ہدایہ ۴/۳ ۷۷، باب المرابحۃ والتولیۃ)۔

اس معاملہ کی حقیقت شرعیہ صرف یہ ہے کہ اسلامی بینک نے روئی کے خریدار شخص کو ایک کوئنٹل روئی اپنا نفع رکھ کر اور بتا کر ادھار فروخت کی، یہ بلا شک وشبہ جائز ہے، بینک قانونی دشواریوں سے بچنے کے لئے اپنے رجسٹر پر اس کا اندراج خواہ سود ہی کی صورت میں کرے، وہ سود نہیں ہوگا۔

مفتی جمیل احمد نذیری، مبارکپور

☆☆☆☆☆

چند فقہی معاشی اصطلاحات

ترتیب : مفتی احمد نادر القاسمی

اثمان خلقیة:

(قدرتی کرنسی جو پیدائشی طور پر قابل تبادلہ ثمن اور کرنسی ہو) جیسے سونا اور چاندی، اس کو ثمن خلقی کہا جاتا ہے، لوگ اس کے ذریعہ تبادلہ چھوڑ دیں تب بھی اس کی حیثیت اور ثمنیت ہمیشہ کرنسی کی ہی رہے گی۔

اثمان عرفیة:

(جو طے کردہ نوٹ اور کرنسی) جیسے سکہ اور کاغذی روپیہ، ڈالر، ریال، یہ وہ کرنسیاں اور ثمن ہیں جو لوگوں کی اصطلاح اور عرف پر مبنی ہیں اور جنہیں لوگوں نے اپنے طور پر قابل تبادلہ ثمن کے مساوی مانا ہے، اسے ثمن عرفی بھی کہا جاتا ہے اور ثمن غیر خلقی بھی۔

اجارة:

(کرایہ داری) کسی چیز کی معلوم منفعت کو طے شدہ رقم یا کسی اور چیز کے بدلہ فروخت کرنا، جیسے مکان، جانور، گاڑی وغیرہ اس کی متعین منفعت کو فروخت کرنا، یا اسے دوسرے کے حوالہ کر کے اس کی اجرت لینا اجارہ کہلاتا ہے۔

إجارة المنافع:

اس کو عربی میں ''التأجیر التشغیلی'' بھی کہتے ہیں، کسی چیز کی منفعت فروخت کرنا، یا کسی چیز کو طے شدہ رقم کے عوض کرایہ پر لگا کر اس کا کرایہ وصول کرنا، ''اجارۃ المنافع'' کہلاتا ہے اور اسی کو ''بیع المنفعۃ'' بھی کہا جاتا ہے۔

الأجر:

کام کی مزدوری کو ''الأجر'' یا ''الأجرۃ'' کہتے ہیں۔

أجر المثل:

کسی کام کی مناسب اجرت جو اس فن کے ماہرین طے کریں اسے ''أجر المثل'' کہتے ہیں۔

الاجیر الخاص:

شخص جو ایک ہی آدمی کا ایک معلوم مدت تک کام کرتا ہو، اسے اجیر خاص کہتے ہیں۔

الأجیر المشترك:

وہ شخص جو کسی متعین شخص کے لئے کام نہ کرتا ہو بلکہ جس کا وہ اجیر ہے، اس کا بھی اور دوسرے کا بھی کام کرتا ہو تو وہ اجیر مشترک کہلاتا ہے، جیسے ڈاکٹر، الیکٹریشین، پینٹر وغیرہ۔

الاحتکار:

(کسی چیز کو روکنا)، اصطلاح فقہاء میں ایسے وقت میں محض زیادہ سے زیادہ قیمت میں فروخت کرنے کی

غرض سے اپنے سامان کو روکنا اور اسٹاک کرنا، جس وقت لوگوں کو اس کی سخت ضرورت ہو، ''احتکار'' کہلاتا ہے۔

اموال ربوية:

وہ اموال جن کی خرید وفروخت برابر برابر تو جائز ہو، البتہ کمی اور بیشی کے ساتھ جائز نہیں، انہیں اموال ربویہ کہتے ہیں، جیسے سونا، چاندی، نمک، گندم، جو اور کھجور وغیرہ۔

بائع:

بیچنے والا (فروخت کنندہ)

بدل الخلو:

(پگڑی) مکان یا دوکان خالی کرنے کے عوض جو رقم مالک مکان یا دکان سے لی جاتی ہے اسے ''بدل الخلو'' کہتے ہیں۔

بيع الاستجرار:

دکاندار سے اپنی ضرورت کے مطابق چیزیں لیتے رہنا، اور ماہ بماہ، یا کوئی متعین مدت کے مطابق بعد میں اس کی قیمت ادا کرنا، فقہ میں ''استجرار'' کہلاتا ہے۔

بيع اشراك:

مبیع کے بعض حصہ کو اتنی ہی مقدار کے ثمن کے عوض فروخت کرنا، یہ بیع تولیہ ہی کی طرح ہے، فرق صرف یہ ہے کہ تولیہ میں پورے سامان کو بغیر نفع کے فروخت کیا جاتا ہے اور اشراک میں بعض حصہ کو فروخت کیا جاتا ہے۔ فقہاء اس کی تعبیر یوں کرتے ہیں: ''بیع بعض المبیع ببعض الثمن''

بيع بالتقسيط:

خرید وفروخت کا وہ طریقہ جس میں خرید وفروخت کا معاملہ ایک ساتھ ہی طے ہو جاتا ہے، اور قیمت بھی طے ہو جاتی ہے اور سامان کی حوالگی بھی اسی وقت ہو جاتی ہے، البتہ قیمت کی ادائیگی قسط وار ہوتی ہے، اسے ''بیع بالتقسیط'' کہتے ہیں۔

بيع بالحصاة:

پتھر یا مٹی کے ڈھیلے پھینک کر بیع کرنے کو ''بیع بالحصاۃ'' کہتے ہیں، اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ خریدار کوئی کپڑا یا پتھر اٹھا کر سامان پر پھینکتا ہے جس سامان پر وہ کپڑا یا پتھر پڑ جائے وہ خریدار کی ملک ہو جاتا ہے اور بغیر کسی غور وفکر اور اختیار کے وہ بیع مکمل ہو جاتی ہے اور خریدار کو سامان کی قیمت ادا کرنی لازم ہوتی ہے، یہ بیع زمانہ جاہلیت میں رائج تھی۔

بيع بالوفاء:

وفاء، غدر کی ضد ہے، فقہاء کی اصطلاح میں ''بیع بالوفاء'' وہ بیع ہے جس میں بیچنے والا یہ شرط لگائے کہ جب وہ قیمت واپس کردے گا تو خریدار بھی سامان اس کے حوالہ کردے گا۔

بيع تعاطي:

بغیر ایجاب وقبول کے الفاظ کہے ہوئے، یا صرف ایجاب، یا صرف قبول کے لفظ کے ذریعہ خرید وفروخت کا معاملہ مکمل ہوجائے، بائع چپ چاپ قیمت ادا کردے، مشتری مبیع حوالہ کردے اور ثمن قبول کرلے، صرف ظاہری نقل وحرکت اور دلالت حال سے خرید وفروخت مکمل ہوجائے اور جانبین سے قیمت وسامان کا تبادلہ ہوجائے، یہ بیع فقہاء کی اصطلاح میں ''معاطاۃ'' یا ''تعاطی'' کہلاتی ہے۔

بيع التلجئة:

بیچنے والا اور خریدار دونوں خرید وفروخت کے معاملہ کا اظہار کریں مگر باطنی طور پر اسے بیچنا نہ چاہتے ہوں، صرف ظاہری طور پر اس طرح معاملہ کریں کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ سامان بک چکا ہے، یا بک رہا ہے اور دوسرا آدمی اسے لینے کی کوشش نہ کرے اسے ''بیع التلجئۃ'' کہتے ہیں۔

بيع تولية:

کوئی سامان جتنی قیمت میں خریدا جائے بغیر قیمت کی کمی وزیادتی کے اتنی ہی قیمت پر فروخت کردیا جائے اس کو ''بیع تولیہ'' کہتے ہیں۔

بيع الجنين و الملاقيح:

جانور کے حمل کی بیع، بالفاظ دیگر جانور کے پیٹ میں موجود بچے کی پیدائش سے پہلے خرید وفروخت کو ''بیع الملاقیح'' اور ''بیع الجنین'' کہتے ہیں۔

بيع الحاضر للبادي:

شہر کے باہر سے بیچنے کی غرض سے سامان لے کر آنے والے کے سامان کو کسی شہری کا یہ کہہ کر اپنے پاس رکوالینا کہ جب قیمت بڑھے گی تب اسے فروخت کریں گے، ''بیع الحاضر للبادی'' کہلاتا ہے۔

بيع حبل الحبلة:

حمل کے حمل کی بیع، اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ دو شخص آپس میں بیع اس طرح کریں کہ بائع کہے کہ اس اونٹنی کو جو حمل ہے، جب وہ جنے گی اور جو بچہ ہوگا (مادہ) اس کا جو حمل ہوگا میں اس کو بیچتا ہوں، خریدار اسے قبول کرتا ہے اور اتنے دن انتظار کرتا ہے جب تک وہ بچہ پیدا ہوا اور پھر اس بچے کو بچہ ہو، اسے ''بیع حبل الحبلۃ'' کہتے ہیں۔ یہ بیع بھی جاہلیت میں ہوتی تھی۔

بيع الحقوق:

حقوق دو طرح کے ہوتے ہیں: حقوق مجردہ، اور حقوق غیر مجردہ۔ وہ حقوق جو غیر حسی ہوں اور دیکھنے اور چھونے کے ذریعہ ان کا ادراک نہ ہو، اسے حقوق مجردہ کہتے ہیں، جیسے حق مشورہ، حق تالیف، حق طباعت وغیرہ۔

وہ حقوق جو حسی ہوں اور وہ اپنا مادی وجود رکھتے ہوں انہیں حقوق غیر مجردہ کہتے ہیں، جیسے حق مرور، حق

قصاص جو قاتل کی ذات میں ثابت و متعین ہے۔ اسی طرح حقوق کے بہت سے شعبے ہیں، مثلاً حق حضانت، حق شفع، حق زواج، حق ایجاد، حق طباعت، ٹریڈ مارکس وغیرہ ان کی خرید و فروخت کو بیع حقوق کہتے ہیں۔

بیع سلم:

بیع کی وہ صورت جس میں قیمت پہلے لے لی یا دے دی جاتی ہے اور مبیع (سامان) بعد میں ایک متعین مدت کے اندر خریدار کے حوالہ کیا جاتا ہے، اسے "بیع سلم" کہتے ہیں، زیادہ تر یہ بیع اناج اور غلے میں ہوتی ہے۔ قیمت پہلے ادا کر دی جاتی اور غلہ فصل کٹنے کے بعد ادا ہوتا ہے۔

بیع صَرف:

سونے کی سونے یا سونے کی چاندی سے یا اس کے برعکس سے خرید و فروخت کو "بیع الصرف" کہتے ہیں، دوسرے الفاظ میں اثمان خلقیہ کی آپس میں بیع یا ایک ملک کی کرنسی کی دوسرے ملک کی کرنسی سے تبادلہ اور خرید و فروخت کو "بیع صَرف" کہا جاتا ہے۔

بیع عرایا:

درخت پر خوشوں میں موجود کھجور، خوشوں سے الگ کئے ہوئے کھجور کے ساتھ خرید و فروخت کو "بیع العرایا" کہتے ہیں۔

بیع عربون:

لغت میں عربون اعراب سے ماخوذ ہے، خرید و فروخت میں اعراب کی شکل یہ ہوتی ہے کہ خریدار اور بیچنے والے میں سے کوئی ایک کہتا ہے کہ اگر یہ بیع نہیں ہوئی اور میں نے سامان اپنے پاس نہیں رکھا تو اس میں سے اتنی رقم تمہاری ہے۔

اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ خریدار بیچنے والے سے سامان لے لیتا ہے، اور کچھ پیسے بھی دیتا ہے (جسے بیعانہ کہتے ہیں) اور یہ کہتا ہے کہ اگر میں سامان لے لوں اور اپنے پاس رکھ لوں تو اس پیسے کو اس کی قیمت میں شمار کر لینا اور نہیں تو یہ رقم بھی تمہاری اور سامان بھی واپس۔

بیع العقار:

زمین اور پراپرٹی کی خرید و فروخت "بیع الأرض" یا "بیع العقار" کہلاتی ہے۔

بیع الکالی بالکالی:

خرید و فروخت کا وہ معاملہ جس میں سامان بھی ادھار ہو اور قیمت بھی ادھار، اس کو "بیع الکالی بالکالی" اور "بیع الدین بالدین" اور "بیع النسیئہ بالنسیئہ" بھی کہتے ہیں۔

بیع مالم یقبض:

ایسے سامان کی فروختگی، جو اب تک قبضہ میں نہ آیا ہو، خریداری اگرچہ ہو گئی ہو، اسے "بیع مالم یقبض" کہتے ہیں۔

بیع محاقلة:

خوشوں میں موجود کھجور یا بالی میں موجود گندم، جواور چنے وغیرہ کی، تیار کھجور، گندم اور جو کے ساتھ برابر سرابر خرید وفروخت کرنے کو ''بیع المحاقلہ'' کہتے ہیں۔

بیع المخاضرة:

درخت پر پھل آنے یا پھلوں کے استعمال کے لائق ہونے سے پہلے باغات کی بیع کو ''بیع المخاضرۃ'' یا ''بیع الثمر قبل بدوصلاحہ'' کہتے ہیں۔

بیع مرابحة:

جتنی قیمت میں سامان خریدا تھا اس پر متعینہ نفع کے اضافہ کے ساتھ دوسرے کے ہاتھ اس سامان کے فروخت کرنے کو ''مرابحہ'' کہتے ہیں۔

بیع مزابنة:

درخت پر خوشوں میں لگے کھجوروں کو خوشوں سے الگ کھجور کے ساتھ کیل یا انداز سے بیع کرنے کو ''بیع مزابنہ'' کہتے ہیں۔

بیع المزایدة:

اس کے معنی زیادہ کرنے کے ہیں۔ فقہاء کے یہاں بازار میں سامان رکھ کر خریداروں کو جمع کرنا اور جو ان میں زیادہ قیمت لگائے اس کے ہاتھ سامان فروخت کرنا ''بیع المزایدۃ'' کہلاتا ہے۔

بیع مساومة:

خرید وفروخت کا وہ طریقہ جس میں سامان کی اصل قیمت ظاہر کئے بغیر سامان فروخت کیا جائے۔

بیع مسترسل:

کسی شخص سے یہ کہنا کہ یہ سامان آپ اتنی ہی قیمت میں مجھے دید یجئے جتنی اس وقت اس کی قیمت بازار میں ہے، یا جتنی قیمت میں اور لوگ فروخت کر رہے ہیں، اسے بیع مسترسل کہتے ہیں۔

بیع المصراة:

جانور کے تھن میں ایک دودن تک دودھ چھوڑ دینا اور نہ نکالنا تا کہ تھن دیکھنے میں بڑا اور جانور زیادہ دودھ دینے والا معلوم ہو اسے ''تصریہ''، اور تھن میں دودھ چھوڑ کر جانور فروخت کرنا ''بیع المصراۃ'' کہلاتا ہے۔

بیع المضامین:

وہ نر جانور جس سے مادہ جانوروں کے حاملہ ہونے کے لئے جفتی کا کام لیا جاتا ہے، اس کے پٹھوں میں موجود صلب کی بیع یا جفتی کی بیع کو ''بیع المضامین'' کہتے ہیں۔

بيع مقايضة:

سامان کی بیع سامان کے ذریعہ یعنی ایک قسم کا سامان مبیع ہو، دوسرے قسم کا ثمن، یا سامان کا سامان سے تبادلہ "بیع مقایضہ" کہلاتا ہے۔

بيع ملامسة:

اس کی شکل یہ ہے کہ بائع اور مشتری ایک دوسرے کے کپڑے بغیر کسی غور وفکر کے چھوتے ہیں اور بیع ہو جاتی ہے، یا یہ کہ بائع یا مشتری ایک دوسرے سے کہے کہ میں جب تیرے کپڑے چھودوں تو بیع ہو جائے گی۔

بيع منابذة:

اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بیچنے والا اور خریدار اپنے اپنے رومال یا کوئی کپڑا ایک دو سرے کی طرف پھینکتے ہیں اور دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے کپڑے کی طرف نہیں دیکھتے، اور بیع مکمل ہو جاتی ہے، اسے منابذہ" کہا جاتا ہے۔

بيع نقود:

نقود، اثمان، یا کرنسی کی آپس میں خرید وفروخت کو "بیع نقود" کہتے ہیں۔

بيع وضيعة:

جتنی قیمت کا سامان خریدا گیا تھا اس سے کم قیمت پر فروخت کرنے کو "بیع وضیعہ" کہتے ہیں۔

التأمين التجاری:

کاروباری انشورنس، بحری یا بری ٹرانسپورٹ کے ذریعہ سامان پارسل کرتے وقت یا اس سے پہلے سامان کے ہلاک ہونے، برباد اور غرقاب وغیرہ ہونے کے خوف سے جو سامان کا انشورنس ہوتا ہے، یا کمپنی یا فرم وغیرہ کے قیام کے وقت جو انشورنس ہوتا ہے، اسے "التامین التجاری" کہتے ہیں۔

ثمن:

بیچنے والے اور خریدار کے درمیان کسی سامان کی طے شدہ قیمت

حوالة:

کسی چیز کو منتقل کرنے کو کہتے ہیں، فقہاء کی اصطلاح میں قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری کسی دوسرے شخص کی جانب منتقل کرنے کو "حوالہ" کہا جاتا ہے۔ اس کے بھی چار اجزاء ہیں: "محیل" قرض لینے والا، "محتال" قرض دینے والا، "محتال علیہ" قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کرنے والا، یا جس کی جانب یہ ذمہ داری منتقل ہوئی ہے، محتال بہ" اصل دین، یا قرضہ جو "حوالہ" کے معاملہ کا باعث ہوتا ہے۔

رأس المال:

اصل سرمایہ (تجارت وغیرہ میں جتنا مال لگا ہوتا ہے) راس المال کہلاتا ہے۔

ربا:

اس کے معنی زیادتی کے ہیں (سود)۔

ربا استثماری:

رباِ استثماری کو ربا انتاجی بھی کہتے ہیں، سرمایہ کاری اور تجارت کی غرض سے جو سودی قرض بینک یا دیگر مالیاتی ادارے سے لئے جاتے ہیں اسے ربا استثماری یا ربا انتاجی کہتے ہیں۔

ربا استہلاکی :

اپنی ذاتی یا گھریلو ضروریات وغیرہ کی وجہ سے جو سودی قرضے لئے جاتے ہیں اسے ربا استہلاکی کہتے ہیں۔

ربا الفضل:

وہ اشیاء جن کو شریعت نے ربوی قرار دیا ہے (مثلاً سونا، چاندی، گندم، جو، نمک اور کھجور) ان کی آپس میں خرید و فروخت میں جو زیادتی ہوگی وہ ربا الفضل ہے، اس لئے کہ ان اشیاء کی بیع صرف برابر سرابر جائز ہے۔

ربا النسیئة:

قرض اور دَین جتنے دن ادھار ہو اس حساب سے دَین اور قرض کی رقم سے زیادہ لینا ربا النسیئہ کہلاتا ہے، یا یوں کہئے کہ جتنے دن قرض ادھار رہے گا اتنی مدت جوڑ کر متعین شرح سے قرض دینے والے کا مقروض سے دَین پر رقم لینا ربا النسیئہ کہلاتا ہے۔

رھن:

کسی چیز کو کسی سبب سے روک لینا ''رہن'' کہلاتا ہے، یا کسی چیز کو ایسے حق کے عوض گروی رکھنا، جس حق کی کلی یا جزوی طور پر اس کے ذریعہ وصولی ممکن اور یقینی ہو فقہ کی اصطلاح میں ''رہن'' ہے، اس کے چار اجزاء ہوتے ہیں: ''راہن'' سامان گروی رکھنے والا۔ ''مرتہن'' جس کے پاس گروی رکھا جائے، یا گروی لینے والا ''مرہون'' جو چیز رہن رکھی جارہی ہو ''مرہون بہ'' یعنی قرض یا عوض جس کی وجہ سے رہن کا معاملہ ہوا ہے۔

سعر / تسعیر:

سامان کی متعین قیمت کو ''سعر'' کہتے ہیں اور ''تسعیر'' سامان کی قیمتوں کے متعین کرنے کو کہتے ہیں۔

شرکت:

شرکت کے معنی چند افراد کے کسی چیز میں شریک اور حصہ دار ہونے کے ہیں، یا دو یا اس سے زیادہ حصوں کا اس طرح مل جانا کہ آپس میں تمیز نہ ہو سکے، ''شرکت'' کہلاتا ہے۔

شرکت صنائع:

اس کو شرکت تقبل بھی کہتے ہیں، یعنی کسی کام میں باہم دو شخص کا شریک ہونا، جیسے دو بڑھئی، یا درزی اس

طرح شرکت کا معاہد کریں کہ وہ دونوں آدمی کام لیں اور کریں، اور جو آمدنی ہو وہ دونوں اس میں برابر کے شریک ہو ں، اس کو شرکت صنائع کہتے ہیں۔

شرکت عنان

عنان کے معنیٰ کسی چیز سے منہ موڑنے اور پھیرنے کے ہیں، اور اصطلاح فقہ میں چند اشخاص کا اناج، یا دیگر چیزوں کی تجارت میں باہم شریک ہونا "شرکت عنان" ہے، اس کا انعقاد وکالت کے طریقہ پر ہوتا ہے۔

شرکت مفاوضہ:

مفاوضہ کے معنی برابری اور مساوات کے ہیں۔ یعنی دو یا اس سے زائد افراد کا باہم کسی چیز میں شریک ہونا، اور تمام افراد کا مال تصرف اور دین میں برابر کا حقدار ہونا "مفاوضہ" کہلاتا ہے۔

شرکت وجوہ:

دو شخص باہم خرید وفروخت میں شرکت کا معاملہ کریں اور کسی کا مال اس میں نہ لگا ہو بلکہ دونوں اپنے اپنے طور پر اپنی شخصیت، امانت اور شہرت وغیرہ کے بل بوتے پر سامان لائیں اور فروخت کریں، اور منافع میں دونوں شریک ہوں۔

عقد:

عقد کے معنی جوڑنے اور کسی چیز کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھنے کے ہیں، بیچنے والے اور خریدار کے درمیان خرید وفروخت کے وقت طے پانے والے معاملہ، معاہدہ کو اسی مناسبت سے عقد کہتے ہیں، جیسے عقد بیع، (بیع کا معاملہ)، اسی طرح عقد نکاح وغیرہ، اسی سے "عاقد" آتا ہے یعنی معاملہ کرنے والا۔

عقد استصناع:

(کسی سے سامان بنوانے کا معاملہ کرنا) اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ کسی خاص سامان تیار کرنے والے سے خاص چیز مثلاً لوہار، ویلڈر وغیرہ سے یہ کہنا کہ آپ فلاں سامان تیار کر کے ہمیں دیں، جو اس کی قیمت ہوگی میں دوں گا، یا اتنا پیسہ آپ کو دوں گا فلاں سامان بنا کر ہمیں آپ دیں، اور دونوں اس پر راضی ہوجائیں اسے "عقد الاستصناع" کہتے ہیں۔

الغرر:

وہ جس کا وجود اور عدم دونوں مشتبہ ہو، یعنی اس طرح کہ وہ چیز ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی ہوسکتی ہے، اس کو "غرر" کہتے ہیں۔

كفالة:

کسی مطالبہ (Claim) کے معاملہ میں ایک شخص کی ذمہ داری کے ساتھ کسی اور شخص کی ذمہ داری کو ملا دینا "کفالہ" کہلاتا ہے، یہ مطالبہ عام ہے کسی بھی چیز کا ہوسکتا ہے، "ضمانت" کفالہ کے ہم معنی ہے۔

مال خبیث:

ناجائز ذرائع سے کمایا، یا حاصل کیا گیا مال حرام، مال خبیث کہلاتا ہے۔

مال طیب:

حلال طریقے سے کمایا، یا ملا ہوا حلال مال، مال طیب ہے۔

مبیع:

جو چیز بیچی جارہی ہے (سامان)

مجازفة:

اندازے اور اٹکل سے سامان فروخت کرنا۔

مزارعة:

کاشتکاری، اور کھیتی میں بٹائی کے معاملہ کو یا بٹائی پر کھیت کسی کو دینے کو ''مزارعۃ'' کہتے ہیں، جس میں ایک شخص کا کھیت اور دوسرے شخص کی محنت، اور پیداوار میں دونوں شریک ہوتے ہیں، کبھی کبھی بیج محنت کش اور صاحب کھیت دونوں کی طرف سے ہوتی ہے، اور کبھی بیج اور محنت دونوں ایک ہی شخص کی طرف سے۔

مشتری:

خریدنے والا (خریدار)

مضاربت:

تجارت اور بزنس میں شرکت اور پارٹنرشپ کا وہ معاملہ جس میں ایک شخص کا پیسہ یا مال اور دوسرے شخص کی محنت ہو اور منافع میں دونوں شریک ہوں، اسے ''مضاربت'' کہتے ہیں۔

مکایلة:

کسی خاص قسم کے برتن سے ناپ کر سامان فروخت کرنا ''مکایلہ'' کہلاتا ہے، جیسے بالو، چونا اور پتھر کی چھوٹی چھوٹی کنکریاں کنستر وغیرہ سے ناپ کر فروخت ہوتے ہیں۔

وکیل:

وہ شخص جو کسی کام میں کسی دوسرے شخص کی طرف سے اس کے سپرد کردہ اختیارات کی بناء پر اس کی نیابت کرتا ہو، اور دوسرے کا کام کر رہا ہو۔

نوٹ: یہ واضح رہے کہ مذکورہ بالا تمام فقہی اور معاشی اصطلاحات کی صرف تشریح کی گئی ہے، حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے فقہی کتابوں سے مراجعت کی جائے۔

☆☆☆☆☆

انگریزی اصطلاحات شیئرز و کمپنی

جمع و ترتیب : صفدر زبیر ندوی

یہ تمام اصطلاحات کو جمع کرنے میں "اسلام اور جدید معیشت و تجارت" از مفتی محمد تقی عثمانی، "شیئرز بازار میں سرمایہ کاری۔ موجودہ طریقۂ کار اور اسلامی نقطہ نظر" از ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی اور "شرح اصطلاحات بینکاری" از جناب احسان الحق صاحب، ان تینوں کتابوں سے خاص طور سے مدد لی گئی ہے۔

Above Per	جب کوئی شے قدر عرفی سے زیادہ قیمت پر بکنے لگے
Accounts Payable	واجب الادا رقومات
Accounts Receivable	واجب الوصول حسابات (رقم)
Active Shares	ایسے حصص جن کی خرید و فروخت کثیر تعداد میں ہوتی ہو
At Per Issue	برابری قیمت پر اجراء
Arbitrage	دو اسٹاک ایکسچینجوں میں قیمتوں کے فرق سے فائدہ اٹھانا
Application Money	درخواست کی رقم
Annual Report	سالانہ رپورٹ
Allotment	شیئرز کی تقسیم یا حصول۔ شیئرز کی طلب و رسد
Allocation of Resources	وسائل کی تخصیص

Annual General Meeting	عام سالانہ اجتماع
Articles of Association	انتظامی ضوابط
Assets	اثاثے، املاک
Authorised Capital	منظور شدہ سرمایہ، تصریحی سرمایہ
Backwardation	اوندھا بدلہ
Badla Trading(Contango)	بدلہ تجارت
Bad Delivery	عیب دار تمسکات
Balance Sheet	تختہ توازن، کھاتہ، گوشوارۂ آمدوخرچ
Barter	سامان کے بدلے سامان کی بیع
Basket of Goods	نوٹ کے پیچھے سونے کے بجائے متفرق اشیاء کا مجموعہ (ثمن عرفی)
Beneficiary	فائدہ اٹھانے والا
Bear Market	قیمت کم ہو جائے تو اس شیئر مارکیٹ کو بیئر مارکیٹ کہتے ہیں
Bearer Share	نام غیر درج شدہ شیئر
Bear	بیئر (ریچھ)۔ قیمتیں نیچے لانے والا کاروباری شخص
Bill of Exchange	ہنڈی
Bid Option	خریداری کا حق
Board of Directors	مجلس منتظمہ
Bonds	تمسکات، قرض کی دستاویز
Bonus Shares	بلا قیمت حصص
Boom	ایسی حالت جس میں حصص کی قیمت نیچے چلی جائے

Book Value	کتابی قیمت
Brand	مارکہ
Break up Value	کمپنی تحلیل ہونے کے بعد ہر شیئر کے مقابلے میں کمپنی کے اثاثوں کا جو حصہ آئے
Broker	شیئر دلال
Brokerage	دلالی کی اجرت
Bull Market	کمپنی کے شیئر کی قیمت بڑھ جائے تو اس شیئر مارکیٹ کو بل مارکیٹ کہتے ہیں
Bull	بل (سانڈ)۔ قیمتیں اوپر اٹھانے والا کاروباری شخص
Capital	سرمایہ
Capital Apprec.at on	افزودئی سرمایہ
Call Option	اختیار بیع وشراء۔ فروخت کرنے کا حق
Capital Gain	قیمتوں کے بڑھنے کی وجہ سے جو نفع حاصل ہو
Capitalization	سرمایہ کی بنیاد
Capital Appreciation	سرمایہ کی قدر افزونی
Capital Market	سرمایہ بازار
Carry Forward	تقدیم
Cash	نقد
Certificate to commence the Business	
Certificates	سندات

Charter	اجازت نامہ
Clearing House	تصفیہ گھر
Closed End	در بند
Client	معاملہ دار
Commodities Market	وہ منڈی جہاں مال کی خرید و فروخت ہوتی ہے
Conatract Order	رقعہ معاہدہ
Collective Interest	اجتماعی مفاد
Collective Property	اجتماعی ملکیت
Commercial Company	تجارتی کمپنی
Commercial Insurance	تجارتی بیمہ
Company Act	کمپنی قوانین
Compensation	تعویض مالی
Consumption of Wealth	صَرف دولت
Contract	معاہدہ۔عقد
Convertible Bonds	قابل تبدیل سندات
Convertible Debentures	قابل تبدیل قرض تمسکات
Convertible Shares	قابل تبدیل حصص
Corporate Law Authority	کمپنیوں کی تشکیل کی اجازت دینے والا اور ان کو کنٹرول کرنے والا ادارہ
Corporate Stockes	اجتماعی تمسکات

Cost Push Inflation	جب افراطِ زر اشیاء کی تیاری کے مصارف میں اضافے کی وجہ سے ہو۔
Competitive Market	مقابلہ جاتی بازار
Creditor	قرض دینے والا
Current Assets	رواں اثاثے
Current Liabilities	رواں ذمہ داریاں
Daily Product Basis	روزانہ پیداوار پر مبنی حساب
Daily Margin	یومیہ حاشیہ
Debentures	قرض تمسکات، قرضے کے رہن کا وثیقہ
Debt Market	قرض بازار
Decreasing Partnership	شرکت متناقصہ
Deference	فرق
Deficit Financing	خساراتی تمویل
Deflation	تفریطِ زر
Demand Pull Inflation	جب افراطِ زر اشیاء کی طلب بڑھ جانے کی وجہ سے ہو
Deposits	امانتیں۔ ودائع
Determination of Priorities	ترجیحات کا تعین
Direct Expenses	براہِ راست فروختگی
Discount	منہا
Discounter	بٹہ لگانے والا

Distributable Profit	قابل تقسیم منافع
Distribution of Wealth	تقسیم دولت
Distribution of income	آمدنی کی تقسیم
Dividend	منافع قابل تقسیم
Earning Per Share (EPS)	فی حصہ کمائی
Endorsement	کسی دستاویز کے پشت پر مہر تصدیق ثبت کرنا
Entrepreneur	آجر
Equilable Distribution	منصفانہ تقسیم
Equity Fund	مساوی فنڈ
Equity Shares	مساوی شیئرز (برابری کے حصص)
Equity Capital	شراکتی سرمایہ
Equity Participation	مساوی شرکت
Exchange	تبادلہ
Exchange of Wealth	مبادلہ دولت
Experts	ماہرین
Face Value, Par Value	متعین لکھی ہوئی قیمت
Factors of Production	عوامل پیداوار
Fictitious Person	فرضی شخص
Fiduciary Money	ایسے نوٹ جس کی پشت پر سو فیصد سونا نہ ہو
Finance Company	سرمایہ کار کمپنی

Financial Leas	اجارہ کی ایک قسم
Financing	سرمایہ فراہم کرنا
Financial Market	اسٹاک ایکسچینج، سرمایہ بازار
Financial Option	مالیاتی اختیار
Fixed Assets	جامد اثاثے
Fixed Deposit	میعادی جمع اسکیم
Floating Loans	رواں قرضے
Forwardation Charge,Contango	اجرت تقدیم
Foreign Loans	بیرونی قرضے
Forward Sale	غائب سودا
Forward Trading	بیع مستقبل
Foreign Investment Institution (FIIS)	سرمایہ کاری کے بیرونی ادارے
Free Competition	آزاد مقابلہ
Freely Floating Exchange Rage	کرنسی کے ریٹ کو کھلے بازار پر چھوڑ دیا جانا
Full Margin	اگر درآمد کنندہ لائف انشورنس کھلواتے وقت ہی پوری رقم ادا کر دیتا ہے تو کہتے ہیں کہ فل مارجن پر ایل سی کھلوائی گئی۔
Fully Convertible	مکمل طور پر نا قابل تبدیل
Fundamental Analysis	بنیادی تجزیہ
Future Sale	بیع مستقبلیات

Future Financial Market (F.F.M)	مالیاتی مستقبل بازار
Future Buying	مستقبل خریداری
Future Selling, Short Position	مستقبل فروخت
General Agreement on Tariff & Trade (GATT)	محصولات وتجارت کا معاہدہ عام
Global Deposit Receipts	عالمی جمع رسید
Gold Bullion Standard	جتنا سونا ہو اتنے ہی نوٹ جاری کیا جانا
Gross Profit	اجمالی منافع
Gross Sales	مجموعی فروختگی
Group Insurance	اجتماعی انشورنس
Guarantee	ضمانت
Hedging	نقصان سے تحفظ
Income Statement	مالیاتی وضاحت
Index	اشاریہ
Insider Trading	داخلی تجارت
Inflation	افراط زر
Initial Issue	ابتدائی اجراء
Instruments	دستاویزات
Insurance	بیمہ

Intangible Assets	غیر مادی اثاثے
Interest	سود
Interest Bearing	سود بردار
Interest Bearing Instruments	سودی ذرائع
Internal Loans	داخلی قرضے
Investment	سرمایہ کاری
Investment Trust	سرمایہ کاری کے درمیانی ادارے
Investment Bank	سرمایہ کاری بینک
Investor	سرمایہ کار
Inactive Shares	ایسے حصص جن کا اندراج تو ہوتا ہے لیکن ان کی خرید و فروخت کبھی کبھار ہوتی ہے
Irredeemable	نا قابل انفکاک
Issue	اجراء
Issue House	اجراء جدید
Issue at a discount	منہائی پر اجراء
Issue at a premium	اضافی قیمت پر اجراء
Issue at par	برابری پر اجراء
Issued Capital	جاری کردہ سرمایہ
Islamic Financial Instruments	اسلامی مالیاتی ذرائع
Joint Stock Company	مشترکہ سرمایہ کمپنی

Leasing	اجارہ
Legal Person, Juristic Person, Juridical Person	شخص قانونی
Legal Tender	زرقانونی
Legal Entity	قانونی وجود
Lender of the Last Resort	آخری چارۂ کار کے طور پر قرض دینے والا
Lessee	مستاجر
Lessor	موجر
Letter of Credit	خط اعتماد
Liability	ذمہ داری
Life Insurance	جیون بیمہ
Limited Company	محدود ذمہ داری والی کمپنی
Limited Legal Tender	محدود زرقانونی
Limited Liability	محدود ذمہ داری
Limited Order	ایسا آرڈر جس میں قیمت مقرر کر کے آرڈر دیا جائے۔
Liquidity	نقد پذیری، سیالیت
Listed Companies	جن کمپنیوں کے شیئرز کی خرید و فروخت اسٹاک ایکسچینج میں ہوتی ہے۔
Listing	درج فہرست
Liquidator	تحلیل کنندہ

Loan	قرض
Long Term Capital Gain	طویل مدتی سرمایہ نفع
Long Term Credit	طویل المیعاد قرضے
Long Term Liabilities	طویل المیعاد ذمہ داریاں
Mandatory Order	وجوبی حکم
Mark up	نفع کی جو شرح طے کی جائے
Market Forces	بازار کی قوت
Market Order	ایسا آرڈر جس میں مارکیٹ ریٹ پر شیئرز خریدے جائیں
Market Value	بازاری قیمت
Mercantilism	سوداگری، ملک کی اقتصادی ترقی کے لئے سونا بڑھانا
Merchant Banker	درمیانی واسطہ
Monetary System	نظام زر (نقد)
Monopoly	اجارہ داری
Mortgage	رہن رکھنا
Multinational Company	کثیر قومی کمپنی
Mutual Fund	باہمی فنڈ
Mutual Insurance	باہمی انشورنس
Net Sales	صافی فروختگی
Net Asset Value	خالص قدر اثاثہ
New Issue	اجراء جدید

Net Worth	صافی مالیت
Non Voting Shares	غیر رائے دہی والے حصے
Non Specified Shares	غیر مخصوص حصص
Non Convertible Fund	مہم جو سرمایہ کا فنڈ
Offer Price	پیش کش قیمت
Offer For Sale	فروخت کی پیش کش
On The Spot	حاضر یا فی الفور سودا
Open End	در کھلا
Operating Leas	اجارہ کی ایک قسم
Options	اختیارات خاص چیز کو خاص قیمت پر خرید و فروخت کا حق
Origination	بنیادی تیاری
Ordinary Share	معمولی شیئر
Over Head Expenses	روزمرہ کی تجارتی ضروریات کے لیے قرض لیا جاتا
Over the Counter Transaction	جن شیئرز کا کاروبار اسٹاک ایکسچینج کے توسط کے بغیر ہوتا ہے
Paid up Capital	ادا شدہ سرمایہ۔ وہ سرمایہ جو شیئر جاری کر کے حاصل کیا جاتا ہے
Partnership	شرکت
Partly Convertale	جزوی طور پر قابل تبدیل
Payment	ادائیگی
Permenent Loans	مستقل قرضے

Port Folio	مختلف مالیاتی رقعہ جات (تمسکات) پر مشتمل سرمایہ کاری کا مجموعہ
Preference Shares	ترجیحی حصص
Premium	شیئر کی قیمت فروخت کا وہ حصہ جو اس کی قدر عرفی سے زائد ہو
Price Index	قیمتوں کا اشاریہ
Price Earning Ratio	قیمت اور کمائی کا تناسب
Price Bond	قیمت کی بندش
Primery Market	ابتدائی بازار
Private Property	ذاتی ملکیت
Private Proprietorship	شخصی کاروبار
Private Sector	نجی شعبہ
Privatization	نج کاری
Private Placement	ذاتی بالواسطہ فروخت
Procedure	کارروائی
Produced Factor of Production	پیدا کردہ عامل پیدائش
Production of Wealth	پیدائش دولت
Profit	نفع
Profit Motive	ذاتی منافع کا محرک
Promoters	ترقی دینے والے (بانی)
Prospectus	کیفیت نما

Promissory Note	معاہداتی دستاویز
Public Company	عوامی کمپنی
Public Issue	اجراء عام، عوامی اجراء
Public Limited Company	محدود ذمہ داری والی عوامی کمپنی
Public Sector	سرکاری شعبہ
Put Option	اختیار بیع
Quality	نوعیت
Quantity	کمیت
Quotation	قیمت کا اظہار
Quick Assets	آسانی کے ساتھ نقد روپے میں تبدیل ہونے والے اثاثے
Quoted Share	وہ حصص جو باضابطہ طور پر فہرست میں درج ہوں اور ان کی قیمت بھی شائع ہوئی ہو
Ratification	قیمت متعین کرنا
Real Value	حقیقی قیمت
Receivable	واجب الوصول
Receiver	تقسیم کنندہ
Redeemable	قابل انفکاک
Refund	رقم کی واپسی
Registered Share	نام درج شدہ شیئر
Rent	کرایہ، لگان

جدید فقہی مباحث

شیئرز اور کمپنی

ترتیب

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی مدظلہ

اس کتاب میں اسٹاک ایکسچینج کے کاروبار، شیئرز کی شرعی حیثیت، اور شیئرز کی خرید وفروخت، شیئرز وحصص کے شرعی احکام، اور کمپنی کے حصص میں سرمایہ کاری کے تعارف اور طریقۂ کار نیز شیئرز کی خرید وفروخت سے حاصل شدہ منافع کی شرعی حیثیت جیسے نازک مسائل پر اہم تحقیقات شامل ہیں۔ آخر میں عربی اور انگریزی زبان میں مروج جدید معاشی اصطلاحات کی اردو میں تشریح پیش کی گئی ہے۔

تاثرات:
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی
مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی
شیخ الاسلام حضرت مولانا جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

جلد۔ ١٦

ناشر:

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

گلشن اقبال کراچی فون: 34965877

مجمع الفقہ الاسلامی (الھند) — **Islamic Fiqh Academy (India)**

اجازت نامہ سلسلۂ مطبوعات اسلامی فقہ اکیڈمی

محترمی نعیم اشرف نور، فہیم اشرف نور سلمہم اللہ تعالیٰ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعائے عافیت دارین۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی دینی وعلمی خدمات کو قبول فرمائے اور دینی ودنیاوی ترقیات سے نوازیں، آمین۔ اسلامی فقہ اکیڈمی کی جملہ مطبوعات کی پاکستان میں اشاعت وطباعت وتقسیم کے لیے آپ کے ادارے ''ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ'' کو اجازت دی جاتی ہے، اور پاکستان میں یہ حق صرف آپ کے ادارے کو حاصل رہے گا۔ تمام پرسان احوال کو میرا اسلام پہنچادیں۔

والسلام مجاہد الاسلام قاسمی

صدر اسلامی فقہ اکیڈمی

باہتمام .... نعیم اشرف نور

ناشر .... ادارۃ القرآن گلشن اقبال

کراچی، فون: 021-34965877

اشاعت ۲۰۰۹ء

ڈسٹری بیوٹرز

☆ مکتبۃ القرآن، بنوری ٹاؤن کراچی 021-34856701

مرکز القرآن اردو بازار کراچی 021-32624608

ملنے کے پتے

☆ دار الاشاعت اردو بازار کراچی 021-32631861

☆ بیت القرآن اردو بازار کراچی 021-32630744

☆ ادارۃ المعارف دار العلوم کورنگی 021-35032020

☆ مکتبہ معارف القرآن دار العلوم 021-35031565-6

☆ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ H-8/1 اسلام آباد

☆ ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور 042-37353255

☆ بیت العلوم نابھہ روڈ پرانی انارکلی لاہور 042-37352483

☆ مکتبہ رحمانیہ لاہور 042-37334228

☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ 2668657

چند تاثرات برائے اسلامی فقہ اکیڈمی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

''اسلامک فقہ اکیڈمی ہند'' ایک ایسا ادارہ اور تنظیم ہے جس پر ہندوستانی مسلمانوں ...... بالخصوص علماء اور دینی غیرت وفکر رکھنے والے ہندوستانی مسلمانوں کو فخر اور فخر سے زیادہ خدا کا شکر کرنے کا حق حاصل ہے، یہ ایک خالص تعمیری وفکری، علمی اور فقہی تنظیم اور اجتماعیت ہے جس میں ملک کے ممتاز، صحیح العقیدہ وصحیح الفکر اور وسیع العلم علماء اور کارکن شامل ہیں''۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی

صدر دار العلوم کراچی

''مجھے بے انتہا مسرت بھی ہے اور کسی قدر حسرت بھی، مسرت اس بات کی کہ ہندوستان کے علماء کرام نے وہ عظیم الشان کام شروع کیا ہے جس کی پورے عالم کو اور اقلیت والے ملکوں کو شدید ضرورت ہے۔ اور حسرت یہ ہے کہ ہم پاکستان میں ہونے کے باوجود منظم اور بڑے پیانہ پر یہ کام شروع نہیں کر سکے..... فقہ اکیڈمی نے بڑا اہم قدم اٹھایا ہے، مدت سے اس کا انتظار تھا''۔

چند تاثرات

شیخ الاسلام جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

نائب رئیس مجمع الفقہ الاسلامی جدہ

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی دامت برکاتہم سے میرا غائبانہ تعارف ایک طویل مدت سے ہے۔ لیکن میں ان کو ایک فقیہ ایک عالم کی حیثیت سے جانتا تھا، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایک مخفی جوہر، مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا بھی ودیعت کر رکھا ہے۔ آج اس محفل میں شرکت کرنے کے بعد ہندوستان کے علماء اور علم و فضل کے پیکر حضرات سے ملاقات کر کے اس بات کا اندازہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے اس اکیڈمی کو قائم کر کے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کے اس کارنامے کو قبول فرمائے اور اس کے اغراض و مقاصد کو اپنی رضا کے مطابق پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس موقع پر اس اکیڈمی کے اغراض و مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اس اکیڈمی کا قیام جناب نبی کریم ﷺ کے ایک ارشاد کی تعمیل ہے۔ وہ ارشاد معجم طبرانی میں ایک روایت ہے جسے علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ!

"اذا جاء نا امر لیس فیہ امر و لا نہی فما ذا تأمرنا فیہ"

یا رسول اللہ! اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا سوال آ جائے، ایسا قضیہ سامنے آ جائے جس کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کوئی صریح حکم موجود نہ ہو تو اس صورت حال میں آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں ایسے موقع پر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ حضرت نبی کریم سرور عالم نے ارشاد فرمایا:

"شاوروا الفقہاء العابدین و لا تمضوا فیہ رای خاص"

کہ ایسے موقع پر فقہاء عابدین سے مشورہ کرو، اور اس میں انفرادی رائے کو نافذ نہ کرو، محض انفرادی فتویٰ کو محض انفرادی رائے کو لوگوں پر مسلط کرنے کی بجائے فقہاء عابدین سے مشورہ کرو، اور اس مشورہ کے نتیجہ میں جس مقام پر پہنچو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سمجھو، یہ ہے وہ ارشاد جس کے ذریعہ نبی کریم سرور عالم ﷺ نے قیام قیامت تک پیدا ہونے والے تمام نت نئے مسائل کا حل ہمارے لئے تجویز فرمایا اور وہ یہ کہ آخری وقت میں جب کہ اجتہاد مطلق کا تصور تقریباً مفقود ہو گیا ہے اس دور میں نئے مسائل کو حل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ فقہاء عابدین کو جمع کیا ہے۔ مگر اس میں نبی کریم ﷺ نے دو صفتیں بیان فرمائی۔ ایک یہ کہ جن لوگوں کو جمع کیا جائے وہ تفقہ فی الدین رکھنے والے ہوں۔ دین کی صحیح سمجھ رکھنے والے ہوں۔ دین کے مزاج و مذاق کو اچھی طرح محفوظ کرنے والے ہوں، اور دوسری قید یہ لگا دی کہ وہ فقہاء محض فلسفی قسم کے نہ ہوں، جو نظریاتی طور پر فقیہ ہوں، نظریاتی طور پر اسلام کے احکام کو جانتے ہوں، جو محض علم رکھتے ہوں، لیکن اس علم پر خود عمل پیرا نہ ہوں۔ اس علم کو اپنی زندگی میں اپنائے ہوئے نہ ہوں، اور اس علم کو اپنی زندگی کا منتہائے مقصود نہ بنایا ہو، تو ایسے فقہاء سے مشورہ کرنے کا کوئی حاصل نہیں، اس لئے کہ دین، یہ محض ایک نظریہ اور فلسفہ نہیں کہ ایک شخص محض فلسفہ کے طور پر اس کو اپنا لے، اس کے حکم بیان کر دے اور پھر بھی اس کا ماہر کہلائے۔ بلکہ یہ ایک عمل ہے۔ ایک پیغام ہے، ایک دعوت ہے۔ جب تک اس پر عمل صحیح طور پر نہیں ہوگا، اس وقت تک دین کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہو سکتی۔

فہرست مضامین

دوسرا موضوع : کمپنی وحصص کمپنی ۳۰۹

کمپنی کے حصص سے متعلق جوابات ۳۲۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جو اقتصادی جد و جہد، تجارتی و صنعتی ترقی، خرید و فروخت کے معیارات اور طریقے متوازن و عادلانہ معاشی نظام اور مستحکم اصولوں کی روشنی میں پیش کرتا ہے۔

اسلام سرمایہ، سرمایہ کاری، اخراجات، پیسہ کی بچت، مالیاتی لین دین، مال بیچنے اور بھیجنے، سرمایہ محفوظ کرنے اور خرچ کرنے، منافع کم لینے یا زیادہ لینے، قیمت کے اتار چڑھاؤ، صنعت و حرفت نیز مہارت و حقوق کی فروخت، اجرت و محنت جیسے تمام امور کی ضابطہ بندی کرتے ہوئے انسانوں کی واضح رہنمائی پیش کرتا ہے۔

آج کی دنیا صنعتی انقلاب کے بعد فنی اور تکنیکی اعتبار سے بہت آگے بڑھ گئی ہے چنانچہ خرید و فروخت، تجارت اور سرمایہ کاری کی اتنی متنوع شکلیں پیدا ہو چکی ہیں جن کی ماضی میں کوئی نظیر نہیں ملتی، مثلاً بینکاری کا نظام، کرنسی کا نظام، مارکٹنگ کا نظام، قبضہ سے پہلے فروخت اور نفع کے حصول کا سریع الحرکت نظام، حصص کے خرید و فروخت کا نظام، بین الاقوامی تجارتی نظام، کرنسی کے مساوی کارڈ کا نظام، اور ان ساری سرگرمیوں کو چلانے اور کنٹرول کرنے کے لئے مختلف النوع اداروں اور کمپنیوں کا نظام یہ سب اپنی جگہ آج کے عہد میں ایسی ضرورت بن چکے ہیں جن سے بے شمار مسائل و سوالات جڑے ہوئے ہیں۔

اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ موجودہ رائج معاشی نظام اصلاً سود پر مبنی ہے، جس میں زیادہ تر سرمایہ داروں کا معاشی و مفاداتی تحفظ ہوتا ہے، اور غریبوں کا لہو، ان کی شب و روز محنت اور سستی اجرت سے نچوڑا جاتا ہے۔

اسلام دراصل اقتصادی محاذ پر ظلم و استحصال کا خاتمہ، معاشی عدل کا قیام اور سود کے شائبہ سے پاک نظام کا نفاذ و احیاء اور بقا چاہتا ہے، اسی لئے اسلامی شریعت اپنے جامع و پائدار اصولوں کے ذریعہ انسانی سماج کو ہر عہد، ہر دور اور ہر خطہ میں فلاحی و دنیوی ترقی اور معاشی خوشحالی سے ہمکنار کرنا چاہتی ہے۔

ہندوستان میں قائم معاشی نظام کی اساس سود پر مبنی ہے، اس لئے کروڑوں ہندوستانی مسلمانوں کی قرآنی حکم اور اسلامی شریعت پر عمل کرنے کے لئے غیر سودی معاشی نظام، غیر سودی بنکاری اور اسلامی مالیاتی ادارے قائم کرنے اور دستوری و آئینی طور پر موجود گنجائشوں اور امکانات و حدود میں رہتے ہوئے مثبت و تعمیری کوششیں کرنے کی فکر بجا اور لائق تحسین ہے، واضح رہے کہ ہندوستان میں تجارت کے جو مختلف اصول جاری و ساری ہیں، جن کے ذریعہ سرمایہ کاری بھی ہوتی ہے اور بینک میں پیسے جمع کرنے والوں کو جائز منافع بھی تقسیم کیا جاتا ہے، ان پر اکیڈمی نے بہت پہلے کام شروع کیا، اور خوشی کی بات یہ ہے کہ بینکنگ اور موجودہ قانون کے بڑے ماہرین، جو اسلامی شریعت کی ہدایات کی پابندی کرتے ہوئے اپنے فن کے بارے میں بہتر رائے دینے کی پوزیشن میں ہیں، کا تعاون بھی اکیڈمی کو

حاصل رہا۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے۔

اس سلسلہ میں اقتصادی ماہرین پر مشتمل تشکیل شدہ طاقتور کمیٹی کی کئی نشستیں ہوئیں، جن میں علماء بھی شریک رہے، ماہرین میں پروفیسر کے بی منشی صاحب جو معاشیات بالخصوص اسلامی معاشیات پر اچھا خاصا کام کر چکے ہیں، ہمارے عزیز دوست جناب کمال فاروقی صاحب جو Chartered Accountant ہیں، جناب رحمن خاں صاحب جو الامین اسلامک بینک کے مؤسس و بانی ہیں، جو سرمایہ کاری بھی کرتا ہے، فائنانس بھی کرتا ہے، اور جس کو شریعت کے مطابق چلانے کا عزم انہوں نے کر رکھا ہے، ایک کامیاب ادارے کی حیثیت سے وہ کام بھی کر رہا ہے، اور بھی بعض بہت ہی مفید کام اللہ ان سے لے رہا ہے۔ جناب سید امین الحسن رضوی صاحب جو ماشاء اللہ شریعت پر بھی نظر رکھتے ہیں اور جدید قانون پر بھی، بہت محنت اور بڑی جانفشانی سے مطالعہ کرتے رہتے ہیں، ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی صاحب جو اسلامی معاشیات کے معروف ونمایاں اسکالر ہیں، جناب احسان الحق صاحب جو مالیاتی اداروں اور بینکوں کے انتظامی امور سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں اور اسلامی اقتصادیات سے بھی بخوبی واقف ہیں، عبدالوہاب دیلوی صاحب جو بینکنگ کا خاص تجربہ رکھتے ہیں، اور سب سے منفرد صلاحیت اور تجربات کے حامل ڈاکٹر عبدالحسیب صاحب اس کمیٹی میں روز اول سے ہی شریک رہے، ان سب کے علاوہ اور بھی متعدد ماہرین کمیٹی کے ساتھ علمی تعاون کرتے رہے، مولانا شمس پیرزادہ صاحب جن کو اقتصادی موضوعات سے خصوصی دلچسپی بھی ہے، اور شرعی معاملات میں کوئی مصالحت بھی کرنے کا مزاج ان کا نہیں ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ سب لوگ ان نشستوں میں شریک رہے، چونکہ بات بہت پرانی ہوگئی ہے اس لئے تھوڑی سی کہانی بھی سنا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

پہلا فیصلہ تمام قانونی تجزیہ کے بعد یہ ہوا کہ اصطلاح میں جس کو بینک کہا جاتا ہے اور جو International Banking Law یا Indian Banking Law کے تحت Govern ہوتا ہے، ایسے کسی بینک کو ہندوستان میں چلانا ہمارے لئے شریعت کی روشنی میں ممکن نہیں ہے، علماء اور ماہرین کی کمیٹی قطعی طور پر اس نتیجہ تک پہنچ چکی ہے، بنیادی بات یہ ہے کہ شریعت کا اصول کتاب اللہ نے واضح کر دیا ہے: "احلّ اللہ البیع و حرّم الربا" اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور ربا کو حرام کیا، لیکن Banking کے رائج قوانین کی شکل "احلّوا الربا و حرّموا البیع" ابھرتی ہے یعنی کوئی بھی بینک براہ راست Commercial Activities نہیں کر سکتا ہے، کوئی تجارتی نشاط اس کے اندر نہیں ہو سکتا، البتہ وہ سود پر قرض دیتا ہے، اور لینے والے اس سے تجارت کرتے ہیں، گویا بالواسطہ تجارت میں شرکت ہے، اس طرح کہ بینک کا سرمایہ ہر طرح محفوظ اور Secure رہتا ہے اور اس کا منافع بھی Secure اور محفوظ رہتا ہے، وہ کوئی Risk نہیں لیتا، یہ ایک بنیادی فرق ہے کہ بینک اپنی جدید اصطلاح کے اعتبار سے ایک ایسا سودی کاروبار ہے جس کے ساتھ وہ اپنے سرمایہ کو کبھی بھی Risk میں نہیں ڈالتا، منافع ضرور حاصل کرتا ہے، ظاہر ہے کہ جب شریعت آئے گی تو وہ پہلے کہے گی کہ بیع اور تجارت حلال ہے، Commercial Activities حلال ہیں اور جملہ ربوی معاملات حرام ہیں۔

جدید فقہی مباحث

شیئرز اور کمپنی

ترتیب

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی مدظلہ

اس کتاب میں اسٹاک ایکسچینج کے کاروبار، شیئرز کی شرعی حیثیت، اور شیئرز کی خرید وفروخت، شیئرز وحصص کے شرعی احکام، اور کمپنی کے حصص میں سرمایہ کاری کے تعارف اور طریقۂ کار نیز شیئرز کی خرید وفروخت سے حاصل شدہ منافع کی شرعی حیثیت جیسے نازک مسائل پر اہم تحقیقات شامل ہیں۔ آخر میں عربی اور انگریزی زبان میں مروج جدید معاشی اصطلاحات کی اردو میں تشریح پیش کی گئی ہے۔

تاثرات:
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی
مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی
شیخ الاسلام حضرت مولانا جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

جلد۔ ۱۶

ناشر:

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

گلشن اقبال کراچی فون: 34965877

مجمع الفقہ الاسلامی (الھند) Islamic Fiqh Academy (India)

اجازت نامہ سلسلۂ مطبوعات اسلامی فقہ اکیڈمی

محترمی نعیم اشرف نور، فہیم اشرف نور سلمہم اللہ تعالیٰ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعائے عافیت دارین۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی دینی وعلمی خدمات کو قبول فرمائے اور دینی ودنیاوی ترقیات سے نوازیں، آمین۔ اسلامی فقہ اکیڈمی کی جملہ مطبوعات کی پاکستان میں اشاعت وطباعت وتقسیم کے لیے آپ کے ادارے ''ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ'' کو اجازت دی جاتی ہے، اور پاکستان میں یہ حق صرف آپ کے ادارے کو حاصل رہے گا۔ تمام پرسان احوال کو میرا اسلام پہنچادیں۔

والسلام مجاہد الاسلام قاسمی

صدر اسلامی فقہ اکیڈمی

باہتمام .... نعیم اشرف نور

ناشر .... ادارۃ القرآن گلشن اقبال

کراچی، فون: 021-34965877

اشاعت ۲۰۰۹ء

ڈسٹری بیوٹرز

☆ مکتبۃ القرآن، بنوری ٹاؤن کراچی 021-34856701

مرکز القرآن اردو بازار کراچی 021-32624608

ملنے کے پتے

☆ دار الاشاعت اردو بازار کراچی 021-32631861

☆ بیت القرآن اردو بازار کراچی 021-32630744

☆ ادارۃ المعارف دار العلوم کورنگی 021-35032020

☆ مکتبہ معارف القرآن دار العلوم 021-35031565-6

☆ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ H-8/1 اسلام آباد

☆ ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور 042-37353255

☆ بیت العلوم نابھہ روڈ پرانی انارکلی لاہور 042-37352483

☆ مکتبہ رحمانیہ لاہور 042-37334228

☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ 2668657

چند تاثرات برائے اسلامی فقہ اکیڈمی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

''اسلامک فقہ اکیڈمی ہند'' ایک ایسا ادارہ اور تنظیم ہے جس پر ہندوستانی مسلمانوں ...... بالخصوص علماء اور دینی غیرت وفکر رکھنے والے ہندوستانی مسلمانوں کو فخر اور فخر سے زیادہ خدا کا شکر کرنے کا حق حاصل ہے، یہ ایک خالص تعمیری وفکری، علمی اور فقہی تنظیم اور اجتماعیت ہے جس میں ملک کے ممتاز، صحیح العقیدہ وصحیح الفکر اور وسیع العلم علماء اور کارکن شامل ہیں''۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی

صدر دارالعلوم کراچی

''مجھے بے انتہا مسرت بھی ہے اور کسی قدر حسرت بھی، مسرت اس بات کی کہ ہندوستان کے علماء کرام نے وہ عظیم الشان کام شروع کیا ہے جس کی پورے عالم کو اور اقلیت والے ملکوں کو شدید ضرورت ہے۔ اور حسرت یہ ہے کہ ہم پاکستان میں ہونے کے باوجود منظم اور بڑے پیمانہ پر یہ کام شروع نہیں کر سکے...... فقہ اکیڈمی نے بڑا اہم قدم اٹھایا ہے، مدت سے اس کا انتظار تھا''۔

چند تاثرات

شیخ الاسلام جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

نائب رئیس مجمع الفقہ الاسلامی جدہ

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی دامت برکاتہم سے میرا غائبانہ تعارف ایک طویل مدت سے ہے۔ لیکن میں ان کو ایک فقیہ ایک عالم کی حیثیت سے جانتا تھا، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایک مخفی جوہر، مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا بھی ودیعت کر رکھا ہے۔ آج اس محفل میں شرکت کرنے کے بعد ہندوستان کے علماء اور علم و فضل کے پیکر حضرات سے ملاقات کر کے اس بات کا اندازہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے اس اکیڈمی کو قائم کر کے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کے اس کارنامے کو قبول فرمائے اور اس کے اغراض و مقاصد کو اپنی رضا کے مطابق پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس موقع پر اس اکیڈمی کے اغراض و مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اس اکیڈمی کا قیام جناب نبی کریم ﷺ کے ایک ارشاد کی تعمیل ہے۔ وہ ارشاد معجم طبرانی میں ایک روایت ہے جسے علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ!

"اذا جاء نا امر لیس فیہ امر و لا نہی فما ذا تأمرنا فیہ"

یا رسول اللہ! اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا سوال آجائے، ایسا قضیہ سامنے آجائے جس کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کوئی صریح حکم موجود نہ ہو تو اس صورت حال میں آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں ایسے موقع پر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ حضرت نبی کریم سرور عالم نے ارشاد فرمایا:

"شاوروا الفقہاء العابدین ولا تمضوا فیہ برای خاص"

کہ ایسے موقع پر فقہاء عابدین سے مشورہ کرو، اور اس میں انفرادی رائے کو نافذ نہ کرو، محض انفرادی فتویٰ کو، محض انفرادی رائے کو لوگوں پر مسلط کرنے کی بجائے فقہاء عابدین سے مشورہ کرو، اور اس مشورہ کے نتیجہ میں جس مقام پر پہنچو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سمجھو، یہ ہے وہ ارشاد جس کے ذریعہ نبی کریم سرور عالم ﷺ نے قیام قیامت تک پیدا ہونے والے تمام نت نئے مسائل کا حل ہمارے لئے تجویز فرمایا اور وہ یہ کہ آخری وقت میں جب کہ اجتہاد مطلق کا تصور تقریباً مفقود ہو گیا ہے اس دور میں نئے مسائل کو حل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ فقہاء عابدین کو جمع کیا ہے۔ مگر اس میں نبی کریم ﷺ نے دو صفتیں بیان فرمائی۔ ایک یہ کہ جن لوگوں کو جمع کیا جائے وہ تفقہ فی الدین رکھنے والے ہوں۔ دین کی صحیح سمجھ رکھنے والے ہوں۔ دین کے مزاج و مذاق کو اچھی طرح محفوظ کرنے والے ہوں، اور دوسری قید یہ لگا دی کہ وہ فقہاء محض فلسفی قسم کے نہ ہوں، جو نظریاتی طور پر فقیہ ہوں، نظریاتی طور پر اسلام کے احکام کو جانتے ہوں، جو محض علم رکھتے ہوں، لیکن اس علم پر خود عمل پیرا نہ ہوں۔ اس علم کو اپنی زندگی میں اپنائے ہوئے نہ ہوں، اور اس علم کو اپنی زندگی کا منتہائے مقصود نہ بنایا ہو، تو ایسے فقہاء سے مشورہ کرنے کا کوئی حاصل نہیں، اس لئے کہ دین، یہ محض ایک نظریہ اور فلسفہ نہیں کہ ایک شخص محض فلسفہ کے طور پر اس کو اپنا لے، اس کے حکم بیان کر دے اور پھر بھی اس کا ماہر کہلائے۔ بلکہ یہ ایک عمل ہے۔ ایک پیغام ہے، ایک دعوت ہے۔ جب تک اس پر عمل صحیح طور پر نہیں ہوگا، اس وقت تک دین کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہو سکتی۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جو اقتصادی جدو جہد، تجارتی و صنعتی ترقی، خرید وفروخت کے معیارات اور طریقے متوازن وعادلانہ نہ معاشی نظام اور مستحکم اصولوں کی روشنی میں پیش کرتا ہے۔

اسلام سرمایہ، سرمایہ کاری، اخراجات، پیسہ کی بچت، مالیاتی لین دین، مال بیچنے اور بھیجنے، سرمایہ محفوظ کرنے اور خرچ کرنے، منافع کم لینے یا زیادہ لینے، قیمت کے اتار چڑھاؤ، صنعت وحرفت نیز مہارت وحقوق کی فروخت، اجرت ومحنت جیسے تمام امور کی ضابطہ بندی کرتے ہوئے انسانوں کی واضح رہنمائی پیش کرتا ہے۔

آج کی دنیا صنعتی انقلاب کے بعد فنی اور تکنیکی اعتبار سے بہت آگے بڑھ گئی ہے چنانچہ خرید وفروخت، تجارت اور سرمایہ کاری کی اتنی متنوع شکلیں پیدا ہو چکی ہیں جن کی ماضی میں کوئی نظیر نہیں ملتی، مثلاً بینکاری کا نظام، کرنسی کا نظام، مارکٹنگ کا نظام، قبضہ سے پہلے فروخت اور نفع کے حصول کا سریع الحرکت نظام، حصص کے خرید وفروخت کا نظام، بین الاقوامی تجارتی نظام، کرنسی کے مساوی کارڈ کا نظام، اور ان ساری سرگرمیوں کو چلانے اور کنٹرول کرنے کے لئے مختلف النوع اداروں اور کمپنیوں کا نظام یہ سب اپنی جگہ آج کے عہد میں ایسی ضرورت بن چکے ہیں جن سے بے شمار مسائل وسوالات جڑے ہوئے ہیں۔

اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ موجودہ رائج معاشی نظام اصلاً سود پر مبنی ہے جس میں زیادہ تر سرمایہ داروں کا معاشی ومفاداتی تحفظ ہوتا ہے، اور غریبوں کا لہو، ان کی شب وروز محنت اور سستی اجرت سے نچوڑا جاتا ہے۔

اسلام دراصل اقتصادی محاذ پر ظلم واستحصال کا خاتمہ، معاشی عدل کا قیام اور سود کے شائبہ سے پاک نظام کا نفاذ واحیاء اور بقا چاہتا ہے، اسی لئے اسلامی شریعت اپنے جامع و پائدار اصولوں کے ذریعہ انسانی سماج کو ہر عہد، ہر دور اور ہر خطہ میں فلاحی ودنیوی ترقی اور معاشی خوشحالی سے ہمکنار کرنا چاہتی ہے۔

ہندوستان میں قائم معاشی نظام کی اساس سود پر مبنی ہے، اس لئے کروڑوں ہندوستانی مسلمانوں کی قرآنی حکم اور اسلامی شریعت پر عمل کرنے کے لئے غیر سودی معاشی نظام، غیر سودی بنکاری اور اسلامی مالیاتی ادارے قائم کرنے اور دستوری وآئینی طور پر موجود گنجائشوں اور امکانات وحدود میں رہتے ہوئے مثبت وتعمیری کوششیں کرنے کی فکر بجا اور لائق تحسین ہے، واضح رہے کہ ہندوستان میں تجارت کے جو مختلف اصول جاری وساری ہیں، جن کے ذریعہ سرمایہ کاری بھی ہوتی ہے اور بینک میں پیسے جمع کرنے والوں کو جائز منافع بھی تقسیم کیا جاتا ہے، ان پر اکیڈمی نے بہت پہلے کام شروع کیا، اور خوشی کی بات یہ ہے کہ بینکنگ اور موجودہ قانون کے بڑے ماہرین، جو اسلامی شریعت کی ہدایات کی پابندی کرتے ہوئے اپنے فن کے بارے میں بہتر رائے دینے کی پوزیشن میں ہیں، کا تعاون بھی اکیڈمی کو

حاصل رہا۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے۔

اس سلسلہ میں اقتصادی ماہرین پر مشتمل تشکیل شدہ طاقتور کمیٹی کی کئی نشستیں ہوئیں، جن میں علماء بھی شریک رہے، ماہرین میں پروفیسر کے بی فشی صاحب جو معاشیات بالخصوص اسلامی معاشیات پر اچھا خاصا کام کر چکے ہیں، ہمارے عزیز دوست جناب کمال فاروقی صاحب جو Chartered Accountant ہیں، جناب رحمن خاں صاحب جو الامین اسلامک بینک کے مؤسس و بانی ہیں، جو سرمایہ کاری بھی کرتا ہے، فائنانس بھی کرتا ہے، اور جس کو شریعت کے مطابق چلانے کا عزم انہوں نے کر رکھا ہے، ایک کامیاب ادارے کی حیثیت سے وہ کام بھی کر رہا ہے، اور بھی بعض بہت ہی مفید کام اللہ ان سے لے رہا ہے۔ جناب سید امین الحسن رضوی صاحب جو ماشاء اللہ شریعت پر بھی نظر رکھتے ہیں اور جدید قانون پر بھی، بہت محنت اور بڑی جانفشانی سے مطالعہ کرتے رہتے ہیں، ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی صاحب جو اسلامی معاشیات کے معروف ونمایاں اسکالر ہیں، جناب احسان الحق صاحب جو مالیاتی اداروں اور بینکوں کے انتظامی امور سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں اور اسلامی اقتصادیات سے بھی بخوبی واقف ہیں، عبد الوہاب دیلوی صاحب جو بینکنگ کا خاص تجربہ رکھتے ہیں، اور سب سے منفرد صلاحیت اور تجربات کے حامل ڈاکٹر عبد الحسیب صاحب اس کمیٹی میں روز اول سے ہی شریک رہے، ان سب کے علاوہ اور بھی متعدد ماہرین کمیٹی کے ساتھ علمی تعاون کرتے رہے، مولانا شمس پیرزادہ صاحب جن کو اقتصادی موضوعات سے خصوصی دلچسپی بھی ہے، اور شرعی معاملات میں کوئی مصالحت بھی کرنے کا مزاج ان کا نہیں ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ سب لوگ ان نشستوں میں شریک رہے، چونکہ بات بہت پرانی ہوگئی ہے اس لئے تھوڑی سی کہانی بھی سنادینا ضروری سمجھتا ہوں۔

پہلا فیصلہ تمام قانونی تجزیہ کے بعد یہ ہوا کہ اصطلاح میں جس کو بینک کہا جاتا ہے اور جو International Banking Law یا Indian Banking Law کے تحت Govern ہوتا ہے، ایسے کسی بینک کو ہندوستان میں چلانا ہمارے لئے شریعت کی روشنی میں ممکن نہیں ہے، علماء اور ماہرین کی کمیٹی قطعی طور پر اس نتیجہ تک پہنچ چکی ہے، بنیادی بات یہ ہے کہ شریعت کا اصول کتاب اللہ نے واضح کر دیا ہے: "احلّ اللہ البیع و حرّم الربا" اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور ربا کو حرام کیا، لیکن Banking کے رائج قوانین کی شکل "احلّوا الربا و حرّموا البیع" ابھرتی ہے یعنی کوئی بھی بینک براہ راست Commercial Activities نہیں کر سکتا ہے، کوئی تجارتی نشاط اس کے اندر نہیں ہو سکتا، البتہ وہ سود پر قرض دیتا ہے، اور لینے والے اس سے تجارت کرتے ہیں، گویا بالواسطہ تجارت میں شرکت ہے، اس طرح کہ بینک کا سرمایہ ہر طرح محفوظ اور Secure رہتا ہے اور اس کا منافع بھی Secure اور محفوظ رہتا ہے، وہ کوئی Risk نہیں لیتا، یہ ایک بنیادی فرق ہے کہ بینک اپنی جدید اصطلاح کے اعتبار سے ایک ایسا سودی کاروبار ہے جس کے ساتھ وہ اپنے سرمایہ کو کبھی بھی Risk میں نہیں ڈالتا، منافع ضرور حاصل کرتا ہے، ظاہر ہے کہ جب شریعت آئے گی تو وہ پہلے کہے گی کہ بیع اور تجارت حلال ہے، Commercial Activities حلال ہیں اور جملہ ربوی معاملات حرام ہیں۔

اگر ایسا کوئی قانون کبھی بن جائے تو ہمارے لئے سہولت یہ ہوسکتی ہے کہ ہم جو بینک قائم کریں وہ اپنا سرمایہ ممکن حد تک قابل اعتماد طریقہ پر تجارت میں لگا کر منافع حاصل کرے، اور بینک کے یہ منافع جہاں اس کے اخراجات کو Maintain کرے گا، Depositers کو بھی جائز منافع دینے کی پوزیشن میں ہوگا۔

فی الحال بعض نئے رجحانات ضرور پیدا ہوئے ہیں جیسے Mutual Fund وغیرہ کی بعض صورتیں رائج کی گئی ہیں، ان کے بارے میں ایک بات یہ ہے کہ Mutual Fund میں تجارت کرنے کے مواقع ہیں اور قانونا اس کی اجازت ملتی ہے، کیسی تجارت ہو، کیا ہو، یہ بعد کا مسئلہ ہے، لیکن یہ بینکنگ کی بنیادی روح سے الگ ہے۔

یہ بات بھی سامنے آئی کہ بینکنگ کے اغراض ومقاصد میں دو ایک چیزیں بنیادی ہیں، ایک تو اعتماد اور بھروسہ اور ساکھ کی خصوصیت ہے، اور غالباً انگریزی زبان کے اس لفظ کے مفہوم میں بھی اس بات کی رعایت موجود ہے، (Banking Upon) یعنی ہم کسی پر بھروسہ کرتے ہیں، یہ بھروسہ والی کیفیت کہ جب میں سرمایہ لگاؤں یا بینک کے حوالہ کروں تو مجھے اطمینان ہو کہ یہ سرمایہ مجھے لوٹے گا اور منافع بھی مجھے ملے گا، اعتماد کی یہ خصوصیت بینکنگ میں ہوتی ہے، بینکنگ کے ادارے کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ سرمایہ بجائے جامد ہونے کے متحرک رہے، کسی ایک جگہ دولت کے منجمد ہوجانے کو شریعت اسلامی بھی پسند نہیں کرتی، اسی لئے "اکتناز ذھب وفضة" اور "کي لایکون دولة بین الأغنیاء"، اور خود شریعت کے دیگر احکام کی روح سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ کو حرکت میں رہنا چاہئے، اور حرکت پذیر سرمایہ کا مقصد پیسے سے پیسہ کمانا نہیں ہونا چاہئے، پیسہ وسیلہ ہے، اس کے ذریعہ Production ہو، پیداوار ہو، کسی ملک کی یا سوسائٹی کی صنعتی ترقی ہو، جس سے انسانوں کو راحت ملے، اور جو سرمایہ کاری کرتے ہیں ان کو بھی اس کا واجب نفع ملے، سرمایہ کو سوسائٹی کی فلاح کے لئے استعمال کرنا چاہئے، بجائے اس کے کہ اس کو جام کردیا جائے، یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہ ہر انسان میں تجارت کی صلاحیت نہیں ہوتی، نہ تجارت کا ہنر ہوتا ہے، اور ہر ہنرمند کے پاس ضروری نہیں کہ سرمایہ بھی ہو، کسی شخص کے اندر تجارت کی اور صنعت کی صلاحیتیں موجود ہیں، اس میں Skill بھی ہے، ہنر بھی ہے، وقت بھی ہے، افراد بھی ہیں، Human Resources انسان کی دماغی صلاحیتیں بھی اس کے پاس موجود ہیں، لیکن سرمایہ نہیں ہے، اور جن کے پاس سرمایہ ہے وہ ان چیزوں سے محروم ہیں، اسی لئے شریعت نے اصول مضاربت کو تجارت کے ضروری اصولوں میں سے تسلیم کیا ہے، اور مضاربت کے ذریعہ ایک طرف ماہرین کی فنی مہارت، افراد کی وہ قوت جس سے تجارت کرسکیں صنعت قائم کرسکیں اور چلاسکیں، اور دوسری طرف جس کے پاس سرمایہ ہے اور یہ صلاحیتیں نہیں ہیں ان سب کو جوڑ کر شریعت نے سوسائٹی کو بھی فائدہ پہونچانے کی کوشش کی ہے اور سرمایہ کو بھی صحیح رخ پر لگا کر صاحب سرمایہ کو بھی فائدہ پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ یہ شریعت کے ان اعمال کی روح ہے جو تجارت کے اصولوں میں ہیں، اسی طرح شرکت ہے کہ دو شریکوں میں سے دونوں کا سرمایہ ہے، لیکن ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک ان میں سے شریک عامل بھی ہو، شریک عامل ہونا بھی ضروری نہیں ہے، جس طرح آج کی اصطلاح میں Silent Partner اور Working

Partner ہوتے ہیں۔ اس طرح شریعت نے بھی اس کی گنجائش دی ہے کہ دوشرکاء میں سے ایک کام کی ذمہ داری سنبھال رہا ہے، اور ایک Silent ہے، وہ عملی طور پر حصہ نہیں لے پاتا ہے، ان تمام چیزوں کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ کا انجماد غلط ہے، اور سرمایہ جب جمتا ہے تو پھر غلط قسم کی راہوں میں بھی لگتا ہے اور سوسائٹی کے لئے اس کی افادیت بھی مجروح اور متاثر ہوتی ہے، اور دوسری طرف پیسے سے پیسہ کمانا اور پیسے کو Production کے ذریعہ، Development کے ذریعہ، ترقیات کے ذریعہ، سماج کے منافع کے لئے استعمال نہ کرنا بھی شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے، اس وقت ہندوستان میں ہی نہیں، بلکہ دنیا کے جن ملکوں میں آپ جائیں گے چاہے وہ اپنے کو اسلامی ملک کہتے ہوں ایک دشواری موجود ہے، حالانکہ ان اسلامی ممالک کے پاس مواقع ہیں، وہ قوانین میں تبدیلیاں لا سکتے ہیں، اور اپنے پورے مالیاتی نظام کو اسلام کی اساس پر قائم کر سکتے ہیں، لیکن یا تو شاید اسلام کے اوپر اعتماد کی کمی ہوگئی ہے، یا یہ احساس پیدا ہو گیا ہے کہ موجودہ دور میں اسلامی نظام ایک طرح کا العیاذ باللہ فرسودہ نظام ہے، اور حقیقتاً میرے خیال میں اس کے پیچھے ذہنی مرعوبیت ہے، کہ جو یورپ اور امریکہ سے آتا ہے وہی خیر ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ چلنے والا نہیں ہے، اور:

جانتا ہوں ثواب طاعت وزہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

والا مضمون پیدا ہوتا ہے، چنانچہ نتیجہ یہ ہے کہ سعودی عرب ہو، چاہے عرب امارات ہو، چاہے دنیا کا کوئی بھی ملک ہو ان میں یہی مغربی نظام معاشیات جاری ہے، البتہ حالیہ دنوں میں کچھ تبدیلیاں آئی ہیں، اور ایران اور سوڈان میں اسلامی نظام معاشیات کو عملی طور پر نافذ کرنے کے لئے بلاشبہ کچھ مثبت فیصلے کئے گئے ہیں، بہر حال یہ تو ان ممالک کے مسائل ہیں، وہ زیادہ مکلف ہیں، استطاعت کے باوجود اگر نہیں کرتے تو وہ اللہ تعالی کے یہاں جوابدہ ہوں گے۔

ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اتنی استطاعت نہیں ہے، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ فکر مندی ضرور ہے، اور یہ بڑی مبارک ہے، اگر اللہ کی شریعت کے مطابق معاشیات کو درست کرنے کی اپنے مشکل اور نازک حالات میں بھی فکر مندی موجود ہے تو یہ بڑی مبارک اور بڑی مسعود ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالی اس کے ذریعہ کوئی دوسرے راستے نکالے، اس لئے کہ ہمارا اس پر یقین ہے کہ جس حد تک ہم کسی کام کے کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں، اگر ہم نے موجودہ استطاعت کے مطابق شریعت کے نفاذ کی کوشش کی، تو اللہ تعالی وہ دن لا سکتا ہے کہ جب ہم پورے دین کی تنفیذ و تطبیق کے اہل ہو جائیں، لیکن اگر ہم نے اپنی موجودہ استطاعت کے مطابق کوئی اقدام نہیں کرنا چاہا کہ کل نہیں مل سکتا اس لئے جزء بھی نہ لو، "مالا یدرک کله لا یترک جزءہ" والی صورت ہم نے اختیار کی اور جمود کا شکار رہے اور کچھ کرنا نہیں چاہا، کاہلی کے ساتھ بیٹھے رہے اور جو ہو رہا ہے اس پر راضی ہو گئے تو ظاہر ہے کہ یہ بات ہمیں نہ صرف یہ کہ آگے کی استطاعت سے محروم رکھے گی بلکہ جو آج استطاعت ہے وہ بھی ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔

بدقسمتی سے یہ صورتحال Central Asia میں پیدا ہوئی، روسی واشترا کی اقتدار کے بعد ایک جانب ان کا آپسی انتشار بڑھا، دوسری جانب مذہب کا رشتہ زندگی سے منقطع کر دیا گیا۔ سب سے پہلا مرحلہ کسی امت کے مٹنے

کا یہ ہوتا ہے کہ مذہب کا رشتہ زندگی سے منقطع ہو جائے، یہاں بھی یہی ہوا، مذہب زندگی سے کٹا اور مسجدوں میں گیا، خانقاہوں میں گیا، اور آہستہ آہستہ یہ صورت حال ہوگئی کہ ابھی ایک سفر میں تھوڑا بہت کہیں کہیں قرآن شریف پڑھنے والے بچے ملے تو وہاں یہی بہت بڑی معراج مجھے محسوس ہوئی، میں نے پوچھا کہ تم نے قرآن کہاں سے محفوظ رکھا، تو انہوں نے کہا"فی الحجرة والسرداب" یعنی مکانات کے تہہ خانوں کے ذریعہ دین کا اتنا چھوٹا سا سرمایہ محفوظ رہ سکا ورنہ وہ بھی شاید محفوظ نہ رہتا، پس مذہب زندگی کے میدانوں سے ہٹا، تجارت کے مرکزوں سے ہٹا، اور ایوان حکومت واقتدار سے ہٹا، اور عدالتوں سے ہٹا، اور زندگی کے روزمرہ معاملات یہاں تک کہ شادی بیاہ اور احوال شخصیہ سے ہٹا، مسجدوں میں آیا، خانقاہوں میں آیا، زاویوں میں آیا، اور وہاں سے گھس کر اب زمین کے تہہ خانوں میں چھپ کر اسلام ستر برس تک وہاں رہا، کیا ہم بھی اس پوزیشن کو اختیار کرنے کو تیار ہیں؟ مجھے یقین ہے کہ ہمارے لوگ اس پر انشاء اللہ کبھی صلح نہیں کریں گے، مشکلات سے گزریں گے، لیکن اللہ کی شریعت کا رشتہ زندگی سے نہیں کٹنے دیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے تمام ماہرین وعلماء اس نتیجہ پر پہنچے کہ یقیناً بینکنگ موجودہ اصطلاح میں، ہندوستان میں اسلامی اساس پر قائم کرنے کے امکانات قانونی دشواریوں کی وجہ سے نہیں ہیں، اس کے متبادل کی تلاش میں یہ حضرات اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہم اسلامی مالیاتی کمپنی قائم کر سکتے ہیں، بینک اپنی موجودہ Terminology میں ہم قائم نہیں کر سکتے، لیکن اسلامی مالیاتی کمپنی ہم لوگ قائم کر سکتے ہیں، ہندستان کے کمپنی لاء (Indian Companies Act) میں گنجائش ہے کہ ہم اپنے سرمایہ کو تجارت میں مشغول کر سکتے ہیں، اس لئے بنیادی طور پر اس کا امکان پیدا ہوتا ہے کہ بینکنگ کا ایک متبادل اسلامی مالیاتی کمپنی کی راہ سے قائم کیا جاسکے، علماء کرام کے سامنے حیدرآباد کے فقہی سمینار میں ایک پروجیکٹ تیار کیا گیا، بیرون ہند سے تشریف لانے والے علماء، اور ماہرین اقتصادیات ڈاکٹر انس زرقاء، اور ڈاکٹر علی جمعہ وغیرہ، سبھی لوگوں نے اس پروجیکٹ کو بہت زیادہ غیر معمولی نظر استحسان سے دیکھا اور اس کی تعریف کی، لیکن اس پروجیکٹ کی حیثیت ایک خاکہ کی ہے، جب اس میں رنگ بھرنے کا وقت آتا ہے تو دشواریاں بہت بڑھ جاتی ہیں، چنانچہ اب اس پروجیکٹ کو ایک عملی پروجیکٹ بنانے کی کوشش میں پچھلے دنوں بہت سے سوالات پیدا ہوئے، بار بار ماہرین کی نشستیں ہوئیں، اس میں کئی دشوار کن سوالات ہیں جن کا حل علماء کو پیش کرنا ہے، شریعت کی روشنی میں علماء کرام اثبات یا نفی میں جواب دیں گے، اگر وہ ہاں کہتے ہیں تو ٹھیک ہے، اگر ناں کہتے ہیں تو پھر یہ ماہرین اس کا کوئی متبادل تلاش کرنے کی بھی کوشش کریں گے کہ شریعت نے جس کو حرام کیا اگر اسی کو ہم حلال کر لیں تو فائدہ کیا ہوگا، اس لئے جو سوالات ہیں ان میں دراصل ان ماہرین کو رہنمائی علماء کرام دیں گے کہ اس کی روشنی میں کس طرح کام کو آگے بڑھایا جائے؟

بینکس میں ایک تو سیدھا سیدھا سودی کاروبار ہوتا ہے، Money Lending کا، یعنی روپیہ قرض پر لگا کر اس پر سود کمانے کا کاروبار ہوتا ہے، جو کبھی پرانا مہاجن کرتا تھا، آج فنی تنظیم کے ساتھ وہ بینک کرتے ہیں، کچھ ایسے کام ہیں جن کو Non Banking Services کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ بینک جہاں سود پر قرض

دینے والا مالی ادارہ ہوتا ہے وہیں ساتھ ہی کہ دوسرے قسم کے کام میں وہ بحیثیت اجیر ہوتا ہے، پہلی صورت میں مقرض اور مستقرض کا رشتہ پیدا ہوتا ہے، اور دوسری صورت میں اجارہ کا رشتہ قائم ہوتا ہے، آج کے بینکس بہت سارے ایسے کام کر رہے ہیں جن کا تعلق Money Lending اور اقراض سے نہیں ہے، بلکہ ان کا تعلق مختلف قسم کی Services سے ہے، جو لوگ اقراض کا کام کرتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ کچھ Services بھی کرتے ہیں، مثلاً مجھے کچھ پیسہ یہاں سے دہلی بھیجنا ہے، میں بینک جاتا ہوں، ان کو دس ہزار روپے دیتا ہوں کہ مجھے اپنے دوست کو دہلی میں یہ دس ہزار روپے پہنچانے ہیں، وہ ایک ڈرافٹ ایشو کر دیتا ہے، اور ہم وہ بینک ڈرافٹ اپنے دوست کے پاس دہلی بھیج دیتے ہیں، وہ وہاں جا کر بینک سے لے لیتا ہے، بنک نے قابل اعتماد طریقہ پر روپئے پہنچانے کی خدمت انجام دی، اس کے لئے وہ کچھ اجرت لیتے ہیں، جس کو کمیشن یا فیس یا کچھ اور نام دیا جا سکتا ہے، یہ ایک خدمت ہے، قرض لینے اور قرض دینے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، اسی طرح مال کی بلٹی چھوڑ وانا ہے، اس میں بنک ضامن بن کر اعتماد پیدا کرتا ہے، اسی طرح بینک کچھ ٹیکنکل خدمتیں بھی انجام دیتا ہے، مثلاً ایک تجارتی ادارہ قائم کرتا ہے، بینک کے پاس ایسی فنی صلاحیتیں موجود ہیں کہ وہ اس قائم کئے جانے والے ادارہ کا ایک عملی خاکہ، پروجیکٹ اور اسکیم بنا کر دے سکتا ہے، اسکیم بنانے میں اس کا وقت لگتا ہے یا محنت لگتی ہے، اس کی بنیاد پر وہ اجرت لیتے ہیں، اس طرح کے دسیوں ایسے کام ہیں جو آج کے بینکس علاوہ قرض دینے کے انجام دیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ہمارا اسلامی مالیاتی ادارہ اجارہ کے اصول پر ایسی خدمات پیش کر سکتا ہے اور اجرت پر خدمت حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں شاید کسی کو کوئی اشکال نہ ہو کہ بینک خدمات کے عوض اجرت لے سکتا ہے، لیکن تفصیلات میں جا کر کچھ اہم سوالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ کیا ہر خدمت وہ انجام دے سکتا ہے، یا کچھ ایسی خدمتیں ہیں جن کا انجام دینا اس کے لئے مناسب نہیں۔ مثلاً کوئی بھی ادارہ یا کمپنی یا کارخانہ کسی شخص کو بنانا ہے، وہ کسی فنی ماہر سے اس کی اسکیم بنوانا چاہتا ہے، اب اسکیم میں پہلا سوال یہ ہوگا کہ سرمایہ کہاں سے آئے گا، دوسرا سوال یہ ہوگا کہ یہ سرمایہ کہاں اور کیسے کیسے خرچ ہوگا، سرمایہ کے ذرائع یہ ہیں کہ کمپنی کے دس ہزار شیئرز بنالئے جائیں، شیئر ہولڈرس پیسہ دیں گے، اور کمپنی کے منافع ان پر تقسیم کر دئے جائیں گے، یہاں تک بھی کوئی مسئلہ نہیں، لیکن پھر بھی دشواریاں ہیں، سارا ہی سرمایہ شیئر ہولڈرس سے نہیں مل پاتا ہے یا نہیں مل پائے گا، اس لئے کمپنی کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے سرمایہ میں اضافہ کرنے کے لئے قرض بھی لے، اس نے قرض لیا، اس حد تک بھی کوئی حرج کی بات نہیں، لیکن قرض پر اس کو سود دینا پڑتا ہے، یہاں یہ مشکل پیدا ہوتی ہے جو ماہر فن کمپنی کی اسکیم بنائے گا وہ یہ لکھے گا کہ کمپنی کو اتنا روپیہ قرض سے حاصل کرنا پڑے گا، اور اس قرض پر بینک کو اتنا انٹریسٹ بھی ادا کرنا پڑے گا، اس لئے اس کے آمد و خرچ اور اس کے حساب کو دیکھ کر منافع، اس کی نافعیت، افادیت وغیرہ طے کی جائے گی، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی فنی خدمت جس میں اس اسکیم و پروجیکٹ میں سود کا بھی ذکر ہو، آیا اسلامی مالیاتی ادارے کے لئے ایسی سروس (خدمت) انجام دینا جائز ہوگا یا نہیں؟

دوسری شکل یہ ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ کو اپنا سرمایہ جائز نفع بخش اسکیموں میں لگانا ہے، بلکہ ایک اور لفظ

بڑھا دیجئے، قابل اعتماد اسکیموں میں سرمایہ لگاتا ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کہاں لگائیں، ایں خانہ ہمہ آفتاب است، کسی کمپنی کا شیئر ہم خریدتے ہیں، اور آج کل سرمایہ کاری کا سب سے زیادہ قابل اعتماد طریقہ یہ ہے کہ شیئرز لے لئے جائیں، اور کمپنی کے شیئرز سے حاصل ہونے والے نفع کو Depositors میں تقسیم کریں ، یا خرچ چلائیں، تو ہم کسی کمپنی کا شیئر لیتے ہیں، اب کمپنیاں تین قسم کی ہیں: ایک کمپنی وہ ہے جو خالص غیر سودی کاروبار کرتی ہے، دوسری کمپنی وہ ہے جو خالص سودی کاروبار کرتی ہے، مثلاً بینکس ہیں، بینکس کے بھی شیئرز فروخت ہوتے ہیں۔ لیکن بینکس کی بنیادی اساس انٹرسٹ یعنی سود پر ہے، تو کیا اسلامی مالیاتی کمپنی کو اس کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ بینکس یا اس طرح کی وہ کمپنیاں جو سو فیصد خالصتاً سود پر مبنی تجارت کرتی ہیں ان کے حصص خریدے، بظاہر یہ ہے کہ اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کمپنی خالص غیر سودی کاروبار کرتی ہے، ظاہر ہے کہ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، مگر اشکال یہاں پیدا ہوتا ہے کہ اس کمپنی کا بنیادی مقصد تو غیر سودی ہے، بنیادی طور پر اس کمپنی کا کام، اس کی Activities، اس کے مقاصد، Objects قطعاً غیر سودی ہیں، لیکن موجودہ قانون وحالات میں اس کو کئی ایسے مبادلات کرنے پڑتے ہیں جن کا تعلق سود سے ہے، تو جس کمپنی کا بنیادی مقصد جائز وحلال ہو لیکن فی الجملہ سودی معاملات میں اس کو ملوث ہونا پڑتا ہے، اور اس طرح ضمنی تلوث سودی کاروبار میں پیدا ہوتا ہے، کیا ایسی کمپنیز کے شیئرز ہماری اسلامی مالیاتی کمپنی حاصل کرسکتی ہے یا نہیں؟ یہ ہے وہ اصل اور ٹیڑھا سوال جو جواب کا متقاضی ہے، اور مجمع الفقہ الاسلامی جدہ میں بھی یہ سوال آچکا ہے، لیکن ابھی وہاں بھی کوئی فیصلہ اس پر نہیں ہوسکا ہے، بار بار تحقیق ہو رہی ہے، اس طرح کی اور بھی کئی صورتیں پیدا ہوسکتی ہیں۔

بہر حال اس رخ پر جاری کوششیں انشاء اللہ مسلسل جاری رہیں گی اور علماء اور ماہرین اقتصادیات کے گرانقدر علمی وعملی تعاون سے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے لئے عصر حاضر کے نئے اقتصادی مسائل کا فقہ اسلامی کی روشنی میں واضح حل پیش کیا جانا ممکن ہوسکے گا۔

زیر نظر کتاب کا ابتدائی حصہ شیئرز کے موضوع پر ہے، یہ موضوع اکیڈمی کے نویں فقہی سمینار منعقدہ جے پور (راجستھان) میں زیر بحث آیا اور اس بابت تفصیلی فیصلے طے پائے، کتاب کا دوسرا حصہ کمپنی وحصص کمپنی کے موضوع سے تعلق رکھتا ہے، اکیڈمی نے اپنے چھٹے فقہی سمینار منعقدہ عمر آباد (تمل ناڈو) میں حصص کمپنی اور بینکنگ کے موضوعات سے تعلق رکھنے والے متعدد سوالات پر غور وخوض کیا جن میں سے بعض پر فیصلے بھی طے پائے، مرابحہ سے متعلق ایک مخصوص سوال کے جوابات بھی اس کے آخر میں شامل ہیں، موضوع کی یکسانیت کی وجہ سے یہ تمام مسائل یکجا کردیئے گئے ہیں۔

دعا ہے کہ یہ علمی وفقہی مباحث امت کے لئے زیادہ سے زیادہ نافع ومفید ثابت ہوں۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی
۱۷؍ جنوری ۲۰۰۰ء
۹؍ شوال المکرم ۱۴۲۰ھ

پہلا موضوع:

شیئرز

سوالنامہ:

شیئرز کی شرعی حیثیت

۱۔ کیا کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا یہ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے۔

بعض حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ شیئرز سرٹیفیکٹ محض کمپنی کو دیئے ہوئے پیسے کی دستاویز ہے، کمپنی کے اثاثوں اور اس کی املاک میں حسب تناسب حصہ دار ہونے کی دلیل نہیں ہے، احکام شرع کی تفصیل میں شیئرز کی حیثیت کے تعین کو بڑا دخل ہے، اگر شیئرز کو اثاثوں اور املاک کا ایک حصہ تسلیم کرلیا جائے تو شیئرز کی حقیقت یہ قرار پاتی ہے کہ وہ نقد اور اثاثوں کا مجموعہ ہے، اس لئے کہ کسی بھی کمپنی میں اس کی جامد املاک، اراضی اور تعمیرات کے علاوہ مشینیں، تیار شدہ مال، خام مال، جمع رقوم، دوسروں پر اس کی واجب الادا رقمیں وغیرہ بھی شامل ہوتی ہیں، اس طرح یہ تمام چیزیں شیئرز کے ذیل میں آجاتی ہیں، اب شیئرز کی خرید وفروخت نقد کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت نہیں بلکہ نقود واملاک کے مجموعہ کو نقود کے ذریعہ فروخت کرنا ہے۔

اور اگر شیئرز کو محض اس کمپنی میں لگائی گئی نقد رقم کی دستاویز تسلیم کیا جائے تو اس کی بیع وشراء نقد کی نقد کے ساتھ بیع وشراء ہوگی، ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس پر بیع صرف کے احکام وارد ہوں گے، جو لوگ اسے محض قرض کی دستاویز مانتے ہیں وہ اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں جب موجودہ قانون کے مطابق اس کی املاک ضبط کرکے اس کے قرضے ادا کئے جاتے ہیں اس وقت اس کے حصہ کے تناسب سے کمپنی کے اثاثے قرق نہیں کئے جاسکتے۔

دوسرا نقطۂ نظر رکھنے والے اپنے موقف کی تائید میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ اگر کمپنی باہمی قرارداد سے تحلیل ہوجائے تو ہر شیئر ہولڈر کو اس کے شیئرز کے تناسب سے اس کے اثاثوں میں حصہ ملتا ہے، اور نفع ہو تو اس کے لگائے ہوئے سرمایہ سے زائد رقم ملتی ہے اور اگر خسارہ ہو تو اسے نقصان بھی برداشت کرنا ہوتا ہے، برخلاف بانڈ وغیرہ قرض کی دستاویزوں کے کہ صرف لگی ہوئی رقم مع سود ملتی ہے، اثاثوں میں کوئی حصہ نہیں ملتا ہے، بہرحال یہ ضروری ہے کہ کمپنی کے اندر شیئرز کی حیثیت کا تعین کرکے احکام شرعی اس پر مرتب کئے جائیں۔

۲۔ بعض اوقات کمپنی قائم کرتے وقت شیئرز کا اعلان کیا جاتا ہے، اور اس وقت اس کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتی ہیں، اس وقت اگر کمپنی کے خرید کردہ شیئر کی بیع کی جائے تو اس صورت میں نقد نقد کے مقابل ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہوگا؟

۳۔ کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد اس کا اثاثہ مخلوط ہوتا ہے (یعنی نقد اور املاک کا مجموعہ) اس صورت میں

جبکہ مجموعہ مال ربوی وغیر ربوی دونوں پر مشتمل ہے، شیئرز کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت کا کیا حکم ہوگا؟

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے، جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت اور ایکسپورٹ، یا بینکس اور سودی اسکیموں میں روپیہ لگانا، ایسی کمپنیز کے شیئرز کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہوگا؟

۵۔ ایسی کمپنیز جن کا کاروبار حلال ہے، مثلاً انجینئرنگ کے سامان تیار کرنا، عام استعمال کی مصرفی چیزیں تیار کرنا وغیرہ، پھران کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہونے کے باوجود انہیں بعض اوقات انکم ٹیکس وغیرہ کی زد سے بچنے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے، کیا ایسی کمپنیز کا شیئر خریدنا جائز ہے؟

۶۔ اسی طرح حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کو بھی قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے، یا سیکورٹی بانڈز خریدنے پڑتے ہیں، جن کی وجہ سے انہیں سود بھی ملتا ہے، کیا ایسی کمپنیز کا شیئرز خریدنا ناجائز ہوگا؟

۷۔ سودی قرضہ لینے کی صورت میں اس قرض سے حاصل ہونے والے منافع کی شرعی حیثیت کیا ہوگی، آیا وہ قرض مفید ملک ہے یا نہیں، اور اس کے ذریعہ حاصل ہونے والی آمدنی حلال شمار کی جائے گی یا نہیں؟

۸۔ کیا کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا؟

۹۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس میں کوئی فیصلہ کثرت رائے سے ہوتا ہے ، کیا اس کمیٹی میں کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اپنے اختلاف کا اعلان کردینا وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے اسے بری الذمہ کردے گا؟

۱۰۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو، اور اس کی مقدار معلوم ہو تو کیا شیئر ہولڈر کے لئے منافع سے اس کے بقدر نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا؟

۱۱۔ اور اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا ہے اتنا فیصد ملنے والے منافع سے نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا؟

۱۲۔ شیئرز کی تجارت کرنا کیسا ہے، یعنی کوئی شخص کچھ شیئرز خریدے کہ قیمت بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ فروخت کردوں گا، خلاصہ یہ کہ شیئرز کی بیع وشراء کو ایک تجارت کی طرح کرنے کا حکم کیا ہوگا، جبکہ اس میں ایک طرح کی قیاس آرائی کو دخل ہوتا ہے کہ بازار کی صورت حال کو دیکھ کر زیادہ منافع دینے والے شیئرز خرید لئے جاتے ہیں، اور کیا ہر تخمین وقیاس آرائی ممنوع ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

۱۳۔ شیئر مارکیٹ میں ایک سودا جسے فیوچر سیل (بیاعات مستقبلیات) کہتے ہیں مروج ہے، اس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان کو برابر کر لینا مقصود ہوتا ہے، مثلاً زید نے سو شیئرز کا سودا بہ حساب سو روپے فی شیئر کیا، اور ادائیگی اور وصولی کی تاریخ ۳۰ مارچ مقرر کی، اب جب ۳۰ مارچ آئی تو اس شیئر کی قیمت ڈیڑھ سو روپے ہوگئی تو وہ پانچ ہزار روپے منافع کے طور پر لے لیگا، اور اگر ۳۰ مارچ کو اس شیئر کی قیمت گھٹ کر

پچاس روپے ہوگئی تو وہ پانچ ہزار روپے ادا کرے گا، اصل سودا محض کاغذی کارروائی ہے، نہ مشتری ثمن دیتا ہے، نہ بائع مال دیتا ہے، البتہ مقررہ تاریخ پر بڑھتے ہوئے دام کی صورت میں منافع یا گھٹتے ہوئے دام کی صورت میں خسارہ ادا کیا جاتا ہے، شریعت میں مذکورہ فیوچر سیل کا کیا حکم ہے؟

۱۴۔ غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، جائز ہوگی یا نہیں؟

۱۵۔ شیئرز کے نقد سودے میں بھی بعض انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے سرٹیفکیٹ پر قبضہ ایک سے تین ہفتوں تک تاخیر سے ہوتا ہے، اس ذیل میں اصل سوال یہ ہے کہ شیئر پر قبضہ کا مطلب کیا ہوگا، اگر بوقت بیع وشراء ہی کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں شیئر ہولڈر کی ملکیت آجاتی ہے، اور وہ اس کی ضمان میں آجاتا ہے، اور حقوق وذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں، اگرچہ ابھی شیئرز سرٹیفکیٹ نہ ملا ہو تو اس کو شیئر پر قبضہ معنوی حاصل ہوگا یا نہیں، کیا شرع میں ہر شئی پر اس کی خاص نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوگی جس کی بناء عرف وعادت پر ہوگی، یا ہر صورت میں قبضہ حسی ہی ضروری ہوگا؟

۱۶۔ اس طرح خرید کردہ شیئر کو (جس کی موجودہ قیمت خریدار نے ادا کردی ہے) اگر خریدار سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے قبل اگلے دن یا دو چار دن میں کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے تو اس کا کیا حکم ہوگا، اور اس طرح دوسرے کے خریدنے کے بعد تیسرے و چوتھے کے ہاتھ فروخت کرنا درست ہوگا؟ بالخصوص جبکہ شیئر کا ضمان ومنافع خریدنے کا معاملہ کرنے کے ساتھ ہی خریدار کی طرف منتقل ہوجاتا ہو۔

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج بازار میں خرید وفروخت کے لئے واسطہ بننے والے کو "بروکر" کہتے ہیں (جو موجودہ وقت میں شیئرز کی خرید وفروخت اور قیمتوں سے واقفیت رکھتا ہے اور رہتا ہے، اور خرید وفروخت کی کارروائی کا اندراج کرتا ہے) یعنی اس کی حیثیت ایجنٹ کی ہے، اس کا کیا حکم ہوگا؟ یعنی کیا بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے؟

فیصلے:

شیئرز کی شرعی حیثیت

تمام مقالات کے بعض شقوں میں نقطہائے
نظر مختلف تھے چنانچہ شرکائے سمینار کے
درمیان بحث و مباحثہ کے بعد جو متفقہ طور
پر فیصلے کئے گئے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ کسی کمپنی کا خرید کردہ ایکویٹی شیئر (Equity Share) کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، وہ محض اس بات کی دستاویز نہیں ہے کہ اس نے کمپنی کو اتنی رقم دی ہے۔

۲۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی ابتدائی خریداری جو ابھی سرمایہ اکٹھا کرنے کے مرحلے سے گذر رہی ہیں، شرعا خریداری نہیں بلکہ اس کمپنی میں شرکت ہے۔

۳۔ عام طور پر کمپنیوں کی دوسری املاک نقد سرمایہ سے زیادہ ہوتی ہیں، اس لئے کمپنیز کے شیئرز کی خریداری درست ہے، لیکن اگر معلوم ہو جائے کہ ادا کردہ نقد اس مقدار نقد کے برابر یا اس سے کم ہے جس کی شیئر نمائندگی کرتا ہے تو ایسی صورت میں شیئرز کی خریداری اس کی مقررہ قیمت سے کم یا زیادہ پر درست نہ ہوگی۔

۴۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہے، مثلاً شراب وخنزیر کے گوشت کی تجارت یا سودی قرضے دینا وغیرہ، ان کے شیئرز کی خرید وفروخت ناجائز ہے۔

۵۔ شرکاء سمینار کا احساس ہے کہ ہندوستان میں ایسی کمپنیز کا قیام قابل عمل ہے جو خالص اسلامی اصول تجارت کے اعتبار سے کاروبار کریں، سمینار مسلم تجار اور ماہرین معاشیات کو اس طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ وہ اپنی دینی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے ایسی کمپنیز کے قیام کی جدوجہد کریں جو کامل طور پر اسلامی احکام پر کاربند ہوں۔

لیکن چونکہ فی الحال ایسی کمپنیاں ہندوستان میں موجود نہیں ہیں یا بہت کم ہیں جو خالص اسلامی بنیادوں پر کاروبار کرتی ہوں، اس لئے جن مسلمانوں کے پاس نقد سرمایہ ہو اور اپنے مخصوص حالات کی بنا پر ان کے لئے جائز تجارت میں اس سرمایہ کو لگانا قابل عمل نہ ہو، ان کے لئے ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنے کی گنجائش ہے جن کا بنیادی کاروبار حلال ہو (مثلاً: انجینیرنگ کے سامان یا عام استعمال کی مصرفی چیزیں تیار کرنا) اگرچہ انہیں بعض قانونی مجبوریوں کی وجہ سے سودی معاملات میں ملوث ہونا پڑتا ہو۔

۶۔ جن مسلمانوں نے ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدے ہیں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن وہ کمپنیز ضمنی طور پر

بعض ناجائز تصرفات میں بھی ملوث ہوتی ہیں، ان مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ شیئر ہولڈرس کی سالانہ میٹنگ میں کمپنی کو آئندہ ایسے ناجائز تصرفات سے روکنے کی کوشش کریں اور دوسرے شیئر ہولڈرس کو افہام وتفہیم کے ذریعہ اس بات پر آمادہ کرنے کی سعی کریں کہ وہ بھی ان کے نقطۂ نظر سے اتفاق کرتے ہوئے میٹنگ میں ان کی تائید کریں۔

۷۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے منافع میں سے اس کے بقدر بلانیت ثواب صدقہ کردینا ضروری ہے۔

۸۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا ہے اسی تناسب سے ملنے والے منافع سے نکال کر بلانیت ثواب اپنی ملک سے نکال دینا ضروری ہے۔

(نوٹ: دفعہ ۷ اور ۸ میں مولانا رئیس الاحرار ندوی کے نزدیک سود کی رقم غیر مسلم ہی کو دی جائے)۔

۹۔ کمپنی کی اپنی قانونی شخصیت ہے جو شیئر ہولڈرس کی اجتماعی حیثیت کی نمائندگی کرتی ہے، بورڈ آف ڈائرکٹرس کمپنی کے منتخب کردہ افراد کا مجموعہ ہے کمپنی کی طرف سے تصرفات کرتا ہے اور اس طرح شیئر ہولڈر کے مجموعہ کا وکیل ہے، لہذا بورڈ آف ڈائرکٹرس کے تصرفات جو کمپنی کے مقرر کردہ اصول وضوابط کی حدود میں ہوں، کی بالواسطہ ذمہ داری بھی شیئر ہولڈرس پر آتی ہے۔

۱۰۔ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی تجارت کرنا درست ہے۔

۱۱۔ فیوچر سیل (Future Sale) جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان برابر کر لینا مقصود ہوتا ہے، اسلامی شریعت کی نگاہ میں ناجائز ہے کیونکہ یہ کھلا ہوا جوا ہے۔

۱۲۔ غائب سودا (Forward Sale) جس میں بیع تو ہو جاتی ہے لیکن اس کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، بیع نہیں وعدۂ بیع ہے، مقررہ تاریخ آنے پر ایجاب وقبول ہونے کے بعد ہی بیع وجود میں آئے گی۔

۱۳۔ حاضر سودے (Cash Sale - Spot Sale) میں شیئر سرٹیفکیٹ پر قبضہ سے پہلے خرید کردہ شیئرز کو فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۱۴۔ شیئر سرٹیفکیٹ (Share Certificate) حاصل ہونے کے بعد خریدار کا اس پر قبضہ متحقق ہو جاتا ہے، اگرچہ بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے کمپنی میں اس کے نام کا اندراج نہ ہو سکا ہے، لہذا اس شیئر کو خریدار فروخت کر سکتا ہے۔

۱۵۔ جن شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے ان کی خرید وفروخت میں بروکر (Broker) کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے، ناجائز اور حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت میں بحیثیت بروکر کام کرنا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆☆

تلخیص مقالات شیئرز

۱۔ شیئرز کی شرعی حیثیت:

سبھی مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، اسی وجہ سے اگر کمپنی باہمی قرارداد سے تحلیل ہوجائے تو ہر شیئر ہولڈر کو اس کے شیئرز کے تناسب سے اس کے اثاثوں میں حصہ ملتا ہے، اور نفع ہو تو اس کے لگائے ہوئے سرمایہ سے زائد رقم ملتی ہے اور اگر خسارہ ہو تو نقصان بھی برداشت کرنا ہوتا ہے، برخلاف بانڈز وغیرہ قرض کی دستاویزوں کے کہ صرف لگی ہوئی رقم مع سود ملتی ہے، اثاثوں میں کوئی حصہ نہیں ملتا ہے۔ ان حضرات نے مخالفین کی اس دلیل کو "کہ قانونی طور پر کمپنی کے اثاثوں کو قرق نہیں کیا جاتا ہے" بالکل رد کردیا ہے۔

۲۔ شیئرز کی خرید وفروخت:

شیئرز کی خرید وفروخت جب کہ کمپنی کے پاس کچھ بھی اثاثہ نہ ہو۔

اس مسئلہ میں مقالہ نگار حضرات کی آراء مختلف ہیں جو درج ذیل ہیں:

الف۔ یہ سوال ہی صحیح نہیں، کیونکہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ کمپنی کا وجود ہو اور کچھ بھی اثاثہ نہ ہو، کیونکہ کمپنی کا رجسٹریشن ہوتا ہے، اور رجسٹریشن کے لئے کچھ نہ کچھ اثاثے کا ہونا ضروری ہے، تب کمپنی رجسٹرڈ ہوتی ہے، لہذا یہ سوال درست نہیں۔

مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، حکیم ظل الرحمٰن۔

ب۔ شیئرز کو نوٹوں کے بدلے خریدنا بیع صرف نہیں، بلکہ یہ عقد بیع ہی نہیں عقد شرکت ہے (مفتی شکیل احمد)۔

ج۔ اس میں غیر مملوک کی بیع لازم آتی ہے اور یہ ناجائز ہے، کیونکہ شیئرز کی بیع دراصل اثاثوں اور املاک کی بیع ہوتی ہے اور ابھی کمپنی کی ملکیت میں اثاثے ہی نہیں لہذا ناجائز ہے (مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا ابوبکر قاسمی)۔

نوٹ: مولانا ابوبکر صاحب نے آگے چل کر اس کو بیع صرف کہا ہے۔

د۔ یہ بیع جائز ہے باوجودیکہ تقابض طرفین سے نہیں ہے، **قیاسا علی جواز بیع الحظوظ و بیع الحقوق الموجودة قبل القبض دون المعدومة**، اس میں معدوم یا غیر مملوک کی بیع لازم نہیں آتی۔

نوٹ: موصوف نے برابری کی بھی کوئی شرط نہیں لگائی، البتہ اتنا کہا ہے کہ اس میں نقد

نقد کے مقابل ہوتا ہے (مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی محمد زید)۔

ھ۔ اس پر عقد صرف صادق نہیں آتا، کیونکہ یہ عقد صرف اثمان خلقیہ میں ہی ہوگا، اور شیئرز ثمن خلقی نہیں بلکہ من وجہ ثمن خلقی سے مشابہ ہیں اور من وجہ آخر فلوس نافقہ کے مشابہ ہیں، لہذا ثمن خلقی کی مشابہت کی وجہ سے تفاضل جائز نہ ہوگا۔

اور فلوس نافقہ کی مشابہت کی وجہ سے عقد میں بدلین پر قبضہ کی شرط نہ ہوگی۔ حیث جاء فی رد المحتار للشامی باع فضة بفلوس فإنه يشترط قبض أحد البدلين قبل الافتراق لا قبضهما كما فی البحر عن الذخيرة (ردالمحتار ۲۶۲/۴)۔

مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری۔

و۔ یہ بیع النقد بالنقد ہے، لہذا تفاضل تو جائز نہ ہوگا البتہ برابر رقم کے ساتھ درست ہے۔

مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا شمشاد احمد نادر القاسمی، مولانا زبیر احمد سیتا مڑھی، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا ظفر الاسلام صاحب، مولانا قمر عالم سبیلی، مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا ابراہیم صاحب، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، مولانا محمد ابرار خان ندوی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا ابوبکر شکر پور۔

نوٹ: انہوں نے اس معاملہ کو غیر مملوک کی بیع بھی کہا ہے۔

ز۔ یہ بیع صرف ہے، اگر برابر رقم کے بدلے میں تبادلہ ہو تو جائز ہے۔

ان حضرات نے تقابض یا یداً بید کی شرط نظر انداز کر دی ہے۔

مولانا ابوالحسن علی گجرات، مفتی عبیداللہ الاسعدی، مولانا مجاہد الاسلام حیدرآباد، مولانا محمد قمر الزماں، مولانا محمد نور القاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا نعیم رشیدی، مفتی عبدالرحیم، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا نعیم اختر قاسمی۔

ح۔ یہ معاملہ بالکل درست نہیں ہے، چاہے برابر رقم کے ساتھ تبادلہ ہو، کیونکہ یہ بیع صرف ہے اور بیع صرف میں تقابض وتساوی دونوں ضروری ہیں، تفاضل اور ادھار جائز نہ ہوگا۔

اس صورت میں دوسری شرط مفقود ہے کہ طرفین سے نقد ادائیگی نہیں پائی جاتی، ایک طرف روپیہ ہے اور دوسری طرف روپیوں کی دستاویز نہ کہ روپے، لہذا یہ عقد درست نہ ہوگا۔

مولانا محمد رضوان قاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا طاہر مظاہری، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا نسیم احمد قاسمی۔

نوٹ: بعض حضرات نے اس مسئلہ کا کوئی جواب نہیں دیا۔

(مولانا احمد دیولوی، مفتی نظام الدین صاحب دارالعلوم دیوبند، جناب حفظ الرب صاحب الہ آباد)

۳۔ نقد واملاک کے مجموعہ کا حکم:

اس مسئلہ میں بھی بہت سی آراء ہیں جن کوذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ زیادہ تر مقالہ نگار حضرات نے یہ رائے دی ہے کہ اس کا حکم چاندی یا سونا چڑھی ہوئی تلوار کا سا ہے، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک یہ صورت جائز ہوگی بشرطیکہ شیئر کی قیمت اثاثے میں لگے ہوئے نقد کے مقابلہ میں زائد ہو، ورنہ (یعنی اگر شیئر کی قیمت اثاثے میں لگے ہوئے نقد سے کم یا برابر ہے تو) درست نہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا محمد حنیف صاحب، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا نسیم احمد قاسمی، مولانا ابوبکر شکر پوری، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا نسیم الدین صاحب قاسمی، مولانا طاہر مظاہری، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا نعیم رشیدی، مولانا عبیداللہ الاسعدی، مولانا شمشاد احمد نادر قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا ابراہیم، مولانا ابرار خاں، مولانا مجاہد الاسلام حیدرآباد، مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا نور القاسمی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مفتی عبد الرحیم صاحب، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا محمد شاہد القاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا انور علی الاعظمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں، مولانا ظفر الاسلام، مولانا عبدالجلیل القاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا ابوالحسن علی بھروچ، مولانا سمیع اللہ قاسمی۔

مگر مولانا محمد قمر الزماں نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں سامان کا جائزہ لینا ضروری نہیں ہے۔اور مولانا سمیع الحق صاحب و مفتی زید صاحب نے مزید ایک شرط کا اضافہ کیا ہے کہ یدا بید ہو، ادھار نہ ہو۔اور اخلاق احمد القاسمی صاحب نے مزید دو شرطوں کا اضافہ کیا ہے: ۱۔سودی کاروبار کے خلاف آواز اٹھاتا رہے۔ ۲۔ربوی مال کا صدقہ کرے۔

موخر الذکر حضرات (ابوالحسن علی، ظفر الاسلام، زبیر احمد قاسمی) نے ایک دوسری عبارت سے استدلال کیا ہے:

"ولو قال أعطني نصف درهم فلوسا و نصفا إلا حبة جاز لأنه قابل الدرهم بما يباع من الفلوس بنصف درهم و بنصف درهم إلا حبة بمثله وما وراءه بازاء الفلوس (ہدایہ کتاب الصرف ۳/۱۱۱)۔

۲۔ یہ معاملہ درست ہے درج ذیل شرائط کے ساتھ:

الف۔ سودی کاروبار کے خلاف آواز اٹھائی جاتی رہے۔

ب۔ مال ربوی کا صدقہ کرے۔(مولانا منظور احمد قاسمی)

۳۔ اگر کمپنی کے اثاثے نقد کے مقابلہ میں نمایاں طور پر غالب ہیں تو شیئر خریدنا درست ہے، چنانچہ فقہ میں مشہور مقولہ ہے: "للأكثر حكم الكل" (مفتی محبوب علی وجیہی صاحب)۔

۴۔ جائز ہے کیونکہ سودی عنصر پورے کاروبار میں ضمنی حیثیت رکھتا ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ)

۵۔ مطلقاً جائز ہے۔ (مفتی محمد جعفر، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا احمد دیولوی)۔

مزید مولانا تنویر احمد اور احمد دیولوی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اختلاط الحلال بالحرام میں ہم حلال کو ترجیح دیں گے، مگر مولانا احمد دیولوی نے کہا ہے کہ چونکہ اس میں سود کی آمیزش ہے اس لئے مناسب نہیں۔

۶۔ مطلقاً جواز ہونا چاہئے (یہاں تک مولانا سلطان احمد اصلاحی اور مولانا عبدالعظیم اصلاحی متفق ہیں) مگر دونوں حضرات نے مختلف وجوہ کی بنا پر جواز کا مطالبہ کیا ہے۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی صاحب کا موقف ہے کہ چونکہ کمپنی کے مخلوط اثاثہ میں نقد کی مقدار ہمیشہ بدلتی رہتی ہے ایک ہی نہیں رہتی، اس لئے اس کی تعیین پُر مشقت ہی نہیں، عام شرکاء کے لئے تقریباً ناممکن ہے، اس لئے اس مخلوط اثاثہ کے مجموعہ کو جس کی نمائندگی کمپنی کرتی ہے نقد سے مختلف چیز سمجھا جائے، اور اس اجتہادی مسئلہ میں کمپنی کے سرٹیفیکٹ (شیئر) کا نقد سے تبادلہ مطلقاً جائز ہونا چاہئے۔

جبکہ مولانا سلطان احمد صاحب فرماتے ہیں کہ ہندوستان دار الحرب ہے، اگر اس کو من کل الوجوہ دار الحرب نہ مانا جائے تو کم از کم معاملات ربویہ میں تو اس کا لحاظ ضرور کرنا چاہئے۔

نوٹ: لیکن موصوف نے دوسرے سوال کے جواب میں کہا ہے کہ نقد کا معاملہ نقد کے ساتھ کی صورت میں برابری کے ساتھ ہی درست ہوگا، کمی زیادتی کے ساتھ درست نہ ہوگا، کیونکہ یہ بیع صرف ہے۔

۷۔ شیئر کی تجارت جو کہ نقد و اعراض کا مجموعہ ہے اس کو بطور جزء مشاع کے بدلے خریدنا درست ہے۔ (مفتی نظام الدین صاحب دارالعلوم دیوبند)۔

۸۔ یہ کاروبار ٹھیک نہیں ہے اور اس سے حتی المقدور بچا جائے (مفتی عزیز الرحمٰن صاحب)۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے:

اس مسئلہ میں جملہ مقالہ نگار حضرات عدم جواز پر متفق ہیں بجز مولانا احمد دیولوی صاحب کے، کہ ان کی رائے جواز کی ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا مناسب نہیں، ان کا کہنا ہے کہ عقود عاقد کی طرف لوٹتے ہیں اور یہاں پر عاقد کمپنی ہے جو کہ وکیل کی حیثیت رکھتی ہے، لہذا یہ معاملہ کمپنی کی طرف ہی راجع ہوگا نہ کہ موکل (خریداران شیئرز) کی جانب، اس لئے جائز ہے، لیکن سود کی آمیزش کی وجہ سے مناسب نہیں۔ جبکہ مولانا احمد دیولوی کے علاوہ جملہ مقالہ نگار ایسی کمپنی کے بارے میں جو حرام کاروبار کرتی ہو اس کے عدم جواز پر متفق ہیں۔

نوٹ: مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔

درج ذیل حضرات اس مسئلہ میں عدم جواز کے قائل ہیں:

مولانا محمد حنیف، مولانا سید محمد ایوب، مولانا شمس پیرزادہ، جناب حفظ الرب، مولانا محمد طاہر، مولانا بدر احمد مجیبی، مفتی محمد زید، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ظفر الاسلام، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا مفتی نظام الدین صاحب دار

العلوم دیوبند، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا ابوالحسن گجراتی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا محمد رضوان قاسمی، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا شمشاد احمد نادر قاسمی، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولوی مجاہد الاسلام، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا نور القاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا ابراہیم محمد صاحب، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا قمر عالم سبیلی، مفتی نسیم احمد قاسمی، مفتی عبدالرحیم بھوپال، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا عبدالرحمن پالنپوری، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا محبوب علی، مولانا ابوبکر شکر پور دربھنگہ۔

۵۔ ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنا جس کا کاروبار حلال ہو مگر اس کو سودی قرض لینے پڑتے ہوں:

اس مسئلہ میں جملہ مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ ایسی کمپنی کی آمدنی حلال وجائز ہوگی۔ مگر اس کے شیئرز خریدنے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۱۔ اکثر حضرات کی رائے ہے کہ یہ معاملہ بامر مجبوری جائز ہے، پھر بعض حضرات نے اس کو ایک شرط کے ساتھ مقید کیا ہے کہ سودی کاروبار کے خلاف آواز اٹھاتا رہے۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:

مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا عبدالرحیم، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا محمد حنیف، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا محمد جعفر، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا عبداللطیف گجرات، مفتی نظام الدین صاحب، مولانا مفتی عبدالرحمن پالنپوری، مولانا عبدالقیوم پالنپوری۔

مفتی نظام الدین صاحب کا کہنا ہے کہ کمپنی سے تحریری یا زبانی طور پر معاہدہ کیا جائے کہ ہمارے پیسے سے سود نہ دیا جائے، اور بعض حضرات نے کوئی شرط ذکر کئے بغیر بامر مجبوری جائز قرار دیا ہے، ان کے اسماء درج ذیل ہیں:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا محمد زید، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا سید محمد ایوب، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا احمد دیولوی، مولانا نسیم احمد قاسمی، جناب حفظ الرب، مولانا ظفر الاسلام، مولانا تنویر احمد قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا بدر احمد، مولانا محمد رضوان قاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی۔

۲۔ دوسرا قول عدم جواز کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنے کا مطلب کمپنی کو سودی کاروبار کرنے کا وکیل بنانا ہے جو حرام ہے چاہے ضمنی طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ (مولانا ابوبکر شکر پور، مفتی عزیز الرحمن)

نوٹ: بعض حضرات نے کوئی جواب نہیں دیا، مثلاً منظور احمد قاسمی۔

محمد نور القاسمی صاحب۔ نے دونوں قول (جواز وعدم جواز) ذکر کئے ہیں مگر اپنی کوئی رائے نہیں لکھی۔

۶۔ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کو ریزرو بینک میں کچھ سرمایہ رکھنا پڑتا ہے یا سیکورٹی بانڈز خریدنے پڑتے ہیں پھر اس سے سود ملتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

اس مسئلہ میں سبھی حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ حاصل شدہ سود سے نفع اٹھائے بغیر ایسی کمپنیز کے شیئرز بامر مجبوری خریدنا جائز ہے اور سود والی رقم صدقہ کردی جائے۔ ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا قمر عالم سہیلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا شکیل احمد، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا جعفر ملی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا عزیز الرحمٰن، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا مفتی نظام الدین دارالعلوم دیو بند، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا عبدالرحیم بھوپال، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا احمد نادر قاسمی، مولانا عبد الرحمٰن پالنپوری، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا ابرار خاں، مولانا ابراہیم محمد، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا ابوبکر شکر پور، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا محمد حنیف، مولانا اقبال احمد قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا سید طاہر مظاہری، مولانا اختر امام عادل، مولانا مفتی محمد زید، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا احمد دیولوی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا عبدالقیوم پالنپوری۔

لیکن ان حضرات میں سے بعض کا کہنا ہے کہ یہ تصدق واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا اعجاز احمد قاسمی۔

نوٹ: (الف) مفتی نظام الدین صاحب کہتے ہیں کہ کمپنی سے اس بات کا معاہدہ کیا جائے خواہ تحریری ہو یا زبانی، کہ ہمارے حصے میں سود کا پیسہ نہ ملایا جائے۔

(ب) حکیم ظل الرحمٰن کا کہنا ہے کہ یہ سوال بھی غلط فہمی پر مبنی ہے کیونکہ کسی بھی کمپنی کو اپنے سرمایہ کا کوئی حصہ کسی بینک میں جمع نہیں کرنا ہوتا بلکہ منافع کی غیر تقسیم شدہ رقم کو کسی سرکاری سیکورٹی میں جمع رکھنا ہوتا ہے۔

(ج) بعض نے اس کا کوئی جواب تحریر نہیں کیا ہے۔ (مولانا منظور احمد قاسمی، جناب حفظ الرب)

۷۔ سودی قرض اور اس کے منافع کی حیثیت:

اس مسئلہ میں چند آراء ہیں جو درج ذیل ہیں:

مقالہ نگار حضرات میں اکثریت کی رائے ہے کہ:

۱۔ ایسا سودی قرضہ جو بضرورت لیا گیا ہو مفید ملک ہوگا، کیونکہ سودی قرض لینے میں حرمت لغیرہ ہے لذاتہ نہیں۔

مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا سید محمد ایوب، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا محمد قمر الزماں

ندوی، مولانا محمد حنیف، مولانا مجاہدالاسلام، مولانا ابوبکر شکر پور، مفتی محمد جعفرملی، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا شاہد قاسمی، مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا بدر احمد مجیبی، مفتی نسیم احمد قاسمی، مولانا عبدالرحیم، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اختر امام عادل، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا نورالقاسمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا مفتی محمد زید۔

۲۔ مفید ملک ہوگا مگر ذمہ داران کمپنی کے حق میں حلال نہ ہوگا، عام آدمی کے حق میں درست ہے۔(اقبال احمد قاسمی)

۳۔ اگر ساری رقم سودی قرض کی ہے تو اس سے حاصل شدہ منافع بھی سود ہوں گے اور یہ سودی قرض مفید ملک نہ ہوگا۔(مولانا ظفر الاسلام، مفتی محبوب علی وجیہی)

۴۔ اس کی آمدنی کا اندازہ کر کے رفاہ کے کاموں میں لگا دیا جائے۔(ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی)

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے؟

اس مسئلہ کے بارے میں جملہ مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل متصور ہوگا۔

اس میں بھی سبھی حضرات متفق ہیں کہ بورڈ کا عمل شیئر ہولڈر کا عمل شمار کیا جائے گا بجز مولانا ابوبکر شکر پوری کے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ بورڈ کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل شمار کیا جائے۔

پھر اکثر حضرات نے اس معاملہ کو شرکت عنان کہا ہے جب کہ بعض حضرات نے اس کو عقد مضاربت سے تعبیر کیا ہے جن میں مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، اور مفتی عبیداللہ صاحب ہیں۔

نوٹ: بعض حضرات نے اس سوال کا جواب دینے کی زحمت نہیں فرمائی جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں: مولانا ظفر الاسلام، مفتی عزیزالرحمٰن۔

۹۔ بورڈ آف ڈائریکٹرس کے سودی قرض لینے کے فیصلے سے اختلاف اور پھر اس اختلاف کے اعلان سے وہ بری الذمہ ہو جائے گا؟

اس مسئلہ کے بارے میں مقالہ نگار حضرات کی آراء مختلف ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ بورڈ آف ڈائریکٹرس کے سودی قرض لینے کے فیصلے سے اختلاف کرنا اور پھر اس اختلاف کا اعلان کر دینا، یہ اس کی براءت کے لئے کافی ہے۔ یہ قول درج ذیل حضرات کا ہے:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اختر امام عادل، مفتی نظام الدین دارالعلوم دیوبند، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا ابراہیم، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا محمد قمرالزماں ندوی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مفتی محمد زید، مفتی

انور علی اعظمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا ابوبکر شکر پور، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا عبدالرحیم، مولانا محمد جعفر ملی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا محمد حنیف، مولانا ابرار احمد قاسمی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا نسیم احمد قاسمی، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری۔

۲۔ اختلاف کرنا اور اس کا اعلان کرنا براءت کے لئے کافی نہ ہوگا، ہاں معذور کا حکم اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ یہ جانتے ہوئے کہ میری بات مسترد کردی جائے گی ایسی کمپنی میں شرکت کرنا ضمناً رضامندی ہے۔ شرکت امر اختیاری ہے، اگر اس کی بات نہیں سنی جاتی تو وہ کمپنی سے علیحدہ ہو جائے، الا یہ کہ اس کے حالات ایسے ہوں کہ وہ پیسہ دوسری جگہ نہیں لگا سکتا، تو پھر بدرجہ مجبوری ایسے شخص کو اجازت ہوگی۔ اس قول کے قائل درج ذیل حضرات ہیں:

مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا احمد القاسمی، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مفتی عبیداللہ الاسعدی، مولانا مجاہد الاسلام حیدرآباد، مولانا شاہد القاسمی، مولانا ابوالحسن علی گجراتی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی۔

۳۔ مولانا شمس پیرزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ شیئر ہولڈر کے لئے براءت کا اظہار کرنا ضروری نہیں کیونکہ وہ ناقابل عمل ہے، عبث ہے۔

۴۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ بینک سے جب سودی قرض لینے کی نوعیت ہی محل نظر ہے تو پھر اس سے اختلاف کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

۵۔ بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے، لہذا اس سوال کے جواب کی ضرورت ہی نہیں (حفظ الرب)۔

نوٹ: بعض حضرات نے جواب ہی تحریر نہیں فرمایا۔ (نعیم اختر قاسمی، مفتی عزیز الرحمٰن، مفتی شکیل احمد، مولانا احمد دیولوی)

۱۰۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود کی مقدار معلوم ہو تو اس کے بقدر صدقہ کردینا کافی ہوگا؟

سبھی مقالہ نگار اس مسئلہ میں اس باب پر متفق ہیں کہ سودی رقم کا صدقہ کرنا ضروری ہے، اور سودی منافع کے بقدر صدقہ کردینا کافی ہوگا، بجز مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب کے کہ ان کے نزدیک صدقہ کرنا ضروری نہیں۔

مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ظفر الاسلام، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا اختر امام عادل، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مفتی محمد زید، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا ابراہیم محمد، مولانا محمد شاہد القاسمی، مولانا نعیم رشیدی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا ابوبکر شکر پور، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد حنیف، مولانا عبیداللہ الاسعدی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا عبدالرحیم بھوپال، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا محمد ایوب سبیلی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا نسیم

احمد قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا قمر عالم سبیلی۔

نوٹ: جواب واضح طور پر مذکور نہیں۔

مفتی شکیل احمد سیتا پوری، مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا احمد دیولوی، مفتی نظام الدین صاحب، دار العلوم دیوبند۔ صدقہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں یہ اس کی جائز آمدنی ہے اسے وہ بے کھٹک زیر استعمال لاسکتا ہے (مولانا سلطان احمد اصلاحی)۔

۱۱۔ سودی آمدنی کے منافع کا حکم:

اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر اس سے نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا ہے کیا اتنا فیصد صدقہ کر دینا کافی ہوگا؟

اس مسئلہ میں تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اگر سود کی مقدار معلوم ہو یا ہو سکتی ہو تو اس کا تصدق واجب ہے ورنہ واجب نہیں، کیونکہ مخلوط الحلال بالحرام کا حکم حلت کا ہے۔

نوٹ: بعض حضرات نے اس کا کوئی جواب تحریر نہیں کیا۔

مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا احمد دیولوی، مولانا شکیل احمد، مولانا محمد رضوان القاسمی، مفتی نظام الدین صاحب دار العلوم دیوبند۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت:

۱۔ شیئرز کی تجارت جائز ہے، بشرطیکہ اصل کاروبار حلال ہو اور کچھ اثاثے وجود میں آچکے ہوں، تخمین مطلقاً ناجائز نہیں بلکہ ایسی تخمین ممنوع ہے، جس میں خطر و غرر ہو، ورنہ کچھ نہ کچھ تخمین تو ہر تجارت میں ہوتی ہے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا شمس پیرزادہ، مفتی عبد الرحمٰن پالنپوری، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا انور علی، مولانا ابوبکر شکر پور، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا محمد حنیف، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا طاہر مظاہری، مولانا نظام الدین صاحب دار العلوم دیوبند، مولانا محمد شاہد القاسمی، مولانا رضوان القاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا ابراہیم محمد، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا عبد اللطیف گجرات، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مولانا مفتی محمد زید، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا احمد دیولوی، مفتی محمد جعفر، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا عبد الرحیم، مولانا تنویر احمد، مولانا اخلاق الرحمٰن، مفتی محبوب علی، مولانا اختر امام عادل، مولانا عتیق احمد، مولانا نسیم احمد قاسمی۔

۲۔ ناجائز ہے، یہ جوئے کی ایک قانونی شکل ہے، ہاں اگر شیئرز کا اندراج کرا کے پھر فروخت کرے تو جائز

ہوگا، ورنہ بالا بالا کی فروخت بغیر اندراج ملکیت کی کوئی حیثیت نہیں (مفتی شکیل احمد)۔

۳۔ شیئر کی تجارت کی نہ تو گنجائش ہے اور نہ ضرورت۔ عوام کو اس سے دور رہنے کا حکم دیا جائے اس سے وسائل ثروت سمٹ کر سرمایہ داروں کے ہاتھ میں پہونچ جاتے ہیں (حفظ الرب)۔

۴۔ شیئرز نہ ثمن ہیں اور نہ مبیع، لہذا ان کی تجارت درست نہیں کیونکہ راس المال یا ثمن وہ زر مبادلہ ہے جو شیئر ہولڈر ادا کرتا ہے، اور مبیع وہ سامان ہے جو فیکٹری میں تیار ہوگا۔ شیئر دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ (مفتی شکیل احمد سیتاپوری)

۱۳۔ فیوچر سیل (Future Sale):

جملہ مقالہ نگار حضرات اس مسئلہ کے بارے میں اس بات پر متفق ہیں کہ یہ معاملہ ناجائز ہے کیونکہ یہ دونوں طرف سے ادھار ہے اور پھر اس میں قمار بھی ہے، اور قمار کی حرمت پر بہت سی نصوص موجود ہیں۔

مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا مفتی محمد زید، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ابوبکر شکر پور، مولانا ابوالحسن علی، مولانا عبد اللطیف گجرات، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد حنیف، مولانا ابراہیم محمد، مفتی عبد القیوم پالنپوری، مولانا مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا محمد ایوب سبیلی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مفتی عبد الرحیم، مولانا احمد القاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا عبد الرحمٰن پالنپوری، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا احمد دیولوی، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی شکیل احمد سیتاپوری، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا نسیم احمد قاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا محمد جعفر ملی، مولانا اعجاز احمد قاسمی۔

نوٹ: بعض حضرات نے جواب نہیں لکھا۔

مفتی عزیز الرحمٰن، مفتی نظام الدین دار العلوم دیوبند، جناب حفظ الرب، مولانا تنویر احمد قاسمی۔

۱۴۔ غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے:

اس مسئلہ کے بارے میں مقالہ نگار حضرات کی آراء مختلف ہیں، دراصل یہ اختلاف آراء سوال کے واضح نہ ہونے کی وجہ سے ہوا ہے، چنانچہ ہر شخص نے جیسا سمجھا اسی کے مطابق جواب تحریر کیا ہے۔ اسی وجہ سے بعض حضرات نے لکھا بھی ہے کہ "سوال واضح نہیں ہے"۔ جن حضرات نے جواب دیئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ زیادہ تر مقالہ نگار حضرات کی رائے میں یہ غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے ناجائز ہے، اس کی حیثیت محض ایک وعدہ کی ہے۔

مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا عبد الرحمٰن پالنپوری، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا انور

علی اعظمی، مفتی محمد جعفر، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا محمد زید، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا عبدالرحیم، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا اختر امام عادل، مولانا نسیم الدین قاسمی، مفتی نسیم احمد قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، مولانا محمد رضوان قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا عبداللطیف گجرات، مولانا محمد طاہر مظاہری۔

۲۔ درست ہے، بشرطیکہ خریدار دیکھنے کے بعد اس کا آخری فیصلہ کرے۔ یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

مولانا ابراہیم، مولانا محمد ظفر الاسلام، مولانا سمیع اللہ قاسمی۔

۳۔ یہ بیع سلم ہے، بیع سلم کے احکام جاری ہوں گے۔

مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی اور مفتی محبوب علی وجیہی۔

۴۔ یہ بیع لاآجل بلاآجل ہے۔ نهى رسول الله ﷺ عن بيع الكالى بالكالى (مولانا محمد حنیف)۔

۵۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ سوال واضح نہیں ہے۔ وضاحت کے بعد جواب دیا جائے گا۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا احمد دیولوی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا عبدالجلیل صاحب۔

نوٹ: بعض حضرات نے اس کا جواب ہی نہیں لکھا۔

مفتی نظام الدین صاحب دیوبند، مولانا منظور احمد قاسمی، مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، جناب حفظ الرب۔

۱۵۔ شیئرز کی خرید وفروخت کے ساتھ ہی سرٹیفکیٹ ملنے سے قبل شیئرز پر قبضہ تسلیم کیا جائے گا یا نہیں؟

اس مسئلہ کے بارے میں بھی مقالہ نگار حضرات کی آراء مختلف ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ محض شیئرز کی بیع وشراء سے ہی کمپنی کے اثاثے واملاک شیئرز ہولڈر کی ملکیت میں آجاتے ہیں: لأن التخليه قبض حكما (درمختار ۴؍ ۴۷) سرٹیفکیٹ محض اس کا ایک تحریری ثبوت ہے۔

یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا محمد ایوب سبیلی، مفتی عبدالرحیم، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا جعفر ملی رحمانی، مولانا ابراہیم، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا احمد دیولوی، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا طاہر مظاہری، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا محمد شاہد، مولانا محمد حنیف، مولانا زبیر احمد قاسمی۔

۲۔ معنوی قبضہ تو شیئرز خریدتے ہی ہوجائے گا مگر بہتر ہے کہ سرٹیفکیٹ کے حصول کے بعد ہی شیئرز

فروخت کئے جائیں۔

مولانا عبداللطیف، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا انورعلی اعظمی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا ارشد قاسمی، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا اختر امام عادل۔

۳۔ سرٹیفیکٹ ملنے سے قبل شیئرز فروخت کرنا درست نہیں، اس لئے کہ عرف میں سرٹیفیکٹ کے بغیر قبضہ تصور نہیں کیا جاتا جیسا کہ ارشاد باری ہے: واْمُرْ بِالعُرْفِ.

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا نسیم احمد قاسمی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا نور احمد قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا بدر احمد مجیبی۔

۴۔ ضمان وقبضہ دونوں علیحدہ علیحدہ شئی ہیں، محض کسی چیز کے ضمان میں آجانے سے قبضہ کا تحقق نہیں ہوتا جب تک کہ قبضہ حقیقی یا معنوی نہ ہو۔ یہاں پر قبضہ معنوی سرٹیفیکٹ کے حصول تک مکمل نہیں ہوتا۔ (مفتی محمد زید مظاہری ندوی تھورابانده)

۵۔ کمپنی کے حصص پر ملکیت اور قبضہ سرٹیفیکٹ پر نئے خریدار کے نام کے اندراج کے بعد ہی مانا جاتا ہے۔ لیکن ۹۸ فیصد خریداری ایسی ہی سرٹیفیکٹ پر اندراج نام کے بغیر ہورہی ہے، اس اعتبار سے اسے معنوی قبضہ تسلیم کرلینا ہی مناسب ہے (حکیم ظل الرحمٰن)۔

نوٹ: اس سوال کا جواب نہیں دیا۔

مفتی نظام الدین دارالعلوم دیوبند، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولانا عزیز الرحمٰن، جناب حفظ الرب۔

۱۶۔ شیئرز سرٹیفیکٹ ملنے سے قبل شیئرز کی خرید وفروخت:

اس مسئلہ کے بارے میں مقالہ نگار حضرات کی تین آراء ہیں۔

۱۔ خریدار سرٹیفیکٹ کے حصول کے بغیر کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت نہیں کرسکتا، چونکہ عرف میں قبضہ سرٹیفیکٹ کے حصول کے بعد ہی مانا جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: واْمُرْ بِالعُرْفِ.

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا ظفر الاسلام، مفتی محمد زید، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا نسیم احمد قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا ابوبکر قاسمی۔

۲۔ سرٹیفیکٹ کے حصول تک قبضہ مشتبہ ہے، اس لئے اس کی خرید وفروخت احتیاط کے خلاف ہے، مزید یہ کہ اس سے سٹہ بازی کی حوصلہ افزائی بھی ہوسکتی ہے۔

مولانا عبداللطیف، مولانا عبدالقیوم، مولانا عبدالرحمٰن، مولانا نسیم الدین قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی انورعلی اعظمی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا محمد ارشد قاسمی۔

۱۔ خریدار سرٹیفیکٹ ... کے بغیر بھی

مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا نور القاسمی، مولانا عبد الرحیم، مفتی محمد جعفر ملی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا ابراہیم محمد، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا احمد دیولوی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا سید محمد ایوب، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا حنیف، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا نعیم رشیدی، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا محمد ابرار خاں، مولانا شاہد القاسمی۔

نوٹ: بعض حضرات نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔

مفتی نظام الدین دار العلوم دیوبند، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولانا عزیز الرحمٰن۔

۱۷۔ بروکری کا حکم:

اس مسئلہ میں جملہ مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اس کا حکم دلالی کا ہے، اور دلالی باتفاق جائز ہے۔ لہذا جن شیئرز کی خرید و فروخت جائز ہے ان کی خرید و فروخت میں بروکر اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا بھی درست ہے۔ (درمختار ۲۹/۵۔۳۹، شامی ۴۴/۵)

نوٹ: بعض حضرات نے جواب نہیں دیا۔

مفتی نظام الدین صاحب دار العلوم دیوبند، مولانا عزیز الرحمٰن، مفتی انور علی اعظمی۔

عرض مسئلہ:

عارضین:

۱۔ مولانا عبدالقیوم پالنپوری صاحب

۲۔ مولانا عبدالجلیل قاسمی صاحب

۳۔ مولانا اختر امام عادل صاحب

۴۔ مولانا عتیق احمد بستوی صاحب

عرض مسئلہ:

شیئرز کی شرعی حیثیت

سوال نمبر ۱-۲-۳

از........مولانا عبدالقیوم پالنپوری

سوال نمبر ۱۔ کیا کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا یہ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے؟

بندہ کو شیئرز کے مسائل سے متعلق کل اکتالیس (۴۱) مقالات اور جوابات موصول ہوئے تھے اور سب ہی مقالہ نگار اور جواب دینے والے حضرات علماء کرام اس بات سے متفق ہیں کہ جس کمپنی کے کچھ اثاثے وجود میں آ چکے ہیں، اس کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، محض اس بات کی دستاویز نہیں ہے کہ اس نے کمپنی کو اتنی رقم دی ہے، اکثر حضرات نے سوالنامہ میں اس موقف کی دلیل موجود ہونے کی وجہ سے مختصر جواب پر اکتفا کیا ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب، مولانا اختر امام عادل صاحب، مولانا عبدالجلیل قاسمی صاحب اور مولانا شمس پیرزادہ صاحب نے لکھا ہے کہ شیئر ہولڈر کا کمپنی کے نفع ونقصان میں شریک رہنا اور کمپنی کے تحلیل ہو جانے کی صورت میں شیئر ہولڈر کو اس کے شیئرز کے تناسب سے کمپنی کے اثاثوں میں حصہ ملنا یہ واضح ثبوت اور دلیل ہے کہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔

اب رہا یہ قانون کہ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں موجودہ قانون کے مطابق جب اس کی املاک ضبط کر کے اس کے قرضے ادا کئے جاتے ہیں، اس وقت اس کے حصے (شیئرز) کے تناسب سے کمپنی کے اثاثے قرق نہیں کئے جا سکتے، تو اس قانون سے شیئرز کی حقیقت پر کچھ اثر نہیں پڑے گا اور اس کے باوجود شیئر ہولڈر کی کمپنی میں ملکیت وشرکت باقی رہے گی۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے لکھا ہے کہ شیئر سرٹیفکیٹ پر جو رقم کا ذکر ہوتا ہے، وہ محض اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ اثاثہ اپنی ابتدائی صورت میں اسی قدر وقیمت وقوت خرید کا حامل تھا، اور قانونی طور پر کمپنی کے اثاثوں کو قرق نہ کیا جانا شرعی اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ شیئر قانون کی نگاہ میں اثاثہ کا درجہ نہ رکھتا ہو، کیونکہ ممکن ہے کہ شیئرز پر مبنی اثاثہ میں اشتراک وشیوع کی وجہ سے اس طرح کا قانون بنایا گیا ہو۔ اور مولانا عبدالجلیل قاسمی صاحب پٹنہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مفلس ہو تو صاحبین کے نزدیک اس کی غیر منقولہ اشیاء اراضی وغیرہ بھی فروخت کر کے اس کے قرضہ کی ادائیگی کی جائے گی، لیکن اس کا رہائشی مکان فروخت کر کے قرضہ ادا نہیں کیا جائے گا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ یہ مفلس مکان کا مالک نہیں ہے، اسی طرح اگر حکومت نے کسی مصلحت سے یہ قانون بنایا ہے کہ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں اس کے حصہ تناسب سے کمپنی کے

اثاثے قرق نہ کئے جائیں گے، تو یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ اثاثوں کا مالک نہیں ہے۔ حکیم ظل الرحمٰن اور ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب نے لکھا ہے کہ قرق نہ کئے جانے کے قانون کے باوجود یہ ممکن ہے کہ اس شیئر ہولڈر کے پاس پائے جانے والے شیئرز پر قبضہ کر کے قرض خواہ کے نام منتقل کر دئے جائیں، جس سے کمپنی میں اس کے بجائے قرض خواہ کی ملکیت وشرکت ہوجائے گی اور کمپنی کے اثاثے کے قرق کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ سب ہی مقالہ نگار اور جواب دینے والے حضرات اس بات کو درست مانتے ہیں کہ جس کمپنی کا کچھ اثاثہ وجود میں آچکا ہو اس کے خرید کردہ ایکویٹی شیئرز شیئر ہولڈر کی کمپنی میں ملکیت کی نمائندگی کرتے ہیں، کمپنی کو قرض دینے کی دستاویز نہیں ہے۔ ان مقالہ نگاروں کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا مفتی نظام الدین دیوبند، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری، مولانا ابوالحسن علی، مولانا مفتی احمد دیولوی بھروچ، مولانا عبدالجلیل قاسمی پٹنہ، مولانا جعفر علی رحمانی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا ابراہیم بزودوی، مولانا مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبداللطیف مظاہری پالنپوری، مولانا سمیع اللہ قاسمی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مفتی شکیل احمد سیتاپوری، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا عبدالرحیم بھوپال، مولانا ظفر الاسلام مئو، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی انور علی، عبدالقیوم پالنپوری، مولانا نعیم رشیدی، مولانا شمشاد احمد نادر قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا شاہد قاسمی، مولانا ارشد قاسمی، مولانا طاہر مظاہری، مولانا سید ایوب سبیلی، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا محمد نور القاسمی۔

سوال نمبر۲۔ بعض اوقات کمپنی قائم کرتے وقت شیئرز کا اعلان کیا جاتا ہے، اور اس وقت اس کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتی ہیں، اس وقت اگر کمپنی کے خرید کردہ شیئر کی بیع کی جائے تو ایسی صورت میں نقد نقد کے مقابل ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

اس کا جواب ۳۷ حضرات علماء کرام نے دیا ہے، اس سوال کے متعلق مولانا شمس پیرزادہ صاحب نے لکھا ہے کہ ہر کمپنی کو ابتداءً قانون حکومت کی بنا پر کچھ سرمایہ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں لگانا پڑتا ہے، جس کے بعد ہی اسے شیئرز کا اعلان کرنے کی اجازت مل سکتی ہے، اس لئے یہ خیال صحیح نہیں کہ کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتی اور وہ شیئرز کا اعلان کر دیتی ہے، لہذا شیئرز کی بیع اس صورت میں بھی جائز ہوگی جبکہ کمپنی پوری طرح قائم نہ ہوئی ہو۔ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اگر اس قانون کے مطابق کمپنیوں کا عمل بھی ہے تو اس سوال کی ضرورت نہیں، لیکن ہندوستان جیسے ممالک میں یہ ممکن ہے کہ کمپنی اپنے اثاثے وجود میں لانے سے پہلے ہی خلاف قانون متعلقہ افسران سے رشوت وغیرہ کے ذریعہ اجازت حاصل کر کے شیئرز کا اجراء کر دے، لہذا اس سوال کی ضرورت باقی رہے گی۔

اور ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب نے لکھا ہے کہ کمپنی نئے وجود میں آنے سے پہلے اس کا پروجیکٹ اور

خاکہ تیار کیا جاتا ہے اور اس پر کافی وقت اور روپیہ صرف ہوتا ہے، لہذا یہ پروجیکٹ بھی کسی مصنف کے مسودے کی طرف اہم ار قیمتی ہے، اور چونکہ نقد کا مقابلہ نقد سے نہیں، لہذا اشیئرز کی خرید وفروخت درست ہے۔

اس بارے میں عرض ہے کہ اگر پروجیکٹ یا پلان مال تسلیم کرلیں تو یہ بات درست ہے، لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی مال نہیں ہے۔

اور مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب نے اس صورت کو حوالہ کا معاملہ قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس میں کمی و بیشی درست نہیں ہے۔ لیکن اس کو حوالہ کا معاملہ کہنا درست معلوم نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ حوالہ میں دین محیل سے محتال علیہ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، اور محتال علیہ سے محتال لہ دین وصول کرتا ہے، اور سوال کی صورت میں کمپنی محتال علیہ ہو گی اور اس سے شیئرز واپس کرکے دین وصول کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے، لہذا یہ بیع کا معاملہ ہے نہ کہ حوالہ کا۔

باقی حضرات کے مقالات وجوابات سے دو نقطۂ نظر سامنے آئے ہیں: ایک یہ کہ اس صورت میں شیئرز کی خرید وفروخت نہ کمی وبیشی اور نہ اس کی قیمت اسمیہ (متعینہ) سے جائز ہے، اس لئے کہ یہ نقد کی بیع نقد سے ہے جو بیع صرف ہے، اور بیع صرف میں تقابض علی البدلین اور تساوی دونوں ضروری ہیں، اور اس صورت میں کمی وبیشی سے بیع کرنے میں دونوں نہیں پائے جاتے ہیں، اور شیئرز کے برابر قیمت سے بیع میں تقابض علی البدلین نہیں پایا جارہا ہے۔ لہذا اس صورت میں نہ کمی بیشی کے ساتھ اور نہ برابر قیمت کے ساتھ شیئرز کی خرید وفروخت درست ہے، یہ رائے حسب ذیل حضرات علماء کرام کی ہے:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا شاہد قاسمی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا طاہر مظاہری، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا ارشد قاسمی، مولانا سید ایوب سنبھلی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابرار خاں ندوی۔

مولانا جعفر علی رحمانی صاحب نے عدم جواز کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ابھی کمپنی کے پاس اثاثہ نہیں ہے لہذا یہ غیر مملوک (یعنی بعد میں وجود میں آنے والے اثاثے) کی بیع ہے جو شرعا درست نہیں ہے۔

لیکن اسے بیع غیر مملوک قرار دینا صحیح نہیں، اس لئے کہ دونوں جانب نقد موجود ہے تو نقد کی بیع نقد سے ہی قرار دی جائے گی۔ اسی طرح اس صورت کو بیع صرف قرار دینا بھی درست نہیں معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ بیع صرف میں عوضین کا خلقی ثمن ہونا ضروری ہے جیسا کہ بیع صرف کی تعریف میں ہے:

وهو.... شرعا بيع الثمن بالثمن أي ما خلق للثمنية... جنسا بجنس أو بغير جنس كذهب بفضة (الدر المختار مع الشامی ۴؍۲۲۵)۔

اور موجودہ نقد یعنی نوٹ ثمن خلقی نہیں بلکہ ثمن عرفی یا اصطلاحی ہے، لہذا یہ بیع صرف نہیں ہے، لیکن ایک ہی ملک کی کرنسی کا باہم تبادلہ یا خرید وفروخت ہو تو جنس ایک ہونے کی وجہ سے تقابض علی البدلین ضروری ہے، یا تقابض علی احد العوضین صحت بیع کے لئے کافی ہے، تو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اور اس صورت میں یہی مسئلہ ہے، اور اکثر حضرات کی

رائے میں ان علماء کی بات درست معلوم ہوتی ہے جو احد البدلین پر قبضہ شرط مانتے ہیں۔

جو حضرات سوال دوم کی صورت میں شیئر کی مطلقاً خرید وفروخت کے عدم جواز کے قائل ہیں، ان کی یہ رائے اس بات کی متقضی ہے کہ سوال سوم میں مذکور صورت میں۔ کہ جس میں نقد کا مقابلہ نقد و مال سے ہے۔ جتنے حصہ میں نقد کا تقابل نقد سے ہے بیع ناجائز ہو، حالانکہ ان میں سے اکثر حضرات تیسرے سوال میں مذکور صورت میں شیئرز کی خرید وفروخت جائز قرار دیتے ہیں۔

دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس صورت میں خرید کردہ شیئر کی بیع اس کی قیمت اسمیہ سے کم وبیش کے ساتھ سود ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، اور شیئر پر لکھی ہوئی قیمت کے برابر سے بیچنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ بیع صرف نہیں ہے، اور موجودہ نقد ونوٹ چونکہ فلوس کے مانند ہے، لہذا جس طرح فلوس کی بیع فلوس کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں امام محمدؒ کے قول کے مطابق، اسی طرح روپیہ کی بیع روپے سے کمی بیشی کے ساتھ درست نہیں، سداً الباب الربوا۔ اور امام کرخیؒ کے قول کے مطابق فلوس کی بیع فلوس سے ہو تو تقابض علی احد البدلین شرط ہے۔ اسی طرح روپیہ کی بیع میں ان کے قول کو اختیار کرتے ہوئے دوعوضوں میں سے ایک پر قبضہ شرط رہے گا نہ کہ دونوں پر۔ اور زیر بحث صورت میں بھی نقد کا تقابل نقد سے ہے لہذا کمی بیشی جائز نہ ہوگی، اور برابر قیمت کے ساتھ شیئر بیچا جائے تو درست ہوگا، اس لئے کہ احد البدلین پر مجلس عقد میں قبضہ ہو جاتا ہے۔ ملک العلماء علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

تبايعا فلسا بعينه بفلس بعينه فالفلسان لا يتعينان وإن عينا، إلا أن القبض في المجلس شرط، حتى يبطل بترك التقابض في المجلس، لكونه افتراقا عن دين بدين، ولو قبض أحد البدلين في المجلس فافترقا قبل قبض الآخر، ذكر الكرخي: أنه لا يبطل العقد، لأن اشتراط القبض من الجانبين من خصائص الصرف، وهذا ليس بصرف، فيكتفى فيه بالقبض من أحد الجانبين لأن به يخرج عن كونه افتراقا عن دين بدين، و ذكر في بعض شروح مختصر الطحاوى أنه يبطل لا لكونه صرفا بل لتمكن ربا النَّساء فيه لوجود أحد وصفي علة ربا الفضل وهو الجنس

(بدائع ۵/ ۲۳۷ نقلاً عن احسن الفتاوی ۷/ ۸۷)۔

اور بحر العلوم مولانا فتح محمد صاحب تائب" تحریر فرماتے ہیں: نوٹ، نوٹ یا روپئے سے جب بدلا جاوے تو مساوات... شرط ہے اور تقابض لازم نہیں..... پس جائز ہے نقد بیچیں یا قرض (عطر الہدایہ رص ۲۷)۔

اور حضرت مولانا تقی صاحب عثمانی تحریر فرماتے ہیں: تمام معاملات میں کرنسی نوٹوں کا حکم بعینہ سکوں کی طرح ہے، جس طرح سکوں کا آپس میں تبادلہ برابر سرابر کر کے جائز ہے، اسی طرح ایک ہی ملک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ برابر سرابر کر کے بالاتفاق جائز ہے، بشرطیکہ مجلس عقد میں فریقین میں سے کوئی ایک بدلین میں سے ایک پر قبضہ کر لے (فقہی مقالات جلد اول رص ۳۱)۔

حاصل بحث یہ ہے کہ اس صورت میں درحقیقت نوٹ کی بیع کرنسی نوٹ سے ہے اور یہ حوالہ یا بیع غیر مملوک

یا بیع صرف نہیں ہے، لہذا ایسے شیئر کی خرید وفروخت کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے اور اس کی برابر قیمت کے ساتھ جائز ہے، اور مجلس عقد میں احدالبدلین پر قبضہ صحت بیع کے لئے کافی ہے۔ یہ رائے حسب ذیل حضرات کی ہے:

مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا ظفر الاسلام مئو، مولانا ابوالحسن علی، مولانا عبدالرحیم بھوپال، مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی انور علی، مولانا عبدالرحمن پالنپوری، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا سلطان احمد اصلاحی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابراہیم بڑودوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، عبدالقیوم پالنپوری، مولانا شمشاد احمد نادر قاسمی، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا نعیم رشیدی، مولانا قمر عالم سبیلی۔

سوال نمبر ۳۔ کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد اس کا اثاثہ مخلوط ہوتا ہے (یعنی نقد اور املاک کا مجموعہ) اس صورت میں جبکہ مجموعہ مال ربوی وغیر ربوی دونوں پر مشتمل ہے شیئرز کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت کا کیا حکم ہوگا؟

اس کا جواب ۳۸ حضرات علماء کرام نے دیا ہے، لیکن ان میں سے سات حضرات مولانا احمد دیولوی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا تنویر احمد قاسمی، حکیم ظل الرحمن، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا مفتی محبوب علی وجیہی، اور مولانا منظور احمد قاسمی سے سوال سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے، انہوں نے سوال کا یہ معنی سمجھا ہے کہ جب شیئرز میں مجموعہ مخلوط ہے حلال مال اور سود سے، تو ایسے شیئرز کی بیع نقد سے جائز ہے یا نہیں؟ اور انہوں نے اس اخذ کردہ مفہوم کے مطابق اپنے اپنے الفاظ میں جواب دیئے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جب مجموعہ میں غلبہ حلال مال کا ہے اور سودی لین دین قانونی ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے لہذا غالب کا اعتبار کرتے ہوئے ایسے شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے۔

اور مولانا اقبال احمد قاسمی نے لکھا ہے کہ یہ صورت بیع صرف ہے، اور مجلس عقد میں تقابض علی البدلین ضروری ہے، لہذا بغیر حیلہ کے ان شیئرز کی خرید وفروخت درست نہیں ہے، لیکن ان کا اس کو بیع صرف کہنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہاں نقد ثمن خلقی نہیں ہے، اور اس میں کچھ نقد کا تقابل نقد سے ہے اور اس کی صحت کے لئے احدالبدلین پر قبضہ شرط ہے جو اس صورت میں پایا جاتا ہے، لہذا بیع جائز ہے۔

اور باقی تیس حضرات علماء کرام نے لکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مال ربوی یعنی نقد و دیون اور مال غیر ربوی یعنی اثاثہ کی بیع نقد کے ساتھ جائز ہے بشرطیکہ نقد مجموعہ میں مخلوط نقد سے زائد ہو، تاکہ نقد نقد کے مقابل ہو جائے اور زائد نقد اثاثہ کے مقابلہ میں ہوگا، مثلاً دس روپے کے شیئر میں آٹھ روپے اگر نقد و دیون کے مقابل ہیں اور دو روپے جامد اثاثوں کے مقابل تو شیئر کی بیع آٹھ روپے یا اس سے کم میں جائز نہ ہوگی، البتہ نو روپے یا اس سے زائد میں جائز ہوگی۔ عالمگیریہ میں ہے:

لو اشترى سيفا محلّى بالفضة أو لجاما مفضضا بالفضة الخالصة، و وزنها أكثر جاز، وإن كان وزنها أقل من الحلية أو مثلها أو لا يدرى لا يجوز (ہندیہ ۳/۱۸۷)۔

یہ رائے حسب ذیل مقالہ نگاروں کی ہے:

مولانا عبیداللہ اسعدی، مفتی انور علی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابوالحسن علی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا ابراہیم بڑودوی، مولانا ظفر الاسلام مئو، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا عبدالرحیم بھوپالی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا جعفر ملی رحمانی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا طاہر مظاہری، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا ایوب سبیلی، مولانا مجاہدالاسلام، مولانا نعیم رشیدی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا نور قاسمی، مولانا ارشد قاسمی، مولانا شاہد قاسمی، مولانا محمد رضوان القاسمی۔

حاصل بحث یہ ہے کہ اس صورت میں شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے، بشرطیکہ نقد اثاثہ میں مخلوط نقد سے زائد ہو۔

☆☆☆☆☆

عرض مسئلہ:

سوال نمبر۴۔۵۔۶

از۔۔۔۔۔مولانا عبدالجلیل قاسمی

امارت شرعیہ، پٹنہ

حضرات علماء کرام! مجھے شیئرز کے بارے میں سوال نمبر۴، ۵، اور ۶ سے متعلق عرض مسئلہ کی ذمہ داری دی گئی ہے۔اس سلسلہ میں اکیڈمی کی طرف سے اکتالیس (۴۱) مقالات موصول ہوئے۔ایک مقالہ پھلواری شریف میں ملا۔ مقالہ نگار حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دیوبند، مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری، جناب شمس پیرزادہ، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا عبیداللہ الاسعدی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا احمد دیولوی، مولانا ابراہیم بڑودوی، مولانا ابوالحسن علی، مفتی عبدالرحیم بھوپال، مولانا اختر امام عادل، مولانا ظفرالاسلام مئو، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولانا اخلاق الرحمٰن، مولانا مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا عبداللطیف، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا ارشد قاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا مفتی جعفر علی رحمانی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مفتی نسیم احمد قاسمی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا مجاہد الاسلام حیدرآباد، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، راقم الحروف عبدالجلیل قاسمی، حکیم ظل الرحمٰن۔

سوال نمبر۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت اور اکسپورٹ، یا بینک اور سودی اسکیموں میں روپے لگانا، ایسی کمپنیز کے شیئرز کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہوگا؟

اس کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات اس پر متفق ہیں کہ جس کمپنی کا بنیادی کاروبار حرام ہو اس میں شرکت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنا تعاون علی الاثم ہے جو بنص قرآنی حرام ہے " ولا تعاونوا على الإثم والعدوان" (الآیۃ)۔

نیز حرام اشیاء مسلمان کی مملوک نہیں ہوتیں اور غیر مملوک کی بیع جائز نہیں، اس لئے حرام اشیاء کی خرید وفروخت مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔اور جس کام کا کرنا جائز نہ ہو اس کے کرنے کا امر کرنا اور اس کے کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنانا بھی جائز نہ ہوگا...... ما حرم فعله حرم طلبه.

ولأن ما ثبت للوكيل ينتقل إلى موكل فصار كأنه باشره بنفسه ولو باشر بنفسه لم يجز فكذا التوكيل به...... (عنایہ مع فتح القدیر ۶؍۲۴۰)۔

سوال نمبر۵۔ ایسی کمپنیز جن کا کاروبار حلال ہے مثلاً انجینئرنگ کے سامان تیار کرنا، عام استعمال کی مصرفی چیزیں تیار کرنا وغیرہ، پھران کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہونے کے باوجود انہیں بعض اوقات انکم ٹیکس وغیرہ کی زد سے بچنے کے لئے بینکس سے سودی قرض لینا پڑتا ہے، تو کیا ایسی کمپنیز کے شیئرز کا خریدنا جائز ہے؟

حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن بجنوری نے سوال نمبر۵ اور ۶ پر بحث کرتے ہوئے اس وجہ سے اس کو ناجائز قرار دیا ہے کہ اس میں سود لینا دینا پڑتا ہے اور یہ دونوں حرام ہیں، اور مسلمان اس کا مکلف ہے کہ وہ منہی عنہ کو مٹائے ،اس سے صرف اظہار بیزاری یا اظہار ناپسندیدگی کافی نہیں ہے۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی صاحب نے بکراہت جائز لکھا ہے۔

باقی دوسرے مقالہ نگار حضرات نے اس صورت میں شیئرز کی خریداری کو جائز قرار دیا ہے۔ سودی قرض لینے کی صورت میں چونکہ سود دینا ہوتا ہے اس لئے مال اور اس سے حاصل ہونے والے منافع میں کوئی خبث موجود نہیں ہے، اس لئے اس کے منافع کے حلال ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔

البتہ چونکہ سود دینا ہوتا ہے اور وہ بھی حرام ہے۔ اس کا حل بعض حضرات نے یہ پیش کیا ہے کہ شیئر ہولڈر کمپنی کی میٹنگ میں سودی قرض کے حاصل کرنے پر اپنی ناپسندیدگی ظاہر کردے یا خط ہی کے ذریعہ اظہار بیزاری کر دے، اس کے بعد کمپنی کے عملہ کے کام کی ذمہ داری شیئر ہولڈر پر نہیں ہوگی۔

جبکہ دوسرے حضرات نے یہ لکھا ہے کہ چونکہ یہ قرض سرکار کے انکم ٹیکس کے ظالمانہ قانون کی زد سے بچنے کے لئے لیا جاتا ہے اس لئے یہ قرض لینا مجبوری کی وجہ سے ہے، اور مجبوری میں سودی قرض لینے کی اجازت ہے۔ فقہ کا مشہور جزئیہ ہے: يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح۔

مولانا ابوالحسن علی گجرات نے سوال نمبر۵ اور ۶ پر بحث کرنے کے بعد آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ اس سے بچنا افضل ہے۔

ظاہر بات ہے کہ جن محظورات کی اجازت مجبوری کی حالت میں دی جاتی ہے عام حالات میں اس کی اجازت نہیں رہتی ہے۔ جو لوگ کسی کمپنی کے مالک ہیں یا جن کے پاس آمدنی کے دوسرے ذرائع موجود نہیں ہیں اور وہ ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنے پر مجبور ہیں، ان کو تو اجازت دی جائے گی، مگر جن لوگوں کے پاس دوسرے وسائل اور آمدنی کے اسباب و ذرائع موجود ہیں، ان کو محض اپنے مال میں اضافہ کے لئے ایسی کمپنی کے شیئرز نہیں خریدنا چاہئے۔ میں نے بھی اپنے مقالہ میں بچنے کو ہی افضل لکھا ہے۔

سوال نمبر۶۔ ایسی حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کو بھی قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے، یا سیکورٹی بانڈس خریدنے پڑتے ہیں ،جن کی وجہ سے انہیں سود بھی ملتا ہے۔ کیا ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنا جائز ہوگا؟

حضرت مولانا زبیر احمد قاسمی نے سوال نمبر۵ اور ۶ کا جواب ایک ساتھ ہی لکھا ہے، اور انہوں نے مجبوری

میں سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے۔ آخر میں لکھا ہے کہ اگر کمپنی سود لیتی ہے تو ناجائز ہے۔

ہمارے اکابر نے عرصہ قبل مال کی حفاظت کی خاطر روپیہ بینک میں رکھنے کی اجازت دی ہے، اور اس روپئے پر ملنے والے سود کو بلانیت ثواب فقراء ومساکین پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔

جب اپنی رضامندی سے حفاظت کی خاطر بینک میں روپئے رکھنے کی اجازت دی گئی ہے تو حکومت کے قانون کے جبر کی وجہ سے بینک میں روپئے رکھنے کو مولانا ناجائز فرمادیں گے مجھے امید نہیں ہے۔

اس لئے مجھ کو محسوس ہوتا ہے کہ عام حالات میں جبر کے بغیر اگر کمپنی نے آمدنی میں اضافہ کی غرض سے سود حاصل کرلیا ہے تو اس کو مولانا ناجائز فرمارہے ہیں۔ اور ظاہر ہے اس کے حرام ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی دوسرا مقصود ہے تو مولانا خود ہی اس کی وضاحت فرمادیں گے۔

مولانا محمد ارشد قاسمی نے لکھا ہے کہ اگر معلوم ہو کہ منافع میں سود بھی ہے تو شیئرز خریدنا ناجائز ہوگا ورنہ جائز ہوگا۔ حالانکہ اس کا علم تو اس وقت ہوگا جب کمپنی حساب دے گی کہ منافع میں سود کی آمیزش ہے یا نہیں، اگر ہے تو اس کی مقدار کیا ہے۔

باقی دوسرے مقالہ نگار حضرات نے اس صورت میں بھی شیئرز کی خریداری کو جائز قرار دیا ہے، مگر اس صورت میں چونکہ سود لینا ہے، اس لئے سود لینے کے عمل کے ساتھ مال میں سود کی آمیزش بھی ہے، اس طرح مال میں خبث بھی ہے۔ اس کا حل انہوں نے یہ تجویز کیا ہے کہ کمپنی کی میٹنگ میں سودی کاروبار کے خلاف آواز اٹھائے یا خط کے ذریعہ اظہار بیزاری کردے، اور سود کی جتنی مقدار اس کے منافع میں شامل ہے اس کو بلانیت ثواب صدقہ کردے۔

میں نے اپنے مقالہ میں ایک تجویز پیش کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرات کے سامنے بھی پیش کردوں۔

سوال نمبر ۵ اور ۶ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف سرکاری قانون کے جبر کی وجہ سے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے یا بانڈس خریدنے پڑتے ہیں، اور اس پر بینک کی طرف سے سود ملتا ہے۔ دوسری طرف انکم ٹیکس کے ظالمانہ قانون کی زد سے بچنے کے لئے اپنے کو مقروض دکھانا پڑتا ہے، اور اس کے لئے بینک سے قرض کی شکل میں رقم لینی پڑتی ہے، اور اس پر سود دینا ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں میری رائے ہے کہ اگر کمپنی مسلمانوں کی ہو یا اس پر مسلمانوں کا اثر ہو تو یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ روپئے ریزرو بینک میں جمع کرنے کی صورت میں جس قدر سود ملتا ہے اتنا روپیہ بطور سود لوٹانے کے لئے جتنا روپیہ بینک سے قرض لینا ہو لیا جائے۔

اس صورت میں جتنی رقم سود کے نام پر لی گئی ہے وہ پوری کی پوری سود ہی کے نام پر بینک کو لوٹادی جائے گی، اور درحقیقت نہ سود کا لینا ہوگا اور نہ سود کا دینا ہوگا۔ اور ان حضرات کو بھی شیئرز کی خریداری کی اجازت دینے میں کوئی اختلاف نہیں رہ جائے گا جو سود کے لین دین کی وجہ سے شیئرز کی خریداری کی اجازت نہیں دیتے۔

☆☆☆☆☆

عرض مسئلہ :

سوال نمبر ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱

از......... مولانا اختر امام عادل

جامعہ رحمانی، سمستی پور

شیئرز کے سوال نمبر ۷ تا ۱۱ کا عرض مسئلہ مجھ سے متعلق ہے۔ سوال نمبر ۷ سے ۱۱ تک یوں تو پانچ سوالات ہیں مگر ان کو سمیٹا جائے تو بنیادی طور پر صرف تین باتیں ہمارے لئے موضوع بحث بنتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ سودی قرض مفید ملک ہے یا نہیں؟ اور اس سے حاصل ہونے والے منافع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۲۔ کیا کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے؟ اور اس کا عمل شیئرز ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا ؟ اگر کوئی شیئرز ہولڈر بورڈ کے کسی عمل سے اپنے اختلاف کا اظہار کردے تو اس عمل کی ذمہ داری سے وہ بری ہوگا یا نہیں؟

۳۔ اگر کمپنی کے منافع میں سودی آمدنی بھی شامل ہو جس کی مقدار معلوم ہو تو کیا شیئر ہولڈر کے لئے منافع سے اس کے بقدر نکال کر صدقہ کر دینا کافی ہوگا؟

شیئرز کے موضوع پر اکیڈمی کو کل مقالات موصول ہوئے، جن میں ۳۷ مقالہ نگاروں نے مذکورہ تین باتوں پر صراحۃً یا دلالۃً اپنی رائے ظاہر کی ہے، جبکہ تین حضرات نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

ان ۳۷ حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا ابوالحسن علی، شمس پیرزادہ، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا جعفر ملی رحمانی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مفتی عبدالرحیم بھوپال، مفتی انور علی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ابراہیم محمد بڑودوی، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا عبداللطیف، مولانا محمد رضوان القاسمی، مفتی نظام الدین صاحب دیوبند، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا محمد مجاہد الاسلام حیدرآباد، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا محمد قمر عالم سبیلی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا ایوب سبیلی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا شاہد القاسمی، حکیم ظل الرحمٰن، اور خود راقم الحروف۔

سوال نمبر ۷۔ سودی قرض اور اس سے حاصل شدہ منافع کا مسئلہ:

مذکورہ مسائل میں سب سے پہلا مسئلہ (جو سوالنامہ کی ترتیب سے ساتویں نمبر پر ہے) سودی قرض کے مفید ملک ہونے یا نہ ہونے اور اس سے حاصل شدہ منافع کی شرعی حیثیت کا ہے۔ تمام مقالات کے پڑھنے سے اس پر

بنیادی طور پر تین رائیں سامنے آئی ہیں:

۱۔ایک رائے جس کو صرف تین حضرات مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی اور مولانا ظفر الاسلام نے اختیار کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ سودی قرض خواہ بضرورت ہو یا بلاضرورت مفید ملک نہیں ہے، اور نہ اس سے حاصل ہونے والے منافع حلال ہیں۔ اس نقطۂ نظر کی بنیاد یہ ہے کہ کمپنی بینکوں سے جو سودی قرضہ لیتی ہے وہ مجبوری میں لیتی ہے خوشی سے نہیں، اس لئے اس حدتک اس کو اجازت دی جاسکتی ہے۔ رہا اس قرض سے انتفاع کا معاملہ تو یہ اگلا مرحلہ ہے جو جبری نہیں اختیاری ہے، اور اختیاری صورت میں مال حرام سے استفادہ کی اجازت نہیں دی جاسکتی، مگر یہ استدلال انتہائی کمزور ہے۔

(الف) اس لئے کہ اگر قرض سے انتفاع درست نہ ہو تو پھر قرض لینے کی ضرورت کیا ہوگی؟ اور سودی قرضہ لینے کی اجازت کیوں دی جائے گی؟ فقہاء نے بلاقید یہ قاعدہ بیان کیا ہے:

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر)۔

ضرورت مند کے لئے سودی قرض لینا جائز ہے۔

اس میں کوئی پابندی نہیں لگائی گئی کہ یہ قرض تو لے لو مگر اس سے انتفاع نہ کرنا، اس لئے کہ پھر تو اجازت کا یہ قاعدہ ہی بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

(ب) دوسری بات جس کی طرف ان حضرات کی نگاہ نہیں گئی، وہ یہ ہے کہ مسلمہ فقہی اصول ہے:

حرمة العقد لا یستلزم حرمة المال.

معاملہ کی حرمت سے مال کی حرمت لازم نہیں آتی۔

سودی قرض لینا اگر بدرجہ مجبوری نہ بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ اس عمل کو غیر درست قرار دیا جائے گا، مگر اس عمل کے نتیجہ میں جو مال آیا ہے اس میں خباثت نہیں آئے گی، اس لئے کہ اس میں سود کی رقم شامل نہیں ہے، سود دیا گیا ہے لیا نہیں گیا ہے۔ حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی (۱۷۰/۳) میں اسی طرز استدلال سے سودی قرض اور اس سے حاصل شدہ منافع کی حلت کا فتوی دیا ہے۔

۲۔دوسری رائے جس کو تنہا مولانا شاہد القاسمی نے پیش کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر سودی قرض بضرورت لیا گیا ہو تو وہ اور اس کے منافع حلال وطیب ہیں، اور اگر بلاضرورت لیا گیا ہو تو وہ اور اس سے حاصل شدہ منافع دونوں حلال نہیں، دونوں قابل تصدق ہیں۔

انہوں نے اس مسئلہ کو بیع فاسد پر قیاس کیا ہے کہ کسی شخص نے کوئی چیز بیع فاسد کے طور پر خریدی تو اس عقد کو توڑنا ضروری ہے، لیکن اگر مشتری اس کو توڑنے کے بجائے کسی تیسرے کے ہاتھ وہ چیز فروخت کردے تو اس سے مشتری اول کو جو منافع حاصل ہوں گے ان کا صدقہ کرنا ضروری (ردالمحتار)۔

مگر اس استدلال میں کئی نقائص ہیں:

(الف) پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں استقراض کے مسئلہ کو بیع کے مسئلہ پر قیاس کیا گیا ہے جب کہ دونوں معاملات کی جنس اور احکام جداگانہ ہیں، اس لئے ایک کے کسی جزئیہ کو دوسرے کے لئے نظیر نہیں بنایا جاسکتا۔

(ب) دوسری بات یہ ہے کہ قیاس پوری طرح قرض والے مسئلہ پر منطبق بھی نہیں ہے، اس لئے کہ قرض والے مسئلہ میں مولانا موصوف نے ضرورت اور عدم ضرورت کی تفصیل کی ہے، جب کہ بیع فاسد کے مذکورہ جزئیہ میں اس طرح کی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

(ج) اور اصل بات یہ ہے کہ بیع فاسد کے مسئلہ کی بنیاد اس پر ہے کہ خبث کہاں مؤثر ہوتا ہے، مال متعین میں یا غیر متعین میں؟ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر خبث فساد ملک کی بنا پر آیا ہو تو صرف مال متعین میں اثر انداز ہوگا غیر متعین میں نہیں، اور اگر عدم ملک کی بنیاد پر آیا ہو تو دونوں صورتوں میں اثر انداز ہوگا۔

بیع فاسد میں ملکیت حاصل ہوتی ہے مگر فساد کے ساتھ، اس بنا پر اگر مال مبیع متعین مثلاً باندی یا جانور وغیرہ ہو تو اس کے فروخت سے جو منافع ہوں گے وہ خبث سے خالی نہیں ہوں گے، اس بنا پر قابل تصدق ہوں گے۔ مگر وہیں اس کی صراحت بھی فقہاء کے یہاں ملتی ہے کہ بائع اول اس شیٔ کے ثمن (درہم و دینار یا کرنسی) سے جو منافع حاصل کرے گا وہ اس کے لئے طیب ہوں گے اس لئے کہ رقوم اور نقد متعین نہیں ہوتے (ہدایہ ۶۶/۳، رد المحتار ۱۲۵/۴)۔

کتب فقہ میں اس طرح کی کئی نظیریں ملتی ہیں کہ غیر متعین چیزوں پر فساد عقد یا فساد ملک کا اثر نہیں پڑتا، سودی قرض کا معاملہ بھی وہی ہے، سود دیکر قرض کے طور پر جو رقم حاصل ہوتی ہے، وہ بھی غیر متعین ہوتی ہے اس لئے فساد عقد کا اثر بھی بیع فاسد کے اسی مذکورہ جزئیہ کی روشنی میں سودی رقم اور اس سے ہونے والی آمدنی پر نہیں پڑے گا، اس طرح یہ جزئیہ ان کی موافقت میں نہیں بلکہ ان کے خلاف میں جاتا ہے۔

۳۔ تیسری رائے جس کو باقی تمام مقالہ نگاروں نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ بلا ضرورت سودی قرضہ لینے کا عمل درست نہیں، صرف ضرورت کے وقت اس کی اجازت ہے۔ لیکن دونوں ہی صورتوں میں اگر سود پر قرض لیا گیا تو یہ قرض مفید ملک ہوگا اور اس سے حاصل شدہ منافع شرعی طور پر حلال ہوں گے۔ البتہ ضرورت نہ ہونے کی صورت میں وہ اپنے عمل کی بنا پر گناہگار ہوگا، مگر اس کے عمل کی حرمت مال پر اثر انداز نہ ہوگی، یہی نقطۂ نظر زیادہ قوی اور راجح معلوم ہوتا ہے، اور اس کی کئی وجوہ واسباب ہیں:

(الف) فقہاء نے خود سود کے بارے میں لکھا ہے کہ قبضہ کے بعد اس پر ملکیت حاصل ہوجاتی ہے۔

و ظاهر ما في جمع العلوم و غيره ان المشترى يملك الدرهم الزائد إذا قبضه في ما إذا اشترى درهمين بدرهم فإنهم جعلوه من قبيل الفاسد وهكذا صرح به الأصوليون في بحث النهي (البحر الرائق ۱۲۵/۶)۔

کہ اگر کوئی شخص دو درہم کو ایک درہم کے بدلہ خریدے تو قبضہ کے بعد وہ زائد درہم کا (جو اس نے بطور سود کے لیا ہے) مالک ہوجائے گا۔ فقہاء نے اس کو عقد فاسد کے قبیل سے شمار کیا ہے۔

توجب خود سود قبضہ کے بعد ملکیت میں آجاتا ہے تو اس کی بنا پر جو قرض حاصل ہوگا وہ بدرجہ اولی ملکیت میں داخل ہوگا۔ جامع الرموز میں بھی اس کی صراحت ملتی ہے:

الثانی کل عقد فیه فضل والقبض فیه مفید للملک (جامع الرموز ۳؍۳۲۷)۔

یعنی ہر وہ معاملہ جس میں سود ہو قبضہ کے بعد مفید ملک بنتا ہے۔

(ب) مشہور فقہی اصول ہے:

ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر) کہ ضرورت مند کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت ہے۔

اس سے بھی سودی قرض کے مفید ملک اور اس کی آمدنی کے حلال ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

(ج) سودی قرض لینے کا عمل فی نفسہ کتنا ہی غیر درست سہی، مگر اس عقد کے نتیجہ میں جو مال آئے گا وہ خبث سے پاک ہوگا، اس لئے کہ سود کا عنصر اس میں شامل نہیں۔ اور مشہور مسلمہ اصول ہے:

حرمة العقد لا یستلزم حرمة المال (الاشباہ والنظائر) عقد کی حرمت مال کی حرمت کو مستلزم نہیں۔

خصوصاً جب ضرورت کے وقت سودی قرض لیا جائے تو عمل بھی جائز ہو جاتا ہے۔

(د) اور اگر ہم مخصوص ہندوستانی کمپنیوں کے تناظر میں دیکھیں تو یہاں یہ سارے معاملات براہ راست شیئر ہولڈرس نہیں کرتے بلکہ کمپنیاں کرتی ہیں اور وہی سودی قرض لے کر نفع حاصل کرتی ہیں، اور پھر ان کے توسط سے شیئرز ہولڈرس کو منافع میں حصہ ملتا ہے۔ اس صورت میں یہاں امام ابوحنیفہؒ کا وہ مشہور فقہی قاعدہ بھی جاری ہو سکتا ہے کہ بیع وشراء میں حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں مؤکل کی طرف نہیں، اسی طرح دوسرا ضابطہ کہ تبدل ملک سے فساد رفع ہو جاتا ہے۔

وفی صورة ارباء الوکیل کان البیع فاسدا لایضرنا فإن الوکیل بالبیع کالعاقد لنفسه وفساد البیع فی حق الذمی لا یستلزم حرمة الربح علی المسلم فإن تبدل الملک یدفع خبث الفساد وأما علی قول من جوز الربوا بین المسلم والکافر فی دار الحرب فالأمر أوسع (امداد الفتاوی ۳؍۴۹، وکذا فی نظام الفتاوی ۱؍۲۰۰)۔

اس لحاظ سے مسلم حاملین حصص پر سودی قرض کے عمل کی ذمہ داری نہیں آئے گی، اور منافع تبدل ملک کی وجہ سے حلال قرار پائیں گے۔

ان دلائل کی روشنی میں اکثر مقالہ نگاروں نے جو موقف اختیار کیا ہے وہی مضبوط معلوم ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۸، ۹۔ کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس اور شیئرز ہولڈرس کا باہمی رشتہ:

دوسرا مسئلہ (جو سوالنامہ میں آٹھواں اور نواں سوال ہے) یہ ہے کہ کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس اور شیئرز ہولڈرس کے مابین تعلق کی نوعیت کیا ہے۔ (۱) یعنی کیا بورڈ آف ڈائرکٹرس تمام شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے؟ اگر ہے تو کیا بورڈ کے ہر عمل کی نسبت شیئرز ہولڈرس کی طرف بھی کی جائے گی؟ (۲) اگر کوئی شیئرز ہولڈر بورڈ کے کسی فیصلہ سے

اختلاف کرے، یہ اختلاف خواہ بورڈ کے اکثریتی فیصلہ پر اثر انداز ہو یا نہ ہو، لیکن کیا فی نفسہ اس شیئرز ہولڈر کو بورڈ کے اس عمل کی ذمہ داری سے بری کردے گا۔

اس سوال میں مسئلہ کے دو پہلو میں سے ایک پہلو پر تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے اور بورڈ کا عمل شیئرز ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا، اس لئے کہ شیئرز کی خرید کو اگر شرکت عنان سے قریب تر قرار دیا جائے جیسا کہ حضرت تھانویؒ اور بہت سے علماء کا خیال ہے تو فقہاء کی تصریح کے مطابق شرکت عنان کی بنیاد وکالت پر ہوتی ہے۔

وأما شركة العنان فتنعقد على الوكالة دون الكفالة (ہدایہ مع فتح القدیر ۱۷۶/۶)۔

اور اگر اس کو مضاربت مانا جائے جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے، تو مضاربت کو بھی فقہاء نے توکیل ہی قرار دیا ہے۔

المضاربة توكيل بالعمل لتصرّفه بأمره (درمختار ۴۸۴/۴)۔

اور اگر اسے شرکت کی ایک نئی قسم قرار دی جائے تو بھی چونکہ تمام شیئرز ہولڈرس نے بورڈ کو انتظامی امور کے لئے اپنا وکیل اور نمائندہ منتخب کیا ہے، اس لئے بورڈ بہرحال تمام شیئرز ہولڈرس کا وکیل رہے گا، اور اس کا عمل شیئرز ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا۔ البتہ مولانا ابوالحسن علی کے یہاں اس کی کچھ تفصیل ملتی ہے۔ وہ یہ کہ جو چیز حصہ خریدنے کے بعد خریدی جائے گی اس میں تو وہ کارکنان حصہ دار کے وکیل ہوں گے، اور جو پہلے سے موجود ہے اس میں وہ کارکنان خود بائع اور حصہ دار مشتری ہوگا، اور یہ بیع تعاطی ہے جس میں بائع ثمن پر بلاواسطہ قابض ہوگیا اور مشتری مبیع پر بواسطہ بائع کے کہ وہ اس کا وکیل بھی ہے، قابض ہوگیا (بحوالہ امداد الفتاوی ۴۹۰/۳)۔

البتہ مسئلہ کا دوسرا پہلو اختلافی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شیئرز ہولڈر بورڈ کے کسی فیصلہ سے اختلاف ظاہر کرے تو کیا اس فیصلہ کی ذمہ داری سے وہ بری قرار پائے گا؟ اس مسئلہ میں بنیادی طور پر دو طرح کے خیالات ملتے ہیں: ایک خیال یہ ہے کہ اختلاف رائے ظاہر کردینے سے شیئرز ہولڈر بری ہوجائے گا۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ بری نہیں ہوگا۔ یہی دو مرکزی خیال ہیں۔ ان کے علاوہ ذیلی طور پر دو رائیں اور بھی ملتی ہیں:

(الف) جناب شمس پیرزادہ صاحب کا خیال یہ ہے کہ چونکہ شیئرز ہولڈر کا اختلاف اکثریت کے فیصلہ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا اس لئے اختلاف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، مجبوری میں بورڈ کے فیصلہ کو مان لینے کی اجازت ہے۔

(ب) دوسرا خیال مولانا سلطان احمد اصلاحی نے پیش کیا ہے، وہ یہ کہ اگر کمپنی بینک سے سودی رقم حاصل کرتی ہے تو اس سے اختلاف کرنے کی ضرورت ہی نہیں، اس لئے کہ بینک کا سود درحقیقت سود نہیں ہے بلکہ وہ نفع اور انٹرسٹ ہے جو جائز ہے۔

مگر یہ دونوں خیالات ہماری بحث سے خارج ہیں، اس لئے کہ گذشتہ سیمناروں میں یہ طے ہوچکا ہے کہ

بینک کا سود حرام ہے، خواہ اسے نفع، انٹرسٹ یا کوئی بھی نام دے دیا جائے۔

اسی طرح پیرزادہ صاحب کا یہ خیال کہ چونکہ اختلاف مؤثر نہیں اس لئے اختلاف کرنے کی ضرورت نہیں، یہ بھی خارج از بحث ہے، اس لئے کہ بحث اس سے نہیں کہ اس کا اختلاف اکثریت کے فیصلہ پر اثر انداز ہوگا یا نہیں؟ بلکہ بحث اس سے ہے کہ کیا اس اختلاف سے شیئرز ہولڈر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش قرار پائے گا یا نہیں؟

۳۵ مقالہ نگاروں نے اس کے متعلق اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ جن میں پانچ حضرات کا خیال یہ ہے کہ اختلاف کرنے کے بعد شیئرز ہولڈر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوگا، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مفتی عزیز الرحمن بجنوری، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا شاہد القاسمی۔

ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ جب کمپنی ایک نظام کے تحت چل رہی ہے، اور یہ معلوم ہے کہ وہ کوئی ناجائز عمل کررہی ہے یا کسی سودی معاملہ میں ملوث ہے اس کے باوجود اس کے شیئرز خریدنا اور اس کی وکالت قائم رکھتے ہوئے اختلاف کا اظہار کرنا ایک بے معنی سی بات ہے۔ امداد الفتاوی میں حضرت تھانوی کا ایک فتوی بھی اسی مضمون کا موجود ہے (دیکھئے: ۳/۱۳۰)۔

مگر یہ استدلال محل نظر ہے، کیوں کہ اس میں یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ وکیل کبھی مؤکل کی مرضی کے خلاف کر ہی نہیں سکتا، حالانکہ یہ صحیح نہیں، جب کوئی فرد یا ادارہ کسی شخص کی طرف سے کسی پھیلے ہوئے کام کا وکیل بنتا ہے تو اس میں بعض ایسی جزئیات کا آجانا بعید از امکان نہیں جو مؤکل کی مرضی کے مطابق نہ ہوں، ایسے موقعہ پر طریق کار یہ نہیں اختیار کیا جاتا کہ وکیل کی وکالت ختم کردی جائے بلکہ یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ خلاف مرضی چیزوں کی ذمہ داری (جب کہ وکیل کو خلاف مرضی ہونا معلوم ہو) مؤکل پر نہیں آتی، اور وہ اس حد تک خود ذمہ دار ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب نے اپنے مقالہ میں اس کی صراحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ فقہ کی کتاب الوکالۃ میں اس کی تصریح ہے کہ جب مؤکل کسی کام کے کرنے سے منع کردے تو وکیل کا معاملہ مؤکل کی جانب منسوب نہیں ہوگا محض وکیل تک محدود رہے گا۔

مثلاً: الأصل أن الموكل إذا قيد على وكيله فإن كان مقيدا اعتبر مطلقا وإلا لا. (الاشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ)

(ہکذا فی قواعد الفقہ ص ۷۱، ناقلا عن السرخسی۔ وہکذا المستفاد من الہندیہ ایضا ۳/۵۶۷ کتاب الوکالۃ)۔

اور رہا حضرت تھانوی کا فتوی، تو خود امداد الفتاوی میں اس کے خلاف بھی ایک فتوی موجود ہے جس میں حضرت نے تجویز پیش کی ہے کہ شیئر ہولڈر اپنی براءت کا اعلان کردے تو کافی ہے، اور غالب گمان یہ ہے کہ یہ دوسرا فتوی بعد کا ہے جو حضرت کا راجح نقطۂ نظر تھا۔

مذکورہ چھ اصحاب قلم کے علاوہ بقیہ تمام مقالہ نگاروں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ بورڈ کے سودی عمل

سے شیئرز ہولڈر اپنی براءت کا اعلان کردے تو وہ اس عمل کی ذمہ داری سے بری ہوجائے گا۔ اس موقف کے کچھ دلائل ماقبل میں گذر چکے ہیں اور کچھ نئے دلائل جن سے اس موقف کی ترجیح وتقویت ہوتی ہے یہ ہیں:

(الف) شیئرز ہولڈر نے کمپنی کو تجارت کے باب میں وکیل بنایا ہے نہ کہ سودی قرض لینے کے معاملہ میں، اور اگر اس معاملہ میں وکالت ہو بھی تو یہ دلالۃً ہوگی، لیکن جب صراحت کے ساتھ وہ اختلاف کردے تو صراحت دلالت پر مقدم ہوگی۔

(ب) فقہاء نے تصریح کی ہے کہ وکیل کی وکالت انہی امور تک محدود رہے گی جو مؤکل کی مرضی کے مطابق ہوں، بقیہ چیزوں میں خود وکیل ذمہ دار ہوگا مؤکل اس سے بری الذمہ ہوگا، اور ان اختلافی امور کی حد تک وکیل معزول سمجھا جائے گا، جیسا کہ درمختار کی اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے:

فلو اشتراه بغير النقود أو بخلاف ماسمي المؤكل له من الثمن وقع الشراء للوكيل لمخالفته أمره وينعزل في ضمن المخالفة (درمختار علی ردالمحتار ۴/۴۵۰)۔

(ج) خصوصاً جب وکیل غیر مسلم ہو اور معاملہ شرکت یا مضاربت کا ہو تو فقہاء کی تصریح کے مطابق خلاف شرع امور کی ذمہ داری (جو مؤکل کی مرضی کے خلاف ہوں) خود وکیل پر آتی ہے، اس لئے کہ بیع وشراء میں حقوق عقد عاقد کی طرف لوٹتے ہیں اور تبدل ملک سے خبث دور ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ عالمگیری کے اس جزئیہ سے سمجھ میں آتا ہے جو امداد الفتاوی میں نقل کیا گیا ہے:

إذا دفع المسلم إلى النصراني مالا مضاربة بالنصف فهو جائز إلا أنه مكروه فإن اتجر في الخمر والخنزير فربح جاز على المضاربة في قول أبي حنيفة وينبغي للمسلم أن يتصدق بحصته من الربح (عالمگیری بحوالہ امداد الفتاوی ۳/۴۹۷)۔

ان دلائل کی بنیاد پر اکثر مقالہ نگاروں نے جو خیال پیش کیا ہے وہی زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۱۰، ۱۱۔ سود اور اس سے حاصل شدہ منافع کے تصدق کا مسئلہ:

یہاں دو مسئلے زیر بحث ہیں:

(۱) ایک یہ کہ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو کیا شیئرز ہولڈرس کے لئے منافع سے اس کے بقدر نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا؟

(۲) دوسرا مسئلہ سود سے حاصل شدہ آمدنی کا ہے کہ اگر کمپنی سود کی رقم کو کاروبار میں لگا کر اس سے نفع اٹھاتی ہے تو اس نفع کا کیا حکم ہے؟ کیا منافع میں سے سود اور اس سے حاصل شدہ نفع دونوں صدقہ کرنا ہوگا یا صرف سود کے بقدر نکال کر صدقہ کرنا کافی ہوگا؟

پہلے مسئلہ میں مولانا سلطان احمد اصلاحی کے علاوہ (جن کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ بینک کا سود جائز ہے اس لئے اس کے تصدق کا مسئلہ نہیں آتا) باقی تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ منافع میں سے سود کے بقدر نکال دینا کافی ہوگا۔

.............(اصل مقالہ سے پورا ایک صفحہ غائب ہے)..............

اس لئے کہ کئی فقہی نظائر سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر مال حلال کے ساتھ مال حرام مل جائے اس طور پر کہ دونوں کے درمیان امتیاز مشکل ہو اور مال حلال کی مقدار غالب ہو تو غیر معین طور پر اس میں سے کچھ نکال دینا پورے مال کی تطہیر کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ گیہوں گاہتے وقت اگر جانور اس پر پیشاب کردے اور یہ معلوم نہ ہو کہ ناپاک گیہوں کون سا ہے، تو اگر مشترک ہو تو تقسیم کر دینے سے اور غیر مشترک ہو تو لاعلی التعیین اس میں سے کچھ نکال دینے سے پورا گیہوں پاک ہو جاتا ہے، اسی طرح وکیل اگر کئی لوگوں کے مال سے تجارت کرے اور اس میں ایک دوسرے کے دراہم کو خلط ملط کر دے یا سودی رقم اس میں شامل کر دے تو تقسیم کے بعد ہر ایک کا حصہ پاک قرار پاتا ہے (امداد الفتاوی ۳ر۴۹)۔

ہدیہ کے بارے میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ایسے شخص کا ہدیہ قبول کیا جا سکتا ہے جس کے پاس حلال و حرام دونوں طرح کے مال ہوں، بشرطیکہ مال حلال غالب ہو (فتاوی خانیہ علی الہندیہ ۳ر۴۰۰)۔

علامہ ابن قیم کی درج ذیل عبارت سے یہی حکم بصراحت ثابت ہوتا ہے:

إذا خالطه درهم حرام أو أكثر أخرج مقدار الحرام وحل له الباقي بلا كراهة سواء كان المخرج عين الحرام أو نظيره لأن التحريم لم يتعلق بذات الدرهم و جوهره وأما تعلق بجهة الكسب فيه فإذا خرج نظيره من كل وجه لم يبق لتحريم ماعداه معنى (بدائع الفوائد لابن قیم ۳ر۱۵۷)۔

اس عبارت کا حاصل یہی ہے کہ رقوم چونکہ متعین نہیں ہوتیں اس لئے اگر ان میں حرام مقدار تھوڑی سی شامل ہو جائے تو اسی کے بقدر رقم نکال دی جائے اس سے بقیہ پوری رقم حلال ہو جائے گی، خواہ بعینہ حرام والی رقم نکالی گئی ہو یا اس جیسی کوئی اور، اس لئے کہ فی نفسہ کسی معین درہم میں حرمت نہیں ہے، حرمت عمل وکسب کی جہت سے آئی ہے۔

ماقبل میں نصرانی کو مضاربت یا شرکت کے لئے وکیل بنانے کا جزئیہ مذکور ہوا ہے، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی وکیل (خصوصاً غیر مسلم ہو تو کیا کہنا) منافع میں سود لیتا ہے اور جائز رقم میں اس کو خلط کر دیتا ہے تو تقسیم کے بعد جو حصہ رب المال کو ملے گا وہ پاک قرار دیا جائے گا، اگرچہ مسلمان کے لئے احتیاط یہ ہے کہ اتنے منافع سے سود کے بقدر صدقہ کر دے (عالمگیری) اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے اصول کے مطابق خلط دلیل استہلاک ہے، اور تقسیم یا اس میں سے کچھ اخراج مطہر ہے (امداد الفتاوی ۳ر۴۹۷)۔

اس طرح کی متعدد نظیریں کتب فقہ میں ملتی ہیں۔ یہ تمام نظائر ہمارے یہ سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ کمپنی نے منافع میں سود کی رقم جو شامل کر دی ہے اس سے ہمارا پورا نفع ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ ایک تو تقسیم کے بعد ہمیں اپنا جو حصہ ملے گا یہ تطہیر کے لئے خود کافی ہے، اس پر بھی اگر سود کے بقدر صدقہ کر دیا جائے تو اس کی طہارت میں کیا شبہ باقی رہ جائے گا۔

رہا یہ کہ یہ صدقہ کرنا لازم ہے یا غیر لازم؟ تو اس کی وضاحت عام طور پر لوگوں نے نہیں کی ہے، زیادہ تر مقالہ نگاروں نے صرف اس قدر پر اکتفا کیا ہے کہ صدقہ کرنا کافی ہوگا، البتہ مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا ابوالحسن علی، اور

مولانا احمد دیولوی نے اس کی وضاحت کی ہے کہ صدقہ کرنا لازم نہیں ہے ، یہ صرف احتیاط اور تقوی کا تقاضا ہے۔ جبکہ دوسری طرف مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا تنویر احمد قاسمی اور مولانا قمر عالم سہیلی نے اس کو لازم قرار دیا ہے۔

غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ احتیاط وتقوی والی بات ہی زیادہ درست ہے۔

اس لئے کہ ابھی جن دلائل ونظائر کا تذکرہ کیا گیا ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ غیر معینہ اموال میں حرام مغلوب کا حلال غالب کے ساتھ ایسا اختلاط جس میں امتیاز باقی نہ رہے، باعث استہلاک ہوتا ہے، اور مال مشترک ہونے کی صورت میں اس کی تقسیم اور غیر مشترک ہونے کی صورت میں حرام کے بقدر نکال دینا باعث تطہیر ہو جاتا ہے۔ یہاں کمپنی کی صورت حال بھی یہی ہے کہ کمپنی کا سرمایہ اور منافع مشترک ہیں، اس لئے تقسیم کے بعد حصہ دار کو جو منافع ملے گا وہ طیب وطاہر ہوگا، اس لئے صدقہ کرنا اب لازم نہیں رہا، صرف احتیاط یہ ہے کہ سود کی مقدار اگر معلوم ہو تو صدقہ کردیا جائے۔

اسی طرح مضاربت کے سلسلہ میں غیر مسلم وکیل کی بحث میں گذر چکا ہے کہ سودی معاملات میں اس کا فعل مؤکل کی طرف منسوب نہ ہوگا، اور جب تک کہ خالص حرام تجارت مثلاً شراب وخنزیر کی نہ کرے اس وقت تک اس پر اپنے ملے ہوئے حصہ سے صدقہ کرنا لازم نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی نے عالمگیری کا مذکورہ جزئیہ نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ ”تصدق کا حکم ورع وتقوی پر محمول ہے جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے، اور اگر وجوب پر محمول کیا جاوے تو یہ اس وقت ہے جب کہ شراب اور خنزیر کی بیع ہو اور اس کے علاوہ کی نہ ہو (یعنی صرف حرام ہی حرام ہو اختلاط حلال وحرام نہ ہو) (امداد الفتاوی ۳/ ۴۹۷)۔

جناب شمس پیرزادہ صاحب اور حکیم ظل الرحمٰن صاحب کا کہنا یہ ہے کہ کمپنیوں کو بینک سے جتنا سود ملتا ہے اس سے کہیں زیادہ دینا پڑتا ہے۔ اس لئے جتنا سود ملے اس کو دینے میں محسوب کردینا چاہئے، سود حصہ داروں میں تقسیم کرنے اور اس سے منافع حاصل کرنے کی بات محض فرضی ہے، جس کا واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔

سوال نمبر ۱۱۔

دوسرا مسئلہ سود سے حاصل شدہ منافع کا ہے، ان منافع کی حلت وحرمت اور ان کے قابل تصدق ہونے کے متعلق بنیادی طور پر مقالات میں دو طرح کے خیالات پائے جاتے ہیں:

۱۔ ایک خیال جس کو مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا تنویر احمد قاسمی اور مولانا قمر عالم سہیلی نے اختیار کیا ہے، یہ ہے کہ سود اور اس سے حاصل شدہ تمام منافع حرام ہیں ان کا صدقہ کرنا لازم ہے، ان حضرات نے درج ذیل جزئیات سے استدلال کیا ہے:

(الف) شامی میں ہے: الحرمة تتعدی (۵/ ۹۸) اس کا تقاضہ ہے کہ حرام سے جو منافع حاصل ہوں گے وہ بھی حرام ہوں گے۔

(ب) خبث کے متعدی ہونے کا ثبوت شامی کی ایک اور عبارت سے ملتا ہے:

الخبث لفساد الملک إنما یعمل فیما یتعین لا فیما لا یتعین وأما الخبث لعدم الملک کالغصب فیعمل فیھما کما بسطه خسرو وابن کمال (شامی ۵/۹۷)۔

کہ فساد ملک کی بنا پر جو خبث ہوتا ہے وہ متعین میں اثر کرتا ہے غیر متعین میں نہیں، اور جو خبث عدم ملک کی بنا پر پیدا ہوتا ہے وہ متعین وغیر متعین دونوں قسم کے اموال میں اثر انداز ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خبث اپنی حد تک محدود نہیں رہتا وہ متعدی ہوتا ہے۔

(ج) ایک استدلال غصب کے اس مسئلہ سے بھی کیا جاتا ہے جو ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ کسی شخص نے ایک ہزار روپے غصب کر کے اس سے ایک باندی خریدی اور پھر اس کو فروخت کر کے ایک ہزار کا نفع حاصل کیا، پھر دو ہزار میں دوسری باندی خریدی اور اس کو تین ہزار میں بیچا تو یہ نفع جو اس نے حاصل کیا ہے اس کے لئے حلال ہوگا یا نہیں؟ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک حلال نہیں ہوگا، اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حلال ہوگا۔ صاحب ہدایہؒ نے طرفینؒ کے قول کو مختار قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ہمارے مشائخ کے نزدیک کسی بھی حال میں یہ نفع حلال نہیں ہے (ہدایہ ۳/۴۵۶)۔

مگر ان دلائل میں سے کوئی دلیل کمپنی کے مسئلہ پر منطبق نہیں آتی۔

اس لئے کہ مذکورہ تمام صورتوں میں خبث یا حرمت کے متعدی ہونے کی بات جو کہی گئی ہے وہ اموال متعینہ میں ہے غیر متعینہ میں نہیں، جبکہ کمپنی سے حاصل شدہ منافع رقم کی شکل میں ملتے ہیں یا جس سود سے منافع حاصل کئے جاتے ہیں وہ بھی رقم کی شکل میں ہوتا ہے، اور فقہاء کے مطابق رقوم اور درہم ودنانیر متعین نہیں ہوتے۔

البتہ عدم ملک کی بنا پر جو خبث پیدا ہوگا وہ غیر متعینہ میں بھی متعدی ہوگا، مگر فقہاء کی تصریح کے مطابق سودی عقد، عقد فاسد ہے، اور عقد فاسد مفید ملک ہوتا ہے (البحر الرائق ۶/۱۲۵)۔ زیادہ سے زیادہ اس میں فساد ملک ہوتا ہے اور فساد ملک کی بنا پر جو خبث آتا ہے وہ صرف اموال متعینہ میں اثر انداز ہوتا ہے غیر معینہ میں نہیں، جب کہ کمپنی کے لئے اموال غیر متعین ہوتے ہیں اس لئے ان میں اثر انداز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲۔ دوسرا نقطۂ نظر جس کو بقیہ تمام علماء نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ سود سے حاصل شدہ منافع کا تصدق لازم نہیں، مگر احتیاط یہی ہے کہ سود کے ساتھ ان کو بھی صدقہ کر دیا جائے، اس لئے کہ:

(الف) اولاً خود سود پر بھی قبضہ کے بعد ملکیت ثابت ہو جاتی ہے تو اس سے جو منافع حاصل ہوگا ان پر بدرجہ اولی ملکیت ثابت ہوگی، اور خبث ان تک اس لئے متعدی نہیں ہوگا کہ یہ غیر متعین ہیں اور فساد ملک کی بنا پر جو خبث آتا ہے وہ غیر متعین میں اثر انداز نہیں ہوتا۔

(ب) علامہ شامی کی درج ذیل عبارت بھی اس سلسلہ میں کافی چشم کشا ہے:

رجل اکتسب مالا من حرام ثم اشتری فھذا علی خمسة أوجه إما ان دفع تلک

الـدراهـم إلـى البائع أولا ثم اشترى منه بها أو اشترى قبل الدفع بها و دفعها أو اشترى قبل الدفع بهـا و دفـع غيـرهـا أو اشـتـرى مـطـلقا و دفع تلك الدراهم أو اشترى بدراهم أخر و دفع تلك الـدراهم. قال الكرخيؒ في الوجه الأول والثاني: لايطيب وفي الثلاث الأخيرة يطيب، وقال أبو بكرؒ: لا يطيب في الكل، لكن الفتوى على قول الكرخيؒ دفعا للحرج عن الناس (ردالمحتار۴/۲۴۴)۔

یعنی کسی شخص نے مال حرام کمایا پھر اس نے خرید کیا تو اس کی پانچ صورتیں ہیں:

(۱) یا تو پہلے بائع کو دراہم دیئے پھر اس سے اس کے بدلے کچھ خرید کیا (۲) یا انہیں دراہم کے بدلہ پہلے خرید کیا پھر دراہم دیئے (۳) یا انہیں دراہم سے خرید کیا اور بعد کو اس کے بجائے دوسرا درہم دے دیا (۴) یا مطلقاً کسی خاص درہم کی تعیین کے بغیر خرید کیا اور عوض میں وہی دراہم ادا کر دیئے (۵) یا دوسرے دراہم متعین کئے اور ان کے بجائے یہ درہم دے دیئے۔ امام کرخی نے کہا کہ پہلی اور دوسری صورت میں خرید کی ہوئی چیز اس کے لئے طیب نہیں، باقی تینوں صورتوں میں طیب ہیں، اور علامہ ابو بکرؒ نے کہا کہ کسی صورت میں طیب نہیں، لیکن لوگوں سے حرج دور کرنے کے لئے امام کرخی کے قول پر فتوی ہے۔

اس عبارت میں مذکورہ پانچ قسموں میں سے پہلی دو قسموں میں دراہم قبضہ اور بعینہ ادائیگی کی بنا پر چونکہ متعین ہیں اس لئے خبث کو متعدی مانا گیا اور نفع کو طیب نہیں کہا گیا، لیکن بقیہ تین صورتوں میں تعیین نہیں ہے، اس لئے مفتی بہ قول کے مطابق نفع کو طیب قرار دیا گیا اگر چہ احتیاط اپنی جگہ درست ہے۔

(ج) اسی طرح ماقبل میں گذر چکا ہے کہ خلط دلیل استہلاک ہے اور تقسیم مطہر ہے، اس لحاظ سے کمپنی سودی آمدنی کو کاروبار میں شامل کر کے جو نفع اٹھاتی ہے تقسیم کے بعد شیئرز ہولڈرس کو اس میں جو حصہ ملے گا طاہر قرار پائے گا۔ احتیاطاً صدقہ کرنا الگ سی بات ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ کی اس عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

وإن كـان مـالا مـخـتـلـطـا مـجتمعا من الحرام ولا يعلم أربابه ولا شيئا منه بعينه حل له حكما والأحسن ديانة التنزه عنه (ردالمحتار۵/۲۳۵)۔

کہ اگر حلال و حرام مل جائے اور حرام کے مالک کا پتہ نہ ہو تو حکماً اس کے لئے پورا مال حلال رہے گا (بشرطیکہ حلال غالب رہا ہو) اگر چہ ایسے مال سے بچنے ہی میں احتیاط ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر عامۃ العلماء اور اکثر مقالہ نگاروں نے جو نقطۂ نظر اختیار کیا ہے وہی زیادہ مضبوط اور راجح معلوم ہوتا۔

☆☆☆☆☆

عرض مسئلہ :

سوال نمبر ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷

از.......مولانا عتیق احمد بستوی
ندوۃ العلماء، لکھنو

شیئرز کے سوال نمبر ۱۲ تا ۱۷ کے جوابات کا عرض مسئلہ مجھ سے متعلق کیا گیا ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے شیئرز کے موضوع پر جو مقالات اور جوابات میرے پاس بھیجے گئے ان کی تعداد ۴۲ ہے، گیارہ مقالات ہمارے ان نوجوان اور ہونہار فضلاء مدارس کے ہیں جو دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد یا دار العلوم حیدرآباد کے شعبۂ تخصص فی الفقہ والافتاء میں زیر تربیت ہیں۔ ۲۹ مقالات و جوابات معزز علماء اور اصحاب افتاء کے ہیں، ایک جواب نامہ جناب حکیم ظل الرحمٰن صاحب کا ہے۔

اصحاب مقالات و جوابات علماء و اصحاب افتاء کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دیوبند، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابو الحسن علی گجرات، مولانا احمد دیولوی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مولانا مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی شکیل احمد سیتاپوری، مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا مفتی انور علی اعظمی، مفتی عبد الرحمٰن پالنپوری، مولانا عبد اللطیف، مولانا عبد الرحیم، مولانا ابراہیم بڑودوی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا محمد جعفر ملی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا عتیق احمد قاسمی۔

دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد اور دار العلوم حیدرآباد میں زیر تربیت جن ہونہار فضلاء مدارس نے سوالنامہ بابت شیئرز کے جوابات لکھے ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

مولانا نعیم احمد رشیدی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا احمد نادر القاسمی، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا محمد عالم سبیلی۔

سوال نمبر ۱۲۔

شیئرز کی تجارت کرنا کیسا ہے؟ یعنی کوئی شخص کچھ شیئرز خریدے کہ قیمت بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ فروخت کر دوں گا، خلاصہ یہ کہ شیئرز کی بیع وشراء کر ایک تجارت کی طرح کرنے کا کیا حکم ہوگا جب کہ اس میں ایک

طرح کی قیاس آرائی کو دخل ہوتا ہے کہ بازار کی صورت حال کو دیکھ کر زیادہ منافع دینے والے شیئرز خرید لئے جاتے ہیں، اور کیا ہر تخمین وقیاس آرائی ممنوع ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دار العلوم دیوبند اور جناب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری کے جواب ناموں میں سوال نمبر ۱۲ تا ۱۷ کے جوابات تحریر نہیں ہیں۔ جناب مفتی شکیل احمد سیتاپوری صاحب کے علاوہ باقی تمام حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ شیئرز کی تجارت کرنا جائز ہے، کیونکہ جب یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ شیئرز قابل بیع وشراء ہیں، شیئرز کی بیع دراصل کمپنی کے اثاثوں میں مناسب حصے کی بیع ہے تو خرید وفروخت جائز ہوگی خواہ کسی بھی نیت سے ہو، کسی چیز کو قابل بیع وشراء ماننے کے بعد محض نیت کی بنیاد پر جواز وعدم جواز کی تفریق درست نہیں خصوصاً جب کہ نیت بھی کسی ناجائز چیز کی نہ ہو، تجارت کی نیت ایک جائز امر کی نیت ہے، تخمین وقیاس آرائی بذات خود حرام نہیں ہے، تجارت میں تو تخمین وقیاس آرائی ایک مضبوط عامل ہے، تجارت کے اکثر مراحل میں اس کی ضرورت پیش آتی ہے، لہذا تخمین وقیاس آرائی کا عنصر شامل ہونے کی وجہ سے شیئرز کی تجارت کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔

تنہا مولانا مفتی شکیل احمد صاحب نے شیئرز کی تجارت کو نادرست لکھا ہے، موصوف تحریر فرماتے ہیں: شیئرز جب نہ ثمن ہیں اور نہ مبیع، تو ان کی تجارت کیسے درست ہو سکتی ہے، راس المال یا ثمن وہ زر مبادلہ ہے جو شیئر ہولڈر ادا کرتا ہے، اور مبیع وہ سامان ہے جو فیکٹری میں تیار ہوگا، شیئر ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے لہذا اس کی بیع وشراء درست نہیں ہے، نیز جب شیئر کا معاملہ عقد شرکت ہے تو شریک کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ اپنا حصہ دوسرے کو فروخت کر دے۔

جناب مفتی شکیل احمد صاحب کی رائے اور استدلال پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ انہوں نے اپنے مضمون کی تمہید میں یہ بات واضح کر دی ہے کہ کمپنی اور شیئرز کی حقیقت ان پر پورے طور پر منکشف نہیں ہو سکی ہے، انہوں نے شیئرز کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے مزید مواد کی ضرورت محسوس کی ہے، لکھتے ہیں:

''شیئرز کی ماہیت اور اس کی تعریف کیا ہے؟ اس سلسلہ میں اگر کسی معتبر کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس کا شائع کردہ مواد ترجمہ کر کے سوالنامہ کے ساتھ منسلک کیا جاتا تو شیئرز کا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہوتی، غالباً یہ بھی ایک طرح کا نظام ہے جس طرح بینکنگ ایک نظام ہے، اس لئے نظام چلانے والے ادارے اپنے نظام کے تعارف کیلئے جو مواد شائع کرتے ہیں اسی سے اس کی ماہیت سمجھ میں آتی ہے، ماہیت سمجھنے کے بعد ہی کوئی حکم لگانے کا مرحلہ آتا ہے''۔

ماہیت سمجھنے سے پہلے حکم لگانے میں غلطی ہونا تعجب نہیں بلکہ غلطی نہ ہو تو تعجب ہے، اگر مفتی صاحب کی یہ بات درست ہو کہ ''عقد شرکت میں شریک کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ اپنا حصہ دوسرے کو فروخت کر دے'' تو شیئرز کی خرید وفروخت کا قضیہ ہی ختم ہو جائے، لیکن تمام مسالک کے فقہاء کی تصریحات اس کے خلاف ہیں، تمام فقہاء شرکت عنان کے شرکاء کے لئے اپنے حصہ کی فروختگی درست قرار دیتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۳۔

شیئر مارکیٹ میں ایک سودا جسے فیوچر سیل (بیاعات مستقبلیات) کہتے ہیں مروج ہے، اس کا مقصد شیئرز

خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان کو برابر کرلینا مقصود ہوتا ہے، مثلاً زید نے سو شیئرز کا سودا بہ حساب سو روپے فی شیئر کیا، اور ادائیگی اور وصولی کی تاریخ ۳۰ / مارچ مقرر کی، اب جب ۳۰ / مارچ آئی تو اس شیئر کی قیمت ڈیڑھ سو روپے ہوگئی تو وہ پانچ ہزار روپے منافع کے طور پر لے لے گا، اور اگر ۳۰ / مارچ کو اس شیئر کی قیمت گھٹ کر پچاس روپے ہوگئی تو وہ پانچ ہزار روپے ادا کرے گا، اصل سودا محض کاغذی کارروائی ہے، نہ مشتری ثمن دیتا ہے، نہ بائع مال دیتا ہے، البتہ مقررتاریخ پر بڑھتے ہوئے دام کی صورت میں منافع یا گھٹتے ہوئے دام کی صورت میں خسارہ ادا کیا جاتا ہے، شریعت میں مذکورہ فیوچر سیل کا کیا حکم ہے؟

اس سوال کے جواب میں تمام حضرات متفق ہیں کہ فیوچر سیل ناجائز ہے، کیونکہ یہ قمار (جوئے) کی واضح شکل ہے۔

سوال نمبر ۱۴۔

غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے جائز ہوگی یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں اکثر حضرات نے لکھا ہے کہ چونکہ اس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے اس لئے یہ بیع منعقد اور لازم نہیں ہوئی، اسے بیع نہیں صرف وعدۂ بیع کہا جاسکتا ہے۔

متعدد حضرات نے اس سوال کو مبہم اور غیر واضح قرار دے کر جواب دینے سے گریز کیا ہے یا مختلف شقیں قائم کر کے جواب دیا ہے اور سوال کی مزید وضاحت چاہی ہے، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا احمد دیولوی، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا ابوالحسن علی، مفتی محبوب علی وجیہی رامپور اور مولانا تنویر احمد قاسمی سیتامڑھی نے صورت مسئولہ کو بیع سلم پر محمول کرتے ہوئے بیع سلم کی شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے، مولانا ابراہیم بڑودوی نے لکھا ہے کہ جائز اور درست ہے بشرطیکہ خریدار دیکھنے کے بعد اس کا آخری فیصلہ کرے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ سوال نمبر ۱۴ میں کافی اجمال ہے، اسی لئے صورت مسئلہ بہت سے حضرات پر واضح نہ ہو سکی اور بعض حضرات نے اسے بیع سلم پر محمول کیا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیئرز کے غائب سودے کی تھوڑی وضاحت کردی جائے۔

مولانا محمد تقی عثمانی شیئرز کے حاضر اور غائب سودے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شیئرز کے سودے دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک کو حاضر سودا (Spot Sale) کہتے ہیں اور دوسرے کو غائب سودا (Forward Sale) کہتے ہیں۔

حاضر سودے میں شیئرز کی بیع ابھی ہو جاتی ہے اور حقوق کی منتقلی بھی ابھی ہو جاتی ہے، خریدار ابھی سے شیئرز لینے کا حقدار ہوتا ہے مگر بعض انتظامی مجبوریوں کی بنا پر شیئرز کے سرٹیفکیٹ کی ادائیگی (ڈیلیوری) میں تاخیر ہوتی ہے..........غائب سودے میں بیع تو ابھی ہو جاتی ہے مگر مستقبل کی طرف مضاف ہوتی ہے، جیسے ابھی شیئرز کی بیع ہو چکی، مگر قبضے وغیرہ کے حقوق فلاں تاریخ سے متعلق ہوں گے..........(اسلام اور جدید معیشت وتجارت ۷۳، ۷۴)۔

غائب سودے میں صورت حال یہ نہیں ہوتی ہے کہ ایجاب وقبول کے لئے مستقبل کا صیغہ استعمال کیا جائے ، یعنی بیچنے والا یہ کہے کہ میں فلاں تاریخ کو تمہارے ہاتھ اتنے شیئرز اس قیمت میں بیچوں گا اور خریدار کہے کہ میں فلاں تاریخ میں اتنے شیئرز اس قیمت میں خریدوں گا بلکہ صیغہ ماضی ہی کا استعمال ہوتا ہے، لیکن مبیع اور ثمن کی حوالگی کے لئے آئندہ کی کوئی تاریخ طے ہوتی ہے، اس تاریخ سے پہلے حقوق ایک دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتے، نہ اس تاریخ سے قبل شیئرز بیچنے والا خریدار سے قیمت کا مطالبہ کرسکتا ہے نہ خریدار بائع سے شیئرز پر قبضہ دینے کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

اس صورت معاملہ کو بیع سلم کے زمرہ میں اس لئے شامل نہیں کیا جاسکتا ہے کہ بیع سلم میں ثمن کی حوالگی نقد ضروری ہے اور شیئرز کے غائب سودے میں ثمن کی حوالگی بھی متعین تاریخ پر موقوف رہتی ہے، دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ کیا کمپنی کے شیئرز کو ان اموال میں شمار کیا جاسکتا ہے جن میں بیع سلم درست ہے۔

سوال نمبر ۱۵ اور ۱۶ گہرے طور پر باہم مربوط ہیں اس لئے دونوں کا عرض بھی ایک ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر ۱۵۔

شیئرز کے نقد سودے میں بھی بعض انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے سرٹیفکیٹ پر قبضہ ایک سے تین ہفتوں تک تاخیر سے ہوتا ہے، اس ذیل میں اصل سوال یہ ہے کہ شیئر پر قبضہ کا مطلب کیا ہوگا، اگر بوقت بیع وشراء ہی کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں شیئر ہولڈر کی ملکیت آجاتی ہے، اور وہ اس کی ضمان میں آجاتا ہے، اور حقوق وذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں اگرچہ ابھی شیئرز سرٹیفکیٹ نہ ملا ہو، تو اس کو شیئر پر قبضہ معنوی حاصل ہوگا یا نہیں، کیا شرع میں ہر شی پر اس کی خاص نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوگی جس کی بناء عرف وعادت پر ہوگی، یا ہر صورت میں قبضہ حسی ہی ضروری ہوگا؟

سوال نمبر ۱۶۔

اس طرح خرید کردہ شیئر کو (جس کی موجودہ قیمت خریدار نے ادا کردی ہے) اگر خریدار سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے قبل اگلے دن یا دو چار دن میں کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے تو اس کا کیا حکم ہوگا، اور اس طرح دوسرے کے خریدنے کے بعد تیسرے وچوتھے کے ہاتھ فروخت کرنا درست ہوگا، بالخصوص جبکہ شیئر کا ضمان ومنافع خریدنے کا معاملہ کرنے کے ساتھ ہی خریدار کی طرف منتقل ہوجاتا ہو؟

سوال نمبر ۱۵ کے ذیل میں اٹھائے گئے اس اصولی سوال ''کیا شرع میں ہر شئے پر اس کی خاص نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوگی جس کی بنا عرف وعادت پر ہوگی، یا ہر صورت میں قبضہ حسی ہی ضروری ہوگا؟'' کے جواب میں جن حضرات نے بھی اظہار رائے کیا ہے انہوں نے اثبات ہی میں جواب دیا ہے، اور اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ ہر صورت میں قبضہ حسی ہی ضروری نہیں بلکہ قبضہ کا مدار بڑی حد تک عرف وعادت پر ہے، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس سوال کا جواب ہم نے بیع قبل القبض کے سوالنامہ کے جواب میں دیا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اس سوال پر تفصیلی گفتگو کا مناسب موضوع ''بیع قبل القبض'' ہے۔

سوال نمبر ۱۵ میں شیئرز کے حاضر سودے کے تعلق سے قبضہ کی جو بحث اٹھائی گئی ہے اس کا منشا یہ نہیں ہے کہ حاضر سودے کی بیع کی صحت قبضہ پر موقوف ہے یا نہیں؟ کمپنی اگر نقد رقوم اور دیون کے علاوہ جامد اثاثوں اور دوسری املاک پر بھی مشتمل ہے اور حاضر سودا طے کرنے کے بعد قیمت کی ادائیگی کردی گئی تو شیئر پر اس مجلس میں قبضہ نہ کرنے سے بیع کی صحت متاثر نہیں ہوتی، ہاں اگر کمپنی نقود اور دیون سے عبارت ہو تو شیئرز پر قبضہ مجلس عقد ہی میں ضروری قرار پائے گا اور قبضہ کا مسئلہ بیع کی صحت سے بھی جڑ جائے گا۔

سوال نمبر ۱۵ اور ۱۶ میں بنیادی مسئلہ یہ اٹھایا گیا ہے کہ حاضر سودے میں جب بیع وشراء مکمل ہوتے ہی کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں خریدار کی ملکیت آجاتی ہے اور فروخت شدہ شیئرز خریدار کے ضمان میں آجاتے ہیں، حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں تو کیا حاضر سودے میں نفس خریداری کو شیئرز پر قبضہ تصور کیا جائے گا اور خریدار کے لئے شیئرز سرٹیفکیٹ ملنے سے پہلے ان شیئرز کی دوسروں کے ہاتھ بیع درست ہوگی، یا شیئرز سرٹیفکیٹ ملنے کے بعد ہی شیئرز پر قبضہ تصور کیا جائے گا اور اس سے پہلے خریدار کے لئے ان شیئرز کا کسی دوسرے کے ہاتھ بیچنا جائز نہ ہوگا؟ اس مرکزی سوال کے بارے میں علمائے کرام اور اصحاب افتاء کی تین آراء ہمارے سامنے ہیں۔

اکثر حضرات نے سوال میں ذکر کردہ صورت مسئلہ کو بنیاد بنا کر شیئرز کے حاضر سودے میں نفس بیع وشراء کو معنوی قبضہ تصور کرایا ہے، کیونکہ حاضر سودے میں بیع وشراء کا معاملہ طے ہوتے ہی شیئرز کی ملکیت خریدار کی طرف منتقل ہوگئی، شیئرز اس کے ضمان اور اختیار میں چلے گئے، شیئرز سرٹیفکیٹ ملنے اور کمپنی کے کاغذات میں بحیثیت شیئر ہولڈر اندراج پر قبضہ موقوف نہیں، اور جب نفس خرید وفروخت کو قبضہ مان لیا گیا تو شیئرز سرٹیفکیٹ ملنے سے پہلے ان شیئرز کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت بھی کیا جاسکتا ہے، اسی طرح دوسرا خریدار خریدنے کے فوراً بعد تیسرے کے ہاتھ فروخت کرسکتا ہے، یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محبوب علی وجیہی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا جعفر ملی، مولانا ابراہیم بڑودوی، مولانا احمد دیولوی، مولانا عبد الرحیم، مولانا اقبال احمد قاسمی۔

دوسری رائے یہ ہے کہ محض بیع وشراء ہوجانا قبضہ تصور نہیں کیا جائے گا بلکہ شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل ہونا قبضہ مانا جائے گا، لہذا حاضر سودے میں جو شیئرز خریدے گئے ہیں ان کی فروختگی شیئرز سرٹیفکیٹ ملنے سے پہلے جائز نہیں کیونکہ یہ بیع قبل القبض ہے، اس نقطۂ نظر کا اظہار درج ذیل حضرات نے کیا ہے:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا تنویر عالم قاسمی۔

اس نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب سوال نمبر ۱۵ اور ۱۶ کے جواب میں آگے یہ ہیں: اصل میں یہ مسئلہ انتقال حصص کے قانون سرکاری اور شیئر مارکیٹ کے عرف پر موقوف ہے، لیکن بظاہر ایسا

محسوس ہوتا ہے کہ شیئر سرٹیفیکٹ شیئر کا علامتی وجود ہے یا حقیقی شیئر کی کلید کے درجہ میں ہے، لہذا جیسے فقہاء نے مکان کی بیع میں کنجی حوالہ کردینے کو قبضہ قرار دیا ہے، اسی طرح شیئر سرٹیفیکٹ پر نام کی منتقلی کو قبضہ تصور کیا جانا چاہئے، ورنہ اگر صرف ایجاب وقبول ہی کو قبضہ مان لیا جائے تو قبضہ کا حکم بے معنی ہو جائے گا، اس لئے سرٹیفیکٹ حاصل ہونے سے پہلے خرید،فروخت درست نظر نہیں آتی۔

جناب شمس پیرزادہ صاحب لکھتے ہیں: شیئرز فروخت کرنے کے بعد کمپنی کو نام کی تبدیلی کے لئے بھیجے جاتے ہیں، اگر بائع کے دستخط صحیح نہ ہوئے تو کمپنی شیئرز بائع کو واپس بھیج دیتی ہے، ایسی صورت میں نام کی تبدیلی کا کام التواء میں پڑ جاتا ہے، اس لئے شیئرز پر حقیقی قبضہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ شیئر سرٹیفیکٹ تبدیلی شدہ نام کے ساتھ مل جائیں، اس سے پہلے اگر مشتری شیئرز کسی تیسرے شخص کو فروخت کرتا ہے تو یہ فروخت حقیقی قبضہ سے پہلے ہوگی اور اس میں نزاعات کا بھی اندیشہ ہے اس لئے اس کی اجازت دینا صحیح نہ ہوگا۔

تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سوالنامہ میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق چونکہ شیئرز کے حاضر سودے میں فروختگی مکمل ہوتے ہی شیئرز خریدار کے ضمان میں آجاتے ہیں، شیئرز کا نفع نقصان خریدار کی طرف لوٹتا ہے خواہ شیئرز سرٹیفیکٹ پر ابھی اس کا نام نہ چڑھا ہو، اس لئے حاضر سودے میں خرید وفروخت طے ہوتے ہی شیئرز پر قبضہ تصور کرلیا جائے گا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ شیئر سرٹیفیکٹ پر قبضہ سے پہلے ہی اس کی بیع کسی دوسرے کے ہاتھ جائز ہو لیکن مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہر چیز کے قبضہ کا طریقہ عرف سے متعین ہوتا ہے اور عرف میں شیئرز پر قبضہ اسی وقت سمجھا جاتا ہے جب سرٹیفیکٹ ہاتھ میں آجائے تو پھر عدم جواز کا حکم ہونا چاہئے، بالخصوص جب کہ اس طرح سٹے کے کاروبار کی حوصلہ افزائی بھی ہوسکتی ہے، لہذا ان متعارض جہات کی موجودگی میں احتیاط یہی ہے کہ سرٹیفیکٹ پر قبضہ کئے بغیر آگے بیع نہ کی جائے۔

اس نقطۂ نظر کے حاملین یہ ہیں:

مفتی انور علی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا عبدالرحمن پالنپوری، مولانا اختر امام عادل، مولانا عبداللطیف گجرات۔

میرے خیال میں سوال نمبر ۱۵ اور ۱۶ کے جواب میں جو اختلاف رائے پایا جاتا ہے اس کی زیادہ تر بنیاد صورتحال کی تحقیق میں اختلاف پر ہے، سوالنامہ میں جو صورت درج کی گئی ہے وہ بھی "اگر" کی شرط کے ساتھ تحریر ہے جس سے عدم تعین جھلکتا ہے، اس سلسلے میں آخری رائے قائم کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کمپنیز اور اسٹاک ایکسچینج (بازار حصص) کے ماہرین سے چند امور کی وضاحت کرالی جائے تاکہ بر بنائے بصیرت ایک متفقہ رائے تک ہماری رسائی ہوسکے۔

(۱) شیئرز کے حاضر سودے میں قانونی صورت حال کیا ہے، کیا واقعی سودا ہو جانے کے فوراً بعد شیئرز سرٹیفیکٹ پر قبضہ سے پہلے فروخت شدہ شیئرز کا ضمان، رسک (Risk) خریدار کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، شیئرز کا حاضر سودا ہو جانے کے بعد کمپنی کے کاغذات میں خریدار کا نام چڑھنے سے پہلے اگر کمپنی تباہ ہو جائے تو قانون کی نگاہ

میں نقصان شیئرز بیچنے والے کا ہوا یا شیئرز خریدنے والے کا، کیا اس صورت میں خریدار بیچنے والے سے قانوناً وہ قیمت وصول کرسکتا ہے جو اس نے بیچنے والے کو دی تھی، خریداری کے بعد شیئر سرٹیفکیٹ پر خریدار کا نام چڑھنے سے پہلے اگر کمپنی شیئرز کے منافع تقسیم کرتی ہے تو یہ منافع کس کو دیئے جاتے ہیں، شیئرز بیچنے والے کو یا شیئر خریدنے والے کو، کمپنی نے اگر منافع شیئرز بیچنے والے کو دے دیئے تو کیا خریدار یہ منافع کمپنیز اور اسٹاک ایکسچینج کے قوانین کے اعتبار سے بیچنے والے سے واپس لے سکتا ہے۔

(۲) شیئر مارکیٹ اور بازار حصص کے عرف میں شیئرز کے حاضر سودے کی صورت میں شیئرز پر قبضہ کب تصور کیا جاتا ہے، سودا ہونے کے فوراً بعد یا شیئر سرٹیفکیٹ پر خریدار کا نام چڑھنے کے بعد۔

اگر اوپر درج سوالات کے جواب میں ماہرین متفق الرائے ہوں تو شاید علماء، اور اصحاب افتاء کی رائے بھی متفق ہو سکے۔

سوال نمبر ۱۷۔

اسٹاک ایکسچینج بازار میں خرید و فروخت کے لئے واسطہ بننے والے کو ''بروکر'' کہتے ہیں (جو موجودہ وقت میں شیئرز کی خرید و فروخت اور قیمتوں سے واقفیت رکھتا ہے، اور خرید و فروخت کی کارروائی کا اندراج کرتا ہے) یعنی اس کی حیثیت ایجنٹ کی ہے، اس کا کیا حکم ہوگا؟ یعنی کیا بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے؟

اس سوال کا جواب بعض حضرات کی تحریر میں متعین طور پر نہیں دیا گیا ہے، باقی تمام لوگوں نے لکھا ہے کہ جن شیئرز کی خرید و فروخت جائز ہے ان کی خرید و فروخت میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے۔ ناجائز اور حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید و فروخت میں بحیثیت ''بروکر'' کام کرنا جائز نہیں۔

تمہیدی مقالات

۱۔ ڈاکٹر علی محی الدین قرہ داغی، قطر

۲۔ جناب ارشاد باقوی صاحب، بنگلور

شیئرز، کمپنی اور سرمایہ کاری

بنیادیں - شکلیں

از .... ڈاکٹر علی محی الدین القرہ داغی

قطر یونیورسٹی، قطر

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على المبعوث رحمة للعالمين وعلى آله وصحبه ومن تبع هداه إلى يوم الدين -

یہ حقیقت ہے کہ دور حاضر کی اقتصادیات میں جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں (Joint stock companies) کا اہم رول ہے، اسی طرح یہ بھی واقعہ ہے کہ ان کمپنیوں کے اہم اثاثے اور ذرائع شیئرز ہیں، یہ شیئرز ہی ہیں جن کے ذریعہ امکانی حد تک مال کی ایک بڑی مقدار کو جمع کرنے کا عمل انجام پاتا ہے، کیونکہ اصل سرمایہ کو چھوٹے چھوٹے حصص میں تقسیم کردینے کی وجہ سے تمام لوگوں کو اس میں شراکت کا موقعہ حاصل ہوتا ہے، اور اس مجموعی شراکت کے نتیجہ میں اصل سرمائے کی ایک بڑی رقم جمع ہوجاتی ہے، اور اس کے ذریعہ کمپنیاں بڑے بڑے پروجیکٹس شروع کرسکتی ہے۔

آج کے دور میں شیئرز کا کاروبار صرف کمپنی کے بانی شراکت داروں پر منحصر نہیں ہے، بلکہ آج کے دور میں شیئرز کی حیثیت ان سیکورٹیز کی ہوگئی ہے جو وسیع پیمانہ پر لوگوں میں اور خصوصاً انٹرنیشنل اسٹاک ایکسچینج میں متداول ہیں۔

اس موقعہ پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عمومی طور پر شیئرز کے کاروبار کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اسی طرح شیئرز کی سرمایہ کاری، خصوصاً ان شیئرز کی سرمایہ کاری کی شرعی حیثیت کیا ہے جو عالمی کمپنیوں یا عالم اسلام کے اندرون کی مقامی کمپنیوں کی زیر ملکیت ہیں اور جن کے معاملات ربا کے شائبہ سے خالی نہیں۔

سب سے سنگین چیز جس سے ہمارا سماج دوچار ہے، غیر اسلامی (سرمایہ دارانہ یا اشتراکی) نظام کی موجودگی ہے، جس کے زیر سایہ ہی عالم اسلام میں کمپنیوں کی تشکیل عمل میں آئی ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ ان میں سے بیشتر کمپنیاں صحیح اسلامی طریقہ کی پابندی نہیں کرتیں، چنانچہ بینکوں سے سودی قرض کے لین دین کا معاملہ کرتی ہیں۔

آج کے بیشتر مسلمان تذبذب اور گوگو کی کیفیت سے دوچار ہیں کہ کیا وہ ان کمپنیوں کو ترک کردیں، ان کا بائیکاٹ کردیں اور ان میں شراکت اختیار نہ کریں، دوسرے الفاظ میں فساق اور ضعیف الایمان لوگوں کو ان کمپنیوں کا نظم ونسق سنبھالنے کے لئے چھوڑ دیں جو اقتصادی زندگی کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں، ایسا اس لئے کہ یہ کمپنیاں قائم ہیں اور مخلص وغیرت مند افراد کے بائیکاٹ سے ان کمپنیوں کی رفتار کار پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، یا یہ کہ وہ اصلاح اور تبدیلی کے مقصد سے ان میں شراکت اختیار کریں؟

عام مسلمانوں کے اس تذبذب کے بالمقابل معاصرین کے درمیان اختلافات بھی پائے جاتے ہیں، بعض

معاصرین نے مقاصد شریعت، کمپنیوں کے بائیکاٹ اوران میں عدم مشارکت سے مرتب ہونے والے مفاسد پر غور کر کے چند شروط وضوابط کے ساتھ ان میں شراکت اختیار کرنے کی اجازت دی ہے، جب کہ دوسرے بعض معاصرین اس معاملہ میں حرام کے شائبہ کے پیش نظر اسے مطلقاً رد کرتے ہیں۔

اس تحریر میں ہم نے پوری امانت داری اور اخلاص کے ساتھ اس مسئلہ کا جائزہ لیا ہے، ہمیں اللہ تعالی سے امید ہے کہ وہ ہمارے قدموں کو صحیح رخ عطا کرے گا، درست بات ہمارے دل میں ڈالے گا اور عقیدہ اور قول وعمل کی غلطی سے ہماری حفاظت فرمائے گا۔

استثمار (Investment) کا لغوی واصطلاحی مفہوم:

لغت میں استثمار کا معنی:

لغۃً لفظ استثمار، استثمر، یستثمر کا مصدر ہے جس کا مفہوم ہے: طلب ثمر یعنی پھل طلب کرنا، اس کا مادہ ثمر ہے جس کے متعدد مفاہیم ہیں، اس کا ایک مفہوم درخت کا پھل اور اس کی پیداوار ہے، اس کا ایک معنی اولاد بھی ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: الولد ثمرة القلب، اس کا ایک مفہوم مال کی انواع واقسام بھی ہے۔

ثمر کی میم کے فتحہ کے ساتھ کہتے ہیں: ثمر الشجر ثمورا یعنی درخت کا پھل ظاہر ہوا، اسی طرح کہا جاتا ہے: ثمر ماله یعنی اس کا مال زیادہ ہوگیا، اور أثمر الشيء کا مفہوم ہے: اس چیز کا نتیجہ ظاہر ہوگیا، اور أثمر ماله - لام کے ضمہ کے ساتھ - کا مفہوم ہے: اس کے مال کی کثرت ہوگئی۔

اسی طرح کہا جاتا ہے: استثمر المال وثمّره (میم کی تشدید کے ساتھ) اس کا مطلب ہوا: اس نے مال کو پیداواری عمل میں لگایا، رہ گیا لفظ ثمرہ تو وہ ثمر کا واحد ہے، جب اس کی اضافت شجر (درخت) کی طرف کردی جاتی ہے تو اس کا مفہوم ہوتا ہے: درخت کا پھل، اور جب اس کی اضافت کسی شئے کی طرف کردی جاتی ہے تو اس کا مفہوم ہوتا ہے اس شئے کا فائدہ، اور قلب کی طرف اس کی اضافت ہو تو اس کا مفہوم ہوتا ہے قلب کی محبت، ثمرة کی جمع ثمر، ثمار اور أثمار بھی آتی ہے (۱)۔

استثمار کا اصطلاحی مفہوم:

لفظ "تثمیر" فقہاء کے عرف میں اس مقام پر ذکر کیا گیا ہے جہاں انہوں نے سفیہ اور رشید کے سلسلے میں گفتگو کی ہے، چنانچہ فقہاء کہتے ہیں کہ رشید وہ ہے جو اپنے مال کی تثمیر اور اصلاح پر قادر ہو، اور سفیہ جو ایسا نہ ہو، امام مالک فرماتے ہیں:

"الرشد تثمير المال و إصلاحه فقط" یعنی رشد (Maturity) مال کی صرف تثمیر اور اس کی اصلاح ہے (۲)۔

فقہاء نے تثمیر سے وہی مراد لیا ہے جو آج ہم استثمار سے مراد لیتے ہیں (۳)۔

جہاں تک لفظ استثمار کا تعلق ہے تو وہ آج کے اقتصادی مفہوم میں مذکور نہیں ہے، اسی لئے معجم الوسیط میں ہے:

"الاستثمار: استخدام الأموال في الإنتاج، إما مباشرة بشراء الآلات والمواد الأولية، و إما بطريق غير مباشر كشراء الأسهم والسندات" یعنی استثمار کا مفہوم ہے: سرمایے کو پیداواری عمل میں لگانا، خواہ وہ براہ راست ہو جیسے مشینوں اور خام مال کی خرید کے ذریعہ، یا بالواسطہ ہو جیسے شیئرز اور بانڈز کی خرید۔ المعجم الوسیط میں اس تعریف کے بعد "مج" کا رمز دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مفہوم "مجمع اللغۃ" کا وضع کردہ ہے (۴)۔

استثمار (سرمایہ کاری) کا حکم:

شرعی نصوص اور شریعت کے عمومی مقاصد سے واضح ہوتا ہے کہ سرمایہ کاری مجموعی طور پر واجب ہے، یعنی امت کے لئے جائز نہیں کہ سرمایہ کاری کو ترک کرے۔

کیونکہ فرد اور امت کی زندگی میں مال کی اہمیت نصوص سے ثابت ہے، بیشتر آیات میں مال کو نفس پر مقدم رکھا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے مال کا بطور امتنان ذکر فرمایا ہے، اور مجاہدین اور حصول رزق کے لئے کوشاں لوگوں کو برابر قرار دیا گیا ہے جیسا کہ سورۂ مزمل کے آخر میں ہے، اور بیشتر احادیث میں کام کرنے والے اور تاجر کو مجاہد فی سبیل اللہ قرار دیا گیا ہے۔ ان تمام باتوں سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مال پر توجہ دینا، اس کی سرمایہ کاری اور اس کو مستحکم کرنے کی کوشش کرنا واجب ہے، تاکہ امت جہاد، تعمیر، علم، ترقی، سعادت وخوشحالی، بیداری اور تمدن پر قادر ہو سکے، کیوں کہ یہ سارے امور مال ہی سے تکمیل کو پہونچ سکتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولاتؤتوا السفهاء أموالكم التي جعل الله لكم قياماً وارزقوهم فيها" (۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال کو اسلامی معاشرہ کا ستون (سہارا) قرار دیا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ معاشرہ مال ہی کے ذریعہ قائم اور حرکت پذیر ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ اسے فروغ حاصل ہو سکتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "وارزقوهم فيها" میں ہے، یہاں "منہا" کے بجائے "فیہا" کہا گیا ہے، اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ استثمار (سرمایہ کاری) واجب ہے، تاکہ استثمار سے حاصل ہونے والے منافع سے مجورین (under guardianship) (یعنی بچے اور ذہنی طور پر معذور افراد) کے اخراجات پورے کئے جائیں، نہ کہ اصل سرمایہ سے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

...... یہاں "فیہا" کہا گیا ہے "منہا" نہیں کہا گیا ہے، تاکہ یہ اس بات کا حکم نہ ہو کہ لوگ اپنے مال کے کچھ حصے کو اپنے لئے ذریعۂ رزق بنالیں، بلکہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے مال کو ذریعہ رزق اس طرح بنائیں کہ اس میں تجارت کریں اور سرمایہ کاری کریں اور منافع سے اپنے رزق کا کام لیں نہ کہ اصل سرمایہ سے ....(۶)۔

اور یہ مسلم ہے کہ مال میں زکاۃ کے وجوب کی وجہ سے لوگ تجارت پر آمادہ ہوں گے، کیونکہ اگر وہ اس میں تجارت نہیں کریں گے تو صدقہ اور اخراجات سے وہ ختم ہو جائیں گے، موجودہ اقتصادی نقطۂ نظر بھی اس کی تائید کرتا ہے، چنانچہ وہ مال والوں پر مختلف قسم کے ٹیکس عائد کرتا ہے، تاکہ وہ اسے جمع نہ کرسکیں، بلکہ چند احادیث جو مجموعی حیثیت سے صحیح یا حسن کے درجہ کی ہیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ صغار (یتیم وغیرہ) اور مجورین (کم عقل، مجنون اور ناقص

اہلیت والے) کے مال میں تجارت واجب ہے، چنانچہ امام شافعی نے یوسف بن ماحک سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یتیم کے مال میں (یا یتامی کے اموال میں) ذریعہ آمدنی تلاش کرو۔ تا کہ اسے صدقہ ختم یا صرف نہ کر ڈالے"۔ امام نووی اور بیہقی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے، لیکن مرسل ہے، جس کی تائید دوسرے نصوص اور یتیم کے مال میں زکاۃ کے وجوب سے متعلق صحابہ سے مروی صحیح روایات سے ہوتی ہے (۷)۔

شیخ قرضاوی فرماتے ہیں: احادیث وآثار اوصیاء (guardians) کو اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ یتیموں کے مال کی سرمایہ کاری کرنا واجب ہے، تا کہ زکاۃ اسے ہضم نہ کر لے..... لہذا یتیموں کے سرپرستوں پر ان کے اموال کو بڑھانا اسی طرح واجب ہے جس طرح ان کے ذمہ یتیموں کے مال کی زکاۃ نکالنا واجب ہے، ہاں ان دونوں حدیثوں (عمرو بن شعیب کی مرفوع حدیث اور یوسف بن ماہک کی حدیث) میں سند یا اتصال کے اعتبار سے ضعف ہے، لیکن چند امور سے وہ دونوں قوی کے درجہ کو پہنچ جاتے ہیں، شیخ نے ان میں سے ایک کا ذکر اس طرح فرمایا ہے: "یہ روایت اسلام کے عمومی اقتصادی نظام کے مطابق ہے جو سرمایہ کاری کے وجوب اور دولت کے ارتکاز کی حرمت پر مبنی ہے" (۸)۔

دولت کی سرمایہ کاری کے وجوب پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے: "کی لایکون دولة بین الأغنیاء منکم" (۹) کیوں کہ مال کے متداول ہونے کی صورت یہی ہے کہ صدقات تقسیم کیے جائیں، اور ایسی سرمایہ کاری کی جائے جس کے نتیجہ میں مزدور، کاریگر، تاجر اور اسی طرح دوسرے تمام لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "و أعدوا لهم ما استطعتم من قوة" (۱۰) اور بلاشبہ قوت میں مال کی قوت بھی شامل ہے، بلکہ بیشتر آیات میں اسے نفس پر مقدم کیا گیا ہے، لہذا اگر جسم اور ہتھیار کی قوت مطلوب ہے تو مال کی قوت اشد اور وجوبی طور پر مطلوب ہے۔

پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ شریعت اسلامی کا ایک مقصد مال کی حفاظت ہے، اور یہ مقصد مال کی سرمایہ کاری کر کے اور اسے فروغ دے کر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح شریعت کا ایک مقصد خدائی نظام کی روشنی میں کائنات کی تعمیر بھی ہے: "هو انشاكم من الأرض واستعمركم فيها" (۱۱) اس آیت کے ذیل میں مفسرین فرماتے ہیں: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے (اللہ تعالیٰ نے) تمہیں روئے زمین پر اپنی ضروریات زندگی کی تعمیر کا حکم دیا جیسے مکانات کی تعمیر اور شجر کاری" (۱۲) اسی طرح شریعت کا ایک مقصد استخلاف (جانشیں وخلیفہ بنانا) بھی ہے، جس کا تقاضا ہے کہ زمین کے امور انجام دیے جائیں، اس کا نظم ونسق سنبھالا جائے، اس سے خلق کو فائدہ پہنچایا جائے اور اسے آباد کیا جائے، یہ تمام مقاصد مکمل طور پر سرمایہ کاری کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔

خلاصہ:

یہ کہ عمومی طور پر سرمایہ کاری واجب کفایہ ہے، لہذا امت پر واجب ہے کہ سرمایہ کاری کے امور انجام دے تا کہ مال میں وسعت ہو، افراد برسر روزگار ہوں اور اگرچہ مالداری کی حد تک نہیں لیکن بقدر کفایت تمام لوگوں کو (مال)

ملے،اور اس سلسلے میں فقہی قاعدہ ہے کہ جس چیز پر واجب کے تحقق کا دارو مدار ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس زائد از ضرورت مال ہو تو کیا اس پر سرمایہ کاری واجب ہے؟ تو منہج اسلامی اس کے تعلق سے کہ بلا شبہ مال اللہ کا مال ہے اور اس پر انسان کی ملکیت مطلق نہیں مقید ہے، جس کا تقاضہ کرتا ہے وہ یہ کہ اس پر شرعی طریقوں سے مال کی سرمایہ کاری واجب ہے، خواہ یہ سرمایہ کاری وہ خود سے کرے یا شرکت ومضاربت جیسے طریقوں سے یہ سرمایہ کاری کی جائے، اور اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے سرمایہ کاری کے قابل مال کو یونہی چھوڑ دے، اور سرکولیشن کے میدان میں اپنا رول ادا کرنے اور اس کے اقتصادی دائرے میں اضافہ کو جو سوسائٹی کے لئے منفعت عامہ کا باعث ہے معطل کردے۔

اسی طرح یہ بھی واقعہ ہے کہ سماج اور امت کی قوت کا دارو مدار سماج اور امت کے افراد پر ہے خصوصاً اسلام کے اقتصادی نظام کی روشنی میں جو کہ انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے اور اس بات کا قائل ہے کہ حکومت کی ملکیت محدود ہوتی ہے، چنانچہ امت کے افراد پر ایک بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ سرمایہ کاری کے ذریعہ مال کی زیادتی اور اس کی ترقی وتقویت کے لئے جدوجہد کریں۔

شیخ محمد شلتوت فرماتے ہیں: ''جب عقل ودین کا تقاضا ہے کہ جس چیز کے ذریعہ واجب کا تحقق ہوتا ہو وہ بھی واجب ہے، اور اسلامی جماعت کا غلبہ اہل اسلام کی اولین ذمہ داری ہے، اور اس کا دارو مدار تین ستونوں پر ہے یعنی زراعت، صنعت اور تجارت، تو یہ تینوں ستون واجب قرار پائے اور ان کی ایسی باہمی ترتیب وتنسیق کہ جس سے امت خیر وفلاح سے ہمکنار ہو واجب ٹھہری.....'' (١٣)

سرمایہ کاری سے متعلق اسلامی نظام کے بنیادی خطوط:

اس مقالہ میں اس موضوع کی تفصیلات کا احاطہ مشکل ہے، لہذا ہم مختصراً اس موضوع کے اہم خطوط کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔ یہ خطوط مندرجہ ذیل ہیں:

اول: اسلام میں جو سرمایہ کاری کا منہج ہے اس سے اسلامی فکر وعقیدہ الگ نہیں ہے، جس طرح سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ دارانہ نظریہ ہی سرمایہ کاری کے امور انجام دیتا ہے، اور جس طرح کمیونسٹ نظریہ سابقہ سوویت یونین اور دوسرے اشتراکی ممالک میں اپنے مخصوص وسائل کے ذریعہ اپنے فلسفیانہ حدود اور اپنے مقاصد کے تحت ہی سرمایہ کاری کا عمل انجام دیتا ہے۔ اسی طرح اسلامی عقیدہ بھی اسلام کے اقتصادی نظریہ، سرمایہ کاری کے طریق کار، ذرائع، اسباب اور وسائل میں کلیدی حیثیت کا حامل ہے، چنانچہ ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ مال اللہ کی ملکیت ہے اور وہ اس سلسلہ میں قائم مقام اور جانشین کی حیثیت رکھتا ہے، اسی بنا پر اس کے لئے لازم ہے کہ وہ سرمایہ کاری وغیرہ کے معاملہ میں منہج الٰہی کے تحت ہی کام کرے، اور خدائی شریعت کو پس پشت نہ ڈال دے، اسی طرح اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ کائنات کو عدل اور حق سے معمور کرے اور دوسروں پر شاہد بنے۔

اس عقیدہ کی بنیاد پر مومن کے اعمال کافر سے مختلف ہوتے ہیں، چونکہ ایک مسلمان کمانے، خرچ کرنے

اور سرمایہ کاری میں رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھتا ہے جب کہ ایک کافر سب سے پہلے تمام قدروں پر اپنے شخصی مفادات کو فوقیت دیتا ہے پھر اپنی قوم کے مفادات کو، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان دونوں کے علاوہ دوسری قدریں اس کے پیش نظر نہیں ہوتیں، مومنین کی صفت بیان کرتے ہوئے قرآن یہ کہتا ہے: "ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً ویتیماً واسیراً إنما نطعمکم لوجہ اللہ لانرید منکم جزاءً ولا شکوراً" (۲۶) جبکہ کافر کے بارے میں یہ کہتا ہے، کہ اسے یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں اس کو اپنا کوئی دنیوی مفاد نظر نہیں آتا، اگر وہ کسی کو کھلاتا بھی ہے تو اس سے اس کا مفاد وابستہ ہوتا ہے، جیسے جاہ ومنصب کے حامل افراد (کہ ان کو کھانا کھلانے کا مقصد حصول مفاد ہے) چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "أرأیت الذی یکذب بالدین، فذلک الذی یدعّ الیتیم ولا یحضّ علی طعام المسکین" (۱۵) اسی عقیدہ کی بنا پر مسلمان یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ سود مالوں کو مٹانے اور اس کو کم کرنے کا باعث ہے، اور صدقات وخیرات کرنے سے اس میں اضافہ ہوتا ہے، یقیناً یہ تصور کافر کے تصور کے بالکل برعکس ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یمحق اللہ الربا ویربی الصدقات" (۱۶)۔

اسی عقیدہ کی بنا پر وہ محرمات سے پرہیز کرتا ہے اور طاعات کی طرف لپکتا ہے، وہ سرمایہ کاری، تجارت اور محنت کر کے یہ سمجھتا ہے کہ اس نے حکم الٰہی کی تعمیل کی اور اس عمل پر وہ اپنے کو اجر وثواب کا مستحق سمجھتا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ وہ انجام کار کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نقصان کی صورت میں وہ رنجیدہ اور غمزدہ نہیں ہوتا، نہ آسودگی، خوشحالی اور نفع کی صورت میں اتراتا اور سرکشی کرتا ہے: "لکی لا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم" (۱۷)۔ چنانچہ وہ ہمیشہ دو میں سے ایک یا دونوں مقامات میں ہوتا ہے: یعنی حمد وشکر کے مقام میں، اور صبر ورضا کے مقام میں۔

اسی طرح اس عقیدہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی تعمیل میں تیزی آجاتی ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ذکر کو اپنے اوامر ونواہی پر مقدم فرمایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یا أیہا الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارۃ عن تراض منکم" (۱۸)۔ اسی طرح ارشاد باری ہے: "یا أیہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربا إن کنتم مؤمنین" (۱۹)۔

دوسری طرف اگر مسلمان سرگرم عمل ہوتا ہے اور سرمایہ کاری کرتا ہے تو اس کا یہ عمل اس عقیدہ کے پیش نظر ہوتا ہے کہ الٰہی نظام کے مطابق کائنات کی تعمیر کرنا اور سارے جہاں میں خیر ورحمت کو عام کرنا اس کا فرض ہے۔

دوم: سرمایہ کاری کے سلسلہ میں اسلامی نظام کی بنیاد اور اہم صفت یہ ہے کہ وہ اقدار، اخلاق اور اصولوں کا نگہبان ہوتا ہے، اسی لئے اسلام نے حیلے، فریب، استحصال اور فراڈ (Fraud) کو حرام قرار دیا ہے، چنانچہ صحیح احادیث میں ہے کہ "من غشّنا فلیس منا" (جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں) (۲۰) اسی طرح تدلیس کی حرمت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، خواہ وہ قول کے ذریعہ سے ہو جیسے نجش (۲۱) کی صورت میں، یا فعل کے ذریعہ ہو جیسے تصریہ (۲۲) وغیرہ کی شکل میں۔ اس کے بالمقابل اسلام نے لازم قرار دیا ہے کہ سرمایہ کاری عدل کی بنیاد

پر اور بیع وشراء اور تقاضے میں رواداری کی بنیاد پر کی جائے، اور مبیع میں جیسے کچھ بھی عیوب ونقائص ہوں ان کو بغیر جھوٹ، قسم اور جعلسازی کے صاف صاف بیان کر دیا جائے (۲۳)۔

سوم: اسلامی نظام سرمایہ کاری کا ایک بنیادی امتیاز یہ ہے کہ وہ شریفانہ اور صالح مارکیٹ کمپٹیشن کی نگرانی کرتا ہے اور حکومت کی کسی قسم کی مداخلت کے بغیر تمام لوگوں کو مواقع فراہم کرتا ہے، حکومت صرف اسی صورت میں مداخلت کر سکتی ہے جب شرعی ضوابط اور کمزوروں کے حقوق کا تحفظ مقصود ہو، اسی وجہ سے مارکیٹ کی دیکھ ریکھ کی ذمہ داری پبلک اتھارٹی پر ہوتی ہے جو شخصی وقومی تحفظ اور احتسابی نظام کی شکل میں سامنے آتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول نے کمزور عقل والے کو حق خیار عطا فرمایا ہے، جیسا کہ حضرت ابن عمر کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ خرید وفروخت میں وہ دھوکہ کھا جاتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "إذا بايعت فقل: لا خلابة" ۔ امام احمد اور اصحاب سنن نے ان الفاظ سے روایت کیا ہے: ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خرید وفروخت کرتا تھا، اس کی عقل کچھ کمزور تھی، اس کے گھر والے آپ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول: فلاں پر پابندی عائد کر دیجئے، وہ خرید وفروخت کرتا ہے جب کہ وہ کمزور عقل والا ہے، تو آپ ﷺ نے اسے بلایا اور منع فرمایا، تو اس نے کہا کہ میں تو بیع سے صبر نہیں کر سکتا، تب آپ ﷺ نے فرمایا: "إن كنت غير تارك للبيع فقل هاء وها، ولا خلابة" (۲۴)۔ یہ حدیث اس امر کی رہنمائی کے لئے اچھی بنیاد ہے کہ کمزور عقل والوں کو اور دوسروں کے زیر سایہ رہنے والے ان لوگوں کو جنہیں کاروبار اور معاملات کا تجربہ نہ ہو اس کا زیادہ موقع دیا جانا چاہئے کہ وہ اپنے لئے خیار کی شرط لگائیں، بلکہ یہ حق انھیں اس وقت تک دیا جانا چاہئے جب تک ان کے غبن میں پڑنے کا اندیشہ برقرار رہے اگر چہ وہ خیار کی شرط نہ لگائیں (۲۵)۔

چہارم: (اسلامی نظام سرمایہ کاری کے اہم اوصاف میں سے ایک) ظلم وربا، لوگوں کے مال ناجائز طور سے کھانے اور قمار بازی کو حرام قرار دینا ہے، اور اس کے علاوہ دوسرے وہ افعال بھی جن کو اسلام نے حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔

شیئرز

اسہم جمع ہے سہم کی۔ لغت میں اس کے متعدد معنی ہیں: اس کا ایک معنی حصہ ہے جس کی جمع ہے "سہمان" سین کے ضمہ کے ساتھ۔ اس کا ایک مفہوم وہ لکڑی ہے جس کے ایک سرے پر کمان سے پھینکا جانے والا پھل ہوتا ہے اسکی جمع سہام ہے۔ اس کا ایک معنی وہ تیر ہے جس سے قرعہ اندازی کی جاتی ہے یا جس سے جوا کھیلا جاتا ہے، اسی سے کہتے ہیں: **أسهم بينهم** یعنی اس نے اس کے درمیان قرعہ اندازی کی، اسی طرح کہتے ہیں: ساھمہ یعنی اس نے کھیل میں مقابلہ کیا اور دوسرے پر غالب آیا، اور کہتے ہیں: ساھمہ یعنی اس نے اس کے ساتھ شراکت اختیار کی اور ایک حصہ حاصل کیا، المعجم الوسیط میں ہے: ومنه شركة المساهمة (۲۶) (اسی سے جوائنٹ اسٹاک کمپنی

ہے)،قرآن کریم میں ہے:"فساهم فكان من المدحضين" (سورہ الصافات ۱۴۱) ای قارع بالسهم فكان من المغلوبين (۲۷)۔ ماہرین معاشیات "سہم" کا اطلاق کبھی دستاویز پر کرتے ہیں اور کبھی حصص پر، دونوں کا مفہوم ایک ہے، پہلے مفہوم کے اعتبار سے ان کا خیال ہے کہ سہم سے مراد وہ دستاویز ہے جو کمپنی کے اصل سرمایہ کے ایک حصہ کی نمائندگی کرتی ہے، یہ حصہ کمپنی کے سرکولیشن کے حساب سے گھٹتا بڑھتا ہے۔

دوسرے مفہوم کے اعتبار سے ماہرین معاشیات کا خیال ہے کہ سہم سے مراد کسی سرمایہ دار کمپنی میں شیئرز ہولڈر کا حصہ ہے، یا وہ حصہ ہے جس کی قیمت کے مطابق کمپنی کا وہ مجموعی سرمایہ منقسم ہوتا ہے جو قدر عرفی والے دستاویز میں مذکور ہوتا ہے، کیونکہ شیئرز مجموعی طور پر کمپنی کے اصل سرمایہ کی نمائندگی کرتے اور یکساں قیمت کے حامل ہوتے ہیں (۲۸)۔

شیئرز کا خاصہ یہ ہے کہ وہ یکساں قیمت کے حامل ہوتے ہیں، ایک شیئر منقسم نہیں ہوتا، خواہ وہ عام ہو یا خاص، اصولی طور پر حقوق والتزام میں یکسانیت اور مساوات پر مبنی ہوتا ہے اور متداول ہوتا ہے، لیکن بعض قوانین نے (جیسے سعودی نظام نے) بانیوں کے زیر ملکیت حصص کو اس سے مستثنی قرار دیا ہے، چونکہ عام قاعدہ کے مطابق دو مکمل مالی سال کے بعد اور میزانیہ (بجٹ) کے عام ہونے سے پہلے اس کا اجراء درست ہوگا۔ اسی طرح انتظامیہ کی سیکورٹی کے لئے انتظامی کونسل کے ممبر کی طرف سے پیش کیے گئے سیکورٹی شیئرز کا اجراء دوران ممبری درست نہیں ہے، اور اس وقت تک درست نہیں ہے جب تک کہ جواب دہی کے دعوی کی سماعت کے لئے مقررہ مدت ختم نہ ہو جائے (۲۹)۔

کمپنی کے اصل سرمایہ کی تقسیم کا حکم:

قابل لحاظ امر یہ ہے کہ اصل سرمایہ کی مختلف حصص واجزاء میں تقسیم اور سابقہ شرائط کا عائد کیا جانا اسلامی شریعت کے عام اصولوں اور کمپنی سے متعلق عام فقہی قواعد سے متعارض نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں کمپنی کے معاملہ کے تقاضے سے متصادم ہونے والی کوئی چیز نہیں، بلکہ اس میں تنظیم، تیسیر (آسانی پیدا کرنا) اور رفع حرج ہے جو اس شریعت کا ایک نمایاں وصف ہے اور ایفائے عقود کے ضمن میں داخل ہے" يا أيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود......" (المائدہ ۱) اور رسول اللہ ﷺ کا قول ہے:"المسلمون عند شروطهم" (۳۰) اور ایک روایت میں ہے:"........ والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما" (۳۱)، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے (۳۲)

یہ اور اس طرح کے دوسرے نصوص اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ہر قسم کی مصالحت اور شرط جائز ہے، سوائے اس شرط اور مصالحت کے جس کی حرمت پر دلیل قائم ہو جائے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صلح وشرط میں اصل اباحت ہے، اور ممانعت ایک خاص دلیل کی بنا پر ثابت ہوتی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "کتاب و سنت اسی مفہوم کی شہادت دیتے ہیں......" (۳۳) مزید فرماتے ہیں: "شروط میں اصل صحت اور لزوم ہے سوائے ان کے جن کے خلاف دلیل قائم ہو جائے..... کیونکہ کتاب وسنت عقود وعہود کے ایفاء پر دلالت کرتے ہیں اور غدر و بد عہدی کی مذمت کرتے ہیں..... اور یہاں مقصود اصول ونصوص کا یہ مقتضی ہے کہ شرط کو لازم قرار دیا جائے مگر یہ کہ وہ

کتاب اللہ کے مخالف نہ ہو......" (۳۴)۔

یہ امر مخفی نہیں کہ سابقہ قواعد کے نتیجہ میں فقہ اسلامی ہر ایسے عقد، یا تصرف یا مالی یا انتظامی تنظیم کو قبول کرتی ہے جب تک کہ وہ کتاب وسنت کے نصوص سے متعارض نہ ہو اور اس کے عمومی قواعد سے متصادم نہ ہو، اور یہ کہ شریعت غراء ہر نفع بخش حکمت کو مومن کی متاع گم شدہ قرار دیتی ہے بلا لحاظ اس کے کہ اس کا سرچشمہ اور نام کیا ہے، اصل واساس تو اس کا مفہوم ہے، اس کے مشمولات، اس کے وسائل ومقاصد اور اس سے پیدا شدہ مصالح ومنافع یا مضرتیں اور مفاسد ہیں۔

شیئرز کی خصوصیات اور حقوق:

شیئرز کی چند خصوصیات ہیں جن میں سے کچھ اہم یہ ہیں:

قانون کے طے کردہ ضابطہ کے مطابق شیئر کی قیمت میں برابری، اور اس کے حقوق میں برابری ہوتی ہے، اور ہر شیئر ہولڈر کی ذمہ داری اس کے حصص کی قیمت، اس کے تداول کی صلاحیت، اور شیئرز کی تجزی کی عدم صلاحیت کے مطابق ہوتی ہے۔ شیئرز کے حقوق کا جہاں تک تعلق ہے تو اس سے مراد ہے کمپنی میں شیئر ہولڈر کا حق بقاء، عمومی اجلاس میں رائے دہندگی کا حق، حق سرپرستی، منتظمین کے خلاف دعوی مسئولیت دائر کرنے کا حق، منافع میں حصہ کا حق، احتیاطات (Reserves) اور شیئرز سے دست کش ہونے اور اس میں تصرف کا حق، اندراج میں ترجیح کا حق، اور کمپنی کے تحلیل ہونے کے وقت کمپنی کے اثاثہ جات کی تقسیم کا حق (۳۵)۔

اجراء اور دائرۂ کار کی حیثیت سے شیئرز کا حکم:

ہم نے ذکر کیا ہے کہ کمپنی کے اصل سرمایہ کی مساوی حصص میں تقسیم جنہیں شیئرز کہتے ہیں، درست ہے، اس میں اسلام کے اصول ومبادی سے کسی قسم کا تعارض نہیں پایا جاتا۔ یہاں پر ہم عمومی شکل میں ان شیئرز کے متداول ہونے اور خرید وفروخت وغیرہ کے ذریعہ ان میں عام طور پر تصرف کرنے کا حکم بیان کریں گے، پھر ہم ہر قسم کے شیئر کو بیان کرتے وقت اللہ کی توفیق سے اس کا خاص حکم بھی بیان کریں گے۔

قابل غور امر یہ ہے کہ بعض محققین نے شیئرز سے متعلق معاصر علماء کے اختلاف کو مطلقاً نقل کیا ہے بغیر کسی تفصیل کے کہ اس سلسلہ میں ان کی طرف سے کوئی صراحت موجود ہے یا نہیں بلکہ عمومی طور پر کمپنیوں کے بارے میں ظاہر کردہ ان کی آراء سے سمجھے گئے مفاہیم پر اعتماد کر لیا گیا ہے (۳۶)۔

اس اطلاق پر اعتماد نہیں کیا جانا چاہئے، کیونکہ طے شدہ اصول ہے: "لازم المذهب ليس بمذهب"۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہے کہ ان علماء کے تمام مباحث ان کمپنیوں کے سلسلے میں ہیں جو مسلم ممالک میں قائم کی گئی ہیں، اور ان مباحثوں کا ان کمپنیوں سے کوئی تعلق نہیں جنہوں نے متعینہ طور پر اپنا دائرہ کار خنزیر اور شراب جیسے محرمات کو بنایا ہے......(۳۷)۔

اسی وجہ سے ہم شیئرز کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں:

ایک قسم وہ ہے جو واضح طور پر حرام ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جس میں بحث، تفصیل اور اختلاف کی گنجائش ہے۔

پہلی قسم وہ شیئرز ہیں جن کا دائرہ کار خنزیر، شراب، نشہ آور اشیاء، جوا اور دیگر محرمات ہیں، اسی طرح وہ کمپنیاں بھی اس میں شامل ہیں جن کا کاروبار سود پر منحصر ہو، جیسے سودی بینک۔

اس قسم کے تمام شیئرز کا اجراء اور اس میں شراکت اختیار کرنا درست نہیں اور نہ خرید وفروخت کے ذریعہ یا ان جیسے دوسرے امور کے ذریعہ ان میں تصرف جائز ہے۔ ابن القیم بعض اشیاء کی بیع کی حرمت سے متعلق احادیث کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ جامع کلمات تین اجناس کی تحریم پر مشتمل ہیں: عقل کو خراب کرنے والے مشروبات جیسے خمر، ایسے کھانے جو طبیعت کو مکدر بنانے والے اور ناپاک غذا دینے والے ہوں جیسے مردار کا گوشت اور خنزیر، اور اعیان جیسے بت جو ادیان کو خراب کرنے اور فتنہ اور شرک کا باعث بنتے ہیں، اس طرح شارع نے پہلی قسم کو حرام قرار دے کر عقول کو زائل کرنے اور خراب کرنے والے اسباب سے ان کی حفاظت فرمائی، دوسری قسم کو حرام قرار دے کر قلوب کو مفسدات یعنی غذاء خبیث کو ان تک پہونچنے سے بچایا.....، اور تیسری قسم کو حرام قرار دیکر ادیان کو ان امور سے محفوظ فرمادیا جو ان کے بگاڑ کے لئے وضع کئے گئے ہیں (۳۸)۔

یہی وہ اصول ہے جس سے تجاوز کرنا درست نہیں اور نہ اس میں توقف کیا جانا مناسب ہے، حرام شیئرز کی اس قسم کے علاوہ بھی دو قسمیں ہیں:

قسم اول:

ان کمپنیوں کے شیئرز جو اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق قائم ہیں، اور جن کا راس المال حلال ہے، وہ حلال کاروبار بھی کرتی ہیں، اور ان کا بنیادی معاہدہ اس بات کی صراحت بھی کرتا ہے کہ وہ حلال کے حدود میں کاروبار کرتی ہیں، اور سودی قرض کا لین دین نہیں کرتیں، نہ ہی بعض کے مقابلہ میں بعض کے لئے مخصوص رعایت یا مالی ضمانت کی ذمہ داری لیتی ہیں۔ کمپنیوں کے اس قسم کے شیئرز خواہ وہ کمپنیاں تجارتی ہوں، صنعتی ہوں یا زرعی، ان کے حلال ہونے اور ان میں ہر قسم کے شرعی تصرفات کے درست ہونے کے بارے میں فقہاء کا قول طے شدہ ہے، کیونکہ مالی معاملات وتصرفات میں اصل اباحت ہے، اور ان شیئرز میں کوئی حرام شئی شامل نہیں ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ ان شیئرز کی وجہ سے کمپنی کے سرمائے کو جدید اقتصادی اصولوں کے تقاضے کے مطابق اور کسی اسلامی اصول سے تصادم کے بغیر منظم کیا گیا ہے۔

اسی کے ساتھ اس کے متعلق دو امور سامنے آئے:

امر اول: جسے ایک مؤلف نے اٹھایا وہ یہ کہ یہ شیئرز اس سرمایہ دارانہ نظام کا ایک جزو ہیں جو اجمالاً یا تفصیلاً کسی بھی طرح اسلام سے ہم آہنگ نہیں ہے، بلکہ جدید کمپنیاں اور خصوصاً فائنانس کمپنیاں حرام اور شرعاً ناجائز ہیں، کیونکہ یہ سرمایہ دارانہ نظام کے نقطۂ نظر کی نمائندگی کرتی ہیں، لہذا نہ ان کا اختیار کرنا درست ہے اور نہ انہیں فقہ اسلامی میں موجود کمپنیوں کے اصول وضوابط کے تابع کرنا درست ہے (۳۹)۔

یہ عام حکم قابل التفات نہیں اور نہ اسے قبول کیا جائے گا، کیونکہ اسلام کسی چیز کو صرف اس وجہ سے رد نہیں

کرتا کہ وہ فلاں نظام سے ماخوذ ہے، یا اس میں موجود ہے، اسلام میں حکم موضوعی اور اس بنیاد پر مبنی ہوتا ہے کہ وہ قواعد شرعیہ سے کس حد تک ہم آہنگ یا متصادم ہے، کیونکہ "الحكمة ضالة المؤمن فهو أحق بها أنىٰ وجدها" (حکمت تو مومن کا گم شدہ سرمایہ ہے، اسے جہاں کہیں پالے وہی اس کا زیادہ حقدار ہے) اور چونکہ حلال پر مبنی شیئرز کسی مانع شرعی پر مشتمل نہیں ہیں اس لئے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا، ان کو حرام قرار دینا درست نہیں۔

اسی طرح یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ شیئرز کمپنی کے اثاثے کی قیمت سے متعلق دستاویزات کے مقابلہ میں ہیں، یہ کمپنی کے تخمینہ کے وقت کمپنی کے ثمن کی نمائندگی کرتے ہیں، یہ کمپنی کے غیر منفک اجزاء نہیں ہیں، اور نہ کمپنی کے قیام کے وقت اس کے راس المال کی نمائندگی کرتے ہیں (۴۰) یہ الگ بات ہے کہ شیئرز کا یہ حکم اور تصور حقیقت سے بعید ہے، معاصر کمپنیاں جس حقیقت پر مبنی ہیں وہ یہ ہے کہ شیئرز دستاویزات نہیں ہیں، یہ تو کمپنی کے حصص ہیں، اور ہر شیئر کمپنی کے ڈھانچہ کے ایک غیر منفک جز کے بالمقابل ہے، اور شیئرز کا مجموعہ ہی کمپنی کا اصل سرمایہ ہے (۴۱)

جیسا کہ انہوں نے شیئرز کو کرنسی نوٹوں پر قیاس کیا ہے، جن کی قیمت بدلتی اور تبدیل ہوتی رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ کمپنی کے آغاز کے بعد شیئر کی راس المال والی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ ان سیکورٹیز کی صورت اختیار کر لیتا ہے جن کی ایک متعین قیمت ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیئرز کی یہ فقہی تطبیق دقت نظر پر مبنی نہیں ہے اور انہیں کرنسی نوٹوں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ شیئرز دراصل کمپنی کے وہ حصص اور اجزاء ہیں جو کمپنی کے راس المال اور اس کے اثاثے کے مقابلے میں ہوتے ہیں، یہ اگرچہ تحریری دستاویزات ہوتے ہیں لیکن ان سے مقصود وہی ہوتا ہے جو ان کے مقابلے میں ہے۔

جہاں تک اتار چڑھاؤ کا مسئلہ ہے تو اس کے اسباب شیئرز میں مختلف ہوتے ہیں اور نقود میں مختلف ہوتے ہیں، چنانچہ شیئرز کی قیمت میں تغیر خود کمپنی کی فعالیت کا نتیجہ ہوتا ہے، لہذا جب اس کے منافع بڑھ جاتے ہیں، یا اس کے ساتھ اس کے اثاثوں کا اضافہ ہو جاتا ہے اور اس پر لوگوں کا اعتماد بڑھ جاتا ہے تو ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور خسارہ کی صورت میں ان کی قیمت گھٹ جاتی ہے، اس کی مثال اس شخص یا شرکاء کی ہے جن کے پاس متعین سامان ہوں اور انہوں نے ان کو اچھے منافع پر فروخت کیا ہو، تو اس صورت میں نفع کے بقدر ان میں سے ہر ایک کے مال کا تناسب بڑھ جاتا ہے، اسی طرح ان میں سے بعض کے مفقود ہو جانے یا ہلاک ہو جانے، یا سامان کو خسارہ کے ساتھ فروخت کئے جانے کی صورت میں ان میں سے ہر ایک کے مال کا تناسب گھٹ جاتا ہے۔ پس یہ کمپنیوں کے شیئرز کا ایک مختصر سا نمونہ ہے۔

جہاں تک کرنسی نوٹوں کا تعلق ہے تو ان کے گھٹنے کا سبب افراط زر اور اس سے متعلق بین الاقوامی نظام اور مزید کرنسی نوٹ جاری کرنے کی ملکی پالیسی ہوتی ہے جس کا حقیقی بدل نہیں پایا جاتا، ان کے علاوہ اور دوسرے اقتصادی عوامل اس کا سبب بنتے ہیں، جبکہ کمپنی کا جز بننے والے رقم کی نمائندگی کرنے والا شیئر کمپنی کے سرمائے اور اثاثے میں نمائندگی کرتا ہے۔

امر دوم: جو اس قسم کے شیئرز کے متعلق زیر بحث لایا گیا ہے اس کا تعلق ان کی خرید و فروخت سے

ہے،اوراس سلسلہ میں تین باتیں (ملاحظات) قابل غور ہیں جنھیں ہم جواب کے ساتھ بیان کرتے ہیں (۴۲):

اول: جہالت، کیونکہ مشتری کو شیئرز کی معنویت کا تفصیلی علم نہیں ہے۔

اس کے جواب میں ہم کہیں گے: کہ جہالت صحت عقد کے لئے اس صورت میں مانع ہوتی ہے جب نزاع کا سبب ہو یا فقہاء کی اصطلاح میں جب ''جہالت فاحشہ ہو'' (۴۳)۔

امام قرافی فرماتے ہیں:

غرر اور جہالت کی تین اقسام ہیں: کثیر جو بالا جماع ممنوع ہے، جیسے ہوا میں پرندوں کی بیع۔ قلیل جو بالا جماع جائز ہے، جیسے گھر کی بنیاد...... اور متوسط جو مختلف فیہ ہے (۴۴)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ مغیبات جیسے گاجر، شلجم اور اراروی کی بیع کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

پہلا یعنی ان کی بیع کی صحت کا قول جو امام مالک کا مسلک اور امام احمد کا ایک قول ہے، زیادہ صحیح ہے.... اس لئے کہ تجربہ کار افراد جب ان سے ظاہر ہونے والے پتے وغیرہ کو دیکھتے ہیں تو بقیہ چیزوں کو بھی اسی پر قیاس کرتے ہیں، دوسری بات یہ کہ لوگوں کو ان بیاعات کی ضرورت ہے، اور کسی ایک نوع کے غرر کی وجہ سے شارع نے ایسے بیوع کو حرام نہیں کیا ہے جن کی لوگوں کو ضرورت پیش آتی ہو، بلکہ شارع تو ایسی چیزوں کو جائز قرار دیتا ہے جن کی اس سلسلے میں ضرورت پڑتی ہے، جیسا کہ شارع نے بدو صلاح سے پہلے پھل کی بیع کو جائز قرار دیا ہے........ اگرچہ مبیع کا کچھ حصہ ابھی تک پیدا نہ ہوا ہو....، اور بیع عرایا کو اندازہ سے جائز قرار دیا ہے، چنانچہ ضرورت کے وقت تخمین بالخرص کو تخمین بالکیل کے قائم مقام قرار دیا ہے باوجودیکہ یہ اس ربا کے ذیل میں آتا ہے جو بیع غرر سے بھی زیادہ شدید ہے، اور یہ ایک شرعی قاعدہ ہے کہ دو مصلحتوں میں سے ادنیٰ کو چھوڑ کر بڑی (اعلیٰ) مصلحت کو روبہ عمل لایا جائے گا، اور دو فسادوں میں سے ادنیٰ کو اپنا کر (بروئے کار لاکر) بڑے فساد کو رفع کیا جائے گا (۴۵)۔

استاد صدیق الضریر فرماتے ہیں: غرر جو صحت عقد میں مؤثر ہوتا ہے وہ ہے جو مبیع میں اصالتاً پایا جائے، جہاں تک تابع میں غرر کا تعلق ہے.....تو وہ عقد میں مؤثر نہیں ہوتا (۴۶)۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ بجٹ کی اشاعت، کمپنی کی فعالیت اور اس طرح کے دوسرے امور کے توسط سے خریدار شیئر کی قیمت اور شیئرز کے بالمقابل اثاثوں سے متعلق اجمالی اور مناسب معلومات حاصل کر لیتا ہے، اور یہ علم صحت بیع کے لئے کافی ہے، اسی کے ساتھ یہ واضح رہے کہ ہر چیز کا علم اسی کے بقدر ہوتا ہے۔

پھر یہ بھی واضح رہے کہ مشترک حصص کی بیع بالاتفاق درست ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: مشترک شئی کی بیع باتفاق مسلمین جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہے....(۴۷)۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں: اگر کوئی شریک اپنے شریک کا حصہ خرید لے تو درست ہے، کیونکہ وہ اپنے علاوہ کی ملکیت خرید رہا ہے، یہی حکم اس صورت میں بھی ہوگا جب اسے کسی اجنبی سے فروخت کر دے۔ یہی حکم ان کے علاوہ دوسرے علماء کے نزدیک بھی ہے (۴۸)۔

دوم: شیئرز کی بیع کا مطلب سرمائے اور نقود کے ایک حصہ کی بیع ہے، اس مفہوم کا تقاضا ہے کہ اس میں بیع صرف کا قاعدہ یعنی جنس واحد کے درمیان مثل بالمثل اور مجلس میں ہی قبضہ، اور اختلاف جنس کے وقت صرف مجلس میں قبضہ کو ملحوظ رکھا جائے، کیونکہ شیئر عام طور پر کمپنی کے اثاثے کو اس کے نقود سے برابر کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شیئرز میں نقود کا پایا جانا تبعاً اور غیر مقصود ہے، کیونکہ ان میں اصل واساس جامد اثاثے ہیں، اسی بنا پر ہمارا کہنا ہے کہ کمپنی کے کاروبار کے آغاز سے پہلے اور عمارتوں وغیرہ کی خریداری سے قبل شیئرز کی بیع اسی صورت میں درست ہوگی جب بیع صرف کے قواعد ملحوظ رکھے جائیں۔

شیئر سے مراد کمپنی کا یہ عام جزء ہوتا ہے قطع نظر اس سے کہ اس کی تفصیلات کیا ہیں، لہذا جب تک کمپنی کے اثاثے میں سے شیئرز کا کوئی مقابل موجود رہے گا اس وقت تک اس کے ساتھ نقد کا معاملہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ اثاثے کا ایک حصہ نقد ہے، اور فقہی اصول کا تقاضا ہے کہ تابع میں اس چیز کی ضرورت پڑ جاتی ہے جس کی غیر تابع میں نہیں پڑتی، اور یہ کہ ضمناً کسی چیز میں ایسی ضرورت پیش آ جاتی ہے جو قصداً اس میں پیش نہیں آتی۔ امام سیوطی لکھتے ہیں: "بیع کی فروع میں سے ہے..... کہ ہری کھیتی کی بیع کٹائی کی شرط کے ساتھ ہی درست ہے، تو اگر اس نے زمین کے ساتھ اس کو بھی فروخت کر دیا تو تبعاً جائز ہے..... (۴۹) بلکہ اس مسئلہ کی اصل تو حدیث شریف میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے غلام کو خریدنے کی اجازت دی ہے جس کے ساتھ مال ہو، خواہ وہ نقد ہی کیوں نہ ہو، لہذا مشتری کے شرط لگا دینے کی صورت میں اس غلام کا مال تبعاً مشتری کا ہو جائے گا قطع نظر اس کے کہ بیع صرف کے اصول وضوابط کیا ہیں، چنانچہ بخاری، مسلم اور ان کے علاوہ دوسرے ائمہ حدیث نے حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے: "ومن ابتاع عبداً وله مال فماله للذی باعه إلا أن یشترط المبتاع" (جس نے کوئی ایسا غلام خریدا جس کے لئے مال ہے، تو اس کا مال بائع کے لئے ہے الا یہ کہ مشتری اس کی شرط لگا دے)۔ (۵۰)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"اس کے مفہوم سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جس نے کسی ایسے غلام کو بیچا جس کے پاس مال ہو اور مشتری اس کی شرط لگا دے تو بیع صحیح ہے"۔ اس کے بعد انہوں نے اموال ربویہ کے سلسلہ میں علماء کے اختلاف کا تذکرہ کیا ہے کہ امام مالک کا خیال ہے کہ ایسا عقد درست ہے اگرچہ وہ مال جو اس غلام کے ساتھ ہے ربوی ہو، کیونکہ حدیث مطلق ہے، اور اس لئے بھی کہ عقد تو بالخصوص غلام پر واقع ہوا ہے اور جو مال اس کے ساتھ ہے اس کا عقد میں کوئی دخل نہیں ہے (۵۱) امام مالک فرماتے ہیں: "ہمارے یہاں اس پر اتفاق ہے کہ اگر مشتری نے غلام کے مال کی شرط لگا دی تو وہ اسی کا ہوگا، خواہ وہ مال نقد ہو، دین ہو یا سامان ہو، معلوم ہو یا مجہول ہو" (۵۲)۔

سوم: شیئر کا جز کمپنی میں دین کی نمائندگی کرتا ہے، لہذا ثمن موجل کے عوض اس کی بیع درست نہیں ہوگی، کیونکہ اس صورت میں دین کی بیع دین سے ہوگی، جو کہ ممنوع ہے، چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے بیع الکالی

بالکالی (یعنی دَین کی دَین سے بیع) سے منع فرمایا ہے (۵۳)۔

اس کے متعدد جواب دیئے جاسکتے ہیں:

ا۔ یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ نامی راوی ہیں جو ضعیف ہیں (۵۴)۔ لہذا یہ قابل استدلال نہیں ہے، نیز اس حدیث کی متعدد تشریحات کی گئی ہیں، جن میں بیشتر سے ہمارے موضوع کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲۔ اس بیع پر بیع الدَین بالدَین کا انطباق نہیں ہوتا ہے، کیونکہ کمپنی کے قرضہ جات کا یہ حصہ شیئرز میں تبعاً شامل ہے، ایسی صورت میں دوسرے ملاحظہ کے ذیل میں دیا گیا جواب اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ اس اشکال کا بھی جواب ہو جائے گا۔

۳۔ سابق حکم یعنی شیئر کے جز کا دَین ہونا یہ عام نہیں ہے، چونکہ جب کمپنی میں قرضے نہیں ہوتے تو اس وقت وہ نقد معاملہ کرتی ہے، اور اگر کمپنی کے دیون کا وجود تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ کمپنی کے اثاثے کے ایک قلیل تناسب کی نمائندگی کرتے ہیں، جبکہ فقہی قاعدہ کا تقاضا ہے کہ اعتبار اکثر کا کیا جائے (۵۵)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شیئرز حلال پر مبنی ہیں اور جن کا تعلق ایسی کمپنیوں سے ہے جو کسی حرام کاروبار کرنے سے احتراز کرتی ہیں، اور جن کاروبار میں کمپنی کے اصول منطبق ہوتے ہوں یعنی ذمہ داریوں اور نقصانات کے برداشت کرنے میں شرکت پائی جاتی ہو، اور یہ شیئرز دوسرے کے مقابلہ میں کسی مالی خصوصیت کے حامل نہ ہوں تو یہ ان وجوہ کی بنا پر جن کا ذکر ہم ماسبق میں کر آئے ہیں حلال ہیں، ان کا اجراء اور ان میں تصرف کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ صورت بھی ان جائز تصرفات کے حدود میں داخل ہے جن کی اجازت شارع نے مالک کو اپنی زیر ملکیت چیز کے سلسلے میں دے رکھی ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تعمیل میں: ''..... وأحل الله البيع .....'' (اور اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا) (سورہ بقرہ/۲۷۵) اور ان دوسرے دلائل کی بنا پر جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں۔

قسم دوم: ایسے شیئرز جن میں سابقہ شرائط کا تحقق نہ ہو:

اس سے مراد وہ شیئرز ہیں جن کا تعلق (پہلے نوع کی طرح) حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں سے نہ ہو، اور نہ ان کمپنیوں سے جو حلال پر مبنی ہوں قسم اول کی طرح، بلکہ ان سے مراد ان کمپنیوں کے شیئرز ہیں جو بعض اوقات بینکوں میں سود پر اپنے پیسے جمع کرتی ہیں، یا بینکوں سے سود پر قرضے لیتی ہیں، یا ان کے معاملات کا ایک مختصر تناسب عقود فاسدہ کے ذریعہ انجام پاتا ہے جیسے کہ مسلم ممالک کی بیشتر کمپنیاں یا غیر مسلم ممالک میں وہ کمپنیاں جن کا دائرۂ کار مباح ہوتا ہے جیسے زراعت، صنعت اور تجارت (یعنی نوع اول میں ذکر کئے گئے سابقہ محرمات کے علاوہ)۔

اس قسم کے شیئرز کا حکم بیان کرنے سے پہلے میں اس سلسلے میں شرعی اصولوں کی بالاجمال وضاحت کرنا چاہتا ہوں:

اول: مسلمانوں سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ حلال وطیب مال جس میں کوئی شبہ نہ ہو، فراہم کریں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''یا أیها الناس کلوا مما فی الأرض حلالا طیبا'' (سورہ بقرہ/۱۶۸)۔

ترجمہ: اے لوگوں زمین میں جو کچھ ہے ان میں سے حلال اور طیب رزق کھاؤ۔

اور ایک مقام پر ارشاد ہے: "فکلوا مما رزقکم الله حلالا طیبا واشکروا نعمة الله" (سورۃ النحل ۱۱۴/۱۶) (جو کچھ اللہ نے تم کو عطا کیا ہے ان میں سے حلال وطیب کو کھاؤ اور اللہ کی نعمت پر شکر ادا کرو)۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "الحلال بیّن والحرام بیّن وبینهما مشتبهات لا یعلمها کثیر من الناس، فمن اتقی الشبهات فقد استبرأ لدینه وعرضه..." (حلال صریح ہے اور حرام بھی صریح ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ امور ہیں جن کو بیشتر لوگ نہیں جانتے، تو جس نے شبہات سے احتراز کیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالیا) (۵۶)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: شبہات کے حکم میں اختلاف ہے، چنانچہ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد تحریم ہے، لیکن یہ بات قابل رد ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کراہت ہے، ایک قول توقف کا ہے۔ مزید فرماتے ہیں چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مباح ہے، اور اس قول کے قائل کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اسے ہر وجہ کے دونوں پہلوؤں کے مساوی ہونے پر محمول کرے، البتہ وہ اسے خلاف اولی کی قسم پر محمول کر سکتا ہے......ابن منیر نے اپنے شیخ قباری کے مناقب میں ان سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے:

مکروہ، بندے اور حرام کے درمیان ایک رکاوٹ ہے، تو جو مکروہ کا زیادہ ارتکاب کرنے لگے وہ حرام تک جا پہونچے گا.....یہ ایک اچھا مقصد ہے (۵۷)۔

دوم: شریعت اسلامی کی بنیاد رفع حرج، دفع مشقت اور امت کے لئے مصالح وسہولت فراہم کرنے پر ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وما جعل علیکم فی الدین من حرج" (سورہ حج ۷۸/۲۲) (اور اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی)، اور ارشاد باری ہے: "یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" (سورہ البقرہ ۱۸۵/۲) (اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے وہ تمہارے ساتھ تنگی نہیں چاہتا)، یہ اصول اتنا واضح ہے کہ دلیل کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ تو مقاصد شرع میں سے ایک ہے۔

اسی اصل کی بنا پر ضرورت کے وقت ممنوعات جائز قرار دی گئی ہیں، "فمن اضطرّ غیر باغ ولا عاد فلا إثم علیه" (پس جو کوئی مجبور کر دیا جائے، چاہنے والا نہ ہو، حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں)۔

اور جس طرح ضرورت قابل رفع ہے اسی طرح حاجت بھی ضرورت کے قائم مقام ہے، امام سیوطی، ابن نجیم اور دوسرے علماء فرماتے ہیں: "حاجت ضرورت کے درجہ میں ہے خواہ وہ عام ہو یا خاص"۔ اسی بنا پر اجارہ، جعالہ وغیرہ جائز قرار دیئے گئے ہیں (۵۸)۔

شیخ احمد الزرقاء فرماتے ہیں: حاجت سے مراد وہ حالت ہے جو حصول مقصود کے لئے تیسیر وتسہیل کی متقاضی ہو، اس اعتبار سے یہ ضرورت سے کم درجہ کی چیز ہے، اگرچہ حاجت کی وجہ سے ثابت شدہ حکم مستقل ہوگا اور ضرورت کی وجہ سے ثابت شدہ حکم وقتی ہوگا (۵۹)۔

اس قاعدہ کی فقہی مثال وہ ہے جسے فقہائے حنفیہ نے جائز قرار دیا ہے جیسے بیع الوفاء، باوجود یکہ اسکا مقتضی عدم جواز ہے، کیونکہ یا تو وہ ربا کے قبیل سے ہے، چونکہ یہ دین کے عوض عین سے انتفاع ہے، یا کسی معاملہ میں مشروط کوئی معاملہ ہے، گویا اس نے یہ کہا: میں نے اسے تم سے اس شرط کے ساتھ بیچا کہ تم جب میں تمہارے پاس قیمت لے آؤں اس کو مجھ سے بیچ دو، اور یہ دونوں ناجائز ہیں، لیکن جب بخارا میں وہاں کے باشندوں پر دیون کی کثرت کے باعث اس کی سخت ضرورت پیش آئی تو اسے اس تاویل کی بناپر جائز قرار دیا گیا کہ وہ رہن ہے جس کے منافع اور ثمرات سے فائدہ اٹھانا جائز ہے جیسے بکری کا دودھ، اور رہن اس کیفیت کے ساتھ جائز ہے (۶۰)۔

اور اسی طرح کا ایک اجتہاد وہ ہے جسے ابن عابدین نے ذکر کیا ہے کہ مشائخ بلخ اور امام نسفی نے غلہ کو منتقل کرنے کو اسی غلہ کے ایک حصہ کے بدلے اور کپڑے کی بنائی کو اسی کپڑے کے ایک حصہ کے بدلے میں جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ وہاں کے باشندوں میں یہ طریقہ عام تھا اور ضرورت کے پیش نظر ایسا کیا گیا، باوجود یکہ وہ خلاف قیاس ہے، اور متقدمین حنفیہ نے اس کے عدم جواز کی صراحت کی ہے (۶۱)۔ ابن عابدین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب بعض متقدمین حنفیہ سے سوال کیا گیا کہ اس فیصد (Percentage) کا کیا حکم ہے جسے ایجنٹ لیا کرتے ہیں مثلاً ۱۰%، تو انہوں نے جواب دیا: یہ ان پر حرام ہے، صرف ان کے لئے اجر مثل واجب ہے، جبکہ دوسرے بعض لوگوں نے اس کی اجازت دی ہے جیسے محمد بن سلمہ، چنانچہ جب ان سے ایجنٹ کی اجرت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: میرا خیال ہے اس میں کوئی حرج نہیں، کثرت تعامل کی بناپر۔ اگرچہ اصلاً فاسد ہے۔ اور اس طرح کے بہت سے امور ناجائز ہیں، لیکن فقہاء نے ان کو لوگوں کی ضرورت کی بناپر جائز قرار دیا ہے....." (۶۲)۔

اس فقہی اصول کے عملی دلائل حدیث شریف میں موجود ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بیع عرایا کو جائز قرار دیا (۶۳) اس کے باوجود کہ اس کی اصل ربا میں شامل ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے تازہ کھجوروں کے عوض خشک کھجوروں کی بیع کو جائز نہیں قرار دیا ہے (۶۴) کمی اور حقیقی مماثلت کے نہ پائے جانے کی بناپر، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر اس کو جائز قرار دیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "اور آپ ﷺ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر بیع عرایا کو جائز قرار دیا ہے باوجود یکہ یہ ربا میں داخل ہے"۔ مزید فرماتے ہیں: "شریعت کی تمام تر بنیاد اس بات پر ہے کہ مفسدہ جو تحریم کا متقاضی ہے اگر کوئی ترجیحی حاجت اس کے مقابل آجائے تو اس شئی حرام کو مباح قرار دیا جائے گا"۔ اور پھر لکھتے ہیں: کسی ایک نوع کے غرر کی وجہ سے شارع ان چیزوں کو حرام نہیں کرتا جن کی لوگوں کو بیع میں ضرورت پیش آتی ہے، بلکہ اس سلسلے میں جو بھی ضرورت پیش آتی ہے شارع اسے جائز قرار دیتا ہے (۶۵)۔

سوم: عرف کے رول اور فقہ اسلامی میں اس کے اثر کا جب تک کہ وہ نصوص شریعت سے متصادم نہ ہو، انکار نہیں کیا جاسکتا، ابن نجیم کہتے ہیں: "جان لو کہ فقہ میں بہت سے مسائل میں عرف وعادت کے اعتبار کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ فقہاء نے اس کو ایک قاعدہ بنادیا ہے......"۔ مزید لکھتے ہیں: "خلاصہ کلام یہ کہ عام مذہب تو

عرف خاص کے عدم اعتبار کا ہے لیکن بہت سے مشائخ نے اس کے معتبر ہونے کا فتویٰ دیا ہے، اس کو معتبر مانتے ہوئے میرا کہنا یہ ہے کہ یہ فتویٰ دیا جانا چاہئے کہ جو قاہرہ کے بعض بازاروں میں ہوتا ہے یعنی دوکانوں کی پگڑی لینا، وہ لازم ہے، اور دوکان کی پگڑی اس کا حق ہوگا، لہٰذا دوکان کے مالک کو اسے وہاں سے نکالنے کا اختیار نہ ہوگا اور نہ اسے دوسرے کو اجارۃً دینا درست ہوگا اگر چہ وہ دوکانیں وقف ہی کیوں نہ ہو، غوریہ میں جملون کی دوکانوں میں ایسا ہوا ہے کہ شاہ غوری نے جب اس کی تعمیر کی تو اسے پگڑی پر تاجروں کو رہنے کے لئے دیا اور ہر دوکان پر ایک رقم متعین کر دی جو ان سے لیا جاتا اور اسے وقف نامہ میں لکھا جاتا، اسی طرح میں بھی عرف خاص کے معتبر ہونے کا قائل ہوں''۔

ابن نجیم مزید یہ بھی لکھتے ہیں کہ: ''متعدد مسائل میں علماء نے قاہرہ کے عرف کا اعتبار کیا ہے، ان میں سے ایک مسئلہ وہ ہے جو فتح القدیر میں ہے کہ صرف قاہرہ میں نہ کہ دوسرے مقامات پر، فروخت کئے گئے گھر میں سلّم (سیڑھی) بھی داخل سمجھا جائے گا، کیونکہ اہل قاہرہ کے مکانات کئی منزلہ ہوتے ہیں جن سے انتفاع سیڑھی (سلّم) کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے'' (۶۶)۔

علمائے محققین نے تو اسی عالم کے لئے فتویٰ دینے کو جائز کہا ہے جو لوگوں کے احوال اور ان کے عرف سے واقف ہو، اور یہ کہ ہر ملک کا عرف بھی پیش نظر رہے، اس سلسلے میں ابن القیم لکھتے ہیں: ''.....تو جب کبھی کوئی نیا عرف وجود میں آئے اس کا اعتبار کرو، اور جو عرف ساقط ہو جائے اسے ترک کر دو، پوری عمر منقولات (کتابوں میں نقل کی گئی باتوں) پر جمے نہ رہو، بلکہ اگر تمہارے پاس کسی اور ملک سے کوئی آجائے اور تم سے فتویٰ چاہے تو تم اسے اپنے ملک کے عرف کے مطابق مت چلاؤ بلکہ اس سے اس کے ملک کا عرف معلوم کر کے اس کے مطابق اس کی رہنمائی کرو.....'' (۶۷)۔

چہارم: آج ہم مسلمان ایسے زمانہ میں نہیں جی رہے ہیں جس میں اسلامی نظام پورے طور پر نافذ العمل ہو، اور اس پر اسلام کے سیاسی، اقتصادی، اجتماعی اور تربیتی نظام کا غلبہ ہو، بلکہ ہم ایسے دور میں جی رہے ہیں جس میں سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا دور دورہ ہے، ایسی صورت میں یہ ممکن نہیں کہ ہم جو چاہیں یک بیک حاصل کر لیں، یعنی یہ کہ رخصت سے صرف نظر کر کے عزیمت کی بنیاد پر، مختلف فیہ کو چھوڑ کر متفق علیہ مسائل کے مطابق، اور شبہات کے وجود سے قطع نظر خالص، طیب اور حلال کو بنیاد بنا کر تمام معاملات مسلمانوں کے درمیان جاری و ساری ہو جائیں۔ لہٰذا ہمارا دور اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ نافع حل تلاش کئے جائیں اگر چہ وہ کسی ایک ہی فقیہ کی رائے کے مطابق ہوں جب تک اس فقیہ کی اس رائے سے مسلمانوں کے مصالح پورے ہوتے رہیں، بلکہ اب یہ شرط بھی نہ ہونی چاہئے کہ ہمیں کوئی سابق رائے ملے، ہمارے لئے ضروری صرف یہ ہے کہ ہم شریعت کے ان عام اصولوں اور مبادی کے دائرے میں غور وفکر کریں جن سے امت کا بھلا ہو اور جو کسی ثابت شدہ نص شرعی سے متصادم نہ ہوں۔

ہماری ذمہ داری ہے کہ اقتصادی نظام کو بروئے کار لانے کی کوشش کریں، ہمارا فرض ہے کہ مسلمانوں کے مال کو بچانے اور اغیار کے قبضہ کے بغیر مسلمانوں کی معاشیات کو ان کے ہاتھوں میں باقی رکھنے کے لئے سنجیدہ کوشش

کریں۔ ہمیں شیخ الاسلام عزبن عبدالسلام کے اس وسیع افق کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

"اگر روئے زمین پر حرام عام ہو جائے، اس طور پر کہ اس میں کوئی حلال چیز نہ پائی جائے تو جائز ہے کہ اس چیز کو حلال قرار دیا جائے جس کی حاجت متقاضی ہو، اس کو حلال قرار دینا ضرورت پر موقوف نہ ہوگا، اس لئے کہ اگر یہ ضرورت پر موقوف رہی تو اس کا نتیجہ بندوں کی کمزوری اور اہل کفر وعناد کا ممالک اسلامیہ پر غلبہ کی شکل میں ظاہر ہوگا، اور لوگوں کا تعلق ان پیشوں، صنعتوں، ہنر اور ذرائع سے منقطع ہو جائے گا جو خلق کے مصالح کی تکمیل کرتے ہیں (۶۸)۔

اس قسم کے شیئرز کا حکم:

ان اصولوں کو ذکر کرنے کے بعد ہم اس قسم کے شیئرز کے حکم، معاصرین کے اختلاف رائے اور ان کے ترجیحی دلائل کو بیان کرتے ہیں۔ معاصرین نے اس سلسلے میں دو رائیں اختیار کی ہیں:

پہلی رائے: یہ ہے کہ اس قسم کے شیئرز میں تصرف حرام ہے جب تک کہ حلال خالص پر ان کی بنیاد نہ ہو، بعض نے ایسے شیئرز کے لئے ایک شرعی نگراں بورڈ کے قیام کو ترجیح دی ہے (۶۹)۔

دوسری رائے: (ذکر کردہ) شیئرز اور ان میں تصرف کی اباحت کی ہے۔

یہ ایک پہلو ہے، دوسری طرف بہت سارے حضرات اس تفصیل میں گئے بغیر جس کا میں نے ذکر کیا ہے مسلم ممالک میں مطلقاً شیئرز کی اباحت کے قائل ہیں، ان میں مندرجہ ذیل شیوخ ہیں: علی الخفیف، ابوزہرہ، عبد الوہاب خلاف، عبدالرحمن حسن، عبدالعزیز الخیاط، وہبہ الزحیلی، قاضی عبداللہ سلیمان بن منیع وغیرہ، ان تفصیلات و فروعات کی بنیاد پر جن پر ان میں سے بعض حضرات کے نزدیک نظر ثانی کی ضرورت ہے (۷۰)۔

پہلی رائے کے حاملین نے اپنی رائے کی بنیاد اس بات پر رکھی ہے کہ ان شیئرز میں جب تک حرام کا وجود ہو یا ان کی کمپنیاں بعض حرام کاروبار کرتی ہوں مثلاً اپنے کچھ سرمائے سودی بینکوں میں ڈپوزٹ کرتی ہوں تو ان شیئرز کا خریدنا حرام ہوگا، اس کی بناء ان نصوص پر ہے جو حرام اور شبہات سے احتراز کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں، اسی طرح یہ اصول بھی اس کی بنیاد ہے کہ: جب حلال وحرام کا اجتماع ہو جائے تو حرام غالب ہوگا۔

جو جواز کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ شیئرز فی نفسہ مخالف شریعت نہیں ہیں، جہاں تک ان بعض شوائب، شبہات اور محرمات کا تعلق ہے جن کی ان میں آمیزش ہوتی ہے تو وہ حلال کی بہ نسبت کم ہیں۔ لہذا جب تک رأس المال کا بیشتر حصہ اور بیشتر تصرفات حلال رہیں گے قلیل نادر کو کثیر شائع کے حکم میں مانا جائے گا، اور خصوصاً محرمات کے اس تناسب کا ازالہ اور اس کے بعد اس سے چھٹکارا اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب مفصل بجٹ کے ذریعہ یا کمپنی کے متعلق دریافت کے ذریعہ ان سے واقفیت حاصل کی جائے (۷۱)۔

اور شریعت کے عموم اور اس کے یسر اور رفع حرج سے متعلق اصولوں پر مبنی فقہاء کے نصوص اور فقہی قواعد کی روشنی میں مندرجہ ذیل طریقے سے اس کی اصل تلاش کی جاسکتی ہے۔

اول: بیشتر لوگوں کے نزدیک ایک حرام جز کے اختلاط سے مجموعی مال حرام نہیں ہوتا، چنانچہ انہوں نے ایسے حلال

مال میں جس میں حرام کی ایک قلیل مقدار ملی ہوئی ہو شرعی تصرفات یعنی ان کو زیر ملکیت رکھنے، کھانے، ان کی خرید و فروخت کرنے اور اس طرح کے دوسرے امور کو جائز قرار دیا ہے، البتہ فقہاء نے حرام لذاتہ اور حرام لغیرہ میں فرق کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: حرام کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ جو اپنی ذات میں حرام ہو، جیسے مردار، خون اور خنزیر کا گوشت، چنانچہ اگر یہ پانی، سیال چیز اور طعام جیسی چیزوں سے مخلوط ہو جائے اور اس کا مزہ یا رنگ یا اس کی بو بدل جائے تو وہ چیز حرام ہو جائے گی، اور اگر اس نے اسے تبدیل نہ کیا ہو تو ایسی صورت میں اختلاف ہے.....

۲۔ جو کسب کے نتیجہ میں حرام ہو، جیسے غاصبانہ طور پر یا عقد فاسد کے ذریعہ حاصل کی گئی چیز، تو یہ چیز اگر حلال سے مخلوط ہو جائے تو اسے حرام نہیں کرے گی، لہذا اگر ایک شخص نے چند دراہم، یا دینار، یا آٹا، یا گیہوں یا روٹی غصب کر لیا اور اسے اپنے مال سے مخلوط کر دیا تو پورا مال حرام نہیں ہوگا، نہ یہ سامان اور نہ وہ سامان، بلکہ اگر وہ دونوں مماثل ہوں تو اسے تقسیم کر دیں، یہ اپنے حصہ کے بقدر لے لے گا اور وہ اپنے حصہ کے بقدر لے لے گا........

یہ ایک مفید بنیاد ہے، کیونکہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ حرام دراہم جب حلال دراہم سے مخلوط ہو جائیں تو تمام مال حرام ہو جاتا ہے، یہ ایک غلط خیال ہے، حالانکہ ان لوگوں نے حلال دراہم کم ہونے کی صورت میں ورع سے کام لیا ہے، اور رہ گئی بات کثرت کی صورت میں تو میں نہیں جانتا کہ اس میں کوئی اختلاف ہے (۷۲)۔

اس تفصیل کی روشنی میں ہمارا مذکورہ مسئلہ دوسری قسم کے ذیل میں آتا ہے، کیونکہ ہماری گفتگو ان شیئرز کے بارے میں ہے جن میں بعض حرام تصرفات کا شائبہ ہو، مثلاً یہ کہ شیئرز کی بعض رقوم سودی بینکوں میں ڈپوزٹ کرنا۔ اس صورت کی مزید وضاحت کے لئے ہم اس مسئلہ میں فقہاء کی تصریحات کا ذکر کرتے ہیں:

ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں: ''اگر ہدیہ کرنے والے کا بیشتر مال حلال ہو تو اس کا ہدیہ قبول کرنے اور اس کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ حرام ہے، اور اگر اس کے مال کا بیشتر حصہ حرام ہو تو وہ اسے قبول نہ کرے گا اور نہ اسے کھائے گا الا یہ کہ وہ کہے کہ: یہ مال حلال ہے جو اسے وراثتاً حاصل ہوا ہے یا اس نے بطور قرض لیا ہے''۔ ابن نجیم پھر ذکر کرتے ہیں کہ اگر بازار والوں کی بیشتر بیع فساد اور حرام سے خالی نہ رہنے لگے تو مسلمان اس کے خریدنے سے گریز کرے گا، لیکن اگر اس کے باوجود وہ اسے خرید لیتا ہے تو وہ اس کے لئے پاک ہے۔

نیز یہ بھی فرماتے ہیں کہ: ''اگر شہر میں حلال و حرام مخلوط ہو جائیں تو اس وقت تک خرید و فروخت جائز ہے جب تک اس بات کی دلیل نہ مل جائے کہ یہ حرام ہے، اصل میں بھی اسی طرح ہے''۔

اس کے بعد دوسری صورتیں ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''انہیں میں سے وہ بیع ہے جب کسی ایک معاملہ میں حرام و حلال جمع ہو جائے، چنانچہ اگر شئی حرام مال نہ ہو جیسے ذبح شدہ اور مردار جانور کا یکجا ہو جانا، تو اس صورت میں حرام کے بطلان کی قوت کی بنا پر حلال میں بھی بطلان سرایت کر جائے گا، اور اگر حرام ضعیف ہو مثلاً وہ مجموعی حیثیت سے مال ہو جیسے مدبر اور عام غلام کا اجتماع.... تو ایسی صورت میں (قنّ) کے ضعف کی بنا پر اس میں فساد

منتقل نہیں ہوگا....."(۷۳)۔

کاسانی فرماتے ہیں: "ہر وہ شئی جسے حرام نے فاسد کردیا ہو، اور اس میں حلال غالب ہو تو اس کی بیع میں کوئی قباحت نہیں ہے"(۷۴)۔

فقیہ ابن رشد نے اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے، ہم ان میں سے کچھ کا ذکر ذیل میں کرتے ہیں: وہ تحریر فرماتے ہیں: "جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے: یعنی اس کے مال میں غالب حصہ حلال ہو تو اپنی ذات کے سلسلے میں اس پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرلے، اور جو کچھ اس میں حرام مخلوط ہو گیا ہے اسے لوٹا کر توبہ کرلے..... یا اگر ان کو نہ جانتا ہو تو ان کی طرف سے صدقہ کردے.....اور اگر سود ہو تو اپنے دیئے ہوئے مال سے جتنا زیادہ اس نے لیا ہوا سے صدقہ کردے......"۔

پھر لکھتے ہیں: "اور اگر اس پورے معاملہ میں اپنے بائع کو جانتا ہے تو اسے وہ زائد حصہ لوٹا دے گا جس میں اس نے اس کے ساتھ معاملہ کیا ہے، جب یہ کرلے گا تو باتفاق علماء اس کی حرمت رفع ہو جائے گی، اس کی عدالت درست ہوگی، وہ گناہ سے بری ہو جائے گا، اس کے مال کا باقی حصہ اس کے لئے حلال ہوگا، اس میں اس کا بیع وشراء کرنا، اس کا ہدیہ قبول کرنا اور اس کا کھانا کھانا جائز ہوگا۔ اور اگر ایسا نہ کرے تو اس سے معاملہ کرنے، اس کا ہدیہ قبول کرنے اور اس کا کھانا کھانے کے جواز میں اختلاف ہے، ابن القاسم نے اس کے معاملہ کو جائز قرار دیا ہے، ابن وہب نے اس کا انکار کیا ہے اور اصبغ نے اسے حرام قرار دیا ہے....."۔

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے: یعنی یہ کہ اس کے مال میں غالب حصہ حرام ہو تو اس کا حکم اس معاملہ میں جو اس کے لئے اپنی ذات کے سلسلے میں واجب ہے ماقبل ہی جیسا ہے۔

اور جہاں تک اس سے معاملہ کرنے اور اس کا ہدیہ قبول کرنے کا تعلق ہے تو ہمارے علماء نے اس سے روکا ہے، کہا گیا ہے کہ ایسا کراہتاً ہے۔ یہ قول ابن القاسم کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ایسا تحریماً ہے، الا یہ کہ وہ حلال سامان خریدے تو ایسی صورت میں اس سے خریدنے اور اس سے ہدیہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے......(۷۵)۔

عز بن عبد السلام کہتے ہیں: "اگر حلال غالب ہو اس طور پر کہ ایک حرام درہم ایک ہزار حلال درہم سے مخلوط ہو جائے تو معاملہ درست ہے....."(۷۶)۔ زرکشی نے بھی اسی طرح کی بات کہی ہے(۷۷)۔ لیکن سیوطی نے ذکر کیا ہے کہ امام غزالی کو چھوڑ کر فقہاء شافعیہ کا اصح قول یہ ہے کہ انہوں نے اس شخص کے معاملہ کو حرام نہیں قرار دیا ہے جس کا بیشتر مال حرام ہو، لیکن یہ اس صورت میں جب کہ وہ متعین نہ ہو، فقہاء شافعیہ کے نزدیک ایسا مال صرف مکروہ ہے، یہی حکم سلطان کے عطایا کو قبول کرنے کا ہوگا جب اس کے مملوکہ مال میں حرام غالب ہو، جیسا کہ مہذب میں ہے: اس سلسلے میں مشہور قول کراہت کا ہے تحریم کا نہیں برخلاف غزالی کے.....انہوں نے "الاحیاء" میں فرمایا ہے: "اگر شہر میں کوئی ایسی حرام چیز جس کا احاطہ نہ کیا جا سکے، خلط ملط ہو جائے تو اس میں سے خریدنا حرام نہیں بلکہ اس میں سے لینا

درست ہے، الا یہ کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جو اس کے حرام ہونے کو بتائے''۔ مزید کہتے ہیں: اسی قاعدہ میں ''تفریق صفقہ'' بھی داخل ہے، وہ یہ کہ دو عقدوں یعنی حرام اور حلال کا اجتماع ہو جائے، یہ قاعدہ چند ابواب میں جاری ہوتا ہے، عموماً اس سلسلے میں دو قول یا صورتیں ہیں، ان میں اصح قول عقد حلال میں صحت کا ہے، دوسرا قول دونوں میں بطلان کا ہے.... بیع میں اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص سرکہ اور شراب فروخت کرے.....(۷۸) ابن المنذر کا کہنا ہے کہ: جس کے مال میں حرام کا اختلاط ہو اس کے بیع وشراء، اس کا ہدیہ اور بخشش قبول کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حسن، مکحول، زہری اور شافعی کے نزدیک اس میں رخصت ہے، شافعی فرماتے ہیں: ''میں اسے پسند نہیں کرتا، اور اسے ایک جماعت نے مکروہ قرار دیا ہے.....'' (۷۹)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس مسئلہ کی تفصیل اس وقت بتائی جب ان سے ایک سوال کیا گیا جسے موجودہ دور میں بھی ہم سنتے رہتے ہیں، سوال یہ ہے: ایک شخص نے فقہاء سلف میں سے کسی سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں: حلال کھانا دشوار ہے، اس دور میں اس کا وجود ناممکن ہے، ان سے کہا گیا کہ ایسا کیوں ہے؟ تو انہوں نے بیان کیا کہ منصورہ کی جنگ میں غنائم کی تقسیم نہیں ہوئی، اور اموال معاملات کے ساتھ خلط ملط ہو گئے، تو ان سے کہا گیا کہ: ایک شخص حلال کاموں میں سے کسی کام کو بطور اجیر کر سکتا ہے اور اپنی حلال اجرت لے سکتا ہے، تو انہوں نے بتایا کہ دراہم بذات خود حرام ہے۔

ابن تیمیہؒ نے اس کا جواب یہ دیا کہ: یہ قائل خاطی ہے اور غلط کہتا ہے.....اس قسم کی باتیں بعض اہل بدعت، فقہ فاسد کے بعض حاملین اور بعض بے جا شک کرنے والے کہا کرتے تھے، ائمہ کرام نے اس بات کو ناپسند کیا یہاں تک کہ امام احمد اپنے معروف ورع کے باوجود اس قسم کی باتوں کو ناپسند کرتے تھے........ انہوں نے فرمایا: اس خبیث کو دیکھو، مسلمانوں کے اموال کو حرام قرار دے رہا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے اس فاسد خیال کے سنگین اثرات کا ذکر کیا ہے، اس کا ایک برا اثر یہ ہوا کہ بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ جب تک روئے زمین پر حرام کا غلبہ رہے گا اس وقت تک حلال کی تحقیق وتلاش کیوں کی جائے؟ لہذا انہوں نے حلال اس کو سمجھا جو ان کے قبضہ میں تھا اور حرام اس کو جس سے وہ محروم تھے، اور بعض نے ورع کو حجت بنا کر جھوٹی حکایتیں گھڑ لیں۔

اس کے بعد انہوں نے اس بات کا رد کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے اموال میں غالب حلال ہے، پھر چند اصولوں کا ذکر کیا ہے:

''ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کو کوئی متعین فقیہ حرام سمجھے وہ حرام نہیں ہے، حرام تو وہ ہے جو کتاب یا سنت، یا اجماع یا اس بات کو راجح کرنے والے قیاس سے ثابت ہو، اور جس چیز میں علماءؒ کا اختلاف ہو اس کو ان اصولوں کی طرف لوٹایا جائے گا''۔ پھر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو کسی متعین مسلک پر آمادہ کرنا غلط ہے۔ پھر ایک دوسری اصل کا ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ کہ حرام کا حلال سے مخلوط ہو جانا تمام مال کو حرام نہیں کرتا، جیسا کہ ما سبق میں گزرا۔

اسی طرح انہوں نے ایک اور ضابطہ بتایا ہے، وہ یہ کہ شریعت میں مجہول معدوم اور معجوز عنہ کی طرح ہے، اسی وجہ سے اگر لقطہ کا مالک معلوم نہ ہو تو اس کو اٹھانے والے کے لئے اس کے اشتہار کے بعد حلال ہے، اسی بنا پر اگر اس مال کا حال معلوم نہ ہو جو اس کے ہاتھ میں ہے تو معاملہ کی بنیاد اصل پر ہوگی یعنی اباحت پر (۸۰)۔

جن لوگوں کے مال کا اکثر حصہ حرام ہے جیسے مکاسین اور سود خور، ان کے ساتھ معاملہ (لین دین) کرنے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

اگر حلال اغلب ہو تو معاملہ کی تحریم کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اور اگر حرام اغلب ہو تو ایک قول یہ ہے کہ معاملہ حلال ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ معاملہ حرام ہے۔ جہاں تک سود سے معاملہ کا تعلق ہے تو اس کے مال پر غالب حلال ہے، الا یہ کہ کسی اور وجہ سے کراہت کا علم ہو جائے، مثلاً اگر ایک ہزار کو ایک ہزار اور دو سو کے عوض فروخت کرے تو صرف زیادتی حرام ہوئی، اور اگر اس کے مال میں حلال و حرام دونوں ہوں اور مخلوط ہوں تو حلال حرام نہ ہوگا بلکہ اس کو حق ہوگا کہ بقدر حلال لے لے، مثلاً اگر مال دو شریکوں کا ہو اور ان میں سے ایک مال دوسرے کے مال سے مخلوط ہو جائے تو اس مال کو شریکین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا، اسی طرح اگر کسی کے مال میں حلال و حرام کا اختلاط ہو جائے تو حرام کی مقدار نکال لی جائے گی اور باقی اس کے لئے حلال ہوگا (۸۱)۔

ایک سوال اس شخص کے بارے میں کیا گیا جس کا حلال مال، حرام سے مخلوط ہو جائے، تو انہوں نے جواب دیا: میزان کے ذریعہ حرام کی مقدار نکال کر اس شخص کو دے دی جائے گی جو اس کا مالک ہوگا اور حلال کی مقدار اس کے لئے ہوگی، اور اگر وہ اس کے مالک کو نہ جانتا ہو اور جاننا مشکل ہو تو وہ اسے اس کی طرف سے صدقہ کر دے گا (۸۲)۔

اسی سے ملتی جلتی بات کی وضاحت کرتے ہوئے ابن القیم فرماتے ہیں: تحریم نفس درہم اور اس کے جوہر سے متعلق نہیں ہے، یعنی حرام درہم جو اس کے مال سے مخلوط ہو گیا ہے، بلکہ تحریم اس میں کسب کے پہلو سے متعلق ہے، جب اس کی نظیر ہر اعتبار سے نکل گئی تو اس کے ماسوا کی تحریم کا کوئی مطلب نہیں رہا...... اس نوع کے سلسلہ میں صحیح قول یہی ہے، اور خلق کے مصالح کی تکمیل بھی اسی سے ہوتی ہے (۸۳)۔

اس اصول کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے علماء نے اس شخص کے ساتھ معاملہ کو جائز قرار دیا ہے جس کے مال میں حرام مخلوط ہو لیکن اس کا غالب حصہ حلال ہو، لہذا اس قسم کے شیئرز میں کاروبار کی اباحت کی بات کہی جا سکتی ہے، لیکن اس کا مالک اس میں حرام کے بقدر کو عوامی فلاح و بہبود کے مصارف میں خرچ کر دے گا، اس کے ساتھ ساتھ ان ضوابط کی بھی رعایت ملحوظ رکھے گا جن کا ذکر ہم اخیر میں کریں گے (۸۴)۔

دوم: قاعدہ: جو چیز مستقل جائز نہیں ہوتی وہ تابع ہو کر جائز ہو جاتی ہے، ہم یہ قاعدہ صحیح اور متفق علیہ حدیث سے ماخوذ دلیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں (۸۵)۔

اس اصول کی روشنی میں شیئرز کی اس قسم میں اگر چہ کچھ تناسب حرام کا بھی ہے لیکن وہ تبعاً ہیں تملک اور تصرف کے مقصد سے وہ اصلاً نہیں آئے ہیں، لہذا کمپنی کے اثاثے مباح رہیں گے جبکہ وہ جائز کاروبار کے لئے قائم

کی گئی ہو، یہ الگ بات ہے کہ اسے کبھی کبھی افراط زر وغیرہ کی وجہ سے اپنے کچھ سرمائے سودی بینکوں میں رکھنے پڑتے ہیں، یا ان سے قرضے لینے پڑتے ہیں، تو یہ عمل تو بغیر کسی شک وشبہ کے حرام ہے اور اس کا کرنے والا (مجلس انتظامیہ) گنہگار ہوگا، لیکن اس کی وجہ سے بقیہ اموال اور دیگر جائز تصرفات حرام نہیں ہو جائیں گے، یہ بھی ایک تبعی عمل ہے، یہ وہ اصل غالب نہیں ہے، جس کے لئے کمپنی کا قیام عمل میں آیا ہے۔

سوم: ایک اصول: ''للأکثر حکم الکل'' ہے۔ حرام سے مخلوط مال کے حکم کے سلسلہ میں گزشتہ صفحات میں فقہاء کی تصریحات کا ذکر ہم کر چکے ہیں، جس میں یہ بات آ چکی ہے کہ جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اعتبار اغلب کا ہوگا (۸۶)۔

فقہاء نے طہارت، عبادات، معاملات، لباس جیسے ریشم، شکار، طعام، قسم اور دیگر ابواب میں اس قاعدہ سے متعلق بہت ساری تطبیقات کا ذکر کیا ہے (۸۷)۔

ایک اور قاعدہ: ''الحاجة العامة تنزل منزلة الضرورة'' ہے، (عام حاجت ضرورت کے قائم مقام ہے)۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے کہ ضرورت پڑنے پر اس شخص سے خریدنے میں کوئی کراہت نہیں جس کے مال میں شبہ ہو (۸۸)۔

اس اصول کی تطبیق ہمارے اس موضوع پر اس طرح ہوتی ہے کہ مسلم دنیا میں لوگوں کو شیئرز کمپنیوں کی شدید ضرورت ہے، کیونکہ افراد اپنی جمع شدہ رقوم کی سرمایہ کاری سے بے نیاز نہیں رہ سکتے، اسی طرح حکومتوں کو بھی عوام کے سرمایوں کو طویل مدتی سرمایہ کاری میں لگانے کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ اس کا فائدہ سب لوگوں کو حاصل ہو سکے، اور اگر مسلمان ان کمپنیوں کے شیئرز خریدنے سے گریز کریں گے تو دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت کا پیدا ہونا لازمی ہے:

ایک یہ کہ یہ اسکیمیں جو عالم اسلامی کی حیویت کا ذریعہ ہیں تعطل کا شکار ہو جائیں گی۔ دوم یہ کہ ان کمپنیوں اور ان کے انتظام پر غیر مسلموں یا کم از کم فساق وفجار کا غلبہ ہو جائے گا۔

لیکن اگر مخلص مسلمان ان شیئرز کو خریدنے پر آمادہ ہو جائیں تو وہ مستقبل میں ان کمپنیوں کے سودی بینکوں کے ساتھ معاملات کو روکنے پر قادر ہو جائیں گے اور اسلام کے مفاد کے لئے کمپنی کے رخ کو تبدیل کر سکیں گے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کمپنی وغیرہ کے وہ ذمہ دار جو تبدیلی پر قادر ہیں گناہ سے بری ہیں، بلکہ وہ بھی گنہگار ہیں، لیکن عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان قواعد کے مطابق جن کا ہم ذکر کریں گے، ان شیئرز کو خریدیں، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شیئر ہولڈر کمپنی کو اپنے کچھ سرمایہ کو ڈپوزٹ کرنے سے روک سکتا ہو تو کمپنی کو روکنا اس پر واجب ہے۔

اس نوع کے شیئرز کے اجراء سے روکنے والی پہلی رائے کا محاکمہ:

اول: حلال مال میں حرام کے معمولی مقدار کے پائے جانے سے مال حرام نہیں ہوگا، بلکہ جیسا کہ تفصیل گزر چکی، صرف حرام کو دور کرنا واجب ہوگا۔

دوم: بعض حضرات نے جو یہ شرط لگائی ہے کہ شیئرز کے جواز یا کمپنیوں کے ساتھ کاروبار کے حلال ہونے کے

لئے شرعی نگرانی کا ہونا ضروری ہے، کتاب یا سنت یا اجماع یا قیاس صحیح سے ہمیں اس شرط کی کوئی دلیل نہیں ملتی، کیونکہ مسلمان اپنے دین اور حلت وحرمت کے سلسلے میں امانت دار ہیں اوران کے احوال پوشیدہ ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''کوئی مسلمان اگر ایسے معاملات کرتا ہے جن کے جواز کا وہ اعتقاد رکھتا ہو جیسے حیلے...... جس کے جواز کا فتوی بعض دیتے ہیں.... تو دوسرے مسلمان کے لئے جائز ہے کہ اس کے ساتھ اس مال کے سلسلہ میں معاملہ کرلے''، پھر فرماتے ہیں: ''جہاں تک اس مسلمان کا تعلق ہے جس کا حال پوشیدہ ہے تو حقیقتاً اس کے معاملہ میں کوئی شبہ نہیں، اور جو تقوی کی وجہ سے اس سے معاملہ کرنا ترک کردے تو اس نے دین میں ایسی بدعت ایجاد کردی جس کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی ہے''(۸۹)۔

بلکہ ان امور میں جو حرام نہیں ہیں کفار کے ساتھ کاروبار بالاتفاق جائز ہے، ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''.....ایسی صورت میں وہ تمام مال جو مسلمان، یہود اور نصاری کے ہاتھ میں ہیں جن کے بارے میں کسی علامت اور دلیل سے یہ نہیں معلوم کہ وہ غصب کردہ یا مقبوضہ ہیں، ان کے ساتھ قابض کا سا معاملہ کرنا درست نہیں ہے، لہذا ان اموال میں بغیر کسی شک وشبہ کے ان کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے، اس سلسلہ میں ائمہ کے درمیان مجھے کسی اختلاف کا علم نہیں ہے''(۹۰)۔

ہاں! بے شک حلال وحرام کی واقفیت ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے جو مارکیٹ میں گھسنا چاہتا ہے، تاکہ وہ اپنے دین کی حفاظت کرسکے، اور حلال وحرام کا علم یا تو خود سے حاصل کرے یا اہل علم وبصیرت سے پوچھ کر کے معلوم کرلے۔ لیکن ان کے ساتھ یا ان کی کمپنیوں کے ساتھ معاملہ کرنے کے جواز کا حکم شرعی نگرانی کی شرط کے ساتھ نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ شرط لگانا تشدد اور شریعت کے وسیع دائرے کو محدود کرنا ہے۔

یہ قول درست ہے کہ کمپنی کے لئے شرعی نگرانی کے ہونے سے اس کے ساتھ کاروبار کرنے والے شرکاء کو تحفظ حاصل ہوگا، لیکن اس کی موجودگی سے کاروبار کے جواز کو مشروط کرنے کی بات قابل غور اور محل نظر ہے۔

ترجیحی رائے اور اس کے ضوابط:

میرے نزدیک جو چیز راجح ہے، اور اللہ ہی کو بہتر علم ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں کی زیر ملکیت کمپنیوں کے تعلق سے اس قسم کے شیئرز کی پوزیشن مندرجہ ذیل ہے:

اول: مجلس انتظامیہ اور منتظم کے لئے کسی قسم کا حرام کاروبار کرنا درست نہیں، لہذا ان کے لئے سود پر نہ قرض دینا جائز ہے اور نہ لینا، اگر وہ ایسا کریں تو وہ اس جنگ میں گھس رہے ہیں جس کا اعلان اللہ تعالی نے ان کے خلاف کیا ہے، "فأذنوا بحرب من الله ورسوله"۔ خصوصاً ان حالات میں جب کہ اللہ نے مسلمانوں کے لئے بیشتر مقامات پر اسلامی بینکوں کا یا اس کی طرف سے اپنے تمام سرمایوں کو بیشتر اسلامی خیارات (Options) میں لگانے کا انتظام فرمادیا ہے۔

دوم: جہاں تک ان کمپنیوں میں، ان کے شیئرز خریدنے میں اور ان میں تصرف کرنے میں مسلمانوں کے شریک ہونے کا تعلق ہے تو وہ اس وقت تک جائز ہے جب تک ان کمپنیوں کے غالب سرمائے اور ان کے تصرفات حلال ہوں،

اگرچہ احتیاط کا پہلو یہی ہے کہ گریز کیا جائے۔

لیکن اس میں شریک ہونے والے کو مندرجہ امور کا لحاظ رکھنا چاہئے:

۱۔ ان کمپنیوں کے شیئرز کی خرید کے ذریعہ اس کا مقصد یہ ہو کہ وہ عام اجلاس یا مجلس انتظامیہ میں اپنے ووٹ کے ذریعہ کمپنی کو خالص حلال میں تبدیل کرے۔

۲۔ وہ اپنی پوری محنت اور اپنا سرمایہ حتی الوسع خالص اور حلال وطیب مال کی فراہمی میں لگا دے، اور صرف شدید ضرورت، مسلمانوں کے مصالح اور بڑی بڑی کمپنیوں کے ذریعہ ان کی اقتصادیات کو بڑھانے اور مضبوط کرنے کے پیش نظر ہی شبہ والی چیز کو اختیار کرے۔

۳۔ ان شیئرز کے حامل کو چاہئے کہ سود کے اس تناسب کو ملحوظ رکھے جو کمپنی بینکوں میں اپنے ڈپوزٹ شدہ سرمائے پر لیتی ہے، یہ کمپنی کے بجٹ کے ذریعہ یا کمپنی کا حساب رکھنے والے ذمہ داروں کے ذریعہ معلوم ہوگا، اگر اسے معلوم کرنا ممکن نہ ہو تو کوشش کرکے اس کا اندازہ لگائے، پھر اتنی مقدار عوامی فلاح وبہبود کے شعبوں میں صرف کردے۔

۴۔ کسی مسلمان کے لئے ایسی کمپنی کا قائم کرنا جائز نہیں جس کے نظام اساسی میں اس بات کی صراحت ہو کہ یہ کمپنی سودی قرضوں کے لین دین کا معاملہ کرے گی، اسی طرح جب تک یہ صورت ہو اس کمپنی کے قیام میں تعاون بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ گناہ اور زیادتی میں تعاون ہے، ہاں اس شخص کے لئے اس کی اجازت ہے جو کمپنی کے رخ کو حلال کی طرف موڑنے کی طاقت رکھتا ہو۔

سوم: مذکورہ ضوابط کے ساتھ ان شیئرز کی خرید وفروخت کی اباحت کا حکم اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب شیئرز عام ہوں، یا ترجیحی ہوں تو ان کی ترجیح مال کی بنیاد پر نہ ہو۔

ان دو قسموں کے علاوہ اقسام کا حکم علاحدہ طور سے بیان کیا جائے گا۔

جہاں تک ان کمپنیوں کے شیئرز کا تعلق ہے جو غیر مسلموں کی زیر ملکیت ہیں لیکن ان کا نظام حرام کاروبار کی صراحت نہیں کرتا ہے پھر بھی بعض لوگوں نے ایسی کمپنیوں کے سلسلے میں شدت سے کام لیا ہے(۹۱) لیکن سابقہ ضوابط کے ساتھ ان میں کاروبار کرنے میں مجھے کوئی حرج نہیں محسوس ہوتا، رباط میں ۲۰ تا ۲۵ ربیع الآخر ۱۴۱۰ھ میں "الأسواق المالية من الوجهة الإسلامية" کے عنوان سے منعقد کئے گئے سمینار میں یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ ایسی کمپنیوں کے شیئرز کا مالک ہونا یا ان کا اجراء درست ہے جن کا بنیادی مقصد تو حلال ہو مگر کبھی کبھی ان کو سودی کاروبار کرنے پڑتے ہوں.... سودی قرض کے لین دین کی حرمت، اس کی تبدیلی کے وجوب اور اس کے چلانے والے پر اعتراض اور اس کی مذمت کے ساتھ یہ حکم کمپنی کے مقصد کی مشروعیت کی بنا پر ہے، اور شیئر ہولڈر پر واجب ہے کہ جب وہ شیئر کا نفع حاصل کرے تو اس حصہ سے دستبردار ہو جائے جس کے بارے میں اس کا یہ گمان ہو کہ یہ سودی کاروبار سے حاصل شدہ نفع کے بقدر ہے، اور اسے رفاہی مصارف میں صرف کردے۔

اسی طرح "البرکۃ" کے سمینار برائے "اقتصاد اسلامی" میں باتفاق شرکاء مسلم ممالک میں کاروبار کرنے

والی کمپنیوں کے معاملات کو اسلامائز (Islamize) کرنے کے مقصد سے ان کے شیئرز کی خرید کو جائز قرار دیا گیا ہے، بلکہ شرکاء سیمینار نے اسے امر مطلوب قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں اس بات کے زیادہ امکانات ہیں کہ مسلمان احکام شریعت کی پابندی کریں، اور اکثریت کے ساتھ انہوں نے غیر مسلم ممالک میں کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید کو اس صورت میں جائز قرار دیا ہے، جب آمیزشوں سے پاک کوئی اور متبادل نہ ملے (۹۲)۔

اگر کمپنی کے نظام میں حرام کاروبار کی صراحت نہ ہو، اور سابقہ ضوابط کی پابندی کی جائے تو ایسی صورت میں جواز کا قول ہی روح شریعت سے ہم آہنگ ہے، جس کی بنیاد سرمایہ کاری میں آسانی پیدا کرنے، اور حرج کو دور کرنے، اور عوام کی ضروریات کو ملحوظ رکھنے پر ہے، کیونکہ اگر اس میں حرام پایا بھی جا رہا ہے تو وہ معمولی تناسب سے پایا جا رہا ہے جو بقیہ مال میں مؤثر نہیں ہوگا، اسی طرح اس مقدار کو عوامی رفاہی مصارف میں خرچ کر کے اس سے بچا جا سکتا ہے، مزید یہ کہ مجموعی طور پر معقود علیہ بیع کا محل مباح امور ہیں، اور ان میں شرکت اختیار کرنا جائز ہے۔ صف اول کے کسی بھی بزرگ نے مجموعی طور پر اہل کتاب سے معاملہ کرنے سے نہیں روکا ہے، اور باوجودیکہ اہل کتاب کے تمام معاملات اور ان کے اموال اسلام کی مطلوبہ شرائط کے مطابق نہیں تھے، آپ ﷺ اور صحابہ کرام ان کے ساتھ معاملات کرتے تھے، چنانچہ امام بخاری نے ترجمہ قائم کیا ہے: "باب المزارعة مع اليهود" (یہودیوں کے ساتھ کاشتکاری کا باب) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "اس سے امام بخاری کی مراد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اس معاملہ کے جواز میں مسلمانوں اور ذمیوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے (۹۳)۔ اسی طرح صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک یہودی سے ادھار غلہ خریدا اور اپنی زرہ اس کے پاس بطور رہن رکھ دی (۹۴)۔ یہی حال صحابہ کرامؓ کا تھا، چنانچہ ان کے دور میں بھی فی الجملہ ان کے ساتھ معاملات ہوتے تھے اور اس کا رواج تھا (۹۵)۔

خلاصۂ بحث

۱۔ اسلام میں سرمایہ کاری کا ایک مخصوص اور منفرد نظام ہے، جس کی بنیاد اقدار و اخلاق اور عقیدہ پر ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ:

عمل اور سرمایہ کاری کے سلسلے میں مومن کا اقدام اس نقطۂ نظر سے شروع ہوتا ہے کہ کائنات کی تعمیر و ترقی سے متعلق حکم الٰہی کا نفاذ ہو، اس کے عمل کا نقطۂ آغاز اس کے اس ایمان پر مبنی ہوتا ہے کہ سود اور دیگر محرمات مال کو گھٹانے اور مٹانے کا باعث ہیں، اور یہ کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا مال کی کثرت، برکت اور خیر کا باعث ہے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ مومن اللہ کی رضا کو اپنا نصب العین بناتا ہے، اسی کی خاطر وہ فقراء، یتیموں اور قیدیوں کے کھلانے کا اہتمام کرتا ہے، جبکہ کافر اپنے مفاد ہی کو بنیاد بناتا ہے اور اس کا خرچ کرنا اپنے ظاہری اور مادی مفاد ہی کی خاطر ہوتا ہے۔

اور اسی کا نتیجہ ہے کہ حیلے، فریب، استحصال، ذخیرہ اندوزی، ظلم، سود اور دیگر ایسے افعال جن کو اللہ تعالی اور

رسول کریم ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، وہ حرام قرار پاتے ہیں۔

۲۔ اُسھم جمع ہے سھم کی، اس سے مراد وہ دستاویز ہے جو کمپنی کے اصل سرمایہ کے ایک حصہ کی نمائندگی کرتی ہے، یا اس سے مراد کسی سرمایہ دار کمپنی میں شیر ہولڈر کا حصہ ہے۔

۳۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز میں سرمایہ کاری جن کا کاروبار حرام ہو، جیسے سودی بینک اور وہ کمپنیاں جو خنزیر، نشہ آور اور مسکر اشیاء کا کاروبار کرتی ہیں، بغیر کسی اختلاف کے حرام ہے۔

۴۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز میں سرمایہ کاری جن کا کاروبار حلال ہو جیسے اسلامی بینکس اور اسلامی کمپنیاں، بلا شبہ جائز اور مباح ہے۔

۵۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز کا حکم مختلف فیہ ہے، جن کا کاروبار حلال ہو اور جن کے بنیادی نظام میں حرام کاروبار کرنا تو نہ ہو، لیکن کبھی کبھار ان کو سودی بینکوں سے قرض کے لین دین کا معاملہ کرنا پڑتا ہو۔

مقاصد شریعت اور مصالح مرسلہ کا تقاضا ہے کہ ایسی صورت میں مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ سرمایہ کاری کو جائز قرار دیا جائے:

۱۔ اس قسم کی کمپنیوں میں شیئرز ہولڈر کی شرکت کا مقصد کمپنی کا نظام تبدیل کرنا اور اس کو اسلامائز کرنا ہو۔

۲۔ بجٹ کے مطابق حرام مال کا جو تناسب ہے شیئر ہولڈر اس سے دستبردار ہو جائے اور اس حرام مال کو عوامی فلاح بہبود کے شعبوں میں صرف کردے۔

جہاں تک ڈائرکٹر، مجلس انتظامیہ کے ممبران اور ان تمام افراد کا تعلق ہے جو سودی معاملات کے اندراج میں حصہ لیتے ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس وقت تک گنہگار رہیں گے جب تک کہ سود کو ترک نہ کردیں۔

اسی کے ساتھ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ شبہات سے دور رہ کر حلال کی تلاش کرے، اور مسلم ممالک اور حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ اسلامی شریعت کی پابندی کریں، اور اپنے نظام کو سود، محرمات اور شبہات سے پاک کریں۔ والله المستعان

حواشی:

۱۔ ملاحظہ ہو: لسان العرب، طبع دار المعارف۔ القاموس المحیط اور المعجم الوسیط، مادہ ''ثمر''۔

۲۔ بدایۃ المجتہد، طبع الحلبی (۲۸۱/۲)۔

۳۔ ''مبدأ الرضائی العقود، دراسۃ مقارنۃ'' (۱۹۸۵ء میں جامع ازہر میں پیش کردہ ڈاکٹریٹ کا مقالہ) از: ڈاکٹر علی القرہ داغی (۳۳۱/۱-۳۵۳)۔

۴۔ المعجم الوسیط (۱۰۰/۱) مادہ ''ثمر''۔

۵۔ سورہ نساء ۴/۲۔

۶۔ تفسیر کبیر، طبع دار احیاء التراث العربی، بیروت (۱۸۶/۹)۔

۷۔ السنن الکبری للبیہقی،طبع ہندوستان (۱۰۷/۴)،المجموع للنووی،طبع شرکۃ کبار العلماء(۳۲۹/۵)۔

۸۔ فقہ الزکاۃ،از: ڈاکٹر یوسف قرضاوی،طبع وہبہ،قاہرہ(۱۳۰/۱)۔

۹۔ سورہ حشر/۷۔

۱۰۔ سورہ انفال/۶۰۔

۱۱۔ سورہ ہود/۶۱۔

۱۲۔ تفسیر الماوردی المسمی: النکت والعیون،طبع أوقاف الکویت(۲۱۸/۲)۔

۱۳۔ بحوالہ "منہج الادخار والاستثمار" از: ڈاکٹر رفعت العوضی،طبع الاتحاد الدولی للبنوک الاسلامیہ(ص/۴۳)۔

۱۴۔ سورہ الانسان/۹۔

۱۵۔ سورہ ماعون/۱۔۳۔

۱۶۔ سورہ بقرہ/۲۷۶۔

۱۷۔ سورہ حدید/۲۳۔

۱۸۔ سورہ نساء/۲۹۔

۱۹۔ سورہ بقرہ/۲۷۸۔

۲۰۔ مسلم(۹۹/۱)،ابوداؤد مع عون المعبود(۳۲/۹)،ترمذی مع تحفۃ الأحوذی(۵۴۴/۴)،ابن ماجہ(۷۴۹/۲) میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گذرے،تو آپ ﷺ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈالا تو آپ ﷺ کی انگلیاں نم ہوگئیں،اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اے غلے والے یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول اس پر پانی پڑ گیا تھا،آپ ﷺ نے فرمایا: "أفلا جعلتہ فوق الطعام كي يراه الناس؟ من غش فليس مني"۔ یہ حدیث ہر قسم کے دھوکہ اور حقیقت کو چھپانے کی حرمت کے باب میں صریح ہے۔

۲۱۔ نجش: ایسے شخص کی طرف سے قیمت بڑھا کر بولنے کو کہتے ہیں جس کا ارادہ سامان خریدنے کا نہ ہو،اس سے متعلق حدیث کے لئے دیکھئے: بخاری مع الفتح(۳۵۵/۴)،مسلم(۱۱۵۶/۳)۔

۲۲۔ تصریہ: کہتے ہیں جانور کے تھن میں اس مقصد سے دودھ روک لینے کو کہ اس کے تھن میں دودھ نظر آئے،اور حدیث اس کی ممانعت سے متعلق متفق علیہ ہے،دیکھئے صحیح بخاری مع الفتح(۳۶۱/۴)،مسلم(۱۱۵۵/۳)۔

۲۳۔ دیکھئے: مبدأ الرضائی العقود(ص/۸۵۰-۶۷۳)۔

۲۴۔ صحیح بخاری مع الفتح(۳۴۷/۴)،مسلم(۱۱۶۵/۳)،مسند احمد(۱۳۹،۸۰/۲)،سنن أبي داؤد مع العون(۳۹۵/۹)،ترمذی مع التحفۃ(۳۵۵/۴) نسائی(۲۲۲/۷)،ابن ماجہ(۷۵۳/۲)۔

۲۵۔ اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مبدأ الرضائی العقود،ص/۸۵۲،اور اس کے بعد کے صفحات۔

۲۶۔ القاموس المحیط،لسان العرب،المعجم الوسیط،مادہ: "سہم"۔

۲۷۔ النکت والعیون للماوردی،طبع أوقاف الکویت(۴۳۶/۳)،اور ملاحظہ ہو: أحکام القرآن لابن العربي،طبع دار المعرفۃ بیروت(۱۶۴۲/۴)۔

۲۸۔ ملاحظہ ہو: ڈاکٹر علی حسن یونس کی کتاب: الشرکات التجاریۃ،طبع الاعتماد،قاہرہ(ص/۵۳۹)،ڈاکٹر شکری حبیب شکری اور میشیل میکالا کی کتاب: شرکات الأشخاص اور شرکات الاموال علماً وعملاً،طبع الاسکندریۃ(ص/۱۸۴)،ڈاکٹر صالح بن زابن المرزوقی البقمی،طبع جامعۃ أم القری ۱۴۰۶ھ(ص/۳۳۲)،اور ڈاکٹر ابو زید رضوان کی کتاب: الشرکات التجاریۃ فی القانون المصری المقارن،طبع دار الفکر العربي،قاہرہ ۱۹۸۹ء(ص/۵۲۶)۔

۲۹۔ ڈاکٹر صالح البقمی: حوالہ سابق(ص/۳۳۷-۳۳۸)۔

۳۰۔ بخاری نے تعلیقاً اسے روایت کیا ہے، کتاب الاجارۃ (۴؍۴۵۱)۔

۳۱۔ سنن ترمذی مع شرح تحفۃ الأحوذی، کتاب الأحکام (۴؍۵۸۴)۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: یہ اسانید اگرچہ ان میں سے ہر ایک علاحدہ طور پر ضعیف ہے لیکن مختلف طرق سے سب مل کر ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں (مجموع الفتاوی ۲۹؍۱۴۷)۔

۳۲۔ مجموع الفتاوی، طبع ریاض (۲۹؍۱۵۰) اور "عقود وشروط میں اصل اباحت ہے" کے اثبات کے لئے ملاحظہ ہو: مبدأ الرضائی العقود، طبع دار البشائر الاسلامیۃ (۲؍۱۱۴۸)۔

۳۳،۳۴۔ مجموع الفتاوی (۲۹؍۳۴۶،۳۵۱)۔

۳۵۔ ملاحظہ ہو: گزشتہ فقہی مآخذ، اور ڈاکٹر عبد الغفار الشریف کا مجمع الفقہ الاسلامی کے چھٹے اجلاس میں پیش کردہ مقالہ (ص؍۱۰۔۱۱)، اور ڈاکٹر محمد الحبیب الجرایۃ کا مقالہ بعنوان "الأدوات المالیۃ التقلیدیۃ" جو مجمع الفقہ کے چھٹے اجلاس میں پیش کیا گیا تھا، اور ڈاکٹر الخیاط کی کتاب: الشرکات، طبع الرسالۃ (۲؍۹۴......)، نیز ڈاکٹر صالح بن زابن کی کتاب: شرکۃ المساھمۃ (ص؍۳۳۴)۔

۳۶۔ دیکھئے: حوالہ سابق (ص؍۳۳۰) از: ڈاکٹر صالح بن زابن الیّمی، وہ تحریر فرماتے ہیں: اس موقع پر ہم ان کے (علماء کے) اقوال کی تین قسمیں کرسکتے ہیں: ایک قسم وہ ہے جس میں شیئرز کا کاروبار علی الاطلاق حرام ہے، دوسری قسم کے مطابق علی الاطلاق ان کا کاروبار جائز اور درست ہے لیکن بعض کے نزدیک ان کا موجب حرمت اسباب سے خالی ہونا شرط ہے، تیسری قسم وہ ہے جس میں بعض قسم کے شیئرز جائز اور بعض حرام ہیں........."

۳۷۔ اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: الشرکات فی الفقہ الإسلامی، از: شیخ علی الخفیف، طبع دار النشر للجامعات المصریۃ (ص؍۹۶)، الشرکات فی الشریعۃ الإسلامیۃ والقانون الوضعی، از: ڈاکٹر عبد العزیز الخیاط، طبع المطابع التعاونیۃ ۱۹۷۱ء (۲؍۱۵۳۔۲۱۲)، شرکۃ المساھمۃ فی النظام السعودی، از: ڈاکٹر صالح بن زابن، طبع جامعۃ أم القری ۱۴۰۶ھ (ص؍۳۳۰)۔ شیئرز کی خرید وفروخت کو علی الاطلاق حرام قرار دینے والوں میں شیخ تقی الدین النبہانی ہیں، دیکھئے ان کی کتاب: النظام الاقتصادی فی الإسلام، طبع القدس ۱۹۵۳ (ص؍۱۴۱۔۱۴۲) اور جو لوگ بغیر کسی تفصیل کے شیئرز کے کاروبار کی اباحت کے قائل ہیں ان میں ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ اور شیخ شلتوت ہیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ حضرات شیئرز کے محرمات سے خالی ہونے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ دیکھئے: فتاوی شیخ شلتوت، طبع الشروق (ص؍۳۵۵) نیز سابقہ حوالہ جات۔

۳۸۔ زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، طبع مؤسسۃ الرسالۃ (۵؍۷۳۶)۔

۳۹۔ شیخ تقی الدین النبہانی: النظام الاقتصادی فی الاسلام، طبع القدس، تیسرا ایڈیشن ۱۳۷۲ھ (ص؍۱۳۳)۔

۴۰۔ النبہانی: حوالہ سابق (ص؍۱۴۱۔۱۴۲)۔

۴۱۔ ڈاکٹر صالح بن زابن: حوالہ سابق (ص؍۳۳۴)۔

۴۲۔ دیکھئے: شیخ عبداللہ بن سلیمان: بحث فی حکم تداول أسھم الشرکات المساھمۃ (ص؍۳......)، اور شیخ محمد بن ابراہیم (مفتی الدیار السعودیہ) کا فتوی بابت قومی کمپنیوں کے شیئرز کے تداول کا جواز جو کتاب "فتاوی ورسائل" میں شامل ہے (۷؍۴۲۔۴۳)۔

۴۳۔ ملاحظہ ہو: الموسوعۃ الفقہیہ (الکویتیہ) مصطلح "جہالۃ" (۱۶؍۱۶۷)۔

۴۴۔ الفروق، طبع دار المعرفۃ (۳؍۲۶۵۔۲۶۶)۔

۴۵۔ مجموع الفتاوی، طبع الریاض (۲۹؍۲۲۷)۔

۴۶۔ الغرور وأثرہ (ص؍۵۹۴)۔

۴۷۔ مجموع الفتاوی (۲۹؍۲۳۳)۔

۴۸۔ ملاحظہ ہو: المغنی (۴۵/۵)، المجموع (۲۹۴/۹)، ڈاکٹر صالح بن زابن: حوالہ سابق (ص/۳۴۸) اور سابقہ دیگر حوالہ جات۔

۴۹۔ الاشباہ والنظائر للسیوطی، طبع عیسی الحلبی، قاہرہ (ص/۱۳۳) اور ملاحظہ ہو اسی موضوع کی ایک اور کتاب: الاشباہ والنظائر لابن نجیم، طبع مؤسسۃ الحلبی قاہرہ (ص/۱۲۱_۱۲۲)۔

۵۰۔ صحیح بخاری مع الفتح، طبع السلفیۃ _ المساقاۃ (۴۹/۵)، مسلم، طبع عیسی الحلبی _ البیوع (۱۱۷۳/۳)، احمد (۱۵۰/۲)، موطا (ص/۳۷۸)۔

۵۱۔ فتح الباری (۵۱/۵)۔

۵۲۔ الموطا (ص/۳۷۸)۔

۵۳۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۸۰/۴) میں لکھا ہے، جسے بزاز نے روایت کیا ہے، اور اس میں موسی بن عبیدہ ہیں جو ضعیف ہیں۔

۵۴۔ تقریب التہذیب (۲۸۶/۲)، مجمع الزوائد (۸۰/۴)۔

۵۵۔ سابقہ تمام حوالہ جات۔

۵۶۔ صحیح بخاری مع الفتح، الایمان (۱۲۶/۱)، مسلم، المساقاۃ (۱۲۲۰/۳)، احمد (۲۶۷/۴)۔

۵۷۔ فتح الباری (۱۲۷/۱)۔

۵۸۔ الاشباہ والنظائر للسیوطی (ص/۹۷_۹۸)، الأشباہ والنظائر لابن نجیم (ص/۹۱_۹۲)۔

۵۹۔ شرح القواعد الفقہیہ، از: شیخ احمد الزرقا، طبع دار الغرب الاسلامی (ص/۱۵۵)۔

۶۰۔ حوالہ سابق۔

۶۱۔ حاشیہ ابن عابدین، طبع دار احیاء التراث العربی، بیروت (۳۶/۵_۳۷)۔

۶۲۔ حاشیہ ابن عابدین (۳۹/۵)۔

۶۳۔ لوگوں کی ضرورت کی بنا پر بیع عرایا کی رخصت کے لئے دیکھئے: صحیح بخاری مع الفتح (۳۹۰/۴)، مسلم (۱۱۶۸/۳)، احمد (۱۸۱/۵)۔ عریہ کہتے ہیں: کھجور کے درخت پر لگے ہوئے کھجوروں کو ٹوٹے ہوئے کھجوروں کے عوض اندازے اور تخمینہ سے بیچنا۔

۶۴۔ آپ ﷺ سے خشک کھجوروں کے عوض تازہ کھجوروں کی بیع کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کیا خشک ہونے کے بعد کھجوروں میں کمی ہو جاتی ہے؟ عرض کیا گیا: ہاں، تو آپ نے فرمایا: ''تب تو نہیں''۔ دیکھئے: مسند الشافعی (ص/۵۱)، احمد (۳۱۴/۳)، ترمذی (۲۳۱/۱)، نسائی (۲۶۹/۷)، ابن ماجہ (۷۶۱/۲)، سنن أبی داؤد (۲۵۱/۳)، السنن الکبری (۲۹۴/۵) اور دیکھئے: تلخیص الحبیر (۹/۳_۱۰)۔

۶۵۔ مجموع الفتاوی (۲۹/۲۲۷، ۴۹)۔

۶۶۔ الأشباہ والنظائر لابن نجیم (ص/۹۳_۱۰۳_۱۰۴) اور ابن عابدین کے رسائل کے ضمن میں ملاحظہ ہو: نشر العرف فی بناء بعض الأحکام علی العرف، طبع آستانہ (۱۱۵/۲_۱۱۸)۔

۶۷۔ اعلام الموقعین، طبع شقرون قاہرہ (۷۸/۳)۔

۶۸۔ قواعد الأحکام (۱۵۹/۲)۔

۶۹۔ الاسواق المالیہ، از: ڈاکٹر علی السالوس: ایک مقالہ جو آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں پیش کیا گیا تھا (ص/۷)۔

۷۰۔ الشرکات للشیخ علی الخفیف (ص/۹۶_۹۷)، شیخ ابو زہرہ کا مقالہ جو مجمع البحوث الاسلامیہ کی دوسری کانفرنس کی مطبوعات کے ساتھ شائع کیا گیا تھا (۱۸۴/۲)، ڈاکٹر الخیاط کی کتاب: الشرکات فی الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الوضعی، طبع الرسالۃ (۱۸۷/۲)، ڈاکٹر وہبہ الزحیلی کا مجمع الفقہ الاسلامی کے چھٹے اجلاس میں پیش کردہ مقالہ (ص/۵)، ڈاکٹر صالح بن

زابن: حوالہ سابق (ص ۳۴۲) اور قاضی عبداللہ بن سلیمان کا محولہ بالا مقالہ۔

۷۱۔ سابقہ مراجع، خاص طور سے شیخ عبداللہ بن سلیمان کا مقالہ، جس میں موصوف نے بہت اچھی تفصیل بیان فرمائی ہے۔

۷۲۔ مجموع الفتاوی، طبع الریاض (۲۹/ ۳۲۰۔۳۲۱)۔

۷۳۔ الاشباہ والنظائر لابن نجیم (ص ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴)، اور ملاحظہ ہو: حاشیہ ابن عابدین (۴/ ۱۳۰)۔

۷۴۔ بدائع الصنائع (۶/ ۱۴۴)۔

۷۵۔ فتاوی ابن رشد، تحقیق: المختار بن الطاہر التلیلی، طبع دار الغرب الاسلامی (۱/ ۶۳۱۔۶۳۹)، مواہب الجلیل (۵/ ۲۷۷)

۷۶۔ قواعد الأحکام (۱/ ۷۲۔۷۳)۔

۷۷۔ المنثور فی القواعد، طبع اوقاف الکویت (۲/ ۲۵۳)۔

۷۸۔ الاشباہ والنظائر للسیوطی (ص ۱۲۰۔۱۲۱)، وحاشیہ القلیوبی مع عمیرۃ علی المنہاج (۲/ ۱۸۶)۔

۷۹۔ المجموع للنووی (۹/ ۳۵۳)، طبع المنیریۃ۔

۸۰۔ مجموع الفتاوی (۲۹/ ۳۱۱۔۳۲۳)۔

۸۱۔ مجموع الفتاوی (۲۹/ ۲۷۲۔۲۷۳)۔

۸۲۔ حوالہ سابق (۲۹/ ۳۰۸)۔

۸۳۔ بدائع الفوائد (۳/ ۲۵۷)۔

۸۴۔ گزشتہ مراجع اور شیخ عبداللہ بن سلیمان کا مقالہ (ص ۱۶)۔

۸۵، ۸۶۔ گزشتہ مراجع اور شیخ عبداللہ بن سلیمان کا مذکورہ مقالہ۔

۸۷۔ ملاحظہ ہو: جمل الأحکام للناطفی، از ہر میں ایم اے کا مقالہ، تحقیق: حمد اللہ سید (ص ۳۷۰۔۳۸۱)۔

۸۸۔ مجموع الفتاوی (۲۹/ ۲۴۱)، اسی طرح انہوں نے اس شخص کے سلسلے میں جس کے مال میں حرام کی آمیزش ہو اغلب کے اعتبار کا قاعدہ ذکر کیا ہے۔

۸۹۔ مجموع الفتاوی (۲۹/ ۳۱۹۔۳۲۳)۔

۹۰۔ حوالہ سابق (۲۹/ ۳۲۷)۔

۹۱۔ شیخ عبداللہ بن سلیمان کا سابقہ مقالہ (ص ۳۱)، اس میں انہوں نے مسلمانوں کی زیر ملکیت کمپنیوں کے شیئرز کی خرید کی اجازت دی ہے، خواہ ان کا کاروبار سود پر ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ ان کا بیشتر معاملہ اور ان کے غالب سرمائے حلال ہوں، لیکن انہوں نے غیر مسلموں کی زیر ملکیت کمپنیوں کے شیئرز کے مالک ہونے کو ناجائز قرار دیا ہے، البتہ اس صورت میں اس کو جائز قرار دیا ہے جب وہ بالفعل ان کا رخ تبدیل کرنے اور علی الاطلاق ان کو حرام کاروبار سے روکنے پر قادر ہو، انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ شیخ صالح کامل نے ان سے بتایا کہ وہ اس طرح کے پچاس حصص کمپنیوں میں شراکت کر کے اور اس کے بعد یہ شرط لگا کر ان کو شرعی احکام کی پابندی کرنے والی شراکت دار کمپنیوں میں تبدیل کر چکے ہیں۔

۹۲۔ الفتاوی الشرعیۃ فی الاقتصاد، طبع مجموعۃ برکۃ ۱۴۱۱ھ (ص ۱۷)۔

۹۳۔ صحیح بخاری مع فتح الباری، طبع السلفیۃ (۵/ ۱۵)۔

۹۴۔ حوالہ سابق (۵/ ۱۴۲)۔

۹۵۔ المغنی لابن قدامہ (۴/ ۲۴۵۔۲۴۷)۔

☆☆☆☆

شیئرز، شیئر مارکیٹ اور کمپنی
ایک مختصر جائزہ و تعارف

از.......... جناب ارشاد باقوی، بنگلور

(الف) حصص (شیئرز) کی مختلف اقسام۔
(ب) حصص بازار (شیئرز مارکیٹ) میں حصص کی مختلف اقسام اوراس کی اشکال۔
(ج) تجارت کے لحاظ سے قومی وعالمی بازار میں حصص کا مقام۔
(د) حصص کی قیمت کے اتار چڑھاؤ، حصص کی خرید وفروخت اور مستقبل میں اس کی فروخت کے سلسلے میں اس سے متعلق استدلال۔
(ھ) حصص کے کاروبار میں حصص بازار (شیئرز مارکیٹ) کا کردار۔
(و) حصص کے تصدیق ناموں (سٹوفکیٹ) کی ملکیت کا مطلب۔
(ز) حصص کے کاروبار پر سود کا اثر۔
(ح) حصص کے کاروبار میں رونما ہونے والی جدید ترین تبدیلیاں۔

ہندوستانی شیئر بازار

کاروباری افراد اوران کے کاروباری منصوبوں (Projects) کے لئے فنڈ کی فراہمی کے مختلف مآخذ میں سے ایک سرمایہ بازار (Capital Market) ہے، بینکوں اور مالیاتی اداروں کے ذریعہ دیئے جانے والے میقاتی قرضوں یا بینک سے مہیا کئے جانے والے کاروباری سرمایہ کی مانند رقم براہ راست عوام الناس سے سرمایہ بازار کے ذریعہ بھی حاصل کی جاسکتی ہے جس کا استعمال کاروباری منصوبوں کو تکمیل تک پہونچانے کے لئے ایک حصے کے طور پر کیا جاسکتا ہے، یہ رقم Shares (حصص Debenture) کسی کمپنی کی طرف سے قرض لی ہوئی رقم کا سٹوفکیٹ، دستاویز قرض، یا Bond (تمسک) وغیرہ کے ذریعے حاصل کی جاسکتی ہے۔

جب ایک کاروباری کمپنی رفرد بنیادی طور پر فنڈ کے حصول کے لئے عوام الناس تک (ایک درمیانی رابطہ کے ذریعے جسے (Merchant Banker) کہتے ہیں) پہونچتا ہے اوراس سلسلے میں حصص کے تصدیق نامے (سرٹیفکیٹ) جاری کرتا ہے، (یا ڈبینچر سرٹیفکیٹ جاری کرتا ہے) تو ابتدائی بازار (Primary Market) میں اسے پبلک ایشو (Public Issue) کے نام سے جانا جاتا ہے، اس طریقے کے تحت سرمایہ کاری کرنے والے عوام اپنی رقم کمپنی میں لگاتے ہیں اور رقم لگانے کے تصدیق نامے کے بطور شیئر سرٹیفکیٹ (حصص تصدیق نامے) حاصل کرتے ہیں، اس طرح سے کمپنی کے اصل سرمائے کی رقم میں حصہ دار ہونے کے ناطے سرمایہ کاری کرنے والے افراد کمپنی کے حصہ دار (Share Holder) بن جاتے ہیں، کمپنی کے شیئر ہولڈر کمپنی کے ذریعے حاصل کردہ نفع میں حصہ دار

ہوتے ہیں۔ یہ نفع انہیں نفع کی رقم (Dividend) کی شکل میں یا بعض اوقات اضافی حصص کے اجراء کی شکل میں (یہ حصص بلا قیمت دیئے جاتے ہیں جنہیں (Bonus Share) کہا جاتا ہے حاصل ہوتا ہے، حصہ دار جب تک اس کی مرضی ہو حصص اپنے قبضے میں رکھ سکتا ہے اور کمپنی کو حاصل ہونے والے نفع یا بونس وغیرہ میں حصہ دار ہوتا ہے۔

اگر کسی وقت حصہ دار اپنی سرمایہ لگائی گئی رقم واپس چاہتا ہے تو وہ کمپنی کو وہ حصص واپس نہیں کرسکتا جو کمپنی نے اس کے نام جاری کئے تھے، بلکہ اسے یہ حصص سرمایہ کاری میں دلچسپی رکھنے والے کسی دوسرے شخص کو فروخت کرنا پڑتے ہیں جو کہ ان کو خریدنا اور بدلے میں ان حصص کی رقم پہلے سرمایہ کار کو ادا کرنا چاہتا ہے ۔اس سودے میں چونکہ خریدار براہ راست کمپنی سے حصص حاصل نہیں کرتا بلکہ کسی دوسرے شیئر ہولڈر سے حصص کے تصدیق نامے خریدتا ہے اس لئے اس سودے کو ثانوی بازار (Secondary Market) کے نام سے معنون کیا جاتا ہے، ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا ہے کہ فروخت کنندہ کو حصص کے لئے خریدار فوری طور پر دستیاب ہو جائے لہذا فروخت کنندہ کو ایک درمیانی شخص تک رسائی کرنا پڑتی ہے جسے بروکر (Broker شیئر دلال) کہتے ہیں، اس قسم کے بہت سے حصص دلال (بروکر) اپنے گاہکوں، خریداروں اور فروخت کنندگان سے آرڈر لیتے ہیں اور ایک مخصوص وقت میں ایک مخصوص مقام پر دوسرے دلالوں سے ان آرڈروں کا تبادلہ (Exchange) کرتے ہیں، وہ مقام جہاں حصص دلال اکٹھا ہوتے ہیں اسٹاک ایکسچینج (Stock Exchange) کہتے ہیں، حصص دلال اس اسٹاک ایکسچینج کے ارکان ہوتے ہیں، کسی اسٹاک ایکسچینج میں صرف اس کے ممبر دلال ہی سودے کرسکتے ہیں، اسٹاک ایکسچینج کے مخصوص ضابطے اور اصول ہوتے ہیں جن پر عمل درآمد ہر ممبر دلال کے لئے لازمی ہوتا ہے، ان ضوابط کو اس لئے تشکیل دیا جاتا ہے کہ سرمایہ کار کے مفادات کی حفاظت کی جاسکے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ حصص دلال سودے والے دن ہی رقم یا حصص کا تبادلہ کریں بلکہ کھاتوں میں ان سودوں کی تفصیلات کا اندراج کرلیا جاتا ہے اور اسٹاک ایکسچینج کے ارباب اختیار تک ان کی رپورٹ پہونچادی جاتی ہے، اسٹاک ایکسچینج اپنے ہر رکن کے سودوں کی تفصیلات کا باقاعدہ ریکارڈ رکھتا ہے اور معاملات طے ہونے کی مدت کے بعد جو کہ عام طور پر ایک ہفتہ ہوتی ہے، حصص نئے خریدار تک پہونچادیئے جاتے ہیں اور ان کے بدلے میں رقم کی ادائیگی کردی جاتی ہے۔

اسٹاک ایکسچینج

دنیا کے سب سے پہلے اسٹاک ایکسچینج نے ۱۶۱۱ء میں ایمسٹرڈم میں ایک بے چھت صحن میں کام کرنا شروع کیا۔ ہندوستان میں اسٹاک ایکسچینج کا آغاز اٹھارویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں ہوا، اس وقت سرمایہ بازار محض ایسٹ انڈیا کمپنی کے قرضہ جاتی اسٹاک کے تبادلے تک محدود تھا۔ ۱۸۳۰ء میں امریکی خانہ جنگی کے بعد کپڑا بننے کی ملوں میں اچانک بے حد ترقی ہوئی اور ہندوستان سے کپڑے کی برآمد میں روز افزوں اضافہ ہوا جس کے نتیجے میں کارپوریٹ اسٹاک (اجتماعی تمسکات) روبہ ظہور ہوئے اور بمبئی، کلکتہ اور احمد آباد اسٹاک ایکسچینج کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۸۷۵ء میں ''دیسی حصص و حصص دلال ایسوسی ایشن'' کے قیام کے بعد بمبئی اسٹاک ایکسچینج قائم کیا گیا۔ پہلی اور

دوسری جنگ عظیم کے بعد تجارت اور کاروبار کے میدان میں بڑی تیزی سے مثبت تبدیلیاں روبہ عمل ہونے لگیں جن کے نتیجے میں نئی کمپنیاں قائم ہوئیں اور حصص کے کاروبار کو فروغ ہوا، لہذا کئی ایک علاقائی اسٹاک ایکسچینج مثلاً بنگلور، مدراس، کانپور، دہلی وغیرہ قائم ہوئے۔

اسٹاک ایکسچینج ایک نیلام بازار ہوتا ہے جہاں خریدار اور فروخت کنندگان اپنے اپنے گاہکوں کے آرڈروں کی تعمیل میں حصص اور ہنڈیوں (Securities) کا تبادلہ کرتے ہیں۔ حصص کے کاروبار میں اسٹاک ایکسچینج ایک کلیدی کردار ادا کرتا ہے چونکہ اس کے ذریعہ حصص اور ہنڈیوں کی خرید وفروخت کی سہولت حاصل ہوتی ہے اور یہ تبادلہ یا کاروبار ایک باقاعدہ اور باضابطہ انداز سے انجام پاتا ہے۔

وہ کمپنی جس نے پبلک ایشو کے ذریعہ حصص کے اجراء کے بعد سرمایہ اکٹھا کیا ہے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اسٹاک ایکسچینج میں اپنے حصص کا اندراج کرائے تاکہ حصص کی خرید وفروخت کا کاروبار بسہولت ہو سکے اور سرمایہ کاری کرنے والے افراد کو ان کے حصص کے بدلے بہ آسانی رقم فراہم کی جاسکے۔ اسٹاک ایکسچینج کسی بھی کمپنی کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے حصص کا اندراج کرائے، اور بعدازاں ان (کے تبادلے) کا کاروبار کر سکے، لیکن اس سے قبل اسٹاک ایکسچینج کے اصول وضوابط کی پابندی کرنے کا اقرار لازمی ہے، عام سرمایہ کار جو حصص کو خریدنا یا فروخت کرنا چاہتا ہے اسے ایسے حصص دلال کے پاس اپنا آرڈر نوٹ کرانا پڑتا ہے جو اسٹاک ایکسچینج کا ممبر ہو، وہ دلال اسٹاک ایکسچینج کے ہال میں اپنے گاہک کی جانب سے دوسرے دلال ممبر کے ساتھ حصص کو فروخت کرتا یا خریدتا ہے، اس سودے میں حصص کی وہی قیمت ادا یا وصول کی جاتی ہے جو کہ اس مخصوص دن اس حصص کی ہوتی ہے، دلال گاہک سے اپنی دلالی کی فیس بھی وصول کرتا ہے۔

سرمایہ بازار کے دستاویزات (Instrument) کی مختلف اشکال

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے سرمایہ بازار (Capital Market) میں مختلف قسموں کے دستاویزات (Instrument) مثلاً حصص، دستاویز قرض (Debenture) تمسکات (Bond) اور وارنٹ ضمانتی دستاویز (Warrants) وغیرہ کا لین دین کیا جاتا ہے۔ اگرچہ شیئر بازار میں سب سے زیادہ کاروبار مساوی حصص (Equity Share) کا ہوتا ہے، لہذا اسی وجہ سے شیئر بازار کی اصطلاح زبان زد خاص و عام ہے اور اسٹاک مارکیٹ یا کیپٹل مارکیٹ کی اصطلاحوں کو زیادہ استعمال نہیں کیا جاتا۔

سرمایہ بازار (Capital Market) کے دو حصے۔ شیئر بازار اور قرض بازار۔ ہوتے ہیں۔

قرض بازار (Debt Market) میں دستاویزات قرض اور تمسکات وغیرہ کی خرید وفروخت ہوتی ہے، یہ اس قسم کی ہنڈیاں ہوتی ہیں جن پر ایک مقررہ مدت میں مقررہ شرح کے لحاظ سے سود ادا کیا جاتا ہے، کمپنی ان کے خریدار کو لگاتار باقاعدہ طے شدہ شرح کے حساب سے سود ادا کرتی رہتی ہے اور ایک معینہ مدت کے بعد کمپنی ان کو واپس لے کر ان میں لگائی گئی رقم سرمایہ کاروں (Investors) کو واپس کر دیتی ہے، اس ہنڈی کے سرمایہ کار کو کمپنی

کے ہونے والے نفع میں کسی قسم کی حصہ داری کا حق حاصل نہیں ہوتا ہے اور سرمایہ میں لگائی گئی رقم (شیئر کی اصل قیمت) میں کسی قسم کا اضافہ بھی نہیں ہوتا ہے، سرمایہ کار کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس معینہ مدت تک جب تک کے لئے یہ ہنڈیاں جاری کی گئی ہیں ان پر سود حاصل کرتا رہے اور بعد میں ان حصص کی قیمت کمپنی سے واپس لے، یا پھر ان کو درمیان ہی میں کسی ایسے دفتر کو حصص دلال / اسٹاک ایکسچینج کے ذریعہ فروخت کر دے جو ان کی خریداری میں دلچسپی رکھتا ہو۔

شیئر بازار کسی کمپنی کے حصص کی لین دین / خرید و فروخت میں معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے۔ ''حصص (شیئرز) کا مطلب کمپنی کے حصص سرمایہ میں حصہ داری ہے''۔ اس کے ذریعہ کمپنی کے سرمایہ میں کسی حصے دار (Share Holder) کے ذریعہ کیا جانے والا تعاون و اشتراک ہے۔ حصص بنیادی طور پر حساب کی ایک اکائی ہے جس کے ذریعہ سرمایہ کار کے کمپنی میں مفادات کا تعین کیا جاتا ہے۔ حصص ایک ایسی دستاویز ہے جو شیئر ہولڈر کو کمپنی کی ملکیت کا مختار بناتی ہے، حصص یا تو کمپنی کے ذریعہ جاری کئے جاتے ہیں یا اسٹاک بازار میں انہیں خریدا جا سکتا ہے۔

کمپنی قانون ۱۹۵٦ء کی رو سے ایک پبلک لمیٹڈ کمپنی دو طرح کے شیئر بنا سکتی ہے اور ان کا اجراء کر سکتی ہے، یہ دو اقسام ترجیحی سرمایہ حصص اور مساوی سرمایہ حصص ہیں۔ ترجیحی شیئر ہولڈر کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ ایک مقررہ اور متعینہ نفع حاصل کرے اور اپنا اشتراک شدہ سرمایہ بعد میں واپس وصول کر لے اگر کمپنی کسی وجہ سے بند ہو جاتی ہے، حالانکہ ترجیحی حصص کے مالکان کو کمپنی کے معاملات اور جنرل میٹنگوں میں حق رائے دہی حاصل نہیں ہوتا ہے۔

مساوی حصص سرمایہ اس بات کی ضمانت نہیں ہے کہ حصص کی رقم کمپنی کی جانب سے واپس کر دی جائے گی۔ حالانکہ کسی قسم کی رقم کی واپسی کی ضمانت نہیں ہوتی لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس قبیل کے سرمایہ کار کو حاصل ہونے والے متوقع منافع کی کوئی حد بھی مقرر نہیں ہوتی، اس قسم کے حصص میں نقصان کا بھی اندیشہ ہوتا ہے لہذا انہیں زیادہ خطرے والے حصص کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، مساوی حصص میں یہ مالی نقصان پوشیدہ ہوتا ہے کہ اگر کمپنی نقصان سے گذرتی ہے یا اسے کسی وجہ سے بند کرنا پڑتا ہے تو سرمایہ کار کو بھی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ لیکن بہ صورت دیگر اگر کمپنی اپنے کاروبار میں ترقی حاصل کرتی ہے اور زیادہ نفع حاصل کرتی ہے تو اسے حصص میں سرمایہ لگانے والے افراد کو اسی تناسب سے فائدہ بھی ہوتا ہے۔ مساوی حصص کے مالکان سرمایہ کاروں کو ان کے حصص کی تعداد کے لحاظ سے کمپنی کی میٹنگوں میں تمام قراردادوں اور فیصلوں کے بارے میں اپنے حق رائے دہی کے استعمال کا حق بھی حاصل ہوتا ہے۔

مساوی حصص (Equity Shares)

زیادہ بہتر اور خوش نما مواقع مہیا کرنے کی صلاحیت رکھنے کے باعث عام طور پر لوگ مساوی شیئر کی خرید و فروخت میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں اور شیئر بازار میں ان کا زیادہ لین دین ہوتا ہے۔ کمپنی کے ہر شیئر کی قیمت ہوتی ہے جو کہ بالعموم ۱۰/۱۵ روپے ہوتی ہے، ہر ایک شیئر ہولڈر کو اس کے ذریعہ کمپنی میں لگائے گئے سرمائے کے حساب سے حصص کے تصدیق نامے دئے جاتے ہیں اور اس کے کمپنی میں کتنے حصص ہیں اس کا تعین کیا جاتا ہے۔ یہ حصص تصدیق نامے بالعموم ۱۰۰ حصص کے لئے (ایک تصدیق نامہ کے حساب سے) جاری کئے جاتے ہیں جنہیں (Market Lot) کہتے

ہیں۔ سرمایہ کاران حصص کو ۱۰۰ کی لوٹ (Lot) میں بہ آسانی ثانوی بازار میں فروخت کرسکتا ہے، اگر کسی سبب سے سرمایہ کار سو سے کم حصص کے تصدیق نامہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ یا تو انہیں اس تعداد میں بازار سے خرید سکتا ہے یا پھر اپنے حصص کو چھوٹے حصوں میں تقسیم کرسکتا ہے۔

وہ کمپنی جو حصص جاری کرتی ہے اس کے ایک رجسٹر میں تمام حصص کے سرمایہ کاروں کے ناموں کا اندراج کرلیا جاتا ہے، اگر حصص کا مالک ان حصص کو کسی دوسرے شخص کو فروخت کرتا ہے تو خریدار کو ان حصص کو پھر سے کمپنی کے پاس بھیجنا پڑتا ہے تاکہ یہ حصص اس کے نام منتقل کئے جاسکیں، کیوں کہ اب نیا خریدار ہی ان حصص کا جائز مالک ہے۔ زیادہ تر کمپنیاں چند باہری ایجنٹوں کو جنہیں حصص منتقلی ایجنٹ (Share Transfer Agent) کہتے ہیں، حصص کی منتقلی کی دفتری کارروائی کے لئے مقرر کرتی ہیں تاکہ اس منتقلی کا عمل زیادہ بہتر اور تیزی سے مکمل کیا جاسکے۔ اگر خریدار چاہے تو وہ ان حصص کو اپنے نام سے منتقل کرائے بغیر ہی فوری طور پر بازار میں فروخت کرسکتا ہے۔

حصص کی قیمتوں میں حرکت / اتار چڑھاؤ

خریدار و فروخت کنندہ کی ضروریات کے لحاظ سے کسی بھی کمپنی کے حصص کا بار بار لین دین کیا جاسکتا ہے، اگر کمپنی کی کارکردگی بہتر ہے اور وہ زیادہ نفع حاصل کررہی ہے تو اس کمپنی کے حصص کی بازار میں بہت زیادہ مانگ (Demand) ہوتی ہے، کیوں کہ ہر ایک اس کمپنی کے حصص کو خریدنے میں دلچسپی رکھتا ہے، جب مانگ بڑھتی ہے، اور فراہمی (Supply) چوں کہ محدود ہوتی ہے لہذا حصص کی قیمت بھی بڑھ جاتی ہے۔ اگر مانگ لگاتار بڑھتی رہتی ہے تو حصص کی قیمتیں بھی زیادہ اور زیادہ بڑھتی رہتی ہیں، اگر کسی کمپنی کی خراب کارکردگی کی بناپر کمپنی کے حصص کے مالکان (Share Holders) حصص کو زیادہ تعداد میں فروخت کرتے ہیں یا بہتر کارکردگی کی صورت میں نفع حاصل کرنے کے لئے حصص کے مالکان حصص کو زیادہ تعداد میں فروخت کرتے ہیں تو چونکہ بازار میں حصص کی فراہمی (Supply) بڑھ جاتی ہے لہذا ان کی قیمت میں گراوٹ آجاتی ہے۔

سرمایہ کار اس وقت جبکہ حصص کی قیمت میں کمی آجاتی ہے حصص خرید سکتے ہیں اور انہیں اس وقت ثانوی بازار میں فروخت کرسکتے ہیں جبکہ ان کی قیمت بڑھ گئی ہو۔ قیمت خرید اور قیمت فروخت کا فرق ہی بالحقیقت "اصل سرمایہ نفع" (Capital Gain) ہوگا یا اصل نقصان (Loss) ہوگا اگر قیمت خرید زیادہ اور قیمت فروخت کم ہو۔

محصولیاتی زاویہ (Tax Angle)

حصص کی لین دین کے ذریعہ ہونے والے منافع آمدنی پر محصول (Incomtax) کی ادائیگی لازمی ہے، اگر سرمایہ کار حصص کو ایک سال تک اپنی ملکیت میں رکھتا ہے اور بعد ازاں اس کو فروخت کردیتا ہے تو اس سے حاصل ہونے والے نفع کو "طویل المدتی سرمایہ نفع" (Long term capital gain) کہتے ہیں اور اس پر ۲۰ رفیصد کی شرح سے آمدنی ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ اگر حصص کو ایک سال کے دوران ہی خریدا اور بیچا جاتا ہے تو اس سے حاصل ہونے والے نفع کو "مختصر المدتی سرمایہ نفع" (Short term capital gain) کہتے ہیں اور افراد پر لاگو ہونے والی

عمومی شرح کے حساب سے ٹیکس کی رقم کا تعین کیا جاتا ہے جو کہ طویل المدتی سرمایہ نفع کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔طویل المدتی یا مختصر المدتی سرمایہ کاری کے نتیجے میں حاصل ہونے والا نقصان کل نفع میں سے منہا کر کے باقی بچ رہنے والی رقم پر ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔

غیر مقیم ہندوستانیوں NRIs اور غیر ممالک میں ان کے ذریعہ قائم کردہ کاروباری اداروں (OCBs) کے ذریعہ کی جانے والی سرمایہ کاری

ہمارے ملک کے مختلف کاروباری منصوبوں میں سرمایہ کاری کے لئے غیر مقیم ہندوستانیوں اور ان کے ذریعے غیر ممالک میں قائم کردہ کاروباری اداروں (Overseas Corporate Bodies) کو متوجہ کرنے اور اس ضمن میں ان کی حوصلہ افزائی کرنے کی غرض سے قومی حکومت انہیں مختلف قسم کی سرمایہ کاری سہولیات مہیا کرتی ہے تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ مناسب رقم ہندوستانی کمپنیوں کے حصص میں لگا سکیں۔ یہ سہولت انہیں ابتدائی اور ثانوی دونوں بازاروں میں مہیا کی جاتی ہے۔ مثلاً NRIs اور OCBs کے لئے پبلک ایشوز ترجیحی حصص میں ایک مخصوص حصہ ریزرو کر دیا جاتا ہے اور سرمایہ کاری کے ذریعہ حاصل ہونے والے فائدے رمنافع وغیرہ کو غیر ممالک میں منتقل کرنے کی اجازت ہوتی ہے، مزید برآں انہیں "طویل المدتی سرمایہ نفع" پر رعایتی شرح پر آمدنی ٹیکس ادا کرنے کی سہولت بھی حاصل ہوتی ہے۔

عالمی (بین الاقوامی) ایشوز

ہندوستانی کمپنیوں کے حصص کا اندراج ملک کے ایک یا ایک سے زائد اسٹاک ایکسچینجوں میں ہوتا ہے۔ملک میں معاشی رواداری (Liberalisation) کے تعارف وفروغ کے بعد قومی کمپنیوں کا مطمح نظر وسیع تر ہوا ہے، اور عالمی سطح پر بھی ان کی کوششیں جاری ہیں۔ملکی کمپنیاں عالمی فنڈ حاصل کرنے کی کوششیں کر رہی ہیں جو کہ قومی فنڈ کی شرح سود کے مقابلے میں سستا پڑتا ہے۔حکومت نے غیر ملکی اداراتی سرمایہ کاروں (Foreign Institutional Investors) کو اس امر کی اجازت دی ہے کہ وہ ہندوستانی سرمایہ بازار میں سرمایہ کاری کریں، اور اسی کے ساتھ ساتھ دوسری جانب حکومت نے ہندوستانی کمپنیوں کو یہ سہولت بھی مہیا کی ہے کہ وہ عالمی جمع رسید (Global Deposit Receipts "GDR") جاری کریں اور عالمی بازار کے توسط سے اپنے حصص کو فروخت کرنے کی کوشش کریں۔ GDR کا اندراج لندن، لکزمبرگ، اور نیویارک اسٹاک ایکسچینجوں میں کیا گیا ہے جہاں ان کا کاروبار ہوتا ہے۔

شیئر بازار میں رونما ہونے والی حالیہ تبدیلیاں

ہندوستانی شیئر بازار اب بن بلوغ کو پہونچ رہا ہے حصص کے کاروبار میں جدید ترین تکنیک کا استعمال کیا جا رہا ہے جس کی وجہ سے سرمایہ کار کے لئے زیادہ شفافیت (Transperancy) رہتی ہے اور حصص تصدیق ناموں کے لین دین اور کاروبار کو زیادہ بہتر طریقے سے انجام دیا جا سکتا ہے، بمبئی اسٹاک ایکسچینج کی مکمل کارروائی کمپیوٹروں کے ذریعے ہوتی ہے اور سودے اور حصص کا لین دین بھی دلال عمارت میں نصب لاتعداد کمپیوٹروں کے ذریعے کرتے ہیں

، ملک کے دوسرے اسٹاک ایکسچینج بھی اس نہج پر چل رہے ہیں اور اسٹاک ایکسچینج کو ترقی یافتہ انداز سے آراستہ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ علاقائی اسٹاک ایکسچینجوں کے علاوہ قومی اسٹاک ایکسچینج بھی ملک کے اہم شہروں تک پہونچ چکا ہے۔ اور چونکہ اس انداز سے کام انتہائی ذمہ دارانہ اور شفاف طریقہ سے انجام دیا جارہا ہے، سرمایہ کاروں کا یقین بڑھا ہے اور ان کے بے بنیاد خوف کا ازالہ ہوا ہے، کیوں کہ تمام سودے باضابطہ اور بہتر انداز سے انجام پار ہے ہیں، بمبئی اسٹاک ایکسچینج کا یہ بھی منصوبہ ہے کہ وہ اپنی قومی کمپیوٹر ٹریڈنگ (بمبئی آن لائن ٹریڈنگ) کو دوسرے شہروں تک بھی پھیلائے جس کے باعث شیئرز ٹریڈنگ سے متعلق معلومات اور کاروبار کو ملک کے ان شہروں تک بھی لے جایا جاسکے جہاں پر تسلیم شدہ (Recognised) اسٹاک ایکسچینج کی سہولیات مہیا نہیں ہیں۔ اسٹاک ایکسچینج کی کارکردگی کی نگرانی کرنے والا قومی ادارہ (Securities & Exchange Board of India) باضابطہ طور پر سرمایہ کاری کے اس کاروبار اور پوری عمل کی نگرانی کررہا ہے۔ جس کے باعث سرمایہ کاروں کے درمیان اعتماد کی فضا پیدا ہورہی ہے اور ملک کا سرمایہ کاری بازار ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ حال ہی میں منظور ہونے والا قانون Depositeries (Bill ڈیپوزیٹریز بل) اس سلسلے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جس کے اطلاق سے اسٹاک ایکسچینج کے رائج قدیم نظام کی خامیاں مکمل طور سے ختم کی جاسکیں گی۔

حصص کے کاروبار پر سود کا اثر

حصص کے کاروبار میں سود کی ادائیگی یا وصولیابی شامل نہیں ہے۔ اس کے ذریعہ کمپنیاں یا کاروبار شروع کرنے والے افراد اور حصص میں سرمایہ کاری کرنے والے افراد "حلال نفع" میں شریک ہوتے ہیں، ایک کمپنی چونکہ کسی منصوبے کو روبہ عمل لانا چاہتی ہے اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سود کی ادائیگی پر رقم بطور قرض حاصل کرے اس کے بجائے کمپنی حاصل ہونے والے نفع میں اپنے حصص مالکان کو شریک کرسکتی ہے۔ جس کی مختلف شکلیں ڈیویڈنڈ (Dividends) بونس شیئرز (Bonus Shares) وغیرہ ہیں، سرمایہ کار بھی کسی قسم کا سود حاصل نہیں کرتا ہے بلکہ کمپنی کے نفع میں حصہ دار ہوتا ہے، اور اگر یہ حصص فروخت کئے جاتے ہیں تو ان کا نتیجہ "سرمایہ نفع" (یا نقصان) کی شکل میں ہی سامنے آتا ہے۔

ثانوی بازار میں بھی حصص کے لین دین میں کسی قسم کے سود کی عمل داری نہیں ہوتی ہے، ان حصص کی خرید وفروخت بازار کے (موجودہ) نرخ کے مطابق ہوتی ہے اور قیمت خرید و قیمت فروخت کا فرق ہی نفع یا نقصان کا تعین کرتا ہے۔

مزید برآں سرمایہ کار کو اس امر کا بھی اختیار رہتا ہے کہ وہ سرمایہ کاری کے لئے کمپنیوں کا انتخاب کرسکے، اور ان کمپنیوں کا ہی انتخاب کرے جن کا کاروبار قرآن میں مذکورہ خطوط پر چل رہا ہو، اور سرمایہ کاری کے لئے ان کمپنیوں کو نہ چنیں جو منع کی گئی سمت میں کاروبار کررہی ہیں۔

مقالات شیئرز

شیئرز کی خرید وفروخت

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، حیدرآباد

۱۔ شیئر سرٹیفکٹ کی حیثیت:

یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ شیئرز نقد اور اثاثوں کا مجموعہ ہے، اور شیئرز سرٹیفکیٹ پر اگر رقم کا ذکر ہوتا ہے تو وہ محض اس بات کا اظہار ہے کہ یہ اثاثہ اپنی ابتدائی صورت میں اسی قدر قیمت اور قوت خرید کا حامل تھا۔ قانونی طور پر کمپنی کے اثاثے کو قرق نہ کیا جانا شرعی اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ خود قانون کی نگاہ میں شیئرز اثاثہ کا درجہ نہ رکھتا ہو کیونکہ ممکن ہے کہ شیئرز پر مبنی اثاثہ میں اشتراک اور شیوع کی وجہ سے اس طرح کا قانون بنایا گیا ہو۔

۲۔ شیئر کی خرید وفروخت:

یہ صورت بیع صرف کی ہے جس میں برابری بھی ضروری ہے اور کسی فریق کی طرف سے ادھار کی بھی گنجائش نہیں، اس لئے کمی بیشی کیساتھ خرید وفروخت تو ناجائز ہوگی ہی، مساوی قیمت میں بھی خرید وفروخت کو جائز نہیں ہونا چاہئے، کیوں کہ شیئر ہولڈر روپے کی دستاویز ادا کرتا ہے روپیہ نہیں اور خریدار خود روپیہ ادا کرتا ہے، اس طرح طرفین سے نقد ادائیگی نہیں پائی گئی، سوائے اس کے کہ نئی زمانہ بعض اہل علم نے بینک ڈرافٹ کی حوالگی کو معینہ نقد کی حوالگی کا درجہ دے دیا ہے، تو اس اعتبار سے عقد کے اثاثہ میں تبدیلی سے پہلے شیئر سرٹیفکٹ کو یہی درجہ دیا جاسکتا ہے، ایسی صورت میں مساوی قیمت پر ایسے شیئر کو فروخت کرنا جائز ہوگا، تاہم راقم کی رائے وہی ہے کہ ایسے شیئرز کی بیع ہی جائز نہیں، نہ کم وبیش قیمت پر نہ مساوی قیمت پر۔

۳۔ فقہاء حنفیہ کے نزدیک ایسی صورتوں میں دونوں طرف سے ادا کئے جانے والے ربوی مال کو غیر ربوی مال کے مقابلہ میں رکھ کر کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جاتا ہے، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

من باع درهمين و دينارا بدرهم و دينارين جاز البيع وجعل كل جنس بخلافه

(ہدایہ ۹۰/۳)۔

جس نے ایک درہم اور دو دینار کے بدلے دو درہم اور ایک دینار خرید کیا تو بیع جائز ہے، اور دونوں طرف سے درہم کو دینار اور دینار کو درہم کے مقابلہ میں تصور کیا جائے گا۔ اس لئے کمپنی کے نقد اور املاک کے مجموعی اثاثہ کو نقد کے عوض خرید وفروخت کرنا جائز ہوگا۔

۴۔ حرام کاروبار کی کمپنی:

جن کمپنیوں کا بنیادی کام ہی حرام پر مبنی ہو ان کے شیئرز خرید کرنا جائز نہیں کہ یہ براہ راست معصیت میں تعاون بلکہ اس میں شرکت ہے، اگر کمپنی کے مالکان مسلمان ہوں تب تو یہ حکم ظاہر ہی ہے لیکن اگر وہ غیر مسلم ہوں جیسا

کہ آج کل ہندوستان میں اکثر کمپنیوں کا حال ہے تب بھی یہ صورت ناجائز ہی ہوگی، گوامام صاحب کے یہاں شدید کراہت کے ساتھ اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، لیکن صاحبین نے اس کو غیر درست قرار دیا ہے، اور فقہاء نے صاحبین ہی کے قول کو زیادہ درست سمجھا ہے (دیکھئے: درمختار ۲۶۲/۵)۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اگر کسی مسلمان نے عیسائی کو بطور مضاربت سرمایہ حوالہ کیا اور اس نے شراب و خنزیر کی تجارت کر کے منافع کمایا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک گو یہ جائز ہوگا لیکن:

ینبغی للمسلم أن یتصدق بحصته من الربح (فتاویٰ ہندیہ ۳۳۳/۴)۔

مسلمان کے لئے مناسب ہے کہ اپنے حصہ نفع کو صدقہ کردے۔

غالباً یہ اس صورت پر محمول ہے جب مطلقاً مضاربت کے لئے پیسہ دیا ہو اور اس غیر مسلم نے خمر و خنزیر کی تجارت میں اس کا استعمال کیا ہو، اگر پہلے سے معلوم ہو کہ اسی کام میں سرمایہ کا استعمال کرے گا تو پھر اس کے جائز ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

۵۔ چونکہ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لینا ایک حاجت ہے اور حاجت کی بنا پر سودی قرض حاصل کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔" ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح "اس لئے ایسی کمپنی کا شیئرز خرید کرنا جائز ہے۔

۶۔ یہاں بھی بینک میں رقم محفوظ کرنا ایک قانونی حاجت ہے اس لئے حاصل شدہ سود سے نفع اٹھائے بغیر ایسی کمپنیز کا شیئرز خرید کرنا جائز ہوگا۔

۷۔ سودی قرض سے حاصل کیا ہوا نفع:

سودی قرض پر قرض گیرندہ کی ملکیت ثابت ہو جائے گی اور اس سے حاصل ہونے والا نفع حلال و جائز نفع ہوگا، کیوں کہ فقہاء نے تو خود سود کے بارے میں لکھا ہے کہ اس پر ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، علامہ ابن نجیم مصری کا بیان ہے:

و ظاهر ما فی جمع العلوم وغیره أن المشتری یملک الدرهم الزائد إذا قبضه فیما إذا اشتری درهمین بدرهم فإنهم جعلوه من قبیل الفاسد وهکذا صرح به الأصولیون فی بحث النهی (البحر الرائق ۱۲۵/۶)۔

جمع العلوم وغیرہ کا ظاہر یہ ہے کہ ایک درہم کے بدلہ دو درہم خرید کرنے کی صورت میں قبضہ کرنے والا مالک ہو جائے گا کیونکہ اس کو فقہاء نے بیع فاسد میں شمار کیا ہے اور علماء اصول نے "نہی" کی بحث میں اس کی صراحت کی ہے۔

۸۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس کی حیثیت فی الجملہ مالکان حصص کے وکیل کی ہے، گو ان ڈائرکٹرس کا انتخاب کثرت رائے سے ہوتا ہوگا لیکن چونکہ دستوری اعتبار سے مالکان حصص نے اکثریت کے فیصلہ کو قبول کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہے اس لئے یہ تمام ہی سرمایہ کاروں کے وکیل تصور ہوں گے۔

۹۔ اصولی طور پر وکیل کے افعال مؤکل کی طرف منسوب ہوتے ہیں تاہم شیئر ہولڈر کا سودی قرض سے

اختلاف کا اظہار اس کے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی ہے، اس لئے کہ شیئرز ہولڈر نے اس کو اصل میں تجارت کے لئے وکیل بنایا ہے نہ کہ سودی قرض لینے کے لئے، ہاں مطلق وکالت کی وجہ سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ دلالۃً اس نے سودی قرض کی بھی اجازت دے دی ہے، لیکن جب شیئر ہولڈر صراحۃً اس سے اختلاف کرتا ہے تو چونکہ صراحت کا درجہ دلالت سے بڑھ کر ہے اس لئے وکیل کے اس فعل میں مؤکل کی شرکت متصور نہ ہوگی۔

۱۰۔ اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار ہی سود پر رقم لگا کر سود حاصل کرنا ہو تب تو اس کے حصص خریدنا جائز نہیں، ہاں اگر قانونی ضرورت کے تحت کچھ سرمایہ ڈپوزٹ کرنا پڑا، جس سے سود حاصل ہوا تو اس حصۂ نفع کو بلا نیت ثواب غرباء پر یا رفاہی کام میں خرچ کر دینا اس کے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی ہوگا۔ اس پر ان فقہی جزئیات سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، جن میں ایسے شخص کی دعوت اور تحفہ قبول کرنے کی اجازت دی گئی ہے، جس کے مال کا غالب حصہ حلال ہو اور باقی حرام۔ (ہندیہ ۵/۳۴۲)۔

اس سلسلہ میں علامہ ابن قیم کی تحریر بھی قابل ملاحظہ ہے، فرماتے ہیں:

وإذا خالطه درهم حرام أو أكثر أخرج مقدار الحرام وحل له الباقي بلا كراهة سواء كان المخرج عين الحرام أو نظيره لأن التحريم لم يتعلق بذات الدرهم وجوهره وأما تعلق بجهة الكسب فيه فإذا خرج نظيره من كل وجه لم يبق لتحريم ما عداه معنى (بدائع الفوائد لابن قیم ۲/۲۵۷)۔

اگر اس کے مال کے ساتھ یا اس سے زیادہ حرام درہم مخلوط ہو گیا تو مقدار حرام نکال دی جائے، اب باقی بلا کراہت حلال ہوجائے گا چاہے بعینہ حرام درہم ہو یا اس کے برابر، اس لئے کہ تحریم درہم کی ذات اور جوہر سے متعلق نہیں ہے بلکہ کسب کے اعتبار سے ہے، لہذا جب من کل الوجوہ اس کے مثل نکل گیا تو اب اس کے ماسوا میں حرمت کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔

۱۱۔ منافع سے اتنی مقدار نکال کر بلا نیت ثواب صدقہ کر دینا کافی ہوگا، فقہاء کے یہاں تو اس سے کسی قدر زیادہ ہی توسع ملتا ہے، گذر چکا ہے کہ سود پر بھی لینے والے کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے (البحر الرائق ۶/۱۲۵) اگر سودی پیسے سے سرمایہ کاری کر کے کسی شخص نے نفع حاصل کیا یا کوئی چیز خریدی تو یہ کن صورتوں میں حلال ہوگا اور کن صورتوں میں حرام، اس بارے میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

رجل اكتسب مالا من حرام ثم اشترى فهذا على خمسة أوجه أما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولاً ثم اشترى منه بها أو اشترى قبل الدفع بها و دفعها، أو اشترى قبل الدفع بها و دفع غيرها، أو اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم أخر و دفع تلك الدراهم.... قال الكرخي في الوجه الأول والثاني: لا يطيب، وفي الثلاث الأخيرة يطيب، وقال أبوبكر: لايطيب في الكل، لكن الفتوى الآن على قول الكرخي دفعا للحرج عن الناس (ردالمحتار ۴/۲۳۴)۔

کسی شخص نے مال حرام کمایا، پھر اس سے خرید کیا تو اس کی پانچ صورتیں ہیں:

۱۔ یا تو پہلے بائع کو دراہم دیا پھر اس سے اس کے بدلہ میں کچھ خرید کیا، ۲۔ یا انہیں دراہم کے بدلہ پہلے خرید کیا پھر دراہم دیئے، ۳۔ یا انہیں دراہم سے خرید کیا اور بعد کو اس کی بجائے دوسرا درہم دے دیا، ۴۔ یا مطلقاً کسی خاص درہم کی تعیین کے بغیر خرید کیا اور عوض میں یہی درہم ادا کر دیئے، ۵۔ یا دوسرے دراہم متعین کئے اور ان کے بجائے یہ درہم دیدیئے...... کرخی نے کہا کہ پہلی اور دوسری صورت میں خرید کی ہوئی چیز اس کے لئے بہتر نہیں، باقی تینوں صورتوں میں جائز ہے۔ اور ابوبکر نے کہا کہ کسی صورت میں حلال نہیں۔ لیکن لوگوں سے حرج دور کرنے کے لئے امام کرخی کے قول پر فتوی ہے۔

گویا امام کرخی کے اصول پر اگر مطلق روپے پر خرید وفروخت کا معاملہ طے کیا گیا اور غیر شرعی طریقہ پر کمایا گیا روپیہ اس کی قیمت میں ادا کر دیا گیا تو خریدی ہوئی شئے حلال ہوگی، اور شامی کے بقول اسی پر فتوی ہے۔ تاہم احتیاط یہی ہے کہ نہ صرف سود کے ذریعہ حاصل ہونے والا نفع بلکہ اس نفع کی مقدار سرمایہ پر حاصل ہونے والا نفع بھی بلا نیت ثواب صدقہ کر دیا جائے۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت:

حلال کاروبار پر مبنی شیئرز کی تجارت جائز ہے، نہ تخمین وقیاس مطلقاً ناجائز ہے اور نہ عام طور پر تجارتیں اس سے خالی ہوتی ہیں بلکہ اموال زکوۃ میں تو خود شارع علیہ السلام نے تخمین کرایا ہے، جو "خرص فی الزکوۃ" کے عنوان سے کتب حدیث میں موجود ہے، اور امام احمد نے تو اس کو خود مقدار زکوۃ میں بھی معتبر مانا ہے، معاملات میں تخمین وقیاس کی ایسی صورت ممنوع ہے جس میں خطر اور غرر ہو، نہ کہ مطلق تخمین وقیاس۔

۱۳۔ فیوچر سیل:

معاملہ کی اس صورت میں نہ قیمت ادا کی جاتی ہے اور نہ اس کے مقابلہ میں آنے والی مبیع، گویا یہ دونوں طرف سے ادھار ہے اور آپ ﷺ نے ایسی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے۔ نیز اس میں قمار بھی ہے کہ حقیقت میں خرید وفروخت مفقود ہے اور محض ایک کاغذی کارروائی کی بنیاد پر نفع یا نقصان ہوتا ہے۔

۱۴۔ غائب سودا:

خرید وفروخت ان معاملات میں ہے جو مستقبل کی طرف منسوب ہو کر نہیں کئے جا سکتے، علامہ حصکفی رقمطراز ہیں:

وما لا يصح إضافته إلى المستقبل عشرة: البيع وإجازته وفسخه والقسمة و الشركة والهبة والنكاح والرجعة والصلح عن مال، والإبراء عن الدين لأنها تمليكات للحال فلا تضاف للاستقبال (الدر المختار مع الرد ۴؍۲۶۰)

مستقبل کی طرف، جن امور کی نسبت درست نہیں ہے وہ دس ہیں: بیع، اجازت بیع، فسخ بیع، تقسیم،

شرکت، ہبہ، نکاح، رجعت، مال پر صلح، دین سے ابراء اس لئے کہ ان سب میں فی الحال تملیک ہوتی ہے، لہذا مستقبل کی طرف ان کی نسبت درست نہیں۔

اس لئے غائب سودے کی صورت بیع کی نہیں ہے بلکہ یہ محض وعدہ بیع ہے اس لئے اس پر بیع کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

۱۵،۱۶۔ سرٹیفکیٹ ملنے سے پہلے شیئر کی فروخت:

اصل میں یہ مسئلہ انتقال حصص کے قانون سرکاری اور شیئر مارکیٹ کے عرف پر موقوف ہے، لیکن بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شیئر سرٹیفکیٹ شیئر کا علامتی وجود ہے یا حقیقی شیئر کی کلید کے درجہ میں ہے، لہذا جیسے فقہاء نے مکان کی بیع میں کنجی حوالہ کر دینے کو قبضہ قرار دیا ہے اسی طرح شیئر سرٹیفکیٹ پر نام کی منتقلی کو قبضہ تصور کیا جانا چاہئے، ورنہ اگر صرف ایجاب وقبول ہی کو قبضہ مان لیا جائے تو قبضہ کا حکم بے معنی ہو جائے گا، اس لئے سرٹیفکیٹ حاصل ہونے سے پہلے خرید وفروخت درست نظر نہیں آتی۔

۱۷۔ بروکر:

اوپر ذکر کی گئی تفصیلات کے مطابق جائز اور حلال کاروبار پر مبنی شیئرز کی خرید وفروخت میں "بروکر" بننا اور اجرت حاصل کرنا جائز ہے، ایسے ہی درمیانی لوگوں کو فقہاء دلال سے تعبیر کرتے ہیں، علامہ شامی کا بیان ہے:

تجب الدلالة على البائع أو المشترى أو عليهما بحسب العرف (ردالمحتار ۴/۴۶)۔

فروخت کنندہ یا خریدار یا دونوں پر حسب عرف ورواج دلالی کی اجرت واجب ہوگی۔

شیئرز کی شرعی حیثیت

مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی، باندہ

۱۔ شیئرز کی شرعی حیثیت کی بابت یہ نظریہ ہی صحیح وراجح معلوم ہوتا ہے کہ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے اور وہ نقد اور اثاثہ کا مجموعہ ہوتا ہے، صرف دیئے گئے پیسے کی دستاویز نہیں۔ اسی نظریہ کا عرف میں اعتبار ہے، اور فقہاء معاصرین اور محققین بھی اکثر یہی نظریہ رکھتے ہیں۔

اس کی واضح شرعی دلیل وہ تفصیل ہے جو کہ سوال کے اخیر میں درج کی گئی ہے کہ شیئر ہولڈر کو کمپنی سے نفع ملتا ہے جو کہ اس کی لگائی ہوئی رقم سے زائد ہوتا ہے، اور اس کو نقصان بھی برداشت کرنا پڑتا ہے یوں کہ اس کی کل رقم یا اس کا ایک حصہ ڈوب جاتا ہے، اور کمپنی تحلیل ہو جائے تو شیئرز کے تناسب سے اثاثہ میں حصہ ملتا ہے۔

۲۔ کمپنی کا ابتدائی حال جبکہ صرف نام اور منصوبہ پایا جاتا ہے اور ابھی کوئی عمل، اقدام، عمارت واملاک کا کوئی وجود نہیں ہوتا، اس وقت جو اولین شیئر خریدنے والے ہوتے ہیں جو کہ کمپنی کا اعلان کرنے والوں اور قائم کرنے والوں سے شیئر لیتے ہیں تو ان کے معاملہ میں کوئی قباحت نہیں، اور یہ خرید وفروخت کا معاملہ نہیں بلکہ یہ تو شرکت اور عقد شرکت کا معاملہ ہے۔ البتہ ان اولین شیئر کے خریداروں سے جب کوئی خریدے گا تو یہ معاملہ درست نہ ہوگا، اس لئے کہ جب کوئی اثاثہ واملاک اب تک نہیں بنیں تو باہم یہ معاملہ حوالہ کا معاملہ ہوگا جس میں کمی وبیشی درست نہیں ہے۔ اس معاملہ میں رقم کے مقابلہ میں رقم ہی ہے۔ ایک ادھار اور ایک نقد۔

اگر اس کو خرید وفروخت قرار دیں تو صرف کا معاملہ قرار پائے گا، اور اس کے احکام جاری ہوں گے جن میں مساوات مال بھی ہے۔ اس لئے یہ معاملہ صرف اس طرح درست ہو سکتا ہے کہ اصل سرمایہ لے کر پہلا شریک دستبردار ہو جائے۔

۳۔ جب کمپنی باقاعدہ وجود میں آجاتی ہے اور اس کا اثاثہ نقد اور املاک کا مجموعہ ہوتا ہے تو خرید وفروخت نقد کے ساتھ درست ہے باوجودیکہ مجموعہ مال ربوی وغیر ربوی دونوں پر مشتمل ہے۔ یہ جواز فقہاء کی ذکر کردہ مشہور توجیہ وتعبیر کے مطابق اس بنیاد پر ہے کہ خریدار کے ادا کردہ نقد کے دو حصے مانے جائیں گے، شیئر کے حصہ نقد کے مقابلہ میں ایک حصہ قرار دیا جائے گا جو کہ مساوی ہوگا اور باقی رقم ونقد کو شیئر کے حصہ اثاثہ کا مقابل مانا جائے گا۔ مثلاً شیئر سو روپے کا خریدا گیا، اور وہ مشتمل ہے چالیس نقد اور اثاثہ پر۔ تو سو (۱۰۰) میں سے چالیس (۴۰) کے بالمقابل، اور باقی ساٹھ (۶۰) اثاثہ کے بالمقابل وبالعوض ہوگا (امداد الفتاوی ۳/۱۳۰ میں بھی اس قسم کا سوال وجواب آیا ہے)۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا کاروبار بنیادی طور پر حرام ہے ان کے شیئرز کی خرید وفروخت ناجائز ہے۔

۵۔ جن کمپنیوں کا کاروبار بنیادی طور پر حلال ودرست ہے، البتہ انہوں نے سودی قرض لے رکھا ہے تو ان کے شیئرز کا خریدنا جائز ہے۔ یہ جواز اس لئے ہے کہ کاروبار اور کمپنی وشرکاء کے درمیان لین دین درست ہے، اور سودی قرض

مجبوری کی وجہ سے لیا گیا ہے، یا مجبوری نہ ہو تو مالکان نے لیا ہے، جس کے سود کی ادا کرنے کی ذمہ داری خود ان پر ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ حاصل شدہ کل منافع سے سود ادا کیا جاتا ہے تو سود کے ادا کرنے میں شیئر ہولڈر کی بھی شرکت ہوئی لہذا وہ اس گناہ میں شریک ہوا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ معاہدہ و معاملہ کی رو سے کل اخراجات و مطالبات کو ادا کرنے کے بعد جو بچتا ہے وہ نفع ہے، اور اس میں شیئر ہولڈر کا حق و حصہ ہے، اور ان اخراجات و مطالبات میں سودی قرض کا سود بھی داخل و شامل ہے، اور چونکہ سود سرمایہ کے صرف اس حصہ کے مقابل ہوگا جو کہ کمپنی کے مالکان و ذمہ داران نے خود لیا ہے، اس لئے اس کو نفع میں ان کے حصہ و حق سے مانا جائے گا نہ کہ سب کے حق سے۔

۶۔ کمپنیوں کا کاروبار حلال ہونے کے ساتھ مجبوری کی بنا پر ان کو جو بعض ایسے معاملات کرنے پڑتے ہیں جن کی وجہ سے ان کو سود ملتا ہے، تو ایسی کمپنیز کا شیئر خریدنا درست ہے۔ خواہ انہوں نے ایسا اس لئے کیا ہو کہ اس کے بغیر کاروبار ہی ممکن نہیں یا اس لئے کہ اس کو بڑھانا ممکن نہیں۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ شیئر ہولڈر کے نفع میں سود شامل نہ کیا جائے، اور اگر شامل کیا جائے تو اس کو الگ و ممتاز رکھا دکھا جائے تا کہ شیئر ہولڈرس اس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے۔

۷۔ سودی قرض سے حاصل ہونے والے جائز منافع اور اس کی حلال آمدنی درست ہے۔ اس لئے کہ خرابی سود پر قرض لینے میں اور سود ادا کرنے میں ہے۔ اور اس قرض کی رقم کو جائز کاروبار میں لگایا جائے یا ضروریات میں استعمال کیا جائے تو اس میں حرمت کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، ہاں قباحت و کراہت ضرور ہوگی جبکہ انتہائی مجبوری کے بغیر یہ قرض لیا گیا ہو (سودی قرض کی آمدنی کی حلت کا فتوی۔ امداد الفتاوی ۳ر۷۰ امیں آیا ہے)۔

۸۔ کمپنی کا معاملہ مضاربت کا معاملہ ہوتا ہے جس میں مضارب رب المال کا وکیل ہوتا ہے، لہذا کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرز تمام شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہوتا ہے اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا، اور بورڈ کے تمام اعمال کی نسبت تمام شرکاء کی طرف ہوگی۔

۹۔ بعض حضرات کی رائے یہ ضرور ہے کہ شیئر ہولڈرس اختلاف کا اعلان کردے تو کافی ہے مگر بات سمجھ میں نہیں آتی، بالخصوص ان لوگوں کے حق میں جو کہ کمپنی کے قیام میں آنے کے بعد اس کے شیئرز خریدتے ہیں۔ البتہ ابتدائی شرکاء یعنی اولین شیئرز ہولڈرس کی طرف سے اگر یہ بات کہی جائے تو براءت سمجھ میں آتی ہے، مگر کمپنی جب ایک نظام کے تحت کام کرنے لگے اور اس میں یہ معروف و معلوم ہو کہ سودی قرض لیا گیا ہے اور سود کا معاملہ کیا گیا ہے، اور پھر ایک آدمی حصہ لیتا ہے اور بعد میں براءت کا اظہار کرتا ہے تو یہ براءت بے معنی سمجھ میں آتی ہے۔

۱۰۔ کمپنی کے منافع میں شامل سود کی مقدار معلوم ہونے کی صورت میں اگر شیئر ہولڈر سود کی بقدر رقم نکال کر صدقہ کردے تو کافی ہے۔ جیسے بینک میں جمع کردہ سرمایہ پر ملنے والا سود اور اس کو الگ کردینا اصل رقم کو متاثر نہیں کرتا۔

۱۱۔ اگر سود کی آمدنی کو اصل کے ساتھ ملا کر کاروبار میں لگا دیا گیا تو حساب کرنے پر سود کی رقم نیز اس سے حاصل ہونے والا نفع سب کو صدقہ کرنا لازم ہے، اور آدمی بری ہو جائے گا۔

شامی میں ہے:الحرمۃ تتعدد (۹۸/۵) نیز الخبث بفساد الملک إنما یعمل فیما یعین لا فیما لا یتعین. وأما الخبث لعدم الملک کالغصب فیعمل فیهما کما بسطه خسرو و ابن الکمال (درمختار مع حاشیہ شامی ۹۷/۵) عدم ملک کی خباثت وحرمت ہر چیز میں اثر انداز ہوتی ہے، سامان ونقد اوران سے حاصل ہونے والے منافع سب میں۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت کم ازکم فی الجملہ درست ہے، شیئر کا مطلب ہے کمپنی کا ایک حصہ، اور آج کل عرف میں شیئرز کو خود ایک استقلالی حیثیت حاصل ہے، لہذا یہ تجارت درست ہے بشرطیکہ دوسرا کوئی محظور نہ پایا جائے۔ مثلا قبضہ وغیرہ کا تحقق اور قبل القبض بیع، اور ربح مالم یضمن وغیرہ کا مسئلہ پیدا نہ ہوتا ہو۔ اور رہ گئی تخمین تو یہ بیع کی روح اور بنیادی عنصر ہے۔

۱۳۔ فیوچر سیل اور بیع المستقبلیات درست نہیں ہے، ذکر کردہ تفصیل کے مطابق یہ کھلا ہوا سود وقمار کا معاملہ ہے، اس کے بجائے اگر یہ معاملہ ہو کہ وقت مقررہ پر باقاعدہ فروخت کیا جائے خواہ نفع ہو یا نقصان، تو درست ہے۔

۱۴۔ سوال سمجھ میں نہیں آسکا، بظاہر تکرار ہے۔

۱۵۔ رہ گیا شیئرز کے نقد سودے میں شیئرز پر قبضہ کا مسئلہ، تو قبضہ کا معاملہ شریعت کی نگاہ میں وسعت رکھتا ہے۔ ہر شئے کا قبضہ اس کے مناسب حال ہوتا ہے اور اس میں عرف کا بھی دخل ہے، اس لئے اگر خریدار کی حیثیت سے بروکر کے یہاں نام آجانے پر حقوق منتقل ہوجاتے ہیں اور "ربح مالم یضمن" کا معاملہ نہیں رہ جاتا تو قبضہ مان لیا جائے گا۔ سرٹیفیکٹ تو ایک سرکاری ورسمی چیز ہے، ضروری نہیں ہے کہ وہ اسی کے نام ہو جس کو حقیقی ملکیت حاصل ہو۔ بلکہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شئے حقیقۃً ملکیت کسی کی ہوتی ہے اور نام کسی دوسرے کا چلتا رہتا ہے۔

۱۶۔ شیئر کا خریدار قیمت ادا کرنے کے بعد سرٹیفیکٹ حاصل کرنے سے قبل اگر شیئر کو فروخت کرے تو درست ہے بشرطیکہ سرٹیفیکٹ کے بغیر شیئر اس کے ضمان میں آجاتا ہو اور حقوق ومنافع اس کو حاصل ہوجاتے ہوں۔

۱۷۔ شیئر بازار میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے، اس لئے کہ بروکر کی حیثیت دلال اور کمیشن ایجنٹ کی ہے۔ مگر یہ شرط ہے کہ وہ ان ہی کمپنیز کے شیئرز کا کام کرے جن کا کاروبار بنیادی طور پر حلال ہے، اور یہ کہ اس میں شرعی ضوابط کا لحاظ کرے۔

حصص کے مختلف مسائل کا حکم

مولانا محمد حنیف

مدرسہ ریاض العلوم گوریني، جونپور

۱۔ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، قرض کی دستاویز نہیں ہے۔

۲۔ بیع صرف کا حکم ہے، برابر سرابر جائز ہے، کمی بیشی حرام ہے۔

۳۔ جب کمپنی کے املاک میں عروض ونقود دونوں ہوں تو اس کا حکم سیف محلی کا ہے، اس کی بیع وشراء ان نقود سے زائد پر ہونا ضروری ہے جتنے کی شیئر ضمانت دے رہا ہے۔

۴۔ حرام ہے۔

۵۔ جائز ہے۔

۶۔ جائز ہے۔

۷۔ سودی قرض سے حاصل ہونے والے منافع حلال وطیب اور مفید للملک ہیں (کمافی البحر ۱۱۴/۸)۔

۸۔ وکیل ہوتے ہیں، وکالت کے احکام ان پر جاری ہوتے ہیں۔

۹۔ بری الذمہ کردے گا کیونکہ اعلان کرنے کے بعد وہ فضولی کا ایسا عمل ہوگا جس پر اصیل راضی نہیں ہے۔

۱۰۔ صدقہ کردینا واجب ہے جس کی وجہ سے مال سے خبث دور ہوجائے گا اور یہ عمل مال کی طہارت کے لئے کافی ہوگا، اور ساتھ ہی ساتھ اللہ رب العزت سے توبہ بھی کرے۔

۱۱۔ سود سے حاصل ہونے والی رقم سے جتنا نفع ہوگا اس نفع کو مع اصل سود کے سب کا صدقہ کردینا واجب ہے، کمافی الہدایہ (۳/۳۵۹-۳۶۰) والبحر (۱۱۴/۸):

قال مشائخنا لا یطیب له بکل حال فهو المختار وإطلاق الجواب فی الجامعین یدل علی ذلک.

۱۲۔ حاضر سودے کے شیئرز کی تجارت بشرائط جائز ہیں، بازار کی صورت حال کو دیکھ کر قیاس آرائیوں سے زیادہ منافع دینے والے شیئرز خریدنے اور بیچنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، کیونکہ ہر تجارت میں قیاس آرائیوں کا دخل ہوتا ہے اور تجارت میں نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ جائز بھی ہے بشرطیکہ امر محظور کا ارتکاب نہ ہو، اور قیاس آرائی کوئی امر محظور نہیں۔

۱۳۔ یہ صورت قمار میں داخل ہے۔

۱۴۔ یہ بیع الآجل بالآجل ہونے کی بنا پر حدیث نبوی ﷺ سے حرام وناجائز ہے:

نهی رسول الله ﷺ عن بیع الکالي بالکالي.

۱۵۔ قبضہ کی جو حقیقت ہے یعنی ضمان میں داخل ہونا، نفع ونقصان کا مالک ہونا، جب یہ حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی بیع وشراء جائز ہے، اگرچہ نام کی تبدیلی اور سرٹیفکیٹ کی ادائیگی میں تاخیر ہو۔

۱۶۔ جائز ہے، کیونکہ قبضہ کی حقیقت حاصل ہے، بشرطیکہ إفضاء إلى المفسدة نہ ہو۔

۱۷۔ بروکر دلال کے مثل ہے، دلالی اور اس کی اجرت جائز ہے، بشرطیکہ خداع وغیرہ نہ ہو اور اجرت متعین ہو، نیز فیصد کے اعتبار سے متعین کرنا یہ تعیین کے درجہ میں ہے۔

کمپنی اور شیئرز سے متعلق نئے مسائل اور حل

مولانا ابوبکر قاسمی شکرپور، دربھنگہ

کاروبار کی قسمیں:

ملکیت کے اعتبار سے کاروبار کی تین قسمیں ہیں:(۱) شخصی کاروبار،(۲) شرکت (۳) کمپنی۔ کاروبار کی پہلی دو قسمیں اسی وقت سے رائج ہیں جب سے انسان کاروبار کر رہا ہے۔ حضرات فقہاء نے بھی ان کی بنیادی تفاصیل واحکام کو بیان فرمایا ہے، اور ان کی موجودہ صورتحال ماضی سے بنیادی طور پر مختلف نہیں ہے، اس لئے یہاں ان کی تفصیلات کا ذکر نہیں ہوگا، البتہ کمپنی کاروبار کی ایک نئی قسم ہے جس کا پہلے فقہاء کے دور میں وجود نہ تھا، اس لئے یہاں اس کی تفاصیل کو بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

کمپنی کا تعارف:

کمپنی کے لغوی معنی "شرکت" کے ہیں اور کبھی رفقائے کار کو بھی کمپنی کہا جاتا ہے، لیکن یہاں پر کمپنی سے کیا مراد ہے، اس کو جاننے کے لئے اس کی مختصر تاریخ سے واقفیت ضروری ہے۔

یورپ میں صنعتی انقلاب رونما ہونے کے بعد سترہویں صدی کے آغاز میں بڑے بڑے کارخانوں وغیرہ کے قائم کرنے کے لئے جب عظیم سرمایہ کی ضرورت پڑنے لگی جس کو کوئی شخص اکیلا یا چند افراد مل کر فراہم نہیں کر سکتے تھے، تو اس وقت عام لوگوں کی منتشر بچتیں یکجا کر کے اجتماعی فائدہ اٹھانے کے لئے کمپنی کا نظام رائج ہوا، ابتداء کمپنیاں نیم سرکاری ہوتی تھیں، جو عموماً حکومت کے چارٹر (اجازت نامے) کے تحت غیر ملکی تجارت کے لئے وجود میں آتی تھیں، اور انہیں بہت وسیع اختیارات دیئے جاتے تھے، بسا اوقات ان کو قوانین وضع کرنے کا بھی اختیار ہوتا تھا، سکہ ڈھالنے، پولیس اور فوج رکھنے کا بھی اختیار ہوتا تھا، برصغیر پر قابض ہونے والی ایسٹ انڈیا کمپنی بھی اسی قسم کی ایک کمپنی تھی، اب وسیع اختیارات کے تحت ایسی کمپنیاں موجود نہیں رہیں، اب صرف تجارتی کمپنیاں ہوتی ہیں، جو حکومت کی اجازت سے قائم ہوتی ہیں، کمپنیوں کی تشکیل کی اجازت اور ان کو کنٹرول کرنے کا کام جو ادارہ کرتا ہے اس کو ہمارے ملک میں کارپوریٹ لاء اتھارٹی (Corporate Law Authority) کہا جاتا ہے، یہ وزارت خارجہ کا ایک ذیلی ادارہ ہے، اس کی اجازت کے بعد جب کمپنی وجود میں آجاتی ہے تو اس کو شخص قانونی یا شخص فرضی کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے، جو بیع وشراء کرتا ہے، اور مدعی ومدعا علیہ بنتا ہے، اسی طرح دائن ومدیون ہوتا ہے، اب اس کو کاروبار شروع کرنے کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہے جس کی فراہمی کے لئے لوگوں کو کمپنی میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے، اور کمپنی کو جتنے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے کاروبار میں جتنے لوگوں کو شریک کرنا مقصود ہوتا ہے، اسی حساب سے کمپنی کے شیئرز متعین کئے جاتے ہیں اور اس کا اعلان کیا جاتا ہے، کمپنی کے اس اعلان پر جو لوگ اس کے حصہ میں

شریک ہو کر سرمایہ دیتے ہیں، اس کے لئے کمپنی ایک سرٹیفکیٹ جاری کرتی ہے، جو اس بات کی سند ہوتی ہے کہ اس شخص کا کمپنی کے اثاثوں اور سرمایوں میں اتنا حصہ ہے، اسی سرٹیفکیٹ کو اردو میں "حصہ" عربی میں "سہم" اور انگریزی میں "شیئر" کہا جاتا ہے۔

کمپنی کی حقیقت:

مندرجہ سطور میں کمپنی کا جو مختصر تعارف پیش کیا گیا اس کو جان لینے کے بعد اب یہاں پر چند باتیں قابل غور ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ کمپنی کی حقیقت کیا ہے، تو اس سلسلہ میں مذکورۃ الصدر تصریحات سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ فقہاء کرام نے کتب فقہ و فتاوی میں جو عقد شرکت کی بحث فرمائی ہے، بعینہ اسی کو دور حاضر کی اصطلاح میں کمپنی کا نام دے دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے کمپنی کے مروجہ نظام کو عقد شرکت کی دوسری قسم شرکت عنان میں داخل فرمایا ہے (امداد الفتاوی ۴۹۴/۳) لیکن دور حاضر کے جن حضرات علماء نے کمپنی کے پورے نظام پر اس کے دستور کو سامنے رکھ کر غور کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ کمپنی اور شرکت کے نظام میں بہت کچھ فرق ہے، اور کمپنی کے بعض مخصوص خصائص ہیں جو عقد شرکت میں نہیں پائے جاتے ہیں۔

کمپنی اور شرکت کے درمیان فرق:

مثلاً کمپنی کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ شرکت میں ہر شریک کی الگ الگ ملکیت متصور ہوتی ہے، مگر اس نظام میں کئی افراد کے مجموعے کو ایک شخص قانونی قرار دیا جاتا ہے، اس شخص قانونی کو کارپوریشن کہتے ہیں جس کی ایک قسم کمپنی ہے۔

کمپنی کے نظام کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کا اپنا مستقل قانونی وجود ہوتا ہے، جس کی رو سے خود کمپنی ہی کو اس کے املاک وغیرہ کا مالک قرار دیا جاتا ہے، اور خود کمپنی ہی کی طرف اس کے سارے حقوق لوٹتے ہیں، یہاں تک کہ کمپنی مدعی بھی بنتی ہے اور مدعا علیہ بھی، اسی طرح کمپنی دائن و مدیون بھی بنتی ہے، جبکہ شرکت کے اندر ایسا نہیں ہوتا، کیونکہ اس کا الگ سے کوئی قانونی وجود نہیں ہوتا، ہاں شرکت میں اس کا ہر شریک کاروبار کے تمام اثاثوں کا مشاع کے طور پر مالک ہوتا ہے، اور اس کے ہر شریک کو ایک دوسرے کا وکیل قرار دیا جاتا ہے، اور اس میں ہر شخص کی ذمہ داری یکساں ہوتی ہے، مثلاً کوئی دَین واجب ہوا تو عقد شرکت میں اس کے تمام شرکاء سے برابر درجے میں مسئولیت ہوگی، مگر جیسا کہ عرض کیا گیا کمپنی میں ایسا نہیں ہوتا۔

کمپنی کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کے حصہ داروں کو کمپنی کے اثاثوں میں اس حد تک تو شریک مانا گیا ہے کہ اگر کسی وجہ سے کمپنی تحلیل ہو جائے اور وہ بند کر دی جائے تو اثاثے کی تقسیم کے وقت اس کے ہر حصہ دار کو متناسب حصے ملیں گے، لیکن کمپنی کی تحلیل سے قبل اس کے حصہ داروں کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کمپنی کے اثاثوں میں تصرف کر سکے، یہی وجہ ہے کہ کمپنی کا کوئی شریک اگر اتنا مدیون ہو گیا کہ اس کے اثاثے قرق (ضبط) کئے گئے تو اس کے ہاتھ میں کمپنی کا جو حصہ ہے وہ تو قرق ہوگا لیکن اس کے حصے کے تناسب سے کمپنی کے اثاثوں میں سے اس کا جو حصہ بنتا ہے

وہ قرق نہیں ہوگا، اس لئے کہ قانونا کمپنی کے اثاثوں میں اس کو تصرف کا حق نہیں ہے، لیکن شرکت کے اندر ہر شریک بااختیار ہوتا ہے، اور اس کو تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے، اگر وہ چاہے تو شرکت کو ختم کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شریک مدیون ہو جائے اور اس کے سارے اثاثے قرق کئے جائیں تو شرکت میں اس کے حصہ کے تناسب سے جو اس کا حق بنتا ہے وہ سب قرق ہو جائے گا۔

کمپنی کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اس پر کاروبار کی جہت سے کسی کا دعویٰ ہو یا خود کمپنی کا کسی پر دعویٰ ہو تو خود کمپنی ہی مدعی یا مدعا علیہ ہوگی، اس کے حصہ دار ہرگز مدعی یا مدعا علیہ نہ ہوں گے، کیونکہ خود کمپنی کو شخص قانونی کا درجہ حاصل ہے شخص حقیقی کے مثل، البتہ کمپنی کی نمائندگی عدالت میں اس کی انتظامیہ کا کوئی فرد کرے گا، اس کے برعکس اگر شرکت میں کاروبار کی جہت سے اس کا کسی پر دعویٰ ہو یا اس پر کسی کا دعویٰ ہو تو اس کے تمام شرکاء مدعی یا مدعا علیہ ہوں گے۔

کمپنی کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ اس کا کوئی شریک اپنا سرمایہ نہیں نکال سکتا، البتہ اپنے حصہ کو فروخت کر سکتا ہے، جبکہ شرکت کے اندر اگر اس کا کوئی شریک شرکت فسخ کر کے اپنا سرمایہ نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے۔

کمپنی کے نظام کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ کمپنی میں ذمہ داری محدود ہوتی ہے، جبکہ شرکت میں عموماً ذمہ داری کاروبار کے اثاثوں تک محدود نہیں ہوتی۔

مندرجہ ذیل تفصیل سے معلوم ہوا کہ شرکت اور کمپنی کے نظاموں کے درمیان بہت نمایاں فرق ہے، اور کمپنی کے نظام کی کچھ مخصوص خصوصیات ہیں جن کے پیش نظر کمپنی شرکت کی معروف اقسام میں سے کسی میں داخل نہیں ہے، اور جیسا کہ حضرات علماء بخوبی جانتے ہیں فقہاء کرام نے عقد شرکت کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں: (۱) شرکت مفاوضہ، (۲) شرکت عنان، (۳) شرکت صنائع، (۴) شرکت وجوہ۔ اگر شرکت کے ساتھ مضاربت کو بھی شامل کر لیا جائے تو شرکت کی پانچ قسمیں بن جاتی ہیں، ظاہر ہے کمپنی کا یہ مروجہ نظام شرکت کی مذکورہ پانچوں قسموں میں سے کسی میں بتمام وکمال داخل نہیں ہے، جیسا کہ کمپنی اور شرکت کے نظاموں کے درمیان مندرجہ بالا فرق و خصائص میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

کمپنی کی شرعی حیثیت:

اب یہاں دوسرا سوال یہ ہے کہ جب کمپنی مروجہ شرکت کی معروف اقسام میں داخل نہیں ہے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ تو اس سلسلہ میں علمائے معاصرین کی بنیادی طور پر دو رائیں ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ چونکہ شرکت کا معاملہ پانچ قسموں میں منحصر ہے اور کمپنی ان میں سے کسی میں داخل نہیں ہے، لہذا یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ محض اس بنا پر کہ کمپنی شرکت کی معروف اقسام میں داخل نہیں ہے اس کو ناجائز نہیں قرار دیا جا سکتا، اس لئے کہ حضرات فقہاء نے شرکت کی جو اقسام بیان فرمائی ہیں وہ منصوص نہیں ہیں، بلکہ ان حضرات نے اپنے زمانہ میں شرکت کی مروجہ صورتوں کا استقراء کر کے اس کی روشنی میں شرکت کی تقسیم فرمائی ہے، علاوہ ازیں کسی نص یا تصریحات فقہاء میں یہ درج نہیں ہے کہ جو صورت ان اقسام سے خارج ہو وہ جائز نہ ہوگی، لہذا اگر شرکت کی کوئی اور صورت

شرکت کی مذکورہ اقسام سے خارج ہو، لیکن شرکت کے اصول منصوصہ میں سے کسی کے خلاف نہ ہو تو اسے شرعاً جائز قرار دیا جائے گا، چنانچہ جب کمپنی کی مذکورہ خصوصیات پر غور کیا جاتا ہے تو ان میں سے اکثر کا تعلق انتظام سے ہے، جو شرعاً قابل اعتراض نہیں ہے، البتہ کمپنی سے متعلق دو چیزیں شرعی اعتبار سے قابل غور ہیں:

پہلی چیز یہ ہے کہ عقد شرکت کا تو کوئی قانونی وجود نہیں ہوتا، لیکن کمپنی کا مستقل قانونی وجود ہوتا ہے، جس کو شخص فرضی یا شخص قانونی کہا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ شخص قانونی کا تصور شرعاً درست ہے یا نہیں، تو جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام میں گو شخص قانونی کی اصطلاح موجود نہیں ہے لیکن اس کے نظائر موجود ہیں، چنانچہ وقف، بیت المال، ترکہ مستغرقہ بالدین، اسی طرح ائمہ ثلاثہ کے مسلک کے مطابق خلطۃ الشیوع۔ یہ چاروں چیزیں شخص قانونی کے نظائر ہیں، اگر چہ ان کے لئے شخص قانونی کی اصطلاح استعمال نہیں ہوئی ہے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ چیزیں شخص قانونی کے ذیل میں آتی ہیں، اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک پر حضرات فقہاء نے ان کو شخص قانونی کے درجہ میں رکھ کر شخص حقیقی کے احکام جاری کئے ہیں، مثلاً وقف مالک بھی ہوتا ہے، دائن و مدیون بھی ہوتا ہے، مدعی و مدعا علیہ بھی ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ سارے اوصاف شخص حقیقی کے ہیں، لیکن وقف میں شخص قانونی کی خصوصیات تسلیم کی گئی ہیں۔ اسی طرح بیت المال کہ اس سے پوری قوم کا حق متعلق ہوتا ہے، لیکن کوئی شخص اس کی املاک میں ملکیت کا دعویٰ نہیں کرسکتا، بلکہ اس کے اموال کا مالک بیت المال ہی کو قرار دیا جاتا ہے، اور اس کی ایک مد شخص قانونی کا درجہ رکھتی ہے، اور ضرورت پڑنے پر دوسری مد سے اس کے لئے قرض لیا جاتا ہے، اب ظاہر ہے کہ اس صورت میں جس مد سے قرض لیا گیا وہ دائن اور جس مد کے لئے لیا گیا وہ مدیون ہوگا، معلوم ہوا کہ بیت المال کو شخص قانونی کا درجہ دیا گیا ہے۔ اسی طرح کسی میت کا ترکہ جو دیون سے مستغرق ہو اس کو مدیون تسلیم کیا گیا ہے، جو ایک شخص قانونی کے حکم میں ہے۔ اسی طرح ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خلطۃ الشیوع کی صورت میں (جبکہ مال مشاع کے طور پر کئی شخصوں میں مشترک ہو تو) زکوۃ لوگوں کے انفرادی حصوں پر واجب نہیں ہوتی ہے بلکہ کل مال کے مجموعے پر ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں مال کا مجموعہ ایک شخص قانونی ہے (یاد رہے کہ خلطۃ الشیوع کی جو نظیر پیش کی گئی ہے وہ فقہ حنفی کے مطابق ہے)۔ مندرجہ نظائر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شخص قانونی کا تصور فی نفسہ کوئی ناجائز تصور نہیں ہے اور نہ فقہ اسلامی کی رو سے یہ کوئی اجنبی تصور ہے، البتہ شخص قانونی کی یہ اصطلاح ضرور نئی ہے۔

کمپنی سے متعلق دوسرا قابل غور پہلو:

یہاں پر کمپنی کے نظام کی دوسری خصوصیت جو شرعی اعتبار سے قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اس کے حصہ داروں کی ذمہ داری ان کے لگائے ہوئے سرمائے کی حد تک محدود ہوتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کمپنی خسارے میں گئی تو ان کا زیادہ سے زیادہ یہ نقصان ہوگا کہ ان کا لگایا ہوا سرمایہ ڈوب جائے گا، لیکن اگر کمپنی پر قرض زیادہ ہو گیا تو اس کے حصہ داروں سے ان کے لگائے ہوئے سرمایہ سے زیادہ کا مطالبہ نہ ہوگا، اسی طرح کمپنی کی ذمہ داری بھی اس کے اثاثوں کی حد تک محدود ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرضے کی ادائیگی کے لئے زیادہ سے زیادہ کمپنی کے اثاثے قرق کرائے

جا سکتے ہیں، لیکن اثاثوں سے زیادہ کا مطالبہ نہ ہوگا۔ اب یہاں قابل غور پہلو یہ ہے کہ کمپنی اور اس کے شرکاء کی محدود ذمہ داری کا نقصان یہ ہوگا کہ اس کے قرض خواہوں کا کمپنی کے اثاثوں سے زائد جو قرض ہوگا اس کی وصولیابی کی کوئی صورت نہیں رہے گی، جس کے سبب قرض خواہوں کا ذمہ خراب ہوگا، اسی کو فقہ کی اصطلاح میں خراب الذمہ کہا جاتا ہے۔ بعض علماء نے اس اشکال کی وجہ سے کہا ہے کہ محدود ذمہ داری کا شرعاً تصور صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اس سے لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں، لیکن اگر اس مسئلہ کو ایک دوسرے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ کمپنی کی محدود ذمہ داری کے تصور کی بنیاد دراصل شخص قانونی کے تصور ہے، اگر شخص قانونی کو تسلیم کرلیا جائے تو اس محدود ذمہ داری کو ماننا کچھ مشکل نہیں رہتا۔ شخص حقیقی اگر مفلس ہوجائے تو اس کے قرض خواہ اپنا قرض صرف اس کے اثاثوں سے وصول کرسکتے ہیں، اس سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کرسکتے، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل کے متعلق مشہور ہے کہ جب وہ مفلس ہوگئے تو حضور پاک ﷺ نے ان کے قرض خواہوں سے فرمایا تھا کہ:

"خذوا ما وجدتم ليس لكم الا ذلك"۔ (صحیح مسلم، باب وضع الجوائح)۔

اگر قرض دار کی موت اس کے مفلس ہونے کی حالت میں ہوجائے تو خراب الذمہ ہوجاتا ہے یعنی اس کے قرض خواہوں کے قرض کی ادائیگی کو کوئی صورت نہیں رہتی۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شخص حقیقی اگر مفلس ہوکر مرجائے تو اس کی ذمہ داری اثاثوں تک محدود رہتی ہے، اور قرض خواہوں کا ذمہ خراب ہوجاتا ہے، اس طرح کمپنی کو جب شخص قانونی مان لیا گیا تو یہ بھی اگر دیوالیہ ہوکر تحلیل ہوجائے تو اس کی ذمہ داری بھی اثوثوں ہی کی حد تک محدود ہونی چاہیے، اس لیے کہ کمپنی کا تحلیل ہوجانا اس شخص قانونی کی موت ہے۔ مندرجہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ محدود ذمہ داری کا تصور کوئی ناجائز تصور نہیں ہے کہ اس کے سبب سے کمپنی کی شرکت کو فاسد قرار دیا جائے۔ کمپنی کی محدود ذمہ داری کی دلچسپ نظیر عبد ماذون فی التجارۃ ہے، کہ جس طرح ایک غلام کو آقا کی طرف سے تجارت کی اجازت ہوتی ہے، اور جو کچھ وہ تجارت کرتا ہے وہ آقا کا مملوک ہوتا ہے، لیکن اس کے باوصف اگر غلام پر دیون واجب ہوں تو وہ اس غلام کی قیمت تک محدود ہوں گے، اس سے زیادہ کا نہ غلام سے مطالبہ ہوسکتا ہے اور نہ مولی سے، یہاں بھی قرض خواہوں کا ذمہ خراب ہوگیا، اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ نظیر کمپنی کی محدود ذمہ داری سے بہت قریب ہے، کمپنی کے قرض خواہوں کا ذمہ خراب ہوجاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جن وجوہ سے بعض علماء نے کمپنی کے مروجہ نظام کو ناجائز قرار دیا ہے، ان سب وجوہ کی شریعت میں جائز نظیر موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء نے کمپنی کے مروجہ نظام کو شرعاً درست قرار دیا ہے۔

آخر میں کمپنی کے شیئرز سے متعلق ایک بحث رہ جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ کمپنی کا شیئرز کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا نہیں، تو اس سلسلہ میں بعض علماء معاصرین کی رائے یہ ہے کہ کمپنی کا شیئرز اس کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی نہیں کرتا بلکہ یہ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس شخص نے کمپنی کو اتنی رقم دے رکھی ہے، جیسے دیگر قرضوں مثلاً بانڈز وغیرہ کی دستاویزات ہوتی ہیں، ایسے ہی یہ بھی ایک شہادت و دستاویز ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ بانڈز وغیرہ پر متعین شرح سے سود ملتا ہے، لیکن شیئرز پر سود کی شرح متعین نہیں ہوتی، بلکہ کمپنی کو جو

نفع ہوتا ہے اس کا ایک متناسب حصہ اس کو دیدیا جاتا ہے۔ اب یہاں پر قابل غور پہلو یہ ہے کہ بعض علماء نے شیئرز کے متعلق جو یہ رائے قائم کی ہے اس کی بنیاد کیا ہے، اس سلسلہ میں ان حضرات کا کہنا ہے کہ اگر شیئرز کمپنی کے اثاثوں میں ملکیت کی نمائندگی کرنے والا ہوتا تو شیئرز ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں جہاں اس کی دیگر املاک کی قرقی ہوتی ہے اس طرح کمپنی اس کے متناسب حصے کی بھی قرقی ہونی چاہیے تھی مگر نہیں ہوتی، معلوم ہوا کہ کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر کی ملکیت نہیں ہوتی۔

لیکن ان بعض علماء کے مذکورہ نظریہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مذکورہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ کمپنی کے ظاہری نظام اور اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کو پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیئرز ہولڈر کی کمپنی کے اثاثوں میں ملکیت ہوتی ہے کہ اگر کمپنی باہمی قرارداد سے تحلیل ہو جائے تو شیئرز ہولڈرس کو صرف ان کی لگائی ہوئی رقم واپس نہیں ملتی بلکہ کمپنی کے اثاثوں کا متناسب حصہ شیئرز ہولڈرس کو دیا جاتا ہے جبکہ دوسری مالی دستاویزات مثلاً بانڈز وغیرہ پر کمپنی کے تحلیل ہونے کی صورت میں صرف لگی ہوئی رقم سود کے ساتھ واپس دی جاتی ہے۔ مذکورہ تفصیل سے صاف ہوا کہ کمپنی کا شیئرز محض قرضے کی شہادت نہیں ہے، بلکہ یہ کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر کی متناسب ملکیت کی نمائندگی کرتے ہیں، لہٰذا کمپنی کا جو شیئرز ہولڈر اپنے شیئرز کو فروخت کرتا ہے تو درحقیقت وہ کمپنی کے جامد اثاثوں، سامان تجارت، نقد، قابل وصول دین وغیرہ میں جو اس کا متناسب حصہ ہوتا ہے اس کو فروخت کرتا ہے تو درحقیقت وہ نقد رقم کو نقد کے ساتھ فروخت کرتا ہے، اس لیے شیئرز کی مذکورہ دونوں صورتوں کے احکام میں فرق ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کمپنی کے شیئرز کی دستاویز کی حیثیت قرض وغیرہ کی دستاویز کے مانند نہیں ہے بلکہ کمپنی کے شیئرز کی دستاویز درحقیقت کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر کی متناسب ملکیت کی نمائندگی کرتی ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ شیئرز ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں جہاں اس کے دیگر املاک کی قرقی ہوتی ہے، اسی طرح کمپنی میں اس کے متناسب حصے کی بھی قرقی ہونی چاہیے مگر نہیں ہوتی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کمپنی میں شیئرز ہولڈر کے متناسب حصے کی قرقی ہوتی ہے لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ جب وہ دیوالیہ ہو جائے تو وہ اپنا حصہ کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دے، لہٰذا جن وجوہ کی بنیاد پر کمپنی کے شیئرز کی خرید و فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے وہ سب حقیقت سے دور ہیں، اور ان میں سے ہر ایک محل نظر ہے، اس لیے درست بات یہ ہے کہ اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہو تو ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید و فروخت شرعاً درست ہے۔

یہاں تک کاروبار کی قسمیں، کمپنی کا تعارف، شرکت و کمپنی کے نظاموں میں فرق اسی طرح کمپنی کے قابل غور پہلو شیئرز کی حقیقت کے سلسلہ میں جو کچھ مختصر جائزہ پیش کیا گیا وہ حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی کی کتاب ''فقہی مقالات'' اور ''اسلام اور جدید معیشت و تجارت'' سے ماخوذ ہیں، کمپنی کے دیگر امور کی تفصیل جاننے کے لیے مندرجہ بالا کتابوں کا مطالعہ مناسب ہوگا۔

شیئرز کی شرعی حیثیت اور اس کی خرید وفروخت سے متعلق فقہی احکام

۱۔ دور حاضر کی تجارتوں میں جن نئی صورتوں کا اضافہ ہوا ہے، ان میں سے ایک نئی صورت شیئرز کی خرید وفروخت کا مسئلہ بھی ہے، چونکہ شیئرز کا کاروبار آخری صدیوں میں شروع ہوا ہے، اس لیے قدیم فقہاء کی کتابوں میں اس کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں تفاصیل نہیں ملتیں، لہٰذا ضروری ہے کہ ہم قرآن وسنت اور تصریحات فقہاء کی روشنی میں شیئرز کی خرید وفروخت سے متعلق فقہی احکام کو تلاش کریں، لیکن شیئرز کی خرید وفروخت سے متعلق فقہی احکام کو تلاش کرنے سے پہلے ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم شیئرز کی حقیقت ونوعیت کو جانیں۔

تو اس سلسلہ میں جہاں تک شیئرز کی نوعیت کے تعیین کا مسئلہ ہے تو یہ بات سب پر واضح ہے کہ زمانہ سابق میں جو شرکت کا معاملہ ہوتا تھا، دور حاجر میں شیئرز کی خرید وفروخت کا مسئلہ اسی کی ایک خاص ہے، یا اسی سے ملتا جلتا ایک مسئلہ ہے، البتہ پہلے زمانہ میں جو شرکت کا کاروبار ہوا کرتا تھا وہ چند افراد کے درمیان ہوا کرتا تھا، جس کو آج کل کی اصطلاح میں پارٹنرشپ کہتے ہیں، لیکن آج جو شرکت کی نئی قسم وجود میں آئی ہے اس کو جوائنٹ اسٹاک کمپنی کہا جاتا ہے، اور شرکت کی اس نئی قسم کی بنیاد پر دنیا بھر میں اسٹاک مارکیٹس کام کر رہی ہیں، جن میں کروڑوں بلکہ اربوں روپیوں کا لین دین ہوتا ہے، اور چونکہ دنیا میں یہ کاروبار مختلف صورتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس لیے اس کے شرعی حکم کو معلوم کرنے کے لیے اس کی حقیقت کو جان لینا ضروری ہوگا۔

لیکن سب سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ شیئرز کیا چیز ہے، یاد رہے کہ کمپنی کے شیئرز کو اردو میں ''حصص'' کہتے ہیں اور عربی میں ''سہم'' کہا جاتا ہے، یہ شیئرز درحقیقت کسی کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈر کی ملکیت کے این متناسب حصہ کی نمائندگی کرتا ہے، مثلاً ایک شخص نے کسی کمپنی کا شیئر خریدا تو اس کے لیے اس شخص کو جو شیئرز سرٹیفکیٹ ک اکاغذ دیا گیا ہو وہ کاغذ اس کمپنی میں اس شیئرز خریدنے والے شخص کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، لہٰذا اس کمپنی کے جو اثاثے اچھی طرح یاد رہے کہ کمپنی کے شیئرز کا خریدار شخص اپنے حصے کے بقدر کمپنی کے املاک واثاثے کا اسی وقت مالک ہوگا جبکہ اس کمپنی کے پاس املاک واثاثے بھی ہوں، لیکن اگر ایسا نہیں ہے بلکہ ابھی ایک کمپنی قائم ہو رہی ہے تو ایسی صورت میں نئی کمپنی کے شیئرز کا خریدار شخص فی الوقت اس نئی کمپنی کے املاک واثاثے کا مالک نہیں بن رہا ہے، بلکہ ابھی وہ اس کمپنی کے ساتھ شرکت ہی کا معاملہ کر رہا ہے، کیونکہ شروع شروع میں جب کوئی کمپنی وجود میں آتی ہے تو پہلے اپنا لائحہ عمل اور خاکہ بنا کر شائع کرتی ہے اور اپنے شیئرز ایشو کرتی ہے، شیئرز کے ایشو اور جاری کرنے کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ کمپنی لوگوں کو اپنے کاروبار میں شیئرز خریدنے اور حصہ دار بننے کی دعوت دے رہی ہے، اب اس کمپنی کی دعوت پر جو شخص اس کمپنی کے شیئرز کو خریدتا ہے وہ شخص درحقیقت اس کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار بن رہا ہے، اور اس کمپنی کے ساتھ شرکت کا معاملہ کر رہا ہے۔

لیکن کیا کسی کمپنی کے ساتھ شرکت کا معاملہ کر لینے سے کوئی شخص شرعی طور سے کسی کمپنی کے اثاثے کا خریدار بن جاتا ہے، تو جواب ظاہر ہے کہ ہرگز ایسا نہیں ہوتا، اگرچہ عرف عام میں کہا جاتا ہے کہ اس نے فلاں کمپنی کے شیئرز خرید لیے

مگر شرعی اعتبار سے یہ خرید وفروخت نہیں ہے، کیونکہ جب کوئی شخص ابتداء میں روپے جمع کر کے کسی نئی کمپنی کا شیئرز حاصل کرتا ہے، تو اس کے نتیجے میں اس کو کوئی سامان نہیں مل رہا ہے، اس لیے کہ اس کمپنی نے ابھی تک کوئی کام شروع نہیں کیا ہے، اور نہ ہی اب تک کمپنی کے املاک واثاثے وجود میں آئے ہیں، بلکہ کمپنی تو اب بن رہی ہے، لہٰذا کسی نئی قائم ہونے والی کمپنی کے شیئرز خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ شیئرز خریدنے والا شخص اس کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار بن رہا ہے، اور اس کمپنی کے ساتھ شرکت کا معاملہ کر رہا ہے، اب شرکت کا معاملہ کرنے کے نتیجے میں جو اس خریدار شخص کو شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل ہو جائے تو درحقیقت وہ شیئرز سرٹیفکیٹ اس کمپنی میں اس شخص کے متناسب حصے کی نمائندگی کر رہا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ کوئی شخص کسی کمپنی کے کاروبار میں صرف حصہ دار ہو جائے تو اس سے اس کمپنی کے اثاثے اور املاک کا حقیقی مالک متصور نہ ہوگا، جب تک کہ خود اس کمپنی کے پاس اثاثے اور املاک پہلے سے موجود نہ ہوں یا اس نے خرید نہ لیے ہوں، اور اس کے پاس جو سرٹیفکیٹ ہے اس کی حیثیت محض اس بات کی دستاویز کی ہے کہ اس نے اتنی رقم فلاں کمپنی کو دے کر اس کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار ہوگا ہی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جب وہ نئی کمپنی اس روپے سے کوئی اثاثہ خریدے گی تو اس کا شیئرز ہولڈر اس کے متناسب حصہ کا مالک نہ ہوگا، جیسا کہ بانڈز وغیرہ قرض کی دستاویزوں میں ہوتا ہے، کہ کوئی مدیون جب کسی دائن سے کوئی دین لے کر کاروبار شروع کرتا ہے تو دائن اپنے مدیون کے دار وبار میں مالک نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ صرف اپنے دین کا حقدار ہوتا ہے، کیونکہ دین وقرض کا معاملہ محض ایک تبرع کا معاملہ ہے جس میں دائن وقرض خواہ صرف اپنے دین وقرض کو وصول کر سکتا ہے۔ لیکن یہ اس کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے دین وقرض کا عوض وصول کرے، یا اس قسم کی کوئی شرط رکھے، کیونکہ کوئی جنسی چیز دے کر اسی جنس کی چیز اضافہ کے ساتھ وصول کرنا شرعاً سود ہے۔

اس کے برعکس شرکت کا جو معاملہ ہوتا ہے یا دوسرے لفظوں میں کسی نئی کمپنی کے شیئرز خریدنے کا جو معاملہ اور معاہدہ ہوتا ہے، وہ درحقیقت نفع ونقصان میں شرکت کا معاہدہ ہوتا ہے، جو دراصل بیع ہی کی ایک قسم ہے اور بیع سلم کے مانند خرید وفروخت کا ایک معاملہ ہے۔ جو اصالۃً کرنے کے بجائے وکالۃً کرایا جاتا ہے، اس لیے اس معاملہ کے وقت اگرچہ کمپنی کے پاس اثاثہ واملاک نہ ہو پھر بھی کمپنی کی دعوت پر اس کے ساتھ معاملہ کرنا شرعاً درست ہے، اور جب کمپنی سامان واثاثہ خریدے گی تو یہ شخص اس کمپنی کے اثاثہ کا مالک نہ ہوگا، کیوں کہ خود کمپنی کے پاس اثاثہ نہیں ہے، البتہ کمپنی کے کاروبار میں جو اسے حصہ دار مانا گیا ہے تو چونکہ شرکت کا معاہدہ کر کے اس نے کمپنی میں رقم جمع کی ہے، اس لیے ابھی اس کا حصہ کمپنی میں جمع کردہ رقم کے بقدر ہی ہوگا، لہٰذا اگر وہ ابھی اپنے حصہ کو فروخت کرنا چاہے تو اس نے کمپنی میں جتنی رقم جمع کی ہے اتنی ہی رقم کسی دوسرے سے لے کر اپنے حصہ کو اس کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے۔

۲۔ نئی قائم ہونے والی کمپنی کا شیئرز خریدنا:

جب کوئی نئی کمپنی قائم ہوتی ہے تو اس وقت اس کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتی، مگر اس کے قیام

کے ساتھ اس کے شیئرز کا اعلان کیا جاتا ہے، اب اگر اس وقت اس کمپنی کے خرید کردہ شیئرز کو فروخت کیا جائے تو اس صورت میں چونکہ اس کمپنی کے خرید کردہ شیئرز کی حیثیت ابھی اثاثے کی نہیں ہے، بلکہ وہ ابھی نقد کی شکل میں ہے، یا واجب الوصول قرض کی شکل میں ہے، اس لئے اس کمپنی کے اس قسم کے شیئرز کو کمی بیشی کے ساتھ تو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، ہاں فیس ویلو (Face Value) یعنی اصل رقم پر خریدنا اور فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں جو بیع ہو رہی ہے وہ نقد کی بیع نقد کے ساتھ ہو رہی ہے، جو شرعاً بیع صرف ہے جس میں اتحادِ جنس کے وقت مبیع اور ثمن کے درمیان تساوی شرط ہے، اسی کے ساتھ مجلس عقد میں مبیع وثمن دونوں پر تقابض ضروری ہے، لیکن شیئرز کی خرید و فروخت کی مندرجہ بالا صورت میں تساوی تو ممکن ہے لیکن بدلین پر دست بدست تقابض ممکن نہیں ہے، کیونکہ خریدار تو فی الفور بائع کو روپیہ دے دیتا ہے اور قبضہ کرا دیتا ہے، لیکن بائع کا روپیہ تو کمپنی کے یہاں جمع ہے، جس پر وہ خریدار کو قبضہ نہیں کرا رہا ہے بلکہ اس کو صرف شیئرز سرٹیفکیٹ دے رہا ہے، اس صورت حال کا تقاضا تو یہ ہے کہ شیئرز کی یہ خرید و فروخت شرعاً جائز نہ ہو لیکن اس کے جواز کے لئے مولانا اشرف علی تھانوی نے امداد الفتاوی میں یہ حیلہ لکھا ہے کہ جو شخص اپنا شیئر فروخت کر رہا ہے وہ خریدار سے روپے قرض لے لے اور خریدار کے اس قرض والے روپے کا حوالہ کمپنی پر اپنے شیئر کے بدلے میں کر دے، کہ تمہارا جو قرض مجھ پر ہے وہ تم فلاں کمپنی سے وصول کر لو، اور شیئر کا یہ خریدار شخص کمپنی سے اپنا قرض والا روپیہ وصول کرنے کے بجائے اپنے مدیون والا شیئر لے لے اور کمپنی کے منیجر کو اپنی طرف سے شیئر پر قبضہ کا وکیل بنا دے تو یہ شرعاً درست ہے، اور اس خریدار کا قبضہ شیئر پر کمپنی کے منیجر کے واسطہ سے ہو جائے گا، اور اب وہ شیئر اس خریدار کے قبضہ میں آ کر اس کا مملوک ہو جائے گا (مستفاد از امداد الفتاوی ۳ / ۱۵۱)۔

۳۔ نقود وغیر نقود سے مخلوط اثاثہ والی کمپنی کے شیئرز کی خرید و فروخت کا حکم:

کمپنی کے وجود میں آ جانے کے بعد جب اس کا اثاثہ مخلوط شکل میں نقد و املاک کا مجموعہ ہو جاتا ہے تو اگر چہ ایسی صورت میں کمپنی کی املاک مال ربوی وغیر ربوی دونوں پر مشتمل ہوتی ہے، مگر ایسی کمپنی کے شیئرز کو نقد رقم کے ساتھ خریدنا اور بیچنا شرعاً جائز و درست ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ مذکورہ کمپنی کا ہر شیئر جتنی نقد رقم پر مشتمل ہے، اس سے زیادہ نقد رقم کے عوض اس کے شیئر کو فروخت کیا جائے تب جائز ہے، تا کہ کمپنی کا ہر شیئر جتنی نقد رقم پر مشتمل ہے اس کو نقد رقم سے برابر کرنے کے بعد جو زائد رقم بچے اس کے بدلے میں کمپنی کا اثاثہ ہو۔ شیئرز کی اس خاص صورت کے جواز کی دلیل 'سیف محلی' اور 'منطقہ مفضضہ' والا مسئلہ ہے، جس میں مال ربوی وغیر ربوی سے مخلوط مال کو مال ربوی کے عوض فروخت کیا جاتا ہے، جو فقہ حنفی کی رو سے جائز ہے، جبکہ خالص مال ربوی مال مخلوط میں شامل مال ربوی سے زیادہ ہو، تا کہ مال ربوی کے مقابلہ میں مال ربوی ہو اور جو زائد خالص مال ربوی ہو وہ مخلوط مال غیر ربوی کے مقابلہ میں ہو، لیکن حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک ربوی وغیر ربوی سے مخلوط مال کی بیع خالص مال ربوی کے ساتھ جائز نہیں ہے، جب تک کہ مخلوط مال میں سے مال ربوی کو الگ نہ کر لیا جائے، البتہ بعض شافعیہ اور حنابلہ کا موقف یہ ہے کہ اگر مال مخلوط میں اکثر مال ربوی ہو تب تو اس کی بیع خالص مال ربوی سے جائز نہیں ہے، لیکن اگر مال مخلوط میں غیر ربوی

مال زیادہ ہواور مال ربوی کم ہوتو پھراس کی بیع خالص مال ربوی سے جائز ہے۔

مذکورہ تفصیل کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق نقود واملاک سے مخلوط شیئرز کی بیع شرعاً جائز نہ ہو، البتہ بعض شافعیہ اور حنابلہ کے موقف کے مطابق ضروری ہوگا کہ شیئرز کے خریدنے سے پہلے کمپنی کے اثاثوں کا جائزہ لیا جائے کہ اس کے شیئرز میں نقود کی مقدار زیادہ ہے یا غیر نقود کی، تاکہ اسی کے مطابق جواز وعدم جواز کا حکم لگایا جائے، کہ اگر کمپنی کے شیئرز میں اثاثے زیادہ ہوں اور نقود کی مقدار کم ہوتو شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہو، اور اگر نقود کی مقدار زیادہ ہواور دیگر اثاثے کم ہوں تو شیئرز کی بیع کو ناجائز کہا جائے۔

۴۔ مکمل حرام کاروبار کرنے والی کمپنی کا شیئر خریدنا:

وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام وجیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت اور ایکسپورٹ، یا بینکس اور سودی اسکیموں مین روپیہ لگانا، اسی طرح سود اور جوئے پر مشتمل کاروبار کرنا یا بیمہ کرانا وغیرہ، تو ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً ناجائز ہے، اسی طرح بینک جس کا اصل کاروبار ہی سود کی لین دین ہے تو وہ بھی اگر شیئر جاری کرے تو اس کے شیئر کی بھی بیع وشراء جائز نہیں۔

۵۔ ضمناً حرام کاروبار کرنے والی کمپنی کا شیئر خریدنا:

اگر کوئی کمپنی ایسی ہے جس کا بنیادی کاروبار اصلاً حلال ہے، مثلاً انجینیئرنگ کے سامان تیار کرنا یا عام استعمال کی مصرفی چیزیں تیار کرنا یا کوئی اور جائز کاروبار کرنا، تو ایسی کمپنیز کو اگر ان کے بنیادی کاروبار کے حلال ہونے کے باوجود بعض اوقات انکم ٹیکس وغیرہ سے بچنے کی غرض سے بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہو یا اس قسم کی کمپنی اپنی زائد رقم کو بینک میں رکھوا کر اس پر سود لیتی ہو، تو ظاہر ہے کہ یہ کمپنی کا اصل کاروبار نہیں بلکہ یہ اس کا ایک ذیلی اور ضمنی کام ہے، تو اس قسم کی کمپنیوں کے شیرز کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں حضرات علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جو کمپنی سودی کاروبار کرتی ہے خواہ اس کا یہ کاروبار اصلاً ہو یا ضمناً ہو، اسی طرح اس کا سودی کاروبار کم ہو یا زیادہ ہو، بہرصورت ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت ناجائز ہے، کیونکہ جو شخص ایسی کمپنیز کا شیئر خریدتا ہے یا لیتا ہے تو درحقیقت وہ کمپنی کے کارندوں کو حرام وناجائز اور سودی کاروبار کرنے کا وکیل بناتا ہے، لہٰذا کمپنی کا سودی لین دین بھی اس کی طرف منسوب ہوگا، اس لیے جو کمپنی کسی نہ کسی طرح سودی لین دین میں ملوث ہے اس کے شیئرز کو خریدنا درست نہیں، خواہ اس کا حقیقی و بنیادی کاروبار حلال وجائز ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی کے سودی لین دین کی دوصورتیں ہیں:

ایک صورت تو یہ ہے کہ کمپنی قرضہ لے اور اس پر سود ادا کرے، اس صورت میں کمپنی کی آمدنی میں تو کوئی حرام عنصر شامل نہیں ہوا، اس لیے کہ جب کوئی شخص سودی قرضہ لیتا ہے تو یقیناً یہ فعل حرام اور سخت گناہ کا باعث ہے مگر وہ قرض کا مالک ہوجائیگا، لہٰذا اس رقم کے ذریعہ کاروبار کرکے جو آمدنی حاصل کرے گا وہ شرعاً حلال ہوگی، البتہ اس صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ کمپنی چونکہ شیئرز ہولڈر کی وکیل ہے، اس لیے سودی قرضہ لینے کی نسبت اس کی طرف بھی ہوگی، اور اس شخص کو سودی قرضہ لینے پر رضامند سمجھا جائے گا، تو اس اشکال کا جواب حضرت

مولانا تھانویؒ نے یہ دیا ہے کہ جن حضرات کو کمپنی کے سود لینے کا علم ہو جائے تو وہ تصریحاً کارکنان کمپنی کو منع کر دیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہو مگر اس ممانعت سے اس فعل کی نسبت اس شخص کی طرف نہ ہوگی، اور اگر کمپنی کے سودی قرضہ لینے کا سرے سے علم ہی نہ ہو تب تو ظاہر ہے کہ بدرجہ اولی کارکنوں کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا، کیونکہ اس نے کارکنان کمپنی کو اس کا وکیل بنایا ہی نہیں (امداد الفتاوی: ۳/۴۹۱)، یاد رہے کہ کمپنی کے سودی قرضہ لینے کی صورت میں شیئرز ہولڈرس کا کمپنی کے ذمہ داران کی طرف عدم رضامندی کا خط لکھ دینا کافی ہو سکتا ہے۔ اور دور حاضر میں تو اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ کمپنی کی سالانہ میٹنگ میں اس کے خلاف آواز اٹھائی جائے۔

لیکن جہاں فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں، وہاں اگر کوئی شخص سودی لین دین کے خالف آواز اٹھائے اور اقلیت میں ہونے کی وجہ سے اس کی رائے پر عمل نہ ہو سکے اور سودی لین دین بدستور جاری رہے تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کمپنی میں سودی قرضہ وغیرہ لینا اس کے کالف آواز اٹھانے والے شخص کی وکالت اور اس کی رضامندی سے ہو رہا ہے، لہٰذا صحیح اور درست بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کمپنی کا اصل کاروبار تو جائز ہو اور ضمناً وہ کمپنی سود پر قرضہ لیتی ہو تو ایسی کمپنی کے شیئرز کو خریدنا جائز ہے، بشرطیکہ سود سے برأت کا اظہار کر دیا جائے۔

کمپنی کے سودی لین دین کی دوسری صورت یہ ہے کہ کمپنی قرضہ دے کر سود لے جیسا کہ دور حاضر میں بیشتر کمپنیاں زائد رقموں کو بینکوں کے سیونگ اکاؤنٹ میں رکھوا کر اس پر سود لیتی ہیں، اب یہاں پر دو اشکال ہے: ایک تو یہ ہے کہ سودی معاملہ میں شیئرز ہولڈر کی شرکت ہو جائے گی، لیکن اس کا جواب تو وہی ہے جو اوپر گذرا۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہکمپنی جو منافع تقسیم کرے گی اس میں سود کی رقم بھی شامل ہوگی جبکہ آمدنی کا جو حصہ سود سے حاصل ہوا ہے وہ شرعاً حرام ہے، تو اس اشکال کے جواب میں حضرت تھانویؒ نے دو باتیں بیان فرمائی ہیں: ایک بات تو یہ ہے کہ ہر کمپنی کے بارے میں یقین سے یہ معلوم نہیں کہ اس نے سود لیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض کمپنی نے سود لیا بھی ہے تو وہ قلیل ہے، جو مال حلال میں مخلوط ہو گیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر مال مخلوط میں اکثر مال حلال ہو تو اس کے استعمال کی شرعاً گنجائش ہے۔

لیکن یہاں مذکور جواب پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مال مخلوط میں سے ہدیہ دے اور اس مال مخلوط میں حرام مال کم ہو تو ہدیہ لینا اس لیے جائز ہے کہ اس صورتمیں یہ امکان ہے کہ یہ ہدیہ ممکن ہے کہ حلال مال میں سے دے رہا ہو۔ لیکن کمپنی کیمنافع میں صورت حال اس سے مختلف ہے، اس لیے کہ کمپنی کو جتنی مدوں سے آمدنی حاصل ہوتی ہے، ہر مد کی آمدنی کا ایک متناسب حصہ اس نفع میں شامل ہوتا ہے، لہٰذا سود کا متناسب حصہ بھی نفع میں شامل ہوا، اب اگر کمپنی کی آمدنی کا دس فیصد حصہ سودی اکاؤنٹ سے حاصل ہوا ہے تو نفع کا بھی دس فیصد حصہ سودی ہوگا، لہٰذا نفع کا جتنا حصہ سودی ہے اس کا بلا نیت ثواب صدقہ کرنا لازم ہوگا۔

۶۔ سود دینے یا لینے والی کمپنی کے شیئرز خریدنا:

جن حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کو قانونی تقاضا پورا کرنے کیلیے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے جس سے ان کمپنیوں کو سود ملتا ہے، یا ان کمپنیوں کو بانڈز خریدنے پڑتے ہیں جن کا کمپنیاں سود دا

کرتی ہیں تو ایسی کمپنیز کا شیئرز خریدنا جائز ہے، البتہ سود کی جو رقم ملتی ہے اس کا تصدق ضروری ہے (فقہی مقالات ۱/۱۵۰)۔

۷۔ سودی قرضہ کے ذریعے حاصل ہونے والے منافع کا حکم:

سودی قرضہ لینے کی صورت میں اس قرض سے جو منافع حاصل ہوتے ہیں شرعاً وہ مفید ملک ہیں، اور ان کے ذریعے حاصل ہونے والی آمدنی حلال شمار کی جائے گی۔

۸۔ کیا مطلقاً وکیل کا عمل مؤکل کا عمل شمار ہوتا ہے:

کمپنی کا جو بورڈ آف ڈائریکٹرس ہوتا ہے اس کی حیثیت شیئرز ہولڈرس کے وکیل کی ہے لیکن اس کا عمل شیئرز ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا، تو اس سلسلہ میں تصریحات فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لازم نہیں ہے کہ وکیل کا عمل بعینہ مؤکل کا عمل شمار ہو۔

والدليل عليه ماقال صاحب الهداية: إذا أمر المسلم نصرانيا ببيع خمر أو بشرائها ففعل ذلك جاز عند أبي حنيفة (الہدایہ ۳/۴۱)۔

۹۔ وکیل کے عمل سے مؤکل کب بری سمجھا جائے گا:

اگر کسی کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرس کثرت رائے پر فیصلہ کرتے ہوئے بنیادی کاروبار کے حلال ہونے کے باوجود کچھ سودی قرضہ وغیرہ لیتا ہے اور کمپنی کی میٹنگ میں شیئرز ہولڈر سودی قرض سے اختلاف کرتا ہے اور اپنے اختلاف کا اعلان کر دیتا ہے، تو ایسی صورت میں اس کا یہ اعلان وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے اسے بری کر دے گا (ایضاح النوادر ر۱۰۵، امداد الفتاوی ۳/۴۹۱)۔

۱۰۔ کمپنی کے منافع میں ملنے والے سود کا حکم:

اگر کسی کمپنی کے منافع میں سود کی رقم بھی شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو ایسی صورت میں منافع سے بقدر سود نکال کر صدقہ کر دینا واجب وضروری ہے۔

إذا دفع المسلم النصراني مالا مضاربة بالنصف فهو جائز إلا أنه مكروه فإن اتجر في الخمر والخنزير فربح جاز على المضاربة في قول أبي حنيفة وينبغي للمسلم أن يتصدق بحصته من الربح (فتاوی عالمگیری ۴/۳۳۳)۔

۱۱۔ حلال کاروبار کرنے والی کمپنی میں آئے ہوئے سود کا حکم:

اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کیا گیا ہو مگر اس کمپنی کا کاروبار حلال ہو، تو ایسی صورت میں جتنا فیصد سود کل آمدنی میں مخلوط ہو گیا ہے اتنا فیصد سود کی رقم آنے اور ملنے والے منافع سے نکال کر صدقہ کر دینا شرعاً جائز ودرست اور کافی ہے۔

قال في رد المحتار من ملك أموالا غير طيبة أو غصب أموالا وخلطها ملكها بالخلط

ويصير ضامنا. فلذلك قلنا ينبغي للمسلم ان يتصدق بحصته من الربح.

۱۲۔ نفع حاصل کرنے کی غرض سے شیئرز کی تجارت کرنا:

شیئرز کی تجارت کرنا یعنی کوئی شخص کسی کمپنی کے شیئرز اس ارادے سے خریدے کہ قیمت بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ فروخت کردوں گا تو شرعاً جائز ہے، البتہ کسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت کے جواز کے لئے شرعاً چار شرطوں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

۱۔ کمپنی کا اصل کاروبار حلال ہو، ۲۔ کمپنی کے شیئرز کو فیس ویلو سے کم وبیش کر کے فروخت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کمپنی کے اثاثے صرف نقد کی شکل میں نہ ہوں، بلکہ کچھ منجمد اثاثے بھی وجود میں آچکے ہوں، کیونکہ اگر نقد کی شکل میں کمپنی کا سرمایہ ہوگا تو کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت کرنا جائز نہ ہوگا، ۳۔ اگر کمپنی سودی لین دین کرتی ہو تو اس کی سالانہ میٹنگ میں سود کے خلاف آواز اٹھائی جائے، ۴۔ اگر کمپنی کی آمدنی میں سود کی رقم شامل ہو، تو جب منافع تقسیم ہو کر ملیں تو اس وقت نفع کا جتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہو اتنی مقدار صدقہ کردے۔ (اسلام اور جدید معیشت وتجارت ر۸۹)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح کمپنی کے شیئرز کو خریدنا جائز ہے اسی طرح ان کو فروخت کرنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ ان شرائط کو پورا کرلیا جائے جو اوپر ذکر کی گئیں۔

اب رہا یہ سوال کہ بازار کی صورت حال کو دیکھ کر جو منافع والے شیئرز لئے جاتے ہیں یا کم قیمت والے شیئرز خریدے جاتے ہیں، بظاہر یہ ایک طرح کی تخمین اور قیاس آرائی معلوم ہوتی ہے، تو کیا اس قسم کی قیاس آرائی شرعاً ممنوع ہے اور کیا اس قیاس آرائی کے سبب شرعاً شیئرز کی خرید وفروخت ناجائز ہوگی، تو اس سلسلہ میں حضرات علماء کے دو نقطۂ نظر ہیں: عالم اسلام کے معروف عالم دین شیخ محمد صدیق الضریر، جو فقہ خصوصاً فقہ للمعاملات میں بڑی مہارت رکھتے ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ چونکہ شیئرز کو دیگر سامان تجارت کے مثل قرار دے کر قیمت بڑھنے کا اندازہ کر کے نفع کمانے کے ارادے سے اس کو خریدنے کی بنیاد محض تخمین اور قیاس آرائیوں پر ہے جس کو سٹہ (Speculation) کہتے ہیں، اس لئے جائز نہیں ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ قیاس آرائیوں کی بنیاد پر خرید وفروخت کی اجازت دینا سٹہ بازی کا راستہ کھولنا ہے، لہذا یہ جائز نہیں ہے، ان کے یہاں شیئرز کا خریدنا اور فروخت کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے جبکہ خریدار کمپنی کے نفع نقصان میں شریک ہو کر سرمایہ کاری کے لئے خرید رہا ہو۔ لیکن اگر اصولی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اصل سوال شیئرز کی تجارت کے سلسلہ میں یہ نہیں ہے کہ اس کا خریدار کس نیت سے خرید رہا ہے، بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ شیئرز فی نفسہ بیع وشراء کے قابل ہے یا نہیں؟ لہذا جب دلائل وشواہد کی روشنی میں یہ بات تسلیم کرلی گئی کہ شیئرز بیع وشراء کے قابل ہے اور اس کی بیع درحقیقت کمپنی کے اثاثوں میں متناسب حصہ کی بیع ہے، تو اب کوئی وجہ نہیں کہ شیئرز کی تجارت اور خرید وفروخت کو خواہ حصول نفع کی نیت سے کیوں نہ ہو، ناجائز قرار دیا جائے، اس لئے درست بات یہ ہے کہ بیع وشراء کی شرعی شرائط کو ملحوظ رکھ کر شیئرز کی خرید

فروخت شرعاً جائز ہے، خواہ کسی بھی نیت سے ہو، خواہ شیئرز کو اپنے پاس رکھ کر سرمایہ کاری کے ارادے سے خریدا جائے یا قیمت بڑھنے پر نفع کمانے کی غرض سے خریدا جائے بہرصورت جائز ہے، البتہ خرید وفروخت کی شرائط کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے، کیونکہ ان شرائط کی رعایت سے خود سٹہ بازی کا سد باب ہو جائے گا۔ البتہ اگر کمپنی کے شیئرز کی خرید و فروخت آپس کے ڈیفرنس کو برابر کرنے کی غرض سے قبضہ سے پہلے ہو اور شیئرز کا لینا دینا مقصود نہ ہو تو ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اور سٹہ بازی میں داخل ہے۔

۱۳۔ فیوچر سیل کا شرعی حکم:

شیئر مارکیٹ میں ایک سودا جو فیوچر سیل کے نام سے مروج ہے، جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان کو برابر کر لینا ہوتا ہے، مثلاً زید نے سو شیئرز کا معاملہ فی شیئر سو روپے کے حساب سے کیا، اور ادائیگی و وصولی کی تاریخ مثلاً ۳۰ راگست مقرر کی، اب جب تیس اگست کی تاریخ آئی تو اس کی قیمت بڑھ کر ڈیڑھ سو روپے ہوگئی تو وہ خریدار شخص بائع سے پانچ ہزار روپے منافع وصول کر لے، اور اگر ۳۰ راگست کو اس شیئرز کی قیمت گھٹ کر پچاس روپے ہوگئی تو وہ شخص بائع کو پانچ ہزار روپے ادا کر دے، تو یہاں پر چونکہ اصل سودا محض کاغذی کارروائی ہے، نہ مشتری ثمن دیتا ہے اور نہ بائع مال دیتا ہے، اسی طرح نہ شیئرز پر قبضہ ہوتا ہے اور نہ ہی قبضہ پیش نظر ہوتا ہے، البتہ مقررہ تاریخ پر بڑھتے ہوئے دام کی صورت میں منافع یا گھٹتے ہوئے دام کی صورت میں خسارہ ادا کیا جاتا ہے، تو شریعت میں مذکورہ فیوچر سیل بالکل ناجائز وحرام ہے، کیونکہ اس قسم کی خرید وفروخت سراسر سٹہ بازی ہے جس کی حرمت قرآن پاک میں منصوص ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"يسئلونك عن الخمر و الميسر قل فيهما إثم كبير و منافع للناس وإثمهما أكبر من نفعهما" (البقرہ/۲۱۹)۔

ترجمہ: لوگ آپ سے شراب اور جوے کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں، اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے، بہت بڑا اور زیادہ ہے۔

ایک دوسری جگہ اس سے زیادہ تفصیل سے فرمایا گیا ہے:

يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون، إنما يريد الشيطان أن يوقع بينكم العداوة والبغضاء في الخمر والميسر (المائدہ/۹۰۔۹۱)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! بلاشبہ شراب، جوا، بت اور پانسے یہ سب گندے کام ہیں شیطان کے، ان سے بچو تاکہ نجات پاؤ، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعہ دشمنی پیدا کر دے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فیوچر سیل کا معاملہ جس میں شیئرز پر نہ مشتری کا قبضہ ہوتا ہے اور نہ بائع کا، بلکہ شیئرز کا لینا دینا ہی سرے سے مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اصل مقصد سٹہ بازی کر کے آپس کے ڈیفرنس کو برابر کر لینا ہوتا ہے، تو شرعاً

اس قسم کا معاملہ کرنا حرام وناجائز ہے، اور مذہب اسلام میں بیع منابذہ، ملامسہ وغیرہ کی جو ممانعت ہے اس کی وجہ بھی ان بیوعات میں جوئے کا ہونا ہے، چنانچہ ہدایہ میں بیع ملامسہ ومنابذہ کی ممانعت کے ذیل میں لکھا ہے:

لأن فيه تعليقا بالخطر و قال في هامش الهداية: اى للتمليك بالخطر و التمليكات لا تحمله لأدائه الى معنى القمار (هداية: ۳۸/۳)

۱۴۔ صیغۂ استقبال کے ساتھ خرید وفروخت:

غائب سودا جس کی بیع مستقبل کی طرف کر کے کی جاتی ہے اور مشتری ثمن نہیں ادا کرتا اور نہ ہی کمپنی کو سامان تیار کرنے کا آرڈر روایت ہے تو شرعاً اس قسم کے معاملہ پر حقیقت بیع کا اطلاق نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس کی حیثیت محض وعدہ کی ہے، لہٰذا وہ کسی کے لیے عقد لازم کے درجہ میں نہ ہوگا، اب اگر وقت مقررہ کے آنے پر بائع ومشتری میں سے کسی نے اس کا انکار کردیا تو اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا، ہاں اسے وعدہ خلافی کہہ سکتے ہیں، البتہ اگر کوئی فریق عرف وعادت کی وجہ سے مجبور سمجھا جاتا ہو تو شرعاً اس طرح کا معاملہ کرنا ممنوع وناجائز ہے۔

۱۵۔ شیئرز پر قبضہ کا مطلب:

مندرجہ سوال کا صحیح صواب جاننے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم جانیں کہ شریعت میں قبضہ کی حقیقت کیا ہے اور کیا ہر چیز پر قبضہ کے تحقق کے لیے حسی قبضہ اور قبضہ بالید ضروری ہے، تو جہاں تک قبضہ کی حقیقت کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں حضرات فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ بائع مبیع کو اپنے مال سے الگ کر کے اس طرح رکھ دے کہ خریدار اپنے سامان کو اپنے اختیار سے جب لے جانا چاہے، یا اس میں جب تصرف کرنا چاہے تو اسے اپنے سامان کو اٹھا کر لے جانے اور اس میں تصرف کرنے کے وقت کوئی رکاوٹ بائع کی طرف سے پیش نہ آئے، چنانچہ صاحب بدائع نے قبضہ کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكن و التخلي وارتفاع الموانع عرفا و عادة و حقيقة (بدائع: ۱۴۸/۵)

ایک دوسری جگہ صاحب بدائع نے آگے چل کر قبضہ کے سلسلہ میں مزید بحث کی ہے اور لکھا ہے:

ثم لاخلاف بين أصحابنا في ان أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الاموال (بدائع: ۲۴۴/۵)

یعنی فقہائے احناف کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ تمام اموال میں اصل قبضہ تخلیہ (یعنی مال کو چھوڑ دینے اور الگ کردینے) سے حاصل ہوجاتا ہے اور قبضہ کے تحقق کے لیے قبضہ بالید شرط نہیں ہے، بلکہ رکاوٹ کو دور کردینا، عرف وعادت میں قبضہ کے لیے کافی ہے۔ صاحب بدائع نے ایک اور جگہ قبضہ کی حقیقت پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

تفسير التسليم و القبض فالتسليم و القبض عندنا هو التخلية و التخلي وهو ان يخلي

البائع بین المبیع و بین المشتری عن التصرف فیه فیجعل البائع مسلما للمبیع والمشتری قابضا له (بدائع: ۵/ ۲۴۴)

ترجمہ: (بائع کا خریدار کو مال) سونپنے اور (خریدار کا اس مال مبیع پر قبضہ) کرنے کی تفسیر ہمارے علمائے احناف نے نزدیک تخلیہ اور تخلی ہے، اور وہ یہ ہے کہ بائع مبیع مشتری کو حوالہ کردے کہ وہ اس میں تصرف کر سکے، لہٰذا اب کہا جائے گا کہ بائع نے مبیع کو سونپ اور مشتری اس پر قابض ہو گیا۔

مذکورہ تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ بائع اگر مبیع کو اپنے ضمان سے نکال کر مشتری کے ضمان میں کردے کہ مشتری جیسے چاہے تصرف کر سکے، تو اسے شرعاً مبیع پر قبضہ کہا جائے گا، اگر یہ صورت شیئرز میں بھی ہو جاتی ہے کہ شیئرز مشتری کے ضمان میں آجاتا ہے، اور خریدار اگر اپنے خریدے ہوئے شیئرز میں تصرف کرنا چاہے تو اسے کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتا ہے تو یہاں بھی یہ کہا جائے گا کہ شیئرز مشتری کے قبضہ میں آگیا، اور اب اگر وہ اس شیئرز کو فروخت کرنا چاہے تو فروخت کر سکتا ہے، اور شیئرز پر قبضہ کے تحقق کے لیے حسی قبضہ ضروری نہیں ہے بلکہ قبضۂ حکمی کافی ہے، اسی طرح شیئرز پر قبضہ کے ثبوت کے لیے قبضہ بالید کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو شیئرز پر قبضہ کے ثبوت کے لیے قبضہ بالید ممکن بھی نہیں ہے، اس لیے شیئرز پر قبضہ کے تحقق کے لیے فقط قبضۂ حکمی کافی ہے۔

اگرچہ شیئرز پر خریدار کی ملکیت کا تحریری ثبوت اس کے پاس سرٹیفکیٹ ملنے کے بعد آئے گا، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ سرٹیفکیٹ پر قبضہ کیے بغیر آگے شیئرز کی خرید وفروخت کا معاملہ نہ کیا جائے، اور اسی قول محتاط پر فتویٰ دیا جائے۔

۱۶۔ شیئرز سرٹیفکیٹ کے حصول سے پہلے اس کی خرید وفروخت کا حکم:

اگر کوئی خریدار اپنے خرید کردہ شیئرز کو جس کی قیمت اس نے ادا کر دی ہے چاہتا ہے کہ اس کی سرٹیفکیٹ کے حصول سے پہلے اس کو فروخت کر دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ عرف میں شیئرز کا قبضہ اسی وقت سمجھا جاتا ہے جبکہ سرٹیفکیٹ ہاتھ میں آجائے، نیز ہر چیز کے قبضہ کا طریقہ عرف ہی سے متعین ہوتا ہے، علاوہ ازیں بغیر سرٹیفکیٹ ملے ہوئے دھوکا دہی کا امکان ہے، نیز عرف میں اکثر لوگ بغیر کاغذی ثبوت کے قبضہ کا اعتبار نہیں کرتے ہیں، لہٰذا ان دلائل کا تقاضا ہے کہ سرٹیفکیٹ پر قبضہ کیے بغیر ہرگز آگے خرید وفروخت نہ کیا جائے۔

۱۷۔ شیئرز کی خرید وفروخت کے لیے دلالی کرنا:

اسٹاک ایکسچینج بازار میں خرید وفروخت کے لیے واسطہ بننے والوں کو بروکر کہتے ہیں جو دور حاضر میں شیئرز کی خرید وفروخت اور قیمتوں سے واقفیت رکھتا ہے اور خرید وفروخت کی کاروائی کا اندراج کرتا ہے، تو ایسے شخص کی حیثیت ایجنٹ اور اجیر مشترک کی ہے، دوسرے لفظوں میں بروکر ہی کو دلال کہا جاتا ہے، اگر ایسے لوگ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے ایجنٹ اور بروکر کی حیثیت سے کام کریں تو یہ شرعاً جائز ہے اور ان کی اجرت شرعاً حلال ہوگی (بحث ونظر: شمارہ نمبر ۲۱، صفحہ ۳۸)۔

شیئرز یا حصص

مفتی عزیز الرحمن
مدنی دارالافتاء بجنور

موجودہ زمانہ میں ہر چیز کی وسعت پذیری کی وجہ سے تجارتی کاروبار میں بھی وسعت آئی ہے، چنانچہ کمپنیوں کے شیئرز اور اس کی خرید وفروخت موجودہ زمانہ کی دین ہے ہمارے متاخرین علماء تک اس کی مثال نہیں ملتی اس لیے شرعی بنیادوں اور اصولوں پر ہی اس کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

ابتدائی منزل میں جب کسی کاروبار کی تشکیل کی جاتی ہے تو ایک رجسٹریشن باڈی کاروبار کے کچھ اصول مرتب کر کے اپنے کاروبار میں شریک ہونے کی دعوت دیتی ہے اور اپنے تخمینہ کے مطابق شریکوں کے لیے ایک حصہ کی قیمت مقرر کر دیتی ہے، اب اگر وہ کاروبار جائز ہے تو شرکت بھی جائز ہے اور ناجائز ہے تو شرکت بھی ناجائز ہے، مثلاً شراب کی فیکٹری، سود کے لیے بینکوں کا وجود اسی ضمن میں آتا ہے، اس کمپنی میں شرکت کے حصہ کو شیئر کہتے ہیں، مثلاً ۱۰۰ روپے کے کاروبار میں ہر حصہ کی قیمت دس روپیہ ہو تو گویا دس روپیہ کی شرکت کا سرٹیفکیٹ خریدنے والا اس کمپنی کا شریک ہے اور یہ سرٹیفکیٹ اس کے حصہ شرکت کی نمائندگی کرتا ہے، یہ سرٹیفکیٹ نوٹ سے ذرا مختلف ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ نوٹ کی ملکی قیمت یکساں رہتی ہے جبکہ سرٹیفکیٹ کی قیمت یعنی حصہ شرکت کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

مختلف شیئرز سے حاصل شدہ رقم کو طے شدہ پروگرام کے مطابق کاروبار کے مطابق کاروبار میں ''زرزری کشد'' کے اصول پر خرچ کیا جاتا ہے، مثلاً کمپنی انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے کچھ سودی رقم بینکوں سے اسی تناسب سے لیتی ہے اور اپنی رقم بینک میں جمع کرتی ہے، کہ سود دے کر بھی بینک کی رقم سے نفع ہو اور اپنی رقم کا اتنا سود مل جائے کچھ بینک کے ساتھ برابر سرابر کا معاملہ ہو جائے۔ اس طرح کاروبار میں شرکت کا یہ حصہ سودی کاروبار ہوتا ہے جو حرام ہے اور اس میں شرکت جائز نہیں ہے۔ اتفاق سے شیئرز ہولڈر کے حصہ میں یہ سودی رقم بھی آتی ہے جس میں اس کے حصہ کی نمائندگی ہوتی ہے۔

اس کے بعد بنیادی کاروبار شروع ہوتا ہے، اور کل رقم میں بلڈنگ، سامان تجارت، مشینری وغیرہ جامد اشیاء ہوتی ہیں، ان ہی سب چیزوں کو رکھ کر شیئر کی قیمت مقرر کی جاتی ہے، اس لیے ہر ایک شیئر کے مقابل کمپنی کی جامد اشیاء اور کمپنی کا سیال سرمایہ جو قرضوں میں بٹا ہوا ہوتا ہے نمائندہ ہوتا ہے اور ہر ایک حصہ دار اپنے حصہ کو فروخت کرنے کا کمی بیشی کے ساتھ مالک اور مختار ہوتا ہے، لیکن اس کے لیے چند شرائط ہیں جن کو ذہن میں رکھنا چاہیے:

۱۔ بنیادی طور پر کاروبار حرام نہ ہو۔

۲۔ کمپنی کا تمام سرمایہ سیال نہ ہو، بلکہ کچھ سرمایہ منجمد، بلڈنگ، مشینری، تیار ہونے والا خام مال بھی ہو، شیئرز کا وہ جزو جو کمپنی کے اس اثاثے کے مقابل ہے اس کو کمی بیشی سے بیچنا جائز ہے، اور شیئرز کا وہ حصہ جو سیال سرمایہ کے مقابل ہے وہ بیع صرف کے حکم میں ہے اس میں کمی بیشی جائز نہیں ہے۔

کمپنیوں کے ان شیئرز اور حصص کی مارکیٹ میں ایک دوسری صورت بن جاتی ہے، جو سٹہ بازی اور غلط طور پر نفع اندوزی کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس کی شریعت میں گنجائش نہیں ہے۔

ہم سے بعض حضرات نے بتلایا ہے کہ کمپنیوں کے بنیادی خریدار یعنی قوت منتظمہ جو ابتدائی شرکاء ہوتے ہیں ان کے لئے لازم ہے کہ وہ سود سے حاصل شدہ رقم کو صدقہ کر دیا کریں، اور سودی رقم کے علاوہ جو ان کے حصہ میں منافع اور اثاثہ آتا ہے اس پر زکوۃ بھی دیا کریں، اور اس کا کاروبار کی شرکت کو اچھا نہ سمجھیں تو کمپنی کے حصے دار بننے اور شیئرز ہولڈر ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے جائز ہے، اتفاق سے میں اس رائے سے بالکل متفق نہیں ہوں، کیونکہ ہر مسلمان بقدر حیثیت اتباع دین اور اشاعت دین کا مکلف ہے۔

رہا زکوۃ وغیرہ کا معاملہ تو کمپنی کے بنیادی ممبران کی ذمہ داری ہے یا پھر ہر شیئرز ہولڈر کی بقدر اثاثہ ذمہ داری ہے، کیونکہ ہر شیئر ہولڈر بقدر حصہ مالک ہے اور بتوسط قوت حاکمہ قابض ہے، اسی بنیاد پر اس کو اپنا شیئر کم یا زیادہ میں فروخت کرنے کا اختیار ہے، ورنہ بیع قبل القبض، یا بیع غیر مقدور التسلیم لازم آئے گی جو جائز نہیں۔

شیئرز - فقہ اسلامی کی روشنی میں

مولانا زبیر احمد قاسمی
اشرف العلوم کنہواں، سیتامڑھی

ایک بڑی رقم سے بڑے پیمانے پر تجارت و سرمایہ کاری کر کے زائد منافع حاصل کرنے کی غرض سے ''مشترک تجارت'' کے عنوان پر مختلف کمپنیاں ملک میں قائم ہیں اور ہورہی ہیں۔ ہمارے علم واطلاع اور تحقیق وآ گہی کے مطابق تقریباً ساری کمپنیاں دو دور یا دو مرحلہ سے گذرتی ہیں۔

پہلا مرحلہ:

یہ دور و مرحلہ اس کے ابتدائی وجود وقیام کا ہوتا ہے، جس میں اولاً چند اشخاص پر مشتمل ایک بورڈ بنتا ہے جو بنام فلاں کمپنی اپنا اشتہار شائع کرتا ہے، جس میں کچھ اصول وضوابط کے ساتھ کسی خاص تجارت کے منصوبے اور طریقہ کار کی وضاحت، اس تجارت کے لئے جتنے سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کا اظہار، اور پھر اس میں شرکت اور حصہ دار بننے کی نوعیت وشرائط کو بیان کرتے ہوئے مطلوب سرمایہ کو مختلف حصوں پر تقسیم کر کے ایک ایک حصہ کو شیئرز سے موسوم کیا جاتا ہے، اور عام لوگوں کو اس شیئرز کے خریدنے کی دعوت دے کر گویا اس تجارت میں شریک ہونے اور اس مشترکہ سرمایہ کاری کے ذریعہ منافع حاصل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔

مثلاً زیر ہدف تجارت کے لئے مطلوب سرمایہ اگر ایک ہزار روپے ہیں اور اس کو سو حصہ کر کے کمپنی فروخت کرتی ہے، اور کوئی شخص ایک حصہ دس روپے دے کر اور کوئی دو حصہ بیس روپے دے کر خریدتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ پہلا خریدار پورے سرمایہ کا ایک فیصد اور دوسرا دو فیصد حصہ کمپنی کے حوالہ کرتا ہے اور سرمایہ میں ایک فیصد اور دو فیصد کا یہ دونوں مالک سمجھے جاتے ہے، چنانچہ تجارت شروع ہونے اور منافع حاصل ہونے کے بعد اسی حساب وتناسب سے منافع میں دونوں کو حصہ ملا کرتا ہے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ کمپنی کے اس ابتدائی وجود وقیام کے مرحلے میں جو شخص بھی شیئرز کا خریدار بنتا ہے وہ دراصل قیمت شیئرز کی صورت میں اپنا مال کمپنی کے حوالہ کرتا ہے کہ تجارت کرے اور منافع میں حسب ضابطہ وشرائط ہمیں شریک کرے۔

اب کمپنی کی طرف سے اس حصہ کی خریدگی کا جو ثبوت بشکل دستاویز اور شیئرز سرٹیفکیٹ دیا جاتا ہے وہ دراصل اسی قدر مال ومالیت کا ثبوت اور نمائندہ ہے جو اس شخص کا کمپنی کے مشترک سرمایہ میں حصہ ہوتا ہے اور بس۔ اب یہاں یعنی کمپنی کے اس ابتدائی مرحلہ کے دوران چند سوالات پیدا ہوں گے:

پہلا سوال تو یہ ہوگا کہ اس قسم کی کمپنیوں کے شیئرز کا اس ابتدائی مرحلہ میں خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہی ہوگا کہ اگر وہ کمپنی غیر شرعی کاروبار اور عقود فاسدہ کے ذریعہ منافع حاصل نہ کرنے کی پابند رہے تو جائز ہے، ورنہ تعاون علی الاثم کی معصیت کا ارتکاب ہوگا جو ناجائز ہے۔

دوسرا سوال یہ پیدا ہوگا کہ شیئرز کا یہ خریدار اول خواہ شیئرز سرٹیفکیٹ کے حاصل ہونے سے پہلے یا اس کے بعد اگر اپنا وہ حصہ فروخت کرنا چاہے تو کتنے میں بیچ سکتا ہے؟

اس کے جواب میں تفصیل یہ ہوگی کہ اگر کمپنی کی اعلان کردہ پالیسی اور کاروبار کے متعلق اس کے ضابطے اور طریقہ کار میں یہ طے ہو کہ جمع شدہ کل مشترک سرمایہ میں سے اتنا فیصد تو جامد املاک، اراضی، عمارت، مشین، فرنیچر وغیرہ میں مشغول رکھا جائے گا اور باقی حصہ سے منافع بخش کاروبار کر کے منافع حاصل کئے جائیں گے۔ لیکن کمپنی اب تک اپنے وجود وقیام کے ابتدائی مرحلے ہی میں ہے، کام صرف شیئرز کی بیع وشراء کے ذریعہ مطلوب سرمایہ جمع کرنے ہی کا ہو رہا ہے، جامد املاک، اراضی، عمارت، مشین، فرنیچر وغیرہ کے حصول تک کا کام شروع نہیں ہوا ہے، اور اسی دوران شیئرز کا کوئی خریدار اول اپنا شیئرز بیچنا چاہے تو وہ اپنے حصہ کی مالیت کے بقدر ہی نقد روپے کے بدلے فروخت کر سکتا ہے، کیونکہ یہ نقد کی نقد سے بیع ہوگی، مساوات ضروری اور کمی بیشی ناجائز ہوگی۔

دوسرا مرحلہ:

لیکن اگر کمپنی عملاً کاروبار شروع کر چکی ہے اور اب سارا نقدی سرمایہ طے شدہ پالیسی وضابطہ کے مطابق جامد املاک، اراضی وعمارت، مشین اور خام مال وغیرہ میں بدل چکا ہے تو اب پہلا شیئر ہولڈر فقہ کے مشہور ضابطہ "صرفا إلى خلاف الجنس" کے مطابق اپنا حصہ کمی بیشی کے ساتھ فروخت کر سکتا ہے۔

اگر کمپنی کی پالیسی اور اعلان کردہ ضابطہ اور طریقہ کار وبار یہ طے ہو کہ شیئر ہولڈروں سے حاصل کردہ پورا سرمایہ صرف منافع بخش کاروبار ہی میں مشغول رہے گا۔ کاروبار کے لئے ضروری اشیاء یعنی جامد املاک، عمارت و فرنیچر اور مشین وغیرہ میں وہ سرمایہ نہیں لگایا جائے گا، ایسی صورت میں اگر کوئی شیئرز ہولڈر اپنا شیئرز بیچنا چاہے تو پہلے تحقیق کرنی ہوگی کہ ان دنوں کمپنی کا سارا سرمایہ نقد و دیون کی شکل میں بدل چکا ہے، یا کچھ نقد دیون ہیں اور کچھ اسباب تجارت وعروض کی شکل میں بھی ہیں، اور پھر اس شیئرز ہولڈر کا منافع وغیرہ ختم ہو کر اب اس کا پورے سرمایہ میں کتنا حصہ کتنی مالیت کا بن چکا ہے۔ تب نقد دیون والی صورت میں اپنے حصہ کی مالیت کے مساوی نقد کے بدلے بیچے گا، کمی بیشی جائز نہ ہوگی۔ ہاں دوسری صورت جس میں کچھ نقد دیون بھی ہیں اور کچھ اسباب وعروض بھی ہیں، اس میں کمی بیشی کے ساتھ جتنی قیمت میں چاہے اپنا حصہ فروخت کر سکتا ہے۔ صرفا إلى خلاف الجنس معاملہ جائز ہوگا۔

آج کل کمپنیوں کی واقعی حیثیت:

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ کمپنی کی امکانی نوعیت وحیثیت کے پیش نظر کیا گیا ہے لیکن عموماً کمپنیوں کی جو نوعیت ہے اس سے واقف وباخبر بعض حضرات سے گفتگو کے بعد معلوم ہوا کہ دراصل کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرس کمپنی کے جملہ منجمد اثاثے، اراضی وعمارت، فرنیچر اور مشین وغیرہ کا مالک ہوتا ہے، اور شیئرز کی بیع وشراء کے ذریعہ شیئرز ہولڈروں سے جو سرمایہ جمع ہوتا ہے اسی سے منافع بخش کاروبار کئے جاتے ہیں۔ گو اس میں وہ بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئرز کے خریدار ہو کر شیئرز ہولڈر کی حیثیت بھی حاصل کئے رہتے ہیں اور سب کے سب اپنے اپنے شیئرز کی مناسبت

سے حسب ضابطہ وشرائط منافع میں بھی شریک ہوتے ہیں۔

اگر کمپنی کی واقعی نوعیت یہی ہے تو پھر سب سے پہلے یہ طے کرنا ہوگا کہ جب بورڈ آف ڈائریکٹرس اپنا سرمایہ بھی لگاتے ہیں اور عملاً کاروبار میں حصہ بھی لیتے ہیں، اور عام طور پر جو شیئرز ہولڈر ہوا کرتے ہیں وہ قیمت شیئرز کی شکل میں صرف اپنا سرمایہ کمپنی کے حوالہ کرتے ہیں، کسی کاروبار میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیتے تو فقہی اصطلاح میں یہ کون سا معاملہ ہوا۔

شیئرز کی خریداری عقد قرض ہے یا شرکت یا مضاربت:

میں نے اپنے طور پر جتنا غور کیا اس نتیجے پر پہونچا کہ یہ دراصل مضاربت ہے۔ عقد شرکت فی العنان بھی کہنا مشکل ہے۔ اور قرض واستقراض تو ہرگز نہیں، ورنہ پھر منافع مطلقاً حرام بن جائے۔ عقد شرکت بھی نہیں، کیونکہ فقہاء لکھتے ہیں: **وأما العمل في الشركة فمن الجانبين فلو شرط خلوص اليد لأحدهما لم تنعقد الشركة لانتفاء شرطها وهو العمل منهما** (التحریر المختار للعلامہ الرافعی ۲/۷۱)۔

آگے لکھتے ہیں: **شرط منها شرط لتحقق الشركة وإذا شرط على أحدهما تكون مضاربة** (حوالہ سابق)۔

مذکورہ بالا فقہی نصوص کا واضح مطلب یہی نکلتا ہے کہ کمپنی کے شیئرز ہولڈرس جب قیمت شیئرز کی شکل میں اپنا سرمایہ کمپنی کے حوالہ کر کے عملاً اور اصالۃً کاروبار میں کوئی حصہ نہیں لیتے تو رب المال کے درجہ میں ہوئے اور کمپنی مضارب ہوئی۔ ہاں کمپنی میں شریک وہ سارے لوگ جو اپنا اپنا سرمایہ بھی لگاتے ہیں اور پھر سب عمل تجارت اور اس کے متعلقہ کاموں میں عملی طور پر حصہ بھی لیتے ہیں وہ لوگ باہم شرکاء کہلا سکتے ہیں۔ اور یہ شرعاً ممکن وجائز ہے کہ چند شرکاء کے مشترک کاروبار میں کچھ اور لوگ محض بعقد مضاربت شریک فی النفع ہو جائیں، اور یہ رب المال حضرات محض شریک فی النفع ہوں، کمپنی کے منجمد املاک، عمارت وفرنیچر اور صنعت وحرفت کے آلات ومشین میں شریک نہ قرار پائیں۔

شیئرز سرٹیفیکٹ محض ثبوت ودستاویز ہے:

میری نظر میں سارے شیئرز ہولڈرس کو جو کمپنی یا اس کے ایجنٹ کی طرف سے شیئرز سرٹیفیکٹ دی جاتی ہے وہ محض اس بات کا ثبوت ہے کہ اس شیئرز ہولڈر کا فلاں کمپنی میں اتنا سرمایہ اور اتنی ملکیت مسلّم وموجود ہے، یعنی وہ سرٹیفیکٹ کمپنی میں شیئرز ہولڈر کی ملکیت وحصص کی نمائندگی کرتی ہے۔

مرسلہ سوالوں کے مختصر جوابات

۱۔ شیئرز سرٹیفیکٹ کمپنی میں شیئرز ہولڈر کی ملکیت کی نمائندہ ہے، اور کمپنی کے جمع سرمایہ میں حسب تناسب حصہ دار ہونے کی دلیل وثبوت ہے۔

بعض وہ صورت جس میں باہمی قرارداد سے کمپنی تحلیل ہو جاتی ہے اور تمام شیئرز ہولڈرس کو اس کے شیئرز کے تناسب سے اگر صرف تجارتی اثاثے میں حصہ ملتا ہے، نفع ہو تو نفع کے ساتھ اور نقصان ہو تو خسارہ کے ساتھ تو یہ

دراصل تقسیم اثاثہ ہے جو ہونا ہی چاہئے، اور حسب شرائط وضابطہ نفع ونقصان دونوں میں شرکت ہونی ہی چاہئے، اور ظاہر ہے کہ یہ تقسیم اسی شیئرز سرٹیفیکٹ کی بنیاد پر حصہ رسدی ہوتی ہوگی، اور اگر کمپنی کی تحلیل کے بعد سارے شیئرز ہولڈرس کو بھی جمیع املاک حتی کہ اراضی وعمارت، فرنیچر وغیرہ کے ساتھ تجارتی اثاثے میں حسب تناسب حصہ ملا کرتا ہے، تو یہ کمپنی کی اسی نوعیت وحیثیت میں ہوگی جس میں شیئرز سے حاصل شدہ جمع سرمایہ کا کچھ حصہ جامد املاک کے مہیا کرنے میں مشغول رکھا گیا ہوگا اور بقیہ سرمایہ سے تجارتی اور منافع بخش کاروبار کئے گئے ہوں گے۔

۲۔ کسی کمپنی کے ابتدائی وجود وقیام کے مرحلہ میں جب شیئرز کا اعلان ہوتا ہے اور کوئی شخص شیئرز خرید لیتا ہے تو جب تک وہ سرمایہ کاروبار میں لگ کر اسباب وعروض کی شکل میں بدل نہیں جاتا، کسی شیئرز ہولڈر کا اپنا حصہ فروخت کرنا اپنے حصہ کی مالیت کے بقدر مساوی ہی جائز ہوگا، کمی بیشی ناجائز ہوگی۔

۳۔ کمپنی کے دوسرے مرحلہ میں داخل ہو جانے یعنی عملاً کاروبار شروع ہو جانے کے بعد جن ایام میں اثاثہ مخلوط من النقد والعروض ہوگا تو شیئرز ہولڈر اپنے حصہ کی فروخت کمی بیشی کے ساتھ کر سکتا ہے۔ صرفاً الی خلاف الجنس معاملہ جائز ہوگا، ورنہ پھر بقدر مساوی ہی بیچنا جائز ہو سکے گا۔

۴۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہوگا اس کے شیئرز کی خریداری مسلمانوں کے لئے تعاون فی الاثم کی بنا پر جائز نہیں ہوگی۔

۵،۶۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہو مگر کبھی کاروبار کے خاص اور ناگزیر حالات میں بدرجہ مجبوری سودی قرضہ لینا پڑتا ہو تو قاعدہ فقہیہ "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" کے تحت جب کسی مسلمان تک کے لئے یہ استقراض مباح ہو جاتا ہے تو کمپنی جو غیر مسلم فرد اعتباری کے درجہ میں ہے اس کے لئے یہ استقراض تو بدرجہ اولی جائز ہوگا، اور ایسی کمپنیوں کا شیئرز خریدنا یقیناً جائز ہوگا، اگر کمپنی سود لے تب ناجائز ہوگا۔

۷۔ سودی قرضہ بوقت مجبوری اور بوجہ حاجت شرعیہ لیا جائے، یا بلا حاجت شرعیہ محض فروغ تجارت کے لئے لیا جائے، پہلی صورت میں بطور قرض حاصل کردہ مال تو حلال ہی ہوگا اور اس سے حاصل شدہ منافع بھی حلال ہی رہیں گے۔ البتہ دوسری صورت میں ضابطہ شرعیہ "حرمة العقد لا یستلزم حرمة المال" کے تحت قرض کے طور پر حاصل کردہ مال اور پھر اس سے حاصل کردہ منافع کو مباح وحلال ہی رہیں گے، لیکن بلا حاجت شرعیہ چونکہ استقراض بالربح کا یہ عقد حرام افراد کمپنی، بورڈ آف ڈائریکٹرس نے اصالۃً (بشرط اسلام) اور تمام مسلمان شیئرز ہولڈرس نے وکالۃً کیا، اس لئے عند اللہ مجرم وگنہگار ہوں گے۔ بایں ہمہ "حرمة العقد لایستلزم حرمة المال" کے مطابق مال ومنافع حلال وطیب ہی کہلائیں گے۔

۸۔ جیسا کہ اوپر ہم نے تفصیلاً لکھا ہے اس کی روشنی میں واقعہ یہی ہے کہ شیئرز ہولڈر کی حیثیت ایک رب المال کی اور کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرس فرد اعتباری کی حیثیت مضارب ہی کی ہوتی ہے۔

المضاربة توکیل بالعمل لتصرفه بأمره (درمختار ۴/۴۸۳)۔

۹۔ اگر کوئی شیئرز ہولڈر سودی قرضہ لینے سے اپنے اختلاف کا اعلان کردے اور اپنی وسعت کے مطابق بورڈ آف ڈائریکٹرس کو استقراض بالربح سے روک دے تو گو یہ غیر موثر ہی ہو، مگر یہ عند اللہ کمپنی کے فعل حرام کی ذمہ داری سے انشاء اللہ بری الذمہ ہوگا۔

۱۰۔۱۱ اگر کوئی کمپنی منافع حاصل کرنے میں عقود فاسدہ و باطلہ کی پرواہ نہ کرے حتی کہ قرض دے کر سود حاصل کرنے سے بھی احتراز نہ ہو، یا قانونی مجبوری کے تحت ہی کمپنی کو اپنا سرمایہ بینک میں رکھ کر سود لینا پڑے، یا سیکورٹی بانڈس خرید کر سود لینے سے نہ بچ سکے گویا وہ کمپنی عقود فاسدہ و باطلہ کے ذریعہ منافع حاصل کرنے سے بچنے کی پابند نہ رہ سکے تو ان سارے حالات و معاملات سے واقف ہوتے ہوئے کسی مسلمان کے لئے شرعاً جائز نہیں ہوگا کہ وہ ایسی کسی کمپنی کا شیئرز خریدے۔

بایں ہمہ اگر کسی مسلمان نے ایسی کمپنی کا شیئر خرید ہی لیا تو گرچہ وہ اس فعل حرام کے سبب عند اللہ مجرم و گنہگار قرار پائے گا لیکن کمپنی کی طرف سے جو منافع اس کو حصہ رسدی سے ملے گا اس میں وہ منافع بھی یقیناً شامل ہوگا جو مال حلال سے بطریقہ حلال حاصل کیا گیا ہوگا۔ اس لئے ورع و تقوی اور احتیاط کا تقاضا تو یہی ہوگا کہ شیئرز ہولڈر اپنے حصہ سے اپنے علم و تحقیق، قیاس و تخمین بظن غالب کے مطابق سودی آمدنی اور اس سے حاصل شدہ منافع کے بقدر نکال کر صدقہ کردے۔ لیکن چونکہ خلط استہلاک اور تقسیم مطہر مال ہو جاتا ہے اس لئے اس تمام ملے ہوئے منافع کو خود شیئرز ہولڈر بھی از روئے فتوی استعمال میں لاسکتا ہے۔ اس صورت کی پوری تفصیل اور اس کے مفصل دلائل امداد الفتاوی (۴۹۸/۳) میں مذکور ہیں۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت فی نفسہ جائز و صحیح ہے، حضرت تھانویؒ نے اسے بیع حظوظ الائمہ (اوقاف کے وہ حصے جس کو واقف نے ائمہ مساجد پر وقف کیا ہو) پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا ہے: **حاصله جواز بيع الحقوق الموجودة قبل القبض دون المعدومة** (امداد الفتاوی ۴۹۵/۳)۔ ہمارے خیال میں شیئرز کی بیع دراصل اس حصہ حقوق کی بیع ہے جو کسی شیئرز ہولڈر کا اس کمپنی میں حسب ضابطہ بشکل سرمایہ و منافع رہتا ہے۔ اب بازار کے اتار چڑھاؤ، کمپنی کی ساکھ اور کاروبار کی نوعیت سے ہر حصہ کے منافع کا اضافہ کبھی تھوڑی تھوڑی مدت ہی میں نمایاں محسوس ہونے لگتا ہے، اور ہر تجربہ کار ذہن جسے کاروباری معاملات سے تعلق ہوتا ہے اور بازار کی رسد و طلب کے تجزیہ کی صلاحیت ہوتی ہے وہ اندازہ کر لیتا ہے کہ کس کمپنی کے شیئرز کی مالیت و قدر اور اس کا ویلوویشن کب کتنا بڑھ گیا ہے، اس طرح ان شیئرز کے زیادہ منافع بخش ہونے کا تصور ہونے لگتا ہے اور پھر ان شیئرز کی فروخت زیادہ سے زیادہ ثمن میں ہونے لگتی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ کسی شیئر کی قدر اور ویلوویشن کے بڑھنے یا گھٹنے کا پتہ کمپنی کے اعلانیہ وغیرہ کے علاوہ بازار کے حالات اور کمپنی کی ساکھ کی روشنی میں قیاس و تخمین سے ہی ہوا کرتا ہے۔

اب کبھی یہ قیاس واقع کے مطابق بھی ہوتا ہے اور کبھی خلاف واقعہ، مگر اپنی جگہ یہ بھی امر واقعی ہی ہوتا ہے کہ کمپنی کے کاروباری مرحلہ میں داخل ہو جانے کے بعد عام حالات میں سارا سرمایہ صرف نقد و دیون ہی کی شکل میں متبدل نہیں ہو جاتا بلکہ ہمیشہ سرمایہ کا کچھ حصہ بشکل نقد و دین رہتا ہے تو کچھ حصہ بشکل اسباب و عروض و خام مال بھی

رہا کرتا ہے، اور شیئرز ہولڈر کا حق اپنے شیئرز کے بقدر نقد و دین اور اسباب و عروض اور خام مال سبھی میں دائر و سائر ہوتا ہے، اس لئے ان شیئرز کا جو بھی ویلو ویشن اور قدر و مالیت ظن و تخمین سے قرار دے کر جس قیمت میں بھی خریدا اور بیچا جائے، صرفاً إلی خلاف الجنس یہ معاملہ حد جواز ہی میں رہے گا۔

۱۳۔ شیئرز مارکیٹ میں وہ سودا جسے فیوچر سیل (بیاعات مستقبلیات) کہا جاتا ہے اس کے مقصد اور طریقہ کار کی جو وضاحت سوال میں کی گئی ہے، یہ تو ہماری سمجھ کے مطابق سٹہ بازی اور جوابازی ہے، جسے حرام ہی کہا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

۱۴۔ اگر اس سوال کا مقصد وہی فیوچر سیل ہے تب تو حکم اوپر لکھا جا چکا ہے، اور اگر بیع سَلَم کی طرح کا کوئی دوسرا معاملہ مراد ہے تو عقد سَلَم کی شرائط کے ساتھ اسے جائز کہا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔ بہر حال یہ سوال میری سمجھ میں نہیں آیا۔

۱۵۔ شیئرز کی جب اصل حیثیت یہ ٹھہری کہ دراصل وہ شیئرز ہولڈر کا حق و حصہ ہوتا ہے جو اس کمپنی کے اثاثے اور تجارتی سامان و عروض وغیرہ میں ہوتا ہے اور شیئرز سرٹیفکیٹ صرف اس حصہ وحق کا ایک ثبوت ہوتا ہے، تو شیئرز کی نقد بیع کا مطلب یہ ہوا کہ صاحب شیئرز اپنے اس حصہ وحق کا جو اس کا کمپنی میں موجود و ثابت ہے عوض لے کر خریدار کے حق سے دست بردار ہو گیا۔ گویا شیئرز کی بیع و شراء ایک کے لئے اپنے حق سے دست برداری ہوتی ہے اور دوسرے کے حق میں اس حصہ وحق پر اس کی ملکیت کا اثبات ہوتا ہے۔

۱۶۔ اسے صلح و تخارج کے عنوان سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے یعنی شیئرز کے بائع نے کچھ عوض لے کر مشتری کے حق میں اپنے حصہ کے استحقاق سے دست بردار ہو گیا، شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ ہونے نہ ہونے سے اس معاملہ میں کچھ فرق نہیں ہوسکتا، شیئرز کی اس پہلی بیع و شراء کے بعد جو دوسری یا تیسری بیع ہوگی سب کی حیثیت وہی اپنے حق و حصہ سے دست برداری اور تخارج کی قرار دی جاتی رہے گی، اور حق موجودہ کی بیع قبل القبض کا جواز اوپر لکھا جا چکا ہے۔

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج بازار میں شیئرز کی خرید و فروخت کے لئے واسطہ بننے والے جسے "بروکر" کہتے ہیں اور جس کی حیثیت ایک ایجنٹ کی ہوتی ہے، کا یہ عمل فریب و دغا سے اگر خالی ہو تو "اجیر مشترک" کی طرح ایک اجرت معینہ پر یہ ایجنٹی جائز کہی جائے گی ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

حصص کی شرعی حیثیت

مولانا عبدالجلیل قاسمی

امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ

۱۔ کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ محض کمپنی کو رقم دیئے جانے کی دستاویز نہیں ہے۔ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں موجودہ قانون کے مطابق اس کی املاک ضبط کرکے اس کے قرض ادا کئے جاتے ہیں، اس وقت اس کے حصہ کے تناسب سے کمپنی کے اثاثے قرق نہیں کئے جاسکتے۔ یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ شیرز کمپنی کو دی گئی رقم کی دستاویز ہے۔

اگر کوئی شخص مفلس ہو تو صاحبین کے نزدیک اس کی منقولہ بلکہ غیر منقولہ اشیاء، اراضی وغیرہا بھی فروخت کرکے اس کے قرضہ کی ادائیگی کی جائے گی، لیکن اس کا رہائشی مکان فروخت کرکے قرضہ ادا نہیں کیا جاتا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ مکان کا مالک نہیں ہے۔

اسی طرح اگر حکومت نے کسی مصلحت کی وجہ سے یہ قانون بنادیا کہ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں اس کے حصہ کے تناسب سے کمپنی کے اثاثے قرق نہیں کئے جائیں گے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اثاثوں کا مالک نہیں ہے۔ بلکہ کمپنی اگر تحلیل ہوجائے تو شیئر ہولڈر کو اس کے شیئرز کے تناسب سے اثاثوں میں حصہ ملنا واضح ثبوت اور مضبوط دلیل ہے کہ شیئر اثاثوں میں ملکیت کا ثبوت ہے نہ کہ قرض کی دستاویز۔

۲۔ جب تک کمپنی کے پاس املاک نہیں ہیں اس وقت تک کمپنی کے شیئرز کی بیع کی جائے تو یہ نقد کی بیع نقد سے ہے۔ اس میں بیع صرف کے احکام جاری ہوں گے یعنی نہ کمی زیادتی ہو اور نہ ادھار ہو۔

اگر شیئر ہولڈر ایسی صورت میں اپنے شیئر کو کم قیمت یا زیادہ قیمت میں فروخت کرے گا تو ناجائز ہوگا، اس لئے کہ یہ سود ہوگا اور وہ ناجائز ہے۔

لیکن اگر جتنے روپے میں شیئر خریدا ہے اتنے روپے ہی میں فروخت کرتا ہے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے اس کو ناجائز کہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: اسی طرح حصص خریدنا چونکہ یہ روپیہ کا مبادلہ روپے سے ہے، اور دست بدست نہیں ہے، اس لئے ناجائز ہے (امداد الفتاوی ۳/۱۳۰)۔

حضرت تھانویؒ کا یہ جواب کمپنی کے کاروبار شروع کئے جانے کے بعد شیئر کی خریداری کے بارے میں ہے، اس لئے حاشیہ میں یہ کہہ کر کہ حصص بصورت عروض تجارت ومشینری ہوتے ہیں، اس لئے روپیہ کا مبادلہ روپے سے نہیں ہے بلکہ عروض سے ہے۔ اس کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

لیکن یہاں کاروبار شروع کرنے سے قبل جب کہ تمام شیئرز ابھی نقد کی صورت میں موجود ہیں، حصص نقد ہی ہیں، اس لئے یہاں نقد کی بیع نقد سے ہے۔

حضرت تھانویؒ نے اپنے اس جواب میں لکھا ہے کہ ہر حصہ دار اپنے حصہ کا مالک ہوتا ہے اور عملہ کاروبار میں ان حصہ داروں کا وکیل ہوتا ہے، اور شرعاً ان کا فعل حصہ داروں کی طرف منسوب ہوگا۔ اگر وہ کوئی ناجائز تجارت کریں گے .... تو ایسا ہی ہوگا جیسے خود حصہ دار ادا کریں۔

حضرت تھانویؒ نے کمپنی کے عملہ کو حصہ داروں کا وکیل تسلیم کیا ہے، تو جس طرح وکیل ہونے کی حیثیت سے جو کچھ وہ کریں گے سب حصہ داروں کا عمل سمجھا جائے گا۔ تو پھر ان عملہ کے قبضہ کو حصہ دار کا قبضہ کیوں نہیں تسلیم کیا جائے۔ اور شیئر ہولڈر اپنا شیئر فروخت کر رہا ہے۔ جب تک وہ شیئر ہولڈر تھا عملہ اس کا وکیل ہے اور شیئر کی رقم جو عملہ کے قبضہ میں ہے خود شیئر ہولڈر کے قبضہ میں ہے، اور جس وقت اس نے فروخت کر دیا، اس کے مساوی روپے لے لیا تو اب خریدار شیئر ہولڈر ہو جائے گا اور عملہ اس کا وکیل ہوگا، اور عملہ کا قبضہ اس کا قبضہ مانا جائے گا۔ پھر یہ کہنا کہ یہ دست بدست نہیں ہے ناقابل فہم ہے، اس لئے میرے خیال میں اگر مساوی قیمت میں فرق ہو تو اس کو ادھار کہہ کر ناجائز نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی اجازت دی جانی چاہئے۔

۳۔ کاروبار شروع ہو جانے کے بعد جب کمپنی کا اثاثہ نقد اور املاک کا مجموعہ ہے تو اس کو کم زیادہ پر فروخت کرنا جائز ہے۔ نقد کے مقابلہ میں نقد اور باقی املاک کے مقابلہ میں سمجھا جائے گا۔ مثلاً اگر ایک شیئر ایک ہزار روپے کا ہے تو اس میں سے چھ سو روپے نقد اور چار سو روپے کے املاک ہیں۔ اگر شیئر ہولڈر نے اس کو بارہ سو روپے میں فروخت کر دیا تو چھ سو روپے کے مقابلہ میں چھ سو روپے اور املاک کے مقابلہ میں چھ سو روپے ہوئے۔ اسی طرح اگر اس نے آٹھ سو روپے میں فروخت کیا تو چھ سو کے مقابلہ میں چھ سو ہوں گے۔ اور دو سو روپے املاک کے مقابلہ میں ہوں گے، اس لئے یہ بیع جائز قرار پائے گی۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے ان کے شیئرز کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

۵۔ بچنا بہتر ہے، لیکن اگر کوئی شریک ہونا چاہے تو اجازت دی جانی چاہئے۔

۶۔ اس میں بھی پرہیز کرنا اولی ہے، اور شرکت کی اجازت دی جانی چاہئے۔

نوٹ: سوال نمبر ۵ و ۶ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری قانون کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کبھی قرض لینا پڑتا ہے اور کبھی قرض دینا پڑتا ہے۔ ایسی حالت میں مناسب یہ ہے کہ جتنا سرمایہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑے، سیکورٹی بانڈس خریدنے پڑیں، اتنی رقم انکم ٹیکس کی زد سے بچنے کے لئے قرض کی شکل میں لی جائے تاکہ جس قدر سود کی رقم بینک سے ملے اسی قدر سود کی شکل میں اس کو واپس کر دیا جائے، اس طرح صرف سود کا حساب ہوگا، نہ سود دینا ہوگا نہ لینا ہوگا۔

۷۔ سودی قرض لینا بلا مجبوری کے جائز نہیں ہے، یہ عمل غلط ہے، لیکن قرض میں لی گئی رقم میں کوئی خبث نہیں ہے۔ قرض لینے والا اس کا مالک ہوگا، اس کے ذریعہ کاروبار کر کے جو منافع حاصل کیا جائے وہ بلاشبہ حلال ہوگا۔

۸۔ جی ہاں! بلکہ کمپنی کا پورا عملہ حصہ داروں کا وکیل ہے اور عملہ کا عمل حصہ داروں کا عمل سمجھا جائے گا۔ حضرت

تھانویؒ لکھتے ہیں: ''عملہ کاروبار میں حصہ داروں کا وکیل ہوتا ہے، اور شرعاً ان کا فعل حصہ داروں کی طرف منسوب ہوگا، اگر وہ کوئی ناجائز تجارت کریں گے......تو ایسا ہی ہوگا جیسے خود حصہ دار کریں (امداد الفتاوی ۳/۱۳۰)۔

۹۔ صرف اختلاف کا اعلان کر دینا کافی نہیں ہوگا اس کو کمپنی سے الگ ہو جانا چاہئے۔

۱۰۔ کافی ہوگا۔

۱۱۔ اگر نکال دے تو اچھا ہے ورنہ ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ روپیہ ثمن ہے اور وہ متعین نہیں ہوتا ہے، اس لئے اگر سود کی رقم سرمایہ میں ملی ہوئی ہے تو منافع کا سودی رقم کا نفع ہونا متعین نہیں ہوگا۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی ہے۔

۱۳۔ یہ قمار ہے اور حرام ہے۔

۱۴۔ سوال کی وضاحت کی جائے، اگر مقصد یہ ہے کہ مال موجود نہیں ہے اور بائع مشتری سے وعدہ کرتا ہے کہ میں مال منگا دوں گا، پھر مال منگا کر مشتری کو دیتا ہے تو یہ وعدہ ہے، مال منگانے پر ان کو ایجاب وقبول کرنا چاہئے، یہ درست ہوگا۔ لیکن مال منگانے کے بعد نہ بائع پر بیع لازم ہوگی نہ مشتری پر۔ بائع کو اختیار ہے کہ وہ بیع کرنے سے انکار کردے، اسی طرح مشتری کو حق ہے کہ نہ خریدے۔ کیونکہ دونوں میں بیع نہیں ہوئی ہے صرف وعدۂ بیع ہے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد ہے تو اس کی وضاحت کی جائے۔

۱۵۔ بوقت بیع وشراء ہی کمپنی کے اثاثوں اور املاک پر شیئر ہولڈر کی ملکیت آجاتی ہے۔ اور بحث میں گذر چکا ہے کہ کمپنی کا عملہ شیئر ہولڈر کا وکیل ہے۔ ان کا قبضہ ہی شیئر ہولڈر کا قبضہ سمجھا جائے گا۔ ملکیت بیع وشراء سے ہوتی ہے نہ کہ سرٹیفکیٹ سے۔ شیئرز سرٹیفکیٹ ملکیت کا ثبوت ہے نہ کہ علت کا، اس لئے عملہ کا قبضہ ہی اس کا قبضہ سمجھا جائے گا۔

۱۶۔ خرید کردہ شیئر کی موجودہ قیمت خریدار نے ادا کر دی ہے، اگر وہ سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے قبل دوسرے کو فروخت کردے تو جائز ہوگا۔

۱۷۔ جن صورتوں میں شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے اس میں واسطہ بننا بھی جائز ہوگا، یعنی بروکر بننا جائز ہوگا۔ اور خرید وفروخت کی جو صورتیں ناجائز ہیں ان میں واسطہ بننا بھی ناجائز ہوگا۔

فقہ اسلامی میں شیئرز کی حیثیت

مولانا عتیق احمد قاسمی

دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۔ کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، شیئر خرید کر شیئر ہولڈر کمپنی کے املاک واثاثوں میں اپنے شیئر کے بقدر شریک ہو جاتا ہے، یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ شیئرز کی خریداری کمپنی میں شراکت نہیں ہے بلکہ شیئر سرٹیفکیٹ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ حامل سرٹیفکیٹ نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے۔

حضرت تھانویؒ کا یہ موقف بالکل درست ہے کہ اپنی روح کے اعتبار سے کمپنی شرکت عنان میں داخل ہے، اگرچہ کمپنی کی بعض ایسی خصوصیات ہیں جو معروف شرکت عنان میں نہیں پائی جاتیں، لیکن ان کی وجہ سے عنان کی حقیقت تبدیل نہیں ہوتی، شیئرز سرٹیفکیٹ کو محض قرض کی دستاویز ماننا صحیح نہیں ہے۔

۲۔ جس کمپنی کے تمام اثاثے نقد کی صورت میں ہیں، اس کمپنی نے ابھی اپنے نقد اثاثے کو کسی اور شکل میں تبدیل نہیں کیا ہے، اس کمپنی کے شیئرز کو کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے، جتنے میں شیئرز خریدا ہے (فیس ویلو پر) اتنے ہی میں فروخت کیا جاسکتا ہے، یہ دراصل روپے کی فروخت روپے کے بدلے میں ہے۔

۳۔ جس کمپنی کے کچھ اثاثے نقد روپے کی شکل میں ہوں اور کچھ سرمائے زمین، جائداد، مکان ودوکان، تیار شدہ مال یا خام مال کی شکل میں، اس کے شیئر کی بیع اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ حساب کرنے پر ہر شیئر میں جتنا نقد روپیہ آتا ہے اس سے زیادہ کے بدلے میں شیئر خریدا جائے، اس کے مساوی یا اس سے کم کے بدلہ میں نہ خریدا جائے۔ مثلاً کمپنی کے نقد روپیوں کا حساب لگانے پر ہر شیئر میں دس روپیہ آتا ہے تو ایک شیئر کی خریداری دس روپے یا اس سے کم میں نہ ہو بلکہ اس سے زیادہ پر ہو، تاکہ دس روپے دس روپیوں کے بدلے میں ہو جائیں، اور دس سے زیادہ جو قیمت طے ہوئی وہ شیئر پر آنے والے دوسرے جامد اور غیر جامد اموال کے بدلے میں ہو جائے۔

۴۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہے اس کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔

۵۔ جن کمپنیز کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن انہیں بعض اوقات انکم ٹیکس وغیرہ کی زد سے بچنے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا درست ہے۔

۶۔ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کو اگر قانونی جبر کے تحت اپنا کچھ سرمایہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے یا سیکورٹی بانڈس خریدنے پڑتے ہیں جن پر انہیں سود ملتا ہے، ایسی کمپنیوں کا شیئر خریدنا بھی جائز ہے، لیکن ملنے والے سود کا حساب کتاب الگ رکھنا ضروری ہے، سودی رقم کا استعمال نہ کمپنی کرسکتی ہے نہ شیئر ہولڈرس۔

۷۔ سودی قرض حاصل کرنے کی صورت میں اس قرض کی رقم سے کیے گئے کاروبار سے حاصل ہونے والے منافع قرض لینے والے شخص کی ملکیت ہوں گے، قرض مفید ملک ہے، قرض کی رقم کو اگر جائز کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کیا گیا ہے تو وہ نفع بلاشبہ حلال ہے، ہاں قرض دے کر سود حاصل کرنے والا سخت گنہگار ہے، سود کی رقم اس کی ملکیت نہیں ہے، اسی طرح انتہائی ضرورت اور مجبوری کے بغیر سود بردار قرض حاصل کرنا بھی شدید گناہ ہے۔

۸۔ بلاشبہ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے اور اس کا عمل شیئرز ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا۔

۹۔ کسی کمپنی میں شرکت، اس کے شیئرز کی خریداری انسان کا اختیاری عمل ہے، کمپنی جب تک صحیح خطوط پر کام کر رہی ہے، اس کا کاروبار اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے اس میں شرکت باقی رکھی جاسکتی ہے، لیکن جب کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرس غلط فیصلہ کرنے لگے، کمپنی کے ڈھانچے میں غیر اسلامی اجزاء شامل کرنے لگے تو کمپنی میں شرکت باقی رکھنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ کمپنی کا سودی قرض حاصل کرنا (اگر قانونی جبر کی بنا پر نہ ہو) ایک ناجائز عمل ہے۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس چونکہ تمام شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے اس لئے اس کے فیصلہ کی ذمہ داری شرعاً تمام شیئر ہولڈرس پر عائد ہوتی ہے۔

جو کمپنی درکار سرمایہ کا ایک معتد بہ حصہ بینکوں سے سودی قرض لے کر فراہم کرتی ہے، ایسی کمپنی کے شیئرز خرید کر صرف سالانہ میٹنگ میں سودی لین دین کے خلاف آواز اٹھا کر مطمئن ہو جانا کہ کمپنی کے سودی معاملات سے ہماری براءت ہوگئی، درست نہیں ہے۔ کیونکہ شیئرز کی خریداری کمپنی میں شرکت ہے، اور شرکت میں ہر شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے، یہ وکالت خواہ کتنی کمزور مانی جائے بہر حال موکل وکیل کے تصرف کی ذمہ داری سے بری نہیں ہوسکتا۔

ہاں جو لوگ دوسرے میدانوں میں سرمایہ کاری سے معذور ہیں، مثلاً کوئی بیوہ یا معمر وضعیف شخص ہے، اس کے پاس کچھ سرمایہ ہے، اس سرمایہ سے خود تجارت کرنا اس کے بس میں نہیں ہے، کسی اور شخص کو مضاربت پر دیں تو دیانت کی کمی کی وجہ سے اصل سرمایہ ڈوب جانے کا خطرہ ہے، سرمایہ منجمد رکھے تو سرمایہ رفتہ رفتہ خرچ یا تحلیل ہو جائے نیز اپنے پاس سرمایہ رکھنے میں اس کی حفاظت کا بھی مسئلہ ہے، اس معذور شخص کے سامنے دو ہی راستے ہیں، یا تو بینک میں فکس ڈپازٹ کر کے سود حاصل کرے یا ایسی کمپنی کے شیئرز خریدے جس کا اصل کاروبار حلال ہے لیکن وہ کمپنی سودی قرض حاصل کرنے میں بھی ملوث ہے، ایسے معذور شخص کے لئے بینک میں فکس ڈپازٹ کرنے کے مقابلہ میں اس کمپنی کے شیئرز خریدنا اہون ہے، اس کے لئے شرعاً مذکورہ بالا کمپنی کے شیئرز خریدنے کی گنجائش ہے۔

۱۰۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو (مثلاً کمپنی کو اپنے سرمایہ کا کچھ فیصد لازماً ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہو اور اس جمع شدہ رقم پر اسے سود ملتا ہو) اور اس کی مقدار معلوم ہو تو منافع میں سے سود کے بہ قدر نکال کر صدقہ کر دینا شیئر ہولڈرس کے لئے ضروری ہے۔

۱۱۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا ہے اتنا فیصد ملنے والے منافع سے نکال کر صدقہ کرنا ضروری ہے۔

۱۲۔ جن کمپنیوں کے شیئرز خریدنا شرعاً جائز ہے ان کے شیئرز کی تجارت بھی جائز ہے، حلال کاروبار کرنے والی

کمپنیوں کے شیئرز خواہ اس نیت سے خریدے جائیں کہ ان پر سالانہ ملنے والے منافع سے استفادہ کریں گے، یا اس نیت سے خریدے جائیں کہ شیئرز کی قیمت چڑھنے پر انہیں فروخت کردیں گے، بہر دو صورت ان کی خرید و فروخت درست ہے، تجارت میں خرص و تخمین کا عنصر تو ہوتا ہی ہے، خرص و تخمین کی بنا پر تجارت کو ممنوع قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۱۳۔ فیوچر سیل جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ آخر میں جاکر آپس کا فرق (Deference) برابر کرلیا جاتا ہے، اس میں نہ تو شیئرز پر قبضہ ہوتا ہے اور نہ قبضہ پیش نظر ہوتا ہے، یہ ایک قسم کی سٹہ بازی ہے اس لئے شریعت اسلامی میں اس کی گنجائش نہیں۔

۱۴۔ غائب سودا جس میں بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے وہ شرعاً بیع نہیں ہے، کیونکہ فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آئندہ زمانہ کی طرف بیع کی اضافت یا تعلیق ناجائز ہے، اس کو بہت سے بہت وعدہ بیع کہا جاسکتا ہے، وقت مقررہ آنے پر مکمل بیع کرنی ہوگی۔

۱۵۔ شیئرز کے نقد سودے میں بعض انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ میں ہفتہ دو ہفتہ کی جو تاخیر ہوتی ہے اس سلسلہ میں پیدا شدہ سوال کا جواب یہ ہے کہ شیئر مارکیٹ سے شیئرز کی نقد خریداری کرتے ہیں، اگر خرید کردہ شیئرز قانوناً خریدار کی ملکیت میں آجاتے ہیں اور ان کا نفع یا نقصان خریدار کی طرف لوٹتا ہے تو اسے شیئرز پر خریدار کا قبضہ تصور کیا جائے گا اور ان شیئرز کی فروختگی خریدار کے لئے جائز ہوگی، اور اگر صورت حال اس کے برعکس ہو یعنی شیئرز کا نقد سودا ہوجانے کے بعد شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ ہونے سے پہلے خرید کردہ شیئرز قانوناً خریدار کی ملکیت نہ مانے جاتے ہوں، ان شیئرز کا نفع و نقصان خریدار کی طرف منتقل نہ ہوتا ہو بلکہ شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ کرنے کے بعد ہی ان شیئرز پر قانوناً خریدار کی ملکیت قائم ہوتی ہو تو شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل ہونے سے پہلے خریدار کے لئے ان کی فروختگی جائز نہ ہوگی، اور اگر کمپنی کا شیئر صرف روپیوں پر مشتمل ہو تو شیئرز کی یہ خرید و فروخت ہی ناجائز ٹھہرے گی کیونکہ ایک طرف سے روپیہ نقد ہے ایک طرف سے ادھار۔

۱۶۔ اس کا جواب سوال نمبر ۱۵ کے جواب سے واضح ہوچکا ہے۔

۱۷۔ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے، اور حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے بروکر ہونے کی حیثیت سے کام کرنا جائز نہیں ہے۔

شیئرز کے چند حل طلب مسائل

مفتی نظام الدین صاحب، دارالعلوم دیوبند

شیئرز کے ذریعہ سرمایہ کاری کا انتظام آج انتہائی عروج پر پہونچ چکا ہے، اور یہ اس ترقی یافتہ عہد میں تجارت کی سب سے زیادہ رائج اور مقبول صورت ہے اور عالمی پیمانہ پر اس میں عام ابتلاء ہوگیا ہے۔ اس لئے اس کے طریقہ کار کی تنقیح کر کے حل طلب مسائل کا شرعی حکم دریافت کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ اس لئے اولاً کمپنی کے نظام کو ذکر کر کے چند حل طلب سوالات پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ مشترک تجارت کا نام دے کر ایک کمپنی قائم کی جاتی ہے، جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ابتداءً چند سرمایہ کار (جو ترقی دینے والے حصہ دار کہلاتے ہیں) ایک اسکیم مرتب کر کے اور قواعد وضوابط متعین کر کے رجسٹرار آف کمپنیز کے یہاں رجسٹریشن کراتے ہیں جو قانوناً ضروری ہوتا ہے، اسی طرح کسی معتبر بینک سے یہ ضمانت حاصل کی جاتی ہے کہ اگر پیش کردہ حصص پر سرمایہ فراہم نہ ہوسکے تو بینک اتنے اتنے حصے خریدنے کو تیار ہے۔ رجسٹریشن کے بعد کمپنی اپنی مصنوعات یا مال تجارت متعین کر کے اشتہار دیتی ہے، جس میں لاگت سرمایہ، مصارف اور قیمت کے تخمینہ کے ساتھ متوقع نفع کی صراحت ہوتی ہے۔

۲۔ اور اس اشتہار کے ذریعہ کمپنی میں بذریعہ شیئرز (حصص) شرکت کی کھلی اور عمومی پیشکش کی جاتی ہے اور اس سے وسیع پیمانے پر تجارت کے لئے سرمایہ کی فراہمی مقصود ہوتی ہے۔

۳۔ اور کبھی پہلے سے موجود کمپنی بھی اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے عوام کو سرمایہ کاری کے لئے کھلی پیشکش کرتی ہے۔

۴۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ لاگت اور سرمایہ کو عموماً دس روپے اور بعض دفعہ سو روپے کے مساوی اجزاء میں تقسیم کیا جاتا ہے، جس میں سے ہر جز کو ایک حصہ تجارت کہا جاتا ہے، پھر خواہش مند لوگ اپنی اپنی قوت اور منشا کے مطابق حصے کم اور زیادہ خریدتے ہیں۔ اس پیشکش کو قبول کر کے حصص کی خریداری کے ذریعہ سرمایہ لگانے پر حصہ شرکت کے مالک ہوجاتے ہیں اور اس شرکت کی بنا پر ان کو کمپنی کے تجارتی امور میں رائے دہندگی کا حق حاصل ہوتا ہے، اور نفع ونقصان میں بقدر حصص شرکت ہوتی ہے، لیکن کمپنی کے املاک اور اثاثے میں نہ تو وہ دعویدار ہوسکتے ہیں اور نہ ہی کسی تصرف کے مالک ہوتے ہیں، اسکیم مرتب کرنے میں بھی ان کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔

۵۔ اور عموماً کمپنیوں کو ان حصص کے ذریعہ مکمل سرمایہ کی فراہمی متیقن نہیں ہوتی، اس لئے پھر اسی کے بقدر یا کم زیادہ ایسے حصص کی پیشکش کرتی ہیں، جن کی حیثیت سرمایہ ہونے کے ساتھ ساتھ قرض کی بھی ہوتی ہے، ان حصص کے

بدلے وثیقہ یا سند دی جاتی ہے، ایسی سندات کو "Bonds" اور ایسے حصص قرض کو "Debentures" کہا جاتا ہے۔

۶۔ حصص قرض کے ذریعہ شریک ہونے والے مالکانہ حقوق نہیں رکھتے، ان کو رائے دہندگی کا حق بھی نہیں ہوتا، ان کو سود اور نفع بھی دیا جاتا ہے، اور نقصان یا اتلاف کی صورت میں سرمایہ کی واپسی کی ضمانت دی جاتی ہے اور، اسے ترجیحی حصص (Preference Shares) بھی کہا جاتا ہے۔

۷۔ حصص قرض کو حصص تجارت میں محول کیا جا سکتا ہے۔

۸۔ اگر کوئی اپنے حصص کو واپس لے کر شرکت کو ختم کر لینا چاہے تو وہ براہ راست کمپنی سے سرمایہ کو واپس نہیں لے سکتا بلکہ اس کی ایک ہی صورت ہے کہ اپنے حصص کو کسی اور شخص کے نام پر منتقل کر دے اور اس کے حق میں حق شرکت سے دستبردار ہو جائے۔ اس کے عوض وہ حصص کی بازاری قیمت لیتا ہے جو ابتدائی کمپنی کی مقرر کردہ قیمت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔

۹۔ جوں جوں کمپنی کے مال تجارت اور اثاثوں کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے حصص کی قیمت بھی بڑھتی جاتی ہے، جو کمپنی مسلسل نفع بنائے بازار میں اس کے حصص اونچی قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔

۱۰۔ کمپنی ہر سال حساب کر کے منافع کو حصص پر تقسیم کرتی ہے، اس کا ایک جز وقت ضرورت کے لئے اپنے پاس جمع کر لیتی ہے بقیہ حصہ داروں کو پہنچا دیتی ہے۔ جمع شدہ رقم حصہ کی قیمت سے بڑھ جائے تو اسے اصل سرمایہ میں شامل کر لیا جاتا ہے، اس طرح حصص میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

۱۱۔ حصص تجارت اور حصص قرض کی ایک متعین قیمت ہوتی ہے جو ان کے جاری ہونے کے وقت متعین کی جاتی ہے، اور ایک مارکیٹ کی قیمت ہوتی ہے جو ملک کی سیاسی اقتصادی حالات، ان کی مانگ اور دوسرے عوامل کے نتیجہ میں گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

۱۲۔ بازار حصص میں خرید و فروخت بروکرس (دلالوں) کے ذریعہ ہوتی ہے جو کمپنیوں کے بدلتے ہوئے حالات پر آگہی رکھتے ہیں، باقاعدہ رجسٹریشن اور قواعد و ضوابط کے ساتھ بازار حصص (Stock Exchange) قائم کر کے اس کے ممبر بن جاتے ہیں، اور حصص کی خرید و فروخت کے لئے افراد اور کمپنیاں بازار حصص کی طرف رجوع کرتی ہیں، بازار حصص کے اتار چڑھاؤ کا ملکی معیشت پر گہرا اثر پڑتا ہے، اب بازار حصص میں خود ان حصص تجارت اور حصص قرض کی خرید و فروخت ہو جاتی ہے۔

ان بنیادی تصریحات کے بعد چند حل طلب سوالات پیش خدمت ہیں، چونکہ اس زمانہ میں عالمی تجارت کا اکثر و بیشتر حصہ اسی نوعیت کے مسائل پر مبنی ہے اس لئے قواعد فقہیہ کی روشنی میں ان کے احکام کا استخراج بہت سے مسائل کا مداوا ثابت ہوگا۔

سوالات:

۱۔ مذکورہ کمپنیوں میں شیئرز (حصص) کے ذریعہ سرمایہ کاری عقود شرعیہ میں سے کونسا عقد ہے، بیع یا مضاربت

یا شرکت؟ اگر عقد شرکت ہے تو شرکت کی کونسی قسم ہے؟ اور کیا شریک (صاحب حصص) کو اپنے حصہ پر مکمل مالکانہ تصرف حاصل نہ ہونے سے حکم میں کوئی تغیر نہ آئے گا؟

۲۔ ایسی کمپنیوں میں شیئرز کے ذریعہ سرمایہ کاری کا جن میں حصص قرض (جن پر سود دینا لازمی ہے) اور بینک کے سودی قرضے بھی شامل ہوتے ہیں، کیا حکم ہے؟ کیا اس اختلاط بالحرام کی وجہ سے حصص تجارت (جن میں سود نہیں) کے منافع کا جواز متاثر نہ ہوگا؟ "المال المختلط بالحلال والحرام" کا شرعا کیا حکم ہے؟ یہ واضح رہے کہ نہ صرف ایسی کمپنیوں کی تجارت بلکہ ہر بڑے پیمانے کی تجارت ورآمدات وبرآمدات کا کسی نہ کسی مرحلہ میں بینک سے یعنی سودی لین دین پر انحصار نا گزیر ہے۔

۳۔ حصص قرض (Debentures) کے ذریعہ سرمایہ کاری کا کیا حکم ہے؟ واضح رہے کہ اس پر کمپنی طے شدہ ور کے مطابق سود دیتی ہے اس کے علاوہ نفع بھی دیتی ہے، اور اتلاف ونقصان کی صورت میں سرمایہ کی واپسی کی ضامن ہوتی ہے۔

۴۔ اگر کسی کمپنی میں حصص تجارت حاصل کرنے کی گنجائش ہو تو بدرجہ مجبوری حصص قرض کو اس نیت سے خریدنا کہ آئندہ اسے حصص میں محول کرلیا جائے، شرعا اس کا کیا حکم ہے؟

۵۔ حصص تجارت (Shares) جن کی بازار حصص میں خرید وفروخت ہوتی ہے خود ان حصص کی شرعا کیا حیثیت ہے؟

(الف) کیا ان کو شرعا مال متقوم قرار دیا جاسکتا ہے؟ جن کی خرید وفروخت ورہن وغیرہ درست ہو۔

(ب) کیا ان کو حق شرکت کی بیع وشراء قرار دیا جاسکتا ہے؟ بصورت اثبات اس کی بیع وشراء کا کیا حکم ہے؟

۶۔ سندات حصص قرض (Bonds) جن کی خرید وفروخت ہوتی ہے رہن رکھا جاتا ہے، شرعاً ان کی کیا حیثیت ہے؟

۷۔ اسٹاک ایکسچینج (بازار حصص) میں شیئرز (حصص تجارت)، ڈبینچرز (حصص قرض) کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟ جبکہ اس میں کمپنی کی متعین کردہ قیمت سے کہیں زیادہ قیمت پر بیع وشراء کا معاملہ ہوتا ہے۔

۸۔ بازار حصص میں دلال (Broker) اپنے نام پر حصص کو منتقل کئے بغیر جو بیع وشراء بحیثیت وکیل یا فضولی کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے۔ اور کیا ان بروکروں کی معرفت حصص تجارت وحصص قرض کی خرید وفروخت درست ہے۔

۹۔ کمپنی اگر حرام اشیاء شراب وغیرہ کی تجارت کرے تو کیا ایسی کمپنی سے حصص خریدنا اور اس سے منتفع ہونا جائز ہوگا؟ یہ واضح رہے کہ ہندوستان جیسے ممالک میں کمپنی کا پورا عملہ غیر مسلم ہوتا ہے تو کیا ان کو شرکاء کا وکیل قرار دے کر اس طرح کے عقد کی اجازت دی جائے گی، کیونکہ حقوق عقد عاقد کی طرف لوٹتے ہیں؟

<u>جوابات:</u>

۱۔ حصص قرض خریدنے کی شرعا اجازت نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں اپنے اختیار سے سود لینا اور دینا پڑتا

ہے، اوراس کی اجازت نہیں۔اور "المال المختلط بالحلال والحرام" کے ضابطہ پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ المال المختلط میں وہ اختلاط مراد ہے جو غیر شعوری یا غیر اختیاری طور سے ہوجائے اوراس خاص صورت میں اکثر کا اعتبار ہوتا ہے، کما صرح به في الأصول الفقهية و غير ذلك۔ اور حصص تجارت میں جہاں کہیں سودی لین دین کرنا پڑجاتا ہے وہ بوجہ مجبوری ہوتا ہے، اوراس کی اجازت فقہاء نے بعض موقعوں میں دی ہے، كما في الأشباه: ويجوز للمحتاج الاستقراض بالربح، لہذا یہ قیاس قیاس مع الفارق ہوگا۔

۲۔۳۔ اوپر سوال میں حصص قرض لینے کا عدم جواز مدلل ومکمل طور پر واضح ہو چکا ہے، اور اتلاف ونقصان کی صورت میں سرمایہ کی واپسی کی ضمانت وجہ جواز نہیں بن سکتی، بوجوه و منها تقدم دفع المضرة على جلب المنفعة وغیرہ اصول سے واضح ہے۔

۴۔ ناجائز ہے۔ والدلائل مامضت فی ضمن سوال ۲،۳۔

۵۔ ان حصص تجارت کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ جب کوئی ایک یا چند افراد ممبر بن جائے کے بعد شرعاً اپنے شیئر کا مالک ہو جائے، اور شرعاً کوئی شخص مالک ہو چکنے کے بعد معاملہ شرکت سے نکلنا چاہتا ہے تو کمپنی والے اس کو حصہ شرکت سے نکل جانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ اس لئے اجازت دیدینے کے بعد اس اجازت کے ثبوت کے لئے ایک سند یا رسید (کاغذ کا ٹکڑا) دیدیتے ہیں، کہ اس کو دکھلا کر وہ شخص اپنا حصہ متعین کر کے جس کو چاہے بیچ دے یا جو چاہے کرے، ورنہ یہ رسید اور سند (کاغذ کا ٹکڑا) ہے، بذات خود یہ کوئی قیمت نہیں رکھتا کہ اس کے بیع وشراء کا معاملہ ہو، اور نہ وہ کاغذ کا ٹکڑا حق شرکت ہے کہ اس کی بیع وشراء کا حکم متوجہ ہو، اور نہ تو کاغذ کا وہ ٹکڑا اثاثہ تجارت کے جز ومشاع کا بدل ہے کہ اس کے بیع وشراء کا حکم متوجہ ہو، بلکہ خریدار شیئر کا جو حصہ تجارت میں ہے (نقود وعروض وغیرہ میں سے) اس حصہ کے خرید وفروخت کرنے کا اجازت نامہ ہے، بلکہ یہ سب حصے جز ومشاع کے درجہ میں ہوتے ہیں اور ان سب حصوں کی بیع مشاعاً از روئے شرع جائز ہوتی ہے اس لئے یہ بیع جائز ہوگی۔ کما صرح بہ الفقہاء۔ پس ان تمام حصوں کی خرید وفروخت مشاعاً بلاشبہ جائز رہے گی اوراس کے جواز میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہوگی۔

۶۔ یہ بونڈز حصص قرض کی محض سند ہیں، ان سندوں کی خرید وفروخت کرنا یا رہن رکھنا کچھ بھی جائز نہیں، جس کی کچھ تشریح پہلے بھی گذر چکی ہے۔

۷۔ اسٹاک ایکسچینج میں محض حصص تجارت کا تبادلہ ہوتا ہے، اور یہ اگر چہ بصورت بیع وشراء مشاعاً ہوتا ہے مگر یہ جائز رہے گا، اور حصص قرض میں چونکہ حصہ لینا ہی جائز نہیں اس لئے اس میں تبادلہ کی گنجائش بھی نہ ہوگی۔

۸۔ بازار حصص میں دلال اپنی طرف حصص کو منتقل کر کے یا بحیثیت وکیل یا بحیثیت فضولی حصص تجارت کی بیع و شراء کریں تو سب درست رہے گا بشرطیکہ معاملہ مجہول یا مفضی الی النزاع نہ ہو، البتہ حصص قرض میں اپنے اختیار سے سود دریا کا تحقق ہوتا ہے اس لئے یہ کسی طرح درست نہ ہوگا۔

۹۔ شراب میں خمور اربعہ جس کی حرمت منصوص بنص قطعی ہے، اور نجاست بھی مثل پائخانہ پیشاب کے غلیظ و

نجس ہے اوراس کی نجاست بھی نجاست لعینہ ہے۔ یہی حکم ان کے الکوہل کا بھی ہے کہ ان کے کاروبار میں حصص خریدنا اوراس سے منتفع ہونا جائز نہیں رہے گا، خواہ ہندوستان جیسے ملک میں ہو خواہ اس کا پورا عملہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، کسی طرح جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح جوا (قمار) سے کمائی ہوئی اور حاصل شدہ رقوم کا بھی حکم ہے کہ اس میں شرکت یا اس کا استعمال وغیرہ کچھ بھی کسی طرح ہندوستان جیسے ملک میں بھی جائز وحلال نہیں رہے گا، لقولہ تعالی:

إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان (سورہ مائدہ)۔

لہذا ان حرام ونجس عقود کا وکیل وغیرہ بننا کچھ بھی جائز ودرست نہ ہوگا اور نہ ان کی آمدنی سے منتفع ہونا ہی درست رہے گا۔ اور جو الکوہل ان خمور اربعہ مذکورہ کے علاوہ میں ہوں گے ان کا حکم بھی دوسرا ہوگا، اور جب تک ان میں سکر (نشہ) کا تحقق وثبوت شرعی ضابطہ سے نہ ہوجائے اس وقت تک ان کی نجاست وحرمت کا حکم نہ ہوگا۔

شیئرز کے چند مسائل اور ان کا حکم

مولانا شمس پیرزادہ، بمبئی

۱۔ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا نہیں؟

ملکیت کا تصور اصل میں کمپنی کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کی ایک علیحدہ قانونی حیثیت ہے:

"A Joint Stock Company has separate legal status and it is absolutely separable from the owners i-e- from general body of members as well as separable from board of directors. A company is purely a creation of law. It can do every thing like a human being, like as individual it can hold property, appoint employee s, incur debts, file suits and be sued upon".(Company Secreterial Practice by Prof. Tahil Vorhani P. 95)

"A Company is an in corporated assosiation which is an artificial person created by law, having a common seal and perpetual succession. (do .p .18)"

"The liability of Share holders of Joint Stock Company is limited to the nominal value of the shares hold. As the debts of company have the debts of a separate legal person, a share holder is not personally liable for them. The company may have to be dissolved on account of its financial adversity, but its shareholders can not be called upon to contribute more then the nominal value of shares held by them."(do. p-18)

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ کمپنی کی قانونی طور سے ایک جداگانہ حیثیت ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ

اثاثوں کی ملکیت اور قرضوں کی ادائیگی وغیرہ کی ذمہ داریاں وابستہ ہیں۔ کمپنی کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں شیئر ہولڈر اپنے شیئر کی مالیت سے زیادہ نقصان کی تلافی کے ذمہ دار نہیں ہوتے۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ شیئرز کی رقم کمپنی کے اکاؤنٹ میں (Liblities) یعنی واجبات میں دکھائی جاتی ہے لیکن معاملہ کا یہ قانونی پہلو ہے، اور جہاں تک عملی پہلو کا تعلق ہے تو شیئر ہولڈر کمپنی کے اثاثہ کی ملکیت میں حصہ دار ہوتے ہیں۔ چنانچہ شیئرز کی قیمتوں میں بازار میں جو اتار چڑھاؤ ہوتا ہے وہ صرف شیئرز کے سرمایہ (Capital) کے پیش نظر نہیں ہوتا بلکہ کمپنی کی مجموعی مالی حیثیت اور اس کی ساکھ کے پیش نظر ہوتا ہے، نیز اگر کمپنی کا دیوالیہ (Liquidation) ہوجاتا ہے تو قرض وغیرہ واجبات ادا کرنے کے بعد بچی ہوئی رقم شیئر ہولڈرس میں تقسیم کی جاتی ہے جو شیئر کی اصل قیمت سے کم بھی ہوسکتی ہے اور زیادہ بھی، اس لئے شیئر ہولڈرس کا کمپنی کے اثاثہ کی ملکیت میں شریک ہونا بالکل ظاہر ہے۔

لہذا شیئرز کی خرید وفروخت نقود واملاک کے مجموعہ کو نقود کے ذریعہ فروخت کرنا ہے اور یہ بالکل جائز ہے۔

منظمۃ المؤتمر الاسلامی جدہ کی مجلس مجمع الفقہ الاسلامی منعقدہ مئی ۱۹۹۲ء کے فیصلہ سے بھی جو درج ذیل ہے یہی بات واضح ہوتی ہے:

بما أن المبيع في (السهم لحامله) هو حصة شائعة في موجودات الشركة وأن شهادة السهم هي وثيقة لإثبات هذا الاستحقاق في الحصة فلا مانع شرعاً من إصدار أسهم في الشركة بهذه الطريقة وتداولها.

شیئر ہولڈر کے شیئر میں مبیع (فروخت شدہ چیز۔Sale) کمپنی کی موجودات (اثاثہ) میں مشترک حصہ ہوتا ہے اور شیئر سرٹیفکیٹ حصہ میں استحقاق کے ثبوت کا وثیقہ ہوتا ہے، لہذا اس طریقہ پر کمپنی کے شیئر جاری کرنے اور ان کے لین دین میں شرعاً کوئی مانع نہیں ہے۔

۲۔ آغاز میں جب کہ کمپنی کے پاس املاک نہ ہو تو کیا شیئرز کی بیع جائز ہوگی؟

کوئی کمپنی شیئرز کا اعلان نہیں کرسکتی جب تک کہ اس کے (Promoters) کارخانہ وغیرہ کی بنیاد نہ رکھیں۔ اس طرح انہیں ابتدائی سرمایہ اشیائے منقولہ وغیر منقولہ میں لگانا پڑتا ہے۔ جس کے بعد ہی انہیں شیئرز کا اعلان کرنے کی اجازت قانوناً حاصل ہوتی ہے، اس لئے یہ خیال صحیح نہیں کہ کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتیں اور وہ شیئرز کا اعلان کر دیتی ہے۔ لہذا شیئرز کی بیع اس صورت میں بھی جائز ہوگی جب کہ کمپنی پوری طرح قائم (Establish) نہ ہوئی ہو۔

۳۔ کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد جبکہ اس کا اثاثہ مخلوط ہوتا ہے شیئرز کی فروخت کا حکم:

کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد اس کا اثاثہ مخلوط ہوتا ہے (یعنی نقد اور املاک کا مجموعہ) اس صورت میں جبکہ مجموعہ مال سودی (ایسے قرضے جن پر کمپنی سود ادا کرتی ہے) اور غیر سودی دونوں پر مشتمل ہے، اس کے شیئرز کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت جواز کے حکم میں ہے، کیونکہ سودی عنصر پورے کاروبار میں ضمنی حیثیت رکھتا ہے، اور موج...

غیر اسلامی معاشرہ اور غیر اسلامی نظام میں اس قسم کے ضمنی مفاسد کو برداشت کئے بغیر چارہ کار نہیں ہے، ورنہ لوگوں کیلئے معیشت کے دروازے بند ہو جائیں گے۔

۴۔ حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز:

وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت اور اکسپورٹ، یا بینکس اور سودی اسکیموں میں روپیہ لگانا، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔ یہ بات متفق علیہ ہے اس لئے اس پر دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

۵۔ جائز کاروبار کرنے والی کمپنیاں اگر سودی قرضے حاصل کرتی ہیں تو کیا ان کے شیئرز خریدنا جائز ہے؟

ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار حلال ہے اگر انکم ٹیکس وغیرہ سے بچنے کے لئے بینک سے سودی قرض لیتی ہیں تو ان کے شیئرز خریدنا جائز ہے، کیونکہ سود دینا ایک ایسی مجبوری ہے جو بالکل عام ہے۔

٦۔ جائز کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جبکہ انہیں اپنا کچھ سرمایہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہو:

جائز کاروبار کرنے والی کمپنیوں کو اگر قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہو یا سیکورٹی بانڈس خریدنے پڑتے ہوں اور ان پر سود ملتا ہو تو ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جائز ہوگا، کیونکہ یہ مجبوری قانون نے پیدا کردی ہے اور اس قسم کی قانونی مجبوریاں عام ہیں جن کی وجہ سے کسی جائز کاروبار کو ترک نہیں کیا جاسکتا، البتہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ منافع ملنے پر اس میں سے کچھ رقم صدقہ کردی جائے تاکہ منافع سود کی آمیزش سے پاک ہوسکے۔

۷۔ سودی قرضہ سے حاصل ہونے والے منافع کی شرعی حیثیت:

سودی قرضہ لینے کی صورت میں اس قرض سے حاصل ہونے والا منافع بالکل جائز ہوگا کیونکہ قرض کی رقم تو حلال ہی ہے اور سود کی شرط باطل ہے، مگر مجبوراً اس شرط کو قبول کرنے کی وجہ سے قرض کی اصل رقم حرام نہیں قرار پائی، اس لئے اس سے ہونے والی آمدنی بالکل جائز ہوگی۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس:

کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا۔

"The owners of a company do not take part in its management. The shareholders simply contribute to its capital by purchasing its shares and vest the power of management in

their representative i-e- Board of Directors."(Company Secreterial Practice P-18)

مگر موجودہ معاشی نظام نے لوگوں کے لئے بے شمار مجبوریاں پیدا کردی ہیں اس لئے حقیقی مجبوری کا یہاں بھی خیال رکھنا ہوگا اور اس بنا پر بورڈ آف ڈائرکٹرس کے ایسے فیصلوں کو جو شرعاً ناجائز ہوں بادل ناخواستہ گوارا کرنا ہوگا۔ موجودہ حالات میں یہ اجتہاد ضروری ہے۔

۹۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس میں کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا:

بورڈ آف ڈائرکٹرس میں فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں۔ اس میں کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اپنے اختلاف کا اعلان کردینا عملاً مشکل ہے اور بے اثر بھی، اور ہوسکتا ہے کمپنی کے لئے ناقابل عمل بھی ہو، اس لئے ایسا کرنا شیئر ہولڈر کے لئے ضروری نہیں قرار دیا جاسکتا۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس کے فیصلہ کو کرہاً ماننا ہی پڑے گا۔

۱۰۔ منافع میں شامل سود کے بقدر رقم نکال کر صدقہ کرنا:

اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے منافع میں سے اس کے بقدر رقم نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا۔

واضح رہے کہ کمپنی کی آمدنی میں سود کی رقم بہت کم شامل ہوتی ہے جبکہ وہ لئے ہوئے قرضوں پر سود کی رقم ادا زیادہ مقدار میں کرتی ہے، اس لئے جو سود آمدنی میں شامل ہوا سے سود کی ادائیگی میں خرچ محسوب کیا جاسکتا ہے، یہ بھی ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔

۱۱۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگایا گیا ہو۔

اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہوگیا ہے اتنا فیصد ملنے والے منافع سے نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت کرنا کیسا ہے؟

شیئرز کی تجارت جائز ہے، کیونکہ شیئر کمپنی کی ملکیت میں جس میں اس کا اثاثہ شامل ہے ایک حصہ ہے، لہذا جس طرح دوسری چیزوں کی تجارت کی جاتی ہے شیئرز کی بھی تجارت کی جاسکتی ہے۔

۱۳۔ فیوچر سیل کا حکم:

فیوچر سیل جائز نہیں کیونکہ یہ حقیقۃً بیع وشراء نہیں ہے بلکہ محض کاغذی کارروائی ہے، اور شریعت میں اعتبار حقیقی بیع وشراء کا ہے نہ کہ محض کاغذی کارروائی کا۔ شیئر کو اگر واقعی فروخت کیا گیا ہو تو نام کی منتقلی کی کارروائی لازمی ہے، اور جب یہ کارروائی نہیں کی گئی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیئر واقعۃً فروخت نہیں کیا گیا، پھر اس پر نفع حاصل کرنے یا نقصان برداشت کرنے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔

۱۴۔ غائب سودا:

غائب سودا جن میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے جائز نہیں ہوگی۔ اوپر سوال نمبر ۱۳ کے جواب میں اس کی وضاحت ہو چکی۔

۱۵۔ شیئرز پر قبضہ کا مطلب:

شیئرز فروخت کرنے کے بعد کمپنی کو نام کی تبدیلی کے لئے بھیجے جاتے ہیں، اگر بائع کے دستخط صحیح نہ ہوئے تو کمپنی شیئرز بائع کو واپس بھیج دیتی ہے، ایسی صورت میں نام کی تبدیلی کا کام التوا میں پڑ جاتا ہے، اس لئے شیئرز پر حقیقی قبضہ اسی صورت میں ہوتا ہے جبکہ شیئرز سرٹیفکیٹ تبدیلی شدہ نام کے ساتھ مل جائیں۔ اس سے پہلے اگر مشتری شیئرز کسی تیسرے شخص کو فروخت کرتا ہے تو یہ فروخت حقیقی قبضہ سے پہلے ہوگی اور اس میں نزاعات کا بھی اندیشہ ہے اس لئے اس کی اجازت دینا صحیح نہ ہوگا، البتہ بعض مجبور کن حالات میں اگر مشتری تیسرے شخص کو شیئرز فروخت کرتے وقت نام کی منتقلی کی ضمانت دیدے تو ایسا کرنے کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔

۱۶۔ خرید کردہ شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے پہلے دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا:

اس کا جواب اوپر سوال نمبر ۱۵ میں گذر چکا ہے۔

۱۷۔ بروکر (ایجنٹ) کی حیثیت سے کام کرنا:

شیئرز کی خرید وفروخت کے لئے بروکر کی ضرورت حالات کا تقاضا ہے، اس لئے بروکر کی حیثیت سے کام کرنا فی نفسہ جائز ہے۔

حصص کی خرید وفروخت اور اس کے احکام

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی

امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

۱۔ کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا یہ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے؟ اس سوال کا جواب دینے سے قبل یہ طے کر لینا ضروری ہے کہ کمپنی کا یہ معاملہ شریعت کے اصول تجارت میں سے کسی قسم میں داخل ہے یا نہیں؟

ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ کمپنی سے شیئر ہولڈر کا یہ معاملہ شریعت مطہرہ کے اصول تجارت میں سے کسی قسم میں شامل نہیں ہے، لہذا شیئر کی خرید وفروخت ہی جائز نہیں ہے۔ دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ معاملہ شرعاً جائز و درست ہے۔ شیئر کی خرید وفروخت شریعت کے اصول تجارت کے خلاف نہیں ہے۔ غور کرنے کے بعد دوسرا نقطہ نظر زیادہ صحیح اور اقرب الی الفقہ معلوم ہوتا ہے، اس کو اصول تجارت کے خلاف کہنا صحیح نہیں۔

مذکورہ معاملہ کی مشابہت شرکت عنان سے:

شیئر ہولڈر کمپنی سے جو معاملہ کرتا ہے اس کو شریعت کے اصول تجارت ''شرکت عنان'' میں شامل کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ''شرکت عنان'' ایسا عقد شرکت ہے جس میں دو آدمی سامان یا غلہ یا عام تجارت میں شریک ہوں۔ اور کمپنی سے شیئر ہولڈر کا جو معاملہ ہے اس میں عام تجارت میں دونوں شریک ہوتے ہیں، ہدایہ میں ہے:

وأما شركة العنان فتنعقد على الوكالة دون الكفالة وهي أن يشترك اثنان في نوع بزّ أو طعام أو يشتركان في عموم التجارات (ہدایہ ۲/۶۲۹)۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا رجحان بھی یہی ہے کہ اس کا تعلق شرکت عنان سے ہے، چنانچہ وہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''بظاہر اس عقد کی حقیقت شرکت عنان ہے'' (امداد الفتاوی ۳/۴۹۴)۔

البتہ شرکت عنان تسلیم کرنے کی صورت میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس شرکت میں تمام شرکاء مال اور محنت دونوں میں شریک ہوتے ہیں۔ اور کمپنی جو معاملہ کرتی ہے اس میں صرف کمپنی کے افراد کام کرتے ہیں۔ شیئر ہولڈر کی شرکت صرف سرمایہ میں ہوتی ہے محنت میں نہیں......... اس کا جواب یہ ہے کہ شرکت عنان میں تمام شرکاء کا محنت میں بھی شریک ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر وہ کسی ایک فرد پر محنت کی شرط لگا دیں تو اس طرح کی شرط صحیح و درست ہوگی، یہ شرط شرکت عنان کے منافی نہیں ہوگی۔ البتہ اس صورت میں ضروری ہے کہ نفع کی تقسیم تمام شرکاء کے درمیان برابر ہو یا جس شریک کے لئے عمل کی شرط لگائی گئی ہے اس کو زیادہ نفع ملے۔ اگر کام کرنے والے شریک کو کم نفع ملے، مثلاً یہ شرط لگا دی جائے کہ نفع کے دو حصے دوسرے شریک کو ملیں گے اور کام کرنے والے شریک کو صرف ایک حصہ ملے گا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اس کی پوری تفصیل تحفۃ الفقہاء (۳/۸۷) میں موجود ہے۔

مذکورہ معاملہ کی مشابہت مضاربت سے:

اس عقد کی مشابہت ومماثلت عقد مضاربت سے بھی معلوم ہوتی ہے۔اس لئے کہ عقد مضاربت وہ عقد ہے جس میں ایک فریق کا سرمایہ ہوتا ہے اور دوسرے فریق کی محنت۔اور دونوں فریق باہم طے شدہ معاملہ کے مطابق منافع میں شریک ہوتے ہیں۔

"کتاب المضاربة(هی) عقد شركة فی الربح بمال من جانب رب المال (وعمل من جانب) المضارب" (تنویر الابصار مع الدر المختار ۴/۴۸۳)۔

اور شیئر ہولڈر کا کمپنی سے جو معاملہ ہوتا ہے اس کی صورت یہی ہے کہ شیئر ہولڈر کا سرمایہ ہوتا ہے اور کمپنی کی محنت، اور منافع میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔البتہ مضاربت تسلیم کرنے کی صورت میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ مضاربت میں نقصان صرف رب المال برداشت کرتا ہے۔مضاربت پر خسارہ کی ذمہ داری نہیں ہوتی ہے حتی کہ اگر یہ شرط لگادی جائے کہ مضارب بھی خسارہ میں شریک ہوگا تو مضاربت فاسد ہوجائے گی۔یہی صاحبین کا قول ہے۔اور کمپنی جو معاملہ کرتی ہے اس میں کمپنی کے افراد اور شیئر ہولڈرس دونوں ہی منافع کے ساتھ ساتھ خسارہ میں بھی شریک ہوتے ہیں، حالانکہ خسارہ صرف شیئر ہولڈرس کو برداشت کرنا چاہئے، کمپنی کے افراد پر خسارہ کی ذمہ داری نہیں آنی چاہئے۔اس کا جواب یہ ہے کہ گرچہ صاحبین کے قول کے مطابق مضارب خسارہ میں شریک نہیں ہوتا ہے لیکن امام صاحب کے قول کے مطابق مضارب بھی خسارہ میں شریک ہوتا ہے۔

"فالربح والوضيعة نصفان فی قول أبی حنيفة رحمه الله تعالى كذا فی المبسوط وفی قول أبی يوسف و محمد الوضيعة كلها على رب المال كذا فی المحيط (فتاوی ہندیہ ۴/۲۹۱)۔

موجودہ دور میں جبکہ لوگ خیر القرون سے دور ہیں، شرور وفتن کا غلبہ ہے، امانت داری، دیانت داری اور تقوی وللٰہیت کی قلت اور دھوکہ بازی اور امانت میں خیانت کی کثرت ہے، مضاربت پر معاملہ کرنے کے لئے کسی باوثوق اور قابل اعتماد شخص کی تلاش مشکل ہے۔اگر کل خسارہ کا ذمہ دار صرف رب المال (مالک) کو ٹھہرایا جائے تو پھر مضاربت کے اصول پر تجارت مشکل ہوجائے گی۔اس دور پرفتن میں امام صاحب کا قول راجح اور اس پر عمل اقرب إلی الفقہ معلوم ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کمپنی کا معاملہ شریعت کے اصول تجارت کے خلاف نہیں ہے بلکہ یا تو شرکت عنان میں شامل ہے یا مضاربت میں۔

کمپنی کے شیئرز کی حیثیت:

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں کمپنی کے شیئرز کی حیثیت بھی واضح ہوگئی کہ اس کی حیثیت صرف اس بات کی دستاویز کی نہیں ہے کہ کمپنی کو اتنی رقم دے رکھی ہے، بلکہ یہ کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی پوری نمائندگی کرتا ہے۔اور شیئر ہولڈر اپنی رقم کے بقدر کمپنی میں موجود نقد اور اثاثوں کا مالک ہے۔اس لئے کہ عقد شرکت ہو یا مضاربت دونوں

صورتوں میں رب المال اپنی اصل رقم کے ساتھ منافع کا بھی حقدار ہوتا ہے۔ اور جو بھی سرمایہ ہو خواہ نقد رقم سے حاصل شدہ ہو یا منافع کی شکل میں ہو، رب المال اس میں شریک ہوتا ہے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے جو سوالنامہ میں مذکور ہے۔ یعنی اگر کمپنی باہمی قرارداد سے تحلیل ہو جائے تو ہر شیئر ہولڈر کو اس کے شیئرز کے تناسب سے اس کے اثاثوں میں حصہ ملتا ہے، اور نفع ہو تو اس کے لگائے ہوئے سرمایہ سے زائد رقم ملتی ہے اور اگر خسارہ ہو تو اسے نقصان بھی برداشت کرنا ہوتا ہے۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب مفتی دار العلوم دیوبند نظام الفتاوی میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

شیئرز حصوں کا نام ہے۔ شیئر کا مالک شیئر کے مطابق کمپنی کا حصہ دار اور مالک ہوتا ہے۔ اور کمپنی کے سرمایہ وسامان واثاثہ وغیرہ سب چیزوں کا حسب شیئرز مالک ہوتا ہے اور سرمایہ وسامان وغیرہ کی حیثیت وقیمت کی کمی وبیشی کے اعتبار سے شیئر کی حیثیت وقیمت بھی کم وبیش ہوتی رہتی ہے، اور شیئر کا خریدنا وبیچنا ان حصوں کا اور ان حصوں میں داخل شدہ چیزوں کا خریدنا وبیچنا شمار ہوتا ہے، اور اس کا جائز ہونا ظاہر ہے (نظام الفتاوی ۱/۱۱۔۱۲)۔

رہی یہ بات کہ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں اس کے قرض کی ادائیگی اس کے شیئر کے تناسب سے کمپنی میں موجود سامانوں کو الگ کر کے نہیں کی جاتی ہے۔ جبکہ سرکاری قانون کے مطابق اس کے دیگر املاک ضبط کر کے اس کے قرض کی ادائیگی ہوتی ہے تو اس سے اس بات کی تائید نہیں ہوتی کہ کمپنی کے شیئر کی حیثیت صرف جمع کردہ روپے کے دستاویز کی ہے۔ اس لئے کہ کتب فقہ میں یہ مسئلہ مصرح ہے کہ اگر مقروض قرض کی ادائیگی کے لئے جائداد فروخت کرنے سے باز آ جائے تو قاضی اس کے تمام سامان وجائداد فروخت کر کے قرض کی ادائیگی کر دے گا لیکن اس کے کپڑے فروخت نہیں کرے گا۔

"وحاصله أنه إذا امتنع عن البيع يبيع عليه القاضي عرضه وعقاره وغيرهما وفي البزازية وفرع على صحة الحجر أنه يترك له دست من الثياب ويباع الباقي وتباع الحسنة ويشترى له الكفاية ويباع كانون الحديد ويشترى له من طين ويباع في الصيف ما يحتاجه للشتاء وعكسه (شامی ۴/۳۲۰)۔

کپڑے ضبط نہ کرنے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کپڑوں کی ملکیت مقروض کی نہیں ہے۔ قرض کی ادائیگی میں کسی مصلحت کی بنیاد پر کسی چیز کو سرکاری طور پر ضبط نہ کرنا اس کے غیر مملوک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ کمپنی میں موجود سامان پر شیئر ہولڈر کی جو ملکیت ہے وہ مشترک اور مشاع ہے۔ ان سامانوں کو الگ کرنا دشوار ہے جس کی بنیاد پر اس کو ضبط کرنا مشکل ہے۔ لہذا اگر اس طرح کا قانون بن گیا تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شیئر ہولڈر ان سامانوں کا مالک نہیں ہے۔

۲۔شیئرز کی خرید وفروخت جبکہ کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک نہ ہوں:

اگر کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہیں اس وقت کمپنی شیئرز کی بیع کرتی ہے تو اس صورت میں نقد کی بیع نقد سے ہورہی ہے جو بیع صرف کی شکل ہے، جس میں نہ تو کمی بیشی جائز ہے اور نہ ہی ادھار کی گنجائش ہے۔لہذا اس صورت میں کمپنی کے شیئرز کی بیشی کے ساتھ نہیں خرید سکتے ہیں۔البتہ مساوی قیمت میں خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء کی دو رائیں ہیں: ایک تو یہ کہ مساوی قیمت میں بھی خرید وفروخت جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ بیع صرف ہے جس میں نسیہ یعنی ادھار جائز نہیں ہے۔

دوسری رائے یہ کہ مساوی قیمت پر شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے اور شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ درحقیقت نقد رقم پر قبضہ ہے لہذا یہ ادھار بیع نہیں ہوئی۔میری ناقص رائے میں اگر بیع کی مجلس ہی میں فروخت کرنے والا ثمن پر اور خریدار شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ کرلے تو مساوی قیمت پر خرید وفروخت کی گنجائش ہونی چاہئے۔

۳۔نقد اور اموال ربویہ وغیر ربویہ کی بیع نقد کے ساتھ:

کمپنی جب وجود میں آ جائے اور اس میں اثاثہ (نقد واملاک کا مجموعہ) موجود ہو تو ایسی صورت میں شیئرز کی خرید وفروخت نقد سے کمی بیشی کے ساتھ شرعاً جائز ودرست ہے گرچہ املاک میں مال ربوی وغیر ربوی دونوں ہوں۔ اس لئے کہ اس صورت میں شیئرز ہولڈر اپنے شیئرز کے تناسب سے کمپنی کے اس نقد اور مال کو دوسروں سے نقد کے عوض فروخت کرتا ہے جس کا وہ مالک ہے۔اور مال خواہ ربوی ہو یا غیر ربوی اس کی خرید وفروخت روپے سے کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔اور اگر خریدار کی جانب سے ملنے والا ثمن بھی مال ربوی یا غیر ربوی ہے تو خریدار کے مال ربوی کو کمپنی کے مال غیر ربوی کے مقابلہ میں اور کمپنی کے مال ربوی کو خریدار کے مال غیر ربوی کے مقابلہ میں رکھ کر بیع کو جائز قرار دیں گے۔کتب فقہ میں یہ جزئیہ موجود ہے کہ اگر کسی نے دو درہم اور ایک دینار کی بیع ایک درہم اور دو دینار کے بدلہ میں کی تو ایک درہم کو دو دینار کے مقابلہ میں اور دو دینار کو ایک درہم کے مقابلہ میں رکھ کر جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرتے ہوئے جائز قرار دیا جائے گا۔

(وصح بيع درهمين و دينار بدرهم و دينار ين) بصرف الجنس بخلاف جنسه (در مختار) (قوله بصرف الجنس بخلاف جنسه) اى تصحيحا للعقد كما لو باع نصف عبد مشترک بينه و بين غيره فانه ينصرف إلى نصيبه تصحيحا للعقد (ردالمحتار باب الصرف ۴/۲۳۹)۔

۴۔حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت:

جن کمپنیوں کا کاروبار حرام ہو مثلاً شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت کریں یا سودی اسکیموں میں پیسے لگائیں، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً جائز نہیں ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔اس لئے کہ مال حرام یا ذریعہ حرام سے حاصل ہونے والا نفع بھی حرام ہے۔اور اس میں تعاون علی الاثم ہے، والعدوان بھی ہے، جس کی ممانعت نص قرآنی سے ثابت ہے:"**ولا تعاونوا على الإثم والعدوان**" (سورہ مائدہ)۔

اس طرح کی کمپنیوں کے شیئرز خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو حرام کاروبار کرنے کا وکیل بنایا گیا جس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

"أن يكون التصرف مباحا شرعاً فلا يجوز التوكيل في فعل محرم شرعا كالغصب أو الاعتداء على الغير (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۱۵۴)۔

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے خنزیر اور شراب کی بیع کا وکیل بنایا تو اس پر واجب ہے کہ کل ثمن کو صدقہ کردے۔"ولو وكّله ببيعهما يجب عليه أن يتصدق بثمنهما (ردالمحتار)۔

۵۔انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لینے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت:

جن کمپنیوں کا کاروبار بذات خود جائز وحلال ہے لیکن انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے ان کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً جائز و درست ہے، اس لئے کہ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے دیگر ضروریات کی بنیاد پر بینک سے سوی قرض لینے کی گنجائش ہے۔"يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر ۱۴۹)۔

۶۔ریزروبینک میں رقم جمع کرنے اور سیکورٹی بانڈس خریدنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت:

جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ضرورتاً ان کو اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزروبینک میں جمع کرنا پڑتا ہے یا سیکورٹی بانڈس خریدنا پڑتا ہے جس پر ان کمپنیوں کو سود بھی ملتا ہے، تو ظاہر ہے کہ کمپنیوں کا یہ عمل ضرورتاً ہے جس کی گنجائش ہے۔لہذا سودی رقم سے بچتے ہوئے ان کمپنیوں کے شیئرز کی خرید و فروخت شرعاً جائز و درست ہے۔شیئرز ہولڈر پر لازم ہوگا کہ بینک سے ملنے والی سودی رقم سے حصہ نہ لے، اور اگر حصہ لیتا ہے تو اس کے بقدر بلا نیت ثواب صدقہ کردے۔

"في القنية لو كان الخبيث نصابا لا يلزمه الزكوة لأن الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه أو مثله في البزازية (ردالمحتار کتاب الزکوۃ ۲/۲۵)۔

۷۔سود پر لئے گئے قرض سے حاصل ہونے والے منافع کی شرعی حیثیت:

سود پر لئے گئے قرض کی صورت میں چونکہ قرض کی رقم فی نفسہ جائز اور حلال ہے، اس رقم کے ساتھ حرمت کی آمیزش نہیں ہے، لہذا سود پر لئے گئے قرض سے جو منافع حاصل ہوں گے وہ بھی شرعاً حلال ہوں گے۔ان کو لے کر اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کرسکتے ہیں۔وہ قرض یقیناً مفید ملک ہے۔اس کے مفید ملک نہ ہونے کی کوئی وجہ بظاہر سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

۸۔بورڈ آف ڈائریکٹرس کی حیثیت:

اوپر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ کمپنی کا معاملہ یا تو شرکت عنان میں شامل ہے یا مضاربت میں، اور

شرکت عنان میں دونوں فریق ایک دوسرے کے وکیل ہوتے ہیں۔اور جبکہ کام کی شرط ایک فریق پر لگادی جائے تو کام کرنے والا فریق اپنے سرمایہ کے بقدر اصیل ہوگا اور اپنے شریک کے سرمایہ میں وکیل ہوگا۔اسی طرح مضاربت میں مضارب، رب المال کا وکیل ہوتا ہے۔لہذا کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرس کی حیثیت شیئر ہولڈر کے وکیل کی ہوگی اور اس کا عمل شیئر ہولڈر کا عمل سمجھا جائے گا (دیکھئے: تحفۃ الفقہاء ۳/۷، ۲۱، درمختار ۴/۴۸۴، امداد الفتاوی ۳/۴۹۰)۔

۹۔شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کا اظہار کافی ہے؟

یہ تو صحیح ہے کہ اصولی طور پر وکیل کے تصرفات مؤکل کی طرف منسوب ہوتے ہیں، اور اگر وکیل خلاف شرع کوئی عمل کرتا ہے تو مؤکل بری الذمہ نہیں ہوگا۔لیکن یہ بھی طے شدہ حقیقت ہے کہ وکیل اسی عمل اور تصرف کا مجاز ہوتا ہے جس کی اجازت مؤکل نے صراحۃً یا دلالۃً دی ہو۔اگر مؤکل نے کسی عمل سے صراحۃً روک دیا تو وکیل کو اس کا اختیار نہیں ہوگا، اور وکیل کا وہ عمل مؤکل کی طرف منسوب نہیں ہوگا۔لہذا مذکورہ صورت میں بورڈ آف ڈائریکٹرس کا سودی قرض لینا جو عام حالات میں خلاف شرع عمل ہے۔یہ عمل شیئر ہولڈرس کی طرف منسوب ہوسکتا تھا اس لئے کہ شیئر ہولڈرس کی جانب سے صراحۃً نہیں تو دلالۃً اجازت سمجھی جاسکتی تھی لیکن جب کوئی شیئر ہولڈر کمپنی کے عملہ کو عام حالات میں سودی قرض لینے سے پوری قوت کے ساتھ منع کردے اور صراحۃً اپنے اختلاف کا اعلان کردے تو اللہ تعالی کی ذات سے امید ہے کہ وہ اس اعلان کی بنا پر خلاف شرع عمل سے بری الذمہ ہوگا اور وکیل کا عمل مؤکل کی جانب منسوب نہیں ہوگا (دیکھئے: امداد الفتاوی ۳/۴۹۱)۔

۱۰۔منافع سے متعینہ سودی رقم نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا:

اگر کمپنی کے منافع میں سودی رقم بھی شامل ہو اور وہ رقم متعین و معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے سود کی اتنی رقم نکال کر بلا نیت ثواب صدقہ کردینا کافی ہوگا، اور بقیہ رقم حلال ہوگی، اس کو شیئر ہولڈر اپنے مصرف میں استعمال کرسکتا ہے۔اس مسئلہ پر فتاوی ہندیہ کے اس جزئیہ سے بھی روشنی ملتی ہے کہ اگر کوئی مسلمان، کسی نصرانی کو مال مضاربت کے لئے دے تو کراہت کے ساتھ جائز ہوگا۔اگر وہ نصرانی شراب اور خنزیر کی تجارت کرے اور نفع ہو تو امام صاحب کے قول کے مطابق یہ معاملہ مضاربت کے اصول پر جائز ہوگا۔لیکن مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے حصہ کے بقدر نفع کو صدقہ کردے۔

" إذا دفع المسلم إلى النصراني مالا مضاربة بالنصف فهو جائز إلا أنه مكروه فإن اتجر في الخمر والخنزير فربح جاز على المضاربة في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى و ينبغي للمسلم أن يتصدق بحصته من الربح (فتاوی ہندیہ ۴/۳۳۳)۔

۱۱۔سودی آمدنی سے حاصل شدہ منافع:

اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے اپنے حصہ سے صرف سود کے تناسب سے رقم نکال کر صدقہ کردینا کافی نہیں ہوگا۔بلکہ سودی رقم

اوراس سے حاصل ہونے والے تمام منافع نکال کر بلانیت ثواب صدقہ کرنا ہوگا، اس لئے کہ مال حرام یا ذریعہ حرام سے حاصل کیا ہوا نفع بھی حرام ہوتا ہے، جس کی صراحت اوراس سے متعلق متعدد جزئیات کتب فقہ میں موجود ہیں۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت:

تاجروں کے عرف میں شیئر مال متقوم ہے اور مال متقوم کی خرید وفروخت شرعاً جائز و درست ہے۔ شیئر کی خرید وفروخت درحقیقت کمپنی کے اس سرمایہ کی خرید وفروخت ہے جس کا مالک شیئر ہولڈر ہے، اور سرمایہ کی خرید و فروخت کمی بیشی کے ساتھ جائز و درست ہے۔ نیز مال کی ذخیرہ اندوزی تاکہ قیمت میں اضافہ کے وقت فروخت کیا جائے اس وقت ممنوع ہے جبکہ لوگوں کواس کی سخت ضرورت ہواور بازار میں وہ مال نہ ملتا ہو، ذخیرہ اندوزی کی صورت میں لوگ پریشان وحرج میں مبتلا ہوں، اوراگراس طرح کی بات نہ ہوتو ذخیرہ اندوزی ممنوع نہیں ہے۔ شیئرز کوخرید کر رکھنے میں لوگوں کوکوئی حرج نہیں ہے، لہذا اس کی تجارت کرنا اوراس کوخرید کررکھنا تاکہ قیمت میں اضافہ کے وقت اس کوفروخت کیا جائے شرعاً جائز و درست ہے۔ تجار دیگر اموال کوخرید کر رکھتے ہیں اس امید پر کہ قیمت میں اضافہ کے وقت فروخت کریں گے۔ اکثر قیمت میں اضافہ بھی ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ خسارہ بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں بھی قیاس آرائی ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر تخمین وقیاس آرائی ممنوع اور خلاف شرع نہیں ہے، بلکہ وہ تخمین اور قیاس آرائی ممنوع ہے جس میں غرراور دھوکہ ہو۔

۱۳۔ فیوچر سیل کا حکم:

فیوچر سیل جس میں نہ بائع مال دیتا ہے اور نہ مشتری ثمن، بلکہ مقررہ تاریخ پر بڑھتے ہوئے دام کی صورت میں منافع اور گھٹتے ہوئے دام کی صورت میں خسارہ ادا کیا جاتا ہے، تو حقیقت میں یہ بیع نہیں ہے بلکہ یہ قمار وجوا کی ایک شکل ہے۔ یہ صورت شرعاً جائز نہیں ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

۱۴۔ غائب سودا کی بیع:

یہ سوال وضاحت طلب ہے۔ اگراس کا مطلب یہ ہے کہ مبیع موجود نہیں ہے، اور بائع یہ کہتا ہے کہ فلاں چیز موجود نہیں ہے، آنے کی امید ہے، اس کے آجانے پر میں تمہارے ہاتھ اتنے روپئے میں فروخت کردوں گا، اور خریدار کہتا ہے کہ میں خریدلوں گا، تو شرعاً یہ بیع نہیں ہے بلکہ وعدہ بیع ہے۔ اس لئے کہ صحت بیع کے لئے ایک شرط تو یہ ہے کہ ایجاب وقبول ایسے صیغہ سے ہو جس میں انشاء کا مفہوم پایا جائے، اور دوسری شرط یہ ہے کہ مبیع موجود ہو۔ یہاں پر دونوں شرطیں مفقود ہیں، لہذا یہ بیع صحیح نہیں ہوگی، اور بیع کے احکام اس پر جاری نہیں ہوں گے۔

۱۵۔ شیئرز پر قبضہ کی حقیقت:

جمہور فقہاء کے نزدیک ہر چیز پر قبضہ حسی ضروری نہیں ہے بلکہ بعض چیزوں میں معنوی قبضہ بھی کافی ہے۔ اور ہر چیز پر قبضہ اس کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہوگا جس کی بنا عرف وعادت پر ہوگی۔ فقہائے کرام نے شئی کے

ضمان میں آ جانے، حقوق وذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جانے اور غرر و دھوکہ سے محفوظ رہنے کی صورت میں قبضہ تصور کیا ہے۔ لہذا مذکورہ صورت میں جبکہ شیئرز کے خریدتے ہی قانونی طور پر کمپنی کے اثاثے اور املاک شیئر کے بقدر خریدار کے ضمان میں آ جاتے ہیں اور حقوق وذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں گرچہ قانونی دشواریوں کی وجہ سے شیئر سرٹیفکیٹ نہ ملا ہو پھر بھی شیئرز خریدتے ہی اس پر خریدار کا قبضہ سمجھا جائے گا اور اس میں ہر جائز تصرف کا اختیار ہوگا۔

۱۶۔ شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل ہونے سے قبل شیئرز کی خرید وفروخت:

جب شیئرز خریدتے ہی شیئرز کے بقدر کمپنی کے تمام اثاثے اور املاک خریدار کے ضمان میں آ جاتے ہیں اور تمام حقوق وذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں تو اس کو قبضہ تسلیم کیا جائے گا، اور شیئرز سرٹیفکیٹ کے حاصل ہونے سے قبل شیئرز کی خریداری کے دوسرے یا چوتھے دن خریدار کا دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنا شرعاً جائز و درست ہوگا۔ اس کو بیع بعد القبض کہیں گے نہ کہ بیع قبل القبض۔ اسی طرح تیسرے یا چوتھے کے ہاتھ فروخت کرنا بھی جائز و درست ہوگا۔

۱۷۔ شیئرز کی خرید وفروخت میں ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا:

جن صورتوں میں شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً ناجائز ہے ان صورتوں میں بروکر یعنی ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا بھی ناجائز ہوگا، اس لئے کہ یہ گناہ اور خلاف شرع امور میں تعاون دینا ہے۔ جس کی ممانعت نص قرآنی سے ثابت ہے۔ البتہ جن صورتوں میں شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً جائز و درست ہے ان صورتوں میں ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا بھی جائز و درست ہوگا۔ یہ درحقیقت دلالی کی ایک صورت ہے، اور فقہاء کرام کی صراحت موجود ہے کہ ضرورت کی بنیاد پر پیشۂ دلالی اور اس کی اجرت شرعاً جائز و درست ہے (ردالمحتار ۵/۲۹)۔

شیئرز

علامہ شیخ وہبہ مصطفیٰ الزحیلی، دمشق

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف المرسلين وعلى آله و صحبه أجمعين،
أما بعد!

تمہید:

اسٹاک کمپنیوں (Stock Companies) میں شیئرز کے ذریعہ کاروبار رائج اور اہمیت کا حامل ہوگیا ہے، اس قسم کے کاروبار کا مقصد اجتماعی محنت کی شکل میں انفرادی یا جزئی رقوم کے ایک مجموعہ کی سرمایہ کاری کر کے یا ان کو کاروبار میں لگا کر منافع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ عموماً عام لوگ اس کاروبار کی ایک بڑی اسکیم کو تن تنہا چلانے پر قادر نہیں ہوتے، لہذا بڑے سرمائے کو شیئرز یعنی ان کاروباری دستاویزات (Commercial Papers) کے ذریعہ تقسیم کیا جاتا ہے جنہیں اسٹاک ایکسچینج یا دیگر مارکیٹوں میں آفر کئے جاتے ہیں، اور دسیوں یا سیکڑوں افراد کی طرف سے جن کی قیمت ادا کی جاتی ہے۔

اس طرح بڑی بڑی صنعتی یا زرعی تجارتی اسکیموں کی سرمایہ کاری کے لئے بینکوں یا دیگر فنڈز اور مقامات میں جمع شدہ پرائیوٹ اور پوشیدہ سرمائے سے فائدہ اٹھانا ممکن ہوتا ہے۔

شیئرز کی بالفور یا بتاخیر، قبضہ کے ذریعہ یا بغیر قبضہ کے، براہ راست یا ایجنٹوں اور بروکر (Broker) کے ذریعہ، خرید وفروخت کے مختلف پہلوؤں کے تعلق سے چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

شیئرز کے ذریعہ شراکت داری کا مسئلہ اس وقت اور پیچیدہ ہو جاتا ہے جب جوائنٹ اسٹاک کمپنی اپنی اسکیم کو فروغ دینے، اسے کامیاب بنانے، اس کے کاروبار کے دائرہ کو وسیع کرنے، اس کو زیادہ فعالیت عطا کرنے اور زیادہ مفید اور انتہائی ترقی یافتہ مشینوں کی خریداری کے لئے بینکوں سے سودی قرضے لینے پر مجبور ہوتی ہے۔

مقالہ کے موضوعات:

زیر نظر مقالہ مندرجہ ذیل موضوعات پر مشتمل ہے:

۱۔ کیا شیئرز کمپنی میں جزو ملکیت کی حیثیت رکھتے ہیں یا یہ رقوم کی دستاویز ہیں؟

۲۔ کمپنی کے اپنے کاروبار شروع کرنے سے پہلے خریدے گئے شیئرز کی بیع؟

۳۔ ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت جس کے قیام کے بعد اس کا سرمایہ سودی اور غیر سودی دونوں کے مجموعہ مال پر مشتمل ہو؟

۴۔ حرام کاروبار کرنے والی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم؟

۵۔ ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم جس کا کاروبار تو حلال ہو لیکن انکم ٹیکس کی زد سے بچنے کے لئے اسے سودی قرض لینا پڑتا ہو؟

٦۔ ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم جس کا کاروبار حلال ہو مگر اسے اپنے سرمائے کا ایک حصہ سینٹرل ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہو یا سیکورٹی بانڈز خریدنے پڑتے ہوں؟

۷۔ سودی قرض سے حاصل ہونے والے منافع کا حکم۔ کیا وہ حلال اور مفید ملک ہیں؟

۸۔ کیا کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئرز ہولڈر کا وکیل ہے؟

۹۔ کیا کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے کے فیصلہ سے اختلاف کرنا اسے سودی قرض کے وبال سے بری الذمہ کردے گا؟

۱۰۔ کیا شیئر ہولڈر کے لئے سود سے پیدا شدہ متعین منافع کے بقدر صدقہ کردینا کافی ہے؟

۱۱۔ کیا کل آمدنی میں مخلوط سود سے حاصل شدہ منافع کے بقدر صدقہ کردینا شیئرز ہولڈر کیلئے کافی ہے؟

۱۲۔ قیمتوں کے بڑھنے کی صورت میں شیئرز کی تجارت (یعنی نفع کے ساتھ اس کو فروخت کرنے) کا کیا حکم ہے؟

۱۳۔ شرعاً فیوچر سیلز (جس میں نہ مبیع کی حوالگی ہوتی ہے اور نہ ہی ثمن کی ادائیگی) کا کیا حکم ہے؟

۱۴۔ کسی شئے کے سلسلے میں ہونے والی اس بیع کا کیا حکم ہے جس کی اضافت مستقبل کی طرف کی گئی ہو؟

۱۵۔ حکمی قبضہ سے متصف شیئرز کی اس خرید کا کیا حکم ہے جس میں شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ حسی مؤخر ہو؟

۱٦۔ قبضۂ حسی سے پہلے شیئرز کی بیع کا کیا حکم ہے؟

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج مارکیٹ میں بروکرز یعنی ایجنٹ کی حیثیت سے کاروبار کرنے کا کیا حکم ہے؟

۱۔ کیا شیئرز کی حیثیت کمپنی میں حصہ کی ہے یا رقوم کے دستاویز کی ہے؟

شیئرز: یکساں قیمت (Value) کے حامل، نا قابل تقسیم (Indivisible) اور تجارتی ذرائع سے قابل تداول وہ دستاویزات (Documents) ہیں جو کمپنیوں کے اصل سرمائے میں شراکت اختیار کرنے والے شیئر ہولڈرز کے حقوق کی نمائندگی کرتے ہیں۔

مصری سِول قانون کی دفعہ ۵۰۵، اور شامی سِول قانون کی دفعہ ۴۷۳ میں کمپنی کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ:

کمپنی ایک ایسا عقد ہے جس کے بموجب دو یا دو سے زائد اشخاص اس بات کے پابند ہوتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک سرمایہ یا محنت کا ایک حصہ پیش کرکے کسی مالی اسکیم میں شراکت اختیار کرے گا، اور اس اسکیم سے پیدا شدہ نفع یا نقصان آپس میں تقسیم ہوں گے۔

موجودہ تجارتی قانون کے ماہرین کی اس تعریف سے واضح ہو جاتا ہے کہ: شیئرز وہ دستاویزات ہیں

جنہیں شیئرز کمپنی جاری کرتی ہے، اور یہ کمپنی کے اصل سرمائے اور اس کے ضمن میں حاصل ہونے والے حقوق میں مشترک حصص کی نمائندگی کرتے ہیں، کمپنی کے اصل اثاثے اور اس سے حاصل شدہ حقوق کا دارومدار کمپنی کی خالص املاک، اس کی آمدنیوں اور اس کے انتظام وانصرام پر ہوتا ہے، لہذا کمپنی ایک قسم کا عقد ہے، کیونکہ یہ شرکاء کے اتفاق کے نتیجہ میں وجود میں آتی ہے۔

شیئر کمپنی کے اصل اثاثے کے ایک جزو کی نمائندگی کرتا ہے، اور اس کا مالک شیئر ہولڈر ہوتا ہے، شیئرز کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں [۱]:

۱۔ یہ مساوی درجہ (Face Value) کے حامل ہوتے ہیں: یہ وہ قیمت ہے جو شیئرز کے اجراء کے وقت طے پاتی ہے اور اسی کے ساتھ شیئرز جاری کئے جاتے ہیں، یہی وہ قیمت ہے جس کی تحدید قانونی طور سے دنیا کے بعض ملکوں جیسے متحدہ عرب امارات میں ایک اور سو درہم کے درمیانی تناسب سے کی جاتی ہے۔

۲۔ یہ ناقابل تجزی ہوتے ہیں: یعنی کمپنی کے مقابلہ میں ایک سے زائد شیئر ہولڈرس کی صورت میں یہ کسور کی شکل میں ظہور پذیر نہیں ہوتے۔

۳۔ تجارتی طریقے سے رواج پذیر ہوتے ہیں: یعنی معروف تجارتی طریقوں سے اور کمپنی کی طرف سے بغیر کسی بیل آرڈر کے شیئرز کی ملکیت ایک شخص سے دوسرے تک منتقل ہوسکتی ہے۔ اگر شیئر شیئر ہولڈر کی اجازت یا اس کے حکم سے جاری کیا گیا ہوتو اس کی منتقلی توثیق سے ہوگی۔ اور اگر وہ Bearer Share ہوتو اس کی منتقلی محض دستی حوالگی ہی سے ہو جائے گی، شیئر ہولڈرس پر حکومتی نگرانی وسرپرستی کی ضمانت کی خاطر، عموماً شیئرز نامزد ہوتے ہیں۔ جہاں تک بانڈز (Bonds) کا تعلق ہے تو وہ متعین نام سے بھی ہوتے ہیں اور Bearer بھی ہوتے ہیں۔

الغرض شیئرز کمپنی کے سرمائے میں حصص کی نمائندگی کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر شیئرز اپنی فطرت وحقیقت کے اعتبار سے مستقل بالذات نقود اور کمپنی کی عینی املاک یعنی فرنیچرز، عمارتوں، مشینوں، اوزار، مصنوعات اور تیار شدہ ساز وسامان، یا غیر تیار شدہ خام یا پختہ مال، اور دوسروں کے ذمہ کمپنی کی واجب الادا دیون کا مجموعہ قرار پاتے ہیں، یہ تمام اشیاء شیئرز اور اس کی تشکیل کے ذیل میں آتی ہیں۔ اب ایسی صورت میں شیئرز کی خرید وفروخت نقد کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت نہیں بلکہ یہ نقود کا اپنے بالمقابل نقود واملاک کے مجموعہ سے تبادلہ ہے۔

شیئر ہولڈر اگر اپنا شیئر فروخت کردے تو اس کے بالمقابل حصہ کا وہ مالک قرار پائے گا، اسی طرح کمپنی کے تحلیل ہونے کی صورت میں بھی وہ اپنے شیئرز کے بالمقابل حصص کا بحیثیت مالک مستحق ہوگا، اور اگر شیئر میں نفع ہوگا تو اس میں بھی اس کا حق ہوگا۔ اور اگر کمپنی کو خسارہ ہوتو وہ اپنی زیر ملکیت شیئرز کے تناسب سے خسارہ بھی برداشت کرے گا، اس کے برعکس جو عمل بھی ہوگا اس سے کمپنی کے عقد کے تقاضوں کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔

شیئرز کی حیثیت اداشدہ رقوم کی دستاویزات جیسی ہرگز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ تو ان قرضہ جات کے

۱۔ ملاحظہ ہو: "الشرکات التجاریہ" از ڈاکٹر حسنین غنایم، ص ۱۸۹، اسی طرح "الشرکات التجاریہ" از ڈاکٹر علی یونس، ص ۳۔

ذرائع ہیں جن پر متعین شرح سے سود واجب الاداء ہوتے ہیں، ان کے مالکان کو کمپنی میں شراکت کا حق حاصل نہیں ہے، اور نہ ہی شیئرز کی شیئرز کے ساتھ بیع وشراء نقد کی نقد کے ساتھ بیع وشراء ہے، اور قرضہ جات ایک متعین قیمت کی نمائندگی کرتے ہیں، لہذا مقروض کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں اس کی املاک ضبط کی جاسکتی ہیں، اس کا کمپنی کی املاک اور اثاثوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

شیئرز کی اس حیثیت کا تعین کر کے اس کے مناسب شرعی احکام اس پر مرتب کئے جاسکتے ہیں، خواہ اس کا تعلق شیئر ہولڈرس کے ذمہ ادائیگی زکاۃ کے وجوب سے ہو، یا شیئرز کو متداول اور قابل بیع وشراء بنانے سے، یا کمپنی کے کاروبار کے نتیجہ میں حاصل شدہ منافع کے واجب الاداء ہونے سے، یا کمپنی کے مالکان کو ہر شیئر کی واضح ملکیت کے تناسب سے پیش آمدہ خسارے کو برداشت کرنے کا پابند بنانے سے۔

۲۔ کمپنی کے کاروبار شروع کرنے سے پہلے خریدے گئے شیئرز کی بیع:

کمپنی کے قیام کے بعد اور اس کے کاروبار کے آغاز اور اس اسکیم کو جس کے پیش نظر کمپنی کا قیام عمل میں آیا ہے، روبعمل لانے سے قبل خریدے گئے شیئرز کی بیع درست ہے، بشرطیکہ عقد صرف کے شرائط اور اس کے ضوابط کا تحقق ہو، اس لئے کہ یہ نقد کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت ہے، اور حرام (ربا) میں پڑنے سے بچانے کے لئے اس پر بیع صرف کے احکام منطبق ہوں گے۔

مختصراً بیع صرف کی مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

ا۔ ادھار سود (ربا النسیئة) کی زد سے بچانے کے لئے مجلس معاملہ سے متعاقدین کے جدا ہونے سے پہلے قبضہ کا تحقق۔

۲۔ مماثلت: اگر نقد کی بیع اس کی جنس سے ہو جیسے سونے کی بیع سونے سے، یا چاندی کی چاندی سے، یا نقدی نوٹ کی بیع اس کے مثل سے ہو، تو مقدار میں مماثلت واجب ہے، دونوں ثمن میں وزن کے اعتبار سے، اور نقدی نوٹوں میں تعداد کے اعتبار سے، اس میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی جائز نہیں ہے۔

۳۔ عقد میں خیار شرط نہ ہو: اس لئے کہ اس عقد میں عوضین پر قبضہ شرط ہے، اور خیار شرط (اختلاف فقہاء کے اعتبار سے) ثبوت ملک یا تکمیل ملک کے لئے مانع ہے، اور خیار، قبض مشروط میں مخل ہوتا ہے، قبض مشروط سے مراد وہ قبضہ ہے جس سے تعیین کا حصول ہوتا ہے، لہذا اس خیار کی شرط لگاتے ہی عقد فاسد ہو جائے گا۔

۴۔ اس میں کوئی مدت نہ ہو: اس لئے کہ عقد میں متعاقدین کے جدا ہونے سے پہلے عوضین پر قبضہ مطلوب ہے، اور مدت سے قبضہ مؤخر ہوگا، لہذا یہ عقد فاسد ہوگا۔

اخیر کی دو شرطیں بیع صرف میں واجب قبضہ سے متفرع ہیں، اور شروع کی دو شرطیں ربا النسیئة میں مبتلا ہونے سے بچانے کے لئے لگائی گئی ہیں۔

جدہ اسلامک فقہ اکیڈمی کی چوتھی کانفرنس (منعقدہ ۱۴۰۸ھ۔ مطابق ۱۹۸۸ء) کے فیصلہ میں مقارضہ بانڈز

یادستاویزات مضاربہ پر گفتگو کے ضمن میں درج ذیل صراحت موجود ہے:

فقرہ ۔اُ :اگر جمع شدہ مال قراض (مضاربہ) اندراج کے بعد اور سرمائے سے کاروبار کے آغاز سے قبل نقود کی شکل میں برقرار ہوں، تو مقارضہ بانڈز (MBs) کی منتقلی اور اس کا تداول نقد کا نقد سے تبادلہ قرار پائے گا ،اور اس پر بیع صرف کے احکام منطبق ہوں گے۔

۳۔ایسی کمپنی کے شیئرز کی بیع کا حکم جس کا سرمایہ سودی وغیر سودی دونوں طرح کے مال پر مشتمل ہو:

عموماً ایسا ہوتا ہے کہ بعض شیئرز کی بیع کمپنی کے قیام اور اس کے کاروبار کے شروع ہونے کے بعد ہوا کرتی ہے،لیکن اگر ایسی صورت میں کمپنی کا اصل سرمایہ حرام سے مخلوط ہو،اس طور پر کہ مجموعہ مال ربوی اور غیر ربوی دونوں پر مشتمل ہو تو یہ بیع ضرورت یا حاجت کے پیش نظر درست ہوگی اور یہ آمدنی مشتبہ قرار پائے گی،لہذا ان سودی قرضہ جات کے تناسب سے جن سے یہ آمدنی حاصل ہوئی ہے منافع کا ایک حصہ نکالنا واجب ہے،اور یہ ناجائز آمدنی ضرورت مندوں پر صرف کی جائے گی۔اس سے کسی شخص کے ذمہ عائد ہونے والے اخراجات نہیں پورے کئے جا سکتے،نہ ہی یہ رقم ان لوگوں پر خرچ کی جاسکتی ہے جن کا نفقہ اس کے ذمہ لازم ہو،اور اس سے سوائے اس ٹیکس کے جو اس آمدنی کے ساتھ مخصوص ہو، دوسرے حکومتی ٹیکس نہیں ادا کئے جائیں گے،لہذا عام ضرورت وحاجت کے نہ پائے جانے کی صورت میں اس قسم کی بیع وشراء جائز نہیں ہے،اس لئے کہ اصل سرمائے کی حرمت کو تقویت پہنچانے والا شبہ موجود ہے۔ہاں اگر اصل سرمایہ سود سے پاک ہو تو اس قسم کی خرید وفروخت جائز ہے۔

مذکور الصدر فقہ اکیڈمی کی طرف سے مقارضہ بانڈز کے سلسلے میں کئے گئے فیصلے میں دو فقروں پر مشتمل مندرجہ ذیل باتوں کی صراحت موجود ہے، جو رأس المال کے سود سے پاک ہونے کی صورت میں شیئرز کی بیع وشراء اور ان کی منتقلی پر منطبق ہوتی ہے:

ب:اگر مال مقارضہ دیون کی شکل میں ہو تو عقد دیون کے احکام مقارضہ بانڈز کے تداول پر منطبق ہوں گے۔

ج:اگر مال مقارضہ نقود، دیون، اعیان اور منافع کے مجموعی اثاثے کی صورت میں ہو تو فریقین کے درمیان طے شدہ قیمت کے مطابق مقارضہ بانڈز کا تبادلہ درست ہے، بشرطیکہ اس صورت میں اعیان ومنافع غالب ہوں،لیکن اگر نقود یا دیون غالب ہوں تو تبادلہ میں نقود کے تبادلہ یا دیون کی بیع کے سلسلہ میں طے شدہ شرعی احکام ملحوظ رکھے جائیں گے۔

یہ واضح رہے کہ نقود کی بیع کا عقد صرف کے مذکورہ احکام کا تابع ہونا ضروری ہے،دیون کی ایک دوسرے کے ساتھ بیع کے عدم جواز کی مختصر تفصیل یہ ہے [۱] :

☆اگر دَین کی بیع نقد ہو،تو مذاہب اربعہ میں مقروض کو دَین کی بیع یا اس کے ہبہ کرنے کا حق ہے،اس لئے کہ اس صورت میں حوالگی کی ضرورت نہیں ہے،مذہب ظاہریہ اور حنفیہ کے نزدیک دَین کی بیع مدین کے علاوہ کے

۱۔ دیکھئے مقالہ نگار کی کتاب: الفقہ الاسلامی ومذاہبہ،تقدیم مراجع جن کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے: ۴۳۲/۴۔۴۳۳۔

لئے جائز نہیں ہے، اس لئے کہ بیع میں حوالگی مفقود ہے۔

☆ اور اگر دَین کی بیع ادھار یعنی ایک مدت کو مؤخر ہو جیسے "بیع الکالی بالکالی" یعنی دَین کی دَین سے بیع، تو یہ شرعاً ممنوع ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے "بیع الکالی بالکالی" سے منع فرمایا ہے[1]۔

لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دَین کی دَین سے بیع جائز نہیں ہے، خواہ یہ مدین سے ہو یا غیر مدین سے۔ اور دین: مبیع کے ثمن، قرض کے بدل، عورت کے مہر، منفعت کے بدلہ اجرت، معاوضۂ جنایت، تاوان اتلاف، عوض خلع اور سامان سلم کے مثل ہے۔

"البرکہ" بینک کے چھٹے سیمنار کی طرف سے جاری کردہ فتوی نمبر ۵ میں ان شراکت دار کمپنیوں کے شیئرز خریدنے سے متعلق جن کو بعض اوقات سودی قرض کے لین دین کا معاملہ کرنا پڑتا ہو، مندرجہ ذیل تفصیل ملتی ہے:

(الف) مسلم ممالک میں قائم عام کمپنیوں کے معاملات کو اسلامائز (Islamise) کرنے کی خاطر ان کے شیئرز خریدنا ایک امر مطلوب ہے، اس لئے کہ اس صورت میں مسلمانوں کے لئے احکام شرع کی پابندی کے زیادہ سے زیادہ مواقع اور امکانات ہیں۔

(ب) غیر مسلم ممالک کی کاروباری کمپنیوں کے شیئرز خریدنا سرمایہ کاروں کے لئے اس صورت میں درست ہے جب انہیں ایسا متبادل نہ ملے جو شائبہ سے پاک ہو۔

(ج) اسلامی مالیاتی اداروں کی طرف سے کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جائز ہے، بشرطیکہ فاضل نقود کی سرمایہ کاری مقصود ہو، اور اس میں شریک ہونے کے لئے افراد کو تعاون دینے کی خاطر سرمایہ کاری کے خصوصی فنڈ ز قائم کئے جائیں۔

اس تفصیل کی بنیاد پر اسلامی بینکوں کے لئے جائز مقاصد کی حامل کمپنیوں کے شیئرز خریدنا، اسی طرح ان کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جو کبھی کبھار سودی قرض کے لین دین کا معاملہ کرتی ہوں، جائز ہے، بشرطیکہ اس کا مقصد ان کمپنیوں کے کاروبار کو صحیح اسلامی رخ دینا ہو، اور یہ اس صورت میں جبکہ مشتری کو ظن غالب ہو کہ وہ ایسا کرنے پر قادر ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر ان کمپنیوں کے شیئرز کی خرید کا مقصد ان کے معاملات اور کاروبار کو اسلامائز کرنا نہ ہو تو بغیر ضرورت یا حاجت کے اس قسم کے شیئرز کی خرید درست نہیں ہے، اس لئے کہ کمپنی کے اصل سرمایہ کا مال ربوی اور غیر ربوی دونوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک قسم کا شبہ موجود ہے۔

اسی طرح ضرورت کے وقت اسلامی بینکوں کے لئے جائز ہے کہ وہ جائز مقاصد کی حامل کمپنیاں اور ان کمپنیوں کے شیئرز خریدیں جن کو کبھی کبھار سودی قرض کے لین دین کا معاملہ کرنا پڑتا ہو، اور یہ بھی اس صورت میں جب کہ اس کا مقصد زائد (Liquidity) کو اسلامی بینکوں میں صرف کرنا اور ضرورت کے وقت انہیں رواں کرنا ہو، ایسا اس لئے کہ اسلامی بینکوں کو شدید ضرورت ہے کہ وہ ان سرگرمیوں کو انجام دیں، تا کہ ان کے اس پیغام کی اشاعت کا

---

[1] دار قطنی نے حضرت ابن عمر کے حوالے سے اس حدیث کی تخریج کی ہے، حاکم نے اسے امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے، اور طبرانی نے رافع بن خدیج کے حوالے سے اس کی تخریج کی ہے۔

سلسلہ جاری رہے جس کا مقصد امت مسلمہ کو غیر شرعی معاملات سے نجات دلانا ہے۔

جہاں تک عام لوگوں کا تعلق ہے تو ان کے لئے ضرورت یا حاجت کے سوا ان کا خریدنا جائز نہیں، اس لئے کہ شیئرز کمپنی کے اصل سرمایہ میں حرمت موجود ہے۔ بخاری اور مسلم نے حضرت نعمان بن بشیر کی یہ روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

"إن الحلال بيّن وإن الحرام بيّن، وبينهما أمور مشتبهات لا يعلمهن كثير من الناس، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه و عرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام...."۔

بلا شبہ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے، تو جس نے شبہات سے پرہیز کیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا، اور جو شبہات میں پڑا وہ حرام میں پڑا۔

شراح حدیث کہتے ہیں: جو مشتبہ امور کو اور ان کی حرمت کو جانتا ہو، اس کے لئے جائز نہیں کہ ان کو اختیار کرے، بلکہ وہ اپنے علم کی ہدایت پر عمل کرے، اس کی تائید گذشتہ حدیث کی ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو صحیحین میں مذکور ہے:

"ومن اجترأ على ما يشك فيه من الإثم، أوشک أن يواقع ما استبان"۔

اور جس کسی نے ایسے امر جس کے گناہ ہونے میں شبہ ہو، کے ارتکاب کی جسارت کی تو قریب ہے کہ وہ صریح گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے رسول اللہ ﷺ سے مروی حضرت عبد اللہ بن یزید کی یہ حدیث نقل کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"لا يبلغ العبد أن يكون من المتقين حتى يدع ما لا بأس به حذراً لما به بأس"۔

بندہ کا شمار متقیوں میں اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان چیزوں سے پرہیز کرتے ہوئے جس میں کوئی حرج ہے، ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کمال تقوی یہ ہے کہ بندہ اللہ سے تقوی کرے، یہاں تک کہ ایک ذرہ کے برابر اللہ سے تقوی کرے، حتی کہ تقوی کے پیش نظر بعض حلال چیزوں کو ترک کردے اس اندیشے سے کہ (ہو سکتا ہے) وہ حرام ہوں......

اس کا مطلب ہے کہ اشیاء تین قسم کی ہیں:

اللہ تعالی نے جس سے حلال ہونے کی تصریح فرمادی وہ حلال ہے، اور اللہ تعالی نے جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمادی وہ واضح طور پر حرام ہے، اور جہاں تک شبہات کا تعلق ہے تو ان میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کے بارے میں کتاب وسنت کے دلائل مختلف ہوں اور جس کے مفاہیم ومعانی میں متعدد احتمالات ہوں، تو ایسی چیز سے پرہیز غایت درجہ احتیاط اور ورع کی بات ہے۔ مشتبہ امور کے سلسلہ میں علماء کی تین آراء ہیں:

ایک طبقہ جو سد ذرائع کا قائل ہے اس کا کہنا ہے کہ: یہ حرام ہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "استبرأ لدینہ وعرضہ" اس نے اپنے دین وعزت کو بچالیا، لہذا جواپنے دین اوراپنی عزت کو نہ بچاسکا وہ حرام میں مبتلا ہوا۔ دوسرا طبقہ جو سد ذرائع کا قائل نہیں ہے، کہتا ہے: یہ حلال ہیں، اس کی دلیل آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: "کالراعی یرعی حول الحمی" اس چرواہے کی طرح جو چراگاہ کے اردگرد چراتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حلال ہے، اوراس کو ترک کرنا ورع ہے۔ تیسرا طبقہ کہتا ہے: حدیث میں مذکور مشتبہ امور نہ حلال ہونے کی صراحت کرتے ہیں، نہ حرام ہونے کی، چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں حلال صریح اور حرام صریح کے درمیان رکھا ہے، لہذا ہمیں چاہئے کہ اس سلسلہ میں توقف کریں، اور یہ بھی ورع ہی کے باب میں آتا ہے[1]

ہماری اس وقت کی گفتگو کا موضوع ان شراکت دار کمپنیوں کے شیئرز کی خرید ہے جن کا اصل سرمایہ ربوی اور غیر ربوی دونوں کے مجموعہ مال پر مشتمل ہو، اس کا تعلق حرام کی اس نوع سے ہے جس کی حرمت معلوم ہے، اور جو صرف ضرورت ہی کے وقت مباح ہے، چونکہ ضرورتیں ممنوعات کو مباح بنادیتی ہیں، اور حاجت ضرورت کا درجہ حاصل کرلیتی ہے۔

لہذا ضرورت کے وقت ایسی کمپنی کے شیئرز کا لینا درست ہے جس کا مقصد جائز ہو، لیکن اس کو سودی قرض لینا پڑتا ہو، اور شیئرز سالانہ آمدنی والے ہوں، شرط یہ ہے کہ سودی قرضہ جات جن سے آمدنی حاصل ہوئی ہے، کے تناسب سے اس آمدنی کا ایک حصہ نکال دیا جائے، اور ناجائز آمدنی کا یہ حصہ ضرورت مندوں پر خرچ کیا جائے گا، اس سے کسی کے ذمہ عائد ہونے والے اخراجات نہیں پورے کئے جائیں گے، نہ اسے اس شخص پر صرف کیا جاسکتا ہے جس پر کوئی نفقہ لازم ہے، اور نہ اس سے ٹیکس کی ادائیگی کی جائیگی، سوائے ٹیکس کے اس حصہ کے جو اس آمدنی کے ساتھ خاص ہو۔

۴۔ حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم:

اس میں کوئی شک نہیں کہ شراکت دار کمپنیوں کی طرف سے شرعاً حرام کاروبار کے سلسلے میں جاری کئے گئے شیئرز کی خرید وفروخت اوران کی تجارت حرام اور گناہ کبیرہ ہے، یہ ان حرام امور میں سے ہے جن کی آمدنی کا حصول اور جن سے انتفاع حرام ہے، جیسے شراب کی تجارت، خنزیر کے گوشت کی خرید وفروخت اوراس کی درآمد وبرآمد، خواہ مسلم ممالک میں یا غیر مسلم ممالک میں جیسے یورپ، امریکہ، ہندوستان اور جاپان وغیرہ، اسی طرح سودی اسکیموں اور سودی بینکوں میں سرمایہ کاری کرنا حرام ہے، اسی کے ذیل میں بڑی بڑی کمپنیوں کے تحت چلائے جانے والے وہ ہوٹل بھی آتے ہیں جو اپنے کھانوں میں خنزیر کا گوشت اور الکوہل ملے ہوئے مشروبات (Alcoholic Drinks) پیش کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

"....و حرم الربا"۔ اوراس نے (اللہ تعالی نے) سود کو حرام کیا (البقرہ: ۲۷۵)۔

---

[1] دیکھئے: امام نووی کی شرح "الأربعین النوویۃ" حدیث ۶ ص ۲۵ اوراس کے بعد کے صفحات۔ شرح ابن دقیق العید ص ۴۳ اوراس کے بعد کے صفحات۔ جامع العلوم والحکم کی شرح از ابن رجب حنبلی ۱/۹۳ اوراس کے بعد کے صفحات، مطبوعہ دارالخیر، دمشق۔

حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به (المائدہ:۳)۔

قل إنما حرم ربي الفواحش ما ظهر منها وما بطن والإثم والبغي بغير الحق (الأعراف:۳۳)۔

اثم: شراب کے مختلف ناموں میں سے ایک نام ہے، اللہ تعالی نے بعض اہل کتاب کی مذمت وتوبیخ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

سماعون للكذب اكالون للسحت (المائدۃ:۴۲)۔

اور "سحت" مال حرام کو کہتے ہیں، اگر کسی نے حرام کی کمائی کی تو عرب کہتے ہیں: "اسحت في تجارته"۔

۵۔ حلال کاروبار کرنے والی کمپنی کے شیئرز کا حکم جو انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لیتی ہے:

یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالی نے سود کھانے والے، اس کے کھلانے والے، اس کی گواہی دینے والے اور اس کے لکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے [۱]، اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کوئی حرام مثلاً جھوٹی گواہی، حق اور حلال تک پہونچنے کا ذریعہ نہیں بن سکتا ہے، اور ایک ظلم کا مداوا کسی دوسرے ظلم سے نہیں ہوسکتا ہے، لہذا اگر انکم ٹیکس ظالمانہ یا زیادہ ہو، تو اس سے چھٹکارا شراکت دار کمپنی کے اصل سرمائے کو حرام یعنی ربا سے مخلوط کر کے نہیں حاصل کیا جا سکتا ہے، بنابریں عام ضرورت کے سوا اس قسم کی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں انکم ٹیکس کی زد سے بچنے کے لئے سودی قرض لینے کی وجہ سے کمپنی کا اصل سرمایہ حرام سے مخلوط ہوتا ہے، اس لئے کہ اس قرض کی ادائیگی اور اس کا سود شیئر ہولڈرز کے حساب میں جاتا ہے، اور اتنا حصہ منافع سے منہا کرلیا جاتا ہے۔

ہاں اگر کمپنی کے اصل سرمائے سے سودی مال مخلوط نہ ہو اور کمپنی کے بعض منتظمین تبرعاً قرض کے سود کی ادائیگی کی ذمہ داری لے لیں، جس کا تصور عموماً ممکن نہیں، تو ایسی صورت میں اس قسم کی کمپنیوں کے شیئرز کا خریدنا جائز ہے، اس لئے کہ اس صورت میں کمپنی حرام سودی مال سے پاک ہوگی، لیکن یہ محض ایک فرضی بات ہے جس کا عام حالات میں وقوع نہیں ہوتا۔

۶۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز کا حکم جنہیں اپنے سرمایہ کا ایک حصہ سینٹرل ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہو یا سیکورٹی بانڈز خریدنے پڑتے ہوں:

اگر کوئی کمپنی ازروئے قانون اپنے سرمائے کا ایک حصہ سینٹرل ریزرو بینک میں جمع کرنے کی پابند ہو یا ضرورت کے شرعی اصول وضوابط کے اعتبار سے ایسا کرنے پر مجبور ہو، یا اسے سیکورٹی بانڈز (Security Bonds) خریدنے پڑتے ہوں، جن کی وجہ سے اسے سود بھی ملتا ہو، تو اس قسم کی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید ممنوع نہیں ہے، بشرطیکہ اس سود سے جتنی جلد ممکن ہو چھٹکارا حاصل کرلیا جائے اور اسے رفاہی امور میں صرف کردیا جائے یا ضرورت مندوں یا مفادات عامہ پر خرچ کردیا جائے، اسے کمپنی کے بجٹ یا اس کے اصل سرمائے میں شامل کرنا

۱۔ یہ اس حدیث کے صریح الفاظ ہیں جس کی تخریج ابوداؤد نے حضرت ابن مسعود کے حوالے سے کی ہے۔

درست نہیں، اس لئے کہ ضرورت یا حاجت کا اعتبار اسی قدر کیا جاتا ہے، جس قدر ضرورت ہو، اور کمپنی کو حرام یا ناجائز آمدنی میں ملوث کرنا ضرورت نہیں ہے۔

۷۔ سودی قرضوں سے حاصل شدہ منافع کا کیا حکم ہے، کیا یہ جائز اور مفید ملک ہیں؟

صرف فقہاء احناف کی رائے یہ ہے کہ سود پر مشتمل عقد خواہ وہ بیع ہو یا ایسا قرض جس کے نتیجہ میں کوئی منفعت حاصل ہو، "عقد فاسد" ہے، اور ان کے خیال کے مطابق عقد فاسد "ملک خبیث" کا فائدہ دیتا ہے، جس سے چھٹکارا حاصل کرنا واجب ہے، خواہ معاملہ کی درستگی کے ذریعہ اور اس سے سود کا ازالہ کر کے، یا اسے محتاجوں پر صدقہ کر کے۔ بنابریں سود پر حاصل کئے گئے قرضہ جات سے پیدا شدہ منافع قبضہ سے زیر ملکیت تو آ جائیں گے، البتہ یہ ملکیت "ملک خبیث" کی نوعیت کی ہوگی، جس کو نہ شریعت درست ٹھہراتی ہے، نہ اس میں کوئی برکت ہوگی، نہ وہ حاصل کرنے والے کے لئے شرعاً حلال ہے، اور نہ اس سے انتفاع جائز ہے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک سودی قرض سرے سے مفید ملک ہی نہیں، بالفاظ دیگر اس سے حاصل شدہ منفعت علی الاطلاق درست نہیں، اس لئے کہ ان حضرات کے نزدیک عقد باطل اور عقد فاسد میں کوئی فرق نہیں ہے، ان کے نزدیک معاملات میں یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے مترادف ہیں۔

رہے احناف تو انہوں نے باطل اور فاسد کے درمیان فرق کیا ہے، ان کے نزدیک بیع باطل قبضہ کے باوجود مفید ملک نہیں ہے، جہاں تک بیع فاسد کا تعلق ہے تو اس میں مالک کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت سے قبضہ کر لینے کی صورت میں ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، مالک کی اجازت سے قبضہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ مشتری مجلس عقد ہی میں بائع کے سامنے مبیع پر قبضہ کر لے اور بائع اس پر کوئی اعتراض نہ کرے۔ یہ رائے جمہور فقہاء کی رائے کے خلاف ہے، ان کا خیال ہے کہ "بیع فاسد" بھی بیع باطل کی طرح سرے سے مفید ملک ہی نہیں [۱]۔

۸۔ کیا کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے، اور کیا اس بورڈ کا عمل ان کے عمل کے قائم مقام ہے؟

موجودہ قوانین تجارتی اور شہری کمپنیوں کو محض ان کی تشکیل کی بنیاد پر ایک قانونی اور معنوی حیثیت دیتے ہیں، چنانچہ مصری سول قانون کی دفعہ ۵۰۶ اور شامی سول قانون کی دفعہ ۴۷۴ میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ:

۱۔ کمپنی محض اپنی تشکیل کی بنیاد پر ایک قانونی حیثیت کی حامل تسلیم کی جائے گی، مگر اس کی یہ حیثیت لوگوں کیلئے اس وقت تک دلیل نہیں بن سکتی جب تک کہ قانون کی طرف سے طے کردہ تشہیری کارروائیوں کی تکمیل نہ ہو جائے۔

۲۔ اس کے باوجود دوسرے کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے کو کمپنی کی اس حیثیت سے وابستہ رکھے اگر چہ کمپنی نے

۱۔ فتح القدیر مع العنایہ ۱۸۵/۵ اور اس کے بعد کے صفحات، البدائع ۲۹۹/۵، رد المحتار ۱۰۲/۴، مجمع الضمانات للبغدادی ۲۱۵/۱ اور اس کے بعد کے صفحات۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ از مقالہ نگار ۳۲۵/۴۔

اب تک طے شدہ تشہیری کارروائیاں مکمل نہ کی ہوں۔

اب جب کہ کمپنی کو ایک قانونی حیثیت حاصل ہوگئی تو متعدد وجوہ سے اس کی حیثیت عام افراد کی سی ہوگئی، چنانچہ اس کا ایک نام، پتہ، مقام اور اس کی ایک قومیت ہوگی، اسی طرح اسے کچھ حقوق حاصل ہوں گے اور اس پر چند ذمہ داریاں عائد ہوں گی، اس طرح شرکاء کی مسئولیتوں سے آزاد اور الگ خود اس کی ایک مالی مسئولیت (liability) ہوگی۔ شرکاء کی مسئولیتوں سے الگ کمپنی کی اپنی ایک علاحدہ مسئولیت سے دو اہم نتیجے برآمد ہوں گے:

الف۔ حصص کی ملکیت کمپنی کی طرف منتقل ہو جائے گی اور کمپنی کو اس میں تصرف کرنے کا اختیار ہوگا، اور کمپنی کے تعلق سے شراکت دار کا حق شخصی التزامات کے ضمن میں شمار ہوگا، جو قابل انتقال ہیں، لہذا جب کمپنی تحلیل ہو گی تو اس کے باقی ماندہ اثاثے شرکاء پر تقسیم کیے جائیں گے۔

ب۔ کمپنی کی مالی مسئولیت شرکاء کی مسئولیتوں سے مختلف ہوگی، اور اس کا ایک علیحدہ وجود ہوگا جو خود کمپنی کے وجود سے مربوط ہوگا، اسی طرح شرکاء کی مسئولیتیں کمپنی کی مسئولیت سے جداگانہ ہوں گی، چنانچہ شراکت دار کمپنی کے قرضہ جات کے سلسلے میں صرف اپنے حصص کے تناسب سے جواب دہ ہوگا، سوائے شیئرز کی شہری کمپنیوں یا مشترکہ مسئولیت کی تجارتی کمپنیوں (Commercial Company of Joint Liability) کے، ان صورتوں میں شراکت دار شخصی ذمہ داری کے اعتبار سے کمپنی کے قرضہ جات کے سلسلے میں جواب دہ ہوگا۔ (الشرکات التجاریۃ: از ڈاکٹر علی یونس: ص ۱/۵۱-۶۳)۔

جہاں تک فقہ اسلامی کا تعلق ہے تو اس کی اب تک کی تاریخ میں اس کلیہ کا پتہ نہیں چلتا کہ کمپنی ایک معنوی اور حکمی وجود کی حامل ہوتی ہے، جس کی مسئولیت شرکاء کی مسئولیت سے جداگانہ اور مختلف ہوتی ہے، بلکہ وہاں تو سرے سے یہ بات ہی نہیں ملتی کہ کمپنی کسی مالی مسئولیت کی بھی حامل ہوتی ہے، اس وجہ سے اسلامی فقہ میں جو چیز ''کمپنی'' کی حیثیت سے معروف ہے وہ قریب قریب وہی ہے جو انگریزی اور سوڈانی قانون میں شراکت کے نام سے معروف ہے، اور یہ شراکت ''وکالت'' اور ''امانت'' پر مبنی ہوتی ہے، چنانچہ ہر وہ شراکت دار جو کمپنی کے عقد کے بموجب کاروبار کرتا ہے وہ کمپنی میں اپنے حصص کے تناسب سے اس معاملہ کے ایک حصہ میں اصیل ہوگا، اور باقی ماندہ اجزاء میں دوسروں کا وکیل ہوگا، اور ان اجزاء میں اس کے تصرفات احکام وکالت جیسا عمل کریں گے۔

اسلامی تصور کے مطابق کمپنی سے متعلق یہ شرعی احکام شرکاء کے لئے حکم عقد یا مقتضائے عقد ثابت کرتے ہیں (یعنی کمپنی کے اثاثے میں ملکیت کی منتقلی)، اسی طرح حنابلہ کے نزدیک (حقوق عقد یعنی مبیع کی حوالگی اور ثمن کی وصولی کی پابندیاں) مؤکل کے لئے ثابت ہوں گے، لیکن دیگر فقہاء کے نزدیک حقوق وکیل کے لئے ثابت ہوں گے، ان حقوق میں دین وثمن کا مطالبہ اور ان اشیاء کی حوالگی اور وصولی بھی شامل ہے جن پر معاملہ طے ہوا ہو۔

رہیں عقد سے پیدا شدہ پابندیاں تو وہ شرکاء کی مسئولیتوں میں اس طرح ثابت ہوں گی کہ ان کا ثبوت ان کی مسئولیتوں میں موت تک برقرار رہے گا، اور یہ کمپنی کے راس المال سے ان کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں ان

کے مخصوص اموال اور سرمایوں تک ممتد ہوگا۔ کمپنی کے اثاثے اور اس کی جائدادوں میں ہر ایک شراکت دار کا قبضہ ''قبضہ امانت'' ہوگا، لہذا اگر کمپنی کے کاروبار کے دوران کوئی قابل ضمان شئی برباد یا صرف ہوتی ہے، تو اس کا ضمان تمام شرکاء پر عائد ہوگا، نہ کہ صرف برباد کرنے والے یا صرف کرنے والے پر [۱]۔ موجودہ قانون کے مطابق اس کی مثالیں مشترکہ مسئولیت کی تجارتی کمپنیوں (Commercial Company of Joint Liability) اور اس طرح کی دوسری کمپنیوں میں دیکھی جا سکتی ہیں، بنابریں ہمارے اسلامی تصور کے مطابق کمپنی وکالت اور امانت کی بنیاد پر تشکیل پاتی ہے، اور کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے، اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل تصور کیا جائے گا، لیکن انجام کار یہ تمام ذمہ داریاں خود شرکاء کی ضمانتوں میں ثابت ہوں گی۔

۹۔ کیا کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے کے فیصلہ سے اختلاف کرنا اسے حرام کی جواب دہی سے بری الذمہ کردے گا؟

اگر انتظامی بورڈ کے ممبران میں کا کوئی شیئر ہولڈر سودی قرض لینے کے فیصلے سے اختلاف کرے، اور کثرت رائے سے طے شدہ فیصلے سے اپنے اختلاف کا اظہار بھی کردے، جب بھی اس کا یہ اختلاف کرنا سودی قرض کے وبال یا اس کے گناہ سے اسے بری الذمہ کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، اس لئے کہ انتظامی بورڈ اور انتظامی کونسل کے چیئرمین کے تصرفات تمام شرکاء کی طرف سے بطور امین اور وکیل ہوتے ہیں، اور تمام شرکاء مالی ذمہ داریوں کے پابند ہوتے ہیں، ان ہی ذمہ داریوں میں کمپنی کے حقوق اور ذمہ داریوں میں شریک ہونے کی حیثیت سے ان کی طرف سے قرض اور اس کے سود کی ادائیگی بھی ہے، اور یہی وہ شرکاء ہیں جو پیش آمدہ شرعی اور قانونی مخالفتوں کو بطور اشتراک گوارا کرتے ہیں، اس کی تفصیل سابق مسئلہ میں گذر چکی ہے، زیادہ سے زیادہ اس کے اس عمل کو صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی قرار دے سکتے ہیں۔

۱۰۔ کیا شیئر ہولڈر کے لئے سود سے پیدا شدہ معلوم منافع کے بقدر صدقہ کر دینا کافی ہے؟

کمپنی کی انتظامیہ اور اس کے چیئرمین کی ذمہ داری ہے کہ ہر اس عمل سے کمپنی کو دور رکھیں جو اسے حرام میں ملوث کرتا ہو، خواہ اس عمل کا تعلق کمپنی کی تجارتی سرگرمیوں سے ہو یا صنعتی اور دیگر سرگرمیوں سے، یعنی دھوکہ، غبن، ضرر اور شریعت کی حرام کردہ اشیاء کی پیداوار سے کلی اجتناب کیا جائے، اسی طرح دوسروں کے ساتھ معاملات طے کرنے میں، خواہ کمپنی کا سابقہ فرد سے پڑے یا حکومت سے یا کسی ادارے سے، بہر صورت شریعت کی حرام کردہ صورتوں سے پرہیز کیا جائے۔ لہذا کمپنی کے کسی معاملہ کا شریعت سے متصادم امور پر مبنی ہونا درست نہیں ہے، شریعت سے متصادم صورتوں میں سے سب سے اہم صورت یہ ہے کہ کوئی معاملہ سود یا سودی قرض پر مشتمل ہو۔

چونکہ فقہ اسلامی کے مطابق شرکاء کی ذمہ داری، ذمہ داریوں کے اٹھانے اور حقوق کے ثبوت کے معاملہ میں شراکت پر مبنی ہے، اس لئے کوئی شراکت دار دوسرے سے الگ نہیں قرار دیا جائے گا، اور شرکاء کی حیثیت مؤکلین کی

۱۔ الشخصیۃ الاعتباریۃ فی الفقہ الاسلامی۔ دراسۃ مقارنۃ، از ڈاکٹر احمد علی عبداللہ، ص ۲۲۲ اور اس کے بعد کے صفحات۔

ہے، اور انتظامیہ کی حیثیت وکیل کی، انتظامیہ کے تصرفات کا نتیجہ خود شراکت داروں پر منحصر ہوگا، چنانچہ کسی شراکت دار کا اپنے حصص کے بقدر سود سے پیدا شدہ متعین نفع کو نکال کر صدقہ کر دینا اسے سودی عقد کے فساد کی ذمہ داری اور اس کے گھناؤنے مالی اثرات سے بری الذمہ کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں منافع تمام کے تمام عقد فاسد سے پیدا ہوں گے، اور عقد فاسد حرام ہے جس کی درستگی اور اس کے شرعاً ممنوع اثرات کا ازالہ واجب ہے، تاکہ آمدنی شرعاً جائز اور درست ہو سکے۔

اس کے باوجود تقویٰ کا تقاضا ہے کہ شیئر ہولڈر اپنی ذمہ داری کو ہلکا کرنے کے لئے سود سے حاصل شدہ متعین منافع کے بقدر اپنے مال سے صدقہ کر دے، تاکہ اس کا مال اور اس کی آمدنی مشتبہ اور حرام سے مخلوط نہ رہے، اور ”جس نے شبہات سے پرہیز کیا تو اس نے اپنا ایمان اور اپنی آبرو بچالی“۔

۱۱۔ کیا کل آمدنی میں مخلوط سود سے حاصل شدہ منافع کے بقدر صدقہ کر دینا شیئر ہولڈر کے لئے کافی ہے؟

یہ صورت بھی سابقہ صورت ہی کی طرح ہے، بس فرق یہ ہے کہ اس صورت میں سود کل آمدنی میں مخلوط ہوتا ہے، اس کا پتہ یا تو اندازے سے لگایا جا سکتا ہے یا کمپیوٹر کے دقیق حساب کے ذریعہ، اس صورت میں بھی آمدنی حرام ہو گی، اور فاسد سودی عقد حرام قرار پائے گا، اور کل آمدنی میں مخلوط سود کے بقدر حاصل ہونے والے منافع سے صدقہ کر دینے سے شیئر ہولڈر کی ذمہ داری ختم نہیں ہوگی، اس کے باوجود حرمت سے چھٹکارا پانے کا واحد راستہ منافع کے اس حصہ کو صدقہ کر دینا ہی ہے، اس لئے کہ مال حرام کا علاج یہی ہے کہ اسے صدقہ کر دیا جائے، تاکہ وہ حلال مال سے مخلوط نہ ہو، تاکہ ایک مسلمان کسب حرام کی آمیزش سے کسی ضرر میں مبتلا نہ ہو۔

صاحب مال کی طرف سے نکالی گئی مقدار کے بارے میں متعین طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہی عین سودی رقم ہے، کیونکہ روپے تعین سے متعین نہیں کئے جا سکتے۔ تفسیر قرطبی (۳۶۶/۲) میں ربا سے متعلق احکام اور اسے حلال سمجھنے والے اور اس کے ارتکاب پر اصرار کرنے والے کی وعید پر مشتمل چھتیسویں مسئلہ میں مندرجہ ذیل تفصیل آئی ہے:

بعض غالی قسم کے اہل تقویٰ کا خیال ہے کہ اگر حلال مال سے حرام مال اس طرح مخلوط ہو گیا کہ حلال و حرام کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو اور پھر اس میں سے مخلوط مال حرام کے بقدر نکال لیا جائے تب بھی وہ مال حلال اور طیب نہ ہوگا، کیونکہ اس کا امکان ہے کہ جو مال نکال دیا گیا ہو وہی حلال ہو اور جو بچ گیا ہو وہی حرام ہو۔ ابن العربی فرماتے ہیں: یہ دین میں غلو ہے، اس لئے کہ ہر وہ مال جس میں حلال اور حرام کے درمیان امتیاز نہ کیا جا سکتا ہو، اس میں مقصود اس کی مالیت ہے نہ کہ اس کی عینیت، اگر وہ تلف ہو گیا تو اس کا مثل اس کے قائم مقام ہوگا، اور اختلاط مال کی ”تمییز“ کے اتلاف ہی کا نام ہے جیسا کہ ”اہلاک“ ”عین مال“ کے اتلاف کا نام ہے، اور ہلاک شدہ شئے کا مثل اس کے قائم مقام ہوتا ہے، یہ کلیہ حسی اور معنوی دونوں حیثیتوں سے واضح ہے۔

قرطبی اس پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہمارے علماء کا قول ہے کہ سود کے ذریعہ حاصل ہونے

والے مال سے (جو کسی کے قبضہ میں ہو) چھٹکارا کی صورت یہ ہے کہ اسے اس شخص کو واپس کیا جائے جس سے اس نے بطور سود لیا تھا، اور اگر وہ موجود نہ ہو تو اسے تلاش کرے، اور اگر اس کی موجودگی سے مایوس ہو گیا ہو تو اس رقم کو اس کی طرف سے صدقہ کردے، اور اگر ظلماً اس نے یہ مال حاصل کیا ہو تو یہ طریقہ اس آدمی کے سلسلہ میں بھی اختیار کرے جس پر اس نے ظلم کیا ہو، لیکن اگر معاملہ اس پر مشتبہ ہو اور اپنے پاس موجود رقم میں وہ حلال وحرام کے درمیان امتیاز نہ کر سکتا ہو تو پہلے وہ اپنے پاس موجود رقم میں سے اتنی رقم کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگائے جتنے کی واپسی اس پر واجب ہے، یہاں تک کہ جب اسے اس بات میں کوئی شک نہ ہو کہ جو کچھ بچ رہا ہے وہ خالصتاً اسی کا ہے تب وہ یہ رقم ان لوگوں کو لوٹائے جن سے اس نے ظلماً یہ رقم لی ہو یا جن کے ذمہ اس نے سود عائد کیا ہو، اور اگر ان لوگوں کی موجودگی سے مایوس ہو چکا ہو تو ان کی طرف سے اتنی رقم صدقہ کردے۔

اور اگر ظلماً حاصل کی گئی رقم اس کے پورے حصص کو محیط ہو اور اسے یہ معلوم ہو کہ اس کے ذمہ سود کی اتنی زیادہ رقوم واجب الادا ہیں جن کی ادائیگی وہ کبھی نہیں کر سکتا، تو اس کی توبہ یہ ہے کہ اپنے پاس موجود پورے مال کو اپنی ملکیت سے الگ کردے، یا تو فقراء کو دے دے یا مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے راستے میں صرف کردے، یہاں تک کہ اس کے پاس اتنی رقم رہ جائے جو نماز میں اس کے لباس (یعنی ناف سے گھٹنوں تک کے قابل ستر مقامات کو ڈھکنے کے لئے) اور ایک دن کی روزی کے لئے کفایت کرتی ہو، اس لئے کہ اس صورت میں اس کا حال اس شخص کا ہے جس پر حالت اضطرار میں دوسروں کا مال لینا واجب ہے، اگرچہ اس کا یہ عمل ان لوگوں کے لئے ناپسند ہو جن کا مال وہ لے۔

۱۲۔ قیمتوں کے بڑھنے کی صورت میں شیئرز کی تجارت (یعنی نفع کے ساتھ اس کی بیع) کا کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص قیمتوں کے بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ فروخت کرنے کے مقصد سے کچھ شیئرز خریدے تو اس سے خواہ کتنا ہی زیادہ نفع ہو شرعاً اس قسم کے شیئرز کی تجارت یعنی (نفع کے ساتھ ان کی فروخت) ممنوع نہیں ہے، اس لئے کہ شیئرز شرعاً، قانوناً اور عرفاً قابل تداول ہیں، اور یہ نقود اور کمپنی کے بعض اثاثے یعنی اعیان، منافع، سامان تجارت، خام یا تیار شدہ مال کی نمائندگی کرتے ہیں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ یہ اثاثے نقود سے زائد ہوں، جیسا کہ اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ ۵۱ فیصد یا اس سے بھی زائد فیصدی تناسب سے ان اثاثوں کا غلبہ ہونا چاہئے، تا کہ دَین کی دَین سے یا نقد کی نقد سے بیع لازم نہ آئے۔ دَین کی دَین سے بیع کی صورت نہ پیدا ہونے دینے کے لئے شرط ہے کہ بیع کے متصلاً بعد ہی شیئرز سرٹیفیکیٹ پر قبضہ ہو، خواہ یہ قبضہ حکماً ہی کیوں نہ ہو۔

شیئرز کی اس قسم کی تجارت پر احتکار (ذخیرہ اندوزی) کا حکم منطبق نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ احتکار کی حرمت کا پہلو ان اشیاء صرف سے متعلق ہے جن کے بیع کی ممانعت کے نتیجہ میں لوگوں کو ضرر لاحق ہوتا ہو، جیسے غلہ یا چارہ۔ کسی سامان تجارت کی خرید اور مستقبل میں اعلیٰ قیمت پر اسے فروخت کرنے کے انتظار سے ممانعت کی شرعاً کوئی وجہ نہیں ہے، اور شیئرز جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں، نقود، اعیان اور منافع کی نمائندگی کرتے ہیں، اس لئے کہ شرعی طور

پر یہ اصول متعین ہے یعنی اقتصادی آزادی اور تبادلہ کی آزادی، اور اس میں منافع کے انتہا کی کوئی تحدید نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل حضرت جابر سے مروی وہ روایت ہے، جس کی تخریج بخاری کے علاوہ پوری جماعت نے کی ہے، جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یبع حاضر لباد، دعوا الناس یرزق الله بعضهم من بعض (منتقی الاخبار مع نیل الاوطار ۵/۱۶۴)۔

کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے بیع نہ کرے، لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ بعض کو بعض سے روزی دے۔

۱۳۔ فیوچر سیل (جس میں نہ بائع کی طرف سے مبیع کی حوالگی ہوتی ہے اور نہ مشتری کی طرف سے ثمن کی ادائیگی) کا شرعاً کیا حکم ہے؟

اسٹاک ایکسچینج مارکیٹ میں ایک قسم کی بیع ہوتی ہے جسے فیوچر سیل (Future Sale) کہتے ہیں، اس بیع کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے داموں کے ساتھ نفع ونقصان کو برابر کر لینا مقصود ہوتا ہے، مثلاً زید نے سو شیئرز کا سودا بہ حساب سو روپے یا سو ریال فی شیئر کیا، اور ادائیگی اور وصولی کی تاریخ ۳۰ ر مارچ مقرر کی، اب جب مذکورہ تاریخ آئی تو اس شیئر کی قیمت ڈیڑھ سو روپے یا ڈیڑھ سو ریال ہوگئی، تو ایسی صورت میں وہ پانچ ہزار ریال یا روپے منافع کے طور پر لے لے گا، اور اگر مذکورہ تاریخ کو اس شیئر کی قیمت گھٹ کر پچاس روپے یا پچاس ریال ہوگئی تو اسے پانچ ہزار ریال یا روپے کا خسارہ برداشت کرنا ہوگا۔

اس صورت میں عقد کا دارومدار صرف اوراق مالیہ (Bonds) پر ہوتا ہے، نہ مبیع کی حوالگی ہوتی ہے نہ ثمن کی ادائیگی، چنانچہ اس صورت میں نہ مشتری ثمن ادا کرتا ہے اور نہ بائع مبیع حوالے کرتا ہے، لیکن مقررہ تاریخ آنے پر شیئرز کے دام بڑھنے کی صورت میں نفع حاصل ہوتا ہے، یا شیئرز کے دام گھٹنے کی صورت میں خسارہ ہوتا ہے۔

اس قسم کے فیوچر سیلز کا شرعی حکم یہ ہے کہ یہ عقود حرام اور فاسد ہیں، اس لئے کہ یہ دین کی بیع دین سے ہے، اور جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے بیع کی یہ صورت شرعاً ممنوع ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے بیع کالی بالکالی سے منع فرمایا ہے، اور یہ دین آجل کی بیع دین مؤجل سے ہے، جو شرعاً فاسد ہے اور اس کی آمدنی شرعاً ناپاک اور ممنوع ہے، وہ اس کے حاصل کرنے والے کے لئے حلال نہیں، اسے ضرورت مندوں پر خرچ کر کے اس سے چھٹکارا حاصل کرنا واجب ہے۔

۱۴۔ مستقبل کی طرف منسوب عقد (Forward Sale) کا کیا حکم ہے؟

عقد بیع کا تقاضا قطعیت ہے، یعنی اس کے اثر کی افادیت تب ظاہر ہوتی ہے جب مبیع کی ملکیت مشتری کی طرف منتقل ہوتی ہے اور مشتری کے ذمہ بائع کا ثمن واجب الاداء ہوتا ہے، لہذا اسے معلق بالشرط کرنا درست نہیں، مثلاً معاملہ بیع کے وقت یہ الفاظ کہنا کہ: اگر میرے والد حجاز سے آگئے تو میں نے فلاں جائداد تم سے فروخت کردی۔ اسی طرح اس کی اضافت مستقبل کی طرف بھی کرنا درست نہیں، مثلاً یہ کہنا کہ: سال آئندہ ۱۹۹۷ کے آغاز سے میں نے یہ سامان یا یہ زمین یا یہ شیئر تم سے بیچا، اسی بنا پر یہ بیع درست نہیں ہے، اس طرح کی بیع کا سرے سے کوئی اثر ہی نہیں پڑے گا، کیونکہ یہ بیع باطل ہے، اور باتفاق علماء بیع باطل کے نتیجہ میں مبیع کی ملکیت منتقل نہیں ہوتی۔ لیکن بیع سلم کسی ایسی شئی پر

درست ہوتی ہے جو ذمہ میں معلوم ہو، اور جو مجلس عقد ہی میں مکمل ثمن کی ادائیگی کی شرط کے ساتھ مستقبل تک موخر ہو۔

ہاں اگر بیع کسی ایسی غائب شئے کے سلسلے میں ہو جسے اس کے متعین اوصاف کے ساتھ رؤیت نہ پائی گئی ہو تو جمہور فقہاء کے نزدیک ایسی بیع جائز اور درست ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک بغیر رؤیت اور بغیر وصف کے بھی درست ہے، اس صورت میں ان کے نزدیک عاقد (معاملہ دار) کو خیار رؤیت حاصل ہوگا، اس لئے کہ حدیث میں وارد ہے کہ "من اشترى مالم يره فهو بالخيار إذا رآه" جس نے دیکھے بغیر کوئی چیز خرید لی تو دیکھنے کے بعد اسے اختیار حاصل ہوگا[۱]۔ شوافع نے اس بیع کو باطل قرار دیا ہے، اس لئے کہ اس میں غرر یعنی جہالت ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے غرر سے منع فرمایا ہے۔

اگر متعین وقت کے بدلہ میں قیمت کی ایک متعین فیصدی رعایت کی بنیاد پر ادائیگی کے وقت سے پہلے ہی تاخیر سے ادا کئے جانے والے کاروباری دستاویز یا شیئرز فروخت کر دیئے جائیں تو اس بیع کی صورت یہ ہوگی کہ دین آجل کی بیع کم رقم پر نقد عاجل سے کی جائے، اس قسم کی بیع ربا محرم میں شمار ہوگی۔ حرام اور سود ہونے میں اس کا حال بھی وہی ہے جو کاروباری ڈرافٹ کے ڈسکاؤنٹ (چھوٹ) کا ہے، یہ حکم "البرکہ بینک" کے پہلے سیمینار کے فتوی ۱۲ میں صراحت کے ساتھ آچکا ہے۔

۱۵۔ حکمی قبضہ سے متصف شیئرز کی اس خرید کا کیا حکم ہے جس میں شیئرز سرٹیفکیٹ پر حسی قبضہ تاخیر سے ہو؟

نئے مالک کے نام سے شیئرز سرٹیفکیٹ کی وصولی یا اس پر قبضہ میں بعض انتظامی اسباب کی وجہ سے ایک سے تین ہفتے تک کی تاخیر ہوتی ہے، اور کمپنی شیئرز خریدتے وقت اپنے اثاثے اور اپنی املاک میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کو تسلیم کرتی اور اس کی ضمانت لیتی ہے، اور ایسی صورت میں حقوق اور ذمہ داریاں مشتری کی طرف منتقل ہوتی ہیں، سوال یہ ہے کہ اس بیع کا کیا حکم ہوگا، کیا حکمی یا معنوی قبضہ کافی ہے یا حسی اور عملی قبضہ ضروری ہے؟

فقہاء کا اصول یہ ہے کہ شئے کی ماہیت کے اعتبار سے قبضہ کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں، چنانچہ اشیاء غیر منقولہ میں تخلیہ سے اور اشیاء منقولہ جیسے سامان تجارت، سرمائے، مشینیں، اور اوزار وغیرہ میں عملی قبضہ یا تخلیہ سے قبضہ تسلیم کیا جاتا ہے، یا کسی ایسے طریقہ سے جو عرف وعادت میں قبضہ متصور ہوتا ہو، چنانچہ حنفیہ کے سوا جمہور فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ منقولات جیسے سامان زندگی، چوپائے اور جانوروں میں قبضہ ان کی نوعیت کے اعتبار سے یا لوگوں کے درمیان رائج عرف کے مطابق تسلیم کیا جائے گا[۲]۔

لہذا کمپنیوں کے نظام میں عرف وعادت کے مطابق قبضہ کا تحقق ہو جائے گا، اگر اس بیع میں کمپنی کی

۱۔ اس حدیث کو بیہقی نے ضعیف اور باطل قرار دیا ہے، اور دارقطنی نے بھی اس کو صحیح نہیں کہا ہے۔

۲۔ الشرح الکبیر للدردیر ۳/۱۴۵، المجموع للنووی ۹/۳۰۱-۳۰۹، المغنی ۴/۱۱۱، اور اس کے بعد کے صفحات، مقالہ نگار کی کتاب "الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۱۸، اور اس کے بعد کے صفحات۔

طرف سے شیئرز کی حوالگی کی تصدیق یا ضمانت کی ضرورت پیش آئے تو اختیار کردہ طریقہ کار کے مطابق کمپنی کے لئے ایسا کرنا واجب ہوگا۔

۱۶۔ عملی یا حسی قبضہ سے پہلے شیئرز کی بیع کا کیا حکم ہے؟

شیئرز کمپنی کے اثاثے یعنی اعیان ومنافع اوران کے علاوہ نقود اور دیون کی نمائندگی کرتے ہیں، اوران کی منتقلی اور خرید وفروخت عام قاعدے کے مطابق ان پر قبضہ کے بعد یا کمپنی یا بائع کی طرف سے ان کی ادائیگی کے بعد ہوا کرتی ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا شیئرز سرٹیفکیٹ کے حصول سے قبل شیئرز کی بیع درست ہے؟ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ یہ بھی معلوم ہے کہ محض بیع وشراء ہی سے شیئرز کے منافع مشتری کی ملکیت میں آجاتے ہیں اوراس کے ضمان میں بھی داخل ہوجاتے ہیں۔

قبضہ سے پہلے کسی چیز کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں علماء کی تین قسم کی آراء ہیں [۱]۔

۱۔ حنفیہ کی رائے ہے کہ: مبیع منقول میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے غیر مقبوضہ شئے کی بیع سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ ابوداؤد نے حضرت ابن عمر کے حوالہ سے اس روایت کی تخریج کی ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے ان سے کہا کہ آپ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ سامان تجارت کو اس جگہ فروخت کیا جائے جہاں سے اسے خریدا جائے، یہاں تک کہ تاجر اسے اپنے کجاوے تک منتقل کرلیں۔ جہاں تک جائداد غیر منقولہ کا تعلق ہے جیسے زمینیں اور مکانات تو شیخین یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک استحساناً قبضہ سے پہلے ان کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ اشیاء غیر منقولہ میں کوئی غرر نہیں، کیونکہ نہ تو ان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے، اور نہ ہی عام حالات میں بیع ہوجانے کے بعد اور قبضہ سے پہلے ان کے تبدیل ہونے کا خدشہ ہے، اس مسلک کے مطابق قبضہ سے پہلے شیئرز کی بیع جائز نہیں۔

۲۔ شوافع، محمد بن الحسن اور امام زفر کا خیال ہے کہ: جس چیز کی ملکیت ثابت نہ ہوئی ہو اس کی بیع قبضہ سے پہلے علی الاطلاق جائز نہیں، خواہ اس کا تعلق اشیاء منقولہ سے ہو یا اشیاء غیر منقولہ سے، اس لئے کہ غیر مقبوضہ اشیاء کی خرید وفروخت سے ممانعت عام ہے، اسی سے یہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ قبضہ سے پہلے شیئرز کی بیع درست نہیں۔

۳۔ مالکیہ اور حنابلہ کا خیال ہے کہ: صرف غلہ کی بیع قبضہ سے پہلے درست نہیں، اور حنابلہ نے اسے اس بات سے مقید کیا ہے کہ غلہ کیلی یا وزنی یا عددی (یعنی ناپی، تولی اور شمار کی جانے والی چیزیں) ہونا چاہئے، لہذا ایسے شیئرز کی بیع قبضہ سے پہلے درست ہے جن کا تعلق غلہ سے نہ ہو، اس خیال کی تائید "البرکہ بینک" کے چھٹے سمینار کے فتوی نمبر ۱۴ میں کی گئی ہے، جس کا مفہوم اس طرح ہے: کمپنیوں اور بینکوں کے لئے ایسے سامانوں کی بیع درست ہے جن پر ابھی تک ان کا قبضہ نہ ہوا ہو یا جو ان کی زیر ملکیت نہ آئے ہوں بشرطیکہ وہ سامان غلہ نہ ہوں، کیونکہ اشیائے غیر مقبوضہ کی

۱۔ دیکھئے: المبسوط ۱۳/۸، اوراس کے بعد کے صفحات، البدائع ۵/۲۳۴، المنتقی علی الموطا ۴/۲۷۹، بدایۃ المجتہد ۲/۱۴۲، اوراس کے بعد کے صفحات، المہذب ۱/۲۶۴، مغنی المحتاج ۲/۶۸، المغنی ۴/۱۱۰-۱۱۳، اوراس کے بعد کے صفحات۔

بیع کی ممانعت صرف غلہ تک محدود ہے۔

میرے نزدیک اس سلسلے میں شیئرز اور ان بانڈز کے تعلق سے جو تجارتی سیکورٹیز کی نمائندگی کرتے ہیں، سب سے مناسب رائے حنفیہ اور شوافع کی ہے، اس لئے کہ قبضہ سے پہلے ان کی تجارت یا ان کی منتقلی محض ان عقود کی ایک علامت ہوگی جو بانڈز کے ذریعہ کئے جاتے ہیں، چونکہ اس میں نہ تو وصولی ہے اور نہ ہی قبضہ، اور اس میں ایسا واضح غرر ہے جو شریعت کی اس ممانعت سے متصادم ہے جو اس بیع کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے، جیسا کہ اس روایت میں ہے جسے امام احمد نے حضرت حکیم ابن حزام کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لا یحل سلف و بیع، و لا ربح مالم یضمن، و لا بیع ما لیس عندک''۔ اور یہ بیع بھی اشیائے غیر مضمونہ کی بیع سے متعلق ہے، جس کا مفہوم اشیائے غیر مقبوضہ ہی ہے، کیونکہ تلف ہونے سے پہلے سامان تجارت مشتری کے ضمان میں نہیں ہوتا ہے، ایسی صورت میں جب وہ تلف ہوتا ہے تو بائع کے مال سے تلف ہوتا ہے۔

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج مارکیٹ میں بروکر (ایجنٹ) کی حیثیت سے کام کرنے کا کیا حکم ہے؟

اسٹاک ایکسچینج مارکیٹ میں بروکر یا ایجنٹ عموماً بازار میں شیئرز کی رائج قیمتوں سے واقف ہوتے ہیں اور ایجنٹ کی حیثیت سے خرید و فروخت کی کارروائی کا اندراج کرتے ہیں، اس تصرف میں تھوڑی تفصیل ہے:

(الف) اگر بروکر کا یہ تصرف ایجنٹ کی ''انابت'' یا ''توکیل'' کے بغیر ہے تو ان کا یہ تصرف فضولی کے تصرف کے حکم میں ہوگا جو ایجنٹ کی اجازت پر موقوف ہوگا، یہ مسلک صرف احناف اور مالکیہ کا ہے، لہذا اگر ایجنٹ نے اجازت دے دی تو یہ تصرف نافذ ہوگا، اس لئے کہ بعد میں دی جانے والی اجازت سابقہ وکالت کی طرح ہے، اور اگر ایجنٹ نے اس کی اجازت نہ دی تو یہ تصرف باطل اور لغو ہوگا، اور بروکر یا ایجنٹ خود اس کا ذمہ دار ہوگا۔

جہاں تک اجرت کا تعلق ہے تو اگر بروکر نے مفت یہ عمل کیا ہے تو وہ ابضاع ہے، اور اس کی دلیل اصحاب سنن اور دیگر محدثین کی روایت کردہ یہ حدیث ہے: ''باع قدحاً بیع من یزید'' کہ آپ ﷺ نے ایک پیالہ کو بولی لگا کر فروخت کیا۔ اور اگر اس نے متعین اجرت کے عوض یہ کام کیا ہے تو وہ اجیر خاص ہے، اور اگر منافع کی ایک شرح کے عوض اس نے یہ کام انجام دیا ہے تو یہ مضاربہ ہے۔

(ب) اور اگر بروکرز مؤکل کی طرف سے وکیل بنائے جانے کے بعد یہ تصرف کریں، تو ایسی صورت میں ان کی حیثیت ایسے وکلاء کی ہوگی جن پر وکالت کے احکام منطبق ہوں گے خواہ یہ وکالت حسب اتفاق اجرت متعین کر کے ہو یا بغیر اجرت کے ہو۔

خلاصۂ بحث

زیر نظر مقالہ میں اس موضوع سے متعلق ۷ انکات ہیں:

موجودہ زمانہ میں شیئرز اور سندات جیسے تجارتی بانڈز کے ذریعہ کاروبار کا عام رواج ہو چکا ہے۔ جہاں تک

کسی ایسی کمپنی کے شیئرز کا تعلق ہے جس کا کاروبار یا جس کی اسکیم حلال ہو تو وہ جائز ہیں، رہے بونڈز تو وہ جائز نہیں، کیونکہ یہ سود بردار قرض کے ذرائع ہیں، کبھی کبھی حلال کاروبار کرنے والی کمپنیاں بھی سودی قرضے حاصل کرتی ہیں، لہذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ دور کی شراکت دار کمپنیوں کے ان افعال کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۱۔ شیئرز کی حیثیت مساوی قیمت کی حامل اور تجارتی طریقوں سے رواج پذیر دستاویزات کی ہے، شیئرز کمپنی کے اصل اثاثے اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے حقوق میں مشترک حصص کی نمائندگی کرتے ہیں، کمپنی کے اصل اثاثے اور اس سے حاصل شدہ حقوق کا انحصار اس کی خالص املاک، اس کی آمدنیوں اور اس کے انتظام وانصرام پر ہوتا ہے۔ شیئرز کی حیثیت صرف ادا کردہ رقوم کے دستاویزات کی نہیں ہے، کیونکہ یہ دستاویزات (خواہ کمپنی نفع میں جارہی ہو یا خسارہ میں) ان قرضہ جات کا لازمہ ہیں جن پر متعین سود واجب الاداء ہوتا ہے، ان دستاویزات کے حاملین کو کمپنی میں شراکت کا اختیار نہیں ہوتا ہے، یہ قرضہ جات ایک متعین قیمت کی نمائندگی کرتے ہیں جو مقروض کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں ضبط کی جاسکتی ہے۔ کمپنی کی املاک اور اس کے اثاثوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔

وضعی قوانین میں کسی حصہ دار کے قرض دہندہ گان کو مقروض شیئرز ہولڈر کے حصص کے سلسلہ میں جب تک کمپنی قائم ہے، کوئی حق تنفیذ حاصل نہ ہوگا، اس لئے کہ شرکاء کی ذمہ داریوں سے الگ خود کمپنی کی ایک مالی ذمہ داری ہوتی ہے، دائن کو صرف حصہ دار مدیون کو حاصل ہونے والے منافع کے تناسب سے تنفیذ کا حق ہوگا، لیکن چونکہ فقہ اسلامی نے کمپنی کی ایک معنوی حیثیت (مستقل مالی مسئولیت) کی صراحت نہیں کی ہے، اسلئے اس کے نزدیک شراکت دار کے حصص کی ضبطی کی اجازت ہوگی۔ فقہ اسلامی اور موجودہ قانون دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ بعض حالات میں شراکت دار کے سرمائے میں عمل دخل کے سلسلے میں شراکت دار کے قارضین کمپنی کے قارضین کے تابع ہوں گے، کیونکہ شرکاء کی ذمہ داریوں (liabilities) سے الگ خود کمپنی کی اپنی علیحدہ اور مستقل مسئولیت پورے طور پر مطابق قانون نہیں ہے۔

۲۔ کمپنی کے وجود میں آنے کے بعد اور کاروبار شروع کرنے سے پہلے خریدے گئے شیئرز کی خرید وفروخت درست ہے، بشرطیکہ بیع صرف کے اصول واحکام ملحوظ رکھے جائیں، اس لئے کہ یہ نقد کی نقد کے ساتھ خرید وفروخت ہے، لہذا مجلس عقد ہی میں قبضہ اور سود (ربا النسیئۃ) کی زد سے بچنے کے لئے یکسانیت ضروری ہے، اور معاملہ کا کسی مدت یا خیار شرط سے متعلق ہونا درست نہیں ہے، کیونکہ بیع صرف میں عوضین پر قبضہ شرط ہے۔

۳۔ ضرورت یا حاجت کے وقت سالانہ آمدنی کی حامل اور سودی قرض لینے والی کمپنی کے شیئرز حاصل کرنا درست ہے، اس قسم کے شیئرز کی بیع بھی درست ہے، بشرطیکہ آمدنی کا ایک حصہ ان سودی قرضوں کے تناسب سے جن سے آمدنی حاصل ہوئی ہے نکال دیا جائے، ایسی آمدنی کو ضرورت مندوں پر خرچ کردیا جائے، اس طرح کی رقوم سے نفقے یا شیئر ہولڈرس کے ذمہ عائد ہونے والے ٹیکس (Taxes) کی ادائیگی نہیں کی جائے گی۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا کاروبار حرام ہے، جیسے شراب، خنزیر کے گوشت، لہو ولعب کے سامانوں کی خرید وفروخت

اورسودی اسکیموں یا بینکوں میں روپیہ لگانا، ایسی کمپنیز کے شیئرز کی خرید وفروخت قطعی حرام ہے، اسی ذیل میں وہ کمپنیاں بھی آتی ہیں جن کے بڑے بڑے ہوٹل اپنے کھانوں میں خنزیر کے گوشت اور الکوہل ملے ہوئے مشروبات (Alcoholic drinks) پیش کرتے ہیں، اسی طرح موسم گرما گذارنے کا انتظام کرنے والی وہ کمپنیاں بھی اسی زمرہ میں آتی ہیں جو عورتوں اور مردوں کے درمیان مخلوط تیراکی کے لئے سواحل سمندر (Beach) پر کیبنز (Cabins) بناتی ہیں۔

۵۔ عام ضرورت وحاجت کے سوا ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنا جائز نہیں جن کا کاروبار اور مقصد تو جائز اور درست ہو، لیکن انکم ٹیکس کی زد سے بچنے کیلئے انہیں کبھی کبھار سودی قرضے لینے پڑتے ہوں، اس لئے کہ ایسی صورت میں اصل سرمایہ حرام سے مخلوط ہوجاتا ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ ایک ظلم کا حل کسی دوسرے ظلم یا حرام سے نہیں نکالا جاسکتا ہے۔ لہذا ضرورت وحاجت کے وقت اور گراں اور ظالمانہ ٹیکسیز کی وجہ سے اس قسم کے شیئرز خریدنا جائز ہے۔

۶۔ اگر کوئی کمپنی ازروئے قانون اپنے سرمائے کا ایک حصہ سینٹرل ریزروبینک میں جمع (Deposit) کرنے کی پابند یا ضرورت کے شرعی اصول وضوابط کے اعتبار سے اس پر مجبور ہو یا اسے سیکورٹی بانڈز (Security Bonds) خریدنے پڑتے ہوں جن کی وجہ سے اسے سود بھی ملتا ہو تو یہ ممنوع نہیں ہے، بشرطیکہ اس سود سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کر لیا جائے اور اسے رفاہی امور میں صرف کردیا جائے، اس کے مستحق نہ کمپنی کے شرکاء ہیں اور نہ ہی کمپنی کی انتظامیہ کمیٹی۔

۷۔ احناف کی رائے کے مطابق سودی قرضوں سے حاصل شدہ منافع مفید ملک تو ہیں، مگر یہ ملک، ملک خبیث ہے، یعنی یہ منافع اس کے لئے جائز اور حلال نہیں ہیں جس نے انہیں حاصل کیا ہو، جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک بیع فاسد کے حکم کے سلسلہ میں مقرر ہے، چنانچہ ان کے نزدیک عقد فاسد ملک خبیث کا فائدہ دیتا ہے، ایسے عقد کا فسخ کرنا، اس کے فساد کے اسباب کا ازالہ کرنا اور ایسے مال کا محتاجوں پر صدقہ کرنا واجب ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک ایسے منافع نہ مفید ملک ہیں اور نہ حلال۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائریکٹرز شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے، اس کی حیثیت سرمائے کے امین کی ہے، بورڈ آف ڈائریکٹرس اسی صورت میں سرمائے کا ضامن ہوگا جب اس کی طرف سے سرمائے کی حفاظت کے سلسلے میں تعدی یا کوتاہی پائی جائے گی، بورڈ کا عمل شیئر ہولڈرس کے عمل کا قائم مقام ہے، ایسا اس لئے کہ فقہ اسلامی کے نقطۂ نظر سے کمپنی کی حیثیت ایک ٹرسٹ (Trust) اور شراکت (Partnership) کی ہے، اور جہاں تک ماہرین قانون کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک کمپنی کا ایک قانونی اور معنوی وجود ہوتا ہے، چنانچہ اس کا ایک نام، پتہ، مقام اور اس کی ایک قومیت ہوتی ہے، وہ حقوق حاصل کرتی ہے اور ذمہ داریوں کی پابند ہوتی ہے، اور جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا کہ شراکت داروں کی مسئولیت (Liabilities) سے الگ خود کمپنی کی اپنی ایک مالی مسئولیت ہوتی ہے، لیکن شراکت دار صرف اپنے حصص کے بقدر ہی کمپنی کے قرضہ جات کا ذمہ دار ہوگا، شراکت دار کے قرض دہندگان کو اس کے حصص ضبط کرنے یا اس میں کسی طرح مؤثر ہونے کا اختیار نہیں ہے، انہیں یہ اختیار صرف اس کے منافع میں ہے۔

۹۔ کمپنی کی مینیجنگ کمیٹی کے کسی ممبر کا سودی قرض لینے کے فیصلے سے صرف اختلاف کرنا اسے بری الذمہ قرار دینے لئے کافی نہیں، کیونکہ انتظامی بورڈ اور ڈائرکٹر کے اقدامات وتصرفات کے اثرات موکل ہونے کی حیثیت سے تمام شرکاء کومحیط ہوں گے، زیادہ سے زیادہ اس ممبر کا یہ عمل صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قرار پاسکتا ہے اور بس۔

۱۰۔ سود پر مبنی معاملہ کی خرابی کا اثر تمام شرکاء پر پڑے گا، اور وہ سب کے سب اس کے ذمہ دار قرار پائیں گے۔ جہاں تک شراکت دار کے مال کو حرام کے اختلاط سے بچانے اور اس کے ضرر سے دور رکھنے کا سوال ہے تو اس کے لئے شراکت دار کو ایک اقدام کرنا ہوگا اور وہ یہ کہ سود سے پیدا شدہ متعین منافع میں سے اس کے بقدر صدقہ کردیا جائے، اس طرح شراکت دار حرام شئے سے انتفاع کے وبال سے بچ جائے گا اور اپنے آپ کو حرام کے ارتکاب سے بچالے گا۔

۱۱۔ اسی طرح اگر شیئر ہولڈر کل آمدنی میں مخلوط سودی منافع میں سے اس کے تناسب سے صدقہ کردے تو اپنے مال کو حرام سے مخلوط کرنے کے گناہ سے بچ سکتا ہے، کل آمدنی میں مخلوط سودی منافع میں سے اسی کے بقدر رقم تخمینہ سے بھی نکالی جاسکتی ہیں اور موجودہ دور کے کمپیوٹر کے دقیق حساب کے مطابق بھی، عین مال حرام کا نکالنا ضروری نہیں، اسلئے کہ مال کا تعین ممکن نہیں جیسا کہ اس حقیقت کی طرف مالکی مسلک کے دو بزرگوں ابن العربی اور قرطبی نے اشارہ کیا ہے۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت یعنی قیمت بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ اس کی خرید وفروخت شرعاً ممنوع نہیں، بشرطیکہ قبضہ پایا جائے، خواہ حکمی ہی سہی، شیئرز کا یہ کاروبار احتکار (ذخیرہ اندوزی) کے ذیل میں نہیں آتا، اس لئے کہ سامان تجارت فی نفسہ مارکیٹ میں موجود ہے، اور شیئر ہولڈر کا اپنے شیئرز کی بیع کے لئے قیمتوں کے بڑھنے کا انتظار صرف کنندہ (Consumer) کے حق میں ضرر رساں نہیں۔

۱۳۔ فیوچر سیل (Future Sale) جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا، اس میں شیئرز سرٹیفکیٹ کی نہ حوالگی ہوتی ہے اور نہ ثمن کی وصولی، بلکہ اس کا مقصد بڑھتے گھٹتے داموں کے ساتھ نفع ونقصان کے توازن کو برابر کرنا ہوتا ہے، ایسی بیع شرعاً حرام اور فاسد ہے، اس لئے کہ یہ دَین کی دَین سے بیع ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بیع کالی بالکالی سے (یعنی دَین کی بیع دَین سے) منع فرمایا ہے، اور اس قسم کی بیع کے فاسد ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔

۱۴۔ غائب سودا (Forward Sale) جس کا انعقاد مستقبل میں ہونے والا ہو، درست نہیں ہے، اس لئے کہ بیع کا تقاضا قطعیت ہے، لہذا نہ تو اسے کسی شرط پر متعلق کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاسکتی ہے، جب تاخیر سے واجب الاداشیئرز کی بیع اس کی قیمت سے کم پر ادائیگی کے وقت سے پہلے نقداً کی جائے تو ایسی بیع فاسد ہے، اس لئے کہ یہ دَین آجل کی اقل نقد عاجل کے ساتھ بیع ہے جیسے بل ڈسکاؤنٹ (Bill Discount)، البتہ بیع سلم کسی ایسی شئے میں درست ہے جو ذمہ میں معلوم ہو اور جس کی حوالگی مستقبل میں کسی وقت تک مؤخر ہو، بشرطیکہ مجلس عقد ہی میں پورا ثمن ادا کردیا جائے۔

۱۵۔ فروخت کردہ شیئرز پر حکمی قبضہ میں کوئی ممانعت نہیں ہے، اسلئے کہ کمپنی انتظامی اسباب کی وجہ سے نئے مالک کے نام سے شیئرز سرٹیفکیٹ کی حوالگی میں تاخیر کے باوجود اس بیع کو تسلیم کرتی ہے، اور شیئرز کے نئے خریدار کے

حصص کی ضمانت لیتی ہے۔ حنفیہ کے سوا جمہور ائمہ نے صراحت کی ہے کہ ہر چیز پر قبضہ اس کی نوعیت کے اعتبار سے عرف وعادت کی بنا پر ہوتا ہے، لیکن شیئرز کے اس نئے مالک کے لئے شیئرز سرٹیفکیٹ پر قبضہ سے پہلے اس شیئر کی بیع درست نہیں ہوگی، جیسا کہ مندرجہ ذیل مسئلہ میں ہے۔

۱۶۔ قبضہ سے پہلے شیئرز کی خرید وفرخت یا اس کی منتقلی درست نہیں ہے، اس لئے کہ غرر کا اندیشہ ہے، اور اسی طرح شیئرز کے داموں کے بڑھنے کی صورت میں عدم حوالگی کا امکان ہے، اور آپ ﷺ نے غرر اور قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۱۷۔ اسٹاک ایکسچنج مارکیٹ میں بروکر (ایجنٹ) کا معاملہ کرنا مؤکل کے معاملہ کرنے کی طرح ہے اگر مؤکل اسے اپنے معاملہ کا وکیل یا نائب بنا دے، اس لئے کہ اگر توکیل نہ پائی جائے تو حنفیہ اور مالکیہ کے مطابق ''بروکر'' کا تصرف ''فضولی'' کے تصرف کے حکم میں ہوگا، اگر مؤکل اجازت دیدے تو معاملہ کا نفاذ ہوگا، ورنہ عقد باطل ہو جائے گا، اور خریداری کے معاملہ کا ذمہ دار ایجنٹ ہوگا۔

واللہ اعلم

☆☆☆☆☆

شیئرز کے شرعی احکام

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی

پھلواری شریف، پٹنہ

۱۔ کمپنی کے شیئرز کے بارے میں یہ سوال کہ وہ کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے؟

اس سلسلہ میں علماء کرام کی یہ رائے صحیح ہے کہ کمپنی کے شیئرز کمپنی میں دی گئی رقم کی صرف دستاویز نہیں بلکہ کمپنی کے سیال (نقد) وجامد اثاثوں میں ملکیت کے سرٹیفکیٹ ہیں۔

اور عرف وقانون میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ کمپنی میں شیئر ہولڈر کے تناسب ملکیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کمپنی باہمی قرارداد سے تحلیل ہو جائے تو شیئر ہولڈر کو اسکے شیئرز کے تناسب سے کمپنی کے اثاثوں میں حصہ ملتا ہے۔ اسی طرح اگر نفع ہو تو اسکے لگائے ہوئے سرمایہ سے زائد رقم ملتی ہے، یا خسارہ ہو تو نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے، برخلاف بانڈس وغیرہ دیگر مالی دستاویزات کے کہ جن پر کمپنی تحلیل ہونے کی صورت میں صرف لگی ہوئی رقم سود کے ساتھ واپس ملتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب کمپنی کو ابتداءً قائم کیا جاتا ہے تو اس کے زمینی وجود سے پہلے بازار میں اسکے شیئرز پیش ہوتے ہیں اور لوگوں کو خریدنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ چنانچہ عوام وخواص حسب خواہش اس کے شیئرز خرید کر ممبر بنتے ہیں۔ عرف میں تو ابتدائی شیئرز لینے کو بھی خرید وفروخت سے تعبیر کیا جاتا ہے، مگر حقیقت میں وہ خرید وفروخت نہیں ہوتی ہے، کیونکہ شیئرز لینے والا تو روپیہ دیتا ہے مگر اسکے عوض میں مبیع کوئی شئی نہیں ہوتی ہے۔ چونکہ کمپنی نے نہ تو اب تک اپنا کام شروع کیا ہے اور نہ اسکے املاک واثاثے وجود میں آئے ہیں۔ پس حقیقت یہی ہے کہ شیئرز لینے والا کمپنی میں حصہ دار ہوتا ہے۔ اور حصہ داری کی جو سرٹیفکیٹ ملتی ہے اسکی حیثیت کمپنی میں ملکیت کی نمائندگی کی دستاویز کی ہے۔

۲۔ اس صورت میں جب کہ کمپنی کے پاس کوئی اثاثہ یعنی بلڈنگ، زمین وغیرہ کی نوعیت کا نہ ہو بلکہ صرف نقد رقوم ہوں تو ایسی صورت میں شیئر خریدنے والا اگر اسے فروخت کرتا ہے تو اسے شیئرز کی اصلی قیمت سے کم یا زائد لینا یا دینا جائز نہیں ہوگا۔

۳۔ کمپنی کے وجود میں آنے کے بعد اگر سیال وجامد دونوں طرح کے اثاثے واملاک ہوں تو ایسی صورت میں شیئرز کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں نقد ثمن کے مقابلہ میں مبیع نقد اور سامان دونوں ہیں، اور جب ایسی صورت ہو تو اس پر بیع صرف کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ کیونکہ یہاں مال ربوی (نقد) سے غیر ربوی (نقد وسامان) کی خریداری عمل میں آرہی ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۵/۲۶۵)۔

۴۔ بنیادی طور پر کمپنیوں کا شیئر لینا یا فروخت کرنا جائز ہے۔ البتہ اگر ایسی کوئی کمپنی ہو جس کا بنیادی کاروبار حرام ہو، جیسے شراب، خنزیر کا گوشت، سودی بینک وغیرہ کی کمپنی تو کسی مسلمان کے لئے ان کا شیئرز خریدنا جائز نہیں

ہوگا (دیکھئے: درمختار ۵/۶۴-۶۵)۔

۵، ۶، ۷۔ البتہ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کام حلال کا ہے جیسے انجیرنگ یا عام استعمال کی چیز تیار کرنا۔ اگر وہ ضرورتاً یا انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرضے لیتی ہیں تو ان کا شیئرز خریدنا جائز ہے۔ اس لئے کہ جب کوئی شخص سود پر قرضہ لیتا ہے تو باوجودیکہ وہ گناہ کا عمل کرتا ہے مگر وہ لئے ہوئے قرضے کا مالک بن جاتا ہے۔ اس شئی میں حرمت داخل نہیں ہے۔ بلکہ اس پر جو سود دینا پڑتا ہے وہ ایک خارجی عمل ہے جو مستوجب عقاب ہے۔ اس لئے اس قرضے سے جو بھی کاروبار کیا جائے گا یا اس سے جو بھی آمدنی حاصل ہوگی وہ حلال ہوگی۔

۸، ۹۔ یہ صحیح ہے کہ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس قانونی طور پر شیئر ہولڈر کا وکیل ہوتا ہے، اس لئے اگر وہ کمپنی کے لئے سودی قرضے لیتے ہیں تو اس کی نسبت حسب تناسب شیئر ہولڈر کی طرف ہوگی، مگر اس سے شرعی طور پر ایک مسلمان کے لئے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی نارضامندی کا اظہار کردے۔ یہی رائے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی ہے۔

۱۰، ۱۱۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو جائے جبکہ اس کا بنیادی کاروبار غیر سودی ہے، تو اس صورت میں شیئر ہولڈر کو سودی منافع کی مقدار کا علم ہونے پر اس کے بقدر بلانیت ثواب صدقہ کردینا ضروری ہوگا۔

۱۲۔ جس طرح ابتدائی طور پر کمپنی کے شیئرز لینا جائز ہے اسی طرح ان شیئرز کو فروخت کرنا بھی جائز ہے، نیز کسی سے خریدنا بھی جائز ہے۔ کبھی کبھی شیئرز کی خرید و فروخت کمپنی میں ملکیت۔ حصہ داری کی نیت سے نہیں ہوتی بلکہ (Capital Gain) کے مقصد سے ہوتی ہے، جس میں شیئرز کے خریدار کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ آئندہ جب قیمت بڑھ جائیگی تو فروخت کرکے نفع حاصل کرے گا۔ یہ خرید و فروخت بھی جائز ہے۔

البتہ شیئرز کی خرید و فروخت کا وہ طریقہ جس میں شیئرز کا لین دین مقصود نہیں ہوتا بلکہ شیئر مارکیٹ میں خرید و فروخت کی آواز لگا کر اخیر میں آپس کا ڈیفرینس برابر کرلیا جاتا ہے، جو ایک طرح کی سٹہ بازی (قیاس و تخمین آرائی) ہے، جس میں شیئرز پر نہ تو قبضہ ہوتا ہے اور نہ ہی قبضہ پیش نظر ہوتا ہے، یہ صورت جائز نہیں ہے۔

۱۳۔ فیوچر سیل (بیاعات مستقبلیات) کے طور پر شیئرز کی خرید و فروخت جس میں مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع و نقصان کو برابر کرلینا ہوتا ہے، نہ خریدار ثمن دیتا ہے، اور نہ فروخت کرنے والا مال یعنی شیرز سرٹیفکیٹ دیتا ہے، بلکہ کاغذی کارروائی خرید و فروخت کی ہوتی ہے۔ اس طرح خرید و فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ بیع منعقد ہوتی ہی نہیں ہے، لہذا اس کا منافع لینا بھی کسی فریق کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

۱۴۔ شیئرز کی ایسی خرید و فروخت جن میں بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، یہ شرعاً جائز نہیں ہے۔ یعنی باتفاق فقہاء یہ بیع منعقد نہیں ہوتی ہے۔ البتہ مستقبل میں بیع کا وعدہ کیا جاسکتا ہے، وقت آنے پر اس کی بیع باقاعدہ کرنی ہوگی۔

۱۵، ۱۶۔ شیئرز پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ لیکن یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ہر شئی کا قبضہ حسی

طور پر ضروری نہیں ہے، بعض اشیاء حکماً بھی قبضہ میں آجاتی ہیں۔ شیئرز کے کاروباری ضابطے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی حاضر سودا شیئرز کا ہوجاتا ہے تو گرچہ خریدار کے ہاتھ میں شیئرز کی سرٹیفکٹ فوری طور پر منتقل نہیں ہوتی ہے، اور حسی قبضے میں عموماً تاخیر ہوتی ہے، مگر اس کے باوجود شیئرز کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں، اور وہ خریدار کے ضمان میں داخل ہوجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیئرز پر حسی قبضہ سے پہلے اگر کمپنی کسی حادثہ کے نتیجے میں بالکل نیست ونابود ہوجائے تو نقصان مشتری کا سمجھا جائے گا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرٹیفکٹ کے ہاتھ میں آنے سے پہلے بھی شیئرز کی بیع جائز ہو، لیکن عرف کے اوپر نگاہ کی جائے تو یہ کہنا پڑیگا کہ عرف میں شیئرز کا قبضہ اسی وقت سمجھا تا ہے جب سرٹیفکٹ ہاتھ میں آجائے۔ اس لئے احتیاط کا پہلو یہ ہے کہ سرٹیفکٹ پر قبضہ کئے بغیر شیئرز کو آگے نہ بیچا جائے۔

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج بازار میں شیئرز کی خرید وفروخت کے لئے بروکر بننا اور اس پر کوئی اجرت لینا جائز ہے۔ مگر بروکر بائع اور مشتری دونوں سے کسی ایک ہی کام کی ڈبل اجرت نہیں لے سکتا ہے۔ اس لئے کہ دلال یعنی بروکر شرع میں اجیر کو کہتے ہیں، اور اس پر کمیشن اصطلاح شرع میں اجرت کا نام ہے، اور اجیر جس کا کام کرتا ہے اسی سے اجرت پانے کا مستحق ہوتا ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص دونوں کا کام الگ الگ کرے تو الگ الگ کام ہونے کی بناپر بائع اور خریدار دونوں سے متعارف اجرت لے سکتا ہے (دیکھئے: رد المحتار ۴/۴۲)۔

☆☆☆☆☆

حصص کمپنی کے شرعی احکام

مفتی محمد زید، ہتھورا، باندہ

۱۔ شیئرز کی حقیقت:

زیر بحث مسئلہ میں شیئرز کمپنی کی وہ صورت متعین کرنا ضروری ہے جو کہ اقرب الی الصحت والجواز ہو، کمپنی سے خرید کردہ شیئر کی بابت اگر چہ بعض علماء نے اس کے قطعاً ناجائز اور حرام ہونے کا فتوی دیا ہے (کفایت المفتی ۱۰۹/۸) نیز بعض علماء نے شیئر کو صرف اس بات کی علامت وشہادت قرار دیا ہے کہ اس شخص نے کمپنی کو اتنی رقم دے رکھی ہے (سوالنامہ بابت شیئرز کی شرعی حیثیت)۔

لیکن دلائل کے اعتبار سے مضبوط اور جمہور علماء کی رائے یہی ہے کہ یہ صورت شرکت عنان کی ہے (امداد الفتاوی ۴۹۴/۳) کیونکہ شرکت عنان کی تعریف اس پر صادق آتی ہے جس میں ایک شریک کی طرف سے مال اور دوسرے شریک کی طرف سے مال وعمل دونوں ہوتے ہیں (عطر الہدایہ ۱۱۴) البتہ اگر ایک شریک کا صرف مال اور کمپنی کی طرف سے صرف کام ہوتو یہ صورت مضاربت کی ہوگی اور اس میں مضاربت کے احکام جاری ہوں گے۔ اور اس شرکت کے نتیجہ میں اس کو جو شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل ہوگا وہ درحقیقت اس شخص کی اس کمپنی میں متناسب حصہ کی ملکیت کی نمائندگی کر رہا ہے (فقہی مقالات مولانا تقی عثمانی ص ۱۴۳)۔

۲۔ کمپنی سے خریدے ہوئے شیئر کی بیع:

شیئر کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد اس کی خرید وفروخت کا حکم بھی واضح ہے۔ جب شیئر کی یہ حقیقت متعین ہوگئی کہ یہ شرکت عنان کی صورت ہے اور شیئر کمپنی کے متناسب حصہ کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، لہذا جس نے بھی کمپنی سے شیئر خریدے وہ اس کمپنی کا حصہ دار بن گیا، اور اب جو شخص اس شیئر کو اس (کمپنی کے حصہ دار) سے خریدے گا وہ دراصل ملکیت کے اس متناسب حصہ کو خرید رہا ہے جو اس پہلے شخص کا اس کمپنی میں آتا ہے۔ یہ حقیقت ہے شیئرز کی خرید وفروخت کی جو بالکل جائز ہے۔

لیکن وہ صورت جس کا سوال میں ذکر ہے کہ کمپنی نے ایسے وقت شیئرز فروخت کئے جس وقت کہ کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتیں محض ایک تجویز اور خاکہ ومنصوبہ ہوتا ہے، ظاہر بات ہے کہ کمپنی سے شیئر کا خریدار تو کمپنی کا شرکت دار بن گیا لیکن ایسی حالت میں خود اس شریک کا اپنے شیئر کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہونا چاہئے کیونکہ کمپنی کے پاس کچھ املاک ہی نہیں کہ اس کی بابت یہ کہہ دیا جائے کہ یہ متناسب حصہ کی بیع ہے۔

چونکہ اس طرح شیئر کی خرید وفروخت کا عرف وتعامل ہے لہذا اس کو بھی جائز ہونا چاہئے، ورنہ دوسرے مسالک کی روشنی میں اس کے جائز ہونے کا فتوی دینا چاہئے۔ البتہ شبہ ربوا سے بچنے کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ اصل شریک دار نے جتنے کا حصہ خریدا ہے اتنی ہی قیمت کا فروخت کرے اس سے زائد قیمت نہ لے۔

۳۔ کمپنی کا مال اگر مال ربویہ وغیر ربویہ کو متضمن ہو:

کمپنی کا مال اگر مخلوط یعنی اموال ربویہ وغیر ربویہ دونوں کو متضمن ہو (اور ایسی صورت میں شیئرز کی خرید و فروخت کی جائے) تو اس میں دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ورنہ معاملہ ناجائز ہو جائے گا۔ ایک تو یہ کہ اموال ربویہ کے مساوی حصہ میں نقد ضروری ہے ادھار جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ اموال ربویہ کے مساوی و مقابل حصہ سے ثمن کچھ زائد ہونا چاہئے تاکہ ربوی مال باہم مساوی ہو جائے (جو بیع صرف ہوگی) اور زائد ثمن دیگر سامان کے مقابلہ میں ہوگا، ورنہ پھر سود ہو جائے گا۔

۴۔ سود میں ملوث کمپنیوں میں شرکت اور ان کے منافع کا حکم:

ایسی کمپنیاں جو بنیادی طور پر حرام کام کرتی ہیں ان میں شرکت قطعی حرام ہے انکی اعانت بھی جائز نہیں (امداد الفتاوی ۳ر۱۳۰)۔

۵،۶۔ ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار بنیادی طور پر حلال ہو اس میں شرکت بلاشبہ جائز ہے، اور انکم ٹیکس یا اور دوسرے ناجائز ظالمانہ ٹیکسوں سے بچنے کے لئے ظاہر میں بینک سے قرض لینا پڑے یا اور کسی قانونی مجبوری سے بینک میں جمع کرنا پڑے، چونکہ مقصود دفع مضرت ہے لہذا ایسی صورت میں کمپنی کا (دفع مضرت یا حفظ مضرت) کے لئے بینک میں رقم جمع کرنا اور لینا دونوں جائز ہے جیسے کہ دفع مضرت کے لئے جھوٹ بولنا اور رشوت دینا جائز ہے۔ جب یہ جائز ہے تو ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا بھی جائز ہے۔

لیکن یہ جواز اسی وقت تک ہے جب تک کہ واقعی مقصود دفع مضرت ہو ورنہ اگر کمپنی کا مقصود جلب منفعت ہے اور اغلب یہی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ سود ہے اس کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے۔ اور جب یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کمپنی سودی طریقہ سے مال میں اضافہ کرتی اور سودی کاروبار کرتی ہے ایسی کمپنیوں میں شرکت کرنا، اس کے شیئرز خریدنا بھی درست نہ ہوگا۔ اور اگر کسی نے خرید لئے تو اگر کمپنی دوسرے جائز کاروبار بھی کرتی ہے نیز اس میں سودی نفع بھی شامل ہو تا ہے ایسی صورت میں تجارت کے واسطے سے حاصل شدہ نفع حلال ہوگا اور سودی نفع کا صدقہ ضروری ہوگا۔

۷۔ سودی قرض کے واسطے سے جو تجارت کی جائے اور اس سے جو آمدنی ہوگی وہ حلال اور طیب ہوگی، مفید ملک بھی ہوگی، لیکن سودی قرض لینے کا گناہ ہوگا (ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی ۳ر۱۷۰)۔

۸۔ کمپنی کے افراد حصہ داروں کے وکیل ہیں اور ناجائز معاملہ کی توکیل ناجائز ہے:

کمپنی اور شیئرز ہولڈر کے معاملہ کو شرکت کہا جائے یا مضاربت، دونوں ہی صورتوں میں کمپنی کے ذمہ دار و عمال شیئرز ہولڈرس کے وکیل ہوں گے۔ محقق تھانویؒ نے بھی کمپنی کے افراد کو حصہ داروں کا وکیل ہونا تحریر فرمایا ہے (امداد الفتاوی ۳ر۱۳۰)، اب رہا یہ مسئلہ کہ ایک مسلمان کا کسی غیر مسلم کو اس طرح کا وکیل بنانا درست ہے یا نہیں جس میں کہ وہ غیر مسلم یقیناً ناجائز کاروبار اور سودی معاملات بھی کرے گا؟ سو اس مسئلہ میں امام صاحب اور دیگر ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ اور صاحبین کے نزدیک تو یہ توکیل قطعاً ناجائز اور باطل ہے کیونکہ وکیل کا عمل مؤکل کا عمل ہے،

وہ جو بھی تصرف کرے گا اس کے مؤکل ہی کا عمل سمجھا جائے گا، ہدایہ، مغنی وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔

لأن ما يثبت للوكيل ينتقل إلى الموكل فصار كأنه باشره بنفسه فلا يجوز (ہدایہ فتح القدیر ۶/۷۵)۔

محقق تھانویؒ نے بھی صاحبین کے اسی قول کو اختیار فرما کر ایسی کمپنی میں شرکت کو ناجائز قرار دیا ہے (امداد الفتاوی ۳/۱۳۰)۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بیع میں حقوق وکیل ہی کی طرف عائد ہوتے ہیں اور سارے احکام بھی اسی سے متعلق ہوتے ہیں۔ وکیل ابتداء عاقد لنفسہ یعنی اپنے لئے معاملہ کرتا ہے، اس لئے یہ توکیل جائز ہے۔ اور جائز کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ کا انعقاد ہو جائے گا، اس کو باطل نہ قرار دیا جائے گا، ورنہ ایسی توکیل کی اشد کراہت یعنی اس کا مکروہ تحریمی ہونا (جو کہ حرام کے قریب قریب ہے) خود امام صاحب سے بھی منقول ہے۔ نیز ایسی توکیل سے جو آمدنی ہو اس کا صدقہ کر دینا بھی واجب ہے۔ مبسوط سرخسی (۲۲/۱۲۵) شامی (۴/۱۴۰) بحر (۶/۸۴) وغیرہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔

۹۔ حصہ دار کا اپنے وکیل سے سودی کاروبار کو منع کر دینا اور اس سے اختلاف کرنا کافی ہے:

جب ایسی توکیل کا ناجائز، اور مکروہ تحریمی ہونا معلوم ہو گیا تو اب زیر بحث مسئلہ میں سوال پیدا ہوگا کہ کمپنی کی مروجہ صورت میں کسی شیئرز ہولڈر کا محض ناجائز کاروبار، سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا یا اس کی شرط لگا دینا وکیل کے عمل سے مؤکل (شیئرز ہولڈر) کو بری کر دے گا یا نہیں، اور وہ معاملہ درست ہوگا یا نہیں؟ سو اس سلسلہ میں احقر کی ناقص رائے وہی ہے جو حضرت تھانویؒ، مفتی محمد شفیع صاحب، اور مولانا تقی عثمانی صاحب کی ہے کہ شیئرز ہولڈر (کمپنی کے حصہ دار) کا سودی قرض اور سودی معاملات، حرام کاروبار سے معاملہ کے وقت اختلاف کرنا، یا شرط لگانا اور اس سے براءت کرنا خود اس کی براءت کے لئے کافی ہوگا، اور اس کے بعد جو نفع ہوگا وہ اس حصہ دار کے لئے حلال ہوگا، الا یہ کہ متعین طور پر سودی نفع دیا جائے تو اس سودی نفع کا صدقہ کرنا ضروری ہوگا جس کی دلیل ماقبل میں گذر چکی (فقہی مقالات، شیئرز کی خرید و فروخت ص ۱۵۰، امداد الفتاوی ۳/۴۹۱)۔

۱۰، ۱۱۔ نفع بھی حلال ہے:

رہ گیا دوسرا مسئلہ۔ یعنی یہ کہ کمپنی سے جو نفع حصہ دار کو ملا ہے، سو اغلب تو یہی ہے کہ اس میں سودی اور ناجائز نفع بھی شامل ہوگا، لیکن جب مؤکل (حصہ دار) پہلے ہی صراحت و براءت کر چکا کہ سودی کاروبار اور ناجائز نفع میں اس کی شرکت نہ ہوگی، اس کو صرف وہ آمدنی اور نفع چاہئے جو غیر سودی اور حلال ہو، ایسی صورت میں کمپنی والے جو نفع اس کو دیں گے وہ کل کا کل حلال ہوگا، الا یہ کہ متعین طور پر یہ معلوم ہو جائے یا وہ کمپنی اس صراحت کے ساتھ اس کو نفع دے کہ اس منافع میں سودی نفع اتنا ہے جو تمہارے حصہ میں آیا ہے، اس صورت میں صرف اتنے حصہ کا صدقہ کرنا ضروری ہوگا (خانیہ ۴/۳۶۳، امداد الفتاوی ۳/۴۹۸)۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت کا شرعی حکم:

شیئرز کی تجارت فی نفسہ جائز ہے، بشرطیکہ جملہ حدود وقیود اور شرائط کا لحاظ کیا جائے۔ اور چونکہ عام طور پر ان حدود وقیود اور شرائط جواز کا لوگوں کو علم نہیں ہوتا اور اس کی رعایت نہیں کرتے جس کی وجہ سے مختلف خرابیوں کے وقوع اور فساد کا احتمال بکثرت ہوتا ہے، اس لئے اس تجارت سے خالص تجارت کرنا زیادہ بہتر ہے جس میں فساد کا احتمال کم ہے۔ حاصل یہ کہ فتوی کی رو سے بلا کراہت جائز ہے گو تقوی واحتیاط کے خلاف ہے۔

بعض ناجائز صورتیں:

۱۳۔ فیوچر سیل (بیع المستقبلیات) اس تفصیل کے ساتھ جس کا سوال میں ذکر ہے قطعی ناجائز وحرام ہے۔ مولانا تقی عثمانی صاحب نے مع دلائل اس کی تصریح فرمائی ہے (فقہی مقالات رص ۱۵۲)۔

۱۴۔ یہ شکل بھی ناجائز ہے (ایضا رص ۱۵۵)۔

۱۵۔ سرٹیفکیٹ پر قبضہ سے پہلے شیئر کی بیع ناجائز ہے:

ضمان وقبضہ دونوں علیحدہ شئی ہیں اور دونوں میں کوئی تلازم نہیں، حدیث پاک میں مستقل طور پر دونوں کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قبضہ حسی کی طرح قبضہ معنوی بھی ہوتا ہے اور ہر شئی پر اس کی خاص نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت بھی مختلف ہوتی ہے جس میں عرف وعادت کا بھی اعتبار ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ضمان وقبضہ دونوں علیحدہ شئی ہیں۔ کسی شئی کے محض ضمان میں آجانے اور کاغذی کاروائی ہوجانے سے قبضہ کا تحقق نہیں ہوتا جب تک کہ واقعی وہ شئی (یا اس کے قائم مقام) قبضہ میں نہ آجائے۔ مثلاً صورت مسئولہ میں قبضہ معنوی کافی ہے، لیکن قبضہ معنوی کی تکمیل بھی اس پر موقوف ہے کہ سرٹیفکیٹ اور اس کی سند قبضہ میں آجائے جو کہ قبضہ حسی کے قائم مقام ہے، اس کے بغیر قبضہ معنوی بھی ناقص وناکافی ہوگا۔

۱۶۔ سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے قبل یعنی قبضہ معنوی کی تکمیل سے پہلے اس کی بیع ناجائز ہے۔ حدیث وفقہ میں ربح مالم یضمن کی طرح قبل القبض بیع کی مستقلاً ممانعت وارد ہوئی ہے:

نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع ما لیس عندک و عن ربح مالم یضمن (مصنف عبد الرزاق ۳۹/۸)۔

اور محض ضمان میں آجانے سے قبضہ کا تحقق ضروری نہیں۔

۱۷۔ شیئرز کمپنی کی دلالی جائز ہے:

اس کی حیثیت اجیر ودلال کی ہے، جو حکم اجیر ودلال کا ہوتا ہے وہی اس کا بھی ہوگا یعنی جائز عقود کی دلالی اور اس کی اجرت جائز ہے اور ناجائز کی ناجائز، یعنی جو حکم وکالت کا ہے وہی اس کا ہے۔

☆☆☆☆☆

شیئرز کی خرید وفروخت اور اس کے شرعی احکام

مولانا احمد دیولوی، بھروچ (گجرات)

ا۔شیئرز کی حقیقت:

شیئرز کو اردو میں حصے اور عربی میں سہوم سے تعبیر کرتے ہیں، یہ شیئرز کسی کمپنی کے اثاثوں میں شیئرز ہولڈرس کی ملکیت کے ایک مناسب حصے کی نمائندگی کرتے ہیں، اور شیئرز خریدار کو جو کاغذ یعنی شیئر سرٹیفکیٹ کی شکل میں ملتا ہے وہ خریدار کی کمپنی میں ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ شیئر خریدنے کی وجہ سے خریدار کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں اپنے حصے کے تناسب سے مالک بن جاتا ہے، جب کمپنی ابتداءً وجود میں آتی ہے تو اس وقت جو شخص بھی شیئر خریدتا ہے وہ درحقیقت کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار بن جاتا ہے اور کمپنی کے ساتھ شرکت کا معاملہ کرتا ہے، اور اگرچہ عرف میں اس کو شیئر خریدنا کہا جاتا ہے لیکن شرعاً وہ خرید وفروخت نہیں ہے بلکہ یہ عقد شرکت کی صورت ہوتی ہے۔

۲۔ کمپنی قائم کرتے وقت اس کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتی ہیں اس صورت میں نقد کا مقابلہ نقد سے ہوتا ہے لہذا اس وقت کمپنی کے شیئرز کو فیس ویلو سے کم یا زیادہ پر فروخت کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ برابر سرابر خریدنا ضروری ہے، کیونکہ دس روپے کا شیئر دس روپے کی ہی نمائندگی کرتا ہے۔ اس وقت ایسا ہی ہوگیا جیسے کہ دس روپے کے نوٹ کو گیارہ روپے یا نو روپے میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ شیئرز کمپنیوں کا کاروبار سودی اور غیر سودی دونوں قسم کے سودوں پر مشتمل ہوتا ہے لہذا خریداروں کو ملنے والا نفع بھی مختلط بالحلال والحرام ہوگا، تو اس سلسلہ میں قاضی خاں فرماتے ہیں کہ اگر ہدیہ کرنے والے کا غالب واکثر مال حلال ہے تو ہدیہ قبول کر کے کھا سکتا ہے، جب تک کہ اس کے حرام ہونے کا واضح ثبوت نہ ہو حلال ہے۔ کیونکہ لوگوں کے اموال حرام کی کسی قدر آمیزش سے خالی نہیں ہوتے ہیں، لہذا غالب کا اعتبار ہوگا۔

وإذا مات عامل من عمال السلطان و أوصى أن يعطى الحنطة للفقراء قالوا إن كان ما أخذه من أموال الناس مختلطا بماله لابأس به وإن كان غير مختلط لا يجوز للفقراء أن يأخذوه إذا علموا أنه مال الغير وإن لم يعلم الآخذ أنه من ماله أو مال غيره فهو حلال حتى يتبين أنه حرام
(فتاوی قاضی خاں، بحوالہ امداد الفتاوی ۳؍۴۹۷)۔

بہرحال فقہائے کرام کی عبارات میں توسعات اور دارالحرب میں سودی مسائل میں تخفیف وغیرہ ابحاث سے مسئلہ میں گنجائش کا پہلو ضرور موجود ہے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ سود کی آمیزش قباحت سے خالی نہیں ہے۔ حضرات فقہاء کرام کی جانب سے گنجائش مبتلی بہ کے لئے ہے جو حرام سے بچ نکلنے کا راستہ فراہم کرتی ہے، لیکن زیادتی مال کے لئے بالارادہ (اصالۃً) اس قسم کے کاروبار میں مشغولیت اللہ تعالی کی حرام کردہ چیز کی آمیزش کے قطعی علم کے ساتھ ایک

مومن کے لئے قطعاً مناسب نہیں ہے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو اس سے اجتناب ہی صحیح راستہ ہے۔

۵۔ کمپنی کا سودی کاروبار:

اکثر کمپنیاں اپنی سرمایہ کاری حصص قرض (Bonds) اور بینک کے سودی قرضے وغیرہ شامل کر کے ہی کرتی ہیں لہذا منافع میں سود کا اختلاط ضرور ہی ہوگا جو شرعی نقطہ نگاہ سے ایک تشویشناک صورت ہے، لیکن فقہاء کرام کی عبارتوں اور کتابوں میں چند ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جو اس کے جواز کی مشیر ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: امداد الفتاوی ۴۹۶/۳)۔

۶۔ بانڈز (سندات حصص قرض) کی خرید و فروخت سودی کاروبار ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

۷۔ کمپنی کاروبار میں جتنے مسائل ہیں ان میں سب سے زیادہ پریشان کن امر کمپنی کا سودی کاروبار ہی ہے، اسی لئے بہت سے فقہائے کرام نے کمپنیوں کے حرام کاموں میں ملوث ہونے کی وجہ سے شیئرز کی خرید و فروخت کو ناجائز کہا ہے، اور دلیل یہ دی ہے کہ جب ہم شیئرز کی خرید و فروخت کریں گے تو اس کاروبار میں شریک ہو گئے اور اس کاروبار کا ایک شریک دوسرے شریک کا وکیل اور ایجنٹ ہے تو گویا کہ شیئر ہولڈر ان کو اس کام کے لئے ایجنٹ اور وکیل بنا رہا ہے کہ تم سودی قرضے کو اور سودی آمدنی کو بھی حاصل کرو۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب اس قسم کے سوال کے جواب میں عدم جواز ہی کو پسند فرماتے ہیں (کفایت المفتی ۱۲۳/۸، ۱۲۲)۔

۸۔ حضرت تھانویؒ اس کو شرکت سے تعبیر کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ حقیقت اس معاملہ کی شرکت ہے یعنی متعدد حصہ دار اپنا سرمایہ جمع کر کے تجارت کرتے ہیں اور اس سے جو نفع ہوتا ہے وہ باہم تقسیم کر لیتے ہیں، اور تحریر بالا میں جو عبارت ہے کہ یہ لوگ ایک لاکھ روپے کے ایک ہزار حصے فی صد سو روپے قائم کرتے ہیں اور حصص فروخت کرنا شروع کرتے ہیں تو اس کو اصطلاحاً فروخت کرنا کہا جاتا ہے ورنہ در حقیقت یہ شرکت ہے اور کارکنان کمپنی تمام کاروبار میں ان حصہ داروں کے وکیل ہیں، اور شرکت کے دو جز ہیں: ایک جز یہ کہ جو اعیان و سامان اس کارخانہ میں موجود ہوتے ہیں تو ہر شریک بواسطہ کارکنان کمپنی اس سامان کے مالک ہوتے جاتے ہیں، مثلاً اگر کسی نے سو روپے داخل کئے تو گویا وہ سامان موجودہ کا ہزارواں حصہ اس نے خرید لیا۔ اور دوسرا جز یہ کہ آگے جو کاروبار میں نفع ہوگا وہ حصہ رسد پر شریک کی ملک ہوگا، اور اگر اس حصہ کے داخل کرنے کے بعد کچھ سامان خریدا گیا تو اسی نسبت سے یہ حصہ دار مذکور اس کا بھی مالک ہوگا۔

۹۔ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب حضرت تھانویؒ اور حضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحب کی طرف سے جواز کی دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگرچہ کمپنیوں میں سودی لین دین کی خرابی پائی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود اگر کسی کمپنی کا بنیادی کاروبار مجموعی طور پر حلال ہے تو پھر دو شرطوں کے ساتھ اس کمپنی کے شیئرز لینے کی گنجائش ہے اول شرط یہ ہے کہ سالانہ میٹنگ میں یہ آواز اٹھائی جائے کہ ہم سودی لین دین کو درست نہیں سمجھتے ہیں اس لئے اس کو بند کر دیا جائے، اور یہ نقار خانہ میں طوطی کی آواز چاہے مسترد کر دی جائے لیکن یہ آواز اٹھانا بقول حضرت تھانویؒ

انسان کا اپنی ذمہ داری پوری کر دینا ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ منافع کی تقسیم کے وقت نفع کا جتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہو اس کو صدقہ کر دے، مذکورہ شرطوں پر عمل کر لینے کی شکل میں اس کے خرید و فروخت کی گنجائش ہے۔

۱۰۔۱۱۔ حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ اس مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنا حصہ صدقہ کرنے کا حکم ورع اور تقوی پر محمول ہے، اور اگر وجوب پر محمول کریں تو یہ اس وقت جبکہ صرف شراب اور خنزیر کی بیع کی ہو اور اس کے علاوہ کی نہ ہو، اور سودی کاروبار کی شکل میں صاحبین کے نزدیک جو بیع کو فاسد قرار دیا گیا ہے تو وہ ہمارے دعوی کے خلاف نہیں ہے کیونکہ وکیل بالبیع بذات خود عاقد کے مانند ہے اور ذمی کے حق میں بیع کا فساد مسلمان کے حق میں نفع کی حرمت کو مستلزم نہیں ہے، کیونکہ ملکیت کا تبادلہ فساد کے خبث کو دور کر دیتا ہے، پس ایسی صورت میں مال مستفاد میں حرمت نہیں ہوگی جبکہ کمپنی قائم کرنے والے کافر ہوں، البتہ کفار کی کمپنیوں میں شرکت مکروہ ہے جیسا کہ علامہ سرخسی کے قول سے معلوم ہوتا ہے:

يكره للمسلم أن يدفع إلى النصراني مالاً مضاربة وهو جائز في القضاء (مبسوط ۱۲۵/۲۲)۔

اور مبسوط ہی میں یہ بھی ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ صفقہ کا ولی تو وکیل ہے اور شراب اس کے حق میں مال متقوم ہے تو وہ اپنے لئے خرید سکتا ہے لہذا دوسرے کے لئے بھی خرید سکتا ہے، اور وجہ یہ ہے کہ اس جگہ اسلام کے سبب سے شراب کا عقد کرنا منع ہے نہ کہ ملکیت کے سبب سے (دیکھئے: مبسوط ۲۱۶/۱۲ بحوالہ امداد الفتاوی ۴۹۷/۳)۔

۱۲۔ حصص کی تجارت:

مال کی تعریف میں فقہاء کرام نے چند شرطیں لگائی ہیں۔ ابن عابدین لکھتے ہیں:

المراد بالمال ما يميل إليه الطبع ويمكن ادخاره لوقت الحاجة والمالية تثبت بتمول الناس كافة أو بعضهم والتقوم يثبت به وبإباحة الانتفاع به شرعاً۔

فقہائے احناف نے اگرچہ بیع میں مبیع کے عین ہونے کی شرط لگائی ہے لیکن ان لوگوں نے حق مرور کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، اور جواز کی علت یہ بیان کی ہے کہ یہ ایک ایسا حق ہے جو عین سے متعلق ہے لہذا جواز بیع میں اس کو عین کا حکم حاصل ہوگا (دیکھئے: فتح القدیر ۲۵۶/۵)۔

اعیان سے تعلق رکھنے والے حقوق کا احناف کے یہاں وہی حکم ہے جو خود اعیان کا ہے، اور بعض اشیاء کو اموال میں داخل کرنے میں عرف کو بڑا دخل ہے جیسا کہ ابن عابدین نے فرمایا ہے کہ مالیت لوگوں کے مال بنا لینے سے ثابت ہو جاتی ہے، یہ جملہ فرما کر بہت سی چیزوں کو کچھ شرائط کے ساتھ مال کی تعریف میں داخل کر دیا ہے، اور عرف کی وجہ سے فقہائے کرام نے بہت سے حقوق کی بیع جائز قرار دی ہے، لہذا جو چیز عرف میں مال متقوم سمجھی جاتی ہے اور لوگ اس کے ساتھ مال جیسا معاملہ کرتے ہوں تو اس کی بیع جائز ہوگی بشرطیکہ وہ فی الحال ثابت ہو اور صاحب حق کیلئے اصالۃً ثابت ہو، دفع ضرر کے لئے نہ ہو، وہ حق ایسا ہو جو ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو سکے، تحدید کرنے

سے اسی حق کی تحدید بھی ہو جاتی ہو، غرر یا جہالت کو مستلزم نہ ہو، تاجروں کے عرف میں یعنی دین کے سلسلہ میں اس حق کو اموال واعیان کی حیثیت حاصل ہو۔

مذکورہ شرائط کی روشنی میں جب ہم شیئرز کے معاملہ کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تجار کے عرف میں اس کو مال متقوم مانا جاتا ہے، بلکہ وہ اقتصادیات کی دنیا میں اتنا عام ہے اور اس کا شیوع اس قدر ہو چکا ہے کہ لوگوں کے اذہان میں اس کی مالیت کے انکار کا تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ کمپنی کی طرف سے اس پر زبردست اعتماد کیا جاتا ہے لہذا اس کی خرید وفروخت اور رہن جائز ہوگا، جیسے کہ ثمن اصطلاحی کی پشت پر حکومت اور عوام کا اعتماد ہی کام کر رہا ہے بلکہ لوگوں نے اس کو ہی ثمن اصلی شمار کر لیا ہے۔

حقیقت میں تو اثاثہ تجارت کے جزء مشائع کا ہی بدل ہے لیکن عرف میں اس کا اعتبار کر کے کمپنی کسی کو جزء شائع سے کچھ واپس نہیں کرتی ہے بلکہ شرکت بھی خود رد نہیں کرتی، بلکہ دلال کے ذریعہ ہی کاغذات کی منتقلی ہوتی ہے اور اس کو حصص کی بیع سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے کہ ثمن اصطلاحی کی پشت پر حکومت کے خزانہ کا سونا ذمہ دار اور مدار ہوتا ہے لیکن کوئی بھی بینک اب سونا واپس نہیں کرتا ہے اگر چہ کاغذی نوٹوں پر وثیقہ لکھا ہوا ہوتا ہے، اسی طرح شیئرز میں حصہ دار کو کاغذات سے ہی واسطہ ہوتا ہے۔

۱۳۔ فیوچر سیل کا مقصد جب خریدنا ہے ہی نہیں بلکہ صرف نفع نقصان برابر کر لینا مقصود ہے لہذا یہ جائز نہیں ہو گا، اور جب اس میں بیع وشراء کا تحقق ہی نہیں ہوتا تو پھر اس کو بیع کہنا بھی صحیح نہیں ہے، یہ حرام ہے۔

۱۴۔ غائب سودا کی وضاحت نہیں معلوم ہو سکی لہذا اس کا حکم بھی متعین نہیں ہو سکتا۔ اگر سوال نمبر ۱۳ کی ہی طرح ہوتا ہے کہ صرف آپس کا فرق (ڈیفرنس) برابر کر لیا جاتا ہے، اور سٹہ بازاری کی شکل ہوتی ہے تو یہ صورت بھی ماقبل کی فیوچر سیل والی شکل کی طرح حرام ہے۔

۱۵۔ اگر اس کے ضمان میں حقوق وذمہ داری منتقل ہو جاتی ہیں تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا، چاہے شیئر سرٹیفکیٹ بعد میں ملے۔ اصل رسید ملنے کو ہی عرف میں شیئر خریدنا کہتے ہیں، بعد میں دو یا تین مہینے بعد ہی سرٹیفکیٹ ملتا ہے، اس سے پہلے رسید کا ہی اعتبار کیا جاتا ہے۔

۱۶۔ جب یہ مال متقوم کے درجہ میں ہے تو اعیان کی طرح اس کی خرید وفروخت اور دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا بھی جائز ہے بالخصوص جبکہ شیئر کا ضمان خریدنے کا معاملہ کرنے کے ساتھ ہی خریدار کی طرف منتقل ہو جاتا ہو۔

۱۷۔ دلال کے ذریعہ شیئرز کی خرید وفروخت:

آج کل کے کاروباری دنیا میں دلال کے بغیر کوئی بھی کام نہیں ہوتا ہے، اکثر تجارت وکاروبار دلال کے ذریعہ ہی مکمل ہوتے ہیں، لہذا فقہائے کرام نے دلال کے ذریعہ کاروبار کو جائز قرار دیا ہے اور دلال کے لئے اجرت بھی جائز قرار دیا ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قال في التاتارخانية و في الدلال والسمسار يجب أجر المثل وما تواضعوا عليه. إن

في كل عشرة دنانير كذا فذاك حرام عليهم. وفي الحاوي سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار فقال أرجو أنه لابأس به وإن كان في الأصل فاسد لكثرة التعامل و كثير من هذا غير جائز فجوزه لحاجة الناس إليه كدخول الحمام (شامی ۴۴/۵)۔

اوراسی تعامل اور حاجت کی وجہ سے فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ دلال کی اجرت کام اور محنت کے موافق لینا اور دینا جائز ہے بشرطیکہ ظاہر کر کے رضامندی سے لیا جاوے، اور جو خفیہ طریقہ سے لیتے ہیں وہ حرام ہے (امداد المفتین ۲/۱۷۱، فتاوی محمودیہ ۴/۱۷۵)۔

☆☆☆☆☆

شیئرز سے متعلق مسائل

مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری

۱۔ کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی شرکت وملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، اور یہی نقطۂ نظر صحیح ہے۔

۲۔ کمپنی قائم کرتے وقت جب تک کمپنی کے پاس کچھ بھی املاک اور اثاثے نہ ہوں اس وقت تک کمپنی کا خرید کردہ شیئر خرید قیمت سے کم یا زیادہ پر فروخت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ شرعاً یہ سود ہے۔ شیئر کو خرید قیمت کے برابر قیمت پر بیچنا شرعاً جائز ہے۔

۳۔ کمپنی نقد اور املاک (مال ربوی وغیر ربوی) دونوں پر مشتمل ہو تو شیئر کے حصہ میں جتنا نقد مال ربوی آتا ہے اس سے زیادہ پر شیئر کو فروخت کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے، اس کے برابر یا کم قیمت پر بیع کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً دس روپے کے شیئر کے حصہ میں اگر آٹھ روپیہ نقد، مال ربوی کے مقابل ہیں اور دو روپے اثاثوں، املاک کے مقابل ہیں تو شیئر کی بیع آٹھ روپے یا اس سے کم میں جائز نہ ہوگی۔ البتہ نو روپے یا اس سے زائد میں جائز ہوگی۔ (اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ص ۸۷)۔

۴۔ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے۔ جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت یا سودی اسکیموں میں روپیہ لگانا۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت ناجائز اور حرام ہے۔

۵۔ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہونے کے باوجود انہیں بعض اوقات انکم ٹیکس وغیرہ کی زد سے بچنے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے ایسی کمپنیوں میں شیئرز خریدنے کی اجازت ہوگی بشرطیکہ سالانہ میٹنگ میں سودی لین دین کے خلاف آواز اٹھائی ہو۔

۶۔ بنیادی حلال کاروبار کرنے والی جن کمپنیوں کو بھی قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے یا سیکورٹی بانڈس خریدنے پڑتے ہیں ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنے کی گنجائش ہوگی، بشرطیکہ نفع میں سے سود کی مقدار بلانیت ثواب صدقہ کردے۔

۷۔ سودی قرض لینے کی صورت میں اس قرض سے حاصل ہونے والی آمدنی ومنافع حلال شمار ہونگے اور یہ قرض مفید ملک ہوگا لیکن سودی قرض کا معاملہ کرنا سخت گناہ کا کام ہوگا۔ اور قرض کی واپسی کے وقت قرض سے زائد رقم دینا سود ہے جو گناہ کبیرہ اور حرام ہے (امداد الفتاوی ۳ر ۱۷۰)۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل شمار ہوگا۔

۹۔ کمپنی میں شیئر ہولڈر کا سودی لین دین کے خلاف آواز اٹھانے اور ناجائز امور سے منع کرنے کے بعد شیئر ہولڈر وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے بری الذمہ شمار ہوگا۔

۱۰۔ کمپنی کے منافع میں اگر سود شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے منافع سے سود کی مقدار کا صدقہ کرنا ضروری ہے، اور اگر سود کی مقدار معلوم نہ ہو تو تخمینہ سے سودی مقدار کا صدقہ کرنا کافی ہوگا۔

۱۱۔ اگر سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو سودی آمدنی و نفع دونوں کا صدقہ کرنا ضروری ہے (ہدایہ ۴۵۶/۳)۔

۱۲۔ شیئرز کی خرید و فروخت کے جواز کے شرائط کے ساتھ شیئرز کی تجارت کرنے کی اجازت ہے۔ شیئرز کو اس نیت سے خریدنا کہ قیمت بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ فروخت کردوں گا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہر تخمین اور قیاس آرائی ممنوع نہیں ہے، بلکہ وہ تخمین اور قیاس آرائی ممنوع ہے جس میں شرعی شرائط کی رعایت نہ کی گئی ہو (اسلام اور جدید معیشت و تجارت رص ۹۰)۔

۱۳۔ فیوچر سیل (بیاعات مستقبلیات) یعنی شیئرز کی ایسی بیع و شراء کہ شیئر لینا دینا مقصود نہ ہو، محض نفع نقصان برابر کرکے نفع کمانا مقصود ہو، یہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے (اسلام اور جدید معیشت و تجارت رص ۹۱)۔

۱۴۔ غائب سودے جن میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے وہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ بیع کی وقتِ مستقبل کی طرف اضافت یا تعلیق باتفاق فقہاء ناجائز ہے۔ البتہ مستقبل میں بیع کا وعدہ کیا جاسکتا ہے، لیکن وقت آنے پر بیع باقاعدہ کرنی ہوگی (جدید معیشت و تجارت رص ۹۱)۔

۱۵۔ شیئرز کے نقد سودے ہوجانے کے بعد شیئرز کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں، وہ خریدار کے ضمان میں داخل ہوجاتے ہیں تو ان کی بیع سرٹیفکیٹ پر قبضہ سے پہلے جائز ہونی چاہئے، لیکن عرف میں شیئر کا قبضہ اسی وقت سمجھا جاتا ہے جب سرٹیفکیٹ ہاتھ میں آجائے، لہذا احتیاط یہی ہے کہ سرٹیفکیٹ پر قبضہ کئے بغیر آگے بیع کی اجازت نہیں ہے (حوالہ بالا رص ۹۱-۹۲)۔

۱۶۔ خرید کردہ شیئر کو اگر خریدار سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے پہلے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے تاکہ سٹے بازی کا سدباب بھی ہو۔

۱۷۔ جن شیئرز کی خرید و فروخت شرعی شرائط کے ساتھ ہوتی ہو ان شیئرز کی خرید و فروخت میں بروکر وایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہے۔ اور جن شیئرز کی خرید و فروخت میں شرعی شرائط کی رعایت نہ ہوتی ہو ان شیئرز کی خرید و فروخت میں بروکر اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

شیئرز شریعت کی نظر میں

مولانا ابوالحسن علی، بھروچ گجرات

۱۔شیئرز کی حقیقت:

اردو میں اس کو حصص اور عربی میں سہوم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ شیئرز کسی کمپنی کے اثاثوں میں شیئر ہولڈرس کی ملکیت کے ایک مناسب حصے کی نمائندگی کرتے ہیں اور شیئر خریدار کو ملنے والے کاغذ یعنی سرٹیفکیٹ خریدار کی کمپنی میں ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے شیئر خریدنے کی وجہ سے خریدار کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں اپنے حصے کے تناسب سے مالک بن جاتا ہے۔ جب کمپنی ابتداءً وجود میں آتی ہے تو اس وقت جو شخص بھی شیئر خریدتا ہے وہ درحقیقت کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار بن جاتا ہے اور کمپنی کے ساتھ شرکت کا معاملہ کرتا ہے اگرچہ عرف میں اس کو شیئر خریدنا کہا جاتا ہے لیکن شرعاً وہ خرید وفروخت نہیں ہے بلکہ عقد شرکت کی صورت ہوتی ہے۔

۲۔نئی کمپنی کے شیئرز۔نقد کا نقد سے مقابلہ:

جب کسی کمپنی کے شیئرز ابتداء میں جاری (Issue) ہوتے ہیں اور اس کے پاس املاک منجمد شکل میں نہ ہو بلکہ نقد اور سیال (Liquid - Assets) کی شکل میں ہو تو اس وقت ہمارے شیئرز اتنے ہی روپیہ کی نمائندگی کرتے ہیں جتنے روپئے ہم نے کمپنی میں دیئے ہیں، جیسے دس روپے کا نوٹ دس روپئے کی ہی وکالت کرتا ہے، اس شکل میں اس کو کمی زیادتی سے بیچنا جائز نہ ہوگا بلکہ سود ہونے کی وجہ سے حرام ہوگا، کیونکہ یہ بیع صرف کی شکل ہوگی جس میں کمی زیادتی جائز نہیں ہے۔

۳۔اثاثے کا مخلوط ہونا:

جب کمپنی کے کچھ اثاثے منجمد (Fixed - Assets) کی شکل میں ہیں مثلاً اس نے کوئی بلڈنگ بنائی یا مشینری خریدی یا کچا مال خریدلیا تو اب اس کے شیئر کو کمی یا زیادتی سے بیچنا جائز ہوگا۔

بہت سے مسائل فقہاء کرام نے انفرادی اور علی سبیل البدلیت ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ اس میں تفاضل کی شکل ہوکر سود ہوجاتا ہے، اور جب مجموع کا مجموعہ سے تقابل کیا جاتا ہے تو جواز کی گنجائش نکل آتی ہے کیونکہ مختلف جنسوں کا باہم تقابل ہوتا ہے۔

۴۔ جن کمپنیوں کا کاروبار حرام ہے ان کے شیئرز کی خرید و فروخت ناجائز ہے، نہ تو ابتداء میں Float (جاری) ہوتے وقت جائز ہے، اور نہیں بعد میں اسٹاک مارکیٹ سے لینا جائز ہے۔

۵،۶۔کمپنی کا سودی کاروبار:

اکثر کمپنیاں انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے یا دوسرے قانونی تقاضوں کی وجہ سے بینک سے سودی قرض لیتی

ہیں یا ریزروبینک میں جمع کرتی ہیں، لہذا منافع میں سود کا اختلاط ہو جاتا ہے جو شرعی نقطہ نظر سے ایک تشویشناک صورت ہے، اس مسئلہ میں فقہاء کرام کی دو جماعتیں ہوگئی ہیں، ایک جماعت سودی کاروبار ہونے کی وجہ سے اس کو ناجائز قرار دیتی ہے کیونکہ کاروبار میں ایک شریک دوسرے شریک کا وکیل ہوتا ہے تو گویا کہ شیئرز ہولڈران کو اس کام کا ایجنٹ بنادیتا ہے کہ تم سودی قرض لو اور سودی آمدنی حاصل کرو۔

دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ اگر چہ ان کمپنیوں میں یہ خرابی پائی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود اگر کسی کمپنی کا بنیادی کاروبار مجموعی طور پر حلال ہے تو پھر کچھ شرائط کے ساتھ اس کمپنی کے شیئرز لینے کی گنجائش ہے۔

حضرت تھانویؒ نے ''رسالہ القصص السنی فی حکم حصص کمپنی'' میں جو بعد کی تحریر معلوم ہوتی ہے اس میں شیئرز کے جواز کا حکم بیان فرمایا ہے اور بہت تفصیلی گفتگو فرمائی ہے جس میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے جواب میں ذکر کردہ بہت سے اشکالات کے جوابات بھی آگئے ہیں۔ مولانا مفتی تقی صاحب حضرت تھانویؒ، اور حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی جانب سے جواز کی دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر چہ کمپنیوں میں سودی لین دین کی خرابی پائی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود اگر کسی کمپنی کا بنیادی کاروبار مجموعی طور پر حلال ہے تو پھر دو شرطوں کے ساتھ اس کمپنی کے شیئرز لینے کی گنجائش ہے۔

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ سالانہ میٹنگ میں یہ آواز اٹھائی جائے کہ ہم سودی لین دین کو درست نہیں سمجھتے ہیں اس لئے اس کو بند کردیا جائے، یہ نقار خانہ میں طوطی کی آواز چاہے مسترد کردی جائے لیکن یہ آواز اٹھانا بقول حضرت تھانویؒ انسان کا اپنی ذمہ داری پوری کردینا ہے۔

۲۔ دوسری شرط یہ کہ منافع کی تقسیم کے وقت نفع کا جتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہو اس کو صدقہ کردے، مذکورہ شرطوں پر عمل کرلینے کی شکل میں اس کی خرید وفروخت کی گنجائش ہے اور یہ جواز کا موقف معتدل اور اسلامی اصولوں کے مطابق ہے اور لوگوں کے لئے سہولت کا راستہ فراہم کرتا ہے (شیئرز کی خرید وفروخت ص ر۱۰، ۱۱)۔

فقہاء کرام کی عبارات میں توسع اور دار الحرب میں سودی کاروبار میں تخفیف وغیرہ ابحاث سے مسئلہ میں گنجائش کا پہلو ضرور موجود ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ سود کی آمیزش قباحت سے خالی نہیں ہے۔ حضرات فقہاء کرام کی جانب سے گنجائش مبتلی بہ کے لئے ہے جو حرام سے بچ نکلنے کا راستہ فراہم کرتی ہے لیکن زیادتی مال کے لئے بالا رادہ اس قسم کے کاروبار میں مشغولیت اللہ تعالی کی حرام کردہ چیز کی آمیزش کے قطعی علم کے ساتھ ایک مومن کے لئے مناسب نہیں ہے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو اس سے اجتناب ہی صحیح راستہ ہے۔

۷۔ سودی قرض کے ذریعہ حاصل شدہ آمدنی:

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وإن أربى فاشترى درهمين بدرهم كان البيع فاسدا ولكن لا يصير ضامنا لمال المضاربة والربح بينهما على الشرط.

مولانا ظفر احمد تھانویؒ اس مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سودی کاروبار کی شکل میں صاحبینؒ کے نزدیک جو بیع کو فاسد قرار دیا ہے تو وہ ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ وکیل بالمبیع بذات خود عاقد کے مانند ہے اور ذمی کے حق میں بیع کا فساد مسلمان کے حق میں نفع کی حرمت کو مستلزم نہیں ہے، کیونکہ ملکیت کا تبادلہ فساد کے خبث کو دور کردیتا ہے، پس ایسی صورت میں مال مستفاد میں حرمت نہ ہوگی جبکہ کمپنی کے قائم کرنے والے کافر ہوں، البتہ کفار کی کمپنیوں میں شرکت مکروہ ہے جیسا کہ علامہ سرخسیؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہے۔

ویکره للمسلم ان یدفع إلی النصرانی مالا مضاربة وهو جائز فی القضاء (مبسوط۲۲/۱۲۵)۔

مفتی نظام الدین صاحب اسی طرح کے جواب میں فرماتے ہیں: الجواب۔اس فیکٹری کے نفع کے جواز میں تو کوئی شبہ نہیں اس کا نفع لینا تو جائز رہے گا۔ پھر آگے فرماتے ہیں کہ اگر شیئر ہولڈر خود بینک سے لون نہیں لیتا ہے بلکہ فیکٹری کا عملہ یہ سب کام خود انجام دیتا ہے اور وہ اکثر غیر مسلم ہے یا کل غیر مسلم ہے تو ایسی صورت میں یہ شیئرز خریدنا جائز رہے گا، منع نہ ہوگا (نظام الفتاوی ۱/۲۰۰)۔

۸۔ کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس کی حیثیت:

ظاہر میں شیئر کی خرید و فروخت کو بیع و شراء سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں یہ شرکت ہے اور کمپنی کے کارکنان تمام کاروبار میں حصہ دار کے وکیل ہیں۔

۹۔ کمپنی میں شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اس کا اعلان کرنا وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے اسے بری الذمہ تو نہیں کرے گا لیکن بظاہر اس کا اور کوئی حل نہیں ہے، یا تو آدمی شیئرز کی خرید و فروخت ہی نہ کرے یا اپنی مقدور بھر آواز اٹھائے جو حقیقت میں نقار خانہ میں طوطی کی آواز ہے لیکن بقول حضرت حکیم الامت وکیل اپنی ذمہ داری پوری کردیتا ہے۔

۱۰،۱۱۔ سود کی مقدار کو صدقہ کرنا:

فتاوی عالمگیری میں ہے:

إذا دفع المسلم إلی النصرانی مالا مضاربة بالنصف فهو جائز إلی أنه مکروه فإن اتجر فی الخمر والخنزیر فربح جاز علی المضاربة فی قول أبی حنیفةؒ وینبغی للمسلم أن یتصدق بحصته من الربح.

مولانا ظفر احمد تھانوی اس عبارت کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ تصدق کا حکم ورع اور تقویٰ پر محمول ہے جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے، اور اگر وجوب پر محمول کیا جاوے تو یہ اس وقت ہے جبکہ صرف شراب اور خنزیر کی بیع ہو اور اس کے علاوہ کی نہ ہو (امداد الفتاوی ۳/۴۹۷)۔

مولانا تقی صاحب فرماتے ہیں کہ جب منافع (Dividend) تقسیم ہو تو وہ شخص انکم اسٹیٹ منٹ (Income Statement) کے ذریعہ یہ معلوم کرے کہ آمدنی کا کتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہے، مثلاً

فرض کیجئے کہ اس کمپنی کو کسی آمدنی کا پانچ فیصد حصہ سودی ڈپازٹ میں رقم رکھوانے سے حاصل ہوا ہے تو اب وہ شخص اپنے نفع کا پانچ فیصد حصہ صدقہ کردے۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت:

مال کی تعریف میں فقہاء کرام نے چند شرطیں لگائی ہیں، ابن عابدین لکھتے ہیں:

یعنی مال سے مراد وہ چیز ہے، جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور وقت ضرورت کے لئے اس کو ذخیرہ کرنا ممکن ہو، اور مالیت تمام لوگوں یا بعض لوگوں کے مال بنانے سے ثابت ہوتی ہے اور تقوم مالیت بنانے کے ذریعہ بھی ثابت ہوتا ہے اور شرعاً اس سے انتفاع جائز ہونے سے بھی حاصل ہوتا ہے (شامی ۴/۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اعیان سے تعلق رکھنے والے حقوق کا احناف کے یہاں وہی حکم ہے جو خود اعیان کا ہے، اور بعض اشیاء کو اموال میں داخل کرنے میں عرف کو بڑا دخل ہے جیسے کہ علامہ شامیؒ نے مال کی تعریف میں بتمول الناس کے لفظ سے فرمایا، عرف کی وجہ سے فقہاء کرام نے بہت سے حقوق کی بیع جائز قرار دی ہے، لہذا جو چیز عرف میں مال متقوم سمجھی جاتی ہو اور لوگ اس کے ساتھ مال جیسا معاملہ کرتے ہوں تو اس کی بیع جائز ہوگی، بشرطیکہ وہ فی الحال ثابت ہو، صاحب حق کے لئے اصالۃً ثابت ہو، دفع ضرر کے لئے نہ ہو، وہ حق ایک آدمی سے دوسرے کی طرف منتقل ہو سکے، اس کی تحلیل ہو سکتی ہو، غرر و جہالت کو مستلزم نہ ہو، تاجروں کے عرف میں لین دین کے سلسلہ میں اس حق کو اموال و اعیان کی حیثیت حاصل ہو۔

مذکورہ شرائط کی روشنی میں جب ہم شیئر کے معاملہ کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تجار کے عرف میں اس کو مال متقوم سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ اقتصادیات کی دنیا میں اتنا عام اور شائع ہے کہ لوگوں کے اذہان میں اس کی مالیت کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، لہذا اس کی خرید و فروخت جائز ہوگی اور تجارت کے طور پر بیع و شراء کرنا بھی جائز ہوگا بشرطیکہ اصل کاروبار حلال ہو، کمپنی کے کچھ اثاثے منجمد شکل میں ہوں صرف نقد کی صورت نہ ہوں، سودی ڈپازٹ سے حاصل شدہ نفع میں سے اتنا حصہ صدقہ کردے۔

بازار کی صورت حال مختلف احوال و واقعات کی وجہ سے بدلتی رہتی ہے، لہذا اس میں تخمین و اندازہ سے ہی شیئرز کی قیمت میں کمی زیادتی کبھی جاتی ہے، اس کی قطعی تعیین خود بروکر اور دلال وغیرہ کو بھی کم ہی معلوم ہوتی ہے۔ البتہ جہاں سٹہ بازاری کا معاملہ چل رہا ہو اور آدمی کو معلوم ہو کہ یہ کمپنی کے منافع کی تقسیم اعتماد و کریڈٹ پر نہیں ہو رہی ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس وقت سٹہ بازاروں کو تعاون دینے والے کی حیثیت بھی اختیار نہ کرے اور " **ولا تعاونوا على الإثم والعدوان** " پر عمل پیرا ہو۔

۱۳۔ فیوچر سیل:

سوال میں مذکور تفصیل کے مطابق جب اصل سودا محض کاغذی کارروائی ہے، نہ مشتری ثمن دیتا ہے نہ بائع مال دیتا ہے تو یہ بیع ہی نہیں ہوئی، اور نہ مقصود شیئرز کا لین دین ہے بلکہ آخر میں جا کر آپس کا فرق

(Difference) برابر کرلیا جاتا ہے، شیئرز کی (Delivery) مقصود نہیں ہوتی ہے بلکہ اصل مقصود یہ ہو کہ اس طرح سٹہ بازاری کرکے آپس کے ڈیفرنس کو برابر کرلیا جائے، تو یہ صورت حرام ہے۔

۱۴۔ غائب سودا جن میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، جائز ہوگی یا نہیں؟

یہ سوال تشریح طلب ہے، بغیر تشریح وتفصیل کے اس کا صحیح جواب مشکل ہے۔ لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ بظاہر شرائط صحت موجود نہ ہونے کی وجہ سے یہ بیع ناجائز ہے۔

۱۵۔ سوالنامہ کی تفصیل کے مطابق جب کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں شیئر ہولڈر کی ملکیت آجاتی ہے اور اس کی ضمان میں آکر حقوق وذمہ داری خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہے تو چاہے شیئر سرٹیفکیٹ نہ ملا ہو معنوی طور پر شیئر پر اس کا قبضہ سمجھا جاوے گا، کیونکہ شریعت میں ہر شئی پر اس کی خاص نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔

لہذا صورت مذکورہ میں شیئر سرٹیفکیٹ حقیقت میں شیئر نہیں ہے بلکہ شیئر تو اس ملکیت کا نام ہے جو اس کمپنی کے اندر ہے، سرٹیفکیٹ تو اس ملکیت کی علامت اور ثبوت وشہادت ہے۔

لہذا اب تنقیح طلب امر یہی ہے کہ کمپنی کا اصل حصہ جس کی یہ شیئر نمائندگی کررہا ہے وہ اس شخص کی ملکیت میں آگیا یا نہیں؟ اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ حصہ ایسا نہیں ہے کہ وہ شخص کمپنی میں جاکر اپنا حصہ وصول کرے اور اس پر قبضہ کرلے، ایسا کرنا ممکن نہیں ہے، لہذا اصل حصہ کی ملکیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ شخص اس حصہ کے فوائد ونقصانات اور اس حصہ کی ذمہ داریوں اور منافع کا حقدار بن جائے۔

سوال نامہ کے مطابق جب حقوق وذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہوتی ہیں اور سرٹیفکیٹ نہ ملنے کے باوجود شیئرز پر معنوی قبضہ حاصل ہوگیا ہے، پھر بھی احتیاطی پہلو یہی ہے کہ جب تک ڈلیوری نہ مل جائے اس وقت تک آگے فروخت نہ کیا جاوے۔

۱۶۔ ماقبل کے جواب سے اس مسئلہ کو بھی حل کرلیا گیا کہ جب شیئر کا ضمان ومنافع خریدنے کا معاملہ کرنے کے ساتھ ہی خریدار کی طرف منتقل ہوجاتا ہے تو اس کا معنوی قبضہ ہوگیا، اور جب اس کا مالک بننا صحیح ہوگیا تو اسکے لئے دوسرے کو فروخت کرنا بھی صحیح ہوگیا، اور پھر ہر ایک کے معنوی قبضہ کی صورت میں دوسرے کو منتقل کرنا فی نفسہ جائز ہوگا لیکن پھر بھی احتیاطی پہلو ڈلیوری تک انتظار کرنے میں ہی ہے تاکہ حسی قبضہ بھی مکمل ہوجائے۔

۱۷۔ بروکر اور دلال:

آج کل کی کاروباری دنیا میں دلال کے بغیر کوئی بھی کام نہیں ہوتا ہے، اکثر تجارت وکاروبار دلال ہی کے ذریعہ مکمل ہوتے ہیں، لہذا فقہاء کرام نے دلال کے ذریعہ کاروبار کو جائز قرار دیا ہے اور دلال کے لئے اجرت بھی جائز قرار دی ہے۔

اور اسی تعامل اور حاجت الناس کی وجہ سے فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ دلال کی اجرت کام اور محنت کے موافق لینا اور دینا جائز ہے بشرطیکہ ظاہر کرکے رضامندی سے لیا جاوے اور جو خفیہ طریقہ سے لیتے ہیں وہ حرام ہے

(فتاوی محمودیہ ۱۰۷/۱۴، امداد المفتین ۱۷/۲)۔

حاصل یہ کہ دلال اجرت سے کام کرتا ہے، اب اگر وہ بائع کا کام کرتا ہے تو بائع کا اجیر ہے اور اس سے اجرت کا مستحق ہوگا اور اگر مشتری کا کام کرتا ہے تو مشتری سے اجرت پائے گا، یہ نہیں ہوسکتا کہ عمل تو کسی ایک کا کرے اور اجرت دونوں سے وصول کرے، یہ ناجائز ہے۔

البتہ اگر وہ دونوں کا کام الگ الگ کرے تو الگ الگ کام ہونے کی وجہ سے دونوں سے عمل کے علیحدہ ہونے کی وجہ سے اجرت متعارفہ لے سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

مسائل حصص پر ایک نظر

مولانا خلیل احمد قاسمی، راجستھان

اکیڈمی کی طرف سے جاری کردہ سوالات کے مختصر جوابات:

۱۔ خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، محض دستاویز نہیں ہے۔

۲۔ املاک وغیرہ نہ ہونے کی صورت میں بغیر برابری کے جائز نہیں ہے۔

۳۔ حیثیت مشترکہ کا اعتبار کرتے ہوئے اس کی خرید وفروخت درست ہے۔

۴۔ جائز نہیں۔

۵۔ اصل بنیادی کاروبار کا اعتبار کرتے ہوئے شیئرز خریدنا درست ہے۔

۶۔ اصالۃً جائز ہے مگر بچنے کی کوشش کی جائے۔

۷۔ اضطراری حالت میں ایسے سودی قرض لینے کی مشروط اجازت ہے اور یہ مفید ملک بھی ہے، اور ایسے قرض سے حاصل ہونے والی آمدنی درست ہے۔

۸۔ ہاں وکیل سمجھا جائے گا۔

۹۔ اختلاف کرنے کا نام بری الذمہ ہونا نہیں ہے جبکہ اس میں شریک ہو۔

۱۰۔ جواز کے لئے اتنی بات کافی نہیں ہے بلکہ اس کو لازم قرار دیا جائے۔

۱۱۔ بلکہ ضروری ہے۔

۱۲۔ نفس شیئرز کا خریدنا درست ہے تو سوال میں مذکورہ صورت بھی درست ہوگی۔

۱۳۔ شرعاً یہ صورت جائز نہیں ہے۔

۱۴۔ جائز نہیں ہے، یہ محض وعدہ ہے۔

۱۵۔ شریعت میں قبضہ عرفی کا اعتبار ہے چاہے جس حیثیت کا ہو۔

۱۶۔ یہ سرٹیفکیٹ محض ایک وثیقہ ہے، اصل معاملہ خرید وفروخت کا ہے جبکہ ضمان اور منافع خریدار کی طرف لوٹتے ہیں، اور عرفاً قبضہ کی سرٹیفکیٹ کے علاوہ کوئی دوسری علامت ہو جس کے ذریعہ سے تبدیلی منافع کا پتہ چلتا ہو، جائز ہے ورنہ نہیں۔

۱۷۔ معاملہ خرید وفروخت کے درست ہونے کی صورت میں صحیح ہے۔

خلاصہ کلام:

موجودہ شیئرز کمپنیوں میں سے کوئی کمپنی ایسی نہیں ہے کہ جس میں سودی کاروبار نہ ہو، اور سود کی حرمت منصوص ہے، اس لئے شیئرز کی خرید وفروخت کو علی الاطلاق ناجائز وحرام قرار دینا تو اقرب الی الصواب نہ ہوگا اس لئے

کہ اس میں بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن میں جواز کا پہلو ہے، البتہ شیئرز کو نہ خریدنا اقرب الی الصواب ضروری ہے، اور اگر شیئر خریدنا ضروری ہے تو بیان کردہ شرعی حیثیت کو مدنظر رکھا جائے تا کہ شیئر کی آمدنی درجہ جواز میں آ جائے۔

☆☆☆☆☆

حصص

مولانا عبداللطیف، گجرات

۱۔ کسی بھی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی کے اثاثوں میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا یہ محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے کمپنی کو اتنی رقم دے رکھی ہے، اس میں ان علماء کا نقطۂ نظر صحیح معلوم ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شیئر ہولڈر کی کمپنی کے اثاثوں میں متناسب ملکیت ہوتی ہے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ص ۸۵)۔

۲۔ اگر کمپنی نے ابھی تک کسی قسم کے جامد اثاثے (مثلاً بلڈنگ، مشینری وغیرہ) یا سامان تجارت نہیں خریدے بلکہ اس کے پاس صرف نقود ہیں یا کسی کے ذمے دیون ہیں تو اس صورت میں شیئر کی بیع وشراء اس کی اصل قیمت سے کم وبیش پر سود ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اب شیئر صرف نقد کی نمائندگی کر رہا ہے، مثلاً دس روپے کا شیئر صرف دس روپے کی نمائندگی کر رہا ہے، اگر اس کو گیارہ روپے میں فروخت کیا جائے گا تو دس روپے کی بیع گیارہ روپے کے ساتھ ہوئی جو کہ ناجائز ہے۔

۳۔ جب نقود کے علاوہ کمپنی کے دیگر اثاثے (مثلاً بلڈنگ، مشینری، خام مال وغیرہ) وجود میں آگئے اور کمپنی کے اثاثوں میں نقود وغیر نقود دونوں شامل ہوگئے تو اب شیئرز کی بیع وشراء اس کی اصل قیمت سے کم وبیش پر جائز ہوگی، البتہ ہر شیئر کے حصے میں کمپنی کے نقود اور دیون کی جتنی مقدار آئی ہے، اگر شیئر کی کل قیمت اس کے برابر یا اس سے کم ہو تو بیع جائز نہ ہوگی، مثلاً دس روپے کے شیئر میں اگر آٹھ روپے نقود ودیون کے مقابل ہیں اور دو روپے جامد اثاثوں کے مقابل تو شیئر کی بیع آٹھ روپے یا اس سے کم میں جائز نہ ہوگی، البتہ نو روپے یا اس سے زائد میں جائز ہوگی (اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ۸۶، ۸۷)۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے، جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت یا بینکس اور سودی اسکیموں میں روپیہ لگانا، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے (حوالہ سابق)۔

۵، ۶۔ ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار اصلاً تو حلال ہے لیکن کسی نہ کسی طرح وہ سود میں ملوث ہو جاتی ہیں، ایسی کمپنیوں کے سودی لین دین کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ کمپنی قرضہ لے اور اس پر سود ادا کرے، اس صورت میں کمپنی کی آمدنی میں تو کوئی حرام عنصر شامل نہیں ہوا، اس لئے کہ جب کوئی شخص سود پر قرضہ لے تو یہ فعل تو حرام ہے اور ایسا کرنا سخت گناہ ہے مگر وہ قرض کا مالک بن جائے گا، اور اس کے ساتھ کاروبار کرکے جو آمدنی حاصل ہوگی وہ بھی حلال ہوگی۔

کمپنی کے سودی لین دین کی دوسری صورت یہ ہے کہ کمپنی قرضہ دے کر سود لے، جیسا کہ آج کل بیشتر کمپنیاں زائد رقم بینکوں کے سیونگ اکاؤنٹ میں رکھوا کر اس پر سود لیتی ہیں۔ یہاں دو اشکال ہیں: ایک یہ کہ سودی معاملے میں شیئر ہولڈر کی بھی شرکت ہو جائے گی، اس کا حل تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ کمپنی جو منافع تقسیم کرے گی اس میں سود بھی شامل ہوگا اور آمدنی کا جو حصہ سود سے حاصل ہو وہ حرام ہے، اس کا حل یہ ہے کہ نفع

کا جتنا حصہ سودی ہے اس کا بلانیت ثواب صدقہ کرنا لازم ہوگا، رہی یہ بات کہ آمدنی کا کتنا حصہ سود ہے؟ یہ کمپنی کے ذمہ داران سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

۷۔ سودی قرضے لینے کی صورت میں یہ قرض مفید ملک ہوگا، اور اس کے ذریعے حاصل ہونے والی آمدنی حلال شمار کی جائیگی، البتہ ایسا معاملہ کرنا سخت گناہ ہے (امداد الفتاوی ۳/۱۷۰)۔

۸۔ جی ہاں کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے۔

۹۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس میں چونکہ فیصلہ کثرت رائے سے ہوتا ہے، اس لئے کمیٹی میں کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اپنے اختلاف کا اعلان کردینا وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے اسے بری الذمہ کردے گا۔

۱۰۔ منافع سے سود کی مقدار نکال کر صدقہ کردینا لازم ہوگا۔

۱۱۔ اگر سود کمپنی کے منافع میں شامل ہو اور حاصل شدہ سود کو کاروبار میں لگا کر کمپنی نے نفع کمایا ہے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک صرف اس سودی آمدنی کا صدقہ کرنا کافی نہیں ہوگا بلکہ اسے کاروبار میں لگا کر جو نفع کمایا ہے اس نفع کو بھی صدقہ کرنا ضروری ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف اس سودی آمدنی کا صدقہ کرنا کافی ہوگا، اور طرفین کا قول مفتی بہ ہے۔

۱۲۔ جب یہ بات تسلیم کرلی گئی کہ شیئرز بیع وشراء کے قابل ہے، شیئرز کی بیع دراصل کمپنی کے اثاثوں میں متناسب حصے کی بیع ہے تو خرید وفروخت جائز ہوگی خواہ کسی بھی نیت سے ہو، خواہ شیئرز اپنے پاس رکھ کر سرمایہ کاری کے لئے ہو یا قیمت بڑھنے پر بیچ کر نفع کمانے کے لئے ہو، ہاں البتہ بیع وشراء کی شرعی شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت/۹۰)۔

۱۳۔ شیئر مارکیٹ میں فیوچر سیل کے نام سے جو سودا مروج ہے، جس میں شیئرز کا خریدنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع ونقصان کو برابر کرلینا مقصود ہوتا ہے، یہ سودا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک قسم کا سٹہ ہے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت/ص ۹۱)۔

۱۴۔ غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے وہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے، اس لئے کہ بیع کی وقت مستقبل کی طرف اضافت یا تعلیق باتفاق فقہاء ناجائز ہے (حوالہ بالا)۔

۱۵، ۱۶۔ حاضر سودے میں سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے پہلے خرید کردہ شیئر کی بیع کے جواز کا دارومدار اس بات کے معلوم ہونے پر ہے کہ یہ بیع قبل القبض ہے یا نہیں؟ اگر بیع قبل القبض ہے تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ یہ بیع قبل القبض ہے یا نہیں؟ پہلے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ شیئر کا قبضہ کس چیز کو کہیں گے۔ "شیئر" درحقیقت کمپنی کی املاک میں متناسب حصہ داری کا نام ہے، اور "شیئر سرٹیفکیٹ" درحقیقت اس حصہ داری کا تحریری ثبوت ہے، لہذا مبیع وہ تحریری ثبوت نہیں بلکہ کمپنی کے املاک کا ایک مشاع حصہ ہے، یہ مشاع حصہ بیع کی تکمیل ہوتے ہی مشتری کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، چونکہ وہ حصہ مشاع ہے اس لئے اس پر حسی

قبضہ تو ہو نہیں سکتا، لہذا اس میں معنوی قبضہ ہی معتبر ہونا چاہئے، حسی قبضہ ضروری نہیں، اور معنوی قبضہ اس وقت ہوگا جبکہ وہ مشاع حصہ مشتری کے ضمان میں آ جائے، اور حاضر سودوں میں سودا ہو جانے کے بعد شیئرز کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں، اور وہ شیئرز خریدار کے ضمان میں داخل ہو جاتے ہیں۔

ان باتوں سے معلوم ہوا کہ حسی قبضہ سے پہلے بھی وہ شیئرز مشتری کے ضمان میں آ چکے ہیں اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ سرٹیفکیٹ کے ہاتھ میں آنے سے پہلے بھی شیئر کی بیع جائز ہو، لیکن اگر اس جانب نظر کی جائے کہ ہر چیز کے قبضہ کا طریقہ عرف سے متعین ہوتا ہے، اور عرف میں شیئر کا قبضہ اسی وقت سمجھا جاتا ہے جب سرٹیفکیٹ ہاتھ میں آ جائے تو پھر عدم جواز کا حکم ہونا چاہئے، لہذا ان متعارض جہات کی موجودگی میں احتیاط یہی ہے کہ سرٹیفکیٹ پر قبضہ کئے بغیر آگے بیع نہ کی جائے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت/۹۱، ۹۲)۔

۱۷۔ جن شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے ان شیئرز کی خرید وفروخت میں بروکر اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہے، اور بنیادی طور پر حرام اشیاء کا کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز اور تمام کمپنیوں کے بونڈز کی خرید وفروخت میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

شیئرز کی خرید وفروخت۔ایک عملی جائزہ

مولانا بدر احمد مجیبی، خانقاہ مجیبیہ پٹنہ

۱۔ موجودہ زمانے میں رائج کمپنیوں کا جو طریق کار ہے اور اس کے جو اصول وضوابط ہیں ان کو سامنے رکھ کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طریقہ سے سرمایہ کاری کرنا عقد شرکت ہے۔ اگر چہ اس میں شریک ہونے کو عرف عام میں شیئر (Share) کی خریداری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ ابتداء "بیع وشراء نہیں ہے بلکہ عقد شرکت ہے، اور شرکت کی قسموں میں سے شرکت عنان کی تعریف اس پر تقریباً صادق آتی ہے۔ کیونکہ شرکت عنان میں تمام شرکاء کی جانب سے محنت وعمل کی شرط نہیں ہوتی۔ بعض شریک کی جانب سے بھی عمل پایا جائے اور سب کی طرف سے سرمایہ، جب بھی شرکت عنان درست ہو جاتی ہے جبکہ نفع ونقصان میں سب فریق شریک ہوں۔

اس لئے شیئرز خریدنا عقد شرکت میں حصہ دار بننا ہے۔ شیئر ہولڈر (Share Holder) اس کمپنی کا شریک ہے۔ وہ کمپنی کے نفع ونقصان میں حصہ دار ہے۔ اس کو اپنے حصہ میں اس کے بقدر تصرف کا اختیار ہے۔ اسی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے کیونکہ کمپنیوں کے اصول کے مطابق اگر کمپنی تحلیل ہو جائے تو ہر شیئر ہولڈر کو اس کے شیئر کے تناسب سے کمپنی کے اثاثوں میں سے حصہ ملتا ہے۔ نفع کی صورت میں اس کے لگائے ہوئے سرمایہ سے زائد رقم ملتی ہے اور خسارہ کی صورت میں اسے بھی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے شیئر کو ادا کردہ رقم کی صرف دستاویز قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اسے کمپنی میں اس کے بقدر حصہ کی ملکیت کی دستاویز قرار دیا جائے گا۔

۲۔ کمپنی کے قیام کے وقت جب اس کے پاس کچھ بھی املاک منقول وغیر منقول نہیں ہوتی صرف نقد رقم ہوتی ہے اس وقت خرید کردہ شیئر کو فروخت کرنا بیع النقد بالنقد ہے اس میں تساوی ضروری ہے۔ یعنی ۱۰۰ روپے کے شیئرز ہیں، یہی ان کی قیمت اصلیہ (Face Value) ہے، اب ان کو فروخت کرتا ہے تو ان کو ۱۰۰ روپے میں ہی فروخت کر سکتے ہیں، یا زیادہ میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن شیئر کی اس بیع کو بیع صرف نہیں کہا جا سکتا۔ بیع صرف میں بدلین کو ثمنین یعنی سونا چاندی میں سے ہونا ضروری ہے، اس کی تعریف یہ ہے:

بيع الثمن بالثمن أى ما خلق للثمنية (درمختار کتاب الصرف، درمنتقی ۱۱۶/۲، مجمع الانہر ۱۱۶/۲)۔

عقد الصرف ما وقع على الأثمان ذهبا وفضة بجنسه أو بغير جنسه (فتح القدیر ۱۵۹/۵)۔

ان عبارتوں میں ماخلق للثمنیۃ اور ذہبا وفضۃ سے یہ واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ عقد صرف کا حکم صرف اثمان خلقیہ پر ہی لگے گا، غیر ثمن پر عقد صرف کا حکم جاری نہیں ہوگا۔

کمپنی کے خرید کردہ شیئر فروخت کرنے میں بدلین دونوں طرف کرنسی نوٹ ہیں۔ کرنسی نوٹ ثمن عرفی قرار دیئے گئے ہیں، یہ ایک وجہ سے ثمن خلقی سے مشابہت رکھتے ہیں کہ یہ مکمل طور سے ثمن خلقی کا کام انجام دے

رہے ہیں۔اور ایک وجہ سے فلوس نافقہ سے مشابہت رکھتے ہیں کہ اصلیت کے لحاظ سے یہ ثمن خلقی نہیں ہیں۔اس لئے کرنسی نوٹ کے آپس میں تبادلہ یا خرید وفروخت میں ثمن خلقی کا لحاظ کرتے ہوئے تفاضل جائز نہیں ہوگا ورنہ سود کا دروازہ کھل جائے گا۔اور فلوس نافقہ کا لحاظ کرتے ہوئے مجلس عقد میں بدلین پر قبضہ ضروری نہ ہوگا، کسی ایک پر قبضہ کر لینا کافی ہے۔متعدد فقہاء نے فلوس کی دراہم سے بیع کے سلسلے میں صراحت کی ہے کہ بدلین میں سے ایک پر قبضہ کافی ہے، دونوں پر قبضہ ضروری نہیں ہے(امام کرخی، امام سرخسی، علامہ ابن ہمام وغیرہ نے اس کی صراحت کی ہے)، اور جب دونوں طرف فلوس ہوں تو بدرجہ اولی یہی حکم ہوگا۔

اس لئے کرنسی نوٹ کے آپس میں تبادلہ کے وقت اس میں تفاضل یعنی کمی بیشی جائز نہیں ہے، اور عوضین میں سے کسی ایک پر مجلس میں قبضہ کافی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کمپنی کے قیام کے وقت جبکہ اس کے پاس صرف نقد رقم ہوتی ہے ایسے وقت میں شیئر کی خرید وفروخت بیع صرف نہیں ہے، اس لئے کسی ایک ثمن پر بھی قبضہ ہو جانا کافی ہے، لیکن بدلین میں برابری ضروری ہے کہ جس رقم میں شیئر خریدا ہے اسی رقم میں فروخت کریں، اس سے کم یا زیادہ میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ کمپنی قائم ہو جانے کے بعد جب کمپنی نے اپنا سامان، زمین، مشینری، بلڈنگ وغیرہ خرید لیا تو اب اس کا اثاثہ نقد رقم اور منقول وغیر منقول اشیاء سے مخلوط ہو گیا۔اب اگر کوئی شیئر ہولڈر اپنا شیئر فروخت کرنا چاہتا ہے تو یہ بیع النقد مع غیرہ بالنقد ہے۔بدلین میں ایک طرف نقد رقم ہے اور دوسری طرف شیئر کے بقدر کمپنی میں اس کا متناسب حصہ جو نقد رقم اور بعض اثاثے پر مشتمل ہے۔یعنی نقد وغیر نقد کے مجموعہ کی بیع نقد سے ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں ثمن والے نقد کو مخلوط کے نقد سے زیادہ ہونا چاہئے۔

شیئر کی بھی یہی صورت ہے کہ ہر شیئر کے مقابلہ میں اس کے متناسب کمپنی میں نقود واثاثے ہیں۔مثلاً ۱۰ روپے کے ایک شیئر کے مقابلہ میں کمپنی میں ۶ روپے نقد اور ۴ روپے کے اثاثے ہیں۔اب اس شیئر کی بیع ۶ روپے یا اس سے کم میں جائز نہیں ہے، البتہ ۷ روپے یا اس سے زائد میں جائز ہے، تاکہ ۶ روپے مبیع کے نقد کے برابر کرنے کے بعد زائد رقم جو ثمن میں ہے وہ مبیع کے اثاثے کے عوض میں ہو جائے۔

۴۔ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے۔مثلاً شراب کی فیکٹری قائم کر رہی ہے، انشورنس کمپنی کھول رہی ہے، سودی بینک چلا رہی ہے یا شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت کر رہی ہے، تو ایسی کمپنی میں شرکت کرنا یعنی اس کے شیئرز خریدنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔

"تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان" (سورہ مائدہ)۔

جب گناہ پر تعاون کی ممانعت ہے تو اس میں شریک ہو کر اس کو فروغ دینا بدرجہ اولی سخت منع ہے۔

۵۔ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن اپنی بعض مجبوریوں یا قانونی دشواریوں کی وجہ سے انہیں بینک سے سودی قرضہ لینا پڑتا ہے جس کا بینک کو سود دینا پڑتا ہے۔اس کا حکم یہ ہے کہ سودی لین دین کی

حرمت کی وجہ سے کمپنی کا یہ عمل سخت گناہ کا کام ہے مگر اس سے کاروبار میں کوئی حرام حصہ شامل نہیں ہوا، اور کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہے اس لئے ایسی کمپنی میں بھی شیئر خریدنا جائز ہے۔

۶۔ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ انہیں ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے جس کا سود انہیں ملتا ہے، اس طرح وہ سود میں ملوث ہو جاتی ہیں اور یہ سود ضمنی طور سے کاروبار میں بھی لگ جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ بنیادی کاروبار حلال ہونے کی وجہ سے ان کے شیئرز خریدنا درست ہے، البتہ سود کا جو حصہ اس میں آرہا ہے اس سے احتیاط لازم ہے۔

۷۔ حلال کاروبار کرنے والی بعض کمپنیاں جو قانونی دشواریوں کی وجہ سے سودی قرضہ لیتی ہیں اور اس کو کاروبار میں لگاتی ہیں، ان کا لیا ہوا قرضہ ان کی ملکیت ہو جاتا ہے، اس قرضہ کی رقم کو وہ کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کرتی ہیں تو یہ منافع (Profits) حلال ہے، کیونکہ کمپنی نے بینک سے سودی قرضہ (Loan) لیا، اپنے کاروبار میں قرضہ کو لگایا، سود کو نہیں لگایا۔ قرضہ ان کی ملکیت ہے اور حلال ہے، اس لئے اس سے جو نفع ہوا وہ حلال ہے۔ اگرچہ سودی قرض لینا گناہ ہے اس سے بچنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔

۸۔ کمپنی کا طریق کار شرکت عنان سے قریب ہے۔ شرکت عنان وکالت کے ساتھ منعقد ہوتی ہے جس کی وجہ سے تمام شرکاء ایک دوسرے کے وکیل ہوتے ہیں۔

وأما شركة العنان فتنعقد على الوكالة دون الكفالة (ہدایہ: کتاب الشرکۃ)۔

کمپنی کے اصول وضوابط کے مطابق اس میں عمل ومحنت کمپنی کے کارکنان (Board of Directors) ہی انجام دیتے ہیں، باقی شیئرز ہولڈرس کا اس میں سرمایہ ہوتا ہے، اس لئے بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کے وکیل ہوں گے، اور ان کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل قرار دیا جائے گا۔

۹۔ شرکت عنان خاص بھی ہوتی ہے۔ خاص کا مفہوم یہ ہے کہ کچھ متعین صورتوں میں کاروبار کرنا طے ہو، یا کاروبار سے کچھ صورتیں مستثنی کردی جائیں کہ فلاں فلاں طریقے سے کاروبار نہیں ہوں گے۔ چنانچہ شرکت عنان میں اگر کسی شریک نے یہ شرط لگادی کہ بیع ادھار نہیں ہوگی تو یہ شرط لگانا درست ہے۔ ابتداءً بھی اور بعد میں بھی۔ بعد کی صورت یہ ہے کہ ابتداءً تو نقد وادھار دونوں پر شرکت منعقد ہوئی تھی، بعد میں ایک فریق نے ادھار سے روک دیا تو اسے روکنے کا حق ہے۔

اگر منع کرنے کے باوجود دوسرے شریک نے ادھار بیع کی تو اس بیع کے نفع ونقصان کا ذمہ دار وہی ہوگا، فریق اول اس سے بری الذمہ رہے گا۔ اگر بعد میں اس نے اجازت دیدی تو پھر وہ بھی اس میں شریک ہو جائے گا۔ اگر فریق اول نے اس کی اجازت نہیں دی تو اس کے حصے میں یہ بیع باطل ہو جائے گی (دیکھئے: بحر الرائق ۱۸۰/۵، رد المحتار ۳۷۹/۳)۔

اس تفصیل کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جائے۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس سے بعض شیئر ہولڈرس کا اختلاف سودی

لین دین سے متعلق ہوا، انہوں نے اس سے منع کیا لیکن کثرت رائے سے ان کی بات نہیں مانی گئی، اب کارکنان کمپنی اگر سودی لین دین کرتے ہیں تو مانعین سود شیئر ہولڈرس کے وہ سودی لین دین میں وکیل نہیں ہیں، کیونکہ انہوں نے شرکت کو خاص کردیا۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس کو سودی لین دین میں جو نفع یا نقصان ہوگا اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں، مانعین سود شیئر ہولڈرس پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

۱۰۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہوگیا ہے اور اس کی مقدار معلوم و متعین ہے تو شیئر ہولڈر کو اتنی مقدار منافع میں سے نکال کر صدقہ کردینا لازم ہے۔ باقی منافع اس کے لئے حلال وطیب ہوں گے۔

۱۱۔ کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن کمپنی کی آمدنی میں سود کا حصہ بھی شامل ہوگیا ہے جو کاروبار میں لگ کر منافع میں آگیا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ کل آمدنی میں سود کی مقدار کتنی فیصد ہے تو شیئر ہولڈر پر اپنے حصہ نفع (Dividend) میں سے اتنا فیصد نکال کر صدقہ کردینا ضروری ہے۔ اور اگر متعین طور سے معلوم نہ ہوسکے کہ آمدنی میں سود کی کتنی مقدار مخلوط ہوگئی ہے تو ایسی صورت میں شیئر ہولڈر غور وفکر کرکے دیانتداری کے ساتھ سود کا تخمینہ کرے گا اور اس تخمینہ کے مطابق سود کی رقم نکال کر صدقہ کردے گا۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت کرنا یعنی اس ارادہ سے شیئر خریدنا کہ قیمت بڑھ جانے کے وقت اس کو فروخت کرکے نفع کمائیں گے یہ جائز ہے، شیئر قابل فروخت شئی ہے، یہ کمپنی میں اپنے متناسب حصہ کی نمائندگی کرتا ہے، اس کو بیع مشاع کہہ سکتے ہیں اور بیع مشاع جائز ہے۔

بیع المشاع وإعارته جائز (فصول عمادیہ ۸۲۱/۲)۔

تجارت کا اصول یہی ہے کہ کم قیمت پر سامان خرید کر اس کو زیادہ قیمت پر فروخت کیا جائے، اگر اس نیت سے شیئرز خرید رہے ہیں تو اس کے جواز میں شبہ نہیں ہونا چاہئے، لیکن تمام شرائط کے ساتھ یہ بیع ہونی چاہئے۔

۱۳۔ یہ سودا جو فیوچر سیل (Future Sale) کہلاتا ہے جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کا مقصد کمپنی میں حصہ دار بننا نہیں ہوتا اور نہ شیئرز کی تجارت ہوتی ہے، بلکہ اس کا اصل مقصد نفع نقصان برابر کرنا ہے، کہ اگر شیئر کی قیمت طے شدہ مدت کے اندر متعین ثمن سے زیادہ ہوگئی تو بائع مشتری سے زائد رقم وصول کرے گا، اور اگر شیئر کی قیمت کم ہوگئی تو مشتری بائع سے اتنی رقم وصول کرے گا، نہ بائع مشتری کو مال دیتا ہے اور نہ مشتری بائع کو ثمن ادا کرتا ہے۔ اس لئے شرعی طور پر یہ سودا نہ تجارت میں داخل ہے اور نہ شرکت میں، بلکہ یہ سٹہ بازی (Speculation) ہے جو کہ حرام ہے۔

۱۴۔ غائب سودے (Forward Sale) جن کی بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، یہ بیع نہیں ہے، کیونکہ مستقبل کے صیغے سے بیع نہیں ہوتی۔

وما لا تصح إضافته إلى المستقبل عشرة: البيع وإجازته و فسخه..........فإنها تمليكات للحال فلا تضاف للاستقبال (درمختار، قبیل باب الصرف)۔

یہ غائب سودے بیع نہیں وعدۂ بیع ہیں، مگر وعدۂ بیع کوئی مستقل عقد نہیں ہے، اصل بیع بعد میں کرنی پڑے گی۔

۱۵۔ فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ حقیقی بھی ہوتا ہے اور حکمی بھی۔ حقیقی قبضہ کو فقہاء التقابض بالبراجم سے تعبیر کرتے ہیں یعنی بالفعل قبضہ ہونا چاہئے کہ مبیع کو مشتری کے ہاتھ میں دیدی جائے یا مشتری کے جیب میں رکھ دی جائے۔ حکمی قبضہ کو فقہاء تخلیہ سے تعبیر کرتے ہیں، تخلیہ کا مفہوم اذن بالقبض ہے کہ بائع نے مشتری کو مبیع پر قبضہ کرنے کی اجازت دیدی اور اس کے موانع دور کر دیئے اس طرح پر کہ مشتری مبیع پر حقیقی قبضہ کر سکتا ہے۔

شیئرز کی خرید و فروخت کے معاملہ میں قبضہ (Delivery) اسی وقت ہوسکتا ہے جب اس کی دستاویز (Certificate) شیئر ہولڈر یا اس کے کسی نمائندہ کو مل جائے، کیونکہ شیئر کی بیع دراصل شیئر کے متناسب کمپنی میں نقد اور منقول و غیر منقول اثاثے کی بیع ہے۔ اس میں قبضہ حقیقی تو یہ ہے کہ نقد اور منقول و غیر منقول اثاثے پر بالفعل قبضہ ہو، اور اس کا حکمی قبضہ یہ ہے کہ اس کی دستاویز شیئر ہولڈر کے ہاتھ میں آ جائے۔ حقیقی قبضہ تو بہت مشکل ہے اس لئے حکمی قبضہ ہی ہوسکتا ہے۔

بنیادی بات غور طلب یہ ہے کہ شیئر کی خرید و فروخت جو بیع النقد مع غیرہ بالنقد ہے، اس میں مبیع نقد و غیر نقد پر قبضہ کیا اس طرح درست ہوسکتا ہے کہ مبیع تو بائع کے پاس ہی ہے لیکن یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ وہ مشتری کے ضمان میں آ گیا ہے؟ یا یہ ضروری ہے کہ اس کی دستاویز مشتری کے ہاتھ میں آ جائے تب قبضہ درست ہو؟

میرے خیال میں قبضہ حکمی کے لئے اتنا ضروری ہونا چاہئے کہ شیئر کی دستاویز (Certificate) شیئر ہولڈر یا اس کے کسی وکیل کو مل جائے، اس کے بغیر شیئر پر قبضہ درست نہیں ہونا چاہئے۔

۱۶۔ شیئر ہولڈر شیئر خریدنے کے بعد اس کی سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے قبل شیئر کو فروخت کرتا ہے تو یہ بیع قبل القبض ہے جو باتفاق فقہاء ناجائز ہے۔ شیئر دراصل کمپنی میں اس کے متناسب نقد اور منقول و غیر منقول اثاثے کی ملکیت کا نام ہے۔ اور بیع بھی اسی کی نسبت سے ہوتی ہے۔

۱۷۔ شیئر بازار (Stock Exchange) میں جو افراد خرید و فروخت کے لئے بائع و مشتری کے درمیان واسطہ بنتے ہیں جنہیں قیمتوں سے واقفیت اور شیئرز کے خرید و فروخت کے طریقے میں مہارت ہوتی ہے اور اس کارروائی کا اندراج کرتے ہیں، ان کو بروکر کہا جاتا ہے یعنی ان کی حیثیت ایجنٹ کی ہوتی ہے۔ ایجنٹ کا کام کرنا درست ہے لیکن ناجائز بیع اور سود و قمار کی صورتوں میں کام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کمیشن ایجنٹ چونکہ بائع اور مشتری دونوں کا کام کرتے ہیں اس لئے وہ عرف کے اعتبار سے دونوں سے اجرت لے سکتے ہیں (دیکھئے: درمختار کتاب البیوع، ردالمحتار ۴؍۴۷۶)۔

☆☆☆☆☆

حصص فقہ کی روشنی میں

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، علی گڑھ

۱۔ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی اس حصہ کے بقدر ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔

۲۔ یہ کہنا بڑی سادگی ہوگی کہ بعض اوقات کمپنی قائم کرتے وقت شیئرز کا اعلان کیا جاتا ہے اور اس کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتی۔ کمپنی کے قیام کا اعلان کرنے اور اس کے حصص کی فروخت سے قبل اس کے بانیوں کو اچھی خاصی تیاری کرنی پڑتی ہے، اور بہت سے مراحل اور صرفوں کے بعد کمپنی کے پروجیکٹ میں اشتراک کی دعوت دی جاتی ہے، اور اس پر جو سرٹیفکیٹ جاری کیا جاتا ہے وہ نقد نہیں ہوتا۔ کمپنی کے پروجیکٹ کی منفعت، حیویت، اس کے پروموٹرس کا تجربہ، مستقبل کے امکانات وغیرہ کے مطابق اس سرٹیفکیٹ کی ظاہری قدر (Face Value) سے اس کی بازاری قدر زیادہ بھی ہوسکتی ہے اور کم بھی۔ اب اس سرٹیفکیٹ کی فروخت سے ہرگز نقد نقد کے مقابل نہیں ہوگا، اس کے علاوہ دونوں کی سیولت (Liquidity) اور قبولیت (Acceptance) میں فرق ہے جو نقد کو سرٹیفکیٹ سے ممتاز کرتے ہیں، اس لئے میرے خیال میں اس مرحلہ پر بھی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۔ کمپنی کے مخلوط اثاثہ میں نقد کی مقدار ہمیشہ متغیر رہتی ہے جس کی تعیین پُر مشقت ہی نہیں عام شرکاء کے لئے تقریبا ناممکن ہے، اسی لئے اس مخلوط اثاثہ کے مجموعہ کو جس کی نمائندگی کمپنی کی سند (Share Certificate) کرتی ہے نقد سے ایک الگ ماہیت کی چیز سمجھنا چاہئے۔ اور اس اجتہادی مسئلہ میں سرٹیفکیٹ کے نقد سے تبادلہ کو جائز ہونا چاہئے۔

۴۔ اس میں کوئی دورائے نہیں کہ اس طرح کی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت حرام ہوگی۔

۵۔ یہ ہمارے سیاسی ومعاشی نظام کی خرابی ہے کہ اس طرح کی آمیزش آہی جاتی ہے۔ بہرحال جب تک کوئی اس کا بدل سامنے نہیں آتا بکراہت جائز ہوگا۔

۶۔ مذکورہ بالا جواب اس کا بھی ہے۔

۷۔ اس کا اندازہ کرکے اسے رفاہ عام کے کاموں میں لگادیا جائے۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس عام شیئرز ہولڈر کا ویسے ہی وکیل ہوتا ہے جیسے ملک کا صدر یا وزیر اعظم ہر شخص کا وکیل ہوتا ہے۔ اس لئے جب تک شیئرز ہولڈر کی اس کے تقرر میں پوری رضامندی حاصل نہ ہو اس کی وکالت مشروط ہوگی یعنی جائز کام کرے تو اس کی وکالت کو اس کام میں آدمی تسلیم کرے، ناجائز ہو تو اسے رد کردے، اور اس سے اپنی براءت ظاہر کرے۔

۹۔ اگر غیر اہل ایمان کے ساتھ شرکت ومضاربت اور تجارت صحیح ہوسکتی ہے تو اس کو بھی بدرجہ مجبوری صحیح

سمجھا جاسکتا ہے۔اور جہاں تک بورڈ آف ڈائرکٹرس کی میٹنگ میں کسی شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنے یا اختلاف کا اعلان کردینے کا تعلق ہے اگر اس کا موقع ملے تو ضرور کرنا چاہئے، لیکن اس کے اور طریقے بھی ہو سکتے ہیں، مثلاً خط وکتابت، کتابچہ، اور مضامین کی اشاعت، اور تقریر وتحریر کے دوسرے وسائل کے ذریعہ۔

۱۰، ۱۱۔ انشاء اللہ کافی ہوگا۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت فی نفسہ جائز ہے، بشرطیکہ ناجائز کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز سے احتراز کیا جائے۔کسی نہ کسی حد تک ہر تجارت میں تخمینے اور قیاس آرائی کو دخل ہوتا ہے، البتہ اس تخمینے کو ناجائز ہونا چاہئے جو غبن فاحش کی حدود میں داخل ہوجائے۔

۱۳۔ فیوچر سیل جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع ونقصان کو برابر کرلینا مقصود ہوتا ہے حرام ہونا چاہئے۔

۱۴۔ سوال واضح نہیں ہے۔

۱۵۔ اصل قبضہ تو سرٹیفکیٹ اپنے نام ٹرانسفر کروالینے کے بعد ہی ہوتا ہے، ورنہ کمپنی میں جس کے نام سرٹیفکیٹ درج ہے اسی کو نفع ملے گا البتہ نقصان سرٹیفکیٹ ہولڈر کو ہوگا۔ بہر حال جہاں سرٹیفکیٹ کا رواج ہے وہاں کم از کم سرٹیفکیٹ کا ہاتھ میں آجانا قبضہ سمجھا جاسکتا ہے۔

۱۶۔ صرف خریدنے کا معاملہ کرنا اور کچھ ادائیگی کرنے کے بعد بالا بالا دوسرے اور تیسرے کو فروخت کرنا بیع قبل القبض ہوگا، کیونکہ اس وقت تک نہ تو اس کا قبضہ تام ہوتا ہے اور نہ ہی ناقص۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہندوستان کے دو اسٹاک ایکسچینج (OTCE) اور (NSE) میں سرٹیفکیٹ کا رواج ختم ہوتا جارہا ہے، اور کمپیوٹر کے ذریعہ فوراً خریدار کا نام کمپنی کے شیئر ہولڈر کی حیثیت سے منتقل ہوجاتا ہے۔اسی طرح بیرون ملک اعلی ترقی یافتہ ملکوں میں بغیر سرٹیفکیٹ ٹرانسفر کے لین دین ہوتے ہیں کیونکہ اس میں وقت، لاگت، اور خریداروں کی مصلحت کی رعایت ہو تی ہے۔علماء کو اس طریقہ کی شرعی حیثیت پر بھی غور کرنا چاہئے۔

۱۷۔ بروکر کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہوسکتا ہے بشرطیکہ سودی یا ناجائز کام کرنے والی کمپنیوں کے حصص کی تجارت یا وکالت کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

☆☆☆☆☆

حصص کے مختلف مسائل کا حکم

مفتی عبدالرحیم صاحب، بھوپال

۱۔ کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں متناسب حصے کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔

۲۔ جب تک کمپنی کے پاس جامد املاک نہ ہوں تو اس کے شیئرز کی خرید وفروخت بیع صرف کے حکم میں ہوگی، کمی زیادتی کے ساتھ ان شیئرز کی خرید وفروخت جائز نہیں، برابر سرابر معاملہ کرنا ضروری ہے (کمانی امداد الفتاویٰ ۳؍۱۳۰)۔

۳۔ کمپنی وجود میں آجانے کے بعد اس کا اثاثہ ربوی اور غیر ربوی دونوں قسم کے مالوں پر مشتمل ہوتا ہے، لہذا کمی زیادتی کے ساتھ اس کے شیئرز کی خرید وفروخت درست ہوگی، اور زیادتی کو غیر ربوی کے مقابل مانا جائے گا (امداد الفتاویٰ ۳؍۱۳۰)۔

۴۔ جن کمپنیوں کا کاروبار حرام ہے جیسے شراب، خنزیر کے گوشت کی تجارت، بینکس اور سودی اسکیموں میں روپیہ لگانا، ان کے شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً حرام ہے۔

۵، ۶، ۱۰، ۱۱۔ جن کمپنیوں کا کاروبار بنیادی طور پر حلال ہے مگر کسی قانونی مجبوری کی وجہ سے بینک سے لین دین کرتے ہیں جس میں سود کی آمیزش ہوتی ہے ایسی کمپنیوں میں دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) سود کے خلاف شیئر ہولڈر کمپنی کی سالانہ میٹنگ میں ضرور آواز اٹھائے۔

(۲) منافع تقسیم ہوتے وقت شیر ہولڈر آمدنی کا حساب لگا کر یہ معلوم کرے کہ آمدنی کا کتنا فیصد حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہے، اور جس قدر سودی ڈپازٹ میں رقم رکھوانے سے حاصل ہوا ہو اس کو بلانیت ثواب محتاجوں کو تقسیم کردے (خلاصہ امداد الفتاویٰ، شیئرز کی خرید وفروخت)۔

۷۔ قرض پر سود کا لین دین حرام ہے مگر وہ قرض مفید ملک ہوگا، اور اس قرض کو حلال ذریعہ میں لگا کر حاصل کی جانے والی آمدنی میں حرمت سرایت نہیں کرے گی۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا، جس عمل سے شیئر ہولڈر منع کردے تو اس میں وکالت نہیں رہے گی۔

۹۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس کی کمیٹی میں شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کا اعلان اور بیزاری کا اظہار کر دینا کافی ہوگا کیونکہ اس کے اختیار میں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

۱۲۔ شیئرز کو مقصود بنا کر خرید وفروخت کرنا اور قیمت بڑھنے پر ان کو منافع کے ساتھ فروخت کرنا بھی مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

☆ کمپنی کا اصل کاروبار حلال ہو۔

☆ کمپنی کے منجمد اثاثے وجود میں آچکے ہوں۔

☆ اگر کمپنی سودی لین دین کرتی ہو تو اسکی سالانہ میٹنگ میں سود سے براءت ظاہر کی جائے۔

☆ منافع میں سے سودی ڈپازٹ کا حساب لگا کر اسی قدر بلا نیت ثواب صدقہ کردے۔

۱۳۔ اگر شیئرز کا خرید نا مقصود نہ ہو بلکہ بڑھتے گھٹتے داموں کے ساتھ نفع نقصان کو برابر کر لینا مقصود ہو، مثلاً زید نے ایک سو روپے شیئر کے حساب سے سو شیئرز کا سودا کیا اور ادائیگی کی تاریخ ۳۰ ر مارچ مقرر کی، جب ۳۰ ر مارچ تک اس شیئر کی قیمت ڈیڑھ سو روپے ہوگئی تو وہ پانچ ہزار روپے منافع کے طور پر لے گا، اور اگر ۳۰ ر مارچ کو اس شیئر کی قیمت گھٹ کر پچاس روپے ہوگئی تو وہ پانچ ہزار روپے ادا کرے گا، اصل سودا محض کاغذی کارروائی ہے، نہ مشتری ثمن دیتا ہے نہ بائع مال دیتا ہے، البتہ بڑھتے ہوئی دام کی صورت میں منافع اور گھٹتے ہوئے دام کی حالت میں خسارہ ادا کیا جاتا ہے، اس طرح ڈیفرنس برابر کر کے سٹہ بازی کرنا حرام ہے، شریعت میں اس کی اجازت نہیں۔

۱۴۔ بیع معاومہ سے حدیث میں منع کیا گیا ہے یعنی ایک شخص آئندہ دو تین سال کے لئے بیک وقت اپنے کھیت کی پیداوار یا باغ کے پھل بیچ دے اس کو معاومہ کہتے ہیں، اسی طرح جانور کے ایک یا کئی حمل فروخت کردے، یہ حبل الحبلہ کہلاتا ہے، اسکی بھی حدیث میں ممانعت ہے، اس قسم کے کاروبار کو غرر اور جوا کی وجہ سے روکا گیا ہے، لہذا مستقبل کے سودے شریعت میں ممنوع ہیں۔

۱۵۔ اگر بوقت بیع وشراء ہی کمپنی کے اثاثوں اور املاک میں شیئر ہولڈر کی ملکیت آجاتی ہو اور اس کے ضمان میں آنے کی بنا پر حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہوں تو اگر چہ اس کو شیئرز کا سرٹیفکیٹ نہ ملا ہو قبضہً معنوی تصور کیا جاسکتا ہے۔

۱۶۔ شیئرز خریدنے کے ساتھ ہی اس کے ضمان ومنافع خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہوں تو سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے قبل خریداران شیئرز کو دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرسکتا ہے۔

۱۷۔ بروکر کو شرعی اصول کے مطابق وکیل بنایا جائے اور جائز طریقوں سے وہ اپنا کام انجام دے تو بروکر کی حیثیت سے اسکا کام کرنا شرعاً درست ہے (امداد الفتاویٰ ۳/۱۲۹)۔

☆☆☆☆☆

حصص کے شرعی احکام

مولانا عبدالقیوم پالنپوری

مدرسہ جامعہ نذیریہ کاکوسی، گجرات

۱۔ کسی کمپنی کے ایکویٹی شیئرز (Equity Shares) کمپنی میں شیئر ہولڈر کی شرکت وملکیت کی نمائندگی کرتے ہیں، جیسا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی رائے ہے، اور حضرت مولانا تقی عثانی مدظلہ نے اپنی کتاب ''اسلام اور جدید معیشت وتجارت'' (ص ۷۹-۸۳) میں علماء کے مختلف نقطۂ نظر پیش کرنے کے بعد کمپنیوں میں شرکت کو شرکت عنان قرار دیا ہے۔

۲۔ جب کمپنی کے قائم کرتے وقت شیئرز کا اعلان کیا جاتا ہے، اور اس وقت کمپنی کی املاک، اثاثے موجود نہیں ہوتے ہیں تو اس وقت اس کے خرید کردہ شیئرز کی بیع اس کی قیمت اسمیہ سے کم و بیش کے ساتھ سود ہونے کی وجہ سے قطعاً جائز نہیں ہے، اور شیئر پر لکھی ہوئی قیمت کے برابر کے ساتھ بیچنا جائز ہے اس لئے کہ یہ بیع صرف نہیں ہے، اور بیع صرف کے لئے ضروری ہے کہ اثمان خلقی ہوں، اور روپیہ ثمن عرفی ہے ثمن خلقی نہیں ہے۔

۳۔ اس صورت میں جبکہ مجموعہ جو مشتمل ہے مال ربوی (نقد، دیون) وغیر ربوی پر، اس کی بیع نقد کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں جائز ہے بشرطیکہ نقد مجموعہ میں مخلوط مال ربوی سے زیادہ ہو، تاکہ مال ربوی کے مقابلہ میں مال ربوی ہوجائے گا اور زائد (نقد میں سے) مال غیر ربوی کے مقابلہ میں ہوگا، البتہ ہر شیئر کے حصہ میں کمپنی کے دیون ونقود کی (نہ کہ اثاثے کی) جتنی مقدار آئی ہے اگر شیئر کی کل قیمت اس کے برابر، یا اس سے کم ہو تو بیع ناجائز ہوگی، مثلاً دس روپے کے حصہ میں آٹھ روپے اگر نقود اور دیون کے مقابل ہیں اور دو روپے جامد اثاثوں کے مقابل، تو شیئر کی بیع آٹھ روپے یا اس سے کم میں جائز نہ ہوگی، البتہ نو روپے یا اس سے زائد میں جائز ہوگی (اسلام اور جدید معیشت وتجارت۔۸۶، ۸۷)۔

۴۔ ایسی کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے (حوالہ بالا)۔

أمر المسلم ببيع الخمر والخنزير وشرائهما اى وكل المسلم ذمياً.........صح ذلك عند الإمام مع أشد الكراهة ....وقال لا يصح هو الأظهر وفى رد المحتار (قوله لا يصح) اى يبطل كما فى البرهان (الدر المختار مع رد المحتار ۴/۱۶۶)۔

۵، ۶۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار مجموعی طور پر حلال ہے لیکن ساتھ میں وہ کمپنی بینک سے سودی قرضے لیتی ہے یا قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے کچھ سرمایہ کو ریزرو بینک میں جمع کرتی ہے یا بانڈز خریدتی ہے جس کی وجہ سے اس کو سود بھی ملتا ہے، ایسی کمپنیوں کے شیئرز لینے کی دو شرطوں کے ساتھ اجازت ہے: پہلی شرط یہ ہے کہ اس کی سالانہ میٹنگ میں آواز اٹھائی جائے کہ ہم سودی لین دین کو درست نہیں سمجھتے اور ہم اس پر راضی نہیں ہیں۔ دوسری شرط

یہ ہے کہ کمپنی کی آمدنی میں سود شامل ہو تو نفع میں سے اس سود کی مقدار بلانیت ثواب صدقہ کردے۔

۷۔ سودی قرضہ لینے کی صورت میں حاصل شدہ قرض میں کوئی خبث نہیں ہے، وہ مفید ملک ہے، اور اس سے حاصل ہونے والے منافع اور آمدنی حلال ہوگی، البتہ یہ معاملہ اور قرض کی واپسی کے وقت زائد رقم ادا کرنا سخت گناہ اور سود ہے (امداد الفتاوی ۳؍۱۷۰)۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے، اس کا عمل شیئر ہولڈر کا عمل سمجھا جائے گا، الا یہ کہ شیئر ہولڈر کسی عمل کے خلاف آواز اٹھا کر اسے مطلع کردے تو شیئر ہولڈر اپنے وکیل کے عمل سے بری الذمہ ہوجائے گا۔

۹۔ سالانہ میٹنگ میں سودی لین دین کے خلاف آواز اٹھانے سے شیئرز ہولڈر اس سودی لین دین سے بری الذمہ ہوگا۔

۱۰۔ سودی لین دین کے خلاف آواز اٹھانا، اور منافع میں مخلوط سود کی مقدار معلوم کر کے اتنی مقدار صدقہ کرنا ضروری ہوگا۔

۱۱۔ اگر سود کمپنی کے منافع میں شامل ہو، اور حاصل شدہ سود کو کاروبار میں لگا کر کمپنی نے نفع کمایا ہے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک صرف اس سودی آمدنی کو صدقہ کرنا کافی نہیں ہوگا بلکہ اسے کاروبار میں لگا کر جو نفع کمایا ہے اس نفع کو بھی صدقہ کرنا ضروری ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف اس سودی آمدنی کا صدقہ کرنا کافی ہوگا۔ اور طرفینؒ کا قول مفتی بہ ہے (ہدایہ ۳؍۴۵۶)۔

۱۲۔ جس طرح ہمیشہ کے لئے کمپنی میں شرکت کی غرض سے اس کے شیئرز کے خریدنے کی اجازت ہے، اسی طرح تجارت، یعنی قیمت بڑھنے کی صورت میں بیچ دینے کے ارادے سے بھی شیئرز خریدنے کی اجازت ہے، اور ہر تخمین وقیاس آرائی ممنوع نہیں ہے، اس کو حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب نے بہت اچھی طرح واضح فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

یہ بات جو مشہور ہوگئی ہے کہ تخمین وقیاس آرائی............ بذات خود حرام ہے، بات غلط ہے، تخمین یہ ہے کہ یہ اندازہ لگایا جائے کہ کس چیز کی قیمت بڑھ رہی ہے اور کس کی قیمت کم ہورہی ہے، جس کی قیمت کم ہونے کا اندیشہ ہو اس کو بیچ دیا جائے اور جس کی قیمت بڑھنے کی امید ہو اس کو رکھا جائے یہ بات بذات خود ممنوع نہیں، یہ تو ہر تجارت میں ہوتی ہے، جو بات ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ بیع وشراء کی شرعی شرائط کی رعایت نہ کی جائے، مثلاً غیر مملوک کی بیع، یا غیر مقبوض کی بیع کی جارہی ہو یا قمار کی شکل بن رہی ہو، قمار دو باتوں سے مل کر بنتا ہے: ایک یہ کہ ایک طرف سے ادائیگی متعین ہو، اور دوسری طرف سے موہوم ہو۔ دوسری بات یہ کہ جس طرف سے ادائیگی ہوگئی ہے اس کی رقم دو باتوں میں دائر ہو، یا تو یہ رقم خود بھی ڈوب جائے گی یا اور رقم کو کھینچ لائے گی (اسلام اور جدید معیشت ۹۰)۔

۱۳، ۱۴۔ فیوچر سیل:

جس میں شیئر لینا دینا مقصود نہیں ہوتا ہے، محض نفع ونقصان برابر کرنا مقصود ہوتا ہے، یہ شرعاً جائز

نہیں ہے۔اسی طرح غائب سودے جس میں بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے وہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے، اس لئے کہ بیع کی وقت مستقبل کی طرف اضافت یا تعلیق باتفاق فقہاء ناجائز ہے، البتہ مستقبل میں بیع کا وعدہ کیا جاسکتا ہے لیکن وقت آنے پر بیع باقاعدہ کرنی ہوگی (حوالہ بالا۔ص ۹۱)۔

۱۵، ۱۶۔ جب حاضر سودا ہو جانے کے بعد شیئرز کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں اور وہ خریدار کے ضمان میں داخل ہو جاتے ہیں تو ان کی بیع سرٹیفکیٹ ہاتھ میں آنے سے پہلے بھی جائز ہے، البتہ عرف میں شیئرز پر قبضہ اس وقت سمجھا جاتا ہے جب سرٹیفکیٹ ہاتھ میں آ جائے، نیز اس طرح سٹے کے کاروبار کی حوصلہ افزائی بھی ہو سکتی ہے، لہٰذا احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ جب تک کمپنی میں شرکت کے سرٹیفکیٹ (کاغذی شیئر) پر قبضہ نہ ہو آگے فروخت نہ کئے جائیں جیسا کہ مفصلاً حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب نے تحریر فرمایا ہے (اسلام اور جدید معیشت ۹۱، ۹۲)۔

۱۷۔ جن شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے ان شیئرز کی خرید وفروخت میں بروکر اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہے، اور بنیادی طور پر حرام اشیاء کی کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز اور تمام کمپنیوں کے بونڈز کی خرید وفروخت میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

»»»»»»»»»»»

شیئرز کی خرید وفروخت شرعی حکم

مفتی نسیم احمد قاسمی، پٹنہ

ا۔ شیئرز سرٹیفکیٹ کی حیثیت:

کمپنی کی طرف سے جاری کردہ حصے خرید کر لوگ اپنا سرمایہ لگاتے ہیں تو خریدار کو کمپنی کی طرف سے سرٹیفکیٹ جاری کی جاتی ہے جو اس بات کی سند ہوتی ہے کہ اس شخص کا کمپنی میں لگائے ہوئے سرمایہ کے تناسب سے حصہ ہے۔ یہاں فقہی نقطۂ نظر سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی بھی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے یا یہ محض اس بات کی سند اور دستاویز ہے کہ اس نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے۔ اس سلسلہ میں علماء کی دو رائیں ہیں:

☆ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ کمپنی کا شیئر سرٹیفکیٹ کمپنی کے عروض اور اثاثوں میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی نہیں کرتا ہے، بلکہ یہ صرف اس بات کا وثیقہ اور دستاویز ہے کہ اس شخص نے اتنی رقم کمپنی کو دے رکھی ہے جیسے دیگر قرضہ جات کی دستاویزات ہوتی ہیں۔

☆ دوسری رائے جو راجح اور زیادہ قرین قیاس ہے، یہ ہے کہ شیئر سرٹیفکیٹ کمپنی کی املاک، جائداد اور اثاثوں میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، اور شیئر ہولڈر کی کمپنی کی املاک اور اثاثوں میں متناسب ملکیت ہوتی ہے، جس کا تحریری ثبوت شیئر سرٹیفکیٹ ہے۔

مولانا تقی عثمانی نے اسی رائے کو راجح قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

کمپنی کے ظاہری تصور کے اعتبار سے اور اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کی روشنی میں واقعتاً یہ سمجھا جاتا ہے کہ شیئر ہولڈر کی کمپنی کے اثاثوں میں متناسب ملکیت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر باہمی قرارداد سے کمپنی تحلیل ہو جائے تو شیئر ہولڈرس کو صرف ان کی لگی ہوئی رقم واپس نہیں ملتی بلکہ کمپنی کے اثاثوں کا متناسب حصہ ہر شیئر ہولڈر کو دیا جاتا ہے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت ۸۵)۔

۲۔ کمپنی کے ابتدائی مرحلے میں شیئرز کی بیع:

کمپنی کی تشکیل کے ابتدائی مرحلے میں جبکہ کمپنی کے پاس صرف نقدی کی صورت میں سرمایہ جمع ہوتا ہے، املاک، مشینریاں، جامد اثاثے، سامان تجارت وغیرہ میں سے کچھ نہیں ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر کمپنی اپنے شیئرز کی فروخت کا اعلان کرتی ہے تو گویا یہ نقد کی بیع نقد کے عوض ہے جسے اصطلاح فقہ میں "بیع صرف" سے موسوم کیا جاتا

ہے۔ بیع صَرف میں ثمن اور مبیع دونوں ہی اثمان اور نقود کی قبیل سے ہوتے ہیں۔ بیع صَرف میں برابری اور نقد تبادلہ ضروری ہے۔ لہذا دس روپے کے شیئر کو صرف دس روپے کے عوض فروخت کرنا جائز ہوگا اور ادھار کی گنجائش نہیں ہوگی۔ شیئر کی خرید وفروخت کی صورت میں شیئر ہولڈر کی طرف سے صرف دستاویز کی ادائیگی ہوتی ہے جب کہ خریدار اس کے عوض میں نقد روپے ادا کرتا ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو طرفین کی جانب سے شیئرز کی خرید وفروخت میں نقد ادائیگی نہیں پائی جاتی ہے، اس لئے اس صورت کے جواز کی گنجائش نہیں ہوگی۔

۳۔ کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد شیئرز کی بیع:

جب کمپنی وجود میں آجاتی ہے تو اس کا اثاثہ مخلوط ہوتا ہے جس میں نقد، قابل وصول دیون، جامد اثاثے اور سامان تجارت وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں جبکہ مجموعہ مال ربوی وغیر ربوی دونوں پر مشتمل ہے، اگر اس کے شیئرز کی بیع کی جاتی ہے تو اس کا شرعی حکم کیا ہوگا؟ اس سلسلہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ ایسے مال کو جو ربوی وغیر ربوی سے مخلوط ہو خالص مال ربوی کے عوض فروخت کیا جائے، مثلاً ایسی تلوار جس پر سونا لگا ہوا ہو، اسے دینار کے عوض فروخت کیا جائے، تو اس میں ایک طرف تلوار ہے جو غیر ربوی ہے اور اس پر لگا ہوا سونا مال ربوی ہے، اسے دینار کے عوض فروخت کرنا گویا مال ربوی اور غیر ربوی کے مجموعہ کو خالص مال ربوی کے عوض فروخت کرنا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسی صورت جائز ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح سے فقہاء نے دو درہم اور ایک دینار کے مجموعہ کی بیع کو ایک درہم اور دو دینار کے عوض جائز قرار دیا ہے۔ لہذا کمپنی کے اثاثے کے مخلوط ہوجانے کے بعد شیئر ہولڈر کے لئے اپنے حصے کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہوگی۔

۴۔ ناجائز کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا:

وہ کمپنیاں جن کے کاروبار بنیادی طور پر حرام ہیں، جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت، خون اور دیگر حرام اشیاء کی تجارت اور اکسپورٹ، یا بینکس اور سودی اسکیموں میں روپیہ لگا کر منافع حاصل کرنا۔ ایسی کمپنیز کے شیئرز کی خرید وفروخت حرام اور ناجائز ہے۔

۵۔ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لینا:

ایسی کمپنیاں جو حلال کاروبار کرتی ہیں اور حرام کاروبار سے بچتی ہیں، صرف کاروباری مجبوری اور ملکی قانون کے پیش نظر سودی قرض لینے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ مثلاً انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لینا ایک ضرورت اور حاجت ہے۔ ضرورت وحاجت کی بنیاد پر سودی قرض لینے کی اجازت دی گئی ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ نے الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے:

ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر)۔

لہذا ان کمپنیوں کے لئے انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لینے کی گنجائش ہوگی اور ان کے

شیئرز کی خرید وفروخت جائز رہے گی۔

۶۔ چونکہ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیاں قانون ملکی کے تحت مجبور ہو کر اپنے سرمایہ کا مخصوص حصہ ریزرو بینک میں جمع کرتی ہیں یا بانڈس خریدتی ہیں، لہذا اس کی وجہ سے ان کے کاروبار میں حرمت پیدا نہیں ہوگی اور ان کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز رہے گی۔ البتہ ان کمپنیوں کو ریزرو بینک یا بانڈس خریدنے کی وجہ سے جو سودی رقم ملے گی اس رقم کا استعمال کمپنی کے مصارف میں جائز نہیں ہوگا بلکہ فقراء مسلمین پر بلا نیت ثواب تصدق ضروری ہوگا یا پھر رفاہ عام کے کاموں میں بھی اسے صرف کیا جا سکتا ہے۔ اگر کمپنی غیر مسلم ہونے کی صورت میں سودی رقم کو اس کے مصارف میں صرف نہ کرے تو پھر مسلم شیئر ہولڈرس کی ذمہ داری ہوگی کہ اپنے حصہ میں آئی ہوئی رقم کو بلا نیت ثواب صدقہ کردیں یا رفاہ عام کے کاموں میں لگادیں۔

۷۔ سودی قرض لینے کی صورت میں منافع کی شرعی حیثیت:

سودی قرضہ ضرورت وحاجت اور قانون ملکی کے تحت مجبور ہو کر حاصل کیا جائے یا محض کاروبار کو فروغ دینے کی خاطر، ہر دو صورت میں قرض سے حاصل ہونے والے منافع جائز و درست قرار پائیں گے، کیونکہ قرض لی ہوئی رقم میں کسی طرح کا خبث نہیں پایا جاتا، اور قرض لینے والا قرض کے ذریعہ حاصل کی گئی رقم کا مالک قرار پاتا ہے، لہذا اس رقم سے حاصل شدہ نفع بھی جائز اور مباح ہوگا۔ البتہ دوسری صورت میں جبکہ سودی قرض بلا حاجت شرعیہ محض کاروبار کو فروغ دینے کی خاطر حاصل کیا گیا تو کمپنی کا عملہ اصالۃً استقراض بالربح کے عقد حرام کے ارتکاب کی وجہ سے اور شیئر ہولڈرس وکالۃً اس کے ارتکاب کی وجہ سے عند اللہ گنہ گار ہوں گے۔ فقہاء کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ سودی رقم پر بھی قبضہ کے بعد ملکیت ثابت ہو جاتی ہے تو سودی قرض پر قرض لینے والے کی بدرجہ اولی ملکیت ثابت ہو جائے گی (دیکھئے: البحر الرائق ۶/۱۲۵)۔

۸۔ کمپنی کے عملہ کی حیثیت:

کمپنی کا عملہ جسے بورڈ آف ڈائرکٹرس کہا جاتا ہے، کی حیثیت فی الجملہ مالکان حصص کے وکیل کی ہے، اور وکیل کا عمل مؤکل کا عمل قرار پاتا ہے۔ لہذا کمپنی کے عملہ کا عمل اور ان کا تصرف مالکانہ حصص کا تصرف اور عمل سمجھا جائے گا، اور شرعا ان کا فعل مالکان حصص کی طرف منسوب ہوگا۔

۹۔ شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کردینا کافی ہوگا:

اصولی طور پر وکیل کے افعال مؤکل کی طرف منسوب ہوتے ہیں، تاہم اگر کوئی شیئر ہولڈر سودی قرض لینے سے اپنی ناراضگی اور اختلاف کا اظہار واعلان کردے تو یہ اظہار واعلان اس کے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی ہوگا۔

۱۰۔ کمپنی کے منافع میں سے سودی رقم نکال دینا کافی ہوگا:

اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار ہی حرام اشیاء کی تجارت ہو، سودی قرضہ جات دے کر سود حاصل کرتا ہو، تب تو

ایسی کمپنیوں کے حصص اور شیئرز کی خریداری جائز نہیں ہوگی، البتہ اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار تو حلال ہو لیکن قانونی پیچیدگی کے تحت کچھ سرمایہ ڈپازٹ (Deposit) کرنا پڑتا ہو یا بانڈز (Bonds) خریدنے پڑتے ہوں جس سے کمپنی کو سودی رقم بھی حاصل ہوتی ہو، ایسی صورت میں شیئر ہولڈرس کا اپنے منافع میں سے سودی رقم نکال کر بلانیت ثواب فقراء و مساکین پر صدقہ کردینا یا رفاہ عام کے کاموں میں صرف کردینا ان کے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی ہوگا (دیکھئے :بدائع الفوائد لابن القیم ۲/۲۷۵)۔

۱۱۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود شامل ہو تو اسے کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کرنے کا کیا حکم ہوگا؟

اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی رقم کو کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں مال حلال کے ساتھ مال حرام بھی مخلوط ہو گیا ہے، اس لئے جتنا فیصد سود کل آمدنی میں مخلوط ہو گیا ہے شیئر ہولڈر کے لئے اسی تناسب سے ملنے والے منافع سے سودی رقم وضع کر کے بلانیت ثواب فقراء و مساکین مسلمین پر صدقہ کردینا یا رفاہ عام کے کاموں میں صرف کردینا کافی ہوگا، اور باقی ماندہ نفع اس کے لئے حلال و درست قرار پائے گا۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت:

حلال کاروبار پر مبنی شیئرز کی تجارت فی نفسہ جائز و درست ہے اور شیئرز کی بیع در حقیقت شیئر ہولڈر کے اس حصہ کی بیع ہے جو سرمایہ کے تناسب سے کمپنی کے نقود، قابل وصول دیون، جامد اثاثے، سامان تجارت اور ان چیزوں سے حاصل ہونے والے منافع میں اسے پہونچتا ہے، جس کی نمائندگی شیئر سرٹیفکیٹ کرتی ہے۔ پس وہ اپنے موجود و مملوک حق کی بیع کرتا ہے نہ کہ معدوم و غیر مملوک کی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ شیئرز کی بیع کو "بیع حظوظ ائمہ" پر قیاس کرتے ہوئے اس کے جواز کی صراحت فرمائی ہے (امداد الفتاوی ۳/۴۹۵)۔

اب رہا یہ سوال کہ شیئرز کی تجارت میں تجار حضرات تخمین و قیاس سے کام لیتے ہیں۔ شیئرز کی خریداری کے وقت ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ قیمت بڑھنے کی صورت میں نفع کے ساتھ فروخت کردیں گے یا جب شیئرز کی قیمت کم ہو گی تو خرید کر اپنے پاس رکھ لیں گے پھر قیمت بڑھنے کی صورت میں فروخت کردیں گے۔ تو اس سے شیئرز کی تجارت کے جواز میں فرق نہیں پڑے گا، اس لئے کہ مطلقاً تخمین و قیاس عقود و معاملات میں ممنوع نہیں ہے اور نہ ہی تجارتیں عام طور پر اس قسم کے تخمین و قیاس سے پاک ہوتی ہیں۔

۱۳۔ فیوچر سیل کا حکم:

شیئر مارکیٹ میں ایک سودا جسے فیوچر سیل (Future Sale) اور عربی میں بیاعات مستقبلیات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس معاملہ کا مقصد شیئرز کی خریداری نہیں ہوتی ہے بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان کو برابر کرلینا مقصود ہوتا ہے۔ اس صورت معاملہ میں نہ تو خریدار کی طرف سے قیمت کی ادائیگی ہوتی ہے اور نہ ہی بائع کی طرف سے مبیع کی حوالگی، بلکہ محض کاغذی کارروائی ہوتی ہے، لہٰذا فیوچر سیل جائز نہ ہوگا۔

۱۴۔ غائب سودے کی بیع کا حکم:

غائب سودے جن میں حقیقۃً بیع دہرانہیں ہوتی ہے بلکہ بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، اس طرح کا معاملہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے، کیوں کہ خرید و فروخت ان عقود و معاملات کی قبیل سے ہے، جن کی اضافت مستقبل کی طرف کرنا یا تعلیق باتفاق فقہاء ناجائز ہے۔ البتہ مستقبل میں بیع کا وعدہ کیا جاسکتا ہے لیکن وقت آنے پر باضابطہ بیع کے معاملات طے کرنے پڑیں گے۔

۱۵۔ خرید کردہ شیئر کی سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے پہلے بیع:

اس سوال کے جواب کا دارومدار اس پر ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اس صورت میں بیع قبل القبض لازم آتی ہے یا نہیں؟ اگر یہ بیع قبل القبض ہے تو اس کے جواز کی گنجائش نہیں ہوگی، اور اگر بیع قبل القبض نہیں ہے تو یہ صورت جائز ہوگی۔ اب رہا سوال کہ یہ بیع قبل القبض ہے یا نہیں؟ تو یہ تو ظاہر ہے کہ شیئر درحقیقت مال نہیں ہے بلکہ کمپنی کے املاک میں متناسب حصہ داری سے عبارت ہے اور شیئر سرٹیفکیٹ اس حصہ داری اور کمپنی کے اثاثے اور املاک میں شیئر ہولڈر کی شرکت کا تحریری ثبوت ہے، لہذا شیئرز کی بیع کی صورت میں مبیع شیئرز سرٹیفکیٹ نہیں بلکہ کمپنی کی املاک واثاثے کا ایک مشاع حصہ ہے۔ چونکہ وہ حصہ جو مبیع ہے مشاع ہے، اس لئے اس پر حقیقی قبضہ کا تحقق مشکل ہے، اس لئے اس میں معنوی قبضہ ہی معتبر ہونا چاہئے، اور عرف عام میں شیئرز پر قبضہ اسی وقت تسلیم کیا جاتا ہے جب خریدار کے ہاتھ میں شیئر سرٹیفکیٹ آجائے۔ لہذا میری رائے یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں خریدار کے نام شیئر سرٹیفکیٹ کی منتقلی سے پہلے شیئر پر اس کا حقیقی قبضہ نہیں سمجھا جائے گا اور خریدار کے لئے شیئرز کی بیع جائز نہیں ہوگی۔ ہر شئے پر اس کی خاص نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوتی ہے، جس کا مدار عرف وعادت پر ہوتا ہے، یعنی عرف وعادت میں جس چیز پر قبضہ کی جو نوعیت سمجھی جاتی ہو وہی معتبر ہوگی، ہر صورت میں قبضہ حسی ضروری نہیں ہوگا۔

۱۶۔ سرٹیفکیٹ کے حصول سے پہلے شیئر کی بیع:

جب تک خریدار شیئر سرٹیفکیٹ حاصل نہ کرلے اور اسے اپنے نام منتقل نہ کرالے اس وقت تک شیئر پر خریدار کا حقیقی قبضہ تسلیم نہیں کیا جائے گا، اور اگر قبضہ سے پہلے خریدار کسی دوسرے شخص کے ہاتھ شیئرز کی بیع کرتا ہے تو یہ بیع حقیقی قبضہ کے تحقق سے پہلے ہوگی جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

۱۷۔ بروکر کی اجرت کا حکم:

جائز اور حلال کاروبار پر مبنی شیئرز کی خرید وفروخت میں کسی مسلمان کے لئے بروکر بننا اور اس پر اجرت لینا درست وجائز ہے، ایسے درمیانی اشخاص کو جو خرید وفروخت کے معاملات میں واسطہ بنتے ہیں، فقہاء کی اصطلاح میں دلال کہتے ہیں۔ دلالی کی اجرت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ بخاری کی شرح فتح الباری میں ہے کہ:

''ابن سیرین، عطاء، ابراہیم اور حسن سے منقول ہے کہ ان حضرات کے نزدیک دلالی کی اجرت لینے میں

کوئی حرج نہیں ہے (فتح الباری لابن حجر عسقلانی ۹؍۴۱۴)۔

علامہ شامی نے اس سلسلہ میں تحریر کیا ہے کہ:

تجب الدلالة على البائع أو المشترى أو عليهما بحسب العرف.

بائع اور خریدار یا دونوں پر عرف ورواج کے مطابق دلالی کی اجرت واجب ہوگی۔

لہذا صورت مسئولہ میں کسی مسلمان کے لئے اسٹاک ایکسچینج میں بروکر بننا اور اس کی اجرت لینا جائز و درست ہوگا۔

☆☆☆☆☆

شیئرز

فقہی تناظر میں

مولانا ظفر الاسلام۔ مئو

۱۔ احقر کی رائے یہ ہے کہ شیئر خریدنے والے کا مقصد عموماً یہی ہوتا ہے کہ وہ کمپنی میں بحیثیت شیئر ہولڈر شرکت کرے اور یہ تجار کے مقصد کے زیادہ قریب بھی ہے جیسا کہ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: "یہ شیئر درحقیقت کسی کمپنی کے اثاثوں میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کے ایک متناسب حصے کی نمائندگی کرتا ہے (فقہی مقالات رص ۱۴۳)۔

۲۔ اولاً دونوں جانب نقد کی صورت میں خرید وفروخت کے متعلق ائمہ اربعہ کا مسلک پیش خدمت ہے، اسی کی روشنی میں شیئرز کے بیع وشراء کا مسئلہ بھی واضح ہو جائے گا۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ایک پیسہ کی بیع دو پیسوں سے جائز نہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک علت ربا ثمنیت ہے، خواہ حقیقی ہو یا عرفی بہر دو نوع تفاضل جائز نہیں، اس کی دلیل المدونۃ الکبری کی عبارت "لأن مالكا قال لا يجوز فلس بفلسين" ہے (المدونۃ الکبری ۷؍۱۰۴)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ کے نزدیک یہ کمی وبیشی صحیح ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک سکے خلقی طور پر ثمن نہیں ہیں اصطلاحاً ثمن ہیں، اس لئے متعاقدین کو چاہئے کہ ان سکوں کی تعیین کر کے ان کی ثمنیت اصطلاحی باطل کر دیں، ایسا ہو جانے کے بعد ان سکوں کا درجہ سامان وعروض کا ہو جائے گا، بنابریں قلت وزیادت جائز ہوگی۔

حضرت امام محمدؒ کے نزدیک قلت وزیادت موجب للربا ہوگی، کیوں کہ جب یہ سکے اصطلاحی ثمن قرار دیئے جا چکے تو صرف بائع اور مشتری کے ثمنیت باطل کرنے سے باطل نہ ہوگی تاوقتیکہ تمام لوگ اسے باطل قرار نہ دے دیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک قلت وزیادت جائز ہے، کیوں کہ سکے عددی ہیں اور علت ربا وزن ہے۔ "إذا فات الشرط فات المشروط" یہ پہلا قول ہے۔

امام مذکور کا دوسرا قول عدم جواز کا ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ سکے فی الحال تو عددی ہیں لیکن اصلاً دھات ہونے کی وجہ سے وزنی ہیں، اس لئے دونوں جائز نہیں۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ربا کی علت خلقی ثمنیت ہے اور یہ علت یہاں مفقود ہے، اس لئے کمی وبیشی کے ساتھ معاملہ کرنا درست ہے۔

اس تفصیل کے بعد عرض ہے کہ اگر اس کمپنی یا فیکٹری میں جس کے شیئرز خریدے گئے ہیں کچھ بھی منجمد اثاثے خواہ بلڈنگ کی شکل میں ہوں یا مشین وغیرہ کی شکل میں، ابھی تک خریدے نہیں گئے ہیں یعنی ابھی دونوں جانب نقد ہی نقد ہے، تو اس صورت میں اس کی بیع وشراء کمی وبیشی کے ساتھ جائز نہیں، سوروپے کا شیئر سو ہی روپے میں فروخت کیا جاسکتا ہے کمی وبیشی موجب للربا ہوگی۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

جتنے لوگوں نے اس کمپنی میں اپنی رقم سبسکرائب (Subscribe) کی ہے اس رقم سے ابھی تک کوئی سامان نہیں خریدا گیا اور نہ اس سے کوئی بلڈنگ بنائی گئی اور نہ کوئی مشین خریدی گئی اور نہ ہی کوئی اثاثہ وجود میں آیا بلکہ ابھی وہ تمام پیسے نقد کی شکل میں ہیں، تو اس صورت میں دس روپیہ کا شیئر دس روپے کی نمائندگی کرتا ہے، لہذا جب دس روپے کا شیئر دس روپے کی نمائندگی کرتا ہے تو اس صورت میں اس شیئر کو گیارہ روپے میں یا نو روپے میں فروخت کرنا ہوجائے گا جو سود ہوجانے کی وجہ سے قطعاً جائز نہیں (فقہی مقالات رص ۱۴۵)۔

۳۔ کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد بالفاظ دیگر اثاثہ ونقد کے پائے جانے کی صورت میں اس شیئر کی بیع وشراء کمی وبیشی کے ساتھ جائز ہے۔ کیوں کہ اب شیئر مرکب ہوگیا جس میں اموال ربویہ وغیر ربویہ دونوں پائے جاتے ہیں، اس لئے دس روپے کا شیئر دس روپیہ سے زائد میں فروخت کیا جاسکتا ہے، دس روپئے تو دس روپئے کے مساوی ہو جائے گا اور زیادتی بلڈنگ واثاثہ وغیرہ کے بالمقابل ہوجائے گی جس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

۴۔ اگر کمپنی کسی مسلمان کی ہے اور وہ حرام کاروبار میں ملوث ہے (جس کی بہت ساری صورتیں ہیں چند صورتیں سوال میں مذکور بھی ہیں) تو اس کمپنی کے شیئرز خریدنا جائز نہیں۔ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب تحریر کرتے ہیں:

ایسی کمپنی کے شیئرز لینا کسی حال میں جائز نہیں، نہ ابتداء جاری (Float) ہونے کے وقت لینا جائز ہے اور نہ ہی بعد میں اسٹاک مارکیٹ سے لینا جائز ہے (فقہی مقالات رص ۱۴۴)۔

کمپنی غیر مسلم کی ہو اور یقین سے معلوم ہو کہ وہ سودی لین دین نہیں کرتا تو اس کی خرید وفروخت صحیح ہے، اور اگر اس کی بابت علم نہیں تو اس کی خرید وفروخت مکروہ تحریمی ہوگی۔ کراہت تحریمی کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں سودی کاروبار میں کوئی قباحت نہیں۔

۵۔ بنیادی کاروبار حلال ہوتے ہوئے بعض ممالک میں خصوصاً ہندوستان میں اضطراراً سود لینا پڑتا ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے تو نت نئے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو تجار سے مخفی نہیں، اس لئے اسے حاجیات کے قبیل سے مان کر اس طرح کی کمپنیوں سے شیئرز خریدے جاسکتے ہیں۔

۶۔ اس سوال کا جواب بھی احقر کے نزدیک وہی ہے جو سوال نمبر ۵ کے ضمن میں گذرا۔

۷۔ اگر سارا ادارو مدار سودی قرض پہ ہے، اپنی جائز اور حلال کمائی کی اکثریت نہیں، تو اس صورت میں سود سے حاصل ہونے والی رقم ظاہر ہے سود ہے، بناء فاسد علی الفاسد فاسد ہے، وہ مفید للملک کیسے ہوسکتی ہے۔

۹۔ کمپنی کی میٹنگ میں اگر شیئر ہولڈر اس سودی لین دین کے خلاف آواز اٹھائے تو وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائے گا، حکیم الامت حضرت تھانوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی بھی یہی رائے ہے۔

۱۰، ۱۱۔ پہلے اور دوسرے سوال میں جزوی فرق ہے مگر جواب دونوں کا ایک ہی ہے، جتنی بھی سود کی رقم ہو باقاعدہ اہتمام کے ساتھ حساب لگا کر بلانیت ثواب صدقہ کردیں۔ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: ''جب منافع تقسیم ہوتو اس وقت جتنا نفع کا جتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہے اس کو صدقہ کردے'' (فقہی مقالات رص ۱۵۱)۔

۱۲۔ شیئرز کی خرید وفروخت، شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے صحیح ہے، ہر کوئی تاجر یہ سوچ کر اور اس غالب ظن سے خرید وفروخت کرتا ہے کہ آئندہ اسے نفع حاصل ہوگا۔ ہاں نفع کی شرط کے ساتھ بیع جائز نہیں۔

۱۳۔ یہ صورت قطعاً حرام ہے اور اس کا شمار بھی سٹہ میں ہوگا جو کہ ناجائز ہے۔ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب رقمطراز ہیں:

لیکن اس خرید وفروخت کو درست کہنے کی دشواری اس سٹہ بازی کے وقت پیش آتی ہے جو اسٹاک ایکسچینج کا بہت بڑا اور اہم حصہ ہے، جس میں بسا اوقات شیئرز کا لین دین بالکل مقصود نہیں ہوتا بلکہ آخر میں جاکر آپس کا فرق (Deference) برابر کرلیا جاتا ہے اور شیئرز پر نہ تو قبضہ ہوتا ہے اور نہ ہی قبضہ پیش نظر ہوتا ہے، اس لئے جہاں یہ صورت ہو کہ قبضہ بالکل نہ ہو اور شیئرز کا نہ لینا مقصود ہو اور نہ دینا مقصود ہو بلکہ اس طرح سٹہ بازی کرکے آپس کے ڈیفرنس کو برابر کرلینا مقصود ہو تو یہ صورت بالکل حرام ہے اور شریعت میں اس کی اجازت نہیں (فقہی مقالات رص ۱۵۲)۔

۱۴۔ ایک تو سودا وہ ہے جس میں بیع کی نسبت کسی بھی زمانہ کی طرف کی جائے وہ باطل یا فاسد ہے، جیسے لبن فی الضرع سمک فی الماء، طیر فی الہواء، سمن فی اللبن، حبل الحبلۃ یا ملاقیح ومضامین وغیرہ کی بیع۔ کیوں کہ ان تمام صورتوں میں مبیع معدوم ہے، جہالت فاحشہ کا وجود ہے اور قدرت علی تسلیم المبیع ناممکن ہے۔

دوسرا سودا وہ ہے جو موجود تو ہے مگر حاضر نہیں غائب ہے، اب اس کی دو صورتیں ہیں: ایک تو وہ جسے پہلے سے دیکھا جاچکا ہے اور اس کے اوصاف بھی معلوم ہیں تو اس صورت میں بصیغۃ المتعارف اس کی بیع صحیح ہوجائے گی۔ اور اگر دیکھا نہیں ہے تو بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی بیع صحیح ہوگی اور اسے خیار رؤیت حاصل ہوگا اور عدم رؤیت کی وجہ سے جو غرر یسیر پیدا ہوا تھا وہ خیار رؤیت سے مرتفع ہوجائے گا، کیوں کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''من اشتری مالم یرہ فھو بالخیار إذا رآہ''۔

۱۵۔ قبضہ کی اولاً دو قسمیں ہیں:

(۱) حقیقی (۲) حکمی

حقیقی قبضہ تو حس اور تسلیم سے ہوگا، اور حکمی قبضہ استیلاء، تمکن، اشارہ، تخلیہ وتمیز سے۔ کتاب اور سنت ونصوص فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ مبیع کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے، اور جہاں کا جیسا تعامل ہوگا حجت قرار

پائے گا[۱]

۱۶۔ راقم کے خیال میں جب تک خریدار شیئرز سرٹیفکیٹ حاصل نہ کرلے اس وقت تک شیئرز فروخت نہیں کرسکتا، گو کہ معاملہ متعاقدین کے درمیان شیئرز کی قیمت ادا کرنے ہی سے ہوگیا، مگر تمامیت بیع موقوف ہوگی ڈلیوری کی وصولیابی پر، اور یہی ڈلیوری قبضہ حقیقی کے ممکن نہ ہونے کی صورت میں قبضہ حکمی کے مرادف ہوگی۔

۱۷۔ شیئرز کی وہ خرید وفروخت جو جائز اور درست ہے اس میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا صحیح ہے، اس کے ما سوا میں نہیں۔

☆☆☆☆☆

۱۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: المغنی والشرح الکبیر ۴/۲۲۰، رد المحتار ۴/۵۶۲، بدائع الصنائع ۵/۲۱۹، ۲۳۴، المحلی لابن حزم ۸/۲۰، فتاوی ابن تیمیہ)۔

شرعی اعتبار سے شیئرز کی حیثیت

مولانا سلطان احمد اصلاحی، علی گڈھ

۱۔ کسی کمپنی کے خرید کردہ شیئر کے مسئلے میں یہی بات زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے کہ وہ محض رقم کی دستاویز نہ ہو کر اس کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ اور وہ نقد کے ساتھ کمپنی کے اثاثوں اور اس کی املاک میں حسب تناسب حصہ دار ہوتا ہے۔ اس طرح اس پر بیع صرف کے احکام وارد نہ ہونے چاہئیں۔ دیوالیہ ہونے کی صورت میں کمپنی کے اثاثے قرق نہ کر کے اس کی املاک کی ضبطی سے اس کے قرضے ادا کئے جانے کے سلسلے میں کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ قانون کی یہ دفعہ بحیثیت مجموعی کمپنی کے مفاد کے مدنظر رکھی گئی ہے، جس سے کہ کمپنی کے دیگر شرکاء کے لئے اس کے دیوالیہ ہوئے حصے کو دوبارہ بحال کرنے میں غیر معمولی دقتوں اور دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

۲۔ کمپنی قائم کرتے وقت شیئرز کا جو اعلان کیا جاتا ہے جبکہ اس وقت اس کے پاس کچھ بھی املاک نہیں ہوتیں، اس وقت کمپنی کے خرید کردہ شیئر کی بیع پر بیع صرف کے احکام وارد ہوں گے۔ یہ اصلاً نقد کا نقد سے تبادلہ ہوگا، اور اس پر کسی قسم کا تفاضل جائز نہ ہوگا۔ ایک شیئر جتنی رقم جمع کر کے خریدا گیا ہے اسے اتنی ہی رقم پر فروخت کیا جانا ضروری ہوگا۔

۳۔ کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد اس کے مخلوط اثاثہ میں جس میں ربوی اور غیر ربوی دونوں طرح کے مال کی شمولیت ہوتی ہے، اس کی نقد کے ساتھ فروخت جائز ہوگی۔ ربا اور انٹرسٹ کا حوالہ اس سے آگے بھی آرہا ہے اس لئے ابتداءً ہی اس کے سلسلے میں چند نکات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے جس سے کہ آئندہ اس کی تکرار کی ضرورت نہ رہے۔

(الف) دراصل آج کے دور میں بینک کے انٹرسٹ کے مسئلہ پر ہی نئے سرے سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن وسنت میں حرام کردہ ربا کا سخت گیر اطلاق ہر حال میں اس پر درست معلوم نہیں ہوتا۔ بینک کا کردار بہر صورت صرف امانت داری کا نہیں ہوتا بلکہ آج کے دور میں اس کا اصل کردار مضارب در مضارب کا ہے۔ جس میں وہ اب تک کی معروف اسلامی مضاربت کے متناسب منافع کے بجائے جمع کردہ بالواسطہ کاروبار میں لگی رقم پر متعین فیصد پر منافع دینے کا اہتمام کرتا ہے۔ آج علماء کی ایک مقتدر جماعت جب مضاربت کی اس صورت کو جائز قرار دیتی ہے (تفصیل کے لئے اسلامک فقہ اکیڈمی کے اجلاس گزشتہ میں ہمارا پیش کردہ مقالہ "شریعت کا اصول عرف وعادت اور موجودہ حالات میں اس کی معنویت") تو اس مضاربانہ کردار کے ساتھ بینک کے انٹرسٹ کو مطلق حرام وممنوع ربوا کے ہر حال میں قائم مقام رکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

(ب) دوسری بات فقہ کے اس جزئیہ کی ہے جسے بالکل ہی نظر انداز کیا جا رہا ہے، اور وہ یہ کہ: لا ربوا بين المسلم والحربي في دار الحرب (ہدایہ ۳/۷۰، نیز شرح السیر الکبیر ۳/۱۱۲)۔

ہندوستان جیسے ملکوں کو آج من کل الوجوہ "دارالحرب" تسلیم نہ بھی کیا جائے تب بھی معاملات ربویہ کی تعیین و تحقیق میں اس کا کچھ نہ کچھ لازمی اثر پڑنا چاہئے۔ جبکہ دوسرے موقع پر حضرت امام اعظم کی طرف سے اس پر اضافہ ہے کہ دارالحرب میں اسلام لائے دو مسلمانوں کے درمیان اس معاملے پر بھی اسی حکم کا اطلاق ہوگا۔

وقال أبو حنيفة: لا يجرى الربا بين مسلم و حربى فى دار الحرب، و عنه فى مسلمين أسلما فى دار الحرب لا ربا بينهما (المغنی لابن قدامہ ۴/۴۵)۔

اس کی دلیل وہ حضرت مکحولؒ کی روایت سے دیتے ہیں جس کے مطابق نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

لا ربا بين المسلمين واهل الحرب فى دار الحرب (مغنی ۴/۴۵، ۴۶)۔

دور حاضر میں دعوت اسلامی کی مطلوب مصالح کے مدنظر فقہ اسلامی کی اس رخصت کو چاہے ضرورت سے زیادہ وسعت نہ دی جائے، لیکن مسائل کی توجیہ و تحقیق میں اس کو بالکل نظر انداز کر دینا بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

۴۔ ہر چند کہ دور اول میں ذمی سے خنزیر کی تو نہیں لیکن شراب کی قیمت سے جزیہ وصول کرنے کی نظیر موجود ہے (شرح السیر الکبیر للسرخسی ۴/۲۲۷-۲۲۸) تاہم وہ کمپنیاں جن کا کاروبار خالص شراب اور خنزیر کے حرام پر مشتمل ہو، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید و فروخت درست نہیں معلوم ہوتی۔

۵۔ حلال کاروبار کی کمپنیاں جنہیں انکم ٹیکس وغیرہ سے بچنے کے لئے مجبوراً بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے ان کے شیئرز کا خریدنا جائز ہے۔

۶۔ دوسری حلال کاروبار کی کمپنیاں جن کو قانونی تقاضوں کی تکمیل کی غرض سے سرمایہ بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے یا سیکورٹی بانڈز خریدنے پڑتے ہیں، جن کی وجہ سے انہیں سود بھی ملتا ہے، ایسی کمپنیوں کا شیئرز خریدنا جائز ہے۔

۷۔ جواب نمبر ۲ کی تنقیح سے اس کا جواب بھی صاف ہے، سودی قرضہ سے حاصل ہونے والا منافع جائز ہے۔ یہ قرض مفید ملک ہے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہوگی۔

۸۔ ہاں! کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے، اور اس کا عمل شیئر ہولڈرس کا عمل سمجھا جائے گا۔

۹۔ جواب نمبر ۲ کی تنقیح کے حوالہ سے بینک سے سودی قرضے کی سودی نوعیت ہی جب محل نظر قرار پائی تو پھر اس اختلاف کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی ہے۔ اپنے مضاربانہ کردار سے جس طرح جمع شدہ رکاروبار میں لگائی گئی رقم پر بینک متعین فیصد کا منافع دیتا ہے، ایسا ہی منافع وہ دوسرے ان لوگوں سے وصول کرتا ہے جنہیں ملنے والی رقم کا ایک نام "قرض" دیا جاتا ہے، جبکہ بینک اسے عملاً مضاربت کی صورت قرار دیتا ہے۔

۱۰۔ جواب نمبر ۲ کے حوالہ سے صدقہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، یہ اس کی جائز آمدنی ہے جسے وہ بے کھٹک زیر استعمال لا سکتا ہے۔

۱۱۔ تنقیح محولہ جواب نمبر ۲ سے اس کا جواب بھی واضح ہے۔ صدقہ کی ضرورت نہیں، سود کی روایتی شمولیت کے باوجود اس کی آمدنی جائز ہے۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت جائز ہے۔کاروبار کا مطلب ہی ہے کہ آدمی منافع کا تخمینہ اوراس کی پیش بینی کر سکے، جس کے اندر یہ صلاحیت نہیں وہ کاروبار کرنے کا اہل نہیں۔یہ تخمین اور قیاس آرائی تو ہر کاروبار میں شامل ہوتی ہے،اس لئے شیئرز کی تجارت کی پیش بینی اور قیاس آرائی شریعت میں ممنوع تخمین وقیاس آرائی کے دائرے میں نہیں آتی۔

۱۳۔ فیوچر سیل اپنی اس تفصیل کے ساتھ ناجائز ہے۔یہ دراصل خالص قمار کی صورت ہے جسے ''بیاعات مستقبلیات'' کا خوبصورت نام دے دیا گیا ہے۔یہ نہ بیع صرف ہے،جس میں نقد کا نقد سے تبادلہ ہوتا ہے،نہ یہ شیئر کے دائرے میں آتا ہے،جس میں اثاثے اور نقد کی خرید وفروخت نقد سے کی جاتی ہے۔پس اس کے لئے تیسری صورت قمار کی ہی رہ جاتی ہے جو شریعت میں صراحۃً ممنوع ہے۔

۱۴۔ غائب سودا،جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جائے نادرست ہے(دیکھئے مغنی ۴/۲۸۸)۔

۱۵۔ شیئرز کے نقد سودے میں قبضہ کے تحقق کے لئے شیئرز سرٹیفکیٹ کا فوری طور پر قبضے میں آجانا ضروری نہیں ہے،سودے کی تکمیل کے بعد عرف میں معتبر شیئر پر جو معنوی قبضہ حاصل ہو جاتا ہے عقد کی صحت کے لئے وہ کافی ہے، قبضہ حسی پر اصرار کی کوئی ضرورت نہیں۔

۱۶۔ جب اس طرح شیئر کی خریداری درست قرار پا گئی تو پھر اسے دوسرے تیسرے اور چوتھے خریدار کو بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔جب شیئر کا ضمان ومنافع خریدنے کے ساتھ خریدار کی طرف منتقل ہو گیا تو وہ ''بیع مالا یضمن'' کے دائرے سے اپنے آپ نکل گیا۔اور آگے کے لئے اس کے لئے اپنے شیئر کی خرید وفروخت میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی۔

۱۷۔ اسٹاک ایکسچینج کے بروکر اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے،بشرطیکہ وہ سودے جن کی بروکری اور ایجنسی کا وہ کام کر رہا ہے،فی نفسہ ان میں کوئی حرمت اور ممانعت کا پہلو نہ ہو۔

¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤

شیئرز

مقاصد شریعت کے دائرہ میں

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مئو

۱۔ ابتلاء عام کی وجہ سے اس مسئلہ میں شرکت کے جواز کا فتوی دیا جاتا ہے، اور شیئرز اپنی ذات میں کوئی چیز نہیں بلکہ اس کی پشت پر جو املاک واثاثے ہیں وہ اصل چیز ہے، لہذا شیئرز کی خرید وفروخت دراصل کمپنی کے اثاثوں میں تناسب ملکیت کی خرید وفروخت ہے، اور اس خرید وفروخت کے جواز کے لئے چار شرائط ہیں:

ا۔ اصل کاروبار حلال ہو، ۲۔ اس کمپنی کے منجمد اثاثے وجود میں آچکے ہوں، رقم صرف نقد کی شکل میں نہ ہو، ۳۔ اگر کمپنی سودی لین دین کرتی ہے تو اس کی سالانہ میٹنگ میں آواز اٹھائی جائے، ۴۔ جب منافع تقسیم ہوں اس وقت نفع کا جتنا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہورہا ہو اس کو صدقہ کردے۔

۲۔ صورت مسئولہ میں خرید کردہ شیئرز کی بیع جائز ہے۔

۳۔ صورت مسئولہ میں بشرط مذکور خرید و فروخت جائز ہے۔

۴۔ صورت مسئولہ میں بنیادی حرام کاروبار والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت حرام ہے کیونکہ جواز کے لئے کمپنی کے کاروبار کا حلال ہونا شرط ہے۔

۵۔ صورت مسئولہ میں ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنا جائز ہے جن کا کاروبار حلال ہے، اس شرط کے ساتھ کہ سود کے خلاف آواز اٹھائی جائے، اور تجارت پر انکم ٹیکس ادا کرنا جو قانون حکومت ہے اس کی رعایت لازم ہونے کی وجہ سے بینک سے سودی قرضہ لے سکتے ہیں۔

۶۔ صورت مسئولہ میں مذکورہ کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جائز ہے اور ملنے والی سودی رقم فقراء ومساکین کو بلانیت ثواب صدقہ کردینا لازم ہے۔

۷۔ صورت مسئولہ میں مجبوری میں سودی قرض لینا جائز ہے اور حلال کاروبار وتجارت کے واسطے لینے کی وجہ سے جو کاروبار سے منافع حاصل ہوں گے وہ شرعاً حلال اور مفید ملک ہوں گے اور اس کے ذریعہ حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہوگی۔

۸۔ صورت مسئولہ میں کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہو کر اس کا عمل شیئرز ہولڈرس کا عمل ہوگا۔

۹۔ صورت مسئولہ میں شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اپنے اختلاف کا اعلان کردینا اسے بری الذمہ کردے گا۔

۱۰۔ صورت مسئولہ میں منافع میں سے سود کا صدقہ کردینا اور رفاہ عام کے کاموں میں لگادینا کافی ہوگا۔

۱۱۔ صورت مسئولہ میں چونکہ سودی لین دین کا غلبہ ہے تو جو حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا ہے تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہوگیا ہے اتنا فیصد ملنے والے منافع سے نکال کر صدقہ کردینا کافی ہوگا۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت جائز ہے، اور مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں: یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ تخمین و قیاس آرائی بذات خود حرام ہے یہ بات غلط ہے، تخمین یہ ہے کہ اندازہ لگایا جائے کہ کس چیز کی قیمت بڑھ رہی ہے اور کس کی قیمت کم ہورہی ہے، جس کی قیمت کم ہونے کا اندیشہ ہو اس کو بیچ دیا جائے اور جس کی قیمت بڑھنے کی امید ہو اس کو رکھا جائے، یہ بات بذات خود ممنوع نہیں ہے، یہ تو ہر تجارت میں ہوتی ہے، جو بات ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ بیع و شراء کی شرعی شرائط کی رعایت نہ کی گئی، مثلاً غیر مملوک کی بیع یا غیر مقبوض کی بیع کی جارہی ہو، یا قمار کی شکل بن رہی ہو، قمار دو باتوں سے ملکر بنتا ہے: ایک یہ کہ ایک طرف سے ادائیگی متعین ہو اور دوسری طرف سے موہوم ہو، دوسری بات یہ ہے کہ جس طرف سے ادائیگی ہوگئی ہے اس کی رقم دو باتوں میں دائر ہے، یا تو یہ رقم خود بھی ڈوب جائے گی یا اور رقم کو کھینچ کر لائے گی (اسلام اور جدید معیشت و تجارت رص۹۰)۔

۱۳۔ صورت مسئولہ میں فیوچر سیل شرعاً جائز نہیں ہے۔

۱۴۔ صورت مسئولہ میں غائب سودا جس میں بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ تمام رکن اور انعقاد بیع کے لئے صیغہ ماضی یا حال شرط ہے، اور صیغہ استقبال سے بیع جائز نہیں ہے۔

۱۵۔ شیئرز پر قبضہ کا مطلب:

شیئرز در حقیقت کمپنی کی املاک میں متناسب حصہ داری کا نام ہے اور شیئرز سرٹیفکیٹ در حقیقت اس حصہ داری کا تحریری ثبوت ہے، لہذا مبیع وہ تحریری ثبوت نہیں بلکہ کمپنی کی املاک کا ایک مشاع حصہ ہے، اس لئے اس پر حسی قبضہ تو نہیں ہوسکتا لہذا اس میں معنوی قبضہ ہی معتبر ہوگا۔ اب دو صورتیں ہیں: یا تو یوں کہا جائے کہ معنوی قبضہ اس وقت ہوگا جب سرٹیفکیٹ ہاتھ میں آجائے، یا پھر یوں کہا جائے کہ جس وقت وہ مشاع حصہ مشتری کے ضمان میں آجائے اس وقت معنوی قبضہ متصور ہوگا، اور ہر چیز کے قبضہ کا تصور عرف سے متعین ہوتا ہے اور عرف میں شیئرز کا قبضہ اس وقت سمجھا جاتا ہے جب سرٹیفکیٹ ہاتھ میں آجائے۔

۱۶۔ صورت مسئولہ میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ سرٹیفکیٹ پر قبضہ کئے بغیر آگے بیع نہ کی جائے۔

۱۷۔ صورت مسئولہ میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے۔

☆☆☆☆☆

کمپنی کے شیئرز اوران کا شرعی حکم

مفتی انور علی اعظمی، دارالعلوم مئو

۱۔ کمپنی کے شیئرز کے بارے میں دو نقطۂ نظر ہیں:

ایک یہ کہ شیئرز سرٹیفکیٹ محض کمپنی کو دئے ہوئے پیسے کی دستاویز ہے، کمپنی کے اثاثوں اور اسکی املاک میں حسب تناسب حصہ دار ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، یہی نظریہ درست ہے۔

۲۔ کمپنی کے قیام کے وقت جبکہ اس کے صرف سیال اثاثے یعنی نقد روپے ہیں، ابھی اس کمپنی نے نہ کوئی بلڈنگ خریدی ہے اور نہ مشینری، نہ اس کے پاس خام مال ہے اور نہ تیار مال ہے، اس وقت کمپنی کے شیئر کا کمی بیشی کے ساتھ بیچنا خریدنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب کمپنی کے پاس نقد رقم کے علاوہ اور کوئی ملکیت نہیں ہے تو اس صورت میں دس روپے کا شیئر دس روپے ہی کی نمائندگی کر رہا ہے، لہذا اس کو نو روپے میں بیچنا یا گیارہ روپے میں خریدنا، ایسے ہی ہے جیسے دس روپے کے نوٹ گیارہ روپے کا بیچنا یا خریدنا، جو کہ ناجائز ہے۔

۳۔ جب کمپنی کے پاس سیال اثاثے کے علاوہ کچھ منجمد اثاثے مثلاً بلڈنگ، مشینری، خام مال وغیرہ ہو گئے تو اس وقت اس کے شیئرز کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہوگی، لیکن اس صورت میں ایک بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جب کمپنی کا کاروبار ترقی کر جائے اور کمپنی کے واجب الوصول قرضے اور نقد کی مقدار بڑھ جائے تو شیئر کے مقابلہ میں واجب الوصول قرض اور نقد کی جو مقدار آتی ہے اس سے زیادہ میں بیچنا ضروری ہوگا، اس کے برابر یا کم میں بیچنا جائز نہیں، مثلاً ابتداء میں ایک کمپنی کی کل رقم سو روپے قرض لی گئی اور اجزاء اس طرح تھے۔

واجب الوصول قرض	بلڈنگ	مشینری	مال	نقد
۱۰	۴۰	۲۰	۲۰	۱۰

لیکن ترقی کے بعد کمپنی کے اثاثوں کی مالیت دوسو بیس (۲۲۰) ہوگئی۔

واجب الوصول قرضے	نقد شیئرز	بلڈنگ	مشینری	خام مال
۷۰	۷۰	۴۰	۲۰	۲۰

اب کمپنی کے شیئر کی ویلو دس سے بڑھ کر بیس ہوگئی، لہذا اس وقت دس روپے کے شیئر کی مجموعی مالیت اکیس روپے ہوگئی۔ اکیس میں سے چودہ نقد اور واجب الوصول قرضے اور بقیہ سات میں بلڈنگ، مشینری اور خام مال وغیرہ، اس صورت میں دس روپے کے شیئر کو چودہ روپے سے کم کا فرخت کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ چودہ روپے سے زیادہ بیچنا ضروری ہوگا، تاکہ چودہ کے مقابلہ میں نقد اور واجب الوصول قرضے کے چودہ ہو جائیں اور زائد کے مقابلہ میں بلڈنگ مشینری اور خام مال کا حصہ ہوگا۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے، جیسے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت اور اکسپورٹ، یا بینکس اور سودی اسکیموں میں روپے لگانا، ان کے شیئرز خریدنا جائز نہیں۔

۵۔ موجودہ حالات میں انکم ٹیکس وغیرہ کا جو غیر عادلانہ قانون رائج ہے اس سے بچنے کے لئے سودی قرض لینا ایک مجبوری ہے اور یہ مجبوری شخصی کاروبار میں حائل ہوتی ہے اور کمپنی کو پیش آسکتی ہے، لہٰذا اگر کمپنی نے بدرجہ مجبوری سودی قرضے لئے تو اس کے شیئرز خریدنا جائز ہوگا۔

البتہ شیئرز ہولڈر اس بات کی کوشش کرے کہ مجبوری ختم ہونے کے بعد بلا ضرورت سودی قرض میں کمپنی ملوث نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ جتنا حصہ سودی اکاؤنٹ سے حاصل ہوا اتنا حصہ بلا نیت ثواب صدقہ کرے۔

۶۔ دو شرطوں کے ساتھ ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنے کی اجازت ہوگی: ایک تو یہ کہ شیئر ہولڈر اپنی استطاعت بھر سودی آلودگی سے کمپنی کو بچانے کی کوشش کرے، اور دوسرے یہ کہ کمپنی کے اجلاس میں اس کے خلاف آواز اٹھائے۔

۷۔ سودی قرض لینے کی صورت میں اس قرض سے حاصل ہونے والے منافع جائز ہونگے، وہ قرض مفید ملک ہوگا، اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہوگی۔ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اپنی کتاب "اسلام اور جدید معیشت وتجارت" میں تحریر فرماتے ہیں: بعض علماء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کمپنی سودی کاروبار اصلاً کر رہی ہو یا تبعاً، سودی کاروبار کم ہو یا زیادہ، اس کے شیئرز لینا جائز نہیں خواہ اسکا حقیقی کاروبار درست ہو، لیکن صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی کے سودی لین دین کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ کمپنی قرضہ لے اور اس پر سود ادا کرے، اس صورت میں کمپنی کی آمدنی میں کوئی حرام عنصر شامل نہیں ہوا، اس لئے کہ جو کوئی شخص سود پر قرض لے تو یہ فعل حرام اور سخت گناہ ہے مگر وہ قرض کا مالک ہوجائیگا، اس کے ساتھ کاروبار کی جو آمدنی حاصل ہوگی وہ بھی حلال ہوگی (صفحہ ۸۷)۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئر ہولڈرس کا وکیل ہے لیکن یہ وکالت شرکت کی وکالت سے مختلف ہے، اس لئے کہ شرکت میں ہر شریک کی وکالت اس درجہ قوی ہوتی ہے کہ اگر ایک شریک بھی کسی کاروبار سے اختلاف کردے تو وہ کاروبار نہیں کیا جاسکتا لیکن کمپنی کے سیکڑوں شرکاء ہوتے ہیں بلکہ کبھی کبھی یہ تعداد ہزار تک پہونچ جاتی ہے، لہٰذا یہاں شیئر ہولڈرس باوجود شریک ہونے کے اتنا پاور نہیں رکھتے کہ اپنی تنہا رائے سے کمپنی کے اجتماعی فیصلے کو رد کرسکیں، اس لئے ان کا کمپنی کے اجلاس میں سودی کاروبار سے اختلاف کردینا اور بقول حضرت تھانویؒ کمپنی کے ذمہ داران کو اس مضمون کا خط لکھ دینا کافی ہوگا، اور اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کرلینے کے بعد شیئر ہولڈر بورڈ آف ڈائرکٹرس کے اس عمل کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

۹۔ کمپنی کی میٹنگ میں شیئر ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اپنے اختلاف کا اعلان کردینا وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے اسے بری الذمہ کردے گا۔

۱۰۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہوا و ئی مقدار معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کو منافع سے اسکی بقدر نکال کر صدقہ کرنا بھی ضروری ہوگا۔

۱۱۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو

تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا اتنا فیصد ملنے والے منافع سے نکال کر صدقہ کر دینا شیئر ہولڈر کی بقیہ منافع کو جائز بنانے کے لئے کافی ہوگا۔

۱۲۔ شیئرز کی خریداری دو مقصد سے ہوتی ہے: ایک تو باقاعدہ کمپنی کا حصہ دار بن کر اسکا سال بسال نفع حاصل کرنے کے لئے، دوسرے شیئرز کو سامان تجارت کے طور پر بیچنے خریدنے کے لئے۔ شیئرز خریدنے والے کمپنی کے نفع کو سامنے رکھنے کے بجائے شیئرز کی قیمت میں اتار چڑھاؤ کو سامنے رکھتے ہیں، جب کسی کمپنی کا شیئر گھٹ جاتا ہے تو اسکا شیئر خرید لیتے ہیں اور بڑھ جانے کے بعد بیچ دیتے ہیں۔ اس دوسرے مقصد سے بھی شیئر کی خرید و فروخت جائز ہے، اور اس خریداری میں اور فروختگی میں جس قیاس آرائی اور تخمین کو دخل ہے وہ شرعاً ممنوع نہیں ہے، اس طرح کی قیاس آرائی تو ہر قسم کی تجارت میں چلتی ہے۔ البتہ تخمین اور قیاس آرائی کی بنیاد پر شیئرز کی خرید و فروخت وہاں ناجائز ہوگی جہاں شرعی اصول کی رعایت نہ کی جائے، مثلاً جہاں غیر مملوک کی بیع یا غیر مقبوض کی بیع ہو یا قمار کی شکل بن رہی ہو، مثلاً کمپنی کے وجود میں آنے سے پہلے اس کے منجمد اثاثوں کی بیع کی جائے، کمپنی کا ابھی صرف وجود ذہنی ہے خارج میں کچھ بھی نہیں، اور اس کے دس روپے کے شیئر کو پچاس روپے کا بیچا جائے، خواہ نیت سرمایہ کاری کی ہو یا شیئر بیچ کر نفع کمانے کی۔

۱۳۔ فیوچر سیل یا بیاعات مستقبلیہ:

شیئرز مارکیٹ میں مروج فیوچر سیل یعنی بیاعات مستقبلیہ کا سودا ناجائز ہے، کیونکہ یہ ایک جوا ہے، مقصد کسی چیز کی خرید و فروخت نہیں بلکہ صرف سٹے بازی اور ڈیفرنس برابر کرنا ہے، یہ صورت بالکل حرام ہے، اس لئے کہ اس بیع میں مشتری نہ تو مبیع پر قبضہ کرتا ہے اور نہ بائع ثمن پر، بلکہ یہ مقصد ابتداء ہی سے معدوم ہوتا ہے، دونوں کے درمیان قبضہ کی تاریخ طے ہوتی ہے اور اس تاریخ پر اگر شیئرز کی قیمت گھٹ گئی تو یوم خرید اور یوم قبضہ کا فرق مشتری بائع کو دیتا ہے، اور اگر شیئرز کی قیمت بڑھ گئی تو دونوں تاریخوں میں قیمت کا فرق بائع مشتری کو دیتا ہے، شرعی ضابطہ سے یہ بیع بالکل ناجائز ہے، اور اسی قسم کے تخمین اور قیاس آرائی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

۱۴۔ غائب سودے جن میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے وہ بھی شرعاً ناجائز ہے، مستقبل میں بیع کا وعدہ کیا جا سکتا ہے لیکن وقت آنے پر باقاعدہ بیع ضروری ہوگی۔ بیع کی مستقبل کی طرف اضافت یا تعلیق باتفاق ناجائز ہے (اسلام اور جدید معیشت و تجارت ۹۱)۔

۱۵۔ شیرز کا قبضہ:

کمپنی کے شیئر ہولڈر یعنی حصہ دار سے حصہ خریدنے کے بعد خریدار اس حصہ کا مالک ہو جائے گا، چاہے اس سے اپنے حصہ کا سرٹیفکیٹ ملا ہو یا نہ ملا ہو، جیسے مکان کا خریدار نفس خرید سے مکان کا مالک ہو جائے گا، چاہے رجسٹریشن کا کاغذ ملا ہو یا نہ ملا ہو، شیئرز ہولڈر کا شیئر سرٹیفکٹ پر اگرچہ حسی قبضہ نہیں ہوا لیکن کمپنی کے حصہ پر اسکا معنوی قبضہ ثابت ہو جائے گا، اس لئے کہ اسٹاک ایکسچینج کے قانون کے حساب سے خریدنے والا خریدنے کے وقت سے اسکے نفع نقصان کا ذمہ دار مانا جاتا ہے، یعنی اگر خریداری کے بعد

سرٹیفکٹ ملنے سے پہلے کمپنی تباہ ہوگئی تو نقصان مشتری کا ہوگا بائع کا نہیں ہوگا۔ مفتی محمد تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں: اسٹاک ایکسچینج کے لوگوں سے تفصیلی گفتگو کے نتیجے میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ حاضر سودا ہوجانے کے بعد شیئرز کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں، وہ خریدار کے ضمان میں داخل ہو جاتے ہیں، اس دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ شیئر کے بیع ہی سے خریدار مالک ہوجائے گا اور اس کا قبضہ سرٹیفکٹ کی حصولیابی پر موقوف نہیں ہوگا۔ لیکن دوسری دلیل اسکے خلاف کی متقاضی ہے، وہ یہ کہ عرف میں سرٹیفکٹ پر قبضہ کو ہی شیئر پر قبضہ تصور کیا جاتا ہے، کیونکہ کمپنی کے حصہ مشترکہ پر قبضہ حسی کی کوئی شکل نہیں، لہذا جب تک سرٹیفیکٹ نہیں مل جاتا عرف میں وہ آدمی اپنے شیئر پر قابض نہیں ہوا، اس دلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ سرٹیفکٹ حاصل کرنے سے پہلے اس کی بیع دوسرے کے ہاتھ نہ کرے۔

۱۶۔ سرٹیفکٹ حاصل کرنے تک ابھی شیئر پر قبضہ مشتبہ ہے، اس لئے اس کی بیع احتیاط کے خلاف ہے اور اسکی اجازت سٹہ بازی کی حوصلہ افزائی کے مترادف ہے، اس لئے اس سے پرہیز لازم ہے۔

☆☆☆☆☆

شیئرز کے احکام

مفتی شبیر احمد قاسمی صاحب
دارالافتاء مدرسہ شاہی، مرادآباد

کمپنی کے حصص اور شیئرز خریدنا:

اگر کوئی براہ راست کمپنی سے شیئرز کا فارم خرید کر شرکت کر لیتا ہے اور حصص کے تناسب سے نفع ونقصان اور راس المال سب میں شریک ہوجاتا ہے تو شرعاً یہ معاملہ شرکت عنان کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز اور درست ہوجائے گا (مستفاد امداد الفتاوی ۳/۴۹۴، ۳/۴۹۰) اس لئے کہ شرکت عنان میں ہر فریق کا عمل میں شریک ہونا لازم نہیں ہے بلکہ اس میں وکالت کا مفہوم موجود ہونے کی وجہ سے عمل میں شرکت کے بغیر بھی درست ہوجاتی ہے (مستفاد فتاوی عالمگیری ۲/۳۱۹) کہ روپئے دینے والے اس کمپنی کے شرکاء ہیں اور کارکنان کمپنی ان کے وکیل ہوتے ہیں (امداد الفتاوی ۳/۴۹۱) لہذا کمپنی کے حصص اور شیئرز کا خریدنا اور ان سے نفع حاصل کرنا جائز اور حلال ہوگا (ایضاح النوادر ۱/۱۰۲)۔

مارکیٹ سے شیئرز خریدنا:

ہمارے ہندوستان میں یہ طریقہ رائج ہے کہ بعض لوگ کمپنی کے ایجنٹ بن کر ایجنسی کھول کر کمپنی سے کافی مقدار میں شیئرز لے کر بازار میں شیئرز فارم فروخت کرتے ہیں، تو کیا اس طرح ایجنسی سے کمپنی کے شیئرز خریدنا جائز ہو سکتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی تین شکلیں زیادہ واضح نظر آتی ہیں:

۱۔ خریدار کی نگاہ میں یہی بات پیش نظر ہوتی ہے کہ شیئرز کا فارم خرید کر متعلقہ کمپنی میں شرکت حاصل کرتا ہے اور تناسب کے حساب سے نفع ونقصان میں شریک ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں اگر ایجنسی نے کمپنی کو ان حصوں کا عوض ادا نہیں کیا ہے تو ایجنسی من جانب کمپنی وکیل ہے اور شیئرز کے خریدار کمپنی کے شریک ہوں گے، اور اگر ایجنسی نے ان حصوں کا عوض ادا کر دیا ہے تو ایجنسی کمپنی کی شریک ہوگی، اور جب ایجنسی اپنے حصص بازار میں جا کر دوسروں کے ہاتھ عوض لے کر منتقل کر دے گی تو ایجنسی درمیان سے نکل جائیگی اور خریدار کمپنی کی شرکت میں حصہ دار بن جائیں گے (مستفاد امداد الفتاوی ۳/۴۹۲)۔

۲۔ خریدار کے ذہن میں یہ بات نہیں ہوتی ہے کہ کمپنی میں شرکت کرنا ہے بلکہ اس کے ذہن میں صرف یہ بات ہوتی ہے کہ آئندہ چند روز کے بعد ان حصص کا بھاؤ بڑھ جائے گا اور اس سے زیادہ قیمت میں فروخت ہوسکتے ہیں لہذا اب خرید لئے جائیں، تو اس طرح شیئرز کی خرید وفروخت بھی شرعاً بقول امام ابویوسف جواز کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور حلال ہوجائے گی۔

وقال ابو یوسف لا یکرہ ھذا البیع (الی قولہ) حتی لو باع کاغذۃ بالف یجوز

الخ (شامی ۳۲۶/۵، فتح القدیر ۲۱۲/۷)۔

اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ بیع مکروہ نہیں ہے حتی کہ اگر کوئی کاغذ ایک ہزار میں فروخت کیا جائے تو بھی جائز ہے۔

۳: کمپنی کے ایجنٹ تو نہیں بلکہ کوئی شخص براہ راست شخصی طور پر شیئرز خرید لیتا ہے اور پھر اپنے شیئرز کو کسی وجہ سے فروخت کر دیتا ہے اور خریدار اس سے کمپنی میں شرکت کی غرض سے یا آئندہ شیئرز کے بھاؤ بڑھنے پر اچھی شرح پر فروخت کرنے کی غرض سے خریدتا ہے تو یہ بھی شرعاً جواز کے دائرہ میں داخل ہو کر درست ہو جائے گا (ایضاح النوادر ۱۰۳/، امداد الفتاوی ۴۹۲/۳، ۴۹۵/۳)۔

مسلم کمپنی کے شیئرز خریدنا:

اگر مسلمان کی کمپنی ہے اور کمپنی میں جائز کاروبار ہے اور سودی کاروبار کرنا شیئرز کے خریدار کو یقین سے معلوم نہیں ہو سکا ہے تو ایسی کمپنی سے شیئرز کا خریدنا بلاشبہ جائز اور حاصل ہونے والا نفع حلال ہوگا، لہذا اگر کمپنی فی الواقع سودی لین دین کرتی ہے تو اس کا وبال کمپنی کے ذمہ داروں پر ہوگا شیئرز کے خریدار پر نہ ہوگا۔ ہاں البتہ اگر مسلم کمپنی کا سودی کاروبار یقین سے معلوم ہو جائے تو اس شیئرز کا خریدنا ناجائز اور ممنوع ہوگا (امداد الفتاوی ۴۹۱/۳)۔

اور امداد الفتاوی میں یہ بات صراحت سے بیان کی گئی ہے کہ اگر کمپنی کے سودی کاروبار سے خریدار مطلع ہو جائے اور خریدار کمپنی کو سودی لین دین سے صراحت سے منع کر دے تو ایسی صورت میں لین دین کا ذمہ دار خریدار نہ ہوگا اور اس کے لئے نفع حلال ہو جائے گا اور ذمہ دار کمپنی کے عملہ ہوں گے (امداد الفتاوی ۴۹۷/۳)۔

سودی کاروبار میں حصہ لینے والی مسلم کمپنی کے شیئرز:

اگر کسی شخص نے سودی کاروبار میں حصہ لینے والی کمپنی کے شیئرز خریدے ہیں اور اس نے کمپنی کے عملہ سے صراحۃً کہہ دیا ہے کہ سودی کاروبار جائز نہیں ہے تو ایسی صورت میں عقود فاسدہ کے لین دین کے ذمہ دار بقول حضرت تھانویؒ کمپنی کے عملہ ہوں گے، شیئرز کا خریدار نہ ہوگا، اور اگر پھر بھی کمپنی نے سودی کاروبار میں حصہ لے لیا ہے تو یہ کمپنی کے عملہ سے معلوم کرے کہ سالانہ آمدنی میں سے کتنا فیصد سودی کاروبار کی وجہ سے منافع ہوا ہے تو یہ خریدار اپنے حاصل شدہ منافع میں سے اتنا ہی فیصد نکال کر صدقہ کر دے، یہ شیئرز کے معاملہ میں حرام مال سے بچنے کے لئے ایک بہترین شکل ہے (فقہی مقالات رص ۱۵۰)۔

غیر مسلم کمپنی کے شیئرز خریدنا:

اگر کمپنی غیر مسلم کی ہے اور اس میں سودی کاروبار نہیں ہے تو بلاشبہ غیر مسلم کی ایسی کمپنی کے شیئرز کا خریدنا اور اس کے منافع حاصل کرنا جائز اور حلال ہوگا، اور اگر غیر مسلم اپنی کمپنی میں سودی کاروبار بھی کرتا ہے یا حالات معلوم

نہیں ہیں، اور ظاہر ہے کہ ان کے یہاں سودی لین دین مذموم نہیں ہے تو ایسی صورت میں غیر مسلم کی کمپنی کے شیئرز خرید نا شرعا مکروہ تحریمی ہوگا (امداد الفتاوی ۳/ ۴۹، ایضاح النوادر ۱/ ۱۰۶)۔

اگر غیر اسلامی ممالک میں کمپنی کے شیئرز کا معاملہ چل رہا ہے تو شیئرز کمپنی کی تین قسمیں ہیں:

قسم اول۔ غیر اسلامی ممالک کی مسلم کمپنی:

غیر اسلامی ممالک کی مسلم کمپنی کی تین شکلیں زیادہ واضح ہیں:

۱۔ کمپنی مسلمانوں کی ہو، چاہے اس میں کام کرنے والے غیر مسلم بھی ہوں پھر بھی اس کو مسلم کمپنی قرار دیا جائے گا، اگر ایسی مسلم کمپنی کا پورا کاروبار سودی لین دین پر ہے اور اس کمپنی میں کوئی بھی جائز معاملہ نہیں کیا جاتا ہے، مثلاً فکس ڈپازٹ کی کمپنی ہے یا لائف انشورنس کی کمپنی ہے یا شراب کی کمپنی ہے، تو ایسی مسلم کمپنی میں شیئرز خرید کر شرکت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۲۔ مسلم کمپنی جائز معاملہ کرتی ہے، مثلاً پلاٹ اور عمارت کا کام کرتی ہے یا خود اس کمپنی میں اشیاء تیار ہوتی ہیں، مثلاً جوتا، چپل یا کپڑا یا صابن یا گاڑی وغیرہ خود اس کمپنی میں بنتے ہیں تو ایسی کمپنی کی شرکت اور اس کے شیئرز خرید کر منافع حاصل کرنا بلاشبہ جائز اور درست ہے، اس لئے کہ یہ معاملہ شرعی طور پر مضاربت یا شرکت کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور درست ہو جاتا ہے۔

۳۔ مسلم کمپنی کا اصل کاروبار جائز تجارت یا جائز چیزوں کی ایجاد ہے لیکن ضمناً فکس ڈپازٹ وغیرہ بھی کرتی ہے یا سرکار سے سود پر قرض لے کر بھی کام کرتی ہے تو ایسی مسلم کمپنی سے شیئرز خریدتے وقت صاف کہہ دیا جائے کہ ہم سودی معاملہ کو جائز نہیں سمجھتے ہیں اور ہمارے اسلام میں سودی معاملہ جائز نہیں ہے اس لئے آپ سودی معاملہ نہ کیجئے، پھر بھی اگر کمپنی سودی معاملہ کر بیٹھے تو سال کے آخر میں منافع تقسیم کرتے وقت کمپنی سے معلوم کر لیا جائے کہ کتنے فیصد منافع سودی لین دین سے حاصل ہوا ہے تو خریدار اپنے منافع میں سے اتنا فیصد صدقہ کر دیا کرے (مستفاد فقہی مقالات/ ص ۱۵۱)۔

قسم دوم۔ مسلم وغیر مسلم کی مشترک کمپنی:

اگر غیر اسلامی ممالک میں کمپنی مسلمان وغیر مسلم کے درمیان مشترک ہے اور ایسی کمپنی کا شیئرز خریدا جا رہا ہے تو اس میں وہ سارے احکام لاگو ہوں گے جو خالص مسلم کمپنی سے شیئرز خریدنے کے متعلق ذکر کئے جاتے ہیں، جو صورتیں مسلم کمپنی کے شیئرز میں جائز ہیں وہ مشترک کمپنی میں بھی جائز ہوں گی، اور جو شیئرز مسلم کمپنی کے جائز نہیں ہیں وہ مشترک کمپنی کے بھی جائز نہ ہوں گے۔

قسم سوم۔ غیر مسلم کمپنی کے شیئرز:

اگر کمپنی کے مالک غیر مسلم ہیں اگرچہ اس میں کام کرنے والا بعض عملہ مسلمان کیوں نہ ہو، اس پوری کمپنی کو

غیر مسلم کمپنی کہا جائے گا، اور غیر مسلموں کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرنا یا شرکت عنان کا معاملہ کرنا بالاتفاق جائز ہے، البتہ صرف شرکت مفاوضہ میں حضرات طرفین اور حضرت امام ابو یوسف کا اختلاف ہے، حضرات طرفین کے نزدیک شرکت مفاوضہ میں مساوات فی الدین شرط ہے، اور حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک مساوات فی الدین شرط نہیں ہے۔ اور کمپنی کے شیئرز کے معاملہ میں شرکت مفاوضہ کی تعریف یوں ہی صادق نہیں آتی ہے بلکہ شرکت عنان یا مضاربت کی تعریف صادق آتی ہے، اس لئے شیئرز کی خریداری میں مضاربت یا شرکت عنان کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسئلہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے، اور مضاربت اور شرکت عنان مسلم وغیر مسلم کے درمیان جائز ہوتا ہے، ان میں مساوات فی الدین شرط نہیں۔ لہذا مسلمان کے لئے غیر مسلم کمپنی کے شیئرز خریدنا بلاتردد جائز ودرست ہوگا [1]

غیر مسلم کمپنی میں سودی کاروبار:

اگر مسلمان نے غیر مسلم کمپنی سے شیئرز خرید لیا ہے اور وہ غیر مسلم عقود فاسدہ اور ربا کا معاملہ بھی اپنی تجارت میں کرتا ہے تو ایسی صورت میں کمپنی کے شیئرز سے ملا ہوا منافع مسلمان کے لئے حلال ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ عقود فاسدہ اور ربا کا معاملہ کرنے میں مسلمان کا کوئی دخل نہیں ہے، سارا دخل اور اختیار اور معلومات اس غیر مسلم ہی کو حاصل ہے اور عقد کے حقوق بھی اسی غیر مسلم پر لاگو ہوں گے، اور خریدار مسلمان کو پوری طرح حقیقت بھی معلوم نہیں تو ایسی صورت میں حاصل شدہ منافع اس مسلم کے لئے حلال ہونے میں کسی قسم کا تردد نہیں ہے، اس لئے کہ ہم کو شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان کو ان کے معاملات پر چھوڑ دیں، وہ اپنے اعتقاد کے اعتبار سے معاملہ کرتے رہیں، اور عقود فاسدہ اور سودی معاملہ ان کے دین کے اعتبار سے جائز ہے، اس لئے اگر غیر مسلم کمپنی نے اپنی کمپنی کے اندر سودی لین دین کر رکھا ہے تو اس کا وبال خریدار مسلم پر نہیں پڑے گا اس لئے کہ معاملہ کو طے کرنے میں مسلمان کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ غیر مسلم کمپنی کا دخل رہا ہے، لہذا غیر مسلم اپنے طور پر معاملہ کر کے جو منافع حاصل کرتا ہے وہ اس کے لئے حلال ہے اور جب وہ مسلمان کو دے گا تو اس کے لئے بھی حلال ہو جائے گا، لیکن جان بوجھ کر ایسا معاملہ کرنا مسلمان کے لئے مکروہ ہے، البتہ تجارت کا منافع حلال ہوگا۔ واللہ اعلم (اعلاء السنن ۱۴/۱۱۱-۱۱۲)۔

☆☆☆☆☆

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۶/۸۱، قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ۶/۳۱۳، عالمگیری ۴/۲۱۹، ۳۴۳، ۳۳۳، تبیین الحقائق ۳/۳۱۵)۔

شیئرز کا شرعی حکم

مولانا محمد رضوان القاسمی، حیدرآباد

۱۔ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر، کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، یا محض اس بات کی دستاویز ہے کہ اس نے اتنی رقم کمپنی کو دی ہے۔ اس سلسلے میں علماء کرام کی رائیں مختلف ہیں۔ تاہم کمپنی کی حقیقت اور خصوصیات سے اس گروہ کی تائید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ وہ ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ کیوں کہ اگر کمپنی شرکاء کی باہمی قرارداد سے تحلیل ہو جائے تو ہر ایک کو کمپنی کے اثاثہ واملاک کا متناسب حصہ ملتا ہے، نفع حاصل ہونے کی صورت میں ہر شیئر ہولڈر کو راس المال کے تناسب سے حصہ ملتا ہے اور خسارہ کی صورت میں اسی تناسب سے نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔

۲۔ جب کمپنی کا وجود عمل میں نہ آیا ہو تو ظاہر ہے کہ شرکاء کے حصص صرف نقود کی شکل میں ہوں گے، تو ایسے شیئر کی بیع میں نقد کا مقابلہ نقد سے ہوگا، جس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ مجلس میں قبضہ ہو، لہذا اس شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے ایسے شیئر کو خریدنا جائز نہ ہوگا، چونکہ نقد کے مقابلہ میں نقد ہے۔

۳۔ کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد اس کا سرمایہ نقود واملاک کا مجموعہ ہوتا ہے، تو اس کا شیئر خریدنا جائز ہے جب کہ ثمن کے مقابلہ میں نقد کم ہو، تا کہ بقیہ ثمن املاک کے مقابل ہو جائے، جیسا کہ فقہاء چاندی سے ملمع کی ہوئی تلوار وغیرہ کی بیع میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ ثمن کے مقابلے میں چاندی کم ہو، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

والأصل انه متى بيع نقد مع غيره كمفضض و مزركش بنقد من جنسه شرط زيادة الثمن.

اصل یہ ہے کہ جب نقد اور غیر نقد سے مخلوط شئی مثلاً چاندی سے ملمع کی ہوئی چیز اور زری والے کپڑے کی بیع خالص نقد کے ساتھ کی جائے تو اگر دونوں نقد کی جنس متحد ہو تو ثمن کی زیادتی شرط ہے۔

۴۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حرام ہے تو ان کے کا شیئرز خریدنا ناجائز ہے، کیونکہ یہ اعانت علی المعصیة ہے، اور کتاب وسنت اور فقہاء کی عبارات اس کے حرام وممنوع ہونے پر ناطق ہیں۔

۵۔ اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہو لیکن وہ عائد ہونے والے ناواجبی ٹیکس مثلاً انکم ٹیکس وغیرہ کی زد سے بچنے کے لئے سودی قرض لیتی ہو تو یہ احتیاج وضرورت کی وجہ سے جائز ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

يجوز للمحتاج الا ستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر رص ۹۲)۔

محتاج کے لئے سودی قرض لینا جائز ہے۔

۶۔ اور اگر قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے سرمایہ کا کچھ حصہ ریزرو بینک میں جمع کرنا پڑتا ہو تو یہ بھی ضرورت کی وجہ سے جائز ہے، اس لئے ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنے کے جواز میں بھی کوئی کلام نہیں۔

۷۔ سودی لین دین عقود فاسدہ میں سے ہے، اس لئے اس پر قبضہ کرنے سے ملکیت آجائیگی، اگر یہ معاملہ ضرورتاً کیا گیا ہو تو اس سے حاصل ہونے والے منافع بھی حلال ہوں گے، چونکہ اس میں کوئی حرام عنصر شامل نہیں ہوا

ہے،اور ضرورتاً لئے جانے کی وجہ سے اس میں خبث بھی نہیں ہے، لیکن اگر بلاضرورت قرض لیا گیا ہو تو وہ مال خبیث سمجھا جائے گا، اس لئے منافع بھی حلال نہ ہوں گے۔

۸، ۹۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈرس کا وکیل ہے، لیکن شیئر ہولڈر اگر ڈائرکٹرس کے کسی عمل سے صراحۃً براءت کا اظہار کردے تو وہ اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

۱۰۔ مذکورہ تمام صورتوں میں سودی منافع کا صدقہ کر دینا کافی ہوگا، جیسا کہ مال حلال وحرام کے خلط ملط ہو جانے کا حکم ہے کہ جب حرام مال کی مقدار معلوم ہو تو صرف اس کو صدقہ کر دینا کافی ہوگا۔

۱۱۔ اگر سودی آمدنی کو کاروبار میں لگایا جاتا ہو اور بھی شیئرز کمپنیاں ایسا کرتی ہوں تو ان کے شیئرز خرید کرنا جائز ہے۔

۱۲۔ شیئرز کی خرید وفروخت درحقیقت کمپنی کے اثاثوں میں متناسب حصہ کی خرید وفروخت ہے، گویا اسے تجارت کی حیثیت حاصل ہے، اس لئے شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے اس کی تجارت جائز ہے، بیع کے جواز وعدم جواز میں قیاس وتخمین کا کوئی دخل نہیں ہے۔

۱۳، ۱۴۔ غائب سودا جس میں بیع کی نسبت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، نہ جائز ہے اور نہ معتبر، چنانچہ وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

البيع المضاف: هو ما أضيف فيه الايجاب إلى زمن مستقبل كان يقول شخص لغيره: بعتك هذه السيارة بكذا من أول الشهر القادم ..... أتفق الفقهاء على عدم صحة البيع المعلق او المضاف (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۴۶۱)۔

بیع مضاف وہ ہے جس میں ایجاب کی کیفیت زمانہ مستقبل کی طرف کی جائے، جیسا کہ کوئی شخص دوسرے سے کہے: میں نے تیرے ہاتھ یہ گاڑی اتنے میں فروخت کیا لیکن اسے آئندہ مہینہ کے شروع میں حوالہ کرونگا......... فقہاء کرام بیع معلق یا بیع مضاف کے صحیح ہونے پر متفق ہیں۔

۱۵، ۱۶۔ فقہاء احناف کے یہاں تخلیہ کو حکماً قبضہ سمجھا گیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ مشتری بلا رکاوٹ ومشقت مبیع میں تصرف کر سکے، یہ کیفیت شیئر ہولڈر کو بوقت شراء ہی حاصل ہو جاتی ہے، جیسا کہ کمپنی کی خصوصیات وقوانین سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام حقوق وذمہ داریاں اور دیگر تصرفات کا حق بوقت شراء ہی حاصل ہو جاتا ہے، لہذا عقد تام ہوتے ہی یہ سمجھا جائے گا کہ وہ مبیع (کمپنی کے املاک کا متناسب حصہ) پر قابض ہے، لہذا شیئر (تحریری ثبوت) پر قبضہ کئے بغیر اس کی بیع درست ہوگی، چونکہ اصل مبیع اس کے ضمان میں آچکی تھی۔

۱۷۔ بروکر یعنی ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے، چنانچہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں:

أما الدلال فإن باع العين بنفسه بإذن ربها فاجرته على البائع (درمختار ۴/ ۵۶۰)۔

اگر دلال مالک مال کی اجازت سے مال خود فروخت کرے تو اس کی اجرت بائع پر ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

حصص سے متعلق شرعی نقطۂ نظر

مفتی شکیل احمد سیتاپوری

شیئرز کی ماہیت اوراس کی تعریف کیا ہے؟اس سلسلے میں اگر کسی معتبر کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس کا شائع کردہ مواد ترجمہ کر کے سوالنامہ کے ساتھ منسلک کیا جاتا تو شیئرز کا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہوتی۔ غالبًا یہ بھی ایک طرح کا نظام ہے، جس طرح بینکنگ ایک نظام ہے، اس لئے نظام چلانے والے ادارے اپنے نظام کے تعارف کے لئے جو مواد شائع کرتے ہیں اسی سے اسکی ماہیت سمجھ میں آتی ہے۔ ماہیت سمجھنے کے بعد ہی کوئی حکم لگانے کا مرحلہ آتا ہے، نیز بعض مسلم ممالک میں بھی یہ نظام رائج ہے، وہاں کے علماء کے خیالات معلوم ہوجاتے تو آسانی ہوتی، مناسب ہوتو اگلے سمینار میں اسی مسئلہ کوزیادہ شرح وبسط کے ساتھ دوبارہ لایا جائے تاکہ بصیرت کے ساتھ رائے قائم کی جاسکے۔

ا۔ بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ شیئرز دستاویز ہیں، لیکن اس طرح کی دستاویز نہیں ہے جیسی ڈالر، پاؤنڈ، ریال، اور روپے ہیں۔ ثانی الذکر زرمبادلہ ہے اور اول الذکر ایک طرح کا اسٹامپ ہے زرمبادلہ نہیں ہے، چنانچہ شیئرز کے بدلے اگر کوئی شخص اناج کی منڈی میں اناج خریدنا چاہے تو اس کو اناج نہیں ملے گا، شیئرز کا چلن تو صرف شیئرز کے مارکیٹ میں ہوتا ہے۔ اس لئے شیئرز کو نوٹوں کے بدلے خریدنا بیع صرف کیونکر ہوسکتا ہے، بیع صرف تو جب ہوتی جب دونوں جانب زرمبادلہ ہوتا، یہاں ایک جانب زرمبادلہ یعنی روپے ہیں اور دوسری جانب ایک مخصوص قسم کا اسٹامپ ہے۔ جب شیئرز نہ مبیع ہے نہ ثمن بلکہ متعینہ حصص کی تفصیل اور اسکی ضمانت ہے تو اس کے معاملہ کو عقد بیع کہنے کے بجائے عقد شرکت کہنا درست معلوم ہوتا ہے۔

شیئرز کا معاملہ شرکت عنان ہے جس میں تمام شرکاء اپنا مال بھی لگاتے ہیں اور محنت بھی کرتے ہیں، شیئرز میں شرکاء کا مال لگانا تو ظاہر ہے، اور محنت لگانا یہ ہے کہ ان ہی کے پیسوں سے تمام کام کرنے والوں کو اجرت دی جاتی ہے، گویا ان کا نائب ان کی طرف سے کام کررہا ہے۔

ومعنى شركة العنان أن يشترك رجلان بماليهما على أن يعملا فيهما بأبدانهما والربح بينهما وهي جائزة بالاجماع (المغنی ۱۶/۵)۔

یعنی شرکت عنان کا معنی ہے کہ دوآدمی اپنا مال بھی لگائیں اوراپنی محنت بھی لگائیں اور نفع آپس میں بانٹ لیں، اس طرح کی شرکت بالاتفاق جائز ہے۔

ولايجوز ان يكون رأس مال الشركة مجهولا ولا جزافاً (المغنی) یعنی عقد شرکت میں راس المال کا مجہول ہونا یا اس کا انکل پرمبنی ہونا درست نہیں ہے۔

وشركة العنان مبنيّة على الوكالة والأمانة لأن كل واحد منهما بدفع المال إلى صاحبه أمّنه وبإذنه له في التصرف وكّله (بحوالہ سابق)۔

یعنی شرکت عنان کی بنیاد وکالت اور امانت پر ہے۔اس لئے کہ ہرایک نے اپنامال دوسرے کودیکر اس کو امین بنادیا ہے،اوراس کوتصرف کی اجازت دیکر وکیل ٹھہرادیا ہے۔

۴۔ جو کمپنیاں ناجائز مال تیار کرتی ہیں ان کے شیئرز خریدنا ناجائز ہے۔

۵،۶۔سود کی مجبوری:

جس صورت میں کمپنی اپنے طور پر پوری طرح سود سے بچنے کی کوشش کررہی ہے،لیکن قانونی مجبوری کی وجہ سے اورانکم ٹیکس سے بچنے کے لئے اس کوسودی قرض لینا پڑا ہے،یا اس نے بادل ناخواستہ سود لے کراتنا صدقہ کردیا ہے،تو یہ صورت تمام صورتوں میں سب سے زیادہ اوراہون ہے۔لیکن مال کو بڑھانے اور مالدار بننے کے لئے سودی قرض لینا حرام اورانتہائی قبیح ہے۔

اگرکوئی کمپنی جائزالاستعمال مال تیار کرتی ہے اوراس میں شرکت کے وقت ہرشریک کا راس المال متعین کردیا گیا ہے اوراس سے حاصل ہونے والے نفع کی نسبت یعنی نصف،ثلث،ربع،ثمن کے طور پر ذکر کی گئی ہے تو اس کے شیئرز کا خریدنا درست ہے۔

۱۲۔شیئرز کی تجارت:

شیئرز جب نہ ثمن ہیں اور نہ مبیع،تو ان کی تجارت کیونکر درست ہوسکتی ہے،رأس المال یا ثمن وہ زرمبادلہ ہے جوشیئر ہولڈرادا کرتا ہے،اورمبیع وہ سامان ہے جوفیکٹری میں تیار ہوگا،شیئران دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے،لہذا اس کی بیع وشراء درست نہیں ہے،نیز جب شیئر کا معاملہ عقدشرکت ہے توشریک کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ وہ اپنا حصہ دوسرے کوفروخت کردے۔

۱۳۔ فیوچر سیل درست نہیں ہے،کیونکہ یہ قمار ہے۔

عن عبدالله بن مسعود قال نهى النبیّ ﷺ عن صفقتين في صفقة رواه أحمد، قال سماک يبيع البيع فيقول هو بنسأ بكذا وبنقد بكذا و قال الشوكاني والعلة في تحريم بيعتين في بيعة عدم استقرار الثمن في صورة بيع الشيء الواحد بثمنين (نیل الاوطار۵/۱۵۳)۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع دو بیعوں کی صورت میں کرنے سے منع فرمایا،سماک کہتے ہیں کہ اسکی صورت یہ ہے کہ کہے یہ مال ادھار لوتو اتنے میں اور نقد لوتو اتنے میں۔ قاضی شوکانی کہتے ہیں کہ علت نہی یہ ہے کہ ثمن میں استقرار نہیں ہے۔

۱۷۔ جس صورت میں شیئرز خریدنا درست ہے اس صورت میں بروکری بھی درست ہے۔

ولا بأس أن يأخذ السمسار أجره قال البخاري في صحيحه لم ير ابن سيرين وعطاء وإبراهيم والحسن بأجر السمسار بأسا، وقال ابن عباس لابأس بأن يقول بع هذا الثوب فما زاد على كذا و كذا فهو لک، وقال ابن سيرين إذا قال بعه بكذا فما كان من ربح فهو بيني وبينک

فلا بأس به، وقال النبی ﷺ المسلمون عند شروطهم (الحلال والحرام فی الاسلام/۲۳۸)۔

یعنی اگر ایجنٹ اجرت لے لے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابن سیرین اور عطاء بن ابی رباح اور ابراہیم اور حسن بصری ایجنٹ کی اجرت میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کسی سے کہے کہ یہ کپڑا بیچ دو اور جو زیادہ پیسے ملیں گے وہ تمہارے ہونگے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ابن سیرین کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ یہ چیز فروخت کردو جو نفع ہوگا وہ ہمارے اور تمہارے درمیان نصف نصف ہوگا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"المسلمون عند شروطهم" (مسلمانوں کو اپنی شرط پوری کرنی چاہئے)۔

☆☆☆☆☆

شیئرز کے چند مسائل

مفتی محبوب علی وجیہی، رامپور

۱۔ جو شخص کسی کمپنی یا فیکٹری کے شیئرز خریدتا ہے تو وہ اس کمپنی کے ہر حصہ اور ہر چیز میں اپنے شیئرز کے تناسب سے مالک ہو جاتا ہے، اس لئے یہ شیئرز اس کی ملکیت کا نمائندہ ہے، پس شیئرز کی یہ حقیقت ہے کہ نقد، اثاثوں، اس کی زمین، مشینیں وغیرہ شیئرز کے ذریعہ اس کی ملکیت میں آجاتی ہیں، اس لئے شیئرز کی خریداری یا فروخت نقد کی نقد کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اس کے شیئرز کے حصے کے بقدر جو چیز بھی کمپنی کی ملک ہے اس کی اس پر ملک ہو جاتی ہے، اور جو قانون گورنمنٹ کا ہے وہ ہمارے نقطہ نظر سے غلط ہے، اس میں شیئرز ہولڈر کے شیئرز کے بقدر کمپنی کے اثاثے یا اتنی رقم کمپنی کی ترقی ہونا ضروری ہے۔

۲۔ اگر کمپنی کا کوئی وجود نہیں ہے صرف کاغذ پر ہے تو شیئرز خریدنا جائز نہیں ہے، جب کمپنی کا وجود کچھ نہ کچھ ہو جائے مثلاً میٹریل وغیرہ تعمیر کے لئے آگیا، زمین خرید لی تو پھر فروخت کرسکتا ہے، یہ بیع بیع صرف ہوگی۔

۳۔ اگر کمپنی کے اثاثے نقد کے مقابلہ میں نمایاں طور پر غالب ہیں تو شیئرز خریدنا درست ہے کیونکہ اس سے بچنا بہت دشوار ہے اور معاملات کا دارومدار سہولت پر ہے۔ فقہ کا مشہور مقولہ ہے جو احناف کے یہاں بطور دلیل موجود ہے "للأکثر حکم الکل" اگر حرام اور حلال میں حلال غالب ہے تو کھانا پینا حلال ہے، اور حرام غالب ہے تو حرام، کیونکہ اس میں غالب کے اعتبار سے حکم ہوگا۔

۴۔ ان کمپنیوں کے شیئرز خریدنا مسلمان کے لئے حرام ہے۔

۵۔ چونکہ ان کمپنیوں کا نظام ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے، اس لئے ان کے شیئرز کا خریدنا جائز ہوگا، پھر گورنمنٹ کی طرف سے بہت سے ایسے قوانین ہیں جن سے بچنا مسلمان کے اختیار میں نہیں ہے اس لئے "المشقة تجلب التیسیر" کے تحت ان شیئرز کا خریدنا اور بیچنا جائز ہے، اسی طرح "الضرورات تبیح المحظورات" بھی اس پر دلیل جواز ہے۔

۶۔ اگر یہ قانون گورنمنٹ کی طرف سے بالجبر ہے اور اس جبر کو دفع کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے تو سیکورٹی بانڈس خریدنا یا ریزرو بینک میں جمع کرنا جائز ہے، البتہ اس سے حاصل ہونے والا سود گورنمنٹ کو جو سود دینا پڑتا ہے اس میں دیدے، یا کوئی امدادی فنڈ غرباء کے لئے کھول دے اس سود کی رقم سے، اور یہ رقم اس میں خرچ کردے۔

۷۔ یہ قرض مفید ملک نہیں ہوگا اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حلال نہیں ہوگی، قرض لینا خوشی سے نہ تھا مجبوری سے تھا اس لئے لینا پڑا، لیکن اب اس سے انتفاع جائز نہ ہوگا کیونکہ نفع اختیاری ہے۔

۸۔ وکیل کا کام مؤکل کی منشاء اور اس کے کہنے کے مطابق عمل کرنا ہے، لہذا اگر وکیل مؤکل کے کہنے اور مؤکل کی مرضی اور منشاء کے مطابق کام کرے گا تو اس کا عمل مؤکل کا عمل سمجھا جائے گا۔

۹۔ جی ہاں! اگر مؤکل وکیل کے کام سے اختلاف کرے تو پھر اس کام میں وہ اس کا وکیل نہیں رہے گا اور یہ وکیل کے عمل سے بریٔ الذمہ ہو جائے گا۔

۱۰۔ جی ہاں! مؤکل پہلے تو اپنے وکیل کے سود کے عمل میں اختلاف کر کے اس سے بریٔ الذمہ ہوگا، اب اس کے حصہ میں جو سود کی رقم آئے اس کو تصدق علی الفقراء کر دے تو یہ عنداللہ بریٔ الذمہ ہو جائے گا۔

۱۱۔ جی ہاں کافی ہوگا۔

۱۲۔ تجارت میں خرید و فروخت کے اندر بالعموم ظن و تخمین ہی کام کرتا ہے، آج بڑا تاجر بہت سا سامان اس لئے خرید کر رکھتا ہے کہ آئندہ دام بڑھیں گے اور میں نفع پر اس کو فروخت کروں گا، اسی طرح فیکٹری موجود ہے حلال سامان تیار ہو رہا ہے، یا فیکٹری بننے والی ہے پلان منظور ہو گیا یا بن رہی ہے، یا فیکٹری چل رہی ہے اس کے مال کی کھپت منڈی میں خوب ہے، پس ایسی فیکٹری کے اس خیال سے شیئرز خریدنا کہ اس میں نفع ہوگا بالکل جائز ہے، لیکن وہ فیکٹریاں جن کا ابھی وجود نہیں ہے صرف کاغذ پر ہیں ان کے شیئرز دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت نہیں کر سکتا تاوقتیکہ وہ تعمیر نہ ہونے لگیں اور ان کا وجود نہ ہو جائے۔

۱۳۔ قانون شریعت کے مطابق یہ خرید و فروخت ناجائز ہے۔

۱۴۔ اگر بیع سَلَم کی تعریف اس پر صادق آتی ہے اور وہ شرائط بیع سلم کے ساتھ ہو تو جائز ہوگی ورنہ نہیں۔

۱۵۔ جس وقت شیئرز کی خرید و فروخت کا عمل مابین بائع و مشتری جاری ہوا اسی وقت مشتری اس شی کا مالک ہو گیا اور قبضۂ حکمی اس کا ہو گیا، سرٹیفکیٹ تو محض ایک دستاویز ہے جس سے اس کی خریداری کا اور بائع کے فروخت کرنے کا ثبوت ہوتا ہے، جیسے ہم نے کسی جائداد کو خریدا، بعد کو رجسٹری کرائی تو رجسٹری ہمارے ہاتھ میں کبھی مہینہ بھر میں کبھی اس کے بھی بعد آتی ہے مگر جانبین میں عمل دخل اسی وقت سے شروع ہو جاتا ہے، لہذا یہاں عرف و عادت کی بنا پر قبضہ حکمی کافی ہوگا، حسی قبضہ ضروری نہیں۔

۱۶۔ مشتری نے شیئرز کی قیمت ادا کر دی، سودا پکا ہو گیا تو اب سرٹیفکیٹ کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے وہ تو صرف کاغذی ثبوت ہے، مشتری اس کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے۔

۱۷۔ ایسے آدمی کو شرع کی اصطلاح میں سمسار کہتے ہیں، آج کل کی اصطلاح میں بروکر کہتے ہیں، بروکر کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہے، یہ شخص عرف و عادت کے مطابق اپنا کمیشن بھی لے سکتا ہے اور طے کر کے بھی لے سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

کمپنیوں میں سرمایہ کاری اور شیئرز
احکام ومسائل

مولانا اختر امام عادل

''کمپنی'' مشترکہ کاروبار کی ایک نئی شکل ہے، ورنہ خود مشترکہ کاروبار کا تصور نیا نہیں، فقہاء متقدمین کی کتابوں میں شرکت کی مختلف قسموں اور احکام کا تفصیلی ذکر ملتا ہے، کمپنی اسی شرکت کی ایک جدید قسم ہے، جس کا پس منظر حضرت مولانا تقی عثمانی کے بقول یہ ہے کہ:

''یورپ میں صنعتی انقلاب رونما ہونے کے بعد سترہویں صدی کے آغاز میں بڑے بڑے کارخانوں وغیرہ کے قائم کرنے کے لئے عظیم سرمایہ کی ضرورت پڑنے لگی، جس کو کوئی شخص اکیلا یا چند افراد مل کر فراہم نہیں کر سکتے تھے، تو اس وقت عام لوگوں کی منتشر بچتیں یکجا کر کے ان سے اجتماعی فائدہ اٹھانے کے لئے کمپنی کا نظام رائج ہوا (اسلام اور جدید معیشت وتجارت ص/۵۵)۔

شرکت وکمپنی میں فرق:

کمپنی کو شرکت کی جدید قسم ماننے کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے شرکت کی جو چار قسمیں بیان کی ہیں، اور مضاربت کو بھی شامل کرلیا جائے تو پانچ قسمیں ہو جاتی ہیں، ان میں سے کسی بھی قسم میں کمپنی کو پورے طور پر داخل نہیں کیا جاسکتا، بنیادی طور پر اشتراک ہونے کے باوجود دونوں کے تصور وعمل میں کافی فرق ہے، مثلاً:

۱۔ شراکت میں ہر شریک کاروبار کے جزو مشاع کا مالک ہوتا ہے، تمام شرکاء ملکیت واختیارات میں برابر ہوتے ہیں، ہر شخص دوسرے کا وکیل اور جواب دہ ہوتا ہے، جبکہ کمپنی میں ایسا نہیں ہوتا، کمپنی کا خود مستقل قانونی وجود ہے، اس کو ''شخص قانونی'' یا ''شخص فرضی'' کہا جاتا ہے، حاملان حصص کو کمپنی کے اثاثوں میں حق ملکیت تو حاصل ہے، مگر حق تصرف حاصل نہیں، کمپنی تحلیل ہونے کے بعد اگر کمپنی کے اثاثوں کی تقسیم عمل میں آئے تو شرکاء کو ان کے متناسب حصہ کے مطابق اثاثہ ملے گا، مگر تحلیل سے قبل وہ کوئی تصرف نہیں کر سکتا، اسی بناپر کسی حامل حصص کے مدیون ہونے کی صورت میں اگر اس کے سامان کی قرقی عمل میں آئے تو کمپنی میں موجود اس کے حصہ کا اثاثہ قرق نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ شرکت میں کا، باری سلسلے میں کوئی دعوی ہو تو تمام شرکاء مدعی یا مدعا علیہ بنیں گے، ہر ایک فرد اس کا ذمہ دار قرار پائے گا، اس کے برخلاف کمپنی کا خود مستقل قانونی وجود ہے، وہ خود مدعی یا مدعا علیہ بنے گی، مگر

دوسرے حاملان حصص پر اس کی ذمہ داری نہیں آئے گی۔

۳۔ شرکت میں سے کوئی شریک اپنا معاملہ فسخ کر کے سرمایہ نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے، جبکہ کمپنی سے سرمایہ نہیں نکالا جا سکتا، البتہ شیئرز فروخت کئے جا سکتے ہیں۔

۴۔ شرکت میں عموماً ذمہ داری کاروبار کے اثاثوں تک محدود نہیں ہوتی، جبکہ کمپنی میں ذمہ داری محدود ہوتی ہے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت رص ۶۲)۔

ان باہمی وجوہ فرق کی بنا پر کمپنی کے ساتھ مشارکت، یا اس کے شیئرز کی خرید وفروخت کو شرکت کی معروف فقہی قسموں میں سے کسی قسم میں پورے طور پر داخل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی بنا پر اس کے جواز وعدم جواز کے بارے میں علماء کی رائیں مختلف ہوگئی ہیں، ایک محدود طبقہ اس کا قائل ہے کہ چونکہ شرکت صرف پانچ قسموں میں منحصر ہے، اور کمپنی ان میں سے کسی کے ذیل میں مکمل طور پر نہیں آتی اس لئے یہ جائز نہیں۔

جبکہ اس کے بالمقابل علماء کا بڑا طبقہ یہ کہتا ہے کہ کمپنی اگر چہ فقہ کی معروف پانچ قسموں میں داخل نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود یہ جائز ہے، اس لئے کہ شرکت انہی پانچ قسموں میں محصور نہیں ہے، فقہاء نے اپنے زمانہ کی مروجہ صورتوں کا استقراء کر کے یہ قسمیں بیان کی تھیں، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ ان کے علاوہ کوئی نئی قسم پیدا نہیں ہوسکتی، کسی فقیہ نے اس کا دعویٰ نہیں کیا، اور نہ کسی کتاب فقہ میں یہ لکھا ہے کہ ان کے علاوہ جو بھی قسم ہوگی وہ ناجائز ہے، بلکہ اصل چیز یہ ہے کہ شرکت کے اصول منصوصہ کی مخالفت لازم نہ آئے تو ہر نئی قسم جائز ہوگی ورنہ نہیں۔

ایک تیسرا نقطۂ نظر حکیم الامت حضرت تھانوی کا ہے، حضرت تھانوی کے نزدیک کمپنی اپنی حقیقی روح کے اعتبار سے شرکت عنان میں داخل ہے (امداد الفتاوی ۳ر۲۶۴)۔

اگر چہ اس میں بعض ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو معروف شرکت عنان میں پائی نہیں جاتیں، لیکن ان کی وجہ سے عنان کی حقیقت تبدیل نہیں ہوتی۔ وہ خصوصیات درج ذیل ہیں:

کمپنی کی خصوصیات:

۱۔ کمپنی جو خود ایک شخص قانونی ہے، وہ دیگر شیئرز ہولڈرس کے تعاون سے کاروبار کرتی ہے، جس میں خود اس کے ڈائرکٹروں کا بھی سرمایہ شامل ہوتا ہے، اس طرح یہ شرکت عنان کی شکل بن جاتی ہے، البتہ محنت وعمل میں شیئرز ہولڈرس کی شرکت نہیں ہوتی، یہ کمپنی بذات خود کرتی ہے، حاملان حصص کو صرف نفع و نقصان سے سروکار ہوتا ہے، اس کے انتظامی امور سے نہیں، لیکن اس سے نہ شرکت کے جواز پر کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ عنان کی حقیقت تبدیل ہوتی ہے، فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ شرکاء عنان میں سے کوئی شریک اپنے عمل کے لئے دوسرے شریک کو وکیل بنادے اور خود عمل سے دستبردار ہوجائے تو اس کی اجازت ہے، علامہ سمرقندیؒ نے لکھا ہے:

ویجوز ان یشترط العمل علیهما بان اشترکا ان یبیعا و یشتریا علی ان ما رزق اللہ من ذلک فھو بینھما علی کذا ویجوز ان یشترطا العمل علی احدھما دون الآخر (تحفۃ الفقہاء: باب شرکت العنان ۳/۷)۔

۲۔ کمپنی کی دوسری خصوصیت اس کا مستقل قانونی وجود ہے، یہ کسی مشترک کاروبار کے لئے ایک نیا تصور ہے جو حال کی صدیوں میں پیدا ہوا، شریعت اسلامیہ میں واضح طور پر یہ اصطلاح تو نہیں ملتی، البتہ اس کے نظائر ضرور ملتے ہیں، مثلاً:

۱۔ وقف: اس کے لئے اگر چہ شخص قانونی کی اصطلاح استعمال نہیں کی گئی ہے، مگر وقف کا مستقل وجود تسلیم کیا گیا ہے، اس کی اپنی ملکیت ہوتی ہے، ملازمین کی تنخواہیں اس کے ذمہ ہوتی ہیں، وہ دائن ومدیون اور مدعی ومدعا علیہ بن سکتا ہے، جبکہ یہ سارے اوصاف شخص کے ہیں، اس سے فی الجملہ شخص قانونی کا تصور ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ بیت المال: اس سے پوری قوم کا حق متعلق ہوتا ہے، مگر کوئی اس کے مال کی ملکیت کا دعوی نہیں کر سکتا، اس کے تمام مال کا مالک خود بیت المال ہوتا ہے، بیت المال دائن ومدیون بھی بن سکتا ہے، بلکہ علماء کے مطابق بیت المال کے مختلف شعبے بھی اپنی اپنی جگہ شخص کا درجہ رکھتے ہیں، ایک شعبہ سے دوسرے شعبہ میں قرض لیا جاسکتا ہے، اس طرح جس شعبہ سے قرض لیا گیا ہے وہ دائن ہوگا، اور جس کے لئے لیا گیا ہے وہ مدیون ہوگا۔

۳۔ دین میں ڈوبا ہوا ترکہ: جو شخص اس حالت میں فوت ہو جائے کہ اس کا پورا ترکہ اس کے دین میں غرق ہو تو ایسے شخص کا ترکہ خود اپنا وجود رکھتا ہے، اور وہ ترکہ خود مدیون ہے، اسی سے قرض ادا کیا جائے گا، میت مدیون نہیں اس لئے کہ اب وہ اس کا اہل نہیں، اور نہ ورثہ مدیون ہیں کہ انہوں نے یہ قرض نہیں لیا تھا۔

۴۔ خلطۃ الشیوع: یہ نظیر فقہ حنفی کے مطابق نہیں بلکہ ائمہ ثلاثہ کے مطابق ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر مال زکوۃ کئی شخصوں کے درمیان غیر معینہ طور پر مشترک ہو، تو زکوۃ الگ الگ شرکاء پر نہیں بلکہ مجموعہ مال پر واجب ہوتی ہے، گویا خود مجموعہ مال شخص کی حیثیت رکھتا ہے۔

۳۔ تیسری چیز جو کمپنی کو شرکت کی معروف قسموں سے ممتاز کرتی ہے، وہ ہے محدود ذمہ داری کا معاملہ۔ مضاربت میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر رب المال مضارب کو قرض لینے کی اجازت نہ دے تو مضارب پر دیون زیادہ ہو جانے کی صورت میں رب المال کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے، البتہ قرض کی اجازت دے دینے کے بعد ذمہ داری محدود نہیں رہتی۔ کمپنی میں شیئرز ہولڈرس کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے جبکہ کمپنی اپنے کاروبار کے لئے قرض وغیرہ بھی لیتی رہتی ہے، مگر اس کا حل یہ نکالا جاسکتا ہے کہ کمپنی کے پراسپیکٹس میں لکھا ہوتا ہے کہ کمپنی کاروباری ضرورت سے قرض بھی لے گی، اس کے باوجود شیئرز ہولڈر کا شیئرز خریدنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کمپنی کو قرض لینے کی اجازت دے رہا ہے۔ مگر وہیں مشکل یہ ہے کہ کیفیت نما (Prospectus) میں یہ بھی لکھا ہوتا ہے کہ شیئرز ہولڈر کی ذمہ داری محدود ہوگی، قرض کی اجازت دینے کے بعد ذمہ داری کے محدود ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس مشکل کا حل مولانا تقی

عثمانی نے بہترین پیش فرمایا ہے کہ شیئرز ہولڈر کا پراسپیکٹس میں مرقوم دونوں باتیں دیکھتے ہوئے کمپنی کے ساتھ مشارکت کرنا اس کی علامت ہے کہ وہ کمپنی کو قرض لینے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دے رہا ہے کہ اس کی ذمہ داری محدود رہے گی، اس مضاربت کی طرح جس میں رب المال مضارب کو اس شرط کے ساتھ قرض لینے کی اجازت دے کہ اس کی ذمہ داری محدود رہے گی۔

لیکن یہاں ایک پریشانی یہ ہے کہ مضاربت کی جس شکل میں رب المال کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے اس میں خود مضارب کی ذمہ داری غیر محدود ہوتی ہے، اور تمام دیون کے ادا کرنے کا وہ ذمہ دار ہوتا ہے، چاہے کاروباری سرمائے سے ہو یا اپنے ذاتی اثاثے سے، جبکہ کمپنی میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہاں ایک طرف شیئرز ہولڈرس کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے، تو دوسری طرف کمپنی کے ڈائرکٹروں کی ذمہ داریاں بھی محدود ہوتی ہیں، اس صورت میں قرض دینے والوں کو سخت غرر یا ضرر کا سامنا ہو سکتا ہے، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ذمہ کا خراب ہونا کہتے ہیں۔

اسی لئے بعض علماء نے کمپنی میں محدود ذمہ داری کے تصور کو شرعاً غلط قرار دیا ہے، لیکن یہ پریشانی پیدا ہوتی ہے کمپنی کی حقیقی حیثیت سامنے نہ رکھنے کی وجہ سے۔ کمپنی کو اگر شخص قانونی مان لیا جائے جیسا کہ اس کی حیثیت عرفی ہے، تو کوئی پریشانی نہیں ہوگی، اس لئے کہ شخص حقیقی اگر دیوالیہ ہو جائے تو قرض دینے والوں کو اس کے اثاثے سے زیادہ مطالبہ کا حق نہیں ہوتا، حضرت معاذ ابن جبلؓ کو حضور ﷺ نے جب مفلس قرار دیا تھا، تو آپ نے قرض خواہوں سے فرمایا تھا:

"خذوا ما وجدتم ليس لكم إلا ذلك" (صحیح مسلم ۱/۲۱۹ باب وضع الجوائح)۔

محدود ذمہ داری کی ایک مثال:

مولانا تقی عثمانی نے محدود ذمہ داری کی ایک دلچسپ مثال دی ہے، وہ ہے عبد ماذون التجارۃ یہ اپنے آقا کا مملوک ہوتا ہے، اس کو آقا کی طرف سے تجارت کی اجازت ہوتی ہے، جو تجارت وہ کرتا ہے وہ بھی مولی کی مملوک ہوتی ہے، اس پر دیون اگر واجب ہوں تو وہ اس غلام کی قیمت کی حد تک محدود ہوں گے، اس سے زیادہ کا نہ غلام سے مطالبہ ہو سکتا ہے اور نہ مولی سے، یہاں بھی دائنین کا ذمہ خراب ہو گیا۔ یہ نظیر لمیٹیڈ کمپنی سے زیادہ قریب ہے، اس لئے کہ جیسے کمپنی میں شیئرز ہولڈرس کے زندہ ہوتے ہوئے ذمہ خراب ہو جاتا ہے، ایسے ہی یہاں بھی مولی کے زندہ ہوتے ہوئے دائنین کا ذمہ خراب ہو جاتا ہے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت رص ۸۳)۔

شیئرز کی شرعی حیثیت:

اب تک کی گفتگو سے اتنی بات ثابت ہوگئی کہ کمپنیوں کے ساتھ مشارکت کرنا اور اس کے شیئر خریدنا فی نفسہ ناجائز نہیں ہے، اس لئے کہ اگر ہم شرکت کی معروف قسموں میں سے کسی قسم میں اس کو داخل کریں، مثلاً شرکت عنان یا مضاربت میں، تو اس کے بعض امتیازات کے باوجود ان کی قسموں کی روح بنیادی طور پر اس میں باقی رہے گی، اور اگر شرکت کی معروف قسموں کے بجائے کمپنیوں کو ہم نئی قسم قرار دیں تو بھی اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں کوئی ایسا واقعی پہلو نہیں ہے جو شرکت کے بنیادی اصول کے خلاف ہو۔

البتہ یہاں ایک بات پیدا ہوتی ہے جیسا کہ سوالنامہ میں اس کو اٹھایا گیا ہے کہ شیئرز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اصول کی روشنی میں محقق بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیئر دراصل کمپنی میں موجود اثاثوں کی متناسب ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، اور جب کوئی انسان کسی کے ہاتھ شیئرز فروخت کرتا ہے تو وہ دراصل اثاثہ تجارت کے جزو مشاع یا حصہ متناسبہ کی بیع کرتا ہے، اور شیئرز سرٹیفکیٹ اس حصہ کی حقداری کا ایک وثیقہ ہے، جس کے ذریعہ اس متناسب حصہ کی ملکیت کو ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے، اس لئے شیئرز کی خرید وفروخت میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں۔

بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ شیئر حصہ متناسبہ کی ملکیت کی نمائندگی نہیں کرتا بلکہ وہ محض ایک وثیقہ ہے، جیسے کہ بانڈز یا سندات قرض، اور اس کا مطلب صرف اس قدر ہوتا ہے کہ اس شخص نے اتنی رقم کمپنی کو ادا کی ہے، گویا شیئر سرٹیفکیٹ محض ادائیگی رقوم کی رسید ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ شیئرز ہولڈر اگر مدیون ہو جائے تو دین مستغرق ہو جانے کی صورت میں مدیون کے صرف اثاثوں کی قرقی ہوتی ہے، کمپنی میں اس کے حصہ متناسبہ کی قرقی نہیں ہوتی، اگر شیئر کمپنی میں ملکیت متناسبہ کی نمائندگی کرتا تو جہاں اس کے دیگر اثاثوں کو قرق کیا گیا وہیں کمپنی میں اس کے حصوں کو بھی قرق کیا جانا چاہئے تھا۔ لیکن ان حضرات کی یہ دلیل اس لئے صحیح نہیں کہ اس سے زیادہ سے زیادہ حق تصرف واختیار کے فقدان کا ثبوت ملتا ہے، نفس ملکیت کے فقدان کا نہیں، چونکہ کمپنی کے اصول میں سے یہ ہے کہ کوئی شیئر ہولڈر اپنے حصہ کا سرمایہ کمپنی کے تحلیل ہونے سے پہلے نہیں نکال سکتا، ہاں وہ شیئر فروخت کرسکتا ہے۔ اس بنا پر مدیون حامل حصص کے اثاثوں کی قرقی کے وقت کمپنی سے اس کے حصۂ متناسبہ کے نکالنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

حصۂ متناسبہ کی ملکیت کی دلیل یہ ہے کہ اگر کمپنی تحلیل ہو جائے تو اس کے اثاثوں کی تقسیم کے وقت ہر شیئر ہولڈر کو اپنے حصۂ متناسبہ کے مطابق اثاثہ ملے گا، خواہ اس کی مالیت اس کی لگائی ہوئی رقم سے زیادہ ہو یا کم، اگر شیئر ہولڈر کمپنی کے اثاثوں میں ملکیت نہ رکھتا تو تحلیل ہونے کے وقت اس میں اس کو حصہ کیسے ملتا؟

شیئرز خریدنے کے مقاصد:

شیئرز خریدنے کے دو مقاصد ہوتے ہیں: (۱) کبھی مقصد نفع ونقصان میں شریک ہونا اور کمپنی سے سالانہ یا ماہانہ منافع حاصل کرنا ہوتا ہے، اس کو انگریزی میں "Investment" کہتے ہیں۔ (۲) اور کبھی یہ مقصد نہیں ہوتا، بلکہ تجارت کے طور پر اس کو خریدتے ہیں، یہ لوگ شیئرز کی قیمتوں پر نگاہ رکھتے ہیں، اور جن شیئرز کی قیمتیں آج کم ہیں مگر آئندہ بڑھنے کا امکان ہے، ان کو خرید لیتے ہیں، اور پھر قیمت بڑھ جانے کے بعد بیچ دیتے ہیں، اسی طرح جو شیئر ان کے پاس ہیں، آئندہ ان کی قیمتوں میں اگر گراوٹ کا امکان ہو تو اس کو بیچ دیتے ہیں، اور جن میں بڑھنے کی امید ہے ان کو فی الحال نہیں بیچتے، بلکہ اس مدت کا انتظار کرتے ہیں، اس کو انگریزی میں "Capital Gain" کہتے ہیں، مدتوں کے درمیان قیمتوں میں جو کمی بیشی ہوتی ہے اسی سے وہ نفع اٹھاتے ہیں۔

شیئرز خواہ جس مقصد کے لئے خریدے جائیں، کچھ ایسے اصول وشرائط ہیں کہ ان کی رعایت کے ساتھ

شیئرز کی خرید وفروخت ہوتو شیئرز کا کاروبار جائز ہوگا، اس کے لئے بنیادی طور پر درج ذیل شرائط ہیں:

(۱) سب سے اولین شرط یہ ہے کہ کاروبار بنیادی طور پر حلال ہو، مثلاً شراب کا کاروبار نہ ہو، اس کی بنیاد سودی لین دین پر نہ ہو وغیرہ۔ حرام کاروبار یا ناجائز اصول تجارت پر مبنی کمپنی کے شیئرز خریدنا بالکل جائز نہیں، نہ جاری ہونے کے وقت لینا جائز ہے، اور نہ بعد میں اسٹاک ایکسچینج سے لینا جائز ہے، اس لئے کہ اس میں شرکت کرنا دراصل خود ان معاملات میں جانتے ہوئے شرکت کرنا ہے جو حرام ہے (امداد الفتاوی ۳/۱۳۰)۔

(۲) رہی وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار جائز اور حلال ہو، مگر کبھی اس کو سودی لین دین یا ناجائز معاملہ میں بھی ملوث ہونا پڑتا ہے، اور آج کل زیادہ تر کمپنیاں اسی قسم کی ہیں، ان کے ساتھ مشارکت کرنا اور ان کے شیئرز خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ ایک اختلافی موضوع ہے۔

بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا بھی جائز نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں بھی بالواسطہ ناجائز معاملات میں شرکت لازم آتی ہے۔ لیکن محقق علماء جن میں حضرت تھانویؒ کا نام سرفہرست ہے، ان کا خیال ہے کہ ایسی کمپنیان جو کبھی کبھار سودی کاروبار میں ملوث ہو جاتی ہیں ان میں شرکت کرنا اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے جائز ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کسی کمپنی کے سود میں ملوث ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

ا۔ ایک صورت یہ ہے کہ سود پر قرض حاصل کیا جائے یا کسی کاروبار کے فروغ واستحکام کے لئے رشوت دی جائے، جس میں سود کی رقم دینی پڑتی ہے، کوئی ناجائز رقم کاروباری سرمائے میں شامل نہیں ہوتی، اس میں زیادہ سے زیادہ کمپنی کے عمل کو ناجائز کہا جا سکتا ہے، مگر اس سے سرمایہ کی پاکیزگی میں کوئی فرق نہیں آتا (امداد الفتاوی، کتاب الربا ۳/۱۷۰)۔

رہا کمپنی کا ناجائز عمل تو اس کے لئے حضرت تھانویؒ نے تجویز پیش فرمائی کہ شیئر ہولڈر کسی طرح یہ آواز اٹھا دے کہ میں سودی کاروبار پر راضی نہیں ہوں تو اس کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی، کمپنی کے ذمہ داران کی طرف اس مضمون کا خط لکھ دینا بھی کافی ہو سکتا ہے (امداد الفتاوی ۳/۴۹۱)۔

آج کل اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ اس کی سالانہ جمعیت میں آواز اٹھائی جائے۔

اس موقع پر مولانا تقی عثانی نے ایک بہت ہی معقول سوال اٹھایا ہے، اور پھر اس کا عمدہ جواب بھی دیا ہے، مولانا کے سوال وجواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ کمپنی کے ذمہ داران شیئر ہولڈر کے وکیل ہیں، اور شیئر ہولڈر کو معلوم ہے کہ اس کی مخالفت مؤثر نہ ہوگی، پھر وکالت قائم رکھتے ہوئے مخالفت کی آواز اٹھانے سے کیا فائدہ؟ اور اس کے بعد وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش کس طرح ہو جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کمپنی کی وکالت شرکت کی وکالت کی طرح مضبوط نہیں ہوتی، شرکت میں تو کوئی ایک شریک بھی کسی کاروبار سے اختلاف کر دے تو وہ کاروبار نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح ہر شریک جب چاہے اپنا سرمایہ نکال سکتا ہے، جبکہ کمپنی کی وکالت اس قدر مضبوط نہیں ہوتی، یہاں شیئرز ہولڈرس کو نہ اس قدر حقوق تصرف حاصل ہیں، اور نہ ہر

شریک کے فیصلہ کو مستقل اہمیت حاصل ہے، یہاں فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں، اقلیت کی رائے اکثریت کے مقابلے میں رد کردی جاتی ہے، اس لئے اگر کوئی شیئر ہولڈر مخالفت میں آواز بلند کرے اور اس کی مرضی کے خلاف کثرت رائے کی بناپر فیصلہ ہو جائے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کاروبار یا کمپنی کا فلاں عمل اس کی مرضی واجازت سے ہورہا ہے، اس لئے حضرت تھانوی کی یہ رائے درست معلوم پڑتی ہے کہ مخالفت کی آواز بلند کرنے سے اس کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔

۲۔ مسئلہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ سودی لین دین دونوں ہو، کمپنی کبھی قرض بھی جاری کرتی ہو اور اس پر سود بھی لیتی ہو، تو ایسی صورت میں سرمائے کے اندر مال خبیث کا اختلاط ہوتا ہے، اس وقت فیصلہ کی صورت یہ ہوگی کہ اگر مال حرام کا اختلاط بڑے پیمانے پر ہورہا ہو، یعنی کمپنی کا بنیادی کاروبار ہی حرام و ناجائز ہے، تب تو اس کے شیئرز خرید ناجائز نہ ہوگا، البتہ جن کمپنیوں میں یہ اختلاط بقدر قلیل ہو تو اصول کی روشنی میں اس کو نظرانداز کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ اموال میں غالب سرمائے کا اعتبار ہوتا ہے، اس بناپر غالب سرمایہ اگر پاک ہو تو جائز قرار دیا جائے گا، حضرت تھانوی کی یہی رائے ہے (اسلام ا رجدید معیشت وتجارت رص ۸۸)۔

اس کی تائید فتاوی خانیہ کی درج ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے:

وإن كان غالب مال المهدى من الحلال لا بأس بأن يقبل الهدية ويأكل مالم يتبين عنده أنه حرام لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فيعتبر الغالب (فتاوی خانیہ علی ہامش الہندیہ ۳ر۴۰۰)۔

وكذا في الاشباه في باب الهدية والبيع جميعا (الاشباہ والنظائر ۱ر۳۴۴)۔

وكذا في الحموي (حاشیہ الحموی علی الاشباہ ۱ر۳۴۵)

البتہ یہاں شبہ یہ ہوتا ہے کہ ہدیہ کے مال اور شیئرز میں فرق ہے، اگر کسی آدمی کا کاروبار حلال وحرام دونوں ہے، اور وہ ہدیہ دے رہا ہے تو یہ احتمال ہے کہ حلال کمائی میں سے دے رہا ہو، جبکہ شیئرز میں جو نفع ہوتا ہے وہ تمام مدات کے تناسب سے ہوتا ہے، اس لئے سود پر جو دیون جاری کئے گئے ان سے جو سود حاصل ہوگا، نفع میں اس کا تناسب بھی جوڑا جائے گا، اس طرح شیئرز مال خبیث سے پاک نہیں ہوسکتا۔ اس صورت میں مولانا تقی عثمانی کی یہ تجویز پسندیدہ ہے کہ کمپنی کے "Income Statements" کے ذریعہ یا کمپنی کے ذمہ داروں سے تقسیم شدہ منافع کا تناسب معلوم کرے، اور شرح سود سے جس قدر نفع آیا ہو اس کو لازماً بلانیت ثواب صدقہ کردے۔ رہا سودی عمل میں کمپنی کے ساتھ بالواسطہ شرکت تو اس کے بارے میں عرض کیا جاچکا ہے کہ اس عمل کے خلاف شیئر ہولڈر کا آواز اٹھادینا کافی ہے، اور وہ اس ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔

چونکہ آج کل کوئی کمپنی سودی معاملہ سے بالکلیہ پاک نہیں ہے، اس بناپر مسلمانوں کو ان کے شیئرز خریدنے سے روکا نہیں جاسکتا، ورنہ مسلمان اقتصادی طور پر اور بھی کمزور ہو جائیں گے، البتہ ان کے مضرات سے بچنے کی ہر امکانی تدبیر کرنی ہوگی، یہ کوئی دانشمندی نہیں کہ حالات کو سمجھے بغیر ظاہری مضرات سے بچنے کے لئے کوئی ایسا اقدام کردیا جائے کہ قوم کو اس سے بھی زیادہ بھیانک نتائج کا سامنا کرنا پڑجائے۔

شیئرز کی بیع کمی بیشی کے ساتھ:

کمپنی کے شیئرز کو کمی بیشی کے ساتھ بھی فروخت کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ کمپنی کا سارا سرمایہ بصورت نقود نہ ہو، بلکہ کچھ فکسڈ اثاثے (مثلاً مشینری اور بلڈنگ وغیرہ) حاصل کر لئے گئے ہوں، اگر کمپنی نے ابھی اپنا کاروبار شروع نہ کیا ہو یا اس کا سارا سرمایہ بصورت نقود ہو تو شیئرز کی خرید وفروخت کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں، اس لئے کہ اس وقت یہ شیئرز اپنے حصے کے نقود کی نمائندگی کریں گے، اور خالص نقود میں کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز نہیں، البتہ جس صورت میں نقود کے علاوہ کچھ دیگر منجمد اثاثے بھی حاصل کر لئے گئے ہوں تو یہ شیئرز نقود کے ساتھ کمپنی میں موجود اثاثوں کی بھی نمائندگی کریں گے، اور اب شیئرز کی بیع کا مطلب یہ ہوگا کہ کمپنی کے اثاثوں میں ہر ایک کے متناسب حصے کی بیع ہو رہی ہے، اس مسئلہ کا مدار "سیف محلی" یا "منطقہ مفضضہ" کے مسئلہ پر ہوگا، جو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے درمیان اختلافی مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ ایسے مال کو جو مال ربوی اور غیر ربوی سے مخلوط ہو خالص مال ربوی کے عوض فروخت کیا جائے، امام شافعی کے نزدیک یہ بیع جائز نہیں جب تک کہ مال مخلوط سے مال غیر ربوی کو الگ نہ کر دیا جائے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی بیع جائز ہے، بشرطیکہ خالص مال ربوی مخلوط مال ربوی سے زیادہ ہو، اس لئے کہ اس وقت مخلوط مال ربوی اپنے بقدر خالص مال ربوی کے مقابلے میں ہو جائے گا، اور خالص میں جو مقدار زیادہ ہوگی وہ مال غیر ربوی کے مقابلہ میں ہو جائے گی۔

یہاں بالکل یہی صورت ہے کہ شیئرز جو نقود وغیر نقود کی نمائندگی کرتے ہیں ان کی بیع خالص نقود سے ہو رہی ہے، اس لئے امام اعظم کے نزدیک ان کی بیع جائز ہوگی، اور امام شافعی کے نزدیک ایسی حالت میں بیع جائز نہ ہوگی، البتہ بعض شافعیہ اور حنابلہ کے موقف کے مطابق اگر کمپنی کے اثاثے زیادہ ہیں اور نقود کم ہیں، تو شیئرز کی بیع جائز ہوگی، اور اگر نقود زیادہ اور دیگر اثاثے کم ہیں تو شیئرز کی بیع ناجائز ہوگی۔ آج کل علماء عرب زیادہ تر یہی فتویٰ دے رہے ہیں۔

بانڈز اور ڈبنچرز:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کمپنی کو سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے، تو بجائے شیئرز کے عوام کو قرضے دینے کی دعوت دیتی ہے، اس کے لئے دو طرح کی دستاویزات کمپنی جاری کرتی ہے، جس کو لے کر لوگ کمپنی کو قرضے دیتے ہیں، ایک دستاویز کو سند (بانڈ Bond) اور دوسرے کو شہادۃ الاستثمار (ڈبنچر۔ Debenture) کہتے ہیں، یہ دونوں قرض ہی کے دستاویز ہوتے ہیں، جو معینہ مدت کے لئے لئے جاتے ہیں، ان دونوں میں اس قدر تو مشترک ہے کہ دونوں قسم کے دستاویز حاصل کرنے والے لوگ کمپنی میں حصہ دار نہیں ہوتے، بلکہ محض دائن ہوتے ہیں، جن کو کمپنی کی طرف سے سالانہ سود دیا جاتا ہے، اور وقت مقرر پر رقم واپس کر دی جاتی ہے، جس کی ضمانت دی جاتی ہے، البتہ دو لحاظ سے فرق ہے: ایک فرق تو یہ ہے کہ بانڈ محض سند قرض ہے، جبکہ ڈبنچر قرض کے ساتھ رہن کا بھی وثیقہ ہے۔ بعض اوقات سند قرض کو تحفظ دینے کے لئے ایک دستاویز جاری کی جاتی ہے، جس میں اس سند کو کمپنی کی کسی ایک جائداد یا بہت سی جائدادوں کے ساتھ متعلق کر دیا جاتا ہے، کہ اگر یہ قرضے ادا نہ ہوئے تو ان متعلقہ جائدادوں سے ادا کر دیئے جائیں گے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ اگر کمپنی دیوالیہ ہو جائے تو حقوق کی ادائیگی کی ترتیب میں ڈبنچرز اس جائداد کی حد تک قانوناً مقدم ہوں گے، جس کو رہن بنایا گیا تھا، بانڈز کی ادائیگی اس کے بعد ہوتی ہے۔

بانڈز کی ایک قسم ایسی ہے جو شیئرز میں تبدیل ہو سکتی ہے، اس کے لئے کبھی مدت مقرر ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی، کبھی اس کے لئے کچھ مخصوص شرائط ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے، ایسے سندات قرض کو انگریزی میں (Convertible Bonds) کنورٹیبل بانڈز کہتے ہیں (اسلام اور جدید معیشت وتجارت رص ٦۴)۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بانڈز، ڈبنچرز، یا کنورٹیبل بانڈز اصلاً سندات قرض ہیں اس لئے ان سے سرمایہ کاری نہیں کی جاسکتی، اور ان سندات کے حاملین کو صرف اتنی ہی رقم لینا درست ہوگا، جس قدر اس نے جمع کی ہوگی، اس سے زیادہ جو کچھ ملتا ہے وہ سود ہے حرام ہے، اس کو نفع قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سندات قرض کو کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ سندات جمع کردہ رقم کی محض رسید ہیں، یہ کمپنی کے اثاثوں میں کسی قسم کی ملکیت کی نمائندگی نہیں کرتے ہیں، اس لئے ان کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں۔

بانڈز کی بیع دراصل کمپنی سے اپنے وصولی قرض کے حق کو دوسرے کی طرف منتقل کرنا ہے، یعنی اب کمپنی سے قرض وہ وصول کرنے کے بجائے فلاں شخص وصول کرے گا اور اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، البتہ کمی بیشی کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ یہ سود قرار دیا جائے گا۔

سندات قرض کو رہن رکھا جاسکتا ہے، اس لئے کہ رہن کی بنیاد اصلاً اعتماد پر ہے، اور یہ بات اس میں پائی جاتی ہے۔

ولأن الكفالة والرهن شرعاً للتوثق (بدائع الصنائع، کتاب الاجارہ ۴ر۲۰۳)۔

اگر کسی کمپنی میں حصص تجارت حاصل کرنے کی گنجائش نہ ہو تو بدرجہ مجبوری قابل تبدیل سندات قرض (Convertible Bonds) خریدے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہو، اور شیئرز میں تبدیل ہونے کی مدت تک جو سود ملے وہ اپنے استعمال میں نہ لایا جائے بلکہ صدقہ کر دیا جائے۔

سندات قرض کی خرید وفروخت میں فیس ویلو (Face Value) کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا، اس میں مارکیٹ ویلو کا لحاظ کرنا درست نہیں اگر وہ فیس ویلو سے مختلف ہو، اس لئے کہ یہ محض وصولی حق کی رسید ہے، کمپنی کے جزو مشاع کا بدل نہیں کہ اس کی قیمت میں اضافہ یا نقصان ہو۔

حصص کی تقسیم حصہ دار کے حقوق کے لحاظ سے:

پریفرنس شیئرز (Preference Share) جس کو اردو میں ترجیحی حصص اور عربی میں السہم الممتاز بھی کہتے ہیں، یہ نہ پوری طرح حصہ تجارت ہے اور نہ پوری طرح سند قرض ہے، دراصل حصص کی ایک تقسیم حصہ دار کے حقوق کے اعتبار سے ہوتی ہے، یعنی نفع وصول کرنے یا کمپنی کی پالیسی میں مداخلت کے اعتبار سے حصص کی دو قسمیں ہیں:

(۱) آرڈینری شیئر (Ordinary Share) جس کو عربی میں السہم العادی کہتے ہیں، (۲) دوسری قسم وہی پریفرنس شیئر ہے۔

ان دو قسم کے حصص میں بنیادی فرق یہ ہے کہ پریفرنس شیئر کے حامل کو نفع تقسیم کرنے یا حق رائے دہی میں آرڈینری شیئر کے حامل سے مقدم رکھا جاتا ہے۔ مولانا تقی عثمانی نے ان کے درمیان وجوہ فرق کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے:

(۱) السہم الممتاز کا نفع اس کے لگائے ہوئے سرمائے کی خاص شرح کے مطابق مقرر ہوتا ہے، مثلاً اس کے لگائے ہوئے سرمائے کا دس فیصد (10%) پہلے السہم الممتاز کے حاملین میں نفع تقسیم کر کے ان کا معینہ نفع ان تک پہونچایا جاتا ہے، اس کے بعد اگر کچھ بچ تو السہم العادی کے حاملین کو ملتا ہے، ورنہ وہ نفع سے محروم رہیں گے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی سال کمپنی کو نفع نہیں ہوا تو ایسی صورت میں بھی السہم الممتاز کا نفع محفوظ رہتا ہے، آئندہ سال جب نفع ہوگا تو پہلے ان کو دیا جائے گا، اس کے بعد نفع بچا تو السہم العادی کو ملے گا۔

(۲) بعض اوقات ترجیح کی صورت یہ ہوتی ہے کہ السہم الممتاز کے نفع کی شرح السہم العادی سے زیادہ رکھی جاتی ہے۔

(۳) کبھی ترجیح اس طرح ہوتی ہے کہ کمپنی کے سالانہ اجلاس میں السہم الممتاز والوں کو ووٹ کا حق ہوتا ہے۔ السہم العادی والوں کو ووٹ کا حق نہیں ہوتا۔

(۴) کبھی السہم الممتاز والے کو زیادہ ووٹ کا حق ہوتا ہے اور السہم العادی والے کو کم ووٹ کا، مثلاً یہ کہ السہم الممتاز والے کو دو ووٹ کا اور السہم العادی والے کو ایک ووٹ کا حق ہوگا۔

حاصل یہ کہ السہم الممتاز ترجیحی حصے کا نام ہے، پھر ترجیح کی شکلیں مختلف ہو سکتی ہیں، اس کی ضرورت عموماً اس وقت پیش آتی ہے، جبکہ کسی خاص بڑی پارٹی مثلاً انشورنس کمپنی وغیرہ سے سرمایہ لینا ہو، اب وہ اس پر آمادہ نہیں کہ عام حصہ دار (شیئر ہولڈر) کی حیثیت سے رقم لگائے اس لئے کہ اس میں نفع طے شدہ نہیں ہے، اور اس پر بھی آمادہ نہیں کہ محض قرض دہندہ (دائن) کی طرح سود پر قرض دے، اس لئے کہ محض قرض دہندہ کی حیثیت میں وہ کمپنی کی پالیسیوں پر اثر انداز نہیں ہو سکے گی، ایسی پارٹی سے سرمایہ لینے کے لئے اس کو ترجیحی حصص دیئے جاتے ہیں، تا کہ اس کو مقررہ نفع بھی ملے اور کمپنی میں حصہ دار بھی ہو، چنانچہ یہ ایک اعتبار سے دائن اور ایک اعتبار سے حصہ دار ہوتی ہے (اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص ۶۰)۔

شیئرز کی خرید و فروخت کے مختلف طریقے:

اسٹاک ایکسچینج میں شیئرز کی خرید و فروخت کے مختلف طریقے رائج ہیں: (۱) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کمپنی کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کے شیئرز کی خرید و فروخت شروع ہو جاتی ہے، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی بیع و شراء جائز نہیں، اس لئے کہ جب کمپنی کا وجود ہی نہیں تو یہ شیئرز کس چیز کی نمائندگی کریں گے، اس لئے یہ بیع غیر مملوک ہے جو

اصولاً ناجائز ہے۔ (۲) جو کمپنیاں موجود ہیں ان کے شیئرز کی خرید و فروخت کے بھی کئی طریقے ہیں، ایک طریقہ فیوچر سیلز (Future Sales) کہلاتا ہے، اس میں شیئرز لینا دینا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ محض مدت کے لحاظ سے نفع نقصان کی کمی بیشی برابر کرنا مقصود ہوتا ہے، یہ قمار ہے جو جائز نہیں۔ (۳) دوسرا طریقہ غائب سودا کا ہے، جس میں بیع کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، یہ بیع بھی صحیح نہیں اس لئے کہ بیع کی تعلیق یا مستقبل کی طرف اس کی اضافت باتفاق فقہاء جائز نہیں، اس کو محض وعدۂ بیع قرار دیا جاسکتا ہے۔ (۴) تیسرا طریقہ حاضر سودا کا ہے، جس میں شیئرز کی بیع وشراء ایک ہی مجلس میں ہو جاتی ہے، اور عقد تام ہو جاتا ہے، البتہ شیئرز کا قبضہ کرانے میں کچھ تاخیر ہوتی ہے، شیئرز دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک کو رجسٹرڈ شیئر (Registered Share) کہتے ہیں وہ حامل حصص کے نام پر کمپنی میں رجسٹرڈ ہوتا ہے، دوسرا بیئرر شیئر (Bearer Share) کہلاتا ہے، وہ کسی کے نام پر رجسٹرڈ نہیں ہوتا، جس کے قبضہ میں ہو اسی کا کہلاتا ہے، بیئرر شیئر کا قبضہ کرانے میں تو کوئی دیر نہیں ہوتی، البتہ رجسٹرڈ شیئرز کا قبضہ کرانے میں عموماً ایک ہفتہ سے تین ہفتوں تک کی تاخیر ہو جاتی ہے، اس میں بائع کو اپنے نام کی جگہ مشتری کا نام رجسٹرڈ کرنا پڑتا ہے، اس کی دفتری کارروائی میں تاخیر ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اس دوران کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مشتری جس کے نام پر اب تک شیئر رجسٹرڈ نہیں ہوا ہے وہ رجسٹرڈ ہونے سے پہلے ہی کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ مشتری اول کے نام رجسٹرڈ ہونے تک آگے چار پانچ ہاتھوں میں شیئر فروخت ہو چکا ہوتا ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شیئرز کا بغیر قبضہ میں آئے ہوئے فروخت کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں قبضہ کی حقیقت کو سمجھنا ہوگا، اتنی بات تو طے ہے کہ قبل القبض بیع دو وجہ سے ناجائز ہے:

۱۔ ایک تو اس بناپر کہ یہ ابھی مقدور التسلیم نہیں ہے، اور اس پر کوئی تصرف نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ دوسرے اس بناپر کہ یہ ابھی بائع کے ضمان میں داخل نہیں ہوا، اور ربح مالم یضمن جائز نہیں۔

اس لئے شیئرز کی بیع سے قبل قبضہ بہر حال ضروری ہے، مگر شیئرز کے قبضہ کی نوعیت کیا ہوگی؟ ہر چیز کا قبضہ اس کے لحاظ سے ہوتا ہے، قبضہ حسی ہر جگہ ضروری نہیں، حکماً قبضہ بھی بعض جگہوں پر کافی ہو جاتا ہے، شیئرز کی صورت حال یہ ہے کہ محض شیئرز سرٹیفکیٹ تو مبیع نہیں، مبیع دراصل وہ حصہ متناسبہ ہے جو کمپنی کے اثاثوں میں شامل ہے، اس لئے اس پر قبضہ حسی بہر حال ناممکن ہے، اس بناپر قبضہ حکمی ہی کو کافی قرار دینا ہوگا، قبضہ حکمی یہ ہے کہ مبیع مشتری کے قبضہ میں آجائے، اور اس کا غرم وغنم بھی مشتری کی طرف منتقل ہو جائے۔ مولانا تقی عثمانی کے بقول کمپنیوں کے ذمہ داروں سے کافی بات چیت کے بعد پتہ چلا کہ مبیع مشتری کے ضمان میں منتقل ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر بیع کے بعد اور شیئرز قبضہ میں آنے سے قبل منافع کی تقسیم ہو جائے تو کمپنی تو بائع کے نام پر ہی منافع تقسیم کرے گی، اس لئے کہ رجسٹر میں اسی کا نام درج ہے مگر اسٹاک ایکسچینج کی ذمہ داری ہے کہ وہ بعد عقد تقسیم ہونے والے منافع مشتری کو دلائے، اسی طرح اگر نقصان ہوگا تو یہ مشتری کو برداشت کرنا ہوگا۔ اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ عقد کے بعد ہی شیئر مشتری کے قبضہ میں چلا جاتا ہے۔

مگر وہیں یہ بات بھی کھٹکتی ہے کہ شیئرز کی خرید و فروخت کا معاملہ اصل تو کمپنی سے ہے، اسٹاک ایکسچینج سے

نہیں، اور کمپنی کے نزدیک شیئرز کا قبضہ اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جاتا جب تک کہ نام پر منتقل نہ ہو جائے، اسی طرح عرف میں جس چیز کو قبضہ کہا جائے گا وہی قبضہ کہلائے گا، اور رجسٹرڈ شیئرز کا قبضہ کمپنی میں نام درج کرانے اور اس کی رسید مل جانے کے بعد ہی مانا جاتا ہے، اس کے بغیر عرفاً قبضہ نہیں مانا جاتا، اس کا تقاضا ہے کہ بغیر رجسٹرڈ ہوئے شیئرز کی بیع درست نہ ہو، احتیاط یہی ہے کہ شیئرز اپنے نام پر منتقل ہوئے بغیر فروخت نہ کئے جائیں۔

البتہ اسٹاک ایکسچینج میں جو لوگ ممبر بن کر شیئرز کی خرید وفروخت کرتے ہیں وہ دراصل کمپنیوں کے وکیل ہوتے ہیں، ان کے نام پر شیئرز نہیں ہوتے وہ کمپنیوں کی اجازت سے شیئرز خریدتے اور بیچتے ہیں، اس لئے ان کے لئے قبضہ رجسٹرڈ کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے، اور یہ ممکن بھی نہیں، اس لئے کہ روزانہ سیکڑوں شیئرز کی خرید وفروخت ہوتی ہے، ہر ایک کے بارے میں یہ اہتمام کرنا کہ بیچنے والا ممبر پہلے اپنے نام پر منتقل کرائے پھر فروخت کرے، یہ ناممکن ہے۔ اس لئے خیال یہ ہوتا ہے کہ یہاں وہی قبضہ معتبر ہونا چاہئے جو اوپر ذکر کیا گیا، کہ اگر چہ شیئرز نام پر نہیں ہوتے لیکن کمپنیوں کی اجازت اور لوگوں کے تعامل کی بنا پر غرم وغنم دونوں ہی اسٹاک ایکسچینج کے ممبروں کے قبضہ میں سمجھے جاتے ہیں، یہ قبضہ حکمی ہے جو کافی ہونا چاہئے۔

خلاصۂ جوابات:

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں مختصر جوابات تحریر کیے جاتے ہیں:

۱۔ کسی کمپنی کا خرید کردہ شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی متناسب ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، یہی نقطۂ نظر راجح اور حقیقی ہے، رہا یہ کہ شیئر ہولڈر کے دیوالیہ ہونے کے وقت کمپنی میں اس کے متناسب حصہ کی قرقی نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ملکیت نہیں ہوتی بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کمپنی کی تحلیل سے قبل ہولڈر کو تصرف کا اختیار نہیں ہوتا، اور تصرف کا اختیار نہ ہونا ملکیت کو نقصان نہیں پہونچاتا۔

۲۔ اگر کمپنی نئی قائم ہوئی ہو، اس کے پاس کچھ املاک نہ ہوں، تو ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت صرف اس کے فیس ویلو سے درست ہوگی، مارکیٹ ویلو کے لحاظ سے کمی بیشی جائز نہیں، اس لئے کہ یہ بیع صرف ہوگی۔

۳۔ البتہ اثاثہ مخلوط ہونے کی صورت میں جبکہ مجموعہ مال ربوی وغیر ربوی دونوں پر مشتمل ہو، کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز ہوگی۔

۴۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہے ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جائز نہیں۔

۵،۶۔ البتہ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہے مگر بعض اوقات کسی مصلحت یا مجبوری کی بنا پر بعض ناجائز چیزیں کرنی پڑتی ہیں، ایسی کمپنیوں کے شیئرز خریدنا جائز ہے، بشرطیکہ بورڈ کے سامنے ان چیزوں کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کردے، اور اگر کچھ سودی یا ناجائز حصہ اس کے منافع میں آرہا ہو تو اسکے تناسب سے بلانیت ثواب صدقہ کردے۔

۷۔ سود پر حاصل شدہ قرض سے ہونے والے منافع شرعی طور پر طیب ہیں، البتہ یہ عمل بلاضرورت جائز نہیں۔

۸۔ کمپنی کا بورڈ آف ڈائرکٹرس شیئرز ہولڈر کا وکیل ہے، مگر اس کی وکالت اس قدر مضبوط نہیں جس قدر کہ شرکت کی عام قسموں میں ہوتی ہے، جس کی بنا پر عمل کی نسبت کے باب میں قدرتی طور پر فرق واقع ہوگا۔

۹۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس کا فیصلہ کثرت رائے سے ہوتا ہے، اس لئے اس میں کسی شیئرز ہولڈر کا سودی قرض لینے سے اختلاف کرنا اور اپنے اختلاف کا اعلان کردینا وکیل کے عمل کی ذمہ داری سے اسے بری الذمہ کردے گا۔

۱۰، ۱۱۔ اس کا جواب ۵ اور ۶ کے تحت آچکا ہے۔

۱۲۔ شیئرز کی تجارت کرنا درست ہے، ہر تخمین وقیاس آرائی ممنوع نہیں ہے، تجارت میں اموال تجارت کی خرید انسان مارکیٹ کی طلب ورسد کے لحاظ سے قیمتوں کے تناسب کا اندازہ کرکے ہی کرتا ہے، خواہ وہ کسی قسم کا مال تجارت ہو، اس لئے محض یہ عدم جواز کے لئے بنیاد نہیں بن سکتا۔

۱۳۔ شیئرز مارکیٹ میں فیوچر سیل کا طریقہ جائز نہیں، یہ قمار کی ایک شکل ہے۔

۱۴۔ غائب سودا کا طریقہ بھی درست نہیں، اس لئے کہ بیع کی تعلیق یا مستقبل کی طرف اس کی اضافت باتفاق فقہاء درست نہیں، اس کو محض وعدۂ بیع قرار دیا جاسکتا ہے۔

۱۵۔ شیئرز کی خرید وفروخت کے لئے قبضۂ حسی ضروری نہیں اور ممکن بھی نہیں، قبضۂ حکمی کافی ہے، اور اس میں اعتبار عرف کا ہے، رجسٹرڈ شیئرز میں احتیاط اس میں ہے کہ اندراج نام سے قبل قبضہ تسلیم نہ کیا جائے۔

۱۶۔ اسٹاک ایکسچینج کے تعامل کے لحاظ سے تو غرم وغنم کے بعد ہی فروخت کرنا لازم آتا ہے، مگر کمپنی کے قانون کے لحاظ سے یہ ربح مالم یضمن میں داخل ہے، اس لئے اندراج نام یا تبدیلی نام سے قبل اگلے مشتری سے معاملہ کرنا بطور احتیاط درست نہیں۔

۱۷۔ بروکر کمپنی کا وکیل ہوتا ہے، اس لئے اس کے لئے رجسٹرڈ قبضہ ضروری نہیں، ورنہ اس میں حرج عظیم لازم آئے گا، قبضہ کا مقصد مقدور التسلیم ہونا اور مشتری کا فریب سے محفوظ رہنا ہے، اور یہ دونوں مقاصد تعاملاً بغیر رجسٹرڈ قبضہ کے بھی حاصل ہیں۔

☆☆☆☆☆

اسٹاک ایکسچینج کے کاروبار کا بیان

ڈاکٹر کے۔جی۔منشی۔احمد آباد

اسٹاک ایکسچینج میں کاروبار کی تمام تر کارروائی بروکر کی کسی فرم یا ایجنسی کے ذریعے انجام دی جاتی ہے۔ یہ بروکر اسٹاک ایکسچینج کے ارکان تصور کئے جاتے ہیں۔ اسٹاک ایکسچینج کے اصول وضوابط کے مطابق کسی باہری شخص کو بروکر کی کسی فرم یا ایجنسی کی مدد لئے بغیر کسی قسم کا کاروبار یا لین دین کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ کاروبار میں دلچسپی رکھنے والے شخص کو کسی بروکر کے ذریعے کھاتہ کھولنا پڑتا ہے۔ لیکن بروکر کسی نئے شخص کا اکاؤنٹ کھولتے وقت دوسرے تاجروں کی مانند یہ چاہتا ہے کہ وہ شخص اپنا ذاتی تعارف اس سے کرائے یا کسی بینک کار یا کسی دوسرے قابل بھروسہ شخص کا حوالہ پیش کرے تاکہ بروکر کو نئے شخص کی کاروباری یا مالی حیثیت کے بارے میں پوری طرح معلومات حاصل ہوسکیں۔ لہذا وہ اشخاص جو کہ نیا اکاؤنٹ، ہاؤس کے کسی رکن کے ذریعہ کھولنا چاہتے ہیں اس بارے میں پوری طرح تیار رہیں کہ انہیں ایک قابل اعتماد حوالہ پیش کرنا پڑے گا۔

لین دین کے بہت سے طریقے مروج ہیں جن کا استعمال ارکان یا رقم لگانے والے افراد کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ عام حالات میں یا تو نقد رقم یا اکاؤنٹ کے ذریعہ کاروبار کیا جاتا ہے۔ ہمارے ملک کے اسٹاک ایکسچینج میں کاروبار عام طور پر نقد رقم کے ذریعہ ہی کیا جاتا ہے۔ بمبئی چونکہ ایک بازار ہے لہذا یہاں اکاؤنٹ کے ذریعہ بھی کاروبار انجام دیا جاتا ہے بلکہ درحقیقت یہاں اس کا ہی زیادہ رواج ہے۔ کانپور اور مدراس میں بھی اکاؤنٹ کے ذریعہ کاروبار ہوتا ہے لیکن بہت قلیل مقدار میں۔ کلکتہ اسٹاک ایکسچینج میں زیادہ تر کاروبار نقد رقم کے ذریعہ انجام پاتا ہے جبکہ انڈین اسٹاک ایکسچینج حالانکہ فارورڈ لین دین (Forward Dealings) کی اجازت دیتا ہے لیکن بمبئی سیکورٹیز کنٹریکٹس کنٹرول ایکٹ ۱۹۲۵ کے تحت اس ایکسچینج میں فارورڈ لین دین نہیں کے برابر ہے۔

(الف) لین دین برائے رقم:

نقد رقم کی لین دین کا مطلب ہے کہ کاروبار میں نقد رقم ادا کی جائے گی یعنی خرید کے بدلے میں رقم کی ادائیگی کی جائے گی۔ اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ اس کے لئے کسی عرصہ مخصوص کو واضح طور سے بیان نہیں کیا گیا ہے اور حصص (Securities) کی خرید یا فروخت کے بدلے میں فوری طور پر یا ایک طے شدہ مناسب عرصے کے دوران (جو کہ مخصوص حالت میں الگ الگ ہوسکتا ہے) رقم کی ادائیگی کردی جائے گی۔ "Natie Share & Borkers Association" کی ذیلی دفعات میں ضابطہ ۳۲۱ کے مطابق فوری طور پر ادائیگی سے متعلق کاروبار کے تحت رقم یا حصص کی ادائیگی سودا طے ہونے کے اگلے دن سہ پہر ۳ بجے تک ہوجانی چاہئے۔ اگر سودے کا دن اتفاق سے سنیچر ہے تو رقم یا حصص کی ادائیگی اگلے کاروباری دن ۳ بجے سہ پہر تک ہونی چاہئے۔ اگر متعلقہ پارٹیوں کے درمیان یہ طے ہوچکا ہے تو سودا طے ہونے کے زیادہ سے زیادہ سات دنوں تک رقم اور حصص کی ادائیگی اور سپردگی ہوجانی چاہئے، اور اس

عرصے کے دوران طے شدہ سودا منسوخ نہیں ہوگا، حالانکہ کلکتہ اسٹاک ایکسچینج میں یہ مدت تین یوم کی ہے۔ مدراس اسٹاک ایکسچینج میں کاروبار بمبئی کے نہج پر ہوتا ہے اور یہاں ادائیگی وغیرہ کے لئے سات دن کا عرصہ دیا جا سکتا ہے۔

(ب) اکاؤنٹ کے تحت لین دین:

اکاؤنٹ کے تحت لین دین کا مطلب ہوتا ہے کہ سودے کی ادائیگی سے متعلق تفاوت آئندہ ادائیگی کے وقت ادا کیا جائے گا اس طرح کے سودے ''وقتی سودے'' کہلاتے ہیں، کیونکہ ان کی تکمیل کے بعد اور ان کی ادائیگی سے قبل کچھ وقت گذرنا لازمی ہے، اور اس مدت کے دوران سیکورٹی کی قیمت میں مثبت یا منفی فرق آ سکتا ہے، اس شکل میں یہ سودا ادائیگی کے دن سے قبل کسی بھی وقت مکمل کیا جا سکتا ہے، اور اس طرح سرمایہ کار سیکورٹی کی قیمت میں آنے والے ممکنہ فرق کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کر سکتا ہے، اور بعض اوقات تیزی سے ہونے والے اتار چڑھاؤ کے باعث منافع بھی کما سکتا ہے۔ ''وقتی سودے'' میں زیادہ تر حصہ محض امکانی نوعیت کا ہوتا ہے۔ وقتی سودے ان افراد کے ذریعہ کئے جاتے ہیں جو ان سیکورٹیز کو حوالے کرنا نہیں چاہتے جنہیں انہوں نے فروخت کیا ہے یا ان کے بدلے میں رقم حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ ایسے کاروباری افراد یہ مان لیتے ہیں کہ وہ ادائیگی کے دن سے قبل نفع حاصل کرتے ہوئے حصص کو خرید یا فروخت کر سکتے ہیں اور ان کے درمیان موجود ''تفاوت'' کی شکل میں منافع حاصل کر سکتے ہیں۔ اب سے کچھ عرصہ قبل تک بمبئی اسٹاک ایکسچینج کا زیادہ تر کاروبار ''وقتی سودوں'' کی شکل میں ہی ہوتا تھا اور بہت کم نقد رقم کے سودے ہوتے تھے۔

موجودہ صدی کے آغاز سے قبل بمبئی اسٹاک ایکسچینج کا کا روبار محض چند ایک جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں بالخصوص ٹیکسٹائل، کاٹن، Gining اور Pressing کمپنیوں کے اضافی حصص کے لین دین (خرید وفروخت) تک ہی محدود تھا، نقد اور آئندہ ادائیگی میں کوئی فرق نہیں تھا کیونکہ کسی بھی حصص کے بدلے میں آئندہ ادائیگی کی جا سکتی تھی۔ ماہانہ ادائیگی کا نظام مروج تھا، اور یہ تین قسموں میں منقسم تھا:

(۱) ترن کگلیا، یا سہ کاغذی۔ اس میں درخواست فارم، ٹرانسفر ڈیڈ اور شیئر سرٹیفکیٹ شامل ہوتے تھے۔ خریدار کو سودے والے دن یا زیادہ سے زیادہ اگلے دن تک ان کاغذات کے وصول کرنے کے لئے رقم کی ادائیگی کرنی پڑتی تھی۔

(۲) دوسرے طریقے میں ایک ہفتہ کی مدت درکار ہوتی تھی، خریدار کو سودا ہونے کے آٹھ دنوں کے بعد شیئر حاصل ہوتے تھے جس کے بدلے میں اسے اسی وقت ادائیگی کرنی پڑتی تھی۔

(۳) حوالگی اور ادائیگی ماہانہ ادائیگیوں کی شکل میں: یہ وہ نظام ہے جو جون ۱۹۶۵ کے باعث فارورڈ ٹریڈنگ کے ملتوی ہونے سے قبل رائج تھا۔

کاروبار کے طریقے:

فرض کیجئے کہ ایک شخص کے پاس چند ہزار روپے کی رقم ہے اور وہ کسی اسٹاک ایکسچینج (مثلاً بمبئی) میں کاروبار کرنا چاہتا ہے، اس سلسلے میں کاروبار سے متعلق ضروری اقدامات بالترتیب اس طرح ہوں گے۔

ا۔ پہلا قدم:

چونکہ کسی باہری شخص کو ایکسچینج کے ہال میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ رقم لگانے والے شخص کو اولاً ایک بروکر (اسٹاک ایکسچینج کا دلال) یا بروکر کی کسی فرم کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ چونکہ اسٹاک ایکسچینج کے قواعد وضوابط کے مطابق اس کے ارکان (بروکر) بذات خود رقم لگانے والے شخص کو اپنی جانب متوجہ نہیں کر سکتے لہذا بروکر کے انتخاب میں کچھ وقت صرف ہوسکتا ہے۔ ایسے شخص کو یا تو اپنے ان دوستوں اور واقف کاروں کے مشوروں کے مطابق کسی ایسے بروکر یا ان کی فرم کا انتخاب کرنا پڑے گا جن سے ان واقف کاروں نے اس سے قبل کاروبار کیا ہے، یا پھر وہ اسٹاک کے سکریٹری سے اسٹاک ایکسچینج کے ارکان کی فہرست طلب کرسکتا ہے۔ اس فہرست میں بروکر یا ان کی فرموں کے نام درج ہوتے ہیں چونکہ صرف ناموں سے کسی طرح کی کوئی بات ثابت نہیں ہوتی لہذا اس طرح کیا جانے والا انتخاب سودمند بھی ثابت ہوسکتا ہے اور نقصان دہ بھی۔

اگر کوئی رقم لگانے والا شخص براہ راست بروکر کی فرم سے تعلق قائم نہیں کرسکتا تو اپنے بینک کے ذریعہ (جو کہ اپنے بروکر کے ذریعہ اپنے گاہکوں کے لئے اسٹاک ایکسچینج کا کاروبار کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں) لین دین کرسکتا ہے۔ اس طریقے سے بلاشبہ رقم لگانے والے شخص کو زیادہ تحفظ حاصل ہوتا ہے کیونکہ بروکر کے غلط اقدامات کے باعث ہونے والے نقصانات کا امکان کم سے کم ہوسکتا ہے، کیونکہ بینک کے ذمہ داران یہ چاہیں گے کہ ان کے گاہکوں کا نقصان نہ ہو، اس کے علاوہ بینک کے اسٹرونگ روم (رقم رکھنے کے کمرے) کے ذریعہ ادائیگی کی جاسکتی ہے یا ان میں حاصل شدہ رقم محفوظ رکھی جاسکتی ہے، لیکن اس طریقے میں نقصانات بھی ہیں، سب سے پہلا نقصان وقت کا زیاں ہے۔ اسٹاک ایکسچینج کے اتار چڑھاؤ منٹوں میں بدلتے رہتے ہیں۔ بینک کے ذریعہ بروکر سے رابطہ قائم کرنے میں اچھا خاصا وقت ضائع ہوسکتا ہے۔ مزید برآں بینک منیجر اسٹاک ایکسچینج کی اس وقت کی صورت حال اور دوسرے عوامل کے بارے میں زیادہ معلومات بھی نہیں رکھتے۔ بروکر چونکہ اس کاروبار سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں لہذا انہیں پل پل کی خبر رہتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی دوسرے کاروبار کی مانند ذاتی عمل دخل اس میں بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ بینک کے ذریعہ طے کئے جانے والے سودے میں بینکر کی ذاتی دلچسپی کا سوال ہی نہیں اٹھتا جبکہ اگر آپ براہ راست بروکر سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں اور اس کو ذاتی طور سے جانتے ہیں اور وہ آپ کو جانتا ہے تو وہ بذات خود بھی سودے میں دلچسپی لے گا۔

اسی کے ساتھ ساتھ سیکورٹیز کے لئے کی جانے والی ادائیگی اور ان کو محفوظ طریقے سے رکھنے کے لئے بینک کی سہولیات بھی مہیا ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کاروبار کسی دلال کے ذریعہ براہ راست بھی کیا جارہا ہے تب بھی بینک کے منیجران اپنے گاہکوں کے لئے یہ خدمت ایک معمولی کمیشن کے عوض انجام دینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ جب کاروبار کسی بینک کے ذریعہ انجام دیا جارہا ہے تو رقم لگانے والے شخص (Investor) کو بینک کو بھی ایک اضافی کمیشن ادا کرنا پڑتا ہے۔ لہذا کسی دلال کے ذریعہ براہ راست کاروبار کرنا ہمیشہ سودمند ثابت ہوتا ہے، لیکن بروکر (دلال) کا انتخاب دیکھ بھال کر کرنا چاہئے۔

بروکر کا انتخاب کرنے کے بعد اس کے نام ایک خط لکھا جاتا ہے جس میں اس سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ وہ کاروبار کرنے والے شخص کے لئے سودا کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے یا نہیں، اگر وہ راضی ہے تو پھر اس کا مشورہ طلب کیا جاتا ہے۔

۲۔ حوالہ ضروری ہے:

کوئی بھی بروکر کسی نئے گاہک کی جانب سے لین دین شروع کرنے سے قبل گاہک کا باقاعدہ تعارف چاہے گا یا پھر بینک کا حوالہ ضروری ہوگا تاکہ وہ گاہک کی معاشی حالت اور اس کی ایمانداری کے بارے میں پر یقین ہو سکے۔ کوئی بھی شرط باز (Bookmaker) اور یقینی طور پر کوئی بھی دلال کسی ایسے گاہک سے تعلق رکھنا پسند نہیں کرتا جس کے بارے میں وہ کچھ بھی نہیں جانتا۔ اور نہ ہی کوئی شخص اپنی رقم کو جیب سے نکال کر اسٹاک کے کاروبار میں لگا سکتا ہے جب تک اس کا تعارف کسی بروکر سے باقاعدہ نہ کرایا جا چکا ہو۔

۳۔ خرید کا حکم دینا:

اپنے خیر خواہوں کا مشورہ حاصل کرنے کے بعد یا کسی تجارتی اخبار کے بغور مطالعہ کے بعد یا اپنے بروکر کا مشورہ حاصل کرنے کے بعد اور یہ طے کرنے کے بعد کہ کون سی سیکورٹیز خریدنا ہے، رقم لگانے والا اپنے بروکر کو سیکورٹیز خریدنے کے لئے حکم دے سکتا ہے، مثلاً وہ اس سے کہے کہ سیچری مل کے ۱۰۰ عمومی حصص خرید لے۔ غیر ضروری تاخیر سے بچنے کے لئے عام طور پر ٹیلی گرام کے ذریعہ یا ٹیلی فون کے ذریعہ بروکر سے رابطہ قائم کیا جاتا ہے، اور یہ پیغامات مختصر ہوتے ہیں تاکہ غیر ضروری طور پر ترسیل میں زیادہ رقم نہ خرچ کرنی پڑے۔ مثلاً یہ پیغام اس طرح دیا جا سکتا ہے: "میرے لئے سو (۱۰۰) سیچریز ۹۵۰ کے نرخ پر خرید لو"۔ یہ حکم ایک طے شدہ رقم کا ذکر کرتا ہے اور اس میں کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا اس کی تعمیل کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ کیونکہ حصص کی قیمت میں ہر منٹ اضافہ یا کمی ہو سکتی ہے یا پھر اگر اس کی قیمت ۹۵۰ روپئے سے کم ہے تو اس میں کمی یا زیادتی زیادہ وقفے سے ہوگی۔ خرید کا حکم دینے کے دوسرے طریقے کا استعمال بھی کیا جا سکتا ہے جس میں بروکر کے لئے بھی گنجائش ہو اور دوسری جانب اس میں رقم لگانے والے شخص کے مفادات کا بھی تحفظ ہوتا ہو۔

گاہک کے خرید کے حکم کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: (۱) قیمت کا ذکر جس پر خرید کے حکم کی تعمیل کی جائے گی (۲) مدت کا ذکر جس کے دوران اس حکم پر عمل درآمد کیا جائے (۳) یا اس مدت کا ذکر جس کے گذرنے کے بعد ہی حوالگی (Delivery) کی جائے۔

قیمت کے مطابق درجہ بندی:

اس درجے کے تحت آرڈر کی مندرجہ ذیل شکلیں ہو سکتی ہیں

(الف) بہترین یا مارکیٹ آرڈر

اس قسم کے حکم میں کسی قیمت کا تعین نہیں کیا جاتا ہے اور فوری طور پر بہترین اور مناسب ترین قیمت پر

خرید یا فروخت کی جاتی ہے۔ اس قسم کے احکامات پر فوری طور پر بروکر کے ذریعہ عمل درآمد کیا جاتا ہے، اور بازار میں زیادہ تر اسی قسم کے آرڈر آتے ہیں۔ اس قسم کے آرڈر کچھ اس طرح دیئے جاتے ہیں: "خریدو (یا فروخت کرو) ۱۰۰ سینچری بہترین (قیمت) پر"۔

(ب) طے شدہ قیمت یا حدود کے آرڈر:

اس قسم کے آرڈر گاہک کے ذریعہ طے شدہ قیمت پر عمل پذیر ہوتے ہیں۔ ان کی ایک مثال ہے: "خرید و (یا فروخت کرو) ۱۰۰ سینچری ۹۵۰ پر"۔ مندرجہ ہدایات کے مطابق بروکر کو ۹۵۰ روپے یا اس سے کم قیمت پر حصص کو خریدنا چاہئے۔ اسی طرح فروخت کرنے کے اسی قسم کے ایک آرڈر کی تعمیل ۹۵۰ روپے یا اس سے زیادہ قیمت پر کی جائے گی۔ بعض اوقات اس قسم کے امکانات میں تھوڑی بہت گنجائش رکھی جاتی ہے۔ مثلاً "تقریباً ۹۵۰ پر خریدلو"۔ لیکن بروکر کے نقطۂ نظر سے یہ طریقہ زیادہ اطمینان بخش نہیں ہے کیونکہ اس میں اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ تقریباً کا تعین کن حدود میں رہتے ہوئے کیا جائے، لہٰذا واضح حدود کا تعین بروکر کے ذریعے پسند کیا جائے گا۔ مثلاً "۹۵۰ سے زیادہ پر مت خریدو"۔ یا "۹۵۰ سے کم پر فروخت مت کرو"۔ اس قیمت کے حدود کے تعین میں مذکورہ رقم اس طرح نہیں جیسے کہ ایک تاجر کو زیادہ سے زیادہ رقم کا آفر کیا جاتا ہے، بروکر محض ایک کارپرداز ہے، اور وہ بذات خود خریدار کو حصص فروخت نہیں کرتا ہے بلکہ وہ اپنے گاہک کے مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے کم سے کم قیمت پر حصص خریدتا ہے اور زیادہ سے زیادہ قیمت پر حصص کو فروخت کرتا ہے۔

(ج) فوری یا منسوخی کا آرڈر:

یہ آرڈر ایک طے شدہ قیمت کے آرڈر کے مقام پر استعمال کئے جاتے ہیں، اس کی ایک مثال یہ ہو سکتی ہے: "۱۰۰ سینچریز فوری طور پر خریدلو"۔ اس میں "فوری" کی جگہ منسوخ بھی استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اس قسم کے آرڈر ممکنہ بہترین قیمت پر فوری طور پر پورے کئے جاتے ہیں۔ اور اگر قیمت کے سودمند نہ ہونے کے باعث فوری طور پر ان پر عمل درآمد نہیں کیا جا سکتا تو اس آرڈر کو منسوخ کر دیا جاتا ہے، اور بروکر بازار کی صورت حال کی رپورٹ اپنے گاہک کو روانہ کرتا ہے۔

(د) اسٹاپ لاس آرڈر (Stop Loss Order):

اس نظام کے پس پشت یہ محرک کارفرما ہے کہ گاہک کو قیمت میں تیزی سے ہونے والے اتار چڑھاؤ سے محفوظ رکھا جا سکے۔ خرید کے لئے ایک اسٹاپ لاس آرڈر کچھ اس طرح ہوگا "۱۰۰ سینچریز ۹۵۰ پر اسٹاپ"۔ اس آرڈر کے موصول ہونے کے بعد بروکر اس وقت تک کوئی قدم نہیں اٹھائے گا جب تک بازار بھاؤ ۹۵۰ سے کم ہے، لیکن جیسے ہی یہ ۹۵۰ تک پہونچتا ہے یا بڑھنا شروع ہوتا ہے بروکر کو ممکنہ مناسب ترین قیمت پر ۱۰۰ حصص خرید لینا چاہئے۔ اسی طرح قیمت میں کمی ہونے کے باعث تیزی سے ہونے والے نقصان کو محدود کرنے کے لئے ایک خاص نقطے کی وضاحت کی جا سکتی ہے جس کے بعد حصص کو فروخت کر دیا جائے۔ مثلاً "الف" ایک شخص ہے جس نے ۱۰۰ سینچریز حصص ۹۵۰ کی نرخ سے خریدے ہیں، اپنے بروکر کو "۱۰۰ سینچریز ۹۳۰ پر اسٹاپ" کا آرڈر دے سکتا ہے، لہٰذا اس طرح

رقم لگانے والے کوئی حصص ۲۰ ؍ روپے کا ہی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ یعنی جیسے ہی بازار بھاؤ ۹۳۰ پر پہونچتا ہے یا کم ہونا شروع ہو جاتا ہے بروکر حصص فروخت کر دے گا۔ اسٹاپ لاس آرڈر، مارکیٹ آرڈر بن جاتا ہے جب حصص کا نرخ ایک معینہ قیمت کے قریب پہونچتا ہے، بروکر تیزی سے اتار چڑھاؤ کے اس بازار میں اپنے گاہک کے احکامات پر معینہ قیمت پر خرید و فروخت نہیں کر سکتا، لیکن جب معینہ قیمت تک بازار بھاؤ پہونچ جاتا ہے تو بروکر کے لئے یہ لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ سرعت سے احکامات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے، اور اگر کوئی بروکر فوری طور پر قدم نہیں اٹھاتا اور آرڈر کی تکمیل میں تاخیر کا موجب بنتا ہے جس کے نتیجے میں گاہک کو نقصان اٹھانا پڑے تو وہ بروکر اس نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ اس کے علاوہ تحفظ کی ایک شکل پٹ اور کال (Put and Call) بھی ہے جس کا مقصد رقم لگانے والوں کے نقصان کی حد کو کم سے کم کرنا ہے، لیکن تمام ایکسچینجوں پر اختیاری سودوں کی ممانعت ہے۔

(ھ) مرضی پر مبنی احکامات:

یہ وہ آرڈر ہیں جو کہ بروکر کی زیرک مندی اور ہوشیاری پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں، اس کا استعمال بہت کم ہوتا ہے، اور عام طور پر اس کا استعمال تب ہوتا ہے جب کوئی رقم لگانے والا شخص چند بے حرکت حصص کو خریدنا یا فروخت کرنا چاہتا ہے اور اسے اپنے دلال پر پورا بھروسہ ہو۔ اس آرڈر کے الفاظ یوں ہو سکتے ہیں ''خرید لو (یا فروخت کر دو) ۱۰۰ اسٹیچر یز''۔ اس آرڈر کا پُر اطمینان نتیجہ اسی وقت برآمد ہو سکتا ہے جب گاہک اور بروکر (دلال) کے درمیان مکمل ہم آہنگی ہو۔ اس میں قیمت کے بارے میں ہدایات کے علاوہ وقت کے محدود عرصہ کا بھی تعین کیا جا سکتا ہے۔ چند حالات کے تحت وقت کی کوئی مدت مخصوص نہیں کی جاتی ہے، اس قسم کے آرڈر کو ''کھلا آرڈر'' یا (Open Order) کہا جاتا ہے۔ جبکہ دوسری شکل میں اس حکم کی مدت ایک دن، ایک ہفتہ یا ایک مہینہ بھی ہو سکتی ہے، اس قسم کے تحت آرڈر کے الفاظ یوں ہو سکتے ہیں ''۱۰۰ اسٹیچر یز ۹۵۰ پر فروخت کر دو''۔ مدت معینہ اس وقت تک مانی جائے گی جب تک (آرڈر) منسوخ نہ کر دیا جائے (یا ایک دن کے لئے یا ایک مہینے کے لئے) اس قسم کے آرڈر بروکر کو سست روی کی ترغیب دے سکتے ہیں۔ لہٰذا آرڈر میں حوالگی کی مدت کا ذکر بھی ہونا چاہئے اور اس کا بھی کہ سودا نقد رقم کی حوالگی کی شکل میں ہو یا اکاؤنٹ کے ذریعہ۔

آرڈر کسی بھی شکل میں ہو یہ ضروری ہے کہ آرڈر واضح اور صریح الفاظ و انداز میں جاری کیا جائے تاکہ غیر ضروری تاخیر سے بچا جا سکے اور تمام ممکنہ تنازعات سے بھی محفوظ رہا جا سکے۔ صراحت اور اختصار کسی بھی اچھے آرڈر کی دو اہم خصوصیات ہیں۔

۴۔ آرڈر کا اندراج اور اس کی تعمیل:

تمام آرڈر جو کہ موصول ہوتے ہیں اولاً ایک عمومی ڈائری یا نوٹ بک پر درج کر لئے جاتے ہیں اور بعد میں انہیں آرڈر بک میں درج کیا جاتا ہے۔ عمومی ڈائری میں اندراج کئے جانے کے بعد آرڈر پر فوری عمل درآمد کیا جا سکتا ہے کیونکہ آرڈر بک میں اندراج کرنے میں خاصا وقت صرف ہوتا ہے۔ عملی طور پر زبانی یا ٹیلیفون سے دیئے گئے

آرڈر بھی عمومی نوٹ بک میں درج کر لئے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں کہ بہت سارے آرڈر موصول ہو چکے ہوں ان کی درجہ بندی کی جاتی ہے تاکہ اضافی حصص کی خرید یا فروخت کی قیمت یا ان کی اصل حیثیت کا تعین کیا جا سکے، اور ان آرڈر کی تکمیل میں بروکر کی جانب سے کئے جانے والے اقدامات کا منفی اثر نہ پڑے۔

۵۔ فرش:

دراصل معتبر اور مستند کلرک ہی اسٹاک ہال میں ہونے والے سودے اور لین دین کرنے والے ہوتے ہیں، بروکر تمام ہدایت اپنے مستند کلرک کے حوالے کر دیتے ہیں۔ چھوٹے دلال جن کے پاس زیادہ کام نہیں ہوتا خود ہی سودے انجام دیتے ہیں۔

اسٹاک کا ہال مختلف بازاروں میں تقسیم ہوتا ہے اور ہر بازار پر اضافی حصص کے نام کا تذکرہ ہوتا ہے۔ جب کسی مخصوص کمپنی کے حصص میں لین دین کرنا ہو تو مستند کلرک ہال میں اس بازار تک جاتے ہیں جہاں ان حصص کا کاروبار ہو رہا ہو۔

لندن اسٹاک ایکسچینج کے برخلاف ایکسچینج کے ارکان "Jobbers" اور "Brokers" میں تقسیم نہیں کئے جا سکتے ہیں لہذا کسی اضافی حصص کی دو قیمتیں یہاں نہیں کی جاتی ہیں۔ مستند کلرک حالات کے تحت اضافی حصص کی خرید و فروخت کے لئے اپنی قیمت کا اعلان کر سکتا ہے۔ مثلاً وہ کہے "میں ۵۲ پر خریدتا ہوں" جب کہ اس کا مدمقابل کاروباری شخص ۵۴ سے ۵۳/۸ تک اپنی قیمت کم کر سکتا ہے، اور یہ فرض کیا جائے گا کہ سودا مکمل ہو گیا۔ سودے کی تکمیل کرتے ہوئے عام طور پر سیکڑے اور ہزار کے مقام کے ہندسے حذف کر دیئے جاتے ہیں۔ جب یہ کہا جائے کہ سینچری کی شرح ۵۲ یا ۵۴/۸ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ شرح ۹۵۲، ۹۵۴ یا ۹۵۳/۸ ہے، ایسے اعداد و شمار جن میں سیکڑے کے مقام کا ہندسہ حذف کر دیا گیا ہو، گاہک یا کسی نئے آدمی کے لئے بے معنی ہیں، لیکن ایک ایسے کاروباری شخص کے لئے جو کہ اسٹاک ایکسچینج میں لین دین کرتا رہتا ہے، کسی پریشانی یا مشکل کا باعث نہیں بن سکتے، کیونکہ وہ حذف کردہ ہندسوں سے پوری طرح واقف ہوتا ہے۔

عام سودے الفاظ کے ذریعے یا زبانی طور پر کئے جاتے ہیں اور دونوں پارٹیوں کے درمیان اسٹاک ایکسچینج میں کوئی تحریری معاہدہ نہیں ہوتا، بعض اوقات محض ایک لفظ یا گردن کی جنبش سے ہی سودے کئے جاتے ہیں جن سے یہ اشارہ کیا جاتا ہے کہ خرید و فروخت کے سودے کو مکمل سمجھا جائے۔ اس کے بعد اس سودے کو پورا کرنے کی ذمہ داری خریدار اور فروخت کنندہ دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ جیسے ہی سودا مکمل ہوتا ہے دونوں پارٹیاں پاکٹ بک میں اپنے سودے کی تفصیلات درج کر لیتی ہیں۔ یہ اندراج عام طور پر پنسل سے ہوتا ہے۔ سودے کی تکمیل کے بعد کاغذی کاروائی کے لئے کلرکوں کی بھاگ دوڑ دیکھ کر اسٹاک ایکسچینج میں منٹ منٹ کی قیمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کلرک بھاگتے دوڑتے ہوئے اپنی ڈائریوں میں سودے کی تفصیلات مختصراً درج کرتے ہیں۔ یہ کام سیڑھیوں پر چڑھتے اترتے وقت یا لفٹ میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ پیڈ یا ڈائری دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ خرید کا اندراج رقم کے خرچ ہونے کے خانے

(Debit) میں کیا جاتا ہے اور فروخت کا اندراج آمد کے خانے (Credit) میں کیا جاتا ہے۔ حصص کی تعداد، ان کا تفصیلی بیان اور ان پارٹیوں کا نام بھی جنھوں نے حصص فروخت کئے یا خریدے ہیں درج کیا جاتا ہے۔

حصص کے سودے ایک مخصوص و متعین تعداد کے تحت ہی انجام دیئے جا سکتے ہیں جس کا تعین حصص یا سیکورٹیز کی قیمت کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ ہر اسٹاک ایکسچینج کے اصول وضوابط کے مطابق ایک مخصوص تعداد اس سلسلہ میں متعین کر دی جاتی ہے جن کے تحت ہی حوالگی (Delivery) کی جا سکتی ہے یا پھر یہ کہ فروخت کے وقت اس تعداد کا تعین کیا جا چکا ہو۔

صرف انہی سیکورٹیز میں سودا کیا جا سکتا ہے جن میں سودے کی اجازت اسٹاک ایکسچینج کے ذریعہ ان کو اسٹاک میں شامل کئے جانے کے بعد دی جاتی ہے۔ حالانکہ ہندوستان کے دوسرے اسٹاک ایکسچینجوں میں لین دین کے تحت حاصل ہونے والی سیکورٹیز کا سودا بمبئی اسٹاک میں نقد رقم کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے اگرچہ اسٹاک کے گورننگ بورڈ نے متذکرہ سیکورٹیز کے لئے کسی رقم کا تعین نہ کیا ہو۔

رقعہ معاہدہ (Contract Note):

سودے کی تکمیل کے بعد کلرک اپنے دفتر واپس لوٹتا ہے، اور یادداشتی ڈائریوں، کلرک کے عام پیڈ یا نوٹ بک سے سودے کی تفصیلات ''کچا سودا کتابوں'' میں درج کی جاتی ہیں اور وہاں سے انہیں پکی کتابوں یا حساب کتاب کے باقاعدہ کھاتوں میں نقل کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ ذکر بھی ہوتا ہے کہ سودا نقد رقم یا آئندہ ادائیگی (بینک اکاؤنٹ) کے تحت انجام پایا ہے۔ بروکر سے متعلق اور پارٹیوں سے متعلق تفصیلات بھی درج کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد بروکر ایک معاہدے کی دستاویز (نوٹ) تیار کرتا ہے جو دوسری پارٹی کے لئے ہوتا ہے۔ بروکرس کے ذریعہ ایسوسی ایشن سے منظور شدہ معاہدے کے نوٹ استعمال کئے جاتے ہیں۔ نقد رقم یا بینک کے ذریعہ سودا ہونے کی شکل میں الگ الگ قسم کے معاہدے کی دستاویزات استعمال کی جاتی ہیں۔ ایک کنٹریکٹ نوٹ گاہک کو بھی بھیجا جاتا ہے۔ ان معاہدوں پر بروکر کے خود کے یا اس کی جانب سے نامزد اتارنی کے دستخط ہونے چاہئیں، ان پر باقاعدہ ٹکٹ بھی الگ ہونا چاہئے۔ اگر نقد رقم کی شکل میں سودا ہوا ہے تو اس طرح تیار کئے جانے والے معاہدے کے نوٹ میں بروکر کے کمیشن کا خانہ نہیں ہوتا ہے جیسا کہ فارورڈ ڈلیوری کے معاہدے میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ گاہک کو ایک اور میمو بھیجا جاتا ہے، جس میں ادا کی گئی یا حاصل ہونے والی رقم کی تفصیل بروکر کی اپنی فیس اور ٹرانسفر فیس (اگر گاہک یہ چاہتا ہے کہ اس کو اس کے نام ٹرانسفر کر دیا جائے) کی تفصیلات درج ہوتی ہیں۔

اگلے دن کنٹریکٹ نوٹ (Contract Note) کا دونوں پارٹیوں کے ذریعے ۱۲ بجے سے ۳ بجے کے درمیان تقابلی معائنہ کیا جاتا ہے، اور جب دونوں کنٹریکٹ نوٹ کا معائنہ ہو جاتا ہے تو دونوں پارٹیوں کے کلرک ایک دوسرے کے کھاتے میں اپنے اپنے دستخط کرتے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ کنٹریکٹ نوٹ باقاعدہ اور صحیح طور پر تیار کئے گئے ہیں۔ صرف چند کلرک ہی جو کہ باقاعدہ بروکر کی جانب سے ان کی نمائندگی کرنے کے لئے مقرر کئے

جاتے ہیں بروکر کی جگہ اپنے دستخط کر سکتے ہیں۔ ایسے کلرک کو ایک کارڈ دیا جاتا ہے جس پر اس کے نمونے کے دستخط ہوتے ہیں اور اس کارڈ کو کلرک کو کنٹریکٹ ہال میں لے کر جانا پڑتا ہے۔ تمام غلطیاں یا خامیاں باضابطہ طور پر متعلقہ افراد کے سامنے لائی جاتی ہیں جن کا قابل قبول اور منصفانہ حل تلاش کرلیا جاتا ہے۔ عام طور پر اگر کسی حقیقی غلطی کے نتیجے میں کوئی نقصان ہورہا ہو تو دونوں پارٹیاں اس کو آپس میں آدھا آدھا بانٹ لیتی ہیں، اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ تنازعہ کے حل کے لئے ثالثی کمیٹی سے رجوع کیا جائے۔ کنٹریکٹ نوٹ میں ہوئی کسی غلطی کے لئے گاہک ذمہ دار نہیں ہوتا ہے اور اس کی پوزیشن میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آتی ہے۔ بلاشبہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اسٹاک ایکسچینج کا نظام جو کہ صرف لفظوں یا زبانی طور پر ہی چلتا ہے، اس نظام کے قابل احترام اور ایماندارانہ ہونے کی مثال ہے۔

۶۔ کمیشن:

بروکر دیئے گئے مشورے کے لئے کسی قسم کی فیس نہیں مانگتا ہے۔ جب سودا مکمل ہوجاتا ہے تب ہی کمیشن کی ادائیگی کا سوال اٹھتا ہے۔ اس لئے کہ فائدہ مند اور مناسب مشورہ ہمیشہ بروکر کے حق میں سودمند ثابت ہوتا ہے اور اسی مشورے کی بنیاد پر اس کے لئے آئندہ بڑے پیمانے پر کاروبار کی راہیں استوار ہوتی ہیں۔ اسٹاک ایکسچینج کے اصول و ضوابط کے تحت بروکر کے زیادہ سے زیادہ کمیشن کی شرحیں مقرر کردی گئی ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بروکرس کے درمیان مقابلہ زیادہ نہ ہو اور کمیشن کی شرح کم سے کم نہ ہوتی جائے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کم سے کم کمیشن کی شرح مقرر کردی گئی ہے اور بروکر اس شرح سے زیادہ کمیشن طلب کرنے کا مجاز ہے لیکن عملی طور سے ایسا تقریباً نہیں کے برابر ہوتا ہے کیونکہ بروکرس کے آپس کے مقابلے کے نتیجہ میں یہ کم سے کم ہی زیادہ سے زیادہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ بمبئی اسٹاک ایکسچینج کے اصول وضوابط کے مطابق اس کم سے کم کمیشن کی شرح میں بھی بروکر کے ذریعہ چھوٹ دی جاسکتی ہے لیکن یہ چھوٹ کمیشن کی آدھی رقم سے کم نہ ہو۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ بروکر کی کم سے کم فیس کا اطلاق نقد رقم کی شکل میں کئے گئے ہر سودے پر نہیں ہوتا، اور اس کا اندراج اسی صورت میں کیا جاتا ہے جب رقم کی ادائیگی فی الوقت نہیں کی جارہی ہے۔ درحقیقت اس طرح سے حاصل ہونے والے کمیشن کی مقدار بہت کم ہوتی ہے اور بروکر کے منافع کا بہت کم حصہ اس شکل میں حاصل ہوتا ہے۔

۷۔ تصفیہ (Settlement):

تصفیہ کے طریق کار کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(الف) نقد رقم کی ادائیگی کے معاہدوں کا تصفیہ۔

(ب) آئندہ ادائیگی کے معاہدوں کا تصفیہ۔

بمبئی اسٹاک ایکسچینج کے انداز کو مدنظر رکھتے ہوئے مثال کے طور پر آگرہ کا باشندہ ''الف'' اپنے بروکر ''ا ب ج'' کمپنی کو آرڈر دیتا ہے کہ ''۱۵ اسپنچر یز خرید لو''۔ بروکر یہ حصص ۹۴۵ کے حساب سے ''د ل ج'' کمپنی سے خرید لیتا ہے جس نے اپنے گاہک ''ب'' کی نمائندگی کرتے ہوئے یہ حصص فروخت کئے ہیں۔ ''ب'' نے یہ حصص ۹۴۰ کی شرح

پر "ہ وز کمپنی" کے ذریعہ "ج" سے خریدے تھے۔ اس سودے میں ایک کے بعد ایک کڑی موجود ہے۔

(الف) نقد رقم کی ادائیگی کا معاہدہ (Ready Delivery Contract):

نقد رقم کی فہرست کے مطابق حصص کو دو درجوں "Cleared" اور "Non Cleared" میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور ان دونوں کے تصفیہ کے طریقے میں بھی فرق ہوتا ہے۔ کلیئرڈ حصص کا تصفیہ کلیئرنگ ہاؤس کے ذریعے ہوتا ہے جبکہ نان کلیئرڈ حصص، دستی ڈلیوری کے ذریعے انجام پاتے ہیں یعنی ان میں کلیئرنگ ہاؤس کا کسی طرح کا دخل نہیں ہوتا، اور یہ ممبران کے درمیان آپس میں ہی طے پا جاتے ہیں۔

(ا) نان کلیئرڈ حصص (Non Cleared Securities): فوری ڈلیوری معاہدے کا مطلب یہ ہے کہ معاہدے سے متعلق پارٹیاں حصص کو فوری طور پر وصول کرنے اور ان کی ادائیگی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ فروخت کنندہ "ہ وز کمپنی" اپنے گاہک "ج" سے شیئر سرٹیفیکٹ وصول ہونے کے بعد آئندہ پیر (دوشنبہ) کو ایک "فروخت کنندہ ڈلیوری ٹکٹ" جاری کرے گا جس کو بازار میں عرف عام میں کیلی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ساتھ ہی اس کی ایک نقل بھی جاری کی جاتی ہے۔ اس ٹکٹ کے ذریعے فروخت کنندہ کا بروکر دوسری پارٹی کو مطلع کرتا ہے کہ وہ حصص فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ خریدنے والا بروکر سیاہ رنگ کی نقل پر اپنے دستخط کرے گا اور اسے "ہ وز" کمپنی کو واپس بھیج دے گا۔ کیلی کی اصل جو کہ سرخ رنگ میں ہوتی ہے خریدنے والے بروکر کے ذریعہ اپنے پاس رکھ لی جائے گی۔ "د ل ج" کمپنی بھی "اب ج" کمپنی کو ایک کیلی جاری کرے گی جو کہ اس کی نقل پر دستخط کر کے اسے "د ل ج" کمپنی کو واپس کر دیں گے۔ خریدنے والے بروکر تک کیلی ۳ بجے سہ پہر سے قبل پہونچ جانی چاہئے۔

۳ بجے کے بعد تصفیہ والے کمرے میں کیلی لے جائی جاتی ہے۔ تمام بروکرس کے کلرک یہاں اکٹھے ہوتے ہیں اور تمام پارٹیوں کے نام کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ خریدار پارٹیاں سامنے آتی ہیں اور ان کے ذریعہ ٹکٹ کی نقول ان کے معائنے اور ان پر دستخط کرنے کے بعد وصول کی جاتی ہیں، ایکسچینج کا ایک عہدے دار بھی وہاں موجود ہوتا ہے، اور اگر کوئی خریدار غیر حاضر ہے اور کیلی وصول نہیں کرتا ہے تو وہ عہدے دار کیلی اپنے قبضے میں لے لیتا ہے تا کہ اس بات کا ثبوت رہے کہ سودا ہوا ہے۔ اس کے بعد وہ غیر حاضر پارٹی کے دفتر میں پیش کی جاتی ہے، اور اگر اس کے بعد بھی خریدار اس کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، تو فروخت کنندہ اپنے حقوق کا استعمال کرتے ہوئے متعلقہ پارٹی سے اپنے نقصان کا معاوضہ طلب کر سکتا ہے۔

جمعرات کا دن جو کہ ادائیگی کا دن ہوتا ہے، فروخت کنندہ بروکر حصص کے سرٹیفیکٹ مع ٹرانسفر فارم (باقاعدہ اندراج اور دستخط کے ساتھ) خریدار کو دے دے گا۔ دستاویز حصص (Share Certificate) اور دستاویز منتقلی (Transfer Deed) خریدار بروکر کے دفتر میں پیش کی جاتی ہیں۔ جب حصص کی ادائیگی ہو جاتی ہے تو رقم ادا کی جاتی ہے۔ حصص کی ادائیگی قسطوں (حصوں) میں بھی کی جا سکتی ہے اور خریدار اس کو قبول کرنے کا پابند ہے۔ "اب ج" کمپنی "الف" کو ایک میمو مع کنٹریکٹ نوٹ کے آئندہ روز روانہ کرے گا جس میں مندرجہ بالا اندراجات ہوں گے۔

	روپے	آنہ	پیسے
۱۰ حصص سینچری ملس ۹۴۵ پر	۹۴۵۰	۰	۰
بروکر فیس فی ۱۰۰ روپے یا ہر حصص کے مطابق ۸ فیصد کے حساب سے جوڑی جائے۔	۵۰	۰	۰
ٹکٹ کی فیس ۲ر۱ فیصد	۱۰۶	۶	۰
فی حصص ۴ آنہ کے حساب سے رجسٹریشن فیس	۲	۸	۰
	۹،۶۰۸ روپے،	۱۴ آنے،	۰ پیسے

اس میمو کی وصولی کے بعد 'الف' ۹۶۰۸ روپے ۱۴ آنے کا چیک روانہ کرے گا۔ 'دل ج' کمپنی "ہ وز" کمپنی سے حصص وصول کرنے کے بعد انہیں اور ٹرانسفر ڈیڈ (Transfer Deed) کو 'اب ج' کمپنی کے حوالے کردے گی جس کو ۹۴۵۰ کے عوض یہ حصص حاصل ہوں گے۔

(۲) کلیئرڈ حصص (Cleared Securities): اس کا طریقہ بھی تقریباً گذشتہ کی مانند ہی ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ سودے کا تصفیہ کلیئرنگ ہاؤس کے ایجنٹ کے ذریعہ کیا جاتا ہے، کسی بھی کام کے دن کیا جانے والا سودا آئندہ جمعرات کو تکمیل پاتا ہے، اور یہ دن (Clearing Day) کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ سنیچر کے دن کئے گئے سودے کو پیر کے دن کے حساب سے مانا جاتا ہے۔ پیر کے دن فروخت کنندہ 'فروخت کنندہ کلیئرنس ٹکٹ' مع اس کی نقل کے بنائے گا جسے خریدار کے پاس بھیجا جائے گا۔ خریدار اس کی اصل اپنے پاس رکھ لے گا اور نقل پر دستخط کرنے کے بعد اسے واپس کردے گا۔

بدھ کے دن 'یعنی کلیئرنگ ڈے' سے ایک روز قبل فروخت کنندہ کو (Clearing House) میں ایک کلیئرنگ شیٹ داخل کرنا پڑتی ہے مع ڈلیوری فارم اور رسید فارم کے۔ اس شیٹ میں خریدے ہوئے حصص کی تفصیل، ان کی قیمت جو کہ ادا کی گئی Debit سائڈ پر درج کی جاتی ہے، اور فروخت کئے گئے حصص اور ان کے بدلے میں حاصل ہونے والی رقم کی تفصیل Credit سائڈ پر درج کی جاتی ہے، اور کل فرق (Balance) بھی درج کیا جاتا ہے، اور ممبر اس رقم کا چیک بھی روانہ کرتا ہے۔ یا اگر کریڈیٹ بیلنس ہے تو کلیئرنگ ہاؤس کے نام ایک ڈرافٹ روانہ کیا جاتا ہے۔

کلیئرنگ ڈے کو تمام حصص جو کہ فروخت ہوئے مع ضروری ٹرانسفر ڈیڈ کے فروخت کنندہ کی طرف سے کلیئرنگ ہاؤس میں جمع کئے جاتے ہیں۔ خریدار رکن کو کلیئرنگ ڈے کے اگلے روز یہ حصص کلیئرنگ ہاؤس سے موصول ہو جاتے ہیں۔ وہ کلرک جو کہ بروکرس کی جانب سے حصص کے حصول کے لئے نامزد یا مقرر کئے جاتے ہیں اسٹاک ایکسچینج کی جانب سے حصص کی وصولی کی رسید پر دستخط ثبت کرتے ہیں:

فارورڈ ڈلیوری معاہدوں کی ادائیگی:

آئندہ یا فارورڈ ڈلیوری معاہدوں کے لئے بمبئی اسٹاک ایکسچینج کے سال کو بارہ (۱۲) ادائیگیوں میں تقسیم کیا گیا ہے کیونکہ یہ ادائیگیاں ماہانہ ہوتی ہیں۔ گورننگ بورڈ ہر سال آئندہ سال کیلئے بارہ اکاؤنٹ اور ادائیگی کے دن مقرر کر دیتا ہے۔ عام طور پر ہر ادائیگی مہینے کے آخری ہفتہ میں کی جاتی ہے اور ادائیگی کا نام مہینے کے حساب سے رکھا جاتا ہے۔ اس قسم کے سودوں میں کاروبار کا مقصد حصص کا حصول اور ان کے بدلے میں ادائیگی نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا مقصد خریدنے اور بیچنے کے ذریعہ مہینوں کے دوران نفع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ قانونی طور پر فروخت کے ہر معاہدے کے تحت حصص کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے لیکن عملی طور پر ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ ہر ادائیگی کے دوران ارکان کے درمیان کئی ایک ادائیگیاں ہوتی ہیں۔ اور ان سب کا نیٹ بیلنس ڈلیور کیا جاتا ہے اور اس کی ادائیگی کی جاتی ہے۔ یہ تمام ادائیگیاں کلیئرنگ ہاؤس کے ذریعہ کلیئر کی جاتی ہیں اور یہ پیچیدہ عمل آسان بنا دیا جاتا ہے۔ جب ادائیگی کا دن آتا ہے تو: (۱) وصولی کر لی جاتی ہے اور یہ بہت کم ہوتا ہے۔ (۲) سودا پلٹ دیا جاتا ہے یعنی خرید، فروخت میں بدل جاتی ہے اور ایسا ہی فروخت کے ساتھ ہوتا ہے۔ (۳) آئندہ ادائیگی (Sattlement) والے سودے عام طور پر موجودہ ادائیگی کے لئے ہی ہوتے ہیں لیکن بیک وقت دو ادائیگیوں کے لئے بھی ہر ادائیگی کے چار دنوں کے بعد نئے سودے کئے جا سکتے ہیں۔ یہ چار دن ادائیگی کی آخری تاریخ سے شمار کئے جاتے ہیں اور آئندہ مہینے کے تین دنوں تک ہوتے ہیں، مثلاً فروری کی ادائیگی ۳ر فروری کو ختم ہو رہی ہے، اس صورت میں چار دن یعنی ۳۱ر جنوری، یکم، ۲، اور ۳ر فروری کو ایک ساتھ دو اکاؤنٹ فروری اور مارچ کی ادائیگی کے کھولے جائیں گے تاکہ جو افراد حصص کو وصول کرنا پسند نہیں کرتے یا ان کی ادائیگی پسند نہیں کرتے وہ ان چار دنوں کے درمیان اپنے سودے پورے کر سکتے ہیں۔ ۳ر فروری کو فروری کی ادائیگی ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد صرف مارچ کی ادائیگی ہی حالیہ ادائیگی رہ جائے گی، لیکن در حقیقت دونوں ادائیگیاں ایک دوسرے کے ساتھ جڑی رہتی ہیں۔ نئی ادائیگی اسی دن نہیں شروع ہو جاتی ہے بلکہ پہلی ادائیگی کے خاتمے کے چار دن قبل سے ہی شروع ہوتی ہے۔

آئندہ سودوں میں ادائیگی کی مدت چھ دن پر محیط ہوتی ہے۔ Sattlement Period کے آخری دن خریدار بروکر فروخت کنندہ بروکر کے ساتھ اپنی میمورنڈم سلپ کا تبادلہ کرتا ہے اور اس طرح حساب کتاب کے بعد اس دوران کئے گئے کاروبار کا اندازہ لگاتا ہے۔ عملی طور پر یہ تقابلی معائنہ بہت کم ہوتا ہے۔ دوسرے دن کو "Clearance Day" یا "Ticket Day" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ایکسچینج کے ارکان اس دن کلیئرنس کی فہرست اور ڈلیوری کی فہرست کلیئرنگ ہاؤس میں پیش کرتے ہیں، جن میں وصول ہونے والی سیکورٹیز اور ادا کی جانے والی سیکورٹیز کی تعداد وغیرہ درج ہوتی ہے۔ سودے کی رقم اور خریدے گئے اور فروخت کئے گئے حصص کی تعداد کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، یہ ذکر اس کے لئے علیحدہ مخصوص فارموں میں کیا جاتا ہے، یہ تمام فارم کلیئرنگ ہاؤس میں ۱۲ بجے دوپہر اور ۵ بجے سہ پہر کے درمیان جمع کرانا ضروری ہے۔ تیسرے اور چوتھے دن حصص کلیئرنگ ہاؤس کے سپرد کئے

جاتے ہیں۔ جو سیکورٹیز سپرد کی جاتی ہیں ان کا اندراج ایک تیار شدہ فارم میں کیا جاتا ہے۔ پانچواں دن ادائیگی کا دن ہوتا ہے، جسے "Pay Day" یا "Account Day" کہتے ہیں۔ اس تاریخ کو ارکان بیلنس شیٹ اور خرید و فروخت کے درمیان فرق کا ایک بیان کلیئرنگ ہاؤس میں داخل کرتے ہیں۔ اس میں دکھلایا گیا بیلنس کلیئرنگ ہاؤس کے ساتھ اس کے کھاتے میں جمع کر دیا جاتا ہے یا اس میں سے منہا کر لیا جاتا ہے۔ کوئی ممبر جو کہ پے ڈے کے اگلے روز دوپہر تک ادائیگی نہیں کر پاتا ہے اسے قصوروار گروانا جاتا ہے۔ اس دن حصص کے آئندہ کاروبار کے لئے بازار بند رہتا ہے۔ آخری دن جو کہ ادائیگی کے دن (Settling Day) کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، ارکان کلیئرنگ ہاؤس سے حصص یا ان کے بدلے کی رقم حاصل کرتے ہیں۔

خرید و فروخت:

اگر نقد رقم کے سودے کی شکل میں فروخت کنندہ دوشنبہ (پیر) کے دن گذشتہ ہفتہ ہوئے سودے کے بارے میں 'کیلی' جاری نہیں کرتا ہے، یا اگر اس نے کیلی جاری کر دی ہے اور اس کے بعد حصص کی ادائیگی کرنے میں ناکام رہتا ہے تو اس کے خلاف سیکورٹیز خرید لی جائیں گی۔ اسی طرح اگر خریدار کیلی وصول کرنے سے انکار کرتا ہے یا جب اس سے کہا جائے تو وہ حصص کی ادائیگی سے انکار کرتا ہے تو اس کی طرف سے سیکورٹیز کو فروخت کر دیا جائے گا۔ دوسری جانب اگر اس سلسلے میں فروخت کنندہ کی جانب سے غلطی (Default) کی جارہی ہے تو خریدار ان سیکورٹیز کو خرید لے گا، لیکن اگر سیکورٹیز کی خریداری ممکن نہیں ہے تو پھر معاملہ ثالث کمیٹی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ حصص کی اس طرح کی خرید و فروخت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ قصوروار پارٹی کو اس سے متعلق کوئی نوٹس یا اطلاع دی جائے۔ بمبئی اسٹاک ایکسچینج کے گورننگ بورڈ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ فروخت کرنے کے اس اصول کو ملتوی کر دے اگر اس کی رائے میں یہ سسپنشن (التواء یا تعطل) ضروری ہے اور عمومی حق میں بہتر ثابت ہوتا ہو، لیکن یہ التواء محض ۲۴ گھنٹوں تک رہتا ہے اور اس سے زیادہ عرصے کے (التواء یا تعطل) کے لئے حکومت کی اجازت درکار ہوتی ہے۔

سودوں کا بدل دینا اور تفاوت (Differences) کی ادائیگی:

عام طور پر آئندہ ادائیگی کے سودوں میں اس وقت حصہ لیا جاتا ہے جب مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ کا فائدہ اٹھانا مقصود ہو اور ادائیگی سے قبل سودوں کا بدل دیا جانا (Reverse) اور اس طرح تفاوت کا حصول یا ادائیگی کرنا مقصد ہو۔ یہ تفاوت مارکیٹ کی حالیہ قیمت کے حساب سے طے کرنے کے بعد ادا کیا جاتا ہے یا وصول کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہماری پچھلی مثال سے متعلق 'الف' 'اب ج' کمپنی کے ذریعہ ۹۴۵ پر ۱۰ اسٹیچر یز خریدنے کے بعد بازار کے بڑھتے بھاؤ کو دیکھتے ہوئے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے (مثال کے طور پر) ۹۹۰ پر اپنے حصص فروخت کر دیتا ہے، اس شکل میں عام کمیشن فروخت کنندہ بروکر کو ادا کیا جائے گا۔

ادائیگی کے آخری دن بروکر اپنا اسٹیٹمنٹ اس طرح روانہ کرے گا:

روپے	روپے	تفصیلات	خرید/فروخت	تاریخ
	۹،۴۵۰	۱۰ اسٹیچر ی ۹۴۵ پر۔	خریدے گئے	
۹،۵۰۰	۵۰	کمیشن بھی جوڑیں		
	۹،۹۰۰	۱۰ اسٹیچر ی ۹۹۰ پر۔ کمیشن	فروخت کئے گئے	
	۵۰	کم کریں		
	۹۸۵۰	بیلنس کریڈٹ		
۳۵۰	۳۵۰	ادا کیا جانے والا بیلنس		
۹،۸۵۰				

ہماری سابقہ مثال میں 'ج' نے ۱۰ اسٹیچر یز ۹۴۵ پر فروخت کئے ہیں اور اسے ۹،۴۵۰ میں سے بروکر کی فیس ۵۰ روپے منہا کرنے کے بعد ۹۴۰۰ روپے حاصل ہوں گے۔ اس نے یہ فروخت اس امید پر کی ہے کہ بھاؤ میں کمی آئے گی، لیکن اگر قیمت بڑھتی ہے اور وہ اس سودے کو جاری رکھنا نہیں چاہتا ہے اور بازار سے جانا چاہتا ہے تو وہ اپنا سودا نقصان پر ختم کرے گا اور اپنے بروکر 'ای ایف جی کمپنی' کو ہدایت کرے گا کہ مثال کے طور پر ۹۹۲ پر ۱۰ اسٹیچر یز خرید لو۔ بروکر اپنا عام طور سے لیا جانے والا کمیشن چارج کرے گا۔ 'ای ایف جی' کمپنی اس سے متعلق اسٹیٹمنٹ مندرجہ ذیل انداز سے بھیجے گی:

روپے	روپے	تفصیلات	خرید/فروخت	تاریخ
	۹،۴۵۰	۱۰ اسٹیچر ی ۹۴۵ پر	فروخت کئے	
۹،۴۰۰	۵۰	کمیشن کم کریں	گئے	
	۹،۹۲۰	۱۰ اسٹیچر ی ۹۹۲ پر	خریدے گئے	
	۵۰	کمیشن جوڑیں		
	۹،۹۷۰	بیلنس ڈیبٹ		
۵۷۰		آپ کی جانب سے بقایا ادائیگی		
۹،۹۷۰				

اس طرح حصص کو نہ تو حوالے کیا گیا اور نہ ہی انہیں وصول کیا گیا لیکن سودا تبدیل ہو گیا، چاہے اس کے نتیجے میں نفع ہو یا نقصان، بقایا رقم یا تو ادا کرنی پڑے گی یا وصول کی جائے گی۔

(۳)(Carry Over) یا بدلی:

Carry Over یا بدلی آئندہ ادائیگی کے التواء کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ ایک ادائیگی سے دوسری ادائیگی کے التواء کی شکل میں بدلی اثر پذیر ہوتی ہے، بدلی بروکر فیس ادا کرنی پڑتی ہے۔ یہ در حقیقت خرید یا فروخت کے

سودے کے تکمیل پائے بغیر جاری رہنے کی جانب دلالت کرتی ہے۔ کیری اوور یا بدلی کا طریقہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب متعلقہ پارٹیوں کے اندازے کے مطابق قیمت میں تبدیلی نہیں آتی ہے۔ بروکر کی فیس کی کم سے کم شرح کے مقابلے میں بدلی فیس اس کا ایک چوتھائی حصہ ہوتی ہے۔

بدلی کس طرح اثر پذیر ہوتی ہے:

دو نئے سودوں کے نتیجے میں بدلی عمل میں آتی ہے۔ قیمت میں اتار ہونے کے اندیشے کے باعث حصص فروخت کئے جاتے ہیں تاکہ حالیہ ادائیگی کی جا سکے، اور انہیں اگلی ادائیگی کے لئے دوبارہ اس امید پر خرید لیا جاتا ہے کہ قیمت میں اضافہ ہوگا۔ ہماری مثال میں اگر 'الف' حصص کو وصول کرنا نہیں چاہتا ہے یا تفاوت سے تعلق رکھنا نہیں چاہتا ہے، لیکن یہ چاہتا ہے کہ سودا Carry Over ہو جائے اور اگلی ادائیگی تک پہونچ جائے، نتیجۃً اگلی ادائیگی کی قیمت کم ہو جاتی ہے، اور بدلی گالا بدل جاتے ہیں یعنی ایک "Bull" بجائے سود ادا کرنے کے سود کا مطالبہ Bear سے کرتا ہے۔ لہٰذا بُل نہ صرف یہ کہ اپنے حصص پر رقم وصول کرتے ہیں بلکہ ایک مخصوص شرح میں سود بھی حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک زائد فروخت شدہ (Over Bought) بُل اکاؤنٹ بدلی گالا کی شرح بڑھا دیتا ہے، یعنی رقم کی کمی ہو جاتی ہے اور سود کی شرح بڑھ جاتی ہے۔

بیک وارڈیشن (Back Wardation):

آپریٹرس کی جانب سے زائد فروخت بازار میں بگ بیئر اکاؤنٹ کی صورتحال پیدا کر دیتی ہے۔ ان حالات کے تحت سیکورٹیز کی سپلائی کم ہو جاتی ہے اور بیئر (Bear) اس بات کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ شیئرز کی حوالگی اگلی ادائیگی تک کے لئے کیری اوور ہو جائے، لہٰذا بُل (Bull) بجائے اس کے کہ حصص کی وصولی نہ کرنے کے باعث کنٹانگو (Cantango) ادا کرتے وہ بیئرس سے حصص کی حوالگی نہ کرنے کے بدلے میں کچھ رقم حاصل کرتے ہیں جسے بیک وارڈیشن کہا جاتا ہے۔ بیک وارڈیشن کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ سابقہ ادائیگی کے ادا نہ کرنے کے باوجود نئے سودے میں ہاتھ ڈالنے کے بدلے میں بیئر کی جانب سے ادا کی جانے والی رقم کو بیک وارڈیشن کہتے ہیں۔ بعض اوقات دونوں پارٹیوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے سودے کیری اوور کرنے کے لئے کسی کو سودا ادا نہیں کرتے ہیں، سودے کی اس شکل میں کہا جاتا ہے کہ کیری اوور برابر رہا ہے۔

اس بات کی وضاحت یہاں کر دینی چاہئے کہ کیری اوور کا طریقہ قانونی اعتبار سے ادھار نہیں ہے۔ یہ بیک وقت خرید اور فروخت کا دوہرا طریقہ ہے۔ بدلی والا اس بات کا مجاز ہے کہ وہ ان حصص کا مالک کل بن جائے اور ان کا سودا کرے جن کے لئے وہ رقم دے رہا ہے۔ ایک سودا کئی بار کیری اوور کیا جا سکتا ہے لیکن طویل المیعاد مدت میں یہ سود مند ثابت نہیں ہوتا ہے، کیونکہ نفع کا بڑا حصہ بروکر فیس اور کنٹانگو فیس میں ضائع ہو جاتا ہے۔ بدلی بزنس کسی بھی اسٹاک ایکسچینج کے لازمی عناصر میں سے ایک ہے اور اس سے پہلو تہی ممکن نہیں ہے حالانکہ کوئی بھی پارٹی اس بات کی پابند نہیں ہے کہ کیری اوور سہولیت کو جاری رکھا جائے، اور اگر وہ چاہیں تو شیئر کو حوالے یا وصول کر سکتے ہیں اور ان کے بدلے میں رقم ادا یا

وصول کر سکتے ہیں۔ لیکن عملی طور پر ایسا ہوتا نہیں ہے اور کیری اوور کی شکل میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔ لیکن بروکر کو گاہک کی معاشی پوزیشن اور مالی حالت کے بارے میں بہت احتیاط سے دیکھ بھال کرنے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھانا چاہئے۔

(ج) سرکاری سیکورٹیز:

سرکاری سیکورٹیز حکومت ہند یا صوبائی حکومتوں کے ذریعے ایک طے شدہ شرح سود پر حاصل کیا جانے والا ادھار ہے۔ ان کو عام طور پر تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(الف) اسٹاک، (ب) بیئرر بانڈ، (ج) پرونوٹ (پرومیسری نوٹ)۔

اسٹاک رجسٹرڈ سیکورٹی ہے اور اس کی منتقلی ایک دستخط شدہ ٹرانسفر ڈیڈ کے ذریعہ ممکن ہے جبکہ کسی قسم کی اسٹامپ ڈیوٹی یا منتقلی کی فیس ادا نہیں کی جاتی ہے جبکہ بیئرر بانڈ کرنسی نوٹ کی مانند کسی کے حوالے کرنے سے ہی منتقل ہو جاتے ہیں اور ان کے لئے کسی تصدیق کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، ہر بانڈ کے ساتھ سود کے کوپن منسلک ہوتے ہیں لیکن یہ یورپ کی مانند ہندوستان میں زیادہ مقبول نہیں ہیں۔ تیسری قسم کی سرکاری سیکورٹی یعنی پرومیسری نوٹ میں سکریٹری آف اسٹیٹ برائے ہند کی جانب سے گورنر جنرل ان کونسل کا وعدہ ہوتا ہے کہ ایک مخصوص شخص کو ایک طے شدہ تاریخ یا اس کے بعد طے شدہ رقم ادا کی جائے گی، اور اس کے بعد ایک اطلاع کے بعد سال میں دو مرتبہ مقررہ تاریخوں پر طے شدہ شرح سود کے حساب سے رقم ادا کی جائے گی۔ سرکاری سیکورٹی کی یہی شکل سب سے زیادہ مقبول ہے۔ اس قسم کے نوٹ تصدیق کے بعد منتقل یا ڈلیور کئے جاسکتے ہیں۔ موجودہ روپے کے ادھار ہندوستان میں دو قسموں میں بانٹے جاسکتے ہیں: (۱) میعادی (Terminable) اور (۲) غیر میعادی (Non - Terminable)۔ غیر میعادی قرضے حکومت کی مرضی کے مطابق کسی بھی وقت ادا کئے جاسکتے ہیں، اس کے لئے کوئی طے شدہ میعاد نہیں ہوتی جس کے خاتمے پر حکومت کی جانب سے قرض ادا کیا جانا ضروری ہو۔ یہ برطانوی حکومت کے فنڈ ڈیبٹ کی طرح ہوتے ہیں۔ دوسری جانب میعادی قرضے ادا کئے جانے ضروری ہیں، یہ یا تو ایک مقررشدہ تاریخ پر ادا کئے جاتے ہیں یا کسی ایک مقررہ تاریخ سے قبل نہیں ادا کئے جاتے ہیں اور ایک مقررہ تاریخ کے بعد بھی نہیں ادا کئے جاتے ہیں۔

سرکاری سیکورٹیز کا لین دین:

سرکاری سیکورٹیز ملک کے مختلف اسٹاک ایکسچینج میں رقم لگانے کا اہم ذریعہ ہیں۔ وہ افراد جن کے پاس رقم کی محدود مقدار ہوتی ہے اس قسم کی سرمایہ کاری کو پسند کرتے ہیں، کیونکہ حکومت کو قرض پر دی جانے والی رقم ہمیشہ محفوظ رہتی ہے اور اس پر بازار کے اتار چڑھاؤ کا اثر بھی نہیں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ان قرضوں پر حاصل ہونے والا منافع گارنٹی شدہ ہوتا ہے اور باقاعدگی سے ادا کیا جاتا ہے کیونکہ یہ قرضے حکومت کی اجازت، منظوری، اس کی اتھارٹی اور اس کی مضبوطی کے باعث ہوتے ہیں۔ بیشتر سرمایہ کار تنظیمیں مثلاً انشورنس کمپنیاں اور بینک اپنی آمدنی اور اپنے زیر تصرف رقموں کا بیشتر حصہ سرکاری سیکورٹیز میں لگا دیتی ہیں، سیکورٹیز کی قیمت کا تحفظ Reserve Bank of India کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ حکومت کی سیکورٹیز میں آنے والا اتار چڑھاؤ بیحد معمولی ہوتا ہے، اور عام حالات میں ان کا انحصار بازار کی حالت پر ہوتا ہے۔

سیکورٹیز کے تحت حکومت ہند، صوبائی حکومتوں کی سیکورٹیز، ڈبنچر، پورٹ ٹرسٹ کے اسٹاک اور میونسپل کارپوریشنز کے اسٹاک جوکہ Negotiable Instrument Act 1887 کے تحت آتے ہوں، شامل ہیں۔ ان سیکورٹیز میں کاروبار نقد رقم کی شکل میں یا اکاؤنٹ کے ذریعے بھی انجام دیا جاسکتا ہے۔ نقد رقم کے تحت ہونے والے سودوں میں بمبئی اسٹاک ایکسچینج میں سودے کے اگلے دن سیکورٹیز حوالے کی جاتی ہیں اور ان کی ادائیگی کی جاتی ہے، لیکن اگر سودے کے وقت واضح طور سے تذکرہ کردیا جائے تو حوالگی سات دنوں کے اندر اندر کی جاسکتی ہے۔ فارورڈ (آئندہ) سودوں کی شکل میں کاروبار کی اکائی ۲۵،۰۰۰ روپئے ہیں، اور اس سے کم کے سودوں کی ممانعت ہے، ادائیگی پندرہ روز میں ہوتی ہے، اور ان سودوں میں اسٹاک ایکسچینج کے عام سودوں کے مقابلے میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔ عملی طور پر تمام بروکر ہر قسم کی سیکورٹیز کا کاروبار کرتے ہیں۔ عام حصص کی طرح کاروبار کا طریقہ ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔

ادائیگی کے دن سے ایک دن قبل جس کو ''ٹکٹ ڈے'' بھی کہا جاتا ہے، ایسے تمام افراد جو کہ سودوں میں شامل ہیں اور سیکورٹیز حوالے کرنا چاہتے ہیں یا ان کی ادائیگی کرنا چاہتے ہیں اسٹاک ایکسچینج کے کلیئرنگ ہاؤس میں اپنے کاروبار کی ایک فہرست جمع کرتے ہیں۔ یہ بیان ایک مخصوص فارم میں درج کیا جاتا ہے، اور ان کے ساتھ ڈلیوری ٹکٹ یا رسیدی ٹکٹ بھی لگایا جاتا ہے۔

یہ ٹکٹ اسٹاک ایکسچینج سے ایک معمولی قیمت پر حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ مختلف قرضوں کے لئے مختلف رنگوں کے ٹکٹ فروخت کئے جاتے ہیں۔ ہر ٹکٹ ۲۵۰۰۰ ہزار روپئے کے لئے ہوتا ہے۔ اگلے دن ان ٹکٹوں پر خریدار یا فروخت کنندہ رکن کا نام درج کرنے کے بعد کلیئرنگ ہاؤس سے واپس کردیئے جاتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ 'الف' نے ایک لاکھ روپئے کا قرض فروخت کیا ہے اور وہ اسے حوالے کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنی فہرست اور چار ٹکٹ کلیئرنگ ہاؤس میں جمع کرے گا۔ اگلے دن کلیئرنگ ہاؤس ان ٹکٹوں پر خریدار رکن یا ارکان کے ناموں کا اندراج کرنے کے بعد 'الف' کو یہ ٹکٹ واپس کردے گا، اور اس طرح عملی طور پر خرید و فروخت میں حصہ لینے والے افراد باہم یکجا ہوجاتے ہیں، اور وہ آپس میں طے کرتے ہیں کہ ایکسچینج کی جانب سے ان سودوں کے لئے مقرر کی گئی شرح کے مطابق وہ حوالگی اور ادائیگی کرتے رہیں گے۔ اس شرح اور اصلی شرح خرید کے درمیان موجود فرق کو یہ ارکان اپنے درمیان طے کرتے، حاصل کرتے یا ادا کرتے ہیں۔ ارکان جو کہ نہ ہی ادائیگی کرتے ہیں اور نہ ہی حوالگی کرتے ہیں بلکہ دونوں کے درمیان موجود فرق کو وصول کرتے یا ادا کرتے ہیں۔ حاصل ہونے والا سود، سودے میں شامل نہیں ہوتا ہے لیکن اس کو باقاعدہ ایڈ جسٹ کیا جاتا ہے۔ اور خریدار کو یہ سود فروخت کنندہ کو ادا کرنا ہوتا ہے اور بروکر مندرجہ بالا اسٹیٹمنٹ جاری کرتا ہے۔

فرض کیجئے 'الف' ۵،۰۰۰ روپئے کے برابر ساڑھے تین فیصد سرکاری کاغذ اور ۳۰ رجون اور ۳۱ ردسمبر کو ادا کئے جانے والے سود کو خریدنا چاہتا ہے، اور خرید نے کا عمل ۳۰ رستمبر کو ہوا ہے لہذا ۳۰۱ رستمبر کو ۳ مہینے کا سود ادا کرنا ہوگا۔

	پیسے	آنہ	روپے
۵۰۰۰ ساڑھے تین فیصد سرکاری کاغذ ۹۵ پر	۰	۰	۴۷،۵۰۰
بروکر کی فیس ۱/۱۶ کی شرح سے جوڑیں	۰	۴	۳۱
	۰	۴	۴۷،۵۳۱
ساڑھے تین فیصد کی شرح سے تین مہینے کا سود	۰	۸	۴۳۷
انکم ٹیکس زیادہ سے زیادہ ۹/۴ فی روپے کی شرح سے کم کریں	۰	۱۲	۱۲۹
	۰	۱۲	۳۰۷
	۰	۰	۴۷،۸۳۹

☆☆☆☆☆

مناقشہ

شیئرز

مناقشہ بابت شیئرز

قاضی صاحب:

........مثلاً ایک شیئر آج زید نے خریدا، لیکن پندرہ دن کے بعد اس کا نام رجسٹر پر درج ہوگا، اور عمر جس نے بیچا ہے، اور جو انتقال شیئر کے لئے تیار تحریر پر جو دستخط کیا ہے، فرض کر لیجئے کہ وہ دستخط اس کے اصلی دستخط سے علاحدہ ہے تو بظاہر ایسا لگتا ہے کہ کمپنی اس کو واپس کر دے گی اور اس کو خریدار کے نام پر ٹرانسفر نہیں کرے گی، اور اس کے بعد ایسا ہوتا ہے کہ شیئر کا دام بہت آگے بھاگ جاتا ہے، اب بائع کی نیت خراب ہوتی ہے، اور وہ نہیں چاہتا کہ پرانے دام پر اسے بیچے، تو وہ گڑبڑ کر سکتا ہے، یہ جو معاملہ ہمارا اس کا ہوا تھا اس معاملہ کے فسخ ہو جانے کا اندیشہ ہے، غرر انفساخ ہے، کیا ایسا ہوتا ہے یا ایسا نہیں ہوتا؟، اس کی وضاحت آپ حضرات کو کرنا ہے؟

شیئرز سے متعلق مسائل کی تفصیل آپ حضرات کے سامنے آچکی ہے، سوالات بھی آپ کے سامنے ہیں، جوابات بھی آپ کے سامنے ہیں، اس کا خلاصہ بھی آیا اور دلائل بھی ذکر کئے گئے، جیسا کہ میں بار بار کہتا رہا ہوں، پھر اس کو دہراتا ہوں کہ ہمارے ماہرین کا کام ہے تصویر مسئلہ، اور علماء اور فقہاء کا کام ہے تطبیق حکم شرعی، دونوں ہی چیزیں جب مل جاتی ہیں تب صحیح نتیجہ تک پہنچنا آسان ہوتا ہے، اور دونوں کام اپنی جگہ پر کسی بھی حکم شرعی کے جاننے کے لئے ضروری ہیں، اگر صورت مسئلہ صحیح طور پر سامنے نہیں آئی تو مفتی کا فتوی اور فقیہ کا استخراج احکام بھی صحیح نہیں ہو سکتا، اس لئے حقیقت واقعہ کا ادراک بہت ضروری ہے، اب مثلاً اس میں ایک سوال ہے کہ اگر کمپنی کے پاس صرف نقد ہی نقد.........کے لئے ہی کمپنی قائم کی جاتی ہے اور لینڈنگ کا کاروبار اس میں ہوتا ہے، وہاں بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی دیگر Assets کا بنیادی طور پر مکان ہے، یہ ہے وہ ہے، اس کو چھوڑ دیتے ہیں، لیکن دیگر کوئی مشینری ہو یا کوئی اور ایسی چیز ہو وہاں نظر نہیں آتی یا رومیٹریل (Raw Material) ہو، پیسہ آتا ہے پیسہ جاتا ہے۔ پہلا مرحلہ وہ ہوتا ہے جس وقت کمپنی قائم کی جارہی ہوتی ہے، جب کمپنی قائم کی جاتی ہے تو کھلی ہوئی بات ہے کہ شرکت کے لئے سرمایہ اکٹھا کیا جاتا ہے، وہ مرحلہ جو بنیادی مرحلہ ہوتا ہے وہاں پر کسی اثاثے کا سوال نہیں پیدا ہوتا ہے، اور عام طور پر طریقہ یہی ہے کہ پیسہ جمع کر کے کاروبار شروع کر دیا جاتا ہے، تو بتائیں کہ کون سی صورتیں ایسی ہیں جن میں صرف نقد ہی نقد ہوتا ہے، عام حالات میں تو نقد کے ساتھ Assets بھی ہوتے ہیں لیکن کیا ایسی صورتیں ہیں؟ اگر ہیں تو اس کی وضاحت ہونی چاہئے، اسی طرح دوسرے سوالات ہیں، میں یہ چاہوں گا کہ ان سارے سوالات پر بات کی جائے، پہلے ہم ماہرین کی بات سنیں گے اور پھر ہم صورت مسئلہ کے تعین کے بعد اس پر تحقیق حکم فقہی کریں گے، اس دوران میں اپنے تینوں سکریٹری صاحبان مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عتیق احمد بستوی، مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب سے یہ چاہوں گا کہ جو جملہ جوابات علماء کے آئے ہیں اس میں جن امور پر متفق ہیں سب لوگ تقریباً، اب قول شاذ ہو تو

الگ ہے، مولانا سلطان صاحب کی وہ بات تو ظاہر ہے کہ پوری قوم نہیں مانے گی کہ بینک کا سود منافع ہے، لیکن اس طرح کے قول شاذ کو تھوڑی دیر کیلئے نظر سے ہٹا کر باقی جو مسائل اجماعی آ گئے ہیں ان کو الگ رکھ لیں، اور جو مسائل مختلف فیہ ہیں ان پر ہم بات کریں، قبل اس کے کہ اس دلچسپ بحث کا آغاز کیا جائے میں چاہوں گا کہ ہمارے فاضل مہمان ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب جن کا ایک مفصل مقالہ اس موضوع پر ہمارے پاس موجود ہے، ان کے اس مقالہ کو ہم بہت غور اور توجہ کے ساتھ سن لیں، بہترین تجزیہ کے ساتھ ہے، ظاہر ہے کہیں کہیں رائے سے اختلاف بھی ہوگا، اس سے بحث نہیں، لیکن جو تجزیہ ہے ان کا، جس طرح انہوں نے عنوانات مقرر کئے ہیں، اور ہر موضوع پر علاحدہ علاحدہ بات کی ہے، میں سمجھتا ہوں سبھی حضرات کو سن لینا چاہئے، (اس کے بعد وہبہ زحیلی صاحب نے اپنا مقالہ پڑھ کر سنایا)۔

قاضی صاحب:

.....اب جیسا کہ آپ سب نے جانا کہ یہ چودہ پندرہ سوالات جو ہمارے سوالنامہ میں تھے، ہر سوال کے بارے میں واضح باتیں، ائمہ کی رائے اور کتاب وسنت کی روشنی میں دکتور وہبہ زحیلی نے قائم کی ہے، اور کچھ صورت مسئلہ کی بھی وضاحت ان کی اس تحریر میں موجود ہے، انشاء اللہ ہم لوگ اس سے استفادہ کریں گے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب:

شیئرز کے بارے میں جو سوالات تھے اور جو جوابات اور مقالات آئے ان کا خلاصہ اور تجزیہ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا، میں نے عرض کیا تھا کہ جس سوال کے بارے میں جس کو کچھ کہنا ہو، بہتر یہ ہے کہ وہ کسی کاغذ پر نوٹ کر کے دے دیں، تو آسانی ہوگی، اس لئے کہ اس سے پہلے جو ہمارے ماہرین ہیں ان سے بہت سی چیزوں کی وضاحت کروانی ہے، تاکہ حکم لگانے میں آسانی ہو۔ پہلا سوال تو یہ تھا کہ اس سلسلہ میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ابھی کمپنی شروع ہوئی ہے، یعنی محض پیسے داخل کئے گئے ہیں اور شیئرز بک رہے ہیں، ابھی اس کمپنی میں کچھ اثاثہ نہیں ہوتا، کچھ املاک نہیں ہوتے، اور اسی مرحلہ میں گویا اس کی بیع وشراء اور خرید وفروخت شروع ہو جاتی ہے، اس سلسلہ میں بعض حضرات نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ ایسا ہوتا نہیں ہے، یہ محض فرضی سوال ہے، ایسا نہیں ہوتا ہے کہ کمپنی کے پاس محض نقد روپئے ہوں، اثاثے نہ ہوں، املاک نہ ہوں، اور اس کے بغیر رجسٹریشن ہو جائے اور اس کے آگے کی کاروائی چلتی رہے بیچنے خریدنے کی، جناب کھنکھٹے صاحب اس کی وضاحت فرمائیں کہ ایسا ہوتا ہے یا نہیں؟

کھنکھٹے صاحب:

جیسا کہ مولانا عتیق صاحب نے فرمایا، یہ سوال ویسے فرضی ہے، بالکل تھیورٹیکل (Theoritical) ہے، کیونکہ کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا ہے کہ کمپنی کے پاس صرف کیش کی صورت میں اثاثہ ہو، اثاثے کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہ کچھ اور چیز ہوتی ہے، جیسے مثلاً اگر آپ شروع کا مرحلہ لیں جب کمپنی شروع ہو رہی ہے، تو کمپنی جب شروع ہوتی ہے تو اس کے رجسٹریشن وغیرہ کے لئے پہلے ٹرانزیکشن (Transaction) کرنا ہوتا ہے، اس کے علاوہ جب کوئی کمپنی کوئی کاروبار کرنے جاتی ہے تو اس کے لئے اور مزید چیزیں اس میں کام کرتی ہیں، جیسے کہ وہ اس کا رپورٹ بناتی

ہے اس کا اندازہ نکالتی ہے کہ اس میں کیا ممکنات (Posiblities) ہیں، اس کے مارکیٹ کیا ہیں، اس کی ٹیکنالوجی کیا ہے، کیسی ٹکنالوجی لینا چاہئے، یہ ساری جو چیزیں ہیں اس میں اس پہ خرچ ہوتا ہے چاہے اس میں Consumer Assets نہیں بنتے ہیں، ایسے اثاثے نہیں بنتے ہیں جسے ہم دیکھ سکتے ہیں مگر اس میں خرچ تو ہوتا ہی ہے، لوگوں کو Hire کیا جاتا ہے، لوگوں کو ملازمت پر رکھا جاتا ہے، ان سے Experties لی جاتی ہیں، تو یہ سارے کام ہوتے ہیں، اور اس وجہ سے کبھی کبھی یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ نئی کمپنی ابھی اس کے شیئرز کا اجراء ہو رہا ہے، بالکل Initial Issue ہے مگر وہ Premium کہلاتی ہے، دس روپے کا شیئر تیس روپے میں بکتا ہے، مطلب کمپنی خود تیس روپے میں نکال رہی ہے، ہوسکتا ہے مارکیٹ میں اس کے پچاس روپے بولے جائیں، مگر وہ خود تیس روپے میں نکالتی ہے، وہ پبلک خریدتی ہے، اور جتنے شیئرز ہوتے ہیں اس سے زیادہ مانگ ہوتی ہے، یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کمپنی میں کچھ خاص چیزیں ہیں، جیسے یہ ہوسکتا ہے کہ ان کے کوئی اچھے (Collaborator) ہیں، (Foriegn Collaborate) ہیں، جس کی وجہ سے کمپنی کے شیئرز کے دام بڑھ گئے ہیں، ہوسکتا ہے ان کے پاس کوئی ٹیکنالوجی ہے اس سے کافی Profit ہونے کے Chances ہیں، یا جس کمپنی سے ان کا معاہدہ ہوا ہے، ان کا جو برانڈ ہے وہ بہت چلنے والا برانڈ ہے، یا اس کمپنی کے ساتھ میں ان کا معاہدہ ہوا ہے کہ وہ ان کا مال بیرون ملک میں اچھے دام میں فروخت کر کے دیں گے، تو یہ سب وجہیں ہوسکتی ہیں جس کی وجہ سے خواہ اس کے کوئی خاص اثاثے نہ ہوں پھر بھی اس کے شیئرز کے شروع میں دام زیادہ ہوسکتے ہیں، اس کے علاوہ ایک مرتبہ کام شروع ہو جاتا ہے تو اس کے بعد اس مرحلہ میں صرف Cash (نقد) ہونا بہت ناممکن سی چیز ہے، اس میں کچھ نہ کچھ اثاثے تو ہوں گے، اس کے علاوہ دوسری چیزیں تو ہوں گی ہی، گو شروع میں نہ ہوں تو بعد میں تو ضرور ہوسکتی ہیں، اس کے علاوہ اس کی Goodwill کا Proportion اس میں بڑھ سکتا ہے، تو اس بناء پر میرے خیال میں یہ ایسے Practical Problem نہیں ہے۔

اسٹاک ایکسچینج سے جو متعلق چیزیں ہیں اس میں ایک چیز مدنظر رکھنی چاہئے کہ ہم جو بھی کہیں گے وہ آج کے حالات کے اوپر منحصر ہوگا، کیونکہ آج کل اس پورے Financial Sector میں بہت تیزی سے Changes آرہے ہیں، اور ہوسکتا ہے آج جو چیزیں ہیں وہ کل نہ رہیں، دوسرے (Rules) آئیں، یہ آج کے حالات کے مطابق میں بتا رہا ہوں۔

قاضی صاحب کا جو سوال تھا کہ اگر کسی نے شیئر خریدا اور اس نے کمپنی کے پاس اس کو تبادلہ کے لئے بھیجا، اور کمپنی میں اس کے دستخط میں کچھ فرق پتہ چلا اور کمپنی نے اس کا وہ شیئر واپس کر دیا، تو کیا یہ جو (Perchase) کا (Transaction) ہے، کیا یہ ختم ہوسکتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے شیئر خریدا ہے اور اس نے کمپنی کو ٹرانسفر کے لئے بھیجا ہے، اگر وہ چاہے تو Insist کرسکتا ہے کہ نہیں مجھے یہ شیئر چاہئے، اگر اس نے صحیح کر کے نہیں دیا تو اسکے بروکر کے ذریعہ شیئر کا (Option) ہوگا، اور مارکیٹ میں جو دوسرا آدمی (Option) میں شیئر ڈالے گا وہ شیئر اس کو لے گا، تو وہ تو (Insist) کرسکتا ہے اور اس کو وہ شیئرز مل سکتے ہیں، اگر جس نے پہلے دستخط کر کے دیا تھا وہ اگر

دستخط کرنے سے انکار بھی کردے تو اس میں بیچ کے بروکر کی ذمہ داری ہوتی ہے، اور بروکر کو کسی نہ کسی طرح وہ شیئر اس کو دلانا ہوگا، مگر اس میں یہ اس کو تکلیف ضرور آسکتی ہے کہ جس آدمی نے شیئر خریدا ہے اگر اس نے اس درمیان میں وہ شیئر بیچ دیا، اور اس کے پاس شیئر ابھی واپس آ گیا ہے اور وہ (Deliver) نہیں ہوسکتا ہے تو پھر اسی طرح سے جو اس نے شیئر بیچا تھا اس کا (Option) کرے گا اگلے والا آدمی، اور اس کو اس کے پیسے دینے ہوں گے۔

قاضی صاحب:

اصل میں ہمارے یہاں جو بحث ہے وہ یہ ہے کہ جب تک اس کا (Transfer) لکھا نہیں جاتا تب تک اس بات کا خطرہ ہے کہ جس شخص نے پہلے ہمارے ہاتھ شیئر بیچا ہے، وہ اس سودے کو پورا نہ ہونے دے، اور وہ شیئر ہمارے قبضہ میں نہ آئے، اور جب تک کمپنی کے رجسٹر پر اس کا نام ہٹا کر ہمارا نام درج نہیں ہوتا تب تک شاید اس کے منافع کے بھی ہم حقدار نہیں ہوں گے، منافع اس کو ملے گا جس کا نام اس کمپنی کے رجسٹر میں ہے، اب اس کے لئے بروکر لڑتا رہے، یہ ایک الگ بات ہے، لیکن ٹرانسفر جب تک رجسٹر پر نہیں ہوتا اس وقت تک حصہ کا منافع یا اگر خسارہ ہو تو وہ خسارہ جو پہلا مالک تھا اس کا ہوگا یا جو نیا خریدار ہے اس کا ہوگا؟

کھٹکھٹے صاحب:

نہیں! اس سے مولانا عتیق صاحب کا سوال بھی وابستہ ہے، کہ اگر آپ نے شیئر خریدا ہے تو چاہے آپ نے اپنے نام پہ اس کو (Transfer) کیا ہے یا نہیں کیا ہے۔

قاضی صاحب:

ہم کریں گے یا کمپنی کرے گی؟

کھٹکھٹے صاحب:

نہیں ہم کو کرنا ہے، ہم خود کمپنی کو بھیجیں، یا ہم اپنے بروکر کے ذریعہ بھیجیں، ٹرانسفر کے لئے ہم کو بھیجنا ہے، تو چاہے ہم نے کیا ہو یا نہ کیا ہو، قانوناً جو بھی منافع اس کے بعد میں ڈکلیئر ہوگا، یا کمپنی کے جو بھی حالات ہوں گے، وہ ہمارے اوپر رہے گا، مطلب یہ ہے کہ اگر منافع ہو تو اس کا منافع رہے گا، اگر خسارہ ہو تو ہمارا خسارہ ہوگا، اس کو جو ہم نے شیئرز کے روپے دے دیئے ہیں وہ اس کے ہو گئے، یہ قانوناً پوزیشن ہے، مگر (Practical Procedure) کے حساب سے پوزیشن یہ ہے کہ جس تاریخ پہ کمپنی اپنا Dividend ڈکلیئر کرتی ہے، اس تاریخ پہ ان کے پاس شیئرز ہولڈرس کی لسٹ میں جو نام درج ہیں، ان کو وہ Dividend بھیجے گی۔ اب اگر خریدنے والے نے شیئر ٹرانسفر کے لئے نہیں بھیجا تھا، ظاہر ہے کہ اس کے نام نہیں آئے گا، پچھلے ہولڈر کے ہی نام پہ جائے گا، اب یہ اپنے بروکرس کے تھرو اس سے مطالبہ کرسکتا ہے کہ یہ Dividend نکلا ہے اسے ہم نے پہلے خریدا تھا لہٰذا آپ ہمیں دیں، اگر وہ دینے سے انکار کرتا ہے تو پھر اس کو یہ Possibility ہے کہ وہ کورٹ میں جا کے لڑ کر اس سے لے، حالانکہ عام طور سے چونکہ ڈیویڈنڈ کی رقم کم ہوتی ہے تو یہ کوئی کرتا نہیں، اگر بہت بڑی ہولڈنگ کسی کی ہو تو یہ اس کے لئے سوچ سکتے ہیں،

ورنہ اس کو چھوڑ دیتے ہیں، شیئرز میں جو زیادہ منافع ہوتا ہے اصلاً اس کی قیمتوں کے بڑھنے کی وجہ سے ہوتا ہے، ڈیویڈنڈ میں جو منافع ہوتا ہے وہ اس کا ایک چھوٹا حصہ ہوتا ہے، یہ سمجھ لیجئے کہ اگر سو روپے کا ٹوٹل منافع ہے تو اس میں شیئرز کا جو منافع ہوگا وہ زیادہ سے زیادہ دس روپے ہوگا یا اس سے کم ہوگا۔ تو قانوناً جو پوزیشن ہے وہ تبادلہ کے اوپر منحصر نہیں ہے۔

قاضی صاحب:

قانونی طور پر کمپنی کے شیئر رجسٹر میں جب تک ٹرانسفر نوٹ نہیں ہوتا کمپنی سے ملنے والے منافع یا کمپنی میں ہونے والے نقصانات کی ذمہ داری اول مالک پر ہوگی۔

کھٹکھٹے صاحب:

اول مالک پر، جہاں تک کمپنی کا سوال ہے کمپنی اس کو منافع دے کر بری ہو جائے گی۔

قاضی صاحب:

کمپنی کی بات میں کہہ رہا تھا، اور یہ بھی طے ہے کہ بزنس میں سب فرشتے تو رہتے نہیں ہیں، اور کبھی کبھی بہت زیادہ منافع اوپر بھاگ جاتا ہے، تو اگر ایک شخص نے دستخط نہیں کیا، اور ظاہر ہے کہ جب تک بائع دستخط صحیح نہیں کرتا ہے کمپنی تو اس کو ٹرانسفر دے گی نہیں، یہ تو طے ہے اگر صحیح دستخط نہیں ملا تو وہ بینک لوٹا دیتا ہے کہ صاحب یہ ہمارے (Customer) کا صحیح دستخط نہیں ہے، اس لئے جب تک ٹرانسفر نہ ہو قانونی طور پر اس کے قبضہ میں یہ شئے نہیں آتی ہے، اور اس کے نفع اور نقصان کا یہ مالک نہیں ہوتا ہے۔

کھٹکھٹے صاحب:

نہیں قانونی طور سے وہ ہے، Procedurally نہیں ہے، یہ سمجھئے کہ کسی کا فلیٹ ہے، Ownership فلیٹ ہے اب اس کے ساتھ میں اس نے Nominee کے نام کسی کا ڈالدیا، تو اگر وہ مر گیا............

احسان صاحب:

.......ایسے کام جو کہ حسی شخص کر سکتا ہو مثلاً شادی کا معاہدہ تو کمپنی کوئی حس نہیں رکھتی وہ شادی کا معاہدہ نہیں کر سکتی، تو جو کام غیر حسی شخص کر سکتا ہے وہ کمپنی کر سکتی ہے، کمپنی کا Incorporation کمپنی کا پیدائشی سرٹیفکیٹ ہے، اس کے بعد جو (Public Limited Company) ہے اس کو ایک سرٹیفکیٹ اور لینا ہوتا ہے، اور وہ Certificate to commence the business ہوتا ہے، یہ سرٹیفکیٹ ملنے کے بعد کمپنی بالغ ہو جاتی ہے، اور اپنے نام سے معاہدہ کرنے لگتی ہے، حالانکہ کمپنی کی معرفت معاہدہ کمپنی کے وجود سے پہلے ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ کچھ Incorporation سے پہلے ہی شروع ہو جاتے ہیں، کمپنی کے نام سے کچھ اثاثے خریدنے کا پلان بنایا جاتا ہے، اس کا کنٹریکٹ بھی پروموٹرس کرتے ہیں کمپنی کے Behalf پہ، اور اپنے پاس سے کچھ ایڈوانس بھی

دے دیتے ہیں، لیکن وہ سودا مکمل نہیں مانا جاتا، جب تک کہ کمپنی کو Certificate to commence the business نہ مل جائے، اور جب Certificate to commence the business مل جاتا ہے تو کمپنی کے وجود سے پہلے جتنے سودے کئے جاتے ہیں کمپنی اس کا Ratification کرتی ہے اپنی میٹنگ میں، اور ایک Resolution پاس کرتی ہے کہ اس کمپنی کی معرفت آج تک جتنے سودے کئے گئے ہیں وہ کمپنی ان سب سودوں کو تسلیم کرتی ہے، اور ان سب سودوں کی ذمہ داری کمپنی اپنے اوپر عائد کر لیتی ہے۔ یہ Certificate to commence the business کے بعد ہوتا ہے، تو اب جہاں تک یہ سوال ہے کہ کچھ دیر تک کمپنی کے اثاثے رقم کی شکل میں رہتے ہیں، کمپنی کا جمع شدہ سرمایہ رقم کی شکل میں رہتا ہے، اثاثوں میں منتقل نہیں ہوتا، یہ عام طور سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ جس وقت شیئر ہولڈرس کے پاس عام طور سے شیئرز سرٹیفکیٹ آتے ہیں اس وقت تک کمپنی کو Certificate to commence the business مل گیا ہوتا ہے اور کمپنی کاروبار شروع کر چکی ہوتی ہے، کچھ نہ کچھ اثاثے اس کی ملک میں آ جاتے ہیں، رقم سے اثاثوں میں سرمایہ تبدیل ہو جاتا ہے، اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ساری کی ساری رقم.... یوں ہی جمع ہے اور کمپنی نے اپنے پچھلے اثاثوں کا Ratification بھی نہیں کیا ہے جو اس کے نام آنے ہیں، پھر بھی کچھ غیر حسی اثاثے ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا اثر شیئر کی قیمت پر ضرور پڑتا ہے، کمپنی کو بہت اچھے Promoters اگر مل گئے ہیں، کمپنی کا پروجیکٹ بھی بہت اچھا ہے، تو ان سب کا ایک جگہ جمع ہو جانا کمپنی کے نام پہ، یہ اس کی قیمت پہ ضرور اثر انداز ہوتا ہے، اور اگر کسی پروموٹر کی Reputation خراب ہو جائے، تو وہ بھی اس کمپنی کی قیمت پہ ضرور اثر انداز ہوتا ہے، تو کمپنی کے پروموٹرس کی جو رپوٹیشن ہے یہ Goodwill تو باقاعدہ کمپنی کے Balance Sheet تک میں کہیں کہیں درج کی جاتی ہے، Patents کمپنی کی بیلنس شیٹ میں بھی اثاثوں کی فہرست میں درج کئے جاتے ہیں، جبکہ نہ Goodwill کو اور نہ Patents کو ہم چھو سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں، پھر بھی ان کی ایک قیمت ہوتی ہے، اور وہ کمپنی بیلنس شیٹ میں درج ہونے کے علاوہ بھی اپنا اثر ضروری نہیں ہے کہ اسی حد تک رکھیں جس کی قیمت اس میں لگائی گئی ہے، اس کا اثر اس سے زیادہ ہوتا ہے، کمپنی کے Assets جو ہیں، جو بیس سال پہلے زمین خریدی گئی ہے، اس کی قیمت وہی لکھی جاتی ہے جو کہ بیس سال رہی جب تک کہ اس کا Revaluation باقاعدہ نہ کیا جائے اور قانونی طور پر اس کے Revaluation کو تسلیم نہ کیا جائے، لیکن اصل میں دس سال قیمت کی جو اس کی Assets File میں لکھی ہوئی ہے قیمت، زمین کی وہ قیمت نہیں ہوتی، اس کی قیمت کئی گنا زیادہ ہو جاتی ہے، لہٰذا آج مارکیٹ میں بہت سارے شیئر ایسے بھی ہیں کہ ان کی جو قیمت ہے وہ ان کی اصل قیمت سے Book value کمپنی میں دکھائی گئی ہے وہ بہت زیادہ ہے، اور کچھ شیئرز ایسے بھی ہیں جو اپنی قیمت اپنی Book value سے بہت کم رکھتے ہیں، کمپنی کے شیئرز کی قیمت کا جہاں تک تعلق ہے یہ آس اور یاس کے اوپر منحصر ہے، اگر آج ہمیں امید ہو جاتی ہے کہ پانچ سال میں کمپنی کو اتنے اتنے زیادہ منافع جات ملنے والے ہیں تو کل ہی مارکیٹ میں اس کی قیمت بڑھ جائے گی، اور اگر کوئی ایسی وجوہات آ جائیں کہ جس سے پتہ لگے کہ اگلے پانچ سال

میں کمپنی کو یہ یہ نقصانات ہونے والے ہیں تو کل ہی مارکیٹ میں اس کی قیمت اتنی ڈاؤن ہوجائے گی، تو شیئرز کی قیمت گرنا اور اٹھنا اس کا تعلق شیئر کی اصل قیمت سے نہیں ہے، کبھی کبھی مارکیٹ میں Demand Supply کے توازن سے شیئر کی قیمت پر بہت اثر پڑتا ہے، آج کل مارکیٹ میں پیسے کی Liquidity Crunch مانا جارہا ہے دوسال سے، پیسے کی کمی ہے اور نمبر آف شیئرز بہت موجود ہیں، لہذا اصل قیمت سے نیچے ان کی قیمت جاچکی ہے، بہت سارے شیئرز کی، تقریباً اس وقت جو ہے پچاس فیصدی شیئرز کمپنی کے اپنی اصل قیمت سے نیچے چل رہے ہیں، اور کبھی کبھی Inflation ہوتا ہے، مارکیٹ میں پیسے ہی پیسے زیادہ ہوتے ہیں، پیسے کے مقابلے میں شیئرز کی تعداد کم ہوتی ہے، اس وقت شیئرز کی قیمت اوپر پہونچ جاتی ہے، جیسے کہ ہرشد مہتہ کے دور میں ہوا تھا، اس وقت Rate of inflation تقریباً سولہ فیصد چل رہا تھا، اس وقت قیمتیں بہت اوپر چلی گئیں تھیں، اب Rate of Inflation چار پانچ فیصد چل رہا ہے، Liquidity Crunch ہے، اب قیمتیں نیچے چل رہی ہیں، تو یہ کہنا کہ جب تک کمپنی کا سرمایہ رقم کی شکل میں ہے تو اس کی خرید و فروخت اس لئے نہیں ہوسکتی کہ ہم پیسے کے بدلے پیسے کو خرید رہے ہیں، وہ شاید مناسب نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا پروجیکٹ، اس کا Colaboration اور اس کے Promoters کی Reputation کا اس کے اندر دخل ہے۔

ایک آواز:

جائداد و زمین وغیرہ کب خریدتی ہے کمپنی؟

احسان صاحب:

شروع میں خریدتی ہے، اور بیچ میں بھی جب ضرورت ہوتی ہے،...... جیسے پروجیکٹ بناتے ہیں، اس پروجیکٹ میں سب دیا ہوتا ہے کہ کب زمین خریدیں گے، کب تک مشین خریدیں گے، اور اس میں تاخیر بھی ہوجاتی ہے، اس سے Cast of Project بھی بڑھ جاتا ہے، اس کے لئے پھر مزید سرمایہ اکٹھا کرنا پڑتا ہے اور قرض بھی لینا پڑتا ہے، تو یہ پروجیکٹ رپورٹ میں سب دیا جاتا ہے، کب زمین خریدیں گے، کیا کیا ہوگا۔

دوسرا سوال تھا شیئرز کے اوپر قبضہ سے متعلق، کمپنی کے شیئرز عام طور سے قابل تبادلہ ہوتے ہیں، یہ عام طور سے اس لئے بات کہی جارہی ہے کہ وہ حتمی طور سے قابل تبادلہ نہیں ہوتے، کبھی کبھی کمپنی اپنے شیئرز Restrictions لگا سکتی ہے، مثال کے طور پر کمپنی یہ کہے کہ ہم اس میں غیر ملکی کو اس سے زیادہ شیئرز نہیں خریدنے دیں گے، اور Number of Shares غیر ملکی لوگوں کو اتنے بک چکے ہیں، اس سے اوپر جو بھی غیر ملکی شیئر خریدے گا، کنٹریکٹ اس کا Valid نہیں مانا جائے گا، کمپنی بھی Restriction لگا سکتی ہے کہ جو شیئر بیچنا چاہے وہ پہلے ہمیں بتائے، اور ہم جو کمپنی کے پرانے شیئر ہولڈرس ہیں، ہم ان کو اختیار دیں گے کہ پہلے اگر وہ خریدنا چاہیں تو وہ شیئرز خریدیں، اور اس کے بعد اگر وہ نہیں خریدنا چاہیں، تو ہم شیئر ہولڈر کو بتائیں گے کہ اب وہ مارکیٹ میں بیچ سکتا ہے، لیکن یہ چونکہ عام طور سے قابل تبادلہ ہوتے ہیں، اور جو شیئرز قابل تبادلہ ہیں ان کے اوپر کوئی

Restriction نہیں لگی ہے، وہ جب خریدار نے خرید لئے ہیں، اور بیچنے والے نے اس کو اپنا دستخط کر کے حوالہ کر دیا ہے، ہر چیز کی Delivery کا بھی ایک سسٹم ہے، خرید و فروخت تو ہوتی ہی ہے مال کی، لیکن ملکیت جو ہے ڈلیوری کے بعد ہی منتقل ہوتی ہے، بغیر ڈلیوری کے کوئی ملکیت منتقل نہیں ہوتی، اور ڈلیوری کا طریقہ ہر مال کا الگ ہے، کچھ چیزیں ایسی ہیں جو دست بدست دی جاتی ہیں، اٹھا کے، اور جیسے چیک کی ہے، بیئرر چیک کی ہے، آپ بغیر کسی دستخط کے ڈلیوری دے سکتے ہیں، وہ valid ہے، اگر وہ چیک آرڈر ہے تو بغیر اینڈورسمنٹ کے اس کی ڈلیوری صحیح نہیں مانی جائے گی، اگر وہ آرڈر چیک کسی خاص ایک شخص کے نام کٹا ہے، تو جب تک وہ آرڈر نہیں کرے گا کہ یہ پیسہ دوسرے آدمی کو ملے، تب تک اس کی ڈلیوری Valid نہیں مانی جائے گی، تو اسی طرح شیئرز کی ڈلیوری Share Transfer Deed کے ساتھ ہونا ضروری ہے، اور شیئر ٹرانسفر ڈیڈ کے اوپر دستخط شیئر ہولڈر کا ہونا ضروری ہے، جب شیئر ہولڈر اپنے دستخط Transfer Deed کے اوپر کر کے ٹرانسفر سرٹیفکیٹ کے ساتھ دیدیتا ہے، وہ اس وقت ڈلیوری مانی جاتی ہے، اور شیئرز کی ملکیت اسی دم منتقل ہو جاتی ہے خریدار کے پاس، رہا یہ مسئلہ کہ اب وہ جو اس نے ٹرانسفر کے لئے نہیں بھیجے ہیں، وہ صرف Procedural Matter ہے، کمپنی نے اپنی سہولت کے لئے رکھا ہے کہ جن لوگوں کے شیئرز ہمارے نام پر اس تاریخ کو آگئے ہمارے رجسٹر میں درج ہو جائیں گے، وہ تو ہم سے طلب کرے گا Dividends، اور جس نے نہیں بھیجے ہیں تو وہ بیچنے والے سے ڈائرکٹ طلب کر لے، کمپنی اس کے اندر کوئی ذمہ دار نہیں ہوگی، یہ کمپنی کا اپنا طریقہ ہے، بہر حال خریدار اسی وقت شیئرز کے اوپر ملنے والے تمام منافع جات کا حقدار ہو جاتا ہے، جب شیئرز اس کی تحویل میں شیئر ٹرانسفر ڈیڈ کے ساتھ آجاتے ہیں، اب دستخط کا مسئلہ ہے، یہاں معاملہ یہ ہے کہ اگر بیچنے والے نے خود کئے ہیں تو اس کی ملکیت منتقل ہو جائے گی، اور یہ اگر کمپنی کے ریکارڈ میں نہیں ملتے ہیں تو کمپنی اپنے یہاں اس کو ٹرانسفر نہیں کرے گی جب تک کہ ریکارڈ میں نہیں ملیں، یا Notery لکھ کر نہیں دیں کہ میرے سامنے اس شخص نے دو گواہوں کی موجودگی میں دستخط کئے ہیں، تب تک کمپنی اگر دستخط نہیں بھی ملتے ہیں لیکن اس نے Notary کرائی ہوئی ہے، اور Notary وکیل نے لکھا ہوا ہے کہ اسی شخص نے دستخط کئے ہوئے ہیں تب کمپنی ٹرانسفر کر دے گی، چاہے دستخط ملیں یا نہیں ملیں، لہذا Transfer Deed پہ دستخط شیئر ہولڈر کا ہونا ضروری ہے، اگر وہ دستخط Forge ہیں تو Forgery کسی بھی چیز کی ملکیت کو ٹرانسفر نہیں کرتی، وہ Invalid ہوگا، اس کی Delivery ناقص مانی جائیگی۔

پانچ نمبر سوال میں یہ لکھا ہوا ہے کہ سودی قرض لینے پڑتے ہیں، اس معاملہ میں میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ کیا مجبوری ہے، اور قرض کے کیا محرکات ہیں، قرض کیوں لینے پڑتے ہیں، تاکہ آپ اس میں ضرورت اور اباحت دیکھ کر اپنا حکم جاری کر سکیں۔ قرض کے محرکات میں سب سے پہلا محرک یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے یہ منصوبہ بنایا ہے ان لوگوں کو اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ اتنا روپیہ تو ہم پبلک سے جمع کرا سکتے ہیں، خود جمع کرا سکتے ہیں، اور پروجیکٹ پورا کرنے کے لئے باقی رقم کو قرض کے ذریعہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ دوسرا محرک یہ ہے کہ یہ لوگ کمپنی کے اوپر اپنا مکمل کنٹرول رکھنا چاہتے ہیں، قرض دینے والے کا کمپنی کے معاملات میں، Management میں کوئی کنٹرول نہیں

ہوتا، اس کو کوئی حق رائے دہندگی حاصل نہیں ہوتا، اگر وہ سارا سرمایہ شیئرز کی صورت میں لیتے ہیں تو سارے شیئر ہولڈرس کو حق رائے دہندگی ہوتا ہے، اور بورڈ آف ڈائرکٹرس کو شیئر ہولڈرس بالکل ایسے ہٹا دیتے ہیں جیسے کہ حکومت کے خلاف عدم اعتماد آتا ہے، اور اپنا بورڈ آف ڈائرکٹرس وہ خود قائم کر لیتے ہیں جن کی اکثریت ہوتی ہے، تو یہ وہ اپنے Management میں عدم مداخلت کی وجہ سے قرض لیتے ہیں۔ تیسرا محرک شرح سود کا شرح منافع سے کم ہونا ہے، جتنے بھی Funds وہ اپنی تجارت میں لگاتے ہیں اس کے اوپر اگر بیس فیصدی منافع ان کو حاصل ہوتا ہے، اور قرض کی صورت میں رقم پندرہ فیصد ان کو مل جاتی ہے تو وہ برابر قرض لیتے چلے جاتے ہیں، کیونکہ منافع بیس فیصدی ہو رہا ہے اور پندرہ فیصدی دینا پڑ رہا ہے، پانچ فیصدی یہ ڈیفرنس ہے، یہ شیئر ہولڈرس کا حصہ رہتا ہے جب تک یہ شرح سود شرح منافع سے کم رہتی ہے، تجارتی اصول ہے، یہودیوں کا اصول ہے کہ اس وقت تک قرض لیتے چلے جایئے جب تک یہ دونوں برابر نہ ہو جائیں، یا اوپر نہ چلے جائیں۔ چوتھا محرک ہے ٹیکس کے فائدے حاصل کرنا، جو کمپنی قرض کے اوپر سود ادا کرتی ہے، انکم ٹیکس میں وہ خرچ مانا جاتا ہے، کمپنی کا یہ ایک خرچہ ہے، اور منافع میں سے وہ رقم کم کر دی جاتی ہے، تو اس کے برخلاف جو Dividend دیا جاتا ہے تو اس کو انکم ٹیکس والے خرچ نہیں تسلیم کرتے، اس کو منافع کا ایک حصہ مانتے ہیں، اور وہ کمپنی کی انکم میں سے Deduct نہیں ہوتا، اس کے اوپر ٹیکس پورا لگتا ہے، تو ہم لوگوں کی جو پچھلی میٹنگس ہوتی رہی تھیں، ہمارے اندر بھی رائے میں اختلافات ہوئے، اور پہلے ہم لوگ یہ بھی سمجھتے تھے کہ شاید یہ ٹیکس کی اتنی بڑی مجبوری ہے کہ اس کی وجہ سے قرض لینا ہی ضروری ہے، نہیں Competitive Market میں ہم پیچھے رہ جائیں گے اگر زیادہ ٹیکس دیں گے، اور دوسرے لوگ حاوی ہو جائیں گے جو کہ کم ٹیکس دیں گے، لیکن بعد میں ہم لوگوں نے اس کے اوپر اور غور کیا تو ہم نے نتیجہ یہی پایا کہ ایک ٹیکس کی شرح کمپنی کے اوپر جو گورنمنٹ مقرر کرتی ہے اصل ٹیکس تقریباً پچاس فیصدی اس سے کم ادا ہوتا ہے، بہت سارے ایسے Deductions ملتے ہیں، بہت ساری ایسی مراعات ملتی ہیں جن کے اوپر ٹیکس نہیں دینا پڑتا، لہذا کمپنی کے اوپر اگر پینتالیس پرسنٹ سرکار ٹیکس مقرر کرتی ہے، تو Effective Tax اور اصل ٹیکس جو ہے وہ ساڑھے بائیس پرسنٹ ہی تقریباً ہوتا ہے، تو اب چونکہ ٹیکس جو ہے منافع پر ہوتا ہے نقصان کے اوپر تو ہوتا نہیں ہے، سوال یہ ہے کہ جب ہمیں منافع مل رہا ہے تو پھر ٹیکس دینے میں اس میں کم اور زیادہ تھوڑا بہت جبکہ وہ ساڑھے بائیس پرسنٹ ہے Maximum اگر ہم سارے (Deductions)(Avail) کر لیں تو یہ اتنا بڑا فرق نہیں ہے کہ ہماری تجارت کے اوپر اثر انداز ہو سکے، پھر کمپنی کی منافع کمانے کی صلاحیت میں بہت بڑا فرق ہے، ایک کمپنی دس سال سے نقصان دیتی چلی آ رہی ہے، ایک نئی کمپنی قائم ہوتی ہے اور وہ اپنے دس روپے کے شیئر کو پہلے ہی سال میں دس روپے منافع کما کر دے سکتی ہے، تو ان دونوں میں صلاحیت کا جہاں تک تعلق ہے اس کی کوئی قید نہیں ہے، اگر ہم بھی اپنے اندر صلاحیت ایسی پیدا کر لیں تو ہمیں یہ ٹیکس اتنا ناگوار نہیں ہوگا جتنا ہمیں ڈر لگتا ہے کہ اس سے شاید ہمارا پروجیکٹ ہی فیل ہو جائے، پھر جو یہ معاملہ ہے ہم تو اسے شرعی نقطہ نظر سے دیکھتے چل رہے ہیں، اس کو دوسرے ہمارے ہم وطن نے مادی نظر سے دیکھا ہے، اور ان کی طرف سے جو اخبارات میں یہ Demand

آئی ہے کہ جس طرح سے قرض کے اوپر سود کو انکم ٹیکس سے الگ کر دیا جاتا ہے اسی طرح سے Dividend کو بھی انکم میں سے الگ کر کے ٹیکس لگایا جائے، اور جب تک ان کے Artcles ایسے پیپر میں نکلے ہیں تب تک میں نے تائید میں صرف مادی نظریہ سے اخبار میں خط دیا ہے اور اس سلسلہ میں میرا پہلا خط "Business Standard" میں شائع ہوا ہے، اور پھر ایک بار "Economic Times" میں ایک Editorial لکھا تھا کہ اب ملٹی نیشنل کمپنیاں ہمارے یہاں آ گئی ہیں، اور ان کی طاقت بہت زیادہ ہے، طاقت ان کی اس وجہ سے ہے کہ ان کا اپنا سرمایہ زیادہ ہوتا ہے، وہ قرض کم لیتے ہیں، اور وہ جو کچھ بھی قرض لیتے ہیں ان کے یہاں شرح سود چار یا پانچ فیصدی ہے، ہمارے یہاں شرح سود سولہ سترہ سے بڑھ کے پچیس تیس پرسنٹ تک پہونچ جاتی ہے، لہذا اس نے اپنے Editorial میں یہ Advise کیا تھا کہ ہماری کمپنیوں کو چاہئے کہ وہ اپنا قرض کا Ratio گھٹائیں، اور اپنا Capital Ratio بڑھائیں، تا کہ ان سے Competition کے مقابلہ میں ان کو طاقت حاصل ہو، اس سلسلہ میں میں نے جو خط "Economic Times" کو اس Editorial کی تائید میں لکھا، تو انہوں نے Good Advise کر کے اسے شائع کیا، میں نے یہ کہا کہ آپ یہ تو Advise کرتے ہیں کہ کمپنیاں اپنی Equity بڑھائیں اور قرض Down کریں لیکن ہمارا Taxation قانون اس سلسلہ میں مانع آتا ہے، جو کمپنی زیادہ سرمایہ رکھتی ہے وہ کم قرض رکھتی ہے، اس کو زیادہ ٹیکس دینا پڑتا ہے جو کمپنی زیادہ قرض رکھتی ہے اس کو کم ٹیکس دینا پڑتا ہے، اور ان کو یہ فارمولہ بھی میں نے تجویز کیا کہ آپ اگر اس فارمولہ کو اپنائیں تو گورنمنٹ کی آمدنی پر بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا، اور قرض لینے والی اور نہ قرض لینے والی دونوں کمپنیوں کو ٹیکس کا Burden برابر ہو جائے گا، تو یہ آوازیں تو غیر مسلم ہی کی جانب سے اٹھی تھیں، تو اس میں ہم نے اپنی آواز لگائی، تو یہ جو چوتھی بات ہے جو ہمیں زیادہ پریشان کر رہی تھی اگر اس کو ہم سلیقہ کے ساتھ حکومت کے سامنے لے جائیں تو یہ مسئلہ ہمارا حل ہو سکتا ہے۔

چھٹے سوال کے اندر لکھا ہے کہ ریزرو بینک میں کچھ روپے جمع کرنے پڑتے ہے، یا سرکاری بانڈز خریدنے پڑتے ہیں جس پر سود ملتا ہے، یہ Finance Company اور Banking Company کے معاملہ میں تو بالکل صحیح ہے کہ کچھ روپے ان کو ریزرو بینک میں رکھنا پڑتا ہے، یا گورنمنٹ بانڈز خریدنے پڑتے ہیں، لیکن Commercial & Manufacturing Companies کے لئے یہ معاملہ نہیں ہے، اور شرکت اور مضاربت چونکہ اسلام کی بنیاد ہے، اس لئے ہماری کمپنیوں کے سامنے کم سے کم یہ مسئلہ پیش آنے والا نہیں ہے۔

سودی قرض پر منافع جو ملے اس کے حکم کے بارے میں کچھ سوالات کئے گئے ہیں، تو کمپنی قرض لیتی ہے اور اپنی ساری رقم کے اوپر منافع کماتی ہے، اس میں یہ تخصیص نہیں ہوتی ہے کہ قرض والی رقم کے اوپر کتنا منافع ہوا، اور اس نے جو اپنا سرمایہ لگایا تھا اس کے اوپر کتنا منافع ہوا، پھر بھی ہم ڈائری کو دیکھ کر یہ حساب لگا سکتے ہیں کہ قرض شیئر، سود کی آمدنی کیا ہے، لیکن یہاں مسئلہ یہ آتا ہے کہ کمپنی نے سود کی آمدنی تو حاصل کی اور منافع بھی کمایا، ضروری نہیں کہ جو منافع کمائے کمپنی اسے تقسیم بھی کر دے، اور اگر تقسیم بھی کرے تو ضروری نہیں کہ پورا کا پورا منافع تقسیم کرے، یہ کمپنی کی

اپنی پالیسی کے اوپر منحصر ہوتا ہے، اور شیئر ہولڈرس کی اکثریت اگر منافع کو آگے تجارتی فروغ میں لگانا چاہتی ہے تو بھی منافع تقسیم نہیں ہوتا، تو چونکہ کمپنی کی کتابوں میں یہ صرف لکھا ہوا ہے، اس میں پھر یہ حساب لگانا کہ ہم اس کو خیرات کریں یا نہ کریں اپنے حصہ کے بقدر، یہ ذرا ایک مشکل کام ہو جائے گا، اور پھر یہ کہ کمپنی کی جو رپورٹ ہے جس میں کمپنی کے منافع کی خبر آئی ہے اس کا بازار کی قیمتوں کے اوپر کافی اثر پڑتا ہے، خاص طور پر جبکہ بنیادی طور پر دو طرح کے Factors ہوتے ہیں جو کہ شیئر کی قیمت پہ اثر انداز ہوتے ہیں، ایک کو ہم Fundamentals کہتے ہیں، دوسرے کو Technicals کہتے ہیں، Fundamentals تو کمپنی کی خامیوں اور خوبیوں کے اوپر منحصر ہوتے ہیں، اور Technicals بازار کے اندر روپے کی اور شیئرز کی فراہمی کے اوپر منحصر ہوتے ہیں تو ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے، کبھی کبھی Fundamental بہت اچھے ہوتے ہیں، لیکن بازار میں شیئرز کی سپلائی زیادہ ہوتی ہے، پیسہ کم ہوتا ہے، تو اچھے منافع کے باوجود بھی اس کی قیمتیں نیچے چلی جاتی ہیں، اور کبھی کبھی اس کے برخلاف شیئرز کی قلت ہوتی ہے مارکیٹ میں، پیسہ زیادہ ہوتا ہے، تو نقصان والی کمپنی کا بھی شیئر اپنی چار گنی پانچ گنی قیمت پہ ہوتا ہے، ان حالات میں جب Fundamentals حاوی ہوتے ہیں تو ہر خبر کا اثر شیئر کی قیمت پہ بہت اچھا پڑتا ہے، اگر سودی خبر سے اس کی قیمت بڑھ جائے تو یہ حساب لگانا بڑا مشکل ہوگا کہ ہم اصل جو سود کمپنی کو ملا ہے وہ خیرات کریں یا کمپنی کے شیئرز کی قیمت پہ جو اس کا اثر پڑا ہے اس کو خیرات کریں، یہ کافی مشکل کام ہو جائے گا ہمارے لئے۔

آٹھویں سوال کے اندر بورڈ آف ڈائریکٹرس کا شیئر ہولڈرس کے وکیل ہونے سے متعلق سوال ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس جو شیئر ہولڈرس کی اکثریت کی رائے سے Appoint ہوتے ہیں، یہ اصل میں شیئر ہولڈرس ہی ہوتے ہیں، جس طرح کہ اسمبلی کے ممبران میں سے کوئی چیف منسٹر بنتا ہے اور کیبنٹ بنتی ہے، اسی طرح کمپنی کے شیئر ہولڈرس میں سے بورڈ آف ڈائریکٹرس ہوتا ہے، جیسا کہ میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ کمپنی جو ہے وہ ایک شخص اعتباری ہے، یہ قانون کی نظر میں تو ایک شخص ہے، لیکن یہ اپنے حسی شخص میں جسے ہم دیکھ نہیں سکتے ہیں چھو نہیں سکتے، لہذا یہ اپنے معاملات کا انتظام خود نہیں کر سکتی، یہ دوسروں کے اوپر منحصر ہے کہ اس کے معاملات کا انتظام کوئی دوسرے لوگ کریں، اور شیئر ہولڈرس اپنے ہی میں سے کچھ لوگوں کو اپنا وکیل مقرر کر دیتے ہیں، اور ان کو کچھ اختیارات دیتے ہیں کہ روزمرہ کے معاملات میں ان حدود میں رہ کے بورڈ آف ڈائریکٹرس کام کرے گا، پھر بھی جو اہم معاملات ہوتے ہیں وہ کمپنی کی میٹنگ میں ہی طے ہوتے ہیں، جو کمپنی کی پالیسی سے متعلق معاملات ہوتے ہیں وہ کمپنی کی عام میٹنگ میں طے ہوتے ہیں، آج یہ مسئلہ کہ کوئی شیئر ہولڈر اختلاف کرے بورڈ آف ڈائریکٹرس کی رائے سے تو کیا پوزیشن ہوگی اس کی، وہ کہاں تک بری الذمہ ہوگا کمپنی کے جائز کاروبار اور ناجائز کاروبار سے اس میں میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ جب کمپنی قائم ہوتی ہے، اور بازار میں Issue لا رہی ہوتی ہے، تو کمپنی اپنا ایک Prospectus جاری کر دیتی ہے، اس Prospectus میں کمپنی کی پروجیکٹ رپورٹ پوری لکھی ہوتی ہے، اس وقت ہر شیئر ہولڈر کو معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی قرض لینے جا رہی ہے یا قرض نہیں لینے جا رہی ہے، کمپنی حلال کاروبار کرنے

جارہی ہے یا حرام کاروبار کرنے جارہی ہے، اس کے علاوہ کمپنی کے Articles of Association میں بھی کمپنی کو پہلے Powers دی جاتی ہیں قرض لینے کی، جب تک Articles of Association میں کمپنی کے رجسٹریشن کے وقت ہی کمپنی کو پاور نہیں ملے گا تب تک کمپنی قرض نہیں لے سکتی ہے، پھر جو پاور آرٹیکلس آف ایسوسی ایشن میں دیا گیا ہے اس کے مطابق Resolution جو بورڈ آف ڈائرکٹرس کی میٹنگ میں پاس ہوتا ہے کہ قرض لیا جائے گا اس معاملہ میں، اتنی چیزیں شیئر ہولڈرس کے سامنے ہوتی ہیں، ان سب کے باوجود وہ شیئر ہولڈرس بننا اس میں قبول کرتا ہے، جبکہ اس کے اوپر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی ہے، اگر ان معاملات سے اس کو اختلاف ہے تو اپنا شیئر بیچ کر وہ باہر بھی ہوسکتا ہے، اور یہاں دیکھا جاسکتا ہے کہ کہاں تک اس کی مجبوری ہے اس معاملہ میں کہ وکیل کی ذمہ داری اس کے اوپر آتی ہے یا نہیں آتی ہے؟

ایک Back Delivery کے بارے میں سوال کیا گیا تھا کہ ایک شخص نے شیئرز بیچے ہیں، اور اس کے دستخط نہیں ملتے ہیں، کمپنی کے پاس اس نے رجسٹریشن کو بھیجا، کمپنی نے واپس کردیا، ایسے میں سودے کی کیا نوعیت رہے گی؟ سودا تو Valid رہے گا، جو شیئرز اس نے بیچے ہیں اس پہ دستخط نہیں ملے ہیں تو اس کی حوالگی ناقص ہے، اور وہ اس کے نام میں منتقل نہیں ہوسکتی، لیکن بیچنے والے کے اوپر ڈیلیوری واجب ہے، اور وہ اس کو ڈیلیوری کرے گا اور ڈیلیوری کے بعد ہی اس کا Contract پورا ہوگا، اس سے پہلے وہ چھوٹ نہیں سکتا ہے، وہ دوسرے شیئرز کی ڈیلیوری کرے گا، لیکن ان شیئرز کی ملکیت ہماری نہیں مانی جاسکتی کیونکہ ہم نے بیچے تھے اور اس پر دستخط الگ ہوئے تھے، حالانکہ اس نے ٹرانسفر ڈیڈ پر دستخط کر کے شیئر سرٹیفکیٹ دیا تھا، چونکہ اس پہ دستخط آپ کے نہیں تھے اس لئے وہ ڈیلیوری ناقص تھی، اور یہ ہمیں اس وقت پتہ چلا جبکہ کمپنی نے بتایا، اور اس سے پہلے تو ہم اس کو صحیح تسلیم...... یہ ناقص ڈیلیوری جب بھی پتہ لگ جائے تو اسی وقت سے یہ سارے لوگوں کے اوپر پیچھے Invalid ہوتے ہیں، مان لیجئے ایک شخص سے میں نے شیئرز خریدے، اس کے بعد دوسرے سے بیچ دیئے، دوسرے نے تیسرے کو بیچ دیئے، تیسرے نے چوتھے کو، پانچویں آدمی نے ٹرانسفر کے لئے بھیجے اور پانچویں آدمی کو جواب یہ ملا کہ یہ ناقص ڈیلیوری ہے، تو وہ ناقص قبضہ ہم چاروں پانچوں آدمی کا رہا، کیونکہ Forgery جو ہے وہ کسی بھی ملکیت کو ٹرانسفر نہیں کرتی۔

اس کے علاوہ کوئی اور سوالات ہوں تو (ایک آواز......) ہاں وہی، جو ڈیلیوری کا طریقہ ہے کہ شیئر سرٹیفکیٹ Blank Transfer Deed کے اوپر شیئر ہولڈر دستخط کر کے دیتا ہے تو کوئی دوسرا آدمی پھر دستخط نہیں کرتا، اس کو یونہی Blank ہی بیچتے رہتے ہیں، پہلے آدمی کے دستخط کئے ہوئے کو صحیح ڈیلیوری مانی جاتی ہے شیئر سرٹیفکیٹ کے لئے، جیسے کہ چیک میں اگر آرڈر چیک ہے تو ایک آدمی Endorse کرے گا ایک دوسرے کے نام، پھر اگر وہ دوسرا آدمی کسی کو منتقل کرے گا وہ اس کے نام Endorse کرے گا، شیئر سرٹیفکیٹ کے معاملہ میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ وہ Deed بھرا ہوا نہیں ہے، Blank ہے، کسی کا نام نہیں لکھا ہوا ہے اس میں، تو وہ شیئر سرٹیفکیٹ سب کے پاس ایسے ہی چلتا رہے گا، اور جب کمپنی میں اس کے اوپر دستخط پاس ہوجائیں گے تو سب کی ملکیت ؟ اب مانی

جائے گی، اور اگر نہیں پاس ہوں گے تو سب کی ناقص ملکیت مانی جائے گی۔

حکیم ظل الرحمٰن صاحب:

قبضہ کی بات جو قاضی صاحب نے کہی تھی وہ اصل بنیادی بات ہے، میں بتانا چاہوں گا کہ کمپنی کیسے قائم ہو، سب سے پہلے ایک پروجیکٹ رپورٹ تیار ہوتی ہے، اس کا ایک دستور اساسی بنایا جاتا ہے، اس میں کتنے سرمائے کی جگہ وتفصیلات درکار ہوتی ہیں، اس سب کے ساتھ رجسٹرار کو درخواست دی جاتی ہے رجسٹریشن کے لئے۔ رجسٹریشن کے بعد رجسٹرار قید لگاتا ہے کہ جو Promoter Share Holders ہیں وہ سرمائے کا پچیس فیصدی اپنے پاس سے لگادیں، پروموٹر شیئر ہولڈرس کو درکار سرمایہ کا پچیس فیصدی پہلے لگانا ہوتا ہے، جو تصور آئی تھی کہ رقم سے رقم کی بات ہوتی ہے وہ بالکل بیجا ہے، پچیس پرسینٹ سرمایہ لگادیں گے، Assets ہو جائیں گے تب جا کر کے وہ پھر درخواست دیں گے رجسٹرار کو کہ اب ہمیں مزید سرمایہ کے لئے ضرورت ہے، شیئرز ڈکلیئر کرنے کی، ایشو کرنے کی اجازت دے دی جائے، چوتھائی سرمایہ جب لگ گیا تو اثاثے کمپنی کے بن گئے، اور بغیر اثاثے کے کمپنی نہیں رہی، اور نقد کی صورت جو تھی سوال میں وہ بیجا تھی، اس میں چوتھائی سرمایہ میں عام طور پر زمین خرید لی جاتی ہے،.... جمع نہیں ہوں گے، کمپنی کے اخراجات میں اپنے پروجیکٹ کے مطابق سرمایہ لگانا پڑتا ہے، مشینیں خریدیں گے، زمینیں خریدیں گے، جو کچھ بھی ہو وہ سرمایہ پچیس فیصدی لگادیں گے تب رجسٹرار ان کو اجازت دے گا کہ اب آپ Issue (جاری) کر سکتے ہیں، اب ان کو شیئر کی اجازت ملتی ہے، شیئر عموماً دس روپے کا ہوتا ہے، اچھی کمپنیاں اس کو Premium کے ساتھ فروخت کرتی ہیں، دس روپے کا شیئر پچاس روپے میں بھی بکتا ہے، بیس روپے میں بھی بکتا ہے اس کے بعد جو لوگ شیئر خریدنا چاہتے ہیں تو ایک فارم ہوتا ہے، جسے درخواست کا فارم کہتے ہیں، وہ ایک درخواست کے ساتھ ایک معینہ رقم اس کے ساتھ بھیجتے ہیں، پوری رقم مطلوبہ نہیں بھیجتے، کمپنی اس پر فیصلہ کرتی ہے کہ اگر ایک آدمی پانچ ہزار شیئرز مانگتا ہے تو کوئی ضروری نہیں کہ وہ پانچ ہزار دے دے، کمپنی یہ فیصلہ کرتی ہے کہ نہیں ہم تو تمہیں پانچ سو دے سکتے ہیں، پانچ سو دے دیتی ہے، کمپنی کو یہ بھی حق پہنچتا ہے کہ کسی آدمی کو اپنے لئے نامناسب سمجھے تو اس کے شیئر کی درخواست کو مسترد ہی کردے بالکل، اور اس کے بعد جب وہ لوگ شیئر خرید لیتے ہیں تو اس کا رجسٹریشن مالکان اور حصہ داران کی حیثیت سے کمپنی میں ہو جاتا ہے، اور جن لوگوں کا نام درج ہو جاتا ہے وہی حصہ دار قانونی کہلاتے ہیں، یہ صورتحال ہوتی ہے، اب ہوتا یہ ہے کہ ان کی حیثیت کیا ہے، شیئر ہولڈرس کمپنی کے اصل مالکان ہوتے ہیں، یہ ڈائریکٹرس کو چنتے ہیں، کس کے شیئر کی کیا قیمت ہے، جتنے حصے اس کے پاس ہوتے ہیں اس کے شیئر کا وزن اتنا ہی ہوتا ہے، عام طور پر دس فیصدی جس کسی کے پاس ہو جاتے ہیں تو وہ ڈائریکٹر بن جاتا ہے، اس لئے کہ دس بارہ ڈائریکٹر چنے جاتے ہیں، یہ شکل تو ہوئی کمپنی کے قیام کی، اور اس سلسلہ میں جب تک اندراج نہیں ہو جاتا کمپنی کے رجسٹر میں وہ مالک قرار نہیں پاتا، اب صورت حال یہ ہے کہ اسٹاک ایکسچینج سے جو شیئرز فروخت ہوتے ہیں،......... تو جب تک کمپنی میں اندراج نہ ہو جائے تب تک آپ کا نام مالکان میں نہیں ہوتا، اور کمپنی کو یہ حق پہنچتا ہے جیسا ابھی احسان صاحب نے بتایا کہ مختلف بنیادوں پر کمپنی ریجیکٹ کر سکتی

ہے کہ آپ کو نہیں بیچتے، ہم تو اپنے شیئر ہولڈرس کو بیچیں گے، آپ ہم سے پیسہ لے جائیے، تو قبضہ اس وقت شمار ہوتا ہے قانونی طور پر جب کمپنی میں رجسٹریشن ہو جاتا ہے، اس سے پہلے جیسا کہ انہوں نے بتایا کہ ایک Certificate Maintain Letter ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ دستخط کر کے دے دیئے جاتے ہیں، کسی کا نام نہیں لکھا جاتا، اور چار چار پانچ پانچ آدمیوں میں وہی ہکتا رہتا ہے، اب اگر جیسی صورتحال ہے کہ دستخط نہیں ملے تو کمپنی اس فروخت کی بالکل ذمہ دار نہیں ہے، کمپنی اصل مالک کو شمار کرے گی، Dividend ہوگا تب اس کو بیچے گی، ووٹنگ کی تاریخ، انجمن کا دعوت نامہ بھیجے گا تو اصل کو جائے گا، یہ صورتحال ہے، ان حضرات کی جو بیع میں جنہوں نے خریدی ہے، کوئی اسٹیٹس، قانونی حیثیت نہیں ہے، اخلاقی طور پر جو بھی ہو کہ جس سے انہوں نے خریدا ہے وہ جا کر کے ان سے لڑتے رہیں کہ بھائی اصل منافع تو تمہیں ملا ہے کمپنی سے، خرید لیا تھا ہم نے، ہمیں دو، یہ سارا ان کا اخلاقی چیز ہے، قانونی طور پر ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، ایک چیز یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ صرف شیئر ہی بیچنے کا کام کرتے ہیں، انہیں کمپنی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، بعض حضرات نے لکھا ہے اور میں نے بھی لکھا ہے، اور میرا خیال ہے کہ ایسے شیئرز جنہیں نہ یہ پتہ ہو کہ کمپنی کی کیا صورتحال ہے، اور ہم شیئر صرف منافع کے لئے بیچتے ہیں جیسے ٹھیکے پہ ہوتا ہے، یہ فروخت جو ہے وہ ناجائز ہونی چاہئے، اس کی صورتحال یہ ہے کہ قبضہ کی بات جو قاضی صاحب نے فرمائی تھی اس سلسلہ میں یہی عرض کروں گا، ابھی احسان صاحب نے تو فرمایا کہ مالک وہ اسی وقت ہو جاتا ہے جس وقت اس نے شیئر خرید لیا، میں صاف کہہ رہا ہوں کہ قانونی طور پر مالک وہ اس وقت ہوتا ہے جب کمپنی اس کی خریداری کو قبول کر کے اپنے یہاں اس کا اندراج کر لے۔

کھٹکھٹے صاحب:

یہ جو شیئرز کی خرید و فروخت کا سسٹم ہے اس کو ذرا ہم ایک مرتبہ مرحلہ وار دیکھ لیں، کہ کس طرح سے شیئرز کی خرید و فروخت میں کیا Stages آتے ہیں، آپ یہ سمجھیں کیونکہ یہاں جیسا قاضی صاحب فرما رہے تھے یہاں بیع قبل القبض کا مسئلہ ہے، تو اگر Sale کر رہے ہیں ہم، بیچ رہے ہیں شیئرز، تو اس میں دو مرحلے دیکھیں، ایک تو یہ کہ اسٹاک ایکسچینج میں آپ کے پاس شیئرز نہ ہوں تو بھی بیچ سکتے ہیں، تو شیئرز کی خرید سے پہلے شیئرز بیچنا، یہ ایک اسٹیج ہے۔ دوسرا اسٹیج یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے شیئرز خریدے ہیں، بروکر کو آرڈر دیا ہے، بروکر نے آپ کو کنٹریکٹ دیا ہے کہ میں نے آپ کے شیئرز خرید لئے ہیں مارکیٹ سے، وہ آپ کے پاس کنٹریکٹ موجود ہے آپ کے نام کہ فلاں کمپنی کے اتنے شیئرز میں نے خریدے۔ اس کے بعد اسٹیج آتا ہے ادائیگی کا کہ جو شیئرز آپ نے خریدے ہیں آپ نے اس کا Payment کیا ہے، یہ سیکنڈ اسٹیج ہے، فرسٹ اسٹیج Transaction، آپ بروکر کو آرڈر دیں، بروکر اسٹاک ایکسچینج سے وہ شیئرز خریدے گا، مطلب وہاں بولی کرے گا اور وہ بیچنے والا کہے گا کہ ٹھیک ہے میں نے آپ کو بیچ دیئے فلاں رقم میں اتنا ہی شیئرز۔

قاضی صاحب: ایجاب وقبول ہوگیا؟

کھٹکھٹے صاحب: ہاں ایجاب وقبول ہوگیا۔

قاضی صاحب:

اس نے کہا کہ میں نے بیچا، انہوں نے کہا کہ میں نے لیا، فلاں کے لئے لیا، یہ بیع ہوگئی۔

قاضی صاحب:

یہ طے ہوگیا کہ آپ نے خریدا۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟

کھٹکھٹے صاحب:

اس کے بعد آپ اس کو Payment کریں گے شیئرز کے لئے تب اس کے بعد مارکیٹ سے آپ کو ڈیلیوری آئے گی شیئرز کی، Transfer Form اور Share Certificate، ٹرانسفر فارم جس نے بیچا ہے اس کی دستخط ہوگی، اور اس کے ساتھ سرٹیفکیٹ ہوگا، اور آپ کو اس کے اوپر دستخط کر کے کمپنی میں بھیجنا ہے آپ کے نام منتقل کرنے کے لئے، تو یہ ڈیلیوری آ گئی، آپ اگر کمپنی کو بھیجتے ہیں وہاں ان کے رجسٹر میں اندراج ہو جاتا ہے اور واپس آپ کو سرٹیفکیٹ آتے ہیں، تو اس کو کہیں گے ٹرانسفر، یہ پورا Transaction خریدنے کا مکمل ہوگیا، اب اس میں یہ چیز دیکھنے لائق ہے کہ جب آپ نے Transaction کیا، آپ کو بروکر نے خریدنے کا جو کنٹریکٹ نوٹ دیا ہے، اس کے بعد سے جو بھی کمپنی کی چیزیں ڈکلیئر ہوتی ہیں، جیسے آج میں نے خریدا، ابھی میں نے Payment بھی نہیں کیا ہے، کل اگر کمپنی نے Bonus Share ڈکلیئر کیا تو یہ میرا حق ہے، اگر Right Share ڈکلیئر کیا، Dividend ڈکلیئر کیا تو یہ میرا حق ہے قانوناً، اخلاقاً نہیں قانوناً یہ حق ہے، اور یہ بروکر کو دینا ہوگا، اب اس کے بعد اگر آپ Payment کرتے ہیں، اور وہ Delivery ہو جاتی ہے تو آپ کا معاملہ اور پکا ہوگیا، مگر جب آپ کو Contract آ گیا، اس کے بعد سے وہ بروکر مکر نہیں سکتا ہے، اس کو یہ شیئرز دینا ہے اور وہ سارے اس کے Benifits کے ساتھ میں جو اس دن سے اس کمپنی میں آپ کو مل سکتے ہیں، حالانکہ جب سے آپ نے Payment بھی نہیں کیا ہے، اگر آپ Payment میں پھر بعد میں جا کے اگر ڈیفالٹ (Default) کرتے ہیں تو پھر وہ اس کو Revoke کر سکتے ہیں، اگر آپ نے Payment میں Default نہیں کیا ہے تو پھر سوال ہی نہیں اٹھتا اس کا Revoke کرنے کا۔

قاضی صاحب:

ڈیلیوری کا لفظ کس اسٹیج میں بولتے ہیں؟

کھٹکھٹے صاحب:

جب آپ کو سرٹیفکیٹ اور ٹرانسفر فارم مارکیٹ سے مل جائے اس کو کہتے ہیں ڈیلیوری۔

قاضی صاحب:

یہ بھی قبضہ ہی ہوا؟

کھٹکھٹے صاحب:

ہاں، اچھا اس میں جیسے حکیم صاحب نے بتایا یا احسان صاحب نے بتایا، یہ جو شیئرز ڈیلیوری آ گئی وہ ضروری

نہیں کہ ہم اپنے نام پر ٹرانسفر کر کے ہی بیچیں، قانوناً ہم اس کو بیچ سکتے ہیں بغیر اس کو اپنے نام پر ٹرانسفر کئے ہوئے، صرف یہ ہے کہ اس کے درمیان اگر جو بھی منافع آتا ہے یا جو بھی Benifit آتا ہے کمپنی کی طرف سے شیئر ہولڈر کو، وہ ہم کو نہیں ملے گا جب تک کمپنی کو اس کا علم نہیں ہو کہ ہمارے یہ شیئرز ہیں، اور کمپنی کے علم میں لانے کے لئے ہم کو وہ ٹرانسفر کے لئے بھیجنا پڑتا ہے کمپنی کے پاس، تو دیکھئے شیئرز ہم نے کمپنی سے نہیں خریدے ہیں، ہم نے XYZ سے خریدے ہیں، کمپنی تو ایک طرح کا صرف حساب کتاب رکھ رہی ہے کہ کس کے پاس کون سے شیئرز ہیں، کمپنی نے تو شیئرز شروع میں جب اجراء کئے تب بیچ دیئے اور اس کے پیسے لے لئے، اب ہم جو خرید رہے ہیں وہ ایک فرد سے خرید رہے ہیں، اس کے روپے جو ہیں وہ اس فرد کو جا رہے ہیں، تو کمپنی اس Transaction میں نہ Buyer ہے نہ Saler ہے۔

ایک آواز:

تو کیا ڈیلیوری کے آتے ہی قبضہ ہو جاتا ہے اس کا؟

کھٹکھٹے صاحب:

نہیں وہ تو آپ لوگ طے کریں، میں تو اس کی (Characteristics) خصوصیات بتا رہا ہوں۔

قاضی صاحب:

سوال یہ ہے کہ مان لیجئے کہ یہ جو نام کی منتقلی یا ٹرانسفر ہے کمپنی کے رجسٹر میں، یہ تو ویسے ہی ہے جیسے اراضی ہم خریدیں اور ایجاب و قبول ہو گیا، بیع مکمل ہو گئی، لیکن اب تک رجسٹری نہیں ہوئی ہے، تکمیل نہیں ہوئی ہے، لہذا کھتیان میں اور رجسٹر میں جو نام رہے گا وہ سابق کا رہے گا، مالگزاری کا مطالبہ اس سے ہوگا، اور اس میں یہ ہے کہ قانونی طور پر یہ حقدار ہو جاتا ہے، Procedure یہ ہے کہ جب رجسٹر میں اندراج ہوگا تب وہ جانے گا کہ ہاں صاحب ان کو نفع دینا ہے یا ان کو اطلاع کرنا ہے۔

کھٹکھٹے صاحب:

اس سلسلہ میں ایک دو چیزیں میں عرض کرنا چاہوں گا، یہ Uncertainty کا جو مسئلہ ہے، جو اکثر ہم لوگ Discuss کر رہے ہیں کہ جو غرر کی صورت ہے، ابھی اس کے خریدنے کا تو اس کا حق ہو گیا، مگر اس کے اوپر اس کے بیچنے کا حق مکمل نہیں ہوا، کیونکہ اگر وہ بیچے گا تو کچھ صورتوں میں ہی، جیسے مثلاً آج Transaction ہم نے کیا بروکر کے ساتھ خریدنے کا، اسٹاک ایکسچینج میں ایک مدت ہوتی ہے کہ فلاں دن سے فلاں دن تک، اس کا حساب مدت پوری ہونے کے بعد فلاں دن کو ہوگا، تو اس مدت میں جو بھی Transactions ہوں گے ایک Date پہ اس کا Settlement ہو جاتا ہے، تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ مدت تو Settlement Period کا ہے، تو اگر کسی Settlement Period میں ہم نے شیئر خریدا ہے، اگر اسی سیٹلمنٹ میں اسی بروکر کے ہاتھ ہم نے بیچ دیا وہ شیئر، تو پھر ہمارے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ شیئر واپس آئے گا، یا کچھ بھی ہو، وہ کلیئر ہو جائے گا ٹرانزیکشن، اس میں بالکل Uncertainty نہیں ہوگی، اگر وہ شیئر بعد میں ہم اسی بروکر کے ہاتھ بیچیں سیٹلمنٹ پورا ہونے کے

بعد، تو اس میں پھر Uncertainty رہے گی کہ ہم اس شیئر کو ڈیلیور کر پائیں گے یا نہیں، جیسے مثلا ہم کو ڈیلیوری مارکیٹ میں آنے میں لیٹ ہوگئی، تو ہم اتار نہیں سکیں گے جب ہم ہمارا وقت آئے گا دینے کا، یا ابھی فی الحال جو قانون ہے، اسٹاک ایکسچینج ہے اس کے تحت، اس سے پہلے کچھ اور قانون تھا، اس میں بھی وہ چل سکتا تھا، اور ابھی جو ہے اگر اسی سیٹلمنٹ پہ اسی بروکر سے ہم نے لیا ہے اسی ایکسچینج پر، تو آپ اسی سیٹلمنٹ میں اس کو بیچ سکتے ہیں، مگر اس میں جو ہے اگر ایسا کریں ہم تو پھر اس میں Speculation کا Element بہت اونچا ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر ہم اس کی اجازت دیدیں کہ بغیر Payment کئے بھی کوئی شخص اس کو بیچ سکتا ہے اسی سیٹلمنٹ میں، تو وہ تو پھر فرضی جیسے ہوگیا، اور عام طور سے جو Speculation ہوتا ہے وہ ایسے ہی ہوتا ہے کہ ایک شخص کے پاس صرف سو روپے ہیں، ایک شیئر کی قیمت دس روپے ہے، مگر وہ ہزار روپے کے سو شیئرز خرید رہا ہے، ہزار روپے کے شیئرز خرید رہا ہے کیونکہ اس کو پیسے دینا نہیں ہے، اور پھر وہ سیٹلمنٹ ختم ہونے سے پہلے وہ کلیئر کر دے گا، اب اس میں یہ ہوتا ہے کبھی کبھی کہ آپ نے ڈیلیوری کے لئے شیئرز لئے ہیں، آپ کے پاس سو روپے ہیں، اور سو روپے کے شیئرز آپ نے لئے ہیں، مگر اس سیٹلمنٹ کے دوران شیئر کے دام کافی بڑھ گئے، اور آپ نے سمجھا کہ ابھی تو اس کے بڑھنے کے زیادہ Chances نہیں ہیں، یہ صورت الگ ہے کہ آپ نے خریدا تھا اس نیت سے کہ اس میں آپ Invest کریں، آپ اس کے روپے دیں اور ڈیلیوری لیں، مگر وقتی طور پر اگر وہ بڑھ گیا، اور آپ نے اس کو Settle کر دیا، یا یہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے جب خریدا، آپ کے پاس روپے تھے، مگر پیمنٹ کا وقت سیٹلمنٹ پورا ہونے سے پہلے پہلے تک ہے کچھ اور ایسی اشد ضرورت آگئی کہ آپ کو کچھ روپیہ خرچ کرنا پڑ جا رہا ہے، آپ ڈیلیوری نہیں لے سکتے ہیں، تو آپ آخر میں بروکر کو کہیں گے کہ بھائی ہمارے پاس روپے نہیں ہیں، آپ Settle کر دیں، تو اس میں نیت کا دارومدار ہے، مگر اس میں یہ Possibility ہے کہ یہ Assets کیا جائے کہ آپ جیسے بھی کریں، اگر اسی سیٹلمنٹ میں آپ کو اسکوائر آف کرنا تو پہلے آپ پیمنٹ کریں، پیمنٹ کر کے اسکوائر آف کر دیں اسی سیٹلمنٹ میں، اگر آپ کو یہ کرنا ہے، اس میں یہ ہوگا کہ اس میں Speculation کا جو عنصر ہے اس میں بیچ میں اس کو Benefit نہیں ہوگا، اگر ہم یہ تصور کر لیں کہ کنٹریکٹ آنے کے بعد میں قبضہ Complete ہو جاتا ہے تو یہ Insist کریں کہ اس کا Payment کرنا چاہئے شیئرز کا، تبھی آپ کا قبضہ ہوگا اس کے اوپر، ورنہ Speculation کو کافی چھوٹ مل جائے گی....

عبدالقیوم اختر صاحب:

میرے فاضل دوست پروسیجر کے بارے میں زیادہ بات کرتے رہے ہیں، پروسیجر کے بارے میں صحیح بات میں سمجھتا ہوں شاید طے نہیں ہوگی کہ یہ شیئر کا کاروبار جائز ہے یا ناجائز؟ حرام ہے یا حلال؟ بنیادی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ ہندوستان کی معیشت، میں اپنے آپ کو اپنے ملک تک ہی محدود رکھ رہا ہوں، ہندوستان کی معیشت Interest Base معیشت ہے، یعنی سود اس کا جز نہیں بنیاد ہے، اس کو آپ اپنے ذہن میں ملحوظ رکھیں، جہاں تک شیئر کا کاروبار ہے یہ اس پر پوری طرح محیط ہے، آپ کھلے دل سے جانئے، میں معذرت چاہتا ہوں اس بات کو کہنے میں کہ ہم نے

وقت کی ضرورت کو محسوس کیا ہے، لوگ دو طرح سے اپنا سرمایہ شیئرز میں لگاتے ہیں، ایک وہ لوگ جو صرف منافع کمانا چاہتے ہیں، ایک وہ لوگ جو اس کا کاروبار کرتے ہیں، اس بات کو سمجھ لیں کہ آج چاہے مزدور ہو، چاہے کسان ہو، چاہے نوکری پیشہ ہو، اس کے پاس کچھ فاضل Money رہتا ہے، فاضل سرمایہ رہتا ہے، کچھ بچت رہتی ہے، یقینی طور سے ہر آدمی اس بچت سے سونا نہیں خرید سکتا، جائداد انہیں خرید سکتا، یا اور کسی اپنی ضرورت کے لئے بچا کے کچھ وقت کے لئے رکھنا چاہتا ہے، تو یقینی طور سے وہ رکھنے کے لئے محفوظ جگہ تلاش کرتا ہے، کوششیں کرتا ہے کہ وہ سرمایہ کہیں لگ جائے، چونکہ آج کل Inflation اتنی پھیل گئی ہے کہ آپ اگر کسی چیز کے بارے میں معلوم کرنا چاہیں تو یہ بہت دشوار گزار بات نہیں ہے، ہم بنیادی طور سے یہاں یہ بات طے کرنے بیٹھے ہیں کہ شیئر مارکیٹ کیا بلا ہے؟ میں چونکہ تسلسل اس کا قائم نہ رکھ سکوں گا چونکہ میرے ذہن میں بہت ساری باتیں ہیں مجھے یہ نہیں معلوم کہ میں کس طریقہ سے یہاں اس کو ذکر کروں، یہاں صرف شیئر کی بات کی گئی، شیئر اگر میں بتاؤں تو آٹھ دس طریقے کے شیئرز ہیں، کس شیئر کے بارے میں بات کریں گے، Equity Share ہے، Preference Share ہے جس میں ایک محدود بارہ پرسینٹ پندرہ پرسینٹ دیا جاتا ہے حصہ، ایک نئی چیز آئی ہے، Voting Share ہے، Non Voting Share ہے، ووٹنگ شیئر میں آپ کو کم ملے گا ڈیویڈنڈ، نان ووٹنگ شیر میں کچھ زائد بھی ملے گا آپ کو، Convertible Share ہے، کچھ وقت کے لئے آپ نے سرمایہ کمپنی کو دیا، انہوں نے سود پر آپ کو کچھ سود دیا، اور اس سود کے بدلے میں مزید آپ کو ایک شیئر دے دیا۔ Bonus Share ہیں، اور Right Share ہیں.......، اس کے بعد Public Undertaking کے شیئرز ہیں، اگر آپ تھوڑی جانکاری رکھتے ہوں تو اس بار جو بجٹ پیش کیا گیا تو حکومت اپنی کمپنیز کے کتنے ہزار کروڑ کے شیئرز تو Disinvest کرے گی، ایک اس قسم کے شیئرز ہیں، یہ جو Company Formation کی بات ابھی ہمارے دوست کر رہے تھے، تو فورمیشن ہوتے ہی سود کی شرح شروع ہو جاتی ہے، جو سرمایہ Application کے ذریعہ لیا جاتا ہے، وہ بینک میں Fixed Deposit رکھ دیا جاتا ہے، تین مہینے تک آپ کا وہ سرمایہ بینک میں فکسڈ ڈپوزٹ کے طریقہ سے رہتا ہے، وہ اپنے اخراجات کا بہت بڑا حصہ اس سے پورا کرتی ہے، ایک کمپنی کو اپنا ایشو لانے کے لئے کم سے کم دس پندرہ فیصد سرمایہ خرچ کرنا پڑتا ہے، مان لو ایک کروڑ روپے کا سرمایہ اگر جٹانا ہے بازار سے، تو تقریباً پندرہ بیس لاکھ روپے خرچ کریں گے، وہ پیسہ تو وہ سود سے جو آئے گا کچھ اس سے پورا کریں گے، فاضل ہوگا تو کمپنی کی آمدنی میں چلا جائے گا، تو بنیاد کمپنی کی وہیں سے پڑے گی اور سود کا پیسہ وہاں سے شروع ہو جائے گا، دوسری بات جب وہ کاروبار شروع کرے گی، جیسے پروجیکٹ رپورٹ کی بات کی گئی تھی اس میں وہ سرمایہ کی تفصیل دیتے ہیں، اس سرمایہ میں ایک پیسہ وہ ہوتا ہے جو Promoters خود لگاتے ہیں، ایک سرمایہ وہ ہوتا ہے جو پبلک سے Equity Share کے نام پہ لیا جاتا ہے، ایک سرمایہ وہ ہوگا جو گورنمنٹ سے قرض لیا جائے گا، اور ایک سرمایہ ہوگا جو گورنمنٹ Subsidy کے طریقہ سے دے گی، (Insenting) کے طریقہ سے دے گی، تو یہ کل ملا کر کے کمپنی کا سرمایہ ہوگا، کمپنی اس سے چلے گی، کمپنی کا

Concept یہ سمجھ لیجئے کہ یہ اس طرح نہیں ہے کہ یہ جیسے ایک دکان کھولی ہم نے، سرمایہ لگایا، اور جب چاہا چلایا، جب چاہا بند کر دیا، جب چاہا دوسرا بدل لیا یا اور کچھ کرلیا، ایک سائڈ چیزیں ہوتی ہیں، جیسا بتایا گیا Prospectus بنتا ہے، اور وہ پروسپیکٹس کم سے کم دس قوانین سے مدوّن ہوتا ہے، اور آپ ابھی مجھے معاف کریں، جتنے لوگ آ رہے ہیں یہاں سب ظالمانہ قانون بتا رہے ہیں، انکم ٹیکس کو بھی ظالمانہ قانون، اور ان ظالمانہ قانون کی اور فہرست سن لیجئے، Contract Act سے متاثر ہوگا، Company Act سے متاثر ہوگا، Saving Act کے مطابق ہے، پھر Income Tax سے متاثر ہوگا، پھر Local Act جہاں کمپنی لگ رہی ہے وہاں سے متاثر ہوتا ہے، اور اس کے بعد ایک مزید جو میں ابھی اس کے لئے آؤں گا، مجھے معاف کیجئے وہ Terminology نہیں آتی ہے، یہ جو ڈلیوری کی بات ہوتی ہے، اب یہ نیا Concept آ جائے گا کہ اس میں کہیں لین دین نہیں ہوگا، اصطلاحی طور پر ایک Deposit Act پاس ہو گیا ہے، بس آپ نے جیسے شیئر خریدا، آپ اس کو اطلاع کر دیجئے، نام درج ہو جائے گا آپ کا، آپ کو کوئی لین دین کی کہیں ضرورت نہیں رہے گی، ان تمام قوانین کو اگر آپ ظالمانہ قانون کہیں گے، جو میں نے آپ کو بیان کئے، تو پھر یہ شیئر کے کاروبار کی آپ کو ضرورت نہیں ہے، اور اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہندوستان میں رہنا ہے، اور اس ہندوستان کی حکومت میں ہماری برابر کی حصہ داری ہے، تو برائے مہربانی ان الفاظ کا استعمال چھوڑ دیجئے، یہ قوانین ہماری جمہوری حکومت میں Welfare State کے قوانین ہیں، جو کہ آپ اختیار دیتے ہیں ان قوانین کو بنانے کا، جب ووٹنگ میں آپ شیئر کرتے ہیں تو آپ ہی ان لوگوں کو اختیار دیتے ہیں کہ یہ سب قوانین بنائے جائیں، دوسری بات جو آج سب سے زیادہ ضرورت ہو رہی ہے، معیشت پھیل گئی، پہلے معیشت کنٹرول میں تھی، اور شیئر بازار سب سے زیادہ Sensitive تھی، اگر آج یو پی میں بی جے پی کی حکومت بن جائے تو شیئر مارکیٹ بہت اونچا چلا جائے گا، دیوگوڑا کی حکومت گر جائے تو شیئر مارکیٹ ڈاؤن چلا جائے گا، آج فائنانس منسٹر کوئی اعلان کردیں تو شیئر مارکیٹ اوپر چلا جائے گا، آج شرح سود ایک فیصد کم کر دی جائے تو آج ہی Sensitive Index اوپر چلا جائے گا، تو مختلف صورتحال ہیں، میں اب زیادہ تفصیل میں آپ کی سمع خراشی نہیں کرنا چاہتا اس سے Confusion بہت پیدا ہوگا، میری گذارش یہ ہے کہ اگر چہ یہ قیاس، اندازے اور پورے طریقہ سے ایک بہت بصیرت افروز چیز ہے، جو شیئر مارکیٹ ہے، اس میں اتنا Vigilant آدمی کو رہنا پڑتا ہے کہ اگر بروکر کو آپ نے صبح کہا، اگر اس نے دوپہر میں سودا کیا تو Transaction بدل جائے گا، اگر آپ نے آج فیصلہ کیا ہے، جو لوگ کاروبار کرنا چاہتے ہیں، جو لوگ صرف منافع کے لئے خریدنا چاہتے ہیں، ان کی بات تو الگ ہے، وہ لوگ جن کے پاس فاضل سرمایہ ہوتا ہے کچھ پیسہ دس بیس ہزار روپے لگایا، لے کر رکھ لیا، کبھی بیچتے ہیں، کبھی انکم سالانہ آتی ہے، نہیں آتی ہے، بہر حال فاضل پیسہ ایک Asset کی طرح پڑا ہے، لیکن آپ ان کی تفصیلات میں جائیں گے تو یقین مان لیجئے کہ کوئی کمپنی ہندوستان میں Exist نہیں کرتی ہے، جب سود کا پیسہ اس کے انکم میں شامل نہیں ہوتی ہے، مجھے اس بات کے کہنے میں کوئی تکلف نہیں ہے کہ شاید قاضی صاحب سے بھی ایک بات ہوئی، ہوسکتا ہے مجھے غلط فہمی ہو، میں تو اب بھی اپنی غلط فہمی

مان لیتا ہوں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ٹاٹا کے ذریعہ وہ Core Company شروع کرائی گئی، ہمارے Barkat Investment والے بیٹھے ہیں، اس میں یہ تھا کہ ہم کوئی سودی کاروبار نہیں کریں گے، لیکن Cover Sector میں کریں گے، جیسے سڑکیں بنانا، پل بنانا وغیرہ، اور وہ جائز کاروبار ہوگا، لیکن انہوں نے اس Prospectus میں یہ Term دی تھی کہ تین سال میں ہم Diversify کر سکیں گے، اور اس وقت اگر آپ کو پیسے کی ضرورت ہو تو، قاضی صاحب کو کسی نے کہا کہ تو انہوں نے اسے ریجیکٹ کر دیا، وہ سیدھی ریجیکٹ نہیں کر سکتے، پروسپکٹ کا حصہ تھا، انہوں نے جب Application لکھی تو اس میں ظاہر کر دیا تھا کہ SEBI کو اس بات کا اختیار نہیں کہ وہ کسی کو ریجیکٹ کرے یا نہیں کرے، وہ SEBI کا قانون یہ ہے کہ سرمایہ جو آپ نے لگایا وہ کس طرح محفوظ رہے، اس میں اس نے اسی کے لئے بہت سارے قوانین بنا دیئے، اور اتنے قوانین ہیں کہ اب ان کمپنیز کو اس کی پابندی کرنا بڑی مشکل ہوتی ہے، صرف اس لئے کہ Investors کا پیسہ کمپنیاں بلا لحاظ کسی کے ضائع نہ کریں، لیکن پھر بھی کمپنیاں بہت قائم ہوتی ہیں، اور SEBI کے Rules بھی اپناتی ہیں، کمپنی کے ایکٹ بھی اپناتی ہیں، اور چونکہ ہندوستان کی معیشت میں اس بات کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ اس کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ Industrialisation ہو، انڈسٹریلائزیشن کے لئے ضروری ہے کہ کمپنیاں زیادہ سے زیادہ بنیں، اب اس میں مسلمانوں کا کس طرح حصہ ہو، اور کس طریقے کی بات ہو، یہ آپ کے سوچنے کی چیز ہے، جہاں تک بات جائز و ناجائز کی ہے، یہ آپ کے فیصلہ کرنے کی چیز ہے، میری گذارش یہ ہے کہ آپ حضرات کے پاس، جو شرعی نقطہ نظر سے ایک علم ہے، اور جو اکنامک کے Base پر شیئر مارکیٹ کے اتنے سارے قوانین ہیں، ان کے ماہرین بیٹھے ہیں، آپس میں Interaction کریں، اس کے بارے میں جان لیں، اور پھر اس کا اطلاق کہاں ہوتا ہے، ڈیلیوری کے لئے، قبضہ کے لئے، اور دوسرے کے لئے صورتحال خود نکالیں، میں یہ بات اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ امت کا پیسہ، ہم لوگوں کا پیسہ، ہمارے برادران وطن اور دوسرے لوگ لے جا رہے ہیں، آج گلی گلی فائنانس کمپنیاں کھل گئی ہیں، اور خاص طور سے مسلم علاقوں کو نشانہ بنایا گیا ہے، چونکہ ہمارے برادران وطن سمجھتے ہیں، اور وہ اپنا پیسہ دوسری جگہ استعمال کرتے ہیں اور رکھتے ہیں، لیکن مسلمانوں کا فاضل سرمایہ خواتین اور مزدوروں کے پاس ہے، ان لوگوں نے اپنے اپنے محلوں میں فائنانس کمپنیاں بنا دی ہیں، جس میں آپ نے JVG کا نام اور سہارا کمپنی کا نام سنا ہوگا، ایسی پچاسوں کمپنیاں ہیں، اور ان لوگوں نے مسلم علاقوں میں اپنے دفتر کھول لئے ہیں، بارہ فیصد پندرہ فیصد سود کہہ کے وہ پیسہ لے رہے ہیں، باشرع لوگوں کو وہاں بیٹھا رکھا ہے، اور صالح بے خبر علماء کے تصدیق نامے حاصل کر رکھے ہیں، اور جوق در جوق لوگ وہاں جمع کرا رہے ہیں، جس کی ایک مثال میں بتاتا ہوں کہ جودھپور میں ایک مدراس کی کمپنی بنی ہے، ہمارے مسلم دوست اس کے منیجر ہیں، اور وہ دس لاکھ روپئے ہر سال وہاں سے اٹھاتے ہیں، جس میں تیس فیصد پیسہ مسلمانوں کا ہوتا ہے، تو لہذا آپ سے گذارش یہ ہے کہ آپ اس اکنامی میں اور معیشت کے اصولوں کو طے کرتے ہوئے آپ اس کا حل جب تک متبادل نہیں دیں گے، تو یہ سودی کاروبار میں پیسہ جاتا رہے گا۔ ہمارے لوگ آپ کے منتظر

ہیں، ہم بہت سے لوگ چاہتے ہیں کہ اسلامی نقطہ نظر سے شرعی نقطہ نظر سے کاروبار ہو، لیکن اگر متبادل نہیں ہوگا، تو یقینی طور سے وہی یہ اٹھائیں گے، اس کے بعد بھی بہت ساری باتیں ہیں، میں مزید سمع خراشی نہیں کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ یہ نازک مسئلہ ہے، جو اتنی آسانی کے ساتھ Procedure سے دو چار باتوں سے حل نہیں ہو سکتا، اور معاف کیجئے وہ آپ کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتا، میں جو کچھ کہہ پایا ہوں ایک بنیادی بات کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کو ملحوظ رکھیں، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

قاضی صاحب:

جناب عبدالقیوم اختر صاحب نے بہت دردمندی کے ساتھ، تعمق کے ساتھ اور گہرائی کے ساتھ اپنی معلومات سے ہمیں فائدہ پہنچایا، جس کے لئے ہم ان کے شکرگذار ہیں، ویسے ان کو اتنا تو اطمینان دلاتے ہیں کہ استاد اچھا ہو تو شاگرد کمزور ذہن کے باوجود بات سمجھ لیتا ہے، اور یہ مجمع جو آپ کے سامنے بیٹھا ہے، بہت گہری قانونی الجھنوں کو حل کرتا رہا ہے اور انشاء اللہ حل کرتا رہے گا، صرف مسئلہ یہ ہے کہ جو یہ سب نہیں جانتے اس کی تفصیل آپ ہماری زبان میں سمجھانے کی کوشش کیجئے، اور اگر آپ ہماری زبان نہیں جانتے تو آپ ہماری زبان سیکھئے، اور ہم نہیں جانتے تو ہم آپ کی زبان سیکھیں، مجھے ان کی رائے سے قطعی اتفاق ہے کہ شیئر بازار کے جو ماہرین ہیں ان کے درمیان اور جو ہمارے ماہر فقہاء ہیں ان کے درمیان ایک باہم مکالمہ ضرور ہونا چاہئے جس میں بہت تفصیل کے ساتھ بیٹھ کر ان معاملات کو جو آج روز بروز شیئر بازار میں پیش آتے جا رہے ہیں، ان کے بارے میں First Hand واقفیت، مکمل اور براہ راست واقفیت ہماری ہو سکے، تاکہ ہم حکم مسئلہ کی بنیاد اس پر رکھ سکیں۔ دوسری بات جیسا کہ میں نے خود شروع میں کہا تھا کہ ہم اصول طے کریں گے انشاء اللہ، اور جزئیات جو روز بدلتی ہیں وہ بہت زیادہ ہمارے زیر بحث نہیں رہیں گی، ہم اصول طے کریں گے، اور جب اصول طے ہوں گے تو اس کو کہیں بھی منطبق کیا جا سکتا ہے، جیسے بھی حالات بدلیں گے ویسے اس اصل کی تطبیق ہوتی رہے گی۔ تیسری بات انہوں نے ٹاٹا کے بارے میں کہی، اس سلسلہ میں مجھے عرض کرنا ہے کہ ہمارے پاس یہ اطلاع بھیجی گئی کہ یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا (UTI) ایک ایسی اسکیم چاہتا ہے جو اسکیم مسلمانوں کے لئے مذہبی طور پر قابل اعتراض نہ ہو، ہمیں اس بات کی خوشی ہوئی کہ جتنا بھی تصلب ہم نے ان مسائل میں اختیار کیا الحمد للہ، چونکہ یہ تو بزنس والے لوگ ہیں، Commercial Approach ہے ان کا، یہ تو بہر حال چاہتے ہیں کہ ہمارا سرمایہ لگے، اس لئے انہوں نے یہ ضرور چاہا کہ صاحب ایسے اصول ہم وضع کریں جن پر وہ ایک ایسے ادارہ کی بنیاد رکھ سکیں جس میں مسلمانوں کو اپنے مذہب کے اعتبار سے سرمایہ لگانے میں کوئی اعتراض نہ ہو، دوسری طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ کوئی مسلمان ریٹائر ہو جاتا ہے، اور اس کو لاکھ دو لاکھ روپئے کی رقم ملتی ہے، یا تو وہ بیٹھا بیٹھا اس کو کھا جائے، یا فکسڈ ڈپوزٹ میں رکھے، روپیہ بھی محفوظ اور سود کے نام پہ نفع بھی مل رہا ہے، یا پھر کوئی جائز سرمایہ کاری کا، استثمار کا راستہ اس کے لئے نکلنا چاہئے، جس سے وہ اپنے سرمایہ کو نہ کھا کر ختم کر دے، اس کا سیدھا راستہ تجارت تھا، اور شریعت اسلامی نے اس کو سامنے رکھتے ہوئے یا شریعت کی تعلیم سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہر شخص کے پاس

سرمایہ نہیں ہوتا اور ہر شخص کے پاس Skill اور ہنر تجارت کا نہیں ہوتا، تو سرمائے کی صلاحیت اور تجارتی سلیقے اور ہنر کی صلاحیت کو جوڑا کیسے جائے، .... اور اس کا Skill اور اس کا ہنر اور دوسرے شخص کا سرمایہ مل کر ایک سرمائے کو دورے میں رکھتا ہے، اس کو Rotate کرتا رہتا ہے، اس سے منافع حاصل ہوتا رہتا ہے، یا پھر شرکت کا اصول ہے جس میں شریک عامل اور شریک غیر عامل دونوں ہوسکتا ہے، جس میں اس کے ذریعہ بھی سرمایہ لگایا جاسکتا ہے، لیکن اس کی کھوج تو ہم پر بہت ضروری ہے کہ کس طرح اس جامد سرمایہ کو جو ہمارے بہت سے بھائیوں کے پاس ہے، زندگی کے سرگرم میدان میں لایا جائے، اور جو سرمایہ زندگی کے میدان میں آتا ہے، وہ جہاں سماج کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے وہیں اس شخص کی ذات کے لئے بھی فائدہ مند ہوتا ہے، جامد سرمایہ نہ اس کے لئے بہتر ہے اور نہ سماج کے لئے بہتر ہے، اس لئے یہ مقصد صحیح ہے، بہرحال جب یہ بات آئی اور UTI تو پیچھے رہ گیا، لیکن ٹاٹا اس کو لے کر ہم لوگوں کے پاس آیا ہماری میٹنگ میں، میٹنگ میں جناب کھکھٹے صاحب بھی موجود رہے ہیں، اور بھی ہمارے کئی دوست، تو اس کا جب ہم لوگوں نے جائزہ لیا تو اس میں دو تین باتیں قابل غور نظر آئیں، ایک بات تو یہ ہے کہ سرمایہ ہمارا لگایا کہاں جائے گا، انہوں نے Core Sector کی صراحت کر کے یہ طے کر دیا کہ حرام کاروبار میں چاہے وہ Landing کا ہو، سرمایہ دے کر اس پر سود کمانے کا کاروبار ہو، یا شراب کا ہو، یا خنزیر کا ہو وغیرہ وغیرہ، اس طرح کی چیزوں میں وہ سرمایہ نہیں لگے گا، تو اتنا اطمینان ہوتا ہے کہ سرمایہ صحیح جگہ لگے گا، دوسرا سوال یہ ہے کہ اس تجارت سے جو منافع ہوگا اس منافع کی تقسیم کس طرح ہوگی، آیا وہ Fixed ہم کو ملے گا جو سود کی شکل ہے، یا جو حسب حصہ رسدی ہوگا جو تجارت کی حیثیت ہے، یہ مان لیا گیا کہ حسب حصہ رسدی ہوگا تو جہاں سرمایہ لگایا گیا وہ صحیح، اور منافع کی تقسیم صحیح، یہ دونوں باتیں بہت اچھی ہیں۔ تیسری چیز، اس میں ایک بڑی خطرناک چیز بھی جو ہمارے شرعی نقطۂ نظر سے قابل اعتراض چیز تھی کہ Generally وہ Equity Share ہی ہوں گے، لیکن کبھی بعض مجبوریوں سے ان میں کچھ دوسرے قسم کے شیئرز بھی ہوں گے جن میں حسب حصہ رسدی منافع تقسیم نہیں ہوتا بلکہ متعین سود ملتا ہے، اس پر ہم لوگوں نے اعتراض رکھا، لیکن وہ لازمی طور پر Convertible ہے، یعنی تین مہینے، چار مہینے یا چھ مہینے کی مدت کے بعد وہ تبدیل ہو جائے گا Equity Share میں، تو اولاً تو ہم کو اس میں اختیار ہے کہ ہم وہ شیئرز لیں یا نہ لیں، جو سودی شیئر ہے، اور اگر ہم لیں تو ہم کو اس کا موقع ہے کہ اس نام پر سود ملے اس کو ہم صدقہ کر دیں، لیکن بہرحال وہ ایک قابل اعتراض پہلو تھا۔ تیسرا حصہ اس کا یہ تھا کہ یہ ایگریمنٹ جو تین سال کے لئے ہوگا، تین سال کے بعد اس کمپنی کو اختیار ہوگا کہ وہ Core Sector کو کراس کر جائے، اور Landing یا دوسرے معاملات میں بھی سرمایہ لگانا شروع کر دے، ایسے موقع پر ان کی تحریر کے مطابق کمپنی اس کی پابند ہوگی کہ ایک مہینہ یا تین مہینے پہلے شیئر ہولڈرس کو اطلاع کر دے کہ ہم ایسا کرنے جارہے ہیں، آپ کو اس کے ساتھ شیئر رکھنا منظور ہو تو رکھئے، اور شیئر رکھنا منظور نہ ہو تو آپ اپنا شیئر واپس لے لیجئے، بیچ لیجئے، اس پر ہم لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ ٹھیک ہی ہے، یہ شرط تو ٹھیک ہی ہے، تین سال کے بعد وہ گڑبڑ ہوتی ہے ہم نہ رکھیں نہ لیں، اختیار ہم کو ہے، لیکن ہمارا اس پر اعتراض تھا کہ تین سال تک ہمارے پیسوں سے اس کمپنی نے اپنا

ایک وجود بنایا، اور پھر جب تین سال بیت جاتا ہے تو پھر کمپنی اس کو دوسری طرف لے جاتی ہے، اور ہم کو اس کی حق ملکیت سے محروم کرنا چاہتی ہے، اس لئے یہ ہمیں منظور نہیں، بعد کو مجھے یہ بتایا گیا کہ SEBI میں جب وہ چیز گئی منظوری کے لئے تو (SEBI) نے اس کو تسلیم نہیں کیا، میرا خیال ہے کہ کھنکھٹے صاحب اس کو بتادیں گے کہ یہ اطلاع میری صحیح ہے یا غلط، اس طرح وہ ایک صورت پیدا ہوتی ہے، SEBI جو ہے کنٹرول کرتا ہے سارے اس طرح کی اسکیموں کو، بینکس کو، جو سب سے Higher Body ہے یہاں پر ہندوستان بھر میں، اس کی منظوری کے بعد ہی کوئی چیز منظور اور تسلیم کی جاتی ہے، اور جہاں تک مجھے معلوم ہے کہ SEBI کو کوئی بھی کمپنی جب اپنا کوئی ڈرافٹ بھیجتی ہے تو اس میں اس کا استحقاق رہتا ہے کہ کسی حصہ کو وہ باقی رکھے اور کسی حصہ پر وہ اعتراض کرے اور اس کو ریجیکٹ کرے، جہاں تک میری معلومات ہے، میں سمجھتا ہوں کھنکھٹے صاحب اس کو واضح کریں گے، تو اس روشنی میں ٹاٹا کا کام ہوا ہے، اور کھنکھٹے صاحب وضاحت کردیں گے تو بات صاف ہوجائے گی، میں سمجھتا ہوں کہ جس تفصیل کے ساتھ یہاں پر چیز آگئی ہے، کھنکھٹے صاحب کی وضاحت کے بعد میں صرف اتنا چاہوں گا کہ جو لوگ اس پر مقالہ لکھ چکے ہیں اور اپنی رائے ان مختلف مسائل پر مثبت یا منفی دے چکے وہ تو خاموش رہیں، ان حضرات کے علاوہ کسی صاحب کو جو مسائل اس سوال میں زیر بحث آئے ہیں کچھ کہنا ہو تو وہ اپنا نام ہمیں لکھادیں تو ہمارے پاس تھوڑا سا وقت ہے ان کی بات سنیں گے۔

کھنکھٹے صاحب:

قاضی صاحب نے دو نقطے Raise کئے ہیں، Tata Core Sector Equity Fund کے سلسلہ میں، پہلا یہ ہے کہ اس کی اسکیم کے تحت وہ Mutual Fund کے پیسے شیئرز ہیں، اور اس کے علاوہ Convertible Debenture میں لگائے جاسکتے تھے، مگر صرف اسی کمپنی کے Convertible Debenture جو Rights کی بنیاد پر ملتے ہیں، مطلب یہ کہ اختیار اسی کمپنی کے شیئر ڈبینچرز میں ہے، جس میں Already ہمارے ایکویٹی شیئرز ہیں، اگر ایسے ڈبینچرز کو کمپنی Subscribed نہیں کرتی ہے تو پھر اس کو نقصان ہو گا، وہ اب تفصیل کی بات ہے، بھی اگر کوئی سمجھنا چاہے تو میں فرداً فرداً سمجھا سکتا ہوں، اور اس وجہ سے اس کے اوپر ہم کو اتفاق کرنا پڑا، حالانکہ بعد میں ٹاٹا والوں نے ہم سے کہا، یہ کہیں لکھ کر نہیں دیا ہے مگر انہوں نے کہا ہے کہ ہم اس کی حتی الامکان کوشش کریں گے کہ جہاں Convertible Debenture بھی لئے جائیں گے تو جس Period میں وہ انٹریسٹ Barry ہوں گے تو وہ ہم اپنے دوسرے اسکیم میں رکھیں گے اور جب وہ قابل تبدیل ہوں گے تو اس کو اس میں لے لیں گے، تو یہ انہوں نے ہم کو ایک Assurance دیا ہے کہیں لکھ کر نہیں دیا ہے، تو اس کے اسکیم لاء کے مطابق وہ Convertible Debentures جو Rights کے طور پر ملیں اس میں لگا سکتے ہیں، جو کچھ وقت کے لئے انٹریسٹ بیرنگ ہوں گے اور اس میں انٹریسٹ آئے گی، اس کے بعد میں وہ شیئرز میں تبدیل ہوجائے گا، دوسرا اور ہے وہ تین سال کے بعد تبدیل ہونے کا ہے، تو یہ چونکہ معاملہ ایسا ہے کہ بہت دیر رک نہیں سکتا، ایک مرتبہ شروع کر دیئے Assets تو وہ جیسے Procedure میں آگیا، اور پھر اس میں وقت کا بھی بہت لحاظ رکھنا پڑتا ہے، جب ہم

مارکیٹ کی طرف جاتے ہیں جیسے اس وقت الیکشن قریب تھا،حج کا زمانہ آرہا تھا، مانسون کا زمانہ آرہا تھا، یہ سب چیزیں مد نظر رکھتے ہوئے یہ ایک Situation ایسا تھا کہ ہم کو ابھی جتنا جلدی ہوسکتا ہے اس کو نکالنا چاہئے کہ اس وقت ایسا لگ رہا تھا کہ یہ بہت صحیح کام ہے شیئرز میں انویسٹ کرنے کے لئے، اس میں ایک چیز یہ بھی تھی ان کی اسکیم میں کہ تین سال کے بعد اگر وہ چاہیں تو دوسری جگہوں پر بھی لگا سکتے ہیں، مگر نوٹس دینا ہوگا ان کو Existing Share Holders کو، اس کے بعد وہ جب SEBI میں گیا تو سیبی والوں نے ان کو کافی دن تک Delay کیا، میرے خیال میں جو ایک مہینہ میں ان کو ہاں یا ناں کا جواب دینا تھا انہوں نے کچھ نہیں تو چار مہینے لگائے اس میں، اور اس درمیان کچھ Objection بھی اٹھائے، اس میں ایک Objection انہوں نے یہ کیا تھا، اس کی شاید ہمارے پاس کاپی بھی ہوگی، کہ اس کی جو Basic Scheme ہے اس میں آپ تبدیلی نہیں کرسکتے ہیں، تو اس وقت ہم کو یہ سمجھ میں آیا کہ اس کی Basic Scheme چونکہ Strategy یہی ہے کہ Equities میں ہی انویسٹ کرنا ہے تو اس سے ہمارا جو مسئلہ ہے وہ حل ہوگیا ہے، مگر فائنل جب ان کا پروسپیکٹس وغیرہ آیا ہے تو اس میں وہ تین سال کا پھر بھی.... تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو انہوں نے SEBI کو Convince کیا ہے یا اس کا انہوں نے جو مطلب لیا ہے کہ بیسک اسکیم میں ردوبدل نہیں کرسکتے، وہ کچھ اور ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ جو آپ نے تین سال کا دیا ہے وہ بھی انہوں نے بیسک اسکیم میں لے لیا ہو، بہرحال یہ کہ وہ تین سال تک تو نہیں جاسکتا، جہاں تک قاضی صاحب کا اندیشہ ہے کہ شروع میں وہ فنڈ ہمارے روپیوں سے بنائے گا اور پھر بعد میں وہ ہم کو نظر انداز کردیں گے، الگ کردیں گے، تو میرا خیال یہ ہے کہ اس میں کچھ تو یہ ہے کہ Judgement کے حساب سے میں نہیں سمجھتا کہ یہ صحیح ہے، کیونکہ یہ جو گروپ ہے ٹاٹا والوں کا، ملک میں یہ سب سے معتبر گروپ سمجھا جاتا ہے، اور ایک مرتبہ جب انہوں نے ہمارے ساتھ میں یہ طے کیا ہے تو وہ اتنی آسانی سے اس کو تبدیل نہیں کریں گے، اس میں ہم نے ان سے پوچھا تھا کہ یہ کس لئے آپ نے...... رکھا ہے تو انہوں نے یہ کہا کہ ہوسکتا ہے آئندہ چل کر گورنمنٹ کا قانون بدل جائے، کچھ ہوجائے، تو اس میں ہم کو سہولت ہوگی تبدیل کرنے میں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ شروع کا جو پیریڈ ہے ہمارے نزدیک تو یہ ہے کہ شروع کے دور میں جتنا منافع ہوگا وہ شاید بعد میں نہیں ہوگا، کیونکہ آج کل جو شیئر کی قیمتیں ہیں ایک سال کے اندر کا جو Period ہے یہ کم قیمت کا پیریڈ ہے، اور اس کے بعد ہوسکتا ہے تین سال کے بعد کا جو پیریڈ آئے گا وہ اتنا اچھا نہیں ہوگا سرمایہ کاری کے لئے جتنا کہ ابھی ہے، اور یہ Mutual Fund ہے وہ عام کمپنی سے مختلف ہے، یہ کوئی اپنا پروجیکٹ نہیں لگانے جارہی ہے، جو عام کمپنی ہوتی ہے، اس میں یہ ہوتا ہے کہ اس کا پروجیکٹ لگتا ہے، فیکٹری لگتی ہے، Production شروع ہوتا ہے، جب جاکے منافع آتا ہے، جبکہ Mutual Funds میں یہ نہیں ہے، یہ تو مختلف کمپنیز کے شیئرز خریدتے ہیں جو چلتے کمپنیز ہیں، اس میں زیادہ منافع کا وقت وہ ہوتا ہے جب شیئر میں انویسٹ منٹ کرنے کا وقت صحیح ہوتا ہے...

قاضی صاحب:

مجھے ان تفصیلات میں نہیں جانا ہے، مجھے صرف اتنی بحث ہے کہ ٹھیک تین سال پورا ہونے پر وہ اختیار لیتے

ہیں کہ ہم اس پوری اسکیم کو تبدیل کر دیں گے، تو شرعی طور پر تو ٹھیک ہے کہ تین سال میں ہم کو اختیار ہوگا لینے کا، لیکن اس طرح ہمارے وہ لوگ جو اس میں لگ چکے اور منافع ان کو مل رہا ہے، ان کو ایک طرح کی تحریص ہے کہ وہ تین سال کے بعد بھی اس میں کم ہی لوگ ہوں گے جو اسکیم کے بدلنے کے بعد پھر وہ اپنا نام واپس لیں، اس طرح ایک خطرہ میں ہم ڈال رہے ہیں لوگوں کو، اس لئے اب وہ بحث ختم کرنی چاہئے۔

کھلکھلے صاحب:

ایک اور چیز میں اگر آپ..... دوسری بات یہ ہے کہ اسٹاک کا جو میوچول فنڈ لانا تھا ہم اس کی کوشش قریب پانچ سال پہلے سے کر رہے تھے، دوسرے کچھ اور میوچول فنڈس سے ہم نے بات کی تھی، UTI سے تو نہیں کی تھی، اور لوگوں سے کہا تھا، مگر کوئی اس کے لئے تیار نہیں تھا کہ یہ Accept کرے کہ ہم صرف شیئرز میں لگائیں گے، وہ کہتے تھے کہ ٹھیک ہے Prospectus میں ہم لوگ دیں گے لوگ اسے پڑھ کر ہی لگائیں گے، پھر بھی یہ ہے کہ کل کو اگر شیئرز نیچے کو آ گئے تو ہمارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ ہم Fix Basis پر لگائیں، تو ہمارے اسکیم میں نقصان ہوگا، نام ہمارا خراب ہوگا، تو پہلی مرتبہ ایک ایسی اسکیم ایک غیر مسلم گروپ اور اچھے بڑے گروپ نے اس کو Accept کیا ہے، تو کچھ حد تک تو ہم کو دھیرے دھیرے تبدیلی لانی چاہئے، اگر ہم یہ کہیں کہ ہم پوری طرح سے صحیح ہو کر کوئی اسکیم لائیں تو کبھی بھی یہ ممکن نہیں ہو سکتا۔

قاضی صاحب:

بہرحال یہ گوارا کی حد تک ہی گوارا کیا جا سکتا ہے، اور آپ لوگوں کے لئے یہ ایک بہت بڑا چیلنج ہے، جو آپ لوگ اس کاروبار میں ہیں ماشاء اللہ، کہ آپ کیوں نہیں ایسا Mutual Fund قائم کریں جس میں میوچول فنڈ کو شرعی بنیادوں پر علماء کی رائے کے مطابق آپ چلائیں، جو اس میں تجارتی امکانات ہیں ان کو سامنے رکھیں، یہ آپ کے لئے اطمینان بخش نہیں ہے جو ہوا، مگر آئندہ کے لئے آپ لوگوں کے لئے یہ چیلنج ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں کی صلاحیتیں اس کی متحمل ہیں کہ ماشاء اللہ آپ دیندار بھی ہیں، تجارت کے اصولوں کو بھی سمجھتے ہیں، اس لئے آج ہی سے یہ بات دماغ میں دوڑائیے کہ دوسروں کا سہارا لینے کے بجائے کسی ایسے فنڈ کی آپ جلد سے جلد تشکیل کرنے کی کوشش کریں گے، اور اگر Multinational Companies یہاں آ رہی ہیں تو اس میں مسلمان ملکوں کی بھی کمپنیاں ہیں اور ایسے بھی لوگ ہیں جو ربا کو برداشت نہیں کرتے، تو ہو سکتا ہے کہ...... امکانات اس سلسلہ میں بڑھے ہوں، جلد سے جلد کچھ ایسی صورت نکلنی چاہئے کہ جو مسلمان اللہ رسول کا خوف نہیں رکھتا، اور جہاں چاہتا ہے ڈالتا ہے، اس کی ہم کو فکر نہیں ہے، لیکن جو علماء کی ہدایت کا منتظر رہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جہاں جائز ہو وہاں ہم لگائیں، ان کے لئے کوئی راستہ نکلنا چاہئے۔

عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

ایک چیز کمپنی کے شیئرز کے سلسلہ میں، کمپنی کی حیثیت کے سلسلہ میں آئی ہے وہ کمپنی کا قانونی وجود، مستقل

قانونی وجود ہے، اس بنیاد پر بہت سے لوگوں نے اسے ناجائز کہا ہے، یہ بہت ہی بدعت قسم کی شدت ہے جو ہمارے فقہاء کے یہاں بھی پائی گئی ہے، اور شیخ وہبہ زحیلی نے بھی..... سوال کا جواب دیتے ہوئے اس چیز کو بنیاد بنایا ہے کہ اس لحاظ سے یہ چیز اسلامی فقہ میں عجیب وغریب ہے، ان کی خدمت میں بھی کچھ عرض کرنا ہے، ملاحظة لي و.... إلى سعادة الدكتور وهبة الزحيلي ذكرت في إجابة السؤال التاسع عمل الشركة شخصية قانونية مستقلة وأنه لاتوجد في الفقه الاسلامي شخصية قانونية مستقلة، ففي رأيي أن المصطلح شخصية قانونية مستقلة جديد، ولكن الفكرة ليست جديدة...... شخصية قانونية مستقلة و خصوصية الإسلام أيضا و مثاله الوقف، فللوقف شخصية قانونيه مستقلة مثل الشركة، وهذا هو المستفاد من رأى سماحة الشيخ مولانا محمد تقي العثماني قاضي قضاة المحكمة الشرعية السابق لباكستان.

اس مختصر جملے کے بعد ایک اور خاص چیز کی کمی مجھے جو یہاں محسوس ہوئی وہ میوچول فنڈ کے بارے میں ہے، آخر میں اس کا ذکر آیا کہ میوچول فنڈ خاص طور سے ٹاٹا کے سیکٹر.... میوچول فنڈ ہے، ضرورت اس بات کی تھی کہ میوچول فنڈ کیا چیز ہے اور اس میں دوسری کمپنیوں میں کیا فرق ہے، اس سلسلہ میں بھی کچھ وضاحت آتی، اور بہتر معلوم ہوتا ہے کہ میں چند منٹ میں اس کی طرف بھی کوئی اشارہ کردوں، ایک تو کمپنی.... سمجھ کے براہ راست کسی پیداوار میں مشغول ہوتی ہے، جیسے کوئی چیز کپڑا یا مشینری وغیرہ پیدا کرتی ہے، اب تک جو گفتگو ہماری ہوئی ہے جو وضاحت ہوئی وہ ایسی ہی کمپنی کے بارے میں تھی، لیکن کچھ استثماری کمپنیاں یا سرمایہ کاری کی کمپنیاں ہوتی ہیں جو صرف براہ راست کسی پیداواری کام میں مشغول نہیں ہوتی ہیں، کوئی پیداواری کام نہیں کرتی ہیں، بلکہ وہ سرمایہ کار یا بچت کار کے درمیان اور پیداواری کرنے والی کمپنیوں کے درمیان ایک طرح سے وسیلہ کا کام کرتی ہیں، اس طرح کی کمپنیوں کو میوچول فنڈ کہا جاتا ہے، یہ کوئی واقعی اور حقیقی پیداوار کا کام نہیں کرتی ہیں، بلکہ بچت کاروں سے پیسہ جمع کر کے اس کو ان کمپنیوں کے شیئرز میں یا ڈبنچرز میں استعمال کرتی ہیں، اب اس طرح کی کمپنیوں کے شیئرز کی کیا حیثیت ہو، اس سلسلہ میں بھی ہمیں غور کرنا چاہئے، اور مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی قاضی صاحب، سے سن کر کہ یوٹی آئی نے بھی کوشش کی تھی کہ وہ اس طرح کا کوئی میوچول فنڈ قائم کرنا چاہتے ہیں، جو مسلمانوں کے لئے Acceptable ہو، اب میں یہاں ایک اور بات ذکر کردوں........ ایک طرح کا میوچول فنڈ Ethical Unit Trust کے نام سے قائم ہوجائے، اتھیکل یونٹ یعنی اخلاقی میوچول فنڈ، یہ میوچول فنڈ صرف ان چیزوں میں پیسہ لگاتا ہے جو اخلاقاً قابل قبول ہوں، یعنی .... حقیقی پیداوار ہو، ایسی پیداوار نہ ہو جو سماجی حیثیت یا اخلاقی حیثیت سے نقصان دہ ہو، جیسے شراب یا اس طرح کے ہوٹل، یہ بڑی اچھی چیز ہے کہ ہم بھی اس طرح کے اتھیکل یونٹ ٹرسٹ ہندوستان میں قائم کرنے کے لئے کوشش کریں، اور اسکے لئے فقہ اکیڈمی جو کہ پہلے بھی اس طرح کے (Intrest Free Banking) کے لئے کافی مجلسیں منعقد کرا چکی ہے، تو اس طرح کی کوشش کے لئے ہم جدوجہد کریں۔

شیئرز سے متعلق جس سطح پر گفتگو ہو رہی ہے ہمارے علماء اور ماہرین کے درمیان، ایک تو مسلم ماہرین

معاشیات ہیں جو اس سلسلہ میں کافی غور وخوض کریں، جسے ہمارے علماء اور اصحاب افتاء اور خاص طور سے علماء اور اصحاب افتاء، ایک کثیر المیعاد قسم کا حل اس کے لئے نکالنا چاہتے ہیں، جو ضروری بھی ہے، اس وقت جو صورتحال ہے اس میں ہم کیا کر سکتے ہیں، ہمارا کیا رویہ ہونا چاہئے، کہاں تک یہ صحیح ہے؟ اور اس وقت جو ہمارے سامنے بحثیں ہیں اس میں یہی چیز ہے کہ موجودہ صورتحال میں ہم کس طریقہ سے یعنی کہاں تک یہ اصول صحیح ہوگا، کہاں تک یہ ہمارے لئے قابل قبول ہے، ......دسیوں قسم کے شیئرز ہیں تو ہم کس چیز کے اندر بحث کر رہے ہیں، اصل میں اس وقت جو ہمارے سامنے بحث کا مسئلہ ہے میرے خیال میں وہ Equity Shares ہیں، یعنی وہ شیئرز جو شرکت کی بنیاد پر ہیں، جن میں یعنی نفع نقصان میں دونوں میں آدمی شریک ہوتا ہے جس کا کوئی متعین نفع ملتا ہے، باقی اور دوسری طرح کے جو شیئرز ہیں، اس سلسلہ میں رائیں بہت واضح آ چکی ہیں کہ وہ ناجائز ہیں، تو ایک تو ہمارے علماء اور اصحاب افتاء کی فکر کا اور غور کا میدان ہے یعنی موجودہ صورتحال میں ....وہ ہمارے اس ہندوستانی معاشرہ میں یا جہاں بھی جو معاشرہ پایا جاتا ہے، ایک طویل المیعاد حل اور جو خاص طور سے مسلم ممالک کے ماہرین معاشیات کر رہے ہیں، وہ یہ کہ موجودہ شیئر مارکیٹ کو اس کے اعمال و وظائف کو کس طریقہ سے اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے، اور اس سلسلہ میں وہ اپنی رائیں دے رہے ہیں، ریسرچ کر رہے ہیں، اور جہاں ان کو اقتدار حاصل ہے، جو موقع حاصل ہے وہ اس طرح کی کوششیں کر رہے ہیں، اس لئے بجائے ہم افسردہ اور گھبرانے کے فاتقوا الله ما استطعتم کے طور پر فی الحال تو یہی ہمیں سمجھنا چاہئے ....صورتحال میں قیوم اختر صاحب نے بتایا کہ کوئی بھی سود سے بالکل پاک Alternative یا بدل نہیں حاصل ہے، تو ظاہر ہے کہ موجودہ صورتحال میں جو کمترین برائی کے طور پر اپنایا جا سکتا ہے اس کا حل کریں لیکن بہرحال یہ بات ذہن میں رکھتے ہوئے کہ ہمیں اس کا ایک صحیح اور خالص اسلامی حل نکالنے کے لئے جدوجہد اور کوشش اور اس کے لئے گفتگو اور بحث جاری رکھنی ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب:

شکراً للأخ الكريم حول إثارة موضوع الشخصية الاعتبارية في الفقه الاسلامي، الواقع أن الفقه الإسلامي قرر معاني وأصول وأحكام الشخصية الاعتبارية في بعض الأحوال دون البعض الآخر، فقرر أن للدولة شخصية اعتبارية .... إن الإمام الحاكم إذا كان قد ولّى الموظفين والقضاة والعمال والولاة وغير ذلك، ثم مات هذا الإمام أو....تظل ولاية هؤلاء قائمة، لأن الإمام لا يمثل شخصه، وإنما يمثل الدولة، وذلك باعتبار أن الدولة شخصية اعتبارية، هذا مقرر صراحة، كذلك قرروا أن لبيت مال المسلمين شخصية اعتبارية، ولذلك يقولون بيت المال وارث من لا وارث له، فهو يتملك ويملك، ويكون له الحقوق وعليه الالتزامات، كذلك أن المعاهدات تعقدها الدولة مع الأطراف في خارج الدولة مع الدول غير الاسلامية قرروا أن للدولة شخصية اعتبارية، تظل هذه المعاهدات نافذة، حتى ولو تغيرت شخصية الدولة أو القائمون عليها......أو ثورة أو مشاكل ذلك تغير الدولة شخصية اعتبارية، وهذا مأخوذ من الحديث النبوي الصحيح "ذمة المسلمين واحدة يسعى بها أدناهم وهم يد

على من سواهم"، فإذن هناک عدة أحكام فی الفقه الاسلامی أن للدولة شخصية اعتبارية، ولبيت المال شخصية اعتبارية، و كذلک ما ذكره صديقنا وأخونا الشيخ تقی العثمانی أن للوقف شخصية اعتبارية، وللمسجد شخصية اعتبارية، بدليل أن المسجد لله يوقف له ويكون مستحقا ومستحقا عليه، و كذلک نظام الوقف يكون أيضا مستحقا و مستحقا عليه، وناظر الوقف حينما يمارس صلاحياته على الأوقاف، إنما يمارسها لا بصفته الشخصية، وإنما باعتبار أن للوقف شخصية اعتبارية، هذا اصطلاح القانون الجديد إذن عرفه الفقه الاسلامی وإن لم يعرف له التسمية ، هذا الكلام فی هذه الأمور صريح و صحيح، ولا يمكن بأن الفقه الاسلامی سبق القوانين الوضعية فی تقرير الشخصية الاعتبارية، ولكن فی الأنظمة، أما العقود كالشركات، هذه عقد قائم على التراضی بين شخصين أو عدة أشخاص إلى هذا المفهوم، وهو إذا كان النظام أو التصرف قائما على عقد لم يقرروا له شيئا من معانی الشخصية الاعتبارية، و حينئذ حتی القانون ، القانون هو الذی أعطی للشخصية القانون الوضعی، هو الذی فرض للشركات المساهمة هذه الشخصية الاعتبارية، فهو إذن منح من الدولة و تقرير من الدولة للشركات المساهمة أن لها شخصية اعتبارية، وهنا يأتی السؤال، هل نقيس الشركات المساهمة على نظام الدولة أو بيت المال أو المسجد أو الوقف أو ما شاكل ذلک، الحقيقة هذا يحتاج إلی.....، هل نقيس الشركة على هذه الأنظمة، نحن نقرر أن شركة الزاد هی عقد يقوم على التراضی، فإدارة الشركة بمثابة الوكلاء، والمساهمون بمثابة المؤكلين، فمن الصعب إلى الآن بحسب الأحكام الفقهية المقررة لدينا لانجد أثرا لهذا القرار، وهو إعطاء شخصية اعتبارية للدولة، و مع ذلک نحن إذا أردنا أن نقرر للشركة المساهمة شخصية اعتبارية، و تمنح الدولة هذا الوصف لهذه الشركات، أنا معک لا مانع من أن نعطی لهذه الشركة شيئا من الشخصية الاعتبارية، وهذا يكون تطورا جديدا فی مفهوم الشركات فی الفقه الاسلامی، لكن الشركات بحسب ما ذكرته فی بحثی، بحسب ما قرره الفقهاء السابقون لم يشيروا لا عن قريب ولا عن بعيد إلى الشركة القائمة على التراضی، فاذن هناک ..... وهو الدولة و بيت المال والوقف و بين العقود التی يحدث فيها قيام الشركة بما على التراضی بين طرفيه، ....لا يعرف شخصية اعتبارية للشركة فقط، وإنما هی شراكة كنظام القانون البريطانی للشركات، فالواقع الفقه الاسلامی أقرب إلى القانون البريطانی باعتبار أن الشركة هی شراكة تقوم على الوكالة والأمانة ، هذا ما قررته ولا التباس بين هذا المفهوم وبين المفاهيم الأخرى، و شكراً.

قاضی صاحب:

خلاصہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ بات کہی تھی کہ شرکت کے باب میں کسی شخصیت اعتباری، شخصیت قانونی کا کوئی تصور شریعت اسلامی میں نہیں ملتا ہے، اور ہمارے ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب نے یہ اظہار فرمایا کہ وقف کی صورت میں شخصیت اعتباری پائی جاتی ہے، ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ شریعت اسلامی میں اس کے نظائر موجود ہیں

اور شیخ کا کہنا یہ ہے جو ان کی عبارت میں ہے کہ بعض شرکت میں نہیں پایا جاتا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ پارٹنرشپ میں کسی شخص کسی قانونی شخصیت کا تصور شرع اسلامی میں نہیں موجود ہے، یہ بھی صحیح ہے، اور شریعت میں شخصیت قانونی کے اور بہت سے نظائر ہیں یہ بھی درست ہے، اب وقت بہت ہوگیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ پر کئی حیثیت سے اچھی خاصی بحث ہو چکی ہے، اگر آپ اجازت دیں تو کمیٹی بنادی جائے، ابھی ہمارے پاس دو بہت اہم مسئلے اور ہیں جن پر زیادہ بحث تو نہیں ہوئی ہے، لیکن جو کچھ پچھلی بحثیں ہو چکی ہیں ان کو سامنے رکھ کر کچھ اس پر آپ کو فیصلے کرنے ہیں، اور اب نماز کا وقت بھی ہو رہا ہے جو ٹائم مقرر ہے، اس لئے اب اس بحث کو یہیں ختم کر کے ....

ایک آواز:

ایک درخواست یہ ہے کہ ماہرین معاشیات نے جو تقریریں اس سلسلہ میں کی ہیں ان کا خلاصہ تیار کر کے بھیج دیا جائے تمام شرکاء حضرات کے پاس۔

قاضی صاحب:

اچھا مشورہ ہے، اس سے زیادہ اچھا یہ ہے کہ آپ حضرات کو بیٹھا کر جو ماہرین ہیں ان کے ساتھ ایک آپ کا آپس میں مکالمہ کرایا جائے، تو مسئلہ کے فہم میں زیادہ سہولت ہوگی، انشاء اللہ دونوں باتوں پر ہم لوگ غور کریں گے، اس سلسلہ میں شیئرز کے جتنے مسائل آئے ہیں، ہم نے یہ بھی تیار کرالیا ہے کہ کتنے مسائل پر سبھی لوگوں کا اتفاق ہے مقالہ نگاروں کا، اور کن مسائل پر اختلاف ہے، یہ بھی کمیٹی کو دے دیں گے، اور جو ساری بحثیں ہوئی ہیں، اور شیخ کا مقالہ اس میں ایک کلیدی مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے، تو اس پر بحث بھی انشاء اللہ کافی آسان ہوگی، اور جلد ہی اس نتائج تک ہم لوگ پہنچ سکیں گے، اور اس کے باوجود اگر کچھ چیزیں واضح نہیں ہیں تو ہم اسے اگلے سمینار کے لئے جس میں ایک Special Session اس مسئلہ پر ہو، رکھنا چاہیں گے انشاء اللہ، کمیٹی کے ارکان کے نام ہیں:

مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب، مولانا اختر امام عادل صاحب، مولانا عتیق احمد بستوی صاحب، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مفتی جنید عالم ندوی، مفتی اسماعیل صاحب گجرات، جناب ایم ایچ کھٹکھٹے صاحب، جناب احسان الحق صاحب، مولانا عبدالعظیم اصلاحی صاحب، مفتی محبوب علی وجیہی صاحب، مولانا بدر احمد مجیبی صاحب، مفتی نسیم احمد قاسمی صاحب، مولانا عبدالاحد ازہری صاحب، مفتی عبداللہ صاحب پالسوٹ، مولانا شفیق الرحمٰن ندوی صاحب لکھنؤ، مفتی نیاز احمد صاحب بنارس۔

جن حضرات کے نام اس کمیٹی میں ہیں میں ان حضرات سے خصوصیت سے یہ درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ اس کمیٹی کو اپنا کام بعد نماز عصر شروع کر دینا چاہئے، اس کے کنوینر ہو جائیں گے مولانا عتیق احمد صاحب، بعد عصر یہ کمیٹی بیٹھے اور کچھ کام کرے، جتنا بھی کر سکے، تو کل ذرا آسانی ہو جائے گی، اب اسی کے ساتھ جلسہ کے اختتام کا اعلان کرتا ہوں۔

دوسرا موضوع:

کمپنی و حصص کمپنی

سوالنامہ:

کمپنی و حصص کمپنی

۱۔ کیا کسی کمپنی کے قیام کی ایسی اسکیم بنا کر جس میں کاروبار کے لئے سود پر قرض لینا شامل ہو، اجرت حاصل کی جاسکتی ہے؟

۲۔ کیا کسی کمپنی کو کسی مالیاتی ادارے سے سودی قرض دلانے میں مدد کر کے اجرت حاصل کی جاسکتی ہے؟

۳۔ کیا کسی کمپنی کے سودی قرض تمسکات کے اجراء سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کی جاسکتی ہے؟

۴۔ کیا کسی کمپنی کے حصص سے منسلک قرض تمسکات کے اجراء سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کی جاسکتی ہے؟

۵۔ کیا کسی کمپنی کے قابل تبدیل (کلی و جزوی طور پر) سودی قرض تمسکات کے اجراء سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کی جاسکتی ہے؟

۶۔ کیا کسی کمپنی کے صفر سود کی در پر قرض تمسکات کے اجراء سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کی جاسکتی ہے؟

۷۔ کیا کسی ایسی کمپنی میں سرمایہ کاری کر کے اس کے قیام میں مدد دی جاسکتی ہے جس کے قیام کی اسکیم میں کاروبار کے لئے سودی قرض لینا شامل ہو؟

۸۔ کیا کسی ایسی کمپنی کے حصص میں سرمایہ کاری کی جاسکتی ہے جو پہلے ہی سے کاروبار میں سود پر لئے قرض کا استعمال کر رہی ہو؟

۹۔ کیا حصص سے منسلک قرض تمسکات اس نیت کے ساتھ کمپنی سے یا بازار سے خریدے جاسکتے ہیں کہ تمسکات تحویل میں آنے کے بعد جتنی جلد ممکن ہو، فروخت کر دیئے جائیں؟

۱۰۔ کیا قابل تبدیل قرض تمسکات اس شرط کے ساتھ خریدے جاسکتے ہیں کہ حصص میں تبدیل ہونے تک انہیں اپنے پاس روکا جائے اور تبدیلی کے بعد اگر کوئی نا قابل تبدیل اجزاء باقی رہ جائیں تو انہیں جلد از جلد فروخت کر دیا جائے؟

۱۱۔ اگر قابل تبدیل سودی قرض تمسکات اس نیت سے خریدے جائیں کہ انہیں حصص میں تبدیل کرنے کے وقت تک اپنے پاس روکا جائے اور نا قابل تبدیل اجزاء کو جلد از جلد فروخت کر دیا جائے، لیکن ان میں مضمر حصص کی قیمت میں اضافہ کے سبب تبدیلی سے پہلے ہی ان کی قیمت میں بھی اضافہ ہو جائے، تو کیا انہیں تبدیلی سے پہلے ہی فروخت کر کے منافع حاصل کیا جاسکتا ہے؟

۱۲۔ کیا صفر سود کی در پر جاری ہوئے قابل تبدیل قرض تمسکات کمپنی سے یا بازار سے خریدے جاسکتے ہیں؟

۱۳۔ کیا کمپنی سے ملے بطور حق حصص سے منسلک قرض تمسکات، قابل تبدیل قرض تمسکات یا صفر سود کی در پر قرض تمسکات کی پیشکش کو فروخت کر کے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے؟

۱۴۔ قابل تبدیل قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرتے وقت کمپنی کچھ اضافی قیمت لیتی ہے جب کہ قرض تمسکات پر سود ادا کرتی ہے، کیا سود کی رقم کو کمپنی سے وصول کی گئی اضافی قیمت کی رقم سے منہا کر کے حصص پر آئی لاگت کو کم کیا جاسکتا ہے، تا کہ سود پر جاری ہوئے قرض تمسکات نتیجے کے اعتبار سے صفر سود پر جاری کئے سمجھے جائیں۔

۱۵۔ کیا جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کے حصص میں تبدیلی کے بعد نا قابل تبدیل اجزاء کی فروخت پر حاصل ہوئی اضافی قیمت حصص پر کمپنی کے ذریعہ حاصل کی گئی اضافی قیمت سے منہا کر کے حصص کی لاگت کو کم کیا جاسکتا ہے؟

۱۶۔ کیا جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کے حصص میں تبدیل ہو جانے کے بعد نا قابل تبدیل اجزاء کی فروخت پر ہوئے نقصان کی تلافی ان پر واجب سود سے کی جاسکتی ہے؟

۱۷۔ اگر سوال نمبر ۱۴، ۱۵، ۱۶ کا جواب نفی میں ہو تو قرض تمسکات پر ملے سود اور ان کی فروخت سے ہوئے منافع کا جائز مصرف کیا ہے؟

۱۸۔ کیا حصص کی بغیر انہیں اپنے نام منتقل کرائے اجناس بازار کی طرح خرید وفروخت سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے؟

۱۹۔ قابل تبدیل قرض تمسکات میں مضمر حصص کی وجہ سے ان کی قیمتوں میں بھی ان کے حصص کی قیمتوں کے موافق اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں، کیا اس حقیقت کی بنیاد پر ان کی بغیر انہیں اپنے نام منتقل کرائے اجناس بازار کی طرح خرید وفروخت سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے؟

نوٹ: حصص سے مراد ہر جگہ برابری کے حصص اور قرض تمسکات سے مراد سودی قرض تمسکات ہیں۔

☆☆☆☆☆

تمہیدی تحریر:

کمپنی کے حصص میں سرمایہ کاری
تعارف۔طریقۂ کار

ڈاکٹر احسان الحق
پنجاب نیشنل بینک، نئی دہلی

کمپنی میں حصص کے ذریعہ سرمایہ کاری اسلامی طریقہ مشارکت کے مثل ہے، سرمایہ کاری کا اس سے زیادہ آسان قابل اعتماد اور کچھ نقصان کے خطرے کے ساتھ انتہائی منافع بخش کوئی دوسرا طریقہ شاید ہی موجود ہو۔

چونکہ تجارت میں سود کا رواج اس قدر عام ہو گیا ہے کہ اس کی گرد سے بچنا مشکل ہی ہو گیا ہے، اس لئے حصص میں سرمایہ کاری کے کچھ جائز فوائد حاصل کرنے کی غرض سے سرمایہ کار کو کبھی کبھی بادل ناخواستہ سودی معاملات میں ملوث ہونا پڑتا ہے۔ ساتھ ہی سود سے دستبرداری و سودی معاملات سے خلاصی کی راہیں بھی کھلی ہونے کے سبب سرمایہ کار کو یہ موقع حاصل رہتا ہے کہ وہ سرمایہ کاری کا جائز منافع لے کر سود سے سبکدوش ہو سکے اور سودی معاملات سے دستبردار ہو جائے۔

اس طرح کے ناپسندیدہ سودی معاملات سیکولر ممالک میں قدم قدم پر پیش آتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص سرکاری تعمیرات کا کام انجام دینے کا ٹھیکہ لینا چاہتا ہے تو اسے متعلقہ محکمہ میں کسی بینک کے ذریعہ جاری شدہ ایک متعینہ رقم کی میعادی رسید بطور ضمانت رہن رکھنی پڑتی ہے۔ ایسی صورت میں جو ٹھیکیدار صرف تعمیری کام میں دلچسپی رکھتا ہے اور جس کا بینک کی میعادی رسید میں سرمایہ کاری کا کوئی ارادہ نہ ہو اسے بھی اپنے تعمیرات کی ٹھیکہ داری جیسے جائز مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بادل ناخواستہ بینک میں ایک خاص مدت کیلئے ایک طے شدہ سود کی در پر جمع کر کے رسید حاصل کرنی ہوتی ہے جس کو وہ ٹھیکہ داری کی شرائط کے مطابق امور انجام دینے کی ضمانت کے طور پر متعلقہ محکمہ کے پاس رہن رکھ سکے۔ ٹھیکیداری کا کام معاہدے کی شرائط کے مطابق تکمیل کو پہنچنے پر سرکاری محکمہ یہ رسید ٹھیکیدار کو واپس دے دیتا ہے۔ اب ٹھیکیدار کو یہ موقع حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی اصل رقم مع سود بینک سے واپس لے لے اور اصل کو اپنے پاس روک کر سود کو بغیر ثواب کی نیت کے کسی مسکین کو دیدے۔

یہاں اگر ٹھیکیداری جیسے جائز کام پر اس لئے پابندی عائد کر دی جائے کہ اس کی شرائط کے مطابق ٹھیکیدار کو سودی معاملے میں ملوث ہونا پڑتا ہے تو کیا ایک جائز فعل کو ناجائز قرار دینے کے مترادف نہ ہوگا؟

اس کی ایک اور مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ ایک عالم دین کو کسی یونیورسٹی میں دینیات کی تعلیم دینے کے لئے ملازمت کی پیش کش کی جائے تو کیا وہ عالم دین محض اس وجہ سے دینیات کی تعلیم دینے کی ملازمت کو ناجائز سمجھ کر اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کردے کہ یونیورسٹی کے اصول وضوابط کی رو سے ہر ملازم کی تنخواہ میں سے کچھ پراویڈنٹ فنڈ میں جمع ہوتا ہے جس پر ایک مقررہ درسے سود واجب ہوتا ہے؟

اسی طرح کا معاملہ ایسی اشیاء کی خریداری میں پیش آتا ہے جن کی طلب ان کی رسد سے بہت زیادہ ہوتی ہے جیسے کار، اسکوٹر وغیرہ۔ ان اشیاء کو فروخت کرنے والے خریداروں سے کچھ رقم پیشگی لے کر ان کا نام منتظرین کی فہرست میں درج کر لیتے ہیں اور جب ان کی مدت انتظار ختم ہو جاتی ہے تب وہ اس پیشگی رقم کو مع اس پر واجب سود کے اس کی قیمت فروخت سے منہا کر دیتے ہیں۔ کیا یہ مناسب ہوگا کہ اسکوٹر کی خرید وفروخت کو صرف اس وجہ سے ناجائز ٹھہرایا جائے کہ اس کی خریداری میں سودی معاملے میں ملوث ہونا پڑتا ہے؟ یا اسکوٹر کے خریدار کو اس شرط کے ساتھ اسکوٹر خریدنے کے لئے پیشگی رقم جمع کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ اگر اس پر کوئی سود کمپنی یا فروخت کنندہ سے ملے تو اسے بغیر نیت ثواب کے کسی مسکین کو دے دیا جائے؟

فی زمانہ ایسی کمپنیوں کا فقدان ہے جو صرف سرمایہ حصص پر انحصار کرتی ہوں اور سودی قرض پر سرمایہ حاصل کرنے سے مکمل اجتناب کرتی ہوں۔ اس کی چند وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حصص میں سرمایہ کاری میں مسلمانوں کا رجحان کم ہے۔ اگر مسلمانوں میں یہ رجحان عام ہو جائے اور کسی بھی کمپنی کے حصے داروں کی حیثیت میں ان کی اکثریت ہو جائے تو ان کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ اس کمپنی کے آئین وضوابط میں ترمیم کر کے اس کے معاملات کو مکمل طور پر سود سے پاک کردیں۔

اس راہ میں سودی معاملات پر مطلقاً پابندی کے معنی سرمایہ کار کے لئے نہ صرف جائز منافع سے محرومی بلکہ اصل سرمایہ میں خسارے کے بھی ہوں گے۔ لہذا علمائے کرام سے گزارش ہے کہ ملکی حالات میں مسلمانوں کی بے بسی کے پیش نظر شریعت کے بنیادی اصولوں میں بغیر کوئی سمجھوتہ کئے ہوئے جس قدر رعایت ممکن ہو منسلک سوالنامے کا جواب دیتے وقت عطا فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

کمپنی میں سرمایہ کاری

اس مضمون میں کمپنی کے حصص میں سرمایہ کاری پر بحث کی جارہی ہے یہاں کمپنی سے مراد محدود ذمہ داری والی عوامی کمپنی (Public Limited Company) ہے اور حصص (Shares) سے مراد برابری کے حصص (Equity Shares) ہیں۔ حصص میں سٹہ بازی کو غیر شرعی مان کر خارج از بحث رکھا گیا ہے۔ (احسان الحق)

کمپنی کی تعریف:

قانون کی نظر میں کمپنی ایک شخص ہے جو کہ اپنے اراکین سے الگ اپنی ایک مستقل وراثت رکھتی ہے۔ یہ اپنی مشترکہ مہر (Stamp) کا استعمال دستخط کے لئے کرتی ہے۔

کمپنی کی اہم خصوصیات:

۱۔ کمپنی اپنے اراکین سے الگ اپنا لگاتار چلتے رہنے والا مستقل وجود رکھتی ہے، کمپنی کے اراکین کے جلدی جلدی بدلتے رہنے سے کمپنی کے باوجود پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اپنے کسی رکن کی موت، دیوالیہ پن یا جنون کی وجہ سے کمپنی ختم نہیں ہوجاتی۔ یہ اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک کہ اسے باضابطہ طور پر ختم نہ کردیا جائے۔

۲۔ کمپنی کا رجسٹرار آف کمپنیز کے پاس رجسٹریشن کرانا ضروری ہوتا ہے۔ کمپنی کا رجسٹریشن سرٹیفکیٹ کمپنی کے لئے سند پیدائش کے ہم معنی ہے، اس کے بعد ہی کمپنی کا وجود عمل میں آتا ہے۔

۳۔ کمپنی کا رجسٹریشن ہونے کے بعد جب کمپنی سرمایہ حصص کی فراہمی سے متعلق امور بخوبی انجام دے لیتی ہے تب رجسٹرار کی طرف سے کمپنی کے حق میں کاروبار شروع کرنے کا سرٹیفیکٹ جاری کردیا جاتا ہے۔ کمپنی کے لئے یہ سند بلوغت (Maturity Certificate) کے ہم معنی ہے، اس کے بعد کمپنی کاروبار شروع کرسکتی ہے۔

۴۔ اب کمپنی ایک قانونی شخص کی حیثیت میں اپنے اراکین سے ودیگر اشخاص سے معاہدہ کرسکتی ہے، اثاثوں کی خرید وفروخت کرسکتی ہے، اپنے منتظمین اور کارکنوں کا تقرر کرسکتی ہے۔ غرض وہ سارے کام جنہیں یہ اپنے آئین وضوابط کی رو سے کرنے کی مجاز ہو، کرسکتی ہے۔

۵۔ کمپنی کے بااختیار ملازمین کمپنی کی جانب سے دستخط کرتے وقت کمپنی کی مشترکہ مہر کا استعمال کرتے ہیں۔

کمپنی کے حصے دار (Share Holders of Company):

کمپنی کے اراکین کو کمپنی کے حصے دار کہا جاتا ہے۔ یہ کمپنی کے نفع ونقصان میں اپنے حصوں کی تعداد کی نسبت سے برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ ان حصے داروں کو دو زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ ترقی دینے والے (Promoters)

دراصل یہ کمپنی کے بانی ہوتے ہیں۔ کمپنی کے قیام کی اسکیم مرتب کرکے اسے رجسٹرار کے پاس رجسٹر کراتے ہیں، حصص کے الاٹ منٹ کا ایک حصہ ان کے لئے محفوظ ہوتا ہے۔ یہ کمپنی کے ابتدائی حصے دار ہوتے ہیں۔

۲۔ دیگر حصے دار (Other Share Holders)

یہ کمپنی سے باہر کے لوگ ہوتے ہیں، کمپنی کی اسکیم مرتب کرنے میں ان کا کوئی دخل نہیں ہوتا ہے، حصص کے الاٹ منٹ میں بھی ان کا کوئی حصہ محفوظ نہیں ہوتا ہے۔

کمپنی کے امور پر ضبط (Control Over affairs of Company):

کمپنی کے جملہ معاملات میں نظم وضبط رکھنے کے لئے ہدایت کاروں کی انجمن کی تشکیل حصے داروں کے ذریعہ کثرت رائے سے کی جاتی ہے، کمپنی کی پالیسی سے متعلق اہم فیصلے بھی حصے داروں کی کثرت رائے سے طے پاتے ہیں، حصے داروں کی رائے کا وزن ان کے نام پر حصوں کی تعداد پر موقوف ہوتا ہے۔ رائے دہندگی کا یہ حق قابل تبادلہ ہوتا ہے۔

کمپنی کے سرمایہ حصص (Company's Share Capital):

کمپنی کے سرمایہ حصص کو ایک حصے کی مصروحہ قیمت والے کل حصوں کی تعداد سے منقسم کرکے بیان کیا جاتا ہے۔ سرمایہ حصص کی حسب ذیل قسمیں ہیں:

۱۔ منظور شدہ سرمایہ (Authorised Capital)

اس کی تصریح کمپنی کے آئین میں کی جاتی ہے، یہ سرمایہ حصص کی زیادہ سے زیادہ حد ہے، جس سے زیادہ سرمایہ کے حصص کا اجراء کمپنی اپنے آئین میں ترمیم کئے بغیر نہیں کرسکتی۔

۲۔ جاری شدہ سرمایہ (Issued Capital):

منظور شدہ سرمایہ کے جس حصے کی سرمایہ کاری کی پیش کش کمپنی کے ذریعہ عوام کا یا خواص کو دیا جاتا ہے وہ کمپنی کا جاری شدہ سرمایہ (Issued Capital) کہلاتا ہے۔

۳۔ پیشکشی سرمایہ (Subscirbed Capital)

جاری شدہ سرمایہ میں سرمایہ کاری کی پیشکش کے جواب میں جس قدر سرمایہ کاری کی پیش کش طالبان حصص کرتے ہیں اسے پیشکشی سرمایہ کہا جاتا ہے، اگر یہ پیش کشی سرمایہ جاری شدہ سرمایہ کے مساوی ہوتو اسے مکمل پیش کشی، اور اگر کم ہوتو اسے ناقص پیشکشی، اور اگر زیادہ ہوتو زائد پیش کشی کہاجاتا ہے۔ انہیں انگریزی میں بالترتیب مکمل پیشکشی (Fully Subsribed) ناقص پیشکشی (Subscribed Under) زائد پیش کشی (Over Subscribed) کہاجاتا ہے۔

۴۔ اداشدہ سرمایہ (Paid-up Capital):

پیشکشی سرمایہ کا وہ حصہ جو کمپنی کی طلب کے عین مطابق کمپنی کو ادا کر دیا جاتا ہے، اداشدہ سرمایہ کہلاتا ہے، چونکہ کمپنی جاری شدہ سرمایہ سے زیادہ سرمایہ طالبان حصص سے طلب نہیں کرسکتی، اس لئے اداشدہ سرمایہ جاری شدہ سرمایہ سے کبھی تجاوز نہیں کرسکتا۔

حصہ (Share):

حصہ کمپنی کے سرمایہ کا غیر منقسم قلیل ترین جز ہے۔ یہ عام طور پر دس روپے کا ہوتا ہے۔ کچھ کمپنیوں کا حصہ ایک سو روپے کا بھی ہوتا ہے۔ بعض کمپنیوں میں کچھ حصے دس روپے والے ہوتے ہیں اور ایک سو روپے والے بھی ہوتے ہیں۔ کمپنی کا جاری، پیش کشی اور اداشدہ سرمایہ حصص ایک خاص تعداد کے برابری یا ترجیحی حصص پر منقسم ہوتا ہے۔ ہر قسم کے حصے کی رقم کی بھی تصریح کر دی جاتی ہے۔ حصے کی یہ مصرحہ رقم حصے کی قدر عرفی (Face Value) کہلاتی ہے، مثال کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ABC کمپنی کے جاری، پیشکشی اور اداشدہ ۶ کروڑ روپے کے سرمایہ کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۰۰ روپے قدر عرفی والے ۳ لاکھ ترجیحی حصص	Rs.3,00,00,000
۱۰ روپے قدر عرفی والے ۳۰ لاکھ برابری حصص	Rs.3,00,00,000
	Rs.6,00,00,000

حصص دو قسم کی ہوتے ہیں:

۱۔ ترجیحی حصص (Preference Shares):

جب تک کمپنی جاری رہتی ہے ان پر ایک طے شدہ در سے منافع واجب ہوتا رہتا ہے، اور جب کمپنی بند ہو جاتی ہے تو اثاثوں کی تقسیم میں بھی انہیں ترجیح دی جاتی ہے۔

۲۔ برابری کے حصص (Equity Shares):

جب تک کمپنی جاری رہتی ہے یہ نفع ونقصان میں برابر کے شریک ہوتے ہیں، اور کمپنی کے بند ہونے پر جو کچھ اثاثے باقی رہ جاتے ہیں ان پر مساوی طور سے تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔ دراصل ان کی حیثیت کمپنی میں برابر کے شرکاء کی سی ہوتی ہے۔

اسناد حصص (Share Certificates):

کمپنیاں اپنے حصص ایک متعین تعداد کی اسناد میں جاری کرتی ہیں، جیسے کوئی کمپنی اپنے سرمایہ حصص میں ۲۰۰۰ روپے سے سرمایہ کاری کرنے والے شخص کے حق میں دس دس روپے والے سو سو حصص کی دو سندیں جاری کرے۔ اگر کمپنی کا حصہ سو روپے والا ہے تو دس دس حصص کی دو سندیں جاری کرے۔ چونکہ یہ اسناد قابل تبادلہ ہوتی ہیں لہذا انہیں آسانی سے خریدا اور بیچا جاسکتا ہے، ان کو رہن رکھ کر ان پر قرض بھی لیا جاسکتا ہے۔

حصص حاصل کرنے کے طریقے:

حصص دو ذرائع سے حاصل کئے جاسکتے ہیں:

۱۔ اجراء حصص کے وقت براہ راست کمپنی سے۔

۲۔ جن لوگوں کے حق میں کمپنی سے حصص جاری ہو چکے ہوں ان سے خرید کر۔

براہ راست کمپنی سے حصص کے اجراء کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

۱۔ عوامی اجراء (Public Issued)

ہر کمپنی اپنے رجسٹریشن کے بعد کاروبار کے لئے سرمایہ حصص جمع کرنے کی غرض سے عوام کو سرمایہ کاری کی کھلی پیش کش کر سکتی ہے۔ ایک موجودہ کمپنی بھی اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے عوام کو سرمایہ کاری کی کھلی پیشکش دے سکتی ہے۔

۲۔ برابری کے حصص سے منسلک قرض تمسکات کا اجراء (Issued of Equity Linked Debentures)

کمپنیاں اپنے کاروبار میں سرمایہ حصص کے علاوہ سرمایہ قرض کا بھی استعمال کرتی ہیں۔ سرمایہ قرض بھی سرمایہ حصص کی مانند قرض تمسکات کے اجرا سے حاصل کرتی ہیں۔ یہ قرض تمسکات بھی عام طور سے قابل تبادلہ ہوتے ہیں اور اسناد حصص کی طرح خریدے بیچے جاسکتے ہیں۔ سرمایہ قرض پر کمپنی ایک طے شدہ در سے سود ادا کرتی ہے۔ کمپنی اپنے حصص کا اجراء قرض تمسکات سے منسلک کر کے بھی کرتی ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو شخص صرف حصص میں سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہے اسے کمپنی کے حصص کے ساتھ قرض تمسکات بھی لازماً یا دل نخواستہ لینے پڑتے ہیں۔ ایسی صورت میں کمپنی اسناد حصص اور اسناد قرض تمسکات الگ الگ جاری کرتی ہے۔ جو شخص صرف سرمایہ حصص میں دلچسپی رکھتا ہو اس کے لئے اس بات کی گنجائش رہتی ہے کہ وہ اسناد حصص کو اپنے پاس روک کر (اسناد قرض) قرض تمسکات فروخت کر دے۔ عام طور پر حصص اپنی قیمت اجراء سے زائد قیمت پر بازار میں فروخت ہوتے ہیں، اور قرض تمسکات بازار میں اپنی قیمت اجراء سے کم قیمت پر فروخت ہوتے ہیں لیکن دونوں کی مجموعی قیمت بازار میں ان کی مجموعی قیمت اجراء سے زائد ہوتی ہے۔ اس طرح حصص بازار سے خریدنے کے بجائے براہ راست کمپنی سے کم قیمت پر حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

۳۔ قابل تبدیل قرض تمسکات کا عوامی اجراء (Public Issued of Convertible Debentures):

کمپنی اس طرح کے بھی قرض تمسکات جاری کرتی ہے جو کہ ایک خاص مدت تک قرض تمسکات کی شکل میں رہتے ہیں، اور اس کے بعد جزوی طور پر یا کلی طور سے اجراء کی شرائط کے مطابق حصص میں تبدیل کر دیئے جاتے ہیں۔ قرض تمسکات کا جو حصہ حصص میں تبدیل کر دیا جاتا ہے کمپنی کی طرف سے اس پر سود کا وجوب بند ہو جاتا ہے اور وہ کمپنی کے نفع ونقصان میں برابر کا شریک ہو جاتا ہے، باقی حصہ قرض کی صورت میں برقرار رہتا ہے اور اس پر سود ادا کرنا

واجب ہوتا رہتا ہے۔ اب جو شخص کمپنی کے صرف سرمایہ حصص ہی میں سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہے وہ قرض تمسکات کی حصص میں تبدیلی کے بعد حصص اپنے پاس روک سکتا ہے، اور قرض تمسکات کا اگر کوئی جز یا اجزاء باقی رہ گئے ہوں تو انہیں بازار میں فروخت کر سکتا ہے۔ عام طور پر بازار سے حصص خریدنے کے بجائے اگر قابل تبدیل قرض تمسکات کمپنی سے لے کر انہیں حصص میں تبدیل کرایا جائے تو حصص مقابلۃً کم قیمت پر حاصل ہو جاتے ہیں۔

۴۔ حصص و قرض تمسکات کا ان کی قدر عرفی پر یا کم و بیش پر اجراء

(Issue of Shares at par, premium or discount)

عام طور پر کمپنی اپنے قیام کے فوراً بعد اپنے حصص و قرض تمسکات کا اجراء ان کی قدر عرفی ہی پر کرتی ہے، ایسے اجراء کو برابری پر اجراء (Issue at par) کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی کمپنی اپنے دس روپے والے حصص کا اجراء اگر دس روپے ہی میں کرے، تو وہ برابری پر اجراء کہا جائے گا۔

پہلے ہی سے موجود مالی طور پر مستحکم کمپنی کے حصص کی بازاری قیمت ان کے قدر عرفی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کمپنی ہر سال اپنے منافع کا ایک حصہ اپنے پاس جمع کرتی رہتی ہے اور اسے اپنے محفوظ سرمایہ میں رکھتی ہے، اس سے مزید اثاثے خریدتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ کچھ اثاثوں کی اصل قیمت میں بھی اضافہ ہو چکا ہوتا ہے۔ کمپنی کی مالیت کے اس اضافہ کے اصل حق دار کمپنی کے موجودہ حصہ دار ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات حق و انصاف کے خلاف سمجھی جاتی ہے کہ کمپنی کا نیا سرمایہ کار اپنے حصے کی قیمت تو پرانی ہی در سے ادا کرے لیکن اثاثوں میں برابر کا شریک ہو جائے۔ پرانے حصے داروں کے مفاد کی حفاظت کے پیش نظر یہ مناسب سمجھا جاتا ہے کہ کمپنی اپنے نئے حصہ داروں کو حصص کچھ زائد قیمت پر جاری کرے تاکہ یہ زائد قیمت کمپنی اپنے منافع میں شامل کر کے اس میں پرانے حصہ داروں کو شریک کرے۔ اس طرح حصص کے اجراء کو برابری سے اوپر اجراء یا اضافی قیمت پر اجراء (Issue at a premium) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کچھ مخصوص حالات میں حصص و قرض تمسکات کا اجراء برابری سے کم پر بھی کیا جاتا ہے جو کہ منہائی پر اجراء (Issue at a discount) کہا جاتا ہے۔

مالی طور پر مستحکم کمپنی اپنے ذریعہ جاری کئے گئے قابل تبدیل قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرتے وقت حصص کی قیمت ان کی قدر عرفی سے زیادہ وصول کرتی ہے۔ یعنی حصص کا اجراء (Issue at a premium) اضافی قیمت پر کرتی ہیں۔

قرض تمسکات کے حصص میں تبدیلی کے بعد اگر عام حالات یکساں رہیں تو حصص کی رسد میں اضافہ ہونے کے سبب بازار میں ان کی قیمت کچھ کم ہو جاتی ہے لیکن یہ گری ہوئی بازاری قیمت بھی حصص کی قیمت اجراء (قدر عرفی + اجراء پر اضافی قیمت (Face Value + Premium on Issue) سے زائد ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح حصص بازار سے خریدنے کے بجائے قرض تمسکات کمپنی سے لے کر انہیں حصص میں تبدیل کرانے سے اس حقیقت کے باوجود کہ کمپنی ان کے حصص میں تبدیلی کچھ منافع پر ہی کیوں نہ کرے، فائدہ ہوتا ہے۔ یعنی حصص مقابلۃً کم

قیمت پر حاصل ہوتے ہیں۔ اس کو حسب ذیل مثال سے سمجھا جا سکتا ہے:

(الف) ایک کمپنی جس کے دس روپے والے حصے کی بازاری قیمت ایک سو روپے ہو تو قابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کی پیش کش کر سکتی ہے۔

کمپنی ۱۴ فیصد سالانہ سود کی در پر ۱۵۰ روپے والے دو لاکھ کل طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات میں عوام کو سرمایہ کاری کی اس شرط پر پیشکش کر سکتی ہے کہ قرض تمسکات کے الاٹ منٹ کی تاریخ کے ایک سال بعد ایک قرض تمسک دس دس روپے والے ۳ حصص میں فی حصہ ۴۰ روپے اضافی قیمت پر اجراء سے تبدیل کر دیا جائے گا۔ تاریخ معینہ پر کمپنی قرض تمسکات واپس لے لے گی اور ان کے عوض اسناد حصص کے ساتھ قرض تمسکات پر واجب سود کی رقم کا چیک ایک ماہ کے اندر سرمایہ کاروں کو روانہ کر دے گی۔

ایک سال بعد قرض تمسکات کے حصص میں تبدیل ہو جانے سے بازار میں حصص کی رسد میں اضافہ کے سبب اگر حصے کی نرخ ۱۰۰ روپے سے کم ہو کر ۸۰ روپے رہ جاتے تو اس طرح کی سرمایہ کاری میں فی حصہ لاگت کا تعین یوں ہوگا۔

کمپنی کے ایک قابل تبدیل قرض تمسک پر آئی لاگت .... ۱۵۰ روپے

ایک سال بعد ۱۵۰ روپے پر ۱۴ فیصد کی در سے کمپنی پر واجب سود ..... ۲۱ روپے

قرض تمسک کی اصل لاگت .... ۱۲۹ روپے

ایک سال بعد ۱۵۰ روپے کا ایک قرض تمسک = ۳ حصص

(فی حصہ ۱۰ + ۴۰ روپے اضافی قیمت) ۱۵۰ روپے میں تبدیل

ایک حصہ کی اصل لاگت ۱۲۹/۳ = ۴۳ روپے

حصے کی بازار سے خریداری پر لاگت ..... ۸۰ روپے

اس طرح کمپنی کا ایک حصہ جو بازار میں ۸۰ روپے میں مل رہا ہے ایک سال پہلے کمپنی سے قابل تبدیل تمسکات خرید کر حصص میں تبدیل کرا کر صرف ۴۳ روپے میں حاصل کر لیا گیا، لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حصص کو بازار سے خریدنے کے بجائے اگر کمپنی سے قابل تبدیل قرض تمسکات خرید کر انہیں حصص میں تبدیل کرایا جائے تو حصص سستے پڑتے ہیں۔

قابل تبدیل قرض تمسکات حصص میں تبدیلی سے پہلے پہلے عام طور پر بازار میں اپنی قیمت اجراء سے زیادہ قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔ اگر کمپنی سے براہ راست ان کا الاٹ منٹ حاصل نہ کیا جا سکا ہو تو انہیں بازار سے خریدا جا سکتا ہے اور حصص میں تبدیلی کے ذریعہ حصص اپنے نام جاری کرائے جا سکتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہو سکتی ہے:

(ب) مثال (الف) میں بیان کردہ ۱۵۰ روپے والا قرض تمسک اگر کمپنی سے براہ راست نہ مل پایا ہو تو اسے بازار میں ۲۰۰ روپے قیمت پر خریدا جا سکتا ہے، اس طریقہ سے فی حصہ لاگت کا تعین یوں ہوگا:

۱۵۰ روپے والے قرض تمسک پر بازار میں خرید پر آئی لاگت .... ۲۰۰ روپے

۱۵۰ روپے پر کمپنی سے ۱۴ فیصد کی در سے ایک سال کا سود..................۲۱ روپے
ایک قرض تمسک کی اصل لاگت............۱۷۰ روپے
ایک سال بعد ایک قرض تمسک = ۳ حصص
ایک حصے کی لاگت ۳/۱۷۹ = ۵۹٫۶۷ روپے
ایک حصے کی بازار سے خرید پر لاگت = ۸۰ روپے

اس طرح یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر قرض تمسک کو بازار سے خرید کر حصص میں تبدیل کرالیا جائے تو حصص براہ راست بازار سے خریدنے کے مقابلے کم قیمت پر حاصل ہوتے ہیں۔ دوسری جانب اگر قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرائے بغیر ہی فروخت کردیا جائے تو صرف ۵۰ روپے ہی کا منافع ہوگا لیکن انہیں حصص میں تبدیل کرنے کے بعد بازار میں فروخت کرنے سے ۱۱۱ روپے کا منافع ہوتا ہے (اصل لاگت ۱۲۹ روپے، ۳ حصص کی بازاری قیمت فی حصہ ۸۰ کے در سے ۲۴۰ روپے)۔

یہ تھیں کلی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کی صورتیں۔ جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کا قابل تبدیل جز تاریخ معینہ پر حصص میں تبدیل کردیا جاتا ہے، اور نا قابل تبدیل جز قرض تمسک کی صورت میں باقی رہ جاتا ہے۔اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے:

(ج) ایک کمپنی جس کے دس روپے والے حصے کی قیمت بازار میں ایک سو روپے ہو تو جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کی پیش کش ان شرائط پر کرسکتی ہے کہ کمپنی ۱۵۰ روپے والے ۱۴ فیصد سالانہ سود کی در پر ڈیڑھ کروڑ روپے کے ایک لاکھ جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات جن کا ایک تہائی حصہ ۴۰ روپے فی حصہ اضافی قیمت (Premium) کے ساتھ دس روپے والے حصص میں قرض تمسک کی الاٹ منٹ کی تاریخ کے ایک سال بعد تبدیل کرایا جاسکتا ہے۔

اب اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ایک سال بعد قرض تمسکات کا قابل تبدیل جز کے حصص میں تبدیل ہونے کے سبب حصص کی رسد میں اضافہ ہوجانے سے دس روپے والے حصے کی بازار میں قیمت ۱۰۰ روپے سے کم ہوکر ۹۰ روپے رہ جائے گی، اور قرض تمسک کا ۱۰۰ روپے والا حصہ دو تہائی نا قابل تبدیل جز صرف ۸۰ روپے ہی میں فروخت ہوسکے گا، تو اس طرح کی سرمایہ کاری میں فی حصہ لاگت کا تعین یوں ہوگا:

۱۵۰ روپے والے قرض تمسک پر آئی لاگت.................. ۱۵۰ روپے
ایک سال بعد کمپنی سے ملا ۱۴ فیصد کی در سے سود..................۲۱ روپے
اصل لاگت.......................۱۲۹ روپے
حصص میں تبدیلی کے بعد ایک قرض تمسک = ایک حصہ

(قدر عرفی ۱۰ روپے + اضافی قیمت ۴۰ روپے) ۵۰ روپے والے جز کے عوض

۱۰۰ روپے کا ایک قرض تمسک (نا قابل تبدیل جز) بازاری قیمت ....۸۰ روپے

ایک حصہ کی اصل لاگت ....۴۹ روپے

اس طرح یہ نتیجہ نکلا کہ کمپنی کا ایک حصہ جو کہ آج ۹۰ روپے میں بازار میں مل رہا ہے، ایک سال پہلے جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسک خرید کر حصص میں تبدیل کرانے پر صرف ۴۹ روپے میں حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لہذا حصص کو بازار سے خریدنے کے بجائے جزوی طور سے قابل تبدیل قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرانے سے کم قیمت پر حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

(د) اگر ان قرض تمسکات کا اجراء براہ راست کمپنی سے نہ ہوسکا ہو تو انہیں کچھ زائد قیمت پر بازار سے بھی خریدا جاسکتا ہے، اگر بازار سے یہ ۱۶۰ روپے میں خریدے جائیں تو فی حصہ لاگت کا تعین یوں ہوگا:

۱۵۰ روپے والے قرض تمسک کی بازاری خرید پر لاگت ....۱۶۰ روپے

ایک سال بعد ۱۴ فیصد کی در سے ملا سود ....۲۱ روپے

قرض تمسک کی اصل لاگت ....۱۳۹ روپے

۱۵۰ والے قرض تمسک کے عوض کمپنی سے ملا:

۱۔ ۱۰۰ والا نا قابل تبدیل قرض تمسک = ۱۰۰ روپے

۲۔ ۱۰ روپے والا ۴۰ روپے اضافی قیمت پر حصہ = ۵۰ روپے

۱۰۰ روپے والے قرض تمسک کی بازاری فروخت سے آمد ۸۰ روپے

ایک حصہ پر آئی اصل لاگت ....۵۹ روپے

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کمپنی کا ایک حصہ جس کی آج بازار میں قیمت ۹۰ روپے ہے ایک سال پہلے بازار سے جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسک خرید کر حصص میں تبدیل کرانے سے صرف ۵۹ روپے میں حاصل کیا جاسکتا تھا۔ قرض تمسکات کو فروخت کرنے والے کی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ محسوس ہوگا کہ قرض تمسک کو بغیر حصے میں تبدیل کرائے بازار میں فروخت کرنے سے صرف ۱۰ روپے کا منافع ہوتا ہے، لیکن اسے اپنے نام حصص میں تبدیل کرالیا جائے تو ۶۱ روپے کا فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

یہ حقیقت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ قابل تبدیل قرض تمسکات اگر براہ راست کمپنی سے مل جائیں تو انہیں بغیر حصص میں تبدیل کرائے بازار میں نہ فروخت کیا جائے۔

صفر سود کی در پر قابل تبدیل قرض تمسکات:

(Zero Interest Convertible Debentures)

سرمایہ کاروں کو قرض تمسکات کے اوپر سود کی مد سے جو آمدنی ہوتی ہے اس پر انکم ٹیکس واجب ہوتا ہے۔ کمپنی

اپنے سرمایہ کاروں کو اس ذمہ داری سے بچنے کا موقع فراہم کرنے کی غرض سے صفر سود کی در پر قابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کی پیش کش کرتی ہے۔

اس طرح کے قرض تمسکات غیر سودی سرمایہ کاری کی خواہش رکھنے والے حضرات کے لئے غیر معمولی دلچسپی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ اس طرح کے قرض تمسکات کے پیش کش کی شرائط کے مطابق نہ تو کمپنی کسی طے شدہ در سے قرض پر سود ادا کرنے کا وعدہ کرتی ہے نہ فی الواقع سود ادا کرتی ہے، لیکن قرض تمسک کو حصص میں تبدیل کرتے وقت اپنے حصص کی جو اضافی قیمت مقرر کرتی ہے اس میں قرض تمسک پر دستور کے مطابق تعبیری سود کو منہا کر دیتی ہے، اس طرح کا تعبیری سود کا معاملہ قیاس وگمان میں تو رہتا ہے لیکن اس کی کہیں کوئی صراحت نہیں کی جاتی۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے:

(ھ) ایک کمپنی جس کے دس روپے والے حصہ کی بازار میں قیمت ۱۰۰ روپے چل رہی ہو تو ۱۳۰ روپے والے صفر سود کی در پر کلی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات ان شرائط پر جاری کر سکتی ہے، قرض کی رقم پر کمپنی کے اوپر کوئی سود واجب نہیں ہوگا۔ قرض تمسک کے الاٹ منٹ کی تاریخ کے ایک سال بعد کمپنی اپنا دس روپے والا ایک حصہ ۳۰ روپے اضافی قیمت کے ساتھ اور دس دس روپے والے دو حصے فی حصہ ۳۵ روپے اضافی قیمت کے ساتھ جاری کر کے قرض تمسک واپس لے لے گی۔ اس طرح کی سرمایہ کاری میں کمپنی کے ۳ حصوں پر آئی لاگت کا تعین یوں ہوگا:

۱۳۰ روپے والے صفر سود کی در پر جاری کئے گئے ایک قابل تبدیل قرض تمسک کی لاگت......۱۳۰ روپے

ایک سال بعد کمپنی سے ملا سود (کچھ نہیں)..............................۰ روپے

قرض تمسک کی اصل لاگت..............................۱۳۰ روپے

قرض تمسک حصص میں تبدیل کرانے پر فی حصہ لاگت:

پہلا حصہ قدر عرفی ۱۰ روپے + کمپنی کی اضافی قیمت ۳۰ روپے = ۴۰ روپے

دوسرا حصہ قدر عرفی ۱۰ روپے + کمپنی کی اضافی قیمت ۳۵ روپے = ۴۵ روپے

تیسرا حصہ قدر عرفی ۱۰ روپے + کمپنی کی اضافی قیمت ۳۵ روپے = ۴۵ روپے

میزان قدر عرفی ۳۰ روپے + کمپنی کی اضافی قیمت ۱۰۰ روپے = ۱۳۰ روپے

فی حصہ بازاری قیمت پر لاگت فی حصہ ۸۰ روپے۔

اس طرح کی سرمایہ کاری کا موازنہ اگر مثال (الف) سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مثال (الف) میں کمپنی نے قرض کی رقم پر ۱۴ فیصد سالانہ کی در سے ۲۱ روپے سود ادا کیا تھا تو قرض تمسک کو حصص میں تبدیل کرتے وقت اضافی قیمت فی حصہ ۴۰ روپے کی در سے مقرر کیا۔ اس طرح کمپنی نے ۳ حصص پر کل ۱۲۰ روپے اضافی قیمت سرمایہ کار سے وصول کیا۔ لہذا کمپنی نے اصل منافع صرف ۱۲۰-۱۲۱=۹۹ روپے وصول کیا۔ لیکن کمپنی نے قرض کی رقم پر کوئی سود نہ ادا کرنے کی صورت میں کل اضافی قیمت ۱۰۰ روپے مقرر کی، یعنی قرض پر سود دینے کے عوض کمپنی نے اپنے منافع میں تقریباً اسی کے بقدر تمسکات کو حصص میں تبدیل کرتے وقت کمی کر دی، اس طرح صفر سودی در پر قرض تمسکات کو حصص

میں تبدیل کرانے پر آئی لاگت کا موازنہ اگر بازار سے حصص کی خریداری پر آئی لاگت سے کریں تو معلوم ہوگا کہ پہلا حصہ جس کی لاگت طریقۂ اول سے ۴۰ روپے ہے، طریقۂ یعنی بازاری خرید کے مطابق ۸۰ روپے ہے۔

دوسرے اور تیسرے حصوں کی لاگت فی حصہ طریقۂ اول سے ۴۵ روپے ہے جب کہ طریقۂ دوم سے ۸۰ روپے ہے، لہٰذا صفر سود کی در پر قابل تبدیل قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرانے پر لاگت حصص کو بازار سے خریدنے کے مقابلے میں کم آتی ہے۔

حصص میں سرمایہ کاری کے فوائد(Benfits of investment in shares):

۱۔منافع کی تقسیم(Distribution of dividend)

عام طور پر کمپنی ہر سال جو منافع کماتی ہے اس کا ایک جز حصہ داروں میں ان کے سرمایہ پر ایک مقررہ در سے تقسیم کرتی ہے، باقی جز کو اپنے کاروبار میں استعمال کرنے کی غرض سے اپنے محفوظ سرمایہ میں رکھتی ہے۔ جن کمپنیوں کے حصص کی بازار میں خرید وفروخت ہوتی ہے ان کے ذریعہ کمایا گیا منافع فوراً ان کے حصص کی قیمت میں اضافہ کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے، اس طرح جو منافع کمپنی اپنے پاس روک لیتی ہے سرمایہ کاروں کے اصل سرمایہ میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ کمپنی کے ذریعہ جو کچھ منافع تقسیم کیا جاتا ہے وہ کمپنی کے حصص کی قدر عرفی (Face Value) کا ۲۰ یا ۳۰ فیصد ہو سکتا ہے لیکن اصل سرمایہ (کمپنی کے حصص کی بازاری قیمت) پر بمشکل ۲ یا ۳ فیصد ہی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک کمپنی جس کے دس روپے والے حصے کی قیمت بازار میں سو روپے ہو، اگر ۲۰ فیصد منافع کا اعلان کرے تو حصص کی بازاری قیمت کے اعتبار سے یہ صرف ۲ فیصد ہی ہوگا یعنی سرمایہ کاری پر حقیقی منافع ۲ فیصد ہوگا۔

۲۔منافع کے حصص کا اجراء(Issue of Bonus Shares):

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ عام طور پر کمپنی اپنے کمائے ہوئے منافع کا ایک حصہ اپنے مالی استحکام اور کاروبار کو فروغ دینے کے لئے اپنے پاس روک لیتی ہے اس طرح یہ رکا ہوا منافع (سرمایۂ محفوظ) سرمایۂ حصص سے کئی گنا بڑھ جاتا ہے، اگر کمپنی کو مستقبل میں نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا تو کمپنی اس سرمایۂ محفوظ کو سرمایۂ حصص میں تبدیل کر کے اپنے حصہ داروں کے حق میں ان کے حصص کی تعداد پر ایک خاص تناسب سے بطور بونس حصص جاری کرتی ہے، اس طرح کمپنی کے حصہ داروں کے حصص کی تعداد میں اضافہ کے سبب ان کے اصل سرمایہ میں غیر معمولی اضافہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک کمپنی جس کے دس روپے والے حصے کی قیمت بازار میں ۱۰۰ روپے ہو، ایک حصہ پر ایک کی نسبت سے بونس حصص جاری کرے تو جس شخص کے پاس کمپنی کا ایک حصہ تھا اس کے پاس دو حصے ہو جائیں گے، اب اگر اس کمپنی کے حصص کی بازار میں رسد کے اضافہ کے سبب اس کے حصے کی قیمت ۱۰۰ روپے سے کم ہو کر ۷۰ روپے ہی رہ جائے تب بھی اس کا اصل سرمایہ ۱۰۰ روپے سے بڑھ کر ۱۴۰ روپے ہو جائے گا۔

۳۔حصص و قرض تمسکات کا اجراء بطور حق (Debentures Rights for Issue

of Shares and Convertible)

مالی طور سے مستحکم کمپنیوں کے حصص وقابل تبدیل قرض تمسکات کی بازاری قیمت، ان کی قدر عرفی یا ان کی قیمت اجراء سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ایسی کمپنیاں کبھی کبھی اپنے حصص وقابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کی عوام کو پیش کش کرنے کے بجائے اپنے موجودہ سرمایہ کاروں (حصے داروں وحاملین قرض تمسکات) کو ان کے حصص وقرض تمسکات کی نسبت سے بطورحق اجراء کی پیش کش کرتی ہیں۔

عام طور پر کمپنیوں سے بطورحق ملی پیش کش قابل تبادلہ ہوتی ہے، اگرحق دار مزید سرمایہ کاری کرنا مناسب نہ سمجھے یا حق کا فوری نقد فائدہ اٹھانا چاہے تو وہ اپنا حق اس خاص کمپنی میں سرمایہ کاری کی دلچسپی رکھنے والے شخص کے ہاتھ معقول قیمت لے کر بیچ سکتا ہے، لیکن عام طور پر اس حق کو اس طرح بیچ کر حاصل ہونے والا فائدہ اس منافع سے کم ہوتا ہے جو کمپنی کے حصص حاصل کرنے یا قابل تبدیل قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرانے پر حاصل ہوتا ہے، یہ حقیقت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ اگر کمپنی سے اس طرح حصص یا قابل تبدیل قرض تمسکات میں سرمایہ کاری کی پیشکش بطورحق مل جائے تو اسے بازار میں یوں ہی فروخت نہ کیا جائے بلکہ کمپنی سے حصص یا قابل تبدیل قرض تمسکات حاصل کر لئے جائیں۔قابل تبدیل قرض تمسکات کو جب تک کہ انہیں حصص میں تبدیل نہ کرالیا جائے اپنے پاس روکا جائے۔

حصص یا قرض تمسکات کے اجراء کی ترجیحی پیشکش:

Preferencial offer for issue of shares or (debentures)

کچھ کامیاب کمپنیوں کے بانی (Promoters) جب کسی نئی کمپنی کے لئے سرمایہ حصص یا قابل تبدیل قرض تمسکات کا اجراء کرتے ہیں تو اپنی پرانی کمپنی کے سرمایہ کاروں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے اس نئی کمپنی میں حصہ دار بنانے کے لئے کسی حد تک نئی کمپنی کے حصص کے الاٹمنٹ میں عوام پر ترجیح دیتے ہیں۔عام طور پر ایسے بانیوں (Promoters) کے ذریعہ جو بھی نئی کمپنی قائم کی جاتی ہے اس کے حصص کی بازاری قیمت ان کی قیمت اجراء سے زیادہ ہی ہوتی ہے، اس طرح پرانی کمپنیوں کے سرمایہ کاروں کو نئی کمپنی میں حصص کے اجراء میں جو ترجیح ملتی ہے ان کے لئے منافع بخش ہوتی ہے۔ یہ ترجیحی پیشکش قابل تبادلہ نہیں ہوتی ہے، اس کو بازار میں فروخت نہیں کیا جا سکتا۔اس سے فائدہ حاصل کرنے کی واحد صورت یہ ہے کہ حصص یا قابل تبدیل قرض تمسکات اپنے نام جاری کرائے جائیں، قابل تبدیل قرض تمسکات جب تک حصص میں تبدیل نہ ہو جائیں اپنے پاس روکا جائے۔

جن کمپنیوں کے حصص کی بازار میں آزادانہ خرید وفروخت ہوتی ہے، ان کی اچھی یا خراب کارکردگی اور ان کے روشن وتاریک مستقبل کی خبروں اور افواہوں کا براہ راست اثر ان کی بازاری قیمت پر پڑتا ہے۔لہذا جیسے ہی کسی کمپنی سے اوپر بیان کردہ فوائد میں سے کسی فائدے کے ملنے کی امید کی خبر حصص بازار میں آتی ہے، حصص کی بازار میں اس کے متوقع فائدے کی نسبت بڑھ جاتی ہے، اور جونہی وہ فائدہ سرمایہ کاروں کو پہنچ جاتا ہے بازار میں حصص کی قیمت میں کمی آجاتی ہے۔

اوپر نمبرا اور نمبر۲ میں بیان کئے گئے فائدے تو کمپنی سے بنا طلب کئے حاصل ہوتے ہیں لیکن نمبر۳ اور نمبر۴ میں بیان کئے گئے فائدے حاصل کرنے کے لئے کمپنی میں پیشکشی کی درخواست اجراء کی شرائط کے مطابق دینی پڑتی ہے۔ اس طرح فائدے حاصل کرنے میں بے اعتنائی برتنے سے نہ صرف اس فائدے سے محرومی ہوتی ہے بلکہ یہ موقع ہاتھ سے نکل جانے کے بعد حصص کی قیمت میں گراوٹ کے سبب اصل سرمایہ میں کمی کا بھی امکان رہتا ہے۔ یہ حقیقت بھی اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ اگر قابل تبدیل قرض تمسکات کی پیشکش بطور حق یا بطور ترجیح ملے تو کمپنی سے قرض تمسکات حاصل کر کے انہیں حصص میں تبدیل کرانے کے وقت تک اپنے پاس روکا جائے۔

حصص وقرض تمسکات کی خرید وفروخت

:(Sale and purchase of Shares and debentures)

چونکہ حصص وقرض تمسکات عام طور پر قابل تبادلہ ہوتے ہیں اس لئے اجناس بازار کی طرح ان کی بھی خرید وفروخت ہوتی ہے۔ بعض کمپنیاں اپنے حصص وقرض تمسکات کی (Liquidity) نقدیت برقرار رکھنے کی غرض سے انہیں حصص بازاروں کی فہرست میں درج کراتی ہیں۔ ان بازاروں کی فہرست میں درج حصص وقرض تمسکات کے نرخ روزمرہ اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح ان کے خریدنے اور بیچنے والوں کے مابین ان کی قیمت کے تعین میں آسانی ہوجاتی ہے۔ حصص بازار میں حصص وقرض تمسکات کے خریداروں کو دو زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ا۔ وہ جو کہ سرمایہ کاری کی غرض سے حصص وقرض تمسکات خرید کر اپنے نام انہیں منتقل کرا کر کمپنی میں نفع ونقصان یا سود کے مستحق ہوتے ہیں۔

۲۔ وہ جو کہ حصص وقرض تمسکات کو اپنے نام بغیر منتقل کرائے اجناس بازار کی طرح اپنے پاس رکھتے ہیں، اور روزمرہ کی قیمتوں میں آئے اتار چڑھاؤ کا فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے ان کی خرید وفروخت کرتے ہیں۔

خلاصہ

ا۔ قانون کی نظر میں کمپنی ایک شخص ہے۔

۲۔ کمپنی کے حصے داروں کی حیثیت کمپنی میں نفع ونقصان میں اپنے حصص کی تعداد کی نسبت سے برابری کے شرکاء کی ہے۔

۳۔ کمپنی کا نظم وضبط جمہوری طریقے سے کثرت رائے سے ہوتا ہے، حصے داروں کا حق رائے دہندگی قابل تبادلہ ہوتا ہے۔

۴۔ کچھ اقتصادی فائدے کی مصلحت کے تحت کمپنیاں اپنے کاروبار میں سرمایہ حصص کے ساتھ سود پر حاصل کیا ہوا سرمایہ بھی استعمال کرتی ہیں۔

۵۔ سرمایہ حصص کے لئے حصص اور سرمایہ قرض کے لئے قرض تمسکات کا اجراء کرتی ہیں۔ اسناد حصص

Share Certificates اور قرض تمسکات (Debenture Certificates) عام طور پر قابل تبادلہ ہوتے ہیں۔

۶۔ مقابلۃً کم قیمت پر حصص حاصل کرنے کی طریقے یہ ہیں: (۱) براہ راست کمپنی سے عوامی پیش کش کے جواب میں۔ (۲) برابری کے حصص سے منسلک قرض تمسکات کے اجراء کے ذریعہ۔ (۳) قابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کے ذریعہ۔ (۴) قرض تمسک کو بازار سے خرید کر حصص میں تبدیل کرانے کے ذریعہ۔ (۵) حصص و قابل تبدیل قرض تمسکات کی پیشکش بطور حق دیئے جانے پر حق داروں کے حق خرید کر کمپنی سے اجراء کے ذریعہ۔ (۶) حصص کو بازار سے خرید کر۔

۷۔ مالی طور پر مستحکم کمپنیاں اپنے حصص ان کی قدر عرفی سے زائد قیمت پر جاری کرتی ہیں۔

۸۔ مالی طور سے مستحکم کمپنیوں کے حصص و قابل تبدیل قرض تمسکات کی بازار میں قیمت ان کی قیمت اجراء سے زائد ہوتی ہے۔

۹۔ قابل تبدیل قرض تمسکات حصص میں تبدیل ہونے کے بعد اگر اپنا کوئی جز باقی رکھتے ہیں تو وہ جز بازار میں اپنی قدر عرفی سے کم پر فروخت ہوتا ہے۔ قابل تبدیل قرض تمسکات میں چونکہ حصص مضمر ہوتے ہیں اس لئے اپنی قدر عرفی سے زائد پر بازار میں فروخت ہوتے ہیں۔

۱۰۔ قابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء میں کمپنی قرض کی رقم پر سود ادا کرتی ہے اور قرض کی حصص میں تبدیلی پر اضافی قیمت حاصل کرتی ہے، یعنی ایک ہی معاملے میں کچھ لیتی ہے اور کچھ دیتی ہے۔

۱۱۔ کمپنی صفر سود کی در پر قرض تمسکات جاری کر کے قرض پر تعبیری سود کو حصص میں تبدیلی کے وقت اپنی اضافی قیمت سے منہا کرتی ہے، یعنی صرف ایک معاملے میں صرف لیتی ہے، دیتی نہیں۔

۱۲۔ کمپنی سے فوائد، منافع کے حصص، حصص و قابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کی پیش کش بطور حق و بطور ترجیح کی شکلوں میں حاصل ہوتے ہیں۔

۱۳۔ کمپنی سے فوائد حاصل کرنے میں گریز کی صورت میں نہ صرف فوائد سے محرومی بلکہ سرمایہ کی اصل لاگت کم ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔

۱۴۔ حصص و قرض تمسکات کی خرید و فروخت بغیر انہیں اپنے نام منتقل کرائے اجناس بازار کی طرح بھی کی جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

کمپنی کے حصص سے متعلق جوابات

<u>مفتی نظام الدین صاحب، دارالعلوم دیوبند</u>

اس تحریر میں تین صورتیں جو درج ہیں ان میں سے کسی پر سود (ربوا) کی شرعی تعریف صادق نہیں آتی۔ سود کی شرعی تعریف یہ ہے: اموال ربویہ میں جیسے کرنسیوں میں عقد معاوضہ کا معاملہ کیا جائے اور کسی جانب زیادتی عوض سے خالی رہے۔

صورت مسئولہ مذکورہ کی پہلی صورت میں حکومت ٹھیکیداروں سے کچھ رقم لے کر اس کی میعادی رسید دے کر رقم جو اپنے قبضہ میں رکھتی ہے وہ محض بطور ضمانت رکھتی ہے تاکہ کبھی کوئی ٹھیکہ دار تعمیراتی سامان وغیرہ ہڑپ یا ضائع نہ کر ڈالے، نہ کہ عقد معاوضہ کرتی ہے، اور اسی وجہ سے کارہائے ٹھیکہ پورا ہو جانے کے بعد واپس کر دینے کا معاہدہ ہوتا ہے۔ پس یہ معاملہ شرعاً زرضمانت رکھنے کا اور اپنے اپنے سامان کے تحفظ کا ہوا، اور شرعاً صرف بعد تکمیل کارہائے ٹھیکہ داری زرضمانت کی واپسی کا ہوا۔ پھر کارٹھیکہ داری ختم ہو جانے کے بعد صرف اسی زرضمانت کی واپسی لازم ہوتی ہے، باقی حکومت خود اپنی طرف سے یہ زائد رقم اپنے ضابطہ کے مطابق دیتی ہے لہذا یہ دینا از قبیل تبرع من جانب الحکومت ہوا۔ اور حکومت چونکہ غیر مسلمہ ہے اس لئے اس رقم ضمانت سے کچھ کاروبار کر کے کچھ نفع حاصل کرے اور وہ تصرف شرعاً خیانت شمار ہو مگر وہ اس کے مکلف نہیں ہوتے، اس لئے یہ دینا ان کی جانب سے شرعاً تبرع قرار پائے گا۔ اس کی نظیر پراویڈنٹ فنڈ کا معاملہ ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ میں محکمہ جو جز تنخواہ ملازم کے قبضہ میں جانے سے قبل ہی خود ہی کاٹ کر ماہ بہ ماہ جمع کرتا رہتا ہے اور بعد ختم ملازمت اس جمع شدہ رقم کو دوگونہ سہ گونہ کر کے اپنے ضابطہ کے مطابق ملازم کو دیتا ہے، اور اگرچہ محکمہ اس جمع شدہ رقم سے اپنے ضابطہ کے تحت نفع حاصل کر چکا ہوتا ہے، پھر بھی اس زائد رقم کو از روئے قواعد شرعیہ تبرع قرار دے کر اور اس کا لے لینا بلا کراہت شریعت نے جائز فرمایا ہے۔ کما صرح بہ امداد الفتاوی أیضاً۔

پس یہی حکم یہاں بھی رہے گا، کہ اس زرضمانت کے اندر جمع کی ہوئی رقم سے زائد رقم شرعاً سود نہ قرار پائے گی بلکہ بحکم تبرع ہو کر اس کا لے لینا بلا کراہت درست رہے گا، اور بطور تصدق غریبوں کو دے کر اپنی ملک سے نکال دینا واجب نہ رہے گا۔

اسی طرح اسکوٹر، کار، ٹرک وغیرہ کے خرید کے معاملہ میں نامزد منتظرین سے کمپنی جو رقم پیشگی لیتی ہے وہ زرثمن پیشگی کے قبیل کی چیز ہے یا بطور بیعانہ یا مثل بیعانہ لینے کی ہوتی ہے، نہ کہ اموال ربویہ عقد معاوضہ کی ہوتی ہے، چنانچہ نمبر خرید آ جانے کے بعد خریدی ہوئی مطلوبہ چیز کمپنی خریدار کو دیتی ہے تو اس کی قیمت میں سے یہ پیشگی دی ہوئی رقم وضع کر دیتی ہے۔ اب اس وقت اپنے ضابطہ کے تحت جو زائد رقم خود دیتی ہے اس پر ربوا (سود) کی تعریف شرعی صادق

نہیں آتی، نیز اس زائد رقم کو بائع (کمپنی) خود اسی شئی مشتراۃ کے ثمن میں منضم کر دیتا ہے جس سے وہ رقم خریدار تک نہیں پہونچتی، لہذا یہ بھی کمپنی کا اپنے خریداروں کے ساتھ شرعاً ایک تبرع کا معاملہ ہوا، اور اس کا تعلق سود سے نہیں کہ "اجتنبوا عن الربوا والربیۃ،، کا حکم جاری ہو۔

نوٹ: یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر بینک میں جمع کردہ رقم پر جو زائد رقم ملتی ہے اس کو سود کیوں کہا جاتا ہے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ بینک میں جو رقم کوئی جمع کرتا ہے محض اپنی مرضی سے بغیر کسی قسم کی دباؤ جبر کے کرتا ہے، لہذا جمع کرنے میں فارم کی خانہ پری میں ایک قسم کے عوض و معاوضہ کا معاملہ ہوتا ہے کہ اس جمع شدہ رقم پر ماہانہ یا سالانہ یا اس شرط کے ساتھ انٹرسٹ ملے گا، اور یہاں ایسا نہیں ہے، لہذا دونوں میں فرق ہو گیا۔ اور اگر کوئی پھر بھی اس پر قیاس کرے تو یہ قیاس محض قیاس عقلی ہوگا شرعی قیاس نہیں ہوگا، اور معتبر شرعی قیاس ہے نہ کی قیاس عقلی۔

۱۔ کمپنی کی تعریف:

(الف) کمپنی خواہ محدود ذمہ داری والی اور عوامی ہو اس میں شرکت بحدود ہا و قیود ہا جائز ہو سکتی ہے، اور حصص خریدنے والے شرکت عنان کے ضابطہ کے مطابق شریک ہو جاتے ہیں، اور کمپنی چلانے والے اور اس کے ذمہ داران شرعاً حصص خریدنے والوں کے وکیل ہو جاتے ہیں، اور جب تک عقد شرکت عنان کے ضابطہ کے مطابق کام ہوتا رہے گا شرکت عنان صحیحہ کا حکم جاری رہے گا، ورنہ جیسا حال ہوگا ویسا حکم لگے گا۔

(ب) کمپنی کی یہ مذکورہ تعریف شرعی تعریف نہیں ہے اور نہ کمپنی شرعاً وارث ہونے کا حکم رکھتی ہے، بلکہ انتظامی امور کے چلانے اور نافذ کرنے کی شرعی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ کمپنی جو مشترکہ مہر کو استعمال و دستخط وغیرہ کے لئے رکھتی ہے وہ از قبیلہ انتظام ہونے کی بناء پر درست اور صحیح ہے۔

کمپنی کی اہم خصوصیات:

اس عنوان کے نیچے پانچوں درج شدہ نمبرات امور انتظامیہ سے متعلق ہیں، حسب ضابطہ وشرع سب جائز اور درست رہیں گے۔

۲۔ کمپنی کے حصہ دار:

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اراکین سے مراد محض حصہ خریدنے والے ہیں جب تو بلاشبہ یہ سب رکن شمار ہوں گے، اور اگر اراکین سے مراد حصہ خریدنے والوں کے علاوہ بھی ہوں مثلاً کمپنی کے چلانے والے اور ذمہ داران ہوں، تو اگر حصہ داروں کی اجازت سے ہو خواہ اجازت صراحۃً ہو یا دلالۃً ہو، تو یہ لوگ بھی ارکان اور حصہ دار شمار ہو سکتے ہیں، ورنہ صرف وکیل اور نائب شمار ہوں گے۔

۳۔ کمپنی کے امور پہ ضبط:

اس عنوان کے ماتحت دونوں پیراگراف درج شدہ صحیح اور درست ہے۔

۴۔ کمپنی کا سرمایہ حصص:

یہ طریقہ کار بھی درست ہے۔

۵۔ منظور شدہ سرمایہ:

یہ طریقہ کار بھی درست ہے۔

۶۔ جاری شدہ سرمایہ:

یہ طریقہ کار بھی درست ہے۔

۷۔ پیش کشی سرمایہ یا ادا شدہ سرمایہ:

یہ مفہوم واصطلاح بھی درست ہے۔

۸۔ آمد شدہ سرمایہ:

اس کے متعلق گفتگو بھی صحیح ودرست ہے۔

۹۔ حصہ یعنی کمپنی کے سرمایہ کا غیر منقسم قلیل ترین جز:

اس کے تحت ذکر کردہ مفہوم واصطلاح سب درست ہے۔

۱۰۔ ترجیحی حصص:

یہ طریقہ کار بھی درست ہے۔

۱۱۔ اسناد حصص:

یہ طریقہ کار بھی درست ہے

۱۲۔ حصص حاصل کرنے کے طریقے:

اس عنوان کے تحت حصول حصص کے دو ذریعوں میں سے پہلا ذریعہ (اجزاء حصص) اس کا طریقہ کار بھی درست ہے، اور دوسرے ذریعہ کے تحت درج کردہ پہلا ذریعہ (عوامی اجزاء) یہ طریقہ کار بھی درست ہے۔

۱۳۔ البتہ حصول حصص کا ذریعہ نمبر ۲ یعنی برابری کے حصص سے منسلک قرض تمسکات کا اجراء، یہ محل کلام ہوسکتا ہے۔ کیونکہ تمسک کی اصل حقیقت اس پرچہ (کاغذ) کی ہوتی ہے، اور اس کاغذ کی حیثیت سند ووظیفہ یا رسید کی ہوگی نہ کہ مال کی، لہذا اس کی بیع وشراء یا قرض لینا دینا درست نہ ہوگا۔

البتہ اگر اس کی حیثیت عرفی عام طور سے مال جیسی ہوجاوے جیسا کہ کاغذی نوٹ، ڈالر وغیرہ کی حیثیت عرفی مال جیسی ہوگئی اور اس حیثیت عرفی میں اس کا تبادلہ وادائیگی زکوۃ وغیرہ کی اباحت کا حکم ہوگیا، اسی طرح ان تمسکات (رسیدات) کا حکم بھی ہوجاوے گا کیونکہ مال کی فقہی تعریف ان تمسکات پر صادق آجاوے گی، اور مال کی فقہی تعریف یہ ہے:

المراد بالمال مایمیل إلیه الطبع ویمکن ادخاره لوقت الحاجة والمالیه تثبت بتمول

الناس كافة أو بعضهم والتقوم يثبت بها ويإباحة الانتفاع بها شرعا (شامی نعمانی ۳/۴)۔

ورنہ ان تمسکات کا شرعاً بیع وشراء وغیرہ سوائے عقد حوالہ کے درست نہ رہے گا، لہذا اس مفہوم پر خوب غور کرکے حکم لگایا جاوے۔

اسی طرح جس صورت میں شرعی ربا لینے دینے کا معاملہ ہوگا اس صورت میں حتی المقدور سودی معاملہ سے بچنے کی سعی کرنا لازم رہے گا۔ اور انہی وجوہ سے مضمون کے قرض تمسکات سے متعلق بقیہ مباحث پر مزید کوئی گفتگو نہیں کی گئی ہے۔

۱۴۔ حصص میں سرمایہ کاری کے فوائد:

اس کے تحت درج ۱، ۲ کا طریقہ کار درست ہے، اور ۳ اور اس کے بعد کے مندرجات از ۱۲ تا ۱۴ میں وہی گفتگو ہے جو قرض تمسکات کے مباحث میں مذکور ہو چکی ہے۔

نوٹ: اتنی گفتگو کے بعد (زیر عنوان خلاصہ اور سوال نامہ پر) کچھ لکھنے کی حاجت نہیں۔

☆☆☆

<u>مولانا شمس پیرزادہ، بمبئی</u>

کسی سودی اسکیم میں شریک ہونا یا تعاون کرنا ہرگز جائز نہیں، البتہ موجودہ حالات میں واقعی مجبوریوں کا لحاظ کئے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ اس لئے جس کے لئے جس حد تک مجبوری ہے اس کے لئے اسی قدر رعایت ہوسکتی ہے کہ "اتقوا الله مااستطعتم"۔

۱ تا ۵: ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔

۶۔ صفر سود یہ قرض تمسکات سے متعلق ہے جو دراصل سود کے لئے ایک حیلہ ہے اس لئے جائز نہیں۔

۷۔ ضرورتاً ایسی کمپنی کے قیام میں مدد دی جاسکتی ہے جس کی اسکیم میں کاروبار کے لئے سودی قرض لینا شامل ہو، کیونکہ قرض لینے کی مجبوری عام طور سے نہیں آتی ہے۔

۸۔ اس کا جواب اثبات میں ہے۔

۹ تا ۱۲۔ ان سب کا جواب نفی میں ہے۔

واضح رہے کہ معاملہ کی نوعیت اگر یہ ہو کہ اصلاً وہ درست ہے لیکن ضمناً اس میں سود شامل ہو گیا ہے تو اس کے لئے جواز کی صورت ہے، لیکن اگر معاملہ کی نوعیت ہی سودی کاروبار کی ہو تو وہ جائز نہ ہوگا۔

ڈبنچر (Debenture) کا معاملہ صریح طور پر سودی معاملہ ہی ہے، اس لئے اس کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں۔

۱۳۔ اگر کمپنی نے حصص کے سلسلے میں بطور حق قرض تمسکات کی پیشکش کی ہے تو اس کو فروخت کرکے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۱۴۔ جب قرض تمسکات خریدنا ہی جائز نہیں تو ان کو حصص میں تبدیل کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

۱۶،۱۵۔ ان دونوں کا جواب بھی عدم جواز کا ہے۔

۱۷۔ سود اگر وصول ہی کرنا پڑا ہو تو اس کا مصرف فقراء ومساکین پر صرف کرنا ہے۔

۱۸۔ حصص کی فروخت اپنے نام منتقل کرائے بغیر جائز ہے۔

۱۹۔ جب قرض تمسکات خریدنا جائز نہیں تو ان کی فروخت کا کیا سوال۔ اگر کسی کے پاس قرض تمسکات ہوں تو وہ فروخت کر کے سود کی رقم اس میں سے منہا کر دیئے

☆☆☆

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، ندوۃ العلماء لکھنو

۱۔ سوال واضح نہیں ہے، اس لئے جواب دینا مشکل۔

۳،۲۔ جائز نہیں۔

۴۔ اگر قرض غیر سودی ہو تو ایسی شکلیں جائز ہوں گی جن میں ربا (سود) لازم نہ آئے۔ لیکن قرض دلانے کا ''واسطہ'' بننے کی اجرت اصلاً جائز نہیں۔

۵۔ جائز نہیں۔

۶۔ جو سوال نمبر۴ کا جواب ہے وہی اس کا جواب بھی ہے۔

۷۔ جائز نہیں۔

۸۔ اگر سود پر لئے گئے قرض کی رقم کا کاروبار اور غیر سودی رقم کا کاروبار علیحدہ علیحدہ ہو تو اس میں سرمایہ کاری کی جاسکتی ہے، ورنہ نہیں۔

۱۰،۹۔ اگر حصص غیر سودی ہوں تو انہیں فروخت کی غرض سے خریدنا شرعاً جائز ہونا چاہئے۔

۱۱۔ جب سودی قرض کے تمسکات خریدنا ہی جائز نہیں تو اس پر متفرع صورت بھی جائز نہیں۔

۱۲۔ جائز ہے، خریدے جاسکتے ہیں۔

۱۳۔ محض ''پیشکش'' شرعاً قابل عوض نہیں، جو شئی یا عمل قابل عوض نہ ہو اس پر مال لینا جائز نہیں۔

۱۵،۱۴۔ شکل واضح نہیں، تفصیل معلوم ہونے اور شکل کے واضح ہو جانے کے بعد ہی کوئی رائے دی جاسکتی ہے۔

۱۶۔ جس سے سود وصول ہوا ہے اسی کو وہ رقم دیدی جائے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

۱۷۔ جیسا کہ سوال نمبر ۱۶ کے تحت گذرا کہ اس میں (۱۶ میں) تو ایک شکل جواز کی نکل سکتی ہے، بقیہ میں نہیں۔ پھر جب ایسے ''تمسکات'' کا خریدنا ہی جائز نہیں تو اس پر ملنے والے سود سے متعلق سوال ہی بے محل ہے۔ اور اس کا حکم بھی واضح ہے کہ ہر قسم کے سود کا لینا حرام ہے۔

۱۹،۱۸۔ ''بیع قبل القبض'' کی صورت نہ پیدا ہو تو اس شکل سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہوسکتا ہے۔

☆☆☆

مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی

۱۹ نمبرات پر مشتمل سوالنامہ کا تجزیہ خلاصہ کے طور پر دو حصوں میں کیا جاسکتا ہے:

۱۔ یہ کہ کمپنی جو تجارت کے لئے قائم کی جاتی ہے، اور اس کا سرمایہ مقرر کرکے اس کے شیئرز (Shares) خریدے جاتے ہیں، اس اسکیم میں کاروبار کا جو طریقہ ہے مثلاً سود پر قرض لینا اور اس کا سود اصل رقم سے یا نفع کی رقم سے دینا، اسی طرح اصل یا نفع کی رقم کو سود پر دینا اور حاصل شدہ سودی رقم کمپنی کے نفع میں شامل کرکے شیئر ہولڈرس (Share Holders) کو تقسیم کرنا، کیا ایسی کمپنی میں مسلمانوں کے لئے شیئرز خریدنا یعنی اس میں حصہ دار بننا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ یہ کہ شیئرز کی قیمتوں میں کمپنی کے نفع اور نقصان کے اعتبار سے کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے، لہذا شیئرز ہولڈرس شیئرز کی قیمتیں زیادہ ہوجانے کے وقت بعض دفعہ اپنا حصہ کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیتے ہیں، تو کیا کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت شرعاً درست ہے؟ غرضیکہ سوالنامہ کا حاصل یہ دو سوالات ہیں، ان میں سے ہر ایک کا جواب بالترتیب ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ کمپنی میں شیئرز خریدنے کا جو طریقۂ کار ہے اور کاروبار چلانے کی جو اسکیم ہے شرعی نقطۂ نظر سے یہ شرکت کا معاملہ ہی نہیں ہے۔ فقہی اصول وضابطے کے مطابق نہ تو یہ شرکت عنان ہے، نہ شرکت مفاوضہ میں داخل ہے، نہ ہی شرکت صنائع وتقبل میں اس کا شمار ممکن ہے۔ اگر اسے شرکت مضاربت میں رکھا جائے تو اس کے تمام شرائط بھی اس میں نہیں پائے جاتے، سب سے زیادہ خطرناک بات یہ پائی جاتی ہے کہ شیئرز ہولڈرس جو کچھ پیسے کمپنی میں جمع کرتے ہیں وہ پیسے کبھی کسی حالت میں واپس نہیں ملتے، کمپنی کبھی واپس نہیں کرتی۔ شیئر ہولڈر اگر اپنا شیئر کسی کے ہاتھ فروخت نہ کرے تو اس کے سرمایہ کی رقم ایک طرح سے سوخت ہوجاتی ہے۔

۲۔ رہا کمپنی کے شیئرز کا فروخت کرنا تو اس کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں۔ اول تو اس وجہ سے کہ وہ رسید جو شیئرز ہولڈر کو کمپنی کی طرف سے رقم کی وصولیابی پر ملتی ہے وہ مبیع نہیں، بلکہ مبیع درحقیقت وہ رقم ہے جو شیئرز ہولڈر کی کمپنی میں جمع ہے، اور پیسوں کی بیع پیسوں کے عوض کمی زیادتی کے ساتھ شرعاً ناجائز ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔ دوسرے یہ کہ کمپنی میں جو رقم جمع ہوتی ہے وہ نقد کی شکل میں جمع نہیں رہتی ہے، بلکہ کچھ عمارت کی شکل میں، کچھ فرنیچر کی شکل میں، کچھ سامان تجارت کی شکل میں، اور کچھ دوسروں کے یہاں سودی قرض کی شکل میں ہوتی ہے، لہذا مبیع اس صورت میں مجہول ہے معلوم اور متعین نہیں ہے، اور یہ کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ جس بیع میں مبیع مجہول ہو اس کی بیع درست نہیں۔ اوپر بتایا جاچکا ہے کہ شیئرز ہولڈر کی جو رقم کمپنی میں جمع ہوتی ہے وہ رقم واپس نہیں ملتی ہے، نہ وہ خود واپس لے سکتا ہے، پس جو چیز مشتری کو سپرد کرنے پر بائع قدرت نہیں رکھتا ہے اس کی بیع شرعاً کس طرح جائز ہوگی۔ علاوہ ازیں شیئر کو فروخت کرتے وقت بائع اور مشتری ہر دو کے نزدیک نفع کی رقم نامعلوم ہوتی ہے، نیز کمپنی میں پوری رقم نقد کی شکل میں بہت سے لوگوں کے ذمہ دین ہوتی ہے، اور بیع صرف دین میں جائز نہیں، یہاں مدیون بائع اور مشتری کے علاوہ تیسرا شخص

ہے۔غرض ان سب وجوہ سے کمپنی کے شیئرز کا فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں۔

☆☆☆

مولانا محمد عبیداللہ الاسعدی، باندہ

۱۔ گنجائش سمجھ میں آتی ہے، بالخصوص جبکہ سودی قرض کا تذکرہ قانونی مصالح کی بنا پر ہو۔

۲۔ اگر وہ کمپنی جواز کا فتوی لے چکی ہے اور وہ محض سفارش کی حد تک نہیں بلکہ باقاعدہ بھاگ دوڑ اور وقت کی قربانی کے ساتھ ہو تو جائز ہے۔

۳ تا ۵۔ بظاہر یہ سارے کام سودی دستاویزوکاغذات سے متعلق ہیں، اس لئے یہ اجرت جائز نہ ہوگی۔

۶۔ لی جاسکتی ہے۔

۷،۸۔ جی ہاں۔

۹ تا ۱۳، ۱۸۔ قرض تمسکات کی بیع کا جواز سمجھ میں نہیں آتا، اصولاً یہ تمسکات اسنادقرض ہیں اور یہ معاملہ حوالہ ہے جس میں صاحب حق اصل سے کم تو تاویل کے ساتھ لے سکتا ہے مگر ادا کردہ رقم سے زائد لینا سمجھ میں نہیں آتا کہ کس تاویل سے ہوگا۔

البتہ مالکیہ کے یہاں قرض کو غیر مقروض کے ہاتھ بھی بیچا جاسکتا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴؍۴۳۴)، اور کمپنیوں کا اب جو عام رواج ہے اس کی وجہ سے اس کے معاملات کو ابتلائے عام کے تحت شمار کرکے ایک موقع پر حضرت تھانویؒ نے دوسرے مذہب پر فتوی کا ذکر کیا ہے (امداد الفتاوی ۳؍۴۹۵) اس لئے ضرورتاً یہاں اس کو اختیار کر لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ سود کے لین دین کا معاملہ جڑا ہوا نہ ہو، اور یہ تمسکات عموماً اس سے خالی نہیں ہوتے، اس لئے منع کیا جائے گا۔

۱۴، ۱۵۔ صورت پورے طور پر سمجھ میں نہیں آتی، آدمی اپنے حق کی واجبی لاگت میں کمی وزیادتی کرسکتا ہے۔

۱۶۔ نہیں۔

۱۷۔ ہاں۔

۱۹۔ حوالہ کی مذکورہ صورت درست ہے۔

☆☆☆

مفتی جمیل احمد نذیری، مبارکپور

۱۔ اجرت لی جاسکتی ہے۔

(الف) إذا استأجر رجلا ليحمل له خمرا فله الأجر في قول أبي حنيفة وقال أبو يوسف ومحمد لا أجر له وإذا استأجر ذمي مسلما ليحمل له خمرا ولم يقل ليشرب أو قال ليشرب جازت الإجارة في قول أبي حنيفة خلافا لهما.

(ب)إذا استأجر ذمی دابة من مسلم أوسفينة لينقل عليها الخمر جازفي قول أبی حنيفة.
(ج) إذا استأجر الذمی من المسلم بيتاليبيع فيه الخمر جازعند أبی حنيفة.
(د) ولواستأجر مسلماليرعی له الخنازيريجب أن يكون علی الخلاف كمافی الخمر.
(ھ) مسلم آجر نفسه من مجوسی ليوقدله النار لابأس به كذا فی الخلاصة.
(و) وإن استأجر لينحت له طنبورا أوبربطاففعل طاب له الأجر إلاأنه يأثم به كذا فی فتاوی قاضی خان.
(ز) ولواستأجر الذمی ليبنی له بيعة أوكنيسة جاز ويطيب له الأجر كذا فی المحيط
(فتاوی عالمگیری کتاب الاجارۃ ۳/۵۲۶)

اس کی ایک اور نظیر امداد الفتاوی (۳/۱۶۷) میں حضرت تھانویؒ کا وہ فتوی بھی ہے جس میں ایک سوال کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ مدارس و مکاتب میں استاد اگر نصاب کی کتاب میں سود کا حساب پڑھائے تو جائز ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حساب کتاب خود معصیت نہیں بلکہ اس کا عملی استعمال معصیت ہے، اسی طرح کسی کمپنی کے قیام کی ایسی اسکیم بنانا جس میں کاروبار کے لئے سود پر قرض لینا شامل ہو، بذات خود معصیت نہیں بلکہ کاروبار کے لئے سودی قرض لینا معصیت ہے۔

۲۔ جائز نہیں، کیونکہ سودی قرض دلانے میں مدد کرنا معصیت ہے (دیکھئے: تنقیح فتاوی حامدیہ ۲/۱۴۰)۔
۳،۴۔ اجرت حاصل کی جاسکتی ہے، جواب نمبر ا کے تحت دلائل ذکر کئے جاچکے ہیں۔
۵،۶۔ اجرت حاصل کی جاسکتی ہے۔
۷،۸۔ ایسی کمپنی میں سرمایہ کاری جائز ہے بشرطیکہ کمپنی جو کاروبار کرنے والی ہو یا کر رہی ہو وہ فی نفسہ مباح ہو اور سرمایہ کاری کرنے والے کا سرمایہ اور نفع سود سے محفوظ رہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

حقیقت شرعیہ اس معاملہ کی شرکت ہے، یعنی روپے داخل کرنے والے اس تجارت کے شرکاء ہیں اور کارکنان کمپنی تمام کاروبار میں ان کے وکیل ہیں، اور چونکہ یہ تجارت یعنی بجلی تیار کر کے اہل حاجت کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے اس کا نفع وغیرہ بھی حلال ہے۔ رہا وہ امر خلاف شرع جو اخیر میں لکھا ہے اس عبارت میں کہ بعض اوقات قرضہ......الی قولہ......وصول کرتی ہے۔ سو جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس کی اطلاع نہ ہو اس نے تو کارکنان کمپنی کو ان دو امر (یعنی قرض لینا اور اس پر سود وصول کرنا) کا وکیل ہی نہیں بنایا، اس لئے کارکنوں کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا، اور جن کی اطلاع ہو تو وہ تصریحاً اس کی ممانعت کردیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرف نسبت تو نہ ہوگی، یہ کلام تو منسوب ہونے یا نہ ہونے میں ہے۔ لیکن یہ سوال اب بھی باقی ہے کہ کمپنی جو سود وصول کرے گی حصہ داروں پر وہ بھی تو تقسیم ہوگا، تو سود سے یہ حصہ دار منتفع ہوئے، سو اس میں کئی حالتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس کا وقوع لازم تو ہے نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ کمپنی کا کسی کے ذمہ قرضہ ہی نہ ہو، اس لئے سود

لینے کی نوبت ہی نہ آئے، اور اصل صورت تجارت کمپنی کی حلال تھی، تو شک سے حرمت کا حکم نہ کریں گے اور تفتیش ایسے امور میں واجب نہیں، نہ تفتیش سے ہر شخص کو اس جز کا وقوع یا عدم وقوع معلوم ہو سکتا ہے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ کمپنی نے یہ سود غیر مسلم سے لیا ہے تو اس میں ربوا من الحربی کا مسئلہ جاری ہوگا، جس کا مختلف فیہ ہونا معلوم ہے، اس لئے مبتلا کو اس میں تنگی نہ ہوگی، اور جو سود کمپنی نے دیا ہے اس میں شرکاء کا سود سے انتفاع محتمل ہی نہیں (امداد الفتاوی ۳/۴۹۱، ۴۹۲)۔

۹۔ اگر حصص کے ساتھ قرض تمسکات کا خریدنا لازم نہ ہو تو صرف حصص ہی خریدے جائیں اور اگر حصص کے ساتھ قرض تمسکات بھی خریدنا لازم ہو تو سوال میں ذکر کردہ نیت کے ساتھ خریدنا جائز ہے۔ لیکن جتنے میں خریدا ہے اس سے زیادہ پر فروخت کرنا کی گنجائش نہیں، زائد رقم سود ہو جائے گی۔

اسی طرح فروختگی سے پہلے اس پر جو سود کا اضافہ ہو چکا ہو اس کو بھی شامل کر کے دونوں کی مجموعی قیمت پر بھی فروخت کرنا جائز نہیں، بلکہ خالص قرض کی رقم پر فروخت کیا جائے۔ البتہ کم پر فروخت کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ سوال میں اگرچہ اسے "فروختگی" سے تعبیر کیا گیا ہے مگر حقیقت میں یہ "خرید و فروخت" نہیں "حوالہ" ہے۔ اگر بیع کی نیت ہو تو کسی طرح یہ بیع جائز نہ ہوگی، کیونکہ دین کی بیع درست نہیں۔ در مختار میں ہے:

وأفتى المصنف ببطلان بيع الجامكية لمافي الاشباه بيع الدين إنما يجوز من المديون. وفي ردالمختار إذا باع الدين من غير من هو عليه كماذكر لايصح (۱۴/۴)۔

ہاں اگر حوالہ کی نیت کی جائے تو یہ معاملہ جائز ہوگا مگر پھر حوالہ کی ساری شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا۔

یہاں تین فریق ہیں:

محیل: حوالہ کرنے والا یعنی وہ شخص جس نے کمپنی سے قرض تمسک خریدا ہے۔

محتال[۱]: جس کا قرض دوسرے کے حوالہ کیا جارہا ہے یعنی کمپنی۔

محتال علیہ: جسے اب قرض کی وصولیابی کا ذمہ دار بنایا جارہا ہے یعنی وہ شخص جو قرض تمسک خریدنے والے سے قرض تمسک خرید رہا ہے۔

محیل قرض تمسکات پر زائد رقم اس لئے نہیں لے سکتا کہ حوالہ کرنا ہے اور کم اس لئے لے سکتا ہے کہ اسے جائز تھا کہ وہ قرض کی پوری رقم حوالہ کرے یا اس کا کوئی جز۔

محیل کا جو قرضہ کمپنی کے ذمہ تھا، اس نے اسے محتال علیہ سے وصول کر کے اور قرض تمسکات محتال علیہ کے سپرد کر کے یہ بتادیا کہ اب یہ قرضہ کمپنی سے تم وصول کرو اور اپنے پاس رکھ لو، یہاں اہم بات یہ ہے کہ جب محیل نے

۱۔ حقیقت میں محتال وہ شخص ہے جس نے قرض تمسک خریدا ہے اور محتال علیہ کمپنی ہے، یہ کتاب الحوالہ کی فقہی اصطلاح کے مطابق ہے، لیکن یہاں جو صورت حال پیش آئی ہے اس کے اعتبار سے محتال اور محتال علیہ الگ لکھے گئے ہیں، یوں فقہی اصطلاح بھی یہاں صادق آجاتی ہے۔ مسئلہ میں کسی اعتبار سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

قرض تمسکات دے کر محتال علیہ سے کمپنی پر عائد شدہ قرض کی رقم وصول کرلی تو یہ محتال علیہ کا قرضدار ہوگیا اور محتال علیہ قرضخواہ، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر محتال علیہ کمپنی سے کسی وجہ سے تمسکات کی رقم وصول کرنے پر قادر نہ رہا تو جو رقم وہ محیل کو دے چکا ہے محیل اسے لوٹائے گا (دیکھئے: ہدایہ ۱۲۹/۳، تنقیح فتاوی حامدیہ ۲۹۳/۱)۔

قرض تمسکات کو کم قیمت پر حوالہ (فروخت) کرنے کی صورت میں محتال (مشتری) سے کہہ دیا جائے کہ تمہاری دی ہوئی رقم سے جو زائد رقم تم کو ملے گی (یعنی اصل قرض تھا ایک ہزار روپے، حوالگی ہوئی نوسو روپے کی تو قرض تمسکات پر محتال کو ایک سو روپے زائد ملے) وہ تمسکات سے روپے حاصل کرنے کی دوڑ دھوپ کی اجرت میں رکھ لینا، ساتھ ہی اسے یہ بھی بتادیا جائے کہ ان تمسکات پر جو سود لگ رہا ہے اسے وصول نہ کرنا، اس کے بعد بھی وہ وصول کرے گا تو خود گناہ گار ہوگا، اس کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی (دیکھئے: امداد الفتاوی ۴۹۱/۳)۔

۱۰۔ خریدے جاسکتے ہیں اور ان تمسکات پر ملنے والے سود کو بلا نیت ثواب غرباء پر صدقہ کردیا جائے۔

۱۱۔ قرض تمسکات کی فروختگی دراصل حوالہ ہے اور حوالہ کی ہی نیت وشرائط کے ساتھ جائز ہوسکتا ہے ورنہ نہیں، جیسا کہ سوال نمبر ۹ کے جواب کے تحت تفصیل سے لکھا جاچکا ہے۔ لہذا زائد قیمت پر فروخت (حوالہ) کرنا جائز نہیں ہے۔

مضر حصص کی قیمت میں کمی بیشی کا کوئی اعتبار نہ ہوگا بلکہ قرض تمسکات جتنی رقم کے ہیں وہی رقم معتبر ہوگی اور اسی کی حوالگی صحیح ہوگی۔

۱۲۔ کمپنی اور بازار دونوں سے خریدے جاسکتے ہیں، لیکن کمپنی سے خریدنا دراصل کمپنی کو قرض دے کر سند قرض حاصل کرنا ہے، لیکن بازار سے خریدنا بیع کی نیت وشرط کے ساتھ جائز نہیں کیونکہ یہ حوالہ ہے، لہذا حوالہ کے احکام پر عمل درآمد ضروری ہے، جن کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۱۳۔ مذکورہ قرض تمسکات میں بھی حوالہ کے احکام پر عمل کرسکتے ہیں، لیکن ''فائدہ'' غالباً نہ ہوسکے گا کیونکہ زائد پر فروخت (حوالہ) کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

۱۴۔ احقر کے نزدیک یہ صورت جائز معلوم ہوتی ہے، اس کی نظیر انکم ٹیکس (Income Tax) وسیل ٹیکس (Sale Tax) میں سودی رقم دینے کا جواز ہے (فتاوی رحیمیہ ۱۷۵/۳، نظام الفتاوی ۴۳۰/۲، ۴۳۱)۔

۱۵۔ نا قابل تبدیل اجزاء کی فروخت (حوالگی) پر اضافی رقم نہیں لی جاسکتی، لہذا یہ سوال ہی ختم ہوجاتا ہے کہ حصص کی لاگت کو اضافی قیمت سے منہا کرکے کم کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔

۱۶۔ نا قابل تبدیل اجزاء کے حوالہ (فروخت) کرنے پر ''نقصان'' سے مراد یہ ہو کہ اتنی رقم نہ مل پائے گی جو حصص مضر ہونے کی صورت میں ملتی لیکن وہ رقم مل جائے گی جو اب کمپنی کے ذمہ قرض رہ گئی ہے، تو یہ نقصان شرعاً نقصان نہیں۔ لہذا سود سے اس کی تلافی کا کیا سوال۔

لیکن اگر نقصان سے مراد یہ ہو کہ اتنی رقم نہ مل پائے گی جو اب کمپنی کے ذمہ باقی رہ گئی ہے تو بھی موجودہ

صورت میں سود کی رقم سے اس کی تلافی احقر کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ سود ملا ہے کمپنی سے اور نقصان ہوا ہے کسی اور کو ناقابل تبدیل اجزاء حوالہ (فروخت) کرنے سے۔

جہاں تک سوال نمبر ۱۴ کا تعلق تھا اس میں اضافی رقم لینا اور سود دینا، دونوں کام کمپنی ہی کرتی تھی، لہذا جو رقم جہاں سے آئی تھی وہیں پہونچ گئی۔ پھر موجودہ صورت میں نقصان کا کیا سوال؟ ناقابل تبدیل اجزاء کی رقم کمپنی تو دے گی ہی، خواہ تاخیر سے ہی سہی۔

۱۷۔ قرض تمسکات پر ملا سود واجب التصدق ہوگا، اور قرض تمسکات کی فروخت (حوالہ) پر منافع کا سوال ہی نہیں، تفصیل جواب نمبر ۹ کے تحت گذری ہے۔

۱۸۔ حصص کی بیع منقول کی بیع ہے، اور منقولات کی بیع بلا قبضہ جائز نہیں ہے۔

وبیع المنقول قبل القبض لایجوز بلاخلاف بین أصحابنا (بدائع الصنائع ۳۰۶/۵)۔

بزازیہ میں ہے:

لایصح بیع المنقول قبل قبضہ من البائع أو الأجنبی لنہیہ علیہ الصلوۃ والسلام عن بیع مالم یقبض (بزازیہ ۳۹۶/۴، شامی ۱۶۲/۴، فتح القدیر ۱۳۵/۶)۔

نام کی منتقلی ہی قبضہ ہے، جب نام منتقل نہیں ہوا تو قبضہ نہیں ہوا، لہذا یہ خرید وفروخت جائز نہ ہوگی۔

۱۹۔ قرض تمسکات کو زائد رقم پر فروخت (حوالہ) نہیں کیا جاسکتا، انتظار کیا جائے اور حصص میں تبدیل ہونے کے بعد فروخت کیا جائے تا کہ زائد رقم جائز رہے۔ چونکہ یہ حوالہ ہے اس لئے قبضہ کی شرط نہیں ہے، نام منتقل ہوئے بغیر بھی ''حوالہ'' کرنا جائز ہے لیکن زائد رقم لینا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆

<u>مفتی اسماعیل بھد کودروی، گجرات</u>

۱۔ کمپنی کی جس اسکیم میں سود پر قرض لینا شامل ہو، ایسی اسکیم بنا کر اجرت لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ باختیار خود سودی قرض لینے کا مباشر بنتا ہے۔

۲۔ سودی قرض دلانے کی کارروائی میں مدد کر کے اجرت حاصل کرنا جائز نہیں ہے، حدیث شریف میں سودی معاملہ میں معاون بننے پر وعید وارد ہوئی ہے۔

۳۔ ناقابل تبدیل سودی قرض تمسکات سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کرنا جائز نہیں ہے، یہ حکم کمپنی کے غیر حصہ دار کے لئے مذکورہ تمسکات کی کارروائی سے متعلق ہے، کیونکہ کمپنی کے پرانے حصہ دار کیلئے بطور حق سودی قرض تمسکات سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کرنا محل غور وفکر ہے۔

۴۔ اس صورت میں بھی غیر شریک کے لئے حصص سے منسلک ناقابل تبدیل قرض تمسکات کے اجراء سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کرنے کا حکم جواب نمبر ۳ کی طرح ناجائز ہے، اور حصہ دار کے لئے یہ امور

انجام دے کر اجرت حاصل کرنا محل غور وفکر ہے۔

۵۔ کلی طور پر قابل تبدیل سودی قرض تمسکات سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کرنا جائز ہے، چاہے یہ امور کمپنی کے حصہ دار کے لئے انجام دیئے جائیں یہ غیر حصہ دار کے لئے، دونوں صورتوں میں اجرت لینا جائز ہے کیونکہ سود کے نام سے ملنے والی رقم کو برابری کے حصص کی قیمت کی کمی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات سے متعلق امور غیر حصہ دار کے لئے انجام دے کر اجرت حاصل کرنا ناجائز ہے، البتہ حصہ دار کے لئے یہ امور انجام دینا اور اجرت حاصل کرنا محل غور ہے۔

۶۔ اس صورت میں سود کا دخل نہیں ہے، لہٰذا ایسے غیر سودی قرض تمسکات سے متعلق امور انجام دے کر اجرت حاصل کرنا جائز ہے، اس صورت میں اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرض دے کر برابری کے حصص کم قیمت میں حاصل کرنے کا فائدہ اٹھانا پایا جاتا ہے، مگر اس قرض تمسکات کے سرمائے میں اگر یہ توجیہ کی جائے کہ یہ سرمایہ قرض نہیں ہے بلکہ ملنے والے حصص کی داخل کردہ قیمت ہے، تو پھر قرض دے کر اس سے کم قیمت میں حصص حاصل کرنے کا اشکال باقی نہ رہے گا۔

۷،۸۔ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے ایسی کمپنی کے شیئرز خرید کر اس میں سرمایہ لگانے کا یہ حل تحریر فرمادیا ہے کہ: سو جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس کی اطلاع نہ ہوا س نے اس نے تو کارکنان کمپنی کو ان دو امر کا وکیل ہی نہیں بنایا، اس لئے کارکنوں کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا، اور جس کو اطلاع ہو وہ تصریحاً اس سے ممانعت کردیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرح نسبت تو نہ ہوگی۔ (امداد الفتاوی ۳/۴۹۱)۔

۹۔ حصص سے منسلک نا قابل تبدیل یا قابل تبدیل سودی قرض تمسکات بازار سے خریدنا نہ کمپنی کے پرانے حصہ دار کے لئے جائز ہے نہ غیر حصہ دار کے لئے، اس لئے کہ یہ صورت تو نقد رقم دے کر دوسرے سے اس کا کمپنی کو دیا ہوا قرض خریدنا ہے، اور اگر نقد رقم اور قرض تمسکات میں اداشدہ سرمایہ میں کمی زیادتی ہو تو اور بھی زیادہ مذموم ہے کہ ربائے فضل کا تحقق بھی ہوگا۔

کلی قابل تبدیل سودی قرض تمسکات کو براہ راست کمپنی سے خریدنا حصہ دار اور غیر حصہ دار دونوں کے لئے جائز ہو اس کی گنجائش ہے، کیونکہ اس صورت میں ملنے والے سود کو برابری کے حصص کی قیمت کی کمی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

جزوی طور پر قابل تبدیل سودی قرض تمسکات کو براہ راست کمپنی سے خریدنا غیر حصہ دار کے لئے تو جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کے سرمایہ کا نا قابل تبدیل جز تو خالص سودی قرض ہی میں محبوس رہے گا، البتہ کمپنی کے حصہ دار کے لئے ایسے تمسکات کا خریدنا محل غور وفکر ہے۔

۱۰۔ اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو نمبر ۹ کے جواب میں مذکور ہوئی، اور اس صورت میں ایسی نیت کرنے سے کہ ان تمسکات کو بقدر ضرورت (یعنی حصص میں تبدیل ہونے تک) ہی روکا جائے گا، خریداری کے ناجائز ہونے پر کچھ اثر نہ ہوگا۔

۱۱۔ قابل تبدیل قرض تمسکات کے حصص میں تبدیل ہونے سے پہلے ان کو فروخت کرنا اور منافع حاصل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ سرمایۂ تمسکات کے حصص میں تبدیل ہونے سے پہلے یہ سرمایۂ نقد کا سرمایۂ دین کے عوض کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ ہے جو کھلا ہوا سودی معاملہ ہے۔

۱۲۔ مذکورہ غیر سودی قابل تبدیل تمسکات کو براہ راست کمپنی سے خریدنا کمپنی کے حصہ دار اور غیر حصہ دار دونوں کے لئے جائز ہے، مگر بازار سے خریدنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ سرمایۂ نقد و دین کا کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ ہوگا۔

۱۳۔ ناقابل تبدیل قرض تمسکات اور جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کی پیشکش سے دوسرے کے حق میں دستبردار ہوکر اس کا عوض لینا جائز نہیں ہے کیونکہ کمپنی کے حصہ دار کے لئے ان دونوں قسم کے تمسکات کا لینا قابل غور وفکر ہے اور غیر حصہ دار کے لئے تو اس کا لینا جائز ہی نہیں ہے، اور کلی طور پر قابل تبدیل سودی قرض تمسکات کا خریدنا (ادائیگی قیمت اور ملنے والے سود میں نقص قیمت کی تاویل سے) اگر چہ جائز ہے مگر کمپنی تو اس کو قرض ہی کا نام دیتی ہے، اور حق اقراض سے دستبرداری کا عوض لینا جائز نہیں ہے۔ لہذا احتیاط یہی ہے کہ اس قسم کے تمسکات سے دوسرے کے حق میں دستبردار ہوکر فائدہ نہ حاصل کیا جائے۔

۱۴۔ جیسا کہ مذکورہ بالا جوابات میں واضح کیا گیا ہے اس کے مطابق کلی طور پر قابل تبدیل سودی تمسکات پر ملنے والے سود کو حصص کی قیمت کی کمی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

۱۵۔ اس طرح قرض تمسکات کے ناقابل تبدیل اجزاء کے فروخت پر حاصل شدہ اضافہ کو حصص کی اضافی قیمت میں سے منہا سمجھنا درست نہیں ہے، کیونکہ حصص کی اضافی قیمت کمپنی حاصل کرتی ہے، اور ناقابل تبدیل اجزاء کے فروخت پر ملنے والا اضافہ اس کے خریدار سے حاصل ہوتا ہے، جو سودی معاملہ سے حاصل ہوا ہے۔

۱۶۔ قرض تمسکات کے ناقابل تبدیل اجزاء کے فروخت پر ہوئے نقصان کی تلافی پر اس پر ملنے والے سود سے کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نقصان خریدار سے ہونے والے سودی معاملہ میں ہے اور ملنے والا سود کمپنی ادا کرتی ہے۔

۱۷۔ سوال نمبر ۱۵ اور ۱۶ میں ذکر کردہ جزوی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات کا خریدنا ہی ناجائز ہے، اگر کسی نے لاعلمی میں خرید لیا تو اس کے سود کو بلانیت ثواب فقراء پر صدقہ کردینا چاہئے، اور اگر لاعلمی میں نفع لے کر دوسرے کو فروخت کردیا تو اگر اس معاملہ کو فسخ کرنا دشوار ہو تو لیا ہوا نفع خریدار کو واپس کردے، اس لئے کہ یہ نفع شرعاً سود ہے اور اس کا مالک معلوم ہے۔

۱۸۔ حصص کی خرید وفروخت کا مطلب حصہ دار (شیئر ہولڈر) کمپنی کے مشترکہ اثاثوں میں سے جس مشاع حصہ کا مالک ہے اس حصہ کی خرید وفروخت کرنا ہے، اور اپنے نام حصص کو منتقل کرنے کا مطلب تو صرف اپنی ملکیت کا دستاویزی ثبوت اور استحکام فراہم کرنا ہے، اور ظاہر ہے کہ مالک حصص کی ملکیت شرعاً دستاویزی ثبوت پر موقوف نہیں ہے، لہذا شیئر ہولڈر اپنے مملوکہ حصص اپنے نام منتقل کرائے بغیر بھی فروخت کرسکتا ہے۔ کمپنی کے مشترکہ اثاثوں میں اشیاء غیر منقولہ (مکانات، فیکٹری وغیرہ) اور اشیاء منقولہ (فرنیچر، تیار شدہ مال، خام مال، نقد سرمایہ وغیرہ) دونوں قسم کی

چیزیں شامل ہیں، اشیاء غیر منقولہ کی فروخت تو قبضہ سے قبل ہی جائز ہے مگر اشیاء منقولہ کی فروخت قبضہ کے بعد جائز ہے، لیکن کارکنان کمپنی شیئر ہولڈر کے وکیل ہیں اس لئے ان کا قبضہ مالک کا قبضہ شمار ہوگا۔ کمپنی کی اشیاء مشترکہ میں نقد سرمایہ بھی شامل ہوگا، لہذا حصص کی فروخت میں بظاہر مالک حصص کا سرمایۂ نقد کا حصہ بھی شامل ہوگا اور سرمایۂ نقد کے تبادلہ میں طرفین سے قبضہ ہونا شرط ہے، ورنہ معاملہ جائز نہ ہوگا، اور یہاں مجلس میں طرفین کا قبضہ نہیں پایا جائے گا۔

اس پیچیدگی کا حل حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے: ''رہا قصہ تقابض کا سو اس کا ایک حیلہ ہوسکتا ہے، وہ یہ کہ مشتری بائع سے یوں کہے کہ تمہارا جتنا روپیہ کمپنی میں ہے اپنے اس زرثمن میں سے تم کو اس قدر (قرض) دیتا ہوں، اور تم اس قرض کا حوالہ اس کمپنی پر کردو، کہ اس سے وصول کروں یا کسی کام میں لگوادوں، اور جو زرثمن میں اس روپے سے کچھ زیادت ہے، اس کے عوض تمہارے حصہ کا سامان ازقبیل عروض خریدتا ہوں۔'' (امداد الفتاوی ۴۹۲/۳)

۱۹۔ مذکورہ تمسکات میں لگے ہوئے سرمایہ کے حصص میں تبدیل ہونے سے پہلے (چاہے وہ تمسکات مالک کے نام منتقل ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں) ان تمسکات کو کمپنی کے علاوہ کسی دوسرے سے خریدنا یا کمپنی سے خرید کر کسی دوسرے کو فروخت کرنا، یہ سرمایۂ نقد و دین کا کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کا معاملہ ہے جو سودی معاملہ ہے، لہذا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

کمپنی سے متعلق جوابات کی تلخیص

(۱۹سوالات کے جوابات)

از...... مفتی محمد فہیم اختر ندوی

۱۔ جائز نہیں ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ، مفتی اسماعیل صاحب)
سوال واضح نہیں ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)
اجرت لینا جائز ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبیداللہ اسعدی)

۲۔ جائز نہیں ہے۔(مفتی اسماعیل صاحب، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی جمیل احمد نذیری) اگر وہ کمپنی جواز کا فتوی لے چکی ہے اور یہ مد محنت ووقت کی قربانی کے ساتھ ہو تو درست ہے۔(مولانا عبیداللہ الاسعدی)

۳۔ حاصل کی جاسکتی ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری)
جائز نہیں ہوگی۔(مولانا عبیداللہ الاسعدی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا شمس پیرزادہ)
کمپنی کے غیر حصہ دار کے لئے درست نہیں ہے، پرانے حصہ دار کے لئے محل غور وفکر ہے۔(مفتی اسماعیل صاحب)

۴۔ نہیں کی جاسکتی۔(مولانا شمس پیرزادہ، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عبیداللہ الاسعدی)
حاصل کی جاسکتی ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری)
غیر حصہ دار کے لئے درست نہیں ہے، حصہ دار کے لئے محل غور ہے۔(مفتی اسماعیل صاحب)

۵۔ جائز نہیں ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبیداللہ الاسعدی)
اجرت حاصل کی جاسکتی ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری)
کلی طور پر قابل تبدیل میں درست ہے، جزوی طور پر قابل تبدیل میں غیر حصہ دار کے لئے درست ہے۔(مفتی اسماعیل)

۶۔ اجرت حاصل کی جاسکتی ہے(مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبیداللہ الاسعدی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی اسماعیل)
جائز نہیں ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ صاحب)

۷۔ جائز نہیں ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)
جائز ہے۔(مولانا عبیداللہ الاسعدی، مولانا شمس پیرزادہ، مفتی اسماعیل صاحب)
جائز ہے بشرطیکہ کمپنی کا کاروبار مباح ہو۔(مفتی جمیل احمد نذیری)

۸۔ کی جاسکتی ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی اسماعیل صاحب، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبیداللہ الاسعدی)
سود پر لئے قرض کی رقم اور غیر سودی رقم کے کاروبار علیحدہ علیحدہ ہوں تو جائز ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)

۹۔ جائز نہیں ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبیداللہ الاسعدی، مفتی اسماعیل صاحب)
جائز ہے بشرطیکہ جتنے میں خریدا ہے اسی قیمت پر فروخت کرے۔(مفتی جمیل احمد نذیری)
اگر حصص غیر سودی ہوں تو انہیں فروخت کی غرض سے خریدنا شرعاً جائز ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)

۱۰۔ نہیں۔(مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبیداللہ الاسعدی)
اگر حصص غیر سودی ہوں تو انہیں بغرض فروخت خریدنا درست ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)
خریدے جاسکتے ہیں۔(مفتی جمیل احمد نذیری)، بازار سے خریدنا درست نہیں ہے۔(مفتی اسماعیل صاحب)

۱۱۔ درست نہیں ہے۔(مفتی اسماعیل صاحب، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبیداللہ الاسعدی)، زائد رقم پر فروختگی درست نہیں ہے، جتنی رقم کے قرض تمسکات ہیں وہ رقم معتبر ہوگی۔(مفتی جمیل احمد نذیری)

۱۲۔ نہیں۔(مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبیداللہ الاسعدی)
جائز ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)
کمپنی سے خریدنا درست ہے، بازار سے خریدنے میں حوالہ کے احکام پر عمل ضروری ہے کیونکہ یہ حوالہ ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری)۔
کمپنی سے خریدنا جائز ہے، بازار سے خریدنا درست نہیں ہے۔(مفتی اسماعیل صاحب)

۱۳۔ جائز نہیں۔(مولانا عبیداللہ الاسعدی، مفتی اسماعیل صاحب)
فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ صاحب)
اس میں بھی حوالہ کے احکام پر عمل کر سکتے ہیں۔(مفتی جمیل احمد نذیری)
محض "پیشکش" شرعاً قابل عوض نہیں لہذا درست نہیں ہے۔(مولانا برہان الدین سنبھلی)

۱۴۔ درست نہیں ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ)
جائز معلوم ہوتی ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی اسماعیل صاحب)
سوال سمجھ میں نہیں آیا۔(مولانا عبیداللہ الاسعدی، مولانا برہان الدین سنبھلی)

۱۵۔ ناقابل تبدیل اجزاء کی فروخت پر اضافی رقم نہیں لی جاسکتی، لہذا یہ سوال ہی ختم ہوجاتا ہے۔(مفتی جمیل احمد نذیری)
درست نہیں ہے۔(مولانا شمس پیرزادہ، مفتی اسماعیل صاحب)

سوال سمجھ میں نہیں آیا۔ (مولانا عبید اللہ الاسعدی، مولانا برہان الدین سنبھلی)

۱۶۔ نہیں۔ (مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبید اللہ الاسعدی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی اسماعیل صاحب)

جس سے سود وصول ہوا ہے اسی کو وہ رقم دی جائے تو جائز، ورنہ نہیں۔ (مولانا برہان الدین صاحب)

۱۷۔ بلانیت ثواب فقراء ومساکین پر صدقہ کردینا چاہئے۔ (شمس پیرزادہ، مفتی اسماعیل، عبید اللہ اسعدی صاحب)

(مولانا برہان الدین سنبھلی)

واجب التصدیق ہوگا۔ (مفتی جمیل احمد نذیری)، یہ سوال ہی بے محل ہے۔

۱۸۔ جائز ہے۔ (مولانا شمس پیرزادہ، مفتی اسماعیل صاحب)

جائز نہیں ہے۔ (مفتی جمیل احمد نذیری)

بیع قبل القبض کی صورت نہ پیدا ہو تو جواز ہے۔ (مولانا برہان الدین سنبھلی)

۱۹۔ جائز نہیں ہے۔ (مفتی اسماعیل صاحب)

چونکہ یہ حوالہ ہے اس لئے درست ہے، لیکن زائد رقم لینا جائز نہیں ہے۔ (مفتی جمیل احمد نذیری)

بیع قبل القبض کی صورت نہ پیدا ہو تو درست ہے۔ (مولانا برہان الدین سنبھلی)

قرض تمسکات خریدنا جائز نہیں، تو فروخت کا کیا سوال۔ (مولانا شمس پیرزادہ)

نوٹ: مفتی نظام الدین صاحب نے "کمپنی میں سرمایہ کاری" مضمون کے ذیلی عناوین پر تبصرہ فرمایا ہے، اور مولانا حبیب الرحمن خیرآبادی صاحب نے ایک عمومی تبصرہ ایک صفحہ کے مضمون میں فرمایا ہے، ان دونوں کی تلخیص شامل نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

کمپنی کے کاروبار سے متعلق چندمزید سوالات

۱۔ کمپنیز کی اپنے کاروبار کی نوعیت کے اعتبار سے تین قسمیں ہوسکتی ہیں:

(۱) وہ کمپنیاں جن کا کاروبار حلال ہو۔

(۲) وہ کمپنیاں جن کا کاروبار حرام ہو۔

(۳) وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن ان کو بعض اوقات سودی لین دین میں ملوث ہونا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نمبر۲ میں مذکور کمپنی میں حصہ لینا جائز نہیں ہے، اور نمبر۱ میں حصہ لینا جائز ہے، نمبر۳ کے بارے میں کیا شرعی حکم ہے؟

اس ضمن میں اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ کمپنی خود ایک فرد اعتباری ہے، جس کا قانونی وجود تسلیم کیا جاتا ہے، کمپنی کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ تمام شیئرز ہولڈرس مل کر مجموعی طور پر کمپنی کے مالکان ہوتے ہیں، کمپنی کو اپنی میٹنگ میں کثرت رائے سے بورڈ آف ڈائرکٹرس یعنی انتظامیہ کا انتخاب کرنا ہوتا ہے، کمپنی کا یہ انتظامیہ کمپنی کو چلانے اور اس کی پالیسی کے بارے میں ان فیصلوں کا پابند ہوگا جو کمپنی کی مجلس عمومی طے کرے گی، مجلس عمومی سے مراد وہ مجلس ہے، جس کے رکن تمام حصہ دار ہوں گے۔ واضح رہے کہ ہر حصہ دار کے ووٹ کی قیمت اس کے حصص کے تناسب سے متعین ہوگی۔ کمپنی کے ہر حصہ دار کو مجلس عمومی کی نشست میں کمپنی کے بارے میں اظہار خیال کا حق ہوگا۔ اگر کوئی شخص کمپنی کی کسی ایسی پالیسی کو جس میں سودی لین دین کا ارتکاب ہوتا ہو پسند نہیں کرتا ہو تو اس پالیسی پر وہ اعتراض کرسکتا ہے، اور وہ یہ بھی کوشش کرسکتا ہے کہ اس کی رائے کو اکثریت حاصل ہو، عمل بہرحال اسی رائے پر ہوگا جو کثرت رائے سے منظور کی جائے۔ اب یہاں پر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(الف) شیئرز ہولڈر (اپنی انفرادی حیثیت میں) اور بورڈ آف ڈائرکٹرس کے درمیان کیا رشتہ ہے؟ کیا بورڈ آف ڈائرکٹرس کے ہر تصرف اور عمل کی نسبت ہر شیئرز ہولڈر کی طرف کی جائے گی؟ کمپنی قوانین کے ماہرین کا خیال یہ ہے کہ بورڈ آف ڈائرکٹرس، شیئرز ہولڈرس کی انفرادی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتا ہے، بلکہ وہ کمپنی کی نمائندگی کرتا ہے، جس کا خود علاحدہ قانونی وجود ہے۔

(ب) اگر کوئی شیئرز ہولڈر مجلس عمومی میں کسی ایسی پالیسی کی مخالفت میں ووٹ دیتا ہے جو سودی لین دین پر مشتمل ہو اور اکثریت حاصل نہیں ہونے کے باعث اس کی مخالفت کامیاب نہیں ہوتی تو کیا اسے اس صورت میں سودی لین دین کے اس عمل کی ذمہ داری سے بری الذمہ قرار دیا جاسکتا ہے؟

۲۔ مالیاتی ادارے اجرت پر لوگوں کی مختلف خدمات بھی انجام دیا کرتے ہیں، منجملہ ان خدمات کے، ایک کام مختلف کمپنیوں کے پروجیکٹ بنانا بھی ہے۔ کیا اسلامی مالیاتی ادارہ اس طرح کی فنی خدمات انجام دے سکتا ہے جبکہ بعض کمپنیوں کی اسکیمیں ایسی بھی ہوں گی جن میں حصہ داروں کے سرمایہ کے علاوہ،

(الف) سود پر قرض حاصل کرنا۔

(ب) ڈبنچر جاری کرنا، (حصص میں قابل تبدیل اور نا قابل تبدیل)۔

(ج) حصص سے منسلک ڈبنچر جاری کرنا۔

(د) کچھ عرصے بعد کلی یا جزوی طور پر حصص میں تبدیل ہونے والے ڈبنچر جاری کرنا۔

(ھ) صفر سودی قرض تمسکات جاری کرنا بھی شامل ہے۔

واضح رہے کہ ڈبنچر سود بردار قرض تمسک کو کہتے ہیں۔ یہ قرض تمسک جزوی یا کلی طور پر حصص میں تبدیل ہونے والے بھی ہوسکتے ہیں اور حصص میں تبدیل نہ ہونے والے بھی ہوسکتے ہیں۔ اول الذکر کو (کنورٹیبل ڈبنچر۔ Convertible Debenture) اور آخر الذکر کو (نان کنورٹیبل ڈبنچر۔ Non Convertible Debenture) کہتے ہیں۔ صفر سودی قرض تمسک پر بظاہر نہ سود آتا ہے اور نہ اس کے بقدر زائد رقم کمپنی کو دی جاتی ہے، لیکن جن شیئرز میں یہ تمسک تبدیل ہوتے ہیں ان کی قدر، عرفی قدر سے نسبتاً زیادہ ہوتی ہے اور یہ اجراء سے قبل ہی طے پاتا ہے، حصص سے منسلک ڈبنچر کے اجراء کی اسکیم یہ ہے کہ سرمایہ کار کو حصص میں اگر سرمایہ کاری کرنی ہے تو سود بردار تمسکات میں بھی سرمایہ کاری لازماً کرنی ہوگی۔

۳۔ سوال نمبر۲(ج) میں حصص سے منسلک ڈبنچر کا ذکر ہے، اس اسکیم کے ذریعہ سرمایہ کار اگر سرمایہ کاری کرے اور اس سرمایہ کاری کے نتیجے میں حاصل ہوئے ڈبنچر کو بازار میں فروخت کردے تو نتیجہ کے طور پر حصص میں جو خالص سرمایہ کاری ہوئی وہ اس قدر بازار سے حاصل کئے گئے حصص سے کم ہوتی ہے، کیا اس فائدہ کے پیش نظر اس اسکیم میں سرمایہ کاری جائز ہوگی؟

۴۔ سوال نمبر۲(د) میں حصص میں تبدیل سود بردار قرض تمسکات کے ذریعہ سرمایہ کار اگر سرمایہ کاری کی جائے اور صرف قرض تمسکات کے اس حصہ کو جو تبدیل ہوگیا یا ہوا چاہتا ہے برقرار رکھا جائے اور بقیہ کو بازار میں فروخت کردیا جائے تو بھی خالص سرمایہ کاری حصص میں بازاری قدر کے مقابلہ میں کم ہوگی۔ کیا اس فائدے کے پیش نظر اس اسکیم میں سرمایہ کاری جائز ہوگی؟۔

۵۔ سوال نمبر ایک شق (ھ) میں دی گئی صفر سودی قرض تمسک اسکیم میں سرمایہ کاری کے لئے شرعی حکم کیا ہوگا؟

۶۔ سوال نمبر۲ اور نمبر۳ میں قرض تمسک اپنی قدر عرفی سے ہمیشہ کم قدر پر فروخت ہوتا ہے الا یہ کہ اسے حصص میں تبدیل ہونے سے قبل فروخت کردیا جائے۔ کیا قرض اپنی قدر عرفی سے کم یا زیادہ قدر پر فروخت کیا جاسکتا ہے؟ نیز اس پر حاصل ہوئے سود سے اس کے نقصان کی تلافی کیا ممکن ہے؟

۷۔ کمپنیوں کو سرکار، سرکاری مالیاتی ادارے، بینک یا دوسری ایجنسیوں سے قرض لینا پڑتا ہے اور مالیاتی ادارے ایسی درخواستوں کو منظور کرانے کے لئے کوشش اور پیروی کا کام اجرت پر کرتے ہیں۔ تو کیا اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے ایسی خدمات انجام دینا جائز ہوگا؟

۸۔ پہلے سے قائم اور مالی طور پر مستحکم کمپنیوں کے حصص کی بازاری قدر ان کی قدر عرفی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ایسی کمپنیاں کبھی کبھی اپنے موجود حصہ داروں اور ڈبینچر ہولڈرس کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے ان کے حصص اور ڈبینچر کی نسبت سے بطور حق انہیں قابل تبدیل ڈبینچر میں سرمایہ کاری کی پیشکش کرتی ہیں۔ یہ حق قابل تبدیل بھی ہوتا ہے،حقدار اپنا حق استعمال کر کے سرمایہ کاری کرنا مناسب نہ سمجھے تو اپنا حق بازار میں فروخت بھی کر سکتا ہے اور فائدہ اٹھا سکتا ہے،لیکن اس فائدہ سے یقیناً کم ہوتی ہے جو سرمایہ کاری سے حاصل ہوتی ہے۔واضح رہے کہ اس اسکیم کے ختم ہونے کے بعد حصص کی قیمت بازار میں کم ہو جاتی ہے۔سوال یہ ہے کہ اس طرح ملے حق کے ذریعہ قابل تبدیل ڈبینچر میں سرمایہ کاری کے لئے کیا شرعی حکم ہے؟اور اس کی فروخت کے سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

۹۔ کیا جزوی طور پر قابل تبدیل ڈبینچر کے حصص میں تبدیل ہو جانے کے بعد نا قابل جز کے فروخت پر ہوئے نقصانات کی تلافی اس پر ملے سود سے کی جاسکتی ہے؟

۱۰۔ شیئرز میں حصص کے خریداروں کو دو زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: (۱) وہ لوگ جو کہ حصص خرید کر انہیں اپنے نام منتقل کرا کر کمپنی میں نفع ونقصان کے مستحق ہیں۔(۲) دوسرا وہ شخص جو کہ شیئرز بازار میں حصص کی قیمت کے اتار چڑھاؤ سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے حصص کی خرید وفروخت کرتا ہے۔کیا اس غرض سے حصص کی خرید وفروخت بغیر اپنے نام منتقل کرائے ہوئے جائز ہوگا؟

۱۱۔ (الف) کیا یہ شرعاً روا ہوگا کہ حصص کو رہن رکھ کر غیر سودی قرض حاصل کیا جائے یا دیا جائے؟

(ب) کیا یہ شرط روا ہوگا کہ ڈبینچر (سود بردار تمسکات) رہن رکھ کر غیر سودی قرض حاصل کیا جائے یا دیا جائے؟

۱۲۔ عام طور سے حصص کو بازار سے خرید کر کمپنی میں اپنے نام منتقل کرانے میں ۳ ماہ کا عرصہ لگ جاتا ہے، اس عرصہ میں حصص کی قیمت میں کافی اتار چڑھاؤ کا امکان رہتا ہے،ایسے حالات میں اگر کسی قیمت میں اضافہ ہو جائے اور حصص جو کہ کمپنی کو بھیجے جاچکے ہیں لیکن منتقل ہو کر واپس نہیں آئے ہیں،ان کو مستقبل بازار میں بیچنے کا طریقہ اپنا کر سودا کیا جاسکتا ہے؟اس طرح حصص بردار حصص ہاتھ میں نہ ہوتے ہوئے بھی حصص فروخت کر کے ان کی قیمت میں مستقبل میں آئی امکانی گراوٹ کے خطرے سے اپنے آپ کو محفوظ کر سکتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح سے مالک کا حصص ہاتھ میں نہ ہوتے ہوئے بھی حصص کو بازار مستقبل میں بیع کرنا جائز ہوگا؟

کمپنی کے کاروبار سے متعلق جوابات

مولانا شیر محمد خاں رضوی، راجستھان

کمپنی کے حصص کے بارے میں کافی عرصہ سے غور وخوض جاری ہے۔ شیئرز ہولڈر، بورڈ آف ڈائرکٹرز اور ڈبنچر کے باہمی تعلق کے تمام تر پہلوؤں پر تامل کیا گیا، مگر ان میں جواز کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے۔ ڈبنچر میں صریحاً سود کا پہلو موجود ہے، اس لئے اس کے عدم جواز میں کوئی شک نہیں "احل اللہ البیع و حرم الربا"۔

رہا سوال شیئرز کا تو یہ بھی اقسام بیوع میں سے کسی بھی قسم کے تحت نہیں آتے، شرکت ومضاربت کے شرائط میں سے کسی بھی شرط پر من کل وجہ پورے نہیں آتے، البتہ شیئر میں ربا وقمار کا اشتباہ بظاہر عیاں ہے اس لئے احتراز لازم ہے۔

کمپنی کے حصص کے تعلق سے فاضل بریلویؒ فتاوی رضویہ میں رقم طراز ہیں:

"ظاہر ہے کہ حصہ روپیوں کا ہے اور وہ اُتنے ہی روپیوں کو بیچا جائے گا جتنے کا حصہ ہے یا کہ زائد کو بیچا گیا تو "ربوا" ہے، اور اگر مساوی ہی کو بیچا گیا تو "صرف" ہے، جس میں تقابض بدلین نہ ہوا، یوں حرام ہے۔" (فتاوی رضویہ ۱۱۱/۷)۔

تمسکات کے بارے میں علماء دیوبند وبریلی شریف ہر دو کا یہی نظریہ ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے۔

☆☆☆

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، میسور کرناٹک

ارسال کردہ سوال نامہ بہت دیر سے دستیاب ہونے پر مضامین پر نظر غائر ڈالنے کا موقع نصیب نہ ہوا لہذا طائرانہ نظر وتوجہ کے سہارے جواب وخیالات پیش خدمت کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں خدا کرے ان موضوعات پر خاص مطالعہ رکھنے والے بزرگوں سے استفادہ کا موقع نصیب ہو۔

۱۔ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن ان کو بعض اوقات سودی لین دین میں ملوث ہونا پڑتا ہے اس کمپنی میں حصہ لینا جائز ہے، اس لئے کہ اس کا بنیادی کاروبار حلال ہے، چونکہ عام شیئر ہولڈرس مجموعی طور پر کمپنی کے مالک ہوتے ہیں، کمپنی کا انتظامیہ مجلس عمومی کے اشاروں کے ماتحت ہوتا ہے، ہر حصہ دار کو سودی لین دین کی پالیسی پر اعتراض کا حق ہے، اپنی رائے کو منوانا اور اکثریت حاصل کرنا اس کے زور وہمت اور اثر ورسوخ پر منحصر ہے، کم از کم حقیقت کو واضح کرنے کے مواقع فراہم ہوتے رہتے ہیں، اور اپنی مخالفت منوانے کے بجائے کم از کم اس کے عدم جواز کا اعلان تو کر سکتا ہے، لہذا اس کو سودی لین دین کی ذمہ داری سے بری الذمہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

۲۔ اسلامی مالیاتی ادارہ مختلف کمپنیوں کے پروجیکٹ بنانے کی خدمات انجام دے سکتا ہے، غیر اسلامی کج راہ روی کی تدریجی اصلاح کی بے حد گنجائش اور علمی وذہنی تبلیغ کے بے حساب مواقع فراہم ہوتے ہیں، ان خدمات سے دامن کشا ہونا۔ "الساکت عن الحق" کے تحت آنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، چونکہ اس میں صفر سودی قرض

تمسکات جاری کرنا بھی شامل ہے، اسلام میں تخمینات کی اصلاح کی اجازت ہے، حصص سے منسلک ڈبینچر کے اجراء کی اسکیم بھی تخمینہ ہے، اس لئے اسلامی مالیاتی ادارہ مجاز ہوسکتا ہے۔

۳،۴: جائز ہے۔

۵۔ صفر سودی قرض تمسک اسکیم میں منفعت متعین نہیں ہوتی لہذا جائز قرار دی جاسکتی ہے۔

۷۔ اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے ایسی خدمات کا انجام دینا جائز ہے۔

۸۔ زیر غور ہے۔

۹۔ تلافی کی جاسکتی ہے۔

۱۰۔ حصص کی خرید وفروخت اپنے نام منتقل کرانا بہتر ہے۔

۱۱۔ روا ہے۔

۱۲۔ جائز ہے۔

☆☆☆

<u>مولانا شمس پیرزادہ، بمبئی</u>

۱۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن ان کو بعض اوقات سودی لین دین میں ملوث ہونا پڑتا ہے، ان میں حصہ لینا بحالات موجودہ جائز ہے، کیونکہ ان کا سودی لین دین ایک ضمنی بات ہے، اور شاید ہی کوئی کمپنی ایسی ہو جو سودی لین دین سے بالکل بچی ہوئی ہو، ہر کمپنی کو بینک سے قرض لینا پڑتا ہے اور اس پر سود دیئے بغیر چارہ کار نہیں ہے، اور وہ ڈبینچر بھی جاری کرتی ہے نیز ہر کمپنی اپنے ریز روفنڈ پر سود بھی حاصل کرتی ہے، جو سود وہ وصول کرتی ہے وہ مقدار میں کم ہوتا ہے اور جو سود وہ ادا کرتی ہے وہ مقدار میں زیادہ ہوتا ہے، اس لئے کمپنی کے منافع (Dividend) میں عام طور سے شامل نہیں ہوتا۔

(الف) بورڈ آف ڈائرکٹرس کو کمپنی کے قوانین کے مطابق اختیارات حاصل ہوتے ہیں اور شیئرز ہولڈرس کی جو سالانہ میٹنگ ہوتی ہے اس کے ان فیصلوں کے وہ پابند ہوتے ہیں جو کثرت رائے سے ہوئے ہوں، اس لئے بورڈ آف ڈائرکٹرس کے ہر تصرف اور عمل کا ذمہ دار ہر شیئر ہولڈر کو نہیں قرار دیا جاسکتا۔

(ب) اگر کوئی شیئر ہولڈر مجلس عمومی میں سودی لین دین کی مخالفت کرتا ہے اور اکثریت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اسکی بات مانی نہیں جاتی تو موجودہ حالات میں اسے اس عمل کی ذمہ داری سے بری الذمہ قرار دینا پڑے گا۔

۲۔ مالیاتی ادارے مختلف کمپنیوں کے پروجیکٹ بناسکتے ہیں اور اجرت پر فنی خدمات انجام دے سکتے ہیں بشرطیکہ ان کمپنیوں کا اصل کاروبار حرام نہ ہو، اور نہ ان اداروں کو کسی حرام سے ملوث ہونا پڑتا ہو۔

۳۔ حصص سے منسلک ڈبینچر میں سرمایہ کاری جائز نہیں کیونکہ یہ سودی معاملہ میں شرکت ہے۔

۴۔ حصص میں تبدیل سود بردار قرض تمسکات میں سرمایہ کاری جائز نہیں ہوگی کیونکہ حصص میں تبدیل نہ

ہونے والے ڈبنچر (Non Convertible Debenture) کا معاملہ کرنا خواہ وقتی طور پر ہی کیوں نہ ہو، سودی معاملہ میں شرکت کے مترادف ہے۔

۵۔ صفر سودی قرض تمسک (Zero Intrest Debenture) میں سرمایہ کاری جائز ہوگی کیونکہ ایسے ڈبنچر کچھ عرصہ بعد حصص میں تبدیل ہوجاتے ہیں یعنی وہ (Convertible) ہیں اور سود سے خالی ہیں، لہذا ان ڈبنچر کی نوعیت سود بردار ڈبنچر کی نہیں ہے۔

۶۔ ڈبنچر قرض تمسک ہے، اور اس کو قدر عرفی سے زیادہ قدر پر فروخت کرنے کا مطلب قرض پر سود حاصل کرنا ہے۔ رہا قدر عرفی (جو حقیقی قرض ہے) سے کم قدر پر فروخت کرنا تو یہ صورت ڈبنچر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے جائز ہوگی، ورنہ قرض تمسک قابل فروخت چیز نہیں ہے۔

۷۔ کمپنیاں جن اداروں سے قرض لیتی ہیں وہ سود پر ان کو رقوم دیتے ہیں، لہذا کسی اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے ایسی خدمات اجرت پر انجام دینا جائز نہ ہوگا۔

۸۔ قابل تبدیل ڈبنچر (Convertible Debenture) ایک عرصہ بعد ہی تبدیل کئے جاسکتے ہیں، اس وقت تک سودی معاملہ کرنا ہوگا، اس لئے ان میں سرمایہ کاری نہیں کی جاسکتی۔

۹۔ ڈبنچر کے نا قابل تبدیل جز کے فروخت پر ہوئے نقصان کی تلافی اس پر ملے سود سے نہیں کی جاسکتی، کیونکہ سود کمپنی دیتی ہے جب کہ فروخت کا معاملہ دوسرے شخص سے کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ حصص کی خرید وفروخت بغیر اپنے نام منتقل کرائے جائز نہیں، کیونکہ نام پر منتقل کرائے بغیر اسے خرید وفروخت کے حقوق حاصل نہیں، وہ ابھی کمپنی کے حصص کا مالک نہیں بنا، اور ایسی خرید وفروخت پر قانونی پابندی بھی ہے۔

۱۱(الف) حصص کو رہن رکھ کر غیر سودی قرض حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حصص مالیت رکھنے والی چیز ہے۔

(ب) ڈبنچر خریدنا سودی معاملہ ہے اس لئے یہ معاملہ کیا ہی نہ جائے، رہن وغیرہ رکھنے کا سوال پیدا ہی کہاں ہوتا ہے۔

۱۲۔ مالک کا حصص ہاتھ میں نہ ہوتے ہوئے یعنی اپنے نام منتقل کرانے سے پہلے حصص کو بازار مستقبل میں فروخت کرنا جسے (Forward Trading) کہتے ہیں جائز نہیں۔ وجوہ وہی ہیں جو جواب نمبر ۱۰ میں بیان ہوئے۔ (Stock Exchange) میں سٹے کا کاروبار اسی بنیاد پر ہوتا ہے۔

☆☆☆

<u>مولانا محمد شعیب اللہ مفتاحی، بنگلور</u>

۱۔ (الف) شیئرز ہولڈر اور بورڈ آف ڈائرکٹرس کے مابین وکیل وموکل کا رشتہ ہے۔ شیئرز ہولڈر موکل ہوگا اور بورڈ آف ڈائرکٹرس (انتظامیہ) اس کا وکیل، کیونکہ کمپنی کو چلانے اور اس کی پالیسی میں یہ بورڈ (کماھو مصرح

فــی الســوال)ان فیصلوں کا پابند ہوگا جو کمپنی کے حصہ دار طے کرتے ہیں، لہذا بورڈ کے تصرف کو شیئر ہولڈر کا تصرف قرار دیا جائے گا۔ مگر چونکہ شیئر ہولڈر کو یہ حق ہے کہ وہ کمپنی کی کسی پالیسی سے اختلاف رائے رکھتا ہو تو وہ اس پر اعتراض کرے، اس لئے اگر کوئی شیئر ہولڈر کسی ناروا و ناجائز پالیسی سے اختلاف ظاہر کردے گا تو وہ آگے ہونے والی ناروا وغلط کارروائی میں شریک نہ قرار دیا جائے گا، اور وہ عمل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ:

''جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس (سودی لین دین) کی اطلاع نہ ہو اس نے تو کارکنان کمپنی کو ان دوامر کا وکیل ہی نہیں بنایا، اس لئے کارکنان کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا، اور جن کو اطلاع ہو وہ تصریحاً اس سے ممانعت کردیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا، مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرف نسبت تو نہ ہوگی۔'' (امدادی الفتاوی ۳/۴۹۱)

(ب) اس کا جواب اوپر کے جواب سے ظاہر ہے یعنی مخالفت کے بعد بورڈ کی کارروائی سے یہ بری الذمہ ہوجائے گا، مگر یہ براءت صرف مباشرت سے ہوگی نہ کہ اعانت سے، لہذا یہ مباشرۃً تو سودی لین دین سے بری ہوگا مگر اعانت علی المعصیۃ سے بری نہ ہوگا، اور اعانت علی الاثم کے باب میں اگرچہ فقہاء کی عبارات میں اضطراب واختلاف پایا جاتا ہے تاہم غور وفکر کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ معصیت کی اعانت اس صورت میں حرام ہے جبکہ حقیقۃً یا حکماً قصد معصیت اس میں شامل ہو، حقیقۃً قصد تو ظاہر ہے، اور حکماً قصد معصیت ایک تو یہ ہے کہ صلب عقد میں اس کا تذکرہ احد المتعاقدین کی طرف سے ہوجائے، دوسرے یہ کہ کوئی ایسی چیز اس میں لگائے جو سوائے معصیت کے کسی اور چیز میں استعمال نہ ہوتی ہو، جیسے آلات غناوغیرہ۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فقہاء کے تمام اقوال کو پیش نظر رکھ کر اعانت کے مسئلہ میں یہی ضابطہ تنقیح فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں:

ان الإعانة علی المعصية حرام مطلقا بنص القرآن أعنی قوله تعالی "ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان" وقوله "فلن أكون ظهيرا للمجرمين" ولكن الإعانة حقيقة هی ماقامت المعصية بعين فعل المعين ولايتحقق إلابنية الإعانة أوالتصريح بهاأوتعينها فی استعمال هذا الشیء، بحيث لايحتمل غير المعصية (تفصیل الکلام مندرجہ جواہر الفقہ ۲/۴۴۷)۔

یہی بات ملخصاً آپ نے اپنے دوسرے رسالہ "الاستبانة لمعنی التسبب والإعانة" میں تحریر فرمائی ہے (دیکھئے احکام القرآن ۳/۷۷)۔

اس اصول پر جب ہم غور کرتے ہیں تو زیر بحث صورت میں اعانت علی المعصیۃ کھلے طور پر معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ صاحب عقد میں اس کا ذکر آیا اور آتا ہے، پھر بھی وہ کمپنی میں حصہ دار ہو کر اپنا مال لگا رہا ہے تو یہ صریح اعانت علی الحرام ہے، نیز اس ارتکاب حرام کا علم ہونے کے بعد اس کے لئے شیئر ہولڈر باقی رہنے کی کوئی گنجائش نہیں

ہوسکتی، علامہ حصکفی درمختار میں لکھتے ہیں:

ویکرہ تحریما بیع السلاح من أھل الفتنة إن علم لأنه إعانة علی المعصیة الخ (۲۶۸/۴ مع شامی)۔

الغرض مخالفت سے اس فعل کی نسبت اس کی طرف نہ ہوگی مگر اعانت علی الحرام کی وجہ سے اس کو اس میں اپنا حصہ لگانا جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ اس شیئر ہولڈر کا حصہ ونفع دونوں کو سود سے محفوظ رکھا جاتا ہو تو اس قسم کی کمپنی میں شیئر (حصہ) داخل کرنا درست ہوگا اور یہ شخص مباشرت واعانت علی الحرام سے بری ہوگا۔

۲۔ اسلامی مالیاتی ادارہ کا مختلف کمپنیوں کے پروجیکٹ (Projects) تیار کر کے فنی خدمت انجام دینا جائز ہے، اگر چہ اس میں ایسی اسکیمیں بھی شامل ہوں جن میں سود کا لین دین ہوتا ہو، جیسے سودی قرض حاصل کرنا، ڈبینچر جاری کرنا وغیرہ جن کے متعلق سوال میں تفصیل مذکور ہے، کیونکہ محض پروجیکٹ بنانا ایسا ہے جیسے سود کے مسائل کی تعلیم دینا، اور علماء نے سود کے مسائل کی تعلیم کو جائز قرار دیا ہے، حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ:

"چونکہ حربی کو حربی سے سود لینے میں کوئی خطاب شرعی نہیں ہے اس لئے اس کو حرام نہ کہا جائے گا، پس سود کی ایک صورت ایسی نکلی جو حرام نہیں، اور یہ مسئلہ ہے کہ جس امر میں ایک صورت بھی حلال ہو اس کی تعلیم اعانت علی الحرام نہیں (امداد الفتاوی ۱۶۸/۳)۔

یہی صورت پروجیکٹ کی بھی ہے کہ یہ پروجیکٹ حربی کے حربی سے سود لینے دینے کی صورت میں کام آسکتا ہے اور یہ حلال ہے، تو اس کا تیار کرنا بھی حلال وجائز ہوا۔

۳۔ حصص سے منسلک ڈبینچر کی اسکیم حسب سوال یہ ہے کہ سرمایہ کار کو حصص میں اگر سرمایہ کاری کرنی ہے تو سود بردار تمسکات میں بھی سرمایہ کاری لازما کرنی ہوگی، اور یہ ظاہر ہے کہ سود بردار تمسکات میں سرمایہ کاری حرام وناجائز ہے تو حصص سے منسلک ڈبینچر کی اسکیم میں سرمایہ کاری بھی ناجائز ہوگی، نیز حصص میں سرمایہ کاری کے لئے سود بردار تمسکات کو لازم وشرط قرار دینا صفقة فی صفقة کی صورت ہے جو کہ ناجائز ہے، لہذا یہ معاملہ درست نہیں ہے۔

۴۔ حصص میں تبدیل ہونے والے ڈبینچر میں سرمایہ کاری بھی ناجائز ہوگی اگر وہ سود بردار ہیں، بعض حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے اور اس سے حاصل ہونے والے سود کو بلانیت ثواب صدقہ کر دیا جائے، میں ان سے متفق نہیں ہوں، کیونکہ بلانیت ثواب صدقہ کا مسئلہ تو علماء نے اس لئے بیان کیا تھا کہ اگر کوئی شخص لاعلمی یا لاپروائی کی بنا پر سودی کاروبار میں پھنس گیا اور اب اس کی وجہ سے اس کے نام کا سود جمع ہوگیا تو اس کو وہ دفع کر سکے اور وبال سے بچے، نہ اس لئے کہ برابر سودی کاروبار کا ارتکاب کر کے آخر میں بلانیت ثواب حرام مال (سود) کو صدقہ کر دیا کرے۔

۵۔ صفر سودی قرض تمسک اسکیم جو دراصل بلاسودی قرض کی صورت ہے اس میں سرمایہ کاری درست وجائز ہے۔

۶۔ قرض تمسک کو فروخت کرنا ہی درست نہیں کیونکہ دین کی بیع صحیح نہیں ہے، علامہ ابن نجیمؒ نے "الاشباہ" میں

فرمایا ہے: وبیع الدین لایجوز (الاشباہ ۱۴/۴) اور درمختار میں ہے کہ جامکیہ کی بیع کو مصنف نے باطل قرار دیا ہے: وأفتی المصنف ببطلان بیع الجامکیة۔ اور شامی نے مصنف کی فتاویٰ سے بیع جامکیہ کی تفسیر یہ نقل کی ہے:

وھو أن یکون لرجل جامکیة فی بیت المال ویحتاج إلی دراھم معجلة قبل أن تخرج الجامکیة فیقول له رجل بعتنی جامکیتک التی قدرھا کذابکذا أنقص من حقه فی الجامکیة. فیقول له: بعتک، فھل البیع المذکور صحیح أم لالکونه بیع الدین بنقد؟

اس کے بعد مصنف کا جواب نقل کیا ہے کہ:

إذا باع الدین من غیر من ھو علیه کما ذکر لایصح وقال مولانا فی فوائده: وبیع الدین لایجوز ولو باعه من المدیون أو وھبه (شامی علی الدر المختار ۴/۵۱۶)۔

یہ بعینہ وہی صورت ہے جو ہمارے زیر بحث ہے لہذا وہ بھی ناجائز ہوگی، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس قرض تمسک کا حوالہ کردیا جائے کہ ان تمسکات کا حامل اپنا قرضہ جو کمپنی کے ذمہ ہے دوسرے کسی شخص کے حوالہ کردے جو برضا اس کو قبول کرلے۔

ہدایہ میں ہے:

الحوالة وھی جائزة بالدیون...... وتصح الحوالة برضاء المحیل والمحتال والمحتال علیه (۳/۱۱۳)۔

مگر چونکہ یہ قرض کا حوالہ ہے اس لئے اس میں کمی بیشی جائز نہ ہوگی، جیسا کہ مفتی کفایت اللہؒ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ کمی بیشی باطل ہے (کفایۃ المفتی ۸/۱۵۸)۔

البتہ حضرت تھانوی نے اپنے فتاویٰ میں حوالہ میں کمی کی صورت کو ایک تاویل سے درست قرار دیا ہے، وہ تاویل یہ ہے کہ حوالہ کرنے والا حوالہ قبول کرنے والے کو یہ کہہ دے کہ کمپنی کی طرف سے جو زائد رقم وصول ہو وہ تمہاری اجرت ہے۔ حاصل یہ کہ حوالہ قبول کرنے والے کو پہلے وکیل بنادے کہ وہ قرض وصول کرنے میں سعی کرے اور اس سعی کی اجرت میں وہ رقم زائد طے کردے جو کمپنی کی طرف سے وصول ہوگی کیونکہ اس نے حوالہ کم رقم پر کیا ہے۔ حضرت کی عبارت یہ ہے:

یوں کرے کہ خالد کو وکیل بنادے کہ تم اس انگریز سے تقاضا کرکے وصول کرو، اور اڑھائی سو روپے اس کام پر تمہاری اجرت ہے اور دو سو روپے تم ہم کو قرض دے دو (امداد الفتاویٰ ۳/۳۲۲)

حاصل یہ کہ دین بیع تو جائز نہیں اس کا حوالہ کیا جاسکتا ہے، اور اس میں زیادتی تو ناجائز ہے، کمی کے ساتھ حوالہ مذکورہ تاویل سے جائز ہے۔

۷۔ یہ صورت دلالی کی ہے اور اس کے جواز میں اختلاف ہے مگر عموم بلوی اور ضرورت کی بنا پر جواز کا ہی فتویٰ دیا جاتا ہے۔ شامیؒ نے فرمایا کہ:

وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار فقال: أرجو أنه لابأس به وإن كان في الأصل فاسدالكثرة التعامل وكثير من هذا غير جائز فجوزوه لحاجة الناس إليه (شامی ۶۳/۶)۔

مگر یہ واضح ہونا چاہئے کہ یہ دلالی محض وجاہت کی بنا پر نہ ہو بلکہ سعی ومحنت پر اس کا مدار ہو، محض وجاہت سے کسی کام کی سفارش کرنا اور اس پر اجرت لینا جائز نہیں۔ مولانا تھانویؒ رشتہ مقرر کرنے پر اجرت کے مسئلہ پر فرماتے ہیں:

اگر اس ساعی (دلال) کو کوئی وجاہت حاصل نہ ہو اور جہاں اس نے سعی کی ہے وہاں کوئی دھوکہ نہ دے، تو اس اجرت کو جانے آنے کی اجرت سمجھ کر جائز کیا جائے گا۔

وإلا فلايجوز أخذ الأجرة على الشفاعة ولا الخداع (امداد الفتاوی ۲۹۳/۳)۔

وجہ یہ ہے کہ محض اپنی وجاہت سے سفارش کی کوئی متقوم شئی نہیں ہے لہذا اس پر اجرت نہیں لی جاسکتی، اور جہاں تک زیر بحث سوال کا تعلق ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں محض سفارش بالوجاہت سے نہیں بلکہ محنت ومجاہدہ سے کام لیا جاتا ہے، لہذا اجرت پر ایسی خدمت کا انجام دینا درست ہے۔

۸۔ قابل تبدیل ڈبنچر میں سرمایہ کاری کی بحث اوپر گذر چکی کہ اگر سود بردار ہے تو جائز نہیں، رہا حق مذکور کا فروخت کرنا، تو یہ جائز ہے۔ جیسا کہ تیسرے فقہی سمینار میں اس پر بحث ہو چکی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''حقوق دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو صاحب حق سے ضرر کو دفع کرنے کے لئے ہوتے ہیں، جیسے حق شفعہ شفیع کے لئے، حق قسم زوجہ کے لئے۔ دوسرے وہ حقوق جو اصالۃً صاحب کے لئے ثابت ہوئے ہوں، جیسے حق قصاص، حق رقیت وغیرہ۔

پہلے قسم کے حقوق کی بیع جائز نہیں، اور دوسرے قسم کے حقوق کی بیع جائز ہے۔ چنانچہ تیسرے فقہی سمینار نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ:

''وہ تمام حقوق جن کی مشروعیت اصالۃً نہیں بلکہ صاحب حق سے کسی ضرر کو دور کرنے کے لئے ہوتی ہے، ایسے حقوق پر عوض لینا جائز نہیں، جیسے شفعہ۔ جو حقوق نصوص شرعیہ سے ثابت ہوں البتہ ان سے مالی منفعت متعلق ہوگئی اور عرف میں ان کا عوض لینا مروج اور معروف ہو چکا ہو، نیز ان کی حیثیت محض دفع ضرر کی نہ ہو اور نہ وہ شریعت کے عمومی مقاصد ومصالح سے متصادم ہوں، ایسے حقوق پر عوض حاصل کرنا جائز اور درست ہے۔ (اہم فقہی فیصلے رص ۳۱)۔

اب رہا یہ سوال کہ زیر بحث حق کس قسم میں داخل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دوسرے قسم کے حقوق میں داخل ہے، کیونکہ یہ محض دفع ضرر کے لئے نہیں ہے بلکہ اس سے مالی منفعت متعلق ہے، جیسے حق قصاص ورق وغیرہ، لہذا اس پر عوض حاصل کرنا جائز ہے۔

۹۔ اولاً تو اس کو نقصان ہی نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ نفع کی کمی ہے، دوسرے اگر یہ نقصان ہے بھی تو سود سے تلافی

جائز نہیں، کیونکہ اس کا مصرف صرف فقراء ہیں جن کو بلانیت ثواب دینا ہے، سود سے خود کا منتفع ہونا قطعاً حرام ہے، اور اس کو انکم ٹیکس وغیرہ پر قیاس کرنا درست نہیں، کیونکہ وہ ضرر کی صورت ہے، اور اس میں سود کا روپیہ لگانا دفع ضرر کہا جا سکتا ہے (کماھو رأی بعض أھل الفتوی) اور زیر بحث صورت جلب منفعت کی ہے، اس میں سود لگانا سود سے انتفاع ہے، وھو غیر جائز۔

۱۰۔ اس میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی، مگر سوال میں ایک ابہام ہے، جس کا صاف ہونا ضروری ہے، وہ یہ کہ دوسری شکل میں لکھا گیا ہے کہ "بغیر اپنے نام منتقل کرائے" یہ واضح نہیں ہے، جب وہ خرید کرے گا تو اس کے نام منتقل نہ ہونے کا کیا مطلب؟ جب وہ خرید لے گا تو لازماً وہ حصہ مشتراۃ اس کا ہو گیا۔ اگر اس میں اصطلاحی کوئی تفصیل ہو تو واضح فرمایا جائے۔ اور میرے خیال میں یہ صورت اس صورت سے مختلف ہے جس سے حدیث میں منع فرمایا گیا ہے۔ یعنی نجش "لاتناجشوا" (صحیحین) کیونکہ نجش کی صورت حسب تصریح فقہاء یہ ہے:

وھو أن یزید فی الثمن ولا یرید الشراء یرغب غیرہ (ہدایہ ۳/۵۰)۔

تو اس میں خریدنا مقصود ہی نہیں بلکہ لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنا مقصد ہے جبکہ زیر بحث صورت میں خریدنا مقصود ہے اور اس سے نفع حاصل کرنا مطلوب ہے (فافترقا)۔

۱۱ (الف) کمپنی میں حصص داری دراصل مشارکت ہے کما ھو ظاہر، لہذا حصہ کمپنی مال شرکت ہے، اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مال شرکت کا رہن رکھنا صحیح نہیں، قال فی الہدایہ:

ولایصح الرھن بالأمانات کالودائع والعواری والمضاربات، قال ومال الشرکۃ (ہدایہ ۳/۵۱۰)۔

(ب) ڈبینچر کی حقیقت سود بردار قرضہ ہے، بظاہر اس کے رہن رکھنے میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی۔

۱۲۔ یہ جائز نہیں، کیونکہ حصص کی بیع دراصل منقول کی بیع ہے، اور منقول کی بیع قبل القبض جائز نہیں۔

فی البدائع: وبیع المنقول قبل القبض لایجوز بلاخلاف بین أصحابنا (۵/۳۰۶)۔

اور بزازیہ میں ہے:

لایصح بیع المنقول قبل قبضہ من البائع أو الأجنبی لنھیہ علیہ السلام عن بیع مالم یقبض (بزازیہ)۔

☆☆☆

مفتی محبوب علی وجیہی، رامپور

آپ کے ارسال کردہ سوالوں کے جواب سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ سود کے مسائل پیچیدہ اور احتیاط طلب ہیں، چونکہ کمپنیز اور بینک کاری مغرب کی دین ہے جن کے نزدیک مذہب ایک نجی وہ بھی بہت محدود دائرہ کے اندر محصور ہے، اس لئے احکام شریعت سے عام طور پر اس کا ٹکراؤ ہوتا ہے، اس میں ایک مسلمان کو آخرت اور

رضائے الٰہی قدم رکھنا ضروری ہے۔ اس تمہید کے بعد گذارش ہے کہ قرآن پاک کی یہ آیت "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" اور "احل الله البيع وحرم الربوا" اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان "دعوا الربوا والريبة" اور فقہ حنفیہ کا مشہور قاعدہ "والشبهة فی هذا ملحقة بالحقيقة" جیسے دلائل کی روشنی میں جوابات درج ذیل ہیں:

۱۔ (الف) شیئرز ہولڈر کی طرف سے بورڈ آف ڈائرکٹر وکیل ہے، اس لئے اس کا ہر فعل اس کمپنی سے متعلق معاملات میں شیئرز ہولڈر جو مؤکل ہے اس کی طرف منسوب ہوگا، کمپنی بذات خود قائم نہیں ہوسکتی، اس کا قیام انہی لوگوں کے ذریعہ سے ہے، کمپنی میں ہونے والے معاملات انہیں لوگوں کی طرف منسوب ہوں گے کیونکہ یہی لوگ فاعل مختار ہیں۔

(ب) چونکہ سودی لین دین سے شیئرز ہولڈر ہونے کے ناطے اس کا بھی تعلق قائم ہے پس تعاون علی الاثم کا یہ بھی مرتکب ہوگا، اس لئے اس کی براءت ممکن نہیں، اس کی مخالفت کامیاب نہ ہوتو اس کو چاہئے کہ یہ وہاں سے اپنے کاروبار کو ختم کردے، یہ نہیں ہوسکتا کہ صرف مخالفت کرکے یہ بری الذمہ ہوجائے۔

۲۔ مالیاتی ادارے ایسے کام انجام دیں جن میں سود یا قمار یا اور اس طرح کی خرابی نہ ہوتو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ

(الف) سود پر قرضہ حاصل کرنا ناجائز ہوگا۔

(ب) ڈبنچرز اگر سودی لین دین سے متعلق ہوں تو ناجائز ہیں، اور اگر بلاسودی ہوں تو جائز ہیں۔

(ج) اس کا جواب بھی یہی ہے کہ اگر ان حصص کے متعلق ڈبنچر جاری کرنے میں سود کی آمیزش نہیں ہوتی ہے تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے، عام طور سے ڈبنچرز سود سے مستثنیٰ نہیں ہوتے۔

(د) میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے اس سوال کا جواب بھی (ج) کے جواب میں آگیا۔

(ھ) اس کا جواب بھی واضح ہے کہ سود کا لین اور دین دونوں حرام ہیں، اور اس ذریعہ سے جو چیز حاصل ہو وہ بھی حرام ہے۔ شیئرز میں قدر عرفی اور غیر عرفی اس کے فرق کی سود لازم نہیں آئے گا، جیسے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ سامان نقد بیچنے میں بائع قیمت کم لے سکتا ہے اور ادھار بیچنے میں زائد، لیکن اگر سرمایہ کار کو حصص میں سرمایہ کاری کرنے کے لئے سودی کاروبار کرنا پڑتا ہے تو یہ بھی ناجائز ہے۔

۳۔ اگر اس سرمایہ کاری سے حاصل ہوئے ڈبنچر میں کوئی سود کا تعلق نہیں ہوتا تو بازار سے وہ خرید کر اس سے نفع حاصل کرسکتا ہے۔

۴۔ چونکہ اس میں سود بردار قرض تمسکات کی خرید وفروخت ہوتی ہے اس لئے ناجائز ہے۔

۵۔ یہ بھی ناجائز ہے۔

۶۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: نهى رسول الله ﷺ عن قرض جر نفعا۔ اس لئے یہ بھی ناجائز ہے، اور سود حرام ہے اور حرام واجب التصدق ہے، اس لئے اس سے کسی اپنے نقصان

کی تلافی جائز نہیں۔

۷۔ اپنے کام اور محنت کی مزدوری اور اجرت لینا جائز ہے، البتہ اس میں سود کا لین دین اور کوئی گناہ شامل نہ ہو ورنہ تعاون علی الاثم لازم آئے گا، اور یہ ممنوع ہے۔

۸۔ صرف حق قابل بیع نہیں ہے اس لئے کہ حق بذات خود کوئی مال نہیں ہے۔ ہدایہ میں صرف حق تعلي (فضا کی بیع مثلاً چھت کی بیع) اور حق مسیل (مشترکہ مفاد کی چیزیں) کی بیع ممنوع قرار دی گئی ہے جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی زمین وغیرہ نہ ہو، البتہ کمپنی کے جو حصص اور شیئرز ہیں وہ فرخت کئے جاسکتے ہیں، کیونکہ کمپنی جو بلاسودی لین دین کرتی ہے وہ ایک موجود چیز ہے اور قابل بیع ہے۔

۹۔ سود سے کسی نقصان کی تلافی کیسے ہوسکتی ہے کیونکہ اس میں سود کا حاصل کرنا اور پھر اس کو اپنے تصرف میں لانا لازم آئے گا، اور حدیث میں ہے: **دعوا لربوا والريبة۔**

۱۰۔ (۱) اس قسم کے حصص خریدنا درست ہے۔

(۲) حصص خریدنے کے بعد جب رقم ادا کردی تو اس کی ملکیت ان پر قائم ہوگئی اور یہ ان کو فروخت کرسکتا ہے، نام کا انتقال امر زائد ہے۔

۱۱۔ (الف) رہن ایک وثیقہ ہے، اس لئے حصص کو رہن رکھ کر غیر سودی قرض حاصل کیا جاسکتا ہے، اور ان حصص کو رہن رکھ کر قرض دیا جاسکتا ہے۔

(ب) سود بردار تمسکات رہن کر غیر سودی قرض لینا یا دینا ناجائز ہے۔

۱۲۔ اگر یہ خطرہ ہے کہ کمپنی ان حصص کو رد بھی کرسکتی ہے تب تو ان حصص کو بیع تاوقتیکہ کمپنی اسے تسلیم نہ کرلے، جائز نہیں ہوگی۔ اور اگر ان حصص کی کمپنی میں نام کا انتقال ایک کاغذی اور احتیاطی چیز ہے تو بیع ہو جائے گی، کیونکہ بیع کی تعریف ہے: **مبادلة المال المال بالتراضي**، وہ یہاں صادق آتی ہے۔

☆☆☆☆☆

مناقشه

کمپنی و حصص کمپنی

مناقشہ بابت کمپنی و حصص کمپنی

قاضی صاحب کے افتتاحی کلمات کے بعد مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب نے کمپنی سے متعلق سوالات پڑھ کر سنائے جو گذشتہ صفحات میں مذکور ہوئے، اس کے بعد مندرجہ ذیل مناقشہ ہوا۔

قاضی صاحب:

آپ حضرات نے اس تفصیلی سوالنامہ کو سنا، پتہ نہیں کچھ بہت خشک تھا، خواب آور تھا، اس سلسلہ میں جو پہلا سوال آپ کے سامنے آیا ہے، اس کی وضاحت میں آپ کے سامنے کر چکا ہوں، یعنی ایسے پروجیکٹس اور ایسی اسکیمیں بنانا اور بنا کر فنی طور پر اس کی اجرت وصول کرنا جس پروجیکٹ میں سود کا بھی ذکر ہو، یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ یہ سوال تو میں آپ کے سامنے واضح کر چکا ہوں۔ دوسرا سوال جو آپ کے سامنے ہے مختصراً یہ ہے کہ یہ مالیاتی کمپنی ایک کام یہ کرسکتی ہے کہ بینکوں سے یا دوسرے ایسے اداروں سے قرض دلوا سکتی ہے، تو اس کی ساکھ اس میں کام آتی ہے، مثلاً ہم نے ضمانت لے لیا آپ ان کو قرض دے سکتے ہیں، اور قرض کی ادائیگی کی ضمانت ہم نے لے لی، اور یہ جو ضمانت ہم نے لے لی ہے ہماری ساکھ یا فقہ کی زبان میں یہ کہئے کہ ہماری وجاہت جس کو آپ نے ایک مال مانا ہے شرکت وجوہ میں، آپ نے میری وجاہت کا استعمال کیا ہے اس کا معاوضہ حاصل کرسکتے ہیں اس شریک پارٹی سے، اور ساتھ ساتھ یہ بھی ہوسکتا ہے اس میں کہ اس کو بینک سے قرض لینا ہوتا ہے تو سود بھی دینا ہی پڑے گا لوگوں کو........سود کا تعلق ہم سے نہیں ہے اس شخص سے تو رہے گا ہی، بینک سے اگر لون لیں گے تو بینک تو سود لے گا، لیکن بینک سودی قرضہ بھی ہر ایک کو نہیں دیتا، وہ کوئی ضمانت چاہتا ہے، کوئی سیکوریٹی چاہتا ہے، تو اس میں آپ کی ضمانت اور آپ کی ساکھ کام آئے گی۔

اچھا تیسرا مسئلہ جلدی جلدی میں بتا دیتا ہوں، صرف ایک دو الفاظ ضروری ہیں، یہ بار بار سود بردار قرض تمسکات، یا انگریزی میں Debenture کا لفظ آتا ہے، تو یہ سوال ذہن میں پیدا ہوسکتا ہے ہو کہ Companies جب قائم ہوتی ہیں تو کچھ تو اپنے شیئرز رکھتی ہیں کہ دس ہزار شیئرز ہم نے سو سو روپے کے رکھے، تو وہ تو خیر شیئر ہے، حصہ ہے، کمپنی میں آپ اتنے حصے کے مالک ہوجاتے ہیں، لیکن وہ کچھ اور پیسے بھی لیتے ہیں آپ سے، یعنی دوسری نوعیت سے بھی پیسے لیتے ہیں، اور اس میں کمپنی مقروض ہوتی ہے اور آپ مقرض ہوتے ہیں، اور اس پر وہ سود ادا کرنے کی پابند ہوتی ہے، تو ایک ہے Share اور دوسرا ہے Debenture، ڈبنچر "دراصل وہ قرض ہے جو ایک عام آدمی کسی کمپنی کو سود کی شرط پر دیتا ہے"، تو ڈبنچر کی اصل حقیقت یہ ٹھہری کہ یہ وہ قرضہ ہے جو ایک عام آدمی نے کسی کمپنی کو دیا اور کمپنی کچھ خاص مدت کے بعد اصولاً وہ قرض مع سود واپس کرنے کی پابند ہے، یہ تو عام بات ہوئی Debenture کی، اب Debenture میں ایک لائن اور دے رہے ہیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ Convertible ہے، یعنی آگے چل کر یہ کل کا کل جتنا آپ نے قرضہ دیا ہے وہ، یا اس کا کوئی جز شیئر میں متبدل ہو جائے گا، اور دوسرا ہے Non Convertible جو کبھی تبدیلی اس میں نہیں آئے گی، تو یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں،

ان پر الگ الگ حیثیتوں سے غور کرنا ہے، دشواری یہاں پر آتی ہے کہ بعض دفعہ شیئرز جن کو ہم لوگ چاہے شاید جائز کہیں، ان کی خریداری کے لئے بھی کچھ ڈبینچرز تمسکات کو خریدنے کی شرط لگا دی جاتی ہے، اب وہ ڈبینچرز Convertible ہے، آگے چل کر کے شیئر میں تبدیل ہو جائیں گے، کل یا جز، تو بہرحال کچھ حصہ ایسا بھی رہ جاتا ہے جو کبھی تبدیل نہیں ہوگا، تو ہمارے لئے جائز شیئرز خریدنا اس شرط پر کہ کچھ ڈبینچرز بھی خریدنا پڑے گا، کیا اس مجبوری میں ڈبینچرز خریدنا جائز ہوگا یا نہیں؟ پھر اگر وہ Totally Convertible ہے کہ آگے چل کر وہ Convert ہو جائے گا تو ایک حد تک بات چلتی ہے، لیکن اگر Partially Convertible ہے تو کچھ نہ کچھ ہمارے ذمہ رہ جائے گا، پھر اس میں ایک الگ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم خریدنے کے بعد ڈبینچر کو بیچ ڈالیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ڈبینچر کو ہم بیچ ڈالیں جو Non Convertible ہے، تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ اس کے لئے بیچنا ہمارا جائز ہوگا کہ نہیں، زائد پہ بیچنا، کم پر بیچنا، برابر میں بیچنا، اس طرح کے کئی سوالات پیدا ہوں گے، تو یہ سوالات تو آپ سارے کے سارے لوگوں نے سن لئے اور سب لوگ سمجھ بھی گئے ہیں، اب مسئلہ ہے اس کے جواب کے سلسلہ میں گفتگو کرنے کا۔

مفتی احمد خانپوری صاحب:

حضرت ہمارے پاس ۱۹ سوالات پر مشتمل سوالنامہ پہونچا تھا، ہم نے سارے سوالات کے جوابات دیئے تھے۔

قاضی صاحب:

وہ الحمد للہ ہمارے پاس سامنے رکھا ہوا ہے، ابھی تمام علماء کے جوابات پر بات ہونی ہے، میں ایک طرف سے چلتا ہوں، یا آپ کہیں تو تلخیص سنا دوں۔ اچھا کے، جی منشی صاحب آپ کا جواب الو اسٹاک ایکسچینج پر ہے نا، اس کو بعد میں شروع کروں گا۔ ابھی ہم لوگ جو گفتگو شروع کرتے ہیں تو پہلا سوال وہ لے لیجئے کہ دو قسم کے کاروباری یونٹ ہیں، تین قسم کی کمپنیاں ہیں، ایک کا خالص مقصد ہی سودی کاروبار ہے، اس میں اسلامی مالیاتی ادارہ حصہ لے، اس کے ناجائز ہونے پہ آپ سب لوگ متفق ہیں یا کوئی اختلاف بھی ہے؟ ایسی کمپنی، ایسا ادارہ جس کا مقصد ہی سودی کاروبار کرنا ہے، کیا یہ اسلامی مالیاتی ادارہ اس میں حصہ لے سکتا ہے؟

آوازیں: نہیں۔

قاضی صاحب:

اس میں تو بہت زور سے آپ لوگوں کو ناجائز کہنا چاہئے تو اس کی حرمت پہ تو شک کسی کو نہیں ہے، مسئلہ طے ہے، اچھا جہاں پر مالیاتی ادارہ جائز کاروبار کرتا ہے، اس میں حصہ لینے میں تو آپ لوگ کوئی اعتراض نہیں کریں گے؟ میں نے تو یہاں بصرف آپ سے یہ سوال کیا کہ ایسے مالیاتی ادارے جن کا بنیادی مقصد اور بنیادی کام ان کا حرام کاروبار ہے، اس میں حصہ لینا ناجائز، اور جس کا مقصد حلال و جائز ہے اور اس کے سارے طریقے جائز ہیں۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

جائز حصہ لینے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ اسے بھی ذرا واضح کر دیجئے۔

قاضی صاحب:

اس میں کیا واضح کرنا ہے۔ اس میں حصہ لینے میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے، مسئلہ جو قابل غور ہے دراصل وہ ادارے ہیں جن کے اندر مقصد بنیادی تو جائز کاروبار ہے لیکن ملوث ہوتے ہیں وہ سودی کاروبار میں بھی، اس میں کیا ہوگا؟ یہ اصل جوز یر بحث مسئلہ ہے وہ یہی ہے، اس سلسلہ میں ہمارے پاس جو جوابات آئے ہیں، جناب مولانا شمس پیرزادہ صاحب، مولانا ایوب ندوی صاحب بھٹکلی، مولانا عتیق احمد صاحب لکھنؤ، مولانا اختر امام عادل صاحب، مولانا مفتی نورالہدی قاسمی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا عبیداللہ اسعدی، مفتی احمد خانپوری، مولانا عبدالرحمن قاسمی، مولانا مصلح الدین، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا مفتی نظام الدین صاحب، ان حضرات نے کہا کہ دونوں قسم کے یعنی جس کا جائز ہی جائز کاروبار ہے اور جس کا اصل مقصد جائز کاروبار ہے لیکن اس کو ملوث ہونا پڑتا ہے ضمنی طور پر سودی کاروبار میں، ایسے دونوں ہی اکائیوں میں اسلامی مالیاتی ادارہ کے لئے سرمایہ لگانا جائز ہے۔ اب اس میں کچھ لوگوں نے شرائط لگائی ہیں، آگے جو جواب ہے، کچھ لوگ علی الاطلاق مجوزین ہیں، اور کچھ لوگوں نے اس میں بعض شرطیں لگائی ہیں، مثلاً مولانا برہان الدین صاحب کی شرط یہ ہے کہ اگر سود پہ حاصل کی ہوئی رقم کا حساب الگ رکھا جاتا ہو تو جائز ہے یعنی وہ ادارہ جو اصلاً تو حلال کاروبار کرتا ہے لیکن اس کے یہاں سودی کاروبار میں بھی ملوث ہونا پڑتا ہے، اس کے لئے یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ ادارہ دونوں حساب الگ رکھے، تیسرا مولانا جمیل احمد نذیری صاحب کا ہے، یہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے بشرطیکہ ادارہ کا سرمایہ اور نفع سود سے محفوظ ہو، اور مولانا صدرالحسن ندوی کی رائے یہ ہے کہ عدم جواز راجح ہے، تو کل جوابات میں سے مولانا صدرالحسن صاحب مطلق عدم جواز کے قائل ہیں، جمیل احمد نذیری صاحب ادارہ کے سرمایہ ونفع کا سود سے محفوظ ہونا شرط کرتے ہیں، مولانا برہان الدین صاحب الگ حساب رکھنے کی پابندی عائد فرماتے ہیں، اور باقی جن حضرات کا میں نے نام لیا ہے یہ حضرات مطلق جواز کی بات کہتے ہیں، یہ ہے خلاصہ۔

مفتی عبدالرحمٰن صاحب (بنگلہ دیش):

حکومتی قوانین مالیاتی سلسلہ میں ایسے ہیں کہ اسلامی بینک کاری کرنا بڑا مشکل مسئلہ ہے، کتنی بھی کوشش کی جائے کہ بلاسودی بینک کاری ہو خالص، پھر بھی ملوث ہونا ضروری ہے، کوئی صورت نہیں ملوث ہوئے بغیر، سوا اس کے کہ گھر بیٹھے رہیں، اب جبکہ ملوث ہونا ضروری ہے، تو یا گھر بیٹھے رہیں یا کوشش کریں، اگر یہ فیصلہ ہو کہ کوشش کرنا چاہئے تو ملوث ہونا ضروری ہے، صرف اتنی بات ہے کہ اس میں ملوث ہوتے ہوتے کہیں حرمت کی ذہنیت ختم ہو جاتی ہے حلت آ جاتی ہے، ابھی بنگلہ دیش میں ۱۹۸۵ء سے اسلامی بینک کا سلسلہ شروع ہوا، اور قانونی طور پر شرعیہ کونسل بنانا پڑا، شرعیہ کونسل نے اس قسم کے حالات کو سامنے رکھ کر ضرورتاً اجازت دیدی ہے کہ سودی کاروبار میں ملوث ہونا پڑے گا، ضرورتاً اجازت دی گئی، نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ پہلے سود کھانے والے حرام سمجھ کر کھاتے تھے، اب سود کھانے والے حلال سمجھ کر کھا رہے ہیں، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بینک چلانے والے حضرات عموماً سودی بینکاری کی تعلیم حاصل کر کے امریکہ، یورپ۔ ۔ سندیں لے کر آتے ہیں، بینک چلاتے ہیں، تجربہ بہت ہے، لیکن ان کو شرعی اصول وضوابط

سے تجربہ تو ہوتا تو مشکل ہے ضروری مسائل سے بھی واقفیت نہیں، ایسے حالات میں خوف وخشیت کا فقدان ہے، مسائل سے ناواقفیت ہے اور سودی بینکوں کے ساتھ کمپیٹیشن کرکے آگے بڑھ رہا ہے، ملوث ہونے کی ضرورت کی حد تک تو نہیں بلکہ آگے بڑھ رہا ہے، کہیں ایسا نہ ہوجائے جائز تو کہنا پڑے گا کہ ملوث ہونے کی ضرورت تو جائز ہے، سرمایہ لگائے، اسلامی ادارے میں تعلقات قائم رکھے، لیکن ہمارے خیال میں مولانا مفتی برہان الدین صاحب مدظلہ نے جو شرط لگائی وہ شرط اگر اول تا آخر لاگو رہے تو شاید کچھ کام آجائے، اور خطرہ ہے کہ لاگو نہ رہے گا، بنگلہ دیش میں ہم لوگوں سے فتویٰ لے کر کے، ضرورت ضرورت کہہ کر کے ہم سے اجازت لے لی تو آج تک ضرورت ختم نہیں ہوئی، آگے بھی امید نہیں ہے، تو میرے خیال میں جس صورت میں ہم لوگوں کو فیصلہ کرنا ہے اس صورت میں تو بلاشبہ مطلق کی اجازت نہ دی جائے اور شرط کی پابندی کی خاص طور پر رعایت کی جائے، تو شاید یہ کام آگے چل سکتا ہے، ورنہ پھر سودی نظام جو ہے وہ بہت اچھا ہے اس قسم کے بلاسودی نظام سے جس میں حرام حلال ہوجانے کا خطرہ ہوجائے۔

قاضی صاحب:

سب سے پہلی درخواست تو یہ ہے کہ مسائل پر فقہی حیثیت سے بحث کر لیجئے، وعظ کرنا ہو تو بعد کو کر لیجئے گا، مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن مسائل کی پہلے خالصتاً جو فقہ اسلامی کہتی ہے اس پر شدت سے قائم رہتے ہوئے اس میں ذرہ برابر مصالحت نہ کیجئے، اللہ کا خوف بھی دلاتے رہئے، لیکن اصلاً بنیادی بات اس وقت یہ ہے کہ فقہ اسلامی اگر صحیح اصولوں پر قائم ہے اگر اسی میں کچھ گڑبڑ ہے تو دوسری بات ہے، لیکن اگر وہ صحیح ہے تو فقہ کے اصولوں پر، فقہ کی سمینار میں فقہی نقطۂ نظر سے بحث کیجئے، اور یہ بے حد ضروری ہے کہ جو فقہی مباحث آپ کے پاس موجود ہیں، فقہاء نے اتنی ساری بحثیں کیوں کی ہیں، آپ کہئے کہ ناجائز ہے فلاں دلیل کی وجہ سے، ضرور کہئے خوشی کی بات ہے۔

مولانا یعقوب منشی صاحب:

مولانا برہان الدین صاحب نے جو علیحدہ حساب رکھنے کی شرط لگائی ہے اس سے کیا مراد ہے، کیا پیسے الگ رکھے جائیں یا سب چیز علیحدہ ہو کیا مطلب ہے؟

قاضی صاحب:

یہ تو مولانا برہان الدین صاحب بیٹھے ہیں یہ وضاحت کردیں، مولانا اپنی رائے کی خود وضاحت کردیں تو زیادہ بہتر ہے۔ آپ کو اختیار ہے کسی چیز کو آپ جس کو جائز سمجھتے ہوں شرعاً اس کو جائز کہئے، جس کو نہیں سمجھتے ہوں اس کو قطعاً کہئے کہ ناجائز ہے.......،

مفتی عزیز الرحمٰن چمپارنی صاحب:

مولانا برہان الدین صاحب کا جواب اگر پڑھ دیا جائے تو زیادہ بہتر رہے گا، اس سے ہوسکتا ہے کہ کچھ روشنی مل جائے۔

ڈاکٹر محمد منظور عالم صاحب:

میرے خیال میں پہلے مفتی نظام الدین صاحب دارالعلوم دیوبند کا جواب پڑھ کر سنا دیا جائے اور اس دوران مولانا برہان صاحب کا جواب تلاش کرلیا جائے۔

مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب:

اصل میں دو سوالنامے ہیں۔

قاضی صاحب:

مفتی اسماعیل صاحب اپنے جواب میں لکھتے ہیں کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ایسی کمپنی کے شیئرز خرید کر اس میں سرمایہ لگانے کا یہ حل تحریر فرمایا ہے کہ "سو جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس کی اطلاع نہ ہو کہ اس نے تو کارکنان کمپنی کو ان دو امر کا وکیل ہی نہیں بنایا، اس لئے کارکنوں کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا، اور جس کو اطلاع ہو وہ تصریحاً اس سے ممانعت کردیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا، مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرف نسبت تو نہ ہوگی"۔ یعنی حضرت تھانوی اس طرف دو راستے بتاتے ہیں کہ علم نہیں ہے کہ وہ کمپنی کاروبار اس طرح کرتی ہے، وہ لاعلمی کی بات ہوگئی، اور اگر علم ہو تو وہ اس کو منع کردے، جیسا کہ وہ تذکرہ آیا کہ وہ جو Board of Directores کی میٹنگ ہو اور اس کے اندر وہ جو ممبرس کی میٹنگ ہو اس میں اپنی مخالفت کا اظہار کردے، تو دو صورتیں ہیں، یا تو اس کو Majority مل جائے گی تو اس پر عمل ہوگا، یا Majority نہیں ملے گی تو Board of Directors کا عمل اس کی طرف منسوب نہیں ہوگا، یہ غیر مباشر ہوا، اس لئے اس عمل کی نسبت اس کی طرف نہیں ہوگی، یہ حصہ نقل کیا ہے مولانا محمد مفتی اسماعیل صاحب نے، اس میں لکھتے ہیں: جس سوال کے جواب میں حضرت تھانوی نے یہ بات لکھی ہے کہ کوئی مسلمان کسی ہندو کے پاس سے کسی ضرورت کے موقع پر سودی قرض لیتا ہے اور اس سے اپنا بیوپار چلاتا ہے یا کوئی زمین خریدتا ہے، چنددن کے بعد وہ قرضہ ادا کردیتا ہے، اپنی باقی ماندہ ملک کو پاک ملک سمجھتا ہے، اور یہ بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ سود کے دینے سے تو خود گنہگار رہا مگر حرمت اس کی باقی ماندہ ملک میں سرایت نہیں کرے گی، .... کیونکہ اس شخص نے دیا ہے لیا تو نہیں ہے، پس اس ملک کا کیا حکم ہے؟ بہرحال تو آپ نے حضرت تھانویؒ کا جواب سن لیا ہے، جس کو مولانا اسماعیل صاحب نے نقل کیا ہے۔ اس کے جواب میں مفتی نظام الدین صاحب فرماتے ہیں، مختصر جواب ہے ان کا، جواب نمبر۔ ۱و۲: اس کی گنجائش ہے۔ وہ صرف اتنا لکھتے ہیں کہ اس کی گنجائش ہے۔ اس کے بعد مولانا برہان الدین صاحب فرماتے ہیں کہ اگر یہ اکائی سودی کاروبار نہ کرتی ہو بلکہ خالص شرعی بنیادوں پر تجارت کرتی ہو، سود پہ حاصل کی گئی رقم کا حساب الگ رکھا جاتا ہو تو اس میں سرمایہ لگانا جائز ہے، تو یہ گویا مولانا کا جواب ہے جو آپ لوگ سننا چاہتے تھے، چونکہ یہ لوگ جانتے ہیں اس بات کو کہ جتنے بھی Accounts تیار ہوتے ہیں اس میں انٹرسٹ کا الگ کالم ہوتا ہے، تو مولانا اگر صرف حساب کی بات کرتے ہیں کہ اس کا اکاؤنٹ الگ ہو تو جتنے بھی حسابات آج کل یہ لوگ تیار کرتے ہیں اس میں سود دیا گیا تو اس کو الگ لکھتے ہیں اور سود لیا گیا تو اس کو الگ لکھتے ہیں۔

مفتی احمد خانپوری صاحب:

یہ تو مولانا ان کی سالانہ رپورٹ میں بھی الگ ہی سے درج ہے۔ یہاں پر مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ ڈبینچر وغیرہ تو کمپنی اس میں سود دے گی، اس میں شیئر ہولڈروں کو کتنا سود میرے حصہ میں آیا یہ تو دیکھنے کا ہی نہیں ہے، چونکہ وہ تو سود دے گی، جمع نہیں کرنے کی ہے، البتہ وہ ڈبینچر جو کمپنی حکومت کو سود دیتی ہے یا وکاس پتر وغیرہ کے نام سے بانڈز وغیرہ جو خریدتی ہے اس میں سود کمپنی کے پاس آئے گا، وہاں اس حساب کی ضرورت پڑے گی کہ کمپنی نے کتنا سود اپنے شیئر ہولڈروں کو تقسیم کیا ہے، تا کہ وہ اپنے نفع میں سے اتنا صدقہ کردے یا جو بھی حکم ہو۔

قاضی صاحب:

یہ بات کہ صاحب جو سود دینا پڑتا ہے کمپنی کو، وہ لکھا رہتا ہے اور جو سود آمدنی میں آتا ہے وہ بھی جو سال کا آخری اکاؤنٹ ہوتا ہے اس میں لکھا رہتا ہے کہ کمپنی کو اتنا صحیح منافع ہوا اور اتنا بذریعہ سود آیا، یہ تفصیلات رہتی ہیں یا نہیں؟

مفتی احمد خانپوری صاحب:

انفرادی طور پر شیئر ہولڈر یہ نہیں معلوم کرسکتا کہ مجھے جو Dividend ملا ہے اس میں کتنا حصہ سود کا ہے، اس کی رپورٹ میں اجمالی طور پر تو ہوگا کہ اتنے کروڑ روپے یا اتنے لاکھ روپے سود کے جمع ہوئے بینکوں کے پاس سے۔

قاضی صاحب:

یہ رپورٹ تو رہتی ہے لیکن یہ کہ ہم کو ہمارے شیئر میں جو منافع ملا ہے اس میں کتنا اصل کا حصہ ہے اور کتنا انٹرسٹ کا حصہ ہے۔ دوسرا سوال اس میں یہ ہے کہ.........

مولانا شمس پیرزادہ صاحب:

اس میں ایک بات اور بھی ہے کہ جب کمپنی سود ادا کرتی ہے، اور دوسری طرف سود کا کچھ حصہ اس کے پاس پہونچتا ہے، تو کیا یہ سمجھا نہیں جاسکتا کہ جو سود آیا وہ سود دینے میں چلا گیا، ضرورت کیا ہے کہ Dividend میں سے ہم کچھ Minus کرنے کی بات کریں...........

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

اس مائنس پلس میں یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ سود گیا زیادہ ہو آیا کم ہو؟

شمس پیرزادہ صاحب:

سود آیا کم اور گیا زیادہ تو اس لئے یہی ہے کہ گویا ہمارا پروفٹ ڈیوڈنڈ میں شامل نہیں ہوا ہے جو شیئر ہولڈر ہے اس کے ڈیوڈنڈ میں سود شامل کہاں ہوا؟ تھوڑا سا آیا گیا زیادہ۔

قاضی صاحب:

نہیں اب دو تین صورتیں ہیں نا، کہ جو سود کمپنی نے ادا کیا، فرض کر لیجئے کہ دس لاکھ روپے سود میں کمپنی نے

دوسروں کو دیا، اور اس کو بھی سود آیا، اب جو سود آیا، یا تو وہ نو لاکھ ہے یا گیارہ لاکھ ہے، تو اگر نو لاکھ ہے، نو لاکھ اس نے لیا ہے اور دس لاکھ اس نے دیا ہے، یا دس لاکھ لیا ہے اور دس لاکھ دیا ہے تو گویا جو انٹرسٹ آیا وہ انٹرسٹ چلا گیا، اب جو ہمارے پاس آمدنی ہے وہ ایک حد تک کہا جا سکتا ہے کہ خالص ہے، لیکن اگر گیارہ لاکھ آتا ہے تب پھر آگے سوال یہ ہے کہ کمپنی اپنا شیئر حاصل کرتی ہے، کمپنی میں دو طرح کے شیئرز ہوتے ہیں، ایک تو جو پروموٹرز ہیں ان کا حصہ جاتا ہے، پھر اس کے بعد تب شیئر ہولڈرس کا حصہ جاتا ہے، اور پھر مینجمنٹ کے اخراجات جاتے ہیں، اتنی قسموں میں تقسیم ہوتا ہے، تو پہلے میں جاننا چاہوں گا کہ عام طور پر کمپنیز جو جائز کاروبار کے لئے قائم ہوتی ہے جن کا مقصد جائز کاروبار ہے، سودی کاروبار جن کا مقصد نہیں ہے، ایسی کمپنیاں جو ان کو لینا پڑتا ہے یا دینا پڑتا ہے اس میں عام حالات میں کیا ہوتا ہے؟

کمال فاروقی صاحب:

Payment زیادہ ہوگا ہمیشہ، اگر جائز کاروبار وہ کرتی ہے اور انٹرسٹ اس کو لینا دینا پڑتا ہے تو پیمنٹ ہمیشہ زیادہ ہوگا اور انکم بہت کم ہوگی اس کے مقابلہ میں..........

جناب رحمٰن خان صاحب:

ہمارے یہاں تین کمپنیوں کی بحث ہے، ایک وہ کمپنیاں جن کا کاروبار حلال ہے اس میں کوئی بحث نہیں ہے۔ وہ کمپنیاں جن کا کاروبار حرام ہے وہ بھی.........اب سوال یہاں ہے کہ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن ان کو بعض اوقات سودی لین دین میں ملوث ہونا پڑتا ہے، ایسے ہی جو کمپنیاں ہمارے ملک میں ہیں، تقریباً ننانوے فیصد کمپنیاں اس تیسرے ذیل میں آتی ہیں، یعنی اب سوال ہمارے پاس یہ ہے کہ وہ کمپنیاں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن ان کو بینکوں سے کاروبار کئے بغیر وہ کمپنیاں نہیں چلا سکتے اس لئے سودی لین دین میں ملوث ہونا پڑتا ہے ان کمپنیوں کو، اور ننانوے فیصد ایسی کمپنیاں سود زیادہ دیتی ہیں اور ان کے پیسے سے جو سود ملتا ہے وہ بہت ہی کم ملتا ہے، تو یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ سود جو آتا ہے ہمارے ڈیویڈنٹ میں اس میں کتنا سود ملا ہوا ہے، اس میں یہ ناممکنات میں سے ہے ننانوے فیصد، کوئی ایک دو ایسی کمپنیز ہو سکتی ہیں، Financial Companies جن کا کاروبار صرف سود کا لینا ہے، اسی کمپنی میں یہ ہو سکتا ہے کہ جہاں ہمارے ڈیویڈنٹ میں سود کا ہونا ممکن ہو جاتا ہے، وہ کمپنیاں نمبر دو میں آجائیں گی، وہ کمپنیاں جن کا کاروبار حرام ہے یعنی کہ بینکنگ کی کمپنیاں، چاہے اسٹیٹ بینک کا ہو، حال ہی میں اسٹیٹ بینک کے شیئرز پلاٹ کئے گئے، اگر کوئی اسٹیٹ بینک کے شیئرز لیتا ہے تو معلوم ہے کہ اسٹیٹ بینک پورا سودی کاروبار کرتا ہے، وہ حرام ہے، اب یہاں پر دوسری کمپنیاں ہیں جو مجبوراً بغیر سود لئے کام نہیں کر سکتیں، بینکوں سے لے کر ہی چلاتا ہے، وہ تیسری کمپنیاں ہیں، وہاں تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اب ہم کو یہاں پر ہدایت ملنی ہے کہ ایسی کمپنیوں میں Investment جائز ہے یا نہیں؟

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

سود کا زیادہ دینا ہوا، یہ سود کہاں سے دیا جائے گا؟ جب سود اس میں زیادہ دینا ہوا اور آیا کم ہے تو یہ سود کہاں

سے دیا جائے گا؟

کمال فاروقی صاحب:

یہ ہمارے خرچ کا Part ہے، It is part of our expenditure، دیکھئے حضرت! ایک اور بات یہ سمجھ لیجئے جیسا کہ رحمٰن خاں صاحب نے فرمایا، ہمارے لئے کوئی بھی لمیٹڈ کمپنی شروع کرنا ناممکنات میں سے ہے، اگر ہم اس میں Banking Finance کو نہیں Involve کرتے ہمیں اجازت ہی نہیں ملے گی شیئرز جاری کرنے کی، پہلی بات یہ سمجھ لیجئے، اور بنیادی طور پر یہ سمجھ لیجئے کہ کسی کمپنی کو شروع کرنے کی اجازت ہی نہیں ملے گی جب تک ہم بینک سے فائنانس کا اس میں پروجیکٹ نہیں رکھیں گے۔ ہمارا اپنا کوٹہ جو ہوگا Shares Capital وہ اتنا ہوگا اور جو بینک سے فنانس لیں گے وہ اتنا ہوگا، اس کے بغیر نہیں ہوگا، تو یہ بات جیسا کہ خاں صاحب نے بتلایا ۹۹ فیصد، میں اس سے اور سو فیصد جا کر بات کہتا ہوں........

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

اس کا مطلب یہ کہ ہم جو یہ کہہ رہے ہیں کہ بنیادی طور پر ہماری حلال کمپنی ہوگی وہ ہی صحیح نہیں ہے۔

کمال فاروقی صاحب:

بنیادی طور پر کاروبار اس کا حلال ہوگا، دیکھئے Objects بھی دو ہوتے ہیں: ایک تو Main Object ہوگا کسی کمپنی کا، جو حلال کام ہوگا جس کی ہم بات کر رہے ہیں لیکن اس Main Object کو پانے کے لئے اس کو انٹرسٹ پر پیسہ لینا پڑے گا، یہ پارٹ ہے، اور وہ ہمارا جو خرچ ہے اس میں سے جیسے ہم تنخواہ دیں گے، جیسے ہم آفس کا کرایہ دیں گے، جیسے ٹیلیفون کے Expenses دیں گے، اسی طرح سے ہمیں سود کی ادائیگی بھی کرنی پڑے گی۔

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

اصل بنیاد جو ہوگی اسی میں سے ہمارا ایمنٹ ہوگا، سوچئے اس کو، الگ حساب رہا اپنی جگہ............

قاضی صاحب:

یعنی اس کی صورت جو ہے وہ یہ ہوئی گویا آپ لوگوں کے بیان کے مطابق جو ہم نے سمجھا، مثلاً ہم کو گھڑی بنانے کی یا الیکٹرونک کی ایک فیکٹری قائم کرنی ہے، اس کو ایک کمپنی کی شکل ہم نے دیا، اس میں چاہئے دس لاکھ روپے، تو ہم نے پانچ لاکھ روپے شیئر فروخت کئے اور ان سے حاصل کر لئے، اور مزید پانچ لاکھ کے لئے ہم سرمایہ لیں گے کس سے، بینک سے لیں گے، اور جو سرمایہ بینک سے لیں گے اس پر ہم کو سود دینا پڑے گا، اور کچھ پیسہ ہمارا بھی ان کے یہاں ہو جس سے سود حاصل ہو ہم کو کیا شکل ہے، (ایک آواز: بہت کم) یعنی پھر سود لینے کا سوال آیا نا، ایک تو سود دینا ہوا، دوسرے سود لینا ہوا۔

جناب رحمٰن خاں صاحب:

لینے کا جو سوال آتا ہے سود ایسی کمپنیوں میں، ۹۰ یا ۹۹ فیصد جو کمپنیاں ہیں سود لینے کا سوال نہیں، کیونکہ خود ان کے پاس پیسہ نہیں ہے تو اسی لئے وہ بینک سے لیتے ہیں، اب جن کو جو سود آئے گا قانونی طریقے سے کچھ Investment کرنا پڑتا ہے یعنی بانڈز میں کرنا پڑتا ہے، یا Seving میں کرنا ہے، وہ مجبوری طور پر بہت ہی کم ہوتی ہے اس کی رقم۔ اور اگر ہم اس کو...... کریں جو سود ہم دیں گے تو بالکل اس کا............ ایک یا دو فیصد ایسی کمپناں آپ کو نہیں ملیں گی جو سود لے رہی ہیں۔

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

نہیں اگر کوئی کمپنی ایسا کرتی ہے کہ ایک ملین سرمایہ ہم روکتے ہیں اپنی طرف سے، اور ہمیں قانونی مجبوری کے تحت اگر ایک لاکھ روپے لینا پڑتا ہے ہم لے لیتے ہیں ایک لاکھ روپے، لیکن اگر ہم قانونی طور پر ہمارے اپنے ایک ملین روپے کہتے ہیں تو اس وقت میں کوئی ضروری تو ہے نہیں، یہ تو آپ اس صورت کو بتا رہے ہیں کہ جس صورت میں سرمایہ ہمارے پاس تھوڑا ہے، اس لئے ہم لینے پر مجبور ہیں، لیکن اگر کوئی کمپنی اس طور پر آئی ہے کہ ہم پورا دیتے ہیں، بس فوراً کمپنی کوئی آئی، اس نے کہا کہ ہم ایک ملین روپیہ لگاتے ہیں، اس کو تو ضروری نہیں ہے کہ وہ بینک سے لون لے (رحمٰن خاں صاحب: نہیں کوئی ضروری نہیں) تو اب یہ بات واضح ہو گئی کہ کمپنی کو قائم کرنے کے لئے بینک سے قرض لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اگر ہمارے پاس پورا سرمایہ ہے تو ہم لینے پر مجبور نہیں ہیں۔

جناب رحمٰن خاں صاحب:

اب ہماری جو یہاں بحث ہو رہی ہے، اسٹاک ایکسچینج سے شیئر کا کاروبار کس طرح سے کیا جانا چاہئے، کیا ایسی کمپنی میں شیئر لینا جائز ہے پہلی بات، یہ جو آپ کا سوال تھا کہ اگر کوئی کمپنی چاہتی ہے کہ پورا سرمایہ لگا کر قرضہ کے بغیر کمپنی شروع کرنا ہے، تو وہاں کسی کو مجبوری نہیں ہے سودی قرض لینے کی، اب سوال ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارے کیا ایسی کمپنیوں میں Share Invest کر سکتے ہیں؟ یہ سوال ہمارے سامنے ہے۔

یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

اب یہ بات واضح ہو گئی کہ ہم ایسی کمپنی بنا سکتے ہیں، اب سوال یہ جو رہ گیا کہ کمپنی کی بنیاد تو حلال ہے، لیکن کمپنی نے سرمایہ کچھ سودی بھی لیا ہے، اب ہمارے لئے مشکل جو ہے سوچنے کی وہ یہ کہ جو سرمایہ لیا ہے سود کے اوپر، اس کا سود ہمیں دینا پڑتا ہے، اب اس کو سوچنا چاہئے کہ یہ سود جائے گا شیئر ہولڈروں میں سے، یا یہ کمپنی سرمایہ سے جائے گا، بینک سے تو آئیگا نہیں، تو گویا سارے شیئر ہولڈر سود دے رہے ہیں۔

جناب کمال فاروقی صاحب:

میرے خیال سے Clarification یہاں دینا بہت ضروری ہے، آپ جو بات فرما رہے ہیں وہ بالکل ہمارے یہاں اس کو کہا جاتا ہے کہ کتابی بات ہے یہ Theoretical Part ہے، کوئی بھی کمپنی ایسی

نہیں Create ہو سکتی، پبلک میں آپ نہیں جاسکتے، پبلک ایشو نہیں لے جاسکتے جب تک آپ اپنے پروجیکٹ رپورٹ کے اندر یہ نہ بتائیں کہ آپ کا اپنا Capital اتنا ہوگا اور اتنا کیپٹل آپ Banking Institution سے لیں گے۔ یہ چیز بہت واضح ہونی چاہئے۔ بس یہ کہ آج کے نظام میں ایسی کوئی Possibility ہے ہی نہیں کہ آپ Public Limited Company بنائیں..............

مفتی احمد خانپوری صاحب:

کمپنی شروع ہونے کے بعد سرمایہ سے نہیں جائے گا، بلکہ اس کا جو Production ہوگا اور وہ فروخت ہوگا، اس میں سے جو منافع ملے گا اس میں سے کم ہوگا، اور یہ سوال تو پہلا اٹھایا گیا ہے کہ بھئی اس طریقے سے جو ہے وہ سود کا کچھ دینا بھی پایا جائے گا، لینا بھی پایا جائے گا، اور شیئر ہولڈر نہیں چاہتے، جو مسلمان ہیں وہ نہیں چاہتے کہ ہمارے نام پر اس طریقہ سے سودی لین دین ہو، تو ایسی کمپنیوں میں ہم Investment کریں یا نہ کریں؟ یہی سوال ہے۔

مفتی مصلح الدین صاحب:

بنیادی سوال ایک دوسرا اور ہے کہ "أحلّ الله البيع وحرّم الربا" بیع حلال ہے اور ربا حرام ہے، اور ربا کا لین دین جیسا لینا جائز نہیں ہے، حرام ہے، ایسا دینا بھی حرام ہے، الا بوقت ضرورت شدیدہ، اب وہ ضرورت شدیدہ کیا ہے؟ شریعت ضرورت شدیدہ کس چیز کو مانتی ہے، پہلے تو ہم اس کو طے کریں، اس کے بغیر ہم.........

قاضی صاحب:

مولانا ضرورت یا حاجت؟

مفتی مصلح الدین صاحب:

حاجت، حاجت شدیدہ شریعت کے نزدیک کون سی معتبر ہوگی، تو اس صورت کے اندر ایسا کوئی کاروبار کہ جس میں ہمیں سود دینا پڑتا ہے، اس کاروبار کی بھی اجازت ہمیں حاصل ہو، ایسی حاجت شدیدہ کون سی ہے؟ اس لئے پہلے تو ہمیں بنیادی طور پر اس بات کو طے کرنا ہوگا۔

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

میرا خیال یہ ہے کہ کوئی صاحب ان میں سے ذرا وضاحت کردیں، اسلئے کہ بہت ساری چیزیں ایسی ہو رہی ہیں کہ جس کی وجہ......اب یہ نئی بات اس وقت آئی، تو اگر بنیادی طور پر ان میں سے کوئی صاحب تفصیلی بات کر لیں کہ بھئی یہ یہ چیزیں ہیں اور اس کے اوپر سوچا جائے تو میرا خیال ہے زیادہ مناسب ہوگا۔

امین الحسن رضوی صاحب:

دیکھئے میں عرض کروں، دراصل Confusion ہو رہا ہے، بات ہم یہ نہیں کر رہے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسی کمپنی قائم کرنی ہے جس میں سود لینا یا دینا ہے، یہاں گفتگو جو ہو رہی ہے وہ ایسی ہو رہی ہے کہ ہم سرمایہ کار ہیں، ایک اسلامک برانچ کارپوریشن موجود ہے، اب اس کو اپنے پیدآور ذرائع میں سرمایہ کاری کرنی ہے تو ایسی سرمایہ کاری

کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک کمپنی ہے، ہم سے کوئی تعلق اس کا نہیں ہے، ایک دوسری کمپنی ہے جو ایک جائز کاروبار کرتی ہے، ہم صرف سرمایہ کار ہیں، اسلامی فائنانس کارپوریشن ہے، ہمارا کوئی تعلق کمپنی قائم کرنے سے نہیں ہے، Already موجود ہے یہاں، اب ہمیں اپنے سرمائے کو نفع آور کاروبار میں لگانا ہے، اب ہم نفع آور کاروبار کی تلاش میں باہر نکلے، ہم کو ایک ایسی کمپنی کا پتہ چلا جو اچھے لوگوں کے ہاتھ میں ہے، فی نفسہ اس کا کاروبار پورا جائز ہے، کوئی غیر شرعی کام جیسے شراب وہ نہیں بناتی ہے، اس قسم کا کوئی کام نہیں کرتی ہے، اب اس کمپنی کے بارے میں ہم کو یہ معلوم ہوا کہ اس کمپنی کا کچھ تو سرمایہ اس کا اپنا ہے جو اس نے شیئر ہولڈرس سے لیا ہے، لیکن اس کمپنی کے کچھ سرمایہ کا جز ایسا بھی ہے جو اس نے سود پر لیا ہے، اب سوال صرف یہ ہے کہ کیا ایسی کمپنی میں کوئی مسلمان اپنا سرمایہ لگائے یا شیئر خریدے جبکہ یہ معلوم ہے کہ اس کے پاس جو سرمایہ آرہا ہے جس سے وہ کاروبار کررہا ہے اس کا ایک جز سود پر قرض لیا ہوا ہے۔ اب مسئلہ کیا ہے، معافی چاہتے ہیں آپ بزرگوں سے کہ سود لینا اور دینا حرام کہا گیا ہے، لیکن سود لینے کی کسی حال میں گنجائش نہیں رکھی گئی ہے، البتہ سود دینے کیلئے (حالت اضطرار میں) رخصت دی گئی ہے۔ اگر کسی کو حالت اضطرار یا حاجت میں سود دینا پڑے تو اس کی اجازت ہے، لیکن سود لینے کی اجازت کسی صورت میں نہیں ہے، تو یہ فرق بہر حال ضروری ہے، اب یہاں یہ صورت حال آرہی ہے کہ ہم کو ایسی سرمایہ کاری کرنی ہے ایک ایسے ادارہ میں کہ جو اپنی مجبوری کے تحت چونکہ قانون کے تحت یہ ممکن نہیں ہے اس کمپنی کے لئے کہ وہ سودی سرمایہ کے بغیر کاروبار کرسکے، کچھ جز اس کا، کل نہیں، وہ کمپنی مجبور ہے سود دینے پر، سود لینے پر مجبور نہیں ہے وہ، سود لے بھی نہیں رہی ہے، صرف سود دے رہی ہے، اب اس کو سود دینے کے نتیجہ میں جو فائدہ حاصل ہوا اس فائدہ میں کچھ جز اس سرمایہ کا ہے جو سود پر حاصل کیا گیا، اس فائدے کا جزء وہ آپ کو دینا چاہتا ہے آپ کے سرمایہ کے معاوضہ میں، تو کیا اس کا لینا جائز ہوگا؟

آل مصطفی مصباحی صاحب:

سود کے یہ حصہ دار منتفع ہوئے، سو اس میں کئی حالتیں ہیں، یعنی احکام متنوع ہیں: ایک تو یہ کہ اس کا وقوع لازم تو ہے نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ کمپنی کا کسی کے ذمہ قرض ہی نہ ہو، اس لئے سود لینے کی نوبت ہی نہ آئے، اور اصل صورت تجارت کمپنی کی حلال تھی، تو شک سے حرمت کا حکم نہ کریں گے، یعنی تطعیت پر فیصلہ ہوگا، اور تفتیش ایسے امور میں واجب نہیں، نہ تفتیش میں ہر شخص کو جز کا وقوع یا عدم وقوع معلوم ہوسکتا ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ کمپنی نے یہ سود غیر مسلم سے لیا، تو اس میں ربا من الحربی کا مسئلہ جاری ہوگا، جس کا مختلف فیہ ہونا معلوم ہے، اس لئے مبتلی بہ کو اس میں تنگی نہ ہوگی، لہذا احکام جو ہیں متنوع ہوسکتے ہیں، اکثریت اور قطعیت پر فیصلہ ہونا چاہئے۔

مولانا اسماعیل صاحب:

کوئی بھی مسلمان اس میں بطور مباشرت سود کی لین دین نہیں کرسکتا ہے اور یہ نص قطعی سے ثابت ہے، یہاں جو مسئلہ زیر بحث ہے ہمیں اسی پر غور وفکر کرنا چاہئے کہ مسلم ہولڈرز خود نہیں کرتا ہے لیکن کمپنی کا جو بورڈ آف ڈائرکٹرس ہے وہ اس کی مرضی کے خلاف کرتا ہے، شیئر ہولڈر تو چاہتا ہے کہ تمہیں جتنے سرمائے کی ضرورت ہو میرے نام

پر، میرے حصے میں سود نہ لو، سودی لون نہ لو، آپ کو چاہئے تو میں اپنے حصہ کا پورا سرمایہ نقد دے دوں، لیکن وہ ان کی مرضی کے خلاف بورڈ آف ڈائرکٹرس سارے شیئر ہولڈرس کے نام سے کہو یا کمپنی کے نام سے کہو، لون لیتا ہے، تو اب اس صورت میں یہ شیئر ہولڈر بری الذمہ ہوگا یا نہیں ہوگا؟ جبکہ وہ اس سے راضی نہیں ہے اور وہ جنرل میٹنگ جو اس کی ہوتی ہے سالانہ اس میں اپنی رائے بھی دیتا ہے کہ بھئی سودی لون نہ لو، جتنا سرمایہ کمپنی کو چاہئے شیئر ہولڈر سے وصول کرو، تو اب اس کے بعد یہ جو شیئر ہولڈر ہے وہ سود کا کاروبار کرنے والا سمجھا جائے گا یا نہیں سمجھا جائے گا؟...... جس کی تاویل حضرت مولانا تھانویؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ شیئر ہولڈر کمپنی سے کہہ دے کہ بھئی تم میرے نام پر یا میرے حصے پر سودی قرض، سود لینے یا دینے کا کاروبار نہ کرو، جتنا سرمایہ چاہئے مجھ سے نقد لے لو، میں دینے کو تیار ہوں، اگر چہ بورڈ آف ڈائرکٹرس اس کو ماننے والا نہیں ہے، اس پر عمل کرنے والا نہیں ہے، لیکن اب اس معاملہ کی نسبت تمہاری طرف نہیں ہوگی، اور یہ مسئلہ فقہ سے بھی ظاہر ہے کہ وکیل جب مخالفت کرتا ہے اور مخالفت إلى الضرر کرتا ہے تو اس صورت میں وکیل کا وہ تصرف موکل کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔

ایک آواز:

بات یہ ہے کہ آخر وہ پہلے سے جانتا ہے کہ میں جو کچھ کہوں گا وہ ماننے والا نہیں ہے، اب اس کے باوجود اس کو کیا ضرورت پیش آ گئی ہے کہ وہ شیئرز خریدے اس کمپنی سے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو کون سی حاجت پیش آ گئی کہ وہ اس طریقہ پر کہہ کر حالانکہ وہ جانتا ہے کہ سود لینا بھی ہے اور دینا بھی ہے، یہ ایک حیلہ ہے، بالکل ظاہر ہے حیلہ ہوگا، تو اس کی کون سی حاجت پیش آئی ہے اس طرح شیئر خریدنے کی۔

ایک آواز:

یہاں جو سوال کیا گیا تھا، قاضی صاحب نے شروع میں جو بات فرمائی اس میں پہلے ہی وضاحت فرمادی تھی کہ اس وقت ہمیں بحث اس پر کرنا ہے کہ ایک آدمی کے پاس سرمایہ موجود ہے، ایک بیوہ ہے، بیوہ کے پاس پانچ ہزار روپے ہیں، اب وہ چاہتی ہے کہ اپنے گذران کے واسطے اس پانچ ہزار روپیوں سے کوئی شکل پیدا کرے، کسی کے ہاتھ میں دیتی تجارت کے لئے، تو وہ معلوم نہیں تجارت میں کیسا معاملہ کرے گا، اس پر اعتماد نہیں، اس وقت ایک نفع بخش قابل اعتماد شکل ہمارے سامنے لائی ہے، تو یہ آپ جو فرمارہے ہیں کہ کیا ضرورت ہے، تو آپ اس بیوہ کے متعلق ضرورت محسوس کر سکتے ہیں جب کہ آج عام طور پر مزاج یہ بن گیا ہے کہ کسی بیوہ کے پاس کوئی رقم آتی ہے تو سیدھی Fixed Deposit میں جا کر جمع کرادیتی ہے۔

ایک آواز:

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس قسم کے جو معذور لوگ ہیں ان کے لئے تو رخصت نکلے لیکن وہ جو اپنے سرمائے کے بڑھانے کے لئے شیئرز خریدتے ہیں ان کا کیا حکم ہوگا؟

کمال فاروقی صاحب:

.....ہم لوگ یہ تمام جو بحث کر رہے ہیں ایسا لگتا ہے کہ ہم لوگ Financial Institution اور جو آج کا کاروبار کرنے کا پورا مزاج بن گیا ہے اس سے ناواقف ہیں، جو میں نے عرض کیا کہ پہلی بات تو یہاں یہ جیسا کہ رضوی صاحب نے Clarification فرمایا بالکل صحیح ہے کہ ایک اسلامک بینک ہے، اس کے پاس پیسہ ہے، اور وہ شیئرز میں Investment کر رہا ہے، پہلے اور دوسرے سوال کا جواب ہی نہیں دے رہے ہیں ہم تو تیسرے کی بات کر رہے ہیں، Possible ہی نہیں ہے آپ کے لئے، میں دوبارہ پھر اس بات کو دوہرا رہا ہوں آپ کے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ آپ کوئی کمپنی کا شیئر پبلک میں لا پائیں جب تک کہ Financial Institution میں اس کے پروجیکٹ میں آپ پیسہ نہ رکھیں، اب اگر آپ کے پاس اتنا پیسہ موجود ہے کہ آپ اپنے طور پر کاروبار کر رہے ہیں تو کس نے کہا ہے آپ سے کہ شیئر لیجئے، آپ اپنا کاروبار خود ہی اکھٹا کر لیجئے، Partnership Forum میں چلا لیجئے کاروبار، Civil Propriter میں چلا لیجئے کاروبار، لیکن اگر آپ Public Limited Company بنائیں گے تو پبلک لمیٹڈ کمپنی بنانے کے لئے شیئر جاری کرنے کے لئے آپ کے لئے یہ ضروری ہوگا، خاں صاحب نے تو ۹۹ فیصد کہا تھا..................

قاضی صاحب:

آپ کی وضاحت سے پھر یہ خطرہ ہے کہ لوگ غلط طرف چلے جائیں گے، وہ اس لئے کہ یہاں پر یہ بحث ہی نہیں کہ کیا ہم ایسی پبلک لمیٹڈ کمپنی بنائیں جس میں کام اس بنیادی طور پر صحیح ہو لیکن اس میں اتفاقاً ہم سودی معاملہ میں ملوث ہو جاتے ہیں، اگر یہ سوال کریں گے تو اس کی نوعیت دوسری ہو جاتی ہے، کیا ہم ایسی کمپنی بنا سکتے ہیں یا نہیں جس کا بنیادی کاروبار جائز ہو لیکن اس میں کبھی کبھی سودی معاملات میں ملوث ہونا پڑتا ہے، کبھی کچھ لینا پڑتا ہے کبھی کچھ دینا پڑتا ہے، آپ کا نشانہ یہ ہے..... جب اس پوائنٹ پر زیادہ زور دیا جائے گا کہ ایسی کسی کمپنی کا قائم کرنا ممکن ہی نہیں ہے جو سودی کاروبار میں بینکنگ سے ملوث ہوئے بغیر کوئی کمپنی قائم کی جا سکے، میرا کہنا ہے کہ وہ کمپنی ہمارے یہاں زیر بحث ہی نہیں ہے اس وقت، ہمارا مسئلہ ہی وہ نہیں ہے، اس کے بارے میں ہم سے آپ پوچھئے گا تو ہو سکتا ہے کہ سارے لوگ متفق ہو جائیں، یا بعض حالات مجبوری اور حاجت وغیرہ کی رعایت کر کے آپ کو اجازت بھی دیں تو بہت مشکل سے دیں گے............ اب مسئلہ جو یہاں زیر بحث ہے دراصل یہ ہے کہ ایسی کمپنی جو اس اساس پر بنی ہے، ذرا دھیان دیں آپ لوگ، پہلے سے بنی ہوئی ہے ایسی کمپنی یا بن رہی ہے، اپنے بننے کے مرحلہ میں ہے یا بنی ہوئی ہے، جائز مقصد کے لئے بنی ہے وہ،......

ایک آواز:

تو آپ کے کہنے کے مطابق جب اس طرح کا کوئی بھی پبلک کام آپ کریں گے تو اس میں بینک سے تعلق پیدا کرنا ضروری ہوگا۔

قاضی صاحب:

یہ بات ہی نہیں ہے، ذرا آپ میری طرف توجہ دیں، اصل میں فاروقی صاحب نے جس مسئلہ پر زیادہ زور دیا ہے وہاں سے دشواری پیدا ہوگئی ہے، مسئلہ یہاں پر سرے سے یہ ہے ہی نہیں کہ ہم کوئی ایسی کمپنی قائم کرنے جارہے ہیں، ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ایسی کمپنی کسی نے قائم کی ہے، چاہے ہندو نے کی ہو یا مسلمان نے کی ہو، یا کرسچن نے کی ہو......فرضی نہیں یہ واقعہ ہے، سنا تو جائے حضرت، دیکھئے ذرا میں اس کو اور تفصیل سے بتاتا ہوں، بعض کمپنیاں بنتی ہیں شراب بنانے کے لئے، بعض کمپنیاں بنتی ہیں جناب والا خنزیر کا گوشت سپلائی کرنے کے لئے، ظاہر ہے جو فیکٹری اس کام کے لئے بنی ہے اس کا بنیادی کاروبار حرام ہے، اس کا شیئر خریدنا کسی مسلمان کے لئے یا اسلامی ادارے کے لئے جائز نہیں ہوگا، اس پر ہم اتفاق کر چکے ہیں، کوئی کمپنی یا فیکٹری بنائی جاتی ہے کہ وہ گھڑیاں بنائے گی، Electronic Goods بنائے گی، فرنیچر بنائے گی، اس طرح کے کاروبار کے لئے بنتی ہے، مقصد اس کا جائز ہے، لیکن وہ کمپنیاں اپنی رضا سے یا اپنی مجبوری سے یا جیسے بھی بینک سے قرض لیتی ہیں، اور بینک کے لون کی بھی شرکت اس میں ہوتی ہے، ملوث ہوتے ہیں، کام تو بڑا اچھا ہے، کام صحیح ہے لیکن ان کو ملوث ہونا پڑتا ہے، سوال یہ ہے کہ جو اسلامی مالیاتی ادارہ آپ نے قائم کیا وہ ایسی کمپنیوں میں جو قائم ہو چکی ہیں یا قائم ہونے کے مرحلہ میں ہیں ان میں شیئر خرید سکتا ہے یا نہیں؟ مسئلہ اتنا ہے اور اس پر آپ لوگوں کو جواب دینا ہے۔

ایک آواز:

اس کا مطلب یہ ہوا حضرت کہ ایک شخص قرض دے رہا ہے، وہ نقد منافع سود کی شکل میں لے رہا ہے اور میں قرض دے رہا ہوں اور مجھے منافع چاہئے سود نہیں چاہئے......کمپنی جو فرنیچر یا جو کچھ بنائے گی وہ قرض لیتی ہے بینک سے، تو بینک قرض دے کر کے اس سے سود منافع میں لے گا، اور ہم قرض دے رہے ہیں اس کو، یعنی ہم شیئرز خرید رہے ہیں تو ہم اس سے منافع لیں گے، سود نہیں لیں گے، تو پھر ہماری شرکت ناجائز ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

قاضی صاحب:

ارے بھائی دس لاکھ کا سرمایہ ہے، فرض کرلو یہ فیکٹری دس لاکھ کے سرمایہ سے بنی ہے، جس میں انہوں نے نو لاکھ روپے اپنے یا کچھ لوگوں سے لے کر کے لگا دیئے ہیں اس پر کہ صاحب اس کا منافع جو حاصل ہوگا منافع میں ان کو حصہ دیا جائے گا، لیکن اس میں ایک لاکھ روپے انہوں نے قرضہ بھی لیا ہے، یہ علماء سے ایک سوال میرا ہے اس کو بھی ذرا ذہن میں رکھیں کہ سود کی بنیاد پر جو قرض لیا جاتا ہے جو قرض کی رقم ہمارے پاس آئی، یہ رقم ہمارے لئے جائز ہے یا نہیں اس کا مصرف.......

ایک آواز:

یہ رقم حلال ہے بغیر قباحت کے۔

کے سوالات کو جمع کیا اور ایک قائمۃ الموضوعات ایک فہرست تفصیلی ان مسائل کی تیار کی، اور کتنی قسم کی انہوں نے الگ الگ کمیٹیاں تشکیل دیں، جس میں ماہرین اقتصادیات اور ماہرین فقہ اسلامی دونوں کو جمع کیا، پہلے انہوں نے اصل مواد ماہرین اقتصادیات کے ذریعہ جمع کرایا، پھر علماء سے علمی اور تحقیقاتی کام کرایا، اس کی پوری تفصیلات، پھر ایک ایسا موسوعہ اقتصادیہ اسلامیہ مرتب کرانے کی کوشش جس کے ذریعہ ان تمام مسائل کے بارے میں تفصیلات سامنے آسکیں۔ اسی ذیل میں انہوں نے ایک اہم بات کہی کہ ہمارے مدرسوں میں جو یہ ہمارے جامعات ہیں ان میں آپ فقہ تو پڑھا رہے ہیں لیکن کیا اقتصاد اسلامی کا آپ درس دے رہے ہیں لڑکوں کو یہاں، ظاہر یہ ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہوگا، تو وہ مسائل جو آگے آنے والے ہیں اقتصادیات کے میدان میں ان کے حل کرنے کے لئے جہاں ایک طرف فقہ اسلامی کی مہارت ہونی چاہئے دوسری طرف اقتصاد کے اصولوں کو سمجھنے کی صلاحیت اور اس کا شعور ہونا چاہئے، ہم اپنے مدارس میں اقتصاد اسلامی کو ایک موضوع کی حیثیت سے پڑھاتے ہی نہیں ہیں، یہ ایک بہت بڑا خلا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اقتصادی مسائل جب علماء کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان کی اصطلاحات کو سمجھ کر کوئی حکم شرعی کی تخریج کے لائق نہیں رہتے، یہ ایک بڑا مسئلہ ہے جسے حل کیا جانا چاہئے ہمارے اداروں میں۔ اسی طرح آگے بڑھ کر انہوں نے ایک اہم بات یہ کہی کہ صاحب جہاں ہم کام کرتے ہیں یعنی مجمع الفقہ الاسلامی الدولی جو انٹر نیشنل اسلامک فقہ اکیڈمی ہے، ہم چونکہ نمائندگی کرتے ہیں دنیا بھر کے مسلمانوں کی، اور ہر ملک میں بسنے والے مسلمانوں کے مسالک فقہی مختلف ہیں، کہیں مالکیہ ہیں، کہیں حنابلہ ہیں، کہیں پر شوافع ہیں، کہیں پر احناف ہیں، کہیں پر اباضیہ ہیں، کہیں پر جعفری، کہیں پر زیدی ہیں، مختلف فقہ معمول بہا ہے، تو ہمارا جو نقطہ نظر ہوتا ہے یہ جملہ مسالک فقہیہ کو سامنے رکھ کر غور کرنے کا ہوتا ہے، اور جو ماحول بنا ہے اس میں خلاصہ یہ ہے کہ اس میں تعصب مذہبی کے، بجائے مصالح اسلام کی تحقیق پیش نظر رہتی ہے، اس لئے اگر فرض کر لیجئے کہ کسی مسئلہ کا حل کسی خاص فقہ کی روشنی میں وہاں نہیں ہو رہا ہے، لیکن دوسرا فقیہ اپنے یہاں ان کی فقہ میں جس مسئلہ سے بحث کی گئی ہے وہ سامنے لے آتا ہے، تاکہ اس کے دلائل کا لوگ جائزہ لے لیں، اقوی دلائل کیا ہیں؟ قوت دلیل کو دیکھ لیں، اور مصالح مسلمین کو دیکھ لیں، اور تحقیق مصالح جو بنیادی مقصد بھی ہے، تحقیق مصالح اور قوت دلیل کو سامنے رکھتے ہوئے اگر کوئی حل نکلتا ہے تو مسئلہ کا حل کریں، اس طرح مخلصانہ تعاون تمام اہل مذاہب و مسالک کے درمیان مسائل کے حل میں ہمارے یہاں رہتا ہے، شیخ نے یہ بھی کہا کہ صاحب ایک اچھا راستہ یہ کھلا ہے، اور انہوں نے آخر میں جو بات کہی لیکن اول ہے، کہ صاحب دنیا کے بہت سے ملک میں میں جاتا ہوں، وہاں جا کر بالکل عجمی بن کر رہ جاتا ہوں، عرب لیکن بن جاتا ہوں عجمی، اسلئے کہ کوئی میری بات سمجھنے کے لائق نہیں رہتا، میں نے جو پاکستان یا ہندوستان کا سفر کیا تو مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہوئی کہ میں اپنی بات عربی زبان میں کہہ بھی سکتا ہوں اور ایک بڑی تعداد علماء اور فقہاء کی جن کی نظر فقہ کے دقائق پر ہے اور جو تعبیرات کی گہرائیوں کو سمجھتے بھی ہیں، اور جو کتاب وسنت کی تعبیرات پر بھی اچھی نظر رکھتے ہیں، عبارات فقہاء پر بھی، میں ان کے سامنے کھل کر بات کرنے کی پوزیشن میں ہوتا ہوں۔

ا کہ نہیں ہوا، اس کو آپ لوگ طے کر لیجئے، یہ مباشر ہے، یہ سبب ہے، اس کی رضا یا عدم رضا کے اثرات پڑیں گے کہ نہیں پڑیں گے؟

ایک آواز:

اسی موقع پر مولانا برہان الدین صاحب کی اس شرط کی حیثیت واضح ہو جانی چاہئے تھی، انہوں نے کہا ہے کہ حساب کتاب الگ الگ ہو تو یہ شکل جائز ہوگی۔

قاضی صاحب:

اچھا ایسا ہے کہ کافی ہم لوگ بحث کر چکے ہیں، چائے پی لیجئے تا کہ ذہن اور حاضر ہو جائے، انشاء اللہ چائے کے بعد ہم لوگ پھر بیٹھیں گے، پانچ سات منٹ ہم نے یونہی کافی تاخیر کر دی ہے، ہمارے منتظمین بہت پریشان ہیں، اس لئے جلدی سے ہم سب حضرات چائے پی لیں، اس کے بعد انشاء اللہ پھر بیٹھ کر بات کریں گے۔ اور ہم انشاء اللہ ڈاکٹر خوجہ صاحب کی پوری بات سنیں گے، وہاں بھی مجمع الفقہ الاسلامی جدہ میں اس پر بہت تفصیلی بحث ہو چکی ہے، اور خاص کر ہمارے بعض فقہاء نے وہاں پر جواز کی رائے دی ہے بعض نے عدم جواز کی رائے دی ہے، ابھی تک وہاں کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔

قاضی صاحب:

اب مسئلہ زیر بحث پر پھر دوبارہ گفتگو آگے جاری رکھتے ہوئے میں ڈاکٹر محمد حبیب الخوجہ صاحب جو ہمارے معزز مہمان ہیں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ اس مسئلہ پر اپنے خیالات سے ہم سب کو مستفید فرمائیں، تفضل یا شیخ مشکوراً۔ مولانا عبداللہ جولم صاحب ایک کاغذ رکھیں نوٹ کر لیں ہر پوائنٹ کو، ایک دم صحیح نکتے آنا چاہئے۔ تفضل یا شیخ.

ڈاکٹر محمد حبیب الخوجہ صاحب:

بسم الله الرحمن الرحيم، وصلى الله على سيدنا و مولانا محمد وعلى آله وصحبه و سلم.

شكراً سيد الرئيس على إعطاء هذه الكلمة بعد ما استمعت إليه بغاية الدقة والانطباع قدر الطاقة من المسائل المعروضة فى هذه الجلسة، والتى تعتبر شيئا جديدا بالنسبة لما كنت أتوقع من هذه الندوة أو من هذا المؤتمر، بأن الموضوع الذى سيبحث فى هذه الدورة السادسة مقصور على الخراج والعشر، ولكن على كل حال ما دمنا قد تعرضنا إلى هذا بالأمس وكان الحديث عنه مطولا و مفصلا، ومادامت بحمد الله قد تحققت كثيرا من النظريات و النتائج بعد المناقشات والعروض، فإنى أحمد الله أن وجدت هذا العنصر الجديد الذى يكمل القضايا المختلفة التى يجتمع من أجلها العلماء المسلمون ويحتاجون إلى بحثها ودراستها، وهذا شأن

الهيئات العلمية الفقهية في كل بلد، وقد نشأ على ذلك مجمع الفقه الإسلامي الدولي بجدة، فنحن من السنة الاولى عندما عقدنا اجتماعنا العلمي بعد الاجتماع التأسيسي بدأنا ننظر في المشاكل ، وكان من بين هذه المشاكل القضايا الاقتصادية، لكني قبل أن أطرح عليكم الملاحظات التي دونتها واستمعت إلى العروض والمناقشات وبعد أن قرأت البيان الذي صدر بشأنها وأعده فضيلة الإمام الأستاذ القاسمي أريد أن أشير إلى ما أشار إليه هو بالإجابة، ذلك أن الأعداء والمخالفين بالمجتمع الإسلامي والذين قاموا بغزوه و محاربته لم تكن هذه الحركات الشرسة في الغزو والاحتداد والإبادة و تقسيم الجموع و تفريقها شيئاً مقصورًا على الناحية الترابية الأرضية المادية، بل كانت تحويلا للناس أيضا في أفكارهم وفي تصوراتهم وفي ثقافتهم وفي تشريعهم، واستبدل كثير من الناس بالقرآن والسنة نظماً تشريعية جديدة من هذه القوانين الواردة من البلاد الغربية و غيرها، وأصبح القانون الوضعي هو الذي يتحكم في المجتمعات الإسلامية شاءت أو أبت، فإذا تكونت هذه الروح التي نلمسها يقظة و عزيزة في مثل هذا الاجتماع ونجد مثلها في كل اجتماع أو في كل مجلس من مجالس الفقه الإسلامي، مما يدل على أن حركات الغزو لم تقدر على إطفاء نور الله، ولم تتمكن من القضاء على الجذوة الأساسية للإيمان التي تربط كل واحد منا وكل المسلمين عامة بالكتاب والسنة وبالهدى الديني الذي جاء به محمد بن عبد الله ﷺ، ومن أجل ذلك فإني اعتبر أن التحرك للكشف أولاً لنا، ثانياً للناس عن حقيقة الفكر الإسلامي والمنهج الإسلامي في المجال الاقتصادي أمر ضروري لابد منه، ومن ثلاثة أيام فقط قبل سفري إلى هنا إلى هذه الأرض الطيبة وإلى هذا الاجتماع الكريم لقيت رجلا من كبار أهل القانون القديم الوضعي في جدة جاء زائرا وهو من رجال القانون ومن رجال الأعمال يبطُل الإسلام خوفا من هذه وجماعاته ولكنه متحمس تحمسا كبيرا إلى الكتابة عن الفقه الإسلامي و تدوين القواعد و ضبط الأحكام في لغته الفرنسية مع لجنة يختارها من الكتاب والعلماء، ويقول أحدهم بعد ذلك معروضا علينا في مجمع الفقه الإسلامي لنقره أو لنعزله، وهذا أمر مهم، فعند ما تحدثنا عن هذا قال لي كلمة قال ما سمعتها يقول: إن الاقتصاد الإسلامي لا وجود له ، هو مجرد كلام، هو ادعاء، الناس يدعون أن في الإسلام اقتصادا، قال لي: ولكن الأعمال التي أخرجتموها في المؤتمرات الكثيرة لأنكم ما قضيتم عملا في مؤتمر من المؤتمرات التسع التي مرت، إلا وكان جانب كثير من المسائل الاقتصادية يطرح ويبحث من خلال الفكر الإسلامي، فهذا دليل على أن الفكر الإسلامي له سلطانه، له منهجه وله سيطرته على التشريع عند المسلمين، وبذلك تصبح القاعدة التي ترجع

إليها هذه الأسئلة الثلاثة، الأولى: شركة تقوم بأعمال الحلال، وأخرى تقوم بأعمال الحرام، وأخرى تجمع بين الحلال والحرام، هي التي يوجب عنها النبي ﷺ بقوله "الحلال بيّن والحرام بيّن و بينهما أمور مشتبهات"أنا لا أريد أن أنظر إلى هذه القضية بصفة عامة ولكني أدخل في صميم الموضوع، بما أني في رحاب هذه الجامعة أريد أن أسأل كما أريد أن أقرّبه، أريد أن أسأل هل في هذه الجامعة يدرس علم الاقتصاد الإسلامي، فإن لم يكن يدرس فالحاجة إلى هذه كبيرة، والأطر التي نريد تخريجها من هذه الجامعة ينبغي أن تكون آخذة من يد بالفقه الإسلامي وبالأخرى بالاقتصاد الإسلامي، وأبيّن معنى هذا، لأن الاقتصاد الإسلامي نحن كفقهاء عند ما اجتمعنا في المرة الأولى بجدة ،وجاء تنا أسئلة من مؤتمر بنك التنمية الإسلامي الذي كان يرأسه الدكتور أحمد محمد علي، جاء تني أسئلة كثيرة وأردت أن أجيب عنها أي أن يجيب عنها المؤتمر فلم أفهم شيئا، ما معنى هذا، الاصطلاحات التي كُتبت بها والمعاني التي ترمز إليها هذه الاصطلاحات هي منقولة باللفظ و بالمعنى من الاقتصاد الغربي، وليس بين الفقيه المسلم و بين النظريات الاقتصادية العربية من جامع يجعلها بعد ذلك يسيرة يستطيع أن يجيب عنها بسهولة، فاضطررت إلى عقد اللجنة تتكون من الاقتصاد يين الموجود ين في البنك الإسلامي للتنمية، ومن أعضاء المؤتمر الإسلامي في مجمع الفقه الإسلامي ليعيد سياق هذه الأسئلة بلغة يفهمها الفقهاء، وفعلنا ذلك، مرة أو لى ومرة ثانية، لأنها عندما عرضت في المرة الأولى على المؤتمر لم يفهم شيئا ، فاضطررنا إلى تعديلها و تبسيطها وجعلها باللغة التي يمكن أن يفهمها عامة الناس، وكُتبت وأجيب عنها، وكانت المسئلة الأولى التي طرحت من طرف البنك الإسلامي للتنمية على مجمع الفقه الإسلامي في دورته الثالثة هي قضية خطاب الضمان، وما الحكم الشرعي بالنسبة لخطاب الضمان؟ ونحن نعلم بأن هذه المسئلة شديدة الحساسية يختلط فيها الحلال في الحرام، وفيها وجوه من الربا، و فيها بعد عن الربا، فوقع ضبط الشروط التي يكون بها خطاب الضمان بريئا في المعاملات الربوية خارجا عن تأثيرها ، فإذا توفرت هذه الشروط فإنه يجوز العمل بذلك العقد به، لكننا بعد هذا عندما نظرنا في المؤسسات المصرفية كما قال سماحة الشيخ وجدنا بعض المؤسسات الإسلامية تريد أن تطوع الشريعة لها، وبعض المؤسسات الإسلامية الاقتصادية تريد أن تأخذ بماجاء ت به الشريعة، ولا تبحث عن تطويع ولا عن حيل، فكانت المعركة شديدة، وكان أكثر من هذه المعركة الشديدة ما علمنا من أن كل مؤسسة بنكية أومصرف من المصارف الإسلامية، له لجنة تسمى لجنة الرقابة الشرعية، لتتولى هذه اللجنة تعقّب الأعمال التي تصدر عن تلك

المؤسسة فتلغيها إن كانت حراما و تبقى عليها إن كانت حلالا، وإن كان فيها شئ من الاضطراب فإنها تبيّن الوجهة وتكشف عن سبيل الحق الذى ينبغى اتباعه.

هذا من جهة، ومن جهة ثانية لمسنا أن هذه المؤسسات مع اختلاف اللجان التى نسميها لجان الرقابة الشرعية وقعت فى أحيان كثيرة فى خلط و فى اضطراب، لأن هذه تقضى بالحلّية وهذه تقضى بالحرمة، أصبح الناس الذين يتعاملون مع هذه المؤسسات لا يدرون شيئا، وتضيف إلى هذا مشكلة أخرى، وأن الذين يعملون أو أكثر الذين يعملون فى المصارف الإسلامية ويشرون النشاط الاقتصادى والتجارى والبنكى فيها هؤلاء تخرجوا من المدارس الغربية ومن المؤسسات البنكية الربوية، ولذلك فهم لايحسنون تطبيق التعليمات الاسلامية فيقع الخطأ من هؤلاء والخطأ من أولئك، وهنا كانت الطامة الكبرى، فاضطررنا فى مجمع الفقه الاسلامى إلى عقد كثير من الندوات زيادة على المؤتمر السنوى لبحث كثير من المشاكل الاقتصادية على وجه لايُكتفى فيه بالمذهب الواحد، وهذا طبيعى، لأن مجمع الفقه الاسلامى الدولى يمثل دول الأمة الاسلامية قاطبة، وتشارك فيه الدول الإسلامية كلها، فهناك لحد الآن اثنان و خمسون دولة ممثلة فى المجمع بأشخاص يقع اختيارهم من طرف دولهم ليكونوا لسان صدق عنها، وإلى جانب هؤلاء قد يكون بعضهم ذا اتجاه فكرى اقتصادى لكن ليس اسلامى، وقد تكون بواعث فقهية مزجاة، وقد يكون لايعرف من الفقه المسائل السطحية أو السهلة التى يعرفها كل أحد، فالعمق الذى يحتاج إلى خبراء . ومن أجل ذلك فإننا فى كل موضوع من الموضوعات التى تطرح على المجمع نستأنس بآراء الخبراء الذين يكتبون إلينا ويقدمون البحوث ويعرضون الحلول، ثم تُناقش هذه الأشياء كلها من وجهة النظر الاسلامية الفقهية، فنكون قد أتينا على الصورة المطلوبة والشكل المرغوب فيه للوصول إلى النتائج التى تصدر فى القرارات أو التوصيات، وبهذه المناسبة فإنى أرحب بهذه الجمهرة الكبيرة من الفقهاء وبهذه الثلة الصغيرة القليلة العدد إن شاء الله ولكن كبيرة الفائدة من الاقتصاديين الذين حضروا معنا هذا اليوم، وعندما أتناول هذه القضية أريد أن أشير كما قال شيخنا إلى أن كثيرا من الدول الاسلامية فيها مؤسسات مصرفية الاسلامية لكنها لا تلتزم بذلك التزاما حرفيا، وأن ممن يلتزم الالتزام الحرفى كما تفعل السودان و إيران، وأنا أقول إن الصراع بين الحياة العملية الواقعة وبين النصوص والآراء هو الذى حمل البنوك الاسلامية نفسها على أن تتخذ مجالس فقهية وعلى أن تكوّن مؤتمرات و ندوات البحث كثيرا من القواعد الجارية، فاضطرر، ، أنا كأمين عام لمجمع الفقه الاسلامى أن أجمع كل الأسئلة التى

طرحت فى الماضى فى المؤسسات الاقتصادية والمصرفية ، البنك الاسلامى للتنمية، البركة، بيت التمويل الكويتى، بيت التمويل السعودى وما إلى ذلك من المؤسسات التى لها قرارات ودراسات وبحوث مكتوبة،وكوّنّا قائمة فى الموضوعات المطروحة التى يطرحها البنك على العلماء ، وبذلك تتصورون بأن القضية ليست قضية معرفة الحلال والحرام فقط بل قضية بيان الحكم الشرعى فى الطرق المستعملة أو المعتمدة لدى هذه البنوك فى إجراء أعمالها سواء فى باب الأسهم أو الاستثمار أو غير ذلك، وفى أشكال السندات أو أشكال الحصص التى تكون للأعضاء إلى آخره، واضطررنا أيضا إلى عقد دورتين حول تغير قيمة العملة وأثر ذلك على الاقتصاد الاسلامى والأحكام الشرعية المنوطة بتغير قيمة العملة، وعقدنا أيضا ندوات بالاضافة إلى مؤتمرات كانت حول السوق المالية الاسلامية، العالم كله فيه أسواق مالية، لكن العالم الاسلامى راح عادما، ويعدم إلى الآن السوق المالية، فهل جاء الوقت لنكوّن أسواقا مالية، ما هى شروط إقامة السوق المالية، ما هى الموارد الأساسية فى الأسواق المالية التى يؤمن بها الغرب ويستخدمها، وهل هى جائزة عندنا، وعما هى البدائل التى تعوضها لنستطيع أن ننهض بمشروع إسلامى، ثم هناك هذه البدعة الجديدة بطاقات الائتمان التى اختلفت اختلافا كبيرا، وأقر منها المجمع ما هو جار على الأصول الشرعية ورفض الكثير مما لا يجرى على الأصول الشرعية، عندما بحثنا هذه القاعدة تبين لنا و نحن نناقش كل قضية تعرض وتُطرح على المجمع مناقشة لانلتزم فيها بحكم ما بيّنته من اختلاف التنصيص لهذا المجمع، لا نلتزم فيها مذهبا واحدا، لماذا؟ لأن الاعضاء منهم مالكيون ومنهم أحناف ومنهم حنابلة ومنهم شوافع ومنهم زيديون ومنهم جعافرة ومنهم إباضيون، وهذه الجموع الكبيرة من الفقهاء والقضاة تتعاون كلها مع بعضها ، فإذا كان واحد من الفقهاء الذين يشهدون هذه المجالس يرى حكما لم ينتبه إليه إخوانه من الناحية الشرعية لكونه غير وارد فى كتبهم، وإنما هو وارد عنده فإنه يذكّر بما عنده لعلنا نجد الدليل الأقوى من جهة والأقوم والأفضل الذى يخدم المصلحة الشرعية و مصالح الناس، لأن مصالح الناس والمصالح الشرعية المعتبرة هى التى يعتمدها الإسلام و اعتمدها القرآن فى تقرير المنهج الذى ينبغى أن يسير عليه المجتهد، لأن المجتهد ليس عليه إلا أن يبحث عن المصلحة فأينما وجدت المصلحة فثمّ شرع الله، بالاضافة إلى هذا، عندما قرأت هذه الأسئلة الكثيرة وهى أسئلة مهمة ، ولابد أن تجيش بها نفس المؤمن وأن يتحرك إلى الاجابة عنها، لكنها أسئلة جزئية لاترجع إلى مساكن مطروحة فى الصحة حقيقة، أستطيع أن أقول هى التساؤلات التى تصدر عن المسلم عند الفقيه من غير أن يكون اقتصاديا ومن غير

أن يكون مشاركا فى العمل الاقتصادى، وإلا فإن الأسئلة المطروحة اليوم فيها النوع الذى يحمل المسلم على التساؤل، هذا حلال أم حرام، يجوز بأن أقوم به أم لا يجوز؟ تجنبا للمحاذير وسيرا على وسط المنهج الاسلامى، أما الأسئلة الأخرى فهناك الأسئلة التى تصدر عن المصارف ذاتها، المصارف هى فى حاجة إذا من يأتيها، جعلتنا بسبب التأسيس والبناء للمصرف الاسلامى على الوجه الكامل، ولم يصل بعد إلى النهاية، هو فى خطواته يتعسر، مرة يريد أن يأخذ بما فيه ربح، وقد وجد عند المصارف الغربية أو الربوية ويقول هل من سبيل لتوفير الإنتاجات المادية عندنا ويكون بذلك قوة للمسلمين، فيقول له لا، هذا ليس بجائز، لأن المساهمة من البنوك الاسلامية مثلا فى الهيئات الربوية فى شركات مساهمة غير جائز، عقدنا لهذا ثلاث ندوات، بحثنا أصول هذه المسئلة وفروعها، وتقدم الاقتصاديون من المسلمين بنصوص كثيرة تبيّن لنا وحالتها وبُعدها عن الفكر الاسلامى، والأجوبة التى كانت مترتبة عليها بالجواز، نقضت إذ نقض أصلها ، فلم يبق إلا التحريف، وبقينا نبحث عن المخارج أو التخريجات الشرعية مرة وعن أحوال الضرورة التى تمس المجتمع ككل أو بعض الأفراد كأشخاص لنجد بعض المبررات فى بعض المسائل الجزئية ، وهذا موجود فى كثير من الأحكام والقرارات التفصيلية التى صدرت عن المجمع،....صورة عن هذه القضايا التى بحثناها فى المجمع والتى أريد أن نبحث هنا فى مجمع الفقه الإسلامى فى الهند، أريد أن يكون بيننا و بينكم، بين مجمع الفقه الاسلامى بجدة ومجمع الفقه الاسلامى بالهند اتصال دائم، وبيمين الله يكون ذلك من باب التعاون على الخير ومن باب التطلع إلى الحكم الشرعى الواضح الذى لا التباس فيه، ومن جهة أخرى إذا عرض علينا هنا بعضُ المسائل نطرحها على مجمع الفقه الاسلامى ونقول لهم نريد الاجابة عن هذه القضايا، وهذا سائرا وراء التوحيد فى الأجوبة والقرارات حتى لا يكون بعض المسلمين يفتون برأى والآخرون يخالفونهم فى ذلك الرأى، نحاول التجميع والاتفاق قدر الاستطاع، هذا من جهته، ونكوّن الاتفاق قدر الاستطاع لينفى أن تكون هناك حاجات ماسة وخاصة فى مجتمع ما، فيفتى علماء ذلك البلد أو تلك الأرض بما لا يفتى به عامة المسلمين، وهذا مثل بيع الوفاء عند أهل خراسان الذين اضطروا إليه فرارا، ولكنهم أحلوه ولو كانت فيه شبهة الربا، لأنهم جمعوا بين أشكال مختلفة وصوروه بصور متعددة، والكلام فى هذا يطول، فإن ابن الهمام له فيه كثير من الصور التطبيقية والإجابات عن الأسئلة التي عرضت عليه، وكذلك المرغينانى فى كتابه "الهداية" وغيرهم من أكابر العلماء الذين ظهروا فى خراسان وفى ماوراء النهر وفى البلاد الهندية أيضا، لأن بعض هؤلاء العلماء

آخذ بما ذكره الآخرون من صفوة أهل العلم والمفكرين السابقين والنابهين منهم فكم يتعاونون على ذلك، فإذا كانت القضية خاصة ولها ظروف معينة فتلك التى يجوز فيها التأويل أو التؤول ويجوز فيه طرح النظريات التى قد لاتتفق معه ما يصدر عن المجتمعات الاسلامية ولكن لها حكمها، وأنا يعجبنى ماقرره الشيخ محمد طاهربن عاشور رحمه الله فى كتابه "مقاصد الشريعة" من أن الرخص التى يأخذ بها الفقه الاسلامى ليس كالرخص الشخصية،....لا معنى لها، لأن كل واحد يستطيع أن يفتيك إذا كانت هناك ضرورة قائمة وحاجة ماسة أن تأخذ فى قول.....لكن هذا يكون لفائدة المجتمعات الكبيرة والقضايا العامة ليخرج الناس من الضيق إلى الوسع ومن القلق والحيرة إلى الاطمئنان، ولتفسير بعض هذه الأشياء أريد أن أقول لكم بأننا بحثنا فى ندوات خاصة مسائل كثيرة لم يصدر فيها قرار مجمعى فى جميعها، لماذا؟ لأنها بالرغم عن عقد الندوات الخاصة لم تستوف حقها من النظر، وهذا مثل الأسهم فى الشركات وقضايا الاستثمار، بل عقدنا له ثلاث مؤتمرات، واحدة فى جدة، والثانية فى المغرب فى الرباط، والثالثة فى البحرين، وهناك تغير قيمة العملة التى صدر فيها ما صدر من توصيات أو قرارات أخذت بما هو معروف من مقابلة مثلى بالمثلى ومقابلة القيمى بالقيمى، وأنه لا يجوز أن انتقل من المثلى إلى القيمى، .....ويلى قضية مطروحة على كل حال، لكن الواقع يصادم هذه النظرية، ونحن نجد فى المذهب الحنفى تيسيرا، وخروجا عن هذا التضييق، لأن ما بين الإمام أبى حنيفة وبين الإمامين أبى يوسف و محمد بن الحسن الشيبانى من التأمل والغوص على هذه القضية ما يساعد على الخروج من الأزمة التى واجهها الناس فى المجتمعات الاسلامية اليوم، وآخذ مثالا بسيطا عندما أقول لك: علىّ دين تركت فى ذمتى من عشر سنوات بالروبية، هذا الدين قيمته ألف روبية أو عشرة آلاف روبية، هل العشرة آلاف روبية التى هى دين علىّ من عشر سنوات، بقيت قيمتها هى نفسها اليوم أم تغيرت هذه القيمة، ربما كنت أستطيع أن أشتري بيتا بالعش.....من عشر سنوات، والآن لا أستطيع أن أشترى بها سيارة، وعندئذ فرق كبير، وهذا.....العملات الهابطة، وفى الأسواق التى أصيبت فيها بعض العملات بالانحطاط والهبوط قياسا على الوضع العام الاجتماعى من جهة وقياسا على تغير الأسعار،فتغير الأسعار أو مانسميه بارتفاع الأسعار....كان سببا شديدا فى إرهاق الناس وحملهم على أن ينشدوا الحق من الطريق الذى يوصّل إلى ذلك الحق.

أما أن قول المثلى بالمثلى أدفع إليك بعشرة آلاف روبية التى كانت فى ذمتى من عشر سنوات أو من مائة سنة ويكون بيننا هذا عدل، فليس من العدل فى شئ، لأن المثلية هنا لا

اعتبار لها، وماذهب إليه الفقهاء فيه دليل على ذلك و شهادة ، على أن هذه القضية لم يُبتّ فيها، مازال الدارسون يبحثون عن أشكال لإيجاد التحرير الدقيق للمسائل والاجابة عنها، ولذلك من كل هذه القضايا المعروضة على المجمع من الرياض والمعروضة على الندوات الفقهية التابعة للمجمع كوّنّا لجنة، هذه اللجنة تعرض على نشر البحوث الموسوعية، وهذه الموسوعة هي الموسوعة الفقهية الاقتصادية، وأدخلنا فيها عدة موضوعات واستكتبنا الاقتصاديين...... ونحن في كل دورة وفي كل اجتماع نتلقى أسئلة ، وسؤالي الذي أطرحه كما أطلب من مجمع الفقه الاسلامي بالهند أن يكتب إلينا غير مأمور بأن يسألنا ما هي القضية أو وجه الحكم في القضايا التالية لنصنّفها في جملة القضايا المطروحة على المجمع إذا تعذر عليه القيام بذلك، أو إذا وجد حرجا بأن كانت النظرة فيها مذهبية أكثر من كونها فقهية عامة ، فنحن نرحب ونريد أن نتعاون في هذا المجال، ومن جهة ثانية أطلب من سماحة الإمام شيئا هو أدرى به مني، أنا لا أعرف فقهاء الهند، هذا الاتصال الكريم الذي هيأه الله سبحانه و تعالى لي، وأنا سعيد به كثيرا، فأنا أريد أن أعرف الفقهاء الهنود الذين لهم إلمام بالجانبين الاقتصادي والفقهي، أو على الأقل الذين إذا طرحت عليهم المشاكل الاقتصادية من طرف الموسوعة يستطيعون الكتابة فيما يعرض عليهم من دراسات شرائع اقتصادية، ليدلي مجمع الفقه الاسلامي بالهند بدلوه مع إخوانه الذين يعملون في مشارق الأرض ومغاربها، والله أحمد على هذا الاجتماع المبارك الذي جمعني بكم ودفعني إلى الاستزادة من المعرفة بالقضايا الاسلامية عن طريقكم وبوجوه تحليلها، وأشكر الشيخ زبير. بارك الله فيه . على أن عاد بمسألة سألناه عنها بالأمس إلى مصادرها الفقهية مشيراً إلى الوجه أي وجه الحكم الشرعي مع بيان الاحالات المطلوبة، وهذا من فضل الله علينا، كنا عندما نسير إلى بلاد الشرق الأقصى، وهذه من بلاد الشرق الأقصى نظن أنفسنا سنختلط بأعاجم لما كوّنه الانكليز والفرنسيون والمستعمرون في أذهاننا، وأننا سوف لا نجد كلمة بالعربية أو فقها إسلاميا، ولكني أؤكد بأنني في أول زيارة قمت بها إلى باكستان وفي أول زيارة قمت بها إلى الهند، وذلك من نحو ثلاثين سنة و شفت عكس ما يقوله الانكليز والفرنسيون والولنديون وغيرهم، يعني وجدت فقهاء بحمد الله في كل مكان من هذه القارة الهندية، ووجدت علماء يدركون إدراكا دقيقا المفاهيم الشرعية التي أدلى بها علماء ند رضي الله عنهم - في الماضي ، ونحن في حاجة كبيرة إلى جهودكم جعلها الله مثمرة وإلى أعمالكم جعلها الله نامية وخصبة، حتى نلتقي دائما على التعاون في سبيل الله وفي سبيل اعلاء كلمة الله عن طريق تطبيق الشريعة الاسلاميه ببيان فضلها

وإسكات الأصوات المنادية بتغييرها واللمس فيها، والحمد لله أولا وآخرا، وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

قاضی صاحب:

میرا خیال ہے اکثر علماء نے تو بات سمجھ ہی لی ہے لیکن ہمارے کچھ دوست ایسے بھی ہیں، جنہوں نے بات نہیں سمجھی ہے، میں نے چاہا تھا کہ میرے دوست ڈاکٹر عبداللہ جولم صاحب اس کی تفصیل بتادیں، لیکن درمیان میں انہوں نے یہ پرچہ دیا کہ تمہیں ہی اس کے بارے میں کچھ بتا دینا ہے، تو میں مختصراً ان نکات کی وضاحت کر دیتا ہوں جن کے بارے میں شیخ نے بات کی ہے، گرچہ وہ حاوی نہیں ہوگی پوری، بہت سی باتیں چھوٹیں گی، پہلی بات تو انہوں نے یہ کہی کہ صاحب جو دشمنان اسلام اس وقت دنیا میں کام کر رہے ہیں ان کا ایک بڑا نشانہ صرف مادی طور پر اراضی پر قبضہ و دخل کر لینا اور کسی ملک کو اپنی حکومت میں داخل کر لینا نہیں، بلکہ اصل فکر اسلامی کو برباد کر دینے کی کوشش ہے، ان کا ایک بڑا نشانہ یہ ہے کہ اسلامی فکر اور اسلامی عقیدہ، اسلامی تصور، اس کو کسی طرح معاشرہ سے مٹادیں، آج جو ہمارے سامنے چیلنج درپیش ہے وہ یہ ہے کہ ہم کس طرح فکر اسلامی کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھیں بلکہ نظری ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو عملی اور تطبیقی صورت ہم دے سکیں، خصوصیت کے ساتھ اقتصادیات کے میدان میں جو عمل دخل مغرب سے آنے والے نظریات کا ہوا، ظاہر ہے کہ جو اقتصادی نظام بنا ہے اس کا کوئی رابطہ بھی اسلام کے اقتصادی نظریات سے نہیں ہے، بلکہ اس کی اساس ان افکار و نظریات پر ہے جو مغرب سے آئے ہوئے ہیں، اس لئے جب ہم اقتصادی مسائل پر غور کرنے بیٹھتے ہیں تو ایک بڑی مشکل یہ ہوتی ہے کہ ان مغربی افکار سے آزاد ہو کر خالص اسلامی نظریات کی اساس پر کسی نظام کی ترتیب ایک مشکل صورتحال اختیار کرتی ہے، اسی کا ایک بڑا نتیجہ یہ ہے کہ جو اسلامی ممالک میں اس وقت اسلامی بینکنگ کے مختلف ادارے قائم ہو رہے ہیں، ان میں دو طرح کا عنصر پیدا ہوتا ہے، یا تو وہ ہیں جو اسلام اور شریعت کو اپنے تابع بنالینا چاہتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ شریعت میرے پیچھے پیچھے چلے، اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو مسائل کا کوئی متبادل حل نکالنے کے بجائے ایک ایسا کنارے کا راستہ اختیار کرتے ہیں جن سے کسی چیز کی حلت یا حرمت کا تو فتوی دیا جاسکتا ہے لیکن مسائل کا حل نہیں ہوتا ہے، اسی سلسلہ میں جو اسلامی بینک قائم کئے گئے ہیں انہوں نے اپنا رقابت شرعیہ کا یا شرعی بورڈ کا ایک نظام تو قائم کیا ہے کہ ان کے کس عمل کو حلال کہا جائے، کس عمل کو حرام کہا جائے۔ سوالات بھی بہت سے پیدا ہوئے ہیں اور ان سارے سوالات کو انہوں نے ہمارے پاس مجمع الفقہ الاسلامی میں بھیجا ہے، اس کی بہت لمبی تفصیلات ہیں، لیکن اگر کوئی فیصلہ علماء اور شریعت کی طرف سے ہو بھی جاتا ہے تو جو طبقہ اصل میں اس بینک کو عملی طور پر چلاتا ہے چونکہ وہ مغرب کے اقتصادی نظریات سے متاثر ہے، یا مغربی بینکنگ کے اصولوں پر عمل کرنے کا عادی ہے، اس لئے علماء اور شریعت کے اس فیصلہ کی صحیح عملی تطبیق بھی وہ نہیں کر پاتا ہے، کوئی بات اگر غلط کہہ دوں تو آپ لوگ بتا دیجئے گا۔

دوسری طرف انہوں نے وہ تفصیلات بتائیں کہ کس طرح بینک اسلامی کے سوالات کو اور مختلف اداروں

ایک آواز:

امداد الفتاویٰ میں جس کا آپ نے ابھی حوالہ دیا تھا میرے جواب میں، یہ صراحت موجود ہے کہ ایک آدمی نے کسی کے پاس سے کوئی رقم لی، پانچ ہزار روپے مثلاً، اور رقم دینے والے نے اس سے یہ شرط رکھی کہ میں اس پر تمہارے پاس سے دو سو روپے سود لوں گا، اس نے پانچ ہزار قرض لے کر کے اس رقم سے تجارت کی اور اس تجارت سے منافع حاصل کیا، اس کو سود بھی ادا کیا، اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے یہ سود دینے کا کام بھی کیا ہے وہ حرام کام کیا ہے، لیکن ساتھ ہی وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ منافع جو مجھے اس پر ملا وہ حلال ہے، تو کیا اس کا یہ سمجھنا درست ہے، تو حضرت تھانویؒ نے جواب دیا کہ درست ہے۔

قاضی صاحب:

میرا سوال دراصل یہی تھا کہ سود کی ادائیگی کا عمل حرام، لیکن قرض لینے سے جو رقم آتی ہے وہ تو حرام نہیں ہوتی ہے، قرض میں جو رقم لی ہے ہم نے، یہ قرض لینا ہے اور سود ادا کرنا ہے، سود ادا کرنا عمل حرام ہوا، لیکن جو قرض لیا وہ مال جائز ہے کہ نہیں اس کے لئے......

ایک آواز:

یہ اصول کے طور پر بھی ہمارے یہاں معروف ہے کہ "إباحة العقد لا يستلزم إباحة المال و حرمة العقد لايستلزم حرمة المال" یہ اصول ہے۔ سودی قرض لینا یہ ہمارا معاملہ ہے، یہ ہمارا معاملہ حرام ہے، لیکن اس سے جو حاصل ہوگا مال کوئی ضروری نہیں کہ وہ بھی حرام ہی ہو۔

قاضی صاحب:

اب سوال یہ ہے کہ دس لاکھ سرمایہ جو اس میں لگا، نو لاکھ اس کا اپنا تھا، شیئر ہولڈرز سے لایا تھا یا پروموٹرس لائے تھے، اور ایک لاکھ روپے اس نے سودی قرض پر حاصل کیا تھا، تو یہ دس لاکھ جائز سرمایہ کی حیثیت سے ہے، اس سے جو آمدنی حاصل ہوگی وہ آمدنی اور منافع جائز ہوگا یا نہیں ہوگا؟

آوازیں:

جائز ہوگا۔

قاضی صاحب:

اس منافع کی اگر تقسیم شیئر ہولڈرس پر ہوگی تو وہ جائز ملے گا یا ناجائز ملے گا؟

آوازیں:

جائز ملے گا۔

قاضی صاحب:

اب اس کے بعد ایک دوسرا سوال کہ وہ جو سود ادا کرتا ہے یہ ایک گناہ کرتا ہے، اس گناہ میں یہ بھی شریک ہو

میرے لئے یہ سفر بہت اہم ہے کہ اس طرح ہم وہ رابطہ اور اتصال پیدا کر سکتے ہیں جو اسلام کے حق میں مفید ہوگا، اب اس کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ کے سامنے جو مسائل آئیں بے تکلف آپ ان مسائل کی فہرست ہمارے پاس بھیج سکتے ہیں، اور ہم بھی ان مسائل کو اس بین الاقوامی المجمع الفقہی کے سامنے رکھ سکتے ہیں کہ صاحب ان مسائل کا جواب ہمیں دنیا بھر کے علماء سے مطلوب ہے، اور وہاں ان سے جواب ہم حاصل کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف ایسے افراد اور ایسے باصلاحیت لوگ جو فقہ واقتصاد دونوں پر نظر رکھتے ہیں، اگر ایسے لوگوں کے نام ہمیں بھیجے جائیں تو ہم ان کی صلاحیتوں سے ان سے بحوث اور مقالات لکھوا کر فائدہ اٹھا سکتے ہیں، یا کم سے کم فقہ ہی میں وہ اس لائق ہوں، مہارت ان کی اصلاً فقہ اسلامی میں ہو، لیکن وہ اقتصادی مسائل پر فقہ اسلامی کی تخریج اور مسائل کی تحقیق اور تطبیق کا کام کر سکتے ہوں، تو ایسی شخصیات اور ایسی صلاحیتیں پورے ملک کے لئے پوری دنیا کے لئے جو اسلامی زندگی اور اسلامی مسائل کو حل کرنے کے راستے پہ جب ہم غور کرنے بیٹھتے ہیں تو ان کی صلاحیتیں جو ہمارا ایک سرمایہ ہوگی ان سے ہم استفادہ کرسکیں گے، تو اس طرح مجمع الفقہ الاسلامی الہند اور مجمع الفقہ الاسلامی الدولی جدہ دونوں کے درمیان گہرا تعاون اور ارتباط ہو سکتا ہے۔ موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جو ہمارے سامنے آئے لیکن اب تک ہم نے ان میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے، بار بار ہم نے اس پر بحثیں کی ہیں لیکن جب تک کوئی تشفی بخش صورتحال نہ پیدا ہو اس وقت تک ہم نے فیصلہ نہیں کیا ہے بہت سے مسائل میں، اب ان ہی مسائل کے ذیل میں انہوں نے کریڈٹ کارڈ کی بات کہی ہے، یا Letter Of Credit کی بات کہی ہے، یاLetter of Securities کی بات کہی ہے، اس طرح کے دسیوں مسائل ہیں جو ابھی ہمارے یہاں زیر بحث ہیں، اسی طرح ہمارے یہاں موضوع بحث رخصت کی بحث بھی ہے، ایک حوالہ دیا انہوں نے کہ رخصت کی بحث میں یہ بھی بحث آچکی ہے کہ رخصت کا حکم انفرادی طور پر ہر شخص کے لئے اپنے طور پر عمل کرنے کا ہے، یا رخصت ایک اجتماعی ضرورت سے پیدا ہوتا ہے، اور امت کے اجتماعی حالات میں رخصت کی کیا گنجائشیں ہیں، اس کا کس طرح فیصلہ کیا جا سکتا ہے، اس طرح کے متعدد مسائل ہیں جن پر ہمارے یہاں بحث ہوتی رہی ہے، اور ان بحثوں کو ہم اگر مجمع الفقہ الاسلامی الہند کے کاموں کے ساتھ ہمارا رابطہ ہوتا ہے تو ہم یہاں کے مسائل واحوال پر بھی رائے قائم کرنے کی پوزیشن میں ہوں گے۔

خلاصہ ساری گفتگو کا، بہت سارا چھوڑ کر، یہی ہے، جو میرے ذہن میں نہیں رہا اس کے لئے معافی چاہتا ہوں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اجمالی طور پر بنیادی باتیں آ گئیں، میں شیخ کا شکر گذار ہوں، اشکرکم شکرا جزیلا علی ما بعثتم إلینا وعلی ما فضلتم بأن التعاون والاتصال والترابط بین مجمع الفقه الاسلامی بالهند وبین مجمع الفقه الاسلامی الدولی، إن شاء الله سنرجو من جمیعنا وجمیع أرکاننا، إن شاء الله کلهم یرحبکم وکلهم یشکرکم علی هذا التعاون العلمی الوثیق الاسلامی، إن شاء الله سنستفید منکم ومن علومکم ومن علوم جمیع العلماء الذین قد رأیتهم فی مجمع الفقه الاسلامی، ولا شک أنها نخبة العلماء ونخبة الفضلاء والفقهاء الذین هم متفرقون فی العالم

ولكنهم قد إجتمعوا على منصة مجمع الفقه الاسلامي بجدة، وإن شاء الله سنستفيد من علومهم و نعوض عليكم أسئلتنا ونرجو أننا نجد منكم جوابا شافيا لما ابتلينا به في بلادنا، وأنكم تعرفون يا سيدي أننا نحن في حالة خاصة و متاعب مختلفة، ونحن في سعة أن نشرع القوانين حسبما نرضى، بل قوانين و تشريع القوانين بأيدي غيرنا، لانستطيع أن نغيرهم الآن،لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا، لا نقول شيئا ولكن نرجو إن شاء الله رجاء خير، والآن نحن الأقليات الاسلاميه في جميع بلاد الهند و مثل ذلك في بلاد أخرى، هم في متاعب كثيرة، ولهم مسائل كثيرة، ولهم مشكلات كثيرة، هذا ما ذهبنا إليه في ندوات سابقة، إننا نحتاج إلى فقه الأقليات خصوصا، المسلمون في أقلية وليس لهم أى استطاعة، فماذا يفعل؟ بل يمكن كما قلتم يا سيدى انه يمكن أن نفتي في السعودية بفتوى أخرى ونفتي في الهند بفتوى أخرى، فهذا من الممكن، لأن أحوالنا غير ما أنتم فيه من الأحوال۔

تو ایک مسئلہ جو ہمارے یہاں زیر بحث تھا، جو ابھی تک بات چل رہی تھی، وہ میرا خیال ہے کہ اچھی خاصی رائے آئی اس پر، اور ہم اس مسئلہ کی پھر تلخیص کرتے ہوئے بات ختم کرتے ہیں کہ اگر آپ کوئی اسلامی مالیاتی ادارہ صحیح بنیادوں پر قائم کریں تو کیا اس مالیاتی ادارہ کے لئے یہ جائز ہوگا کہ وہ اپنا سرمایہ ایسی تجارتی کمپنیوں میں لگائے جو تجارتی کمپنیاں جائز کاموں کی تجارت کے لئے قائم کی گئی ہیں، لیکن ان ہی حالات کی بنیاد پر ان کے جائز کاموں میں، سرمائے میں کچھ سود پر لیا ہوا قرضہ بھی شامل ہو جاتا ہے، ایسے اداروں سے ایسی تجارتی کمپنیوں میں یہ ہمارا اسلامی مالیاتی ادارہ شیئر لے سکتا ہے یا نہیں لے سکتا ہے؟ یہ سوال تھا اس پر آپ حضرات نے کافی جوابات بھی دیئے ہیں، کیا اس پر مزید کسی بحث کی ضرورت ہے، یا اس پر آپ ماہر علماء کی کارکردگی میں ایک کمیٹی بنادی جائے جو آئے ہوئے جوابات کو بھی سامنے رکھے، اور اس کے بارے میں ایک تجویز تیار کرے، کیا اس پر مزید کسی صاحب کو کچھ کہنا ہے؟ مفتی صاحب آپ کو کچھ کہنا ہے؟

مفتی محبوب علی وجیہی صاحب:

میرا خیال یہ ہے کہ اس تناظر میں اس پس منظر میں آپ دیکھیں کہ انفرادی ضرورت نہیں ہے یہ قومی ضرورت ہے، اور ایسے ماحول میں ہے کہ ہم قوانین بنا بھی نہیں سکتے، اور ان کے اندر دخل بھی نہیں دے سکتے، تو اس کے لئے کچھ.....سوچنا اور گنجائش ایسی نکالنا کہ ہمارا جو احکام اسلامی ہے اس کے اندر بھی کوئی ایسی کھلی ہوئی ہم سے زیادتی نہ ہو جائے، اور ہمارے لئے مخرج جو نہیں ہے اس کے لئے کوئی راستہ نکل جائے، اس کے لئے دنیا میں رہنا ہے تو قوم وملت کو بھی کچھ کرنا ہے، ایسے پیچھے رہ کر صف ثانی میں یا ثالث میں ہمیں جانا نہیں ہے۔

ایک آواز:

میری رائے میں جو کمپنیاں ایسی ہیں جو حلال کاروبار کرتی ہیں، اس کے اندر سرمایہ لگائے، لیکن اپنی طرف

سے کوئی سودی لین دین نہیں کرے، اگر کچھ آمیزش ہو جائے تو اس کو اس میں سے نکال کر صدقہ کر دے جو اس کا مسئلہ ہے، واجب التصدق ہے۔

مفتی جنید عالم صاحب:

میری رائے یہ ہے کہ اس طرح کی کمپنیوں کے حصص کی خرید، یہ درحقیقت مال حلال اور حرام جو مخلوط ہیں ان کی خریداری ہے، اور اگر مال حلال و حرام مخلوط ہوں تو ان کی خریداری جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں کتب فقہ میں یہ تفصیل موجود ہے، فتاوی ہندیہ میں بہت اچھی بحث ہے، فتاوی ہندیہ میں اس مسئلہ میں بحث کرتے ہوئے اس کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں جو درج ذیل ہیں: نمبرا۔ یقین کے ساتھ معلوم ہو یا ظن غالب ہو کہ یہ مال حرام ہے، ظلماً کسی سے لے کر بازار میں فروخت کیا گیا تو ایسی صورت میں اس مال کی خرید و فروخت شرعاً جائز نہیں ہے، جبکہ لوگوں کے درمیان اس کی خرید و فروخت کا سلسلہ جاری ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یقین کے ساتھ یہ معلوم ہو کہ مال حرام موجود ہے لیکن مال حرام اور مال حلال دونوں اس طرح محفوظ ہیں کہ ان دونوں کے درمیان تمیز مشکل ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے ضابطہ اور اصل کے مطابق حلال و حرام کے باہم مخلوط ہو جانے کی وجہ سے....

قاضی صاحب:

آپ کیا کہنا چاہتے ہیں وہ کہئے، عبارت پڑھنا ضروری نہیں ہے، آپ کا ذہن کس نتیجہ پر پہونچا کہ اسلامی مالیاتی ادارہ ایسی کسی کمپنی کا حصہ لے سکتا ہے یا نہیں جس کا کاروبار جائز ہے لیکن اس کو کچھ ضمناً سودی معاملہ میں شریک ہونا پڑتا ہے یعنی سود پر قرض لینا پڑتا ہے، یوں کہئے کہ اس کے سرمایہ میں کچھ حصہ سود پر لئے ہوئے قرض کا ہے۔

مفتی جنید صاحب:

میری رائے یہ ہے کہ جائز ہے۔

مولانا عبدالجلیل صاحب:

میں نے تو اس میں لکھا ہی ہے کہ جائز ہے۔

مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب:

میں بات کو دہرا دینا چاہتا ہوں ذرا سا تفصیل سے، اسلامی مالیاتی ادارے کا اس کمپنی کے اندر شرکت کرنا بشکل خریداری شیئر ہو، یا اور دوسرے انداز سے ہو، یہ میرے نزدیک جائز ہے۔ اس میں مولانا برہان الدین صاحب کی شرط ہے، ان کی پوسٹ مارٹم نہ ہو، لیکن ان کے شرط کی پوسٹ مارٹم ہونی چاہئے کہ شرط کیوں لگائی ہے، میرا خیال ہے کہ یہ حساب و کتاب کے الگ الگ رکھنے کا جو انہوں نے سوال اٹھایا ہے وہ غالباً اس لئے کہ مال حرام اور حلال کے اختلاط کے بعد پھر مالیاتی ادارے کو اسکے منافع میں سے لینے کا جو سوال پیدا ہوگا تو پھر گڑبڑی اور اشکال ہوگا، مگر اس سلسلہ میں ہمارے فقہاء کا یہ مشہور اصول ہے کہ مال حرام اور مال حلال کے اختلاط کے بعد استعمال کے جواز اور عدم جواز کے اندر غلبہ کا اعتبار ہے، یہ مشہور مسئلہ ہے اصول کی شکل میں ہے، لیکن اس اصول سے بھی بہت سی جزئیات مستثنیٰ ہیں، حضرت

تھانویؒ نے اس اصول کی تفصیلات اوراس کے کچھ نظائر و جزئیات کو پیش کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ اگر مال حلال اور حرام مخلوط ہو، اور وہ تقسیم ہو جائے تو اس تقسیم کے بعد جو شرکاء کے اوپر حصہ منقسم ہو کر کے پہنچے گا وہ اس کے حق میں حلال ہی قرار پائے گا، اور اس کی نظیر میں کہتے ہیں کہ جیسے کہ ہم لوگ گیہوں یا کوئی غلہ دَونی کرتے ہیں اور اس کے اندر جانور پیشاب وغیرہ کر دیتا ہے وہ ناپاک ہے حرام ہے لیکن جب اس کی تقسیم شرکاء کے درمیان ہو جاتی ہے تو اس بنیاد پر کہ وہ ناپاک حصہ ان کے حصے میں گیا، ہمارا حصہ پاک ہے، ہم اسی کے مکلف ہیں، ہم اس کو پاک سمجھ کر استعمال کرتے ہیں، اس لئے میرا خیال یہی ہے کہ اس مسئلہ میں ان کی شرط کے بغیر اس حد تک جواز کی اجازت ہونی چاہئے، جہاں تک ہمارے مولانا صاحب کو یہ اشکال ہے کہ یجوز الاستقراض بالربح للمحتاج، تو ان کو احتیاج یا حاجت جو بھی کہہ لیجئے ان کے تحقق میں اشکال ہے، میں کہتا ہوں کہ واقعۃً بظاہر نظر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے پاس پچاس ہزار ہے ابھی، کیا ضرورت ہے کہ ہم اتنے اونچے پیمانے پر کوئی کاروبار کریں، اور سودی لین دین کا مسئلہ پیدا ہو، یہ ہے، لیکن ایک ہے ہماری ذاتی ضرورت یا ہماری ذاتی حاجت، اور ایک ہے قومی ملکی ضرورت اور ملی ضرورت، بلاشبہ اونچے سے اونچے پیمانہ پر تجارت کرنا آج ہندوستان کی ملکی اور ملی ضرورت ہے ورنہ کبھی بھی آپ سر اٹھا کر نہیں جی سکتے ہیں، ہم اس کو ضرورت کہتے ہیں، ذاتی ضرورت نہیں بلکہ ملکی ضرورت، اس لئے یجوز الاستقراض بالربح للمحتاج اس کا تحقق ہے۔

مولانا مصلح الدین صاحب:

یہ جائز ہے، قانونی مجبوری یا بڑے کاروبار کے لئے قرض ضروری ہو تو یجوز الاستقراض بالربح، یہ الاشباہ میں ہے، ابن نجیم نے لکھا ہے، اس لحاظ سے جائز ہو جائے گا۔

مولانا عبداللہ پٹیل صاحب:

قومی مصلحت کے پیش نظر مولانا برہان الدین صاحب نے جو شرط رکھی ہے اس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اور اس شرط کے ساتھ اسے جائز قرار دیا جائے۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

حضرت تھانویؒ نے جو تشریح فرمائی فتاوی کے اندر اس کی روشنی میں اس کی اجازت ہے، گنجائش ہے۔

مفتی احمد صاحب خانپوری:

میں تو پہلے ہی اپنے فتوے میں اس کی اجازت دے چکا ہوں۔

مولانا ابراہیم صاحب:

میں اس کا جواب لکھ چکا ہوں، جائز ہے۔

مولانا رفیق المنان صاحب:

میرے خیال میں بھی جائز ہے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب:

ہمارے نزدیک بھی اکابر علمائے ہند کی تصریحات کی روشنی میں درست ہے۔

مولانا اختر امام عادل صاحب:

میں نے بھی لکھ دیا ہے کہ جائز ہے۔

مولانا عبداللہ طارق صاحب:

میں تو اس کو جائز سمجھتا ہوں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:

میرے نزدیک جائز ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی صاحب:

میں بھی جائز لکھ چکا ہوں، اور اب تک یہی رائے ہے۔

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب:

میری رائے میں یہ شکل جائز ہے۔

مفتی عزیز الرحمٰن چمپارنی صاحب:

حضرت مولانا برہان الدین صاحب کے شرط کی رعایت کرتے ہوئے اس کے جواز پر میں متفق ہوں۔

مولانا مفتی انور علی صاحب:

مذکورہ بحث کی روشنی میں جائز ہے۔

مولانا بدر احمد مجیبی صاحب:

میرے نزدیک بھی جائز ہے۔

مولانا ارشد قاسمی صاحب:

میں مولانا زبیر صاحب کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں اور حضرت استاد مولانا برہان الدین صاحب کی شرط کی مزید تفصیل چاہتا ہوں۔

مولانا خلیل الرحمٰن اعظمی صاحب:

''دعوا الربا والريبة'' کے پیش نظر میں اسے درست نہیں سمجھتا ہوں۔

مولانا نعیم صاحب آسام:

میں بھی اس کو درست نہیں سمجھ رہا ہوں۔

مولانا شفیق الرحمن صاحب:

اس سلسلہ میں اگر وہ ادارہ جو اپنی رقم لگا رہا ہے، اس کمپنی کا شریک ہے اور غالبًا یہی صورت ہے کہ وہ بھی اس کمپنی کا مالک شریک ہے، تو ایسی صورت میں اگر وہ ضرورت ہو کہ واقعی بغیر اس کے وہ کمپنی قائم نہیں ہو سکتی ہے تو ایسی صورت میں بہر حال سرمایہ لگانا جائز ہوگا ضرورت کے پیش نظر، ....بہر حال جواز کی صورت معلوم ہوتی ہے۔

مولانا عبد العلیم صاحب:

اس میں کوئی خاص قباحت نظر نہیں آتی اگر حساب و کتاب صاف رکھا جائے۔

مولانا ابوالحسن ماٹلی والا:

میرے نزدیک یہ صورت جائز تو ہے مگر یہ معلوم ہو جائے کہ سود کی آمدنی سے جو پیسے ملے ہیں اس کو صدقہ کر دینا چاہئے اور جو اہل حصص ہیں اس پر تقسیم نہیں کرنا چاہئے۔

قاضی صاحب:

میرا خیال ہے مسئلہ کی پھر وضاحت ہو جانی چاہئے، صورتحال یہ ہے کہ وہ جو نو لاکھ روپے سرمایہ لگا ہے وہ شیئرز ہولڈرس سے لیا انہوں نے، ایک لاکھ روپیہ انہوں نے قرض لیا، اس قرض پہ ان کو سود دینا پڑتا ہے، اور یہ بھی صاف کہہ دینا چاہئے کہ بعض صورتوں میں ان کے پاس تھوڑا بہت سود آتا بھی ہے، تو بہر حال یہ دونوں صورتحال ہے، جو ہے صورت یہ واضح ہے، ویسے اکاؤنٹس کا جہاں تک تعلق ہے اکاؤنٹس میں دونوں Figure الگ الگ ہر جگہ آمد میں بھی خرچ میں بھی لکھے جاتے ہیں، بہر حال، جو آپ کی رائے ہو دو لفظوں میں ذرا واضح کر دیجئے۔

مولانا ابوالحسن علی صاحب ماٹلی والا:

ویسے تو جائز ہی میں سمجھتا ہوں لیکن یہ کہ سود کی کوئی بھی صورت جو حاصل ہو اور مسلمان کو معلوم ہو تو بہر حال اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

مولانا عبد الاحد ازہری صاحب:

میرے نزدیک بھی کوئی قباحت نہیں ہے، جائز ہے۔

مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب:

میرا رجحان عدم جواز کی طرف ہے۔

مولانا مصطفیٰ رفاعی صاحب:

حضرت استاذ گرامی مولانا برہان الدین صاحب کی شرط کے ساتھ میں اس کو جائز سمجھتا ہوں۔

مولانا محمد قلندر صاحب:

میرے نزدیک جائز ہے۔

مولانا جمیل احمد نذیری صاحب:

ضرورت ملی کے تحت جائز ہے۔

مولانا منیر احمد ملی صاحب:

میرے نزدیک بھی جائز ہے۔

مولانا ولی اللہ صاحب وانمباڑی:

میری رائے میں یہ ہے کہ "من رعی حول الحمی یوشک أن یواقعہ فیہ" کی حدیث کی بنیاد پر اگر امت کو ہم سود کے قریب لے جائیں گے تو وہ پوری طرح سود میں مبتلا ہو جائیں گے اس ... احتیاط کا پہلو یہی ہے کہ ایسے کاروبار میں شرکت سے منع کر دیا جائے اور اس کی گنجائش نہیں ہے۔

مولانا زین العابدین صاحب:

احتیاطاً اجازت نہ دی جائے۔

مفتی حبیب اللہ صاحب:

میری رائے میں یہ جائز ہے۔

مولانا جعفر ملی صاحب:

میرے نزدیک عدم جواز راجح ہے۔

مولانا صدر الحسن ندوی صاحب:

ضرورت شدیدہ کی بنیاد پر جائز ہے۔

مولانا تاج الدین صاحب:

میرے نزدیک عدم جواز رجحان ہے۔

مولانا ایوب صاحب بھٹکل:

مع الکراہت جائز ہے۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری:

سود نہ لینا نہ دینا، یہ صرف اسلام ہی کا طرۂ امتیاز ہے، اور سود کے بارے میں قرآن شریف میں اتنی شدت ہے کہ اگر ہم تھوڑی سے لچک دیتے چلیں تو اسلام کا یہ شعار بالکل ختم ہو جائے گا، ہمیں قومی اور ملی امتیاز باقی رکھنا چاہئے، اس لئے میرے نزدیک جائز نہیں ہے۔

مفتی عقیل صاحب:

ہندوستانی مسلمانوں کے جو حالات ہیں اور مشکلات ہیں اور ان حالات کی بنا پر بہت سے مقا... ہمارے بڑے بڑے اکابر اور مفتیان کرام نے وسعت سے کام لیا ہے، تو میں اس معاملہ میں بھی ...

صاحب سنبھلی کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔

مولانا عبدالصمد صاحب:

پیارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "لا یبلغ العبد أن یکون من المتقین حتی یدع مالا بأس به حذرا مما به بأس" اس کے تحت یہ میرے نزدیک جائز نہیں ہے۔

مفتی نسیم احمد قاسمی صاحب:

اس سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارہ کی دو صورت ہو سکتی ہے: ایک صورت تو یہ کہ اسلامی مالیاتی ادارہ بالکل ابتدائی مرحلہ میں ہو تو اس کے لئے جائز اور منفعت بخش کاروبار کی صورت چونکہ اس کی ساکھ ابھی نہیں بنی ہے، اسے فراہم ابھی نہیں ہو پارہی ہے، تو اس مجبوری اور اس ضرورت کے پیش نظر اسلامی مالیاتی ادارہ ایسی کمپنیز میں بھی اپنا سرمایہ لگا کر نفع حاصل کر سکتا ہے جو سودی کاروبار میں ملوث ہوتی ہیں، لیکن اگر اسلامی مالیاتی ادارہ ایسی پوزیشن میں ہے کہ اسے کافی مقدار میں جائز اور منفعت بخش کاروبار ملتے ہیں جن کے ذریعہ وہ جائز آمدنی فراہم کر سکتا ہے تو اسے اس طرح کے کمپنیز میں اپنا سرمایہ لگا کر سرمایہ کاری نہیں کرنی چاہئے.................

قاضی صاحب:

یعنی شروع میں جائز ہے، جب مالی حالت مستحکم ہو جائے تو احتیاط کرے۔

مفتی نسیم احمد صاحب:

جی ضرورت ہے اس کو، یہ رائے ہے میری۔

مولانا شمس پیرزادہ صاحب:

جائز ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

میری رائے محفوظ ہے۔

مولانا عبیداللہ اسعدی صاحب:

.........یہ جائز قرار دیتے ہیں (قاضی صاحب)

مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب:

اس تجویز کے سلسلہ مین بار بار میرا نام آیا ہے تو اس میں جو شرط میں نے لگائی ہے، بعض حضرات نے اس کی وضاحت بھی چاہی ہے، اصلاً میرا مقصد یہ تھا کہ ایسی کمپنی جس کا حلال وحرام دونوں طریقے سے کاروبار ہو، پر اپنے حلال کاروبار کو الگ رکھتی ہو، حرام کو الگ رکھتی ہو اس کا حساب، اور اگر مسلمان اس میں کوئی شیئر لیتا ہے تو.........جی وہی مطلب ہے میرا، کہ جو اس نے مال حاصل کیا ہے حرام ذریعہ سے اس کا الگ حساب رکھتی ہو، کاروبار اس سے الگ کرتی ہو، اور حلال حصہ سے کاروبار

الگ کرتی ہو، تو ایسی کمپنی میں شیئر لینا جائز ہے اس حصہ کے اندر جس سے وہ حلال کاروبار کرتی ہو، یہ مطلب ہے میرا۔

قاضی صاحب:

میرے خیال میں کافی اس پر رائے ہو چکی، تو اس پر ان شاء اللہ ایک کمیٹی بنا دیتا ہوں اور یہ حضرات بیٹھ کر تمام آراء اور بحثوں اور سب چیزوں کو سامنے رکھ کر ایک تحریر تیار کریں گے، پھر آپ کے سامنے پیش کی جائے گی، اس مسئلہ کو فی الحال یہیں پر ختم کرتے ہوئے اور اس سلسلہ کے اور مسائل کو ابھی ملتوی کرتے ہوئے میں سوچتا ہوں کہ ایک اہم مسئلہ جس پر ہمارے دوست ایم ایچ کھٹکھٹے صاحب اور دوسرے حضرات تیار ہو کر آئے ہیں وہ اس پر بات کریں گے۔ تو پہلے آپ کو کرنا ہے حضرت یا کے جی منشی صاحب کو؟ موضوع کیا ہے؟ اسٹاک ایکسچینج ہے؟ پہلے یہ لیا جائے، تو پھر کھٹکھٹے صاحب تشریف لائیے اور اس کے بارے میں وضاحت فرمائیے۔

ایک آواز:

عرض یہ کرنا ہے کہ اس وقت جو بات سامنے آئی کہ اسلامی مالیاتی ادارہ اگر ایسے کاروبار میں جس کا مدار حلت کے اوپر ہو حلال چیزوں پر ہو تو اس میں اگر وہ اپنا سرمایہ روکنا چاہے تو اس کے لئے آپ نے یہ رائیں معلوم کی ہیں، تو کیا انفرادی طور پر اشخاص اگر کسی ایسے کاروبار کے اندر جو حلال ہو اس میں اپنے شیئرز لینا چاہیں تو وہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

قاضی صاحب:

یہ سوال بھی کمیٹی کو دے دیتا ہوں کہ اسلامی ادارہ شیئر لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور افراد چاہیں تو شیئر لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی کمیٹی کو یہ سوال بھی آپ کا Refer کر دیا جاتا ہے۔

اچھا صاحب اب اسی ذیل میں کچھ اور سوالات بھی ہیں ان پر ہم تھوڑی دیر بات کرتے ہیں۔ ایک بات جو مسئلہ ہے کہ شیئر ہولڈرس کی دو حیثیتیں ہیں، ایک انفرادی حیثیت ہے اور ایک کمپنی کے شیئر ہولڈرس کی اجتماعی حیثیت ہے جو اس کا ایک جز ہیں، یہ دو حیثیتیں قرار دی ہیں ان حضرات نے، ان کا کہنا ہے کہ شیئر ہولڈر اپنی انفرادی حیثیت میں اور بورڈ آف ڈائریکٹر کے درمیان کیا رشتہ ہے؟ کیا بورڈ آف ڈائریکٹرس کے ہر تصرف کی نسبت ہر شیئر ہولڈر کی طرف کی جائے گی یا نہیں، اب ذرا آپ حضرات تھوڑا دھیان دے کر اس بات کو سنیں، کمپنی قوانین کے ماہرین کا خیال یہ ہے کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئر ہولڈرس کی انفرادی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتا ہے بلکہ وہ کمپنی کی نمائندگی کرتا ہے، جس کا خود ایک علاحدہ قانونی وجود ہے، اس کی Legal Identity ہے، اس کا ایک شخص اعتباری ہے، یہ ان کا کہنا ہے، اگر کوئی شیئر ہولڈر مجلس عمومی میں کسی ایسی پالیسی کی مخالفت میں ووٹ دیتا ہے جو سودی لین دین پر مشتمل ہو، اکثریت حاصل نہیں ہونے کے باعث اس کی مخالفت کامیاب نہیں ہوتی، تو کیا اسے اس صورت میں سودی لین دین کے اس عمل کی.....

غالباً جو سوال ہے وہ تو واضح ہو گیا نا، یہ لوگ جو ماہرین ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ ایک شخص اپنی ذاتی حیثیت میں نہیں، اور اسی طرح جو بورڈ آف ڈائریکٹرس ہیں وہ شیئر ہولڈرس کی ذاتی حیثیت میں ان کے نمائندے نہیں ہوتے بلکہ کمپنی جو کہ اس کا ایک مجموعہ ہے، جس کا اپنا ایک علیحدہ قانونی وجود ہے دراصل اس کمپنی کی نمائندگی کرتے ہیں، تو اب

ان کا کہنا یہ ہے۔سوال جو ہمارے سامنے ہے وہ یہ کہ ان کے عمل کو ان شیئر ہولڈرس کی طرف منسوب کیا جائے گا یا منسوب نہیں کیا جائے گا۔اس سلسلہ میں شرع میں کچھ نظیریں بھی مل سکتی ہیں، ہاں یا نہیں، جو بھی ہو میں تو سمجھتا ہوں کہ خالص فقہی طریقے پر اس کو سوچنے کی ضرورت ہے، لیکن یہ صورتحال کہ یہ لوگ کمپنی کی جو ایک Legal Identity ہے اس کی نمائندگی کرتے ہیں، اشخاص کی ذاتی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتے ہیں، اس کی وضاحت ان لوگوں کو کرنی پڑے گی جن ماہرین نے یہ رائے دی ہے، کیا میں ان لوگوں کو پہلے وضاحت کے لئے کہوں؟

مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب:

اس میں جو سوال کا پہلا جز ہے اس میں جو تفصیل لکھی جارہی ہے اس سے تو سمجھ میں آتا ہے کہ دونوں میں رشتہ وہی وکالت کا ہے، وکیل وموکل کا....

قاضی صاحب:

ذرا ان لوگوں کی وضاحت سن لیں پہلے، یہ لوگ کیا کہنا چاہتے ہیں، پھر حکم تو ہم لوگ لگائیں گے ہی انشاء اللہ اس پر، پہلے یہ لوگ وضاحت کردیں کہ یہ لوگ کیوں ایسا کہتے ہیں اور اس کی کیا وجہ ہے؟

رحمٰن خاں صاحب:

جہاں تک شیئر ہولڈرس کا سوال ہے، شیئر ہولڈر انفرادی حیثیت سے کمپنی کا ایک شیئر ہولڈر ہوتا ہے، مگر بورڈ آف ڈائریکٹرس کو شیئر ہولڈر سے الگ کرتے ہیں، اب یہاں سوال جو ہمارے سامنے ہے کہ اگر ایک کمپنی شیئر ہولڈرس کو یہ معلوم ہو کہ کچھ ایسے اس کا سرمایہ جو کمپنی کے کاروبار میں لگ رہا ہے وہ سودی کاروبار سے ہو رہا ہے، اگر وہ شیئر ہولڈر کیونکہ ایک ہی وقت اس کو سال میں حقوق دیا جاتا ہے، جنرل باڈی میں شریک ہو کر وہاں خیالات کے اظہار کا اسے پورا اختیار ہے، اگر وہ شیئر ہولڈر اس جنرل باڈی میں شریک ہو کر جہاں اس کے خیالات کے اظہار کا اسے پورا اختیار ہے، اگر کوئی ایسی کمپنی باہر سے سود لے کر کام کر رہی ہے اس کے خلاف ووٹ دے کر وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہوسکتا ہے، کیا اس کے بری ہونے کے بعد، اس کا اظہار خیال کرنے کے بعد وہ بری ہوسکتا ہے.....................

قاضی صاحب:

مسئلہ یہ ہے کہ چاہے شخصی حیثیت میں ہو یا شیئر ہولڈر کی حیثیت سے ہو، آپ حیثیتوں کا جو بھی فرق کرلیں، یہ مسئلہ اب وہ پہلے والا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ براہ راست اس کمپنی کا مسئلہ ہے جو سودی کاروبار میں ملوث ہے، محض اتنا بھی نہیں ہے کہ سود پہ کوئی سرمایہ وہ لے لیتی ہے، بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ سود دیتی بھی ہو اور سود لیتی بھی ہو، تو محض ایک شخص اتنا کہہ کر کہ میں اس کی مخالفت کرتا ہوں اس سے ناراض ہوں، اور اس پر پوری تقریر چاہے وہ ایک گھنٹہ کی کر جائے، لیکن یہ سب ناراضی کے اظہار کے بعد اس پورے کاروبار میں شریک رہے تو وہ ذمہ داری سے فارغ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔سوال یہ ہے کہ وہ ذمہ داری سے فارغ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟ ویسے جواب تو یہ حضرات دیں گے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

رحمٰن خاں صاحب:

یعنی کہ شیئر ہولڈر کا، اس کی تشریح میں اس طرح سے یہاں دیتا ہوں کہ ایک ووٹر ہے، جب الیکشن یہاں ہوتا ہے، ایک پارٹی کے خلاف میں ووٹ دیتا ہوں، میں یہ خیال اظہار کرتا ہوں، مگر اکثریت سے دوسری پارٹی جسے میں نے نہیں ووٹ دیا وہ چن کر آتی ہے اور وہ حکومت کرتی ہے، اب جو پارٹی منتخب ہو کر حکومت کرتی ہے، اس کے تمام فیصلے کا میں جواب دہ ہوں یا نہیں، یہی صورت ہے۔

قاضی صاحب:

ویسے اس پہ بات ہوگی، میرا خیال یہ ہے پہلے اور حضرات اپنی رائے دے دیں تو اچھا ہے۔

ایم ایچ کھٹکھٹے صاحب:

ایک وضاحت کرنا چاہتا ہوں، کمپنی دو طرح کی ہوتی ہیں، پرائیوٹ لمیٹڈ، پبلک لمیٹڈ۔ اور پبلک لمیٹڈ میں کچھ کمپنیز جو ہیں اسٹاک ایکسچینج پر Listed ہوتی ہیں، اور ان کے شیئرز کی Trading ہو سکتی ہے، جہاں تک جو شیئرز Trade ہو سکتے ہیں ان کی Trading ہو سکتی ہے۔ وہاں اس میں یہ Possibility ہے کہ وہ آدمی اپنا روپیہ نکال سکتا ہے شیئرز بیچ کے، سمجھ لیجئے کوئی انجینیرنگ کی کمپنی ہے اگر کل کو Diversification کے طور پر وہ شراب بنانا چاہے اور وہ پاس کر دے اور شروع کرنے کی کوشش کرے، تو اگر وہ لمیٹڈ کمپنی ہے اور اس کے شیئرز Listed ہیں تو وہ بیچ سکتا ہے، تو جہاں تک سوال یہ ہے کہ وہ شیئر بیچ سکتا ہے تو ہو سکتا ہے اس کی نوعیت الگ ہو، اور اگر جہاں پرائیوٹ لمیٹڈ کمپنی ہے یا پبلک لمیٹڈ ہے جو Listed نہیں ہے، اس میں ہو سکتا ہے اس کو شیئرز بیچنے میں تکلیف ہو، مشکل ہو، تو اس میں ہو سکتا ہے کہ فیصلہ الگ ہو، اس کی نوعیت تھوڑی الگ ہو جائے گی.......

مفتی مصلح الدین صاحب:

یہ جو بتایا گیا کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس جو ہے وہ کمپنی کا تو نمائندہ ہے لیکن افراد کا وہ نمائندہ نہیں ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کی وضاحت ہونی چاہئے، اجزاء سے مجموعہ بنتا ہے۔

کمال فاروقی صاحب:

میں سمجھتا ہوں کہ اس میں تھوڑا سا ہمیں بتانے کی ضرورت ہے، مسئلہ جبھی سمجھ میں آئے گا۔ کمپنی جو بنتی ہے وہ شیئر ہولڈرس سے بنتی ہے، اور شیئر ہولڈرس جو ہے اپنی Annual General Meeting کے اندر ایک خاص، یہ ہم لمیٹڈ کمپنی کی بات کر رہے ہیں جو بڑی کمپنی ہے، پرائیوٹ لمیٹڈ کمپنی جو فورم کی طرح ہوتی ہے اس کا بھی کمپوزیشن اسی طرح سے ہوتا ہے۔ لیکن جو لمیٹڈ کمپنی ہے اس میں شیئر ہولڈرس ہوتے ہیں، اور شیئر ہولڈرس ایک خاص تعداد میں ہر سال ڈائریکٹرس کو Appoint کرتے ہیں By Rotation، جیسے کہ مثال کے طور پر مجموعی تعداد جو ہے ڈائریکٹرس کی وہ نو ہے تو اس میں سے چھ رہیں گے اور اس میں سے تین ریٹائر ہوں گے By Rotation، اب

یہ Annual General Meeting کے اندر جو شیئر ہولڈر کو حق دیا جاتا ہے وہ دو تین چیزوں کا دیا جاتا ہے، ایک تو یہ ہے کہ وہ اکاؤنٹ سے Approve کرے گا، دوسرا یہ ہے کہ وہ ڈائریکٹرس Appoint کرے گا Rotation والے، اور تیسرا یہ ہے کہ اگر کوئی Extra اور Daisy کام جو Diversification وغیرہ کا بہت Major کر رہا ہے اس کے اوپر اپنی رائے دے گا، جہاں تک روزمرہ کے کاروبار کا تعلق ہے وہ بورڈ آف ڈائریکٹرس ہی Run کریں گے، روزمرہ جو کچھ بھی ان کو بینک سے پیسہ لینا ہے یا نہیں لینا ہے، کیا کام کرنا ہے کیا نہیں کرنا ہے، وہ جو اس کا Main Object ہے اس کے دائرہ میں رہ کر، جو انہوں نے Main Frame Work اینوول جنرل میٹنگ میں یا میمورنڈم آف ایسوسی ایشن اپنا بنایا ہوا ہے اس دائرہ کے اندر رہ کر ڈائریکٹرس جو ہیں وہ Day Today Affairs میں اپنے کس طرح سے کاروبار کریں گے، وہ ڈائریکٹرس ہی Decision لیں گے اور عام شیئر ہولڈر اس میں حصہ نہیں لے سکتا، صرف اینول جنرل میٹنگ کے اندر شیئر ہولڈر کو اگر کمپنی اپنے Original جو اس کے پروگرام ہیں جو ہماری نظر کے اندر Suppose کر لیجئے کہ وہ حلال پروگرامز ہیں اور وہ اس کو Diversify کر کے حرام کی طرف جا رہے ہیں تو اس کو اختیار ہے بات کرنے کا، وہاں وہ بول سکتا ہے، اس کے اندر Objection اپنا Raise کر سکتا ہے، لیکن اگر کوئی Normal کام ہے اس کے اندر شیئر ہولڈر کو کچھ زیادہ بولنے کا اختیار نہیں ہوتا........ ہاں بالکل، ٹیکنیکل بات تو یہ ہے کہ وہ ڈائریکٹر جو ہے وہ نمائندہ ہے شیئر ہولڈرس کا۔

قاضی صاحب:

یہ آپ لوگوں نے کہا کہ نمائندہ ہے ایک کمپنی کا، جو ایک الگ Legal Identity رکھتا ہے، شیئر ہولڈر کا اپنی انفرادی حیثیت میں نمائندہ نہیں ہے، یہ صورتحال کی غلط تصویر ہے؟

کمال فاروقی صاحب:

جی ہاں، بس یہ کہ ڈائریکٹر جو ہے وہ شیئر ہولڈر کا نمائندہ ہے، کمپنی بالکل Separate Identity ہے، اور اس کمپنی کو چلانے کے لئے باقاعدہ ایک نظام ہے جس کو بورڈ آف ڈائریکٹرس کہا جاتا ہے، لیکن وہ بورڈ آف ڈائریکٹرس جو Appoint ہوگا وہ Appoint کیا جائے گا شیئر ہولڈرس ہی کے ذریعہ، چاہے وہ Two Third کی Majority والا ہو، یا One Third والا ہو، لیکن بورڈ آف ڈائریکٹرس جو Appoint ہو کر.....

قاضی صاحب:

یعنی شیئر ہولڈر Represented By Board Of Directors، یہ ہے نا؟ (بالکل: فاروقی صاحب) صورت حال یہ ہوئی کہ شیئر ہولڈرس کی نمائندگی بذریعہ بورڈ آف ڈائریکٹرس ہو رہی ہے، اس لئے بورڈ آف دائریکٹرس کی حیثیت گویا وکیل کی ہے اور شیئر ہولڈرس کی حیثیت مؤکلین کی ہے، انہوں نے اپنا اختیار ان کو دے دیا ہے۔ ہمارے رحمٰن خاں صاحب نے جو Peoples Representation Act ہے اس کا حوالہ دیتے

ہوئے یعنی جس طرح آپ سرکار میں شریک ہوتے ہیں عملاً اس کا حوالہ دیا ہے اس پر ذرا بعد میں عرض کروں گا، لیکن یہ بات تو واضح ہوگئی کہ اس میں اس طرح لکھا ہوا ہے کہ کمپنی قوانین کے ماہرین کا خیال یہ ہے کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئر ہولڈرس کی انفرادی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتا ہے بلکہ وہ کمپنی کی نمائندگی کرتا ہے، جس کا خود علاحدہ قانونی وجود ہے، یہ غلط ہے؟ (یہ غلط ہے: فاروقی صاحب) آپ حضرات اس پر متفق ہوجائیے تو ہمارا کام آسان ہوجاتا ہے، کہہ رہے ہیں کہ صاحب بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئر ہولڈرس کی انفرادی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتا بلکہ وہ کمپنی کی نمائندگی کرتا ہے، کمپنی نام ہے اس مجموعہ کا جو شیئر ہولڈرس سے بنتی ہے، یا زیادہ سے زیادہ Promoters کا اس میں اضافہ کردیجئے آپ، تو Promoters اور Share Holders وہ بھی ایک طرح کا شیئر ہی ہے ان کا، وہ بنیادی شیئر ہے، یہ ایک الگ مسئلہ ہے، تو ان کو بھی ہم شیئر ہولڈرس ہی سمجھیں گے، تو کمپنی نام ہے اس مجموعہ کا جو شیئر ہولڈرس کے اکٹھا ہونے سے وجود میں آتی ہے، اب شیئر ہولڈر ایک کمپنی میں شیئر لیتا ہے، ایک اس کا نام مجاہدالاسلام ہے، محمد احسان ہے، رحمٰن خاں ہے، تو یہاں پر احسان اور رحمٰن خاں کا تو سوال ہی نہیں ہے، لیکن اس کمپنی کا وہ شیئر رہے، اس کا ایک جز ہے، اس کا ایک رکن ہے۔ اسی مجموعہ کی نمائندگی کررہا ہے بورڈ آف ڈائریکٹرس، اس لئے اگر آپ یہ لکھتے کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس شیئر ہولڈرس کی ذاتی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتا ہے تو شاید جائز ہوتا، لیکن یہاں جب آپ نے کہا انفرادی حیثیت میں نمائندگی نہیں کرتا تو شاید یہ بات صحیح نہیں، اس پر اگر آپ لوگ اتفاق کرلیں تو ہم آگے بڑھیں۔

کمال فاروقی صاحب:

حضرت جو آپ نے فرمایا وہ بالکل درست ہے، Translation میں کہیں ہلکی سی غلطی ہوئی ہے، انگریزی سے اردو میں Translation..........

قاضی صاحب:

غلطی ہلکی نہیں، یہ غلطی بنیادی ہوگئی ہے، اس لئے ہم لوگ اس بات کو واپس لیتے ہیں کہ شیئر ہولڈرس کا انفرادی حیثیت میں نمائندہ نہیں ہے یہ غلط ہے، شیئر ہولڈرس کا مجموعہ جس کا نام کمپنی ہے، یا شیئر ہولڈرس ان کی ہی نمائندگی کرتا ہے دراصل بورڈ آف ڈائریکٹرس (بالکل ٹھیک: کمال فاروقی صاحب) اب مجھے اجازت دیتے ہیں آپ لوگ ایک بات اور کہہ دوں قبل اس کے کہ آپ لوگوں کی رائے لوں، یہ ہمارے رحمٰن خاں صاحب نے ایک بڑا اہم سوال کھڑا کیا ہے، یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کی صحیح تصویر کرسکتا ہوں یا نہیں، حکومت کا، بالکل صحیح ہے کہ حکومت کی حیثیت بھی دراصل عوام کے نمائندہ کی ہوتی ہے، خاص کر کوئی جمہوری حکومت میں۔ اس کو آپ کہتے ہیں کہ صاحب عوام کی حکومت عوام کے لئے عوام کے ذریعہ، جمہوریت کی تعریف کرتے ہیں آپ لوگ، تو وہاں پر بھی حکومت عوام کی مانی جاتی ہے، عوام کے ذریعہ مطلب عوام کے منتخب افراد کے ذریعہ، اور عوام کے لئے یعنی عوام کے مفاد کے لئے، تو خیر یہ بہت اچھی چیز ہے، وہاں بھی حکومت میں بھی یہی ہوا کرتا ہے، لیکن جب کسی ملک کا ایک دستور بن گیا تو اس کے بعد ہم ووٹ نہ دیں تو، اور ہم ووٹ دیں، چاہے بی جے پی کو دیں جو بابری مسجد توڑوا دے یا کسی اور کو دیں جو اس کی

حفاظت کرے، یا سارے سودی کاروبار کرے، اس میں صورت جبر کی ہے، یعنی ہم کو اپنے اختیار سے شریک یا غیر شریک ہونے کا کوئی موقع ہمارے پاس نہیں ہے، نمائندگی ملے ہے، آپ اپنے حق نمائندگی کو استعمال کریں یا استعمال نہیں کریں، لیکن جو گورنمنٹ کو کسی اسٹیٹ، جو اسٹیٹ ہوتا ہے، اس کے سامنے سارے ہی لوگ جبر کا شکار ہیں، ان کو بہر حال اس کے تحت چلنا ہے، ووٹ نہ دے کر بھی، ووٹ مخالفت میں دے کر بھی، اور ووٹ موافقت میں دے کر بھی، بجائے اس کے جو ان کمپنیز کا معاملہ ہے ان کو مکمل طور پر اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ ہم کو اختیار ہے کہ ہم اس کمپنی میں شریک ہوں یا شریک نہیں ہوں، لہذا حکومتوں کے غلط عمل کی جوابدہی ہم پر اس حد تک نہیں آتی ہے اگر ہم نے اپنی پوری کوشش کر لی کہ حکومت صحیح بنیادوں پر قائم ہو، اس کے باوجود اگر نہیں قائم ہو سکتی تو حکومتوں کے عمل کی ذمہ داری ہم پر اس درجہ نہیں آتی جس طرح کمپنی میں ہماری شرکت کے بعد اس کے عمل کی ذمہ داری ہم پر آتی ہے، یہ بات سمجھ میں آتی ہے ہمارے، اب آپ حضرات اس پر رائے دے دیجئے۔

مفتی مصلح الدین صاحب:

چونکہ وہ مؤکل ہے، اور وکیل ہے، اور مؤکل نے اپنے تصرفات وکیل کو سپرد کر دیئے، اب وکیل جو کچھ بھی کرے گا اس کی نسبت مؤکل کی طرف ہوگی، اس لئے وکیل نے اگر کوئی ایسا عمل کیا ہے جو فاسد ہے تو مؤکل بھی اس کا ذمہ دار ہوگا، اب یہ کہ مؤکل ایک مجلس میں وکیل کی موجودگی میں کہہ رہا ہے کہ فلاں چیز کی اجازت میری طرف سے نہیں ہے تو پھر اتنی حد تک وہ وکیل معزول ہو جاتا ہے، یعنی مؤکل وکیل کی موجودگی میں یہ کہتا ہے کہ فلاں عمل کی اجازت میری طرف سے نہیں ہے، میں اس کا مخالف ہوں، تو پھر اس تصرف میں وکیل معزول ہو جاتا ہے، مگر جب اس نے اپنے اختیار سے اس کو وکیل بنایا ہے، اب اس کا مطلب تو یہ تھا کہ جتنے بھی تم تصرفات کرو گے میری طرف سے اس کی اجازت ہے، اب اس کے بعد جب یہ کہتا ہے کہ فلاں عمل کی اجازت آپ کو نہیں ہے تو اب یہ معزول کرتا ہوا وکیل کو، (نتیجہ کیا نکلا؟ قاضی صاحب) ہاں یہ معزولی تو جائز نہیں ہے، اب وہ یا تو بالکل معزول ہو جائے گا.............تو شخصی طور پر وہ معزول ہو گیا ان کا، تو اب وہ جب ان کا نمائندہ نہ رہا (تو وہ جو حرکت کرے اس کی ذمہ داری ان پر نہیں آتی: قاضی صاحب) ان پر تو نہیں آتی لیکن اس کے اندر یہ کہ آگے چل کر پھر دوسرے معاملات ان کی طرف منسوب کیسے ہوں گے۔

قاضی صاحب:

آپ نے کہا کہ عزل صرف اس نقطہ میں ہوا ہے جس میں انہوں نے اپنی مخالفت ظاہر کر دی، آپ کا مطلب آپ کے الفاظ میں شاید فقہ کی زبان میں یہ ہو کہ اگر مؤکل نے کسی کو کسی بڑے کام کے لئے وکیل بنا دیا، اور ایک خاص جزئیہ میں ہدایت دی کہ ایسا مت کرنا، تو اس ہدایت میں جو عمل کا ارتکاب کرے گا اس حد تک وہ معزول سمجھا جائے گا، دیگر امور میں وہ وکیل رہے گا، جو مطابق آمر کے اور مطابق مؤکل کے وہ عمل کر رہا ہے، تو اس لئے وہ عمل جو اس نے اس کی رائے کے خلاف کیا ہے اس کی جوابدہی اس پر نہیں آتی ہے، میں آپ کی بات سے یہی مطلب سمجھتا ہوں، ....یہ نتیجہ نکالنا حضرت کہ منع کرنے کے باوجود بھی ذمہ داری سے بری نہیں ہوگا اگر چہ اس عمل میں وہ معزول ہو جائے گا۔

مفتی احمد خانپوری صاحب:

........تو اسی لئے وہ معزول نہیں ہوگا اور بری نہیں ہوگا۔

قاضی صاحب:

اور میں نے جو سوال کیا تھا وہ سوال......، لیکن بہر حال بورڈ آف ڈائریکٹرس جو ہے وہ نمائندہ ہے شیئر ہولڈرس کا، اس لئے اصولی اور عمومی بات یہ ہوتی ہے کہ شیئر ہولڈرس پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو بورڈ آف ڈائریکٹرس تصرفات کرتے ہیں، اس لئے کہ جو منافع ان کے تصرف سے پیدا ہوتا ہے، اس منافع میں بھی آپ استحقاق رکھتے ہیں، اگر کوئی نقصان ہو کمپنی کا تو اس کے بھی آپ متحمل ہوتے ہیں، تو تصرفات کے بارے میں عمومی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس کے تصرفات رجوع کرتے ہیں شیئر ہولڈرس کی طرف، یہ تو عمومی بات ہے، اس سے تو اتفاق ہے ناں سب لوگوں کو؟ یہ میں نے پوچھا تھا دراصل، اور حکومت والی مثال یہاں منطبق نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ حکومت کی صورتحال دوسری ہوتی ہے، یہاں ہم شریک ہوں یا مت ہوں ہمیں اختیار ہے، اور پہلے سے جب معلوم ہے کہ اس میں سودی کاروبار ہوگا، یا العیاذ باللہ شراب کا کاروبار ہوگا یا خنزیر کے گوشت کا کاروبار ہوگا، تو ہمارے لئے شریک ہونے کا سوال ہی پیدا اس میں نہیں ہوتا۔

مفتی احمد خانپوری صاحب:

ڈائریکٹر کے سلسلہ میں جو فرمایا گیا، تو حقیقت تو یہ ہے کہ ڈائریکٹر تو اس پالیسی کو نافذ کرتا ہے جس کو سب نے طے کررکھا ہے، اب جب پالیسی طے کی جارہی ہے اس وقت تو اکثریت کی رائے کو معتبر قرار دیا گیا، اور یہ بھی طے ہے کہ ڈائریکٹر کو اسی کے مطابق کرنا ہے، پھر ڈائریکٹر کے متعلق یہ کہنا کہ اس نے مؤکل کی رائے کے خلاف کیا اور وہ معزول ہوا، اتنی حد تک، یہ کیسے درست ہوسکتا ہے؟

قاضی صاحب:

مؤکلوں کے مجموعہ کی اکثریتی رائے کے مطابق اس نے عمل کیا۔

مفتی احمد خانپوری صاحب:

اس لئے کہ وہ تو ڈائریکٹر بنایا ہی گیا ہے اس لئے، اس لئے کہ ڈائریکٹر کے لئے خود یہ اصول وضع شدہ ہے، تو اس کو اکثریت کی رائے کے مطابق یہ کام کرنا ہے...... ....

مفتی مصلح الدین صاحب:

شخصی حد تک وہ معذور ہوگیا۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

یہ مسئلہ جڑا کس سے ہے، یہ جو اتنی بات پوچھی جارہی ہے یہ اسی پہلے مسئلہ سے جڑا ہوا ہے یا الگ سے کوئی بات ہے؟ ذرا اس کو واضح کر دیجئے کہ جو پہلے آپ نے.....

قاضی صاحب:

وہ مسئلہ تو مولانا ایک علاحدہ مسئلہ ہوا، ایسی کمپنی جو ایسی اساس پر قائم ہوتی ہے، اس میں جب ہم حصہ دار بنتے جاتے ہیں، فریق بنتے جاتے ہیں، تو وہاں پر بہت سے ناجائز فیصلے ہوتے ہیں، تو یہ ناجائز عمل جو ہوتا ہے اس کی ذمہ داری ہم پر لوٹتی ہے یا نہیں؟

کمال فاروقی صاحب:

حضرت اس کا اصل میں جو مسئلہ ہے یہ پہلے والے مسئلہ سے جڑا ہوا ہے، اس میں یہ غور فرمالیں آپ لوگ کہ بورڈ آف ڈائریکٹرس جو ہے جیسا آپ نے فرمایا کہ کوئی کام ایسا نہیں کرسکتا جو میمورنڈم آف ایسوسی ایشن کے اندر Main Objects کے باہر ہو، اور اگر وہ Main Objects کے باہر کبھی کوئی کام کرنے کی کوشش کی جائے گی تو پہلے اینول جنرل میٹنگ میں یا Extra Ordinary General Meeting کے اندر اس کی تمام شیئر ہولڈر سے اجازت لینی پڑے گی، وہ جو Border جو Frame Work ہے، جو Main Object کا Frame Work ہے، جو ہم پہلے Decide کرچکے ہیں کہ وہ کررہا ہے جائز کام، حلال کام کرنے جارہے ہیں، لیکن وہ جب اپنے Other Objects میں آتے ہیں تو اس کو Achieve کرنے کے لئے، اس کو حاصل کرنے کے لئے، تو اس کو مجبوراً ادھر ادھر جانا پڑتا ہے، بورڈ آف ڈائریکٹرس جو ہے وہ Main Objects سے باہر نہیں جاسکتا، وہ غیر قانونی ہوگا، رہنا تو ہوگا اس کو اسی Main Frame Work کے اندر، جو اس کو چلانے کے لئے روزمرہ کس طرح سے چلانا ہے، کس سے تعلقات رکھنے ہیں، کس کو Appoint کرنا ہے، کون سے بینک جانا ہے، کیسے جانا ہے، وہ الگ مسئلہ رہا۔(.........) اصل میں حضرت بینکنگ کے اوپر ہم لوگ بالکل Discuss نہیں کررہے ہیں۔ یہ تمام معاملہ جو آرہا ہے بس شیئر ہولڈرس وغیرہ کا یا اسٹاک ایکسچینج کے اوپر آرہا ہے، ہم لوگوں نے جو بمبئی میں اور اس سے پہلے جو Discussion کیا ہے جو آٹھ دس لوگ (ماہرین) بیٹھے تھے وہاں، اور اس میں کچھ ایسی تجاویز آئی تھیں جو ہم آپ لوگوں کی اس میں رہبری چاہ رہے تھے، اس کے اوپر کوئی Discussion نہیں ہوپارہا ہے۔

قاضی صاحب:

کوئی کیسے ہوتا؟ ہے ہی نہیں بینکنگ والے لوگ، ابھی آئے ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ ابھی ہم لوگوں نے میٹنگ اس پر نہیں کیا ہے، اس لئے میں تو وقت ٹال رہا ہوں آپ لوگوں کے انتظار میں، تھوڑی سی بحث کراکے۔ انشاءاللہ عصر کے بعد ہم بیٹھیں گے تو اسی پر بات کریں گے، اور اس وقت سے لے کر آپ لوگوں کو لینے کی اجازت نہیں، ویسے بھی آپ لوگ مولوی نہیں ہیں کہ قیلولہ کریں، تو آپ لوگ ظہر کی نماز پڑھ کر کے، کھانا کھا کر آپ لوگ بیٹھ کر اس کو پوری طرح Discuss کرلیں بغیر میرے، یہ سخت ضروری ہے، اور عصر کے بعد اس کو آپ لوگ پیش کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بات اس وقت ختم کی جائے، اذان کا وقت قریب ہو رہا ہے، آپ لوگ وضو کریں گے، پھر نماز پڑھیں گے، اور انشاءاللہ پھر ہم لوگ عصر کے بعد فوراً بیٹھیں گے، اور اس دوران بینکنگ کمیٹی کا یہ فرض ہے کہ وہ پوری طرح بیٹھ کر بحث کر کے، اور

اگر ضرورت سمجھیں تو مولانا برہان الدین صاحب، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب، مولانا عتیق احمد بستوی صاحب، مولانا ابراہیم صاحب بھروچ اور مفتی احمد خانپوری صاحب ان حضرات کا میں نے نام لے لیا ہے، لکھ لیجئے، ان حضرات سے اس پر آپ ضرور بحث کر لیں۔ ان لوگوں کا قیلولہ منع کیا جاتا ہے۔

دوسری نشست:

قاضی صاحب:

حضرات آپ نے پہلے دن اسلام کے نظام عشر کے بارے میں مختلف مسائل پر تفصیلی بحث کی تھی، اور اس پر کمیٹیاں بنادی گئی تھیں، کمیٹیوں نے اپنا کام کیا بھی ہے، اور کچھ ابھی آخری صورت انشاء اللہ وہ لوگ الگ بیٹھ کر دے لیں گے، ابھی جو دوسرا مسئلہ کل سے شروع ہوا ہے، بینکنگ سے متعلق جو چند مسائل اٹھے ہیں، ان میں سے کئی مسئلوں پر آپ نے گفتگو کی، بعض پر اتفاق ہوا، بعض پر اختلاف ہوا، اور کچھ جن میں بہت سے علماء کے جوابات بھی حاصل کئے گئے تھے پہلے سے، اور بعض سوالات نئے ہیں، تو میں سمجھتا ہوں کہ تفصیلی بحث تو شاید اس پر نہیں ہو سکے گی، اور اس مسئلہ کا حق یہ ہے کہ اس پر مستقل ایک نشست ہو جس میں یہ ماہرین بھی ہوں اور ہمارے علماء بھی ہوں، افسوس یہ ہے کہ یہاں پر ہمارے بعض دوست جا چکے ہیں لیکن ہم انشاء اللہ کوشش کریں گے کہ ان مسائل پر تفصیل سے غور کرنے کے لئے ایک مستقل نشست کی جائے، ابھی میں صرف جناب احسان صاحب کو تکلیف دوں گا کہ جو سوالات ہیں ان کے سامنے یا جو متبادل انہوں نے تجویز کیا ہے یا جو ان کی دشواریاں ہیں ان کو صرف آپ کے سامنے رکھ دیں، تاکہ ذہن اس کی طرف متوجہ رہے، اور آئندہ جب اس کی کوئی نشست ہو دو چار مہینے کے بعد، تو اس وقت اگر آپ کے پاس اس سلسلہ میں تفصیلی سوالنامہ جائے تو آپ جواب بھی دیں، اور پھر اجتماع ہو تو ہم لوگ بیٹھ کر کے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ لے سکیں، میں جناب احسان صاحب سے درخواست کرتا ہوں........

احسان صاحب:

کل Bill Discounting کا ایک مسئلہ رکھا گیا تھا اس کی عموماً شکل یہ ہوتی ہے کہ مال بیچنے والا جو ایک شہر میں رہ رہا ہے اور خریدنے والا دوسرے شہر میں رہ رہا ہے، مال بیچنے والا مال کو دوسرے شہر کے لئے روانہ کرتا ہے سودا ہونے کے بعد، اور یہ بیچنے والا بلٹی پہ مال پانے والے کی جگہ اپنا ہی نام لکھتا ہے، یہ خریدار کا نام نہیں لکھتا، تو ریلوے کو آرڈر دیتا ہے کہ یہ مال جو میں بھیج رہا ہوں یہ دوسرے شہر میں مجھے ہی ملے، یہ بلٹی جو ہے عموماً قابل تبادلہ ہوتی ہے، اب اگر یہ بینک سے پیسہ لینا چاہتا ہے مال بیچنے والا، تو اس سے پہلے کہ خریدار سے پیسہ وصول کرے، یہ بلٹی کی پشت پہ یہ لکھ دیتا ہے کہ اس بلٹی کا مال اس بینک کو دے دیا جائے، بینک اس بلٹی کا مالک ہو جاتا ہے اس طرح سے، اور بلٹی ایک بار بینک میں دینے کے بعد اور پیسہ لینے کے بعد پھر مال بھیجنے والے کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ ریلوے کو دوبارہ لکھ دے کہ یہ مال بینک کو نہ دیا جائے، اگر وہ ایسا لکھے گا بھی تو قانوناً اس کا کوئی عمل نہیں ہو سکتا، ریلوے اس کی اس ہدایت کو نہیں مانے گا، کیونکہ اس نے بلٹی بینک کے حوالہ کر دی، اب بینک سے یہ ہزار روپئے کے عوض میں آٹھ سو روپئے یا نو سو

روپے لے لیتا ہے، بینک یہ سمجھتا ہے کہ اس بلٹی کا پیسہ خریدار سے ایک مہینہ کے بعد ملے گا، تو یہ ایک سو روپے Difference جو ہے اس کا، Service Charges بھی ہیں اس میں اور ایک مہینے کا سود بھی ہے، کیونکہ بینک کا اپنا انداز ہے سوچنے کا، تو ظاہر ہے اسلامی مالیاتی ادارے کے لئے یہ شکل قابل قبول نہیں ہوئی، لیکن اس کی ایک دوسری شکل ہم تجویز کرتے ہیں، اور اس کو مرابحہ کی شکل میں اگر اپنایا جائے تو اس میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہوگی، اس کی شکل یہ بنتی ہے کہ مال بیچنے والا یہ کہتا ہے بینک سے اسلامی مالیاتی ادارے سے کہ اس مال کا ایک ہزار روپے میں خریدار موجود ہے، میں آپ کو ایسا پتہ بتاتا ہوں خریدار کا کہ وہ اس مال کو آپ سے ایک ہزار روپے میں لے لے گا، اور آپ کی میں بات بھی کرادیتا ہوں اس سے، آپ کا سودا بھی طے کرادیتا ہوں، آپ یہ مال مجھ سے نوسو روپے میں خرید لیجئے، اس میں جو مال کا آخری خریدار ہے وہ بینک میں کہتا ہے کہ یہ مال آپ میرے پاس پہنچادیں گے تو میں ایک ہزار روپے میں آپ سے خریدنے کے لئے تیار ہوں، اس شکل میں اور پہلی شکل میں فرق یہ ہے کہ پہلی شکل میں اگر بینک کا پیسہ خریدار سے وصول نہیں ہوتا، خریدار اس مال کو لینے کے لئے تیار نہیں ہوتا، تو بینک لوٹ کر اسی کے پاس آتا ہے جس نے پیسہ بینک سے لیا ہے اور بینک کو بلٹی دی ہے، آپ کا مال وہ لینے کے لئے تیار نہیں ہے، بلٹی چھڑانے کے لئے تیار نہیں ہے، لہذا آپ وہ واپس دیجئے، تو ایک طرح سے یہ قرض ہوا جو اس نے بینک میں دیا تھا اور وہ واپس قرض وصول رہا ہے اس سے، لیکن دوسری شکل میں یہ قرض کی نوعیت نہیں ہوگی، اس میں وہ مال کا بیچنے والا پہلے ہی کہہ دے گا، دیکھئے میں آپ کا سودا تو کرائے دیتا ہوں لیکن بعد میں اگر وہ اپنے سودے سے مکر جاتا ہے اور وہ مال نہیں لیتا تو اس کی میرے اوپر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی، تو یہاں وہ اگر سودے سے مکر جاتا ہے تو بینک کے ہاتھ میں جو کچھ بھی مال ہے وہ ایک ہزار کے بجائے آٹھ سو روپے میں بک جائے یا گیارہ سو روپے میں بک جائے، وہ بینک کا مال ہے، اس میں وہ خریدار سے یہ نہیں کہے گا کہ اگر آٹھ سو روپے میں بکا تو دوسو روپے مجھے اس میں نقصان ہوگیا، آپ مجھے یہ دوسو روپے دے دیجئے اور Service Charges جو میرے ہیں وہ بھی دیجئے، تو دوسری شکل مرابحہ کی یہی ہوسکتی ہے کہ وہ جو بیچنے والا ہے اس سے بالکل تعلق منقطع ہوجائے، اور بینک مال کے اوپر انحصار کرے یا کہ خریدار کے اوپر انحصار کرے، تو اگر آپ اس کا جواز رکھ دیتے ہیں تو مرابحہ کے طور پر اسلامی مالیاتی ادارہ اپنالے گا اسکیم کو۔

امین الحسن رضوی صاحب:

میں معلوم یہ کرنا چاہ رہا تھا کہ پہلی صورت کو آپ نے ناجائز کیوں قرار دیا، پہلی صورت جو ہے مثلاً میں بتاؤں آپ کو، میں وضاحت کے طور پر عرض کرنا چاہتا تھا، جیسے Promissory Note ہے ایک شخص کے، میرے Favour میں کسی کا تفویض کردہ Promissory Note ہے، جس پر میں دعویٰ کرکے کبھی بھی اس رقم کو حاصل کرسکتا ہوں اگر وہ نہ دے، اب یہ Promissory Note از روئے قانون قابل انتقال ہے، میں اس کو کسی اور شخص کے نام منتقل کرسکتا ہوں، تو میرے حق میں جو پانچ ہزار روپے کا Promissory Note ہے وہ میں چار ہزار پانچ سو روپے میں کسی کے ہاتھ فروخت کرسکتا ہوں، اس کے نام Hand Over کرسکتا ہوں، اب اس شخص کو یہ

اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وقت موعود پر وہ پانچ ہزار روپے اس شخص سے وصول کر لے، اس سودے میں ناجوازی کی بات میری سمجھ میں نہیں آتی........میں نے مثالاً ایک بات بتائی ہے، تو پہلی صورت آپ نے بتائی تھی اس میں ناجوازی کی صورت کیسے؟ اس لئے کہ آپ نے اپنے منہ سے تصوراتی طور پر ایک لفظ سود استعمال کر لیا، اس کو صرف حق محنت آپ رکھیں تو کیا حرج ہے؟

احسان صاحب:

نہیں ایسا ہے جو رقعہ ہے اور ایک قرض ہے اس کا سرٹیفکیٹ ہے، تو وہ رقعہ جو ہے کوئی مال نہیں ہے وہ پیسہ ہے، اور پیسے کو کم یا زیادہ قیمت پر خریدنا، تو میں سمجھتا ہوں اس کی اجازت علماء نہیں دیں گے۔

امین الحسن رضوی صاحب:

ثمن نہیں ہے وہ Promissory Note زر ثمن میں نہیں آتا، ثمن نہیں ہے وہ، میرے خیال میں فقہی اعتبار سے وہ ثمن نہیں ہے، کرنسی نوٹ تو ثمن ہے، تسلیم کیا جا چکا ہے، لیکن Promissory Note تو ثمن نہیں ہے، Promissory Note ثمن ہوگا کیا؟

احسان صاحب:

Promissory Note اور Currency Note میں صرف اتنا فرق ہے کہ کرنسی نوٹ جو ہے کوئی بینک یا Authorised ادارہ ہی جاری کرتا ہے اور Promissory Note ہر آدمی جاری کر سکتا ہے، اس کے علاوہ فرق نہیں ہے، کرنسی نوٹ بھی ایک طرح کا Promissory Note ہے۔

امین الحسن رضوی صاحب:

میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ فقہی اعتبار سے کرنسی نوٹ کو ہمارے ہی سیمنار نے ثمن Declare کر دیا ہے لیکن Promissory Note ثمن نہیں ہے، وہ وثیقہ ہے صرف۔

احسان صاحب:

یہاں مسئلہ صرف پرامیزری نوٹ کا نہیں تھا، پیچھے جو بلٹی لگی ہے اس کے، اور بلٹی میں جو مال ہے اس کا مسئلہ تھا، اور اس میں مال کی خرید و فروخت یا بلٹی کی خرید و فروخت کہی تو جاتی ہے لیکن اصل میں ہوتی نہیں ہے، وہ ایک طرح سے بلٹی کی ضمانت کے اوپر بینک کا قرض ہی ہوتا ہے۔

امین الحسن رضوی صاحب:

نہیں اگر شرعی اعتبار سے وہ سود ہے، میں نے عرض کیا ناں کہ آپ نے فرمایا تھا گفتگو میں کہ وہ اس پر حق المحنت اور مدت کے معاوضہ میں سود لیتا ہے، یہ تو ایک تصوراتی بات ہوئی، فرض کیجئے کہ اسلامی ادارہ تصور میں ہی نہ لائے کہ میں سود دے رہا ہوں بلکہ صرف ہم حق محنت مانیں اس کو۔

احسان صاحب:

نہیں ایسا ہے کہ اس میں ایک تو دو شکلیں ہوتی ہیں جو بینک Bills Collection کا، اور Bills Purchase کا کام کرتے ہیں، ایک شکل میں بینک کا اپنا پیسہ لگتا ہے، اور دوسری شکل میں بینک کا اپنا پیسہ نہیں لگتا ہے، جب بینک کا اپنا پیسہ لگتا ہے تو اس کے Charges زیادہ ہوتے ہیں بہ نسبت اس کے جہاں اس کا اپنا پیسہ نہیں لگتا ہے، جس سے یہ ظاہر ہے کہ جو زیادہ چارج بینک نے لیا وہ اپنا پیسہ لگنے کی بنیاد پر لیا۔

امین الحسن رضوی صاحب:

یہ تو تعامل کی بات ہوئی۔

احسان صاحب:

یہ Financing ہے (اصولی بات کیا ہے: رضوی صاحب) نہیں ویسے یہ طریقہ بھی بینک کی کتابوں میں درج ہے، وہ طریقہ فائنانس کا ہی ہے، اڈوانس کا۔

امین الحسن رضوی صاحب:

یہ تو تعامل کی بات ہوئی ہم اصول کی بات کریں گے نا، یہ تو تعامل کی بات ہوئی علماء جواب دے دیں گے اس کا۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

اگر وہ بلٹی کرنسی نہیں ہے تو پھر وہ حقوق بنے گا کیا؟

احسان صاحب:

ہاں حقوق میں تو آتا ہے لیکن اس کی بنیادی بات یہ ہے کہ جب مال چھڑانے والا مال نہیں چھڑاتا تو وہ تنہا مال کے اوپر اکتفا نہیں کرتا، اگر بینک مال کو بیچ بھی دے، اور مان لیجئے کہ ہزار روپے کا مال آٹھ سو روپے میں بکے تو بینک کو قانونی اختیار ہوتا ہے کہ وہ دو سو روپے وصول کرلے، مال بیچنے والے سے وہ دو سو روپے وصول کرلے۔ یہ قانونی اختیار جو بینک کو مل رہا ہے اس سے.....

امین الحسن رضوی صاحب:

استعمال نہ کرنا چاہے بلکہ وہ جوکھم لینا چاہے تو کیا حرج ہے؟

احسان صاحب:

وہ جوکھم کی شکل یہی ہے کہ پیچھے جو مال کا بیچنے والا ہے اس سے تعلق منقطع ہو جائے اور بینک اس سے مال خرید لے، اور آگے جو مال کا خریدنے والا ہے اس کو مال بیچ دے، ایسی حالت میں اگر مال کم قیمت پہ بکے گا تو اصل بیچنے والے سے بینک نہیں وصول کر سکے گا تب اس کو نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔

مفتی محبوب علی وجیہی صاحب:

اس میں کیا تنقیح ہوئی مسئلہ کی۔

مفتی اسماعیل صاحب:

ابھی چند مسائل باقی ہیں جن کو مجلس میں پیش کرنا ہے۔

امین الحسن رضوی صاحب:

ایسی صورت میں آپ کے خیال میں کیا یہ جائز ہوگا یا ناجائز؟

احسان صاحب:

یہ تو علماء بتائیں گے۔

مفتی محبوب علی وجیہی صاحب:

یہ صورت تو جواز کی معلوم ہوتی ہے، یہ جو صورت ہے کہ مال خرید لیا کم روپے کے، یا وہ لے لے زیادہ روپے کے، تو اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بینک والا بیچے گا تو بینک والا مالک ہو گیا اس کا۔

احسان صاحب:

مرابحہ کی ایک شکل یہ ہے جو اسلامی مالیاتی ادارے کو پیش آتی ہے کہ ایک شخص اپنی تجارت کے لئے مال خریدنا چاہتا ہے لیکن مال خریدنے کے لئے اس کے پاس پیسہ نہیں ہے حالانکہ وہ مال کی خامی اور خوبی پرکھنے میں پوری مہارت رکھتا ہے اور اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس مال کا صحیح سپلائر کون ہے، وہ اپنی مرضی کا مال بازار میں تلاش کرتا ہے، سودے بازی کرنے پہ کسی آدمی سے مال کی خریداری طے کر لیتا ہے، اتنے روپے میں میں آپ کا مال خریدنے کے لئے تیار ہوں، اب چونکہ اس کے پاس پیسہ نہیں ہے وہ اسلامی مالیاتی ادارہ کے پاس آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس قسم کا مال مجھے درکار ہے اور وہ اس قیمت پہ مل رہا ہے، بازار میں اس کے سپلائر کا میں پتہ آپ کو بتائے دیتا ہوں، آپ یہ مال اس سے خرید لیجئے اور مجھے تین مہینے کے ادھار پہ اضافی قیمت پہ بیچ دیجئے، میں تین مہینے کے اندر اپنی دکان میں اس مال کو لگا کے کوئی منافع کے ساتھ بیچ دوں گا اور آپ کی رقم وعدہ کے مطابق ادا کر دوں گا، بینک کہتا ہے کہ دیکھئے ہم آپ کی ضرورت تو پوری کر دیں گے لیکن ہمارے پاس اسٹاک جو ہے وہ کچھ کتابی کام کا ہے بازار کے مطلب کا نہیں ہے ہم آپ کو اپنا وکیل مقرر کر دیتے ہیں، آپ ہمارے Behalf پہ یہ مال اس سے خرید لیجئے، اور وہ آگے کہہ دیتا ہے کہ چلئے میں نے آپ کی طرف سے مال خرید لیا، اور بینک یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ مال ہم نے آپ کو جیسا آپ اضافی قیمت بتا رہے ہیں اس پر آپ کو بیچ دیا، اس مال کو یہ گرا ہک اٹھا لیتا ہے وہاں سے، اپنی دکان میں لے جا کر لگا دیتا ہے، اور تین مہینے کے بعد اس کو اور زیادہ قیمت پہ بیچ کے بینک کا قرض ادا کر دیتا ہے تو کیا آپ کی رائے میں یہ شکل جائز ہو گی؟...... روپیہ بینک نے دیا ہے جو اصل بازار میں مال کا بیچنے والا تھوک بازار میں مال کا بیچنے والا ہے اس سے بینک نے وہ مال خریدا ہے، لیکن بینک سے جو مال خریدنے والا ہے، بینک نے اپنا وکیل اسکو بنایا مال خریدنے [illegible]

جب اس نے آ کے اطلاع دیدی کہ یہ سودا ہوگیا (مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب: Bihalf کرتا ہے یا پیسے دینے کے لئے تیار کرتا ہے) نہیں پیسہ بینک کا لگا ادائیگی بینک نے کیا۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

اس میں صرف ایک اشکال ہے، وہ یہ ہے کہ ایک ہی شخص بائع بھی بن جاتا ہے اور مشتری بھی بن جاتا ہے، ایک ہی شخص خریدار بھی بن جاتا ہے اور وہی فروخت کرنے والا بھی بن جاتا ہے، اس کی اجازت شریعت میں نہیں ہے۔

احسان صاحب:

دیکھئے خریدار تو بینک ہی بنا، اور بینک یہ بھی خواہش کرتا ہے کہ پہلی Invoices جو آئے جو ہول سیلر ہے وہ بینک کے ہی نام آنی چاہئے، بینک یہ بھی امید کرتا ہے، یا آئے تو دونوں کے نام کے ساتھ آئے جس میں کہ بینک نے وکیل بنایا ہے، اس کی حیثیت وکیل کی ہو، اور خریدار کی حیثیت بینک کی ہو، بینک یہ بھی امید کرتا ہے کہ وہ Invoices بینک کے نام بنے۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

لیکن ایجاب وقبول ایک ہی شخص کر رہا ہے، اور قانون یہ ہے کہ ایجاب کوئی دوسرا کرے، اور قبول کوئی دوسرا کرے۔

احسان صاحب:

ایسے ایجاب تو بینک کا ہی ہے، بیچ میں ایک شخص جو ہے بینک کا وکیل ہے جو کہ بیچنے والے کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس مال کو بینک خریدنے کے لئے تیار ہے، تو بیچنے والا کہہ دیتا ہے کہ میں بیچ رہا ہوں اس کو، اگر سودا ہو جاتا ہے، بینک کے نام وہ Invoice بھی کاٹ دیتا ہے، بینک اپنا ڈرافٹ اس کے نام ایشو کر دیتا ہے مال کے بیچنے والے کے نام پر، اس کے بعد وہ کہہ دیتا ہے کہ آپ یہ مال اب اٹھا لیجئے، میں نے مال آپ کو بیچ دیا۔ جب مال وہ اٹھانے کے لئے جاتا ہے، بینک کا پرچہ بھی لے جاتا ہے، کہتا ہے آپ مال مجھے دے دیجئے تو وہ مال تو دیتا ہے بینک کے لئے لیکن وہ اپنی دکان میں لے جاتا ہے کیونکہ بینک نے اس کو پہلے ہی بیچ دیا ہے ..... بینک کے قبضہ میں مال نہیں آئے گا۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

بینک کے وکیل نے لیا ہے اپنے قبضہ میں تو وہ بینک کا ہی قبضہ ہے، اس نے جو قبضہ کیا ہے وہ بینک نے ہی قبضہ کیا ہے، اس کے بعد پھر بینک کی طرف سے وہ لے گیا ہے، تو بینک نے اب اس کو سپرد کر دیا۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

اصل میں صورت یہ بنی، آپ کے کہنے کا مطلب ذرا اس کو واضح کر لیجئے، صورت یہ بن گئی کہ بینک نے خرید لیا، اور بینک نے پھر ادھار اس کو بیچ دیا، یہ صورت بنی، اس پر غور کیا جائے۔

امین الحسن رضوی صاحب:

لیکن آپ نے یہ نہیں بتایا کہ بینک کو منافع کس مرحلہ میں ہوا۔

احسان صاحب:

بینک نے کچھ اضافی قیمت پر بیچا اور تین مہینے کے ادھار پر بیچا۔

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

.... بینک نے جس وکیل کو دیا ہے وہ بینک ہی کا وکیل ہے، تو گویا خود ہی کو دے دیا۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

اب وہ مشتری ہو گیا اور بینک بائع ہو گیا۔

احسان صاحب:

جی یہی حالت ہے، دوسری مرتبہ جب آیا تو وہ خود خریدار ہے اور بینک بیچنے والا ہے۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

اب بینک بائع اور وہ مشتری ہے تو وہ بڑھا کے دے رہا ہے تو اسے اختیار ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

بس فرق اتنا ہی ہوا کہ وہ نقد اس نے خریدا ہے اور اس نے ادھار بیچ دیا اسی پر غور کرنا ہے۔

احسان صاحب:

اس کی وکالت...... سب Payment ہونے کے بعد اس کی وکالت ختم ہو جاتی ہے .... پہلے سودے میں بینک کا وکیل ہے جب بینک نے ڈرافٹ جاری کر دیا، اس نے Invoice بینک کے نام جاری کر دیا، اب بینک مالک ہو گیا اس کا، اب وہ کہتا ہے کہ میں اس کا خریدار ہوں جیسا میں نے پہلے بتایا تھا، میں سمجھتا ہوں سودا مکمل ہونے کے بعد اس کی بینک کی وکالت ختم ہو گئی۔

مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب:

.... حقیقی صورتحال کچھ ایسی سامنے آرہی ہے کہ وہ بیک وقت خریدار بھی ہے اور وکیل بھی ہے، اور کچھ......

حسان صاحب:

اس میں دو سودے ہیں، ایک سودا بینک کرتا ہے مال کے تھوک بیچنے والے سے، دوسرا سودا مال کو جو Retai میں بیچنے والا ہے وہ بینک سے کرتا ہے۔

جناب شمس پیرزادہ صاحب:

نہیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب تکنیکی باتیں ہیں، حقیقتاً وہ خریدار بھی ہے اور وکیل بھی ہے، اس لحاظ سے یہ قابل غور ہے، اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ادھار کی بنیاد پر بینک قیمت زیادہ وصول کر رہا ہے، تو آیا ادھار کی وجہ سے

زیادہ قیمت وصول کرنا کسی چیز کی جائز ہے؟ یہ دونوں مسئلے قابل غور ہیں۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

ہمارا خیال ہے کہ بہت سادہ صورت ہے، اس میں کوئی قابل غور بات ہے ہی نہیں، بینک نے خرید لیا، اب خریدنے کے بعد اس کا وہ مالک ہو گیا، وہ ادھار بیچ رہا ہے، بس یہ سادہ صورت ہے۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب ممبئی:

حضرت یہ جو صورت اس میں ہے، یہ بیع قبل القبض ہو رہا ہے، بینک جو بیچ رہا ہے تو یہ قبضہ سے پہلے بیچ رہا ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

بھائی قبضہ تو کر لیا اس نے، وکیل کا قبضہ ہوا، وکیل کا قبضہ بینک کا قبضہ ہوا، اب وہ....

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب ممبئی:

قبضہ کہاں ہوا، صرف بات ہوئی ہے، قبضہ تو وکیل نے بھی نہیں کیا ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

قبضہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ فرض کر لیجئے کہ یہاں بیٹھ کر آپ مدراس میں کوئی معاملہ کریں کسی خرید و فروخت کا، آپ نے مال دیکھ لیا ہو یا نہ دیکھا ہو، ایسے آپ نے اپنے اندازے سے کر لیا، تو کیا اس کو مانیں گے نہیں؟ اس کو نہیں سمجھے گے کہ ماعندہ ہے وہ؟

احسان صاحب:

مالیاتی اداروں کی کچھ خدمت ایسی ہوتی ہے کہ جس میں ان کا اپنا کوئی سرمایہ نہیں لگتا، ان کی ساکھ لگتی ہے، اور ان کو کچھ Risk بھی ہوتا ہے، مثال کے طور پر کوئی گورنمنٹ ادارہ اگر کوئی پل کی تعمیر کا ٹھیکہ کسی Constructor کو دیتا ہے اور وہ بیچ میں چھوڑ بھاگتا ہے تو اس میں سرکار کا بہت پیسہ اور وقت لگ جاتا ہے، اس لئے سرکار یہ چاہتی ہے کہ کوئی مالیاتی ادارہ ضمانت دے کہ اگر Contractor اس کو چھوڑ کر چلا جائے گا تو اس میں سرکار کو نقصان جو ہوا ہے اب وہ پہلے سے ہی متعین ہو جاتا ہے کہ اتنی Penalty اس مالیاتی ادارہ کو دینی پڑے گی، اور مالیاتی ادارہ لوگوں کی صلاحیت کا جائزہ لیتا ہے اور جو Constructor ہیں ان کی پوری مالی حیثیت بھی دیکھتا ہے کہ کہاں تک وہ اپنا کانٹریکٹ پورا کرنے کے اہل ہیں، اور یہ دیکھتے ہوئے وہ ضمانت دے دیتا ہے سرکاری ادارہ کو، کہ میں ضامن ہوں اگر یہ Contract پورا نہیں کرے گا تو ایک لاکھ دو لاکھ Penalty جو آپ طے کریں گے میں وہ ادا کروں گا، اب یہ جو بینک خطرہ مول لیتا ہے جس سے وہ Contractor کی جائداد وہ اپنے پاس رکھ لیتا ہے، تو چونکہ ان میں ایک خطرہ بھی شامل ہے اور جائداد سے وصول کرنے میں وقت بہت لگ جاتا ہے، دس دس سال مقدمے چلتے

ہیں، اسی خطرہ کے عوض بینک کچھ اجرت حاصل کرتا ہے، اس کو Guarantee Fees کہتے ہیں، ضمانت کی اجرت، تو کیا یہ بینک کو اجرت جائز ہوگی؟...... یہ کانٹریکٹ ہی ہوتی ہے، یہ Commitment ہوتا ہے کہ ایک وعدہ ہے جو پورا کرنا ہے، دوسرا Payment کی ادائیگی کی ہوتی ہے، ایک مشین کا Supplier ہے کوئی، وہ ادھار اپنی مشین بیچتا ہے خریدار کو، تو وہ یہ چاہتا ہے کہ کوئی مالیاتی ادارہ ضمانت لے لے، اگر وقت مقررہ پر پیسہ خریدار نے نہ واپس کیا تو وہ مالیاتی ادارہ سے رجوع کرے، اور مالیاتی ادارہ جو ہے اس کو دینے کا پابند ہوگا، اس میں بھی بینک کو خطرہ ہے کہ اس کا پیسہ چلا جائے گا اور خواہ مخواہ دس سال تک مقدمہ بازی ہوگی اپنا پیسہ دوسری طرف وصول کرنے میں، تو یہ ایک طرح سے قرض کی ضمانت ہے اور اس میں قرض سودی بھی ہوسکتا ہے اور غیر سودی بھی ہوسکتا ہے، سود کی بات تو اس وقت نہیں کر رہے ہیں، اگر وہ غیر سودی قرض ہے تو کیا اس میں Guarantee Commission بینک کو جائز ہوگا غیر سودی قرض میں۔

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

وہ سودی ہو یا غیر سودی ہو، لیکن آپ جو ضمانت دے رہے ہیں وہ اس بات کی دے رہے ہیں کہ سرکاری ادارہ اگر قرض ادا نہ کرے قرضدار، تو اب سرکاری ادارہ سود سمیت ادا کرے گا۔ سرکاری ادارہ تو سود لیتا ہے، جس کی ضمانت آپ جس ادارہ کو دے رہے ہیں وہ تو سود سمیت وصول کرنے والا ہے۔

احسان صاحب:

جس نے مشین سپلائی کی ہے ادھار وہ Supplier کو دے گا مالیاتی ادارہ.......

مفتی احمد دیلوی صاحب:

بہرحال ضمانت اس بات کی ہوگی کہ وہ قرض ادا نہ کرے تو ہم ادا کریں گے اور سود کے ساتھ ادا کریں گے۔

احسان صاحب:

نہیں سود کا کوئی ذکر نہیں ہے، مان لیجئے غیر سودی قرضہ ہے یا جو مال اس نے بیچا ہے وہ تو قیمت فروخت ہے اس کا۔

مفتی احمد دیلوی صاحب:

سرکاری اداروں میں تو بغیر سود کے کوئی بات ہوتی ہی نہیں۔

احسان صاحب:

ہوتی ہے، وہ میں نے پہلے ہی عرض کیا کہ بہت ساری خدمات ایسی ہیں بینکس کی جس میں ان کا پیسہ نہیں لگتا ہے، اس کی ساکھ لگتی ہے، اور یہ کہ وہ خطرہ مول لیتے ہیں، یہ انہی اقسام میں سے ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

تو اس کے معنی یہ کہ مسئلہ قابل غور ضمانت کی اجرت ہے، بس اتنا ہی مسئلہ ہے کہ ضمانت کی اجرت لی جائے، جائز ہے یا نہیں جائز ہے؟

احسان صاحب:

ضمانت بھی دوطرح کی ہے، ایک قرض سے متعلق ہے، ایک کام سے متعلق ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

آپ فرمارہے ہیں کہ ضمانت اور کفالت کی اجرت نہیں ہوسکتی، کفالت بالضمان بھی تو شاید کوئی چیز ہوتی ہے، یعنی اگر کوئی چیز وہ لے اور نقصان ہوجائے تو کیا ہوگا اس کا؟

مفتی احمد خانپوری صاحب:

کفالت اس کی اجرت نہیں ہوسکتی اس کی بنیاد کیا ہے، کیا عقد تبرع ہے اس لئے..........

تیسری نشست:

احسان صاحب:

کمپنی کے حصص سے متعلق کچھ سوالات ہیں، جو برابری کے حصص ہوتے ہیں ان کی بنیاد تو شرکت پر ہوتی ہے، اور وہ کمپنی کے نفع ونقصان میں برابر کے شریک ہوتے ہیں، لیکن ملکی قانون اور ٹیکس کی پیچیدگیاں کچھ ایسی ہیں کہ اس میں جو کمپنی تنہا غیر سودی سرمایہ سے کاروبار کرے تو اس کو بہت زیادہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے، اور دوسرے لوگوں کے لئے چونکہ سود حرام بھی نہیں ہے تو ان کو اس بات میں کوئی کراہیت نہیں ہے کہ سود کے اوپر قرضہ لیں، ان کا تو منافع جب تک سود سے اوپر رہتا ہے تب تک وہ قرض لیتے چلے جاتے ہیں، اگر ایک روپئے پر ان کو دس روپئے سود دینا پڑرہا ہے اور بارہ روپئے ان کا منافع ہوتا ہے تو جب تک یہ دوروپئے کا ڈیفرنس رہے گا وہ سود لیتے چلے جائیں گے، اب چونکہ ہم اس کے نفع ونقصان میں شریک رہنا چاہتے ہیں اور سودی معاملہ نہیں کرنا چاہتے، اور آگے کمپنی لے آتی ہے اپنے سرمایہ کو اور بڑھاتی ہے، اس کمپنی کی مان لیجئے بازار کے اندر دس روپئے والے حصص کی قیمت ایک سو روپئے ہے، تو وہ اپنے پرانے جو شیئر ہولڈرس ہیں ان کو خاص طور سے نفع پہنچانے کی غرض سے وہ دس روپئے کا شیئر ان کو پچاس روپئے میں دے دیتی ہے، لیکن وہ ایک شرط لگاتی ہے کہ ہم یہ پچاس روپئے کا آپ کو ایک شیئر دیں گے جس میں دس روپئے شیئر کی قیمت ہوگی اور چالیس روپئے منافع ہوگا، وہ منافع میں جمع ہوجائے گا، وہ سارے شرکاء کی پراپرٹی ہوگی۔ دوسرے ہمیں قرض کی بھی ضرورت ہے، تو ہم بجائے اس کے کہ بینک سے باہر سے لیں، آپ قرض سرٹیفکیٹ بھی ہم سے لیجئے، لہٰذا وہ حصص سے منسلک Debenture جاری کرتی ہے، اور چونکہ حصص میں پچاس روپئے کا فرق ہے، چالیس روپئے کا فرق ہے، جو کمپنی نے پچاس روپئے میں جاری کیا، بازار میں وہ نوے روپئے میں بک رہا ہے، تو ہر حصہ دار حصص لینا چاہتا ہے لیکن کمپنی مجبور کررہی ہے کہ آپ Debenture بھی لینا ہوگا، فی الحال آپ لے تو لیجئے، اگر آپ نہیں رکھنا چاہتے اس کو تو اس کے خریدار بازار میں موجود ہیں، یہ پچاس روپئے کا آپ کا ۳۵ روپئے میں یا ۴۵ روپئے میں بک جائے گا، کچھ حصص بازار کی ایسی روش ہے کہ ڈبینچر کے اوپر سود بینکوں کے سود سے دوگنا بھی اگر کر دیا جائے پھر بھی اس کے حصص خریدنے والے نہیں خریدنا چاہتے، وہ چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم ہوں، وہ حصص میں ہی

دلچسپی رکھتے ہیں، ڈبینچر میں نہیں رکھتے، ان کی نظر میں جو زائد سود ہے وہ زیادہ منافع بخش نہیں ہے، لہذا جب یہ ڈبینچر بازار میں جاتا ہے بکنے کے لئے تو یہ پچاس روپے سے ہر حالت میں کم پر ہی بکتا ہے، چاہے اس پر پندرہ فیصدی یا بیس فیصدی بھی سود ہو، تب بھی یہ پچاس روپے ۳۵ روپے میں ۴۰ روپے میں ہی بکے گا۔ ایسی صورت میں کیا یہ جائز ہوگا کہ ڈبینچر کمپنی سے لے تو لیا جائے اور حصص اور ڈبینچر دونوں جب آجائیں ہمارے پاس، تو حصص ہم روک لیں اور ڈبینچر کو ہم فروخت کردیں بازار میں، چاہے وہ کچھ خسارے سے ہی فروخت ہو، لیکن جو شیئر کی قیمت اور ڈبینچر کی کل قیمت پر منافع ہو رہا ہے وہ خسارہ اس سے کم ہی رہے گا ہر حالت میں، جو چالیس روپے کا منافع ہو رہا ہے شیئر میں، ڈبینچر کے فروخت میں زیادہ سے زیادہ پندرہ روپے کا نقصان ہو سکتا ہے، ایسے میں پچیس روپے کا پھر بھی فائدہ حصص میں رہ جاتا ہے۔ اور اگر ہم یہ سوچ لیں کہ چونکہ اس میں ایک سودی معاملہ ہے، ہم حصص بھی نہ لیں ڈبینچر بھی نہ لیں اور پرانے شیئر کے اوپر اکتفا کر جائیں، تو یہ نئے شیئر جیسے ہی مارکیٹ میں آتے ہیں ہمارے پرانے شیئر کی بھی قیمت گر جاتی ہے، وہ نوے روپے کا اسی روپے میں بکنے لگتا ہے، تو اس طرح سے تو ہمیں پچیس روپے کا جو منافع ہو رہا تھا ہم اس سے محروم رہ گئے، دوسرے ہمارے ہاتھ میں جو حصص تھے اس میں بھی دس روپے کی قیمت کا فرق آگیا، یہ مجبوری ہے اس کو نہ لینے میں۔

اسعدی صاحب:

ایک بات کی وضاحت چاہتا ہوں کہ ڈبینچر ز آیا دو قسم کے ہوتے ہیں Secured اور Unsecured، اور جن ڈبینچر ز کا آپ ذکر کر رہے ہیں وہ Secured کا غالباً کر رہے ہیں، Unsecured Debenture کو کمپنی جاری نہیں کرتی۔

احسان صاحب:

نہیں Secured اور Unsecured کا یہاں سوال نہیں اٹھتا، ڈبینچر ز تو Secured ہی ہوتے ہیں لیکن ان کا نمبر دوسرے قرضوں کے بعد آتا ہے، ایک General Loan ہوتا ہے لیکن اس سے پہلے اگر وہ پراپرٹی کسی خاص رہن میں رکھ دی گئی ہے تو خاص رہن کے لئے پہلے وہ ضمانت ہوگی پراپرٹی، بعد میں Debenture Holder کی ضمانت ہوگی۔

اسعدی صاحب:

Unsecured کی صورت یہ ہوتی ہے غالباً کہ اگر کہیں کوئی Loss ہو جائے تو وہ اس پر سود نہیں دے گی۔

احسان صاحب:

نہیں ایسا نہیں ہے، وہ تو قرض ہے اور قرض میں صرف ترجیح میں تو فرق پڑتا ہے، جو پہلے پراپرٹی اگر مخصوص طور سے کسی کے نام کمپنی نے رکھ دی ہے، پہلے اس قرض کی ادائیگی ہوگی، بعد میں ڈبینچر کی ادائیگی ہوگی۔ تو قرض تو جب تک وہ قرض دینے کی پوزیشن میں ہے کمپنی مع سود کے ادا کرے گی، اور جب اس پوزیشن میں نہیں ہوگی تو اس کی ایک فہرست ہے کہ پہلے سرکاری قرضے ادا ہوتے ہیں، Employees کے قرضے ادا ہوتے ہیں، پھر

دوسرے قرضوں میں Debenture Holder کا بھی ذکر آتا ہے۔

اسعدی صاحب:

نہیں Secured اور Unsecured کا فرق یہ ہے جہاں تک مجھے معلوم ہو سکا ہے، کہ Secured پر تو ہر صورت میں سود دیتی ہے کمپنی، Secured Debenture پر، لیکن Unsecured پر دینے کی وہ پابند نہیں ہے اور دیتی نہیں ہے، جبکہ کمپنی کو Loss ہوا۔

احسان صاحب:

ایسا ہے وہ Secured اور Unsecured کا فرق نہیں ہے، اب حکومت نے اس بات کی اجازت دے دی ہے کہ کمپنی اگر چاہے تو غیر سودی ڈبنچر بھی جاری کر سکتی ہے، اور اس کی ضرورت صرف اس لئے آئی کہ وہ Convertible Debenture کے معاملہ میں ضرورت پیش آئی تھی، کہ ایک طرف کمپنی ایک ایسا رقعہ جاری کرتی ہے جس کے اوپر کچھ اضافہ سے ادائیگی کرتی ہے یعنی سود دیتی ہے، دوسری طرف سرٹیفکیٹ ایسا جاری کرتی ہے جس میں کمپنی الٹا منافع شیئر ہولڈرس سے لے رہی ہے، جو شیئر سرٹیفکیٹ دس روپئے کا اس نے جاری کیا اور پچاس روپئے میں شیئر ہولڈر کو دے رہی ہے تو چالیس روپئے یہاں لیتی ہے، تو ایک ہی معاملہ میں شیئر ہولڈر کو کچھ دیتی ہے کمپنی اور دوسرے معاملہ میں شیئر ہولڈر سے کچھ لے لیتی ہے، یہاں شیئر ہولڈر کو یہ دقت آتی ہے کہ چالیس روپئے جو ان کے پاس سے گئے وہ تو چلے ہی گئے، اب جو ڈبنچر کے اوپر سود ملا وہ انکم ٹیکس کے قانون میں آجاتا ہے اور ان کی آمدنی میں وہ درج ہو جاتا ہے سود، تو اس کے اوپر ان کو انکم ٹیکس بھی ادا کرنا پڑتا ہے، کچھ کمپنیز نے یہ سوچا کہ ہم کیوں نہ یہ سود کی رقم اپنے منافع میں سے ہی کم کر دیں، اگر ہم اس کو چالیس روپئے منافع پر شیئر جاری کرنا چاہ رہے تھے تو ہم اس کو تیس روپئے منافع پر ہی جاری کریں، وہ سود یہاں کاٹ لیں تا کہ اس کے ہاتھ میں پہنچنے پہ ٹیکس نہ دینا پڑا۔ تو اس کی وضاحت کمپنی کہیں نہیں کرتی ہے کہ کتنا سود اس کے اوپر متوقع تھا اور اس کی رعایت رکھتے ہوئے ہم نے کتنا Premium کم کر دیا ہے، لیکن یہ سمجھا ضرور جاتا ہے کہ اگر غیر سودی ڈبنچر نہ جاری کیا ہو تو Premium کچھ کمپنی نے زیادہ چارج کیا ہوتا۔ اس میں یہ جو حصص سے منسلک ڈبنچر کا مسئلہ آیا، اس میں ایک یہ بھی اختیار ہوتا ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ بھئی یہ جو سودی معاملہ ہے اس سے بالکل بچ جائیں ہم، تو کمپنی یہ کہتی ہے کہ آپ یہ اپنا حق حصص کا اور ڈبنچر کا ملا کے کسی کو بازار میں بیچ بھی سکتے ہیں۔ آپ فارم کے اوپر اپنے دستخط کر کے دید یجئے اس کو، وہ اپنا نام بھر کے جب دے گا ہم اسی کو دیدیں گے یہ آپ کے حصص اور ڈبنچرز، اور اسی سے پیسہ لے لیں گے۔ تو یہ حق جو ہے قابل تبادلہ اور قابل فروخت ہوتے ہیں۔ کوئی آدمی اگر زیادہ احتیاط برتنا چاہے کہ میں یہ قرض تمسک چھوڑ دیتا ہوں اور شیئر سرٹیفکیٹ بھی چھوڑ دیتا ہوں، اس میں جو مجھے پچیس روپئے منافع مل رہا تھا اگر کوئی شخص مجھے دس روپئے منافع دے دے تو میں یہ حق اس کو دے دیتا ہوں، وہ اپنا روپیہ لگائے گا اور پندرہ روپئے منافع وہ شخص اس طرح سے حاصل کرے گا، تو کیا وہ یہ حق اپنا بازار میں بیچ سکتا ہے؟

عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

عرض یہ ہے کہ یہ شیئر ہولڈر کو جو رعایت مل رہی ہے ڈبنچر کی یا حصص سے منسلک ڈبنچر کی، یہ حق صرف رعایت کا ہے، رعایت ہے، باقی اس کو ڈبنچر بھی خریدنا پڑ رہا ہے، کم قیمت میں ہے، اور اسی طرح حصص اور شیئر کو بھی خریدنا پڑ رہا ہے، تو یہ رعایت جو ہے کمپنی کی طرف سے، یہ خالی ایسا حق ہے جو اس پر نہ تو قبضہ ہے یعنی اس کا حق موکد نہیں ہے، یہ شفعہ سے بھی کمزور درجہ کا ہے، یا شفعہ کے مثل ہے، اس کو فقہ حنفی کی رو سے فروخت نہیں کرسکتا ہے۔

احسان صاحب:

یہ ایسا ہے، جو کمپنی کے دس روپے کے شیئر کی قیمت بازار میں نوے روپے ہے اس کی کئی وجوہ ہوتی ہیں، کمپنی ہر سال جتنا منافع کماتی ہے وہ سارا کا سارا تقسیم نہیں کردیتی ہے، وہ اپنے پاس روک کرر کھ لیتی ہے، اس سے اس کی مالیت میں اضافہ ہوجاتا ہے، اور جو کمپنی اب سے چالیس سال پچاس سال پہلے قائم ہوئی تھی اس وقت جو اس نے اثاثے خریدے تھے، زمین اور بلڈنگ میں پیسہ لگایا تھا آج اس کی بھی قیمت زیادہ بڑھ جاتی ہے، تو اس کو بازار میں ایک عوامی آفر دینے کے بجائے کمپنی یہ سوچتی ہے کہ کیوں نہ ہم اپنے پرانے شیئر ہولڈرس کو یہ شیئر جاری کریں اور کچھ کم قیمت پر جاری کریں، تاکہ وہ جو اس سے نکلنا چاہتے ہیں بیچنا چاہتے ہیں وہ اس کو اگر بازار میں بیچ دیں تو وہ اثاثوں کی بڑھی ہوئی قیمت اور اس کا منافع جو رکا ہوا ہے اس طرح اس کو مل جائے گا، کیوں شیئرز کا ایسا طریقہ نہیں ہوتا کہ جو شخص شیئر ہولڈر آگے نہیں رہنا چاہتا وہ کمپنی کو واپس کردے، اور کمپنی اپنی پونجی میں سے نکال کر پیسہ اس کو دے دے، ایسا طریقہ کمپنی میں نہیں ہوتا کمپنی تو یہ کہہ دیتی ہے کہ اگر آپ نہیں بننا چاہتے شریک آگے کے لئے تو یہ اپنا حق شرکت کسی دوسرے کو بیچ دیجئے، جو خرید لے گا وہ شریک کل سے ہوجائے گا اس میں۔

عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

ویسے اگر عدول جائز ہوتو امام مالکؒ کے نزدیک حق شفعہ کو بھی فروخت کرسکتا ہے، اس صورت میں اگر علماء سوچیں تو عدول کے بارے میں یہ ایک صورت ہوسکتی ہے، اس سے پہلے جو سوال تھا کہ ڈبنچر اور یہ اس کو حق ملتا ہے، تو ڈبنچر یہ عقد قرض ہے تو متضمن برحوالہ ہم اس وثیقہ کو خریدنا جائز قرار دیں گے، لیکن اس میں ربا کی شرط ہے، سود بردار ہے، اسی لئے تو یہ ربا کی شرط کی وجہ سے عقد فاسد ہوجائے گا، لیکن اگر خرید لیا تو ملکیت ثابت ہوجائے گی فقہ حنفی کی رو سے، اور وہ شرط فاسد ہوگی، اب وہ فروخت کررہا ہے تو یہ فروخت کرنا بھی درست ہوگا، لیکن کم قیمت میں اگر بیچ کررہا ہے تو پھر یہ بیع فاسد ہوگی، چونکہ قرض کی بیع کم قیمت میں بھی درست نہیں ہے، برابر میں ضروری ہے۔

احسان صاحب:

اس میں ایک شکل یہ بھی آتی ہے، چونکہ ڈبنچر ہاتھ میں آتے آتے چار مہینے یا پانچ مہینے کا وقت لگ جاتا ہے، اور اس کے اوپر سود اسی تاریخ سے جاری ہوجاتا ہے جو کہ اس کی تاریخ اجراء ہے، تو اب بازار میں جب وہ بیچنے کے لئے جاتا ہے، مان لیجئے کمپنی نے کچھ سود ادا کردیا، اس کو مان لیجئے پانچ روپے کمپنی نے سود دے دیا پچاس روپے

والے ڈبینچر پہ، اب اگر اس کا ڈبینچر ۴۵ روپے میں بکتا ہے تو کیا یہ جائز ہوگا کہ وہ پانچ روپے کا خسارہ کمپنی سے ملے سود سے پورا کرلے؟

عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

نہیں یہ درست نہیں معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ عقد جوکی کا ہوا ہے وہ تیسرے آدمی سے ہوا ہے، اور کمپنی کو جو قرض دیا گیا تھا وثیقہ ڈبینچر کے ذریعہ، تو وہ تو باقاعدہ محفوظ ہے اور اخیر میں جاکر کے وصول ہوسکتا ہے جب بھی وہ ڈبینچر ختم ہوگا، تو وہ حوالہ اپنی جگہ میں محفوظ ہے، کمپنی نے کوئی اس کا حق تلف نہیں کیا ہے۔

احسان صاحب:

اب لب لباب یہ ہے کہ کیا علماء اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ حصص سے منسلک ڈبینچر شیئر ہولڈر خرید لے، اگر اس بات کی اجازت نہیں دیتے تو کیا اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ اپنا حق یہ بازار میں بیچ کے فائدہ حاصل کرلے۔

ایک سوال قابل تبدیل ڈبینچرس کا ہے، کمپنی چونکہ اپنا جو حصص سرمایہ ہے اس میں بھی دلچسپی رکھتی ہے اور قرض میں بھی دلچسپی رکھتی ہے، وہ چاہتی یہ ہے کہ سرمایہ حصص کم رہے، قرض زیادہ رہے، یا پہلے قرض مل جائے ہمیں، بعد میں ہم اس کو تبدیل کردیں سرمایہ حصص میں، اس کے لئے کمپنی قابل تبدیل ڈبینچر جاری کرتی ہے جو کہ کچھ عرصہ تک ڈبینچر رہتے ہیں اور وہ عرصہ پورا ہونے کے بعد حصص میں تبدیل کر دیئے جاتے ہیں، اس صورت میں بھی اگر ڈبینچر خرید کے اس کو حصص میں تبدیل کرالیا جائے تو وہ حصص بازار میں بازاری قیمت کے اعتبار سے کم قیمت میں حاصل ہو جاتی ہے تو کیا حصص کا یہ حاصل کرنے کا طریقہ جائز ہوگا کہ پہلے قرض کی صورت میں اس کو رکھا جائے، بعد میں ڈبینچر جو کہ کلی طور سے قابل تبدیل نہیں ہے، جزوی طور سے قابل تبدیل ہے؟ دوسرا حصہ رہ جاتا ہے جو کہ قرض ہی کا ہے، تو اس کو پھر اسی طرح بازار میں بیچنا پڑتا ہے، تو اس کو بازار میں بیچ سکتے ہیں دوسرے حصہ کو یا نہیں بیچ سکتے؟ اور جو سود ملا اس سے تلافی کرسکتے ہیں خسارے کی یا نہیں کرسکتے؟ یا اس کو خیرات ہی کرنا پڑے گا سود کو؟

عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

اس میں جو ڈبینچر Convertible ہے یعنی قابل تبدیل ہے وہ شیئر اور حصص میں تبدیل ہوجائے گا کلی اعتبار سے، ایک مدت کے بعد، یہ ایک صورت ہوئی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جزئی اعتبار سے تبدیل ہوگا، اس کا کچھ فیصد طے ہوگا کہ کچھ حصہ تبدیل ہوگا اور کچھ سود بردار قرض ڈبینچر ہی رہے گا، تو بہر حال ڈبینچر کی کوئی بھی صورت ہو اس میں شرط ربا ہے، ایسی تمسکات اور ایسے وثیقے ہیں جس میں شرط ربا ضرور ہے ڈبینچر کا مطلب یہی ہے، لہذا یہ شرط ہے اس وجہ سے یہ عقد فاسد ہوگا، لیکن خرید لیا تو مالک ہوجائے گا اور جب تبدیل ہوجائے گا شیئر اور حصص میں تو اپنے منافع اور سرمایہ کاری کا باقاعدہ ......ہوگا، لیکن جو جز قابل تبدیل نہیں ہے یا جب تک تبدیل نہیں ہوا ہے اس پر سود حاصل ہوگا، تو وہ سود بہر حال سود ہے، ناجائز ہی رہے گا۔

احسان صاحب:

یہ سوچ کر آدمی خریدے کہ بازاری قیمت سے کم قیمت پہ مل رہا ہے اس لئے میں ڈبینچر لے لوں، اور جو کچھ بھی سود اس کے اوپر ادا کرنا پڑ رہا ہے تو اس کو خیرات کر دوں، تو کیا ایسا جائز ہے؟

ایک آواز:

.....مگر مسائل ظاہرہ میں نیت تو پاس نہیں ہوتی حرام وحلال کے معاملہ میں، نیت سے پاس نہیں کی جا سکتی، آپ جس نیت سے بھی خریدیں وہ سود کا سود رہے گا۔

احسان صاحب:

تو یہ قابل تبدیل ڈبینچر ہے، تو ظاہر ہے کہ اس میں کچھ حصص مضمر ہیں جو کچھ عرصہ کے بعد مل جائیں گے، ان ڈبینچرس کی بازاری قیمت میں بھی اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے، جس کمپنی کے شیئرز اس کے اندر مضمر ہیں جو چھ مہینے بعد یہ شیئرز ملنے والے ہیں، آج بازار میں جو قیمت ہے ان کی اس کے اعتبار سے ڈبینچرس کی بھی قیمت میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے، مان لیجئے کہ وہ اس ڈبینچر میں دو شیئرز مضمر ہیں جو کہ کمپنی پچاس پچاس روپے میں دے رہی ہے، اس میں دس روپے تو شیئر کی قیمت ہے چالیس روپے منافع، اس طرح دو شیئر کی قیمت بیس روپے اور اسی روپے کمپنی کا منافع، اور بازار میں اس شیئر کی قیمت نوے روپے ہے، تو دو شیئرز کو ملا کے اسی روپے کا منافع ہو رہا ہے ڈبینچر ہولڈر کو، اب اگر بازار میں شیئرز کی قیمت نوے روپے سے ۱۵۰ روپے ہو جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ اس ڈبینچر کی قیمت میں بھی اسی طرح سے اضافہ ہوگا، اس ڈبینچر کی قیمت بازار میں بھی ڈیڑھ سو روپے دو سو روپے ہو سکتی ہے، تو کیا یہ جائز ہوگا کہ ڈبینچر شیئر میں تبدیل کرانے سے پہلے ہی اگر اضافہ اس کی قیمت میں ہو جائے تو اس کو اور اضافی قیمت پہ بازار میں بیچ دیا جائے؟.....جو قابل تبدیل ڈبینچر ہیں ان میں کچھ شیئر مضمر ہوتے ہیں جو ایک عرصہ کے بعد ملنے والے ہوتے ہیں .....کمپنی قابل تبدیل ڈبینچر جاری کرتی ہے، وہ یہ کہتی ہے کہ ایک سو روپے کا ڈبینچر چھ مہینے کے بعد دو شیئر میں تبدیل کر دیا جائے گا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ دس روپے کا شیئر ہے، تو کمپنی اس کو چالیس روپے منافع سے دے رہی ہے، دو شیئر کے اوپر کمپنی ایک سو اسی روپے منافع حاصل کر رہی ہے، اور بازار میں ایک شیئر کی قیمت نوے روپے ہے تو یہ دو شیئر ایک سو اسی روپے میں بازار میں بک سکتے ہیں جو کہ اس کو سو روپے میں حاصل ہوئے، اس طرح سے اسی روپے کا منافع متوقع ہے، اب یہ چونکہ متوقع ہے اور چھ مہینے کا فرق ہے، آج ڈبینچر میں اس کا پورا کا پورا اثر نہیں پڑتا ہے، یہ ڈبینچر میں صرف اس میں سے پچاس روپے ہی منافع کا اثر پڑے گا، یعنی یہ جو کمپنی ڈبینچر ایک سو روپے میں دے رہی ہے یہ بازار میں آپ کا آج ہی ایک سو پچاس روپے میں بک سکتا ہے، کیونکہ اس میں جو دو شیئر مضمر ہیں وہ ایک سو اسی میں بک سکتے ہیں، اس میں اسی روپے کا منافع متوقع ہے، لہذا خریدار اس کو تیس روپے کم کر کے پچاس روپے میں لینے کے لئے تیار ہو جائے گا، تو یہ فوراً بھی بک سکتے ہیں جیسے ہی آپ کے ہاتھ میں آئے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم نے یہ سوچا تھا کہ ہم قرض نہیں رکھیں گے، اور حصص میں تبدیل ہونے کے بعد حصص اپنے پاس رکھیں گے، قرض میں جو سود ملا اس کو

بھی بیچ دیں گے، اگر آج ہی ہمیں یہ منافع ہو رہا ہے تو آج ہی یہ ڈبینچر ہم بیچ دیں، اور اس کے اوپر جو منافع ہوا اس کو یہ نہ سوچیں کہ یہ منافع قرض کے اوپر ہوا ہے، بلکہ یہ سوچیں کہ جو حصص اس کے اندر مضمر ہے اس کی وجہ سے یہ منافع ہوا، اور یہ آپ بالکل یقین جانئے قرض کا کوئی بھی رقعہ اس پر کتنا ہی اچھا انٹرسٹ کیوں نہ ہو، کتنا ہی زیادہ سود کیوں نہیں ہو وہ اپنے قدر عرفی سے کم ہی بازار میں بکتا ہے، کیونکہ حصص میں سرمایہ کاری کرنے والے قرض میں سرمایہ کاری کرنا ہی نہیں چاہتے۔ اب اگر وہ زیادہ پر بک رہا ہے تو اپنے اندر حصص مضمر ہونے کی وجہ سے ہی زیادہ پر بک رہا ہے، وہ کسی سود کی وجہ سے زیادہ پر نہیں بک رہا ہے، کیا اضافی قیمت پہ اس ڈبینچر کو بیچنا جائز ہوگا؟

ایک آواز:

بیچنے سے پہلے خریدنے کی بات..... ڈبینچرس جو ملتے ہیں وہ سود کے بغیر ملتے نہیں، اس لئے خریدنا پہلے ٹھیک ہو پھر بیچنے کی تفصیلات ہوں، خریدنا تو درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں بہر حال سود کا تعلق ہے۔

ایک آواز:

یہ کسی خریداری پر ڈبینچر ملتا ہے یا کیا صورت اس کی ہے؟......

احسان صاحب:

نہیں نہیں یہاں مسئلہ یہ آ رہا ہے، کہتے ہیں کہ معاملہ ہی قرض کا ہو رہا ہے، چاہے چھ مہینے کے بعد وہ حصص میں تبدیل ہو، لیکن اس کا اجراء جو ہے وہ سود پر ہے، اصل مسئلہ....

ایک آواز:

نہیں ڈبینچر کی تعبیر قرض بالربا سے ہے، قرض ربوی کو ڈبینچر کہتے ہیں۔

ایک آواز:

صحیح فرمایا انہوں نے کہ یہ سب ذیلی سوالات ہیں، بنیادی سوال تو یہ ہے کہ ڈبینچر خریدنا جائز بھی ہے یا نہیں؟

کھکھٹے صاحب:

دیکھئے اس وقت ہم ڈبینچر خریدنے کی بات کر رہے ہیں جہاں ہمارے پاس پہلے سے اس کے حصص موجود ہیں، اور ہم ڈبینچر خریدنا نہیں چاہ رہے ہیں.... ہم اسی وقت ڈبینچر خرید رہے ہیں جبکہ ہمارے پاس اس کمپنی کے حصص ہیں، اور اگر ہم یہ ڈبینچر نہیں خریدیں گے تو اس میں ہم کو ناحق نقصان ہوگا، کیونکہ ڈبینچر کے اجراء کے بعد شیئر کی قیمت گرے گی، لازماً گرے گی، تو اگر یہ ڈبینچر کے جاری ہونے میں ہم حصہ نہیں لیں گے اور وہ ڈبینچر لے کے پھر بعد میں اس کو شیئر میں تبدیل نہیں کریں گے یا بازار میں نہیں بیچیں تو پھر ناحق آپ کو نقصان ہوگا۔

احسان صاحب:

میں اس کی ذرا سی وضاحت کر دوں، کمپنی اپنا منافع جو شیئر ہولڈرس میں تقسیم کرتی ہے، اس کی کوئی ایک

شکل نہیں ہے، دو تین شکلیں ہیں، ایک شکل تو یہ ہے سیدھا سادا کہ کمپنی کو مان لیجئے ایک کروڑ روپے منافع ہوا، تو کمپنی نے یہ مناسب سمجھا کہ اس میں سے ستر لاکھ شیئر ہولڈرس میں تقسیم کر دیا جائے، تیس لاکھ کمپنی کے کاروبار کو مزید بڑھانے کے لئے اپنے پاس روک لیا جائے، ایک طریقہ یہ ہوا۔ اب یہ رکا ہوا منافع جب اکٹھا ہوتا چلا جاتا ہے اور کمپنی یہ بھی محسوس کرتی ہے کہ جو ہمارے پرانے شیئر ہولڈرس ہیں انہوں نے جب شیئرز خریدے تھے اور ان کے سرمایہ سے کمپنی نے جو اثاثے خریدے تھے آج اس کی قیمت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے، تو کمپنی Bonus Share بھی جاری کر دیتی ہے، بونس شیئر کا مطلب یہ کہ ایک شیئر کسی کا بھی ہو وہ ایک تناسب فکس کر دیتی ہے، ایک کے اوپر ایک بونس، یا دو کے اوپر ایک بونس، یا پانچ کے اوپر تین بونس، یا پانچ کے اوپر دو بونس، مطلب ایک شیئر کسی کے پاس پہلے سے ہے، کمپنی نے ایک شیئر مفت میں اس کو دیدیا کہ آپ کا جو حصہ تھا اس کو ڈبل کر دیا جو منافع اکٹھا ہوا تھا اس کے عوض ایک شیئر اور جاری کر دیا، اس کو بونس شیئر کا طریقہ کہتے ہیں۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ کمپنی مفت میں شیئرز نہ جاری کرے لیکن بازاری قیمت سے کم قیمت پر حصص جاری کر دے، ایک طریقہ یہ ہوا، یہ بھی منافع تقسیم کرنے کا طریقہ ہے..... ایک طریقہ تو بونس شیئر ہے وہ مفت شیئر کا ہے، دوسرا افری شیئر بطور حق جاری کرے کہ جو پرانے شیئر ہولڈرس ہیں انہیں کا یہ حق ہے، آگے وہ شیئر ہولڈر..... بجائے اس کے کہ کمپنی ایک عوامی آفر دیدے، عوامی ایجاب دے کہ جس کی مرضی چاہے وہ Apply کر دے اور شیئر ہولڈر بن جائے، اس کے بجائے کمپنی یہ سوچے کہ ہم اپنے پرانے شیئر ہولڈرس کو ہی شیئر ہولڈر بنائیں تا کہ جو نوے روپے کا شیئر ہے ان کو اگر ہم پچاس روپے میں دیں تو چالیس روپے ان کو پھر بھی منافع ہو جائے گا۔ اس طرح کمپنی بطور حق بازاری قیمت سے کم قیمت پہ شیئر کا اجراء کرتی ہے، یہ بھی منافع کی تقسیم کا ایک طریقہ ہے، اس میں یہی بطور حق ڈبنچر سے منسلک کر کے بھی کر سکتی ہے، کمپنی یہ تو ارادہ ہے کہ منافع کچھ تقسیم ہو جائے لیکن ہمیں قرض بھی مل جائے، یہاں مجبوری آجاتی ہے غیر سودی کاروبار کرنے والے کی، وہ حصص تو لینا چاہتا ہے ڈبنچر نہیں لینا چاہتا، اس کے لئے اجازت چاہئے تھی کہ فی الحال اس کو اس شرط سے حصص مل رہے ہیں کہ ڈبنچر بھی وہ لے تو وہ اپنا منافع حاصل کرنے کے لئے دونوں چیزیں لے لے اور ڈبنچر کو وہ فروخت کر دے، اور وہ خسارہ سے ہی فروخت ہوگا لیکن یہ مجموعی خسارہ جو مجموعی منافع ہے اس کا اس سے نہیں بڑھے گا، اس لئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے ایک قرض کو کم قیمت پہ جو فروخت کیا اس نے سود ادا کیا، کیوں کہ ابھی بھی کم قیمت پہ فروخت کرنے کے بعد اس کو منافع بچ رہا ہے، خالص خسارہ اگر ہو جائے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے سود ادا کیا، تو یہ بطور حق جو ہے یہ بھی ایک منافع تقسیم کرنے کا طریقہ ہے، اس میں اگر وہ اپنا حق نہیں استعمال کرے گا تو اس کے ہاتھ میں جو پرانے شیئرز ہیں اس کی بھی آگے چل کر قیمت گر جائے گی جبکہ نئے شیئرز بازار میں آجائیں گے، عام حالات ایک سے رہنے کے باوجود بھی اس کی قیمت اپنے حصص کی گر جائے گی، اور اسی کا ایک طریقہ جو Convertible Debenture جاری کرنے کا ہے، Convertible Debenture بھی کمپنی ایک عرصہ تک اس کو قرض رکھتی ہے اور پھر حصص میں تبدیل کر دیتی ہے، لیکن وہ بھی بازاری قیمت سے کم دے رہی ہے اور اپنے ہی پرانے شیئر ہولڈرس کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے دے رہی ہے۔ اس کے بھی

خریدار بازار میں بہت مل جائیں گے، اور اس کی قیمت اجراء سے کہیں زیادہ پہ خریدار مل جائیں گے، وہ فوراً بازار میں بک سکتا ہے، تو اس طرح سے بھی وہ کمپنی اپنے پرانے شیئر ہولڈرس کو فائدہ پہنچانا چاہتی ہے۔

اب حصص کی خرید وفروخت کا معاملہ آتا ہے، تو حصص خریدنے والے دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں: ایک ایسے لوگ ہوتے ہیں جو حصص کو حصص بازار سے خرید لیں اور اپنے نام منتقل ہونے کے لئے کمپنی کے پاس بھیج دیں، حصص کو حصص بازار خریدنے کے بعد حصص کا مالک تو بن جاتا ہے، ان حصص کو حصص بازار میں بیچ بھی سکتا ہے لیکن کمپنی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا جبتک کہ وہ اپنے نام پہ حصص منتقل نہ کرالے اور کمپنی کے رجسٹر میں اس کا حصص برداروں میں نام نہ آ جائے، تو کیا یہ طریقہ جائز ہے کہ حصص کو مال تجارت کی طرح بازار سے خریدا جائے اور بغیر اپنے نام منتقل کرائے جب بھی اس کی قیمت میں اضافہ ہو جائے اس کو بیچ دیا جائے؟ یا ضرورت پڑنے پر کم قیمت پہ بھی بیچا جائے، یہ تو تجارت ہے مال کم قیمت پہ بھی بک سکتا ہے اور زیادہ قیمت پہ بھی بک سکتا ہے۔

ایک آواز:

کیا نام پہ منتقل کئے بغیر خریدنے کا Authorise ہے۔

احسان صاحب:

اس حصص کا وہ مالک بن جاتا ہے بازاری اعتبار سے، لیکن کمپنی کی نظر میں وہ مالک تب تک نہیں جب تک کہ کمپنی کے رجسٹر میں اس کا اندراج نہ ہو جائے، اور اس میں تین مہینے کا عرصہ کم سے کم لگتا ہے، اور تین مہینے میں دس بار بازار میں اتار چڑھاؤ آ جاتے ہیں۔

ایک آواز:

تو گویا کہ یہ بالائی خرید وفروخت ہے۔

احسان صاحب:

ہاں، تو بہت سے لوگ حصص کو اس نیت سے خریدتے ہیں کہ جب اس کی قیمت بڑھے گی اس وقت ہم فروخت کر دیں گے، کچھ لوگ باقاعدہ کمپنی کے ممبر بننا چاہتے ہیں، اپنے نام درج کراتے ہیں، کمپنی سے جو فائدے حاصل ہوتے ہیں وہ ان کو ملتے رہتے ہیں، اور جو حصص مال تجارت کی طرح خریدے بیچے جاتے ہیں، اس میں کمپنی سے اس کو براہ راست کوئی فائدہ نہیں ملتا ہے۔

ایک آواز:

اس میں ایک شق یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس نے شیئر کمپنی سے باقاعدہ Nomination کے بعد خریدا، اس کو خریدنے کے بعد اس نے بالائی طور پر فروخت کر دیا، اور دوسرے خریدنے والے نے اپنا Nomination نہیں کیا، رجسٹریشن نہیں ہوا اس کا، اگر اس بیچ میں کمپنی سے کوئی منافع ہوا تو اس منافع کا کون حقدار ہوگا۔

احسان صاحب:

اس میں کمپنی ایک تاریخ کا تعین کرتی ہے اور کافی وقت دیتی ہے، جو منافع اس کو دینا ہوتا ہے وہ ایک مہینہ پہلے دو مہینے پہلے ہی بتا دیتی ہے کہ فلاں تاریخ تک جو ہمارے ممبر ہوں گے یہ منافع ہم ان ہی کو دیں گے، اور جو لوگ حصص خرید کے اس تاریخ سے پہلے پہلے کمپنی کے پاس بھیج دیں گے، ان کو منافع آئے گا، اور جس نے حصص خرید تو لئے لیکن کمپنی کو نہیں بھیجا تو منافع پرانے آدمی کو پہونچے گا، اس کے ہاتھ میں نہیں آئے گا، لیکن بازاری عرف میں وہ اس کا مالک ہوگا جب وہ چاہے گا اس کو فروخت کردے گا۔

ایک آواز:

تو اس میں یہ خریدنے کے بعد دوسرا آدمی اس شیئر کا مالک ہو گیا اور ملکیت کے ختم ہونے کے بعد جو اس سے متعلق منافع ہیں وہ تو اسی بعد والے آدمی کو ملنا چاہئے۔

احسان صاحب:

لیکن جو ایک تاریخ کا تعین رہتا ہے تو اس میں ایک دو مہینے کا وقت رہتا ہے، کافی لوگ سوچ لیتے ہیں کہ ہم خرید لیں اس کو، اور اس کو بھیج دیں گے وہاں، لیکن پھر بھی آخری تاریخ تک لوگ انتظار کرتے ہیں اس بات کا کہ اچھا ہے بازار میں قیمت بڑھ جائے تو میں اس کو نہ بھیجوں، بازار میں ہی بیچ کر آج ہی پیسہ............ سے پہلے واپس نہیں آئیں گے اور بازار میں قیمت بڑھنے کے باوجود بھی میں اس کو نہیں بیچ پاؤں گا۔

شمس پیرزادہ صاحب:

بھئی جب تک ٹرانسفر نہیں ہوتا شیئر اس کے نام پر وہ مالک کہاں سے ہوا کہ وہ فروخت کردے؟

احسان صاحب:

مالک سرٹیفکیٹ سے ہو جاتا ہے، بیچنے والا شیئر کے ساتھ ایک فارم بھی اس کو دیتا ہے، اس فارم پر دستخط کر دیتا ہے، اس دستخط کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ آج میں نے سارے حقوق اس کو دوسرے کے نام منتقل کر دیئے جس کو ڈیلیوری دے رہا ہوں جس کے قبضہ میں دے رہا ہوں، اپنے حقوق وہ اس کو دے رہا ہے، وہ آگے جس کو اس کے قبضہ میں دے گا وہ اپنے حقوق اس کو دیدے گا۔

شمس پیرزادہ صاحب:

مگر اس نے اپنے حقوق جو منتقل کرنا چاہا اس کو کمپنی نے ابھی تسلیم ہی نہیں کیا اور اس سے پہلے وہ فروخت کرتا ہے، اور کیا اس وقت جو سٹہ چل رہا ہے، Forward Trading ہو رہی ہے، اور ابھی حکومت نے کچھ قانونی پابندی بھی اس پر عائد کر دی ہے، یہی شکل نہیں ہے وہ؟

احسان صاحب:

وہ دوسری شکل ہوتی ہے جو سٹہ کی ہوتی ہے، سٹہ کی شکل یہ ہے کہ حصص بازار نے اس بات کی کچھ شیئرز کے

معاملہ میں گنجائش رکھی ہے کہ اگر آپ کے ہاتھ میں حصص نہیں ہے اور آپ کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان حصص کی قیمت گر جائے گی تو آپ اس کو بیچ دیجئے، اور ایک وقت سیٹلمنٹ کا ہوتا ہے، ایک وقت مقرر ہوتا ہے کہ اس کے اندر اندر آپ دیدیجئے حصص، اگر آپ نہیں دیدیتے ہیں تو وہ سودا آپ کا ٹرانسفر کردیتے ہیں اگلے وقفے کے لئے، اور اس طرح سے وہ سالہا سال سودا آپ کا ٹرانسفر ہوتا رہتا ہے اگلے وقفے کے لئے، لیکن اس وقفہ میں حصص کی قیمت میں جو اتار چڑھاؤ آیا اس کے مطابق وہ آپ کا Clearance چاہتے ہیں، اگر واقعی شیئرز کی قیمت گر گئی تو آپ کو Deference مل جائے گا، اور اگر قیمت بڑھ گئی تو آپ کو اس میں Deference جمع کرنا پڑے گا، سٹہ بازاری یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس پوری قیمت ادا کرنے کے لئے پیسہ نہیں ہے، اس کو گنجائش ہے کہ کچھ کم پیسہ دیدیجئے آپ، سودا آپ کا کردیں گے، باقی شیئر جب آپ کے ہاتھ میں آجائے تب دیدیجئے، لیکن وہ پھر بھی منع کردیتا ہے کہ میرے پاس ابھی پیسہ نہیں ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب وقفہ کا جو نفع نقصان ہوا وہ دے جایئے ہمیں، سودا آپ کا کھڑا رہا اگلے وقفہ کے لئے، تو وہ سالہا سال تک چلتے رہتے ہیں، یہ صورت بالکل دوسری ہے، یہاں حصص پاس ہے ہمارے، اور اس کو ہم دوسرے کو ڈلیوری بھی دے رہے ہیں، قبضہ بھی دے رہے ہیں اور اپنا پیسہ لے رہے ہیں، یہ سٹہ بازاری میں نہیں آتا، یہ تو اصل مال کا سودا ہے۔

مفتی عزیز الرحمٰن چمپارنی صاحب:

بہر حال یہ جو شیئرز کے بالائی خرید و فروخت کا مسئلہ ہے اس میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بالائی خرید و فروخت سے حق ملکیت منتقل ہوجائے گی، گو کہ بینک کے رجسٹر میں وہ بعد والا آدمی رجسٹرڈ نہیں ہوا ہے، اور حق ملکیت کے منتقل ہونے کے بعد حق نفع کا بھی وہی حقدار ہوگا، اور یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ فقہاء کی بعض عبارتوں سے ایسا معلوم بھی ہوتا ہے، جیسے زمین کسی شخص نے اگر خریدی اور اس میں کوئی درخت ہے تو اس زمین کی بیع کے بعد اس کا جو درخت ہے، یا اور اس سے کچھ متعلق چیز ہے، اگر اس زمین میں ہے تو اس کا وہی حقدار ہوگا یعنی مشتری، تو پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ اس اشترائے بالائی کے بعد یعنی آؤٹ خرید و فروخت جو ہوا ہے بالائی طور پر، اس سے حق ملکیت منتقل ہوتی ہے کہ نہیں، اس پر غور کرنا چاہئے۔ اگر منتقل ہوجانا تسلیم ہے تو حق نفع منتقل ہونے کے لئے فقہاء کی عبارتیں اور اس کے شواہد مل جائیں گے۔

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

عرض یہ ہے کہ یہ شیئر اور حصص جو بازار میں آئے ان کے نمبر ہوتے ہیں، شیئر کے نمبر بھی ہوتے ہیں، اور شیئر بازار کا ایسا اصول ہے کہ وہ شیئر بازار کی جو خاص مارکیٹ ہے وہیں فروخت ہوں گے، اور جب فروخت ہوں گے تو خاص ایجنٹ ہوں گے ان سے رسید کٹوائیں گے، ایک رسید ایجنٹ کے پاس رہے گی، ایک رسید جو ہے خریدنے والے کے پاس رہے گی، اور جو فروخت کرے گا وہ فروخت کرنے والا دستخط کر کے ایک فارم پہ دے گا، یہ تمام جو ہے یہ عقد کرنے اور خرید و فروخت کے لئے سارے ثبوت ہیں۔ دوسری قانونی بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ کمپنی شیئر کے بارے میں مطلقاً قانونی اجازت دیتی ہے کہ جو چاہے خرید و فروخت کرے، اور جس کا قبضہ ہوگا اور جو اخیر میں سال میں

ایک مدت ہے جو ہمارے سامنے آئے گا تو ہم اس کو منافع دیں گے، جس کا رجسٹریشن یعنی کاغذی کارروائی ہوگی، تو اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ قانونی اعتبار سے اس کو اجازت مل گئی ہے خرید وفروخت وغیرہ کی، اور شرعی اعتبار سے ہم یہ سوچیں کہ یہ جو وثیقہ ہے اور جو حصہ اس کا کمپنی میں لگا ہوا ہے تو یہ اس کا وثیقہ ہے اور سامان تجارت کی طرح اس کی خرید و فروخت کرسکتا ہے۔

احسان صاحب:

یہ اس کی دوسری مثال جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا زمین کے کاغذات کی ہے کہ بیع نامہ تو ہوتا رہتا ہے، بیع نامہ ہو جاتا ہے لیکن جب تک اس کی رجسٹری نہیں کرالی جائے اور اندراج نہ کرایا جائے کھسرا کھاتہ میں نام پرانے ہی مالک کا چلتا رہتا ہے، اسی طرح کمپنی میں بھی پرانے مالک کا نام چلتا رہتا ہے جب تک کہ اس کا اندراج نہ ہو جائے، جب کہ سودا تو بیع نامہ کی رو سے ہو ہی جاتا ہے۔

شمس پیرزادہ صاحب:

مگر رجسٹری میں اور اس معاملہ میں فرق ہے، رجسٹری کا معاملہ ایک اندراج کا معاملہ ہوتا ہے، اور یہاں کمپنی سے براہ راست معاملہ ہے کہ کمپنی شریک کس کو قرار دے رہی ہے؟

احسان صاحب:

دیکھئے کمپنی تو اسی کو شریک تسلیم کرے گی جس کا نام اس کے رجسٹر میں درج ہے، لیکن جو خریدار ہے، بیچنے والا ہے اس نے اپنا سرٹیفکیٹ ایک اور فارم کے ساتھ جس پر یہ لکھا ہوا ہے کہ میں اپنے کلی اختیارات اس سرٹیفکیٹ کے ساتھ دوسرے آدمی کو بیچ رہا ہوں، تو ایسی حالت میں وہ مالک تو ہو جاتا ہے، اس کا اندراج ابھی کمپنی کے رجسٹر میں نہیں ہے، اگر وہ آدمی جلدی سے کسی دوسرے کو نہیں بیچنا چاہتا، کمپنی میں اپنا اندراج چاہتا ہے تو کرالے اندراج، اور اگر وہ چاہتا ہے کہ بازار میں قیمت اس کی بڑھ گئی، میں کسی دوسرے آدمی کو اپنے حق کو منتقل کر کے منافع کمالوں، بیچ لوں، تو وہ مال تجارت کی طرح اس کی خرید وفروخت ہے، تو یہی دو شکلیں ہیں کہ ایک ایسا شخص ہے جو کہ باقاعدہ ممبر بنتا ہے اور اس کو رکھتا ہے اپنے پاس، اور ایک ایسا شخص ہے جو اس کو جنس تجارت کی طرح خرید وفروخت کرتا ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

....تو وہ کس حیثیت میں ہوگا؟

احسان صاحب:

اس کو سارے اختیارات مل جاتے ہیں اس کے ہاتھ میں قبضہ آنے کے بعد، اور وہ چاہے تو کمپنی میں اپنا نام اندراج کرالے یا دوسرے کو منتقل کردے اپنا نام اندراج کرانے کا حق۔

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

وضاحت طلب یہ ہے کہ یہ شیئر ایک سال میں جاری ہوئے، کسی بھی کمپنی کے جاری ہو گئے، تو اس سال تو

ایک خریدار کے نمبر رجسٹریشن ہوگئے، اب وہ دوسرا سال ختم ہوگیا، تو وہ مدت جب آتی ہے منافع تقسیم کرنے کی تو باقاعدہ
پھر کارروائی ضروری ہے ...... تو اس کارروائی کا بعد جو آخری نام آیا، اور پھر دوسرے سال کی خرید وفروخت چلت رہے گی، تو
اس میں یہ جانچ پڑتال جو کرتے ہیں تو اس کی کیا شکل ہے؟

احسان صاحب:

اس میں دیکھیے، ملکیت تو بازار سے خریدنے کے بعد دوسرے کی ہوجاتی ہے اور کمپنی میں نام پرانے آدمی کا ہی
درج ہے، تو جو منافع اس کو ملے کمپنی سے اس کا وہ قانونی مالک نہیں ہوتا، اور یہ شخص چاہے تو عدالت سے وصول کرسکتا ہے،
لیکن وہ منافع اتنا قلیل ہوتا ہے کہ اس کے لیے کوئی آدمی عدالت سے رجوع نہیں کرنا چاہے گا، اخلاقی طور سے کچھ رواج ہے
، کچھ جان پہچان کے لوگ ایسے بھی ہیں جو اخلاقی طور سے وہ منافع اس کو دے دیتے ہیں کہ کمپنی سے چونکہ میرا نام اس میں
درج تھا، میرے پاس آیا ہے یہ، لیکن یہ حق آپ کا ہی ہے، کمپنی جو ہے وہ مجبور ہے اسی آدمی کو دینے کے لیے جس کا نام رجسٹر
میں درج ہے، لیکن اگر وہ پہلے بیچ چکا ہے اپنے اختیارات دوسرے کو دے چکا ہے یہ اس سے وصول کرسکتا ہے اور، وہ منافع
اتنا کم ہوتا ہے کہ اس کو سارے لوگ نظر انداز ہی کردیتے ہیں، چلیے تھوڑا بہت ہے گیا اس سال کا، اگلے سال کے لیے ہم
گرائیں گے، کیوں کہ روزانہ جو قیمتوں میں فرق ہوتا ہے وہ کہیں زیادہ ہوتا ہے منافع سے، منافع تو ایک شیئر پہ مان لیجیے
پچیس روپے ملا، تو اس کے بازار میں جو قیمتوں میں اتار چڑھاؤ ہے اس کا کہیں دوسو روپے تین سو روپے اس شیرز کی قیمت
میں اتار چڑھاؤ ہوگا، جیسے مان لیجیے ACC ہے، اس کی تین ہزار روپے قیمت ہے بازار کی، منافع مشکل سے وہ پچیس
روپے دیتی ہے ایک شیئر پر، اور قیمت تین ہزار روپے ہے، اور اس کی جب پیچھے مارکیٹ گری تھی اس کی پندرہ سو ساڑھے
پندرہ سو روپے قیمت رہ گئی تھی، اب جب مارکیٹ بڑھنی شروع ہوئی ہے تو اس کی تین ہزار روپے قیمت بڑھ گئی ہے، یہاں
پچیس روپے کو کوئی نہیں گرداننا، ہر آدمی چھوڑتا ہے کہ جانے دیجیے اس کو، اب ہم مارکیٹ میں جو منافع مل رہا ہے اس کو لے
لیتے ہیں، یا ہمارے جو تین ہزار روپے کے پندرہ سو روپے رہ گئے تھے وہ پچیس روپے اور برداشت کرلیں گے۔

مفتی عزیز الرحمن صاحب:

اس بیان سے یہ سمجھ میں آیا کہ جو شیئر کے Document ہوتے ہیں وہ ایک وثیقہ ہے، تو اصحاب فقہ و
فتاویٰ کے لیے محلِ غور ہے کہ اس وثیقہ کی متزاد قیمت پر بیع وشراء جائز ہوگی یا نہیں؟

احسان صاحب:

دیکھیے قرض کا معاملہ نہیں ہے اس میں بالکل بھی، یہ ایک حصہ ہے ....

فتی یوسف جودھپوری صاحب:

سوال صرف اتنا ہے کہ مثلاً مارچ میں منافع تقسیم کرنے کی میعاد ہے، شیئر ایسے ہیں کہ مارچ میں ......
س آئیگا کہ اس کی اطلاع کردیں کہ کون اس کا آخری مالک ہے تو اب یہ آخری اطلاع نہیں پہنچی یا پہنچ جاتی ہے تو

سابق جو مالک تھا جس کے نام وہ شیئر تھا تو اس کا اعتبار کمپنی کے نزدیک کیا ہے، مارچ کے بعد یا مارچ سے پہلے؟

احسان صاحب:

کمپنی کے رجسٹر میں اس کی حیثیت مالک کی ہی ہے (مارچ کے بعد بھی وہی رہے گی؟ اصلی صاحب) ہاں اسی کی رہے گی جب تک کیہ ئی نیا آدمی اپنا اندارج نہیں کرالے گا، لیکن مارکیٹ کے اعتبار سے نیا آدمی مالک ہوگا ئی، اور یہ اپنا نام اندارج کراسکتا ہے جب چاہے، اور اس کو کسی دوسرے آدمی کو بھی بیچ سکتا ہے انہیں اختیارات کے ساتھ میں۔

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

مارکیٹ کے اعتبار سے یہ اس کا مالک ہوگیا؟

احسان صاحب:

مالک ہوجاتا ہے، جس نے قیمت ادا کرکے وہ چیز خریدی ہے وہ اس کا مکمل مالک ہوتا ہے، اس کی قیمت ادا کرنے کے بعد جس نے قبضہ حاصل کرلیا وہ اس کی ملکیت مکمل ہوگئی، دو شرطیں ہیں: قیمت کے عوض قبضہ، اب ایک سوال اس میں ایسا ہے جو قابل غور ہے، جیسے کہ ہم نے یہ چاہا کہ مالک بنیں ہم اس کے، اور باقاعدہ کمپنی سے جو منافع مل رہا ہے وہ سیدھا ہمارے پاس آئے، تو ہم اس کو ٹرانسفر کے لیے بھیج دیتے ہیں، کمپنی تین مہینے کا وقت لگاتی ہے، کبھی کبھی چار مہینے کا چھ مہینے کا سات مہینے کا، اور ارادۃً بھی کمپنی زیادہ وقت لگا دیتی ہے، کیونکہ کمپنی جو ہے اس کے فیصلے بھی لوگوں کے فیصلے کے اوپر منحصر کرتے ہیں، اور جو لوگ فیصلہ کرنے والے ہیں وہ بھی شرز ہولڈر ہوتے ہیں کافی، تو کبھی کبھی وہ مصنوعی قلت پیدا کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں بازار کے اندر، تاکہ حصص کی قیمت بڑھ جائے، وہ رکوا بھی دیتے ہیں اس کو، اب ایسے میں بازار کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ بازار میں شیئر کی قیمت بڑھ گئی، ہم نے شیئرز کمپنی کو بھیج دیے، ہمارے ہاتھ میں شیئرز نہیں، ہم مالک ہیں، اور جب بھی وہ شیئرز ہمارے ہاتھ میں آئیں گے ہم اس کو بیچ سکتے ہیں، لیکن ہم آج کی قیمت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، اب چونکہ حصص بازار میں اس بات کی گنجائش رکھ دی گئی ہے کہ اگر آپ کے ہاتھ میں حصص نہیں بھی ہیں تو آپ یہاں سودا کرسکتے ہیں، اور جب آپ کے حصص آجائیں ہاتھ میں تب اس کو ڈال دیجیے اور اس کی قیمت بعد میں لے لیجیے، تو میرا کوئی ارادہ اسے سٹہ کرنے کا نہیں ہے میں ایسا مالک نہیں ہوں جس نے سرے سے شیئرز خریدے ہی نہیں، میں تو ایسا مالک ہوں کہ جس نے شیئرز خریدے ہیں، اس کی قیمت بھی میں نے ادا کردی ہے، میری مجبوری صرف یہ ہے کہ میں نے اس کو اپنے نام منتقل کرانے کے لیے بھیجے ہیں، اور جس کی واپسی تین مہینے سے پہلے ممکن نہیں، اور بازار ان شیئرز کی واپسی کا انتظار نہیں کرسکتا، میں تو چاہتا ہوں آج ہی بیچنا اس کو ، لہٰذا مستقل بازار میں میں نے یہ کہہ کر بھیج دیا کہ میرا سودا آج پکا کردیا جائے آج کے Rate پر، جب میرے پاس شیئرز آئیں گے میں شیئرز ڈال دوں گا، پیسہ اپنا اسی وقت لے لوں گا، تو بازار کے اصولوں میں اس بات کی گنجائش ہے، کبھی کبھی شیئرز کی بہت زیادہ قلت ہوتی ہے تو بازار اس کے اوپر جرمانہ تو ڈال دیتی ہے کہ آپ جرمانہ ادا کیجیے،

اس کا، آپ نے کہا تھا کہ میں شیئرز دوں گا اور وقت مقررہ پر آپ نے نہیں دیا، لیکن یہ کیفیت بہت کم آتی ہے، سو میں سے پانچ فیصدی جس کے امکانات ہیں، کہ اتنی قلت ہو جائے کہ اس میں تاوان پڑے، نہیں تو کوئی تاوان بیچنے والے کو نہیں پڑتا عموماً، تو کیا ایسا جائز ہوگا کہ میں آج کے Rate پر اپنا سودا کر کے منافع محفوظ کرلوں، اور جب میرے پاس حصص آجائیں تو میں اس کو حصص کی حوالگی کر کے قیمت وصول کرلوں آج کے Rate سے۔

مفتی یوسف جودھپوری صاحب:

یہ وثیقے جو ہیں یہ ایجنٹ کے اعتبار سے، خرید و فروخت کے اعتبار سے ہیں، اب وہ وثیقہ جو ہے صرف کمپنی میں پہنچا ہے، اور اتفاقی طور پر ایسا ہوسکتا ہے کہ رک جائے، باقی کوئی لازم نہیں کہ رک جائے گا (نہیں تین مہینے تو لگ ہی جاتے ہیں۔ احسان صاحب) وہ ٹائم اپنی جگہ پر ہے، تو یہ وثیقہ ہے، اب اس وثیقہ کی حیثیت صرف یہ ہے کہ فقہی اعتبار سے کہ یہ جو کمپنی میں مال ہے اور جائداد ہے غیر منقولہ اور منقولہ، دونوں کے وہ حصہ دار ہیں، ہر چیز میں اس کا حصہ ہے، تو غیر منقولی جائداد جو ہے وہ تو قبضہ کے بغیر بھی فروخت کرنا جائز ہے فقہی اعتبار سے، اور جو منقولی جائداد ہے اس میں قبضہ شرط ہے، تو اب ی وثیقہ تو خالی کاغذ ہے جو پہنچا ہے، باقی جو حق ہے اصل کمپنی کے اندر جائداد، تو اس میں دو شکلیں نظر آرہی ہیں، منقولہ اور غیر منقولہ، تو اس اعتبار سے سوچنا چاہیے کہ منقولہ جو جائداد ہے اس کے قبضہ کے بغیر کیا ہوگا؟ یہ صورت سوچنی چاہیے فقہی اعتبار سے۔

احسان صاحب:

یہ تو اصل میں شرکت کا ایک حصہ ہے، ایک جز ہے، جو کچھ بھی اس میں منقولہ اور غیر منقولہ مشترک جائداد ہے اس کا ایک جز ہے، یوں سمجھئے، اور اس جز کی ہی خرید و فروخت ہوتی ہے، اس کے شرکاء بدلتے رہتے ہیں، کمپنی کا ڈھانچہ ایسا ہی بنا رہتا ہے شرکاء میں تبدیلی آتی رہتی ہے، وہ اپنے حق شرکت منتقل کرتے رہتے ہیں، تو اس میں کوئی منقولہ اور غیر منقولہ کا فرق نہیں ہے، یہ ایک مکمل شرکت کا جز ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب:

نہیں مقصد یہ کہ یہ جو شیئر ہے تو یہ تو منقولہ ہے نا، یہ کہنے کا مطلب ہے۔

احسان صاحب:

نہیں شیئر تو بذات خود منقولہ ہے، اس پر نمبر پڑا ہوا ہے نام بھی لکھا ہوا ہے، لیکن یہ ہے کہ سودا جو بازار میں ہوتا ہے اس کی شکل دوسرے ہوتی ہے، سودا جب بازار میں ہوتا ہے تو اس میں نمبر نہیں دینے پڑتے، اس میں تو صرف ہم نے ایک سو شیئر بیچے یہی کہنا پڑتا ہے، اس کمپنی کے ایک سو شیئر بیچ دیئے، اب وہ کسی بھی نمبر پہ آپ دے دیجیے، آپ کے اپنے نہیں ہیں کسی دوسرے کا دے دیجیے، تب بھی آپ کو پیسہ مل جائے گا، جب آپ کے اپنے آئیں اس شخص کو دے دیجیے واپس۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاب:

نہیں سوال یہ ہے کہ یہ شیئر، اس کی خرید و فروخت Property Base پر ہوتی ہے یا صرف وثیقہ اور

Documents کی بنیاد پر ہوتی ہے۔

احسان صاحب:

یہ دیکھیے قیمت میں جو اضافہ ہوتا ہے یہ توProperty Base ہے اس کا، اور کمپنی سے آگے فائدہ کی کتنی توقع ہے اس سے قیمت کا تعین ہوتا ہے، جیسے آج ایسی کمپنیز بھی ہیں جو کہ فی الحال خسارہ میں چل رہی ہیں، لیکن اگلے دو سال میں تین سال مین ان سے بہت زیادہ منافع کی امید ہے، ان کا شیئر خسارہ میں ہوتے ہوئے بھی اپنی قدر عرفی سے زیادہ قیمت پہ بازار میں بل رہا ہے، یہ تو پورا بازار جو ہے آس اور یاس کا بازار ہے، آج کسی کمپنی کی مالی طور سے حالت بہت اچھی ہے لیکن گورنمنٹ کی پالیسی ایسی آگئی کہ اگلے دس سال میں اس کو منافع نہیں ہوگا، تو مالی استحکام کے باوجود بھی اس کی قیمت اس کے قدر عرفی سے نیچے چلی جائے گی، اور آج جو خسارہ میں کمپنی ہے اس سے اگر زیادہ امیدیں ہیں تو اس کی قیمت بھی بڑھ جائیگی، یہ تو ہر مال کے لیے جو بھی مال آپ خرید رہے ہیں بازار میں، ان ہی وجوہات کی بناپر آپ یہ سوچتے ہیں کہ مستقبل میں اس کی قیمت میں اضافہ ہوگا...... ابھی جو اخیر میں میں نے سوال پیش کیا اس میں یہ بات ہے کہ حصص کا میں مالک ہوں لیکن میرے ہاتھ میں حصص نہیں ہیں، کمپنی کو میں نے بھیج دیئے ہیں، اور بازار مین اس بات کی گنجائش رکھی ہوئی ہے کہ آپ کے ہاتھ میں حصص نہ ہو تو بھی مستقبل بازار مین آپ اس کو بیچ سکتے ہیں، اگر میں مالک نہیں ہوں اور میں نے اس کی قیمت ادا نہیں کی، میں مستقبل بازار میں بیچ دیتا ہوں اس امید پہ کہ کل قیمت گرے گی، تو یہ تو خالص سٹہ ہوجائے گا، لیکن جس چیز کا میں مالک ہوں، جس چیز کی قیمت ادا کی ہے، اور تین مہینے میں چار مہینے میں اس کی واپسی کی امید بھی ہے، اس کا Payment میرا اتنے ہی تاخیر سے ہوگا، جب میں ڈلیوری کروگا اسی کے بعد مجھے اس کا Payment ہوگا ادائیگی ہوگی، تو یہ کیا جائز ہوگا کہ میں سودا کرلوں مستقبل بازار میں؟

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب:

میں نے یہ سمجھا ہے اس گفتگو سے کہ کمپنی کی جو پراپرٹی ہے یہ اس شیئرز کے Weight کو متعین کرنے کی بنیاد ہے، نہ یہ کہ اصل پراپرٹی کی خرید وفروخت ہوتی ہے، تو اس جائداد کی حیثیت ایک ضمان کی ہوگی، شی مبیع نہیں قرار دی جاسکتی۔

احسان صاحب:

مال کوئی بھی ہو اس کی قیمت میں اضافہ کے اور قیمت میں گرنے کے امکانات کوئی وجہ سے ہی ہوتے ہیں، آج اگر ہم کسی جگہ کوئی زمین خرید رہے ہیں، کوئی پلاٹ لے لیتے ہیں، ہم یہ سوچتے ہیں کہ ادھر آبادی بڑھنے والی ہے، آج ہم پلاٹ خریدتے ہیں کہ آبادی جب بڑھ جائے گی اس کی مانگ جب بڑھے گی ہماری زمین کی بھی قیمت بڑھ جائے گی، اسی طرح کمپنی سے بھی توقعات ہوتی ہیں کہ کمپنی کا کاروبار منافع بخش ہوگا، اس کے حصص ہم خریدلیں اس کی قیمت بڑھ جائے گی، دوسری طرف جب ہماری خریدی ہوئی جائیداد کو بھی یہ خطرہ ہو جاتا کہ اس کو سرکار قبضہ کرنے جارہی ہے، کوئی Dam بنانا چاہتی ہے یا کوئی سڑک بنانا چاہتی ہے اس کی قیمت فوراً گر جاتی ہے، اسی طرح جب

کمپنی کے کاروبار کو بھی سرکاری پالیسی سے یا دوسرے تجارتی وجوہ سے خسارہ کے امکانات بڑھ جاتے ہیں تو حصص کی قیمتیں گرنا شروع ہو جاتی ہیں، اور جب منافع کے امکانات بڑھ جاتے ہیں تو حصص کی قیمتیں بڑھتی ہیں، ایک بارش ہی کا معاملہ ہندوستان میں بہت بڑا رول ادا کرتا ہے اس میں اگر بارش اچھی ہو جاتی ہے تو پوری معیشت کے لیے یہ امید کی جاتی ہے کہ ساری معیشت جو ہے اب آگے بڑھے گی، سب کارخانوں کو کچا مال ملے گا، کاشت کار کی جیب میں پیسہ ہوگا، وہ پکا مال خریدے گا، لہٰذا پوری معیشت کو اس کا فائدہ ہوتا ہے، اور سوکھا پڑ جائے تو پوری معیشت خراب ہونے کے مواقع رہتے ہیں، اسی طرح دلی میں بمبئی میں پہلی جون سے دس جون تک کی تاریخوں میں بڑے غور سے خبریں سنی جاتی ہے ل کہ کہاں کتنی بارش ہوئی، کیا امکانات بارش کے ہیں، اور جب بارش ہو جاتی ہے تبھی شیئرز کے خریدار شیئرز خریدنا شروع کرتے ہیں، کہ اب پوری معیشت اوپر اٹھے گی، تو یہ تو مال تجارت ہے، اس مین جو بھی خرید کی جاتی ہے اسی لیے خرید کی جاتی ہے کہ آگے قیمتوں میں اضافہ ہوگا تب ہم اس کو بیچیں گے، اب وہ سوال جو میرا تھا وہ صرف اتنا تھا کہ حصص میرے پاس موجود نہیں ہیں، اور اس بات کی گنجائش ہے مستقبل بازار میں کہ میں اس کو بیچ سکتا ہوں، تو کیا میں اس کو بیچ سکتا ہوں یا نہیں؟

احسان صاحب:

جبکہ وہ قبضہ میں میرے پاس آئی ہی ہے کمپنی سے واپس......

ایک آواز:

آپ عرض مسئلہ پیش فرما رہے ہیں تو غور وخوض کے لیے وقفہ مطلوب ہے آپ کو، بس عرض مسئلہ پیش فرماتے جایئے اور طلب رائے کے لیے وقفہ لیتے رہیے۔

احسان صاحب:

اب ایک پرچہ میرے پاس آیا ہے، کسی صاحب نے چاہا ہے کہ Life Insurance اور کارخانوں کے دیگر انشورنس کی وضاحت چاہیے ان کو۔

احسان صاحب:

خرید وفروخت کے معاملہ میں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ حصص کی خرید وفروخت کئی طریقے سے کی جاتی ہے ایک تو یہ ہے کہ ذاتی طور پر دو آدمی مل جائے ہیں، ایک خریدنے والا اور ایک بیچنے والا، خریدنے والا سودا کر لیتا ہے اور بیچنے والا حوالگی دے دیتا ہے اس کو، اور اس سے قیمت لے لیتا ہے، یہ بہت ہی کم ہوتا ہے، حصص بازار میں خرید و فروخت ہوتی ہے حصص کی، وہ منظم بازار ہوتے ہیں، اور ان بازاروں کا طریقہ یہ ہے کہ سودوں کا ایک وقفہ طے ہو جاتا ہے کہ پیر کے دن سے جمعہ کے دن تک سودے ہوں گے، اور یہ سودے سارے لکھے جاتے رہیں گے کہ پانچ دن کیا سودے ہوئے، جن لوگوں نے اپنے حصص بیچے ہیں وہ حصص بازار میں سنیچر کے دن اپنے اپنے بروکرس کے ذریعہ حصص دے دیں گے، جن لوگوں نے وہ حصص خریدے ہیں وہ حصص ان کے بروکرس بیچنے والوں کے بروکرس سے حصص لے

لیتے ہیں اور اپنے خریدار کو مطلع کردیتے ہیں کہ آپ کے حصص آگئے ہیں، اب آپ پیسہ ادا کردیجئے اور یہ لے جائیے، وہ حصص اپنے گراہکوں کو دینے کے بعد ان سے پیسہ لے کر وہ اسٹاک ایکسچینج میں پیسہ جمع کردیتے ہیں، منظم بازار کے کھاتے میں پیسہ جمع کردیتے ہیں، اور منظم بازار کے کھاتے سے پیسہ بیچنے والوں کے بروکرس کو مل جاتا ہے، اور بیچنے والا بروکر بیچنے والوں کو ہمنٹ کرتا ہے اس کا، اس میں سودے خریدار اور مال کے درمیان ڈائریکٹ نہیں ہوتے ہیں، بروکرس کے ذریعہ ہوتے ہیں سارے سودے، تو یہ پانچ دن تک جو سودے ہوتے ہیں اس میں ایسے امکانات کافی رہتے ہیں کہ جن لوگوں نے آج حصص بیچے ہیں اس کی قیمت گرجانے کے بعد وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ لاؤ ہم پھر خرید لیں اس کو، یا جن لوگوں نے خریدے ہیں اگلے دن بازار میں قیمت بڑھ گئی وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ لاؤ بڑھی ہوئی قیمت پہ بیچ دیں، تو اس میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں، ایک تو سٹے والے ہوتے ہیں خالص، جن کی نیت پوری قیمت ادا کرنے کی نہیں ہوتی، اور نہ مال اٹھانے کی نیت ہوتی ہے، وہ یہی چاہتے ہیں کہ جو ڈیفرنس ہمیں مل جائے وہی ہم لے لیں اور سودا کاٹ دیں ہم بیچ میں، دوسرے اسی طرح کے فروخت کرنے والے بھی سٹے والے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس حصص ہوتے ہی نہیں اور وہ اس امید پہ حصص بیچ دیتے ہیں کہ کل بازار میں قیمتیں گرنے والی ہیں، جب حقیقت میں قیمت گرجائے گی تو ہم واپس اس کو خرید لیں گے، اور اس طرح سے ہمارا سودا برابر ہوگا، ایک طرف ہم نے بیچا تھا دوسری طرف ہم نے خریدا، اب ہمیں صرف ڈیفرنس مل جائے گا، نہ کچھ لینا نہ کچھ دینا، لیکن اکثریت جو ہے ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو کہ فی الواقع قیمت ادا کرنا چاہتے ہیں اور حصص اپنے قبضہ میں لینا چاہتے ہیں، لیکن ان کا بھی نظریہ یہی ہوتا ہے کہ جب بھی قیمت بڑھ جائے گی ہم بیچ دیں گے، اور اگر ایک ہی وقفہ میں قیمت بڑھ جاتی ہے تو پھر ان کو ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ حصص لیں اور ادا کریں اس کی قیمت، بلکہ ان کے دونوں سودے لکھ لئے جاتے ہیں اور ان کا بروکر ان سے صرف ڈیفرنس لے لیتا ہے کہ اب آپ کا کوئی سودا نہیں کھڑا رہا ہے، جو آپ نے خریدے تھے وہ آپ نے بیچ دیئے، آپ نے اتنی اضافی قیمت پہ بیچے، یہ کمیشن کاٹنے کے بعد آپ کو مل گیا، اسی طرح جو آدمی خسارہ کا سودا کرتا ہے وہ بھی ڈیفرنس دے دیتا ہے، تو ایسی صورت میں کیا یہ جائز ہوگا کہ اس طرح Clearing میں ایک ہی وقفہ کے دوران جو ہم نے حصص خریدے ہیں وہ بیچ دیں، جبکہ فی الواقع ہماری نیت یہ تھی کہ ہم وہ حصص خرید کر اپنے پاس رکھیں گے اور جب بھی قیمت بڑھے گی اس کو بیچ دیں گے، اتفاق یہ ہوا کہ قیمت اگلے دن کو بڑھ گئی اسی وقفہ میں بڑھ گئی، اگر یہ قیمت پندرہ دن کے بعد بڑھی ہوتی تو اب ہمیں حصص لینے بھی ہوتے اور اس کی قیمت ادا کرنی ہوتی، اور پندرہ دن کے بعد بیچے ہوتے تب پھر حصص ڈالنے ہوتے اور اس کا واپس پیسہ لینا ہوتا، لیکن چونکہ ایک ہی وقفہ تجارت میں یہ دونوں سودے ہوگئے، اور اس میں مارکیٹ یہ کہتا ہے کہ جب ایک وقفہ تجارت میں ہوگئے تو آپ کو ضرورت نہیں کہ آپ حصص ڈالیں اور اس کی قیمت لیں اور پھر دوبارہ اس کو بیچیں، تو ایک ہی وقت میں وہ سودا پورا ہوجاتا ہے، کچھ وضاحت چاہیں گے اس میں؟

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب:

مال کی جس طرح نوعیت بتائی گئی اس سے سوال پورے طور پر واضح ہوکر سامنے نہیں آیا کہ مسئلہ کیا ہے؟

احسان صاحب:

مسئلہ یہ ہے کہ حصص بازار میں سیکڑوں کی تعداد میں بروکر ہوتے ہیں اور ان سیکڑوں بروکرس کے دلال ہوتے ہیں جو کہ سودا کرنے کا حق رکھتے ہیں وہ اسٹاک ایکسچینج کے ممبر ہوتے ہیں ان کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی اس بازار میں سودا نہیں کر سکتا، اب اگر کسی آدمی کو اپنے حصص بیچنے ہیں تو وہ کسی دلال کے پاس جائے گا اور کہے گا کہ میرے حصص آپ بازار میں بیچ دیجئے، جس کو خریدنے ہیں وہ بھی کسی دلال کے پاس جائے گا اور کہے گا کہ میرے لئے اتنے حصص بازار سے خرید دیجئے (ایک دلال دونوں طرف سے ہو سکتا ہے: آواز) نہیں ایک دلال دونوں طرف سے بھی ہوگا تو پھر وہ حصص بازار میں سودا نہیں کرے گا، وہ اپنے کیبن میں بیٹھ کر دونوں کا سودا کر دے گا، وہ پھر حصص بازار میں جب سودا ہوگا تو ایک دلال دوسرے دلال سے سودا کرے گا.....اب چونکہ یہ منظم بازار ہے، اس میں جتنے بھی سودے ہوتے ہیں سب لکھے جاتے ہیں، سب کا اندراج ہوتا ہے، اور اس اندراج کے مطابق حوالگی طلب کی جاتی ہے، اور پھر جب حوالگی آجاتی ہے تو ادائیگی طلب کی جاتی ہے، اب یہ حوالگی اور ادائیگی کے جھنجھٹ سے جو دن بھر کا سودے کا ٹائم ہے اس کو بچانے کے لئے کوئی دن مقرر کر لیتے ہیں کہ روزانہ حوالگی نہیں ہوگی اور روزانہ ادائیگی نہیں ہوگی، یہ پانچ دن جو ہیں اس میں آپ سودے کرتے چلے جائیے، جو آپ کو خریدنا ہے خریدیئے جو آپ کو بیچنا ہے بیچ دیجئے، چھٹے دن دیکھیں کہ کن آدمیوں کو کتنا مال حوالے کرنا ہے، اور جب وہ حوالگی آجائے گی تو پھر جن لوگوں نے جن بروکرس نے خریدا ہے ان کے سپرد کر دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ اس کا پیسہ آپ لائیے، وہ اپنے Client جو ان کے خریدار ہیں ان سے کہیں گے کہ آپ کے شیئرز آگئے ہیں آپ پیسہ دے دیجئے، اور اس کو خریدار بروکر اسٹاک مارکیٹ کے کھاتے میں جمع کر دیتے ہیں، تو جو اسٹاک ایکسچینج اتھارٹیز ہیں وہ چیک کاٹ کر ان بروکرس کو دے دیتے ہیں جنہوں نے حوالگی ڈالی تھی، ....وہاں اتنا وقت نہیں ہوتا جو سودے کا ٹائم ہوتا ہے، اس میں صرف سودے ہی ہو رہے ہوتے ہیں اور کوئی کام نہیں ہوتا، حوالگی کا اور ادائیگی کا الگ وقت مقرر ہوتا ہے اور اس میں کم سے کم ایک ہفتہ کا وقفہ ضرور ہوتا ہے، تو جو ہم نے پیر کے دن حصص بازار میں حصص خریدے اور اس نیت سے خریدے کہ جب بھی تیزی آجائے گی ہم اس کو بیچ دیں گے، اور وہ تیزی اسی وقفہ تجارت میں آگئی، منگل میں آگئی یا بدھ میں آگئی، تو ہم نے دوسرا سودا اس کا کر دیا، بیچ دیا، اب ہمارا بروکر کہتا ہے کہ آپ کے نام کوئی سودا نہیں کھڑا ہوا جو آپ نے خریدے تھے، وہ آپ کے بک گئے، لہذا نہ آپ کو کوئی قیمت ادا کرنی ہے اور نہ آپ کو شیئرز لینے ہیں نہ دینے ہیں، سودے کا جو فرق ہے وہ آپ کو مل جائے گا، اسی طرح دوسرے شخص نے جو بیچے تھے اس نے واپس خرید لئے اسی وقفہ تجارت میں، اس سے کہہ دیتے ہیں کہ بھئی اگر تمہیں خسارہ ہوا ہے تو تم اپنا خسارہ دیدو، تمہیں ضرورت نہیں کہ شیئرز پہلے ڈالو پھر بعد میں وہی شیئرز واپس لے لو، تو کیا ایسی صورت میں یہ جائز ہوگا کہ ایک ہی وقفہ تجارت میں بغیر حصص لئے ہوئے اور بغیر اس کی قیمت ادا کئے ہوئے صرف سودے کا فرق ہی وصول کر لیا جائے اور دے دیا جائے؟

امین الحسن رضوی صاحب:

احسان صاحب مختصراً آپ کا مطلب یہ ہے کہ غائب مال کا سودا ہو رہا ہے، مال نہ ہاتھ میں آ رہا ہے......

احسان صاحب:

یہ ایک مجبوری ہے، مال بیچنے والے کے پاس مال موجود ہے، ایسا نہیں ہے کہ سرے سے مال موجود ہی نہیں ہو، لیکن انتظامیہ نے یہ سہولت رکھی ہے کہ حوالگی روز نہیں ہوگی، ہر سودے کی ہر وقت حوالگی نہیں ہوگی، ایک ہفتہ میں ایک دن حوالگی ہوگی، لہذا آپ کے ہاتھ میں جو حصص ہیں آپ رکھئے جب تک کہ وہ حوالگی کا دن نہیں آ جائے۔

مولانا برہان الدین صاحب:

نہیں مال سے مراد آپ کی مبیع ہے یا وہ حصص ہیں؟ (حصص: احسان صاحب) نہیں مال سے مراد آپ کی وہ معلوم ہوتی ہے اصل سودا۔ (نہیں مال تو حصص ہے: احسان صاحب)............لیکن آپ نے نقل نہیں کیا۔

احسان صاحب:

یہ تو مستقبل بازار کا سودا نہیں ہے، مستقبل بازار میں تو وہ چیز ہمارے پاس ہوتی ہی نہیں ہے، ہم تو اس کو آج ہی حوالے کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ انتظامیہ کے اصولوں کی وجہ سے ہم مجبور ہیں کہ ہم چھٹے دن اس کو حوالے کر سکتے ہیں، اس سے پہلے ہم حوالے ہی نہیں کر سکتے۔

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب:

یعنی بیع میں قبضہ نہیں ملا (جی ہاں، قبضہ نہیں ہوا: احسان صاحب)۔

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب:

........مکمل نہیں ہوا، اور دوبارہ جو آپ نے بیچا وہ اسی آدمی سے بیچا جس سے آپ نے خریدا تھا یا کسی اور فریق سے بیچا؟

احسان صاحب:

وہ کوئی بھی آدمی ہو سکتا ہے، ایک بات یہ بھی ہونی چاہئے، جو اصل خریدار اور اصل بکوال ہوتے ہیں ان کو دوسرے فریق کا پتہ نہیں ہوتا، وہ صرف اپنے دلال کو جانتے ہیں، ان کا دلال کہتا ہے میں نے بازار میں بیچ دیئے، اس کی ادائیگی کی ذمہ داری میرے اوپر ہے، میں نے XYZ کسی کو بیچ دیا، آپ کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہے، آپ مجھے مال دیجئے گا میں آپ کو Payment دوں گا، تو اس میں یہ بھی قابل غور مسئلہ ہے کہ آیا یہاں جس کو دلال کہا جا رہا ہے کہ وہ واقعی دلال ہے بھی یا نہیں، یا وہ خود خریدار ہے، جبکہ دوسرے فریق کا پتہ ہی نہیں ہے یہاں پر۔

مولانا برہان الدین صاحب:

اس میں ایک نقص اور ہو گیا کہ أن الواحد إذا ولی طرفی شخص، طرفی العقد، ایک دونوں کا ذمہ دار بن گیا، یہ بھی اس میں ایک نقص ہے، وہ تو ہے ہی بیع قبل القبض والا قصہ، اور یہ "واحد یتولی طرفی

العقد''، یہ غور کرنے کی بات ہے۔

احسان صاحب:

اچھا دلال اپنی کتابوں مین بھی اندراج اسی طرح سے کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جیسے ہم نے رضوی صاحب سے ایک سو شیئرز خریدے Relience کے، اور ہم نے دوسرے دلال کو بیچے، وہ جو ایک پارٹی سے خریدتا ہے وہ دوسرے دلال کو بیچتا ہے، اور اگر ان کے لیے خریدے ہیں تو یہ کہے گا کہ ہم نے رضوی صاحب کو اتنے شیئرز بیچے اور میں نے فلاں دلال سے یہ خریدے، تو اصل جو بیچنے والا شخص کا ہے اس سے یہ دلال بھی ناواقف ہے۔

ایک آواز:

جس طرح دلال جو دوسرے مشتری جو جانتا ہے، بائع کو بھی جانتا ہے کہ وہ بھی مجہول ہے، شیئرز جس سے خرید رہا ہے اس کو تو جانتا ہے، جس سے بیچا اس کو تو جانتا ہے۔

احسان صاحب:

ایک شیئرز آپ بیچنا چاہتے ہیں بازار میں، تو اپ کا دلال آپ کو جانتا ہے اور پھر بازار کے دوسرے دلال کو وہ شیئرز بیچ رہا ہے آپ کے والے اس کو جانتا ہے، اس سے جو خریدار ہے اصل شیئرز کا پیچھے اس کو وہ نہیں جانتا ہے، اس کا تعلق صرف دلال سے ہی رہتا ہے، آپس میں دلالوں کا تعلق خریدار اور بکوال کی حیثیت میں ہوتا ہے بازار کے اندر، ایک دلال دوسرے دلال کو مال بیچتا ہے، اور اسی طرح سے خریدتا ہے۔

ایک آواز:

بیچنے اور خریدنے والے جانتے نہیں ہیں کس سے بیچ رہے ہیں کس سے خرید رہے ہیں، صرف دلال کو جانتے ہیں وہ۔

احسان صاحب:

جس دلال کے لیے جو دوسرا دلال ہے وہی خریدار ہے، بیچنے والے تو فلاں صاحب ہیں دلال کی نظر میں، خریدار دوسرا دلال ہے۔

ایک سوال غیر مالیاتی خدمات سے متعلق ہے، (ایک بائع کا وکیل ہوا، ایک مشتری کا وکیل ہوا: ایک آواز) بائع ومشتری کا پتہ تو چلنا چاہیے کون ہیں آپس مین، ان کو پتہ نہیں ہوتا...... ہاں اپنے اپنے کا پتہ ہوتا ہے، دوسرے کا پتہ نہیں ہوتا۔

ایک سوال غیر مالیاتی خدمات سے متعلق ہے کہ مالیاتی ادارہ سے لوگ اکثر تجارتی اسکیمیں بنواتے ہیں کمپنی سے، کہتے ہیں کہ ہمیں ملیری کی ایک اسکیم بنا کر دیجیے، مالیاتی ادارہ پورا پروجیکٹ اس کا بناتا ہے کہ کتنا آپ اس میں سرمایہ حصص رکھیں گے، کتنا کل سرمایہ درکار ہوگا، مشینری کہاں سے ملے گی، لیبر کے کیا امکانات ہیں، کتنا اس میں خرچ آئے گا، اور کتنا اس میں منافع ہوگا، یہ مکمل اسکیم بنواتے ہیں، اس اسکیم کے اندر ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں

سرمایہ حصص اتنا ہوگا، اتنا آپ کو بینک سے قرض مل سکتا ہے، تو کیا ایسی اسکیم بنا کے اجرت حاصل کرنا جائز ہوگا جس میں کہ قرض بھی موجود ہو بینکوں کا؟ اور عام طور سے یہ مالیاتی ادارے قرض منظور بھی کراتے ہیں بینکوں سے، اسکیم بناتے ہی نہیں ہیں بلکہ اس کو مکمل کراتے ہیں (...... ایک اسکیم بنانے کا ایک قرض دلوانے کا دونوں کو آپ مخلوط کیوں کر رہے ہیں اُس کو الگ رکھئے اور اِس کو الگ رکھئے: عبدالعظیم اصلاحی صاحب) ہاں دونوں الگ الگ رکھتے ہیں، صرف پروجیکٹس بھی بکتے ہیں، ایسی بات نہیں ہے پروجیکٹ رپورٹ بھی بکتے ہیں، وہ بھی صحیح فرمایا آپ نے۔

قاضی صاحب:

میرا خیال یہ ہے کہ اب آپ کی بحث ختم کی جائے، اور Banking کے مسئلہ پر جن باتوں پر کل اتفاق ہوا ان کو لکھ لیا جائے، اور باقی نکات کے بارے میں لکھ دیا جائے کہ یہ اجلاس ہدایت کرتا ہے مجمع الفقہ الاسلامی کو کہ وہ اس سلسلہ میں مخصوص نشست بلائے جو خاص اسی موضوع پر بحث کے لئے ہو، اس میں علماء و محقق بھی رہیں اور جو ان امور کے ماہر ہیں وہ بھی رہیں،........ احسان صاحب، کھنکھے صاحب اور رضوی صاحب سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ایک کمرہ میں بیٹھ کر جن مسائل پر کل اتفاق ہو چکا ہے ان کی فہرست بنا دیں اور باقی جملہ مسائل جو بینکنگ سے متعلق آئے ہیں ان تمام سوالات کو مزید منقح کر کے آئندہ اس سلسلہ میں منعقد ہونے والے کسی خصوصی اجتماع میں پیش کیا جائے، اس پر فیصلہ ابھی ہم لوگ نہیں کریں گے۔

☆☆☆☆☆

تجاویز:

اسلامی مالیاتی ادارہ اور کمپنیز کے شیئرز

مجمع الفقہ الاسلامی (الہند) کے چھٹے فقہی سمینار میں بینکنگ اور شیئرز سے متعلق بھی کچھ مسائل زیر بحث آئے، اور بحث کے نتیجے میں درج ذیل اتفاقی نقطے سامنے آئے:

۱۔ اسلامی مالیاتی ادارہ کو ریزرو بینک کے حکم کی وجہ سے جبراً اپنے سرمایے کا پانچ فیصد حصہ سرکاری تمسکات میں محفوظ کرنا پڑتا ہے، اس پر حکومت سود بھی دیتی ہے، تو شرکاء سمینار کے نزدیک یہ صورت درست ہے کہ اس محفوظ سرمایہ پر ملنے والے سود کو بتدریج محفوظ سرمایہ بنا دیا جائے، اور اصل سرمایہ دھیرے دھیرے نکال لیا جائے۔(۱)

۲۔ ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حلال ہے اسلامی مالیاتی ادارہ یا کوئی بھی مسلمان ان کے شیئرز خرید سکتا ہے۔

۳۔ ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حرام ہے، ان کے شیئرز کی خریداری ہرگز جائز نہیں ہے۔

۴۔ بینکنگ و شیئرز کے دوسرے بہت سے مسائل جو کہ سمینار میں پیش کئے گئے، ان کے متعلق یہ سمینار مجمع الفقہ الاسلامی الہند کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ وہ ان مسائل کی پورے طور پر تحقیق و تنقیح کے لئے ماہرین وعلماء کا ایک خصوصی اجلاس منعقد کرے، تاکہ وہ غور وخوض کے بعد کسی آخری رائے تک پہنچ سکیں۔

۱۔ چھٹے فقہی سمینار میں اسلامی مالیاتی ادارہ اور کمپنیز سے متعلق جو سوالات پیش کئے گئے، جو گذشتہ صفحات میں مذکور ہو چکے ہیں، ان کے علاوہ اسلامی بنکنگ سے متعلق بھی پندرہ سوالات پر مشتمل ایک مفصل سوالنامہ کے نکات زیر غور آئے تھے، یہ فیصلہ اسی سوالنامہ کے سوال نمبر ۳ سے متعلق ہے، دیگر سوالات پر فیصلے طے نہیں پا سکے تھے۔

تیسرا موضوع:

مرابحہ سے متعلق ایک سوال

مرابحہ سے متعلق ایک سوال

ایک شخص روئی کی تجارت کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس روئی خریدنے کے لئے رقم نہیں ہے، وہ رقم حاصل کرنے کے لئے کسی اسلامی بینک سے رجوع کرتا ہے۔ اسلامی بینک ملکی قانون کے تحت تجارت نہیں کرسکتا، وہ ملک کے مرکزی بینک کے ذریعہ طے شدہ شرح سود پر صرف قرض دے سکتا ہے۔ لہذا اسلامی بینک اس شخص کے سامنے یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ بینک زبانی طور پر اسے مرابحہ کے تحت ایک کوئنٹل روئی پر، جس کی بازاری قیمت ۲۰۰۰ روپے ہے، اپنا منافع (مرکزی بینک کے ذریعہ طے شدہ شرح سود کے عین مطابق) ۴۰ روپئے کا اضافہ کر کے دو ماہ کے لئے ادھار فروخت کرے گا۔ لیکن ملکی قانون کی پابندی کی مجبوری کے تحت بینک تحریر میں قیمت فروخت کو دو حصوں ۲۰۰۰ روپے اور ۴۰ روپے میں تقسیم کر کے بالترتیب دو ماہ کے لئے رقم قرض اور اس پر واجب سود کی شکل میں ظاہر کرے گا۔

کیا ملکی قانون کی پابندی کی مجبوری کے تحت مرابحہ کے معاملہ کو قرض کے معاملے کی شکل میں تحریری طور سے ظاہر کرنا جائز ہوگا؟

جوابات:

اگر یہ شخص واقعی روئی ہی کی تجارت کرنے پر اور سودی قرض لے کر یہ تجارت کرنے پر مجبور ہے اور غیر سودی قرض نہیں مل رہا ہے تو "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (الاشباہ والنظائر) کے شرعی ضابطہ کے تحت حکومت کے مرکزی بینک سے یہ معاملہ کرسکتا ہے، پھر اس کے باوجود اسلامی بینک سے کیوں رجوع کرتا ہے، اور پھر اسلامی بینک بھی واجب سود کی شکل میں ظاہر کرے گا، لہذا پہلے اس تنقیح کی شرعی وجہ وحکم شرعی معلوم کرنے کے لئے واضح کرنا ضروری ہے، بغیر اس کے حکم شرعی منقح نہ ہوگا۔

مفتی نظام الدین دارالعلوم دیوبند۔

مرابحہ کی جو شکل پیش کی گئی ہے وہ سودخوری کے لئے حیلہ ہے، اس لئے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

شمس پیرزادہ، ممبئی

اسلامی بینک ملکی قانون کے تحت تجارت کرنے کا مجاز نہ ہونے کی وجہ سے مرابحہ کے معاملہ کو قرض کی صورت میں ظاہر کرسکتا ہے بشرطیکہ اسلامی بینک روپیہ قرض نہ دے بلکہ تجارتی سامان خرید کر تجارت کرنے والے کے ہاتھ مرابحۃً فروخت کرے۔

محفوظ الرحمن، جامعہ مفتاح العلوم مئو

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک بعید سی تاویل وتوجیہ کر کے اس شکل کے جواز کی گنجائش نظر آتی ہے۔ واللہ اعلم

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی